



فتاویٰ شامی

مسمیٰ رد المحتار

از محمد امین بن عمر الشیرازی عابدین رحمۃ اللہ علیہ

در مختار تنویر الابصار

از محمد بن علی بن محمد الحصفی رحمۃ اللہ علیہ از محمد بن عبد اللہ بن احمد التمری رحمۃ اللہ علیہ

ترجمہ: ادارہ ضیاء المصنفین بھیرہ شریف

ضیاء القرآن پبلی کیشنز
لاہور پاکستان

فتاویٰ شامی مترجم

جلد دہم

مسمیٰ رد المحتار

از محمد امین بن عمر الشہیرا بن عابدین رحمۃ اللہ علیہ

در مختار

از محمد بن علی بن محمد الحصفی رحمۃ اللہ علیہ

تنویر الابصار

از محمد بن عبد اللہ بن احمد التمراشی رحمۃ اللہ علیہ

نور الہدیٰ: ادارہ ضیاء المصنفین بھیرہ شریف

ضیاء القرآن پبلی کیشنز
لاہور کراچی پاکستان

۵۸۲۸۸-۲-۱۱

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

نام کتاب	فتاویٰ شامی مترجم (جلد دہم)
مصنف	محمد امین بن عمر الشہیر بابن عابدین رحمۃ اللہ علیہ
مترجمین	علامہ ملک محمد بوستان، علامہ سید محمد اقبال شاہ، علامہ محمد انور مگھالوی من علماء دارالعلوم محمدیہ غوثیہ، بھیرہ شریف
زیر اہتمام	ادارہ ضیاء المصنفین، بھیرہ شریف
ناشر	محمد حفیظ البرکات شاہ
تاریخ اشاعت	ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور ستمبر 2017ء
تعداد	ایک ہزار
کمپیوٹر کوڈ	FQ28

2017-335

159~34
جلد 10

ملنے کے پتے

ضیاء القرآن پبلی کیشنز

داتا دربار روڈ، لاہور۔ فون:- 37221953 فیکس:- 042-37238010

9۔ الکریم مارکیٹ، اردو بازار، لاہور۔ فون:- 37247350 فیکس:- 042-37225085

14۔ انفال سنٹر، اردو بازار، کراچی

فون:- 021-32212011-32630411 فیکس:- 021-32210212

e-mail:- info@zia-ul-quran.com

Website:- www.ziaulquran.com

فہرست مضامین

17	قاضی کے مکتوب میں معاینہ کے بغیر عدل کرنا جائز	17	مقدمہ از طرف شیخ محمد بن حسن بيطار رحمۃ اللہ علیہ
45	ہے	17	مسودہ کا منہج
20	اوقاف اور یتیم کے اموال سے جو چیز پیدا ہوتی	20	جب نکرہ کا ارادہ کیا جائے تو وہ معرفہ ہو جاتا ہے
48	ہے قاضی کے لیے اس کا لینا جائز نہیں	22	اقرار کے بعد دعویٰ کی تصدیق قسم کے ساتھ کی جائے گی
22	کتاب الشہادات	23	مال کے اقرار کو رد کرنے کے مسائل
51	گواہیوں کا بیان	25	مسئلہ غمہ
52	شہادت کی ادائیگی کی شرائط کا بیان	28	بیع کا بغیر ثمن کے اقرار باطل ہے
53	شہادت کے رکن کا معنی	30	ہر وہ تحریر جس کے آخر میں ان شاء اللہ لکھا ہو وہ باطل ہو جائے گی
56	کیا آخرت میں اجر کی امید پر شاہد پر جرح کو قبول کیا جائے گا؟	32	تحریم الحال حق کو ساقط کرنے کی حجت ہے نہ کہ حق کو ثابت کرنے کی
60	ایسے عیوب میں جن پر مرد مطلع نہیں ہو سکتے گواہی کا نصاب	32	اجرت کو ثابت کرنے کے لیے ظاہر حال سے استدلال کیا جاتا ہے
62	عدالت کی تفسیر	34	وارث اگر غیر کے ساتھ محبوب ہو تو اس کا حکم اس مدت کا بیان جس مدت تک قاضی فیصلے میں تاخیر کر سکتا ہے
70	قاضی خان ان عظیم فقہاء میں سے ہیں جن کی تصحیحات پر اعتماد کیا جاتا ہے	35	عین اور دین میں فرق
72	وہ بارہ مسائل جن میں ایک عامل آدمی کی گواہی کافی ہے	37	اگر وصی حقیقہ یا حکماً وصیت کو قبول کر لے تو وہ اپنے آپ کو معزول نہیں کر سکتا
74	وہ آدمی جو اپنی تحریر لکھے اور اسے واقعہ یاد نہ ہو تو اس کی شہادت کا حکم	39	قاضی کے امین کی تعریف
39	وہ دس امور جن میں آنکھوں سے دیکھے بغیر گواہی دے سکتا ہے اور ایک دوسرے کو شہادت سنانے کا معنی	41	اس مسئلے کا بیان جس میں نگران کا نائب قاضی کے
75	کا معنی	42	اس مسئلے کا بیان جس میں نگران کا نائب قاضی کے

باب القبول وعدمہ

بلا عذر جمعہ اور جماعت کو ترک کرنے والے کی		شہادت کی قبولیت کے متعلق احکام	
105 گواہی معتبر نہیں	80	وہ شخص قاضی پر جس کی شہادت قبول کرنا واجب یا	
جو شخص امام اعظم "ابو حنیفہ" رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب کو		غیر واجب ہے	
خفیف جانتے ہوئے چھوڑتا ہے اس کی گواہی معتبر	80	خطابیہ کی حقیقت اور نظریات	
106 نہیں	81	ذمی اگر عامل ہو تو اس کی شہادت اپنے جیسے ذمی	
وہ شخص جس کی گواہی کسی علت کی وجہ سے قبول نہ ہو		کے خلاف قبول کی جائے گی سوائے پانچ مسائل	
107 اس کے لیے اس کا چھپانا اور گواہی دینا جائز ہے	82	کے	
لہو یا مال جمع کرنے کے لیے گانا بالا جماع حرام	84	کبیرہ گناہ کا ضابطہ	
109 ہے		کبیرہ گناہ کا ارتکاب عدالت کو ساقط کرنے کا	
اپنے لیے یا دوسرے کو سنانے کے لیے گانے کا حکم	84	موجب ہے	
110 ابن شحنے اہل اختیار میں سے نہیں ہے		ذمی میت جس کا وصی مسلمان ہو کے خلاف گواہی کا	
111 کیا شرط نج کھیلنے سے عدالت ساقط ہو جاتی ہے؟	87	حکم	
113 جو صحابہ کو برا بھلا کہے اس کی شہادت قبول نہیں	90	اہل حرفہ کی شہادت کا حکم	
قاضی کے معزول کرنے سے وصی معزول ہو جائے		کسی شخص کا اپنے باپ کے پیشہ سے ادنیٰ پیشہ کی	
115 گا	90	طرف عدول عدم مروت کی دلیل نہیں	
وکالت جب قضا کے ساتھ متصل ہو تو وکیل موکل	91	ناہینا کی شہادت کا حکم	
118 کے حق میں غرما کے خلاف خصم ہو جاتا ہے	95	فاسق جب توبہ کر لے تو اس کی شہادت کا حکم	
120 جرح تعدیل پر مقدم ہے		بیوی کی گواہی خاوند کے حق میں اور خاوند کی گواہی	
عدالت ثابت ہونے کے بعد مرتفع نہیں ہوتی مگر	96	بیوی کے حق میں قبول نہیں	
123 شرح یا بندے کے حق کو ثابت کرنے کے ساتھ	98	فرع کی اصل کے حق میں گواہی کا حکم	
124 جرح مرکب	100	خاص شاگرد شیخ کے بیٹوں کی طرح ہے	
127 شارح رحمۃ اللہ علیہ کی کلام پر اشکال	101	ایسی فرع جو اپنے محل میں نہ ہو	
128 بینات کے تعارض میں چند مسائل	103	دنیوی سبب سے دشمن کی گواہی قبول نہیں	
حالت مرض کا تصرف صحت کے تصرف سے ادنیٰ		زکوٰۃ کی ادائیگی میں بلا عذر تاخیر عدالت کو ساقط کر	
130 ہے	104	دیتی ہے	
جبر اور رضا مند کی گواہیاں قائم کی گئیں تو جبر والی			

گواہیاں مقدم ہوں گی	131	گواہی سے رجوع میں اعتبار بقیہ گواہوں کا ہو گا نہ	169
نفی متواتر کی شہادت مقبول ہے	132	کہ اس کا جس نے رجوع کیا	171
باب الاختلاف فی الشہادۃ		عوض کی صورت میں اتلاف اتلاف نہ ہونے کی	
شہادت میں اختلاف کے احکام	135	طرح ہے	177
شہادت میں اختلاف کے چند مقرر قواعد	135	شرط، علت، سبب اور علامت کے درمیان فرق	
جب شہادت دعویٰ کے موافق ہو جائے تو اسے		کتاب الوکالۃ	
قبول کیا جائے گا	136	وکالت کے احکام	179
دو گواہوں کی شہادت میں لفظاً اور معنی مطابقت		جسے کسی شے پر قبضہ کرنے کا وکیل بنایا گیا ہو وہ	
واجب ہے	138	موکل کے اختیار رویت کو ساقط کرنے والا ہے	179
باب الشہادۃ علی الشہادۃ		وکیل اور قاصد میں فرق	180
گواہی پر گواہی کے احکام	152	قاصد پر یہ لازم ہے کہ وہ عقد کی نسبت بھیجنے والے	
شہادت پر شہادت کا حکم	152	کی طرف کرے وکیل کا معاملہ مختلف ہے	180
شہادت پر شہادت کی شرائط	152	امر و اذن تو وکیل ہے	180
گواہ بنانے کی کیفیت	155	صیغہ امر تو وکیل بنانا نہیں ہو گا مگر جب وہ نائب	
فرع کا اپنی اصل کو عادل قرار دینا کافی ہے	157	بنانے پر دلالت کرے	181
اگر فرع اصل کے بارے خاموش رہے یا وہ کہے		تو وکیل کا ثبوت	181
میں اس کا حال نہیں پہچانتا تو اس کا حکم	158	عام اور خاص ہونے کے اعتبار سے وکیل کی اقسام	181
عرب کے چھ طبقے ہیں	161	تو وکیل کی شرط	185
تعریف سے مقصود اختصاص اور زوال اشتراک		موکل فیہ کا ضابطہ	186
ہے	161	وکالت کے لزوم اور عدم لزوم میں امام اعظم	
باب الرجوع عن الشہادۃ		”ابو حنیفہ“ اور ”صاحبین“ رحمہ اللہ علیہم کا اختلاف	187
شہادت سے رجوع کے احکام	165	لوگوں کی کلام میں مفاہیم حجت ہوتے ہیں	189
رجوع کی شرط	165	بیع وغیرہ میں حقوق وکیل کی طرف لوٹیں گے	190
ارباب متون صرف ایسے قول پر اکتفا کرتے ہیں		ایسا عقد جس میں عقد کو موکل کی طرف منسوب کرنا	
جس کو ترجیح حاصل ہوتی ہے اور متون کا قول شروح		ضروری ہو تو اس کا حکم	192
پر مقدم ہوتا ہے	168	باب الوکالۃ بالبیع والشراء	

237	عرف لغت پر غالب ہے	196	بیع اور شرا میں وکالت کے احکام
238	وکیل بنانے اور قاصد بنانے میں فرق	196	بیع اور شرا میں وکالت کا ضابطہ
239	اوضاح کا معنی	209	وکیل کا قول اس کی قسم کے ساتھ قبول کیا جائے گا
241	موکل کے خلاف خصومت کے وکیل کا اقرار حدود و قصاص کے علاوہ میں صحیح ہے	214	فصل لا یعقد وکیل البیع والشراء
243	جو شخص مال کا ضامن ہے اسے وکیل بنانا باطل ہے	214	وکیل عقد بیع اور شرا نہیں کرے گا
250	یہین میں نیابت جاری نہیں ہوتی	215	بیع کا وکیل اقالہ کا مالک ہوتا ہے شرا کا وکیل اقالہ کا مالک نہیں ہوگا
254	بیع سلم کے لیے وکیل بنانا صحیح ہے، عقد سلم کو قبول کرنے کے لیے وکیل کرنا صحیح نہیں	215	بیع کا وکیل اپنے لیے خریدنے کا مالک نہیں ہوتا
257	باب عزل الوکیل	217	وہ تمام افراد جو کسی چیز پر غلبہ پانے کے ساتھ اس میں تصرف کرتے ہیں ان کا حکم پانچ طریقوں پر ہے
257	وکیل کو معزول کرنے کے احکام	222	وصیت اور وکالت میں خیر ہونے کی تفسیر
260	جب تک وکیل کے ساتھ غیر کا حق متعلق نہ ہو موکل جب چاہے وکیل کو معزول کر سکتا ہے	222	ہر وہ امر جسے موکل مقید نہ کرے اگر وہ ہر اعتبار سے مفید ہو تو اس کی رعایت لازمی ہے
264	وکیل کا اپنے آپ کو معزول کرنا	224	اگر بیع کو عیب کی وجہ سے بیع کے وکیل پر لوٹا دیا گیا تو وکیل اسے آمر پر لوٹا دے گا
272	وکیل جب مرتد ہو کر دارالحرب چلا جائے تو وہ معزول ہو جاتا ہے	231	وکالت میں اصل خصوص اور مضاربت میں اصل عموم ہے
272	کتاب الدعویٰ	234	کسی معاملے کے دو وکیلوں میں سے ایک کا اکیلے تصرف نافذ نہیں ہوگا
273	دعویٰ کے احکام	235	وہ شخص جسے کسی امر میں وکیل بنایا گیا ہو اس میں وہ کسی اور کو وکیل نہیں بنا سکتا
276	لفظ دعویٰ کی لغوی تحقیق	237	زواہر الجواہر اور تنویر البصائر کا تعارف
276	اگر شہر میں دو قاضی ہوں تو مدعی علیہ کو اختیار ہوگا	237	چھوٹے بچے کے مال میں ولایت
276	دعویٰ کا رکن	237	باب الوکالة بالخصومة والقبض
276	دعویٰ کے جواز کی شرط	237	خصومت اور قبضہ کرنے کی وکالت کے احکام
278	دعویٰ کا حکم	237	
278	دعویٰ کا سبب	237	
280	اگر کوئی ایسی چیز کا دعویٰ کرے جس کی جنس، نوع اور صفت مختلف ہو تو اس کا حکم	237	

327	کریں تو اس کا شرعی حکم	282	اگر کوئی ایسی شے کی قیمت کا دعویٰ کرے جسے قصداً ہلاک کیا گیا ہو تو اس کا حکم
329	اگر موجر اور مستاجر بدل اجارہ میں یا مدت کی مقدار میں اختلاف کریں تو اس کا حکم	284	محکمہ زمین میں جو عمارت ہوتی ہے اس میں شفعہ ثابت ہوتا ہے
330	اگر زوجین میں ایسے گھر میں اختلاف ہو جائے جو دونوں کا یا ایک کا ہو تو اس کا حکم	285	اگر آدمی مشہور نہ ہو تو زمین کی حدود کے مالکوں کے ناموں کے ساتھ دادا کا نام ذکر کرنا ضروری ہے
332	اگر زوجین میں سے ہر ایک ایسی چیز بیچتا ہو جو دوسرے کے مناسب ہو تو اس کا حکم	288	جو متون اور شروح میں ہے وہ فتاویٰ پر مقدم ہے
334	”مشکل“ میں اختلاف کی صورت میں فقہاء کے اقوال	289	تمام قسموں کے دعوؤں میں مدعی کو قسم کا مطالبہ کرنے کا حق ہوگا سوائے چار قسموں کے دعوؤں کے
339	فصل فی دفع الدعاوی	296	قسم سے انکار کی وجہ سے مدعی علیہ کے لیے گواہیاں پیش کرنے کا حکم
341	دعوؤں کو رد کرنے کے احکام	298	نو چیزوں میں قسم نہیں
341	اگر کسی نے قسم اٹھائی کہ وہ فلاں کو نہیں پہچانتا جب کہ وہ اسے چہرے سے پہچانتا ہو تو وہ حائث نہیں ہوگا	299	دو پہیلیوں کا ذکر
341	ملک مطلق کی وجہ سے مدعی کی خصوصیت رد کر دی جائے گی کیونکہ ان لوگوں کا قبضہ خصومت کا قبضہ نہیں	300	عورت سے قسم کو دور کرنے کا حیلہ
341	اگر قابض حیلہ کرنے میں معروف ہو تو خصومت مندفع نہ ہوگی	313	مدعی دین کا عین میں ملک کا یا یمین میں حق کا دعویٰ کرے تو اس کی صورتیں
342	باب دعوی الرجلین	319	باب التحالف
350	دو آدمیوں کا دعوی کے احکام	319	باہم قسم اٹھانے کے احکام
350	ملک مطلق میں غیر قابض کی حجت قابض کی حجت پر مقدم ہوگی	320	اگر بائع اور مشتری میں ثمن یا مبیع کی مقدار میں اختلاف ہو جائے تو اس کا حکم
351	جب غیر قابض اور قابض کسی چھوٹے بچے کے نسب پر گواہیاں قائم کر دیں تو اس کا حکم	320	اگر عاقدین میں سے کسی کے پاس خیار ہو تو وہ عقد کو فسخ کر سکتا ہے تقسیم کی ضرورت نہیں
	اگر قابض کسی شے پر گواہیاں قائم کریں تو دونوں	322	قسم کا آغاز مشتری سے ہوگا
			اختلاف کی صورت میں قول قسم کے ساتھ معتبر ہوگا
			اگر زوجین مہر کی مقدار یا اس کی جنس میں اختلاف

391	352	کے حق میں فیصلہ کر دیا جائے گا
397		اگر دو آدمی نکاح کے دعویٰ میں گواہیاں قائم کر دیں
397	353	تو اس کا حکم
		وہ چیز جسے دو آدمی خریدنے کا دعویٰ کریں وہ اس کی
400	355	ہوگی جس کی تاریخ مقدم ہوگی
400		اگر ایک آدمی فسق، بچوں سے محبت اور حیلہ سازی
	356	میں مصروف ہو تو اس کے دعویٰ کو نہیں سنا جائے گا
400		خریدنا یہ ہبہ، صدقہ اور دین سے زیادہ حق کو ثابت
	357	کرتا ہے
403	360	اگر نکاح اور ہبہ جمع ہو جائیں تو اس کا حکم
		اگر غیر قابض نے ملک پر گواہیاں قائم کیں اور
405	364	قابض نے خریداری پر تو اس کا حکم
		اگر ایک نصف کا جب کہ دوسرا تمام گھر کا دعویٰ
406	367	کرے تو اس کی تقسیم میں فقہا کا موقف
		اگر دو آدمی ایک گھر کے بارے میں دعویٰ کریں
408	373	اور ایک اس میں رہائش پذیر ہو تو اس کا حکم
408	374	دیوار کی ملکیت کا حکم
	377	راستہ کی تقسیم
414	377	جسے مالکوں کی تعداد کے اعتبار سے تقسیم کیا جاتا ہے
		باب دعویٰ النسب
		نسب کے احکام
421	380	دعوہ اور دعوہ میں فرق
421	390	نسب میں تناقض معاف ہے
		اگر کوئی آدمی کسی کے متعلق چچا کے بیٹے ہونے کا
425	390	دعویٰ کرتا ہے تو یہ صحیح نہ ہوگا
428		خصم کے خلاف ہی دعویٰ سنا جائے گا وہ وارث ہو،
		غایت کے بارے میں آئمہ احناف کا اختلاف

464	وارث سے دین پر قبضہ کا اقرار صحیح نہیں	432	پوروں سے گننے کے ساتھ بھی ہوتا ہے
470	وہ عورت جس کو تین طلاقیں دی گئی ہو اس کے حق میں اقرار کا حکم	434	اگر مدعی علیہ قاضی کے پاس کہے: جو کچھ مدعی کی تحریر میں ہے اسے میں نے اپنے اوپر لازم کر لیا ہے تو یہ اقرار نہیں
477	اگر مقررہ مقرر کی تصدیق نہ کرے تو وہ اقرار سے رجوع کر سکتا ہے	باب الاستثناء	
478	اگر کوئی باپ کے فوت ہونے کے بعد کسی کے بارے بھائی ہونے کا اقرار کرے تو اس کا حکم	استثنا کے احکام	
480	اگر میت کا بھائی کسی کے متعلق میت کا بیٹا ہونے کا اقرار کرے تو کیا وہ اقرار صحیح ہوگا؟	استثنا کے صحیح ہونے کے لیے مستثنیٰ کا مستثنیٰ منہ کے ساتھ اتصال ضروری ہے	
	فصل فی مسائل شتی	مقدر سے مقدر کی استثنائیں فقہاء کا اختلاف	
482	متفرق مسائل کے احکام	جب استناد و عدد کی ہوجن کے درمیان حرف شک ہو تو اقل عدد ماقبل کے حکم سے خارج ہوگا	
482	اقرار مقرر پر حجت قاصرہ ہے یہ غیر کی طرف متعدی نہیں ہوگا	اقرار کو مشیت کے ساتھ معلق کرنے کا حکم	
482	اگر کوئی مجہول النسب عورت کسی کے حق میں غلامی کا اقرار کرے تو اس کا حکم	دار سے بیت کی استثناء صحیح ہے لیکن بنا کی استثناء صحیح نہیں	
483	نشہ میں مست آدمی جب اپنے بارے زنا اور سرقہ کا اقرار کرے تو اس پر حد جاری نہ ہوگی	باب اقرار المريض	
487	اگر کوئی آدمی کسی پر وقف کر لے موقوف لہ اسے قبول کر لے پھر واقف اسے رد کر دے تو وہ رد نہیں ہوگا	مريض کے اقرار کے احکام	
488	وارث کا یہ اقرار کرنا کہ اس نے وہ مال لے لیا جو والد کا لوگوں پر تھا تو اس میں بری کرنا لازم نہیں آتا	مريض کی تعریف	
490	اگر ایک وارث دوسرے ورثا سے صلح کر لے اور عام بری کر دے پھر ترکہ میں سے کوئی چیز ظاہر ہو تو دعویٰ کے جواز اور عدم جواز میں فقہاء کی روایات	مريض کے اقرار کا حکم	
491	وہ شخص جس کے لیے وقف کے تمام یا بعض	مريض کا اپنے مدیون کو بری کرنا جب کہ وہ خود مدیون ہو جائز نہیں	
		کسی مريض کا اپنے کسی وارث پر دین ہو اور وہ اسے بری کر دے تو یہ جائز نہیں	
		اگر کوئی اپنے وارث اور اجنبی کے لیے دین مشترکہ کا اقرار کرے تو یہ باطل ہے	
		ایسا مريض جو مرض موت میں مر گیا تو اس کا اپنے	

محصولات کی شرط لگائی گئی تو اس کا حکم	495	فصل فی التّخارج
اگر مقرر منافع غیر کے لیے بنائے یا ساقط کرے مگر کسی کے لیے معین نہ کرے تو یہ اقرار صحیح نہ ہوگا	496	540 ترکہ سے خارج کرنے کے احکام
محال شے اور دین سے براءت کے بعد اقرار کرنا باطل ہے	499	540 موصیٰ لہ اور وارث کا حق تقسیم سے پہلے غیر متاکد ہوتا ہے جو سقوط کا احتمال رکھتا ہے
کتاب الصلح	503	543 تہایو کے جواز اور عدم جواز کی بحث
صلح کے احکام	503	اگر وارث کسی وارث سے صلح کریں اور وہ دست بردار ہو جائے پھر میت کا دین یا عین ظاہر ہو تو کیا وہ مذکورہ صلح میں داخل ہوگا؟
صلح کی شرائط	504	546 کتاب المضاربة
صلح کی صورتیں	506	549 مضاربیت کے احکام
صلح کا حکم	511	اگر رب المال نے یہ شرط لگائی کہ وہ مضارب کے ساتھ کام کرے گا تو یہ مضاربیت فاسد ہو جائے گی
عَنْ دَعْوَى الْبَاقِي دَعْوَى کے بری کرنے کی قید ہے کیونکہ عین سے بری کرنا صحیح نہیں	514	549 ضمان کے حیلے
فقہ کا قول: اعیان سے بری کرنا باطل ہے، کا معنی اگر مغصوبہ چیز مثلی ہو اور وہ ہلاک ہو جائے تو اس کا حکم	517	اگر مضاربیت فاسد ہو جائے تو اس وقت مضارب کے لیے اجرت مثل ہوگی
کیا صلح کے صحیح ہونے کے لیے دعویٰ کا صحیح ہونا شرط ہے؟	526	551 مشترک شے کو قرض دینا جائز ہے
مودع کی مودع سے صلح کرنے کی صورتیں	528	552 دین سے عقد مضاربیت کا حکم
فصل فی دعوی الدین	532	553 مضاربیت کے فاسد ہونے کا ضابطہ
دین کے دعویٰ کے احکام	532	555 رب المال کی اجازت کے بغیر مضارب تصرف نہیں کر سکتا
مصالح عنہ کی جہالت صلح کی صحت کے مانع نہیں	534	558 مستعیر، مکاتب اور مضارب کے تصرف میں فرق
شرط متعارف کے ساتھ کفیل کی براءت صحیح ہے جب کہ غیر متعارف کے ساتھ صحیح نہیں	535	560 شرکت وجوہ کی تعریف
اگر صلح عین مشترک کے بارے میں ہو تو مصالح بدل صلح کے ساتھ ضامن ہوگا	535	565 مال مضاربیت جب مختلف اجناس ہو جائیں تو ان کا حکم
		باب المضارب یضارب
		مضاربیت مرکبہ کے احکام

614	جب ملک کا شریک تعدی کرے پھر وہ تعدی کو زائل کر دے تو ضمان زائل نہیں ہوگی	567	اگر دونوں مضاربوں میں سے ایک یا دونوں فاسد ہوں تو دونوں میں سے کسی پر ضمانت نہیں
615	عقد ایداع مالک کے مطالبہ کے ساتھ منسوخ ہو جاتا ہے	568	اگر رب المال پہلے مضارب سے ضمانت لے تو اس کا حکم
617	ہر وہ فعل جس کی وجہ سے مودع پر چٹی لازم ہوتی ہے اس کی وجہ سے مرتہن پر بھی چٹی لازم ہوگی	576	مضارب اختلاف کے وقت رب المال کے لیے اس کے مال کی مثل کا ضامن ہوگا
621	جب مودع سے ودیعت کو غصب کیا گیا تو اس کا حکم	579	فصل فی التفرقات متفرق مسائل کے احکام
622	سرقہ اور ودیعت کے حرز میں فرق		اگر مضارب رب المال کو مال مضارب بت، مضارب بت کے طور پر دے دے تو مضارب بت فاسد ہو جائے گی
628	وہ صورتیں جن میں مودع ضامن ہوگا یا نہیں کتاب العاریۃ	579	اگر مضارب شہر میں اقامت کی نیت کرے اور اسے اپنا گھر نہ بنائے تو اس کا حکم
630	عار یہ کے احکام	581	مضارب مالک سے اور مالک مضارب سے خریداری کر سکتا ہے
630	انارہ کی لغوی تعریف		کتاب الایداع
631	انارہ کی شرعی تعریف	585	ودیعت کے احکام
631	انارہ کا رکن		امانت اور ودیعت میں فرق
631	مشترک چیز کو انارہ پر دینا جائز ہے	594	کسی شخص کا ودیعت کو قبول نہ کرنا عدم ضمان کا باعث ہے
632	علمائے اصول کے نزدیک لفظ صریح کا معنی اور حکم	594	اگر پیغام رسائی سے مرسل رجوع کرے تو قاصد کے علم سے پہلے یہ صحیح ہوگا
639	جو شخص جانور عاریۃ لے یا اسے مطلقاً اجارہ پر لے کوئی قید نہ لگائے تو جو چاہے اس پر بوجھ لادے	595	وقف کا ماحصل کا موقوف علیہ مالک ہوتا ہے اگرچہ وہ اسے قبول نہ کرے
642	تیر کو عاریۃ لینا صحیح ہے	602	متولی، قاضی، وصی اور ایجنٹ ودیعت کے مال کو اپنے مال کے ساتھ ملا دے تو ضامن نہیں ہوگا
643	عار یہ مطلقہ میں ضمان نہیں	606	
644	اگر مستعیر دعویٰ کرے کہ اس نے معیر کے اذن سے کام کیا اور معیر جھٹلا دے تو اس کا حکم		
647	جب عاریہ موقت ہو تو مستعیر کسی اور کو وہ چیز ودیعت نہیں کر سکتا	610	
	وہ چیز جو مستعمل کے بدلنے سے تبدیل نہیں ہوتی		

باب الرجوع فی الہبۃ	648	مستعیر اجنبی کو بطور ودیعت دے سکتا ہے
ہبہ میں رجوع کے احکام	685	مستعیر جب عاریۃ لی گئی چیز کو پہلو میں رکھ کر سو جائے تو سفر میں ضامن نہیں ہوگا
ہبہ سے رجوع کے موانع	685	کتاب الہبۃ
وہ زیادتی جو عین میں ہو رجوع سے مانع ہے	686	ہبہ کے احکام
حمل اگر خیر میں اضافہ کرے تو رجوع کے مانع ہوگا	688	ہبہ کی تعریف میں مذکور لفظ بلا عوض کی توجیہ
ایک آدمی نے اپنی مرضی سے ہبہ کیا اور سپرد نہ کیا	657	عین کی قید پر وارد ہونے والا اعتراض اور اس کا جواب
یہاں تک کہ مر گیا تو ہبہ باطل ہو جائے گا	689	مومن پر اپنے بچے کو جود و احسان اور توحید و ایمان کی تعلیم دینا واجب ہے
عوض میں انہیں شرائط کا اعتبار کیا جائے گا جو ہبہ میں معتبر ہیں	357	ہبہ کے صحیح ہونے کی شرط
فصل فی مسائل متفرقة	658	ہبہ کا رکن
متفرق مسائل کے احکام	706	”لک“ کے ساتھ قید لگانے کا فائدہ
محل کی استثنائ کی اقسام	706	ہبہ قبول کے ساتھ صحیح ہو جاتا ہے خواہ فعل کے طریقہ پر ہو
عمری اور رقبی میں فرق اور ان کا حکم	708	وہ تیرہ عقود جو قبضہ کے بغیر صحیح نہیں ہوتے
باپ کا چھوٹے بیٹے کے حق میں اپنے مال میں سے		موہوب اگر واہب کی ملکیت کے ساتھ مشغول ہو تو اس کا مکمل ہونا ممنوع ہو جاتا ہے
معین چیز کے اقرار کا حکم	713	ایسی مشترک چیز کا ہبہ جو تقسیم ہو سکتی ہو امام ”ابو حنیفہ“ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ملکیت کا فائدہ نہیں دیتا
اگر مرد نے عورت کی طلاق کو مہر سے بری کرنے پر معلق کیا پھر عورت کو مہر دے دیا تو تعلیق باطل نہ ہوگی	663	مشترک کی نظائر
کتاب الاجارۃ	665	اگر بچے کو کوئی اجنبی ہبہ کرے تو اس کے ولی کے قبضہ سے ہبہ مکمل ہو جائے گا
اجارہ کے احکام	719	شب زفاف کے تحائف کے احکام
اجارہ کی لغوی تعریف	719	کسی کے لیے جائز نہیں کہ اپنے بیٹے کے مال میں سے کوئی شے ہبہ کرے اگرچہ عوض کے ساتھ ہو
اجارہ کی شرعی تعریف	720	
وہ الفاظ جن کے ساتھ اجارہ منعقد ہوتا ہے	722	
اجارہ کا رکن	723	
اجارہ کی شرائط	723	
اجارہ کا حکم	724	

- 724 کیا اجارہ باہم لینے اور دینے سے منعقد ہو جاتا ہے
- 726 اوقاف میں اجارہ کی مدت
- 735 اجارہ مضافہ کا حکم
- 736 اجارہ میں اجرت پوری منفعت حاصل کرنے یا منفعت حاصل کرنے کی قدرت پر لازم ہوتی ہے
- 737 اجارہ فاسدہ میں اجرت حقیقی انتفاع سے واجب ہوتی ہے
- 740 مدت گزرنے کے بعد پن چکی سے پانی کے منقطع ہونے کے بارے اختلاف ہو جائے تو اس کا حکم
- 740 غصب کے مسئلہ میں رہائش رکھنے والے کا قول معتبر نہیں ہوگا
- 740 اگر عاجز آنے اور عاجز نہ آنے میں اختلاف ہو جائے تو فیصلہ ظاہر حال کے مطابق ہوگا
- 744 اگر اجارہ مدت پر واقع ہو تو جتنے منافع وصول کیے اس کے مطابق اجرت واجب ہوگی
- 749 ولاء اور اس کی انواع
- 751 کچی اینٹیں بنانے کی مزدوری اینٹیں کھڑی کرنے کے بعد ہوگی
- 752 وہ عمل جس کا عین میں اثر ہو اس کے سبب اجیر کا عین کو محبوس کرنا جائز ہے
- 754 اگر مستاجر یہ شرط لگائے کہ اجیر خود کام کرے گا تو کوئی دوسرا اس کے قائم مقام نہیں ہو سکتا
- 756 اگر مستاجر آج یا کل کام کرنے کی شرط لگائے اور مزدور کوتاہی کرے تو اس کا حکم
- 757 کسی کو اجرت پر لیا گیا تاکہ وہ اس کے عیال لے آئے پھر ان میں سے کوئی فوت ہو جائے تو اجرت
- 757 کا حکم
- 758 اگر کوئی کسی آدمی کو زاد یا مکتوب زید تک پہنچانے کے لیے اجرت پر لے تو اس کا حکم
- 760 اگر اجیر مکتوب کو پھاڑ دے تو اس کی اجرت کا حکم
- 763 مستاجر کی طرف سے اجرت میں زیادتی مدت میں اور مدت کے بعد صحیح ہوتی ہے
- 765 اجرت مثلی کی زیادتی سے مراد
- 769 اگر وقف کی عمارت میں زیادتی فی نفسہ بڑھ جائے تو متولی کو فسخ کرنے کا اختیار ہوگا
- 775 مطلب فی البرصد والقیسۃ ومشدد
- 775 المسکۃ باب ما يجوز من الاجارة وما یكون خلافا فیہا ای فی الحجارۃ
- 775 اجارہ کے جواز کے متعلق احکام
- 775 لفظ حانوت کی لغوی تحقیق
- 775 دکان اور گھر کو اجارہ پر دینا یہ بیان کیے بغیر کہ وہ اس میں کیا کام کرے گا صحیح ہے
- 776 عمارت میں مستاجر ہر ایسا عمل کر سکتا ہے جو ضرر کا باعث نہ ہو ورنہ مالک سے اجازت ضروری ہے
- 777 اگر شرط میں موجر اور مستاجر کے درمیان اختلاف ہو جائے تو قول موجر کا معتبر ہوگا
- 779 زمین کو اجارہ پر لینے کے احکام
- 785 ہر عادل، عالم، قاضی اور امین نگران جو ظالم نہیں پر اوقاف کے مفادات کا خیال رکھنا واجب ہے
- 787 اس زمین کا بیان جو درختوں کے لیے روکی گئی ہو اور استحقار کا معنی
- 787 اگر دو آدمی زمین اجرت پر لیں پھر دونوں میں سے

815	کہے تو اس کا حکم	789	ایک مرجائے تو اجارہ منسوخ نہیں ہوگا
	باب الاجارۃ الفاسدۃ		جانور سواری کے لیے، بار برداری کے لیے اور کپڑا
820	اجارہ فاسدہ کے احکام	790	پہننے کے لیے اجرت پر لینا صحیح ہے
820	عبادت فاسدہ اور باطلہ میں کوئی فرق نہیں	791	جب اجارہ فاسد ہو گیا تو کوئی اجر نہیں ہوگا
820	اجارہ فاسدہ کا حکم	792	عبادت کے لیے کمرہ اجرت پر لینے کا شرعی حکم
821	اجارہ باطلہ کا حکم		اگر مستاجر سواری یا کپڑے کے اجارہ میں پہننے اور
823	وہ چیزیں جو اجارہ کو فاسد کر دیتی ہیں	792	سوار ہونے والے کی قید نہ لگائے تو اس کا حکم
827	عمارت کے اجارہ کا بیان		ہر وہ چیز جو مستعمل کے مختلف ہونے سے مختلف نہیں
	کل کا کلمہ ایسی چیز پر داخل ہو جس کی انتہا معلوم نہ	794	ہوتی تو اس میں مستعمل کی قید لگانا باطل ہے
832	ہو تو اس کا ادنیٰ متعین ہو جاتا ہے	795	مقدور منفعت سے زیادہ حاصل کرنا جائز نہیں
	حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حمام میں داخل ہونے		وہ اختلاف جو جنس، قدر یا صفت میں ہو ضمان کا
835	اور حدیث ما راہ المؤمنون حسنا کا مطلب	796	موجب ہوتا ہے
837	پچھنے لگانے والے کی اجرت کا حکم		اپنے پیچھے کسی اور کو بٹھانے سے سواری ہلاک ہو
838	دائی کو اجرت پر لینے کا حکم	797	جائے تو اس کا حکم
	حیوانات کو دودھ پلانے کے لیے اجرت پر لینا	800	اجر اور ضمان کا اجتماع جائز نہیں
838	فاسد ہے	801	جَوَالِقَیْن کی لغوی تحقیق
	مستاجر کے لیے دایہ کے اجارہ کو فسخ کرنے کی		مالک گھر کا کچھ حصہ اپنے لیے مشغول رکھے تو اس کا
840	صورتیں	803	حکم
841	وہ امور جو دایہ کے ذمے لازم ہیں		باپ، وصی اور معلم متعارف مار سے ضامن نہیں
841	عرف ان چیزوں میں معتبر ہے جس میں نص نہ ہو	804	ہوں گے
	اگر دایہ بچے کو بکری کا دودھ پلائے یا کھانے کی	806	جانور کو مارنے کا شرعی حکم
	غذا دے اور مدت گزر جائے تو اس کے لیے کوئی		لوگوں نے اسے چوروں سے ڈرایا اور وہ واپس نہ
842	اجر نہیں	813	لوٹا
842	ارضاع اور اطعام میں فرق		گھر کی گرتی ہوئی دیوار جو رہائش رکھنے میں مضر نہ
844	معاصی میں اجرت پر لینے کا مطلب	815	ہو سے اجارہ فسخ نہیں ہوگا
844	طاعات میں اجارہ پر لینے کا مطلب		اگر گھر کا مالک مستاجر کو گھر کی کوئی چیز تعمیر کرنے کا

باب ضمان الاجیر	تلاوت اور تہلیل وغیرہ میں اجارہ کے عدم جواز میں
اجیر کی ضمانت کے احکام	اہم تحریر
اجیر مشترک کی بحث	بعض عمل کے بدلے اجرت پر لینا اجارہ کو فاسد کر دیتا ہے
اجیر مشترک کی تعریف	اس اجارہ فاسدہ کو صحیح کرنے کا حیلہ
اجیر مشترک اور اجیر خاص کا حکم	علامہ زیلعی کا اشکال اور مصنف کی طرف سے
عمل اور محل کے مختلف ہونے یا نہ ہونے میں اختیار	جواب
روایت کا حکم	قیاس اور اثر عرف عام کے ساتھ خاص ہوتا ہے نہ
امام صاحب رحمہ اللہ کے قول پر قیاس کے مطابق	کہ خاص کے ساتھ
فتویٰ دیا جائے گا	اگر موجر اور مستاجر کے درمیان معقود علیہ میں
اجارہ ایک ایسا عقد ہے جس میں جبر از روئے بقا	اختلاف ہو جائے تو اس کا حکم
جاری ہوتا ہے	وہ افعال جن کے اثرات مالک زمین کے لیے باقی
ہر وہ عمل جو تلف کرنے والا ہو وہ غیر معتاد ہوتا ہے	رہتے ہیں اجارہ کو فاسد کر دیتے ہیں
اجیر مشترک کی ضمان کی تین شرائط ہیں	مشترک عین میں عمل کو واقع کر کے اجرت کا مستحق
اجیر خاص کی بحث	بننا جائز نہیں
عمل اور اجرت کو جمع کرنا اجارہ کو فاسد کر دیتا ہے	ایسی چیز کے استعمال میں جو غلہ حاصل کرنے کے
اجیر خاص میں مدت پر اجارہ صحیح نہیں ہوتا جب تک	لیے تیار کی گئی ہو اجرت واجب ہوگی اگرچہ وہ
عمل کی نوع بیان نہ کرے	زمین نہ ہو
اجیر خاص کو حق حاصل نہیں کہ وہ نفل نماز ادا کرے	منفعت کا اجارہ
اجیر خاص سے فساد کے قصد کے بغیر جو چیز ہلاک	عورت پر امور خانہ داری دیانۃ واجب ہے
ہوگئی وہ اس کا ضامن نہیں ہوگا	پانی گزر گاہ سمیت اجارہ پر لینا اور جنگل اور مچھلیوں
سرائے کے محافظ کا بیان	کے لیے تالاب اجارہ پر لینے کا مطلب
اجرت میں تردید کے صحیح ہونے کا بیان	جب اجارہ عین پر واقع ہو تو صحیح نہیں ہوگا
موجر اور مستاجر کے درمیان اختلاف کی بحث	دلال کی اجرت کا بیان
اگر مستاجر اور آجر میں اختلاف ہو جائے تو اس کا	مقرض کو اپنے گھر میں رکھا تو اجرت مثل واجب ہو
حکم	گی
تمام صنعتوں میں اجیر کا فعل اس کے استاد کی طرف	

909	892	منسوب ہوگا
909	892	غصب کے منافع کی ضمانت میں متقدمین اور متاخرین کا نظریہ
911	892	باب فسخ الاجارۃ
920	895	اجارہ فسخ کرنے کے احکام
921	896	اجارہ ایسے (خیار) عیب کے سبب فسخ کر دیا جاتا ہے جس کے ساتھ منفعت فوت ہو جاتی ہے
921	896	پانی کے کنویں، نالی اور مخرج کی اصلاح کی ذمہ داری مالک پر ہے جب کہ مٹی نکالنا اور ریت نکالنے کی ذمہ داری مستاجر پر ہے
928	901	قاضی خان فقیہ النفس ہیں ان کی تصحیح دوسروں کی تصحیح پر مقدم ہوگی
931	903	جنوں کی طرف سے گھر میں پتھروں کا پڑنا فسخ کا عذر ہے؟
935	904	مستاجر کا فسخ فسخ کا عذر نہیں
937	904	ہر وہ فعل جو مال کو کم کرنے یا اس کے تلف کا سبب ہو تو یہ اس کے فسخ کا عذر ہے
937	905	اصلاً عمل کو ترک کر دینا عذر ہوگا
938	908	

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

مقدمہ از طرف شیخ محمد بن حسن بیطار رحمۃ اللہ علیہ

اللہ تعالیٰ کی ذات پر ہی مجھے بھروسہ ہے۔

تیرے دروازے کی طرف مائل ہونے کے ساتھ ہی دل کی شکستگی کو بھرا جاتا ہے اور تیری عنایت کے جھونکوں کے چلنے کے انتظار کے ساتھ عیوب کے سوراخوں کو بند کیا جاتا ہے۔ اے وہ ذات پاک جو اپنی عظیم قدرت کے ساتھ بندوں پر ظاہر ہوئی اور اس کے ساتھ ان پر غالب آئی۔ اور کچھ بھی نہیں ہوتا مگر جس کا وہ ارادہ کرے۔ پس ہم اس کی ایسی حمد کرتے ہیں جو اس کے لائق ہے اور ہم اس کے انعامات پر ایسا شکر بجالاتے ہیں جو فائق ہے۔ ہم درود پیش کرتے ہیں اور سلام پیش کرتے ہیں اس کے رسول کریم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر جو اپنی امت کو مکمل کرنے والے ہیں، آپ کی آل پر، آپ کے صحابہ پر اور جو بھی آپ کی دعوت کا شیدائی ہو۔

حمد و صلوٰۃ کے بعد بے شک عالم عامل، علامہ کامل، زمانہ کے یکتا، عصر کے یگانہ روزگار، زمانہ کے سردار، اپنے ہم مرتبہ کے سعد، علماء عالمین کے رئیس کبیر، فاضل لوگوں کے مرجع، اس حاشیہ کے مؤلف سیدی و استاذی ”محمد افندی عابدین“، اللہ تعالیٰ ان کی مٹی کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے بخشش کی بارش سے سیراب کرے اور ہمیں اور ان کو اپنی رحمت کے ٹھکانا میں جمع کرے اور ہمیں اپنی جنت کے درمیان میں سکونت عطا کرے جب اس مقام تک پہنچے تو اپنے رب کے مشاہدہ کے مشتاق ہوئے اور موت کے حوض پر جافر و دش ہوئے اور قبر کو اپنا ٹھکانا بنانے کو ترجیح دی جس میں سکونت نہیں تھی۔ مگر آپ، اللہ تعالیٰ ان پر رحم فرمائے، نے تالیف کا آغاز کتاب الاجارات سے آخر تک کیا پھر کتاب کے شروع سے اس تحریر کی انتہا تک پہنچے۔ لیکن ”الدر“ کے آپ کے نسخہ پر بعض تعلیقات، تحریرات اور اعتراضات تھے ہاتھوں کا پے در پے ان تک پہنچنا قریب تھا کہ اسے برباد کر دیتا کیونکہ ان کی راہ چلنے والا کوئی نہ تھا۔

مسودہ کا منہج

پھر میں فقیر، مولف کا شاگرد ”محمد بن شیخ حسن بیطار“، اللہ تعالیٰ مجھ پر نعمتوں کی موسلا دھار بارش فرمائے، عرض کرتا ہے: میں نے ارادہ کیا ہے کہ حضرت مؤلف نے اپنے نسخہ پر جو کچھ لکھا اسے الگ کر دوں اور ان کے مسودہ کے ساتھ لاحق کر دوں جب کہ اس پر کچھ زیادتی نہ کروں کیونکہ غلطی کا اور ان کی طرف نسبت کا خوف ہے۔ اگر میں کوئی ایسا حاشیہ دیکھوں گا جو ان کی تحریر نہ ہوگی اس پر میں اپنے قول: کذا، ذکر، فی یاقالہ فی الہامش سے آگاہ کروں گا۔ کیونکہ مجھے علم ہے کہ انہوں نے اسے ثابت رکھا ہے ورنہ اس پر لکیر کھینچ دیتے یا اسے مٹا دیتے ساتھ ہی اس پر تنبیہ لازم ہوتی ہے جس طرح تو دیکھ رہا ہے اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے اور دیکھتا ہے میں ابھی سے اعانت اور صحیح ترین راستہ کی توفیق طلب کرتا ہوں۔ قال رحمہ اللہ و نفعنا بہ و رضی عنہ، آمین۔

(ادَّعى) عَلَى آخَرَ (هَبَةً) مَعَ قَبْضٍ (فِي وَقْتٍ فَسِيلٍ) الْمُدَّعى (بَيِّنَةً فَقَالَ) قَدْ (جَحَدْنِيهَا) أَيْ الْهَبَةَ (فَاشْتَرَيْتُهَا مِنْهُ أَوْ لَمْ يَقُلْ ذَلِكَ) أَيْ جَحَدْنِيهَا وَمُقَادُهُ إِلَّا كِتْفَاءً بِإِمْكَانِ التَّوْفِيقِ وَهُوَ مُخْتَارُ شَيْخِ الْإِسْلَامِ مِنْ أَقْوَالِ أَرْبَعَةٍ، وَاخْتَارَ الْخُجَنْدِيُّ أَنَّهُ يَكْفِي مِنَ الْمُدَّعى عَلَيْهِ لَا مِنَ الْمُدَّعى لِأَنَّهُ مُسْتَحَقٌّ وَذَلِكَ دَافِعٌ، وَالظَّاهِرُ يَكْفِي لِلدَّفْعِ لَا لِلِاسْتِحْقَاقِ بِزَوَائِدٍ (فَأَقَامَ بَيِّنَةً عَلَى الشَّيْءِ بَعْدَ وَقْتِهَا) أَيْ وَقْتِ الْهَبَةِ

ایک آدمی نے دوسرے آدمی پر ہبہ کا دعویٰ کیا ساتھ ہی ایک وقت میں قبضہ کا دعویٰ کیا مدعی سے گواہیاں پوچھی گئیں تو اس نے کہا اس آدمی نے ہبہ سے انکار کر دیا تو میں نے اس سے وہ چیز خرید لی یا اس نے یہ نہ کہا کہ اس نے مجھے اس چیز کا انکار کر دیا۔ اس سے استفادہ یہ ہوتا ہے کہ تطبیق کے امکان پر اکتفا کیا جائے گا۔ یہ چار اقوال میں سے ”شیخ الاسلام“ کا مختار قول ہے۔ ”خجندی“ نے یہ اختیار کیا: مدعی کی جانب سے تطبیق پر کافی ہے مدعی کی جانب سے ضروری نہیں۔ کیونکہ مدعی مستحق ہے اور مدعی علیہ دافع ہے۔ اور ظاہر دفع کے لیے کافی ہے استحقاق کے لیے کافی نہیں، ”بزادیہ“۔ اس نے ہبہ کے وقت کے بعد خرید پر گواہیاں قائم کیں

26640۔ (قوله: ادَّعى عَلَى آخَرَ الخ) ”قاضی خان“ نے کہا: ایک آدمی نے دوسرے پر دعویٰ کیا کہ اس نے اس سے مال لیا ہے، مال کی وضاحت کی اور اس کی صفت بیان کی مدعی علیہ نے مدعی کے اقرار پر گواہیاں قائم کر دیں کہ دوسرے شخص نے یہ مال لیا ہے، مدعی نے اس کا انکار کر دیا اس سے ان گواہیوں کو قبول نہیں کیا جائے گا۔ یہ پہلے کے دعویٰ کو باطل کرنا نہیں ہے۔ کیونکہ پہلے کی دلیل یہ بنتی ہے کہ وہ کہے: مجھ سے ایک اور شخص نے وہ مال لیا پھر اسے مجھ پر لوٹا دیا اور اس مدعی علیہ نے بعد میں یہ مال مجھ سے لیا۔ کذا فی الہامش

26641۔ (قوله: وَمُقَادُهُ) یعنی ان کے قول اولم یقل ذلك سے یہ استفادہ ہوتا ہے۔ ”ح“۔

26642۔ (قوله: بِإِمْكَانِ التَّوْفِيقِ) ”البحر“ میں نقل کیا ہے: یہی قیاس ہے۔ استحسان یہ ہے کہ بالفعل تطبیق شرط ہے۔ ”رملی“ نے کہا ہے: استحسان کا جواب اصح ہے جس طرح ”منیۃ المفتی“ میں ہے۔

26643۔ (قوله: وَهُوَ مُخْتَارُ الخ) ”البحر“ میں فضولی کی فصل میں اس کی یہ قید لگائی ہے کہ جو اس کی جانب سے مکمل ہو چکا ہے اس کے نقص میں کوشش کرنے والا نہ ہو پس اس کی طرف رجوع کیجئے۔

26644۔ (قوله: مِنْ أَقْوَالِ أَرْبَعَةٍ) وہ یہ ہیں مطلقاً تطبیق کے امکان کا کافی ہونا، مطلقاً اس کا کافی نہ ہونا مدعی علیہ کی جانب سے نہ کہ مدعی کی جانب سے اس کا کافی ہونا۔ اگر تطبیق کی وجہ ایک ہو نہ کہ اس کی متعدد وجوہ ہوں۔ ”ح“، کذا فی الہامش

26645۔ (قوله: بَعْدَ وَقْتِهَا) یہ شرا کی طرف ہے جس طرح قبلہ اس کی طرف ہے۔ ”ح“۔

(تُقْبَلُ فِي الصُّورَتَيْنِ وَقَبْلَهُ لَا لِيُوضَّحَ التَّوْفِيقُ فِي الْوَجْهِ الْأَوَّلِ وَظُهُورِ التَّنَاقُضِ فِي الثَّانِي، وَلَوْلَا لَمْ يَذْكُرْ لَهُمَا تَارِيخًا أَوْ ذَكَرَ لِأَحَدِهِمَا تَقْبُلُ لِإِمْكَانِ التَّوْفِيقِ بِتَأْخِيرِ الشَّرَاءِ، وَهَلْ يُشْتَرَطُ كَوْنُ الْكَلَامَيْنِ عِنْدَ الْقَاضِي أَوْ الثَّانِي فَقَطْ خِلَافٌ وَيَنْبَغِي تَرْجِيحُ الثَّانِي بَحْرًا لِأَنَّ بِهِ التَّنَاقُضَ وَالتَّنَاقُضُ يَرْتَفِعُ بِتَصْدِيقِ الْخَصْمِ وَبِقَوْلِ الْمُتَنَاقِضِ تَرَكْتُ الْأَوَّلَ وَادَّعَى بِكَذَا أَوْ بِتَكْذِيبِ الْحَاكِمِ

تو دونوں صورتوں میں انہیں قبول کیا جائے گا اگر اس سے قبل پر گواہیاں قائم کرے تو انہیں قبول نہیں کیا جائے گا۔ کیونکہ پہلی صورت میں تطبیق واضح ہے۔ دوسری وجہ میں تناقض ظاہر ہے۔ اگر وہ ان دونوں کی تاریخ ذکر نہ کرے یا دونوں میں سے ایک کی تاریخ ذکر کرے تو اسے قبول کیا جائے گا۔ کیونکہ خرید کے موخر ہونے کے ساتھ تطبیق ممکن ہے۔ کیا دونوں کلاموں کا قاضی کے ہاں ہونا شرط ہے یا صرف دوسری کلام کا قاضی کے ہاں ہونا شرط ہے؟ اس میں اختلاف ہے۔ چاہیے کہ دوسرے قول کو ترجیح دی جائے، ”بحر“۔ کیونکہ اس میں تناقض ہے اور تناقض خصم کی تصدیق کے ساتھ اور تناقض کے اس قول کے ساتھ اٹھ جاتا ہے میں نے اول کو ترک کر دیا اور اس کا دعویٰ کیا۔

26646۔ (قوله: فِي الصُّورَتَيْنِ) یعنی جب اس نے کہا: اس نے مجھ سے اس کا انکار کر دیا یا اس نے یہ بات نہ

کہی۔ ”ح“۔

26647۔ (قوله: فِي الثَّانِي) کیونکہ وہ ہبہ کے بعد شرا کا دعویٰ کرتا ہے اس کے گواہ ہبہ سے قبل خریدار کی شہادت دیتے

ہیں یہ ظاہر تناقض ہے دونوں میں تطبیق ممکن نہیں۔ ان کی مراد ہے دعویٰ اور بینہ کے درمیان تطبیق ممکن ہے ورنہ مدعی کی جانب سے کوئی تناقض نہیں ہے۔ کیونکہ اس نے ہبہ سے پہلے شرا کا دعویٰ نہیں کیا۔ ”بحر“۔

26648۔ (قوله: وَيَنْبَغِي تَرْجِيحُ الثَّانِي الْخ) شاید اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کے ساتھ تناقض متحقق ہو جاتا ہے۔

”فتح“۔ ”النہر“ میں باب الاستحقاق (کتاب البیع) میں ہے: میرے نزدیک زیادہ مناسب یہ ہے کہ یہ دونوں حاکم کے نزدیک شرط ہیں۔ کیونکہ دعویٰ کی شرائط میں سے یہ ہے کہ وہ حاکم کے پاس ہو۔ ”شرح المقدسی“ میں ہے: چاہیے کہ دونوں میں سے ایک قاضی کے پاس ہو بلکہ قریب ہے کہ اختلاف لفظی ہو۔ کیونکہ مجلس قاضی سے پہلے جو حاصل ہو چکا ہے ضروری ہے کہ وہ اس کے ہاں ثابت ہوتا کہ تناقض کا حصول اس پر مرتب ہو جو اس کے نزدیک ہے اور جو چیز بیان سے ثابت ہو وہ بیان سے ثابت ہونے والی کی طرح ہے۔ گویا دونوں مجلس قاضی میں واقع ہوئے جس نے یہ شرط لگائی ہے کہ دونوں قاضی کی مجلس میں ہوں وہ سابق اور لاحق میں حقیقی اور حکمی دونوں کو عام ہے۔ کلام ختم ہوئی۔ یہ اچھی تعبیر ہے۔

26649۔ (قوله: أَوْ بِتَكْذِيبِ الْحَاكِمِ) جس طرح اگر وہ دعویٰ کرے کہ اس نے مدیون کی جانب سے اس کے

لیے ہزار کی کفالت اٹھائی ہے تو اس نے کفالت کا انکار کیا اور دائن نے یہ گواہی دے دی کہ اس نے مدیون کی جانب سے کفالت اٹھائی ہے اور حاکم نے اس کا فیصلہ کر دیا ہے اور مکفول لہ نے اس سے مال لے لیا پھر کفیل نے مدیون پر یہ دعویٰ کر دیا کہ اس نے اس کے کہنے پر کفالت اٹھائی ہے اور اس پر گواہیاں قائم کر دی ہیں ہمارے نزدیک اسے قبول کیا جائے گا۔ اور

وَتَسَامُهُ فِي الْبَحْرِ وَأَقْرَبُهُ الْمَصْنَفُ (كَمَالُوا دَعَى أَوَّلًا أَنَّهَا) أَيْ الدَّارَ مَثَلًا (وَوَقَفَ عَلَيْهِ ثُمَّ ادَّعَاهَا لِنَفْسِهِ) أَوْ ادَّعَاهَا لِغَيْرِهِ ثُمَّ ادَّعَاهَا (لِنَفْسِهِ) لَمْ تُقْبَلْ لِلتَّنَاقُضِ، وَقِيلَ تُقْبَلُ إِنْ وَفَّقَ بِأَنْ قَالَ كَانَ لِفُلَانٍ ثُمَّ اشْتَرَيْتُهُ دُرَّتِي أَوْ أَخِي الدَّعْوَى قَالَ (وَلَوْ ادَّعَى الْمِلْكُ لِنَفْسِهِ (أَوَّلًا ثُمَّ) ادَّعَى (الْوَقْفَ) عَلَيْهِ

اس کی مکمل بحث ”البحر“ میں ہے۔ مصنف نے اسے ثابت رکھا ہے جس طرح پہلے اس نے یہ دعویٰ کیا کہ گھر مثلاً اس پر وقف ہے پھر اس گھر کے اپنے لیے ہونے کا دعویٰ کر دیا یا کسی اور کے لیے گھر کا دعویٰ کیا پھر اپنے لیے اس کا دعویٰ کیا تو تناقض کی وجہ سے اس کا دعویٰ قبول نہیں کیا جائے گا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: قبول کیا جائے گا اگر وہ تطبیق کرے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ یہ گھر فلاں کا تھا پھر میں نے اسے خریدا، ”درر“۔ کتاب الدعوی کے اواخر میں ہے۔ کہا: اگر اس نے پہلے اپنے لیے ملکیت کا دعویٰ کیا پھر اپنے اوپر وقف کا دعویٰ کیا

جس کی اس نے ضمانت اٹھائی تھی مدیون سے اس کا مطالبہ کرے گا۔ کیونکہ وہ قضا کے ساتھ شرعاً جھٹلا دیا گیا ہے۔ ”المنح“ میں اسی طرح ہے۔ ”ح“۔

26650۔ (قوله: وَتَسَامُهُ فِي الْبَحْرِ) استحقاق کے بارے میں ”البحر“ کی عبارت زیادہ بہتر ہے۔ وہ یہ ہے: جب اس نے کہا: میں نے دونوں کلاموں میں سے ایک کو ترک کیا تو اس سے اسے قبول کیا جائے گا۔ کیونکہ اس نے اپنے حق میں اس سے استدلال کیا ہے۔ جو ”بزازیہ“ میں ”الذخیرہ“ سے مروی ہے: اس نے مطلقاً اس کا دعویٰ کیا مدعی علیہ نے اس قول کے ساتھ اس کا دفاع کیا کہ تو نے اس سے قبل مقید دعویٰ کیا تھا اور اس پر گواہیاں پیش کر دیں۔ مدعی نے کہا: میں اب اس سبب سے دعویٰ کرتا ہوں اور مطلق کو ترک کرتا ہوں تو اس کا دعویٰ قبول کیا جائے گا اور دفاع باطل ہو جائے گا۔ کیونکہ متروک دوسرا ہے پہلا متروک نہیں۔ ساتھ ہی وہاں صاحب ”النہر“ نے اعتراض کیا ہے۔ بعض اوقات یہ کہا جاتا ہے: وہ قول دونوں دعویوں میں تطبیق ہے۔ تامل۔

میں نے ”رد المحتار“ کے باب الاستحقاق میں (مقولہ 25578 میں) اس کی تائید لکھی ہے جو ”النہر“ میں ہے۔ ”الخانہ“ میں کہا: ایک آدمی نے سبب کی وجہ سے ملک کا دعویٰ کیا پھر اس کے بعد مطلق ملک کا دعویٰ کیا اس کے گواہوں نے اس کی گواہی دی عام روایات میں یہ ذکر کیا گیا ہے کہ اس کا دعویٰ نہیں سنا جائے گا اور اس کے بینہ قبول نہیں کیے جائیں گے۔ مولانا رحمۃ اللہ علیہ (یعنی مصنف خانہ) نے کہا: میرے دادا ”شمس الائمہ“ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: اس کے بینہ قبول نہ ہوں گے اور ان کا دعویٰ باطل نہ ہوگا یہاں تک کہ اگر کہا: میں نے اس مطلق ملک سے اس سبب سے ملکیت کا ارادہ کیا ہے تو اس کا دعویٰ سنا جائے گا اور اس کے بینہ کو قبول کیا جائے گا۔

جب نکرہ کا ارادہ کیا جائے تو وہ معروف ہو جاتا ہے

26651۔ (قوله: عَلَيْهِ) ”المنح“ میں اسی طرح ہے۔ ”البحر“ میں اس کا ذکر نہیں کیا۔ گویا اس قاعدہ سے اخذ کیا ہے

(تُقْبَلُ كَمَا لَوْ ادَّعَاهَا لِنَفْسِهِ ثُمَّ لِيْغَيْرِهِ فَإِنَّهُ يُقْبَلُ) وَمَنْ قَالَ لِآخِرٍ اشْتَرَيْتَ مِنِّي هَذِهِ الْجَارِيَّةَ وَأَنْكَرَ الْآخِرُ الشِّرَاءَ جَازَ (لِلْبَائِعِ أَنْ يَطَّأَهَا إِنْ تَرَكَ) الْبَائِعُ (الْخُصُومَةَ) وَاقْتَرَنَ تَرْكُهُ بِفِعْلِ يَدُلُّ عَلَى الرِّضَا بِالنَّفْسِ كَمَا مَسَاكُهَا وَنَقْلُهَا لِمَنْزِلِهِ، لِمَا تَقَرَّرَ أَنَّ (جُحُودَ) جَمِيعِ الْعُقُودِ (مَا عَدَا النِّكَاحَ فَسُخِّ) فَلِلْبَائِعِ رَدُّهَا بِعَيْبٍ قَدِيمٍ لِسِتَامِ الْفُسْخِ بِالتَّرَاضِي عَيْنِي، أَمَّا النِّكَاحُ فَلَا يَقْبَلُ الْفُسْخُ أَصْلًا (فَ) لِذَا (لَوْ جَحَدَ أَنَّهُ تَزَوَّجَهَا ثُمَّ ادَّعَاهُ وَبَرَّهَنَ) عَلَى النِّكَاحِ (يُقْبَلُ) بَرَّهَانُهُ (بِخِلَافِ الْبَيْعِ) فَإِنَّهُ إِذَا أَنْكَرَهُ ثُمَّ ادَّعَاهُ لَا يَقْبَلُ لِأَنَّهُ يَنْفَسَخُ بِالْإِنْكَارِ بِخِلَافِ النِّكَاحِ

تو اسے قبول کیا جائے گا جس طرح اگر وہ پہلے اپنے لیے پھر کسی اور کے لیے اس کا دعویٰ کرے تو اسے قبول کیا جائے گا۔ جس نے کسی دوسرے سے کہا: میں نے تجھ سے یہ لونڈی خریدی دوسرے نے شرا کا انکار کر دیا تو بائع کے لیے جائز ہے کہ وہ اس سے واپس کرے اگر بائع خصومت کو ترک کر دے اور اس کا ترک ایسے فعل کے ساتھ ملا ہوا ہو جو فسخ پر راضی ہونے پر دلالت کرے جیسے اسے روک لے اور اپنے گھر اسے منتقل کر دے۔ کیونکہ یہ ثابت ہو چکا ہے کہ نکاح کے علاوہ جتنے بھی عقود ہیں ان کا جحود فسخ ہے پس بائع کو حق حاصل ہے کہ اسے قدیم عیب کی بنا پر اسے لوٹا دے۔ کیونکہ باہم رضا مندی سے فسخ مکمل ہو چکا ہے۔ ”عینی“۔ جہاں تک نکاح کا تعلق ہے وہ اصلاً فسخ کو قبول نہیں کرتا اسی وجہ سے اگر وہ انکار کرے کہ اس نے اس عورت سے شادی کی ہے پھر اس نے اس کا دعویٰ کر دیا اور نکاح کے اوپر گواہیاں قائم کر دیں تو اس کی دلیل قبول کی جائے گی۔ بیع کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ جب اس کا انکار کیا پھر اس کا دعویٰ کیا تو اسے قبول نہیں کیا جائے گا۔ کیونکہ وہ انکار کے ساتھ فسخ ہو جاتا ہے۔ نکاح کا معاملہ مختلف ہے۔

کہ جب نکرہ کا اعادہ کیا جائے تو وہ معروف ہو جاتا ہے۔ پس اس سے مراد گزشتہ وقف ہوگا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس تعبیر کی بنا پر تطبیق ظاہر نہیں ہوتی۔ کیونکہ اس میں ظاہر تناقض ہے۔ اسے امام ”ابو یوسف“ رحمہ اللہ کے مذہب پر جاری کرنا ممکن ہے جو اپنی ذات پر کسی شے کے وقف کے صحیح ہونے کے قائل ہیں۔ انتہی، اس میں جو ضعف ہے وہ مخفی نہیں۔ ”البحر“ میں فصل (باب) الاستحقاق میں ہے: اگر اس نے دعویٰ کیا کہ یہ اس کا ہے پھر اس نے یہ دعویٰ کیا کہ یہ گھر اس پر وقف ہے تو دعویٰ کو سنا جائے گا کیونکہ انتفاع کے اعتبار سے رخصت کی اضافت صحیح ہے۔

26652۔ (قوله: أَنْ يَطَّأَهَا) یعنی استبرا کے بعد واپس کر سکتا ہے اگر وہ مشتری کے قبضہ میں ہو۔ ”ابو سعود“ نے ”تموی“

سے انہوں نے ”شلبی“ سے بحث کے انداز میں روایت کیا ہے۔

26653۔ (قوله: فَلِلْبَائِعِ رَدُّهَا) ”النبایہ“ میں اس کی یہ قید لگائی ہے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ مشتری سے قسم

لینے کے بعد ہو۔ اگر اس سے پہلے ہو تو اسے بائع پر رد کرنا صحیح نہیں۔ کیونکہ یہ احتمال موجود ہے کہ مدعی علیہ انکار کر دے۔ پس تیسرے کے حق میں اسے نئی بیع ہونے کا اعتبار کیا جائے گا۔ شارح نے اس کی یہ قید لگائی ہے کہ یہ قبضہ کے بعد ہو۔ جہاں تک

(أَقَرَّ بِقَبْضِ عَشْرَةٍ) دَرَاهِمَ (ثُمَّ ادَّعَى أَنَّهَا زُيُوفٌ) أَوْ نَبَهْرَجَةٌ (صَدَّقَ) بِبَيِّنَةٍ لِأَنَّ اسْمَ الدَّرَاهِمِ يَعْنِيهَا، بِخِلَافِ السُّتُوقَةِ لِغَلْبَةِ غِشِّهَا (وَ) لِذَا (لَوْ ادَّعَى أَنَّهَا سُّتُوقَةٌ لَا يُصَدَّقُ) (إِنْ) كَانَ الْبَيَانُ (مَفْصُولًا) وَصَدَّقَ لَوْ بَيَّنَّ (مَوْصُولًا) نِهَآيَةً فَالتَّفْصِيلُ فِي الْمَفْصُولِ لَا فِي الْمَوْصُولِ (وَلَوْ أَقَرَّ بِقَبْضِ الْجِيَادِ لَمْ يُصَدَّقْ مُطْلَقًا) وَلَوْ مَوْصُولًا لِلتَّنَاقُضِ (وَلَوْ أَقَرَّ أَنَّهُ قَبْضٌ حَقُّهُ أَوْ قَبْضٌ (الشَّنُّ أَوْ اسْتَوْنَى) حَقُّهُ (صَدَّقَ فِي دَعْوَاهُ الزِّيَافَةِ لَوْ بَيَّنَّ (مَوْصُولًا وَإِلَّا لَا) لِأَنَّ قَوْلَهُ جِيَادٌ مُفْسَدٌ فَلَا يَحْتَبِلُ التَّأْوِيلُ، بِخِلَافِ غَيْرِهِ لِأَنَّهُ ظَاهِرٌ

ایک آدمی نے دس درہم پر قبضہ کرنے کا اقرار کیا پھر دعویٰ کیا کہ وہ زیوف یا نہرجہ ہیں قسم کے ساتھ اس کی تصدیق کی جائے گی۔ کیونکہ دراہم کا اسم ان دونوں کو عام ہے۔ ستوقہ کا مسئلہ مختلف ہے۔ کیونکہ کھوٹ غالب ہے۔ اس وجہ سے اگر اس نے دعویٰ کیا کہ یہ ستوقہ ہیں تو اس کی تصدیق نہ کی جائے گی۔ اگر وضاحتی کلام پہلی کلام سے جدا ہوا اگر بیان پہلی کلام کے ساتھ متصل ہو تو اس کی تصدیق کی جائے گی، ”نہایہ“ تفصیل مفصول بیان میں ہے موصول بیان میں نہیں۔ اگر اس نے عمدہ دراہم پر قبضہ کا اقرار کیا تو مطلقاً اس کی تصدیق نہیں کی جائے گی اگرچہ وہ بیان موصول ہو۔ کیونکہ تناقض پایا جا رہا ہے۔ اگر اس نے یہ اقرار کیا کہ اس نے اس کے حق پر قبضہ کر لیا ہے اس نے ثمن پر قبضہ کر لیا ہے یا اس نے پورا پورا حق لے لیا ہے۔ اگر اس نے متصل یہ کہا کہ وہ زیوف تھے تو اس کی تصدیق کی جائے گی۔ ورنہ اس کی تصدیق نہیں کی جائے گی۔ کیونکہ جیاد کا قول مفسر ہے تاویل کا احتمال نہیں رکھتا۔ دوسرے کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ وہ ظاہر ہے

اس سے قبل کا تعلق ہے تو چاہیے کہ اسے مطلقاً لوٹانے کا حق ہو۔ کیونکہ یہ ہر اعتبار سے فسخ ہے جو غیر عقار میں ہے۔ مگر اس کی قسم کے بعد تو کتاب کی تفسیر واجب ہے۔ ”بحر“۔

اقرار کے بعد دعویٰ کی تصدیق قسم کے ساتھ کی جائے گی

26654۔ (قوله: أَقَرَّ الْخ) امام ”طرسوی“ کی اس مسئلہ میں تحقیق ہے۔ ”انفع المسائل“ میں اس کی طرف رجوع کیجئے۔

26655۔ (قوله: زُيُوفٌ) ایسے دراہم جنہیں بیت المال قبول نہیں کرتا۔

26656۔ (قوله: نَبَهْرَجَةٌ) جسے تاجر رد کر دیتے ہیں۔ ”قاموس“ میں فصل النون میں کہا: النبهرج یعنی کھوٹا ردی۔

”المغرب“ میں ہے۔ النبهرج ایسا درہم ہے جس کی چاندی ردی ہو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جس میں چاندی کا غلبہ ہو ہر باطل ردی کے لیے اسے بطور مجاز استعمال کیا جاتا ہے۔ اسی سے بھرہ دمہ ہے جب وہ خون رائیگاں چلا جائے اور باطل ہو جائے۔ ”اللمحیانی“ سے مروی ہے: درہم نبهرج میں نے نون کے ساتھ اسے ان کے ہاں ہی پایا ہے۔ یہ اس کے مخالف ہے جو ”قاموس“ میں ہے ساتھ ہی یہ مشہور ہے۔

26657۔ (قوله: أَوْ اسْتَوْنَى) استیفا سے مراد پورے کا پورا حق قبضہ میں لینا ہے۔ ”سعدیہ“، ”ابن کمال“۔

26658۔ (قوله: لِأَنَّهُ ظَاهِرٌ) یہ پہلی صورت کی طرف راجع ہے وہ (قبض انحق او الشن) ہے یعنی حق یا ثمن پر

أَوْ نَصَّ فَيَحْتَمِلُ التَّأْوِيلَ ابْنُ كَمَالٍ (أَقَرَّ بِدَيْنٍ ثُمَّ ادَّعى أَنَّ بَعْضَهُ قَرْضٌ وَبَعْضُهُ رِبَا) وَبَرَّهَنَ عَلَيْهِ (قُبِلَ) بَرَّهَانُهُ قُنْيَةً عَنْ عَلَاءِ الدِّينِ وَسَيَجِيءُ فِي الْإِقْرَارِ (قَالَ لِأَخْرَجَكَ عَلَى أَلْفٍ) دِرْهِمٍ (فَرَدَّه) الْمَقْرَرُ لَهُ (ثُمَّ صَدَّقَهُ) فِي مَجْلِسِهِ (فَلَا شَيْءَ عَلَيْهِ) لِلْمَقْرَرِ لَهُ

یانس ہے پس وہ تاویل کا احتمال رکھے گا، ”ابن کمال“ ایک آدمی نے دین کا اقرار کیا پھر اس نے یہ دعویٰ کیا کہ اس میں سے بعض قرض ہے اور بعض ربا ہے اور اس پر گواہیاں قائم کر دیں تو اس کی گواہیاں قبول کی جائیں گی، ”قنیہ“ ”علاء الدین“ سے۔ کتاب الاقرار میں عنقریب یہ آئے گا۔ ایک آدمی نے دوسرے سے کہا: تیرے مجھ پر ہزار درہم ہیں مقررہ نے اسے رد کر دیا پھر اسی مجلس میں اس کی تصدیق کر دی تو مقررہ کے لیے کوئی چیز نہیں ہوگی

قبضہ کرنا ہے۔ ظاہر وہ ہوتا ہے جو غیر مراد کا احتمال رکھے جب کہ وہ احتمال بعیدی احتمال ہے۔ نص یہ ہے: غیر مراد کا احتمال تو رکھتا ہے مگر احتمال ابعاد ہوتا ہے۔ مفسر کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ وہ غیر مراد کا اصلاً احتمال نہیں رکھتا۔

25559۔ (قوله: أَوْ نَصَّ) یہ دوسری صورت کی طرف راجع ہے وہ یہ قول ہے ادا استوفی۔

26660۔ (قوله: قُبِلَ بَرَّهَانُهُ) کیونکہ وہ مجبور ہے اگرچہ تناقض ہو۔ ”قنیہ“۔

مال کے اقرار کو رد کرنے کے مسائل

26661۔ (قوله: فَرَدَّكَ الْخ) مال کے اقرار کے رد کے مسائل کا حاصل یہ ہے: یہ امر اس سے خالی نہیں ہوگا: یا تو وہ

مطلقاً اس کو رد کرے گا یا اس جہت کا رد کرے گا جس جہت کو مقرر نے معین کیا، اسے کسی اور جہت کی طرف تحویل کرے گا یا اپنے نفس کے لیے اسے رد کرے گا اور اسے غیر کی طرف پھیر دے گا۔

اگر پہلی صورت ہو تو یہ باطل ہو جائے گا۔ اگر دوسری صورت ہو: اگر دونوں میں منافات نہ ہوگی تو مال واجب ہوگا جس طرح اس کا قول ہے: اس کا ہزار قرض کا بدل ہے۔ تو اس نے کہا: غصب کا بدل ہے۔ ورنہ باطل ہو جائے گا جس طرح اس کا قول ہے: اس غلام کی قیمت ہے جس پر میں نے قبضہ نہیں کیا تھا۔ اس نے کہا: قرض یا غصب ہے۔ جب کہ غلام اس کے قبضہ میں نہ ہو۔ ہزار اس پر لازم ہو جائے گا وہ جہت میں اس کی تصدیق کرے یا اس کو جھٹلائے۔ یہ ”امام صاحب“ دہشیدہ کے نزدیک ہے۔ اگر غلام اس کے قبضہ میں ہو تو قول مقرر کا ہوگا جس کے قبضہ میں غلام ہے۔ اگر تیسری صورت ہو جیسے میرے پاس کبھی بھی یہ ثابت نہیں تھا مگر فلاں کے لیے۔ اگر فلاں نے اس کی تصدیق کی تو وہ اس کی طرف پھر جائے گا ورنہ نہیں پھرے گا۔ اگر اقرار طلاق، عتاق، ولاء، نکاح، وقف، نسب یا رِق کا ہو تو رد کرنے سے رو نہیں ہوگا۔ پس کہا جائے گا: اقرار مقررہ کے رد کرنے سے رد ہو جاتا ہے مگر اس صورت میں رو نہیں ہوتا۔ اس کے مجموعہ کو ”البحر“ میں ذکر کیا ہے۔ اس میں اختصار ہے جس کی وضاحت میں نے اس کے حاشیہ میں کر دی ہے۔

26662۔ (قوله: فِي مَجْلِسِهِ) کسی اور مجلس میں تصدیق کرے تو پھر وجہ اولیٰ کوئی چیز لازم نہ ہوگی۔

إِلَّا بِحُجَّةٍ أَوْ إِقْرَارٍ ثَانِيًا، وَكَذَا الْحُكْمُ فِي كُلِّ مَا فِيهِ الْحَقُّ لِوَاحِدٍ (وَمَنْ ادَّعَى عَلَى آخَرَ مَالًا فَقَالَ الْمُدَّعَى عَلَيْهِ (مَا كَانَ لَكَ عَلَى شَيْءٍ قَطُّ فَبَرَّهَنَ الْمُدَّعَى عَلَى) أَنَّ لَهُ عَلَيْهِ (أَلْفٌ وَبَرَّهَنَ) الْمُدَّعَى عَلَيْهِ (عَلَى الْقَضَاءِ) أَيْ الْإِيْفَاءِ (أَوْ الْإِبْرَاءِ وَلَوْ بَعْدَ الْقَضَاءِ) أَيْ الْحُكْمِ بِالنَّالِ

مگر حجت کے ساتھ یا دوسری دفعہ اقرار کرنے کے ساتھ۔ اسی طرح کا حکم ہوگا ہر اس اقرار میں جس میں کسی ایک کے لیے حق ہو۔ جس نے دوسرے شخص پر مال کا دعویٰ کیا مدعی علیہ نے کہا: تیری مجھ پر کبھی کوئی چیز لازم نہیں رہی مدعی نے گواہیاں قائم کر دیں کہ اس کا ہزار مدعی علیہ پر لازم ہے مدعی علیہ نے گواہیاں قائم کر دیں کہ اس نے ادا کر دیا ہے یا بری کر دینے پر گواہیاں قائم کر دیں اگر وہ مال کے حکم کے بعد ہو

26663۔ (قوله: إِلَّا بِحُجَّةٍ) اس کی حجت کیسے قبول ہوگی جب کہ یہ اس کے دعویٰ میں تناقض ہے؟ اس کے جواب میں غور و فکر کیجئے۔ ”سعدیہ“۔ ”البحر“ میں بھی اسے مشکل قرار دیا ہے۔ ”البرزازیہ“ سے اس کے خلاف نقل کیا ہے۔ کیونکہ اس نے کہا: اس کے قبضہ میں غلام ہے اس نے ایک آدمی سے کہا: یہ تیرا غلام ہے مقرر نے اس کا رد کر دیا۔ پھر کہا: نہیں بلکہ یہ میرا غلام ہے۔ مقرر نے کہا: یہ میرا غلام ہے۔ تو یہ غلام اس قابض کا ہوگا جس نے اقرار کیا تھا۔ اگر قابض نے دوسرے شخص سے کہا: وہ تیرا غلام ہے اس نے کہا: نہیں بلکہ یہ تیرا غلام ہے پھر دوسرے نے کہا: بلکہ وہ میرا غلام ہے اور اس پر گواہیاں پیش کر دیں تو ان کو قبول نہیں کیا جائے گا کیونکہ اس میں تناقض پایا جاتا ہے۔ یہ اس کے خلاف ہے جو ”الہدایہ“ میں ہے کہ حجت کا ہونا ضروری ہے۔ کیونکہ یہ دعویٰ کے سماع کا تقاضا کرتا ہے۔

26664۔ (قوله: لِوَاحِدٍ) یہ صورت مختلف ہوگی اگر وہ کہے: تو نے اس کو خریدا تھا اور اس نے اس کا انکار کر دیا اسے تصدیق کرنے کا حق ہوگا۔ کیونکہ متعاقدین میں سے ایک نسخ میں یکتا نہیں۔ پس وہ عقد میں منفرد نہیں ہوگا۔ معنی یہ ہے کہ یہ دونوں کا حق ہے۔ پس عقد باقی رہے گا۔ پس تصدیق عمل کرے گی (موثر ہوگی)۔ جہاں تک مقرر کا تعلق ہے وہ اقرار کے رد کرنے میں منفرد ہے پس دونوں الگ الگ ہو گئے۔ ”الہدایہ“ میں اسی طرح ہے۔

حاصل یہ ہے: ہر شے جس میں جب دونوں کا حق ہو جب منکر تصدیق کی طرف اس سے پہلے لوٹے کہ دوسرا آدمی اس کے انکار پر اس کی تصدیق کرے تو یہ جائز ہے جیسے بیع اور نکاح ہے۔ اور ہر ایسی شے جس میں حق ایک کا ہو جیسے ہبہ، صدقہ اور اقرار اس کے بعد اس کا اقرار اسے کوئی نفع نہیں دے گا جس طرح ”القنیہ“ میں ہے۔ ”بحر“۔

26665۔ (قوله: مَا كَانَ لَكَ) غور کرو اگر وہ کان کا لفظ ذکر نہ کرتے اور اس میں غور کرو جو ہم نے دوسرے صفحہ میں سمرقند کے واقعہ کے ہاں لکھا ہے یہ ماضی اور حال میں فرق کا فائدہ دیتا ہے۔

26666۔ (قوله: قَطُّ) کوئی فرق نہیں کہ لفظ کو کلمہ قط کے ساتھ مؤکد کیا جائے یا مؤکد نہ کیا جائے۔ ”بحر“۔

26667۔ (قوله: عَلَى الْخ) زیادہ صحیح یہ کہنا ہے: عَلَى الْف لَهُ عَلَيْهِ وَافْقِهِمْ۔ بعض نسخوں میں ہے عَلَى أَنَّهُ لَهُ عَلَيْهِ الْف۔

26668۔ (قوله: عَلَى الْقَضَاءِ أَيْ الْإِيْفَاءِ) انکار کے بعد ایفا کے دعویٰ کی قید لگائی۔ کیونکہ اگر وہ دین کے اقرار

إِذَا الدَّفْعُ بَعْدَ قَضَاءِ الْقَاضِي صَحِيحٌ إِلَّا فِي الْمَسْأَلَةِ الْمُخْتَسَةِ

کیونکہ قاضی کے فیصلہ کے بعد ادائیگی صحیح ہے۔ مگر مسئلہ خمسہ کا معاملہ مختلف ہے

کے بعد اس کا دعویٰ کرتا۔ اگر دونوں قول ایک مجلس میں ہوں تو قبول نہیں کیا جائے گا کیونکہ تناقض موجود ہے۔ اگر مجلس سے وہ دونوں الگ ہو جائیں پھر وہ دعویٰ کرے اور اقرار کے بعد ادائیگی پر بینہ قائم کر دے تو اسے قبول کیا جائے گا۔ کیونکہ تناقض نہیں اگر اقرار سے پہلے ادائیگی کا دعویٰ کرے تو اسے قبول نہیں کیا جائے گا۔ ”خزانۃ المفتین“ میں اسی طرح ہے۔ ”بحر“۔

مسئلہ خمسہ

26669۔ (قوله: إِلَّا فِي الْمَسْأَلَةِ الْمُخْتَسَةِ) جیسے یہ چیز فلاں نے مجھے ودیعت کے طور پر دی ہے، فلاں نے مجھے اجرت پر دی ہے، میں نے اسے بطور رہن رکھا ہے، اسے میں نے اس سے غصب کیا ہے یا اس نے کہا: میں نے یہ زمین فلاں سے بطور مزارعت لی ہے یا میں نے انگور کی بیل اس سے بطور معاملہ کے لی ہے۔

اسے خمسہ کا نام دیا ہے۔ کیونکہ اس میں پانچ قول ہیں۔ ”البحر“ میں کہا: یہ کتاب الدعویٰ کا خمسہ ہے۔ کیونکہ اس کی صورت پانچ ہیں: ودیعت، اجارہ، اعارہ، رہن اور غصب یا اس لیے کیونکہ اس میں علما کے پانچ اقوال ہیں۔

(۱) جو کتاب میں ہے وہ یہ ہے مدعی کی خصومت اس کے ساتھ ختم ہو جاتی ہے۔ کیونکہ گواہیوں نے یہ ثابت کیا ہے کہ اس کا قبضہ خصومت کا قبضہ نہیں۔ یہ امام ”ابو حنیفہ“ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔

(۲) یہ امام ”ابو یوسف“ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔ ”المختار“ میں اسے اختیار کیا ہے۔ مدعی علیہ اگر صالح ہو تو معاملہ اس طرح ہوگا جس طرح امام نے فرمایا ہے۔ اگر حیلے بہانے میں معروف ہو تو یہ اس سے منفع نہیں ہوگا۔ کیونکہ بعض اوقات وہ اپنا مال مسافر کو دیتا ہے جو اسے یہ ودیعت کے طور پر دیتا ہے اور گواہ بنا لیتا ہے۔ اور غیر کا حق باطل کرنے کے لیے حیلہ کرتا ہے۔ جب قاضی اس پر اس امر کی قیمت لگائے تو وہ اسے قبول نہیں کرے گا۔

(۳) یہ امام ”محمد“ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔ جب گواہوں نے کہا: ہم اسے صرف اس کے چہرے سے پہچانتے ہیں تو خصومت منفع نہیں ہوگی۔ آپ کے نزدیک اس کو چہرہ، نام اور نسب کے حوالے سے پہچاننا ضروری ہے۔

”بزازیہ“ میں ہے: ائمہ کا اعتماد امام ”محمد“ رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر ہے۔ ”العمادیہ“ میں ہے: اگر علماء نے کہا: ہم اسے اس کے نام سے پہچانتے ہیں اس کے چہرے سے نہیں پہچانتے کتابوں میں کچھ ذکر نہیں کیا گیا۔ اس بارے میں دو قول ہیں۔ ”امام صاحب“ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ضروری ہے کہ وہ کہیں: ہم اسے اس کے نام اور نسب کے اعتبار سے جانتے ہیں چہرے کی معرفت کافی ہے۔ علماء نے اس پر اتفاق کیا ہے۔ اگر وہ کہیں: ایک آدمی نے اسے ودیعت دی ہے ہم اس کو نہیں پہچانتے تو خصومت منفع نہیں ہوگی۔

(۴) ”ابن شبرمہ“ کا قول ہے: مطلقاً اس سے خصومت منفع نہیں ہوتی۔ کیونکہ اثبات کا ملک متعذر ہے کیونکہ اس

كَمَا سَيَجِيءُ (قُبَل) بُرْهَانُهُ لِامْكَانِ التَّوْفِيقِ لِأَنَّ غَيْرَ الْحَقِّ قَدْ يُقْضَى وَيَبْرَأُ مِنْهُ دَفْعًا لِلْخُصُومَةِ وَسَيَجِيءُ فِي الْإِقْرَارِ أَنَّهُ لَوْ بَرَّهَنَ عَلَى قَوْلِ الْمُدَّعَى أَنَا مُبْطَلٌ فِي الدَّعْوَى أَوْ شُهُودِي كَذِبَةٌ أَوْ لَيْسَ لِي عَلَيْهِ شَيْءٌ صَحَّ الدَّفْعُ إِلَى آخِرِهِ، وَذَكَرَهُ فِي الدَّرَرِ قُبَيْلَ الْإِقْرَارِ فِي فَصْلِ الْإِسْتِثْنَاءِ (كَمَا) يُقْبَلُ (لَوْ) ادَّعَى الْقِصَاصَ عَلَى آخَرٍ فَأُنْكَرَ الْمُدَّعَى عَلَيْهِ (فَبَرَّهَنَ الْمُدَّعَى) عَلَى الْقِصَاصِ (ثُمَّ بَرَّهَنَ الْمُدَّعَى عَلَيْهِ عَلَى الْعَفْوِ أَوْ) عَلَى (الصُّلْحِ عَنْهُ عَلَى مَالٍ وَكَذَانِي دَعْوَى الرِّقِّ) بِأَنِّ ادَّعَى عُبودِيَّةَ شَخْصٍ فَأُنْكَرَ فَبَرَّهَنَ الْمُدَّعَى ثُمَّ بَرَّهَنَ الْعَبْدُ أَنَّ الْمُدَّعَى أَعْتَقَهُ يُقْبَلُ

جس طرح آگے عنقریب آئے گا اس کی گواہیاں قبول کی جائیں گی۔ کیونکہ تطبیق ممکن ہے۔ کیونکہ بعض اوقات جو چیز حق نہیں ہوتی وہ دی جاتی ہے اور وہ خصومت سے بچنے کے لیے اس سے بری ہوتا ہے۔ کتاب الاقرار میں عنقریب آئے گا: اگر اس نے مدعی کے قول پر گواہیاں قائم کر دیں: میں دعویٰ میں غلط ہوں، میرے گواہ جھوٹے ہیں، میری اس پر کوئی شے لازم نہیں۔ تو دفع خصومت صحیح ہوگی۔ الی آخرہ۔ ”الدرر“ میں کتاب الاقرار سے پہلے فصل الاستثناء میں ذکر کیا ہے۔ جس طرح اسے قبول کیا جاتا ہے اگر ایک آدمی دوسرے پر قصاص کا دعویٰ کرے تو مدعی علیہ انکار کر دے مدعی نے قصاص پر گواہیاں قائم کر دیں پھر مدعی علیہ نے عفو پر گواہیاں قائم کر دیں یا مال پر قصاص کی طرف سے گواہیاں قائم کر دیں۔ دعویٰ رقی میں اسی طرح ہے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ ایک شخص کی غلامی کا دعویٰ کیا تو اس شخص نے اس کا انکار کر دیا مدعی نے گواہیاں قائم کر دیں پھر غلام نے گواہیاں قائم کر دیں کہ مدعی علیہ نے اسے آزاد کر دیا تھا تو اسے قبول کیا جائے گا

سے خصم معدوم ہو چکا ہے اور خصومت کا دفع کرنا اس پر مبنی ہے۔ ہم کہتے ہیں: بینہ کا مقتضا دو چیزیں ہیں: غائب کے لیے ملک کا ثبوت اور اس میں خصم نہیں وہ ثابت نہیں، مدعی کی خصومت کا دفع کرنا جب کہ وہ ہی خصم ہے پس یہ ثابت ہے۔ وہ اس وکیل کی طرح ہے جو عورت کو منتقل کرنے اور طلاق پر بینہ کے قائم کرنے پر وکیل کی طرح ہے۔

(۵) یہ ”ابن ابی لیلیٰ“ کا قول ہے: خصومت بینہ کے بغیر ختم ہو جاتی ہے۔ کیونکہ وہ غائب کے لیے ملک کا اقرار کرتا ہے۔ ہم نے کہا: وہ قبضہ کے ظاہر کی وجہ سے خصم بن چکا ہے۔ وہ اپنے اقرار کے ساتھ اس امر کا ارادہ کرتا ہے کہ وہ ایسے حق کی تحویل کر دے جو اس کی ذات پر لازم تھا۔ پس اس کی تصدیق حجت کے ساتھ کی جائے گی جس طرح اگر وہ دین کے اپنے ذمہ سے غیر کے ذمہ کی طرف پھیرنے کا دعویٰ کرے۔

26670۔ (قوله: كَمَا سَيَجِيءُ) کتاب الدعویٰ کی فصل دفع الدعاویٰ میں عنقریب آئے گا۔ ”ح“۔

26671۔ (قوله: قُبَل بُرْهَانِهِ) اس میں غور کیجئے اگر وہ بعض کی ادائیگی پر گواہیاں قائم کرے۔ پس یہ حادثہ الفتویٰ ہو جائے گا۔

26672۔ (قوله: فِي فَصْلِ الْإِسْتِثْنَاءِ) اس میں بہت زیادہ فوائد ہیں۔ پس اس کی طرف رجوع کیجئے۔ استثناء

إِنْ لَمْ يُصَالِحْهُ؛ وَلَوْ ادَّعى الْإِيْفَاءَ ثُمَّ صَالَحَهُ قَبْلَ بُرْهَانِهِ عَلَى الْإِيْفَاءِ بَحْرًا وَفِيهِ بَرَهْنٌ أَنَّ لَهُ أَرْبَعِيَّةً
ثُمَّ أَقْرَأَ أَنَّ عَلَيْهِ لِلْمُنْكَرِ ثَلَاثِيَّةً سَقَطَ عَنِ الْمُنْكَرِ ثَلَاثِيَّةً، وَقِيلَ لَا وَعَلَيْهِ الْفَتْوَى مُلْتَقَطٌ، وَكَأَنَّهُ لِأَنَّهُ
لَسَا كَانَ الْمُدَّعى عَلَيْهِ جَاحِدًا فِدَمَتُهُ غَيْرُ مَشْغُولَةٍ فِي رُغْبِهِ فَأَيْنَ تَقَعُ الْمُقَاصَّةُ؟ وَاللَّهُ تَعَالَى أَعْلَمُ (وَإِنْ
زَادَ) كَلِمَةً (وَلَا أُغْرِفُكَ وَنَحْوَهُ) كَمَا رَأَيْتُكَ (لَا يُقْبَلُ لِتَعَذُّرِ التَّوْفِيقِ، وَقِيلَ يُقْبَلُ لِأَنَّ الْمُحْتَجِبَ أَوْ
الْمُخَذَّرَةَ قَدْ يَتَأَذَّى بِالشَّغَبِ عَلَى بَابِهِ فَيَأْمُرُ بِإِرْضَاءِ الْخَصْمِ وَلَا يَعْرِفُهُ ثُمَّ يَعْرِفُهُ،

اگر وہ اس کے ساتھ مصالحت نہ کرے اگر وہ حق کی ادائیگی کا دعویٰ کرے پھر حق کی ادائیگی پر گواہیاں قائم کرنے سے قبل
مصالحت کر لے، ”بحر“۔ اس میں ہے: اس نے گواہیاں قائم کیں کہ اس کا چار سو ہے پھر اس نے اقرار کیا کہ اس پر منکر کے
لیے صرف تین سو ہیں تو منکر سے تین سو ساقط ہو جائیں گے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ساقط نہیں ہوں گے۔ اسی پر فتویٰ ہے۔
”ملتقط“۔ گویا کیونکہ مدعی علیہ منکر ہے اور اس کے ذمہ اس کے گمان میں غیر مشغول ہے تو یہ مقاصہ (باہم برابری) کیسے واقع
ہوگا۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔ اگر اس نے کہا: میں تجھے نہیں پہچانتا وغیرہ جیسے میں نے تجھے نہیں دیکھا کلمہ کو زائد کیا تو اسے
قبول نہیں کیا جائے گا۔ کیونکہ تطبیق متعذر ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اسے قبول کیا جائے گا۔ کیونکہ محتجب یا پردہ دار عورت
بعض اوقات اپنے دروازہ پر شور و شغب سے اذیت حاصل کرتی ہے۔ پس وہ خصم کو راضی کرنے کا حکم لیتا ہے اور اسے نہیں
پہچانتا پھر اسے پہچان لیتا ہے

سے مراد کسی شے کی خرید کو طلب کرنا ہے۔

26673۔ (قوله: إِنْ لَمْ يُصَالِحْهُ) اس مسئلہ کا محل ان کا قول: ومن ادعى على آخر ما لا ہے۔ ”البحر“ میں کہا: اور یہ
قید لگائی ہے کہ مدعی علیہ نے مصالحت نہ کی۔ کیونکہ وہ اس سے خاموش ہے اصل عدم ہے۔ مگر جب وہ انکار کرے اور کسی شے
پر مصالحت کر لے پھر ایفا پر گواہیاں قائم کر دے یا بری کرنے پر گواہیاں قائم کر دے اس کا دعویٰ نہیں سنا جائے گا جس طرح
”الخلاصہ“ میں ہے۔ ”ح“۔

26674۔ (قوله: وَكَأَنَّهُ الْخ) یہ صاحب ”المنح“ کے کلام میں سے ہے۔

26675۔ (قوله: فَأَيْنَ) ”المنح“ میں جو واقع ہے وہ اتنی ہے۔

26676۔ (قوله: وَإِنْ زَادَ) یعنی جو قول پہلے گزرا ہے مَالِكَ عَلَى شَيْءٍ، تیرا مجھ پر کچھ نہیں۔ اس پر اس قول کا

اضافہ کیا۔

26677۔ (قوله: وَقِيلَ) قدوری نے ہمارے اصحاب سے اس کا ذکر کیا ہے۔ ”بحر“۔

26678۔ (قوله: لِأَنَّ الْمُحْتَجِبَ) یعنی مردوں میں سے۔ محتجب اسے کہتے ہیں جو خود اپنے کام نہیں کرتا۔ ایک قول

یہ کیا گیا ہے: جس کی عظمت کی وجہ سے ہر کوئی اسے نہیں دیکھتا۔ ”بحر“۔

حَتَّى لَوْ كَانَ مِمَّنْ يَعْمَلُ بِنَفْسِهِ لَا يَقْبَلُ، نَعَمْ لَوْ ادَّعَى إِقْرَارَ الْمُدَّعَى عَلَيْهِ بِالْوُصُولِ أَوْ الْإِيصَالِ صَحَّ
دُرُّهُ فِي آخِرِ الدَّعْوَى لِأَنَّ التَّنَاقُضَ لَا يَنْتَعِمُ صِحَّةَ الْإِقْرَارِ (أَقْرَأَ بِبَيْعِ عَبْدِهِ) مِنْ فُلَانٍ (ثُمَّ جَحَدَهُ صَحَّ)
لِأَنَّ الْإِقْرَارَ بِالْبَيْعِ بِلَا ثَمَنِ بَاطِلٌ إِقْرَارُ بَرَّازِيَّةٍ

یہاں تک کہ اگر وہ ان لوگوں میں سے ہو جو خود عمل کرتا ہے تو اسے قبول نہیں کیا جائے گا۔ ہاں اگر وہ یہ دعویٰ کرے کہ مدعی
علیہ نے وصول یا ایصال کا اقرار کیا تو یہ صحیح ہوگا، ”درر“ کے کتاب الدعویٰ کے آخر میں ہے: کیونکہ تناقض صحت اقرار کے مانع
نہیں۔ ایک آدمی نے اپنے غلام کو فلاں کے ہاتھ میں بیچنے کا اقرار کیا پھر اس کا انکار کر دیا تو یہ صحیح ہوگا۔ کیونکہ بیع کا ثمن کے
بغیر اقرار باطل ہے۔ ”برازیہ“ کے کتاب الاقرار میں ہے۔

26679۔ (قوله: حَتَّى لَوْ كَانَ) کان کی ضمیر سے مراد مدعی علیہ ہے۔ اسے اس قول جو ”النهاية“ میں ہے ”قاضی خان“
کی پیروی میں تفریع کے طور پر ذکر کیا ہے۔ ”ایضاح الاصلاح“ میں ہے: ان میں اعتراض کی گنجائش ہے۔ کیونکہ تطبیق کے
امکان کی بنیاد یہ ہے کہ دونوں میں سے ایک ان افراد میں سے ہو جو اعمال خود نہیں کرتا نہ کہ مدعی علیہ خصوصی طور پر اس کا مصداق
ہے۔ انتہی۔ اس کا رد کرنا ظاہر ہے۔ کیونکہ مکمل کلام مدعی علیہ کے تناقض میں ہے نہ کہ مدعی کے تناقض میں ہے۔ ”بحر“۔

26680۔ (قوله: نَعَمْ لَوْ ادَّعَى) ”الدرر“ میں ”القنیه“ سے نقل کیا ہے: مدعی علیہ نے مدعی سے کہا: میں تجھے نہیں
پہچانتا جب بینہ کے ساتھ حق ثابت ہو گیا تو اس نے ایصال (حق پہچانے) کا دعویٰ کر دیا تو اسے نہیں سنا جائے گا اگر مدعی کے
وصول یا ایصال کے اقرار کا دعویٰ کیا تو اسے سنا جائے گا۔

”البحر“ میں کہا: کیونکہ تناقض وہ ہوتا ہے جو دو کلاموں کو جمع کرتا ہے یہاں اس نے دو کلاموں کو جمع نہیں کیا۔ اس وجہ
سے اگر مدعی آنکھوں دیکھ کر اس کی تصدیق کرے تو وہ تناقض نہ ہوا۔ ”تمر تاشی“ نے اس کا ذکر کیا ہے، انتہی۔ اس کی مکمل
گفتگو اس میں ہے۔

یہ اس سے زیادہ بہتر ہے جس کے ساتھ شارح نے علت بیان کی ہے۔ اس سے یہ امر ظاہر ہوتا ہے کہ شارح کا قول:
اقرار المدعی علیہ اس کا صحیح اقرار المدعی ہے۔ مگر اسے یوں پڑھا جائے المدعی علیہ یعنی المدعی کو اسم فاعل کا صیغہ
پڑھا جائے۔ تامل

بیع کا بغیر ثمن کے اقرار باطل ہے

26681۔ (قوله: لِأَنَّ الْإِقْرَارَ الْخ) اس میں ہے: بیع کا اقرار اس کے دور کنوں کا اقرار ہے کیونکہ یہ مال کا مال کے
بدلے مبادلہ ہے۔ مگر یہ کہ اسے اس پر محمول کیا جائے کہ اس نے مال کے بغیر بیع کا اقرار کیا ہے، تامل۔ ”المبسوط“ میں کہا:
دونوں نے بائع کے اقرار پر گواہیاں قائم کیں اور ثمن کا ذکر نہ کیا اور ثمن کے قبضہ کرنے پر گواہی نہ دی تو اسے قبول نہ کیا جائے
گا۔ اگر وہ دونوں کہیں: ہمارے پاس اس نے اقرار کیا کہ اس نے اس کے ہاتھ شے بیچی اور ثمن لے لی اور ثمن کا ذکر نہ کیا تو یہ

(ادّعی علی آخر أنّه باعہ اُمّتہ) مِنْہُ (فَقَالَ) الْآخَرُ (لَمْ أَبْعَها مِنْكَ قَطُّ فَبَرَّهَنَ) الْمُدّعی (عَنِ الشَّرَاءِ) مِنْہُ (فَوَجَدَ) الْمُدّعی (بِہَا عَیْبًا) وَأَرَادَ رَدَّہَا (فَبَرَّهَنَ الْبَائِعُ أَنَّهُ) أَمّی الْمُشْتَرِی (بَرِئَ إِلَیْہِ مِنْ كُلِّ عَیْبٍ بِہَا لَمْ تُقْبَلْ) بَیِّنَةُ الْبَائِعِ لِلتَّنَاقُضِ، وَعَنْ الثَّانِی تَقْبَلُ لِامْكَانِ التَّوْفِیْقِ بَیْئِعٍ وَكِلَیْہِ وَإِبْرَائِیْہِ عَنْ الْعَیْبِ، وَمِنْہُ وَاقِعَةٌ سَرَقَتْ اِدَّعَتْ أَنَّهُ نَكَحَہَا بِكَذَا وَطَالَبَتْہُ بِالنَّهْرِ

ایک آدمی نے دوسرے پر دعویٰ کیا کہ اس نے اپنی لونڈی اس کے ہاتھ میں بیچی دوسرے نے کہا: میں نے کبھی بھی اسے تیرے ہاتھ میں نہیں بیچا تو مدعی نے اس سے خریدنے پر گواہیاں قائم کر دیں مدعی نے اس لونڈی میں عیب پایا اور اسے واپس کرنے کا ارادہ کیا بائع نے یہ گواہیاں قائم کیں کہ مشتری نے تو اسے اس عیب سے بری کر دیا تھا جو اس میں عیب ہے تو بائع کے بینہ کو قبول نہیں کیا جائے گا۔ کیونکہ تناقض پایا جا رہا ہے۔ امام ”ابو یوسف“ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: گواہیوں کو قبول کیا جائے گا۔ کیونکہ تطبیق ممکن ہے کہ اس کے وکیل نے بیع کی ہو اور اسے عیب سے بری کر دیا ہو۔ اسی سے متعلق سر قند کا واقع ہے: ایک عورت نے دعویٰ کیا کہ فلاں مرد نے اس کے ساتھ اتنے کے بدلے میں نکاح کیا ہے اور عورت نے مہر کا مطالبہ کیا

جائز ہوگا، انتہی۔ ”مجمع الفتاویٰ“ میں ہے: دونوں نے گواہی دی کہ اس نے بیچا اور ثمن پر قبضہ کیا تو یہ جائز ہوگا اگرچہ وہ ثمن کو بیان نہ کریں۔ اسی طرح اگر وہ بائع کے اقرار کی گواہی دیں کہ اس نے اسے بیچا اور ثمن پر قبضہ کیا۔

”الخلاصہ“ میں کہا: سب نے ثمن کے بیان کیے بغیر بیع پر گواہی دی اگر وہ ثمن کے قبضہ کرنے پر گواہی دیں تو اسے قبول کیا جائے گا۔ اسی طرح اگر دونوں میں سے ایک وضاحت کرے اور دوسرا خاموش رہے۔ ”نور العین“ میں فصل سادس کے اوائل میں ہے۔ اس میں غور کیجئے جس کا ہم عنقریب کتاب الشہادۃ کے باب الاختلاف میں ذکر کریں گے۔

26682۔ (قوله: اُمّتہ مِنْہُ) منہ کے قول کی کوئی حاجت نہیں کیونکہ باع کی ضمیر اس سے غنی کر دیتی ہے۔ ”ح“۔

26683۔ (قوله: أَمّی الْمُشْتَرِی) زیادہ صائب یہ ہے یعنی بائع جس طرح ”البحر“ میں ہے۔

26684۔ (قوله: لِلتَّنَاقُضِ) کیونکہ براءت کی شرط لگانا یہ اس عقد کی تغیر ہے جو دوسرے آدمی تک یہ وصف کی

سلامتی کا تقاضا کرتا ہے۔ پس یہ عقد کے وجود کا تقاضا کرتا ہے جب کہ اس نے عقد کا انکار کیا ہے جو قول گزر چکا ہے وہ اس کے خلاف ہے۔ کیونکہ باطل کو بعض اوقات ادا کر دیا جاتا ہے۔ اور ایک آدمی اس سے براءت کا اظہار کرتا ہے مقصود باطل دعویٰ کو ختم کرنا ہوتا ہے۔ یہ سب کی جانب سے ظاہر روایت ہے۔ ”بحر“۔

26685۔ (قوله: بَیْئِعٍ وَكِلَیْہِ) یعنی وکیل البائع۔

26686۔ (قوله: وَإِبْرَائِیْہِ عَنْ الْعَیْبِ) یہاں مصدر اپنے مفعول کی طرف مضاف ہے یہ ضمیر وکیل کی طرف راجع

ہے اور فاعل مشتری ہے، ”ح“۔ اور جو کچھ ہم نے کہا اس بنا پر یہ مصدر اپنے فاعل کی طرف مضاف ہے اور ضمیر وکیلہ کے لیے ہے۔ ”البحر“ کی عبارت کا یہی مفہوم ہے۔ ان کا پہلا قول: لَمْ أَبْعَها مِنْكَ قَطُّ سے مراد ہے میں نے اسے براہ راست

فَأَنْكَرَ فَبَرَهَنْتُ فَأَدَّعَى أَنَّهُ خَلَعَهَا عَلَى السَّهْرِ تَقْبَلُ لِحْتِمَالِ أَنَّهُ زَوَّجَهُ أَبُوهُ وَهُوَ صَغِيرٌ وَلَمْ يَعْلَمْ خُلَاصَةً (يَبْطُلُ) جَبِيْعٌ (صَلِّ) أَمْنِي مَكْتُوبٌ (كُتِبَ) إِنْ شَاءَ اللَّهُ فِي آخِرِهِ وَقَالَا آخِرُهُ فَقَطُّ وَهُوَ اسْتِحْسَانٌ رَاجِعٌ عَلَى قَوْلِهِ فَتَحَّ وَاتَّفَقُوا عَلَى أَنَّ الْفُرْجَةَ كِفَاصِلِ السُّكُوتِ وَعَلَى انْصِرَافِهِ لِلْكَلِّ فِي جُبَلٍ عَطَفَتْ بِوَاوٍ

مرد نے اس کا انکار کر دیا، عورت نے گواہیاں قائم کر دیں مرد نے دعویٰ کر دیا کہ اس نے عورت سے مہر پر تو گواہیاں قبول کی جائیں گی۔ کیونکہ یہ احتمال موجود ہے کہ مرد کے باپ نے اس کا عقد نکاح کیا ہو جب کہ وہ مرد چھوٹا ہو اور اسے علم نہ ہو، ”خلاصہ“۔ ہر وہ تحریر جس کے آخر میں ان شاء اللہ لکھا ہو وہ باطل ہو جائے گی۔ ”صاحبین“ رحمہ اللہ نے کہا: صرف اس کا آخری حصہ باطل ہو گا یہ استحسان ہے جو ”امام صاحب“ رحمہ اللہ کے قول پر رائج ہے، ”فتح“۔ تمام ائمہ اس پر متفق ہیں کہ تحریر میں انقطاع، فاصل سکوت کی طرح ہے اور ائمہ کا اس پر اتفاق ہے کہ اسے پوری تحریر کی طرف پھیرا جائے ایسے جملوں میں جو واؤ کے ساتھ معطوف ہوں

نہیں بیچا۔ اور ان کا قول: انہ برئ الیہ میں الیہ کی ضمیر وکیلہ کے لیے ہے۔

26687۔ (قوله: فَأَنْكَرَ) یعنی اس نے کہا: ہمارے درمیان کوئی نکاح نہیں جس طرح ”البحر“ میں ”جامع الفصولین“ سے مروی ہے۔ اس نے کہا: میرے اور تیرے درمیان کوئی نکاح نہیں جب اس عورت نے نکاح پر گواہیاں قائم کیں مرد نے خلع پر گواہیاں قائم کر دیں تو مرد کی گواہیاں قبول کی جائیں گی۔ اگر مرد نے کہا: ہمارے درمیان تو کبھی نکاح نہیں تھا یا اس نے کہا: میں نے اس سے کبھی شادی نہیں کی جب کہ صورتحال اسی حال پر باقی رہے چاہیے کہ یہ اور عیب کا مسئلہ برابر ہو۔ ظاہر روایت میں ہے: عیب سے براءت کے بینہ کو قبول نہیں کیا جائے گا۔ کیونکہ یہ بیع کا اقرار ہے۔ اسی طرح خلع سابقہ نکاح کا تقاضا کرتا ہے پس تناقض متحقق ہوگا۔

26688۔ (قوله: رَاجِعٌ عَلَى قَوْلِهِ) کیونکہ جملوں میں اصل یہ ہے کہ وہ مستقل ہوں۔ اور تحریر تو اسی لیے لکھی جاتی ہے تاکہ اس بارے میں اطمینان ہو اگر وہ پوری تحریر کی طرف پھرے تو یہ سب تحریر کو باطل کرے گی۔ پس علما نے اس سے جو مقید کیا ہے یہ اس کی ضد ہوگی۔ پس جس کے ساتھ یہ متصل ہے ضرورتاً اس کی طرف پھرے گا۔ ”التبیین“ میں اسی طرح ہے۔ ”ح“

ہر وہ تحریر جس کے آخر میں ان شاء اللہ لکھا ہو وہ باطل ہو جائے گی

26689۔ (قوله: فِي جُبَلٍ) یعنی قولی جملوں میں۔ ورنہ یہ ماقبل کے منافی ہوگا۔ ”البحر“ میں ہے: حاصل کلام یہ ہے: علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ مشیت کا ذکر جب واؤ کے ساتھ ایک دوسرے پر عطف کی صورت میں جملوں کے بعد آئے جس طرح اس کا قول ہے: عبدة حردا امراتہ طالق وعلیہ المشی الی بیت اللہ الحرام ان شاء اللہ تو یہ مشیت تمام جملوں کی طرف راجع ہوگی۔ پس تمام کلام باطل ہو جائے گی۔ امام ”ابو حنیفہ“ رحمہ اللہ اس کے حکم پر گامزن ہوئے ہیں اور ”صاحبین“ رحمہ اللہ

وَأُعْقِبَتْ بِشَرْطٍ، وَأَمَّا إِسْتِثْنَاءُ بِيَالٍ وَأَخَوَاتِهَا فَلِأَخِيرٍ إِلَّا لِقَرِينَةٍ لَهُ مِائَةٌ دِرْهَمٍ وَخَمْسُونَ دِينَارًا إِلَّا دِرْهَمًا فَلِأَوَّلِ اسْتِخْسَانًا وَأَمَّا إِسْتِثْنَاءُ بِيَانٍ شَاءَ اللَّهُ بَعْدَ جُمْلَتَيْنِ إِيْقَاعِيَّتَيْنِ فَإِلَيْهِمَا اتِّفَاقًا وَبَعْدَ طَلَاقَيْنِ مُعَلَّقَيْنِ أَوْ طَلَاقٍ مُعَلَّقٍ وَعِتْقٍ مُعَلَّقٍ فَإِلَيْهِمَا عِنْدَ الثَّالِثِ وَلِلْأَخِيرِ عِنْدَ الثَّانِي، وَلَوْ بِلَا عَطْفٍ أَوْ بِهِ بَعْدَ سُكُوتٍ فَلِأَخِيرٍ اتِّفَاقًا وَعَطْفُهُ بَعْدَ سُكُوتِهِ لَغَوٍ إِلَّا بِمَا فِيهِ تَشْدِيدٌ عَلَى نَفْسِهِ وَتَسَامُهُ فِي الْبَحْرِ مَاتَ ذِمِّي فَقَالَتْ عِرْسُهُ أَسْلَمْتُ بَعْدَ مَوْتِهِ وَقَالَتْ وَرَثَتُهُ قَبْلَهُ صَدَقُوا

اور اس کے آخر میں شرط ہو۔ جہاں تک الا اور اس کے اخوات کے ساتھ استثنا کا تعلق ہے تو یہ صرف آخری کے لیے ہوگی مگر جب قرینہ پائے جائے تو اس کے لیے استثنا ہوگی۔ جس طرح اس کے سودرہم اور پچاس دینار ہیں مگر ایک تو بطور استحسان استثنا پہلے سے ہوگی۔ جہاں تک اس استثنا کا تعلق ہے جو ان شاء اللہ کے ساتھ ہوا ایسے دو جملوں کے بعد جو ایقاعی ہیں تو بالاتفاق استناد دونوں جملوں سے متعلق ہوگی اور دو معلق طلاقوں کے بعد یا ایک معلق طلاق کے بعد اور ایک معلق عتق کے بعد تو امام ”محمد“ رحمہ اللہ کے نزدیک دونوں سے متعلق ہوگی۔ امام ”ابو یوسف“ رحمہ اللہ کے نزدیک آخری سے متعلق ہوگی۔ اگر دونوں جملے عطف کے بغیر ہوں یا اس کے ساتھ ہوں مگر سکوت کے ساتھ ہوں تو استثنا بالاتفاق آخری سے متعلق ہوگی۔ اس کے سکوت کے بعد اس کا عطف لغو ہوگا مگر جس میں اس کی ذات پر تشدید ہو۔ اس کی مکمل وضاحت ”البحر“ میں ہے۔ ایک ذمی فوت ہو گیا اس کی بیوی نے کہا: میں اس کی موت کے بعد مسلمان ہوئی ہوں۔ اس کے وارثوں نے کہا: وہ اس کی موت سے پہلے مسلمان ہو گئی تھی تو وراثت کی تصدیق کی جائے گی۔

نے تحریر لکھنے کی صورت کو اس کے عموم سے اس عارض کی وجہ سے خارج کیا ہے جس نے اس شرط کے حکم کے عموم سے تحریر کو تخصیص کا تقاضا کیا ہے جو شرط باہم ایک دوسرے پر معطوف جملوں کے بعد آئے۔ کیونکہ معمول یہی ہے اسی پر امر حادث کو معمول کیا جاتا ہے۔ اسی وجہ سے ”صاحبین“ رحمہ اللہ کا قول استحسان ہے جو ”امام صاحب“ رحمہ اللہ کے قول پر رائج ہے۔ ”فتح القدیر“ میں اسی طرح ہے۔ اس کا ظاہر یہ ہے کہ شرط سب کی طرف راجع ہوتی ہے اگرچہ ان شاء اللہ کی صورت میں نہ ہو۔ 26690۔ (قولہ: بِشَرْطٍ) یعنی خواہ شرط مشیت ہو یا نہ ہو جس طرح ”البحر“ میں اس کی تصریح کی ہے، ”ح“۔ یہ ہے کہ یہ اقرار کے ساتھ خاص ہے۔ کیونکہ اس کے بعد ان کا قول آئے گا: واما الاستثناء الخ، تامل 26691۔ (قولہ: إِيْقَاعِيَّتَيْنِ) یعنی دونوں حتمی ہیں ان میں کوئی بھی معلق نہیں ہے یہاں قرینہ مقابل ہے جیسے انت طالق، هذا حران شاء الله تعالى۔ ”ح“۔

26692۔ (قولہ: أَوْ بِهِ بَعْدَ سُكُوتٍ) یعنی جب سکوت آخری جملہ اور اس کے مقابل میں ہو۔

26693۔ (قولہ: إِلَّا بِمَا فِيهِ تَشْدِيدٌ) اگر اس نے کہا: ان دخلت الدار فانت طالق (اگر تو گھر میں داخل ہو تو

تجھے طلاق ہے) اور خاموش ہو گیا پھر اس نے کہا: و هذا الاخرى (اور یہ دوسری) تو دوسری اس یمین میں داخل ہوگی۔ اگر اس

تَحْكِيمًا لِلْحَالِ (کَمَا) يُحَكِّمُ الْحَالُ (فِي مَسْأَلَةِ) جَرَّيَانِ (مَاءِ الطَّاحُونَةِ) ثُمَّ الْحَالُ إِنَّمَا تَصْدُحُ حُجَّةٌ لِلدَّفْعِ
لَا لِلاِسْتِحْقَاقِ (کَمَا فِي مُسْلِمٍ مَا تَفَقَّاتُ عَرْسُهُ) الذِّمِّيَّةُ (أَسْلَمْتُ قَبْلَ مَوْتِهِ)

یہ ظاہر حال پر حکم لگانے کی وجہ سے ہے جس طرح اس مسئلہ میں ظاہر حال پر حکم لگایا جاتا ہے جس میں پن چکی کے پانی کے جاری ہونے پر حکم لگایا جاتا ہے پھر ظاہر حال دفع کے لیے حجت بننے کی صلاحیت رکھتی ہے استحقاق کے لیے حجت بننے کی صلاحیت نہیں رکھتی۔ جس طرح ایک مسلمان مر گیا تو اس کی ذمی بیوی نے کہا: میں اس کی موت سے پہلے اسلام لا چکی تھی

نے و ہذہ الدار الاخری (اور یہ دوسرا گھر) تو معاملہ مختلف ہوگا۔ اگر اس نے کہا: ہذہ طالقہ اسے طلاق ہے پھر خاموش ہو گیا اور کہا: و ہذہ (اور اسے) تو دوسری کو طلاق ہو جائے گی۔ عتق میں اسی طرح ہے۔ ”بحر“۔ کذا فی الہامش (حاشیہ میں اسی طرح ہے)

تحکیم الحال حق کو ساقط کرنے کی حجت ہے نہ کہ حق کو ثابت کرنے کی

26694۔ (قوله: تَحْكِيمًا لِلْحَالِ) یعنی ظاہر حال پر حکم لگایا جائے گا۔ کذا فی الہامش

26695۔ (قوله: کَمَا فِي مُسْلِمٍ) مصنف نے جس نسخہ پر شرح لکھی ہے اس میں یہ مسئلہ موجود نہیں۔

26696۔ (قوله: جَرَّيَانِ الْخ) جریان کی تخصیص کی کوئی وجہ نہیں بلکہ انقطاع اسی طرح ہے۔ پس زیادہ بہتر اس کا حذف کرنا ہے۔

اجرت کو ثابت کرنے کے لیے ظاہر حال سے استدلال کیا جاتا ہے

26697۔ (قوله: ثُمَّ الْحَالُ إِنَّمَا تَصْدُحُ حُجَّةٌ لِلدَّفْعِ لَا لِلاِسْتِحْقَاقِ) اگر یہ کہا جائے: اس قول کا تو اس کے ساتھ نقض واقع ہو جاتا ہے جو مستاجر پر اجرت کا فیصلہ کیا جاتا ہے جب پن چکی کا پانی جاری ہو جب باہم اختلاف واقع ہو۔ کیونکہ اجرت کو ثابت کرنے کے لیے ظاہر حال سے استدلال کیا جاتا ہے۔ ہم کہتے ہیں: یہ اس پر اعتراض کو دور کرنے کے لیے استدلال ہے جو مستاجر آجر پر دعویٰ کرتا ہے کہ ایسا عیب ثابت ہے جو آجر کے سقوط کا موجب ہے۔ جہاں تک آجر کے ثبوت کا تعلق ہے وہ تو اس سابقہ عقد کی وجہ سے ہے جو اس کا موجب ہے۔ پس یہ استدلال دافع ہوگا موجب نہیں ہوگا۔

حاشیہ میں ”البحر“ سے مروی ہے: اگر ایک مسلمان مر جائے اور اس کی نصرانی بیوی ہو وہ خاوند کی موت کے بعد مسلمان ہو کر آئی اور اس نے کہا: میں اس کی موت سے پہلے مسلمان ہو چکی تھی وارثوں نے کہا: یہ اس کی موت کے بعد مسلمان ہوئی تو بھی قول ان کا معتبر ہوگا۔ اور ظاہر حال کے مطابق حکم نہیں لگایا جائے گا۔ کیونکہ ظاہر حال استحقاق کے لیے حجت بننے کی صلاحیت نہیں رکھتی جب کہ عورت اس کی محتاج ہے۔ جہاں تک وارث اس کا دفاع کرنے والے (رد کرنے والے) ہیں اور حدوث کا ظاہر بھی ان کی تائید کرتا ہے۔

26698۔ (قوله: کَمَا فِي مُسْلِمٍ الْخ) یہ منفی کی تمثیل ہے۔ یہی استحقاق ہے۔ اس کا حاصل یہ ہے: یہاں بھی انہیں کا

فَأَرِثُهُ (وَقَالُوا بَعْدَهُ) فَالْقَوْلُ لَهُمْ لِأَنَّ الْحَادِثَ يُضَافُ لِأَقْرَبِ أَوْقَاتِهِ فَرَعٌ وَقَعَ الْاِخْتِلَافُ فِي كُفْرِ
النَّبِيِّ وَإِسْلَامِهِ فَالْقَوْلُ لِمُدَّعِي الْإِسْلَامِ بِحَرِّ فَرَعٌ وَقَعَ الْاِخْتِلَافُ فِي كُفْرِ النَّبِيِّ وَإِسْلَامِهِ فَالْقَوْلُ
لِمُدَّعِي الْإِسْلَامِ بِحَرِّ (قَالَ الْمُودَعُ) بِالْفَتْحِ (هَذَا) ابْنُ مُودِعٍ بِالنَّكْسِ (النَّبِيِّ لَا وَارِثَ لَهُ غَيْرُهُ دَفَعَهَا
إِلَيْهِ) وَجُوبًا كَقَوْلِهِ هَذَا ابْنُ دَائِنِي، قَيَّدَ بِالْوَارِثِ لِأَنَّهُ لَوْ أَقَرَّ أَنَّهُ وَصِيُّهُ أَوْ وَكِيلُهُ أَوْ الْمُشْتَرِي مِنْهُ لَمْ
يَذْفَعَهَا (فَإِنْ أَقَرَّ) ثَانِيًا (بِابْنِ آخَرٍ لَهُ لَمْ يُفَدْ) إِقْرَارُهُ (إِذَا كَذَّبَهُ) الْاِبْنُ (الْأَوَّلُ) لِأَنَّهُ إِقْرَارٌ عَلَى الْغَيْرِ،
وَيُضَنُّ لِلثَّانِي حَظُّهُ إِنْ دُفِعَ لِلْأَوَّلِ بِلَا قَضَاءٍ زَيْدَعِي

میں اس کی وارث ہوں۔ ورثاء نے کہا: یہ اس کی موت کے بعد مسلمان ہوئی تو قول ورثاء کا معتبر ہوگا۔ کیونکہ امر حادث اپنے
اوقات میں سے سب سے قریبی کی طرف مضاف ہوتی ہے۔ فرع: میت کے کفر اور اس کے اسلام میں اختلاف واقع ہو گیا تو
قول اسلام کے مدعی کا معتبر ہوگا، ”بحر“۔ مودع نے کہا: یہ میرے مودع، جو فوت ہو چکا ہے، کا بیٹا ہے اس کے سوا اس کا کوئی
وارث نہیں ہے۔ تو وجوبی طور پر اس کو دے دے گا جس طرح اس کا یہ قول ہے: یہ میرے قرض خواہ کا بیٹا ہے۔ وارث کی قید
لگائی ہے کیونکہ اگر وہ یہ اقرار کرے کہ یہ اس کا وصی ہے یا اس کا وکیل ہے یا اس کا خریدار ہے تو وہ اسے نہیں دے گا۔ اگر وہ
دوسری دفعہ اپنے دوسرے بیٹے کا اقرار کرے تو اس کا اقرار صحیح نہیں ہوگا جب پہلا بیٹا اس کو جھٹلائے۔ کیونکہ یہ غیر کے خلاف
اقرار ہے اور دوسرے بیٹے کے لیے اس کے حصہ کا ضامن ہوگا اگر پہلے بیٹے کو قاضی کے فیصلہ کے بغیر ادا کرے، ”زیتعی“۔

قول معتبر ہوگا۔ اسی وجہ سے جس کا ذکر عنقریب آئے گا۔ یہ ممکن نہیں کہ قول اس عورت کا معتبر ہو جب کہ اس پر بنا کی جائے کہ
ظاہر حال پر حکم کیا جائے۔ کیونکہ یہ استحقاق کی دلیل نہیں بن سکتا جب کہ وہ عورت اس کی محتاج ہے۔

26699۔ (قوله: لِمُدَّعِي الْإِسْلَامِ) اگر ایک آدمی مرجائے اور اس کے والدین ذمی ہوں تو وہ دونوں کہیں: ہمارا بیٹا
کافر کی حیثیت سے مر گیا اور اس کے مسلمان بچے کہیں وہ مسلمان کی حیثیت سے مرا ہے تو اس کی میراث بچے کے لیے ہوگی
والدین کے لیے نہیں ہوگی۔ ”بحر“ میں ”الخزانہ“ سے مروی ہے۔

26700۔ (قوله: مُودِعُ) ”البحر“ میں کہا: اپنے اقرار کو بیٹے ہونے کے ساتھ مقید کیا۔ کیونکہ اگر اس نے کہا: یہ اس کا
حقیقی بھائی ہے اس کے سوا اس کا کوئی وارث نہیں جب کہ وہ اس کا دعویٰ کرتا ہے تو قاضی اس میں جلد بازی نہیں کرے گا۔ فرق
یہ ہے کہ بھائی اس وقت متحقق ہوتا ہے جب بیٹا نہ ہو۔ بیٹے کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ وہ ہر حال میں وارث ہے۔ ابن سے مراد
یہ ہے جو ہر حال میں وارث بنتا ہو بیٹی، باپ اور ماں بیٹے کی طرح ہے۔ ہر وہ شخص جو ایک حال میں وارث بنتا ہو دوسرے
حال میں وارث نہ بنتا ہو تو وہ بھائی کی طرح ہے۔ ”بحر“۔

26701۔ (قوله: زَيْدَعِي) یہی صحیح ہے جس طرح ”الفتح“ میں ہے۔ ”غایۃ البیان“ میں جو قول ہے وہ اس کے

خلاف ہے۔

(تَرَکَةُ قُسِبَتْ بَيْنَ الْوَرَثَةِ أَوْ الْغُرَمَاءِ بِشُهُودٍ لَمْ يَقُولُوا نَعْلَمُ) كَذَا نُسَخُ الْمَتْنِ وَالشَّرْحُ،

ترکہ وارثوں یا غرماء میں ایسے گواہوں کی گواہی کے ساتھ تقسیم کیا گیا جنہوں نے یہ نہیں کہا تھا ہم جانتے ہیں اسی طرح متن اور شرح کی نسخے ہیں،

وارث اگر غیر کے ساتھ مجبوجب ہو تو اس کا حکم

26702۔ (قوله: تَرَکَةُ قُسِبَتْ الْخ) ”جامع الفصولین“ کی بارہویں فصل کے آخر میں کہا جب کہ اصل کی طرف اشارہ کیا ہے: وارث اگر غیر کے ساتھ مجبوجب ہو جیسے دادا، دادی، بھائی، بہن تو کوئی شے اسے نہیں دی جائے گی جب تک وہ جمیع وارثوں پر گواہیاں قائم نہ کر دے یعنی جب وہ یہ دعویٰ کرے کہ وہ میت کا بھائی ہے تو ضروری ہوگا کہ وہ تمام حاضر وارثوں کی موجودگی میں اسے ثابت کرے یا دونوں گواہ یہ گواہی دیں کہ وہ اس کے سوا کسی وارث کو نہیں جانتے۔ اگر وہ دونوں کہیں: اس کے سوا کوئی وارث نہیں تو ہمارے نزدیک اسے قبول کیا جائے گا۔ ”ابن ابی لیلیٰ“ کے ہاں اسے قبول نہیں کیا جائے گا۔ کیونکہ ان دونوں نے اندازہ سے بات کی ہے۔ جب کہ ہمارے نزدیک عرف معتبر ہے۔ کیونکہ اس قول سے لوگوں کی مراد یہ ہوتی ہے، ہم اس کے سوا اس کا کوئی وارث نہیں جانتے یہ نفی پر شہادت ہے۔ پس اس شہادت کو قبول کیا جائے گا کیونکہ یہ بات گزر چکی ہے کہ شہادت کو شرط پر قبول کیا جاتا ہے اگرچہ وہ شرط نفی ہو۔ یہاں معاملہ اسی طرح ہے۔ کیونکہ یہ وراثت کی شرط پر قائم ہے۔ اگر وارث ان افراد میں سے ہے جو کسی کی وجہ سے مجبوجب نہیں ہوتا اگر دو آدمی گواہی دے دیں کہ یہ اس کا وارث ہے اور انہوں نے یہ نہ کہا: اس کے سوا اس کا کوئی وارث نہیں یا ہم اسے نہیں جانتے تو قاضی اتنا عرصہ انتظار کرے گا جس میں یہ امید ہو کہ کوئی دوسرا وارث حاضر ہو جائے۔ اگر وہ حاضر نہ ہو تو تمام وراثت کا اس کے حق میں فیصلہ کر دے دونوں مسئلوں میں امام ”ابو حنیفہ“ رحمہ اللہ کے نزدیک اس سے کفیل نہیں لیا جائے گا۔ یعنی اس صورت میں جب دونوں کہیں: اس کے سوا اس کا کوئی وارث نہیں یا ہم اسے نہیں جانتے ”صاحبین“ رحمہ اللہ کے نزدیک اس سے ضامن لیا جائے گا۔ انتظار کا عرصہ یہ قاضی کی رائے کے سپرد ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ایک ماہ۔ یہ امام ”ابو یوسف“ رحمہ اللہ کے نزدیک ہے۔ جہاں تک میاں بیوی کا معاملہ ہے اگر ان میں سے ایک گواہیوں کے ساتھ وراثت کو ثابت کرے اور یہ ثابت نہ کرے کہ اس کا اس کے سوا کوئی وارث ہے تو امام ”ابو حنیفہ“ رحمہ اللہ اور امام ”محمد“ رحمہ اللہ کے نزدیک دونوں کے حق میں انتظار کے بعد دو حصوں سے زائد کا فیصلہ کر دیا جائے گا۔ امام ”ابو یوسف“ رحمہ اللہ کے نزدیک دونوں کے حق میں اقل کا فیصلہ کیا جائے گا باپ کے لیے چوتھا اور ماں کے لیے آٹھواں۔ ملخص۔ اگر قاضی تاخیر کرے اور اس کا زمانہ گزر جائے تو کوئی فرق نہ ہوگا کہ یہ ان افراد میں سے ہے جو کسی دوسرے کی وجہ سے مجبوجب ہو جاتا ہے جیسے بھائی یا ان میں سے ہے جو مجبوجب نہیں ہوتا جیسے بیٹا جس طرح ”بزازیہ“ میں العاشر فی النسب والارث میں ہے اسے دیکھیے جس کا ذکر باب الشہادۃ علی الشہادۃ سے تھوڑا پہلے (مقولہ 27125 میں) آئے گا۔

26703۔ (قوله: كَذَا نُسَخُ الْمَتْنِ) یعنی لا کو ساقط کرنے کے ساتھ۔ حق یہ ہے کہ یہ ثابت ہو جس طرح باقی کتب

وَعِبَارَةُ الدَّرَرِ وَغَيْرِهَا لَا نَعْلَمُ لَهُ وَارِثًا أَوْ غَيْرِيًّا لَمْ يُكْفَلُوا خِلَافًا لَهُمَا لِجَهَالَةِ الْمَكْفُولِ لَهُ وَيَتَلَوَّمُ الْقَاضِي مُدَّةً ثُمَّ يَقْضِي، وَلَوْ ثَبَتَ بِالْإِقْرَارِ كُفْلُ الْإِتِّفَاقِ، وَلَوْ قَالَ الشُّهُودُ ذَلِكَ لَا إِتِّفَاقًا

”الدرر“ وغیرہا کی عبارت ہے: ہم نہیں جانتے کہ اس کا کوئی وارث یا قرض خواہ ہے ان سے ضمانت نہیں لی جائے گی۔ ”صاحبین“ رحمہ اللہ کا اس بارے میں اختلاف ہے۔ کیونکہ مکفول لہ مجہول ہے۔ قاضی ایک عرصہ تک فیصلہ کرنے میں تاخیر کرے گا پھر وہ فیصلہ کرے گا اگر اقرار سے یہ ثابت ہو تو بالاتفاق ان سے ضامن لیے جائیں گے اگر گواہوں نے یہ کہا کہ بالاتفاق ضامن نہیں لیے جائیں گے۔

میں ہے، ”ح“۔ کذا فی الہامش

26704۔ (قوله: لَمْ يُكْفَلُوا) یہ مجہول کا صیغہ ہے عین کلمہ مشدد ہے واو وارثوں یا غرماء کے لیے ہے۔ یعنی قاضی ان

سے کفیل نہیں لے گا، ”ح“۔ کذا فی الہامش

”الدرر“ میں کہا: ان کا قول لم یكفلوا یعنی ”امام صاحب“ رحمہ اللہ کے نزدیک ان سے شخصی ضامن نہیں لیا جائے گا۔ ”صاحبین“ رحمہ اللہ نے کہا: ان سے شخصی ضامن لیا جائے گا۔

یہ اس میں ظاہر ہے کہ ”صاحبین“ رحمہ اللہ کے قول کے مطابق ان سے شخصی ضامن لیا جائے گا۔ پھر میں نے تاج الشریعہ ”ابوسعود“ کو اپنے شیخ سے اسے نقل کرتے ہوئے دیکھا ہے۔ ”البحر“ میں اسے نہیں دیکھا پس اس میں توقف کیا کہ یہ کفالت بالنفس ہے یا کفالت بالمال ہے۔

26705۔ (قوله: لِجَهَالَةٍ) یہ ان کے قول لم یكفلوا کی علت ہے۔ کذا فی الہامش

اس مدت کا بیان جس مدت تک قاضی فیصلے میں تاخیر کر سکتا ہے

26706۔ (قوله: وَيَتَلَوَّمُ) یعنی وہ تاخیر کرے، ”ح“۔ مراد ہے فیصلہ کرنے میں تاخیر کرے نہ کہ اس کا مطلب ہے

فیصلہ کرنے کے بعد تاخیر کرے۔ جس طرح ”البحر“ میں ”غایۃ البیان“ سے نقل کیا ہے۔ مسئلہ کی تین وجوہ ہیں۔ پس ”البحر“ کی طرف رجوع کیجئے۔ اس میں کچھ شے الشہادۃ علی الشہادۃ سے تھوڑا پہلے (مقولہ 27125 میں) آئے گی۔

26707۔ (قوله: مُدَّةً) اس کی مدت کی مقدار قاضی کی رائے کے سپرد ہے۔ امام ”طحاوی“ نے اس کو ایک سال

مقدر کیا ہے۔ کذا فی الہامش۔ اور عدم تقدیر کی صورت میں یہ ہے کہ جب اسے ظن غالب حاصل ہو جائے کہ اس کا کوئی وارث نہیں اور اس کا کسی دوسرے پر کوئی قرض نہیں۔

26708۔ (قوله: ثَبَتَ بِالْإِقْرَارِ) یعنی وراثت اور دین اقرار کے ساتھ ثابت ہو، ”ح“۔ یہ ان کے قول بشہود

سے محترز ہے۔

26709۔ (قوله: ذَلِكَ) یعنی انہوں نے کہا: ہم اس کا نہ کوئی وارث جانتے ہیں اور نہ ہی قرض خواہ جانتے ہیں،

(ادَّعى) عَلَى آخَرَ (دَارَ النَّفْسِهِ وَلَاخِيهِ الْغَائِبِ) إِذَا ثَأ (وَبَرَّهَنَ عَلَيْهِ) عَلَى مَا ادَّعَاهُ (أَخَذَ) الْمُدَّعى (نِصْفَ الْمُدَّعى) مُشَاعًا (وَتَرَكَ بَاقِيَهُ فِي يَدِ ذِي الْيَدِ بِلَا كِفِيلٍ جَحَدَ) ذُو الْيَدِ (دَعْوَاهُ أَوْ لَمْ يَجْحَدْ) خِلَافًا لَهَا وَقَوْلُهَا اسْتِحْسَانٌ نِهَآيَةً، وَلَا تُعَادُ الْبَيِّنَةُ وَلَا الْقَضَاءُ إِذَا حَضَرَ الْغَائِبُ فِي الْأَصَحِّ لِاتِّصَابِ أَحَدِ الْوَرَثَةِ خَصْمًا لِلنِّسَبِ

ایک آدمی نے دوسرے پر ایک گھر کا اپنے لیے اور اس کے اپنے غائب بھائی کے لیے وراثت کے طور پر دعویٰ کیا اور جو دعویٰ کیا تھا اس پر گواہیاں قائم کر دیں مدعی نصف مدعی مشترک طور پر لے لے گا اور باقی ماندہ قابض کے حق میں بغیر کفیل کے چھوڑ دے گا قابض اس کے دعویٰ کا انکار کرے یا انکار نہ کرے۔ ”صاحبین“ رحمہ اللہ علیہما نے اس سے اختلاف کیا ہے اور ”صاحبین“ رحمہ اللہ علیہما کا قول استحسان ہے، ”نہایہ“۔ نہ بینہ دوبارہ پیش کیے جائیں گے اور نہ ہی قضا دوبارہ پیش کی جائے گی جب غائب حاضر ہو یہ اصح قول ہے۔ کیونکہ ایک وارث میت کا خصم بن سکتا ہے

”ح“۔ کذا فی الہامش۔

26710۔ (قوله: ادَّعى) ”جامع الفصولین“ کی فصل رابع میں ہے: ایک آدمی نے دو افراد کے خلاف دعویٰ کیا کہ وہ گھر جو تم دونوں کے قبضہ میں ہے وہ میری ملکیت ہے تو اس نے دونوں میں سے ایک کے خلاف گواہی قائم کر دی اگر گھر دونوں میں سے ایک کے قبضہ میں وراثت کی صورت میں ہو تو اس کے خلاف حکم غائب کے خلاف حکم ہوگا۔ کیونکہ ایک وارث سب کی جانب سے خصم ہو جاتا ہے اگر تمام گھر اس کے قبضہ میں نہ ہو تو یہ غائب کے خلاف قضا نہ ہوگی بلکہ اس کی قضا ہوگی کہ موجود کے قبضہ میں جو ہے حاضر کے خلاف اس کا فیصلہ ہے۔ اگر دونوں کے قبضہ میں ہو یا دونوں میں سے ایک کے قبضہ میں ہو وہ شرا کی وجہ سے ہو تو دونوں میں سے ایک کے خلاف حکم دوسرے کے خلاف حکم نہیں ہوگا۔

26711۔ (قوله: جَحَدَ ذُو الْيَدِ الْخ) یہ تعیم ان کے قول و برہن علیہ کے بعد غیر صحیح ہے۔ کیونکہ برہان اس امر کا تقاضا کرتی ہے کہ اس سے پہلے انکار ہو چکا ہو صحیح یہ ہے کہ ان کے قول: و برہن علیہ کو وثبت علیہ سے بدل دیا جائے پس یہ اس ثبوت کو شامل ہوگا جو اقرار اور بینہ سے ثابت ہو اس وقت اس کا قول جحد دعواہ اولم یجحد ساقط ہو جائے گا۔ ”ح“۔ اس کا جواب دیا جائے گا یہ تعیم ان کے قول و ترک باقیہ کی طرف راجع ہے اس کے ساتھ اختلاف کی طرف اشارہ کیا ہے۔ فافہم

26712۔ (قوله: خِلَافًا لَهَا) کیونکہ دونوں نے کہا: اگر قابض انکار کرے تو اس سے لے لیا جائے گا اور کسی دین دار آدمی کے پاس اس کو رکھ دیا جائے گا کیونکہ انکار کرنے کے ساتھ اس نے خیانت کی ہے ورنہ اس کے ہاتھ میں اسے چھوڑ دیا جائے گا۔ ”ح“۔

26713۔ (قوله: خَصْمًا لِلنِّسَبِ) زیادہ صحیح عن المیت ہے۔ حاشیہ میں ”البحر“ سے نقل کرتے ہوئے کہا ہے: وہ تین

حَتَّى تُقْضَى مِنْهَا دِيُونُهُ، ثُمَّ إِنَّمَا يَكُونُ خَصْمًا بِشُرُوطٍ تِسْعَةِ مَبْسُوطَةٍ فِي الْبَحْرِ، وَالْحَقُّ الْفَرْقُ بَيْنَ الدَّيْنِ وَالْعَيْنِ (وَمِثْلُهُ) أَيْ الْعَقَارِ (الْمَنْقُولِ) فِيمَا ذُكِرَ (فِي الْأَصَحِّ) دُرَرٌ لَكِنْ اعْتَمَدَ فِي الْمُلْتَقَى أَنَّهُ يُؤْخَذُ مِنْهُ اتِّفَاقًا وَمِثْلُهُ فِي الْبَحْرِ قَالَ وَأَجْمَعُوا عَلَى أَنَّهُ لَا يُؤْخَذُ لَوْ مُقَرَّرًا (أَوْ صَى لَهُ بِثُلُثِ مَالِهِ يَقَعُ)

یہاں تک وارثوں کی جانب سے اس کے دیون دیئے جائیں گے۔ پھر وہ نو شروط کے ساتھ خصم بنے گا جن کا ذکر ”البحر“ میں تفصیل سے آیا ہے۔ حق یہ ہے کہ دین اور عین میں فرق کیا جائے۔ اور عقار (جائیداد) کی مثل منقولہ چیز ہے ان امور میں جن کا ذکر کیا گیا ہے یہ اصح قول کے مطابق ہے، ”درر“۔ لیکن ”الملتقی“ میں اس پر اعتماد کیا ہے کہ بالاتفاق منقول اس سے لے لیا جائے گا۔ اسی کی مثل ”البحر“ میں ہے۔ کہا: علمائے اس پر اتفاق کیا ہے کہ اگر وہ اقرار کرنے والا ہو تو اس سے نہیں لیا جائے گا۔ ایک آدمی نے اپنے مال کے تہائی کی وصیت کی

شروط کی موجودگی میں باقی کی جانب سے خصم بنے گا: عینی چیز مکمل کی مکمل اس کے قبضہ میں ہوگی، وہ تقسیم نہ کی گئی ہو، غائب اس امر کی تصدیق کرے کہ یہ معین میت کی جانب سے گھر وراثت کے طور پر انہیں ملا ہے۔ انتہی عین اور دین میں فرق

26714۔ (قوله: وَالْحَقُّ الْفَرْقُ) اس کا ماقبل کلام سے کوئی رابطہ نہیں۔ کیونکہ اس کا ماقبل اس کے بارے میں ہے کہ ایک وارث میت کی جانب سے خصم بن سکتا ہے جب کہ یہ فرق اس بارے میں ہے کہ ان میں سے ایک اس بارے میں خصم بن سکتا ہے جو اس پر لازم ہے۔ ”البحر“ میں کہا: اسی طرح ان میں سے ایک مطلقاً خصم بن سکتا ہے اس معاملہ میں جو اس کے ذمہ لازم ہوا اگر وہ دین ہو۔ اگر عینی چیز کے دعویٰ کے بارے میں ہو تو ضروری ہے کہ وہ اس کے قبضہ میں ہوتا کہ یہ سب کے خلاف قضا ہو جائے اگر بعض اس کے قبضہ میں ہو تو اسی مقدار سے نافذ ہو جائے گا جس طرح ”الجامع الکبیر“ میں اس کی تصریح کی ہے۔ ”الہدایہ“، ”النہایہ“ اور ”العنایہ“ میں جو کچھ ہے اس کا ظاہر معنی یہ ہے ضروری ہے کہ دعویٰ دین میں بھی سب کچھ اس کے قبضہ میں ہو۔

”فتح القدیر“ میں عین اور دین میں فرق کی تصریح کی ہے یہی حق ہے اور اس کے علاوہ سہو ہے۔ ”حاشیۃ ابی سعود“ میں ان کے شیخ سے مروی ہے: دونوں میں فرق کی وجہ یہ ہے دائن کا حق تمام ترکہ میں مشتعل ہے۔ مدعی عین کا معاملہ مختلف ہے۔

26715۔ (قوله: وَالْعَيْنِ) جہاں وارثوں میں سے ایک دعویٰ عین میں باقی وارثوں کی جانب سے خصم نہیں بنتا مگر جب وہ اس کے قبضہ میں ہو دین کے دعویٰ میں یہ شرط نہیں کہ تمام ترکہ اس کے قبضہ میں ہو یہاں تک کہ وہ سب کی جانب سے خصم بن سکے۔ ”الہدایہ“، ”النہایہ“ اور ”العنایہ“ میں جو کچھ ہے اس کے خلاف ہے۔ ”ح“۔

26716۔ (قوله: لَوْ مُقَرَّرًا) یعنی اگر وہ اقراری ہے تو جائیداد کی طرح اس سے نہیں لیا جائے گا۔

ذَلِكَ (عَلَى كُلِّ شَيْءٍ) لِأَنَّهَا أُخْتُ الْبِيرَاثِ (وَلَوْ قَالَ مَالِي أَوْ مَا أَمْلِكُهُ صَدَقَةٌ فَهُوَ عَلَى) جِنْسِ (مَالِ الزَّكَاةِ) اسْتِحْسَانًا (وَإِنْ لَمْ يَجِدْ غَيْرَهُ أَمْسَكَ مِنْهُ) قَدَرُ (قُوتِهِ، فَإِذَا مَلَكَ) غَيْرَهُ (تَصَدَّقَ بِقَدَرِهِ) فِي الْبَحْرِ قَالَ إِنْ فَعَلْتُ كَذَا فَمَا أَمْلِكُهُ صَدَقَةٌ فَحِيلَتْهُ أَنْ يَبِيعَ مِلْكَهُ مِنْ رَجُلٍ بِشَوْبٍ فِي مُنْدِيلٍ وَيَقْبِضَهُ وَلَمْ يَرَهُ ثُمَّ يَفْعَلْ ذَلِكَ ثُمَّ يَرُدَّهُ بِخِيَارِ الرُّؤْيَةِ فَلَا يَلْزَمُهُ شَيْءٌ،

تو یہ وصیت ہر شے پر واقع ہوگی۔ کیونکہ یہ میراث کی بہن ہے اگر اس نے کہا: میرا مال اور جس کا میں مالک ہوں وہ صدقہ ہے تو اس کا اطلاق اس پر ہوگا جو مال زکوٰۃ کی جنس سے ہو۔ یہ بطور استحسان ہے۔ اگر وہ اس کے سوا کوئی شے نہ پاتا ہو تو اپنی خوراک کی مقدار اس سے روک لے جب وہ اس کے علاوہ کا مالک ہو تو جتنا روکا تھا اتنا صدقہ کر دے۔ ”البحر“ میں ہے: اس نے کہا: اگر میں اس طرح کروں تو جس کا میں مالک ہوں گا تو وہ صدقہ ہے تو اس کا حیلہ یہ ہے کہ وہ اپنی مملوکہ چیزیں ایک آدمی کے لیے ایسے کپڑے کے بدلے میں جو رو مال میں ہے بیچ دے اور اس کپڑے پر قبضہ کرے اور اسے نہ دیکھے پھر وہ اس طرح کا فعل کرے پھر خیار رویت کے ساتھ اس کپڑے کو رد کر دے تو اس پر کوئی شے لازم نہ ہوگی۔

26717۔ (قوله: مَالِي أَوْ مَا أَمْلِكُهُ الْخ) اس کا ظاہر معنی یہ ہے کہ دین بھی اس میں داخل ہوگا۔ ”القنیه“ میں دو قولوں کی حکایت کی ہے۔ ”الوہبانیہ“ میں کتاب الوصایا میں اس کے دخول پر اعتماد کیا ہے۔ ”سائحانی“ نے ”المقدسی“ سے نقل کیا ہے: اس میں کوئی شک نہیں دین میں زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی اور جب دین پورے کا پورا لے لیا تو وہ مال ہو جائے گا۔ لیکن ”البحر“ میں ”الخانیہ“ سے عدم دخول مروی ہے۔ یہی علماء کے قول ”دین مال نہیں یہاں تک کہ اگر وہ قسم اٹھائے کہ اس کے پاس کوئی مال نہیں جب کہ اس کا لوگوں پر دین ہو تو وہ حائث نہیں ہوگا۔ ابن شحنے نے ابن وہبان سے نقل کیا ہے اس کے حافظہ میں یہ ہے کہ ”خانیہ“ میں یہ روایت ہے کہ وہ دین اس میں داخل ہوگا۔ ”ح“۔

26718۔ (قوله: جِنْسِ مَالِ الزَّكَاةِ) وہ کون سی جنس ہو وہ نصاب کو پہنچے یا نہ پہنچے اس پر ایسا دین لازم ہو جو اس کے تمام مال کو محیط ہو یا نہ ہو۔ ”بحر“۔

26719۔ (قوله: تَصَدَّقَ بِقَدَرِهِ) یعنی اتنی مقدار وہ صدقہ کرے جتنا مال اس نے اپنے پاس روک لیا تھا۔ کیونکہ اس کی حاجت مقدم ہے۔ پس یہ صنعت والا اتنا روک لے گا جو اس کی نئی شے کے لیے کفایت کرے۔ ”مخ“۔

26720۔ (قوله: فَحِيلَتْهُ) یعنی اگر وہ ارادہ کرے کہ وہ یہ فعل کرے اور حائث نہ ہو۔

26721۔ (قوله: ثُمَّ يَفْعَلْ ذَلِكَ) یعنی وہ مخلوف علیہ فعل کرے۔

26722۔ (قوله: فَلَا يَلْزَمُهُ شَيْءٌ) علامہ ”مقدسی“ نے کہا: اس سے یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ معتبر وہ ملکیت ہے جو قسم

توڑنے کے وقت ہو نہ کہ جب قسم اٹھائی ہو۔ انتہی

میں کہتا ہوں: اس سے یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ مشتری، یہ اسم مفعول کا صیغہ ہے۔ جو خیار رویت کے ساتھ ہو وہ اس کی ملک

وَلَوْ قَالَ أَلْفٌ دَرَاهِمٍ مِنْ مَالِي صَدَقَةٌ إِنْ فَعَلْتُ كَذَا فَفَعَلَهُ وَهُوَ يَمْلِكُ أَقْلًا لَزِمَهُ بِقَدْرِ مَا يَمْلِكُ، وَلَوْ لَمْ يَكُنْ لَهُ شَيْءٌ لَا يَجِبُ شَيْءٌ (وَصَحَّ الْإِيصَاءُ بِمَا عَلِمَ الْوَصِيُّ فَصَحَّ) تَصَرُّفُهُ (لَا) يَصَحُّ (الشُّوْكِيلُ بِمَا عَلِمَ وَكَيْلُ) وَالْفَرْقُ أَنَّ تَصَرُّفَ الْوَصِيِّ خِلَافَةً وَالْوَكِيلَ نِيَابَةً (فَلَوْ عَلِمَ) الْوَكِيلُ بِالشُّوْكِيلِ (وَلَوْ مِنْ) مُبَيَّنٍّ

اگر اس نے کہا: میرے مال میں سے ہزار درہم صدقہ ہیں اگر میں ایسا کروں تو اس نے اس طرح کیا جب کہ وہ ہزار سے کم مالک ہے تو جس مقدار کا مالک ہے وہ اس پر لازم ہو جائے گا اگر اس کے پاس کچھ بھی نہ ہو تو کوئی شے واجب نہ ہوگی۔ اس کے علم کے بغیر وصی بنانا صحیح ہے۔ پس اس کا تصرف صحیح ہوگا۔ وکیل کو علم نہ ہو تو اس کو وکیل بنانا صحیح نہیں دونوں میں فرق یہ ہے کہ وصی کا تصرف خلافت ہے اور وکیل کا تصرف نیابت ہے۔ اگر وکیل کو وکیل بنانے کا علم ہو جائے اگرچہ تمیز رکھنے والے بچے

میں داخل نہیں ہوتا یہاں تک کہ وہ اسے دیکھ لے اور اس پر راضی ہو جائے۔ یہ شیخ ”ابوطیب مدنی“ نے کہا ہے۔ مسئلہ کتاب کی طرف رجوع کا محتاج ہے۔

”البحر“ سے جو نقل کیا ہے ”البحر“ میں اسے ”الوالبجیہ“ کی طرف منسوب کیا ہے جو کتاب کے آخر میں اخیل میں ہے اس کی مکمل بحث وہاں ہے کیونکہ کہا: اگر اس کے لوگوں پر دیون ہوں وہ ان دیون کے بارے میں ایک آدمی کے ساتھ اس کپڑے کے عوض جو رومال میں ہے مصالحت کرتا ہے پھر وہ یہ عمل کرتا ہے اور کپڑا اختیار رویت کے ساتھ واپس کر دیتا ہے پس دین لوٹ آئے گا اور وہ حانت نہیں ہوگا۔

اگر وصی حقیقۃً یا حکماً وصیت کو قبول کر لے تو وہ اپنے آپ کو معزول نہیں کر سکتا

26723۔ (قوله: فَصَحَّ تَصَرُّفُهُ) یہ امر مخفی نہیں کہ وصی کے حکم میں سے یہ ہے کہ وہ اپنے آپ کو معزول نہیں کر سکتا جب اس نے حقیقۃً یا حکماً اسے قبول کر لیا تھا۔ جو قول یہاں ہے وہ ”الکنز“ کی تبع میں ہے۔ اس کا ظاہر یہ ہے کہ وہ بیع سے قبل وصی ہو جائے گا جب کہ معاملہ ایسا نہیں ہے بلکہ وہ اس کے بعد وصی بنتا ہے جس طرح ”البحر“ میں اس پر متنبہ کیا ہے۔ اسی وجہ سے ”نور العین“ میں کہا ہے: وصی مر گیا اور اس کے وصی نے اپنے وصی ہونے اور اس کی موت کے علم ہونے سے پہلے کوئی چیز بیچی تو یہ بطور استحسان جائز ہوگا۔ یہ اس کی جانب سے وصی ہونے کو قبول کرنا ہے وہ اپنے آپ معزول کرنے کا، لک نہیں ہوگا۔ پس شارح پر یہ لازم تھا کہ وہ فصیح تصرفہ کی بجائے ان تصرف قبلہ کہے۔ پس اس پر متنبہ ہو جائیے۔

26724۔ (قوله: بِمَا عَلِمَ وَكَيْلُ) اگر وصی نے وصیت کا علم ہونے سے پہلے ترکہ میں سے کوئی شے بیچ دی تو بیع جائز ہوگی اگر وکیل نے وصیت کا علم ہونے سے پہلے اس کو بیچ دیا تو یہ جائز نہ ہوگا، ”بحر“۔ یعنی یہ فضولی کی بیع ہوگی۔ پس یہ جائز نہیں ہوگا یہاں تک کہ ان کا موکل اسے جائز قرار دے دے یا وکیل اسے جائز قرار دے دے جب کہ اسے وصیت کا علم ہو چکا تھا جس طرح ”نور العین“ میں فصل ثلاث و عشرين میں ہے۔

”بزازیہ“ میں امام ”ابو یوسف“ دہلیہ سے اس کے خلاف مروی ہے۔ ”البحر“ میں ہے: جب مشتری کو وصیت کا علم ہو

أَوْ فَاسِقٍ صَحَّ تَصَرُّفُهُ وَلَا يَثْبُتُ عَزْلُهُ إِلَّا بِإِخْبَارِ (عَدْلٍ) أَوْ فَاسِقٍ إِنْ صَدَّقَهُ عِنَايَةٌ (أَوْ مُسْتَوْرٍ إِنْ أَوْ فَاسِقَيْنِ) فِي الْأَصَحِّ (كَإِخْبَارِ السَّيِّدِ بِجَنَائَةِ عَبْدِهِ) فَلَوْ بَاعَهُ كَانَ مُخْتَارًا لِلْفِدَاءِ (وَالشَّفِيعِ) بِالْبَيْعِ (وَالْبَكْرِ) بِالنِّكَاحِ (وَالْمُسْلِمِ) الَّذِي لَمْ يُهَاجِرْ بِالشَّرَائِعِ، وَكَذَا الْإِخْبَارُ بِعَيْبِ لِبُرِيدٍ شَرَاءً وَحَجَرٍ مَأْذُونٍ وَفَسْخِ شِرْكَةٍ وَعَزْلِ قَاضٍ وَمُتَوَلٍّ وَقِفٍ فَهِيَ عَشْرٌ يُشْتَرَطُ فِيهَا أَحَدُ شَطْرَيْ الشَّهَادَةِ لَا لَفْظُهَا

یا فاسق کے ذریعے ہو تو اس کا تصرف صحیح ہوگا اور اس کا معزول ہونا ثابت نہیں ہوگا مگر جب عادل آدمی یا فاسق خبر دے اگر وہ اس کی تصدیق کرے، ”عنايت“۔ یاد و مستور الحال یاد و فاسق آدمی خبر دیں یہ اصح قول کے مطابق ہے جیسے آقا کو اس کے غلام کی جنایت کی خبر دینا۔ اگر وہ آقا سے بچے تو وہ فدیہ دینے کے عمل کو اختیار کرنے والا ہوگا۔ شفعہ کرنے والے کو بیع کی خبر دینا، باکرہ کو نکاح کی خبر دینا، ایسا مسلمان جس نے ہجرت نہیں کی اسے شرائع کی خبر دینا، اسی طرح جو کوئی چیز خریدنا چاہتا ہے اسے بیع کے عیب کے خبر دینا، جب غلام کو تجارت کی اجازت دی گئی تھی اسے مجبور کرنے کی خبر دینا، شرکت کے فسخ، قاضی اور وقف کے متولی کو معزول کرنے کی خبر دینا یہ دس چیزیں ہیں جن میں شہادت کے دو جزوں میں سے ایک شرط ہے لفظ شہادت شرط نہیں۔

اور وہ اس سے کوئی چیز خریدے اور بائع وکیل کو اس بات کا علم نہ ہو کہ وہ بیع کا وکیل ہے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ مالک مشتری سے یہ کہے: میرا غلام زید کی طرف لے جاؤ اسے کہو کہ وہ اسے تیرے ہاتھ میری جانب سے وکیل کی حیثیت میں بیچ دے وہ اسے اس کی طرف لے گیا اور اسے وکیل بنائے جانے کی خبر نہ دی اس نے غلام کو اس کے ہاتھ میں بیچ دیا تو یہ جائز ہوگا۔ اس کی مکمل بحث اس میں ہے۔

26725۔ (قوله: أَوْ فَاسِقٍ) یعنی جب وکیل اس کی تصدیق کرے یہاں تک کہ اگر وہ اس کو جھٹلائے تو ثابت نہیں ہوگا اس تعبیر کی بنا پر وکالت اور عزل میں کوئی فرق نہیں کیونکہ معزول کرنے کی صورت میں جب وہ اس کی تصدیق کرے تو وہ معزول ہو جائے گا۔ ”غایۃ البیان“ میں اسی طرح ہے۔ ”یعقوبیہ“۔

26726۔ (قوله: فِي الْأَصَحِّ) ”الکنز“ میں جو قول ہے وہ اس کے خلاف ہے۔ کیونکہ انہوں نے مستورین کی قید لگائی ہے۔ کیونکہ اس کا ظاہر معنی یہ ہے کہ دو فاسقوں کی خبر قبول نہیں کی جائے گی جب کہ یہ قول ضعیف ہے۔ کیونکہ ان دو کی خبر کی تاثیر عادل کی خبر کی تاثیر سے زیادہ قوی ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے: اگر اس نے ایک عادل آدمی کی شہادت سے فیصلہ کیا تو وہ نافذ نہیں ہوگا اور دو فاسق افراد کی شہادت سے وہ نافذ ہو جائے گا۔ جس طرح ”البحر“ میں ”الفتح“ سے مروی ہے۔ ”المنح“ میں بھی اسے نقل کیا ہے۔

26727۔ (قوله: وَعَزْلٍ قَاضٍ) ”البحر“ میں اسے بحث کرتے ہوئے ذکر کیا ہے۔

26728۔ (قوله: شَطْرَيْ الشَّهَادَةِ) دونوں جزوں سے مراد عدد اور عدالت ہے۔ ”الحواشی السعدیہ“ میں ہے۔

میں کہتا ہوں: اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ عدالت عدد میں شرط نہیں اور اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ ان کا قول

(وَيُشْتَرَطُ سَائِرُ الشُّرُوطِ فِي الشَّاهِدِ) وَقَيِّدُهُ فِي الْبَحْرِ بِالْعَزْلِ الْقَصْدِيِّ وَبِمَا إِذَا لَمْ يُصَدِّقْهُ، وَبِكَوْنِ الْخَبَرِ غَيْرِ الْمُرْسَلِ وَرَسُولِهِ فَإِنَّهُ يُعْمَلُ بِخَبَرِهِ مُطْلَقًا كَمَا سَيَجِيءُ فِي بَابِهِ (وَبَاعَ قَاضٍ أَوْ أَمِينُهُ) وَإِنْ لَمْ يَقُلْ جَعَلْتُكَ أَمِينًا بِيَعِهِ عَلَى الصَّحِيحِ وَلَوْ الْحَيَّةُ

اور شاہد میں باقی شروط شرط ہوں گی۔ ”البحر“ میں ارادۂ معزول کرنے اور اس کے تصدیق نہ کرنے کی قید لگائی ہے اور یہ قید لگائی ہے کہ خبر دینے والا مرسل اور اس کے قاصد کا غیر ہو۔ کیونکہ اس کی خبر پر مطلقاً عمل کیا جاتا ہے جس طرح اس کے باب میں عنقریب آئے گا۔ قاضی یا اس کے سیکرٹری نے غلام کی بیع کی اگرچہ قاضی نے یہ نہ کہا: میں نے تجھے اس کی بیع میں امین بنایا ہے۔ یہ صحیح قول کے مطابق ہے، ”ولو الحجیہ“۔

عدل یہ رجل کی صفت ہے۔ ”التلویح“ میں میں کہا: یہی اصح ہے۔

26729۔ (قوله: وَيُشْتَرَطُ) یعنی مخبر (خبر دینے والا) میں یہ شرط ہے۔

26730۔ (قوله: سَائِرُ الشُّرُوطِ) یعنی امام اعظم کے قول کے مطابق عدد یا عدالت شرط ہے۔ پس عورت، غلام اور

بچے کی جانب سے خبر دینے سے یہ ثابت نہیں ہوگا اگرچہ عدد یا عدالت موجود ہو بہت ہی کم ہوں گے جنہوں نے اس پر متنبہ کیا ہے۔ ”بحر“۔

26731۔ (قوله: فِي الشَّاهِدِ) یعنی گواہ میں جو شرطیں ہیں۔

26732۔ (قوله: الْقَصْدِيُّ) اس سے احتراز کیا ہے جب معزول کیا جانا حکماً ہو جیسے موکل کی موت۔ کیونکہ یہ امر

ثابت ہو جاتا ہے اور موت کے علم سے پہلے وہ معزول ہو جاتا ہے۔

26733۔ (قوله: إِذَا لَمْ يُصَدِّقْهُ) مگر جب وہ اس کی تصدیق کرے تو اسے قبول کیا جائے گا اگرچہ وہ فاسق ہو،

”بحر“۔ جب کہ یہ قول (مقولہ 26725 میں) گزر چکا ہے۔

26734۔ (قوله: غَيْرِ الْمُرْسَلِ) جو ”البحر“ میں ہے وہ ہے غیر الخصم و رسولہ۔

26735۔ (قوله: وَرَسُولِهِ) اس میں عدالت شرط نہیں یہاں تک کہ اگر وہ شفیع کو مشتری خود خبر دیتا ہے تو بالاجماع

طلب واجب ہوگی اور قاصد کی خبر پر عمل کیا جائے گا اگرچہ وہ فاسق ہو وہ اس کی تصدیق کرے یا اس کی تکذیب کرے، ”بحر“۔ اس کی مکمل بحث اس میں ہے۔

26736۔ (قوله: وَإِنْ لَمْ يَخ) اس کی صورت یہ ہے کہ وہ کہے: صرف اس غلام کو بیچ دو۔

قاضی کے امین کی تعریف

26737۔ (قوله: عَلَى الصَّحِيحِ) یہ جان لو کہ قاضی کا امین وہ ہے جسے قاضی یہ کہتا ہے: میں نے اس غلام کی بیع میں

تجھے امین بنایا ہے۔ مگر جب اس نے کہا: اس غلام کو بیچ دے اس پر کچھ اضافہ نہ کیا تو مشائخ میں اختلاف ہے۔ صحیح یہ ہے اسے

(عَبْدَالِ) دَيْنِ (الْغُرْمَاءِ) وَأَخَذَ الْمَالَ فَضَاعَ شَمْنُهُ عِنْدَ الْقَاضِي (وَأَسْتَحَقَّ الْعَبْدُ) أَوْ ضَاعَ قَبْلَ تَسْلِيهِهِ
(لَمْ يَضَنْ) لِأَنَّ أَمِينَ الْقَاضِي كَالْقَاضِي وَالْقَاضِي كَالْإِمَامِ، وَكُلُّ مِنْهُمْ لَا يَضَنْ بَلْ وَلَا يُخْلَفُ، بِخِلَافِ
نَائِبِ النَّاطِرِ (وَرَجَعَ الْمُشْتَرِي عَلَى الْغُرْمَاءِ) لِتَعَذُّرِ الرَّجُوعِ عَلَى الْعَاقِدِ (وَلَوْ بَاعَهُ الْوَصِيُّ لَهُمْ) أَيْ
لِأَجْلِ الْغُرْمَاءِ (بِأَمْرِ الْقَاضِي)

یہ غلام کی بیع قرض خواہوں کے دین کو ادا کرنے کے لیے کی تھی اور اس نے مال لے لیا اور قاضی کے ہاں اس غلام کی شمن ضائع ہو گئی اور غلام کا کوئی اور آدمی مستحق نکل آیا یا سپرد کرنے سے پہلے وہ مال ضائع ہو گیا تو وہ ضامن نہیں ہوگا۔ کیونکہ قاضی کا امین قاضی کی طرح ہوتا ہے اور قاضی امام کی طرح ہوتا ہے اور ان میں سے کوئی بھی ضامن نہیں ہوتا بلکہ ان سے قسم کا مطالبہ نہیں کیا جاسکتا۔ نائب ناظر کا معاملہ مختلف ہے۔ خریدار قرض خواہوں سے واپسی کا مطالبہ کرے گا۔ کیونکہ عاقد سے واپسی کا مطالبہ متعذر ہوتا ہے۔ اگر وصی قاضی کے حکم سے

ذمہ داری لاحق نہ ہوگی اس کو شیخ الاسلام ”خواہر زادہ“ نے ذکر کیا ہے جس طرح ”البحر“ میں فارسی کی ”شرح التلخیص“ کی طرف منسوب کیا ہے۔

میں کہتا ہوں، مسئلہ ”الفتاویٰ الولوالجیہ“ میں اسی طرح مذکور ہے۔ ”منح“۔

26738۔ (قوله: الْغُرْمَاءِ) اس سے مراد دیون والے ہیں۔ وارث کا ذکر نہیں کیا جب کہ دونوں برابر ہیں۔ جب ترکہ میں دین نہ ہو تو عقد کرنے والا اس کا عامل ہوگا تو جو ذمہ داری اسے لاحق ہوگی وہ اس کی طرف لوٹے گی اگر وہ میت کا وصی ہوگا۔ اگر قاضی یا اس کا سیکرٹری خود عقد کرنے والا ہو تو مشتری اس سے مطالبہ کرے گا جس طرح ”زیلعی“ نے اسے ذکر کیا ہے۔ کیونکہ بیع کی ولایت قاضی کے لیے ہے جب ترکہ کو دین نے احاطہ کر لیا ہو اور وارث بیع کا مالک نہیں ہوگا۔ ”بحر“۔

26739۔ (قوله: عِنْدَ الْقَاضِي) قاضی کے پاس یا اس کے سیکرٹری کے پاس ضائع ہو جائے، ”فتح“۔

26740۔ (قوله: بِخِلَافِ) یہ ان کے قول ولا یخلف کی قید ہے۔

اس مسئلے کا بیان جس میں نگران کا نائب قاضی کے امین سے جدا ہوتا ہے

26741۔ (قوله: نَائِبِ النَّاطِرِ) ”البحر“ میں کہا: قول کے قبول کرنے میں نائب امام، امام کی طرح ہے اور نگران کا نائب نگران کی طرح ہوتا ہے اگر وہ وقف کے مال کے ضیاع یا مستحقین پر اس کی تقسیم کر دینے کا دعویٰ کرے اور وہ لوگ اس کا انکار کر دیں تو قول اس کا معتبر ہوگا جس طرح اسیل کا قول معتبر ہوتا ہے لیکن قول قسم کے ساتھ معتبر ہوتا ہے اس کے ساتھ یہ قاضی کے امین سے الگ ہو جاتا ہے۔ کیونکہ قاضی کی طرح اس پر قسم نہیں ہوتی۔ ”منح“۔

26742۔ (قوله: وَلَوْ بَاعَهُ الْوَصِيُّ) ”شرنبلائیہ“ میں کہا ہے: اس میں میت کے وصی اور قاضی کی جانب سے کسی کے

معین کرنے میں کوئی فرق نہیں۔ ”مدنی“۔

أَوْ بِلَا أَمْرِهِ (فَاسْتُحِقَّ) الْعَبْدُ (أَوْ مَاتَ قَبْلَ الْقَبْضِ) لِلْعَبْدِ مِنَ الْوَصِيِّ (وَضَاعَ) الشَّنُّ (رَجَعَ الْمُشْتَرَى عَنِ الْوَصِيِّ) لِأَنَّهُ وَإِنْ نَصَّبَهُ الْقَاضِي عَاقِدٌ نِيَابَةً عَنِ الْمَيِّتِ فَتَرْجِعُ الْحُقُوقُ إِلَيْهِ (وَهُوَ يَرْجِعُ عَنِ الْغُرْمَاءِ) لِأَنَّهُ عَامِلٌ لَهُمْ، وَلَوْ ظَهَرَ بَعْدَهُ

یا اس کے حکم کے بغیر غرماء کے لیے اسے بیچ دے اور غلام کا کوئی اور آدمی مستحق نکل آیا یا وصی کی جانب سے غلام مشتری کے حوالے کرنے سے قبل فوت ہو گیا اور ثمن ضائع ہو گئی تو مشتری وصی سے مطالبہ کرے گا اگرچہ اسے قاضی نے معین کیا ہے۔ کیونکہ وہ عاقد ہے اور میت کی جانب سے نیابت کا فریضہ سرانجام دے رہا ہے۔ پس حقوق اس کی طرف راجع ہوں گے اور وصی غرماء سے مطالبہ کرے گا۔ کیونکہ وصی غرماء کے لیے کام کرنے والا تھا اگر اس کے بعد

26743۔ (قوله: أَوْ بِلَا أَمْرِهِ) یعنی یہ بطریق اولی ہوگا۔

26744۔ (قوله: لِلْعَبْدِ) ”الدرر“ کا قول الشن ہے جو سبقت قلم ہے۔ اس کا صحیح الشن ہے۔

26745۔ (قوله: وَإِنْ نَصَّبَهُ الْقَاضِي) زیادہ بہتر اس کا حذف ہے اور ان کے اس قول: لانه عاقد نیابة عن

المیت پر اقتصار ہے جس طرح ”الہدایہ“ میں ہے تاکہ میت کے وصی کو شامل ہو جائے۔ ”الکنایہ“ میں کہا: جب میت اسے وصی بنائے تو یہ امر ظاہر ہے مگر جب قاضی اسے معین کرے تو حکم اسی طرح ہے۔ کیونکہ قاضی اسے معین کرتا ہے تاکہ وہ میت کے قائم مقام ہو جائے نہ کہ قاضی کے قائم مقام ہو جائے۔

26746۔ (قوله: إِلَيْهِ) جس طرح اپنی زندگی میں اسے وکیل بنائے۔

26747۔ (قوله: وَلَوْ ظَهَرَ بَعْدَهُ الْخ) اس میں ایسا ایجاز ہے جو مطلب کو سمجھنے میں مغل ہے۔ ”فتح القدیر“ میں جو

قول ہے وہ اس کی وضاحت کرتا ہے۔ اگر میت کا مال ظاہر ہو تو قرض خواہ اس میں اپنے دین کے بارے میں مطالبہ کریں گے اس میں کوئی شک نہیں کیا اس نے جو مشتری کے لیے ضمانت اٹھائی ہے اس کا مطالبہ کرے گا؟ اس میں اختلاف ہے: ایک قول یہ کیا گیا ہے: ہاں۔ ”مجدد الائمہ سرخسی“ نے فرمایا: جو صحیح جواب ہے اس کے مطابق وہ نہیں لے گا۔ کیونکہ غریم اس لیے ضمانت اٹھاتا ہے۔ کیونکہ عقد اس کے لیے واقع ہوتا ہے تو اسے حق نہیں کہ وہ غیر سے اس کا مطالبہ کرے۔

”الکافی“ میں ہے: اصح یہ ہے کہ وہ واپسی کا مطالبہ کرے گا۔ کیونکہ اس نے یہ ادا کیا تھا جب کہ وہ اس میں مجبور تھا۔ اس کی تصحیح میں اختلاف کیا گیا ہے جس طرح تو سن چکا ہے اور ان کا قول بسا ضمن للمشتري اس امر کا فائدہ دیتا ہے کہ پہلے مسئلہ میں اختلاف ہے۔ کیونکہ دوسرے مسئلہ میں وہ وصی کے لیے ضمانت اٹھاتا ہے مشتری کے لیے ضمانت نہیں اٹھاتا۔ لیکن ”البحر“ میں کہا: ایک قول یہ کیا گیا ہے: دوسرے مسئلہ میں اس کی واپسی کا مطالبہ نہیں کرے گا جب کہ پہلا قول زیادہ صحیح ہے۔

حاصل کلام یہ ہے: پہلے مسئلہ میں واپسی کے مطالبہ میں تصحیح اختلاف ہے اور دوسرے مسئلہ میں اصح یہ ہے کہ رجوع نہیں کرے گا پس اس پر متنبہ ہو جائیے۔

لِلنَّيِّتِ مَالٌ رَجَعَ الْغَرِيمُ فِيهِ بِدَيْنِهِ هُوَ الْأَصَحُّ (أَخْرَجَ الْقَاضِي الثُّلُثُ لِلْفُقَرَاءِ وَلَمْ يُعْطِهِمْ إِلَّا هَٰذَا حَتَّى هَلَكَ كَانَ) الْهَالِكُ (مِنْ مَالِهِمْ) أَيْ الْفُقَرَاءُ (وَالثُّلُثَانِ لِلْوَرَثَةِ) لِمَا مَرَّ (أَمَرَكَ قَاضٍ) عَدْلٌ (بِرَجْمِ أَوْ قَطْعِ) فِي سَرِقَةٍ (أَوْ ضَرْبٍ) فِي حَدٍّ (قَضَى بِهِ) بِمَا ذَكَرَ (وَسِعَكَ فِعْلُهُ) لِوُجُوبِ طَاعَةِ وَلِيِّ الْأَمْرِ،

میت کا کوئی مال ظاہر ہو جائے تو قرض خواہ اس میں اپنے دین کا مطالبہ کرے گا۔ قاضی نے ایک تہائی مال فقرا کے لیے نکالا اور وہ مال فقرا کو نہ دیا یہاں تک کہ وہ مال ہلاک ہو گیا تو ہلاک ہونے والا مال فقرا کے مال میں سے ہوگا اور دو تہائی وارثوں کے لیے ہوگا اسی دلیل کی وجہ سے جو گزر چکی ہے ایک عادل قاضی نے تجھے حکم دیا کہ تو کسی کو رجم کرے یا چوری میں ہاتھ کاٹے یا حد میں کوڑے لگائے جو کچھ ذکر کیا گیا ہے اس کا اس نے فیصلہ کر دیا تھا تیرے لیے وہ فعل کرنا جائز ہے۔ کیونکہ ولی الامر کی طاعت واجب ہے۔

میں نے ایک نسخہ میں پایا: غریم صرف اس سے دین کا مطالبہ کرے گا نہ کہ اس کا مطالبہ کرے گا جس کی اس نے چٹی بھری یہی قول اصح ہے۔ ”حلی“ نے کہا: ایک قول یہ کیا گیا: اس نے جو چٹی بھری ہے وہ بھی واپس لے گا اس کی تصحیح کی گئی ہے۔ 26748۔ (قوله: فِيهِ) یعنی اس مال میں جو میت کے لیے ظاہر ہوا۔

26749۔ (قوله: لِمَا مَرَّ) یہ ان کے قول کاں الْهَالِكُ مِنْ مَالِهِمْ کے متعلق ہے اور مامر سے مراد یہ ہے کہ قاضی ضامن نہیں ہوگا۔

26750۔ (قوله: عَدْلٌ) یعنی عادل اور عالم ہو۔ ”المعتق“ وغیرہ میں یہ قید ذکر کی ہے ”مدنی“۔ ”الکنز“ میں یہی قید لگائی۔ یہ یہاں ضروری ہے کیونکہ اس کے مقابل قول یہ ہے: وان عدلا جاهلا۔ ”البحر“ میں کہا: مصنف نے جو قول ذکر کیا ہے وہ ”ماتریدی“ کا قول ہے اور ”جامع صغیر“ میں اس کی دونوں کے لیے ساتھ قید نہیں لگائی۔ پھر امام ”محمد“ رحمہ اللہ نے رجوع کر لیا اور فرمایا: اس کے قول کو نہیں اپنایا جائے گا یہاں تک کہ وہ حجت کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لے یا قاضی کے ساتھ اس کی ایک عادل آدمی گواہی دے۔ ہمارے مشائخ نے اسی کو اپنایا ہے۔

اس سے تیرے لیے یہ امر ظاہر ہوتا ہے کہ مصنف کا کلام دو قولوں کا مجموعہ ہے کیونکہ عدالت اور علم کے ساتھ اس کا قید نہ ہونا یہ اس پر مبنی ہے جو ”الجامع الصغیر“ میں ہے اور اس کے بعد جو تفصیل ہے وہ ”ماتریدی“ کے قول پر مبنی ہے۔ اس وقت جب شارح نے اسے اپنے قول عدل کے ساتھ مقید کیا ہے۔ تو عالم کے لفظ کی زیادتی واجب ہے تاکہ یہ ”ماتریدی“ کے قول پر واقع ہو جائے اور اس کے بعد ان کا قول وقیل یقبل لوعدا لعالم مستدرک ہو۔ حق یہ ہے کہ وہ کہتے: وقیل: یقبل ولولم یکن عدلا عالما۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اسے قبول کیا جائے گا اگرچہ وہ عادل عالم نہ ہو۔ وہی ”الجامع الصغیر“ میں ہے یعنی سابقہ کلام محرر مسئلہ، جو ”ابن عابدین“ ہیں، کی ہے۔

26751۔ (قوله: وَلِيَّ الْأَمْرِ) اسے دیکھیے جو ہم نے کتاب الصلاة کے باب الامامة میں (مقولہ 4623 میں) ذکر

وَمَنْعَهُ مُحْتَدٌ حَتَّى يُعَايِنَ الْحُجَّةَ وَاسْتَحْسَنُوهُ فِي زَمَانِنَا وَفِي الْعُيُونِ وَبِهِ يُفْتَى إِلَّا فِي كِتَابِ الْقَاضِي لِلضَّرُورَةِ وَقِيلَ يُقْبَلُ لَوْ عَدَلَا عَلَيْنَا

امام ”محمد“ رحمہ اللہ نے اس سے منع کیا ہے یہاں تک کہ وہ حجت کو اپنی آنکھوں سے دیکھے۔ ہمارے زمانہ میں علما نے اسے مستحسن قرار دیا ہے۔ ”العیون“ میں ہے: اسی پر فتویٰ دیا جاتا ہے مگر قاضی کے مکتوب میں معاینہ کے بغیر عمل کرنا جائز ہے۔ کیونکہ اس میں ضرورت ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اسے قبول کیا جائے گا اگر وہ عادل و عالم ہو۔

کیا ہے۔

26752۔ (قوله: وَمَنْعَهُ مُحْتَدٌ) یہ وہ قول ہے جس طرف امام ”محمد“ رحمہ اللہ نے رجوع کیا ہے جب کہ پہلے شیخین کی موافقت کی تھی۔ ”ح“۔

26753۔ (قوله: حَتَّى يُعَايِنَ الْحُجَّةَ) بعض مشائخ نے اس پر یہ اضافہ کیا: ادیشہد بذلك مع القاضي عدل یہ امام ”محمد“ رحمہ اللہ سے ایک روایت ہے۔ ”فتح القدیر“ میں اسے بعید خیال کیا ہے۔ کیونکہ یہ عادت و معمول میں بہت ہی بعید ہے جب کہ جلا د کے نزدیک قاضی کی شہادت ہوتی ہے۔ اس روایت کی بنا پر ایک فرد پر اکتفا اس حق میں ہوگا جو دود کی گواہی سے ثابت ہو، اگر زنا میں یہ ہو تو تین اور گواہوں کی ضرورت ہوگی۔ ”اسہبانی“ نے اسے ذکر کیا ہے۔ ”بحر“۔

قاضی کے مکتوب میں معاینہ کے بغیر عدل کرنا جائز ہے

26754۔ (قوله: وَقِيلَ يُقْبَلُ لَوْ عَدَلَا عَلَيْنَا) متن پر اسے داخل کرنا یہ اس کی اصلاح کے ارادہ سے ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ پہلے قاضی کو مطلق ذکر کیا اور عادل و عالم کے ساتھ اسے مقید نہیں کیا یہ جامع صغیر کی تبع میں ہے۔ جب کہ یہ ظاہر روایت ہے پھر تفصیل کا ذکر کیا جب کہ وہ ”الہاتریدی“ کے قول پر ہے جو اس امر کے شرط ہونے کے قائل ہیں کہ وہ عادل و عالم ہو جس طرح ”کنز“ میں اس پر گامزن ہوئے ہیں۔ اگر زیادہ معلومات چاہیے ہوں تو ”ہدایہ“ کی طرف رجوع کیجئے۔ جب شارح کی مراد یہ ہے تو صحیح یہ ہے کہ وہ پہلے مسئلہ میں عدل کا قول حذف کر دیتے۔ کیونکہ یہ شرح میں سے ہے اس پر بنا کرتے ہوئے جسے ہم نے دیکھا ہے۔ یہ جان لو کہ ”جامع“ کی روایت کے مطابق امام ”محمد“ رحمہ اللہ نے رجوع کر لیا اور کہا: نہیں یہاں تک کہ وہ حجت کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لے جس طرح اس کی وضاحت (مقولہ 26058 میں) زیر چٹی ہے اور یہ گزر چکا ہے کہ اس پر فتویٰ ہے۔

”البحر“ میں کہا ہے: لیکن میں نے اس کے بعد ”صدر الشہید“ کی ”شرح ادب القضاء“ میں دیکھا کہ امام ”محمد“ رحمہ اللہ کا شیخین کے قول کی طرف رجوع صحیح ہے۔ ”شرح الصدر“ سے جو مفہوم حاصل ہوتا ہے وہ یہ ہے: شیخین نے فرمایا: جب کوئی قاضی کسی شے کے اقرار کے بارے میں خبر دے تو اسے قبول کیا جاتا ہے اس سے اس کا رجوع مطلقاً صحیح نہیں ہوتا اور امام ”محمد“ رحمہ اللہ نے پہلے دونوں کی موافقت کی پھر اس سے رجوع کر لیا۔ اور کہا: اسے قبول نہ کیا جائے گا مگر اسی وقت جب دوسرا

(وَإِنْ عَدَلَا جَاهِلًا إِنْ أُسْتُفْسِرَ فَأَحْسَنَ) تَفْسِيرَ الشَّرَائِطِ صَدَقَ وَإِلَّا لَا، وَكَذَا لَا يُقْبَلُ قَوْلُهُ (لَوْ كَانَ فَاسِقًا) عَالِمًا كَانَ أَوْ جَاهِلًا لِلشُّهُمَةِ فَالْقَضَاءُ أَرْبَعَةٌ (إِلَّا أَنْ يُعَايِنَ الْحُجَّةَ) أُمِّي سَبَبًا شَرْعِيًّا (صَبَّ دُهْنًا لِلنَّسَانِ عِنْدَ الشُّهُودِ) فَادَّعَى مَالِيكَهُ ضَمَانَهُ (وَقَالَ) الصَّابُّ (كَانَتْ) الدُّهْنُ (نَجِسَةً وَأَنْكَرَهُ الْمَالِكُ) فَيُالِقُولُ لِلصَّابِّ (لِإِنْكَارِهِ الضَّمَانَ

اگر وہ قاضی عادل تو ہو مگر جاہل ہو اگر اس سے استفسار کیا جائے تو شرائط کی خوب وضاحت کرے تو اس کی تصدیق کی جائے گی۔ ورنہ تصدیق نہیں کی جائے گی۔ اسی طرح اس کا قول قبول نہیں کیا جائے گا اگر وہ فاسق ہو یا جاہل ہو۔ کیونکہ تہمت پائی جا رہی ہے۔ قاضی چار قسم کے ہیں مگر جب وہ حجت کو اپنی آنکھوں سے دیکھے یعنی سبب شرعی کو اپنی آنکھوں سے دیکھے۔ ایک آدمی نے دوسرے آدمی کا تیل گواہوں کی موجودگی میں بہا دیا اس کے مالک نے تیل کی ضمانت کا دعویٰ کر دیا یا بہانے والے نے کہا: تیل ناپاک تھا اور مالک نے اس کا انکار کر دیا تو قول بہانے والے کا تسلیم کیا جائے گا۔ کیونکہ وہ ضمان کا انکار کر رہا ہے

عادل آدمی بھی اس کے ساتھ ملے۔ پھر امام ”محمد“ رحمہ اللہ کا شیخین کے قول کی طرف رجوع صحیح ہے۔ مگر جب قاضی کسی شے کے اقرار کے بارے میں خبر دے تو اس سے اس کا رجوع صحیح ہوگا جیسے حد۔ تو اس کا قول بالاجماع قبول نہیں کیا جائے گا اگر وہ گواہوں کے ساتھ حق کے ثبوت کی خبر دے اور وہ کہے: اس بارے میں بینہ قائم ہو چکے ہیں، انہیں عادل قرار دیا جا چکا ہے اور اس پر ان کی شہادت قبول کی جا چکی ہے تو دونوں صورتوں میں اسے قبول کیا جائے گا۔ اقرارہ کی ضمیر خصم کی طرف راجع ہے۔ یہ چیز ذہن نشین کر لو اور تجھ پر یہ امر مخفی نہیں کہ گفتگو اس قاضی کے بارے میں ہے جس کو یہ منصب تفویض کیا گیا ہو۔ جہاں تک معزول قاضی کا تعلق ہے اس کا قول قبول نہیں کیا جائے گا اگرچہ اس کے ساتھ ایک عادل آدمی گواہی دے جس طرح ”المنہر“ میں کتاب القضاء کے اوائل میں گزر چکا ہے۔

26755۔ (قوله: إِنْ أُسْتُفْسِرَ الْخ) اس کی صورت یہ ہے کہ وہ حد زنا میں کہے: میں نے زنا کا اقرار کرنے والے سے استفسار کیا جس طرح اس میں معروف ہے اور میں نے اس پر زخم کا حکم لگا دیا اور حد سرقہ کے بارے میں کہتا ہے: میرے نزدیک حجت سے یہ امر ثابت ہوا کہ اس نے محفوظ جگہ سے نصاب لیا جس میں کوئی شبہ نہیں تھا۔ قصاص میں کہا: اس نے بغیر شبہ کے عدا قتل کیا۔

جاہل سے استفسار کی ضرورت ہے۔ کیونکہ بعض اوقات وہ اپنی جہالت کے باعث اس چیز کو دلیل خیال کرتا ہے جو دلیل نہیں ہوتی۔ ”کفایہ“۔

26756۔ (قوله: شَرْعِيًّا) پس یہ اقرار کو شامل ہوگا۔

26757۔ (قوله: لِإِنْكَارِهِ الضَّمَانَ) وہ مثلی ضمانت کا انکار کرتا ہے قیمت کا انکار نہیں کرتا۔ یہ ہمارے شیخ ”حلبی“ کا

وَالشُّهُودُ يَشْهَدُونَ عَلَى الصَّبِّ لَا عَلَى الْعَدَمِ الشَّجَاسَةِ (وَلَوْ قَتَلَ رَجُلًا وَقَالَ قَتَلْتُهُ لِرِدَّتِهِ أَوْ لِقَتْلِهِ ابْنِي لَمْ يُسَبِّحْ) قَوْلُهُ لِئَلَّا يُؤَدَّى إِلَى فَتْحِ بَابِ الْعُدْوَانِ فَإِنَّهُ يُقْتَلُ وَيَقُولُ كَانَ الْقَتْلُ لِذَلِكَ وَ أَمْرُ الدِّمِ عَظِيمٌ فَلَا يُهْمَلُ بِخِلَافِ الْمَالِ اقْرَأْ بِزَايَةٍ (صَدَقَ) قَاضٍ (مَعْرُوفٌ) بِلَا يَبِينِ (قَالَ لَزِيدٌ أَخَذْتُ مِنْكَ أَلْفًا قَضَيْتُ بِهِ) أُنَى بِالْأَلْفِ (لِبَكْرٍ) وَدَفَعْتُهُ إِلَيْهِ أَوْ قَالَ قَضَيْتُ بِقَطْعِ يَدِكَ فِي حَقِّ وَادَّعَى زَيْدٌ أَخَذَهُ الْأَلْفَ (وَقَطَعَهُ) الْيَدَ (ظُلْمًا وَ أَقَرَّ بِكُونِهِمَا) أُنَى الْأَخْذِ وَالْقَطْعِ (فِي) وَقْتِ (قَضَائِهِ) وَكَذَا لَوْ زَعَمَ فِعْلُهُ قَبْلَ التَّقْلِيدِ أَوْ بَعْدَ الْعَزْلِ فِي الْأَصَحِّ

گواہ یہ گواہی دے رہے ہیں کہ اس نے تیل بہایا ہے اس کے ناپاک نہ ہونے پر گواہی نہیں دے رہے۔ اگر ایک آدمی نے کسی کو قتل کر دیا اور کہا: میں نے اس کی ردت کی وجہ سے یا اس نے میرے باپ کو قتل کیا تھا اس لیے قتل کیا ہے تو اس کا قول نہیں سنا جائے گا تا کہ یہ امر عدوان کا دروازہ کھولنے کی طرف نہ لے جائے۔ کیونکہ وہ قتل کرے گا اور کہے گا قتل اس وجہ سے تھا۔ دم کا امر عظیم ہے۔ پس اسے مہلت نہیں دی جائے گی۔ مال کا معاملہ مختلف ہے کتاب الاقرار ”بزازیہ“ معزول قاضی کی قسم کے بغیر تصدیق کی جائے گی جس نے زید سے کہا: میں نے تجھ سے ہزار لیا تھا جس ہزار کا میں نے بکر کے حق میں فیصلہ کیا اور وہ ہزار میں نے اسے دے دیا تھا۔ یا میں نے حق میں تیرے ہاتھ کے کاٹنے کا فیصلہ کیا تھا زید نے یہ دعویٰ کیا کہ اس نے ہزار ظلماً لیا اور قطع ید ظلماً کیا اور یہ اقرار کیا کہ یہ دونوں عمل اس کی قضا کے وقت میں ہوئے تھے۔ اس طرح حکم ہوگا اگر اس نے یہ گمان کیا کہ اس نے یہ فعل منصب حاصل کرنے سے پہلے یا معزول ہونے کے بعد کیا ہو۔ یہ اصح قول ہے۔

قول ہے۔ اس کا قول معتبر نہیں ہو سکتا مگر یہ کہ وہ ناپاک ہو۔ پس وہ اس کی قیمت کا ضامن ہوگا جب تیل ناپاک ہو جس طرح ”ابوسعود“ نے اسے شیخ ”شرف الدین غزی“ محشی ”الاشباہ“ سے نقل کیا ہے۔ ”الحانیہ“ کتاب الشہادات میں کتاب القاضی سے تھوڑا پہلے عبارت ہے: قول اس کا قسم کے ساتھ معتبر ہوگا جب وہ اس امر کا انکار کرے گا کہ اس نے پاک تیل کو جان بوجھ کر ضائع کیا ہے۔ اور گواہوں میں یہ گنجائش نہیں کہ وہ اس کے بارے میں یہ گواہی دیں کہ اس نے ایسا تیل زائد ملے جو ناپاک نہیں۔ اس کی مکمل بحث اس میں ہے۔ پس اس کی طرف رجوع کیجئے۔ جو کچھ یہاں ہے یہ اس سے زیادہ واضح ہے۔

26758۔ (قوله: وَكَذَا لَوْ زَعَمَ الْخ) یعنی مدعی یہ گمان کرے۔ لیکن اگر قطع ید کرنے والا اور مال جینے والا۔

اس کا اقرار کریں جس کا قاضی نے اقرار کیا تو دونوں ضامن ہوں گے۔ کیونکہ دونوں نے ضمان کے سبب کا اقرار کیا۔ قاضی کا قول اپنی ذات سے ضمان کو دور کرنے میں مقبول ہے۔ غیر سے ضمان کا سبب باطل کرنے میں مقبول نہیں۔ پہلے کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ اس کا فعل دونوں جانب سے باہم تصدیق کے ساتھ اس کی قضا کے دور میں ثابت ہو چکا ہے۔

اگر مال کسی اور کے ہاں موجود ہو اور اس نے اس کا اقرار کیا جس کا قاضی نے اقرار کیا اور اس سے ماخوذ مال ہے۔ قاضی نے جس کے بارے میں تصدیق کی کہ اس نے یہ عمل اپنی قضا کے دور میں کیا یا نہیں کیا تو اس سے وہ لیا جائے گا کیونکہ اس نے

لَاِنَّهُ اَسْنَدَ فِعْلَهُ اِلَى حَالَةٍ مَعْهُوْدَةٍ مُنَافِيَةٍ لِلضَّمَانِ فَيُصَدَّقُ اِلَّا اَنْ يُبْرَهَنَ زَيْدٌ عَلٰى كَوْنِهِمَا فِي غَيْرِ قَضَائِهِ
فَالْقَاضِي يَكُوْنُ مُبْطَلًا صَدْرُ شَرِيْعَةٍ فَرَعٌ نَقَلَ فِي الْأَشْبَاهِ عَنْ بَعْضِ الشَّافِعِيَّةِ اِذَا لَمْ يَكُنْ لِلْقَاضِي شَيْءٌ
فِي بَيْتِ الْمَالِ فَلَهُ اَخْذُ عَشْرِ مَا يَتَوَلَّى مِنْ اَمْوَالِ الْيَتَامَى

کیونکہ اس نے اس کے فعل کو اس کی معروف حالت کی طرف منسوب کیا جو ضمان کے منافی تھی۔ پس اس کی تصدیق کی جائے گی
مگر یہ کہ زید یہ گواہیاں قائم کر دے کہ یہ دونوں عمل اس کی قضا کے علاوہ ہوئے ہیں۔ پس قاضی باطل کا ارتکاب کرنے والا ہو
گا۔ ”الاشباہ“ میں بعض شافعی علماء سے یہ منقول ہے: جب بیت المال میں قاضی کے لیے کوئی شے نہ ہو تو وہ یتیموں کے مال

یہ اقرار کیا ہے کہ قبضہ اس کا ہے تو مالک ہونے کے دعویٰ کی حجت کے بغیر تصدیق نہیں کی جاسکتی۔ معزول کا قول اس بارے
میں حجت نہیں۔ ”بحر“۔

26759۔ (قوله: لَاِنَّهُ اَسْنَدَ) ضمیر سے مراد قاضی ہے۔

26760۔ (قوله: اِلَى حَالَةٍ) پس وہ اس طرح ہو جائے گا جس طرح جب وہ کہے: میں نے اسے طلاق دی یا میں نے
اسے آزاد کیا جب کہ میں مجنون تھا اور اس کا جنون معروف ہے۔ ”بحر“۔

26761۔ (قوله: لِلضَّمَانِ) ہر اعتبار سے ضمان کے منافی ہے جس طرح ”البحر“ میں اس کا اضافہ کیا۔ یہ اس سے اخذ
کیا گیا ہے جو ”الجمع“ میں ہے کہا: یہ اعتراض وارد نہیں ہوگا اگر آقا اپنی لونڈی کو اس کی آزادی کے بغیر کہے: میں نے تیرا ہاتھ
کاٹا تھا جب کہ تو میری لونڈی تھی۔ لونڈی نے کہا: تو نے ہاتھ کاٹا تھا جب کہ میں آزاد تھی تو قول لونڈی کا معتبر ہوگا۔ کیونکہ اس
نے اپنے فعل کو ایسی حالت کی طرف منسوب کیا ہے۔ بعض اوقات ضمان فی الجملہ اس کے ساتھ جمع ہو جاتی ہے۔ کیونکہ اس کا
لونڈی ہونا ہر اعتبار سے ضمانت کی نفی نہیں کرتا۔ کیا تو نے نہیں دیکھا کہ وہ ضامن ہوگا جب وہ مرہونہ ہو یا ماذونہ ہو اور اس پر
قرض ہو۔ ملخص۔ اس پر تمام تفریعات اس میں موجود ہیں۔ پس اس کی طرف رجوع کیجئے۔

اوقاف اور یتیم کے اموال سے جو چیز پیدا ہوتی ہے قاضی کے لیے اس کا لینا جائز نہیں

26762۔ (قوله: فِي الْأَشْبَاهِ) اس کی عبارت یہ ہے: ”بسط الانوار“ جو شافعیہ کی تالیف ہے، کے کتاب القضاء میں
ہے جس کے الفاظ ہیں: امام ”شافعی“ رحمہ اللہ اور امام ”ابو حنیفہ“ رحمہ اللہ کے اصحاب میں سے ایک جماعت نے یہ ذکر کیا ہے:
جب قاضی کے لیے بیت المال میں سے روزینہ مقرر نہ ہو تو وہ یتیموں کے اموال اور اوقاف میں سے جس کا نگران ہے اس کا
دسواں حصہ لے سکتا ہے۔ پھر انکار میں مبالغہ کیا۔ میں نے اپنے اصحاب میں سے کسی کا قول نہیں دیکھا۔ میں نے یہ پسند نہیں کیا
کہ شارح عبارت کو اس طریقہ پر نقل کرتے تاکہ بعض جذباتی لوگ یہ گمان نہ کر لیں کہ یہ منقولہ روایت صحیح ہے ساتھ ہی ناقل
نے اس کے انکار میں مبالغہ سے کام لیا ہے جس طرح تو دیکھ رہا ہے۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے جب کہ ہمارے نزدیک علماء نے بیت
المال سے روزینہ لینے میں اختلاف کیا ہے تو یتامی کے اموال اور اوقاف سے لینے کے بارے میں تیرا کیا گمان ہو سکتا ہے؟

وَالْأَوْقَافِ وَفِي الْخَانِيَةِ لِلْمُتَوَلَّى الْعُشْرُ فِي مَسْأَلَةِ الطَّاحُونَةِ قُلْتُ لَكِنْ فِي الْبَرَازِيَّةِ كُلُّ مَا يَجِبُ عَلَى الْقَاضِي وَالْمُفْتَى لَا يَحِلُّ لَهُمَا اخْذُ الْأَجْرِ بِهِ كِنِكَاحٍ صَغِيرٍ لِأَنَّهُ وَاجِبٌ عَلَيْهِ وَكَجَوَابِ الْمُفْتَى بِالْقَوْلِ وَأَمَّا بِالْكِتَابَةِ فَيَجُوزُ لَهُمَا عَلَى قَدَرِ كَتَبِهِمَا لِأَنَّ الْكِتَابَةَ لَا تَلْزَمُهُمَا، وَتَمَامُهُ فِي شَرْحِ الْوَهْبَانِيَّةِ وَفِيهَا

وَلَيْسَ لَهُ أَجْرٌ وَإِنْ كَانَ قَاسِمًا وَإِنْ لَمْ يَكُنْ مِنْ بَيْتِ مَالٍ مُقَرَّرُ
وَرَخَّصَ بَعْضٌ لَانْعِدَامِ مُقَرَّرٍ وَفِي عَصَرِنَا قَالَ الْقَوْلُ الْأَوَّلُ يُنْصَرُ
وَجُوزَ لِلْمُفْتَى عَلَى كِتَابِ خَطِّهِ عَلَى قَدَرِهِ إِذَا لَيْسَ فِي الْكُتُبِ يُخْصَرُ

اور اوقاف میں سے جن کا نگران ہے اس کا دسواں حصہ لے لے۔ ”الخانیہ“ میں ہے: متولی کے لیے طاحونہ کے مسئلہ میں دسواں حصہ ہے۔ میں کہتا ہوں: لیکن ”برازیہ“ میں ہے: ہر وہ چیز جو قاضی اور مفتی پر واجب ہو اس کے بدلے میں ان کو اجر لینا حلال نہیں۔ جس طرح صغیر کا نکاح کرانا۔ کیونکہ یہ نکاح کرانا اس پر واجب ہے اور مفتی جب زبانی جواب دے۔ جہاں تک مفتی کا تحریری جواب دینا ہے تو جس قدر انہوں نے لکھا ہے اس قدر اجرت لینا جائز ہے۔ کیونکہ لکھنا ان پر لازم نہیں۔ اس کی مکمل بحث ”شرح الوہبانیہ“ میں ہے۔ اس میں یہ اشعار ہیں: اس کے لیے اجرت نہیں اگرچہ وہ قاسم ہو اور اگرچہ اس کے لیے بیت المال سے کوئی چیز مقرر نہ ہو۔ بعض علماء نے اسے جائز قرار دیا ہے۔ کیونکہ مقررہ خدمت معدوم ہے۔ ہمارے زمانہ میں پہلے قول کی مدد کی جاتی ہے۔ مفتی کے لیے جائز ہے کہ وہ فتویٰ تحریر کرنے پر اس کے حسب سے اجرت لے لے کیونکہ کتابوں میں یہ اجرت محصور نہیں۔

26763۔ (قوله: وَالْأَوْقَافِ) میں کہتا ہوں: ”اشباہ“ میں اس قول کا اضافہ کیا ہے: ثم بالغ في الانكار الخ۔ علامہ شیخ ”خیر الدین ربلی“ نے ”اشباہ“ پر اپنے حاشیہ میں کہا: جس کی یہ نص ہے: پھر انہوں نے انکار میں مبالغہ کیا ہے۔ میں کہتا ہوں: یعنی دونوں جماعتوں پر انکار میں مبالغہ کیا ہے۔ انکار میں مبالغہ واضح اعتبار والا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے: اگر وہ مثلاً بیس ہزار پروالی بنے اور اس بارے میں اسے کوئی مشقت لاحق نہ ہو جس کے ساتھ وہ اس کے دسویں حصہ کا مستحق بنے جب کہ وہ یتیم کا مال ہے؟ اس کی حرمت کے بارے میں قطعی دلائل آتے ہیں۔ پس یہ نہیں ہے مگر روشن شرع پر بہتان ہے اور ایسی ظلمت ہے جس نے ان کی آنکھوں کو ڈھانپ لیا ہے ہم اس کے واقع ہونے والے غضب سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتے ہیں۔ لا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

”بیری زادہ“ نے اپنے حاشیہ میں کہا: صحیح یہ ہے کہ عشر سے مراد اس کے عمل کی مثل اجرت ہے یہاں تک کہ اگر وہ زائد ہو تو زائد کو واپس کر دے۔ ”مدنی“۔

26764۔ (قوله: فِي مَسْأَلَةِ الطَّاحُونَةِ) یعنی جب اس کا عمل ہو جو ”الخانیہ“ میں کتاب الوقف میں ہے: ایک آدمی نے اپنے اموال پر جاگیر وقف صحیح کے ساتھ وقف کی۔ پس واقف مرگیا اور قاضی نے وقف جاگیر قیم کے ہاتھ میں دے دی

اور قیم کے لیے منافع کا دسواں حصہ مقرر کر دیا۔ وقف میں ایک پن چکی ایک آدمی کے قبضہ میں ہے جس کی اجرت طرفین کی جانب سے مقرر ہے اس میں قیم کی کوئی حاجت نہیں اس چکی کے مالک اس سے منافع لیتے ہیں اس چکی کا دسواں حصہ نگران کے لیے ثابت نہیں ہوگا۔ کیونکہ نگران جو کچھ لیتا ہے وہ اجرت کے طور پر لیتا ہے۔ پس وہ عمل کے بغیر اجرت کا مستحق نہیں ہوگا۔ ”تا تر خانہ“ اور ”الولواجیہ“ میں اسی طرح ہے۔ ”ح“۔

کتاب الشہادات

أَخْرَجَ عَنِ الْقَضَاءِ لِأَنَّهَا كَالْوَسِيلَةِ وَهُوَ الْمَقْصُودُ (ہی) لُغَةً خَيْرٌ قَاطِعٌ وَشَرْعًا (اِخْبَارٌ صِدْقٍ) ثَبَاتِ حَقِّ
فَتْحٌ قُلْتُ فَأُطْلَقُهَا عَلَى الرُّؤْيِ مَجَازٌ كِاطْلَاقِ الْيَمِينِ عَلَى الْغُمُوسِ (بِلَفْظِ الشَّهَادَةِ فِي مَجْلِسِ الْقَاضِي)
وَلَوْ بِلَا دَعْوَى كَمَا فِي عَشَقِ الْأَمَةِ وَسَبَبٌ وَجُوبُهَا طَلَبُ ذِي الْحَقِّ أَوْ خَوْفُ قَوْتِ حَقِّهِ بِأَنْ لَمْ يَعْلَمْ بِهَا ذُو
الْحَقِّ وَخَافَ قَوْتَهُ لَزِمَهُ أَنْ يَشْهَدَ بِلَا طَلَبٍ فَتَحٌ (شَرْطُهَا) أَحَدٌ وَعِشْرُونَ شَرْطًا شَرَايِطُ مَكَانِهَا وَاحِدٌ
وَشَرَايِطُ الشَّحْلِ ثَلَاثَةٌ (الْعَقْلُ الْكَامِلُ) وَقْتُ الشَّحْلِ،

گواہیوں کا بیان

کتاب الشہادات کو کتاب القضاء سے موخر کیا ہے۔ کیونکہ شہادت قضا کیلئے وسیلہ کی طرح ہے قضا ہی مقصود ہوتا ہے۔
شہادت کا لغوی معنی قطعی خبر ہے اور شہادت کا شرعی معنی حق کو ثابت کرنے کے لیے سچی خبر دینا ہے، ”فتح“ میں کہتا ہوں: جھوٹی
خبر پر شہادت کا اطلاق یہ مجاز ہے جس طرح غموس پر یمین کا اطلاق کیا جاتا ہے۔ شہادت قاضی کی مجلس میں لفظ شہادت کے
ساتھ ادا کرنا ہوگی اگرچہ دعویٰ کے بغیر ہو جس طرح لونڈی کی آزادی کے معاملہ میں ہوتا ہے۔ شہادت کے وجوب کا سبب
صاحب حق کا مطالبہ یا اس کے حق کا فوت ہونا ہے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ صاحب حق اسے نہ جانتا ہو اور اس کے فوت ہو
جانے کا خوف ہو تو شاید یہ لازم ہوگا کہ وہ مطالبہ کے بغیر گواہی دے، ”فتح“۔ شہادت کی اکیس شرائط ہیں شہادت کے مکان
کی ایک شرط ہے۔ شہادت کے تحمل کی تین شرائط ہیں شہادت کے تحمل کے وقت کامل عقل کا ہونا،

26765۔ (قوله: كِاطْلَاقِ الْيَمِينِ) کیونکہ یمین کی حقیقت تو یہ ہے یہ ایسا عقد ہے جس کے ساتھ حنف کا زمانہ
مستقبل میں فعل یا اس کے ترک پر عزم قوی ہو جائے۔ غموس سے مراد زمانہ گزشتہ میں وقوع پذیر ہونے والے کسی فعل پر جان
بوجہ رجحونی قسم اٹھانا۔

26766۔ (قوله: وَخَافَ) خاف کی ضمیر سے مراد شاہد ہے۔ اور ان کا قول فوتہ میں ضمیر سے مراد حق ہے۔
26767۔ (قوله: بِلَا طَلَبٍ) اس میں ”مقتدی“ نے اعتراض کیا ہے: اس میں واجب یہ ہے کہ جو وہ شہادت دینے
والا ہے مدعی کو اس بارے میں آگاہ کرے۔ اگر مدعی گواہ دینے کا مطالبہ کرے تو گواہی دے ورنہ گواہی نہ دے۔ کیونکہ یہ
احتمال موجود ہے کہ وہ اپنے حق کو ترک کر دے۔ ”ط“۔

26768۔ (قوله: شَرَايِطُ مَكَانِهَا وَاحِدٌ) یعنی قضا کی مجلس۔ ”فتح“۔

26769۔ (قوله: الْعَقْلُ الْكَامِلُ وَقْتُ الشَّحْلِ) مراد وہ ہے جو تمیز کو شامل ہو اس کی دلیل وہ ہے جو آنے والے

وَالْبَصَرُ وَ مُعَايِنَةُ الْمَشْهُودِ بِهِ إِلَّا فِيمَا يَثْبُتُ بِالتَّسَامُعِ (و) شَرَائِطُ الْأَدَاءِ سَبْعَةٌ عَشَرَ عَامَّةٌ وَ سَبْعَةٌ خَاصَّةٌ، مِنْهَا (الضَّبْطُ وَالْوَلَايَةُ) فَيُشْتَرَطُ الْإِسْلَامُ لَوِ الْمُدَّعَى عَلَيْهِ مُسْلِمًا (وَالْقُدْرَةُ عَلَى التَّنْيِينِ بِالسَّمْعِ وَالْبَصَرِ) (بَيْنَ الْمُدَّعَى وَالْمُدَّعَى عَلَيْهِ) وَمِنْ الشَّرَائِطِ عَدَمُ قَرَابَةٍ وَلَا إِذٍ أَوْ زَوْجِيَّةٍ أَوْ عَدَاوَةٍ دُنْيَوِيَّةٍ أَوْ دَفْعِ مَغْرَمٍ أَوْ جَرِّ مَغْنَمٍ كَمَا سَيَجِيءُ

بصر اور مشہود بہ کو دیکھنا مگر جو تسامع سے ثابت ہو۔ اور شہادت کی ادائیگی کی سترہ شرائط ہیں۔ دس عام ہیں اور سات خاص ہیں۔ ان میں سے ضبط اور ولایت ہے۔ اگر مدعی علیہ مسلمان ہے تو گواہ کا مسلمان ہونا ضروری ہے وہ مدعی اور مدعی علیہ کے درمیان سمع اور بصر کے ساتھ تمیز پر قدرت رکھتا ہو۔ اور شرائط میں سے یہ بھی ہے کہ دونوں میں ولادت اور زوجیت کی رشتہ داری یا دنیوی دشمنی چٹی کو دور کرنا یا مال غنیمت کو حاصل کرنا نہ ہو جس طرح عنقریب آئے گا۔

باب میں عنقریب آئے گا۔

شہادت کی ادائیگی کی شرائط کا بیان

26770۔ (قوله: عَشْرَةٌ عَامَّةٌ) یعنی شہادت کی تمام انواع میں یہ شرط ہیں۔ جب کہ عامہ یہ ہیں: آزاد ہونا، دیکھنا، بولنا اور عدالت۔ لیکن یہ ان شروط میں سے ہیں جو قاضی پر شہادت کے قبول کرنے کو واجب کرتی ہیں یہ اس کے جواز کی شرط نہیں۔ اس پر حد قذف نہ جاری کی گئی ہو۔ شاید اپنی جانب منفعت لانے والا نہ ہو، وہ اپنی ذات سے چٹی و نقصان دور کرنے والا نہ ہو، فرع کی اپنی اصل کے حق میں شہادت مقبول نہ ہوگی۔ اور اس کے برعکس بھی شہادت قبول نہ ہوگی۔ میاں بیوی میں سے کوئی ایک دوسرے کے لیے گواہی دینے والا نہ ہو، وہ خصم نہ ہو۔ وصی کی تقسیم کے حق میں گواہی قبول نہ ہوگی۔ وکیل کی اپنے موکل کے حق میں گواہی قبول نہ ہوگی۔ ادائیگی کے وقت وہ مشہود بہ کو جانتا ہو، اسے یاد رکھنے والا ہو۔ پس اس کا اپنی تحریر پر اعتبار کرنا جائز نہیں۔ ”صاحبین“ رحمہ اللہ علیہما نے اس سے اختلاف کیا ہے۔

جو بعض کے ساتھ خاص ہیں: وہ اسلام ہے اگر مشہود علیہ مسلمان ہو، حد اور قصاص کے بارے میں گواہی ہو تو گواہ کا مذکر ہونا شرط ہے۔ جو امر حقوق العباد سے متعلق ہیں اس میں دعویٰ کا پہلے ہونا، شہادت کا دعویٰ کے موافق ہونا، اگر شہادت دعویٰ کے موافق نہ ہو تو اسے قبول نہ کیا جائے گا مگر جب مدعی پر موافقت کرے جب کہ وہ ممکن ہو۔ شراب نوشی کے بارے میں شہادت میں بو کا باقی رہنا جب کہ وہ نشے کی حالت میں ہو مگر اس صورت میں جب مسافت کی دوری ہو، حدود و قصاص کی شہادت میں اصل گواہ گواہی دیں اور شہادت علی شہادت میں اصل گواہ کا حاضر ہونا معتذر ہو۔ ”البحر“ میں اسی طرح ہے۔

لیکن پہلے یہ ذکر کیا ہے: شہادت کی شرائط کی دو نوعیں ہیں: شہادت کے تحمل کی شرائط، شہادت کی ادائیگی کی شرائط۔ پہلی نوع کی تین قسمیں ہیں۔ شارح نے جن کا ذکر کر دیا ہے۔ دوسری نوع کی چار نوعیں ہیں: جو شاہد کی طرف راجع ہیں، اور جو شہادت کی طرف راجع ہیں، جو شہادت کے مکان کی طرف راجع ہیں، جو مشہود بہ کی طرف راجع ہیں۔

(وَرُكْنُهَا لَفْظُ أَشْهَدُ) لَا غَيْرَ لِتَضَمُّنِهِ مَعْنَى مُشَاهَدَةٍ وَقَسِيمٍ وَإِخْبَارٍ لِدَحَالِ فَكَاثَتُهُ يَقُولُ أَقْسِمُ بِاللهِ لَقَدْ أَطْلَعْتُ عَلَى ذَلِكَ وَأَنَا أَخْبِرُ بِهِ وَهَذِهِ الْمَعَانِي مَفْقُودَةٌ فِي غَيْرِهِ فَتَعَيَّنَ،

شہادت کا رکن لفظ اشہد ہے کوئی اور رکن نہیں کیونکہ اشہد کا لفظ مشاہدہ، قسم اور اخبار حالی کو لیے ہوئے ہے گویا وہ کہتا ہے میں اللہ کے نام کی قسم اٹھاتا ہوں کہ میں اس پر مطلع ہوں اور میں اس کی خبر دیتا ہوں۔ یہ معانی اس کے علاوہ میں مفقود ہیں پس یہ لفظ متعین ہو گیا ہے

اور یہ ذکر کیا ہے: جو شاہد کی طرف راجع ہیں وہ سترہ ہیں عام اور خاص۔ جو شہادت کی طرف راجع ہیں وہ تین ہیں۔ لفظ شہادت، ایسے معاملہ میں جس میں مرد مطلع ہو جاتا ہے گواہیوں کی تعداد کا ہونا، دونوں گواہوں کا اتفاق ہونا۔ جو شہادت کے مکان کی طرف راجع ہے وہ ایک ہے: وہ مجلس قضا ہے جو مشہود بہ کی طرف راجع ہیں وہ سات خاص ہیں۔ پھر کہا: حاصل کلام یہ ہے: اس کی شرائط اکیس ہیں: پس تحمل کی شرائط تین ہیں، ادائیگی کی شرائط سترہ ہیں، ان میں سے دس شرائط عامہ ہیں۔ اور ان میں سے سات شرائط خاصہ ہیں۔ نفس شہادت کی شرائط تین ہیں شہادت کے مکان کی شرط ایک ہے۔ اس کا مقتضایہ ہے کہ ادائیگی کی شرائط دو ہیں چار نہیں ہیں جس طرح پہلے ذکر کیا ہے۔ صحیح یہ کہنا ہے: یہ چوبیس ہیں۔ ان میں سے تین تحمل کی شرائط ہیں اور اکیس ادائیگی کی شرائط ہیں۔ ان میں سے سترہ شاہد کی شرائط ہیں۔ دس عامہ اور سات خاصہ ہیں۔ ان میں سے تین نفس شہادت کی شرائط ہیں۔ ان میں سے ایک شہادت کے مکان کی شرط ہے اس سے تیرے لیے وہ ضعف بھی ظاہر ہو جائے گا جو شارح کے کلام میں ہے۔

شہادت کے رکن کا معنی

26771۔ (قوله: أَشْهَدُ) اگر اس نے کہا: شہدت (میں نے گواہی دی) تو یہ جائز نہیں ہوگا۔ کیونکہ ماضی کا صیغہ اس امر کے بارے میں خبر دینے کے لیے وضع کیا گیا ہے جو واقع ہو چکا ہے پس یہ فی الحال مجزئ نہیں۔ ”س“۔
26772۔ (قوله: لِتَضَمُّنِهِ) یعنی اپنے اشتقاق کے اعتبار سے یہ اس کو متضمن ہے۔
26773۔ (قوله: مَعْنَى مُشَاهَدَةٍ) مشاہدہ سے مراد کسی شے پر آنکھوں سے مطلع ہونا ہے۔
26774۔ (قوله: وَقَسِيمٍ) کیونکہ شہادت کا لفظ قسم میں استعمال ہوتا ہے جیسے اشہد باللہ لقد کان کذا المعنی میں قسم اٹھاتا ہوں۔ ”س“۔

26775۔ (قوله: لِدَحَالِ) یہ جائز نہیں کہ وہ لفظ شہدت کہے۔ کیونکہ ماضی کا صیغہ اس امر کے بارے میں خبر دینے کے لیے ہے جو امر واقع ہو چکا ہے۔

26776۔ (قوله: فَتَعَيَّنَ) اسی وجہ سے بطور احتیاط اور ماثور کی اتباع کے لیے اس پر اکتفا کیا ہے یہ تعبد کے معنی سے خالی نہیں کیونکہ اس کے علاوہ کوئی لفظ نقل نہیں کیا گیا جس طرح ”البحر“ میں اسے تفصیلاً ذکر کیا ہے۔

حَتَّىٰ لَوْ زَادَ فِيمَا أَعْلَمَ بَطْلَ لِدَلِيلِكَ وَحُكْمُهَا وَجُوبُ الْحُكْمِ عَلَى الْقَاضِي بِوُجُوبِهَا بَعْدَ التَّزْكِيَةِ بِمَعْنَى
اِفْتِرَاضِهِ قَوْلًا إِلَّا فِي ثَلَاثٍ قَدْ مَنَّاها (فَلَوْ اُمْتَنَعَ) بَعْدَ وَجُوبِ شَرَايِطِهَا (أَتَمَّ) لِتَرْكِهِ الْفَرْضَ (وَاسْتَحَقَّ
الْعَزْلَ) لِفُسْطِهِ (وَعُزِّرَ) لَا رِتْكَابِهِ مَا لَا يَجُوزُ شَرْعًا زَيْدَعِي (وَكُفِّرَ) إِنْ لَمْ يَرِ الْوُجُوبَ) أَيْ إِنْ لَمْ يَعْتَقِدْ
اِفْتِرَاضَهُ عَلَيْهِ ابْنُ مَلِكٍ، وَأَطْلَقَ الْكَافِيحِيُّ كُفْرَهُ وَاسْتَظْهَرَ الْمُصَنِّفُ الْأَوَّلَ (وَيَجِبُ أَدَاؤها بِالطَّلَبِ)
وَلَوْ حُكْمًا كَمَا مَرَّ، لَكِنَّ وَجُوبَهُ بِشُرُوطِ سَبْعَةٍ مَبْسُوطَةٍ فِي الْبَحْرِ وَغَيْرِهِ،

یہاں تک کہ اگر وہ زائد لفظ کہے: فیما اعلم (جو میں جانتا ہوں) تو یہ شہادت باطل ہو جائے گی کیونکہ شک پایا گیا ہے۔
شہادت کا حکم یہ ہے کہ گواہوں کے تزکیہ کے بعد شہادت کے موجب کا حکم کرنا قاضی پر واجب ہے یعنی فوراً اس پر قرض ہے
مگر تین امور میں فرق نہیں جن کا ہم پہلے ذکر کر آئے ہیں اگر شہادت کی شرائط پائی جانے کے بعد وہ حکم دینے سے رک جائے
تو وہ گناہگار ہوگا۔ کیونکہ اس نے فرض کو ترک کیا ہے اور وہ معزول ہونے کا مستحق ہو جاتا ہے۔ کیونکہ وہ فاسق بن چکا ہے۔
اسے تعزیر لگائی جائے گی۔ کیونکہ اس نے ایسے امر کا ارتکاب کیا ہے جو شرعاً جائز نہیں ”زیلعی“۔ اگر وہ فیصلہ دینے کو اپنے اوپر
فرض ہونے کا اعتقاد نہ رکھے تو وہ کافر ہو جائے گا۔ ”ابن ملک“۔ ”کافیجی“ نے اس کے کفر کو مطلق ذکر کیا ہے اور مصنف نے
اپنے قول کو ظاہر روایت خیال کیا ہے۔ جب گواہی دینے کا مطالبہ کیا جائے تو شہادت کی ادائیگی واجب ہوگی اگرچہ حکماً ہو
جس طرح گزر چکا ہے لیکن اس کا وجوب سات شروط کے ساتھ ہے جو ”البحر“ وغیرہ میں ذکر کی گئی ہیں۔

26777۔ (قوله: حَتَّىٰ لَوْ زَادَ فِيمَا أَعْلَمَ الْخ) اگر اس نے کہا: اشہد بكذا فیما اعلم یعنی جو میں جانتا ہوں اس کے
بارے میں یہ خبر دیتا ہوں تو اس کی شہادت قبول نہ کی جائے گی۔ جس طرح اگر وہ کہے: میرے گمان میں یہ ہے تو یہ باطل ہو
جائے گی۔ اگر وہ کہے: اشہد بكذا قد علمت تو معاملہ مختلف ہوگا یعنی شہادت قبول ہوگی۔ اگر وہ کہے: جو میں علم رکھتا ہوں
اس اعتبار سے فلاں کی جانب میرا کوئی حق نہیں تو یہ بری کرنا صحیح نہ ہوگا۔ اگر کوئی آدمی یہ کہے فلاں کا مجھ پر ہزار ہے جو میں علم
رکھتا ہوں تو اقرار صحیح نہ ہوگا۔ اگر معدل یہ کہے جو میں علم رکھتا ہوں اس میں یہ عادل ہے تو یہ تعدیل نہ ہوگی۔ ”بحر“۔

26778۔ (قوله: ثَلَاثٍ) شک کا خوف ہو، قریبی رشتہ داروں کے صلح کی امید ہو، جب مدعی مہلت طلب کرے۔ ”س“۔

26779۔ (قوله: قَدْ مَنَّاها) یعنی باب التحکیم سے تھوڑا پہلے۔ ”ح“۔

26780۔ (قوله: إِنْ لَمْ يَرِ الْوُجُوبَ) اسے ”البحر“ کے کتاب القضاء کے شروع میں باکیدی کی ”شرح الكنز“ میں نقل

کیا ہے۔

26781۔ (قوله: وَأَطْلَقَ الْكَافِيحِيُّ) یعنی انہوں نے اپنے رسالہ ”سیف القضاة على البغاة“ میں مطلق رکھا

ہے۔ کیونکہ انہوں نے کہا: یہاں تک کہ اگر اس نے عذر کے بغیر جان بوجہ کر حکم کو موخر کیا تو علماء نے کہا: وہ کافر ہو جائے گا۔

26782۔ (قوله: كَمَا مَرَّ) وہ یہ قول ہے: ادخوف فوت حقہ۔ ”ح“۔

مِنْهَا عَدَالَةٌ قَاضٍ وَقُرْبُ مَكَانِهِ وَعِلْمُهُ بِقَبُولِهِ أَوْ بِكُونِهِ أَسْمَعَ قَبُولًا وَطَلَبُ الْمُدَّعَى (لَوْ فِي حَقِّ الْعَبْدِ إِنْ لَمْ يُوجَدْ بَدَلُهُ) أَمَّا بَدَلُ الشَّاهِدِ لِأَنَّهُا فَرْضٌ كِفَايَةٌ تَتَعَيَّنُ لَوْ لَمْ يَكُنْ إِلَّا شَاهِدَانِ لِتَحْتَلِلَ أَوْ أَدَاءً، وَكَذَا الْكَاتِبُ إِذَا تَعَيَّنَ، لَكِنَّ لَهُ أَخْذَ الْأُجْرَةِ لَا لِشَّاهِدٍ، حَتَّى لَوْ أُرْكَبَهُ بِلا عُدْرٍ لَمْ تُقْبَلْ وَبِهِ تُقْبَلُ لِحَدِيثِ أَكْرِمُوا الشُّهُودَ وَجَوَّزَ الثَّانِي الْأَكْلَ مُطْلَقًا وَبِهِ يُفْتَى بِحَرٍّ، وَأَقْرَهُ الْمَصْنُفُ

ان میں سے قاضی کا عادل ہونا، اس کے مکان کا قریب ہونا، اس کے قبول ہونے کا علم ہونا، یا اس کے جہد قبول کرنے کا سم ہونا اور مدعی کا شہادت کو طلب کرنا۔ اگر بندے کے حق میں ہوا اگر اس شاہد کا بدل نہ پایا جائے۔ کیونکہ یہ فرض کفایہ ہے۔ اگر تحمل شہادت یا ادا شہادت کے لیے صرف دو ہی گواہ ہوں تو شہادت متعین ہو جائے گی۔ کاتب کا معاملہ اسی طرح کا ہے جب وہ متعین ہو۔ لیکن کاتب کے لیے اجرت لینا صحیح ہے شاہد کے لیے اجرت لینا صحیح نہیں یہاں تک کہ اگر وہ عذر کے بغیر اسے سوار کرے تو اس کی گواہی قبول نہ کی جائے گی اور عذر کی صورت میں قبول کی جائے گی۔ کیونکہ حدیث طیبہ ہے: گواہوں کی عزت کرو (1) امام ”ابو یوسف“ رحمہ اللہ نے گواہ کے لیے کھانا کھانا مطلقاً جائز قرار دیا ہے۔ اس پر فتویٰ دیا جاتا ہے۔ ”بحر“ مصنف نے اسے ثابت رکھا ہے۔

26783۔ (قوله: وَقُرْبُ مَكَانِهِ) یعنی قاضی کا مکان اگر دور ہو اس کی صورت یہ ہے کہ شاہد کے لیے ممکن نہ ہو کہ وہ گواہی کے لیے جائے اور اس روز اپنے گھر واپس آ سکے۔ علماء نے کہا: وہ گناہگار نہیں ہوگا۔ کیونکہ اس کی وجہ سے اسے ضرر لاحق ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَلَا يُضَايَرُ كَاتِبٌ وَلَا شَهِيدٌ (البقرہ: 282) ”بحر“۔

26784۔ (قوله: إِنْ لَمْ يُوجَدْ بَدَلُهُ) یہ پانچویں شرط ہے۔ جہاں تک باقی ماندہ دو کا تعلق ہے وہ دو یہ ہیں: وہ مشہود بہ کے باطل ہونے کا علم نہ رکھتا ہو، وہ یہ نہ جانے کہ مقرر نے خوف کی وجہ سے اقرار کیا ہے۔ ”ح“۔

26785۔ (قوله: أَخْذَ الْأُجْرَةِ) تاکہ اسے اس کے ساتھ دیکھا جائے جو قول پہلے گزر چکا ہے۔ ہر وہ امر جو قاضی اور مفتی پر واجب ہو اس کے بدلے میں اجرت لینا دونوں کے لیے حلال نہیں۔ یہ امر ان دونوں کے ساتھ خاص نہیں اس کی دلیل وہ ہے جو انہوں نے ذکر کی ہے۔ جب میتوں کو غسل دینے والا متعین ہو جائے تو اس کے لیے اجرت لینا حلال نہیں۔ قتل بحرہ 26786۔ (قوله: بِلا عُدْرٍ) اس کی صورت یہ ہے کہ چلنے پر اسے قدرت حاصل ہے۔ یا ان کے پاس ماں بے جس سے وہ سواری کا جانور کرائے پر لے سکتے ہیں۔

26787۔ (قوله: وَبِهِ) یعنی عذر۔ کذا فی الہامش

26788۔ (قوله: مُطْلَقًا) خواہ اس نے ان کے لیے کھانا تیار کیا ہو یا نہ کیا ہو امام ”محمد“ رحمہ اللہ نے مطلقاً اس سے منع کیا ہے بعض نے تفصیل بیان کی ہے۔

(و) يَجِبُ الْأَدَاءُ (بِلا طَلَبٍ لَوِ الشَّهَادَةُ فِي حُقُوقِ اللَّهِ تَعَالَى) وَهِيَ كَثِيرَةٌ عَدَّ مِنْهَا فِي الْأَشْبَاهِ أَرْبَعَةَ عَشَرَ قَالَ وَمَتَى أُخِّرَ شَاهِدُ الْحِسْبَةِ شَهَادَتُهُ بِلا عُدْرٍ فَسَقَ فَتَرَدُّ (كَطَّلَاقِ امْرَأَةٍ) أَيْ بَائِنًا (وَعِتْقِ أَمَةٍ) وَتَذْيِيرَهَا وَكَذَا عِتْقُ عَبْدٍ وَتَذْيِيرُهُ شَرَحُ وَهَبَانِيَّةٍ، وَكَذَا الرِّضَاعُ كَمَا مَرَرْنَا بِابِهِ، وَهَلْ يُقْبَلُ جَرَحُ الشَّاهِدِ حِسْبَةً؟ الظَّاهِرُ نَعَمْ لِكُونِهِ حَقًّا لِلَّهِ تَعَالَى أَشْبَاهُ

اور مطالبہ کے بغیر ادا نیکی واجب ہوگی اگر شہادت حقوق اللہ کے بارے میں ہے۔ یہ کثیر ہیں۔ ان میں سے ”الاشباہ“ میں چودہ کو شمار کیا ہے۔ کہا: جب آخرت میں اجر کے خواہش مند شاہد نے گواہی میں تاخیر کی جب کہ عذر نہ ہو تو وہ فاسق ہو جائے گا اور اس کی گواہی رد کر دی جائے گی جس طرح ایک عورت کو طلاق بائنہ دی گئی تھی اور لونڈی کو آزاد کیا گیا تھا اور اسے مدبر بنایا گیا تھا۔ اسی طرح ایک غلام کو آزاد کیا گیا تھا اور اس کو مدبر بنایا گیا تھا، ”شرح الوہبانیہ“۔ اسی طرح رضاعت کا معاملہ ہے۔ کیا آخرت میں اجر کی امید پر شاہد پر جرح کو قبول کیا جائے گا؟ ظاہر یہ ہے کہ ہاں۔ کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کا حق ہے، ”اشباہ“۔

26789۔ (قولہ: أَرْبَعَةَ عَشَرَ) ہم وقف کے باب میں پہلے ہی (مقولہ 21637 میں) اسے ذکر کر چکے ہیں۔ ”ح“۔

کیا آخرت میں اجر کی امید پر شاہد پر جرح کو قبول کیا جائے گا؟

26790۔ (قولہ: حِسْبَةً) حِسْبَةُ کا لفظ حرج کے متعلق ہے شاہد کے متعلق نہیں۔ ”ح“۔

”الاشباہ“ میں کہا: عورت کی طلاق لونڈی کی آزادی، وقف، رمضان کے چاند وغیرہ کے معاملہ میں دعویٰ کے بغیر آخرت میں اجر کی نیت سے شہادت دینے والے کی شہادت کو قبول کیا جائے گا مگر عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے چاند میں دعویٰ کے بغیر شہادت کو قبول نہیں کیا جائے گا اور حدود میں دعویٰ کے بغیر آخرت میں اجر کے ارادہ سے گواہی قبول کی جائے گی مگر حد قذف اور حد سرقہ میں قبول نہیں کیا جائے گا۔ نسب کے معاملہ میں دعویٰ کے بغیر شہادت کے قبول کرنے میں علماء نے اختلاف کیا ہے جس طرح ”الظہیریہ“ کے کتاب الطلاق فصل ثانی فی النسب میں ہے۔ ”ابن وہبان“ نے قبول کو یقین سے بیان کیا ہے۔ لونڈی کو مدبر بنایا گیا ہو، حرمت مصاہرت، خلع، ایلا اور ظہار میں آخرت میں اجر کے ارادہ سے گواہی کو قبول کیا جائے گا۔ غلام کی آزادی میں دعویٰ کے بغیر ”امام صاحب“ رحمہ اللہ کے نزدیک شہادت ہو تو قبول نہیں کیا جائے گا جب کہ ”صاحبین“ رحمہ اللہ نے اس سے اختلاف کیا ہے۔ اور علماء نے ”امام صاحب“ رحمہ اللہ کے قول کے مطابق حرمت اصلہ میں اختلاف کیا ہے جب کہ قابل اعتماد بات یہ ہے کہ اختلاف نہیں کیا۔

”الظہیریہ“ میں ہے: جب دو آدمیوں نے گواہی دی کہ اس کے خاوند نے اسے تین طلاقیں دی ہیں یا لونڈی کی آزادی پر گواہی دی۔ اور کہا: یہ گزشتہ سال ہوا تھا تو ان کی شہادت جائز ہوگی اور اس میں تاخیر دونوں کی شہادت میں کمزوری پیدا نہیں کرتی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: چاہیے کہ یہ ان کی گواہی میں دین ہو جب دونوں کو علم ہو کہ ان کا یہ عمل دونوں کو بیوی اور لونڈی کی حیثیت میں انہیں باقی رکھنا ہے۔ کیونکہ اس شہادت کے قبول کرنے میں دعویٰ شرط نہیں۔ جب انہوں نے اس میں تاخیر کی

فَبَلَغْتُ ثَمَانِيَةَ عَشَرَ، وَلَيْسَ لَنَا مُدَّعَى حِسْبَةِ إِلَّا فِي الْوَقْفِ عَلَى الْمَرْجُوحِ فَلْيُحْفَظْ (وَسَتُرْهَانِي الْخُدُودِ
أَبْنُ لِحَدِيثٍ مَنْ سَتَرَ سِتْرَ فَالْأُولَى الْكِتْمَانُ إِلَّا لِمُتَهَتِّكِ بَحْرٌ - (وَالْأُولَى أَنْ يَقُولَ) الشَّاهِدُ (فِي الشَّرِيقَةِ
أَخَذَ) أَحْيَاءَ لِحَقِّ (لَا سَرَقَ) رِعَايَةَ لِلِسِتْرِ (وَنِصَابُهَا لِلزَّانَا أَرْبَعَةُ رِجَالٍ)

پس ان کی تعداد اٹھارہ ہو گئی۔ ہمارے نزدیک ثواب کی نیت سے دعویٰ کرنے والا صرف وقف میں دعویٰ کا حق رکھتا ہے۔ یہ
مرجوح قول کے مطابق ہے۔ پس اس کو یاد رکھا جانا چاہیے۔ اور حدود میں پردہ پوشی کرنا زیادہ نیکی ہے۔ کیونکہ حدیث حبیبہ
میں ہے جس نے پردہ پوشی کی اس کی پردہ پوشی کی جائے گی (1)۔ زیادہ بہتر پردہ پوشی کرنا ہے مگر وہ آدمی جو عزت کا پردہ
چاک کرنے والا ہو اس کی پردہ پوشی نہیں کی جائے گی، ”بحر“۔ زیادہ بہتر یہ ہے کہ چوری کے معاملہ میں گواہ کہے: اس نے
مال لیا تا کہ حق دار کا حق ضائع نہ ہو۔ وہ سرق کا لفظ نہ کہے۔ یہ پردہ پوشی کی رعایت کرنے کے لیے ہے۔ زنا کے معاملہ میں
اس کا نصاب شہادت چار مرد ہیں

تو وہ فاسق ہو گئے۔ کذا فی الہامش

فرع: ”المجتبیٰ“ میں ”الفضلی“ سے مروی ہے: گواہ بنا فرض کفایہ ہے جس طرح گواہی دینا فرض کفایہ ہے ورنہ حقوق ضائع
ہو جائیں گے۔ اسی طریقہ پر کاتب کا معاملہ ہے مگر کاتب کے لیے کتابت پر اجرت لینا جائز ہے شہادت پر اجرت لینا جائز
نہیں۔ یہ اجرت لینا اس کاتب کے لیے جائز ہے کہ کتابت کا اختیار اسی کو ہے۔ اسی پر فقہاء کا اجماع ہے۔ ہمارے نزدیک
اس کاتب کے لیے اجرت لینا جائز ہے جس پر کتابت کا اختیار متعین نہ ہو۔ یہ امام ”شافعی“ رحمہ اللہ کا ایک قول ہے۔ ایک قول
میں ہے: یہ جائز نہیں کیونکہ اس پر یہ عمل کرنا متعین نہیں ہے۔ ”شلبی“، ”ط“۔

26791۔ (قوله: ثَمَانِيَةَ عَشَرَ) یعنی ان امور کا اضافہ کیا ہے غلام آزاد کرنا، غلام کو مدبر بنانا، رضاعت، زخمی کرنا۔
جہاں تک عورت کی طلاق، لونڈی کی آزادی، اور اس کو مدبر بنانے کا تعلق ہے تو یہ چودہ میں سے ہے۔ ”ح“۔
26792۔ (قوله: إِلَّا فِي الْوَقْفِ) یعنی موقوف علیہ نے اصل وقف کا دعویٰ کیا تو بعض کے نزدیک اس کی سماعت کی
جائے گی۔ اور مفتی بہ یہ قول ہے کہ اس کی سماعت نہیں ہوگی مگر جب یہ امر اس کے سپرد کیا جائے جس طرح وقف میں یہ نذر
چکا ہے۔ ح۔

26793۔ (قوله: وَالْأُولَى أَنْ يَقُولَ الْخ) اس میں اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ مراد حدود کے اسباب کی ستر پوشی
ہے۔ ”منہوات ابن کمال“۔

26794۔ (قوله: وَنِصَابُهَا) یہ نہیں کہا: دشمن طہا جس طرح ”الکنز“ میں کہا ہے۔ کیونکہ عنقریب آئے گا کہ عورت
ولادت اور اس کی اختین (یعنی نماز جنازہ پڑھنا اور وراثت) کے لیے شرط نہیں۔ ”ابن کمال“۔

26795۔ (قوله: أَرْبَعَةُ رِجَالٍ) پس عورتوں کی شہادت قبول نہ کی جائے گی۔

لَيْسَ مِنْهُمْ ابْنُ زَوْجِهَا، وَلَوْ عَلَّقَ عِتْقَهُ بِالزَّانَا وَقَعَ بِرَجُلَيْنِ وَلَا حَدًّا، وَلَوْ شَهِدَا بِعِتْقِهِ ثُمَّ أَرْبَعَةٌ بِزَنَاهُ مُحْصَنًا فَأَعْتَقَهُ الْقَاضِي ثُمَّ رَجَعَهُ ثُمَّ رَجَعَ الْكُلُّ ضَمِنَ الْأَوَّلَانِ قِيَمَتَهُ لِمَوْلَاهُ وَالْأَرْبَعَةُ دِيَّتَهُ لَهُ أَيْضًا لَوَارِثَتِهِ (وَلِابْقِيَّةِ) (الْحُدُودِ وَالْقَوْدِ)

ان میں عورت کے خاوند کا بیٹا نہ ہو اگر آقا نے غلام کی آزادی کو بدکاری کے ساتھ معلق کیا تو آزادی دو مردوں کی گواہی سے ثابت ہو جائے گی اور اس غلام پر اس گواہی سے کوئی حد جاری نہ ہوگی۔ اگر دو آدمیوں نے اس کی آزادی کی گواہی دی پھر چار آدمیوں نے اس کے زنا کرنے کی گواہی دی جب کہ وہ محسن تھا قاضی نے اسے آزاد کر دیا پھر اس کو رجم کرنے کا حکم دے دیا پھر سب گواہوں نے شہادت سے رجوع کر لیا تو پہلے دو گواہ اس کے آقا کے لیے اس کی قیمت کے ضامن ہوں گے اور چار گواہ اس کی دیت کے بھی ضامن ہوں گے اگر وہ آقا اس کا وارث ہوا۔ اور باقی ماندہ حدود، قصاص

26796۔ (قوله: ابْنُ زَوْجِهَا) یعنی جب باپ مدعی ہو۔ ”البحر“ میں کہا: یہ جان لو کہ یہ جائز ہے کہ ان چار گواہوں میں سے اس عورت کے خاوند کا بیٹا ہو سکتا ہے۔ ”الحيطة البرهانی“ میں جس کا ذکر کیا ہے۔ اس کا حاصل یہ ہے کہ ایک مرد کی اگر دو بیویاں ہوں اور دونوں میں سے ایک کے پانچ بیٹے ہوں۔ ان میں سے چار بھائی ایک بھائی کے خلاف گواہی دیں کہ اس نے اپنی سوتیلی ماں کے ساتھ بدکاری کی ہے تو اس کی گواہی قبول کی جائے گی مگر یہ کہ باپ مدعی ہو یا ان کی ماں زندہ ہو۔

26797۔ (قوله: فَأَعْتَقَهُ) یعنی قاضی نے اس کی آزادی کا حکم لگا دیا۔

26798۔ (قوله: لَوَارِثَتِهِ) اس کی صورت یہ ہے کہ اس کے علاوہ اس کا کوئی وارث نہ ہو ورنہ اس غلام کا جو وارث ہوگا اس کو دیت دیں گے۔ ”س“۔

26799۔ (قوله: وَالْقَوْدِ) یہ نفس اور عضو میں جو قصاص واقع ہوتا ہے اس کو شامل ہے اس کی قید لگائی۔ کیونکہ ”الخنایہ“ میں ہے: اگر ایک مرد اور دو عورتیں قتل خطایا ایسے قتل کی گواہی دیں جو قصاص کو واجب نہیں کرتا تو ان کی شہادت قبول کی جائے گی۔

اور ان کے قول: بخلاف الانثی کا تعلق ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ عورت کے اسلام قبول کرنے پر ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی قبول کی جائے گی۔ بلکہ ”المقدس“ میں ہے: اگر دو نصرانی مردوں نے نصرانی عورت کے بارے میں گواہی دی کہ اس نے اسلام قبول کیا ہے تو یہ جائز ہوگا اور اسے اسلام پر مجبور کیا جائے گا۔ میں کہتا ہوں: نصرانی میں بھی یہی چاہیے۔ پس اسے مجبور کیا جائے گا اور قبول نہ کیا جائے گا (بعض نسخوں میں اسے قتل نہیں کیا جائے گا) میں نے ”الولوالجیہ“ میں اسے دیکھا ہے۔ انتہی ”ساحانی“۔

غور کرو انہوں نے اس طرح ایک آدمی اور دو عورتوں کی اس کے اسلام پر گواہی کے بارے میں نہیں کہا؟ لیکن یہ بدرجہ اولیٰ معلوم ہو جاتا ہے۔ ”البحر“ میں ”الحيطة“ سے ان کے قول: والذی علی مثله کے ہاں اس کی تصریح کی ہے۔ باب المرتد میں ”الدرر“ سے جو قول گزرا ہے اس میں غور کیجئے۔

(وَمِنْهُ) (اسلام کافر ذکر) لِمَا لَهَا لِقَتْلِهِ بِخِلَافِ الْأُنْثَى بَحْرُ (وَمِنْهُ) (رِدَّةٌ مُسْلِمٍ رَجُلَانِ) إِلَّا الْمُعْتَقَ فَيَقَعُ وَلَا يُحَدُّ كَمَا مَرَّ (وَلِلْوِلَادَةِ وَاسْتِهْلَالِ الصَّبِيِّ لِلصَّلَاةِ عَلَيْهِ) وَلِلْإِثْمِ عِنْدَهَا

اس میں سے کافر مرد کا مسلمان ہونا کیونکہ انجام کار اس پر قتل کا حکم لگایا جاتا ہے مونث کا معاملہ مختلف ہے، ”بحر“۔ اس کی مثل مسلمان کا مرتد ہونا ہے ان سب کے لیے دو گواہ ہوں گے مگر جسے معلق کیا جائے پس معلق امر واقع ہو جائے گا اور اس پر حد جاری نہیں کی جائے گی جس طرح گزر چکا ہے۔ ولادت، بچے کی نماز جنازہ پڑھنے کے لیے اس کے رونے اور وراثت کے ثبوت کے لیے ”صاحبین“ رحمہ اللہ علیہما کا

26800۔ (قوله: وَمِنْهُ) ضمیر سے مراد القعود ہے۔ ”ح“۔

26801۔ (قوله: لِقَتْلِهِ) یعنی اگر وہ اپنے کفر پر اصرار کرے۔

26802۔ (قوله: بِخِلَافِ الْأُنْثَى) اسے قتل نہیں کیا جائے گا۔ پس ایک مرد اور دو عورتوں کی شہادت قبول کی جائے

گی اسی وجہ سے مذکر کی قید لگائی ہے۔

26803۔ (قوله: رَجُلَانِ) ”البحر“ میں ہے: اگر ایک قاضی ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی سے حدود و قصاص میں

فیصلہ کر دے جب کہ وہ یہ رائے رکھتا ہو یا رائے نہ رکھتا ہو۔ پھر اس کا معاملہ دوسرے قاضی کے سامنے پیش کیا جائے تو وہ اس کو نافذ کر دے۔ ”الخانیہ“ میں ہے: ایک آدمی نے کہا: اگر میں شراب پیوں تو میرا مملوک آزاد ہے۔ پس ایک مرد اور دو عورتیں گواہی دیں کہ اس نے شراب پی ہے غلام آزاد ہو جائے گا آقا پر حد جاری نہیں کی جائے گی۔ اس پر قیاس کرتے ہوئے اگر وہ یہ کہے: ان سہقت اگر میں چوری کروں۔ دونوں قولوں میں فتویٰ امام ”ابو یوسف“ رحمہ اللہ علیہ کے قول پر ہے۔ کذا فی الہامش

26804۔ (قوله: إِلَّا الْمُعْتَقَ فَيَقَعُ) یعنی اسے ایک ایسی شے پر معلق کیا گیا جو ان چیزوں میں سے ہے جو حد یا

قصاص کو واجب کرتی ہیں اس میں دو آدمی شرط نہیں بلکہ ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی سے وہ امر ثابت ہو جائے گا اگرچہ معلق علیہ ایسا امر ہے جو اس نصاب سے ثابت نہیں ہوتا۔ ”البحر“ میں یہی قول کیا ہے۔

26805۔ (قوله: كَمَا مَرَّ) یعنی قریب ہی گزرا ہے۔

26806۔ (قوله: وَلِلْوِلَادَةِ) یعنی ”الاصلاح“ میں اس کا ذکر نہیں کیا۔ کہا: کیونکہ ولادت پر ایک عورت کی شہادت

یہ ”صاحبین“ رحمہ اللہ علیہ کے نزدیک کافی ہے۔ امام ”ابو حنیفہ“ رحمہ اللہ علیہ کا اس میں اختلاف ہے جیسے باب ثبوت النسب میں گزر چکا ہے۔ جہاں تک رونے پر عورت کی شہادت کا تعلق ہے تو نماز جنازہ کے حق میں بالاجماع اسے قبول کیا جائے گا۔ ہم نے حق الصلوة کا ذکر کیا ہے۔ کیونکہ وراثت کے حق میں ”امام صاحب“ رحمہ اللہ علیہ کے نزدیک اس کی شہادت کو قبول نہیں کیا جائے گا ”صاحبین“ رحمہ اللہ علیہ نے اس سے اختلاف کیا ہے۔

26807۔ (قوله: عِنْدَهَا) یہ وراثت کے لیے قید ہے جہاں تک نماز جنازہ کے حق کا معاملہ ہے۔ تو بالاتفاق اس کی

گواہی قبول کی جائے گی جس طرح ”المخ“ میں ہے۔

وَالشَّافِعِيُّ وَأَحْمَدُ وَهُوَ أَرْجَحُ فَتَحَ (وَالْبَكَارَةُ وَعُيُوبُ النِّسَاءِ فِيمَا لَا يَطْلَعُ عَلَيْهِ الرِّجَالُ امْرَأَةً حُرَّةً مُسْلِمَةً وَالثَّنَتَانِ أَحْوْطُ، وَالْأَصَحُّ قَبُولُ رَجُلٍ وَاحِدٍ خُلَاصَةً وَفِي الْبُرْجَانِدِيِّ عَنِ الْمُتَّقِطِ أَنَّ السُّعْلَمَ إِذَا شَهِدَ مُنْفَرِدًا فِي حَوَادِثِ الصِّبْيَانِ تَقْبَلُ شَهَادَتُهُ فَلْيُحْفَظْ

امام ”شافعی“ رحمہ اللہ اور امام احمد کے نزدیک جب کہ یہی زیادہ رائج ہے، باکرہ ہونے اور عورتوں کے ایسے عیوب جن پر مرد مطلع نہیں ہو سکتے ایک آزاد مسلمان عورت گواہی کا نصاب ہے۔ دو عورتیں زیادہ محتاط ہیں۔ اصح یہ ہے کہ ان میں ایک مرد کی گواہی قبول ہوگی، ”خلاصہ“۔ برجنیدی میں ”المستقط“ سے مروی ہے: معلم جب اکیلے طلبا کے معاملات کے بارے میں اکیلے شہادت دے تو اس کی شہادت قبول کی جائے گی۔ پس اس کو یاد رکھا جانا چاہیے۔

ایسے عیوب میں جن پر مرد مطلع نہیں ہو سکتے گواہی کا نصاب

26808۔ (قوله: وَعُيُوبُ النِّسَاءِ) یعنی جس طرح اس نے لونڈی خریدی۔ پس اس نے دعویٰ کیا کہ اس لونڈی کو قرن یا رتق کی بیماری ہے۔ لیکن ”المنح“ کے باب خیار العیب میں ان کے قول: ادعی ابقا کے ہاں ذکر کیا ہے: وہ عیب جسے عورتیں ہی پہچان سکتی ہیں تو فی الحال اس عیب کے موجود ہونے میں ایک ثقہ عورت کا قول قبول کیا جائے گا۔ پھر اگر قبضہ کے بعد ہو تو عورت کا قول قبول نہیں کیا جائے گا بلکہ بائع سے قسم لینا ضروری ہے۔ اگر اس سے قبل ہو تو امام ”محمد“ رحمہ اللہ کے نزدیک حکم اسی طرح ہے۔ امام ”ابو یوسف“ رحمہ اللہ کے نزدیک عورتوں کا قول بائع کی قسم کے بغیر رد کر دیا جائے گا۔ ”الفتح“ میں باب خیار الرؤیت سے تھوڑا پہلے ہے: قاعدہ یہ ہے کہ قول اس کا معتبر ہوگا جو اصل سے تمسک کرے۔ اور قاعدہ یہ ہے کہ عورتوں کی اکیلی گواہی ان امور میں حجت ہے جس پر مرد مطلع نہیں ہو سکتے جب وہ کسی مؤید کے ساتھ مؤید ہو ورنہ معتبر ہوگی۔ تاکہ خصومت متوجہ ہونہ کہ خصم پر کوئی شے لازم کی جائے۔ پھر یہ ذکر کیا: اگر اس نے کوئی لونڈی خریدی اس شرط پر کہ یہ باکرہ ہے پھر قبض سے پہلے یا اس کے بعد اس کے باکرہ ہونے میں اختلاف ہو گیا قاضی عورتوں کو وہ لونڈی دکھائے گا اگر وہ عورتیں کہہ دیں: یہ باکرہ ہے تو مشتری پر یہ لازم ہو جائے گی۔ کیونکہ عورتوں کی شہادت مؤید ہوگئی ہے کہ اصل باکرہ ہونا ہے۔ اگر وہ عورتیں کہیں کہ یہ شیبہ ہے تو عورتوں کی گواہی سے فسخ کا حق ثابت ہو جائے گا تاکہ یمین بائع پر متوجہ ہو جائے۔ پس وہ اللہ تعالیٰ کے نام کی قسم اٹھائے گا۔ میں نے بیع کے حکم سے اسے مشتری کے حوالے کیا تھا جب کہ یہ باکرہ تھی اگر وہ انکار کر دے تو لونڈی بائع پر لوٹادی جائے گی۔ ورنہ نہیں لوٹائی جائے گی۔ ملخص

26809۔ (قوله: رَجُلٍ وَاحِدٍ) ”المنح“ میں کہا: اپنے اس قول فبلا یطلع الخ کے ساتھ اس امر کی طرف اشارہ ہے اگر کوئی مرد اس بارے میں گواہی دے تو اس کی شہادت قبول نہیں کی جائے گی۔ اس قول کو اس امر پر محمول کیا جائے گا جب وہ کہے: تعددت النظر میں نے جان بوجھ کر دیکھا تھا۔ مگر جب وہ ولادت کی گواہی دے اور کہے: میں اچانک اس پر گیا تو اچانک میری نظر اس پر پڑی اگر وہ عادل ہوگا تو اس کی شہادت قبول کی جائے گی۔ جس طرح ”المبسوط“ میں ہے۔

(و) نَصَابُهَا (لِغَيْرِهَا مِنْ الْحُقُوقِ سَوَاءٌ كَانَ) الْحَقُّ (مَالًا أَوْ غَيْرَهُ كِنِكَاحٍ وَطَلَاقٍ وَوَكَالَةٍ وَوَصِيَّةٍ وَاسْتِهْلَالِ صَبِيٍّ) وَلَوْ (لِلْإِثْمِ رَجُلَانِ) إِلَّا فِي حَوَادِثِ صَبِيَّانِ الْمَكْتَبِ فَإِنَّهُ يُقْبَلُ فِيهَا شَهَادَةُ الْمُعَلِّمِ مُنْفَرِدًا قَهْشَتَانِ عَنِ الشَّجْنِيسِ (أَوْ رَجُلٌ وَامْرَأَتَانِ) وَلَا يُفَرَّقُ بَيْنَهُمَا - فَتُذَكَّرُ إِحْدَاهُمَا الْأُخْرَى - وَلَا تُقْبَلُ شَهَادَةُ أَرْبَعِ بِلَا رَجُلٍ لِيَلَّا يَكْثُرَ خُرُوجُهُنَّ، وَخَصَّهُنَّ الْاِثْمَةُ الثَّلَاثَةُ بِالْأَمْوَالِ وَتَوَابِعِهَا (وَلَزِمَ فِي الْكُلِّ) مِنَ الْمَرَاتِبِ الْأَرْبَعِ (لَفْظُ أَشْهَدُ) بِلَفْظِ الْمَضَارِعِ بِالْإِجْمَاعِ، وَكُلُّ مَا لَا يُشْتَرَطُ فِيهِ هَذَا اللَّفْظُ كَطَهَارَةِ مَاءٍ وَرُؤْيَا هِلَالٍ فَهُوَ إِخْبَارٌ لَا شَهَادَةٌ

ان کے علاوہ جو حقوق ہیں خواہ وہ حق مالی ہو یا کوئی اور جیسے نکاح، طلاق، وکالت، وصیت، بچے کا رونا اگر وراثت کے لیے ہو ان کا نصاب شہادت دو مرد ہیں مگر مکتب کے بچوں کے جو معاملات ہیں ان میں معلم کی اکیلے شہادت قبول کی جائے گی، ”قہستانی“ میں ”التجنیس“ سے مروی ہے۔ یا نصاب شہادت ایک مرد اور دو عورتیں ہیں دونوں عورتوں کو الگ الگ نہیں کیا جائے گا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ دونوں میں سے ایک دوسری کو یاد دلائے۔ مرد کے بغیر چار عورتوں کی شہادت قبول نہیں کی جائے گی تاکہ ان کا نکلنا کثیر نہ ہو جائے۔ تینوں ائمہ نے عورتوں کی شہادت کو اموال اور ان کے توابع کے ساتھ خاص کیا ہے۔ اور چاروں مراتب میں شہادت کے قبول ہونے کے لیے اشدھد کا لفظ لازم ہے یعنی اس پر اجماع ہے کہ اشدھد مضارع کا لفظ گواہی میں ذکر کرے اور تمام وہ معاملات جن میں یہ لفظ ذکر کرنا شرط نہیں جیسے پانی کی طہارت اور چاند کی رؤیت تو وہ اخبار ہے شہادت نہیں۔

- 26810۔ (قوله: لِغَيْرِهَا) یعنی حدود و قصاص کے علاوہ امور اور ایسے امور جن پر مرد مطلع نہیں ہو سکتا ”منح“۔ پس یہ قول قتل خطا کو شامل ہوگا اور اس قتل کو شامل ہوگا جس میں قصاص نہیں ہوتا۔ کیونکہ اس کا حکم مال ہوتا ہے۔ اس طرح اس میں شہادت پر شہادت اور قاضی کا مکتوب قبول کیا جائے گا۔ رٹی نے ”الحانیہ“ سے نقل کیا ہے۔ اس کی مکمل بحث اس میں ہے۔
- 26811۔ (قوله: وَلَوْ لِلْإِثْمِ) بعض نسخوں میں لو داؤ کے بغیر ہے۔ ظاہر یہ ہے کہ دونوں حذف ہوں۔ تامل۔ ان کا قول للارث یہ ”امام صاحب“ رحمہ اللہ کے نزدیک ہے۔ ”المنح“ میں کہا ہے: والعقاق والنسب۔
- 26812۔ (قوله: إِلَّا فِي حَوَادِثِ الصَّبِيِّ) یہ مکرر کلام ہے اس کے ساتھ جس کا ذکر گزر چکا ہے۔
- 26813۔ (قوله: فَتُذَكَّرُ إِحْدَاهُمَا الْأُخْرَى) حکایت بیان کی گئی ہے کہ ”ام بشیر“ نے حاکم کے ہاں گواہی دی۔ حاکم نے کہا: دونوں عورتوں کو الگ الگ کر دو تو اس نے کہا: تجھے ایسا کرنے کا حق نہیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: أَنْ تَضِلَّ إِحْدَاهُمَا فَتُذَكِّرَ إِحْدَاهُمَا الْأُخْرَى (البقرہ: 282) حاکم خاموش ہو گیا۔ ”المحقق“ میں اسی طرح ہے۔ ”بحر“۔
- 26814۔ (قوله: وَتَوَابِعِهَا) جیسے اجل (وقت مقرر) خیار شرط۔
- 26815۔ (قوله: لَفْظُ أَشْهَدُ) ”اليعقوبیہ“ میں کہا: عراقی علماء ہاتھوں کی شہادت میں لفظ شہادت کی ایسے امور میں

(لِقَبُولِهَا وَالْعَدَالَةُ لِوُجُوبِهِ) فِي الْيَنَابِيعِ الْعَدْلُ مَنْ لَمْ يُطْعَنْ عَلَيْهِ فِي بَطْنٍ وَلَا فَرْجٍ وَمِنْهُ الْكَذِبُ لِخُرُوجِهِ مِنَ الْبَطْنِ (لَا لِصِحَّتِهِ) خِلَافًا لِلشَّافِعِيِّ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ (فَلَوْ قَضَى بِشَهَادَةٍ فَاسِقٍ نَفَذَ) وَأَتَمَّ فَتْحٌ (إِلَّا أَنْ يَنْتَعَمَ مِنْهُ) أَمَى مِنَ الْقَضَاءِ بِشَهَادَةِ الْفَاسِقِ (إِلَّا مَامُ فَلَا) يَنْفَذُ لِمَا مَرَّ أَنَّهُ يَتَأَقَّتُ وَيَتَقَيَّدُ بِزَمَانٍ وَمَكَانٍ وَحَادِثَةٍ وَقَوْلٍ مُعْتَبَدٍ حَتَّى لَا يَنْفَذَ قَضَاؤُهُ بِأَقْوَالٍ ضَعِيفَةٍ وَمَا فِي الْقُنْيَةِ وَالسُّجْتَبَى مِنْ قَبُولِ ذِي الْمُرُوَّةِ الصَّادِقِ

اور شہادت کے قبول کے واجب ہونے میں عدالت شرط ہے۔ ”ینابیع“ میں ہے: عادل وہ ہے جس پر بطن کے معاملہ میں طعن نہ کیا جائے اور نہ ہی فرج کے معاملہ میں طعن کیا جائے۔ اسی سے جھوٹ بولنا ہے۔ کیونکہ جھوٹ بطن سے نکلتا ہے۔ عدالت قبول کی صحت کی شرط نہیں۔ امام ”شافعی“ رحمہ اللہ نے اس سے اختلاف کیا ہے۔ اگر قاضی نے فاسق کی شہادت کے ساتھ فیصلہ کر دیا تو وہ نافذ ہو جائے گا اور وہ گناہگار ہوگا، ”فتح“۔ مگر یہ کہ امام، قاضی کو فاسق کی گواہی کے ساتھ فیصلہ کرنے سے منع کر دے تو اس کا فیصلہ نافذ نہیں ہوگا۔ اسی دلیل کی وجہ سے جو گزر چکی ہے کہ قضا زمان، مکان، حادثہ اور معتمد قول کے ساتھ مختص اور مقید ہوتی ہے یہاں تک کہ اس کی قضا اقوال ضعیفہ کے ساتھ نافذ نہیں ہوتی۔ ”القنیہ“ اور ”المجتبیٰ“ میں جو قول ہے کہ صاحب مروت کی شہادت قبول ہوگی

شرط نہیں لگاتے تھے جن پر مرد مطلع نہیں ہوتے وہ اسے باب الاخبار سے بناتے ہیں۔ باب الشہادۃ سے نہیں بناتے۔ صحیح وہ ہے جو ”الکتاب“ میں ہے کیونکہ یہ باب الشہادۃ میں سے ہے۔ اسی وجہ سے اس میں شہادت کی شرائط یعنی آزادی، مجلس حکم وغیرہما کی شرط لگائی گئی ہے۔

26816۔ (قوله: لِوُجُوبِهِ) یعنی قاضی پر قضا کے وجوب کے لیے۔ ”منح“۔

عدالت کی تفسیر

26817۔ (قوله: الْعَدْلُ) ”الذخیرہ“ میں کہا: عدالت کی تفسیر میں جو اقوال کیے گئے ہیں ان میں سے احسن یہ ہے وہ کبار سے اجتناب کرنے والا ہو، وہ صغائر پر مصر نہ ہو، اس کی اچھائیاں اس کی کمزوریوں سے زیادہ ہوں اس کے صحیح اعمال اس کی خطاؤں سے زیادہ ہوں۔ قتال

26818۔ (قوله: لَا لِصِحَّتِهِ) یعنی قضا کی صحت کے لیے۔ یعنی اس کے نفاذ کے لیے۔ ”منح“۔

26819۔ (قوله: بِشَهَادَةِ فَاسِقٍ نَفَذَ) ”جامع الفتاویٰ“ میں کہا: جہاں تک فاسق کی شہادت کا تعلق ہے اگر قاضی اس کی شہادت میں صدق کی تلاش کرے تو اس کی شہادت کو قبول کیا جائے گا ورنہ قبول نہیں کیا جائے گا۔ ”قتال“۔ ”الفتاویٰ القاعدیہ“ میں ہے: یہ اس صورت میں ہے جب اس کا صدق اس کے ظن پر غالب ہو۔ یہ ان امور میں ہے جن کو یاد رکھا جانا چاہیے۔ ”درر“۔ کتاب القضاء کے آغاز میں ہے: ان کے قول دھومبا حفظ کا ظاہر معنی یہ ہے کہ اس پر اعتماد کیا جاتا ہے۔

فَقَوْلُ الثَّانِي بَحْرٌ وَضَعْفُهُ الْكَمَالُ بِأَنَّهُ تَعْلِيلٌ فِي مُقَابَلَةِ النَّصِّ فَلَا يُقْبَلُ وَأَقْرَبُكَ الْمُصَنِّفُ (وَهُي) إِنَّ (عَلَى حَاضِرٍ يَحْتَاجُ) الشَّاهِدُ (إِلَى الْإِشَارَةِ إِلَى) ثَلَاثَةِ مَوَاضِعَ أَعْنَى (الْخَصْمَيْنِ وَالْمَشْهُودَ بِهِ لَوْ عَيْنًا) لَا دَيْنًا (وَرَأَى عَلَى غَائِبٍ) كَمَا فِي نَقْلِ الشَّهَادَةِ (أَوْ مَيِّتٍ فَلَا بُدَّ) لِقَبُولِهَا (مَنْ نَسَبَتْهُ إِلَى جَدِّهِ فَلَا يَكْفِي ذِكْرُ اسْمِهِ وَاسْمِ أَبِيهِ وَصِنَاعَتِهِ إِلَّا إِذَا كَانَ يُعْرَفُ بِهَا) أَيْ بِالصَّنَاعَةِ (لَا مَحَالَةَ) بِأَنْ لَا يُشَارِكُهُ فِي الْبَصَرِ غَيْرُهُ (فَلَوْ قَضَى بِلَا ذِكْرِ الْجَدِّ نَفَذَ) فَالْبُعْتَبُ التَّعْرِيفُ لَا تَكْثِيرُ الْحُرُوفِ، حَتَّى لَوْ عُرِفَ بِاسْمِهِ فَقَطَّأَ بِلَقَبِهِ

یہ امام "ابو یوسف" رحمہ اللہ کا قول ہے، "بحر"۔ "کمال" نے اسے ضعیف قرار دیا ہے کہ یہ نص کے مقابلہ میں تعلیل ہے۔ پس اس کو قبول نہیں کیا جائے گا۔ مصنف نے اسے ثابت رکھا ہے۔ شہادت اگر حاضر کے خلاف ہو تو گواہ تین مواقع پر اس کی طرف اشارہ کا محتاج ہوگا۔ یعنی دونوں خصموں کی جانب، مشہود بہ کی جانب اگر وہ عینی چیز ہو دین نہ ہو اگر گواہی غائب کے خلاف ہو جس طرح شہادت کے نقل میں ہوتا ہے یا میت کے خلاف ہو تو شہادت کے قبول ہونے میں ضروری ہے کہ اس کی دادا کی طرف نسبت کی جائے۔ پس اس کا نام، اس کے باپ کا نام اور اس کی صنعت کا ذکر کافی نہیں ہوگا مگر یہ کہ وہ صنعت میں بغیر تردد کے معروف ہو۔ اس کی صورت یہ ہے کہ مصر میں اس کے ساتھ کوئی دوسرا شریک نہ ہو۔ اگر وہ دادا کے ذکر کرنے کے بغیر فیصلہ کر دے تو فیصلہ نافذ ہو جائے گا معتبر تعریف (پہچان) ہے حروف کی زیادتی نہیں یہاں تک کہ اگر وہ صرف اپنے نام سے معروف ہو جائے یا صرف اپنے لقب سے

26820۔ (قوله: بَحْرٌ) جو "البحر" میں ہے اتھ روایۃ عن الثانی، یہ امام "ابو یوسف" رحمہ اللہ سے مروی ہے۔

26821۔ (قوله: النَّصِّ) اس سے مراد اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: وَأَشْهَدُوا ذَوْنِي عَدْلٍ مِّنْكُمْ (الصَّلاَح: 2) ہم

نے اس کا جواب کتاب القضاء کے شروع میں (مقولہ 25944 میں) دے دیا ہے۔

26822۔ فرع (قوله: يَحْتَاجُ الشَّاهِدُ) "بزازیہ" میں ہے: اس نے شہادت لکھی اور ان میں سے بعض نے

پڑھی۔ شاہد نے کہا: میں گواہی دیتا ہوں کہ اس مدعی کا اس مدعی علیہ پر وہ سب کچھ لازم ہے جس کا اس مکتوب میں ذکر کیا گیا

ہے اور وصف بیان کیا گیا ہے۔ یا کہا: یہ دعویٰ جس کو پڑھا گیا ہے اور اس کتاب میں جس کا ذکر کیا گیا ہے یہ مدعی علیہ کے قبضہ

میں ناحق موجود ہے۔ اس پر لازم ہے کہ اس مدعی کے حوالے کر دے تو اسے قبول کیا جائے گا۔ کیونکہ حاجت اس میں

دعوت دیتی ہے۔ کیونکہ شہادت طویل ہے اور شاید اس کے بیان سے عاجز ہے۔

26823۔ (قوله: أَوْ بِلَقَبِهِ) اسی طرح اس کی صفت ہے۔ جس طرح "الحامدیہ" میں اس کا فتویٰ دیا ہے اس آدمی

کے بارے میں جو یہ گواہی دیتا ہے کہ وہ عورت جو فلاں بازار، فلاں دن فلاں وقت میں قتل کی گئی اسے فلاں نے قتل کیا ہے۔ تو

اس کی گواہی عورت کے نام اور اس کے باپ کے نام کی وضاحت کے بغیر قبول کی جائے گی۔ کیونکہ وہ عورت قتل ہونے میں

معروف تھی اس عمل میں کوئی اور اس کے ساتھ شریک نہ تھا۔

وَحَدَهُ كَفَى جَامِعُ الْفُصُولَيْنِ وَمُلْتَقَطٌ (وَلَا يَسْأَلُ عَنْ شَاهِدٍ بِلَا طَعْنٍ مِنَ الْخَصْمِ إِلَّا فِي حَدٍّ وَقَوْدٍ، وَعِنْدَهُمَا يَسْأَلُ فِي الْكُلِّ) إِنَّ جَهْلَ بِحَالِهِمْ بَحْرٌ (سِرًّا وَعَلَنًا بِهِ يُفْتَى) وَهُوَ اخْتِلَافُ زَمَانٍ لِأَنَّهُمَا كَانَا فِي الْقَرْنِ الرَّابِعِ، وَلَوْ اكْتَفَى بِالسِّرِّ جَاZ مَجْمَعٌ وَبِهِ يُفْتَى سِرًّا جِيَّةً

معروف ہو جائے تو یہ کافی ہو جائے گا ”جامع الفصولین“، ملتقط۔ خصم کی جانب سے طعن کے بغیر وہ شاہد کے بارے میں سوال نہیں کرے گا مگر حدود و قصاص میں سوال کرے گا ”صاحبین“ رحمہ اللہ علیہما کے نزدیک وہ سب میں سوال کرے گا اگر وہ ان کے حالات سے ناواقف ہو۔ ”بحر“۔ یعنی مخفی طریقہ سے اور اعلانیہ دونوں طریقوں سے سوال کرے گا۔ اس پر فتویٰ دیا جاتا ہے۔ یہ فرق زمانہ کے اختلاف کے باعث ہے۔ کیونکہ ”صاحبین“ رحمہ اللہ علیہما چوتھے قرن میں سے تھے۔ اگر وہ مخفی طریقہ سے سوال کرنے پر اکتفا کرے تو یہ جائز ہے ”مجمع“۔ اسی پر فتویٰ دیا جاتا ہے۔ ”سراجیہ“۔

26824۔ (قوله: جَامِعُ الْفُصُولَيْنِ) یعنی نویں فصل میں اس طرح ہے۔

26825۔ (قوله: يَسْأَلُ) یعنی وہ گواہوں کے بارے میں سوال کرے گا اور یہ عمل اس پر واجب ہے ”صاحبین“ رحمہ اللہ علیہما کے نزدیک اس کے صحیح ہونے کے لیے سوال کرنا شرط نہیں۔ جس طرح ”البحر“ میں اس کی وضاحت کی ہے۔ اس میں ہے: ”صاحبین“ رحمہ اللہ علیہما کے نزدیک سوال کا محل یہ ہے کہ جب قاضی ان کے حال سے جاہل ہو۔ اسی وجہ سے ”الملقط“ میں فرمایا: قاضی جب جرح یا عدالت کے بارے گواہوں کو پہچانتا ہو تو وہ ان کے بارے میں سوال نہیں کرے گا۔

26826۔ (قوله: بِهِ يُفْتَى) یہ ان کے قول و عندہما: یسأل فی الكل کے ساتھ متعلق ہے۔ ”البحر“ میں کہا: حاصل کلام یہ ہے: اگر خصم طعن کرے تو تمام امور میں ان کے متعلق سوال کرے ورنہ حدود و قصاص کے بارے میں سوال کرے اور ان کے علاوہ میں اختلاف کا محل ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ عصر و زمان کا اختلاف ہے۔ اس زمانہ میں فتویٰ ”صاحبین“ رحمہ اللہ علیہما کے قول پر ہے۔ ”الہدایہ“ میں اسی طرح ہے۔ انتہی

مصنف کو چاہیے تھا کہ وہ اسے اپنے قول سے ادا علنا پر مقدم کرتے تاکہ یہ خلاف مراد کا وہم نہ دلائے۔ کیونکہ عنقریب وہ نقل کریں گے کہ فتویٰ یہ ہے کہ خفیہ طریقہ سے سوال کرنے پر اکتفا کرے۔ ”ابن کمال“ نے اپنے متن میں اسے یقین سے بیان کیا ہے۔ ”البحر“ میں ذکر کیا ہے کہ ”الکنز“ میں جو قول ہے وہ مفتی بہ کے خلاف ہے۔ اس سے یہ امر ظاہر ہوتا ہے کہ ہمارے زمانہ میں جو اعلانیہ سوال کرنے پر اکتفا کیا گیا ہے وہ مفتی بہ کے خلاف ہے بلکہ ”البحر“ میں ہے: ضروری ہے کہ علانیہ تزکیہ سے پہلے خفیہ طریقہ سے تزکیہ کیا جائے۔ کیونکہ ”الملقط“ میں امام ”ابو یوسف“ رحمہ اللہ علیہ سے مروی ہے: میں اس وقت تک علانیہ تزکیہ قبول نہیں کروں گا یہاں تک کہ خفیہ طریقہ سے تزکیہ نہ کر لیا جائے۔ فتنہ۔ ”جامع ترمذی“، باب ما جاء فی القرن الثالث۔

26827۔ (قوله: الرَّابِعِ) ”امام صاحب“ رحمہ اللہ علیہ تیسرے قرن میں تھے جس کے خیر ہونے کے بارے رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم نے گواہی دی (1)۔

(وَكَفَى فِي التَّزْكِيَةِ) قَوْلُ الْمُنْزِي (هُوَ عَدْلٌ فِي الْأَصَحِّ) لِثُبُوتِ الْحُرِّيَّةِ بِالْأَدَارِ دُرٍّ يَعْنِي الْأَصْلُ فَيَسُنُّ كَانَ فِي دَارِ الْإِسْلَامِ الْحُرِّيَّةُ فَهُوَ بِعِبَارَتِهِ جَوَابٌ عَنِ النَّقْضِ (بِالْعَبْدِ وَبِدَلَالَتِهِ عَنِ النَّقْضِ) بِالسُّحْدِ وَدِ ابْنُ كَمَالٍ (وَالْتَعْدِيلُ مِنَ الْخَصْمِ الَّذِي لَمْ يُرْجَعْ

تذکیہ میں تذکیہ کرنے والے کا قول، وہ عادل ہے، اصح قول کے مطابق کافی ہے۔ کیونکہ دار کی وجہ سے آزادی ثابت ہے، ”درر“۔ یعنی جو آدمی دار الاسلام میں رہتا ہے اس میں اصل آزادی ہے تو عدل کا لفظ اپنی عبارت کے اعتبار سے عہد کے نقض کا جواب ہے اور اپنی دلالت کے اعتبار سے محدود فی القذف کا جواب ہے۔ ”ابن کمال“۔ اس خصم کی جانب سے کسی و عادل قرار دینا تعدیل میں جس کی طرف رجوع نہیں کیا جاتا

26828۔ (قوله: هُوَ عَدْلٌ) یعنی یہ نہیں کہا: جائز الشہادۃ۔ ”الکافی“ میں کہا: پھر کہا گیا: تعدیل و تذکیہ کرنے والے کو یہ ضرور کہنا چاہیے: هو عدل جائز الشہادۃ کیونکہ غلام اور قذف کی وجہ سے حد لگایا گیا شخص جب توبہ کر لے تو بعض اوقات اسے عادل قرار دے دیا جاتا ہے۔ اصح یہ ہے کہ اس قول پر اکتفا کیا جائے: هو عدل۔ کیونکہ دار کے ساتھ آزادی ثابت ہو چکی ہے۔ کذا فی الہامش

لیکن ”البحر“ میں ہے: ”سرخی“ نے یہ اختیار کیا ہے کہ اس کے قول هو عدل پر اکتفا نہیں کیا جائے گا۔ کیونکہ جو شخص قذف کی حد لگائے جانے کے بعد توبہ کر لے عادل قرار دیا جائے اس کی شہادت جائز نہیں ہوگی چاہیے کہ اسے ترجیح دی جائے۔ ہامش میں ہے: ان کا قول قول السنن الخ یا اس صفحہ میں اس کے نام کے نیچے لکھا جائے۔ هو عدل، ”درر“۔ جس کا فسق معروف ہو وہ کوئی چیز نہیں لکھے گا۔ یہ بتک سے احتراز کے لیے ہے یا وہ لکھے اللہ اعلم۔ ”درر“۔

26829۔ (قوله: الْحُرِّيَّةُ) یہ قول اس کے مخالف ہے جو بعض شروح میں ”الجامع الكبير“ سے نقل کیا گیا ہے: وک آزاد ہیں مگر شہادت، حدود اور قصاص میں جس طرح یہ امر مخفی نہیں۔ پس اس میں غور کیا جانا چاہیے۔ ”یعقوبیہ“۔ لیکن ”البحر“ میں ”زیلعی“ سے ذکر کیا ہے: یہ اس پر محمول ہوگا جب خصم غلامی کا طعن کرے جس طرح ”قدوری“ نے قید لگائی ہے۔

26830۔ (قوله: بِالسُّحْدِ) یعنی ان کا قول ہے: الاصل فیسن کان فی دار الاسلام الحریۃ یعنی جو آدمی دار الاسلام میں رہتا ہے اس میں اصل یہ ہے کہ وہ آزاد ہو، مفہوم موافقت کے ساتھ جسے دلالت النفس کہتے ہیں۔ یہ اس امر سے ثابت ہے کہ جواب ہے جو محدود فی القذف میں وارد ہوتا ہے جیسے پہلے گزر چکا ہے۔ کیونکہ عدالت اس امر کو مستلزم نہیں کہ قذف میں اس پر حد جاری نہ کی گئی ہو۔ یہ مفہوم موافقت کے ساتھ اس پر دال ہے۔ کیونکہ وہ شخص جو دار الاسلام میں رہتا ہے اس پر قذف میں بھی جاری نہیں کی جاتی۔ پس یہ اس کے مساوی ہے۔ ”ح“۔

26831۔ (قوله: وَالتَّعْدِيلُ) تعدیل سے مراد تذکیہ ہے۔

26832۔ (قوله: مِنَ الْخَصْمِ) خصم سے مراد مدعی علیہ ہے اور مدعی بدرجہ اولیٰ خصم ہے۔ اسے مطلق ذکر کیا ہے۔

إِلَيْهِ فِي التَّعْدِيلِ لَمْ يَصُدَّحْ فَلَوْ كَانَ مِمَّنْ يُرْجَعُ إِلَيْهِ فِي التَّعْدِيلِ صَحَّ بَرَّازِيَّةٌ، وَالْمُرَادُ بِتَّعْدِيلِهِ تَرْكِيبُهُ بِقَوْلِهِ هُمْ عُدُولٌ زَادَ لِكِنَّهُمْ أَخْطَئُوا أَوْ نَسُوا أَوْ لَمْ يَزِدْ (و) أَمَّا (قَوْلُهُ صَدَقُوا أَوْ هُمْ عُدُولٌ صَدَقَةٌ) فَإِنَّهُ (اعْتَرَفَ بِالْحَقِّ) فَيُقْضَى بِإِقْرَارِهِ لَا بِالْبَيِّنَةِ عِنْدَ الْجُحُودِ اخْتِيَارٌ وَفِي الْبَحْرِ عَنِ التَّهْذِيبِ يُخْتَلَفُ الشُّهُودُ فِي زَمَانِنَا لِتَعَدُّرِ التَّرْكِيبَةِ إِذَا الْمَجْهُولُ لَا يَعْرِفُ الْمَجْهُولَ وَأَقْرَبُهُ الْمَصْنِفُ ثُمَّ نَقَلَ عَنْهُ عَنِ الصَّيْرِفِيَّةِ تَفْوِيضَهُ لِنَقَاضِي قُلْتُ وَلَا تَنْسَ مَا مَرَّ عَنْ الْأَشْبَاهِ (و) الشَّاهِدُ لَهُ أَنْ يَشْهَدَ بِمَا سَمِعَ أَوْ رَأَى فِي مِثْلِ الْبَيْعِ

تو وہ ترکیب کی صلاحیت نہیں رکھے گا اگر وہ ان لوگوں میں سے ہے تعدیل میں جس کی طرف رجوع کیا جاتا ہے تو یہ امر صحیح ہو گا۔ ”بزازیہ“۔ اس کی تعدیل سے مراد یہ ہے کہ وہ اس قول کے ساتھ اس کا ترکیب کرے وہ عادل ہیں وہ اس کا اضافہ کرے: لیکن انہوں نے خطا کی ہے یا یہ بھول گئے ہیں یا وہ اضافہ نہ کرے۔ جہاں تک اس قول کا تعلق ہے: یہ سچے ہیں یا وہ عادل سچے ہیں یہ حق کا اعتراف ہے تو اس کے اقرار کی وجہ سے فیصلہ کیا جائے گا۔ انکار کی صورت میں گواہوں کے ساتھ فیصلہ نہیں کیا جائے گا، ”اختیار“۔ ”البحر“ میں ”التہذیب“ سے مروی ہے: ہمارے زمانہ میں گواہوں سے قسم لی جائے گی۔ کیونکہ ترکیب نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ مجہول مجہول کو نہیں پہچانتا۔ مصنف نے اسے ثابت رکھا ہے پھر ”الصیرفیہ“ سے یہ نقل کیا ہے: یہ امر قاضی کے سپرد ہے۔ میں کہتا ہوں: ”الاشباہ“ سے جو قول گزرا ہے اس کو نہ بھول۔ اور شاہد کے لیے جائز ہے کہ اس امر کی گواہی دے جس کو سنا ہو یا جسے دیکھا ہو جیسے بیع ہے

پس یہ قول اسے شامل ہو گا جب مدعی علیہ شہادت سے پہلے یا شہادت کے بعد اسے عادل قرار دے جس طرح ”بزازیہ“ میں ہے اور تامل کی ضرورت ہے۔ کیونکہ دعویٰ سے قبل تعدیل کے وقت اس کے انکار میں جھوٹ نہیں پایا گیا گویا قضا سے قبل طاری ہونے والا فسق جو اس شخص پر واقع ہوا جس کی تعدیل کی گئی تھی وہ مقارن کی طرح ہے۔ ”بحر“۔

26833۔ (قوله: لَمْ يَصُدَّحْ) یعنی اس کا ترکیب کرنے والا بننا صحیح نہ ہو گا۔ ”ہامش“ میں کہا: کیونکہ مدعی اور گواہوں کے گمان میں سے یہ ہے کہ مدعی علیہ انکار میں جھوٹا ہے۔ اور کاذب فاسق کا ترکیب صحیح نہیں ہے۔ یہ ”امام صاحب“ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ہے۔ ”صاحبین“ رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک اس کا ترکیب کرنا صحیح ہو گا اگر وہ اس کا اہل ہو۔ اس کی صورت یہ ہے کہ وہ عادل ہو لیکن امام ”محمد“ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک دوسرے مزی کی کو ساتھ ملانا ضروری ہے۔ ”درر“۔

26834۔ (قوله: عَنِ الْأَشْبَاهِ) یعنی کتاب التحکیم سے تھوڑا پہلے۔ امام اگر قاضیوں کو حکم دے کہ وہ گواہوں سے قسم لیں تو علماء پر واجب ہے کہ وہ اسے نصیحت کریں اور اسے کہیں۔

26835۔ (قوله: فِي مِثْلِ الْبَيْعِ) جب گواہ کسی شے کے خریدنے پر گواہی دے رہا ہو تو ثمن کا بیان کرنا ضروری ہے ہم باب الاختلاف میں اس کا عنقریب ذکر کریں گے۔ حاشیہ میں ہے: پس اس کی طرف رجوع کیجئے۔

وَلَوْ بِالشَّعَاطِي فَيَكُونُ مِنَ الْمَرْقِيِّ (وَإِلْقَارِ) وَلَوْ بِالْكِتَابَةِ فَيَكُونُ مَرْثِيًّا (وَحُكْمِ الْحَاكِمِ وَ
الْغَضَبِ وَالْقَتْلِ

اگرچہ بیع باہم لینے دینے کی صورت میں ہو۔ پس یہ امر اس میں سے ہے جس کو دیکھا جاتا ہے اور اقرار کی گواہی دینا جائز ہے
اگرچہ اقرار کتابت کی صورت میں ہے۔ پس یہ امر دکھائی دینے والا ہے حاکم کے حکم، غصب اور قتل کی گواہی دینا جائز ہے

26836۔ (قوله: وَلَوْ بِالشَّعَاطِي) اس میں وہ گواہی دیں گے کہ اس نے لیا اور اس نے دیا۔ اگر وہ بیع کی گواہی دیں
تو یہ جائز ہے۔ ”بحر“ میں ”بزازیہ“ سے مروی ہے۔ اس میں ”الخلاصہ“ سے مروی ہے: ایک آدمی بیع کے وقت حاضر ہوا پھر
مشتری کو شہادت کی ضرورت پڑی تو وہ شرا کے سبب ملک کی گواہی دے گا۔ اور مطلق ملکیت کی گواہی نہیں دے گا۔ اس میں
ہے: شرا پر شہادت دیتے وقت ثمن کا بیان کرنا ضروری ہے۔ کیونکہ ثمن مجہول کی بنا پر شرا کا حکم صحیح نہیں۔ جس طرح ”بزازیہ“
میں ہے۔ اس میں غور کیجئے جو عنقریب (مقولہ 27103 میں) آئے گا اور جو (مقولہ 26681 میں) نذر چکا ہے۔

”الہامش“ میں ہے: ”الدرر“ سے مروی ہے: وہ کہتا ہے: میں گواہی دیتا ہوں کہ اس نے چیز بیچی ہے یا اس نے اقرار کیا
ہے۔ کیونکہ اس نے سبب کا معائنہ کیا ہے۔ پس اس پر اسی طرح کی گواہی دینی واجب ہوگی جس طرح اس نے اپنی آنکھوں
سے دیکھا ہے۔ یہ اس صورت میں ہے جب عقد کے ساتھ بیع ظاہر ہے۔ اگر بیع باہم لینے دینے کی صورت میں ہو تو حکم اسی
طرح کا ہوگا۔ کیونکہ بیع کی حقیقت یہ ہے کہ مال کا مال کے ساتھ تبادلہ ہو جو صورت پائی گئی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ بیع
پر گواہی نہیں دیں گے بلکہ ایک چیز کے لینے اور ایک چیز کے دینے پر گواہی دیں گے کیونکہ یہ بیع حکمی ہے حقیقی نہیں۔

26837۔ (قوله: وَإِلْقَارِ) اس کی صورت یہ ہے کہ وہ مقرر کا قول سنے: فلاں کا مجھ پر اتنا ہے، ”درر“۔ الہامش میں

اسی طرح ہے۔

26838۔ (قوله: وَلَوْ بِالْكِتَابَةِ) ”البحر“ میں ”بزازیہ“ سے مروی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے: جب اس نے اپنا اقرار

گواہوں کے سامنے لکھ دیا اور زبان سے کچھ نہ کہا تو یہ اقرار نہیں ہوگا۔ پس اس کی شہادت حلال نہ ہوگی اگرچہ ایسا خط ہو جس
کے سرنامہ پر کچھ لکھا ہو اگرچہ غائب کے لیے خط کی صورت میں ہو جس پر عام علماء قائم ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ کتابت قتل
اوقات تجربہ کے لیے ہوتی ہے۔ گونگے کے حق میں شرط ہے کہ اس کا عنوان ہو اور اس کے سرنامہ پر کچھ ہو اگرچہ غائب کی
طرف نہ ہو۔ اگر وہ لکھے اور گواہوں کے ہاں مطلقاً اسے پڑھے یا اسے کوئی اور آدمی پڑھے اور کاتب کہے: مجھ پر اس بارے
میں گواہ بن جاؤ یا ان کے پاس لکھتا ہے اور کہتا ہے: اس میں جو کچھ ہے مجھ پر اس بارے میں گواہ بن جاؤ۔ اور گواہ اس کے
بارے میں آگاہ ہیں تو یہ اقرار ہوگا ورنہ اقرار نہیں ہوگا۔

اس سے یہ امر ظاہر ہو جاتا ہے کہ جو یہاں ہے یہ اس کے خلاف ہے جس پر عام علماء ہیں۔ لیکن ”الفتح“ وغیرہ میں اسے
یقین کے ساتھ بیان کیا ہے۔

وَأَنَّ لَمْ يُشْهَدْ عَلَيْهِ) وَلَوْ مُخْتَفِيًا يَرَى وَجْهَ الْمَقْرَرِ وَيَفْهَمُهُ (وَلَا يُشْهَدُ عَلَى مُحَجَّبٍ بِسَمَاعِهِ مِنْهُ إِلَّا إِذَا تَبَيَّنَ الْقَائِلُ) بَأَنَّ لَمْ يَكُنْ فِي الْبَيْتِ غَيْرُهُ، لَكِنْ لَوْ فَسَّرَ لَا تُقْبَلُ دُرَرٌ (أَوْ يَرَى شَخْصَهَا) أَيْ الْقَائِلَةَ (مَعَ شَهَادَةِ اثْنَيْنِ بِأَنَّهَا فَلَانَةُ بِنْتُ فَلَانِ بْنِ فَلَانٍ) وَيَكْفِي هَذَا لِلشَّهَادَةِ عَلَى الْإِسْمِ وَالنَّسَبِ وَعَلَيْهِ الْفَتْوَى جَامِعُ الْفُصُولَيْنِ

اگر چہ اسے اس امر پر گواہ نہ بنایا گیا ہو اگر چہ گواہ چھپا ہوا ہو جو مقرر کا چہرہ دیکھتا ہے اور اس کے کلام کو سمجھتا ہے۔ وہ آدمی جو حجاب میں ہو اس کی بات سن کر اس کے خلاف گواہی نہیں دے گا مگر جب قائل واضح ہو اس کی صورت یہ ہے کہ گھر میں اس کے سوا کوئی آدمی نہ ہو۔ لیکن اگر گواہ اس امر کی وضاحت کرے تو اس کی گواہی کو قبول نہیں کیا جائے گا، ”درر“۔ یا وہ گفتگو کرنے والی عورت کی ذات کو دیکھتا ہے ساتھ ہی دو آدمی گواہی دیتے ہیں کہ یہ فلاں بنت فلاں بن فلاں ہے نام اور نسب پر شہادت دینے کے لیے اتنا کافی ہے۔ اسی پر فتویٰ ہے، ”جامع الفصولین“۔

26839۔ (قوله: وَإِنَّ لَمْ يُشْهَدْ عَلَيْهِ) اگر مولف کہتے: اگر وہ آدمی نہ ہو جس نے شہد علیہ کی بجائے لا تشہد علی کہتے تو یہ زیادہ فائدہ مند ہوتا۔ کیونکہ ”الخلاصہ“ میں ہے: اگر مقرر کہے: جو تو نے سنا ہے اس کے متعلق مجھ پر گواہ نہ بنا تو اس کے لیے گواہی دینے کی گنجائش ہے۔

جب وہ خاموش رہے تو اس کا حکم بدرجہ اولیٰ معلوم ہو جاتا ہے، ”بحر“۔ اس میں ہے: جب وہ خاموش رہے تو وہ اس امر کی گواہی دے گا جس کا اسے علم ہے اور وہ یہ نہیں کہے گا: اس نے مجھے گواہ بنادیا کیونکہ یہ جھوٹ ہے۔

26840۔ (قوله: غَيْرُهُ) ”البحر“ کی عبارت کو دیکھیے۔

26841۔ (قوله: فَسَّرَ) یعنی یہ وضاحت کی کہ وہ اس آدمی کے خلاف گواہی دے رہا ہو جو پردہ میں ہے۔

26842۔ (قوله: شَخْصَهَا) ”المستط“ میں ہے: جب ایک آدمی نے عورت کی آواز کو سنا اور اس کی ذات کو نہ دیکھا تو آدمیوں نے اس کے سامنے گواہی دی کہ یہ فلاں عورت ہے تو اس مرد کے لیے حلال نہیں کہ اس کے خلاف گواہی دے۔ اگر وہ اس کی ذات کو دیکھے اور اس کے ہاں اقرار کرے پس دو آدمی گواہی دیں کہ یہ فلاں ہے تو اس کے لیے حلال ہے کہ وہ اس کے خلاف گواہی دے۔ ”بحر“ سے کتاب الشہادات کے آغاز سے ماخوذ ہے۔

شَخْصَهَا کی رویت کے ساتھ دجھا کی رویت سے احتراز کیا ہے۔ ”جامع الفصولین“ میں فرمایا: عورت نے اپنے چہرہ سے پردہ ہٹایا اور کہا: میں فلاں بنت فلاں بن فلاں ہوں یعنی میں فلاں فلاں کی بیٹی اور فلاں کی پوتی ہوں۔ میں نے اپنے خاوند کو اپنا مہر ہبہ کر دیا ہے تو گواہ دو عادل آدمیوں کی گواہی کے محتاج نہیں ہوں گے کہ یہ فلاں بنت فلاں ہے جب تک وہ زندہ ہے۔ کیونکہ گواہ کے لیے ممکن ہے کہ وہ اس کی طرف اشارہ کرے۔ اگر وہ اس وقت مر گئی تو گواہ اس کے نسب کے بارے میں دو عادل افراد کی گواہی کے محتاج ہوں گے۔

26843۔ (قوله: وَعَلَيْهِ الْفَتْوَى) اس قول کے مطابق قول کرنے والا کہتا ہے: ایک جماعت کی شہادت ضروری

فَرَعَ فِي الْجَوَاهِرِ عَنْ مُحَمَّدٍ لَا يَنْبَغِي لِلْفُقَهَاءِ كَتَبُ الشَّهَادَةِ لِأَنَّ عِنْدَ الْأَدَاءِ يُبْعِضُهُمُ الْمَدْعَى عَلَيْهِ
فَيَضُرُّهُ (وَإِذَا كَانَ بَيْنَ الْخَطِيئِينَ) بِأَنَّ أَخْرَجَ الْمَدْعَى خَطَّ إِقْرَارِ الْمَدْعَى عَلَيْهِ فَأَنْكَرَ كَوْنَهُ خَطُّهُ فَاسْتُكْتَبَ
فَكَتَبَ وَبَيَّنَ الْخَطِيئِينَ

فرع: ”جواہر“ میں امام ”محمد“ رحمہ اللہ سے مروی ہے: فقہاء کو شہادت نہیں لکھنی چاہیے کیونکہ شہادت کی ادائیگی کے وقت مدعی علیہ ان سے ناراض ہو جاتا ہے۔ پس وہ اسے نقصان پہنچاتا ہے جب دو تحریروں میں مشابہت ظاہر ہو۔ اس کی صورت یہ ہے کہ مدعی، مدعی علیہ کے اقرار کی تحریر نکالے اور مدعی علیہ اس کا انکار کر دے کہ یہ اس کی تحریر ہے تو مدعی علیہ سے تحریر لکھوائی گئی تو اس نے تحریر لکھی جب کہ دونوں تحریروں میں

ہے۔ دو گواہ کافی نہیں۔ فقیہ ”ابولیت“ نے ”نصیر بن یحییٰ“ سے ذکر کیا ہے: کہا: میں ”ابوسلیمان“ کے پاس تھا ”ابن محمد بن حسن“ داخل ہوا تو اس نے اس عورت کے خلاف شہادت کے بارے میں پوچھا کہ وہ شہادت کب جائز ہوگی جب وہ اس عورت کو نہیں پہچانتا؟ فرمایا: امام ”ابوحنیفہ“ رحمہ اللہ فرماتے تھے: اس کے خلاف شہادت دینا جائز نہیں یہاں تک کہ اس کے پاس ایک جماعت گواہی نہ دے کہ یہ فلاں عورت ہے۔ امام ”ابویوسف“ رحمہ اللہ اور تیرے باپ امام ”محمد“ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: شہادت دینا جائز ہے جب اس کے پاس دو عادل آدمی گواہی دیں کہ یہ عورت فلاں ہے۔ یہی فتویٰ کے لیے مختار مذہب ہے اسی پر اعتماد کیا جاتا ہے۔ کیونکہ یہ لوگوں کے لیے زیادہ آسان ہے۔

یہ جان لو کہ دونوں گواہ جس طرح گواہ بننے کے وقت مشہود علیہ کے نام اور نسب کو جاننے کے محتاج ہیں وہ شہادت دینے کے وقت بھی اس آدمی کے محتاج ہیں جو یہ گواہی دے کہ اس اسم اور اس نسبت والی یہی عورت ہے۔ شیخ ”خیر الدین“ نے یہ ذکر کیا ہے: اس آدمی کی جانب سے یہ پہچان کرنا صحیح نہ ہوگا جس کی گواہی اس عورت کے حق میں قبول نہیں ہوتی خواہ شہادت اس عورت کے خلاف ہو یا اس کے حق میں ہو۔ ”سانحانی“ نے ”البحر“ وغیرہ سے کچھ زائد ذکر کیا ہے۔

26844۔ (قوله: لِأَنَّ عِنْدَ الْخ) ان کا اسم، ضمیر شان ہے جو مخذوف ہے اور اس کے بعد والا جملہ اس کی خبر ہے۔

26845۔ (قوله: فَيَضُرُّهُ) یعنی مدعی علیہ کا جو فقیہ سے بغض ہے اسے نقصان پہنچائے گا۔

26846۔ (قوله: وَإِذَا كَانَ بَيْنَ الْخَطِيئِينَ الْخ) ”باقانی“ میں ”خزانة الأکمل“ سے مروی ہے (مقولہ 26551):

ایک صراف ہے اس نے اپنی ذات کے خلاف معلوم مال کی تحریر لکھ دی جب کہ اس خط کا تجار اور اہل شہر کے درمیان معلوم ہے۔ پھر وہ تاجر مر گیا اس کا قرض خواہ آیا تا کہ وارثوں سے مال کا مطالبہ کرے اور میت کی تحریر پیش کی نہ تو کس ہاتھ میں ہے۔ یہ میت کی ہی تحریر ہے تو اس کے ترکہ میں سے اس کا حکم لکا دیا جائے گا اگر یہ ثابت ہو کہ یہ اس کی تحریر ہے جب کہ وکوں کے درمیان یہ معلوم ہے کہ اس قسم کی تحریر حجت ہوتی ہے۔

یہ امر مشکل ہے۔ کیونکہ یہ تحریر کے خلاف گواہی ہے۔ یہاں ان علماء نے اس اشتباہ کا اعتبار نہیں کیا۔ اس کی دلیل اس کے موافق نہیں۔ منقریب یہ (مقولہ 26849 میں) آئے گا۔

(مُشَابَهَةٌ ظَاهِرَةٌ عَلَى أَنَّهَا خَطُّ كَاتِبٍ وَاحِدٍ لَا يُحْكَمُ عَلَيْهِ بِالنَّالِ) هُوَ الصَّحِيحُ خَانِيَّةٌ، وَإِنْ أَفْتَى قَارِئُ الْهِدَايَةِ بِخِلَافِهِ فَلَا يُعَوَّلُ عَلَيْهِ وَإِنَّمَا يُعَوَّلُ عَلَى هَذَا التَّصْحِيحِ لِأَنَّ قَاضِيَّ خَانَ مِنْ أَجْلِ مَنْ يُعْتَمَدُ عَلَى تَصْحِيحَاتِهِ، كَذَا ذَكَرَهُ الْمُصَنِّفُ هُنَا، وَفِي كِتَابِ الْإِقْرَارِ وَاعْتَمَدَهُ فِي الْأَشْبَاهِ، لَكِنْ فِي شَرْحِ الْوَهْبَانِيَّةِ لَوْ قَالَ هَذَا خَطِّي لَكِنْ لَيْسَ عَلَى هَذَا النَّالِ، إِنْ كَانَ الْخَطُّ عَلَى وَجْهِ الرِّسَالَةِ مُصَدَّرًا مُعْنُونًا لَا يُصَدَّقُ وَيُلْزَمُ بِالنَّالِ وَنَحْوُهُ فِي الْمُلْتَقَطِ وَفَتَاوَى قَارِئِ الْهِدَايَةِ فَرَّاجِعُ ذَلِكَ

ظاہر امتشابہت تھی کہ یہ دونوں تحریریں ایک کاتب کی تحریر ہیں۔ تو اس پر مالی معاملات میں حکم نہیں لگایا جائے گا۔ یہی قول صحیح ہے، ”خانیہ“۔ اگرچہ قاری ”الہدایہ“ نے اس کے برعکس فتویٰ دیا ہے۔ پس اس پر اعتماد نہیں کیا جائے گا۔ اس تصحیح پر اعتماد کیا جائے گا۔ کیونکہ ”قاضی خان“ ان جلیل القدر علماء میں سے ہیں جن کی تصحیحات پر اعتماد کیا جاتا ہے مصنف نے یہاں اور کتاب الاقرار میں اسی طرح ذکر کیا ہے، ”الاشباہ“ میں اس پر اعتماد کیا ہے۔ لیکن ”شرح الوہبانیہ“ میں ہے: اگر اس نے کہا: یہ میری تحریر ہے لیکن یہ مال میرے ذمہ لازم نہیں۔ اگر تحریر پیغام کی صورت میں ہو مصدر معنون ہو تو اس کی تصدیق نہ کی جائے گی اور مال لازم ہو جائے گا ”الملتقط“ اور فتاویٰ قاری ”الہدایہ“ میں اسی طرح ہے۔ پس اس کی طرف رجوع کیجئے۔

شارح نے پہلے بیان کیا ہے: تحریر پر عمل نہیں کیا جائے گا مگر دو مسئلوں میں عمل کیا جائے گا: دارالحرب کے لوگ امان کی طلب کے لیے تحریر بھیجیں تو اس تحریر پر عمل کیا جائے گا جس طرح ”الخانیہ“ کی کتاب السیر میں ہے۔ ہمارے زمانہ میں اس کے ساتھ وظائف کے بارے براءت سلطانیہ کو لاحق کیا جاتا ہے۔ (۲) ایجنٹ، صراف اور بیاع کے دفتر (رجسٹر) پر عمل کیا جائے گا جس طرح ”الخانیہ“ کی کتاب القضاء میں ہے۔ ”علاء الدین“ نے اپنی شرح میں اس کو ذکر کیا ہے۔ کذا فی الہامش 26847۔ (قولہ: ظاہرہ) یہ اپنے ضمن میں دالۃ کا معنی لیے ہوئے ہے۔ پس اسی وجہ سے علی حرف جار کے ساتھ متعدی کیا ہے۔ یا یہ حرف جار تدل محذوف کے متعلق ہے یا علی کا لفظنی کے معنی میں ہے۔

قاضی خان ان عظیم فقہاء میں سے ہیں جن کی تصحیحات پر اعتماد کیا جاتا ہے

26848۔ (قولہ: لَا يُصَدَّقُ) یہ اس کے خلاف ہے جس پر عام علماء ہیں جس طرح ہم پہلے (مقولہ 26838 میں) ”البحر“ سے نقل کر چکے ہیں۔

26849۔ (قولہ: وَفَتَاوَى قَارِئِ الْهِدَايَةِ) اس کی عبارت ہے: سوال کیا گیا: جب ایک آدمی نے اپنے ہاتھ سے یہ ورقہ لکھا: کہ فلاں شخص کا اس کے ذمہ اتنا مال ہے پھر فلاں شخص نے اس پر دعویٰ کر دیا تو اس مقرر نے اس مقدار کا انکار کر دیا اور اپنی تحریر کا اعتراف کیا اور اس پر گواہ نہ بنائے۔

انہوں نے جواب دیا: جب رجسٹری و اثنام کی صورت میں اس نے تحریر کیا تھا تو مال لازم ہوگا۔ اس کی صورت یہ ہے کہ وہ لکھے: فلاں بن فلاں فلاں کہتا ہے کہ اس کے ذمہ میں فلاں بن فلاں کا اتنا مال ہے یہ ایسا اقرار ہے جو اس پر لازم ہوگا۔

(وَلَا يَشْهَدُ عَلَى شَهَادَةٍ غَيْرِهِ مَا لَمْ يُشْهَدْ عَلَيْهِ) وَقَتِيدَهُ فِي النَّهْيَةِ بِمَا إِذَا سَمِعَهُ فِي غَيْرِ مَجْلِسِ الْقَاضِي، فَلَوْ فِيهِ جَازٍ وَإِنْ لَمْ يُشْهَدْ شُرْبُ اللَّيْلَةِ عَنِ الْجَوْهَرَةِ، وَيُخَالِفُهُ تَصْوِيرُ صَدْرِ الشَّرِيعَةِ وَغَيْرِهِ، وَقَوْلُهُمْ لَا بُدَّ مِنَ التَّحْمِيلِ

اور وہ کسی اور کی گواہی پر گواہی نہیں دے گا جب تک اسے اس پر گواہ نہ بنایا جائے۔ ”النهائية“ میں یہ قید لگائی ہے کہ جب اس نے قاضی کی مجلس کی ملاوہ میں اسے سنا ہو۔ اگر قاضی کی مجلس میں سنا ہو تو یہ جائز ہے اگرچہ اس پر اس نے گواہ نہ بنایا ہو۔ ”شرب اللیلۃ“ میں ”جوہرہ“ سے مروی ہے۔ ”صدر الشریعہ“ وغیرہ نے جو اس کی صورت بنائی ہے وہ اس کے خلاف ہے۔ اور علما کا قول تحمیل (گواہ بنانا)

اگر اس طریقہ پر تحریر نہ ہو تو قسم کے ساتھ اس کا قول معتبر ہوگا۔

پھر دوسرے نے اسی قسم کے سوال کا جواب اپنے اس قول کے ساتھ دیا جب اس نے اپنا اقرار نامہ گواہوں کی موجودگی میں متعارف طریقہ پر تحریر کیا تو وہ معتبر ہوگا۔ پس جس نے اس کے تحریر کرنے کے عمل کو دیکھا تھا اس کے لیے گنجائش ہوگی کہ جب وہ اس کا انکار کرے تو وہ گواہی دے جب شاہد اس امر کو پہچانتا ہو کہ اس نے جو کچھ لکھا یا اس نے اس پر جو کچھ پڑھا مگر جب انہوں نے یہ گواہی دی کہ یہ اس کی تحریر ہے اس کے بغیر کہ وہ اس کی کتابت کی گواہی دیں تو اس کا حکم نہیں دیا جائے گا۔ دونوں جوابوں کا حاصل یہ ہے: جب اس نے یہ اعتراف کر لیا کہ یہ اس کی تحریر ہے یا اس پر اس کے بارے میں گواہی دے دی گئی تو حق ثابت ہو جاتا ہے جب وہ اس کے لکھائی کرنے یا ان کے سامنے ان کو پڑھنے کا معاینہ کر لیں ورنہ حق ثابت نہیں ہوگا۔ یہ اس صورت میں ہے جو وہ معنون ہو پھر یہ امر مخفی نہیں کہ یہ اس کے مخالف نہیں جو متن میں ہے۔ ہاں یہ اس کے مخالف ہے جو ”البحر“ میں ”بزازیہ“ سے مسئلہ کی تعلیل میں یہ ذکر کیا گیا ہے: وہ اس قول سے زائد کچھ نہیں کہتا: یہ میری تحریر ہے اور جس نے اسے تحریر کیا ہے لیکن یہ مال میرے ذمہ لازم نہیں وہاں یہ ثابت نہیں ہوتا اسی طرح یہاں ثابت نہیں ہوتا۔ بعض اوقات دونوں میں تطبیق یوں دی جاتی ہے کہ اسے اس صورت پر محمول کیا جائے جب وہ معنون نہ ہو۔ لیکن یہ ”قاضی نسفی“ کا قول ہے جس طرح ”بزازیہ“ میں ہے۔ ہم پہلے (مقولہ 26838 میں) بیان کر چکے ہیں کہ عام علما جس نقطہ نظر کو اپناتے ہیں ہوئے ہیں یہ اس کے خلاف ہے۔

26850۔ (قوله: مَا لَمْ يُشْهَدْ عَلَيْهِ) یعنی جب تک گواہ اسے یہ نہ کہے: میری گواہی پر گواہ نہ جا۔

26851۔ (قوله: تَصْوِيرُ صَدْرِ الشَّرِيعَةِ) کیونکہ کہا: ایک آدمی نے قاضی کے سامنے شہادت کی ادائیگی کو سنا تو اس کے لیے جائز نہیں کہ وہ اس کی شہادت پر شہادت دے۔ ”ح“۔

26852۔ (قوله: وَقَوْلُهُمْ) اس کا عطف تصویر پر ہے مخالفت کی وجہ سے اس کا مطلق ہونا اور یہ شرط نہ لگانا کہ وہ

قاضی کے ملاوہ ہو۔

وَقَبُولِ التَّحْمِيلِ وَعَدَمِ النَّهْيِ بَعْدَ التَّحْمِيلِ عَلَى الْأَظْهَرِ، نَعَمْ الشَّهَادَةُ بِقَضَاءِ الْقَاضِي صَحِيحَةٌ وَإِنْ لَمْ يُشْهَدْ هُا الْقَاضِي عَلَيْهِ، وَقَيَّدَهُ أَبُو يُوسُفَ بِمَجْلِسِ الْقَضَاءِ وَهُوَ الْأَحْوُطُ ذَكَرَهُ فِي الْخُلَاصَةِ (كَفَى) عَدْلٌ (وَاحِدٌ) فِي اثْنَتَيْ عَشْرَةَ مَسْأَلَةً عَلَى مَا فِي الْأَشْبَاهِ مِنْهَا إِنْخِبَارُ الْقَاضِي بِإِفْلَاسِ الْمَحْبُوسِ بَعْدَ الْمُدَّةِ (لِلتَّزْكِيَةِ) أَيْ تَزْكِيَةِ السِّرِّ، وَأَمَّا تَزْكِيَةُ الْعِلَانِيَةِ فَشَهَادَةُ إِجْمَاعًا (وَتَرْجُمَةُ الشَّاهِدِ) وَالْخَصْمِ

قبول تحمیل اور تحمیل کے بعد نہی کا نہ ہونا اظہر قول کے مطابق اس کے خلاف ہے۔ ہاں قاضی کی قضا کی شہادت صحیح ہے اگرچہ قاضی نے ان کو اس پر گواہ نہ بنایا ہو۔ امام ”ابو یوسف“ رحمہ اللہ نے مجلس قضا کی قید لگائی ہے۔ یہی زیادہ محتاط ہے۔ ”الخلاصہ“ میں اسے ذکر کیا ہے۔ ایک عادل آدمی بارہ مسائل میں کافی ہے جیسا ”الاشباہ“ میں ہے۔ ان میں سے ایک یہ ہے: قاضی محبوس کے افلاس کے بارے میں ایک مدت کے بعد خبر دے۔ اور مخفی طریقہ سے تزکیہ کے لیے ایک عادل کافی ہے جہاں تک اعلانیہ تزکیہ کا تعلق ہے تو وہ بالا جماع شہادت ہے۔ شاہد اور خصم کی ترجمانی

26853۔ (قوله: وَقَبُولِ التَّحْمِيلِ) اگر وہ پہلا گواہ اسے اپنی شہادت پر گواہ بنائے اور وہ کہے: میں اسے قبول نہیں کرتا تو وہ شاہد نہیں ہوگا یہاں تک کہ اگر وہ اس کے بعد گواہی دے تو اسے قبول نہیں کیا جائے گا۔ ”قنیہ“۔ چاہیے کہ یہ امام ”محمد“ رحمہ اللہ کے قول کے مطابق ہو۔ کیونکہ یہ وکیل بنانا ہے اور وکیل کو حق حاصل ہے کہ وہ قبول نہ کرے۔ جہاں تک شیخین کے قول کا تعلق ہے کہ یہ تحمیل ہے تو رد کرنے کے ساتھ یہ باطل نہیں ہوگی۔ کیونکہ جو شخص کسی دوسرے کو شہادت کا حامل بناتا ہے تو وہ رد کرنے سے باطل نہیں ہوتی۔ ”بحر“۔

26854۔ (قوله: بَعْدَ الْمُدَّةِ) یعنی اس کے بعد کہ قاضی نے اسے اتنی مدت محبوس رکھا جس سے وہ اس کا حال جان سکتا ہے کہ اگر اس کے پاس مال ہوتا تو وہ اپنا دین ادا کر دیتا اور قید کی ذلت پر صبر نہ کرتا جس طرح پہلے گزر چکا ہے۔ ”مدنی“۔ وہ بارہ مسائل جن میں ایک عامل آدمی کی گواہی کافی ہے

26855۔ (قوله: فَشَهَادَةُ إِجْمَاعًا) سب سے اچھا وہ قول ہے جو ”البحر“ میں ہے۔ کیونکہ کہا: ہم نے تزکیہ سر کی قید لگائی ہے تاکہ اعلانیہ تزکیہ سے بچا جائے۔ کیونکہ اعلانیہ تزکیہ کے لیے وہ تمام شرطیں پیش نظر ہوتی ہیں جو شہادت میں پیش نظر ہوتی ہیں جیسے آزادی، دیکھنا وغیرہ۔ مگر لفظ شہادت لازم نہیں ہوتا اس پر اجماع ہے۔ کیونکہ شہادت کا معنی اس میں زیادہ ظاہر ہے۔ کیونکہ یہ قاضی کی مجلس کے ساتھ خاص ہوتا ہے اسی طرح اس تزکیہ میں تعداد شرط ہے جیسے ”خصاف“ نے کہا ہے۔

”البحر“ میں بھی ہے: اس کی کلام سے حد زنا کے شاہد کا تزکیہ خارج ہو گیا اس میں مزکی کے لیے گواہی کی اہمیت اور چار کی تعداد ضروری ہے اس پر اجماع ہے۔ میں نے اب تک باقی حدود میں شاہد کے تزکیہ کا حکم نہیں دیکھا۔ علماء نے جو کہا ہے اس کا مقتضایہ ہے کہ اس کے لیے دو آدمی شرط ہیں۔

26856۔ (قوله: وَالْخَصْمِ) اس سے مراد مدعی یا مدعی علیہ ہے۔ جس طرح ”الفتح“ میں ہے۔

(وَالرِّسَالَةِ) مِنَ الْقَاضِي إِلَى الْمُزَكِّي وَالْإِثْنَانِ أَحْوَطٌ، وَجَازَ تَزْكِيَةُ عَبْدٍ وَصَبِيٍّ وَوَالِدٍ وَقَدْ نَقَّمَ ابْنٌ وَهَبَانٌ مِنْهَا أَحَدَ عَشَرَ فَقَالَ

وَيُقْبَلُ عَدْلٌ وَاحِدٌ فِي تَقْوِيمٍ وَجَرَحَ وَتَعْدِيلٍ وَأُرْشٍ يُقَدَّرُ
وَتَرْجَمَةٌ وَالسَّلَامُ هَلْ هُوَ جَيِّدٌ وَإِفْلَاسِهِ الْإِرْسَالُ وَالْعَيْبُ يُظْهَرُ
وَصَوْمٍ عَلَى مَا مَرَّ أَوْ عِنْدَ عِلَّةٍ وَمَوْتٍ إِذَا الشَّاهِدَيْنِ يُخْبَرُ

اور قاضی کی جانب سے مزکی کی طرف پیغام رسانی کے لیے ایک عادل آدمی کافی ہے۔ غلام، بچے اور والد کی جانب سے تزکیہ جائز ہے۔ ”ابن وہبان“ نے ان میں سے گیارہ کو اشعار میں بیان کیا ہے اور کہا ہے: قیمت لگانے میں، آدمی کی جرح و تعدیل میں، سر کے زخم کی دیت میں جس کا اندازہ لگایا جائے، ترجمانی میں، بیع مسلم میں بیع کے متعلق یہ جید ہے، مقروض کے مفلس ہونے کے بارے میں، پیغام رسانی میں اور عیب میں جو ظاہر ہے اور روزے کے ہونے میں جیسے گزر چکا ہے یا جب آسمان پر بادل ہوں اور موت کے متعلق جب ایک عادل آدمی دو گواہوں کو خبر دے۔

26857۔ (قوله: إِلَى الْمُزَكِّي) اسی طرح مزکی سے قاضی کی طرف پیغام رسانی کے لیے۔ ”فتح“۔

26858۔ (قوله: وَجَازَ تَزْكِيَةُ الْخ) اسی طرح عورت اور نابینے کی جانب سے تزکیہ کا معاملہ ہے۔ دونوں کی ترجمانی

کا معاملہ مختلف ہے جس طرح ”البحر“ میں ہے۔

26859۔ (قوله: وَوَالِدٍ) والد بچے کے لیے تزکیہ کرے۔ ”البحر“ میں یہ زائد ذکر کیا ہے: اور اس کے برعکس اور غلام

آقا کا تزکیہ کرے اور اس کے برعکس اور عورت اور نابینا کسی کا تزکیہ کرے، جس پر حد قذف لگائی گئی ہو جب وہ توبہ کرے تو وہ کسی کا تزکیہ کرے اور میاں بیوی میں سے کوئی ایک دوسرے کا تزکیہ کرے۔

26860۔ (قوله: تَقْوِيمٍ) یعنی شکار اور دوسری چیزیں جن کو تلف کیا جائے ان کی قیمت لگانا۔

26861۔ (قوله: جَيِّدٌ) یعنی مسلم فیہ مدہ ہے۔ کذا فی الہامش

26862۔ (قوله: وَإِفْلَاسِهِ) یعنی قاضی کو جب مدت گزرنے کے بعد محبوس کے افلاس کے بارے میں خبر دی گئی تو

اسے چھوڑ دے۔ ”حموی“ علی ”الاشباہ“۔ کذا فی الہامش

26863۔ (قوله: وَالْعَيْبُ يُظْهَرُ) یعنی اس عیب کو ثابت کرنے میں جس میں بائع اور مشتری اختلاف کرتے ہیں۔

26864۔ (قوله: عَلَى مَا مَرَّ) یعنی حسن بن زیاد کی روایت ہے کہ غلت (عارضہ) نہ ہونے کی صورت میں ایک

آدمی کی خبر قبول کی جائے گی۔

26865۔ (قوله: وَمَوْتٍ) یعنی غائب کی موت۔

26866۔ (قوله: يُخْبَرُ) یعنی جب ایک آدمی نے دو آدمیوں کے سامنے ایک آدمی کی موت کی شہادت دی۔ تو ان

(وَالْتَزَكِيَّةُ لِلدِّمَى) تَكُونُ بِإِلَامَانَةٍ فِي دِينِهِ وَلِسَانِهِ وَيَدِهِ وَأَنَّهُ صَاحِبُ يَقْظَةٍ فَإِنْ لَمْ يَعْرِفْهُ الْمُسْلِمُونَ سَأَلُوا عَنْهُ عُدُولَ الْمُشْرِكِينَ اخْتِيَارًا وَفِي الْمُلْتَقَطِ عُدْلَ نَصْرَانِيٍّ ثُمَّ أَسْلَمَ قُبِلَتْ شَهَادَتُهُ، وَلَوْ سَكَرَ الدِّمَى لَا تُقْبَلُ (وَلَا يَشْهَدُ مَنْ رَأَى خَطَّهُ وَلَمْ يَذْكُرْهَا) أَمْنَى الْحَادِثَةِ (كَذَا الْقَاضِي وَالرَّائِي) لِشَبَابَةِ الْخَطِّ لِلْخَطِّ، وَجَوِّزًا أَلَا لَوْ فِي حَوِزَةٍ،

اور ذمی کا تزکیہ اس کی دین میں، اس کی زبان میں اور اس کے ہاتھ میں امانت داری کا اظہار ہے اور یہ ہے کہ وہ ہوشیار ہے۔ اگر مسلمان اس ذمی کے احوال نہ جانتے ہوں تو اس کے بارے میں مشرک عادلوں سے پوچھیں، ”اختیار“۔ ”الملتقط“ میں ہے: ایک نصرانی کا تزکیہ کیا گیا پھر وہ مسلمان ہو گیا تو اس کی شہادت قبول ہوگی۔ اگر ذمی نشے میں ہو تو اس کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی۔ جو آدمی اپنی تحریر دیکھے اور اسے واقعہ یاد نہ ہو تو وہ گواہی نہ دے اسی طرح قاضی اور راوی ہے۔ کیونکہ ایک تحریر دوسری تحریر کے مشابہ ہوتی ہے۔ اگر وہ اس کی حفاظت ہو تو ”صاحبین“ رحمہ اللہ نے اسے جائز قرار دیا ہے

دونوں افراد کے لیے گنجائش بنتی ہے کہ وہ اس کی موت پر گواہی دیں۔

بارہویں چیز یہ ہے قاضی کے سیکریٹری کا قول جب وہ قاضی کو کسی ایسی عینی چیز پر گواہوں کی شہادت کی خبر دے جس عینی چیز کا حاضر ہونا معتذر ہو جس طرح ”القنیہ“ کے دعویٰ میں ہے۔ ”اشباہ“، ”مدنی“۔

26867۔ (قوله: وَفِي الْمُلْتَقَطِ الْخ) ”الغانیہ“ میں ہے: ایک بچہ بالغ ہوا، میں اس کی شہادت قبول نہیں کروں گا جب تک میں اس کے بارے میں سوال نہیں کروں گا اور اس کے بالغ ہونے کے بعد اتنا انتظار ضروری ہے کہ اس کے مسجد کے اہل اور اس کے اہل محلہ کے ہاں یہ امر ثابت ہو جائے کہ یہ صالح ہے یا صالح نہیں۔ جس طرح اجنبی آدمی کے بارے میں ہے۔ ”الظہیریہ“ میں دونوں میں فرق کیا ہے: نصرانی کی شہادت اس کے اسلام قبول کرنے سے پہلے قبول ہوتی ہے۔ بچے کا معاملہ مختلف ہے جب کہ یہ امر اس پر دلالت کرتا ہے کہ اصل عدالت کا نہ ہونا ہے۔ ”بحر“۔

وہ آدمی جو اپنی تحریر لکھے اور اسے واقعہ یاد نہ ہو تو اس کی شہادت کا حکم

26868۔ (قوله: وَلَمْ يَذْكُرْهَا) یہ طرفین کا قول ہے۔ امام ”ابو یوسف“ رحمہ اللہ نے کہا: اس کے بعد حلال ہے کہ وہ گواہی دے۔ ”الہدایہ“ میں ہے: امام ”محمد“ رحمہ اللہ امام ”ابو یوسف“ رحمہ اللہ کے ساتھ ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس مسئلہ میں ائمہ میں کوئی اختلاف نہیں ہے اور ائمہ اس پر متفق ہیں کہ اس کے لیے حلال نہیں کہ وہ گواہی دے۔ یہ ہمارے تمام اصحاب کے نزدیک ہے مگر یہ کہ اسے شہادت یاد ہو۔ ائمہ میں اختلاف اس صورت میں ہے جب قاضی اپنے دیوان میں ایک شہادت پائے۔ کیونکہ جو کچھ اس کی مہر کے تحت اس کے تھیلے میں موجود ہے اس میں زیادتی اور کمی سے امن ہے۔ پس اس کو علم حاصل ہو گیا۔ وہ شہادت جو صک (اشٹام) وغیرہ میں ہوتی ہے اس کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ یہ کسی اور کے قبضہ میں ہے۔ اسی تعبیر کی بنا پر جب اسے وہ مجلس یاد ہو جس میں یہ شہادت تھی یا اسے یہ خبر ایسی قوم نے دی جن پر اسے اعتماد تھا کہ ہم اور تو حاضر تھے۔

وَبِهِ نَأْخُذُ بَحْرًا عَنِ الْمُبْتَغَى (وَلَا يَشْهَدُ أَحَدٌ بِمَا لَمْ يُعَايِنْهُ) بِإِلْجَمَاعِ (إِلَّا فِي) عَشْرَةٍ عَلَى مَا فِي شَرْحِ
الْوَهْبَانِيَّةِ مِنْهَا الْعِتْقُ وَالْوَلَاءُ عِنْدَ الثَّانِي وَالْمَهْرُ عَلَى الْأَصَحِّ بَرَّازِيَّةٌ وَالتَّنَسُّبُ

ہم اسے ہی اپناتے ہیں۔ ”بحر“ میں ”المبتغی“ سے مروی ہے۔ اور کوئی بھی اس امر کی گواہی نہ دے جس کو اس نے اپنی آنکھوں سے نہ دیکھا ہو اس پر اجماع ہے مگر دس امور ایسے ہیں جیسے ”شرح الوہبانیہ“ میں ہے جن میں آنکھوں سے دیکھے بغیر گواہی دے سکتا ہے۔ ان میں سے آزادی اور ولا ہے۔ یہ امام ”ابو یوسف“ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ہے۔ یہ صحیح ترین قول کے مطابق ہے ”برازیہ“۔ نسب،

”الہدایہ“ میں اسی طرح ہے۔

”بزدوی“ میں ہے: چھوٹے کو جب یہ یقین ہو جائے کہ یہ اس کی تحریر ہے اور اسے علم ہو جائے کہ اس میں کسی شے کا اضافہ نہیں کیا گیا۔ اس کی صورت یہ ہے کہ وہ اس کے ہاں چھپائی گئی تھی اور اسے دوسری دلیل سے آگاہی ہوئی کہ اس میں کسی شے کا اضافہ نہیں کیا گیا لیکن اس نے جو سنا تھا اسے یاد نہیں تو طرفین کے نزدیک اس کے لیے گنجائش نہیں کہ وہ گواہی دے امام ”ابو یوسف“ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک گنجائش ہے کہ وہ گواہی دے۔ امام ”ابو یوسف“ رحمۃ اللہ علیہ نے جو فرمایا ہے اسی پر عمل کیا جاتا ہے۔ ”اتقویم“ میں ہے: طرفین کا قول صحیح ہے۔ ”جوہرہ“۔

26869۔ (قوله: عَنِ الْمُبْتَغَى) ہم نے پہلے (مقولہ 26553 میں) کتاب القاضی میں ”الخزانہ“ سے نقل کیا ہے: وہ گواہی دے اگرچہ صک (اشٹام) گواہ کے قبضہ میں نہ ہو۔ کیونکہ تبدیلی نادر ہے اور اس کا اثر ظاہر ہے۔ پس اس کی طرف رجوع کیجئے۔ ”الفتح“ میں اس کو ترجیح دی ہے جس کا شارح نے ذکر کیا ہے۔ اور ایک ایسی حکایت ذکر کی جو اس کی تائید کرتی ہے۔

وہ دس امور جن میں آنکھوں سے دیکھے بغیر گواہی دے سکتا ہے

اور ایک دوسرے کو شہادت سنانے کا معنی

26870۔ (قوله: إِلَّا فِي عَشْرَةٍ) سب یہاں متن و شرح میں مذکور ہیں۔ ان میں سے آخری متن کا یہ قول ہے: ومن في

يد دثي، ”ح“۔ تمیمی کی ”الطبقات السنية“ میں ”ابراہیم بن اسحاق عنیسی“ کے تعارف میں ہے ان کے اشعار ہیں۔

إِفْهَمَ مَسَائِلَ سِتَّةٍ وَاشْهَدَ بِهَا مِنْ غَيْرِ رُؤْيَاهَا وَغَيْرِ وَقُوفٍ

نَسَبٌ وَ مَوْتُ وَالْوَلَادُ وَ نَاكِحٌ وَوَلَايَةُ الْقَاضِي وَاصِلٌ وَوَقُوفٌ

چھ مسائل اور ان کو دیکھے بغیر اور توقف کے بغیر گواہی دے، نسب، موت، ولادت، نکاح قاضی کی ولایت اور اصل وقوف۔

26871۔ (قوله: وَ التَّنَسُّبُ) ”فتاویٰ ہندیہ“ میں ہے: اگر ایک آدمی ایک قوم کے درمیان جا کر پڑاؤ ڈالتا ہے جب

کہ اس قوم کے لوگ اسے نہیں پہچانتے اور اس نے کہا: میں فلاں بن فلاں ہوں۔ امام ”محمد“ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: اس قوم کے افراد

وَالْمَوْتُ وَالنِّكَاحُ وَالِدُخُولُ بِزَوْجَتِهِ (وَوَلَايَةُ الْقَاضِي وَأَصْلُ الْوَقْفِ) وَقِيلَ وَشَرَّائِطُهُ عَلَى الْمُخْتَارِ كَمَا مَرَّ فِي بَابِهِ (وَأَصْلُهُ) هُوَ كُلُّ مَا تَعَلَّقَ بِهِ صِحَّتُهُ وَتَوَقَّفَ عَلَيْهِ (وَالْأَفْئِدَةُ شَرَّائِطُهُ) (فَلَهُ الشَّهَادَةُ بِذَلِكَ إِذَا أَخْبَرَهُ بِهَا) بِهَذِهِ الْأَشْيَاءِ (مَنْ يَثْبُتُ) الشَّاهِدُ (بِهِ) مِنْ خَبَرِ جَمَاعَةٍ لَا يَتَصَوَّرُ تَوَاطُؤُهُمْ عَلَى الْكُذِبِ

موت، نکاح، اپنی بیوی کے ساتھ حقوق زوجیت، قاضی کی ولایت اور اصل وقف۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مختار مذہب کے مطابق اس کی شرائط وہ ہیں جس طرح اس کے باب میں گزر چکی ہیں۔ اور وقف کی اصل ہر وہ چیز ہے وقف کی صحت جس کے متعلق ہو اور وقف جس پر موقوف ہو ورنہ وہ چیز وقف کی شرائط میں سے ہوگی جب ان اشیاء کے متعلق ایسا خبر دے جس پر شاہد کو اعتماد ہو یعنی ایسی جماعت خبر دے جس کا جھوٹ پر متفق ہونے کا تصور نہیں کیا جاسکتا

کے لیے گنجائش نہیں کہ وہ اس کے نسب پر گواہی دیں یہاں تک کہ وہ اس کے شہر کے دو آدمیوں کو ملیں جو ان کے سامنے اس کے نسب پر گواہی دیں۔ ”جصاص“ نے کہا: یہی صحیح ہے۔ کذا فی الہامش

26872۔ (قوله: وَالْمَوْتُ) ”جامع الفصولین“ کی فصل الثانی عشر میں کہا: دو عادل افراد میں سے ایک نے غائب کی موت کے بارے میں گواہی دی اور دوسرے نے اس کی زندگی کے بارے میں گواہی دے۔ عورت اس کا قول قبول کرے گی جس نے اسے اس کی موت کی خبر دی ہے۔ اس کی مکمل بحث اس میں ہے۔ کذا فی الہامش

اس میں ہے: جب اس کی موت کو صرف ایک آدمی نے دیکھا کہ صرف اس ایک آدمی کے کہنے پر اس کے متعلق فیصلہ نہیں کیا جائے گا لیکن اگر وہ اس کے متعلق کسی عادل کو خبر دیتا ہے جب عادل آدمی اس سے سنتا ہے تو اس کے لیے حلال ہے کہ وہ اس کی موت کے بارے میں گواہی دے۔ پس دونوں گواہی دیتے ہیں پس اس کے متعلق فیصلہ کر دیا جائے گا۔ ”جامع الفصولین“۔ اس میں ہے: اگر ایک آدمی کی موت کی خبر دوسرے علاقہ سے آئے اور اس کے گھر والے وہ کچھ کرتے ہیں جو ایک میت پر کیا جاتا ہے تو کسی کے لیے جائز نہیں کہ اس کی موت کی شہادت دے مگر جو اس کی موت کے وقت حاضر تھا یا جس نے اس سے سنا جو اس کی موت کے وقت حاضر تھا۔ کیونکہ اس قسم کی خبریں بعض اوقات جھوٹی ہوتی ہے۔ ”جامع الفصولین“۔

26873۔ (قوله: وَالنِّكَاحُ) ”جامع الفصولین“ میں کہا ہے: وہ لوگ جو عقد نکاح کے گھر میں حاضر تھے ان میں سے باہر نکلنے والوں سے سن کر گواہی دینا کہ مہر اتنا ہے تو اسے قبول کیا جائے گا ان کے علاوہ لوگوں سے سنا ہے تو گواہی کو قبول نہیں کیا جائے گا۔ کذا فی الہامش

26874۔ (قوله: وَوَلَايَةُ الْقَاضِي) والی کا اضافہ کیا جاتا ہے جس طرح ”الخلاصہ“ اور ”بزازیہ“ میں ہے۔

26875۔ (قوله: وَشَرَّائِطُهُ) شرائط سے مراد یہ ہے کہ وہ کہیں: اس وقف کے منافع کی اتنی مقدار فلاں کے لیے ہے پھر جہت کے بیان کے بعد۔ فاضل منافع دوسروں کی طرف صرف کر دیا جائے گا۔ ”بحر“۔

26876۔ (قوله: كَمَا مَرَّ) یعنی کتاب الوقف میں جس طرح گزر چکا ہے۔ ہم وہاں اس کی تحقیق بیان کر چکے ہیں۔

بِلَا شَرْطِ عَدَالَةٍ أَوْ شَهَادَةِ عَدْلَيْنِ إِلَّا فِي الْمَوْتِ، فَيَكْفِي الْعَدْلُ وَلَوْ أُثْبِتَ وَهُوَ الْمُخْتَارُ مُلْتَقًى وَفَتْحٌ، وَقَيْدُهُ شَارِحُ الْوَهْبَانِيَّةِ بِأَنْ لَا يَكُونَ الْمُخْبِرُ مُتَّهِمًا كَوَارِثٍ وَمُوصَى لَهُ (وَمَنْ فِي يَدِهِ شَيْءٌ سِوَى رَقِيقٍ) عَلِمَ رِقُّهُ (يُعْبَرُ عَنْ نَفْسِهِ) وَإِلَّا فَهُوَ كَمَتَاعٍ (لَكَ أَنْ تَشْهَدَ) بِهِ (أَنَّهُ لَهُ إِنْ وَقَعَ فِي قَلْبِكَ ذَلِكَ) أَيْ أَنَّهُ مِنْكَ (وَإِلَّا لَمْ) وَلَوْ عَايَنَ الْقَاضِي ذَلِكَ جَازَ لَهُ الْقَضَاءُ بِهِ بِرَازِيَّةٍ

اس میں عدالت کی شرط یا دو عادل آدمیوں کی شہادت کی شرط نہیں مگر موت کے معاملہ میں۔ پس ایک عادل آدمی کافی ہے اگرچہ وہ مونث ہو یہی مختار ہے، ”ملتقی“، ”فتح“۔ ”شارح الوہبانیہ“ نے اس کی قید لگائی ہے کہ مخبر متہم نہ ہو جیسے وہ وارث ہو اور اس کے لیے وصیت کی گئی ہو۔ جس آدمی سے قبضہ میں ایسے غلام کے علاوہ کوئی چیز ہو جس کی غلامی معلوم ہو اور وہ خود اپنے بارے میں تعبیر کر سکتا ہو ورنہ دوسرا غلام اس کے سامان کی طرح ہے تو تجھے حق حاصل ہے کہ تو اس بارے میں گواہی دے۔ یہ اس کی ملکیت ہے اگر تیرے دل میں یہ بات واقع ہو کہ یہ چیز اس کی ملکیت ہے ورنہ نہیں۔ اگر قاضی خود اپنی آنکھوں سے یہ دیکھے تو اس کے لیے فیصلہ کرنا جائز ہے، ”بزازیہ“۔

26877۔ (قوله: عَدْلَيْنِ) یعنی جو ان دونوں کے حکم میں ہے وہ ایک عادل مرد اور دو عادل عورتیں ہیں جس طرح ”ملتقی“ میں ہے۔

26878۔ (قوله: إِلَّا فِي الْمَوْتِ) ”جامع الفصولین“ میں کہا: دو آدمیوں نے گواہی دی کہ اس کا باپ مر چکا ہے اور اس کے لیے ورثہ چھوڑا ہے مگر ان دونوں گواہوں نے اس کی موت کو نہیں پایا تو اس گواہی کو قبول نہیں کیا جائے گا۔ کیونکہ دونوں نے میت کے حق میں سماع سے ایک شے کی ملکیت کی گواہی دی ہے پس یہ جائز نہ ہوگی۔

26879۔ (قوله: وَمَنْ فِي يَدِهِ الْخ) اسے ان دس چیزوں میں شمار کرنے میں اعتراف ہے جسے ”اشی“ اور ”البحر“ میں ذکر کیا ہے۔

26880۔ (قوله: عَلِمَ رِقُّهُ) اس میں صحیح یہ ہے جس کی رقبہ معلوم نہ ہو جس طرح یہ اس کے لیے ظاہر ہے جو تامل کرے۔ ”مدنی“۔

26881۔ (قوله: لَكَ أَنْ تَشْهَدَ الْخ) ”البحر“ میں کہا: پھر جان لو کہ وہ قابض کے حق میں ملکیت کی شہادت دے گا۔ شرط یہ ہے کہ دو عادل آدمی اسے اس بارے میں آگاہ نہ کریں کہ یہ کسی اور کی ملکیت ہے اگر دونوں آدمی اس بارے میں خبر دیں تو اس کے لیے جائز نہیں کہ اس کے حق میں ملکیت کی شہادت دے جس طرح ”خلاصہ“ میں ہے۔

26882۔ (قوله: ذَلِكَ) ”الشرعیہ“ میں کہا: جب ایک آدمی نے قیمتی موتی شکاری کے ہاتھ میں دیکھا یا جابلے کے ہاتھ میں کتاب دیکھی اس کے آباء میں کوئی ایسا شخص نہیں تھا جو اس کا اہل ہو تو اس کے لیے گنجائش نہیں ہوتی کہ اس کے حق میں ملکیت کی گواہی دے اس سے یہ امر معروف ہو گیا کہ محض قبضہ کافی نہیں۔ ”مدنی“۔

أَمَّا إِذَا ادَّعَا الْمَالِكُ وَالْآلَا (وَأِنْ فَسَّرَ) الشَّاهِدُ لِلْقَاضِي أَنَّ شَهَادَتَهُ بِالتَّسَامُحِ أَوْ بِبُعَايَةِ الْيَدِ رُدَّتْ عَلَى الصَّحِيحِ (أَلَا فِي الْوَقْفِ وَالْمَوْتِ إِذَا) فَسَّرَا (وَقَالَ فِيهِ أَخْبَرْنَا مَنْ نَشَقُّ بِهِ) تُقْبَلُ (عَلَى الْأَصَحِّ) خُلَاصَةً، بَلْ فِي الْعَزْمِيَّةِ عَنِ الْخَانِيَّةِ مَعْنَى التَّفْسِيرِ أَنْ يَقُولَا شَهَدْنَا لِأَنَّا سَبِعْنَا مِنَ النَّاسِ،

یعنی جب مالک اس کے بارے میں دعویٰ کرے ورنہ وہ ایسا نہیں کر سکتا۔ اگر گواہ قاضی کے سامنے اس امر کی وضاحت کرے کہ اس کی شہادت سننے سے یا قبضہ کو دیکھنے سے ہے تو صحیح قول کے مطابق اس شہادت کو رد کر دیا جائے گا مگر وقف اور موت میں جب گواہ اس امر کی وضاحت کریں اور دونوں اس کے بارے میں کہیں ہمیں اس نے بتایا ہے جس پر ہم اعتماد کرتے ہیں تو اصح قول کے مطابق اس شہادت کو قبول کیا جائے گا ”خلاصہ“۔ بلکہ ”العزمیہ“ میں ”الخانیہ“ سے مروی ہے: تفسیر کا معنی یہ ہے کہ وہ دونوں کہیں: ہم نے گواہی دی ہے کیونکہ ہم نے لوگوں سے سنا ہے

26883۔ (قوله: إِذَا ادَّعَا) اس میں اور ”زیلعی“ میں جو کچھ ہے ان میں تطبیق کی طرف اشارہ کیا ہے جس طرح ”البحر“ میں اس کی وضاحت کی ہے۔

26884۔ (قوله: أَوْ بِبُعَايَةِ الْيَدِ) اس کی صورت یہ ہے کہ وہ کہے: کیونکہ میں نے اسے اس کے قبضہ میں دیکھا وہ اس چیز میں یوں تصرف کر رہا تھا جس طرح مالک تصرف کرتے ہیں۔ ”جامع الفصولین“، ”الظہیریہ“ میں ہے: شہرت شرعیہ میں سے یہ ہے کہ اس کے پاس دو عادل آدمی یا ایک عادل مرد اور دو عادل عورتیں لفظ شہادت کے ساتھ گواہی دیں جب کہ ان سے شہادت طلب نہ کی گئی ہو۔ اور اس کے دل میں یہ واقع ہو کہ معاملہ اس طرح ہے۔ اسی کی مثل ”جامع الفصولین“ میں ہے۔

26885۔ (قوله: عَلَى الْأَصَحِّ) ہم نے کتاب الوقف میں فصل یراعی شرط الوقف میں جو کچھ مجموعۃ شیخ المشائخ ”مسئل علی“ سے نقل کرتے ہوئے (مقولہ 21654 میں) لکھا ہے اسے دیکھو کیونکہ انہوں نے عدم قبول کی تصحیح کی ہے جب کہ اس پر اعتماد کیا ہے جو عام متون وغیرہ میں ہے: متون میں جو ہے وہ فتاویٰ پر مقدم ہے۔ ”رملی“ اور مفتی دار السلطنۃ ”علی آفندی“ نے یہی فتویٰ دیا ہے۔

26886۔ (قوله: خُلَاصَةً) جو (مقولہ 21654 میں) گزر چکا ہے اس میں میں نے اس کی تائید لکھی ہے۔

26887۔ (قوله: سَبِعْنَا مِنَ النَّاسِ الْخ) میں کہا: ہم نے یہ شہادت دی۔ کیونکہ ہم نے لوگوں سے سنا ہے تو ان کی شہادت قبول نہیں کی جائے گی۔ کذا فی الہامش

میں کہتا ہوں: یہ باقی رہ گیا ہے اگر وہ کہے: مجھے اس نے خبر دی ہے جس پر میں اعتماد کرتا ہوں۔ شارح کی کلام کا ظاہر معنی یہ ہے: یہ تسامع (باہم سننا) میں سے نہیں ہے۔ لیکن ”البحر“ میں ”الینایع“ سے مروی ہے کہ یہ اس میں سے ہے۔ اگر دو آدمی ایک آدمی کی وفات پر گواہی دیں اگر وہ مطلق بات کریں تو ان کی گواہی قبول کی جائے گی یا دونوں کہیں: ہم نے اس کی موت کا معاینہ نہیں کیا ہم نے لوگوں سے اسے سنا ہے۔ اگر اس کی موت مشہور نہ ہو تو بغیر اختلاف کے اسے قبول نہیں کیا

أَمَّا لَوْ قَالَا لَمْ نَعَيْنِ ذَلِكَ وَلَكِنَّهُ اشْتَهَرَ عِنْدَنَا جَازَتْ فِي الْكُلِّ وَصَحَّحَهُ شَارِحُ الْوَهْبَانِيَّةِ وَغَيْرُهُ

مگر جب وہ دونوں کہیں: ہم نے اسے آنکھوں سے نہیں دیکھا لیکن ہمارے ہاں یہ مشہور ہے تو سب صورتوں میں شہادت جائز ہوگی۔ شارح ”الوہبانیہ“ وغیرہ نے اس کی تصحیح کی ہے۔ انتہی۔

جائے گا اگر مشہور ہو تو ”الاصل“ میں یہ ذکر کیا ہے کہ اسے قبول کر لیا جائے گا۔ بعض علماء نے فرمایا ہے: اسے قبول نہیں کیا جائے گا۔ ”صدر شہید“ نے اس کو اپنایا ہے۔ ”الغیاثیہ“ میں ہے: یہی صحیح ہے۔ اگر وہ کہیں: ہم گواہی دیتے ہیں کہ وہ مرگیا ہے۔ ہمیں اس نے خبر دی ہے جو اس کی موت کے وقت حاضر تھا وہ ان لوگوں میں سے ہے جس پر اعتماد کیا جاسکتا ہے۔ بعض علماء نے کہا: یہ جائز نہیں، ”حامد“۔

26888۔ (قوله: فِي الْكُلِّ) ان سب امور میں جن میں سننے کی بنا پر گواہی دینا جائز ہوتا ہے۔ ”الہامش“ میں اسی

طرح ہے۔

بَابُ الْقَبُولِ وَعَدَمِهِ

أَيُّ مَنْ يَجِبُ عَلَى الْقَاضِي قَبُولُ شَهَادَتِهِ وَمَنْ لَا يَجِبُ لَا مَنْ يَصِحُّ قَبُولُهَا، أَوْ لَا يَصِحُّ لِصَحَّةِ الْفَاسِقِ مَثَلًا كَمَا حَقَّقَهُ الْبُصْنَفُ تَبَعًا لِيَعْقُوبَ بِأَشَاوْغَيْرِهِ (تُقْبَلُ مِنْ أَهْلِ الْأَهْوَاءِ)

شہادت کی قبولیت کے متعلق احکام

یعنی قاضی پر جس کی شہادت قبول کرنا واجب ہے اور جس کی شہادت قبول کرنا واجب نہیں نہ کہ اس سے مراد یہ ہے جس کی شہادت قبول کرنا صحیح ہے یا جس کی شہادت قبول کرنا صحیح نہیں۔ کیونکہ مثلاً فاسق کی شہادت صحیح ہوتی ہے جس طرح مصنف نے اسے ”یعقوب پاشا“ وغیرہ کی تبع میں اسے ثابت کیا ہے۔ اہل اہواء یعنی بدعتیوں کی گواہی قبول کی جائے گی

وہ شخص قاضی پر جس کی شہادت قبول کرنا واجب یا غیر واجب ہے

26889۔ (قولہ: أَيُّ مَنْ يَجِبُ الْخ) ”البحر“ میں کہا: مراد ہے قاضی پر جس کی شہادت قبول کرنا واجب ہے یا جس کی شہادت قبول کرنا واجب نہیں۔ نہ کہ اس کی مراد یہ ہے جس کی شہادت قبول کرنا صحیح ہے اور جس کی شہادت قبول کرنا صحیح نہیں۔ کیونکہ جن کا ذکر کیا ہے ان میں سے کچھ وہ ہے جن کی شہادت قبول نہیں ہوتی۔ فاسق کی شہادت پر اگر قاضی فیصلہ کر دے تو یہ صحیح ہوگا۔ غلام، بچے، بیوی، ولد اور اصل کا معاملہ مختلف ہے۔ لیکن ”خزانة المفتين“ میں ہے: جب کوئی نابینا اور حد قذف میں محدود آدمی کی گواہی سے فیصلہ کر دے جب وہ توبہ کر لے یا دونوں میاں بیوی کی گواہی سے جب کہ اس کے ساتھ دوسرا گواہ ہو اس کے صاحب کے حق میں یا والد کی گواہی بچے کے حق میں یا اس کے برعکس کی گواہی کے ساتھ فیصلہ کر دے تو یہ فیصلہ نافذ ہو جائے گا یہاں تک کہ دوسرے قاضی کے لیے یہ جائز نہیں کہ اسے باطل کرے اگرچہ اس کے بطلان کی رائے رکھے۔ عدم قبول سے مراد اس کا حلال نہ ہونا ہے۔ ”منیۃ المفتی“ میں قضا کے نفاذ میں اختلاف کا ذکر کیا ہے جب وہ فیصلہ اس آدمی کی گواہی سے کیا ہو جس نے حد قذف کے بعد توبہ کی ہو اس کے بعد گواہی دی ہو۔

26890۔ (قولہ: لِصَحَّةِ الْفَاسِقِ) یعنی فاسق کی شہادت صحیح ہے۔

26891۔ (قولہ: مَثَلًا) مثلاً کا لفظ ذکر کیا تا کہ یہ قول نابینا کو شامل ہو جائے۔

26892۔ (قولہ: تُقْبَلُ) اس سے مراد مسلمانوں اور غیر مسلموں پر قبول عام نہیں بلکہ مراد اصل قبول ہے۔ پس یہ اس

امر کے منافی نہیں کہ ان میں سے بعض کافر ہوں۔

ان کی شہادت قبول کی جائے گی کیونکہ ان کا فسق اعتقاد کے اعتبار سے ہے۔ ان کو اس میں واقع نہیں کیا مگر دین میں تعمق اور غلو نے اس میں واقع کیا ہے۔ فاسق کی شہادت اس لیے رد کی جاتی ہے کیونکہ اس پر جھوٹ کی تہمت ہے۔ ”مدنی“۔

أَيُّ أَصْحَابِ بَدْعٍ لَا تُكْفَرُ كَجَبْرِ وَقَدَرٍ وَرَفُضٍ وَخُرُوجٍ وَتَشْبِيهِ وَتَعْطِيلٍ، وَكُلُّ مِنْهُمْ اثْنَتَا عَشْرَةَ فِرْقَةً فَصَارُوا اثْنَتَيْنِ وَسَبْعِينَ (إِلَّا الْخَطَابِيَّةَ) صِنْفٌ مِنَ الرَّوَافِضِ يَرَوْنَ الشَّهَادَةَ لِشِيعَتِهِمْ وَلِكُلِّ مَنْ حَلَفَ أَنَّهُ مُحِقٌّ فَزَدَهُمْ لَا لِبِدْعَتِهِمْ بَلْ لِتُهْمَةِ الْكُذِبِ

یعنی ایسی بدعتیں جو بدعتی کو کافر نہیں بناتیں۔ جیسے جبر، قدر، رفض، خروج (خارجی ہونا) تشبیہ، تعطیل۔ ان میں سے ہر ایک کے بارہ فرقے ہیں یہ کل بہتر ہو جاتے ہیں۔ مگر خطابیہ کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی۔ یہ رافضیوں کی ایک قسم ہے وہ اپنے جماعتیوں کے حق میں اور ہر اس شخص کے حق میں گواہی دینے کی رائے رکھتے ہیں جو یہ قسم کھائے کہ وہ حق پر ہے۔ ان کی شہادت کو ان کی بدعت کی وجہ سے رد نہیں کیا جاتا بلکہ جھوٹ کی تہمت کی وجہ سے رد کیا جاتا ہے

26893۔ (قولہ: لَا تُكْفَرُ) ان میں سے جس کو کافر قرار دینا واجب ہے تو اکثر علما کی رائے یہ ہوتی ہے کہ اس کی گواہی کو قبول نہ کیا جائے جس طرح ”التقریر“ میں واقع ہے۔ ”الحیط البرہانی“ میں ہے: یہی صحیح ہے جو ”الاصل“ میں مذکور ہے وہ اس پر محمول ہے، ”بحر“۔ اس میں ”السراج“ سے مروی ہے: وہ بے حیاء نہ ہو اور وہ لینے دینے میں عادل ہو۔ اس پر یہ اعتراض کیا کہ یہ ظاہر روایت میں مذکور نہیں۔ اس میں اعتراض کی گنجائش ہے۔ کیونکہ یہ سنی میں شرط ہے تو غیر کے بارے میں تیرا کیا گمان ہوگا؟ تامل

خطابیہ کی حقیقت اور نظریات

26894۔ (قولہ: وَلِكُلِّ مَنْ حَلَفَ أَنَّهُ مُحِقٌّ فَزَدَهُمُ الْخ) زیادہ بہتر واؤ کی بجائے را کے ساتھ تعبیر ہے جس طرح ”الفتح“ میں ہے۔ یہ ان کی تفسیر میں دوسرا قول ہے جس طرح ”البحر“ اور ”شرح ابن کمال“ میں ہے۔ ہاں ”شرح الجمع“ میں اسی طرح ہے جس طرح یہاں ہے۔ کیونکہ کہا: یہ رافضیوں کی ایک صنف ہے جنہیں ابو الخطاب ”محمد بن ابی وہب“ اجدع کوئی کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔ یہ اس آدمی کے حق میں شہادت کے جواز کا اعتقاد رکھتے ہیں جو ان کے ہاں قسم اٹھ دے کہ وہ حق پر ہے۔ اور وہ کہتے ہیں: مسلمان جھوٹی قسم نہیں اٹھاتا اور وہ یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ اپنے شیعہ (حمایتی) کے حق میں گواہی دینا واجب ہے خواہ وہ سچا ہو یا جھوٹا ہو۔

”تعریفات السید الشریف“ میں وہ قول ہے جو اس امر کا فائدہ دیتا ہے کہ یہ کفار ہیں کیونکہ انہوں نے کہا جس کی قسم یہ ہے: انہوں نے کہا: ائمہ انبیاء ہیں۔ ”ابو الخطاب“ نبی ہے۔ یہ اپنے موافقوں کے حق میں اپنے مخالفین کے خلاف جھوٹی شہادت کو حلال خیال کرتے ہیں۔ انہوں نے کہا: جنت دنیا کی نعمتیں ہیں اور نار (جہنم) اس کے مصائب ہیں۔

26895۔ (قولہ: بَلْ لِتُهْمَةِ الْخ) مانع یہ تہمت ہے: شاید اپنی گواہی کے ساتھ اپنی طرف نفع لائے یا اپنی ذات سے چٹی کو دور کرے۔ ”خانہ“۔

فرد کی شہادت مقبول نہیں ہوتی خصوصاً جب اس کی اپنی ذات کے فعل پر ہو۔ ”ہدایہ“، کذا فی الہامش۔

وَلَمْ يَبْقَ لِمَذْهَبِهِمْ ذِكْرٌ بِحَرْ (وَمِنْ الدِّمِيِّ) لَوْ عَدَلَا فِي دِينِهِمْ جَوْهَرَةً (عَلَى مِثْلِهِ) إِلَّا فِي خُسِّ مَسَائِلَ عَلَى مَا فِي الْأَشْبَاهِ وَتَبْطُلُ بِإِسْلَامِهِ قَبْلَ الْقَضَاءِ، وَكَذَا بَعْدَهُ لَوْ بِعُقُوبَةٍ كَقَوْدِ بَحْرٍ (وَأِنْ اِخْتَلَفَا مِلَّةً) كَالْيَهُودِ وَالنَّصَارَى (وَمِنْ الدِّمِيِّ) (عَلَى الْمُسْتَأْمِنِ لَا عَكْسِهِ) وَلَا مُرْتَدٍّ عَلَى مِثْلِهِ فِي الْأَصَحِّ (وَتُقْبَلُ مِنْهُ عَلَى) مُسْتَأْمِنٍ

ان کے مذہب کا کوئی ذکر باقی نہیں، ”بحر“۔ اور ذمی کی شہادت قبول کی جائے گی اگر وہ اپنے دین میں عادل ہو، ”جوہرہ“۔ اپنے جیسے ذمی کے خلاف مگر پانچ مسائل میں گواہی قبول نہیں کی جائے گی جیسا ”الاشباہ“ میں ہے۔ ذمی کے اسلام قبول کرنے سے قضا سے پہلے اسی طرح قضا کے بعد شہادت باطل ہو جائے گی اگرچہ وہ شہادت عقوبت کے متعلق ہو جیسے قصاص، ”بحر“۔ اگرچہ وہ ملت کے اعتبار سے مختلف ہوں جیسے یہودی اور نصرانی۔ اور ذمی کی شہادت مستامن کے خلاف قبول کی جائے گی اس کے برعکس شہادت قبول نہ کی جائے گی۔ مرتد کی اپنے جیسے مرتد کے خلاف گواہی قبول نہیں کی جائے گی۔ یہ اصح قول کے مطابق ہے۔ مستامن کی شہادت دار کے ایک ہونے کی

ذمی اگر عامل ہو تو اس کی شہادت اپنے جیسے ذمی کے خلاف قبول کی جائے گی سوائے پانچ مسائل کے

26896۔ (قوله: وَمِنْ الدِّمِيِّ الْخ) ”فتاویٰ الہندیہ“ میں ہے: ایک نصرانی مرگیا اس پر ایک مسلمان کا دین ہے یہ ایک نصرانی کی شہادت سے ثابت ہے ایک دین نصرانی کا ہے جو نصرانی کی شہادت سے ثابت ہے۔ امام ”ابو حنیفہ“، امام ”محمد“ اور امام ”زفر“ رحمہم اللہ نے فرمایا: مسلمان کے دین سے ادائیگی کا آغاز کیا جائے گا۔ ”محیط السرخسی“ میں اسی طرح ہے۔ اگر کوئی چیز بیچ گئی تو وہ نصرانی کی ہوگی۔ ”الحیظ“ میں اسی طرح ہے۔ کذا فی الہامش۔

26897۔ (قوله: عَلَى مَا فِي الْأَشْبَاهِ) وہ یہ ہے: جب دو نصرانیوں نے ایک نصرانی پر گواہی دی کہ وہ مسلمان ہو چکا تھا وہ زندہ ہو یا مردہ ہو اس کی نماز جنازہ نہیں پڑھی جائے گی۔ جب وہ نصرانی عورت ہو تو معاملہ مختلف ہوگا جس طرح ”الخلاصہ“ میں ہے۔

جب وہ ایک نصرانی میت کے خلاف دین کی شہادت دیں جب کہ وہ مسلمان کا مدیون ہو۔ جب وہ اس کے خلاف عین کی شہادت دیں جو عینی چیز اس نے مسلمان سے خریدی ہو جب چار نصرانی ایک نصرانی کے خلاف گواہی دیں کہ اس نے ایک مسلمان عورت کے خلاف بدکاری کی ہے مگر وہ کہیں کہ اس نے عورت کو مجبور کیا تھا تو صرف مرد پر حد جاری کی جائے گی جس طرح ”خانیہ“ میں ہے۔ جب مسلمان نے کافر کے ہاتھ میں موجود ایک غلام کے بارے میں دعویٰ کیا تو دو کافروں نے گواہی دی کہ یہ اس کا غلام ہے فلاں مسلمان قاضی نے اس کے حق میں فیصلہ کیا ہے۔ ”الاشباہ والنظائر“ میں اسی طرح ہے، ”مدنی“۔

26898۔ (قوله: بِإِسْلَامِهِ) یعنی مشہود علیہ کے اسلام قبول کرنے کے ساتھ۔

26899۔ (قوله: مِنْهُ) یعنی مستامن کی جانب سے دی گئی گواہی قبول کی جائے گی۔ یہ قید لگائی ہے کیونکہ اس کے

(مِثْلِهِ مَعَ اتِّحَادِ الدَّارِ) لِأَنَّ اخْتِلَافَ دَارَيْهِمَا يَقْطَعُ الْوِلَايَةَ كَمَا يَنْتَعُ الشَّوَارِثُ (و) تَقْبَلُ مِنْ عَدُوِّ
بِسَبَبِ الدِّينِ (لَأَنَّهَا مِنَ التَّدْيِينِ) بِخِلَافِ الدُّنْيَوِيَّةِ فَإِنَّهُ لَا يَأْمَنُ مِنَ الشَّقْوَلِ عَلَيْهِ كَمَا سَيَجِيءُ: وَأَمَّا
الصَّدِيقُ لِصَدِيقِهِ فَتَقْبَلُ إِلَّا إِذَا كَانَتْ الصَّدَاقَةُ مُتَنَاهِيَةً بِحَيْثُ يَتَصَرَّفُ كُلُّ فِي مَالِ الْآخَرِ فَتَأْوِي
الْمُصَنِّفَ مَعْرِئًا لِلْبُعَيْنِ الْحُكَّامِ (و) مِنْ (مُرْتَكِبِ صَغِيرَةٍ) بِلَا إِصْرَارٍ (إِنْ اجْتَنَبَ الْكِبَائِرَ كُلَّهَا وَغَلَبَ
صَوَابُهُ عَلَى صَغَائِرِهِ دُرَرًا وَغَيْرُهَا قَالَ وَهُوَ مَعْنَى الْعَدَالَةِ

صورت میں مستامن کے خلاف قبول کی جائے گی۔ کیونکہ دارین کا اختلاف ولایت کو ختم کر دیتا ہے جس طرح یہ باہم وارث بننے کے مانع ہوتا ہے۔ اور دن کے سبب سے دشمن ہو تو دشمن کے خلاف گواہی قبول کی جائے گی۔ کیونکہ یہ دشمنی دینداری کے سبب سے ہے۔ دنیوی دشمنی کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ اس کے خلاف جھوٹ بولنے سے امن میں نہیں ہوتا جس طرح عنقریب آئے گا۔ جہاں تک دوست کی دوست کے حق میں شہادت ہے تو اسے قبول کیا جائے گا مگر جب دوستی انتہا درجے کی ہو اس طرح کہ ان میں سے ہر ایک دوسرے کے مال میں تصرف کرتا ہو ”فتاویٰ المصنف“۔ جب کہ یہ ”معین الحکام“ کی طرف منسوب ہے۔ اور صغیرہ گناہ کا ارتکاب کرنے والے کی شہادت قبول کی جائے گی جب وہ گناہ صغیرہ پر اصرار نہ کرتا ہو اگر وہ تمام کبائر سے اجتناب کرتا ہو۔ اور اس کے صحیح اعمال اس کے صغائر پر غالب ہوں ”درر“ وغیرہ۔ کہا: یہی عدالت کا معنی ہے۔

غیر کا تصور نہیں کیا جاتا۔ کیونکہ حربی اگر امان کے بغیر جبراً دار السلام میں داخل ہوگا تو اس کو غلام بنا لیا جائے گا۔ غلام کی کسی کے خلاف گواہی قبول نہیں ہوتی۔ ”فتح“۔

26900۔ (قوله: مَعَ اتِّحَادِ الدَّارِ) یعنی دونوں ایک دار میں ہوں۔ اگر وہ دو داروں سے ہوں جیسے روم اور ترک تو اس کی گواہی کو قبول نہیں کیا جائے گا۔ ”بدایہ“، ”مدنی“۔ اس میں کوئی خفا نہیں کہ کانوا میں ضمیر ہمارے دار میں امان لینے والوں کے لیے ہے۔ اس قول کے ساتھ اس قول کا صحیح نہ ہونا ظاہر ہو جاتا ہے جو ”حموی“ سے نقل کیا گیا ہے۔ انہوں نے یہ اتحاد دار کی یہ مثال دی ہے کہ دونوں دار السلام میں ہوں ورنہ اس وقت دونوں کا باہم وارث ہونا لازم آئے گا اگرچہ وہ دونوں مختلف داروں سے تعلق رکھتے ہوں۔ کیونکہ عقد ذمہ کی وجہ سے ذمی مسلمان کی طرح ہو چکا ہے اور مستامن کے خلاف مسلمان کی شہادت قبول کی جاتی ہے اسی طرح ذمی ہے۔

26901۔ (قوله: عَلَى صَغَائِرِهِ) اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ چاہیے یہ تھا کہ وہ یہ اضافہ کرتے بغیر ”ابن کمال“ نے کہا: کیونکہ صغیرہ اصرار کے ساتھ کبیرہ کا حکم لے لیتا ہے۔ اسی طرح غالب کے ساتھ کبیرہ کا حکم لے لیتا ہے جس طرح ”فتاویٰ صغریٰ“ میں اس کی وضاحت کی ہے۔ کیونکہ کہا: عادل وہ ہے جو تمام کبائر سے اجتناب کرتا ہے یہاں تک کہ اگر وہ کبیرہ کا ارتکاب کرے تو اس کی عدالت ساقط ہو جائے گی۔ صغائر میں اعتبار غالب اور صغیرہ پر دوام کا ہے پس وہ کبیرہ ہو جائے گا۔ اسی وجہ سے کہا: وغلب صوابہ۔

وَفِي الْخُلَاصَةِ كُلُّ فِعْلٍ يَرْفُضُ الْمُرُوءَةَ وَالْكَرَمَ كَبِيرَةٌ، وَأَقْرَبُهُ ابْنُ الْكَمَالِ قَالَ وَمَتَى ارْتَكَبَ كَبِيرَةً سَقَطَتْ عَدَالَتُهُ (وَمِنْ أَقْلَفَ) لَوْلَا عَذْرُ

”الخلاصہ“ میں ہے: ہر وہ عمل جو مروت اور کرم کو چھوڑ دے وہ کبیرہ ہے۔ ”ابن کمال“ نے اسے ثابت رکھا ہے۔ کہا: جب کوئی آدمی گناہ کبیرہ کا ارتکاب کرتا ہے تو اس کی عدالت ساقط ہو جاتی ہے اور اقلف کی گواہی قبول کی جائے گی اگر اس کا اقلف ہونا عذر کی وجہ سے ہو

ہامش میں کہا: اس آدمی کی شہادت قبول نہیں کی جائے گی جو فاجروں، مخولیوں، بے حیادوں اور شراب نوشی کرنے والوں کی مجلس میں بیٹھتا ہو اگرچہ وہ شراب نوشی نہ کرتا ہو۔ ”الحیظ“ میں اسی طرح ہے، ”فتاویٰ ہندیہ“۔ اس میں ہے: فاسق آدمی جب توبہ کرے تو اس کی شہادت قبول نہیں کی جائے گی جب تک اتنا زمانہ نہ گزر جائے جو اس پر توبہ کا اثر ظاہر کر دے۔ صحیح یہ ہے کہ یہ امر قاضی کی رائے کے سپرد ہے۔

26902۔ (قوله: وَفِي الْخُلَاصَةِ الْخ) ”الاقضية“ میں کہا ہے: جو آدمی جھوٹ بولنے کا عادی ہو جب وہ توبہ کرے تو اس کی شہادت قبول نہ ہوگی، ”ذخیرہ“۔ شارح عنقریب اس کا ذکر کریں گے۔

کبیرہ گناہ کا ضابطہ

26903۔ (قوله: كَبِيرَةٌ) اصح قول یہ ہے کہ ہر وہ عمل جو مسلمانوں کے درمیان شنیع ہو وہ کبیرہ ہے اور اس میں دین کی ہتک ہو جس طرح ”قہستانی“ وغیرہ نے اس کی تفصیل بیان کی ہے۔ ”شرح الملتقی“ میں اسی طرح ہے۔

”الفتح“ میں کہا: ”الفتاویٰ الصغریٰ“ میں ہے: عادل وہ ہے جو تمام کبارہ سے اجتناب کرتا ہے یہاں تک کہ اگر وہ کبیرہ کا ارتکاب کرے تو اس کی عدالت ساقط ہو جاتی ہے۔ صغائر میں غلبہ کا اعتبار کرنا تا کہ وہ کبیرہ ہو جائے یہ حسن ہے۔ ”عصام“ کی ”ادب القضاء“ سے اسے نقل کیا ہے۔ اسی پر اعتماد ہے۔ مگر کبیرہ کے ارتکاب کے ساتھ عدالت کے زائل ہونے کا حکم لگانا اس میں غلبہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ اسی وجہ سے حرام (شراب) شے کے پینے میں اور نشہ آور چیز دوام کے ساتھ پینے میں شرط ہے۔ واللہ سبحانہ اعلم

کبیرہ گناہ کا ارتکاب عدالت کو ساقط کرنے کا موجب ہے

26904۔ (قوله: سَقَطَتْ عَدَالَتُهُ) یعنی جب وہ توبہ کرے گا تو اس کی عدالت لوٹ آئے گی۔ لیکن ”البحر“ میں کہا:

”الحنانیہ“ میں ہے: فاسق جب توبہ کرے تو اس کی شہادت قبول ہوگی جب تک اس پر اتنا زمانہ نہ گزر جائے جو اس کے توبہ کو ظاہر کر دے پھر ان میں سے بعض نے چھ ماہ کی مدت مقرر کی ہے۔ بعض نے سال کی مدت مقرر کی ہے۔ صحیح یہ ہے: یہ قاضی اور تعدیل کرنے والے کی رائے کے سپرد ہے۔ ”الخلاصہ“ میں ہے: اگر وہ عادل ہو پس وہ جھوٹی گواہی دے پھر وہ توبہ کر لے پھر وہ گواہی دے تو مدت کے بغیر اسے قبول کیا جائے گا۔

وَالَا لَا وَبِهِ نَأْخُذُ بَحْرًا وَإِلَّا سَتَهْزَأُ بِشَيْءٍ مِنَ الشَّرَائِعِ كُفْرُ ابْنِ كَمَالٍ (وَخَصِي) وَأَقْطَعَ (وَوَلَدِ الزَّانَا) وَلَوْ بِالزَّانَا خِلَافًا لِبَالِكَ (وَخُنْثَى) كَانَتْ

ورنہ گواہی قبول نہیں کی جائے گی ہم اس کو اپناتے ہیں، ”بحر“۔ شریعت کے احکام میں سے کسی شے کا مذاق اڑانا کفر ہے۔ ”ابن کمال“۔ خصی، جس کا حد میں ہاتھ کاٹا گیا ہو اور ولد زنا کی گواہی قبول کی جاتی ہے اگرچہ وہ زنا کے بارے میں گواہی دے۔ امام ”مالک“ نے اس سے اختلاف کیا ہے۔ خنثی عورت کی طرح ہے اس کی گواہی قبول کی جاتی ہے

ہم پہلے بیان کر چکے ہیں جب شاہد مخفی طور پر فاسق ہو تو اسے نہیں چاہیے کہ اپنے فسق کے بارے میں خبر دے تاکہ مدنی کا حق باطل نہ ہو۔ ”العمدہ“ میں بھی اس کی تصریح کی ہے۔

فائدہ: جس آدمی پر فسق کی تہمت لگائی گئی ہو تو اس کی عدالت باطل نہیں ہوگی تعدیل کرنے والے نے جب شاہد کے بارے میں کہا: وہ فسق میں متہم ہے اس کی عدالت باطل نہیں ہوگی۔ ”خانیہ“۔

26905۔ (قوله: بَحْرًا) اسی کی مثل ”تا تر خانیہ“ میں ہے۔

26906۔ (قوله: كُفْرًا) ”الہدایہ“ میں اس کی قید لگانے کی طرف اشارہ کیا ہے: وہ دین کے احکام کو حقیر جانتے ہوئے ختنہ کے عمل کو ترک نہ کرے۔ ”البحر“ میں ”الخلاصہ“ سے مروی ہے: مختار یہ ہے کہ اس کا اول وقت سات برس اور اس کا آخری وقت بارہ برس ہیں۔

26907۔ (قوله: وَخَصِي) کیونکہ اس کا حاصل امر یہ ہے کہ وہ مظلوم ہے۔ ہاں اگر وہ اپنے لیے اسے پسند کرتا ہے اور خوشی سے یہ عمل کرتا ہے تو اسے اس عمل سے روک دیا جائے گا۔ کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ”عاقمہ خصی“ کی ”قدامہ بن مطعون“ کے خلاف گواہی قبول کی تھی (1)۔ اسے ”ابن ابی شیبہ“ نے روایت کیا ہے۔ ”منح“۔

26908۔ (قوله: وَأَقْطَعَ) کیونکہ روایت بیان کی گئی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے چوری کے معاملہ میں ایک آدمی کا ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا پھر وہ آدمی بعد میں شہادت دیتا تو آپ اس کی شہادت قبول فرماتے (2)۔ کذا فی الہامش۔

26909۔ (قوله: بِالزَّانَا) یعنی اگر وہ ولد زنا کسی اور کے خلاف زنا کے بارے میں گواہی دے تو اس کی شہادت قبول کی جائے گی۔ ”المنح“ میں کہا: ولد زنا کی شہادت قبول کی جائے گی۔ کیونکہ والدین کا فسق بچے کی فسق کو ثابت نہیں کرتا جس طرح ان کا کفر بچے کے کفر کو ثابت نہیں کرتا۔ اسے مطلق ذکر کیا ہے۔ پس جب زنا یا اس کے ملاوہ امر کے بارے میں گواہی دے تو یہ قول اسے شامل ہوگا۔ امام ”مالک“ نے زنا کے معاملہ میں اختلاف کیا ہے۔ ”مدنی“۔

26910۔ (قوله: كَانَتْ) یعنی خنثی کی گواہی حدود و قصاص کے ملاوہ مرد اور عورت کے ساتھ اسکی گواہی قبول کی جاتی ہے۔

1۔ المصنف، ابن ابی شیبہ، کتاب البیوع، باب شہادۃ النخص، حدیث نمبر 23219

2۔ المصنف، ابن ابی شیبہ، کتاب البیوع، باب شہادۃ الاقصاء، جلد 4، صفحہ 533

لَوْ مُشْكِلًا وَإِلَّا فَلَا إِشْكَالَ (وَعَتِيقَ لِبُعْتِيقِهِ وَعَكْسِهِ) إِلَّا لِتُهْمَةِ لِبَانِي الْخُلَاصَةِ شَهْدًا بَعْدَ عِتْقِهَا أَنَّ الشَّيْنَ كَذَا عِنْدَ اخْتِلَافِ بَائِعٍ وَمُشْتَرِيٍّ لَمْ تُقْبَلْ لِحُجْرِ النَّفْعِ بِإِثْبَاتِ الْعِتْقِ (وَلِأَخِيهِ وَعَبِيهِ وَمِنْ مُحَرَّمٍ رِضَاعًا أَوْ مُصَاهَرَةً) إِلَّا إِذَا امْتَدَّتْ الْخُصُومَةُ وَخَاصَمَ مَعَهُ عَلَى مَا فِي الْقُنْيَةِ وَفِي الْخِزَانَةِ تَخَاصُمَ الشُّهُودِ وَالْمُدَّعَى عَلَيْهِ تَقْبَلُ لَوْ عُدُولًا (وَمِنْ كَافِرٍ عَلَى عَبْدٍ كَافِرٍ مَوْلَاةً مُسْلِمَةً أَوْ عَلَى وَكِيلٍ (حُرٍّ كَافِرٍ) مُوَكَّلَهُ مُسْلِمًا) لَا يَجُوزُ (عَكْسُهُ) لِقِيَامِهَا عَلَى مُسْلِمٍ قَصْدًا وَفِي الْأَوَّلِ ضَمْنًا

اگرچہ وہ خنثی مشکل ہو ورنہ کوئی اشکال نہیں۔ آزاد غلام کی اپنے آزاد کرنے والے آقا کے حق میں اور اس کے برعکس گواہی قبول کی جاتی ہے۔ تہمت کی وجہ سے گواہی قبول نہیں کی جائے گی۔ کیونکہ ”الخلاصہ“ میں ہے: ان دونوں کی آزادی کے بعد دونوں نے گواہی دی کہ ثمن یہ تھی جب کہ بائع اور مشتری میں اختلاف تھا تو اس کی شہادت کو قبول نہیں کیا جائے گا۔ کیونکہ آزادی کے اثبات کے ساتھ نفع اسے حاصل ہوتا ہے۔ اپنے بھائی، اپنے چچا اور رضاعی یا حرمت مصاہرت کی وجہ سے محرم کی گواہی قبول کی جائے گی۔ مگر جب خصومت طویل ہو جائے اور وہ اس کے ساتھ مخاصمت میں شریک ہو جیسے ”القنیہ“ میں ہے۔ خزانہ میں ہے: گواہوں اور مدعی علیہ نے باہم خصومت کی اگر وہ عادل ہوں تو ان کی گواہی قبول کی جائے گی۔ ایک کافر کی کافر غلام کے خلاف گواہی قبول کی جائے گی اگر اس غلام کا آقا مسلمان ہو یا آزاد کافر کے وکیل کے خلاف گواہی قبول کی جائے گی جس کا موکل مسلمان ہو اس کے برعکس جائز نہیں۔ کیونکہ وہ گواہی قصداً مسلمان کے خلاف واقع ہے اور پہلی صورت میں ضمناً مسلمان کے خلاف واقع ہے۔

26911۔ (قولہ: بِإِثْبَاتِ الْعِتْقِ) یہ پہلے گزر چکا ہے کہ بیع اس کی ملک سے نکل جائے تو باہم قسم اٹھانا نہیں ہوتا۔ جو باب التحالف میں گزر چکا ہے۔ پس اس کی طرف رجوع کیجئے۔

اور ان کا قول العتق کیونکہ اگر دونوں کی شہادت نہ ہوتی تو وہ دونوں فریق قسم اٹھاتے اور وہ بیع فسخ ہو جاتی تو آزادی کے باطل کرنے کی مقتضی تھی۔ ”منح“۔

26912۔ (قولہ: وَمِنْ مُحَرَّمٍ رِضَاعًا) ”الاقضیہ“ میں کہا: رضاعی والدین کے حق میں گواہی قبول کی جائے گی، اس کے حق میں گواہی قبول کی جائے گی جس کی بیوی نے اسے دودھ پلایا، اپنی بیوی کی ماں اور اس کے باپ کے حق میں گواہی قبول کی جائے گی۔ ”بزازیہ“ کی کتاب الشہادات باب فیما تقبل و فیما لا تقبل۔ اپنی بیوی کے خاوند کے حق میں، اپنے بیٹے کی بیوی کے حق میں، اپنے باپ کی بیوی کے حق میں، اپنی بیوی کی بہن کے حق میں گواہی قبول کی جائے گی۔ کذا فی الہامش عن ”الحامدیہ“ جب کہ اسے ”الخلاصہ“ کی طرف منسوب کیا ہے۔

26913۔ (قولہ: امْتَدَّتْ الْخُصُومَةُ) یعنی خصومت کئی سال تک جاری رہی۔ ”منح“۔

26914۔ (قولہ: لَوْ عُدُولًا) ”المنح“ میں ”البحر“ سے نقل کیا ہے: چاہیے کہ اسے اس پر محمول کیا جائے کہ جب وہ

(وَقَبُولُ عَمَلٍ ذِي مَيِّتٍ وَصِيَّتُهُ مُسْلِمٍ)

اور ذمی میت کے خلاف گواہی قبول کی جائے گی جس کا وصی مسلمان ہو

دونوں خصوصیت میں مدعی کی مدد نہ کریں یا یہ زیادہ نہ ہو جائے یہ تطبیق دینے کے لیے ہے۔ ”رہی“ نے اس کے علاوہ صورت میں تطبیق دی ہے۔ کیونکہ کہا: ان کے قول کا مفہوم یہ ہے: اگر وہ عادل ہوں یعنی جب وہ مستور الحال ہوں تو ان کی گواہی قبول نہ کی جائے گی اگرچہ خصوصیت طویل نہ ہو۔ کیونکہ مخاصمت کے ساتھ تہمت واقع ہوتی ہے جب وہ عادل ہوں تو ان کی گواہی قبول کی جائے گی۔ کیونکہ عدالت کے ساتھ تہمت اٹھ جاتی ہے۔ پس ”القنیہ“ میں جو قول ہے اسے اس پر محمول کیا جائے گا جب وہ عادل ہوں یہ تطبیق دینے کے لیے ہے جو قول ہم نے کیا ہے وہ زیادہ مناسب ہے۔ کیونکہ شہادت کے باب میں قبل اعتماد عدالت ہوتی ہے۔

ذمی میت جس کا وصی مسلمان ہو کے خلاف گواہی کا حکم

26915۔ (قوله: عَلَى ذِي مَيِّتٍ) نصرانی مرگیا اور اس نے ہزار درہم چھوڑے اور مسلمان نے میت کے خلاف نصرانی میں سے گواہ پیش کیے۔ ایک نصرانی نے اسی طرح دو نصرانی گواہ پیش کیے تو امام ”ابو حنیفہ“ رضی اللہ عنہ کے نزدیک متروکہ ہزار مسلمان کے لیے ہوگا۔ امام ”ابو یوسف“ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: دونوں باہم حصہ کریں گے۔ قاعدہ یہ ہے کہ ”امام صاحب“ رضی اللہ عنہ کے نزدیک گواہی کی قبولیت صرف میت پر دین کو ثابت کرنے کے حق میں ہے نہ کہ اس میں اور مسلمان میں شرکت کو ثابت کرنے کے لیے ہے۔ امام ”ابو یوسف“ رضی اللہ عنہ کے نزدیک دونوں کے حق میں ہے ”ذخیرہ“۔ ملخص

اس سے یہ امر ظاہر ہوتا ہے کہ شہادت کا میت کے خلاف قبول کرنا یہ اس کے ساتھ مقید نہیں کہ جب اس پر مسلمان کا دین نہ ہو۔ ہاں یہ اس امر کی قید ہے کہ یہ شہادت اس میں اور دوسرے مدعی میں شرکت کو ثابت کرے جب دوسرا بھی نصرانی ہو تو وہ اس کے ساتھ شریک ہوگا ورنہ مال مسلمان کا ہوگا۔ کیونکہ اگر وہ مسلمان کے ساتھ شریک ہو تو شہادت کا مسلمان کے خلاف قائم ہونا لازم ہوگا۔

اس سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ مصنف نے ایک ایسی قید ترک کی ہے جس کے بغیر کوئی چارہ کار نہیں تھا۔ وہ یہ ہے کہ ترکہ دونوں دینوں سے کم ہو ورنہ یہ لازم نہیں آئے گا کہ یہ شہادت مسلمان کے خلاف قائم ہوئی ہے جس طرح یہ امر منافی نہیں۔ یہ وہ امر ہے جو مکمل چھان بین کے بعد میرے لیے ظاہر ہوا ہے یہاں تک میں ”الذخیرہ“ کی عبارت پانے میں کامیاب ہو گیا۔ اس تحریر کو ختمیت جانو اور میرے حق میں دغا کرو۔

”البحر“ پر ”حاشیہ الرہلی“ میں ”ابو حفص عقیلی“ کی ”المنہاج“ سے مروی ہے: ایک نصرانی مرگیا تو ایک مسلمان اور ایک نصرانی آیا اور دونوں میں سے ہر ایک نے گواہیاں قائم کیں کہ اس کا میت کے خلاف قرض ہے۔ اگر فریقین کے گواہ دو ذمی ہیں یا نصرانی کے گواہ دو ذمی ہیں تو مسلمان کے دین سے اس کا آغاز کیا جائے گا۔ اگر کوئی چیز بچ گئی تو اسے نصرانی کے دین کی

إِنْ لَمْ يَكُنْ عَلَيْهِ دَيْنٌ لِمُسْلِمٍ، بَحْرٌ وَفِي الْأَشْبَاهِ لَا تُقْبَلُ شَهَادَةُ كَافِرٍ عَلَى مُسْلِمٍ إِلَّا تَبَعًا كَمَا مَرَّ أَوْ
ضُرُورَةً فِي مَسْأَلَتَيْنِ فِي الْإِيصَاءِ شَهِدَ كَافِرَانِ عَلَى كَافِرٍ أَنَّهُ أَوْصَى إِلَى كَافِرٍ وَأَحْضَرَ مُسْلِمًا عَلَيْهِ حَقٌّ
لِنَسَبٍ وَفِي النَّسَبِ شَهِدَا

اگر اس پر مسلمان کا دین نہ ہو، ”بحر“۔ ”الاشباہ“ میں ہے: کافر کی شہادت مسلمان کے خلاف قبول نہیں کی جاتی مگر تبعاً قبول کی جاتی ہے جس طرح گزر چکا ہے یا دو مسئلوں میں وصی بنانے میں ضرورت قبول کی جاتی ہے۔ دو کافروں نے ایک کافر پر گواہی دی کہ اس نے ایک کافر کو وصی بنایا اور ایک ایسے مسلمان کو حاضر کیا جس کا میت پر حق تھا۔ نسب میں ہے دو آدمیوں نے گواہی دی

طرف پھیر دیا جائے گا۔ ”حسن“ نے امام ”ابو یوسف“ رحمہ اللہ سے روایت کی ہے: اس مال کو دونوں کے درمیان ان کے قرضوں کی مقدار پر تقسیم کر دیا جائے گا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ امام ”ابو یوسف“ رحمہ اللہ کا آخری قول ہے۔ اگر دونوں فریقوں کے گواہ مسلمان ہوں یا ذمی کے گواہ خاص کر مسلمان ہوں تو مال سب کے قول میں ان کے درمیان تقسیم کیا جائے گا۔

26916۔ (قولہ: بَحْرٌ) اس کی عبارت یہ ہے: فان كان فقد كتبناه عن الجامع جوا نہوں نے لکھا ہے وہ ان کا یہ قول ہے: ایک نصرانی سو چھوڑ کر مرا ایک مسلمان نے اس میت کے خلاف دو گواہ سو کے بارے میں پیش کیے ایک اور مسلمان اور ایک نصرانی نے اس کی مثل پر دو گواہ پیش کیے دو تہائی پہلے مسلمان کے لیے اور باقی ان دو کے درمیان تقسیم ہوگا اور شرکت مانع نہیں۔ کیونکہ یہ شرکت اس کے اقرار کے ساتھ واقع ہوئی ہے۔

اس کی وجہ یہ ہے: دوسری شہادت ذمی کے حق میں مسلمان کے ساتھ اس کی مشارکت کو ثابت نہیں کرتی جس طرح ہم پہلے (مقولہ 26900 میں) بیان کر چکے ہیں۔ لیکن جب ایک مسلمان نے نصرانی کے ساتھ مل کر سو کا دعویٰ کیا تو وہ سو کے نصف کا طالب ہوا اور منفرد پورے سو کا مطالبہ کرتا ہے تو اس سو کو عول کے طریقہ پر تقسیم کیا جائے گا۔ جو مسلمان پورے سو کا مدعی تھا تو اس کے لیے دو تہائی ہوں گے۔ کیونکہ اس کے لیے دو نصف ہیں اور دوسرے مسلمان کے ایک تہائی ہے۔ کیونکہ اس کے لیے صرف ایک نصف ہے لیکن جب اس نے نصرانی کے ساتھ مل کر دعویٰ کیا تو ایک تہائی کو ان دونوں میں تقسیم کر دیا جائے گا۔ یہی ان کے قول: والشركة لا تمنع لانها باقراره کا معنی ہے۔ ہم کتاب الفرائض کے شروع میں ان کے قول ثم تقدم ديونه کے ہاں (مقولہ 37110 میں) جو ذکر کریں گے اسے دیکھو۔

26917۔ (قولہ: كَمَا مَرَّ) قریب ہی جو گزرا ہے۔

26918۔ (قولہ: فِي مَسْأَلَتَيْنِ) دونوں مسئلوں میں قبول کو بحث کرتے ہوئے اس پر محمول کیا ہے۔ جب مسلمان خصم دین کا مقرر ہو وصیت اور نسب کا انکاری ہو مگر جب وہ دین کا منکر ہو تو اس کے خلاف دو آدمیوں کی شہادت کیسے قبول کی جائے گی؟

26919۔ (قولہ: وَأَحْضَرَ) یعنی وصی نے حاضر کیا۔

أَنَّ النَّصْرَانِيَّ ابْنَ الْمَيْتِ فَأَدَّعَى عَلَى مُسْلِمٍ بِحَقِّ وَهَذَا اسْتِحْسَانٌ وَوَجْهُهُ فِي الدَّرَرِ (وَالْعُمَالِ) لِبُسْطَانٍ (إِلَّا إِذَا كَانُوا أَعْوَانًا عَلَى الظُّلْمِ) فَلَا تُقْبَلُ شَهَادَتُهُمْ لِغَلَبَةِ ظُلْمِهِمْ كَرِئِيسِ الْقَرْيَةِ وَالْجَابِي وَالصَّرَافِ وَالْمُعْرِفِينَ فِي الْمَرَائِبِ وَالْعُرَفَاءِ فِي جَمِيعِ الْأَصْنَافِ وَمُحْضِرِ قُضَاةِ الْعَهْدِ وَالْوُكَلَاءِ الْمُفْتَعَلَةِ وَالضُّكَّانِ وَضُتَّانِ الْجِهَاتِ كَمُقَاطَعَةِ سُوقِ النَّحَّاسِينَ حَتَّى حَلَّ لَعْنُ الشَّاهِدِ لِشَهَادَتِهِ عَلَى بَاطِلٍ فَتُخْرَجُ وَبَحْرٌ وَفِي الْوَهْبَانِيَّةِ أَمِيرٌ كَبِيرٌ أَدَّعَى فَشَهِدَ لَهُ عُمَالُهُ وَتَوَابُهُ وَرَعَايَاهُمْ لَا تُقْبَلُ كَشَهَادَةِ الْمُزَارِعِ لِرَبِّ الْأَرْضِ، وَقِيلَ أَرَادَ بِالْعُمَالِ

کہ نصرانی میت کا بیٹا ہے اس نے مسلمان کے خلاف حق کا دعویٰ کیا۔ یہ استحسان ہے اس کی دلیل ”الدرر“ میں ہے۔ اور سلطان کے عمل کی گواہی قبول ہے مگر جب وہ ظلم پر مددگار ہوں تو ان کی شہادت قبول نہ ہوگی۔ کیونکہ ان کا ظلم غالب ہوتا ہے جیسے بستی کا رئیس، خراج کا وصول کرنے والا، صراف، جہازوں کے معرف کی یعنی جو تجارت سے شناسائی مروا تے ہیں، جمیع اصناف کے عرفاء کی، زمانہ کے قاضیوں کے سامنے حاضر کرنے والوں کی، بنادٹی وکلاء کی، اشنام وغیرہ لکھنے والوں کی، جہات کے ضامنوں کی جیسے چوپاؤں کے بازار کا ٹھیکہ یہاں تک کہ گواہ پر لعنت کرنا حلال ہے کیونکہ وہ باطل پر شہادت دیتا ہے ”فتح“، ”بحر“۔ ”الوہبانیہ“ میں ہے: امیر کبیر نے دعویٰ کیا تو اس کے عمال، نائبین اور ان کی رعایا نے ان کے حق میں گواہی دی تو ان کی شہادت قبول نہ کی جائے گی جس طرح مزارع کی مالک زمین کے حق میں گواہی قبول نہیں ہوتی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: عمال سے مراد

26920۔ (قوله: ابْنُ الْمَيْتِ) یعنی نصرانی۔

26921۔ (قوله: عَلَى مُسْلِمٍ) اس نے دو نصرانی گواہ اس کے نسب پر قائم کیے تو ان کی گواہی قبول کی جائے گی۔ یہ استحسان ہے اس کی وجہ ضرورت ہے۔ کیونکہ مسلمان ان کی موت اور ان کے نکاح کے وقت حاضر نہیں ہوتے۔ ”الدرر“ میں اسی طرح ہے۔ کذا فی الہامش۔

26922۔ (قوله: بِحَقِّ) یعنی ایسے حق کا جو ثابت ہے۔ کذا فی الہامش۔

26923۔ (قوله: كَرِئِيسِ الْقَرْيَةِ) ”الفتح“ میں کہا: ہمارے علاقوں میں اسے شیخ البلد کہتے ہیں ہم پہلے ”بزدلی“ سے نقل کر آئے ہیں: ان سلطانی ٹیکسوں اور خراج کو مسلمانوں کے درمیان عدل کے ساتھ تقسیم کرنے کا ذمہ دار مامور ہوتا اگرچہ اس کی اصل ظلم ہے اس تعبیر کی بنا پر اس کی شہادت مقبول نہ ہوگی۔

26924۔ (قوله: النَّحَّاسِينَ) یہ نحاس کی جمع ہے یہ نحس سے مشتق ہے اس کا معنی طعن ہے۔ یعنی کچوکا لگانا۔ جانوروں کے دلال (ایجنٹ، تاجر) کو نحاس کہتے ہیں۔

26925۔ (قوله: وَقِيلَ) یہ ”الکنز“ وغیرہ کی عبارت میں ممکن ہے۔ کیونکہ انہوں نے یہ نہیں کہا: ”إِلَّا إِذَا كَانُوا أَعْوَانًا“۔

السُّخْتَرِيُّ أَيْ بِحِرَافَةٍ لَا تَقَعُ بِهِ وَهِيَ حِرَافَةُ آبَائِهِ وَأَجْدَادِهِ وَإِلَّا فَلَا مَرُوءَةً لَهُ لَوْ دَنِيَّةً فَلَا شَهَادَةَ لَهُ
لَسَا عُرِفَ فِي حَدِّ الْعَدَالَةِ فَتَحُّ وَأَقَرُّهُ الْمُصَنِّفُ

اہل حرفہ ہیں یعنی ایسے حرفہ والے جو ان کے لائق ہے یہ اس کے آبا اور اجداد کا پیشہ ہے اگر پیشہ ایسا نہ ہو کہ اگر وہ پیشہ پست درجہ کا ہے تو اس میں مروت نہ ہوگی۔ تو اس کو شہادت کا حق نہیں ہوگا۔ کیونکہ عدالت کی تعریف میں پہچان ہو چکی ہے، ”فتح“۔ مصنف نے اسے ثابت رکھا ہے۔

اہل حرفہ کی شہادت کا حکم

26926۔ (قولہ: السُّخْتَرِيُّ) یہ ان لوگوں کا رد ہے جو خسیس حرفہ کے اہل کی شہادت کو رد کرتے ہیں۔ ”الفتح“ میں کہا: جہاں تک کم درجہ کی صناعات کا تعلق ہے جیسے کوڑا کرکٹ اٹھانے والا، جولاہا، حجام (پچھنے لگانے والا)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے۔ ان کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی۔ اصح یہ ہے کہ ان کی گواہی قبول کی جائے گی۔ کیونکہ یہ امور صالح لوگوں نے اپنائے ہیں۔ جب تک شہادت پر قدح والی بات کا علم نہیں ہوگا تو حرفہ کے ظاہر پر بنا نہیں کی جائے گی۔ اس کی مکمل بحث اس میں ہے پس اس کی طرف رجوع کیجئے۔

26927۔ (قولہ: وَإِلَّا إلخ) اس کی صورت یہ ہے کہ اس کا باپ تاجر ہو اور وہ خود جولاہا ہے، حلاقہ (بال مونڈنا) وغیرہ کا حرفہ اپنالے۔ کیونکہ اس نے آبائی پیشہ سے کم درجہ کا پیشہ اپنایا ہے۔ کذا فی الہامش۔

کسی شخص کا اپنے باپ کے پیشہ سے ادنیٰ پیشہ کی طرف عدول عدم مروت کی دلیل نہیں

26928۔ (قولہ: فَتَحُّ) ”الفتح“ میں، میں نے اسے نہیں دیکھا۔ بلکہ ”البحر“ میں ینبغی کے صیغہ کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ ”رملی“ نے کہا: اس قید میں اعتراض کی گنجائش ہر اس شخص کے لیے ہے جو نظر و فکر کی صلاحیت رکھتا ہے، قائل۔ یعنی یہ جو بحرافۃ لا تَقَعُ إلخ کی قید لگائی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے: علما نے عدالت کا اعتبار کیا ہے حرفہ کا اعتبار نہیں کیا۔ کتنے ہی کم مرتبہ پیشے والے ہوتے ہیں جو صاحب منصب و صاحب جاہ سے زیادہ متقی ہوتے ہیں جب کہ غالب یہی ہے کہ ایک آدمی اپنے باپ کے پیشہ سے ادنیٰ پیشے کی طرف نہیں آتا مگر اس صورت میں کہ اسے ہنر نہیں ہوتا یا وہ کام اس پر مشکل ہوتا ہے خصوصاً جب اس کے باپ نے صغریٰ میں اس کے باپ یا اس کے وصی نے اسے سکھایا اور اس کے علاوہ میں اسے پختہ نہ کیا ہو۔ قائل ”حاشیۃ ابی السعود“ میں ہے: اس میں اعتراض کی گنجائش ہے۔ کیونکہ یہ اس کے خلاف ہے جس کا ذکر پہلے قریب ہی کیا ہے کہ کم مرتبہ کے پیشہ جیسے کوڑا کرکٹ اٹھانے والے اور جولاہا کی شہادت مقبول ہوگی جب وہ عادل ہو۔ یہ قول صحیح ہے۔

میں کہتا ہوں: اس کو رد کیا جاتا ہے کہ ان کی مراد یہ ہے کہ اس کا اپنے باپ کے پیشہ سے ادنیٰ پیشے کی طرف عدول یہ عدم مروت کی دلیل ہے اگرچہ اس کے باپ کا پیشہ کم مرتبہ ہو۔ پس یہ کہنا چاہیے تھا ہو کذلک ان عدل بلا عذر۔ تامل

(لَا تُقْبَلُ مِنْ أَعْمَى) اُنْی لَا یُقْضٰ بِہَا، وَلَوْ قُضِيَ صَحَّ، وَعَمَّ قَوْلُهُ (مُطْلَقًا) مَا لَوْ عَمِيَ بَعْدَ الْأَدَاءِ قَبْلَ الْقَضَاءِ وَمَا جَازَ بِالسَّمَاعِ خِلَافًا لِلثَّانِي، وَأَقَادَ عَدَمَ قَبُولِ الْآخَرِ مُطْلَقًا بِالْأُولَى (وَمُرْتَدٍّ وَمَمْلُوكٍ)

ناہنے کی شہادت قبول نہیں کی جائے گی یعنی اس کی سماعت سے فیصلہ نہیں کیا جائے گا۔ اگر فیصلہ کر دیا جائے تو وہ صحیح ہوگا۔ ان کا قول مطلقاً اسے عام ہے اگر وہ ادائیگی کے بعد قضا سے پہلے اندھا ہو جائے اور اسے بھی عام ہے جس کی شہادت سماع سے جائز ہوتی ہے۔ امام ”ابو یوسف“ رحمہ اللہ نے اس سے اختلاف کیا ہے۔ اور اس قول نے اس امر کا فائدہ دیا ہے کہ گونگے کی گواہی مطلقاً بدرجہ اولیٰ قبول نہیں کی جائے گی۔ مرتد اور مملوک کی شہادت قبول نہیں ہوگی

ناہینا کی شہادت کا حکم

26929۔ (قوله: مِنْ أَعْمَى) مگر امام ”زفر“ رحمہ اللہ نے امام ”ابو حنیفہ“ رحمہ اللہ سے ایک روایت کی ہے کہ ناہینا کی گواہی اس میں مقبول ہوگی جس میں سن کر گواہی دی جاتی ہے۔ کیونکہ اس میں سماع کی حاجت ہوتی ہے جب کہ اس میں کوئی خلل واقع نہیں ہوتا۔ ”باقانی“ نے ”الملتقی“ سے نقل کیا ہے۔ کذا فی الہامش۔

26930۔ (قوله: أُنْی لَا یُقْضٰ بِہَا) امام ”ابو یوسف“ رحمہ اللہ نے اس صورت میں اختلاف کیا ہے کہ جب وہ شہادت کا حالت بصارت میں حامل بنے تو اس کی شہادت کو قبول کیا جائے گا۔ کیونکہ معاینہ کرنے سے عمل حاصل ہو چکا ہے۔ ادائیگی قول کے ساتھ خاص ہے۔ اس کی زبان کو کوئی آفت لاحق نہیں اور پہچان نسبت کے ساتھ حاصل ہو سکتی ہے جس طرح میت پر شہادت کی صورت میں ہوتا ہے۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ ادائیگی مشہودہ اور مشہود علیہ کے درمیان اشارہ کے ساتھ تمیز کی محتاج ہوتی ہے۔ ناہینا آدمی تمیز نہیں کر سکتا مگر لہجہ کا امتیاز کر سکتا ہے۔ اس میں شبہ ہے جس سے جنس شہود کے ساتھ بچنا ممکن ہے۔ اور نسبت یعنی نسب بیان کرنا یہ غائب کی تمیز کے لیے ہوتا ہے حاضر کی تمیز کے لیے نہیں ہوتا۔ پس یہ حدود و قصاص کی طرح ہو گیا۔ ”باقانی علی الملتقی“۔ کذا فی الہامش

26931۔ (قوله: بِالسَّمَاعِ) جیسے نسب اور موت ہے۔

26932۔ (قوله: خِلَافًا لِلثَّانِي) یعنی دونوں میں امام ”ابو یوسف“ رحمہ اللہ نے اختلاف کیا ہے۔ اور ”صدر الشریعہ“ نے پہلے کے بارے میں ان کے قول کو ظاہر روایت شمار کیا ہے اور کہا: وقوله اظہر۔ لیکن ”الیعقوبیہ“ میں اس کو رد کیا ہے۔ تمام کتب سے جو مفہوم ہوتا ہے وہ اس کا اظہر نہ ہونا ہے۔ جہاں تک دوسرے کے بارے میں جو ان کا قول ہے وہ ”امام صاحب“ رحمہ اللہ سے بھی مروی ہے۔ ”البحر“ میں کہا ہے: ”الخلاصہ“ میں اسے اختیار کیا ہے۔ ”رہلی“ نے اس کا رد کیا ہے: ”الخلاصہ“ میں ایسی کوئی چیز نہیں ہے جو اس کی ترجیح اور اس کے اختیار کا تقاضا کرتی ہو۔

26933۔ (قوله: بِالْأُولَى) کیونکہ ناہینا میں تہمت اس کی نسبت میں متحقق ہوتی تھی۔ یہاں تہمت اس کی نسبت اور اس کے غیر میں یعنی مشہود بہ کی قدر اور دوسرے امور میں متحقق ہوتی ہے۔ ”الفتح“ میں اسی طرح سے ”المبسوط“ سے اسے نقل کیا

وَلَوْ مُكَاتَّبًا أَوْ مُبْعَثًا

اگرچہ وہ مکاتب ہو یا اس کا بعض آزاد کر دیا گیا ہو۔

ہے: اس پر فقہاء کا اجماع ہے کیونکہ لفظ شہادت اس سے متحقق نہیں ہوتا۔ اس کی مکمل بحث اس میں ہے۔

26934۔ (قولہ: وَلَوْ مُكَاتَّبًا) حالت مرض میں جسے آزاد کیا گیا وہ مکاتب کی طرح ہے۔ جہاں تک کما کر حق ادا

کرنے کا مرحلہ ہے یہ امام ”ابو حنیفہ“ رحمۃ اللہ علیہ کا نقطہ نظر ہے اور ”صاحبین“ رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک آزاد مقرر و رض ہے۔

تنبیہات

ایک آدمی ایک چچا، دو لونڈیاں اور دو غلام چھوڑ کر مر گیا تو چچا نے دونوں غلاموں کو آزاد کر دیا دونوں نے ان دونوں میں سے ایک کے بیٹے ہونے کی شہادت دی یعنی اس میت نے اپنی حالت صحت میں اس کے بیٹے ہونے کا اقرار کیا تو ”امام صاحب“ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس کی شہادت قبول نہ کی جائے گی۔ کیونکہ ابتداء اس کے قبول کرنے میں انتہاء اس کا بطلان لازم آتا ہے۔ کیونکہ جس کا بعض آزاد کر دیا گیا ہو وہ مکاتب کی طرح ہوتا ہے۔ ”امام صاحب“ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس کی گواہی قبول نہیں کی جاتی نہ ”صاحبین“ رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک قبول کی جاتی ہے۔

اگر دو آدمی گواہی دیں کہ دوسری لونڈی یہ میت کی بہن ہے یہ شہادت وہ پہلی شہادت سے پہلے، اس کے بعد یا اس کے ساتھ دیں تو بالا جماع ان کی شہادت قبول نہیں کی جائے گی۔ کیونکہ اگر ہم اس شہادت کو قبول کر لیں تو وہ بیٹی کے ساتھ عصبہ بن جائے گی اور چچا وراثت سے خارج ہو جائے گا۔ ”بحر“ میں ”الھیط“ سے مروی ہے۔

میں کہتا ہوں: یہ دونوں شہادتوں کے پائے جانے کے وقت ظاہر ہے۔ جہاں تک بہن ہونے کی شہادت کے پہلے ہونے کا تعلق ہے تو اس میں علت وہی ہے جو بنتیت کی علت ہے۔ اسے خوب سمجھو۔

”الھیط“ میں ہے: ایک آدمی بھائی چھوڑ کر فوت ہوا اس کے علاوہ وارث کا کوئی پتہ نہیں۔ میت کے غلاموں میں سے دو نے کہا: میت نے حالت صحت میں ہمیں آزاد کیا تھا اور یہ ایک اور اس کا بیٹا ہے۔ اس معاملہ میں بھائی نے ان دونوں کی تصدیق کی تو آزادی کے متعلق دعویٰ میں ان کی شہادت قبول نہیں جائے گی۔ کیونکہ اس نے اقرار کیا ہے کہ اس کی ان دونوں کے بارے میں کوئی ملکیت نہیں بلکہ یہ دونوں کسی اور کے غلام ہیں۔ کیونکہ میت کے بھائی نے یہ اقرار کیا ہے کہ یہ وارث ہے وہ وارث نہیں۔ پس نسب کے بارے میں ان کی شہادت باطل ہو جائے گی۔ اگر دوسرے کی جگہ عورت ہو تو دونوں کی شہادت جائز ہوگی اور اس عورت کا نسب میت سے ثابت ہو جائے گا اور وہ دونوں اپنی نصف قیمت میں سعی کریں گے (کمائیں گے)۔ کیونکہ اس نے یہ اقرار کیا ہے کہ اس کا حق نصف میراث میں ہے۔ پس آزادی صحیح ہوگی کیونکہ ”صاحبین“ رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک آزادی کی تجزی نہیں ہو سکتی۔ مگر آزادی مشترک غلام میں ہے پس خاموش شریک کے لیے سعایت کرنا واجب ہوگا۔

میں کہتا ہوں: امام ”ابو حنیفہ“ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک وہ دونوں آزاد ہو جائیں گے جس طرح ”صاحبین“ رحمۃ اللہ علیہما نے کہا ہے مگر

(وَصَبِيٍّ) وَمُغْفَلٍ وَمَجْنُونٍ (إِلَّا أَنْ يَتَحَمَّلَا فِي الرِّقِّ وَالتَّمْيِيزِ وَأَدْيَا بَعْدَ الْحُرِّيَّةِ) وَلَوْ لِبُعْتِقِهِ كَمَا مَرَّ (وَبَعْدَ الْبُلُوغِ) وَكَذَا بَعْدَ ابْصَارٍ وَإِسْلَامٍ وَتَوْبَةٍ فَسَقٍ وَطَلَاقٍ زَوْجَةٍ

بچے، غافل اور مجنون کی گواہی قبول نہیں مگر حالت صحت میں مجنون کی گواہی قبول ہے مگر یہ کہ وہ غلامی اور سن تمیز میں گواہ نہیں اور آزادی کے بعد گواہی دیں اگرچہ وہ اپنے آزاد کرنے والے آقا کے حق میں گواہی دیں جس طرح نزر چکا ہے اور باغ ہونے کے بعد گواہی دیں۔ اسی طرح بیٹا ہونے، اسلام لانے، فسق سے توبہ کرنے اور زوجہ کو طلاق دینے کے بعد گواہی دیں بیٹی ہونے کے بارے میں ان دونوں کی شہادت قبول نہ ہوگی۔ کیونکہ جس کا بعض آزاد ہو اس کی شہادت قبول نہیں ہوتی۔ پس اس کو خوب سمجھو۔

فائدہ

قاضی نے شہادت سن کر فیصلہ کیا پس وہ غلام ظاہر ہوئے تو فیصلہ کا باطل ہونا ظاہر ہو گیا اگر اس نے گواہی سن کر وکالت کا فیصلہ کیا اور وکیل نے لوگوں سے قرض وصول کر لیے پھر وہ غلام ظاہر ہوئے تو مقروض بری نہ ہوں گے۔ اگر وہ وصیت میں اس کی مثل تھے تو بری ہو جائیں گے۔ کیونکہ اس کا قبضہ قاضی کے اذن سے ہوا ہے اگرچہ وصیت کرنا ثابت نہیں جس طرح وہ یہ اجازت دے دیتا ہے کہ وہ امین کے حوالے کر دے۔ وکالت کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ وہ غریم کو یہ اجازت دینے کا مالک نہیں کہ وہ زندہ کا دین کسی اور کو دے دے۔

”مقدس“ نے کہا: اس تعبیر کی بنا پر آج کل جو اکثر واقع ہوتا ہے کہ ایک شخص کو وقف کی ٹکرائی کی ذمہ داری سونپی جاتی ہے پس وہ اس میں قبضہ، صرف، شر اور بیع کا تصرف کرتا ہے۔ پھر یہ ظاہر ہوتا ہے کہ یہ وقف کی شرط کے بغیر ہے یا اس کا روکن امر باطل ہے۔

چاہیے کہ وہ ضامن نہ ہو کیونکہ یہ قاضی کے اذن سے تصرف ہے جیسے وصی تصرف کرتا ہے۔ فلیتا مل میں کہتا ہوں: کتاب الوقف میں وہ قول نزر چکا ہے جو اس کی تائید کرتا ہے۔ ”سائحانی“۔

26935۔ (قولہ: وَمُغْفَلٍ) امام ”ابو یوسف“ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: اس نے کہا: ہم ایسے لوگوں کی گواہی دے رہے ہیں قیامت کے روز جن کی شفاعت کی امید رکھتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے غافل (بھولے بھالے) اور اس کی مثل دونوں کی گواہی کو قبول نہیں کرتے اگرچہ وہ عادل و صالح ہوں۔ ”تاتر خانیہ“۔

26936۔ (قولہ: فِي حَالِ صِحَّتِهِ) یعنی اس وقت جب وہ جنون کی حالت میں نہ ہو، کذا فی الہامش۔

26937۔ (قولہ: بَعْدَ ابْصَارٍ) اس شرط کے ساتھ کہ وہ جب گواہ بنے تو دیکھنے والا بھی ہو۔ اس کی صورت یہ ہے کہ وہ دیکھنے والا ہو پس وہ گواہ بنے پھر وہ اندھا ہو جائے پھر وہ بیٹا ہو جائے تو وہ گواہی دے۔ فافہم، بحرہ۔

26938۔ (قولہ: زَوْجَةٍ) یعنی اگرچہ اس نے اس کی گواہی کے رد کا فیصلہ نہ کیا ہو کیونکہ قریب ہی (مقولہ 26944)

لَإِنَّ الْمُعْتَبَرَ حَالُ الْأَدَاءِ شَرْحُ تَكْبِلَةٍ وَفِي الْبَحْرِ مَتَى حَكَمَ بِرَدِّهِ لِعَلَّةٍ ثُمَّ زَالَتْ فَشَهِدَ بِهَا لَمْ تُقْبَلْ إِلَّا أَرْبَعَةٌ عَبْدٌ وَصَبِيٌّ وَأَعْمَى وَكَافِرٌ عَلَى مُسْلِمٍ وَإِذَا خَالَ الْكَمَالَ أَحَدَ الزَّوْجَيْنِ مَعَ الْأَرْبَعَةِ سَهْوً (وَمَحْذُودٌ فِي قَذْفٍ) تَسَامُ الْحَدِّ وَقِيلَ بِالْأَكْثَرِ (وَإِنْ تَابَ) بِتَكْذِيبِهِ نَفْسَهُ فَتَحَّ،

کیونکہ معتبر حالت ادا ہے۔ ”شرح تکملہ“۔ ”البحر“ میں ہے: جب کسی علت کی وجہ سے اس کے رد کا فیصلہ کر دیا پھر وہ علت زائل ہو گئی تو اسی حادثہ کے متعلق اس نے گواہی دی تو شہادت قبول نہ ہوگی مگر چار کی گواہی قبول کی جائے گی غلام، بچہ، نابینا اور جو مسلمان کے خلاف گواہی دے۔ ”کمال“ کامیاں بیوی میں سے ایک کو چار کے ساتھ داخل کرنا سہو ہے۔ اس آدمی کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی جس پر حد قذف لگائی گئی ہو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جس پر اکثر حد لگائی گئی ہو اگرچہ اس نے اپنے آپ کو جھٹلانے کے ساتھ توبہ کر لی ہو، ”فتح“۔

(میں) آئے گا۔

26938۔ (قوله: وَفِي الْبَحْرِ) ”الخلاصہ“ سے مروی ہے۔

26940۔ (قوله: فَشَهِدَ بِهَا) یعنی وہ اسی حادثہ کے متعلق گواہی دے۔

26941۔ (قوله: إِلَّا أَرْبَعَةٌ) جہاں تک اندھے کے علاوہ کا تعلق ہے تو یہ امر ظاہر ہے۔ کیونکہ ان کی گواہی کوئی گواہی نہیں۔ جہاں تک نابینا کا تعلق ہے پس اس میں اور میاں بیوی میں سے ایک میں جو فرق ہے اس میں غور کرنا چاہیے۔ پھر میں نے ”شرنبلا لیه“ میں دیکھا ہے انہوں نے نابینا کی گواہی کے قبول کرنے میں اشکال کا اظہار کیا ہے۔

26942۔ (قوله: عَبْدٌ الْخ) ”البحر“ میں کہا: اس تعبیر کی بنا پر خاوند، مزدور، غافل، یتیم اور فاسق کی گواہی رد کرنے کے بعد قبول نہ کی جائے۔

”البحر“ میں بھی اس باب سے پہلے ذکر کیا ہے: یہ جان لو کہ تہمت کی وجہ سے جس کی گواہی رد کی گئی اور شبہ کی وجہ سے جس کی گواہی رد کی گئی دونوں میں فرق کیا جائے گا۔ دوسری کو مانع کے زوال کے وقت قبول کر لیا جائے گا پہلی کو قبول نہیں کیا جائے گا۔ کیونکہ اسے مطلقاً قبول نہیں کیا جاتا۔ ”النوازل“ میں اسی کی طرف اشارہ کیا ہے۔

26943۔ (قوله: وَإِذَا خَالَ الْخ) ساتھ ہی عبارت کے شروع میں اس کے برعکس کی تصریح کی ہے۔ اسی کی مثل ”تاتر خانہ“، ”جوہرہ“ اور ”بدائع“ میں ہے۔

26944۔ (قوله: سَهْوً) کیونکہ خاوند کو گواہی کا حق ہے اور قاضی نے اس کو رد کرنے کا حکم دیا ہے۔ غلام وغیرہ کا معاملہ مختلف ہے۔ تامل

26945۔ (قوله: بِتَكْذِيبِهِ) ”با“ صورت بیان کرنے کے لیے ہے، تامل۔ اس کی تائید وہ قول کرتا ہے جو ”شرنبلا لیه“ میں ہے۔ پس اس کی طرف رجوع کیجئے۔

لَاَنَّ الرَّدَّ مِنْ تَمَامِ الْحَدِّ بِالنَّصِّ وَالْإِسْتِثْنَاءِ مُنْصَرِفٌ لِمَا يَلِيهِ وَهُوَ وَأَوْلِيكَ هُمْ الْفَاسِقُونَ (إِلَّا أَنْ يُحَدِّثَ كَافِرًا فِي الْقَذْفِ (فَيُسَلِّمَ) فَتُقْبَلُ وَإِنْ ضُرِبَ أَكْثَرُهُ بَعْدَ الْإِسْلَامِ عَلَى الظَّاهِرِ بِخِلَافِ عَبْدٍ حَدٌّ فَعَتَّقَ لَمْ تُقْبَلْ (أَوْ يُقِيمِ) الْمَحْدُودُ (بَيِّنَةً عَلَى صِدْقِهِ) إِمَّا أَرْبَعَةً عَلَى زِنَاةٍ أَوْ اثْنَيْنِ عَلَى إِقْرَارِهِ بِهِ، كَمَا لَوْ بَرَّهَنَ قَبْلَ الْحَدِّ بَحْرٌ وَفِيهِ الْفَاسِقُ إِذَا تَابَ تُقْبَلُ شَهَادَتُهُ إِلَّا الْمَحْدُودُ بِقَذْفٍ وَالْمَعْرُوفُ بِالْكَذِبِ وَشَاهِدُ الزُّورِ لَوْ عَدَلَ لَا تُقْبَلُ أَبَدًا مُلْتَقَطٌ، لَكِنْ سَيَجِيءُ تَرْجِيحُ قَبُولِهَا

کیونکہ اس کی گواہی کو رد کرنا یہ حد کا تتمہ ہے یہ نص سے ثابت ہے۔ اور استثناء اپنے قریب تر کی طرف منصرف ہے جو یہ ہے وَأَوْلِيكَ هُمْ الْفَاسِقُونَ (النور) مگر جب کافر کو قذف کی وجہ سے حد لگائی گئی ہو پھر وہ اسلام لے آئے تو اس کی گواہی قبول کی جائے گی۔ اگرچہ ظاہر روایت کے مطابق اکثر حصہ اسلام قبول کرنے کے بعد لگایا گیا ہو۔ اس غلام کا معاملہ مختلف ہے جس پر حد لگائی گئی پھر وہ آزاد ہو اس کی گواہی قبول نہ کی جائے گی یا محدود آدمی اپنی صداقت پر گواہیاں قائم کر دے چار گواہ اس کے زنا پر یا دو اس کے اقرار پر، جس طرح اگر وہ حد سے پہلے گواہیاں قائم کر دے۔ اس میں ہے: فاسق جب توبہ کر لے تو اس کی شہادت قبول ہوگی مگر وہ آدمی جو قذف کی وجہ سے محدود ہو، جھوٹ میں معروف ہو اور جھوٹی شہادت دینے والا ہو اگرچہ وہ عادل ہو تو ان کی شہادت کبھی بھی قبول نہیں کی جائے گی ”ملتقط“۔ لیکن اس شہادت کے قبول کرنے کی ترجیح عنقریب آئے گی

26946۔ (قوله: فَتُقْبَلُ) کیونکہ کافر کو شہادت کا حق حاصل ہے۔ اس کا رد کرنا یہ حد کا تتمہ ہے۔ اسلام کے ساتھ

دوسری شہادت پیدا ہوئی۔ مراد یہ نہیں کہ اسلام لانے کے بعد صرف مسلمانوں کے حق میں اسے قبول کیا جائے گا۔ ”بحر“۔

26946۔ (قوله: لَمْ تُقْبَلْ) کیونکہ غلام کی غلامی کی حالت میں شہادت کا کوئی حق نہیں پس رد اس کی شہادت کے

واقع ہونے پر ہوگا۔ جب اس کی جانب سے شہادت ہوگی تو آزادی کے بعد اس کی شہادت کا رد حد کا تتمہ ہے، ”بحر“۔

26847۔ (قوله: زِنَاةٍ) یعنی جس پر اس نے تہمت لگائی تھی۔

فاسق جب توبہ کر لے تو اس کی شہادت کا حکم

26948۔ (قوله: إِذَا تَابَ الْخ) ”قاضی خان“ نے کہا: فاسق جب توبہ کر لے تو اس کی شہادت مقبول نہ ہوگی جس پر

تک اس پر اتنا زمانہ گزر جائے جو اس پر توبہ کا اثر ظاہر کر دے۔ پھر ان میں سے بعض نے اس کا اندازہ چھ ماہ لگایا ہے۔ بعض نے اس کا اندازہ سال لگایا ہے۔ صحیح یہ ہے کہ یہ قاضی اور ترکیہ کرنے والے کی رائے کے سپرد ہے۔ اس کی مکمل بحث وہاں ہے۔ ”خزانة المفتين“ میں ہے: ہر ایسی شہادت جو فسق کی تہمت کی وجہ سے رد کی گئی ہو جب وہ دوبارہ گواہی دے تو اس کی شہادت کو قبول نہیں کیا جائے گا۔ کذا فی الہامش۔

26949۔ (قوله: سَيَجِيءُ) یعنی باب الرجوع عن الشهادة سے تھوڑا پہلے آئے گا۔

26950۔ (قوله: تَرْجِيحُ قَبُولِهَا) اسی طرح ”الحانیہ“ میں ہے۔ اسی پر اعتماد کیا جاسکتا ہے۔ پہلے قول کو امام

(وَمَسْجُونٍ فِي حَادِثَةٍ) تَقَعُ فِي (السَّجْنِ) وَكَذَا لَا تُقْبَلُ شَهَادَةُ الصَّبِيَّانِ فِيمَا يَقَعُ فِي الْمَلَاعِبِ، وَلَا شَهَادَةُ النِّسَاءِ فِيمَا يَقَعُ فِي الْحَمَامَاتِ وَإِنْ مَسَّتْ الْحَاجَاتُ لِمَنْعِ الشَّرْعِ عَمَّا يُسْتَحَقُّ بِهِ السَّجْنُ وَمَلَاعِبِ الصَّبِيَّانِ وَحَمَامَاتِ النِّسَاءِ، فَكَانَ التَّقْصِيرُ مُضَافًا إِلَيْهِمْ لَا إِلَى الشَّرْعِ بِزَايَةٍ وَصُغْرَى وَشُرْئِلَالِيَّةٍ، لَكِنْ فِي الْحَاوِي تَقْبَلُ شَهَادَةُ النِّسَاءِ وَحَدُّهُنَّ فِي الْقَتْلِ فِي الْحَمَامِ بِحُكْمِ الدِّيَةِ كَيْ لَا يُهْدَرَ الدَّمُ فَلْيُتَنَبَّهُ عِنْدَ الْفَتْوَى قَدْ مَنَّا قَبُولَ شَهَادَةِ الْمُعَلِّمِ فِي حَوَادِثِ الصَّبِيَّانِ (وَالزَّوْجَةِ لِزَوْجِهَا وَهُوَ لَهَا) وَجَازَ عَلَيْهَا إِلَّا فِي مَسْأَلَتَيْنِ

اور اس آدمی کی گواہی قبول نہیں ہوگی جو قید خانہ میں پڑا ہوا ان امور کے بارے میں جو قید خانہ میں واقع ہوئے۔ اسی طرح بچوں کی شہادت قبول نہیں کی جائے گی ان امور میں جو کھیل کود میں واقع ہوئے ہیں۔ اور نہ ہی عورتوں کی شہادت قبول ہوگی ان معاملات میں جو حمات میں واقع ہوتی ہیں اگرچہ شدید ضرورت ہو کیونکہ شرع نے ان چیزوں سے منع کیا ہے جس کے باعث وہ قید خانہ کا مستحق بنتا ہے اور بچوں کو کھیل کود اور عورتوں کو حمات سے منع کیا گیا ہے۔ پس کوتاہی ان لوگوں کی طرف منسوب ہوگی شرع کی طرف منسوب نہیں ہوگی ”بزازیہ“، ”صغریٰ“ اور ”شرنبلائیہ“۔ لیکن ”حاوی“ میں ہے: حمام میں قتل ہونے کی صورت میں صرف عورتوں کی شہادت قبول ہوگی دیت کے حوالے سے تاکہ خون رائیگاں نہ جائے فتویٰ دیتے وقت اس پر متنبہ ہو جائے۔ ہم بچوں کے معاملات میں معلم کی شہادت کے قبول ہونے کو پہلے بیان کر چکے ہیں۔ اور بیوی کی گواہی اس کے خاوند کے حق میں اور خاوند کی گواہی اس کی بیوی کے حق میں قبول نہیں ہوگی اور بیوی کے خلاف قبول کرنا جائز ہے مگر دو مسئلوں میں جائز نہیں

”ابو یوسف“ رحمہ اللہ کی روایت قرار دیا ہے۔

26951۔ (قوله: لَا إِلَى الشَّرْعِ) ایک قول یہ کیا گیا ہے: تمام میں اسے قبول کیا جائے گا۔ اصح پہلا قول ہے۔ ”القنہ“ میں اسی طرح ہے۔ ”جامع الفتاویٰ“۔

26952۔ (قوله: وَحَدُّهُنَّ) کتاب الوقف میں اسے پہلے ذکر کیا ہے۔ قاضی دوسرے قاضی کے فیصلہ کو جو حمام کے جھگڑوں کے بارے میں ہو اور صرف عورتوں کی گواہی سے کیا گیا ہے اسے نافذ نہیں کرے گا۔ ”ساحانی“۔ یہ ممکن ہے اسے زخموں کی وجہ سے قصاص پر محمول کیا جائے۔

بیوی کی گواہی خاوند کے حق میں اور خاوند کی گواہی بیوی کے حق میں قبول نہیں

26953۔ (قوله: وَجَازَ عَلَيْهَا) ”الاشباہ“ میں کہا: خاوند کی عورت کے خلاف گواہی مقبول ہے مگر جب خاوند عورت کے زنا اور قذف کے بارے میں گواہی دے اور اس بارے میں گواہی دے کہ مرد عورت کے اس اقرار پر گواہی دے کہ وہ فلاں مرد کی لونڈی ہے جو مرد اس کا دعویٰ کرتا ہے۔ پس اسے قبول نہیں کیا جائے گا مگر اس صورت میں کہ خاوند نے اس عورت کو

فِي الْأَشْبَاهِ (وَلَوْ فِي عِدَّةٍ مِنْ ثَلَاثٍ) لِمَا فِي الْقُنْيَةِ طَلَّقَهَا ثَلَاثًا وَهِيَ فِي الْعِدَّةِ لَمْ تَجْزِ شَهَادَتُهُ لَهَا وَلَا شَهَادَتُهَا لَهُ. وَلَوْ شَهِدَ لَهَا ثُمَّ تَزَوَّجَهَا بَطَلَتْ خَانِيَّةٌ، فَعَلِمَ مَنْعُ الزَّوْجِيَّةِ عِنْدَ الْقَضَاءِ لَا تَحْتَلِ

جن کا ذکر ”الاشباہ“ میں ہے اگرچہ وہ تین طلاقوں کی عدت گزار رہی ہو۔ کیونکہ ”القنیه“ میں ہے: مرد نے بیوی کو تین طلاقیں دیں جب کہ وہ عدت کی حالت میں ہے تو اس کی گواہی عورت کے حق میں جائز نہیں اور نہ ہی عورت کی گواہی اس کے حق میں جائز ہے۔ اگر مرد نے عورت کے حق میں گواہی دی پھر اس سے نکاح کیا تو اس کی گواہی باطل ہو جائے گی۔ ”خانیہ“۔ پس اس سے یہ معلوم ہو گیا کہ قضا کے وقت بیوی ہونا ممنوع ہے تحمل

مہر دے دیا اور مدعی یہ کہتا ہے: میں نے اس عورت کو نکاح کی اجازت دی تھی جس طرح ”الخانیہ“ کی کتاب الشہادت میں ہے، ”ح“۔ کذا فی الہاش۔

26954۔ (قوله: فِي الْأَشْبَاهِ) یہ دونوں ”البحر“ میں بھی ہیں۔

26955۔ (قوله: وَلَوْ شَهِدَ لَهَا الْخ) اسی طرح اگر وہ گواہی دے اور وہ مزدور نہ ہو پھر وہ اس کا مزدور بن جائے قبل اس کے کہ اس کی گواہی کی وجہ سے وہ فیصلہ کر دے۔ ”تا تر خانیہ“۔

26956۔ (قوله: ثُمَّ تَزَوَّجَهَا) یعنی فیصلہ سے پہلے وہ اس سے شادی کر لے۔

26957۔ (قوله: فَعَلِمَ الْخ) جو یہ ذکر کیا ہے کہ قضا کے وقت زوجیت کا رشتہ ہونا ممنوع ہے۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے جہاں تک تحمل شہادت یا اداء شہادت کا ممنوع ہونا ہے یہ مذکورہ کلام سے معلوم نہیں ہوتا۔ پس وہ ضمیمہ ضروری ہے جس کا ذکر ”المنح“ میں ”بزازیہ“ سے ذکر کیا ہے: اگر حالت نکاح میں شہادت کا تحمل کیا پھر اسے طلاق بائنہ دے دی اور عدت کے ختم ہونے کے بعد اس کے حق میں گواہی دے دی تو اس کی شہادت قبول کی جائے گی۔ اور جس کا ذکر کیا ہے وہ ”فتاویٰ قاضی خان“ میں بھی ہے: اگر ایک آدمی نے اپنی بیوی کے حق میں گواہی دی جب کہ وہ عادل تھا حاکم نے اس کی شہادت کو رد نہ کیا یہاں تک کہ اسے طلاق بائنہ دے دی اور اس کی عدت ختم ہو گئی۔ ”ابن شجاع“ رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے کہ قاضی اس کی شہادت کو نافذ کر دے گا۔ لحررہ

”البحر“ میں کہا: حاصل کلام یہ ہے: قضا کے وقت تہمت کا منہشی ہونا ضروری ہے۔ جہاں تک باب رجوع فی سببہ ہیں جو ہے وہ سببہ کے وقت اس سے مانع ہے رجوع کے وقت اس سے مانع نہیں۔ اگر ایک آدمی نے اجنبی عورت کو کوئی چیز سببی پھر اس اجنبی عورت سے نکاح کر لیا تو اسے رجوع کا حق حاصل ہوگا۔ اس کے برعکس کا معاملہ مختلف ہے جس طرح منفریہ آئے گا۔ باب اقرار المدیض میں ہے اعتبار اس کا ہے۔ کیونکہ وہ اقرار کے وقت بیوی ہے۔ اگر وہ اجنبی کے حق میں اقرار کرے پھر اس سے نکاح کرے اور مر جائے جب کہ یہ اس کی بیوی ہو تو یہ صحیح ہوگا۔ باب الوصیہ میں ہے: اس کا اعتبار کیا جائے گا۔ کیونکہ وہ عورت موت کے وقت بیوی ہے وصیت کے وقت بیوی نہیں۔

أَوْ آدَاءِ (وَالْفَرْعِ لِأَصْلِهِ) وَإِنْ عَلَا إِذَا شَهِدَ الْجَدُّ لَابْنِ ابْنِهِ عَلَى أَبِيهِ أَشْبَاهًا قَالَ وَجَّازَ عَلَى أَصْلِهِ إِلَّا إِذَا شَهِدَ عَلَى أَبِيهِ لِأُمِّهِ وَلَوْ بَطْلَاقٍ ضَرَّتْهَا وَالْأُمُّ فِي نِكَاحِهِ، وَفِيهَا بَعْدَ ثَمَانٍ وَرَقَاتٍ لَا تُقْبَلُ شَهَادَةُ الْإِنْسَانِ لِنَفْسِهِ إِلَّا فِي مَسْأَلَةِ الْقَاتِلِ إِذَا شَهِدَ بِعَفْوِ وَلِيِّ الْمَقْتُولِ فَرَأَجَعَهَا (وَبِالْعَكْسِ) لِلشُّهُمَةِ (وَسَيِّدِ لِعَبْدِهِ وَمُكَاتِبِهِ وَالشَّرِيكِ لِشَرِيكِهِ

یا ادا کے وقت بیوی ہونا ممنوع نہیں۔ اور فرع کی اصل کے حق میں شہادت مقبول نہیں اگرچہ اصل کتنا اوپر چلا جائے مگر جب دادا پوتے کے حق میں اور اس کے باپ کے خلاف گواہی دے، ”اشباہ“۔ کہا: اپنی اصل کے خلاف گواہی دینا جائز ہے مگر جب وہ اپنے باپ کے خلاف اپنی ماں کے حق میں گواہی دے اگرچہ ماں کی سوکن کے طلاق کے حق میں ہو۔ اور ماں اس کے باپ کے نکاح میں ہو۔ اسی کتاب میں آٹھ اوراق کے بعد ہے: انسان کی اپنے حق میں گواہی قبول نہیں مگر جب وہ قاتل کے مسئلہ میں یہ گواہی دے کہ مقتول کے ولی نے اسے معاف کر دیا ہے۔ پس اس کی طرف رجوع کیجئے۔ اس کے برعکس یعنی اصل کی فرع کے حق میں گواہی قبول نہیں۔ کیونکہ تہمت پائی جا رہی ہے۔ آقا کی اپنے غلام، اپنے مکاتب کے حق میں گواہی قبول نہیں کی جاتی اور شریک کی شریک کے حق میں گواہی قبول نہیں کی جاتی

فرع کی اصل کے حق میں گواہی کا حکم

26958۔ (قوله: وَالْفَرْعِ) اگرچہ وہ من وجہ فرع ہو جس طرح ملاعنہ کا بچہ۔ اس کی مکمل بحث ”البحر“ میں ہے۔

26959۔ (قوله: إِلَّا إِذَا شَهِدَ الْجَدُّ) اس استثناء کا محل ان کے قول و بالعکس کے بعد ہے۔ کیونکہ جد (دادا) اصل ہے فرع نہیں۔

26960۔ (قوله: وَلَوْ بَطْلَاقٍ ضَرَّتْهَا) کیونکہ یہ اس کی اپنی ماں کے حق میں گواہی ہے۔ ”بحر“، کذا فی الہامش۔

26961۔ (قوله: وَالْأُمُّ فِي نِكَاحِهِ) دادِ حالیہ ہے، کذا فی الہامش۔ یہاں ”البحر“ سے کئی اچھی فروع کا ذکر کیا ہے۔ پس ان کی طرف رجوع کیا جانا چاہیے۔

26962۔ (قوله: إِلَّا فِي مَسْأَلَةِ الْقَاتِلِ) اس کی صورت یہ ہے: تین آدمیوں نے جان بوجھ کر ایک آدمی کو قتل کر دیا

پھر توبہ کے بعد انہوں نے گواہی دی کہ ولی نے ہمیں معاف کر دیا ہے۔ امام ”حسن بن زیاد“ نے کہا: ان کی شہادت قبول نہیں ہوگی مگر ان میں سے دو یہ کہیں: اس نے ہمیں اور اس ایک کو معاف کر دیا ہے۔ اس صورت میں امام ”ابو یوسف“ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ایک کے حق میں اس کی شہادت قبول کی جائے گی۔ امام ”حسن بن زیاد“ نے کہا: سب کے حق میں قبول کی جائے گی، کذا فی الہامش۔ ”حاشیۃ القتال“ میں ”حموی“ اور ”کفیری“ میں جو کچھ مروی ہے اس میں غور و فکر کیجئے۔

26963۔ (قوله: وَبِالْعَكْسِ) اگر بیوی لونڈی ہو۔ ”بحر“۔

26964۔ (قوله: لِشَرِيكِهِ) اسے مطلق ذکر کیا ہے۔ پس یہ تمام قسم کی شرکتوں کو شامل ہوگا۔ شرکت مفاوضہ کے

فِيمَا هُوَ مِنْ شَرِّ كَتِهَمَا) لِأَنَّهَا لِنَفْسِهِ مِنْ وَجْهِ فِي الْأَشْبَاهِ لِلْخَصْمِ أَنْ يَطْعَنَ بِثَلَاثَةِ بَرَقٍ وَحَدٍ وَشُرْكَةٍ وَفِي
 فَتَاوَى النَّسَفِيِّ لَوْ شَهِدَ بَعْضُ أَهْلِ الْقَرْيَةِ عَلَى بَعْضٍ مِنْهُمْ بِزِيَادَةِ الْخَرَجِ لَا تُقْبَلُ مَا لَمْ يَكُنْ خَرَجًا
 كُلِّ أَرْضٍ مُعَيَّنًا أَوْ لَا خَرَجَ لِلشَّاهِدِ، وَكَذَا أَهْلُ قَرْيَةٍ شَهِدُوا عَلَى ضَيْعَةٍ أَنَّهَا مِنْ قَرْيَتِهِمْ لَا تُقْبَلُ.
 وَكَذَا أَهْلُ سَكَّةٍ يَشْهَدُونَ بِشَيْءٍ مِنْ مَصَالِحِهِ لَوْ غَيْرَ نَافِذَةٍ، وَفِي الثَّانِفَةِ إِنْ طَلَبَ حَقًّا لِنَفْسِهِ لَا
 تُقْبَلُ. وَإِنْ قَالَ لَا أَخْذُ شَيْئًا تُقْبَلُ وَكَذَا فِي وَقْفِ الْمَدْرَسَةِ انْتَهَى فَلْيُحْفَظْ

ان امور میں جن میں دونوں شریک ہیں۔ کیونکہ وہ شہادت من وجہ اپنی ذات کے لیے ہے۔ ”الاشباہ“ میں ہے: خصم کو حق حاصل ہے کہ تین وجوہ سے طعن کرے گواہ غلام ہے، اس پر حد جاری کی جا چکی ہے اور مدعی کے ساتھ اس میں شریک ہے۔ ”فتاویٰ النسفی“ میں ہے: اگر دیہات کے بعض لوگ ان میں سے بعض کے خلاف خراج کی زیادتی کی گواہی دیں تو ان کی شہادت قبول نہ کی جائے گی جب تک ہرز میں کا خراج معین نہ ہو یا شاہد کے لیے خراج نہ ہو۔ اسی طرح بستی کے لوگ ایک جاگیر کے بارے میں یہ گواہی دیں کہ یہ جاگیر ان کے دیہات کی ہے تو اس شہادت کو قبول نہیں کیا جائے گا۔ اسی طرح گلی کے لوگ اپنے مصالح میں سے کسی شخص کے بارے میں گواہی دیں اگرچہ وہ گلی آگے نہ کھلتی ہو تو ان کی گواہی قبول نہ ہوگی وہ گلی جو آگے کھلتی ہو۔ اگر وہ اپنے لیے کسی حق کا مطالبہ کرے تو اس کی شہادت قبول نہ ہوگی۔ اگر وہ کہے: میں کوئی شے نہیں بیٹا تو شہادت قبول ہوگی مدرسہ کے وقف کے بارے میں یہی حکم ہے۔ گفتگو ختم ہوئی پس اسے یاد رکھنا چاہیے۔

بارے میں کلام ”البحر“ میں ہے۔ پس اس کی طرف رجوع کیجئے۔

26965۔ (قوله: مِنْ شَرِّ كَتِهَمَا) جن امور میں شرکت نہیں ان میں شہادت مقبول نہیں، ”فتاویٰ ہندیہ“۔ کذا فی النہ مش

26966۔ (قوله: أَنْ يَطْعَنَ بِثَلَاثَةِ بَرَقٍ) ”البحر“ پر حاشیہ ”الرطی“ میں ان کے قول والمحدود فی قذف سے تہورا

پہلے دیکھئے۔

26967۔ (قوله: أَوْ لَا خَرَجَ لِلشَّاهِدِ) یعنی شاہد کے لیے خراج نہیں۔

26968۔ (قوله: عَلَى ضَيْعَةٍ) شاید یہ علی قطعۃ ہے جس طرح ”بزازیہ“ میں ہے۔ لیکن ”الثبت“ میں مبرر ہے۔

طرح ہے جس طرح یہاں ہے۔ ”القاموس“ میں ہے: ضیعة سے مراد جائیداد اور نفع دینے والی زمین ہے۔

لیکن ”خانیہ“ میں ”الحامدیہ“ سے مروی ہے: گواہوں نے وقف کے متولی کے ساتھ ایک اور آدمی کے خلاف گواہی دی کہ یہ قطعہ زمین ان کے دیہات کی زمینوں میں سے ہے تو گواہی قبول کی جائے گی۔ ”تمر تاشی“ کی کتاب الشہادہ سے ماخوذ ہے۔

26969۔ (قوله: لَا تُقْبَلُ) ایک قول یہ کیا گیا ہے آگے سے کھلی گلی میں اسے مطلقاً قبول کیا جائے گا۔

26970۔ (قوله: وَكَذَا) یعنی اسی طرح گواہی کو قبول کیا جائے گا۔

26971۔ (قوله: الْمَدْرَسَةِ) یعنی مدرسہ پر وقف کی گئی چیز کے بارے میں یہی حکم ہے جب کہ وہ اس مدرسہ

(وَالْأَجِيرُ الْخَاصُّ لِمُسْتَأْجِرِهِ مُسَانَهَةً أَوْ مُشَاهَرَةً أَوْ الْخَادِمُ أَوْ الشَّابِعُ أَوْ التِّلْبِيزُ الْخَاصُّ الَّذِي يَعْدُو ضَرَرَ أَسْتَاذِهِ ضَرَرَ نَفْسِهِ وَنَفْعُهُ نَفْعَ نَفْسِهِ دُرَرٌ)

اجیر خاص کی گواہی اس کے مستاجر کے حق میں قبول نہ ہوگی اجرت سال کے اعتبار سے ہو، مہینہ کے اعتبار سے ہو۔ یا خادم، تابع یا خاص تلمیذ جو اپنے استاذ کا ضرر اپنا ضرر سمجھتا ہو اور اس کا نفع اپنا نفع سمجھتا ہو کہ گواہی اپنے مخدوم، اپنے متبوع اور اپنے استاذ کے حق میں مقبول نہ ہوگی۔

والے ہوں۔ اسی طرح مکتب کے وقف پر شہادت کا معاملہ ہے جب کہ شاہد کا بچہ مکتب میں موجود ہو۔ اور اہل محلہ کی اس پر وقف کی گئی شے کے بارے میں شہادت ہے۔ اور اہل محلہ کی مسجد کے وقف کے بارے میں شہادت ہے، جامع مسجد کے وقف پر شہادت ہے۔ اسی طرح مسافر جب مسافروں پر کی گئی وقف شے کے بارے میں گواہی دیں۔ قابل اعتماد بات یہ ہے سب میں گواہی قبول ہوگی۔ ”بزازیہ“۔

”ابن شحنہ“ نے کہا ہے: اسی طریقہ سے اس وقف میں قاضی کی قضا کا مسئلہ ہے جو اس کی نگرانی میں ہو یا وہ چیز مستحق فیہ ہو۔ یہ سب کچھ اصل وقف کے متعلق فقہاء کی شہادت کے بارے میں ہے۔ جہاں تک مستحق کی اس امر میں شہادت ہے جو منفعت کی طرف راجع ہو جیسے اجارہ وغیرہ کی گواہی تو وہ قبول نہیں۔ کیونکہ اس کا اس میں حق ہے پس اس پر تہمت ہوگی۔

میں نے حواشی ”جامع الفصولین“ میں لکھا ہے: اس کی مثل اوقاف کی گواہوں کی شہادت ہے جو شہادت کے فریضہ میں مقرر ہوتے ہیں وہ مقبول نہیں اسی دلیل کی وجہ سے جو ہم نے ذکر کی ہے۔ اس میں ان کی وضاحت اس شہادت کے مقبول ہونے کو واجب نہیں کرتی۔ اس کا فائدہ یہ ہے کہ فتویٰ سے تہمت کو ساقط کیا جائے۔ پس وہ قسم نہیں اٹھائے گا۔ اس کو یہ امر تقویت پہنچاتا ہے کہ یمین کو ساقط کرنے کے لیے گواہیاں قبول کی جائیں گی جس طرح مودع یہ دعویٰ کرے کہ اس نے امانت واپس کر دی تھی یا وہ امانت ہلاک ہو چکی ہے۔ ملخص۔ پس اس کی طرف رجوع کیجئے۔

26972۔ (قوله: انتہی) یعنی ”فتاویٰ نسفی“ میں جو کچھ ہے اور اس سے ”الفتح“ میں باب کے آخر میں نقل کیا ہے۔

26973۔ (قوله: أَوْ مُشَاهَرَةً) یعنی اجرت ماہ یا دن کے اعتبار سے ہو یہی قول صحیح ہے۔ ”جامع الفتاویٰ“۔

خاص شاگرد شیخ کے بیٹوں کی طرح ہے

26974۔ (قوله: أَوْ التِّلْبِيزُ الْخَاصُّ) ”الخلاصہ“ میں ہے: اس سے مراد وہ طالب علم ہے جو استاد کے ساتھ کھانا

کھاتا ہے اور اس کے عیال میں رہتا ہے۔ اس کے لیے معلوم اجرت نہیں۔ اس کی مکمل بحث ”الفتح“ میں ہے اس کی طرف رجوع کیجئے۔

”الہامش“ میں ہے: اگر اجیر نے اپنے استاد کے حق میں گواہی دی وہی تلمیذ خاص ہے جو اس کے ساتھ کھاتا پیتا ہے اور وہ اس کے عیال میں شمار ہوتا ہے تو اس کی گواہی قبول نہیں کی جاتی اگر اس کی معلوم اجرت نہ ہو۔ اگر اس کی معلوم اجرت ہو تو

وَهُوَ مَعْنَى قَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ لَا شَهَادَةَ لِقَانِعٍ بِأَهْلِ الْبَيْتِ أَمَّا الطَّالِبُ مَعَاشَهُ مِنْهُمْ. مِنَ الْقُنُوعِ لَا مِنَ الْقَنَاعَةِ، وَمُقَادُّ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان گھروالوں سے اپنی معاش طلب کرنے والے کے لیے گواہی کا حق نہیں (1) یہ قنوع سے مشتق ہے قناعت سے مشتق نہیں۔ اس سے استفادہ یہ ہے

کے اعتبار سے، مہینہ کے اعتبار سے یا سال کے اعتبار سے۔ اگر وہ ایک کامزدور ہے تو گواہی قبول نہ ہوگی۔ اگر مشترک مزدور ہو تو گواہی قبول کی جائے گی۔

”العیون“ میں ہے: امام ”محمد“ رحمہ اللہ نے کہا ہے: اس نے اس مزدور کو ایک دن کے لیے اجرت پر یہاں اس مزدور نے اس دن اس کے حق میں گواہی دی قیاس یہ ہے کہ اس کی گواہی قبول نہ ہو۔ اگر وہ اجیر خاص ہو اس نے گواہی دی، اس کا ترک یہ نہ کیا گیا یہاں تک کہ مہینہ نہ گزرا پھر اس کی تعدیل کی گئی تو اس گواہی کو قبول نہ کیا جائے گا جس طرح ایک آدمی نے اپنی بیوی کے حق میں گواہی دی پھر خوند نے اس بیوی کو طلاق دے دی۔ اگر وہ گواہی دے اور وہ اس کا اجیر نہ ہو پھر وہ فیصلہ سے پہلے اجیر ہو جائے تو اس کی گواہی قبول نہ کی جائے گی۔ ”بزاز یہ“۔

ایسی فرع جو اپنے محل میں نہ ہو

پھر ”ہمش“ میں ایک ایسی فرع نقل کی جس کا یہاں محل نہیں ہے وہ یہ ہے: اس کے قبضہ میں جاگیر ہو ایک دوسرا آدمی دعویٰ کرتا ہے کہ یہ وقف ہے وہ ایک ایسا وثیقہ پیش کرتا ہے جس میں عادل لوگوں اور گزشتہ قاضیوں کے خطوط ہیں اور اس کے بارے میں حکم کا مطالبہ کرتا ہے تو قاضی کو اس وثیقہ کی بنا پر فیصلہ کرنے کا حق نہیں۔ کیونکہ وہ فیصلہ حجت کی بنا پر کرتا ہے جو بینہ اور اقرار ہے وثیقہ کی بنا پر فیصلہ نہیں کرتا۔ کیونکہ تحریر ان چیزوں میں سے ہے جس میں جھوٹ بولا جاسکتا ہے۔ اسی طرح اگر دکان کے دروازہ پر ایک ایسی لوح لگی ہو جو اس دکان کے وقف ہونے کا اظہار کرتی ہے تو قاضی کے لیے یہ جائز نہیں کہ اس دکان کے وقف ہونے کا فیصلہ کرے۔ ”جامع الفصولین“۔

اس سے یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ قاضی کو حق حاصل نہیں کہ وہ اس کو بنیاد بنا کر فیصلہ کرے جو بیابان، صاف اور بیکندہ کے رجسٹروں میں ہے خصوصاً جو کچھ ہمارے زمانے میں ہے اور اسی کے مطابق فتویٰ بھی نہیں دینا چاہیے۔

26975۔ (قوله: وَمُقَادُّ) ”الفتح“ میں اس کی تصریح کی ہے جب کہ استثنیٰ سے بیان کیا ہے۔ لیکن

”تاترخانیہ“ میں ”التناوی الغیاشیہ“ سے مروی ہے: مستاجر کی اجیر کے حق میں شہادت جائز نہیں۔ ”حاشیۃ الفتاویٰ“ میں ”الحیظ السرخسی“ سے مروی ہے: امام ”ابو حنیفہ“ رحمہ اللہ نے ”المجہذ“ میں فرمایا: قاضی کو نہیں چاہیے کہ وہ اجیر کو اس کے استاذ کے حق میں اور نہ ہی استاذ کی اس کے اجیر کے حق میں گواہی کو جائز قرار دے۔ یہ اس کے مخالف ہے جس حدیث سے مستنبط کیا ہے۔

1۔ سنن ابوداؤد، کتاب الاقضية، باب من تیرد شہادتہ، جلد 3، صفحہ 27، حدیث نمبر 3125

قَبُولُ شَهَادَةِ الْمُسْتَأْجِرِ وَالْأُسْتَاذِ لَهُ (وَمُخَنَّثٌ) بِالْفَتْحِ (مَنْ يَفْعَلُ الرَّدَى) وَيُوتَى وَأَمَّا بِالْكَسْرِ فَالْمُتَكَسِّرُ الْمُتَلَيِّنُ فِي أَعْضَائِهِ وَكَلَامِهِ خِلْقَةً فَتَقْبَلُ بَحْرًا (وَمُغْنِيَّةً) وَلَوْ لِنَفْسِهَا لِحُرْمَةِ رَفْعِ صَوْتِهَا دُرْرًا، وَيَنْبَغِي تَقْيِيدُهُ بِدَوَامَتِهَا عَلَيْهِ لِيُظْهَرَ عِنْدَ الْقَاضِي كَمَا فِي مُدْمِنِ الشُّرْبِ عَلَى اللَّهِ ذِكْرُهُ الْوَائِي (وَنَائِحَةً فِي مُصِيبَةٍ غَيْرِهَا) بِأَجْرِ دُرْرٍ وَفَتْحٌ زَادَ الْعَيْنُ فَلَوْ فِي مُصِيبَتِهَا تَقْبَلُ وَعَلَلَهُ الْوَائِي بِزِيَادَةِ اضْطِرَّارِهَا وَانْسِلَابِ صَبْرِهَا وَاخْتِيَارِهَا

کہ مستاجر اور استاذ کی گواہی اس کے حق میں قبول ہے۔ اور مخنث یہ اسم مفعول کا صیغہ ہے اور نون پر فتح ہے، جو ردی افعال کرتا ہو اور اس کے پاس خواہش پوری کرنے کے لیے آیا جاتا ہو اس کی گواہی قبول نہیں۔ جہاں تک مخنث جو نون کے کسرہ کے ساتھ ہے اور اسم فاعل کا صیغہ ہے اس سے مراد وہ ہے جو پیدائشی طور پر اپنے اعضا اور کلام میں شلنگی اور نرمی رکھتا ہو۔ پس اس کی شہادت کو قبول کیا جائے گا۔ اور مغنیہ کی گواہی قبول نہیں ہوتی اگر اس کی ذات کے حق میں ہو۔ کیونکہ اس کا اپنی آواز کو بلند کرنا حرام ہے۔ ”درر“۔ چاہیے کہ اس کی مداومت کے ساتھ قید لگائی جائے تاکہ قاضی کے ہاں یہ امر ظاہر ہو جس طرح ایک آدمی لہو و لعب کے لیے ہمیشہ شراب نوشی کرتا ہے۔ ”وانی“ نے اسے ذکر کیا ہے۔ وہ عورت جو اجرت لے کر غیر کی مصیبت میں نوحہ خوانی کرتی ہے اس کی گواہی قبول نہیں ہوتی۔ ”درر“، ”فتح“۔ ”عینی“ نے اس کا اضافہ کیا ہے: اگر وہ اپنی مصیبت میں نوحہ خوانی کرتی ہے تو اس کی گواہی قبول کی جائے گی۔ ”وانی“ نے اس کی علت یہ بیان کی ہے کہ وہ زیادہ اضطرار، صبر اور اختیار کے سلب ہونے کی بنا پر اپنی مصیبت میں نوحہ کرتی ہے۔

26976۔ (قوله: رَفَعَ صَوْتَهَا) ”النهاية“ میں ہے: اسی وجہ سے اپنے قول مغنیۃ کو مطلق ذکر کیا ہے اور مردوں کی غنا میں اپنے قول للناس کی قید لگائی ہے۔ اس کی مکمل بحث ”الفتح“ میں ہے۔ جہاں تک اس شہادت کا تعلق ہے جو اس بارے میں اس کے خلاف ہو تو یہ محض جرح ہے۔ اسی وجہ سے مداومت کے ساتھ قاضی کے ہاں اس کا ظہور مختص ہے۔ تامل

26977۔ (قوله: دُرْرًا) جس کا ذکر کیا ہے وہ بعینہ نوحہ میں جاری ہے تو کیا وجہ ہے کہ وہ عدالت کو ساقط نہ کرے جب وہ اپنی مصیبت کے بارے میں نوحہ کرے؟ ”سعدیہ“۔ اس کے ساتھ فرق کرنا ممکن ہے کہ مراد ایسی آواز بلند کرنا ہے جس سے فتنہ کا اندیشہ ہو۔

26978۔ (قوله: وَنَائِحَةً الْخ) نائحہ کی گواہی قبول نہیں ہوتی۔ اس سے مراد وہ نوحہ کرنے والی نہیں لی جو اپنی مصیبت میں نوحہ کرتی ہے۔ اس سے مراد وہ نائحہ ہے جو غیر کی مصیبت میں نوحہ کرتی ہے اسے کمائی کا ذریعہ بناتی ہے۔ ”تاتر خانہ“ میں ”المحیط“ سے مروی ہے۔ ”الفتح“ میں ”الذخیرہ“ سے نقل کیا ہے پھر کہا: جو کچھ میں جانتا ہوں مشائخ میں سے کسی نے اس پر اعتراض نہیں کیا۔ اس کی مکمل بحث اس میں ہے پس اس کی طرف رجوع کیجئے۔

26979۔ (قوله: وَاخْتِيَارِهَا) اس کا مقتضایہ ہے: اگر وہ اپنے اختیار سے اس طرح کرے تو اس کی گواہی قبول نہ

فَكَانَ كَالشَّرْبِ لِشَدَاوِي (وَعَدُوِّ بِسَبَبِ الدُّنْيَا) جَعَلَهُ ابْنُ الْكَمَالِ عَكْسَ الْفَرْعِ لِأَضْدِهِ فَتُقْبَلُ لَهُ لَا عَلَيْهِ وَاعْتَمَدَ فِي الْوُحْبَانِيَّةِ وَالْمُحِبِّيَّةِ قَبُولَهَا مَا لَمْ يُفْسَقْ بِسَبَبِهَا قَالُوا وَالْحَقُّ فُسُقٌ لِدُنْهِي عَنْهُ وَفِي الْأَشْبَاهِ فِي تَنْتِهٍ قَاعِدَةٌ إِذَا اجْتَمَعَ الْحَرَامُ وَالْحَلَالُ وَلَوْ الْعَدَاوَةُ لِلدُّنْيَا لَا تُقْبَلُ

پس یہ عمل اس آدمی کی طرح ہو جائے گا جو دوائی کے لیے شراب پیتا ہے۔ دنیاوی سبب سے دشمنی کی گواہی قبول نہیں۔ ابن کمال نے اسے فرع کی اصل کے حق میں شہادت کے برعکس قرار دیا ہے۔ پس اس کے حق میں دشمن کی گواہی قبول ہوگی اس کے خلاف گواہی قبول نہ ہوگی۔ ”الوہبانیہ“ اور ”المحسبہ“ میں اس کی شہادت کے قبول کرنے پر اعتماد کیا ہے جب تک اس کی وجہ سے اسے فاسق قرار نہ دیا جائے۔ علماء نے فرمایا: کینہ فسق ہے کیونکہ اس سے نبی کی گئی ہے (1)۔ ”الاشباہ“ میں قاعدہ: اذ اجتمع الحرام والحلال کے تحت میں ہے: اگر عداوت دنیاوی ہو تو اسے قبول نہیں کیا جائے گا۔

کی جائے گی۔

دنیاوی سبب سے دشمن کی گواہی قبول نہیں

26980۔ (قوله: وَعَدُوِّ الْخ) یعنی اس کی گواہی اس کے دشمن کے خلاف قبول نہ کی جائے گی، ”ملتقى“۔ حنفی نے کہا: ایک ایسے آدمی کے بارے میں سوال کیا گیا جس پر یہ دعویٰ کیا گیا تھا اور اس پر گواہیاں قائم کی گئی تھیں تو اس نے کہا: انہوں نے مجھے پانچ دن مارا ہے حاکم اس کے خلاف فیصلہ کر دے گا۔ پھر اس نے یہ ارادہ کیا کہ حکم کے بعد وہ خصومت پر گواہیاں قائم کرے تو کیا ان گواہوں کو سنا جائے گا؟

جواب یہ ہے: دنیاوی عداوت کی بنا پر دشمن کی گواہی قبول کرنے میں اختلاف واقع ہے یہ حکم سے پہلے ہے۔ جہاں تک حکم کے بعد کا تعلق ہے تو جو امر ظاہر ہے وہ حکم کا ختم نہ ہونا ہے جس طرح علماء نے کہا: قاضی کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ فسق کی شہادت کی بنا پر فیصلہ کرے اور اس کے لیے یہ جائز نہیں ہے۔ جب وہ فیصلہ کر دے گا تو اس کا فیصلہ ختم نہیں ہوگا۔ یہ اس کے خلاف ہے جو ”لعتوبیہ“ میں ہے۔

26981۔ (قوله: وَاعْتَمَدَ فِي الْوُحْبَانِيَّةِ الْخ) ”المنح“ میں کہا: یہاں ”مختصر“ میں دشمن کی شہادت کے بارے میں جو تفصیل مذکور ہے یہ ”کنز“ وغیرہ کی تبع میں ہے۔ یہی ہمارے فقہاء کی زبانوں پر مشہور ہے۔ متاخرین نے اسے جزو ثانی کے ساتھ بیان کیا ہے۔ لیکن ”التنزیہ“ میں ہے: دنیا کی وجہ سے عداوت یہ شہادت کے مانع نہیں جب تک اس کے سبب اس وفاق قرار نہ دیا جائے یا اس شہادت کے ساتھ وہ نفع حاصل نہ کرے یا اپنی ذات سے تکلیف دور کرے۔ یہی قول صحیح ہے اس پر اعتماد ہے۔ ”ابن وہبان“ نے اسے اختیار کیا ہے۔ ”ابن شیمہ“ نے اس پر اعتراض نہیں کیا۔ لیکن حدیث حبیبہ: لا شہادة للفقاع اس قول کی شاہد ہے جس پر متاخرین قائم ہیں۔ اس کی مکمل بحث اس میں ہے۔ ہم نے کتاب القضاء کے شروع میں جو

1۔ صحیح بخاری، کتاب الادب، باب ما ينهى عن التعاسد، جلد 3، صفحہ 432، حدیث نمبر 5605

سَوَاءٌ شَهِدَ عَلَى عَدُوِّهِ أَوْ غَيْرِهِ لِأَنَّهُ فُسُقٌ وَهُوَ لَا يَتَجَرَّأُ وَفِي فَتَاوَى الْمُصَنِّفِ لَا تُقْبَلُ شَهَادَةُ الْجَاهِلِ عَلَى الْعَالِمِ لِفُسُقِهِ بِتَرْكِ مَا يَجِبُ تَعَلُّمُهُ شَرْعًا فَحِينَئِذٍ لَا تُقْبَلُ شَهَادَتُهُ عَلَى مِثْلِهِ وَلَا عَلَى غَيْرِهِ، وَلِلْحَاكِمِ تَعْزِيرُهُ عَلَى تَرْكِهِ ذَلِكَ، ثُمَّ قَالَ وَالْعَالِمُ مَنْ يَسْتَخْرِجُ الْمَعْنَى مِنَ التَّرْكِيبِ كَمَا يَحِقُّ وَيَنْبَغِي (وَمُجَازِفٌ فِي كَلَامِهِ) أَوْ يَخْلِفُ فِيهِ كَثِيرًا أَوْ اعْتَادَ شَتَمَ أَوْلَادِهِ أَوْ غَيْرِهِمْ لِأَنَّهُ مَعْصِيَةٌ كَبِيرَةٌ كَتَرَكَ زَكَاةً أَوْ حَاجَةً عَلَى رِوَايَةِ فُورِيَّتِهِ

خواہ اس نے اپنے دشمن یا اس کے غیر کے خلاف گواہی دی۔ کیونکہ یہ فسق ہے اس کی تقسیم نہیں ہو سکتی۔ ”فتاویٰ المصنف“ میں ہے: جاہل کی عالم کے خلاف گواہی قبول نہیں ہوگی۔ کیونکہ شرعی طور پر جس کا سیکھنا واجب ہے اس کو ترک کرنے کی وجہ سے وہ فاسق ہو جاتا ہے۔ اس وقت اس کی شہادت اس کی مثل کے خلاف قبول نہیں ہوتی اور نہ ہی اس کے علاوہ کے خلاف قبول ہوتی ہے۔ حاکم کو حق حاصل ہے کہ اس کے ترک پر اس کو تعزیر لگائے۔ پھر کہا: عالم اسے کہتے ہیں کہ وہ ترکیب (کلام) سے اس معنی کا استخراج کرے جیسے حق بنتا ہے اور جیسا چاہیے۔ اور اپنی کلام میں اندازے سے گفتگو کرنے والے کی گواہی قبول نہیں ہوتی یا جو آدمی اپنی گفتگو میں زیادہ قسمیں اٹھاتا ہو، اولاد یا دوسروں کو گالیاں دینے کا عادی ہو اس کی گواہی قبول نہیں ہوتی۔ کیونکہ یہ کبیرہ گناہ ہے جیسے زکوٰۃ نہ دینا اور حج نہ کرنا۔ یہ اس روایت کی بنا پر ہے جس میں فوری طور پر ان کی ادائیگی کرنا لازم ہوتا ہے۔

کچھ لکھا ہے اسے دیکھو۔

میں کہتا ہوں: ”الخیر یہ“ میں کلام کے بعد ذکر کیا ہے جس کی نص یہ ہے: اس سے یہ حاصل ہوا کہ دشمن کی دشمن کے خلاف شہادت قبول نہیں ہوتی اگرچہ وہ عادل ہو۔ ”یعقوب باشا“ نے اپنے ”حاشیہ“ میں یہ تصریح کی ہے کہ دشمن کی دشمن کے خلاف شہادت سے قاضی کا فیصلہ نافذ نہیں ہوگا۔ یہ مسئلہ کتب میں عام ہے۔

شارح نے ”یعقوب باشا“ کی عبارت کتاب القضاء کے شروع میں ذکر کی ہے۔

26982۔ (قولہ: أَوْ اعْتَادَ شَتَمَ أَوْلَادِهِ) ”الفتح“ میں کہا: ”نصیر بن یحییٰ“ نے کہا: جو آدمی اپنے اہل اور غلاموں کو ہر لمحہ کثرت سے گالیاں دیتا ہے تو اس کی گواہی قبول نہیں ہوتی اگرچہ بعض اوقات اس کی گواہی قبول کی جاتی ہے۔ اسی طرح حیوانوں کو گالیاں دینے والا اسی طرح ہے جس طرح وہ اپنے جانور کو گالیاں دیتا ہے۔

زکوٰۃ کی ادائیگی میں بلا عذر تاخیر عدالت کو ساقط کر دیتی ہے

26983۔ (قولہ: كَتَرَكَ زَكَاةً) صحیح یہ ہے کہ زکوٰۃ کی تاخیر عدالت کو باطل نہیں کرتی۔ ”خاصی“ نے ”قاضی خان“

سے ذکر کیا ہے: فتویٰ اس پر ہے عذر کے بغیر اس میں تاخیر کرے تو عدالت ساقط ہو جاتی ہے۔ کیونکہ فقرا کے حق میں کوتاہی

أَوْ تَرَكَ جَمَاعَةً أَوْ جُمُعَةً، أَوْ أَكَلَ فَوْقَ شَبَعٍ بِلَا عُذْرٍ، وَخُرُوجٍ لِفُرْجَةٍ قُدُومِ أَمِيرٍ وَرُكُوبِ بَحْرٍ وَلُبْسِ حَرِيرٍ، وَبَوْلٍ فِي سُوقٍ أَوْ إِلَى قَبْلَةٍ أَوْ شَنْسٍ أَوْ قَمَرٍ أَوْ طُفَيْلٍ وَمَسْخَرَةٍ وَرَقَاصٍ وَشَتَائِمٍ لِدَابَّةٍ وَفِي بِلَادِنَا يَسْتَتِمُونَ بَاءِ عَمِ الدَّابَّةِ فَتَحَّ وَغَيْرُهُ وَفِي شَرْحِ الْوَهْبَانِيَّةِ لَا تُقْبَلُ شَهَادَةُ الْبَخِيلِ لِأَنَّهُ لِبُخْلِهِ يَسْتَقْصِي فِيمَا يَتَقَرَّضُ مِنَ النَّاسِ فَيَأْخُذُ زِيَادَةً عَلَى حَقِّهِ، فَلَا يَكُونُ عَدْلًا

جماعت کو ترک کرنا، نماز جمعہ کو ترک کرنا، عذر کے بغیر سیر ہونے کے بعد کھانا، امیر کے آنے پر تماشے کے لیے نکلنا سمندر پر سواری کرنا، ریشم کا پہننا، بازار میں پیشاب کرنا، قبلہ، سورج اور چاند کی طرف منہ کر کے پیشاب کرنا ان کی گواہی قبول نہیں یا طفیل، مسخرہ، رقااص اور جانوروں کو گالیاں دینے والے کی گواہی قبول نہیں۔ ہمارے علاقوں میں جانوروں کے بیچنے والے کو گالیاں دیتے ہیں، ”فتح“ وغیرہ۔ ”شرح الوہبانیہ“ میں ہے: بخیل کی شہادت مقبول نہیں ہوتی کیونکہ وہ اپنے بخل کی وجہ سے لوگوں سے اس معاملہ میں سختی کرتا ہے جو قرض دیتا ہے پس وہ حق سے زائد لیتا ہے پس وہ عادل نہیں ہوگا۔

واقع ہوتی ہے۔ حج کا معاملہ مختلف ہے خصوصاً ہمارے زمانہ میں یہ حکم ہے کہ عدالت ساقط نہ ہوگی۔ جس طرح ”شرح النظم الوہبانی“ میں ہے، ”منح“۔ یہ فروع میں باب کے آخر میں ہے۔

بلا عذر جمعہ اور جماعت کو ترک کرنے والے کی گواہی معتبر نہیں

26984۔ (قوله: أَوْ تَرَكَ جَمَاعَةً) ”فتح القدیر“ میں ہے: ان میں سے ایک یہ ہے کہ امام کے ہوتے ہوئے وہ نماز با جماعت کو ترک کرتا ہے جب کہ دین میں اس پر کوئی طعن نہیں کیا جاتا اور نہ ہی مال میں اس پر طعن کیا جاتا ہے اگرچہ وہ جماعت کے ترک کرنے میں تاویل کرنے والا ہو۔ اس کی صورت یہ ہے کہ وہ اول وقت میں نماز پڑھنے کے افضل ہونے کا اعتقاد رکھتا ہو جب کہ امام نماز میں تاخیر کرتا ہے یا اس کے علاوہ کوئی اور صورت ہو۔ اس کے ترک کرنے سے اس کی عدالت ساقط نہیں ہوتی۔ اسی طرح عذر کے بغیر نماز جمعہ کے ترک کا معاملہ ہے۔ ان میں سے کچھ علماء ایسے ہیں جنہوں نے صرف ایک دفعہ ترک کرنے سے اسے ساقط کر دیا ہے جیسے ”حلوانی“ ہیں۔ ان میں سے کچھ علماء وہ ہیں جنہوں نے تین دفعہ ترک کرنے کی شرط لگائی ہے۔ جیسے ”مرحسی“ ہیں۔ پہلا قول زیادہ ذی شان ہے۔

لیکن ہم پہلے (مقولہ 26903 میں) ان سے نقل کر چکے ہیں: گناہ کبیرہ کے ارتکاب کے ساتھ عدالت کے ساقط ہونے کا حکم ظہور کا محتاج ہے۔ تامل

26985۔ (قوله: بِلَا عُذْرٍ) یہ اس سے احتراز ہے جب وہ اگلے دن روزہ رکھنے پر قوت حاصل کرنے یا مہمان کے ساتھ موانست کا ارادہ کرتا ہے جس طرح ”شر بنیالیہ“ اور ”الفتح“ میں ہے۔

26986۔ (قوله: قُدُومِ أَمِيرٍ) مگر جب وہ اسکی تکریم کی خاطر جائے تو اس وقت اسکی عدالت ساقط نہیں ہوتی۔ ”س“۔

26987۔ (قوله: فِيمَا يَتَقَرَّضُ) دونوں کی عبارت یقراض ہے۔ یعنی قرض دیتا ہے۔

وَلَا شَهَادَةُ الْأَشْرَافِ مِنْ أَهْلِ الْعِرَاقِ لِتَعْصِبِهِمْ وَنَقَلَ الْمُصَنِّفُ عَنْ جَوَاهِرِ الْفَتَاوَى، وَلَا مَنْ اسْتَقَالَ مِنْ مَذْهَبِ أَبِي حَنِيفَةَ إِلَى مَذْهَبِ الشَّافِعِيِّ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ وَكَذَا بَائِعُ الْأَكْفَانِ وَالْحَنُوطِ لِتَسْنِيَةِ الْمَوْتِ، وَكَذَا الدَّلَالُ

اور اہل عراق کے شرفاء کی شہادت مقبول نہیں۔ کیونکہ وہ تعصب برتتے ہیں۔ مصنف نے ”جواہر الفتاویٰ“ سے نقل کیا ہے۔ اور اس کی شہادت مقبول نہیں جو امام ”ابو حنیفہ“ رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب سے امام ”شافعی“ رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب کی طرف منتقل ہو جائے۔ کہا: اسی طرح کفن اور حنوط بیچنے والے کی شہادت مقبول نہیں کیونکہ وہ موت کی تمنا کرتا ہے۔ اسی طرح دلال

26988۔ (قوله: الْأَشْرَافِ مِنْ أَهْلِ الْعِرَاقِ) کیونکہ یہ ایسی قوم ہیں جو تعصب سے کام لیتے ہیں۔ جب ان میں سے کسی کو مصیبت آن پڑتی ہے تو وہ اپنی قوم کے سردار کے پاس آتا ہے تو وہ سردار اس کی سفارش کرتا ہے۔ پس اس سے امن نہیں ہوتا کہ وہ جھوٹی گواہی دے۔ اس تعبیر کی بنا پر ہر متعصب کی گواہی قبول نہیں ہوتی۔ ”بحر“، کذا فی الہامش۔ جو شخص امام اعظم ”ابو حنیفہ“ رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب کو خفیف جانتے ہوئے چھوڑتا ہے اس کی گواہی معتبر نہیں

26989۔ (قوله: مِنْ مَذْهَبِ أَبِي حَنِيفَةَ) یعنی امام ”ابو حنیفہ“ رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب کو خفیف جانتے ہوئے چھوڑتا ہے۔ ”س“۔ ”القنیہ“ کی کتاب الکراہیہ میں کہا: عامی کو یہ حق حاصل نہیں کہ ایک مذہب سے دوسرے مذہب کی طرف پھرے۔ اس میں حنفی اور شافعی برابر ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جو شافعی مذہب کی طرف اس لیے منتقل ہوتا ہے تاکہ اس کی شہادی کی جائے تو مجھے خوف ہے کہ وہ فوت ہو اس حال میں کہ اس کا ایمان سلب ہو جائے۔ کیونکہ وہ دنیا اور اس کی شہوات کے لیے دین کی اہانت کرتا ہے۔ ”المنح“ کے اس باب کے آخر میں ہے: اگر وہ اعتقاد کی پرواہ نہ کرنے اور ایک مذہب سے دوسرے مذہب پر انتقال کی جرأت کے لیے ایسا کرتا ہے جس طرح وہ یہ قول کرتا ہے اور اس کی طبیعت کی ایسی غرض کے لیے مائل ہو جاتی ہے جو غرض اسے حاصل ہو تو اس کی شہادت مقبول نہ ہوگی۔

جو کچھ ہم نے ذکر کیا ہے اس کے مجموعہ سے یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ حنفی مذہب کو چھوڑنے کے ساتھ خاص نہیں اور یہ حکم اس کے متعلق ہے جب وہ صحیح غرض کے لیے نہ ہو۔ فافہم۔ اور وہ متعصبین میں سے نہ ہو اگر ایسا ہوگا تو وہ ائمہ مجتہدین کی برکت سے محروم ہو جائے گا۔ ہم نے پہلے (مقولہ 19064 میں) اس بحث کو فصل التعزیز سے مکمل طور پر بیان کیا ہے۔ پس اس کی طرف رجوع کیجئے۔

26990۔ (قوله: وَكَذَا بَائِعُ الْأَكْفَانِ) جب وہ صبح اٹھے اور اس کا انتظار کرے۔ ”جامع الفتاویٰ“، ”بحر“۔

26991۔ (قوله: لِتَسْنِيَةِ الْمَوْتِ) اگر وہ اس کی تمنا نہ کرے اس کی صورت یہ ہے کہ وہ عادل ہو تو اس کی گواہی قبول کی جائے گی شمس الائمہ نے یہی قید ذکر کی ہے۔ ”س“۔

26992۔ (قوله: وَكَذَا الدَّلَالُ) یعنی جو وہ عقد کرے اس میں یا مطلقاً دلال کی گواہی قبول نہ ہوگی۔ کیونکہ اس کا

وَالْوَكِيلُ لَوْ بَيَّنَّاتِ النِّكَاحَ، أَمَا لَوْ شَهِدَتْ أَنَّهَا امْرَأَتُهُ تَقْبَلُ وَالْحِيلَةُ أَنَّهُ يَشْهَدُ بِالنِّكَاحِ وَلَا يَذْكُرُ
الْوَكَالَهَ بَرَازِيَّةً وَتَسْهِيلًا، وَاعْتَمَدَهُ قَدَرِي أَفْنَدِي فِي وَاقْعَاتِهِ، وَذَكَرَهُ الْمُصَنِّفُ فِي إِجَارَةِ مُعَيَّنَةٍ
مَعْنِيًا لِبَرَازِيَّةٍ وَمُلَخَّصُهُ أَنَّهُ لَا تَقْبَلُ شَهَادَةُ الدَّلَالَيْنِ وَالصَّكَّاكَيْنِ وَالْمُحْضَرِّينَ وَالْوُكَلَاءَ الْمُفْتَعَلَةَ
عَنِ أَبْوَابِهِمْ، وَنَحْوُكَ فِي فَتَاوَى مُؤَيَّدِ زَادَةٍ، وَفِيهَا وَصِيٌّ أُخْرِجَ مِنَ الْوَصَايَةِ بَعْدَ قَبُولِهَا لَمْ تَجْزِ شَهَادَتُهُ
لِنَسَبَتِ أَبَدًا، وَكَذَا الْوَكِيلُ بَعْدَ مَا أُخْرِجَ مِنَ الْوَكَالَةِ

اور نکاح ثابت کرنے والے وکیل کی گواہی مقبول نہیں مگر جب وہ یہ گواہی دے کہ یہ اس کی بیوی ہے تو اسے قبول کیا جائے گا۔ حیلہ یہ ہے کہ وہ نکاح کی گواہی دے اور وکالت کا ذکر نہ کرے، ”برازیہ“، ”تسہیل“۔ ”قدری آفندی“ نے اپنے ”واقعات“ میں اسی پر اعتماد کیا ہے۔ مصنف نے اپنی تالیف ”معین“ میں اس کا ذکر کیا ہے جب کہ ”برازیہ“ کی طرف اسے منسوب کیا ہے۔ اس کا خلاصہ ہے: دلالوں، وثیقہ نویسوں، قاضی کے سامنے مدعی اور مدعی علیہ کو حاضر کرنے والوں اور قاضیوں کے دروازوں پر بیٹھے وکلاء، مشتعلہ کی گواہی قبول نہیں ہوتی۔ ”فتاویٰ مؤید زادہ“ میں اسی طرح ہے۔ اس میں ہے: ایک وصی جس کو وصایہ سے خارج کیا گیا بعد اس کے اس نے وصایہ کو قبول کر لیا تھا تو میت کے حق میں اس کی شہادت کبھی بھی قبول نہیں ہوگی۔ اسی طرح وکیل کی گواہی قبول نہیں ہوگی بعد اس کے کہ اسے وکالت سے خارج کیا گیا

جھوٹ بہت زیادہ ہوتا ہے۔

وہ شخص جس کی گواہی کسی علت کی وجہ سے قبول نہ ہو اس کیلئے اس کا چھپانا اور گواہی دینا جائز ہے

26993۔ (قولہ: وَالْحِيلَةُ الْخ) اس کا مقتضایہ ہے: جس کی شہادت کسی علت کی وجہ سے قبول نہ ہو چاہیے کہ اس

عت کو مخفی رکھے اور گواہی دے جس طرح وہ مشہور دلہ کا غلام ہو اس کا بیٹا ہو یا اس طرح کی صورت حال ہو۔ فلیت مل

26994۔ (قولہ: بَرَازِيَّةً) اس کی عبارت ہے: دو وکیلوں یا دو دلالوں کی شہادت یہ ہے کہ جب وہ کہیں: ہم نے اس

شے کو بیچا، یا نکاح یا خلع کے دو وکیل کہیں۔ ہم نے یہ نکاح یا خلع کیا تو ان کی شہادت قبول نہ ہوگی۔ ”ابوالقاسم“ نے یہ ذکر کیا ہے: وراثوں نے نکاح کا انکار کیا تو ایک آدمی نے گواہی دی جو عقد اور نکاح کا والی بنا تھا۔ وہ نکاح کا ذکر کرے اور یہ ذکر نہ کرے کہ وہ اس عقد کا ذمہ دار تھا۔

26995۔ (قولہ: وَالْوُكَلَاءُ الْمُفْتَعَلَةُ) وکلاء، مشتعلہ سے مراد وہ وکلاء ہیں جو قاضیوں کے دروازوں پر جمع رہتے

ہیں جو خصومات میں لوگوں کے خود بخود وکیل بن جاتے ہیں، ”ح“۔ کذا فی الہامش۔

26996۔ (قولہ: عَنِ أَبْوَابِهِمْ) یعنی قاضیوں کے دروازوں پر۔

26997۔ (قولہ: وَفِيهَا) یہ اس کے ساتھ مکرر ہے جو متن میں آئے گا۔

إِنْ خَاصَمَ اتِّفَاقًا، وَإِلَّا فَكَذَلِكَ عِنْدَ أَبِي يُوسُفَ (وَمُذْمِنِ الشُّرْبِ) لِغَيْرِ الْخَبْرِ لِأَنَّ بِقَطْرَةٍ مِنْهَا يَرْتَكِبُ الْكَبِيرَةَ فَتُرَدُّ شَهَادَتُهُ، وَمَا ذَكَرَهُ ابْنُ الْكَمَالِ غَلَطٌ كَمَا حَرَّرَهُ فِي الْبَحْرِ قَالَ وَفِي غَيْرِ الْخَبْرِ يُشْتَرَطُ إِلَّا ذَمَانُ لَأَنَّ شُرْبَهُ صَغِيرَةٌ، وَإِنَّمَا قَالَ (عَلَى اللَّهِ) لِيُخْرِجَ الشُّرْبَ لِلتَّداوِي فَلَا يُسْقِطُ الْعَدَالَةَ لِشُبْهَةِ الْإِخْتِلَافِ صَدْرُ الشَّرِيعَةِ وَابْنُ كَمَالٍ (وَمَنْ يَلْعَبُ بِالصَّبِيَّانِ) لِعَدَمِ مَرُوءَتِهِ

اگر وہ خصومت کرے یہ حکم بالاتفاق ہے۔ ورنہ یعنی خصومت نہ کرے تو امام ”ابو یوسف“ رحمہ اللہ کے نزدیک حکم اسی طرح ہے۔ خمر (شراب) کے علاوہ جوشہ آور چیزوں کو ہمیشہ پیتا ہے اس کی گواہی قبول نہیں ہوگی کیونکہ خمر کا ایک قطرہ پینے سے وہ گناہ کبیرہ کا مرتکب ہوتا ہے پس اس کی شہادت رد کر دی جائے گی۔ ”ابن کمال“ نے جو ذکر کیا ہے وہ غلط ہے جس طرح ”البحر“ میں اس کی وضاحت کی ہے۔ کہا: خمر کے علاوہ ادمان کی شرط ہے۔ کیونکہ اس کا پینا گناہ صغیرہ ہے۔ لہذا لفظ کہا ہے تاکہ وہ پینا اس حکم سے نکل جائے جو بھلائی کے لیے پیا جائے اس اختلاف کے شبہ کی وجہ سے عدالت کو ساقط نہیں کرے گا۔ ”صدر شریعتہ“ و ”ابن کمال“۔ اور جو بچوں کے ساتھ کھیلتا ہے اس کی گواہی قبول نہیں۔ کیونکہ اس میں مروت نہیں

26998۔ (قوله: وَمُذْمِنِ الشُّرْبِ) الادمان سے مراد یہ ہے کہ اس کی نیت میں ہو کہ جب بھی پائے گا اس کو پینے گا۔ ”شمس الائمہ“ نے کہا: اس کے ساتھ شرط یہ ہے کہ وہ نشے کی حالت میں باہر آئے اور بچے اس کے ساتھ ٹھٹھا کریں یا یہ لوگوں کے لیے یہ امر ظاہر ہو۔ اسی طرح باقی ماندہ (مسکر) مشروبات کا تعلق ہے کہ اس میں ادمان پایا جائے۔ اسی طرح جو آدمی فاجروں اور بے حیا لوگوں کی مجلس میں بیٹھے جو اس مجلس میں مشروبات پیتے ہیں اس کی شہادت مقبول نہ ہوگی اگرچہ وہ نہ پیئے۔ ”بزازیہ“، کذا فی الہامش۔

26999۔ (قوله: وَمَا ذَكَرَهُ ابْنُ الْكَمَالِ غَلَطٌ) کیونکہ کہا: یعنی جو لہو و لعب پر ہمیشہ مسکر مشروبات پیے یعنی ایسے مشروبات پیے جو مطلقاً حرام ہیں۔ ”خصاف“ نے شرب خمر میں ادمان کی شرط نہیں لگائی۔ اس کی وجہ یہ ہے: نفس شرب الخمر یہ حد کو واجب کرتا ہے۔ پس شہادت کے رد کرنے کو ثابت کرے گا۔ ”الاصل“ کی کتاب الشہادۃ میں ادمان کی شرط لگائی ہے اس لیے نہیں کہ جب وہ خفیہ طریقہ سے پیے تو اس کی عدالت ساقط نہیں ہوتی۔ کیونکہ ادمان اعلان سے بڑھ کر ایک اور امر ہے بلکہ اس لیے کہ شرب خمر گناہ کبیرہ نہیں۔ پس اس پر اصرار ہی عدالت کو ساقط کرے گا۔ یہ ادمان کی صورت میں ہے۔

”الفتاویٰ الصغریٰ“ میں کہا: شارب خمر کی عدالت نفس شرب سے ساقط نہیں ہوتی۔ کیونکہ یہ حد نص قطعی سے ثابت نہیں ہاں مگر جب اس پر دوام اختیار کرے، ”ح“۔ کذا فی الہامش۔

27000۔ (قوله: كَمَا حَرَّرَهُ فِي الْبَحْرِ) ”ابن کمال“ نے ذکر کیا ہے: شرب خمر گناہ کبیرہ نہیں یہ عدالت کو ساقط نہیں کرتا مگر جب وہ اس پر اصرار کرے۔ اس کی دلیل ”الفتاویٰ الصغریٰ“ کی مقدم عبارت ہے۔ لیکن ”حاشیہ“ میں شارح کے قول کما حررہ فی البحر کے تحت کہا: تحقیق یہ ہے کہ خمر کا ایک قطرہ پینا گناہ کبیرہ ہے۔ مشائخ نے ادمان کی شرط لگائی ہے تاکہ

وَكَذِبَهُ غَالِبًا كَافِي (وَالطُّيُورُ) إِلَّا إِذَا أَمْسَكَهَا لِلاِسْتِئْثْنَاءِ فَيُبَاحُ إِلَّا أَنْ يَجْرَحَ حَمَامَ غَيْرَهُ فَلَا لِأَكْلِهِ لِلْحَرَامِ عَيْنِي وَعَيْنَايَةُ (وَالضُّبُورُ) وَكُلُّ لَهْوٍ شَنِيعٍ بَيْنَ النَّاسِ كَالطَّنَابِيرِ وَالْمَزَامِيرِ، وَإِنْ يَكُنْ شَنِيعًا نَحْوَ الْحَدَاءِ وَضَرْبِ الْقَصَبِ فَلَا إِلَّا إِذَا فَحُشَ بِأَنْ يَرْتَضُوا بِهِ خَائِتَهُ لِدُخُولِهِ فِي حَدِّ الْكَبَائِرِ بَحْرًا (وَمَنْ يُغْنِي لِنَّاسٍ) لَأَنَّهُ يَجْمَعُهُمْ عَلَى كَبِيرَةٍ هِدَايَةٍ وَغَيْرِهَا، وَكَلَامُ سَعْدِي أَفْنَدِي يُفِيدُ تَقْيِيدَهُ بِالْأَجْرَةِ فَتَأْمَلْ وَأَمَّا الْمَغْنَى لِنَفْسِهِ لِدَفْعِ وَحْشَتِهِ فَلَا بَأْسَ بِهِ عِنْدَ الْعَامَّةِ عَيْنَايَةُ، وَصَحَّحَهُ الْعَيْنِيُّ وَغَيْرُهُ قَالَ وَلَوْ فِيهِ وَعَظَّ

اور وہ غالباً جھوٹ بولتا ہے ”کافی“۔ اور جو پرندوں کے ساتھ کھیلتا ہے اس کی گواہی قبول نہیں مگر جب وہ پرندوں کو روکے تاکہ ان سے مانوس ہو تو یہ مباح ہے مگر جب وہ کسی اور کا کبوتر اپنی طرف کھینچے تو پھر مباح نہیں۔ کیونکہ وہ حرام خوری کرتا ہے ”عینی“، ”عینا“۔ طنبور اور ہر ایسے لہو سے کھیلنے والا جو لوگوں کے درمیان شنیع ہوتے ہیں جیسے طنابیر اور مزامیر اس کی گواہی قبول نہیں۔ اگر وہ شنیع نہ ہو جیسے ہدی خوانی کرنا اور بانسری بجانا تو ایسے آدمی کی شہادت مقبول نہیں۔ مگر جب وہ زیادتی کرے کہ لوگ اس سے رقص کرنے لگیں۔ ”خانیہ“۔ کیونکہ یہ گناہ کبیرہ کی تعریف میں داخل ہو جاتے ہیں۔ ”بحر“۔ اور جو آدمی لوگوں کے لیے نغمہ سرائی کرتا ہے اس کی گواہی قبول نہیں کی جاتی۔ کیونکہ مغنی لوگوں کو گناہ کبیرہ پر جمع کرتا ہے ”ہدایہ“ وغیرہا۔ ”سعدی آفندی“ کا کلام اس امر کا فائدہ دیتا ہے کہ انہوں نے اجرت کی قید لگائی ہے۔ قائل۔ جہاں تک اس مغنی کا تعلق ہے جو وحشت کو دور کرنے کے لیے اپنے لیے گانا گاتا ہے تو عام علماء کے نزدیک اس میں کوئی حرج نہیں، ”عینا“۔ ”عینی“ وغیرہ نے اس کی تصحیح کی ہے۔ کہا: اگر اس میں وعظ

قاضی کے نزدیک اس کا پینا ظاہر ہو۔ ”ح“۔

27001۔ (قوله: الْقَصَبِ) ”المنح“ میں القصب ہے۔

لہو یا مال جمع کرنے کے لیے گانا بالا جماع حرام ہے

27002۔ (قوله: بِأَنْ يَرْتَضُوا) بعض نسخوں میں کانوا زائد ہے۔ قائل

وجہ اس کی یہ ہے کہ مغنیہ اور مغنی کا نام عرف میں اس کے لیے ہے غنا جس کا حرف ہو جس کے ساتھ وہ مال کما تا ہو جیسے یہ حرام ہے۔ علماء نے اس پر نص قائم کی ہے کہ لہو اور مال جمع کرنے کے لیے گانا گانا حرام ہے اس میں کوئی اختلاف نہیں۔ اس وقت گویا کہا: اس آدمی کی گواہی قبول نہ کی جائے گی جس نے گانا گانا اپنا پیشہ بنا لیا ہو جس کے وسیلہ سے وہ کما کھاتا ہو۔ اس کی مکمل بحث اس میں ہے پس اس کی طرف رجوع کیجئے۔

27003۔ (قوله: وَغَيْرُهُ) جیسے ”ابن کمال“ ہیں۔

27004۔ (قوله: قَالَ) یعنی ”عینی“۔

وَحِكْمَةٌ فَجَائِزٌ اِتِّفَاقًا، وَمِنْهُمْ مَنْ أَجَازَهُ فِي الْعُرْسِ كَمَا جَازَ ضَرْبُ الدَّفِّ فِيهِ، وَمِنْهُمْ مَنْ أَبَاحَهُ مُطْلَقًا، وَمِنْهُمْ مَنْ كَرَّهَهُ مُطْلَقًا وَفِي الْبَحْرِ وَالْمَذْهَبِ حُرْمَتُهُ مُطْلَقًا فَانْقَطَعَ اِلْخْتِلَافُ، بَلْ ظَاهِرُ الْهِدَايَةِ أَنَّهُ كَبِيرَةٌ وَلَوْ لِنَفْسِهِ وَأَقْرَبُهَا الْبُصْنَفُ قَالَ وَلَا تُقْبَلُ شَهَادَةٌ مَنْ يَسْبَعُ الْغِنَاءَ أَوْ يَجْلِسُ مَجْلِسَ الْغِنَاءِ زَادَ الْعَيْنِيُّ أَوْ مَجْلِسَ الْفُجُورِ وَالشُّرْبِ وَإِنْ لَمْ يَسْكُرْ لِأَنَّهُ اخْتِلَافُهُ بِهِمْ وَتَرَكَهُ الْأَمْرَ بِالْمَعْرُوفِ يُسْقِطُ عَدَالَتَهُ (أَوْ يَزْتَكِبُ مَا يُحَدُّ بِهِ) لِلْفُسْقِ، وَمُرَادُهُ مَنْ يَزْتَكِبُ كَبِيرَةً قَالَهُ الْبُصْنَفُ وَغَيْرُهُ (أَوْ يَدْخُلُ الْحَمَامَ بِغَيْرِ إِزَارٍ)

اور حکمت ہو تو بالاتفاق جائز ہے۔ ان میں سے کچھ علماء ایسے ہیں جس طرح اس میں دف بجانا جائز ہے۔ علماء میں سے کچھ ایسے ہیں جنہوں نے اسے مطلقاً مباح قرار دیا ہے اور ان میں سے کچھ ایسے ہیں جنہوں نے مطلقاً اسے مکروہ قرار دیا ہے۔ ”البحر“ میں ہے: مذہب یہ ہے کہ یہ مطلقاً حرام ہے۔ پس اختلاف منقطع ہو گیا بلکہ ظاہر روایت یہ ہے کہ یہ گناہ کبیرہ ہے اگرچہ وہ اپنی ذات کے لیے گانا گائے۔ مصنف نے اسے ثابت رکھا ہے کہا: جو آدمی گانا سنتا ہے یا غنا کی مجلس میں بیٹھتا ہے اگرچہ وہ نشہ آور مشروب نہ پیتا ہو۔ کیونکہ اس کا ان کے ساتھ اختلاف اور امر بالمعروف کو ترک کرنا یہ اس کی عدالت کو ساقط کر دیتا ہے یا وہ ایسے امر کا ارتکاب کرے جس کی وجہ سے اس پر حد جاری ہوتی ہو تو اس کی گواہی قبول نہ ہوگی وجہ اس کا فسق ہے۔ مراد یہ ہے کہ جو گناہ کبیرہ کا ارتکاب کرے یہ مصنف وغیرہ کا قول ہے۔ یا جو آدمی حمام میں تہبند کے بغیر داخل ہوتا ہو۔

اپنے لیے یا دوسرے کو سنانے کے لیے گانے کا حکم

27005۔ (قوله: فَجَائِزٌ اِتِّفَاقًا) یہ امر جان لو کہ غیر کو سنانے اور اس کو مانوس کرنے کے لیے گانا گانا عام علماء کے نزدیک حرام ہے۔ علماء میں سے کچھ وہ ہیں جنہوں نے شادی اور ولیمہ کے موقع پر اسے جائز قرار دیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ وہ گاتا ہے تاکہ اس کے ذریعے قوافی کے نظم کا فائدہ حاصل کرے اور وہ فصیح اللسان ہو جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ جہاں تک اپنے آپ کو سنانے کے لیے گانا تو ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ مکروہ نہیں۔ ”شمس الائمہ“ نے اسی کو اپنایا ہے۔ کیونکہ صحابہ میں سے سب سے زیادہ زاہد حضرت ”براء بن عازب“ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ ان کے قول کے مطابق جو لوہو کے طریقہ پر ہو وہ مکروہ ہے۔ مشائخ میں سے کچھ نے کہا: یہ سب مکروہ ہے۔ ”شیخ الاسلام“ نے اسے اپنایا ہے۔ ”بزازیہ“۔

27006۔ (قوله: ضَرْبُ الدَّفِّ فِيهِ) اس میں دف کا جواز صرف عورتوں کے ساتھ خاص ہے۔ کیونکہ ”البحر“ میں ”المعراج“ سے نکاح اور جو اس کے معنی میں خوشی کا موقع ہو مباح ہے کے ذکر کے بعد ہے: مردوں کے لیے ہر حال میں مکروہ ہے کیونکہ یہ عورتوں کے ساتھ مشابہت ہوتی ہے۔

270907۔ (قوله: فَانْقَطَعَ اِلْخْتِلَافُ) اس میں کلام ہے جس کا میں نے ”البحر“ پر اپنے ”حاشیہ“ میں ذکر کیا ہے۔ ”سامحانی“ نے ”صاحب البحر“ کا رد کیا ہے۔

لَاِنَّهُ حَرَامٌ (أَوْ يَلْعَبُ بِتَزْدٍ) أَوْ طَابٍ مُّطْلَقًا مَرَّ أَوْ لَا أَمَّا الشَّيْطَانُ فَلِشُبْهَةِ الْإِخْتِلَافِ شَرْطٌ وَاحِدٌ مِنْ سِتٍّ فَلِذَا قَالَ (أَوْ يُقَامِرُ بِشَيْطَانٍ أَوْ يَتْرُكُ بِهِ الصَّلَاةَ) حَتَّى يَفُوتَ وَقْتُهَا (أَوْ يَخْلِفُ عَلَيْهِ) كَثِيرًا (أَوْ يَلْعَبُ بِهِ

کیونکہ یہ حرام ہے۔ یا زرد یا طاب کے ساتھ کھیلے یہ حکم مطلق ہے وہ جو ا کھیلے یا نہ کھیلے اس کی گواہی قبول نہیں۔ جہاں تک شرط نج کا تعلق ہے تو اختلاف کے شبہ کی بنا پر چھ میں سے ایک شرط کا پایا جانا ضروری ہے کہا: یا وہ شرط نج کے ساتھ قمار کرے یا اس کے ساتھ نماز کو ترک کرے یہاں تک کہ اس کا وقت فوت ہو جائے یا اس پر بہت زیادہ قسمیں کھائے یا اس کے ساتھ راستہ

27008۔ (قوله: أَوْ يَلْعَبُ بِتَزْدٍ) جب یہ امر معلوم و معروف ہو۔ ”فتح“۔

27009۔ (قوله: أَوْ طَابٍ) یہ لعب کی ایک نوع ہے، کذا فی الہامش۔ ”الفتح“ میں کہا: ہمارے علاقوں میں طاب کا کھیل اسی کی مثل ہے۔ کیونکہ وہ حساب اور فکر کے عمل کے بغیر پھینکتا ہے۔ ہر وہ عمل جو اس طرح ہو جو ان اعمال میں سے ہو جسے شیطان نے پیدا کیا اور اہل غفلت نے اسے کیا وہ حرام ہے خواہ اس کے ساتھ جو کیا جائے یا جو نہ کیا جائے۔ میں کہتا ہوں: اسی کی مثل ہمارے علاقوں میں صینیہ اور انگوٹھی کے ساتھ کھیلے ہیں اگرچہ وہ متقی ہو اس کی گواہی قبول نہیں۔ وہ نہ کھیلے لیکن لعب کی مجلس میں حاضر ہو اس کی دلیل وہ ہے جو غنا کی مجلس میں بیٹھے۔ اس سے بعض اہل ورع کی جہالت ظاہر ہو جاتی ہے جس کی تقویٰ میں حدت نہیں۔

27010۔ (قوله: أَمَّا الشَّيْطَانُ فَلِشُبْهَةِ الْإِخْتِلَافِ) یعنی امام ”مالک“ رحمہ اللہ اور امام ”شافعی“ رحمہ اللہ نے اختلاف کیا ہے۔ وہ اس کی اباحت کا قول کرتے ہیں۔ یہ امام ”ابو یوسف“ رحمہ اللہ سے ایک روایت مروی ہے۔ ”ابن شحنے“ نے اسے اختیار کیا ہے۔

ابن شحنے اہل اختیار میں سے نہیں ہے

میں کہتا ہوں: اس روایت کو ”المجتبیٰ“ میں ذکر کیا ہے۔ اور مشہور کتب میں یہ مشہور نہیں۔ بلکہ مشہور یہ ہے کہ اس کے مباح ہونے کا رد کیا ہے۔ ”ابن شحنے“ اہل اختیار میں سے نہیں ہے ”سائحانی“۔ استاذ ”عبد الغنی“ کی شرح ”المنظومة المحببة“ کو دیکھئے۔

کیا شرط نج کھیلنے سے عدالت ساقط ہو جاتی ہے؟

27011۔ (قوله: شَرْطٌ وَاحِدٌ) یعنی اس کے حرام ہونے کی ایک شرط کافی ہے۔ حاصل کلام یہ ہے عدالت شرط نج کے ساتھ باطل ہو جاتی ہے جب پانچ چیزوں میں سے ایک شرط پائی جائے جو، اس کے سبب نماز کا فوت ہو جائے، اس پر زیادہ قسمیں کھانا، راستہ پر اس کے ساتھ کھیلنا جس طرح ”فتح القدیر“ میں ہے یا اس پر فسق کا ذکر کرے جس طرح ”شرح الوہبانیہ“ میں ہے۔ ”بحر“، کذا فی الہامش۔

عَلَى الطَّرِيقِ أَوْ يَذْكُرُ عَلَيْهِ فِسْقًا أَشْبَاهًا أَوْ يُدَاوِمُ عَلَيْهِ ذِكْرَهُ سَعْدِيٌّ أَفْنَدِيٌّ مَعْرِيًا لِدَكَانِي وَالْبِعْرَاجِ
(أَوْ يَأْكُلُ الرِّبَا) قَيِّدُوهُ بِالشُّهْرَةِ، وَلَا يَخْفَى أَنَّ الْفِسْقَ يَنْعُهَا شَرْعًا إِلَّا أَنَّ الْقَاضِيَ لَا يُشَبِّتُ ذَلِكَ إِلَّا بَعْدَ
ظُهُورِهِ لَهُ فَالْكُلُّ سَوَاءٌ بَحْرٌ فَلْيُحْفَظْ (أَوْ يَبُولُ أَوْ يَأْكُلُ عَلَى الطَّرِيقِ) وَكَذَا كُلُّ مَا يَخِلُّ بِالْمُرُوَّةِ، وَمِنْهُ
كُشْفُ عَوْرَتِهِ لِيَسْتَنْجِيَ مِنْ جَانِبِ الْبِرْكَاتِ وَالنَّاسِ حُضُورٌ وَقَدْ كَثُرَ زَمَانُنَا فَتَحْ

پر کھیلے یا اس پر فسوق کا ذکر کرے، ”اشباہ“۔ یا اس پر دوام اختیار کرے ”سعدی آفندی“ نے اس کا ذکر کیا ہے جب کہ یہ
”کافی“ اور ”معراج“ کی طرف منسوب ہے۔ یا وہ سود کھاتا ہو (تو اس کی گواہی قبول نہیں ہوگی)۔ علماء نے شہرت کی قید لگائی
ہے اور یہ امر مخفی نہیں کہ فسق اس سے شرعاً مانع ہے مگر قاضی اس کو ثابت نہیں کرے گا مگر اس کے بعد کہ جب وہ اس کے لیے
ظاہر ہو جائے۔ پس یہ سب برابر ہیں، ”بحر“۔ پس اس کو یاد رکھا جانا چاہیے۔ یا وہ راستہ پر پیشاب کرے یا کھائے۔ اسی طرح
ہر ایسا عمل جو مروت میں مخل ہو ان کے کرنے والے کی گواہی قبول نہیں ہوگی۔ انہیں میں سے اپنی شرمگاہ کو نگاہ کرنا ہے تاکہ وہ
تالاب کی ایک جانب استنجا کرے جب کہ لوگ حاضر ہوں۔ ہمارے زمانہ میں یہ عمل کثرت سے واقع ہوتا ہے، ”فتح“۔

27012۔ (قوله: عَلَى الطَّرِيقِ) ”الفتح“ میں کہا: مگر جس کا ذکر کیا گیا کہ جو راستہ پر یہ کھیلتا ہو تو اس کی شہادت رد کر
دی جائے گی اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ ایسے امور سرانجام دیتا ہے جو حقیر ہوتے ہیں۔

27013۔ (قوله: أَوْ يُدَاوِمُ عَلَيْهِ) یہ ان چھ شرطوں میں سے چھٹی ہے۔ کذا فی الہامش

27014۔ (قوله: قَيِّدُوهُ بِالشُّهْرَةِ) ایک قول یہ کیا گیا ہے: کیونکہ جب وہ اس سے مشہور نہ ہو تو صرف سود کھانے کی
تہمت واقع ہوتی ہے اس کے ساتھ عدالت ساقط نہیں ہوتی یہ زیادہ مناسب اور قریبی ہے۔ اس کا مرجع وہی ہے جس کا ذکر کیا
گیا ہے کہ شراب کے پینے میں دوام کی قید ہے۔

27015۔ (قوله: فَالْكُلُّ سَوَاءٌ) یعنی ایسے فسق جو انسان کو فاسق بنادیں خصوصی طور پر رہا ایسا امر نہیں۔ ”ساحانی“۔

27016۔ (قوله: بَحْرٌ) اصل عبارت ”کمال“ کی ہے کیونکہ کہا: حاصل یہ ہے کہ نفس الامر میں فسق شرعاً مانع ہے مگر
قاضی اس کا حکم مرتب نہیں کرے گا مگر اس کے بعد جب یہ امر اس کے لیے ظاہر ہو جائے۔ پس اس میں سب برابر ہیں۔ اس
سے پہلے کہا: جہاں تک یتیم کے مال کے کھانے کا تعلق ہے تو کسی نے اس قید کا ذکر نہیں کیا اور علماء نے یہ تصریح کی ہے کہ یہ عمل
ایک دفعہ واقع ہو تو شہادت قبول نہیں کی جائے گی۔ اور تو جانتا ہے کہ قاضی کے لیے اس کا ظاہر ہونا ضروری ہے۔ کیونکہ کلام
اس کے متعلق ہے جس کے ساتھ قاضی شہادت کو رد کر دیتا ہے گویا یہ عمل ایک دفعہ کرنے سے ظاہر ہو جاتا ہے۔ کیونکہ اس کا
محاسبہ کیا جاتا ہے۔ پس اس سے یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ اس نے مال میں کمی کی ہے۔

27017۔ (قوله: أَوْ يَأْكُلُ عَلَى الطَّرِيقِ) اس کی صورت یہ ہے کہ لوگوں کے سامنے ایسا کرے۔ ”بحر“۔

پھر یہ جان لو کہ علماء نے صغیرہ گناہ میں ادا مان کی شرط لگائی ہے اور وہ فعل جو مروت میں مخل ہو اس سے اس کی شرط نہیں لگائی

(أَوْ يُظْهَرُ سَبُّ السَّلَفِ) لِظُهُورِ فَسْقِهِ، بِخِلَافِ مَنْ يُخْفِيهِ لِأَنَّهُ فَاسِقٌ مَسْتَوْرٌ عَيْنِي، قَالَ الْمُصَنِّفُ
وَأَيْتِمَا قَيَّدْنَا بِالسَّلَفِ تَبَعًا لِكَلَامِهِمْ؛ وَإِلَّا فَالْأَوَّلَى أَنْ يُقَالَ سَبُّ مُسْلِمٍ لِسُقُوطِ الْعَدَالَةِ بِسَبِّ الْمُسْلِمِ
وَإِنْ لَمْ يَكُنْ مِنَ السَّلَفِ كَمَا فِي السَّرَاجِ وَالنِّهَايَةِ وَفِيهَا الْفَرْقُ بَيْنَ السَّلَفِ وَالْخَلْفِ، أَنَّ السَّلَفَ
الصَّالِحَ الصَّدْرُ الْأَوَّلُ مِنَ التَّابِعِينَ مِنْهُمْ أَبُو حَنِيفَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ وَالْخَلْفَ بِالْفَتْحِ مَنْ
بَعْدَهُمْ فِي الْخَيْرِ، وَبِالسُّكُونِ فِي الشَّرِّ بَحْرٌ وَفِيهِ عَنِ الْعِنَايَةِ عَنْ أَبِي يُوسُفَ لَا أَقْبَلُ شَهَادَةً مَنْ سَبَّ
الصَّحَابَةَ وَأَقْبَلُهَا مَنْ تَبَرَّأَ مِنْهُمْ لِأَنَّهُ يَعْتَقِدُ دِينًا وَإِنْ كَانَ عَلَى بَاطِلٍ فَلَمْ يَظْهَرْ فَسْقُهُ بِخِلَافِ
السَّابِّ شَهَدًا أَنَّ أَبَاهُ أَوْ صَاحِبَهُ إِلَيْهِ

یا وہ اسلاف کو گالیاں دے۔ کیونکہ اس کا فسق ظاہر ہے جو اس امر کو مخفی رکھتا ہے اس کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ وہ فاسق
مستور ہے، ”عینی“۔ مصنف نے کہا: ہم نے سلف کی قید لگائی ہے یہ علماء کی کلام کی پیروی کے طریقہ پر ہے ورنہ اولیٰ تو یہ تھا
کہ یہ قول کیا جاتا، سب مسلم۔ مسلمان کو گالی دے تو اس کی شہادت مقبول نہ ہوگی۔ کیونکہ مسلمان کو گالی دینے سے عدالت
ساقط ہو جاتی ہے اگرچہ وہ مسلمان اسلاف میں سے نہ ہو جس طرح ”السراج“ اور ”النہایہ“ میں ہے۔ اس میں ہے: سلف
اور خلف میں فرق یہ ہے سلف صالح سے مراد صدر اول یعنی تابعین ہیں۔ ان میں سے امام ”ابو حنیفہ“ رضی اللہ عنہ ہیں۔ خلف جو
لام کے فتح کے ساتھ ہو تو اس سے مراد جو خیر میں ان کے بعد ہو اور خلف کا لفظ لام کے سکون کے ساتھ ہو تو یہ شر میں استعمال
ہوتا ہے یعنی شریر لوگ، ”بحر“۔ اس میں ”العنایہ“ میں امام ”ابو یوسف“ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: جس نے صحابہ کو گالیاں دیں
میں اس کی شہادت کو قبول نہیں کرتا اور جو ان سے براءت کرتا ہے میں اس کی گواہی قبول کرتا ہوں۔ کیونکہ ایک دین کا
اعتقاد رکھتا ہے اگرچہ وہ دین باطل ہے۔ اس کا فسق ظاہر نہیں ہوا۔ گالی دینے والے کا معاملہ مختلف ہے۔ اگر دو آدمیوں نے
گواہی دی کہ ان کے والد نے اسے وصی بنایا۔

ان تمام سب کو جن کو میں نے دیکھا ہے اس کی شرط بدرجہ اولیٰ لگانا چاہیے۔ جب وہ ایسا عمل کرے جو مروت میں نخل ہو اس کی
عدالت ساقط ہو جائے گی اگرچہ وہ فاسق نہ بنے۔ کیونکہ یہ عمل مباح ہے جو مروت میں نخل ہو اس کو کرنے والا فاسق نہ بنے
عادل ہے۔ عادل وہ ہے جو تین امور سے اجتناب کرتا ہے اور فاسق وہ ہے جو گناہ کبیرہ کا ارتکاب کرے، غیہ پر غور کرے
کرے۔ میں نے کسی کو نہیں دیکھا جس نے اس پر متنبہ کیا ہو۔

”العنایہ“ میں ہے: جو آدمی بازاروں میں چیخنے چلانے کا عادی ہو اس کی شہادت مقبول نہیں۔ ”النہایہ“ میں کہا ہے: مکر
جب وہ راستہ پر پانی پیے یا پھل کھائے تو اس کی عدالت میں قدح نہیں لگائی جائے گی کیونکہ لوگ اسے قبیح نہیں سمجھتے۔ ”منہج“۔

جو صحابہ کو برا بھلا کہے اس کی شہادت قبول نہیں

27018۔ (قوله: أَوْ صَاحِبَهُ إِلَيْهِ) یعنی زید کو وصی بنایا زیادہ بہتر یہ تھا کہ ضمیر کی جگہ اسم ظاہر ذکر کرتے۔

فَإِنْ ادَّعَاهُ (صَحَّتْ) شَهَادَتُهُمَا اسْتِحْسَانًا كَشَهَادَةِ دَائِنِي الْمَيِّتِ وَمَذْيُونِيهِ وَالْمَوْصِي لَهْمَا وَوَصِيَّهِ لِثَالِثٍ عَلَى الْإِيصَاءِ (وَإِنْ أَنْكَرَ لَمْ يَلَنْ الْقَاضِي لَا يَنْبَلِكُ إِجْبَارَ أَحَدٍ عَلَى قَبُولِ الْوَصِيَّةِ عَيْنِيَّ (كَمَا لَا تُقْبَلُ لَوْ شَهِدَا

اگر اس نے دعویٰ کیا تو بطور استحسان ان کی گواہی صحیح ہوگی جس طرح میت کے دو قرض خواہوں، اس کے دو مدیونوں اور ان کے موصی کی شہادت اور ان کے دو وصیوں کی تیسرے کے حق میں وصی بنانے پر شہادت قبول ہوگی اگر وہ اس کا انکار کرے تو شہادت صحیح نہ ہوگی۔ کیونکہ قاضی وصیت کے قبول کرنے پر کسی کو مجبور نہیں کر سکتا، ”عینی“۔ جس طرح شہادت قبول نہیں ہوتی اگر دو آدمی گواہی دیں

27019۔ (قوله: فَإِنْ ادَّعَاهُ) یعنی وصی بننے پر رضامندی کا اظہار کر دیا۔ ”سعدیہ“، ”عزمیہ“۔

27020۔ (قوله: وَالْمَوْصِي لَهْمَا) اس پر یہ اعتراض کیا گیا کہ جب میت کے دو وصی ہوں تو قاضی کسی اور وصی کو معین کرنے کا ذمہ نہیں ہوگا۔

اس کا یہ جواب دیا گیا کہ وہ اس کا مالک ہوگا۔ کیونکہ دونوں نے میت کے امور سرانجام دینے سے پہلے عجز کا اظہار کر دیا ہے۔ ”البحر“ میں اسی طرح ہے۔

27021۔ (قوله: لِثَالِثٍ) یعنی تیسرے آدمی کے حق میں۔ یہ شہادۃ کے متعلق ہے جس طرح علی الایصاء شہادت کے متعلق ہے۔ یعنی میت نے اسے وصی بنا دیا ہے۔ یہ چاروں مسائل کے ساتھ وابستہ ہے صرف آخری کے ساتھ وابستہ نہیں جس طرح یہ امر مخفی نہیں۔ فافہم۔ ”البحر“ میں ہے: سب صورتوں میں موت کا معروف ہونا یعنی ظاہر ہونا ضروری ہے مگر دو مدیونوں کا مسئلہ مختلف ہے۔ کیونکہ وہ دونوں اپنے خلاف اقرار کرتے ہیں کہ قبض کی ولایت مشہودہ کے ساتھ ثابت ہو گی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ثبوت کا معنی یہ ہے کہ قاضی دونوں کو اس کی ادائیگی کا حکم دے دے نہ کہ اس ادائیگی کے ساتھ دین سے وہ دونوں بری ہو جائیں۔ کیونکہ دونوں سے اس کا مطالبہ کرنا اور پورا پورا لینا یہ ایسا حق ہے جس کی ادائیگی ان پر لازم ہے۔ براءت دونوں کا حق ہے۔ پس اس کو قبول نہیں کیا جائے گا۔ ”الکافی“ میں اسی طرح ہے۔ ”ملخص“۔

27022۔ (قوله: عَلَى قَبُولِ الْوَصِيَّةِ) یہ اس امر میں ظاہر ہے کہ یہ وصی قاضی کی جانب سے ہے۔ ”البحر“ میں جو کچھ ہے وہ اس کے خلاف ہے۔

27023۔ (قوله: كَمَا لَا تُقْبَلُ لَوْ شَهِدَا الْخ) یہ اس صورت میں ہے جب مطلوب وکالت کا انکار کرے ورنہ شہادت جائز ہوگی۔ کیونکہ اسے مال دینے پر مجبور کیا جائے گا یہ اس کے اقرار کی وجہ سے ہوگا اور شہادت کے بغیر نہیں ہوگا۔ بے شک یہ شہادت اس پر قائم ہوئی کہ وکیل کو ادا کرنے پر مطلوب کو بری کر دیا جائے۔ جب طالب حاضر ہو اور وکالت کا انکار کر دے تو اس وقت یہ شہادت ان کے باپ کے خلاف ہوئی پس اس کو قبول کیا جائے گا۔

أَنَّ أَبَاهُمَا الْغَائِبَ وَكَفَّهُ بِقَبْضِ دُيُونِهِ وَادَّعَى الْوَكِيلُ أَوْ أَنْكَرَهُ وَالْفَرْقُ أَنَّ الْقَاضِيَ لَا يَنْبَغُ لِنَصَبِ الْوَكِيلِ عَلَى الْغَائِبِ بِخِلَافِ الْوَصِيِّ (شَهَدَ الْوَصِيُّ) أَمْ وَصَّى الْمَيِّتَ (بِحَقِّ لِمَيِّتٍ) بَعْدَ مَا عَزَلَهُ الْقَاضِيَ عَنْ الْوَصَايَةِ وَنَصَبَ غَيْرَهُ أَوْ بَعْدَ

کہ ان کے غائب باپ نے اسے دیون پر قبضہ کرنے پر وکیل بنایا اور وکیل نے دعویٰ کیا یا اس کا انکار کیا۔ فرق یہ ہے قاضی غائب کی جانب سے وکیل معین کرنے کا مالک نہیں۔ وصی کا معاملہ مختلف ہے۔ میت کے وصی نے میت کے حق کے لیے گواہی دی اس کے بعد کہ قاضی نے وصی ہونے سے اسے معزول کر دیا اور اس کے غیر کو معین کر دیا یا اس کے بعد

اس میں اور اس میں جس سے ایک آدمی کسی کو معین گھر کے بارے میں خصومت کے متعلق وکیل بنائے اور وہ آدمی اس گھر پر قبضہ کر لے اور موکل کے دونوں بیٹے اس بارے میں گواہی دے دیں تو اسے قبول نہیں کیا جائے گا اگرچہ مطلوب وکالت کا اقرار کرے۔ کیونکہ اس کے اقرار کے باعث گھر وکیل کے حوالے کرنے پر اسے مجبور نہیں کیا جائے گا بلکہ شہادت کی وجہ سے اسے مجبور کیا جائے گا۔ پس یہ گواہی ان کے باپ کے حق میں ہوگی۔ پس اس گواہی کو قبول نہیں کیا جائے گا۔ ”بحر“۔ یہ ”الحیظ“ سے ”ملخص“ ہے۔

27024۔ (قولہ: أَبَاهُمَا) اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ بدرجہ اولیٰ وکیل کے دونوں بیٹوں کی شہادت قبول نہیں۔ ”بزازیہ“ میں اس کی تصریح کی ہے۔ ”بحر“۔

27025۔ (قولہ: الْغَائِبَ) اس کی قید لگائی ہے کیونکہ اگر وہ حاضر ہوتا تو اس کے بارے میں دعویٰ کرنا ممکن نہ ہوتا تھا کہ دونوں اس کے متعلق گواہی دیں کیونکہ وکیل بنانے کے بارے میں دعویٰ نہیں سنا جاتا۔ کیونکہ یہ ان عقود میں سے ہے جو جائز ہوتے ہیں۔ لیکن ضرورت اس امر کی ہے کہ اس کی عدم موجودگی میں دونوں کی شہادت کی صورت کو بیان کیا جائے جب کہ وکیل اس کا انکار کرے۔ کیونکہ شہادت کو دعوت کے بعد سنا جاتا ہے۔ یہ ممکن ہے کہ اس کی یہ صورت بیان کی جائے کہ صاحب و دیعت اس پر یہ دعویٰ کرتا ہے کہ وہ دیتے وقت موکل کی و دیعت سپرد کرے تو وہ اس کا انکار کرتا ہے تو دونوں اس بارے میں گواہی دیتے ہیں اور اپنے والد کے دیون کے قبضہ کے بارے میں گواہی دیتے ہیں۔ ہم نے یہ صورت بیان کی ہے کہ وکیل کو جس امر کا بیان بنایا گیا ہے اس کے بارے میں اسے مجبور نہیں کیا جاسکتا مگر و دیعت وغیرہ کے واپس کرنے میں اسے مجبور کیا جاسکتا ہے جس امر میں اس بارے میں کلام آئے گی۔ ”بحر“۔ اس میں اعتراض ہے جس کی وضاحت اس کے حاشیہ میں کر آئے ہیں۔ فقہ بر

27026۔ (قولہ: عَلَى الْغَائِبِ) کیونکہ اس کی ضرورت نہیں کیونکہ اس کے حاضر ہونے کی امید ہے، ”س“۔ ”البحر“ میں غائب کے ذکر کے بعد کہا: الا فی المفقود۔

قاضی کے معزول کرنے سے وصی معزول ہو جائے گا

27027۔ (قولہ: بَعْدَ) اسی طرح اس سے قبل بدرجہ اولیٰ۔ زیادہ بہتر یہ قول تھا: ولو بعد ما عزله القاضی۔ مسئلہ

مَا أَذَرَكَ الْوَرَثَةُ (لَا تُقْبَلُ) شَهَادَتُهُ لِنَيْتٍ فِي مَالِهِ أَوْ غَيْرِهِ (خَاصَمَ أَوْ لَا) لِحُلُولِ الْوَصِيِّ مَحَلَّ النِّيَّةِ، وَلِذَا لَا يَنْبَغُ عَزْلُ نَفْسِهِ بِلَا عَزْلٍ قَاضٍ فَكَانَ كَالنِّيَّةِ نَفْسِهِ فَاسْتَوَى خِصَامُهُ وَعَدَمُهُ، بِخِلَافِ الْوَكِيلِ فِذَا قَالَ (وَلَوْ شَهِدَ الْوَكِيلُ بَعْدَ عَزْلِهِ لِلْمُوكَّلِ إِنَّ خَاصَمَ) فِي مَجْلِسِ الْقَاضِي ثُمَّ شَهِدَ بَعْدَ عَزْلِهِ (لَا تُقْبَلُ) اتِّفَاقًا لِلتُّهْمَةِ (وَلَا قُبِلَتْ) لِعَدَمِهَا خِلَافًا لِلثَّانِي فَجَعَلَهُ كَالْوَصِيِّ سِرَاجٌ

کہ وارثوں سے اسے حاصل کر لیا تھا تو میت کے حق میں اس کی گواہی اس کے مال اور اس کے علاوہ میں مقبول نہیں ہوگی وہ خصومت کرے یا خصومت نہ کرے۔ کیونکہ وصی میت کے قائم مقام ہو چکا ہے اس وجہ سے وہ قاضی کے معزول کرنے کے بغیر اپنے آپ کو معزول نہیں کر سکتا تو وہ میت کی ذات کی طرح ہو گیا۔ پس اس کا خصومت کرنا یا خصومت نہ کرنا برابر ہو گئے۔ وکیل کا معاملہ مختلف ہے۔ اسی وجہ سے کہا: اگر وکیل نے معزول ہونے کے بعد موکل کے حق میں گواہی دی اگر وہ قاضی کی مجلس میں خصومت کرے پھر معزول ہونے کے بعد گواہی دے تو بالاتفاق قبول نہ ہوگی۔ کیونکہ تہمت پائی جا رہی ہے ورنہ گواہی قبول ہوگی۔ کیونکہ تہمت موجود نہیں۔ امام ”ابو یوسف“ رحمہ اللہ نے اس سے اختلاف کیا ہے۔ پس اسے وصی کی طرح بنا دیا ہے، ”سراج“۔

اس پر دال ہے کہ قاضی جب وصی کو معزول کرے تو وہ معزول ہو جاتا ہے۔ ”بزازیہ“۔ یہ کہنا ممکن ہے: عزلہ بجنحة۔

27028۔ (قوله: وَلَوْ شَهِدَ الْوَكِيلُ) اصل مسئلہ ”بزازیہ“ میں ہے۔ کیونکہ کہا: اس نے اسے وکیل بنایا تا کہ فلاں کی جانب سے ہزار کا مطالبہ کرے اور خصومت کرے اس نے قاضی کے علاوہ کسی اور کے ہاں خصومت کی پھر قاضی کی مجلس میں خصومت سے پہلے اسے معزول کر دیا گیا پھر اس مال کے بارے میں وکیل نے موکل کے حق میں گواہی دی تو یہ عمل جائز ہوگا۔ امام ”ابو یوسف“ رحمہ اللہ نے فرمایا: یہ جائز نہیں ہوگا۔ یہ اس پر مبنی ہے کہ نفس وکیل موکل کے قائم مقام ہے۔ یہاں مراد یہ ہے کہ اس نے اس امر میں خصومت کی جس میں اسے وکیل بنایا گیا تھا۔ اگر وہ کسی اور معاملہ میں خصومت کرے تو اس میں تفصیل ہے۔ شارح نے اس امر کی طرف ابھی آگے اشارہ کیا ہے۔

فرع: ”حاشیہ“ میں ایک فرع نقل کی ہے: مشتری نے یہ دعویٰ کیا کہ اس نے فلاں کے ہاتھ میں کوئی چیز بھیجی اور فلاں اس کا انکار کرتا ہے۔ بائع اس کے حق میں گواہی دیتا ہے تو اس کی شہادت قبول نہ کی جائے گی۔ ”المحیط“ میں اسی طرح ہے۔ بائع جب اس چیز کے متعلق غیر کے حق میں گواہی دے تو اس کی شہادت قبول نہ کی جائے گی اسی طرح مشتری ہے۔ ”فتاویٰ قاضی خان“ اور ”فتاویٰ الہندیہ“ میں اسی طرح ہے۔

27029۔ (قوله: كَالْوَصِيِّ) یہ اس پر مبنی ہے کہ امام ”ابو یوسف“ رحمہ اللہ کے نزدیک محض وکالت کے قبول کرنے سے وہ خصم ہو جائے گا اگرچہ وہ مخاصمت نہ کرے۔ اسی وجہ سے اگر وہ مجلس قضا کے علاوہ میں اپنے موکل کے خلاف اقرار کرے تو اس کے خلاف اس کا اقرار نافذ ہو جائے گا اور طرفین کے نزدیک محض قبول کرنے سے خصم نہیں بنے گا۔ اسی وجہ سے اس کا

وَفِي قَسَامَةِ الزَّيْدِيِّ كُلُّ مَنْ صَارَ خَصْمًا فِي حَادِثَةٍ لَا تُقْبَلُ شَهَادَتُهُ فِيهَا وَمَنْ كَانَ بِعَرْضِيَّةٍ أَنْ يَصِيرَ خَصْمًا وَلَمْ يَنْتَصِبْ خَصْمًا بَعْدُ تُقْبَلُ وَهَذَانِ الْأَصْلَانِ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِمَا وَتَسَامُهُ فِيهِ، قَيَّدْنَا بِمَجْبِسِ الْقَاضِي لِأَنَّهُ لَوْ خَاصَمَ فِي غَيْرِهِ ثُمَّ عَزَلَهُ قُبِلَتْ عِنْدَهُمَا كَمَا لَوْ شَهِدَ فِي غَيْرِ مَا وَكَّلَ فِيهِ وَعَلَيْهِ جَامِعُ الْفَتَاوَى وَفِي الْبَزَازِيَّةِ وَكَفَّهُ بِالْخُصُومَةِ عِنْدَ الْقَاضِي فَخَاصَمَ الْمَطْلُوبَ بِأَلْفٍ دُرْهِمٍ عِنْدَ الْقَاضِي ثُمَّ عَزَلَهُ فَشَهِدَ أَنَّ لِمَوْلَاهُ عَلَى الْمَطْلُوبِ مِائَةَ دِينَارٍ تُقْبَلُ بِخِلَافِ مَا لَوْ وَكَّلَهُ عِنْدَ غَيْرِ الْقَاضِي وَخَاصَمَهُ

”زیعی“ کی کتاب القسامہ میں ہے: ہر وہ شخص جو کسی حادثہ میں خصم ہو تو اس حادثہ میں اس کی شہادت قبول نہ ہوگی۔ اور جو خصم بننے کے درپیش ہے ابھی خصم بنا نہیں تو اس کی شہادت قبول کی جائے گی۔ یہ دونوں متفق علیہ قاعدے ہیں۔ اس کی مکمل بحث اس میں ہے۔ ہم نے مجلس قاضی کی قید لگائی ہے کیونکہ اگر وہ قاضی کی مجلس کے علاوہ میں خصومت کرے پھر وہ اس کو معزول کر دے تو طرفین کے نزدیک اس کی گواہی قبول کی جائے گی جس طرح اگر وہ گواہی دے ایسے امر میں جو اس کے علاوہ ہے جس میں اسے وکیل بنایا گیا یا اس کے خلاف گواہی دی، ”جامع الفتاویٰ“۔ ”بزازیہ“ میں ہے: قاضی کے سامنے اس نے خصومت کے لیے وکیل بنایا اس نے قاضی کے سامنے ہزار پر مطلوب سے خصومت کی پھر اس نے اسے معزول کر دیا تو اس نے گواہی دی کہ اس کے موکل کا مطلوب کے ذمہ سود دینا رہے تو اس کی گواہی کو قبول کیا جائے گا اگر قاضی کے علاوہ کے ہاں اس نے اسے وکیل بنایا اور اس نے خصومت کی۔

اقرار نافذ نہیں ہوگا۔ ”ذخیرہ“۔ ملخص

27030۔ (قوله: وَفِي قَسَامَةِ الزَّيْدِيِّ الْخ) مسئلہ ”تا ترخانہ“ کی فصل السادس والعشرين میں مفصل موجود ہے۔

27031۔ (قوله: مُتَّفَقٌ عَلَيْهِمَا) اس میں ہے: امام ”ابو یوسف“ رضی اللہ عنہ نے وکیل کو وصی بنا دیا ہے اگرچہ وہ

خصومت نہ کرے ساتھ ہی وہ اس ارادہ میں ہے کہ وہ خصومت کرے۔

27032۔ (قوله: عِنْدَهُمَا) امام ”ابو یوسف“ رضی اللہ عنہ نے اس سے اختلاف کیا ہے جس طرح (مقولہ 27028 میں)

قول نزر چکا ہے۔ ”ح“۔

27033۔ (قوله: وَعَلَيْهِ) یعنی موکل کے خلاف گواہی دی۔

27034۔ (قوله: وَفِي الْبَزَازِيَّةِ) یہ ان کے قول فی غیر مادیات کا بیان ہے۔

27035۔ (قوله: عِنْدَ الْقَاضِي) یہ وکیل کے متعلق ہے۔ الخصومة کے متعلق نہیں۔

27036۔ (قوله: مِائَةُ دِينَارٍ) یعنی ایسا مال جس کا اسے وکیل نہیں بنایا گیا جو (مقولہ 27028 میں) نزر چکا ہے

وہ اس کے خلاف ہے۔

وَتَبَامُهُ فِيهَا

اس کی مکمل بحث اس میں ہے۔

وکالت جب قضا کے ساتھ متصل ہو تو وکیل موکل کے حق میں غرما کے خلاف خصم ہو جاتا ہے

27037۔ (قولہ: وَتَبَامُهُ فِيهَا) کیونکہ کہا: یہ صورت مختلف ہوگی اگر وہ قاضی کے علاوہ کسی اور کے ہاں اسے وکیل

بنائے اور وہ مطلوب کے ساتھ ہزار پر مخالفت کرے اور وکالت پر گواہیاں قائم کرے پھر موکل اسے وکالت سے معزول کر دے اور مطلوب کے خلاف اس کے حق میں ان سودینار کے بارے میں گواہی دے جو موکل کا مطلوب کے ذمہ تھا جب کہ وکالت کے بارے میں فیصلہ ہونے کے بعد ہو تو اسے قبول نہیں کیا جائے گا۔ کیونکہ وکالت جب قضا کے ساتھ متصل ہو تو وکیل موکل کے حق میں غرما کے خلاف خصم ہو جاتا ہے۔ اور معزولی کے بعد دنانیر کے بارے میں شہادت یہ خصم کی شہادت ہے جسے قبول نہیں کیا جائے گا۔ پہلی صورت کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ قاضی کو اس کی وکالت کا علم ہونا یہ قضا نہیں تو وہ اس معاملہ میں خصم نہیں ہوگا جس میں اسے وکیل نہیں بنایا گیا یعنی وہ دراہم۔ تو دوسرے حق میں معزولی کے بعد اس کی شہادت جائز نہیں ہوگی۔ یہ ”جامع الفتاویٰ“ سے کچھ زیادتی کے ساتھ منقول ہے۔

”الذخیرہ“ میں یہ زائد ذکر کیا ہے: مگر یہ کہ وہ وکالت کی تاریخ کے بعد نئے مال کی گواہی دے تو اس وقت ان کی شہادت امام ”ابو یوسف“ رحمہ اللہ کے نزدیک مقبول نہ ہوگی۔ اسی وجہ سے جو کچھ گزرا ہے اس کے ذکر کے بعد ”بزازیہ“ میں کہا: یہ اس میں درست نہیں جو نئے مال میں واقع ہو۔ کیونکہ روایت اس کے بارے میں محفوظ ہے کہ جب وہ اسے ہر ایسے حق میں ایسی خصومت کا وکیل بنائے جو اس کا حق ہے اور معین آدمی کے خلاف قبضہ کرنے کا وکیل بنائے یہ نئے واقع ہونے والے مال کو شامل نہ ہوگی۔ مگر جب اسے ہر ایسے حق کے طلب میں وکیل بنائے جو تمام لوگوں کی طرف ثابت ہو تو خصومت نئے واقع ہونے والے مال کی طرف بھی پھر جائے گا۔ یہ بطور استحسان ہے تو اس وقت مذکورہ وکالت کو وکالت عامہ پر محمول کیا جائے گا۔

پھر اس نے کہا: وکالت عامہ میں خصومت کے بعد مطلوب پر موکل کے حق میں اس کی شہادت قبول نہ کی جائے گی، نہ ہی مطلوب کے علاوہ پر قائمہ (جو پہلے سے قائم ہو) میں اور نہ ہی حادثہ (جو نیا واقعہ ہو) میں گواہی قبول کی جائے گی مگر معزول ہونے کے بعد جو حق واجب ہو۔ یعنی جہاں تک وکالت خاصہ کا تعلق ہے تو شہادت ان امور میں قبول نہ کی جائے گی جو وکالت سے قبل مطلوب پر ہوں اور وکالت کے بعد جو واقع ہوئے یا معزول ہونے کے بعد قبول کی جائے گی۔ ان کے اس قول: بہا کان للموکل علی المطلوب بعد القضاء بالوكالة کے ساتھ تفسیر درست واقع نہیں ہوگی۔ اسی وجہ سے ”الذخیرہ“ میں یہ قید ذکر نہیں کی بلکہ اس کے بعد تصریح کی ہے: بان الحادث تقبل فیہ جس طرح ہم نے پہلے اسے بیان کیا ہے۔ اس تحریر کو غنیمت جان۔ ”حاشیہ“ میں ”جامع الفتاویٰ“ کی عبارت ذکر کی ہے اس کی نص یہ ہے: کیونکہ فصل ثانی میں ہے: جب قضا وکالت کے ساتھ متصل ہوگئی تو وکیل ان تمام حقوق میں خصم ہو گیا جو موکل کے غرماء کے ذمہ ہیں۔ جب اس نے دنانیر کے

(ث) مَا قُبِلَتْ عِنْدَهُمَا خِلَافًا لِلثَّانِي (شَهَادَةُ اثْنَيْنِ بِدَيْنٍ عَلَى الْمَيِّتِ لِرَجُلَيْنِ ثُمَّ شَهِدَ الْمَشْهُودُ لِهَئِمَّا لِلشَّاهِدَيْنِ بِدَيْنٍ عَلَى الْمَيِّتِ) لِأَنَّ كُلَّ فَرِيقٍ يَشْهَدُ بِالذِّمَّةِ فِي الذِّمَّةِ وَهِيَ تَقْبَلُ حَقُّوْقًا شَتَّى فَلَمْ تَقْعُدِ الشَّرْكَةُ لَهُ فِي ذَلِكَ، بِخِلَافِ الْوَصِيَّةِ بِغَيْرِ عَيْنٍ كَمَا فِي وَصَايَا الْمَجْمَعِ وَشَرْحِهِ وَسَيَجِيءُ ثَمَّةً (و) لث (شَهَادَةُ وَصِيَّيْنِ لِمَوَارِثٍ كَبِيرَيْنِ)

جس طرح طرفین کے نزدیک ان دو آدمیوں کی گواہی اس دین کے بارے میں قبول کی جائے گی جو میت پر دو گواہوں کا ہو پھر جن دو افراد کے حق میں گواہی دی گئی تھی انہوں نے دونوں گواہوں کے حق میں میت پر دین کی گواہی دی۔ یہ طرفین کے نزدیک ہے۔ امام ”ابو یوسف“ رحمہ اللہ نے اس سے اختلاف کیا ہے۔ کیونکہ یہ فریق دین فی الذمہ کی گواہی دیتا ہے۔ اور ذمہ مختلف حقوق کو قبول کرتا ہے۔ پس اس کی اس میں شرکت واقع نہیں اس وصیت کا معاملہ مختلف ہے جو غیر عین میں ہو جس طرح ”المجمع“ اور اس کی شرح کی کتاب الوصایا میں ہے۔ وہاں عنقریب اس کا ذکر آئے گا۔ اور جس طرح دو وصی بڑے وارث کے حق میں

بارے میں گواہی دی تو اس نے اس بارے میں گواہی دی جس میں وہ خصم ہے۔ پہلی فصل میں قاضی کا اس کی وکالت کو جاننا یہ قضا نہیں پس وہ خصم نہیں۔ پس وہ اس میں شاہد ہے جس میں اس کو وکیل نہیں بنایا گیا وہ دراہم ہیں۔ پس معزول کے بعد اس کی شہادت ایک اور حق میں جائز ہوگی۔

27038۔ (قوله: شَهَادَةُ اثْنَيْنِ الْخ) ”تا ترخانیہ“ کی چوبیسویں فصل کی طرف رجوع کیجئے۔

27039۔ (قوله: فِي ذَلِكَ) یعنی اس میں جو ذمہ میں ہے۔ مقبوض میں قبض کے بعد شرکت ثابت ہو جاتی ہے۔ امام ”ابو یوسف“ رحمہ اللہ نے جو اسے قبول نہیں کیا اس کی دلیل یہ ہے: دونوں فریقوں میں سے ایک نے جب ترکہ میں سے کسی شے پر اپنے دین کے بدلے میں قبضہ کر لیا تو دوسرا فریق اس کے ساتھ شریک ہو جائے گا۔ پس ہر ایک اپنے حق میں گواہی دینے والا ہو جائے گا۔

27040۔ (قوله: بِخِلَافِ الْوَصِيَّةِ بِغَيْرِ عَيْنٍ) جس طرح جب دو آدمیوں نے گواہی دی کہ میت نے دو آدمیوں کے حق میں ہزار کی وصیت کی تو دو گواہوں نے دعویٰ کر دیا کہ میت نے دونوں کے حق میں ہزار کی وصیت کی اور جن دو افراد کے حق میں وصیت کی گئی تھی انہوں نے گواہی دی کہ میت نے دو گواہوں کے حق میں ہزار کی وصیت کی تھی تو ان کی گواہی قبول نہ کی جائے۔ کیونکہ موصی لہ کا حق عین ترکہ کے ساتھ متعلق ہو چکا ہے یہاں تک کہ ترکہ کے ہلاک ہونے کے بعد وہ باقی نہیں رہتا۔ پس دونوں فریقوں میں سے ہر ایک ترکہ میں اپنے لیے حق مشارکت کو ثابت کر رہا ہے پس دونوں کی شہادت صحیح نہ ہوگی۔ الوصیۃ بغیر عین کے قول کے ساتھ الوصیۃ بعین سے احتراز کیا ہے جس طرح دو آدمیوں نے گواہی دی کہ فلاں نے دو آدمیوں کے حق میں عین یعنی معین شے کی وصیت کی اور جن کے حق میں گواہی دی گئی تھی انہوں نے پہلے دو گواہوں کے حق

عَلَى أَجْنَبِيٍّ (فِي غَيْرِ مَالِ الْمَيِّتِ) فَإِنَّهَا مَقْبُولَةٌ فِي ظَاهِرِ الرَّوَايَةِ كَمَا لَوْ شَهِدَ الْوَصِيَّانِ عَلَى إِقْرَارِ الْمَيِّتِ بِشَيْءٍ مُعَيَّنٍ لَوَارِثُ بَالِغٌ تُقْبَلُ بِرَازِيَّةٍ (وَلَوْ شَهِدَا (فِي مَالِهِ) أَيْ الْمَيِّتِ (لَا) خِلَافًا لَهَا، وَلَوْ لِصَغِيرٍ لَمْ تَجْزِ اتِّفَاقًا، وَسَيَجِيءُ فِي الْوَصَايَا (كَمَا) لَا تُقْبَلُ (الشَّهَادَةُ عَلَى جَرْحٍ) بِالْفَتْحِ أَيْ فِسْقٍ (مُجَرَّدٍ) عَنْ إِثْبَاتِ حَقِّ اللَّهِ تَعَالَى أَوْ لِلْعَبْدِ، فَإِنْ تَضَمَّنَتْهُ قُبِلَتْ وَإِلَّا لَا (بَعْدَ التَّعْدِيلِ) (وَلَوْ (قَبْلَهُ قُبِلَتْ) أَيْ الشَّهَادَةُ بَلِّ الْإِخْبَارُ وَلَوْ مِنْ وَاحِدٍ عَلَى الْجَرْحِ الْمَجَرَّدِ كَذَا اعْتَمَدَهُ الْمُصَنِّفُ تَبَعًا لِمَا قَرَّرَهُ صَدْرُ الشَّرِيعَةِ، وَأَقَرَّهُ مُنْذَرًا خُسْرًا وَأَدْخَلَهُ تَحْتَ قَوْلِهِمُ الدَّفْعُ أَسْهَلُ مِنَ الرَّفْعِ، وَذَكَرَ وَجْهَهُ

اجنبی کے خلاف میت کے مال کے علاوہ میں وصیت کریں۔ ظاہر روایت میں یہ شہادت مقبول ہوگی۔ جس طرح دو وصی بالغ وارث کے حق میں معین شے کے بارے میں میت کے اقرار کے خلاف گواہی دیں تو گواہی قبول کی جائے گی، ”برازیہ“۔ اگر وہ دونوں میت کے مال میں اس کے حق میں گواہی دیں تو گواہی قبول نہ کی جائے گی۔ طرفین نے اس سے اختلاف کیا ہے اگر چھوٹے کے حق میں گواہی دیں تو بالاتفاق شہادت جائز نہ ہوگی۔ کتاب الوصایا میں عنقریب آئے گا۔ جس طرح ایسے فسق پر گواہی قبول نہیں کی جائے گی جو اللہ تعالیٰ کے حق یا بندے کے حق میں جدا ہو۔ جرح کا لفظ جیم کے فتح کے ساتھ ہے۔ اگر وہ اپنے ضمن میں حق کو لیے ہوئے ہو تو اس گواہی کو قبول کیا جائے گا ورنہ اسے قبول نہ کیا جائے گا۔ جرح پر یہ گواہی تعدیل کے بعد ہو۔ اگر تعدیل سے پہلے ہو شہادت کو قبول کیا جائے گا۔ بلکہ مجرد جرح کے بارے میں اخبار میں ہو تو اسے قبول کیا جائے گا اگرچہ یہ ایک آدمی سے ثابت ہو۔ مصنف نے اسی طرح اس پر اعتماد کیا ہے۔ یہ اس کی تبع میں ہے جسے ”صدر الشریعہ“ نے ثابت کیا ہے اور ”منلا خسرو“ نے اسے ثابت کیا ہے اور اسے علما کے اس قول کے تحت داخل کیا ہے: دفع رفع سے زیادہ آسان ہے اور اس کی وجہ کو ذکر کیا۔

میں گواہی دی کہ اس نے ان کے حق میں معین شے کی وصیت کی اور ان دونوں کے حق میں دوسری معین شے کی وصیت کی تو بالاتفاق دونوں شہادتوں کو قبول کیا جائے گا۔ کیونکہ نہ کوئی شرکت ہے اور نہ ہی تہمت ہے، ”ح“۔ کذا فی الہامش

27041۔ (قوله: عَلَى أَجْنَبِيٍّ) ظاہر یہ ہے کہ یہ قید نہیں۔ تامل

27042۔ (قوله: حَقِّ اللَّهِ تَعَالَى) اگرچہ حق تعزیر ہو۔ ”البحر“ کے باب التعزیر کو ان کے قول یا فاسق یا زانی کے

ہاں دیکھو۔

27043۔ (قوله: وَإِلَّا لَا) یہ تکرار ہے۔ ”س“۔

جرح تعدیل پر مقدم ہے

27044۔ (قوله: بَعْدَ التَّعْدِيلِ) اگر یہ تعدیل سے پہلے گواہی ہو تو اسے قبول کیا جائے گا۔ ”البحر“ میں یہ ذکر کیا

ہے۔ تفصیل یہ ہے کہ یہ اس بارے میں ہے جب خصم اس کا دعویٰ کرے اور اس پر جہراً گواہیاں قائم کرے مگر جب وہ قاضی کو

مخفی طریقہ سے باخبر کرے اور وہ حق سے خالی ہو تو قاضی اس پر اس سے برہان طلب کرے گا جب وہ رازداری سے برہان قائم کرے تو وہ شہادت کو باطل کر دے گا۔ کیونکہ جرح و تعدیل میں تعارض ہے۔ پس جرح کو مقدم کیا جائے گا۔ جب خصم نے قاضی کو رازداری سے کہا: شاہد نے ربا کھایا اور اس پر گواہیاں قائم کر دیں تو اس کی شہادت کو رد کر دے گا جس طرح ”الکافی“ میں اس کو بیان کیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے اگر برہان جبراً ہو تو اسے جرح مجرد پر قبول نہیں کیا جائے گا کیونکہ فاحشہ کے اظہار کے ساتھ گواہ فسق ہو گئے ہیں۔ جب وہ رازداری سے گواہی دیں تو معاملہ مختلف ہوگا جس طرح ”البحر“ میں اسے بیان کیا ہے۔

اس کا حاصل یہ ہے کہ جرح پر شہادت کو قبول کیا جائے گا اگرچہ وہ مجرد ہو، یا تعدیل کے بعد ہو اگر وہ رازداری سے گواہی دیں۔ اس سے یہ امر ظاہر ہوتا ہے کہ مصنف کے قول: لا تقبل بعد التعدیل کی بسا اذاکان جہرا کے ساتھ قید لگانی ضروری ہے۔ ”الکافی“ کے کلام کا ظاہر معنی یہ ہے کہ جرح مجرد کا اعلان خصم کو کچھ نقصان نہیں دیتا جس طرح ”البحر“ میں ہے۔ کیونکہ رازداری سے گواہوں کے ساتھ امر مشتبہ نہیں ہوا اور فاحشہ کے اظہار کے ساتھ شاہد کو فاسق قرار دیا گیا تو اس کا حق ساقط نہیں ہوگا۔ گواہوں کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ اس طرح فسق اختیار کرنے کے ساتھ ان کی شہادت ساقط ہو جائے گی۔ اسی طرح قاضی کے سوال کرنے کے وقت اسے قبول کیا جائے گا۔

”البحر“ میں گزشتہ باب کے شروع میں کہا: یہاں ان کی کلام کے اطلاق سے یہ امر ظاہر ہوتا ہے کہ جرح کا مقام تعدیل پر مقدم ہے خواہ قاضی جب شاہد کے بارے میں سوال کرے تو وہ حق سے مجرد ہو یا نہ ہو۔ آنے والی تفصیل یہ ہے اگر وہ جرح مجرد ہو تو اس کے بارے میں گواہیاں نہیں سنی جائیں گی یا حق سے مجرد نہ ہوگی تو گواہیاں سنی جائیں گی۔ یہ اس وقت ہے جب خصم شاہد میں اعلانیہ طعن کرے۔

یہ امر ذہن نشین کر لو۔ اس باب سے پہلے گزر چکا ہے کہ قاضی شاہد کے بارے میں سوال نہیں کرے گا جب تک خصم کی جانب سے طعن نہ کیا جائے۔ ”صاحبین“ رحمہ اللہ علیہما کے نزدیک وہ مطلقاً سوال کرے گا۔ اور فتویٰ ”صاحبین“ رحمہ اللہ علیہما کے قول پر ہے کہ ظاہری عدالت پر اکتفا نہیں کیا جائے گا۔ تو اس وقت یہ قول کیسے صحیح ہو سکتا ہے کہ جرح مجرد پر تعدیل سے قبل شہادت کو رد کر دیا جائے؟

”سانحانی“ نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ جس نے یہ کہا ہے: اس کی گواہی قبول کی جائے گی اس نے یہ ارادہ کیا اس وقت ظاہر عدالت کافی نہ ہوگی۔ جس نے کہا: اس کی شہادت رد کی جائے گی اس نے یہ ارادہ کیا اگر تعدیل ثابت ہو یا اس کے بعد اسے ثابت کیا جائے تو مجرد جرح اس کے معارض نہیں آئے گی۔ پس عدالت باطل نہ ہوگی۔ ”ابن کمال“ کا قول اس کی طرف اشارہ کرتا ہے۔

اگر تو اعتراض کرے کیا گواہوں نے فسق کی خبر ان کی عدالت پر بینہ قائم کرنے سے پہلے قاضی کو ان کی شہادت کے قبول کرنے اور اس کے مطابق حکم لگانے سے مانع نہیں؟ میں کہوں گا: ہاں۔ لیکن یہ ان کی عدالت میں طعن کی وجہ سے ہے۔ یہ اس

وَأُطْلِقَ ابْنُ الْكَمَالِ رَدَّهَا تَبَعًا لِغَامَةِ الْكُتُبِ، وَذَكَرَ وَجْهَهُ، وَظَاهِرُ كَلَامِ الْوَائِي وَعَزَمِي زَادَهُ الْبَيْلُ إِلَيْهِ، وَكَذَا الْقَهْطَانِي حَيْثُ قَالَ وَفِيهِ أَنَّ الْقَاضِيَ لَمْ يَلْتَفِتْ لِهَذِهِ الشَّهَادَةِ وَلَكِنْ يُزَيِّجُ الشُّهُودَ سِرًّا وَعَلْنًا، فَإِنْ عُدِّلُوا قَبْلَهَا وَعَزَاهُ لِلْمُضْمَرَاتِ وَجَعَلَهُ الْبُرْجَنْدِيُّ عَلَى قَوْلِهَا لَا قَوْلَهُ فَتَنَّبَهُ (مِثْلُ أَنْ يَشْهَدُوا عَلَى شُهودِ الْمُدَّعَى) عَلَى الْجَرْحِ الْمُجَرَّدِ (بِأَنَّهُمْ فَسَقَةٌ أَوْ زُنَاةٌ أَوْ أَكَلَةُ الرِّبَا أَوْ شَرَبَةُ الْخَمْرِ أَوْ عَلَى إِقْرَارِهِمْ أَنَّهُمْ شَهِدُوا بِزُورٍ أَوْ أَنَّهُمْ أَجْرَاءُ فِي هَذِهِ الشَّهَادَةِ أَوْ أَنَّ الْمُدَّعَى مُبْطَلٌ فِي هَذِهِ الدَّعْوَى

”ابن کمال“ کے اس کے رد کو مطلق ذکر کیا ہے کتب عامہ کی اتباع میں اور اس کی وجہ ذکر کی ہے۔ ”وائی“ اور ”عزمی زادہ“ کے کلام کا ظاہر یہ ہے کہ انہوں نے اس طرف میلان کیا ہے اور اسی طرح ”قہستانی“ ہے۔ کیونکہ کہا: اس میں ہے: قاضی اس شہادت کی طرف التفات نہیں کرے گا لیکن گواہوں کا رازداری اور اعلانیہ تزکیہ کرے گا اگر ان کی تعدیل کر دی جائے تو وہ شہادت کو قبول کرے گا۔ اسے ”مضمورات“ کی طرف منسوب کیا ہے۔ ”برجندی“ نے اسے طرفین کا قول قرار دیا ہے ”امام صاحب“ رضی اللہ عنہ کا قول قرار نہیں دیا۔ پس اس پر متنبہ ہو جائیے۔ (مگر ”تقریرات رافعی“ میں ہماضمیر سے مراد شیخین ہیں مترجم)۔ جیسے وہ مدعی کے گواہوں پر جرح مجرد گواہی دیں کہ یہ فاسق ہیں، زانی ہیں، سودخور ہیں، شراب نوشی کرنے والے ہیں یا ان کے اس اقرار پر گواہی دیں کہ انہوں نے اقرار کیا ہے کہ انہوں نے جھوٹی گواہی دی ہے یا وہ اس شہادت میں مزدوری پر تھے یا مدعی اس دعویٰ میں باطل پر ہے۔

امر کے سقوط کی وجہ سے نہیں جو ان گواہوں کو مرتبہ قبول سے ساقط کر دے۔ اس وجہ سے اگر ان کی تعدیل اس کے بعد کی گئی تو ان کی شہادت قبول کی جائے گی اگر ان کے فسق پر شہادت مقبول ہوتی تو وہ شہادت کے مرتبہ سے گر جاتے اور ان کے بارے میں تعدیل کا محل باقی نہ رہتا۔ ”قہستانی“ کے کلام کا یہی معنی ہے۔ اسی طرح ”صدر شریعہ“ اور ”منلا خسرو“ کا کلام اس کی طرف راجع ہے جسے ”ابن کمال“ نے ذکر کیا ہے۔

27045۔ (قوله: وَجَعَلَهُ الْبُرْجَنْدِيُّ) میں کہتا ہوں: اس سے متبادر معنی یہ سمجھ آتا ہے یہ ان کے اس قول کی طرف راجع ہے: لیکن وہ گواہوں کا رازداری سے اور اعلانیہ تزکیہ کرے گا۔ جہاں تک ”امام صاحب“ رضی اللہ عنہ کے قول کا معاملہ ہے کہ صرف اعلانیہ تزکیہ کافی ہے جس طرح پہلے قول (مقولہ 26826 میں) گزر چکا ہے۔ یہ اس کا محل ہے جب خصم طعن نہ کرے۔ مگر جب وہ طعن کرے جس طرح یہاں ہے تو کوئی اختلاف نہیں بلکہ یہ سب کے قول کے مطابق ہے کہ وہ رازداری سے اور اعلانیہ ان کا تزکیہ کرے گے۔ فاعل و راجع۔ شاید یہی شارح کے قول فتنبہ کی وجہ ہے، ”س“۔ ظاہر یہی ہے کہ ضمیر اس اطلاق کی طرف راجع ہے جو ان کے قول: واطلق ابن کمال سے مفہوم ہے۔

27046۔ (قوله: أَوْ زُنَاةٌ الْخ) یعنی ان کی عادت زنا کرنا ہے، سودخوری ہے، شراب نوشی ہے۔ اس میں حد ثابت نہیں ہوتی جو آگے آ رہا ہے وہ اس کے خلاف ہے: من انهم زنوا او سرقوا متنی الخ کیونکہ یہ فعل مخصوص پر شہادت ہے جو حد کو

أَوْ أَنَّهُ لَا شَهَادَةَ لَهُمْ عَلَى الْمُدَّعَى عَلَيْهِ فِي هَذِهِ الْحَادِثَةِ فَلَا تُقْبَلُ بَعْدَ التَّعْدِيلِ بَلْ قَبْلَهُ دُرُرٌ،
وَاعْتَصَدَ الْبُصْنِفُ (وَتُقْبَلُ لَوْ شَهِدُوا عَلَى) الْجَرْحِ الْمُرَكَّبِ

یا اس حادثہ میں مدعی علیہ پر انہیں شہادت کا کوئی حق نہیں پس تعدیل کے بعد بلکہ اس سے قبل ان کی شہادت قبول نہ کی جائے گی، ”درر“ مصنف نے اس پر اعتماد کیا ہے۔ اگر وہ جرح مرکب پر گواہی دیں تو شہادت قبول کی جائے گی واجب کرتی ہے۔ یہ امر میرے لیے ظاہر ہوا ہے۔

فرع: اس فرع کا ذکر حاشیہ میں کیا ہے: جو آدمی اپنے لیے ملکیت کا دعویٰ کرے پھر وہ یہ گواہی دے کہ یہ غیر کی ملکیت ہے اس کی شہادت قبول نہ کی جائے گی اگر وہ کسی انسان کے حق میں ملکیت کی گواہی دے پھر اس کے متعلق غیر کے حق میں گواہی دے تو اس کی شہادت قبول نہ کی جائے گی۔

فرع: ایک آدمی نے کسی سے کوئی چیز خریدی۔ پھر کسی دوسرے کے حق میں اس بارے میں گواہی دی تو اس کی شہادت رد کر دی جائے گی اگر وہ گواہی دے کہ گواہ نے اقرار کیا کہ یہ ملکیت ہے تو اسے قبول کیا جائے گا۔ شاید اقرار کا انکار کرے تو اس سے قسم نہیں لی جائے گی۔ ”جامع الفصولین“: فصل چودہ۔

27047۔ (قوله: فَلَا تُقْبَلُ) یہ گزشتہ کے ساتھ تکرار ہے۔

عدالت ثابت ہونے کے بعد مرتفع نہیں ہوتی مگر شرح یا بندے کے حق کو ثابت کرنے کے ساتھ

27048۔ (قوله: وَاعْتَصَدَ الْبُصْنِفُ) کہا: تعدیل کے بعد اس شہادت کو قبول نہیں کیا جائے گا۔ کیونکہ عدالت

ثابت ہونے کے بعد مرتفع نہیں ہوتی مگر شرع یا بندے کے حق کو ثابت کرنے کے ساتھ مرتفع ہوتی ہے جس طرح تو پہچان چکا ہے۔ جس کا ذکر کیا گیا ہے اس میں ان دونوں میں سے کسی ایک کا اثبات نہیں ہے۔ تعدیل سے پہلے جب شہادت پائی جائے تو معاملہ مختلف ہوگا کیونکہ دفع میں یہ کافی ہے۔ جس طرح قول گزر چکا ہے ”منلا خسرو“ وغیرہ نے اسی طرح کہا ہے۔

اگر تو کہے: ہم اسے تسلیم نہیں کرتے کہ یہ ان چیزوں میں سے نہیں ہے جن میں ان دونوں میں سے ایک کے اثبات کا ذکر کیا گیا ہو یعنی اللہ تعالیٰ کے حق اور بندوں کے حق کا اثبات ہو۔ کیونکہ ان کا یہ اقرار کرنا کہ گواہیاں جھوٹی ہیں یا شاہد اثر کی گواہی دیں ساتھ ہی بوجہ کے جانے کی گواہی دیں یہ تعزیر کا موجب ہے جو یہاں اللہ تعالیٰ کے حق میں سے ہے۔

میں کہتا ہوں: ظاہر یہ ہے کہ ان کی: مایوجب حقاً اللہ تعالیٰ سے مراد حد ہے تعزیر نہیں۔ کیونکہ علما کا قول ہے: قاضی کی حاکمیت میں یہ نہیں کہ وہ اس کو لازم کر دے۔ کیونکہ وہ توبہ کے ساتھ اس کو دور کر سکتا ہے۔ کیونکہ تعزیر اللہ تعالیٰ کا ایسا حق ہے جو توبہ کے ساتھ ساقط ہو جاتا ہے۔ حد کا معاملہ مختلف ہے جو توبہ کے ساتھ ساقط نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ اعلم۔

میں کہتا ہوں: ”البحر“ کے باب التعزیر میں اس کی تصریح کی ہے: اللہ تعالیٰ کا حق حد کے ساتھ مختص نہیں۔ بلکہ حد سے اور تعزیر سے عام ہے۔ وہاں بھی اس کی تصریح کی ہے کہ تعزیر توبہ کے ساتھ ساقط نہیں ہوتی مگر یہ کہا جائے اس سے مراد بندے

(كَإِقْرَارِ الْمُدَّعَى بِفُسْقِهِمْ أَوْ إِقْرَارِهِ بِشَهَادَتِهِمْ بِزُورٍ أَوْ بَأَنَّهُ اسْتَأْجَرَهُمْ عَلَى هَذِهِ الشَّهَادَةِ أَوْ عَلَى إِقْرَارِهِمْ أَنَّهُمْ لَمْ يَحْضُرُوا الْمَجْلِسَ الَّذِي كَانَ فِيهِ الْحَقُّ عَيْنِي) (أَوْ أَنَّهُمْ عَبِيدٌ أَوْ مَحْدُودُونَ بِقَذْفٍ) أَوْ أَنَّهُ ابْنُ الْمُدَّعَى أَوْ أَبُوهُ عِنَايَةً أَوْ قَاذِفٌ وَالْمَقْذُوفُ يَدَّعِيهِ (أَوْ أَنَّهُمْ زَنَوْا وَوَصَفُوهُ أَوْ سَرَقُوا مِنِّي كَذَا) وَبَيَّنَّهُ (أَوْ شَرَبُوا الْخَمْرَ وَلَمْ يَتَّقَادِمُوا الْعَهْدُ) كَمَا مَرَرْنَا بِابِهِ (أَوْ قَتَلُوا النَّفْسَ عِنْدًا) عَيْنِي

جیسے مدعی گواہوں کے فسق کا اقرار کرتا ہے یا یہ اقرار کرتا ہے کہ انہوں نے جھوٹ بولا یا مدعی نے یہ اقرار کیا کہ اس نے انہیں اس شہادت پر اجرت پر لیا ہے یا انہوں نے یہ اقرار کیا کہ وہ اس مجلس میں حاضر نہ تھے جس میں حق واقع ہوا، ”عینی“۔ یا گواہ غلام ہیں، قذف میں محدود ہیں یا وہ مدعی کا بیٹا یا اس کا باپ ہے، ”عنایہ“۔ یا وہ تہمت لگانے والا ہے اور مقذوف اس کا دعویٰ کرنے والا ہے یا گواہوں نے زنا کیا ہے اور اس کا وصف بیان کیا ہے یا انہوں نے میرا تنہا مال چرایا ہے اور اس کی وضاحت کی یا انہوں نے شراب پی اور وقت زیادہ نہیں گزرا جس طرح اس کے باب میں گزرا ہے یا کسی انسان کو جان بوجھ کر قتل کیا ہے، ”عینی“۔

کا وہ حق ہے جو توبہ کے ساتھ ساقط نہیں ہوتا۔ تامل

جرح مرکب

27049۔ (قولہ: كَإِقْرَارِ الْمُدَّعَى) ”البحر“ میں کہا: یہ جرح کے تحت داخل نہیں ہوگا جب وہ مدعی کے اس اقرار پر گواہیاں قائم کرے کہ گواہ فاسق ہیں، وہ اجرت پر ہیں، وہ واقعہ میں حاضر نہ تھے وہ قذف میں محدود ہیں، گواہ کی غلام پر یا شاہد کے معین شے میں شریک ہونے پر گواہیاں قائم کر دے۔ اسی وجہ سے ”الخلاصہ“ میں کہا: خصم کو حق حاصل ہے کہ وہ تین چیزوں کے ساتھ طعن کرے۔ وہ کہے: یہ دونوں غلام ہیں، دونوں قذف میں محدود ہیں یا دونوں شریک ہیں۔ جب اس نے کہا: یہ دونوں غلام ہیں تو گواہوں سے کہا جائے گا: اپنی آزادی پر گواہیاں قائم کرو اور دوسرے خصم سے کہا جائے گا کہ اس چیز کو ظاہر کر دیا جائے جو عدالت میں نخل ہو نہ کہ عدالت کے ساتھ شہادت میں نخل ہو۔ ان مسائل کو جرح مقبول میں داخل کرنا مردود ہے جس طرح ”ابن ہمام“ نے کہا ہے بلکہ یہ باب الطعن میں سے ہے جس طرح ”الخلاصہ“ میں ہے۔

”خزانة الاكمل“ میں ہے: اگر مدعی کے اس اقرار پر گواہیاں قائم کیں کہ گواہ فاسق ہیں یا ایسے امر کا اقرار کیا جو ان کی شہادت کو باطل کر دیتا ہے تو اسے قبول کیا جائے گا یہ جرح نہیں۔ یہ اقرار الانسان عن نفسه کے باب سے ہے۔ یہ اعتراض مصنف پر وارد نہیں ہوتا شارح پر یہ لازم تھا کہ وہ جرح مرکب کا قول ذکر نہ کرتا۔ کیونکہ یہ زیادہ نقصان دہ ہے۔

27050۔ (قولہ: بِقَذْفٍ) کیونکہ اس کا حد کا تمہ یہ ہے کہ اسکی شہادت کو رد کیا جائے جب کہ یہ حقوق اللہ میں سے ہے۔

27051۔ (قولہ: وَلَمْ يَتَّقَادِمُوا الْعَهْدُ) زمانہ کے متقادم ہونے کی صورت یہ ہے کہ شراب میں بونہ جائے اور باقی

چیزوں میں مہینہ نہ گزرے۔ عدم متقادم کی قید لگائی ہے کیونکہ اگر یہ متقادم ہو تو اسے قبول نہیں کیا جائے گا۔ کیونکہ اس کے ساتھ حق ثابت نہیں ہوتا۔ کیونکہ حد متقادم کے بارے میں شہادت مردود ہوتی ہے۔ ”منح“۔

(أَوْ شَرَكًاؤُ الْمَدْعَى) أَمْي وَالْمَدْعَى مَالٌ (أَوْ أَنَّهُ اسْتَأْجَرَهُمْ بِكَذَابِهَا) لِشَهَادَةٍ (وَأَعْصَاهُ ذَلِكَ مِمَّا كَانَ لِي عِنْدَهُ) مِنْ الْمَالِ وَلَوْ لَمْ يَقُلْهُ لَمْ تُقْبَلْ لِدَعْوَاهُ إِلَّا اسْتِئْجَارَ لِغَيْرِهِ وَلَا وَلايَةً لَهُ عَلَيْهِ (أَوْ إِنِّي صَالِحْتُهُ عَلَى كَذَا وَدَفَعْتُهُ إِلَيْهِمْ) أَمْي رِشْوَةً وَإِلَّا فَلَا صُدَحَ بِالْمَعْنَى الشَّرْعِي. وَلَوْ قَانَ وَلَهُ أَدْفَعَهُ لَهُ تُقْبَلُ (عَلَى أَنْ لَا يَشْهَدُوا عَلَى زُورًا) قَدْ (شَهِدُوا زُورًا) وَأَنَا أَطْلُبُ مَا أُعْطِيَتْهُمْ وَإِنَّا قَبِلْتُ

یاد دہا میں شریک ہیں یعنی مدعی مال ہے یا یہ گواہی دی کہ مدعی نے انہیں شہادت کے لیے اجرت پر لیا ہے اور اس نے ان کو وہ مال دیا جو میرا مال اس کے ہاں تھا۔ اگر وہ یہ قول نہ کرے تو غیر کے لیے اجرت پر لینے کے دعویٰ کو قبول نہیں کیا جائے گا۔ اور اس کی دوسرے آدمی پر کوئی ولایت نہیں۔ یا میں نے ان کو انہوں سے اتنے مال پر صلح کی اور انہیں وہ مال رشوت دیا تھا ورنہ یہ معنی شرعی کے طور پر صلح نہ ہوگی۔ اگر اس نے یہ کہا: میں نے وہ مال نہیں دیا تو گواہی قبول نہ کی جائے گی۔ میں نے یہ مال انہیں اس لیے دیا تھا کہ وہ مجھ پر جھوٹی گواہی نہ دیں جب کہ انہوں نے جھوٹی گواہی دی اور میں ان سے اس مال کا متہ بہرتا ہوں جو میں ان کو دیتا ہوں۔ ان صورتوں میں

مصنف نے جو اپنے قول وَلَمْ يَتَّقَادُمْ الْعَهْدُ کے ساتھ ذکر کیا ہے ”زلیعی“ نے اس کے ساتھ یوں تطبیق کی ہے کہ وہ نے: ھہ زناۃ شربة الخمر یہ جرح مجرم میں سے ہے اور: زنو و سرقوا کو غیر مجرم سے بنایا ہے۔ ”مقدم“ سے یہ نقل کیا ہے۔ اظہر یہ ہے کہ ان کا قول وہ زانی ہیں، فاسق ہیں، شرابی ہیں، سودخور ہیں، یہ اسم فاعل کا صیغہ ہیں جو بعض اوقات استنبال کا معنی دیتا ہے تو جو چھ ذکر کیا گیا ہے اس کے ساتھ ان کے وصف کی قطعیت کا قول نہیں کیا جاتا۔ ماضی کا معاملہ مختلف ہے۔ ماضی۔ یہ بہت ہی اچھا قول ہے۔ کیونکہ یہ متبادر معنی سمجھ آتا ہے کہ پہلے کی مثال بیان کرنے کے لیے اسم فاعل اور دوسرے کے لیے ماضی کا صیغہ ذکر کیا ہے۔

27052۔ (قوله: أَوْ شَرَكًاؤُ) جب شہادت اس بارے میں ہو جن میں وہ شریک ہیں، ”مخ“۔ مراد یہ ہے کہ شہد شریک مناوش ہے جو اس باطل شہادت سے حاصل ہوتا ہے اس کی اس میں منفعت ہے نہ کہ اس سے مراد یہ ہے کہ وہ مدعی ہے میں شریک ہے ورنہ یہ اقرار ہوگا کہ مدعی بہ ان دونوں کا ہے، ”فتح“۔ اس کی مثل ”قبستانی“ میں ہے۔

”البحر“ میں اسے جو عقد شریکت پر محمول کیا گیا ہے یہ اپنے عموم کی وجہ سے شریکت عثمان کو شامل ہوگی۔ اس سے شہد کا نفع لازم نہیں ہوتا۔ گویا یہ سبقت قلم ہے جو قول ہم نے کیا ہے اس کی تعبیر کی بنا پر شارح کا قول وَالْمَدْعَى مَالٌ سے مراد ایسا مال ہو گا جس میں شریکت صحیح ہوتا کہ جائداد، گھر والوں کا کھانا اور ان کے لباس وغیرہ خارج ہو جائیں یہ ان چیزوں میں سے ہے جس میں شریکت صحیح نہیں۔

27053۔ (قوله: أَوْ إِنِّي صَالِحْتُهُ) یعنی مدعی کے اس قول إِنِّي صَالِحْتُهُ الخ پر گواہی دی۔

27054۔ (قوله: أَمْي رِشْوَةً) ”السعدیہ“ میں یہ کہا۔

فِي هَذِهِ الصُّورِ لِأَنَّهَا حَقٌّ اللَّهُ تَعَالَى أَوْ الْعَبْدُ فَمَسَّتْ الْحَاجَةَ لِإِحْيَائِهِمَا (شَهَدَ عَدْلٌ فَلَمْ يَبْرَحْ) عَنْ مَجْلِسِ الْقَاضِي وَلَمْ يُطْلُ الْمَجْلِسُ وَلَمْ يُكَذِّبْهُ الْمَشْهُودُ لَهُ (حَتَّى قَالَ أَوْ هَبْتُ) أَخْطَأْتُ (بَعْضُ شَهَادَتِي وَلَا مُنَاقَضَةً قُبِلَتْ) شَهَادَتُهُ بِجَمِيعِ مَا شَهِدَ بِهِ لَوْ عَدْلًا وَلَوْ بَعْدَ الْقَضَاءِ وَعَلَيْهِ الْفَتْوَى خَانِيَّةٌ وَبَحْرٌ قُلْتُ لَكِنَّ عِبَارَةَ الْمُلْتَقَى تَقْتَضِي قَبُولَ قَوْلِهِ أَوْ هَبْتُ وَأَنَّهُ يَقْضِي بِمَا بَقِيَ وَهُوَ مُخْتَارُ السَّرْخَسِيِّ وَغَيْرِهِ، وَظَاهِرُ كَلَامِ الْأَكْمَلِ وَسَعْدِيِّ تَرْجِيحُهُ

شہادت کو قبول کیا جائے گا۔ کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ یا بندے کا حق ہے۔ پس دونوں حقوق کے احیاء کی حاجت ہے۔ ایک عادل آدمی نے گواہی دی وہ قاضی کی مجلس میں تھا اور مجلس طویل نہ ہوئی اور نہ ہی مشہود نے اسے جھٹلایا یہاں تک کہ اس نے کہا: میں نے اپنی گواہی میں کچھ غلطی کی ہے اور اس کی گواہی میں کوئی مناقضہ نہیں تو اس کی گواہی ان تمام چیزوں کے ساتھ قبول کی جائے گی اگر وہ عادل ہو اگرچہ قضا کے بعد ہو اسی پر فتویٰ ہے۔ ”خانیہ“، ”بحر“۔ میں کہتا ہوں لیکن ”الملتقی“ کی عبارت تقاضا کرتی ہے کہ ان کے قول میں مجھے وہم ہوا ہے، اور باقی کا فیصلہ کر دے اس کے قبول کرنے کا تقاضا کرتی ہے یہ ”سرخسی“ وغیرہ کا مختار مذہب ہے۔ ”اکمل“ اور ”سعدی“ کے کلام کا ظاہر معنی یہ ہے کہ اس کو ترجیح دی جائے

27055۔ (قوله: فَلَمْ يَبْرَحْ) کیونکہ اگر وہ کھڑا ہو جائے تو اس سے یہ قول قبول نہیں کیا جائے گا۔ کیونکہ یہ جائز ہے کہ خصم نے اسے دنیا میں دھوکہ دیا ہے۔ ”بحر“۔

27056۔ (قوله: أَخْطَأْتُ) ”البحر“ میں کہا: ان کے قول ادھست کا معنی ہے یعنی جس کا ذکر کرنا مجھ پر لازم تھا اس کو بھول کر میں نے خطا کی ہے یا اس زیادتی کے ذکر کے ساتھ خطا کی ہے جو زیادتی باطل ہے۔ ”الہدایہ“ میں اسی طرح ہے۔

27057۔ (قوله: بَعْضُ شَهَادَتِي) حرف جار کے حذف کے ساتھ منصوب ہے یعنی کلام یہ ہے: فی بعض شہادت۔ ”سعدیہ“۔

27058۔ (قوله: قُبِلَتْ شَهَادَتُهُ) ”المنح“ میں کہا ہے: ”الہدایہ“ میں اسے اختیار کیا ہے: کیونکہ مسئلہ کے جواب میں کہا: جازت شہادتہ ایک قول یہ کیا گیا ہے اگر نقصان کے ساتھ تدارک کیا ہو تو باقی ماندہ کا فیصلہ کر دیا جائے گا۔ اگر زیادتی کے ساتھ تدارک کیا ہو تو اس زیادتی کے ساتھ فیصلہ کیا جائے گا اگر مدعی اس کا دعویٰ کرے۔ کیونکہ جو شہادت کے بعد قضا سے پہلے امر واقع ہوا تو اسے یوں بنا دیا جائے گا جیسے وہ گواہی کے وقت واقع ہو شمس الائمہ ”سرخسی“ اس کی طرف مائل ہوئے ہیں۔ ”قاضی خان“ نے اسی پر اکتفا کیا ہے۔ اور اسے ”الجامع الصغیر“ کی طرف منسوب کیا ہے۔

27059۔ (قوله: لَوْ عَدْلًا) یہ متن کے ساتھ تکرار ہے۔ ”س“۔

27060۔ (قوله: وَعَلَيْهِ الْفَتْوَى) یعنی فتویٰ ان کے اس قول پر ہے: ولو بعد القضاء۔

27061۔ (قوله: بِمَا بَقِيَ) یعنی باقی ماندہ یا جو زائد ذکر کیا جس طرح اس کی کسی اور نے تصریح کی ہے۔ اسی کی مثل

فَتَتَبَّهَ وَتَبَصَّرَ (وَأِنْ) قَالَهُ الشَّاهِدُ (بَعْدَ قِيَامِهِ عَنِ الْمَجْلِسِ لَا) تُقْبَلُ عَلَى الظَّاهِرِ احْتِيَاظًا وَكَذَا لَوْ وَقَعَ الْغَلْطُ فِي بَعْضِ الْحُدُودِ

پس متنبہ اور ہوشیار ہو جائے۔ اگر گواہ نے یہ قول مجلس سے اٹھنے کے بعد کیا تو بطور احتیاط ظاہر روایت کے ساتھ قبول نہ کی جائے گی اسی طرح بعض حدود

”البحر“ میں ہے کہا: اس تعبیر کی بنا پر قبول کا معنی یہ ہوگا کہ اس کے دوسرے قول پر عمل کیا جائے۔

شارح رحمۃ اللہ کی کلام پر اشکال

27062۔ (قوله: فَتَتَبَّهَ وَتَبَصَّرَ) شارح غنی عنہ کی کلام میں اس مقام پر کئی وجوہ سے اعتراض کی گنجائش ہے۔

(۱) ان کا قول ولو بعد القضاء یہ اپنے محل میں نہیں ہے۔ کیونکہ مصنف کے قول میں قبلت یہ شہادت کی طرف راجع ہے جس طرح ”المنح“ میں اس کی تصریح کی ہے یہاں اس کے عمل کا یہی مقتضا ہے اس وقت لقبولہا بعد القضاء کا کوئی معنی نہیں بلکہ صحیح یہ تھا کہ اس کا ذکر ”المستقی“ کی عبارت کے بعد کیا جاتا۔

(۲) یہاں استدراک کا کوئی محل نہیں۔ کیونکہ مسئلہ میں دو قول ہیں اور کسی قول سے دوسرے پر استدراک قبول نہیں کیا جائے گا۔ اللہم مگر استدراک کا اعتبار دوسرے قول کی ترجیح کو پیش نظر رکھنے کی بنا پر کیا جائے۔

(۳) ان کا قول: وكذا لو وقع الغلط في بعض الحدود او النسب تقاضا کرتا ہے کہ یہ اس قول پر تفریع ہے جس کا ذکر متن میں کیا گیا ہے جب کہ یہ معاملہ اس طرح نہیں۔

(۴) یہ تقاضا کرتا ہے کہ اس کے ساتھ اس کا قول قبول نہ کیا جائے جب کہ معاملہ اس طرح نہیں۔ ہم نے اعتراض کی جن وجوہ کا ذکر کیا ہے ”زیلعی“ کی عبارت اس پر دلالت کرتی ہے۔ کیونکہ کہا: پھر کہا گیا پہلی دفعہ جس کی شہادت دی گئی اس کے ساتھ فیصلہ کیا جائے یہاں تک کہ اگر ہزار کی شہادت دے پھر کہے: میں نے پانچ سو میں غلطی کی ہے تو ہزار کا فیصلہ کیا جائے گا۔ کیونکہ جس کی پہلے گواہی دی گئی وہ مدعی کا حق ہو جاتا ہے اور قاضی پر اس کا فیصلہ کرنا واجب ہے۔ پس اس کے رجوع سے باطل ہو جائے گا۔ ایک قول یہ کیا گیا: مابقی کا فیصلہ کیا جائے گا کیونکہ جو شہادت کے بعد قضا سے پہلے امر واقع ہوا وہ شہادت کے وقت واقع ہونے کی طرح ہے۔

پھر کہا: ”النبایہ“ میں یہ ذکر کیا کہ جب شاہد نے یہ کہا: مجھے زیادتی یا نقصان میں وہم ہوا ہے تو اس کا قول قبول کیا جائے گا جب وہ عادل ہو قضا سے پہلے یا اس کے بعد میں کوئی تفاوت نہیں۔ امام ”حسن بن زیاد“ نے امام ”ابو حنیفہ“ رحمۃ اللہ علیہ سے یہ روایت کیا ہے۔ اسی طرح اگر جائیداد کی بعض حدود بیان کرنے میں غلطی واقعی ہو گئی یا نسب کے ذکر میں غلطی واقع ہو گئی پھر اسے یاد آئے تو اس کی گواہی قبول کی جائے گی۔ کیونکہ بعض اوقات مجلس قضا میں شاہد کو اس آزمائش میں مبتلا ہونا پڑتا ہے گواہ کا قاضی کے سامنے اس کا ذکر اس کے صدق اور امور میں احتیاط پر دلیل ہے۔ فاقابل

أَوْ النَّسَبِ هِدَايَةً (بَيِّنَةٌ أَنَّهُ) أُمِّي الْمَجْرُوحَ (مَاتَ مِنَ الْجُرْحِ أَوَّلَى مِنْ بَيِّنَةِ الْمَوْتِ بَعْدَ الْبُرْءِ) وَلَوْ (أَقَامَ
أَوْلِيَاءُ مَقْتُولِ بَيِّنَةً عَلَى أَنَّ زَيْدًا جَرَحَهُ وَقَتَّلَهُ وَأَقَامَ زَيْدٌ بَيِّنَةً عَلَى أَنَّ الْمَقْتُولَ قَالَ إِنَّ زَيْدًا لَمْ
يَجْرَحْنِي وَلَمْ يَقْتُلْنِي فَبَيِّنَةٌ زَيْدٌ أَوَّلَى مِنْ بَيِّنَةِ أَوْلِيَاءِ الْمَقْتُولِ) مَجْمُوعُ الْفَتَاوَى

یانسب میں غلطی واقع ہو جائے تو یہی حکم ہے ”ہدایہ“۔ یہ گواہی کہ زخمی آدمی زخم کی وجہ سے مر گیا ہے یہ اس سے اولیٰ ہے کہ یہ
گواہی دی جائے کہ وہ صحت مند ہونے کے بعد مرا ہے۔ اگر مقتول کے اولیا نے گواہیاں قائم کیں کہ زید نے اسے زخمی کیا اور
اسے قتل کیا اور زید نے بینہ قائم کیے کہ مقتول نے کہا: زید نے مجھے زخمی نہیں کیا اور مجھے قتل نہیں کیا تو زید کی گواہیاں مقتول کے
اولیاء کی گواہیوں سے اولیٰ ہوں گی، ”مجمع الفتاویٰ“۔

27063۔ (قوله: أَوْ النَّسَبِ) جیسے وہ کہے: محمد بن علی بن عمران۔ مجلس میں اس کا ازالہ کیا۔ ایک قول یہ کیا گیا: اس
کے بعد اس کا ازالہ کیا۔ اور اس سے پہلے ان کا قول بعض الحدود اس کی صورت یہ ہے کہ وہ غربی کی جگہ شرقی وغیرہ کا ذکر
کرے۔ ”فتح“۔

بینات کے تعارض میں چند مسائل

27064۔ (قوله: أَوَّلَى مِنْ بَيِّنَةِ الْمَوْتِ) شیخ ”غانم“ نے ”الخلاصہ“ وغیرہا سے اس کے خلاف ذکر کیا۔ پس اس کی
طرف رجوع کیجئے۔ مفتی ”ابوسعود“ نے اس کے برعکس فتویٰ دیا ہے۔

”البحر“ میں چند ایسے مسائل کا آنے والے باب میں صاحب ”کنز“ کے قول: ولو شهدا انه قتل زيدا يوم النحر الخ
کے ہاں ذکر کیا جو بینات کے باہم تعارض اور ان کی ترجیح کے بارے میں ہیں۔

حاشیہ میں ”بینات“ کے تعارض میں چند مسائل کا ذکر کیا ہے وہ یہ ہیں: قع (قاضی عبد الجبار کی طرف اشارہ ہے): لونڈی
نے یہ گواہیاں قائم کیں کہ اس کے آقا نے اپنی مرض موت میں اسے مدبر بنایا تھا جب کہ وہ عاقل تھا اور وارثوں نے گواہیاں
قائم کیں کہ وہ مخلوط العقل تھا پس لونڈی کے بینہ اولیٰ ہیں۔ اسی طرح جب اس نے اپنی بیوی سے خلع کیا پھر خاوند نے گواہیاں
قائم کیں کہ وہ خلع کے وقت مجنون تھا اور بیوی نے گواہیاں قائم کیں کہ وہ عاقل تھا پس بیوی کی گواہیاں دونوں فصلوں میں اولیٰ
ہیں۔ باپ نے اپنی بالغ بیٹی کا ایک ایسے آدمی سے اس شرط پر نکاح کیا کہ وہ اسے ہزار دے اس مرد نے باپ کو ہزار دے دیا
پھر بیٹی نے دعویٰ کیا کہ ہزار اس کا مہر ہے اور باپ نے یہ دعویٰ کیا کہ قفتانلق (یعنی لا جل اعبال القفطان) کے لیے ہے
اور گواہیاں قائم کر دیں پس بیٹی کے بینہ اولیٰ ہیں۔ کیونکہ بیٹی کے بینہ نکاح میں وجود کو ثابت کرتا ہے اور باپ کے بینہ رشوت کو
ثابت کرتے ہیں۔ ”حاوی الزاہدی“۔

اگر دونوں میں سے ایک نے بیع بالتدجئہ کا دعویٰ کیا اور دوسرے نے اس کا انکار کیا تو قول قسم کے ساتھ اس کا معتبر ہوگا
جو متعدد ارادہ سے اس فعل کے واقع کرنے کا قول کرے گا۔ اگر دونوں میں سے ایک نے گواہیاں قائم کیں تو ان گواہیوں کو

(وَبَيِّنَةُ الْغُبْنِ) مَنْ يَتِيمٌ بَدَعَ (أُولَى مِنْ بَيِّنَةٍ كَوْنِ الْقِيَمَةِ) أُنَى قِيَمَةً مَا اشْتَرَاهُ مِنْ وَصِيهِ

یتیم بالغ کی جانب سے غبن کی گواہی اس گواہی سے اولیٰ ہے کہ اس وقت میں اس کے وصی سے جو چیز خریدی تھی

قبول کیا جائے گا۔ اگر دونوں نے گواہیاں قائم کیں تو بیع بالتدجئہ کے گواہوں کو قبول کیا جائے گا جس طرح کتاب البیع میں پہلے گزر چکا ہے۔

نوٹ: التلجئہ: ایسے فعل پر مجبور کرنا جس کا ظاہر باطن کے خلاف ہو۔ مترجم

وقف کی صحت اور اس کے فساد کے بینہ آپس میں متعارض ہوئے اگر فساد وقف میں مفسد شرط کی وجہ سے ہو تو فساد کے بینہ اولیٰ ہوں گے اگر بنیاد محل وغیرہ میں کسی سبب سے ہو تو صحت کے بینہ اولیٰ ہیں۔ اس تفصیل پر صورتحال ہوگی جب بائع اور مشتری بیع کے صحیح ہونے اور فاسد ہونے میں اختلاف کریں، ”باقانی علی الملتقی“۔

اس امر کے بینہ کہ اس نے حالت بلوغ میں اسے بیچا یہ اس امر سے اولیٰ ہیں کہ اس نے حالت صغر میں اسے بیچا، ”حاوی الزاہدی“۔ جب قدم (پرانا) اور حدوث (نیا) کے بینہ میں تعارض واقع ہو تو ”بزازیہ“ اور ”خلاصہ“ میں ہے: قدم کے بینہ اولیٰ ہوں گے۔ ”بغدادی“ کی ترجیح ”الہینات“ میں ”القنیہ“ سے مروی ہے: حدوث کے بینہ اولیٰ ہیں۔ ”علاق“ نے ”شرح الملتقی“ میں ذکر کیا ہے کہ مکان کی تعمیر قدم کے بینہ اولیٰ ہیں اور لیٹرین کے بارے میں حدوث کے بینہ۔

اگر اس کا جنون ظاہر ہو جب کہ وہ افاقہ کی حالت میں ہے وہ بیع کے وقت افاقہ کا انکار کرتا ہے تو قول اس کا معتبر ہوگا۔ افاقہ کے بینہ جنون کے بینہ سے اولیٰ ہیں۔

امام ”ابو یوسف“ رحمہ اللہ سے مروی ہے: جب اس نے گھر خریدنے کا دعویٰ کیا تو دو گواہوں نے گواہی دی کہ جب اس نے گھر بیچا تھا وہ اس وقت مجنون تھا اور دو گواہوں نے گواہی دی کہ وہ عاقل تھا۔ تو عاقل ہونے اور بیع کے صحیح ہونے کی گواہیاں اولیٰ ہوں گی۔

جب عقد کے صحیح ہونے اور فاسد ہونے میں باہم بیع کرنے والے اختلاف کریں تو قول اس کا معتبر ہوگا جو صحت کا دعویٰ کرتا ہے۔ گواہیاں اس کی معتبر ہوں گی جو فساد کا دعویٰ کرتا ہے۔ اگر اس نے کہا: میرے بھائی کے ترکہ پر کوئی دعویٰ یا یہ ہے۔ بھائی کے ترکہ میں کوئی حق نہیں جب کہ وہ خود ایک وارث ہے تو یہ دعویٰ اور حق کو باطل نہیں کرتا اور اسی لفظ کے ساتھ وہ وارثوں کو دور نہیں کر سکتا۔ ”بحر“ میں ”نوادر“ سے مروی ہے۔

27065۔ (قوله: مَنْ يَتِيمٌ بَدَعَ) یہ بینہ کے متعلق ہے۔

27066۔ (قوله: مَا اشْتَرَاهُ) یعنی مشتری نے جو خریدا۔

27067۔ (قوله: مِنْ وَصِيهِ) یعنی یتیم کا وصی۔

فِي ذَلِكَ الْوَقْتِ (مِثْلَ الشَّيْنِ) لِأَنَّهَا تُشَبِّهُتُ أَمْرًا زَائِدًا وَلِأَنَّ بَيِّنَةَ الْفَسَادِ أَرْجَحُ مِنْ بَيِّنَةِ الصِّحَّةِ دُرٌّ خِلَافًا لِبَاقِي الْوَهْبَانِيَّةِ، أَمَّا بَدُونِ الْبَيِّنَةِ فَالْقَوْلُ لِبُدْعَى الصِّحَّةِ مُنِيَّةٌ (وَبَيِّنَةُ كَوْنِ الْمُتَصَرِّفِ) فِي نَحْوِ تَذْيِيرٍ أَوْ خُلْعٍ أَوْ خُصُومَةٍ (ذَا عَقِلَ أَوَّلَى مِنْ بَيِّنَةٍ) الْوَرَثَةُ مَثَلًا (كَوْنِهِ مَخْلُوطَ الْعَقْلِ أَوْ مَجْنُونًا) وَلَوْ قَالَ الشُّهُودُ لَا نَذَرِي كَانَ فِي صِحَّةٍ أَوْ مَرَضٍ فَهُوَ عَلَى الْمَرَضِ، وَلَوْ قَالَ الْوَارِثُ كَانَ يَهْدِي يُصَدِّقُ حَتَّى يَشْهَدَا أَنَّهُ كَانَ صَحِيحَ الْعَقْلِ بَرَّازِيَّةً

وہ قیمت شمن کی مثل تھی۔ کیونکہ یہ گواہیاں امر زائد کو ثابت کرتی ہیں اور اس لیے کہ فساد کے بینہ صحت کے بینہ سے زیادہ راجح ہیں۔ ”درر“۔ ”الوہبانیہ“ میں جو قول ہے وہ اس کے خلاف ہے جہاں تک گواہوں کے بغیر کا تعلق ہے تو قول مدعی صحت کا ہوتا ہے، ”منیہ“۔ متصرف یعنی مدبر بنانے، خلع یا خصومت کا عقل والا ہونا اس بارے میں گواہیاں یہ مثلاً وارثوں کی ان گواہیوں سے اولیٰ ہیں کہ وہ مخلوط العقل تھا یا مجنون تھا۔ اگر گواہوں نے کہا: ہم یہ نہیں جانتے کہ وہ حالت صحت میں تھا یا حالت مرض میں تو وہ مرض پر محمول ہوگا۔ اگر وارث نے کہا: وہ ہذیان بکتا تھا تو اس کی تصدیق کی جائے گی یہاں تک کہ دو آدمی گواہی دیں کہ وہ صحیح العقل تھا، ”برازیہ“۔

27068۔ (قوله: ذَا عَقِلٍ) یہ گواہیاں کہ بائع معتوہ تھا ان گواہوں سے اولیٰ ہے کہ وہ عاقل تھا۔ ”غانم البغدادی“۔

حالت مرض کا تصرف صحت کے تصرف سے ادنیٰ ہے

27069۔ (قوله: فَهُوَ عَلَى الْمَرَضِ) کیونکہ اس کا تصرف صحت کے تصرف سے ادنیٰ ہوتا ہے۔ پس یہ امر یقینی ہوا۔ ”سائحانی“ کا نسخہ دیکھیے۔

”محمد بیطار“ جو ان حواشی کے مجدد ہیں نے کہا: ”سائحانی“ میں جو ہے وہ ان کا یہ قول ہے اگر گواہوں نے کہا: ہم نہیں جانتے کہ وہ حالت صحت میں تھا یا حالت مرض میں تو وہ حالت مرض پر محمول ہوگا۔ یعنی کیونکہ اس کا تصرف صحت کے تصرف سے ادنیٰ ہے پس وہ یقینی ہوگا۔

”جامع الفتاویٰ“ میں ہے: اگر خاوند نے عورت کی وفات کے بعد دعویٰ کیا کہ بیوی نے اپنی حالت صحت میں مہر سے اسے بری کر دیا تھا اور وارثوں نے گواہیاں قائم کر دیں کہ بیوی نے اپنی مرض موت میں اسے بری کیا تھا تو صحت کے بینہ اولیٰ ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا: وارثوں کے بینہ اولیٰ ہیں۔

اگر کسی آدمی نے وارث کے حق میں اقرار کیا پھر وہ مر گیا اور مقررہ نے کہا: اس نے حالت صحت میں اقرار کیا تھا باقی وارثوں نے کہا: اپنی مرضی کی حالت میں اقرار کیا تھا تو قول وارثوں کا معتبر ہوگا اور گواہیاں مقررہ کی ہوں گی۔ اگر وہ گواہیاں قائم نہ کرے اور ان سے قسم لینے کا ارادہ کرے تو اسے یہ حق حاصل ہوگا۔

عورت نے یہ دعویٰ کیا کہ اس نے ایک شرط کے ساتھ مہر سے بری کیا تھا اور خاوند نے مطلقاً براءت کا دعویٰ کیا اور دونوں

(وَبَيِّنَةُ الْإِكْرَاهِ فِي إِقْرَارِهِ (أَوَّلَى مِنْ بَيِّنَةِ الطَّوْعِ) إِنَّ أَرْخَا وَاتَّحَدَ تَارِيخُهَا، فَإِنْ اخْتَلَفَا أَوْ لَمْ يُؤَرِّخَا فَبَيِّنَةُ الطَّوْعِ أَوَّلَى مُلْتَقَطٌ وَغَيْرُهُ، وَاعْتَمَدَهُ الْمُصَنِّفُ وَابْنُهُ وَعَزَمِي زَادَهُ فُرُوعٌ بَيِّنَةُ الْفَسَادِ أَوَّلَى مِنْ بَيِّنَةِ الصَّحَّةِ شَرْحٌ وَهَبَانِيَّةٌ

اس کے اقرار کے بارے میں اکراہ و جبر کے بینہ یہ خوشی و پسندیدگی کے بینہ سے اولی ہیں اگر دونوں تاریخ ذکر کریں اور دونوں کی تاریخ ایک ہو۔ اگر دونوں تاریخیں مختلف ہوں، یا دونوں تاریخ کا ذکر نہ کریں تو رضامندی کے بینہ اولی ہوں گے۔ ”ملتقط“ وغیرہ، مصنف ان کے بیٹے اور ”عزمی زادہ“ نے اس پر اعتماد کیا ہے۔ فرع: فساد کے بینہ صحت کے بینہ سے اولی ہیں۔ ”شرح وہبانیہ“۔

نے گواہیاں قائم کر دیں تو عورت کی گواہیاں اولی ہوں گی اگر شرط متعارف ہو جس کے ساتھ بری کرنا صحیح ہو۔ ایک قول یہ یہاں گواہی: خاوند کے بینہ اولی ہوں گے۔ اگر عورت نے مہر پر یہ گواہیاں قائم کیں کہ اس کا خاوند اس دن تک اس کا اقرار ہی تھا اور خاوند نے یہ گواہیاں قائم کیں کہ عورت نے اس مہر سے اسے بری کر دیا تو براءت کے بینہ اولی ہوں گے۔ اسی طرح دین کے معاملہ میں ہے۔ کیونکہ دین کے مدعی کے بینہ باطل ہو گئے جیسے مدعی نلیہ کے دین کا اقرار براءت کے دعویٰ کے ضمن میں باطل ہو گیا جیسے بیع و اقالہ کے گواہ ہیں۔ کیونکہ اقالہ کے بینہ کو کوئی شے باطل نہیں کرتی اور بیع کے بینہ باطل ہو جاتے ہیں۔ کیونکہ اقارہ کا دعویٰ بیع کا اقرار ہے اور ان کا قول فہو علی المرض اس امر کا ذکر نہیں کیا جب دونوں نے صحت و مرض میں اختلاف کیا۔

”الانقروی“ میں ہے: ایک وارث نے دعویٰ کیا کہ مورث نے اسے ایک معین شے ہبہ کی اور حالت صحت میں اس پر قبضہ کیا باقی وارثوں نے کہا، حالت مرض میں اس پر قبضہ کیا تو قول باقی وارثوں کا معتبر ہوگا۔ اگر وہ بینہ قائم کریں تو گواہیاں صحت کے مدعی کی ہوں گی۔ اگر عورت نے دعویٰ کیا کہ اس کے خاوند نے اسے مرض الموت میں طلاق دی اور خاوند مر گیا جب کہ یہ عدت میں تھی وارثوں نے دعویٰ کیا کہ وہ حالت صحت میں تھا تو قول عورت کا معتبر ہوگا اگر دونوں نے ایک وقت کے بارے میں گواہیاں قائم کیں تو وارثوں کے بینہ اولی ہوں گے۔ یہ وہ قول ہے جو میں نے اس میں پایا ہے۔

جبر اور رضامندی کی گواہیاں قائم کی گئیں تو جبر والی گواہیاں مقدم ہوں گی

27070۔ (قوله: أَوَّلَى مِنْ بَيِّنَةِ الطَّوْعِ) ”ابن شحہ“ نے کہا

د بینا کرہ و طوع اقیمتا فتقدیم ذات الکراہ صح الاکثر

جبر اور رضامندی کی گواہیاں قائم کی گئیں پس جبر والی گواہیوں کو مقدم کیا جائے گا۔ اکثر علما نے اس کی تصحیح کی ہے۔

حاشیہ میں کہا: بیع، صلح اور اقرار کے بارے میں اکراہ اور رضامندی کے بینہ میں تعارض ہوا۔ پس اکراہ کے بینہ اولی ہیں ”باقانی علی الملتقی“ اور ”خانیہ“ میں احکام البیوع الفاسدة میں اور ”ترجیح البینات“ میں ہے۔ وصیت سے رجوع کے بینہ یہ ان بینہ سے اولی ہیں کہ وہ موصی تھا اور وفات تک مصر تھا۔ ”ابو السعد“، ”حامد“۔

وَفِي الْأَشْبَاهِ اخْتَلَفَ الْمُتَبَايِعَانِ فِي الصِّحَّةِ وَالْبُطْلَانِ لِإِدْعَى الْبُطْلَانِ، وَفِي الصِّحَّةِ وَالْفُسَادِ لِإِدْعَى الصِّحَّةِ إِلَّا فِي مَسْأَلَةِ الْإِقَالَةِ وَفِي الْمُلْتَقَطِ اخْتَلَفَا فِي الْبَيْعِ وَالرَّهْنِ فَالْبَيْعُ أَوَّلَى، اخْتَلَفَا فِي الْبَيِّنَاتِ وَالْوَفَاءِ فَالْوَفَاءُ أَوَّلَى اسْتِحْسَانًا شَهَادَةً قَاصِرَةً يُتَّبَعُهَا غَيْرُهُمْ تَقْبَلُ كَأَنَّ شَهِدًا بِالذَّارِ بِلَا ذِكْرِ أَنَّهَا فِي يَدِ الْخَصْمِ فَشَهِدَ بِهِ آخِرَانِ أَوْ شَهِدَا بِالْمَلِكِ بِالْمَحْدُودِ وَآخِرَانِ بِالْحَدُودِ أَوْ شَهِدَا عَلَى الْإِسْمِ وَالنَّسَبِ وَلَمْ يَعْرِفَا الرَّجُلَ بَعَيْنِهِ فَشَهِدَ آخِرَانِ أَنَّهُ الْمُسْتَسَى بِهِ دُرٌّ، شَهِدَ وَاحِدٌ فَقَالَ الْبَاقُونَ نَحْنُ نَشْهَدُ كَشَهَادَتِهِ لَمْ تَقْبَلْ حَتَّى يَتَكَلَّمَ كُلُّ شَahِدٍ بِشَهَادَتِهِ وَعَلَيْهِ الْفَتْوَى، شَهَادَةُ النَّفْيِ الْمُتَوَاتِرِ مَقْبُولَةٌ

”الاشباہ“ میں ہے: دونوں باہم بیع کرنے والوں میں صحت و بطلان میں اختلاف ہو گیا تو قول بطلان کے مدعی کا معتبر ہوگا اور اختلاف صحت و فساد میں ہوا تو قول مدعی صحت کا ہوگا مگر اقالہ کے مسئلہ میں صورتحال مختلف ہوگی۔ ”الملتقط“ میں ہے: بیع و دین میں دونوں میں اختلاف ہوا تو بیع اولیٰ ہے۔ دونوں نے بیع لازم اور بیع وفا میں اختلاف کیا تو بطور استحسان بیع وفا والی گواہیاں قبول کی جائیں گی۔ شہادت قاصرہ کو شاہد مکمل کرتے ہیں تو انہیں قبول کیا جائے گا۔ اس کی صورت یہ ہے کہ دو آدمیوں نے دار کے بارے میں گواہی دی یہ ذکر نہیں کیا کہ وہ گھر خصم کے قبضہ میں ہے دو اور گواہوں نے اس بارے میں گواہی دی یا ملک محدود کے بارے میں گواہی دی اور دوسرے دو نے حدود کے بارے میں گواہی دی یا دونوں نے نام اور نسب کے بارے میں گواہی دی اور دونوں اس معین شخص کو نہیں پہچانتے تو دو اور نے گواہی دی کہ یہ وہی شخص ہے، ”درر“۔ ایک آدمی نے گواہی دی باقیوں نے کہا: ہم اس کی شہادت جیسی گواہی دیتے ہیں تو انہیں قبول نہیں کیا جائے گا یہاں تک کہ یہ شاہد اس کی شہادت جیسی کلام کرے اسی پر فتویٰ ہے۔ نفی متواتر کی شہادت مقبول ہے۔

27071۔ (قوله: لِإِدْعَى الْبُطْلَانِ) کیونکہ عقد کا منکر ہے۔

27072۔ (قوله: لِإِدْعَى الصِّحَّةِ) اس سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ بینہ فساد کے بینہ ہیں پس یہ ماقبل کے موافق ہے۔

27073۔ (قوله: إِلَّا فِي مَسْأَلَةِ الْإِقَالَةِ) جس طرح اگر مشتری یہ دعویٰ کرے کہ اس نے بیع بائع کے ہاتھ میں ثمن کی ادائیگی سے قبل ثمن سے کم قیمت پر بیچ دیا اور بائع نے اقالہ کا دعویٰ کیا تو قول مشتری کا ہوگا ساتھ ہی وہ عقد کے فساد کا دعویٰ کرتا ہے اگر صورتحال اس کے الٹ ہو تو دونوں قسم اٹھائیں گے۔ ”اشباہ“۔

27074۔ (قوله: وَفِي الْمُلْتَقَطِ) اسے دیکھیے جسے ہم نے کتاب الکفالة سے تھوڑا پہلے (مقولہ 25302 میں) لکھا ہے۔

نفی متواتر کی شہادت مقبول ہے

27075۔ (قوله: شَهَادَةُ النَّفْيِ الْمُتَوَاتِرِ مَقْبُولَةٌ) اس کے علاوہ معاملہ مختلف ہے۔ پس اس کو قبول نہیں کیا جائے گا خواہ وہ صورت یا معنای نفی ہو خواہ شاہد کا علم اس کو محیط ہو یا نہ ہو جس طرح باب الیمین فی البیع والشراء میں (مقولہ 18123 میں)

الشَّهَادَةُ إِذَا بَطَلَتْ فِي الْبَعْضِ بَطَلَتْ فِي الْكُلِّ إِلَّا فِي عَبْدٍ بَيْنَ مُسْلِمٍ وَنَصْرَانٍ فَشَهَادَةُ نَصْرَانٍ عَنِهَا بِالْعَتَقِ قُبِلَتْ فِي حَقِّ النَّصْرَانِ فَقَطُّ أَشْبَاهُ قُلْتُ وَزَادَ مُحَشِّهَا خَمْسَةَ أُخْرَى مَعْرِئَةً لِبِزْازِيَّةٍ

شہادت جب بعض میں باطل ہوئی تو کل میں باطل ہوگی مگر اس غلام کے بارے میں جو مسلمان اور نصرانی میں مشترک ہے تو دونوں نے ان دونوں کے خلاف غلام کے آزاد ہونے کی گواہی دی تو صرف نصرانی کے حق میں اسے قبول کیا جائے گا۔ ”اشباہ“۔ میں کہتا ہوں: اس کے محشی نے پانچ اور کوزائد ذکر کیا ہے جب کہ وہ ”بزازیہ“ کی طرف منسوب ہے۔

گزر چکا ہے۔ ہاں شرط میں نفی کے بینہ قبول نہیں ہوں گے جس طرح ہم نے وہاں پہلے اسے بیان کر دیا ہے۔ حاشیہ میں ذکر کیا: ”انوار“ میں امام ”ابو یوسف“ رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے: دو آدمیوں نے اس پر قول یا فعل کے بارے میں شہادت دی جس سے اس پر اجارہ، بیع، کتابت، طلاق، عتاق، قتل یا قصاص لازم آتا ہے جو کسی مکان میں یا زمان میں ہوا دونوں گواہوں نے اس کا وصف بیان کیا۔ مشہود علیہ نے اس پر گواہیاں قائم کیں کہ وہ اس روز وہاں موجود نہیں تھا تو گواہیاں قبول نہیں کی جائیں گی۔ لیکن ”الحیظ“ میں فصل اکاون (مطبوعہ میں فصل سترہ) میں ہے: اگر یہ امر لوگوں کے ہاں متواتر ہو اور سب لوگ جانتے ہیں کہ اس مکان یا زمان میں سے وہ نہیں تو دعویٰ کو نہیں سنا جائے گا اور فراغ ذمہ کا فیصلہ کر دیا جائے گا۔ کیونکہ اس سے یہ لازم آتا ہے کہ بدیہی طور پر ثابت شدہ امر کی تکذیب لازم آئے جب تک شک اس میں داخل نہ ہو۔ ہم نے امام ”ابو یوسف“ رحمۃ اللہ علیہ کی کلام کی طرف رجوع کیا۔ اسی طرح یہ ایسی گواہی جو اس امر پر قائم ہوئی کہ فدا نے یہ قول نہیں کیا اور نہ یہ عمل کیا ہے اور نہ ہی اس کا اقرار کیا ہے۔

”ناطلی“ نے یہ ذکر کیا ہے: امام نے دار الحرب کے ایک شہر کے اہل کواہان دی تو وہ دوسرے شہر کے ساتھ خدہ مدید ہو گئے، اور کہا: ہم سب اس شہر کے ہیں۔ دو آدمیوں نے گواہی دی کہ وہ اہان کے وقت اس شہر میں نہ تھے تو ان دونوں کی گواہی قبول کی جائے گی جب وہ دونوں ان میں سے نہ ہوں۔ ”بزازیہ“۔

امام ”سرخسی“ نے یہ ذکر کیا ہے: شرط اگرچہ نفی کے بارے میں ہو جس طرح ان کا قول ہے اگر آج میں گھر میں داخل نہ ہوا تو اس کی بیوی کو طلاق ہے غور سے گواہیاں پیش کر دیں کہ وہ آج گھر میں داخل نہیں ہوا تو اسے قبول نہیں کیا جائے گا۔ اس نے قسم اٹھائی: اگر آج رات میری بہو نہ آئی اور میں نے اس سے کلام نہ کی پس دو آدمیوں نے گواہی دی کہ وہ اس میں داخل ہوئے اور اس نے کلام نہیں کی تو گواہی کو قبول کیا جائے گا۔ کیونکہ غرض جزا کو ثابت کرنا ہے جس طرح دو آدمیوں نے گواہی دی کہ وہ اسلام لایا اور استثنائی کی اور دو اور افراد نے استثنائے بغیہ گواہی دی تو اسے قبول کیا جائے گا اور اس پر اسلام کا حکم جاری دیا جائے گا۔ ”بزازیہ“۔

27076۔ (قولہ: خَمْسَةَ أُخْرَى) (۱) ایک آدمی نے اپنے غلام سے کہا: اگر میں اس گھر میں داخل ہو تو تو آزاد ہے نصرانی نے کہا: اگر وہ اس گھر میں داخل ہوا تو اس کی بیوی کو طلاق ہے۔ دونوں نے اس کے گھر میں داخل ہونے کے بارے میں گواہی دی اگر غلام مسلمان ہو تو گواہی قبول نہ کی جائے گی اگر غلام کافر ہو تو طلاق کے قول کے حق میں گواہی قبول

کی جائے گی عتق کے حق میں قبول نہ کی جائے گی۔

(۲) اگر اس نے کہا: اگر میں نے فلاں سے قرض لیا تو اس کا غلام آزاد ہے تو ایک آدمی اور غلام کے باپ نے گواہی دی کہ اس نے فلاں سے قرض لیا ہے اور قسم اٹھانے والا اس کا انکار کرتا ہے تو مال کے حق میں اسے قبول کیا جائے گا۔ غلام کی آزادی کے حق میں اسے قبول نہیں کیا جائے گا۔ کیونکہ اس میں باپ کی بیٹے کے حق میں شہادت موجود ہے۔

(۳) اگر اس نے کہا: اگر میں شراب نوشی کروں تو اس کا غلام آزاد ہے تو ایک مرد اور دو عورتوں نے اس امر کے متحقق ہونے پر گواہی دی تو آزادی کے حق میں اسے قبول کیا جائے گا حد کے لازم ہونے کے حق میں اسے قبول نہیں کیا جائے گا۔

(۴) اگر وہ کہے: اگر میں چوری کروں تو اس کا غلام آزاد ہے تو ایک مرد اور دو عورتوں نے اس کے خلاف اس کے بارے میں گواہی دی تو آزادی کے حق میں اسے قبول کیا جائے گا قطع کے حق میں اسے قبول نہیں کیا جائے گا۔ یہ سب کچھ ”بزازیہ“ میں ہے۔

میں کہتا ہوں: پھر میں نے ایک اور مسئلہ دیکھا تو میں نے اس میں اضافہ کیا وہ پانچواں مسئلہ یہ ہے: اگر مرد عورت سے کہے: اگر میں تیسری طلاق کا ذکر کروں، میں تیسری طلاق کا نام لوں، اگر میں اس کے متعلق کلام کروں تو میرا غلام آزاد ہے۔ ایک گواہ نے گواہی دی کہ آج اس نے اسے طلاق دی ہے اور دوسرے نے گزشتہ کل اس کی طلاق پر گواہی دی ہے تو طلاق واقع ہو جائے گی آزادی واقع نہیں ہوگی۔ ”بزازیہ“ میں بھی ہے۔ ”تنویر الابصار“ کے حاشیہ میں بھی اسی طرح ہے۔ کذا فی الہامش۔

”خزانۃ الاکمل“ میں جو کچھ ہے اس پر ”بیری“ نے لفظ کا اضافہ کیا ہے: ایک لفظ مسلمان اور کافر کے قبضہ میں ہے لفظ والے نے اس پر دو کافر گواہ پیش کیے تو بطور استحسان خاص طور پر کافر کے قبضہ میں جو کچھ ہے اس کے بارے میں گواہیاں سنی جائیں گی۔

اگر کافر مر جائے تو اس کے دو بیٹوں نے اس کے ترکہ کو تقسیم کیا پھر دونوں میں سے ایک مسلمان ہو گیا۔ پھر دو کافروں نے اس کے باپ کے خلاف دین کی گواہی دی تو خاص کر کافر کے حصہ میں اسے قبول کیا جائے گا۔

بَابُ الْإِخْتِلَافِ فِي الشَّهَادَةِ

مَبْنَىٰ هَذَا الْبَابِ عَلَىٰ أُصُولٍ مُّقَرَّرَةٍ مِنْهَا أَنَّ الشَّهَادَةَ عَلَىٰ حُقُوقِ الْعِبَادِ لَا تُقْبَلُ بِدَا دَعْوَىٰ، بِخِلَافِ حُقُوقِهِ تَعَالَىٰ وَمِنْهَا أَنَّ الشَّهَادَةَ بِأَكْثَرِ مِنَ الْمُدَّعَىٰ بَاطِلَةٌ، بِخِلَافِ الْأَقْلِ لِإِلْتِفَاقٍ فِيهِ وَمِنْهَا أَنَّ الْمِلْكَ الْمُطْلَقَ أَزِيدُ مِنَ الْمُتَقَيَّدِ لِشُبُوتِهِ مِنَ الْأَصْلِ وَالْمِلْكَ بِالسَّبَبِ مُقْتَصِرٌ عَلَىٰ وَقْتِ السَّبَبِ

شہادت میں اختلاف کے احکام

اس باب کی بنیاد مقررہ قواعد پر ہے: ان میں سے ایک یہ ہے: حقوق العباد پر شہادت دعویٰ کے بغیر قبول نہیں ہوتی۔ حقوق اللہ کا معاملہ مختلف ہے۔ ان میں سے ایک یہ ہے: مدعی سے زائد شہادت باطل ہے۔ اقل کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ اقل پر اتفاق ہے۔ ان میں سے ایک یہ ہے: ملک مطلق ملک مقید سے بڑھ کر ہوتی ہے کیونکہ وہ اصل سے ثابت ہوتی ہے اور ملک بالسبب یہ سبب کے وقت پر محدود ہوتی ہے۔

شہادت میں اختلاف کے چند مقرر قواعد

27077۔ (قوله: مِنْهَا أَنَّ الشَّهَادَةَ الْخ) یہ ”الدرر“ کی عبارت ہے اس کے محشی ”شرنبلالی“ نے کہا: یہ اس باب سے تعلق نہیں رکھتا کیونکہ یہ شہادت میں اختلاف کے بارے میں ہے شہادت کے قبول کرنے اور اس کے قبول نہ کرنے میں نہیں ہے۔ ”مدنی“۔

27078۔ (قوله: بِأَكْثَرِ مِنَ الْمُدَّعَى) اس میں سے ہے: جب کوئی آدمی ملک مطلق کا دعویٰ کرے یا جانور کے ہاں بچہ جننے سے ملک کا دعویٰ کرے پس انہوں نے پہلی صورت میں ملک بسبب کی گواہی دی اور دوسری صورت میں ملک مطلق کی گواہی دی تو دونوں کو قبول کیا جائے گا۔ کیونکہ ملک بسبب ملک مطلق سے اقل درجہ کا ہے۔ کیونکہ یہ اولویت کا فائدہ دیتی ہے، ملک بسبب کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ ملک بسبب حدوث کا فائدہ دیتی ہے۔ اور ملک مطلق یہ نتائج سے اقل ہے۔ کیونکہ ملک مطلق احتمال کی بنا پر اولویت کا فائدہ دیتی ہے اور نتائج (ولادت ہونا) یقینی طور پر اولویت کا فائدہ دیتی ہے۔ اگر گواہی میں اسٹ کر دیں جیسے دعویٰ مطلق میں وہ نتائج کی گواہی دیں تو اس گواہی کو قبول نہیں کیا جائے گا۔ اکثر علماء سے یہ مروی ہے: اگر ایک آدمی ملک بالسبب کا دعویٰ کرے تو وہ ملک مطلق کی گواہی دیں تو انہیں قبول کیا جائے گا مگر جب سبب وراثت ہو، ”باقانی“۔ اس کی مکمل بحث وہاں ہے۔ کذا فی الہامش

27079۔ (قوله: بَاطِلَةٌ) مگر جب وہ تطبیق دے۔ اس کی وضاحت ”البحر“ میں ہے۔

وَمِنْهَا مُوَافَقَةُ الشَّهَادَتَيْنِ لَفْظًا وَمَعْنَى، وَمُوَافَقَةُ الشَّهَادَةِ الدَّعْوَى مَعْنَى فَقَطْ وَسَيَتَّضِحُ (تَقَدُّمُ الدَّعْوَى فِي حُقُوقِ الْعِبَادِ شَرْطُ قَبُولِهَا) لِتَوْفُّقِهَا عَلَى مُطَالَبَتِهِمْ وَلَوْ بِالتَّوَكُّيلِ، بِخِلَافِ حُقُوقِ اللَّهِ تَعَالَى لَوْ جُوبِ إِقَامَتُهَا عَلَى كُلِّ أَحَدٍ فَكُلُّ أَحَدٍ خَصَمٌ فَكَانَ الدَّعْوَى مَوْجُودَةً (فَإِذَا وَافَقَتْهَا) أُنِيَ وَافَقَتْ الشَّهَادَةُ الدَّعْوَى (قُبِلَتْ وَإِلَّا) تَوَافَقَتْهَا

ان میں سے ایک یہ ہے کہ دونوں شہادتیں لفظ اور معنی میں موافق ہوں اور شہادت دعویٰ کے ساتھ معنی موافق ہو اور عنقریب اس کی وضاحت آئے گی۔ حقوق العباد میں دعویٰ کا پہلے ہونا یہ شہادت کے قبول کی شرط ہے۔ کیونکہ شہادت لوگوں کے مطالبہ پر موقوف ہوتی ہے اگرچہ وکیل بنانے کی صورت میں ہو۔ حقوق اللہ کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ اس شہادت کو قائم کرنا ہر کسی پر واجب ہے۔ پس یہ ایک خصم ہے گویا دعویٰ موجود ہے۔ جب شہادت دعویٰ کے موافق ہو جائے تو اسے قبول کیا جائے گا اگر اس کے موافق نہ ہو

27080۔ (قولہ: مُوَافَقَةُ الشَّهَادَتَيْنِ الْخ) جس طرح ایک آدمی کسی گھر کا دعویٰ کرے جو کسی کے قبضہ میں ہو کہ وہ اتنے عرصہ سے اس کی ملکیت ہے۔ گواہوں نے گواہی دی کہ یہ گھر بیس سال سے اس کا ہے تو گواہی باطل ہو جائے گی۔ اگر مدعی دعویٰ کرے کہ یہ گھر بیس سال سے اس کا ہے اور گواہ گواہی دیں کہ وہ ایک سال سے اس کا ہے تو ان کی شہادت جائز ہو گی۔ ”خانیہ“، ”انقروی“، ”القاعدیہ“ سے کتاب الشہادات میں مروی ہے: گواہی اگر زیادتی کے ساتھ دعویٰ کے خلاف ہو تو اس کے اثبات کی ضرورت نہیں یا شہادت دعویٰ کے نقصان کے ساتھ مخالف ہو تو یہ اس شہادت کے قبول کرنے میں مانع نہیں، ”حامدیہ“۔ ”الخیریہ“ میں ”الفصولین“ سے مروی ہے: شاہد کو اس امر کا مکلف نہیں بنایا جائے گا کہ وہ جانور کے رنگ کی وضاحت کرے۔ کیونکہ اس سے اس امر کے بارے میں سوال کیا گیا جس کی وضاحت کا اسے مکلف نہیں بنایا گیا۔ پس اس کا ذکر اور اس کا ترک برابر ہو گئے اس سے کثیر مسائل کا استخراج ہوتا ہے۔ ”حامدیہ“۔

ایک آدمی نے سامان یا گھر کے بارے میں دعویٰ کیا جو ایک آدمی کے قبضہ میں تھا کہ یہ فلاں کا ہے اور اس نے گواہیاں قائم کیں اور قاضی نے اس کے حق میں فیصلہ کر دیا اور اس پر قبضہ نہ کیا یہاں تک کہ اس نے گواہیاں قائم کر دیں جس کے قبضہ میں وہ چیز تھی کہ مدعی نے قاضی کے علاوہ کسی اور کے ہاں اس کا اقرار کیا کہ اس کے بارے میں اس کا کوئی حق نہیں فرمایا: اگر انہوں نے گواہی دی کہ اس نے قضا کے بعد اقرار کیا تو قضا باطل نہ ہوگی۔ کیونکہ جو چیز بینہ کے ساتھ ثابت ہو وہ آنکھوں دیکھی چیز کی طرح ثابت ہوتی ہے۔ اگر قاضی نے خود اقرار کا معاینہ کیا تو حکم اسی طریقہ پر ہوگا، ”خانیہ“ میں باب تکذیب الشہود میں ہے۔ کذا فی الہامش

جب شہادت دعویٰ کے موافق ہو جائے تو اسے قبول کیا جائے گا

27081۔ (قولہ: فَإِذَا وَافَقَتْهَا قُبِلَتْ) باب کے شروع میں اس مسئلہ کو ذکر کیا ہے جب کہ یہ اختلاف فی الشہادۃ

(لَمْ تُقْبَلْ وَهَذَا أَحَدُ الْأُصُولِ الْمُتَقَدِّمَةِ) فَلَوْ ادَّعَى مَلِكًا مُطْلَقًا فَشَهِدَا بِهِ بِسَبَبٍ كَثَرَاءٍ أَوْ إِثْرٍ (قُبِلَتْ) لِكُونِهَا بِالْأَقْلِ مِمَّا ادَّعَى فَتَطَابَقَا مَعْنَى كَمَا مَرَّ (وَعَكْسُهُ) بِأَنْ ادَّعَى بِسَبَبٍ وَشَهِدَا بِمُطْلَقٍ (لَمْ تُقْبَلْ لِكُونِهَا

تو اسے قبول نہیں کیا جائے گا۔ یہ مقدم اصولوں میں سے ایک ہے۔ اگر ایک آدمی ملک مطلق کا دعویٰ کرے اور دونوں گواہ ملک بالسبب کی شہادت دیں جیسے خریداری اور وراثت کی گواہی دیں تو اسے قبول کیا جائے گا۔ کیونکہ جو دعویٰ کیا اس سے یہ اقل کی شہادت ہے تو معنایاً دونوں مطابق ہو گئیں جس طرح قول گزر چکا ہے۔ اور اس کے برعکس صورتحال میں جیسے وہ ملک بالسبب کا دعویٰ کرے اور دونوں ملک مطلق کی گواہی دیں تو گواہی قبول نہ کی جائے گی۔

سے تعلق نہیں رکھتا۔ کیونکہ یہ دونوں شاہدوں کے اتفاق کے واجب ہونے کے لیے دلیل کی طرح ہے۔ کیا تو نہیں دیکھتا اگر دونوں باہم اختلاف کریں تو دعویٰ اور شہادت میں اختلاف لازم آتا ہے؟ جس طرح یہ امر اس آدمی کے لیے مخفی نہیں جس کو ادنیٰ بصیرت حاصل ہو۔ ”سعدیہ“۔ اس کو اصول میں رکھنے کی وجہ اس سے ظاہر ہو جاتی ہے۔ پھر ماقبل پر اس کی تفریع اس امر کا شعور دلاتی ہے جسے ”البحر“ میں بیان کیا ہے: دعویٰ اور شہادت میں مطابقت کی شرط اس وقت ہوتی ہے جب دعویٰ اس میں شرط ہو۔ ”تنویر الابصار“ میں اس کی پیروی کی ہے جب کہ یہ امر ظاہر ہے۔ کیونکہ دعویٰ کا پہلے ہونا جب کہ وہ شرط نہ ہو تو اس کا وجود اس کے عدم کی طرح ہوتا ہے۔ پس باہم مطابقت نہ ہونا کوئی نقصان نہیں دے گا۔ پھر ماقبل پر اس کی تفریع یہ اس کے منافی نہ ہوگی کہ یہ کسی اور کے لیے اصل ہو وہ شہادت میں اختلاف ہے۔ فافہم

جو امر واضح ہو چکا ہے اس سے وہ اعتراض اٹھ جاتا ہے جو ”شرنبلالیہ“ میں کیا ہے: ان کا قول: ان اصولوں میں سے یہ ہے کہ حقوق العباد پر شہادت اس باب میں سے نہیں ہے۔ کیونکہ اس کا تعلق شہادت میں اختلاف سے ہے شہادت کے قبول کرنے یا قبول نہ کرنے سے نہیں ہے۔ فقہ بر

27082۔ (قوله: وَهَذَا أَحَدُ الْأُصُولِ الْخَمْسَةِ) اس پر متنبہ کیا اس سے ماقبل پر متنبہ نہیں کیا تا کہ اس وہم کو دور کیا جائے جو اس کے اصل نہ ہونے کے بارے میں ہے۔ اس وہم کا سبب یہ ہے کہ یہ ماقبل پر مفرغ ہے۔ کیونکہ جس طرح ہم پہلے بیان کر آئے ہیں ان میں کوئی منافات نہیں۔ ورنہ اس سے ماقبل جو ہے وہ بھی اصل ہے جس طرح تو جان چکا ہے۔ نتیجہ

27083۔ (قوله: أَوْ إِثْرٍ) اس بارے میں ”کنز“ کی پیروی کی ہے۔ مشہور یہ ہے کہ یہ ملک مطلق کے دعویٰ کی طرح ہے جس طرح ”البحر“ میں ”الفتح“ سے مروی ہے۔ شارح عنقریب اس کا ذکر کریں گے۔ اگر اس نے یہاں اس کو ماساقط کر دیا ہوتا تو یہ زیادہ بہتر ہوتا۔ ”ح“۔

27084۔ (قوله: قُبِلَتْ) اس میں قید ہے ”البحر“ میں ”الخلاصہ“ سے مروی ہے۔

27085۔ (قوله: بِأَنْ ادَّعَى بِسَبَبٍ) یعنی عین کا دعویٰ کیا دین کا دعویٰ نہیں کیا۔ ”بحر“۔

بِأَلَا كَثْرٍ كَمَا مَرَّ قُلْتُ وَهَذَا فِي غَيْرِ دَعْوَى إِرْثٍ وَتِنَاجٍ وَشِرَاءٍ مِنْ مَجْهُولٍ كَمَا بَسَطَهُ الْكَمَالُ، وَاسْتَشْنَى فِي الْبَحْرِ ثَلَاثَةَ وَعِشْرِينَ (وَكَذَا تَجِبُ مُطَابَقَةُ الشَّهَادَتَيْنِ لَفْظًا وَمَعْنَى) إِلَّا فِي اثْنَتَيْنِ وَأَرْبَعِينَ مَسْأَلَةً مَبْسُوطَةً فِي الْبَحْرِ وَزَادَ ابْنُ الْمُصَنِّفِ فِي حَاشِيَتِهِ عَلَى الْأَشْبَاهِ ثَلَاثَةَ عَشَرَ أُخَرَ تَرَكْتُهَا خَشْيَةَ التَّطْوِيلِ (بِطَرِيقِ الْوَضْعِ) لَا التَّضْمِينِ،

کیونکہ یہ شہادت اکثر کی شہادت ہے جس طرح قول گزر چکا ہے میں کہتا ہوں: یہ وراثت اور جانور کے ہاں بچہ پیدا ہونے اور مجہول سے خریداری کے علاوہ میں معاملہ ہے جس طرح ”کمال“ نے اسے تفصیل سے بیان کیا ہے۔ ”البحر“ میں تیس کی استثنا کی ہے۔ اسی طرح دونوں شہادتوں کا لفظوں اور معنی میں مطابقت واجب ہے مگر بیالیس مسائل میں جن کی تفصیل ”البحر“ میں ہے۔ مصنف کے صاحبزادے نے ”الاشباہ“ پر اپنے حاشیہ میں تیرہ اور کا اضافہ کیا ہے جن کو میں نے طوالت کے خوف سے ترک کر دیا ہے۔ یہ مطابقت وضع کے طریقہ پر ہو تضمین کے طریقہ پر نہ ہو۔

27086۔ (قولہ: بِأَلَا كَثْرٍ) اس میں گواہی قبول نہیں کی جائے گی مگر جب موافقت کا اظہار کرے۔ ”بحر“۔

27087۔ (قولہ: فِي غَيْرِ دَعْوَى إِرْثٍ) کیونکہ یہ ملک مطلق کے مساوی ہے۔ جس طرح ہم نے اسے پہلے (مقولہ 27083 میں) بیان کیا ہے۔

27083 میں بیان کیا ہے۔

27088۔ (قولہ: وَتِنَاجٍ) کیونکہ مطلق اس سے اقل ہے۔ کیونکہ یہ احتمال پر اولویت کا فائدہ دیتی ہے اور نتاج یقینی طور پر اولویت کا فائدہ دیتی ہے۔ ”الہامش“ میں ذکر کیا ہے: جاندار کے ہاں بچے کی ولادت پر شہادت یہ ہے کہ دونوں یہ گواہی دیں کہ یہ اس اونٹنی کے تابع ہے اور ولادت پر شہادت دینا شرط نہیں۔ ”فتاویٰ الہندیہ“، باب تحصيل الشہادۃ۔ ”تاترخانیہ“ سے وہ ”ینایع“ سے نقل کرتے ہیں۔

27089۔ (قولہ: وَشِرَاءٍ مِنْ مَجْهُولٍ) کیونکہ ظاہر یہ ہے کہ یہ ملک مطلق کے مساوی ہے۔ اسی طرح قرض کے دعویٰ کے علاوہ میں ہے، ”بحر“۔ اسی کی مثل دعویٰ قبض کے ساتھ شرا ہے۔ جب ایک آدمی شرا (خریداری) اور قبض کا دعویٰ کرے اور دو گواہ ملک طلق پر گواہیاں دیں تو اس شہادت کو قبول کیا جائے گا۔ ”بحر“ میں ”الخلاصہ“ سے مروی ہے۔ ”الفتح“ میں ”العمادیہ“ سے اختلاف کی حکایت کی ہے۔

27090۔ (قولہ: ثَلَاثَةَ وَعِشْرِينَ) لیکن ”البحر“ میں ان کے بعد ذکر کیا: حقیقت میں استثنا نہیں ہے۔ پس اس کی

طرف رجوع کیجئے۔

27091۔ (قولہ: خَشْيَةَ التَّطْوِيلِ) شارح نے کتاب الوقف میں اسے پہلے بیان کر دیا ہے۔

دو گواہوں کی شہادت میں لفظاً اور معنی مطابقت واجب ہے

27092۔ (قولہ: بِطَرِيقِ الْوَضْعِ) اس کا معنی مطابقی ہے (یعنی دلالت مطابقیہ) یہ وہ تعبیر ہے جسے ”زیلعی“ نے لفظ

وَ اُكْتَفِيَ بِالْمُوَافَقَةِ الْمَعْنَوِيَّةِ وَبِهِ قَالَتِ الْاِثْنَةُ الثَّلَاثَةُ

اور دونوں ("صاحبین" رحمۃ اللہ علیہما) نے موافقت معنویہ پر اکتفا کیا ہے تینوں ائمہ نے یہی ارشاد فرمایا ہے۔

میں موافقت کی تفسیر بنایا ہے کیونکہ کہا: لفظ میں اتفاق سے مراد یہ ہے: دونوں لفظ معنی کے بیان میں بطریق وضع نہ کہ بطریق تضمن مطابق ہوں یہاں تک کہ اگر ایک آدمی سو درہم کا دعویٰ کرے اور ایک گواہ ایک درہم اور دوسرا گواہ دو درہم کی تیسرا تین کی اور چوتھا چار کی اور ایک اور پانچ درہم کی گواہی دی امام "ابو حنیفہ" رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اسے قبول نہیں کیا جائے گا کیونکہ لفظ موافقت نہیں اور "صاحبین" رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک چار درہم کے بارے میں فیصلہ کر دیا جائے گا۔

اس سے جو امر ظاہر ہوتا ہے وہ یہ ہے: "امام صاحب" رحمۃ اللہ علیہ نے بطریق وضع دونوں لفظوں کے ایک معنی پر موافقت کا اعتبار کیا ہے اور "صاحبین" رحمۃ اللہ علیہما نے موافقت معنویہ پر اکتفا کیا ہے اگرچہ تضمن کے طریقہ پر ہو اور انہوں نے دونوں لفظوں میں سے ہر ایک میں معنی موضوع لہ کی شرط نہیں لگائی۔ یہ مراد نہیں کہ "امام صاحب" رحمۃ اللہ علیہ نے لفظ میں توافق اور معنی وضعی میں توافق کی شرط لگائی ہے ورنہ اس پر جس تفریع کا ذکر کیا ہے کہ دونوں گواہوں میں سے ایک نکاح کی شہادت دے اور دوسرا تزویج کی شہادت دے اشکال کا باعث ہوتا۔ اسی طرح بہہ اور عطیہ کا مسئلہ ہے۔

کیونکہ ان دونوں میں دونوں لفظ مختلف ہیں لیکن دونوں ایک معنی میں موافق ہیں دونوں میں سے ہر ایک بطریق وضع اس کا فائدہ دے رہا ہے۔ اس تطبیق پر وہ قول بھی دلالت کرتا ہے جسے "زیلعی" نے "النبایہ" سے نقل کیا ہے۔ کیونکہ کہا: اگر دونوں میں مخالفت لفظوں میں ہو معنی میں نہ ہو تو اس کی شہادت قبول ہوگی۔ اس کی مثال یہ ہے کہ دونوں میں سے ایک بہہ پر گواہی دے اور دوسرا عطیہ پر گواہی دے۔ یہ حکم اس لیے ہے کیونکہ لفظ شہادت میں مقصود نہیں بلکہ مقصود وہ ہے لفظ جسے متضمن ہو وہ یہ کہ یہ لفظ اس کا علم بن گیا ہو۔ جب اس میں موافقت پائی جائے تو باقی ماندہ میں مخالفت نقصان نہ دے گی۔ کہا: اسی طرح اس کا ذکر کیا ہے اور اس میں اختلاف کا ذکر نہیں کیا۔ یہ اس سابقہ فرع کے خلاف ہے جسے ہم نے پہلے نقل کیا ہے۔ کیونکہ پانچ کا معنی مطابقی چار پر دلالت نہیں کرتا بلکہ چار کو متضمن ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے "امام صاحب" رحمۃ اللہ علیہ نے اسے قبول نہیں کیا اور "صاحبین" رحمۃ اللہ علیہما نے اسے قبول کیا ہے۔ کیونکہ "صاحبین" رحمۃ اللہ علیہما تضمن پر اکتفا کرتے ہیں۔

حاصل کلام یہ ہے: "امام صاحب" رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک بعینہ لفظ پر اتفاق شرط نہیں بلکہ یہ شرط ہے کہ بعینہ موافق ہو یا اس کے مرادف ہو۔ صاحب "النبایہ" کا قول ہے: لان اللفظ ليس بمقصود اس سے مراد یہ ہے کہ الفاظ پر بعینہ موافقت مقصود نہیں نہ کہ مطلقاً موافقت مقصود نہیں جس طرح گمان کیا گیا ہے۔ فافہم

27093۔ (قولہ: بِالْمُوَافَقَةِ الْمَعْنَوِيَّةِ) اگر یہ قول کیا جائے: تمام ائمہ کے قول پر اشکال پیدا کرے گا اور دونوں

میں سے ایک کے مرد نے بیوی سے کہا: انت خلیۃ تو آزاد ہے اور دوسرے نے کہا: انت بریۃ تو بری ہے۔ تو اصلاً جدائی کا فیصلہ نہیں کیا جائے گا جب کہ دونوں اس کا معنی نہیں دیتے۔ اس کا جواب یہ دیا گیا: یہ مترادف نہیں بلکہ یہ دونوں معنوں میں

(وَلَوْ شَهِدَ أَحَدُهُمَا بِالنِّكَاحِ وَالْآخَرُ بِالتَّزْوِيجِ قُبِلَتْ) لِاتِّحَادِ مَعْنَاهُمَا (كَذَا الْهَبَةُ وَالْعَطِيَّةُ وَنَحْوُهُمَا، وَلَوْ شَهِدَ أَحَدُهُمَا بِالْفِ بِلِ الْآخَرُ بِالْفَيْنِ أَوْ مِائَةٍ وَمِائَتَيْنِ أَوْ طَلْقَةٍ وَطَلْقَتَيْنِ أَوْ ثَلَاثِ رُدَّتْ) لِاِخْتِلَافِ الْمَعْنَيْنِ (كَمَا لَوْ ادَّعَى غَضَبًا أَوْ قَتْلًا فَشَهِدَ أَحَدُهُمَا بِهِ وَالْآخَرُ بِالْإِقْرَارِ بِهِ) لَمْ تُقْبَلْ، وَلَوْ شَهِدَا بِالْإِقْرَارِ بِهِ قُبِلَتْ (وَكَذَا) لَا تُقْبَلُ (فِي كُلِّ قَوْلٍ جُمِعَ مَعَ فِعْلٍ) بِأَنْ ادَّعَى الْفَاعِلُ شَهِدَ أَحَدُهُمَا بِالذَّفْعِ وَالْآخَرُ بِالْإِقْرَارِ بِهَا لَا تُسَمَّعُ لِلْجَمْعِ بَيْنَ قَوْلٍ وَفِعْلٍ قُنْيَةً، إِلَّا إِذَا اتَّحَدَا لَفْظًا كَشَهَادَةِ أَحَدِهِمَا بِبَيْعٍ أَوْ قَرْضٍ أَوْ طَلَاقٍ أَوْ عَتَاقٍ وَالْآخَرُ بِالْإِقْرَارِ بِهِ فَتُقْبَلُ لِاتِّحَادِ صِيغَةِ الْإِنْشَاءِ وَالْإِقْرَارِ، فَإِنَّهُ يَقُولُ فِي الْإِنْشَاءِ بَعْتُ وَاقْتَرَضْتُ

اگر دونوں گواہوں میں سے ایک نے نکاح کی گواہی دی اور دوسرے نے تزویج کی گواہی دی تو گواہی قبول کی جائے گی۔ کیونکہ دونوں کا معنی ایک ہے۔ اسی طرح ہبہ، عطیہ وغیرہما ہے۔ اگر دونوں میں سے ایک نے ہزار کی اور دوسرے نے دو ہزار کی شہادت دی یا سو اور دوسو کی گواہی دی یا ایک طلاق، دو طلاق یا تین طلاقوں کی گواہی دی تو اس گواہی کو رد کر دیا جائے گا۔ کیونکہ دونوں معنوں میں اختلاف ہے جس طرح ایک آدمی غصب کا دعویٰ کرتا ہے یا قتل کا دعویٰ کرتا ہے دونوں میں سے ایک اسی امر کی اور دوسرا اقرار کی گواہی دیتا ہے تو اس کی شہادت مقبول نہ ہوگی اگر دونوں اقرار کی گواہی دیں تو اس کی گواہی کو قبول کیا جائے گا۔ اسی طرح شہادت کو ہر ایسے قول میں قبول کیا جائے گا جسے فعل کے ساتھ جمع کیا گیا۔ اس کی صورت یہ ہے کہ ایک آدمی ہزار کا دعویٰ کرے تو دونوں گواہوں میں سے ایک اس کی ادائیگی کا اور دوسرا اس کے اقرار کی شہادت دے تو اسے قبول نہیں کیا جائے گا۔ کیونکہ قول و فعل کو جمع کیا جائے گا ”قنیتہ“۔ مگر جب دونوں لفظوں میں متحد ہوں جس طرح دونوں میں سے ایک بیع کی، قرض کی، طلاق یا آزادی کی شہادت دے اور دوسرا اس کے اقرار کی شہادت دے تو اس شہادت کو قبول کیا جائے گا کیونکہ انشاء اور اقرار کا صیغہ ایک ہے۔ کیونکہ وہ انشاء میں کہتا ہے: بعت (میں نے بیچا) اقترضت (میں نے قرض دیا)

متباین ہیں دونوں کو ایک لازم لازم آتا ہے۔ وہ مینونت کا وقوع ہے۔ اس کی مکمل وضاحت ”الفتح“ میں ہے۔

27094۔ (قوله: لِاتِّحَادِ مَعْنَاهُمَا) یعنی دونوں کا معنی کلی طور پر متحد ہے تو یہ یوں ہو گیا گویا لفظ بھی متحد ہے۔ فافہم

27095۔ (قوله: وَلَوْ شَهِدَا بِالْإِقْرَارِ) اس کا مقتضایہ ہے کہ فعل کے ساتھ قول میں دعویٰ اور شہادت میں اختلاف کوئی نقصان نہیں دیتا۔ اس میں گواہوں کا اختلاف مختلف ہے۔

27096۔ (قوله: لِلْجَمْعِ بَيْنَ قَوْلٍ وَفِعْلٍ) یہ صورت مختلف ہوگی جب دونوں میں سے ایک ہزار کی مدعی علیہ کے

خلاف گواہی دے اور دوسرا گواہ مدعی علیہ کے ہزار کے اقرار پر گواہی دے تو اسے قبول کیا جائے گا۔ کیونکہ یہ قول و فعل کو جمع کرنا نہیں۔ ”من لا علی ترکمانی“ نے ”الحاوی الزاہدی“ سے روایت کیا ہے۔

27097۔ (قوله: إِلَّا إِذَا اتَّحَدَا) ظاہر یہ ہے کہ مستثنیٰ منقطع ہے۔ کیونکہ ان صورتوں میں قول کے ساتھ فعل نہیں بلکہ یہ

وَفِي الْإِقْرَارِ كُنْتُ بَعْتُ وَاقْتَرَضْتُ فَلَمْ يُنْذِرِ الْقَبُولُ، بِخِلَافِ شَهَادَةِ أَحَدِهِمَا بِقَتْلِهِ عَمْدًا بِسَيْفٍ
وَالْآخَرِ بِهِ بِسِكِّينٍ لَمْ تُقْبَلْ لِعَدَمِ تَكَرُّرِ الْفِعْلِ بِتَكَرُّرِ الْآلَةِ مُحِيطٌ وَشُرْئِبْلَالِيَّةٌ (وَتُقْبَلُ عَلَى الْفِ
فِي) شَهَادَةِ أَحَدِهِمَا (بِالْفِ وَ) الْآخَرِ (بِالْفِ وَمِائَةِ إِنْ ادَّعَى) الْمُدَّعَى (الْأَكْثَرُ لَا الْأَقْلَ إِلَّا أَنْ يُؤْفَقَ
بِاسْتِيفَاءٍ أَوْ إِبْرَاءِ ابْنِ كَمَالٍ، وَهَذَا فِي الدَّيْنِ (وَفِي الْعَيْنِ تُقْبَلُ عَلَى الْوَاحِدِ كَمَا لَوْ شَهِدَ وَاحِدٌ أَنَّ
هَذَيْنِ الْعَبْدَيْنِ لَهُ وَآخَرُ أَنَّ هَذَا لَهُ قُبِلَتْ عَلَى) الْعَبْدِ (الْوَاحِدِ) الَّذِي اتَّفَقَا عَلَيْهِ اتِّفَاقًا دُرَرًا (وَفِي
الْعَقْدِ لَا) تُقْبَلُ (مُطْلَقًا) سَوَاءً كَانَ الْمُدَّعَى أَقْلَ الْمَالِيَيْنِ أَوْ أَكْثَرَهُمْ عَزَمِي زَادَةٌ ثُمَّ فَرَعَ عَلَى هَذَا
الْأَصْلِ بِقَوْلِهِ (فَلَوْ شَهِدَ وَاحِدٌ بِشِرَاءِ

اقرار میں کہتا ہے: کنت بعت میں نے بیچا تھا کنت اقتترضت، میں نے قرض لیا تھا تو قبول کرنا ممنوع نہیں۔ یہ صورت مختلف
ہوگی جب دونوں میں سے ایک جان بوجھ کر تلوار سے قتل کی شہادت دے اور دوسرا چھری سے قتل کی شہادت دے تو اسے
قبول نہیں کیا جائے گا۔ کیونکہ آلہ کے متکرر ہونے سے فعل میں تکرار نہیں ہوتا۔ ”محیط“ و ”شرئبالیہ“۔ ایک ہزار پر گواہی قبول
کی جائے گی جب دونوں میں سے ایک ہزار کی شہادت دے اور دوسرا ہزار اور ایک سو کی شہادت دے اگر مدعی زیادہ کا دعویٰ
کرے کم کا دعویٰ نہ کرے ورنہ وہ پورا حق لے لینے یا بری کر دینے سے تطبیق دے، ”ابن کمال“۔ یہ دین کے متعلق ہے اور
عین کے معاملہ میں ایک پر شہادت کو قبول کیا جائے گا جس طرح اگر ایک آدمی گواہی دے کہ یہ دونوں غلام اس کے ہیں اور
دوسرا گواہی دے کہ یہ اس کا ہے تو جس پر دونوں گواہوں کا اتفاق ہوا ہے اس ایک غلام پر گواہی کو بالاتفاق قبول کیا جائے گا،
”درر“۔ عقد میں مطلقاً اسے قبول نہ کیا جائے گا خواہ مدعی دونوں مالوں میں سے کم رقم ہو یا ان سے اکثر ہو۔ ”عزمی زادہ“۔
پھر اس قاعدہ پر اپنے اس قول سے تفریع ذکر کی ہے: اگر ایک ایک غلام کے خریدنے کی

دو قول ہیں۔ کیونکہ انشاء اور اس کا اقرار دونوں میں سے ہر ایک قول ہے جس طرح عنقریب اس کا ذکر کریں گے۔

27098۔ (قوله: بِالْفِ وَمِائَةِ) دس اور پندرہ کا معاملہ مختلف ہے ایسی گواہی کو قبول نہیں کیا جائے گا۔ کیونکہ یہ
مرکب ہے جیسے دو ہزار۔ کیونکہ دونوں میں حرف عطف نہیں جس طرح شارح نے اس کا ذکر کیا ہے۔

27099۔ (قوله: إِلَّا أَنْ يُؤْفَقَ) جیسے وہ کہے: میرا اس پر اتنا ہی حق ہے جیسے اس نے گواہی دی ہے مگر اس نے مجھے
اتنا غلام کے بغیر دے دیا ہے۔ ”البحر“ میں ہے: یہاں گواہیوں کے ساتھ تطبیق کو ثابت کرنے کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ یہ اس
کے ساتھ مکمل ہو جاتا ہے اگر وہ شرا کے ساتھ ملک کا دعویٰ کرے اور وہ دونوں بہہ کا دعویٰ کریں تو معاملہ مختلف ہوگا کیونکہ بینہ
کے ساتھ اس کے ثابت کرنے کی ضرورت ہے۔ ”سائحانی“۔

27100۔ (قوله: وَهَذَا فِي الدَّيْنِ) یعنی دونوں شہادتوں میں لفظ موافقت شرط ہے۔

27101۔ (قوله: سَوَاءً كَانَ الْمُدَّعَى الْخ) خواہ مدعی بائع ہو یا مشتری ہو۔ ”درر“۔

عَبْدٌ أَوْ كِتَابَتِهِ عَلَى أَلْفٍ وَآخِرُ بِأَلْفٍ وَخَمْسِينَ رُدَّتْ لِأَنَّ الْمَقْصُودَ اثْبَاتُ الْعَقْدِ، وَهُوَ يَخْتَلِفُ بِاخْتِلَافِ الْبَدَلِ فَلَمْ يَتِمَّ الْعَدَدُ

شہادت دے یا ہزار پر مکتب بنانے کی شہادت دے اور دوسرا گواہ پندرہ سو کی گواہی دی تو اس گواہی کو رد کر دیا جائے گا۔ کیونکہ مقصود عقد کو ثابت کرنا ہے جب کہ وہ بدل کے مختلف ہونے سے مختلف ہو جاتا ہے پس عدد کسی

27102۔ (قوله: أَوْ كِتَابَتِهِ عَلَى أَلْفٍ) یہ قول اس صورتحال کو شامل ہے جب غلام اس کا دعویٰ کرے اور آقا اس کا انکار کرے جب کہ یہ امر ظاہر ہے۔ کیونکہ اس کا مقصود عقد ہے اور اسے شامل ہے جب مدعی آقا ہو جس طرح صاحب ”ہدایہ“ نے جو کچھ ”جامع صغیر“ میں ہے اس پر اضافہ کیا ہے۔ ”الفتح“ میں کہا: کیونکہ آقا کا اپنے غلام کے خلاف مال کا دعویٰ صحیح نہیں۔ کیونکہ اس کا اپنے غلام کے خلاف کوئی دین نہیں ہاں کتابت کے واسطے سے دین ہو سکتا ہے۔ پس غلام کا انکار اس کی طرف پھر جائے گا۔ کیونکہ یہ معلوم ہے کہ آقا کا صرف اسی طریقہ سے غلام پر دین متصور ہو سکتا ہے۔ پس شہادت تو صرف اس کو ثابت کرنے کے لیے ہے۔ ”البحر“ اور ”التمہین“ میں ہے: ایک قول یہ کیا گیا ہے: آقا کے بینہ کچھ مفید نہ ہوں گے کیونکہ غلام کے حق میں عقد لازم نہیں۔ کیونکہ عاجز آنے کی صورت میں وہ نسخ کتابت پر قادر ہوتا ہے۔ اس قول کو ”عینی“ نے جزم و یقین کے ساتھ بیان کیا ہے۔ ”الجامع“ کی عبارت سے جو کچھ مفہوم ہوا ہے یہ اس کے موافق ہے۔

27103۔ (قوله: وَهُوَ يَخْتَلِفُ بِاخْتِلَافِ الْبَدَلِ) اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ دونوں گواہوں نے اگر شرا کے بارے میں گواہی دی اور ثمن کی وضاحت نہ کی تو شہادت کو قبول نہ کیا جائے گا۔ اس کی مکمل بحث ”البحر“ میں ہے۔ ”خیر رملی“ نے اس پر اپنے حاشیہ میں کہا: اس محل اور دوسرے محل میں جو کلام ہے اس کا مفہوم یہ ہے کہ جس جگہ ثمن کی قضا کی ضرورت ہو تو ثمن کا ذکر، اس کی مقدار کا ذکر اور اس کی صفت کا ذکر ضروری ہے۔ اور جہاں اس کی قضا کی ضرورت نہ ہو تو اس کے ذکر کی حاجت نہیں۔

تنبیہ

”المبسوط“ میں ہے: جب کوئی آدمی کسی ایسے گھر کی خرید کا دعویٰ کرے جو گھر کسی کے قبضہ میں تھا اور دو گواہوں نے گواہی دی اور دونوں نے ثمن کا ذکر نہ کیا اور بائع اس کا انکار کرتا ہے تو دونوں کی شہادت باطل ہوگی۔ کیونکہ دعویٰ اگر شہادت کی صفت کے ساتھ ہو تو وہ فاسد ہوتا ہے تو دونوں کی شہادت باطل ہوگی۔ کیونکہ دعویٰ اگر شہادت کی صفت کے ساتھ ہو تو فاسد ہوتا ہے اگر ثمن کے ذکر کے ساتھ ہو تو گواہوں نے وہ گواہی نہیں دی جس کا مدعی نے دعویٰ کیا تھا پھر قاضی کے ذکر کے ساتھ ہو تو گواہوں نے وہ گواہی نہیں دی جس کا مدعی نے دعویٰ کیا تھا پھر قاضی عقد کے فیصلہ کا محتاج ہے اور اس پر عقد کی قضا معتذر ہوتی ہے جب ثمن کا ذکر نہ کیا جائے۔ کیونکہ جس ثمن کے ذکر کے بغیر ابتداء بیع صحیح نہیں اسی طرح ثمن کے ذکر کے بغیر قضا ظاہر نہ ہوگی۔ اور اس کے لیے یہ ممکن نہیں ہوگا کہ وہ ثمن کا فیصلہ کرے جب گواہوں نے اس پر گواہی نہیں دی۔ پھر کہا: اگر دونوں گواہوں نے

عَلَى كُلِّ وَاحِدٍ (وَمِثْلُهُ الْعِتْقُ بِمَالٍ وَالصَّدْحُ عَنْ قَوْدٍ وَالرَّهْنُ وَالْخُدْعُ إِنِ ادَّعَى الْعَبْدُ وَالْقَاتِلُ وَالرَّاهِنُ وَالْمَرْأَةُ) لَفٌّ وَنَشْرٌ مُرْتَبٌّ إِذَا مَقْصُودُهُمْ إِثْبَاتُ الْعَقْدِ كَمَا مَرَدَّ (وَإِنْ ادَّعَى الْآخَرُ) كَالْمَوْتِ مَثَلًا (فَكَدَعَوَى الدَّيْنِ) إِذَا مَقْصُودُهُمُ الْمَالُ

ایک پر مکمل نہ ہوا۔ اس کی مثل مال کے بدلے میں آزادی، قصاص کے بدلے میں صلح، دین اور خلع کا معاملہ ہے اگر غلام، قاتل، راہن اور عورت اس کا دعویٰ کرے۔ یہ کلام لف نشر مرتب کے طریقہ پر ہے۔ کیونکہ ان کا مقصود عقد کو ثابت کرنا ہے جس طرح گزر چکا ہے۔ اگر دوسرا جیسے مثلاً آقا دعویٰ کرے تو وہ دین کے دعویٰ کی طرح ہوگا۔ کیونکہ ان کا مقصود مال ہے۔

بیع کے بارے میں بیع کے اقرار پر گواہی دی اور دونوں نے ثمن کا ذکر نہ کیا اور دونوں نے ثمن پر قبضہ کی شہادت نہ دی تو شہادت باطل ہوگی۔ کیونکہ قاضی کو عقد کی قضا کی حاجت ہے۔ اور وہ اس پر قادر نہیں جب ثمن کا ذکر نہ کیا جائے۔ اگر دونوں گواہ کہیں: اس نے ہمارے پاس اس کا اقرار کیا ہے کہ اس نے یہ اس کے ہاتھ بیچی اور پوری ثمن لے لی اور دونوں نے ثمن کا ذکر نہیں کیا تو یہ جائز ہے۔ کیونکہ ضرورت مدعی کے حق میں ملک کی قضا کی ہے عقد کی قضا کی ضرورت نہیں۔ پس ثمن پوری لینے کے ساتھ عقد کا حکم اپنی انتہا کو جا پہنچا۔

27104۔ (قوله: عَلَى كُلِّ وَاحِدٍ) کل کے لفظ کی کوئی حاجت نہیں۔ ”سعدیہ“۔

27105۔ (قوله: وَالرَّهْنُ) ”البحر“ میں کہا: ”ہدایہ“ کا ظاہر معنی یہ ہے کہ رہن یہ دین کے دعویٰ کے قبیل سے ہے۔ ”العنایہ“ میں ”النبہایہ“ کی پیروی کرتے ہوئے اس پر یہ اعتراض کیا ہے: ہزار کا عقد رہن یہ ڈیڑھ ہزار کے عقد رہن کا غیر ہے تو ضروری ہے کہ گواہیاں قبول نہ کی جائیں اگرچہ مدعی، مرتہن ہو۔ کیونکہ ان دونوں گواہوں میں سے ایک کو جھٹلایا ہے۔ اس کا یہ جواب دیا گیا کہ عقد، مرتہن کے حق میں غیر لازم ہے۔ کیونکہ اسے رد کرنے کا اختیار ہوگا جب چاہے گا۔ پس وہ عدم کے حکم میں ہوگا۔ پس اعتبار دین کے دعویٰ کا ہوگا۔ کیونکہ رہن، دین کے بدلہ میں ہوتا ہے۔ پس گواہیاں قبول کی جائیں گی جس طرح باقی دیون میں ہوتا ہے۔ اور ہزار کے بدلے میں رہن ضمناً اور تبعاً ثابت ہوگا۔ ”حواشی یعقوبیہ“ میں راہن کا ذکر ہے۔ (مقوله 27108)

27106۔ (قوله: إِذَا ادَّعَى الْعَبْدُ) صرف عتق کے مسئلہ کو مال کے ساتھ مقید کیا ہے اگر مصنف کے قول ’وکتبتہ‘ اس کے عموم پر جاری کیا جائے اس کی موافقت کرتے ہوئے جو صاحب ہدایہ نے کہا ہے یا ”العنایہ“ اور ”النبہایہ“ کے قول کے موافقت ہوگی اگر مصنف کے قول کو اس کے ساتھ خاص کیا جائے جب غلام کتابت کا دعویٰ کرے۔ یہ اس کے موافق ہے جو ”الجامع“ میں ہے اور اس کے موافق ہے جو ”عینی“ میں ہے۔

27107۔ (قوله: فَكَدَعَوَى الدَّيْنِ) اس دین کے دعویٰ کی طرح جو عقد سے منفرد ہو۔ ”سعدیہ“۔

27108۔ (قوله: إِذَا مَقْصُودُهُمُ الْمَالُ) کیونکہ عتق، عفو اور طلاق صاحب ”ہدایہ“ کے اعتراف کے مطابق ثابت ہو

فَتَقْبَلُ عَلَى الْأَقْلِ إِنْ ادَّعَى الْأَكْثَرُ كَمَا مَرَّ (وَالْإِجَارَةُ كَالْبَيْعِ) لَوْ فِي أَوَّلِ الْمُدَّةِ لِلْحَاجَةِ لِثَبَاتِ الْعَقْدِ (وَكَالِدَيْنِ بَعْدَهَا) لَوْ الْمُدَّعَى الْمُوجِرُ، وَلَوْ الْمُسْتَأْجِرُ فَدَعْوَى عَقْدِ اتِّفَاقًا (وَصَحَّ النِّكَاحُ) بِالْأَقْلِ أَمَّا (بِالْفِ) مُطْلَقًا (اسْتِحْسَانًا) خِلَافًا لَهَا

پس اقل پر گواہوں کو قبول کیا جائے گا اگر وہ اکثر کا دعویٰ کرے جس طرح قول گزر چکا ہے۔ اور اجارہ، بیع کی طرح ہے اگر موت کے آغاز میں ہو۔ کیونکہ عقد کو ثابت کرنے کی ضرورت ہے۔ اور اس کے بعد دین کی طرح ہے اگر مدعی موجر ہو۔ اگر مدعی مستاجر ہو تو بالاتفاق دعویٰ عقد کی طرح ہے۔ اور نکاح اقل یعنی ہزار کے ساتھ مطلقاً بطور استحسان صحیح ہو جائے گا۔ ”صاحبین“ رحمہ اللہ نے اس سے اختلاف کیا ہے۔

چکا ہے پس دعویٰ باقی نہیں رہا مگر دین میں باقی رہا ہے، ”فتح“۔ ”الایضاح“ میں یہ زائد ذکر کیا ہے: رہن میں اگر مدعی راہن ہو تو گواہی قبول نہ ہوگی۔ کیونکہ دین میں اس کا کوئی حصہ نہیں پس شہادت دعویٰ سے خالی ہوگئی اگر مدعی مرہن ہو تو وہ دعویٰ دین کے قائم مقام ہے۔ ”یعقوبیہ“ میں ہے۔ ”التمہین“ میں راہن کا ذکر ہے جو مناسب نہیں۔

27109۔ (قوله: عَلَى الْأَقْلِ) یعنی بالاتفاق اقل پر گواہی کو قبول کیا جائے گا اگر اکثر کا شاہد صرف عطف کے ساتھ گواہی دے جیسے ہزار اور پانچ سو۔ اگر اس کے علاوہ کے ساتھ گواہی دے جیسے ہزار اور دو ہزار تو ”صاحبین“ رحمہ اللہ نے اسی طرح ہے اور ”امام اعظم“ کے نزدیک کسی بھی شے کے بارے میں فیصلہ نہیں کیا جائے گا، ”فتح“۔

27110۔ (قوله: الْعَقْدِ) عقد بدل کے اختلاف کے ساتھ مختلف ہو جائے گا پس اجارہ ثابت نہیں ہوگا۔ ”فتح“۔

27111۔ (قوله: وَكَالدَّيْنِ) کیونکہ مدت کے بعد صرف اجر ہی مقصود ہے۔ ”فتح“۔

27112۔ (قوله: بَعْدَهَا) وہ منفعت پوری کی پوری لے یا پوری کی پوری منفعت نہ لے اس کے بعد کہ وہ وصول کر چکا ہو۔ ”فتح“۔

27113۔ (قوله: عَقْدِ اتِّفَاقًا) کیونکہ وہ اجارہ کے مال کا معترف ہے۔ پس جس کا اس نے اعتراف کیا اس کا اس کے خلاف فیصلہ کر دیا جائے گا۔ پس دونوں گواہوں کے اتفاق یا اس میں دونوں کے اختلاف کا کوئی اعتبار نہیں ہوگا۔ اور نہ ہی عقد ثابت ہوگا۔ کیونکہ اختلاف پایا جاتا ہے۔

27114۔ (قوله: مُطْلَقًا) خواہ خاوند یا بیوی اقل کا دعویٰ کرے یا اکثر کا دعویٰ کرے، ”ہدایہ“ میں اسی طرح تصحیح کی ہے۔ ”الفتح“ میں ذکر کیا ہے: یہ روایت کے مخالف ہے۔ اس کی مکمل وضاحت ”شرنبلائیہ“ میں ہے۔

27115۔ (قوله: خِلَافًا لَهَا) کیونکہ دونوں نے کہا: یہ بھی باطل ہے۔ کیونکہ یہ عقد میں اختلاف ہے۔ یہی قیاس ہے۔ امام ”ابو حنیفہ“ رحمہ اللہ کی دلیل یہ ہے: نکاح میں مال تابع ہوتا ہے اس میں اصل حلت ملکیت اور ازدواج ہے جو اصل ہے۔ اس میں کوئی اختلاف نہیں پس وہ ثابت ہو گیا۔ جب تبع میں اختلاف واقع ہو تو اقل کا فیصلہ کیا جائے گا۔ کیونکہ دونوں

(وَلَزِمَ فِي صَحَّةِ الشَّهَادَةِ) (الْجَرْبُ بِشَهَادَةِ إِرْثٍ) بِأَنْ يَقُولَا مَاتَ

شہادت کے صحیح ہونے میں وارث کی شہادت جو لازم ہے وہ یہ ہے کہ دونوں کہیں: وہ مر گیا

اس پر متفق ہیں۔

27116۔ (قوله: فِي صَحَّةِ الشَّهَادَةِ) گفتگو کے بعد ”البحر“ میں کہا: اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ جر یہ دعویٰ کے صحیح ہونے کی شرط ہے نہ کہ مصنف کی کلام: من انه شرط القضاء بالبينة فقط سے جو متوہم ہوتا ہے یعنی یہ شرط ہے کہ وہ دعویٰ کے بارے میں کہے: وہ مر گیا اور اسے بطور میراث چھوڑا جس طرح شہادت میں شرط ہے اس کا ذکر نہیں کیا کیونکہ کلام شہادت کے بارے میں ہے۔

27117۔ (قوله: الْجُرْيُ) یعنی نقل کرنا۔ یعنی وہ دونوں انتقال کی گواہی دیں۔ یہ یا تو صراحۃً ہوگا جس طرح شارح نے اس کی صورت بیان کی ہے یا موت کے وقت میت کے لیے ملکیت کو ثابت کرنے کے قائم مقام ہوگا، یا اس کے قبضہ یا اس کے نائب کے قبضہ کو ثابت کرنے کے قائم مقام ہوگا۔ یہ بھی اس کی موت کے وقت کا معاملہ ہے۔ یہ وہی چیز ہے جس طرف اس نے اپنے قول الا ان يشهد الخ کے ساتھ اشارہ کیا ہے۔ یہ طرفین کے نزدیک ہے۔ امام ”ابو یوسف“ رحمہ اللہ نے اس سے اختلاف کیا ہے۔ کیونکہ آپ کسی شے کی شرط نہیں لگاتے۔ اختلاف اس صورت میں ظاہر ہوگا جب دونوں اس امر کی گواہی دیں کہ یہ کسی زیادتی کے بغیر میت کی ملکیت تھی۔ دونوں سے اس میں اور جو آگے آ رہا ہے اس میں فرق کا مطالبہ کیا گیا۔ آگے یہ ہے اگر دو آدمی زندہ کے حق میں گواہی دیں کہ یہ اس کی ملک میں ہے تو اس کی شہادت کو قبول کیا جائے گا۔ فرق وہ ہے جو ”نفقہ“ میں اس تک ہے جس کا ذکر (مقولہ 27131 میں) آئے گا۔

ان حواشی کی تجرید کرنے والے نے کہا: مولف نے اپنے قول ”البحر“ پر حاشیہ لکھا ہے اس پر قلم زد کرنے کا نشان ہے لیکن میں اس پر یقین نہیں کر سکا میں نے اس کے ذکر کو پسند کیا ہے اگرچہ ماقبل سے یہ مفہوم ہے۔ کہا: ان کا قول ”البحر“ یہ طرفین کے نزدیک ہے۔ کیونکہ وارث کی ملکیت مستجد ہے اگر اس شہادت پر اکتفا کیا جائے گا کہ موت کے وقت مورث کی ملکیت کے قیام کی شہادت پر اکتفا کیا جائے۔ کیونکہ ضرورۃً انتقال ثابت ہو جاتا ہے۔ اسی طرح اس کا قبضہ اور اس کا قبضہ جو اس کے قائم مقام ہوتا ہے۔ امام ”ابو یوسف“ رحمہ اللہ کہتے ہیں: وارث کی ملکیت مورث کی ملکیت ہے۔ پس مورث کے حق میں ملکیت کی شہادت وارث کے حق میں شہادت ہوگی۔ جر یہ ہے کہ گواہ یہ کہے: وہ مر گیا اور اس نے اسے بطور میراث چھوڑا۔ یہی بات کرے جو اس کے قائم مقام ہو کہ موت کے وقت اس کی ملکیت کو ثابت کرے، اس کے قبضہ کو ثابت کرے یا اس کے قبضہ کو ثابت کرے جو اس کے قائم مقام ہو۔ جب وارث نے یہ ثابت کر دیا کہ یہ مینی چیز اس کے مورث کی تھی تو اس کے حق میں اس کا فیصلہ نہیں کیا جائے گا۔ یہ محل اختلاف ہے۔ حی (زندہ) کا معاملہ مختلف ہے جب وہ یہ ثابت کرے کہ یہ مینی چیز اس کی ہے تو استصحاب حال کا اعتبار کرتے ہوئے اس کے حق میں اس کا فیصلہ کر دیا جائے گا۔ کیونکہ اصل بقا ہے۔

27118۔ (قوله: إِرْثٍ) اس کی صورت یہ ہے کہ وارث کسی ایسی معین شے کا، جو کسی انسان کے قبضہ میں ہے، یہ دعویٰ

وَتَرَكَهُ مِيرَاثًا لِلْمُدَّعَى (إِلَّا أَنْ يَشْهَدَا بِبَيْلِكَ) عِنْدَ مَوْتِهِ (أَوْ يَدِهِ أَوْ يَدِ مَنْ يَقُومُ مَقَامَهُ) كَسْتَأْجِرَ وَمُسْتَعِيرَ وَغَاصِبَ وَمُودِعَ فَيُغْنِي ذَلِكَ عَنِ الْجَرِّ، لِأَنَّ الْأَيْدِيَ عِنْدَ الْمَوْتِ تَنْقَلِبُ يَدَ مِلْكٍ بِوَاسِطَةِ الضَّمَانِ، فَإِذَا ثَبَتَ الْمِلْكُ ثَبَتَ الْجَرُّ ضَرُورَةً (وَلَا بُدَّ مَعَ الْجَرِّ الْمَذْكُورِ (مِنْ بَيَانِ سَبَبِ الْوَرَاثَةِ

اور اس نے مدعی کے لیے میراث چھوڑی مگر اس صورت میں کہ اس کی موت کے وقت اس کی ملکیت کی، اس کے قبضہ کی اور یا جو اس کے قائم مقام ہے اس کے قبضہ کی شہادت دیں جیسے مستاجر، عاریہ لینے والا، غاصب اور مودع۔ پس یہ جر میراث سے غنی کر دے گا۔ کیونکہ موت کے وقت قبضہ ضمان کے واسطہ سے قبضہ ملک کی طرف پھر جاتے ہیں۔ جب ملکیت ثابت ہوگئی تو جر میراث ضرورتاً ثابت ہوگئی۔ جر مذکور کے ساتھ وراثت کے سبب کا بیان اور یہ بیان ضروری ہے

کرے کہ یہ اس کے باپ کی میراث ہے اور دو گواہیاں قائم کر دے تو دونوں گواہی دیں کہ یہ اس کے باپ کی ہے تو اس کے حق میں فیصلہ نہیں کیا جائے گا یہاں تک کہ وہ دونوں جر میراث کریں۔ اس کی صورت یہ ہے کہ وہ قول کریں۔

27119۔ (قوله: بِبَيْلِكَ) یعنی مورث کی ملکیت۔

27120۔ (قوله: عِنْدَ مَوْتِهِ) یعنی اس قید کا ہونا ضروری ہے جس طرح تو (مقولہ 27117 میں) جان چکا ہے۔ چاہیے یہ تھا کہ تو اس کا ذکر تینوں کے بعد کرتا۔

27121۔ (قوله: لِأَنَّ الْأَيْدِيَ) یہ اس امر کی دلیل ہے کہ میت کے قبضہ پر شہادت جر سے مستغنی کر دیتی ہے۔ اس کی وضاحت یہ ہے: جب موت کے وقت اس کا قبضہ ثابت ہو جائے گا اگر تو یہ ملکیت کا قبضہ ہو تو یہ امر ظاہر ہے۔ کیونکہ اس نے اس کی ملکیت کو ثابت کیا ہے، یا اس کی وضاحت یہ ہے کہ یہ وارث کی طرف منتقل ہو چکا ہے۔ پس انتقال ضرورتاً ثابت ہو جائے گا جس طرح جب دونوں ملکیت کی گواہی دیں اگر وہ امانت کا قبضہ ہو تو حکم اسی طرح ہوگا۔ کیونکہ امانات میں قبضہ موت کے وقت ضمان کے واسطہ سے ملک کے قبضہ کی طرف منتقل ہو جاتے ہیں جب وہ اس کو جہالت میں رکھتے ہوئے مر گیا۔ کیونکہ وہ حفاظت کو ترک کر چکا تھا۔ مضمونہ چیز کا ضامن مالک ہو جاتا ہے جیسا کہ عرف ہے۔ پس اس وقت میں قبضہ کا اثبات ملکیت کا اثبات ہوتا ہے۔ جو اس کے قائم مقام ہو اس کے قبضہ پر شہادت کے ساتھ جر سے استغنا کی تعلیل کو ترک کر دیا ہے۔ کیونکہ وہ ظاہر ہے کیونکہ جو اس کے قائم مقام ہوتا ہے اس کے قبضہ کا اثبات اس کے قبضہ کا اثبات ہوتا ہے۔ پس موت کے وقت ملکیت کا اثبات یہ جر کے ذکر سے غنی کر دے گا۔ پس اس کا ذکر اس کے ذکر سے کفایت کر گیا۔

27122۔ (قوله: وَلَا بُدَّ مَعَ الْجَرِّ مِنْ بَيَانِ سَبَبِ الْوَرَاثَةِ) ”الفتح“ میں کہا: وہ میت اور وارث کا نسب بیان کریں یہاں تک کہ وہ ایک باپ پر مل جائیں اور وہ دونوں اس کا ذکر کریں کہ یہ اس کا وارث ہے۔ کیا ان کا قول و وارثہ فی الاب والامد والولد شرط ہے؟ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ شرط ہے۔ فتویٰ اس کے شرط نہ ہونے پر ہے۔ اسی طرح ہر وہ شخص ہے جو کسی حال میں محبوب نہیں ہوتا۔ شہادت میں اس کا ذکر ضروری ہے کہ یہ میت کا پوتا ہے یا میت کی پوتی ہے۔ اور اس امر کی

(وَبَيَانٍ أَنَّهُ أَخُوهُ لِأَبِيهِ وَأُمِّهِ أَوْ لِأَحَدِهِمَا) وَنَحْوِ ذَلِكَ ظَهِيرِيَّةٌ، وَبَتَّى شَرْطُ ثَالِثٍ (وَهُوَ) قَوْلُ الشَّاهِدِ لَا وَارِثَ، أَوْ لَا أَعْلَمُ (لَهُ) وَارِثًا (غَيْرُكَ) وَرَأَيْتُ، وَهُوَ أَنْ يُدْرِكَ الشَّاهِدُ الْمَيِّتَ وَإِلَّا فَبَاطِلَةٌ

کہ یہ اس کے ماں باپ یا دونوں میں سے کسی ایک کی جانب سے اس کا بھائی ہو وغیرہ، ”ظہیریہ“۔ تیسری شرط باقی رہ گئی ہے وہ شہد کا یہ قول ہے: اس کا کوئی وارث نہیں یا میں اس کے علاوہ اس کا کوئی وارث نہیں دیکھتا۔ چوتھی شرط یہ ہے کہ گواہ میت کو پائے ورنہ گواہی باطل ہوگی۔

شہادت میں کہ یہ اس کا آقا ہے یہ وضاحت کرنا ضروری ہے کہ آقا نے اسے آزاد کر دیا تھا۔ اس شرط کا ذکر نہ متن میں کیا اور نہ شرح میں کیا۔ ظاہر یہ ہے کہ تیسری شرط کے ساتھ جر اس سے غنی کر دیتا ہے، فلینا مل۔ اس میں غور کیجئے جس کا ذکر الشہادات سے پہلے (مقولہ 26700 میں) ہوا ہے۔

27123۔ (قوله: سَبَبُ الْوَرَاثَةِ) وہ یہ ہے کہ مثلاً یہ اس کا بھائی ہے۔

27124۔ (قوله: لِأَبِيهِ وَأُمِّهِ) ”البحر“ میں ”البرزازیہ“ سے یہ ذکر کیا ہے: اگر انہوں نے یہ گواہی دی کہ یہ اس کا بیٹا ہے اور انہوں نے یہ نہ کہا: یہ اس کا وارث ہے صحیح یہ ہے کہ یہ اسے کافی ہوگا جس طرح اگر وہ اس امر کی گواہی دیں کہ یہ اس کا باپ ہے یا اس کی ماں ہے اگر وہ یہ دعویٰ کرے کہ یہ میت کا چچا ہے تو دعویٰ کے صحیح ہونے کے لیے تفسیر شرط ہوگی۔ پس وہ کہے: یہ اس کے ماں باپ کی جانب سے چچا ہے یا صرف باپ کی جانب سے چچا ہے یا صرف ماں کی جانب سے چچا ہے۔ یہ بہنا بھی شرط ہوگا اس کا وارث جب وہ گواہیاں قائم کر دے تو گواہوں کے لیے ضروری ہوگا کہ وہ میت اور وارث کا نسب بیان کریں یہاں تک کہ وہ ایک باپ پر جا کر مل جائیں۔ اسی طرح یہ بھائی اور دادا میں ہوگا۔ ملخص

27125۔ (قوله: وَارِثًا غَيْرُكَ) ”فتح القدیر“ میں کہا: جب وہ گواہی دیں کہ یہ اس کے مورث کا تھا اس نے اسے بطور میراث چھوڑا ہے اور یہ نہ کہا: ہم اس کے سوا اس کا کوئی وارث نہیں دیکھتے۔ اگر یہ ان لوگوں میں سے ہو جو ایک حال میں وارث ہوتے ہیں دوسرے حال میں وارث نہیں ہوتے تو وہ فیصلہ نہیں کرے گا۔ کیونکہ مستحق نہ ہونے کا احتمال ہے یا ہر حال میں وارث ہوگا۔ قاضی احتیاط کرے گا اور ایک مدت تک انتظار کرے گا کیا اس کا کوئی دوسرا وارث تھا یا نہیں تھا؟ پھر سب کا فیصلہ کر دے گا۔ اگر اس کا حصہ احوال میں مختلف ہو جاتا ہو تو وہ اقل کا فیصلہ کرے گا اور وہ خاوند کے بارے میں پوچھنی اور بیوی کے بارے میں آٹھویں کا فیصلہ کر دے گا۔ مگر جب وہ یہ کہیں: ہم اس کے علاوہ کسی اور وارث کو نہیں جانتے۔ امام ”محمد“ رحمہ اللہ نے کہا جب کہ امام ”ابو حنیفہ“ رحمہ اللہ سے بھی ایک روایت یہی ہے: وہ اکثر کا فیصلہ کر دے گا۔ ظاہر پہلا قول ہے۔ قاضی، طرفین کے نزدیک اس سے کنفیئل لے گا۔ امام ”ابو یوسف“ رحمہ اللہ کے نزدیک کنفیئل نہیں لے گا۔

اگر گواہ کہیں: اس واقع پر اس کا کوئی وارث نہیں جانتے امام ”ابو حنیفہ“ رحمہ اللہ کے نزدیک یہ کافی ہوگا ”صاحبین“ رحمہ اللہ نے اس سے اختلاف کیا ہے۔

لِعَدَمِ مُعَايِنَةِ السَّبَبِ ذَكَرَهُمَا الْبَرَّازِيُّ (وَذَكَرُ اسْمِ الْمَيِّتِ لَيْسَ بِشَرْطٍ وَإِنْ شَهِدَا بِيَدٍ حَيٍّ) سَوَاءٌ قَالَا (مُذْ شَهِرٍ أَوْ لَا) (رُدَّتْ) لِقِيَامِهَا بِمَجْهُولٍ لِيَتَنَوَّعَ يَدُ الْحَيِّ (بِخِلَافٍ مَا لَوْ شَهِدَا أَنَّهَا كَانَتْ مِلْكَهُ

کیونکہ سبب کا معاینہ نہیں ہوا۔ ”برازی“ نے دونوں کا ذکر کیا ہے۔ میت کا نام ذکر کرنا شرط نہیں۔ اگر دونوں نے زندہ کے قبضہ کی گواہی دی خواہ دونوں نے کہا کہ یہ قبضہ ایک ماہ سے تھا یا اس کا ذکر نہ کیا تو گواہی کو رد کر دیا جائے گا۔ کیونکہ گواہی مجہول امر پر واقع ہوئی ہے۔ کیونکہ زندہ کے قبضہ کی کئی انواع ہیں۔ اگر دونوں نے گواہی دی کہ یہ اس کی ملک تھی

کتاب الشہادات سے تھوڑا پہلے (مقولہ 26702 میں) مسئلہ گزر چکا ہے شرح ادب القضاء، باب نمبر چھپن میں اس کا ذکر کیا جب کہ وہ تین انواع پر منقسم ہے پس اس کی طرف رجوع کیجئے۔ ہاں صاحب ”البحر“ نے اس کی ایسی تلیخیص کی ہے جس میں خفا ہے جو (مقولہ 26702 میں) گزر چکا ہے۔ اس سے یہ معلوم ہے کہ وارث اگر ان افراد میں سے ہو جس کو محرومی کے حجب کے ساتھ مجبوب کیا جاتا ہے اس شرط کا ذکر اصل قضا کے لیے ہے۔ اگر وہ وارث ان وارثوں میں سے ہے جن کو حجب نقصان کے ساتھ مجبوب کیا جاتا ہے تو اس کا ذکر اکثر کی قضا کے لیے شرط ہے اگر وہ دائمی وارث ہو اور کسی اور کی وجہ سے اس میں نقص واقع نہیں ہوتا تو اس کا ذکر فی الحال بغیر کسی انتظار کے قضا کے لیے شرط ہے۔ فاقبل

27126۔ (قوله: لِعَدَمِ مُعَايِنَةِ السَّبَبِ) کیونکہ ملکیت پر شہادت تسامع (سننے) سے جائز نہیں۔ ”فتح“۔

27127۔ (قوله: الْبَرَّازِيُّ) ”الفتح“ میں اسی طرح ہے۔

27128۔ (قوله: وَذَكَرُ اسْمِ الْمَيِّتِ) یہاں تک کہ اگر دو آدمی گواہی دیں کہ یہ اس کے دادا کا دادا ہے اور میت کا ذکر نہ کیا گیا تو اس کی گواہی قبول کی جائے گی۔ ”برازیہ“۔

27129۔ (قوله: رُدَّتْ) امام ”ابو یوسف“ رحمہ اللہ سے مروی ہے: اس کی شہادت کو قبول کیا جائے گا۔

27130۔ (قوله: يَدُ الْحَيِّ) کیونکہ یہ احتمال موجود ہے کہ مثلاً وہ اس کی ملکیت ہے یا اس کی ودیعت ہے جب مثلاً وہ اس کی ودیعت ہو تو وہ اپنے حال پر باقی رہے گی۔ جہاں تک میت کا تعلق ہے تو وہ ودیعت اس کی ملک بن جائے گی جب اسے جہالت کی حالت میں چھوٹ کر مر جائے جس طرح پہلے (مقولہ 27121 میں) گزر چکا ہے۔

27131۔ (قوله: أَنَّهَا كَانَتْ مِلْكَهُ) اگر دو گواہ ملک عین کے مدعی کے حق میں گواہی دیں جو کسی آدمی کے قبضہ میں ہو کہ یہ مدعی کی ملک ہے تو اس کے متعلق فیصلہ کر دیا جائے گا اگرچہ دونوں گواہ گواہی نہ دیں کہ یہ اب تک اس کی ملکیت ہے اس میں اور جو (مقولہ 27117 میں) گزر چکا ہے اس میں فرق یہ ہے کہ یہ میت کی ملکیت ہوتی ہے۔ اس گواہی کو رد کر دیا جائے گا جب تک وہ یہ گواہی نہ دیں کہ یہ موت کے وقت اس کی ملکیت تھی۔ ”الفتح“ میں جس کا ذکر کیا ہے: ”اگر دونوں گواہ حالت موت میں اس کی ملکیت کے ثبوت کی تصریح نہ کریں تو یہ ملکیت قاعدہ استصحاب سے ثابت نہیں ہوگی۔ اس کے ساتھ جو امر ثابت ہوتا ہے وہ ثابت کو باقی رکھنے کے لیے حجت ہے اور جو ثابت نہ ہو اس کو ثابت کرنے کے لیے یہ حجت نہیں۔ وارث میں

أَوْ أَقَرَّ الْمُدَّعَى عَلَيْهِ بِذَلِكَ أَوْ شَهِدَ شَاهِدَانِ أَنَّهُ أَقَرَّ أَنَّهُ كَانَ فِي يَدِ الْمُدَّعَى دَفْعَ لِلْمُدَّعَى لِمَعْلُومِيَّةِ
الْإِقْرَارِ، وَجَهَالَةُ الْمُقَرَّرِ بِهِ لَا تُبْطِلُ الْإِقْرَارَ وَالْأَصْلُ أَنَّ الشَّهَادَةَ بِالْبَلَدِ الْمُنْقَضِ مَقْبُولَةٌ لَا بِالْيَدِ
الْمُنْقَضَةِ لِتَنَوُّعِ الْيَدِ لَا الْبَلَدِ بَرَّازِيَّةً، وَلَوْ أَقَرَّ أَنَّهُ كَانَ يَدِ الْمُدَّعَى بِغَيْرِ حَقِّ هَلْ يَكُونُ إِقْرَارًا لَهُ
بِالْيَدِ؟ الْمُنْفَتَى بِهِ نَعَمْ جَامِعُ الْفُصُولَيْنِ فُرُوعُ شَهَادَاتٍ بِأَلْفٍ وَقَالَ أَحَدُهُمَا قَضَى خُصْمَانِيَّةً قُبِيتُ بِأَلْفٍ
إِلَّا إِذَا شَهِدَ مَعَهُ آخَرُ، وَلَا يَشْهَدُ مَنْ عَلَيْهِ حَتَّى يُقَرَّ الْمُدَّعَى بِهِ

یاد دہی میں نے اس کا اقرار کیا یا دونوں گواہ گواہی دیں کہ اس نے اقرار کیا کہ وہ مدعی کے قبضہ میں تھا تو وہ مدعی کو دے دے گا۔ کیونکہ اقرار معلوم ہے اور جس کا اقرار کیا گیا ہے اس کا مجہول ہونا اقرار کو باطل نہیں کر سکتا۔ قاعدہ یہ ہے: ختم ہوجانے والی ملکیت کے بارے میں شہادت مقبول ہوتی ہے وہ قبضہ جو ختم ہو جائے اس کے بارے میں گواہی قبول نہیں ہوتی۔ کیونکہ قبضہ کی انواع ہو سکتی ہیں، ملکیت کی انواع نہیں ہو سکتیں، ”بزازیہ“۔ اگر وہ اقرار کرے کہ وہ مدعی کے قبضہ میں: حق چیز موجود تھی کیا یہ اس کے حق میں قبضہ کا اقرار ہوگا؟ مفتی بہ قول یہ ہے کہ ہاں، ”جامع الفصولین“۔ فروع: دو گواہوں نے ہزار کے بارے میں گواہی دی دونوں میں سے ایک نے کہا: اس نے پانچ سواوا کر دیئے ہیں تو ہزار کے بارے میں گواہی قبول کی جائے گی مگر جب کوئی اور اس کے ساتھ گواہی دے اور جس کو یہ پتہ ہو وہ گواہی نہ دے یہاں تک کہ مدعی اس کا اقرار کرے۔

اسے اس کی ضرورت ہوتی ہے۔ عین کے مدعی کا معاملہ مختلف ہوتا ہے۔ کیونکہ استصحاب کے ساتھ جو چیز ثابت ہوتی ہے وہ اس کی ملکیت کی بقا ہے اس کا تجدد نہیں۔

27132۔ (قوله: بِذَلِكَ) اسم اشارہ سے مراد ید الحی ہوگا یا ملکہ ہوگا۔ جس نے صرف دوسرے پر اکتفا کیا ہے تو اس نے کوتاہی کی ہے۔

27133۔ (قوله: دَفْعَ لِلْمُدَّعَى) زیادہ بہتر یہ کہنا ہے: اسے مدعی کے حوالے کر دیا جائے گا جس طرح تامل سے ظاہر ہوتا ہے۔ ”البحر“ میں ہے: اس نے کہا: دفع الیہ یہ نہیں کہا: انہ اقرار بالملک۔ کیونکہ اگر وہ اس امر پر گواہی پیش کرے کہ یہ اس کی ملکیت ہے تو اسے قبول کیا جائے گا۔ یعنی قبضہ کے اقرار کے مسئلہ میں یا اس پر گواہی کے مسئلہ میں۔ کیونکہ ”کنز“ میں دونوں مسئلہ مذکور ہیں ملکیت پر شہادت کا مسئلہ مذکور نہیں۔

27134۔ (قوله: لِتَنَوُّعِ الْيَدِ) کیونکہ یہ احتمال موجود ہے کہ یہ چیز اس کی تھی تو اس نے اس سے اس کو خریدا۔

27135۔ (قوله: بِأَلْفٍ) یعنی اس کا قول، اس نے ادا کر دیا ہے نہیں سنا جائے گا۔

27136۔ (قوله: وَلَا يَشْهَدُ) یعنی پورے ہزار کی گواہی نہ دے۔

27138۔ (قوله: مَنْ عَلَيْهِ) یعنی پانچ سو کی ادائیگی کا وہ علم رکھتا ہو۔ کذا فی الہامش۔

27139۔ (قوله: حَتَّى يُقَرَّ الْمُدَّعَى بِهِ) تاکہ یہ ظلم پر امانت نہ ہو، ”الکنز“ کی عبارت ینبغی سے مراد ہے یجب۔

شَهِدَا بِسَرِقَةٍ بَقَرَةٍ وَاخْتَلَفَا فِي لَوْنِهَا قُطِعَ خِلَافًا لِهَمَّا، وَاسْتَظْهَرَ صَدْرُ الشَّرِيعَةِ قَوْلَهُمَا، وَهَذَا إِذَا لَمْ يَذْكُرِ الْمُدَّعَى لَوْنَهَا ذَكَرَهُ الزَّيْدِيُّ ادَّعَى الْبَدْيُونُ الْإِيصَالَ مُتَفَرِّقًا وَشَهِدَا بِهِ مُطْلَقًا أَوْ جُمْلَةً لَمْ تُقْبَلْ وَهَبَانِيَّةٌ شَهِدَا فِي دَيْنِ الْحَيِّ بِأَنَّهُ كَانَ عَلَيْهِ كَذَا تُقْبَلُ إِلَّا إِذَا سَأَلَهُمَا الْخَصْمُ عَنْ بَقَائِهِ الْآنَ فَقَالَا لَا نَذَرِي، وَفِي دَيْنِ النِّسِيِّ لَا تُقْبَلُ مُطْلَقًا حَتَّى يَقُولَا مَاتَ وَهُوَ عَلَيْهِ بِحَرٍّ قُلْتُ وَيُخَالِفُهُ مَا فِي مُعَيِّنِ الْحُكَامِ مِنْ ثُبُوتِهِ بِجَرْدِ بَيَانِ سَبَبِهِ

دو گواہوں نے گائے کی چوری کے بارے میں گواہی دی اور رنگ میں دونوں نے اختلاف کیا تو اس کا ہاتھ کاٹا جائے گا۔ ”صاحبین“ رحمہ اللہ نے اس سے اختلاف کیا ہے۔ ”صدر الشریعہ“ نے ”صاحبین“ رحمہ اللہ کے قول کو ظاہر روایت شمار کیا ہے۔ یہ حکم اس صورت میں ہے جب مدعی اس کا رنگ ذکر نہ کرے۔ ”زیلعی“ نے اس کا ذکر کیا ہے۔ مدیون نے یہ دعویٰ کیا کہ اس نے متفرق طور پر پہنچایا تھا دونوں گواہوں نے اس کے بارے میں مطلقاً یا جملہ شہادت دی تو گواہی کو قبول نہ کیا جائے گا۔ ”وہبانیہ“۔ زندہ آدمی کے دین کے بارے میں دو گواہوں نے گواہی دی کہ اس پر اتنا قرض تھا تو گواہی کو قبول کیا جائے گا۔ مگر جب خصم ان سے اس امر کا سوال کرے کہ کیا یہ اب تک باقی ہے دونوں کہیں: ہم نہیں جانتے میت کے دین کے بارے میں مطلقاً اسے قبول نہیں کیا جائے گا یہاں تک کہ وہ دونوں کہیں: وہ مر گیا جب کہ یہ قرض اس کے ذمہ لازم تھا۔ ”بحر“۔ میں کہتا ہوں: ”معین الحکام“ میں جو قول ہے وہ اس کے مخالف ہے کہ محض سبب کے بیان سے یہ امر ثابت ہو جائے گا۔

اس کے حق میں گواہی دینا حلال نہیں ہوگا۔

27139۔ (قوله: إِذَا لَمْ يَذْكُرِ الْمُدَّعَى لَوْنَهَا) ”الفتح“ میں کہا: اگر وہ اس کا رنگ متغیر کر دے تو دونوں میں سے

ایک کہے: وہ سیاہ ہے تو بالا جماع ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔

27140۔ (قوله: مُطْلَقًا أَوْ جُمْلَةً) جہاں تک اول کا تعلق ہے تو اطلاق، مقید سے زائد ہے۔ جہاں تک دوسرے کا

تعلق ہے تو شہادت اور دعویٰ میں اختلاف ہے۔ کیونکہ متفرق اور جملہ میں تباین ہے۔

27141۔ (قوله: بِحَرٍّ) اس کی وضاحت ”کنز“ کے قول وبعكسه لا کے ہاں کی ہے پس اسکی طرف رجوع کیجئے۔

27142۔ (قوله: قُلْتُ) یہ قول صاحب ”المنح“ کا ہے۔

27143۔ (قوله: بَيَانِ سَبَبِهِ) ”مقدس“ نے اسے تقویت بہم پہنچائی ہے۔ میں کہتا ہوں: ”نور العین“ میں اسی

طرح ہے۔ کہا: پہلا ضعیف ہے۔ احتیاط میت کے امر میں ہے اس میں گواہوں کے پائے جانے کے ساتھ اس کے خصم سے قسم لینا کافی ہے۔ اس احتیاط میں ایک دوسری احتیاط کا ترک ہے جو قرض کی ادائیگی کے بارے میں ہے جو اسے جنت سے محجوب کر سکتا ہے۔ اور اس احتیاط کے ترک میں بہت سے حقوق کا ضیاع ہے جو ایسے لوگوں کو نہیں پاتے جو اس طریقہ پر ان کے حق میں گواہی دیں۔ ”ح“۔

وَأَنَّ لَمْ يَقُولَا مَاتَ وَعَلَيْهِ دَيْنٌ وَالْإِحْتِيَاظُ لَا يَخْفَى إِذْ عَى مِنْكَ فِي الْمَاضِي وَشَهِدَا بِهِ فِي الْحَالِ لَهُ تَقْبُلُ فِي الْأَصَحِّ كَمَا لَوْ شَهِدَا بِالْمَاضِي أَيْضًا جَامِعُ الْفُضُولَيْنِ

اگر دونوں گواہ یہ نہ کہیں کہ وہ مر گیا جب کہ اس پر دین تھا۔ احتیاط مخفی نہیں۔ ایک آدمی نے ماضی میں ملک کا دعویٰ کیا اور دونوں نے فی الحال اس کی گواہی دی تو اس قول کے مطابق اس کی گواہی قبول نہ کی جائے گی جس طرح اگر وہ زمانہ نزشتہ میں ملکیت کی بھی گواہی دیں تو حکم اسی طرح ہوگا، ”جامع الفضولین“۔

27144۔ (قولہ: مِنْكَ فِي الْمَاضِي) جس طرح وہ کہے: یہی میری ملکیت تھی اور دونوں اس امر کی گواہی دیں کہ یہ

چیز اس کی ہے۔

27145۔ (قولہ: كَمَا لَوْ شَهِدَا بِالْمَاضِي أَيْضًا) یعنی شہادت کو قبول نہیں کیا جائے گا کیونکہ مدعی کا یہ اسناد، فی الحال

ملک کی نفی پر دال ہے۔ کیونکہ مدعی کا ماضی کی طرف اسناد میں کوئی فائدہ نہیں جب کہ فی الحال اس کی ملکیت قائم ہو۔ دو گواہوں کا معاملہ مختلف ہے اگر وہ ماضی کی طرف اس کی ملکیت کو منسوب کریں۔ کیونکہ دونوں کا اسناد فی الحال نفی پر دلالت نہیں کرتا۔ کیونکہ دونوں اس کی بقا کی معرفت صرف استصحاب حال سے ہی کرتے ہیں۔ ”منح“۔

اس سے اس قول جو یہاں ہے اور جو قول متن میں گزر چکا ہے: بخلاف مَالِ شَهِدَا انْهَا كَانَتْ مِنْكَ کے درمیان فرق

ظاہر ہو گیا ہے۔

فرع مهم

مدعی نے کہا: گھر جس کی حدود اس محضر میں لکھی ہوئی ہیں وہ اس کی ملکیت ہے۔ گواہوں نے کہا: وہ گھر جس کی حدود اس محضر میں لکھی ہوئی ہیں یہ اس کی ملکیت میں ہے۔ دعویٰ اور شہادت صحیح ہوگی۔ اسی طرح اگر وہ یہ گواہی دیں کہ وہ مال جو اس تحریر میں لکھا ہوا ہے تو اس گواہی کو قبول کیا جائے گا۔ معنی ہے: اس کے لیے معلوم کی طرف اشارہ کیا۔

اگر دو گواہ متنازع فیہ کی ملکیت کی گواہی دیں اور دونوں خصم باہم تصدیق کریں کہ مشہود بہ ہی متنازع فیہ ہے تو چاہیے کہ اصل دار کے بارے میں گواہی قبول کی جائے اگرچہ حدود کا ذکر نہ کیا جائے۔ کیونکہ ایسی جہالت نہیں پائی جاتی جو اصل دار میں نزاع کی طرف لے جائے۔ ”جامع الفضولین“ کی ساتویں فصل کے آخر میں ہے۔

بَابُ الشَّهَادَةِ عَلَى الشَّهَادَةِ

(هِيَ مَقْبُولَةٌ) وَإِنْ كَثُرَتْ اسْتِحْسَانًا فِي كُلِّ حَقٍّ عَلَى الصَّحِيحِ (إِلَّا فِي حَدِّ وَقَوْدٍ) لِسُقُوطِهَامَا بِالشُّبْهَةِ وَجَازَ
الْإِشْهَادُ مُطْلَقًا، لَكِنْ لَا تُقْبَلُ إِلَّا (بِشَرْطِ تَعَدُّرِ حُضُورِ الْأَصْلِ بِمَوْتٍ أَوْ مَوْتِ الْأَصْلِ،

گواہی پر گواہی کے احکام

یہ شہادت مقبول ہے اگرچہ یہ بہت زیادہ ہو یہ بطور استحسان ہے۔ یہ ہر حق میں مقبول ہے۔ یہ صحیح قول ہے مگر حد اور قصاص میں
یہ شہادت مقبول نہیں۔ کیونکہ یہ دونوں امور شبہ کے ساتھ ساقط ہو جاتے ہیں۔ کسی کو گواہی پر گواہ بنانا مطلقاً جائز ہے لیکن اسے
قبول نہیں کیا جائے گا مگر اس شرط کے ساتھ کہ اصل گواہ مدت کی وجہ سے حاضر نہ ہو سکے

شہادت پر شہادت کا حکم

27146۔ (قوله: وَإِنْ كَثُرَتْ) میری مراد ہے فروع کی شہادت پر شہادت پھر آگے پھر آگے لیکن اس میں بدلیت کا
شبہ ہے۔ کیونکہ بدل وہ ہوتا ہے جس کی طرف رجوع نہیں کیا جاتا مگر جب اصل سے عجز واقع ہو۔ یہ اس طرح ہے۔ اسی وجہ
سے ان امور میں یہ شہادت مقبول نہیں ہوگی جو شبہات کے ساتھ ساقط ہو جاتے ہیں جس طرح مردوں کے ساتھ عورتوں کی
شہادت۔ ”درر“۔ کذا فی الہامش۔

27147۔ (قوله: إِلَّا فِي حَدِّ وَقَوْدٍ) یعنی جو حد کو ثابت کرے۔ پس یہ اعتراض وارد نہیں ہوگا جب دو گواہوں نے دو
گواہوں کی شہادت پر گواہی دی کہ فلاں شہر کے قاضی نے تہمت میں فلاں کو حد لگائی ہے تو اس کی گواہی قبول کی جائے گی
یہاں تک کہ اس کی شہادت رد ہو جائے۔ ”بحر“ میں ”المبسوط“ سے مروی ہے۔ اس میں اس امر کا شعور دلایا گیا ہے کہ تعزیر
میں اسے قبول کیا جائے گا۔ یہ امام ”ابو یوسف“ رحمہ اللہ سے مروی ہے۔ اور امام ”ابو حنیفہ“ رحمہ اللہ سے روایت ہے: اس شہادت کو
قبول نہیں کیا جائے گا۔ جس طرح ”الاختیار“ میں ہے۔ ”قہستانی“۔

27148۔ (قوله: مُطْلَقًا) یعنی عذر ہو یا عذر نہ ہو۔

شہادت پر شہادت کی شرائط

27149۔ (قوله: إِلَّا بِشَرْطِ تَعَدُّرِ حُضُورِ الْأَصْلِ) اس امر کی طرف اشارہ کیا کہ مرض سے مراد ایسا مرض ہے جس
کے ساتھ وہ قاضی کی مجلس میں حاضر ہونے کی طاقت نہ رکھتا ہو جس طرح ”ہدایہ“ میں اس قید کا ذکر کیا ہے۔ اور اس امر کی
طرف اشارہ کیا کہ سفر سے مراد ایسی غیبت ہے جو مدت سفر کی ہو جس طرح مشائخ کی کلام کا ظاہر معنی ہے۔

وَمَا نَقَلَهُ الْقَهْطَانِي عَنْ قَضَاءِ النِّهَائِيَةِ فِيهِ كَلَامٌ فَإِنَّهُ نَقَلَهُ عَنِ الْخَانِيَةِ عَنْهَا، وَهُوَ خَطَاؤُ الصُّوَابِ مَا هُنَا (أَوْ مَرَضٍ أَوْ سَفَرٍ) وَانْتَفَى الثَّانِي بِغَيْبَتِهِ بِحَيْثُ يَتَعَذَّرُ أَنْ يَبِيتَ بِأَهْلِهِ، وَاسْتَحْسَنَهُ غَيْرُ وَاحِدٍ وَفِي الْقَهْطَانِي وَالسَّرَاجِيَّةِ، وَعَلَيْهِ الْفَتْوَى وَأَقَرُّهُ الْمَصْنِفُ (أَوْ كَوْنِ الْمَرْأَةِ مُخَذَّرَةً)

”قبستانی“ نے ”النہایہ“ کی کتاب القضا سے جو نقل کیا ہے اس میں کلام ہے۔ کیونکہ انہوں نے ”الخانیہ“ سے اور انہوں نے ”النہایہ“ سے نقل کیا ہے جب کہ اس میں خطا ہے۔ صحیح وہ ہے جو یہاں ہے۔ یا مرض یا سفر کی وجہ سے گواہی دینے کے لیے اس کا حاضر ہونا معتذر ہو۔ امام ”ابو یوسف“ رحمہ اللہ نے اس کی ایسی عدم موجودگی پر اکتفا کیا ہے جس کے ہوتے ہوئے اس کا اپنے اہل کے ہاں رات گزارنا معتذر ہو۔ کئی علما نے اسے مستحسن قرار دیا ہے۔ ”قبستانی“ اور ”سراجیہ“ میں ہے: اسی پر فتویٰ ہے۔ مصنف نے اسے ثابت رکھا ہے یا عورت کا پردہ دار ہونے کی وجہ سے حاضر ہونا معتذر ہو

”الخانیہ“ اور ”الہدایہ“ میں اسے بیان کیا ہے اس سے مراد گھروں سے تجاوز کر جانا نہیں اگرچہ ”کنز“ میں اسے مطلق ذکر کیا ہے جیسے مرض۔ عذر ہونے کی تصریح نہیں کی۔ لیکن جو کچھ ہم نے ذکر کیا ہے وہی مراد ہے کیونکہ علت غجز ہے۔ فہم 27150۔ (قوله: وَمَا نَقَلَهُ الْقَهْطَانِي) اس کی عبارت یہ ہے: ”النہایہ“ وغیرہ کی کتاب القضا میں ہے: اصل یہ ہے جب وہ مرجائے تو اس کی فرع کی شہادت قبول نہیں کی جاتی۔ پس اصل شہاد کی زندگی شرط ہے۔ کذا فی الہامش۔ 27151۔ (قوله: فِيهِ كَلَامٌ) آنے والا قول و بخروج اصلہ عن اہلہا ”قبستانی“ کے کلام کی تائید کرتا ہے۔ 27152۔ (قوله: فَإِنَّهُ نَقَلَهُ عَنِ الْخَانِيَةِ عَنْهَا) ”قبستانی“ میں یہ نہیں ہے۔ اس کو دیکھو جسے کتاب القاضی اور القاضی میں ذکر کیا ہے۔

27153۔ (قوله: وَالصُّوَابُ مَا هُنَا) ”الدر المنتمی“ میں کہا ہے: ”برجندی“ اور ”قبستانی“ دونوں نے اپنی کلام ”الخلاصہ“ سے نقل کی ہے۔ ”البحر“، ”المنح“ اور ”السراج“ وغیرہا میں اسی طرح ہے جب اصل شہادت کی اہلیت سے خارج ہو جائے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ وہ گونگا ہو، فاسق ہو، اندھا ہو، مجنون ہو یا مرتد ہو تو شہادت باطل ہو جائے گی۔ فتنبہ۔ کذا فی الہامش

27154۔ (قوله: وَفِي الْقَهْطَانِي) اس کی عبارت یہ ہے: اکثر مشائخ کے ہاں شہادت کو قبول نہیں کیا جائے گی اس پر فتویٰ ہے جس طرح ”المشمعات“ میں ہے۔ ”قبستانی“ نے بھی ذکر کیا ہے: پہلا قول ظاہر روایت ہے اسی پر فتویٰ ہے۔ ”البحر“ میں ہے: علماء نے کہا: پہلا قول احسن ہے۔ یہ ظاہر روایت ہے جس طرح ”الحاوی“ میں ہے۔ اور دوسرا زیادہ مناسب ہے الخ۔ امام ”محمد“ رحمہ اللہ سے مروی ہے: جیسا بھی ہو یہ جائز ہے یہاں تک کہ ان سے روایت کی گئی کہ جب اصل مسجد کے ایک زاویہ میں اور فرع اسی مسجد کے دوسرے کونے میں ہو تو ان سب کی شہادت قبول کی جائے گی۔ ”منح“ اور ”بحر“۔

27155۔ (قوله: أَوْ كَوْنِ الْمَرْأَةِ مُخَذَّرَةً) ”بزدوی“ نے کہا: اس سے مراد ایسی عورت ہوتی ہے جو نہ باکرہ حالت

لَا تُخَالِطُ الرِّجَالَ وَإِنْ خَرَجَتْ لِحَاجَةٍ وَحَتَّامٍ قُنِيَّةً وَفِيهَا لَا يَجُوزُ إِلَّا شَهَادُ لِسُلْطَانٍ وَأَمِيرٍ، وَهَلْ يَجُوزُ لِمَحْبُوسٍ إِنْ مِنْ غَيْرِ حَاكِمِ الْخُصُومَةِ، نَعَمْ ذَكَرَهُ الْمُصَنِّفُ فِي الْوَكَالَةِ وَقَوْلُهُ (عِنْدَ الشَّهَادَةِ) عِنْدَ الْقَاضِي قَيْدٌ لِلْكُلِّ لِإِطْلَاقِ جَوَازِ الشَّهَادِ لَا الْأَدَاءِ كَمَا مَرَّ (و) بِشَرْطِ (شَهَادَةِ عَدَدٍ) نِصَابٍ وَلَوْ رَجُلًا وَامْرَأَتَيْنِ، وَمَا فِي الْحَاوِي غَلَطٌ بَحْرًا (عَنْ كُلِّ أَصْلٍ) وَلَوْ امْرَأَةً (لَا تَغَايِرُ فَرَعًا)

جو مردوں کے ساتھ خلط ملط نہیں ہوتی اگرچہ وہ کسی کام کے لیے اور حمام میں جانے کے لیے باہر نکلتی ہو۔ اس میں سے سلطان اور امیر کے لیے کسی کو گواہ بنانا جائز نہیں کیا محبوس کے لیے گواہ بنانا جائز ہے؟ اگر خصومت کے حاکم کے علاوہ کی جانب سے ہو تو ہاں۔ مصنف نے اس کا ذکر کتاب الوکالہ میں کیا ہے۔ اور ان کا قول شہادت کے وقت قاضی کے ہاں حاضر ہونا معتذر ہو یہ سب کے لیے قید ہے۔ کیونکہ اشہاد (گواہ بنانے) کا جواز مطلق ہے ادائیگی مطلق نہیں جس طرح گزر چکا ہے اس میں نصاب شہادت کے عدد کی شہادت شرط ہے اگرچہ وہ ایک مرد اور دو عورتیں ہوں۔ ”حاوی“ میں جو قول ہے وہ غلط ہے ہر اصل کی جانب سے اگرچہ وہ عورت ہو اس اصل کی دو فرع کا اور اس اصل کی دو فرع کا متغایر ہونا شرط نہیں۔

میں ظاہر ہوئی ہو نہ شبہ حالت میں ظاہر ہوئی ہو غیر محرم مردوں نے اسے نہ دیکھا ہو۔ وہ عورت جو دلہن کی کرسی پر بیٹھی ہو اور اجنبی لوگوں نے اسے دیکھا ہو جس طرح بعض علاقوں کا معمول ہے تو وہ مخدہ نہیں ہوگی۔ ”حموی“۔

27156۔ (قوله: فِي الْوَكَالَةِ) یہاں بھی اس کا ذکر کیا ہے۔

27157۔ (قوله: عِنْدَ الْقَاضِي) ”المنح“ میں یہ قول کیا ہے۔

27158۔ (قوله: لِإِطْلَاقِ جَوَازِ الشَّهَادَةِ) یعنی یہ جائز ہے کہ وہ گواہ بنائے جب کہ وہ صحیح ہو یا بیمار ہو وغیرہ۔ لیکن قاضی کے نزدیک شہادت جائز نہیں مگر جس کا ذکر کیا گیا ہو وہ موجود ہو۔

”البحر“ میں ”خزانۃ المفتین“ سے نقل کرتے ہوئے یہ کہا: اپنی شہادت پر گواہ بنانا جائز ہے اگرچہ اصول میں عذر نہ ہو یہاں تک اگر انہیں عذر لاحق ہو تو فروع گواہی دیں۔ اس کی مثل ”المنح“ میں ”سراجیہ“ سے مروی ہے۔

27159۔ (قوله: كَمَا مَرَّ) یعنی ان کے قول: وجاز الاشهاد مطلقا میں گزر چکا ہے۔

27160۔ (قوله: وَمَا فِي الْحَاوِي غَلَطٌ) وہ یہ قول ہے: شہادت علی شہادت میں عورتوں کی گواہی قبول نہ کی جائے گی۔ حاشیہ میں ہے: اگر دو گواہوں نے ایک آدمی کی شہادت پر گواہی دی اور ان دونوں میں سے ایک خود بھی شہادت دیتا ہے یہ جائز نہیں ہوگا جس طرح ”محیط سرخسی“ میں ہے۔ ”فتاویٰ ہندیہ“۔

27161۔ (قوله: عَنْ كُلِّ أَصْلٍ) اگر دس آدمی ایک آدمی کی گواہی پر گواہی دیں تو اسے قبول کیا جائے گا لیکن فیصلہ نہیں کیا جائے گا یہاں تک کہ ایک دوسرا گواہ گواہی دے۔ کیونکہ ان کی گواہی سے جو امر ثابت ہے وہ ایک کی شہادت ہے، ”بحر“ میں ”خزانہ“ سے مروی ہے۔ اس قول نے یہ فائدہ دیا ہے اگر ایک آدمی اپنی ذاتی گواہی پر گواہی دے اور دوسرا مرد اس

هَذَا وَذَلِكَ خِلَافًا لِشَافِعِيٍّ (وَيَقُولُ الْأَصْلُ مُخَاطَبًا لِلْفَرْعِ) وَلَوْ ابْنَهُ بَحْرًا (أَشْهَدُ عَلَى شَهِادَتِي أَنِّي أَشْهَدُ بِكَذَا) وَيَكْفِي سُكُوتُ الْفَرْعِ، وَلَوْ رَدَّكَ ارْتِدَّ قُنْيَةً، وَلَا يَنْبَغِي أَنْ يَشْهَدَ عَلَى شَهِادَةِ مَنْ لَيْسَ بِعَدْلٍ عِنْدَكَ حَاوِيٍّ (وَيَقُولُ الْفَرْعُ أَشْهَدُ

امام ”شافعی“ رضی اللہ عنہ نے اس سے اختلاف کیا ہے۔ گواہ بنانے کی کیفیت یہ ہے کہ اصل فرع کو مخاطب کرتے ہوئے کہے اگرچہ اس کا بیٹا ہو ”بحر“۔ میری گواہی پر گواہ بن جاؤ کہ میں یہ گواہی دیتا ہوں فرع کا خاموش رہنا کافی ہے اگر وہ مخاطب اس کو رد کر دے تو یہ امر رد ہو جائے گا، ”قنیہ“۔ اور فرع کو ایسے آدمی کی گواہی پر گواہی دینا مناسب نہیں جو اس کے نزدیک عادل نہ ہو۔ ”حوی“۔ اور فرع کہے گا: میں گواہی دیتا ہوں

کے غیر کی گواہی پر گواہی دے تو یہ صحیح ہوگا۔ ”بزازیہ“ میں اس کی تصریح کی ہے۔

27162۔ (قوله: وَذَلِكَ) اس کی صورت یہ ہے کہ ہر گواہ کے دو متغایر گواہ ہوں۔ بلکہ ہر اصل پر دو گواہ کافی ہیں۔

27163۔ (قوله: وَلَوْ ابْنَهُ) جس طرح متن میں آئے گا۔

گواہ بنانے کی کیفیت

27164۔ (قوله: أَنِّي أَشْهَدُ بِكَذَا) اشہد قول کے ساتھ قید لگائی ہے۔ کیونکہ اس کے بغیر اس کے لیے گنجائش نہیں کہ وہ اس کی گواہی پر گواہی دے اگرچہ اس نے اس سے گواہی کو سنا ہو۔ کیونکہ شاید فرع اس کا نائب ہوتا ہے۔ تکمیل اور توکیل ضروری ہے اور اپنے قول علی شہادتی کے ساتھ قید لگائی ہے۔ کیونکہ اگر وہ کہے: اشہد علی بذلت تو یہ جائز نہیں ہوگا۔ کیونکہ یہ احتمال موجود ہے کہ یہ اشہاد نفس حق پر ہو جو مشہود بہ ہے پس یہ جھوٹ کا امر ہوگا۔ علی کے ساتھ قید لگائی ہے کیونکہ اگر وہ کہے: شہادتی تو یہ جائز نہیں ہوگا۔ کیونکہ یہ احتمال موجود ہے کہ یہ امر ہو کہ وہ اس کی شہادت کی مثل جھوٹ کی شہادت دے اور شہادت پر شہادت کا امر ہو کیونکہ قاضی کی قضا کی شہادت صحیح ہو اگرچہ قاضی نے اس پر ان دونوں کو گواہ نہ بنایا ہو۔

27165۔ (قوله: سُكُوتُ الْفَرْعِ) یعنی جب وہ اس کو گواہ بنا رہے ہوں تو فرع خاموش رہے۔ ”البحر“ میں کہا: اگر اس نے کہا: میں اسے قبول نہیں کرتا۔ ”القنیہ“ میں کہا: چاہیے کہ وہ شاہد نہ ہو یہاں تک کہ اگر وہ اس کے بعد گواہی دے تو اس کی شہادت قبول نہ کی جائے گی۔

27166۔ (قوله: حَاوِيٍّ) ”البحر“ میں اسے نقل کیا ہے پھر ایک ورقہ بعد کہا: ”خزانۃ المفتیین“ میں ہے: فرع جب اصل کی عدالت اور اس کے غیر کو نہ پہچانتا ہو تو وہ شہادت علی شہادت میں گناہگار ہوگا۔ کیونکہ اس نے احتیاطاً ترک کیا ہے۔ علماء نے کہا: گناہگار ہونا یہ کراہت سے زیادہ فضیلت ہے۔

لینین شارح نے ”المنار“ پر اپنی شرح میں ذکر کیا ہے کہ اسماۃ کراہت سے کم مرتبہ ہے۔ تو نے اس کی مثل ”التقریر“ شرح بزدوی، ”التحقیق“ وغیرہما میں دیکھا ہے۔

أَنَّ فُلَانًا أَشْهَدَنِي عَلَى شَهَادَتِهِ بِكَذَا وَقَالَ لِي أَشْهَدُ عَلَى شَهَادَتِي بِذَلِكَ هَذَا أَوْ سَطُ الْعِبَارَاتِ وَفِيهِ خُسُ شَيْنَاتٍ، وَالْأَقْصَرُ أَنْ يَقُولَ أَشْهَدُ عَلَى شَهَادَتِي بِكَذَا وَيَقُولَ الْفَرَعُ أَشْهَدُ عَلَى شَهَادَتِهِ، بِكَذَا وَعَلَيْهِ فَتَوَى السَّخْسِيَّ وَغَيْرُهُ ابْنُ كَمَالٍ وَهُوَ الْأَصَحُّ كَمَا فِي الْقَهْصَتَيْنِ عَنِ الزَّاهِدِيِّ

کہ فلاں نے مجھے اپنی شہادت پر گواہ بنایا ہے اور مجھے کہا ہے: میری اس گواہی پر گواہ بن جا یہ درمیانی عبارت ہے۔ اس میں پانچ شین (ش) ہیں۔ اور سب سے مختصر یہ ہے کہ وہ کہے: میری فلاں گواہی پر گواہ بن جا اور فرع میں اس کی فلاں گواہی پر گواہی دیتا ہوں۔ اس پر ”سرخسی“ وغیرہ کا فتویٰ ہے ”ابن کمال“۔ یہی اصح ہے جس طرح ”قہستانی“ میں ”زاہدی“ میں ہے۔

27167۔ (قوله: أَنَّ فُلَانًا الْخ) وہ اس کا نام، اس کے باپ کا نام اور اس کے دادا کا نام ذکر کرے۔ کیونکہ اس کے بغیر کوئی چارہ کار نہیں جس طرح ”البحر“ میں ہے۔

27168۔ (قوله: هَذَا أَوْ سَطُ الْعِبَارَاتِ) زیادہ لمبی یہ عبارت ہے کہ وہ کہے: اشهد ان فلانا شهد عندی ان لفلان عی فلان کذا و اشهدنی علی شهادتہ و امرنی ان اشهد علی شهادتہ وانا الان اشهد علی شهادتہ بذلک اس میں آٹھ شین ہیں۔

میں گواہی دیتا ہوں کہ فلاں نے میرے ہاں گواہی دی کہ فلاں کا فلاں پر اتنا حق ہے اور مجھے اپنی گواہی پر گواہ بنایا اور مجھے حکم دیا کہ میں اس کی گواہی پر گواہی دوں اور میں اب اس کی گواہی پر گواہی دیتا ہوں۔

27169۔ (قوله: وَكَذَا فَتَوَى السَّخْسِيَّ) ”الفتح“ میں کہا: یہ فقیہ ”ابولیث“ اور اس کے استاذ ”ابوجعفر“ کا پسندیدہ نقطہ نظر ہے۔ امام ”محمد“ رحمہ اللہ نے ”السیر الکبیر“ میں اس کا ذکر کیا ہے۔ تینوں ائمہ نے یہ بات کہی ہے۔ یہ حکایت بیان کی گئی ہے کہ ”ابوجعفر“ کے زمانہ کے فقہاء نے ان کی مخالفت کی اور طویل زیادتی کی شرط لگائی ”ابوجعفر“ نے ”السیر الکبیر“ سے روایت نقل کی تو ان فقہاء نے آپ کی اطاعت کر لی۔ ”الذخیرہ“ میں کہا: اگر کوئی آدمی اس پر اعتماد کرتا تو اس کے لیے زیادہ آسان ہوتا۔

یعنی صاحب ”ہدایہ“ کا کلام تقاضا کرتا ہے کہ ”قدوری“ کے کلام کو ترجیح دی جائے جو پانچ شینوں پر مشتمل ہے۔ کیونکہ حکایت بیان کی اور اس کا ذکر کیا: ان شم اطول منه واقصر وہاں اس سے طویل اور اس سے مختصر کلام ہے پھر کہا: امور میں سے بہترین درمیانی اوامر ہوتے ہیں۔

”ابونصر بغدادی“ جو ”قدوری“ کے شارح ہیں نے ایک اور مختصر عبارت ذکر کی ہے جو تین شینوں پر مشتمل ہے وہ یہ ہے: اشهد ان فلانا اشهدنی علی شهادتہ ان فلانا اقر عندہ بكذا میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ فلاں نے مجھے اپنی شہادت پر گواہ بنایا کہ فلاں نے اس کے ہاں اس کا اقرار کیا۔ پھر کہا: ”قدوری“ نے جس کا ذکر کیا ہے وہ زیادہ بہتر اور زیادہ احتیاط کا حامل ہے۔ پھر اس میں اختلاف کیا کہ ان کا قول: وقال لی: اشهد علی شهادتی امام ”ابوحنیفہ“ رحمہ اللہ اور امام ”محمد“

(وَيَكْفِي تَعْدِيلُ الْفَرْعِ لِأَصْلِهِ) إِنَّ عُرْفَ الْفُرُوعِ بِالْعَدَالَةِ وَإِلَّا لَزِمَ تَعْدِيلُ الْكُلِّ (ك) مَا يَكْفِي تَعْدِيلُ
(أَحَدِ الشَّاهِدَيْنِ صَاحِبَهُ) فِي الْأَصَحِّ

فرع اپنی اصل کو عادل قرار دے تو یہ کافی ہے اگر فروع عدالت میں معروف ہوں ورنہ سب کی تعدیل لازم ہوگی جس طرح یہ کافی ہوتا ہے کہ دونوں گواہوں میں سے ایک اپنے ساتھی کی تعدیل کرے۔ یہ اس قول ہے۔

حیثیہ کے نزدیک شرط ہے اس کا ترک جائز نہیں۔ کیونکہ جب وہ یہ قول نہ کرے تو یہ احتمال رہے گا کہ اس نے اسے حکم دیا تھا کہ وہ اس کی شہادت کی مثل گواہی دے جب کہ وہ جھوٹ ہو۔ اور اس نے اسے گواہی کے حامل بننے کے طریقہ پر اسے یہ امر کیا ہو۔ پس یہ شک کے ساتھ ثابت نہیں ہوگا۔ امام ”ابو یوسف“ حیثیہ کے نزدیک اس کا ترک کرنا جائز ہے۔ کیونکہ شہد کا امر صحت پر محمول ہوگا جس قدر ممکن ہوگا۔

اس زمانہ کے گواہوں میں مناسب طرفین کا قول ہے اگرچہ ان میں عارف دیندار لوگ ہوں۔ کیونکہ حکم غالب وظاہر کی بنا پر ہوتا ہے خصوصاً جس سے دراہم کی کمائی کی جاتی ہو۔ ”الفتح“ میں جو قول ہے وہ مختصر ہے۔

اس کا حاصل یہ ہے کہ وہی اختیار کیا ہے جو ”ہدایہ“ اور ”شرح القدوری“ میں اختیار کیا ہے کہ ادا میں پانچ شہین لازم ہیں۔ یہ وہ ہے جس پر متون جیسے ”قدوری“، ”کنز“، ”غرر“، ”ملتقی“، ”اصلاح“ اور ”مواہب الرحمن“ وغیرہما میں گامزن ہوئے ہیں۔

فرع کا اپنی اصل کو عادل قرار دینا کافی ہے

27170۔ (قوله: الْفَرْعُ لِأَصْلِهِ) کیونکہ یہ اہل ترکیہ میں سے ہے۔ ”ہدایہ“۔

27171۔ (قوله: وَإِلَّا لَزِمَ تَعْدِيلُ الْكُلِّ) یہ امام ”ابو یوسف“ حیثیہ کے نزدیک ہے۔ امام ”محمد“ حیثیہ نے فرمایا:

شہادت قبول نہ ہوگی۔ کیونکہ کوئی شہادت بھی عدالت کے بغیر قبول نہیں ہوتی۔ جب وہ عدالت کو نہیں پہچانتے تو وہ شہادت کو آگے منتقل نہ کریں۔ پس اسے قبول نہیں کیا جائے گا۔

امام ”ابو یوسف“ حیثیہ کی دلیل یہ ہے: ان پر جس چیز کو اخذ کرنا لازم ہے وہ نقل ہے تعدیل نہیں۔ کیونکہ بعض اوقات تعدیل ان پر مخفی رہ جاتی ہے۔ پس قاضی عدالت کی پہچان کر لے گا جس طرح وہ خود اپنی گواہی دیں، ”الہدایہ“ میں اس سے ”البحر“ میں ہے: ان کا قول والا چند صورتوں میں سچا ہے۔

(۱) وہ خاموش رہیں، یہاں یہی مراد ہے جس طرح ”ہدایہ“ میں اس کی وضاحت کی ہے۔

(۲) وہ کہیں: ہم تجھے خبر نہیں دیتے۔ ”الغانیہ“ میں اسے شیخین میں اختلاف پر مبنی قرار دیا ہے۔ ”خصاف“ نے یہ ذکر کیا:

قبول نہ کرنا ظاہر روایت ہے۔ ”حلوانی“ نے یہ ذکر کیا کہ اسے قبول کیا جائے گا یہی صحیح ہے۔ کیونکہ اصل مستور کی حیثیت سے باقی ہے۔ کیونکہ وہ جرح اور توقف کا احتمال رکھتا ہے۔ پس شک کے ساتھ جرح ثابت نہیں ہوتی۔ مشہور کی دلیل یہ ہے کہ یہ اصول پر جرح ہے۔

لَأَنَّ الْعَدْلَ لَا يُتَّهَمُ بِشَيْءٍ (وَإِنْ سَكَتَ) الْفَرَعُ (عَنْهُ نَظَرُ الْقَاضِي فِي حَالِهِ) وَكَذَا لَوْ قَالَ لَا أَعْرِفُ حَالَهُ عَلَى الصَّحِيحِ شُرُوبًا لَيْتَهُ وَشَرْحُ الْمَجْمَعِ، وَكَذَا لَوْ قَالَ لَيْسَ بِعَدْلٍ عَلَى مَا فِي الْقَهْصَتَيْنِ عَنِ الْمُحِيطِ

کیونکہ عادل آدمی اپنے جیسے آدمی کی تعدیل سے متہم نہیں ہوتا۔ اگر فرع اس سے خاموش رہے تو قاضی اس کے حال میں غور و فکر کرے گا۔ اسی طرح اگر وہ کہے: میں اس کا حال نہیں پہچانتا۔ یہی قول صحیح ہے ”شرنبلا لیتہ“ اور ”شرح المجمع“۔ اسی طرح اگر وہ کہے: وہ عادل نہیں جیسا کہ ”قہستانی“ میں ”المحیط“ سے مروی ہے۔

”خصاف“ نے اس سے تائید حاصل کی ہے کہ اگر دونوں کہیں: ہم شہادت میں اس پر تہمت لگاتے ہیں تو قاضی اس کی شہادت پر ان دونوں کی شہادت کو قبول نہیں کرے گا جس سے وہ تائید حاصل کرے۔ یہ تیسری صورت ہے۔ ”الخانہ“ میں اس کا ذکر کیا ہے ملخص۔ جب مراد پہلی صورت میں ہے تو شارح کا قول والا لزم الخ اس کے ساتھ تکرار ہوگا جو متن میں ہے۔

27172۔ (قوله: لَأَنَّ الْعَدْلَ لَا يُتَّهَمُ بِشَيْءٍ) ”البحر“ میں اس طرح اس کی علت بیان کی ہے۔ اس میں ضمیر مرجع مذکور کے بغیر لوٹ رہی ہے۔ عبارت کی اصل ”الہدایہ“ میں ہے۔ کیونکہ کہا: اسی طرح جب دو گواہ گواہی دیں تو دونوں میں سے ایک دوسرے کو عادل قرار دے تو یہ جائز ہوگا اسی دلیل کی وجہ سے جو ہم ذکر کر چکے ہیں۔ غایت امر یہ ہے: اس میں منفعت ہے۔ کیونکہ قضا اس کی گواہی سے ہی ہوتی ہے لیکن عادل آدمی کو جب اسی جیسا عادل آدمی عادل قرار دے تو اس پر تہمت نہیں لگائی جاسکتی جس طرح وہ اپنی گواہی دے تو اس پر تہمت نہیں لگائی جاسکتی۔ ”النبہایہ“ میں کہا: ای بشل ما ذکر من الشبهة۔ یعنی اس کی جس شبہ کا میں نے ذکر کیا ہے۔ ”الفتح“ میں جو قول ہے اس کا حاصل یہ ہے: ان میں سے بعض علماء نے کہا: یہ جائز نہیں ہے۔ کیونکہ وہ متہم ہے کیونکہ اس نے اپنے دوست کو عادل قرار دے کر اپنی گواہی سے قضا کو ثابت کر دیا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے: اس کی اپنی گواہی اس جیسی منفعت کو متضمن ہے وہ اس کی شہادت سے قضا ہے تو جس طرح شرع نے اس کی عدالت کی وجہ سے اس کا اعتبار نہیں کیا اسی طرح اس مسئلہ میں اعتبار نہیں کیا جس میں ہم اس وقت بحث کر رہے ہیں۔

اگر فرع اصل کے بارے خاموش رہے یا وہ کہے میں اس کا حال نہیں پہچانتا تو اس کا حکم

27173۔ (قوله: فِي حَالِهِ) وہ اس کی عدالت کے بارے میں پوچھے گا۔ جب اس کی عدالت ظاہر ہوگی تو اسے قبول کرے گا ورنہ قبول نہیں کرے گا۔ ”منح“۔

27174۔ (قوله: عَلَى مَا فِي الْقَهْصَتَيْنِ) اس کی عبارت یہ ہے: اس میں اس امر کی طرف اشارہ ہے اگر فرع کہے: اصل عادل نہیں یا میں اسے نہیں پہچانتا تو اس کی شہادت قبول نہیں ہوگی جس طرح ”خصاف“ نے کہا ہے۔ امام ”ابو یوسف“ رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے: اس کی شہادت قبول کی جائے گی یہی قول صحیح ہے جس طرح ”حلوانی“ نے کہا ہے جس طرح ”المحیط“ میں ہے۔ پس اس نقل میں غور و فکر کرو۔ ”مدنی“۔

27175۔ (قوله: عَنِ الْمُحِيطِ) ”تاتر خانہ“ میں اس کے خلاف ذکر کیا ہے۔ اس میں اختلاف کا ذکر نہیں کیا۔ یہ

فَتَنَبَّهُ (وَتَبْطُلُ شَهَادَةُ الْفَرَعِ) بِأُمُورٍ بَنَهِيمٍ عَنِ الشَّهَادَةِ عَلَى الْأُظْهَرِ خُلَاصَةً وَسَيَجِيءُ مَثْنًا مَا يُخَالِفُهُ
وَبِخُرُوجِ أَصْلِهِ عَنْ أَهْلِيَّتِهَا كِفْسُقٍ وَخَرَسٍ وَعَتَى وَ (بِإِنْكَارِ أَصْلِهِ الشَّهَادَةِ) كَقَوْلِهِمْ مَا لَنَا شَهَادَةٌ

پس اس پر متنبہ ہو جائے۔ فرع کی شہادت کئی امور کے ساتھ باطل ہو جاتی ہے۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ اصل فرع و شہادت دینے سے منع کر دیں۔ یہ اظہر قول کے مطابق ہے، ”خلاصہ“۔ عنقریب متن میں وہ قول آئے گا جو اس کے مخالف ہے۔ اور اصل گواہ شہادت کی اہلیت سے نکل جائیں جیسے فاسق ہو جانا، گونگا ہو جانا اور اندھا ہو جانا اور اصل گواہی کا انکار کر دیں جیسے وہ کہیں: ہمیں گواہی کا حق نہیں،

کیسے ہو سکتا ہے اگر دونوں کہیں: ہم اس پر تہمت نہیں لگاتے تو دونوں کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی۔ ”خصاف“ نے جو اس سے استنبہ دیا ہے جیسے (مقولہ 27171 میں) گزر چکا ہے اس کا ظاہر معنی یہ ہے کہ اس میں کوئی اختلاف نہیں۔ ”بزاز“ میں ہے: دو گواہوں نے اصل کی جانب سے گواہی دی اور دونوں نے کہا: اس میں کوئی خیر نہیں۔ ان دونوں کے علاوہ نے اس کا تزکیہ کیا تو اسے قبول نہیں کیا جائے گا اگر دونوں میں سے ایک نے اس پر جرح کی تو اس کی طرف التفات نہیں کیا جائے گا۔
27176۔ (قولہ: بِأُمُورٍ) ”البحر“ میں ان کا شمار کیا ہے۔ قضا سے قبل اصل گواہوں کا حاضر ہو جانا جب کہ یہ استدلال کیا ہے اس سے جو ”الخانیہ“ میں ہے۔ اگر فروع نے اصول کی گواہی پر گواہی دی پھر اصل قضا سے قبل حاضر ہو گئے تو وہ فروع کی گواہی سے فیصلہ نہیں کرے گا۔ لیکن ”البحر“ میں کہا، ان کے قول لا یقضی دون ان یقول: بطل الشہاد کا ظاہر معنی ہے اگر اصل گواہ اس کے بعد غائب ہو جائیں تو ان کی شہادت کے مطابق فیصلہ کیا جائے گا۔ اسی وجہ سے شارح نے اسے ترک کر دیا ہے۔

27177۔ (قولہ: مَا يُخَالِفُهُ) یہ اظہر کے خلاف ہے۔

27178۔ (قولہ: وَبِإِنْكَارِ أَصْلِهِ الشَّهَادَةِ) کثیر معتبر کتب میں اسی طرح واقع ہوا ہے۔ ”شربہالیہ“ میں فیض ”جوی زادہ“ سے ایسا قول منقول ہے جو اس امر کا فائدہ دیتا ہے: زیادہ بہتر یہ ہے کہ وہ اشہاد کے ساتھ تعبیر کرے۔ کیونکہ شہادت کا انکار اسے شامل نہیں ہوگا جب وہ کہے: میری اس حادثہ پر شہادت ہے لیکن میں نے انہیں گواہ نہیں بنایا۔ گواہ بنانے کے انکار کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ یہ اسے شامل ہوتا ہے اور شہادت کے انکار کو شامل ہوتا ہے۔ کیونکہ شہادت کا انکار گواہ بنانے کے انکار کو مستلزم ہوتا ہے۔ اشہاد کے انکار کی دونوں ہیں: صریح، ضمنی۔ اسی وجہ سے ”زیلعی“ اور صاحب ”البحر“ نے اشہاد سے تعبیر کیا ہے۔ اس کے ساتھ ”زیلعی“ پر ”درر“ کا اعتراض ختم ہو جاتا ہے۔

یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ یہاں شارح کا قول: اولم نشہدہم اپنے محل پر نہیں۔ کیونکہ یہ شہادت کے انکار کے افراد میں سے نہیں ہے۔ کیونکہ اس کا معنی ہے ہمیں شہادت کا حق حاصل ہے اور ہم نے انہیں گواہ نہیں بنایا۔ قائل

27179۔ (قولہ: مَا لَنَا شَهَادَةٌ) یعنی وہ غائب ہو گئے یا مریض ہو گئے پھر فروع آتے ہیں۔ انہوں نے گواہی دی

تو اس گواہی کو قبول نہیں کیا جائے گا۔

أَوْ لَمْ نَشْهَدْهُمْ أَوْ أَشْهَدْنَاهُمْ وَغَلِظْنَا، وَلَوْ سِيلُوا فَسَكْتُوْا قُبِلَتْ خُلَاصَةً (شَهَادَا عَلَى شَهَادَةِ اثْنَيْنِ عَلَى فُلَانَةَ بِنْتِ فُلَانٍ الْفُلَانِيَّةِ وَقَالَا أَخْبَرَانَا بِمَعْرِفَتِهَا وَجَاءَ الْمُدَّعَى بِامْرَأَةٍ لَمْ يَعْرِفَا أَنَّهَا هِيَ قِيلَ لَهُ هَاتِ شَاهِدَيْنِ أَنَّهَا هِيَ فُلَانَةُ) وَلَوْ مُقَرَّرَةً (وَمِثْلُهُ الْكِتَابُ الْحَكِيمِيُّ) وَهُوَ كِتَابُ الْقَاضِي إِلَى الْقَاضِي لِأَنَّهُ كَالشَّهَادَةِ عَلَى الشَّهَادَةِ، فَلَوْ جَاءَ الْمُدَّعَى بِرَجُلٍ لَمْ يَعْرِفَاهُ كُفِّ إِثْبَاتُ أَنَّهُ هُوَ وَلَوْ مُقَرَّرًا لِاحْتِمَالِ التَّزْوِيرِ بَحْرًا، وَيَلْزَمُ مُدَّعَى الْإِشْتِرَاكِ الْبَيَانُ كَمَا بَسَطَهُ قَاضِي خَانَ

یا ہم نے انہیں گواہ نہیں بنایا یا ہم نے ان کو گواہ بنایا ہے اور ہم نے غلط کام کیا ہے۔ اگر ان سے سوال کیا جائے تو وہ خاموش ہو جائیں تو ان کی گواہی قبول کی جائے گی۔ ”خلاصہ“۔ دو آدمیوں نے دو آدمیوں کی گواہی پر فلانہ بنت فلاں فلانیہ پر گواہی دی اور دونوں نے کہا: انہوں نے ہمیں پہچان کے بارے میں باخبر کیا اور مدعی ایک عورت لایا جس کو دونوں نے پہچان سکے کہ یہ وہی عورت ہے اس مدعی کو کہا جائے۔ دو گواہ لاؤ جو یہ گواہی دیں کہ یہ وہی عورت ہے اگرچہ وہ عورت اس کے دعویٰ کا اقرار بھی کرے۔ اسی کی مثل کتاب حکمی ہے۔ یہ قاضی کی قاضی کی جانب کتاب ہے۔ کیونکہ یہ شہادت پر شہادت کی طرح ہے۔ اگر ایک مدعی ایک آدمی لایا تو اسے اس امر کا مکلف بنایا جائے گا کہ وہ یہ ثابت کرے کہ یہ وہی آدمی ہے کیونکہ دھوکہ دہی کا احتمال موجود ہے، ”بحر“۔ اشتراک کے مدعی پر بیان لازم ہوگا جس طرح ”قاضی خان“ نے تفصیل بیان کی ہے۔

27180۔ (قوله: غَلِظْنَا) یہ انکار شہادت کے معنی میں ہے۔ تامل

27181۔ (قوله: قِيلَ لَهُ هَاتِ الْخ) یہ اس قبیل سے ہے جو گزر چکا ہے کہ یہ شہادت قاصرہ ہے ان کا غیر اسے مکمل

کرتا ہے۔ کذا فی الہامش

27182۔ (قوله: وَلَوْ مُقَرَّرَةً) ممکن ہے اقرار کرنے والی کوئی اور ہو پس اس کا نسب بیان کر کے اس کی تعریف

ضروری ہے۔ ”منح“۔

27183۔ (قوله: إِلَى الْقَاضِي) اگر وہ لکھے: فلاں، فلاں نے میرے ہاں اتنے مال کی فلانہ بنت فلاں فلانیہ کے

خلاف گواہی دی اور مدعی نے اس قاضی کے پاس ایک عورت کو پیش کیا جس کی طرف خط لکھا گیا تھا عورت نے انکار کر دیا کہ اس نسبت میں یہی منسوب تھی تو دو اور گواہ ضروری ہیں جو اس امر کی گواہی دیں کہ یہی وہ عورت ہے جس کا نسب بیان کیا گیا ہے جس طرح پہلے مسئلہ میں ہے۔ ”یعنی“ میں اسی طرح ہے ”مدنی“۔

27184۔ (قوله: لِاحْتِمَالِ التَّزْوِيرِ) یعنی مدعی اس آدمی کے ساتھ موافقت کر لے۔

27185۔ (قوله: الْبَيَانُ) یعنی جب اس نے مدعی علیہ پر یہ دعویٰ کیا کہ اس کا غیر اس کے ساتھ نام اور نسب میں اس

کے ساتھ کوئی اور شریک ہے تو اس پر وضاحت ضروری ہوگی، ”ح“۔ حاشیہ میں اسی طرح ہے۔ یعنی قاضی اسے کہے: اسے ثابت کر۔ اگر وہ ثابت کر دے تو اس سے خصومت ختم ہو جائے گی جس طرح قاضی اسم اور نسب میں اس کے مشارک کا علم رکھتا

(وَلَوْ قَالَ فِيهَا التَّيْبِيَّةُ لَمْ يَجْزِ حَتَّى يَنْسِبَهَا إِلَى فَخْذِهَا) كَجَذِّهَا، وَيَكْفِي نِسْبَتُهَا لِزَوْجِهَا، وَالْمَقْصُودُ الْإِعْلَامُ (أَشْهَدُهُ عَلَى شَهَادَتِهِ ثُمَّ نَهَاةً عَنْهَا لَمْ يَصَحَّ) أَيْ نَهْيُهُ، فَلَهُ أَنْ يَشْهَدَ عَلَى ذَلِكَ دُرٍّ وَأَقْرَبُ الْبُصْنِفُ هُنَا، لِكِنَّهُ قَدَّمَ تَرْجِيحَ خِلَافِهِ عَنِ الْخُلَاصَةِ

اگر دونوں گواہوں نے دونوں کے بارے میں کہا: تمیمیہ تو یہ جائز نہیں ہوگا یہاں تک کہ اس کے فخذ تک اس کا نسب ذکر کرے جیسے اس کا دادا اور اس کے خاوند کی طرف اس کی نسبت کافی ہے مقصود آگاہ کرنا ہے۔ ایک آدمی نے دوسرے کو اپنی گواہی پر گواہ بنایا پھر اسے گواہی سے منع کر دیا تو اس کی نہیں صحیح نہ ہوگی تو اسے گواہی دینے کا حق ہوگا، ”درر“ مصنف نے اسے یہاں ثابت رکھا ہے۔ لیکن ”الخلاصہ“ سے اس کے برعکس کی ترجیح کو مقدم ذکر کیا ہے۔

ہوا اگر وہ اس کو ثابت نہ کرے تو یہ خصم ہوگا۔

27186۔ (قوله: فِيهَا) یعنی شہادت اور قاضی کے مکتوب کے بارے میں۔

عرب کے چھ طبقے ہیں

27187۔ (قوله: إِلَى فَخْذِهَا) فخذ کا لفظ خا کے سکون اور اس کے کسرہ کے ساتھ ہے۔ اس سے مراد خاص قبیلہ ہے جس سے کم کوئی قبیلہ نہیں ہوتا۔ یہ لغویوں کے دو قولوں میں سے ایک قول کے مطابق ہوتا ہے جب کہ یہ ”صحاح“ میں ہے۔ ”الجمہرۃ“ میں ہے: فخذ کو قبیلہ سے نیچے اور بطن سے اوپر رکھا ہے۔

”دیوان الادب“ میں اسے بطن سے اقل رکھا ہے۔ صاحب ”الکشاف“ نے بھی یہی کیا ہے۔ کہا: عرب کے چھ طبقات ہیں۔ شعب جیسے مضر، ربیعہ اور حمیر۔ ان کا نام شعب اس لیے رکھا کیونکہ قبائل ان سے تقسیم ہوتے ہیں۔ قبیلہ جیسے کنانہ، عمارہ جیسے قریش۔ بطن جیسے قضی۔ فخذ جیسے ہاشم۔ فصیلہ جیسے عباس۔ ان میں سے ایک مابعد کے ساتھ جمع ہو جاتا ہے۔ پس شعب قبائل کو جمع کر دیتا ہے۔ عمارہ بطون کو جمع کرتا ہے۔ اسی طرح باقی کی صورت حال ہے۔ اس تعبیر کی بنا پر فخذ پر اس وقت اکتفا کرنا جائز ہے جب تک اسے فصیلہ کی طرف منسوب نہ کرے۔ عمارہ، عین کے کسرہ کے ساتھ ہے شعب شین کے فتح کے ساتھ ہے۔ ”فتح“، ”انص“۔

تعریف سے مقصود اختصاص اور زوال اشتراک ہے

27188۔ (قوله: كَجَذِّهَا) زیادہ مناسب او جدا ہے۔

27189۔ (قوله: وَالْمَقْصُودُ الْإِعْلَامُ) ”الفتح“ میں کہا: تعریف سے یہ مقصود نہیں کہ اس کا نسب بیان کیا جائے

یہاں تک کہ قاضی اسے پہچان جائے۔ کیونکہ قاضی بعض اوقات اسے نہیں پہچانتا اگرچہ وہ اس کی سوداؤں کی طرف منسوب کر دے۔ بلکہ مقصود یہ ہے کہ اختصاص ثابت ہو جائے اور اشتراک زائل ہو جائے۔ کیونکہ یہ کم ہی ہوتا ہے کہ دو آدمی اپنے ناموں، اپنے باپ کے ناموں، اپنے دادا کے ناموں میں یا صنعت اور لقب میں متفق ہو جائیں۔ جو ”قاضی خان“ سے یہ ذکر کیا گیا ہے کہ اگر وہ دادا کے ذکر کے ساتھ معروف نہ ہو تو اس پر اکتفا نہ کیا جائے گا۔ اس سے زیادہ مناسب وہ قول ہے جو

(کافر ان شہدا علی شہادۃ مسلمین لکافر علی کافر لم تُقبل کذا شہادتہما علی القضاء لکافر علی کافر: وَتُقبل شہادۃ رجل علی شہادۃ أبیہ وعلی قضاء أبیہ) فی الصحیح دُرٌّ خلافًا لِلْمَلْتَقَطِ (مَنْ ظَهَرَ أَنَّهُ شَهِدَ بِزُورٍ بِأَنْ أَقَرَّ عَلَى نَفْسِهِ وَلَمْ يَدَّعِ سَهْوًا أَوْ غَلَطًا كَمَا حَرَّرَهُ ابْنُ الْكَمَالِ،

دو کافروں نے دو مسلمانوں کی شہادت پر ایک کافر کے حق میں ایک کافر کے خلاف شہادت دی تو اس شہادت کو قبول نہ کیا جائے گا۔ اسی طرح ایک کافر کے حق میں دوسرے کافر کے خلاف قضا پر ان کی شہادت کو قبول نہیں کیا جائے گا۔ ایک آدمی جب اپنے باپ کی شہادت پر شہادت دے یا اپنے باپ کے فیصلہ پر شہادت دے تو صحیح قول کے مطابق اس کی شہادت قبول کی جائے گی، ”درر“۔ ”ملتقط“ میں اس کے برعکس ہے جس کے بارے میں یہ ظاہر ہو جائے کہ اس نے جھوٹی گواہی دی ہے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ وہ اپنی ذات کے خلاف خود اقرار کر لیتا ہے اور سہو یا غلطی کا دعویٰ نہیں کرتا جس طرح ”ابن کمال“ نے اس کی وضاحت کی ہے۔

”فصول الاستروشنی“ میں ہے کہ تعریف کی شرط یہ ہے کہ تین اشیاء کا ذکر کیا جائے مگر علماء نے اسم کے ساتھ لقب میں اختلاف کیا ہے۔ کیا یہ دونوں ایک ہیں یا ایک نہیں؟

تین چیزوں سے مراد اس نام، اس کے باپ اور دادا کا نام ہے یا اس کی صنعت یا اس کا فخر ہے۔ کیونکہ یہ دادا کی جگہ کفایت کر جاتا ہے۔ ”بزازیہ“ میں جو کچھ ہے وہ اس کے خلاف ہے۔ ”الہدایہ“ میں ہے: پھر تعریف اگرچہ طرفین کے نزدیک دادا کے ذکر کے ساتھ مکمل ہو جاتی ہے جب کہ امام ”ابو یوسف“ رحمہ اللہ نے اس سے اختلاف کیا ہے یہ ظاہر روایت کے مطابق ہے تو فخذ کا ذکر دادا کے قائم مقام ہو جائے گا۔ کیونکہ فخذ جد اعلیٰ کا نام ہوتا ہے۔ یعنی اس خاص فخذ میں جد اعلیٰ کا نام ہوتا ہے پس اسے ادنیٰ جد کے قائم مقام رکھا جائے گا۔ ”ایضاح الاصلاح“ میں ہے: عجم میں صناعت کا ذکر فخذ کے قائم مقام ہے کیونکہ عجمیوں نے اپنے نسب ضائع کر دیئے ہیں۔

زیادہ بہتر یہ تھا کہ الاعلام کی جگہ دفع الاشتراك کا لفظ ذکر کرتے۔ کیونکہ اعلام کہ وہ معروف ہو جائے، مراد نہیں جس طرح قول گزر چکا ہے۔ ”البحر“ میں ”بزازیہ“ سے مروی ہے: اگر وہ محض نام سے معروف و مشہور ہو جس طرح امام ”ابو حنیفہ“ رحمہ اللہ مشہور ہیں تو یہ باپ اور دادا کے ذکر کی جگہ کافی ہے۔ اگر نام کے بغیر کنیت ذکر کی جائے تو اسے قبول نہ کیا جائے گا مگر جب وہ مشہور ہو جیسے الامام۔

27190۔ (قولہ: شہد بزور) اس میں مرد اور عورتیں برابر ہیں۔ ”بحر“ میں ”کافی الحاکم“ سے مروی ہے۔

27191۔ (قولہ: بِأَنْ أَقَرَّ عَلَى نَفْسِهِ) ”البحر“ میں کہا: اقرار کی قید لگائی ہے۔ کیونکہ اس کے اقرار کے ساتھ ہی

اس پر حکم لگایا جائے گا۔ ”شیخ الاسلام“ نے یہ اضافہ کیا ہے: ”وہ کسی کی موت کے بارے میں گواہی دے جب کہ وہ اندر آ گیا“۔ ”فتح القدیر“ میں اسی طرح ہے۔ ”رملی“ نے اس بارے میں ”حاشیۃ البحر“ میں بحث کی ہے۔

وَلَا يُبْكَنُ إِثْبَاتُهُ بِالْبَيِّنَةِ لِأَنَّهُ مِنْ بَابِ النَّفْيِ (عُزِّرَ بِالشَّهِيدِ) وَعَلَيْهِ الْفَتْوَى سِرَاجِيَّةٌ وَزَادَ ضَرْبَهُ وَحَبَسَهُ مَجْمَعٌ وَفِي الْبَحْرِ وَظَاهِرٌ كَلَامُهُمْ أَنَّ لِلْقَاضِي أَنْ يُسَحِّمَ وَجْهَهُ إِذَا رَأَى سِيَاسَةً،

اور گواہیوں کے ساتھ اس کا اثبات ممکن نہ ہو۔ کیونکہ یہ نفی کے باب میں سے ہے تو اس کی تشہیر کے ساتھ اس پر تعزیر لگائی جائے گی اس پر فتویٰ ہے۔ ”سراجیہ“۔ دونوں نے اس کو کوڑے مارنے اور اس کے محبوس کرنے کا اضافہ کیا ہے ”مجمع“۔ ”البحر“ میں ہے: ان کی کلام کا ظاہر معنی یہ ہے: قاضی کو یہ حق حاصل ہے کہ اس کے چہرے کو سیاہ کر دے وہ اس میں لوگوں کے معاملات کو درست انداز میں چلانے میں کوئی فائدہ دیکھے۔

”صدر الشریعہ“ نے اقرار پر اعتراض کیا ہے: ”بعض اوقات اس کے بغیر بھی علم ہو جاتا ہے جس طرح وہ زید کی موت کے بارے میں گواہی دے یا یہ گواہی دے کہ فلاں نے اسے قتل کر دیا ہے پھر یہ ظاہر ہو گیا کہ زید زندہ ہے یا اس نے چند دیکھنے کے بارے میں گواہی دی تیس دن گزر گئے جب کہ آسمان میں کوئی مانع نہ تھا اور چاند دکھائی نہ دیا گیا۔“

”العنایہ“ میں یہ جواب دیا ہے: انہوں نے اس امر کا ذکر نہیں کیا کہ اس قسم کا معاملہ نادر ہی ہوتا ہے کہ وہ کہے: میں نے جھوٹ بولا ہے یا میں نے یہ گمان کیا ہے۔ ظننت بھی کذب کے معنی میں ہے۔ کیونکہ وہ بغیر علم کے شہادت کا اقرار کر رہا ہے۔

”لےقوبیہ“ میں ہے: یہ بھی ممکن ہے کہ ان کے قول: لا یعلم الا بالاقرار کو حصر اضافی پر محمول کیا جائے۔ اس کا قرینہ ان کا قول ولا یعلم بالبینة ہے۔

”ابن کمال“ نے یہ جواب دیا ہے: موت کے بارے میں گواہی موت کی خبر سننے کے ساتھ جائز ہوتی ہے۔ اسی طرح نسب کے بارے میں گواہی سننے کے ساتھ جائز ہوتی ہے۔ پس اس کا یہ کہنا جائز ہے: میں نے ایک مقتول دیکھا لوگ یہ کہہ رہے تھے وہ عمرو بن زید ہے۔ جہاں تک رویت ہلال کے بارے میں شہادت کا تعلق ہے تو اس میں معاملہ بہت ہی وسیع ہے۔

27192۔ (قوله: وَلَا يُبْكَنُ إِثْبَاتُهُ) اس کے جھوٹ کو ثابت کرنا ممکن نہیں۔ جہاں تک اس کے اقرار کے اثبات کا معاملہ ہے تو یہ ممکن ہے جس طرح یہ امر مخفی نہیں۔ تامل

27193۔ (قوله: وَزَادَ ضَرْبَهُ) ”البحر“ میں کہا: ”فتح القدیر“ میں دونوں کے قول کو ترجیح دی ہے۔ اور کہا: یہ قول حق ہے۔

27194۔ (قوله: أَنْ يُسَحِّمَ) سحیم کا لفظ سہین کے ضمہ اور حا کے سکون کے ساتھ ہے یہ دونوں مہمل ہیں۔ اس کا معنی

سواد سیاہی ہے۔ ”وانی“۔ ہامش میں اسی طرح ہے۔

27195۔ (قوله: إِذَا رَأَى سِيَاسَةً) شارح نے باب حد القذف کے آخر میں وہ قول کیا ہے جو اس کے مخالف ہے۔

کیونکہ کہا: یہ جان لو علما سیاست کے حکم کے بارے میں ذکر کرتے ہیں امام یہ کرے گا۔ ان علماء نے یہ نہیں فرمایا: قاضی ایسا کرے گا۔ اس کا ظاہر معنی یہ ہے کہ قاضی کو نہ سیاست کا حکم کرنے کا حق حاصل ہے اور نہ ہی اس پر عمل کرنے کا حق ہے۔ فلجرح ”فقال“۔

وَقِيلَ إِنَّ رَجَعَ مُصِرًّا ضَرْبَ إِجْمَاعًا، وَإِنْ تَأَيَّبَا لَمْ يُعْزَرْ إِجْمَاعًا، وَتَفْوِضُ مُدَّةٍ تَوْبَتِهِ لِرَأْيِ الْقَاضِي عَلَى الصَّحِيحِ لَوْ فَاسِقًا، وَلَوْ عَدْلًا أَوْ مَسْتُورًا لَا تُقْبَلُ شَهَادَتُهُ أَبَدًا قُلْتُ وَعَنْ الثَّانِي تُقْبَلُ، وَبِهِ يُفْتَى عَيْنِي وَغَيْرُهُ، وَاللَّهُ أَعْلَمُ

میں کہتا ہوں: امام ”ابو یوسف“ رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے: اس کی شہادت قبول کی جائے گی اسی پر فتویٰ دیا جاتا ہے ”عینی“ وغیرہ، اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اگر وہ اصرار کرتے ہوئے ایسے امر کی طرف لوٹے تو بالا جماع اسے کوڑے مارے جائیں گے۔ اگر وہ توبہ کرتے ہوئے رجوع کرتا ہے تو بالا جماع اس پر تعزیر نہیں لگائی جائے گی۔ اگر فاسق ہو تو صحیح قول کے مطابق تو اس کی توبہ کی مدت قاضی کی رائے کے سپرد ہوگی۔ اگر وہ عادل ہو یا مستور الحال ہوگا تو اس کی شہادت کی صورت میں قبول نہیں کی جائے گی۔

27196۔ (قولہ: مُصِرًّا) ”الفتح“ میں کہا: یہ جان لو کہ یہ کہا گیا ہے: مسئلہ کی تین صورتیں ہیں: اگر وہ اصرار کے طریقہ پر رجوع کرے جیسے وہ کہے: ہاں میں نے اس میں جھوٹی گواہی دی ہے اور میں اس جیسی شہادت سے رجوع نہیں کروں گا تو بالاتفاق کوڑے مارنے کے ساتھ اس کو تعزیر لگائی جائے گی، اگر وہ توبہ کے طریقہ پر رجوع کرے تو بالاتفاق اس پر تعزیر نہیں لگائی جائے گی، اگر اس کا حال معروف نہ ہو تو مذکورہ اختلاف پر معاملہ باقی رہے گا۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: علماء کے درمیان کوئی اختلاف نہیں ہے۔ اس کا جواب تاہم کے بارے میں ہے۔ کیونکہ تعزیر سے مقصود یہ ہے کہ وہ ایسے کام سے رک جائے جب کہ وہ اللہ کے داعی سے رک گیا ہے۔ دونوں ”صاحبین“ رحمۃ اللہ علیہما کا جواب اس شخص کے بارے میں ہے جو توبہ نہ کرے۔ اس میں امام ”ابو حنیفہ“ رحمۃ اللہ علیہ نے مخالفت نہیں کی۔

27197۔ (قولہ: أَبَدًا) کیونکہ اس کی عدالت پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا۔ ”منلا علی“۔

27198۔ (قولہ: تُقْبَلُ) یعنی کوئی مدت متعین نہ کی جائے گی جس طرح ”البحر“ میں ”الخلاصہ“ ان کے قول والا قلف سے تھوڑا پہلے مروی ہے۔ ”الخانہ“ میں ہے: وہ آدمی جو عدالت میں معروف ہو جب وہ جھوٹی گواہی دے تو امام ”ابو یوسف“ رحمۃ اللہ علیہ سے یہ مروی ہے: اس کی شہادت کسی صورت میں قبول نہ کی جائے گی۔ کیونکہ اس کی توبہ معروف نہیں۔ فقیہ ”ابو جعفر“ سے مروی ہے: اس کی شہادت قبول کی جاتی ہے۔ اسی پر اعتماد کیا جاتا ہے۔ شارح کی کلام اس میں صریح ہے کہ دوسری روایت (قبول نہ کرنے والی) بھی امام ”ابو یوسف“ رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے۔ تاہم

بَابُ الرَّجُوعِ عَنِ الشَّهَادَةِ

(هُوَ أَنْ يَقُولَ رَجَعْتُ عَمَّا شَهِدْتُ بِهِ وَنَحْوَهُ، فَلَوْ أَنْكَرَهَا لَا يَكُونُ رُجُوعًا) (و) الرَّجُوعُ (شَرْطُهُ مَجْلِسُ الْقَاضِي) وَلَوْ غَيْرَ الْأَوَّلِ لِأَنَّهُ فُسِّخَ أَوْ تَوَبَّ وَهِيَ بِحَسَبِ الْجَنَائَةِ كَمَا قَالَ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ السِّرُّ بِالسِّرِّ وَالْعَلَانِيَةُ بِالْعَلَانِيَةِ (فَلَوْ أَدَّعَى) الْمَشْهُودُ عَلَيْهِ (رُجُوعَهُمَا عِنْدَ غَيْرِهِ وَبَرَّهَنَ) أَوْ أَرَادَ يَبَيِّنُهُمَا

شہادت سے رجوع کے احکام

”شہادت سے رجوع کا طریقہ ہے وہ کہے: میں نے جو شہادت دی ہے میں نے اس سے رجوع کر لیا ہے وغیرہ۔ اگر وہ اس شہادت کا انکار کر دے تو یہ رجوع نہ ہوگا۔ رجوع کی شرط قاضی کی مجلس ہے اگرچہ وہ مجلس پہلے قاضی کی نہ ہو۔ کیونکہ رجوع یا تو نسخ ہے یا توبہ ہے یہ توبہ جنایت کے اعتبار سے ہوگی۔ جس طرح حضور سنی ﷺ نے ارشاد فرمایا: خفیہ طریقہ سے گناہ کیا ہو تو توبہ خفیہ طریقہ سے ہوگی اور اعلانیہ گناہ کیا ہو تو اعلانیہ توبہ کرنا لازم ہے (1)۔ اگر مشہود علیہ نے قاضی کے علاوہ کسی اور جگہ دونوں گواہوں کے رجوع کا دعویٰ کیا اور گواہیاں قائم کر دیں یا اس نے دونوں سے قسم لینے کا ارادہ کیا

27199۔ (قوله: فَلَوْ أَنْكَرَهَا) یعنی فیصلہ کے بعد شہادت کا انکار کر دے۔

رجوع کی شرط

27200۔ (قوله: مَجْلِسُ الْقَاضِي) رجوع کی صحت دین کی قضا یا ضمان کی قضا پر موقوف ہوگی جس نے اسے بعید خیال کیا ہے اس نے اس سے اختلاف کیا ہے جس طرح ”الفتح“ میں اس پر متنبہ کیا ہے۔ اس میں یہ بھی ہے: مجلس کے شرط ہونے پر یہ متفرع ہوتا ہے اگر گواہ نے مجلس کے علاوہ میں رجوع کرنے کا اقرار کیا اور اپنی ذات کے خلاف اس پر اور مال کے لازم کرانے پر گواہ بنائے تو اس پر کوئی شے لازم نہ ہوگی۔ اگر اس کے خلاف اس وجہ سے دعویٰ کیا گیا تو اس پر کوئی شے۔ زمنہ ہوگی جب دونوں تصدیق کریں تو اس پر مال کا لزوم اس رجوع کی وجہ سے تھا۔

27201۔ (قوله: لِأَنَّهُ فُسِّخَ) قاضی کی مجلس کے شرط ہونے کی علت ہے ان کے قول فسخ سے مراد ہے کہ رجوع اسی کے ساتھ خاص ہوگا جس کے ساتھ شہادت خاص ہوتی ہے یعنی قاضی کی مجلس کا ہونا ضروری ہے۔ ”منش“۔

27202۔ (قوله: وَهِيَ) اس سے مراد توبہ ہے۔

27203۔ (قوله: فَلَوْ أَدَّعَى) قاضی کی مجلس کے شرط ہونے کے قاعدہ کا بیان ہے۔

27204۔ (قوله: عِنْدَ غَيْرِهِ) قاضی کے علاوہ کے ہاں وہ رجوع کرے اگرچہ وہ شرطی ہو جس طرح ”الحیظ“ میں ہے۔

1۔ نہ اعمال ملا علی قتی بن حسام الدین ہندی، جلد 3، صفحہ 23، حدیث نمبر 5252

(لَا يُقْبَلُ) لِفَسَادِ الدَّعْوَى، بِخِلَافِ مَا لَوْ ادَّعَى وَثُوعَهُ عِنْدَ قَاضٍ وَتَضْيِئَهُ إِثَابًا مُلْتَقًى أَوْ بَرَهَنَ أَنَّهَا أَقْرَأُ بِرُجُوعِهَا عِنْدَ غَيْرِ الْقَاضِي قَبْلَ وَجْعِلَ إِنْشَاءً لِدَحَالِ ابْنِ مَلِكٍ (فَإِنْ رَجَعَ قَبْلَ الْحُكْمِ بِهَا سَقَطَتْ وَلَا ضَمَانَ) وَعُذِّرَ وَلَوْ عَنِ بَعْضِهَا لِأَنَّهُ فَسَقَ نَفْسَهُ جَامِعُ الْفُصُولَيْنِ

تو اسے قبول نہ کیا جائے گا۔ کیونکہ دعویٰ فاسد ہے۔ اگر قاضی کے ہاں اس کے رجوع کے وقوع کا دعویٰ کرے اور دونوں سے ضمانت لینے کے حکم کا دعویٰ کرے تو معاملہ مختلف ہوگا۔ ”ملتقی“ یا اس نے گواہیاں قائم کر دیں کہ دونوں نے قاضی کے علاوہ کے ہاں اپنے رجوع کا اقرار کیا ہے تو اس کا رجوع قبول کیا جائے گا اور اسے اس وقت نئے سرے سے رجوع بنادیا جائے گا۔ ”ابن ملک“۔ اگر شہادت پر حکم سے پہلے وہ دونوں گواہ رجوع کر لیں تو شہادت ساقط ہو جائے گی اور اس پر کوئی ضمانت نہ ہوگی۔ اور اسے تعزیر لگائی جائے گی اگر رجوع بعض شہادت سے ہو کیونکہ اس نے خود اپنے آپ کو فاسق قرار دیا ہے، ”جامع الفصولین“۔

27205۔ (قوله: لَا يُقْبَلُ) یعنی اس کا دعویٰ قبول نہ کیا جائے گا اور نہ ہی اس سے قسم لی جائے گی۔

27206۔ (قوله: لِفَسَادِ الدَّعْوَى) کیونکہ قاضی کی مجلس رجوع کی شرط ہے پس وہ باطل رجوع کا دعویٰ کرنے والا ہے بینہ یا قسم کا مطالبہ یہ صحیح دعویٰ کے بعد ہی ہوتا ہے۔

27207۔ (قوله: وَتَضْيِئُهُ) ضمیر سے مراد قاضی ہے یعنی مدعی یہ دعویٰ کرے کہ قاضی ان دونوں کے خلاف ضمانت لازم ہونے کا حکم کرے۔

27208۔ (قوله: سَقَطَتْ) یعنی شہادت ساقط ہو جائے گی پس قاضی اس کا فیصلہ نہیں کرے گا کیونکہ دونوں خبریں متعارض ہیں جب کہ پہلی خبر کو ترجیح دینے والی کوئی چیز نہیں۔

27209۔ (قوله: وَعُذِّرَ) ”الفتح“ میں کہا: علماء نے کہا: گواہوں پر تعزیر لگائی جائے گی خواہ انہوں نے قضا سے پہلے رجوع کیا یا قضا کے بعد رجوع کیا ہو۔ یہ قول اعتراض سے خالی نہیں۔ کیونکہ رجوع اس امر میں ظاہر ہے کہ اگر اس نے جان بوجھ کر جھوٹ بولا ہو تو یہ اس سے توبہ ہے۔ اگر خطا کی ہے تو سہو اور جلد بازی سے توبہ ہے۔ توبہ پر کوئی تعزیر نہیں۔ اور نہ ہی ایسے گناہ پر تعزیر ہے جو توبہ سے اٹھ جاتا ہے۔ اس میں کوئی معین حد نہیں۔

”البحر“ میں یہ جواب دیا ہے: قضا سے قبل اس کا رجوع بعض اوقات حق کو تلف کرنے کے ارادہ سے ہوتا ہے یا اس ارادہ سے ہوتا ہے کہ مشہود علیہ نے اسے مال میں دھوکہ دیا ہے رجوع اس لیے نہیں جس کا اس نے ذکر کیا ہے اور قضا کے بعد رجوع اس کے ظن کی وجہ سے ہوتا ہے۔ کیونکہ وہ اس سے جاہل ہے کہ وہ مشہود لہ کے مال کو تلف کرنے والا ہے ساتھ ہی ساتھ چٹی کے ساتھ وہ اپنے مال کو تلف کرنے والا ہے۔

27210۔ (قوله: عَنْ بَعْضِهَا) جس طرح اگر وہ دونوں گھر اور اس کی عمارت یا گدھی اور اس کے بچے کے بارے میں

(وَبَعْدَهُ لَمْ يُفْسَخِ) الْحُكْمُ (مُطْلَقًا) لِتَرْجِيحِهِ بِالْقَضَاءِ (بِخِلَافِ ظُهُورِ الشَّاهِدِ عَبْدًا أَوْ مَحْدُودًا فِي قَذْفٍ) فَإِنَّ الْقَضَاءَ يَبْطُلُ وَيُرَدُّ مَا أَخَذَ وَتَلَزَمَ الدِّيَةُ لَوْ قَصَاصًا، وَلَا يُضَيَّنُ الشُّهُودُ لِمَا مَرَّ أَنَّ الْحَاكِمَ إِذَا أَخْطَأَ فَالْغُرْمُ عَلَى الْمُقْضِي لَهُ شَرْحُ تَكْمِلَةٍ (وَضَمِينًا مَا أَتْلَفَاهُ لِلشُّهُودِ عَلَيْهِ)

اس کے بعد حکم مطلقاً فسخ نہیں ہوگا۔ کیونکہ شہادت قضا کے ساتھ رائج ہو چکی ہے گواہ غلام یا قذف میں محدود ظاہر ہو تو معاملہ مختلف ہوگا کیونکہ قضا باطل ہو جاتی ہے اور مدعی نے جو مال لیا ہوگا وہ واپس کرے گا۔ اگر وہ قصاص ہو تو دیت لازم ہوگی۔ اور گواہوں سے ضمانت نہیں لی جائے گی۔ اس کی دلیل وہی ہے جو گزر چکی ہے کہ حاکم جب خطا کرے تو چٹی اس پر ہوگی جس کے حق میں فیصلہ کیا گیا ہے۔ ”شرح تكملة“۔ اور دونوں گواہ مشہود علیہ کے لیے اس کے ضامن ہوں گے جس کو انہوں نے تلف کیا

گواہی دے دیں۔ پھر اس کی عمارت اور بچے کے بارے میں رجوع کر لیں تو اس کے بارے میں فیصلہ نہیں کیا جائے گا۔ ”منح“۔ 27211۔ (قوله: مُطْلَقًا) ”المنح“ میں کہا: میرا قول: مطلقاً جامع ہے اس صورت کو جب گواہ رجوع کے وقت عدالت میں اسی کی مثل ہو جب اس نے گواہی دی تھی یا اس سے کم مرتبہ پر ہو یا اس سے افضل ہو۔ اسی طرح اکثر کتب میں متون، شروح اور فتاویٰ میں مطلق ذکر کیا گیا ہے۔ ”الحيط“ میں ہے: اس کا رجوع کرنا صحیح ہوگا اگر شہادت کے وقت سے رجوع کے وقت عدالت میں اس کا حال افضل ہو ورنہ اس کا رجوع صحیح نہ ہوگا اور اس پر تعزیر لگائی جائے گی۔ ”البحر“ میں اسے رد کیا ہے۔ ”الفتی“ میں نقل کیا ہے: یہ امام ”ابو حنیفہ“ رحمہ اللہ کا پہلا قول ہے یعنی ان کے شیخ ”حماد“ کا قول ہے۔ پھر آپ نے ”صاحبین“ رحمہ اللہ کے قول کی طرف رجوع کر لیا اور اس پر مذہب پختہ ہو گیا۔ ”البحر“ میں اسے ”کافی الحاکم“ کی طرف منسوب کیا۔

27212۔ (قوله: لِتَرْجِيحِهِ) زیادہ بہتر یہ تھا کہ عبارت یوں ہوتی: لِتَرْجِيحِهَا۔

27213۔ (قوله: وَيُرَدُّ مَا أَخَذَ) یعنی جو لیا ہے وہ مدعی علیہ کو واپس کرے گا۔ ”بحر“۔

27214۔ (قوله: إِذَا أَخْطَأَ) یہاں اس نے خطا کی ہے۔ کیونکہ اس نے گواہوں کے احوال کے بارے میں تفتیش نہیں کی۔

27215۔ (قوله: وَضَمِينًا مَا أَتْلَفَاهُ) یہ جان لو کہ گواہ کو ضامن بنانے کا معاملہ صرف اس کے رجوع میں منحصر نہیں

بلکہ اس کی مثل وہ صورت بھی ہوگی جب وہ کسی ایسی شے کا ذکر کرے جو قضا کو لازم ہو۔ پھر اس کے برعکس ظاہر ہو جس طرح اس کی وضاحت ”لسان الحکام“ میں کی ہے اور ”البحر“ میں اس کی طرف اشارہ کیا ہے۔ پس ان دونوں کی طرف رجوع کرو۔ ”البحر“ میں اس کا ذکر کیا ہے جس کے ساتھ شاہد کی ضمان ساقط ہو جاتی ہے۔

مصنف کے قول: اتلفاه سے یہ ماخوذ ہوتا ہے کہ اگر اس شے کا ہلاک ہونا ان دونوں کی طرف منسوب نہ ہو تو وہ دونوں ضامن ہوں گے جس طرح وہ موت سے پہلے نسب کی شہادت دیں تو مشہود علیہ مر جائے اور مشہود لہ مشہود علیہ سے مال کا وارث بن جائے پھر وہ دونوں شہادت سے رجوع کر لیں تو وہ دونوں ضامن نہیں ہوں گے۔ کیونکہ وہ موت کے ساتھ وارث بن گیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وارث مال کا مستحق نسب اور موت سے بنتا ہے اور استحقاق دونوں میں سے جو وجود کے

لِتَسْبِيْهِمَا تَعْدِيَا مَعَ تَعَدُّرِ تَضْمِيْنِ الْمُبَاشِرِ لِأَنَّهُ كَالْمُذْجَأِ إِلَى الْقَضَاءِ (قَبْضُ الْمُدْعَى الْمَالِ أَوْ لَا بِهِ يُفْتَى) بَحْرٌ وَبَزَازِيَّةٌ وَخُلَاصَةٌ وَخِزَانَةُ الْمُفْتَيْنِ وَقَيْدَةٌ فِي الْوَقَايَةِ وَالْكَنْزُ وَالْدَّرَرُ وَالْمُلْتَقَى بِمَا إِذَا قَبْضَ الْمَالِ لِعَدَمِ الْإِتْلَافِ قَبْلَهُ، وَقِيلَ إِنَّ الْمَالِ عَيْنًا فَكَالْأَوَّلِ،

کیونکہ وہ دونوں تعدی کا سبب بنے ہیں جب کہ جو اس تعدی کا مباشر ہے اس پر ضمانت لازم کرنا متعذر ہے کیونکہ وہ توقضا کے معاملہ میں پناہ کی طرح ہے۔ مدعی نے مال پر قبضہ کر لیا ہو یا قبضہ نہ کیا ہو اسی پر فتویٰ دیا جاتا ہے، ”بحر“، ”بزازیہ“، ”خلاصہ“، ”خزانۃ المفتین“، ”وقایہ“، ”کنز“، ”درر“ اور ”ملتقی“ میں یہ قید لگائی ہے جب وہ مال پر قبضہ کر لے کیونکہ اس سے قبل اس نے مال کو تلف نہیں کیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اگر مال عین ہو تو وہ پہلے قول کی طرح ہے۔

اعتبار سے آخر میں ہوتا ہے اس کی طرف منسوب ہوتا ہے۔ ”زیلعی“ نے اس کا ذکر باب اقرار المریض میں کیا ہے۔ ”ساححانی“ نے ”مقدس“ سے نقل کیا ہے۔

میں کہتا ہوں: ”البحر“ میں ”العقابیہ“ سے مروی ہے: گواہوں نے گواہی دی کہ اس کے قرض خواہ نے اسے دین سے بری کر دیا تھا پھر غریم مفلس مر گیا پھر گواہ رجوع کر لیتے ہیں تو وہ طالب کے لیے کسی چیز کے ضامن نہیں ہوں گے۔ کیونکہ اس کے ذمہ جو کچھ تھا وہ افلاس کے ذریعے ہلاک ہو گیا ہے۔

27216۔ (قوله: لِتَسْبِيْهِمَا) ”البحر“ میں کہا: قاضی پر ضمانت لاگو کرنے کی صورت میں لوگوں کو اس منصب کے قبول کرنے سے پہلو تہی کرنا لازم آئے گا اور مدعی کے لیے اپنا حق لینا متعذر ہوتا ہے۔ کیونکہ حکم تو جاری ہو کر رہے گا پس تسبب کا اعتبار کیا جائے گا۔ ”ہامش“ میں اسی طرح ہے۔

27217۔ (قوله: لِأَنَّهُ كَالْمُذْجَأِ) ضمیر سے مراد قاضی ہے۔

ارباب متون صرف ایسے قول پر اکتفا کرتے ہیں جس کو ترجیح حاصل ہوتی ہے

اور متون کا قول شروع پر مقدم ہوتا ہے

27218۔ (قوله: وَقَيْدَةٌ) ”الہدایہ“، ”المختار“، ”الاصلاح“ اور ”مواہب الرحمن“ میں اسی طرح ہے۔ ”جوہرہ“ اور ”صاحب الجمع“ نے اسے یقین سے بیان کیا ہے۔ اور تجھے علم ہے کہ ارباب متون صرف ایسے قول پر اکتفا کرتے ہیں جس کو ترجیح حاصل ہوتی ہے اور متون میں جو قول ہوتا ہے وہ اس پر مقدم ہوتا ہے جو کچھ شروع میں ہوتا ہے۔ ”البحر“ میں ”الخلاصہ“ سے جو کچھ منقول ہے: ان مافی الفتاویٰ ہو قول الامام الاخیر اس میں ہمیں اعتراض ہے۔ گویا یہی وہ قول ہے جس نے مصنف کو دھوکہ میں مبتلا کیا ہے۔

27219۔ (قوله: فَكَالْأَوَّلِ) یعنی گواہ مطلقاً اس کے ضامن ہوں گے جس کے حق میں گواہی دی گئی تھی اس نے اس مال پر قبضہ کیا تھا یا نہیں۔ کیونکہ عین سے مشہود لہ کی ملکیت قضا کے ساتھ زائل ہو جاتی ہے۔ اور دین میں اس وقت تک ملکیت

وَإِنْ دَيْنَا فَكَالْثَانِي وَأَقْرَبُ الْقَهْشَتَانِي (وَالْعَبْرَةُ فِيهِ لِمَنْ بَقِيَ) مِنَ الشُّهُودِ (لَا لِمَنْ رَجَعَ فَإِنْ رَجَعَ أَحَدُهُمَا ضَمِنَ النِّصْفَ، وَإِنْ رَجَعَ أَحَدُ ثَلَاثَةٍ لَمْ يَضْمَنْ، وَإِنْ رَجَعَ آخِرُ ضَمِنَا النِّصْفَ وَإِنْ رَجَعَتْ امْرَأَةٌ مِنْ رَجُلٍ وَامْرَأَتَيْنِ

اگر مال دین ہو تو وہ دوسرے قول کی طرح ہے۔ ”قہستانی“ نے اسے ثابت رکھا ہے۔ اس میں اعتبار اس کا ہوگا گواہوں میں سے جو باقی ہو، نہ کہ اس کا اعتبار ہوگا جس نے رجوع کیا ہو۔ اگر دونوں گواہوں میں سے ایک رجوع کر لے تو وہ نصف کا ضامن ہوگا اگر تین گواہوں میں سے ایک رجوع کر لے تو وہ اس کا ضامن نہیں ہوگا اگر ایک اور رجوع کر لے تو دونوں نصف کے ضامن ہوں گے۔ اگر ایک مرد اور دو عورتوں میں سے ایک عورت نے گواہی سے رجوع کر لیا

زائل نہیں ہوتی یہاں تک کہ اس پر قبضہ کر لے۔

27220۔ (قوله: فَكَالْثَانِي) یعنی اگر گواہ اس پر قبضہ سے قبل رجوع کر لے تو وہ اس کے ضامن نہ ہوں گے اگر قبضہ

کے بعد رجوع کر لیں تو ضامن ہوں گے۔

گواہی سے رجوع میں اعتبار بقیہ گواہوں کا ہوگا نہ کہ اس کا جس نے رجوع کیا

27221۔ (قوله: ضَمِنَ النِّصْفَ) کیونکہ ان دونوں میں سے ہر ایک کی گواہی سے نصف حجت قائم ہوئی ہے۔

دونوں میں سے ایک کے گواہی پر باقی رہنے سے نصف ہی حجت باقی رہے گی۔ پس جس نے رجوع کیا ہے اس پر اس کی ضمانت ہوگی۔ جس میں حجت باقی نہیں وہ نصف ہے۔ اور یہ جائز ہے کہ بعض علت کی وجہ سے ابتدا سے ہی حکم ثابت نہ ہو پھر بعض علت کے باقی رہنے کی وجہ سے حکم باقی رہے گا جس طرح سال کے شروع ہونے میں بعض نصاب پر حکم منعقد نہیں ہوتا اور بعض نصاب کے باقی رہنے کی صورت میں باقی رہتا ہے۔

27222۔ (قوله: لَمْ يَضْمَنْ) یعنی رجوع کرنے والا ضامن نہیں ہوگا۔

27223۔ (قوله: ضَمِنَا النِّصْفَ) ”المقدس“ میں ہے: اگر یہ قول کیا جائے چاہیے: کہ صرف دوسرا رجوع کرنے

والا ضامن ہو کیونکہ تلف ہونا اس کی طرف منسوب ہے ہم کہتے ہیں تلف ہونا یہ مجموع کی طرف منسوب ہے مگر پہلے سے رجوع کا اثر مانع کی وجہ سے ظاہر نہیں ہوا مانع وہ ہے جو گواہ باقی ہے۔ جب دوسرے نے رجوع کر لیا تو یہ امر ظاہر ہو گیا کہ تلف دونوں کی وجہ سے ہوا ہے۔

میں کہتا ہوں: کتاب الحدود میں ”المحیط“ سے یہ قول گزر چکا ہے جب رجم کی حد پر پانچ افراد نے گواہی دی تو پانچویں نے رجوع کر لیا تو اس پر کوئی ضمانت نہ ہوگی اگر چوتھے نے رجوع کر لیا تو دونوں چوتھائی کے ضامن ہوں گے۔ اگر تیسرا رجوع کر لے تو وہ چوتھے حصے کا ضامن ہوگا۔ ان کا قول یضمن الثالث الربع یہ اس کے مخالف ہے جو یہاں ہے۔ کیونکہ یہ باب الرجوع فی الشہادة سے ماخوذ ہے کہ پانچواں، چوتھا اور تیسرا نصف کے ضامن ہوں گے جس کو تین حصوں میں تقسیم کیا جائے

ضَبِنْتُ الرُّبْعَ، وَإِنْ رَجَعْتَ فَالنِّصْفَ، وَإِنْ رَجَعَ ثَمَانِ نِسْوَةٍ مِنْ رَجُلٍ وَعَشْرٍ نِسْوَةٍ لَمْ يَضْمَنْ، فَإِنْ رَجَعْتَ أُخْرَى ضَمِنَ (رُبْعَهُ) لِبَقَاءِ ثَلَاثَةِ أَرْبَاعِ النَّصَابِ (فَإِنْ رَجَعُوا فَالْغُرْمُ بِالْأَسَدِاسِ)

تو وہ چوتھائی کی ضامن ہوگی اگر دونوں رجوع کر لیں تو نصف کی ضامن ہوں گی اگر ایک مرد اور دس عورتوں میں سے آٹھ رجوع کر لیں تو وہ ضامن نہ ہوں گی اگر ایک اور رجوع کر لے تو نو عورتیں اس کے چوتھائی کی ضامن ہوں گی۔ کیونکہ نصاب کا تین چوتھائی باقی ہے۔ اگر وہ سب رجوع کر لیں تو چھ حصوں میں تقسیم کیا جائے گا۔

گا۔ ”المحیط“ میں جو قول ہے وہ غلط ہے یا ضعیف ہے یا غیر مشہور ہے۔

جب چار افراد نے ایک شخص کے خلاف چار سو درہم کی گواہی دی اور ان کا فیصلہ کر دیا گیا پس ان میں سے ایک نے سو سے رجوع کر لیا ایک اور نے اس سو اور ایک اور سو سے رجوع کر لیا اور ایک اور نے ان دو سو اور ایک سو سے رجوع کر لیا تو رجوع کرنے والوں پر پچاس درہم تین حصوں میں تقسیم کر کے لازم ہوں گے۔ کیونکہ پہلے گواہ نے صرف ایک سو کی گواہی سے رجوع کیا ہے اور وہ باقی ماندہ تین سو میں گواہ رہا ہے۔ اور چوتھا گواہ جس نے تین سو میں رجوع نہیں کیا۔ اسی طرح وہ چوتھے سو میں گواہ ہے پس تین سو میں سے نصاب شہادت پایا گیا پس اس میں کوئی ضمانت نہیں ہوگی۔ جہاں تک چوتھے سو کا تعلق ہے جب چوتھا گواہ اس میں شاہد رہا اور باقی ماندہ گواہوں نے رجوع کر لیا تو اس سو کو نصف نصف کیا جائے گا۔ کیونکہ اعتبار اس کا ہوتا ہے جو باقی ہوتا ہے پس وہ سب گواہ سو کے نصف کے ضامن ہوں گے وہ پچاس ہیں جن کو تین حصوں میں تقسیم کیا جائے گا۔ اگر چوتھے نے سب سے رجوع کر لیا تو وہ سب سو کے ضامن ہوں گے جس کو چار حصوں میں تقسیم کیا جائے گا۔ یعنی وہ سو جس سے رجوع کرنے میں سب نے اتفاق کیا۔ پہلے گواہ کے علاوہ وہ اس پچاس کی ضمانت دیں گے جس سے رجوع پر سب نے اتفاق کیا ہے وہ اس پچاس کو تین حصوں میں تقسیم کریں گے۔

دو سو پچاس کی ضمانت نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ پہلا گواہ تین سو کی گواہی پر باقی ہے دوسرا دو سو کی گواہی پر باقی ہے دو سو وہ ہیں جن پر گواہی پر نصاب مکمل ہے تیسرے سو پر صرف ایک گواہ باقی ہے جس نے رجوع نہیں کیا لیکن اس کے علاوہ جب تین نے رجوع کر لیا تو وہ سو نصف نصف ہو جائے گا۔ پس وہ سب پچاس کے ضامن ہوں گے جن کو تین حصوں میں تقسیم کیا جائے گا۔ ”ساحانی“۔

ان کا قول ثالث بقی شاہد شاید ان کا قول والشانہ ہے۔ مسئلہ ”البحر“ میں ”المحیط“ سے مذکور ہے جب کہ اس کی توجیہ ایک اور عبارت سے کی گئی ہے پس اس کی طرف رجوع کرو۔

27224۔ (قوله: ضَبِنْتُ الرُّبْعَ) کیونکہ جس پر شہادت باقی ہے وہ تین چوتھائی ہے۔ ”مخ“۔

27225۔ (قوله: فَإِنْ رَجَعُوا) یعنی مردوں عورتوں میں سے سب رجوع کر لیں۔

27226۔ (قوله: بِالْأَسَدِاسِ) چھٹا حصہ مرد پر اور 5/6 عورتوں پر لازم ہوگا۔ کیونکہ دو عورتیں ایک آدمی کے قائم

وَقَالَا عَلَيْهِنِ النِّصْفُ كَمَا لَوْ رَجَعْنَ فَقَطَّ (وَلَا يَضْمَنُ رَاجِعٌ فِي النِّكَاحِ شَهِدَ بِمَهْرٍ مِثْلَهَا) أَوْ أَقْلَ إِذَا
الْإِتْلَافُ بِعَوَضٍ كَلَّا إِتْلَافٍ (وَإِنْ زَادَ عَلَيْهِ ضَمِنَاهَا) لَوْ هِيَ الْمُدَّعِيَّةُ وَهُوَ الْمُنْكَرُ عَزَمَى زَادَهُ

”صاحبین“ علامہ سیب نے فرمایا: اگر سب عورتیں رجوع کر لیں تو اس پر نصف لازم ہوگا اور نکاح میں رجوع کرنے والا گواہ کسی شے کا ضامن نہیں ہوگا جس نے مہر مثل کی گواہی دی یا اس سے کم کی گواہی دی۔ کیونکہ عوض کی صورت میں اتلاف اتلاف نہ ہونے کی طرح ہے۔ اگر وہ مہر مثل سے زائد پر گواہی دیں تو دونوں گواہ خاوند کے لیے اس کے ضامن ہوں گے اگرچہ عورت اس کی مدعی ہو اور خاوند اس کا انکار ہی ہو ”عزمی زادہ“۔

مقام ہوں گی۔

27227۔ (قوله: فَقَطَّ) کیونکہ وہ عورتیں ایک مرد کے قائم مقام ہوتی ہیں اگرچہ بہت زیادہ ہوں۔

عوض کی صورت میں اتلاف اتلاف نہ ہونے کی طرح ہے

27228۔ (قوله: وَلَا يَضْمَنُ رَاجِعٌ الْخ) اس مسئلہ کی چھ صورتیں ہیں۔ کیونکہ وہ دونوں گواہ یا تو مہر مثل کے موافق

گواہی دیں گے، اس سے زیادہ کی گواہی دیں گے یا اس سے کم کی گواہی دیں گے۔ ان صورتوں میں سے ہر صورت میں مدعی یا تو مرد ہوگا یا عورت ہوگی اور وہ گواہ کسی صورت میں ضامن نہ ہوں گے مگر اسی صورت میں جب وہ مہر مثل سے زائد کی گواہی دیں۔

اگر مصنف اپنے قول: ضمنّاھا کے بعد للزوج کے الفاظ کہتے جس طرح ”المنح“ میں ہے تو یہ قول پانچ منطوقہ صورتوں اور ایک مفہومہ صورت کا فائدہ دیتا اور شارح نے ”العزمیہ“ سے جو کچھ نقل کیا ہے اس سے غنی کر دیتا۔

مصنف پر یہ لازم تھا کہ وہ کہتے: وان باقل اور ولو شهدا باصل النکاح کو حذف کر دیتے۔ کیونکہ یہ قول وہم دلاتا ہے کہ پہلی صورت میں شہادت اپنے اصل پر نہیں۔ یہ صورت میں شارح کا قول او اقل تکرار ہے جس طرح یہ امر مخفی نہیں۔ ”حبیبی“ نے کہا: اگر وہ کہتے متن ہے۔ وہ گواہ جس نے خاوند کے خلاف مہر مثل سے زائد کی گواہی دی تو وہ گواہی سے رجوع کی شکل میں زیادتی کا ضامن ہوتا تو یہ قول ان چھ صورتوں کو جامع ہو جاتا جن میں سے ایک منطوقہ اور پانچ مفہومہ ہیں۔

پھر میرے لیے یہ امر ظاہر ہوا کہ مصنف نے ان میں سے جو مخفی صورتیں تھیں ان کو ظاہر کیا اور جو ظاہر تھیں ان کو مخفی کر دیا اور مہر مثل کے مطابق شہادت دینے کی صورت ضمان کا ذکر نہیں کیا اور جب مہر مثل سے کم کی شہادت دے تو ضمانت لازم نہیں ہوگی اور مہر مثل سے زائد پر گواہی دی تو ضمان ہوگی۔ یہ سب اس وقت ہوگا اگر وہ عورت مدعی ہو جس طرح شارح نے اس پر متنبہ کیا ہے اور اس کے ساتھ اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ اس کا مابعد اس صورت کے متعلق ہے۔ اگر مرد مدعی ہو مصنف نے اس کے بعد ذکر کیا ہے ”اس پر کوئی ضمانت نہ ہوگی اگر وہ دونوں مہر مثل سے اقل کی شہادت دیں اور ان صورتوں سے خاموشی اختیار کی اگر وہ مہر مثل یا اس سے زیادہ کے بارے میں گواہی دیں۔ کیونکہ یہ تو معلوم ہے کہ ان صورتوں میں بدرجہ اولیٰ ضمانت نہیں ہوگی۔ کیونکہ انفتکوا اس کے متعلق ہے جب مرد مدعی ہو شارح نے اس کی تصریح نہیں کی جس طرح پہلی صورت میں

(وَلَوْ شَهِدَا بِأَصْلِ النِّكَاحِ بِأَقْلٍ مِنْ مَهْرٍ مِثْلَهَا فَلَا ضَمَانَ) عَلَى الْمُعْتَمِدِ لِتَعَدُّرِ الْمِثَالَةِ بَيْنَ الْبُضْعِ وَالْمَالِ (بِخِلَافِ مَا لَوْ شَهِدَا عَلَيْهَا بِقَبْضِ الْمَهْرِ أَوْ بَعْضِهِ ثُمَّ رَجَعَا) ضَمِنَا لَهَا لِتَلَا فِهْمَا الْمَهْرَ (وَضَمِنَا فِي الْبَيْعِ وَالشِّرَاءِ مَا نَقَصَ عَنْ قِيَمَةِ الْمَبِيعِ) لَوْ الشَّهَادَةُ عَلَى الْبَائِعِ (أَوْ زَادَ) لَوْ الشَّهَادَةُ عَلَى الْمُشْتَرِي لِتَلَا فِ بِلَا عَوْضٍ، وَلَوْ شَهِدَا بِالْبَيْعِ وَبِنَقْدِ الثَّمَنِ، فَلَوْ فِي شَهَادَةٍ وَاحِدَةٍ ضَمِنَا الْقِيَمَةَ،

اگر وہ دونوں گواہ اصل نکاح پر اس کے مہر مثل سے کم مہر کی شہادت دیں تو قابل اعتماد قول کے مطابق ضمانت نہیں ہوگی۔ کیونکہ بضعہ اور مال میں مماثلت متعذر ہے۔ اگر وہ دونوں عورت کے بارے میں پورے مہر یا اس کے بعض پر قبضہ کرنے کی گواہی دیں پھر وہ دونوں رجوع کر لیں تو دونوں اس کی ضمانت دیں گے۔ کیونکہ دونوں مہر کو تلف کرنے والے ہیں۔ اور بیع و شرا میں وہ دونوں اس کی ضمانت دیں گے جو بیع کی قیمت میں کمی کی، اگر شہادت بائع کے خلاف ہو یا اس کی قیمت میں زیادتی کی اگر شہادت مشتری کے خلاف ہو۔ کیونکہ وہ عوض کے بغیر تلف کرنے والے ہیں۔ اگر دونوں گواہ بیع اور ثمن کو نقد لینے کے بارے میں گواہی دیں اگر یہ ایک ہی گواہی کی صورت میں ہو تو دونوں قیمت کے ضامن ہوں گے

اقل کی تصریح کی یہ اس پر اعتماد کیا ہے کہ مراد ظاہر ہے۔ فتنہ

27229۔ (قوله: عَلَى الْمُعْتَمِدِ) "المنظومة النسفية" اور اس کی شرح میں جو کچھ ہے وہ اس سے مختلف ہے۔ صاحب "المجمع" نے ان دونوں کی پیروی کی۔ کیونکہ ان سب نے یہ ذکر کیا ہے: طرفین کے نزدیک وہ دونوں اس کے ضامن ہوں گے۔ امام "ابو یوسف" رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے اختلاف کیا ہے۔ "الفتح" میں کہا: "ہدایہ" اور اس کی شروح میں جو کچھ ہے وہی معروف ہے اور علماء نے اس کے علاوہ کو نقل نہیں کیا۔ یہی اصول جیسے "المبسوط"، "شرح الطحاوی" اور "ذخیرہ" وغیرہ میں مذکور ہے۔ انہوں نے ان میں امام "شافعی" رحمۃ اللہ علیہ کا اختلاف نقل کیا ہے اگر انہیں مذہب میں شعور کا اختلاف ہوتا تو وہ کلی طور پر اس سے اعراض نہ کرتے اور امام "شافعی" رحمۃ اللہ علیہ کے اختلاف کو نقل کرنے میں مشغول نہ ہوتے۔

27230۔ (قوله: وَلَوْ شَهِدَا بِالْبَيْعِ) "عینی" نے کہا: اگر وہ مثلاً ہزار کے بدلے میں بیع کی گواہی دیں اور قاضی اس کے مطابق فیصلہ کر دے پھر قضا کے بعد وہ اس پر ثمن کے قبضہ کی گواہی دیں اور قاضی اس کا فیصلہ کر دے پھر دونوں شہادتوں سے رجوع کر لیں تو دونوں ثمن کے ضامن ہوں گے۔ اگر انہوں نے بیع کی قیمت میں کمی کی گواہی دی تھی تو وہ اس کے ساتھ زائد قیمت کے بھی ضامن ہوں گے اگر وہ اس کے خلاف بیع کرنے اور ثمن پر قبضہ کی اکٹھی گواہی دیں اور قاضی اس کا فیصلہ کر دے پھر دونوں اپنی گواہی سے رجوع کر لیں تو ان دونوں پر صرف قیمت واجب ہوگی، "ح"۔ حاشیہ میں اسی طرح ہے۔

ضمانت کے حکم میں دونوں مسئلوں میں تفاوت ظاہر نہیں۔ کیونکہ دونوں صورتوں میں وہ قیمت کا ضامن ہوگا۔ کیونکہ پہلی صورت میں اگر ثمن قیمت کی مثل ہو تو بہت بہتر اور اگر وہ ثمن قیمت سے کم ہو تو وہ زیادتی کے بھی ضامن ہوں گے۔

27231۔ (قوله: ضَمِنَا الْقِيَمَةَ) کیونکہ جس کا فیصلہ کیا گیا ہے وہ بیع ہے ثمن نہیں ہے۔ کیونکہ ثمن کے واجب کرنے

وَلَوْ فِي شَهَادَتَيْنِ ضَمِنَا الشَّيْءَ عَيْنِي (وَلَوْ شَهِدَا عَلَى الْبَائِعِ بِالْبَيْعِ بِالْفَيْنِ إِلَى سَنَةٍ وَقِيَمَتُهُ أَلْفٌ، فَإِنْ شَاءَ ضَمِنَ الشُّهُودَ قِيَمَتَهُ حَالًا، وَإِنْ شَاءَ أَخَذَ الْمُشْتَرَى إِلَى سَنَةٍ وَأَيَّامًا اخْتَارَ بَرِيًّا الْآخَرَ) وَتَسَامُهُ فِي خِزَانَةِ الْمُفْتَيْنِ (وَفِي الطَّلَاقِ قَبْلَ وَطْءٍ وَخُلُوعٍ ضَمِنَا نِصْفَ الْمَالِ) الْمُسْتَسَى (أَوْ الْمُتَعَّةُ) إِنْ لَمْ يُسَمَّ (وَلَوْ شَهِدَا أَنَّهُ طَلَّقَهَا ثَلَاثًا وَآخَرَانِ أَنَّهُ طَلَّقَهَا وَاحِدَةً

اگر وہ دو گواہوں میں ایسا ہو تو دونوں ثمن کے ضامن ہوں گے، ”یعنی“۔ اگر دونوں بائع کے خلاف دو ہزار کے عوض میں بیع کی گواہی دیں جو ایک سال تک ادا کرنے ہیں جب کہ اس کی قیمت ایک ہزار ہے اگر چاہے تو گواہوں سے اس کی قیمت (یعنی ہزار) فی الحال ضمان کے طور پر لے لے اور اگر چاہے تو مشتری سے ایک سال تک لے لے بائع نے جو بھی اختیار کیا دوسرا بری ہو جائے گا۔ اس کی مکمل بحث ”خزانۃ المفتین“ میں ہے۔ حقوق زوجیت اور خلوت سے پہلے طلاق پر وہ گواہی دیں تو مہر مسمی کے نصف کے ضامن ہوں گے یا متعہ کے ضامن ہوں گے اگر مہر معین نہ کیا گیا تھا۔ اگر دونوں نے گواہی دی کہ خاوند نے عورت کو تین طلاقیں دے دیں اور دوسرے دو نے گواہی دی کہ اس نے عورت کو

کا فیصلہ ممکن نہیں۔ کیونکہ یہ اس کے ساتھ مقتدرن ہے جو اس کے سقوط کا موجب ہے وہ پوری ثمن ادا کر چکنے کا فیصلہ ہے۔ اسی وجہ سے ہم نے کہا: اگر دونوں گواہی دیں کہ اس نے اس شخص کو اپنا غلام بیچا اور اس سے اقالہ کر لیا جب کہ دونوں امر ایک شہادت سے ہوتے ہیں تو بیع کا فیصلہ نہیں کیا جائے گا۔ کیونکہ یہ اس امر کے ساتھ مقتدرن ہے جو اس کے فسخ کا موجب ہے وہ اقالہ کی قضا ہے۔ ”فتح“۔ ان کے قول ضمننا الشئ کی وجہ یہ ہے کہ ثمن کے بارے میں فیصلہ اس امر کے ساتھ مقتدرن نہیں ہو سکتا جو اس ثمن کو ساقط کر دے۔ کیونکہ دونوں نے اس کی پوری طرح ادائیگی کی شہادت نہیں دی بلکہ ان دونوں نے اس کے بعد اس بارے میں گواہی دی ہے۔ جب ثمن ایسا امر ہو گیا جس کا فیصلہ کیا گیا تو دونوں اس کے رجوع کے ضامن ہوں گے، ”فتح“۔ ”زیلعی“ نے یہ اضافہ کیا ہے: اگر ثمن بیع کی قیمت سے کم ہو تو اس کے ساتھ وہ دونوں زیادتی کے ضامن ہوں گے کیونکہ انہوں نے پہلی گواہی کے ساتھ اتنی مقدار اس پر تلف کی ہے۔

27232۔ (قوله: وَتَسَامُهُ فِي خِزَانَةِ الْمُفْتَيْنِ) جس طرح ”المخ“ میں ہے اس کی عبارت ہے: اگر اس نے گواہوں سے ضمانت لینے کو پسند کیا تو مشتری سے ثمن کا مطالبہ کریں گے اور زائد کو صدقہ کر دیں گے۔ اگر مشتری عیب کی وجہ سے بیع کو باہم رضا مندی سے واپس کر دے یا وہ باہم اقالہ کر لیں تو وہ بائع سے ثمن کا مطالبہ کرے گا اور گواہوں پر کوئی شے لازم نہ ہوگی اگر وہ قاضی کے فیصلہ کے ساتھ واپس کرے تو گواہوں پر فی الحال ضمانت لازم ہوگی اگر دونوں ادا کر دیں تو جو کچھ انہوں نے ادا کیا ہے وہ واپس لے لیں۔

27233۔ (قوله: ضَمِنَا نِصْفَ الْمَالِ الْمُسْتَسَى أَوْ الْمُتَعَّةِ الْخ) کیونکہ دونوں نے ایسی ضمانت کو مؤکد کیا ہے جو رنے والی تھی۔ کیا تو نہیں دیکھتا اگر اپنے خاوند کے بیٹے کو اپنے اوپر قدرت دے دے یا وہ مرتد ہو جائے تو مہر اصلاً ساقط

قَبْلَ الدُّخُولِ ثُمَّ رَجَعُوا فَضَمَّانُ نِصْفِ الْمَهْرِ عَلَى شُهُودِ الثَّلَاثِ لَا غَيْرُ لِلْحُرْمَةِ الْغَلِيظَةِ (وَلَوْ بَعْدَ وَطْءٍ أَوْ خُلُوةٍ فَلَا ضَمَّانَ) وَلَوْ شَهِدَا بِالطَّلَاقِ قَبْلَ الدُّخُولِ وَآخِرَانِ بِالْدُّخُولِ ثُمَّ رَجَعُوا ضَمَّانَ شُهُودِ الدُّخُولِ ثَلَاثَةً أَرْبَاعَ الْمَهْرِ وَشُهُودِ الطَّلَاقِ رُبْعَهُ اخْتِيَارًا (وَلَوْ شَهِدَا بَعْتِيقٍ فَرَجَعَا ضَمَّانَا الْقِيَمَةَ) لِمَوْلَاهُ (مُطْلَقًا) وَلَوْ مُعْسَرَيْنِ

دخول سے قبل ایک طلاق دے دی پھر دونوں نے رجوع کر لیا تو نصف مہر کی ضمانت ان گواہوں پر ہوگی جنہوں نے تین طلاقوں کے بارے میں گواہی دی تھی کسی اور پر ضمانت نہیں ہوگی۔ کیونکہ اس سے حرمت غلیظہ پائی جا رہی ہے۔ اگر وطی یا خلوت کے بعد ایسا ہو تو کوئی ضمانت نہ ہوگی۔ اگر دو گواہ حقوق زوجیت کی ادائیگی سے قبل کی اور دو گواہ حقوق زوجیت کی ادائیگی کی گواہی دیں پھر رجوع کر لیں تو حقوق زوجیت کی ادائیگی والے گواہ تین چوتھائی کے ضامن ہوں گے اور طلاق پر گواہ ایک چوتھائی کے ضامن ہوں گے۔ اگر دونوں غلام کی آزادی کے بارے میں گواہی دیں اور وہ دونوں رجوع کر لیں تو دونوں اس کے آقا کے لیے قیمت کے مطلق ضامن ہوں گے اگرچہ وہ تنگ دست ہوں۔

ہو جائے گا۔ ”منح“۔

27234۔ (قوله: قَبْلَ الدُّخُولِ) یہ دونوں شہادتوں میں قید ہے۔ ”ح“۔

27235۔ (قوله: لَا غَيْرُ) کیونکہ قاضی نے ایک طلاق کے گواہوں کی گواہی کے مطابق فیصلہ نہیں کیا۔ کیونکہ یہ کچھ فائدہ نہیں دیتا۔ کیونکہ ایک طلاق کا حکم حرمت خفیفہ ہے اور تین طلاقوں کا حکم حرمت غلیظہ ہے۔ ”منح“۔

27236۔ (قوله: فَلَا ضَمَّانَ) کیونکہ مہر حقوق زوجیت کی ادائیگی کے ساتھ متاکد ہو جاتا ہے تو دونوں گواہوں نے اسے ثابت نہیں کیا جو گرنے والا تھا۔ ”ح“۔

27237۔ (قوله: ضَمَّانَ شُهُودِ الدُّخُولِ الْخ) کیونکہ ان گواہوں نے اپنی گواہی کے ساتھ تمام مہر کو اسی پر ثابت کر دیا ہے جب کہ تمام کا تمام ساقط ہونے والا تھا۔ یہ امر اس کا تقاضا کرتا ہے کہ وہ تمام مہر کی ضمانت ادا کریں۔ لیکن حقوق زوجیت کی ادائیگی سے قبل انہوں نے اس پر نصف مہر کو ثابت کیا ہے جب کہ یہ ساقط ہونے والا تھا پہلا فریق نصف کی ضمانت کے ساتھ مختص ہو گیا اور دوسرے نصف میں اس نے دوسرے فریق کے ساتھ منازعہ کیا تو یہ نصف ان سب پر تقسیم کر دیا جائے گا۔ پہلے فریق کو تین چوتھائی اور دوسرے فریق کو ایک چوتھائی پہنچے گا، ”ح“۔ حاشیہ میں اسی طرح ہے۔

27238۔ (قوله: اخْتِيَارًا) اس کی یہ علت بیان کی ہے کہ دونوں فریق نصف پر متفق ہو گئے ہیں پس ہر فریق پر چوتھائی لازم ہوگا۔ اور حقوق زوجیت ادا کرنے پر گواہی دینے والے نصف میں منفرد ہیں۔ پس اس کی ضمانت میں منفرد ہوں گے۔ ”فقال“۔

”البحر“ میں ”الحیط“ سے مروی ہے: اگر طلاق کے دو گواہ رجوع کر لیں تو ان پر کوئی ضمان نہیں ہوگی۔ کیونکہ دونوں نے

لَا تَنْفُ خَسَانُ بِشَلَابٍ (وَالْوَلَاءُ لِمُعْتِقٍ) لِعَدَمِ تَحْوِيلِ الْعَتَقِ إِلَيْهِمَا بِالْقَسَانِ فَلَا يَتَحَوَّلُ الْوَلَاءُ حِدَايَةً دُونِ
شَرْطِ بَيْرِ خَسَانٍ مَا نَقَصَهُ (وَهُوَ ثَلَاثُ قِيَمَتِهِ، وَلَوْ مَاتَ الْمَوْلَى عَتَقَ مِنَ الثُّلُثِ وَلَوْ مَيِّتًا بِقِيَمَتِهِ قِيَمَتِهِ،
وَسَمَاهُ فِي الْبَحْرِ دُونِ الْكِتَابَةِ يَضْمَانِ قِيَمَتَهُ) كَلْمًا، وَإِنْ شَاءَ اشْتَبَعَ الْهَكَاتِبُ وَلَا يَغْتَفِقُ حَتَّى يُوَدِّيَ مَا
عَلَيْهِ (لِيُجِبَ) وَتَصَدَّقَ بِالْفُضْلِ وَالْوَلَاءُ لِمَوْلَاكَ، وَلَوْ عَجَزَ عَادِلٌ لِمَوْلَاكَ وَرَدَّ قِيَمَتَهُ

کیونکہ یہ تلف کرنے کی ضمانت ہے اور ولاء آزاد کرنے والے کے لیے ہے۔ کیونکہ ضمانت کے ساتھ آزاد کی ان دونوں کی
طرف منتقل نہیں ہوتی۔ پس ولاء منتقل نہ ہوگی، بدایہ: ”تدبیر میں وہ دونوں اس کے ضامن ہوں گے جس قدر اس میں نقصان
کیوں وہ اس کی قیمت کا ایک تہائی ہے۔ اگر آقا مر جائے تو ایک تہائی سے آزاد ہوگا اور اس کے باقی ماندہ قیمت ان دونوں پر
زرم ہوگی۔ اس کی مکمل بحث ”البحر“ میں ہے۔ مقدمہ کا تہ کی صورت میں وہ دونوں اس کی پوری قیمت کے ضامن ہوں گے
اگر چاہے تو مکمل تب کا پیچھا کرے وہ غلام آزاد نہیں ہوگا یہاں تک کہ جو اس پر لازم ہے وہ ان دونوں گواہوں کو رد کر دے وہ
زائد و صدقہ کر دیں گے۔ اور ولاء اس کے آقا کے لیے ہوگی۔ اگر وہ عاجز آجائے تو وہ اپنے آقا کی طرف دے جائے گا اور
آقا اس کی قیمت گواہوں کو

نصف مہر وثابت کیا ہے اور حقوق زوجیت ادا کرنے کی گواہی نے پورا مہر ثابت کیا ہے۔ وہ باقی رہ جائے جن کی گواہی سے مہر مہر
ثابت ہوتا ہے وہ حقوق زوجیت کی ادائیگی پر گواہی دینے والے ہیں۔ اگر حقوق زوجیت کی ادائیگی پر گواہی دینے والے
رجوع کر لیں کوئی اور رجوع نہ کرے تو ان دونوں پر نصف مہر ثابت ہوگا۔ کیونکہ حلاق کے گواہوں کی گواہی سے نصف مہر
ثابت ہوتا ہے اور حقوق زوجیت کی ادائیگی پر گواہی سے نصف مہر ثابت ہو گیا۔ اگر مہر جائیداد سے ایک اولیٰ رجوع کرے تو
حلاق کے دو گواہوں پر کوئی شے واجب نہ ہوگی اور حقوق زوجیت کی ادائیگی پر گواہی دینے والوں پر چوتھائی واجب ہوگا۔

27239۔ (قوله: لَا تَنْفُ خَسَانُ بِشَلَابٍ) آزاد کرنے کی ضمانت کا معنی مختلف ہے۔ کیونکہ اس صورت میں اس نے
نصف اس کی مہر و نصف کیا ہے اور اس سے اس کے مہر کی مہر کا نصف ہونا لازم ہوا ہے شریعت نے تو صدقہ دینے اور اس
کی ہمدردی کے طور پر اس کی ضمانت والا لازم کیا ہے۔

27240۔ (قوله: بِقِيَمَتِهِ قِيَمَتِهِ) اگر غلام کے غلام اس کا مال نہ ہو تو اس کا ایک تہائی آزاد ہو جائے گا۔ اگر اس
کے دو تہائی میں سہمی کرے گا۔ اور دو گواہ غرض کے بغیر ایک تہائی قیمت کے ضامن ہوں گے اور وہ دونوں نہ مہر سے اس کا
مستحق نہیں کریں گے۔ اگر غلام دو تہائی سے عاجز آ گیا تو وارث اس کے بارے میں گواہی سے مستحق نہیں کریں گے۔ اگر
”صاحبین“ ہوں تو ایک گواہ غلام سے مطالبہ کرے گا۔ ”بجائے“

27241۔ (قوله: يَضْمَانِ قِيَمَتِهِ) فرق یہ ہے دونوں مقدمہ کا تہ کے ساتھ آقا اور غلام کی مہریت میں اپنی گواہی کی
وجہ سے حاکم ہو چکے ہیں پس دونوں غاصب ہیں پس دونوں اس کی قیمت کے ضامن ہوں گے۔ مگر برہانے کا معنی مختلف

عَلَى الشُّهُودِ (وَفِي الْإِسْتِيلَادِ يُضْمَنَانِ نَقْصَانِ قِيَمَتِهَا) بِأَنْ تُقَوِّمَ قِيَمَةً وَأَمْرٌ وَلَدٌ لَوْ جَازَ بَيْنُهَا فَيُضْمَنَانِ مَا بَيْنَهُمَا (فَإِنْ مَاتَ الْمَوْلَى عَتَقَتْ وَضَمِنَا) بَقِيَّةَ (قِيَمَتِهَا) أَمَةً (لِلْوَرَثَةِ) وَتَسَامُهُ فِي الْعَيْنِ (وَفِي الْقِصَاصِ الدِّيَّةِ) فِي مَالِ الشَّاهِدَيْنِ وَوَرِثَاةٍ (وَلَمْ يَقْتَصَا) لِعَدَمِ الْمُبَاشَرَةِ، وَلَوْ شَهِدَا بِالْعَفْوِ لَمْ يُضْمَنَا لِأَنَّ الْقِصَاصَ لَيْسَ بِمَالٍ اخْتِيَارٌ (وَضَمِنَ شُهُودُ الْفُرْعِ بِرُجُوعِهِمْ) لِإِضَافَةِ التَّلَفِ إِلَيْهِمْ (لَا شُهُودُ الْأَصْلِ بِقَوْلِهِمْ) بَعْدَ الْقَضَاءِ (لَمْ نَشْهَدْ الْفُرُوعَ عَلَى شَهَادَتِنَا أَوْ أَشْهَدْنَاهُمْ وَغَلِطْنَا) وَكَذَا لَوْ قَالُوا رَجَعْنَا عَنْهَا لِعَدَمِ اتِّلَافِهِمْ وَلَا الْفُرُوعَ لِعَدَمِ رُجُوعِهِمْ (وَلَا اعْتِبَارَ بِقَوْلِ الْفُرُوعِ) بَعْدَ الْحُكْمِ (كَذَبَ الْأَصُولُ أَوْ غَلِطُوا)

واپس کر دے گا۔ ام ولد بنانے کی صورت میں وہ اس کی قیمت کے نقصان کے ضامن ہوں گے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ اس لونڈی کی بحیثیت غلام اور ام ولد کی قیمت لگائی جائے گی اگر اس کی بیع جائز ہو تو دونوں اس کے ضامن ہوں گے جو ان دونوں قیمتوں میں فرق ہے اگر آقا مر جائے تو وہ لونڈی آزاد ہو جائے اور وہ دونوں گواہ وارثوں کے لیے لونڈی کی باقی ماندہ قیمت کے ضامن ہوں گے۔ اس کی مکمل بحث ”یعنی“ میں ہے۔ قصاص میں دیت لازم ہوگی جو گواہوں کے مال سے ادا ہوگی اور وہ دونوں اس کے وارث ہو جائیں گے اور دونوں سے قصاص نہیں لیا جائے گا۔ کیونکہ ان دونوں گواہوں نے براہ راست قتل نہیں کیا اگر وہ دونوں معافی کی گواہی دے دیں تو وہ دونوں ضامن نہ ہوں گے۔ کیونکہ قصاص مال نہیں، ”اختیار“۔ شہود فرع ضامن ہوں گے اگر وہ رجوع کر لیں۔ کیونکہ تلف کی نسبت ان کی طرف کی جائے گی۔ شہود اصل ضامن نہیں ہوں گے جب وہ فیصلہ کے بعد کہیں: ہم نے فروغ کو اپنی گواہی پر گواہ نہیں بنایا یا ہم نے گواہ تو بنایا اور ہم نے غلطی کی۔ اسی طرح اگر وہ کہیں: ہم نے اس سے رجوع کر لیا تھا۔ کیونکہ انہوں نے تلف نہیں کیا۔ اور نہ ہی فروغ ضامن ہوں گے۔ کیونکہ انہوں نے رجوع نہیں کیا۔ اور حکم کے بعد فروغ کے اس قول کا اعتبار نہیں ہوگا: اصول نے جھوٹ بولا یا انہوں نے غلطی کی

ہے۔ کیونکہ وہ درمیان میں حائل نہیں ہوگا بلکہ اس کی مالیت کم ہو جائے گی۔ ”فتح“۔

27242۔ (قوله: عَلَى الشُّهُودِ) ”البحر“ میں کہا جب کہ اسے ”محیط“ سے نقل کیا: اس سے یہ معلوم ہو گیا کہ جو کچھ

”فتح القدیر“ میں ہے کہ ولاء ان کے لیے ہوگی جنہوں نے اس پر عقد مکاتبہ کی گواہی دی وہ سہو ہے۔

27243۔ (قوله: وَوَرِثَاةٍ) اگر وہ اس کے وارث ہوں تو دونوں اس کے وارث ہو جائیں گے۔

27244۔ (قوله: لَا شُهُودُ الْأَصْلِ الْخ) مصنف نے اس کی وجہ بیان کرتے ہوئے کہا: کیونکہ شہود اصل نے سبب کا

انکار کر دیا وہ گواہ بنانا ہے۔ اور یہ امر قضا کو باطل نہیں کرتا۔ کیونکہ یہ خبر ہے جو صدق و کذب کا احتمال رکھتی ہے۔ پس وہ اس طرح ہو گیا کہ گواہ نے فیصلہ کے بعد رجوع کیا۔ پس اسی وجہ سے گواہی میں نقص واقع نہیں ہوگا۔ جب وہ قضا سے پہلے گواہ

بنانے کا انکار کر دیں تو معاملہ مختلف ہوگا۔ اس صورت میں شہود فرع کی گواہی سے فیصلہ نہیں کیا جائے گا جس طرح وہ اس سے

فَلَا ضَمَانَ، وَلَوْ رَجَعَ الْكُلُّ ضَمِينَ الْفَرَعُ فَقَطْ (وَضَمِينَ الْمَرْجُوعَ) وَلَوْ الدَّيَّةَ (بِالْرُّجُوعِ) عَنِ التَّزْكِيَةِ (مَعَ عَلَيْهِمْ بِكُونِهِمْ عَبِيدًا) خِلَافًا لَهَا (أَمَّا مَعَ الْخَطَا فَلَاحُ) إِجْمَاعًا بَحْرًا (وَضَمِينَ شُهُودُ التَّغْلِيْقِ) قِيَمَةُ الْقَبْلِ وَنِصْفَ الْمَهْرِ لَوْ قَبْلَ الدُّخُولِ (لَا شُهُودُ الْإِحْصَانِ) لِأَنَّهُ شَرْطٌ، بِخِلَافِ التَّزْكِيَةِ لِأَنَّهَا عِلَّةٌ (وَالشَّرْطُ)

پس ضمانت نہ ہوگی۔ اور اگر سب ہی رجوع کر لیں تو صرف فرع ضامن ہوں گے۔ اور تزکیہ کرنے والے ضامن ہوں گے۔ اگرچہ وہ دیت کے ضامن ہوں جب وہ تزکیہ سے رجوع کریں جب کہ انہیں علم ہو کہ وہ غلام ہیں۔ ”صاحبین“ دہلی نے اس سے اختلاف کیا ہے۔ اگر خطا کی وجہ سے ہو تو بالا جماع وہ ضامن نہیں ہوں گے، ”بحر“۔ تعلیق کے گواہ غلام کی قیمت اور نصف مہر کے ضامن ہوں گے اگر حقوق زوجیت سے پہلے طلاق واقع ہو احصان (شادی شدہ) کے گواہ ضامن نہیں ہوں گے۔ کیونکہ یہ شرط ہے۔ تزکیہ کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ یہ علت ہے۔ اور شرط کے پائے جانے کے گواہ ضامن نہیں ہوں گے قبل شہادت سے رجوع کر لیں۔ ”فتح“۔

27245۔ (قوله: فَلَا ضَمَانَ) کیونکہ انہوں نے اپنی شہادت سے رجوع نہیں کیا۔ انہوں نے اپنے غیر پر رجوع کی گواہی دی ہے۔ ”منح“۔

27246۔ (قوله: وَضَمِينَ الْمَرْجُوعَ) میں کہا: ان کی ضمان میں مطلق قول کیا ہے پس یہ دیت کو جامع ہوگا۔ اگر وہ شہود زنا کا تزکیہ کریں اور اس کو رجم کر دیا جائے جب کہ وہ گواہ غلام ہوں یا مجوسی ہوں پس ”امام صاحب“ ہشیہ کے نزدیک دیت تزکیہ کرنے والوں پر ہوگی۔

27247۔ (قوله: بِكُونِهِمْ عَبِيدًا) اس کی صورت یہ ہے کہ وہ کہیں: ہم نے جان لیا کہ وہ غلام ہیں اس کے ساتھ ساتھ ہم نے اس کا تزکیہ کیا۔ ایک قول یہ ہے: اختلاف اس صورت میں ہے جب تزکیہ کرنے والے آزاد ہونے کی خبر دیں۔ اس کی صورت یہ ہے کہ وہ کہیں وہ آزاد تھے مگر جب وہ کہیں: وہ عادل تھے تو وہ غلام ظاہر ہوئے تو وہ بالا جماع ضامن نہیں ہوں گے کیونکہ غلام بعض اوقات عادل ہوتا ہے۔ ”جوہرہ“۔

27248۔ (قوله: أَمَّا مَعَ الْخَطَا) اس کی صورت یہ ہے کہ وہ کہے: میں نے تزکیہ کرنے میں خطا کی ہے۔

27249۔ (قوله: وَضَمِينَ شُهُودُ التَّغْلِيْقِ) ”البحر“ میں کہا: کیونکہ وہ علت کے گواہ ہیں کیونکہ تلف ہونے والے ہیں۔ اس کے سبب سے ہوتا ہے جو آزاد کرنا اور طلاق دینا ہے جب کہ یہ امر انہوں نے ثابت کر دیا ہے۔ اس قول کو صلیق ذکر کیا ہے پس یہ آزادی اور طلاق کی تعلیق کو شامل ہوگا۔ تو وہ پہلی صورت کی قیمت کے ضامن ہوں گے اور دوسری صورت (طلاق) میں نصف مہر کے ضامن ہوں گے اگر یہ طلاق حقوق زوجیت کی ادائیگی سے قبل ہو۔ حاشیہ میں اسی طرح ہے۔

شرط، علت، سبب اور علامت کے درمیان فرق

27250۔ (قوله: وَالشَّرْطُ) یہ ذہن نشین رہے کہ اصولین کے نزدیک شرط اسے کہتے ہیں جس پر (حکم کا) وجود

وَلَوْ وَحَدَهُمْ عَلَى الصَّحِيحِ عَيْنِي قَالَ وَضَمِنَ شَاهِدًا الْإِيْقَاعَ لَا التَّفْوِيضَ لِأَنَّهُ عِلَّةٌ وَالتَّفْوِيضُ سَبَبٌ اِنْتَهَى

اگرچہ وہ اکیلے گواہی سے پھر جائیں۔ یہ صحیح مذہب کے مطابق ہے، ”عینی“۔ کہا: طلاق واقع کرنے کے گواہ ضامن ہوں گے طلاق تفویض کرنے کے گواہ ضامن نہیں ہوں گے۔ کیونکہ یہ علت ہے اور تفویض سبب ہے، کلام ختم ہوئی۔

موقوف ہوتا ہے نہ وہ حکم میں مؤثر ہوتی ہے اور نہ ہی حکم تک پہنچانے والی ہوتی ہے۔ علت وہ چیز ہوتی ہے جو حکم میں مؤثر ہو۔ سبب اسے کہتے ہیں جو تاثیر کے بغیر حکم تک لے جائے۔ علامت اسے کہتے ہیں جو حکم پر دلالت کرے اور حکم کا وجود اس پر موقوف نہیں ہوتا۔ اس گفتگو سے یہ امر ظاہر ہو گیا کہ احسان شرط ہے جس طرح اکثر علماء نے ذکر کیا ہے کیونکہ حد کا وجوب اس پر موقوف ہے، ”منح“۔ حاشیہ میں اسی طرح ہے۔

27251۔ (قولہ: شَاهِدًا الْإِيْقَاعَ) ”منیۃ المفتی“ میں ہے: دونوں گواہوں نے گواہی دی اس نے اپنی بیوی کو کہا ہے کہ وہ اپنے آپ کو طلاق دے دے اور دوسرے دو گواہوں نے گواہی دی کہ اس عورت نے اپنے نفس کو طلاق دے دی ہے اور یہ امر حقوق زوجیت سے پہلے واقع ہوا ہے۔ پھر ان گواہوں نے رجوع کر لیا تو ضمانت طلاق کے گواہوں پر ہوگی۔ کیونکہ ان دونوں نے سبب کو ثابت کیا ہے اور تفویض طلاق کا امر اس کے سبب ہونے کی شرط ہے۔ ”بحر“، کذا فی الہامش

27252۔ (قولہ: لَا التَّفْوِيضَ) یعنی طلاق کے امر کو عورت کے سپرد کرنا یا آزادی کے امر کو غلام کے حوالے کرنا اور دو دوسرے گواہوں نے گواہی دے دی کہ عورت نے اپنے آپ کو طلاق دے دی ہے۔ اور غلام نے اپنے آپ کو آزاد کر لیا ہے۔ ”شمس“، ”مدنی“۔

کتاب الوکالة

مُنَاسَبَتُهُ أَنَّ كُلَّ مَنْ الشَّاهِدِ وَالْوَكِيلِ سَاعٍ فِي تَحْصِيلِ مُرَادٍ غَيْرِهِ (الشُّوْكِلُ صَحِيحٌ) بِالْكِتَابِ وَالسُّنَّةِ، قَالَ تَعَالَى فَابْعَثُوا أَحَدَكُمْ بِوَرِقِكُمْ

وکالت کے احکام

سابقہ کتاب کے ساتھ اس کی مناسبت یہ ہے کہ شاہد اور وکیل میں سے ہر ایک دوسرے کی مراد حاصل کرنے میں لگا دیتا ہے۔ وکیل بنانا صحیح ہے کتاب و سنت سے ثابت ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: پس تم اپنے میں سے ایک، اپنے درہم دے کر بھیجو۔

27253۔ (قولہ: الشُّوْكِلُ صَحِيحٌ) اس امر کا ذکر نہیں کیا جس کے ساتھ وہ وکیل بن جاتا ہے اور نہ ہی وکیل و قاصد

میں فرق کیا ہے۔ میں نے اس کی وضاحت ”تنقیح الحامیہ“ میں تحریر کر دی ہے۔

ان حواشی کو نقل کرنے والے کہتے ہیں: مولف رحمہ اللہ نے ”الحامیہ“ میں کتاب البیوع باب الخیارات میں ایک طویل سوال کیا ہے اور ضمن میں فرق کو بیان کیا ہے: میں یہاں اصل سے اس سوال کو ذکر کرتا ہوں تاکہ فائدہ کی تکمیل ہو جائے۔

جسے کسی شے پر قبضہ کرنے کا وکیل بنایا گیا ہو وہ مؤکل کے خیار رویت کو ساقط کرنے والا ہے

حضرت مولف رحمہ اللہ نے فرمایا: آپ سے ایک آدمی کے بارے میں سوال کیا گیا جس نے کسی دوسرے شخص سے معلوم بھیڑ بکریوں میں سے نصف کو خریدا اور انہیں نہ دیکھا اور اس نے زید کو ان پر قبضہ کرنے کا وکیل بنایا، زید نے ان کو دیکھ لیا۔ آدمی گمان کرتا ہے کہ اسے خیار رویت حاصل ہوگا جب انہیں دیکھے گا۔ اگر قبضہ کرنے والے وکیل نے ان کو دیکھ لیا تو کیا قبضہ کرنے والے وکیل کا ان کو دیکھ لینا یہ مؤکل کے خیار رویت کو ساقط کر دے گا؟ جواب ہوگا: ہاں۔ قبضہ کرنے والے وکیل اور خریداری کے وکیل کا دیکھ لینا کافی ہوگا مشتری کے قاصد کی رویت اسے کافی نہیں ہوگی۔ یہ ”تنویر الابصار“ کے باب خیار رویت میں ہے۔

مبیع پر قبضہ کرنے والے وکیل کا دیکھ لینا امام ”ابو حنیفہ“ رحمہ اللہ کے نزدیک مؤکل کی خیار رویت کو ساقط کر دیتا ہے جس طرح خریداری کے وکیل کا دیکھ لینا مؤکل کے خیار رویت کو باطل کر دے گا۔ یعنی جس طرح خریداری کے وکیل کا دیکھ لینا یہ مؤکل کے خیار کو ساقط کر دے گا۔ ”صاحبین“ رحمہم اللہ نے فرمایا: وکیل قاصد کی طرح ہے یعنی قبضہ کرنے والے وکیل کا دیکھ لینا یہ قاصد کے دیکھنے کی طرح ہے یعنی اس کا دیکھنا خیار کو ساقط نہیں کرے گا۔

قبضہ کرنے والے وکیل کی قید لگائی ہے۔ کیونکہ اگر اس نے کسی آدمی کو دیکھنے کا وکیل بنایا تو بالاتفاق اس کا دیکھنا مؤکل کے دیکھنے کی طرح نہیں ہوگا۔ ”الغانیہ“ میں اسی طرح ہے: شارح، ”ابن ملک“ نے اسے ذکر نہیں کیا۔ مسئلہ متون میں ہے۔

”البحر“ میں اس بارے میں طویل گفتگو کی ہے پس اس کی طرف رجوع کیجئے۔

قبضہ کرنے پر وکیل بنانے کی صورت یہ ہے: جسے میں نے خریدا ہے اس پر قبضہ کرنے کا میری جانب سے وکیل بن جا اور میں نے اسے نہیں دیکھا۔ ”الدرر“ میں اسی طرح ہے۔

وکیل اور قاصد میں فرق

میں کہتا ہوں: وکیل اور قاصد میں فرق نہیں کیا جب کہ یہ لازم ہے۔ ”البحر“ میں کہا: ”معراج“ میں ہے: ایک قول یہ کیا گیا ہے: قاصد اور وکیل میں فرق یہ ہے: وکیل عقد کو موکل کی طرف منسوب نہیں کرتا اور قاصد اسے موکل کی طرف منسوب کرنے سے مستغنی نہیں ہوتا۔

”الفوائد“ میں ہے: توکیل کی صورت یہ ہے: مشتری کسی اور کو کہتا ہے: بیع پر قبضہ کرنے کے لیے میرا وکیل بن جا یا میں نے تجھے اس پر قبضہ کرنے کا وکیل بنایا ہے۔

قاصد کی صورت یہ ہے: وہ کہے: اس پر قبضہ کرنے میں میرا قاصد بن جا یا میں نے تجھے اس پر قبضہ کرنے کا حکم دیا ہے یا میں نے تجھے بھیجا تا کہ تو اس پر قبضہ کر لے یا فلاں کو کہہ کہ وہ بیع تیرے حوالے کر دے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: امر کی صورت میں قاصد اور وکیل میں کوئی فرق نہیں۔ جیسے وہ کہے: بیع پر قبضہ کر تو اختیار ساقط نہیں ہوگا۔ کلام ”البحر“۔

قاصد پر یہ لازم ہے کہ وہ عقد کی نسبت بھیجنے والے کی طرف کرے وکیل کا معاملہ مختلف ہے میں نے ”البحر“ پر جو تعلیقات لکھی ہیں ان میں، میں نے لکھا ہے: ان کا قول وفی الفوائد ماقبل کے منافی نہیں کیونکہ اول قاصد اور وکیل میں فرق کرنے کے بارے میں ہے۔ قاصد کے لیے ضروری ہوتا ہے کہ وہ عقد کو بھیجنے والے کی طرف منسوب کرے۔ کیونکہ ”الدرر“ سے یہ قول (مقولہ 22860 میں) گزر چکا ہے: من انہ معبدو سفیدوہ معبر اور سفیر ہوتا ہے وکیل کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ وہ عقد کو موکل کی طرف منسوب نہیں کرتا مگر چند مواقع پر منسوب کرتا ہے جیسے نکاح، خلع، ہبہ، رہن وغیرہ۔ کیونکہ ان امور میں وکیل قاصد کی طرح ہوتا ہے یہاں تک کہ اگر وہ نکاح کو اپنی طرف منسوب کرے تو یہ نکاح اس کے لیے ہوگا۔ ”الفوائد“ میں جو کچھ ہے یہ اس امر کا بیان ہے جس کے ساتھ وکیل وکیل بن جاتا ہے اور قاصد قاصد بن جاتا ہے۔

امر و اذن توکیل ہے

اس کا حاصل یہ ہے: وہ وکالت کے الفاظ کے ساتھ وکیل بن جائے گا اور رسالت کے الفاظ اور امر کے ساتھ وہ قاصد ہو جائے گا۔ لیکن ”البدائع“ میں تصریح کی ہے: افعَل کذا (اس طرح کر) اذْنْتُ لک میں نے تجھے اجازت دی کہ تو یہ کرے یہ وکیل بنانا ہوگا۔ ”الولوالجیہ“ میں جو قول ہے وہ اس کی تائید کرتا ہے قول یہ ہے: ایک آدمی نے دوسرے کو ہزار دیا اور کہا: اس کے ساتھ مجھے خریدو یا کہا: بیچو، یا کہا: اس کے ساتھ خریدو یا بیچو اور میرے لیے کا قول نہ کیا تو یہ وکیل بنانا ہوگا۔ اسی طرح کہا:

وَوَكَّلَ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ حَكِيمَ بْنَ حِزَامٍ بِشَرَاءِ أَصْحِيَّةٍ، وَعَلَيْهِ الْإِجْمَاعُ، وَهُوَ خَاصٌّ وَعَامٌّ كَانَتْ وَكَيْلِي فِي كُلِّ شَيْءٍ عَمَّ الْكُلَّ حَتَّى الطَّلَاقِ قَالَ الشَّهِيدُ وَبِهِ يُفْتَى، وَخَصَّهُ أَبُو اللَّيْثِ بِغَيْرِ صَلاَحٍ وَعِشَاقٍ وَوَقْفٍ، وَاعْتَمَدَهُ فِي الْأَشْبَاهِ، وَخَصَّهُ قَاضِي خَانَ بِالْمَعَاوَضَاتِ، فَلَا يَلِي الْعِشَقَ وَالشَّبْرُعَاتِ وَهُوَ الْمَذْهَبُ كَمَا فِي تَنْوِيرِ الْبَصَائِرِ وَزَوَاهِرِ الْجَوَاهِرِ، وَسَيَجِيءُ أَنَّ بِهِ يُفْتَى، وَاعْتَمَدَهُ فِي الْمُلْتَقَطِ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ”حکیم بن حزام“ کو قربانی کا جانور خریدنے کے لیے وکیل بنایا اس کی صحت پر اجماع ہے۔ توکیل خاص بھی ہوتی ہے اور عام بھی۔ جیسے توہر شے میں میرا وکیل ہے یہ سب امور کو عام ہے یہاں تک کہ طلاق کو بھی شامل ہوگی۔ ”شہید“ نے کہا: اسی پر فتویٰ دیا جاتا ہے۔ ”ابوليث“ نے اسے طلاق، عتاق اور وقف کے علاوہ امور کے ساتھ خاص کیا ہے۔ ”الاشباہ“ میں اس پر اعتماد کیا ہے۔ ”قاضی خان“ نے اسے معاوضات کے ساتھ خاص کیا ہے پس وہ غلاموں کو آزاد کرنے اور احسانات کا والی نہ ہوگا۔ یہی مذہب ہے جس طرح ”تنویر البصائر“ اور ”زواہر الجواهر“ میں ہے۔ غنقریب یہ آئے گا کہ اسی پر فتویٰ دیا جاتا ہے۔ ”المملتقط“ میں اس پر اعتماد کیا ہے

اس ہزار کے بدلے میں لونڈی خریدو اور اپنے مال کی طرف اشارہ کیا۔ اگر کہا: اس لونڈی کو ہزار کے بدلے میں خرید لو تو یہ مشورہ ہوگا اور خریداری مامور کے لیے ہوگی مگر جب وہ یہ زائد کہے: تیری اس خریداری میں تجھے ایک درہم دوں گا کیونکہ اس کے لیے اجر کی شرط یہ نائب بنانے پر دلالت کرتی ہے۔

صیغہ امر توکیل بنانا نہیں ہوگا مگر جب وہ نائب بنانے پر دلالت کرے

اس قول نے یہ فائدہ دیا ہے کہ یہ امر توکیل نہیں بلکہ یہ ضروری ہے کہ ایسی چیز بھی ہو جو اس امر کا فائدہ دے کہ مامور کا فعل امر کی نیابت کے طریقہ پر ہو پس اسے یاد رکھا جانا چاہیے۔ یہ سب کچھ وہ ہے جسے حضرت مؤلف نے لکھا ہے، میں نے اسے نقل کیا ہے اللہ تعالیٰ کی ذات ہی توفیق دینے والی ہے۔

توکیل کا ثبوت

27254۔ (قوله: وَوَكَّلَ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ الْخ) ”ابوداؤد“ نے اسے اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔ میں نے اس میں ایک راوی مجہول ہے (1)۔ ”ترمذی“ نے اسے ”حبیب بن ابی ثابت“ سے انہوں نے ”حکیم“ سے روایت کیا ہے۔ کہا: ہم اس حدیث کو اسی سند سے پہچانتے ہیں۔ میرے نزدیک ”حبیب“ نے ”حکیم“ سے نہیں سنا۔ مگر ہمارے نزدیک یہ حدیث مرسل ہے۔ پس مصنف یعنی صاحب ”ہدایہ“ کا قول صحیح درست ہے جب ”حبیب“ ثقہ امام تھے۔ ”فتح“۔

عام اور خاص ہونے کے اعتبار سے وکیل کی اقسام

27255۔ (قوله: كَانَتْ وَكَيْلِي فِي كُلِّ شَيْءٍ) ”شرنبلالیہ“ وغیرہا میں ”قاضی خان“ سے منقول ہے: اس نے کسی اور

1۔ سنن ابی داؤد، کتاب البیوع، باب فی المضارب بخالف، جلد 2، صفحہ 562، حدیث نمبر 2938

شخص کو کہا: تو ہر معاملہ میں میرا وکیل ہے، یا اس نے کہا: تو ہر تھوڑے اور زیادہ میں وکیل ہے تو وہ صرف مال کی حفاظت میں وکیل ہوگا۔ یہی قول صحیح ہے۔ اگر اس نے کہا: تو ہر شے میں میرا وکیل ہے اور تیرا امر کرنا جائز ہوگا وہ تمام مالی تصرفات میں وکیل ہوگا جیسے بیع، شراء، ہبہ اور صدقہ۔ طلاق، عتاق اور وقف میں اختلاف کیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ اس کا مالک ہوگا۔ کیونکہ تعیم کا لفظ بولا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ اس کا مالک نہیں ہوگا مگر جب سابقہ کلام کی دلیل وغیرہ دلالت کرے۔ فقہ "ابولیت" نے اسے اپنایا ہے۔ شارح کی کلام میں جو پہلے اور بعد میں ہے وہ اس بحث سے معلوم ہو جاتا ہے۔ پس خوب تدبیر کیجئے۔

"ابن نجیم" کا ایک رسالہ ہے جس کا نام انہوں نے "المسالة الخاصة في الوكالة العامة" رکھا ہے اس میں انہوں نے وہ کچھ ذکر کیا ہے جو "الخانیہ" میں ہے اور جو کچھ "فتاویٰ ابی جعفر" میں ہے پھر کہا: "بزازیہ" میں ہے: تو ہر شے میں میرا وکیل ہے اور تیرا امر جائز ہے۔ وہ نگہبانی، بیع اور شراء کا مالک ہو جائے گا اور وہ ہبہ اور صدقہ کا مالک ہو جائے گا یہاں تک کہ اگر وہ اس مال میں سے اپنی ذات پر خرچ کرے تو یہ جائز ہوگا یہاں تک کہ وہ موکل کے ارادہ سے برعکس کی طرف جائے۔ امام "ابو حنیفہ" رحمۃ اللہ علیہ سے یہ مروی ہے: وہ معاوضات کے ساتھ خاص ہے وہ غلام آزاد کرنے اور احسان کرنے کا مالک نہیں ہوگا۔ اسی پر فتویٰ ہے۔ اسی طرح اگر وہ کہے: میں نے تیری بیوی کو طلاق دے دی ہے، میں نے ہبہ کر دیا ہے اور تیری زمین کو وقف کر دیا ہے اس قول کے مطابق یہ جائز نہیں۔

"الذخیرہ" میں ہے: یہ معاوضات کا وکیل بنانا ہے غلام آزاد کرنے اور مال ہبہ کرنے کا وکیل بنانا نہیں۔ اسی پر فتویٰ دیا جاتا ہے۔ "الخلاصہ" میں اسی طرح ہے جس طرح "بزازیہ" میں ہے۔

حاصل کلام یہ ہے: جس کو وکالت عامہ کے ساتھ وکیل بنایا گیا ہو وہ طلاق، عتاق، وقف، ہبہ اور صدقہ کے علاوہ ہر شے کا مالک ہوگا۔ یہ مفتی بہ قول ہے۔ چاہیے کہ وہ مدیون کو بری کرنے اور اس سے قرض میں کمی کرنے کا مالک نہ ہو۔ کیونکہ یہ دونوں امور احسانات کے زمرہ میں ہیں۔ پس یہ دونوں "بزازی" کے قول: انہ لا یسلک التبرع کے تحت داخل ہیں۔

اس کا ظاہر یہ ہے وہ یکے بعد دیگرے تصرف کا مالک ہوگا۔ کیونکہ اسے عوض کی شرط کے ساتھ قرض دینے اور ہبہ کرنے کا حق ہوگا۔ کیونکہ دونوں ابتدا کو دیکھتے ہوئے تبرع ہیں۔ کیونکہ قرض ابتداء عاریہ ہوتا ہے۔ اور انتہاء معاوضہ ہوتا ہے عوض کی شرط کے ساتھ ہبہ ابتداء ہبہ ہوتا ہے اور انتہاء معاوضہ ہوتا ہے۔ چاہیے کہ عمومی وکالت سے وکیل اس کا مالک نہ ہو۔ کیونکہ ان امور کا مالک وہی ہوتا ہے جو تبرع کرنے کا مالک ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے وصی یتیم کا مال قرض دینے کا مالک نہیں ہوتا اور نہ ہی عوض کے بدلے میں ہبہ کرنے کا مالک ہوتا ہے اگرچہ ایسا ہبہ انتہاء کے اعتبار سے معاوضہ ہوتا ہے۔ عموم کا ظاہر یہ ہے کہ وہ دین پر قبضہ کرنے اور اس کا تقاضا کرنے اور اس کو ادا کرنے، موکل کے حقوق کا دعویٰ کرنے، موکل پر جو حقوق لازم ہوتے ہیں ان کے دعویٰ کو سننے اور موکل پر جو دیون کا اقرار کرنے کا مالک ہوتا ہے یہ امور کی مجلس کے ساتھ خاص نہیں ہوتا۔ کیونکہ وہ تو صرف خصومت کے وکیل میں ہوتا ہے عام وکیل میں نہیں ہوتا۔

فَقَالَ وَأَمَّا الْهَبَاتُ وَالْعِتَاقُ فَلَا يَكُونُ وَكَيْلًا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ خِلَافًا لِلْمُحْتَدِ وَفِي الشَّرْئِ نُبْلَالِيَّةٌ وَلَوْ لَمْ يَكُنْ لِلْمُوَكَّلِ صِنَاعَةٌ مَعْرُوفَةٌ فَلَا وَكَالَةٌ بَاطِلَةٌ (وَهُوَ إِقَامَةُ الْغَيْرِ مَقَامَ نَفْسِهِ) تَرْفُهَا أَوْ عَجْزًا (فِي تَصَرُّفِ جَائِزٍ مَعْلُومٍ، فَلَوْ جُهِلَ ثَبَتَ الْأَدْنَى وَهُوَ الْحِفْظُ مِمَّنْ يَبْدِلُكَ) أَيْ التَّصَرُّفُ

فرمایا: جہاں تک ہبہ اور عتاق کا تعلق ہے تو وہ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک وکیل نہیں ہوگا امام محمدؒ نے اس سے اختلاف کیا ہے۔ ”شرنبلائیہ“ میں ہے: اگر موکل کا معروف پیشہ نہ ہو تو وکالت باطل ہوگی۔ وکیل بنانے سے مراد غیر کو اپنے قائم مقام کرنا ہے ایسا کرنا خوشحالی کی بنا پر ہو یا عجز کی بنا پر ہو جب کہ یہ ایسے تصرف میں ہو جو جائز ہو اور معلوم ہو۔ اگر وہ مجہول ہو تو ادنیٰ ثابت ہوگا۔ ادنیٰ سے مراد صرف حفاظت ہے۔ یہ وکیل بنانا اس آدمی کی جانب سے ہو جو تصرف کا مالک ہو

اگر تو کہے: اگر وہ اس صیغہ کے ساتھ وکیل بنائے میں نے تجھے وکالت مطلقہ عامہ کے ساتھ وکیل بنایا ہے یہ وہ طلاق، عتاق اور احسانات کو شامل ہوگی؟

میں کہتا ہوں: میں نے اسے صراحتہ نہیں دیکھا۔ ظاہر یہ ہے کہ مفتی بہ قول کے مطابق وہ ان امور کا مالک نہیں ہوگا۔ کیونکہ الفاظ میں سے کچھ ایسے الفاظ ہیں جس کے بارے میں ”قاضی خان“ وغیرہ نے تصریح کی ہے کہ یہ عام توکیل ہے ساتھ ہی ساتھ انہوں نے یہ کہا کہ وہ ان امور کا مالک نہیں ہوگا۔ ”ابن نجیم“ نے جسے ملخص ذکر کیا تھا ”فقال“ نے اسے اپنے حاشیہ میں مفصل بیان کیا ہے۔

27256۔ (قوله: وَفِي الشَّرْئِ نُبْلَالِيَّةٌ) ”شرنبلائیہ“ کی عبارت ہے جو ”الغانیہ“ سے منقول ہے: ”فتاویٰ فقیہ ابو جعفر“ میں ہے: ایک آدمی نے کسی دوسرے کو کہا: میں نے تجھے اپنے تمام معاملات میں وکیل بنایا اور میں نے تجھے اپنے قائم مقام میں تو وکالت عام نہ ہوگی۔ اگر اس نے کہا: میں نے تجھے اپنے ان تمام امور میں وکیل بنایا جن میں وکالت جائز ہے تو وکالت عام ہوگی جو تمام بیع و شرا اور نکاح کو شامل ہوگی۔

پہلی صورت میں جب وکالت عام نہیں تو دیکھا جائے گا اگر ایک آدمی مختلف کام کرتا ہے جس کا معروف پیشہ نہیں تو وکالت باطل ہوگی۔ اگر وہ آدمی معروف تجارت کرتا ہے تو وہ وکالت اس تجارت کی طرف پھر جائے گی۔

شرح کی کلام میں جو ضعف ہے اس سے وہ معلوم ہو جاتا ہے کیونکہ بطلان کی صورت ان کے اس قول ”تو بہ“ میں میرا وکیل ہے“ میں نہیں ہے۔ جس طرح شارح نے ان عبارات کی اس قول پر بنا کی ہے بلکہ اور ان کے علاوہ میں بھی ایسا یہ ہے۔ وہ ہے: میں نے تجھے اپنے تمام امور میں وکیل بنایا ہے۔ اگر یہ کہا جائے: دونوں عام نہ ہونے میں عام ہیں لیکن ان کی کلام کی بنیاد اس پر ہے کہ انہوں نے جو کچھ ذکر کیا ہے وہ عام ہے لیکن اس میں جو کچھ سقم ہے وہ تو جان چکا ہے جسے ہم نے پہلے نقل کر دیا ہے کہ انہوں نے جو کچھ ذکر کیا ہے وہ ان میں سے نہیں ہے جس میں اعتراض کیا جاسکے۔

27257۔ (قوله: فَلَوْ جُهِلَ) جس طرح وہ کہے: جو کچھ ہوا ہے اس کا میں نے تجھے وکیل بنایا۔ ”منح“۔

نَظَرًا إِلَى أَصْلِ التَّصَرُّفِ، وَإِنْ اِمْتَنَعَ فِي بَعْضِ الْأَشْيَاءِ بِعَارِضِ النَّهْيِ ابْنُ كَمَالٍ (فَلَا يَصِحُّ تَوَكُّيلُ مَجْنُونٍ وَصَبِيٍّ لَا يَعْقِلُ مُطْلَقًا وَصَبِيٍّ يَعْقِلُ بِتَصَرُّفٍ) ضَارٌّ (نَحْوُ طَلَاقٍ وَعِتَاقٍ وَهَبَةٍ وَصَدَقَةٍ، وَصَحٍّ بِمَا يَنْفَعُهُ) بِإِذْنٍ وَلِيِّهِ (كَقَبُولِ هَبَةٍ، وَ) صَحٍّ (بِمَا تَرَدَّدَ بَيْنَ ضَرَرٍ وَنَفْعٍ كَبَيْعٍ وَإِجَارَةٍ إِنْ مَا ذُونَا وَإِلَّا تَوَقَّفَ عَلَى إِجَازَةِ وَلِيِّهِ) كَمَا لَوْ بَاشَرَهُ بِنَفْسِهِ (وَلَا يَصِحُّ تَوَكُّيلُ عَبْدٍ مَحْجُورٍ وَصَحٍّ لَوْ مَا ذُونَا أَوْ مُكَاتَّبًا، وَتَوَقَّفَ تَوَكُّيلُ مُرْتَدٍّ، فَإِنْ أَسْلَمَ نَفَذَ، وَإِنْ مَاتَ أَوْ لَحِقَ أَوْ قُتِلَ لَا خِلَافَ لِهَهُمَا) (وَصَحٍّ) (تَوَكُّيلُ مُسْلِمٍ ذِمِّيًّا بِبَيْعٍ خَيْرٍ أَوْ خِزْيِرٍ وَشَرٍّ اِثْمَهُمَا كَمَا مَرَّ فِي الْبَيْعِ الْفَاسِدِ

یہ اصل تصرف کو پیش نظر رکھنے کی بنا پر ہے اگرچہ نہی کے عارض آنے کی بنا پر وہ بعض اشیاء سے رک جائے۔ ”ابن کمال“۔ مجنون اور ایسے بچے کی جانب سے وکیل بنانا صحیح نہیں جو مطلقاً عقل نہیں رکھتا اور ایسے بچے کی جانب سے وکیل بنانا صحیح نہ ہوگا جو عقل تو رکھتا ہو مگر نقصان دہ تصرف کا وکیل بنائے جیسے طلاق، عتاق، ہبہ اور صدقہ۔ اور ایسے تصرف کا وکیل بنانا جو نفع دے اس کا وکیل بنانا صحیح ہوگا اگرچہ ولی کی اجازت کے بغیر ہو جیسے ہبہ کو قبول کرنا۔ اور وہ تصرف جو ضرر اور نفع میں متردد ہو اس میں بچے کی جانب سے وکیل بنانا صحیح ہوگا جیسے بیع، اجارہ اگر اسے اجازت دی گئی ہو ورنہ اس کے ولی کی اجازت پر موقوف ہوگی۔ جس طرح وہ بچہ خود ہی ایسا عقد کرے۔ ایسے غلام، جو مجبور ہو، کی جانب سے وکیل بنانا صحیح نہیں اگر وہ غلام ماذون یا مکاتب ہو تو اس کی جانب سے وکیل بنانا جائز ہے۔ اور مرتد کی جانب سے وکیل بنانا موقوف ہوگا اگر وہ مسلمان ہو جائے تو اس کا وکیل بنانا نافذ ہو جائے گا اگر وہ مرجائے، دار الحرب چلا جائے یا اسے قتل کر دیا جائے تو اس کا وکیل بنانا نافذ نہیں ہوگا۔ ”صاحبین“ رحمہ اللہ نے اس سے اختلاف کیا ہے۔ مسلمان کسی ذمی کو خمر یا خنزیر بیچنے اور ان کو خریدنے کے لیے وکیل بنائے تو یہ صحیح ہے جس طرح بیع فاسد کے باب میں گزر چکا ہے۔

27258۔ (قوله: نَظَرًا إِلَى أَصْلِ التَّصَرُّفِ الخ) اس شرط پر جو اعتراض وارد ہوتا ہے یہ اس کا جواب ہے: وہ یہ ہے مسلمان کسی ذمی کو خمر یا خنزیر کی بیع کرنے کا وکیل بنائے اور محرم کسی غیر محرم کو شکار کی بیع کے لیے وکیل بنائے۔ کیونکہ ”امام صاحب“ رحمہ اللہ کے نزدیک یہ صحیح ہے اور موکل اس کا مالک نہیں بنے گا۔ ”س“۔

27259۔ (قوله: فَلَا يَصِحُّ تَوَكُّيلُ مَجْنُونٍ) توکیل مصدر ہے جو اپنے فاعل کی طرف مضاف ہے۔

27260۔ (قوله: بِتَصَرُّفٍ) یہ توکیل کے متعلق ہے۔

27261۔ (قوله: إِنْ مَا ذُونَا) اگر وکیل بنانے والا بچہ ماذون ہو۔

27262۔ (قوله: تَوَكُّيلُ عَبْدٍ) مصدر اپنے فاعل کی طرف مضاف ہے۔

27263۔ (قوله: تَوَكُّيلُ مُرْتَدٍّ) مرتد کسی اور کی جانب سے وکیل بنے تو معاملہ مختلف ہوگا جس کا ہم عنقریب (مقولہ

27267 میں) ذکر کریں گے۔

(وَمُحَرَّمٌ حَلَالًا بِبَيْعٍ صَيِّدٍ وَإِنْ اُمْتَنَعَ عَنْهُ الْمُوَكَّلُ لِعَارِضٍ) النَّهْيُ كَمَا قَدْ مُنَا فَتَنَبَّهُ ثُمَّ ذَكَرَ شَرْطَ التَّوَكُّلِ فَقَالَ (إِذَا كَانَ التَّوَكُّلُ يَعْقِلُ الْعَقْدَ وَلَوْ صَبِيًّا

محرم کسی غیر محرم کو شکار کی بیع کے لیے وکیل بنائے تو یہ صحیح ہے اگرچہ نبی کے عارضہ کی وجہ سے موکل کے لیے یہ فعل کرنا ممتنع ہے جس طرح ہم پہلے بیان کر آئے ہیں۔ پس آپ آگاہ رہیے۔ پھر وکیل بنانے کی شرط ذکر کی اور کہا: جب وکیل عقد کرنے کی سمجھ بوجھ رکھتا ہو اگرچہ وہ بچہ

27264۔ (قوله: وَإِنْ اُمْتَنَعَ عَنْهُ الْمُوَكَّلُ) اس کی مثل ہے: اگر وہ فاسد خریداری کے ساتھ کوئی نام خریدے اور قبضہ کرنے سے پہلے اس کو آزاد کر دے تو یہ صحیح نہیں ہوگا۔ اگر اس نے بائع کو اس کے آزاد کرنے کا حکم دیا تو یہ صحیح ہوگا۔ کیونکہ وہ بطور اقتضاء النفس قابض ہو جائے گا جس طرح بیع فاسد میں اسے پہلے بیان کیا ہے۔

27265۔ (قوله: فَتَنَبَّهُ) اس قول میں اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ ان کی دونوں کلاموں میں کوئی منافات نہیں جس طرح پہلے اسے بیان کیا ہے۔

توکیل کی شرط

27266۔ (قوله: ثُمَّ ذَكَرَ) اس کلام کا عطف محذوف کلام پر ہے پھر موکل بہ اور موکل کی شرط ذکر کی پھر آخر تک قول

ذکر کیا۔ تاہل

27267۔ (قوله: يَعْقِلُ الْعَقْدَ) یعنی وہ یہ سمجھ رکھتا ہو کہ بیع بیع کو سلب کرنے والی اور ثمن کو کھینچنے والی ہے اور خریدنے اس کے برعکس ہوتا ہے، ”ح“۔ ہامش میں اسی طرح ہے۔ ”البحر“ میں ہے: وکیل کی طرف جو امر رائج ہوتا ہے وہ عقل ہے۔ پس مجنون اور ایسے بچے کو وکیل بنانا صحیح نہیں جو سمجھ بوجھ نہ رکھتا ہو نہ کہ بلوغ، آزادی اور ردت کا نہ ہونا شرط ہے۔ پس مرتد وکیل بنانا صحیح ہوگا۔ اور یہ امر موقوف نہیں ہوگا۔ کیونکہ موقوف وہ امر ہوگا جو اس کی ملک ہو اور وکیل کو وکیل بنائے جانے کا حکم ہونا شرط ہے اگر موکل اسے وکیل بنائے اور وکیل اس کا علم نہ رکھتا ہو اور وہ تصرف کرے تو یہ تصرف موکل کی اجازت یا وکیل بنائے جانے کے علم کے بعد وکیل کی اجازت پر موقوف ہوگا۔

28268۔ (قوله: وَلَوْ صَبِيًّا) ”جامع احکام الصغار“ میں فرمایا: اگر بچے کو تجارت کا اذن ہو تو وہ بیع کا عقد یا اس ثمن کے بدلے میں بیع کا وکیل ہو جائے وہ بیع کرے تو اس کی بیع جائز ہو جائے گی۔ اس پر ذمہ داری لازم ہو جائے گی اگر وہ خریداری کا وکیل ہو۔ اگر خریداری ادھار ثمن کے ساتھ ہو تو قیاس واستحسان کی بنا پر ذمہ داری اسے لازم نہ ہوگی اور ذمہ داری آمر (موکل) پر ہوگی۔ یہاں تک کہ بائع آمر سے ثمن کا مطالبہ کرے گا بچے سے مطالبہ نہیں کرے گا۔ اگر نقد ثمن سے خریداری کا اسے وکیل بنائے تو قیاس یہ ہے کہ ذمہ داری اسے لازم نہ ہوگی۔ اور استحسان یہ ہے کہ ذمہ داری اسے لازم ہوگی۔ ”فتاویٰ“۔ اس کی مکمل بحث ”البحر“ میں ان کے قول: والحقوق فيما يضيفه الوكيل الى نفسه الخ کی شرح میں ہے۔

أَوْ عَبْدًا مَحْجُورًا لَا يَخْفَى أَنَّ الْكَلَامَ الْآنَ فِي صِحَّةِ الْوَكَالَةِ لَا فِي صِحَّةِ بَيْعِ الْوَكِيلِ فَلِذَا لَمْ يَقُلْ وَيَقْصِدُهُ تَبَعًا لِلْكَنْزِ ثُمَّ ذَكَرَ ضَابِطَ الْمُوَكَّلِ فِيهِ فَقَالَ (بِكُلِّ مَا يُبَاشِرُهُ) الْمُوَكَّلُ (بِنَفْسِهِ) لِنَفْسِهِ فَشَبِلَ الْخُصُومَةَ

یا غلام مجبور ہو اس میں کوئی خفا نہیں کہ اس وقت کلام وکالت کے صحیح ہونے میں ہے وکیل کی بیع کے صحیح ہونے کے بارے میں نہیں ہے۔ اسی وجہ سے یہ نہیں کہا: ویقصدہ۔ یہ ”کنز“ کی پیروی میں کہا ہے۔ پھر اس کا ضابطہ ذکر کیا جس میں وکیل بنایا جا رہا ہے تو کہا: ہر ایسے امر میں وکیل بنا سکتا ہے جس کو موکل خود اپنے لیے کرتا ہے۔ پس یہ امر خصومت کو شامل ہوگا۔

پس اس کی طرف رجوع کیجئے۔

27269۔ (قوله: مَحْجُورًا) یہ بچے اور غلام کی صفت ہے۔ حاشیہ میں اسی طرح ہے۔

27270۔ (قوله: فَلِذَا لَمْ يَقُلْ وَيَقْصِدُهُ) ہضمیر سے مراد بیع ہے یہ ہنسی مذاق اور جسے مجبور کیا جائے اس کی بیع سے احتراز کیا گیا ہے جس طرح صاحب ”ہدایہ“ نے ذکر کیا ہے۔ حاشیہ میں اسی طرح ہے۔

27271۔ (قوله: تَبَعًا لِلْكَنْزِ) یعنی یہ قول نہ کرنے میں ”کنز“ کی پیروی کرنے والے ہیں۔ صاحب ”ہدایہ“ نے اس کا ذکر کیا ہے جب کہ وہ ہازل (ہنسی مذاق) کے طور پر بیع کرنے والا اور مکرمہ (جسے مجبور کیا جائے) کی بیع سے احتراز (بچاؤ) کرنے والے ہیں۔ ”ح“۔

نوٹ: صاحب ”ہدایہ“ کی عبارت ہے: ويشترط ان يكون الوكيل من يعقل العقد ويقصده۔ مترجم۔
موکل فیہ کا ضابطہ

27272۔ (قوله: ثُمَّ ذَكَرَ ضَابِطَ الْمُوَكَّلِ فِيهِ) مصنف نے جو ذکر کیا ہے یہ ضابطہ ہے حد نہیں۔ پس اس پر یہ اعتراض وارد نہیں ہوتا کہ مسلمان شراب کی بیع کا مالک نہیں ہوتا اور ذمی کو اس کے متعلق وکیل بنانے کا اختیار رکھتا ہے۔ کیونکہ قواعد کا ابطال طرد کو باطل کرنے کے ساتھ ہوتا ہے عکس کو باطل کرنے کے ساتھ نہیں ہوتا۔ ذمی کا مسلمان کو خمر کی بیع کا وکیل نہ بنا سکتا یہ اس کے طرد کو باطل نہیں کرتا جب کہ ذمی اس خمر کا مالک ہوتا ہے۔ کیونکہ وہ ذمی کو اس امر کا وکیل بنا کر اس تک رسائی حاصل کرنے کا مالک ہوتا ہے۔ پس ضابطہ سچا ہوا۔ کیونکہ انہوں نے یہ نہیں کہا: ہر ایسا عقد جس کا وہ مالک ہوتا ہے وہ یہ کہ کسی کو اس بارے میں وکیل بنانے کا مالک ہوتا ہے بلکہ ہر اعتبار سے اس تک رسائی حاصل کرنے کا مالک ہوتا ہے۔ اس کی مکمل بحث ”البحر“ میں ہے۔

27273۔ (قوله: بِكُلِّ) باب کے شروع میں جو ماتن کا قول ہے التوکیل صحیح یہ اس کے متعلق ہے۔

27273۔ (ب) (قوله: لِنَفْسِهِ) وکیل کو خارج کر دیا۔ کیونکہ جب وہ خود ایسا عمل کر رہا ہو تو اس کے ساتھ وہ کسی کو وکیل نہیں بناتا۔

27274۔ (قوله: فَشَبِلَ الْخُصُومَةَ) یہ ان کے قول بطل ما یبشرہ پر تفریع ہے۔ یہ ”الکنز“ کے قول: بطل ما

فَإِذَا قَالَ (فَصَحَّ بِخُصُومَةٍ فِي حُقُوقِ الْعِبَادِ بِرِضَا الْخَصْمِ) وَجَوَّزًا بِلَا رِضَا، وَبِهِ قَالَتِ الثَّلَاثَةُ، وَعَلَيْهِ
فَتْوَى أَبِي اللَّيْثِ وَغَيْرِهِ، وَاخْتَارَهُ الْعَتَابِيُّ وَصَحَّحَهُ فِي النَّهَائِيَّةِ، وَالْمُخْتَارُ لِلْفَتْوَى تَفْوِيضُهُ لِلْحَاكِمِ
دُرَرٌ (إِلَّا أَنْ يَكُونَ) الْمُوَكَّلُ (مَرِيضًا)

اسی وجہ سے کہا: حقوق العباد میں خصم کی رضا مندی کے ساتھ خصومت کو شامل ہوگا۔ اسی وجہ سے کہا: حقوق العباد میں خصم کی رضا مندی کے ساتھ خصومت میں وکیل بنانا صحیح ہے۔ اور ”صاحبین“ رحمہ اللہ نے خصم کی رضا مندی کے بغیر اسے جائز قرار دیا ہے۔ تینوں ائمہ نے یہی فرمایا ہے۔ ”ابولیث“ وغیرہ کا فتویٰ اسی پر ہے۔ ”عتابی“ نے اسے پسند کیا ہے اور ”النهائية“ میں اس کی تصحیح کی ہے۔ فتویٰ کے لیے مختار قول یہ ہے کہ اسے حاکم کے سپرد کر دے، ”درر“۔ مگر جب موکل بیمار ہو

یعتقدہ سے اولیٰ ہے۔ کیونکہ یہ عقد اور اس کے غیر کو جامع ہے جس طرح ”البحر“ میں ہے جیسے خصومت اور قبض۔

27275۔ (قوله: فَصَحَّ بِخُصُومَةٍ) یہ قول بعض معین اور خصومت کی تمام صورتوں کو جامع ہے جس طرح ”البحر“ میں ہے۔ اس میں ”منیۃ المفتی“ سے مروی ہے: اگر موکل اسے اپنے حق میں خصومت کرنے نہ کہ اس کے خلاف خصومت کرنے کے لیے وکیل بنائے تو اسے یہ حق حاصل ہوگا کہ وہ اسے ثابت کرے جو موکل کے لیے ہو۔ اگر مدعی علیہ نے اس کے رد کا ارادہ کیا تو اسے نہیں سنا جائے گا۔ کہا: حاصل کلام یہ ہے: یہ خصومت موکل کے خاص کر دینے سے خاص ہو جائے گی اور اس کے عام کر دینے سے عام ہو جائے گی۔ ”بزازیہ“ میں ہے: اگر اس نے اسے اپنے ہر حق کے لیے وکیل بنایا اور اپنے ہر حق کے لیے خصومت کا وکیل بنایا اور مخاصم بہ اور مخاصم فیہ کی تعیین نہ کی تو بھی یہ جائز ہوگا۔ اس کی مکمل بحث اس ”البحر“ میں ہے۔

27276۔ (قوله: بِرِضَا الْخَصْمِ) خصم کا لفظ طالب اور مطلوب دونوں کو شامل ہے۔ ”بحر“۔

وکالت کے لزوم اور عدم لزوم میں امام اعظم ”ابو حنیفہ“ اور ”صاحبین“ رحمہ اللہ کا اختلاف

27277۔ (قوله: وَجَوَّزًا إِذَا لَمْ يَخ) ”ہدایہ“ میں کہا: جواز میں کوئی اختلاف نہیں۔ اختلاف لزوم میں ہے یعنی کیا خصم کے رد کرنے سے وکالت رد ہو جائے گی؟ امام ”ابو حنیفہ“ رحمہ اللہ کے نزدیک: ہاں یہ ایسا ہی ہے۔ اور ”صاحبین“ رحمہ اللہ کے نزدیک رد نہیں ہوگی اور اسے (خصم کو) مجبور کیا جائے گا۔ ”جوہرہ“۔

27278۔ (قوله: وَعَلَيْهِ فَتَوَى أَبِي اللَّيْثِ) ”رملی“ نے ”امام صاحب“ رحمہ اللہ کے اس قول پر فتویٰ دیا ہے جس پر متون ہیں۔ اسے کئی علماء نے اختیار کیا ہے۔

27279۔ (قوله: تَفْوِيضُهُ لِلْحَاكِمِ) ”بزازیہ“ میں اس بارے میں بحث کی ہے۔ ”البحر“ اور ”زیلعی“ میں جو کچھ ہے اس میں غور کرو۔ یعنی جب قاضی کو خصم کی جانب سے یہ معلوم ہو کہ وہ توکیل کو قبول کرنے سے انکار میں سرکشی کر رہا ہے تو اسے اس امر کا موقع نہ دے گا اور اگر موکل کی جانب سے یہ علم ہو کہ وہ اپنے خصم کو نقصان پہنچانے کا قصد کر رہا ہے تو رضا مندی کے بغیر وکیل بنانا قبول نہ کرے۔

لَا يُبَكِّنُهُ حُضُورُ مَجْلِسِ الْحُكْمِ بِقَدَمَيْهِ ابْنُ كَمَالٍ (أَوْ غَائِبًا مُدَّةَ سَفَرٍ أَوْ مُرِيدًا لَهُ) وَيَكْفِي قَوْلُهُ أَنَا أُرِيدُ السَّفَرَ ابْنُ كَمَالٍ (أَوْ مُخَدَّرَةً) لَمْ تُخَالِطِ الرِّجَالَ كَمَا مَرَّ (أَوْ حَائِضًا) أَوْ نَفْسَاءَ (وَالْحَاكِمُ بِالنَّسَبِ) إِذَا لَمْ يَرْضَ الطَّالِبُ بِالتَّأْخِيرِ بَحْرًا (أَوْ مَحْبُوسًا مِنْ غَيْرِ حَاكِمٍ) هَذِهِ (الْخُصُومَةُ) فَلَوْ مِنْهُ فَلَيْسَ بِعُذْرٍ بَزَازِيَّةٍ بَحْثًا (أَوْ لَا يُحْسِنُ الدَّعْوَى) خَائِيَّةٌ (لَا يَكُونُ مِنَ الْأَعْذَارِ (إِنْ كَانَ) الْمُوَكَّلُ شَرِيفًا خَاصَمَ مَنْ دُونَهُ) بَلْ الشَّرِيفُ وَغَيْرُهُ سَوَاءٌ بَحْرًا

اس کے لیے اپنے قدموں پر چل کر حکم کی مجلس میں حاضر ہونا ممکن نہ ہو۔ ”ابن کمال“۔ یا وہ مدت سفر پر غائب ہو یا مدت سفر کا ارادہ رکھتا ہو۔ اس کا قول انا ارید السفر اسے کافی ہوتا ہے، ”ابن کمال“۔ یا وہ پردہ دار عورت ہو جو مردوں سے میل جول نہیں رکھتی جس طرح گزر چکا ہے یا وہ حیض یا نفاس والی ہو جب کہ حاکم مسجد میں بیٹھتا ہو اور طالب (مدعی) تاخیر پر راضی نہ ہو۔ ”بحر“۔ یا اس خصومت کے حاکم کے علاوہ کی جانب سے وہ مجبوس ہو۔ اگر اسی حاکم کی جانب سے مجبوس ہو تو یہ عذر نہیں ہو گا۔ ”بزازیہ“ میں بحث کے انداز میں موجود ہے: یا وہ دعویٰ اچھی طرح نہ کر سکتا ہو۔ ”خانیہ“۔ موکل کا شریک ہونا یہ کوئی عذر نہیں جب وہ اپنے سے کم مرتبہ لوگوں سے مخاصمت کرے بلکہ شریف اور اس کے علاوہ برابر ہیں، ”بحر“۔

27280۔ (قوله: لَا يُبَكِّنُهُ حُضُورُ مَجْلِسِ الْحُكْمِ) اگرچہ وہ سواری کی پشت پر سوار ہو کر یا انسان کے کندھے پر بیٹھ کر حاضر ہونے پر قادر ہو اگر اس طریقہ سے اس کا مرض بڑھ جائے تو وکیل بنانا لازم ہوگا۔ اگر اس طرح مرض نہ بڑھے ایک قول یہ کیا گیا ہے۔ مسئلہ مختلف فیہ رہے گا۔ صحیح قول یہ ہے کہ وکیل بنانا لازم ہوگا۔ ”بزازیہ“ میں اسی طرح ہے۔

27281۔ (قوله: وَيَكْفِي قَوْلُهُ أَنَا أُرِيدُ السَّفَرَ) ”البحر“ میں کہا: ”المحيط“ میں ہے: سفر کا ارادہ باطنی امر ہے اس کی دلیل کا ہونا ضروری ہے۔ اس کی دلیل یا تو یہ ہے کہ خصم اس ارادہ کی تصدیق کرے یا کوئی ظاہر قرینہ ہو۔ اس کا قول ”میں سفر کا ارادہ رکھتا ہوں“ مقبول نہیں ہوگا۔ لیکن قاضی اس کا حال اور سامان دیکھے گا۔ کیونکہ جو آدمی سفر کرتا ہے اس کی حالت مخفی نہیں ہوتی شارح نے اسی طرح ذکر کیا ہے۔ ”بزازیہ“ میں ہے: اگر اس نے کہا: میں فلاں قافلہ کے ساتھ نکلوں گا تو قاضی ان لوگوں سے اس کے متعلق پوچھے گا۔ جس طرح فسخ الاجارہ میں ہے۔ ”خزانة المفتیین“ میں ہے: اگر سفر کے ارادہ میں خصم اس کو جھٹلا دے تو قاضی اس سے قسم لے گا اللہ کے نام کی قسم اٹھاؤ کہ تو سفر کا ارادہ رکھتا ہے۔

27282۔ (قوله: إِذَا لَمْ يَرْضَ الطَّالِبُ) ”الجوہرہ“ میں کہا: اگر ایسی عورت مدعی ہو تو خصم کی رضا مندی کے بغیر اس سے وکیل بنانا قبول کیا جائے گا۔ اگر وہ عورت مدعی علیہ ہو اگر مدعی اسے مہلت دے یہاں تک کہ قاضی مسجد سے نکل آئے تو خصم (مدعی) کی رضا مندی کے بغیر وکیل بنانا قبول نہ ہوگا۔ کیونکہ وکیل بنانے کا کوئی عذر نہیں۔

27283۔ (قوله: بَزَازِيَّةٌ بَحْثًا) اس کی عبارت یہ ہے: اس کا مجبوس ہونا عذر ہے اسے وکیل بنانا لازم ہوگا اس تعبیر کی بنا پر اگر گواہ مجبوس ہو تو اسے حق حاصل ہے کہ اپنی گواہی پر کسی کو گواہ بنالے۔ ”قاضی“ نے کہا: قاضی کی قید میں ہونا عذر نہیں۔

(وَلَهُ الرُّجُوعُ عَنِ الرِّضَا قَبْلَ سَمَاعِ الْحَاكِمِ الدَّعْوَى) لَا بَعْدَهُ قُنْيَةٌ (وَلَوْ اِخْتَلَفَا فِي كَوْنِهَا مُخَدَّرَةً اِنْ مِنْ بَنَاتِ الْاَشْرَافِ فَالْقَوْلُ لَهَا مُطْلَقًا) وَلَوْ ثِيْبًا فَيُرْسَلُ اَمِيْنُهُ لِيُحْلِفَهَا مَعَ شَاهِدَيْنِ بَحْرًا وَاَقْرَبَ الْمُصْنِفُ (وَ اِنْ مِنْ الْاَوْسَاطِ فَالْقَوْلُ لَهَا لَوْ بَكْرًا، وَ اِنْ) هِيَ (مِنْ الْاَسَافِلِ فَلَا فِي الْوُجْهَيْنِ) عَمَلًا بِالظَّاهِرِ بِزَايَةٍ (وَصَحَّ بِبَيِّنَاتِهَا) كَذَابٍ (اِسْتِيْفَائِهَا)

حاکم نے ابھی دعویٰ نہ سنا ہو تو اسے رضا مندی سے رجوع کرنے کا حق حاصل ہوگا۔ اس کے بعد رضا مندی سے رجوع کرنے کا حق حاصل نہ ہوگا، ”قنیہ“۔ اگر مدعی اور مدعی علیہ میں اس عورت کے پردہ دار ہونے میں اختلاف ہو جائے اگر وہ عورت اشراف کی بیٹیوں میں سے ہو تو مطلقاً قول اس عورت کا معتبر ہوگا اگرچہ وہ ثیبہ ہو۔ قاضی اس عورت کی طرف اپنا سیکرٹری بھیجے تاکہ اس عورت سے قسم لے ساتھ دو گواہ ہوں۔ ”بحر“۔ مصنف نے اس قول کو ثابت رکھا ہے۔ اگر وہ عورت درمیانی درجہ کے لوگوں سے ہو اگر وہ باکرہ ہو تو قول عورت کا معتبر ہوگا۔ اگر وہ نچلے درجہ کے لوگوں سے ہو تو دونوں صورتوں میں اس کی بات تسلیم نہ کی جائے گی۔ یہ ظاہر پر عمل کرنے کے وجہ سے ہے۔ ”بزازیہ“۔ حقوق ادا کرنے، اسی طرح حقوق وصول کرنے میں وکیل بنانا صحیح ہے

کیونکہ وہ اسے قید سے باہر نکالے گا یہاں تک کہ وہ گواہی دے پھر قید کرے۔ اس تعبیر کی بنا پر یہ ممکن ہے کہ دعویٰ میں بھی اسی طرح کہا جائے کہ وہ دعویٰ کا جواب دے پھر اس کو محبوس کر دیا جائے۔

لوگوں کی کلام میں مفاہیم حجت ہوتے ہیں

میں کہتا ہوں: یہ امر مخفی نہیں کہ یہ مصنف کی عبارت ان کی جانب سے نہیں بلکہ کسی اور کی کلام میں واقع ہے اور مفاہیم حجت ہیں بلکہ ”الفتح“ میں اس کی تصریح کی ہے۔ کیونکہ کہا: اگر موکل محبوس ہو تو اس کی دو صورتیں ہیں۔ اگر وہ اس قاضی کی قید میں ہو تو اس قاضی کی رضا مندی کے بغیر خصم وکیل بنانے کو قبول نہیں کرے گا۔ کیونکہ قاضی قید سے اسے نکالے گا تاکہ وہ اس کے ساتھ خصومت کرے پھر اسے واپس جیل میں بند کر دے۔ اگر وہ والی کی قید میں ہے اور والی اسے خصومات کے لیے باہر نکالتا تو اس سے وکیل بنانے کے عمل کو قبول نہیں کرتا۔

27284۔ (قوله: وَلَهُ) ضمیر سے مراد مدعی علیہ ہے۔

27285۔ (قوله: فَيُرْسَلُ اَمِيْنُهُ) یعنی قاضی اپنا سیکرٹری بھیجے گا۔

27286۔ (قوله: فَالْقَوْلُ لَهَا) یعنی جب اس پر قسم واجب ہوتی ہو۔

27287۔ (قوله: فِي الْوُجْهَيْنِ) یعنی وہ عورت باکرہ ہو یا ثیبہ ہو۔

27288۔ (قوله: وَ صَحَّ بِبَيِّنَاتِهَا) یعنی حقوق العباد بجالانے کے لیے وکیل بنانا صحیح نہیں۔ ”حاشیہ“ میں اسی طرح

ہے۔ یعنی تمام تر حقوق ادا کرنے اور تمام تر حقوق لینے میں وکیل بنانا صحیح ہے مگر حدود و قصاس میں صحیح نہیں۔ کیونکہ ان دونوں

إِلَّا فِي حَدِّ وَقَوْدٍ بِغَيْبَةِ مُوَكَّلِهِ عَنِ الْمَجْلِسِ مُلْتَقًى (وَحُقُوقُ عَقْدٍ لَا بُدَّ مِنْ إِضَافَتِهِ) أَمَّا ذَلِكَ الْعَقْدُ إِلَى الْوَكِيلِ كَبَيْعٍ وَإِجَارَةٍ وَصَلَحٍ، عَنْ إِقْرَارٍ يَتَعَلَّقُ بِهِ، مَا دَامَ حَيًّا وَلَوْ غَائِبًا ابْنُ مَالِكٍ (إِنْ لَمْ يَكُنْ

مگر حدود و قصاص میں ایسا جائز نہیں جب موکل مجلس سے غائب ہو، ”ملتقی“۔ ایسا عقد جس کو وکیل کی طرف منسوب کرنا ضروری ہے جیسے بیع، اجارہ اور اقرار کے بعد صلح، اس کے حقوق وکیل کے متعلق ہوں گے جب تک وہ زندہ ہے اگرچہ غائب ہو، ”ابن مالک“۔ اگر وکیل

(ادا کرنا، لینا) میں سے ہر ایک موکل براہ راست بجالاتا ہے۔ پس وہ وکیل بنانے کا بھی اختیار رکھتا ہے۔ حدود و قصاص کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ حدود و شبہات سے ساقط ہو جاتی ہیں یہاں ایفا سے مراد وہ چیز ادا کرنا ہے جو اس کے ذمہ ہے اور استیفا سے مراد ان حقوق کو لینا ہے۔ ”منح“۔

27289۔ (قوله: إِلَّا فِي حَدِّ وَقَوْدٍ) یہ ان کے قول و بائیغائھا و استیغائھا سے مستثنیٰ ہے اور ان کا قول بغیبة موکلہ صرف دوسرے یعنی قود کے لیے قید ہے جس طرح ”البحر“ میں اس پر متنبہ کیا ہے۔
اس سے پہلے ان کا قول باستیغائھا یعنی اسی طرح گواہوں کے ساتھ انہیں ثابت کرنا یہ امام ”ابو حنیفہ“ رحمہ اللہ کے نزدیک ہے۔ امام ”ابو یوسف“ رحمہ اللہ نے اس سے اختلاف کیا ہے۔ یہاں اس کی تصریح نہیں کی کیونکہ یہ ان کے قول فصیح بخصومة میں داخل ہے جس طرح ”البحر“ میں ہے۔

بیع وغیرہ میں حقوق وکیل کی طرف لوٹیں گے

27290۔ (قوله: يَتَعَلَّقُ بِهِ) بہ کی ضمیر سے مراد وکیل ہے۔ ”منح“۔

27291۔ (قوله: مَا دَامَ حَيًّا وَلَوْ غَائِبًا) جب وکیل کوئی چیز بیچے اور غائب ہو جائے تو موکل کو ثمن پر قبضہ کا حق حاصل نہیں ہوگا جس طرح ”البحر“ میں ”الحيط“ سے مروی ہے۔ اور ان کا قول: مَا دَامَ حَيًّا سے ”البحر“ میں ”الصغریٰ“ کی طرف منسوب کیا ہے۔ لیکن اس کے بعد کہا: یہ قول اسے بھی شامل ہے جب وہ مرجائے۔ کیونکہ ”بزازیہ“ میں ہے: اگر وکیل وصی چھوڑ کر مر گیا۔ ”فضلی“ نے کہا: حقوق وصی کی طرف منتقل ہو جائیں گے موکل کی طرف منتقل نہیں ہوں گے۔ اگر وصی نہ ہو تو اسے حاکم کے سامنے پیش کرے گا جو ان حقوق پر قبضہ کرنے کے لیے وصی معین کرے گا۔ یہی امر معقول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ان حقوق پر قبضہ کرنے کی ولایت موکل کی طرف منتقل ہو جائے گی پس فتویٰ کے وقت احتیاط کی جائے گی۔ پھر ”البحر“ میں ایک ورق اور نصف کے بعد کہا: خریداری کا وکیل جب ادھار لے اور وکیل مرجائے تو اس پر ثمن فوراً لازم ہوگی اور موکل کے حق میں اجل باقی رہے گی۔ یہاں جزم کا اظہار اس پر دلالت کرتا ہے کہ مذہب میں قابل اعتماد وہ ہے جو یہ کہا ہے: انہ السعقول۔

جب میں نے پوری طرح چھان بین کر لی تو میں نے اسی کے مطابق فتویٰ دیا جس طرح سابقہ بحث میں انہوں نے کہا۔

27292۔ (قوله: إِنْ لَمْ يَكُنْ) ضمیر مستتر سے مراد وکیل ہے۔

مَحْجُورًا كَتَسْلِيمَ مَبِيعٍ وَقَبْضِهِ وَقَبْضِ ثَمَنِ وَرُجُوعِ بِهِ عِنْدَ اسْتِحْقَاقِهِ وَخُصُومَةٍ فِي عَيْبٍ بِدَلَا فَضْلٍ
بَيْنَ حُضُورِ مُوَكَّلِهِ وَغَيْبَتِهِ؛ لِأَنَّهُ الْعَاقِدُ حَقِيقَةً وَحُكْمًا، لَكِنْ فِي الْجَوْهَرَةِ لَوْ حَضَرَ فَالْعَهْدَةُ عَلَى آخِذِ
الثَّمَنِ لَا الْعَاقِدِ فِي أَصَحِّ الْأَقَاوِيلِ، وَلَوْ أَضَافَ الْعَقْدَ إِلَى الْمُوَكَّلِ تَتَعَلَّقُ الْحُقُوقُ بِالْمُوَكَّلِ اتِّفَاقًا ابْنُ
مَلِكٍ فَلْيُحْفَظْ فَقَوْلُهُ لَا بُدَّ، فِيهِ مَا فِيهِ وَلِذَا قَالَ ابْنُ الْكَمَالِ

مُجَوَّرٌ بِحَقِّهِ سَعَرٌ جِيسے بیع کو سپرد کرنا، اس پر قبضہ کرنا، ثمن پر قبضہ کرنا، استحقاق کے وقت اس کو واپس کرنا اور عیب نکل
آنے کی صورت میں خصومت کرنا اس میں کوئی فرق نہیں کہ اس کا موکل حاضر ہو یا غائب ہو۔ کیونکہ حقیقت اور حکم کے اعتبار
سے وہ ہی عاقد ہے۔ لیکن ”جوہرہ“ میں ہے: اگر دونوں حاضر ہوں تو ذمہ داری ثمن لینے والے پر ہوگی۔ کیونکہ اقوال میں
سے اصح قول کے مطابق وہی عقد کرنے والا ہے اگر وہ عقد کو موکل کی طرف منسوب کرے تو بالاتفاق حقوق موکل کے متعلق
ہوں گے ”ابن ملک“۔ پس اس کو یاد رکھنا چاہیے۔ مصنف کا قول لا بد اس میں خلل ہے۔ اسی وجہ سے ”ابن کمال“ نے کہا:

27293۔ (قوله: مَحْجُورًا) اگر وہ مجبور (یعنی اسے تصرف کرنے کی اجازت نہ ہو) جیسے غلام اور بچہ یہ دونوں مجبور

ہوتے ہیں جب یہ دونوں وکالت کے طریقہ پر عقد کریں تو دونوں کے عقد کے حقوق موکل کے متعلق ہوتے ہیں۔ ”س“۔

27294۔ (قوله: كَتَسْلِيمَ مَبِيعٍ) یہ عقد کے حقوق کا بیان ہے۔

27295۔ (قوله: وَرُجُوعِ بِهِ عِنْدَ اسْتِحْقَاقِهِ) یہ دونوں مسئلوں کو شامل ہے۔

(۱) جب وکیل بائع ہو اور اس نے مشتری سے ثمن پر قبضہ کیا پھر بیع کا کوئی مستحق نقل آیا تو مشتری وکیل سے ثمن کا مطالبہ کرے گا
خواہ ثمن اس کے ہاتھ میں موجود ہو یا اس نے ثمن موکل کے حوالے کر دی ہو اور وکیل موکل سے واپسی کا مطالبہ کرے گا۔
(۲) جب وہ مشتری ہو تو بیع کا کوئی اور مستحق نکل آیا اور بیع اس سے لے لیا گیا تو وہ ثمن کا مطالبہ بائع سے کرے گا موکل سے
نہیں کرے گا۔ ”بزازیہ“ میں ہے: وکیل سے خریدنے والا اسے وکیل کے ہاتھ بیچتا ہے پھر وکیل کے ہاں اس کا کوئی اور مستحق
نکل آتا ہے تو وکیل اس مشتری سے مطالبہ کرے گا جس سے اس نے وہ چیز خریدی تھی اور مشتری وکیل سے مطالبہ کرے گا اور
وکیل موکل سے رابطہ کرے گا۔ اس کا فائدہ اس وقت ظاہر ہوگا جب ثمن مختلف ہو۔ انتہی، ”بحر“۔

27296۔ (قوله: فِي عَيْبٍ) یہ بھی دو مسئلوں کو شامل ہوتا ہے۔ جب وہ وکیل بائع ہو تو مشتری اس چیز کو اس کی طرف

لوٹا دے گا۔ جب وہ وکیل مشتری ہو تو وکیل اسے بائع کی طرف لوٹا دے گا لیکن شرط یہ ہے کہ وہ اس کے قبضہ میں ہو۔ اگر وہ
اسے موکل کے سپرد کر دے تو وہ اس کی اجازت سے ہی لوٹائے گا جس طرح ”الکتاب“ میں آئے گا۔ ”بحر“۔

27297۔ (قوله: وَلَوْ أَضَافَ الْخ) ”البحر“ میں اسے رد کیا ہے پس اس کی طرف رجوع کرو۔ ان کا اعتراض مصنف

پر وارد نہیں ہوتا یہاں ”حاشیۃ القتال“ اور ”حاشیۃ ابی سعود“ میں بحث ہے پس اس کی طرف رجوع کیجئے۔ ”نور العین“ میں
احکام الوکالت میں فصل تینتیس میں اسی طرح ہے۔ میں نے اسے ”البحر“ کے حاشیہ میں اسے لکھا ہے۔

يُكْتَفَى بِالْإِضَافَةِ إِلَى نَفْسِهِ فَافْهَمْ (وَشَرْطُ) الْمُوَكَّلِ (عَدَمَ تَعَلُّقِ الْحَقُوقِ بِهِ) أَمَى بِالْوَكِيلِ (لِغَوٍّ بَاطِلٍ) جَوْهَرَةً (وَالْبَيْتُ يَثْبُتُ لِلْمُوَكَّلِ ابْتِدَاءً) فِي الْأَصَحِّ (فَلَا يَعْتَقُ قَرِيبُ الْوَكِيلِ بِشَرَائِهِ وَلَا يَفْسُدُ نِكَاحُ زَوْجَتِهِ بِهِ وَ) لَكِنْ (هَذَا) ثَابِتَانِ (عَلَى الْمُوَكَّلِ لَوْ اشْتَرَى وَكَيْلَهُ قَرِيبَ مُوَكَّلِهِ وَزَوْجَتَهُ)؛ لِأَنَّ الْمَوْجِبَ لِلْعِتْقِ وَالْفَسَادِ الْبَيْتُ الْمُسْتَقَرُّ (وَفِي كُلِّ عَقْدٍ لَا بُدَّ مِنْ إِضَافَتِهِ إِلَى مُوَكَّلِهِ) يَعْنِي لَا يُسْتَعْنَى عَنِ الْإِضَافَةِ إِلَى مُوَكَّلِهِ، حَتَّى لَوْ أُضَافَ إِلَى نَفْسِهِ لَا يَصِحُّ ابْنُ كَمَالٍ

وکیل کا اپنی ذات کی طرف نسبت کرنا کافی ہے فافہم۔ موکل کا یہ شرط لگانا کہ عقد کے حقوق وکیل کے متعلق نہ ہوں گے یہ لغو و باطل ہے، ”جوہرہ“۔ اور اصح قول کے مطابق ملکیت ابتدا سے ہی موکل کے لیے ثابت ہو جائے گی۔ وکیل اپنے قریبی کو خریدے تو وہ قریبی آزاد نہیں ہوگا اور وکیل اپنی بیوی کو خریدے تو اس کا نکاح فاسد نہیں ہوگا لیکن دونوں موکل ثابت ہوں گے اگر موکل کا وکیل موکل کے قریبی رشتہ دار اور اس کی زوجہ کو خریدے کیونکہ آزادی اور نکاح کے فساد کا موجب ایسی ملکیت ہے جو ثابت و قائم ہو۔ ہر ایسا عقد جس میں عقد کو موکل کی طرف منسوب کرنا ضروری ہے یعنی وکیل موکل کی طرف منسوب کرنے سے مستغنی نہیں یہاں تک کہ اگر وہ اسے اپنی طرف منسوب کرے تو یہ صحیح نہ ہوگا، ”ابن کمال“۔

27298۔ (قوله: يَكْتَفَى) یعنی بغیر لزوم کے اس پر اکتفا کیا جائے گا۔

27299۔ (قوله: لِأَنَّ الْمَوْجِبَ الْخ) یہ مصنف کی کلام کے مناسب نہیں بلکہ یہ دوسرے قول پر جاری ہے کہ ابتداء یہ وکیل کے لیے ثابت ہوگی پھر ملک موکل کی طرف منتقل ہوگی۔

ایسا عقد جس میں عقد کو موکل کی طرف منسوب کرنا ضروری ہو تو اس کا حکم

27300۔ (قوله: حَتَّى لَوْ أُضَافَ إِلَى نَفْسِهِ لَا يَصِحُّ) اگر اپنی ذات کی طرف منسوب کرے تو موکل پر ثابت نہ ہوں گے۔ پس یہ آنے والے قول کے منافی نہیں ہوگا: یہاں تک کہ اگر وہ نکاح کو اپنی ذات کی طرف منسوب کرے تو نکاح اس کے لیے واقع ہو جائے گا۔ جس طرح گمان کیا گیا ہے۔ ”بزازیہ“ میں ہے: طلاق اور عتاق کا وکیل جب گفتگو پیغام رسانی کے طور پر کرے جیسے وہ کہے: فلاں نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں طلاق دے دوں یا آزاد کردوں تو یہ امر موکل پر نافذ ہوگا کیونکہ ہر حال میں ان دونوں امور کی ذمہ داری موکل پر ہوگی۔ اگر وہ نکاح اور طلاق میں کلام و کالت کے طریقہ پر کرے اس کی صورت یہ ہے کہ وہ اسے اپنی ذات کی طرف منسوب کرے تو یہ صحیح ہوگا مگر نکاح میں صحیح نہ ہوگا۔

فرق یہ ہے: طلاق میں اس امر کو اس نے موکل کی طرف معنی کے اعتبار سے منسوب کیا ہے کیونکہ یہ ملک رقبہ پر مبنی ہے۔ یہ طلاق اور عتاق میں موکل کے لیے ہے۔ جہاں تک نکاح میں اس کا تعلق ہے تو وکیل کا ذمہ مہر کو قبول کرنے والا ہے یہاں تک کہ اگر نکاح عورت کی جانب سے ہو اور کلام کو وکالت کے انداز میں لیا گیا ہو تو وہ مخالفت کرنے والا نہیں ہوگا کیونکہ وہ نکاح کو معنوی طور پر عورت کی طرف منسوب کر رہا ہے گویا اس نے کہا: میں نے اپنی موکلہ کا بضع تیری ملکیت میں دیا۔

(كَنْكَاحٍ وَخُذِيعٍ عَنْ دَمٍ عَمْدٍ أَوْ عَنْ إِنْكَارٍ وَعِثْقٍ عَلَى مَالٍ وَكِتَابَةٍ وَهَبَةٍ وَتَصَدُّقٍ وَإِعَارَةٍ وَإِيْدَاعٍ وَرَهْنٍ وَإِقْرَاضٍ) وَشُرْكَةٍ وَمُضَارَبَةٍ عَيْنِي (تَتَعَلَّقُ بِمَوْكَلِهِ) لَا بِهِ لِيَكُونَ فِيهَا سَفِيرًا مَحْضًا، حَتَّى لَوْ أَضَافَهُ لِنَفْسِهِ وَقَعَ النِّكَاحُ لَهُ فَكَانَ كَالرَّسُولِ (فَلَا مُطَالَبَةٌ عَلَيْهِ) فِي النِّكَاحِ (بِمَهْرٍ وَتَسْلِيمٍ) لِلزَّوْجَةِ (وَلِلْمُشْتَرِي الْإِبَاءُ عَنْ دَفْعِ الثَّمَنِ)

جیسے نکاح، خلع، دم عمد (جان بوجھ کر قتل کرنا) سے صلح، انکار سے صلح، مال کے عوض آزادی، کتابت، ہبہ، صدقہ، عاریتہ دینا، ودیعت رکھنا، رہن رکھنا، قرض دینا، شرکت اور مضاربہت ”عینی“۔ یہ سب موکل کے متعلق ہوں گے وکیل کے متعلق نہیں ہوں گے۔ کیونکہ ان تمام امور میں وکیل سفیر محض ہے یہاں تک کہ اگر وہ اسے اپنی ذات کی طرف منسوب کرے تو نکاح اس کے لیے واقع ہوگا۔ تو وہ صرف قاصد کی طرح ہوگا نکاح میں اس پر مہر اور بیوی کو حوالے کرنے کا مطالبہ نہیں ہوگا۔ اور مشتری کو حق حاصل ہوگا کہ وہ موکل کو ثمن دینے سے انکار

”البحر“ میں کہا: اس تعبیر کی بنا پر موکل کی طرف اضافت کا معنی مختلف ہے خاوند کی جانب سے نکاح کے وکیل میں وہ معنی شرط کے طریقہ پر ہے اور باقی صورتوں میں جواز کے طریقہ پر ہے پس اس کا معدوم ہونا جائز ہے۔ ”حاشیۃ الفتح“ میں ”الاشباہ“ سے یہ مروی ہے: بری کرنے کا وکیل جب بری کر دے اور اسے موکل کی طرف منسوب نہ کرے یہ صحیح نہ ہوگا۔ ”الخزانہ“ میں یہ اسی طرح ہے۔

میں کہتا ہوں: ”البحر“ میں جو قول ہے اس کا ظاہر یہ ہے کہ اضافت صرف نکاح میں لازم ہوتی ہے۔ یہ ان کی کلام کے مخالف ہے ”الدرر“ میں جو کچھ ہے اسے دیکھیے اور تدبر کیجئے۔ ہم نے ”البحر“ پر جو تعلیقات لکھی ہیں اسے دیکھیے اور ”شرح الوہابیہ“ کی کتاب الایمان کی طرف رجوع کیجئے۔

27301۔ (قوله: أَوْ عَنْ إِنْكَارٍ) یہ ایسی صلح ہے جس کی اضافت وکیل کی طرف صحیح نہیں۔ اقرار سے صلح کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ اسے دونوں کی طرف منسوب کرنا صحیح ہے۔ دونوں مواقع پر اضافت کے اختلاف کو آپ پہچان چکے ہیں۔ پس اضافت میں دونوں حسیں مختلف ہیں۔ ”ابن کمال“۔ اس میں ”صدر الشریعہ“ پر رد ہے کیونکہ انہوں نے کہا: دونوں میں کوئی فرق نہیں۔

27302۔ (قوله: وَهَبَةٍ وَتَصَدُّقٍ) ہبہ اور صدقہ کے وہ حقوق جو موکل کے متعلق ہیں ان کی طرف دیکھیے۔

27303۔ (قوله: سَفِيرًا) سفیر سے مراد قاصد اور قوم کے درمیان صلح کرانے والا ہے، ”صحاح“۔ حاشیہ میں اسی طرح ہے۔ کیونکہ وہ اسے موکل کی طرف منسوب کرتا ہے۔ اسی طرح اس کی امثال میں ہے، ”ابن ملک“۔ ”مجمع“۔

27304۔ (قوله: بِمَهْرٍ) یعنی جب وہ خاوند کا وکیل ہو۔

27305۔ (قوله: وَتَسْلِيمٍ) جب وہ عورت کا وکیل ہو۔

لِلْمُوَكَّلِ اِنْ دَفَعَ لَهُ صَحَّ وَلَوْ مَعَ نَهْيِ الْوَكِيلِ، اسْتِحْسَانًا (وَلَا يُطَالِبُهُ الْوَكِيلُ ثَانِيًا) لِعَدَمِ الْفَائِدَةِ، نَعَمْ تَقَعُ الْمُقَاصَّةُ بِدَيْنِ الْوَكِيلِ لَوْ وَحْدَهُ وَيَضْمَنُهُ لِمُوَكَّلِهِ بِخِلَافِ وَكِيلِ يَتِيمٍ وَصَرَفِ عَيْنِيٍّ (وَمِثْلُهُ) أَمَّا مِثْلُ الْوَكِيلِ عَبْدٌ (مَأْذُونٌ لَا دَيْنَ عَلَيْهِ مَعَ مَوْلَاهُ) فَلَا يَبْدَأُ قَبْضَ دُيُونِهِ، وَلَوْ قَبْضَ صَحَّ اسْتِحْسَانًا مَا لَمْ يَكُنْ عَلَيْهِ دَيْنٌ؛ لِأَنَّهُ لِلْعُرْمَاءِ بَرَاذِيئَةٌ فَرَعُ التَّوَكُّلِ بِالِاسْتِقْرَاضِ بَاطِلٌ لَا الرِّسَالَةَ دُرَرًا، وَالتَّوَكُّلُ بِقَبْضِ الْقَرْضِ صَحِيحٌ فَتَنْبَهْ

کردے۔ اگر وہ موکل کو ثمن دے دے تو یہ امر صحیح ہو جائے گا اگرچہ اس سے وکیل نے منع کیا ہو۔ یہ بطور استحسان صحیح ہوگا۔ وکیل اس سے دوبارہ مطالبہ نہیں کرے گا کیونکہ اس میں فائدہ نہیں ہاں باہم بدل واقع ہو جائے گا اگر وکیل پر صرف اس کا قرض ہو اور وکیل موکل کو اس کی ضمانت دے گا۔ یتیم کے وکیل اور بیع صرف کے وکیل کا معاملہ مختلف ہے ”عینی“۔ وکیل کی مثل ایسا ماذون غلام کا آقا کے ساتھ معاملہ ہے جس پر دین نہ ہو۔ پس وہ آقا اس کے دیون پر قبضہ کا مالک نہیں ہوگا اگر وہ اس کے دیون پر قبضہ کر لے تو بطور استحسان صحیح ہوگا جب تک اس پر دین نہ ہو کیونکہ وہ دین اس کے قرض خواہوں کا ہے۔ فرع: قرض طلب کرنے کے لیے وکیل بنانا باطل ہے قاصد بنانا باطل نہیں ”درر“۔ اور قرض پر قبضہ کرنے کے لیے وکیل بنانا صحیح ہے پس اس پر متنبہ ہو جائے۔

27306۔ (قوله: لِلْمُوَكَّلِ) کیونکہ وہ حقوق سے اجنبی ہے۔ کیونکہ حقوق اصل کے اعتبار سے وکیل کی طرف لوٹتے ہیں۔

27307۔ (قوله: نَعَمْ تَقَعُ الْمُقَاصَّةُ) اگر مشتری کا موکل پر دین لازم ہو تو محض عقد کے ساتھ مقاصہ (باہم بدلہ) واقع ہو جائے گا۔ کیونکہ باہم بدلہ کے ساتھ حق مشتری تک پہنچ چکا ہے اگر مشتری کا موکل اور وکیل دونوں پر قرض ہو تو موکل کے دین میں تو باہم بدلہ واقع ہوگا وکیل کے دین میں یہ واقع نہ ہوگا۔ اگر مشتری کا صرف وکیل کے ذمہ قرض ہو تو یہ مقاصہ اس کے ساتھ واقع ہو جائے گا اور وکیل موکل کے لیے اس مال کا ضامن ہوگا۔ کیونکہ وکیل نے موکل کے مال سے اپنا قرض ادا کیا ہے۔ امام ”ابو یوسف“ رحمہ اللہ نے کہا: وکیل کے دین کے ساتھ یہ مقاصہ واقع نہ ہوگا۔ جب وہ یتیم کا مال بیچے اور مشتری یتیم کو ثمن دے دے تو معاملہ مختلف ہوگا۔ کیونکہ اس کا ذمہ ختم ہو جائے گا بلکہ اس پر یہ واجب ہوگا کہ وہ ثمن وصی کے حوالے کرے۔

کیونکہ یتیم کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ اپنے مال پر قبضہ کرے۔ پس اسے دین وصول کرنے کا حق نہیں ہوگا۔ اسے مال دینا اسے ضائع کرنا ہے پس اس کا شمار نہ ہوگا۔ بیع صرف میں وکیل کا معاملہ مختلف ہے جب وہ بیع صرف کرے اور موکل بدلہ صرف پر قبضہ کرے۔ کیونکہ بیع صرف باطل ہو جائے گی اور اس کے قبضہ کا اعتبار نہیں ہوگا، ”عینی“، حاشیہ میں اسی طرح ہے۔

27308۔ (قوله: بِخِلَافِ) یہ ان کے قول وان دفع له کے متعلق ہے۔ ”ح“۔ اور ان کے قول وکیل یتیم سے

مراد اس کا وصی ہے۔

27309۔ (قوله: فَلَا يَبْدَأُ) یعنی آقا قبضہ کرنے کا مالک نہیں ہوگا۔

27310۔ (قوله: بِقَبْضِ الْقَرْضِ) اس کی صورت یہ ہے کہ آدمی کہے: مجھے قرض دو پھر اس پر قبضہ کرنے کے لیے

--

کسی آدمی کو وکیل بنائے۔ ”بحر“ میں ”القنیه“ سے مروی ہے۔

فرع: اقرار کے لیے وکیل بنانا صحیح ہے۔ اقرار سے قبل اس کا وکیل بنانا یہ موکل کی جانب سے اقرار نہیں ہوگا۔ ”طواوئسی“ سے مروی ہے: اس کا معنی ہے وہ خصومت کے لیے کسی کو وکیل بنائے اور وکیل کو کہے: تم خصومت کرو جب مجھ پر چٹی کے لاحق ہونے یا شرمندگی کا خوف تجھے لاحق ہو تو مدعی کا اقرار کر لینا۔ تو اس وکیل کا موکل پر اقرار صحیح ہوگا۔ ”بزازیہ“ میں اسی طرح ہے۔ اس بارے میں شافعیہ کے دو قول ہیں ان میں سے اصح یہ ہے: یہ صحیح نہیں۔ شیخ یعنی صاحب ”البحر“ نے کتاب الشریکۃ میں شرکت فاسدہ پر گفتگو کرتے ہوئے پہلے ذکر کیا ہے: مباح چیز کو لینے کے لیے کسی کو وکیل بنانا صحیح نہیں یہ باطل ہے۔ ”رملی“ نے ”البحر“ کے حاشیہ میں اسے نقل کیا ہے۔ فرع عنقریب، باب الوکالۃ بالخصومتہ کے متن میں آئے گی۔ واللہ اعلم

بَابُ الْوَكَالَةِ بِالْبَيْعِ وَالشِّرَاءِ

الْأَصْلُ أَنَّهَا إِنْ عَمَّتْ أَوْ عَلِمَتْ أَوْ جُهِلَتْ جَهَالَةً يَسِيرَةً وَهِيَ جَهَالَةُ النَّوعِ الْمَحْضِ كَفَرَسٍ صَحَّتْ وَإِنْ فَاحِشَةً وَهِيَ جَهَالَةُ الْجِنْسِ كَدَابَّةٍ بَطَلَتْ، وَإِنْ مُتَوَسِّطَةً كَعَبْدٍ، فَإِنْ بَيَّنَّ الشَّنَّ أَوْ الصِّفَةَ كَتُنْجِيٍّ صَحَّتْ وَإِلَّا لَا (وَكَلَّهٖ بِشِرَاءِ ثَوْبٍ هَرَوِيٍّ أَوْ فَرَسٍ أَوْ بَغْلٍ صَحَّ)

بیع اور شرا میں وکالت کے احکام

اس میں قاعدہ یہ ہے: اگر وکالت عام ہو، معلوم ہو یا معمولی جہالت کے ساتھ مجہول ہو اور معمولی جہالت محض نوع کی جہالت ہے جیسے وہ تھوڑا خریدنے کے لیے وکیل بنائے تو وکالت صحیح ہوگی۔ اگر جہالت فحش ہو یہ جنس کی جہالت ہے جیسے وہ دابہ خریدنے کے لیے وکیل بنائے تو وکالت باطل ہوگی۔ اگر جہالت درمیانی ہو جیسے وہ غلام خریدنے کے لیے وکیل بنائے اگر تو اس آخری صورت میں ثمن یا صفت کو بیان کرے جیسے وہ کہے ترکی تو وکالت صحیح ہوگی ورنہ وکالت صحیح نہ ہوگی۔ موکل نے اسے ہر وہی کپڑا، گھوڑا یا خچر خریدنے کے لیے وکیل بنایا تو یہ صحیح ہوگا

بیع اور شرا میں وکالت کا ضابطہ

27311۔ (قولہ: إِنْ عَمَّتْ) جیسے وہ کہے: جو مناسب سمجھو میرے لیے خرید لو۔ کیونکہ موکل نے معاملہ وکیل کی رائے کے حوالے کر دیا ہے۔ وہ جو چیز خریدے گا وہ موکل کے حکم کی تعمیل کرنے والا ہوگا۔ ”البحر“ میں ”بزازیہ“ سے مروی ہے: اگر وہ اسے کسی اپنے کپڑے کو خریدنے کے لیے وکیل بناتا ہے جیسے وکیل پسند کرے تو یہ صحیح ہوگا۔ اگر وہ کہے: میرے لیے کپڑے خریدو۔ امام ”محمد“ رحمہ اللہ نے اس کا ذکر نہیں کیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ جائز ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ جائز نہیں اگر وہ اثواب کا لفظ ذکر کرے تو یہ جائز نہیں ہوگا۔ اگر وہ ثيابا، الدواب، الثياب یا دواب کا لفظ ذکر کرے تو یہ جائز ہوگا اگرچہ وہ ثمن کی تعیین نہ کرے۔

نوٹ: اگر ثياب یا اس جیسے الفاظ جو عموم پر دال ہوتے ہیں ذکر کرے تو امر وکیل کے سپرد ہوگا پس یہ وکالت صحیح ہوگی۔ ثوب اور اثواب وغیرہ کا معاملہ مختلف ہے۔ ان میں عموم ظاہر نہیں ہوتا پس یہ اپنی جنس میں مشترک ہوگا اور جہالت زیادہ ہوگی۔ پس یہ صحیح نہ ہوگا۔

27312۔ (قولہ: بَطَلَتْ) یعنی اگرچہ وہ ثمن بیان بھی کر دے تب بھی وکالت باطل ہو جائے گی۔

27313۔ (قولہ: مُتَوَسِّطَةً) ”النبہایہ“ میں اس کی وضاحت کی ہے۔

بِمَا يَتَحَدُّهُ حَالُ الْأَمْرِ زَيْدَعِي فَرَّاجِعُهُ (وَإِنْ لَمْ يُسَمَّ) ثَمَنًا: لِأَنَّهُ مِنْ الْقِسْمِ الْأَوَّلِ (وَبِشْرَاءِ دَارٍ أَوْ عَبْدٍ جَائِزٍ سَتَى) الْمَوْكَلُ (ثَمَنًا يَخْصُصُ) نَوْعًا أَوْ لَا بَحْرًا (أَوْ نَوْعًا كَحَبَشِيٍّ) زَادَ فِي الْبَزَازِيَّةِ أَوْ قَدَّرَا كَذَا قَفِيرًا (وَإِلَّا) يُسَمَّ ذَلِكَ (لَا) يَصَحُّ وَالْحَقُّ بِجَهَالَةِ الْجِنْسِ (وَهُيَ مَا لَوْ وَكَّلَهُ

جب کہ وکیل آمر کی حالت کو پیش نظر رکھے گا کہ وہ کسی کا محتمل ہو سکتا ہے، ”زیلعی“۔ پس اس کی طرف رجوع کیجئے۔ اگر وہ موکل ثمن کا ذکر نہ کرے کیونکہ یہ وکالت کی پہلی قسم سے متعلق ہے۔ گھر یا غلام کو خریدنے کے لیے وکیل بنائے تو یہ جائز ہوگا اگر موکل ثمن کا ذکر کرے وہ ثمن کی نوع کی تخصیص کرے یا تخصیص نہ کرے، ”بحر“۔ یا اس کی نوع کا ذکر کر دے جیسے وہ کہہ دے حبشی غلام خریدے۔ ”بزازیہ“ میں یہ زائد ذکر کیا ہے: یا مقدار کا ذکر کر دے جیسے اتنے قفیز۔ اگر وہ اس کا ذکر نہ کرے تو توکیل صحیح نہ ہوگی۔ اور اسے جنس کی جہالت کے ساتھ لاحق کر دیا جائے گا۔ اس کی صورت یہ ہے کہ موکل

27314۔ (قولہ: زَيْدَعِي) اس کی عبارت یہ ہے: وکیل اس پر قادر ہے کہ موکل کا مقصود حاصل کرے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ وہ موکل کے حال میں غور و فکر کرے۔ ”ح“۔ حاشیہ میں اسی طرح ہے۔ ”الکفایہ“ میں ہے: اگر یہ سوال کیا جائے گدھوں کی کئی اقسام ہیں ان میں سے ایک وہ قسم ہے جو بڑے لوگوں کی سواری کے لائق ہے ایک قسم وہ ہے جو مال لانے کے قابل ہوتی ہے ہم کہیں گے: یہ وصف میں اختلاف ہے ساتھ ہی یہ موکل کی حالت کی معرفت کے ساتھ معدوم ہو جائے گی یہاں تک کہ عمار نے فرمایا: قاضی جب کسی انسان کو کہے کہ وہ قاضی کے لیے گدھا خریدے تو یہ وکالت اس طرف پھر جائے گی جس پر سواری کی جاتی ہے یہاں تک کہ اگر وہ ایسا گدھا خریدے جس کی دم کٹی ہوئی ہو یا جس کے کان کٹے ہوئے ہوں تو یہ اس کے لیے جائز نہ ہوگا۔

27315۔ (قولہ: الْقِسْمِ الْأَوَّلِ) یعنی جس میں تھوڑی جہالت ہو یہ محض نوع کی جہالت ہے۔

27316۔ (قولہ: دَارٍ أَوْ عَبْدٍ) دار (گھر) کو غلام کی طرح بنایا ہے یہ ”کنز“ کی تبع میں ہے۔ اور ”قاضی خان“ کے موافق ہے۔ لیکن ثمن کے بیان کے ساتھ محلہ کے بیان کی شرط لگائی ہے جس طرح ان کے فتاویٰ میں ہے جب کہ یہ ”ہدایہ“ کے مخالف ہے۔ کیونکہ انہوں نے گھر کو کپڑے کی طرح قرار دیا ہے کیونکہ گھر، اغراض، پڑوسیوں، منافع، محل وقوع اور شہر کے مختلف ہونے کے ساتھ مختلف ہو جاتا ہے۔ ”المعراج“ میں یہ ذکر کیا ہے: یہ ”مبسوط“ کی روایت کے مخالف ہے۔ ”فہرست“ متاخرین نے کہا: ہمارے علاقوں میں محل وقوع کے بیان کے بغیر جائز نہیں۔ ”البحر“ میں یوں تطبیق دی ہے۔ ”ہدایہ“ میں جو قول ہے اسے اس پر محمول کیا جائے گا جب گھر ان میں بخش اختلاف کے ساتھ مختلف ہو اور دوسرے علماء کا قول اس کے علاوہ پر محمول کیا جائے گا۔

27317۔ (قولہ: أَوْ لَا) اس کی صورت یہ ہے کہ اس ثمن کی کئی انواع پائی جاتی ہیں۔

27318۔ (قولہ: وَهِيَ) یعنی جنس کی جہالت۔

(بِشْرَاءِ ثَوْبٍ أَوْ دَابَّةٍ) (لَا يَصِحُّ وَإِنْ سَمِيَ ثَمَنًا لِلْجَهَالَةِ الْفَاحِشَةِ) (وَبِشْرَاءِ طَعَامٍ وَبَيِّنَ قَدْرُهُ أَوْ دَفَعَهُ ثَمَنَهُ وَقَعَمَ) فِي عُرْفِنَا (عَلَى الْمُعْتَادِ) (الْمُهَيَّأِ) (لِلْأَكْلِ) مِنْ كُلِّ مَطْعُومٍ يُمَكِّنُ أَكْلَهُ بِلَا إِدَامٍ (كَلِّمَ مَطْبُوخٍ أَوْ مَشُومٍ) وَبِهِ قَالَتِ الثَّلَاثَةُ، وَبِهِ يُفْتَى عَيْنِي وَغَيْرُهُ اِعْتِبَارًا لِلْعُرْفِ كَمَا فِي الْيَسِينِ (وَفِي الْوَصِيَّةِ لَهُ) أَمَّا لِشَخْصٍ (بِطَعَامٍ يَدْخُلُ كُلُّ مَطْعُومٍ) وَلَوْ دَوَّاعٍ بِهِ حَلَاوَةٌ كَسَكَنَجَبِينَ بَرَّازِيَّةً (وَلِلْوَكِيلِ الرَّدُّ بِالْعَيْبِ مَا دَامَ الْمُبِيعُ فِي يَدِهِ) لَتَعَلَّقَ الْحَقُّوقُ بِهِ

اسے کپڑا خریدنے یا دابہ خریدنے کے لیے وکیل بنائے تو یہ توکیل صحیح نہ ہوگی اگرچہ وہ ثمن کا ذکر کر دے۔ صحیح اس لیے نہ ہوگی کیونکہ جہالت فحش پائی جا رہی ہے۔ کھانا خریدنے کے لیے توکیل بنائے اس کی مقدار ذکر کر دے یا اسے قیمت ادا کر دے تو ہمارے عرف میں یہ وکالت معقود چیز پر واقع ہوگی جسے کھانے کے لیے تیار کیا گیا ہو وہ کسی بھی کھانے سے متعلق ہو جسے سالن کے بغیر کھانا ممکن ہو جیسے پکا ہوا گوشت یا بھونا ہوا گوشت تینوں ائمہ نے یہی کہا ہے۔ اسی پر فتویٰ دیا جاتا ہے۔ یہ ”عینی“ اور دوسری کتب میں ہے۔ وہ اس معاملہ کو عرف پر قیاس کرتے ہیں جس طرح یمین میں ہے۔ جب کسی شخص کے لیے کھانے کی وصیت کی جائے تو ہر کھانا اس میں داخل ہو جائے گا اگرچہ وہ دوا ہو جس میں حلاوت ہے جیسے شنگہنجبین، ”بزازیہ“۔ اور وکیل کو حق حاصل ہے کہ عیب کی وجہ سے بیع واپس کر دے جب تک بیع اس کے ہاتھ میں ہو۔ کیونکہ حقوق اس کے متعلق ہوتے ہیں

27319۔ (قوله: بِشْرَاءِ ثَوْبٍ أَوْ دَابَّةٍ الْخ) میں کہتا ہوں اس باب میں عنقریب متن میں آئے گا اگر وہ تعین کے بغیر کسی شے کو خریدنے کے لیے کسی کو وکیل بناتا ہے تو خریداری وکیل کے لیے ہوگی مگر جب وہ موکل کے لیے اس کی نیت کرے یا موکل کے مال سے اسے خریدے۔ ظاہر یہ ہے کہ یہ اس قید کے ساتھ مقید ہے کہ وہ ثمن کا ذکر کرے یا فرع کا ذکر کرے، تامل۔ ان کا قول بغیر عینہ اس کے مقابل ہے کہ جن کی جنس بیان کرنے کے بعد اس کے عین کو بیان کرے۔

27320۔ (قوله: فِي عُرْفِنَا) وراء النهر کے بعض مشائخ سے علماء نے نقل کیا ہے۔ ”بزازیہ“ میں کہا: ہمارے عرف میں وہ ہے جسے ہم نے ذکر کیا ہے۔ ”البحر“ میں کہا: لیکن قاہرہ کا عرف ان دونوں کے خلاف ہے کیونکہ ان کے نزدیک طعام کا لفظ شوربے اور گوشت کے ساتھ پکائے گئے کھانے کے لیے بولا جاتا ہے۔

27321۔ (قوله: بَرَّازِيَّةً) المنخ میں یدخل کل مطعوم کے بعد کہا: جس طرح ”بزازیہ“ میں ہے۔

”بزازیہ“ کی کتاب الایمان میں ہے: اس نے قسم کھائی وہ طعام نہیں کھائے گا اس نے دوائی کھائی جو طعام نہیں جیسے سقمونینا (قبض کشادوا) تو وہ حائل نہیں ہوگا اگر اس میں شیرینی ہو جیسے شنگہنجبین تو وہ حائل ہو جائے گا۔ ”ہامش“ میں اسی طرح ہے۔ فلیتأمل

27322۔ (قوله: بِالْعَيْبِ) اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ اگر وہ عیب پر راضی ہو تو یہ عقد اسے لازم ہو جائے گا۔

پھر موکل اگر چاہے تو اسے قبول کر لے اگر چاہے تو وکیل پر لازم کر دے۔ اگر وکیل کو ذمہ کرنے سے پہلے وہ چیز بلاک ہو جاتی

(وَلَوْ ارْتَبَهُ أَوْ وَصِيَّهُ ذَلِكَ بَعْدَ مَوْتِهِ) مَوْتِ الْوَكِيلِ (فَإِنْ لَمْ يَكُنْ فَلَئِنْ مَوْتِهِ ذَلِكَ) أَيْ الرَّدُّ بِالْعَيْبِ وَكَذَا الْوَكِيلُ بِالْبَيْعِ وَهَذَا إِذَا لَمْ يُسَلِّمْهُ (فَلَوْ سَلَّمَهُ إِلَى مُوَكَّلِهِ امْتَنَعَ رَدُّهُ إِلَّا بِأَمْرِهِ) لِاتِّهَاءِ الْوَكَالَةِ بِالتَّسْلِيمِ بِخِلَافِ وَكِيلِ بَاعٍ فَاسِدًا فَلَهُ الْفَسْخُ مُطْلَقًا لِحَقِّ الشَّرْعِ قُنْيَةً (وَلِلْوَكِيلِ حَبْسُ السَّبِيْعِ بِشَيْنٍ دَفَعَهُ) الْوَكِيلُ (مَنْ مَالِهِ أَوْلَى) بِالْأَوْلَى لِأَنَّهُ كَالْبَائِعِ (وَلَوْ اشْتَرَاهُ) الْوَكِيلُ (بِنَقْدٍ)

اور وکیل کی موت کے بعد اس کے حقوق وکیل کے وارث یا اس کے وصی کے متعلق ہوتے ہیں اگر یہ دونوں (وارث اور وصی) نہ ہوں تو عیب کی وجہ سے لوٹانا موکل کا حق ہوتا ہے۔ اسی طرح بیع کے وکیل کا معاملہ ہے۔ یہ اس صورت میں ہوتا ہے جب وہ اس کے سپرد نہ کرے اگر وہ موکل کے حوالے کر دے تو اس کا لوٹانا ممتنع ہوگا مگر جب موکل اس کا امر کرے کیونکہ سپرد کرنے کے ساتھ وکالت اپنی انتہا کو پہنچ چکی ہے۔ اس وکیل کا معاملہ مختلف ہے جس نے بیع فاسد کے ساتھ کوئی چیز بیچی۔ اسے حق شرع کی وجہ سے مطلقاً فسخ کرنے کا حق ہوگا ”قنیہ“۔ وکیل کو حق حاصل ہے کہ وہ ثمن کے بدلے میں بیع کو محبوس کر دے جو ثمن وکیل نے اپنے مال سے دے دی ہو یا نہ دی ہو یعنی وہ بدرجہ اولیٰ ایسا کر سکتا ہے کیونکہ وہ بائع کی طرح ہے۔ اگر وکیل نے اس چیز کو نقداً خریدا

ہے تو وہ موکل کے مال سے ہلاک ہوگی۔ ”بزازیہ“ میں اسی طرح ہے۔

اور یہ قول اس امر کی طرف اشارہ کرتا ہے اگر وہ بیع کا وکیل ہے اور مشتری نے اس میں عیب پایا جب تک وکیل ناقض ہے ذمہ داری اٹھانے والا ہے لوٹانا اس کی ذمہ داری ہوگی اگر وہ مجبور ہو تو موکل کی ذمہ داری ہوگی۔

27323۔ (قوله: وَهَذَا الْخ) متن کے قول ما دام السبيع فی یدہ کے ساتھ اس کی کوئی حاجت نہیں۔ ”ح“۔

27324۔ (قوله: مُطْلَقًا) یعنی اگر وہ اسے سپرد کر دے اور ثمن پر قبضہ کر لے اور موکل کے سپرد کر دے تو اس کی رضا

مندی کے بغیر ثمن واپس لے لے گا۔

27325۔ (قوله: حَبْسُ السَّبِيْعِ) وہ بیع جو اس نے موکل کے لیے خریدا تھا۔ ”منح“۔

27326۔ (قوله: دَفَعَهُ) ”المنح“ میں کہا: اپنے اس قول دفعہ کے ساتھ قید لگائی ہے۔ کیونکہ اگر اس نے ثمن ادا کر دیا

ہو تو بدرجہ اولیٰ اسے روکنے کا حق ہوگا۔ کیونکہ ثمن دے دینے سے بعض اوقات یہ وہم ہوتا ہے وہ ثمن ادا کرنے میں تیار نہ رہے والا ہے۔ پس وہ اسے اس وقت محبوس نہ کرے گا۔ محبوس کرنے کے ساتھ یہ بیان کیا کہ وہ تبرع کرنے والا نہیں اور اس نے جو ثمن ادا کی ہے اس موکل سے مطالبہ کرے گا اگرچہ اس نے صراحتاً اس کا حکم نہ دیا ہو۔ کیونکہ حکما اس نے اذن دے دیا ہے۔

27327۔ (قوله: أَوْلَى) یعنی ثمن نہ دی ہو۔

27328۔ (قوله: لِأَنَّهُ) یہ محبوس کرنے کی دلیل ہے یہ اولویت کی دلیل نہیں۔

27329۔ (قوله: بِنَقْدٍ) یعنی ثمن حال (جس کی ادائیگی فوراً لازم ہوتی ہے) کے ساتھ خریدے۔ اگر ثمن موبل کے

ثُمَّ أَجَلَهُ الْبَائِعُ كَانَ لِلْوَكِيلِ الْبُطَالَةُ بِهِ حَالًا وَهِيَ الْحِيلَةُ خُلَاصَةً، وَلَوْ وَهَبَهُ كُلَّ الشَّيْنِ رَجَعَ بِكُلِّهِ، وَلَوْ بَعْضُهُ رَجَعَ بِالْبَاقِي؛ لِأَنَّهُ حَظُّ بَحْرٍ (هَلَكَ الْبَيْعُ مِنْ يَدِهِ قَبْلَ حَبْسِهِ هَلَكَ مِنْ مَالٍ مُوَكَّلِهِ وَلَمْ يَسْقُطِ الشَّيْنُ)؛ لِأَنَّ يَدَهُ كَيْدُهُ (وَلَوْ هَلَكَ (بَعْدَ حَبْسِهِ فَهُوَ كَبَيْعٍ) فَيَهْلِكُ بِالشَّيْنِ، وَعِنْدَ الثَّانِي كَرِهْنِ (وَلَا اِعْتِبَارَ بِمُفَارَقَةِ الْمُوَكَّلِ) وَلَوْ حَاضِرًا كَمَا اعْتَمَدَهُ الْمُصَنِّفُ تَبَعًا لِلْبَحْرِ خِلَافًا لِلْعَيْنِيِّ وَابْنِ مَلِكٍ

پھر بائع نے اس کے لیے مدت معین کر دی وکیل کو حق حاصل ہوگا کہ وہ اس کا مطالبہ اس وقت کرے یہی حیلہ ہے، ”خلاصہ“۔ اگر بائع نے وکیل کو پوری ثمن ہبہ کر دی تو وکیل موکل سے پوری ثمن کا مطالبہ کرے گا۔ اگر بعض ثمن ہبہ کرے تو باقی ماندہ کا مطالبہ کرے گا۔ کیونکہ یہ اس کی قیمت میں کمی کرنا ہے۔ ”بحر“۔ اگر بیع مجبوس کرنے سے پہلے وکیل کے ہاتھ میں ہلاک ہو گیا تو وہ موکل کے مال سے ہلاک ہوگا اور ثمن ساقط نہ ہوگی۔ کیونکہ وکیل کا قبضہ موکل کے قبضہ کی طرح ہے۔ اگر مجبوس کرنے کے بعد ہلاک ہو جائے تو وہ بیع کی طرح ہوگا پس وہ ثمن کے ساتھ ہلاک ہوگا۔ اور امام ”ابو یوسف“ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک دین کی طرح ہلاک ہوگا۔ بیع صرف اور سلم میں موکل کی مفارقت کا کوئی اعتبار نہیں اگرچہ وہ حاضر ہو جس طرح مصنف نے ”البحر“ کی پیروی میں اس پر اعتماد کیا ہے۔ ”عینی“ اور ”ابن ملک“ نے اس سے اختلاف کیا ہے۔

ساتھ خریدے تو موکل کے حق میں بھی وہ مؤجل ہو جائے گا پس وکیل کو فی الحال موکل سے طلب کرنے کا حق نہیں ہوگا۔ ”بحر“۔ (قوله: وَهِيَ الْحِيلَةُ) یعنی وکیل کے بغیر موکل پر فی الحال ثمن لازم کرنے کا یہی حیلہ ہے ان کا قول ولو وهبه یعنی اگر بائع وکیل کو ہبہ کر دے۔

27330۔ (قوله: كُلُّ الشَّيْنِ) یعنی ایک ہی دفعہ تمام ثمن ہبہ کر دے۔ ”البحر“ میں کہا: اگر وہ اسے پانچ سو پھر باقی ماندہ پانچ سو ہبہ کرے تو وکیل آمر سے صرف دوسری دفعہ ہبہ کی جانے والی رقم کا مطالبہ کرے گا۔ کیونکہ پہلی دفعہ ہبہ کی جانے والی رقم ثمن میں کمی کرنا ہے اور دوسری دفعہ ہبہ کی گئی رقم ہبہ ہے۔

27331۔ (قوله: فَهُوَ كَبَيْعٍ) یہ امام ”محمد“ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ہے یہ امام ”ابو حنیفہ“ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔ ”ابن کمال“۔

27332۔ (قوله: كَرِهْنِ) یعنی اس کی قیمت اور ثمن میں سے جو کم ہے اس کے ساتھ ہلاک ہوگا۔ امام ”زفر“ کے نزدیک وہ غصب کی طرح ہے۔ اگر ثمن قیمت کے مساوی ہو تو کوئی اختلاف نہیں۔ اگر ثمن دس ہو اور قیمت پندرہ ہو تو امام ”زفر“ کے نزدیک وہ پندرہ کا ضامن ہوگا۔ لیکن موکل وکیل سے پانچ کی واپسی کا مطالبہ کرے گا۔ باقی ائمہ کے نزدیک وہ دس کا ضامن ہوگا۔ اگر معاملہ اس کے برعکس ہو تو وہ دس کا ضامن ہوگا اور موکل سے پانچ کا مطالبہ کرے گا۔ امام ”ابو یوسف“ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اسی طرح ہے۔ کیونکہ دین کی ضمانت اس کی قیمت اور ثمن میں سے جو اقل ہو اس کے ساتھ دی جاتی ہے۔ امام ”محمد“ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس کی ضمانت ثمن کے ساتھ ہوگی وہ پندرہ ہے۔ ”ابن کمال“۔

27333۔ (قوله: وَابْنِ مَلِكٍ) یعنی ”ابن ملک“ اور ”حدادی“ نے ”المستصفی“ سے نقل کرتے ہوئے اختلاف کیا

(بَلْ بِمُفَارَقَةِ الْوَكِيلِ) وَلَوْ صَبِيًّا (فِي صَرْفٍ وَسَلَمٍ فَيَبْطُلُ الْعَقْدُ بِمُفَارَقَتِهِ صَاحِبَهُ قَبْلَ الْقَبْضِ): لِأَنَّهُ الْعَاقِدُ، وَالْمُرَادُ بِالسَّلَمِ إِلَّا سَلَامُهُ لَا قَبُولُ السَّلَمِ؛ لِأَنَّهُ لَا يَجُوزُ ابْنُ كَمَالٍ (وَالرَّسُولُ فِيهِمَا) أَيْ الصَّرْفِ وَالسَّلَمِ (لَا تُعْتَبَرُ مُفَارَقَتُهُ بَلْ مُفَارَقَةُ مُرْسِلِهِ): لِأَنَّ الرِّسَالَةَ فِي الْعَقْدِ لَا الْقَبْضَ، وَاسْتِفِيدَ صِحَّةُ التَّوَكِيلِ بِهِمَا (وَكَلَّهُ بِشَاءِ عَشْرَةِ أَرْطَالٍ لَحِمٍ بِدُرْهِمٍ فَأَشْتَرَى

بلکہ وکیل کی مفارقت کا اعتبار ہے اگرچہ وہ بچہ ہو وکیل قبضہ سے پہلے صاحب عقد سے جدا ہو جائے تو عقد باطل ہو جائے گا۔ کیونکہ وکیل ہی عقد کرنے والا ہوتا ہے۔ سلم سے مراد اسلام ہے قبول سلم نہیں۔ کیونکہ یہ جائز نہیں۔ ”ابن کمال“۔ بیع صرف اور بیع سلم میں قاصد کی مفارقت کا کوئی اعتبار نہیں بلکہ بھیجنے والی کی مفارقت کا اعتبار ہے۔ کیونکہ پیغام رسانی عقد میں ہوتی ہے قبضہ میں نہیں ہوتی۔ دونوں میں وکیل بنانا صحیح ہے۔ اس نے دس رطل گوشت ایک رطل کے عوض خریدنے کا وکیل بنایا تو اس نے

ہے۔ ”درر البحار“ میں اس پر گامزن ہوئے ہیں۔ صاحب ”النهاية“ نے الامام ”خواہر زادہ“ کی طرف سے اسے منسوب کیا ہے۔ بیع کے معاملہ میں وکیل اصل ہے۔ موکل عقد کے وقت حاضر ہو یا حاضر نہ ہو۔ ”زیلعی“ نے کہا: ”مبسوط“ اور باقی کتب کا اطلاق اس امر کی دلیل ہے کہ موکل کی مفارقت اصلاً معتبر نہیں اگرچہ وہ حاضر ہو۔ مصنف ”البحر“ کی تبع میں جس پر گامزن ہوئے ہیں یہ اس کا منشا ہے۔ لیکن ”یعنی“ نے اشکال کا جواب دیا ہے: وکیل نائب ہے جب اصل حاضر ہو تو نائب کا کوئی اعتبار نہیں ہوتا۔ ”حموی“ نے اس پر اعتراض کیا ہے۔ وکیل اصل عقد میں نائب ہے حقوق میں اصل ہے موکل کے حاضر ہونے کا کوئی اعتبار نہیں۔ اس سے تو جان چکا ہوگا کہ شارح یعنی ”یعنی“ نے جو ذکر کیا ہے وہ بے محل ہے۔

میں کہتا ہوں: جو اشکال کو اس کی اصل سے ختم کر دیتا ہے وہ وہ قول ہے جو شارح نے پہلے ”جوہرہ“ سے نقل کیا ہے: ذمہ داری ثمن لینے والے پر ہوتی ہے عاقد پر نہیں ہوتی اگر وہ دونوں حاضر ہوں۔ یہ اقوال میں سے اصح قول کے مطابق ہے۔ ”زیلعی“ اور صاحب ”الغناية“ نے جو کچھ ذکر کیا ہے یہ دوسرے قول پر مبنی ہے جو یہ ہے کہ اس کے حاضر ہونے کا کوئی اعتبار نہیں۔ یہ وہی ہے جس پر پہلے ہی متن میں گامزن ہوئے ہیں۔ فتنہ

27334۔ (قوله: وَلَوْ صَبِيًّا) وہ مبالغہ کی صورت میں کلام لائے ہیں کیونکہ یہ ایسا محل ہے جو وہم دلاتا ہے کیونکہ حقوق

اس کی طرف راجع نہیں ہوتا۔

27335۔ (قوله: فَيَبْطُلُ الْعَقْدُ) صاحب ہدایہ، کافی اور دوسرے متاخرین نے یہی کیا ہے۔ ”درر“۔ یہ مذکورہ

ضابطہ پر تفریع ہے۔

27336۔ (قوله: بِمُفَارَقَتِهِ) ضمیر سے مراد وکیل ہے وکیل کی مفارقت سے عقد باطل ہو جائے گا۔

27337۔ (قوله: صَاحِبِهِ) اس سے مراد عقد کرنے والا ہے۔ ”منح“۔

27338۔ (قوله: وَالْمُرَادُ الْخ) ”زیلعی“ نے کہا: یہ بیع صرف میں اپنے اطلاق پر جاری کیا جائے گا۔ اس میں

ضَعْفُهُ بِدَرْهِمٍ مِّمَّائِ بَاعَ مِنْهُ عَشْرَةً بِدَرْهِمٍ لَزِمَ الْمُوَكَّلُ مِنْهُ عَشْرَةٌ بِنِصْفِ دَرْهِمٍ خِلَافًا لَهَا وَالثَّلَاثَةُ قُلْنَا إِنَّهُ مَأْمُورٌ بِأَرْطَالٍ مُقَدَّرَةٍ فَيَنْفَعُ الزَّائِدُ عَلَى الْوَكِيلِ، وَلَوْ شَرَى مَا لَا يُسَاوِي ذَلِكَ وَقَعَ لِلْوَكِيلِ إِجْمَاعًا كَغَيْرِ مَوْزُونٍ (وَلَوْ وَكَّلَهُ بِشَيْءٍ بَعَيْنِهِ) بِخِلَافِ الْوَكِيلِ بِالنِّكَاحِ إِذَا تَزَوَّجَهَا لِنَفْسِهِ صَحَّ مُنْيَةً، وَالْفَرْقُ فِي الْوَاتِي

ایک درہم سے اس سے دگنا ایسا گوشت خرید لیا جو ایک درہم کے عوض دس رطل میں بیچا جاتا ہے تو موکل کو نصف درہم کے عوض دس رطل لازم ہوگا۔ ”صاحبین“ رحمہ اللہ علیہما اور تینوں دوسرے ائمہ نے اس سے اختلاف کیا ہے۔ ہم کہتے ہیں: اسے معین رطل خریدنے کا حکم دیا گیا تھا پس زائد مقررہ وکیل پر نافذ ہوگی۔ اگر اس نے ایسا گوشت خریدا جو اس کے ہم پلہ نہ ہو تو بالا جماع جو عقد وکیل کے لیے ہوگا جیسے غیر وزنی چیز میں ہوتا ہے اگر موکل نے اسے معین شے کے خریدنے کے لیے وکیل بنایا۔ نکاح کے وکیل کا معاملہ مختلف ہے۔ جب وکیل اس عورت کے ساتھ خود نکاح کرے تو اس کا یہ نکاح صحیح ہوگا، ”منیہ“۔ فرق ”وانی“ میں ہے:

جانبین سے وکیل بنانا جائز ہے۔ جہاں تک بیع سلم کا تعلق ہے تو یہ صرف راس المال دینے کے ساتھ جائز ہے۔ جہاں تک راس المال لینے کا تعلق ہے تو یہ جائز نہیں۔ کیونکہ وکیل جب راس المال پر قبضہ کر لے تو مسلم فیہ اس کے ذمہ میں رہے گا۔ مسلم فیہ بیع ہے اور راس المال اس کی ثمن ہے جس طرح بیع العین میں ہوتا ہے۔ جب وکیل بنانا باطل ہو گیا تو وکیل اپنے لیے عقد کرنے والا ہوگا۔ پس مسلم فیہ اس کے ذمہ میں ہوگا اور راس المال اس کا مملوک ہوگا۔ جب وہ مالک بنانے کے طریقہ پر آمر کے سپرد کر دے تو یہ قرض ہوگا۔

27339۔ (قوله: ضَعْفُهُ) تھوڑی سے زیادتی سے احتراز کیا ہے جس طرح دس رطل اور نصف۔ کیونکہ یہ تو آمر کو لازم ہوگی۔ کیونکہ یہ دو وارثوں کے درمیان داخل ہے۔ پس زیادتی کا حصول متحقق نہیں ہوتا۔ ”بحر“ میں ”غایۃ البیان“ سے مروی ہے۔

27340۔ (قوله: خِلَافًا لَهَا) ”صاحبین“ رحمہ اللہ علیہما کے نزدیک ایک درہم کے عوض اس پر بیس رطل لازم ہو جائیں گے۔ کیونکہ وہ اس نے مامور کو کیا ہے اور اس میں خیر کا اضافہ کیا ہے۔ ”منح“۔

27341۔ (قوله: كَغَيْرِ مَوْزُونٍ) یہ قید لگائی ہے کیونکہ ذوات القیم میں موکل پر کوئی شے نافذ نہیں ہوتی۔ ”منح“۔

27342۔ (قوله: بِخِلَافِ الْوَاتِي) اس کا محل ان کے قول لایشتربہ لنفسہ کے بعد ہے۔ ”ح“۔

27343۔ (قوله: وَالْفَرْقُ فِي الْوَاتِي) ”زیلعی“ نے بھی اس کا ذکر کیا ہے۔ حاصل کلام یہ ہے کہ وہ نکاح جو وکالت

کے تحت داخل ہے یہ ایسا نکاح ہے جو موکل کی طرف مضاف ہے جب وہ مخالفت کرے گا اور اسے اپنی ذات کی طرف منسوب کرے گا تو معزول ہو جائے گا۔ خریداری کا مسئلہ مختلف ہے۔ کیونکہ یہ مطلق ہے ہر ایک کی طرف مضاف ہونے کے اعتبار سے مقید نہیں۔

(غَيْرِ الْمُوَكَّلِ لَا يَشْتَرِيهِ لِنَفْسِهِ) وَلَا لِمُوَكَّلٍ آخَرَ بِالْأَوَّلَى (عِنْدَ غَيْبَتِهِ حَيْثُ لَمْ يَكُنْ مُخَالَفًا دَفْعًا لِلْغَرَرِ فَلَوْ اشْتَرَاهُ

وہ معین شے موکل کا غیر ہو تو وکیل اس چیز کو اپنے لیے نہ خریدے اور کسی دوسرے موکل کے لیے بدرجہ اولیٰ نہ خریدے جب وہ موکل غائب ہو

27344۔ (قولہ: غَيْرِ الْمُوَكَّلِ) غیر مجرور ہے شے کی صفت ہے اور یہ صفت مخصوصہ ہے۔ نصب کی صورت میں یہ شے سے مستثنیٰ ہوگا یا حال ہوگا۔ ”المنح“ میں کہا: غیر موکل کی قید لگائی ہے تاکہ اس سے احتراز ہو جائے جب غلام اسے وکیل بنائے جو اسے اس کے آقا سے خریدے۔ یا غلام کو وکیل بنایا کہ وہ اس کے لیے اپنے آپ کو اپنے آقا سے خریدے۔ پس اس نے اسے خرید لیا تو یہ امر (موکل) کے لیے نہ ہوگا جب تک وہ آقا کے لیے اس کے لیے تصریح نہیں کرے گا کہ وہ دونوں صورتوں میں امر کے لیے خرید رہا ہے جب کہ یہ معین شے کی خریداری کے لیے وکیل ہے اسی دلیل کی وجہ سے جو عنقریب آئے گی گویا احتراز کی صورت ان دونوں صورتوں میں ہے جن کا ذکر انہوں نے کیا ہے اس اعتبار سے کہ موکل کا غلط اسم فاعل اور اسم مفعول ہونے کا احتمال رکھتا ہے۔ اس میں جو ضعف ہے وہ مخفی نہیں۔ زیادہ بہتر یہ تھا کہ کہتے: غَيْرِ الْمُوَكَّلِ وَالْمُوَكَّلِ۔

27345۔ (قولہ: لَا يَشْتَرِيهِ لِنَفْسِهِ) اس کے حضور کے بغیر اسے اپنے لیے نہیں خریدے گا۔ ”باقانی“۔ حاشیہ میں اسی طرح ہے۔

27346۔ (قولہ: بِالْأَوَّلَى) ”البحر“ میں اس کی وضاحت کی ہے۔

27347۔ (قولہ: دَفْعًا لِلْغَرَرِ) ”باقانی“ نے کہا: کیونکہ یہ صورت موکل کو دھوکا دینے کی طرف لے جاتی ہے کیونکہ اس پر اعتماد کیا ہے نیز کیونکہ اس میں اپنے آپ کو معزول کرنا لازم آتا ہے جس طرح کہا گیا ہے وہ اس کا مالک نہ ہوگا مگر جب وہ موکل کی موجودگی میں اسے خریدے۔ ”ہدایہ“ میں اسی طرح ہے۔ کذا فی الہامش

اس میں ہے: بیع کا وکیل اس چیز کو اپنے لیے خریدنے کا مالک نہیں۔ کیونکہ ایک آدمی مشتری اور بائع نہیں ہو سکتا۔ پس وہ اسے کسی اور کے ہاتھ بیچے پھر اس سے وہ چیز خریدے۔ اگر موکل نے اسے حکم دیا کہ وہ اسے اپنے ہاتھ میں سے بیچ دے، اپنے چھوٹے بچے کے ہاتھ بیچ دے یا اس کے ہاتھ میں جس کی گواہی اس کے لیے قبول نہ ہوتی ہو تو وہ اس کے ہاتھ میں بیچ دے تو یہ جائز ہوگا۔ ”بزازیہ“، ”حامدیہ“۔

جب اس نے وکیل بنایا کہ وہ اس کے لیے معین غلام، معین ثمن کے بدلے میں خریدے وکیل نے وکالت کو قبول کر لیا پھر وہ موکل کے پاس سے نکلا اور اپنی ذات پر گواہ بنایا کہ اس نے یہ غلام اپنے لیے خریدا ہے پھر اس کی مثل ثمن کے بدلے میں غلام خرید اتو وہ غلام موکل کے لیے ہوگا۔ ”فتاویٰ ہندیہ“۔

27348۔ (قولہ: فَلَوْ اشْتَرَاهُ) یہ ان کے قول حیث لم یکن مخالفاً پر تفریع ہے۔

بِغَيْرِ التُّقُودِ (أَوْ بِخِلَافِ مَا سَتَى) الْمُوَكَّلُ (لَهُ مِنْ الشَّيْنِ وَقَعَمَ) الشِّرَاءُ (لِلْوَكِيلِ) لِمُخَالَفَتِهِ أَمْرَهُ وَيَنْعَزِلُ فِي ضَمَنِ الْمُخَالَفَةِ عَيْنِي (وَإِنْ) بِشِرَاءِ شَيْءٍ (بِغَيْرِ عَيْنِهِ) فَالشِّرَاءُ لِلْوَكِيلِ إِلَّا إِذَا نَوَاهُ لِلْمُوَكَّلِ وَقَتَ الشِّرَاءِ (أَوْ شِرَاءَهُ بِمَالِهِ) أَيْ بِمَالِ الْمُوَكَّلِ، وَلَوْ تَكَذَّبَ فِي النِّيَّةِ حُكْمٌ بِالنَّقْدِ إِجْمَاعًا، وَلَوْ تَوَافَقَا أَنَّهَا لَمْ تَحْضُرْهُ فِرَاقًا وَإِتْيَانٍ (زَعَمَ أَنَّهُ اشْتَرَى عَبْدًا لِلْمُوَكَّلِ)

تا کہ اس کی مخالفت کرنے والا نہ ہوتا کہ وہ دھوکا و فریب ختم کرے۔ اگر اس نے نقدی کے بغیر یا موکل نے جس شے کا ذکر کیا تھا اس کے علاوہ سے وہ شے خریدی تو یہ خریداری وکیل کے لیے واقع ہوگی۔ کیونکہ وکیل نے موکل کے امر کی مخالفت کی ہے اور مخالفت کے ضمن میں وہ معزول ہو جائے گا۔ ”عینی“، اگر غیر معین چیز کو خریدتا تو خریداری وکیل کے لیے ہوگی مگر جب وہ خریداری کے وقت موکل کے لیے اس کی نیت کرے یا موکل کے مال سے اسے خریدے اگر نیت میں ایک دوسرے کو جھٹلائیں تو بالا جماع حکم نقد پر ہوگا یعنی نقد کی صورت میں موکل کے خریداری کا حکم لگایا جائے گا اگر دونوں موافقت کریں کہ نیت نہیں تو دور وایتیں ہیں۔ وکیل نے یہ گمان کیا کہ اس نے غلام موکل کے لیے خریدا ہے

27349۔ (قوله: بِغَيْرِ التُّقُودِ) یعنی جب شے معین نہ ہو۔

27350۔ (قوله: أَوْ بِخِلَافِ) یہ قول جنس اور قدر میں مخالفت کو شامل ہے۔ اس میں اعتراض کی گنجائش ہے۔ اسے ”البحر“ میں دیکھیے۔

27351۔ (قوله: مَا سَتَى) اگر شے معین کر دی گئی ہو۔

27352۔ (قوله: فَالشِّرَاءُ لِلْوَكِيلِ) مسئلہ کی کئی صورتیں ہیں جس طرح ”البحر“ میں ہے۔ اس کا حاصل یہ ہے: اگر وہ عقد کو دونوں میں سے ایک کے مال کی طرف منسوب کرے تو خریدی گئی چیز اس کی ہوگی۔ اگر اسے مال مطلق کی طرف منسوب کرے اگر وہ خریدتے وقت امر کی نیت کرے تو وہ چیز امر کے لیے ہوگی اگر وہ اس کی نیت اپنے لیے کرے تو وہ وکیل کے لیے ہوگی۔ اگر وہ نیت کے بارے میں ایک دوسرے کو جھٹلائیں تو بالا جماع حکم نقد پر ہوگا۔ یعنی نقد ہی کی صورت میں موکل کے لیے فیصلہ ہوگا۔ اگر نیت نہ ہونے پر دونوں موافقت کریں تو امام ”ابو یوسف“ رحمہ اللہ کے نزدیک عقد عاقد کے لیے ہوگا اور امام ”محمد“ رحمہ اللہ کے نزدیک نقد کا حکم لگایا جائے گا۔

اس بحث سے یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ موکل کے لیے نیت کا محل اس صورت میں ہے جب وہ اسے مطلق مال کی طرف منسوب کرے خواہ اپنے مال سے نقد دے یا موکل کے مال سے نقد دے۔ اسی طرح ان کا قول: ولو تَكَذَّبَا اور ان کا قول: ولو تَوَافَقَا اس کا محل اس صورت میں ہے جب وہ اسے مطلق مال کی طرف منسوب کرے۔ لیکن پہلی صورت بالا جماع نقد کا حکم لگایا جائے گا اور دوسری صورت میں سابقہ اختلاف پر ہی حکم لگایا جائے گا۔

27353۔ (قوله: أَوْ شِرَاءَهُ) اس کا معنی یہ ہے کہ وہ عقد کو اپنے مال کی طرف منسوب کرے نہ کہ اس کا معنی ہے اپنے مال

فَهَذَكَ وَقَالَ مُوَكَّلُهُ بَلْ شَرَيْتَهُ لِنَفْسِكَ، فَإِنْ كَانَ الْعَبْدُ (مُعَيَّنًا وَهُوَ حَيٌّ) قَائِمٌ (فَالْقَوْلُ لِلنَّامُورِ مُطْلَقًا إجماعًا نَقْدَ الشَّيْنِ أَوْ لَا) لِإِخْبَارِهِ عَنْ أَمْرِيكَ اسْتِثْنَاهُ (وَإِنْ مَيِّتًا) الْحَالُ أَنَّ الشَّيْنَ مَنقُودٌ فَكَذَلِكَ الْحُكْمُ (وَإِلَّا) يَكُنْ مَنقُودًا (فَالْقَوْلُ لِلْمُوَكَّلِ)؛ لِأَنَّهُ يُنَكِّرُ الرُّجُوعَ عَلَيْهِ (وَإِنْ) الْعَبْدُ (غَيْرُ مُعَيَّنٍ) وَهُوَ حَيٌّ أَوْ مَيِّتٌ (فَكَذَا) أَيْ يَكُونُ لِلنَّامُورِ (إِنَّ الشَّيْنَ مَنقُودًا)؛ لِأَنَّهُ أَمِينٌ (وَإِلَّا فَلِلْأَمْرِ)

تو وہ غلام مرگیا اس کے موکل نے کہا: تو نے وہ غلام اپنے لیے خریدا تھا اگر غلام معین ہو اور وہ زندہ و قائم ہو تو قول بالاجماع مطلقاً مامور کا معتبر ہوگا شمن نقد دی تھی یا نہیں دی تھی۔ کیونکہ وہ ایسے امر کی خبر دے رہا ہے جو نئے سرے سے واقع کر سکتا ہے۔ اگر وہ غلام مرگیا ہو جب کہ حال یہ ہے کہ شمن نقد دی گئی تھی تو حکم اسی طرح ہوگا۔ اگر شمن نقد نہ دی گئی ہو تو قول موکل کا معتبر ہوگا۔ کیونکہ وہ اپنے شمن کے رجوع کا منکر ہے۔ اگر غلام غیر معین ہو جب کہ وہ غلام زندہ ہو یا مردہ ہو تو حکم اسی طرح ہوگا یعنی وہ قول مامور کا ہوگا اگر شمن نقد دی گئی ہو۔ کیونکہ وکیل دین ہے ورنہ قول آمر کا معتبر ہوگا۔

سے نقد دے۔ ”بحر“۔

27354۔ (قوله: فَهَذَكَ) صحیح یہ تھا کہ اس قول کو ساقط کیا جاتا۔ کیونکہ ان کا قول ہے دھو حی جس طرح ”شر بنالیه“

میں ہے اس میں انہوں نے صاحب ”الدرر“ اور ”صدر الشریعہ“ کی پیروی کی ہے۔

27355۔ (قوله: قَائِمٌ) اس قول کی کوئی حاجت نہیں۔ شاید یہ ارادہ کیا ہے کہ وہ ہر اعتبار سے قائم ہے تاکہ اس کے ساتھ

اس سے احتراز کیا جائے جب اس میں عیب واقع ہو۔ کیونکہ ہر چیز بلاک ہونے کی طرح ہے جس طرح ”بزازیہ“ میں ہے۔ تامل

27356۔ (قوله: لِلنَّامُورِ) یعنی قسم کے ساتھ قول مامور کا معتبر ہوگا۔ ”یعقوبیہ“۔

27357۔ (قوله: وَإِلَّا يَكُنْ مَنقُودًا) خواہ غلام زندہ ہو یا مردہ ہو، ”ح“۔ اس میں ہے: زندہ کی صورت زرعچی ہے

اور یہ صورت مردہ میں ہے۔

27358۔ (قوله: أَيْ يَكُونُ) یعنی قول مامور کا معتبر ہوگا۔ حاشیہ میں اسی طرح ہے۔

27359۔ (قوله: وَإِلَّا فَلِلْأَمْرِ) مذکورہ مسئلہ کا حاصل آٹھ صورتوں پر ہے جس طرح ”زیلعی“ نے کہا ہے: یا تو

معین غلام یا غیر معین غلام خریدنے کا امر کیا جائے گا۔ پھر ہر ایک کی دو صورتیں ہیں: یا تو غلام زندہ ہوگا جب وکیل خریداری کی

خبر دے یا وہ غلام مرگیا ہوگا۔ پھر کہا: اس کا حاصل یہ ہے: اگر شمن نقد دی گئی ہو تو تمام صورتوں میں قول وکیل کا معتبر ہوگا۔ اگر

شمن نقد نہ دی گئی ہو تو دیکھا جائے گا اگر وکیل اس عقد کو نئے سرے سے واقع کرنے کا مالک نہیں ہوگا اس کی صورت یہ ہے کہ

وہ مردہ ہو تو قول آمر کا معتبر ہوگا۔ اگر وہ اسے نئے سرے سے واقع کرنے کا مالک ہو تو ”صاحبین“ دلائل میں کے نزدیک قول

مامور (وکیل) کا معتبر ہوگا۔ امام ”ابو حنیفہ“ رحمہ اللہ کے نزدیک بھی صورتحال اسی طرح ہے جب تہمت کا موقع نہ ہو۔ اور تہمت

کے موقع محل میں قول آمر کا معتبر ہوگا۔

لِلْثُمَّةِ خِلَافًا لَهَا (قَالَ بَعْنِي هَذَا لِعَمْرٍو فَبَاعَهُ ثُمَّ أَنْكَرَ الْأُمْرَ أَمْي أَنْكَرَ الْمُشْتَرِي أَنَّ عَمْرًا أَمَرَهُ
بِالشِّرَاءِ) (أَخَذَهُ عَمْرٌو وَلَغَا أَنْكَارُهُ) الْأُمْرُ لِمُنَاقَضَتِهِ لِإِقْرَارِهِ بِتَوَكُّلِهِ بِقَوْلِهِ بَعْنِي لِعَمْرٍو (إِلَّا أَنْ يَقُولَ
عَمْرٌو لَمْ أَمْرُهُ بِهِ) أَمْي بِالشِّرَاءِ (فَلَا) يَأْخُذُهُ عَمْرٌو؛ لِأَنَّ إِقْرَارَ الْمُشْتَرِي ارْتِدَّ بِرَدِّهِ (إِلَّا أَنْ يُسَلِّمَهُ
الْمُشْتَرِي إِلَيْهِ) أَمْي إِلَى عَمْرٍو؛ لِأَنَّ التَّسْلِيمَ عَلَى وَجْهِ الْبَيْعِ بَيِّنٌ بِالتَّعَاطِي، وَإِنْ لَمْ يُوجَدْ نَقْدُ الشَّيْءِ
لِلْعُرْفِ (أَمْرُهُ بِشِرَاءِ شَيْئَيْنِ مُعَيَّنَيْنِ) أَوْ غَيْرِ مُعَيَّنَيْنِ إِذَا نَوَاهُ لِلْمُوَكَّلِ كَمَا مَرَّبَحًا (وَالْحَالُ أَنَّهُ لَمْ
يُسَمِّ تَمَنَّا فَاشْتَرَى لَهُ أَحَدَهُمَا بِقَدْرِ قِيَمَتِهِ أَوْ بِزِيَادَةٍ) يَسِيرَةً (يَتَغَابَنُ النَّاسُ فِيهَا صَحَّ)

کیونکہ تہمت پائی جا رہی ہے۔ ”صاحبین“ رحمہ اللہ نے اس سے اختلاف کیا ہے۔ وکیل نے کہا: یہ غلام عمرو کے لیے میرے
ہاتھ بیچ دو بائع نے وہ غلام اس کے ہاتھ بیچ دیا پھر امر کا انکار کر دیا یعنی مشتری نے یہ انکار کر دیا کہ عمرو نے اسے خریدنے کا حکم
دیا تھا عمرو اسے لے لے گا اور اس کا انکار لغو چلا جائے گا۔ کیونکہ وہ اپنے انکار کو اپنی توکیل کے ساتھ اقرار کے منقض کر رہا
ہے۔ توکیل کا اقرار اس کا یہ قول تھا: یعنی عمرو۔ مگر جب عمرو یہ کہہ دے: میں نے اسے خریداری کا حکم نہیں دیا تو عمرو وہ نہیں لے
گا۔ کیونکہ مشتری کا اقرار اس کے رد کرنے سے رد ہو جائے گا مگر جب مشتری وہ چیز عمرو کے حوالہ کر دے۔ کیونکہ بیچ کے طریقہ
پر کسی شے کو سپرد کرنا باہم لین دین والی بیع ہے اگرچہ نقد ثمن نہ پائی جائے کیونکہ عرف یہی ہے۔ موکل نے وکیل کو دو معین یا دو
غیر معین چیزوں کے خریدنے کا حکم دیا جب وکیل خریدتے وقت موکل کے لیے نیت کرے جس طرح پہلے گزر چکا ہے جب کہ
حال یہ ہے اس نے ثمن کا ذکر نہ کیا تھا وکیل نے ان دونوں میں سے ایک موکل کے لیے خریدی اس کی قیمت کے معیار سے
تھوڑی زائد سے جس میں لوگ باہم غبن کرتے ہیں یہ امر کی جانب سے عقد کا ہونا صحیح ہو جائے گا

27360۔ (قوله: لِلْثُمَّةِ) اس میں احتمال ہے کہ اس نے غلام اپنے لیے خریدا ہو جب وکیل عقد میں خسارہ دیکھے تو
وہ اسے موکل پر لازم کرنے کا ارادہ کرے، ”ح“۔ حاشیہ میں اسی طرح ہے۔

27361۔ (قوله: خِلَافًا لَهَا) اختلاف صرف اس صورت میں ہے جب آمر منکر ہو زندہ ہو اور ثمن نقد نہ دی گئی ہو،
”ح“۔ حاشیہ میں اسی طرح ہے۔

27362۔ (قوله: بِقَوْلِهِ بَعْنِي الْخ) یہ ان کے قول بتوکیلہ سے بدل ہے۔

27363۔ (قوله: أَوْ غَيْرِ مُعَيَّنَيْنِ) اس میں ”ابوسعود“ نے بحث کی ہے۔ ہم نے ”البحر“ پر جو تعلیقات لکھی ہیں
اسے دیکھ لیجئے۔

27364۔ (قوله: إِذَا نَوَاهُ) یہ صرف دو غیر معین چیزوں میں قید ہے، ”ح“۔ حاشیہ میں اسی طرح ہے۔

27365۔ (قوله: كَمَا مَرَّ) قریب ہی ان کے قول: و ان بغیر عینہ فالشراء للوکیل الا اذا نواه للوکیل میں گزر

چکا ہے۔

عَنْ الْأَمْرِ (وَلَا لَكَ إِذْ لَيْسَ لَوَكِيلِ الشَّعَاءُ بِغَبْنٍ فَاحِشٍ إِجْمَاعًا، بِخِلَافٍ وَكِيلِ الْبَيْعِ كَمَا سَيَجِيءُ) كَذَا (بِشَرَايِهِمَا بِالْأَلْفِ وَقِيمَتُهُمَا مَوَازٍ فَاشْتَرَى أَحَدُهُمَا بِنِصْفِهِ أَوْ أَقَلَّ صَاحِبًا وَكَوْنًا لَكثيرًا وَلَوْ يَسِيرًا) (لَا يَنْزِمُ الْأَمْرُ إِلَّا أَنْ يَشْتَرِيَ الشَّيْءَ مِنْ الْمُعَيَّنِينَ مَثَلًا (بِمَا بَقِيَ) مِنَ الْأَلْفِ (قَبْلَ الْخُصُومَةِ) لِخُصُوبِ الْمُتَصَوِّدِ. وَجَوَّزًا إِنْ بَقِيَ مَا يُشْتَرَى بِشَيْءٍ الْآخَرُ) (وَلَوْ أَمَرَ رَجُلٌ مَدْيُونُهُ بِشَرَاءِ شَيْءٍ مِنْ مُعَيَّنٍ بِدَيْنٍ لَهُ عَلَيْهِ وَعَيْنُهُ أَوْ عَيْنَ (الْبَائِعِ صَاحِبٍ) وَجُعِلَ الْبَائِعُ وَكِيلًا بِالنَّقْضِ دَلَالَةً فَيَبْرَأَ الْغَرِيبُ بِالشُّسْبِ إِلَيْهِ. بِخِلَافٍ غَيْرِ الْمُعَيَّنِينَ: لِأَنَّ تَوَكِيلَ السَّجُّوْلِ بَاحِلٌ وَلِذَا قَالَ (وَلَا لَكَ يُوَعِّظُ) (فَلَا يَنْزِمُ الْأَمْرُ وَنَفَذَ عَلَى السَّامِعِينَ) فَهَلَا كُنْ عَلَيْهِ خِلَافًا لِبَيْعِهِ. وَكَذَا الْخِلَافُ لَوَ أَمَرَ أَنْ يُسَبِّحَ مَا عَلَيْهِ

ورنہ آمرن جانب سے عقد نہیں ہوگا۔ کیونکہ وکیل کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ نہیں فاحش کے ساتھ اسے خریدے۔ اس پر اجماع ہے۔ بیع کے وکیل کا معاملہ مختلف ہے جس طرح غنقریب آئے گا۔ اسی طرح وہ ان دونوں چیزوں کو برابر کے بدلے میں خریدنے کا حکم دیتا ہے جب کہ ان دونوں کی قیمت برابر ہے پس اس نے دونوں میں سے ایک کو اس کے نصف یا اس سے کم سے خریدنا تو یہ صحیح ہو جائے گا۔ اگر وہ قیمت سے تجاوز ازامد کے ساتھ خریدے تو امر وہ عقد لازم نہیں ہوگا۔ مگر خصوصیت سے قبل بازار میں سے باقی ماندہ سے دوسرا معین خرید لے۔ کیونکہ اس کا مقصود حاصل ہو گیا ہے۔ اگر بازار میں سے اتنا باقی ہو جس کے ساتھ دوسرا خریداجا سکتا ہے تو ”صاحبین“ جملہ بیہ نے اسے جائز قرار دیا ہے۔ اگر ایک آدمی نے اپنے مقروض کی معین شے کو اس دین کے بدلے میں خریدنے کا حکم دیا جو دین اس کا مقروض کے ذمہ ہے اس شے کو معین کر دیا یا بیع کو معین کر دیا تو یہ صحیح ہوگا۔ وکیل کو دولت کے اعتبار سے قبضہ کرنے کا وکیل بنا دیا جائے گا۔ پس وہ چیز اس کے سپرد کر دی گئی تو مقروض بری ہو جائے گا۔ غیر معین کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ مجبور وکیل بنا نا باطل ہے۔ اسی وجہ سے جب امر معین نہ ہو تو یہ عقد لازم پر لازم نہ ہوگا۔ اور وہ عقد لازم پر نافذ ہو جائے گا۔ اس شے کی بلاکت و مور کے ذمہ ہوگی۔ ”صاحبین“ جملہ بیہ نے اس سے اختلاف کیا ہے۔ اسی طرح اختلاف کی صورت ہے کہ ایک آدمی نے مریدین کو حکم دیا کہ اس کے ذمہ جو مقروض ہے

27366۔ (قولہ: عَنْ الْأَمْرِ) کیونکہ تَوَكِيلُ مطلق ہے یعنی معیت کی قید سے مطلق ہے بعض اوقات راویوں نے تَوَكِيلُ

نہیں ہوتی۔

27367۔ (قولہ: مُعَيَّنِينَ) مصنف کے قول وعینہ کے ساتھ اس کی کوئی حجت نہیں۔

27368۔ (قولہ: وَلَا يُعَيِّنُ) یعنی بیع کو معین کرے اور نہ ہی بائع کو معین کرے۔

27369۔ (قولہ: خِلَافًا لِبَيْعِهِ) ”صاحبین“ جملہ بیہ نے فرمایا یہ عقد لازم ہو جائے گا جب مور اس پر قبضہ کر

۔۔۔۔۔

27370۔ (قولہ: عَلَيْهِ) یعنی جو اس کے ذمہ دین ہے اس کے ساتھ بیع صحیح کرے۔ ”صاحبین“ اس کی صورت یہ ہے کہ

أَوْ يَضْرِفُهُ بِنَاءٍ عَلَى تَعَيُّنِ النُّقُودِ فِي الْوَكَالَاتِ عِنْدَهُ وَعَدَمِ تَعَيُّنِهَا فِي الْمَعَاوَضَاتِ عِنْدَهُمَا (وَلَوْ أَمَرَهُ
أَنِّي أَمَرَ رَجُلٌ مَدْيُونُهُ بِالتَّصَدُّقِ بِمَا عَلَيْهِ صَحَّ) أَمْرُهُ بِجَعْلِهِ الْمَالَ لِلَّهِ تَعَالَى وَهُوَ مَعْلُومٌ (كَمَا) صَحَّ
أَمْرُهُ (لَوْ أَمَرَ) الْآجِرُ (الْمُسْتَأْجِرَ بِمَرْمَةِ مَا اسْتَأْجَرَهُ مِمَّا عَلَيْهِ مِنَ الْأَجْرَةِ) وَكَذَا لَوْ أَمَرَهُ بِشِرَاءِ عَبْدٍ
يَسُوقُ الدَّابَّةَ وَيُنْفِقُ عَلَيْهَا صَحَّ اتِّفَاقًا لِلضَّرُورَةِ؛ لِأَنَّهُ لَا يَجِدُ الْآجِرُ كُلَّ وَقْتٍ فَجَعَلَ الْمُسَوِّجَ كَالْمُسَوِّجِ فِي
الْقَبْضِ قُلْتُ وَفِي شَرْحِ الْجَامِعِ الصَّغِيرِ لِقَاضِي خَانَ إِنَّ كَانَ ذَلِكَ قَبْلَ وَجُوبِ الْأَجْرَةِ لَا يَجُوزُ،

اس میں بیع سلم یا بیع صرف کرے۔ یہ اس پر مبنی ہوگا کہ ”امام صاحب“ رحمہ اللہ کے نزدیک وکالتوں میں نقد متعین ہوتی ہیں اور ”صاحبین“ رحمہ اللہ کے نزدیک معاوضات میں نقد متعین نہیں ہوتیں۔ اگر کوئی آدمی اپنے مدیون کو یہ کہے کہ اس کا جو دین مدیون کے ذمہ لازم ہے وہ صدقہ کر دے تو یہ صحیح ہوگا۔ کیونکہ اس نے اپنا وہ مال اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے دے دیا ہے جو معلوم ہے جس طرح اس کا امر صحیح ہے اگر اجرت پر دینے والا اجرت پر لینے والے کو کہے کہ اس کے ذمہ جو اجرت ہے اس سے اس چیز کو مرمت کر دے جو اس نے اجرت پر لی تھی۔ اسی طرح یہ صحیح ہوگا کہ وہ اسے ایسا غلام خریدنے کا حکم دے جو جانور کو ہانکے اور ان پر خرچ کرے یہ بالاتفاق صحیح ہے۔ کیونکہ اس میں ضرورت ہے۔ کیونکہ وہ اجرت کو ہر وقت نہیں پاتا۔ پس مؤجر کو قبضہ کرنے میں مؤجر کی طرح بنادیا جائے گا۔ میں کہتا ہوں، ”قاضی خان“ کی ”شرح الجامع الصغیر“ میں ہے: اگر یہ امر اجرت کے واجب ہونے سے پہلے ہو تو یہ جائز نہیں ہوگا۔

موکل اسے کہے: وہ دین جو میرا تیرے ذمہ لازم ہے اس کے ساتھ فلاں سے بیع سلم کر لے تو یہ جائز ہے اگر وہ فلاں (بائع) کو معین نہ کرے تو ”امام صاحب“ رحمہ اللہ کے نزدیک یہ جائز نہ ہوگا۔ اور ”صاحبین“ رحمہ اللہ کے نزدیک کوئی بھی صورت ہو یہ جائز ہوگا۔ اسی طرح اگر وہ اسے کہے کہ اس کے ذمہ جو اس کا دین ہے اس کے ساتھ بیع صرف کرے۔ ”زیلعی“۔

27371۔ (قوله: أَوْ يَضْرِفُهُ) یعنی وہ بیع صرف کرے، ”ح“۔ حاشیہ میں اسی طرح ہے۔

27372۔ (قوله: فِي الْوَكَالَاتِ عِنْدَهُ) اسی وجہ سے اسے نقد یا دین کی قید کے ساتھ مقید کیا ہے پھر عین ہلاک ہو گیا اور دین ساقط ہو گیا تو وکالت باطل ہو جائے گی۔ جب یہ نقد اس میں متعین ہو گئیں تو یہ اسے دین کا مالک بنانا ہے جس پر دین لازم نہیں جب کہ یہ جائز نہیں مگر جب وہ اسے اس دین پر قبضہ کرنے کا وکیل بنائے پھر اپنے لیے قبضہ کرنے کا وکیل بنائے اور مجہول کا وکیل بنانا یہ جائز نہیں ہوتا۔ پس یہ امر باطل ہو جائے گا یا یہ قبضہ سے پہلے اس شے کی بیع صرف کا امر ہوگا جس کا مالک وہ قبضہ کرنے کے ساتھ ہوتا ہے۔ ”زیلعی“۔

27373۔ (قوله: فِي الْمَعَاوَضَاتِ) وہ نقد عین ہوں یا دین ہوں۔

27374۔ (قوله: فَجَعَلَ الْمُسَوِّجَ) موجد کا لفظ فتح کے ساتھ اسم مفعول کا صیغہ ہے اس سے مراد گھر ہے مثلاً۔

27375۔ (قوله: كَالْمُسَوِّجِ) یہ کسرہ کے ساتھ اسم فاعل کا صیغہ ہے۔

وَبَعْدَ الْوُجُوبِ قِيلَ عَلَى الْخِلَافِ إلخ فَرَأِجُهُ (وَ) لَوْ أَمَرَهُ بِبِشْرَائِهِ بِأَلْفٍ وَدَفَعَ الْآلِفَ (فَاشْتَرَى وَقَيْمَتُهُ كَذَلِكَ) فَقَالَ الْآمُرُ اشْتَرَيْتَ بِنِصْفِهِ وَقَالَ الْبَآمُرُ بَلْ (بِكُلِّهِ صَدَقَ): لِأَنَّهُ أَمِينٌ (وَإِنْ) كَانَ (قَيْمَتُهُ نِصْفُهُ فَ) الْقَوْلُ (لِلْآمِرِ) بِلَا يَبِينُ دُرَّ، وَابْنُ كَمَالٍ تَبَعًا لِمَذْهَبِ الشَّرِيعَةِ حَيْثُ قَالَ صَدَقَ فِي الْكُلِّ بِغَيْرِ الْخِلَافِ وَتَبِعَهُمُ الْمُصَنِّفُ

اور واجب ہونے کے بعد ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس میں اختلاف ہے۔ پس اس کی طرف رجوع کیجئے۔ اگر اس نے وکیل کو حکم دیا تھا کہ وہ ہزار کے بدلے میں خریدے اور ہزار دے دے وکیل نے غلام خریدا جب کہ اس کی قیمت اسی طرح تھی آمر نے کہا: تو نے ہزار کے نصف سے خریدا ہے مامور نے کہا: بلکہ میں نے پورے ہزار سے خریدا ہے تو اس کی تصدیق کی جائے گی۔ کیونکہ وہ امین ہے اگرچہ اس کی قیمت ہزار کا نصف ہو اور قول آمر کا قسم کے بغیر معتبر ہوگا۔ ”درر“، ”ابن کمال“ یہ ”صدر الشریعہ“ کی اتباع میں کہا۔ کیونکہ انہوں نے کہا: سب صورتوں میں قسم کے بغیر اس کا قول معتبر ہوگا۔ مصنف نے ان کی پیروی کی ہے۔

27376۔ (قوله: فَرَأِجُهُ) میں کہتا ہوں: مذکورہ شرح میں اس جگہ جو میں نے دیکھا ہے وہ اس کی مثل ہے جسے میں نے پہلے بیان کر دیا ہے۔ اس کی نص یہ ہے: جہاں تک حمام وغیرہ کو اجرت دینے کا مسئلہ ہے ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ ”صاحبین“ رحمہ اللہ کا قول ہے۔ اگر یہ سب کا قول ہو تو یہ ضرورت کے اعتبار سے جائز ہوگا۔ کیونکہ مستاجر آجر کو ہر وقت نہیں پاتا پس ہم نے حمام کو قبض میں آجر کے قائم مقام کر دیا ہے۔ میں نے اس عبارت کو اس میں نہیں پایا۔ لیکن باتف نے جو ذرریہ ہے یہ عبارت اس کے مخالف نہیں۔ کیونکہ اجرت پوری طرف منفعت لینے کے بعد واقع ہوتی ہے یا اجرت پہلے ادا کرنے کی شرط کے ساتھ واجب ہوتی ہے۔ متن کے قول معا علیہ من الاجرة کا یہی معنی ہے۔

27377۔ (قوله: لِلْآمِرِ) وہ قول مامور پر نافذ ہو جائے گا۔ ”زلیعی“۔

وکیل کا قول اس کی قسم کے ساتھ قبول کیا جائے گا

27378۔ (قوله: بِلَا يَبِينُ) ”الاشباہ“ میں ہے: ہر وہ شخص جس کا قول قبول کیا جاتا ہو اس پر قسم لازم ہوتی ہے۔ اگر دس مسائل میں ایسا نہیں ہوتا اور ان دس کا شمار کیا یہاں جس کا ذکر کیا ہے وہ ان دس میں سے نہیں ہے اور جواب مُسْن ہے۔ تامل۔ بعض فضلاء کی تحریر اسی طرح ہے۔

حاشیہ میں چند فروع کا ذکر کیا ہے وہ یہ ہیں: اگر کہا: اس نے مجھے کہا تو میں نے وہ چیز اس کے وکیل یا اس کے قرض خواہ کو دے دی یا اس نے مجھے ہبہ کی یا اس نے مجھے ادا کر دیا جو میرا اس پر لازم تھا تو اس کی تصدیق نہ کی جائے گی اور وہ مال کا ضامن ہوگا۔ ”بحر“۔

اس میں مختلف مسائل ہیں جو کتاب القضاء میں ہیں قول کے قبول کرنے میں نگران کا نائب نگران کی طرح ہے اگر نگران کا

لَكِنْ جَزَمَ الْوَائِيُّ بِأَنَّهُ تَحْرِيفٌ وَصَوَابُهُ بَعْدَ الْحَلْفِ (وَإِنْ لَمْ يَدْفَعْ) الْأَلْفَ (وَقِيَمَتُهُ نِصْفُهُ فَ) الْقَوْلُ (لِلْأَمْرِ) بِلَا يَبِينُ قَالَهُ الْمُصَنِّفُ تَبَعًا لِلدَّرَرِ كَمَا مَرَّقْتُ لَكِنْ فِي الْأَشْبَاهِ الْقَوْلُ لِلْوَكِيلِ بَيِّنَةٍ إِلَّا فِي أَرْبَعٍ فَبِالْبَيِّنَةِ فَتَنَّبَهُ (وَإِنْ) كَانَ (قِيَمَتُهُ أَلْفًا فَيَتَحَالَفَانِ ثُمَّ يُمْسَخُ الْعَقْدُ) بَيْنَهُمَا (فَيَلْزَمُ الْبَيْعُ) (الْمَأْمُورَ) وَكَذَا لَوْ أَمَرَهُ (بِشِئَاءٍ مُعَيَّنٍ مِنْ غَيْرِ بَيَانِ شَيْءٍ فَقَالَ الْمَأْمُورُ اشْتَرَيْتُهُ بِكَذَا) (وَإِنْ) (صَدَّقَهُ) (بِائِئِهِ) عَلَى الْأُظْهَرِ (وَقَالَ الْأَمْرُ بِنِصْفِهِ تَحَالَفًا) فَوُقُوعُ الْإِخْتِلَافِ فِي الشَّيْءِ يُوجِبُ الشَّحْلَ (وَلَوْ اخْتَلَفَا

لیکن ”وائی“ نے یقین سے بیان کیا کہ یہ تحریف ہے صحیح بعد الحلف ہے۔ اگر موکل نے وکیل کو ہزار نہیں دیا تھا اور اس کی قیمت ہزار کا نصف ہے تو قول قسم کے بغیر آمر کا ہوگا۔ یہ مصنف نے ”الدرر“ کی پیروی میں کہا ہے۔ جس طرح قول گزر چکا ہے۔ میں کہتا ہوں: لیکن ”الاشباہ“ میں ہے: قسم کے ساتھ قول وکیل کا معتبر ہوگا مگر چار مقامات پر قسم کے ساتھ اس کا قول معتبر نہیں ہوگا بلکہ گواہوں کے ساتھ اس کا قول معتبر ہوگا جس طرح قول گزر چکا ہے۔ اگر اس کی قیمت ہزار ہو تو دونوں ایک دوسرے سے قسم کا مطالبہ کریں گے پھر دونوں کے درمیان عقد فسخ ہو جائے گا پس بیع مامور کو لازم ہو جائے گا۔ اسی طرح اگر اس نے اسے شمن کی وضاحت کے بغیر معین شے خریدنے کا حکم دیا مامور نے کہا: میں نے اسے اتنے میں خریدا ہے اگرچہ اظہر قول کے مطابق اس کا بائع اس کی تصدیق کر دے اور آمر کہے: اس نے اس کے نصف سے اسے خریدا ہے تو دونوں قسم اٹھائیں گے۔ شمن میں اختلاف کا وقوع باہم قسم اٹھانے کو واجب کر دیتا ہے۔ اگر وہ دونوں شمن کی مقدار میں

نائب وقف کے مال کے ضائع ہونے کا دعویٰ کرے یا مستحقین پر تقسیم کرنے کا دعویٰ کرے اور وہ لوگ انکار کر دیں تو اس کا قول اسیل کے قول کی طرح معتبر ہوگا لیکن اسے قسم اٹھانا ہوگی۔ اور آمر کے ساتھ وہ قاضی کے سیکرٹری سے مختلف ہو گیا۔ کیونکہ قاضی کے سیکرٹری پر کوئی قسم نہیں ہوتی جس طرح قاضی پر کوئی قسم نہیں ہوتی۔ ”حامد“۔

”خیر“ میں کتاب الوصایا میں ہے: وصی قیم کی مثل ہے کیونکہ ان کا قول ہے وصیت اور وقف دونوں بھائی ہیں۔ ”حامد“۔
27379۔ (قوله: جَزَمَ الْوَائِيُّ) ”یعقوبیہ“ میں اس پر اعتراض کیا ہے۔ ”البحر“ کے حاشیہ میں میں نے دونوں عبارتیں ذکر کی ہیں۔

27380۔ (قوله: تَحْرِيفٌ) یہ دعویٰ کیا کہ یہ عقل و نقل کے خلاف ہے۔

27381۔ (قوله: لَكِنْ فِي الْأَشْبَاهِ) ”الاشباہ“ کی عبارت میں طویل کلام ہے جسے ”شرنبلائی“ نے ایک جامع رسالہ ”منة الجلیل فی قبول قول الوکیل“ میں ذکر کیا ہے۔ اسے ”مقدسی“ نے ذکر کیا ہے جن کا ایک رسالہ ہے جس کا خلاصہ ”حموی“ نے اپنے حاشیہ میں کیا ہے۔ ”فتال“ نے اسے نقل کیا ہے اگر تو چاہے تو اس کی طرف رجوع کر۔

27382۔ (قوله: الْمَأْمُورَ) یعنی دونوں صورتوں میں مامور پر لازم ہو جائے گا۔ ”زیلعی“۔

27383۔ (قوله: وَلَوْ اخْتَلَفَا) یہاں وہ دونوں ایک شے کے بیان پر متفق ہو گئے ہیں لیکن اختلاف مقدار میں

فِي مِقْدَارِهِ أَمَى الثَّمَنِ فَقَالَ أَمَرْتُكَ بِشَأْنِهِ بِمِائَةٍ وَقَالَ الْمَأْمُورُ بِالْفِ (فَالْقَوْلُ لِلْأَمْرِ بِبَيْعِهِ
 (فَإِنْ بَرَهْنَا قَدَّمَ بَرَهَانَ الْمَأْمُورِ؛ لِأَنَّهَا أَكْثَرُ اثْبَاتَاتِ) (وَلَوْ أَمَرَهُ (بِشَاءِ أَخِيهِ فَاشْتَرَى الْوَكِيلُ فَقَالَ
 الْأَمْرُ لَيْسَ هَذَا) الْمُشْتَرَى (بِأَخِي فَالْقَوْلُ لَهُ) بِبَيْعِهِ (وَيَكُونُ الْوَكِيلُ مُشْتَرِيًا لِنَفْسِهِ) وَالْأَصْلُ أَنَّ
 الشَّيْءَ مَتَى لَمْ يَنْفُذْ عَلَى الْأَمْرِ يَنْفُذْ عَلَى الْمَأْمُورِ بِخِلَافِ الْبَيْعِ، كَمَا مَرَرْنَا خِيَارَ الشَّرْطِ (وَعَتَّقُ الْعَبْدَ
 عَلَيْهِ) أَمَى عَلَى الْوَكِيلِ (لِزَعْمِهِ) عَتَّقَهُ عَلَى مَوْلَاهُ فَيُؤَاخِذُ بِهِ خَانِيَةً (وَلَوْ أَمَرَهُ عَبْدٌ (بِشَاءِ نَفْسِ الْأَمْرِ
 مِنْ مَوْلَاهُ بِكَذَا وَدَفَعَ الْمَبْدُغُ) فَقَالَ) الْوَكِيلُ (لِسَيِّدِهِ اشْتَرَيْتُهُ لِنَفْسِهِ فَبَاعَهُ عَلَى هَذَا) الْوَجْهِ (عَتَّقَ)
 عَلَى الْمَالِكِ (وَمَوْلَاهُ لِسَيِّدِهِ) وَكَانَ الْوَكِيلُ سَفِيرًا (وَإِنْ قَالَ) الْوَكِيلُ (اشْتَرَيْتُهُ) وَلَمْ يَقُلْ لِنَفْسِهِ
 (فَالْعَبْدُ) مِلْكُ (لِلْمُشْتَرَى) وَالْأَلْفُ لِلْسَيِّدِ فِيهِمَا):

اختلاف کریں امر کہے: میں نے تجھے ایک سو میں اس کے خریدنے کا کہا تھا مامور کہے: تو نے ہزار میں خریدنے کا کہا تھا تو
 قسم کے ساتھ قول امر کا معتبر ہوگا۔ اگر دونوں گواہیاں قائم کر دیں تو مامور کے گواہوں کو مقدم کیا جائے گا۔ کیونکہ وہ امر کو
 ثابت کرنے میں بڑھ کر ہے۔ اگر وہ اس کے بھائی کو خریدنے کا کہے: وکیل نے اسے خرید لیا امر نے کہا: یہ خرید اہوا غلام میرا
 بھائی نہیں تو قسم کے ساتھ قول اس کا معتبر ہوگا اور وکیل اپنے لیے اسے خریدنے والا ہوگا۔ قاعدہ یہ ہے: جب ثرا امر پر نافذ
 نہ ہو تو مامور پر نافذ ہو جاتی ہے۔ بیع کا معاملہ مختلف ہے جس طرح خیار شرط میں گزر چکا ہے۔ اور غلام وکیل پر بھی آزاد ہو
 جائے گا۔ کیونکہ اس نے یہ گمان کیا تھا کہ وہ موکل پر آزاد ہو جائے گا۔ پس اس کے گمان پر حکم اخذ کیا جائے گا۔ ”خانیہ“۔ اگر
 غلام نے اسے کہا کہ وہ امر کی ذات کو اس کے آقا سے اتنی رقم پر خرید لے اور وہ رقم اس کو ادا کر دی وکیل نے اس کے آقا سے
 کہا: میں نے وہ اسے اس کے لیے خریدا ہے تو آقا نے اسے اسی طرح بیچ دیا تو وہ غلام آقا پر لازم ہو جائے گا اور اس کی ولایت
 اس کے آقا کے لیے ہوگی۔ اور وکیل محض سفیر ہوگا۔ اگر وکیل نے کہا: میں نے اسے خریدا ہے اور لفظ کے الفاظ نہ کہے تو غلام
 مشتری کی ملکیت ہوگا اور ہزار دونوں صورتوں میں آقا کے لیے ہوگا۔

ہے۔ وہ صورت جو اس سے پہلے وہ اس سے مختلف ہے۔ کیونکہ اس میں ثمن سے کوئی شے بیان نہیں کی گئی۔ ”زیلعی“ میں جو قول
 ہے وہ سہو ہے جس طرح ”البحر“ میں اس پر متنبہ کیا ہے۔

27384۔ (قوله: بِشَاءِ أَخِيهِ) یعنی امر کا بھائی خریدے۔

27385۔ (قوله: فَالْقَوْلُ لَهُ) یعنی قول امر کا معتبر ہوگا۔

27386۔ (قوله: مِنْ مَوْلَاهُ بِكَذَا) یعنی مثلاً ہزار کے بدلے میں۔ مناسب یہ تھا کہ تعبیر اس طرح ہوتی یعنی بائف

کا لفظ ذکر کیا جاتا۔ کیونکہ بعد میں انہوں نے کہا: والالف للسیّد ہزار آقا کا ہوگا۔

27387۔ (قوله: سَفِيرًا) پس حقوق اس کی طرف نہیں لوٹیں گے۔ دوسرے ہزار کا مطالبہ غلام پر ہوگا وکیل پر نہیں ہو

لَأَنَّهُ كَسِبُ عَبْدِهِ (وَعَلَى الْعَبْدِ أَلْفٌ أُخْرَى فِي) الصُّورَةِ (الْأُولَى) بَدَلَ الْإِعْتِقَاقِ (كَمَا عَلَى الْمُشْتَرَى) أَلْفٌ (مِثْلُهَا فِي الثَّانِيَةِ)؛ لِأَنَّ الْأُولَى مَالُ الْمَوْلَى فَلَا يَصْلَحُ بَدَلًا (وَشِرَاءُ الْعَبْدِ مِنْ سَيِّدِهِ إِعْتِقَاقٌ) فَتَلْغُو أَحْكَامُ الشِّئَاءِ فَلِذَا قَالَ (فَلَوْ شَرَى) الْعَبْدُ (نَفْسَهُ إِلَى الْعَطَاءِ صَحَّ) الشِّئَاءُ بَحْرٌ (كَمَا صَحَّ فِي حِصَّتِهِ إِذَا اشْتَرَى نَفْسَهُ مِنْ مَوْلَاهُ وَمَعَهُ رَجُلٌ) آخَرُ (وَبَطَلَ) الشِّئَاءُ (فِي حِصَّةِ شَرِيكِهِ) بِخِلَافِ مَا لَوْ شَرَى الْأَبُ وَلَدَهُ مَعَ رَجُلٍ آخَرَ فَإِنَّهُ يَصَحُّ فِيهِمَا بَيُوعٌ - الْخَانِيَّةُ مِنْ بَحْثِ الْإِسْتِحْقَاقِ - وَالْفَرْقُ الْإِعْقَادُ الْبَيْعُ فِي الثَّانِي لَا الْأَوَّلُ؛ لِأَنَّ الشِّئَاءَ جَعَلَهُ إِعْتِقَاقًا وَلِذَا بَطَلَ فِي حِصَّةِ شَرِيكِهِ لِلزُّومِ الْجَمْعِ بَيْنَ الْحَقِيقَةِ

کیونکہ یہ اس کے غلام کی کمائی ہے۔ اور غلام پر پہلی صورت میں ایک اور ہزار لازم ہوگا جو آزاد کرنے کا بدل ہوگا جس طرح مشتری پر دوسری صورت میں ہزار اس کی مثل ہوگا۔ کیونکہ پہلی صورت میں مال آقا کا ہے پس وہ بدل بننے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ اور غلام کا اپنے آقا سے خریدنا یہ آزاد کرنا ہے۔ پس خریداری کے احکام لغو چلے جائیں گے۔ اسی وجہ سے کہا: اگر غلام نے اپنے آپ کو عطیہ کے ملنے تک خریدنا تو خریدنا صحیح ہوگا۔ ”بحر“۔ جس طرح غلام کا اپنے حصہ میں عقد صحیح ہوگا جب وہ اپنے آقا سے اپنے آپ کو خریدے اور اس غلام کے ساتھ ایک اور آدمی بھی شریک ہو اس کے شریک کے حصہ میں عقد باطل ہو جائے گا۔ اگر باپ کسی اور شخص کے ساتھ مل کر اپنے بیٹے کو خریدے تو معاملہ مختلف ہوگا۔ کیونکہ عقد دونوں میں صحیح ہوگا۔ ”الخانیہ“ کی کتاب البیوع میں الاستحقاق کی بحث میں یہ چیز موجود ہے دوسری صورت میں بیع کے منعقد ہونے اور پہلی صورت میں بیع کے نہ ہونے میں فرق یہ ہے کہ شرع نے اسے اعتاق بنایا ہے۔ اسی وجہ سے اس کے شریک کے حق میں عقد باطل ہو جائے گا۔ کیونکہ حقیقت و مجاز کا جمع ہونا لازم

گا۔ یہی قول صحیح ہے۔ ”بحر“۔

27388۔ (قوله: فَتَلْغُو أَحْكَامُ الشِّئَاءِ) یعنی آزادی شروط فاسدہ کے ساتھ باطل نہیں ہوتی۔ اور خیار شرط کا اس میں عمل دخل نہیں ہوتا، ”ح“۔ حاشیہ میں اسی طرح ہے۔

27389۔ (قوله: إِلَى الْعَطَاءِ) کیونکہ اگر یہ حقیقت میں شرا ہے تو مجہول اجل اسے فاسد کر دے گی۔

27390۔ (قوله: وَمَعَهُ رَجُلٌ) یعنی غلام کو خریدنے میں ایک آدمی اور غلام شریک ہوئے۔ ”حاشیہ“ میں کہا: یعنی ایک ہی عقد میں۔ ”بحر“۔

27391۔ (قوله: الْإِعْقَادُ الْبَيْعُ فِي الثَّانِي) یعنی جب باپ خریدے۔ کیونکہ شرا کا لفظ اپنے حقیقی معنی میں مستعمل ہے۔ پہلی صورت میں شرا کا لفظ اپنے حقیقی معنی میں نہیں۔ کیونکہ غلام کی جانب سے جو واقع ہوا ہے یہ ایسا صیغہ نہیں جو شرا کا فائدہ دے۔ ”س“۔

27392۔ (قوله: الْحَقِيقَةُ) اس سے مراد ہے مشتری کے لیے ملکیت کا ثابت ہونا۔

وَالْمَجَازِ (قَالَ لِعَبْدٍ اشْتَرَى نَفْسَكَ مِنْ مَوْلَاكَ فَقَالَ لِمَوْلَاكَ بَعْنِي نَفْسِي لِفُلَانٍ فَفَعَلَ) أَمْنِي بَاعَهُ عَلَى هَذَا الْوَجْهِ (فَهُوَ لِلْأَمْرِ) فَلَوْ وَجَدَ بِهِ عَيْبًا، إِنْ عَلِمَ بِهِ الْعَبْدُ فَلَا رَدَّ؛ لِأَنَّ عِلْمَ الْوَكِيلِ كَعِلْمِ الْمُوَكَّلِ. وَإِنْ لَمْ يَعْلَمْ فَالَرَدُّ لِلْعَبْدِ اخْتِيَارًا (وَإِنْ لَمْ يَقُلْ لِفُلَانٍ عَتَقَ)؛ لِأَنَّهُ أَتَى بِتَصَرُّفٍ آخَرَ فَتَنَفَّذَ عَلَيْهِ وَعَلَيْهِ الشُّنْ فِيهِمَا لِزَوَالِ حَجْرِهِ بِعَقْدٍ بَاشِرًا مُقْتَرِنًا بِإِذْنِ الْمَوْلَى دُرَّرَ فَرَعُ الْوَكِيلِ إِذَا خَالَفَ، إِنْ خَلَفَ إِلَى خَيْرِ الْجَنْسِ كَبِعَ بِأَلْفٍ دِرْهَمٍ فَبَاعَهُ بِأَلْفٍ وَمِائَةِ نَفَذَ، وَلَوْ بِمِائَةِ دِينَارٍ لَا، وَلَوْ خَيْرًا خُلَاصَةً وَدُرَّرَ

آتا ہے۔ ایک آدمی نے کسی غلام سے کہا: اپنے آقا سے میرے لیے اپنے آپ کو خرید لو تو غلام نے اپنے آقا سے کہا: مجھے فلاں کے لیے بیچ دو۔ تو اس نے اسی طرح کر دیا یعنی اسی طریقہ سے بیچ دیا تو یہ عقد آمر (موکل) کے لیے ہوگا۔ اگر آمر اس میں کوئی عیب پائے اگر تو غلام اس کو جانتا ہو تو رد کرنے کی صورت نہ ہوگی۔ کیونکہ وکیل کا علم موکل کے علم کی طرح ہے اگر علم نہ ہو تو لوٹانے کا اختیار غلام کو ہوگا، ”اختیار“۔ اگر وہ لفلان کے الفاظ نہ کہے تو غلام آزاد ہو جائے گا۔ کیونکہ اس نے دوسرا تصرف کیا ہے پس وہ تصرف اس پر نافذ ہو جائے گا۔ دونوں صورتوں میں اس پر ثمن لازم ہوگی۔ کیونکہ اس پر واقع حجر اس عقد کی وجہ سے زائل ہو گیا ہے جو عقد اس نے خود کیا تھا جب کہ اس میں آقا کی اجازت ملی ہوئی ہے، ”درر“۔ فرع: وکیل جب موکل کے امر کی مخالفت کرے جب کہ وہ مخالفت جنس میں ہے اور خیر کے اعتبار سے ہو جیسے آمر نے کہا: ہزار درہم کے عوض بیچ دو تو اس نے ایک ہزار اور سو کے بدلے میں بیچ دیا تو یہ عقد نافذ ہو جائے گا اگر سودینار سے بیچے تو عقد نافذ نہیں ہوگا اگرچہ اس میں بھلائی موجود ہے۔ ”خلاصہ“، ”درر“۔

27393۔ (قوله: وَالْمَجَازِ) اس سے مراد آزاد کرنا ہے۔

27394۔ (قوله: لِزَوَالِ حَجْرِهِ) یہ اس سوال کا جواب ہے جو یوں کیا جاتا ہے: مجبور غلام جب وکیل بنے تو حقوق اس کی طرف نہیں لوٹتے۔ حاشیہ میں اشکال کو ”الدرر“ کی طرف منسوب کیا ہے۔

27395۔ (قوله: الْوَكِيلُ إِذَا خَالَفَ) حاشیہ میں کہا: ایک آدمی نے دوسرے کو وکیل بنایا کہ وہ اس کے غلام کو ہزار میں

بیچ دے جب کہ اس کی قیمت اتنی ہی تھی پھر اس کی قیمت دو ہزار تک بڑھ گئی وہ اس کو ہزار میں بیچنے کا مالک نہیں ہوگا۔ ”بزاز یہ“۔

فَضْلُ لَا يَعْقِدُ وَكِيلُ الْبَيْعِ وَالشِّرَاءِ

وَالْإِجَارَةَ وَالصَّرْفَ وَالسَّلَمَ وَنَحْوَهَا (مَعَ مَنْ تُرَدُّ شَهَادَتُهُ لَهُ) لِلشُّهُمَةِ وَجَوَازُهُ بِشَلِ الْقِيَمَةِ (إِلَّا مِنْ عَبْدِهِ وَمُكَاتِبِهِ إِلَّا إِذَا أُطْلِقَ لَهُ الْوَكْلُ) كَبَيْعٍ مِمَّنْ شَتَّ (فَيَجُوزُ بَيْعُهُ لَهُمْ بِشَلِ الْقِيَمَةِ) اتِّفَاقًا

وکیل عقد بیع اور شرا نہیں کرے گا

وکیل بیع، شرا، اجارہ، صرف، سلم وغیرہ کا عقد اس شخص کے ساتھ نہیں کر سکتا جس کے حق میں اس کی گواہی رد ہو جاتی ہے۔ کیونکہ تہمت متحقق ہے۔ ”صاحبین“ رحمہ اللہ علیہا نے مثل قیمت کے ساتھ ان عقود کو جائز قرار دیا ہے مگر وہ اپنے غلام یا اپنے مکاتب کے ساتھ عقد کرے۔ مگر جب موکل اسے مطلق امر دے جیسے جس سے تو چاہے اس کے ساتھ عقد بیع کر، پس اس کے لیے جائز ہوگا کہ مثل قیمت کے ساتھ ان کے ساتھ بیع کرے۔ اس پر سب کا اتفاق ہے۔

بیع کا وکیل اقالہ کا مالک ہوتا ہے شرا کا وکیل اقالہ کا مالک نہیں ہوگا

27396۔ (قوله: وَالْإِجَارَةَ الْخ) جہاں تک حوالہ، اقالہ، قیمت میں کمی کرنا، بری کرنا اور حق کے بغیر درگزر سے کام لینا طرفین کے نزدیک جائز ہے اور وہ ضامن ہوگا۔ امام ”ابو یوسف“ رحمہ اللہ علیہ کے نزدیک جائز نہیں۔

بیع کا وکیل اقالہ کا مالک ہوتا ہے یہاں تک کہ اگر بیع کرے پھر اقالہ کرے تو موکل کے لیے اس پر ثمن لازم ہوگی۔ اور شرا کا وکیل اقالہ کا مالک نہیں ہوگا۔ بیع کے وکیل اور سلم کے وکیل کا معاملہ مختلف ہے۔ وصی، باپ اور متولی وکیل کی طرح ہے۔

اگر موکل نے وکیل سے کہا: تو نے جو بھی کیا تو وہ جائز ہوگا وہ بالا جماع حوالہ کا مالک ہوگا، اور اقالہ کا مالک ہوگا۔ یہ اس اختلاف پر مبنی ہوگا جو گزر چکا ہے۔ اسی طرح اگر اس نے مشتری کو ثمن سے بری کیا تو طرفین کے نزدیک یہ صحیح ہوگا لیکن وہ ضامن ہوگا۔ یہ اس صورت میں ہے جب وہ ثمن پر قبضہ نہ کرے مگر جب وہ قبضہ کرے تو وہ حط اور اقالہ کا مالک نہیں ہوگا۔ حاشیہ میں اسی طرح ہے۔

اس کے جامع فقیر ”محمد“ رحمہ اللہ علیہ نے کہا: لیکن اسے کسی سے نقل نہیں کیا اور یہ منسوب کرنے کی محتاج ہے۔ بعض کی نسبت کا ذکر عنقریب آئے گا۔

27397۔ (قوله: إِلَّا مِنْ عَبْدِهِ وَمُكَاتِبِهِ) اسی طرح اس کا مفاوض (شرکت مفاوضہ کرنے والا) اور اس کا چوتھا بیٹا

ہے پس ”صاحبین“ رحمہ اللہ علیہا کے قول سے چار چیزیں مستثنیٰ ہیں۔ ”بحر“۔

”المبسوط“ میں عبد کی قید غیر مدیون سے لگائی ہے۔ اس میں یہ اشارہ موجود ہے اگر وہ مدیون ہو تو جائز ہوگا۔ ”بحر“۔

كَمَا يَجُوزُ عَقْدُكَ مَعَهُمْ بِأَكْثَرِ مِنَ الْقِيَمَةِ اتِّفَاقًا أَوْ بَيْعُهُ لَا شِرَاءَ وَكَأَكْثَرِ مِنْهَا اتِّفَاقًا، كَمَا لَوْ بَاعَ بِأَقْلَ مِنْهَا بَغِيْنٍ فَاحِشٍ لَا يَجُوزُ اتِّفَاقًا، وَكَذَا بَيْسِيرٍ عِنْدَكَ خِلَافَ لَهَا ابْنُ مَلِكٍ وَغَيْرُكَ وَفِي السَّراجِ لَوْ صَرَ بِهِ جَازَ إِجْمَاعًا إِلَّا مِنْ نَفْسِهِ وَطِفْلِهِ وَعَبْدٍ غَيْرِ الْمَدْيُونِ (وَصَحَّ بَيْعُهُ بِمَا قَلَّ أَوْ كَثُرَ بِالْعَرَضِ)

یعنی قیمت سے زائد پر بیع کرنا جائز ہے اس کو خریدنا جائز نہیں اس پر سب کا اتفاق ہے جس طرح اگر وہ غبن فاحش کے ساتھ قیمت سے کم پر بیع کرے تو بالاتفاق جائز نہیں۔ اسی طرح ”امام صاحب“ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک تھوڑے غبن کے ساتھ بھی جائز نہیں۔ ”صاحبین“ رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے اختلاف کیا ہے ”ابن ملک“ وغیرہ۔ ”السرانج“ میں ہے: اگر وہ ان کی تصریح کر دے تو بالاتفاق جماع ان سے بیع کرنا جائز ہوگا مگر اپنی ذات سے، اپنے بچے سے اور غیر مقروض اپنے غلام سے اس کی بیع نہیں کر سکتا۔ اس کی بیع قبیل، کثیر اور سامان تجارت کے بدلے میں صحیح ہوگی

27398۔ (قولہ: کَمَا يَجُوزُ عَقْدُهُ) یعنی جب وہ مطلق کا نام نہ کرے۔

بیج کا وکیل اپنے لیے خریدنے کا مالک نہیں ہوتا

27399۔ (قوله: إِلَّا مِنْ نَفْسِهِ) ”السرائ“ میں ہے: اگر ان افراد سے بیع کرنے کا حکم دیا تو بالاجماع جائز ہوگا

مگر جب وہ اس کی بیع اپنی ذات، اپنے چھوٹے بچے اور اپنے غلام سے کرے جب کہ اس پر دین نہ ہو تو وہ عقد قطعاً جائز نہیں ہوگا اگرچہ مکمل اس کی تصریح کرے۔ ”منح“۔

بیع کا وکیل اسے اپنے لیے خریدنے کا مالک نہیں ہوتا کیونکہ ایک ہی آدمی مشتری اور بائع نہیں ہو سکتا پس وہ پہلے غیر کے ہاتھ میں بیچے گا پھر اس سے اسے خریدے گا۔ ”حاشیہ“ میں اسی طرح ہے۔

اگر موکل نے اسے حکم دیا کہ وہ اس چیز کو اپنے ہاتھ میں یا اپنے چھوٹے بچوں کے ہاتھ بیچ دے یا اس کے ہاتھ میں بیچ دے جس کے حق میں اس کی شہادت قبول نہیں ہوتی تو اس نے ان کے ہاتھوں میں اسے بیچ دیا تو یہ جائز ہوگا۔ ”بزازیہ“۔

”البحر“ میں اسی طرح ہے۔ ان دونوں میں جو مخالفت ہے وہ مخفی نہیں۔ ”السرائح“ میں جو قول ہے اس کی مثل ”انہیہ“ میں ”المبسوط“ سے نقل کیا ہے۔ اور ”بزازیہ“ میں جو کچھ ہے اس کی مثل ”الذخیرہ“ میں ”طحاوی“ سے ذکر کیا ہے۔ گویا مسئلہ تیسرا، قول ہیں۔ اس سے اس نے اختلاف کیا ہے جس نے یہ دعویٰ کیا کہ دونوں میں کوئی مخالفت نہیں۔

وہ تمام افراد جو کسی چیز پر غلبہ پانے کے ساتھ اس میں تصرف کرتے ہیں ان کا حکم پانچ طریقوں پر ہے

27400۔ (قوله: وَصَحَّ بَيْنَهُ بِمَا قَلَّ أَوْ كَثُرَ الْخ) ”خجندی“ نے کہا: وہ تمام افراد جو کسی چیز پر غلبہ پانے کے ساتھ اس میں تصرف کرتے ہیں ان کا حکم پانچ طریقوں پر ہے۔

(۱) ان میں سے کچھ وہ ہیں جن کی بیع اور شرا معروف طریقے سے جائز ہے۔ وہ باپ، دادا اور وصی ہے اتنی مقدار جس کا نام طور پر نہیں کیا جاتا ہے اسے معاف قرار دیا جائے گا۔

(۲) ان میں سے کچھ وہ ہیں جن کی بیع اور شرا معروف طریقہ اور اس کے برعکس جائز ہوتی ہے۔ امام ”ابو حنیفہ“ رحمہ اللہ کے نزدیک وہ مکاتب اور ماذون غلام ہے۔ ان کے لیے جائز ہے کہ جو چیز ہزار کی ہو وہ ایک درہم سے بیچ دیں۔ اور جو چیز درہم کے مساوی ہو اسے ہزار سے بیچ دیں۔

”صاحبین“ رحمہ اللہ کے نزدیک معروف طریقہ سے ہی جائز ہوگی۔ جہاں تک آزاد، بالغ اور عاقل کا تعلق ہے اس کی بیع جائز ہے کیسے بھی ہو۔ اسی طرح اس کی خریداری بالا جماع جائز ہے۔

(۳) ان میں سے کچھ وہ لوگ ہیں جن کی بیع جائز ہے جیسے بھی ہو۔ اسی طرح اس کی خریداری معروف طریقہ پر جائز ہے وہ مضارب، شرکت عنان میں جو شریک ہوتا ہے، شرکت مفاوضہ میں جو شریک ہوتا ہے۔ اور بیع مطلق کا جو وکیل ہوتا ہے۔ امام اعظم ”ابو حنیفہ“ رحمہ اللہ کے نزدیک ان کی بیع ہر اس چیز سے کرنا جائز ہے جو قابل قدر ہو اور بے وقعت ہو۔

”صاحبین“ رحمہ اللہ کے نزدیک اس کی بیع معروف سے ہی جائز ہے۔

جہاں تک ان کی خریداری کا تعلق ہے تو وہ جائز نہیں مگر بالا جماع وہ معروف طریقہ سے ہی جائز ہے۔ اگر وہ معروف، عادت کے خلاف سے یا نقدی کے بغیر بیچی تو ان کی شرا اپنی ذات پر واقع ہوگی اور غیر کے مال سے جو انہوں نے مال دیا ہے بالا جماع وہ اس مال کے ضامن ہوں گے۔

(۴) ان میں سے کچھ لوگ وہ ہیں جن کی وہ مقدار جس میں عام طور پر غبن کیا جاتا ہے اسے عفو قرار نہیں دیا جاتا۔ وہ مریض ہے جب وہ اپنی مرض موت میں کوئی چیز بیچے اور اس میں تھوڑا سا محابات کرے جب کہ اس کے ذمہ اتنا قرض ہو جو اس کے تمام مال کو محیط ہو۔ کیونکہ اس کی محابات جائز نہیں اگرچہ وہ تھوڑی ہو۔ مشتری کو اختیار ہوگا اگر چاہے تو قیمت کے مکمل ہونے تک ثمن دے دے اگر چاہے تو عقد کو فسخ کر دے۔ جہاں تک موت کے بعد اس کی وصیت کا تعلق ہے جب وہ اپنے دیون کو ادا کرنے کے لیے اپنے ترکہ کو بیچے اور اس میں اس قدر محابات کرے جس میں غبن کیا جاتا ہے اس کی بیع صحیح ہوگی اور اسے معاف قرار دیا جائے گا۔ اسی طرح اگر وہ اپنا مال کسی وارث کو دیتا ہے اور اس میں محابات کرتا ہے اگرچہ وہ کم ہی ہو امام ”ابو حنیفہ“ رحمہ اللہ کے قول کے مطابق یہ جائز نہیں ہوگا اگرچہ وہ اس کی قیمت سے بڑھ کر ہو یہاں تک کہ اس کے تمام وارث اسے جائز قرار دیں جب کہ اس پر دین نہ ہو۔ اگر وصی اس کے ہاتھ میں بیچے جس کے حق میں اس کی شہادت جائز نہ ہو اور اس میں تھوڑا محابات کرے تو یہ جائز نہیں ہوگا۔ مضارب کا معاملہ اسی طرح ہے۔

(۵) ان میں سے کچھ لوگ وہ ہیں جن کی بیع اور شرا جائز نہیں ہوتی جب تک اس میں خیر نہ ہو۔ وہ وصی ہے جب وہ اپنا مال یتیم کو بیچے یا اس سے مال خریدے۔ امام ”محمد“ رحمہ اللہ کے نزدیک یہ عقد کسی حال میں جائز نہیں۔ شیخین کے نزدیک اگر خیر ہو تو ٹھیک ورنہ عقد جائز نہ ہوگا۔ ”ساحانی“۔

وَحَصَاةٌ بِالْقَيْبَةِ وَبِالنُّقُودِ وَبِهِ يُفْتَى بِزَايَةٍ وَلَا يَجُوزُ فِي الصَّرْفِ كَدِينَارٍ بِدُرْهِمٍ بَغْبِنٍ فَاحِشٍ إِجْمَاعًا؛ لِأَنَّهُ بَيْعٌ مِنْ وَجْهِ، شِرَاءٌ مِنْ وَجْهِ صَيْرَفِيَّةٌ (وَصَحَّ) بِالنَّسِيئَةِ (إِنْ) التَّوَكُّلُ بِالْبَيْعِ (لِلتَّجَارَةِ وَإِنْ) كَانَ (لِلْحَاجَةِ لَا) يَجُوزُ (كَالْمَرْأَةِ إِذَا دَفَعَتْ غَزْلًا إِلَى رَجُلٍ لِيَبِيعَهُ لَهَا وَيَتَعَيَّنُ النَّقْدُ) بِهِ يُفْتَى خُلَاصَةً، وَكَذَانِي كُلِّ مَوْضِعٍ قَامَتْ الدَّلَالَةُ عَلَى الْحَاجَةِ كَمَا أَفَادَهُ الْمُصَنِّفُ، وَهَذَا أَيْضًا إِنْ بَاعَ بِبَايِبِيعِ النَّاسِ نَسِيئَةً، فَإِنْ طَوَّلَ الْمُدَّةَ لَمْ يَجْزِ بِهِ يُفْتَى ابْنُ مَلِكٍ، وَمَتَى عَيَّنَ الْأَمْرُ شَيْئًا تَعَيَّنَ إِلَّا فِي بَعْثِهِ بِالنَّسِيئَةِ بِأَلْفٍ فَبَاعَ بِالنَّقْدِ بِأَلْفٍ جَازَ بَحْرٌ

اور ”صاحبین“ رحمہ اللہ علیہما نے اسے قیمت اور نقد کے ساتھ خاص کیا ہے۔ اسی پر فتویٰ دیا جاتا ہے، ”بزازیہ“۔ اور بیع صرف میں غبن فاحش بالا جماع جائز نہیں جیسے درہم کے ساتھ دینار کو غبن فاحش کے ساتھ بیچا جائے۔ کیونکہ بیع صرف من وجہ بیع ہوتی ہے اور من وجہ شرا ہوتی ہے ”صیرفیہ“۔ ادھار بیع جائز ہوگی اگر تجارت کے لیے بیع کا وکیل بنایا گیا ہو۔ اگر کسی ضرورت کے لیے بیع کا وکیل بنایا گیا ہو تو یہ جائز نہیں ہوگا جس طرح ایک عورت جب کسی مرد کو سوت دیتی ہے تاکہ وہ اس سوت کو اس عورت کے لیے بیچ دے اور یہ نقد بیچنا متعین ہوگا۔ اسی پر فتویٰ دیا جاتا ہے ”خلاصہ“۔ اسی طرح کا حکم ہوگا ہر ایسی جگہ جہاں حاجت پر دلالت ہو جس طرح مصنف نے اسے بیان کیا ہے۔ یہ ادھار بیچنا اس صورت میں جائز ہوگا اگر وہ اتنی مہلت کے ساتھ بیع کرے جتنی مدت میں لوگ ادھار بیچتے ہیں۔ اگر وکیل طویل مدت ذکر کرے تو یہ جائز نہ ہوگا اسی پر فتویٰ دیا جاتا ہے۔ ”ابن ملک“۔ جب آمر نے کسی شے کو معین کیا تو وہ شے متعین ہو جائے گی مگر اس قول میں اسے ہزار کے بدلہ میں ادھار بیچ دے تو اس نے ہزار نقد کے بدلے میں بیچ دیا تو یہ جائز ہوگا۔ ”بحر“۔

وصیت اور وکالت میں خیر ہونے کی تفسیر

میں کہتا ہوں: ”الخانیہ“ کی کتاب الوصایا میں ہے: ”سرخسی“ نے خیر ہونے کی تفسیر اس سے بیان کی ہے جب وصی یتیم کا مال اپنے لیے ایسا مال جو دس درہم کا ہو پندرہ میں خریدے یا اپنا ایسا مال جو دس کا ہو آٹھ میں بیچے جو ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔ اس کا ذکر ”منیۃ المفتی“ میں اس عبارت سے کیا ہے جو اس سے مختصر ہے جس کو ہم نے پہلے بیان کیا ہے۔

27401۔ (قولہ: بَزَايَةٍ) علامہ ”قاسم“ نے ”قدوری“ پر اپنی تصحیح میں کہا: ”امام صاحب“ رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل کو رجوع قرار دیا ہے۔ ”نسفی“ کے ہاں اس پر اعتماد کیا گیا ہے۔ یہ اقوال میں سے اصح ہے۔ ”محبوبی“ کے ہاں یہ مختار ہے۔ ”موصلی“ اور ”صدر الشریعہ“ نے اس کی موافقت کی ہے۔ ”رملی“۔ وہ متون جو مذہب کو قتل کرنے کے لیے وضع کیے گئے ان کے اصحاب کا یہی نقطہ نظر ہے جو متون ظاہر روایت ہے۔ ”ساحانی“۔

27402۔ (قولہ: بِالنَّقْدِ بِأَلْفٍ جَازَ) کیونکہ اگرچہ وہ مخالفت کرنے والا ہے مگر یہ ہر اعتبار سے خیر ہے۔ اگر وہ ہزار سے کم کے ساتھ نقد بیچے تو یہ عقد جائز نہ ہوگا۔ کیونکہ اگرچہ وہ تعجیل (جلد ثمن کے حصول) کے اعتبار سے خیر کے حوالے سے مخالفت

قُلْتُ وَقَدْ مَنَّا أَنَّهُ إِنْ خَالَفَ إِلَى خَيْرٍ فِي ذَلِكَ الْجَنَسِ جَازٍ وَإِلَّا لَا وَأَنَّهَا تَتَّقِيْدُ بِزَمَانٍ وَمَكَانٍ، لَكِنْ فِي الْبَزَازِيَّةِ الْوَكِيلُ إِلَى عَشْرَةِ أَيَّامٍ وَكِيلٌ فِي الْعَشْرَةِ وَبَعْدَهَا فِي الْأَصَحِّ، وَكَذَا الْكَفِيلُ لِكَيْتَهُ لَا يُطَالَبُ إِلَّا بَعْدَ الْأَجَلِ كَمَا فِي تَنْوِيرِ الْبَصَائِرِ وَفِي زَوَاهِرِ الْجَوَاهِرِ قَالَ بَعَهُ بِشُهُودٍ أَوْ بِرَأْيِ فُلَانٍ أَوْ عَلَيْهِ أَوْ مَعْرِفَتِهِ وَبَاعَ بَدُونِهِمْ جَازٌ، بِخِلَافٍ لَا تَبِعُ إِلَّا بِشُهُودٍ

میں کہتا ہوں: ہم پہلے بیان کر چکے ہیں اگر وہ اس جنس میں خیر کے حصول میں امر کی مخالفت کرے تو یہ جائز ہے ورنہ جائز نہیں اور وکالت زمان اور مکان کے ساتھ معتقید ہوتی ہے۔ لیکن ”بزازیہ“ میں ہے: دس دنوں تک وکیل بنایا گیا وکیل دس دنوں میں اور ان کے بعد بھی وکیل ہوتا ہے یہ اصح قول ہے۔ اسی طرح کفیل ہے لیکن اس سے مطالبہ مدت معینہ پوری ہونے کے بعد کیا جائے گا جس طرح ”تنویر الابصار“ میں ہے۔ ”زواہر الجواہر“ میں ہے کہا: اسے گواہوں کی موجودگی میں بیچ دیا فلاں کی رائے، اس کے علم اور اس کی معرفت کے ساتھ بیچ دینا اس نے ان کے بغیر ہی بیچ دیا تو یہ جائز ہو جائے گا۔ یہ صورت مختلف ہوگی جب وہ کہے: اسے گواہوں کے بغیر نہ بیچنا

کرنے والا ہے مگر ساتھ ہی مقدار کے اعتبار سے وہ شر کے حوالہ سے مخالفت کرنے والا ہے اور ایک اعتبار سے شر کے حوالہ سے مخالفت منع کرنے میں کافی ہے۔ اگر وہ دو ہزار کے ساتھ اسے ادھار بیچے اور ایک ماہ کی مہلت دے تو یہ جائز نہ ہوگا۔ ”ذخیرہ“۔ اس میں اس سے پہلے موجود ہے: جب وہ ادھار بیچ کا اسے وکیل بنائے اور وہ اسے نقد اتنی ثمن سے بیچ دیتا ہے جس ثمن پر اسے ادھار بیچا جاتا ہے تو یہ جائز ہوگا ورنہ جائز نہ ہوگا۔

”البحر“ میں ”الخلاصہ“ سے مروی ہے: اگر وہ کہے: اسے ایک مدت تک بیچ دے تو اس نے اسے نقد بیچ دیا۔ ”سرخی“ نے کہا: یہ بالا جماع جائز نہیں ہوگا۔

امام ”سرخی“ کے قول اور شارح نے جو قول ذکر کیا ہے اس میں فرق یہ ہے کہ ایک میں ثمن متعین ہے اور ایک میں ثمن متعین نہیں۔

میں کہتا ہوں: چاہیے کہ ”الخلاصہ“ میں جو قول ہے اسے اس پر محمول کیا جائے جب وہ نقد اتنی ثمن سے بیچے جو اس ثمن سے کم ہو جس کے ساتھ ادھار بیچا جاتا ہے۔ اس کی دلیل وہ ہے جو ہم نے ”الذخیرہ“ میں نقل کی ہے۔ اس سے قبل ان کا قول بالنسیئة بالف ثمن کے بیان کے لیے قید ہے۔ کیونکہ اگر وہ اسے معین نہ کرے اور نقد بیچ دے تو یہ جائز نہ ہوگا جس طرح ”البحر“ میں اسے بیان کیا ہے۔

27403۔ (قولہ: بِزَمَانٍ وَمَكَانٍ) اگر اس نے کہا: اسے کل بیچ دینا اس کے لیے آج اسے بیچنا جائز نہیں۔ اسی

طرح طلاق اور عتاق ہے۔ اس کے برعکس میں اور روایتیں ہیں (یعنی جب وہ اسے کہے آج بیچ دینا تو وہ دوسرے دن اسے بیچتا ہے)۔ صحیح قول یہ ہے کہ یہ پہلے قول کی طرح ہے۔ ”س“۔

أَوْ إِلَّا بِمَحْضَرِ فُلَانٍ بِهِ يُفْتَى

یا فلاں کی موجودگی کے بغیر نہ بیچنا اسی پر فتویٰ دیا جاتا ہے۔

ہر وہ امر جسے موکل مقید نہ کرے اگر وہ ہر اعتبار سے مفید ہو تو اس کی رعایت لازمی ہے

27404۔ (قولہ: أَوْ إِلَّا بِمَحْضَرِ فُلَانٍ الْخ) ”فتاویٰ ہندیہ“ میں کہا: اسے بیع کا وکیل بنایا اور اسے فلاں کی موجودگی کے بغیر اسے بیع سے منع کر دیا تو وکیل اس آدمی کی موجودگی میں ہی بیع کرے گا۔ ”وجیز کردری“ میں اسی طرح ہے۔ جب وہ حکم دے کہ دین لے کر بیع کرے یا کفیل لے کر بیع کرے اس نے دین اور کفیل لیے بغیر وہ چیز بیچ دی تو یہ بیع جائز نہ ہوگی وہ نفی کے ساتھ اسے مؤکد کرے یا مؤکد نہ کرے۔ جب وہ قابل وثوق دین کا قول کرے تو یہ اسی دین کے ساتھ جائز ہوگا جس کی قیمت ثمن کے برابر ہو یا اس کی قیمت اسی مقدار کے ساتھ کم ہے جس میں غبن کیا جاتا ہے۔ جب وہ مطلقاً دین کا ذکر کرے تو تھوڑے سے دین کے ساتھ بھی جائز ہے۔ ”الھیط“ میں اسی طرح ہے۔ اگر اس نے کہا: اسے بیچ دو اور کفیل لے لو یا اسے بیچ دو اور دین لے لو تو یہ اسی مذکورہ صورت میں ہی بیع جائز ہوگی۔ حاشیہ میں اسی طرح ہے۔

خلاصہ امر یہ ہے: ہر وہ امر جسے موکل مقید ذکر کرے اگر وہ ہر اعتبار سے مفید ہو تو اس کی رعایت لازم ہوگی اسے نفی کے ساتھ مقید کرے یا مقید نہ کرے۔ جیسے موکل نے کہا: اسے خیار کے ساتھ بیچ دو تو اس نے اسے خیار کے بغیر بیچ دیا۔ اس کی مثل ودیعت ہے۔ اگر وہ فائدہ مند ہو جیسے اس گھر میں محفوظ رکھو تو وہ گھر متعین ہو جائے گا اگرچہ وہ یہ نہ کہے: لا تحفظ الا فی هذه الدار تو اس گھر کے علاوہ میں حفاظت نہ کرے۔ کیونکہ حرز و حفاظت میں فرق ہوتا ہے۔ اگر وہ اصلاً فائدہ مند نہ ہو تو اس کی رعایت کرنا واجب نہیں۔ جیسے وہ کہے: اسے ادھار بیچ دو تو وہ اس کو نقد بیچ دے تو یہ جائز ہوگا۔ اگر وہ ایک اعتبار سے مفید اور دوسرے اعتبار سے مفید نہ ہو تو اس کی رعایت کرنا واجب ہوگا اگرچہ وہ نفی کے ساتھ اسے مؤکد کرے۔ اگر وہ اسے نفی کے ساتھ مؤکد نہ کرے تو رعایت کرنا واجب نہیں ہوگا۔ اس کی مثال ہے: تو اسے نہ بیچنا مگر فلاں بازار میں تو اس کی رعایت واجب ہوگی۔ ان کا قول اسے فلاں بازار میں بیچنا اس سے مختلف ہے۔

ودیعت میں اس طرح ہے جب وہ کہے: تو اسے محفوظ نہ کرنا مگر اس گھر میں تو رعایت کرنا لازم ہوگا۔ اگر وہ اصلاً فائدہ مند نہ ہو اس کی صورت یہ ہے کہ وہ صندوق کی تعیین کر دے تو رعایت لازم نہ ہوگی اگرچہ وہ اسے نفی کے ساتھ مؤکد کرے۔ دین اور کفالت ہر اعتبار سے مفید ہے اسکے برعکس جائز نہیں وہ ان دونوں کو نفی کے ساتھ اسے مؤکد کرے یا مؤکد نہ کرے۔ گواہ بنانا بعض اوقات مفید ہوتا ہے اگرچہ گواہ غائب نہ ہوں اور وہ عادل ہو اور بعض اوقات مفید نہیں ہوتا۔ اگر وہ نفی کے ساتھ اسے مؤکد کرے تو رعایت لازم ہوگی۔ ورنہ رعایت لازم نہ ہوگی یہ دونوں مشابہتوں پر عمل کرنے کی بنا پر ہے ”بزازیہ“ اس کا ذکر فصل خاص سے تھوڑا پہلے کیا ہے۔ ہم نے بیع نسینہ (ادھار بیع) میں جو پہلے (مقولہ 27402 میں) ”البحر“ سے نقل کیا ہے اس میں غور و فکر کیجئے۔

وَقُلْتُ وَبِهِ عِلْمٌ حُكْمٌ وَاقِعَةُ الْفَتْوَى دَفَعَ لَهُ مَالًا وَقَالَ اشْتَرِي زَيْتًا بِمَعْرِفَةِ فُلَانٍ فَذَهَبَ وَاشْتَرَى بِلَا مَعْرِفَتِهِ فَهَلْكَ الزَّيْتُ لَمْ يَضْمَنْ، بِخِلَافٍ لَا تَشْتَرِي إِلَّا بِمَعْرِفَةِ فُلَانٍ فَلْيُحْفَظْ (وَصَحَّ أَخْذُهُ رَهْنًا وَكِفِيلًا بِالشَّيْنِ فَلَا ضَمَانَ عَلَيْهِ إِنْ ضَاعَ) الرَّهْنُ (فِي يَدِهِ أَوْ تَوَى) الْمَالُ (عَلَى الْكِفِيلِ)؛ لِأَنَّ الْجَوَازَ الشَّرْعِيَّ يُنَافِي الضَّمَانَ (وَتَقْيِدَ شَرَاؤُهُ بِشَلِّ الْقِيَمَةِ وَغَبْنِ يَسِيرٍ)

میں کہتا ہوں: اس سے واقعۃً الفتویٰ کا حکم معلوم ہو گیا: ایک آدمی نے دوسرے کو مال دیا اور کہا: فلاں کی معرفت سے میرے لیے تیل خرید لو وہ آدمی گیا اور اس کی معرفت کے بغیر تیل خرید لیا تیل ہلاک ہو گیا تو وہ ضامن نہیں ہوگا۔ اگر وہ اسے کہے: اسے نہ خریدنا مگر فلاں کی معرفت سے تو معاملہ مختلف ہوگا۔ فلیحفظ۔ ایک آدمی کا ثمن کے بدلے میں رہن اور کفیل لینا صحیح ہے۔ اگر وہ دین اس کے ہاتھ میں ضائع ہو جائے تو اس پر کوئی ضمانت نہ ہوگی یا کفیل پر وہ مال ہلاک ہو گیا کیونکہ شرعی جواز ضمان کے منافی ہے۔ اور اس کی خریداری مثل قیمت اور تھوڑے غبن کے ساتھ مقید ہوگی۔

27405۔ (قوله: وَاقِعَةُ الْفَتْوَى الْخ) اس مسئلہ کی تصریح ”الحنانیہ“ کی کتاب الوصایا میں ہے۔ لیکن بحضرہ فلاں کے الفاظ ہیں۔ اس میں حکم وہی ہے جس کا یہاں ذکر کیا ہے۔

27406۔ (قوله: وَصَحَّ أَخْذُهُ رَهْنًا الْخ) ”نور العین“ میں کہا: بیع کا وکیل اگر اقالہ کرے، حوالہ کرے، بری کر دے، ثمن میں کمی کر دے، ہبہ کر دے یا درگزر سے کام لے۔ امام ”ابو حنیفہ“ رحمۃ اللہ علیہ اور امام ”محمد“ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ صحیح ہے۔ اور وہ اپنے موکل کے لیے ضامن ہوگا۔ امام ”ابو یوسف“ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک صحیح نہیں۔ وکیل اگر ثمن پر قبضہ کر لے تو وہ بالاجماع اقالہ کا مالک نہیں۔

میں کہتا ہوں: اسی طرح ثمن پر قبضہ کرنے کے بعد وہ ثمن میں کمی کرنے اور بری کرنے کا مالک نہیں ہوگا۔ ”بزازیہ“۔
27407۔ (قوله: أَوْ تَوَى الْمَالُ عَلَى الْكِفِيلِ) یہ اس صورت میں ہو سکتا ہے کہ وہ مالکی حاکم کے سامنے مسئلہ پیش کرے جو یہ رائے رکھتا ہے کہ کفالت کے ذریعے اصل دین سے بری ہو جاتا ہے اور جب اصل مفلس کی حیثیت سے مر جائے تو اصل سے مطالبہ کی رائے نہیں رکھتا اور اس کا حکم دے دیتا ہے۔ پھر کفیل مفلس کی حیثیت سے مر جاتا ہے۔ ”ابن کمال“۔ اس کی مثل ”شرنبلائیہ“ میں ”کافی“ سے مروی ہے۔ اس کی تحقیق ”شرح الزیلعی“ میں ہے۔

27408۔ (قوله: وَتَقْيِدَ شَرَاؤُهُ) کیونکہ اکثر صورتوں میں تہمت متحقق ہوتی ہے۔ شاید اس نے اس چیز کو اپنے لیے خریدا ہو جب وہ اسے موافق نہ پائے تو اسے کسی دوسرے کے ساتھ لاحق کر دے جیسے گزر چکا ہے۔

اسے مطلق ذکر کیا ہے پس یہ قول اس صورت کو شامل ہوگا جب وہ معین شے کو خریدنے کا وکیل ہو اگرچہ وہ اسے خود خریدنے کا اختیار نہیں رکھتا۔ جب مخالفت کرے گا تو وہ اس شے کو اپنے لیے خریدنے والا ہوگا۔ پس تہمت باقی رہے گی جس طرح ”زیلعی“ میں ہے۔ ”ہدایہ“ میں ہے: علماء نے فرمایا: یہ بیع آمر پر نافذ ہو جائے گی۔ ”العنایہ“ میں یہ ذکر کیا ہے: یہ عام

وَهُوَ مَا يُقَوِّمُ بِهِ مُقَوِّمٌ وَهَذَا (اِذَا لَمْ يَكُنْ سِعْرُهُ مَعْرُوفًا وَاِنْ كَانَ) سِعْرُهُ (مَعْرُوفًا) بَيْنَ النَّاسِ (كَخُبْرِ وَلَحْمٍ) وَمَوْزٍ وَجُبْنٍ (لَا يَنْفَعُ عَلَى الْمُوَكَّلِ وَاِنْ قَلَّتْ الزِّيَادَةُ) وَلَوْ فَلَسَا وَاِحْدَاهُ يَفْتِي بَحْرًا وَبِنَايَةً (وَكَلَّهُ بَيْعِ عَبْدٍ فَبَاعَ نِصْفَهُ صَاحًّا) لِإِطْلَاقِ التَّوَكُّلِ وَقَالَا اِنْ بَاعَ الْبَاقِيَ قَبْلَ الْخُصُومَةِ جَازٌ وَاِلَّا لَا وَهُوَ اسْتِحْسَانٌ مُلْتَقَى وَهِدَايَةٌ، وَظَاهِرُهُ تَرْجِيحُ قَوْلِهِمَا وَالْمُفْتَى بِهِ خِلَافُهُ بَحْرًا، وَقَيَّدَ ابْنُ الْكَمَالِ

اس سے مراد وہ ہے جسے کوئی قیمت لگانے والا قیمت لگاتا ہے۔ یہ اس صورت میں ہے جب اس کا بھاؤ معروف نہ ہو۔ اگر اس کا بھاؤ لوگوں کے درمیان معروف ہو جیسے روٹی، گوشت، کیلے اور پنیر۔ تو وہ عقد موکل پر نافذ نہ ہوگا اگرچہ زیادتی قلیل ہو اگرچہ وہ زیادتی ایک فلس ہو اسی پر فتویٰ دیا جاتا ہے، ”بحر“، ”بنایہ“۔ اس نے غلام کو بیچنے کے لیے بنایا اور اس نے اس کے نصف کو بیچ دیا تو یہ صحیح ہوگا۔ کیونکہ وکالت کا عمل مطلق ہے۔ ”صاحبین“ رحمہ اللہ نے فرمایا: اگر خصومت سے قبل باقی ماندہ بیچ دیا تو یہ جائز ہوگا ورنہ جائز نہ ہوگا۔ یہ استحسان ہے ”ملتقی“، ”ہدایہ“۔ اس کا ظاہر یہ ہے کہ ”صاحبین“ رحمہ اللہ کے قول کو ترجیح دی جائے مفتی بہ قول اس کے برعکس ہے، ”بحر“۔ ”ابن کمال“ نے

مشائخ کا قول ہے اور پہلا قول بعض کا قول ہے۔ ”الذخیرہ“ میں ہے: اس میں کوئی نص نہیں، ”بحر“۔ ملخص

27409۔ (قوله: مَا يُقَوِّمُ بِهِ مُقَوِّمٌ) یعنی قیمت لگانے والوں میں سے کسی کی قیمت کے تحت داخل نہ ہو۔

نوٹ: عبارت اسی طرح ہے لیکن مناسب یہ ہے جو کسی قیمت لگانے والے کی قیمت کے تحت داخل ہو۔ مترجم ”مسکین“ نے کہا: اگر ایک عادل آدمی دس قیمت لگائے دوسرا عادل آٹھ قیمت لگائے ایک اور عادل سات قیمت لگائے تو دس اور سات کے درمیان یہ قیمت لگانے والوں کی قیمت کے تحت داخل ہے۔ اس کی مکمل بحث اس میں ہے۔

27410۔ (قوله: وَبِنَايَةٍ) یہ ”ہدایہ“ کی شرح ہے۔

27411۔ (قوله: لِإِطْلَاقِ التَّوَكُّلِ) یہ اجتماع وافتراق کی قید سے مطلق ہو۔

27412۔ (قوله: وَظَاهِرُهُ الْخ) یعنی کیونکہ اسے انہوں نے استحسان قرار دیا ہے۔ ”البحر“ میں کہا: اسی وجہ سے اسے

اس کی دلیل کے ساتھ موخر کیا ہے جس طرح ان کا محمول ہے۔ اسی وجہ سے ”امام صاحب“ رحمہ اللہ کے قول کو اس کے ساتھ فتویٰ قرار دیا ہے: اگر وہ سب نصف ثمن کے ساتھ خرید لے تو یہ جائز ہوگا۔ جب کہ تو یہ جان چکا ہے کہ مفتی بہ قول اس کے قول کے برعکس ہے۔ یعنی ان کے اس قول کے خلاف ہے جس میں انہوں نے اس سے تائید حاصل کی ہے۔

میں کہتا ہوں، ہم نے جو پہلے علامہ ”قاسم“ سے نقل کیا ہے اسے آپ جان چکے ہیں۔

27412۔ (ب) (قوله: وَالْمُفْتَى بِهِ خِلَافُهُ بَحْرًا) جو ”البحر“ میں ہے تو یہ جان چکا ہے کہ مفتی بہ قول اس کے قول

کے برعکس ہے۔ جس طرح ہم پہلے (مقولہ 27401 میں) بیان کر چکے ہیں۔

27413۔ (قوله: وَقَيَّدَ ابْنُ الْكَمَالِ الْخ) اسی کی مثل ”البحر“ میں ”المعراج“ کی طرف منسوب ہے، ”الکفایہ“

الْخِلَافَ بِمَا يَتَعَيَّبُ بِالشِّمَکَةِ وَإِلَّا جَازَ اتِّفَاقًا فَلْيُرَاجَعْ (وَفِي الشِّمَاءِ يَتَوَقَّفُ عَلَى شِمَاءٍ بَاقِيَةٍ قَبْلَ الْخُصُومَةِ) اتِّفَاقًا (وَلَوْ رُدَّ مَبِيعٌ بِعَيْبٍ عَلَى وَكِيلِهِ) بِالْبَيْعِ (بِبَيِّنَةٍ أَوْ نَكُولِهِ أَوْ إِقْرَارِهِ فِيمَا لَا يَحْدُثُ) مِثْلُهُ فِي هَذِهِ الْمُدَّةِ

اختلاف کو اس کے ساتھ مقید کیا ہے کہ وہ شرکت عیب دار ہوتا ہے۔ ورنہ بالاتفاق جائز ہے۔ پس اس کی طرف رجوع کیا جانا چاہیے۔ اور خریداری کی صورت میں خصومت سے پہلے باقی ماندہ غلام کی خریداری پر موقوف ہوگا۔ اس پر سب ائمہ کا اتفاق ہے۔ اگر مبیع کو عیب کی وجہ سے بیع کے وکیل پر لوٹا دیا گیا یہ لوٹانا گواہوں کی وجہ سے ہو، اس کے انکار کی وجہ سے ہو یا اس کے اقرار کی وجہ سے ہو یہ صورتحال ایسے عیب کی وجہ سے ہو جو اس مدت میں پیدا نہیں ہوتا

میں ”الایضاح“ سے بھی اتفاق نقل کیا ہے۔

27414۔ (قوله: وَفِي الشِّمَاءِ يَتَوَقَّفُ الْخ) وہ معین غلام یا غیر معین غلام کے خریدنے کا وکیل بنائے کوئی فرق نہیں۔ ”زیلعی“۔ اس میں ہے: یہ اعتراض نہ کیا جائے کہ یہ موقوف نہیں ہوگا بلکہ عقد مشتری پر نافذ ہو جائے گا۔ کیونکہ ہم کہتے ہیں: یہ موقوف نہیں ہوگا جب وہ عقد کرنے والے پر وہ عقد کے نفاذ کو پائے گا۔ یہاں تو نصف غلام کو خریدنے کا معاملہ ہے یہ وکیل پر نافذ نہیں ہوگا۔ کیونکہ اس نے ہر اعتبار سے موکل کی مخالفت نہیں کی۔ اور نہ ہی آمر پر یہ عقد نافذ ہوگا کیونکہ اس نے موکل کے امر کی ہر اعتبار سے موافقت نہیں کی۔ پس ہم نے توقف کا قول کیا ہے۔

27415۔ (قوله: اتِّفَاقًا) امام ”ابو حنیفہ“ رحمہ اللہ کے نزدیک بیع اور شرا میں فرق یہ ہے کہ شرا کی صورت میں یہ تہمت متحقق ہوتی ہے کہ اس نے غلام اپنے لیے خریدا ہے۔ اور بیع کا امر اس کی اپنی ملک کو جاملتا ہے۔ پس یہ صحیح ہوگا پس اس میں اطلاق کا اعتبار کیا جائے گا اور شرا کا امر غیر کی ملکیت کو ملتا ہے۔ پس اس میں تقیید اور اطلاق کا اعتبار نہیں کیا جائے گا جس طرح ”ہدایہ“ میں ہے۔

اگر مبیع کو عیب کی وجہ سے بیع کے وکیل پر لوٹا دیا گیا تو وکیل اسے آمر پر لوٹا دے گا

27416۔ (قوله: وَلَوْ رُدَّ مَبِيعٌ بِعَيْبٍ عَلَى وَكِيلِهِ) اسے مطلق ذکر کیا ہے پس یہ قول اسے شامل ہوگا کہ وہ ثمن پر قبضہ کر لے یا ثمن پر قبضہ نہ کرے۔ اور اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ خصومت وکیل کے ساتھ ہوگی اور مشتری کا موکل پر کوئی دعویٰ نہیں۔ اگر موکل نے ایسے عیب کا اقرار کیا جو اس بیع میں ہے اور وکیل نے اس کا انکار کر دیا تو دونوں پر کوئی شے لازم نہ ہوگی۔ کیونکہ موکل حقوق میں اجنبی ہے۔ اگر معاملہ اس کے برعکس ہو یعنی وکیل اقرار کرے اور موکل عیب کا انکار کرے تو مشتری اسے وکیل پر لوٹا دے گا۔ کیونکہ اس کا اقرار اس کے اپنے حق میں صحیح ہے موکل کے حق میں صحیح نہیں۔ ”بزازیہ“۔

ثمن کے لوٹانے کا ذکر نہیں کیا۔ اس کا حکم یہ ہے: اگر مشتری نے وکیل کو ثمن نقد دی تھی تو وکیل سے واپسی کا مطالبہ کرے گا اگر موکل کو ثمن ادا کی تھی تو موکل سے مطالبہ کرے گا جس طرح ”شرح طحاوی“ میں ہے۔ اگر اس نے ثمن وکیل کو دی تھی اور

(رَدُّهُ) الْوَكِيلُ (عَلَى الْأَمْرِ، وَ) لَوْ (بِإِقْرَارِهِ فِيمَا يَحْدُثُ لَا) يَرُدُّهُ وَلَزِمَ الْوَكِيلُ

تو وکیل اسے آمر پر لوٹا دے گا اگر وہ اقرار کے ساتھ واپس لوٹائے ایسے عیب کی وجہ سے جو اتنی مدت میں پیدا ہو جاتا ہے تو وہ موکل کی طرف نہیں لوٹائے گا اور وکیل کو لازم ہوگا۔

وکیل نے موکل کو وہ چیز دی تھی پھر خریدار نے اس میں عیب پایا تو ”قاضی“ نے فتویٰ دیا کہ وہ مشتری وکیل سے مطالبہ کرے گا ”بزازیہ“ میں اسی طرح ہے۔

یہاں بیع کی قید لگائی ہے کیونکہ اجارہ کا وکیل جب کسی کو کوئی شے اجارہ پر دے اور وہ شے مستاجر کے حوالے کر دے پھر مستاجر اس میں عیب کا طعن لگائے وکیل قضا کے بغیر اسے قبول کر لے تو وہ موکل کو لازم ہو جائے گا اسے نیا اجارہ شمار نہیں کیا جائے گا۔

عیب کی قید لگائی ہے اگر وہ قضا کے بغیر خیار رویت یا خیار شرط کے ساتھ قبول کرے تو یہ آمر پر جائز ہوگا۔ اسی طرح اگر مشتری قبضہ سے پہلے عیب کی وجہ سے واپس کر دے تو آمر (موکل) پر اس کو لوٹانا جائز ہوگا۔ ”بحر“، ملخص۔

27417۔ (قوله: رَدُّهُ الْوَكِيلُ عَلَى الْأَمْرِ) اگر وہ کہتے: فہو رد علی الامر اسے آمر پر لوٹا دیا جائے گا تو یہ عبارت بہتر ہوتی۔ کیونکہ وکیل موکل کے ساتھ خصومت کا محتاج نہیں مگر جب عیب ایسا ہو جس کی مثل اس میں پیدا ہو سکتی ہے۔ اور اس وکیل کے اقرار کی وجہ سے قاضی کی قضا سے اس پر وہ چیز لوٹائی گئی اگر قاضی کی قضا کے بغیر لوٹائی گئی تو اس کی خصومت صحیح نہ ہو گی۔ کیونکہ وہ مشتری ہے جس طرح ”البحر“ میں اسے بیان کیا ہے۔

اس مسئلہ کا حاصل یہ ہے: عیب اس سے خالی نہیں ہوتا یا تو وہ ایسا ہوگا جس کی مثل پیدا نہیں ہوتی جس طرح دانت یا زائد انگلی۔ یا وہ پیدا ہو سکتی ہے لیکن اتنی مدت میں پیدا نہیں ہو سکتی۔ یا اتنی مدت میں پیدا ہو سکتی ہے۔

پہلی اور دوسری صورت میں قاضی اسے بغیر حجت کے لوٹا دے گا۔ حجت سے مراد گواہیاں، اقرار اور قسم سے انکار ہے۔ کیونکہ یہ معلوم ہے کہ یہ عیب بائع کے ہاں موجود تھا۔ الکتاب ”کنز“ میں حجت کے شرط ہونے کی دلیل یہ ہے: مال بعض اوقات قاضی پر مشتبہ ہو جاتا ہے اس کی صورت یہ ہے کہ وہ بیع کی تاریخ کو نہیں پہچانتا۔ پس وہ حجت کا محتاج ہوتا ہے تاکہ تاریخ ظاہر ہو جائے یا وہ ایسا عیب ہے جسے صرف اطباء یا عورتیں ہی پہچانتی ہیں۔ ان کا قول خصومت کے متوجہ ہونے میں حجت ہوگا رد کرنے میں حجت نہیں ہوگا۔ پس وہ رد کرنے کے لیے حجت کا محتاج ہوگا یہاں تک اگر قاضی خود عقد بیع کو اپنی آنکھوں سے دیکھے اور عیب ظاہر ہو تو وہ ان میں سے کسی شے کا محتاج نہیں ہوگا۔

تیسری صورت میں (جس میں عیب اتنی مدت میں پیدا ہو سکتا ہے) حکم اسی طرح ہوگا اگر حجت گواہوں کی صورت میں یا قسم سے انکار کی صورت میں ہو۔ کیونکہ گواہیاں حجت مطلقہ ہیں۔ اسی طرح اس کے حق میں قسم سے انکار کرنا ہے۔ پس وہ اسے اس پر لوٹا دے گا ان مواقع پر وکیل پر کسی شے کو لوٹانا موکل پر لوٹانا ہے۔ اگر وہ تیسری صورت میں اسے اس کے اقرار کے ساتھ لوٹائے اگر لوٹانا قاضی کے فیصلہ کے ساتھ ہو تو یہ موکل پر لوٹانا نہیں ہوگا۔ کیونکہ یہ حجت قاصرہ ہے۔ پس یہ حجت آگے

(الْأَصْلُ فِي الْوَكَالَةِ الْخُصُوصُ وَفِي الْمُضَارَبَةِ الْعُمُومُ) وَفَرَّغَ عَلَيْهِ بِقَوْلِهِ (فَإِنْ بَاعَ) الْوَكِيلُ (نَسِيئَةً فَقَالَ أَمَرْتُكَ بِنَقْدٍ وَقَالَ أَطْلَقْتَ صَدَقَ الْأَمْرُ، وَفِي) الْإِخْتِلَافِ فِي (الْمُضَارَبَةِ) صَدَقَ (الْمُضَارِبُ) عَمَلًا بِالْأَصْلِ (لَا يَنْفَعُ تَصَرُّفُ أَحَدِ الْوَكِيلَيْنِ)

وکالت میں اصل خصوص ہے اور مضاربت میں اصل عموم ہے۔ اس پر اپنے اس قول سے تصریح کی ہے: اگر وکیل نے کسی چیز کو ادھار بیچا موکل نے کہا: میں نے تجھے نقد بیچنے کا کہا تھا وکیل نے کہا: تو نے مطلق امر کیا تھا امر کی تصدیق کی جائے گی۔ مضاربت میں اختلاف کی صورت میں مضارب کی تصدیق کی جائے گی۔ یہ اصلاً پر عمل کرنے کی وجہ سے ہے۔ وہ دو وکیل جن کو اکٹھے وکیل بنایا گیا ہو

متعدی نہ ہوگی بلکہ اسی تک محدود رہے گی۔

لیکن وکیل کو حق حاصل ہوگا کہ وہ موکل سے خصومت کرے اور بینہ کے ساتھ یا مدعی علیہ سے قسم کے انکار کے ساتھ وہ چیز اس کی موکل کی طرف لوٹا دے۔ کیونکہ رد کرنا یہ عقد کا فسخ کرنا ہوتا ہے۔ کیونکہ یہ رد قاضی کے فیصلہ کے ساتھ اس پر جبر کرتے ہوئے حاصل ہوا ہے۔ پس رضا معدوم ہوگئی۔ اگر قاضی کے فیصلے کے بغیر ہو تو اسے لوٹانے کا حق نہیں ہوگا کیونکہ یہ تو اقالہ (پہلی بیع کو پہلی ثمن پر ختم کرنا ہے)۔ یہ تیسرے آدمی کے حق میں جدید بیع ہے وہ تیسرا آدمی موکل ہے۔

پہلی اور دوسری صورت میں اگر اس چیز کو اقرار کے ساتھ، قاضی کے فیصلہ کے بغیر وکیل پر لوٹا دیا گیا تو یہ چیز وکیل کو لازم ہوگی۔ عام روایات میں یہ ہے: اس کے لیے جائز نہیں کہ وہ موکل سے مخاصمت کرے۔ ایک روایت میں ہے: یہ موکل پر رد ہوگا۔ اس کی مکمل بحث شرح ”الزیلعی“ میں ہے۔

اس سے یہ امر ظاہر ہوتا ہے کہ متن میں جو ”کنز“ کی تبع میں ہے وہ اس روایت پر مبنی ہے۔ ”الاصلاح“ میں اسی طرح کہا ہے: ”اسی طرح ایسے عیب کے اقرار کرنے کے ساتھ جس کی مثل اتنی مدت میں پیدا نہیں ہوتا اگر قاضی کے فیصلہ سے واپس کیا جائے۔“ ”المواہب“ میں ہے: اگر اس کے اقرار کے ساتھ اسے اس پر لوٹا دیا جائے جس کی مثل پیدا نہیں ہوتا تو یہ وکیل کو لازم ہو جائے گا اور موکل کو لازم ہونے کی ایک روایت ہے۔

وکالت میں اصل خصوص اور مضاربت میں اصل عموم ہے

27418۔ (قوله: الْأَصْلُ فِي الْوَكَالَةِ الْخُصُوصُ الْخ) شاعر کا شعر ہے:

الاصِل فِي الْوَكَالَةِ الْخُصُوصُ لَا فِي الْمُضَارَبَةِ ذَا الْمَنْصُوصِ

وکالت میں اصل خصوص ہے۔ مضاربت میں خصوص نہیں یہ منصوب ہے۔

کسی معاملے کے دو وکیلوں میں سے ایک کا اکیلے تصرف نافذ نہیں ہوگا

27419۔ (قوله: لَا يَنْفَعُ تَصَرُّفُ أَحَدِ الْوَكِيلَيْنِ) کیونکہ موکل دونوں میں سے ایک کی رائے سے راضی نہیں۔

مَعَا كَوَلَّتْكُمْ بِكَذَا (وَحْدَهُ) وَلَوْ الْآخِرُ عَبْدًا أَوْ صَبِيًّا أَوْ مَاتَ أَوْ جُنَّ (لَا) فِيمَا إِذَا وَكَلْتُمَا عَلَى التَّعَاقُبِ بِخِلَافِ الْوَصِيِّينَ كَمَا سَيَجِيءُ فِي بَابِهِ وَ (فِي خُصُومَةٍ) بِشَرْطِ رَأْيِ الْآخِرِ لَا حَضَرَتِهِ عَلَى الصَّحِيحِ إِلَّا إِذَا انْتَهَيَا إِلَى الْقَبْضِ فَحَتَّى يَجْتَبِعَا جَوْهَرَةً

ان میں سے ایک کا اکیلے تصرف نافذ نہیں ہوگا جیسے وہ کہے: اس نے تم دونوں کو اس کا وکیل بنایا ہے اگرچہ دوسرا غلام یا بچہ ہو یا وہ مر گیا ہو یا مجنون ہو گیا ہو مگر جب وہ ان دونوں کو یکے بعد دیگرے وکیل بنائے دو وصیوں کا معاملہ مختلف ہے جس طرح اس کے باب میں آئے گا۔ خصومت کی صورت میں دوسرے وکیل کی رائے شرط ہے اس کا وہاں حاضر ہونا شرط نہیں۔ یہ صحیح قول کے مطابق ہے۔ مگر جب دونوں قبض تک پہنچیں تو پھر ایک کا تصرف جائز نہیں ہوگا یہاں تک کہ دونوں اکٹھے ہوں، ”جوہرہ“۔

بدل اگرچہ مقدر ہے لیکن تقدیر زیادتی میں رائے کے استعمال اور مشتری کے اختیار میں مانع نہیں، ”منح“۔ یعنی بدل کی تقدیر کے مانع نہیں تاکہ اس سے نقصان کو روکے۔ بعض اوقات اجتماع کے وقت نقصان بڑھ جاتا ہے۔ بعض اوقات دوسرا وکیل خوشحال مشتری کو اختیار کرتا ہے اور پہلا وکیل اس تک نہیں پہنچ پاتا۔

حاشیہ میں ہے: اگر ایک آدمی نے دو آدمیوں کو ہزار درہم مضاربت کے طریقہ پر عطا فرمائے ان دونوں کو کہا: اپنی رائے کے مطابق عمل کرو دونوں میں سے ہر ایک کے لیے جائز نہیں کہ وہ اکیلے بیع و شرا کرے کیونکہ وہ ان دونوں کی رائے پر راضی ہوا ہے دونوں میں سے ایک کی رائے سے راضی نہیں ہوا۔ اگر دونوں میں ایک آدمی اپنے ساتھی کی اجازت کے بغیر عمل کرے تو وہ نصف مال کا ضامن ہوگا اور اس کا نفع اس کا ہوگا۔ اس میں کمی اس کے ذمہ ہوگی۔ اپنی ذات کے لیے خریدنے کی صورت میں مضاربت کے رأس المال کا نصف نقد ادا کرنا اس کے ذمہ لازم نہ ہوگا۔ کیونکہ اس نے رأس المال کے اذن کے بغیر عقد مضاربت کیا پس وہ ضامن ہوگا۔ ”عطاء اللہ آفندی“۔

میں نے اس عبارت کو اسی طرح پایا ہے۔ پس اس کے اصل کی طرف رجوع کیا جائے۔

27420۔ (قوله: أَوْ مَاتَ) یعنی دوسرا یہ غلام یا بچہ کو شامل ہے اسی طرح ان کا قول اوجن ہے۔

27421۔ (قوله: أَوْ جُنَّ) دوسرے وکیل کے لیے ایک تصرف کرنا جائز نہیں۔ کیونکہ آمر صرف اس کی رضا سے راضی

نہیں۔ اگر دو وصی ہوں تو زندہ قاضی کی رائے سے ہی تصرف کرے گا۔ ”بحر“ میں ”الخانیہ“ کی کتاب الوصایا سے مروی ہے۔

27422۔ (قوله: بِخِلَافِ الْوَصِيِّينَ) کیونکہ جب اس نے دو وصیوں کو علیحدہ کلام کے ساتھ وصی بنایا تو واضح قول

کے مطابق دونوں میں سے کسی کے لیے اکیلے تصرف کرنا جائز نہیں۔ کیونکہ موت کے وقت دونوں اکٹھے وصی ہو گئے ہیں وکالت میں وکالت کا حکم نفس توکیل (وکیل بنانے) سے ثابت ہوتا ہے۔ ”بحر“۔

27423۔ (قوله: كَمَا سَيَجِيءُ) یعنی متن میں قریب ہی آئے گا۔

27424۔ (قوله: فَحَتَّى يَجْتَبِعَا) لیکن عنقریب آئے گا: خصومت کا وکیل قبض کرانے کا مالک نہیں ہوتا۔ اسی پر

(وَعَتَقَ مُعَيَّنٍ وَطَلَّقَ مُعَيَّنَةً لَمْ يُعَوِّضَا) بِخِلَافِ مُعَوِّضٍ وَغَيْرِ مُعَيَّنٍ (وَتَعْلِيْقُ بِشَيْئَتَيْهِمَا) أَمَّا الْوَكِيلَيْنِ فَإِنَّهُ يَلْزَمُ اجْتِمَاعُهُمَا عَمَلًا بِالتَّعْلِيْقِ قَالَهُ الْمُصَنِّفُ قُلْتُ وَظَاهِرُهُ عَطْفُهُ عَلَى لَمْ يُعَوِّضَا كَمَا يُعْلَمُ مِنَ الْعَيْنِيِّ وَالذَّرَرِ، فَحَقُّ الْعِبَارَةِ وَلَا عُلُقًا بِشَيْئَتَيْهِمَا فَتَدَبَّرْ (وَفِي) (تَدْبِيرٍ وَرَدٍ عَيْنٍ) كَوَدِيعَةٍ وَعَارِيَّةٍ وَمَغْصُوبٍ فَاسِدٍ خُلَاصَةً بِخِلَافِ اسْتِرْدَادِهَا، فَلَوْ قَبِضَ أَحَدُهُمَا ضَمِنَ كُلُّهُ

معین غلام کی آزادی اور معینہ عورت کی طلاق جن کے عوض میں کوئی شے نہ ہو تو ان میں دونوں کا اکٹھے ہونا شرط نہیں۔ جس کا عوض معین کیا گیا اور غلام غیر معین ہو اس کا معاملہ مختلف ہے۔ دونوں وکیلوں کی مشیت کے ساتھ معلق کرنے کی صورت میں دونوں کا اجتماع لازم ہے۔ یہ تعلیق پر عمل کرنے کی بنا پر ہے۔ مصنف نے یہ قول کیا ہے۔ میں کہتا ہوں: اس کا ظاہر یہ ہے کہ بشیئتہما کا عطف لم یعوضا پر ہے جس طرح ”عینی“ اور ”ذری“ سے معلوم ہے۔ پس عبارت کا حق یہ ہے: ولا علقا بشیئتہما دونوں کی مشیت پر معلق نہ کیا گیا ہو شرط نہیں، فتدبر۔ غلام کو مدبر بنانے، عین کو لوٹانے جیسے ودیعت، عاریہ، مغضوب اور بیع فاسد دونوں کا اکٹھے ہونا، ”خلاصہ“۔ ان کو واپس لینے کا معاملہ مختلف ہے۔ اگر ان دونوں میں سے ایک اس پر قبضہ کرتا ہے تو تمام کا ضامن ہوگا۔

فتویٰ دیا جاتا ہے۔ ”ابوسعود“۔

27425۔ (قوله: وَظَاهِرُهُ) یعنی مصنف کے قول کا ظاہر یہ ہے ان کا قول عطفہ مراد ہے دونوں کی مشیت کی تعلیق

کا عطف۔

27426۔ (قوله: وَالذَّرَرِ) کیونکہ اپنے قول لم یعوضا کے بعد کہا: بخلاف ما اذا قال لهما طَلَقَاها ان شئتا او

قال امرها بايد يكما لانه تفويض الى مشيئتهما فيقتصر على المجلس جب وہ ان دونوں کو کہے اگر تم دونوں چاہو تو اسے طلاق دے دو یا کہا: ان دونوں کا معاملہ تمہارے ہاتھ میں ہے کیونکہ یہ ان کی مشیت کے سپرد کرنا ہے۔ پس یہ تفویض امر صرف مجلس تک محدود ہوگا۔

27427۔ (قوله: وَلَا عُلُقًا) ”البحر“ ان دو مسائل کے علاوہ تین اور مسائل کو مستثنیٰ کیا ہے اس کی طرف رجوع کیجئے۔

”رملی“ نے اس پر اعتراض کیا ہے۔

27428۔ (قوله: فَلَوْ قَبِضَ أَحَدُهُمَا) یعنی اپنے ساتھی کی اجازت کے بغیر اس پر قبضہ کیا اور وہ چیز اس کے قبضہ میں

ہلاک ہو گئی جس طرح ”الذخیرہ“ میں اس کی تصریح کی اور اسی طرح دوسرے کے حاضر ہونے کے بغیر قبضہ کیا جس طرح ”البحر“ کی عبارت اس کا وہم دلاتی ہے۔

27429۔ (قوله: ضَمِنَ كُلُّهُ) ”السراج“ کی عبارت ہے جس طرح ”البحر“ میں ہے: اگر یہ کہا جائے: چاہیے کہ وہ

نصف کا ضامن ہو کیونکہ ان دونوں میں سے ہر ایک نصف کے قبض پر مامور ہے ہم اس کا جواب دیں گے: وہ اپنے ساتھی کی

لِعَدَمِ أَمْرِهِ بِقَبْضِ شَيْءٍ مِنْهُ وَحْدَهُ سِرَاجٌ (و) فِي (تَسْلِيمِ هَبَةٍ) بِخِلَافِ قَبْضِهَا وَلَوْ الْحَبَّةَ (وَقَضَاءِ دَيْنٍ) بِخِلَافِ اقْتِضَائِهِ عَيْنِي (و) بِخِلَافِ (الْوَصَايَةِ) لِاثْنَيْنِ (و) كَذَا (الْمُضَارَبَةِ وَالْقَضَاءِ) وَالتَّحْكِيمِ (وَالْتَوَلِيَةِ عَلَى الْوَقْفِ) فَإِنَّ هَذِهِ السِّتَّةَ كَالْوَكَالَةِ فَلَيْسَ لِأَحَدِهِمَا الْإِنْفِرَادُ بَحْرٌ إِلَّا فِي مَسْأَلَةٍ مَا إِذَا شَرَطَ الْوَاقِفُ النَّظَرَ لَهُ أَوْ الْإِسْتِبْدَالَ مَعَ فُلَانٍ فَإِنَّ لِلْوَاقِفِ الْإِنْفِرَادَ دُونَ فُلَانٍ أَشْبَاهًا (وَالْوَكِيلُ بِقَضَاءِ الدَّيْنِ) مِنْ مَالِهِ أَوْ مَالِ مُوَكَّلِهِ

کیونکہ اسے اکیلے کسی شے پر قبضہ کرنے کا امر نہیں تھا۔ ”سراج“، ہبہ کو سپرد کرنے، ہبہ پر قبضہ کرنے کا معاملہ مختلف ہے۔ ”ولو الحبہ“۔ دین کو ادا کرنے میں دونوں کا اکٹھے ہونا شرط نہیں۔ دین کے تقاضا کا معاملہ مختلف ہے، ”عینی“۔ دو آدمیوں کو وصی بنایا گیا تو اس کا معاملہ مختلف ہے۔ اسی طرح مضاربہ، قضا، تحکیم اور وقف پر والی بنانا ہے۔ کیونکہ یہ چھ وکالت کی طرح ہیں دونوں میں سے کسی کو انفرادی طور پر تصرف کرنے کا حق نہیں مگر اس مسئلہ میں جب واقف نگرانی کی شرط اپنے لیے لگائے یا اس میں تبدیلی کے شرط اپنے لیے رکھے ساتھ ہی فلاں کی قید لگائے تو واقف اکیلے ان امور کو بجالائے گا فلاں یہ کام نہ کرے گا، ”الاشباہ“۔ وکیل کو اپنے مال سے یا موکل کے مال سے دین کی ادائیگی پر

اجازت کے ساتھ اس پر مامور ہے۔ جہاں تک انفرادی حالت کا تعلق ہے وہ اس میں سے کوئی شے قبض کرنے پر مامور نہیں۔ 27430۔ (قوله: وَبِخِلَافِ الْوَصَايَةِ) الوصایۃ مبتدا ہے اس کی خبر ان کا قول کالو کالۃ ہے واو کے بعد بخلاف و زائد ذکر کیا ہے تاکہ اس کا عطف ان کے قول بخلاف اقتضائے پر کریں۔

نوٹ: الوصایۃ مبتدا اس حیثیت میں ہوگا کہ شرح کے موجود نہ ہونے کو مقدر مانا جائے۔ مترجم۔ معطوف پانچ ہیں اور چھٹا معطوف علیہ ہے۔ اس کی کلام میں کوئی اعتراض نہیں۔ پس اس پر متنبہ ہو جائے۔ لیکن اقتضا کے مسئلہ کو وکالت کے ساتھ تشبیہ دینا اچھا نہیں کیونکہ یہ حقیقت میں وکالت ہے۔

27431۔ (قوله: فَإِنَّ هَذِهِ السِّتَّةَ) اس میں ہے: یہاں مذکور پانچ چیزیں ہیں اگر انہوں نے ان تمام مسئلوں کا ارادہ کیا ہے جو گزر چکے ہیں جن میں ایک اکیلے طور پر تصرف نہیں کر سکتا تو وہ وکالت کے مسئلہ کے ساتھ مل کر انیس مسئلہ بن جاتے ہیں۔ ”ح“۔ حاشیہ میں اسی طرح ہے۔ اس کے جامع ”محمد“ رحمہ اللہ نے کہا: جو گزر چکا ہے اس سے اس کا جواب آپ کو معلوم ہو چکا ہے۔ 27432۔ (قوله: النَّظَرَ لَهُ) یعنی واقف کو نگرانی کا حق ہوگا۔

27433۔ (قوله: أَوْ مَالِ مُوَكَّلِهِ) ”عمادی“ نے اس مسئلہ سے اسی طرح مستنبط کیا ہے جسے انہوں نے ”الغانیہ“ سے ذکر کیا ہے۔ لیکن اس سے قبل ”الغانیہ“ سے ذکر کیا ہے: اگر اس نے مکتوب کے آخر میں تحریر کیا کہ یہ مختصم کرے گا اور اس سے مختصم کی جائے گی۔ یعنی یہ دعویٰ کرے گا اور دعویٰ کا جواب دے گا پھر کچھ لوگوں نے موکل غائب پر مال کا دعویٰ کر دیا وکیل نے وکالت کا اقرار کیا اور مال کا انکار کر دیا ان لوگوں نے موکل پر گواہیاں قائم کر دیں تو ان لوگوں کو حق حاصل نہیں کہ وہ وکیل کو

(لَا يُجْبَرُ عَلَيْهِ) إِذَا لَمْ يَكُنْ لِلْمُوكِّلِ عَلَى الْوَكِيلِ دَيْنٌ وَهِيَ وَاقِعَةُ الْفَتْوَى

مجبور نہیں کیا جائے گا۔ جب موکل کا وکیل پر دین نہ ہو یہ واقعہ الفتویٰ ہے

محبوس کر دیں۔ کیونکہ محبوس کرنا ظلم کی جزا ہے اور وکیل کا ظلم ظاہر نہیں ہوا۔ کیونکہ اس شہادت میں مال کی ادائیگی کا امر نہیں اور نہ ہی موکل کی جانب سے وکیل کی ضمانت ہے۔ جب وکیل پر یہ واجب نہیں کہ وہ موکل کے امر سے موکل کے مال سے مال ادا کرے اور نہ ہی اس پر یہ واجب ہے کہ اپنے موکل کی جانب سے ضمانت دے تو وکیل ادائیگی سے رکنے کے ساتھ ظالم نہ ہوا۔

اس سے یہ مستفاد ہوتا ہے: اگر اس کے موکل کا امر ثابت ہو جائے یا اس کی جانب سے ضمانت ثابت ہو جائے اس کو ادائیگی کا حکم دیا جائے گا۔ اسی پر ”قاری الہدایہ“ کا کلام محمول کیا جائے گا۔ تامل

پھر میں نے اسے ”حاشیہ المنح“ میں دیکھا۔ کیونکہ انہوں نے کہا: میں کہتا ہوں: ”الخنایہ“ کی کلام اس میں صریح ہے جس کے بارے میں ”قاری الہدایہ“ نے فتویٰ دیا ہے۔ کیونکہ یہ اس میں صریح ہے کہ مال کی ادائیگی کا وجوب دو چیزوں میں سے کسی ایک کے ساتھ واجب ہے۔ یا تو موکل کا امر ہو یا موکل کا ضامن ہو۔ پس چاہیے کہ اس پر اعتماد کیا جائے۔ فلیتامل

پھر ”الخنایہ“ کی سابقہ عبارت اور ”خنایہ“ کی دوسری عبارت، جس میں یہ کہا ہے: اگر وکیل پر دین نہ ہو تو اسے مجبور نہ کیا جائے گا۔ اور ”ابن نجیم“ کی ”الفوائد“ جس میں یہ کہا ”وکیل کو مجبور نہ کیا جائے گا جب وہ ایسے فعل سے رک جائے جس کا اسے وکیل بنایا گیا مگر چند مسائل میں“ میں تطبیق دیتے ہوئے کہا: اس کی نص یہ ہے: میں کہتا ہوں: جس کا ”الفوائد“ میں ذکر کیا ہے وہ اس کے اپنے مال اور اس کے موکل کے مال ہونے اور اس کے اوپر دین ہونے کی قید سے مطلقاً ہے۔ آخری نوع جو ”الخنایہ“ سے منقول ہے یہ اس کے ساتھ مقید ہے جب اس پر دین نہ ہو۔ اور اس کا ماقبل اس کے ساتھ مقید ہے جب موکل کا مال وکیل کے قبضہ میں نہ ہو۔

جب تو غور و فکر کرے گا تو مسئلہ کو تین صورتوں میں پائے گا: یا تو موکل کا امر پایا جائے گا اور موکل کا مال وکیل کے قبضہ میں نہیں ہوگا اور نہ ہی اس پر دین ہوگا۔ یا ان دونوں میں سے کوئی ایک صورت ہوگی۔ ظاہر یہ ہے کہ ودیعت دین کی مثل ہے کیونکہ ودیعت پر قبضہ کرنے کے لیے وکیل بنانا صحیح ہے اس میں ودیعت دین کی طرح ہے۔ پس دوسری فرع میں دین کو مطلق مال پر محمول کیا جائے گا یہاں تک کہ پہلی فرع میں ان کا کلام دوسری فرع میں ان کے کلام کے مخالف نہیں۔ کیونکہ اس کی توجیہ صحیح ہے۔ ”الفوائد“ میں جو ان کی کلام ہے اسے اس صورت پر محمول کیا جائے گا۔ ان دونوں صورتوں میں سے کوئی صورت موجود نہیں پس تطبیق حاصل ہو جائے گی پس کوئی مخالفت نہ ہوگی۔ فتمثل

اس کا حاصل یہ ہے: جب وکیل کے پاس موکل کا مال نہ ہو اور نہ ہی اس کے ذمہ دین ہو تو اسے مجبور نہ کیا جائے گا۔ اس تطبیق میں غور و فکر کرنا تم پر لازم ہے۔

27434۔ (قوله: لَا يُجْبَرُ عَلَيْهِ) اگر وہ یہ قول کرتے: وَلَا يَجْبِرُ الْوَكِيلُ إِذَا امْتَنَعَ عَنْ فِعْلِ مَا دُلَّ فِيهِ الْإِنْفِ

كَمَا بَسَطَهُ الْعِمَادِيُّ وَاعْتَمَدَهُ الْمُصَنِّفُ قَالَ وَمُفَادُهُ أَنَّ الْوَكِيلَ بَبَيْعِ عَيْنٍ مِنَ الْمُوَكَّلِ لِيَوْفَاءَ دَيْنِهِ لَا يُجْبَرُ عَلَيْهِ كَمَا لَا يُجْبَرُ الْوَكِيلُ بِنَحْوِ طَلَاقٍ وَلَوْ بَطَلَهَا عَلَى الْمُعْتَمَدِ وَعَتَقَ وَهَبَةً مِنْ فُلَانٍ وَبَيْعَ مِنْهُ لِيَكُونَ مُتَبَرِّعًا إِلَّا فِي مَسَائِلَ إِذَا وَكَّلَهُ بِدَفْعِ عَيْنٍ ثُمَّ غَابَ، أَوْ بَبَيْعِ رَهْنٍ شُرْطَ فِيهِ أَوْ بَعْدَهُ فِي الْأَصَحِّ، أَوْ بِخُصُومَةٍ يَطْلُبُ الْمُدَّعَى وَغَابَ الْمُدَّعَى عَلَيْهِ أَشْبَاهُ

جس طرح ”عمادی“ نے بڑی تفصیل سے اس کو ذکر کیا ہے اور مصنف نے اس پر اعتماد کیا ہے۔ اس سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ ایسا آدمی جسے موکل کے مال میں سے کسی عینی چیز کو بیچنے کے لیے وکیل بنایا تھا تا کہ وہ موکل کا دین ادا کرے تو اس وکیل کو مجبور نہ کیا جائے گا جس طرح وکیل کو طلاق وغیرہ پر مجبور نہیں کیا جائے گا اگر عورت کے مطالبہ پر ہو۔ یہ قابل اعتناء قول کے مطابق ہے جیسے عتق، فلاں کی جانب سے ہبہ اور اس کی جانب سے بیع۔ یعنی ان امور میں اسے مجبور نہیں کیا جائے گا۔ کیونکہ وکیل ان امور میں متبرع ہے۔ مگر چند مسائل میں اسے مجبور کیا جائے گا۔ جب موکل کوئی عینی چیز دینے کے لیے وکیل بنائے پھر خود غائب ہو جائے، رہن کی بیع کا وکیل بنایا گیا ہو جس میں بیع کی شرط رکھی تھی یا رہن کے بعد اس کی شرط رکھی گئی اس قول کے مطابق ہے یہ مدعی کے مطالبہ پر خصومت کا وکیل بنایا گیا اور مدعی علیہ غائب ہو گیا ”اشباہ“،

مسائل وہی الثلاثة الآتیة لکان اولی وکیل جب ایسے فعل کے کرنے سے رک جائے جس کا اسے وکیل بنایا گیا تھا تو اسے مجبور نہیں کیا جائے گا مگر چند مسائل میں وہ یہ آنے والے تین مسائل ہیں تو یہ بہتر ہوتا تا کہ یہ اس کے ساتھ مختص نہ ہوتا جس کا ذکر متن میں کیا ہے۔ جس طرح ”الاشباہ“ میں ہے اسی طرح حاشیہ میں ہے۔

27435۔ (قوله: لَا يُجْبَرُ عَلَيْهِ) یعنی اسے بیع پر مجبور نہیں کیا جائے گا۔

27436۔ (قوله: عَلَى الْمُعْتَمَدِ) عنقریب باب عزل الوکیل میں اس کا ذکر آئے گا۔

27437۔ (قوله: لِيَكُونَ مُتَبَرِّعًا) یہ ان کے قول لا يجبر کی علت ہے۔

27438۔ (قوله: بِدَفْعِ عَيْنٍ ثُمَّ غَابَ) کیونکہ یہ احتمال موجود ہے کہ وہ عینی چیز اس کی ہو پس اس کا دین اس کے

لیے واجب ہو۔ ”نور العین“۔

27439۔ (قوله: أَوْ بَبَيْعِ رَهْنٍ شُرْطَ فِيهِ الْخ) خواہ رہن کا عقد کرتے وقت بیع کا وکیل بنایا گیا ہو یا اس کے بعد

وکیل بنایا گیا ہو، ”نور العین“ میں ہے: اگر عقد رہن میں بیع کا وکیل نہیں بنایا گیا اور اس کے بعد اس کی شرط لگائی گئی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اسے مجبور نہیں کیا جائے گا۔ یہ اصح قول ہے۔

27440۔ (قوله: يَطْلُبُ الْمُدَّعَى) ہم اس کی وضاحت باب عزل الوکیل میں (مقولہ 27545 میں) کریں گے

اور اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ وکیل خصومت سے مراد مدعی علیہ کا وکیل ہے۔ ”الدرر“ کا قول ”وکیل خصومت اگر خصومت سے انکار کر دے تو اسے خصومت پر مجبور نہیں کیا جائے گا۔ کیونکہ اس نے احسان کرنے کا وعدہ کیا ہے“۔ چاہیے کہ

خِلَافًا لِمَا أَفْتَى بِهِ قَارِئُ الْهِدَايَةِ قُلْتُ وَظَاهِرُ الْأَشْبَاهِ أَنَّ الْوَكِيلَ بِالْأَجْرِ يُجْبَرُ فَتَدَبَّرْ، وَلَا تَنْسَ مَسْأَلَةَ وَاقِعَةِ الْفَتْوَى وَرَاجِعَ تَنْوِيرِ الْبَصَائِرِ فَلَعَلَّهُ أُوتِيَ وَفِي فُرُوقِ الْأَشْبَاهِ التَّوَكُّلُ بِغَيْرِ رِضَا الْخَصْمِ لَا يَجُوزُ عِنْدَ الْإِمَامِ إِلَّا أَنْ يَكُونَ الْمُوَكَّلُ حَاضِرًا بِنَفْسِهِ أَوْ مُسَافِرًا أَوْ مَرِيضًا أَوْ مُخَذَّرًا

اس سے وہ مختلف ہے جس کا فتویٰ ”قاری الہدایہ“ نے دیا ہے۔ میں کہتا ہوں: ”الاشباہ“ کی عبارت کا ظاہر معنی یہ ہے کہ جس وکیل کو اجرت پر رکھا گیا ہو اسے مجبور کیا جائے گا۔ پس اس میں تدبر کرو۔ واقعۃً الفتویٰ کے مسئلہ کو نہ بھولو اور ”تنویر البصائر“ کی طرف رجوع کیجئے۔ شاید وہ کافی شافی ہو۔ ”الاشباہ“ کے فروق (الفن السادس) میں ہے: خصم کی رضامندی کے بغیر کسی کو وکیل بنانا ”امام صاحب“ رحمہ اللہ کے نزدیک جائز نہیں مگر جب موکل خود حاضر ہو، مسافر ہو، مریض ہو یا پردہ دار ہو۔

اسے مدعی کے وکیل کے ساتھ خاص کیا جائے جس طرح یہاں جو کلام ہے اس سے سمجھا جاسکتا ہے جس طرح ”نور العین“ میں اس پر تنبیہ کی ہے۔ اور ان کا قول: اذا غاب المدعى اس سے دور کر دیتا ہے۔ بہترین صورت وہ ہے جس کا ہم عنقریب بعد میں (مقولہ 27478 میں) ذکر کریں گے۔

27441۔ (قوله: خِلَافًا لِمَا أَفْتَى بِهِ قَارِئُ الْهِدَايَةِ) یہ متن کے متعلق ہے۔ کیونکہ ان سے سوال کیا گیا کیا وکیل کو اس دین میں مجبور کیا جائے گا جو موکل پر واجب ہو جب موکل کا حال وکیل کے قبضہ میں ہو اور وکیل وہ دین دینے سے رک جائے خواہ موکل حاضر ہو یا غائب ہو؟ تو آپ نے جواب دیا: وکیل کو وہ دین دینے پر مجبور کیا جائے گا جو دین موکل پر ثابت ہو اور جب یہ ثابت ہو کہ موکل نے وکیل کو دین ادا کرنے کا حکم دیا یا وہ وکیل کفیل تھا ورنہ اسے مجبوس نہیں کیا جائے گا، ”ح“۔ حاشیہ میں اسی طرح ہے۔

27442۔ (قوله: وَظَاهِرُ الْأَشْبَاهِ) کیونکہ کہا: ایسے وکیل کو ثمن کا تقاضا کرنے پر مجبور نہیں کیا جائے گا جس کو اجرت پر نہ رکھا گیا ہو۔ وہ موکل کے ساتھ حوالہ کرے گا۔ ”ح“۔

یہ چیز شارح کے قول: لكونه متبرعا سے استفاد ہے جو استثنا سے پہلے حاشیہ میں کہا: وکیل کو موکل کے دین کی وجہ سے مجبوس نہیں کیا جائے گا اگر وکالت عام ہو مگر جب وہ ضمانت اٹھائے۔ اس کی مکمل بحث ”الاشباہ“ کی کتاب الوکالہ میں ہے۔

27443۔ (قوله: وَاقِعَةِ الْفَتْوَى) یعنی جواب بھی گزرا ہے یہ وہ مسئلہ ہے جس میں موکل اس دین کو ادا کرنے کا وکیل بناتا ہے جو موکل کا وکیل کے ذمہ ہے۔ پس جن امور کی استثنا کی گئی وکیل بالاجر کو ملنے کے ساتھ پانچ ہو گئے۔

27444۔ (قوله: وَفِي فُرُوقِ الْأَشْبَاهِ) کتاب الوکالہ کے شروع میں گزر چکا ہے۔

27445۔ (قوله: حَاضِرًا بِنَفْسِهِ) اس میں غور کیجئے اس کا کیا معنی ہے؟ ہم نے کسی کو اس کا ذکر کرتے ہوئے نہیں

دیکھا بلکہ جو مذکور ہے وہ یہ ہے تعذر حضورہ شرط۔ میں نے اس عبارت کو ”الاشباہ“ کی فروق میں نہیں دیکھا۔ پس اس کی طرف رجوع کیجئے۔

(الْوَكِيلُ لَا يُؤْكَلُ إِلَّا بِإِذْنِ أَمْرِهِ) لِيُجُودَ الرِّضَا (إِلَّا إِذَا وَكَّلَهُ فِي دَفْعِ زَكَاةٍ) فَوَكَّلَ آخِرًا ثُمَّ وَثَمَ دَفْعَ الْآخِرِ جَازًا وَلَا يَتَوَقَّفُ، بِخِلَافِ شِرَاءِ الْأُضْحِيَّةِ الْأُضْحِيَّةِ (وَالْوَكِيلُ فِي قَبْضِ الدَّيْنِ) إِذَا وَكَّلَ (مَنْ فِي عِيَالِهِ) صَخَّ ابْنُ مَلِكٍ (وَالْأَوَّلُ) (عِنْدَ تَقْدِيرِ الشَّيْنِ) مَنْ الْمُوَكَّلِ الْأَوَّلِ (لَهُ) أَمَّا لَوَكِيلِهِ فَيَجُوزُ بِلَا إِجَازَتِهِ

وکیل موکل کی اجازت کے بغیر آگے کسی کو وکیل نہیں بنائے گا۔ کیونکہ اجازت کی صورت میں رضا موجود ہے۔ مگر جب وہ زکوٰۃ کی ادائیگی میں اسے وکیل بنائے تو وکیل نے ایک آدمی کو، اس نے ایک اور آدمی کو وکیل بنایا یہ سلسلہ چلتا رہا تو آخری آدمی نے وہ مال دے دیا تو یہ جائز ہوگا یہ ادائیگی موقوف نہ ہوگی۔ قربانی کے خریدنے کا معاملہ مختلف ہے۔ ”الغانیہ“ کی کتاب ”الاضحیہ“ میں ہے: مگر وہ وکیل جسے دین پر قبضہ کرنے کے لیے وکیل بنایا گیا ہے جب ایسا وکیل اپنے عیال میں سے کسی کو وکیل بنائے تو یہ صحیح ہوگا ”ابن ملک“۔ مگر جب پہلے موکل کی جانب سے اپنے وکیل کے ثمن کی تعیین ہو جائے۔ پس اس کی اجازت کے بغیر جائز ہے

وہ شخص جسے کسی امر میں وکیل بنایا گیا ہو اس میں وہ کسی اور کو وکیل نہیں بنا سکتا

27446۔ (قوله: الْوَكِيلُ لَا يُؤْكَلُ) مراد ہے جس امر میں اسے وکیل بنایا گیا ہے اس میں وہ کسی کو وکیل نہیں بنائے گا پس ایسے عقد کا وکیل بنانا اس سے خارج ہو جائے گا جس کے حقوق وکیل کی طرف لوٹتے ہیں۔ پس اس طرح اسے اجازت کے بغیر وکیل بنانے کا حق حاصل ہو جائے گا۔ کیونکہ وہ اس میں امیل ہے۔ اسی وجہ سے موکل اسے ان حقوق سے روک نہیں سکتا۔ موکل کا کسی کو وکیل بنانا صحیح ہے۔ اسی وجہ سے موکل اسے ان حقوق سے روک نہیں سکتا۔ موکل کا کسی کو وکیل بنانا صحیح ہے جس طرح ہم اسے ”البحر“ میں بیان کر چکے ہیں۔ ”بحر“۔ اس میں ہے: وہ اس ”کنز“ کے قول سے خارج ہو جائے گا اگر دین پر قبضہ کرنے والا وکیل اپنے عیال میں سے کسی کو وکیل بناتا ہے۔ مدیون اس شخص کو دین دے دیتا ہے تو وہ بری ہو جائے گا۔ کیونکہ عیال میں سے کسی شخص کا قبضہ وکیل کے قبضہ کی طرح ہے شارح نے اس مسئلہ کو سرقہ میں ذکر کیا ہے مصنف نے دوسرے قول کو ذکر کیا ہے۔

27447۔ (قوله: بِخِلَافِ شِرَاءِ الْأُضْحِيَّةِ) اگر اس نے کسی شخص کو قربانی کا جانور خریدنے کے لیے وکیل بنایا تو وکیل نے کسی اور کو وکیل بنادیا پھر یہ سلسلہ آگے چلتا رہا تو آخری وکیل نے وہ جانور خریدا تو وہ عقد پہلے وکیل کی اجازت پر موقوف ہوگا اگر پہلے وکیل نے اس کی اجازت دے دی تو ٹھیک ورنہ یہ عقد جائز نہ ہوگا۔ ”بحر“ میں ”الغانیہ“ سے منقول ہے۔

27448۔ (قوله: تَقْدِيرِ الشَّيْنِ) یعنی اگر موکل نے اس شے کی ثمن اس کے وکیل کے لیے معین کر دی۔ ”س“۔

27449۔ (قوله: مِنَ الْمُوَكَّلِ الْأَوَّلِ) ”البحر“ میں جو قول ہے یہ اس کے مخالف ہے اور تعلیل کے بھی مخالف ہے جس طرح یہ اس سے ظاہر ہوتا ہے جسے ہم نے ”البحر“ پر حاشیہ میں رقم کیا ہے۔ ”البحر“ کی موافقت کے لیے یہ کہنا چاہیے تھا من الوکیل الاول له ای للوکیل الثانی یعنی پہلے وکیل کی جانب سے دوسرے وکیل کے لیے۔ ان مسائل پر ان کا اکتفا کرنا

لِحُصُولِ الْمَقْصُودِ دُرَرًا (وَالْتَفْوِيزُ إِلَى رَأْيِهِ) لَكَ اِعْمَلْ بِرَأْيِكَ (كَالِإِذْنِ) فِي التَّوَكِيلِ (إِلَّا فِي طَلَاقٍ وَعِتَاقٍ)؛ لِأَنَّهَا مِمَّا يُخْلَفُ بِهِ فَلَا يَقُومُ غَيْرُهُ مَقَامَهُ قُنْيَةً (فَإِنْ وَكَّلَ) الْوَكِيلُ غَيْرَهُ (بِدُونِهَا) بِدُونِ إِذْنٍ وَتَفْوِيزٍ (فَفَعَلَ الثَّانِي) بِحَضْرَتِهِ أَوْ غَيْبَتِهِ (فَأَجَازَهُ) الْوَكِيلُ (الْأَوَّلُ صَحَّ) وَتَتَعَلَّقُ حُقُوقُهُ بِالْعَاقِدِ عَلَى الصَّحِيحِ (إِلَّا فِي) مَا لَيْسَ بِعَقْدٍ نَحْوِ (طَلَاقٍ وَعِتَاقٍ) لِتَعَلُّقِهَا بِالشَّرْطِ فَكَأَنَّ الْوَكِيلَ عَلَّقَهُ بِاللَّفْظِ الْأَوَّلِ دُونَ الثَّانِي (وَأَبْرَاءُ) عَنْ الدَّيْنِ قُنْيَةً (وَحُصُومَةٍ وَقَضَاءٍ دَيْنٍ) فَلَا تَكْفِي الْحَضْرَةُ ابْنُ مَلِكٍ خِلَافًا لِلْخَانِيَّةِ (وَإِنْ فَعَلَ أَجْنَبِيٌّ فَأَجَازَهُ الْوَكِيلُ) الْأَوَّلُ (جَازَ إِلَّا فِي شِرَاءٍ) فَإِنَّهُ يَنْفُذُ عَلَيْهِ وَلَا يَتَوَقَّفُ

کیونکہ مقصود حاصل ہو گیا ہے۔ ”درر“۔ موکل کی جانب سے یہ امر تفویض ہونا کہ اپنی رائے پر عمل کر دے وکیل بنانے کی اجازت کی طرح ہے۔ مگر طلاق و عتاق میں ایسا نہیں۔ کیونکہ یہ دونوں چیزیں ایسی چیزوں میں سے ہیں جن میں قسم کھائی جاتی ہے۔ پس کوئی دوسرا شخص اس کے قائم مقام نہیں۔ ”قنیہ“۔ اگر وکیل نے کسی اور کو اجازت اور تفویض کے بغیر وکیل بنایا اور دوسرے وکیل نے پہلے وکیل کی موجودگی میں یا عدم موجودگی میں عقد کیا اور پہلے وکیل نے اس عقد کو جائز قرار دے دیا تو یہ صحیح ہو جائے گا۔ صحیح قول کے مطابق عقد کے حقوق عاقد کے متعلق ہو جائیں گے مگر جو عقد نہ ہو جیسے طلاق اور عتاق۔ کیونکہ دونوں شرط کے ساتھ متعلق ہوتے ہیں۔ تو گویا موکل نے اسے پہلے وکیل کے قول کے ساتھ معلق کیا ہے دوسرے وکیل کے لفظ کے ساتھ معلق نہیں کیا۔ اور جیسے دین سے بری کرنا، ”قنیہ“۔ جیسے خصومت اور دین کی ادائیگی پس حاضر ہونا کافی نہ ہوگا، ”ابن ملک“، ”خانیہ“ نے اس سے اختلاف کیا ہے۔ اگر اجنبی نے ایسا کیا اور پہلے وکیل نے اسے جائز قرار دے دیا تو یہ جائز ہوگا مگر خریداری میں معاملہ مختلف ہوگا۔ کیونکہ خریداری اس پر نافذ ہو جائے گی اور وہ موقوف نہ ہوگی

اس امر کا فائدہ دیتا ہے کہ جو آدمی نکاح میں وکیل ہوتا ہے اسے آگے وکیل بنانے کا کوئی حق نہیں ہوتا۔ ”الخلاصہ“، ”البرزازیہ“ اور ”البحر“ کے کتاب النکاح میں اسی کی تصریح کی ہے۔ ہم باب الولیٰ میں پہلے (مقولہ 11546 میں) اسے بیان کر چکے ہیں اس کی طرف رجوع کیجئے۔ وہاں امام ”طحاوی“ نے بحث کرتے ہوئے جو کچھ کہا ہے وہ اس کے خلاف ہے۔ ان کا قول یہ ہے: ان تین مسائل پر قیاس کرتے ہوئے اسے وکیل بنانے کا حق تھا۔

27450۔ (قولہ: لِحُصُولِ الْمَقْصُودِ) کیونکہ عموماً اس میں ثمن کی تعیین کے لیے رائے کی ضرورت ہوتی ہے جب کہ ثمن کی تعیین تو حاصل ہو چکی ہے۔ جب وہ دو آدمیوں کو وکیل بنائے اور ثمن کی تعیین کرے تو معاملہ مختلف ہوگا۔ کیونکہ جب اس نے ثمن کی تعیین کے ساتھ معاملہ کو ان دونوں کے سپرد کر دیا تو اس سے یہ امر ظاہر ہو جائے گا کہ اس کی غرض زیادتی میں اور مشتری کے اختیار میں ان دونوں کی رائے کا جمع ہونا ہے جس طرح گزر چکا ہے۔ ”درر“۔

27451۔ (قولہ: خِلَافًا لِلْخَانِيَّةِ) یہ خصومت کی طرف راجع ہے جس طرح ”المنح“ اور ”البحر“ میں اسے مقید کیا ہے۔

27452۔ (قولہ: يَنْفُذُ عَلَيْهِ) یعنی اجنبی پر وہ عقد نافذ ہو جائے گا۔ ”بحر“ میں ”السراج“ سے مروی ہے۔

مَتَى وَجَدَ نَفَاذًا (وَإِنْ وَكَّلَ بِهِ) أَيْ بِالْأَمْرِ أَوْ التَّفْوِيزِ (فَهُوَ) أَيْ الثَّانِي (وَكِيلُ الْأَمْرِ) وَحِينَئِذٍ (فَلَا يَنْعَزِلُ بِعَزْلِ مُوَكَّلِهِ أَوْ مَوْتِهِ وَيَنْعَزِلَانِ بِمَوْتِ الْأَوَّلِ) كَمَا مَرَّتْ فِي الْقَضَاءِ وَفِي الْبَحْرِ عَنِ الْخُلَاصَةِ وَالْخَانِيَّةِ لَهُ عَزْلُهُ فِي قَوْلِهِ اصْنَعْ مَا شِئْتَ لِرِضَاكَ بِصُنْعِهِ، وَعَزْلُهُ مِنْ صُنْعِهِ، بِخِلَافِ اعْمَلْ بِرَأْيِكَ

جب وہ نفاذ کو پالے اگر وہ امر یا تفویض کے ساتھ کسی کو وکیل بنائے تو دوسرا وکیل بھی موکل کا وکیل ہوگا اس صورت میں پہلے وکیل یعنی اپنے موکل کی جانب سے معزول کیے جانے یا پہلے وکیل کے مرجانے سے دوسرا وکیل معزول نہیں ہوگا اور دونوں وکیل موکل کی موت سے معزول ہو جائیں گے جس طرح قضا کے باب میں گزر چکا ہے۔ ”البحر“ میں ”خلاصہ“ اور ”خانیہ“ سے مروی ہے: پہلے وکیل کو یہ حق حاصل ہے کہ دوسرے وکیل کو معزول کرے جب موکل نے پہلے وکیل کو یہ کہا ہو: جو تو چاہے کر کیونکہ وکیل اس کے عمل پر راضی ہے اور پہلے وکیل کا دوسرے وکیل کو معزول کرنا یہ بھی پہلے وکیل کا عمل ہے۔ اگر موکل نے اسے یہ کہا تھا اپنی رائے سے عمل کرنا تو معاملہ مختلف ہوگا۔

27453۔ (قوله: وَإِنْ وَكَّلَ) یعنی وکیل نے آگے وکیل بنایا۔

27454۔ (قوله: بِالْأَمْرِ) یعنی ایسی وکالت سے وکیل بنایا جو تو وکیل کے امر کے ساتھ تھی یعنی اسے اجازت دی گئی

تھی۔ اصل میں ترکیب کی طرف اشارہ ہے: ان وکل وکالة ملتسبة بالامر الخ۔

27455۔ (قوله: يَنْعَزِلَانِ) یعنی پہلا اور دوسرا وکیل معزول ہو جاتے ہیں۔

27456۔ (قوله: بِمَوْتِ الْأَوَّلِ) یعنی موکل کے فوت ہو جانے سے۔ زیادہ بہتر یہ تھا کہ یوں تعبیر کرتے بسوت

الموکل۔ ”ح“۔

27457۔ (قوله: وَفِي الْبَحْرِ) جو ”البحر“ میں ہے: دوسرا وکیل موکل کا وکیل ہوگا اور پہلا وکیل اسے معزول کرنے کا

اختیار نہیں رکھے گا جب موکل اسے یہ کہے: اصل برائیک اپنی رائے پر عمل کرو۔ یہ ”ہدایہ“ کی طرف منسوب ہے۔ اور اسے

اصنع ما شئت جو چاہو کرو اس میں اسے معزول کرنے کا اختیار ہوگا یہ ”خلاصہ“ کی طرف منسوب ہے۔ پھر کہا: یہ ”ہدایہ“ کے

مخالف ہے۔ مگر اصنع ما شئت اور اعمل برائیک میں فرق کیا جائے۔ فرق ظاہر ہے ”الخانیہ“ میں یہ علت بیان کی ہے: جب

تصرف کو اس کے عمل کی طرف تفویض کر دیا تو اس کے عمل پر موکل راضی ہو گیا اور وکیل کو معزول کرنا یہ بھی اس کا عمل ہے۔

”الخلاصہ“ اور ”الخانیہ“ کے کلام میں دونوں میں سے ایک کی دوسرے کے ساتھ مخالفت کی کوئی تصریح نہیں۔ تو یہ احتمال ہے کہ

مسئلہ میں دو قول ہیں۔ صاحب ”البحر“ کا یہ دعویٰ کہ فرق ظاہر ہے ظاہر نہیں۔ کیونکہ ”الحواشی الیعقوبیہ“ اور ”الحواشی السعدیہ“

میں ہے: چاہیے کہ وہ اس صورت اعمل برائیک میں بھی معزول کرنے کا اختیار رکھتا ہو۔ کیونکہ رائے کے مطابق عمل کرنا یہ

معزول کرنے کو شامل ہوتا ہے جس طرح یہ امر مخفی نہیں۔

27458۔ (قوله: بِخِلَافِ اعْمَلْ بِرَأْيِكَ) اس بارے میں ”الحواشی الیعقوبیہ“ اور ”الحواشی السعدیہ“ میں بحث کی ہے۔

قَالَ الْمُصَنِّفُ فَعَلَيْهِ لَوْ قِيلَ لِلْقَاضِي اصْنَعْ مَا شِئْتَ فَلَهُ عَزْلُ نَائِبِهِ بِلَا تَفْوِيزِ الْعَزْلِ صَرِيحًا؛ لِأَنَّ النَّائِبَ كَوَكِيلِ الْوَكِيلِ وَاعْلَمْ أَنَّ الْوَكِيلَ وَكَالَةَ عَامَّةً مُطْلَقَةً مَفُوضَةٌ إِنِّهَا يَبْدُكُ الْمُعَاوَضَاتِ لَا الطَّلَاقَ وَالْعِتَاقَ وَالتَّبَرُّعَاتِ بِهِ يُفْتَى زَوَاهِرُ الْجَوَاهِرِ وَتَنْوِيرُ الْبَصَائِرِ (قَالَ) لِرَجُلٍ (فَوَضْتُ إِلَيْكَ أَمْرًا مَرَاتِي صَارَ وَكِيلًا بِالطَّلَاقِ وَتَقْيِيدٍ) طَلَاقُهُ (بِالْمَجْلِسِ بِخِلَافٍ) (قَوْلُهُ وَكَلْتُكَ) فِي أَمْرٍ مَرَاتِي فَلَا يَتَقَيَّدُ بِهِ دُرٌّ مَنْ لَا وِلَايَةَ لَهُ عَلَى غَيْرِهِ لَمْ يَجْزُ تَصَرُّفُهُ فِي حَقِّهِ وَحِينَئِذٍ (فَإِذَا) (بَاعَ عَبْدٌ أَوْ مَكَاتَبٌ أَوْ ذِمِّيٌّ) أَوْ حَرَبِيٌّ عَيْنِيَّ (مَالَ صَغِيرَةٍ الْحُرِّ الْمُسْلِمِ أَوْ شَرَى وَاحِدٌ مِنْهُمْ بِهِ أَوْ زَوَّجَ صَغِيرَةً كَذَلِكَ) أَيْ حُرَّةً مُسْلِمَةً (لَمْ يَجْزُ لِعَدَمِ الْوِلَايَةِ) (وَالْوِلَايَةُ فِي مَالِ الصَّغِيرِ)

مصنف نے کہا: اسی پر قیاس کیا جائے گا اگر قاضی سے یہ کہا گیا ہو: جو چاہو کرو تو قاضی کو حق حاصل ہوگا کہ وہ اپنے نائب کو معزول کر دے جب کہ صراحتاً اسے معزول کرنے کا اختیار نہ دیا گیا ہو۔ کیونکہ نائب، وکیل کے وکیل کی طرح ہوتا ہے۔ یہ جان لو کہ ایسا وکیل جس کی وکالت عام، مطلق اور مفوضہ ہو ایسا وکیل معاوضات کا اختیار رکھے گا طلاق، عتاق اور احسانات کا اختیار نہیں رکھے گا۔ اسی پر فتویٰ دیا جاتا ہے ”زواہر الجواہر“، ”تنویر البصائر“۔ ایک آدمی نے کہا: میں نے اپنی بیوی کا امر تیرے سپرد کر دیا تو وہ طلاق کا وکیل بن جائے گا اور اس کی طلاق مجلس کے ساتھ مقید ہوگی اس کا قول میں نے اپنی بیوی کے امر میں تجھے وکیل بنایا ہے تو وہ مجلس کے ساتھ مقید نہیں ہوگا۔ ”درر“۔ جس کی غیر پر ولایت نہ ہو تو اس کے حق میں اس آدمی کا تصرف جائز نہیں ہوگا۔ اس وقت جب کوئی غلام، مکاتب، ذمی یا حربی، ”عینی“۔ اپنے چھوٹے آزاد مسلمان کا مال بیچے یا ان میں سے کوئی اس سے مال خریدے یا اسی طرح چھوٹی بچی یعنی آزاد مسلمان کا عقد نکاح کرے تو یہ جائز نہ ہوگا۔ کیونکہ ولایت موجود نہیں۔ چھوٹے بچے کے مال میں ولایت

27459۔ (قوله: وَاعْلَمْ) کتاب کے شروع میں جو مفصل گزر چکا ہے اس کے ساتھ تکرار ہے۔ ”ح“۔

زواہر الجواہر اور تنویر البصائر کا تعارف

27460۔ (قوله: زَوَاهِرُ الْجَوَاهِرِ وَتَنْوِيرُ الْبَصَائِرِ) یہ دونوں کتابیں ”الاشباہ“ کے حواشی ہیں۔ پہلا حاشیہ شیخ ”صالح“ کا ہے اور دوسرا ان کے بھائی شیخ ”عبد القادر“ کا ہے یہ دونوں ہستیاں شیخ ”محمد بن عبد اللہ“ عزی صاحب ”المنح“ کے بیٹے ہیں۔

27361۔ (قوله: لِعَدَمِ الْوِلَايَةِ) اسی طرح مسلمان کو کافرہ عورت پر نہ نکاح کے معاملہ میں اور نہ ہی مال میں ولایت کا حق ہوگا۔ جس طرح ”البحر“ میں کتاب النکاح کے باب الولی میں ہے۔ وہاں یہ متن و شرح میں بھی گزر چکا ہے۔ پس اس کی حفاظت کی جانی چاہیے۔ اللہ تعالیٰ کافر مان ہے۔ وَالَّذِينَ كَفَرُوا بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ (الانفال: 73)

(إِلَى الْأَبِ ثُمَّ وَصِيَّهِ ثُمَّ وَصِيٍّ (ثُمَّ إِلَى) الْجَدِّ (أَبِي الْأَبِ ثُمَّ إِلَى وَصِيَّهِ) ثُمَّ وَصِيٍّ وَصِيَّهِ (ثُمَّ إِلَى الْقَاضِي ثُمَّ إِلَى مَنْ نَصَبَهُ الْقَاضِي) ثُمَّ وَصِيٍّ وَصِيَّهِ (وَلَيْسَ لِوَصِيِّ الْأُمِّ وَوَصِيِّ الْأَخِ) وَلَا يَتَصَرَّفُ فِي تَرْكَةِ الْأُمِّ مَعَ حَضْرَةِ الْأَبِ أَوْ وَصِيَّهِ أَوْ وَصِيٍّ وَصِيَّهِ أَوْ الْجَدِّ (أَبِي الْأَبِ) وَإِنْ لَمْ يَكُنْ وَاحِدٌ مِمَّا ذَكَرْنَا فَلَهُ

باپ کو حاصل ہوگی پھر اس کے وصی کو، پھر وصی کے وصی کو حاصل ہوگی۔ کیونکہ وصی وصی بنانے کا اختیار رکھتا ہے۔ پھر دادا جو باپ کا باپ ہوتا ہے پھر اس کے وصی پھر اس کے وصی کے وصی کو اختیار ہوگا پھر قاضی کو اختیار ہوگا پھر جسے قاضی یہ ذمہ داری سونپے یا اس کے وصی کے وصی کو اختیار ہوگا۔ مال کے وصی اور بھائی کے وصی کو باپ کی موجودگی میں اس کے وصی اس کے وصی کے وصی یا دادا جو باپ کا باپ ہے کی موجودگی میں اس کے ترکہ میں تصرف کا اختیار نہیں ہوگا۔ جن کا ہم نے ذکر کیا ہے

چھوٹے بچے کے مال میں ولایت

27462۔ (قولہ: إِلَى الْأَبِ) باپ کو اختیار حاصل ہوگا جب باپ سفیر نہ ہو۔ جہاں تک سفیر باپ کا تعلق ہے تو اسے اپنے بیٹے کے مال میں ولایت کا حق نہیں۔ ”اشباہ“، الفوائد من الجمع والفرق۔ ”جامع الفصولین“ میں ہے: باپ کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ اپنے بیٹے کا غلام مال وغیرہ سے آزاد کر دے اور نہ ہی اسے یہ حق حاصل ہے کہ وہ اس کا مال ہبہ کر دے۔ اگر وہ عوض کے بدلے میں ہبہ کر دے اور اصح قول کے مطابق نہ ہی اس کا مال کسی کو قرض دے۔ قاضی کو حق حاصل ہے کہ وہ یتیم، وقف اور غائب کا مال کسی کو قرض دے دے قاضی کے وصی کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ مال کسی کو قرض دے۔ اگر وہ قرض دے گا تو ضامن ہوگا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: باپ کو حق حاصل ہے کہ وہ کسی کو قرض دے دے۔ کیونکہ اسے یہ حق حاصل ہے کہ وہ کسی کو ودیعت دے دے یہ زیادہ بہتر ہے۔ ”عدۃ“۔ حاشیہ میں اسی طرح ہے۔

27463۔ (قولہ: يَنْبِذُ الْإِيصَاءَ) خواہ وہ میت کا وصی ہو یا قاضی کا وصی ہو۔ ”منح“۔

27464۔ (قولہ: ثُمَّ وَصِيٍّ وَصِيَّهِ) ”جامع الفصولین“ کی فصل السابع والعشرين میں کہا: انہیں نفس، مال، منقول اور غیر منقول میں اجارہ کا عقد کرنے کی ولایت حاصل ہے۔ اگر ان کا عقد مثل قیمت یا تھوڑے سے غبن کے ساتھ ہو تو یہ صحیح ہے۔ اگر غبن فاحش کے ساتھ ہو تو یہ عقد صحیح نہ ہوگا۔ بالغ ہونے کے بعد اس کی اجازت پر موقوف نہیں ہوگا۔ کیونکہ یہ عقد ہے متدی حالت میں اس کو جائز قرار دینے والا کوئی نہیں۔ اسی طرح یتیم کے لیے ان کی خریداری کا معاملہ ہے۔ یہ تھوڑے سے غبن کے ساتھ صحیح ہے۔ اگر غبن فاحش کے ساتھ ہو تو ان پر وہ عقد نافذ ہوگا اس پر نافذ نہیں ہوگا۔ اگر وہ اجارہ کی مدت میں بالغ ہو جائے اگر اجارہ نفس پر ہو تو اسے اختیار ہوگا وہ اسے باطل کر دے یا اسے جاری رکھے۔ اگر اس کی املاک پر ہو تو اس کے لیے کوئی اختیار نہیں ہوگا۔ اسے اس بیع کے نسخ کرنے کا حق نہیں ہوگا جو بیع اس کی چھوٹی عمر میں نافذ ہو گئی تھی۔ ایک قول میں کہا گیا ہے: ان کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ یتیم کو اجرت پر بھیجیں جب اسے اجرت مثل پر بھیجیں اجرت مثل سے کم پر اسے نہ بھیجیں صحیح یہ ہے

أَمَّا لِوَصِيِّ الْأَمْرِ (الْحِفْظُ) وَلَهُ (بَيْعُ الْمَنْقُولِ لَا الْعَقَارِ وَلَا يَشْتَرِي إِلَّا الطَّعَامَ وَالْكِسْوَةَ؛ لِأَنَّهُمَا مِنْ جُزْءِ حِفْظِ الصَّغِيرِ خَانِيَّةٌ فُرُوعٌ وَصِيُّ الْقَاضِي كَوَصِيِّ الْأَبِ إِلَّا إِذَا قَيَّدَ الْقَاضِي بِنَوْعٍ تَقَيَّدَ بِهِ، وَفِي الْأَبِ يَعْطَى الْكُلَّ عِبَادِيَّةً وَفِي مُتَفَرِّقَاتِ الْبَحْرِ الْقَاضِي أَوْ أَمِينُهُ لَا تَرْجَعُ حُقُوقُ عَقْدٍ بَاشَرًا أَوْ لِيَتِيمٍ إِلَيْهِمَا بِخِلَافِ وَكَيْلٍ وَوَصِيِّ وَأَبٍ، فَلَوْ ضَمِنَ الْقَاضِي أَوْ أَمِينُهُ ثَمَنَ مَا بَاعَهُ لِيَتِيمٍ بَعْدَ بُلُوغِهِ صَحَّ بِخِلَافِهِمْ وَفِي الْأَشْبَاهِ جَازَ التَّوَكُّلُ بِكُلِّ مَا يَعْقِدُهُ الْوَكِيلُ لِنَفْسِهِ إِلَّا الْوَصِيُّ فَلَهُ أَنْ يَشْتَرِيَ مَالَ الْيَتِيمِ لِنَفْسِهِ لَا لِغَيْرِهِ بِوَكَالَةٍ وَجَازَ التَّوَكُّلُ بِالتَّوَكُّلِ

اگر ان میں سے کوئی بھی نہ ہو تو ماں کے وصی کو حفاظت کرنے کا حق ہوگا اور اس کے لیے منقولہ چیز کی بیع کا اختیار ہوگا جائیداد (غیر منقولہ) کی بیع کا اختیار نہیں ہوگا وہ کھانا اور لباس کے سوا کوئی شے نہیں خریدے گا۔ کیونکہ یہ دونوں چیزیں بچے کی حفاظت کے امور میں سے ہیں۔ ”خانیہ“۔ فرع: قاضی کا وصی باپ کی وصی کی طرح ہوتا ہے مگر جب قاضی کسی نوع کے ساتھ مقید کر دے تو وہ اس کے ساتھ مقید ہو جائے گا۔ باپ میں وصی سب چیزوں کو عام ہوگا۔ ”عمادیہ“۔ ”البحر“ کی کتاب القضاء کے متفرقات (مسائل شتی) میں ہے۔ قاضی یا اس کا امین جب یتیم کے لیے کوئی عقد کریں تو عقد کے حقوق ان دونوں کی طرف نہیں لوٹیں گے۔ وکیل، وصی اور باپ کا معاملہ مختلف ہے۔ اگر قاضی یا اس کا سیکرٹری بچے کے بالغ ہونے کے بعد اس شے کے ثمن کی ضمانت اٹھائیں جس کو دونوں نے یتیم کے لیے بیچا تو یہ عقد صحیح ہوگا مگر دوسرے لوگوں کا معاملہ مختلف ہے ”الاشباہ“ میں ہے: وکیل جو امر اپنے لیے کر سکتا ہے اس کے لیے اسے وکیل بنانا جائز ہوتا ہے مگر وصی پس اس کے لیے جائز ہے کہ وکالت کے ساتھ یتیم کا مال اپنے لیے خریدے نہ کہ غیر کے لیے اور وکیل بنانے کے لیے وکیل بنانا جائز ہے۔

کہ ایسا کرنا جائز ہے اگرچہ کم اجرت پر بھیجیں۔ حاشیہ میں اسی طرح ہے۔

ان کا قول فصطیہ صاحب ”الھیط“ کے فوائد کے لیے رمز ہے۔

27465۔ (قولہ: لَا الْعَقَارِ) اس میں اعتراض ہے جسے ”ابوسعود“ نے ”حاشیۃ المسکین“ میں ذکر کیا ہے اس کی

طرف رجوع کیجئے۔

27466۔ (قولہ: فَلَهُ أَنْ يَشْتَرِيَ الْخ) نفع ظاہر ہے ”اشباہ“۔ فرق یہ ہے: جب اس نے غیر کے لیے خریدا تو یتیم

کی جانب سے حقوق اس کی طرف راجع ہوں گے اور آمر کی جانب سے معاملہ اسی طرح ہوگا۔ پس یہ امر تکلیف پہنچانے کی طرف لے جائے گا۔ اس کی ذات کا معاملہ مختلف ہے۔ ”حموی“، ”س“۔

27467۔ (قولہ: بِالتَّوَكُّلِ) اس کی وضاحت ”الاشباہ“ کے کتاب الوکالہ میں ہے۔

بَابُ الْوَكَالَةِ بِالْخُصُومَةِ وَالْقَبْضِ

(وَكَيْلُ الْخُصُومَةِ وَالْتِقَاضِ) أَمَّا أَخْذُ الدَّيْنِ (لَا يَبْدُ الْقَبْضُ) عِنْدَ زُفَرٍ وَبِهِ يُفْتَى لِفَسَادِ الزَّمَانِ، وَاعْتَمَدَ فِي الْبَحْرِ الْعُرْفَ (و) لَا (الصُّدَحَ) إِجْمَاعًا بَحْرٌ (وَرَسُولُ التَّقَاضِ يَبْدُ الْقَبْضُ لَا الْخُصُومَةَ) إِجْمَاعًا بَحْرٌ، أَرَسَلْتُكَ أَوْ كُنْ رَسُولًا عَنِّي إِرْسَالٌ

خصومت اور قبضہ کرنے کی وکالت کے احکام

”جسے خصومت کرنے کے لیے اور دین کا تقاضا کرنے کے لیے وکیل بنایا گیا ہو امام ”زفر“ کے نزدیک وہ مال پر قبضہ کا اختیار نہیں رکھتا۔ اسی پر فتویٰ دیا جاتا ہے۔ کیونکہ زمانہ فاسد ہو چکا ہے۔ اور ”البحر“ میں عرف پر اعتماد کیا ہے اور نہ ہی ایسا وکیل صلح کا اختیار رکھتا ہے اس پر اجماع ہے، ”بحر“۔ تقاضا کرنے کا قاصد مال پر قبضہ کرنے کا اختیار رکھتا ہے خصومت کا اختیار نہیں رکھتا ہے اس پر اجماع ہے، ”بحر“۔ میں نے تجھے قاصد بنایا تو میری جانب سے قاصد بن جانے کا قاصد بنانا ہے

عرف لغت پر غالب ہے

27468۔ (قوله: أَمَّا أَخْذُ الدَّيْنِ) التقاضی کا لغوی معنی دین وصول کرنا ہے۔ عرف میں اس سے مراد مطالبہ کرنا ہے۔ ”عنایہ“، ”حلبی“۔ حضرت شارح پر یہ لازم تھا کہ اس معنی کا ذکر کرتے۔ کیونکہ انہوں نے اس پر حکم کی بنیاد رکھی ہے جب کہ یہ علت بیان کی ہے کہ عرف لغت پر غالب ہے۔ تجھ پر یہ امر مخفی نہیں کہ اخذ دین دین پر قبضہ کرنے کے معنی میں ہے۔ اگر مراد معنی لغوی ہو تو معنی یہ ہو جائے گا دین پر قبضہ کرنے کا وکیل قبض کا مالک نہیں ہوگا۔ یہ تو کوئی معقول بات نہیں۔ تدبر

27469۔ (قوله: عِنْدَ زُفَرٍ) یہ قول امام ”ابو یوسف“ رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے۔ ”غرر الافکار“۔

27470۔ (قوله: وَاعْتَمَدَ فِي الْبَحْرِ الْعُرْفَ) کیونکہ کہا: ”الفتاویٰ الصغریٰ“ میں ہے: تقاضا کرنے کے لیے وکیل بنانا عرف پر منحصر ہوگا۔ اگر وہ آدمی ایسے شہر میں ہے کہ جہاں تجارت کے درمیان عرف یہ ہے کہ متقاضی ہی دین پر قبضہ کرتا ہے تو تقاضا کرنے والا وکیل دین کو وصول کرنے کا وکیل ہوگا اگر ایسا عرف نہیں تو وہ دین وصول کرنے والا وکیل نہیں ہوگا۔ ”ح“۔ ان کی کلام میں ایسی کوئی چیز نہیں جو اعتماد کا تقاضا کرے۔ ہاں ”المنح“ میں ”السراجیہ“ سے نقل کیا ہے کہ فتویٰ اسی پر ہے۔ ”القہستانی“ میں ”المشمرات“ سے اسی طرح مروی ہے۔

27471۔ (قوله: إِجْمَاعًا) جیسے ایک عقد کا وکیل بنایا گیا ہو وہ دوسرے عقد کا اختیار نہیں رکھتا۔

وَأَمَرْتُكَ بِقَبْضِهِ تَوَكِيلٌ خِلَافًا لِلزَّيْلَعِيِّ (وَلَا يَنْدِلُكُمَا) أَيْ الْخُصُومَةُ وَالْقَبْضُ (وَكَيْلُ الْمُلَازِمَةِ كَمَا لَا يَنْدِلُ الْخُصُومَةُ وَكَيْلُ الصُّلَحِ) بَحْرٌ (وَوَكَيْلُ قَبْضِ الدَّيْنِ يَنْدِلُكُمَا) أَيْ الْخُصُومَةُ خِلَافًا لَهَا لَوْ وَكَيْلُ الدَّائِنِ، وَلَوْ وَكَيْلُ الْقَاضِي

میں نے دین پر قبضہ کرنے کا تجھے حکم دیا ہے یہ وکیل بنانا ہے ”زیلعی“ نے اس سے اختلاف کیا ہے۔ جسے مدیون کے ساتھ ساتھ رہنے کا وکیل بنایا گیا ہو وہ خصومت اور مال پر قبضہ کا اختیار نہیں رکھتا جس طرح جسے صلح کے لیے وکیل بنایا گیا ہو وہ خصومت کا اختیار نہیں رکھتا۔ ”بحر“۔ اور جسے دین پر قبضہ کرنے (وصول کرنے) کا وکیل بنایا گیا ہو تو وہ خصومت کرنے کا مالک ہوگا۔ ”صاحبین“ رحمہ اللہ علیہما نے اس سے اختلاف کیا ہے۔ ”صاحبین“ رحمہ اللہ علیہما کا اختلاف اس صورت میں ہے جب وہ دین واپس لینے والے کا وکیل ہو۔ اگر وہ قاضی کا وکیل ہو

وکیل بنانے اور قاصد بنانے میں فرق

27472۔ (قوله: وَأَمَرْتُكَ بِقَبْضِهِ تَوَكِيلٌ) ”البحر“ میں کتاب الوکالہ کے شروع میں کہا: اگر تو کہے: توکیل اور ارسال میں کیا فرق ہے؟ کیونکہ اذن اور امر دونوں توکیل (بنانا) ہیں جس طرح تو ”البدائع“ کی کلام سے آگاہ ہو چکا ہے ان کا قول ہے: موکل کی جانب سے ایجاب یہ ہے کہ وہ کہے: میں نے تجھے اس امر کا وکیل بنایا تو یہ کام کر یا میں نے تجھے یہ کام کرنے کی اجازت دی ہے وغیرہ۔

میں کہتا ہوں: قاصد یہ ہے کہ قاصد بنانے والا یہ کہے: میں نے تجھے قاصد بنایا میری جانب سے اس امر میں تو قاصد بن جا۔ ”زیلعی“ نے باب خیال الروایہ میں، میں نے تجھے اس پر قبضہ کرنے کا امر کیا، کو اس میں شامل کیا ہے۔ ”النبہایہ“ میں ”الفوائد الظہیریہ“ کی طرف نسبت کرتے ہوئے یہ تصریح کی ہے کہ یہ وکالت کے باب سے ہے۔ یہ اس کے موافق ہے جو ”البدائع“ میں ہے۔ کیونکہ ”یہ کر“ اور ”میں نے تجھے یہ کرنے کا حکم دیا“ میں کوئی فرق نہیں۔ اس کی مکمل بحث اس میں ہے۔

27473۔ (قوله: خِلَافًا لِلزَّيْلَعِيِّ) کیونکہ ”زیلعی“ نے امرتک بقبضہ (میں نے تجھے اس پر قبضہ کرنے کا امر کیا) کو ارسال (قاصد بنانا) قرار دیا ہے، ”ح“۔ حاشیہ میں اسی طرح ہے۔

27474۔ (قوله: وَكَيْلُ الصُّلَحِ) کیونکہ صلح مصالحت ہے مختصمت نہیں۔

27475۔ (قوله: أَيْ الْخُصُومَةُ) اگر یہاں تک کہ اگر وکیل کے خلاف یہ گواہیاں قائم کر دی گئیں کہ موکل نے اپنا حق وصول کر لیا ہے یا اس نے اسے بری کر دیا تھا ”امام صاحب“ رحمہ اللہ علیہ کے نزدیک اسے قبول کیا جائے گا۔ ”صاحبین“ رحمہ اللہ علیہما نے فرمایا: وہ خصم نہیں ہوگا۔ ”زیلعی“۔

27476۔ (قوله: وَلَوْ وَكَيْلُ الْقَاضِي) اس کی صورت یہ ہے کہ وہ اسے غائب کے دین پر قبضہ کرنے کے لیے وکیل

بنائے۔ ”شرنبلالیہ“۔

لَا يَبْلِكُهَا إِتْفَاقًا كَوَيْلٍ قَبْضِ الْعَيْنِ إِتْفَاقًا وَأَمَّا وَكَيْلُ قِسْمَةٍ وَأَخْذِ شَفْعَةٍ وَرُجُوعِ هَبَةٍ وَرَدِّ بَعِيْبٍ فَيَبْلِكُهَا مَعَ الْقَبْضِ إِتْفَاقًا ابْنُ مَذْكُورٍ (أَمْرُهُ بِقَبْضِ دَيْنِهِ وَأَنْ لَا يَقْبِضَهُ إِلَّا جَمِيعًا فَقَبْضُهُ إِلَّا دِرْهَمًا لَمْ يَجْزُ قَبْضُهُ) الْمَذْكُورُ (عَلَى الْآمِرِ لِخَالَفَتِهِ لَهُ فَلَمْ يَصِرْ وَكَيْلًا) (وَالْأَمْرُ لَهُ الرُّجُوعُ عَلَى الْغَرِيمِ بِكُلِّهِ)

تو بالاتفاق وہ اس کا مالک نہیں ہوگا جس طرح جسے عین پر قبضہ کرنے کے لیے وکیل بنایا گیا ہو تو بالاتفاق اس کا مالک نہیں ہوگا۔ جہاں تک اس وکیل کا تعلق ہے جسے تقسیم کرنے کے لیے وکیل بنایا تھا شفعہ والی چیز کے وصول کرنے کا وکیل بنایا گیا، ہبہ کے واپس کرنے کا وکیل بنایا گیا یا عیب کی وجہ سے واپس کرنے کا وکیل بنایا گیا تو وہ قبضہ کے ساتھ خصومت کرنے کا مالک ہوگا۔ اس پر سب ائمہ کا اتفاق ہے۔ ”ابن ملک“۔ موکل نے وکیل کو حکم دیا کہ اس کے دین کو وصول کرے اور اس پر قبضہ نہ کرے مگر پورے کا پورا وصول کرے اس نے دین پر قبضہ کیا مگر ایک درہم چھوڑ دیا اس کا مذکورہ قبضہ آمر پر جائز نہ ہوگا۔ کیونکہ وہ موکل کے امر کی مخالفت کرنے والا ہے۔ پس وہ وکیل نہ ہوگا۔ اور آمر یعنی موکل کو حق حاصل ہوگا کہ وہ مقروض سے پورے کا پورا دین لے

اوضاح کا معنی

27477۔ (قوله: أَمْرُهُ بِقَبْضِ دَيْنِهِ) حاشیہ میں ”بندیہ“ سے نقل کرتے ہوئے کہا: دین پر قبضہ کرنے کا وکیل جب مقروض سے سامان تجارت لے لے اور موکل اس پر راضی نہ ہو اور وہ سامان تجارت نہ لے تو وکیل کو حق حاصل ہے کہ وہ سامان تجارت مقروض کو واپس کر دے اور اس سے دین کا مطالبہ کرے، ”جواہر الفتاویٰ“ میں اسی طرح ہے۔ ایک آدمی کا دوسرے آدمی پر ہزار درہم لازم ہے جو کھرے ہیں اس نے ایک آدمی کو ان درہموں پر قبضہ کرنے کا وکیل بنایا اور اسے آگاہ کیا کہ وہ وضع (کھرے) ہیں وکیل نے ایسے ہزار درہم پر قبضہ کر لیا جو غلہ (کھوٹ والے) ہیں جب کہ وکیل یہ جانتا ہے کہ یہ درہم غلہ ہیں تو آمر پر یہ ادائیگی جائز نہ ہوگی۔ اگر یہ درہم اس کے قبضہ میں منافع ہو جائیں تو وکیل ان کا ضامن ہوگا اور آمر کو کوئی شے لازم نہ ہوگی۔ اگر وکیل ان درہم پر قبضہ کرے اور وہ یہ نہ جانتا ہو کہ یہ درہم غلہ ہیں تو وکیل کا ان درہم پر قبضہ کرنا جائز ہوگا اور وکیل پر کوئی ضمانت نہ ہوگی۔ وکیل کو حق حاصل ہوگا کہ وہ ان درہم کو واپس کر دے اور اس کے علاوہ وصول کرے۔ اگر وہ وکیل کے قبضہ میں ہلاک ہو جائیں تو گویا وہ آمر کے قبضہ سے ہلاک ہوتے ہیں۔ ”ابن مہذب“ ج ۱، ج ۲، ج ۳، ج ۴، ج ۵، ج ۶، ج ۷، ج ۸، ج ۹، ج ۱۰، ج ۱۱، ج ۱۲، ج ۱۳، ج ۱۴، ج ۱۵، ج ۱۶، ج ۱۷، ج ۱۸، ج ۱۹، ج ۲۰، ج ۲۱، ج ۲۲، ج ۲۳، ج ۲۴، ج ۲۵، ج ۲۶، ج ۲۷، ج ۲۸، ج ۲۹، ج ۳۰، ج ۳۱، ج ۳۲، ج ۳۳، ج ۳۴، ج ۳۵، ج ۳۶، ج ۳۷، ج ۳۸، ج ۳۹، ج ۴۰، ج ۴۱، ج ۴۲، ج ۴۳، ج ۴۴، ج ۴۵، ج ۴۶، ج ۴۷، ج ۴۸، ج ۴۹، ج ۵۰، ج ۵۱، ج ۵۲، ج ۵۳، ج ۵۴، ج ۵۵، ج ۵۶، ج ۵۷، ج ۵۸، ج ۵۹، ج ۶۰، ج ۶۱، ج ۶۲، ج ۶۳، ج ۶۴، ج ۶۵، ج ۶۶، ج ۶۷، ج ۶۸، ج ۶۹، ج ۷۰، ج ۷۱، ج ۷۲، ج ۷۳، ج ۷۴، ج ۷۵، ج ۷۶، ج ۷۷، ج ۷۸، ج ۷۹، ج ۸۰، ج ۸۱، ج ۸۲، ج ۸۳، ج ۸۴، ج ۸۵، ج ۸۶، ج ۸۷، ج ۸۸، ج ۸۹، ج ۹۰، ج ۹۱، ج ۹۲، ج ۹۳، ج ۹۴، ج ۹۵، ج ۹۶، ج ۹۷، ج ۹۸، ج ۹۹، ج ۱۰۰، ج ۱۰۱، ج ۱۰۲، ج ۱۰۳، ج ۱۰۴، ج ۱۰۵، ج ۱۰۶، ج ۱۰۷، ج ۱۰۸، ج ۱۰۹، ج ۱۱۰، ج ۱۱۱، ج ۱۱۲، ج ۱۱۳، ج ۱۱۴، ج ۱۱۵، ج ۱۱۶، ج ۱۱۷، ج ۱۱۸، ج ۱۱۹، ج ۱۲۰، ج ۱۲۱، ج ۱۲۲، ج ۱۲۳، ج ۱۲۴، ج ۱۲۵، ج ۱۲۶، ج ۱۲۷، ج ۱۲۸، ج ۱۲۹، ج ۱۳۰، ج ۱۳۱، ج ۱۳۲، ج ۱۳۳، ج ۱۳۴، ج ۱۳۵، ج ۱۳۶، ج ۱۳۷، ج ۱۳۸، ج ۱۳۹، ج ۱۴۰، ج ۱۴۱، ج ۱۴۲، ج ۱۴۳، ج ۱۴۴، ج ۱۴۵، ج ۱۴۶، ج ۱۴۷، ج ۱۴۸، ج ۱۴۹، ج ۱۵۰، ج ۱۵۱، ج ۱۵۲، ج ۱۵۳، ج ۱۵۴، ج ۱۵۵، ج ۱۵۶، ج ۱۵۷، ج ۱۵۸، ج ۱۵۹، ج ۱۶۰، ج ۱۶۱، ج ۱۶۲، ج ۱۶۳، ج ۱۶۴، ج ۱۶۵، ج ۱۶۶، ج ۱۶۷، ج ۱۶۸، ج ۱۶۹، ج ۱۷۰، ج ۱۷۱، ج ۱۷۲، ج ۱۷۳، ج ۱۷۴، ج ۱۷۵، ج ۱۷۶، ج ۱۷۷، ج ۱۷۸، ج ۱۷۹، ج ۱۸۰، ج ۱۸۱، ج ۱۸۲، ج ۱۸۳، ج ۱۸۴، ج ۱۸۵، ج ۱۸۶، ج ۱۸۷، ج ۱۸۸، ج ۱۸۹، ج ۱۹۰، ج ۱۹۱، ج ۱۹۲، ج ۱۹۳، ج ۱۹۴، ج ۱۹۵، ج ۱۹۶، ج ۱۹۷، ج ۱۹۸، ج ۱۹۹، ج ۲۰۰، ج ۲۰۱، ج ۲۰۲، ج ۲۰۳، ج ۲۰۴، ج ۲۰۵، ج ۲۰۶، ج ۲۰۷، ج ۲۰۸، ج ۲۰۹، ج ۲۱۰، ج ۲۱۱، ج ۲۱۲، ج ۲۱۳، ج ۲۱۴، ج ۲۱۵، ج ۲۱۶، ج ۲۱۷، ج ۲۱۸، ج ۲۱۹، ج ۲۲۰، ج ۲۲۱، ج ۲۲۲، ج ۲۲۳، ج ۲۲۴، ج ۲۲۵، ج ۲۲۶، ج ۲۲۷، ج ۲۲۸، ج ۲۲۹، ج ۲۳۰، ج ۲۳۱، ج ۲۳۲، ج ۲۳۳، ج ۲۳۴، ج ۲۳۵، ج ۲۳۶، ج ۲۳۷، ج ۲۳۸، ج ۲۳۹، ج ۲۴۰، ج ۲۴۱، ج ۲۴۲، ج ۲۴۳، ج ۲۴۴، ج ۲۴۵، ج ۲۴۶، ج ۲۴۷، ج ۲۴۸، ج ۲۴۹، ج ۲۵۰، ج ۲۵۱، ج ۲۵۲، ج ۲۵۳، ج ۲۵۴، ج ۲۵۵، ج ۲۵۶، ج ۲۵۷، ج ۲۵۸، ج ۲۵۹، ج ۲۶۰، ج ۲۶۱، ج ۲۶۲، ج ۲۶۳، ج ۲۶۴، ج ۲۶۵، ج ۲۶۶، ج ۲۶۷، ج ۲۶۸، ج ۲۶۹، ج ۲۷۰، ج ۲۷۱، ج ۲۷۲، ج ۲۷۳، ج ۲۷۴، ج ۲۷۵، ج ۲۷۶، ج ۲۷۷، ج ۲۷۸، ج ۲۷۹، ج ۲۸۰، ج ۲۸۱، ج ۲۸۲، ج ۲۸۳، ج ۲۸۴، ج ۲۸۵، ج ۲۸۶، ج ۲۸۷، ج ۲۸۸، ج ۲۸۹، ج ۲۹۰، ج ۲۹۱، ج ۲۹۲، ج ۲۹۳، ج ۲۹۴، ج ۲۹۵، ج ۲۹۶، ج ۲۹۷، ج ۲۹۸، ج ۲۹۹، ج ۳۰۰، ج ۳۰۱، ج ۳۰۲، ج ۳۰۳، ج ۳۰۴، ج ۳۰۵، ج ۳۰۶، ج ۳۰۷، ج ۳۰۸، ج ۳۰۹، ج ۳۱۰، ج ۳۱۱، ج ۳۱۲، ج ۳۱۳، ج ۳۱۴، ج ۳۱۵، ج ۳۱۶، ج ۳۱۷، ج ۳۱۸، ج ۳۱۹، ج ۳۲۰، ج ۳۲۱، ج ۳۲۲، ج ۳۲۳، ج ۳۲۴، ج ۳۲۵، ج ۳۲۶، ج ۳۲۷، ج ۳۲۸، ج ۳۲۹، ج ۳۳۰، ج ۳۳۱، ج ۳۳۲، ج ۳۳۳، ج ۳۳۴، ج ۳۳۵، ج ۳۳۶، ج ۳۳۷، ج ۳۳۸، ج ۳۳۹، ج ۳۴۰، ج ۳۴۱، ج ۳۴۲، ج ۳۴۳، ج ۳۴۴، ج ۳۴۵، ج ۳۴۶، ج ۳۴۷، ج ۳۴۸، ج ۳۴۹، ج ۳۵۰، ج ۳۵۱، ج ۳۵۲، ج ۳۵۳، ج ۳۵۴، ج ۳۵۵، ج ۳۵۶، ج ۳۵۷، ج ۳۵۸، ج ۳۵۹، ج ۳۶۰، ج ۳۶۱، ج ۳۶۲، ج ۳۶۳، ج ۳۶۴، ج ۳۶۵، ج ۳۶۶، ج ۳۶۷، ج ۳۶۸، ج ۳۶۹، ج ۳۷۰، ج ۳۷۱، ج ۳۷۲، ج ۳۷۳، ج ۳۷۴، ج ۳۷۵، ج ۳۷۶، ج ۳۷۷، ج ۳۷۸، ج ۳۷۹، ج ۳۸۰، ج ۳۸۱، ج ۳۸۲، ج ۳۸۳، ج ۳۸۴، ج ۳۸۵، ج ۳۸۶، ج ۳۸۷، ج ۳۸۸، ج ۳۸۹، ج ۳۹۰، ج ۳۹۱، ج ۳۹۲، ج ۳۹۳، ج ۳۹۴، ج ۳۹۵، ج ۳۹۶، ج ۳۹۷، ج ۳۹۸، ج ۳۹۹، ج ۴۰۰، ج ۴۰۱، ج ۴۰۲، ج ۴۰۳، ج ۴۰۴، ج ۴۰۵، ج ۴۰۶، ج ۴۰۷، ج ۴۰۸، ج ۴۰۹، ج ۴۱۰، ج ۴۱۱، ج ۴۱۲، ج ۴۱۳، ج ۴۱۴، ج ۴۱۵، ج ۴۱۶، ج ۴۱۷، ج ۴۱۸، ج ۴۱۹، ج ۴۲۰، ج ۴۲۱، ج ۴۲۲، ج ۴۲۳، ج ۴۲۴، ج ۴۲۵، ج ۴۲۶، ج ۴۲۷، ج ۴۲۸، ج ۴۲۹، ج ۴۳۰، ج ۴۳۱، ج ۴۳۲، ج ۴۳۳، ج ۴۳۴، ج ۴۳۵، ج ۴۳۶، ج ۴۳۷، ج ۴۳۸، ج ۴۳۹، ج ۴۴۰، ج ۴۴۱، ج ۴۴۲، ج ۴۴۳، ج ۴۴۴، ج ۴۴۵، ج ۴۴۶، ج ۴۴۷، ج ۴۴۸، ج ۴۴۹، ج ۴۵۰، ج ۴۵۱، ج ۴۵۲، ج ۴۵۳، ج ۴۵۴، ج ۴۵۵، ج ۴۵۶، ج ۴۵۷، ج ۴۵۸، ج ۴۵۹، ج ۴۶۰، ج ۴۶۱، ج ۴۶۲، ج ۴۶۳، ج ۴۶۴، ج ۴۶۵، ج ۴۶۶، ج ۴۶۷، ج ۴۶۸، ج ۴۶۹، ج ۴۷۰، ج ۴۷۱، ج ۴۷۲، ج ۴۷۳، ج ۴۷۴، ج ۴۷۵، ج ۴۷۶، ج ۴۷۷، ج ۴۷۸، ج ۴۷۹، ج ۴۸۰، ج ۴۸۱، ج ۴۸۲، ج ۴۸۳، ج ۴۸۴، ج ۴۸۵، ج ۴۸۶، ج ۴۸۷، ج ۴۸۸، ج ۴۸۹، ج ۴۹۰، ج ۴۹۱، ج ۴۹۲، ج ۴۹۳، ج ۴۹۴، ج ۴۹۵، ج ۴۹۶، ج ۴۹۷، ج ۴۹۸، ج ۴۹۹، ج ۵۰۰، ج ۵۰۱، ج ۵۰۲، ج ۵۰۳، ج ۵۰۴، ج ۵۰۵، ج ۵۰۶، ج ۵۰۷، ج ۵۰۸، ج ۵۰۹، ج ۵۱۰، ج ۵۱۱، ج ۵۱۲، ج ۵۱۳، ج ۵۱۴، ج ۵۱۵، ج ۵۱۶، ج ۵۱۷، ج ۵۱۸، ج ۵۱۹، ج ۵۲۰، ج ۵۲۱، ج ۵۲۲، ج ۵۲۳، ج ۵۲۴، ج ۵۲۵، ج ۵۲۶، ج ۵۲۷، ج ۵۲۸، ج ۵۲۹، ج ۵۳۰، ج ۵۳۱، ج ۵۳۲، ج ۵۳۳، ج ۵۳۴، ج ۵۳۵، ج ۵۳۶، ج ۵۳۷، ج ۵۳۸، ج ۵۳۹، ج ۵۴۰، ج ۵۴۱، ج ۵۴۲، ج ۵۴۳، ج ۵۴۴، ج ۵۴۵، ج ۵۴۶، ج ۵۴۷، ج ۵۴۸، ج ۵۴۹، ج ۵۵۰، ج ۵۵۱، ج ۵۵۲، ج ۵۵۳، ج ۵۵۴، ج ۵۵۵، ج ۵۵۶، ج ۵۵۷، ج ۵۵۸، ج ۵۵۹، ج ۵۶۰، ج ۵۶۱، ج ۵۶۲، ج ۵۶۳، ج ۵۶۴، ج ۵۶۵، ج ۵۶۶، ج ۵۶۷، ج ۵۶۸، ج ۵۶۹، ج ۵۷۰، ج ۵۷۱، ج ۵۷۲، ج ۵۷۳، ج ۵۷۴، ج ۵۷۵، ج ۵۷۶، ج ۵۷۷، ج ۵۷۸، ج ۵۷۹، ج ۵۸۰، ج ۵۸۱، ج ۵۸۲، ج ۵۸۳، ج ۵۸۴، ج ۵۸۵، ج ۵۸۶، ج ۵۸۷، ج ۵۸۸، ج ۵۸۹، ج ۵۹۰، ج ۵۹۱، ج ۵۹۲، ج ۵۹۳، ج ۵۹۴، ج ۵۹۵، ج ۵۹۶، ج ۵۹۷، ج ۵۹۸، ج ۵۹۹، ج ۶۰۰، ج ۶۰۱، ج ۶۰۲، ج ۶۰۳، ج ۶۰۴، ج ۶۰۵، ج ۶۰۶، ج ۶۰۷، ج ۶۰۸، ج ۶۰۹، ج ۶۱۰، ج ۶۱۱، ج ۶۱۲، ج ۶۱۳، ج ۶۱۴، ج ۶۱۵، ج ۶۱۶، ج ۶۱۷، ج ۶۱۸، ج ۶۱۹، ج ۶۲۰، ج ۶۲۱، ج ۶۲۲، ج ۶۲۳، ج ۶۲۴، ج ۶۲۵، ج ۶۲۶، ج ۶۲۷، ج ۶۲۸، ج ۶۲۹، ج ۶۳۰، ج ۶۳۱، ج ۶۳۲، ج ۶۳۳، ج ۶۳۴، ج ۶۳۵، ج ۶۳۶، ج ۶۳۷، ج ۶۳۸، ج ۶۳۹، ج ۶۴۰، ج ۶۴۱، ج ۶۴۲، ج ۶۴۳، ج ۶۴۴، ج ۶۴۵، ج ۶۴۶، ج ۶۴۷، ج ۶۴۸، ج ۶۴۹، ج ۶۵۰، ج ۶۵۱، ج ۶۵۲، ج ۶۵۳، ج ۶۵۴، ج ۶۵۵، ج ۶۵۶، ج ۶۵۷، ج ۶۵۸، ج ۶۵۹، ج ۶۶۰، ج ۶۶۱، ج ۶۶۲، ج ۶۶۳، ج ۶۶۴، ج ۶۶۵، ج ۶۶۶، ج ۶۶۷، ج ۶۶۸، ج ۶۶۹، ج ۶۷۰، ج ۶۷۱، ج ۶۷۲، ج ۶۷۳، ج ۶۷۴، ج ۶۷۵، ج ۶۷۶، ج ۶۷۷، ج ۶۷۸، ج ۶۷۹، ج ۶۸۰، ج ۶۸۱، ج ۶۸۲، ج ۶۸۳، ج ۶۸۴، ج ۶۸۵، ج ۶۸۶، ج ۶۸۷، ج ۶۸۸، ج ۶۸۹، ج ۶۹۰، ج ۶۹۱، ج ۶۹۲، ج ۶۹۳، ج ۶۹۴، ج ۶۹۵، ج ۶۹۶، ج ۶۹۷، ج ۶۹۸، ج ۶۹۹، ج ۷۰۰، ج ۷۰۱، ج ۷۰۲، ج ۷۰۳، ج ۷۰۴، ج ۷۰۵، ج ۷۰۶، ج ۷۰۷، ج ۷۰۸، ج ۷۰۹، ج ۷۱۰، ج ۷۱۱، ج ۷۱۲، ج ۷۱۳، ج ۷۱۴، ج ۷۱۵، ج ۷۱۶، ج ۷۱۷، ج ۷۱۸، ج ۷۱۹، ج ۷۲۰، ج ۷۲۱، ج ۷۲۲، ج ۷۲۳، ج ۷۲۴، ج ۷۲۵، ج ۷۲۶، ج ۷۲۷، ج ۷۲۸، ج ۷۲۹، ج ۷۳۰، ج ۷۳۱، ج ۷۳۲، ج ۷۳۳، ج ۷۳۴، ج ۷۳۵، ج ۷۳۶، ج ۷۳۷، ج ۷۳۸، ج ۷۳۹، ج ۷۴۰، ج ۷۴۱، ج ۷۴۲، ج ۷۴۳، ج ۷۴۴، ج ۷۴۵، ج ۷۴۶، ج ۷۴۷، ج ۷۴۸، ج ۷۴۹، ج ۷۵۰، ج ۷۵۱، ج ۷۵۲، ج ۷۵۳، ج ۷۵۴، ج ۷۵۵، ج ۷۵۶، ج ۷۵۷، ج ۷۵۸، ج ۷۵۹، ج ۷۶۰، ج ۷۶۱، ج ۷۶۲، ج ۷۶۳، ج ۷۶۴، ج ۷۶۵، ج ۷۶۶، ج ۷۶۷، ج ۷۶۸، ج ۷۶۹، ج ۷۷۰، ج ۷۷۱، ج ۷۷۲، ج ۷۷۳، ج ۷۷۴، ج ۷۷۵، ج ۷۷۶، ج ۷۷۷، ج ۷۷۸، ج ۷۷۹، ج ۷۸۰، ج ۷۸۱، ج ۷۸۲، ج ۷۸۳، ج ۷۸۴، ج ۷۸۵، ج ۷۸۶، ج ۷۸۷، ج ۷۸۸، ج ۷۸۹، ج ۷۹۰، ج ۷۹۱، ج ۷۹۲، ج ۷۹۳، ج ۷۹۴، ج ۷۹۵، ج ۷۹۶، ج ۷۹۷، ج ۷۹۸، ج ۷۹۹، ج ۸۰۰، ج ۸۰۱، ج ۸۰۲، ج ۸۰۳، ج ۸۰۴، ج ۸۰۵، ج ۸۰۶، ج ۸۰۷، ج ۸۰۸، ج ۸۰۹، ج ۸۱۰، ج ۸۱۱، ج ۸۱۲، ج ۸۱۳، ج ۸۱۴، ج ۸۱۵، ج ۸۱۶، ج ۸۱۷، ج ۸۱۸، ج ۸۱۹، ج ۸۲۰، ج ۸۲۱، ج ۸۲۲، ج ۸۲۳، ج ۸۲۴، ج ۸۲۵، ج ۸۲۶، ج ۸۲۷، ج ۸۲۸، ج ۸۲۹، ج ۸۳۰، ج ۸۳۱، ج ۸۳۲، ج ۸۳۳، ج ۸۳۴، ج ۸۳۵، ج ۸۳۶، ج ۸۳۷، ج ۸۳۸، ج ۸۳۹، ج ۸۴۰، ج ۸۴۱، ج ۸۴۲، ج ۸۴۳، ج ۸۴۴، ج ۸۴۵، ج ۸۴۶، ج ۸۴۷، ج ۸۴۸، ج ۸۴۹، ج ۸۵۰، ج ۸۵۱، ج ۸۵۲، ج ۸۵۳، ج ۸۵۴، ج ۸۵۵، ج ۸۵۶، ج ۸۵۷، ج ۸۵۸، ج ۸۵۹، ج ۸۶۰، ج ۸۶۱، ج ۸۶۲، ج ۸۶۳، ج ۸۶۴، ج ۸۶۵، ج ۸۶۶، ج ۸۶۷، ج ۸۶۸، ج ۸۶۹، ج ۸۷۰، ج ۸۷۱، ج ۸۷۲، ج ۸۷۳، ج ۸۷۴، ج ۸۷۵، ج ۸۷۶، ج ۸۷۷، ج ۸۷۸، ج ۸۷۹، ج ۸۸۰، ج ۸۸۱، ج ۸۸۲، ج ۸۸۳، ج ۸۸۴، ج ۸۸۵، ج ۸۸۶، ج ۸۸۷، ج ۸۸۸، ج ۸۸۹، ج ۸۹۰، ج ۸۹۱، ج ۸۹۲، ج ۸۹۳، ج ۸۹۴، ج ۸۹۵، ج ۸۹۶، ج ۸۹۷، ج ۸۹۸، ج ۸۹۹، ج ۹۰۰، ج ۹۰۱، ج ۹۰۲، ج ۹۰۳، ج ۹۰۴، ج ۹۰۵، ج ۹۰۶، ج ۹۰۷، ج ۹۰۸، ج ۹۰۹، ج ۹۱۰، ج ۹۱۱، ج ۹۱۲، ج ۹۱۳، ج ۹۱۴، ج ۹۱۵، ج ۹۱۶، ج ۹۱۷، ج ۹۱۸، ج ۹۱۹، ج ۹۲۰، ج ۹۲۱، ج ۹۲۲، ج ۹۲۳، ج ۹۲۴، ج ۹۲۵، ج ۹۲۶، ج ۹۲۷، ج ۹۲۸، ج ۹۲۹، ج ۹۳۰، ج ۹۳۱، ج ۹۳۲، ج ۹۳۳، ج ۹۳۴، ج ۹۳۵، ج ۹۳۶، ج ۹۳۷، ج ۹۳۸، ج ۹۳۹، ج ۹۴۰، ج ۹۴۱، ج ۹۴۲، ج ۹۴۳، ج ۹۴۴، ج ۹۴۵، ج ۹۴۶، ج ۹۴۷، ج ۹۴۸، ج ۹۴۹، ج ۹۵۰، ج ۹۵۱، ج ۹۵۲، ج ۹۵۳، ج ۹۵۴، ج ۹۵۵، ج ۹۵۶، ج ۹۵۷، ج ۹۵۸، ج ۹۵۹، ج ۹۶۰، ج ۹۶۱، ج ۹۶۲، ج ۹۶۳، ج ۹۶۴، ج ۹۶۵، ج ۹۶۶، ج ۹۶۷، ج ۹۶۸، ج ۹۶۹، ج ۹۷۰، ج ۹۷۱، ج ۹۷۲، ج ۹۷۳، ج ۹۷۴، ج ۹۷۵، ج ۹۷۶، ج ۹۷۷، ج ۹۷۸، ج ۹۷۹، ج ۹۸۰، ج ۹۸۱، ج ۹۸۲، ج ۹۸۳، ج ۹۸۴، ج ۹۸۵، ج ۹۸۶، ج ۹۸۷، ج ۹۸۸، ج ۹۸۹، ج ۹۹۰، ج ۹۹۱، ج ۹۹۲، ج ۹۹۳، ج ۹۹۴، ج ۹۹۵، ج ۹۹۶، ج ۹۹۷، ج ۹۹۸، ج ۹۹۹، ج ۱۰۰۰، ج ۱۰۰۱، ج ۱۰۰۲، ج ۱۰۰۳، ج ۱۰۰۴، ج ۱۰۰۵، ج ۱۰۰۶، ج ۱۰۰۷، ج ۱۰۰۸، ج ۱۰۰۹، ج ۱۰۱۰، ج ۱۰۱۱، ج ۱۰۱۲، ج ۱۰۱۳، ج ۱۰۱۴، ج ۱۰۱۵، ج ۱۰۱۶، ج ۱۰۱۷، ج ۱۰۱۸، ج ۱۰۱۹، ج ۱۰۲۰، ج ۱۰۲۱، ج ۱۰۲۲، ج ۱۰۲۳، ج ۱۰۲۴، ج ۱۰۲۵، ج ۱۰۲۶، ج ۱۰۲۷، ج ۱۰۲۸، ج ۱۰۲۹، ج ۱۰۳۰، ج ۱۰۳۱، ج ۱۰۳۲، ج ۱۰۳۳، ج ۱۰۳۴، ج ۱۰۳۵، ج ۱۰۳۶، ج ۱۰۳۷، ج ۱۰۳۸، ج ۱۰۳۹، ج ۱۰۴۰، ج ۱۰۴۱، ج ۱۰۴۲، ج ۱۰۴۳، ج ۱۰۴۴، ج ۱۰۴۵، ج ۱۰۴۶، ج ۱۰۴۷، ج ۱۰۴۸، ج ۱۰۴۹، ج ۱۰۵۰، ج ۱۰۵۱، ج ۱۰۵۲، ج ۱۰۵۳، ج ۱۰۵۴، ج ۱۰۵۵، ج ۱۰۵۶، ج ۱۰۵۷، ج ۱۰۵۸، ج ۱۰۵۹، ج ۱۰۶۰، ج ۱۰۶۱، ج ۱۰۶۲، ج ۱۰۶۳، ج ۱۰۶۴، ج ۱۰۶۵، ج ۱۰۶۶، ج ۱۰۶۷، ج ۱۰۶۸، ج ۱۰۶۹، ج ۱۰۷۰، ج ۱۰۷۱، ج ۱۰۷۲، ج ۱۰۷۳، ج ۱۰۷۴، ج ۱۰۷۵، ج ۱۰۷۶، ج ۱۰۷۷، ج ۱۰۷۸، ج ۱۰۷۹، ج ۱۰۸۰، ج ۱۰۸۱، ج ۱۰۸۲، ج ۱۰۸۳، ج ۱۰۸۴، ج ۱۰۸۵، ج ۱۰۸۶، ج ۱۰۸۷، ج ۱۰۸۸، ج ۱۰۸۹، ج ۱۰۹۰، ج ۱۰۹۱، ج ۱۰۹۲، ج ۱۰۹۳، ج ۱۰۹۴، ج ۱۰۹۵، ج ۱۰۹۶، ج ۱۰۹۷، ج ۱۰۹۸، ج ۱۰۹۹، ج ۱۱۰۰، ج ۱۱۰۱، ج ۱۱۰۲، ج ۱۱۰۳، ج ۱۱۰۴، ج ۱۱۰۵، ج ۱۱۰۶، ج ۱۱۰۷، ج ۱۱۰۸، ج ۱۱۰۹، ج ۱۱۱۰، ج ۱۱۱۱، ج ۱۱۱۲، ج ۱۱۱۳، ج ۱۱۱۴، ج ۱۱۱۵، ج ۱۱۱۶، ج ۱۱۱۷، ج ۱۱۱۸، ج ۱۱۱۹، ج ۱۱۲۰، ج ۱۱۲۱، ج ۱۱۲۲، ج ۱۱۲۳، ج ۱۱۲۴، ج ۱۱۲۵، ج ۱۱۲۶، ج ۱۱۲۷، ج ۱۱۲۸، ج ۱۱۲۹، ج ۱۱۳۰، ج ۱۱۳۱، ج ۱۱۳۲، ج ۱۱۳۳، ج ۱۱۳۴، ج ۱۱۳۵، ج ۱۱۳۶، ج ۱۱۳۷، ج ۱۱۳۸، ج ۱۱۳۹، ج ۱۱۴۰، ج ۱۱۴۱، ج ۱۱۴۲، ج ۱۱۴۳، ج ۱۱۴۴، ج ۱۱۴۵، ج ۱۱۴۶، ج ۱۱۴۷، ج ۱۱۴۸، ج ۱۱۴۹، ج ۱۱۵۰، ج ۱۱۵۱، ج ۱۱۵۲، ج ۱۱۵۳، ج ۱۱۵۴، ج ۱۱۵۵، ج ۱۱۵۶، ج ۱۱۵۷، ج ۱۱۵۸، ج ۱۱۵۹، ج ۱۱۶۰، ج ۱۱۶۱، ج ۱۱۶۲، ج ۱۱۶۳، ج ۱۱۶۴، ج ۱۱۶۵، ج ۱۱۶۶، ج ۱۱۶۷، ج ۱۱۶۸، ج ۱۱۶۹، ج ۱۱۷۰، ج ۱۱۷۱، ج ۱۱۷۲، ج ۱۱۷۳، ج ۱۱۷۴، ج ۱۱۷۵، ج ۱۱۷۶، ج ۱۱۷۷، ج ۱۱۷۸، ج ۱۱۷۹، ج ۱۱۸۰، ج ۱۱۸۱، ج ۱۱۸۲، ج ۱۱۸۳، ج ۱۱۸۴، ج ۱۱۸۵، ج ۱۱۸۶، ج ۱۱۸۷، ج ۱۱۸۸، ج ۱۱۸۹، ج ۱۱۹۰، ج ۱۱۹۱، ج ۱۱۹۲، ج ۱۱۹۳، ج ۱۱۹۴، ج ۱۱۹۵، ج ۱۱۹۶، ج ۱۱۹۷، ج ۱۱۹۸، ج ۱۱۹۹، ج ۱۲۰۰، ج ۱۲۰۱، ج ۱۲۰۲، ج ۱۲۰۳، ج ۱۲۰۴، ج ۱۲۰۵، ج ۱۲۰۶، ج ۱۲۰۷، ج ۱۲۰۸، ج ۱۲۰۹، ج ۱۲۱۰، ج ۱۲۱۱، ج ۱۲۱۲، ج ۱۲۱۳، ج ۱۲۱۴، ج ۱۲۱۵، ج ۱۲۱۶، ج ۱۲۱۷، ج ۱۲۱۸، ج ۱۲۱۹، ج ۱۲۲۰، ج ۱

وَكَذَا لَا يَقْبِضُ دِرْهَمًا دُونَ دِرْهَمٍ بَحْرًا (وَلَوْ لَمْ يَكُنْ لِلْغَرِيمِ بَيِّنَةٌ عَلَى الْإِيْفَاءِ فَقَضَى عَلَيْهِ) بِالَّذِينَ (وَقَبْضُهُ الْوَكِيلُ فَضَاءٌ مِنْهُ ثُمَّ بَرَّهَنَ الْمَطْلُوبُ) عَلَى الْإِيْفَاءِ لِلْمُوكِّلِ (فَلَا سَبِيلَ لَهُ) لِلْمُذْيُونِ (عَلَى الْوَكِيلِ، وَإِنَّمَا يَرْجِعُ عَلَى الْمُوكِّلِ)؛ لِأَنَّ يَدَهُ كَيْدُهُ ذَخِيرَةٌ (الْوَكِيلُ بِالْخُصُومَةِ إِذَا أَبَى) الْخُصُومَةُ (لَا يُجْبَرُ عَلَيْهَا) فِي الْأَشْبَاهِ لَا يُجْبَرُ الْوَكِيلُ إِذَا امْتَنَعَ عَنْ فِعْلٍ مَا وَكِّلَ فِيهِ لِتَبَرُّعِهِ إِلَّا فِي ثَلَاثٍ كَمَا مَرَّ بِخِلَافِ الْكَفِيلِ، فَإِنَّهُ يُجْبَرُ عَلَيْهَا لِلِالْتِزَامِ

اور اسی طرح وکیل ایک ایک درہم اس سے وصول نہیں کرے گا۔ ”بحر“۔ اگر مقروض کے پاس دین کی ادائیگی کے گواہ نہ ہوں اور دین کا مقروض کے خلاف فیصلہ کر دیا گیا وکیل نے اس پر قبضہ کر لیا اور وکیل سے وہ مال ضائع ہو گیا پھر مطلوب مقروض نے موکل کو قرض ادا کرنے پر گواہیاں قائم کر دیں تو مدیون وکیل پر کوئی دعویٰ نہیں ہوگا بلکہ وہ موکل سے واپسی کا مطالبہ کرے گا کیونکہ وکیل کا قبضہ موکل کا قبضہ ہے، ”ذخیرہ“۔ خصومت کا وکیل جب خصومت کا اقرار کرے تو اسے خصومت پر مجبور نہیں کیا جائے گا۔ ”الاشباہ“ میں ہے: وکیل کو وکالت پر مجبور نہ کیا جائے گا جب وہ ایسے فعل کے بجالانے سے رک جائے جس میں اسے وکیل بنایا گیا ہے کیونکہ وہ وکیل تبرع و احسان کرنے والا ہے مگر تین چیزوں میں اسے مجبور کیا جاسکتا ہے جس طرح گزر چکا ہے۔ کفیل کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ اسے وکالت پر مجبور کیا جائے گا کیونکہ اسے اپنے اوپر لازم کیا ہے۔

اس کا قول معتبر ہوگا۔ اور قول دوسرے آدمی کا معتبر ہوگا کہ اس نے مال پر قبضہ نہیں کیا اور آمر سے اس کا دین ساقط نہیں ہوگا۔ اور دونوں پر قسم لازم نہ ہوگی۔ قسم اس پر واجب ہوگی جس نے اس کو جھٹلایا اس پر قسم واجب نہ ہوگی جس نے اس کی تصدیق کی۔ اگر اس نے مال دینے میں مامور کی تصدیق کر دی تو وہ اللہ تعالیٰ کے نام کی یہ قسم اٹھائے گا کہ اس نے مال پر قبضہ نہیں کیا۔ اگر وہ قسم اٹھا دے تو اس کا دین ساقط نہیں ہوگا۔ اگر وہ قسم اٹھانے سے انکار کر دے تو اس کا دین ساقط ہو جائے گا۔ اگر اس نے دوسرے شخص کی تصدیق کر دی کہ اس نے قبضہ نہیں کیا اور مامور کو جھٹلادیا تو صرف مامور سے قسم لی جائے گی کہ اس نے اسے مال دے دیا تھا۔ اگر وہ قسم اٹھا دے تو دین سے بری ہو جائے گا۔ اگر وہ قسم سے انکار کر دے تو اس پر وہ مال لازم ہو جائے گا جو اس نے دے دیا تھا۔ ”ہندیہ“ کی اس فصل میں یہ ہے: اذا وكل انسانا بقضاء دين عليه۔

27477۔ (ب) (قوله: دِرْهَمًا دُونَ دِرْهَمٍ) اس کا معنی یہ ہے: وہ متفرق طور پر قبضہ نہیں کرے گا۔ اگر وہ ایک شے پر قبضہ کرے دوسری شے پر قبضہ نہ کرے تو غریم کسی شے سے بری نہ ہوگا۔ ”جامع الفصولین“۔ اس میں ہے: ودیعت پر قبضہ کرنے کے لیے جسے وکیل بنایا گیا وہ اس کے بعض پر قبضہ کر لے تو یہ جائز ہوگا۔ اگر اسے یہ حکم دیا گیا کہ وہ پوری کی پوری ودیعت اکٹھے قبضہ کرے تو وکیل نے بعض پر قبضہ کیا تو وہ اس پر ضامن ہوگا۔ اور قبضہ کرنا جائز نہ ہوگا۔ اگر وہ مابقی پر قبضہ کرے قبل اس کے کہ پہلا ہلاک ہو تو یہ موکل پر قبضہ کرنا جائز ہوگا۔ یعنی موکل کے حکم کے مطابق قبضہ کرنا جائز ہو جائے گا۔

27478۔ (قوله: فِي الْأَشْبَاهِ الْخ) ظاہر یہ ہے کہ نقل مذکورہ سے انہوں نے ”الاشباہ“ میں جو قول ہے اس کی مخالفت

(وَكَلَّهٖ بِخُصُومَاتِهِ وَأَخَذَ حُقُوقَهُ مِنَ النَّاسِ عَلَى أَنْ لَا يَكُونَ وَكِيلًا فِيمَا يُدَّعَى عَلَى الْمُوَكَّلِ جَائِزَ هَذَا التَّوَكُّلِ (فَلَوْ أَثْبَتَ) الْوَكِيلُ (النَّالَ لَهُ) أَمَّا لِمُوكَلَّهِ (ثُمَّ أَرَادَ الْخَصْمُ الدَّفْعَ لَا يُسْتَعْمَلُ عَلَى الْوَكِيلِ)؛ لِأَنَّهُ لَيْسَ بِوَكِيلٍ فِيهِ دُرَرٌ (وَصَحَّ إِقْرَارُ الْوَكِيلِ بِالْخُصُومَةِ) لَا بِغَيْرِهَا مُطْلَقًا (بِغَيْرِ الْحُدُودِ وَالْقِصَاصِ) عَلَى مُوَكَلَّهِ (عِنْدَ الْقَاضِي) (دُونَ غَيْرِهِ)

ایک آدمی نے دوسرے کو اپنے خصومات اور لوگوں سے حقوق لینے کے لیے وکیل بنایا اس شرط پر کہ وہ ان امور میں وکیل نہ ہو گا جو موکل پر دعویٰ کیے جائیں گے یہ وکالت جائز ہوگی۔ اگر وکیل نے اپنے موکل کے لیے مال کو ثابت کیا پھر خصم نے یہ ارشاد کیا کہ اس کا دفاع کرے تو وکیل کے خلاف اس کے دعویٰ کو نہیں سنا جائے گا۔ کیونکہ اس امر میں وہ وکیل نہیں، ”درر“۔ موکل کے خلاف خصومت کے وکیل کا اقرار حدود و قصاص کے علاوہ میں صحیح ہے خصومت کے علاوہ کا اقرار مطلقاً صحیح نہیں جب کہ یہ اقرار قاضی کے سامنے کرے کسی اور کے سامنے اس کا اقرار نہ ہوگا۔

کی طرف اشارہ کیا ہے۔ کیونکہ یہ ان تین مسائل میں سے ہے جس طرح اس باب سے پہلے گزر چکا ہے۔ مدعی کے مطالبہ پر خصومت کے وکیل کو مجبور کیا جائے گا جب مدعی علیہ غائب ہو جائے۔ مصنف نے صاحب ”الدرر“ کی پیروی کی ہے۔ ”العزمیہ“ میں کہا ہے: ہم نے یہاں یہ مسئلہ نہیں پایا نہ متون میں اور نہ ہی شروح میں۔ پھر اس کا جواب ”شرنبلائی“ کی طرح دیا۔ اسے مجبور نہ کیا جائے گا یعنی جب موکل غائب نہ ہو جب وہ غائب ہو جائے تو اسے خصومت پر مجبور کیا جائے گا۔ جس طرح مصنف نے اس کا ذکر باب: رهن یوضع عند عدل میں کیا ہے: یہ اس سے احسن ہے جس کو ہم ”نور العین“ سے (مقولہ 27440 میں) نقل کر آئے ہیں۔ تامل

اسے ذہن نشین کرلو۔ لیکن ”المنح“ میں متن کی حیثیت سے جو مذکور ہے وہ اس کے موافق ہے جو ”الاشباہ“ میں قول ہے۔ کیونکہ انہوں نے اپنے اس قول لا یجبر علیہا کے بعد ذکر کیا، مگر جب وہ خصومت کا وکیل ہو اور مدعی علیہ غائب ہو تو مدعی کے مطالبہ پر اسے مجبور کیا جائے گا۔ گویا متن سے وہ حصہ ساقط ہے جس کی شارح نے شرح کی ہے۔ فتا مل۔

موکل کے خلاف خصومت کے وکیل کا اقرار حدود و قصاص کے علاوہ میں صحیح ہے

27479۔ (قولہ: وَصَحَّ إِقْرَارُ الْوَكِيلِ) یعنی جب خصومت کے وکیل کی وکالت ثابت ہو جائے اور وہ وکیل موکل پر کسی چیز کا اقرار کر لے خواہ اس کا موکل مدعی ہو تو وکیل نے حق وصول کرنے کا اقرار کر لیا یا موکل مدعی علیہ ہو تو وکیل نے اس پر حق کے ثابت ہونے کا اقرار کر لیا۔ ”درر“۔

27480۔ (قولہ: بِالْخُصُومَةِ) یہ جار مجرور وکیل کے متعلق ہے۔

27481۔ (قولہ: لَا بِغَيْرِهَا) خصومت کے علاوہ کے وکیل کا اقرار صحیح نہ ہو گا وہ وکالت کون سی ہی ہو۔

27482۔ (قولہ: بِغَيْرِ الْحُدُودِ وَالْقِصَاصِ) یہ جار مجرور اقرار کے متعلق ہے۔

اسْتَحْسَانًا (وَإِنْ انْعَزَلَ) الْوَكِيلُ (بِهِ) أَمَّا بِهَذَا الْإِقْرَارِ حَتَّى لَا يُدْفَعَ إِلَيْهِ الْمَالُ وَإِنْ بَرَّهَنَ بَعْدَهُ عَلَى الْوَكَالَةِ لِتَنَاقُضِ دُرٍّ (وَكَذَا إِذَا اسْتَشْنَى) الْمُوَكَّلُ (إِقْرَارَهُ) بِأَنْ قَالَ وَكَلْتُكَ بِالْخُصُومَةِ غَيْرَ جَائِزِ الْإِقْرَارِ صَحَّ التَّوَكِيلُ وَالِاسْتِثْنَاءُ عَلَى الظَّاهِرِ بَرَّازِيَّةٌ (فَلَوْ أَقَرَّ عِنْدَهُ) أَمَّا الْقَاضِي (لَا يَصَحُّ وَخَرَجَ بِهِ عَنْ الْوَكَالَةِ) فَلَا تَسْمَعُ خُصُومَتُهُ دُرٍّ (وَصَحَّ) (التَّوَكِيلُ بِالْإِقْرَارِ) (وَلَا يَصِيرُ بِهِ)

یہ بطور استحسان ہے اگرچہ اس اقرار کے ساتھ وکیل وکالت سے معزول ہو جائے یہاں تک اسے مال نہیں دیا جائے گا اگرچہ وہ اس کے بعد وہ وکالت پر دلائل قائم کرے کیونکہ تناقض پایا جا رہا ہے، ”درر“۔ اسی طرح جب موکل وکیل کے اقرار کو مستثنیٰ کر دے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ وہ کہے: میں نے تجھے خصومت کا وکیل بنایا ہے جب کہ اقرار کو جائز قرار نہیں دیا تو تو وکیل اور استثنا صحیح ہوں گے۔ یہ ظاہر روایت کے مطابق ہے۔ ”برازیہ“۔ اگر وہ وکیل قاضی کی موجودگی میں اقرار نہ کرے تو اس کا اقرار صحیح نہ ہوگا اور وہ اس اقرار کے ساتھ وکالت سے خارج ہو جائے گا اس کی خصومت نہیں سنی جائے گی، ”درر“۔ اقرار کا وکیل بنانا صحیح ہے اور وکیل

27483۔ (قوله: اسْتَحْسَانًا) قیاس یہ ہے کہ یہ اقرار قاضی کے نزدیک بھی صحیح نہ ہو۔ کیونکہ وہ تو مختصمت پر مامور تھا

اور اقرار تو مختصمت کو نقصان پہنچاتا ہے کیونکہ اقرار تو مسامت (مصالحت) ہے، ”ح“۔ حاشیہ میں اسی طرح ہے۔

27484۔ (قوله: انْعَزَلَ) یعنی خصم کا دفاع کرنے کی وجہ سے وہ خود بخود معزول ہو چکا ہے۔ ”وانی“، ”عزمی زادہ“

نے اس کا رد کیا ہے، ”ط“۔ ”ہدایہ“ میں اپنے قول انْعَزَلَ کے تحت کہا: اگر قاضی کی مجلس کے علاوہ میں اقرار کرنے پر اس کے خلاف گواہیاں قائم کر دی جائیں تو وہ آدمی وکالت سے خارج ہو جائے گا۔

27485۔ (قوله: حَتَّى لَا يُدْفَعَ إِلَيْهِ الْمَالُ) یعنی خصم کو حکم نہیں دیا جائے گا کہ وہ مال وکیل کے حوالے کرے۔

کیونکہ یہ ممکن نہیں کہ وہ مطلق جواب کا وکیل باقی ہے۔ کیونکہ وہ انکار کا مالک نہیں۔ کیونکہ وہ اپنی کلام میں مناقض ہے۔ اگر وہ وکیل باقی رہے گا تو مقید جواب کا وکیل رہے گا جو اقرار ہے۔ اور موکل نے اسے مقید جواب دینے کا وکیل نہیں بنایا اس نے تو اسے مطلق جواب کا وکیل بنایا تھا، ”ح“۔ حاشیہ میں اسی طرح ہے۔

اس کے جامع محمد رحمہ اللہ نے کہا: ہمارے شیخ مولف نے اس قول کو بطور دلیل نقل کیا ہے جب کہ کہا: قاضی زادہ کی ”شرح الہدایہ“ میں اسی طرح ہے۔

27486۔ (قوله: لِتَنَاقُضِ) کیونکہ انہوں نے گمان کیا کہ وہ اپنے دعویٰ میں باطل پر ہیں۔ ”درر“۔

27487۔ (قوله: بِأَنْ قَالَ) اس مسئلہ کی پانچ صورتیں ہیں جن کی تفصیل ”مبسوط“ میں ہے۔

27488۔ (قوله: عَلَى الظَّاهِرِ) یعنی ظاہر روایت۔ انکار کی استثنا کرنا اس کی مثل ہے۔ پس ظاہر روایت کے مطابق

دونوں (اقرار و انکار) سے استثنا صحیح ہوگی۔ ”زیلعی“۔ اس کی وضاحت اس میں ہے۔

أَمْنِي بِالتَّوَكُّلِ (مُقَرَّرًا) بَحْرًا (وَبَطْلًا تَوَكُّلُ الْكَفِيلِ بِالنَّالِ) لَيْتَلَا يَصِيرَ عَامِلًا لِنَفْسِهِ (كَمَا) لَا يَصِحُّ (لَوْ) (وَكَلَّهُ بِقَبْضِهِ) أَمْنِي الدِّينِ (مِنْ نَفْسِهِ أَوْ عَبْدِهِ) لِأَنَّ الْوَكِيلَ مَتَى عَمِلَ لِنَفْسِهِ بَطَلَتْ إِلَّا إِذَا وَكَّلَ الْهَدْيُونَ

بنانے کے ساتھ وہ مقرر نہیں ہوگا۔ ”بحر“۔ جو مال کا ضامن بنا ہوا ہے اسے وکیل بنانا باطل ہے تاکہ وہ اپنی ہی ذات کے لیے عامل نہ ہو جائے جس طرح یہ صحیح نہیں کہ موکل اسے اپنی ہی ذات یا اپنے غلام سے مال قبض کرنے کا وکیل بنائے۔ کیونکہ وکیل جب اپنی ہی ذات کے لیے عمل کرے گا تو وکالت باطل ہو جائے گی۔ مگر جب وہ مدیون کو وکیل بنائے

نوٹ: تقریرات رافعی میں دونوں سے مراد طالب اور مطلوب لیا ہے۔ مترجم۔

27489۔ (قوله: أَمْنِي بِالتَّوَكُّلِ) اقرار کا وکیل بنانا صحیح ہے اقرار سے قبل اقرار کا وکیل بنانا یہ موکل کی جانب سے اقرار نہیں ہوگا۔ ”طواویسی“ سے مروی ہے: اس کا معنی ہے: وہ خصومت کا وکیل بنائے اور کہے: تو خصومت کر، جب تو مجھ پر چٹی کے لاحق ہونے یا شرمندگی کے لاحق ہونے کو دیکھے تو مدعی کا اقرار کر لینا۔ تو اس کا موکل کے خلاف اقرار صحیح ہوگا، ”بزازیہ“ میں اسی طرح ہے۔ ”رملی“

میں کہتا ہوں، اس سے اس کے اقرار نہ ہونے کی وجہ معلوم ہو جاتی ہے اسی کی مثل منکر کی صلح کا معاملہ ہے۔

جو شخص مال کا ضامن ہے اسے وکیل بنانا باطل ہے

27490۔ (قوله: وَبَطْلًا تَوَكُّلُ الْكَفِيلِ) اگر وہ اسے کفالت سے بری کر دے تو بھی یہ صحیح نہ ہوگی۔ کیونکہ وکالت ابتداءً باطل ہے۔ جس طرح اگر وہ غائب آدمی کی جانب سے کفیل بنے تو یہ باطل واقع ہوگی پھر وہ اس کفالت کو جائز قرار دے تو یہ جائز نہ ہوگی۔ (کیونکہ یہ ابتداءً باطل تھی)

27491۔ (قوله: بِالنَّالِ) یہ جار مجرور کفیل کے متعلق ہے، ”ح“۔ جس سے احتراز کیا ہے اور اس کا ذکر عنقریب متن میں آئے گا۔

27492۔ (قوله: لَوْ وَكَلَّهُ بِقَبْضِهِ) اس کی صورت یہ ہے: اگر آقا اپنے مدیون کو آزاد کر دے یہاں تک قرض خواہوں کے لیے اس غلام کی قیمت اس آقا پر لازم ہو جائے۔ اور غلام سے پورے دین کا مطالبہ کیا جائے۔ اگر طالب اس آقا کو غلام سے مال وصول کرنے کا وکیل بنا دے تو یہ امر باطل ہوگا۔ کیونکہ وکیل وہ ہوتا ہے جو غیر کے لیے عمل کرتا ہے جب کہ آقا کو اپنے لیے عمل کرنا ہے۔ کیونکہ وہ اس کے ساتھ اپنے آپ کو بری الذمہ کرتا ہے۔ پس اس کا وکیل بننا صحیح نہ ہوگا۔ ”کفایہ“۔

27493۔ (قوله: لِأَنَّ الْوَكِيلَ) حاشیہ میں کہا: کیونکہ وکیل اپنے لیے عمل کرتا ہے جب وہ صرف اپنے لیے عمل کرے تو وکالت باطل ہو جاتی ہے۔ ”الاشباہ“۔

27494۔ (قوله: إِلَّا إِذَا أَخ) استثناء مستدرک ہے۔ ”البحر“ میں جو قول ہے اسے دیکھیے۔ المدیون کا لفظ منصوب ہے اور وکیل کا فاعل مستتر ہے۔

بِبَرَاءِ نَفْسِهِ، فَيَصَحُّ وَيَصَحُّ عَزْلُهُ قَبْلَ إِبْرَائِهِ نَفْسَهُ أَشْبَاهُ (أَوْ وَكَلَّ الْمُحْتَالُ الْمُحِيلَ بِقَبْضِهِ مِنْ الْمُحَالِ عَلَيْهِ) أَوْ وَكَلَّ الْمَدْيُونُ وَكَيْلَ الطَّالِبِ بِالْقَبْضِ لَمْ يَصَحَّ لِاسْتِحَالَةِ كَوْنِهِ قَاضِيًا وَمُقْتَضِيًا قُنْيَةً (بِخِلَافِ كَفِيلِ النَّفْسِ وَالرَّسُولِ وَوَكَيْلِ الْإِمَامِ بِبَيْعِ الْغَنَائِمِ وَالْوَكِيلِ بِالتَّزْوِيجِ) حَيْثُ يَصَحُّ ضَمَانُهُمْ؛ لِأَنَّ كُلًّا مِنْهُمْ سَفِيرٌ (الْوَكِيلُ بِقَبْضِ الدَّيْنِ إِذَا كَفَلَ صَحَّ وَتَبْطُلُ الْوَكَالَةُ)؛ لِأَنَّ الْكَفَالََةَ أَقْوَى لِلزُّومِهَا فَتَصْلَحُ نَاسِخَةٌ (بِخِلَافِ الْعَكْسِ،

کہ وہ اپنے آپ کو بری کر دے پس یہ توکیل صحیح ہوگی۔ اور ابھی اس نے اپنے آپ کو دین سے بری نہ کیا ہو تو اسے وکالت سے معزول کر دینا صحیح ہے، ”اشباہ“۔ یا محال نے محال کو محال علیہ سے مال پر قبضہ کرنے کا وکیل بنایا یا مدیون نے طالب کے وکیل کو مال پر قبضہ کرنے کا وکیل بنایا تو یہ توکیل صحیح نہ ہوگی۔ کیونکہ یہ محال ہے کہ وہ دینے والا بھی ہو اور تقاضا کرنے والا بھی ہو، ”قنیہ“۔ نفس کے کفیل قاصد اور امام کے وکیل کا معاملہ مختلف ہے جو مال غنیمت کو بیچنے کا وکیل بنایا گیا ہو اور جسے لوگوں کی شادی کا وکیل بنایا گیا ہو۔ کیونکہ ان کی ضمانت صحیح ہے، کیونکہ ان میں سے ہر ایک مفیر ہے۔ جب دین وصول کرنے والا وکیل دین کی ضمانت اٹھالے تو یہ کفالت صحیح ہوگی اور وکالت باطل ہو جائے گی۔ کیونکہ کفالت اقوی ہوتی ہے۔ کیونکہ یہ لازم ہوتی ہے۔ پس کفالت وکالت کے لیے ناسخ بننے کی صلاحیت رکھے گی۔ اس کے برعکس کا معاملہ مختلف ہے۔

27495۔ (قوله: قُنْيَةً) اس کی عبارت جس طرح ”المنح“ میں ہے: اگر اس نے فلاں سے اس دین پر قبضہ کرنے کا وکیل بنایا اور مدیون کو اس باب میں خبر دے دی مدیون نے اسے اس کا سامان بیچنے اور اس کی ثمن قرض خواہ کو ادا کرنے کا وکیل بنادیا وکیل نے اس سامان کو بیچ دیا اور ثمن لے لی اور وہ ثمن ہلاک ہو گئی تو یہ مدیون کے مال سے ہلاک ہو گئی۔ کیونکہ یہ تو محال ہے کہ وہ ادا کرنے والا اور تقاضا کرنے والا ہو۔ ایک آدمی اس کی صلاحیت نہیں رکھتا کہ وہ دینے اور لینے میں مطلوب اور طالب کا وکیل بنے۔ اس کی مکمل بحث ”البحر“ میں ہے۔ پس اس میں غور کیجئے۔

27496۔ (قوله: بِخِلَافِ كَفِيلِ النَّفْسِ) ”زیلعی“ نے یہ قید لگائی ہے: بان یوکلہ بالخصومة۔ ”البحر“ میں کہا: یہ قید نہیں۔ کیونکہ اگر وہ مدیون سے مال وصول کرنے کے لیے وکیل بناتا ہے تو یہ صحیح ہوگا۔

27497۔ (قوله: حَيْثُ يَصَحُّ ضَمَانُهُمْ) یعنی ان کا ثمن اور مہر کی ضمانت اٹھانا صحیح ہوگا۔ حاشیہ میں یہ اسی طرح ہے۔ کیونکہ ان میں سے ہر ایک سفیر اور معبر ہے، ”منح“۔ مناسب یہ ہے کہ یہ کہے: یصح توکیلہم لیکن یہ امام کے غنیمت کے مال کو بیچنے کے لیے وکیل بنانے میں ظاہر نہیں۔ تامل

27498۔ (قوله: سَفِيرٌ) یعنی غیر کی جانب سے تعبیر کرنے والا ہے پس اسے کوئی ذمہ داری لاحق نہ ہوگی۔

27499۔ (قوله: بِخِلَافِ الْعَكْسِ) یہ ماقبل کے ساتھ تکرار محض ہے، ”ح“۔ یعنی ماقبل جو ان کا یہ قول ہے و بطل

توکیل الکفیل بالمال لیکن جب شارح کے قول فتصلح ناسخہ کے ساتھ اس کے ارتباط کو ملحوظ خاطر رکھا جائے جو دونوں

وَكَذَا كَلَّمَا صَحَّتْ كِفَالَةُ الْوَكِيلِ بِالْقَبْضِ بَطَلَتْ وَكَالَتُهُ تَقَدَّمَتْ الْكِفَالَةُ أَوْ تَأَخَّرَتْ لِمَا قُلْنَا (وَكِيلُ الْبَيْعِ إِذَا ضَمِنَ الثَّمَنَ لِلْبَائِعِ عَنِ الْمُشْتَرِي لَمْ يَجُزْ لِمَا مَرَّ أَنَّهُ يَصِيرُ عَامِلًا لِنَفْسِهِ (فَإِنْ أَدَّى بِحُكْمِ الضَّامِنِ رَجَعَ) لِبُطْلَانِهِ (وَبِدُونِهِ لَا) لِتَبَرُّعِهِ (أَدَّى أَنَّهُ وَكِيلُ الْغَائِبِ بِقَبْضِ دَيْنِهِ فَصَدَّقَهُ الْغَرِيبُ أَمَرَ بِدَفْعِهِ إِلَيْهِ) عَمَلًا بِإِقْرَارِهِ

اسی طرح جب مال وصول کرنے والے وکیل کی کفالت صحیح ہے تو اس کی وکالت باطل ہو جائے گی خواہ کفالت وکالت سے پہلے ہو یا بعد میں ہو۔ اس کی دلیل وہی ہے جسے ہم بیان کر چکے ہیں۔ بیع کا وکیل جب مشتری کی جانب سے بائع کے لیے ثمن کا ضامن بن جائے تو یہ جائز نہ ہوگا اس کی دلیل وہی ہے جو گزر چکی ہے۔ کیونکہ وہ اپنی ذات کے لیے عمل کرنے والا ہے۔ اگر ضمانت کے حکم کے طور پر ادا کرے تو وہ واپس لے گا۔ کیونکہ ضمانت باطل ہے اور اگر ضمانت کے حکم کے بغیر ادا کرے گا تو واپس نہیں لے گا کیونکہ وہ احسان کرنے والا ہے۔ ایک آدمی نے دعویٰ کیا کہ وہ غائب کی جانب سے وکیل ہے کہ اس کے دین کو وصول کرے مقروض نے اس کی تصدیق کی تو اس کے اقرار پر عمل کرتے ہوئے مقروض کو حکم دیا جائے گا کہ وہ دین وکیل کے حوالے کر دے۔

میں فرق ظاہر کرنے کے لیے ہے تو تکرار نہیں ہوگا۔ تامل۔

27500۔ (قوله: وَكَذَا كَلَّمَا الْخ) یہ ما قبل کے ساتھ تکرار محض ہے۔

27501۔ (قوله: لِلْبَائِعِ) مناسب یہ تھا کہ یہ کہتے۔ للموکل۔

27502۔ (قوله: لَمْ يَجُزْ) ”شرنبلائی“ نے اس سے اشکال کا ذکر کیا ہے اس امر کی وجہ سے کہ امام غنیمت کا مال بیچنے کے لیے کسی کو وکیل بنائے۔ ”ابوسعود“ نے اس اشکال کو اس قول کے ساتھ دور کیا ہے جو (مقولہ 27498 میں) گزر چکا ہے: من انه سفير ومعبّر فلا تلحقه عهدة۔

27503۔ (قوله: عَامِلًا لِنَفْسِهِ) کیونکہ تقاضا کرنے کا حق اسے حاصل ہوتا ہے۔

27504۔ (قوله: رَجَعَ) جس موکل نے اسے بیع کا وکیل بنایا تھا اس سے واپسی کا مطالبہ کرے گا۔ کوئی کہنے والا۔ یہ کہہ سکتا ہے: جب اس نے ضمان کی جہت سے وہ مال ادا کیا تو تبرع اس کی ادائیگی میں حاصل ہوا جس طرح وہ مشتری کی جانب سے کفالت کے حکم سے ادا کرتا ہے جب کہ مشتری نے امر نہ کیا ہو۔ فلیتامل، ”شرنبلائی“۔

یہ امر مخفی نہیں کہ مقیس علیہ میں تبرع یہ نفس کفالت میں ہوتا ہے۔ جہاں تک ادائیگی کا تعلق ہے تو وہ لازم ہے چاہے یا نہ چاہے۔ ہمارے مسئلہ کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ جب وہ ضمانت کے حکم سے ادا کرتا ہے تو اسے تبرع نہیں کہہ سکتے بلکہ اس کے ضمن میں یہ اس پر لازم ہے۔

27505۔ (قوله: عَمَلًا بِإِقْرَارِهِ) یعنی اس نے اپنے مال میں جو اقرار کیا ہے اس پر عمل کرنے کی وجہ سے۔ کیونکہ

وَلَا يُصَدَّقُ لَوْ ادَّعَى الْإِيْفَاءَ (فَإِنْ حَضَرَ الْغَائِبُ فَصَدَّقَهُ) فِي التَّوَكُّلِ (فَبِهَا) وَنِعْمَتْ (وَالِلَا أَمْرَ الْغَرِيمِ
بِدَفْعِ الدَّيْنِ إِلَيْهِ) أَمَى الْغَائِبِ (ثَانِيًا) لِفَسَادِ الْأَدَاءِ بِانْكَارِهِ مَعَ يَبِينِهِ (وَرَجَعَ) الْغَرِيمُ (بِهِ عَلَى الْوَكِيلِ
إِنْ بَاقِيًا فِي يَدِهِ وَلَوْ حُكْمًا) بِأَنْ اسْتَهْلَكَهُ فَإِنَّهُ يُضْمَنُ مِثْلَهُ خُلَاصَةً

اگر مقروض اس قرض کی ادائیگی کا دعویٰ کر دے تو اس کی تصدیق نہ کی جائے گی۔ اگر غائب حاضر ہو جائے اور وہ وکالت میں
وکیل کی تصدیق کر دے تو بہت ہی بہتر ورنہ مقروض کو حکم دیا جائے گا کہ وہ دین اسے یعنی غائب قرض خواہ کے حوالہ کرے
کیونکہ پہلی ادائیگی فاسد ہو چکی ہے کیونکہ قسم کے ساتھ اس نے انکار کر دیا ہے۔ اور مقروض وکیل سے اس مال کی واپسی کا
مطالبہ کرے گا اگر وہ مال اس کے ہاتھ میں موجود ہوا اگرچہ موجود ہونا حکماً ہو۔ حکماً موجود ہونے کی صورت یہ ہے کہ وہ اس
مال کو ہلاک کر چکا ہو تو وہ وکیل اس کی مثل کا ضامن ہوگا۔

دیون کی ادائیگی ان کی مثل سے کی جاتی ہے۔ ودیعت پر قبضہ کا جو وہ اقرار کرتا ہے جس کا ذکر آگے آئے گا اس کا معاملہ مختلف
ہے۔ کیونکہ اس میں مالک کا حق عین میں باطل کرنا ہوتا ہے۔ ”سامحانی“۔

27506۔ (قوله: وَلَا يُصَدَّقُ الْخ) اس کا ذکر عنقریب متن میں اس قول: ولو دكله بقبض مال فادعى الغريم ما

يسقط حق موكله الخ میں آئے گا۔

27507۔ (قوله: لِفَسَادِ الْأَدَاءِ) کیونکہ جب غائب قرض خواہ نے انکار کیا تو حق کا وصول کرنا ثابت نہ ہوا تو ان
کے قول بانکارہ میں باء سببیہ ہے۔ اور ان کا قول مع یبینه اس امر کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ محض انکار کی بنا پر اس کی
تصدیق نہ کی جائے گی۔

”البحر“ میں ”بزازیہ“ سے مروی ہے: اگر مقروض مدعی پر یہ دعوے کرے جب وہ مدعی اس سے مال کی واپسی کا مطالبہ
کرنا چاہتا ہو کہ اس مدعی نے مال پر قبضہ کرنے والے کو وکیل بنایا تھا اور مقروض نے گواہیاں قائم کر دیں تو اس کی گواہی قبول کی
جائے گی اور مقروض بری ہو جائے گا۔ اگر وہ مدعی وکیل بنانے کا انکار کر دے تو مقروض اس سے قسم کا مطالبہ کرے گا اگر وہ
مدعی قسم اٹھانے سے انکار کر دے تو وہ بری ہو جائے گا۔

”البحر“ میں ”بزازیہ“ سے یہ بھی مروی ہے: اگر مقروض یہ ارادہ کرے کہ وہ مدعی سے اللہ تعالیٰ کے نام کی یہ قسم لے میں
نے اسے اس مال پر قبضہ کرنے کے وکیل نہیں بنایا، اگر مقروض نے خاموشی سے اسے مال دے دیا تھا تو اسے مدعی سے قسم
لینے کا حق نہیں ہوگا مگر جب مدعی تصدیق کی طرف لوٹ آئے (یعنی وہ کہے میں نے وکیل بنایا تھا) اگر مقروض نے جھٹلانے کی
صورت میں مال وکیل کو دے دیا تھا تو اسے کوئی حق حاصل نہیں ہوگا کہ وہ مدعی سے قسم لے اگرچہ وہ تصدیق کی طرف لوٹ
آئے لیکن وہ وکیل سے اس مال کا مطالبہ کرے گا۔ پس شارح نے جو مطلقاً کلام ذکر کی ہے وہ محل تقیید میں ہے۔ تا مل

27508۔ (قوله: فَإِنَّهُ يُضْمَنُ مِثْلَهُ) زیادہ بہتر یہ قول ہے بدلہ۔ تا مل

(وَإِنْ ضَاعَ لَمْ يَمْلِكْ أَنْ يَتَّصِدَّ بِقِيَمِهِ (إِلَّا إِذَا) كَانَ قَدْ ضَمَّنَهُ عِنْدَ الدَّفْعِ بِقَدْرِ مَا يَأْخُذُهُ الدَّائِنُ ثَانِيًا لَا مَا أَخَذَهُ الْوَكِيلُ؛ لِأَنَّهُ أَمَانَةٌ لَا تَجُوزُ بِهَا الْكَفَالَةُ زَيْلَعِي وَغَيْرُهُ (أَوْ قَالَ لَهُ قَبَضْتُ مِنْكَ عَلَى أَنِّي أَبْرَأْتُكَ مِنَ الدَّيْنِ) فَهُوَ كَمَا لَوْ قَالَ الْأَبُ لِلْخَتَنِ عِنْدَ أَخْذِ مَهْرِ بَنْتِهِ أَخْذُ مِنْكَ عَلَى أَنِّي أَبْرَأْتُكَ مِنْ مَهْرِ بَنْتِي، فَإِنْ أَخَذَتْهُ الْبِنْتُ ثَانِيًا رَجَعَ الْخَتَنُ عَلَى الْأَبِ فَكَذَا هَذَا بِزَاوِيَّةٍ (وَكَذَا) يَضْمُنُهُ (إِذَا لَمْ يُصَدِّقْهُ عَلَى الْوَكَالَةِ يَعْطَمُ) صُورَتِي السُّكُوتِ وَالتَّكْذِيبِ (وَدَفَعَ لَهُ ذَلِكَ عَلَى رَعْبِهِ) الْوَكَالَةُ فَهَذِهِ أَسْبَابُ لِلرُّجُوعِ عِنْدَ الْهَلَاكِ (فَإِنْ ادَّعَى الْوَكِيلُ هَلَاكَهُ أَوْ دَفَعَهُ لِمُوكِّلِهِ صَدَقَ) الْوَكِيلُ (بِحَلْفِهِ وَفِي الرُّجُوعِ) الْمَذْكُورَةِ (كُلُّهَا) الْغَرِيمُ (لَيْسَ لَهُ إِلَّا سِتْرَدَادُ حَتَّى يَحْضَرَ الْغَائِبُ)

اگر مال ویسے ہی ضائع ہو جائے تو وکیل ضامن نہیں ہوگا یہ مقروض کی تصدیق کرنے کی وجہ سے ہے مگر مدیون نے دین دیتے وقت اس مقدار کی اس سے ضمانت لی جو قرض خواہ اس سے دوبارہ لے نہ کہ وکیل نے اس سے جو مال لیا ہے۔ کیونکہ وکیل کے پاس یہ مال امانت ہے امانت کی کفالت جائز نہیں ہوتی۔ ”زلیعی“ وغیرہ۔ یا وکالت کے مدعی نے اسے کہا: میں نے تجھ سے مال پر قبضہ اس شرط پر کیا تھا کہ میں تجھے دین سے بری کر دوں۔ یہ اسی طرح ہے جس طرح باپ اپنے داماد سے اپنی بیٹی کا مہر وصول کرتے ہوئے کہے: میں تجھ سے یہ مال لے رہا ہوں تاکہ میں تجھے اپنی بیٹی کے مہر سے بری کر دوں۔ اگر بیٹی اپنے خاوند سے دوبارہ مہر وصول کرے تو داماد اس کے باپ سے واپسی کا مطالبہ کرے گا۔ اسی طرح یہ بھی اس سے مطالبہ کرے گا، ”بزازیہ“۔ اسی طرح اس سے ضمانت لے گا جب وکالت پر اس کی تصدیق نہ کرے۔ یہ تصدیق نہ کرنے کا قول خاموشی اور تکذیب کی دونوں صورتوں کو عام ہے۔ اور اس نے وکالت کے گمان پر اسے مال دے دیا ہو یہ ہلاکت کے وقت رجوع کے اسباب ہیں۔ اگر وکیل اس مال کی ہلاکت کا دعویٰ کر دے یا موکل کو ادا کر دینے کا دعویٰ کر دے تو قسم کے ساتھ وکیل کی تصدیق کی جائے گی۔ تمام مذکورہ صورتوں میں مقروض کو واپس لینے کا حق حاصل نہیں ہوگا یہاں تک غائب حاضر ہو

27509۔ (قوله: قَدْ ضَمَّنَهُ) میم مشدد ہے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ وہ کہے: تو اس کا وکیل ہے لیکن مجھے خوف ہے

کہ وہ وکالت کا انکار کر دے گا اور دوبارہ مجھ سے اس مال کا مطالبہ کرے گا پس اس ماخوذ مال پر ضامن طلب کرتا ہے۔ پس وکلتہ میں مستتر ضمیر الوکیل کی طرف لوٹتی ہے اور ضمیر بارز المال کی طرف لوٹتی ہے۔ ”بحر“۔

27510۔ (قوله: أَوْ قَالَ) یہ وکالت کا مدعی کہے۔

27511۔ (قوله: فَهَذِهِ) اسم اشارہ سے مراد تینوں ہیں۔ حاشیہ میں القول لمن کے باب الوکالہ سے نقل کیا ہے:

ایک ایسے شخص کے بارے میں سوال کیا گیا جس نے دوسرے شخص کو اجازت دی کہ وہ زید کو اس کے اس مال سے ہزار دے جو مال اس کے قبضہ میں ہے مامور (وکیل) نے مال ادا کرنے کا دعویٰ کیا اور زید غائب ہو گیا اور اذن کا انکار کر دیا اور رقم ادا کرنے پر گواہوں کا مطالبہ کیا، کیا اس پر گواہیاں پیش کرنا لازم ہوگا؟

وَإِنْ بَرَّهَنْ أَنَّهُ لَيْسَ بِوَكِيلٍ أَوْ عَلَى إِقْرَارِهِ بِذَلِكَ أَوْ أَرَادَ اسْتِحْلَافَهُ لَمْ يَقْبَلْ لِسَعْيِهِ فِي نَقْضِ مَا أَوْجَبَهُ لِلْغَائِبِ، نَعَمْ لَوْ بَرَّهَنْ أَنَّ الطَّالِبَ جَحَدَ الْوَكَالَةِ وَأَخَذَ مِنِّي الْمَالَ تُقْبَلُ بَحْرًا، وَلَوْ مَاتَ الْوَكِيلُ وَوَرِثَهُ غَرِيبُهُ أَوْ وَهَبَهُ لَهُ أَخَذَهُ قَائِمًا، وَلَوْ هَالِكًا ضَمِنَهُ إِلَّا إِذَا صَدَّقَهُ عَلَى الْوَكَالَةِ، وَلَوْ أَقَرَّ بِالذِّينِ وَأَنْكَرَ الْوَكَالَةَ حَلَفَ مَا يَعْلَمُ أَنَّ الدَّائِنَ وَكَفَّ عَيْنِي قَالَ إِنْ وَكَيْلٌ بِقَبْضِ الْوَدِيعَةِ فَصَدَّقَهُ الْمُدَّعُ لَمْ يُؤْمَرْ بِالْدَّفْعِ إِلَيْهِ عَلَى الْمَشْهُورِ خِلَافًا لِابْنِ الشَّحْنَةِ، وَلَوْ دَفَعَ لَمْ يَنْبَلِكُ إِلَّا سِتْرَدَادًا مُطْلَقًا لِبَاسًا مَرَّ

اگر وہ گواہیاں قائم کر دے کہ وہ وکیل نہیں یا اس کے وکیل نہ ہونے کے بارے میں اس کے اقرار پر گواہیاں قائم کر دے یا اس سے قسم لینے کا ارادہ کرے تو اس کا قول قبول نہیں کیا جائے گا۔ کیونکہ وہ اس امر میں نقص پیدا کرنے کی کوشش کر رہا ہے جو اس نے غائب کے لیے ثابت کیا تھا۔ ہاں اگر وہ یہ گواہیاں قائم کر دے کہ طالب نے وکالت کا انکار کیا ہے اور مجھ سے مال وصول کیا ہے تو اس کی گواہی مانی جائے گی۔ ”بحر“۔ اگر موکل مر جائے اور اس کا غریم اس کا وارث بن جائے یا موکل نے اسے ہبہ کیا وہ چیز موجود ہو تو لے لے اگر ہلاک ہو چکی ہو تو اس کا ضامن ہوگا مگر جب وکالت کے بارے میں اس کی تصدیق کی ہو۔ اگر وہ دین کا اقرار کرے اور وکالت کا انکار کر دے تو اس سے یہ قسم لی جائے گی۔ وہ نہیں جانتا کہ قرض خواہ نے اسے وکیل بنایا ہے۔ ”عینی“۔ ایک آدمی نے کہا: میں ودیعت وصول کرنے کے لیے وکیل بنایا گیا ہوں مودع (جس کے پاس امانت رکھی گئی تھی) نے اس کی تصدیق کر دی تو مشہور قول کے مطابق اسے ودیعت دینے کا حکم نہیں دیا جائے گا۔ ”ابن شحنے“ نے اس سے اختلاف کیا ہے۔ اگر مودع وہ ودیعت اس وکیل کے حوالے کر دے تو مطلقاً واپس لینے کا مالک نہیں ہوگا۔ اس کی دلیل وہی ہے جو گزر چکی ہے۔

اس کا یہ جواب دیا: اگر مال اس کے پاس امانت ہو تو قسم کے ساتھ قول مامور کا معتبر ہوگا اگر وہ عوض یا دین ہو تو اس کا قول صرف بینہ کی صورت میں قبول کیا جائے گا۔

27512۔ (قوله: لَمْ يَقْبَلْ) نہ اس کی بات مانی جائے گی اور نہ ہی واپس لینے کا حق ہوگا۔

27513۔ (قوله: خِلَافًا لِابْنِ الشَّحْنَةِ) اس میں یہ ہے کہ ”ابن شحنے“ نے ایک روایت امام ”ابو یوسف“ رحمہ اللہ سے نقل کی ہے کہ اسے وہ مال دے دینے کا حکم دیا جائے گا۔ جو قول یہاں ہے وہ مذہب ہے پس کوئی معارضہ نہیں۔ ”ح“۔

27514۔ (قوله: مُطْلَقًا) خواہ وہ خاموش رہے، جھٹلائے یا تصدیق کرے۔

27515۔ (قوله: لِبَاسًا مَرَّ) کہ اس نے غائب کے لیے جو چیز واجب کی تھی اس کو ختم کرنے کے لیے کوشش کر رہا ہے۔

”البحر“ میں ہے: اگر ودیعت اس کے پاس ہلاک ہو گئی اس کے بعد مودع نے ودیعت اپنے پاس روک لی تھی۔ ایک قول یہ کیا گیا: وہ ضامن نہیں ہوگا جب کہ یہ چاہیے کہ ضمانت ہو۔ کیونکہ اس نے اپنے گمان کے مطابق مودع کے وکیل سے ودیعت روکی ہے۔ اس کی مثل ”جامع الفصولین“ میں ہے۔

(وَكَذَا) الْحُكْمُ (لَوْ ادَّعى شَرَاءَهَا مِنَ الْمَالِكِ وَصَدَّقَهُ) الْمُدَّعِ لَمْ يَوْمَرْ بِالْإِدِّعِ؛ لِأَنَّهُ إِقْرَارٌ عَلَى الْغَيْرِ (وَلَوْ ادَّعى اسْتِقَالَهَا بِالْإِرْثِ أَوْ الْوَصِيَّةِ مِنْهُ وَصَدَّقَهُ أَمْرًا بِالْإِدِّعِ إِلَيْهِ) لَا تِفَاقِيهِمَا عَلَى مِلْكِ الْوَارِثِ (إِذَا لَمْ يَكُنْ عَلَى الْمَيِّتِ دَيْنٌ مُسْتَعْرِقٌ) وَلَا بُدَّ مِنَ التَّلَوُّمِ فِيهِمَا لِاحْتِمَالِ ظُهُورِ وَارِثٍ آخَرَ (وَلَوْ أَنْكَرَ مَوْتَهُ أَوْ قَالَ لَا أَدْرِ لَا) يَوْمَرْ بِهِ مَا لَمْ يُبَرِّهِنَّ، وَدَعَوَى الْإِيصَاءِ كَوَكَالَةٍ فَلَيْسَ لِمُدَّعِ مَيِّتٍ وَمَدْيُونِهِ الدَّفْعُ قَبْلَ ثُبُوتِ أَنَّهُ وَصِيٌّ، وَلَوْ لَا وَصِيٌّ فَدَفَعَ لِبَعْضِ الْوَرَثَةِ بَرِيٌّ عَنْ حِصَّتِهِ فَقَطْ (وَلَوْ وَكَّلَهُ بِقَبْضِ مَالٍ فَأَدَّعى الْغَرِيمُ مَا يُسْقِطُ حَقَّ مُوَكَّلِهِ)

یہی حکم ہوگا اگر وہ آدمی ودیعت کے مالک سے خریدنے کا دعویٰ کرے اور مودع اس کی تصدیق کر دے تو اسے وہ ودیعت اس کے حوالے کرنے کا حکم نہیں دیا جائے گا۔ کیونکہ یہ غیر پراقرار ہے۔ اگر وہ اس ودیعت کے وراثت کے ذریعے منتقل ہونے کا دعویٰ کرے یا مودع کی جانب سے اس کے حق میں وصیت کا دعویٰ کرے اور مودع اس کی تصدیق کر دے تو اسے ودیعت حوالے کر دینے کا حکم دیا جائے گا۔ کیونکہ دونوں وارث کی ملکیت پر اتفاق کر رہے ہیں جب میت پر ایسا دین نہ ہو جو اس کے تمام مال کا احاطہ کیے ہوئے ہو تو دونوں میں انتظار کرنا ضروری ہے۔ کیونکہ کسی اور وارث کے ظاہر ہونے کا احتمال موجود ہے۔ اگر مودع مودع کی موت کا انکار کر دے یا وہ کہہ دے: میں نہیں جانتا تو اسے ودیعت اس کے حوالے کرنے کا حکم نہیں دیا جائے گا جب تک وہ گواہیاں پیش نہ کرے وصیت کرنے کا دعویٰ وکالت کی طرح ہے۔ میت کے مودع اور اس کے مدیون کے لیے یہ جائز نہیں کہ اس امر کے ثابت ہونے سے پہلے مال اس کے حوالے کرے کہ یہ اس میت کا وصی ہے اگر کوئی وصی نہ ہو تو اس نے کسی وارث کو وہ مال دے دیا تو صرف اس وارث کے حصہ سے وہ بری ہوگا۔ اگر اسے مال پر قبضہ کرنے کا وکیل بنایا تو مقروض نے ایسی چیز کا دعویٰ کر دیا جو اس کے مؤکل کے حق کو ساقط کر دیتا ہے

27516۔ (قوله: وَلَوْ ادَّعى) یعنی وارث یا جس کے حق میں وصیت کی گئی ہے وہ یہ دعویٰ کرے۔

27517۔ (قوله: عَلَى مِلْكِ الْوَارِثِ) یعنی موصی کے ملکیت پر اتفاق ہے۔

27518۔ (قوله: وَلَا بُدَّ مِنَ التَّلَوُّمِ) یہ مسائل کتاب القضاء کے متفرقات میں گزر چکے ہیں ہم ان پر پہلے

(مقولہ 26702 میں) گفتگو کر چکے ہیں۔

27519۔ (قوله: وَدَعَوَى الْإِيصَاءِ كَوَكَالَةٍ) جب اس مال پر قابض اس کی تصدیق کرے تو اسے وہ مال دینے کا

حکم نہیں دیا جائے گا جب وہ مقرر کے قبضہ میں عینی چیز ہو۔ کیونکہ اس نے یہ اقرار کیا ہے کہ وہ صاحب مال کی موت کے بعد ودیعت یا غصب شدہ شے پر قبضہ کرنے کے لیے وکیل بنایا گیا ہو تو یہ صحیح نہیں ہوگا جس طرح وہ یہ اقرار کرے کہ وہ اس کی زندگی میں اس ودیعت پر قبضہ کرنے کے لیے وکیل بنایا گیا ہو۔ اگر مال مقرر پر دین ہو تو امام ”محمد“ رحمۃ اللہ علیہ کے پہلے قول کے مطابق اس کی تصدیق کی جائے گی اور اسے وہ چیز حوالے کرنے کا حکم دیا جائے گا۔ اور دوسرے قول کے مطابق جو امام

كَادَاءٍ أَوْ إِبْرَاءٍ أَوْ إِقْرَارٍ بِأَنَّهُ مِلْكِي (دَفَعَ) الْغَرِيمُ (النَّالَ) وَلَوْ عَقَارًا (إِلَيْهِ) أَمْيُّ الْوَكِيلِ لِأَنَّ جَوَابَهُ تَسْلِيمٌ
مَالَهُ يُبْرَهُنَّ، وَلَهُ تَحْلِيفُ الْمُوَكَّلِ لَا الْوَكِيلِ؛ لِأَنَّ النِّيَابَةَ لَا تَجْرِي فِي الْيَمِينِ خِلَافًا لِلزُّفَرِّ

جیسے وہ کہے: میں نے وہ مال ادا کر دیا تھا، مال نے مجھے بری کر دیا تھا یا موکل نے یہ اقرار کیا کہ یہ تو میری ملک ہے تو مقروض وکیل کو وہ چیز حوالے کر دے گا اگرچہ وہ غیر منقولہ جائیداد ہو۔ کیونکہ مقروض کا جواب اس دعویٰ کو تسلیم کرنا ہے جب تک مقروض اپنے قول کے حق میں دلائل نہ پیش کرے۔ مقروض کو موکل سے قسم لینے کا حق ہو گا وہ وکیل سے قسم نہیں لے سکتا۔ کیونکہ نیابت یمین سے جاری نہیں ہوتی۔ امام ”زفر“ نے اس سے اختلاف کیا ہے۔

”ابو یوسف“ رحمہ اللہ کا قول ہے اس کی تصدیق نہیں کی جائے گی اور اسے حوالے کرنے کا حکم نہیں دیا جائے گا۔ اس کی وضاحت ”الشرح“ میں ہے۔ ”بحر“۔

27520۔ (قوله: أَوْ إِقْرَارٍ) یعنی موکل یہ اقرار کرتا ہے کہ یہ چیز مقروض کی ملک ہے۔ مسئلہ ”جامع الفصولین“ میں ہے۔ کیونکہ کہا: ایک آدمی نے وکالت کے اعتبار سے زمین کے بارے میں دعویٰ کیا کہ وہ میرے موکل کی ملکیت ہے اور اس نے گواہیاں پیش کر دیں۔ قاضی نے کہا: یہ میری ملکیت ہے اور تیسرے موکل نے اس کا اقرار کیا اگر اس پر گواہ نہ ہوں تو اسے حق حاصل ہے کہ وہ موکل سے قسم لے اس کے وکیل سے قسم نہ لے۔ اگر اس کا موکل غائب ہو تو اس کے قاضی کو حق حاصل ہے کہ اس کے موکل کے حق میں فیصلہ کر دے۔ اگر موکل حاضر ہو اور یہ قسم اٹھائے کہ اس نے اس کے حق میں اقرار نہیں کیا تو حکم اپنی حالت پر باقی رہے گا اگر وہ قسم اٹھانے سے انکار کر دے تو حکم باطل ہو جائے گا۔ یہ شارح کی کلام میں جو ضعف ہے وہ اس سے ظاہر ہو جاتا ہے۔

27521۔ (قوله: لِأَنَّ جَوَابَهُ تَسْلِيمٌ) کیونکہ اس نے حق ادا کرنے کا دعویٰ کیا ہے اس کے دعویٰ کے ضمن میں دین اور وکالت کا اقرار ہے۔ اس کی مکمل بحث ”التبیین“ میں ہے۔

27522۔ (قوله: مَالَهُ يُبْرَهُنَّ) یعنی جب تک حق ادا کرنے پر گواہیاں پیش نہ کر دے۔ اگر وہ گواہیاں پیش کر دے تو اس کی گواہیاں قبول کی جائیں گی۔ اس کی دلیل وہی ہے جو گزر چکی ہے کہ دین پر قبضہ کرنے کے لیے جو وکیل بنایا جاتا ہے وہ خصومت کا وکیل ہوتا ہے۔ ”بحر“۔

27523۔ (قوله: لَا الْوَكِيلِ) یعنی وکیل سے یہ قسم نہیں لی جائے گی کہ اسے موکل کے اپنا حق وصول کر لینے کا علم نہیں۔ ”بحر“۔

یمین میں نیابت جاری نہیں ہوتی

27524۔ (قوله: لِأَنَّ النِّيَابَةَ لَا تَجْرِي فِي الْيَمِينِ) دین پر قبضہ کرنے کے وکیل پر مدیون نے یہ دعویٰ کر دیا کہ اس نے موکل کو حق ادا کر دیا ہے یا اس نے مدیون کو بری کر دیا تھا اور مدیون نے وکیل سے یہ قسم لینے کا ارادہ کیا کہ وہ قسم اٹھائے

(وَلَوْ وَكَّلَهُ بِعَيْبٍ فِي أَمَةٍ وَادَّعى الْبَائِعُ أَنَّ الْمُشْتَرِيَ رَضِيَ بِالْعَيْبِ لَمْ يَرُدَّ عَلَيْهِ حَتَّى يَخْلِفَ الْمُشْتَرِيَ) وَالْفَرْقُ أَنَّ الْقَضَاءَ هُنَا فَسْخٌ لَا يَقْبَلُ النَّقْضَ، بِخِلَافِ مَا مَرَّ خِلَافًا لَهُمَا (فَلَوْ رَدَّهَا الْوَكِيلُ عَلَى الْبَائِعِ

اگر ایک آدمی نے کسی کو وکیل بنایا کہ وہ لونڈی میں عیب کی وجہ سے بائع کو واپس کر دے اور بائع نے یہ دعویٰ کیا کہ مشتری تو عیب پر راضی ہو گیا تھا تو وہ اسے واپس نہیں کر سکے گا یہاں تک کہ مشتری قسم اٹھائے۔ فرق یہ ہے کہ یہاں قضا عقد کا ایسا فسخ ہے جو نقض کو قبول نہیں کرتا۔ جو مسئلہ اس سے پہلے گزرا ہے اس کا معاملہ مختلف ہے۔ ”صاحبین“ رحمہ اللہ نے اس سے اختلاف کیا ہے۔ اگر وکیل وہ لونڈی عیب کی وجہ سے بائع پر لوٹا دے

کہ اس کے بارے میں نہیں جانتا تو اس سے قسم نہیں لی جائے گی۔ کیونکہ اگر وہ وکیل اس کا اقرار کر لے تو اس کے موکل کے خلاف یہ جائز نہیں ہوگا۔ کیونکہ یہ اقرار غیر کے خلاف ہے، ”جامع الفصولین“۔ یہ تعدیل اس سے زیادہ ظاہر ہے جس کا ذکر شارح نے کیا ہے۔ فقہ بر

”نور العین“ میں ”الخلاصہ“ سے مروی ہے: ”زیادات“ میں ہے: ہر جگہ جہاں وہ اقرار کرے تو وہ اقرار اس پر لازم ہو جائے گا جب وہ انکار کر دے تو اس سے قسم لی جائے گی مگر تین مسائل میں اس سے قسم نہیں لی جائے گی۔ خریداری کا وکیل بیع میں عیب پائے تو اس وکیل نے اسے واپس کرنے کا ارادہ کیا اور بائع نے اس سے یہ قسم لینے کا ارادہ کیا وہ اللہ تعالیٰ کے نام کی قسم اٹھائے: وہ نہیں جانتا کہ وہ موکل عیب پر راضی ہے وہ قسم نہیں اٹھائے گا۔ اگر وکیل اقرار کر لے تو وہ اس پر لازم ہو جائے گا۔

(۲) دین وصول کرنے والے وکیل پر جب مدیون یہ دعویٰ کرے کہ اس کے موکل نے اسے دین سے بری کر دیا ہے اور وکیل سے اس کے علم کے متعلق قسم کا مطالبہ کیا جائے تو وہ اس سے قسم نہیں لے گا۔ اگر وکیل اس کا اقرار کر لے تو اس پر لازم ہو جائے گا۔

یہ حقیر کہتا ہے ”الخلاصہ“ میں تیسرے مسئلہ کا ذکر نہیں کیا اور دوسرے مسئلہ میں اعتراض کی گنجائش ہے۔ کیونکہ جس کا اقرار کیا گیا ہے وہی تو بری کرنا ہے جس کا مدیون دعویٰ کرتا ہے تو وکیل پر اس کے لازم ہونے کا تصور کیسے کیا جاسکتا ہے؟

27525۔ (قوله: وَلَوْ وَكَّلَهُ بِعَيْبٍ) یعنی عیب کی وجہ سے لونڈی لوٹانے کے لیے اسے وکیل بنایا۔ ”ح“۔

27526۔ (قوله: لَمْ يَرُدَّ عَلَيْهِ الْخ) یعنی وکیل بائع پر اسے نہیں لوٹائے گا، ”ح“۔ حاشیہ میں اسی طرح ہے۔

27527۔ (قوله: حَتَّى يَخْلِفَ الْخ) یعنی قاضی اس کے خلاف لوٹانے کا فیصلہ نہیں کرے گا یہاں تک کہ مشتری

حاضر ہو جائے اور وہ یہ قسم اٹھا دے کہ وہ عیب پر راضی نہیں ہے۔ حاشیہ میں اسی طرح ہے۔

27528۔ (قوله: وَالْفَرْقُ) یعنی اس مسئلہ، جس میں لونڈی کو بائع پر نہیں لوٹایا جائے گا، اور اس مسئلہ جو، اس سے

پہلے ہے جس میں مقروض مال وکیل کو دے دیتا ہے، کے درمیان فرق یہ ہے، ”ح“۔ حاشیہ میں اسی طرح ہے۔

27529۔ (قوله: خِلَافًا لَهُمَا) کیونکہ ”صاحبین“ رحمہ اللہ نے کہا: دونوں فصلوں میں قضا کو موخر نہیں کیا جائے گا کیونکہ

بِالْعَيْبِ فَحَضَرَ الْمُوَكَّلُ وَصَدَّقَهُ عَلَى الرِّضَا كَانَتْ لَهُ لَا لِلْبَائِعِ اِتِّفَاقًا فِي الْأَصَحِّ؛ لِأَنَّ الْقَضَاءَ لَا عَنْ دَلِيلٍ بَلْ لِلْجَهْلِ بِالرِّضَا ثُمَّ ظَهَرَ خِلَافُهُ فَلَا يَنْفَعُ بَاطِنًا نِهَائِيَّةً (وَالْمَأْمُورُ بِالْإِنْفَاقِ) عَلَى أَهْلِ أَوْ بِنَاءِ (أَوْ الْقَضَاءِ) لِذَيْنِ (أَوْ الشِّعَاءِ) أَوْ التَّصَدُّقِ عَنْ زَكَاةٍ (إِذَا أَمْسَكَ مَا دُفِعَ إِلَيْهِ وَنَقَدَ مِنْ مَالِهِ) نَاوِيَا الرُّجُوعَ كَذَا قَيَّدَ الْخَامِسَةَ فِي الْأَشْبَاهِ (حَالِ قِيَامِهِ لَمْ يَكُنْ مُتَبَرِّعًا) بَلْ يَقَعُ التَّقَاضُ اسْتِحْسَانًا (إِذَا لَمْ يُصَفْ إِلَى غَيْرِهِ) فَلَوْ كَانَتْ وَقْتُتْ إِنْفَاقِهِ مُسْتَهْلَكَةً وَلَوْ بَصَرِهَا لِذَيْنِ نَفْسِهِ أَوْ أَضَافَ الْعَقْدَ إِلَى دَرَاهِمِ نَفْسِهِ ضَمِنَ وَصَارَ مُشْتَرِيًا لِنَفْسِهِ

موکل حاضر ہوا اور اس کی رضا مندی پر تصدیق کر دی تو وہ لونڈی موکل کی ہوئی بائع کی نہ ہوگی۔ اصح قول کے مطابق سب کا اس پر اتفاق ہے۔ کیونکہ فیصلہ دلیل کی وجہ سے نہیں ہوا تھا بلکہ رضا مندی سے ناواقفی کی وجہ سے ہوا تھا۔ پھر اس کے برعکس معاملہ ظاہر ہوا تھا پس وہ فیصلہ باطن نافذ نہیں ہوگا۔ ”نہایہ“ جس شخص کو اہل یا عمارت کی تعمیر پر خرچ کرنے کا حکم دیا گیا تھا یا جسے دین کی ادائیگی کسی شے کے خریدنے یا زکوٰۃ کے طور پر صدقہ کرنے کا حکم دیا گیا تھا جب وہ وکیل وہ مال روک لے جو اسے دیا گیا تھا اور اپنا مال ادا کر دے جب کہ اس کی واپسی کی امید کی تھی۔ ”الاشباہ“ میں پانچویں مسئلہ کو مقید کیا ہے جب کہ وہ مال موجود ہو تو وہ احسان کرنے والا نہ ہوگا بلکہ یہ تو بطور استحسان ادا لے کا بدلہ ہو جائے گا جب وہ اسے کسی اور کی طرف منسوب نہ کرے۔ اگر خرچ کرتے وقت وہ مال ہلاک ہو چکا ہو اگرچہ اس کا ہلاک ہونا اپنے ذاتی دین کی وجہ سے ہو یا اس نے عقد کو اپنے ذاتی دراہم کی طرف منسوب کیا ہو تو وہ ضامن ہوگا اور وہ اپنے لیے اسے خریدنے والا ہوگا

”صاحبین“ رحمہما علیہما کے نزدیک قاضی کی قضا صرف ظاہر انافذ ہوتی ہے جب خطا ظاہر ہو۔ ”ح“۔

27530۔ (قوله: فَلَا يَنْفَعُ بَاطِنًا) ”قاضی زادہ“ نے اس پر اعتراض کیا ہے۔ جس طرح امام ”ابو حنیفہ“ رحمہما علیہ کے

نزدیک یہاں بھی قضا کا نقض جائز ہے خواہ وہ کسی سبب سے ہو تو مذکورہ دلیل مکمل نہ ہوگی کیونکہ دونوں مسئلوں میں فرق ہے۔ ”ح“۔

27531۔ (قوله: أَوْ الشِّعَاءِ) یہ قید لگائی ہے کیونکہ ”البحر“ میں ”الخلاصہ“ سے مروی ہے: دینار بیچنے کے لیے بنایا

جانے والا وکیل جب دینار روک لے اور اپنے دینار کو بیچ دے تو یہ صحیح نہیں ہوگا۔

27532۔ (قوله: عَنْ زَكَاةٍ) ظاہر یہ ہے کہ یہ قید نہیں، ”ح“۔ ”المشتقی“ سے جو قول آئے گا اس کا اطلاق اس پر

دلالت کرتا ہے۔

27533۔ (قوله: إِلَى غَيْرِهِ) یعنی آمر کے مال کے غیر کی طرف اسے منسوب نہ کرے۔ خواہ وہ آمر کے مال کی طرف

منسوب کرے یا اسے مطلق ذکر کرے۔ ”ح“۔

27534۔ (قوله: وَقْتُتْ إِنْفَاقِهِ) یعنی اسے خریدتے وقت یا اسے صدقہ کرتے وقت۔

27535۔ (قوله: لِذَيْنِ نَفْسِهِ) یعنی اپنے دین کے لیے یا کسی اور کے دین کے لیے صرف کرنے کے ساتھ وہ

مُتَبَرِّعًا بِالْإِنْفَاقِ؛ لِأَنَّ الدَّرَاهِمَ تَتَعَيَّنُ فِي الْوَكَالَةِ نِهَایَةً وَبَرَازِیَةً، نَعَمْ فِي الْمُنْتَقَى لَوْ أَمَرَهُ أَنْ یَقْبِضَ مِنْ مَدِیُونِهِ أَلْفًا وَیَتَصَدَّقَ بِأَلْفٍ لَیَرْجِعَ عَلَى الْمَدِیُونِ جَازًا اسْتِحْسَانًا (وَصِیُّ أَنْفَقَ مِنْ مَالِهِ وَ الْحَالُ أَنَّ (مَالَ الْیَتِیمِ غَائِبٌ فَهُوَ) أَمَى الْوَصِیُّ كَالْأَبِ (مُتَطَوِّعٌ إِلَّا أَنْ یُشْهَدَ أَنَّهُ قَرْضٌ عَلَیْهِ أَوْ أَنَّهُ یَرْجِعُ) عَلَیْهِ جَامِعُ الْفُصُولِیْنِ وَغَیْرُهُ، وَعَلَّلَهُ فِي الْخُلَاصَةِ بِأَنَّ قَوْلَ الْوَصِیِّ وَإِنْ أُعْتَبِرَنِي الْإِنْفَاقُ لَكِنْ لَا یُقْبَلُ فِي الرَّجُوعِ فِي مَالِ الْیَتِیمِ إِلَّا بِالْبَیِّنَةِ فُرُوعُ الْوَكَالَةِ الْمَجْرَدَةُ لَا تَدْخُلُ تَحْتَ الْحُكْمِ وَبَيَّانُهُ فِي الدَّرَرِ

جب کہ انفاق میں وہ احسان کرنے والا ہوگا۔ کیونکہ وکالت میں دراہم متعین ہو جاتے ہیں۔ ”نہایہ“، ”برازیہ“۔ ہاں ”المنتقی“ میں ہے: اگر وہ اسے حکم دے کہ وہ اس کے مدیون سے ہزار وصول کرے اور صدقہ کر دے اور اس نے ہزار صدقہ کر دیا تا کہ مدیون سے واپس لے تو یہ بطور استحسان جائز ہوگا۔ ایک وصی نے اپنے مال سے خرچ کیا جب کہ صورتحال یہ ہے کہ یتیم کا مال غائب ہے تو وہ وصی باپ کی طرح احسان کرنے والا ہوگا مگر وہ یہ گواہ بنائے کہ یہ مال اس یتیم پر قرض ہے اور وہ اس سے واپس لے گا، ”جامع الفصولین“ وغیرہ۔ ”الخلاصہ“ میں اس کی یہ علت بیان کی ہے: وصی کا قول اگرچہ انفاق میں معتبر ہوتا ہے لیکن یتیم کے مال کی واپسی کا مطالبہ صرف بینہ کے ساتھ ہی قبول ہوتا ہے۔ فروع: مجرد وکالت حکم کے تحت داخل نہیں ہوتی۔ اس کی وضاحت ”الدرر“ میں ہے۔

اسے ہلاک کر دے۔ ”ح“۔

27536۔ (قوله: نَعَمْ الْخ) استدراک کی کوئی وجہ نہیں۔ کیونکہ یہ ماقبل کے منافی نہیں۔ کیونکہ مدیون کے ذمہ میں دین کا قیام وکیل کے قبضہ میں مال کا قیام ہے۔ صاحب ”المنح“ اور صاحب ”البحر“ نے دونوں کو استدراک کے بغیر ذکر کیا ہے۔
27537۔ (قوله: وَصِیُّ أَنْفَقَ الْخ) اس مسئلہ کی وضاحت کتاب الوصایا کے آخر میں (مقولہ 36767 میں) آئے گی۔ ان شاء اللہ تعالیٰ

27538۔ (قوله: غَائِبٌ) حاضر مال بدرجہ اولیٰ اس طرح ہوگا۔

27539۔ (قوله: فُرُوعٌ) باب کے شروع میں جو عنقریب آئے گا اس کے ساتھ یہ تکرار ہے۔

27540۔ (قوله: وَبَيَّانُهُ فِي الدَّرَرِ) ”الدرر“ میں کہا: ”الصغریٰ“ میں کہا: دین وصول کرنے کا وکیل جب خصم و حاضر کرے تو وکیل بنانے کے عمل کا اقرار کرے اور دین کا انکار کر دے تو وکالت ثابت نہ ہوگی یہاں تک کہ اگر وکیل بنانے کے عمل کا اقرار کرے اور دین کا انکار کر دے تو وکالت ثابت نہ ہوگی یہاں تک کہ اگر وکیل دین پر گواہیاں قائم کرنے کا ارادہ کرے تو اس کی گواہیاں قبول نہ کی جائیں گی۔

اس نے وکیل بنائے جانے کا اقرار کیا اور دین کا انکار کیا تو وکالت ثابت نہ ہوگی۔ کیونکہ جب اس نے وکالت کا اقرار کیا تو وہ دین میں خصم (مدعی علیہ) نہیں ہوگا جب وہ وکالت کا انکار کرے اور دین کا اقرار کرے تو معاملہ مختلف ہوگا۔ کیونکہ دین

صَحَّ التَّوَكُّيلُ بِالسَّلَمِ لَا بِقَبُولِ عَقْدِ السَّلَمِ، فَلِلنَّازِلِ أَنْ يُسَلِّمَ مَنْ رِيعِهِ فِي زَيْتِهِ وَحُصْرِهِ، وَلَيْسَ لَهُ أَنْ يُوَكَّلَ بِهِ مَنْ يَجْعَلُهُ بِجُعْلٍ أَمِينًا عَلَى الْقَرْيَةِ فَيَأْمُرُهُ بِعَقْدِ السَّلَمِ وَيَسْتَتِلِمَ مِنْهُ عَلَى مَا قَرَّرَ لَهُ بَاطِنًا؛ لِأَنَّهُ وَكِيلُ الْوَاقِفِ وَالْوَكَالَةُ أَمَانَةٌ لَا يَصَحُّ بَيْعُهَا، وَتَسَامُهُ فِي شَرْحِ الْوَهْبَانِيَّةِ انْتَهَى وَاللَّهُ أَعْلَمُ

بیع سلم کے لیے وکیل بنانا صحیح ہے، عقد سلم کو قبول کرنے کے لیے وکیل کرنا صحیح نہیں۔ وقف کے نگران کے لیے یہ صحیح ہے کہ وہ وقف کے منافع سے تیل اور چٹائیوں میں بیع سلم کرے اور نگران کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ اس کے لیے اسے وکیل بنائے جس کو اس نے وظیفہ ادا کرنے کی شرط پر اس دیہات پر امین بنایا ہو۔ پھر اس امین کو عقد سلم کا حکم کرے اس اناج میں جو وقف کی زمین میں پیدا ہوا اور بیع سلم کا راس المال اس امین سے لے۔ باطن میں اس وظیفے کے عوض جو ناظر کے واسطے مقرر کیا ہو گیا یہ اس واسطے جائز نہیں۔ کیونکہ وہ واقف کا وکیل ہے۔ وکالت امانت ہے اس کی بیع صحیح نہیں۔ اس کی مکمل وضاحت ”شرح الوہبانیہ“ میں ہے، انتہی، واللہ اعلم۔

کے ثابت کرنے میں خصم ہے۔ کیونکہ گواہیاں ایسے خصم پر واقع ہوں گی جو وکالت کا انکار کرتا ہے حاشیہ میں اسی طرح ہے۔

اس کے جامع فقیر ”محمد“ رحمہ اللہ نے کہا: اس عبارت کو کسی کی طرف منسوب نہیں کیا اور یہ عبارت منسوب کرنے کی محتاج ہے۔ اس میں اس کی کتاب کی جگہ قطعی ہے میرے ہاں یہ اسی طرح مرتب ہوگی۔ واللہ اعلم

بیع سلم کے لیے وکیل بنانا صحیح ہے، عقد سلم کو قبول کرنے کے لیے وکیل کرنا صحیح نہیں

27541۔ (قولہ: صَحَّ التَّوَكُّيلُ بِالسَّلَمِ) سلم سے مراد اسلام ہے یعنی بیع سلم کے لیے کسی کو رقم دینا۔ اس مسئلہ پر

تنبیہ باب الوکالة بالبیع والشراء میں گزر چکی ہے۔ کیونکہ وہاں کہا: سلم سے مراد بیع سلم کرنا ہے سلم کو قبول کرنا نہیں کیونکہ بیع سلم کو قبول کرنے کے لیے وکیل بنانا جائز نہیں۔ ”ابن کمال“۔ ہم نے اس کی وضاحت ”زیلعی“ کی عبارت سے کی ہے۔ پس اس کی طرف رجوع کیجئے۔

”شرح الوہبانیہ“ میں ہے: ”المبسوط“ میں کہا: جب ایک آدمی نے دوسرے کو وکیل کیا وہ معین کھانے میں دراہم لے وکیل نے وہ دراہم وصول کر لیے پھر وہ دراہم موکل کے حوالہ کر دیئے تو کھانا وکیل کے ذمہ ہوگا۔ اور وکیل کے موکل پر دراہم قرض ہوں گے کیونکہ اصل تو وکیل باطل ہے کیونکہ مسلم الیہ نے اسے حکم دیا ہے کہ وہ کھانے کی بیع اپنے ذمہ سے وکیل کے ذمہ کی طرف کر دے۔ اگر وہ اسے حکم دے کہ وہ اپنے مال کا عین بیچ دے شرط یہ ہو کہ ثمن آمر کے ذمہ ہوگی تو یہ امر باطل ہوگا۔ اسی طرح جب وہ اسے حکم دے کہ وہ کھانا اس کے ذمہ میں بیچے اور بیع سلم کا قبول کرنا مفلس لوگوں کا عمل ہے تو اس کا وکیل بنانا باطل ہوگا۔

27542۔ (قولہ: فَلِلنَّازِلِ أَنْ يُسَلِّمَ الْخ) ماقبل پر اس کی تفریع کی ہے کیونکہ وہ ناظر وکیل کی طرح ہے جس طرح

علمائے تصریح کی ہے۔ اس عبارت میں ایجاز ہے جس طرح ایجاز نے اس عبارت کو پہلی کے ساتھ لاحق کر دیا ہے۔ یہ دو مسئلوں پر مشتمل ہے۔

دونوں مسئلوں میں سے ایک یہ ہے: نگران کے لیے یہ جائز ہے کہ وقف کے منافع سے اس کے تیل اور چٹائیوں میں بیع سلم کر دے جس طرح وہ عقد سلم کا وکیل ہو۔ پھر اس المال اگرچہ اس کے ذمہ میں ثابت ہوگا جس طرح سابقہ مسئلہ تھا پس وہ وقف کے منافع سے اس کا بدل دینے پر مامور ہوگا۔ مراد یہ نہیں کہ ذمہ میں اس کا ثبوت متاخر ہوگا کہ عقد فاسد ہو جائے بلکہ مراد یہ ہے کہ وہ ثمن کی طرح ہے جو ذمہ میں ثابت ہے پھر جو چیز وہ عطا کرے گا تو وہ اس کا بدل ہوگا جو واجب ہو یا یہاں وہ اسے مجلس میں عطا کرے گا جس طرح خریداری کے لیے کسی کو وکیل بنایا جاتا ہے۔ یہ صحیح ہوگا اگرچہ ثمن اس کی ملک نہ ہوتا ہم کہتے ہیں: یہاں ثمن معین ہے یعنی بیع سلم کا اس المال معین ہے کیونکہ امانت کا مال تعیین کے ساتھ متعین ہو جاتا ہے۔

دوسرا مسئلہ یہ ہے: تو یہ جان چکا ہے کہ وقف کا نگران واقف کا وکیل ہوتا ہے وکالت امانت ہوتی ہے۔ امانت کی بیع صحیح نہیں ہوتی۔ جب یہ بات مشہور ہو گئی کہ یہ صحیح نہیں تو نگرانوں نے اس کے لیے ایک حیلہ بنایا جب انہوں نے یہ ارادہ کیا کہ وہ دیہات میں ایک سیکرٹری بنائیں جو اس دیہات کی کھیتی کی حفاظت کرے وہ اس امین کے لیے کوئی وظیفہ مقرر کر دیں۔ وہ حیلہ یہ ہے: وہ نگران اس آدمی کو عقد سلم کا حکم دیتے اور وکیلوں سے اس پر بیع سلم کر لیتے جو ان کے لیے باطناً مقرر ہوتا پس وہ غلہ جس میں بیع سلم کی جاتی وہ وکیل کے ذمہ میں ثابت ہوتا اگر وہ وقف کے منافع سے صرف کرے گا تو وہ اس کا ضامن ہوگا اگر وہ مال سلم مستحقین پر صرف کر دے تو اسے وقف کے منافع میں واپس نہیں کرے گا اور وہ تبرع و احسان کرنے والا ہوگا۔ کیونکہ اس نے اپنا مال ایسی جگہ صرف کیا ہے جس جگہ اسے صرف کرنے کی اجازت نہیں دی گئی تھی اسے سابقہ مسئلہ پر تخریج کیا ہے۔ کیونکہ یہ تو بیع سلم کو قبول کرنے کے لیے وکیل بنایا گیا ہے۔

”وہبانیہ“ کے شارحین نے اس محل میں جو ذکر کیا ہے۔ یہ اس کا حاصل ہے۔ اس کلام کو سمجھنا میرے لیے مشکل ہو گیا ایک طویل مدت تک اس سے حاصل مجھے اخذ نہ ہو سکا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے ایک شے کو میرے لیے کھول دیا جو میرے ظن پر غالب آ گئی کہ دوسرے مسئلہ میں اس حیلہ کی صورت میں یہی مراد ہے۔

وہ صورت یہ ہے: ایک شخص وقف کا نگران ہے وہ یہ ارادہ کرتا ہے کہ وہ ایسا سیکرٹری معین کر دے جو اس پر قادر ہو۔ اس کی صورت یہ ہے کہ وہ نگران اس سے جلدی نفع اٹھائے اور سیکرٹری کچھ عرصہ بعد نفع اٹھائے جب وہ سیکرٹری سے اس پر کوئی شے وصول کر لے تا کہ وہ نگران کے قائم مقام ہو جائے۔ اور وظیفہ کے بدلہ میں وقف کے منافع وصول کرے تو یہ جائز نہ ہوگا۔ کیونکہ معنوی اعتبار سے یہ وکالت کی بیع ہے۔ کیونکہ تو یہ جان چکا ہے کہ نگران واقف کا وکیل ہے۔ ہمارے زمانہ میں مقاطعات اور اوقاف میں اکثر ہوتا ہے۔ اسے وہ لوگ التزام کا نام دیتے ہیں۔ جب اس کے لیے اس نے حیلہ کیا اس کی صورت یہ ہے کہ نگران سیکرٹری سے معلوم مقدار وقف کے غلہ (زمین کے منافع) پر بیع سلم کے طور پر لے لیتا ہے تا کہ وہ اس کے مصارف میں صرف کرے اور واقف نے اس کے لیے جو دسواں حصہ مثلاً معین کیا ہے وہ اس سے لے۔ وہ سیکرٹری وقف کا غلہ وصول کرتا ہے کیونکہ وہ مسلم فیہ ہے تا کہ نگران کو نگرانی کا نفع حاصل ہو جائے اور امین کو اس کی سیکرٹری شپ کا نفع حاصل ہو

جائے۔ یہ بھی جائز نہیں۔ کیونکہ نگران واقف کی جانب سے وکیل ہوتا ہے تو گویا وہ واقف کی جانب سے عقد سلم کے قبول کرنے اور حاصل ہونے والے منافع پر دراہم وصول کرنے میں وکیل ہو گیا جب کہ تو جان چکا ہے کہ جائز یہ ہے کہ عقد سلم کے لیے وکیل بنانا جائز ہے اس کے قبول کرنے کے لیے وکیل بنانا جائز نہیں جب اس نے دراہم لے لیے اور انہیں مستحقین پر صرف کر دیا تو وہ تبرع کرنے والا اور اپنے مال میں سے صرف کرنے والا ہو گا غلہ اس کے ذمہ ثابت ہو گا اور اس کی مثل اس کو لازم ہوگی۔ یہ امر میرے لیے ظاہر ہوا ہے۔

پھر یہ امر مخفی نہیں کہ یہ سب کچھ مسلم فیہ کی مقدار کے بیان کے بعد ہوا ساتھ ہی بیع سلم کی تمام شروط موجود تھیں ورنہ اس کا فساد ایک دوسری جہت سے ہو گا جس طرح یہ امر مخفی نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

بَابُ عَزْلِ الْوَكِيلِ

(الْوَكَالَةُ مِنَ الْعُقُودِ الْغَيْرِ اللَّازِمَةِ) كَالْعَارِيَّةِ (فَلَا يَدْخُلُهَا خِيَارُ شَرْطٍ وَلَا يَصِحُّ الْحُكْمُ بِهَا مَقْصُودًا وَإِنَّمَا يَصِحُّ فِي ضَمَنِ دَعْوَى صَحِيحَةٍ عَلَى غَرِيمٍ) وَبَيَّانُهُ فِي الدَّرَرِ (فَلْيُلْوَ كُلَّ الْعَزْلِ مَتَى شَاءَ مَا لَمْ يَتَعَلَّقْ بِهِ حَقُّ الْغَيْرِ)

وکیل کو معزول کرنے کے احکام

وکالت ان عقود میں سے ہے جو لازم نہیں ہوتے جیسے عاریہ (کسی کو کوئی چیز ادھار دینا)۔ پس وکالت میں خیار شرط داخل نہیں ہوگا اور وکالت کے بارے میں باعتبار مقصود حکم دینا صحیح نہ ہوگا۔ یہ غریم کے خلاف دعویٰ صحیحہ کے ضمن میں صحیح ہوگا۔ اس کی وضاحت ”الدرر“ میں ہے۔ موکل کو حق حاصل ہے کہ جب چاہے وکیل کو معزول کر دے جب تک اس کے ساتھ غیر کا حق متعلق نہ ہوگا

27543۔ (قوله: خِيَارُ شَرْطٍ) خیار شرط کی ضرورت عقد لازم میں ہوتی ہے تاکہ جسے خیار ہے وہ چاہے تو اسے فسخ کر سکے۔ ”منح“۔

جب تک وکیل کے ساتھ غیر کا حق متعلق نہ ہو موکل جب چاہے وکیل کو معزول کر سکتا ہے

27544۔ (قوله: فَلْيُلْوَ كُلَّ الْعَزْلِ) ”زلیعی“ نے وکیل کو معزول کرنے کے مسئلہ کی وضاحت کے بعد کہا: جب تک غیر کا حق اس وکیل سے متعلق نہ ہو چکا ہو۔ اسی تعبیر کی بنا پر بعض مشائخ نے کہا: جب خاوند نے عورت کے التماس کرنے پر اپنی بیوی کو طلاق دینے کے لیے وکیل بنایا پھر وہ خاوند غائب ہو گیا تو اب وہ موکل (خاوند) بیوی کو معزول کرنے کا مالک نہیں ہوگا یہ قول کوئی حیثیت نہیں رکھتا بلکہ صحیح قول کے مطابق اسے معزول کرنے کا اختیار ہے۔ کیونکہ طلاق کے معاملہ میں عورت کا کوئی حق نہیں۔ اسی وجہ سے علماء نے فرمایا: اگر موکل وکیل سے کہے: جب بھی میں تجھے معزول کروں تو تو میرا وکیل ہے تو اسے معزول کرنے کا اختیار نہیں ہوگا۔ کیونکہ موکل جب بھی اسے معزول کرے گا اس کی وکالت نئے سرے سے پیدا ہو جائے گی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ اس قول کے ساتھ معزول ہو جائے گا۔ میں جب بھی تجھے وکیل بناؤں تو تو معزول ہے۔

”صاحب النہایہ“ نے کہا: میرے نزدیک وہ اسے معزول کرنے کا اختیار رکھتا ہے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ وہ کہے: میں نے تجھے تمام وکالتوں سے معزول کر دیا ہے تو یہ معزولی معلق اور نافذ دونوں وکالتوں کی طرف متوجہ ہوگی۔ یہ دونوں کوئی شے نہیں۔ صحیح یہ ہے کہ جب وہ اسے معزول کرنے کا ارادہ کرے اور وہ یہ ارادہ کرے کہ معزولی کے بعد وکالت منعقد نہ ہو تو وہ کہے: میں نے معلق وکالت سے تجھے معزول کیا ہے اور میں نے تجھے حتمی وکالت سے معزول کیا ہے۔ کیونکہ جو امر لازم نہیں اس

كَوْكَيْلِ خُصُومَةٍ بِطَلَبِ الْخَصِمِ كَمَا سَيَجِيءُ وَلَوْ الْوَكَالَةُ دَوْرِيَّةً

جس طرح خصم کے مطالبہ پر خصومت کا وکیل بنایا گیا ہو جس طرح عنقریب آئے گا اگرچہ وکالت

سے رجوع صحیح ہوتا ہے اور وکالت اسی امر میں سے ہے۔ ملخص

27545۔ (قولہ: كَوْكَيْلِ خُصُومَةٍ) یہ نفی کے مدخول کی تمثیل ہے یعنی اسے معزول کرنے کا حق نہیں اگرچہ وکیل کو اس کا علم ہو کیونکہ غیر کا حق اس کے متعلق ہے۔

حاشیہ میں کہا: ان کا قول کوکیل خصومة یہ مفہوم کی مثال ہے۔ گویا اس نے کہا: اگر غیر کا حق اس سے متعلق ہو گیا تو موکل کو حق حاصل نہیں کہ اسے معزول کرے جس طرح وکیل خصومت کو معزول نہیں کر سکتا۔ اس کی صورت یہ ہے کہ مدعی علیہ نے خصم یعنی مدعی کے مطالبہ پر وکیل بنایا ہو پھر موکل غائب ہو جائے اور وکیل کو معزول کر دے تو یہ معزول کرنا صحیح نہ ہوگا تا کہ مدعی کے حق میں تنگی واقع نہ ہو۔ ”ح“۔

27546۔ (قولہ: كَمَا سَيَجِيءُ) یعنی قریب یہ آئے گا۔

27547۔ (قولہ: وَلَوْ الْوَكَالَةُ دَوْرِيَّةً) یہ اس حالت سے خالی نہیں یا تو یہ قول ان کے قول فلولوکل العزل پر مبالغہ ہو یا ان کے قول مالہ یتعلق بہ حق الغیر پر مبالغہ ہوگا۔ پہلی صورت میں اس کا معنی ہوگا: اسے معزول کرنے کا اختیار ہوگا اگرچہ وکالت دوریہ ہو۔ اس وقت مبالغہ ظاہر ہے۔ اور دوسری صورت میں معنی ہوگا: اسے وکالت دوریہ میں معزول کرنے کا اختیار نہیں ہوگا۔

ہر صورت میں شارح کی کلام میں مناقشہ ہے۔ جہاں تک پہلی صورت میں مناقشہ کی صورت ہے وہ یہ ہے: کیونکہ یہ ان کے قول: د سیجی عن العینی فلانہ کے منافی ہے۔ کیونکہ جو قول عنقریب آئے گا وہ یہ ہے ان لہ العزل جب کہ یہ تو اس کے خلاف نہیں۔

جہاں تک دوسری صورت کا تعلق ہے وہ یہ ہے کہ وہ یہ تقاضا کرتا ہے کہ یہ ان امور میں سے ہے جس کے ساتھ غیر کا تعلق متعلق ہے جب کہ معاملہ اس طرح نہیں۔ کیونکہ جو یہ کہتا ہے کہ وکالت دوریہ میں وکیل معزول نہیں ہوگا وہ یہ کہتا ہے: یہ ممکن نہیں۔ کیونکہ جب بھی وہ اسے معزول کرے گا اس کے لیے وکالت نئے سرے سے واقع ہو جائے گی۔ اور ان کا قول فی طلاق وعتاق یہ احتمال رکھتا ہے کہ یہ وکالت دوریہ سے حال ہے۔ اور یہ احتمال بھی ہے کہ یہ لو کے مدخول میں سے ایک مسئلہ ہو۔ یعنی کلام یوں ہے: ولونی طلاق وعتاق نہ کہ قید ہے کہ وہ وکالت دوریہ میں سے ہو۔

ہر ایک میں مناقشہ بھی ہے۔ کیونکہ ”بزازی“ نے ان دونوں میں سے کسی شے کی تصحیح نہیں کی بلکہ کہا: اسے ایسا وکیل بنایا ہے جس میں رجوع جائز نہیں۔ بعض مشائخ نے کہا: طلاق اور عتاق میں اسے معزول کرنے کا حق نہیں۔ ہمارے بعض مشائخ نے کہا: اسے معزول کرنے کا حق ہے اس میں کوئی مسطور روایت نہیں یعنی ایسی روایت نہیں جو کسی کتاب میں تحریر ہو۔

فِي طَلَاقٍ وَعَتَاقٍ عَلَى مَا صَحَّحَهُ الْبَزَّازِيُّ، وَسَيَجِيءُ عَنْ الْعَيْنِيِّ خِلَافُهُ فَتَنْتَبَهُ (بِشَرْطِ عِلْمِ الْوَكِيلِ) أُنَى فِي الْقَصْدِيِّ، أَمَّا الْحُكْمِيُّ فَيُثَبَّتُ وَيَنْعَزَلُ قَبْلَ الْعِلْمِ كَالرَّسُولِ (وَلَوْ عَزَلَهُ) قَبْلَ وُجُودِ الشَّرْطِ فِي الْمَعْلُوقِ بِهِ) أُنَى بِالشَّرْطِ بِهِ يُفْتَى شَرْحُ وَهْبَانِيَّةٍ (وَيُثَبَّتُ ذَلِكَ) أُنَى الْعَزْلُ (بِمُسَافَهَةٍ بِهِ وَبِكِتَابَةٍ) مَكْتُوبٍ بِعَزْلِهِ (وَرَأْسَالِهِ رَسُولًا مُبَيَّنًا) (عَدْلًا أَوْ غَيْرَهُ)

طلاق اور عتاق میں دوری ہو جس طرح ”بزازی“ نے اس کی تصحیح کی ہے، ”عینی“ سے اس کے برعکس آئے گا، فتنبہ۔ جب وکیل کو قصداً معزول کیا گیا تو معزول ہونے سے وکیل کو علم ہونا شرط ہے۔ جہاں تک معزول حکمی کا تعلق ہے تو عزل ثابت ہو جائے گا اور وکیل علم سے پہلے ہی معزول ہو جائے گا جیسے قاصد کا معاملہ ہے اگرچہ موکل کے وکیل کو شرط کے پائے جانے سے پہلے معزول کر دیا جب کہ اسے شرط کے ساتھ معلق کیا گیا تھا اسی پر فتویٰ دیا جاتا ہے، ”شرح وہبانیہ“۔ یہ معزولی زبانی اور معزول کے بارے میں تحریر کرنے اور ایسے قاصد کے بھیجنے سے ثابت ہو جاتی ہے جو قاصد تمیز رکھتا ہو وہ عادل ہو یا عادل نہ ہو۔

اس سے قبل کہا: طلاق اور عتاق کے وکیل کو معزول کرنا علم کے بغیر صحیح نہیں۔ کیونکہ اگرچہ اسے ضرر لاحق نہیں ہوتی لیکن وہ ایسا شخص ہو جاتا ہے جس کو جھٹلایا جاتا ہے پس یہ دھوکا ہوگا۔

ہاں اسے دوسرے قول پر محمول کرنا صحیح ہوگا اگر فللموکل عزله پر اسے مبالغہ بنایا جائے۔ اس پر اس وقت یہ اعتراض وارد نہیں ہوتا کہ یہ ان میں سے ہے جس میں غیر کا حق نہیں ہوتا جس طرح غنقریب اس کی تصریح کی جائے گی۔ ظاہر یہ ہے کہ ان کا قول: وَسَيَجِيءُ عَنْ الْعَيْنِيِّ فَلَانَهُ قَلَمُ كَيْ سَهُوُ كَيْ طَوْرُ يَرَوَّاقُ ہوا ہے۔ اگر وہ اس قول کو حذف کر دیتے تو کلام درست ہو جاتا اور کلام منظم ہو جاتا۔

عمدہ عبارت یہ ہو سکتی ہے: موکل کو حق حاصل ہے کہ وہ اسے معزول کر دے جب چاہے اگرچہ وکالت دوریہ ہو جب تک اس کے ساتھ غیر کا حق متعلق نہ ہو جس طرح خصومت ایسا وکیل جو خصم کی طلب پر بنایا گیا ہو۔ اس میں وکیل کا علم شرط ہے اگرچہ وہ طلاق اور عتاق میں وکیل بنایا گیا ہو۔

27548۔ (قوله: فِي طَلَاقٍ وَعَتَاقٍ) لَوِيهِ ظَرْفٌ پَرِ بَہِی دَاخِل ہِے گُویَا اُنہوں نے یوں کہا ہے: وَلَوْ كَانَتْ رُكُوتُهُ بَطْلَانٌ وَعَتَاقٌ لَعَنِي اُن میں وکیل کو معزول کرنا صحیح نہیں۔ ”س“۔

27549۔ (قوله: وَسَيَجِيءُ) لَعَنِي قَرِیْبٌ ہِے آئے گا۔

27550۔ (قوله: بِشَرْطِ عِلْمِ الْوَكِيلِ) اِگر وکیل کی عِدَم مَوْجُودِگی میں معزولی پَر گواہ بنائے تو وکیل معزول نہیں ہو گا۔ ”بحر“۔

27551۔ (قوله: كَالرَّسُولِ) كِیونکہ قاصد علم سے قبل ہی معزول ہو جاتا ہے جب بھیجنے والا اسے معزول کر دے۔ ”س“۔

27552۔ (قوله: بِعَزْلِهِ) لَعَنِي اِگر مَكْتُوب اس تَک پہنچے جس طَرَح فِرْع میں آگے آئے گا۔

اتِّفَاقًا (حُرًّا أَوْ عَبْدًا صَغِيرًا أَوْ كَبِيرًا) صَدَّقَهُ أَوْ كَذَّبَهُ، ذَكَرَهُ الْمُصَنِّفُ فِي مُتَفَرِّقَاتِ الْقَضَاءِ (إِذَا قَالَ الرَّسُولُ (الْمُوَكَّلُ أُرْسَلَنِي إِلَيْكَ لِأَبْلَغِكَ عَزْلَهُ إِيَّاكَ عَنْ وَكَالَتِهِ وَلَوْ أَخْبَرَهُ فُضُولِي) بِالْعَزْلِ (فَلَا بُدَّ مِنْ أَحَدٍ شَطْرِي الشَّهَادَةِ) عَدَدٌ أَوْ عَدَالَةٌ (كَأَخَوَاتِهَا) الْمُتَقَدِّمَةِ فِي الْمُتَفَرِّقَاتِ، وَقَدْ مَنَّا أَنَّهُ مَتَى صَدَّقَهُ قُبِلَ وَلَوْ فَاسِقًا اتِّفَاقًا ابْنُ مَلِكٍ وَفَرَّغَ عَلَى عَدَمِ لُزُومِهَا مِنَ الْجَانِبَيْنِ بِقَوْلِهِ (فَلِلْمُوَكَّلِ) أَيْ بِالْخُصُومَةِ وَبِشَاءِ الْمُعَيَّنِ لَا الْوَكِيلِ بِنِكَاحٍ وَطَلَاقٍ وَعَتَاقٍ وَبَيْعٍ مَالِهِ وَبِشَاءِ شَيْءٍ بِغَيْرِ عَيْنِهِ كَمَا فِي الْأَشْبَاهِ (عَزْلُ نَفْسِهِ بِشَرْطِ عِلْمِ مُوَكَّلِهِ) وَكَذَا يُشْتَرِطُ عِلْمُ السُّلْطَانِ بِعَزْلِ قَاضٍ

یہ متفق علیہ ہے وہ آزاد ہو، غلام ہو، بچہ ہو یا بڑا ہو وہ اس کی تصدیق کرے یا اس کو جھٹلائے۔ مصنف نے اسے کتاب القضاء کے متفرقات میں ذکر کیا ہے۔ جب قاصد نے کہا: موکل نے مجھے تیری طرف بھیجا ہے تاکہ تجھے یہ پہنچا دوں کہ موکل نے تجھے اپنی وکالت سے معزول کر دیا ہے اگر کوئی فضولی وکیل کو معزولی کی خبر پہنچائے تو شہادت کی دو شرطوں یعنی تعداد یا عدالت میں سے ایک کا پایا جانا ضروری ہے جس طرح شہادت کی اخوات ہیں جن کا ذکر متفرقات میں گزر چکا ہے۔ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں جب وکیل نے اس کی تصدیق کر دی تو اسے قبول کیا جائے گا اگرچہ وہ فاسق ہو اس پر سب کا اتفاق ہے ”ابن ملک“۔ جانبین سے شہادت کے لازم نہ ہونے پر اپنے اس قول سے تفریع ذکر کی ہے خصوصیت اور معین شے کے خریدنے کے لیے بنائے گئے وکیل، نہ کہ نکاح، طلاق، عتاق، اس مال کے بیچنے اور غیر معین شے کے خریدنے کے لیے بنائے گئے وکیل، کے لیے جائز ہے کہ وہ اپنے آپ کو معزول کر دے۔ شرط یہ ہے کہ اس کے موکل کو علم ہو۔ اسی طرح قاضی اور امام کے معزول ہونے کے بارے میں سلطان کو علم ہونا شرط ہے

27553۔ (قوله: الْمُوَكَّلُ الْخ) یہ قول کا مقولہ ہے۔

27554۔ (قوله: كَأَخَوَاتِهَا) اخوات سے مراد آقا کو اس کے غلام کی جنایت کی خبر دینا، شفیع کو بیع کی خبر دینا، باکرہ عورت کو نکاح کی خبر دینا، ایسا مسلمان جس نے دارالاسلام کی طرف ہجرت نہ کی ہو اسے شرعی احکام کی خبر دینا، جو کوئی چیز خریدنے کا ارادہ رکھتا ہو اسے عیب کی خبر دینا، ماذون غلام کو خبر دینا، شرکت کے فسخ کی خبر دینا، قاضی کو معزولی کی خبر دینا اور وقف کے متولی کو خبر دینا۔

27555۔ (قوله: لَا الْوَكِيلَ بِنِكَاحٍ) کیونکہ نکاح کا جو وکیل ہوتا ہے وہ ان اشیاء میں اپنے آپ کو معزول کر سکتا ہے اگرچہ موکل کو علم نہ ہو۔ کیونکہ اسے کوئی نقصان نہیں پہنچتا۔ ”ح“۔
وکیل کا اپنے آپ کو معزول کرنا

27556۔ (قوله: عَزْلُ نَفْسِهِ) ”الاشباہ“ میں کہا: وکیل کا اپنے آپ کو معزول کرنا صحیح نہیں مگر موکل کے علم کے ساتھ وہ معزول کر سکتا ہے مگر ایسا وکیل جسے غیر معین شے کو خریدنے کے لیے وکیل بنایا گیا ہو یا اسے موکل کا مال بیچنے کے لیے وکیل

وَأَمَّا نَفْسُهَا وَلَا لَا كَمَا بَسَطَهُ فِي الْجَوَاهِرِ وَكَفَهُ بِقَبْضِ الدِّينِ مَلَكٌ عَزَلَهُ (إِنْ بَغَى حَضْرَةَ الْمَدْيُونِ، وَإِنْ) وَكَفَهُ (بِحَضْرَتِهِ لَا) لِتَعَلُّقِ حَقِّهِ بِهِ كَمَا مَرَّ (إِلَّا إِذَا عَلِمَ بِهِ) بِالْعَزْلِ (الْمَدْيُونُ) فَحِينَئِذٍ يَنْعَزِلُ ثُمَّ فَرَّغَ عَلَيْهِ بِقَوْلِهِ (فَلَوْ دَفَعَ الْمَدْيُونُ دَيْنَهُ إِلَيْهِ) أَيْ الْوَكِيلِ (قَبْلَ عَلَيْهِ) أَيْ الْمَدْيُونِ (بِعَزْلِهِ يَبْرَأُ) وَبَعْدَهُ لَا لِدَفْعِهِ لِغَيْرِ وَكَيْلٍ (وَلَوْ عَزَلَ الْعَدْلُ) الْمُوَكَّلُ بِبَيْعِ الرَّهْنِ (نَفْسَهُ بِحَضْرَةِ الْمُتْرَهِنِ إِنْ رَضِيَ بِهِ) بِالْعَزْلِ (صَحَّ وَإِلَّا لَا) لِتَعَلُّقِ حَقِّهِ بِهِ، وَكَذَا الْوَكَالَةُ بِالْخُصُومَةِ بِطَلَبِ الْمُدْعَى

ورنہ ان کا معزول ہونا صحیح نہ ہوگا۔ اسی طرح ”الجواہر“ میں اس کو مفصل بیان کیا ہے۔ ایک موکل نے دین وصول کرنے کے لیے کسی کو وکیل بنایا تو وہ وکیل اپنے آپ کو معزول کر سکتا ہے جب اسے مدیون کی عدم موجودگی میں وکیل بنایا گیا ہو۔ اگر مدیون کی موجودگی میں اسے وکیل بنایا گیا ہو تو وہ اپنے آپ کو معزول نہیں کر سکتا۔ کیونکہ اس کا حق اس سے متعلق ہو چکا ہوتا ہے۔ جس طرح پہلے گزر چکا ہے۔ مگر جب مدیون کو اس کے معزول ہونے کا علم ہو تو وہ معزول ہو جائے گا۔ پھر اس پر اپنے اس قول سے تفریع ذکر کی ہے: اگر مدیون نے اپنا دین وکیل کو ادا کر دیا جب کہ ابھی مدیون کو یہ علم نہیں ہوا تھا کہ وکیل کو معزول کیا جا چکا ہے تو مدیون بری ہو جائے گا اور علم ہو جانے کے بعد اسے دین دے تو بری نہیں ہوگا۔ کیونکہ اس نے وکیل کے علاوہ کسی اور شخص کو یہ مال دیا ہے۔ اگر ایسے وکیل نے مرتہن کی موجودگی میں اپنے آپ کو معزول کر دیا جس کو دین کی بیع کرنے کے لیے وکیل بنایا گیا تھا اگر مرتہن اس کے معزول ہونے پر راضی ہو گیا تو اس کا معزول ہونا صحیح ہو جائے گا ورنہ اس کا معزول ہونا صحیح نہیں ہوگا۔ کیونکہ مرتہن کا حق اس سے متعلق ہو چکا ہے۔ اسی طرح خصومت کے لیے وکالت کا معاملہ ہے جو مدعی کے مطالبہ پر وکیل بنایا گیا تھا

بنایا گیا ہو۔ اسے ”الہدایہ“ کی کتاب الوصایا میں ذکر کیا ہے۔ میں کہتا ہوں: نکاح، طلاق اور عتاق میں وکیل اسی طرح ہے۔ ”باقانی“ نے کہا: یہ صحیح نہیں اور وہ موکل کے علم سے قبل وکالت سے خارج نہیں ہوگا۔

”زیلعی“ میں ہے: وکیل نے اپنے آپ کو وکالت سے معزول کر دیا پھر موکل کو ابھی اس کے معزول ہونے کا علم نہ ہوا تھا کہ وکیل نے اس امر میں تصرف کر دیا جس میں اسے وکیل بنایا گیا تھا تو اس امر میں اس کا تصرف کرنا صحیح ہوگا۔ حاشیہ پر اس کی طرح ہے۔

27557۔ (قوله: وَأَمَّا) یعنی جو نماز میں امام ہے۔ ”منح“۔ یعنی جس نے اسے یہ ذمہ داری سونپی تھی اس کے عمر کے بغیر معزول کرنا صحیح نہیں۔ ”الجواہر“ کی نص ہے: ”وہ معزول نہیں ہوگا مگر جب سلطان کو اس کا علم ہو اور اس کے معزول ہونے پر راضی ہو۔“

27558۔ (قوله: وَلَوْ عَزَلَ الْعَدْلُ الْخ) یہ عزل فعل کا فاعل ہے اور الموکل یہ اسم مفعول کا صیغہ العدل کی صفت ہے اور بنفسہ، عزل فعل کا مفعول ہے۔

عِنْدَ غَيْبَتِهِ كَمَا مَرَّ وَلَيْسَ مِنْهُ تَوَكُّلُهُ بِطَلَاقِهَا بِطَلَبِهَا عَلَى الصَّحِيحِ؛ لِأَنَّهُ لَا حَقَّ لَهَا فِيهِ وَلَا قَوْلُهُ كَلَّمَا عَزَلْتُكَ فَأَنْتَ وَكِيلِي لِعَزْلِهِ بِكَلَّمَا وَكَلَّتْكَ فَأَنْتَ مَعَزُولٌ عَيْنِي (وَقَوْلُ الْوَكِيلِ بَعْدَ الْقَبُولِ بِحَضْرَةِ الْمُوَكَّلِ أَلْغَيْتُ تَوَكُّلِي أَوْ أَنَا بَرِيءٌ مِنَ الْوَكَاةِ لَيْسَ بِعَزْلٍ كَجُحُودِ الْمُوَكَّلِ) بِقَوْلِهِ لَمْ أُوَكِّلْكَ لَا يَكُونُ عَزْلًا (إِلَّا أَنْ يَقُولَ) الْمُوَكَّلُ لِلْوَكِيلِ (وَاللَّهِ لَا أُوَكِّلُكَ بِشَيْءٍ فَقَدْ عَرَفْتُ تَهَاوُنَكَ فَعَزَلْتُ) زَيْدِي لَكِنَّهُ ذَكَرَ فِي الْوَصَايَا أَنَّ جُحُودَهُ عَزْلٌ، وَحَمَلَهُ الْمُصَنِّفُ عَلَى مَا إِذَا وَافَقَهُ الْوَكِيلُ عَلَى التَّرْكِ، لَكِنْ أَثْبَتَ الْقَهْصَتَانِ اخْتِلَافَ الرِّوَايَةِ وَقَدَّمَ الثَّانِي وَعَلَّلَهُ بِأَنَّ جُحُودَهُ مَا عَدَا النِّكَاحَ فَسُخِّ

جب وہ مدعی غیب ہو جس طرح پہلے گزر چکا ہے۔ اس قسم سے وہ صورت نہیں کہ عورت کے مطالبہ پر عورت کے طلاق دینے کے لیے وکیل بنایا جائے۔ یہ صحیح قول کے مطابق ہے۔ کیونکہ عورت کا طلاق میں کوئی حق نہیں۔ اور نہ ہی اس قسم سے یہ صورت ہے: وہ یہ قول کرے: میں جب بھی تجھے معزول کروں تو تو میرا وکیل ہوگا۔ کیونکہ وہ اسے اس قول کے ساتھ معزول کر سکتا ہے میں جب بھی تجھے وکیل بناؤں تو معزول ہے۔ ”عینی“۔ وکالت قبول کرنے کے بعد موکل کی موجودگی میں وکیل کا یہ کہنا: میں نے اپنے وکیل بنائے جانے کو لغو کر دیا ہے یا میں وکالت سے بری ہوں تو یہ معزول ہونا نہیں ہوگا جس طرح موکل اپنے اس قول کے ساتھ انکار کر دے ”میں نے تجھے وکیل نہیں بنایا تھا“ یہ معزول کرنا نہیں ہوگا۔ مگر موکل وکیل سے کہے: اللہ کی قسم میں تجھے کسی شے میں وکیل نہیں بناؤں گا۔ تحقیق میں نے تیری سستی کو پہچان لیا ہے تو یہ اسے معزول کرنا ہوگا، ”زیلعی“۔ لیکن انہوں نے کتاب الوصایا میں ذکر کیا ہے: موکل کا انکار کرنا معزول ہوگا۔ مصنف نے اسے اس پر محمول کیا ہے جب وکیل ترک پر اس کے ساتھ موافقت کرے۔ لیکن ”قہستانی“ نے اختلاف روایت کو ثابت کیا ہے اور دوسرے قول کو مقدم کیا اور اس کی یہ علت بیان کی ہے کہ نکاح کے علاوہ کے بارے میں اس کا انکار فسخ ہے۔

27559۔ (قوله: عِنْدَ غَيْبَتِهِ) جب خصم یعنی موکل غائب ہو۔

27560۔ (قوله: وَلَيْسَ مِنْهُ) منہ کی ضمیر سے مراد ما تعلق بہ حق الغیب یعنی یہ امر ان میں سے نہیں جن کے ساتھ غیر کا حق متعلق ہو جاتا ہے یہاں تک کہ وہ اپنے آپ کو معزول کرنے کا مالک نہیں ہوتا۔

27561۔ (قوله: وَلَا قَوْلُهُ) اس کا عطف تو کیلہ پر ہے۔

27562۔ (قوله: لِعَزْلِهِ) ہم پہلے ”زیلعی“ سے اسے معزول کرنے کی صورت بیان کر چکے ہیں اور ان میں جو صحیح

ہیں انہیں ذکر کر چکے ہیں۔ مگر یہاں جس کا ذکر کیا ہے کہ ”البحر“ میں ہے: اگر وہ کہے: میں جب بھی تجھے وکیل بناؤں تو تو معزول ہے یہ صحیح نہیں۔ فرق یہ ہے کہ وکیل بنانے کے عمل کو شروط کے ساتھ معلق کرنا صحیح ہے۔ اور معزول کرنے کو شروط کے ساتھ معلق کرنا صحیح نہیں جس طرح ”صغریٰ“ اور ”صیرفیہ“ میں اس کی تصریح کی ہے۔ اور جب وہ اسے وکیل بنائے گا تو وہ معزول نہیں ہوگا۔

ثُمَّ قَالَ وَفِي رِوَايَةٍ لَمْ يَنْعَزِلْ بِالْجُحُودِ فَلْيُحْفَظْ (وَيَنْعَزِلُ الْوَكِيلُ) بِلَا عَزْلِ (بِنَهَائِهِ) الشَّيْءِ (الْمَوْكَلُ فِيهِ) كَانَ كَمَا لَوْ وَكَّلَهُ بِقَبْضِ دَيْنٍ فَقَبْضَهُ) بِنَفْسِهِ (أَوْ) وَكَّلَهُ (بِنِكَاحٍ فَزَوَّجَهُ) الْوَكِيلُ بَرَّازِيَّةً، وَلَوْ بَاعَ الْمَوْكَلُ الْوَكِيلُ مَعًا أَوْ لَمْ يُعْلَمْ السَّابِقُ فَبَيْعُ الْمَوْكَلِ أَوَّلَى عِنْدَ مُحَمَّدٍ، وَعِنْدَ أَبِي يُوسُفَ يَشْتَرِكَانِ وَيُخَيَّرَانِ كَمَا فِي الْاِخْتِيَارِ وَغَيْرِهِ

پھر کہا: ایک روایت میں انکار کرنے سے وکیل معزول نہیں ہوگا۔ پس اسے یاد رکھنا چاہیے۔ اور وکیل معزول کیے جانے کے بغیر معزول ہو جائے گا جب کہ اسے معزول نہ کیا گیا ہے جب وہ چیز منتہی ہو جائے جس میں اسے وکیل بنایا گیا تھا جس طرح اگر وہ دین وصول کرنے کے لیے اسے وکیل بنائے اور وہ خود اس پر قبضہ کر لے یا اسے نکاح کا وکیل بنائے تو وکیل نے اس کا نکاح کر دیا، ”بزازیہ“۔ اگر موکل اور وکیل اکٹھے بیع کریں یا یہ معلوم نہ ہو کہ پہلے کس نے نکاح کیا تو موکل کی بیع اولیٰ ہوگی۔ یہ امام ”محمد“ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ہے۔ امام ”ابو یوسف“ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک وہ دونوں شریک ہوں گے اور دونوں کو اختیار ہوگا جس طرح ”الاختیار“ وغیرہ میں ہے۔

27563۔ (قوله: لَمْ يَنْعَزِلْ بِالْجُحُودِ) ”حاشیہ ابی سعود“ میں سید ”حموی“ کی تحریر ”الولوالجیہ“ سے مروی ہے: یہ ہے کہ یہ امر صحیح ہے کہ انکار کرنا یہ رجوع ہے۔ کہا: اس پر فتویٰ ہے۔

27564۔ (قوله: وَيَنْعَزِلُ الْوَكِيلُ) ”العنایہ“ کی کتاب الشرح میں ہے: اس پر یہ امر اشکال پیدا کرتا ہے کہ جسے دین کو ادا کرنے کا وکیل بنایا گیا تھا تو موکل نے وہ دین اسے دے دیا پھر علم سے پہلے وکیل نے اسے دے دیا تو وہ وکیل ضامن نہیں ہوگا اگرچہ موکل کی جانب سے دین کی ادائیگی حکماً معزول کرنا ہے۔

اس کا یہ جواب دیا گیا کہ دین کی ادائیگی کے لیے بنایا گیا وکیل اس امر پر مامور ہوتا ہے کہ وہ ادا کی گئی چیز کو قابض پر قابل ضمانت بنادے۔ کیونکہ دیون کی ادائیگی دیون کی مثل سے ہوتی ہے اس کا تصور موکل کی ادائیگی کے بعد ہوتا ہے اس وجہ سے قابض اس کا ضامن ہوگا اگر وہ ہلاک ہو جائے۔ جس کو صدقہ کرنے کا وکیل بنایا گیا ہو اس کا معاملہ مختلف ہوتا ہے جب وہ موکل کی ادائیگی کے بعد ادا کرے۔ اگر وکیل ضامن نہ ہو تو موکل کو نقصان ہوتا ہے۔ کیونکہ وہ فقیر سے صدقہ واپس لینے کا اختیار نہیں رکھتا اور نہ ہی اس سے ضمانت لے سکتا ہے۔ اس میں کچھ تصرف کیا گیا ہے۔ ”ساحانی“۔

27565۔ (قوله: فَزَوَّجَهُ الْوَكِيلُ) اس قول کے ساتھ اور اسی سے جو ما قبل قول ہے اس کے ساتھ اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ جس امر کا وکیل بنایا گیا اس کی انتہا یا تو موکل کی جانب سے ہوگی یا وکیل کی جانب سے ہوگی اور وکیل اس کے ساتھ معزول ہو جائے گا۔ اگر موکل نے عورت کو طلاق دی تو وکیل کو یہ حق حاصل نہیں کہ اس عورت سے موکل کا نکاح کرے کیونکہ حاجت ختم ہو چکی ہے۔

”بزازیہ“ میں ہے: ایک آدمی نے دوسرے شخص کو نکاح کا وکیل بنایا اور پھر خود اس عورت سے نکاح کر دیا، اس کے ساتھ

وَيُنْعَزِلُ بِمَوْتِ أَحَدِهِمَا وَجُنُونِهِ مُطَبَّقًا بِالنَّكَسِ أَمَّا مُسْتَوْعِبًا سَنَةً عَلَى الصَّحِيحِ دُرَرًا وَغَيْرُهَا، نَكِنُ فِي الشُّرْطِ نَبْلَالِيَّةً عَنِ الْمُسْمَرَاتِ شَهْرًا، وَبِهِ يُفْتَى وَكَذَا فِي الْقَهْطَانِي وَالْبَاقَانِي وَجَعَلَهُ قَاضِي خَانَ فِي فَصْلٍ فِيمَا يَقْضَى بِالسُّجْتِهَاتِ قَوْلَ أَبِي حَنِيفَةَ وَأَنَّ عَلَيْهِ الْفَتْوَى فَلْيُحْفَظْ (و) بِالْحُكْمِ (بِدُخْوَقِهِ مُرْتَدًّا)

اور دونوں میں سے ایک کی موت سے اور اس کے ایسے جنون جو پورے سال کو گھیرے رہے صحیح قول کے مطابق وکیل معزول ہو جائے گا۔ ”درر“ وغیرہ۔ لیکن ”شرطیہ“ میں ”المسمرات“ سے مروی ہے: ایک ماہ تک اس کا جنون رہے تو وہ معزول ہو جائے گا۔ اس پر فتویٰ دیا جاتا ہے۔ ”قہستانی“ اور ”باقانی“ میں اسی طرح ہے۔ اور ”قاضی خان“ نے اسے فصل فیما یقضى بالسجتهات میں اسے امام ”ابو حنیفہ“ رضی اللہ عنہ کا قول قرار دیا ہے۔ اسی پر فتویٰ ہے پس اس کو یاد رکھا جانا چاہیے۔ وکیل جب مرتد ہو کر دارالحرب بھاگ جائے تو معزول ہو جاتا ہے

”حقوق زوجیت ادا کیے اور اس عورت کو طلاق دے دی عدت کے گزر جانے کے بعد وکیل نے اس عورت کا عقد نکاح موکل سے کر دیا تو یہ صحیح ہوگا کیونکہ وکالت باقی ہے۔“ ”سامخانی“۔

میں کہتا ہوں: ظاہر یہ ہے کہ تزوج جہاں میں ضمیر مذکور وکیل کے لیے ہے موکل کے لیے نہیں۔ مگر جو یہاں ہے اور جو قول آئے آئے کا من ان تصرفہ بنفسہ عزل میں منافات ہے۔ تامل

27566۔ (قوله: وَيُنْعَزِلُ) ”التجنیس“ میں باب المفقود میں ہے: ایک آدمی غائب ہوا اور اس نے اپنا گھر ایک آدمی کے حوالے کر دیا تاکہ اسے آباد کرے اور اس نے اسے مال دیا تاکہ وہ مال کی حفاظت کرے پھر مال دینے والا مفقود ہو گیا تو وہ مال کی حفاظت کرے اور اسے یہ حق حاصل نہیں ہوگا کہ وہ اس گھر میں رہائش رکھے مگر حاکم کی اجازت کے ساتھ ایسا کر سکتا ہے۔ کیونکہ ممکن ہے وہ مر گیا ہو اور وہ آدمی اس مفقود کا وصی نہیں ہوگا یہاں تک کہ اس کی موت کا حکم لگا دیا جائے۔ اس سے یہ معلوم ہو گیا کہ وکالت موکل کے مفقود ہونے کے ساتھ تصرف کے حق میں باطل ہو جاتی ہے حفظ کے حق میں باطل نہیں ہوتی۔ ”بحر“۔

27567۔ (قوله: عَنِ الْمُسْمَرَاتِ شَهْرًا) یعنی ایک ماہ کی مقدار مجنون رہے۔

وکیل جب مرتد ہو کر دارالحرب چلا جائے تو وہ معزول ہو جاتا ہے

27568۔ (قوله: بِدُخْوَقِهِ مُرْتَدًّا) ”ایضاح الاصلاح“ میں ہے: دارالحرب چلے جانے سے مراد یہ ہے کہ حاکم کے حکم سے یہ امر ظاہر ہو جائے، ”بحر“۔ لیکن ”درر البحار“ کی عبارت یہ ہے: دارالحرب چلے جانا یہ اس کو باطل کرنے والا ہے جب کہ اس کا حکم نہ ہوا ہو۔ اس کے شارح نے کہا: کیونکہ اہل دارالحرب اسلام کے احکام میں اموات کا درجہ رکھتے ہیں اور دارالحرب چلے جانے سے وہ اموات میں سے ہو گیا ہے۔

”الجمع“ میں ہے: موکل کے مرتد ہونے کے بعد دارالحرب چلے جانا وکالت کو باطل کرنے والا ہے۔ ”صاحبین“۔

نے کہا: اگر اس کا حکم لگا دیا گیا۔ ”ابن ملک“ نے کہا: اس کا دارالحرب چلے جانا یہ قاضی کی قضا سے ثابت ہوتا ہے دارالحرب

ثُمَّ لَا تَعُودُ بِعَوْدِهِ مُسْلِمًا عَلَى الْمَذْهَبِ وَلَا بِإِفَاقَتِهِ بَحْرًا وَفِي شَرْحِ الْمَجْمَعِ وَاعْلَمْ أَنَّ الْوَكَالَתَ إِذَا كَانَتْ لَازِمَةً لَا تَبْطُلُ بِهَذِهِ الْعَوَارِضِ فَلِذَا قَالَ (إِلَّا الْوَكَالَתَ اللَّازِمَةُ إِذَا وَكَّلَ الرَّاهِنُ الْعَدْلَ أَوْ الْمُرْتَهِنَ بِبَيْعِ الرَّهْنِ عِنْدَ حُلُولِ الْأَجَلِ فَلَا يَنْعَزِلُ بِالْعَزْلِ، وَلَا بِمَوْتِ الْمُوَكَّلِ وَجُنُونِهِ) (كَالْوَكِيلِ بِالْأَمْرِ بِالْيَدِ وَالْوَكِيلِ بِبَيْعِ الْوَفَاءِ) لَا يَنْعَزِلَانِ بِمَوْتِ الْمُوَكَّلِ، بِخِلَافِ الْوَكِيلِ

اور جب وہ مسلمان ہو کر واپس دارالاسلام آئے گا تو اس کی وکالت واپس نہیں لوٹے گی۔ یہی مذہب ہے۔ اور جب اسے جنون سے افاقہ ہو تب بھی اس کی وکالت واپس نہیں لوٹے گی، ”بحر“۔ ”شرح الجمع“ میں ہے: یہ ذہن نشین کر لو وکالت جب لازم ہو تو ان عوارض کے ساتھ وہ باطل نہیں ہوگی۔ اسی وجہ سے کہا ہے: مگر وکالت لازم۔ جب راہن نے عادل آدمی کو وکیل بنایا یا مرتہن کو وکیل بنایا کہ وہ مدت پوری ہونے پر راہن کو بیچ دے تو معزول کرنے سے معزول نہیں ہوگا اور موکل کی موت اور اس کے مجنون رہنے سے وہ معزول نہیں ہوگا۔ جس طرح وہ وکیل معزول نہیں ہوتا معاملہ جس کے سپرد کیا گیا ہو اور جسے دین کی ادائیگی کے لیے بیع کرنے کا وکیل بنایا گیا ہو۔ یہ دونوں وکیل موکل کی مدت کے ساتھ وکیل نہیں بنتے وکیل

چلے جانے کی قید لگائی ہے۔ کیونکہ دارالحرب چلے جانے سے پہلے ”صاحبین“ رحمہ اللہ علیہما کے نزدیک اس کی وکالت باطل نہیں ہوتی اور ”امام صاحب“ رحمہ اللہ علیہ کے نزدیک موقوف ہوتی ہے۔ اگر وہ اسلام قبول کر لے تو اس کو وکیل بنائے جانے کا عمل نافذ ہو جائے گا۔ اگر اسے قتل کر دیا جائے یا وہ دارالحرب چلا جائے تو اس کو وکیل بنائے جانے کا عمل باطل ہو جائے گا۔ اس سے یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ ”الایضاح“ میں جو قول ہے وہ ”صاحبین“ رحمہ اللہ علیہما کے قول کے مطابق ہے۔ ”یعقوبیہ“ میں اس بارے میں بحث ہے۔ ہم نے ”البحر“ پر جو حاشیہ لکھا ہے اسے دیکھیے۔

27569۔ (قوله: بِعَوْدِهِ مُسْلِمًا) خواہ وہ وکیل ہو یا موکل ہو۔ ”بحر“۔

27570۔ (قوله: بَحْرًا) اس کی عبارت یہ ہے: اس کا مقتضایہ ہے اگر اسے جنون سے افاقہ ہوا جو جنون لگا تا رہا ہوا تھا

تو اس کی وکالت نہیں لوٹے گی۔

27571۔ (قوله: الْعَدْلَ) یہ وکیل کا مفعول ہے اور ان کا قول او المرتہن اس کا عطف العدل پر ہے۔ ”ج“۔

27572۔ (قوله: وَالْوَكِيلِ بِبَيْعِ الْوَفَاءِ) شاید اس کی وجہ یہ ہے کہ قرض ادا کے لیے بیع کا معاملہ دین سے جہت میں

ہوتا ہے۔ پس وکیل ہو جائے گا۔ اس کی صورت یہ ہوگی کہ وہ اس شے کو راہن رکھے۔ پس یہ چیز ان چیزوں میں سے ہوگی جس

سے غیر کا حق متعلق ہو گیا اور وہ مشتری ہو گا اسی مرتہن۔ تامل۔ پھر میں نے اسے دیکھا کہ وہ ”جموی“ سے منقول ہے،

”سائحانی“ نے جو ذکر کیا ہے: من انہ بیع الرهن تو یہ غفلت ہوگی۔ فتنہ

اس کے جامع فقیر ”محمد“ رحمہ اللہ علیہ نے کہا: ”سائحانی“ نے اسی محل میں جو لکھا ہے اس کی نص یہ ہے: ان کا قول والوکیل

ببیع الوفاء شاید اس کی صورت وہ ہے جو ”المحیط“ میں ہے: ایک آدمی نے اسے کسی عین کو بیچنے کا وکیل بنایا تو اسے معزول

بِالْخُصُومَةِ أَوْ الطَّلَاقِ بَزَازِيَّةٍ قُلْتُ وَالْحَاصِلُ كَمَا فِي الْبَحْرِ أَنَّ الْوَكَالَתَ بِبَيْعِ الرَّهْنِ لَا تَبْطُلُ بِالْعَزْلِ حَقِيقِيًّا أَوْ حُكْمِيًّا وَلَا بِالْخُرُوجِ عَنِ الْأَهْلِيَّةِ بِجُنُونٍ وَرِدَّةٍ، وَفِيمَا عَدَاهَا مِنَ اللَّازِمَةِ لَا تَبْطُلُ بِالْحَقِيقِيِّ بَلْ بِالْحُكْمِيِّ وَبِالْخُرُوجِ عَنِ الْأَهْلِيَّةِ قُلْتُ فَإِذَا طَلَّقَ الدُّرَّ فِيهِ نَظَرٌ (وَيَنْعَزِلُ بِإِفْتِرَاقٍ أَحَدِ الشَّرِيكَيْنِ)

خصومت یا وکیل طلاق کا معاملہ مختلف ہے۔ ”بزازیہ“ میں کہتا ہوں: حاصل کلام یہ ہے جس طرح ”البحر“ میں جو قول ہے: رہن کو بیچنے کے لیے جو وکالت ہوتی ہے وہ باطل نہیں ہوتی خواہ اسے حقیقۂ معزول کر دیا جائے یا اسے حکماً معزول کر دیا جائے۔ اور اسی طرح وہ جنون اور ردت کی وجہ سے اہلیت سے ہی خارج ہو جائے تو وکالت باطل نہیں ہوتی۔ ان کے علاوہ جو وکالت لازم ہیں ان میں وکالت حقیقی معزولی سے باطل نہیں ہوتی حکمی سے اور اہلیت سے خارج ہونے سے باطل ہو جاتی ہے۔ میں کہتا ہوں: ”درر“ میں جو مطلق کلام ہے اس میں اعتراض کی گنجائش ہے۔ دو شریکوں میں سے جب ایک الگ ہو جائے

کرنے کا حق ہو گا مگر جب وکیل کا حق اس سے متعلق ہو جائے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ اسے بیع کرنے اور اپنے دین کے مقابلہ میں ثمن پوری کرنے کا حکم دیتا ہے۔ ”قاضی خان“ نے کہا: جب صاحب دین (قرض خواہ) کو کوئی عینی چیز دے اور اسے کہے: اسے بیچو اور اپنا حق اس سے لے لو۔ اسی وکیل نے اسے بیچا اور ثمن پر قبضہ کر لیا تو وہ ثمن اس کے ہاتھ سے ہلاک ہو گئے تو وہ مدیون کے مال سے ہلاک ہوئے جب تک صاحب دین اس سے اپنے لیے قبضہ واقع نہ کرے۔ ”بزازیہ“ میں یہ اضافہ کیا ہے: اگر کہا: اسے اپنے حق کے لیے بیچ دو تو وہ اس پر قبضہ کرنے والا ہو جائے گا۔ اس پر اس شے کی ہلاکت اس پر لازم ہوگی مدیون پر لازم نہ ہوگی۔ جہاں تک معہود وفا کی بیع کا تعلق ہے تو وہ دین کے حکم میں ہوتا ہے۔

27573۔ (قوله: بِالْخُصُومَةِ) جب اسے مدعی کے التماس سے وکیل بنایا گیا ہو۔

27574۔ (قوله: أَوْ الطَّلَاقِ) اس میں ہے کہ طلاق کے لیے وکیل بنانا یہ لازم نہیں جس طرح پہلے گزر چکا ہے،

”ح“۔ ظاہر یہ ہے کہ یہ اصح قول کے مقابل ہے جو یہ ہے کہ یہ لازم ہے۔

27575۔ (قوله: بَزَازِيَّةٍ) اس کی نص یہ ہے: جہاں تک رہن کا تعلق ہے جب راہن عادل آدمی یا مرتہن کو رہن کے بیع

کا وکیل بنائے جب اجل پوری ہو جائے اور راہن وکیل کو مکمل مختار بنادے تو وہ معزول نہیں ہوگا اگرچہ موکل مر جائے یا مجنون ہو جائے۔ اور ایسا وکیل خصومت جو خصم کی التماس سے وکیل بنایا گیا ہو وہ موکل کے مجنون ہونے اور اس کی موت سے معزول ہو جائے گا۔ اور طلاق کا وکیل موکل کی موت کے ساتھ بطور استحسان معزول ہوگا بطور قیاس معزول نہیں ہوگا۔ ”بحر“۔ تاہل

27576۔ (قوله: وَفِيمَا عَدَاهَا) عداہا کی ضمیر سے مراد وکالت ہے یہ متن کے قول کا لوکیل بالامر بالید الوکیل

ببیع الوفاء کے منافی ہے۔

27577۔ (قوله: فَإِذَا طَلَّقَ الدُّرَّ) کیونکہ کہا: یعنی مذکورہ صورتوں میں وکیل کا معزول ہونا جب توکیل کے ساتھ غیر

کا حق متعلق نہ ہو مگر جب غیر کا حق اس کے متعلق ہو تو وہ معزول نہیں ہوتا۔ کیونکہ ان کا قول: اما اذا تعلق به حق الغیر اس

وَلَوْ بَتَّوْكَيلٍ ثَالِثٍ بِالتَّصَرُّفِ (وَإِنْ لَمْ يَعْلَمْ الْوَكِيلُ)؛ لِأَنَّهُ عَزَلَ حُكْمِي (وَيَنْعَزِلُ) بِعَجْزِ مُوَكَّلِهِ لَوْ مُكَاتَّبًا وَحَجْرَهُ أَمْنِي مُوَكَّلِهِ (لَوْ مَا أَذُونَا كَذَلِكَ) أَمْنِي عِلْمٍ أَوْ لَا؛ لِأَنَّهُ عَزَلَ حُكْمِي كَمَا مَرَّ، وَهَذَا (إِذَا كَانَ وَكِيلًا فِي الْعُقُودِ وَالْخُصُومَةِ، أَمَّا إِذَا كَانَ وَكِيلًا فِي قَضَاءِ دَيْنٍ وَاقْتِضَائِهِ وَقَبْضٍ وَدِيْعَةٍ فَلَا) يَنْعَزِلُ بِحَجْرٍ وَعَجْزٍ،

تو شریک وکالت سے معزول ہو جاتا ہے اگر تیسرے آدمی کو تصرف کا وکیل بنایا گیا ہو اگرچہ وکیل کو علم نہ ہو کیونکہ یہ حکمی معزول کرنا ہے۔ موکل مکاتب ہو اور وہ عاجز آجائے تو وکیل معزول ہو جائے گا اور اگر وہ موکل ماذون غلام ہو تو اس پر حجر لازم ہو جائے تو اس کا وکیل اسی طرح معزول ہو جائے گا اسے علم ہو یا نہ ہو۔ کیونکہ یہ عزل حکمی ہے جس طرح گزر چکا ہے یہ اس صورت میں ہے جب وہ عقود اور خصومت میں وکیل ہو مگر جب وہ دین ادا کرنے یا اس کا تقاضا کرنے کا وکیل ہو تو وہ مجبور ہو جانے اور عاجز آجانے سے معزول نہیں ہوگا

میں طالب کی التماس سے وکالت بالخصومت بھی داخل ہے اس میں حکم اس طرح نہیں ہے، ”ح“۔ اس کی اصل ”المنح“ میں ہے۔ یہ امر مخفی نہیں کہ یہ اعتراض اس پر وارد ہوتا ہے جو شارح نے ”شرح الجمع“ سے بھی نقل کیا ہے۔

27578۔ (قولہ: وَلَوْ بَتَّوْكَيلٍ ثَالِثٍ) یعنی دونوں شریک یا دونوں میں سے ایک تیسرے فرد کو وکیل بنائیں، ”بحر“۔ یعنی وہ وکالت شرکت کے ضمن میں ہوتی ہے اور دونوں نے تصرف کے وکیل کے حق میں جو وکالت ہوتی ہے وہ باطل ہو جاتی ہے۔

اس میں یہ اشکال ہے کہ یہ صحیح نہیں کہ دونوں میں سے ایک دوسرے کے علم کے بغیر شرکت کے فسخ کرنے کے ساتھ منفرد ہو جائے۔ بلکہ یہ تو دوسرے کے علم پر موقوف ہوتی ہے۔ کیونکہ یہ قصداً معزول کرنا ہے تو یہ کیسے تصور کیا جاسکتا ہے کہ وہ اس کے بغیر معزول ہو جائے؟

یہ ممکن ہے کہ اسے اس پر معمول کیا جائے کہ جب دونوں مال ہلاک ہو جائیں یا دونوں میں سے ایک مال شرا سے پہلے ہلاک ہو جائے تو شرکت اسکے ساتھ باطل ہو جائے گی اور وہ وکالت باطل ہو جائے گی جو اس شرکت کے ضمن میں تھی دونوں کو اس کا علم ہو یا دونوں کو اس کا علم نہ ہو۔ کیونکہ یہ عزل حکمی ہے جب شرکت کا عقد کرتے وقت وکالت کی تصریح نہ کی گئی ہو۔ ”زیلعی“، ”س“۔

27579۔ (قولہ: لَوْ مُكَاتَّبًا) موکل کے معزول کرنے سے وکالت کے بطلان کے عموم سے یہ اخذ ہوتا ہے کہ مکاتب اور ماذون کو اپنا وکیل معزول کرنے کا بھی حق ہوتا ہے جس طرح اس پر ”البحر“ میں متنبہ کیا ہے اور اس بارے میں کہا ہے: اگر ایک آدمی نے غلام بیچا اگر مشتری اس بات پر راضی ہو کہ غلام اپنی وکالت پر باقی رہے تو وہ وکیل ہوگا۔ اگر وہ اس پر راضی نہ ہو تو اسے وکالت پر مجبور نہیں کیا جائے گا۔ ”کافی الحاکم“ میں اسی طرح ہے۔ یہ قول تقاضا کرتا ہے کہ غیر کے غلام کو وکیل بنانا آقا کی رضا پر موقوف ہوتا ہے جب کہ اس کے جواز کا اطلاق پہلے گزر چکا ہے۔ کیونکہ اس میں اس پر کوئی ذمہ داری

وَلَوْ عَزَلَ الْمَوْلَى وَكَيْلَ عَبْدِهِ الْمَأْذُونِ لَمْ يَنْعَزِلْ (وَيَنْعَزِلُ بِتَصْرُفِهِ) أَمْنَى الْمُوَكَّلِ (بِنَفْسِهِ فِيمَا وَكَّلَ فِيهِ تَصْرُفًا يَعْجِزُ الْوَكِيلُ عَنِ التَّصْرُفِ مَعَهُ وَإِلَّا لَا، كَمَا لَوْ طَلَّقَهَا وَاحِدَةً وَالْعِدَّةُ بَاقِيَةٌ) فَلِلْمُوَكَّلِ تَطْلِيقُهَا أُخْرَى لِبَقَاءِ الْمَحَلِّ، وَلَوْ ارْتَدَّ الزَّوْجُ أَوْ لَحِقَ؛ وَقَعَ طَلَاقُ وَكَيْلِهِ مَا بَقِيَتْ الْعِدَّةُ (وَتَعُودُ الْوَكَالَةُ إِذَا عَادَ إِلَيْهِ) أَمْنَى الْمُوَكَّلِ (قَدِيمٌ مِلْكُهُ)

اگر آقا اپنے ماذون غلام کے وکیل کو معزول کر دے تو وہ معزول نہیں ہوگا۔ موکل نے جس امر میں اسے وکیل بنایا تھا اگر اس میں موکل نے خود ایسا تصرف کر لیا وکیل موکل کے ساتھ تصرف کرنے سے عاجز تھا جس طرح اگر موکل نے عورت کو طلاق دی جب کہ عدت باقی ہو تو وکیل کو حق حاصل ہے کہ اسے دوسری طلاق دے دے۔ کیونکہ محل باقی ہے۔ اگر خاوند مرتد ہو جائے یا دارالحرب بھاگ جائے تو جب تک عدت باقی ہے تو اس کے وکیل کی طلاق واقع ہو جائے گی۔ اور جب موکل کی طرف اس کی قدیمی ملک لوٹے گی تو وکالت لوٹ آئے گی۔

نہیں مگر یہ کہا جائے: یہ غیر کے غلام سے خدمت لینے کے باب سے ہے۔ پھر مکاتب کو اگر بعد میں پھر مکاتب بنایا گیا یا مجبور کو تجارت کی اجازت دے دی گئی تو وکالت واپس نہیں آئے گی۔ کیونکہ وکالت کی صحت اس اعتبار سے ہوتی ہے کہ موکل وکیل بنانے کے وقت تصرف کا مالک ہو جب کہ یہ امر ظاہر ہو چکا ہے اور دوسرے عقد مکاتبہ یا دوسری اجازت کے ساتھ یہ دوبارہ نہیں لوٹے گا، ”شرح المجمع“، ”لابن ملک“۔

27580۔ (قوله: لَمْ يَنْعَزِلْ) یہ خاص حجر ہے اور تجارت میں اذن تو عام ہی ہوتا ہے۔ پس عزل باطل ہوگا کیا تو نہیں دیکھتا کہ آقا اذن کے باقی ہوتے ہوئے اسے تجارت سے روکنے کا مالک نہیں ہوتا۔

27581۔ (قوله: وَيَنْعَزِلُ الْخ) ”حاشیہ“ میں کہا: ایک عورت نے کسی کو شادی کے لیے وکیل بنایا پھر عورت نے خود ہی نکاح کر لیا تو وکیل وکالت سے خارج ہو جائے گا وکیل کو اس امر کا علم ہو یا علم نہ ہو اگر وہ عورت وکیل کو وکالت سے خارج کر دے اور وکیل کو اس کا علم نہ ہو تو وہ وکالت سے خارج نہیں ہوگا۔ اور جب اس وکیل نے اس عورت کا نکاح کر دیا تو نکاح جائز ہو جائے گا۔ اگر وہ مرد کی جانب سے ایک معین عورت سے عقد نکاح کرنے کا وکیل ہو پھر اس مرد نے اس معین عورت کی ماں یا اس کی بیٹی سے شادی کر لی تو وکیل وکالت سے خارج ہو جائے گا۔ ”المحیط“ میں اسی طرح ہے۔ ”ہندیہ“۔

27582۔ (قوله: وَالْعِدَّةُ بَاقِيَةٌ) داؤ مستانفہ ہے حالیہ نہیں ہے۔ اسے اچھی طرح سمجھ لیجئے۔

27583۔ (قوله: أَوْ لَحِقَ) وہ دارالحرب چلا جائے جب کہ اس پر حکم نہ لگایا گیا ہو۔ پس جو قول گزر چکا ہے یہ اس کے منافی نہیں۔

27584۔ (قوله: وَتَعُودُ الْوَكَالَةُ) یعنی سابقہ وکالت کے حکم سے وکیل کے لیے تصرف کی ملک لوٹ آئے گی۔ یہ مراد نہیں کہ وکالت زائل ہونے کے بعد لوٹ آئے گی، کیونکہ وہ ابھی معزول ہی نہیں ہوا تھا جس طرح اس کے ماقبل قول والا لا

كَانَ وَكَفَّهُ بَيْعَ مُوَكَّلِهِ ثُمَّ رُدَّ عَلَيْهِ بِمَا هُوَ فَسَخَّ بَقِيَ عَلَى وَكَالَتِهِ (أَوْ بَقِيَ أَشْرُكُ) أَمْ أَشْرُكُكُمْ كَمَسْأَلَةِ
الْعِدَّةِ بِخِلَافِ مَا لَوْ تَجَدَّدَ الْبَيْتُ فَرُوعٌ فِي الْمُلْتَقَطِ عَزَلَ وَكَّتَبَ لَا يَنْعَزِلُ مَا لَمْ يَصِلْهُ الْكِتَابُ وَكُلَّ
غَائِبًا ثُمَّ عَزَلَهُ قَبْلَ قَبُولِهِ صَحَّ وَبَعْدَهُ لَا دَفْعَ إِلَيْهِ قُتْمَةً لِيَدْفَعَهَا إِلَى إِنْسَانٍ يُصْلِحُهَا فَدَفَعَهَا وَنَسِيَ
لَا يَضْمَنُ الْوَكِيلُ بِالْإِذْنِ أَوْ بِرَأْكَ مِمَّا لَهُ عَلَيْهِ بَرِيءٌ مِنَ الْكُلِّ قَضَاءً، وَأَمَّا فِي الْآخِرَةِ فَلَا إِلَّا بِقَدْرِ

اس کی صورت یہ ہے کہ وہ اسے بیع کا وکیل بنائے اور اس کا موکل اسے بیچ دے پھر وہ بیع اس پر اسی طریقہ سے لوٹا دیا جائے
جو اس پر فسخ ہو تو وہ اپنی وکالت پر باقی رہے گا یا اس کا اثر باقی رہے یعنی اس کی ملکیت کا اثر باقی رہے جس طرح عورت کا
مسئلہ ہے اگر ملکیت متحد ہو تو معاملہ مختلف ہوگا۔ فروع: ”المُلْتَقَطُ“ میں ہے: موکل نے وکیل کو معزول کیا اور تحریر لکھی وہ اس
وقت تک معزول نہیں ہوگا جب تک وہ تحریر اسے نہیں پہنچے گی۔ ایک آدمی نے کسی غائب کو وکیل بنایا پھر اس کے قبول کرنے
سے اسے معزول کر دیا تو یہ معزول کرنا صحیح ہوگا اور اس کے بعد صحیح نہیں ہوگا۔ ایک آدمی نے دوسرے کو آفتابہ دیا تاکہ وہ یہ
آفتابہ ایسے انسان کو دے جو اس کو درست کر دے اس وکیل نے وہ آفتابہ اس انسان کو دے دیا اور پھر بھول گیا تو وکیل وہ چیز
دینے سے ضامن نہیں ہوگا۔ ایک آدمی کا دوسرے پر جو حق تھا اس سے اسے بری کر دیا تو وہ آدمی تمام سے بطور قضا بری ہو
جائے گا۔ جہاں تک آخرت کا تعلق ہے تو وہ بری نہیں ہوگا مگر اتنی مقدار سے جتنی مقدار کے بارے میں

سے سمجھا جا رہا تھا۔

”زمینی“ کی عبارت ہے فالوکیل باقی عس وکالتہ

27585۔ (قوله: بَقِيَ عَلَى وَكَالَتِهِ) اگر وہ بیع اس کی طرف اس طریقہ سے لوٹا دیا جائے جو فسخ عقد نہ ہو تو وکالت نہیں
لوٹے گی۔ جس طرح اس نے کسی شے کو ہبہ کرنے کے لیے وکیل بنایا پھر موکل نے اسے ہبہ کیا پھر اس کے ہبہ کرنے میں
رجوع کر لیا تو وکیل کے لیے ہبہ نہیں ہوگا۔ ”منح“۔

27586۔ (قوله: وَبَعْدَهُ لَا) یعنی اس کے بعد وہ معزول نہیں ہوگا یہاں تک کہ خبر اس تک پہنچ جائے۔

27587۔ (قوله: دَفْعَ إِلَيْهِ الْخ) بیع کا وکیل یہ کہے: میں نے اسے بیچا اور اسے ایک آدمی کو سپرد کر دیا جسے میں نہیں
پہچانتا اور ثمن ضائع ہو گئی۔ قاضی نے کہا ہے: وہ ضامن ہوگا۔ کیونکہ ثمن پر قبضہ کرنے سے پہلے وہ بیع سپرد کرنے کا مستحق نہیں
ہوتا جب کہ حکم صحیح ہے علت صحیح نہیں۔ اس کی علت وہی ہے جو گزر چکی ہے: ثمن پر قبضہ کرنے سے پہلے بیع سپرد کرنے کے
بارے میں نہیں صحیح نہیں جب سپرد کرنے سے نہیں موثر نہیں تو وہ بدرجہ اولیٰ سپرد کرنے سے ممنوع نہ ہوگی۔ یہ مسئلہ آفتابہ و اب
مسئلہ سے مختلف ہے۔ ”بزازیہ“۔

27588۔ (قوله: وَنَسِيَ) یعنی جس کو آفتابہ دیا تھا اسے وکیل بھول گیا۔

27589۔ (قوله: أَبْرَأُ مِمَّا لَهُ عَلَيْهِ) یہاں اس فرع کو ذکر کرنے سے جو مناسبت ہے اس میں غور کیجئے۔

مَا يُتَوَهَّمُ أَنَّ لَهُ عَلَيْهِ وَفِي الْأَشْبَاهِ قَالَ لِمَدْيُونِهِ مَنْ جَاءَكَ بِعَلَامَةٍ كَذَا أَوْ مَنْ أَخَذَ إِصْبَعَكَ أَوْ قَالَ
لَكَ كَذَا فَادْفَعْ إِلَيْهِ لَمْ يَصَحَّ؛ لِأَنَّهُ تَوَكَّلَ الْمَجْهُولَ فَلَا يَبْرَأُ بِالْدَّفْعِ إِلَيْهِ وَفِي الْوَهْبَانِيَّةِ قَالَ
وَمَنْ قَالَ أَعْطِ الْمَالَ قَابِضَ خِنْصِرٍ فَأَعْطَاهُ لَمْ يَبْرَأْ بِالْمَالِ يَخْصُرُ
وَبِعْهُ وَبِعْ بِالنَّقْدِ أَوْ بِعْ لِي خَالِدٍ فَخَالَفَهُ قَالُوا يَجُوزُ التَّغْيِيرُ
وَفِي الدَّفْعِ قُلْ قَوْلُ الْوَكِيلِ مُقَدَّمٌ كَذَا قَوْلُ رَبِّ الدَّيْنِ وَالْخَصْمُ يُجْبَرُ

وہ وہم رکھتا ہو کہ اس کا مدیون کے ذمہ لازم تھا۔ ”الاشباہ“ میں ہے: ایک آدمی نے مدیون سے کہا: جو آدمی تیرے پاس ایسی نشانی لائے یا جو تیری انگلی پکڑے یا تجھے یہ کہے تو تم اسے یہ چیز دے دینا تو یہ صحیح نہیں ہوگا۔ کیونکہ یہ مجہول کو وکیل بنانا ہے تو اسے وہ چیز دینے کے ساتھ بری نہیں ہوگا۔ ”وہبانیہ“ میں ہے: جس نے کہا: مال اسے دے دینا جو خنصر (چھوٹی) انگلی پکڑے اس نے مال دے دیا تو وہ بری نہیں ہوگا۔ اور مال میں اسے خسارہ ہو یا یعنی اسے دوبارہ مال دینا ہوگا۔ موکل نے وکیل کو کہا: اسے بیچ دو، اسے نقد بیچو، اسے خالد کے ہاتھ بیچ دو وکیل نے موکل کی مخالفت کی تو علماء نے کہا: اتنی تبدیلی جائز ہے۔ مال دینے میں یہ کہو کہ وکیل کا قول مقدم ہے اسی طرح رب الدین کا قول مقدم ہوگا اور خصم کو مجبور کیا جائے گا۔

فروع: مدیون نے قاصد کے ہاتھ مال بھیجا اور وہ مال ہلاک ہو گیا اگر وہ قرض خواہ کا قاصد ہو تو مال قرض خواہ کا ہلاک ہوگا اگر مدیون کا قاصد ہو تو مدیون کا مال ہلاک ہوگا۔

قرض خواہ کا یہ کہنا: اس کے ساتھ فلاں کو بھیج دو تو یہ قرض خواہ کی جانب سے قاصد بنانا نہیں ہوگا جب مال ہلاک ہوگا تو وہ مال مدیون پر ہلاک ہوگا۔ اگر وہ یہ قول کرے: ”یہ فلاں کو دے دو“ تو یہ قاصد بنانا ہوگا جب وہ مال ہلاک ہوتا ہے تو قرض خواہ کا مال ہلاک ہوتا ہے اس کی وضاحت ”شرح المنظومہ“ میں ہوتی ہے۔

27590۔ (قوله: أَوْ بِعْ لِي خَالِدٍ) اس نے یہ قول کیا یا کہا بعه۔ اسے بیچ دو یا خالد کو بیچ دو۔

27591۔ (قوله: فَخَالَفَهُ) یعنی اگر وہ اس کی مخالفت کرے تو بیع جائز ہوگی۔ کیونکہ جب اسے بیع کا حکم دیا گیا تو یہ امر مطلق تھا۔ پھر ان کا قول اسے نقد بیچو یا خالد کو بیچو یہ قول اس نے بعد میں کیا تو یہ مشورہ ہوگا اس کا قول: بع بالنقد یا بع لخالد کا معاملہ مختلف ہے۔ اس کا جواز منقول ہے۔ اسی وجہ سے قالوا کا صیغہ ذکر کیا ہے۔ ”شرعیہ“، ملخص۔

27592۔ (قوله: وَفِي الدَّفْعِ) یعنی جب اسے ہزار دینے کے لیے وکیل بنایا جس کے ساتھ وہ اس کا دین ادا کرے تو اس نے دے دینے کا دعویٰ کیا۔

27593۔ (قوله: مُقَدَّمٌ) یعنی موکل کے قول پر مقدم ہے موکل کا قول یہ ہے کہ اس نے مال ادا نہیں کیا۔

27594۔ (قوله: رَبِّ الدَّيْنِ) رب الدین کا یہ قول مقدم ہوگا کہ اس نے مال پر قبضہ نہیں کیا۔

27595۔ (قوله: وَالْخَصْمُ يُجْبَرُ) یعنی موکل کو مجبور کیا جائے گا کہ وہ طالب کو مال دے دے۔

وَلَوْ قَبَضَ الدَّلَالُ مَالَ الْمَبِيعِ كُنَّ	يُسَلِّمُهُ مِنْهُ وَضَاعٌ يُشْطَرُّ
اگر دلال نے مال مبیع قبضہ میں لیا تا کہ بائع کے سپرد کرے اور وہ مال ہلاک ہو گیا تو اسے نصف نصف کیا جائے گا۔	

27596۔ (قولہ: مَالِ الْمَبِيعِ) اس سے مراد ثمن ہے، ”ابن شحنے“ حاشیہ میں اسی طرح ہے۔

27597۔ (قولہ: يُشْطَرُّ) یعنی دونوں میں نصف نصف پر مصالحت ہوگی۔

کتاب الدعوی

لَا يَخْفَى مُنَاسَبَتُهَا لِلْوَكَالَةِ بِالْخُصُومَةِ (ہی) لُغَةً قَوْلٌ يَقْصِدُ بِهِ الْإِنْسَانُ إِجَابَ حَقِّ عَلَى غَيْرِهِ وَأَلْفُهَا لِتَأْنِيثٍ فَلَا تُنَوِّنُ وَجَنَعُهَا دَعَاوَى بِفَتْحِ الْوَاوِ كَفَتَوَى وَفَتَاوَى دُرٌّ، لَكِنْ جَزَمَ فِي الْمَصْبَاحِ بِكُسْرِهَا أَيْضًا فِيهِمَا مُحَافَظَةٌ عَلَى أَلِفِ التَّأْنِيثِ، وَشَرَعًا (قَوْلٌ مَقْبُولٌ) عِنْدَ الْقَاضِي (يَقْصِدُ بِهِ طَلَبُ حَقِّ قَبْلَ غَيْرِهِ) خَرَجَ الشَّهَادَةُ وَالْإِقْرَارُ (أَوْ دَفْعُهُ) أَمَّا دَفْعُ الْخُصْمِ (عَنْ حَقِّ نَفْسِهِ) دَخَلَ دَعْوَى دَفْعِ التَّعَرُّضِ فَتُسَمَّى بِهِ يُفْتَى بِزَاوِيَةٍ، بِخِلَافِ دَعْوَى قَطْعِ النِّزَاعِ فَلَا تُسَمَّى سَرَاجِيَّةً

دعوی کے احکام

کتاب الدعوی اسے وکالت بالخصوصیت کے ساتھ جو مناسبت ہے وہ مخفی نہیں۔ لغت میں اس سے مراد ایسا قول ہے جس کے ذریعے ایک انسان دوسرے پر حق کو ثابت کرتا ہے۔ دعویٰ کے آخر میں الف تانیث کا ہے۔ پس اس کے آخر میں تنوین نہیں آئے گی۔ اس کی جمع دعاوی واو کے فتح کے ساتھ ہے جیسے فتویٰ اور فتاویٰ میں ہے، ”درر“۔ لیکن ”مصباح“ میں دونوں میں کسرہ کے ساتھ یقین سے بیان کیا ہے تاکہ الف تانیث کی محافظت کی جائے۔ اور شرع میں دعویٰ سے مراد ایسا قول ہے جو قاضی کے ہاں مقبول ہو جس کے ساتھ غیر کی جانب سے حق کے مطالبہ کا قصد کیا جائے۔ اس قید سے شہادت اور اقرار خارج ہو جاتے ہیں۔ یا اس کے ذریعے اپنے ذاتی حق سے خصم کو دور کرنا ہے اس میں تعرض کا دعویٰ داخل ہوگا پس اس دعویٰ کو سنا جائے گا اسی پر فتویٰ دیا جاتا ہے۔ نزاع کو ختم کرنے کے دعویٰ کا معاملہ مختلف ہے پس اسے نہیں سنا جائے گا، ”سراجیہ“۔

”ابن غرس“ کی ”الفواکہ البدیہ“ میں ایسے کثیر مسائل ہیں جو دعویٰ سے متعلق ہیں پس ان کی طرف رجوع کیا جانا چاہیے۔
لفظ دعویٰ کی لغوی تحقیق

27598۔ (قوله: لَكِنْ جَزَمَ) اس کی عبارت میں خلل ہے۔ ”المصباح“ میں ہے: دعویٰ کی جمع دعاوی ہے۔ کیونکہ یہی اصل ہے جس طرح عنقریب آئے گا۔ اور اس پر فتح الف تانیث کی محافظت کے لیے ہوتی ہے، ”ح“۔ حاشیہ میں اسی طرح ہے۔

27599۔ (قوله: دَعْوَى دَفْعِ التَّعَرُّضِ) ”البحر“ میں کہا ہے: یہ جان لو ”قاری الہدایہ“ سے اس دعویٰ کے بارے میں سوال کیا گیا جو اس کے اور اس کے غیر کے درمیان نزاع کو ختم کرنے کے لیے کیا جائے؟

آپ نے جواب دیا: مدعی کو دعویٰ پر مجبور نہیں کیا جائے گا کیونکہ حق مدعی کا ہے۔ اور علمائے ”الفتاویٰ“ میں جو یہ نقل کیا ہے کہ تعرض کو دور کرنے کے لیے دعویٰ کا صحیح ہونا اس کے معارض نہیں یہ دعویٰ سنا جائے گا جس طرح ”بزازیہ“ اور ”خرزانیہ“ میں

وَهَذَا إِذَا أُريدَ بِالْحَقِّ فِي التَّعْرِيفِ الْأَمْرُ الْوُجُودِيُّ، فَلَوْ أُريدَ مَا يَعْنِي الْوُجُودِيُّ وَالْعَدَمِيُّ لَمْ يُخْتَجَرْ لِهَذَا الْقَيْدِ (وَالْمُدَّعَى مَنْ إِذَا تَرَكَ) دَعْوَاهُ (تَرَكَ) أَيْ لَا يُجْبَرُ عَلَيْهَا (وَالْمُدَّعَى عَلَيْهِ بِخِلَافِهِ) أَيْ يُجْبَرُ عَلَيْهَا، فَلَوْ فِي الْبَدَلَةِ قَاضِيَانِ كُلُّ فِي مَحَلَّةٍ فَالْخِيَارُ لِلْمُدَّعَى عَلَيْهِ عِنْدَ مُحْتَدٍ بِهِ يُفْتَى بِزَايَةٍ وَلَوْ الْقَضَاةُ فِي الْمَذَاهِبِ الْأَرْبَعَةِ عَلَى الظَّاهِرِ، وَبِهِ أَفْتَيْتُ مَرَارًا بَحْرًا

یہ اس صورت میں ہے جب تعریف میں حق سے مراد وجودی امر ہو اور اگر اس سے مراد وہ چیز لی جائے جو وجودی اور عدمی دونوں کو عام ہو تو اس قید کی ضرورت نہ ہوگی۔ اور مدعی وہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے دعویٰ کو ترک کر دے تو اسے ترک کر دیا جائے گا یعنی اسے دعویٰ پر مجبور نہیں کیا جائے گا۔ مدعی علیہ کا معاملہ مختلف ہوتا ہے یعنی اسے مجبور کیا جائے گا۔ اگر شہر میں دو قاضی ہوں ہر ایک محلہ میں قاضی ہو تو امام ”محمد“ رحمہ اللہ کے نزدیک مدعی علیہ کو اختیار ہوگا۔ اسی پر فتویٰ دیا جاتا ہے۔ ”بزازیہ“۔ اگرچہ ظاہر ملکیت کے مطابق چاروں مذاہب کے قاضی ہوں میں نے اس کا بار بار فتویٰ دیا ہے، ”بحر“۔

ہے فرق ظاہر ہے۔ کیونکہ پہلے دعویٰ کی صورت میں وہ یہ دعویٰ کرتا ہے کہ ایک شے ہے جس کا وہ دعویٰ کر رہا ہے ورنہ وہ اپنی ذات پر بری ہونے کی گواہی پیش کرتا ہے۔ اور دوسرے دعویٰ میں وہ دوسرے شخص پر یہ دعویٰ کرتا ہے کہ وہ بغیر حق کے اس معاملہ میں اس سے تعرض کرتا ہے اور وہ تعرض (چھیڑ چھاڑ کرنا) کو دور کرنے کے لیے اس کا مطالبہ کرتا ہے، فہم، ”ح“۔ حاشیہ میں اسی طرح ہے۔

27600۔ (قوله: لِهَذَا الْقَيْدِ) اس قید سے مراد ان کا یہ قول ہے: او دفعہ کیونکہ یہ ایک فصل ہے جس کے ساتھ اس نے ایک شے کو اس میں داخل کرنے کا قصد کیا ہے۔ جس کے بعد فصل قید ہے۔ فافہم

27601۔ (قوله: فَلَوْ) اس قول کے ساتھ اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ جبر اصل دعویٰ میں ہوتا ہے نہ کہ اس میں جسے اس کے سامنے بیان کیا جائے یہ تفریع ظاہر نہیں، ”ط“۔ بعض نسخوں میں واو ہے۔

27602۔ (قوله: فِي مَحَلَّةٍ) یعنی اسے صرف اسی محلہ میں قضا کا اختیار ہے اس کی قضا نام نہیں۔

اگر شہر میں دو قاضی ہوں تو مدعی علیہ کو اختیار ہوگا

27603۔ (قوله: بِزَايَةٍ) جو حضرت شارح نے عبارت ذکر کی ہے یہ ”بزازیہ“ کی عبارت نہیں جس طرح ”المنح“

میں ہے۔ اس کی عبارت ہے: شہر میں دو قاضی ہیں دونوں میں سے ہر ایک سے مطالبہ کیا کہ وہ ایک قاضی کے پاس جائے تو امام ”محمد“ رحمہ اللہ کے نزدیک مدعی علیہ کو اختیار ہوگا۔ اسی پر فتویٰ ہے۔

اس سے پہلے ”المنح“ میں ”الحانیہ“ سے مروی ہے: اگر شہر میں دو قاضی ہوں دونوں میں سے ہر ایک علیحدہ محلہ میں ہو دو آدمیوں کے درمیان خصومت واقع ہوتی ہے دونوں میں سے ایک، ایک محلہ میں ہوتا ہے اور دوسرا دوسرے محلہ میں ہوتا ہے مدعی یہ ارادہ کرتا ہے کہ وہ اپنے محلہ کے قاضی کے سامنے مسئلہ پیش کرے اور دوسرا فریق اس کا انکار کرتا ہے اس میں صحیح قول یہ ہے کہ

اعتبار مدعی علیہ کے مکان کا ہوتا ہے۔ یہی صورتحال ہوگی اگر دونوں میں سے ایک اہل لشکر میں سے ہو اور دوسرا اہل شہر میں سے ہو۔ ”الحیظ“ میں اس کی علت بیان کی ہے جس طرح ”البحر“ میں ہے: امام ”ابو یوسف“ رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے: مدعی کیونکہ خصومت کا آغاز کرنے والا ہے پس اس کے قاضی کا اعتبار کیا جائے گا۔ امام ”محمد“ رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے: مدعی علیہ اس کا دفاع کرتا ہے اس لیے اس کا اعتبار کیا جائے گا۔

شارح نے ”بزازی“ کی عبارت کو اس پر محمول کیا ہے جو ”الخانہ“ میں محلہ کی قید ہے۔ کیونکہ مصنف نے ”المنح“ میں کہا ہے: یہ سب اور اصحاب فتاویٰ کی تمام عبارات اس امر کا فائدہ دیتی ہیں کہ وہ مسئلہ جس میں امام ”ابو یوسف“ رحمۃ اللہ علیہ اور امام ”محمد“ رحمۃ اللہ علیہ کے درمیان اختلاف واقع ہے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ جب شہر میں دو قاضی ہوں ہر قاضی ایک محلہ میں ہے مگر جب ولایت دو قاضیوں یا کئی قاضیوں کو ایک شہر پر برابر ہو تو دعویٰ میں مدعی کا اعتبار کیا جائے گا وہ جس قاضی کے پاس دعویٰ کرنے کا ارادہ کرے اسے دعویٰ کا حق حاصل ہوگا۔ کیونکہ اس میں فائدہ ظاہر نہیں ہوگا کہ اعتبار مدعی کا ہو یا مدعی علیہ کا ہو۔ اس کی تصحیح کی شہادت وہ قول دیتا ہے جو ہم پہلے صاحب ”الحیظ“ سے بیان کر چکے ہیں۔

”خیر ملی“ نے اس کا رد کیا ہے اور یہ دعویٰ کیا ہے: یہ قول ہذیان کے زیادہ مشابہ ہے۔ اور یہ ذکر کیا ہے کہ جب امام ”ابو یوسف“ رحمۃ اللہ علیہ کی علت یہ ہے کہ مدعی خصومت کو شروع کرنے والا ہے اور امام ”محمد“ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک علت یہ ہے کہ مدعی علیہ اس کا دفاع کرنے والا ہے یہ قابل توجہ نہیں۔ کیونکہ حکم علت کے ساتھ گردش کناں ہوتا ہے جس طرح ہمارے شیخ نے فرمایا: یہ امر ظاہر ہے۔

میں کہتا ہوں: اس مسئلہ میں وضاحت وہ ہے جسے شارح نے مصنف کے مخطوطہ سے نقل کیا ہے۔ اسی پر علامہ ”مقدسی“ گامزن ہوئے ہیں۔ جس طرح ”ابو سعود“ نے ان سے نقل کیا ہے۔ اس کا حاصل یہ ہے: علما نے امام ”محمد“ رحمۃ اللہ علیہ کے قول کی جو تصحیح ذکر کی ہے کہ اعتبار مدعی علیہ کے مکان کا ہوگا۔ یہ اس صورت میں ہے جب دو قاضی ہوں دونوں میں سے ہر ایک، ایک محلہ میں ہو دونوں قاضیوں میں سے ہر ایک کو صرف اپنے محلہ کے لوگوں پر فیصلہ کا اختیار ہو۔ اس کی دلیل ”عمادی“ کا قول ہے: اسی طرح اگر دونوں میں سے ایک اہل لشکر سے ہو اور دوسرا اہل شہر میں سے ہو لشکری یہ ارادہ کرے کہ لشکر کے قاضی کے سامنے مخاصمت کرے تو وہ اس قول کے مطابق ہوگا اور لشکر کے قاضی کو غیر لشکری پر کوئی ولایت نہیں ہوتی۔ تو ان کا قول ولایت اس پر واضح دلیل ہے۔ مگر جب قاضیوں میں سے ہر ایک کو ہر اس شخص پر حکم کرنے کی اجازت ہو جو اس کے پاس حاضر ہو وہ مصری ہو، شامی ہو، حلبی ہو وغیرہ۔ جس طرح ہمارے زمانے کے قاضیوں کا معاملہ ہے تو چاہیے کہ امام ”ابو یوسف“ رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر اعتماد کیا جائے۔ کیونکہ وہ مدعی اور مدعی علیہ کی تعریف کے موافق ہے۔ کیونکہ مدعی کو ہی خصومت کا حق حاصل ہوتا ہے پس وہ جس قاضی کے ہاں معاملہ پیش کرنے کا ارادہ کرے وہ اس کا مطالبہ کرے۔

اس سے یہ امر ظاہر ہوتا ہے کہ ”البحر“ میں جو قول ہے اس کی کوئی وجہ نہیں۔ قول یہ ہے: اگر مذاہب اربعہ ہیں متعدد قاضی

قَالَ الْمُصَنِّفُ وَلَوْ الْوِلَايَةُ لِقَاضِيَيْنِ فَأَكْثَرُ عَلَى السَّوَاءِ فَالْعِبْرَةُ لِلْمُدَّعَى، نَعَمْ لَوْ أَمَرَ السُّلْطَانُ بِاجَابَةِ
الْمُدَّعَى عَلَيْهِ لَزِمَ اعْتِبَارُهُ لِعَزْلِهِ بِالنِّسْبَةِ إِلَيْهَا كَمَا مَرَّ مَرَارًا قُلْتُ وَهَذَا الْخِلَافُ فِيمَا إِذَا كَانَ كُلُّ قَاضٍ
عَلَى مَحَلَّةٍ عَلَى حَدِّهِ، أَمَّا إِذَا كَانَ فِي الْبَصْرِ حَنْفِيٌّ وَشَافِعِيٌّ وَمَالِكِيٌّ وَحَنْبَلِيٌّ فِي مَجْلِسٍ وَاحِدٍ وَالْوِلَايَةُ
وَاحِدَةٌ فَلَا يَنْبَغِي أَنْ يَقَعَ الْخِلَافُ فِي إِجَابَةِ الْمُدَّعَى لِمَا أَنَّهُ صَاحِبُ الْحَقِّ كَذَا بِخَطِّ الْمُصَنِّفِ عَلَى
هَامِشِ الْبَزَازِيَّةِ فَلْيُحْفَظْ (وَرُكْنُهَا إِضَافَةٌ

مصنف نے کہا: اگر ولایت دو قاضیوں یا زیادہ کو برابر طور پر حاصل ہو تو اعتبار مدعی کا ہوگا۔ ہاں اگر سلطان نے مدعی علیہ کی
عرضداشت کو قبول کرنے کا حکم دیا تو اس کا اعتبار کرنا لازم ہوگا۔ کیونکہ اس دعویٰ کی طرف نسبت کے اعتبار سے سلطان نے
اس قاضی کو معزول کر دیا ہے جس طرح یہ کئی دفعہ گزر چکا ہے۔ میں کہتا ہوں: یہ اختلاف اس صورت میں ہے جب ہر قاضی
ایک محلہ میں علیحدہ ہو۔ مگر جب شہر میں حنفی، شافعی، مالکی اور حنبلی ایک ہی مجلس میں ہو اور ولایت ایک کو ہو تو نہیں چاہیے کہ مدعی
کی عرضداشت کے قبول کرنے میں اختلاف واقع ہو کیونکہ وہ صاحب حق ہے، ”بزازیہ“ کے حاشیہ پر مصنف کی تحریر اسی
طرح ہے۔ پس اسے یاد رکھا جانا چاہیے۔ اگر دعویٰ کرنے والا خود اصل ہو تو وہ دعویٰ کا رکن یہ ہے

ہوں جس طرح ”قاہرہ“ میں ہے تو اختیار مدعی علیہ کو ہوگا جب قاضی دونوں کے محلہ میں سے نہ ہو۔ فرمایا: میں نے کئی بار اس کا
فتویٰ دیا ہے۔

میں کہتا ہوں: میں نے بعض علما کا مخطوطہ دیکھا جب کہ اسے ”ابوسعود عمادی“ سے نقل کیا گیا: ممالک محروسہ کے قاضیوں کو
مدعی علیہ کے مذہب کے خلاف فیصلہ کرنے سے روک دیا گیا۔ شارح نے اس کی طرف اشارہ کیا ہے۔

27604۔ (قوله: قَالَ الْمُصَنِّفُ) اس میں ”البحر“ پر رد ہے۔ کیونکہ ہمارے زمانہ میں مختلف مذاہب کے قاضیوں کی
ولایت برابر ہوتی ہے۔

27695۔ (قوله: عَلَى السَّوَاءِ) ولایت کے عموم میں برابر ہیں۔

27606۔ (قوله: لِعَزْلِهِ) یعنی مدعی نے جس قاضی کو اختیار کیا ہے سلطان نے اس دعویٰ کی طرف حکم کرنے سے
معزول کر دیا ہے۔

27607۔ (قوله: كَمَا مَرَّ) جس طرح یہ گزر چکا ہے کہ قضا مقید ہوتی ہے۔

27608۔ (قوله: قُلْتُ) یہ ما قبل کے ساتھ مکرر ہے۔

27609۔ (قوله: عَلَى حَدِّهِ) یعنی وہ اس محلہ کے علاوہ لوگوں کے خلاف فیصلہ نہیں کر سکے گا۔

27610۔ (قوله: فِي مَجْلِسٍ) یہ اتفاقی قید ہے۔ ظاہر یہ ہے کہ انہوں نے مجلس سے مراد ایک شہر لیا ہے۔

27611۔ (قوله: أَدْوِلَايَةٍ وَاحِدَةٍ) یعنی ان میں سے ہر ایک محلہ کے ساتھ خاص نہیں۔

الْحَقِّ إِلَى نَفْسِهِ) لَوْ أَصِيلًا كَلَى عَلَيْهِ كَذَا (أَوْ) إِضَافَتُهُ (إِلَى مَنْ نَابَ) الْمُدَّعَى (مَنَابَهُ) كَوَكِيلٍ وَوَصِيِّ (عِنْدَ
النِّزَاعِ) مُتَعَلِّقٌ بِإِضَافَةِ الْحَقِّ (وَأَهْلُهَا الْعَاقِلُ الْمُبِينُ) وَلَوْ صَبِيًّا لَوْ مَا ذُوْنَا فِي الْخُصُومَةِ وَالْأَلَا لَا أَشْبَاهَ
(وَشَرْطُهَا) أَى شَرْطُ جَوَازِ الدَّعْوَى (مَجْلِسُ الْقَضَاءِ وَحُضُورُ خَصْمِهِ) فَلَا يُقْضَى عَلَى غَائِبٍ وَهَلْ يُخْضَرُهُ
بِمَجَرَّدِ الدَّعْوَى؟ إِنْ بِالْبَصْرِ أَوْ بِحَيْثُ يَبِيتُ بِمَنْزِلِهِ نَعَمْ

کہ وہ نزاع کے وقت حق کو اپنی ذات کی طرف منسوب کرے جس طرح وہ کہے: میرا اس پر یہ حق ہے یا وہ حق کو اس کی طرف
منسوب کرے مدعی جس کے قائم مقام ہو جیسے وکیل اور وصی ہوتا ہے۔ عند النزاع کے الفاظ اضافۃ الحق کے متعلق ہیں دعویٰ کا
اہل عاقل اور سمجھ بوجھ رکھنے والا شخص ہے اگرچہ وہ بچہ ہو اگر اسے خصومت کا اذن دیا گیا ہو ورنہ بچہ مدعی نہیں ہو سکتا۔
”الاشباہ“۔ اور دعویٰ کے جائز ہونے کی شرط قاضی کی مجلس اور اس کے خصم کا حاضر ہونا ہے۔ پس غائب خصم کے خلاف فیصلہ
نہیں کیا جائے گا۔ کیا محض دعویٰ کے ساتھ خصم کو حاضر کرے گا؟ اگر وہ شہر میں ہو یا وہ اپنے گھر میں رات گزارتا ہو، ہاں۔

دعویٰ کا رکن

27612۔ (قولہ: البصنف: عِنْدَ النِّزَاعِ) ”البحر“ میں کہا ہے: جب باہم صلح ہو جائے تو یہ منسوب کرنا خارج ہو
جائے گا۔ کیونکہ یہ لغت کے اعتبار سے دعویٰ نہیں۔ اس کی مثل وہ ہے جو ”بزازیہ“ میں ہے: کوئی عینی چیز ایک آدمی کے قبضہ میں
ہے وہ کہتا ہے: یہ چیز میری نہیں اور یہاں کوئی نزاع کرنے والا نہیں ہے۔ اس کا نفی کرنا صحیح نہیں ہوگا۔ اگر وہ یہ بات کرنے کے
بعد اپنے لیے اس کا دعویٰ کرے تو اس کا دعویٰ کرنا صحیح ہوگا۔ اگر وہاں کوئی نزاع کرنے والا ہو تو یہ نزاع کرنے والے کے لیے
ملکیت کا اقرار ہوگا اگر وہ اس کے بعد اپنے لیے اس شے کا دعویٰ کرے تو یہ دعویٰ کرنا صحیح نہیں ہوگا۔ اور اصل کی روایت کے
مطابق یہ اس کے لیے ملکیت کا اقرار نہیں ہوگا۔ ”سامحانی“ نے کہا: میں کہتا ہوں: ”بزازیہ“ کا کلام اس بارے میں فرض کیا گیا
ہو کہ نفی منازع کے لیے اقرار ہے یا نہیں۔ اور باہمی صلح کی صورت میں اس میں اپنے لیے ملکیت کا دعویٰ نہیں ہوتا۔

دعویٰ کے جواز کی شرط

27613۔ (قولہ: وَشَرْطُهَا) دعویٰ کے لیے میں مخصوص لفظ کی شرط کی رائے نہیں رکھتا۔ یہ مناسب ہے کہ ایسے لفظ
کے ذکر کرنے کی شرط لگائی جائے جو یقین اور ایک امر کے ثابت کرنے پر دلالت کرے۔ اگر اس مدعی نے کہا: میں شک کرتا
ہوں، میں گمان کرتا ہوں تو دعویٰ صحیح نہ ہوگا۔ ”بحر“۔

فائدہ

اقرار کے دعویٰ کو نہیں سنا جائے گا۔ کیونکہ ”بزازیہ“ میں ”ذخیرہ“ سے مروی ہے: ایک آدمی نے دعویٰ کیا کہ اس کا فلاں پر
اتنا ہے اور وہ عینی چیز جو اس کے قبضہ میں ہے اس کی (میری) ہے۔ کیونکہ فلاں نے اس کے حق میں اس چیز کا اقرار کیا ہے یا

وَالْأُخْبَارَ (وَمَعْلُومِيَّةٌ) الْمَالِ (الْمُدَّعَى) إِذْ لَا يُقْضَى بِمَجْهُولٍ، وَلَا يُقَالُ مُدَّعَى فِيهِ وَبِهِ إِلَّا أَنْ يَتَضَمَّنَ الْإِخْبَارَ (وَشَرْطُهَا أَيْضًا) كَوْنُهَا مُلْزِمَةً شَيْئًا عَلَى الْخَصْمِ بَعْدَ ثَبُوتِهَا وَإِلَّا كَانَ عَبَثًا

ورنہ اسے حاضر نہیں کرے گا یہاں تک کہ وہ گواہیاں قائم کر دے یا وہ قسم اٹھا دے، ”منیہ“۔ اور یہ بھی شرط ہے کہ جس مال کا دعویٰ کیا جا رہا ہے وہ معلوم ہو۔ کیونکہ مجہول مال کے بارے میں فیصلہ نہیں کیا جاسکتا مدعی کو مدعی فیہ یا مدعی بہ نہیں کہتے مگر اس وقت اسے یہ نام دیا جاسکتا ہے۔ جب وہ اخبار کے معنی کو متضمن ہو۔ اور دعویٰ کی شرط یہ بھی ہے کہ دعویٰ اپنے ثبوت کے بعد خصم پر کسی شے کو لازم کرنے والا ہو ورنہ وہ عبث ہوگا

اقرار کے دعویٰ کے ساتھ آغاز کیا اور یہ کہا: فلاں نے یہ اقرار کیا تھا کہ یہ چیز میری ہے یا یہ اقرار کیا کہ میرا اس پر اتنا ہے ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ صحیح ہے۔ عام مشائخ کی رائے یہ ہے کہ دعویٰ صحیح نہیں۔ کیونکہ اقرار استحقاق کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ ”بحر“۔ فصل الاختلاف فی الشہادۃ کتاب الاقرار کے شروع میں (مقولہ 28085 میں) آئے گا۔

27614۔ (قوله: فَحَتَّى يُبْرَهَنَ أَوْ يَخْلَفَ) یہ دو قول ہیں۔ یہ ایک قول نہیں جس میں اسے گواہیاں پیش کرنے اور قسم میں اختیار دیا جائے گا۔ پس ”البحر“ کی طرف رجوع کیجئے۔

27615۔ (قوله: وَمَعْلُومِيَّةٌ الْمُدَّعَى) یعنی اس کی جنس اور اس کی مقدار واضح ہونی چاہیے جس طرح ”الکنز“ میں ہے۔

27616۔ (قوله: إِذْ لَا يُقْضَى بِمَجْهُولٍ) مجہول چیز کی وجہ سے دعویٰ میں جو فساد واقع ہوتا ہے اس سے رہن اور غصب کے دعویٰ کو مستثنیٰ کیا ہے۔ کیونکہ ”الحانیہ“ میں ”الاصل“ کے کتاب الرہن کی طرف منسوب کیا ہے جب وہ اس امر کی گواہی دیں کہ فلاں نے اس کی پاس کپڑا رہن رکھا ہے انہوں نے کپڑے کا نام نہیں رکھا اور انہوں نے کپڑے کے سین کو نہیں پہچانا تو ان کی شہادت جائز ہوگی اور قول مرتہن کا معتبر ہوگا وہ کسی کپڑے میں ہو۔ غصب میں معاملہ اسی طرح ہے تو قول دعویٰ میں بدرجہ اولیٰ معتبر ہوگا۔ ”بحر“۔

میں کہتا ہوں: ”المعراج“ میں ہے: دعویٰ کے فاسد ہونے کی صورت یہ ہے یا تو خصم پر کوئی شے لازم نہ ہو یا مدعی فیہ نہ ہو۔ مجہول ہو اس میں اختلاف معلوم نہیں مگر وصیت میں اختلاف ہے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ وہ وصیت یا اقرار میں سے حق کا دعویٰ کرے تو یہ دونوں چیزیں مجہول کے ساتھ صحیح ہوتی ہیں۔ مجہول براءت کا دعویٰ بغیر اختلاف کے صحیح ہوگا۔ پس مستثنیات پانچ تک پہنچ گئی ہیں۔ تامل

27617۔ (قوله: وَلَا يُقَالُ مُدَّعَى فِيهِ وَبِهِ) ”طلبہ الطلبہ“ میں ہے: مدعی فیہ اور مدعی بہ کا قول نہیں کیا جائے گا اگرچہ فقہ حاصل کرنے والا یہ کلام کرے مگر وہ مشہور ہو تو یہ اس صحیح سے بہتر ہے جس کو چھوڑ دیا گیا ہو، ”حموی“، ”ط“۔

27618۔ (قوله: وَإِلَّا كَانَ عَبَثًا) یعنی اگر وہ دعویٰ کسی چیز کو لازم کرنے والا نہ ہو جس طرح وہ حاضر موکل پر وکیل

وَكُونُ الْمُدَّعَى مِمَّا يَحْتَسِبُ الشُّبُوتَ فَدَعْوَى مَا يَسْتَحِيلُ وَجُودُهُ عَقْلًا أَوْ عَادَةً (بَاطِلَةٌ) لِيَتَقَنَّ
الْكَذِبَ فِي الْمُسْتَحِيلِ الْعَقْلِي كَقَوْلِهِ لِمَعْرُوفِ النَّسَبِ أَوْ لِمَنْ لَا يُؤَلِّدُ مِثْلَهُ لِمِثْلِهِ هَذَا ابْنِي، وَظُهُورُهُ
فِي الْمُسْتَحِيلِ الْعَادِي كَدَعْوَى مَعْرُوفٍ بِالْفَقْرِ أَمْوَالًا عَظِيمَةً عَلَى آخَرٍ أَنَّهُ أَقْرَضَهُ إِيَّاهَا دَفْعَةً وَاحِدَةً أَوْ
غَضَبَهَا مِنْهُ، فَالظَّاهِرُ عَدَمُ سَاعِهَا بَحْرٌ، وَبِهِ جَزَمَ ابْنُ الْغَرَسِ فِي الْفَوَاكِهِ الْبَدْرِيَّةِ (وَحُكْمُهَا وَجُوبُ
الْجَوَابِ عَلَى الْخَصْمِ) وَهُوَ الْمُدَّعَى عَلَيْهِ بِلَا أَوْ بِنَعْمٍ، حَتَّى لَوْ سَكَتَ كَانَ انْكَارًا فَتُسَمَّعُ الْبَيِّنَةُ عَلَيْهِ إِلَّا
أَنْ يَكُونَ آخِرُ سَخْتِيَارٍ وَسُنْحَقُّهُ وَسَبَبُهَا تَعَلُّقُ الْبَقَاءِ الْمُقَدَّرِ بِتَعَاطِي الْمُعَامَلَاتِ

اور مدعی کا ان چیزوں میں سے ہونا شرط ہے جو ثبوت کا احتمال رکھیں اور وہ چیز جس کا پایا جانا عقلاً یا عادتاً محال ہو وہ دعویٰ باطل ہوگا۔ کیونکہ محال عقلی میں جھوٹ یقینی ہے جس طرح وہ ایک معروف نسب شخص کے بارے میں کہے یا جس آدمی سے اس کی مثل اولاد نہیں ہو سکتی اس کے بارے میں کہے: یہ میرا بیٹا ہے۔ اور یہ محال عادی ہے۔ اس کے ظہور کی صورت یہ ہے جس طرح ایک ایسا شخص جس کا فقر معروف ہو وہ جس آدمی پر عظیم اموال کا دعویٰ کرے کہ اس نے فلاں شخص کو یہ سب ایک ہی دفعہ بطور قرض دیے تھے یا فلاں شخص نے اس سے یہ مال غصب کیا۔ ظاہر روایت یہ ہے کہ اس کے دعویٰ کو نہیں سنا جائے گا ”بحر“۔ ”ابن غرس“ نے ”الفواکھ البدریہ“ میں اس کو یقین کے ساتھ بیان کیا ہے۔ دعویٰ کا حکم یہ ہے کہ خصم پر اس کا جواب واجب ہے۔ خصم سے مراد مدعی علیہ ہے وہ نہ سے جواب دے یا ہاں سے جواب دے یہاں تک کہ اگر وہ خاموش رہے تو یہ انکار ہوگا۔ پس اس پر گواہوں کو سنا جائے گا مگر جب وہ گونگا ہو، ”اختیار“۔ ہم عنقریب اس کو ثابت کریں گے۔ دعویٰ کا سبب: دعویٰ کا سبب یہ ہے مقدر بقا کا معاملات کے استعمال سے متعلق ہونا،

ہونے کا دعویٰ کرے تو اس دعویٰ کو نہیں سنا جائے گا۔ کیونکہ اس کا معزول کیا جانا ممکن ہے جس طرح ”البحر“ میں ہے۔ حاشیہ میں اسی طرح ہے۔

27619۔ (قوله: وَظُهُورُهُ) یہ مجرور ہے اس کا عطف تيقن پر ہے۔

27620۔ (قوله: فِي الْفَوَاكِهِ الْبَدْرِيَّةِ) ”المنح“ میں کہا: مستحيل عادی کے دعویٰ کے ممنوع ہونے کو مشائخ سے

منقول ہونے کی طرف منسوب نہیں کیا۔

میں کہتا ہوں: لیکن مذہب میں ایسی فروع ہیں جو اس کی شہادت دیتی ہیں ان میں سے کچھ فصل الخالف کے آخر میں عنقریب آئے گی۔

دعویٰ کا حکم

دعویٰ کا سبب

27621۔ (قوله: وَسُنْحَقُّهُ) مصنف کے قول و قضا بنکولہ مرۃ کے ہاں ہم اس کو ثابت کریں گے۔

(قُلُوْكَ اَنْ مَا يَدَّعِيْهِ مَنْقُولًا فِيْ يَدِ الْخَصْمِ ذَكَرَ) الْمُدَّعِي (اَنْهُ فِيْ يَدِهِ بِغَيْرِ حَقٍّ) لِاحْتِمَالِ كَوْنِهِ مَرْهُونًا فِيْ يَدِهِ اَوْ مَحْبُوسًا بِالشَّيْنِ فِيْ يَدِهِ (وَطَلَبَ) الْمُدَّعِي (اِحْضَارَهُ اِنْ اُمْكِنَ) فَعَلَى الْغَرِيْمِ اِحْضَارُهُ (لِيُشَارَ اِلَيْهِ فِي الدَّعْوَى وَالشَّهَادَةِ) وَالِاسْتِحْلَافِ (وَذَكَرَ) الْمُدَّعِي (قِيَمَتَهُ اِنْ تَعَذَّرَ اِحْضَارُ الْعَيْنِ بِاَنْ كَانَ فِي نَقْلِهَا مَوْنَةٌ اِنْ قُلْتُ ابْنُ كَمَالٍ مَغْزِيًّا لِلْخِزَانَةِ) (بِهَلَاكِهَا اَوْ غَيْبَتِهَا) لِاَنْهُ مِثْلُهُ مَعْنَى

اگر مدعی جس چیز کا دعویٰ کرتا ہے اگر وہ منقول چیز ہو خصم کے قبضہ میں ہو تو مدعی یہ ذکر کرے گا کہ وہ ناحق اس کے قبضہ میں ہے۔ کیونکہ یہ احتمال موجود ہے کہ وہ اس کے قبضہ میں رہن رکھی گئی ہو یا اس کے قبضہ میں شے کے بدلہ میں محبوس ہو۔ اگر ممکن ہو تو مدعی اس کے حاضر کرنے کا مطالبہ کرے گا اور غریم پر لازم ہوگا کہ وہ اس شے کو حاضر کرے تاکہ دعویٰ شہادت اور استخلاف میں اس کی طرف اشارہ کرے اگر اس شے کے عین کو حاضر کرنا متعذر ہو تو مدعی اس کی قیمت ذکر کرے گا۔ اس کی صورت یہ ہے کہ اس شے کے منتقل کرنے میں مؤنت ہو اگرچہ وہ تھوڑی ہو۔ ”ابن کمال“ نے ”الخزانہ“ کی طرف منسوب کیا ہے۔ اس کے عین کو حاضر کرنے کی متعذر صورت یہ ہے کہ وہ چیز ہلاک ہو چکی ہو یا وہ چیز غائب ہو۔ کیونکہ قیمت معنوی طور پر اس کی مثل ہے۔

27622۔ (قوله: اَنْهُ فِيْ يَدِهِ) اگر مدعی علیہ انکار کر دے کہ وہ چیز اس کے ہاتھ میں ہے تو مدعی یہ گواہی دے گا کہ یہ چیز اس تاریخ سے ایک سال پہلے اس کے ہاتھ میں تھی کیا اس کو قبول کیا جائے گا اور اس کے حاضر کرنے پر اسے مجبور کیا جائے گا؟ صاحب ”جامع الفصولین“ نے کہا: جب اس چیز کا اس کے قبضہ سے نکالنا ثابت نہ ہو اور وہ باقی ہو تو چاہیے کہ اسے قبول کیا جائے اور وہ شک سے زائل نہ ہوگی۔ ”البحر“ میں اسے ثابت رکھا ہے۔ ”قہستانی“ نے اسے یقین کے ساتھ بیان کیا ہے۔ ”نور العین“ میں اسے رد کیا ہے: یہ استصحاب ہے یہ دفع میں حجت ہے اثبات میں حجت نہیں جس طرح کتب اصول میں ہے۔

27623۔ (قوله: وَطَلَبَ الْمُدَّعِي الْخِزَانَةَ) یہ اس صورت میں ہے جب مدعی علیہ مودع نہ ہو۔ اگر وہ ودیعت کے عین کا دعویٰ کرے تو اسے ودیعت کے حاضر کا مکلف نہیں بنایا جائے گا بلکہ اسے ودیعت کے قبضہ میں مانع نہ بننے کا حکم دیا جائے گا جس طرح ”البحر“ میں ”جامع الفصولین“ سے مروی ہے۔

27624۔ (قوله: بِاَنْ كَانَ فِيْ نَقْلِهَا مَوْنَةٌ) یہ چکی اور ڈھیر کے قبیل سے ہے یہاں اس کا ذکر سہو ہے۔ ”ایضاح الاصلاح“ میں ہے: مگر جب وہ مشکل ہو اس کی صورت یہ ہے کہ اس کے نقل کرنے میں مؤنت ہو اگرچہ وہ تھوڑی ہو۔ ”الخزانہ“ میں اس کا ذکر کیا ہے۔

27625۔ (قوله: اَوْ غَيْبَتِهَا) اس کی صورت یہ ہے کہ اس کے مکان کا علم نہ ہو، ”قاضی زادہ“ نے اس کا ذکر کیا ہے۔ ”ح“۔

27626۔ (قوله: لِاَنْهُ) ضمیر سے مراد قیمت ہے۔ مذکور کے اعتبار سے اسے مذکر کیا ہے یہ ان کے قول و ذکر قیمتہ

(وَإِنْ تَعَذَّرَ أَحْضَارُهَا مَعَ بَقَائِهَا كَرَحَى وَصُبْرَةِ طَعَامٍ وَقَطِيعِ غَنَمٍ) (بَعَثَ الْقَاضِي أَمِينَهُ) لِيُشَارَ إِلَيْهَا
(وَالَا تَكُنْ بِاقِيَّةً) (اُكْتَفَى) فِي الدَّعْوَى (بِذِكْرِ الْقِيَمَةِ) وَقَالُوا لَوَادَّعَى أَنَّهُ غَضَبَ مِنْهُ عَيْنٌ كَذَا

”اگر اس چیز کے باقی ہونے کے باوجود اس کو حاضر کرنا معذور ہو جیسے چکی اور کھانے کا ڈھیر اور بھیڑوں کا ریوڑ تو قاضی اپنا سیکرٹری اس طرف بھیجے گا تاکہ اس شے کی طرف اشارہ کیا جائے اگر وہ چیز باقی نہ رہے تو دعویٰ میں قیمت ذکر کرنے پر اکتفا کیا جائے گا۔ علمائے کبار نے کہا: اگر ایک آدمی نے دعویٰ کیا کہ فلاں نے اس سے فلاں شے غصب کی

کی علت ہے۔

27627۔ (قوله: وَإِنْ تَعَذَّرَ) یعنی اگر ایسا کرنا مشکل ہو۔

27628۔ (قوله: وَالَا تَكُنْ) یہ ان کے قول و ذکر قیستہ ان تعذر کے ساتھ تکرار ہے۔ ”س“۔

فروع: مدعی نے مدعی کا وصف بیان کیا جب وہ مدعی حاضر ہوا تو بعض چیزوں میں وہ اس کے خلاف ثابت ہوا اگر وہ پہلے دعویٰ کو ترک کر دے اور حاضر کا دعویٰ کرے تو اس دعویٰ کو سنا جائے گا۔ کیونکہ یہ نیا دعویٰ ہے ورنہ دعویٰ نہیں سنا جائے گا۔ ”بحر“ میں ”بزازیہ“ سے منقول ہے۔

اگر کوئی ایسی چیز کا دعویٰ کرے جس کی جنس، نوع اور صفت مختلف ہو تو اس کا حکم

27629۔ (قوله: بِذِكْرِ الْقِيَمَةِ) کیونکہ مدعی کے عین کا مشاہدہ معذور ہے اور وصف بیان کرنے سے اس کی معرفت ممکن نہیں۔ پس قیمت کا بیان کرنا شرط ہے۔ کیونکہ یہ ایسی شے ہے جس کے ذریعے ہلاک ہونے والے عین کو پہچانا جاسکتا ہے، ”غایۃ البیان“۔ ”شرح ابن کمال“ میں ہے: اس میں وصف بیان کرنے کا کوئی اعتبار نہیں۔ کیونکہ قیمت ذکر کیے بغیر اس کا کوئی فائدہ نہیں اور جب اس کی قیمت ذکر کر دی جائے تو وصف بیان کرنے کی کوئی حاجت نہیں۔ ”الہدایہ“ میں اس کی طرف اشارہ کیا ہے۔

”القہستانی“ میں ہے: ان کے قول و ذکر قیستہ ان تعذر سے اس امر کی طرف اشارہ ہے جانور میں رنگ، مذکر، مونث ہونے اور عمر کا ذکر کرنا شرط نہیں اس میں اختلاف ہے جس طرح ”عمادیہ“ میں ہے۔ سید ”ابوالقاسم“ نے کہا: مدعی کی یہ تعریفات ذکر کرنا لازم ہے جب وہ اس شے کے عین کو لینے کا ارادہ کرے یا مثلی چیز میں اس کی مثل کے لینے کا ارادہ کرے مگر جب وہ ذوات القیم میں اس کی قیمت وصول کرنے کا ارادہ کرے تو ضروری ہوگا کہ صرف قیمت کے ذکر پر اکتفا کیا جائے جس طرح ”الخزانہ“ کے باب المحاضر میں ہے۔

27630۔ (قوله: عَيْنٌ كَذَا) ”البحر“ میں کہا: حاصل کلام یہ ہے کہ غصب اور رہن کے دعویٰ میں اور دعویٰ اور

شہادت کے صحیح ہونے میں جنس اور قیمت شرط نہیں اور قیمت میں قول غاصب اور مرتہن کا معتبر ہوگا۔

میں کہتا ہوں: ”المعراج“ میں وصیت اور اقرار کا دعویٰ کا اضافہ کیا ہے کہا: ”یہ دونوں مجہول صورت میں صحیح ہیں۔ مجہول

وَلَمْ يَذْكُرْ قِيَمَتَهَا تَسَمُّهُ أَوْ يُجَبِّرُ عَلَى الْبَيَانِ دُرٌّ وَابْنُ مَلِكٍ وَلِهَذَا لَوْ دَاعَى أَعْيَانًا مُخْتَلِفَةً الْجِنْسِ وَالتَّنَوُّعِ وَالصِّفَةِ وَذَكَرَ قِيَمَةَ الْكُلِّ جُمْلَةً كَفَى ذَلِكَ الْإِجْمَالُ عَلَى الصَّحِيحِ، وَتُقْبَلُ بَيِّنَتُهُ أَوْ يُحْلَفُ خَصْمُهُ عَلَى الْكُلِّ مَرَّةً (وَإِنْ لَمْ يَذْكُرْ قِيَمَةَ كُلِّ عَيْنٍ عَلَى حِدَةٍ لِأَنَّهُ لَنَا صَحَّ دَعْوَى الْغَضَبِ بِلَا بَيَانٍ فَلَا أَنْ يَصَحَّ إِذَا بَيَّنَّ قِيَمَةَ الْكُلِّ جُمْلَةً بِالْأُولَى وَقِيلَ لِي دَعْوَى الشَّرِيقَةِ

اور اس کی قیمت کا ذکر نہ کیا تو اس کا دعویٰ سنا جائے گا۔ پس اس کے خصم سے قسم لی جائے گی یا اسے وضاحت پر مجبور کیا جائے گا، ”درر“، ”ابن ملک“۔ اسی طرح اگر وہ ایسی چیزوں کا دعویٰ کرے جن کی جنس، نوع اور صفت مختلف ہو اور سب کی مجموعی قیمت بیان کر دے تو صحیح قول کے مطابق یہ اجمال کافی ہوگا اس کے بینہ قبول کیے جائیں گے یا سب پر ایک ہی دفعہ خصم سے قسم لی جائے گی اگرچہ ہر شے کی علیحدہ قیمت ذکر نہ کرے۔ کیونکہ جب غصب کا دعویٰ بیان کے بغیر صحیح ہوگا تو جب سب کی قیمت ایک ہی دفعہ بیان کرے تو یہ بدرجہ اولیٰ صحیح ہوگا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: چوری کے مال کے بارے میں دعویٰ ہو

طریقہ سے بری کرنے کا دعویٰ صحیح ہے اس میں کوئی اختلاف نہیں۔ پس یہ پانچ ہیں۔

27631۔ (قوله: وَلِهَذَا) یعنی غصب میں کیونکہ دعویٰ سنا جاتا ہے اگرچہ وہ قیمت ذکر نہ کرے۔

حاشیہ میں کہا: ”الدرر“ میں کہا: اگر اس نے کہا: تو نے مجھ سے اس کا عین غصب کیا اور میں اس کی قیمت کو نہیں جانتا۔ علماء نے کہا: اس کے دعویٰ کو سنا جائے گا۔

”الکافی“ میں کہا: اگرچہ وہ قیمت کی وضاحت نہ کرے اور کہا: تو نے مجھ سے فلاں عین غصب کیا اور میں نہیں جانتا کہ وہ ہلاک ہو چکا ہے یا وہ قائم ہے؟ میں نہیں جانتا اس کی قیمت کتنی تھی؟ عام کتب میں مذکور ہے کہ اس کا دعویٰ سنا جائے گا۔ کیونکہ انسان بعض اوقات اپنے مال کی قیمت نہیں جانتا اگر اسے قیمت بیان کرنے کا مکلف بنایا جائے تو اسے نقصان ہوگا۔

میں کہتا ہوں: اس جہالت فاحشہ کے ہوتے ہوئے دعویٰ کے صحیح ہونے کا فائدہ یہ ہے کہ خصم جب انکار کرے تو یمین اس کی طرف متوجہ ہو اور جب وہ اقرار کرے یا قسم دینے سے انکار کرے تو اسے بیان پر مجبور کیا جائے، قائل۔ کیونکہ ”الکافی“ کا کلام اسی تحقیق کے ساتھ کفایت کرتا ہے۔ ”ح“۔

اس کے جامع فقیر ”محمد“ بیطار نے کہا: مولف نے اسے یمین سے یمین تک ثابت رکھا ہے۔ کیونکہ یہ کلام ناقص تھی یہ سب آپ کی تحریر ہے اللہ تعالیٰ ان پر رحم فرمائے۔

27632۔ (قوله: وَتُقْبَلُ بَيِّنَتُهُ) یعنی قیمت پر اس کے بینہ کو قبول کیا جائے گا۔

27633۔ (قوله: أَوْ يُحْلَفُ) یعنی گواہیاں نہ ہونے کی صورت میں اس سے قسم لی جائے گی۔

27634۔ (قوله: لِأَنَّهُ) یہ علت کی علت ہے۔

يُشْتَرَطُ ذِكْرُ الْقِيَمَةِ لِيُعْلَمَ كَوْنُهَا نَصَابًا، فَأَمَّا فِي غَيْرِهَا فَلَا يُشْتَرَطُ عِمَادِيَّةٌ وَهَذَا كُلُّهُ فِي دَعْوَى الْعَيْنِ لَا الدَّيْنِ فَلَوْ (ادَّعى قِيَمَةً شَيْءٍ مُسْتَهْلِكٍ اشْتَرَطَ بَيَانُ جِنْسِهِ وَنَوْعِهِ) فِي الدَّعْوَى وَالشَّهَادَةِ لِيُعْلَمَ الْقَاضِي بِمَاذَا يَقْضِي وَاخْتَلَفَ فِي بَيَانِ الذِّكْوَرَةِ وَالْأُنْثَوَةِ فِي الدَّابَّةِ) فَشَرَطَهُ أَبُو اللَّيْثِ أَيْضًا وَاخْتَارَهُ فِي الْإِخْتِيَارِ وَشَرَطَ الشَّهِيدُ بَيَانَ السُّنَنِ أَيْضًا وَتَسَامُوهُ فِي الْعِمَادِيَّةِ (وَفِي دَعْوَى الْإِيْدَاعِ لَا بُدَّ مِنْ بَيَانِ مَكَانِهِ) أَيْ مَكَانِ الْإِيْدَاعِ (سَوَاءً كَانَ لَهُ حَبْلٌ أَوْ لَا وَفِي الْغَضَبِ أَنَّ لَهُ حَبْلٌ وَمَوْنَةٌ فَلَا بُدَّ)

تو اس کی قیمت کا ذکر کرنا شرط ہے تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ وہ مال نصاب ہے۔ جہاں تک اس کے علاوہ میں دعویٰ کا تعلق ہے تو شرط نہیں ”عمادیہ“۔ یہ سب شرطیں عین چیز کے دعویٰ میں ہے۔ دین میں یہ شرط نہیں اگر وہ ایسی شے کی قیمت کا دعویٰ کرے جس کو جان بوجھ کر ہلاک کیا گیا ہو تو دعویٰ اور شہادت میں اس کی جنس اور اس کی نوع کا بیان کرنا شرط ہے تاکہ قاضی کو علم ہو کہ وہ کس کا فیصلہ کر رہا ہے۔ جانور کے مذکر اور مونث کے بیان میں اختلاف کیا گیا ہے ”ابوليث“ نے بھی اس کی شرط لگائی ہے۔ ”الاختیار“ میں اسے اختیار کیا ہے۔ ”شہید“ نے عمر بیان کرنے کی شرط لگائی ہے۔ اس کی مکمل وضاحت ”العمادیہ“ میں ہے۔ ودیعت رکھنے کے بیان میں ودیعت رکھنے کی جگہ کی وضاحت ضروری ہے خواہ اس کے لیے بار برداری کی ضرورت ہو یا بار برداری کی ضرورت نہ ہو اور غصب کی صورت میں اگر بار برداری کی ضرورت ہو اور مشقت ہو

27635۔ (قوله: يُشْتَرَطُ ذِكْرُ الْقِيَمَةِ) ”شیخ عمر“ جو ”النہر“ کے مولف ہیں انہوں نے کہا: چاہیے کہ معنی یہ ہوں: جب عین (وہ چیز جس کے بارے میں دعویٰ ہے) حاضر ہو تو اس کی قیمت بیان کرنا شرط نہیں مگر چوری کے مال کا دعویٰ ہو تو اس کی قیمت ذکر کرنا شرط ہے۔ ”حموی“۔

27636۔ (قوله: وَهَذَا كُلُّهُ) مراد سابقہ تمام مذکورہ شرائط ہیں۔

27637۔ (قوله: لَا الدَّيْنِ) دین کے دعویٰ کا ذکر عنقریب متن میں آئے گا۔

اگر کوئی ایسی شے کی قیمت کا دعویٰ کرے جسے قصد اہلاک کیا گیا ہو تو اس کا حکم

27638۔ (قوله: اشْتَرَطَ بَيَانُ جِنْسِهِ) میں کہتا ہوں: مجھے اس محل میں شبہ ہے۔ وہ یہ ہے: اگر وہ مختلف اعیان کا دعویٰ کرے تو یہ گزر چکا ہے کہ سب کی ایک ہی دفعہ قیمت ذکر کرنا کافی ہے۔ ”الفصولین“ میں ذکر کیا ہے: اگر اس نے یہ دعویٰ کیا کہ اعیان اس کے ہاتھ میں موجود ہیں تو مدعی علیہ کو حکم دیا جائے گا کہ وہ ان کو حاضر کرے تو ان کے حاضر ہونے پر گواہیوں کو قبول کیا جائے گا۔ اگر اس نے کہا: وہ ہلاک ہو چکے ہیں اور سب کی ایک ہی دفعہ قیمت بیان کر دی تو اس کا دعویٰ سنا جائے گا۔

اس سے یہ امر ظاہر ہوگا کہ مصنف نے اعیان کے دعویٰ میں جو پہلے کہا ہے یہ اس دعویٰ کے متعلق ہے جب وہ اعیان ہلاک ہو چکے ہوں۔ ورنہ قیمت کے ذکر کرنے کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ ان اعیان کو حاضر کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ ہم نے پہلے ”ابن کمال“ سے نقل کیا ہے: جیسا عین کو حاضر کرنا معتذر ہو وہ ہلاک ہو چکے ہوں یا کوئی اور صورت ہو تو قیمت کا ذکر کرنا وصف

لِصَّحَّةِ الدَّعْوَى (مِنْ بَيَانِهِ وَإِلَّا حُلَّ لَهُ) وَفِي غَضَبٍ غَيْرِ الْمَثَلِيِّ يُبَيِّنُ قِيَمَتَهُ يَوْمَ غَضَبِهِ عَلَى الظَّاهِرِ عَمَادِيَّةً۔ (وَيُشْتَرَطُ التَّحْدِيدُ فِي دَعْوَى الْعَقَارِ كَمَا يُشْتَرَطُ فِي الشَّهَادَةِ عَلَيْهِ وَلَوْ كَانَ الْعَقَارُ (مَشْهُورًا) خِلَافًا لَهَا إِذَا عَرَفَ الشُّهُودُ الدَّارَ بَعَيْنَهَا فَلَا يُحْتَاجُ إِلَى ذِكْرِ حُدُودِهَا) كَمَا لَوْ ادَّعَى ثَمَنَ الْعَقَارِ لِأَنَّهُ دَعْوَى الدَّيْنِ حَقِيقَةٌ بَحْرًا (وَلَا بُدَّ مِنْ ذِكْرِ بَلَدٍ بِهَا الدَّارُ ثُمَّ الْمَحَلَّةُ ثُمَّ السِّكَّةُ)

تو دعویٰ کے صحیح ہونے کے لیے مکان کی وضاحت ضروری ہے۔ اگر بار برداری کی ضرورت نہ ہو تو مکان کی وضاحت کی ضرورت نہیں۔ غیر مثلی چیز کے غصب کی صورت میں وہ ظاہر روایت کے مطابق غصب کے دن اس کی جو قیمت تھی اس کی وضاحت کرے گا۔ جائیداد کے بارے میں دعویٰ کیا جائے تو حدود بیان کرنا شرط ہے جس طرح اس پر شہادت دینی ہو تو حدود بیان کرنا شرط ہے اگرچہ جائیداد مشہور ہو۔ ”صاحبین“ رحمہ اللہ علیہا نے اس سے اختلاف کیا ہے۔ مگر جب گواہوں نے بعینہ اس گھر کی وضاحت کر دی ہو تو اس کی حدود ذکر کرنے کی ضرورت نہیں جس طرح اگر ایک آدمی جائیداد کی ثمن کا دعویٰ کرے۔ کیونکہ یہ حقیقت میں دین کا دعویٰ ہے، ”بحر“۔ اس شہر کا ذکر کرنا ضروری ہے جس میں وہ گھر ہے پھر محلہ اور پھر گلی کا ذکر کرنا ضروری ہے۔

بیان کرنے سے اسے مستغنی کر دے گا۔ یہ اس کے موافق ہے جس کا ذکر مصنف نے ان اعیان میں کیا ہے جن کی قیمت کے ذکر پر اکتفا کیا ہے۔ یہاں ان کا قول اشتراط بیان جنسہ ونوعہ اشکال پیدا کر رہا ہے۔

اگر ہم یہ کہیں کہ قیمت کے ذکر کرنے کے ساتھ وصف کا بیان کرنا ضروری ہے تو قیمت کے دعویٰ اور ہلاک ہونے والے عین کے دعویٰ میں فرق ظاہر نہیں ہوگا تو صاحب المنح کا قول جو ”البحر“ کی تبع میں ہے: وَهَذَا كَلَهُ فِي دَعْوَى الْعَيْنِ لَا الدِّينِ كَمَا كَمَا مَعْنَى هُوَ، فَلْيَتَأَمَّلْ۔ ”البحر“ میں ”السراجیہ“ سے مروی ہے: ایک آدمی نے محدود شے کی ثمن کا دعویٰ کیا تو اس کی حدود کو بیان کرنے کی شرط نہیں لگائی جائے گی۔

27639۔ (قوله: مِنْ بَيَانِهِ) یعنی غصب کرنے کی جگہ کو بیان کرنا ضروری ہے۔

27640۔ (قوله: عَلَى الظَّاهِرِ) ”نور العین“ میں کہا: غیر مثلی چیز کے غصب میں اور اس کو ہلاک کرنے کی صورت

میں چاہیے کہ ظاہر روایت کے مطابق اس کے غصب کے دن کی قیمت کو بیان کرے۔ ایک روایت میں ہے: مَالِكٌ كَوَافٍ بِرَہُوْكَا کہ وہ غصب کے دن کی یا اس کے ہلاک ہونے کی قیمت کو لے یہ ضروری ہے کہ دونوں میں سے ہر ایک دن کی قیمت کو بیان کرے۔ اگر وہ اعیان کے ہلاک کرنے کی صورت میں ہزار دینار کا دعویٰ کرے تو ضروری ہوگا کہ وہ ہلاک کرنے کی جگہ میں جو ان کی قیمت ہو اس کو بیان کرے۔ اسی طرح یہ ضروری ہوگا کہ وہ اعیان کو بیان کرے۔ کیونکہ ان میں سے کچھ ذوات القیم میں سے ہیں اور کچھ مثلی ہیں۔

27641۔ (قوله: فِي دَعْوَى الْعَقَارِ) ”المغرب“ میں ہے: العقار سے مراد جاگیر ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس

سے مراد ہر ایسا مال ہے جس کی اصل ہے جیسے گھر، جاگیر۔ ہمارے مشائخ نے کتاب الشفعہ میں اس امر کی تصریح کی ہے کہ

فَيُبْدَأُ بِالْأَعْمِ ثُمَّ الْأَخْصِ فَالْأَخْصِ كَمَا فِي النَّسَبِ (وَيُكْتَفَى بِذِكْرِ ثَلَاثَةٍ) فَلَوْ تَرَكَ الرَّابِعَ صَحَّ، وَإِنْ ذَكَرَهُ
وَعَلِطَ فِيهِ لَا مُلْتَقَى لِأَنَّ الْمُدَّعَى يَخْتَلِفُ بِهِ ثُمَّ إِنَّمَا يَثْبُتُ الْغَلَطُ بِإِقْرَارِ الشَّاهِدِ فَصُولَيْنِ

وہ اعم سے شروع کرے گا پھر اخص پھر اس سے اخص کا ذکر کرے گا جس طرح نسب میں ہوتا ہے۔ متن کے ذکر پر اکتفا کیا جائے گا۔ اگر وہ چوتھی چیز کے ذکر کو ترک کر دے تو یہ صحیح ہوگا۔ اگر وہ اس کا ذکر کرے اور اس میں غلطی کر جائے تو صحیح نہیں ہوگا۔ ”ملتقی“۔ کیونکہ مدعی اس کے ساتھ مختلف ہو جاتا ہے پھر شاہد کے اقرار کے ساتھ غلطی ثابت ہو جاتی ہے، ”فصولین“۔

عمارت اور کھجور کے درخت منقول چیزوں میں سے ہیں اور جب ان دونوں کو سفیدہ زمین کے بغیر بیچا جائے تو ان میں کوئی شفع نہیں ہوگا۔ اگر سفیدہ زمین کے ساتھ اسے بیچا گیا ہو تو وہ تبع میں شفعہ واجب ہوگا۔ اس زمانہ کے بعض لوگوں نے اس میں غلطی کی اور کھجور کے درخت کو جائیداد سے قرار دیا ہے۔ اسے اس غلطی پر متنبہ کیا گیا تو انہوں نے اپنی عادت کے مطابق رجوع نہ کیا۔ ”بحر“۔

محتکسہ زمین میں جو عمارت ہوتی ہے اس میں شفعہ ثابت ہوتا ہے

”حاشیہ ابی سعود“ میں ہے: ان کے قول لا شفعہ فیہما تو اس پر محمول کیا جائے گا جب زمین محتکسہ (جس کو مہنگی قیمت بیچنے کے لیے روکا گیا ہو) نہ ہو ورنہ محتکسہ زمین میں جو عمارت ہوتی ہے اس میں شفعہ ثابت ہوتا ہے۔ کیونکہ جس چیز کے لیے عقار کا حق ہو تو وہ چیز عقار کے ساتھ لاحق ہو جاتی ہے جس طرح کتاب الشفعہ میں آئے گا۔

27642۔ (قوله: كَمَا فِي النَّسَبِ) کیونکہ صرف اس کا نام ذکر کرنا اس کا نام اور اس کے باپ کا نام ذکر کرنے سے عام ہے اور اس کا اور اس کے باپ کا نام ذکر کرنا یہ اس کا نام، اس کے باپ کا نام اور اس کے دادا کے نام کے ذکر کرنے سے زیادہ عام ہے، ”ح“۔ حاشیہ میں اسی طرح ہے۔

27643۔ (قوله: فَلَوْ تَرَكَ) یعنی مدعی یا شاہد اسے ترک کر دے تو ترک کرنے اور غلطی کرنے میں دونوں کا حکم ایک ہوگا جس طرح ”الفصولین“ میں اس کی تصریح کی ہے۔

27644۔ (قوله: وَعَلِطَ فِيهِ لَا) یعنی اس میں غلطی کی تو یہ صحیح نہیں ہوگا۔ اس کی مثل ہے جب نقد ثمن کے ساتھ کسی شے کو خریدنے کا دعویٰ کرے تو شہادت کو قبول نہیں کیا جائے گا اگرچہ وہ ثمن کی جنس بیان کرنے سے خاموش ہو جائیں۔ اگر وہ اسے ذکر کریں اور اس میں اختلاف کریں تو شہادت مقبول نہ ہوگی جس طرح ”زیلعی“ میں ہے۔ ”سأحانی“۔

27645۔ (قوله: فَصُولَيْنِ) کہ اس میں بھی ہے اگر مدعی علیہ اس کا دعویٰ کرے تو اسے نہیں سنا جائے گا اور اس کی گواہیاں قبول نہ کی جائیں گی۔ کیونکہ مدعی علیہ نے جب مدعی کو جواب دیا تو اس نے اس امر کی تصدیق کی کہ مدعی کی یہ حدود ہیں۔ پس غلط دعویٰ کے ساتھ وہ اپنے بعد کا مناقض ہو جائے گا۔ یا ہم کہیں گے غلط دعویٰ کی تفسیر یہ ہے کہ مدعی علیہ یہ کہے: اس کی حدود میں سے ایک وہ نہیں جس کا شاہد نے ذکر کیا ہے یا وہ کہے: صاحب حد کا یہ نام نہیں۔ یہ سب نفی ہے۔ اور نفی پر شہادت

(وَذِكْرُ أَسْمَاءِ أَصْحَابِهَا) أَمَى الْخُدُودِ (وَأَسْمَاءُ أَنْسَابِهِمْ، وَلَا بُدَّ مِنْ ذِكْرِ الْجَدِّ) لِكُلِّ مِنْهُمْ (إِنْ لَمْ يَكُنِ الرَّجُلُ مَشْهُورًا) وَإِلَّا اكْتَفَى بِأَسْمِهِ لِحُصُولِ الْمَقْصُودِ (وَ ذِكْرُ (أَنَّهُ) أَى الْعَقَارِ (فِي يَدِهِ) لِيَصِيرَ خَصْمًا (وَيَزِيدُ) عَلَيْهِ (بِغَيْرِ حَقِّ

اور ضروری ہے کہ ان حدود کے مالکوں کے ناموں کا ذکر کرے اور ان کے سب کے نسبوں کے ناموں کا ذکر کرے۔ اور ان میں سے ہر ایک کے دادا کا ذکر کرنا ضروری ہے اگر آدمی مشہور نہ ہو ورنہ اس کے نام پر اکتفا کیا جائے گا۔ کیونکہ مقصود حاصل ہو جاتا ہے۔ اور یہ ذکر کرنا ضروری ہے کہ جائیداد اس کے قبضہ میں ہے تاکہ وہ خصم بن جائے۔ اور اس پر غیر حق کا اضافہ کرے

کو قبول نہیں کیا جاتا۔

صاحب ”جامع الفصولین“ کی اس مذکورہ مسئلہ میں بحث ہے جسے ہم نے ”البحر“ کے حاشیہ میں لکھا ہے۔ اس کا حاصل یہ ہے: یہ ممکن ہے کہ مدعی یہ جواب دے کہ یہ تیرا نہیں تو یہ مناقض نہ ہوگی یا ابتداء جواب دے کہ تو نے جو حد بیان کی ہے یہ اس کے مخالف ہے پس تفصیل چاہیے۔ اس کی مکمل بحث اس میں ہے۔

”ساحانی“ کی تحریر یہ ہے: خلاصی کی صورت یہ ہے: مدعی علیہ یہ کہے: جس کی حدود بیان کی گئی ہیں میرے قبضہ میں نہیں۔ تو یہ لازم آتا ہے کہ خصم کہے: بلکہ یہ تیرے قبضہ میں ہے لیکن غلطی ہوئی ہے۔ پس اس کے ساتھ وہ ممنوع ہو جائے گا۔ اگر مجلس میں گواہ غلطی کا تدارک کر دے تو اسے قبول کر لیا جائے گا یا مجلس کے علاوہ میں کرے جب وہ تطبیق دے، ”بزازیہ“۔ اس کی عبارت ہے: اگر وہ ایک حد یا دو حدوں میں غلطی کریں پھر وہ مجلس یا غیر مجلس میں تدارک کریں تو تطبیق کے امکان کی صورت میں اسے قبول کر لیا جائے گا۔ اس کی صورت یہ ہے کہ وہ کہے: اس کا نام فلاں تھا پھر اس کا فلاں نام ہو گیا یا فلاں نے اسے بیچا اور مذکور فرد نے اسے خریدا۔

اگر آدمی مشہور نہ ہو تو زمین کی حدود کے مالکوں کے ناموں کے ساتھ دادا کا نام ذکر کرنا ضروری ہے 27646۔ (قوله: وَلَا بُدَّ مِنْ ذِكْرِ الْجَدِّ) باب الشہادۃ علی الشہادۃ سے تھوڑا پہلے (مقولہ 27145 میں) ہم نے ذکر کیا ہے کہ اس تحریر (دستاویز) میں جو حدود بیان کی گئی ہیں اس کے بارے میں دعویٰ اور شہادت صحیح ہے۔ جہاں تک تعلق ہے تو اس کی حدود بیان کرنا ضروری ہے اگرچہ امام ”ابو حنیفہ“ رحمہ اللہ کے نزدیک وہ مشہور ہو۔ اور مکمل تعریف اس صورت میں ہوتی ہے جب صاحب حد کے دادا کا نام لے۔ اور ”صاحبین“ رحمہ اللہ کے نزدیک معروف گھر کی صورت میں اس کی حدود کا اس طرح بیان کرنا ضروری نہیں جس طرح کوفہ میں عمر بن حارث کا گھر ہے۔ اس تعبیر کی بنا پر اگر وہ یہ ذکر کرے فلاں کے گھر کے ساتھ ملا ہوا اور اس کے نام اور نسب کا ذکر نہ کرے جب کہ وہ گھر معروف ہو تو یہ اسے کافی ہوگا۔ کیونکہ ان دونوں کی ضرورت اس آدمی کو باخبر کرنے کے لیے ہوتی ہے۔ یہ ان باتوں میں سے ہے جنہیں اچھی طرح یاد کیا جانا چاہیے۔ ”فصولین“۔

فرع: ”جامع الفصولین“ میں کہا: اگر اس نے فلاں کے وارثوں کے گھر کے ساتھ ملے ہونے کا ذکر کیا تو تعریف حاصل

إِنْ كَانَ الدَّعَى (مَنْقُولًا) لِمَا مَرَّ (وَلَا تَثْبُتُ يَدُهُ فِي الْعَقَارِ بِتَصَادُقِهَا بَلْ لَا بُدَّ مِنْ بَيِّنَةٍ أَوْ عِلْمٍ قَاضٍ) لِحْتِمَالِ تَزْوِيرِهَا بِخِلَافِ الْمَنْقُولِ لِبُعَايْنَةِ يَدِهِ، ثُمَّ هَذَا لَيْسَ عَلَى إِطْلَاقِهِ بَلْ (إِذَا ادَّعَى) الْعَقَارَ

اگر مدعی منقول ہو اس کی دلیل وہی ہے جو گزر چکی ہے۔ اور دونوں کی باہم تصدیق سے قبضہ ثابت نہیں ہوگا بلکہ گواہیاں ضروری ہیں یا قاضی کا علم ضروری ہے۔ کیونکہ دھوکہ دہی کا احتمال موجود ہے۔ منقول کا معاملہ مختلف ہوگا۔ کیونکہ اس کے قبضہ کا معاینہ کیا جاسکتا ہے۔ پھر یہ مطلق نہیں بلکہ جب وہ جائیداد کا

نہ ہوگی۔ کیونکہ تعریف تو اس آدمی کا نام اور اس کے نسب کے ذکر سے حاصل ہوتی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ صحیح ہے۔ کیونکہ یہ تعریف کے اسباب میں سے ہے۔ اور پہلے قول کی علت اس سے قبل بیان کر دی ہے وہ یہ کہ وارث مجہول ہیں ان میں سے کچھ اصحاب الفروض ہیں، کچھ عصبہ ہیں اور کچھ ذورحم ہیں۔ پھر اشارہ کیا: اگر یہ لکھا: فلاں کے ورثاء کے متصل جب کہ یہ تقسیم سے پہلے ہو ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ صحیح ہوگا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: صحیح نہیں ہوگا۔ پھر اشارہ کیا: اس نے لکھا: فلاں کے ترکہ کے گھر کے متصل تو یہ حد بیان کرنے کے اعتبار سے صحیح ہوگا۔ اگر اس نے اس کی حدود میں اسے ایک حد کو ایسی زمین قرار دیا جس کے مالک کا پتہ نہ ہو تو یہ کافی نہ ہوگا۔

میں کہتا ہوں: اگر وہ زمین معروف ہو تو چاہیے کہ قابض کے ذکر کی ضرورت نہ ہو۔ کیونکہ غرض حاصل ہو چکی ہے۔ یہ امر مخفی نہیں کہ ان کی بحث ”امام صاحب“ رحمہ اللہ کے قول کے مخالف ہے جس طرح ہم پہلے ان سے بیان کر چکے ہیں۔ پھر کہا: اگر اس نے اس کی حدود میں سے ایک کو مملکت کی زمین قرار دیا تو یہ صحیح ہوگا اگرچہ وہ یہ ذکر نہ کرے کہ وہ فلاں کے قبضہ میں ہے۔ کیونکہ سلطان کے نائب کے واسطے سے سلطان کے قبضہ میں ہے اور راستہ حد بننے کی صلاحیت رکھتا ہے جب کہ اس کا طول و عرض بیان نہ کیا جائے۔ مگر ایک قول ایسا ہے جس کے مطابق حد بننے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ اور بعض علماء کے نزدیک حد بننے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ اسی طرح دیوار ہے۔ یہ ایک روایت ہے: ظاہر مذہب کے مطابق حد بننے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ خندق نہر کی طرح ہے۔ اگر وہ کہے: لزیق ارض فلاں۔ فلاں کی زمین کے متصل اور فلاں کی اس دیہات میں بہت زیادہ متفرق مختلف زمینیں ہیں۔ دعویٰ اور شہادت صحیح ہوگی۔ اگر وہ یہ ذکر کرے وقف کی زمین کے متصل تو یہ کافی نہیں ہوگا۔ اور چاہیے کہ وہ یہ ذکر کرے کہ وہ فقراء، مسجد یا اس طرح کی چیز پر وقف ہے اور یہ وقف کرنے والے کے ذکر کی طرح ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: واقف کے ذکر کرنے سے تعریف ثابت نہیں ہوتی جب تک وہ یہ ذکر نہ کرے کہ وہ فلاں کے قبضہ میں ہے۔

میں کہتا ہوں: چاہیے کہ یہ اس تقدیر پر ہو کہ معرفت صرف اسی صورت میں حاصل ہوتی ہے ورنہ یہ بلا ضرورت اسے تنگی میں ڈالنا ہے۔

27647۔ (قوله: مَنْقُولًا) یہ اس کے ساتھ تکرار ہے جس کا قول گزر چکا ہے۔ ”س“۔

27648۔ (قوله: وَلَا تَثْبُتُ يَدُهُ فِي الْعَقَارِ بِتَصَادُقِهَا الْخ) یہ اکثر واقع ہوتا ہے اور ہمارے زمانہ کے کثیر

(مِلْكًا مُطْلَقًا أَمَّا فِي دَعْوَى الْغَضَبِ وَ دَعْوَى (الشَّمَاءِ) مِنْ ذِي الْيَدِ (فَلَا يَفْتَقِرُ لِبَيِّنَةٍ، لِأَنَّ دَعْوَى الْفِعْلِ كَمَا تَصَحُّ عَلَى ذِي الْيَدِ تَصَحُّ عَلَى غَيْرِهِ أَيْضًا بِزَايَةٍ) (وَذِكْرُ (أَنَّهُ يُطَالِبُهُ بِهِ) لِتَوْقُفِهِ عَلَى طَلَبِهِ وَلَا خِتَالٍ رَهْنِهِ أَوْ حَبْسِهِ بِالشَّمَنِ وَبِهِ اسْتُغْنِيَ عَنْ زِيَادَةِ بَغِيرِ حَقِّ فَافْهَمُ (وَلَوْ كَانَ) مَا يَدْعِيهِ

ملک مطلق کے طور پر دعویٰ کرے۔ جہاں تک غصب کے دعویٰ کا تعلق ہے اور قابض سے خریداری کے دعویٰ کا تعلق ہے تو اس کے لیے گواہوں کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ دعویٰ فعل جس طرح قابض پر صحیح ہے اسی طرح غیر پر بھی صحیح ہے۔ ”بزازیہ“۔ اور یہ ذکر کرنا شرط ہے کہ وہ اس سے اس امر کا مطالبہ کر رہا ہے۔ کیونکہ وہ اس کے مطالبہ پر موقوف ہے۔ کیونکہ اس کے دین ہونے اور ثمن کے بدلے میں اس کے محبوس ہونے کا احتمال موجود ہے اس کے ساتھ بغیر حق کے اضافہ سے وہ مستغنی ہو گیا ہے اسے خوب سمجھ لیجئے۔ جس چیز کا وہ دعویٰ کرتا ہے

قاضی اس سے غافل ہیں۔ کیونکہ دستاویزات میں اکثر لکھا ہوتا ہے اس نے مذکورہ جائیداد پر اس کے قبضہ کا اقرار کیا۔ مدعی کے لیے یہ کہنا ضروری ہے وہ جائیداد پر قابض ہے اور دو گواہ اس کی گواہی دیتے ہیں۔ اسی وجہ سے میں نے اسے اپنے ان اشعار میں نظم کیا ہے۔

مع التصديق فلا تُبارِ واليد لا تثبت في العقار

عليه غصبا او شراء مدعى بل يلزم البرهان ان لم يدع

باہم تصدیق کرنے سے تو شک میں نہ پڑ عقار (غیر منقولہ شے) میں قبضہ ثابت نہیں ہوتا غصب کے ساتھ یا مدعی کے خریدنے کے ساتھ بلکہ برہان لازم ہے اگر وہ نہ چھوڑے۔

”جامع الفصولین“ میں ”الخانیہ“ کی رمز کے ساتھ ہے: ایک آدمی نے کسی شے کا دعویٰ کیا جو کسی اور کے قبضہ میں ہے کہا: وہ میری ملکیت ہے اس نے اس شے پر اس کے قبضہ کو بغیر حق کے ظاہر کیا۔ علماء نے کہا: ہر قابض کے خلاف غصب کا دعویٰ نہیں۔ صاحب ”الفصولین“ نے کہا: جو قول گزر چکا ہے اس کا قیاس ”فش“ (فتاویٰ رشید الدین) میں: اگر وہ یہ دعویٰ کرے کہ یہ اس کی ملکیت ہے اور تیرے قبضہ میں بغیر حق کے ہے تو یہ صحیح ہوگا۔ اگر وہ غصب کے دن کا ذکر نہ کرے تو چاہیے کہ یہ صحیح ہو۔ اس کی مکمل وضاحت چھٹی فصل میں ہے۔

27649۔ (قوله: يُطَالِبُهُ بِهِ) خواه وہ عین ہو یا دین ہو وہ منقول چیز ہو یا غیر منقول چیز ہو۔ اگر وہ کہے: میرے اس پردے درہم ہیں اور اس پر کچھ زائد نہ کرے تو یہ صحیح نہ ہوگا جب تک وہ قاضی سے یہ نہ کہے: اسے حکم دو یہاں تک کہ وہ اسے عطا کر دے ایک قول یہ کیا گیا ہے یہ صحیح ہے۔ یہی قول صحیح ہے۔ ”قہستانی“، ”ساعحانی“۔

27650۔ (قوله: وَبِهِ اسْتُغْنِيَ) یعنی اس چیز کے ذکر کرنے کے ساتھ کہ وہ اس کا مطالبہ کرنے والا ہے کیونکہ جب حق کے بدلے میں محبوس ہو تو اسے مطالبہ کا کوئی حق نہیں ہوگا۔

(دَيْنًا) مَكِيلًا أَوْ مَوْزُونًا نَقْدًا أَوْ غَيْرَهُ (ذَكَرَ وَصَفَهُ) لِأَنَّهُ لَا يُعْرَفُ إِلَّا بِهِ (وَلَا بُدَّ فِي دَعْوَى الْبَشَلِيَّاتِ مِنْ ذِكْرِ الْجِنْسِ وَالنَّوْعِ وَالصِّفَةِ وَالْقَدْرِ وَسَبَبِ الْوُجُوبِ) فَلَوْ ادَّعَى كَرَّ بَرِّ دَيْنًا عَلَيْهِ وَلَمْ يَذْكُرْ سَبَبًا لَمْ تُسْمَعْ؛ وَإِذَا ذَكَرَ، فَفِي السَّلَامِ إِنَّمَا لَهُ الْبُطَالَةُ فِي مَكَانِ عَيْنَاهُ، وَفِي نَحْوِ قَرْضٍ وَغَضَبٍ وَاسْتِهْلَاكِ فِي مَكَانِ الْقَرْضِ وَنَحْوِهِ بَحْرٌ فَلْيُحْفَظْ (وَيَسْأَلُ الْقَاضِي الْمُدَّعَى عَلَيْهِ) عَنِ الدَّعْوَى فَيَقُولُ إِنَّهُ ادَّعَى عَلَيْكَ كَذَا فَمَاذَا تَقُولُ (بَعْدَ صِحَّتِهَا وَإِلَّا) تَصُدُّرُ صَحِيحَةٌ (لَا) يَسْأَلُ لِعَدَمِ وُجُوبِ جَوَابِهِ (فَإِنْ أَقْرَأَ) فِيهَا

اگر وہ دین ہو وہ کیلی ہو یا وزنی ہو وہ نقدی ہو یا غیر نقدی ہو تو وہ اس کا وصف ذکر کرے۔ کیونکہ دین کی تعریف اسی کے ساتھ ہوتی ہے۔ مثلی چیزوں کے دعویٰ میں جنس، نوع، صفت، قدر اور وجوب کے سبب کو ذکر کرنا ضروری ہے۔ اگر وہ اس پر ایک کر گندم کا بطور دین کے دعویٰ کرے اور سبب کا ذکر نہ کرے تو اسے نہیں سنا جائے گا۔ جب وہ ذکر کرے تو بیع سلم کی صورت میں اسے وہاں مطالبہ کا حق ہوگا جس کو ان دونوں نے معین کیا۔ قرض، غصب اور جان بوجھ کر ہلاک کرنے کی صورت میں قرض وغیرہ کی جگہ میں مطالبہ کا حق ہوگا۔ پس اسے یاد رکھیے۔ قاضی مدعی علیہ سے دعویٰ کے بارے میں سوال کرے وہ اسے کہے گا: اس نے تجھ پر اس چیز کا دعویٰ کیا ہے تو کیا کہتا ہے؟ یہ معاملہ اس وقت ہوگا جب اس کا دعویٰ صحیح ہو۔ اگر دعویٰ صحیح نہ ہو تو وہ سوال نہیں کرے گا۔ کیونکہ اس کا جواب دینا واجب نہیں۔ اگر وہ اقرار کر لے تو بہتر

جو متون اور شروح میں ہے وہ فتاویٰ پر مقدم ہے

27651۔ (قوله: ذَكَرَ وَصَفَهُ) ”الکنز“ میں یہ زائد ذکر کیا ہے کہ وہ اس کا مطالبہ کرے۔ ”البحر“ میں کہا: متون اور شروح میں اس کو یقین کے ساتھ بیان کیا ہے۔ جہاں تک اصحاب الفتاویٰ کا تعلق ہے جیسے ”الخلاصہ“ اور ”البرزازیہ“ تو انہوں نے شرط لگانے کو ضعیف قول قرار دیا ہے۔ مراد واطالبہ بہ (میں اس کا مطالبہ کرتا ہوں) کا لفظ نہیں بلکہ یہ لفظ ہے یا جو اس کا فائدہ دے اس کے قول میں سے یہ ہے اسے حکم دوتا کہ وہ مجھے میرا حق دے دے جس طرح ”العمدہ“ میں ہے۔ یہ امر مخفی نہیں کہ مصنف کو اس کا ذکر کرنا چاہیے۔ کیونکہ علماء نے کہا: جو متون اور شروح میں ہے وہ اس پر مقدم ہے جو الفتاویٰ میں ہے۔

27652۔ (قوله: مِنْ ذِكْرِ الْجِنْسِ) جنس کا ذکر جیسے گندم اور نوع کا ذکر جیسے سقیہ جو اس زمین سے ہو جس کو سیراب کیا جاتا ہے اور صفت کا ذکر جیسے عمدہ۔

27653۔ (قوله: لَمْ تُسْمَعْ) بیع سلم میں اس کی شرائط ذکر کرے گا جیسے وہ اس المال کی جنس کی خبر دے اور اس کے غیر میں اس کی نوع، اس کی صفت اور وزن کی مقدار بیان کرے اگر وہ وزنی ہو اور مجلس میں نقدی ادا کرے یہاں تک کہ وہ عقد صحیح ہو جائے۔

اگر وہ کہے: اس بیع صحیح کے سبب جو ان دونوں کے درمیان جاری ہوئی تو بغیر اختلاف کے دعویٰ صحیح ہو جائے گا۔ اس تعبیر

(أَوْ أَنْكَرَ فَبَرَّهَنَ الْمُدَّعَى قَضَى عَلَيْهِ) بِمَا طَلَبَ الْمُدَّعَى (وَالْإِلَّا يُبَرِّهَنُ) (حَلَفَهُ) الْحَاكِمُ (بَعْدَ طَلَبِهِ) إِذْ لَا بُدَّ مِنْ طَلَبِهِ الْيَمِينِ فِي جَمِيعِ الدَّعَاوَى إِلَّا عِنْدَ الثَّانِي فِي أَرْبَعٍ عَلَى مَا فِي الْبَرَّازِيَّةِ،

یا وہ انکار کر دے تو مدعی نے گواہیاں قائم کر دیں تو مدعی کے مطالبہ کے بغیر وہ اس کا فیصلہ کرے گا۔ کیونکہ تمام قسم کے دعوؤں میں اسے قسم کا مطالبہ کرنے کا حق ہوگا مگر امام ”ابو یوسف“ رحمہ اللہ کے نزدیک چار قسم کے دعوؤں میں اسے مطالبہ کا حق نہیں ہوگا جیسے ”بزازیہ“ میں ہے کہا:

کی بنا پر ہر ایسا سبب جس کی بے شمار شرائط ہوں اس کے اس قول پر اکتفا نہیں کیا جائے گا فلاں صحیح سبب کے ساتھ جب شرائط قلیل ہوں تو اس پر اکتفا کیا جائے گا۔

”شمس الائمہ“ نے اس آدمی کے بارے میں جواب دیا جس نے یہ کہا: اس نے صحیح کفالت کی، یہ صحیح نہیں جس طرح بیع مسلم صحیح نہیں۔ کیونکہ ممکن ہے یہ اس کے اعتقاد میں صحیح ہو۔ نہ کہ اس حنفی کے پاس صحیح ہو جو قبول کے بغیر اس کے معدوم ہونے کا اعتقاد رکھتا ہو۔ پس وہ کہے گا: اس نے کفالت اٹھائی اور مکفول لہ نے مجلس میں اسے قبول کر لیا۔ قرض میں وہ یہ ذکر کرے گا اس نے اپنے مال سے اسے قرض دیا۔ کیونکہ یہ جائز ہے کہ وہ وکیل ہو جب کہ وہ سفیر ہوتا ہے مطالبہ کا اختیار نہیں رکھتا۔ وہ یہ ذکر کرے گا کہ اس نے اس پر قبضہ کیا اور اپنی ضروریات میں اسے صرف کیا تا کہ وہ بالا جماع دین ہو جائے۔ کیونکہ امام ”ابو یوسف“ رحمہ اللہ کے نزدیک وہ اس کے صرف کرنے اور جان بوجھ کر ہلاک کرنے پر موقوف ہے، ”بزازیہ“ ملخص۔

27654۔ (قوله: فَبَرَّهَنَ) اس کا ظاہر معنی یہ ہے کہ بینہ حق پر قائم نہیں کی جاتیں۔ ”البحر“ میں کہا: مگر چار میں۔ پس اس کی طرف رجوع کیجئے۔ اس میں ہے: اگر اس نے گواہوں کے بعد اقرار کیا تو اقرار کی وجہ سے فیصلہ کیا جائے گا بینہ کی وجہ سے فیصلہ نہیں کیا جائے گا۔ اگر وہ جواب دینے سے خاموشی اختیار کر لے تو اسے مجبوس کر دیا جائے گا یہاں تک کہ وہ اس کا جواب دے پس اس کی طرف رجوع کیجئے۔

تمام قسموں کے دعوؤں میں مدعی کو قسم کا مطالبہ کرنے کا حق ہوگا سوائے چار قسموں کے دعوؤں کے

27655۔ (قوله: حَلَفَهُ الْحَاكِمُ) اس کی قسم کے ساتھ اس کا حق باطل نہیں ہوگا لیکن اسے حق حاصل نہیں کہ وہ اس کے ساتھ خصومت کرے جب تک وہ اپنے دعویٰ کے موافق گواہیاں پیش نہ کر دے اگر وہ گواہیاں پائے تو انہیں قائم کر دے اور گواہوں کے مطابق قاضی اس کے حق میں فیصلہ کر دے، ”درر“۔ حاشیہ میں اسی طرح ہے۔

27656۔ (قوله: فِي أَرْبَعٍ) عیب کی وجہ سے بیع کو رد کرنے کی صورت میں مشتری سے یہ قسم لی جائے گی: اللہ کی قسم تو عیب پر راضی نہیں تھا اور شفعہ کرنے والے سے قسم لی جائے گی: اللہ کی قسم تو نے اپنے شفعہ کو باطل نہیں کیا۔ عورت جب اپنے غائب خاوند کے خلاف نفقہ کی تعیین کا مطالبہ کرے تو اس سے قسم لی جائے گی: اللہ کی قسم تیرے خاوند نے تیرے لے کوئی شے نہیں چھوڑی اور نہ ہی تجھے نفقہ دیا۔ اور چوتھی چیز یہ ہے مستحق سے قسم لی جائے گی: اللہ کی قسم تو نے بیع نہیں کی۔ حاشیہ میں اسی

قَالَ وَأَجْمَعُوا عَلَى التَّحْلِيفِ بِلَا طَلَبٍ فِي دَعْوَى الدِّينِ عَلَى الْمَيْتِ (وَإِذَا قَالَ) الْمُدَّعَى عَلَيْهِ (لَا أَقْرُ وَلَا أَنْكِرُ) لَا يُسْتَحْلَفُ بَلْ يُحْبَسُ لِيُقَرَّ أَوْ يُنْكَرَ دُرُّهُ، وَكَذَا لَوْلَزِمَ السُّكُوتُ بِلَا آفَةِ عِنْدَ الثَّانِي خُلَاصَةً قَالَ فِي الْبَحْرِ وَبِهِ أَفْتَيْتُ لِمَا أَنَّ الْفَتْوَى عَلَى قَوْلِ الثَّانِي فِيمَا يَتَعَلَّقُ بِالْقَضَاءِ

علمائے میت کے خلاف دین کے دعویٰ میں مطالبہ کے بغیر قسم لینے پر اجماع کیا ہے۔ جب مدعی علیہ کہے: نہ میں اقرار کرتا ہوں اور نہ ہی انکار کرتا ہوں تو اس سے قسم کا مطالبہ نہیں کیا جائے گا بلکہ اسے محبوس کیا جائے گا تا کہ وہ اقرار کر لے یا اس کا انکار کرے، ”درر“۔ اسی طرح اگر وہ کسی آفت کے بغیر خاموشی کو لازم پکڑے۔ یہ امام ”ابو یوسف“ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ہے، ”خلاصہ“۔ ”البحر“ میں کہا: اس کے مطابق میں فتویٰ دیتا ہوں۔ کیونکہ وہ امور جو قضا سے متعلق ہیں ان میں فتویٰ امام ”ابو یوسف“ رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے مطابق ہوتا ہے۔

طرح ہے۔ اس میں ہے:

فرع: ایک آدمی نے دوسرے آدمی پر دعویٰ کیا: میرے باپ کے تجھ پر سودینار ہیں۔ جب کہ میرا باپ ان سے اپنا پورا حق وصول کرنے سے قبل مر گیا اور اس کی موت کی وجہ سے وہ میرے میراث بن گئے ہیں اور اس نے سودینار سپرد کرنے کا مطالبہ کیا مدعی علیہ نے کہا: تیرے باپ کے مجھ پر سودینار تھے مگر ان میں سے اسی دینار تیرے باپ کو اس کی زندگی میں دے دیئے تھے تیرے باپ نے فارسی زبان میں فلاں دن میرے گھر میں سمرقند شہر میں ان پر قبضہ کرنے کا اقرار کیا تھا اور اس پر گواہیاں قائم کر دیں۔ مدعی نے مدعی علیہ سے کہا: تو نے میرے باپ کے اس اقرار کا جو دعویٰ کیا ہے کہ اس نے تجھ سے اسی دینار وصول کیے تھے اس میں باطل ہے۔ کیونکہ اس دن جس کا تو دعویٰ کر رہا ہے کہ اس نے اس دن میں اقرار کیا تھا وہ سمرقند شہر سے غائب تھا وہ بڑے شہر میں تھا اور اس نے اس دعویٰ پر گواہ پیش کر دیئے۔ کیا مدعی علیہ کی گواہیاں مدعی کے بینہ سے ختم ہو جائیں گئے؟ ایک قول یہ کیا گیا ہے: نہیں۔ مگر مدعی کے باپ کی سمرقند سے اس دن عدم موجودگی جس دن کے بارے میں مدعی علیہ کے گواہوں نے گواہی دی تھی تو اس نے سمرقند میں اقرار کیا تھا کہ اس نے حق لے لیا ہے اور اس کا بڑا شہر ہونا ظاہر و مشہور ہے جیسے ہر چھوٹا اور بڑا، ہر عالم اور جاہل پہچانتا ہے اس وقت قاضی، مدعی کے بینہ کے ساتھ مدعی علیہ کے بینہ کو رد کر دے گا۔ ”الذخیرہ“ میں اسی طرح ہے۔ ”فتاویٰ ہندیہ“، الباب التاسع فی الشہادۃ علی النفی والاثبات۔

27657۔ (قوله: وَأَجْمَعُوا) زیادہ مناسب یہ قول تھا: والافی دعوی الدین علی المیت اتفاقاً۔ قسم لینے کی صورت

یہ ہے کہ قاضی سے کہے: اللہ کی قسم تو نے مدیون سے اپنا حق وصول نہیں کیا اور نہ ہی کسی اور شخص نے اس کی جانب سے کوئی چیز ادا کی ہے۔ اور نہ ہی تیرے امر سے کسی وصول کرنے والے نے تیرے لیے اسے وصول کیا ہے، نہ تو نے اسے قرض سے بری کیا ہے اور نہ ہی کسی شے سے بری کیا ہے۔ اور نہ ہی تو نے اس میں سے کسی سے کچھ حوالہ کیا ہے اور نہ تیرے پاس اس کے بدلے میں اور نہ ہی اس میں سے کسی شے کے بدلے میں کوئی رہن ہے۔ ”البحر“ میں ”البرزازیہ“ سے اسی طرح مروی ہے،

ثُمَّ نُقِلَ عَنِ الْبَدَائِعِ الْأَشْبَهُ أَنَّهُ إِنْكَارٌ فَيُسْتَحْلَفُ، قَيِّدُنَا بِتَحْلِيفِ الْحَاكِمِ لِأَنَّهُمَا لَوْ (اُضْطَلَحَا عَلَى أَنْ يَحْلِفَ عِنْدَ غَيْرِ قَاضٍ وَيَكُونُ بَرِيئًا فَهُوَ بَاطِلٌ) لِأَنَّ الْيَمِينَ حَقُّ الْقَاضِي مَعَ طَلَبِ الْخَصْمِ وَلَا عِبْرَةَ بِالْيَمِينَ وَلَا نَكُولٍ عِنْدَ غَيْرِ الْقَاضِي (فَلَوْ بَرَّهَنَ عَلَيْهِ) أُنِيَ عَلَى حَقِّهِ (يُقْبَلُ وَإِلَّا يُحْلَفُ ثَانِيًا عِنْدَ قَاضٍ) بِزَازِيَّةٍ إِلَّا إِذَا كَانَ حَلْفُهُ الْأَوَّلُ عِنْدَهُ فَيَكْفِي دُرًّا وَنَقَلَ الْمُصَنِّفُ عَنِ الْقُنْيَةِ أَنَّ التَّحْلِيفَ حَقُّ الْقَاضِي،

پھر ”البدائع“ سے نقل کیا: زیادہ مناسب یہ ہے کہ یہ انکار ہے۔ پس اس سے قسم کا مطالبہ کیا جائے گا ہم نے حاکم کی جانب سے قسم لینے کی قید لگائی ہے۔ کیونکہ اگر دونوں اس بات پر صلح کر لیں کہ وہ قاضی کے علاوہ کسی اور کے ہاں قسم اٹھالے اور وہ بری ہو جائے تو یہ باطل ہوگا۔ کیونکہ خصم کے مطالبہ کے ساتھ قسم قاضی کا حق ہے۔ قاضی کے علاوہ کے ہاں نہ قسم دینے کا اعتبار ہے اور نہ ہی قسم سے انکار کا اعتبار ہے۔ اگر وہ اپنے حق پر گواہیاں قائم کر دے تو اسے قبول کیا جائے گا ورنہ قاضی کے نزدیک دوبارہ اس سے قسم لے گا، ”بزازیہ“۔ ورنہ جب اس کی پہلی قسم قاضی کے پاس ہو تو یہ کافی ہوگی، ”درر“۔ مصنف نے ”القنیہ“ سے نقل کیا ہے: قسم لینا یہ قاضی کا حق ہے

”ح“۔ حاشیہ میں اسی طرح ہے۔

اور اس سے قسم کا مطالبہ کیا جائے گا اگر مریض اپنی مرض موت میں اس کا اقرار کرے جس طرح ”الاشباہ“ میں ”تاترخانیہ“ سے مروی ہے۔ شارح نے کتاب القضاء کی باب التحکیم سے تھوڑا پہلے اسے بیان کیا ہے۔
27658۔ (قوله: ثُمَّ نُقِلَ) یعنی متن کے مسئلہ میں اسے نقل کیا ہے۔

حاشیہ میں کہا: ان کا قول: ثُمَّ نُقِلَ عَنِ الْبَدَائِعِ اس میں متبادر یہ ہے کہ یہ سکوت کے مسئلہ کی طرف راجع ہے۔ یہ اس طرح نہیں بلکہ یہ متن کی طرف راجع ہے۔

”البحر“ میں کہا: ”المجمع“ میں ہے: اگر وہ کہے: نہ میں اقرار کرتا ہوں اور نہ ہی انکار کرتا ہوں تو قاضی اس سے قسم کا مطالبہ نہیں کرے گا۔ شارح نے کہا: بلکہ امام ”ابو حنیفہ“ رحمہ اللہ کے نزدیک اسے مجبوس کر دے گا یہاں تک کہ وہ اقرار کرے یا انکار کرے۔ ”صاحبین“ رحمہ اللہ نے کہا: اس سے قسم لی جائے گی۔ ”البدائع“ میں ہے: یہ انکار ہے۔ یہ ”صاحبین“ رحمہ اللہ کے قول کی تصحیح ہے جس طرح یہ امر مخفی نہیں کیونکہ الاشباہ تصحیح کے الفاظ میں سے ہے جس طرح ”بزازیہ“ میں ہے۔ ”ح“۔

27659۔ (قوله: إِلَّا إِذَا كَانَ) یہ مستثنیٰ منقطع ہے کیونکہ مسئلہ کی صورت یہ ہے کہ پہلی قسم قاضی کے علاوہ کسی اور کے

ہاں ہے۔

27660۔ (قوله: حَلْفُهُ الْأَوَّلُ عِنْدَهُ) یعنی پہلی قسم قاضی کے پاس ہو یعنی دوبارہ قسم کا مطالبہ کرنے کی ضرورت نہیں۔ یہ چیز ذہن نشین کر لو جس طرح یہ امر مخفی نہیں یہ استثنا کا موقع نہیں، ”ح“۔ مگر مراد یہ ہو یہ اس کے قضا کا عہدہ قبول کرنے سے پہلے اس کے پاس قسم اٹھائی ہو۔ تامل۔ اور اس کی طرف رجوع کیجئے۔ او ان کا قول حلفہ یہ ف کے فتح، لام کے

فَمَا لَمْ يَكُنْ بِاسْتِحْلَافِهِ لَمْ يُعْتَبَرْ (وَكَذَا لَوْ أَصْطَلَحَا أَنَّ الْمُدَّعَى لَوْ حَلَفَ فَالْخَصْمُ ضَامِنٌ لِلْمَالِ (وَحَلَفَ) أَمَى الْمُدَّعَى (لَمْ يَضْمَنْ) الْخَصْمُ لِأَنَّ فِيهِ تَغْيِيرَ الشَّرْعِ (وَالْيَبِينُ لَا تُرَدُّ عَلَى مُدَّعٍ لِحَدِيثِ الْبَيِّنَةِ عَلَى الْمُدَّعَى وَحَدِيثُ الشَّاهِدِ وَالْيَبِينِ ضَعِيفٌ بَلَا رَدِّهِ ابْنُ مَعِينٍ بَلْ أَنْكَرَهُ الرَّاوى عَيْنِي (بَرْهَنَ) الْمُدَّعَى (عَلَى دَعْوَاهُ وَطَلَبَ مِنَ الْقَاضِي أَنْ يُحْلِفَ الْمُدَّعَى أَنَّهُ مُحِقٌّ فِي الدَّعْوَى أَوْ عَلَى أَنَّ الشُّهُودَ صَادِقُونَ أَوْ مُحِقُّونَ فِي الشَّهَادَةِ لَا يُجِيبُهُ) الْقَاضِي إِلَى طَلَبَتِهِ لِأَنَّ الْخَصْمَ لَا يَحْلِفُ مَرَّتَيْنِ فَكَيْفَ الشَّاهِدُ لِأَنَّ لَفْظَ أَشْهَدُ عِنْدَنَا يَبِينٌ، وَلَا يُكْرَرُ الْيَبِينُ لَأَنَّا أَمَرْنَا بِإِكْرَامِ الشُّهُودِ

جب اس کے مطالبہ پر قسم نہ لی جائے تو وہ معتبر نہ ہوگی۔ اسی طرح اگر وہ دونوں مصالحت کر لیں کہ مدعی اگر قسم اٹھائے تو خصم مال کا ضامن ہوگا۔ مدعی نے قسم اٹھائی تو مدعی علیہ ضامن نہ ہوگا۔ کیونکہ اس میں شرع کے حکم کو تبدیل کرنا لازم آتا ہے اور قسم کو مدعی پر نہیں لوٹایا جاتا۔ کیونکہ حدیث طیبہ ہے: گواہیاں پیش کرنا مدعی کے ذمہ ہیں (1)۔ اور شاہد و قسم والی حدیث ضعیف ہے بلکہ ”ابن معین“ نے اس کا رد کیا ہے بلکہ راوی نے اس کا انکار کیا ہے، ”عینی“۔ مدعی نے اپنے دعویٰ پر گواہیاں قائم کیں اور مدعی علیہ نے قاضی سے مطالبہ کیا کہ وہ مدعی سے قسم لے کہ وہ دعویٰ میں حق پر ہے یا گواہ سچے ہیں یا وہ شہادت میں حق پر ہیں تو قاضی اس کے مطالبہ کو قبول نہیں کرے گا۔ کیونکہ خصم سے دو دفعہ قسم نہیں لی جاتی۔ تو اگر گواہ سے قسم کیسے لی جاسکتی ہے؟ کیونکہ ہمارے نزدیک اشد کے لفظ یمین ہے اور یمین بار بار نہیں لی جاتی۔ کیونکہ ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ ہم گواہوں کی تکریم بجالائیں۔

کسرہ اور فا اور ہا کے ضمہ کے ساتھ ہے۔

27661۔ (قوله: لَمْ يُعْتَبَرْ) یہ مسئلہ اس مسئلہ کے متغایر ہے جو متن میں پہلے گزر چکا ہے۔ کیونکہ اس مسئلہ کی صورت یہ تھی کہ جب وہ قاضی کے علاوہ کے ہاں قسم اٹھائے اور یہ مسئلہ اس صورت میں ہے جب وہ قاضی کے ہاں قسم اٹھائے جب کہ قسم کا مطالبہ مدعی نے کیا ہو نہ کہ قاضی نے اس کا مطالبہ کیا ہو۔ ”ح“۔

27662۔ (قوله: وَكَذَا لَوْ أَصْطَلَحَا) ”الواقعات الحسامیہ“ میں کتاب الرہن سے تھوڑا پہلے ہے: امام ”محمد“ رحمہ اللہ سے مروی ہے: ایک آدمی نے دوسرے سے کہا: میرا تجھ پر ہزار درہم ہے دوسرے نے اس سے کہا: اگر تو نے قسم اٹھائی کہ وہ ہزار تیرا ہے تو میں تجھے وہ ہزار دے دوں گا تو اس نے قسم اٹھادی تو مدعی علیہ نے اسے وہ ہزار دے دیا اگر اس نے وہ ہزار اسے اس شرط پر دیا جو مدعی علیہ نے شرط لگائی تھی تو یہ باطل ہوگی اور ادا کرنے والے کو حق حاصل ہوگا کہ اس نے جو ادا کیا ہے وہ واپس لے لے۔ کیونکہ یہ شرط باطل ہے کیونکہ یہ حکم شرع کے خلاف ہے۔ کیونکہ حکم شرع یہ ہے کہ قسم اس کے ذمہ ہے جو انکار کر دے قسم مدعی کے ذمہ نہیں ہے۔ بحر۔

27663۔ (قوله: أَوْ عَلَى أَنَّ الشُّهُودَ الْخ) یعنی اس مدعی علیہ نے گواہوں سے قسم لینے کا مطالبہ کیا کہ وہ یہ قسم

1۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الاحکام باب البینۃ علی المدعی والیبین علی المدعی علیہ، جلد 2، صفحہ 77، حدیث نمبر 2312

وَلِذَا لَوْ (عَدِمَ الشَّاهِدُ أَنَّ الْقَاضِيَ يُحْلِفُهُ) وَيَعْمَلُ بِالْمَنْسُوخِ (لَهُ إِلَّا مُتَنَاعٌ عَنْ أَدَاءِ الشَّهَادَةِ) لِأَنَّهُ لَا يَلْزَمُهُ بَرَّازِيَّةٌ (وَبَيِّنَةٌ الْخَارِجِ فِي الْمِلْكِ الْمُطْلَقِ) وَهُوَ الَّذِي لَمْ يُذْكَرْ لَهُ سَبَبٌ (أَحَقُّ مِنْ بَيِّنَةٍ ذِي الْيَدِ) لِأَنَّهُ الْمُدَّعَى وَالْبَيِّنَةُ لَهُ بِالْحَدِيثِ، بِخِلَافِ الْمُقَيَّدِ بِسَبَبٍ كِنْتَاجٍ وَنِكَاحٍ فَالْبَيِّنَةُ لِذِي الْيَدِ إِجْمَاعًا كَمَا سَيَجِيءُ (وَقَضَى) الْقَاضِيَ (عَلَيْهِ بِنُكُولِهِ مَرَّةً) لَوْ نُكُولُهُ (فِي مَجْلِسِ الْقَاضِي) حَقِيقَةً (بِقَوْلِهِ لَا أُحْلِفُ)

اسی وجہ سے اگر گواہ کو علم ہو کہ قاضی اس سے قسم لے گا اور منسوخ پر عمل کرے گا تو اسے شہادت کی ادائیگی سے رک جانے کا حق ہوگا۔ کیونکہ یہ اس پر لازم نہیں، ”بزازیہ“۔ مطلق ملکیت میں خارج (جس کا قبضہ نہ ہو) کی گواہیاں قابض کی گواہیوں سے زیادہ حق ہیں ملک مطلق اسے کہتے ہیں جس کا سبب ذکر نہ کیا گیا ہو۔ زیادہ حق اس لیے ہیں کیونکہ وہ مدعی ہے اور حدیث کی وجہ سے اسے گواہیوں کا حق ہے۔ جو کسی سبب کے ساتھ مقید ہو اس کا معاملہ مختلف ہے جیسے بچے کی پیدائش اور نکاح کو اس صورت میں گواہیاں بالا جماع قابض کی ہوں گی۔ جس طرح عنقریب آئے گا۔ مدعی علیہ ایک دفعہ انکار کر دے اگر اس کا انکار قاضی کی مجلس میں حقیقت ہو جیسے وہ کہے میں قسم نہیں اٹھاتا

اٹھائیں کہ وہ سچے ہیں۔

27664۔ (قوله: فِي الْمِلْكِ الْمُطْلَقِ) ملک مطلق کی قید اس لیے لگائی جس کا ذکر عنقریب آ رہا ہے۔ اسے مطلقاً کہا ہے جب کہ یہ اس کے ساتھ مقید ہے جب وہ دونوں اس کی تاریخ بیان نہ کریں یا تاریخ تو بیان کریں اور غیر قابض کی تاریخ مساوی ہو یا پہلے کی ہو مگر جب قابض کی تاریخ پہلے کی ہو تو اس کے حق میں فیصلہ کر دیا جائے گا جس طرح کتاب ”کنز“ میں آئے گا۔ جب غیر قابض ملک مطلق کا دعویٰ کرے اور قابض فلاں سے خریداری کا دعویٰ کرے دونوں گواہیاں قائم کریں اور تاریخ بتائیں اور قابض کی تاریخ پہلے کی ہو تو غیر قابض کے حق میں اس کا فیصلہ کر دیا جائے گا جس طرح ”ظہیریہ“ میں ہے۔ ”بحر“۔

27665۔ (قوله: بِخِلَافِ الْمُقَيَّدِ) کیونکہ گواہیاں اس پر قائم ہوئی ہیں جس پر قبضہ دلالت نہیں کرتا۔ پس وہ دونوں برابر ہو گئے۔ اور قابض کی قبضہ کی وجہ سے گواہیاں رائج ہو گئیں تو اس کے حق میں فیصلہ کر دیا جائے گا۔ یہی قول صحیح ہے۔ سنت میں سے اس کی دلیل وہ ہے جسے حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما نے روایت کیا ہے: ایک آدمی نے ایک ایسی اونٹنی کے بارے میں دعویٰ کیا جو دوسرے آدمی کے قبضہ میں تھی اور گواہیاں قائم کر دیں کہ یہ اس کی اونٹنی ہے جس نے بچہ دیا ہے اور جس کے قبضہ میں اونٹنی تھی اس نے گواہیاں قائم کر دیں کہ یہ اس کی اونٹنی ہے جس نے بچہ دیا ہے۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے حق میں فیصلہ کیا جس کے قبضہ میں وہ اونٹنی تھی (1)۔ یہ حدیث مشہور ہے، ”بحر“۔ حاشیہ میں اسی طرح ہے۔

27666۔ (قوله: وَنِكَاحٍ) اگر وہ دونوں ایک عورت کے نکاح پر گواہیاں قائم کریں اور ایک دوسرے کو باطل کی گالی دیں (ایک دوسرے پر جھوٹ کا دعویٰ کریں) تو دونوں کی گواہی پر عمل کرنا معتذر ہو جائے گا۔ کیونکہ محل، اشتراک کو قبول نہیں

أَوْ حُكْمًا كَانَ (سَكَتَ) وَعُلِمَ أَنَّهُ (مِنْ غَيْرِ آفَةٍ) كَخَرَسٍ وَطَرَشٍ فِي الصَّحِيحِ سَرَاجٌ وَعَرَضُ الْيَبِينِ ثَلَاثُ ثَمَّ الْقَضَاءُ أَحْوْطُ (وَهَلْ يُشْتَرَطُ الْقَضَاءُ عَلَى فَوْرِ الْكُلِّ، خِلَافٌ) دُرٌّ، وَلَمْ أَرِ فِيهِ تَرْجِيحًا قَالَهُ الْمُصَنِّفُ قُلْتُ قَدْ مَنَّا أَنَّهُ يُفْتَرَضُ الْقَضَاءُ فَوْرًا إِلَّا فِي ثَلَاثٍ

یا اس کا انکار حکماً ہو جیسے وہ خاموش ہو جائے اور یہ معلوم ہو جائے کہ اس نے کسی عذر کے بغیر خاموشی اختیار کی ہے جیسے گونگا پن اور طرش (بہرہ پن) یہ صحیح قول کے مطابق ہے ”سراج“۔ تین دفعہ قسم پیش کرنا پھر فیصلہ زیادہ احتیاط کا باعث ہے۔ کیا انکار کے فوراً بعد فیصلہ کرنا شرط ہے؟ اس میں اختلاف ہے، ”درر“۔ میں نے اس میں ترجیح نہیں دیکھی یہ مصنف نے کہا ہے۔ میں کہتا ہوں: ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ فوراً فیصلہ کرنا فرض ہے مگر تین امور میں فوراً فیصلہ نہیں کرے گا

کرتا جب وہ دونوں باطل کی گالی دیں تو قاضی میاں بیوی میں تفریق کر دے گا۔ کیونکہ یہاں کوئی ترجیح دینے والا کوئی سبب نہیں۔ جس طرح ”القنیہ“ میں ہے۔ اور دونوں میں سے کسی پر کوئی شے لازم نہ ہوگی اگر یہ تفریق حقوق زوجیت کی ادائیگی سے پہلے ہو۔ مگر جب باطل کی گالی دینے کا عمل اس عورت کی موت کے بعد ہو اور دونوں تاریخ بیان نہ کریں تو قاضی دونوں میں نکاح کا فیصلہ کر دے گا دونوں میں سے ہر ایک کے ذمہ نصف مہر ہوگا اور وہ دونوں ایک خاوند کی مقدار کے وارث ہوں گے، ”بحر“۔ مفصل بحث اس میں ہے۔ حاشیہ میں اسی طرح ہے۔

27667۔ (قوله: فِي الصَّحِيحِ) یہ امام ”ابو یوسف“ رحمہ اللہ کے قول کے علاوہ کے مطابق ہے جن کے قول پر فتویٰ ہے جس طرح پہلے گزر چکا ہے۔

27668۔ (قوله: وَعَرَضُ الْيَبِينِ) یہ مبتدا ہے اور احوط اس کی خبر ہے۔

27669۔ (قوله: أَحْوْطُ) یعنی یہ بطور مستحب ہے۔ امام ”ابو یوسف“ رحمہ اللہ اور امام ”محمد“ رحمہ اللہ سے مروی ہے: تکرار حتمی ہے یہاں تک کہ اگر قاضی ایک دفعہ قسم سے انکار کے ساتھ ہی فیصلہ کر دے تو وہ فیصلہ نافذ نہیں ہوگا۔ صحیح یہ ہے کہ یہ نافذ ہو جائے گا۔ ”س“۔

27670۔ (قوله: وَهَلْ يُشْتَرَطُ) زیادہ بہتر یہ قول ہے: هل يفترض

نوٹ: صاحب ”تقریرات رافعی“ کہتے ہیں یہی صحیح ہے۔ مترجم۔

27671۔ (قوله: قَالَهُ الْمُصَنِّفُ) ”رملی“ نے حاشیہ ”المنح“ میں کہا ہے: یہ بات پہلے گزر چکی ہے کہ طرفین کے قول

کے مطابق اسے منکر کے قائم مقام رکھا جائے گا۔ امام ”ابو یوسف“ رحمہ اللہ کے نزدیک اسے مجبوس کیا جائے گا یہاں تک کہ وہ جواب دے۔ لیکن پہلا اس صورت میں ہے جس نے ابتدا سے ہی سکوت کو لازم پکڑا اور دعویٰ کے وقت کوئی جواب نہ دیا اور یہ

اس صورت میں ہے جب وہ انکار کے ساتھ جواب دے پھر سکوت کو لازم پکڑے۔ تامل

27672۔ (قوله: قَدْ مَنَّا) یعنی ہم پہلے کتاب القضاء میں بیان کر چکے ہیں۔ ”ح“۔

(قُضِيَ عَلَيْهِ بِالنُّكُولِ ثُمَّ أَرَادَ أَنْ يَخْلِفَ لَا يُلْتَفَتُ إِلَيْهِ وَالْقَضَاءُ عَلَى حَالِهِ) مَاضٍ دُرٌّ فَبَلَغَتْ طُرُقُ الْقَضَاءِ ثَلَاثًا، وَعَدَّهَا فِي الْأَشْبَاهِ سَبْعًا بَيِّنَةً، وَإِقْرَارًا، وَبَيِّنًا، وَنُكُولًا عَنْهُ، وَقَسَامَةً، وَعِلْمًا قَاضٍ عَلَى الْمَرْجُوحِ، وَالسَّابِعُ قَرِينَةٌ قَاطِعَةٌ كَأَنَّ ظَهَرَ مَنْ دَارَ خَالِيَةً إِنْسَانٌ خَائِفٌ بِسِكِّينٍ مُتَكَلِّفٍ بِدَمٍ فَدَخَلُوهَا فَوَرَّاقًا أَوْ مَذْبُوحًا لِحِينِهِ أَخَذَ بِهِ إِذْ لَا يَمْتَرِي أَحَدٌ أَنَّهُ قَاتِلُهُ (شَكٌّ فِيمَا يَدَّعِي عَلَيْهِ يَنْبَغِي أَنْ يَرْضَى خَصْمَهُ وَلَا يَخْلِفَ) تَحَرُّزًا عَنِ الْوُقُوعِ فِي الْحَرَامِ (وَإِنْ أَبِي خَصْمُهُ إِلَّا حَلْفُهُ إِنَّ أَكْبَرَ رَأْيِهِ أَنَّ الْمُدَّعَى مُبْطِلٌ حَلَفَ وَالْأَمْرُ بِأَنْ غَلَبَ عَلَى ظَنِّهِ أَنَّهُ مُحِقٌّ) (لَا يَخْلِفُ بَرَّازِيَّةٌ) وَتُقْبَلُ الْبَيِّنَةُ لَوْ أَقَامَهَا الْمُدَّعَى وَإِنْ قَالَ قَبْلَ الْبَيِّنَةِ لَا يَسْرَاجُ خِلَافًا لِمَا فِي شَرْحِ الْمَجْمَعِ عَنِ الْمُحِيطِ

اس پر قسم سے انکار کی وجہ سے فیصلہ کیا گیا پھر اس نے ارادہ کیا کہ وہ قسم اٹھائے تو اس کی طرف توجہ نہ کی جائے گی اور قضا اپنی حالت پر نافذ رہے گی، ”درر“۔ قضا کے طرق تین تک پہنچ چکے ہیں، ”الاشباہ“ میں نے انہیں سات شمار کیا ہے۔ گواہ، اقرار، قسم، قسم سے انکار، قسامت، مرجوح قول کے مطابق قاضی کا علم اور ساتواں قطعی قرینہ جس طرح خالی گھر سے ایک ایسا انسان ظاہر ہو جو خوفزدہ ہو اس کے پاس چھری ہو اور وہ خون سے لت پت ہو لوگ فوراً اس میں داخل ہوں تو وہ اسی وقت ایک ذبح شدہ شخص دیکھیں تو اس پر اس کا مواخذہ کیا جائے گا۔ کیونکہ کوئی بھی شک نہیں کرے گا کہ اس کا قاتل وہی شخص ہے۔ جو مدعی علیہ پر دعویٰ کیا گیا ہے اس کے بارے میں اسے شک ہو تو چاہیے کہ وہ اپنے خصم کو راضی کرے اور قسم نہ اٹھائے تاکہ وہ حرام فعل میں واقع ہونے سے بچ جائے اگر اس کا خصم اس کی قسم کے سوا ہر چیز سے انکار کر دے۔ اگر مدعی علیہ کی غالب رائے یہ ہو کہ مدعی باطل پر ہے تو وہ قسم اٹھا دے۔ اگر ایسا نہ ہو اس کی صورت یہ ہے کہ اس کا ظن غالب یہ ہو کہ وہ حق پر ہے تو قسم نہ اٹھائے ”بزازیہ“۔ مدعی علیہ کی قسم کے بعد گواہی کو قبول کیا جائے گا اگر مدعی اسے قائم کرے اگرچہ قسم سے پہلے اس نے کہا ہو میرے پاس گواہی نہیں، ”سراج“۔ ”شرح الجمع“ میں ”المحیط“ سے جو مروی ہے

27673۔ (قوله: لَا يُلْتَفَتُ إِلَيْهِ) اگر وہ اس کے بعد گواہیاں پیش کرے تو انہیں قبول کیا جائے گا جس طرح قریب

ہی آئے گا۔

27674۔ (قوله: ثَلَاثًا) گواہی، اقرار، قسم سے انکار۔

27675۔ (قوله: وَالسَّابِعُ الْخ) حاشیہ ”المنح“ میں ”خیر ملی“ نے اس ساتویں صورت میں بحث کی ہے اور کہا: یہ

غریب صورت ہے اسے قبول نہیں کیا جاسکتا۔ جب تک قابل اعتماد کتاب سے کوئی قول اس کی تائید نہ کرے۔ ”البحر“ میں یہ ذکر کیا ہے: اس صورت کا دار و مدار ابن غرس پر ہے لیکن ”ابن الغرس“ کی عبارت ہے: فقد قالوا لو ظهر انسان الخ۔

27676۔ (قوله: خِلَافًا لِمَا فِي شَرْحِ الْمَجْمَعِ) اس میں ایسی کوئی بات نہیں جو اس کے منافی ہو بلکہ انہوں نے دو

قول بیان کیے ہیں۔ ”ح“۔

(بَعْدَ يَبِينِ) الْمُدَّعَى عَلَيْهِ كَمَا تُقْبَلُ الْبَيِّنَةُ بَعْدَ الْقَضَاءِ بِالنُّكُولِ خَائِنَةً (عِنْدَ الْعَامَّةِ) وَهُوَ الصَّحِيحُ لِقَوْلِ شُرَيْحِ الْيَبِينِ الْفَاجِرَةُ أَحَقُّ أَنْ تُرَدَّ مِنَ الْبَيِّنَةِ الْعَادِلَةِ، وَلِأَنَّ الْيَبِينَ كَالْحَلْفِ عَنْ الْبَيِّنَةِ فَإِذَا جَاءَ الْأَصْلُ انْتَهَى حُكْمُ الْحَلْفِ كَأَنَّهُ لَمْ يُوجَدْ أَصْلًا بَحْرٌ

وہ اس کے خلاف ہے جس طرح قسم سے انکار کے بعد فیصلہ کرنے کی صورت میں گواہی کو قبول کیا جائے گا ”خانیہ“۔ یہ عام علما کے نزدیک ہے۔ یہی صحیح ہے۔ کیونکہ شریح کا قول ہے: غلط قسم اس امر کی زیادہ حق دار ہے کہ عادل گواہوں کے ساتھ اسے رد کر دیا جائے۔ اس کی وجہ یہ بھی ہے کہ یمین گواہی کا نائب ہے۔ جب اصل آجائے تو نائب کا حکم ختم ہو جائے گا گویا وہ اصلاً پایا ہی نہیں گیا۔ ”بحر“۔

27677۔ (قوله: بَعْدَ يَبِينِ الْمُدَّعَى عَلَيْهِ) کیونکہ یمین کا حکم یہ ہے کہ فی الحال خصومت ختم ہو جائے گی جب کہ گواہی کے پیش کرنے تک رہے گی یہ قول صحیح ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا: یہ مطلقاً منقطع ہو جائے گی۔ ”ط“۔
27678۔ (قوله: بَعْدَ الْقَضَاءِ بِالنُّكُولِ) گویا اس کا فائدہ یہ ہے کہ یہ غیر کی طرف متعدی ہو کیونکہ قسم سے انکار اقرار ہے۔ یہ حجت قاصرہ ہے۔ گواہی کا معاملہ مختلف ہے ”شیخنا“۔ یہ عیب کی وجہ سے رد کرنے میں ظاہر ہے۔
قسم سے انکار کی وجہ سے مدعی علیہ کے لیے گواہیاں پیش کرنے کا حکم

27679۔ (قوله: خَائِنَةً) ”البحر“ میں کہا: پھر یہ جان لو کہ قسم سے انکار کی وجہ سے فیصلہ یہ مدعی علیہ کو اس امر سے نہیں روکتا کہ وہ ایسی گواہیاں پیش کرے جس کے ساتھ وہ اسے باطل کر دے۔ کیونکہ ”الخانیہ“ میں ہے: ایک آدمی نے دوسرے آدمی سے ایک غلام خریدا تو اس نے اس میں عیب پایا اس نے بائع سے خصومت کی بائع نے اس سے انکار کر دیا کہ اس کے پاس کوئی عیب تھا۔ پس اس سے قسم کا مطالبہ کیا گیا تو اس نے قسم سے انکار کر دیا قاضی نے اس کے خلاف فیصلہ کر دیا اور غلام نے اسے لازم کر دیا پھر اس کے بعد بائع نے کہا: میں نے تجھے اس عیب سے بری کر دیا تھا اور گواہی قائم کر دی تو اس کی گواہی قبول کی جائے گی۔

میں کہتا ہوں: جو قاعدہ انہوں نے ذکر کیا ہے اگر اس کی بنیاد وہ ہے جو انہوں نے ”الخانیہ“ سے قول نقل کیا ہے تو اس میں اعتراض کی گنجائش ہے۔ کیونکہ قسم سے انکار یا تو بذل ہے یا اس امر کا اقرار ہے کہ عیب اس کے پاس موجود تھا اس کا یہ گواہیاں قائم کرنا کہ اس نے اس عیب سے براءت کا اظہار کر دیا تھا یہ اسے موکد کر رہا ہے جس کا اس سے قسم سے انکار کے ضمن میں اقرار کیا تھا۔ مگر جب مدعی اس پر مال کا دعویٰ کرے اور وہ قسم اٹھانے سے انکار کر دے اور اس پر اس کا فیصلہ کر دیا جائے تو یہ اس کا اقرار اور حکم ہوگا جب وہ اس پر گواہی قائم کرے کہ اس نے اس کا حق اسے ادا کر دیا تھا تو یہ تناقض اور حکم کا نقض ہوگا۔ پس دونوں مسئلوں میں فرق ہوگا۔

پھر یہ امر مخفی نہیں کہ ”البحر“ کا کلام اس بارے میں ہے کہ مدعی علیہ گواہیاں قائم کرے۔ اور شارح کی کلام کا ظاہر یہ ہے

(وَيُظْهَرُ كَذِبُهُ بِإِقَامَتِهَا) أَيْ الْبَيِّنَةِ (لَوْ ادَّعَاهُ) أَيْ الْمَالِ (بِلَا سَبَبٍ فَحَلَفَ) أَيْ الْمُدَّعَى عَلَيْهِ ثُمَّ أَقَامَهَا حَتَّى يَخْنُثَ فِي بَيِّنِهِ وَعَلَيْهِ الْفَتْوَى طَلَاقُ الْخَانِيَةِ خِلَافًا لِطَلَاقِ الدَّرَرِ (وَإِنْ) ادَّعَاهُ (بِسَبَبٍ فَحَلَفَ) أَنَّهُ لَا دَيْنَ عَلَيْهِ (ثُمَّ أَقَامَهَا) الْمُدَّعَى عَلَى السَّبَبِ (لَا يَظْهَرُ كَذِبُهُ لِحَوَازِ أَنَّهُ وَجَدَ الْقَرْضَ ثُمَّ وَجَدَ الْإِبْرَاءَ أَوْ الْإِيْفَاءَ وَعَلَيْهِ الْفَتْوَى فَصُولَيْنِ وَسِرَاجٌ وَشُمْنِيٌّ وَغَيْرُهُمْ

اور مدعی علیہ کا جھوٹ ظاہر ہوگا جب وہ گواہیاں قائم کرے اگر مدعی نے سبب کے بغیر مال کا دعویٰ کیا تو مدعی علیہ نے قسم اٹھا دی۔ پھر مدعی نے گواہیاں قائم کر دیں یہاں تک کہ وہ مدعی علیہ اپنی قسم میں حانث ہوگا اور اس پر فتویٰ ہے۔ یہ ”الخانیۃ“ کی کتاب الطلاق میں ہے۔ ”الدرر“ کا اطلاق اس کے خلاف ہے۔ اگر وہ مدعی مال کا سبب کے ساتھ دعویٰ کرے تو وہ قسم اٹھائے کہ اس پر کوئی دین لازم نہیں۔ پھر مدعی نے سبب پر گواہیاں قائم کر دیں تو اس کا جھوٹ ظاہر نہیں ہوگا۔ کیونکہ یہ جائز ہے کہ قرض پایا گیا پھر بری کرنا یا پورا حق دینا پایا گیا اس پر فتویٰ ہے، ”فصولین“، ”سراج“، ”شمنی“، وغیرہم۔

کہ مدعی نے گواہیاں قائم کی ہیں جس طرح سیاق اس پر دلالت کرتا ہے۔ اس صورت میں ”الخانیۃ“ میں جو کچھ ہے وہ اس پر دلالت نہیں کرتا۔ جوہم نے حاشیہ ”البحر“ میں حموی کے ”حاشیۃ الاشباہ“ سے نقل کرتے ہوئے لکھا ہے اسے دیکھیے۔

27680۔ (قوله: طَلَاقُ الْخَانِيَةِ) جسے ”البحر“ میں ”خانیۃ“ اور ”الولوالجیہ“ کی کتاب الطلاق سے قسم توڑنے کے حوالے سے جو نقل کیا ہے وہ سبب کے ہونے اور نہ ہونے کی قید سے مطلق ہے۔ ”الدرر“ میں جو مطلقاً حانث نہ ہونے کا ذکر ہے علماء نے اسے امام ”محمد“ رحمۃ اللہ علیہ سے مروی دو روایتوں میں سے ایک روایت قرار دیا ہے۔ وہ جس پر علماء نے فتویٰ قرار دیا ہے وہ امام ”محمد“ رحمۃ اللہ علیہ سے دوسری روایت ہے۔ وہ امام ”ابو یوسف“ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے متن میں مذکورہ تفصیل وہ ہے جسے ”جامع الفصولین“ میں ذکر کیا ہے۔ پس شارح کی عبارت غیر واضح ہے۔

27681۔ (قوله: خِلَافًا لِطَلَاقِ الدَّرَرِ) کیونکہ انہوں نے کہا: کیا گواہیاں قائم کرنے سے منکر کا جھوٹ ظاہر ہو جاتا ہے۔ صحیح یہ ہے کہ جھوٹ ظاہر نہیں ہوتا یہاں تک کہ جھوٹی گواہی دینے والے کی سزا اسے نہیں دی جائے گی۔ زبیری نے اس کا ذکر کیا۔ ”ح“۔ ”حاشیہ“ میں اسی طرح ہے۔

اس کے جامع فقیر ”محمد“ بیطار نے کہا: مولف رحمۃ اللہ علیہ نے اسے ثابت رکھا ہے۔ کیونکہ انہوں نے اپنے معروف خط کے ساتھ اس کی تصحیح کی ہے۔

27682۔ (قوله: ثُمَّ أَقَامَهَا الْمُدَّعَى) شارح دو ورق کے بعد عنقریب اس مسئلہ کو دوبارہ ذکر کریں گے۔

27683۔ (قوله: أَوْ الْإِيْفَاءَ) اس میں علامہ ”مقدس“ نے بحث کی ہے۔ ثابت امر میں اصل یہ ہے کہ وہ اپنے ثبوت پر باقی رہے جس آدمی کے حق میں کسی شے کی گواہی دی گئی۔ اس کے بارے میں تم فیصلہ کر چکے ہو کہ وہ شے اس کی ہوگی اصل اس کی ملکیت کا باقی رہنا ہے جب سبب پایا جائے گا تو وہ ثابت ہو جائے گا اور اصل اس کا باقی رہنا ہے۔

(وَلَا تَحْلِفَ فِي نِكَاحٍ) أَنْكَرَهُ هُوَ أَوْ هِيَ (وَرَجَعَتْ) جَحَدَهَا هُوَ أَوْ هِيَ بَعْدَ عِدَّةٍ (وَفِي إِيلَاءٍ) أَنْكَرَهُ أَحَدُهُمَا بَعْدَ الْمُدَّةِ (وَاسْتِيلَاٍ) تَدَّعِيهِ الْأَمَّةُ، وَلَا يَتَأْتَى عَكْسُهُ لِشُبُوتِهِ بِإِقْرَارِهِ (وَرِقٍّ وَنَسَبٍ) بِأَنْ ادَّعَى عَلَى مَجْهُولٍ أَنَّهُ قَتْلُهُ أَوْ ابْنُهُ وَبِالْعَكْسِ (وَوَلَاءٍ) عِتَاقَةٌ أَوْ مُوَالَاةٌ ادَّعَاهُ الْأَعْلَى أَوْ الْأَسْفَلُ (وَوَحْدٍ وَلِيعَانٍ) وَالْفَتْوَى عَلَى أَنَّهُ يُحْلَفُ الْمُنْكَرُ

نکاح میں کوئی قسم نہیں نکاح کا انکار مرد کرے یا عورت کرے رجوع میں قسم نہیں اس کا انکار مرد کرے یا عورت کرے جب یہ معاملہ عدت کے بعد ہو۔ ایلاء کے فتنی میں قسم نہیں اس کا انکار دونوں میں سے ایک مدت کے بعد کرے۔ ام ولد بنانے میں کوئی قسم نہیں جس کا لونڈی دعویٰ کرے اس کے برعکس نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ آقا کے اقرار کرنے سے ام ولد میں ثابت ہو جاتا ہے۔ غلامی اور نسب میں قسم نہیں۔ اس کی صورت یہ ہے کہ وہ مجہول پر دعویٰ کرے کہ وہ اس کا غلام ہے یا اس کا بیٹا ہے اور اس کے برعکس بھی معاملہ اسی طرح ہے آزادی اور موالات کی ولاء میں قسم نہیں جس کا دعویٰ اعلیٰ یا اسفل کرے حد اور لعان میں قسم نہیں۔ فتویٰ اس پر ہے کہ ساتوں اشیاء

میں کہتا ہوں: اس کا جواب یہ ہے شے کا اس کے لیے ثابت کرنا سابقہ زمانہ میں اس کے لیے اس کی ملکیت کا فائدہ دیتا ہے۔ اس ثابت کا استصحاب اس امر کی صلاحیت رکھتا ہے۔ کہ اس کے ثبوت کے بعد ملکیت میں جو اس کے معارض ہو اس کا دفاع کرے۔ علماء نے کہا: اور استصحاب دفع کی صلاحیت رکھتا ہے اثبات کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ جب ہم نے حنث کو اس طریقہ سے ثابت کیا کہ اصل قرض کا باقی رہنا ہے تو یہ استصحاب کے ساتھ اثبات میں سے ہوگا۔ جب کہ یہ جائز نہیں فرق ظاہر ہے۔ فتاویٰ

نو چیزوں میں قسم نہیں

27684۔ (قوله: وَلَا تَحْلِفَ) یعنی نو چیزوں میں قسم نہیں۔

27685۔ (قوله: بَعْدَ عِدَّةٍ) یہ دوسری یعنی رجوع کی قید ہے جس طرح ”الدرر“ میں ہے۔

27686۔ (قوله: تَدَّعِيهِ الْأَمَّةُ) یعنی لونڈی نے اس آقا سے بچہ جنا ہے جب کہ وہ بچہ مرچکا ہو یا اس لونڈی نے نا

مکمل بچہ گرا دیا ہو جب کہ اس کے اعضاء ظاہر ہو چکے ہیں اور آقا اس کا انکار کرے۔ ”ابن کمال“۔

27687۔ (قوله: وَلَا يَتَأْتَى الْخ) زیلی نے عبارت کو الٹ دیا جب کہ یہ سبقت قلم ہے۔

27688۔ (قوله: وَنَسَبٍ) ”المنظومہ“ میں ہے وولاد، ”الحقائق“ میں کہا: و نسب نہیں کہا: کیونکہ محض نسب میں

”صاحبین“ رحمہ اللہ کے نزدیک اس سے قسم لی جائے گی جب اس کے اقرار سے وہ ثابت ہو جاتا ہو جیسے مرد کے حق میں باپ اور بیٹا ہے اور عورت کے حق میں باپ ہے۔

27689۔ (قوله: وَوَلَاءٍ) یعنی اس کی صورت یہ ہے کہ وہ آدمی جس کا غلام ہونا معروف ہو اس کے بارے میں وہ

(فِي الْأَشْيَاءِ السَّبْعَةِ، وَمَنْ عَدَّهَا سِتَّةً الْحَقُّ أُمِّيَّةٌ الْوَلَدُ بِالنَّسَبِ أَوْ الرِّقُّ وَالْحَاصِلُ أَنَّ الْمُفْتَى بِهِ التَّخْلِيفُ فِي الْكُلِّ إِلَّا فِي الْحُدُودِ وَمِنْهَا حَدُّ قَذْفٍ وَلِعَانٍ فَلَا يَبِينُ إِجْمَاعًا، إِلَّا إِذَا تَضَمَّنَ حَقًّا بِأَنْ عُلِّقَ عَتَقَ عَبْدٌ بَزْنًا نَفْسِهِ فَلْيُعْبَدِ تَخْلِيفُهُ، فَإِنْ نَكَلَ ثَبَتَ الْعِتْقُ لَا الزَّيْنَاءُ) كَذَا (يُسْتَحْلَفُ السَّارِقُ)

میں منکر سے قسم لی جائے گی جس نے ان چیزوں کو چھ شمار کیا ہے اس نے ام ولد ہونے کو نسب یا غلامی کے ساتھ لاحق کر دیا ہے۔ حاصل کلام یہ ہے: مفتی بہ قول یہ ہے کہ سب صورتوں میں قسم لی جائے گی مگر حدود میں قسم نہیں لی جائے گی ان میں سے حد قذف اور حد لعان ہے۔ تو کوئی قسم نہیں اس پر سب کا اجماع ہے مگر جب وہ کسی حق کو ضمن میں لیے ہوئے ہو اس کی صورت یہ ہے کہ وہ اپنے غلام کی آزادی کو اپنے زنا کے ساتھ معلق کرے تو غلام کو اس سے قسم لینے کا حق ہوگا۔ اگر وہ آقا انکار کر دے تو آزادی متحقق ہو جائے گی زنا ثابت نہیں ہوگا۔ اسی طرح چور سے مال کے لیے قسم کا مطالبہ کیا جائے گا

دعویٰ کرے کہ یہ اس کو آزاد کرنے والا ہے یا یہ اس کا آقا ہے۔

27690۔ (قوله: فِي الْأَشْيَاءِ السَّبْعَةِ) یعنی نو میں سے پہلے سات۔ ”زیلعی“ نے کہا: یہ ”صاحبین“ رحمہ اللہ کا قول ہے اور پہلا ”امام صاحب“ رحمہ اللہ کا قول ہے، ”س“۔ ”رہی“ نے کہا: ”صاحبین“ رحمہ اللہ کے نزدیک قسم سے انکار کی صورت میں اس کے خلاف فیصلہ کر دیا جائے گا۔

دو پہیلیوں کا ذکر

27691۔ (قوله: وَكَذَا يُسْتَحْلَفُ السَّارِقُ) اگر وہ عورت کا دعویٰ کرے تو نکاح میں مرد سے قسم کا مطالبہ کیا جائے گا۔ یعنی عورت نکاح کا دعویٰ کرے اور اس کی غرض مال ہو جیسے مہر اور نفقہ ہوتا ہے۔ خاوند نے انکار کیا تو اس سے قسم لی جائے گی۔ اگر وہ قسم اٹھانے سے انکار کر دے تو اس پر مال لازم ہو جائے گا۔ اور ”امام صاحب“ رحمہ اللہ کے نزدیک حلت ثابت نہیں ہوگی۔ کیونکہ مال بدل کے ساتھ ثابت ہو جاتا ہے حلت ثابت نہیں ہوتی۔

نسب میں جب وہ حق یعنی مال کا دعویٰ کرے تو وہ وراثت اور نفقہ کی طرح ہوگا یا وہ مال نہ ہو جس طرح لقیطہ میں گود لینے کا حق، ملک کے سبب آزادی کا حق، بہہ میں رجوع کا ممتنع ہونا۔ اگر وہ قسم دینے سے انکار کرے تو حق ثابت ہو جائے گا اور نسب ثابت نہیں ہوگا اگر وہ ان چیزوں میں سے ہو جو اقرار سے ثابت نہ ہوں۔ اگر وہ ان میں سے ہو تو وہ مذکورہ اختلاف پر مبنی ہوگا۔ اسی طرح قصاص کا منکر ہے۔ ”ابن کمال“۔ قصاص کے انکار کو عنقریب مصنف ذکر کرے گا۔

”صدر الشریعہ“ میں ہے: پہیلی ڈالی جاتی ہے وہ کون سی عورت ہے جو نفقہ لیتی ہے جب کہ وہ نہ عدت گزار رہی ہوتی ہے، نہ حائضہ ہوتی ہے اور نہ نفاس والی ہوتی ہے اور اس کے ساتھ وطی کرنا حلال نہیں ہوتا۔ اس میں ہے: یہ پہیلی ڈالی جاتی ہے وہ کون سا شخص ہے جو وراثت لیتا ہے اور اس کا نسب ثابت نہیں ہوتا؟ جس طرح وہ بھائی ہونے کے سبب وراثت کا دعویٰ کرے۔ پس وہ بھائی ہونے کا انکار کر دیتا ہے۔

لَأَجْلِ الْمَالِ (فَإِنْ نَكَلَ ضَمِنَ وَلَمْ يُقْطَعْ) وَإِنْ أَقْرَبَهَا قُطِعَ، وَقَالُوا يُسْتَحْلَفُ فِي التَّعْزِيرِ كَمَا بَسَطَهُ
فِي الدُّرَرِ وَفِي الْفُصُولِ ادَّعَى نِكَاحَهَا فَحِيلَةٌ دَفَعَ بَيْنَهَا أَنْ تَتَزَوَّجَ فَلَا تَحْلِفُ وَفِي الْخَانِيَّةِ لَا اسْتِحْلَافَ
فِي إِحْدَى وَثَلَاثِينَ مَسْأَلَةً (النِّيَابَةُ تَجْرِي فِي الْاسْتِحْلَافِ

اگر وہ قسم اٹھانے سے انکار کر دے تو وہ ضامن ہوگا اور اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا اگر وہ چوری کا اقرار کرے تو اس کا ہاتھ کاٹا
جائے گا۔ علما نے کہا: تعزیر میں اس سے قسم کا مطالبہ کیا جائے گا جس طرح ”الدرر“ میں اس کو بڑی تفصیل سے بیان کیا ہے۔
”الفصول“ میں ہے: ایک آدمی نے عورت کے ساتھ نکاح کا دعویٰ کیا تو عورت کی یمین کو دور کرنے کا حیلہ یہ ہے کہ وہ کسی
اور مرد سے نکاح کر لے اور قسم نہ اٹھائے۔ ”الخانیہ“ میں ہے: اکتیس مسائل میں قسم کا مطالبہ نہیں۔ نیابت قسم کا مطالبہ
کرنے میں جاری ہوتی ہے

حاصل کلام یہ ہے: ”امام صاحب“ رحمہ اللہ کے نزدیک ان چیزوں میں قسم نہیں جب تک وہ اپنے ساتھ مال نہ چھوڑے
اگر وہ مال چھوڑے تو بالاتفاق اس سے قسم لی جائے گی۔

27692۔ (قوله: وَلَمْ يُقْطَعْ) اس پر یہ اعتراض کیا گیا کہ چاہیے کہ ”امام صاحب“ رحمہ اللہ کے نزدیک اس کا ہاتھ
کاٹ دیا جائے۔ کیونکہ یہ بدل ہے جس طرح اطراف کے قصاص میں ہے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ طرف کے قطع میں قسم سے انکار کرنا اور چوری کے مال میں قسم سے انکار کرنا چاہیے کہ ہاتھ کے
کاٹنے اور نہ کاٹنے میں دونوں متحد ہو جائیں۔

یہ جواب دینا ممکن ہے: طرف کا قصاص بندے کا حق ہے پس یہ شبہ کے ساتھ ثابت ہوگا جس طرح اموال میں چوری
میں ہاتھ کاٹنے کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ یہ خالص اللہ کا حق ہے اور اللہ تعالیٰ کا حق شبہ سے ثابت نہیں ہوتا پس فرق ظاہر ہو
گیا۔ فلیتأمل ”یعقوبیہ“۔

27693۔ (قوله: فِي التَّعْزِيرِ) کیونکہ یہ خالص بندے کا حق ہے اسی وجہ سے بندہ معافی کے ساتھ اس کو ساقط کرنے
کا مالک ہوتا ہے۔ ”س“۔

عورت سے قسم کو دور کرنے کا حیلہ

27694۔ (قوله: فَحِيلَةٌ دَفَعَ بَيْنَهَا) یعنی عورت سے قسم دور کرنے کا طریقہ یہ ہے حاشیہ میں اسی طرح ہے۔

27695۔ (قوله: أَنْ تَتَزَوَّجَ) یعنی کسی اور مرد سے شادی کر لے۔ حاشیہ میں اسی طرح ہے۔

27696۔ (قوله: فِي إِحْدَى وَثَلَاثِينَ مَسْأَلَةً) کتاب الوقف میں گزر چکا ہے، ”س“۔ ”البحر“ میں یہاں ان کا

ذکر کیا ہے۔

حاشیہ میں امام ”خصاف“ سے نقل کیا ہے کہ امام ”ابو یوسف“ رحمہ اللہ اور دوسرے ائمہ رحمہم جو ہمارے اصحاب میں سے

لَا الْخَلِيفَ) وَفَرَعَ عَلَى الْأَوَّلِ بِقَوْلِهِ (فَالْوَكِيلُ وَالْمُتَوَلَّى وَأَبُو الصَّغِيرِ يَنْبَلُكَ إِلَّا سِتْخَلَفَ) فَلَهُ طَلَبُ يَبِينُ خَصِّهِ (وَلَا يُخَلَّفُ) أَحَدٌ مِنْهُمْ (إِلَّا إِذَا) أَدْعَى عَلَيْهِ الْعَقْدُ أَوْ (صَحَّ إِقْرَارُهُ) عَلَى الْأَصِيلِ فَيُسْتَخْلَفُ حِينَئِذٍ، كَالْوَكِيلِ بِالْبَيْعِ فَإِنَّ إِقْرَارَهُ صَحِيحٌ عَلَى الْمُوَكَّلِ، فَكَذَا نَكُولُهُ وَفِي الْخُلَاصَةِ كُلُّ مَوْضِعٍ لَوْ أَقْرَأَ لَزِمَهُ فَإِذَا أَنْكَرَهُ يُسْتَخْلَفُ إِلَّا فِي ثَلَاثٍ ذَكَرَهَا،

قسم میں جاری نہیں ہوتی۔ پہلی صورت پر اپنے اس قول سے تفریع کی ہے، وکیل، وصی، متولی اور چھوٹے بچے کا باپ قسم کے مطالبہ کرنے کا مالک ہوتا ہے اسے اس کے خصم سے قسم کے مطالبہ کا حق ہے ان میں سے کسی سے قسم نہیں لی جائے گی مگر جب اس پر عقد کا دعویٰ کیا جائے یا اس کا اقرار اصل پر صحیح ہو اس وقت قسم کا مطالبہ کیا جائے گا جیسے بیع کا وکیل ہوتا ہے۔ کیونکہ اس کا اقرار موکل پر صحیح ہوتا ہے۔ اسی طرح اس کا قسم سے انکار کرنا صحیح ہوتا ہے۔ ”خلاصہ“ میں ہے: ہر وہ جگہ اگر وہ اقرار کرے تو وہ چیز اس پر لازم آجائے جب وہ انکار کرے تو اس سے قسم کا مطالبہ کیا جائے گا مگر تین مواقع پر جن کا انہوں نے ذکر کیا ہے۔

ہیں کہتے ہیں: ہر ایسے سبب میں اس سے قسم لی جائے گی جس کا اگر مدعی علیہ اقرار کرے تو وہ اس پر لازم ہو جائے جس طرح وہ یہ دعویٰ کرے کہ یہ اس کا باپ ہے، یہ اس کا بیٹا ہے، یہ اس کی بیوی ہے یا یہ اس کا آقا ہے۔ اگر وہ یہ دعویٰ کرے کہ یہ اس کا بھائی ہے، اس کا چچا ہے یا اس جیسا کوئی رشتہ ذکر کرے تو اس سے قسم نہیں لی جائے گی مگر جب وہ اپنے ذمہ میں کسی حصہ کا دعویٰ کرے جس طرح اس جہت سے وراثت کا دعویٰ کرے، اس وقت اس سے قسم لی جائے گی۔ اگر وہ قسم دینے سے انکار کر دے تو مال کا فیصلہ کر دیا جائے گا اگر مال ثابت ہو۔ ایک تہائی مال کی وصیت کا دعویٰ اسی طرح ہے جس طرح وراثت کا دعویٰ ہے جیسے ہم نے ذکر کیا ہے۔ مگر ایک فصل میں ایسا نہیں ہوگا۔ وہ یہ ہے: وارث اگر مورث کی موت کے بارے میں قسم دینے سے انکار کر دے اور اس کے مال میں سے جو مال اس کے پاس موجود ہے اس کے تہائی کا ایک تہائی اسے دے دے جو ایک تہائی کی وصیت کا دعویٰ کرے پھر مورث زندہ آجائے تو وارث اور قسم سے انکار کرنے والا اس کے لیے کسی شے کا ضامن نہیں ہوگا۔ یہ ”بزازیہ“ کی کتاب ادب القاضی، فصل سابع فی الیمین سے ہے۔

27697۔ (قوله: لَا الْخَلِيفَ) ”شرح الوہبانیہ“ سے جو عبارت آئے گی وہ اس کے خلاف ہے: من ان الاصل من

الاصم الاعی یخلف ولیہ۔

27698۔ (قوله: وَلَا يَخْلَفُ) زیادہ بہتر یہ کہنا ہے: وعلى الثاني بقوله: ولا يَخْلَفُ الاخ۔ یعنی فرع الثانی بقوله۔

27699۔ (قوله: عَلَى الْأَصِيلِ) یعنی صرف وکیل۔ حاشیہ میں اسی طرح ہے۔

27700۔ (قوله: فَيُسْتَخْلَفُ الاخ) یہ امر باقی رہ گیا ہے کیا اس سے یہ قسم لی جائے گی کہ اسے علم نہیں تھا یا اس سے

قطع نہ ہونے کی قسم لی جائے گی۔ ”نور العین“ میں چھ بیسویں فصل میں یہ ذکر کیا ہے۔ وصی جب ترکہ میں سے کسی شے کو بیچ دے مشتری یہ دعویٰ کرے کہ وہ عیب دار ہے تو اس سے قطعاً طور پر عیب نہ ہونے کی قسم لی جائے گی۔ وکیل کا معاملہ مختلف

وَالصَّوَابُ فِي أَرْبَعٍ وَثَلَاثِينَ لِمَا مَرَّ عَنْ الْخَانِيَّةِ؛ وَزَادَ سِتَّةً أُخْرَى فِي الْبَحْرِ، وَزَادَ أَرْبَعَةَ عَشَرَ فِي تَنْوِيرِ
الْبَصَائِرِ حَاشِيَةِ الْأَشْبَاهِ وَالنَّظَائِرِ وَزَادَ عَلَيْهَا سَبْعَةَ أُخْرَى فِي زَوَاهِرِ الْجَوَاهِرِ عَلَى الْأَشْبَاهِ وَالنَّظَائِرِ
لِلابْنِ الْمُصَنِّفِ، وَلَوْلَا خَشْيَةُ التَّطْوِيلِ لَأَوْرَدْتُهَا كُلَّهَا (التَّحْلِيلُ عَلَى فِعْلِ نَفْسِهِ يَكُونُ عَلَى الْبَتَاتِ)
أَمَّا الْقَطْعُ بِأَنَّهُ لَيْسَ كَذَلِكَ (وَ) التَّحْلِيلُ (عَلَى فِعْلِ غَيْرِهِ) يَكُونُ (عَلَى الْعِلْمِ) أَمَّا أَنَّهُ لَا يَعْلَمُ أَنَّهُ
كَذَلِكَ لِعَدَمِ عَلَيْهِ بِمَا فَعَلَ غَيْرُهُ ظَاهِرًا، اللَّهُمَّ (إِلَّا إِذَا كَانَ) فِعْلُ الْغَيْرِ (شَيْئًا يَتَّصِلُ بِهِ) أَمَّا بِالْحَالِفِ
وَفَرَعَ عَلَيْهِ بِقَوْلِهِ (فَإِنْ ادَّعَى) مُشْتَرِي الْعَبْدِ (سَرِيقَةَ الْعَبْدِ أَوْ إِبَاقَهُ) وَأُثْبِتَ ذَلِكَ (يَحْلِفُ) الْبَائِعُ

صحیح یہ ہے کہ یہ چوتیس مقامات ہیں۔ کیونکہ ”الخانیہ“ سے یہ گزر چکا ہے اور ”البحر“ میں چھ اور کا اضافہ کیا ہے اور ”تنویر البصائر“ میں چودہ کا اضافہ کیا ہے۔ ”حاشیہ الاشباہ والنظائر“ اور ”زواہر الجواهر علی الاشباہ والنظائر“ پر زائد کیا ہے جو حضرت مصنف کے بیٹے کی کاوش ہے۔ اگر طوالت کا خوف نہ ہوتا تو پس ان سب کو ذکر کرتا۔ اپنے فعل پر جب اس سے قسم لی جائے گی تو حتمی لی جائے گی کہ معاملہ اس طرح نہیں اور دوسرے کے فعل پر جب قسم لی جائے تو وہ قسم علم پر لی جائے گی یعنی وہ نہیں جانتا کہ معاملہ اسی طرح ہے۔ کیونکہ جو دوسرا آدمی کرے اس کے بارے میں ظاہر امر یہی ہے کہ اسے علم نہیں مگر غیر کا فعل ایسی شے ہو جو قسم اٹھانے والے کے ساتھ متصل ہے۔ اس پر اپنے اس قول سے تفریع کا ذکر کیا ہے: اگر غلام خریدنے والا غلام کے چوری کرنے یا اس کے بھاگ جانے کا دعویٰ کرے اور اسے ثابت کرے تو بائع سے حتمی امر پر

ہے۔ اس سے عدم علم پر قسم لی جائے گی اس میں غور کرو۔ بعض فضلاء کی تحریر اسی طرح ہے۔

27701۔ (قوله: وَالصَّوَابُ فِي أَرْبَعٍ وَثَلَاثِينَ) ”الخانیہ“ جو صورتیں ہیں ان کے ساتھ ان تین کو ملانے سے چوتیس بن جاتی ہیں لیکن ان میں سے پہلی ”الخانیہ“ میں مذکور ہے۔

27702۔ (قوله: لِابْنِ الْمُصَنِّفِ) اس سے مراد ”شیخ شرف الدین عبدالقادر“ ہیں۔ یہ صاحب ”تنویر البصائر“ ہیں۔ ان کے بھائی شیخ ”صالح“ صاحب ”زواہر“ ہیں کتاب الوقف میں یہی سمجھا جاتا ہے۔

27703۔ (قوله: سَرِيقَةَ الْعَبْدِ الْخ) یعنی غلام کو خریدنے والا جب یہ دعویٰ کرے کہ وہ چوری کرتا ہے یا بھاگ جاتا ہے اور اپنے قبضہ میں اسکے بھاگ جانے اور اسکے چوری کرنے کو ثابت کرے اور یہ دعویٰ کرے کہ وہ بائع کے قبضہ میں بھی چوری کرتا تھا یا بھاگ جاتا تھا اور مشتری بائع سے قسم لینے کا ارادہ کرے تو بائع سے قسم لی جائے گی: اللہ کی قسم تیرے قبضہ میں وہ غلام نہیں بھاگا تھا اللہ کی قسم اس نے تیرے قبضہ میں چوری نہیں کی تھی یہ غیر کے فعل پر قسم اٹھانا ہے۔ ”درر“ حاشیہ میں اسی طرح ہے۔

27704۔ (قوله: أَوْ إِبَاقَهُ) بھاگنا جس کا مشتری دعویٰ کرتا ہے۔ اس سے مراد وہ بھاگنا نہیں جو مشتری کے پاس واقع ہوا۔ کیونکہ اگر بائع اس کا اقرار کرے تو اس پر کوئی شے لازم نہ ہوگی۔ کیونکہ بھاگنا ان عیوب میں سے ہے جن میں فعل کا بار بار واقع ہونا پایا جاتا ہے۔ ان کی صورت یہ ہوتی ہے کہ اس کا وجود بائع کے ہاں پایا جائے پھر مشتری کے ہاں پایا جائے

(عَلَى الْبَيِّنَاتِ) مَعَ أَنَّهُ فِعْلُ الْغَيْرِ وَإِنَّمَا صَحَّ بِاعْتِبَارِ وُجُوبِ تَسْلِيهِهِ سَلِيماً فَجَعَلَ إِلَى فِعْلٍ نَفْسِهِ فَحُلِفَ عَلَى الْبَيِّنَاتِ لِأَنَّهَا أَكْدُ وَلِذَا تُعْتَبَرُ مُطْلَقاً بِخِلَافِ الْعَكْسِ دُرٌّ عَنْ الزَّيْلَعِيِّ وَفِي شَرْحِ الْمَجْمَعِ عَنْهُ هَذَا إِذَا قَالَ الْمُتَكَلِّمُ لَا عِلْمَ لِي بِذَلِكَ، وَلَوْ ادَّعَى الْعِلْمَ حُلِفَ عَلَى الْبَيِّنَاتِ كَمُودِعٍ ادَّعَى قَبْضَ رَبِّهَا

قسم لی جائے گی جب کہ وہ غیر کا فعل ہے حتمی قسم اس وجہ سے صحیح ہے۔ کیونکہ بائع پر یہ واجب تھا کہ وہ غلام صحیح و سالم مشتری کے حوالے کرے۔ پس غلام کا فعل اس کے اپنے فعل کی طرف راجع ہوگا۔ پس اس سے حتمی امر پر قسم لی جائے گی۔ کیونکہ علم کی بجائے حتمی فعل پر قسم اٹھانا زیادہ مؤکد ہے۔ اسی وجہ سے مطلقاً اس کا اعتبار کیا جائے گا اس کے برعکس معاملہ مختلف ہے، ”درر“ نے ”زیدی“ سے ثابت کیا ہے۔ ”شرح الجمع“ میں ”زیدی“ سے مروی ہے: یہ حکم اس وقت ہے جب منکر یہ کہے: مجھے اس کا علم نہیں اگر وہ علم کا دعویٰ کرے تو اس سے حتمی امر پر قسم لی جائے گی جس طرح مودع (جس کے پاس امانت رکھی گئی ہو) یہ دعویٰ کرے کہ مالک نے اس ودیعت پر قبضہ کر لیا تھا۔

دونوں اس کے بیچنے میں اور اس کے بڑھاپے میں پائے جائیں جیسا کہ اس کے محل میں گزر چکا ہے۔ ”ابو السعد“۔
”الحواشی السعدیہ“ میں ہے: ان کا قول یحلف علی البتات سے مراد ہے اللہ کی قسم وہ نہیں بھاگا۔ میں کہتا ہوں: ظاہر یہ ہے کہ اس کا جو حاصل ہے اس پر قسم لی جائے گی اللہ کی قسم تجھ پر ادا کرنے کا حق نہیں۔ کیونکہ سبب پر قسم اٹھانے سے بائع کو ضرر پہنچتا ہے یا بعض اوقات مشتری عیب سے بری ہو جاتا ہے۔

27705۔ (قوله: عَلَى الْبَيِّنَاتِ) ہر موقع جس میں علم پر قسم واجب ہوتی ہے تو اس نے حتمی امر پر قسم اٹھادی تو یہ کافی ہو جائے گا اور اس سے دعویٰ ساقط ہو جائے گا اس کے برعکس معاملہ ہو تو کافی نہ ہوگی۔ اور جو امر اس پر واجب نہ ہو قسم سے انکار کرنے کی صورت میں اس پر فیصلہ نہیں کیا جائے گا۔ ”بحر“، حاشیہ میں اسی طرح ہے۔
اس کے جامع فقیر ”محمد“ بیطار نے کہا: مولف نے اس کی تکمیل کرنے اور آپ رحمہ اللہ کی تحریر کی طرف منسوب کرتے ہوئے اسے ثابت رکھا ہے۔

27706۔ (قوله: لِأَنَّهَا أَكْدُ) یعنی حتمی امر پر قسم اٹھانا یہ علم (جاننے) کی یمن سے زیادہ مؤکد ہے۔ ”ح“۔
27707۔ (قوله: وَلِذَا تُعْتَبَرُ مُطْلَقاً) کیونکہ حتمی امر پر قسم علم پر قسم سے زیادہ مؤکد ہے اسے اپنے فعل اور غیر کے فعل میں معتبر مانا جاتا ہے، ”ح“۔ حاشیہ میں اسی طرح ہے۔

27708۔ (قوله: مُطْلَقاً) یعنی اپنے فعل میں اور غیر کے فعل میں۔
27709۔ (قوله: بِخِلَافِ الْعَكْسِ) یعنی جاننے کی قسم اپنے فعل میں کافی نہیں ہوتی، ”ح“۔ ”حاشیہ“ میں اسی طرح ہے۔

27710۔ (قوله: عَنْ الزَّيْلَعِيِّ) ہر وہ جگہ جہاں حتمی امر پر قسم اٹھانا واجب تھی تو اس نے علم پر قسم اٹھائی تو وہ قسم معتبر

وَفَرَّغَ عَلَى قَوْلِهِ وَفَعَلَ غَيْرَهُ عَلَى الْعِلْمِ بِقَوْلِهِ (وَإِذَا ادَّعَى) بَكْرٌ (سَبَقَ الشِّرَاءَ) لَهُ عَلَى شِرَاءِ زَيْدٍ وَلَا بَيِّنَةً (يُحْلِفُ خَصْمَهُ) وَهُوَ بَكْرٌ (عَلَى الْعِلْمِ) أَيْ أَنَّهُ لَا يَعْلَمُ أَنَّهُ اشْتَرَاهُ قَبْلَهُ لِمَا مَرَّ كَذَا إِذَا ادَّعَى دَيْنًا أَوْ عَيْنًا عَلَى وَارِثٍ

مصنف نے ”زیلعی“ کے قول و فعل غیرہ علی العلم پر اپنے اس قول سے تفریع کا ذکر کیا ہے: جب بکر اپنی خریداری زید کی خریداری پر پہلے ہونے کا دعویٰ کرے اور اس کے پاس گواہیاں نہ ہو تو اس یعنی بکر کے خصم سے جاننے پر قسم لی جائے گی یعنی وہ یہ نہیں جانتا کہ اس نے پہلے خریداری کی ہے۔ اس کی دلیل وہی ہے جو گزر چکی ہے۔ اسی طرح جب وہ وارث پر دین یا عین کا دعویٰ کرے

نہ ہوگی۔ یہاں تک کہ اس کے خلاف فیصلہ نہیں کیا جائے گا اور اس سے قسم ساقط نہ ہوگی۔ اور ہر ایسی جگہ جہاں جاننے کی قسم اٹھانا واجب ہوتی ہے تو اس نے حتمی امر پر قسم اٹھا دی تو یمن معتبر ہوگی یہاں تک کہ اس سے قسم ساقط ہو جائے گی اور جب وہ قسم اٹھانے سے انکار کر دے تو اس کے خلاف فیصلہ کر دیا جائے گا۔ کیونکہ حتمی امر پر قسم زیادہ موکد ہے پس مطلقاً اس کا اعتبار کیا جائے گا اس کے برعکس کا معاملہ مختلف ہے۔

”جامع الفصولین“ میں ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ فرع مشکل ہے ”رملی“ نے کہا: اس کے اشکال کی وجہ یہ ہے اس کے خلاف کیسے فیصلہ کیا جائے گا جب کہ حتمی اور ہر قسم اٹھانے کا مکلف نہیں؟ اشکال زائل ہو جاتا ہے کہ یہ اس یمن کو ساقط کرنے والا ہے جو قسم اس پر واجب تھی۔ پس اس کا اعتبار کیا جائے گا۔ پس اس قسم سے انکار کے بعد قضا ہوگی جو اس سے حلف کو ساقط کرنے والی ہو۔ اس کے برعکس کا معاملہ مختلف ہے۔ اسی وجہ سے دوبارہ اس سے قسم لی جائے گی۔ کیونکہ اس کے ساتھ اس سے قسم ساقط نہیں ہوگی۔ اس کا قلم سے انکار کرنا یہ اس کے معتبر نہ ہونے اور اس کے کافی نہ ہونے کی وجہ سے ہے۔ پس اس کے سبب سے اس کے خلاف فیصلہ نہیں کیا جائے گا۔ تامل

”السعدیہ“ میں دونوں فروع میں اشکال کا ذکر کیا ہے دوسرے کا جواب نہیں دیا اور پہلے کا جواب دیا ہے: یہ جائز ہے کہ اس کا قسم سے انکار اس علم کی وجہ سے ہو کہ جاننے پر قسم اٹھانے کا کوئی فائدہ نہیں۔ پس اس سے قسم نہیں لی جائے گی تاکہ تکرار سے بچا جائے۔ ”رملی“ نے جو کچھ ذکر کیا ہے یہ اس کے معنی میں ہے۔

27711۔ (قوله: وَهُوَ بَكْرٌ) یہ خصمہ کی ضمیر کی تفسیر ہے۔ زیادہ بہتر یہ قول تھا: ای خصم بکر جو زید ہے۔ میں کہتا

ہوں: شارح نے اس میں مصنف اور صاحب ”الدرر“ کی پیروی کی ہے۔

ہمارے بعض مشائخ نے کہا ہے: صحیح زید ہے کیونکہ وہ منکر ہے اور قسم اس پر لازم ہوگی۔ یہ کہنا ممکن ہے کہ یحلف معروف کا صیغہ ہے مجہول کا صیغہ نہیں۔ اس کا معنی ہے: وہ قاضی سے مطالبہ کرے کہ وہ اس سے قسم لے۔ کیونکہ قسم لینے کا اختیار قاضی کو حاصل ہے۔ پس ان کا قول دھوکہ بکر یہ خصمہ کی ضمیر کی تفسیر ہے لیکن اس عبارت میں کمزوری ہے۔ ”س“۔

إِذَا عَلِمَ الْقَاضِي كَوْنَهُ مِيرَاثًا أَوْ أَقَرَّ بِهِ الْمُدْعَى أَوْ بَرَّهَنَ الْخَصْمُ عَلَيْهِ فَيُخْلَفُ عَلَى الْعِلْمِ - (وَلَوْ أَدْعَى هُمَا أَمَّا الدَّيْنِ وَالْعَيْنِ (الْوَارِثُ) عَلَى غَيْرِهِ (يُخْلَفُ) الْمُدْعَى عَلَيْهِ (عَلَى الْبَتَاتِ) كَمَوْهُوبٍ وَشِرَاءٍ دُرَرًا (و) يُخْلَفُ (جَاحِدُ الْقَوْدِ) إِجْمَاعًا (فَإِنْ نَكَلَ، فَإِنْ كَانَ فِي النَّفْسِ حُسٌّ حَتَّى يُقَرَّ أَوْ يَخْلَفَ وَفِيمَا دُونَهُ يُقْتَضَى) لِأَنَّ الْأَطْرَافَ خُلِقَتْ وَقَايَةً لِلنَّفْسِ كَالْمَالِ فَيَجْرَى فِيهَا الْإِبْتِذَالُ

جب قاضی کو اس کے میراث ہونے کا علم ہو یا مدعی اس کا اقرار کرے یا خصم اس پر گواہیاں قائم کر دے تو اس سے جانے پر قسم لی جائے گی۔ اگر ان دونوں یعنی دین اور عین کا کسی اور پر دعویٰ کرے تو مدعی علیہ سے حتمی امر پر قسم لی جائے گی جیسے ہبہ کیا گیا ہو اور خرید کیا گیا ہو، ”درر“۔ جو قصاص کا انکار کرے اس سے بالا جماع قسم لی جائے گی اگر وہ قسم سے انکار کرے۔ اگر یہ نفس (جان) کا معاملہ ہو تو اسے محبوس کیا جائے گا یہاں تک کہ وہ اقرار کرے یا قسم اٹھا دے۔ اور اس سے جو کم درجہ کی صورت ہے تو اس سے قصاص لیا جائے گا۔ کیونکہ اطراف نفس کی حفاظت کے لیے پیدا کیے گئے ہیں جیسے مال۔ پس اس میں ابتذال جاری ہوگا۔

حاشیہ میں کہا: ان کا قول دھوبکہ مضاف الیہ کی طرف راجع ہے مضاف کی طرف راجع نہیں۔ اگر وہ ہوزید کہتے تو زیادہ بہتر تھا۔ ”ح“۔

27712۔ (قوله: إِذَا عَلِمَ الْقَاضِي) چاہیے کہ اس تنقید کو عین کی صورت کے ساتھ خاص کیا جائے جس طرح ”العمادیہ“ سے ظاہر ہوتا ہے۔ کیونکہ دین میں اسے جاری کرنا مشکل ہوتا ہے، ”عزمی“۔ ”البحر“ میں دعویٰ الدین میں تفصیل ذکر کی ہے۔ پس اس کی طرف رجوع کیجئے کیونکہ یہ بہت اہم ہے۔

27713۔ (قوله: كَوْنَهُ مِيرَاثًا) یعنی مورث مرگیا اور اس نے یہ ترکہ چھوڑا ہے۔

27714۔ (قوله: أَوْ بَرَّهَنَ الْخَصْمُ) خصم سے مراد مدعی علیہ ہے۔

27715۔ (قوله: فَيُخْلَفُ) یعنی وارث سے قسم لی جائے گی۔

27716۔ (قوله: عَلَى الْعِلْمِ) یعنی اس سے آگاہ ہونے پر قسم لی جائے گی اگر ایسا نہ ہو۔ اس کی صورت یہ ہے کہ۔

قاضی حقیقت حال سے آگاہ نہ ہو، مدعی نے اس کا اقرار نہیں کیا اور مدعی علیہ نے گواہیاں قائم نہیں کیں، تو اس سے حتمی حور پر قسم لی جائے گی اللہ کی قسم تجھ پر اس عین کو مدعی کے سپرد کرنا واجب نہیں۔ ”عمادیہ“، ”عزمی“۔

27717۔ (قوله: كَمَوْهُوبٍ) یعنی اگر ایک آدمی دوسرے آدمی کو غلام ہبہ کر دے وہ اس پر قبضہ کر لے یا ایک آدمی

دوسرے آدمی سے غلام خریدے۔ ایک آدمی آئے اور یہ گمان کرے کہ غلام اس کا غلام ہے اور اس کے کوئی بیٹہ نہیں اس نے مدعی علیہ سے قسم لینے کا ارادہ کیا تو اس سے حتمی طور پر قسم لی جائے گی، ”ح“۔ حاشیہ میں اسی طرح ہے۔

اس کے جامع فقیر ”محمد“ بریطار نے کہا: مولف نے اس کے ناقص میں تکمیل کرنے کے ساتھ اسے ثابت رکھا ہے۔

خِلَافًا لَهَا (قَالَ الْمُدَّعَى لِي بَيِّنَةٌ حَاضِرَةٌ فِي الْبَصْرِ (وَطَلَبَ يَبِينَ خَصْمِهِ لَمْ يُحْلَفْ) خِلَافًا لَهَا، وَلَوْ حَاضِرَةٌ فِي مَجْلِسِ الْحُكْمِ لَمْ يُحْلَفْ اتِّفَاقًا، وَلَوْ غَائِبَةٌ عَنِ الْبَصْرِ حُلِفَ اتِّفَاقًا ابْنُ مَلِكٍ، وَقَدَّرَ فِي الْمُجْتَبَى الْغَيْبَةَ بِمُدَّةِ السَّفَرِ (وَيَأْخُذُ الْقَاضِي) فِي مَسْأَلَةِ الْبَتْنِ فِيمَا لَا يَسْقُطُ بِشُبْهَةٍ (كَفِيلًا ثِقَةً) يُؤْمَنُ هُرُوبُهُ بَحْرٌ فَلْيُحْفَظْ (مِنْ خَصْمِهِ) وَلَوْ وَجِيهًا وَالْمَالُ حَقِيرًا فِي ظَاهِرِ الْمَذْهَبِ عَيْنِي

”صاحبین“ رحمہ اللہ علیہا نے اس سے اختلاف کیا ہے۔ مدعی نے کہا: میرے گواہ شہر میں موجود ہیں اور اپنے خصم (مدعی علیہ) سے قسم کا مطالبہ کرے تو اس سے قسم نہیں لی جائے گی۔ ”صاحبین“ رحمہ اللہ علیہا نے اس سے اختلاف کیا ہے۔ اگر وہ گواہ مجلس حکم میں حاضر ہوں تو بالاتفاق قسم نہیں لی جائے گی اگر وہ شہر سے غائب ہوں تو بالاتفاق اس سے قسم لی جائے گی ”ابن ملک“۔ ”المجتبی“ میں مدت سفر کی غیبت کا اندازہ لگایا ہے۔ متن کے مسئلہ میں یعنی جب مدعی کہے کہ میرے گواہ حاضر ہیں ایسے معاملہ میں جو شبہ سے ساقط نہیں ہوتا تو قاضی اس کے خصم (مدعی علیہ) سے قابل اعتماد ضمانت لے گا تا کہ اس کے بھاگ جانے سے امن ہو، ”بحر“۔ پس اسے یاد رکھا جانا چاہیے اگرچہ مدعی علیہ عظیم الشان ہو اور مال حقیر ہو یہ ظاہر مذہب کے مطابق ہے، ”عینی“۔

27718۔ (قوله: خِلَافًا لَهَا) ”صاحبین“ رحمہ اللہ علیہا کے نزدیک دونوں میں اس پر چٹی لازم ہوگی۔ کیونکہ قسم سے انکار ایسا اقرار ہے جس میں ”صاحبین“ رحمہ اللہ علیہا کے نزدیک شبہ ہے پس اس سے قصاص ثابت نہیں ہوتا۔ ”منح“۔

27719۔ (قوله: حَاضِرَةٌ فِي الْبَصْرِ) ان کے حاضر ہونے کو مطلق ذکر کیا ہے۔ پس شہر میں عرض کے ساتھ حاضر ہونے کو شامل ہوگا۔ ”خزانة المفتين“ میں جو قول ہے وہ اس کے خلاف ہے۔ کیونکہ کہا: قسم کا مطالبہ یہ صحیح دعووں میں جاری ہوتا ہے جب مدعی علیہ انکار کرے اور مدعی کہے: میرے پاس گواہ نہیں یا میرے گواہ غائب ہیں یا وہ شہر میں ہیں۔ ”بحر“۔

27720۔ (قوله: وَيَأْخُذُ الْقَاضِي) یعنی مدعی کے مطالبہ پر قاضی ضامن لے گا جس طرح ”الحنانیہ“ میں ہے۔ ”الصغریٰ“ میں ہے: یہ اس صورت میں ہے جب مدعی اس کا علم رکھتا ہو۔ مگر جب وہ جاہل ہو تو قاضی مطالبہ کرے گا۔ ”ابن سماعہ“ نے اسے امام ”محمد“ رحمہ اللہ علیہ سے روایت کیا ہے۔ ”بحر“۔

27721۔ (قوله: فِي مَسْأَلَةِ الْبَتْنِ) یہ قید لگائی ہے کیونکہ اگر وہ کہے: میرے گواہ نہیں یا میرے گواہ غائب ہیں تو اس سے ضامن نہیں لیا جائے گا۔ ”الہدایہ“ میں اسی طرح ہے۔

27722۔ (قوله: يُؤْمَنُ هُرُوبُهُ) اس کی صورت یہ ہے کہ اس کا ایک معروف گھر ہے یا معروف دکان ہے وہ کرائے پر کسی گھر میں نہیں رہتا کہ وہ اسے چھوڑ دے اور وہ بھاگ جائے۔ ”منح“۔ یہ ایسی چیز ہے جس کو اچھی طرح یاد کیا جانا چاہیے۔ ”بحر“ میں ”الصغریٰ“ سے مروی ہے۔

کہا: چاہیے کہ فقیہ اوقاف کے وظائف کی وجہ سے ثقہ ہو اگرچہ گھر یا دکان میں اس کی ملکیت نہ ہو۔ کیونکہ وہ نہ اسے چھوڑے گا اور نہ بھاگے گا۔

(بِنَفْسِهِ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ فِي الصَّحِيحِ، وَعَنْ الثَّانِي إِلَى مَجْلِسِهِ الثَّانِي وَصَحِّحَ (فَإِنْ اِمْتَنَعَ مِنْ) إعطاء

صحیح قول کے مطابق یہ ضمانت اس کی ذات کی تین دن کے لیے ہوگی۔ امام ”ابو یوسف“ رحمہ اللہ سے یہ مروی ہے۔ دوسری مجلس قضا تک ضامن لے اس قول کی تصحیح کی گئی ہے۔ اگر وہ ضامن نہ دے سکے تو

”البحر“ میں ”الصغریٰ“ کی کتاب الکفالة سے ہے: قاضی یا قاصد جب مدعی علیہ سے شخصی ضامن لے یہ مدعی کے کہنے پر ہو یا اس کے امر کے بغیر ہو اگر وہ کفالت کو مدعی کی طرف منسوب نہ کرے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ وہ کہے: اپنا شخصی ضامن دو اور طالب کے لیے کالفظ نہ کہے تو حقوق قاضی اور قاصد کی طرف لوٹ جائیں گے یہاں تک کہ اگر ضامن اس کے حوالہ کر دیا جائے تو وہ بری ہو جائے گا۔ اگر ضامن مدعی کے سپرد کر دیا جائے تو وہ بری نہ ہوگا۔ اگر اسے مدعی کی طرف منسوب کیا جائے تو جواب اس کے برعکس ہوگا۔

”البحر“ میں ”الصغریٰ“ سے منقول ہے: مدعی نے قاضی سے مطالبہ کیا کہ وہ منقولہ چیز کو ایک عادل آدمی کے حوالے کر دے اور وہ شخصی ضامن پر اکتفا نہ کرے اگر مدعی علیہ عادل ہو تو قاضی مدعی کی بات نہیں مانے گا اگر مدعی علیہ فاسق ہو تو اس کی بات مان لے گا اور جائیداد کی صورت میں مدعی کی بات نہیں مانے گا مگر ایسے درخت کے معاملہ میں جس پر پھل ہو۔ کیونکہ پھل منتقل ہونے والی شے ہے۔ ”البحر“ میں کہا: اس کا ظاہر معنی یہ ہے کہ درخت جائیداد میں سے ہے۔ ہم اس کے برعکس پہلے بیان کر چکے ہیں۔ ”ابوسعوز“ میں ”حموی“ سے وہ ”مقدسی“ سے یہ تصریح نقل کر چکے ہیں کہ درخت جائیداد میں سے ہے۔

27723۔ (قوله: فِي الصَّحِيحِ) ”البحر“ میں ”القنیه“ سے منقول ہے: قاتل نے یہ دعویٰ کیا کہ اس کے پاس معافی کے گواہ ہیں اسے تین دن مہلت دی جائے گی۔ اگر وہ تین دن گزر جائیں اور وہ گواہ نہ لائے اور کہے: میرے پاس ایسے گواہ ہیں جو غائب ہیں تو اموال پر قیاس کرتے ہوئے قصاص کا فیصلہ کر دیا جائے گا۔ استحسان یہ ہے کہ اسے مہلت دی جائے گی۔ یہ اس لیے کیونکہ دم کا معاملہ بڑا عظیم ہے۔

”البحر“ میں ”الصغریٰ“ کی کتاب القضاء سے مروی ہے اس کا حاصل یہ ہے: ضمانت کا فائدہ تین دن یا اس کی مثل کے ساتھ ہوتا ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ ان دونوں کے بعد کفیل بری ہو جاتا ہے۔ کیونکہ جسے ایک ماہ تک کا ضامن بنایا گیا ہو وہ اس کے بعد بری نہیں ہوتا لیکن ایک ماہ تک جسے کفیل بنایا گیا ہے یہ ضامن پر آسانی پیدا کرنے کے لیے ہے۔ اس ضامن سے اس کے بعد ہی مطالبہ کیا جائے گا۔ لیکن اگر وہ اس سے قبل دے دے تو یہ صحیح ہوگا۔ یہاں مدعی پر آسانی کرنے کے لیے ہے۔ فی الحال سپرد کرنے سے کفیل بالذات بری نہیں ہوگا۔ کیونکہ بعض اوقات مدعی گواہیاں پیش کرنے سے عاجز ہوتا ہے جب وہ بینہ حاضر کرتا ہے تو انہیں قائم کرنے سے بعض اوقات عاجز ہوتا ہے۔ اس وقت کے پائے جانے کے بعد اسے مدعی کے سپرد کر دیا جائے گا یہاں تک کہ اگر وہ وقت سے پہلے بینہ حاضر کر دے تو کفیل سے مطالبہ کیا جائے گا (کہ وہ اسے حاضر کرے) 27724۔ (قوله: إِلَى مَجْلِسِهِ) ضمیر سے مراد قاضی ہے۔

(ذَلِكَ) الْكَفِيلِ (لَا زَمَهُ) بِنَفْسِهِ أَوْ أَمِينِهِ مِقْدَارَ (مُدَّةِ التَّكْفِيلِ) لِيُثَلَّ يَغِيبَ (إِلَّا أَنْ يَكُونَ) الْخَصْمُ (غَرِيبًا) أَيْ مُسَافِرًا (فَ) يُلَازِمُ أَوْ يُكْفَلُ (إِلَى انْتِهَاءِ مَجْلِسِ الْقَاضِي) دَفْعًا لِلضَّرَرِ، حَتَّى لَوْ عَلِمَ وَقْتُ سَفَرِهِ يَكْفُلُهُ إِلَيْهِ وَيَنْظُرُ فِي زِيَّتِهِ أَوْ يَسْتَخْبِرُ رَفَقَاءَهُ لَوْ أَنْكَرَ الْمُدَّعَى بَرَّازِيَّةً (قَالَ لَا بَيِّنَةَ لِي وَطَلَبَ بَيِّنَتَهُ فَحَلَفَهُ الْقَاضِي ثُمَّ بَرَّهَنَ) عَلَى دَعْوَاهُ بَعْدَ الْبَيِّنِ (قَبْلَ ذَلِكَ) الْبُرْهَانُ عِنْدَ الْإِمَامِ (مِنْهُ) وَكَذَا لَوْ قَالَ الْمُدَّعَى كُلُّ بَيِّنَةٍ أَتَى بِهَا فَهِيَ شُهُودُ زُورٍ أَوْ قَالَ إِذَا حَلَفْتُ فَأَنْتَ بَرِيءٌ مِنَ الْبَالِ فَحَلَفَ ثُمَّ بَرَّهَنَ عَلَى الْحَقِّ قَبْلَ خَانِيَّةٍ، وَبِهِ جَزَمَ فِي السَّرَاجِ كَمَا مَرَّ (وَقِيلَ لَا) يَقْبَلُ قَائِلُهُ مُحَصِّدٌ كَمَا فِي الْعِمَادِيَّةِ،

مدعی خود یا اپنے سیکرٹری کے ذریعے کفالت کی مدت تک ساتھ ساتھ رہے تاکہ وہ غائب نہ ہو جائے مگر جب مدعی علیہ مسافر ہو تو قاضی کی مجلس کے ختم ہونے تک اس کے ساتھ ساتھ رہا جائے گا یا اس سے ضامن لیا جائے گا تاکہ ضرر کو دور کیا جائے یہاں تک کہ اگر اسے سفر کے وقت کا علم ہو جائے تو اس وقت تک اس سے ضامن لے گا وہ اس کے لباس میں نظر کرے گا اور اس کے ساتھیوں میں سے خبر حاصل کرے گا اگر مدعی اسے نہ جانتا ہو، ”بزازیہ“۔ مدعی نے کہا: میرے پاس گواہ نہیں اور مدعی علیہ کی قسم کا مطالبہ کیا اور قاضی نے مدعی علیہ سے قسم کا مطالبہ کیا پھر قسم کے بعد اس نے اپنے دعویٰ پر گواہیاں پیش کیں تو ”امام صاحب“ رحمہ اللہ علیہ کی جانب سے اس سے گواہی قبول کی جائے گی۔ اسی طرح اگر مدعی نے کہا: میں جو گواہ بھی لاؤں گا تو وہ جھوٹے گواہ ہوں گے یا کہا: جب تو قسم اٹھا دے تو مال سے بری ہوگا اس مدعی علیہ نے قسم اٹھا دی پھر مدعی نے اپنے حق پر گواہیاں پیش کر دیں تو انہیں قبول کیا جائے گا، ”خانیہ“۔ ”السراج“ میں اسے یقین سے بیان کیا ہے جس طرح گزر چکا ہے۔ ایک قول یہ قول کیا گیا: اسے قبول نہیں کیا جائے گا۔ اس کے قائل امام ”محمد“ رحمہ اللہ علیہ ہیں جس طرح ”العمادیہ“ میں ہے۔

27725۔ (قوله: لَا زَمَهُ) یعنی جہاں مدعی علیہ جاتا ہے وہ اس کے ساتھ جائے وہ معین مکان میں اس کے ساتھ نہیں رہے گا۔ ”الصغریٰ“ میں ہے: مسجد میں اس کا پیچھا نہیں کرے گا۔ کیونکہ مسجد ذکر کے لیے بنائی گئی ہے اس پر فتویٰ ہے۔ پھر کہا: وہ اپنا سیکرٹری اس کے ساتھ بھیجے گا جو اس کے ساتھ رہے گا۔ میں نے بعض مشائخ کی ”زیادات“ میں دیکھا مطلوب کو حق حاصل ہے کہ وہ سیکرٹری پر راضی نہ ہو۔ یہ امام ”ابو حنیفہ“ رحمہ اللہ علیہ کے نزدیک ہے۔ ”صاحبین“ رحمہ اللہ علیہ نے اس سے اختلاف کیا ہے۔ یہ مسئلہ اس اصل پر مبنی ہے کہ خصم کی رضامندی کے بغیر وکیل بنانا کیسا ہے، ”بحر“۔ ملخص۔ اس کی مکمل وضاحت اس میں ہے۔

27726۔ (قوله: أَيْ مُسَافِرًا) یہ غریب کی مرادی تفسیر ہے۔

27727۔ (قوله: حَتَّى لَوْ عَلِمَ) اس کی صورت یہ ہے کہ: میں کل چلا جاؤں گا۔ مثلاً۔

27728۔ (قوله: يَكْفُلُهُ) یعنی اس کے سفر کے وقت تک اس سے ضامن لے۔ ”بحر“۔

27729۔ (قوله: كَمَا مَرَّ) یعنی مصنف کے قول: اصطلاحاً علی ان یحلف عند غیر قاض الخ کے ہاں گزر چکا ہے۔

لیکن وہاں قسم مدعی سے مانگی جاتی ہے۔ اور جس طرح ان کے قول: و تقبل البینة لواقمها بعد یمین کے ہاں گزر چکا ہے۔

وَعَكَسَهُ ابْنُ مَلَكٍ، وَكَذَا الْخِلَافُ لَوْ قَالَ لَا دَفْعَ لِي ثُمَّ أَتَى بِدَفْعٍ، أَوْ قَالَ الشَّاهِدُ لَا شَهَادَةَ لِي ثُمَّ شَهِدَ
وَالْأَصَحُّ الْقَبُولُ لِحُجُوزِ النَّسِيَانِ ثُمَّ التَّذَكُّرُ كَمَا فِي الدُّرَرِ، وَأَقْرَبُهُ الْمُصَنِّفُ (ادَّعَى الْمَذْيُونُ الْإِيصَالَ
فَأَنْكَرَ الْمُدَّعَى) ذَلِكَ (وَلَا بَيِّنَةٌ لَهُ) عَلَى مُدَّعَاةٍ (فَطَلَبَ بَيِّنَتَهُ فَقَالَ الْمُدَّعَى اجْعَلْ حَقِّي فِي الْخْتِمِ ثُمَّ
اسْتَحْلِفْنِي لَهُ ذَلِكَ) قُنْيَةً (وَالْيَسِيرُ بِاللَّهِ تَعَالَى) لِحَدِيثٍ مَنْ كَانَ حَالِفًا فَلْيَحْلِفْ بِاللَّهِ تَعَالَى أَوْ لِيَذَرِ
وَهُوَ قَوْلُ وَاللَّهِ خِرَانَةً، وَظَاهِرُهُ أَنَّهُ لَوْ حَلَفَهُ بِغَيْرِهِ لَمْ يَكُنْ يَمِينًا، وَلَمْ أَرَهُ صَرِيحًا بِحَرْ (لَا بِطَلَاقٍ وَعِتَاقٍ)
وَإِنْ أَلَحَّ الْخَصْمُ وَعَلَيْهِ الْفَتْوَى تَتَارُخَانِيَّةٌ، لِأَنَّ التَّحْلِيفَ بِهَا حَرَامٌ خَانِيَّةٌ

”ابن ملک“ نے اس کے برعکس ذکر کیا ہے۔ اسی قسم کا اختلاف ہوگا اگر مدعی علیہ کہے: میرے پاس دعویٰ سے دفاع کی کوئی
وجہ نہیں پھر وہ دفاع کی صورت لے آیا یا گواہ نے کہا: میرے پاس گواہی نہیں پھر اس نے گواہی دے دی اسح یہ ہے کہ اسے
قبول کیا جائے۔ کیونکہ یہ جائز ہے کہ وہ پہلے بھول گیا ہو پھر اسے یاد آ گیا ہو جس طرح ”الدرر“ میں ہے۔ مصنف نے اسے
ثابت رکھا ہے۔ مدیون نے دین مدعی کو پہچانے کا دعویٰ کیا مدعی نے اس کا انکار کر دیا اور اپنے مدعا کو ثابت کرنے کے لیے
اس کے پاس گواہ نہیں تو اس نے اس سے قسم کا مطالبہ کیا تو مدعی نے کہا: میرا حق پہلے دستاویز میں لکھ دو پھر مجھ سے قسم کا
مطالبہ کرو تو اسے یہ حق حاصل ہوگا، ”قنیہ“۔ قسم اللہ تعالیٰ کے نام کی ہے۔ کیونکہ حدیث طیبہ ہے: جو قسم اٹھانے والا ہو تو وہ
اللہ تعالیٰ کے نام کی قسم اٹھائے یا اسے چھوڑ دے وہ اللہ کا قول ہے، ”خزانہ“۔ اس کا ظاہر معنی یہ ہے: اگر اس نے اللہ تعالیٰ
کے نام کے علاوہ کی قسم اٹھائی تو وہ قسم نہ ہوگی میں نے اسے صراحتہ نہیں دیکھا، ”بحر“۔ طلاق اور غلام آزاد کرنے کی قسم نہ ہو
گی۔ اگرچہ خصم اس کا اصرار کرے اسی پر فتویٰ ہے ”تاترخانیہ“۔ کیونکہ ان دونوں کی قسم اٹھوانا حرام ہے، ”خانیہ“۔

27730۔ (قوله: فَأَنْكَرَ الْمُدَّعَى) یعنی دین کے مدعی نے انکار کیا۔

27731۔ (قوله: لَا بَيِّنَةٌ لَهُ) یعنی جو حق پہنچانے کا دعویٰ کرتا ہے اس کے پاس بیّنہ نہیں۔

27732۔ (قوله: فَطَلَبَ بَيِّنَتَهُ) یعنی قرض خواہ کی قسم کا مطالبہ کیا۔

27733۔ (قوله: فَقَالَ الْمُدَّعَى) یعنی دین کے مدعی نے کہا۔

27734۔ (قوله: اجْعَلْ حَقِّي فِي الْخْتِمِ) ختم سے مراد صک یعنی اشنام، رجسٹری، دستاویز ہے۔ اس کا معنی ہے:

میرے لیے گواہوں کے ساتھ تحریر لکھ دو پھر مجھ سے قسم کا مطالبہ کرو، ”مدنی“۔ یا اس سے مراد نفس حق مہر لگے تھپے میں حاضر کر
دو۔ یہی قول زیادہ ظاہر ہے۔ ”حاشیۃ القتال“ میں ”الفتاویٰ الانقریہ“ سے مروی ہے: یعنی میرا حق حاضر کرو پھر مجھ سے قسم کا
مطالبہ کرو۔ اسی کی مثل ”سانحانی“ کی تحریر ہے۔ اسی کی مثل ”الحامدیہ“ میں ہے۔

27735۔ (قوله: أَنَّهُ لَوْ حَلَفَهُ بِغَيْرِهِ) یعنی جیسے رحن و رحیم کی قسم اٹھائے۔ ”بحر“۔

27736۔ (قوله: وَلَمْ أَرَهُ صَرِيحًا) اس میں ہے: ان کا قول شدت و سختی کے بارے میں ہے وہ عطف سے

(وَقِيلَ إِنَّ مَسَّتِ الصَّرُورَةُ فَوْضَ إِلَى الْقَاضِي) اتِّبَاعًا لِلْبَعْضِ (فَلَوْ حَلَفَهُ) الْقَاضِي (بِهِ فَتَكَلَّ فَقَضَى عَلَيْهِ) بِالنَّالِ (لَمْ يَنْفُذْ) قَضَاؤُهُ (عَلَى) قَوْلِ (الْأَكْثَرِ) كَذَا فِي خِزَانَةِ الْمُفْتِينَ، وَظَاهِرُهُ أَنَّهُ مُفَرَّغٌ عَلَى قَوْلِ الْأَكْثَرِ، أَمَّا عَلَى الْقَوْلِ بِالتَّحْلِيلِ بِهِمَا فَيُعْتَبَرُ نَكْوَلُهُ وَيُقْضَى بِهِ وَإِلَّا فَلَا فَائِدَةَ بَحْرٌ، وَاعْتَمَدَ الْمُصَنِّفُ

ایک قول یہ کیا گیا ہے: اگر ضرورت پڑ جائے تو امر قاضی کے سپرد کیا جائے گا۔ یہ بعض علماء کی اتباع کی بنا پر ہے۔ اگر قاضی اس سے اس امر کی قسم لے وہ یہ قسم اٹھانے سے انکار کر دے اور قاضی اس پر مال کا فیصلہ کر دے تو اکثر علماء کے نزدیک اس کا فیصلہ نافذ نہ ہوگا۔ ”خزانۃ المفتین“ میں اسی طرح ہے۔ اس کا ظاہر معنی یہ ہے: یہ اکثر علماء کے قول پر تفریع ہے۔ جہاں تک اس کے قول کا تعلق ہے جو ان دونوں کی قسم کو درست خیال کرتا ہے تو قسم سے اس کے انکار اعتبار کیا جائے گا اور اس کے مطابق فیصلہ کر دیا جائے گا۔ ورنہ اس کا کوئی فائدہ نہ ہوگا، ”بحر“ مصنف نے اس پر اعتماد کیا ہے۔

اجتناب کرے تاکہ قسم میں تکرار واقع نہ ہو جس طرح آگے آئے گا۔ صاحب ”البحر“ نے خود اس کی تصریح کی ہے۔ اور کتاب الایمان میں ان کا قول، قسم اللہ تعالیٰ کے نام کی ہے یا اس کے اسماء میں سے کسی اسم کی ہے جیسے رحمن، رحیم، حق یا ایسی صفت کی ہے اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے جس صفت کے ساتھ قسم اٹھائی جاتی ہے جیسے عزة اللہ، جلال اللہ، کبریاء اللہ، عظمتہ، قدرتہ۔ یہ اس پر دلالت کرتا ہے کہ یہ یحییٰ ہے، ”شیخنا“۔ صاحب ”المنح“ سے تعجب ہے کہ انہوں نے اسے نقل کیا اور اس پر اسے ثابت رکھا۔ اسی طرح شارح نے کہا ہے پھر میں نے جو پہلے بیان کیا ہے اس کی مثل ”مقدسی“ سے منقول دیکھا۔ اور اسے حاشیہ ”البحر“ میں لکھا ہے۔

27737۔ (قوله: وَإِلَّا فَلَا فَائِدَةَ) اس کا فائدہ اس صورت میں ظاہر ہوتا ہے جب وہ اس سے جاہل ہو کہ اس کی قسم سے انکار کا اعتبار نہیں ہوگا جب وہ طلب کرے تو وہ اس کی قسم اٹھا دے۔ بعض اوقات وہ قسم سے رک جاتا ہے اور مدعی کا اقرار کرتا ہے۔ ”درر البحار“۔

27738۔ (قوله: وَاعْتَمَدَ الْمُصَنِّفُ) لیکن ”ابن کمال“ کی عبارت ہے: اگر خصم اصرار کرے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ہمارے زمانہ میں دونوں کی قسم اٹھانا صحیح ہوگا۔ لیکن اس قسم سے انکار کی صورت میں اس کے خلاف فیصلہ نہیں کیا جائے گا۔ کیونکہ وہ اس عمل سے رکا ہے جس سے شرعی طور پر اسے منع کیا گیا تھا۔ اگر اس پر قسم سے انکار کرنے کی بنا پر فیصلہ کیا گیا تو وہ نافذ نہیں ہوگا کلام ختم ہوئی۔ اسی کی مثل ”زیلعی“ میں اور ”شرح درر البحار“ میں ہے۔

اس کا ظاہر معنی یہ ہے: دونوں کی قسم لینے والے کا قول کرنے والا کہے گا: یہ غیر مشروع ہے۔ لیکن اس پر اعتراض کیا جائے گا شاید کہ وہ رک جائے۔ کیونکہ جس میں معمولی دیانت ہوگی وہ ان دونوں امور کی جھوٹی قسم نہیں اٹھائے گا۔ بے شک یہ امر بیوی کی طلاق اور لونڈی کی آزادی کی طرف لے جائے گا یا حرام طریقہ سے روکنے کی طرف لے جائے گا۔ اللہ تعالیٰ کی قسم معاملہ مختلف ہے کیونکہ ہمارے زمانے میں اسے بہت زیادہ آسان سمجھا جاتا ہے۔ تامل

قُلْتُ وَلَوْ حَلَفَ بِالطَّلَاقِ أَنَّهُ لَا مَالَ عَلَيْهِ ثُمَّ بَرَّهَنَ الْمُدَّعَى عَلَى الْمَالِ، إِنَّ شَهْدُوا عَلَى السَّبَبِ كَالِإِقْرَاضِ لَا يُفَرَّقُ، وَإِنْ شَهْدُوا عَلَى قِيَامِ الدَّيْنِ يُفَرَّقُ لِأَنَّ السَّبَبَ لَا يَسْتَلْزِمُ قِيَامَ الدَّيْنِ وَقَالَ مُحْتَدُّ فِي الشَّهَادَةِ عَلَى قِيَامِ الْمَالِ لَا يَحْتَسِبُ لِحْتِمَالِ صِدْقِهِ خِلَافًا لِأَبِي يُوسُفَ، كَذَا فِي شَرْحِ الْوَهْبَانِيَّةِ لِلشُّرَنْبِلَالِيِّ وَقَدْ تَقَدَّمَ (وَيُغْلَظُ بِذِكْرِ أَوْصَافِهِ تَعَالَى) وَقَيَّدَهُ بَعْضُهُمْ بِفَاسِقٍ وَمَالٍ خَطِيرٍ (وَالِاخْتِيَارُ) فِيهِ وَ (فِي صِفَتِهِ إِلَى الْقَاضِي) وَيَجْتَنِبُ الْعُطْفَ كَيْ لَا تَتَكَرَّرَ الْيَبِينَ (فَلَوْ حَلَفَ بِاللَّهِ وَنَكَلَ عَنِ التَّغْلِيظِ لَا يَقْضَى عَلَيْهِ بِهِ) أَيْ بِالسُّكُولِ لِأَنَّ الْمَقْصُودَ الْحَلْفُ بِاللَّهِ وَقَدْ حَصَلَ زَيْدَعِي

میں کہتا ہوں: اگر اس نے طلاق کی قسم کھائی کہ اس پر کوئی مال لازم نہیں۔ پھر مدعی نے مال پر گواہیاں قائم کر دیں اگر وہ سبب پر گواہی دے دیں جس طرح وہ قرض دینے پر گواہی دے دیں تو تفریق نہ کی جائے گی۔ اگر دین کے قیام پر گواہی دے دیں تو تفریق کر دی جائے گی۔ کیونکہ سبب دین کے قیام کو مستلزم نہیں۔ امام ”محمد“ رحمہ اللہ نے مال کے قیام پر شہادت کے بارے میں کہا: وہ حائث نہیں ہوگا۔ کیونکہ اس کے صدق کا احتمال موجود ہے۔ امام ”ابو یوسف“ رحمہ اللہ نے اس سے اختلاف کیا ہے۔ ”شرح الوہبانیہ“ جو ”شرنبلالی“ کی تالیف ہے اس میں معاملہ اسی طرح ہے جب کہ یہ پہلے گزر چکا ہے: اللہ تعالیٰ کے اوصاف ذکر کر کے قسم میں سختی واقع ہو جاتی ہے۔ بعض علماء نے اس کی یہ قید لگائی ہے کہ مدعی علیہ فاسق ہو اور مال بہت زیادہ ہو۔ اللہ تعالیٰ کی صفات میں اختیار قاضی کو حاصل ہوگا۔ وہ عطف سے اجتناب کرے گا تا کہ یمن متکرر نہ ہو۔ اگر اس نے اللہ تعالیٰ کے نام کی قسم اٹھائی اور تشدید سے رک گیا تو قسم سے انکار کی وجہ سے اس پر فیصلہ نہیں کیا جائے گا۔ کیونکہ مقصود اللہ تعالیٰ کے نام کی قسم ہے جو حاصل ہو چکی ہے، ”زیلعی“۔

جہاں تک ان کے قول: لانه امتنع عما هو منهي عنه شرعا کا تعلق ہے۔

میں کہتا ہوں، قاضی کے لیے یہ کیسے جائز ہے کہ وہ اسے ایسا امر بجالانے کا مکلف بنائے جس سے اسے شرعاً روکا گیا تھا شاید وہ یہ کہے: وہ نہیں تزیہی ہے۔ ”سعدیہ“۔

27739۔ (قوله: وَقَدْ تَقَدَّمَ) یعنی ان کے قول: ولا تحليف في طلاق و رجعة الخ سے تھوڑا پہلے زچکا ہے۔

27740۔ (قوله: وَيُغْلَظُ الخ) یعنی اللہ تعالیٰ کے اوصاف ذکر کرنے کے ساتھ قسم کو موکد کیا جائے گا جیسے قسم

اٹھانے والا کہے: اس اللہ کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں وہ اللہ جو غیب و شہادت کا عالم ہے، رحمن رحیم ہے وہ پوشیدہ و اس طرح جانتا ہے جس طرح ظاہر کو جانتا ہے۔ فلاں کا تجھ پر یہ حق نہیں جس مال کا اس نے تجھ پر دعویٰ کیا اور نہ ہی اس میں سے کوئی شے تیرے ذمہ ہے۔ کیونکہ لوگوں کے احوال مختلف ہیں۔ ان میں سے کچھ وہ ہیں جو اس تشدید سے قسم سے رک جاتے ہیں اور تشدید نہ ہونے پر جبری ہو جاتے ہیں۔ پس اس پر سختی کی جاتی ہے شاید وہ اس طریقہ سے رک جائے۔ ”زیلعی“۔

27741۔ (قوله: زَيْدَعِي) اس کی عبارت ہے: اگر اس نے عطف کا حکم دیا اور اس نے ایک کا ذکر کیا اور باقی سے انکار کیا

(لَا يُسْتَحَبُّ التَّغْلِيظُ عَلَى الْمُسْلِمِ (بِزَمَانٍ وَ لَا بِمَكَانٍ) كَذَا فِي الْحَاوِي، وَ ظَاهِرُهُ أَنَّهُ مُبَاحٌ وَ لَا يُسْتَحْلَفُ الْيَهُودِيُّ بِاللَّهِ الَّذِي أَنْزَلَ التَّوْرَةَ عَلَى مُوسَى، وَ النَّصْرَانِيُّ بِاللَّهِ الَّذِي أَنْزَلَ الْإِنْجِيلَ عَلَى عِيسَى، وَ الْمَجُوسِيُّ بِاللَّهِ الَّذِي خَلَقَ النَّارَ فَيُغْلَظُ عَلَى كُلِّ بَعْثَتِهِ، فَلَوْ اكْتَفَى بِاللَّهِ كَالْمُسْلِمِ كَفَى اخْتِيَارًا (وَ الْوُثْنِيُّ بِاللَّهِ تَعَالَى) لِأَنَّهُ يُقَرَّبُ بِهِ وَإِنْ عَبْدًا غَيْرَهُ وَ جَزَمَ ابْنُ الْكِبَالِ (بِأَنَّ الدَّهْرِيَّةَ لَا يَعْتَقِدُونَ تَعَالَى) قُلْتُ وَ عَلَيْهِ فِيمَاذَا يَحْلِفُونَ وَ بَقِيَ تَحْلِيفُ الْآخَرَسِ أَنْ يَقُولَ لَهُ الْقَاضِي عَلَيْكَ عَهْدُ اللَّهِ وَ مِيثَاقُهُ إِنْ كَانَ كَذَا وَ كَذَا فَإِذَا أَوْ مَأْ بِرَأْسِهِ أَمَى نَعَمْ صَارَ حَالِفًا، وَلَوْ أَصَمَّ أَيْضًا كَتَبَ لَهُ لِيُجِيبَ بِخَطِّهِ إِنْ عَرَفَهُ وَإِلَّا فَبِإِشَارَتِهِ، وَلَوْ أَعْمَى أَيْضًا فَأَبُوهُ

مسلمان پر نہ زمان کے حوالہ سے اور نہ ہی مکان کے حوالے سے قسم میں تشدید کی جائے گی، ”الحاوی“ میں اسی طرح ہے۔ اس کا ظاہر یہ ہے کہ یہ مباح ہے اور یہودی سے ان الفاظ کے ساتھ قسم لی جائے گی اس اللہ کی قسم جس نے تورات کو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل کیا، اور نصرانی سے قسم لی جائے گی اس اللہ کی قسم جس نے انجیل کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر نازل کیا، اور مجوسی سے قسم لی جائے گی اس اللہ کی قسم جس نے آگ کو پیدا کیا ہر ایک آدمی سے اس کے اعتقاد کے مطابق اس کی قسم میں تشدید کی جائے گی۔ اگر وہ مسلمان کی طرح صرف اللہ کی قسم اٹھانے پر اکتفا کرے تو یہ کافی ہوگا، ”اختیار“۔ بت پرست سے اللہ تعالیٰ کی قسم لی جائے گی کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کا اقرار کرتا ہے اگرچہ وہ غیر اللہ کی عبادت کرتا ہے۔ ”ابن کمال“ نے اسے یقین کے ساتھ بیان کیا ہے کہ دہریہ اللہ تعالیٰ کی ذات کا اعتقاد نہیں رکھتے۔ میں کہتا ہوں: اس تعبیر کی بنا پر وہ کیوں قسم اٹھاتے ہیں؟ گونگے سے قسم لینے کا معاملہ باقی ہے قاضی اسے کہے: اگر معاملہ اس طرح ہے تو تجھ پر اللہ تعالیٰ کا عہد اور اس کا ميثاق ہے جب وہ اپنے سر سے اشارہ کرے یعنی ہاں کا اشارہ کرے تو وہ قسم اٹھانے والا ہوگا۔ اگر وہ بہرا بھی ہے تو قاضی اس کے لیے تحریر کرے گا تا کہ وہ اپنی تحریر کے ساتھ جواب دے اگر وہ اسے پہچانتا ہو اگر وہ اندھا بھی ہو تو اس کا باپ،

تو قسم سے انکار کرنے کی صورت میں اس کے خلاف فیصلہ کیا جائے گا۔ کیونکہ اس پر لازم صرف ایک قسم تھی اور وہ لے آیا ہے۔
 27742۔ (قوله: وَ ظَاهِرُهُ أَنَّهُ مُبَاحٌ) ”البحر“ میں ”الحیط“ سے مروی ہے مکان کے اعتبار سے قسم میں تشدید جائز نہیں۔
 27743۔ (قوله: فَيُغْلَظُ عَلَى كُلِّ الْآخَرِ) ”البحر“ میں کہا: اگر تو کہے: جب کافر سے صرف اللہ تعالیٰ کی قسم لی جائے اور جس کا ذکر کیا گیا ہے وہ اس کا انکار کر دے تو وہ قسم اس کے لیے کافی ہے یا کافی نہیں؟ میں کہتا ہوں: میں نے اسے صریح نہیں دیکھا۔ ان کے قول کا ظاہر معنی یہ ہے اس کے ساتھ اس پر تشدید کی جاتی ہے یہ شرط نہیں یہ تشدید کے باب سے ہے پس اللہ تعالیٰ کی قسم پر اکتفا کیا جائے گا اور مذکورہ وصف سے انکار کی صورت میں اس کے خلاف فیصلہ نہیں کیا جائے گا۔
 27744۔ (قوله: صَارَ حَالِفًا) وہ یہ نہ کہے: باللہ انہ کان کذا اللہ کی قسم یہ معاملہ اس طرح ہے۔ کیونکہ جب وہ نعم ہاں کہے گا تو یہ اقرار بن جائے گا قسم نہیں بنے گا جس طرح ”شر نبلا“ میں ہے۔ ”س“۔

أَوْ وَصِيَّهُ أَوْ مَنْ نَصَّبَهُ الْقَاضِي شَرْحُ وَهْبَانِيَّةٍ (وَلَا يَخْلُقُونَ فِي بَيْوتِ عِبَادَتِهِمْ) لِكَرَاهَةِ دُخُولِهَا بِحَرِّ (وَيُخْلَفُ الْقَاضِي) فِي دَعْوَى سَبَبٍ يَزْتَفِعُ (عَلَى الْحَاصِلِ) أَمَّا عَلَى صُورَةِ انْكَارِ الْمُتَكْرِهَةِ فَتَسَرُّهُ بِقَوْلِهِ

اس کا وصی یا جسے قاضی معین کرے، ”شرح وہبانیہ“۔ ان کی عبادت گاہوں میں ان سے قسم نہیں لی جائے گی۔ کیونکہ ان کی عبادت گاہوں میں داخل ہونا مکروہ ہے، ”بحر“۔ ایسے سبب کے دعویٰ میں جو اٹھ سکتا ہے قاضی منکر کے انکار کی صورت میں حاصل پر قسم لے گا۔ حاصل پر قسم لینے کی تفسیر

27745۔ (قوله: أَوْ وَصِيَّهُ أَوْ مَنْ نَصَّبَهُ الْقَاضِي) یہ ان کے قول الحلف لا یجری فیہ النیابة سے مستثنیٰ ہے۔

یعنی قسم میں نیابت جاری نہیں ہوتی مگر ان میں۔ ”ابوسعود“۔

مدعی دین کا عین میں ملک کا یا یمین میں حق کا دعویٰ کرے تو اس کی صورتیں

27746۔ (قوله: وَيُخْلَفُ الْقَاضِي الْخ) ”نور العین“ میں کہا: تیری قسم ان مواضع کے بارے میں ہے جن میں

حاصل پر اور سبب پر قسم لی جاتی ہے۔ جغ (یہ ”جامع صغیر“ کی طرف رمز ہے) پھر مسئلہ کئی وجوہ پر ہے (۱) مدعی دین کا، عین میں ملک کا یا یمین میں حق کا دعویٰ کرے ان میں سے ہر ایک کی دو صورتیں ہیں (۱) یا تو وہ مطلقاً اس کا دعویٰ کرے یا سبب پر بنا کرتے ہوئے دعویٰ کرے اگر وہ دین کا دعویٰ کرے اور اس کا سبب ذکر نہ کرے تو حاصل پر قسم لی جائے گی اس نے جو دعویٰ کیا ہے یا اس میں سے کچھ بھی اس کی جانب سے تیرے ذمہ نہیں ہے۔ اسی طرح اگر وہ حاضر عین میں ملکیت کا دعویٰ کرے یا عین حاضر میں حق کا دعویٰ کرے تو وہ مطلقاً اس کا دعویٰ کرے اور اس کے لیے سبب ذکر نہ کرے تو حاصل پر اس سے قسم کا مطالبہ کیا جائے گا۔ اور نہ یہ اور اس میں سے کچھ فلاں کے لیے ہے۔

اگر وہ اس کا دعویٰ سبب کی بنا پر کرے اس کی صورت یہ ہے کہ قرض یا شرا کے سبب دین کا دعویٰ کرے یا بیع، ہبہ کے سبب ملک کا دعویٰ کرے یا غصب، ودیعت یا عاریۃ کا دعویٰ کرے تو ظاہر روایت کے مطابق حاصل پر اس سے قسم لی جائے گی سبب پر قسم نہیں لی جائے گی: اللہ کی قسم تو نے قرض نہیں لیا، تو نے غصب نہیں کیا، اس نے تیرے ہاں ودیعت نہیں رکھی، تو نے اس سے کوئی شے نہیں خریدی۔ ”کافی“۔

امام ”ابو یوسف“ رحمہ اللہ سے مروی ہے: ان مذکورہ تمام صورتوں میں قاضی سبب پر قسم لے گا مگر جب مدعی علیہ پر تہریش کی جا رہی ہو جیسے مدعی کہے: اے قاضی بعض اوقات ایک انسان کسی شے کو بیچتا ہے پھر اقالہ کرتا ہے اس وقت قاضی حاصل پر قسم لے گا۔ ”صع“۔ یہ ”فصول العمدی“ کی طرف اشارہ ہے۔

شمس الائمہ ”الحلوانی“ نے امام ”ابو یوسف“ رحمہ اللہ سے ایک اور روایت نقل کی ہے: مدعی علیہ اگر سبب کا انکار کرے تو سبب پر قسم لی جائے گی۔ اگر وہ کہے: جس کا وہ دعویٰ کر رہا ہے وہ مجھ پر لازم نہیں تو حاصل پر قسم لی جائے گی۔ ”قاضی خان“۔ میرے نزدیک یہ قول تمام اقوال سے اچھا ہے۔ اکثر قاضی اس پر گامزن ہیں۔ حقیر پر تقصیر کہتا ہے صاحب ”الہدایہ“ کی

(أَمَّا بِاللَّهِ مَا بَيْنَكُمَا نِكَاحٌ قَائِمٌ وَمَا بَيْنَكُمَا بَيْعٌ قَائِمٌ وَمَا يَجِبُ عَلَيْكَ رَدُّهُ) لَوْ قَائِمًا أَوْ بَدَلَهُ لَوْ هَالِكًا
(وَمَا هِيَ بَائِنٌ مِنْكَ) وَقَوْلُهُ (الآن) مُتَعَلِّقٌ بِالْجَمْعِ مُسْكِينٌ (فِي دَعْوَى نِكَاحٍ)

اپنے اس قول کے بیان میں کی ہے اللہ کی قسم تمہارے درمیان نکاح قائم نہیں اور تمہارے درمیان بیع قائم نہیں اور اگر وہ مال قائم ہے تو تجھ پر اس کا رد کرنا واجب نہیں اگر ہلاک ہو گیا ہے تو اس کا بدلہ واپس کرنا لازم نہیں اور وہ عورت اس وقت تجھ سے جدا نہیں۔ اس کا قول الآن یہ سب کے متعلق ہے، ”مسکین“۔ حاصل پر قسم نکاح،

”مختارات النوازل“ میں اسی طرح ہے۔

27747۔ (قوله: مَا بَيْنَكُمَا نِكَاحٌ قَائِمٌ) نکاح کو ان مسائل میں داخل کرنا جن میں طرفین کے نزدیک حاصل پر قسم لی جاتی ہے۔ یہ صاحب ”ہدایہ“ اور شارحین کی جانب سے غفلت ہے۔ کیونکہ امام ”ابو حنیفہ“ رحمہ اللہ علیہ نکاح میں قسم لینے کا قول نہیں کرتے مگر جب یہ کہا جائے امام نے ”صاحبین“ رحمہ اللہ علیہما کے قول پر تفریع کا ذکر کیا ہے ”امام صاحب“ رحمہ اللہ علیہ کے قول پر تفریع کا ذکر نہیں کیا جس طرح مزارعت میں ”صاحبین“ رحمہ اللہ علیہما کے قول پر تفریع کا ذکر کیا ہے، ”بحر“۔ ”مقدس“ سے یہ نقل کیا گیا ہے۔ یہ اس پر محمول ہے کہ جب نکاح کے ساتھ مال کا دعویٰ ہو۔

27748۔ (قوله: بَيْعٌ قَائِمٌ) یہ قاصر کلام ہے۔ اور حق وہ ہے جو ”الخزانہ“ میں تفصیل موجود ہے کہا: مشتری نے جب شرا کا دعویٰ کیا ہو اگر وہ نقد ثمن کا ذکر کرے تو مدعی علیہ سے یہ قسم لی جائے گی: اللہ کی قسم یہ غلام، مدعی کی ملکیت نہیں اور نہ ہی اس میں سے کوئی شے اس کی ہے اس سبب کی وجہ سے جس کا اس نے دعویٰ کیا۔ اور نہ ہی اس سے یہ قسم لی جائے گی: اللہ کی قسم تو نے اس کو نہیں بیچا اگر وہ مشتری نقد ثمن کا ذکر نہ کرے تو اسے کہا جائے گا ثمن کو حاضر کرو جب وہ اس کو حاضر کرے تو اس سے قسم لے: اللہ کی قسم وہ اس ثمن پر قبضہ کرنے کا اور اس غلام کو اس طریقہ سے سپرد کرنے کا اختیار نہیں رکھتا جس کا یہ دعویٰ کرتا ہے۔ اگر چاہے تو وہ اس سے یہ قسم لے: اللہ کی قسم تیرے درمیان اور اس کے درمیان ایسی شرا نہیں جو اس لمحہ قائم ہو۔ حاصل یہ ہے کہ شرا کا دعویٰ ساتھ ہی نقد ثمن کا دعویٰ یہ بیع کے بارے میں مطلق ملکیت کا دعویٰ ہے۔ یہ عقد کا دعویٰ نہیں۔ اسی وجہ سے ثمن کی جہالت کے ساتھ یہ سچ ہے۔ پس بیع کی ملکیت پر اس سے قسم لی جائے گی اور بیع کا بیع سپرد کرنے کے ساتھ دعویٰ یہ معنا ثمن کا دعویٰ ہے۔ یہ عقد کا دعویٰ نہیں۔ اسی وجہ سے یہ بیع کی جہالت کے ساتھ صحیح ہو جائے گا۔ پس اس ثمن پر اس سے قسم لی جائے گی۔

27749۔ (قوله: لَوْ قَائِمًا) اسے زائد کہا ہے۔ کیونکہ ”البحر“ میں جو قول ہے: مولف کے قول میں تجھ پر اس کا رد کرنا واجب نہیں۔ اس میں کجی ہے۔ صحیح وہ ہے جو ”الخلاصہ“ میں ہے: تجھ پر اس کا، اس کی مثل کا، اس کے بدل کا اور اس میں سے کسی شے کا رد کرنا واجب نہیں۔ اسی طرح اس کے قول میں: وما هي بائن منك الآن وہ اس وقت تجھ سے بائن نہیں، کا معاملہ ہے۔ کیونکہ یہ قول طلاق بائنہ کے ساتھ خاص ہے۔ جہاں تک طلاق رجعی کا تعلق ہے تو اس سے قسم لی جائے گی: اللہ کی قسم وہ اس نکاح میں تجھ سے طلاق والی نہیں جو تمہارے درمیان تھا مگر جب تین طلاقیں کا دعویٰ ہو تو ”اسیبیابی“ نے کہا: اس سے قسم کا مطالبہ کیا جائے گا اللہ کی قسم تو نے اس عورت کو اس نکاح میں تین طلاقیں نہیں دیں جو تمہارے درمیان تھا۔

وَبَيِّعَ وَغَضِبَ وَطَلَّقَ) فِيهِ لَفٌّ وَنَشْرٌ لَا عَلَى السَّبَبِ أَمَّا بِاللهِ مَا نَكَحْتُ وَمَا بَعْتُ خِلَافًا لِشَانِي نَظَرًا
لِلْمُدَّعَى عَلَيْهِ أَيْضًا لِاحْتِمَالِ طَلَاقِهِ وَإِقَالَتِهِ (إِلَّا إِذَا لَزِمَ) مِنَ الْخَلْفِ عَلَى الْحَاصِلِ (تَرَكَ النَّظَرَ لِلْمُدَّعَى
فِي خَلْفٍ) بِالْإِجْمَاعِ (عَلَى السَّبَبِ) أَمَّا عَلَى صُورَةِ دَعْوَى الْمُدَّعَى (كَدَعْوَى شُفْعَةٍ بِالْجَوَارِ وَنَفَقَةٍ
مَبْتُوتَةٍ وَالْخَصْمُ لَا يَرَاهَا) لِيَكُونَهُ شَافِعِيًّا لِيَصْدُقَ خَلْفُهُ عَلَى الْحَاصِلِ فِي مُعْتَقَدِهِ فَيَتَضَرَّرُ الْمُدَّعَى

بیع، غصب اور طلاق کے دعویٰ میں ہے۔ اس میں لف اور نشر ہے۔ قسم سبب پر نہیں لی جائے گی۔ یعنی یہ قسم نہیں لی جائے گی:
اللہ کی قسم تو نے نکاح نہیں کیا، تو نے اسے نہیں بیچا۔ امام ”ابو یوسف“ رحمہ اللہ نے اس سے اختلاف کیا ہے۔ وہ مدعی علیہ کو بھی
پیش نظر رکھتے ہیں۔ حاصل پر قسم اس لیے لی جاتی ہے کیونکہ طلاق اور اقالہ کا احتمال موجود ہے مگر جب حاصل پر قسم اٹھانے
کی صورت میں مدعی کی منفعت کا ترک لازم آئے تو بالا جماع سبب پر قسم لی جائے گی یعنی مدعی کے دعویٰ کی صورت پر قسم لی
جائے گی جس طرح پڑوس کی وجہ سے شفعہ کیا گیا ہو، مطلقہ بانہ کے نفقہ کا مسئلہ ہو اور خصم ان دونوں کی رائے نہ رکھتا ہو۔
کیونکہ وہ شافعی ہے۔ کیونکہ وہ اپنے معتقدات کے مطابق حاصل پر قسم اٹھانے میں سچا ہے۔ پس مدعی کو نقصان ہوگا۔

”البحر“ میں یہاں ان تمام چیزوں کا ذکر کیا ہے جن میں حاصل پر قسم لی جاتی ہے۔ پس اس کی طرف رجوع کیجئے۔ اس
کے بعد کہا: پھر جان لو قسم لینے کی صورتوں میں سے بعض میں ان سے یمین کے لفظ میں لا کا تکرار واقع ہوا ہے۔ خصوصاً جب
کوئی فرد میت پر دین کا دعویٰ کرے تو اس کے قسم لینے میں ایسا ہے۔ یہ صورتیں پانچ تک پہنچ جاتی ہیں اور استحقاق میں چار تک
پہنچتی ہیں۔ ساتھ ہی کتاب الایمان میں ان کا قول ہے قسم حرف عطف کے تکرار کے ساتھ، ساتھ ہی جب حرف لا ذکر کیا
جائے تو قسم متکرر ہو جاتی ہے جس طرح اس کا قول ہے: لا آکل طعاماً ولا شرباً ساتھ ہی ان کا یمین کی تشدید میں قول ہے:
عطف سے احتراز کرنا واجب ہے۔ کیونکہ واجب ایک قسم ہے جب عطف کیا جائے گا تو وہ کئی قسمیں ہو جائیں گی۔ میں نے
اس کا جواب نہیں دیکھا بلکہ اسے بھی نہیں دیکھا جو اس سے تعرض کرے۔

”رملی“ نے کہا: میں کہتا ہوں: جب متادل غور و فکر کرے تو مدعی کے تکرار کی وجہ سے تکرار پائے گا، فلیتأمل۔ یعنی مدعی اگر
الفاظ میں ایک شے کا دعویٰ کرے لیکن وہ متعدد اشیاء کا ضمناً مدعی ہو تو بطور احتیاط ان پر خصم کا مطالبہ کیا جائے گا۔

27750۔ (قوله: نَظَرًا لِلْمُدَّعَى عَلَيْهِ) یہ ان کے قول لا علی السبب کی تعلیل ہے۔

27751۔ (قوله: لِيَكُونَهُ شَافِعِيًّا) کیونکہ شافعی حاصل پر قسم اٹھاتا ہے جب کہ وہ اپنے مذہب کا اعتقاد رکھتا ہے کہ
عورت نہ نفقہ کی مستحق ہے اور نہ وہ آدمی شفعہ کا مستحق ہے۔ پس نفع ضائع ہو جائے گا۔ جب وہ قسم اٹھائے: اس نے اسے طلاق
بانہ نہیں دی اور اس نے وہ زمین نہیں خریدی تو نفع ظاہر ہو جائے گا اور مدعی کی جانب کی رعایت کرنا زیادہ بہتر ہے۔ کیونکہ
جب سبب ثابت ہو گیا تو حق ثابت ہو گیا کسی عارضہ کی وجہ سے اس کے سقوط کا احتمال موہوم ہے۔ اصل اس کا معدوم ہونا ہے
یہاں تک کہ اس عارضہ پر دلیل قائم ہو جائے۔

قُلْتُ وَمُفَادُهُ أَنَّهُ لَا اعْتِبَارَ بِمَذْهَبِ الْمُدَّعَى عَلَيْهِ، وَأَمَّا مَذْهَبُ الْمُدَّعَى فِيهِ خِلَافٌ، وَالْأَوْجَهُ أَنْ يَسْأَلَهُ الْقَاضِي هَلْ تَعْتَقِدُ وَجُوبَ شُفْعَةِ الْجَوَارِ أَوْ لَا، وَاعْتَمَدَهُ الْمُصَنِّفُ (وَكَذَا) أَيْ يُحْلِفُ عَلَى السَّبَبِ إِجْمَاعًا (فِي سَبَبٍ لَا يَرْتَفِعُ) بِرَافِعٍ بَعْدَ ثُبُوتِهِ (كَعَبْدٍ مُسْلِمٍ يَدَّعِي) عَلَى مَوْلَاهُ (عِتْقَهُ) لِعَدَمِ تَكَرُّرِ رِقِّهِ (وَأَمَّا فِي الْأَمَةِ) وَلَوْ مُسْلِمَةً (وَالْعَبْدَ الْكَافِرَ) فَلِتَكَرُّرِ رِقِّهِمَا بِاللَّحَاقِ حُلْفَ مَوْلَاهُمَا (عَلَى الْحَاصِلِ) وَالْحَاصِلُ اعْتِبَارُ الْحَاصِلِ إِلَّا لِضَرَرٍ مُدَّعٍ وَسَبَبٍ غَيْرِ مُتَكَرِّرٍ (وَصَحَّ فِدَاءُ الْيَبِينِ وَالصُّدْحُ مِنْهُ) لِحَدِيثٍ ذُبُّوا عَنْ أَعْرَاضِكُمْ بِأَمْوَالِكُمْ وَقَالَ الشَّهِيدُ الْإِحْتِرَازُ عَنِ الْيَبِينِ الصَّادِقَةِ وَاجِبٌ - قَالَ فِي الْبَحْرِ أَيْ ثَابِتٌ بِدَلِيلٍ جَوَازِ الْحَلْفِ صَادِقًا

میں کہتا ہوں: اس سے مستفاد یہ ہوتا ہے کہ مدعی علیہ کے مذہب کا کوئی اعتبار نہیں۔ جہاں تک مدعی کے مذہب کا تعلق ہے تو اس میں اختلاف ہے۔ زیادہ مناسب یہ ہے کہ قاضی اس سے سوال کرے کیا تو پڑوسی کے لیے شفعہ کے ثبوت کا اعتقاد رکھتا ہے یا اعتقاد نہیں رکھتا مصنف نے اس پر اعتماد کیا ہے۔ اسی طرح ایسے سبب پر بالا جماع قسم لی جائے گی جو ثابت ہونے کے بعد اس سبب کو ختم کرنے والے کسی عارضہ کے ساتھ وہ ختم نہ ہو جس طرح مسلمان کا غلام ہو جو اپنے آقا کے خلاف آزادی کا دعویٰ کرے۔ کیونکہ اسکی غلامی متکرر نہیں ہو سکتی۔ جہاں تک لونڈی کا تعلق ہے اگرچہ مسلمان ہو اور کافر غلام کا تعلق ہے تو اسکی غلامی دار الحرب چلے جانے سے دوبارہ واقع ہو سکتی ہے تو ان دونوں کے آقا سے حاصل پر قسم لی جاسکتی ہے۔ حاصل کلام یہ ہے: حاصل کا اعتبار کیا جائے گا مگر مدعی کو ضرر پہنچانے اور ایسے سبب کی صورت میں جو متکرر نہیں ہوتا اس میں حاصل کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔ قسم کا فدیہ دے دینا اور اس سے صلح کر لینا صحیح ہے۔ کیونکہ حدیث طیبہ ہے: اپنے اموال کے ساتھ اپنی عزتوں کی حفاظت کرو (1)۔ ”شہید“ نے کہا: سچی قسم سے احتراز کرنا واجب ہے۔ ”البحر“ میں کہا: یہ ثابت ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ سچی قسم اٹھانا جائز ہے۔

27752۔ (قوله: فِيهِ خِلَافٌ) ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کا کوئی اعتبار نہیں اعتبار قاضی کے مذہب کا ہے۔

27753۔ (قوله: وَالْأَوْجَهُ أَنْ يَسْأَلَهُ) یعنی مدعی سے سوال کرے۔

27754۔ (قوله: وَاعْتَمَدَهُ الْمُصَنِّفُ) یعنی ”البحر“ کی تبع میں اس پر اعتماد کیا ہے۔ ذرا غور کیجئے کیا یہ ہمارے زمانہ

کے قاضیوں میں جاری ہو سکتا ہے جو امام ”ابو حنیفہ“ رحمہ اللہ کے مذہب کے مطابق فیصلہ کرنے پر مامور ہیں۔

27755۔ (قوله: وَالصُّدْحُ مِنْهُ) یعنی قسم کی بجائے معلوم شے پر صلح کر لینا صحیح ہے۔ فرق یہ ہے کہ دوسری چیز یعنی

جس پر صلح کی جارہی ہے وہ مدعی سے کم ہو۔ جہاں تک پہلی کا تعلق ہے جب وہ فدیہ دیتا ہے تو یہ مدعی کے مثل ہوگی جس طرح ”قہستانی“ میں ہے۔ ”ح“۔

(وَلَا يَخْلَفُ) الْمُنْكَرُ (بَعْدَكَ) أَبَدًا لِأَنَّهُ أَسْقَطَ حَقَّهُ (وَقَيَّدَ بِالْفِدَاءِ وَالصُّلْحِ لِأَنَّ الْمُدَّعِيَ (لَوْ أَسْقَطَهُ) أَمْنَى الْيَمِينِ (قَصْدًا بِأَنْ قَالَ بَرِئْتُ مِنْ الْخَلْفِ أَوْ تَرَكْتَهُ عَلَيْهِ أَوْ وَهَبْتَهُ لَا يَصِحُّ وَلَهُ الشَّخِيفُ) بِخِلَافِ الْبَرَاءَةِ عَنِ الْمَالِ لِأَنَّ الشَّخِيفَ لِلْحَاكِمِ بَزَازِيَّةٌ، وَكَذَا إِذَا اشْتَرَى يَمِينَهُ لَمْ يَجْزِلْ لِعَدَمِ رُكْنِ الْبَيْعِ دُرَرٌ فَرَعَ اسْتَخْلَفَ خَصْمَهُ فَقَالَ حَلَفْتَنِي مَرَّةً، إِنَّ عِنْدَ حَاكِمٍ أَوْ مُحَكِّمٍ وَبَرَّهَنَ قُبُلَ وَإِلَّا فَلَهُ تَخْلِيفُهُ دُرَرٌ

اس کے بعد منکر سے کبھی قسم نہیں لی جائے گی۔ کیونکہ اس نے اپنے حق کو ساقط کر دیا ہے۔ فدیہ دینے اور صلح کی قید لگائی ہے۔ کیونکہ مدعی اگر یمین کو قصد اساقط کر دے اس کی صورت یہ ہے کہ وہ کہے: تو قسم سے بری ہو گیا ہے، میں نے اسے تجھ پر چھوڑ دیا ہے یا میں نے تجھے وہ ہبہ کر دیا ہے تو یہ صحیح نہیں ہوگا اور اسے قسم لینے کا حق حاصل ہوگا۔ مال سے براءت کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ قسم لینے کا حق صرف حاکم کو ہوگا، ”بزازیہ“۔ اسی طرح جب وہ اپنی قسم خریدے تو یہ جائز نہیں ہوگا۔ کیونکہ بیع کا رکن موجود نہیں (کیونکہ بیع کا رکن مال ہوتا ہے قسم مال نہیں) ”درر“۔ فرع: ایک آدمی نے اپنے خصم سے قسم کا مطالبہ کیا تو اس نے کہا: تو نے ایک دفعہ حاکم یا ثالث کے پاس مجھ سے قسم لے لی ہے اور گواہیاں پیش کر دیں تو اس کا قول قبول کیا جائے گا ورنہ اسے قسم کا مطالبہ کرنے کا حق ہوگا، ”درر“۔

27756۔ (قوله: وَلَا يَخْلَفُ) مولف رحمہ اللہ نے لام کی تشدید کے ساتھ اسے لکھا ہے۔

27757۔ (قوله: لِأَنَّهُ أَسْقَطَ حَقَّهُ) یعنی خصومت میں اس کا جو حق تھا۔ ”البحر“ میں جو عبارت ہے وہ یہ ہے: کیونکہ۔

اس نے اس سے مال لے کر اپنی خصومت کو ختم کر دیا ہے۔ ”مدنی“۔

27758۔ (قوله: وَبَرَّهَنَ قُبُلَ) ”البحر“ میں ”البرزازیہ“ سے مروی ہے: جب قاضی نے مدعی علیہ سے قسم کا ارادہ کیا

تو مدعی علیہ نے کہا: اس مدعی نے دوسرے قاضی کے ہاں مجھ سے اس مال پر قسم لی یا اس نے مجھے اس سے بری کر دیا اگر وہ گواہیاں قائم کر دے تو اسے قبول کر لیا جائے گا اور اس سے دعویٰ ختم ہو جائے گا۔ اگر ایسا نہ ہو تو امام ”بزدوی“ نے کہا: مدعی مدعی علیہ ہو جائے گا اگر وہ انکار کر دے تو دعویٰ ختم ہو جائے گا اگر وہ قسم اٹھا دے تو مال لازم ہو جائے گا۔ کیونکہ مال سے بری کرنے کا دعویٰ مال کے واجب ہونے کا اقرار ہے مال کے دعویٰ سے بری کرنے کا دعویٰ اس کے خلاف ہے۔

اس کا ظاہر یہ ہے کہ شارح کا قول وَإِلَّا فَلَهُ تَخْلِيفُهُ۔ یہ پہلے مدعی سے قسم کا مطالبہ کرنا ہے (اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر وہ گواہیاں پیش نہ کر سکے تو اسے پہلے مدعی سے قسم کا مطالبہ کرنے کا حق ہوگا) تاہل۔ ”الدرر“ کی عبارت ہے: اگر اس کے پاس بینہ نہ ہوں اور وہ قسم کا مطالبہ کرے یعنی مدعی سے قسم لینے کا مطالبہ کرے تو یہ جائز ہوگا۔

27759۔ (قوله: وَإِلَّا فَلَهُ تَخْلِيفُهُ) یعنی مدعی سے قسم کا مطالبہ کیا جائے گا، ”نور العین“۔ یہ کہا: مدعی نے مدعی علیہ

سے قسم لینے کا مطالبہ کیا تو اس نے یہ گواہی پیش کی کہ مدعی نے مجھ سے فلاں قاضی کے ہاں قسم لی ہے تو اس کا قول قبول کیا جائے گا اگر اسکے پاس گواہ نہ ہوں تو اسے پہلے مدعی سے قسم کا مطالبہ کا حق ہوگا۔ کیونکہ وہی یمین میں اپنے حق کے باقی رہنے کا دعویٰ

قُلْتُ وَلَمْ أَر مَالَوْ قَالَ إِنِّي قَدْ حَلَفْتُ بِالطَّلَاقِ إِنِّي لَا أَحْلِفُ فَيُحَرَّرُ

میں کہتا ہوں: اگر وہ کہے: میں نے طلاق کی قسم اٹھا رکھی ہے میں قسم نہیں اٹھاؤں گا۔ میں نے اس بارے میں کوئی قول نہیں سنا اس کی وضاحت ہونی چاہیے۔

کرتا ہے۔ اگر وہ دعویٰ کرے مدعی نے مجھے اس دعویٰ سے بری کر دیا ہے اگر وہ گواہیاں پیش نہ کرے تو اسے قسم کے مطالبہ کا حق نہ ہوگا۔ کیونکہ مدعی اپنے دعویٰ کے ساتھ مدعی علیہ کے خلاف جواب کا مستحق ہے۔ جواب یا تو اقرار کی صورت میں ہوگا یا انکار کی صورت میں ہوگا۔ اس کا قول ابدی نہ اقرار ہے اور نہ ہی انکار ہے۔ پس اسے نہیں سنا جائے گا اسے کہا جائے گا۔ اپنے خصم کو جواب دو پھر جو چاہو دعویٰ کرو۔ یہ اس کے برعکس ہے اگر وہ کہے: مجھے اس ہزار سے بری کر دیا تو اس سے قسم لی جائے گی۔ کیونکہ مال سے بری کرنے کا دعویٰ اس کے مال کے واجب ہونے کا اقرار ہے اور اقرار جواب ہے۔ اور بری کرنے کا دعویٰ ساقط کرنے والا ہے پس اس پر قسم مرتب ہوگی۔ ان میں سے کچھ وہ لوگ ہیں جنہوں نے کہا: صحیح یہ ہے کہ براءت کے دعویٰ پر قسم اٹھائی جائے جس طرح قسم لینے کے دعویٰ پر قسم لی جاتی ہے۔ اسی طرف ع مائل ہوئے ہیں۔ ”ع“ سے مراد ”شمس الائمہ الخلو انی“ ہیں۔ ہمارے زمانہ کے اکثر قاضی اسی نقطہ نظر کے حامل ہیں۔

”الدرر“ کی عبارت ہے: اگر اس کے پاس گواہ نہ ہوں اور وہ مدعی سے قسم لینے کا ارادہ کرے تو یہ جائز ہوگا کلام ختم ہوئی۔ الشارح کی عبارت میں جواب بہام ہے وہ اس کے ساتھ معلوم ہو جاتا ہے۔ فتنہ

27760۔ (قوله: وَلَمْ أَر الخ) میں نے اپنے شیخ کے نسخہ کے حاشیہ میں بعض علماء کی تحریر پائی ہے اس کی نص یہ ہے: میں ”فتاویٰ الکرنیشی“ کی کتاب الشہادت سے تھوڑا پہلے کتاب القضاء کے آخر میں ”جواہر الفتاویٰ“ کے کتاب القضاء کے اول کی طرف منسوب دیکھا ہے۔ اس کی عبارت ہے: ایک آدمی نے دوسرے پر دعویٰ کیا اور قسم اس پر لازم آئی جب قاضی نے اس پر قسم کو پیش کیا تو اس نے کہا: میں نے طلاق کی قسم اٹھا رکھی ہے کہ میں کبھی بھی قسم نہیں اٹھاؤں گا، اب میں قسم نہیں اٹھاؤں گا یہاں تک کہ مجھ پر طلاق واقع نہ ہو۔ بے شک قاضی تین دفعہ اس پر قسم پیش کرے پھر قسم سے انکار کی صورت میں اس پر حکم لگا دے گا۔ اس قسم کی وجہ سے اس سے قسم ساقط نہ ہوگی۔

27761۔ (قوله: فَيُحَرَّرُ) میں کہتا ہوں: پہلے ”العنایہ“ سے گزر چکا ہے کہ قاضی حاصل پر یا سبب پر قسم لینے کی صورت میں دونوں میں سے ایک کو ضرر لاحق کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں پاتا۔ پس مدعی کی جانب کی رعایت کرنا اولیٰ ہے اس تعبیر کی بنا پر اسے اس بنا پر معذور قرار نہیں دیا جائے گا کہ وہ طلاق کی قسم اٹھانے کا دعویٰ کرتا ہے اس پر قسم سے انکار کی بنا پر فیصلہ کیا جائے گا اس بنا پر کہ یہ بدرجہ اولیٰ ہوگا۔ کیونکہ وہی وہ شخص ہے جس نے اپنے آپ کو طلاق کی قسم اٹھا کر نقصان پہنچایا ہے۔ ”ابوسعود“۔

میں کہتا ہوں: نیز اگر یہ صحیح حجت ہو تو وہ ہر شخص جس پر قسم لازم ہو تو وہ حیلہ کرے گا۔ پس اس سے مدعی کے حق کا ضیاع اور حدیث والیبین من انکر (1) کی نص کی مخالفت لازم آئے گی۔ فتدبر

بَابُ التَّحَالُفِ

لَسَا قَدَّمَ يَبِينَ الْوَاحِدِ ذَكَرَ يَبِينَ الْاِثْنَيْنِ (اِخْتَلَفَا) اَمَّا الْمُتَبَايِعَانِ (فِي قَدْرِ ثَمَنِ) اَوْ وَصْفِهِ اَوْ جَنْسِهِ (اَوْ) فِي قَدْرِ (مَبْيَعٍ) حُكْمَ لِمَنْ بَرَّهَنَ لِأَنَّهُ تَوَرَّ دَعْوَاهُ بِالْحُجَّةِ (وَإِنْ بَرَّهَنَ فَلْيُثْبِتِ الزِّيَادَةَ) إِذْ الْبَيِّنَاتُ لِلْإِثْبَاتِ (وَإِنْ اِخْتَلَفَا فِيهِمَا) اَمَّا الثَّمَنِ وَالْمَبْيَعِ جَمِيعًا (قَدَّمَ بَرَّهَانُ الْبَائِعِ لَوْ اِخْتَلَفَ فِي الثَّمَنِ وَبَرَّهَانُ الْمُشْتَرِي لَوْ فِي الْمَبْيَعِ) نَظَرًا لِإِثْبَاتِ الزِّيَادَةِ (وَإِنْ عَجَزَا) فِي الصُّورِ الثَّلَاثِ عَنِ الْبَيِّنَةِ، فَإِنْ رَضِيَ

باہم قسم اٹھانے کے احکام

جب پہلے ایک کی قسم کو بیان کیا اب دوسری قسم کو ذکر کیا دو خرید و فروخت کرنے والوں نے ثمن کی مقدار، اس کے وصف اور اس کی جنس میں اختلاف کیا یا بیع کی مقدار میں اختلاف کیا تو جس نے گواہیاں پیش کیں اس کے حق میں فیصلہ کر دیا جائے گا۔ کیونکہ اس نے اپنے دعویٰ کو دلیل سے منور کر دیا ہے اگر دونوں گواہیاں پیش کر دیں تو جو زیادتی کو ثابت کرے اس کے حق میں فیصلہ کر دیا جائے گا۔ کیونکہ گواہیاں امر کو ثابت کرنے کے لیے ہوتی ہیں اگر وہ دونوں ثمن اور بیع دونوں میں اختلاف کریں تو بائع کی دلیل کو مقدم کیا جائے گا اگر اختلاف ثمن میں ہو، اور مشتری کی دلیل کو مقدم کیا جائے گا۔ اگر اختلاف بیع میں ہو یہ حکم زیادتی کو ثابت کرنے کے اعتبار سے ہے۔ اگر تینوں صورتوں میں وہ گواہیاں پیش کرنے سے عاجز آجائیں اگر

اگر بائع اور مشتری میں ثمن یا بیع کی مقدار میں اختلاف ہو جائے تو اس کا حکم

27762۔ (قوله: اَوْ وَصْفِهِ) جیسے بخاری اور بغدادی ہے۔

27763۔ (قوله: اَوْ جَنْسِهِ) جیسے دراہم اور دنانیر۔

27764۔ (قوله: اَوْ فِي قَدْرِ مَبْيَعٍ) اگر بیع کے وصف میں اختلاف ہو تو باہم قسم نہیں اور قول بائع کا مستبر ہوگا جس طرح شارح اس کا ذکر کرتے ہیں۔

27765۔ (قوله: لَوْ اِخْتَلَفَا فِي الثَّمَنِ) میں کہتا ہوں: یہاں دو جگہ لوزائد کرنے میں خلل ہے۔ ”الہدایہ“ کی عبارت ہے: اگر اختلاف ثمن اور بیع دونوں میں ہو تو ثمن میں بائع کے گواہ اولی ہوں گے اور بیع میں مشتری کے گواہ اولی ہوں گے یہ اثبات کی زیادتی کو پیش نظر رکھنے کی بنا پر ہے یہ قول میرے والد کے شیخ مفتی ”محمد تاج الدین“ کا ہے۔ ”مدنی“۔

27766۔ (قوله: فَإِنْ رَضِيَ الْخ) یہ عبارت دونوں میں اختلاف کی صورت کو جامع ہے۔ زیادہ بہتر یہ قول ہے: جس طرح ان کے علاوہ نے کہا: اگر وہ دونوں کسی شے پر راضی ہو جائیں یعنی اس کی صورت یہ ہے یعنی بائع اس ثمن پر راضی ہو

كُلُّ بِتَقَالَةٍ الْآخِرِ فَبِهَا (وَ) إِن لَّمْ يَرْضَ وَاحِدٌ مِنْهُمَا بِدَعْوَى الْآخِرِ تَحَالَفًا مَا لَمْ يَكُنْ فِيهِ خِيَارٌ فَيَفْسَخُ مَنْ لَهُ الْخِيَارُ (وَبُدِيَّ ب) يَبِينُ (الْمُشْتَرِي) لِأَنَّهُ الْبَادِي بِالْإِنْكَارِ، وَهَذَا (لَوْ) كَانَ (بِيعَ عَيْنِ بَدَيْنِ وَإِلَّا)

سب دوسرے کی گفتگو سے راضی ہو جائیں تو بہتر اگر دونوں میں سے کوئی بھی دوسرے کے دعویٰ سے راضی نہ ہو تو دونوں قسم اٹھائیں گے جب تک اس میں خیار نہ ہو خیار ہو تو جسے خیار ہوگا وہ اسے فسخ کر سکتا ہے۔ مشتری کی قسم سے آغاز کیا جائے گا۔ کیونکہ وہی انکار کا آغاز کرنے والا ہے۔ یہ حکم اس صورت میں ہے جب عین کی بیع دین کے ساتھ ہو۔ اگر ایسا نہ ہو

جائے جس کا مشتری نے دعویٰ کیا ہے یا مشتری اس بیع پر راضی ہو جائے جس کا بائع نے دونوں میں سے کسی ایک میں اختلاف کے وقت دعویٰ کیا یا دونوں میں اختلاف کے وقت ہر ایک دوسرے کے قول پر راضی ہو گیا۔ ”حلی“ نے کہا: عبارت فاسد ہے۔ صحیح وہ ہے جس طرح دوسرے علمائے نے کہا: فان تراضيا على شيء۔

اگر عاقدین میں سے کسی کے پاس خیار ہو تو وہ عقد کو فسخ کر سکتا ہے تقسیم کی ضرورت نہیں

27767۔ (قوله: فَيَفْسَخُ مَنْ لَهُ الْخِيَارُ) ”البحر“ میں کہا: دونوں کے عاجز آنے سے اشارہ اس امر کی طرف ہے

کہ بیع میں دونوں میں سے کسی ایک کے لیے خیار نہیں۔ اسی وجہ سے ”الخلاصہ“ میں کہا: جب مشتری کو خیار رویت، خیار عیب یا خیار شرط ہو تو وہ دونوں قسم نہیں اٹھائیں گے۔ بائع مشتری کی طرح ہے۔ مقصود یہ ہے کہ جسے خیار ہوگا وہ فسخ کرنے پر قادر ہوگا پس دونوں کے قسم اٹھانے کی حاجت نہیں۔ لیکن چاہیے کہ بائع جب ثمن کی زیادتی کا دعویٰ کرے اور مشتری اس کا انکار کرے تو مشتری کا خیار تحالف کے مانع ہوگا جہاں تک بائع کے خیار کا تعلق ہے تو وہ مانع نہیں۔ اگر مدعی بیع کی زیادتی کا دعویٰ کرتا ہے اور بائع اس کا انکار کرتا ہے تو بائع کا خیار اس کے مانع ہوگا۔ کیونکہ وہ فسخ پر قادر ہے۔ جہاں تک مشتری کے خیار کا تعلق ہے تو وہ مانع نہیں۔ یہ امر میرے لیے تخریج کے طور پر ظاہر ہوا ہے نقل کے طور پر ظاہر نہیں ہوا۔

اس کا حاصل یہ ہے: جسے خیار ہوتا ہے وہ ہمیشہ فسخ کرنے پر قادر نہیں ہوتا پس اطلاق کی تخصیص کرنی چاہیے۔

قسم کا آغاز مشتری سے ہوگا

27768۔ (قوله: وَبُدِيَّ ب يَبِينُ الْمُشْتَرِي) یعنی تینوں صورتوں میں مشتری سے قسم کا آغاز کیا جائے گا جس طرح

”شرح ابن کمال“ میں ہے۔ اور ان کا قول لانه البادی بالانكار ”سأحانی“ نے کہا: یہ ثمن میں باہم قسم اٹھانے میں ظاہر ہے۔ جہاں تک ثمن پر اتفاق کے ساتھ بیع میں باہم قسم اٹھانے کا تعلق ہے تو وہ ظاہر نہیں۔ کیونکہ بائع وہ منکر ہے۔ اور ظاہر یہ ہے کہ قسم کا آغاز منکر سے ہو۔ اس کی تائید وہ کرتا ہے جس کا ذکر عنقریب آئے گا: جب موجر اور مستاجر میں مدت کی مقدار میں اختلاف واقع ہو جائے تو موجر کی قسم سے آغاز کیا جائے گا۔ اسی کی طرف ”قہستانی“ نے اشارہ کیا ہے۔ اسی بحث کی مثل علامہ ”رملی“ نے بحث کی ہے۔

بِأَنْ كَانَ مُقَايِضَةً أَوْ صَرْفًا (فَهُوَ مُخَيَّرٌ) وَقِيلَ يُقَرَّرُ ابْنُ مَلِكٍ، وَيَقْتَصِرُ عَلَى النَّفْيِ فِي الْأَصَحِّ (وَفَسَخَ الْقَاضِي الْبَيْعَ بِطَلَبِ أَحَدِهِمَا) أَوْ بِطَلَبِهَا، وَلَا يَنْفَسِخُ بِالشَّحَالِفِ وَلَا بِفَسَخِ أَحَدِهِمَا بَلْ بِفَسَخِهِمَا بَخْرٌ (وَمَنْ نَكَلَ) مِنْهُمَا (لَزِمَهُ دَعْوَى الْآخَرِ) بِالْقَضَاءِ، وَأَصْلُهُ قَوْلُهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا اخْتَلَفَ الْمُتَبَايعَانِ وَالسِّلْعَةُ قَائِمَةٌ بَعَيْنِهَا تَحَالَفًا وَتَرَادًا وَهَذَا كُلُّهُ لَوْ اِلْتِخَالَفَ فِي الْبَدَلِ مَقْصُودًا. فَلَوْ فِي ضَمَنِ شَيْءٍ

اس کی صورت یہ ہے کہ بیع سامان کے بدلے سامان سے ہو تو اسے اختیار ہوگا ایک قول یہ کیا گیا ہے قرعہ اندازی کی جائے گی، ”ابن ملک“۔ اصح قول کے مطابق نفی پر اکتفا کیا جائے گا۔ دونوں میں سے ایک کے مطالبہ کے ساتھ قاضی بیع کو فسخ کر دے گا یا دونوں کے مطالبہ کے ساتھ بیع کو فسخ کر دے گا۔ اس کی اصل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: جب دو خرید و فروخت کرنے والے اختلاف کریں اور سامان اپنی ذات کے اعتبار سے قائم ہو تو دونوں قسم اٹھائیں اور بیع و ثمن واپس کر دیں (1)۔ یہ سب اس صورت میں ہے اگر اختلاف بدل میں مقصود ہو۔ اگر وہ اختلاف کسی شے کے ضمن میں ہو

27769۔ (قوله: بِأَنْ كَانَ مُقَايِضَةً) یعنی سامان کی سامان کے بدلے میں بیع ہو۔

27770۔ (قوله: أَوْ صَرْفًا) یعنی نقدی کی نقدی کے بدلے میں بیع ہو۔

27771۔ (قوله: وَيَقْتَصِرُ عَلَى النَّفْيِ) اس کی صورت یہ ہے کہ بائع کہے: اللہ کی قسم اس نے ہزار کے بدلے میں نہیں بیچا اور مشتری کہے: اللہ کی قسم اس نے ہزار کے بدلے میں نہیں خریدا۔

27772۔ (قوله: فِي الْأَصَحِّ) ”زیادات“ میں ہے: بائع سے قسم لی جائے گی: اللہ کی قسم اس نے اسے ہزار کے بدلے میں نہیں بیچا تحقیق اسے دو ہزار کے ساتھ بیچا ہے مشتری سے قسم لی جائے گی: اللہ کی قسم اسے دو ہزار کے بدلے میں نہیں خریدا اور تحقیق ہزار کے بدلے میں بیچا ہے۔ ”س“۔

27773۔ (قوله: بَلْ بِفَسَخِهِمَا) شارحین نے جو ذکر کیا ہے اس کا ظاہر معنی یہ ہے: اگر دونوں اسے فسخ کر دیں تو قاضی کے فیصلہ پر توقف کے بغیر بیع ختم ہو جائے گی۔ اگر دونوں میں سے ایک بیع کو فسخ کرے تو یہ کافی نہیں ہوگا اگرچہ ایک کا مطالبہ کافی ہوگا۔ ”بحر“۔

نفس تحالف سے فسخ نہ ہونے کا فائدہ ذکر کیا ہے: اگر بیع لونڈی ہو تو مشتری کو حق حاصل ہوگا کہ وہ اس لونڈی سے وطی کرے جس طرح ”النبایہ“ میں ہے۔

27774۔ (قوله: وَالسِّلْعَةُ قَائِمَةٌ) جب وہ سامان ہلاک ہو جائے تو اس سے احتراز کیا ہے۔ متن میں عنقریب اس کا ذکر آئے گا۔

1۔ من ابن ماجہ، کتاب التجارات، باب البیعان یختلفان، جلد 2، صفحہ 36، حدیث نمبر 2176

كَاخْتِلَافِهَا فِي الزِّيْقِ فَالْقَوْلُ لِلْمُشْتَرِي فِي أَنَّهُ الزِّيْقُ وَلَا تَحَالُفَ، كَمَا لَوْ اخْتَلَفَا فِي وَصْفِ الْمَبِيعِ كَقَوْلِهِ اشْتَرَيْتَهُ عَلَى أَنَّهُ كَاتِبٌ أَوْ خَبَّازٌ وَقَالَ الْبَائِعُ لَمْ أَشْتَرِطْ فَالْقَوْلُ لِلْبَائِعِ وَلَا تَحَالُفَ ظَهِيرِيَّةٌ (و) قَيِّدًا بِاخْتِلَافِهَا فِي ثَمَنِ وَمَبِيعٍ لِأَنَّهُ (لَا تَحَالُفَ فِي غَيْرِهِمَا) لِأَنَّهُ لَا يَخْتَلُ بِهٖ قَوَامُ الْعَقْدِ نَحْوُ (أَجَلٍ وَشَرْطٍ)

جس طرح مشک میں اختلاف ہو تو قول مشتری کا معتبر ہوگا کہ یہ وہی مشک ہے اور کوئی باہم قسم اٹھانا نہیں ہوگا۔ جس طرح اگر وہ دونوں بیع کے وصف میں اختلاف کریں جس طرح اس کا قول ہے: میں نے اسے خریدا اس شرط پر کہ وہ کاتب ہے یا نانباتی ہے بائع نے کہا: میں نے یہ شرط نہیں لگائی تو قول بائع کا معتبر ہوگا اور باہم قسم اٹھانا لازم نہیں آئے گا، ”ظہیریہ“۔ ثمن اور بیع میں دونوں کی قید ذکر کی ہے۔ کیونکہ ان دونوں کے علاوہ میں کوئی باہم قسم نہیں کیونکہ اس کے ساتھ عقد کے بنیاد میں کچھ خلل واقع نہیں ہوتا جس طرح اجل، شرط،

27775۔ (قوله: كَاخْتِلَافِهَا فِي الزِّيْقِ) یہ طرف ہے جب بائع انکار کرے کہ یہ وہ مشک ہے جس طرح ”زیلعی“

میں ہے۔ اس کی صورت یہ ہے: ایک آدمی دوسرے سے مشک میں گھی خریدنے اس کا وزن سو رطل ہو پھر وہ خالی مشک لائے تاکہ اسے اس کے مالک کی طرف لوٹا دے اور اس کا وزن بیس ہو بائع کہے: یہ میری مشک نہیں۔ مشتری کہے: یہ تیری مشک ہے۔ قول مشتری کا ہوگا خواہ وہ ہر رطل کی ثمن ذکر کرے یا ثمن ذکر نہ کرے۔ اسے مقبوض میں اختلاف قرار دیا ہے۔ اس میں ہے: قول قبضہ کرنے والے کا معتبر ہوگا اگر اس کے ضمن میں اختلاف ثمن میں ہو باہم قسم اٹھانے کے واجب ہونے کا اعتبار نہیں۔ کیونکہ اس میں اختلاف مشک میں اختلاف کے ضمن میں بطور مقتضا کے واقع ہوا ہے۔

27776۔ (قوله: نَحْوُ أَجَلٍ) یہاں ”البحر“ میں عجیب مسئلہ ذکر کیا ہے۔ پس اس کی طرف رجوع کیا جانا چاہیے۔

اختلاف کی صورت میں قول قسم کے ساتھ معتبر ہوگا

27777۔ (قوله: نَحْوُ أَجَلٍ وَشَرْطٍ) کیونکہ یہ دونوں شرط کے عارضہ کے ساتھ ثابت ہوتے ہیں اور قول عوارض کے

منکر کا معتبر ہوتا ہے۔ یہاں علما نے اسے یقین کے ساتھ بیان کیا ہے کہ قول اس کا معتبر ہوگا جو خیار کا منکر ہوتا ہے جس طرح تیرے علم میں ہے۔ خیار شرط میں اس میں انہوں نے دو قول ذکر کیے ہیں جن دونوں اقوال کو ہم نے اس کے باب میں بیان کر دیا ہے۔ مذہب وہی ہے جس کا ہم نے یہاں ذکر کیا ہے۔ ”بحر“۔

اجل میں اختلاف کو مطلق ذکر کیا ہے۔ پس یہ اس کی اصل اور اس کی قدر میں اختلاف کو شامل ہوگا۔ پس قول اس کا معتبر ہوگا جو زیادتی کا انکار کرے گا۔ اگر وہ بیع سلم میں اجل میں اختلاف کریں تو معاملہ مختلف ہوگا۔ کیونکہ وہ دونوں قسم اٹھائیں گے جس طرح ہم نے اس کے باب میں بیان کیا ہے۔ اجل کے گزر جانے میں اختلاف اس سے خارج ہو گیا ہے۔ کیونکہ اس میں قول مشتری کا معتبر ہوگا۔ کیونکہ یہ اس کا حق ہے اور اپنا حق وصول کرنے کا منکر ہے۔ ”النبہایہ“ میں یہ اسی طرح ہے، ”بحر“۔

اجل میں جو اختلاف ہے اس کی استثنا کی جاتی ہے۔ اگر وہ بیع سلم میں اجل میں اختلاف کریں۔ اس کی صورت یہ ہے کہ

رَهْنٍ أَوْ خِيَارٍ أَوْ ضَمَانٍ (وَقَبْضٍ بَعْضٍ ثَمَنِ وَالْقَوْلُ لِلْمُنْكَرِ) بَيِّنِينَ وَقَالَ زُفَرٌ وَالشَّافِعِيُّ يَتَخَالَفَانِ (وَلَا تَخَالَفَ إِذَا اخْتَلَفَا) (بَعْدَ هَلَاكِ الْمَبِيعِ)

دین، خیار، ضمان اور بعض ثمن کے قبضہ میں اختلاف واقع ہو جائے اور قول قسم کے ساتھ منکر کا معتبر ہوگا۔ امام ”زفر“ اور امام ”شافعی“ رحمہما علیہ نے فرمایا: وہ دونوں قسم اٹھائیں گے۔ بیع کے ہلاک ہونے کے بعد،

دونوں میں سے ایک اس کا دعویٰ کرے اور دوسرا اس کی نفی کرے۔ کیونکہ اس میں ”امام صاحب“ رحمہما علیہ کے نزدیک قول اس کا معتبر ہوتا ہے جو اس کا مدعی ہوتا ہے۔ کیونکہ بیع سلم میں اجل شرط ہے اور اس میں اجل کا ترک کرنا عقد کو فاسد کر دیتا ہے اور اس پر دونوں کا اقدام صحت پر دلالت کرتا ہے۔ جس عقد میں ہم بات کر رہے ہیں اس کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ اس کا اجل میں فساد و صحت کا کوئی تعلق نہیں۔ پس قول اس کا معتبر ہوگا جو اجل کی نفی کرتا ہے۔

27778۔ (قوله: وَشَرْطُ رَهْنٍ) یعنی مشتری کی جانب سے ثمن کے بدلے میں رہن کی شرط لگائی گئی ہو۔ ”ط“۔

27779۔ (قوله: أَوْ ضَمَانٍ) یعنی کفیل کی شرط لگائی گئی ہو۔

27780۔ (قوله: وَقَبْضٍ بَعْضٍ ثَمَنِ) یعنی بعض ثمن پر قبضہ، بعض سے کمی یا سب سے بری کرنے کا معاملہ ہو یہ قید لگانا اتفاقی ہے۔ کیونکہ تمام میں قبضہ کرنے کے بارے میں اختلاف ہو تو اس کا حکم اسی طرح ہے۔ وہ بائع کے قول کو قبول کرنا ہے۔ اس کا ذکر اس لیے نہیں کیا کیونکہ باقی ماندہ دعاوی کے قائم مقام ہوتے ہوئے اس سے فراغت ہو چکی ہے۔ ”النبایہ“ میں اسی طرح ہے۔

27781۔ (قوله: بَيِّنِينَ) کیونکہ یہ معقود علیہ اور معقود بہ کے غیر میں اختلاف ہے۔ پس یہ ثمن میں کمی کرنے اور اس سے بری کرنے میں اختلاف کے مشابہ ہے۔ یہ حکم اس لیے ہے کیونکہ اس کے معدوم ہونے سے اس میں کوئی خلل واقع نہیں ہوتا جس پر عقد کا دار و مدار ہے۔ ثمن کے وصف اور اس کی جنس میں اختلاف کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ یہ باہم قسم کے جاری ہونے میں قدر میں اختلاف کے قائم مقام ہے۔ کیونکہ یہ نفس ثمن کی طرف راجع ہوتا ہے۔ کیونکہ ثمن دین ہے اور اس کی پہچان وصف سے ہوتی ہے۔ اجل کا معاملہ اس طرح نہیں۔ کیا آپ نہیں دیکھتے کہ ثمن اجل کے گزر جانے کے بعد موجود رہتی ہے۔

27782۔ (قوله: إِذَا اخْتَلَفَا) یعنی وہ ثمن کی مقدار میں اختلاف کریں، ”معراج“۔ اس کی مثل ”الجمع“ کے متن

میں ہے۔

27783۔ (قوله: بَعْدَ هَلَاكِ الْمَبِيعِ) اس قول نے اس امر کا فائدہ دیا ہے کہ یہ اختلاف اجل کے بارے میں

ہے۔ اور اس کے مابعد جو کلام ہے اس میں کوئی فرق نہیں کہ اختلاف ہلاکت کے بعد ہو یا اس سے پہلے ہو۔

27784۔ (قوله: الْمَبِيعِ) یعنی مشتری کے پاس ہلاک ہو جائے۔ کیونکہ قبضہ سے پہلے ہلاک ہونے کی صورت میں

عقد فسخ ہو جائے گا۔ ”معراج“۔

أَوْ خُرُوجِهِ عَنْ مِلْكِهِ أَوْ تَعْيِبِهِ بِمَا لَا يُرَدُّ بِهِ (وَحُلْفَ الْمُشْتَرِي) إِلَّا إِذَا اسْتَهْلَكَهُ فِي يَدِ الْبَائِعِ غَيْرُ الْمُشْتَرِي وَقَالَ مُحَمَّدٌ وَالشَّافِعِيُّ يَتَخَالَفَانِ وَيُفْسَخُ عَلَى قِيَمَةِ الْهَالِكِ وَهَذَا لَوْ الشَّيْنُ دَيْنًا، فَلَوْ مُقَابِلَةً تَخَالَفًا جَمَاعًا لِأَنَّ الْمَبِيعَ كُلَّ مِنْهُمَا وَيُرَدُّ مِثْلُ الْهَالِكِ أَوْ قِيَمَتُهُ، كَمَا لَوْ اخْتَلَفَا

بیع کے اس کی ملک سے نکل جانے کے بعد یا ایسے عیب کے واقع ہونے کے بعد جس کی موجودگی کی صورت اسے واپس نہیں کیا کوئی باہمی قسم نہیں ہوگی۔ مشتری سے قسم لی جائے گی مگر جب مشتری کے علاوہ کوئی اور بائع کے ہاتھ میں اسے ہلاک کر دے۔ امام ”محمد“ رحمہ اللہ اور امام ”شافعی“ رحمہ اللہ کہتے ہیں: دونوں حلف اٹھائیں گے اور ہلاک ہونے والی چیز کی قیمت پر اسے فسخ کر دیا جائے گا۔ یہ حکم اس صورت میں ہے جب ثمن دین ہو۔ اگر سامان کے بدلے سامان کی صورت ہو تو بالا جماع دونوں قسم اٹھائیں گے۔ کیونکہ بیع دونوں میں سے ایک ہے اور وہ ہلاک ہونے والی چیز کی مثل یا اس کی قیمت واپس کر دے گا جس طرح سامان

27785۔ (قوله: أَوْ تَعْيِبِهِ الْخ) اس میں ہے: یہ ہلاک ہونے میں داخل ہے۔ کیونکہ یہ تعیب ہلاک ہونے میں سے ہے، تامل۔ پھر ان کی عبارت اس طرح ہے: یا وہ ایسی حالت پر ہو جائے کہ وہ عیب کی وجہ سے اس کے لوٹانے پر قادر نہ ہو۔ ”الکفایہ“ میں کہا: اس کی صورت یہ ہے کہ وہ زیادتی کا اضافہ کرے خواہ وہ زیادتی متصل ہو یا منفصل ہو۔ یعنی ایسی زیادتی جو ذات کی وجہ سے ہو جیسے موٹا ہونا، بچہ، مہر، ”غرر الافکار“ میں کہا: اگر وہ ذات سے پیدا نہ ہو، خواہ وہ بھاؤ کے اعتبار سے ہو یا کسی اور حوالے سے ہو قبضہ سے پہلے ہو یا اس کے بعد ہو، تو وہ بالاتفاق دونوں قسم اٹھائیں گے اور کمائی بالاتفاق مشتری کے لیے ہوگی۔ پھر شارح نے ”الدرر“ کی پیروی کی ہے۔ اور یہ امر مخفف نہیں کہ انہوں نے جو کچھ کہا ہے وہ اولیٰ ہے۔ کیونکہ آپ جان چکے ہیں کہ یہ عیب وغیرہ کو جامع ہے، تامل۔

27786۔ (قوله: غَيْرُ الْمُشْتَرِي) کیونکہ وہ دونوں قسم اٹھائیں گے کیونکہ قیمت عین کے قائم مقام ہوتی ہے جس طرح ”البحر“ میں ہے۔ ”س“۔

27787۔ (قوله: عَلَى قِيَمَةِ الْهَالِكِ) اگر وہ ہلاک ہونے والی چیز ذوات القیم میں سے ہو اور اگر مثلیٰ ہے تو ہلاک ہونے والی چیز کی مثل پر عقد کو فسخ کر دیا جائے گا ”خیر الدین“۔ ”س“۔

27788۔ (قوله: تَخَالَفًا جَمَاعًا) اگر وہ اختلاف کریں کہ بدل دین ہے یا عین ہے۔ اگر مشتری دعویٰ کرے کہ وہ عین تھا تو دونوں ائمہ کے نزدیک وہ قسم اٹھائیں گے۔ اگر بائع دعویٰ کرے کہ وہ عین تھا اور مشتری دعویٰ کرے کہ وہ دین تھا تو دونوں قسم نہیں اٹھائیں گے اور قول مشتری کا معتبر ہوگا۔ ”کفایہ“۔

27789۔ (قوله: لِأَنَّ الْمَبِيعَ كُلَّ مِنْهُمَا) یعنی پس معقود علیہ (جس پر عقد کیا گیا) کے باقی ہونے کی وجہ سے قائم ہے پس وہ اس کو لوٹا دے گا، ”بحر“۔ یعنی جو قائم ہے اسے لوٹا دے گا۔

27790۔ (قوله: كَمَا لَوْ اخْتَلَفَا) اس سے یہ معلوم ہو گیا کہ جنس ثمن میں اختلاف اس کی مقدار میں اختلاف کی

فِي جِنْسِ الثَّمَنِ بَعْدَ هَلَاكِ السِّلْعَةِ بِأَنْ قَالَ أَحَدُهُمَا دَرَاهِمُ وَالْآخَرُ دَنَانِيرٌ تَحَالَفَا وَلَزِمَ الْمُشْتَرِي رَدُّ الْقِيَمَةِ سِرَاجٍ (وَلَا) تَحَالَفَ (بَعْدَ هَلَاكِ بَعْضِهِ) أَوْ خُرُوجِهِ عَنْ مِلْكِهِ كَعَبْدَيْنِ مَاتَ أَحَدُهُمَا عِنْدَ الْمُشْتَرِي بَعْدَ قَبْضِهِمَا ثُمَّ اخْتَلَفَا فِي قَدْرِ الثَّمَنِ لَمْ يَتَحَالَفَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ تَعَالَى إِلَّا أَنْ يَرْضَى الْبَائِعُ بِتَرْكِ حِصَّةِ الْهَالِكِ) أَضَلًا

کے ہلاک ہونے کے بعد ثمن کی جنس میں دونوں اختلاف کریں۔ اس کی صورت یہ ہے کہ دونوں میں سے ایک کہے: دراہم اور دوسرا کہے: دنانیر تو دونوں قسم اٹھائیں گے اور مشتری پر قیمت کا لوٹنا لازم ہوگا۔ ”سراج“۔ بعض بیع کے ہلاک ہونے یا مشتری کی ملک سے نکل جانے کے بعد باہم قسم نہیں جیسے دو غلام ہوں ان میں سے ایک مشتری کے پاس مرجائے جب کہ اس نے دونوں پر قبضہ کر لیا تھا پھر دونوں میں ثمن کی مقدار میں اختلاف ہو تو امام ”ابو حنیفہ“ رضی اللہ عنہ کے نزدیک دونوں قسم نہیں اٹھائیں گے مگر اس صورت میں کہ بائع ہلاک والے کے حصہ کو ترک کرنے پر اصلاً راضی ہو جائے

طرح ہے مگر ایک مسئلہ میں۔ وہ مسئلہ یہ ہے: جب بیع ہلاک ہو چکا ہو۔

27791۔ (قوله: تَحَالَفَا) کیونکہ وہ دونوں ثمن پر متفق نہیں ہوتے اور فسخ عقد کے لیے ج نہیں سے قسم اٹھانا

ضروری ہے۔

27792۔ (قوله: بَعْدَ هَلَاكِ بَعْضِهِ) یعنی بیع پر قبضہ کرنے کے بعد بعض ہلاک ہو گیا جس طرح عنقریب اس کا ذکر

کریں گے۔

27793۔ (قوله: عِنْدَ الْمُشْتَرِي) یعنی ثمن کی ادائیگی سے پہلے۔

27794۔ (قوله: بَعْدَ قَبْضِهِمَا) اگر قبضہ سے پہلے ایسا ہو تو دونوں کی موت کی صورت میں اور ان میں سے ایک کی

موت کی صورت میں وہ باہم قسم اٹھائیں گے اور زیادتی کی صورت میں وہ دونوں قسم اٹھائیں گے۔ کیونکہ ج نہیں سے انکار پایا جا رہا ہے۔ ”کفایہ“۔

27795۔ (قوله: عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ) کیونکہ دونوں کی باہم قسم قبضہ کے بعد سامان کے موجود ہونے کے ساتھ مشتری

ہے۔ یہ پورے بیع کا نام ہے جب اس کا بعض ہلاک ہو گیا تو شرط معدوم ہو گئی اور امام ”ابو حنیفہ“ رضی اللہ عنہ کے نزدیک قسم کے ساتھ قول مشتری کا معتبر ہوگا۔ کیونکہ وہ زائد انکار کرتا ہے۔ ”غرر الافکار“۔

27796۔ (قوله: أَضَلًا) یعنی وہ ہلاک ہونے میں سے کوئی شے اصلاً وصول نہیں کرے گا۔ وہ

ہلاک ہونے والی شے کو یوں بنادے گا گویا وہ چیز تھی ہی نہیں اور گویا عقد موجود چیز پر ہی ہوا تھا اس وقت وہ اس کی ثمن پر باہم قسم اٹھائیں گے اور ان دونوں میں سے کسی ایک کے قسم سے انکار کی صورت میں دوسرے کا دعویٰ لازم آجائے گا۔ ”غرر الافکار“۔

اس کے جامع فقیر ”محمد“ بیطار نے کہا: ان کا قول من ثمن قیمة الهالك کے بارے میں مجھے لفظ قیمة میں شک ہوا ہے

فَحِينَئِذٍ يَتَخَالَفَانِ، هَذَا عَلَى تَخْرِيجِ الْجُمْهُورِ، وَصَرَفَ مَشَايِخُ بَدْخِ الْإِسْتِثْنَاءِ إِلَى يَبِينِ الْمُشْتَرِي (وَلَا فِي) قَدَرٍ (بَدَلٍ كِتَابِيَّةٍ) لِعَدَمِ لُزُومِهَا (وَقَدَرٍ (رَأْسٍ مَالٍ بَعْدَ إِقَالَةِ) عَقْدِ السَّلَمِ)

اس وقت وہ دونوں قسم اٹھائیں گے۔ یہ جمہور کی تخریج کے مطابق ہے۔ بلخ کے مشائخ نے استثنا کو مشتری کی طرف پھیر دیا ہے۔ اور نہ ہی وہ بدل کتابت کی مقدار میں وہ باہم قسم اٹھائیں گے۔ کیونکہ بدل کتابت لازم نہیں ہوتا اور عقد سلم کے اقالہ کے بعد اس المال کی مقدار میں اختلاف کی صورت میں وہ باہم قسم نہیں اٹھائیں گے

کیا اسے منادیا گیا ہے یا نہیں؟ پس اس کے اصل کی طرف رجوع کیا جانا چاہیے۔

27797۔ (قوله: يَتَخَالَفَانِ) یعنی زندہ غلام کی ثمن پر وہ باہم قسم اٹھائیں گے۔

27798۔ (قوله: تَخْرِيجُ الْجُمْهُورِ) یہ اس صورت میں ہوگا جب استثنا کو تحالف کی طرف پھیرا جائے۔

27799۔ (قوله: وَصَرَفَ مَشَايِخُ بَدْخِ الْإِسْتِثْنَاءِ الْخ) بلخی مشائخ نے کلام میں مقدار استثنا کو مشتری کی یمین کی

طرف پھیرا ہے۔ کیونکہ معنی یہ ہے: بعض بیع کے ہلاک ہونے کے بعد کوئی باہمی قسم نہیں بلکہ یمین مشتری پر لازم ہوگی مگر بائع راضی ہو جائے الخ۔ ”ح“۔

جو کچھ ہم نے پہلے ذکر کیا ہے اس کے بعد ”غرر الافکار“ میں کہا: ایک قول یہ کیا گیا ہے: استثنا کو مشتری کی قسم کی طرف پھیر دیا جائے گا جو قسم سیاق سے مفہوم ہے یعنی ہلاک ہونے والے کی ثمن سے اس قدر لے گا جس قدر مشتری نے اقرار کیا ہے اور اس سے قسم لی جائے گی نہ کہ زائد لے گا مگر بائع راضی ہو جائے کہ وہ موجود لے لے اور ہلاک ہونے والے چیز میں مختص نہ کرے اس وقت مشتری سے قسم نہیں لی جائے گی۔ کیونکہ بائع نے موجود کو بطور صلح کے لیا ہے اس تمام کے مقابلہ میں جس کا اس نے مشتری پر دعویٰ کیا تھا۔ پس مشتری سے قسم لینے کی کوئی حاجت نہیں۔ امام ”ابو حنیفہ“ رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ وہ ہلاک ہونے والے بیع کی ثمن لے گا جس کا مشتری نے اقرار کیا ہے زیادہ نہیں لے گا پس وہ دونوں باہم قسم اٹھائیں گے اور جو چیز موجود ہے اسے واپس لوٹا دیں گے۔

27800۔ (قوله: إِلَى يَبِينِ الْمُشْتَرِي) اس وقت بائع زندہ غلام کو لے لے گا اس سے صلح کے طور پر جس کا اس نے مشتری کی جانب زیادتی کا دعویٰ کیا تھا۔ ”زیلعی“۔

27801۔ (قوله: بَعْدَ إِقَالَةِ) اقالہ کے بعد اختلاف کی قید لگائی ہے۔ کیونکہ اگر اقالہ سے پہلے اس کی مقدار میں اختلاف کریں تو وہ دونوں قسم اٹھائیں گے جس طرح اس کی جنس اس کی اور اس کی صفت میں اختلاف ہو جس طرح مسلم فیہ میں چاروں وجوہ میں اختلاف ہو جیسے ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔ ”بحر“۔

27802۔ (قوله: عَقْدِ السَّلَمِ) باہم دونوں کا قسم اٹھانا جائز نہیں۔ کیونکہ اس کا موجب اقالہ کا اٹھادینا اور بیع سلم کا لوٹ آنا ہے جب کہ یہ دین ہے اور ساقط ہو جانے والی چیز نہیں لوٹتی۔ ”ساحانی“۔

بَلِ الْقَوْلُ لِلْعَبْدِ وَالْمُسْلِمِ إِلَيْهِ وَلَا يَعُودُ السَّلْمُ (وَإِنْ اِخْتَلَفَا) أُنَى الْمُتَعَاقِدَانِ (فِي مَقْدَارِ الشَّيْنِ بَعْدَ الْإِقَالَةِ) وَلَا بَيِّنَةٌ (تَخَالَفَا) وَعَادَ الْبَيْعُ (لَوْ كَانَ كُلُّ مَنِ الْبَيْعِ وَالشَّيْنِ مَقْبُوضًا وَلَمْ يَرُدَّ الشَّيْنُ إِلَى بَائِعِهِ) بِحُكْمِ الْإِقَالَةِ (فَإِنْ رَدَّ إِلَيْهِ بِحُكْمِ الْإِقَالَةِ) لَا تَخَالَفَ خِلَافًا لِلْمُحْتَدِ (وَإِنْ اِخْتَلَفَا) أُنَى الزَّوْجَانِ (فِي قَدْرِ الْمَهْرِ) أَوْ جَنْسِهِ (قُضِيَ لِمَنْ أَقَامَ الْبُرْهَانَ، وَإِنْ بَرَّهْنَا فَلِلْمَرْأَةِ)

بلکہ قول غلام اور مسلم الیہ کا ہوگا۔ اور بیع سلم واپس نہیں لوٹے گی۔ اگر دونوں عقد کرنے والے اقالہ کے بعد شمن کی مقدار میں اختلاف کریں اور گواہیاں نہ ہوں تو دونوں قسم اٹھائیں گے اور بیع لوٹ آئے گی اگر بیع اور شمن میں سے ہر ایک قبضہ میں لی گئی ہو اور مشتری نے اسے اقالہ کے حکم سے بائع کی طرف نہ لوٹایا ہو۔ اگر اقالہ کے حکم سے اسے لوٹائے تو باہم قسم نہیں ہوگی۔ امام ”محمد“ رضی اللہ عنہ کا اس میں اختلاف ہے۔ اگر میاں بیوی مہر کی مقدار میں اختلاف کریں یا اس کی جنس میں اختلاف کریں تو جو گواہیاں قائم کرے گا اس کے حق میں فیصلہ کیا جائے گا۔ اگر دونوں گواہیاں قائم کر دیں تو گواہیاں عورت کی معتبر ہوں گی

27803۔ (قوله: لِلْعَبْدِ وَالْمُسْلِمِ إِلَيْهِ) یعنی قسم کے ساتھ ان دونوں کا قول معتبر ہوگا۔ ”بحر“۔

27804۔ (قوله: وَلَا يَعُودُ السَّلْمُ) کیونکہ باب السلم میں اقالہ نقص کا احتمال نہیں رکھتا۔ کیونکہ یہ تو اسقاط ہے پس سلم نہیں لوٹے گا۔ بیع کا معاملہ مختلف ہے جس طرح عنقریب آئے گا۔ ان کی تعلیل سے اخذ کرتے ہوئے یہ چاہیے اگر دونوں اس کی جنس، اس کی نوع یا صفت میں اقالہ کے بعد اختلاف کریں تو حکم اسی طرح ہوگا۔ میں نے اسے صریح نہیں دیکھا، ”بحر“۔ اس میں ہے: یہاں ان کی وضاحت سے معلوم ہو چکا ہے اقالہ، اقالہ کو قبول کرتا ہے مگر سلم کے اقالہ میں اقالہ کو قبول نہیں کرتا اور بری کرنا اقالہ کو قبول نہیں کرتا۔ ہم نے اسے ”الفوائد“ میں لکھ دیا ہے۔

اگر زوجین مہر کی مقدار یا اس کی جنس میں اختلاف کریں تو اس کا شرعی حکم

27805۔ (قوله: لَا تَخَالَفَ) یعنی باہم قسم نہیں ہوگی اور قول منکر کا معتبر ہوگا۔ ”س“۔

27806۔ (قوله: أَوْ جَنْسِهِ) جس طرح اس کا قول ہے: وہ یہ غلام ہے اور عورت کا قول ہے وہ یہ لونڈی ہے، ”س“۔ قدر اور جنس کا حکم برابر ہوتا ہے مگر ایک فعل میں برابر نہیں۔ وہ ایک فعل یہ ہے جب مہر مثل لونڈی کی قیمت کی مثل ہو یا اس سے زیادہ ہو تو اس کے لیے لونڈی کی قیمت ہوگی اس لونڈی کا عین نہیں ہوگا جس طرح ”الظہیریہ“ اور ”الہدایہ“ میں ہے۔ ”بحر“۔

اس میں ہے: حقوق زوجیت سے پہلے طلاق کے بعد اس کا حکم ذکر نہیں کیا گیا جس طرح ”ظہیریہ“ میں ہے۔ اس کا حکم یہ ہے: خاوند نے جس کا دعویٰ کیا ہے عورت کے لیے اس کا نصف ہوگا غلام اور لونڈی کے مسئلہ میں اس کے لیے متعہ ہوگا۔ مگر جب دونوں اس پر راضی ہو جائیں کہ عورت لونڈی کا نصف لے گئی۔

27807۔ (قوله: الْبُرْهَانُ) جہاں تک عورت کے مینہ قبول کرنے کا تعلق ہے تو وہ ظاہر ہے۔ کیونکہ وہ عورت دو ہزار کا دعویٰ کرتی ہے اور اس کے لیے کوئی اشکال نہیں۔ خاوند کی گواہیاں قبول کرنے میں اعتراض وارد ہوتا ہے۔ کیونکہ خاوند

إِذَا كَانَ مَهْرُ الْمَثَلِ شَاهِدًا لِلزَّوْجِ بِأَنْ كَانَ كَمَقَالَتِهِ أَوْ أَقَلَّ (وَإِنْ كَانَ شَاهِدًا لَهَا) بِأَنْ كَانَ كَمَقَالَتِهَا أَوْ أَكْثَرَ (فَبَيِّنَتُهُ أُولَى) لِإِثْبَاتِهَا خِلَافَ الظَّاهِرِ (وَإِنْ كَانَ غَيْرَ شَاهِدٍ لِكُلِّ مِنْهُمَا) بِأَنْ كَانَ بَيْنَهُمَا (فَالْتَّهَاتُ لِلِاسْتِثْنَاءِ) (وَيَجِبُ مَهْرُ الْمَثَلِ) عَلَى الصَّحِيحِ (وَإِنْ عَجَزَا) عَنِ الْبُرْهَانِ (تَخَالَفَا وَلَمْ يُفْسَخِ النِّكَاحُ) لِتَبَعِيَّةِ الْمَهْرِ بِخِلَافِ الْبَيْعِ (وَيُبْدَأُ بِبَيِّنِهِ)

جب مہر مثل خاوند کی تائید کرتا ہو۔ اس کی صورت یہ ہے کہ مہر مثل خاوند کے قول کی طرح ہو یا اس سے کم ہو اگر مہر مثل عورت کی تائید کرے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ مہر مثل اس کے قول کی طرح ہو یا اس سے زیادہ ہو تو اس کی گواہیاں اولیٰ ہوں گی۔ کیونکہ گواہیوں نے ظاہر کے برعکس کو ثابت کیا ہے۔ اگر وہ ان دونوں میں سے کسی کی تائید نہ کرے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ مہر مثل ان دونوں کے درمیان ہے تو دونوں کے گواہ ساقط الاعتبار ہو جائیں گے تاکہ دونوں میں برابری کی جائے اور صحیح قول کے مطابق مہر مثل واجب ہوگا۔ اگر دونوں گواہیاں پیش کرنے سے عاجز آجائیں تو دونوں قسم اٹھائیں گے اور نکاح فسخ نہیں کیا جائے گا۔ کیونکہ مہر نکاح میں تابع ہوتا ہے بیع کا معاملہ مختلف ہے۔ مرد کی قسم سے آغاز کیا جائے گا۔

زیادتی کا انکار کرتا ہے۔ پس اس پر یقین ہوگی اس پر گواہیاں لازم نہ ہوں گی پس اس کی گواہیاں کیسے قبول ہوں گی؟ ہم کہتے ہیں: وہ صورت کے اعتبار سے مدعی ہے۔ کیونکہ وہ یہ دعویٰ کرتا ہے کہ خاوند نے جس مہر کا اقرار کیا ہے اس کی ادائیگی کی صورت میں عورت اپنے آپ کو اس کے حوالے کر دے جب کہ عورت اس کا انکار کرتی ہے اور دعویٰ بینہ کے قبول کرنے کے لیے کافی ہے جس طرح مودع جب ودیعت کے رد کرنے کا دعویٰ کرتا ہے۔ ”معراج“۔

27808۔ (قوله: لِإِثْبَاتِهَا) یہ دونوں مسئلوں کی علت ہے۔

حاشیہ میں کہا: بیوی نے ورثاء سے خاوند کے ذمہ موخر مہر پر جھگڑا کیا جب کہ اس کے پاس گواہ نہیں تو مہر مثل کی مقدار تک قول اس عورت کا معتبر ہوگا۔ ”حامد“ میں ”البحر“ سے مروی ہے۔

27809۔ (قوله: عَلَى الصَّحِيحِ) یہ تہا تر کی قید ہے۔ ”البحر“ میں کہا: صحیح یہ ہے کہ گواہیاں ساقط الاعتبار ہو جائیں اور مہر مثل واجب ہو جائے۔

27810۔ (قوله: وَلَمْ يُفْسَخِ النِّكَاحُ) کیونکہ قسم اٹھانے کا اثر مہر کی تعیین نہ ہونے میں ہے۔ اور مہر کی تعیین نہ ہونا نکاح کے صحیح ہونے میں نخل نہیں۔ کیونکہ وہ اس میں تابع ہے۔ بیع کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ تسمیہ کا نہ ہونا اس بیع کو فاسد کر دیتا ہے جس طرح گزر چکا ہے پس بیع کو فسخ کر دیا جائے گا، ”منح“۔ ”بحر“۔

27811۔ (قوله: وَيُبْدَأُ بِبَيِّنِهِ) ”رملی“ نے ”البحر“ باب المہر سے وہ ”غایۃ البیان“ سے نقل کرتے ہیں کہ دونوں میں بطور استحباب قرعہ اندازی کی جائے گی۔ اور ”الظہیریہ“ میں اسے اختیار کیا ہے۔ کثیر علماء کی رائے ہے کہ اس کی قسم سے آغاز کیا جائے گا اور اختلاف اولیٰ ہونے میں ہے۔

لَا تَأْتِي الشَّيْئَيْنِ عَلَيْهِ فَيَكُونُ أَوَّلُ الشَّيْئَيْنِ عَلَيْهِ ظَهِيرِيَّةٌ (وَيُحَكِّمُ) بِالشَّيْئَيْنِ أَمَّا يُجْعَلُ (مَهْرُ مِثْلَهَا) حُكْمًا لِسُقُوطِ اعْتِبَارِ التَّسْمِيَةِ بِالتَّحَالِفِ (فَيَقْضَى بِقَوْلِهِ لَوْ كَانَ كَمَقَالَتِهِ أَوْ أَقْلًا، وَبِقَوْلِهَا لَوْ كَمَقَالَتِهَا أَوْ أَكْثَرَ، وَبِهِ لَوْ بَيْنَهُمَا) أَمَّا بَيْنَ مَا تَدَّعِيهِ وَيَدَّعِيهِ (وَلَوْ اخْتَلَفَا) أَمَّا الْمُؤَجَّرُ وَالْمُسْتَأْجَرُ (فِي) بَدَلِ (الْإِجَارَةِ) أَوْ فِي قَدْرِ الْبُدَّةِ (قَبْلَ الْإِسْتِيفَاءِ) لِلْمَنْفَعَةِ (تَحَالِفًا) وَتَرَادُّ أَوْ بُدَيَّ بَيْنَ الْمُسْتَأْجَرِ

کیونکہ دونوں سپردگیوں میں سے پہلی اس کے ذمہ ہے۔ پس دونوں قسموں میں سے پہلی قسم اس کے ذمہ ہوگی۔ اور یہ حکم یہ لفظ تشدید کے ساتھ ہے یعنی اس عورت کے مہر مثل کو حکم بنایا جائے گا۔ کیونکہ باہم قسم اٹھانے سے تسمیہ کا اعتبار ساقط ہو جاتا ہے پس مرد کے قول کے مطابق فیصلہ کیا جائے گا۔ اگر وہ مہر مثل مرد کے قول کے مطابق ہو یا اس سے کم ہو اور عورت کے قول کے مطابق فیصلہ کیا جائے گا اگر عورت کے قول کے موافق ہو یا اس سے زائد ہو اور مہر مثل کا فیصلہ کیا جائے گا اگر وہ دونوں کے درمیان ہو یعنی جس کا عورت دعویٰ کرے اور جس کا مرد دعویٰ کرے۔ اگر موجر اور مستاجر بدل اجارہ میں یا مدت کی مقدار میں اختلاف کریں یہ منفعت حاصل کرنے سے پہلے ہو تو دونوں قسم اٹھائیں گے اور عقد اجارہ کو ختم کر دیں گے۔ اور مستاجر کی قسم سے آغاز کیا جائے گا

27812۔ (قوله: لَا تَأْتِي الشَّيْئَيْنِ) اس سے مراد مہر کا سپرد کرنا اور بیوی کا اپنے آپ کو حوالے کرنا ہے۔

27813۔ (قوله: وَيُحَكِّمُ) یہ ”کرخی“ کا قول ہے۔ میری مراد ہے: یعنی پہلے قسم اٹھانا اور پھر ثالث قرار دینا۔ کیونکہ مہر مسمی کے ہوتے ہوئے مہر مثل کا کوئی اعتبار نہیں ہوتا اور قسم اٹھانے کے بعد مہر مسمی کا اعتبار ساقط ہو جاتا ہے۔ اس وجہ سے تمام صورتوں میں اسے مقدم کیا جاتا ہے۔ جہاں تک رازی کی تخریج کا تعلق ہے تو حکیم، تحالف سے پہلے ہوتی ہے۔ ہم اسے باب المہر میں تصحیح کے اختلاف اور امام ”ابو یوسف“ رضی اللہ عنہ کے اختلاف کو بیان کر چکے ہیں۔ ”بحر“۔

اگر موجر اور مستاجر بدل اجارہ میں یا مدت کی مقدار میں اختلاف کریں تو اس کا حکم

27814۔ (قوله: قَبْلَ الْإِسْتِيفَاءِ) کیونکہ بیع میں قبضہ سے پہلے باہم قسم اٹھانا قیاس کے مطابق ہے۔ اور منافع حاصل کرنے سے پہلے اجارہ اس بیع کی مثل ہے۔ ”بحر“۔ استیفاء سے مراد مدت میں ان پر قادر ہونا ہے اور قدرت نہ ہونے کی صورت میں ان کا معدوم ہونا ہے۔ کیونکہ یہ معروف ہے کہ اجر کے واجب ہونے میں قدرت، استیفاء کے قائم مقام ہے۔ ”بحر“۔

27815۔ (قوله: تَحَالِفًا) دونوں میں سے جو بھی قسم سے انکار کر دے تو اس پر اس کے ساتھی کا دعویٰ لازم آجائے گا اور دونوں میں سے جو بھی گواہیاں قائم کر دے اسے قبول کر لیا جائے گا۔

27816۔ (قوله: وَبُدَيَّ بَيْنَ الْمُسْتَأْجَرِ وَالْمُجَرِّمِ) اگر یہ اعتراض کیا جائے: واجب یہ تھا کہ اجر کی قسم سے آغاز کیا جاتا تھا کہ قسم سے انکار کا فائدہ جلدی حاصل ہو جاتا۔ کیونکہ معقود علیہ کو سپرد کرنا واجب ہے۔

اس کا جواب یہ دیا گیا: اگر اجرت ایسی تھی جس کو جلدی (پہلے) ادا کرنے کی شرط لگائی گئی تھی۔ پس وہ انکار میں سہقت

لَوْ اُخْتَلَفَا فِي الْبَدَلِ وَالْمُوجِرِ لَوْ فِي الْهُدَّةِ وَإِنْ بَرَهْنَا فَالْبَيِّنَةُ لِلْمُوجِرِ فِي الْبَدَلِ وَلِلْمُسْتَأْجِرِ فِي الْهُدَّةِ (وَبَعْدَهُ لَا وَالْقَوْلُ لِلْمُسْتَأْجِرِ لِأَنَّهُ مُنْكَرٌ لِلزِّيَادَةِ) (وَلَوْ) اُخْتَلَفَا (بَعْدَ التَّكْنِ مِنْ اسْتِيفَاءِ الْبَعْضِ) مِنَ الْمَنْفَعَةِ (تَحَالُفًا وَفُسِخَ الْعَقْدُ فِي الْبَاقِي وَالْقَوْلُ فِي الْمَاضِي لِلْمُسْتَأْجِرِ لِأَنَّهُ عَقَادُهَا سَاعَةٌ فَسَاعَةٌ فَكُلُّ جُزْءٍ كَعَقْدٍ بِخِلَافِ الْبَيْعِ) (وَإِنْ اُخْتَلَفَ الزَّوْجَانِ) وَلَوْ مَمْلُوكَيْنِ أَوْ مُكَاتَبَيْنِ أَوْ صَغِيرَيْنِ وَالصَّغِيرُ يُجَامِعُ أَوْ ذِمِّيَّةً مَعَ مُسْلِمٍ

اگر وہ دونوں بدل میں اختلاف کریں۔ اور موجر سے قسم کا آغاز ہوگا اگر وہ مدت میں اختلاف کریں۔ اگر وہ دونوں گواہیاں قائم کر دیں تو بدل میں گواہیاں موجر کی معتبر ہوں گی اور مدت میں مستاجر کی معتبر ہوں گے۔ اور حق پورا لینے کے بعد تحالف نہیں ہوگا اور قول مستاجر کا معتبر ہوگا۔ کیونکہ وہ زیادتی کا منکر ہے۔ اگر بعض منفعت حاصل کرنے کے بعد دونوں میں اختلاف ہو جائے تو دونوں قسم اٹھائیں گے اور باقی ماندہ میں عقد فسخ ہو جائے گا۔ اور جو عرصہ گزر چکا ہے اس میں قول مستاجر کا معتبر ہوگا۔ کیونکہ عقد اجارہ ساعت بساعت منعقد ہوتا ہے پس ہر جز عقد کی طرح ہوگا۔ بیع کا معاملہ مختلف ہے۔ اگر دونوں میاں بیوی میں، اگرچہ دونوں مملوک ہوں، دونوں مکاتب ہوں، دونوں بچے ہوں اور چھوٹا جماع کرتا ہو یا ذمی عورت کا مسلمان مرد کے ساتھ نکاح ہوا ہو

لے جانا والا ہے۔ پس اس سے قسم کا آغاز ہوگا اگر اس کی شرط نہ لگائی گئی ہو تو آجر عین مستاجرہ کو سپرد کرنے سے رکنے والا نہیں۔ کیونکہ اس کا سپرد کرنا اجرت کے وصول کرنے پر موقوف نہیں۔ ”ابوسعود“ نے ”العنایہ“ سے اسے نقل کیا ہے۔

27817۔ (قوله: لَوْ فِي الْهُدَّةِ) اگر اختلاف دونوں یعنی مدت اور بدل میں ہو تو ہر ایک کی گواہی اس میں قبول کی جائے گی جس میں وہ زیادتی کا دعویٰ کرتا ہے جیسے یہ ایک ماہ کا دس کے بدلے میں دعویٰ کرتا ہے اور مستاجر دو ماہ کا پانچ کے بدلے میں دعویٰ کرتا ہے پس دس کے بدلے میں دو ماہ کا فیصلہ کر دیا جائے گا۔ ”بحر“۔

27818۔ (قوله: وَبَعْدَهُ) یعنی پوری اجرت (حق) وصول کرنے کے بعد تحالف نہیں ہوگا۔

اگر زوجین میں ایسے گھر میں اختلاف ہو جائے جو دونوں کا یا ایک کا ہو تو اس کا حکم

27819۔ (قوله: وَإِنْ اُخْتَلَفَ الزَّوْجَانِ) یہ قید اس لیے لگائی ہے تاکہ مابعد مذکور اختلاف سے بچا جائے جیسے

خاوند کی بیویاں خاوند کے علاوہ کسی اور سے اختلاف کریں، باپ اپنی بیٹی سے بیٹی کے جہیز کے سامان میں اختلاف کرے، باپ اپنے بیٹے کے ساتھ گھر کے سامان میں اختلاف کرے، اسکاف (موچی) اور عطار، اسائفہ (جوتے درست کرنے کا پیشہ) اور عطاروں کے آلہ میں اختلاف کریں جب کہ وہ آلہ دونوں کے قبضہ میں ہو موجر اور مستاجر گھر کے سامان میں اختلاف کریں اور میاں بیوی گھر کے سامان کے علاوہ میں جو ان دونوں کے قبضہ میں ہے میں اختلاف کریں ان سب سے احتراز کرنا مقصود تھا۔ ان سب کی وضاحت ”البحر“ میں ہے۔ پس اس کی طرف رجوع کیجئے۔ اس کا کچھ حصہ بعد میں آئے گا۔

قَامَ النِّكَاحُ أَوْ لَا فِي بَيْتٍ لَّهُمَا أَوْ لِأَحَدِهِمَا خِزَانَةٌ الْأَكْمَلُ لِأَنَّ الْعِبْرَةَ لِلْيَدِ لَا لِلْيَدِ (فِي مَتَاعٍ) هُوَ هُنَا مَا كَانَ فِي (الْبَيْتِ) وَلَوْ ذَهَبًا أَوْ فِضَّةً (فَالِقَوْلُ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا صِدَحٌ لَهُ مَعَ بَيِّنَةٍ)

نکاح قائم ہو یا نہ ہو اختلاف ایسے گھر میں ہو جو دونوں کا ہے یا ایک کا ہے، ”خزانۃ الاكمل“۔ کیونکہ اعتبار قبضہ کا ہوتا ہے ملکیت کا نہیں ہوتا۔ گھر کے اس سامان میں اختلاف ہو جائے جو اس گھر میں ہے اگرچہ وہ سونا ہو یا چاندی ہو تو دونوں میں سے ہر ایک کا قول اس میں قسم کے ساتھ معتبر ہوگا جو اس کے مناسب ہے

27820۔ (قوله: قَامَ النِّكَاحُ أَوْ لَا) اس کی صورت یہ ہے کہ خاوند اس کو طلاق دے دے اور جب وہ خاوند اس عورت کی عدت کے بعد مر جائے اسے مستثنیٰ کیا جائے گا جس طرح عنقریب آئے گا۔ ”رملی“ نے حاشیہ ”البحر“ میں کہا ہے: ”لسان الحاکم“ میں وہ ہے جو اس کے مخالف ہے۔ پس اس کی طرف رجوع کیجئے۔ لیکن جو یہاں ہے اس پر شارحین کا مزن ہوئے ہیں۔

27821۔ (قوله: صَدَحَ لَهُ) ضمیر کل کی طرف راجع ہے۔ ”القنیہ“ میں اس باب میں جو بیٹوں کے جہیز کے سامان کے متعلق ہے میں ہے: وہ دونوں آپس میں جدا ہو گئے جب کہ بیوی کے گھر میں ایک لونڈی ہے۔ وہ بیوی اسے اپنے ساتھ لے گئی اور ایک سال تک اس سے خدمت لی جب کہ خاوند اس کو جانتا تھا اور خاموش رہا پھر خاوند نے اس لونڈی کے بارے میں دعویٰ کر دیا تو قول مرد کا معتبر ہوگا۔ کیونکہ اس کا قبضہ ثابت ہے اور زائل کرنے والی کوئی چیز نہیں پائی گئی۔

اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جو سامان دونوں کے مناسب ہو عورت کے منتقل کرتے وقت خاوند کا خاموش رہنا یہ اس کے دعویٰ کو باطل نہیں کرتا۔ ”البدائع“ میں ہے: یہ سب اس صورت میں ہے جب عورت اس امر کا اقرار نہ کرے کہ یہ سامان خاوند نے خریدا تھا اگر وہ عورت اس کا اقرار کرے تو عورت کا قول ساقط ہو جائے گا۔ کیونکہ عورت نے خاوند کی ملکیت کا اقرار کر لیا ہے پھر عورت کی جانب اس کے منتقل ہونے کا دعویٰ کیا ہے تو یہ انتقال بینہ کے ساتھ ہی ثابت ہوگا۔

اسی طرح جب عورت دعویٰ کرے کہ اس نے خاوند سے یہ چیز خریدی ہے جس طرح ”الحنانیہ“ میں ہے۔ اور یہ امر مخفی نہیں کہ اگر وہ خاوند اس کے خریدنے پر گواہی قائم کرے تو یہ عورت کے اس اقرار کی طرح ہوگا کہ مرد نے اسے خریدا۔ پس ضروری ہے کہ خاوند سے عورت کی طرف اس کے منتقل ہونے کی کوئی دلیل ہو وہ ہبہ کی صورت میں ہو یا اس کے علاوہ ہو۔ عورت کا مرد کی خریدی ہوئی چیز سے فائدہ اٹھانا اور مرد کا اس پر راضی ہونا یہ اس امر کی دلیل نہیں کہ مرد نے اسے اس چیز کا مالک بنادیا تھا جس طرح عورتیں اور عوام سمجھتے ہیں۔ میں نے اس بارے میں کئی بار فتویٰ دیا ہے۔

”حاشیہ“ میں یہ ذکر کیا ہے: عورت جس چیز کی ملکیت کا دعویٰ کرتی ہے جب کہ وہ ان چیزوں میں سے ہے جو عورت کے مناسب ہیں اس میں عورت کا قول قسم کے ساتھ معتبر ہوتا ہے۔ اسی طرح جو چیزیں مردوں اور عورتوں کے مناسب ہوتی ہیں ان میں بھی عورت کا قول قسم کے ساتھ معتبر ہوتا ہے۔ اسی طرح قسم کے ساتھ عورت کا قول معتبر ہوگا ان چیزوں میں جن کے بارے

إِلَّا إِذَا كَانَ كُلُّ مِنْهُمَا يَفْعَلُ أَوْ يَبِيعُ مَا يَصْلَحُ لِلاَّخْرِ فَالْقَوْلُ لَهُ تَعَارُضُ الظَّاهِرَيْنِ دُرَرٌ وَغَيْرُهَا

مگر جب ان میں سے ہر ایک ایسا فعل کرتا ہے یا بیچتا ہے جو دوسرے کے مناسب ہے تو پھر قول خاوند کا معتبر ہوگا۔ کیونکہ دونوں ظاہر متعارض ہیں، ”درر“ وغیرہما۔

میں وہ دعویٰ کرتی ہے کہ یہ اس کے قبضہ میں ودیعت ہیں جب کہ وہ ان چیزوں میں سے ہے جو عورتوں کے مناسب ہوتی ہیں اور ان چیزوں میں سے ہے جو عورتوں اور مردوں کے مناسب ہیں۔ واللہ اعلم۔ ”حامیہ“ میں ”شلبی“ سے اسی طرح مروی ہے۔
27822۔ (قولہ: الظَّاهِرَيْنِ) یعنی ہم نے قبضہ کا اعتبار کرنے کی طرف رجوع کیا ہے ورنہ تعارض تساقط کا تقاضا کرتا ہے۔

اگر زوجین میں سے ہر ایک ایسی چیز بیچتا ہو جو دوسرے کے مناسب ہو تو اس کا حکم

27823۔ (قولہ: دُرَرٌ) ”الدرر“ کی عبارت ہے: مگر جب دونوں میں سے ہر ایک وہ عمل کرتا ہے یا ایسی چیز بیچتا ہے جو دوسرے کے مناسب ہوتی ہے یعنی مگر جب مرد سنا رہا ہو اور اس کے کنگن اور انگوٹھیاں ہوں، زیورات ہوں اور پازیب ہوں وغیرہ پس یہ چیزیں عورت کی نہ ہوں گی۔ اسی طرح اگر عورت ایجنٹ ہو وہ مردوں کے کپڑے بیچتی ہو، تاجرہ ہو جو مردوں کے کپڑوں اور عورتوں کے کپڑوں میں تجارت کرتی ہو یا صرف مردوں کے کپڑوں میں تجارت کرتی ہو۔ ”الہدایہ“ کی شرح میں اسی طرح ہے۔

”شربلا لہ“ میں کہا ہے: ان کا قول: مگر جب دونوں میں سے ہر ایک ایسا کام کرتا ہو یا ایسی چیز بیچتا ہو جو دوسروں کے لیے مناسب و موزوں ہو ایک ایسے فعل یا بیع کے لیے مناسب ہو جو دوسرے کے ساتھ دونوں میں سے ایک کے قول کی نفی کے عموم میں اپنے ظاہر پر نہیں۔ کیونکہ عورت جب مردوں کے کپڑے بیچتی ہے یا ایسے کپڑے بیچتی ہے جو دونوں کے مناسب ہوتے ہیں جیسے برتن، سونا، چاندی، سامان اور جائیداد تو وہ مرد کے لیے ہوں گے۔ کیونکہ عورت اور جو اس کے قبضہ میں ہے وہ خاوند کا ہے۔ اور دعاوی میں قول قابض کا ہوتا ہے۔ جو چیزیں عورتوں کے ساتھ خاص ہوتی ہیں ان کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ یہ خاوند کے قبضہ کے معارض ہے جو اس سے زیادہ قوی ہے وہ استعمال میں اختصاص ہے جس طرح ”العنایہ“ میں ہے۔ مصنف جس کا عنقریب ذکر کریں گے اس سے یہ چیز معلوم ہو جائے گی۔

اس وقت ”الدرر“ کا قول ”اسی طرح جب عورت ایجنٹ ہو“ اس کا معنی ہے: اس میں قول خاوند کا بھی معتبر ہوگا مگر جب وہ عورتوں کے کپڑے بیچتی ہو تو وہ اس قول سے خارج ہو جائے گا۔ کیونکہ اس سے قبل ان کا قول ہے: فالقول لكل منهما فيما يصدق له اور شارح کی کلام کو اس معنی پر بھی محمول کرنا ممکن ہے کہ ان کے قول فالقول له میں ضمیر زوج کی طرف راجع ہو۔

پھر ان کا قول: لتعارض الظاهرین علت بنی کی صلاحیت نہیں رکھتا خواہ کلام کو اپنے ظاہر معنی پر محمول کیا جائے یا اس معنی پر محمول کیا جائے۔ جہاں تک پہلے قول کا تعلق ہے تو جب خاوند اسے بیچتا ہے تو دو ظاہر اس کی تائید کرتے ہیں: قبضہ اور بیع

(وَالْقَوْلُ لَهُ فِي الصَّالِحِ لَهَا) لِأَنَّهَا وَمَا فِي يَدِهَا فِي يَدِهِ وَالْقَوْلُ لِذِي الْيَدِ بِخِلَافِ مَا يَخْتَصُّ بِهَا لِأَنَّ ظَاهِرَهَا أَظْهَرَ مِنْ ظَاهِرِهِ وَهُوَ يَدُ الْإِسْتِعْمَالِ (وَلَوْ أَقَامَا بَيِّنَةً يُقْضَىٰ بِبَيِّنَتَيْهَا) لِأَنَّهَا خَارِجَةٌ خَائِنَةٌ وَالْبَيْتُ لِلزَّوْجِ إِلَّا أَنْ يَكُونَ لَهَا بَيِّنَةٌ بَحْرٌ وَهَذَا لَوَحْيَيْنِ (وَإِنْ مَاتَ أَحَدُهُمَا وَاخْتَلَفَ وَارِثُهُ مَعَ الْحَيِّ فِي الْمُسْكِلِ) الصَّالِحُ لَهَا

جو چیز دونوں کے مناسب ہو اس میں قول خاوند کا معتبر ہوگا۔ کیونکہ وہ عورت خود اور اس کے قبضہ میں جو کچھ ہے وہ مرد کے قبضہ میں ہے۔ اور قول قابض کا معتبر ہوتا ہے۔ جو چیز عورت کے ساتھ خاص ہوتی ہے اس کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ عورت کا ظاہر مرد کے ظاہر سے زیادہ ظاہر ہے یہ استعمال کا قبضہ ہے۔ اگر دونوں گواہیاں قائم کر دیں تو عورت کے بینہ کے مطابق فیصلہ کیا جائے گا۔ کیونکہ عورت غیر قابض ہے، ”خانیہ“۔ مکان خاوند کا ہوگا مگر جب عورت کی گواہیاں ہوں، ”بحر“ یہ اس صورت میں ہے جب دونوں میاں بیوی زندہ ہوں۔ اگر دونوں میں ایک مر جائے اور اس کا وارث زندہ کے ساتھ مشکل، یعنی جو چیز دونوں کے مناسب ہو، میں اختلاف کرے

صرف۔ ایک ظاہر اس کی تائید نہیں کرتا، تو کوئی تعارض واقع نہیں ہوگا مگر جب عورت اسے پیچتی ہو۔ یہ امر اس کی مائیت و رائج نہیں کرتا۔ کیونکہ ”شرنبالی“ نے اس کا ذکر کیا ہے مگر جب وہ ایسی چیز ہو جو اس عورت کے مناسب ہے۔ کیونکہ تعارض ترجیح کا تقاضا نہیں کرتا بلکہ تساقط کا تقاضا کرتا ہے۔ جہاں تک دوسرے کا تعلق ہے تو جب خاوند بیچتا ہے تو کوئی تعارض نہیں جس طرح قول گزر چکا ہے۔ مگر جب عورت پیچتی ہو تو حکم اسی طرح ہوگا۔ اس کی دلیل بھی وہی ہے جو گزر چکی ہے پس اس پر متنبہ ہو جائیے۔ میں کہتا ہوں: ”شرنبالیہ“ نے جو ”العنایہ“ سے ذکر کیا ہے۔ ”النبایہ“ میں اس کی تصریح کی ہے لیکن ”الکفایہ“ میں وہ ہے جو یہ تقاضا کرتا ہے کہ قول عورت کا معتبر ہوگا۔ کیونکہ انہوں نے کہا: مگر جب عورت مردوں کے کپڑے اور جو عورتوں کے مناسب چیزیں ہوتی ہیں وہ پیچتی ہو جیسے اوڑھنی، قمیص، ملحفہ اور زیورات تو وہ ان میں قول عورت کا معتبر ہوگا۔ کیونکہ ظاہر عورت کے حق میں شاہد ہے۔ اسی کی مثل ”زیلعی“ میں ہے۔ کہا: اسی طرح عورت جب ایسی چیزیں پیچتی ہو جو مردوں کے مناسب ہوں تو اس میں قول مرد کا معتبر نہیں ہوگا۔ ظاہر یہ ہے کہ مسئلہ میں دو قول ہیں۔ پس اس کی وضاحت کی جانی چاہیے۔

27824۔ (قوله: وَالْبَيْتُ لِلزَّوْجِ) یعنی اگر میاں بیوی گھر میں اختلاف کریں تو وہ مرد کا ہوگا۔

27825۔ (قوله: لَهَا بَيِّنَةٌ) یعنی گھر عورت کا ہوگا اگر ان کے پاس گواہیاں ہوں۔ اسی طرح ہر وہ چیز جو دونوں کے مناسب ہو تو عورت اس پر گواہیاں قائم کر دے تو وہ بھی عورت کے لیے ہوگی۔

27826۔ (قوله: لَوَحْيَيْنِ) یہ تشنیہ کا صیغہ ہے۔

27827۔ (قوله: فِي الْمُسْكِلِ) اس کے علاوہ کا جو حکم ہے اس میں غور و فکر کیجئے۔ ظاہر یہ ہے کہ اس کا حکم وہی ہے جو گزر چکا ہے۔ پھر میں نے اسے ”طحطاوی“ میں ”حموی“ سے دیکھا ہے۔

(فَالْقَوْلُ فِيهِ لِلْحَيِّ) وَلَوْ رَقِيقًا وَقَالَ الشَّافِعِيُّ وَمَالِكٌ الْكُلُّ بَيْنَهُمَا وَقَالَ ابْنُ أَبِي لَيْلَى الْكُلُّ لَهُ وَقَالَ الْحَسَنُ الْبَصْرِيُّ الْكُلُّ لَهَا وَهِيَ الْمُسَبَّعَةُ عَدَّ فِي الْخَانِيَّةِ تِسْعَةَ أَقْوَالٍ

تو اس میں قول زندہ کا معتبر ہوگا اگرچہ وہ غلام ہو۔ امام ”شافعی“ رحمہ اللہ اور امام ”مالک“ نے فرمایا: وہ تمام چیزان دونوں میں تقسیم ہوگی۔ ”ابن ابی لیلیٰ“ نے کہا: سب مرد کا ہوگا۔ حضرت ”حسن بصری“ نے کہا: سب عورت کا ہوگا۔ یہ سات اقوال ہیں۔ ”الخانیہ“ میں انہیں نو اقوال شمار کیا ہے۔

”مشکل“ میں اختلاف کی صورت میں فقہاء کے اقوال

27828۔ (قوله: فَالْقَوْلُ فِيهِ لِلْحَيِّ) یعنی قسم کے ساتھ اس کا قول معتبر ہوگا، ”در منتهی“۔ کیونکہ میت کا کوئی قبضہ نہیں۔ ”البحر“ میں ”الخانیہ“ سے اس استثنا کا ذکر کیا ہے کہ جب عورت شب زفاف کو مرد کے کمرے میں مرجائے تو وہ چیز جو دونوں کے مناسب ہو اور جس قسم کا سامان عورت کو دیا جاتا ہے اسے خاوند کے لیے کر دینا مستحسن نہیں مگر جب مرد اس کی جنس کی تجارت میں معروف ہو تو پھر وہ چیز اس کے لیے ہوگی۔ ”صاحب البحر“ نے اسی کے ساتھ اسے لاحق کیا ہے جب زندگی میں شب زفاف کو وہ دونوں اختلاف کریں کہا: چاہیے کہ فتویٰ کے لیے اس پر اعتماد کیا جائے مگر جب اس کے برعکس کوئی نص پائی جائے۔

27829۔ (قوله: وَلَوْ رَقِيقًا) متن میں جو عنقریب آئے گا اس کے ساتھ اس سے استغنا حاصل ہو جاتی ہے۔ ”ح“۔

27830۔ (قوله: تِسْعَةَ أَقْوَالٍ) پہلا وہ ہے جو ”الکتاب (الکنز)“ میں ہے۔ وہ ”امام صاحب“ رحمہ اللہ کا قول ہے۔

دوسرا امام ”ابو یوسف“ رحمہ اللہ کا قول ہے: عورت کے لیے وہ اشیا ہوں گی جس کی مثل اسے جہیز کا سامان دیا جاتا ہے اور باقی ماندہ مرد کا ہوتا ہے یعنی حیات و موت کی صورت مشکل میں، یعنی جو چیزیں مرد و عورت کے مناسب ہوتی ہیں، میں یہ حکم ہوگا۔

تیسرا قول ابن ابی لیلیٰ کا ہے: تمام سامان مرد کا ہے اور عورت کا صرف وہی ہوگا جو عورت کے اوپر ہے۔

چوتھا قول ”ابن معن“ اور ”شریک“ کا ہے: سامان مرد و عورت میں تقسیم کیا جائے گا۔

پانچواں قول حضرت ”حسن بصری“ کا ہے: تمام سامان عورت کا ہوگا اور مرد کا صرف وہی ہوگا جو مرد کے جسم پر ہے۔

چھٹا قول یہ ”شرح“ کا ہے۔ گھر عورت کا ہوگا۔

ساتواں قول مشکل یعنی جو مرد اور عورت دونوں کے مناسب ہو اس میں امام ”محمد“ رحمہ اللہ کا قول ہے: یعنی طلاق اور موت کی صورت میں سامان مرد کا ہوگا اور جو دونوں کے مناسب نہیں ہوتا اس میں امام ”محمد“ رحمہ اللہ نے ”امام صاحب“ رحمہ اللہ کی موافقت کی ہے۔

آٹھواں قول امام ”زفر“ کا ہے جو مشکل یعنی جو دونوں کے لیے مناسب ہو وہ دونوں میں تقسیم ہوگا۔

نواں قول یہ امام مالک کا ہے۔ سب دونوں میں مشترک ہوگا۔

”خزانة الاكمل“ میں اقوال کی اسی طرح حکایت بیان کی ہے یہ امر مخفی نہیں کہ نواں قول چوتھا قول ہی ہے، ”بحر“۔

(وَلَوْ أَحَدُهُمَا مَمْلُوكًا) وَلَوْ مَا ذُونَا أَوْ مُكَاتَّبًا وَقَالَ وَالشَّافِعِيُّ هُمَا كَالْخَرِّ (فَالْقَوْلُ لِلْخَرِّ فِي الْحَيَاةِ وَلِلْخَرِّ فِي الْمَوْتِ) لِأَنَّ يَدَ الْخَرِّ أَقْوَى وَلَا يَدَ لِلْمَيْتِ (أُعْتِقْتُ الْأَمَةَ) أَوْ الْبُكَاتِبَةَ وَالْمُدَبَّرَةَ (وَاخْتَارَتْ نَفْسَهَا فَمَا فِي الْبَيْتِ قَبْلَ الْعِتْقِ فَهُوَ لِلْمَرْجُلِ، وَمَا بَعْدَهُ قَبْلَ أَنْ تَخْتَارَ نَفْسَهَا فَهُوَ عَلَى مَا وَصَفْنَاكَ فِي الطَّلَاقِ) بَخْرٌ وَفِيهِ طَلَّقَهَا وَمَضَتْ الْعِدَّةُ فَالْمُسْكَلُ لِلزَّوْجِ وَلِوَرَثَتِهِ بَعْدَهُ

اگر دونوں میں سے ایک مملوک ہو اگرچہ وہ ماذون یا مکاتب ہوں۔ ”صاحبین“ رحمہ اللہ اور امام ”شافعی“ رحمہ اللہ نے فرمایا: وہ دونوں آزادی کی طرح ہیں تو زندگی میں قول آزاد کا معتبر ہوگا اور موت میں زندہ کا ہوگا۔ کیونکہ آزاد کا قبضہ زیادہ قوی ہوتا ہے۔ اور میت کا کوئی قبضہ نہیں ہوتا۔ لونڈی، مکاتبہ یا مدبرہ کو آزاد کیا گیا اور اس نے اپنے آپ کو اختیار کر لیا تو آزادی سے پہلے گھر میں جو کچھ تھا وہ مرد کے لیے ہے اور آزادی کے بعد اپنے آپ کو اختیار کرنے سے پہلے جو کچھ ہے تو وہ اسی پر ہوگا جو ہم نے طلاق میں بیان کیا ہے۔ ”بحر“۔ اس میں ہے: مرد نے اسے طلاق دی اور عدت گزر گئی تو مشکل مال یعنی جو میاں بیوی دونوں کے مناسب ہو وہ خاوند کے لیے ہوگا اور خاوند کے بعد اس کے ورثاء کے لیے ہوگا۔

”حاشیہ“ میں اسی طرح ہے۔

27831۔ (قوله: وَلَوْ أَحَدُهُمَا مَمْلُوكًا) (قوله: وَلِلْخَرِّ فِي الْمَوْتِ) ”الجامع“ کی عام شروح میں اسی طرح ہے۔ ”رضی“ نے ذکر کیا ہے: یہ سہو ہے صحیح یہ ہے کہ یہ مطلقاً آزاد کے لیے ہے۔ ”فخر الاسلام“ نے یہ ذکر کیا ہے یہاں سب صورتوں میں قول مرد کا معتبر ہوگا صرف مشکل مال میں اس کا قول معتبر نہیں ہوگا۔ ”قبتانی“ میں اسی طرح ہے۔ ”سائحانی“۔

27832۔ (قوله: لِأَنَّ يَدَ الْخَرِّ أَقْوَى) یہ لف، نشر مرتب ہے۔

27833۔ (قوله: لِلْمَيْتِ) اس میں ”صاحب اليعقوبیہ“ نے بحث کی ہے۔

27834۔ (قوله: فَهُوَ عَلَى مَا وَصَفْنَاكَ فِي الطَّلَاقِ) یعنی مشکل مال خاوند کا ہوگا۔ اور جو مال عورت کے من سب ہو وہ عورت کے لیے ہوگا۔ کیونکہ طلاق کے وقت وہ آزاد تھی جس طرح سیاق و لحاق سے معلوم ہو جاتا ہے۔ اس کی تائید ”السراج“ کا قول کرتا ہے: اگر خاوند آزاد ہو اور عورت مکاتبہ، لونڈی، مدبرہ یا ام ولد ہو جب کہ اس کو اس سے قبل آزاد کر دیا گیا ہو پھر گھر کے سامان میں ان میں اختلاف ہو جائے تو انہوں نے آزادی سے قبل جو چیز بنائی تھی وہ مرد کے لیے ہوگی اور جسے آزادی کے بعد بنایا تو اس میں وہ دونوں دو آزاد افراد کی طرح ہوں گے۔ ”سائحانی“۔

27835۔ (قوله: فِي الطَّلَاقِ) میاں بیوی کے اختلاف کے اس مسئلہ میں جو ان کے قول: وان مات احدهما سے پہلے ہے۔ کیونکہ یہ نکاح کے قیام کی حالت اور اس کے بعد کی حالت کو شامل ہوتا ہے جس طرح شارح نے اس کا ذکر کیا ہے۔

27836۔ (قوله: ثُمَّ اَعْلَمْنَا أَنَّ هَذَا) اسم اشارہ سے مراد وہ تمام صورتیں ہیں جو گزر چکی ہیں جب ان دونوں کے درمیان تنازع غلامی، آزادی، نکاح اور اس کے نہ ہونے میں نہ ہوا ہو اگر تنازع واقع ہوا تو آخر تک کلام ”البحر“ میں ہے پس

لَا تَهَا صَارَتْ أَجْنَبِيَّةً لَا يَدَّ لَهَا وَلَهَا ذَكَرْنَا أَنَّ الْمُسْكَلَ لِلزَّوْجِ فِي الطَّلَاقِ فَكَذَا لِوَارِثِهِ أَمَّا لَوْ مَاتَ وَهِيَ فِي الْعِدَّةِ فَالْمُسْكَلُ لَهَا فَكَأَنَّهُ لَمْ يُطْلَقْهَا بِدَلِيلِ إِزْثِهَا وَلَوْ اخْتَلَفَ الْمَوْجِرُ وَالْمُسْتَأْجِرُ فِي مَتَاعِ الْبَيْتِ فَالْقَوْلُ لِلْمُسْتَأْجِرِ بَيِّنُهُ وَلَيْسَ لِلْمَوْجِرِ إِلَّا مَا عَلَيْهِ مِنْ يُثَابُ بَدَنُهُ وَلَوْ اخْتَلَفَ إِسْكَانُ وَعَطَارُ فِي آلَاتِ الْأَسَاكِفَةِ وَآلَاتِ الْعَطَارِينَ، وَهِيَ فِي أَيْدِيهِمَا فَهِيَ بَيْنَهُمَا بِلَا نَظَرٍ لَنَا يَصْدَحُ لِكُلِّ مِنْهُمَا وَتَسَامُهُ فِي السَّاجِ (رَجُلٌ مَعْرُوفٌ بِالْفَقْرِ وَالْحَاجَةِ صَارَ بِيَدِهِ غُلَامٌ وَعَلَى عُنُقِهِ بَذْرَةٌ وَذَلِكَ بِدَارِهِ فَادَّعَاهُ رَجُلٌ عَرَفَ بِالْيَسَارِ وَادَّعَاهُ صَاحِبُ الدَّارِ فَهُوَ لِلْمَعْرُوفِ بِالْيَسَارِ (وَكَذَا كَثَاشٌ فِي مَنْزِلِ رَجُلٍ وَعَلَى عُنُقِهِ

کیونکہ وہ عورت اجنبی بن چکی ہے اس کا کوئی قبضہ نہیں۔ اور جو ہم نے ذکر کیا ہے: ان المشکل للزوج في الطلاق طلاق کی صورت میں جو مال دونوں کے مناسب ہوتا ہے وہ خاوند کے لیے ہوگا اس کی وجہ سے یہ حکم ہوگا۔ اسی طرح اس کے وارث کے لیے ہوگا مگر جب خاوند مر جائے جب کہ عورت عدت گزار رہی ہو تو جو مال میاں بیوی دونوں کے مناسب ہو وہ عورت کے لیے ہوگا۔ گویا مرد نے اسے طلاق نہیں دی۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ عورت اس خاوند کی وارث ہوتی ہے۔ اگر مؤجر اور مستاجر گھر کے سامان میں اختلاف کریں تو قول قسم کے ساتھ مستاجر کے لیے ہوگا اور موجر کے لیے اور کچھ نہیں ہوگا مگر جو اس کے بدن پر کپڑے ہیں۔ اگر کفشگر اور عطار کفشگر اور عطاروں کے آلات میں اختلاف کریں جب کہ یہ آلات دونوں کے قبضہ میں ہوں تو یہ دونوں میں مشترک ہوں گے یہ دیکھے بغیر کہ کون سا ہتھیار دونوں میں سے کس کے مناسب ہے۔ اس کی مکمل وضاحت ”سراج“ میں ہے۔ ایک آدمی فقر و تنگ دستی میں معروف ہے اس کے قبضہ میں ایک غلام آگیا جس کی گردن پر بدرہ ہے یعنی بیس ہزار دینار ہیں اور وہ اس کے گھر میں ہے۔ اس کا دعویٰ ایک ایسے آدمی نے کیا جو خوشحالی میں معروف ہے۔ گھر کے مالک نے اس کا دعویٰ کیا تو یہ غلام اس کا ہوگا جو خوشحالی میں معروف ہے۔ اسی طرح ایک جاروب کش ایک آدمی کے گھر میں ہے جب کہ اس کی گردن پر

اسی کی طرف رجوع کیجئے۔

27837۔ (قوله: لَا تَهَا صَارَتْ أَجْنَبِيَّةً) یہ قول اس امر کا فائدہ دیتا ہے اگر وہ دونوں مرجائیں تو حکم اسی طرح ہوگا۔

27838۔ (قوله: بِلَا نَظَرٍ) یہ فرع اپنے ماقبل اور بعد میں آنے والے مسائل کے خلاف ہے۔

فرع: ایک آدمی نے ایک زمانہ تک ایک زمین میں تصرف کیا ایک دوسرے آدمی نے زمین اور تصرف کو دیکھا اور دعویٰ نہ کیا اور اسی پر مر گیا اس کے بعد اس کے بچے کے دعویٰ کو نہیں سنا جائے گا۔ پس اس زمین کو متصرف کے قبضہ میں چھوڑ دیا جائے گا کیونکہ حال شاہد ہے۔ ”حامد“ نے ”الولواجیہ“ سے روایت کی ہے۔

27839۔ (قوله: بَذْرَةٌ) بدرہ سے مراد بیس ہزار دینار ہیں۔ ”حاشیہ“ میں اسی طرح ہے۔

قَطِيفَةٌ يَقُولُ الَّذِي هُوَ عَلَى عُنُقِهِ (ہی لی وادعاهما صاحب المنزل فهي لصاحب المنزل رَجُلَانِ فِي سَفِينَةٍ بِهَا دَقِيقٌ فَادَّعَى كُلُّ وَاحِدٍ السَّفِينَةَ وَمَا فِيهَا وَأَحَدُهُمَا يُعْرِفُ بَيْعَ الدَّقِيقِ وَالْآخَرُ يُعْرِفُ بِأَنَّهُ مَلَأَهُ فَالدَّقِيقُ لِلَّذِي يُعْرِفُ بَيْعَهُ وَالسَّفِينَةُ لِمَنْ يُعْرِفُ بِأَنَّهُ مَلَأَهُ عَمَلًا بِالظَّاهِرِ وَلَوْ فِيهَا رَاكِبٌ وَآخَرُ مُنْسِكٌ وَآخَرُ يَجْذِبُ وَآخَرُ يَبْذُهَا وَكُلُّهُمْ يَدَّعُونَهَا فَهِيَ بَيْنَ الثَّلَاثَةِ أَثْلَاثًا وَلَا شَيْءَ لِلْمَلَأَةِ رَجُلٌ يَقُودُ قِطَارَ إِبِلٍ وَآخَرُ رَاكِبٌ إِنْ عَلَى الْكُلِّ مَتَاعُ الرَّايِبِ فَكُلُّهَا لَهُ وَالْقَائِدُ أَجِيرُهُ وَأَنْ لَا شَيْءَ عَلَيْهَا فَلِلرَّايِبِ مَا هُوَ رَاكِبُهُ وَالْبَاقِي لِلْقَائِدِ بِخِلَافِ الْبَقَرِ وَالْغَنَمِ وَتَسَامِهِ فِي خِزَانَةِ الْاَكْمَلِ

ایک مخملی چادر ہے جس کی گردن پر وہ چادر ہے وہ کہتا ہے: یہ چادر میری ہے اور گھروالا دعویٰ کرتا ہے یہ چادر میری ہے تو وہ چادر گھروالے کی ہوگی۔ ایک کشتی میں دو آدمی ہیں جس کشتی میں آتا ہے دونوں میں ہر ایک کشتی اور اس میں جو کچھ ہے اس کا دعویٰ کرتا ہے ان دونوں میں سے ایک آتا بیچنے میں معروف ہے اور دوسرا اس میں معروف ہے کہ وہ ملاح ہے آتا اس کا ہوگا جو آتا بیچنے میں معروف ہے اور کشتی اس کی ہوگی جو اس میں معروف ہے کہ وہ ملاح ہے۔ یہ ظاہر یہ عمل کرنے کی بنا پر ہے۔ اگر اس کشتی میں ایک سوار ہو، دوسرا سے پکڑے ہوئے ہے، ایک اسے کھینچ رہا ہے، ایک اسے بہاتا ہے سب کشتی کا دعویٰ کرتے ہیں۔ تو یہ کشتی تینوں میں ایک تہائی ایک تہائی کے اعتبار سے ہوگی اور بہانے والے کے لیے کچھ نہیں ہوگا۔ ایک آدمی اونٹوں کی قطار کی قیادت کر رہا ہے اور ایک آدمی سوار ہے اگر تمام اونٹوں پر سوار کا سامان ہے تو سب اونٹ اس کے ہوں گے اور قیادت کرنے والا مزدور ہوگا۔ اگر اونٹوں پر کوئی شے نہ ہو تو سوار کے لیے وہ اونٹ ہوگا جس پر سوار ہو اور باقی ماندہ قیادت کرنے والے کے لیے ہوں گے۔ بقر اور غنم کا معاملہ مختلف ہے۔ اس کی مکمل بحث ”خزانۃ الاکمل“ میں ہوگی۔

27840۔ (قوله: قَطِيفَةٌ) مخملی چادر۔ اس کی جمع قطائف آتی ہے اور قُطْف بھی آتی ہے جیسے صحیفہ اور صُحُف۔ گویا

دونوں قطیفہ اور صحیفہ کی جمع ہیں۔ اسی سے قطائف ہیں جنہیں کھایا جاتا ہے۔ ”صحاح الجوهری“۔ حاشیہ میں اسی طرح ہے۔

27841۔ (قوله: وَآخَرُ مُنْسِكٌ) ظاہر یہ ہے کہ اس سے مراد دفنہ کو پکڑنے والا ہے۔ دفنہ کشتی کے لیے ایسی حیثیت

میں ہوتا ہے جو دابہ کے لیے لگام کی ہوتی ہے۔

27842۔ (قوله: بِخِلَافِ الْبَقَرِ وَالْغَنَمِ) ”المنح“ میں کہا: اگر وہ جانور گائے یا بھیڑ بکریاں ہوں جن کی تہبانی دو

آدمی کر رہے ہوں گے۔ مگر جب ایک آدمی اپنے ساتھ ایک بکری لے جا رہا ہو تو وہ اکیلی بکری اس کی ہوگی۔ ”ح“۔ ”حاشیہ“ میں اسی طرح ہے۔

فرع: ایک آدمی نے دھوبی کو کپڑے کے چار ٹکڑے دیئے تاکہ وہ ان کو دھو دے جب وہ آدمی فارغ ہو تو دھوبی نے مالک سے کہا: میری طرف کوئی آدمی بھیجتا کہ میں تیرے لیے انہیں حوالے کر دوں قاصد تین ٹکڑے لایا دھوبی نے کہا: میں نے تیری طرف چار ٹکڑے بھیجے ہیں۔ قاصد نے کہا: تو نے مجھے دیئے اور انہیں مجھ پر شمار نہیں کیا تو کپڑے کے مالک سے کہا

جائے گا دونوں میں سے جس کی چاہو تصدیق کرو۔ اگر اس مالک نے قاصد کی تصدیق کی تو وہ دعویٰ سے بری ہو جائے گا اور قسم دھوبی پر لازم ہو جائے گی۔ اگر وہ قسم اٹھا دے تو وہ بری ہو جائے گا۔ اگر وہ قسم اٹھانے سے انکار کر دے تو اس پر ضمان واجب ہو جائے گی۔ اسی طرح اگر اس نے دھوبی کی تصدیق کر دی تو وہ بری ہو جائے گی اور قسم قاصد پر لازم ہو جائے گی اور اس پر دھوبی کی اجرت لازم ہو جائے گی جب دھوبی نے اس پر قسم اٹھائی یا کپڑے کے مالک اس کی تصدیق کر دے۔ کیونکہ جب دھوبی قسم اٹھا دے تو اس کے گمان میں یہ ہے کہ اس نے چار ٹکڑے دیئے تھے پس وہ اس سے لے گا۔ ”ولو لو البجیہ“ الفصل الثانی۔

فَصْلٌ فِي دَفْعِ الدَّعَاوَى

لَهَا قَدَّمَ مَنْ يَكُونُ خَصْمًا ذَكَرَ مَنْ لَا يَكُونُ (قَالَ ذُو الْيَدِ هَذَا الشَّيْءُ الْمُدَّعَى مَنْقُولًا كَانَ أَوْ عَقَارًا
(أَوْ دَعْنِيهِ أَوْ أَعَارَنِيهِ أَوْ آجَرَنِيهِ أَوْ رَهَنَنِيهِ زَيْدُ الْغَائِبِ أَوْ غَضَبْتُهُ مِنْهُ) مِنْ الْغَائِبِ

دعوؤں کو رد کرنے کے احکام

جب پہلے ان کا ذکر کیا جو خصم ہوتا ہے اب ان کا ذکر کیا ہے جو خصم نہیں ہوتا۔ قابض نے کہا: ہر شے جس پر دعویٰ کیا گیا ہے وہ چیز منقول ہو یا جائیداد ہو مجھے فلاں نے ودیعت کی ہے، مجھے عاریۃ دی ہے، مجھے اجرت پردی ہے یا زید جو غائب ہے اس نے میرے پاس رہن رکھی ہے یا میں نے فلاں غائب سے اسے غصب کیا ہے

27543۔ (قولہ: أَوْ دَعْنِيهِ) ان کے قول او دعنیہ اور اس کے بعد جو قول ہے اس کا ظاہر معنی اس امر کا فائدہ دیتا ہے کہ تمام شے کے ودیعت رکھنے کا دعویٰ کرنا ضروری ہے جب کہ معاملہ اس طرح نہیں ہے۔ کیونکہ ”الاختیار“ میں ہے: اگر وہ کہے: نصف میرا ہے اور نصف میرے پاس فلاں کا ودیعت ہے اور اس پر گواہیاں قائم کر دیں تو وہ دعویٰ سب میں ختم ہو جائے گا کیونکہ تمیز کرنا متعذر ہے۔ ”بحر“۔

اس میں یہ بھی ہے: مولف نے یہ بیان کیا: اگر وہ جواب دیتے یہ مال میرا نہیں یہ مال فلاں کا ہے اور اس پر کچھ اضافہ نہ کرے تو یہ دعویٰ کارڈ نہیں ہوگا۔ یہ قید لگائی ہے کہ جو کچھ ذکر کیا ہے اس میں دعویٰ کے رد پر اکتفا کیا ہے۔ کیونکہ یہ اس سے احتراز کرنا مقصود ہے جب وہ یہ زائد کرے اور کہے: میرا یہ گمان تھا میں نے اسے فلاں کے ہاتھ بیچا تھا اور اس نے اس پر قبضہ کیا تھا پھر اس نے مجھے وہ ودیعت کر دیا تھا یا اس نے مہ اور اسے قبضہ میں لینے کا ذکر کیا تو دعویٰ رد نہیں ہوگا مگر جب مدعی اس کا اقرار کرے یا قاضی کو اس کا علم ہو۔

27844۔ (قولہ: أَوْ رَهَنَنِيهِ زَيْدٌ) یہاں اسم علم کا ذکر کیا ہے کیونکہ اگر وہ یہ کہے: یہ مال مجھے ایسے آدمی نے ودیعت کیا جسے میں نہیں پہچانتا تو دعویٰ رد نہیں ہوگا۔ پس دعویٰ کو رد کرنے کے لیے غائب کی تعیین ضروری ہے۔ شہادت میں معصومانہ طریقہ ہے جس طرح شارح اس کا ذکر کرتے ہیں۔ اگر وہ مجہول کا دعویٰ کرے اور گواہ معین کے بارے میں گواہی دیں یا اس کے برعکس معاملہ ہو تو دعویٰ ختم نہیں ہوگا۔ ”بحر“۔

اس میں ”خزانۃ الاکمل“ اور ”الحنیۃ“ سے مروی ہے: اگر مدعی اقرار کرے کہ ایک آدمی نے اسے یہ چیز دی ہے اور وہ اس کے متعلق اس کے اقرار پر گواہی دے دیں تو ان کے درمیان کوئی خصومت نہ ہوگی۔ اس میں ہے: غائب میں مطلق قول کیا ہے پس یہ اسے بھی شامل ہوگا جو بعید ہو اور معروف ہو جس تک پہنچنا متعذر ہو یا وہ قریب ہو جس طرح ”الخلاصہ“ اور

(وَبَرَهَنَ عَلَيْهِ) عَلَى مَا ذَكَرَ وَالْعَيْنُ قَائِمَةٌ لَا هَالِكَةَ وَقَالَ الشُّهُودُ نَعْرِفُهُ بِاسْمِهِ وَنَسَبِهِ أَوْ بِوَجْهِهِ وَشَرَطَ مُحَمَّدٌ مَعْرِفَتَهُ بِوَجْهِهِ أَيْضًا

اور جو کچھ ذکر کیا تھا اس پر گواہیاں قائم کر دیں جب کہ وہ چیز موجود ہے ہلاک نہیں ہوئی گواہوں نے کہا: ہم اسے اس کے نام، اس کے نسب یا اس کے چہرے سے پہچانتے ہیں امام ”محمد“ رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے چہرے سے اس کی پہچان کی شرط لگائی ہے ”البرزازیہ“ میں ہے۔

27845۔ (قوله: عَلَى مَا ذَكَرَ) لیکن اس نے جس چیز کا دعویٰ کیا ہے اس کے عین کے ساتھ مطابقت شرط نہیں۔ کیونکہ ”خزانۃ الاكمل“ میں ہے: اگر وہ لوگ یہ گواہی دیں کہ فلاں نے اسے یہ چیز دی ہے اور ہم نہیں جانتے کہ وہ کون ہے تو اس کے درمیان کوئی خصومت نہیں ہوگی اور برہان کے ساتھ انہوں نے حجت کے پائے جانے کا ارادہ کیا ہے خواہ وہ مدعی علیہ دلیل قائم نہ کرے اور مدعی کی قسم کا مطالبہ کرے قاضی اس سے اس قسم کا مطالبہ کرے گا۔ اگر وہ آگاہ ہونے پر قسم اٹھائے تو وہ خصم ہوگا اگر وہ قسم اٹھانے سے انکار کر دے تو خصومت نہیں ہوگی جس طرح ”خزانۃ الاكمل“ میں ہے۔ ”بحر“۔

27846۔ (قوله: وَالْعَيْنُ قَائِمَةٌ) ان کے قول هذا الشيء میں جو اشارہ ہے اس اشارہ سے تفسید اخذ کی گئی ہے۔ کیونکہ اشارہ حسیہ میں صرف اس موجود کی طرف ہوتا ہے جو خارج میں موجود ہو جس طرح ”البحر“ میں اسے بیان کیا ہے جس سے احتراز کیا گیا اس کا ذکر عنقریب آئے گا۔

”حاشیہ“ میں کہا: ایک غلام ایک آدمی کے ہاتھ میں ہلاک ہو گیا ایک آدمی نے گواہیاں قائم کر دیں کہ وہ اس کا غلام ہے جس کے قبضہ میں غلام فوت ہوا اس نے یہ گواہیاں قائم کر دیں فلاں نے اسے یہ غلام ہبہ کیا تھا یا اسے غصب کیا یا اس نے اجرت پر دیا تو اسے قبول نہ کیا جائے گا جب کہ وہ خصم ہوگا وہ اس پر دین کا دعویٰ کرے گا اور دین کو ودیعت کرنا ممکن نہیں ہوتا پھر جب غائب حاضر ہو اور ودیعت رکھنے، اجرت پر دینے اور رہن رکھنے میں اس کی تصدیق کر دے گا تو خصم نے مدعی کے لیے جس چیز کی ضمانت دی تھی وہ اس سے واپس لے لے گا۔ مگر جب وہ غاصب ہو تو وہ واپسی کا مطالبہ نہیں کرے گا۔ ادھر میں معاملہ اسی طرح ہے۔ یہاں غلام کا بھاگ جانا ہلاک ہونے کی طرح ہے۔ اگر کسی روز غلام واپس آ جائے تو یہ غلام اس کا ہوگا جس پر ضمان واقع ہوئی تھی۔

27847۔ (قوله: نَعْرِفُهُ) یعنی ہم غائب کو پہچانتے ہیں۔

27848۔ (قوله: أَوْ بِوَجْهِهِ) ”امام صاحب“ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک گواہوں کا اسکے چہرے سے پہچاننا کافی ہے، ”برزازیہ“۔

27849۔ (قوله: وَشَرَطَ مُحَمَّدٌ) اختلاف کا محل اس میں ہے جب خصم اسم اور نسب کی تعیین کے ساتھ دعویٰ کرے

اور دونوں گواہ اس کے حق میں مجہول فرد کے بارے میں گواہی دیں۔ لیکن ”صاحبین“ رحمۃ اللہ علیہما نے کہا: ہم اس کو اس کے چہرے سے پہچانتے ہیں۔ مگر جب مدعی مجہول کے بارے میں دعویٰ کرے تو بالا جماع گواہی قبول نہ کی جائے گی۔ ”خصاف“ کی ”شرح ادب القضاء“ میں اسی طرح ہے۔

فَلَوْ حَلَفَ لَا يَعْرِفُ فَلَانَا وَهُوَ لَا يَعْرِفُهُ إِلَّا بِوَجْهِهِ لَا يَحْنُثُ ذَكَرَهُ الزَّيْلَعِيُّ وَفِي الشُّرُئْبِلَالِيَّةِ عَنْ خَطِّ
الْعَلَّامَةِ الْمُقَدِّسِيِّ عَنِ الْبَزَّازِيَّةِ أَنَّ تَعْوِيلَ الْأَثْنَةِ عَلَى قَوْلِ مُحَمَّدٍ فَلْيُحْفَظْ (دُفِعَتْ خُصُومَةُ الْمُدَّعَى)
لِلْمَلِكِ الْمُطْلَقِ لِأَنَّ يَدَ هَؤُلَاءِ لَيْسَتْ يَدَ خُصُومَةٍ وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ إِنَّ عُرْفَ ذُو الْيَدِ

اگر وہ قسم اٹھائے وہ فلاں کو نہیں پہچانتا جب کہ وہ اس کو اس کے چہرے سے پہچانتا ہے تو وہ حانت نہیں ہوگا۔ ”زیلعی“ نے
اسے ذکر کیا ہے۔ ”شرئبلائیہ“ میں علامہ ”مقدسی“ کی ”بزازیہ“ سے منقول ایک تحریر ہے۔ ائمہ کا اعتماد امام ”محمد“ رحمۃ اللہ علیہ کے
قول پر ہے پس اسے یاد رکھا جانا چاہیے۔ ملک مطلق کی وجہ سے مدعی کی خصومت رد کر دی جائے گی۔ کیونکہ ان لوگوں کا قبضہ
خصومت کا قبضہ نہیں۔ امام ”ابو یوسف“ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: اگر قابض

اگر کسی نے قسم اٹھائی کہ وہ فلاں کو نہیں پہچانتا جب کہ وہ اسے چہرے سے پہچانتا ہو تو وہ حانت نہیں ہوگا
27850۔ (قوله: فَلَوْ حَلَفَ) یہ امر مخفی نہیں کہ یہ تفریع ظاہر نہیں۔ یہ کہنا زیادہ بہتر ہے: امام ”محمد“ رحمۃ اللہ علیہ نے صرف
چہرے کی پہچان پر اکتفا نہیں کیا۔ اس پر ”زیلعی“ کا قول دلالت کرتا ہے: صرف چہرے سے معرفت، معرفت نہیں ہوتی۔ کیا
آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کی طرف نہیں دیکھتے: اتعرف فلانا؟ کیا تو فلاں کو پہچانتا ہے؟ عرض کی: جی ہاں۔ فرمایا: کیا
تو اس کا نام اور نسب جانتا ہے؟ عرض کی: نہیں۔ فرمایا: اذا لا تعرفہ پھر تو اسے نہیں پہچانتا۔ اسی طرح اگر وہ قسم اٹھا دے۔
27851۔ (قوله: عَنِ الْبَزَّازِيَّةِ) ”بحر“ میں اس سے نقل کیا ہے۔

ملک مطلق کی وجہ سے مدعی کی خصوصیت رد کر دی جائے گی کیونکہ ان لوگوں کا قبضہ خصومت کا قبضہ نہیں
27852۔ (قوله: دُفِعَتْ خُصُومَةُ الْمُدَّعَى) یعنی قاضی اس کے رد کرنے کا حکم دے دے گا۔ اور اس کا یہ فائدہ
بیان کیا ہے: اگر مدعی دوسرے قاضی کے ہاں دعویٰ کا اعادہ کرے تو مدعی علیہ دوبارہ اس کے دفاع کا محتاج نہیں ہوگا۔ بلکہ پہلے
قاضی کا حکم ثابت رہے گا جس طرح علماء نے اس کی تصریح کی ہے ان کے قول دفعۃ کا ظاہر معنی یہ ہے کہ وہ مدعی کے لیے یہ
قسم نہیں اٹھائے گا کہ مدعی علیہ پر اس کا سپرد کرنا لازم نہیں۔ میں نے اس وقت تک اسے نہیں دیکھا، ”بحر“۔ اس میں اعتراض
کی گنجائش ہے۔ کیونکہ وہ دلیل قائم ہونے کے بعد کیسے قسم اٹھائے گا؟ جہاں تک اس سے پہلے کا تعلق ہے تو ”بزازیہ“ سے نقل
کیا ہے: وہ حتمی قسم اٹھائے گا تحقیق اس نے اسے یہ چیز ودیعت کی ہے۔ صرف جاننے پر قسم نہیں اٹھائے گا۔ پھر ”ذخیرہ“ سے
نقل کیا ہے: وہ قسم نہیں اٹھائے گا کیونکہ وہ ودیعت رکھنے کا دعویٰ کرتا ہے اگر وہ قسم اٹھا دے تو خصومت رفع نہ ہوگی۔ بلکہ مدعی
علم نہ ہونے پر قسم اٹھائے گا۔

27853۔ (قوله: لِلْمَلِكِ الْمُطْلَقِ) ملک مطلق میں سے وقف کا دعویٰ اور وقف کے منافع کا دعویٰ ہے جس طرح
”البحر“ میں آنے والی فصل کے آغاز میں اس کی وضاحت کی ہے۔ ”البحر“ میں کہا: مولف رحمۃ اللہ علیہ نے مدعی کے دعویٰ کی صورت
کا ذکر نہیں کیا اور اس کے ساتھ یہ ارادہ کیا کہ مدعی نے عین میں ملک مطلق کا دعویٰ کیا اور قابض پر فعل کا دعویٰ نہ کیا اس کی دلیل

بِالْحِيلِ لَا تَنْدَفِعُ وَبِهِ يُؤْخَذُ مُلْتَقَى وَاخْتَارَ فِي الْمُخْتَارِ وَهَذِهِ مُحَخَّسَةُ كِتَابِ الدَّعْوَى، لِأَنَّ فِيهَا أَقْوَالَ خَمْسَةِ عُلَمَاءَ كَمَا بَسَطَ فِي الدَّرَرِ أَوَّلًا صَوَرَهَا خَمْسَ عَيْنِي وَغَيْرُهُ

حیلہ کرنے میں معروف ہو تو خصومت مندفع نہ ہوگی۔ اسی کو اخذ کیا جاتا ہے ”ملتقی“۔ ”المختار“ میں اسے اختیار کیا ہے یہ کتاب الدعوی کا خمسہ ہے۔ کیونکہ اس میں پانچ علما کے اقوال ہیں جس طرح ”الدرر“ میں اسے تفصیل سے بیان کیا ہے یا اس کی پانچ صورتیں ہیں، ”عینی“ وغیرہ۔

وہ آنے والے مسائل ہیں جو ان کے مقابل ہیں۔ مدعی علیہ کے جواب کا حاصل یہ ہے: مدعی علیہ نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ ان کا قبضہ امانت کا قبضہ ہے یا ضمانت کا قبضہ ہے اور ملکیت کسی اور کی ہے اور مدعی کی برہان کا ذکر نہ کیا جب کہ اس کے بغیر کوئی چارہ کار نہیں۔ کیونکہ یہ معروف ہو چکا ہے کہ جو قابض نہیں ہوتا اس سے برہان کا مطالبہ کیا جاتا ہے اور مدعی علیہ اس سے پہلے دفاع کا محتاج نہیں ہوتا۔ اس کا حاصل یہ ہے: مدعی جب ملک مطلق کا اس چیز کے بارے میں دعویٰ کرے جو مدعی علیہ کے قبضہ میں ہے تو مدعی علیہ اس کا انکار کر دے اور مدعی سے برہان کا مطالبہ کرے اور مدعی نے برہان قائم کر دی اور قاضی نے اس کے مطابق فیصلہ نہ کیا یہاں تک کہ مدعی علیہ اس کا رد کر دے جس کا ذکر کیا گیا اور دفاع پر برہان قائم کر دے۔

اگر قابض حیلہ کرنے میں معروف ہو تو خصومت مندفع نہ ہوگی

27854۔ (قوله: بِالْحِيلِ) اس کی صورت یہ ہے: وہ کسی انسان کا مال غصب کے طریقہ پر لے لے پھر وہ مال خفیہ

طریقہ سے اس آدمی کے حوالے کر دے جو سفر کا ارادہ رکھتا ہو اور وہ گواہوں کی گواہی کے ساتھ اسے ودیعت رکھ دے یہاں تک کہ جب مالک آئے اور اس مال میں اپنی ملکیت کا ارادہ کرے تو قابض اس امر پر گواہیاں قائم کر دے کہ فلاں آدمی اس کے پاس ودیعت رکھ گیا ہے پس اس کا حق باطل ہو جائے گا۔ ”الدرر“ میں اسی طرح ہے۔ ”ح“۔

27855۔ (قوله: فِي الْمُخْتَارِ) ”المعراج“ میں ہے: امام ”ابو یوسف“ رحمہ اللہ نے اس کی طرف رجوع کیا جب

انہیں قضا کا فریضہ سو پنا گیا اور آپ نے لوگوں کے اموال کو پہچانا تو کہا: لوگوں میں سے چالباڑ ایک انسان بطور غصب کے کوئی چیز لیتا ہے پھر جو آدمی سفر کا ارادہ کرتا ہے اس کے حوالے کر دیتا ہے یہاں تک کہ وہ اس کے پاس گواہوں کی گواہی کے ساتھ ودیعت رکھ دیتا ہے یہاں تک کہ جب مالک اس کے پاس آئے اور یہ ارادہ کرے کہ وہ اپنی ملکیت کو ثابت کرے تو قابض گواہیاں قائم کر دے کہ فلاں شخص یہ مال اس کے پاس ودیعت رکھ گیا ہے پس اس کا حق باطل ہو جائے گا اور خصومت ختم ہو جائے گی۔ ”المبسوط“ میں اسی طرح ہے۔

27856۔ (قوله: كَمَا بَسَطَ فِي الدَّرَرِ) یہاں ہمارے تینوں اقوال کا ذکر کیا۔ چوتھا قول ”ابن شبرمہ“ کا ہے۔ وہ یہ

ہے کہ خصومت مطلقاً اس سے ختم نہ ہوگی۔ پانچواں قول ”ابن ابی لیلی“ کا ہے وہ خصومت بینہ کے بغیر ختم ہو جائے گی۔ کیونکہ وہ غائب کے لیے ملکیت کا اقرار کر رہا ہے۔ ”س“۔

قُلْتُ وَفِيهِ نَظْرًا إِذْ الْحُكْمُ كَذَلِكَ لَوْ قَالَ وَكُنِّي صَاحِبُهُ بِحِفْظِهِ، أَوْ أَسْكَنِي فِيهَا زَيْدٌ الْغَائِبُ أَوْ سَرَقْتَهُ مِنْهُ أَوْ انْتَزَعْتَهُ مِنْهُ أَوْ ضَلَّ مِنْهُ فَوَجَدْتَهُ بَحْرًا أَوْ هِيَ فِي يَدِي مُزَارَعَةٌ بَزَازِيَّةٌ فَالضُّوْرُ إِحْدَى عَشْرَةَ قُلْتُ لَكِنْ الْحَقُّ فِي الْبَزَازِيَّةِ الْمُزَارَعَةُ بِالْإِجَارَةِ أَوْ الْوَدِيعَةُ قَالَ فَلَا يُزَادُ عَلَى الْخَمْسِ وَقَدْ حَرَّرْتَهُ فِي شَرْحِ الْمُلْتَقَى (وَإِنْ) كَانَ هَالِكًا أَوْ قَالَ الشُّهُودُ أَوْ دَعَاهُ مَنْ لَا نَعْرِفُهُ

میں کہتا ہوں: اس میں اعتراض کی گنجائش ہے۔ کیونکہ حکم اسی طرح ہوگا اگر وہ کہے: اس کے مالک نے مجھے اس کی حفاظت کا وکیل بنایا ہے یا اس میں غائب زید نے رہائش دی ہے یا میں نے اس سے چوری کیا ہے یا میں نے اس سے چھینا ہے یا یہ اس سے گم ہو گیا تھا تو میں نے اسے پایا ہے، ”بحر“۔ یا یہ میرے قبضہ میں مزارعت کے طریقہ پر ہے، ”بزازیہ“۔ صورتیں گیارہ بنتی ہیں۔ میں کہتا ہوں: لیکن ”بزازیہ“ میں مزارعت کو اجارہ یا ودیعت کے ساتھ لاحق کیا ہے کہا: پس یہ پانچ سے زائد نہ ہوگی۔ میں نے اس کی وضاحت ”شرح الملتقی“ میں کی ہے۔ اگر وہ چیز جس کے بارے میں دعویٰ کیا گیا ہے وہ ہلاک ہو چکی ہو یا گواہوں نے کہا: اس نے اس کے پاس ودیعت رکھی جس کو ہم نہیں پہچانتے

27857۔ (قوله: وَفِيهِ نَظْرًا) اس میں اعتراض یہ ہے۔ کیونکہ دکنی، او دعنیہ کی طرف راجع ہے، اسکنی، اعدنیہ کی طرف راجع ہے۔ سرقتہ یہ غصبتہ منہ کی طرف راجع ہے۔ ضل منہ فوجدتہ، او دعنیہ کی طرف راجع ہے ہی فی یدی مزارعة، الاجارہ کی طرف یا الودیعة کی طرف راجع ہے۔ پس یہ پانچ سے زائد نہ ہوگا۔ ”حاشیہ“ میں اسی طرح ہے۔

27858۔ (قوله: بَحْرًا) ”البحر“ میں اس کے بعد ذکر کیا جس کی نص یہ ہے: پہلے دونوں امانت کی طرف راجع ہیں۔ آخری تین ضمانت کی طرف راجع ہیں اگر وہ آخری میں گواہ نہ بنائے۔ ورنہ امانت کی طرف راجع ہیں۔ پس صورتیں دس بنتی ہیں اس سے یہ معلوم ہو گیا کہ صورتیں پانچ میں منحصر نہیں۔

یہ امر مخفی نہیں کہ جو زائد ذکر کیا ہے اس کے مذکورہ کی طرف لوٹنے کے بعد منحصر نہ ہونے کے اعتراض کا محل نہ رہا۔ تامل

27859۔ (قوله: أَوْ هِيَ فِي يَدِي) ان کی کلام کا مقتضایہ ہے: یہ عبارت ”البحر“ میں نہیں اور جو اس کے بعد مذکور ہے وہ اس میں ہے۔ ”ح“۔

27860۔ (قوله: أَلْحَقَّ) یہ ماضی کا صیغہ ہے۔

27861۔ (قوله: قَالَ) ”بزازیہ“ میں کہا۔

27862۔ (قوله: فَلَا يُزَادُ) مزارعت کا وہ مسئلہ زائد نہیں کیا جائے گا جو ”بزازیہ“ نے زائد ذکر کیا ہے۔ ”البحر“ میں جو کچھ ہے اس سے تو جان چکا ہے کہ باقی ماندہ بھی زائد نہیں کیا جائے گا۔

27863۔ (قوله: وَقَدْ حَرَّرْتَهُ الْخ) کیونکہ انہوں نے اپنے قول غصبتہ منہ کو اپنے قول ولو حکما کے ساتھ عام

أَوْ أَقَرَّ ذُو الْيَدِ بِيَدِ الْخُصُومَةِ كَأَنَّ (قَالَ) ذُو الْيَدِ (اشْتَرَيْتَهُ) أَوْ أَتَهَبْتَهُ (مِنْ الْغَائِبِ أَوْ) لَمْ يَدَّعِ الْمِلْكَ الْمُبْتَاعَ بَلْ ادَّعَى عَلَيْهِ الْفِعْلَ بِأَنَّ (قَالَ الْمُدَّعِي غَضَبْتَهُ) مِثْنِي

یا قابض نے خصومت کے قبضہ کا اقرار کر لیا۔ اس کی صورت یہ ہے کہ قابض کہے: میں نے غائب سے اسے خریدا ہے یا اس سے میں نے ہبہ لیا ہے یا ملک مطلق کا دعویٰ نہیں کیا بلکہ اس پر فعل کا دعویٰ کیا۔ اس کی صورت یہ ہے کہ مدعی نے کہا: تو نے اسے مجھ سے غصب کیا ہے

کر دیا ہے اور اس میں اپنے قول سرقتہ منہ او انتزغنه منہ کو داخل کر دیا ہے۔ اسی طرح انہوں نے اپنے قول او دعنیہ کو اپنے قول ولو حکما کے ساتھ عام کر دیا ہے اور اس میں باقی ماندہ چار کو داخل کر دیا ہے۔

یہ امر مخفی نہیں کہ وہ یہاں سے زیادہ احسن صورت میں واضح ہے۔ کیونکہ یہاں اعتراض کا ذکر کیا اور اس کا جواب نہ دیا مگر مزارعہ کے مسئلہ میں جواب دیا ہے۔ پس اس انداز نے یہ وہم دلایا کہ اس کے علاوہ جو مسائل ہیں ان سے خارج ہیں جن کا علماء نے ذکر کیا ہے جب کہ وہ اس میں داخل ہیں جس طرح تو (مقولہ 27857 میں) جان چکا ہے۔ فافہم

27864۔ (قوله: أَوْ أَقَرَّ ذُو الْيَدِ) اگر اسکے بعد اس نے ودیعت پر دلیل قائم کی تو اسے نہیں سنا جائے گا، ”بزازیہ“۔

27865۔ (قوله: قَالَ ذُو الْيَدِ) اس کا حاصل یہ ہے: مدعی نے عین میں ملک مطلق کا دعویٰ کیا مدعی علیہ نے اس کا انکار کیا مدعی نے ملک پر دلیل قائم کی قابض نے اس کا رد اس طرح کیا کہ کہا: اس نے یہ فلاں غائب سے خریدا ہے اور اس پر دلیل قائم کر دی تو خصومت مندفع نہ ہوگی یعنی قاضی مدعی کے دلیل کے ساتھ فیصلہ کر دے گا۔ کیونکہ اس نے جب گمان کیا کہ اس کا قبضہ ملک کا قبضہ ہے تو اس نے اعتراف کر لیا کہ وہ خصم ہے، ”بحر“۔ اس میں ”زیلعی“ سے مروی ہے: جب اس مسئلہ میں خصومت مندفع نہ ہوگئی اور غیر قابض نے گواہیاں قائم کر دیں تو اس کے حق میں فیصلہ کر دیا جائے گا۔ پھر وہی شخص آیا جس کے حق میں اقرار کیا گیا تھا جب کہ وہ غائب ہے اور اس نے دلیل قائم کر دی تو اس کی گواہیاں قبول کی جائیں گی۔ کیونکہ غائب ایسا شخص نہیں جس کے خلاف فیصلہ کیا گیا ہو یہ تو خاص کر قابض کے خلاف فیصلہ کیا گیا ہے۔

27866۔ (قوله: اشْتَرَيْتَهُ) اگرچہ وہ خریداری فاسد ہو قبضہ کے ساتھ ہو۔ ”بحر“۔

27867۔ (قوله: أَوْ أَتَهَبْتَهُ) اس کے ساتھ اشارہ کیا کہ شرا سے مراد مطلقاً ملکیت ہے۔

27868۔ (قوله: بَلْ ادَّعَى عَلَيْهِ) یعنی قابض کے خلاف فعل کا دعویٰ کیا اور یہ قید لگائی تاکہ غیر پر دعویٰ کرنے سے

احتراز ہو جائے۔ مدعی علیہ نے مذکورہ صورتوں میں سے ایک صورت کے ساتھ دفاع کیا اور اس پر گواہیاں پیش کر دیں تو خصومت مندفع ہو جائے گی جس طرح وہ ملک مطلق کا دعویٰ کرے جس طرح ”بزازیہ“ میں ہے، ”بحر“۔ شارح نے اس کی طرف بھی اپنے اس قول بخلاف قوله: غصب منی الخ کے ساتھ اشارہ کیا۔ لیکن ان کا قول و برہن اس کے منافی وہ قول ہے جسے ہم عنقریب ”نورالعین“ سے متن کے قول اندفعت کے ہاں (مقولہ 27885 میں) نقل کریں گے: گواہیوں کی ضرورت

(أَوْ قَالَ سُرِقَ مِنِّي) وَبَنَاءُهُ لِلْمَفْعُولِ لِلسَّيْرِ عَلَيْهِ فَكَأَنَّهُ قَالَ سَرَقْتَهُ مِنِّي بِخِلَافِ غُصَبَ مِنِّي أَوْ غَضَبَهُ مِنِّي فَلَا تُغَائِبُ كَمَا سَيَجِيءُ حَيْثُ تَنْدَفِعُ وَهَلْ تَنْدَفِعُ بِالنَّصَدِرِ الصَّحِيحِ لَا بَرَّازِيَّةً (وَقَالَ ذُو الْيَدِ) فِي الدَّفْعِ (أَوْ دَعْنِيهِ فَلَا تُؤْبِرْهُنَ عَلَيْهِ) لَا تَنْدَفِعُ فِي الْكُلِّ لِمَا قُلْنَا

یا اس نے کہا: مجھ سے چوری کر لیا گیا اس کی پردہ پوشی کی غرض مجھول صیغہ بنایا گیا۔ گویا اس نے کہا: تو نے اسے مجھ سے چوری کیا ہے۔ غصب منی اور غصبہ منی فلان الغائب کا معاملہ مختلف ہے۔ جس طرح عنقریب آئے گا اس وقت خصومت مندفع ہو جائے گی کیا مصدر ذکر کرنے کے ساتھ خصومت ختم ہو جائے گی؟ صحیح قول یہ ہے کہ ایسا نہیں ہوگا، ”برازیہ“۔ قابض نے خصومت کا دفاع کرتے ہوئے کہا: فلاں نے مجھے یہ چیز ودیعت کی ہے اور اس پر گواہیاں قائم کر دیں تو سب میں خصومت ختم نہ ہوگی اس کی دلیل وہی ہے جسے ہم ذکر کر چکے ہیں۔

نہیں۔ اسی طرح اس شرا کا مسئلہ ہے جس کا مصنف ذکر کریں گے۔ یہ متون کا مسئلہ ہے۔

27869۔ (قوله: أَوْ قَالَ سُرِقَ مِنِّي) غصب اور سرقة کا ذکر ایک تمثیل ہے۔ مراد اس پر ایک فعل کا دعویٰ ہے۔ اگر مدعی کہے: میں نے تجھے وہ چیز ودیعت کے طور پر دی تھی۔ میں نے وہ چیز تجھ سے خریدی تھی اور قابض اس طریقہ سے گواہی قائم کر دے جس طرح ہم نے (مقولہ 27865 میں) ذکر کیا ہے، جو اس کے حق میں ملک رقبہ کا فائدہ نہ دے تو خصومت مندفع نہ ہوگی، ”برازیہ“ میں اسی طرح ہے، ”بحر“۔ زیادہ بہتر یہ قول ہے۔ فان قال

27870۔ (قوله: وَبَنَاءُهُ) جب وہ فعل معروف کا صیغہ ذکر کرے تو بدرجہ اولیٰ اس کا حکم معلوم ہو جائے گا۔ ”بحر“۔

27871۔ (قوله: الصَّحِيحُ لَا) میں کہتا ہوں، یہ مذکورہ حکم غصب میں ہے تو سرقة میں حکم کیسا ہے؟ واجب ہے کہ خصومت بدرجہ اولیٰ مندفع نہ ہو۔ جس طرح مجھول کے صیغہ میں ہے۔ یہ امر ظاہر ہے۔ تامل۔ ”رملی علی المنع“۔

27872۔ (قوله: بَرَّازِيَّةٌ) کہا: اس نے یہ دعویٰ کیا کہ یہ اس کی ملکیت ہے جب کہ وہ اس کے قبضہ میں غصب تھی قابض نے ودیعت رکھنے پر گواہیاں قائم کر دیں ایک قول یہ کیا گیا ہے خصومت مندفع ہو جائے گی۔ کیونکہ اس نے اس پر فعل کا دعویٰ نہیں کیا۔ صحیح قول یہ ہے کہ خصومت مندفع نہ ہوگی۔ ”بحر“۔ ”س“۔

27873۔ (قوله: وَبَرَّازِيَّةٌ عَلَيْهِ) برہان سے گواہیاں قائم کرنا مراد لیا ہے۔ پس اقرار اس سے خارج ہو جائے گا کیونکہ ”برازیہ“ میں ”ذخیرہ“ کی طرف منسوب ہے: جو خصم اس طریقہ سے بنا ہو کہ اس پر ایک فعل کا دعویٰ کیا گیا اور وہ مدعی کے اقرار پر یہ گواہیاں قائم کرے کہ ایک غائب آدمی نے اسے یہ چیز ودیعت دی تو خصومت مندفع ہو جائے گی۔ اگرچہ ودیعت رکھنے پر گواہیاں قائم کرنے سے مندفع نہ ہوگی۔ کیونکہ مدعی کا یہ اقرار ثابت ہے کہ اس کا قبضہ خصومت کا قبضہ نہیں۔ ”بحر“۔

27874۔ (قوله: لِمَا قُلْنَا) یعنی مدعی نے اس پر فعل کا دعویٰ کیا۔ ”حاشیہ“ میں اسی طرح ہے۔ جہاں تک متن کے دونوں مسئلوں کا تعلق ہے تو پہلے کی علت کی طرف اپنے اس قول کے ساتھ اشارہ کیا: یا قابض نے یہ خصومت کا اقرار کیا۔ اور

(قَالَ فِي غَيْرِ مَجْلِسٍ الْحُكْمُ إِنَّهُ مَلَكَی ثُمَّ قَالَ فِي مَجْلِسِهِ إِنَّهُ وَدِيعَةٌ عِنْدِي) أَوْ رَهْنٌ (مِنْ فُلَانٍ تَتَدَفَعُ مَعَ الْبُرْهَانِ عَلَى مَا ذُكِرَ وَلَوْ بَرَّهَنَ الْمُدَّعَى عَلَى مَقَالَتِهِ الْأُولَى يَجْعَلُهُ خَصْمًا وَيَحْكُمُ عَلَيْهِ) لِسَبْقِ إِقْرَارِهِ يَنْدَعُ الدَّفْعَ بَرَّازِيَّةً (وَإِنْ قَالَ الْمُدَّعَى اشْتَرَيْتَهُ مِنْ فُلَانٍ) الْغَائِبِ (وَقَالَ ذُو الْيَدِ أَوْ دَعْنِيهِ فُلَانٌ ذَلِكَ) أَيْ بِنَفْسِهِ فَلَوْ بَوَكِيلِهِ لَمْ تَتَدَفَعْ بِلَا بَيِّنَةٍ (دَفَعْتُ الْخُصُومَةَ

مجلس حکم کے علاوہ میں کہا: یہ میری ملکیت ہے۔ پھر مجلس حکم میں کہا: یہ میرے پاس ودیعت ہے یا فلاں کی جانب سے رہن ہے جس طرح ذکر کر دیا گیا۔ گواہیاں قائم کرنے کے ساتھ خصومت ختم ہو جائے گی جیسے کہ ذکر کر دیا گیا ہے۔ اگر مدعی اس کے پہلے قول پر گواہیاں قائم کر دے تو وہ اسے خصم بنائے گا اور اس پر حکم جاری کرے گا۔ کیونکہ پہلے ایسا اقرار واقع ہو چکا ہے جو دفاع کے مانع ہے، ”برازیہ“۔ اگر مدعی کہے: میں نے اسے فلاں غائب سے خریدا ہے قابض کہے: فلاں نے بذات خود یہ چیز مجھے دی ہے، اگر اس نے اپنے وکیل کے ذریعے دی ہے کا قول کیا تو گواہوں کے بغیر خصومت ختم نہ ہوگی، تو خصومت ختم ہو جائے گی

دوسرے کی علت کی طرف اپنے اس قول سے اشارہ کیا: ”اس پر فعل کا دعویٰ“ یعنی وہ خصم اس لیے بنا ہے کہ اس پر فعل کا دعویٰ کیا نہ کہ قبضہ کی وجہ سے دعویٰ کیا۔ بلکہ طلاق کے دعویٰ کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ یہ خصم ہے اس میں اس کے قبضہ کا اعتبار ہے جس طرح ”البحر“ میں ہے۔

جب وہ ہلاک ہو چکا ہو تو اس کی علت کی طرف اشارہ نہیں کیا۔ وہ یہ ہے کہ اس نے اس پر دین کا دعویٰ کیا اور اس کا محل ذمہ ہے۔ پس مدعی علیہ اپنے ذمہ کی وجہ سے خصم بن جائے گا۔ اور ان گواہوں کے ساتھ کہ وہ اس کے ہاتھ میں ودیعت ہے اس میں یہ واضح نہیں ہوتا کہ اس کے ذمہ میں جو کچھ ہے وہ غیر کے لیے ہے۔ پس خصومت مندرج نہ ہوگی جس طرح ”المعراج“ میں ہے۔ اسی طرح جب گواہ کہیں: اس کے ہاں اس نے ودیعت رکھی ہے جسے ہم نہیں پہچانتے۔ اس کی علت یہ ہے کہ انہوں نے مدعی کو اس آدمی کی طرف نہیں پھیرا جس کی مخاصمت ممکن تھی۔ اسی طرح قول کیا گیا ہے۔

27875۔ (قوله: فِي مَجْلِسِهِ) یعنی مجلس حکم میں۔

27876۔ (قوله: لِسَبْقِ إِقْرَارِهِ) سبق اقرار کی طرف مضاف ہے اور الدفع، یندع کا مفعول ہے۔

27877۔ (قوله: ذَلِكَ) یعنی جو مدعی کے کلام میں مذکور ہے۔ ”ح“۔

27878۔ (قوله: بِنَفْسِهِ) یہ ان کے قول اور دعنیہ کی تفسیر ہے ان کے قول ذلك کی تفسیر نہیں۔ ”ح“۔ ”حاشیہ“ میں

کہا: بنفسه یعنی بنفس فلان الغائب۔

27879۔ (قوله: بِلَا بَيِّنَةٍ) کیونکہ وکالت ان کے قول کے ساتھ ثابت نہیں ہوتی، ”معراج“۔ اور اس لیے بھی کہ

جس سے اس نے اسے خریدا ہے اس سے اس کا قبضہ ثابت نہیں ہوا۔ کیونکہ قابض نے اس کا انکار کیا ہے نہ ہی وکیل کی جانب

وَإِنْ لَمْ يُبْرَهَنْ، لَتَوَافَقْهُمَا أَنَّ أَصْلَ الْبَيْتِ لِلْغَائِبِ إِلَّا إِذَا قَالَ اشْتَرَيْتَهُ وَوَكَّلَنِي بِقَبْضِهِ وَبَرَهَنْ وَلَوْ
صَدَّقَهُ فِي الشَّرَاءِ لَمْ يُؤْمَرْ بِالتَّسْلِيمِ لِيَلَّا يَكُونَ قَضَاءٌ عَلَى الْغَائِبِ بِإِقْرَارِهِ وَهِيَ عَجِيبَةٌ ثُمَّ اقْتَصَارُ
الدُّرَرِ وَغَيْرِهَا عَلَى دَعْوَى الشَّرَاءِ قَيْدُ اتِّفَاقٍ فَلِذَا قَالَ (وَلَوْ أَدَّعَى أَنَّهُ لَهُ غَضَبُهُ مِنْهُ فَلَانِ الْغَائِبِ
وَبَرَهَنْ عَلَيْهِ وَزَعَمَ ذُو الْيَدِ أَنَّ هَذَا الْغَائِبَ أَوْ دَعَاهُ عِنْدَهُ انْدَفَعَتْ) لَتَوَافَقْهُمَا أَنَّ الْيَدَ لِذَلِكَ الرَّجُلِ
(وَلَوْ كَانَ مَكَانَ دَعْوَى الْغَضَبِ دَعْوَى سَرِقَةٍ

اگرچہ وہ گواہیاں قائم نہ کرے۔ کیونکہ دونوں نے یہ موافقت کی ہے کہ اصل ملکیت غائب کی ہے مگر جب وہ کہے: میں نے
اسے خریدا ہے اور مجھے اس پر قبضہ کرنے کا وکیل بنایا ہے اور اس پر گواہیاں قائم کر دیں۔ اگر وہ خریداری میں اس کی تصدیق
کرے تو اسے سپرد کرنے کا حکم نہیں دیا جائے گا تا کہ اس کے اقرار کی وجہ سے غائب پر قضا نہ ہو جب کہ یہ مسئلہ عجیب ہے۔
پھر ”الدرر“ وغیرہ کا شرا کے دعویٰ پر انحصار کرنا یہ اتفاقی قید ہے۔ اسی وجہ سے کہا: اگر مدعی نے یہ دعویٰ کیا کہ یہ مال اس کا ہے،
فلاں غائب نے اس سے یہ مال غصب کیا تھا اور اس پر گواہیاں قائم کر دیں قابض نے گمان کیا کہ اس غائب نے اس کے
پاس یہ مال ودیعت رکھا تھا تو خصومت مندرج ہو جائے گی۔ کیونکہ دونوں اس پر متفق ہیں کہ قبضہ فلاں آدمی کا ہے اگر غصب
کے دعویٰ کی جگہ سرقہ کا دعویٰ ہو

سے قبض ثابت ہوا کیونکہ مشتری نے اس کا انکار کیا ہے۔ ”بحر“۔

27880۔ (قوله: وَإِنْ لَمْ يُبْرَهَنْ) ”البنایہ“ میں ہے: اگر مدعی ودیعت رکھنے پر اس کی قسم کا مطالبہ کرے تو اس سے

حتمی امر پر قسم کا مطالبہ کیا جائے گا۔ ”بحر“۔

27881۔ (قوله: إِلَّا إِذَا قَالَ) یعنی جب مدعی کہے۔

27882۔ (قوله: اشْتَرَيْتَهُ) میں نے غائب سے اسے خریدا ہے۔ ”حاشیہ“ میں اسی طرح ہے۔

27883۔ (قوله: وَهِيَ عَجِيبَةٌ) عجب کی وجہ ظاہر نہیں۔

27884۔ (قوله: وَلَوْ أَدَّعَى الْخ) یہ مسئلہ باب عزل الوکیل سے تھوڑا پہلے متن میں گزر چکا ہے جس کی یہ علت بیان

کی گئی تھی: بانہ اقرار علی الغید، یہ غیر پر اقرار ہے۔

میں کہتا ہوں: اسی طرح اگر اس نے دعویٰ کیا کہ اس نے یہ چیز فلاں کو عاریتہ دی جس طرح علت سے ظاہر ہوتا ہے۔

”حاشیہ“ میں کہا: نسب کو ثابت کرنے میں خصم پانچ ہیں۔ وارث، وصی، جس کے لیے وصیت کی جائے، میت کا مقروض،

میت کا قرض خواہ، ”بزازیہ“۔ وراثت میں اسی طرح ہے۔ ”جامع الفصولین“۔

27885۔ (قوله: انْدَفَعَتْ) یعنی گواہوں کے بغیر خصومت مندرج ہو جائے گی۔ ”نور العین“۔

27886۔ (قوله: دَعْوَى سَرِقَةٍ لَا) یہ ان کے قول: انہ ثوبی سرقہ منی زید، یہ میرا کپڑا ہے زید نے اسے مجھ سے

لَا تَتَدَفَعُ بَزْعُمِ ذِي الْيَدِ اِيْدَاعَ ذَلِكَ الْغَائِبِ اسْتِحْسَانًا بَزَازِيَّةً وَفِي شَرْحِ الْوَهْبَانِيَّةِ لِلشُّرَيْبِلَالِيِّ لَوْ اتَّفَقَا عَلَى الْمِلْكِ لَزِيدَ كُلُّ يَدْعَى الْإِجَارَةَ مِنْهُ لَمْ يَكُنِ الثَّانِي خَصْمًا لِلأَوَّلِ عَلَى الصَّحِيحِ وَلَا لِيُدْعَى رَهْنٌ أَوْ شِرَاءٌ أَمَّا الْمُشْتَرَى فَخَصْمٌ لِلْكُلِّ فَرُوعٌ قَالَ الْمُدْعَى عَلَيْهِ لِي دَفْعٌ

تو خصومت قابض کے اس گمان سے ختم نہ ہوگی کہ فلاں غائب نے اس کے پاس ہر چیز ودیعت رکھی تھی۔ یہ بطور استحسان ہے، ”بزازیہ“۔ ”شرنبلالی“ کی ”شرح الوہبانیہ“ میں ہے: اگر دونوں زید کی ملکیت پر متفق ہو گئے اور ہر ایک اس سے اجارہ کا دعویٰ کرتا ہے تو صحیح قول کے مطابق دوسرا پہلے کا خصم نہیں ہوگا اور نہ ہی وہ دین یا شرا کے مدعی کا خصم ہوگا۔ جہاں تک مشتری کا تعلق ہے وہ سب کا خصم ہوگا۔ فروع: مدعی علیہ نے کہا: میرے پاس مدعی کے دعویٰ کو رد کرنے کی وجہ موجود ہے

چوری کیا ہے۔ قابض نے کہا: زید نے مجھے یہ ودیعت کیا تھا تو بطور استحسان خصومت مندرج نہ ہوگی۔

حقیر پر تفصیر کہتا ہے: شاید استحسان کی وجہ یہ ہے کہ غصب کا معنی ہے: حق دار قبضہ کو باطل قبضہ کے ساتھ ختم کر دینا جس طرح کتب فقہ میں مذکور ہے۔ پس غصب کے مسئلہ میں قبضہ غاصب کا ہوگا۔ سرقہ کا مسئلہ اس سے مختلف ہے۔ کیونکہ اس میں قبضہ قابض کا ہوتا ہے۔ کیونکہ شرع میں چور کا کوئی قبضہ نہیں۔ پھر یہ عبارت لاید للسارق یہ ایسا نکتہ لطیفہ ہے جس کا حسن دانش مندوں پر مخفی نہیں۔ ”نور العین“۔ یہ زیادہ بہتر ہے۔ ”ساحانی“ نے جو قول کیا ہے ضروری ہے کہ اسے اس قول پر محمول کیا جائے: سرق منی۔ مجھ سے یہ مال چوری کیا گیا۔ مگر جب وہ یہ قول کرے: ایک غائب آدمی نے مجھ سے اسے چوری کیا تو خصومت ختم ہو جائے گی۔ کیونکہ دونوں اس پر متفق ہیں کہ قبضہ غائب کا ہے اور یہ غیر قابض پر فعل کے دعویٰ کے قبیل میں سے ہو جائے گا۔ اور خصومت مندرج ہو جائے گی۔ ”الفصولین“ میں اس کی تصریح کی ہے۔ شاید قیاس و استحسان کے اعتبار سے مسئلہ میں دو قول ہیں۔

27887۔ (قوله: لَا تَتَدَفَعُ) صاحب ”البحر“ نے کہا: اس محل کی تالیف کے بعد مجھ سے ایک ایسے آدمی کے بارے میں سوال کیا گیا جس نے اپنی بہن کا سامان اس کے گھر سے لے لیا، اسے رہن رکھا اور غائب ہو گیا۔ بہن نے قابض کے خلاف اس مال کا دعویٰ کیا تو قابض نے رہن کے ساتھ جواب دیا۔

میں نے اس کا جواب دیا: اگر عورت اس کے بھائی کے غصب کا دعویٰ کرے اور قابض رہن رکھے جانے پر گواہیاں قائم کر دے تو خصومت مندرج ہو جائے گی اگر وہ چوری کا دعویٰ کرے تو خصومت ختم نہ ہوگی۔

اس کا ظاہر معنی یہ ہے: عورت نے اپنے بھائی پر چوری کا دعویٰ کیا ساتھ ہی ہم پہلے (مقولہ 27868 میں) اس سے یہ نقل کر آئے ہیں: قابض کے خلاف فعل کے دعویٰ کی قید لگانا یہ غیر پر اس کے دعویٰ سے احتراز کے لیے ہوتی ہے۔ کیونکہ اگر قابض، جن امور کا ذکر کیا گیا ہے ان میں سے کسی ایک طریقہ سے دفاع کرے اور گواہیاں قائم کر دے تو خصومت ختم ہو جائے گی۔ پس واجب ہوگا کہ اسے اس پر محمول کیا جائے کہ عورت نے یہ دعویٰ کیا کہ اس سے مال چوری کیا گیا یعنی مجہول کا صیغہ ذکر کیا تا کہ دعویٰ قابض کے خلاف ہو لیکن اس کا قول ان اخاھا اخذہ من بیتھا اس کے خلاف ہے۔ تا مل

يُنْهَلُ إِلَى الْمَجْلِسِ الثَّانِي صُغْرَى لِلْمُدَّعَى تَخْلِيفُ مُدَّعَى الْإِيْدَاعِ عَلَى الْبَيِّنَاتِ دُرَرٌ وَلَهُ تَخْلِيفُ
الْمُدَّعَى عَلَى الْعِلْمِ وَتَسَامُهُ فِي الْبَزَازِيَّةِ وَكُلَّ بِنَقْلِ أَمَّتِهِ فَبَرَهَنْتُ أَنَّهُ أَعْتَقَهَا قَبْلَ لِدَفْعِ لَا لِبَعْتِ مَا
لَمْ يَحْضُرُ الْمَوْلَى ابْنُ مَلِكٍ

تو اسے قاضی کی دوسری مجلس تک مہلت دی جائے گی۔ ”صغریٰ“۔ مدعی کو حق حاصل ہے کہ جو ودیعت رکھنے کا دعویٰ کرے اس سے حتمی امر پر قسم لے، ”درر“۔ اور جو ودیعت رکھنے کا دعویٰ کرتا ہے اسے یہ حق حاصل ہے کہ مدعی سے آگاہ ہونے پر قسم لے اس کی مکمل وضاحت ”بزازیہ“ میں ہے۔ ایک آدمی نے دوسرے کو اپنی لونڈی منتقل کرنے کا وکیل بنایا تو اس لونڈی نے گواہیاں قائم کر دیں کہ اس کے آقا نے اسے آزاد کر دیا ہے تو اس کی یہ گواہیاں دعویٰ کو رد کرنے میں قبول کی جائیں گی آزاد کرنے کے لیے قبول نہ کی جائیں گی جب تک آقا حاضر نہ ہو، ”ابن ملک“۔

27888۔ (قوله: يُنْهَلُ إِلَى الْمَجْلِسِ الثَّانِي) یعنی اس کے بعد اسے مہلت دی جائے گی جب کہ اس نے اس سے اس کے بارے میں سوال کیا ہو اور اسے یہ علم ہو چکا ہو کہ دعویٰ رد کرنے کی وجہ صحیح ہے جس طرح ہم نے تحکیم سے پہلے (مقوله 26440 میں) اس کو بیان کر دیا ہے۔

27889۔ (قوله: لِلْمُدَّعَى تَخْلِيفُ الْخ) ”الذخیرہ“ میں جو قول ہے وہ اس کے خلاف ہے۔ کیونکہ وہ تو ودیعت رکھے جانے کا دعویٰ کر رہا ہے اور مدعی پر قسم نہیں ہوتی۔ ”ح“۔ ”حاشیہ“ میں اسی طرح ہے۔
فروع: ”حاشیہ“ میں ہے: ایک آدمی نے ایک عورت سے نکاح کا دعویٰ کیا جس کا ایک خاوند ہے تو ظاہر خاوند کے حاضر ہونے کی شرط لگائی جائے گی۔ ”جامع الفصولین“۔

زمین کا جو مدعی ہو خواہ ملک کا ہو خواہ وقف کا ہو۔ سباہی (ایک بوڑھا جس کی عقل جاتی رہی ہو) اس کا خصم نہیں ہوگا۔
”خیریہ“۔ کتاب الدعویٰ۔

قاعدہ یہ ہے: ملک مطلق کا دعویٰ ساقط ہو جاتا ہے۔ جو دعویٰ سبب کے ساتھ مقید ہو وہ ساقط نہیں ہوتا۔ ”در منشی“۔
مشتری مستاجر اور مرتہن کا خصم نہیں ہوگا۔ ”جامع الفصولین“، الفصل الثالث۔

بَابُ دَعْوَى الرَّجُلَيْنِ

(تُقَدَّمُ حُجَّةٌ خَارِجَةٌ فِي مِلْكٍ مُطْلَقٍ) أَمَّا لَمْ يُذْكَرْ لَهُ سَبَبٌ كَمَا مَرَّ

دو آدمیوں کا دعویٰ کے احکام

ملک مطلق میں غیر قابض کی حجت قابض کی حجت پر مقدم ہوگی اگر دونوں میں سے ایک وقت کا ذکر کرے۔

یہ امر تجھ پر مخفی نہیں کہ یہ باب اس لیے باندھا گیا ہے کہ دو آدمی تیسرے کے خلاف دعویٰ کریں ورنہ تمام دعوے دو افراد کے درمیان ہوتے ہیں۔ اس وقت یہ مسئلہ اس کتاب کے مسائل میں سے نہیں ہوگا۔ اسی وجہ سے صاحب ”الہدایہ“ اور صاحب ”کنز“ نے اسے کتاب الدعویٰ کے اوائل میں ذکر کیا ہے۔

میں کہتا ہوں: شاید صاحب ”الدرر“ نے اسے اس مقام تک موخر کیا ہے جب کہ وہ اس میں صاحب ”الوقایہ“ کے اثر کی پیروی کر رہے ہیں تاکہ ان مسائل میں اور اس باب کے مسائل میں مناسبت متحقق ہو جائے تاکہ یہ ان مسائل کا آغاز ہو اگرچہ یہ اس باب سے نہیں۔ ”عزمی“۔

ملک مطلق میں غیر قابض کی حجت قابض کی حجت پر مقدم ہوگی

27890۔ (قولہ: حُجَّةٌ خَارِجَةٌ) جو قابض نہیں اور جو قابض ہے اگر دونوں ایک ہی فرد سے وراثت کا دعویٰ کریں تو قابض غیر قابض سے اولیٰ ہوگا جس طرح شرا میں ہے۔ یہ اس صورت میں ہے جب غیر قابض اور قابض ایک ہی جہت سے ملک پانے کا دعویٰ کریں۔ اگر وہ دو جہتوں سے ملکیت کو پانے کا دعویٰ کریں تو غیر قابض کے حق میں فیصلہ کیا جائے گا مگر جب قابض کی تاریخ پہلے کی ہو اگر دونوں ایک ہی فرد سے دعویٰ کریں تو وہاں قابض کے حق میں فیصلہ کیا جائے گا مگر جب غیر قابض کی تاریخ مقدم ہو۔ فرق ”ہدایہ“ میں موجود ہے۔

اگر دونوں میں سے ایک کی تاریخ پہلے کی ہو تو وہ زیادہ مستحق ہوگا۔ جس طرح اگر دونوں بائع حاضر ہوں اور دونوں گواہیاں پیش کریں اور دونوں تاریخ کا ذکر کریں اور دونوں میں سے ایک کی تاریخ پہلے ہو اور بیع دونوں میں سے ایک کے پاس ہو سابق کے حق میں فیصلہ کیا جائے گا، ”جامع الفصولین“۔ فصل ثامن۔ اس کی مکمل بحث اس میں ہے۔

27891۔ (قولہ: فِي مِلْكٍ مُطْلَقٍ) کیونکہ غیر قابض مدعی ہے اور گواہیاں حدیث سے مدعی کی ہوتی ہیں۔ ملک مطلق کی قید لگائی۔ یہ اس ملک مقید سے احتراز ہے جو بچہ جننے کے دعویٰ کے ساتھ ہو، اور اس مقید سے احتراز ہے جب دونوں افراد سے خریداری کا دعویٰ کریں اور دونوں میں سے ایک کی تاریخ ہے۔ کیونکہ ان صورتوں میں بالا جماع قابض کی گواہیاں قبول کی جاتی ہیں۔ جس طرح عنقریب آئے گا۔ ”درر“۔

(عَنْ حُجَّةِ ذِي الْيَدَيْنِ وَقَتَّ أَحَدَهُمَا فَقَطَّ) وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ ذُو الْوَقْتِ أَحَقُّ وَشَرَّتُهُ فِيمَا لَوْ (قَالَ) فِي دَعْوَاهُ (هَذَا الْعَبْدُ لِي غَاب عَنِّي مُنْذُ شَهْرٍ وَقَالَ ذُو الْيَدَيْنِ مُنْذُ سَنَةٍ قُضِيَ لِي الدَّعَى) لِأَنَّ مَا ذَكَرَهُ تَارِيخُ غَيْبَةِ لَا مِلْكَ فَلَمْ يُجَدْ الشَّارِخُ مِنَ الصَّرْفَيْنِ فَقُضِيَ بِبَيِّنَةِ الْخَارِجِ وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ

ملک مطلق اسے کہتے ہیں جس کا سبب ذکر نہ کیا گیا ہو۔ امام ابو یوسف رحمہ اللہ نے کہا: جس نے وقت بیان کیا وہ زیادہ حق دار ہے۔ اس کا ثمرہ اس صورت میں ظاہر ہوگا اگر کوئی آدمی اپنے دعویٰ میں کہے: یہ غلام میرا ہے مجھ سے چند ماہ سے غائب ہے اور قابض نے کہا: یہ ایک سال سے میرا ہے تو مدعی کے حق میں فیصلہ کر دیا جائے گا۔ کیونکہ اس نے جو ذکر کیا ہے وہ غائب ہونے کی تاریخ ہے ملک کی تاریخ نہیں۔ پس طرفین سے تاریخ نہ پائی گئی۔ پس غیر قابض کی گواہیوں کے مطابق فیصلہ کر دیا جائے گا۔ امام ابو یوسف رحمہ اللہ نے کہا:

جب غیر قابض اور قابض کسی چھوٹے بچے کے نسب پر گواہیاں قائم کر دیں تو اس کا حکم فرع: ”حاشیہ“ میں ہے: جب غیر قابض اور قابض کسی چھوٹے بچے کے نسب پر گواہیاں قائم کر دیں تو قابض کو مقدم سمجھا جائے گا مگر دوسلوں میں مقدم نہیں سمجھا جائے گا۔ یہ ”الخزانہ“ میں ہے۔

(۱) اگر غیر قابض اس پر گواہیاں قائم کرے کہ یہ اس کا بیٹا اس کی اس بیوی سے ہے اور یہ دونوں آزاد ہیں اور قابض یہ گواہیاں قائم کرے کہ یہ اس کا بیٹا ہے اور اس بچے کی نسبت اس کی ماں کی طرف نہ کرے تو بچہ غیر قابض کا ہوگا۔
(۲) اگر قابض ذمی ہو اور غیر قابض مسلمان ہو اور ذمی کافر گواہوں کے ساتھ دلیل قائم کرے اور غیر قابض گواہیاں قائم کرے تو غیر قابض کو مقدم کیا جائے گا خواہ وہ دو مسلمانوں کی گواہیاں پیش کرے یا کفار کی۔ اگر کافر دو مسلمانوں کی گواہی پیش کرے تو اسے مطلقاً مسلمان پر مقدم کیا جائے گا۔ ”الاشباہ“ میں کتاب الوکالہ سے تھوڑا پہلے اسے ذکر کیا گیا ہے۔

27892۔ (قوله: فَقَطَّ) فقط کے قول کے ساتھ اسے مقید کیا ہے۔ کیونکہ اگر دونوں وقت ذکر کریں تو سابق کو مقدم کیا جائے گا جس طرح عنقریب متن میں آئے گا۔ مراد یہ ہے خواہ دونوں وقت ذکر نہ کریں یا صرف دونوں میں سے ایک وقت کا ذکر کرے۔ اگر دونوں کی تاریخ برابر ہو تو غیر قابض اولیٰ ہوگا۔ زیادہ عام غرر کا قول ہے: ملک مطلق میں غیر قابض کی دہائی ہے مگر جب دونوں تاریخ بیان کریں اور قابض زیادہ سبقت رکھتا ہے۔ ”سامحانی“۔

27893۔ (قوله: قَالَ لِي دَعْوَاهُ هَذَا الْعَبْدُ لِي) مسئلہ متن میں باب بیع السلم سے تھوڑا پہلے زردچکا ہے۔

27894۔ (قوله: تَارِيخُ غَيْبَةِ) کیونکہ ان کا قول: منذ شهر غاب کے متعلق ہے یہ غیب ہونے کی قید ہے۔ اور ان کا قول: منذ سنة یہ اسی کی متعلق ہے جس کے متعلق لی ہے یعنی ملک لی منذ سنة۔ پس یہ ملک کی قید ہے اور اس کی تاریخ ہے۔ اور معتبر ملک کی تاریخ ہے۔ اور وہ دونوں جانب سے نہیں پائی گئی۔

27895۔ (قوله: وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ) یہ قول ضعیف ہے۔

يُقْضَى لِلْمُؤَرَّخِ وَلَوْ حَالَةً الْإِنْفِرَادِ وَيَنْبَغِي أَنْ يُفْتَى بِقَوْلِهِ لِأَنَّهُ أَوْفَقُ وَأَظْهَرُ كَذَا فِي جَامِعِ الْفُصُولَيْنِ
وَأَقْرَبُهُ الْمُصَنَّفُ (وَلَوْ بَرَّهَنَ خَارِجَانِ عَلَى شَيْءٍ قُضِيَ بِهِ لَهُمَا فَإِنْ بَرَّهَنَانِي) دَعْوَى (نِكَاحٍ سَقَطًا) لِتَعَدُّرِ
الْجَمْعِ لَوْحِيَّةً

جس نے تاریخ ذکر کی اس کے حق میں فیصلہ کر دیا جائے گا اگرچہ حالت انفراد میں ہو۔ چاہیے کہ ان کے قول کے مطابق فتویٰ دیا جائے۔ کیونکہ یہ زیادہ موافق اور زیادہ ظاہر ہے، ”جامع الفصولین“ میں اسی طرح ہے مصنف نے اسے ثابت رکھا ہے۔ اگر دو غیر قابض کسی شے پر گواہیاں قائم کریں تو دونوں کے حق میں فیصلہ کر دیا جائے گا۔ اگر وہ دونوں نکاح کے دعویٰ میں گواہیاں قائم کریں تو دونوں گواہیاں ساقط ہو جائیں گی۔ کیونکہ اگر وہ زندہ ہو تو دونوں کو جمع کرنا مستعذر ہے۔

27896۔ (قوله: وَلَوْ حَالَةً الْإِنْفِرَادِ) چاہیے کہ اس قول کو ساقط کر دیا جائے (مقولہ 2915)۔ کیونکہ گفتگو حالت

انفراد کے بارے میں ہے۔

27897۔ (قوله: كَذَا فِي جَامِعِ الْفُصُولَيْنِ) اسے سولہویں فصل میں ذکر کیا کیونکہ کہا: گدھے کا کوئی مستحق نکل آیا تو مشتری نے بائع سے اس کی ثمن کا مطالبہ کیا بائع نے مستحق سے کہا: کتنے عرصہ سے تیرا یہ گدھا غائب رہا؟ اس نے کہا: ایک سال سے، بائع نے گواہیاں قائم کر دیں وہ اس گدھے کا دس سال سے مالک ہے تو مستحق کے حق میں فیصلہ کر دیا جائے گا۔ کیونکہ مستحق نے اس کے غائب ہونے کی تاریخ ذکر کی ملک کی تاریخ ذکر نہیں کی اور بائع نے ملک کی تاریخ بیان کی۔ اور اس کا دعویٰ مشتری کا دعویٰ ہے۔ کیونکہ مشتری اسے اس کی جہت سے پاتا ہے۔ وہ یوں ہو گیا گویا مشتری دس سال سے اس کے بائع کی ملکیت کا دعویٰ کرتا ہے مگر امام ”ابو حنیفہ“ رحمہ اللہ کے نزدیک حالت انفراد میں تاریخ کا اعتبار نہیں کیا جاتا۔ پس ملک کا دعویٰ باقی رہا پس مستحق کے حق میں فیصلہ کر دیا جائے گا۔ میں کہتا ہوں: امام ”ابو یوسف“ رحمہ اللہ کے نزدیک اس کے حق میں فیصلہ کیا جائے گا جس نے تاریخ بیان کی۔ کیونکہ حالت انفراد میں امام ”ابو یوسف“ رحمہ اللہ تاریخ بیان کرنے والے کو ترجیح دیتے ہیں۔ ملخص

فصل ثامن میں پہلے بیان کر آئے ہیں۔ کہا: امام ”ابو حنیفہ“ رحمہ اللہ کا مشہور اور صحیح مذہب یہ ہے کہ صرف قابض کی تاریخ غیر معتبر ہے۔ تنبیہ۔ اسے ”خیر الدین رملی“ نے ”حاشیہ المنح“ میں ذکر کیا ہے۔

اگر قابض کسی شے پر گواہیاں قائم کریں تو دونوں کے حق میں فیصلہ کر دیا جائے گا

27898۔ (قوله: وَلَوْ بَرَّهَنَ خَارِجَانِ) یعنی جب دو آدمی کسی عینی چیز کے بارے میں دعویٰ کریں جو کسی اور کے قبضہ

میں ہے اور دونوں میں سے ہر ایک گمان کرے کہ یہ اس کی ملک میں ہے۔ اور وہ دونوں نہ ملکیت کا سبب اور نہ اس کی تاریخ ذکر کریں تو اس عتق کا ان دونوں کے درمیان فیصلہ کر دیا جائے گا۔ کیونکہ اولویت کسی کے حق میں موجود نہیں۔ اسے مطلق ذکر کیا ہے۔ پس یہ قول اسے شامل ہوگا جب وہ اس چیز کے بارے وقف کا دعویٰ کریں جو کسی اور کے قبضہ میں ہو۔ پس ہر ایک کے لیے نصف کے وقف کا فیصلہ کر دیا جائے گا۔ پس یہ ملک مطلق کے دعویٰ کے قبیل سے ہے یہ واقف کی ملکیت کے اعتبار سے ہے۔

وَلَوْ مَيِّتَةً قُضِيَ بِهِ بَيْنَهُمَا وَعَلَى كُلِّ نِصْفِ الْمَهْرِ وَبِإِثْنَانِ مِيرَاثَ زَوْجٍ وَاحِدٍ وَلَوْ وَلَدَتْ يَثْبُتُ النَّسَبُ مِنْهُمَا وَتَسَامُهُ فِي الْخُلَاصَةِ (وَهِيَ لِسْنُ صَدَقَتِهِ إِذَا لَمْ تَكُنْ فِي يَدٍ مَنْ كَذَّبَتْهُ وَلَمْ يَكُنْ دَخَلَ)

اگر وہ مردہ ہو تو اس کا فیصلہ دونوں میں کر دیا جائے گا اور ہر ایک پر اس کا نصف مہر لازم ہوگا۔ اور وہ دونوں مرد ایک خاوند کی میراث کے وارث ہوں گے اگر وہ عورت بچہ جن دے تو ان دونوں سے نسب ثابت ہو جائے گا۔ اس کی مکمل بحث ”الخلاصہ“ میں ہے۔ یہ عورت اس کی بیوی ہوگی جس کی اس عورت نے تصدیق کی جب وہ عورت اس مرد کے قبضہ میں نہ ہو جس کی اس نے تکذیب کی ہو اور جس کو اس نے جھٹلایا ہو اس نے اس عورت کے ساتھ حقوق زوجیت ادا نہ کیے ہوں۔

اس کی مکمل وضاحت ”البحر“ میں ہے۔ اس میں ہے کہ منافع اس کی مثل ہوں گے دونوں کی جانب سے برہان کی قید لگائی ہے۔ کیونکہ اگر صرف ایک گواہیاں قائم کرے تو اس کے حق میں فیصلہ کر دیا جائے گا۔ اگر ایک اور غیر قابض اس کے بارے میں گواہیاں قائم کر دے تو اس کے حق میں تمام کا فیصلہ کر دیا جائے گا۔ کیونکہ اس کے حق میں جس کا فیصلہ کیا گیا ہے وہ فیصلہ کے ساتھ قبضہ والا ہو گیا ہے۔ تو ایک اور غیر قابض کی گواہیاں مقدم کی جائیں گی۔ ”بحر“۔ اس کی مکمل بحث اس میں ہے۔

اگر دو آدمی نکاح کے دعویٰ میں گواہیاں قائم کر دیں تو اس کا حکم

27899۔ (قوله: وَلَوْ مَيِّتَةً) یعنی وہ دونوں تاریخ بیان نہ کریں یا ان دونوں کی تاریخ برابر ہو جائے جس طرح ”البحر“ میں ”الخلاصہ“ سے عبارت ہے۔

27900۔ (قوله: وَلَوْ وَلَدَتْ) یعنی وہ عورت مرنے سے پہلے بچہ جن دے۔ عبارت کا ظاہر معنی یہ ہے: وہ موت کے بعد بچہ جنے۔ لیکن اس پر اعتراض کیا جائے گا کیا اسے ولادت کہا جائے گا (مقولہ 2962)؟

27901۔ (قوله: وَتَسَامُهُ فِي الْخُلَاصَةِ) وہ یہ ہے: وہ بچہ ان دونوں میں سے ہر ایک سے کامل بچے کی میراث کا وارث بنے گا اور وہ دونوں اس پیٹ سے ایک باپ کی میراث کے وارث بنیں گے۔ ”ح“۔

27902۔ (قوله: وَهِيَ لِسْنُ صَدَقَتِهِ) یہ اسے شامل ہے جب قاضی اس تصدیق کو سننے یا عورت اس کے حق میں انکار کرے تو اس کے بعد اس کا مدعی اس پر گواہیاں قائم کرے۔ ”بحر“ میں ”الخلاصہ“ سے مروی ہے۔

27903۔ (قوله: إِذَا لَمْ تَكُنْ الْخ) رہی وہ صورت کہ عورت اس کے قبضہ میں ہو جس کو اس نے جھٹلایا ہے یا اس نے اس عورت کے ساتھ حقوق زوجیت ادا کر لیے ہیں تو وہ زیادہ حق دار ہوگا۔ اور اس کے قول کا اعتبار نہیں ہوگا۔ کیونکہ اس مرد کا اس عورت کے ساتھ لے جانے پر قادر ہونا یا اس کے ساتھ حقوق زوجیت ادا کرنا یہ اس پر دلیل ہے کہ اس کا عقد پہلے ہوا ہے مگر دوسرا اس پر گواہیاں قائم کر دے کہ اس نے اس مرد سے پہلے اس عورت کے ساتھ عقد نکاح کیا تھا۔ پس یہ زیادہ حق دار ہوگا کیونکہ صریح دلالت پر فائق ہوتا ہے۔ ”زیلعی“۔

یہ امر باقی ہے: اگر دونوں میں سے ایک اس کے ساتھ حقوق زوجیت ادا کرے جب کہ وہ دوسرے مرد کے گھر میں ہو تو

مَنْ كَذَّبْتَهُ (بِهَا) هَذَا إِذَا لَمْ يُؤَرَّخَا (فَإِنْ أَرَّخَا فَالسَّابِقُ أَحَقُّ بِهَا) فَلَوْ أَرَّخَ أَحَدُهُمَا فَهِيَ لِمَنْ صَدَّقْتَهُ
أُولَئِیَ الْیَدِ بَرَّازِیَّةٌ قُلْتُ وَعَلَى مَا مَرَّ عَنِ الثَّانِیِ یَنْبَغِی

یہ اس صورت میں ہے جب وہ دونوں تاریخ بیان نہ کریں اگر وہ دونوں تاریخ بیان کریں تو جس کی تاریخ پہلے ہو وہ زیادہ حق دار ہوگا۔ اگر دونوں میں سے ایک تاریخ بیان کرے تو یہ عورت اس کی بیوی ہوگی جس کی یہ عورت تصدیق کرے یا یہ اس کی بیوی ہوگی جس کے قبضہ میں ہو۔ ”برازیہ“ میں کہتا ہوں: جو امام ”ابو یوسف“ رضی اللہ عنہ سے قول گزر چکا ہے اس کو پیش نظر رکھا جائے

”البحر“ میں ”الظہیریہ“ سے مروی ہے: جس کے گھر میں وہ عورت ہے وہ اس کا زیادہ حق دار ہے۔

27904۔ (قوله: هَذَا إِذَا لَمْ يُؤَرَّخَا) اسی طرح اگر وہ دونوں تاریخ بیان کریں اور تاریخیں دونوں برابر ہوں۔

27905۔ (قوله: فَإِنْ أَرَّخَا) یعنی دونوں مطلق غیر قابض تاریخ بیان کریں۔

27906۔ (قوله: فَالسَّابِقُ أَحَقُّ) یعنی جس کی تاریخ پہلے ہے وہ زیادہ حق دار ہے یعنی اگرچہ وہ دوسرے مرد کی تصدیق کرے یا وہ قابض ہو یا اس کے ساتھ حقوق زوجیت ادا کرے۔

جس طرح ”زیلعی“ میں ہے حاصل کلام یہ ہے: دونوں مرد جب ایک عورت میں تنازع کریں اور گواہیاں قائم کریں اگر وہ دونوں تاریخ بیان کریں اور ان دونوں میں سے ایک کی تاریخ پہلے ہو تو وہ زیادہ حق دار ہوگا۔ اگر وہ دونوں تاریخ بیان نہ کریں یا دونوں تاریخ میں برابر ہوں۔ اگر دونوں میں سے ایک کے ساتھ قبضہ ہو جس طرح اس عورت کے ساتھ حقوق زوجیت ادا کیے ہوں یا وہ مرد اس عورت کو اپنے گھر لے گیا ہو تو وہ زیادہ حق دار ہوگا اگر کوئی شے نہ پائی جائے تو عورت جس کی تصدیق کرے اس کی طرف رجوع کیا جائے گا۔

27907۔ (قوله: فَالسَّابِقُ أَحَقُّ بِهَا) یعنی اس کا کوئی اعتبار نہیں ہوگا جس کا انہوں نے ذکر کیا کہ وہ عورت اس کے قبضہ میں ہو یا تاریخ بیان کرنے کے ساتھ اس کے ساتھ حقوق زوجیت ادا کیے ہوں۔ کیونکہ یہ صریح ہے اور صریح دلالت پر فائق ہوتا ہے۔ ”منح“۔

27908۔ (قوله: فَلَوْ أَرَّخَ أَحَدُهُمَا) یعنی عورت نے دوسرے کی تصدیق کی یا وہ دوسرا قابض تھا اگر یہ دونوں صورتیں نہ پائی جائیں تو تاریخ بیان کرنے والے کو مقدم کیا جائے گا پس تصدیق یا قبضہ تاریخ سے زیادہ قوی ہیں۔

جو گزر چکا ہے اس سے معلوم ہو گیا کہ قبضہ تصدیق اور حقوق زوجیت سے زیادہ رائج ہے جس طرح ”البحر“ میں ہے۔ حاصل کلام یہ ہے: تاریخ کا پہلے ہونا یہ سب سے ارجح ہے پھر قبضہ پھر حقوق زوجیت۔ پھر اقرار پھر دونوں میں سے ایک کی تاریخ۔

27909۔ (قوله: أُولَئِیَ الْیَدِ) یعنی اگر دونوں میں سے ایک تاریخ بیان کرے اور دوسرے کا قبضہ ہو تو وہ عورت قابض کی ہوگی۔

27910۔ (قوله: وَعَلَى مَا مَرَّ عَنِ الثَّانِیِ) یعنی حالت افراد میں جس نے تاریخ بیان کی ہے اس کے حق میں

اعْتِبَارُ تَارِيخِ أَحَدِهِمَا، وَلَمْ أَرْ مَنْ نَبَّهَ عَلَى هَذَا فَتَأَمَّلْ (وَإِنْ أَقْرَبَتْ لِمَنْ لَا حُجَّةَ لَهُ فَهِيَ لَهُ، وَإِنْ بَرَّهَنْ
الْآخِرُ قَضَى لَهُ وَلَوْ بَرَّهَنْ أَحَدُهُمَا وَقُضِيَ لَهُ ثُمَّ بَرَّهَنْ الْآخِرُ لَمْ يُقْضَ لَهُ إِلَّا إِذَا ثَبَتَ سَبْقُهُ) لِأَنَّ الْبُرْهَانَ
مَعَ التَّارِيخِ أَقْوَى مِنْهُ بِدُونِهِ (كَمَا لَمْ يُقْضَ بِبُرْهَانٍ خَارِجٍ عَلَى ذِي يَدٍ ظَهَرَ نِكَاحُهُ إِلَّا إِذَا ثَبَتَ سَبْقُهُ)
أَنْى أَنَّ نِكَاحَهُ أَسْبَقُ (وَإِنْ) ذَكَرْنَا سَبَبَ الْمِلْكِ بِأَنَّ (بَرَّهَنَّا عَلَى شَرَاءِ شَيْءٍ مِنْ ذِي يَدٍ، فَبِكُلِّ نِصْفِهِ
بِنِصْفِ الثَّانِي) إِنْ شَاءَ (أَوْ تَرَكُهُ) إِنَّمَا خَيْرٌ لِمَنْ تَفَرَّقَ عَلَيْهِ (وَإِنْ تَرَكَ أَحَدُهُمَا بَعْدَ مَا قُضِيَ لَهُمَا

تو دونوں میں سے ایک کی تاریخ کا اعتبار کیا جانا چاہیے۔ میں نے کسی ایسے عالم کو نہیں دیکھا جس نے اس پر متنبہ کیا ہو۔ پس
غور کرو۔ اگر عورت اس کا اقرار کرے جس کے پاس کوئی دلیل نہ ہو تو یہ عورت اس کی بیوی ہوگی اگر دوسرا گواہیاں پیش کر
دے تو اس کے حق میں فیصلہ کر دیا جائے گا۔ اگر دونوں میں سے ایک گواہیاں پیش کرے اور اس کے حق میں فیصلہ کر دیا
جائے پھر دوسرا گواہیاں قائم کرے تو اس کے حق میں فیصلہ نہیں کیا جائے گا مگر جب اس کا نکاح پہلے ہونا ثابت ہو جائے۔
کیونکہ تاریخ کے ساتھ گواہیاں یہ اس سے زیادہ قوی ہوتے ہیں جب تاریخ کے بغیر ہوں جس طرح وہ مرد جس کے قبضہ میں
وہ عورت نہ ہو تو گواہیوں کے ساتھ اس قابض کے خلاف فیصلہ نہیں کیا جائے گا جس کا نکاح ظاہر ہو۔ مگر جب اس کا نکاح پہلے
ہونا ثابت ہو جائے۔ اگر دونوں ملکیت کا سبب ذکر کریں۔ اس کی صورت یہ ہے کہ وہ قابض سے کسی شے کے خریدنے پر
گواہیاں قائم کریں تو ہر ایک کے لیے نصف ثمن کے عوض اس کا نصف ہوگا۔ اگر وہ چاہے یا اسے ترک کر دے۔ اسے اختیار
دیا گیا ہے۔ کیونکہ اس پر صفحہ میں تفریق ہے۔ اگر دونوں کے حق میں فیصلہ کے بعد ایک اس کو ترک کر دے

قابض کے خلاف فیصلہ کیا جائے گا۔ یہاں جس نے تاریخ بیان کی ہے اس کے حق میں فیصلہ کیا جائے گا اگرچہ دوسرا قابض ہو۔
کیونکہ حال انفراد میں امام ابو یوسفؒ کے نزدیک مورخ کی جانب رائج ہوتی ہے۔

ہم پہلے (مقولہ 27903 میں) ”زیلعی“ سے بیان کر چکے ہیں۔ اگر وہ گواہیاں قائم کرے کہ اس نے عورت سے پہلے
عقد نکاح کیا ہے تو وہ زیادہ حقدار ہوگا۔ عنقریب متن میں آئے گا۔

27911۔ (قوله: وَإِنْ أَقْرَبَتْ لِمَنْ لَا حُجَّةَ لَهُ فَهِيَ لَهُ) ”سامحانی“ نے کہا: ان کو یہ کہنا لازم تھا: فان رہ تبقیہ
حجة فهي لمن اقربت له ثم ان برهن الآخر قضى له الخ اگر حجت قائم نہ ہو تو یہ عورت اس کی ہوگی جس کے حق میں یہ اقرار
کرے پھر اگر دوسرا گواہیاں پیش کر دے تو اس کے حق میں فیصلہ کر دیا جائے گا۔

وہ چیز جسے دو آدمی خریدنے کا دعویٰ کریں وہ اس کی ہوگی جس کی تاریخ مقدم ہوگی

27912۔ (قوله: مِنْ ذِي يَدٍ) اگر دونوں اس آدمی سے خریداری کا دعویٰ کریں جو غیر قابض ہو تو عنقریب متن میں
ان کے اس قول میں آئے گا: وان برهن خارجا عن ملك مورخ الخ۔

27913۔ (قوله: بِنِصْفِ الثَّانِي) یعنی اس ثمن کا نصف جو اس نے معین کی۔ اگر دونوں میں سے ایک نے یہ دعویٰ

لَمْ يَأْخُذْ الْآخِرُ كُلَّهُ) لِنَفْسَاخِهِ بِالنِّقْضِ فَلَوْ قَبِلَهُ فَلَهُ، (وَهُوَ أَمْرٌ مَا ادَّعِيَا شِرَاءَهُ) (لِلسَّابِقِ) تَارِيخًا
(إِنْ أَرَّخَا) فَيَرُدُّ الْبَائِعُ مَا قَبَضَهُ مِنَ الْآخِرِ إِلَيْهِ سَرَاجٌ (وَهُوَ الَّذِي يَدَّيْنِ إِنْ لَمْ يُوَرِّخَا أَوْ أَرَّخَ أَحَدُهُمَا)
وَاسْتَوَى تَارِيخُهُمَا

تو دوسرا سارے کا سارا نہیں لے گا۔ کیونکہ قضا کے ساتھ وہ فسخ ہو چکا ہے۔ اگر وہ قضا سے پہلے ترک کر دے تو سارے کا سارا دوسرے کا ہوگا۔ وہ یعنی جس چیز کو خریدنے کا دونوں نے دعویٰ کیا، اس کا ہوگا جس کی تاریخ مقدم ہو۔ اگر دونوں تاریخ بیان کریں تو بائع نے دوسرے سے جو چیز وصول کی تھی وہ اسے لوٹا دے گا۔ ”سراج“۔ اور دونوں تاریخ نہ بیان کریں یا ان دونوں میں سے ایک تاریخ بیان کرے یا دونوں کی تاریخ برابر ہو تو وہ چیز قابض کی ہوگی۔

کیا کہ اس نے اسے سو میں خریدا اور دوسرے نے دعویٰ کیا کہ اس نے دو سو میں خریدا تو پہلا نصف پچاس میں اور دوسرے نے سو میں نصف لے گا۔

27914۔ (قوله: مَا قَبَضَهُ) یعنی اس نے جو ثمن پر قبضہ کیا۔

27915۔ (قوله: وَهُوَ الَّذِي يَدَّيْنِ) یعنی مدعی قابض کا ہوگا۔ ”البحر“ میں کہا: مجھے ”الکتاب (الکفر)“ کی عبارت میں اشکال ہے وہ یہ ہے کہ اصل مسئلہ دو ایسے آدمیوں میں مفروض ہے جو قابض نہیں وہ ایسی چیز میں نزاع کرتے ہیں جو ایک تیسرے آدمی کے پاس ہے جب دونوں میں سے ایک کے پاس قبضہ ہو تو وہ ایسا قابض ہوگا جو غیر قابض کے ساتھ منازعہ کر رہا ہے۔ پس یہ مسئلہ نہیں۔ پھر میں نے ”المعراج“ میں وہ قول دیکھا جو اس اشکال کو زائل کر دیتا ہے: یہ جائز ہے کہ وہ گواہوں کے ساتھ زمانہ گزشتہ میں قبضہ کو ثابت کرے جب کہ اب وہ بائع کے قبضہ میں ہو۔ مگر اس کے بعد جو ”ذخیرہ“ سے نقل کیا ہے وہ اس میں اشکال پیدا کرتا ہے کہ دونوں میں سے ایک کے حق میں قبضہ کا ثبوت آنکھوں کے دیکھنے سے ہے الخ۔ حق یہ ہے کہ یہ دوسرا مسئلہ ہے۔ چاہیے کہ اسے الگ ذکر کیا جائے۔ اس کا حاصل یہ ہے: ایک غیر قابض اور قابض دونوں میں سے ہر ایک تیسرے آدمی سے ایک چیز خریدنے کا دعویٰ کریں اور دونوں گواہیاں قائم کریں تو قابض کو تینوں وجوہ میں مقدم کیا جائے گا اور غیر قابض کو ایک صورت میں مقدم کیا جائے گا۔ مصنف نے اس کی طرف اشارہ کیا ہے۔ کیونکہ انہوں نے اپنا قول ذکر کیا ہے۔ ولذی مقت لیکن ان پر یہ لازم تھا کہ وہ اسے اپنے قول ولذی ید پر مقدم کرتے۔ کیونکہ یہ پہلے مسئلہ کا تتمہ ہے اور ان کا قول ولذی یہ دوسرے مسئلہ کا آغاز ہے۔

اگر ایک آدمی فسق، بچوں سے محبت اور حیلہ سازی میں مصروف ہو تو اس کے دعویٰ کو نہیں سنا جائے گا

فرع: ایک ایسے بے ریش نو جوان کے بارے میں سوال کیا گیا جو اس آدمی کی خدمت کو کسی وجہ سے ناپسند کرتا ہے جس کی حالت اور حقیقت کو وہ خوب جانتا ہے وہ نو جوان اس آدمی کے پاس سے نکل جاتا ہے وہ آدمی اس پر تہمت لگاتا ہے کہ اس نے اس کی ٹوکری، بکس کا قصد کیا، اس کی عدم موجودگی میں اسے توڑا اور اتنی مقدار اس سے چیز لے لی اس پر ایسی علامت قائم

(وَ) هُوَ لِيَذِي وَقْتٍ إِنْ وَقَّتَ أَحَدُهُمَا (فَقَطَّ وَ) الْحَالُ أَنَّهُ (لَا يَدَّ لَهُمَا) وَإِنْ لَمْ يُوَقَّتَا فَقَدْ مَرَّ أَنَّ لِكُلِّ نِصْفِهِ
بِنِصْفِ الشَّمَنِ (وَ الشِّمَاءُ أَحَقُّ مِنْ هِبَةٍ وَصَدَقَةٍ) وَ رَهْنٍ وَلَوْ مَعَ قَبْضٍ

وہ چیز اس کی ہوگی جس نے وقت بیان کیا ہوگا اگر دونوں میں سے ایک وقت بیان کرے جب کہ حالت یہ ہے کہ ان دونوں میں سے کسی کا قبضہ نہیں اگر دونوں وقت بیان کریں تو یہ گزر چکا ہے کہ ہر ایک کے لیے نصف شمن کے عوض اس شے کا نصف ہوگا۔ اور خریدنا یہ ہبہ، صدقہ اور دین سے زیادہ حق کو ثابت کرتا ہے اگرچہ قبضہ کے ساتھ ہو

ہوئی کہ اس کی غرض یہ ہے کہ اسے اپنے پاس باقی رکھے اور اسے اپنے قبضہ میں رکھے جیسے وہ قصد رکھتا ہے کیا قاضی اس کا دعویٰ سنے گا جب کہ حالت یہ ہے جس پر وہ دعویٰ کر رہا ہے اور اس کی شہادت قبول کرے گا جو اس کی خدمت کرنے، اس کو کھانا کھلانے اور مشروب پلانے پر مامور ہے جب کہ اس کا کھانا اور سالن اس کے کھانے میں سے ہے۔ جب کہ حال یہ ہے کہ وہ شخص لڑکوں سے محبت کرتا ہے؟ جواب عطا کیجئے۔ تمہارے لیے وسیع جنتیں ہوں۔

جواب: اسی قسم کا فتویٰ شیخ الاسلام ”ابوسعود عمادی“ سے پوچھا گیا تو آپ نے فتویٰ دیا: اس قسم کا دعویٰ قاضی پر سماعت کرنا حرام ہے جب کہ اس کی علت یہ بیان کی اس قسم کا حیلہ فاجر لوگوں میں معروف و معلوم ہے لوگوں کے درمیان ان کے اس قسم کے معمولات مشہور ہیں۔ ”شیخ الاسلام“ کے الفاظ ہیں: لا بد للحکام الخ حکام کے لیے ضروری ہے کہ اس قسم کا دعویٰ نہ سنا کریں بلکہ مدعی پر تعزیر جاری کریں اور اس قسم کے دھوکا بازی سے انہیں روکیں۔

صاحب ”تنویر الابصار“ نے اسی قسم کا فتویٰ دیا۔ کیونکہ اکثر دیہاتوں اور شہروں میں یہ امر پھیل چکا ہے۔ اس کی تائید وہ فروع کرتی ہیں جن کا ذکر باب الدعویٰ میں کیا گیا ہے جو مدعی کی حالت اور مدعی علیہ کی حالت کے اختلاف سے متعلق ہیں۔ اور جو آدمی اس کے رات کے کھانے کے ساتھ کھانا کھاتا ہے اور اس کے دن کے کھانے کے ساتھ کھانا کھاتا ہے اس کی گواہی اس کی قباحت اور حقیقت سے دور ہونے کو مزید بڑھا دیتی ہے لا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم انا للہ و انا الیہ راجعون۔ جو اللہ تعالیٰ چاہے وہ ہو کر رہتا ہے اور جو اللہ تعالیٰ نہ چاہے وہ نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔ فتاویٰ خیر یہ

”ابوسعود“ کے فتویٰ کو ذکر کرنے کے بعد مصنف کی ان کی فتاویٰ میں یہ عبارت ہے: میں کہتا ہوں: اگر ایک آدمی فسق، بچوں سے محبت اور حیلہ سازی میں معروف ہو تو اس کے دعویٰ کو نہیں سنا جائے گا اور قاضی اس کی طرف توجہ نہیں کرے گا۔ اگر وہ صالحیت و نیکی میں معروف ہو تو اس کی بات سنے گا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

27916۔ (قوله: فَقَطَّ) میں کہتا ہوں: ملک مطلق میں تاریخ کا ایک طرف سے کوئی اعتبار نہیں ایسی ملکیت جو سبب کے ساتھ ہو اس کا معاملہ مختلف ہے جس طرح یہ معروف ہے۔ یہ قول میرے والد شیخ کا ہے۔ ”مدنی“۔

خریدنا یہ ہبہ، صدقہ اور دین سے زیادہ حق کو ثابت کرتا ہے

27917۔ (قوله: وَالشِّمَاءُ أَحَقُّ مِنْ هِبَةٍ) اگر غیر قابض آدمی قابض پر یہ گواہیاں قائم کرے۔ ان دونوں میں

وَهَذَا إِنْ لَمْ يُؤَرَّخَا فَلَوْ أَرَّخَا وَاتَّحَدَ الْمُبْلَكُ فَلَا سُبْقَ أَحَقُّ لِقَوَّتِهِ (وَلَوْ أَرَّخْتَ إِحْدَاهُمَا فَقَطْ فَلِأَمْرٍ خَفِئَةٍ أُولَى)، وَلَوْ اخْتَلَفَ الْمُبْلَكُ اسْتَوَيَا

اگر دونوں تاریخ بیان نہ کریں۔ اگر دونوں تاریخ بیان کریں اور ملکیت عطا کرنے والا ایک ہو تو جس کی تاریخ پہلے ہوگی وہ زیادہ حق دار ہوگا۔ کیونکہ اس میں قوت موجود ہے۔ اگر دونوں میں سے صرف ایک تاریخ بیان کرے تو جس نے تاریخ بیان کی ہے وہ زیادہ حق دار ہوگا۔ اگر دونوں ملکیت عطا کرنے والے مختلف ہوں تو وہ دونوں برابر ہوں گے۔

سے ایک شراپر اور دوسرا اس سے ہبہ پر گواہیاں قائم کرے تو شرا اولیٰ ہوگا۔ کیونکہ یہ زیادہ قوی ہے۔ کیونکہ یہ جانبین سے معاوضہ ہے۔ نیز یہ (خریدنا) بنفسہ ملکیت کو ثابت کرتا ہے اور ہبہ، اس میں ملکیت، قبضہ کرنے پر موقوف ہوتی ہے۔ اگر دونوں میں سے ایک قابض ہو اور مسئلہ اپنے حال پر ہو تو غیر قابض کے حق میں فیصلہ کیا جائے گا یا اس کے حق میں فیصلہ کیا جائے گا جس کی تاریخ پہلے ہو۔ اگر دونوں میں سے ایک کی تاریخ بیان کر دی جائے تو پھر ترجیح کی کوئی صورت نہیں۔ اگر دونوں میں سے ہر ایک قابض ہو تو یہ دونوں کا ہو یا اس کا ہوگا جس کی تاریخ پہلے کی ہو جس طرح ملک مطلق کا دعویٰ ہے۔

ہبہ میں مطلق قول کیا ہے جب کہ یہ سپرد کرنے کے ساتھ مقید اور عوض نہ ہونے کے ساتھ مقید ہے۔ کیونکہ عوض کی صورت میں یہ بیع ہو جاتی ہے۔

صدقہ اور ہبہ جن پر قبضہ کر لیا گیا ہو اس کے برابر ہونے کی طرف اشارہ ہے۔ کیونکہ یہ تبرع و احسان میں برابر ہیں۔ اور صدقہ کو لزوم کے اعتبار سے کوئی ترجیح نہیں۔ کیونکہ وہ دوسرے حال میں ظاہر ہوتا ہے۔ دوسرے حال سے مراد زمانہ مستقبل میں رجوع پر قدرت کا نہ ہونا ہے۔

ہبہ بعض اوقات لازم ہوتا ہے جس طرح کوئی ذی رحم محرم ہبہ کرے اور صدقہ کبھی لازم نہیں ہوتا۔ اس کی صورت یہ ہے کہ وہ صدقہ غنی کا ہو۔ یہ ”البحر“ سے ملخص ہے۔ اس میں ہے: میں نے قبضہ کے ساتھ فاسد خریداری کا حکم نہیں دیکھا اور ہبہ کا قبضہ کے صورت میں حکم نہیں دیکھا۔ کیونکہ ہر ایک میں ملک قبضہ پر موقوف ہوتی ہے۔ پس چاہیے کہ خریداری کو مقدم رکھا جائے۔ کیونکہ اس میں معاوضہ ہوتا ہے۔

”مقدسی“ نے اس کا رد کیا ہے: چاہیے کہ ہبہ کو مقدم کیا جائے کیونکہ ہبہ مشروع ہے۔

27918۔ (قوله: وَلَوْ أَرَّخْتَ إِحْدَاهُمَا) یعنی دونوں گواہیوں میں سے ایک کی تاریخ بیان کی جائے۔

27919۔ (قوله: وَلَوْ اخْتَلَفَ الْمُبْلَكُ اسْتَوَيَا) کیونکہ دونوں میں سے ہر ایک اپنے ملک کی جانب سے اس کی

ملکیت کو ثابت کرنے کے لیے خصم ہے جب کہ وہ دونوں اس میں برابر ہیں۔ جب مملک ایک ہو تو معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ دونوں ملک کو ثابت کرنے کے محتاج ہیں اس میں اقویٰ کو مقدم کیا جائے گا۔

”حاشیہ“ میں کہا ہے: ”البحر“ میں ہے: اگر ایک آدمی نے دوسرے آدمی سے خریداری کا دعویٰ کیا اور دوسرے آدمی نے

وَهَذَا فِيمَا لَا يُقَسَّمُ اتِّفَاقًا وَاخْتِلَافًا التَّصْحِيحُ فِيمَا يُقَسَّمُ كَالدَّارِ وَالْأَصْحُ أَنَّ الْكُلَّ لِمُدَّعَى الشَّرَاءِ لِأَنَّ
الِاسْتِحْقَاقَ مِنْ قَبِيلِ الشُّيُوعِ الْمُقَارِنِ لَا الطَّارِئِ هِبَةُ الدَّرَرِ (وَالشَّرَاءُ وَالْمَهْرُ سَوَاءٌ) فَيُنْصَفُ وَتَرْجَعُ
هِيَ بِنِصْفِ الْقِيَمَةِ وَهُوَ بِنِصْفِ الثَّمَنِ أَوْ يُفْسَخُ

یہ اس صورت میں ہے جب وہ چیز تقسیم نہ کی جاسکتی ہو۔ یہ متفق علیہ مسئلہ ہے۔ اور جس کو تقسیم کیا جاتا ہے اس میں تصحیح میں اختلاف ہے جیسے گھر ہے۔ اصح یہ ہے کہ سب اس کا ہوگا جس نے خریدنے کا دعویٰ کیا تھا۔ کیونکہ استحقاق اس شیوع (عام ہونا، شامل ہونا) کے قبیل سے ہے جو مقارن ہوتا ہے اس شیوع کے قبیل سے نہیں جو طاری ہوتا ہے، ”الدرر“، کتاب الہبہ۔ خریداری اور مہر برابر ہیں۔ پس اسے نصف کیا جائے گا اور وہ عورت اپنے خاوند سے نصف قیمت کا مطالبہ کرے گی اور وہ نصف ثمن کا مطالبہ کرے گا۔ یا اسے فسخ کر دیا جائے گا۔

کسی اور سے ہبہ اور قبضہ کا دعویٰ کیا اور تیسرے نے اپنے باپ سے اس کے میراث کا دعویٰ کیا، چوتھے نے کسی اور سے صدقہ کا دعویٰ کیا تو اس چیز کو ان کے درمیان چوتھائی چوتھائی کا فیصلہ کر دیا جائے گا۔ کیونکہ وہ اپنے مملکت کی جانب سے ملک پاتے ہیں تو اسے یوں بنا دیا جائے گا گویا وہ حاضر ہوئے اور ملک مطلق پر گواہیاں قائم کیں۔

27920۔ (قوله: وَهَذَا) یعنی اگر مملکت مختلف ہو تو اس میں ان دونوں کا برابر ہونا۔ یہ اسم اشارہ سے مراد ہے۔ اسی طرح اگر عین دونوں کے قبضہ میں ہو۔ ان دونوں میں سے کسی کی تاریخ پہلے نہ ہو۔ وہ دونوں برابر ہو گے جس طرح ہم پہلے (مقولہ 27898 میں) بیان کر آئے ہیں۔

27921۔ (قوله: فِيمَا لَا يُقَسَّمُ) جیسے غلام اور جانور۔

27922۔ (قوله: لِأَنَّ الْإِسْتِحْقَاقَ الْخ) یہ اس کا جواب ہے جو ”عمادیہ“ میں قول کیا ہے: صحیح یہ ہے کہ وہ دونوں برابر ہیں۔ کیونکہ بعد میں واقع ہونے والا اشتراک ہبہ اور صدقہ کو فاسد نہیں کرتا اور دین کو فاسد کر دیتا ہے۔ ”البحر“ میں اور ”صدر الشریعہ“ نے اسے ثابت رکھا ہے۔ مصنف نے ”الدرر“ سے نقل کرتے ہوئے کہا: استحقاق کی صورت کا بعد میں لاحق ہونے والے اشتراک کی مسئلہ میں سے ان کا شمار کرنا صحیح نہیں۔ صحیح وہ ہے جو ”الکافی“ اور ”الفصولین“ میں سے ہے۔ کیونکہ استحقاق جب گواہوں کے ساتھ ظاہر ہو گیا تو وہ ہبہ سے قبل کی طرف منسوب ہوگا۔ پس وہ اس کے مقارن ہوگا حارر نہ ہوگا۔ یعنی یہ مکان کے قبیل سے ہوگا۔ مقارن وہ ہوتا ہے جو بالا جماع ہبہ کو باطل کر دیتا ہے، تو خریداری کا دعویٰ کرنے والا دلیل قائم کرنے میں منفرد ہو جائے گا پس وہ زیادہ مستحق ہوگا۔

27923۔ (قوله: لَا الطَّارِئِ) کیونکہ طاری اشتراک ہبہ اور صدقہ کو فاسد نہیں کرتا۔ مقارن کا معاملہ مختلف ہے۔

27924۔ (قوله: وَتَرْجَعُ هِيَ) یعنی وہ عورت خاوند سے مطالبہ کرے گی ”حاشیہ“ میں اسی طرح ہے۔

27925۔ (قوله: وَهُوَ بِنِصْفِ الثَّمَنِ) جس طرح بعض کا مطالبہ ہوتا ہے۔ ”حاشیہ“ میں اسی طرح ہے۔

لِذَا مَرَدَ هَذَا إِذَا لَمْ يُورَخَا أَوْ أَرخَا وَاسْتَوَى تَارِيخُهُمَا فَإِنْ سَبَقَ تَارِيخُ أَحَدِهِمَا كَانَ أَحَقُّ، قَيَّدَ بِالشَّيْءِ
لِأَنَّ النِّكَاحَ أَحَقُّ مِنْ هِبَةٍ أَوْ رَهْنٍ أَوْ صَدَقَةٍ عِمَادِيَّةٍ وَالْمُرَادُ مِنَ النِّكَاحِ النُّهْرُ كَمَا حَرَّرَهُ فِي الْبَحْرِ
مُغْلِطًا لِلْجَامِعِ نَعَمْ يَسْتَوِي النِّكَاحُ وَالشَّيْءُ لَوْ تَنَازَعَا فِي الْأُمَةِ مِنْ رَجُلٍ وَاحِدٍ وَلَا مُرَجَّحَ فَتَكُونُ
مِلْكًا لَهُ مَنكُوحَةً لِأَخْرِ قَتْدَبَرٍ وَرَهْنٌ مَعَ قَبْضٍ أَحَقُّ مِنْ هِبَةٍ

اس کی دلیل وہی ہے جو گزر چکی ہے۔ یہ حکم اس صورت میں ہے جب وہ تاریخ بیان نہ کریں یا دونوں تاریخ بیان کر دیں اور
دونوں کی تاریخ برابر ہو۔ اگر دونوں میں سے ایک کی تاریخ پہلے ہو تو وہ زیادہ حق دار ہوگا جس نے خریداری کی قید لگائی۔
کیونکہ نکاح ہبہ، رہن یا صدقہ سے زیادہ حق رکھتا ہے ”عمادیہ“۔ نکاح سے مراد مہر ہے جس طرح ”البحر“ میں اس کی وضاحت
کی ہے جب کہ جامع کی تغلیط کی ہے۔ ہاں نکاح اور شرا برابر ہوتے ہیں اگر وہ ایک لونڈی میں جھگڑا کریں جب کہ وہ ایک
مرد سے حاصل کی گئی ہو۔ اور اسے ترجیح دینے والا کوئی نہیں پس وہ ایک کی لونڈی ہوگی اور دوسری کی بیوی ہوگی۔ قندبر۔ ایسا
رہن جو قبضہ کے ساتھ ہو وہ اس ہبہ سے زیادہ حق کو ثابت کرتا ہے

27926۔ (قوله: لِيَا مَرَدَ) یعنی صفقہ الگ الگ ہو گیا۔

27927۔ (قوله: فَإِنْ سَبَقَ تَارِيخُ أَحَدِهِمَا) لیکن شہادت میں شروط ہوتی ہے کہ اس نے فلاں سے یہ خریدی
جب کہ وہ اس کا مالک تھا جس طرح ”الحامدیہ“ کے کتاب الدعویٰ میں ”البحر“ سے مروی ہے جب کہ ”خزانة الاكمل“ کی طرف
منسوب ہے۔ ”حاشیہ“ میں اسی طرح ہے۔

اگر نکاح اور ہبہ جمع ہو جائیں تو اس کا حکم

27928۔ (قوله: مُغْلِطًا لِلْجَامِعِ) یعنی ”جامع الفصولین“ کے اس قول: اگر نکاح اور ہبہ جمع ہو جائیں تو دونوں کی
گواہیوں پر عمل کرنا ممکن ہے اگر وہ دونوں برابر ہو جائیں۔ اس کی صورت یہ ہے کہ اس مرد کی وہ منکوحہ ہو اور دوسرے کا ہبہ ہو
ہبہ کی صورت یہ ہے کہ وہ اپنی منکوحہ لونڈی کو ہبہ کر دے۔ پس چاہیے کہ ہبہ کی گواہیاں باطل نہ ہوں تاکہ مومن کو جھٹلانے سے
بچایا جائے اور اسے صلاح پر محمول کیا جائے۔ اسی طرح نکاح کے ساتھ صدقہ ہے اور اسی طرح نکاح کے ساتھ رہن ہے۔
ہمارے مولانا نے اپنی ”بحر“ میں فرمایا: میں نے اس کے ”حاشیہ“ میں لکھا: اسے وہم ہوا ہے کیونکہ انہوں نے سمجھا مراد یہ ہے
اگر وہ دونوں لونڈی میں منازعہ کریں ان دونوں میں سے ایک یہ دعویٰ کرے کہ یہ عورت ہبہ کی وجہ سے اس کی مملوکہ ہے اور
دوسرا یہ دعویٰ کرے اس مرد نے اس عورت سے عقد نکاح کیا ہے جب کہ ان کی یہ مراد نہیں۔ نکاح سے مراد مہر ہے جس طرح
”الکتاب“ میں اس کی تعبیر ہے۔ اس کی مکمل وضاحت ”المنح“ میں ہے۔

27929۔ (قوله: نَعَمْ الْخ) ”الجامع“ میں اسے بحث کرتے ہوئے ذکر کیا ہے جس طرح تجھے علم ہے۔ ”البحر“ میں

کہا: میں نے اسے صراحتہ نہیں دیکھا۔

بِلَا عَوْضٍ مَعَهُ اسْتَحْسَانًا وَلَوْ بِهِ فَهِيَ أَحَقُّ لِأَنَّهَا بَيْعٌ اسْتِهَاءً، وَالْبَيْعُ، وَلَوْ بِوَجْهِ أَقْوَى مِنَ الرِّهْنِ
وَلَوْ الْعَيْنُ مَعَهُمَا اسْتَوَيَا مَا لَمْ يُؤْرَخَا وَأَحَدُهُمَا أَسْبَقُ (وَإِنْ بَرَّهَنْ خَارِجَانِ عَلَى مِلْكٍ مُؤَرَّخٍ أَوْ شِرَاءٍ
مُؤَرَّخٍ مِنْ وَاحِدٍ) غَيْرِ ذِي يَدٍ (أَوْ بَرَّهَنْ) (خَارِجٌ عَلَى مِلْكٍ مُؤَرَّخٍ وَذُو يَدٍ عَلَى مِلْكٍ مُؤَرَّخٍ أَقْدَمَ

جس کے ساتھ عوض نہ ہو۔ یہ بطور استحسان ہے۔ اگر ہبہ عوض کے ساتھ ہو تو ہبہ زیادہ حق ثابت کرتا ہے۔ کیونکہ یہ انتہاء بیع ہوتی ہے۔ بیع اگرچہ کسی شکل میں ہو۔ یہ دین سے زیادہ قوی ہوتی ہے۔ اگر وہ عینی چیز ان دونوں کے قبضہ میں ہو تو وہ دونوں برابر ہوں گے جب تک وہ تاریخ بیان نہ کریں جب کہ ان دونوں میں سے ایک زیادہ سبقت لے جانا والا ہو۔ اگر دونوں غیر اسی ملک پر گواہیاں قائم کریں جس کی تاریخ بیان کی گئی ہو یا ایک ہی آدمی سے ایسی خریداری پر گواہیاں قائم کی گئی ہوں جس کی تاریخ بیان کی گئی ہو جب کہ وہ خریداری ایسے آدمی سے کی گئی جو اس پر قبضہ رکھنے والا نہیں۔ یا غیر قابض ایسی ملکیت پر گواہیاں قائم کریں جس کی تاریخ بیان کی گئی ہو اور قابض ایسی ملک پر گواہیاں قائم کرے جس کی ایسی تاریخ ذکر کی گئی ہو جو مقدم ہو

27930۔ (قوله: مَعَهُ) ضمیر قبض (قبضہ کرنا) کی طرف راجع ہے۔

27931۔ (قوله: أَقْوَى مِنَ الرِّهْنِ) ہبہ دین سے زیادہ قوی ہے۔ یہ اس صورت میں ہے جب وہ کسی تیسرے فرد

کے قبضہ میں ہو۔ ”س“۔

27932۔ (قوله: اسْتَوَيَا) اس میں ”عمادی“ نے بحث کی ہے: بعد میں واقع ہونے والا اشتراک دین کو فاسد کر دیتا

ہے۔ پس چاہیے کہ تمام چیز کا فیصلہ اس کے حق میں کر دیا جائے جو خریداری کا دعویٰ کرتا ہے۔ کیونکہ جو دین کا مدعی تھا اس نے فاسد دین کو ثابت کیا ہے۔ پس اس کی گواہیاں قبول نہ کی جائیں گی۔ پس وہ یوں ہو گیا گویا خریداری کا دعویٰ کرنے والا گواہیاں قائم کرنے میں منفرد ہے۔ اس کی مکمل بحث ”البحر“ میں ہے۔

میں کہتا ہوں: جیسے گزر چکا ہے متعارف استدارک کی وجہ سے استحقاق کے بارے میں مناسب یہ ہے کہ جو آدمی خریداری کا دعویٰ کرتا ہے اس کے حق میں بدرجہ اولیٰ فیصلہ کر دیا جائے۔ پس دونوں قولوں میں سے ہر ایک کے مطابق مسئلہ مشکل ہے۔ فلینا مل

27933۔ (قوله: غَيْرِ ذِي يَدٍ) یہ قید لگائی ہے کیونکہ صاحب قبضہ سے خریداری کے بارے میں ان دونوں کا دعویٰ کا

ذکر باب کے شروع میں گزر چکا ہے۔ ”س“۔

27934۔ (قوله: عَلَى مِلْكٍ مُؤَرَّخٍ) یہاں ملک کی قید لگائی ہے۔ کیونکہ اگر وہ اس پر گواہیاں قائم کرے کہ یہ لونڈی

دو سال سے اس کے قبضہ میں ہے اور یہ گواہیاں قائم نہ کرے کہ یہ لونڈی اس کی ملک ہے تو مدعی کے حق میں اس لونڈی کا فیصلہ کر دیا جائے گا۔ کیونکہ گواہوں نے قبضہ کے بارے میں گواہیاں دی ہیں۔ ملکیت کے بارے میں گواہیاں نہیں دیں۔ ”بحر“۔

فَالسَّابِقُ أَحَقُّ وَإِنْ بَرَّهْنَاهُ عَلَى شِرَاءٍ مُتَّفِقٍ تَارِيخُهُمَا أَوْ مُخْتَلِفٍ عَيْنِي

تو سبقت رکھنے والا زیادہ حق دار ہوگا۔ اگر دونوں خریداری پر گواہیاں قائم کریں دونوں کی تاریخ متفق ہو یا مختلف ہو، ”عینی“۔

27935۔ (قولہ: فَالسَّابِقُ أَحَقُّ) کیونکہ اس نے یہ ثابت کیا ہے کہ وہ دو مالکوں میں سے پہلا مالک ہے۔ پس ملکیت اس کی جانب سے حاصل ہو سکتی ہے۔ اور دوسرے نے اس سے ملکیت حاصل نہیں کی، ”منح“۔ دونوں کی جانب سے تاریخ کی قید لگائی ہے۔ کیونکہ جب دونوں تاریخ کا ذکر نہ کریں یا دونوں اس میں برابر ہوں تو پہلے دونوں مسئلوں میں وہ لونڈی ان دونوں میں مشترک ہوگی۔ اگر دونوں میں سے کسی کی تاریخ پہلے ہو تو دونوں میں سبقت لے جانے والا زیادہ مستحق ہوگا۔ اگر صرف ایک تاریخ بیان کرے تو وہ دوسرے مسئلہ میں زیادہ حق دار ہوگا۔ پہلے مسئلہ میں زیادہ حق دار نہیں ہوگا۔ جہاں تک دوسرے مسئلہ کا تعلق ہے تو غیر قابض تینوں صورتوں میں زیادہ مستحق ہوگا۔

نوٹ: تینوں صورتوں سے مراد اصلاً تاریخ کا ذکر نہ ہونا، اس میں برابری ہونا یا دونوں میں صرف ایک تاریخ بیان کرنا۔ (مترجم) اس کی مکمل بحث ”البحر“ میں ہے۔

27936۔ (قولہ: مُتَّفِقٍ) صحیح تو اس پر نصب ہے یہ برہنہ کے فاعل سے حال ہے۔ ”ح“۔

27937۔ (قولہ: أَوْ مُخْتَلِفٍ) یعنی دونوں کی تاریخ مختلف ہے، ”باقانی“۔ اگر دونوں خریداری کا وعدہ کریں اور ہر ایک ایک اور آدمی سے خریداری کا ذکر کرے ان دونوں میں سے ایک گواہیاں پیش کر دے کہ اس نے فلاں سے اسے خریدا ہے جب کہ وہ اس کا مالک ہے دوسرا یہ گواہیاں قائم کرے کہ اس نے ایک اور سے اسے خریدا جب کہ وہ اس کا مالک ہے تو قاضی دونوں کے درمیان اس کا فیصلہ کر دے گا۔ اگر دونوں وقت کا ذکر کریں تو ظاہر روایت میں پہلے وقت والا زیادہ مستحق ہوگا۔ امام ”محمد“ رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے: تاریخ کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔ اگر دونوں میں سے ایک تاریخ کا ذکر کرے دوسرا ذکر نہ کرے تو بالاتفاق دونوں میں اس کا فیصلہ کر دیا جائے گا۔ اگر ان دونوں میں سے ایک کا قبضہ ہو تو دوسرا زیادہ مستحق ہوگا۔ گویا دو بیع کرنے والے دعویٰ کرتے ہیں اور ان دونوں میں سے ایک کا قبضہ ہے تو ان دونوں میں سے جو غیر قابض ہے اس کے حق میں فیصلہ کیا جائے گا۔ ”قاضی خان“۔ ”حاشیہ“ میں اسی طرح ہے۔

27938۔ (قولہ: عَيْنِي) اس کی مثل ”زیلعی“ میں ہے جو ”الکافی“ کی پیروی میں ہے۔ ”البحر“ میں یہ دعویٰ کیا: یہ سہو ہے اور جس کو سبقت ہوگی وہ زیادہ مستحق ہوگا۔ جس طرح ایک شخص سے خریداری کا دعویٰ ہو پس جس کی تاریخ پہلے ہوگی وہ مقدم کیا جائے گا۔ یعنی اس شخص کے حق میں فیصلہ کیا جائے گا۔ ”رملی“ نے اس کا رد کیا ہے: اسے بھول ہوئی ہے۔ کیونکہ مسئلہ میں روایات کا اختلاف ہے۔ ”جامع الفصولین“ میں ہے: اگر وہ دو افراد سے خریداری پر گواہیاں پیش کریں اور دونوں میں سے ایک کی تاریخ پہلے ہو تو کتب میں روایات میں اختلاف ہے۔ ”الہدایہ“ میں جو ذکر کیا گیا ہے وہ اس امر کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ تاریخ کے پہلے ہونے کا کوئی اعتبار نہیں۔

(وَكُلُّ يَدْعَى الشَّرَاءَ مِنْ رَجُلٍ آخَرَ أَوْ وَقَّتْ أَحَدُهُمَا فَقَطَّ اسْتَوَيَا) إِنَّ تَعَدَّدَ الْبَائِعُ،

اور ان میں سے ہر ایک ایک اور آدمی سے خریداری کا دعویٰ کرے یا دونوں میں سے صرف ایک تعیین کرے تو وہ دونوں برابر ہوں گے اگر بائع متعدد ہوں

”المبسوط“ میں ایسی عبارت ہے جو اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ جو تاریخ پہلے ہے وہ اولیٰ ہے۔ پھر صاحب ”جامع الفصولین“ نے پہلے قول کو ترجیح دی۔ ملخص

میں کہتا ہوں: ”نور العین“ میں ”قاضی خان“ سے مروی ہے: دو آدمیوں نے دو آدمیوں سے خریداری کا دعویٰ کیا اس شے کا دونوں کے درمیان نصف نصف فیصلہ کر دیا جائے گا۔ اگر دونوں تاریخ بیان کریں اور ان میں سے ایک کی تاریخ پہلے ہو تو ظاہر روایت کے مطابق وہ زیادہ حق دار ہوگا۔ امام ”محمد“ رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے: تاریخ کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔ یعنی اس کا ان دونوں کے درمیان فیصلہ کر دیا جائے گا۔ اگر دونوں میں سے صرف ایک تاریخ بیان کرے تو اس چیز کا دونوں کے درمیان فیصلہ کر دیا جائے گا۔ اگر دونوں میں سے ایک کا قبضہ ہو تو جو غیر قابض ہے وہ اس کا زیادہ مستحق ہوگا۔

پھر ”نور العین“ میں کہا: جو قول ”المبسوط“ میں ہے اس کی تائید وہ قول کرتا ہے جو ”قاضی خان“ میں ہے وہ ظاہر روایت ہے۔ اور جو ”ہدایہ“ میں ہے وہ امام ”محمد“ رحمۃ اللہ علیہ کا پسندیدہ نقطہ نظر ہے۔

پھر کہا: ”المبسوط“ اور ”قاضی خان“ میں جو قول ہے اس کی دلیل یہ ہے: جس کی تاریخ پہلے ہو وہ ملکیت کو ایسے زمانہ میں منسوب کرتا ہے جس میں کوئی دوسرا اس کے ساتھ منازعہ نہیں کرتا۔ اس دلیل سے زیادہ قوی ہے جو ”الہدایہ“ میں ہے۔ ”ہدایہ“ کی دلیل یہ ہے: وہ دونوں اپنے بائعوں کے لیے ملک کو ثابت کرتے ہیں۔ گویا وہ دونوں حاضر ہوئے اور تاریخ کے بغیر ملک کا دعویٰ کیا۔ پہلے قول کی وجہ اس آدمی پر مخفی نہیں جو تامل کرتا ہے۔ ”الہدایہ“ میں جو قول ہے اس کی دلیل میں ”الحواشی السعدیہ“ میں بحث کی ہے۔ پس اس کی طرف رجوع کیجئے۔

اس سے یہ معلوم ہوتا ہے مصنف نے جو تاریخ کے اتفاق کی قید لگائی ہے وہ ظاہر روایت پر مبنی ہے۔ یہ اس سے اولیٰ ہے جو شارح نے کیا ہے اگرچہ شارح نے ”الکافی“ اور ”الہدایہ“ کی موافقت کی ہے۔ جہاں تک اس پر سہو کا حکم لگانا جس طرح ”البحر“ میں ہے۔ یہ ان امور میں سے ہے جو مناسب نہیں۔

27939۔ (قوله: مِنْ رَجُلٍ آخَرَ) یعنی وہ آدمی اس آدمی کے علاوہ ہے جس سے اس کا صاحب خریداری کا دعویٰ کرتا ہے۔ ”زیلعی“۔

27940۔ (قوله: اسْتَوَيَا) کیونکہ دونوں پہلی صورت میں اپنے بائعوں کے لیے ملک کو ثابت کرتے ہیں۔ گویا دونوں حاضر ہیں۔ اگر دونوں میں سے ایک وقت کا ذکر کرے تو اس کا وقت ذکر کرنا یہ ملک کے متقدم ہونے پر دلالت نہیں کرتا۔ کیونکہ یہ جائز ہے کہ دوسرا پہلے ہو۔ مگر بائع ایک ہو تو معاملہ مختلف ہوگا۔ کیونکہ دونوں اس پر متفق ہیں کہ ملکیت اس کی جانب سے ہی حاصل ہوتی ہے جب دونوں میں سے ایک نے تاریخ ثابت کی تو اس کے حق میں فیصلہ کر دیا جائے گا یہاں تک

وَإِنْ اتَّحَدَ فُذُو الْوَقْتِ أَحَقُّ ثُمَّ لَا بُدَّ مِنْ ذِكْرِ الْمُدَّعَى وَشُهُودِهِ مَا يُفِيدُ مِلْكَ بَائِعِهِ إِنْ لَمْ يَكُنْ الْمَبِيعُ فِي يَدِ الْبَائِعِ وَلَوْ شَهِدَ وَابْيَدَاهُ فَقَوْلَانِ بَرَّازِيَّةٌ (فَإِنْ بَرَّهَنْ خَارِجٌ عَلَى الْمِلْكِ وَذُو الْيَدِ عَلَى الشِّرَاءِ مِنْهُ، أَوْ بَرَّهَنَا عَلَى سَبَبِ مِلْكٍ لَا يَتَكَرَّرُ

اگر بائع ایک ہو تو جس نے وقت بیان کیا وہ زیادہ حق دار ہوگا۔ پھر مدعی اور گواہوں کے لیے ضروری ہے کہ ایسی چیز کا ذکر کرے جو بائع کی ملکیت کو ثابت کرے اگر مبیع بائع کے ہاتھ میں نہ ہو اگر وہ اس کے قبضہ کے بارے میں گواہی دیں تو اس بارے میں دو قول ہیں۔ ”برازیہ“۔ اگر غیر قابض نے ملک پر گواہیاں قائم کیں اور قابض نے اس سے خریداری پر گواہیاں قائم کیں یا دونوں نے ملک کے ایسے سبب پر گواہیاں قائم کیں جو سبب متکرر نہیں ہوتا

کہ یہ واضح ہو جائے کہ اس کے دوسرے ساتھی کی خریداری اس سے پہلے ہو۔ ”بحر“۔ پھر کہا: جب وہ کتاب کے مسئلہ میں برابر ہوں تو ان دونوں کے درمیان اس کے نصف کا فیصلہ کر دیا جائے گا پھر دونوں میں سے ہر ایک کو اختیار ہوگا۔ اگر چاہے تو نصف غلام نصف ثمن کے بدلے میں لے لے اور اگر چاہے تو ترک کر دے۔

27941۔ (قوله: مِلْكُ بَائِعِهِ) اس کی صورت یہ ہے کہ وہ گواہ یہ گواہی دیں کہ اس آدمی نے فلاں سے اسے خریدا ہے اور وہ اس کا مالک ہے۔ ”بحر“۔

اگر غیر قابض نے ملک پر گواہیاں قائم کیں اور قابض نے خریداری پر تو اس کا حکم

27942۔ (قوله: أَوْ بَرَّهَنَا) یعنی غیر قابض اور قابض دونوں گواہیاں پیش کر دیں۔ ”البحر“ میں ہے: اسے مطلق ذکر کیا ہے پس یہ قول اسے شامل ہو گیا جب وہ دونوں تاریخ ذکر کریں اور دونوں کی تاریخ برابر ہو جائے یا ایک کی تاریخ پہلے کی ہو یا دونوں اصلاً تاریخ کا بیان نہ کریں یا دونوں میں سے ایک تاریخ بیان کرے تو بچہ جننے کے ساتھ تاریخ کا کوئی اعتبار نہیں مگر جو ایسی تاریخ بیان کرے جو محال ہو۔ اس کی صورت یہ ہے مدعی کی عمر قابض کے وقت کے موافق نہ ہو اور غیر قابض کے وقت کے موافق ہو اس وقت غیر قابض کے حق میں فیصلہ کیا جائے گا۔ اگر اس کی عمر دونوں وقتوں کے خلاف ہو تو عام مشائخ کے نزدیک دو گواہیاں لغو چلی جائیں گی۔ اور قابض کے ہاتھ میں اسے چھوڑ دیا جائے گا جس طرح وہ پہلے قابض کے ہاتھ میں تھی۔ ایک روایت میں اسی طرح ہے۔ ایک روایت کے مطابق یہ ان دونوں کے درمیان نصف نصف ہوگی۔ ”جامع الفصولین“ میں اسی طرح ہے۔

اس میں ہے: غیر قابض نے گواہیاں پیش کیں کہ یہ اس کی لونڈی ہے جس نے یہ غلام میری ملک میں جنا ہے اور قابض نے اس کی مثل گواہیاں پیش کیں تو مدعی کے حق میں اس لونڈی کا فیصلہ کر دیا جائے گا۔ کیونکہ دونوں نے لونڈی میں ملک مطلق کا دعویٰ کیا پس مدعی کے حق میں اس لونڈی کا فیصلہ کر دیا جائے گا پس غلام پر تبع میں استحقاق ثابت ہوگا۔

اس سے یہ امر ظاہر ہوتا ہے کہ قابض کو بچہ جننے کے دعویٰ میں غیر قابض پر مقدم کیا جاتا ہے۔ جب وہ دونوں ماں میں

كَالِنَتَّاجِ) وَمَا فِي مَعْنَاهُ كَنَسِجٍ لَا يُعَادُ وَغَزْلٍ قُطِنَ (وَحَلَبٍ لَبَنٍ وَجَزٍ صُوفٍ) وَنَحْوَهَا وَلَوْ عِنْدَ بَائِعِهِ دُرٌّ
(فَذُو الْيَدِ أَحَقُّ) مِنَ الْخَارِجِ إِجْمَاعًا إِلَّا إِذَا ادَّعَى الْخَارِجُ عَلَيْهِ فِعْلًا كَغَضَبٍ أَوْ دِيْعَةٍ أَوْ إِجَارَةٍ وَنَحْوَهَا
فِي رِوَايَةِ دُرٍّ أَوْ كَانَ سَبَبًا يَتَكَرَّرُ كِبِنَاءٍ وَغَرَسٍ وَنَسِجٍ خَزٍ وَزَرْعٍ بَزٍّ وَنَحْوِهِ أَوْ أَشْكَلَ عَلَى أَهْلِ الْخِبْرَةِ

جس طرح بچہ جننا اور جو اس کے معنی میں ہوتا ہے جیسے بننا جس میں اعادہ نہیں ہوتا اور روئی کا تنا، دودھ دوہنا، اون کا ثنا وغیرہا
اگرچہ یہ بائع کے پاس ہو، ”در“۔ تو قابض غیر قابض کی نسبت زیادہ حق دار ہوگا اس پر اجماع ہے مگر جب غیر قابض اس پر فعل
کا دعویٰ کرے جیسے غصب، ودیعت، اجارہ وغیرہ یہ ایک روایت میں ہے، ”در“۔ یا وہ ایسے سبب پر گواہیاں قائم کریں جو متکرر
ہو سکتا ہے جیسے عمارت تعمیر کرنا، درخت لگانا، ریشم بننا، گندم کاشت کرنا وغیرہ یا وہ ایسا سبب ہو جو دانشمندوں پر مشتبہ ہو جائے

تنازع نہ کریں۔ مگر جب وہ مال میں ملک مطلق میں تنازع کریں اور ملک مطلق اور اس کے بچے کی ولادت کے بارے میں
گواہی دیں تو اسے مقدم نہیں کیا جائے گا۔ اس مسئلہ کو یاد رکھنا واجب ہے۔

27943۔ (قوله: كَالِنَتَّاجِ) اس سے مراد حیوان کی ولادت ہے یہ تتجت عندہ سے مشتق ہے۔ تتجت مجہول کا
صیغہ ہے اس نے بچہ جننا اور وضع حمل کیا جس طرح ”المغرب“ میں ہے۔ مراد اس کی ملک میں، بائع کی ملک میں یا مورث کی
ملک میں اس کا پیدا ہونا ہے۔ اس کی وضاحت ”البحر“ میں ہے۔

27944۔ (قوله: فِعْلًا) یعنی اگر غیر قابض بچے کی ولادت کا دعویٰ نہ کرے۔ تامل

27945۔ (قوله: فِي رِوَايَةِ) زیادہ بہتر یہ قول ہے: بنی قول جس طرح ”شرنبلالیہ“ میں ہے۔

27946۔ (قوله: دُرٍّ) ”زیلعی“، صاحب ”البحر“ اور ”بدایہ“ کے شارحین نے اس پر اکتفا کیا ہے۔ ہم نے مصنف
کے قول فلولم یورخا قاضی بہا لندی البید جو آنے والا ہے کہ تحت جو کچھ لکھا ہے اس کی تائید کرتا ہے۔ ”زیلعی“ نے نتائج کے
دعویٰ میں قابض کو مقدم کرنے کی تعلیل کے بعد کہا، قبضہ ملک کی اولیت پر دلالت نہیں کرتا پس وہ اس میں غیر قابض کے مساوی
ہوگا پس اولیت ثابت کرنے کی صورت میں غیر قابض مندفع (درمیان سے ہٹ جانا) ہو جاتا ہے اور قابض کی گواہیاں
خصوصیت کو ختم کرنے میں مقبول ہوں گی جب غیر قابض قابض پر فعل کا دعویٰ کرے تو اس سے یہ لازم نہیں آتا جب اس کی
گواہیاں رنج ہوں اگرچہ قابض نتائج کا دعویٰ کرے کیونکہ اس صورت میں وہ اثبات میں بڑھ کرے کیونکہ یہ اس چیز کو ثابت
کر دیتا ہے جو اصلاً غیر ثابت ہوتا ہے۔ ”ملخص“

جب وہ مال میں تنازع کریں اسے بھی مستثنیٰ کیا جائے گا جس طرح پہلے قول گزر چکا ہے اور جب غیر قابض بچے کی
ولادت کے ساتھ آزاد کیے جانے کا دعویٰ کرے تو اسے بھی مستثنیٰ کیا جائے گا۔ اس کی وضاحت ”البحر“ میں ہے۔

29747۔ (قوله: وَنَسِجٍ خَزٍ) ”الکفایہ“ میں کہا: خز ایک جانور کا نام ہے پھر اس کپڑے کو خز کہتے ہیں جو اس کے
بالوں سے بنایا جائے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد بننا ہے جب یہ پوشیدہ ہو جائے تو اسے دوسری دفعہ کا تا جاتا ہے

فَهُوَ لِلْخَارِجِ؛ لِأَنَّهُ الْأَصْلُ وَإِنَّمَا عَدَلْنَا عَنْهُ بِحَدِيثِ النَّتَاجِ (وَإِنْ بَرَّهَنْ كُلٌّ) مِنَ الْخَارِجِينَ أَوْ ذَوِي الْأَيْدِي أَوْ الْخَارِجِ وَذِي الْيَدِ عَيْنِي (عَلَى الشَّمَاءِ مِنَ الْآخِرِ بِلَا وَقْتٍ سَقَطَا وَتَرَكَ النَّبَالَ) الْمُدَّعَى بِهِ (فِي يَدٍ مِنْ مَعَهُ) وَقَالَ مُحَمَّدٌ يُقْضَى لِلْخَارِجِ قُلْنَا الْإِقْدَامُ عَلَى الشَّمَاءِ إِقْرَارٌ مِنْهُ بِالْمِلْكِ لَهُ وَلَوْ أَثْبَتْنَا قَبْضًا تَهَاتَرْتَا اتِّفَاقًا دُرَرٌ (وَلَا يُرْجَحُ بِيَاذَةِ عَدَدِ الشُّهُودِ) فَإِنَّ التَّرْجِيحَ عِنْدَنَا بِقُوَّةِ الدَّلِيلِ لَا بِكَثْرَتِهِ،

تو وہ چیز غیر قابض کی ہوگی۔ کیونکہ یہی اصل ہے۔ ہم نے اس سے عدول حدیث نتاج کی وجہ سے کیا تھا۔ اگر دونوں غیر قابض یا قابض یا غیر قابض اور قابض، ”عینی“۔ کسی اور سے خریداری پر گواہیاں قائم کریں جب کہ وقت ذکر نہ کریں تو وہ گواہیاں ساقط ہو جائیں گی اور مدعی بہ مال اس آدمی کے ہاتھ میں چھوڑ دیا جائے گا جس کے قبضہ میں وہ ہو۔ ابام ”محمد“ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: غیر قابض کے حق میں اس کا فیصلہ کر دیا جائے گا۔ ہم کہتے ہیں: خریداری پر اقدام اس کی جانب سے دوسرے کے لیے ملک کا اقرار ہے اگر دونوں قبضہ کو ثابت کریں تو بالاتفاق ساقط الاعتبار ہو جائیں گی۔ ”درر“۔ گواہوں کی تعداد کی زیادتی کی وجہ سے ترجیح نہیں دی جائے گی۔ کیونکہ ہمارے نزدیک ترجیح دلیل کی قوت کے ساتھ ہوتی ہے اس کی کثرت کے ساتھ نہیں ہوتی۔

اور پھر بنا جاتا ہے۔ ”عزمی حاشیہ“ میں اسی طرح ہے۔

27948۔ (قولہ: بِحَدِيثِ النَّتَاجِ) اس سے مراد وہ حدیث ہے جسے حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا ہے: ”ایک آدمی نے ایک ایسی اونٹنی کے متعلق دعویٰ کیا جو ایک آدمی کے قبضہ میں تھی اور اس نے گواہیاں قائم کر دیں کہ یہ اس کی اونٹنی ہے جس نے اس کے ہاں بچہ جنا اور وہ آدمی جس کے قبضہ میں اونٹنی تھی اس نے گواہیاں قائم کر دیں کہ یہ اس کی اونٹنی ہے جس نے بچہ جنا، فقہی بھار رسول اللہ ﷺ للذی ہی فی یدیه (1)، تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا فیصلہ اس کے حق میں کر دیا جس کے قبضہ میں وہ تھی۔ یہ حدیث صحیح مشہور ہے پس بچہ جننے کا مسئلہ مخصوص ہوگا۔ ”بحر“۔

27949۔ (قولہ: مِنَ الْآخِرِ) یعنی دوسرے خصم سے۔

27950۔ (قولہ: بِلَا وَقْتٍ) اگر دونوں وقت کی تعیین کریں تو بعد کے وقت والے کے حق میں فیصلہ کر دیا جائے گا۔ ”بحر“۔

27951۔ (قولہ: وَقَالَ مُحَمَّدٌ يُقْضَى لِلْخَارِجِ) کیونکہ دونوں پر عمل کرنا ممکن ہے۔ پس اس کو یوں بنا دیا جائے گا

گویا قابض نے دوسرے سے خریدا، قبضہ کیا پھر بیچ دیا۔ اس کی مکمل بحث ”البحر“ میں ہے۔

27952۔ (قولہ: بِالْمِلْكِ لَهُ) پس یہ یوں ہو گیا گویا دونوں دو اقراروں پر قائم رہے تو اس میں بالاجماع گواہیاں

ساقط ہو جائیں گی یہاں بھی صورت حال اسی طرح ہے۔

27953۔ (قولہ: تَهَاتَرْتَا) کیونکہ جمع کرنا ممکن نہیں، ”بحر“۔ یہ جائیداد کے علاوہ میں ہے اسکی وضاحت بھی ”البحر“

میں ہے۔

ثُمَّ فَرَعَ عَلَى هَذَا الْأَصْلِ بِقَوْلِهِ (فَلَوْ أَقَامَ أَحَدُ الْمُدَّعِيَيْنِ شَاهِدَيْنِ وَالْآخَرُ أَرْبَعَةً فَهُمَا سَوَاءٌ) فِي ذَلِكَ (وَكَذَا لَا تَرْجِيحَ بِيَاذَةِ الْعَدَالَةِ) لِأَنَّ الْمُعْتَبَرَ أَصْلُ الْعَدَالَةِ؛ إِذْ لَا حَدَّ لِلْعَدْلِيَّةِ (دَارِي فِي يَدِ آخِرٍ ادَّعَى رَجُلٌ نِصْفَهَا، وَآخِرٌ كُلَّهَا وَبَرَّهَنَّا فَلِلْأَوَّلِ رُبُعُهَا وَالْبَاقِي لِلْآخِرِ بِطَرِيقِ الْمُنَازَعَةِ) وَهُوَ أَنَّ النِّصْفَ سَالِمٌ لِمُدَّعِي الْكُلِّ بِلَا مُنَازَعَةٍ ثُمَّ اسْتَوَتْ مُنَازَعَتُهُمَا فِي النِّصْفِ الْآخِرِ فَيُنْصَفُ (وَقَالَا الثُّلُثُ لَهُ وَالْبَاقِي لِلثَّانِي بِطَرِيقِ الْعَوْلِ) لِأَنَّ فِي الْمَسْأَلَةِ كُلًّا وَنِصْفًا فَالْمَسْأَلَةُ مِنْ اثْنَيْنِ وَتَعُولُ إِلَى ثَلَاثَةٍ وَاعْدَمَ أَنَّ أَنْوَاعَ الْقِسْمَةِ أَرْبَعَةٌ مَا يُقْسَمُ بِطَرِيقِ الْعَوْلِ إجماعاً وَهُوَ ثَمَانِ مِيرَاثٌ وَدْيُونٌ وَوَصِيَّةٌ

پھر اس قاعدہ پر اپنے اس قول سے تفریع بیان کہ ہے: اگر ایک مدعی دو گواہ پیش کرے اور دوسرا چار پیش کرے تو اس میں وہ دونوں اسی طرح عدالت کی زیادتی کی وجہ سے کوئی ترجیح نہیں ہوگی۔ کیونکہ معتبر اصل عدالت ہے۔ کیونکہ زیادہ عدل ہونے کی کوئی حد نہیں۔ ایک گھر دوسرے آدمی کے قبضہ میں ہے ایک آدمی نے اس کے نصف کا دعویٰ کیا اور دوسرے نے تمام گھر کا دعویٰ کیا اور دونوں نے گواہیاں پیش کر دیں تو پہلے کے لیے چوتھائی ہوگا اور باقی دوسرے کے لیے ہوگا۔ یہ اس صورت میں ہے جب فیصلہ بطریق منازعہ ہو۔ اس کی صورت یہ ہے کہ نصف گھر اس مدعی کے لیے منازعہ کے بغیر سالم ہے جو تمام کا مدعی ہے پھر دوسرے نصف میں منازعہ برابر ہو گیا۔ پس اس کو نصف نصف کر دیا جائے گا۔ ”صاحبین“ حوالہ دیتے ہیں کہ: ایک تہائی اس کا ہوگا اور باقی دوسرے کے لیے بطریق عدل ہوگا۔ کیونکہ مسئلہ میں کل اور نصف ہے پس مسئلہ دو سے ہے اور یہ تین کی طرف عدل کرے گا۔ یہ جان لو کہ تقسیم کی چار اقسام ہیں (۱) جسے بطریق عول تقسیم کیا جاتا ہے۔ اس پر تمام علماء کا اجماع ہے یہ آٹھ ہیں: میراث، دیون، وصیت،

27954۔ (قوله: فَهُمَا سَوَاءٌ فِي ذَلِكَ) ہمارے مشائخ کے شیخ نے فرمایا: چاہیے کہ اس کی یہ قید لگائی جائے کہ جب وہ تواتر کی حد تک نہ پہنچے۔ کیونکہ جب ایک کی گواہی حد تواتر تک جا پہنچے تو وہ علم کا فائدہ دے گی۔ پس یہ نہیں چاہیے کہ اسے دوسری جانب کی طرح بنادیا جائے۔

میں کہتا ہوں: ”الشمی“ اور ”الزلیعی“ میں جو کچھ ہے اس کا ظاہر اس امر کا فائدہ دیتا ہے۔ کیونکہ کہا: ہماری دلیل یہ ہے: دو گواہوں کی شہادت مکمل علت ہے جس طرح حالت انفراد میں مکمل علت ہوتی ہے۔ ترجیح کثرت علت کی وجہ سے نہیں ہوتی بلکہ قوت کی وجہ سے ہوتی ہے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ دونوں میں سے ایک متواتر ہو اور دوسری آحاد میں ہو۔ یا دونوں میں سے ایک مفسر ہو اور دوسری مجمل ہو۔ پس مفسر کو مجمل پر اور متواتر کو آحاد پر ترجیح دی جائے گی۔

اگر ایک نصف کا جب کہ دوسرا تمام گھر کا دعویٰ کرے تو اس کی تقسیم میں فقہاء کا موقف

27955۔ (قوله: بِطَرِيقِ الْمُنَازَعَةِ) یہ جان لو کہ امام ”ابو حنیفہ“ رحمہ اللہ نے اس مسئلہ میں منازعہ کے طریقہ کا اعتبار کیا ہے۔ وہ یہ ہے نصف اس مدعی کے لیے منازعہ کے بغیر سالم ہے جس نے کل کا دعویٰ کیا ہے دوسرا نصف باقی رہ گیا اس

وَمُحَابَاةٌ وَدَرَاهِمُ مُرْسَلَةٌ وَسِعَايَةٌ وَجَنَائَةٌ رَقِيقٌ وَبَطْرِيقٌ الْمُنَازَعَةُ إِجْمَاعًا وَهُوَ مَسْأَلَةُ الْفُضُولِيِّينَ وَبَطْرِيقٌ الْمُنَازَعَةُ عِنْدَهُ وَالْعَوْلُ عِنْدَهُمَا، وَهُوَ ثَلَاثُ مَسَائِلَ مَسْأَلَةُ الْكِتَابِ وَإِذَا أَوْصَى لِرَجُلٍ بِكُلِّ مَالِهِ أَوْ بَعْدَ بَعْضِهِ وَلَا آخَرَ بِنَصْفٍ ذَلِكَ وَبَطْرِيقٌ الْعَوْلُ عِنْدَهُ وَالْمُنَازَعَةُ عِنْدَهُمَا وَهُوَ خَمْسُ كَمَا بَسَطَهُ الرَّيْدِيُّ وَالْعَيْنِيُّ وَتَبَايُهَا فِي الْبَحْرِ وَالْأَصْلُ عِنْدَهُ أَنَّ الْقِسْمَةَ مَتَى وَجَبَتْ لِحَقِّ ثَابِتٍ فِي عَيْنٍ أَوْ ذِمَّةٍ شَائِعًا فَعَوْلِيَّةٌ أَوْ مُبَيَّنًّا أَوْ لِأَحَدِهِمَا شَائِعًا وَلِلْآخَرِ فِي الْكُلِّ فَمُنَازَعَةٌ وَعِنْدَهُمَا مَتَى ثَبَتَا

محابات، دراہم مرسلہ، سعایت اور غلام کی جنایت، اور جسے بطریق منازعہ تقسیم کیا جاتا ہے۔ اس پر سب کا اجماع ہے وہ ”فضولیین“ کا مسئلہ ہے۔ اور جنہیں ”امام صاحب“ رحمہ اللہ کے نزدیک بطریق منازعہ اور ”صاحبین“ رحمہ اللہ کے نزدیک جنہیں بطریق عدل تقسیم کیا جاتا ہے وہ تین مسائل ہیں۔ ”الکتاب“ (یعنی متن) کا مسئلہ ہے: جب کوئی آدمی کسی دوسرے شخص کے لیے اپنے تمام مال کی وصیت کرے یا معین غلام کی وصیت کرے تو اور دوسرے کے لیے اپنے تمام مال کی وصیت کرے یا معین غلام کی وصیت کرے اور دوسرے کے لیے اس کے نصف کی وصیت کرے۔ اور جسے ”امام صاحب“ رحمہ اللہ کے نزدیک بطریق عول اور ”صاحبین“ رحمہ اللہ کے نزدیک بطریق منازعہ تقسیم کیا جاتا ہے وہ پانچ مسائل ہیں جس طرح ”زیلعی“ اور ”عینی“ نے تفصیل سے بیان کیا ہے۔ اس کی مکمل بحث ”البحر“ میں ہے۔ ”امام صاحب“ رحمہ اللہ کے نزدیک قاعدہ یہ ہے کہ ایسی تقسیم جو کسی ایسے حق میں ثابت ہو جو حق کسی عین میں یا ذمہ میں بطور اشتراک کے ثابت ہو تو وہ تقسیم عولی ہوتی ہے یا وہ حق ممیز ہو یا دونوں میں سے ایک کے لیے مشترک اور دوسرے کے لیے کل میں حق ثابت ہو تو وہ تقسیم منازعہ کے طریقہ پر ہوگی۔ اور ”صاحبین“ رحمہ اللہ کے نزدیک جب دونوں حق اکٹھے

دوسرے نصف میں دونوں کا منازعہ برابر ہے پس وہ نصف نصف ہو جائے گا۔ پس جو کل کا مدعی تھا اس کے لیے تین چوتھائی اور جو نصف کا مدعی تھا اس کے لیے ایک چوتھائی ہوگا۔

”صاحبین“ رحمہ اللہ نے طول اور مضاربہ کے طریقہ کا اعتبار کیا ہے اسے یہ نام اس لیے دیا گیا۔ کیونکہ مسئلہ میں کل اور نصف ہے۔ پس مسئلہ دو سے ہوگا۔ اور تین کی طرف عول کرے گا۔ پس جو کل کا مدعی تھا اس کو دو حصے مل جائیں گے اور جو نصف کا مدعی تھا اسے ایک حصہ مل جائے گا۔ یہ عول کا طریقہ ہے۔ جہاں تک مضاربہ کا طریقہ ہے کیونکہ ہر ایک کو امر کے حق کی مقدار سے ضرب دی جائے گی جو کل کا مدعی ہے اس کو تین سے دو تہائی ملیں گے پس دو تہائی میں ضرب دی جائے گی اور جو نصف کا مدعی ہے اس کے لیے تین میں ایک تہائی ہوگا پس گھر میں ایک تہائی کو گھر میں ضرب دی جائے گی پس گھر کا ایک تہائی حاصل ہو گیا۔ کیونکہ کسور کی ضرب اضافت کے طریقہ پر ہوتی ہے کیونکہ جب ایک تہائی کی چھ میں ضرب دی جائے تو اس کا معنی چھ کا ایک تہائی ہوتا ہے وہ دو ہیں۔ ”منح“۔

27956۔ (قولہ: وَمُحَابَاةٌ) مراد محابات کی وصیت ہے اس کی صورت یہ ہے جب کوئی آدمی وصیت کرے کہ اس

مَعَ عَلَى السُّيُوعِ فَعُولِيَّةٌ وَإِلَّا فَمُنَازَعَةٌ فَلْيُحْفَظْ (وَلَوْ الدَّارُ فِي أَيْدِيهِمَا فَهِيَ لِلثَّانِي) نِصْفٌ لَا بِالنِّصْفِ
وَنِصْفٌ بِهِ لِأَنَّهُ خَارِجٌ

اشتراک کے طریقہ پر ثابت ہوں تو ان کی تقسیم عولی ہوگی ورنہ تقسیم منازعہ کے طریقہ پر ہوگی، فلیحفظ۔ اگر گھر دونوں کے قبضہ میں ہو تو گھر دوسرے کا ہوگا نصف قضا کے بغیر اور نصف قضا کے ساتھ کیونکہ وہ اس نصف میں غیر قابض ہے۔

غلام جس کی قیمت تین ہزار ہے اس آدمی کے ہاتھ دو ہزار میں بیچی جائے اور دوسرے آدمی کے حق میں وصیت کی کہ وہ غلام جس کی قیمت دو ہزار درہم ہے ایک ہزار میں اس کو بیچا جائے۔ یہاں تک دونوں کے لیے دو ہزار کی محابات حاصل ہو جائے تو ایک تہائی عول ان میں تقسیم کر دیا جائے گا۔ ”ح“۔

دراہم مرسلہ کی وصیت کا طریقہ یہ ہے: جب ایک آدمی ایک آدمی کے لیے ہزار کی وصیت کرے اور دوسرے کے لیے دو ہزار کی وصیت کرے تو ایک تہائی بطریق عول ان میں تقسیم کیا جائے گا۔

آزادی کی وصیت: جب ایک آدمی یہ وصیت کرے کہ اس غلام سے اس کا نصف آزاد کر دیا جائے اور اس نے یہ وصیت کی کہ اس دوسرے غلام سے ایک تہائی آزاد کر دیا جائے اور یہ مقدار ایک تہائی سے پوری نہیں ہوتی تو ایک تہائی مال ان کے درمیان بطریق عول تقسیم کر دیا جائے گا۔ اور دونوں میں سے ہر ایک سے سعایت میں سے اس کا حصہ ساقط ہو جائے گا، ”ح“۔ ”حاشیہ“ میں اسی طرح ہے۔

اس میں ہے: ایک مدبر ہے جس نے اس طریقہ سے جنایت کی اور قیمت جنایت کے اولیاء کو دے دی گئی تو ان میں قیمت بطریق عول تقسیم ہوگی۔

جہاں تک اس کا تعلق ہے جسے ائمہ کے نزدیک بطریق منازعہ تقسیم کیا جاتا ہے تو وہ ایک مسئلہ ہے اسے ”جامع“ میں ذکر کیا ہے: ایک فضولی ہے جس نے ایک غلام کسی کے ہاتھ ہزار میں بیچا ہے اور دوسرا فضولی ہے جس نے اس کا نصف ایک اور آدمی کے ہاتھ پانچ سو میں بیچا ہے۔ آقا نے دونوں بیعوں کو اکٹھے جائز قرار دے دیا تو دونوں خریداروں کو اختیار ہوگا۔ جب دونوں اس کے لینے کو اختیار کریں تو دونوں بطریق منازعہ لیں اس کا تین چوتھائی اس کا ہوگا جس نے کل خریدا ہے اور چوتھائی اس کا ہوگا جس نے نصف خریدا۔ یہ ان سب ائمہ کے نزدیک ہے۔

”البحر“ میں ہے: ایک غلام ہے جس نے ایک آدمی کی آنکھ پھوڑ دی اور دوسرے کو قتل کر دیا جب کہ یہ عمل خطا ہوا تو یہ غلام ان دونوں کے بدلے میں دے دیا گیا تو جنایت کرنے والے کو بطریق عدل تقسیم کیا جائے گا اس کے دو تہائی مقتول کے ولی کو دیئے جائیں گے اور ایک تہائی دوسرے کو دیا جائے گا۔ ”بحر“۔ ”حاشیہ“ میں اسی طرح ہے۔

مولف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: یہاں انہوں نے آزاد کرنے کی وصیت کو ترک کر دیا ہے۔ اس کے ساتھ آٹھ صورتیں پوری ہو جاتی ہیں۔

27957۔ (قوله: لِأَنَّهُ خَارِجٌ) کیونکہ جو نصف کا مدعی ہے اس کا دعویٰ صرف اس کی طرف پھر جاتا ہے جو اس کے

وَلَوْ فِي يَدٍ ثَلَاثَةٌ وَادَّعَى أَحَدُهُمْ كُلَّهَا، وَآخَرُ نِصْفَهَا وَآخَرُ ثُلُثَهَا وَبَرَّهْنُوا قُسِمَتْ عِنْدَهُ بِالْمُنَازَعَةِ، وَعِنْدَهُمَا بِالْعَوْلِ وَبَيَّانُهُ فِي الْكَافِي (وَلَوْ بَرَّهْنَا عَلَى تِتَابِ دَابَّةٍ) فِي أَيْدِيهِمَا أَوْ أَحَدِهِمَا أَوْ غَيْرِهِمَا (وَأَرَاخَا قُضِيَ لِمَنْ وَافَقَ سِتُّهَا تَارِيخَهُ) بِشَهَادَةِ الظَّاهِرِ (فَلَوْ لَمْ يُؤَرَّخَا قُضِيَ بِهَا لِذِي الْيَدِ وَلَهُمَا إِنْ فِي أَيْدِيهِمَا أَوْ فِي يَدٍ ثَالِثٍ إِنْ لَمْ يُوَافِقْهُمَا) بِأَنْ خَالَفَ أَوْ أَشْكَلَ (فَلَهُمَا إِنْ كَانَتْ فِي أَيْدِيهِمَا أَوْ كَانَا خَارِجَيْنِ فَإِنْ فِي يَدٍ أَحَدِهِمَا قُضِيَ بِهَا لَهُ) هُوَ الْأَصَحُّ

اگر ایک گھرتین افراد کے قبضہ میں ہے اور ان میں سے ایک پورے گھر کا دعویٰ کرے اور دوسرا اس کے نصف کا دعویٰ کرے اور تیسرا اس کے ایک تہائی کا دعویٰ کرے اور سب گواہیاں قائم کر دیں۔ امام ”ابو حنیفہ“ رحمہ اللہ کے نزدیک اس گھر کو منازعہ کے طریقہ پر تقسیم کیا جائے گا اور ”صاحبین“ رحمہ اللہ کے نزدیک عول کے طریقہ پر تقسیم کیا جائے گا۔ اس کی وضاحت ”کافی“ میں ہے۔ اگر دونوں اپنے قبضہ میں یا ان میں سے ایک کے قبضہ میں یا ان دونوں کے علاوہ کسی اور کے قبضہ میں ہونے پر گواہیاں پیش کریں اور دونوں تاریخ کا ذکر کریں تو اس کے حق میں فیصلہ کیا جائے گا جس کے حق میں اس جانور کی عمر اس کی بیان کردہ تاریخ کے موافق ہوگی۔ یہ ظاہر حال کی شہادت کی بنا پر ہے۔ اگر وہ دونوں تاریخ بیان نہ کریں تو اس جانور کا فیصلہ اس کے حق میں کیا جائے گا جو قابض ہوگا اور ان دونوں کے حق میں اس کا فیصلہ کیا جائے گا اگر وہ ان دونوں کے قبضہ میں ہو یا کسی تیسرے فرد کے قبضہ میں ہو۔ اگر تاریخ دونوں کے موافق نہ ہو اس کی صورت یہ ہے کہ وہ ان کے خلاف ہو یا اشکال پیدا کرے اگر وہ ان دونوں کے قبضہ میں ہو یا دونوں غیر قابض ہوں اگر وہ ان دونوں میں سے کسی ایک کے قبضہ میں ہو تو اس جانور کا فیصلہ اس کے حق میں کر دیا جائے گا۔ یہی اصح ہے۔

قبضہ میں ہے اور اس کے ساتھی کے قبضہ میں جو کچھ ہے اس میں وہ کسی شے کا دعویٰ نہیں کرتا۔

27958۔ (قوله: وَبَيَّانُهُ فِي الْكَافِي) اس کا ذکر ”غرر الافکار“ میں کیا ہے۔ پس اس کی طرف رجوع کیجئے۔

27959۔ (قوله: وَلَوْ بَرَّهْنَا) یہ تصور کیا جاسکتا ہے کہ دو گواہوں نے یہ دیکھا ہو کہ اس نے اس مادہ کا دودھ پیا جو

دوسرے کی ملک میں تھی۔ پس دونوں فریقوں کے لیے گواہی حلال ہو جائے گی۔ ”بحر“ میں ”الخلاصہ“ سے مروی ہے۔ ہم پہلے (مقولہ 27642 میں) اس سے نقل کر چکے ہیں۔ بچہ جننے کی صورت میں تاریخ کا کوئی اعتبار نہیں مگر جب وہ ایسی تاریخ بیان کرے جو محال ہو۔ قائل

27960۔ (قوله: لِذِي الْيَدِ) یہ اس کے ساتھ مقید ہے کہ جب دونوں میں سے ہر ایک صرف بچہ جننے کا دعویٰ

کرے اگر غیر قابض قابض پر فعل کا دعویٰ کرے جیسے غصب، اجارہ اور عاریہ۔ تو غیر قابض کی گواہیاں اولیٰ ہوں گی۔ کیونکہ یہ اثبات میں اکثر واقع ہوا ہے۔ کیونکہ یہ گواہیاں قابض کے خلاف فعل کو ثابت کرتی ہیں۔ جس طرح ”البحر“ میں ”الزلیعی“ سے مروی ہے۔

قُلْتُ وَهَذَا أَوَّلَى مِمَّا وَقَعَ فِي الْكُنْزِ وَالذَّرَرِ وَالْمُلْتَقَى فَتَبَيَّنَ (بَرَهَنَ أَحَدُ الْخَارِجَيْنِ عَلَى الْغَضَبِ) مِنْ زَيْدٍ (وَالْآخَرُ عَلَى الْوَدِيعَةِ) مِنْهُ (اسْتَوَيَا) لِأَنَّهَا بِالْجَحْدِ تَصِيرُ غَضَبًا (النَّاسُ أَحْرَارٌ) بِلَا بَيَانٍ

میں کہتا ہوں: یہ قول اس سے بہتر ہے جو ”کنز“، ”الذرر“ اور ”الملتقی“ میں ہے۔ پس خوب توجہ کیجئے۔ دو غیر قابض افراد میں سے ایک نے زید کے غصب پر گواہیاں قائم کیں اور دوسرے نے زید کے ہاں ودیعت پر گواہیاں قائم کیں تو وہ دونوں برابر ہوں گے۔ کیونکہ ودیعت کے انکار کی صورت میں وہ غصب ہو جائے گا اگر وضاحت کے بغیر آزاد ہوں گے

”نور العین“ میں ”الذخیرہ“ سے اس کے برعکس نقل کیا ہے جو ”المبسوط“ میں ہے۔ کہا: ظاہر یہ ہے کہ جو ”الذخیرہ“ میں ہے وہی اصح اور ارجح ہے۔ کیونکہ ”خواہر زادہ“ کی ”الخلاصہ“ کی کتاب الولاء (یعنی باب الشہادۃ فی الولاء) میں ہے: جب قابض بچے کے جننے کا دعویٰ کرے اور غیر قابض یہ دعویٰ کرے کہ یہ اس کی ملکیت ہے قابض نے اس سے اس چیز کو غصب کیا ہے یا اسے ودیعت کے طور پر دیا یا اسے عاریہ دیا ہے تو غیر قابض کی گواہیاں زیادہ قابل قبول ہوں گی۔ قابض کی گواہیاں بچے جننے پر رائج ہوں گی جب غیر قابض قابض کے خلاف فعل کا دعویٰ نہ کرے مگر جب غیر قابض قابض کے خلاف فعل کا دعویٰ کرے جیسے شرا وغیرہ تو غیر قابض کی گواہیاں اولیٰ ہوں گی۔ کیونکہ یہ اثبات میں بڑھ کر ہیں۔ اثبات میں بڑھ کر اس لیے ہیں کیونکہ یہ اس کے خلاف فعل کو ثابت کرتی ہیں۔ اس صفحہ سے قبل صفحہ کے حاشیہ میں جوہم نے (مقولہ 27946 میں) لکھا ہے اسے بھی دیکھیے۔

27961۔ (قولہ: مِمَّا وَقَعَ فِي الْكُنْزِ) کیونکہ کہا: وان اشکل فلہما اگر وہ اشکال پیدا کرے تو وہ چیز دونوں میں تقسیم کی جائے گی۔ کیونکہ ان کا قول وان لم یوافقہما یہ ”الکنز“ کے قول سے عام ہے۔ اسی طرح ”الکنز“ کا قول فلہما اس کے ساتھ مقید ہے جب وہ ان دونوں میں سے ایک کے قبضہ میں نہ ہو۔ ”الملتقی“ اور ”الغرر“ کی عبارت ہے: اگر وہ اشکال پیدا کرے تو وہ ان دونوں کی ہوگی۔ اگر وہ ان دونوں کی مخالفت کرے تو باطل ہو جائے گی۔ شارح نے ”شرح الملتقی“ میں کہا: قابض کے حق میں ترک کی قضا کے ساتھ فیصلہ کر دیا جائے گا۔ اسی طرح ”الہدایہ“ اور ”الکافی“ میں اختیار کیا ہے۔ میں کہتا ہوں: لیکن اصح یہ ہے کہ وہ مشکل کی طرح ہے جس طرح ”التنویز“، ”الذرر“ اور ”البحر“ وغیرہ میں یقین کے ساتھ بیان کیا ہے۔ پس اس کو یاد رکھا جانا چاہیے۔

میں کہتا ہوں: ”شرنبلائی“ نے ”کافی الحاکم“ سے نقل کیا ہے: اول یہی صحیح ہے کیونکہ دونوں گواہیاں جھوٹی ہیں۔ پس قابض کے ہاتھ میں اسے چھوڑ دیا جائے گا کہا: اس کا حاصل یہ ہے کہ تصحیح میں اختلاف ہے۔

27962۔ (قولہ: مِنْ زَيْدٍ) نسخوں میں اسی طرح واقع ہوا ہے۔ صحیح یہ ہے: یعنی دونوں غیر قابضوں میں سے ایک کے قبضہ میں سے زید نے غصب کیا۔

”زیلعی“ نے ”منح“ نے کہا: اس کا معنی ہے: جب کوئی عینی چیز کسی آدمی کے قبضہ میں ہو دو آدمی اس پر گواہیاں قائم کر دیں ان میں سے ایک غصب کا دعویٰ کرے اور دوسرا ودیعت کا دعویٰ کرے تو دونوں دعوے برابر ہو جائیں گے۔ یہاں تک

(الْأَفِي) أَرْبَع (الشَّهَادَةُ وَالْحُدُودُ وَالْقِصَاصُ وَالْقَتْلُ) كَذَا فِي نُسْخَةِ الْمُصَنِّفِ وَفِي نُسْخَةِ وَالْعَقْلِ،
وَعِبَارَةُ الْأَشْبَاهِ وَالذِّيَّةِ وَحِينَئِذٍ (فَلَوْ ادَّعَى عَلَى مَجْهُولِ الْحَالِ) أَحْرًا أَمْ لَا (أَنَّهُ عَبْدُهُ فَأَنْكَرَهُ وَقَالَ أَنَا
حُرٌّ الْأَصْلُ فَالْقَوْلُ لَهُ) لَتَسْكُكِهِ بِالْأَصْلِ (وَاللَّابِسُ) لِلثُّوبِ (أَحَقُّ مِنْ أَخِيذِ الْكُمِّ وَالرَّكِبُ أَحَقُّ مِنْ
أَخِيذِ اللَّجَامِ وَمَنْ فِي السَّجِّجِ مِنْ رَدِيفِهِ

مگر چار چیزوں میں ایسا نہیں ہوگا: گواہی، حدود، قصاص اور قتل۔ مصنف کے نسخہ میں اسی طرح ہے۔ ایک نسخہ میں ہے: عقل
یعنی دیت مراد ہے۔ ”الاشباہ“ کی عبارت ہے: دیت۔ اس وقت اگر مجہول الحال آدمی پر دعویٰ کیا گیا۔ اس سے مراد ہے کیا
وہ آزاد ہے یا نہیں؟ کہ وہ غلام ہے مجہول الحال آدمی نے غلام ہونے کا انکار کیا اور کہا: میں اصلاً آزاد ہوں تو اس کا قول معتبر
ہوگا۔ کیونکہ وہ اصل سے تمسک کرنے والا ہوتا ہے۔ جس نے کپڑے کو زیب تن کیا ہوا ہے وہ اس کپڑے کا اس آدمی سے
زیادہ مستحق ہے جس نے اس کپڑے کی آستین پکڑی ہوئی ہو اور سوار اس آدمی کی بنسبت سواری کا زیادہ مستحق ہے جو اس
سواری کی لگام پکڑے ہوئے ہو اور زین میں اس کا ردیف ہو

کہ دونوں کے درمیان نصف نصف کا فیصلہ کر دیا جائے گا۔ کیونکہ ودیعت انکار کی صورت میں غصب ہو جاتی ہے۔ یہاں تک
کہ اس پر ضمان واجب ہو جاتی ہے۔ ”مدنی“۔

ظاہر یہ ہے کہ اس نے یہ ارادہ کیا کہ یہ غصب زید کی جانب سے واقع ہوا۔ پس زید، غاصب ہے۔ من حرف جار یہ
غصب کا صلہ نہیں بلکہ یہ ابتدائیہ ہے۔ تامل

27963۔ (قوله: الشَّهَادَةُ) جب خصم گواہ پر غلام ہونے کا طعن کرے گا تو شاہد کے متعلق پوچھا جائے گا۔ اگر وہ
طعن نہ کرے تو سوال نہیں کیا جائے گا۔ اس گواہ کا یہ قول قبول نہیں کیا جائے گا میں آزاد ہوں۔ یہ شہادت کی طرف نسبت کے
اعتبار سے ہوگا جب تک وہ گواہیاں قائم نہ کرے جب وہ تہمت لگائے پھر وہ یہ گمان کرے کہ جس پر اس نے تہمت لگائی
ہے۔ وہ غلام ہے تو اس پر حد جاری نہیں کی جائے گی یہاں تک کہ دلیل کے ساتھ مقذوف اپنی آزادی ثابت نہ کرے۔ اسی
طرح اگر انسان کسی کا ہاتھ کاٹ دے۔ اسی طرح اگر وہ کسی انسان کو قتل کر دے جب کہ یہ عمل خطا ہو عاقلہ یہ گمان کرے کہ
مقتول غلام ہے۔ ”ط“۔

27964۔ (قوله: الذِّيَّةُ) یہ تین الفاظ قتل، عقل اور دیت انجام کے اعتبار سے ایک ہیں۔

27965۔ (قوله: وَاللَّابِسُ لِلثُّوبِ) شیخ ”قاسم“ نے کہا: اس کے حق میں ترک کی قضا کے طور پر فیصلہ کر دیا جائے
گا استحقاق کے قضا کے طور پر فیصلہ نہیں کیا جائے گا۔ یہاں تک کہ اگر دوسرا اس کے بعد گواہیاں قائم کر دے تو اس کے حق میں
فیصلہ کر دیا جائے گا۔ ”شرنبلالیہ“۔

27966۔ (قوله: وَمَنْ فِي السَّجِّجِ) ”ناطقی“ نے یہ روایت ”النوادر“ سے نقل کی ہے ظاہر الروایہ میں ہے۔ یہ ان

وَذُو حَمْلَيْهَا مِمَّنْ عَلَّقَ كَوْزَهُ بِهَا لِأَنَّهُ أَكْثَرُ تَصَرُّفًا (وَالْجَالِسُ عَلَى الْبَسَاطِ وَالْمُتَعَلِّقُ بِهِ سَوَاءٌ) كَجَالِسِيهِ وَرَاكِبِي سَرَّاجٍ (كَسَنَ مَعَهُ ثَوْبٌ وَطَرَفُهُ مَعَ الْآخِرِ لَا هُذْبَتُهُ) أَيْ طَرَفَتُهُ الْغَيْرُ الْمَنْسُوجَةُ لِأَنَّهَا لَيْسَتْ بِثَوْبٍ (بِخِلَافِ جَالِسِي دَارٍ تَنَازَعَا فِيهَا) حَيْثُ لَا يُقْضَى لِهَمَا لِاحْتِمَالِ أَنَّهَا فِي يَدِ غَيْرِهِمَا

اور جس کا سامان سواری پر موجود ہو وہ اس آدمی کی نسبت اس کا زیادہ مستحق ہے جس نے اس کے ساتھ کوزہ لٹکایا ہوا ہو۔ کیونکہ اس کا تصرف زیادہ ہے اور جو قالین یا بستر پر بیٹھا ہوا ہے اور جس نے اسے پکڑ رکھا ہے وہ حکم میں برابر ہیں جس طرح دو آدمی اس پر بیٹھے ہوئے ہوں اور زین پر سوار ہوں۔ اس آدمی کی طرح جس کے پاس کپڑا ہو اور اس کی ایک طرف دوسرے آدمی کے پاس ہو نہ کہ اس کا ہد بہ دوسرے کے پاس ہو۔ ہد بہ سے مراد ایسی طرف ہے جو بنی ہوئی نہ ہو۔ کیونکہ وہ کپڑا نہیں ہوتا۔ گھر میں ان دو بیٹھنے والوں کا معاملہ مختلف ہے جس گھر میں وہ دونوں تنازع کریں۔ ان دونوں کے حق میں فیصلہ نہیں کیا جائے گا۔ کیونکہ یہ احتمال موجود ہے کہ یہ گھر ان دونوں کے علاوہ کسی اور کے قبضہ میں ہو

دونوں کے درمیان نصف نصف ہوگا۔

میں کہتا ہوں: لیکن ”الہدایہ“ اور ”المستقی“ میں اس کی مثل ہے جو متن میں ہے۔ پس اس پر متنبہ ہو جائیے۔ جب وہ دونوں زین پر سوار ہیں تو معاملہ مختلف ہوگا۔ کیونکہ ان دونوں کے درمیان ایک قول ہے جس طرح ”العنایہ“ میں ہے۔ اس سے یہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ جب اس سواری پر زین نہ ڈالی گئی ہو تو دونوں اس سواری میں شریک ہوں گے۔ ”شرنبہ لایہ“۔

27967۔ (قوله: وَذُو حَمْلَيْهَا مِمَّنْ عَلَّقَ كَوْزَهُ) یہ اس سے احتراز ہے کہ جب بعض سامان اس کا ہو۔ کیونکہ اگر

دونوں میں سے ایک کا سیر، نصف سیر اور دوسرے کا سو ہو تو بار بردار جانور دونوں کا ہوگا جس طرح ”التبیین“ میں ہے۔

27968۔ (قوله: لَا هُذْبَتُهُ) ترکی زبان میں اسے سجد کہتے ہیں۔ ”سعدیہ“۔

اگر دو آدمی ایک گھر کے بارے میں دعویٰ کریں اور ایک اس میں رہائش پذیر ہو تو اس کا حکم

27969۔ (قوله: بِخِلَافِ جَالِسِي دَارٍ) ”العنایہ“ میں اسی طرح ہے۔ ”البدائع“ میں جو قول ہے وہ اس کے خلاف

ہے: اگر دو آدمی ایک گھر کے بارے میں دعویٰ کریں اور ان دونوں میں سے ایک اس میں رہائش پذیر ہو تو گھر رہائش پذیر کا ہوگا۔ اسی طرح اگر ان دو افراد میں سے ایک اس میں کوئی شے تعمیر کرے یا اس میں گڑھا کھودے تو یہ گھر اس کا ہوگا اگر اس میں سے کوئی شے واقع نہ ہو لیکن ان دونوں میں سے ایک اندر ہو اور دوسرا اس سے باہر ہے تو یہ گھر دونوں میں مشترک ہوگا۔ اس طرح وہ گھر دونوں میں مشترک ہوگا جب وہ دونوں اس گھر میں ہوں۔ کیونکہ جائیداد پر قبضہ اس میں ہونے سے نہیں ہوتا۔ اس میں قبضہ تصرف سے ثابت ہوتا ہے۔

تنبیہ

”البدائع“ میں کہا: ہر وہ جگہ جس کی ملکیت کا ایک آدمی کے حق میں فیصلہ کر دیا گیا۔ کیونکہ مدعی اس کے قبضہ میں تھا تو اس

وَهُنَا عَلِمَ أَنَّهُ لَيْسَ فِي يَدِ غَيْرِهِمَا عَيْنِي (الْحَائِطُ لِمَنْ جَذُوْعُهُ عَلَيْهِ

جب کہ وہاں قالین میں یہ معلوم ہے کہ یہ گھران دونوں کے علاوہ کسی اور کے قبضہ میں نہیں، ”عینی“۔ دیوار اس کی ہوگی جس کی کڑیاں دیوار پر ہوں

پر اپنے صاحب کے لیے قسم دینا واجب ہوگا جب وہ مطالبہ کرے۔ اگر وہ انکار کرے تو اس چیز کا اس کے خلاف فیصلہ کر دیا جائے گا۔ ”شرنبلا لہ“۔

27970۔ (قولہ: وَهْنَا عَلِمَ) یعنی قالین پر بیٹھنے کا مسئلہ معلوم ہو گیا۔ مناسب یہ تھا کہ ہنا کی بجائے ہناک لفظ ذکر کرتے۔ ”زیلعی“ نے کہا: اسی طرح اگر وہ دونوں اس پر بیٹھے ہوئے ہوں۔ تو وہ ان دونوں کے درمیان تقسیم کی جائے گی۔ مگر جب وہ ایک گھر میں بیٹھے ہوئے ہوں اور اس کے بارے میں تنازع کریں تو معاملہ مختلف ہوگا۔ کیونکہ اس گھر کا دونوں کے حق میں فیصلہ نہیں کیا جائے گا۔ کیونکہ یہ احتمال موجود ہے کہ یہ گھر کسی اور کے قبضہ میں ہو۔ اور وہاں قالین کے بارے میں یہ معلوم ہو گیا کہ یہ کسی اور کے قبضہ میں نہیں۔

دیوار کی ملکیت کا حکم

27971۔ (قولہ: لِمَنْ جَذُوْعُهُ عَلَيْهِ) اگر دونوں میں سے ایک کی ایک کڑی یا دو کڑیاں ہوں یعنی تین سے کم ہوں اور دوسرے کی تین کڑیاں یا زیادہ کڑیاں ہوں تو ”النوازل“ میں ذکر کیا: دیوار اس کی ہوگی جس کی تین کڑیاں دیوار پر ہوں اور جس کی تین سے کم کڑیاں ہوں اسے صرف کڑیاں رکھنے کا حق ہوگا۔ کہا: یہ استحسان ہے۔ یہ امام ”ابو حنیفہ“ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے اور امام ”ابو یوسف“ رحمۃ اللہ علیہ کا دوسرا قول ہے۔ امام ”ابو یوسف“ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: قیاس یہ ہے کہ دیوار دونوں میں نصف نصف ہو۔ امام ”ابو حنیفہ“ رحمۃ اللہ علیہ بھی پہلے یہی کہا کرتے تھے پھر استحسان کی طرف رجوع کیا۔ ”قاضی خان“ نے اس کا ذکر باب فی دعوی الحائط والطریق میں کیا ہے۔ ”حامدی“ نے یہی فتویٰ دیا۔ ”حاشیہ“ میں اسی طرح ہے۔

جب اس دیوار کی تعمیر لازمی ہو تو لکڑی کے مالک پر لازم ہوگا کہ وہ اس کی جگہ کی تعمیر کرے جس طرح ”الحامدیہ“ میں ہے۔ یعنی اس کے نیچے سے اوپر تک جس کی حالت یہ ہو کہ لکڑی اسے کفایت کر جائے جس طرح میرے لیے امر ظاہر ہوا ہے۔ ”سامحانی“۔

پھر کہا: ”بزازیہ“ میں ہے: ایک دیوار دو افراد میں مشترک ہے ان میں سے ایک کا کوئی وزنی سامان پڑا ہوا ہے تو دوسرے کو یہ حق حاصل ہوگا کہ وہ اپنے ساتھی کے سامان کی مثل اس پر رکھ دے اگر وہ دیوار اتنا وزن برداشت کر سکتی ہو۔ ورنہ کڑیوں کے مالک سے کہا جائے گا۔ اگر تو چاہے تو اسے رکھ لے تاکہ تیرا ساتھی برابر ہو جائے۔ اگر چاہے تو جتنا ممکن ہو تو اس سے اتار لے تاکہ اس کا شریک اس پر اتنی چیز رکھ سکے۔ ”ملخص“۔

”بزازیہ“ میں بھی ہے: ایک دیوار ان دونوں افراد میں مشترک ہے ان دونوں میں سے ایک نے یہ ارادہ کیا کہ وہ اس پر

أَوْ مُتَّصِلٌ بِهِ اتِّصَالَ تَرْبِيعٍ، بَأَنْ تَتَدَاخَلَ أَنْصَافُ لِبْنَاتِهِ فِي لِبْنَاتِ الْآخَرِ وَلَوْ مِنْ خَشَبٍ فَبِأَنْ تَكُونَ الْخَشَبَةُ مُرَكَّبَةً فِي الْآخَرِ لِذَلَالَتِهِ عَلَى أَنَّهَا بُنِيَا مَعًا وَلِذَا سُمِّيَ بِذَلِكَ لِأَنَّهُ حِينَئِذٍ يُبْنَى مُرَتَّبًا وَلَا لِبْنٍ لَهُ، اتِّصَالَ مُلَازَقَةٍ أَوْ نَقَبٍ وَإِذَا خَالَ

یا اس کی ایک دیوار دوسری دیوار کے ساتھ تربیع کے طریقہ پر متصل ہو۔ اس کی صورت یہ ہے کہ اس دیوار کی اینٹوں کے نصف دوسری دیوار کی اینٹوں کے نصف میں داخل ہوں یعنی جوڑ ملے ہوئے ہوں اگر دیوار لکڑی کی بنی ہو تو ایک لکڑی دوسری لکڑی کے ساتھ جڑی ہوئی ہو۔ کیونکہ یہ چیز اس پر دلالت کرتی ہے کہ دونوں دیواریں اکٹھی بنائی گئی ہیں۔ اسی وجہ سے اسے یہ نام دیا گیا ہے کیونکہ اس وقت دیوار مربع انداز میں بنائی جاتی تھی اس کی دیوار نہ ہوگی جس کا اتصال ملازقہ کی شکل کا ہو یا نقب کی صورت میں ہو، ادخال کی صورت میں ہو،

ایک اور چھت بنائے یا ایک کمرہ بنالے تو اسے منع کیا جائے گا۔ اسی طرح جب دونوں میں سے ایک میڑھی بنانا چاہے تو اسے منع کیا جائے مگر جب وہ میڑھی قدیمی طور پر ہو۔ ”حامدہ“۔ ”حاشیہ“ میں اسی طرح ہے۔

مولف نے کہا: اس میں اس کے برعکس فتویٰ دیا جب کہ ”العمادیہ“ سے نقل کیا ہے۔ پس اس کی طرف رجوع کیجئے۔

27972۔ (قوله: أَوْ مُتَّصِلٌ بِهِ اتِّصَالَ تَرْبِيعٍ) پھر سوال یہ ہے کہ کیا ایک جانب سے اتصال تربیع کافی ہے تو امام

”طحاوی“ کی روایت کے مطابق یہ کافی ہے۔ یہ امر زیادہ ظاہر ہے اگرچہ ظاہر روایت میں ہے چاروں جوانب سے یہ شرط ہے اگر دونوں گواہیاں قائم کر دیں تو دونوں کے حق میں فیصلہ کر دیا جائے گا۔ اگر دونوں میں سے ایک گواہیاں پیش کرے تو اس کے حق میں فیصلہ کر دیا جائے گا۔ ”خلاصہ“، ”حامدہ“، ”حاشیہ“ میں اسی طرح ہے۔

اگر دونوں اتصال ہوں یعنی اتصال تربیع اور اتصال مجاورہ تو اسے ان دونوں کے درمیان تقسیم کر دیا جائے گا۔ اگر ایک کا تربیع ہے اور دوسرے فرد کے لیے ملازقہ ہے تو صاحب تربیع کے حق میں فیصلہ کر دیا جائے گا۔ اگر دونوں میں سے ان کا تربیع ہو اور دوسرے فرد کی اس کے اوپر کڑیاں ہوں تو اتصال والے کا حق زیادہ ہوگا اور کڑیاں والا یہ اتصال ملازقہ سے بہتر ہے۔

پھر تربیع کے اتصال میں کیا ایک جانب سے کافی ہے؟ امام ”طحاوی“ کی روایت کے مطابق کافی ہے۔ یہ زیادہ ظاہر ہے اگرچہ ظاہری روایت میں چاروں جانب سے اتصال ضروری ہو۔

اگر دونوں گواہیاں قائم کر دیں تو دونوں کے حق میں فیصلہ کر دیا جائے گا اگر دونوں میں سے ایک گواہیاں قائم کر دیں تو اس کے حق میں فیصلہ کیا جائے گا۔ ”خلاصہ“، ”بزازہ“، ”منلا علی“ کی تحریر اسی طرح ہے۔

27973۔ (قوله: فِي لِبْنَاتِ الْآخَرِ) ”زلیعی“ میں ”الکرخی“ سے جو روایت مروی ہے اسے دیکھیے یہاں انہوں نے

خوب سیر حاصل گفتگو کی ہے۔

27974۔ (قوله: أَوْ نَقَبٍ) اس کی صورت یہ ہے: سوراخ کیا جائے اور اس میں لکڑی یعنی شہتیر داخل کر دیا جائے۔

أَوْ (هَرَادِي) كَقَصَبٍ وَطَبَقٍ يُوضَعُ عَلَى الْجُذُوعِ (بَلْ) يَكُونُ (بَيْنَ الْجَارَيْنِ لَوْ تَنَازَعَا) وَلَا يُخْصُ بِهِ صَاحِبُ الْهَرَادِي بَلْ صَاحِبُ الْجَذَعِ وَالْوَاحِدُ أَحَقُّ مِنْهُ خَانِيَّةٌ وَلَوْ لَأَحَدِهِمَا جُذُوعٌ وَلِلْآخِرِ اتِّصَالٌ فَيَذِي الْإِتِّصَالِ وَلِلْآخِرِ حَقُّ الْوَضْعِ، وَقِيلَ لِذِي الْجُذُوعِ مُلْتَقَى وَتَسَامُهُ فِي الْعَيْنِ وَغَيْرِهِ وَأَمَّا حَقُّ الْبُطَالَةِ بِرَفْعِ جُذُوعٍ وَضَعَتْ تَعْدِيًّا فَلَا يَسْقُطُ بِإِبْرَاءٍ وَلَا صُلْحٍ وَعَفْوٍ وَبَيْعٍ وَإِجَارَةٍ أَشْبَاهُ مِنْ أَحْكَامِ السَّاقِطِ لَا يَعُودُ فَلْيُحْفَظْ (وَذُو بَيْتٍ مِنْ دَارٍ فِيهَا بَيُوتٌ كَثِيرَةٌ) (كَذِي بَيُوتٍ) مِنْهَا

یا ہرادی کی صورت میں ہو جیسے بانس اور طبق جنہیں کڑیوں پر رکھا جاتا ہے بلکہ یہ دو پڑسیوں کے درمیان مشترک ہوگا اگر وہ آپس میں تنازع کریں صاحب ہرادی اس دیوار کا خاص طور پر مالک نہیں ہوگا بلکہ ایک کڑی والا اس دیوار کا زیادہ حق دار ہوگا، ”خانیہ“۔ اگر ایک کی کڑیاں ہوں اور دوسرے کا اتصال ہو تو دیوار اتصال والی کی ہوگی اور دوسرے کو اس پر کڑیاں رکھنے کا حق ہوگا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: دیوار کڑیوں والے کی ہوگی، ”ملتقی“۔ اس کی مکمل بحث ”عینی“ وغیرہ میں ہے۔ جہاں تک ان کڑیوں کے اٹھانے کے مطالبہ کا حق ہونا جن کڑیوں کو بطور تعدی رکھا گیا تھا وہ بری کرنے، صلح، عفو، بیع اور اجارہ سے ساقط نہیں ہوتا۔ یہ ”اشباہ“ میں الساقط لا يعود کے احکام میں سے ہے۔ اسے یاد رکھا جانا چاہیے۔ صحن کے حقوق میں ایک بڑی حویلی میں سے ایک کمرے والا جس حویلی میں بہت سے کمرے ہوں،

27975۔ (قوله: أَوْ هَرَادِي) یہ ہرادیہ کی جمع ہے سرکنڈے جنہیں دہرا کر کے انگور کی شاخوں کے ساتھ جوڑ دیا جاتا ہے جن پر انگور کی شاخوں کو ڈالا جاتا ہے، ”ح“۔ ”حاشیہ“ میں اسی طرح ہے۔

”منهوات العزمیہ“ میں ہے: ہرادیہ یہ ہا کے ضمہ، راہملہ کے سکون، دال مہملہ کے کسرہ اور یا مشدہ کے ساتھ ہے۔ الہرادی یہ ہا کے فتح اور دال کے کسرہ کے ساتھ ہے۔

27976۔ (قوله: وَلَوْ لَأَحَدِهِمَا جُذُوعٌ) ”مسئلا علی“ نے کہا: اگر ایک کی کڑیاں نیچے ہوں اور دوسرے کی کڑیاں اوپر کے طبقہ میں ہوں اور وہ دونوں اس دیوار میں جھگڑا کریں تو وہ دیوار نیچے والے کی ہوگی۔ کیونکہ اس کا قبضہ غالب ہے اور اوپر والے کی کڑیاں نہیں اٹھوائی جائیں گی۔ ”عمادیہ“۔ فصل پنہتیس اس کی مثل ”الفصولین“ میں ہے۔

27977۔ (قوله: وَإِجَارَةٍ) یعنی اس گھر کو اجارہ پر دے دیا تب بھی وہ مطالبہ کا حق ساقط نہیں ہوگا۔

27978۔ (قوله: أَشْبَاهُ مِنْ أَحْكَامِ السَّاقِطِ لَا يَعُودُ) ایک آدمی نے اپنے پڑوسی سے پڑوسی کی دیوار پر اپنی کڑیاں رکھنے کی اجازت مانگی یا اس کے گھر کے نیچے سرداب (تہہ خانہ) کھودنے کی اجازت مانگی اس نے اسے اس امر کی اجازت دے دی تو اس نے اسی طرح کر دیا پھر پڑوسی نے اپنا گھر بیچ دیا اور مشتری نے کڑیاں اٹھا لینے اور سرداب بند کر دینے کا مطالبہ کر دیا تو اسے یہ حق حاصل ہوگا مگر جب بائع اپنی اس بیع میں شرط لگا دے تو اس وقت مشتری کو حق حاصل نہیں ہوگا کہ وہ اس کا مطالبہ کرے ”قاضی خان“، ”خانیہ“ کتاب البیوع باب ما یدخل فی البیع من غیر ذکرہ ما لا یدخل، جو پہلی

(فِي حَقِّ سَاحَتِهَا فَهِيَ بَيْنَهُمَا نِصْفَيْنِ) كَالطَّرِيقِ (بِخِلَافِ الشُّرْبِ) إِذَا تَنَازَعَ عَافِيهِ (فَإِنَّهُ يُقَدَّرُ بِالْأَرْضِ) بِقَدْرِ سَقِيَّتِهَا

اس حویلی میں بہت سے کمرے والوں کی طرح ہے وہ صحن ان دونوں کے درمیان نصف نصف ہوگا جس طرح راستہ ہے۔ پانی کی باری کا معاملہ مختلف ہے۔ جب وہ اس میں تنازع کریں تو جس قدر زمین ہوگی اتنی ہی باری کا اندازہ لگایا جائے گا۔

فصل کی تیج میں ہے۔ اس کی مثل ”بزازیہ“ کی کتاب القسمہ میں ہے اور ”الاشباہ“ میں ”العاریہ“ میں ہے۔ اور سید ”احمد“ جو اس کے محشی ہیں کی طرف رجوع کیجئے۔ ”منلا علی“ مسئلہ کتاب العاریہ میں (مقولہ 28965 میں) آنے والا ہے۔

27979۔ (قوله: فِي حَقِّ سَاحَتِهَا) جب حصوں کی مقدار کا علم نہ ہو۔ ”منیۃ المفتی“۔

راستہ کی تقسیم

27980۔ (قوله: كَالطَّرِيقِ) راستہ حصہ داروں کی تعداد کے حساب سے تقسیم کیا جائے گا املاک کی پیمائش کے اعتبار سے تقسیم نہیں کیا جائے گا جب حصوں کی مقدار کا علم نہ ہو اور پانی کی باری میں جب حصوں کی مقدار کا علم نہ ہو تو املاک کی مقدار کے اعتبار سے نہ کہ حصہ داروں کی تعداد کے اعتبار سے اسے تقسیم کیا جائے گا۔ ”منیۃ“۔

فرع: سا باط (چھپر) جب ایک انسان کی دیوار پر ہو تو دیوار گر جائے۔ صاحب ”الکتاب“ نے ذکر کیا ہے: چھپر کو اٹھانا اور اسے بنانا یہ دیوار والے کے ذمہ ہوگا۔ کیونکہ اس کو اٹھانا اس کے ذمہ لازم ہے۔ ”ابو بکر خوارزمی“ یہی فتویٰ دیا کرتے تھے۔ اس سے وہ یہ ارادہ کیا کرتے تھے و دیوار بنانے کے مطالبہ کا اختیار رکھتا ہے۔ کتاب ”الحيطان“ لقاسم بن قسطوبغا، فصل ثالث، ”مرصد الحيطان“۔ اور اس کا قول ویرید بہ الخ سے مراد ان کا قول لان حبلہ الخ ہے میرے لیے یہی امر ظاہر ہوا ہے تامل۔ ہم نے متفرقات القضاء میں جو کچھ لکھا ہے اسے دیکھیے (اصل میں فی الحاشیۃ فی متفرقات القضاء ہے)

27981۔ (قوله: بِخِلَافِ الشُّرْبِ) ایک حویلی ہے جس میں دس کمرے ایک آدمی کے ہیں اور ایک کمرہ دوسرے آدمی کا ہے دونوں نے صحن میں تنازع کیا یا ایک کپڑا ہے جو ایک آدمی کے پاس ہے اور اس کی ایک طرف دوسرے کے ہاتھ میں ہے دونوں اس میں تنازع کرتے ہیں تو وہ ان میں نصف نصف ہوگا۔ زیادہ قبضہ کا کوئی اعتبار نہیں ہوگا جس طرح گواہوں کی زیادتی کا کوئی اعتبار نہیں ہوتا۔ کیونکہ اولہ کی کثرت کی وجہ سے ترجیح دینا باطل ہے۔ ”بزازیہ“، فصل ثالث عشر۔

اس سے یہ معلوم ہو گیا یہ اس صورت میں ہے جب اصل ملک مجہول ہو مگر جب یہ معلوم ہو، جس طرح مذکورہ پوری حویلی ایک آدمی کی ہو پھر وہ اولاد چھوڑ کر مر جائے تو وہ کمرے آپس میں تقسیم کریں، تو وہ صحن اپنے کمروں کی مقدار کے اعتبار سے تقسیم کریں گے۔

جسے مالکوں کی تعداد کے اعتبار سے تقسیم کیا جاتا ہے

27982۔ (قوله: بِقَدْرِ سَقِيَّتِهَا) جب زمین کی مقدار زائد ہو تو اس کی ضرورت زائد ہوتی ہے۔ پس پانی کی باری

(بَرَّهْنَا) أَمَّا الْخَارِجَانِ (عَلَى يَدٍ) لِكُلِّ مِنْهُمَا فِي أَرْضٍ قُضِيَ بَيْنَهُمَا، فَتَنْصَفُ (وَلَوْ بَرَّهْنِ عَلَيْهِ) أَمَّا عَلَى الْيَدِ (أَحَدُهُمَا أَوْ كَانَ تَصَرَّفَ فِيهَا) بِأَنْ لَبَّنَ أَوْ بَنَى (قُضِيَ بَيْنَهُ) لَوْجُودِ تَصَرُّفِهِ (وَأَدْعَى الْبَلْكَ فِي الْحَالِ وَ شَهِدَ الشُّهُودُ أَنَّ هَذَا الْعَيْنَ كَانَ مِلْكَهُ تُقْبَلُ) لِأَنَّ مَا ثَبَتَ فِي زَمَانٍ يُحْكَمُ بِبَقَائِهِ مَا لَمْ يُوجَدْ الْمُنْزِلُ دُرًّا

دو غیر قابضوں نے قبضہ پر گواہیاں قائم کیں دونوں کی گواہیاں ایک قطعہ زمین کے بارے میں تھیں تو ان کے قبضہ کا فیصلہ کر دیا جائے گا۔ پس وہ زمین نصف نصف ہوگی۔ اگر ان میں سے ایک آدمی زمین پر قبضہ کی گواہیاں قائم کرے یا اس میں تصرف پر گواہیاں قائم کرے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ کچی اینٹیں بنوائے یا کوئی عمارت بنائے تو تصرف کے پائے جانے کی وجہ سے اس کے حق میں فیصلہ کر دیا جائے گا۔ ایک آدمی نے فی الحال ایک شے کی ملکیت کا دعویٰ کیا اور گواہوں نے گواہی دی کہ یہ عینی چیز اس کی ملکیت تھی تو اس کا دعویٰ قبول کیا جائے گا۔ کیونکہ جو کسی زمانہ میں ثابت ہو تو اس کی بقا کا فیصلہ کیا جائے گا جب تک اس کو زائل کرنے وال چیز نہ پائی جائے۔ ”درر“۔

زمین کی مقدار کے اعتبار سے ہوگی۔ صحن سے نفع حاصل کرنے کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ یہ املاک کے مختلف ہونے سے مختلف نہیں ہوتا جس طرح راستہ سے گزرتا۔ ”زیلعی“۔

یہ امر ذہن نشین کر لو کہ افراد کی تعداد کے اعتبار سے جن کی تقسیم ہوگی وہ یہ ہیں: صحن، شفعہ، تقسیم کرنے والے کی اجرت، نواب (شاہی ٹیکس)، عاقلہ (دیت) غرق اور راستہ کے خوف سے جو سواری کے حوالے سے چیز لازم کی جاتی ہے۔ ”شیخ شاہین“ کی تحریر اسی طرح ہے۔ ”ابوسعود“۔

27983۔ (قوله: أَمَّا الْخَارِجَانِ) ”الدرر“، ”المنح“ میں اسی طرح ہے۔ ”الہدایہ“ اور ”زیلعی“ کی عبارت دوسری کتب میں ہے اس امر کا فائدہ دیتی ہے کہ وہ دونوں قابض ہیں۔ ”الفصولین“ میں ہے: ”خ“ یہ ”قاضی خان“ کی طرف اشارہ ہے: دونوں میں سے ہر ایک نے دعویٰ کیا کہ وہ چیز اس کی ہو اور اس کے قبضہ میں ہے امام ”محمد“ رحمہ اللہ نے ”الاصل“ میں ذکر کیا ہے: ان دونوں میں سے ہر ایک پر گواہیاں پیش کرنا لازم ہوں گی ورنہ قسم پیش کرنا لازم ہوگی۔ کیونکہ دونوں میں سے ہر ایک اس امر کا اقرار کرتا ہے کہ خصومت اس کی طرف متوجہ ہے جب وہ اپنے لیے قبضہ کا دعویٰ کرتا ہے۔ اگر دونوں کے قبضہ میں تصور کیا جائے گا۔ کیونکہ قبضہ ثابت کرنے میں وہ دونوں برابر ہیں۔ اور جائیداد (زمین) میں دعویٰ ملک صرف اس کے خلاف سنا جاسکتا ہے جس کا قبضہ ہو۔ اور قبضہ کا دعویٰ اس کے خلاف مقبول ہوتا ہے جو قابض نہ ہو اگر وہ غیر قبضہ میں اس کے ساتھ منازعہ کرے پس وہ قبضہ کا بطور قصد اور ملک کا بطور تبع مدعی ہوگا۔

”الکفایہ“ میں ہے: ”تمر تاشی“ نے ذکر کیا: اگر دونوں میں سے ہر ایک اپنے ساتھی کی قسم کا مطالبہ کرے۔ وہ اس کے قبضہ میں نہیں تو ان دونوں میں سے ہر ایک سے یہ قسم لی جائے گی۔ یہ اس کے ساتھی کے قبضہ میں نہیں ہے یہ قسم حتمی ہو۔ اگر دونوں یہ

(صَبِيٌّ يُعْبَرُ عَنْ نَفْسِهِ) أَمَّا يَعْقِلُ مَا يَقُولُ (قَالَ أَنَا حُرٌّ فَالْقَوْلُ لَهُ) لِأَنَّهُ فِي يَدِ نَفْسِهِ كَالْبَالِغِ (فَإِنْ قَالَ أَنَا عَبْدٌ فَلَا يَنْصَرِفُ) لِيُغَيَّرَ بِهِ لِيَدِ الْقَضِي (قُضِيَ بِهِ لِيَدِ الْقَضِي) كَمَنْ لَا يُعْبَرُ عَنْ نَفْسِهِ لِإِقْرَارِهِ بِعَدَمِ يَدِهِ (فَلَوْ كَبَّرَ وَادَّعَى الْحُرِّيَّةَ تَسْمَعُ مَعَ الْبُرْهَانِ) لِمَا تَقَرَّرَ أَنَّ التَّنَاقُضَ فِي دَعْوَى الْحُرِّيَّةِ لَا يَمْنَعُ صِحَّةَ الدَّعْوَى

ایک بچہ ہے جو اپنے مافی الضمیر کی تعبیر کر لیتا ہے یعنی جو کہتا ہے اسے سمجھتا ہے اس نے کہا: میں آزاد ہوں: تو قول اس کا معتبر ہو گا۔ کیونکہ ایسا فرد اپنے قبضہ میں ہوتا ہے۔ جیسے بالغ ہوتا ہے اگر وہ کہے: میں فلاں کا غلام ہوں جو قابض کے علاوہ ہے تو جو قابض ہے اس کے حق میں اسے غلام کا فیصلہ کر دیا جائے گا۔ جس طرح اس بچے کا معاملہ ہوتا ہے جو اپنے بارے میں تعبیر نہیں کر سکتا۔ کیونکہ وہ اپنے قبضہ میں نہ ہونے کا اقرار کرتا ہے۔ اگر وہ بڑا ہو اور آزادی کا دعویٰ کر دے تو دلیل کے ساتھ اس کے دعویٰ کو سنا جائے گا۔ کیونکہ یہ ثابت ہو چکا ہے کہ آزادی کے دعویٰ میں تناقض کے صحیح ہونے کے مانع نہیں۔

قسم اٹھادیں تو دونوں کے حق میں قبضہ کا فیصلہ نہیں کیا جائے گا۔ اور ہر ایک اپنے ساتھی کے دعویٰ سے بری ہو جائے گا اور اس گھر کو موقوف کر دیا جائے گا یہاں تک کہ حال ظاہر ہو جائے۔ اگر دونوں انکار کر دیں تو ہر ایک کے حق میں اس نصف کا فیصلہ کر دیا جائے گا جو اس کے قبضہ میں ہے۔ اگر ان دونوں میں سے ایک انکار کر دے تو تمام کی تمام کا قسم اٹھانے والے کے حق میں فیصلہ کر دیا جائے گا۔ نصف جو اس کے قبضہ میں ہے اور نصف جو اس کے ساتھی کے قبضہ میں ہے یہ اس کی قسم کے انکار کرنے کی وجہ سے ہے۔ اگر گھر تیسرے کے قبضہ میں ہو تو اس کے قبضہ سے اسے نہیں چھڑایا جائے گا۔ کیونکہ اس کا قسم سے انکار کرنا تیسرے آدمی کے حق میں حجت نہیں۔ اس سے یہ معلوم ہو گیا کہ خارجین کی قید اتفاق ہے۔ پس اولیٰ اس کا خلاف ہے۔

27984۔ (قوله: قُضِيَ بِهِ) یہ اعتراض نہیں کیا جائے گا کہ غلامی کا اقرار نقصان اور مضرت میں سے ہے۔ پس بچے سے ایسے اقرار کا کوئی اعتبار نہیں ہوگا۔ کیونکہ ہم کہتے ہیں: یہ اس کے قول سے ثابت نہیں بلکہ قابض کے دعویٰ سے یہ امر ثابت ہوا ہے۔ کیونکہ یہاں کوئی معارض موجود نہیں اور ہم یہ تسلیم نہیں کرتے کہ یہ مضرات میں سے ہے۔ کیونکہ اس کے بعد آزادی کے دعویٰ کے ساتھ ان مضرات کے تدارک کا امکان موجود ہے۔

یہ اعتراض نہیں کیا جائے گا: آدمی میں اصل آزادی ہے پس گواہوں کے بغیر دعویٰ قبول نہیں کیا جائے گا۔ اور اس کے قبضہ میں ہونا اس کے قول کے قبول کرنے کو واجب نہیں کرتا جیسے لقیط (جولادارث بچہ پایا جائے) ہوتا ہے۔ اس کے بارے میں ملحق (لاوارث بچے کو اٹھانے والا) کا یہ قول قبول نہیں کیا جاتا: یہ اس کا غلام ہے اگرچہ وہ بچہ اس کے قبضہ میں ہو۔

جواب کیونکہ ہم یہ کہتے ہیں: جب اصل پر اس کے خلاف دلیل عارض آگئی تو وہ اصل باطل ہو گیا اور قبضہ کا ثبوت ملک کی دلیل ہے۔ ہم اس امر کو تسلیم نہیں کرتے کہ لقیط جب اپنے بارے میں تعبیر کر سکتا ہو اور غلامی کا اقرار کرے تو وہ حکم میں اس کے مخالف ہوگا۔ اگر وہ تعبیر نہ کرے تو وہ ملحق کے قبضہ میں ہر اعتبار سے نہ ہوا۔ کیونکہ ملحق تو امین ہوتا ہے ”زیلعی“۔ ”ملخص“

باب دعوی النسب

الدَّعْوَةُ نَوْعَانِ دَعْوَةُ اسْتِيلَادٍ وَهُوَ أَنْ يَكُونَ أَصْلُ الْعُلُوقِ فِي مِلْكِ الْمُدَّعِي وَدَعْوَةُ تَخْرِيرٍ وَهُوَ بِخِلَافِهِ وَالْأَوَّلُ أَقْوَى لِسَبْقِهِ وَاسْتِنَادِهَا لِوَقْتِ الْعُلُوقِ وَاقْتِصَارِ دَعْوَى التَّخْرِيرِ عَلَى الْحَالِ وَسَيَتَّضِحُ (مَبِيعَةٌ وَلَدَتْ لِأَقْلَ مِنْ سِتَّةِ أَشْهُرٍ مُنْذُ بِيَعَتْ

نسب کے احکام

دعویٰ کی دو قسمیں ہیں (۱) دعویٰ استیلا۔ اس سے مراد یہ ہے حمل کا ٹھہرنا یہ مدعی کی ملک میں ہو۔ (۲) دعویٰ تحریر۔ یہ دعویٰ استیلا سے مختلف ہے۔ پہلا دعویٰ زیادہ قوی ہے کیونکہ یہ سابق ہے اور یہ حمل کے ٹھہرنے کے وقت کی طرف منسوب ہے اور آزادی کا دعویٰ حال پر مقصور ہے۔ عنقریب اس کی وضاحت آئے گی۔ ایک بیچی گئی لونڈی نے اس وقت سے چھ ماہ سے کم عرصہ میں بچہ جن دیا جس وقت سے اسے بیچا گیا تھا

دعویٰ اور دعویٰ میں فرق

27985۔ (قوله: الدَّعْوَةُ) یہ لفظ دال کے کسرہ کے ساتھ ہے یعنی نسب میں دعویٰ کرنا اور جب یہی لفظ دال کے فتح کے ساتھ ہو تو اس سے مراد کھانے کی دعوت ہوتی ہے۔

27986۔ (قوله: فِي مِلْكِ الْمُدَّعِي) یعنی حقیقت میں یا حکم میں مدعی کی ملک میں ہو جس طرح ایک آدمی اپنے بیٹے کی لونڈی سے وطی کرے اور اس کے بچے کے نسب کا دعویٰ کر دے تو اس کی ملکیت اس لونڈی میں ثابت ہو جائے گی اور بچے کی آزادی ثابت ہو جائے گی اور وہ اپنے بچے کے لیے لونڈی کی قیمت کا ضامن ہو جائے گا جس طرح پہلے گزر چکا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے دعویٰ شہدۃ الملک قرار دیا ہے۔

27987۔ (قوله: وَاسْتِنَادِهَا) یہ علت کا معمول پر عطف ہے ”الدرر“ میں یہ قول کیا ہے: والاول اقوی لانہ اسبق لاستنادھا، ”ح“۔ پہلا زیادہ قوی ہے کیونکہ یہ زیادہ سابق ہے کیونکہ یہ منسوب ہے۔ ”ح“۔

27988۔ (قوله: مِنْ سِتَّةِ أَشْهُرٍ) اس قول نے اس امر کا فائدہ دیا کہ دونوں مدت پر متفق ہیں ورنہ ”تا ترخانیہ“ میں ”الکافی“ سے مروی ہے: بائع نے کہا: پس میں نے اسے تجھ سے ایک ماہ ہوا خریدا ہے اور بچہ مجھ سے ہے۔ مشتری نے کہا: تو نے مجھے ایک سال سے زیادہ ہوا اسے بیچا ہے اور بچہ تیرا نہیں ہے۔ تو بالاتفاق قول مشتری کا ہوگا۔ اگر دونوں گواہیاں قائم کریں تو گواہی امام ”ابو یوسف“ رحمہ اللہ کے نزدیک مشتری کی معتبر ہوگی اور امام ”محمد“ رحمہ اللہ کے نزدیک بائع کی معتبر ہوگی۔ شارح عنقریب اس کا اپنے قول میں ذکر کریں گے: ولو تنازعا بائع کے دعویٰ کی قید لگائی ہے۔ کیونکہ اگر اس کا بیٹا دعویٰ کرے اور

فَادْعَاهُ (ثَبَّتَ نَسَبُهُ) مِنْهُ اسْتِحْسَانًا لِعُلُوقِهَا فِي مِلْكِهِ وَمَبْنًى النَّسَبِ عَلَى الْخِفَاءِ فَيُعْنَى فِيهِ التَّنَاقُضُ (وَ) إِذَا صَحَّتْ أُسْتُنِدَتْ وَ (صَارَتْ أُمُّ وَلَدِهِ) فَيُفْسَخُ الْبَيْعُ وَيُرَدُّ الثَّمَنُ (وَ) لَكِنْ (إِذَا ادَّعَاهُ الْمُشْتَرِي قَبْلَهُ ثَبَّتَ نَسَبُهُ) (مِنْهُ) لِيُجُودَ مِلْكُهُ وَأُمِّيَّتُهَا

بائع نے اس بچے کے نسب کا دعویٰ کر دیا تو بطور استحسان اس کا نسب اس آقا سے ثابت ہو جائے گا۔ کیونکہ وہ لونڈی اس آقا کی ملکیت میں حاملہ ہوئی تھی اور سب کا معاملہ خفا پر مبنی ہوتا ہے۔ پس اس میں تناقض معاف ہے اور جب نسب کا دعویٰ صحیح ہوا تو وہ بائع کے زمانہ ملکیت کی طرف منسوب ہوگا۔ پس وہ لونڈی اس آقا کی ام ولد بن جائے گی۔ پس بیع کو فسخ کر دیا جائے گا، ثمن لوٹا دی جائے گی لیکن جب مشتری نے اس سے قبل دعویٰ کیا تو مشتری سے اس بچے کا نسب ثابت ہو جائے گا۔ کیونکہ اس کی ملکیت پائی جا رہی ہے اور اس لونڈی کا ام ولد ہونا

مشتری اس کو جھٹلائے بائع اس کی تصدیق کرے یا نہ کرے تو اس کا دعویٰ باطل ہوگا۔ اس کی مکمل بحث اس میں ہے۔

27989۔ (قوله: فَادْعَاهُ) فا کے ساتھ اس کو بیان کیا کہ ولادت سے پہلے اس کا دعویٰ موقوف ہے۔ اگر وہ زندہ بچہ

جنے تو نسب ثابت ہو جائے گا ورنہ نسب ثابت نہیں ہوگا جس طرح ”الاختیار“ میں ہے۔

ویلزم البائع: نوٹ: ”تقریرات رافعی“ میں یوں وضاحت کی گئی ہے: ”اصل“ کی عبارت ہے: ویلام البائع دکتور

فر فور کہتے ہیں: ویلزم علی قول الشارح البائع۔ (مترجم)

لونڈی اگر ایک جماعت کی ہوان میں سے ایک آدمی اس لونڈی کو خرید لے وہ لونڈی بچہ جن دے وہ سب اس کا دعویٰ کر دیں تو اس کا نسب ان سب سے ثابت ہو جائے گا۔ یہ امام ”ابو حنیفہ“ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ہے۔ اور ”صاحبین“ رحمۃ اللہ علیہ نے اسے دو افراد کے ساتھ خاص کیا ہے۔ ورنہ نسب ثابت نہیں ہوگا جس طرح ”النظم“ میں ہے۔

اطلاق کی صورت میں اگر مشتری بائع کی تصدیق نہ کرے اور کہے: تیرے پاس لونڈی کو حمل نہیں ٹھہرا تو قول بائع کا معتبر ہوگا۔ یہ ظاہر امر کی شہادت کی وجہ سے ہے۔ اگر دونوں میں سے ایک گواہی دے تو اس کی گواہیاں معتبر ہوں گی۔ اگر دونوں گواہیاں پیش کر دیں تو امام ”ابو یوسف“ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مشتری کی گواہیاں معتبر ہوں گی۔ امام ”محمد“ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ہرج کی گواہیاں معتبر ہوں گی جس طرح ”المنیہ“ میں ہے۔ ”شرح الملتقی“۔

27990۔ (قوله: البائع) اگرچہ بائع ایک سے زیادہ ہوں۔

27991۔ (قوله: ثَبَّتَ نَسَبُهُ) مشتری اس کی تصدیق کرے یا اس کی تصدیق نہ کرے جس طرح ”غرر الافکار“

میں ہے۔ ”البائع“ میں مطلق کلام کی ہے۔ پس یہ قول مسلمان اور ذمی، آزاد اور مشتری دونوں کو شامل ہوگا۔ یہ استحسان کے طریقہ پر ہے قیاس کے طریقہ پر نہیں۔ کیونکہ اس کی بیع اس کی جانب سے یہ اقرار ہے کہ یہ لونڈی ہے پس وہ مناقض ہوگا۔

27993۔ (قوله: وَأُمِّيَّتُهَا) اس کا عطف ثبت کے فاعل پر ہے، ”ح“۔ یہ اس صورت میں ہے جب حال مجہول ہو

بِإِقْرَارِهِ وَقِيلَ يُحْمَلُ عَلَى أَنَّهُ نَكَحَهَا وَاسْتَوْلَدَهَا ثُمَّ اشْتَرَاهَا (وَلَوْ ادَّعَاهُ مَعَهُ) أَيْ مَعَ ادِّعَاءِ الْبَائِعِ (أَوْ بَعْدَهُ لَا لِأَنَّ دَعْوَتَهُ تَحْرِيرٌ، وَالْبَائِعِ اسْتِيلَادٌ فَكَانَ أَقْوَى كَمَا مَرَّ (وَكَذَا) يَثْبُتُ مِنَ الْبَائِعِ (لَوْ ادَّعَاهُ بَعْدَ مَوْتِ الْأَمِّ بِخِلَافِ مَوْتِ الْوَلَدِ) لِفَوَاتِ الْأَصْلِ (وَيَأْخُذُهُ) الْبَائِعُ بَعْدَ مَوْتِ أُمِّهِ (وَيَسْتَرِدُّ الْمُسْتَرَى كُلَّ الشَّيْنِ) وَقَالَ احْصَتْهُ (وَإِعْتَاقُهَا)

اس آقا کے اقرار کی وجہ سے ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اسے اس پر محمول کیا جائے گا کہ اس نے لونڈی کے ساتھ نکاح کیا اور اس سے بچہ چاہا یعنی حقوق زوجیت ادا کیے پھر اس لونڈی کو خرید لیا۔ اگر مشتری بچے کے نسب کا دعویٰ بائع کے دعویٰ کے ساتھ یا اس کے بعد کرے تو اس کا دعویٰ قابل قبول نہیں ہوگا۔ کیونکہ مشتری کا دعویٰ تحریر ہے اور بائع کا دعویٰ استیلا د ہے اور بائع کا دعویٰ اقویٰ ہے جس طرح یہ گزر چکا ہے۔ اسی طرح بائع سے نسب کا دعویٰ ثابت ہوگا اگر وہ ماں کی موت کے بعد اس کا دعویٰ کرے۔ بچے کی موت کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ اصل فوت ہو چکا ہے۔ اور بائع اس بچے کو لے لے گا جب کہ اس کی ماں فوت ہو چکی ہو گی۔ اور مشتری پوری شمن واپس لے لے گا۔ ”صاحبین“ رحمہ اللہ علیہما نے فرمایا: وہ شمن میں سے بچے کا حصہ لے گا۔

کیونکہ استیلا د میں یہ گزر چکا ہے: اگر وہ لونڈی سے زنا کرے اور وہ بچہ جن دے پھر وہ اس لونڈی کا مالک بن جائے تو یہ لونڈی ام ولد نہیں بنے گی اگر وہ بچہ کا مالک بنے گا تو یہ بچہ اس پر آزاد ہو جائے گا یہ متن کے طور پر گزر چکا ہے: استولد جاریۃ احد ابویہ وقال ظننت حلالی فلان نسب وان ملکہ عتق علیہ۔ وہاں شارح نے کہا تھا: اگر وہ اس کی ماں کا مالک بن گیا تو وہ اس کی ام ولد نہیں ہوگی کیونکہ اس بچے کا نسب ثابت نہیں ہوگا۔ ”سأحانی“۔

27994۔ (قولہ: بِإِقْرَارِهِ) پھر اس کے بعد بائع کا دعویٰ صحیح نہیں ہوگا۔ کیونکہ بچے کا جب نسب ثابت ہو گیا تو بچہ اس کے اقرار سے مستغنی ہو گیا۔ اور اس کی وجہ یہ بھی ہے کہ وہ اسے باطل کرنے کا احتمال نہیں رکھتا۔ ”زیلعی“۔

27995۔ (قولہ: وَلَوْ ادَّعَاهُ) اگر وہ مشتری اس بچے کے نسب کا دعویٰ کرے جب کہ اس عورت نے چھ ماہ سے کم عرصہ سے بچہ جن دیا تھا۔

27996۔ (قولہ: بِخِلَافِ مَوْتِ الْوَلَدِ) یعنی جب کہ عورت نے اسے چھ ماہ سے کم عرصہ میں جنا تھا۔ پس ماں میں ام ولد ہونا ثابت نہیں ہوگا۔ کیونکہ اصل فوت ہو چکا ہے۔ کیونکہ بچہ فوت ہونے کے ساتھ موت سے مستغنی ہو چکا ہے۔ شارح کے لیے مناسب یہ تھا کہ وہ استغنا کی علت کو بیان کرتا جس طرح یہ امر مخفی نہیں۔ فتدبر

27997۔ (قولہ: كُلُّ الشَّيْنِ) کیونکہ یہ امر واضح ہو چکا ہے کہ اس نے اپنی ام ولد کو بیچا ہے اور ام ولد کی مالیت ”امام صاحب“ رحمہ اللہ علیہ کے نزدیک عقد اور غصب میں مستقوم نہیں۔ پس مشتری اس کا ضامن نہیں ہوگا۔ اور ”صاحبین“ رحمہ اللہ علیہما کے نزدیک مستقوم ہے پس وہ اس کا ضامن ہوگا۔ ”ہدایہ“۔

27998۔ (قولہ: وَقَالَ احْصَتْهُ) یعنی بچے کا حصہ۔ یعنی بائع ماں کا حصہ واپس نہیں کرے گا۔

أَيُّ إِعْتَاقِ الْمُشْتَرَى الْأَمْرَ وَالْوَلَدَ (كَمَوْتِهِمَا) فِي الْحُكْمِ (وَالْتَذْيِيرُ كَالْإِعْتَاقِ) لِأَنَّهُ أَيْضًا لَا يَحْتَمِلُ الْإِبْطَالَ
وَيُرَدُّ حِصَّتُهُ اتِّفَاقًا مُلْتَقًى وَغَيْرُهُ وَكَذَا حِصَّتُهَا أَيْضًا عَلَى الصَّحِيحِ مِنْ مَذْهَبِ الْإِمَامِ كَمَا فِي
الْقَهْصَتَيْنِ وَالْبُرْهَانِ وَنَقَلَهُ فِي الذَّرَرِ وَالْمِنْحِ عَنِ الْهَدَايَةِ

مشتري کا ماں یا بچے کو آزاد کرنا حکم میں ان دونوں کی مدت کی طرح ہے اور مدبر بنانا آزاد کرنے کی طرح ہے۔ کیونکہ یہ باطل کرنے کا احتمال نہیں رکھتا وہ باطل اس بچے کا حصہ واپس کرے گا، ”ملتقی“ وغیرہ میں ہے۔ اسی طرح ”امام صاحب“ رضی اللہ عنہ کے صحیح مذہب کے مطابق وہ لونڈی کا حصہ بھی واپس کرے گا جس طرح ”قہستانی“ اور ”برہان“ میں ہے۔ ”الذرر“ اور ”المنح“ میں ”الہدایہ“ سے اسے نقل کیا ہے۔

27999۔ (قوله: الْأَمْرَ وَالْوَلَدَ) یہاں واو، او کے معنی میں ہے۔ یہ مانعہ الخلو ہے۔ ظاہر یہ ہے کہ یہ دو چیزوں میں

سے ایک کے لیے حقیقت ہے۔ تامل

28000۔ (قوله: كَمَوْتِهِمَا) یہاں تک کہ اگر وہ ماں کو آزاد کرے بچہ کو آزاد نہ کرے اور بائع اس کے بارے میں دعویٰ کر دے کہ وہ اس کا بیٹا ہے تو اس کا دعویٰ صحیح ہو جائے گا اور اس کا نسب ثابت ہو جائے گا اگر وہ بچے کو آزاد کرے ماں کو آزاد نہ کرے تو اس کا دعویٰ نہ بچے کے حق میں اور نہ ہی ماں کے حق میں صحیح ہوگا جس طرح موت میں ہوتا ہے۔ ”منح“۔

28001۔ (قوله: وَيُرَدُّ حِصَّتُهُ) یعنی اگر وہ ماں کو آزاد کر دے یا اسے مدبر بنادے نہ کہ بچے کے ساتھ ایسا معاملہ کرے تو بائع بچے کا حصہ واپس کرے گا۔

28002۔ (قوله: وَكَذَا حِصَّتُهَا) پس اس سب کا حاصل یہ ہے: بائع پوری کی پوری شمن واپس کرے گا وہ ”امام صاحب“ رضی اللہ عنہ کے نزدیک موت اور آزادی کی صورت میں ماں اور بچے کا حصہ ہے اور ”صاحبین“ رضی اللہ عنہما کے نزدیک دونوں صورتوں میں وہ صرف بچے کا حصہ واپس کرے گا۔ ”الکافی“ میں جو قول ہے اس کے مطابق آزاد کرنے کی صورت میں ”صاحبین“ رضی اللہ عنہما کے قول کی طرف ”امام صاحب“ رضی اللہ عنہ کے نزدیک بھی صرف شمن میں سے بچے کا حصہ واپس کرے گا۔

28003۔ (قوله: أَيْضًا) مدبر بنانے اور آزاد کرنے کی صورت میں لونڈی کا حصہ واپس کرے گا۔ جہاں تک موت کا تعلق ہے امام ”ابو حنیفہ“ رضی اللہ عنہ کے نزدیک لونڈی کا حصہ واپس کرے گا۔ یہ ”امام صاحب“ رضی اللہ عنہ کا ایک ہی قول ہے جس طرح ”الذرر“ کا کلام اس پر دلالت کرتا ہے۔ کیونکہ کہا: جب مشتری نے ماں کو آزاد کر دیا یا اسے مدبر بنادیا تو بائع ”صاحبین“ رضی اللہ عنہما کے نزدیک شمن میں سے بچے کا حصہ واپس کرے گا اور ”امام صاحب“ رضی اللہ عنہ کے نزدیک صحیح قول کے مطابق تمام شمن واپس کرے گا جس طرح موت کی صورت میں ہے جس طرح ”الہدایہ“ میں ہے۔ ”ح“۔

28004۔ (قوله: وَنَقَلَهُ فِي الذَّرَرِ) ”الذرر“ میں کہا ہے: ”المبسوط“ میں ذکر کیا ہے: وہ شمن میں سے صرف بچے کا حصہ واپس کرے گا لونڈی کا حصہ واپس نہیں کرے گا اس میں سب کا اتفاق ہے۔ اس تعبیر کی بنا پر موت اور آزادی میں فرق

عَلَى خِلَافِ مَا فِي الْكَافِي عَنْ الْمَبْسُوطِ وَعِبَارَةُ الْمَوَاهِبِ وَإِنْ ادَّعَاهُ بَعْدَ عِتْقِهَا أَوْ مَوْتِهَا ثَبَتَ مِنْهُ، وَعَلَيْهِ رَدُّ الشَّيْنِ وَاکْتَفِيََا بِرَدِّ حِصَّتِهِ وَقِيلَ لَا يَرُدُّ حِصَّتَهَا فِي الْإِعْتِقَاقِ بِإِلَافٍ فَلْيُحْفَظْ (وَلَوْ وَلَدَتْ) الْأُمَّةُ الْمَذْكُورَةُ (لَا كَثُرَ مِنْ حَوْلَيْنِ مِنْ وَقْتِ الْبَيْعِ وَصَدَّقَهُ الْمُشْتَرِي ثَبَتَ النَّسَبُ) بِتَصْدِيقِهِ (وَهُيَ) أَقْرَبُ وَلَدِهِ عَلَى الْمَعْنَى اللَّغَوِيَّةِ

”الکافی“ میں ”المبسوط“ سے جو مروی ہے وہ اس کے خلاف ہے۔ ”المواہب“ کی عبارت ہے: اگر وہ بچے کے نسب کا دعویٰ لونڈی کی آزادی یا اس کی موت کے بعد کرے تو بچے کا نسب اس سے ثابت ہو جائے گا اور اس پر ثمن کا لوٹانا واجب ہوگا۔ ”صاحبین“ رحمہ اللہ یہاں نے صرف ثمن میں سے بچے کے حصہ پر اکتفا کیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: آزاد کرنے کی صورت میں بالاتفاق لونڈی کا حصہ واپس نہیں لوٹائے گا۔ اسے یاد رکھا جانا چاہیے۔ اگر مذکورہ لونڈی نے بیع کے وقت سے دو سال سے زیادہ میں بچہ جنا اور مشتری نے اس کی تصدیق کی تو اس کی تصدیق سے بائع سے نسب ثابت ہو جائے گا اور یہ نکاح کے لغوی معنی پر محمول کرتے ہوئے اس بائع کی ام ولد

کیا گیا ہے۔ قاضی بائع کی اس معاملہ میں تکذیب کرے گا جو اس نے گمان کیا۔ کیونکہ بائع نے اس لونڈی کو مشتری کی جانب سے آزاد قرار دیا تھا۔ پس اس کا گمان باطل ہو گیا اور موت کی صورت میں تکذیب نہ پائی گئی۔ پس اس کے گمان پر اس کا مواخذہ ہوگا۔ ”الکافی“ میں اسی طرح ہے۔ لیکن ”زیلعی“ میں ”المبسوط“ کے کلام کو ترجیح دی ہے اور اسے ہی روایت قرار دیا ہے اور ”ہدایہ“ سے تصحیح کی نقل کے بعد کہا: یہ روایت کے مخالف ہے اور یہ کیسے کہا جاسکتا ہے وہ تمام ثمن کا مطالبہ کرے گا جب کہ لونڈی میں بیع باطل نہیں ہوگی۔ کیونکہ اس کا آزاد کرنا باطل نہیں ہوا؟ بلکہ صرف بچے کا حصہ واپس لوٹائے گا۔ اس کی صورت یہ ہے ثمن کو ان دونوں کی قیمت پر تقسیم کیا جائے گا اور لونڈی کی قیمت کا اعتبار اس دن کے حوالے سے ہوگا جس دن اس پر قبضہ کیا گیا تھا۔ کیونکہ وہ قبضہ کے ساتھ ہی اس کی ضمان میں داخل ہوئی تھی اور بچے کی قیمت کا اعتبار ولادت کے دن کے اعتبار سے ہوگا۔ کیونکہ اس کی قیمت ولادت کے ساتھ ہی ثابت ہوئی ہے پس اس کی قیمت کا اعتبار اس وقت سے ہوگا۔

28005۔ (قولہ: مَا فِي الْكَافِي) وہ صرف بچے کا حصہ واپس کرنا ہے نہ کہ لونڈی کا حصہ واپس کرنا ہے۔ اس پر سب کا

اتفاق ہے۔

28006۔ (قولہ: لَا كَثُرَ مِنْ حَوْلَيْنِ) اسی کی مثل مکمل دو سال ہیں۔ کیونکہ اس کی ملک میں یقینی طور پر حمل کا ٹھہرنا

نہیں پایا گیا جب کہ یقینی طور پر حمل کا ٹھہرنا ہی شاہد اور حجت ہے۔ ”شرنبلائیہ“۔

28007۔ (قولہ: ثَبَتَ النَّسَبُ) اگر صرف مشتری اس کا دعویٰ کرے تو یہ صحیح ہوگا اور یہ دعویٰ دعویٰ استیلاء ہوگا۔

اگر وہ دونوں اکٹھے دعویٰ کریں یا ان دونوں میں سے ایک سبقت لے جائے تو مشتری کا دعویٰ صحیح ہوگا بائع کا دعویٰ صحیح نہیں ہوگا۔ ”تا ترخانہ“۔

نِكَاحًا حَصْلًا لِأَمْرِهِ عَلَى الصَّلَاحِ بَقِيَ لَوْ وَلَدَتْ فِيمَا بَيْنَ الْأَقْلِ وَالْأَكْثَرِ إِنْ صَدَّقَهُ فَحُكْمُهُ كَالْأَوَّلِ لِاحْتِمَالِ الْعُلُوقِ قَبْلَ بَيْعِهِ وَإِلَّا لَا مِلْتَقَى، وَلَوْ تَنَازَعَا فَالْقَوْلُ لِلْمُشْتَرِي اتِّفَاقًا وَكَذَا الْبَيِّنَةُ لَهُ عِنْدَ الثَّانِي خِلَافًا لِلثَّلَاثِ شُرُوبًا لِيَنَّهُ وَشَرْحُ مَجْمَعٍ، وَفِيهِ لَوْ وَلَدَتْ عِنْدَ الْمُشْتَرِي وَلَدَيْنِ أَحَدُهُمَا لِذَوْنِ سِتَّةِ أَشْهُرٍ وَالْآخِرُ لَا كَثُرَتْهُمُ ادَّعَى الْبَائِعُ الْأَوَّلُ ثَبَتَ نَسَبُهُمَا بِلاَ تَصْدِيقِ الْمُشْتَرِي

بن جائے گی۔ یہ بائع پر تقویٰ کے امر کو محمول کرنے کی بنا پر ہے۔ یہ صورت باقی رہ گئی ہے کہ اگر لونڈی ان کی مدت اور اکثر مدت کے درمیان بچہ جن دے اگر مشتری بائع کے دعویٰ کی تصدیق کر دے تو اس کا حکم پہلے کی مانند ہے۔ کیونکہ حمل کے ٹھہرنے کا احتمال یہ اس کی بیچ سے پہلے کا ہے ورنہ حکم پہلے کی مانند نہ ہوگا، ”ملتقی“۔ اگر بائع اور مشتری آپس میں تنازع کریں تو بالا اتفاق قول مشتری کا معتبر ہوگا۔ اسی طرح امام ”ابو یوسف“ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک گواہیاں اس کی قبول کی جائیں گی اور امام ”محمد“ رحمۃ اللہ علیہ سے اس سے اختلاف کیا ہے، ”شرنبلالیہ“، ”شرح المجمع“۔ ”ملتقی“ میں ہے: اگر مشتری کے نزدیک دو بچے پیدا ہوں ان میں سے ایک چھ ماہ سے کم عرصہ میں اور دوسرا چھ ماہ سے زیادہ عرصہ میں۔ پھر بائع نے پہلے بچے کے نسب کا دعویٰ کیا تو مشتری کی تصدیق کے بغیر دونوں کا نسب بائع سے ثابت ہو جائے گا۔

28008۔ (قوله: نِكَاحًا) اس کی صورت یہ ہے کہ مشتری نے اس بائع سے اس لونڈی کی شادی کر دی ہو ورنہ وہ

زنا ہوگا۔

28009۔ (قوله: فَحُكْمُهُ كَالْأَوَّلِ) پس نسب ثابت ہو جائے گا اور بیع باطل ہو جائے گا اور بچہ آزاد ہو جائے گا اور

ماں ام ولد ہو جائے گی۔ ”تا ترخانیہ“۔

28010۔ (قوله: قَبْلَ بَيْعِهِ) ”تا ترخانیہ“ میں کہا ہے: جو کچھ ہم نے یہ ذکر کیا ہے یہ اس وقت ہے جب مدت

معلوم ہو اگر مدت معلوم نہ ہو کہ چھ ماہ سے کم عرصہ میں اس نے بچہ جنا، دو سال سے زیادہ میں بچہ جنایا بیچ کے وقت سے زیادہ میں بچہ جنا اگر بائع اس کے نسب کا دعویٰ کرے تو یہ مشتری کی تصدیق کے بغیر صحیح نہیں ہوگا۔ اگر مشتری اس کا دعویٰ کر دے تو یہ صحیح ہوگا۔ اگر دونوں اکٹھے اس کا دعویٰ کر دیں تو دونوں میں سے کسی کا دعویٰ بھی صحیح نہیں ہوگا۔ اگر دونوں میں سے ایک سہتہ لے جائے اگر تو وہ مشتری ہو تو اس کا دعویٰ بھی صحیح ہوگا۔ اگر وہ بائع ہو تو دونوں میں سے کسی کا دعویٰ صحیح نہ ہوگا۔

28010۔ (ب) (قوله: وَإِلَّا) یعنی ان کو جھٹلائے، اس کا دعویٰ نہ کرے یا اس کا دعویٰ کر دے یا وہ خاموش ہو

جائے۔ تو یہ ان کے قول و لو تنازعاً سے عام ہوگا۔ ”ح“۔

28011۔ (قوله: وَلَوْ تَنَازَعَا) یعنی اگر وہ تنازع کریں کہ اس بچے کی ولادت چھ ماہ سے کم ہوئی ہے یا اس سے زیادہ

ہوئی ہے جس طرح ہم نے اسے پہلے ”تا ترخانیہ“ سے نقل کیا ہے۔

28012۔ (قوله: وَالْآخِرُ لَا كَثُرَتْهُمُ) یعنی ان دونوں کے درمیان چھ ماہ کا عرصہ نہ ہو۔

(بَاعَ مَنْ وَلِدَ عِنْدَهُ وَادَّعَاهُ بَعْدَ بَيْعِ مُشْتَرِيهِ ثَبَتَ نَسَبُهُ) لِيَكُونَ الْعُلُوقُ فِي مِلْكِهِ (وَرُدَّ بَيْعُهُ) لِأَنَّ الْبَيْعَ يَحْتَبِلُ النَّقْضَ (وَكَذَا) الْحُكْمُ (لَوْ كَاتَبَ الْوَلَدُ أَوْ رَهْنَهُ أَوْ آجَرَهُ

جو غلام اس کی ملکیت میں پیدا ہوا تھا اسے بیچا اور اس کے مشتری کے بیع کرنے کے بعد اس کے نسب کا دعویٰ کر دیا تو پہلے بائع سے اس کا نسب ثابت ہو جائے گا۔ کیونکہ حمل اس کی ملک میں ٹھہرا اور اس کی بیع رد کر دی جائے گی۔ کیونکہ بیع نقض کا احتمال رکھتی ہے۔ اگر اس نے بچے سے عقد مکاتبہ کیا اسے رہن کے طور پر رکھا، اجرت پر دیا

28013۔ (قوله: وَكَذَا الْحُكْمُ لَوْ كَاتَبَ) اگر مشتری عقد مکاتبہ کرے تو حکم اسی طرح ہوگا۔

یہ جان لو کہ ”الہدایہ“ کی عبارت اسی طرح ہے جس نے کسی ایسے غلام کو بیچا جس نے اس کے ہاں ہی جنم لیا تھا اور مشتری نے آگے کسی اور کو بیچ دیا پھر پہلے بائع نے اس کا دعویٰ کر دیا تو وہ پہلے بائع کا بیٹا ہوگا پس یہ اس کا بیٹا ہوگا اور بیع باطل ہو جائے گی۔ کیونکہ بیع نقض (ٹوٹ جانے) کا احتمال رکھتی ہے اور اسے جو دعویٰ کا حق ہے وہ نقض کا احتمال نہیں رکھتا۔ پس بیع اس کی وجہ سے ٹوٹ جائے گی۔ اسی طرح جب اس نے بچے سے عقد مکاتبہ کیا، اس کو رہن کے طور پر رکھا اسے اجرت پر دیا یا اس کی ماں کے ساتھ عقد مکاتبہ کیا، اسے رہن پر رکھا یا اس کی کسی کے ساتھ شادی کر دی پھر دعویٰ نسب ہوا کیونکہ یہ عوارض نقض کا احتمال رکھتے ہیں پس ان سب کو توڑ دیا جائے گا اور دعویٰ نسب صحیح ہو جائے گا۔ آزاد کرنے اور مدبر بنانے کا معاملہ مختلف ہے جیسے گزر چکا ہے۔ ”صدر الشریعہ“ نے کہا: کاتب کی ضمیر اگر مشتری کی طرف راجع ہو۔ اسی طرح ان کے قول میں کاتب الام میں ضمیر مشتری کی طرف راجع ہو تو تقدیر کلام یہ ہوگی: جس نے ایسا غلام بیچا جس نے اس کے ہاں ولادت پائی اور مشتری نے اس کی ماں سے عقد مکاتبہ کیا یہ صحیح نہیں۔ کیونکہ معطوف علیہ بچے کو بیچنا ہے ماں کو بیچنا نہیں۔ تو اس کا قول و کاتب المشتري الام کیسے صحیح ہو سکتا ہے؟ اگر ومن باع عبدا میں جو من ہے ضمیر اس کی طرف راجع ہو تو مسئلہ یہ ہوگا: ایک آدمی نے ایسے غلام کے ساتھ عقد مکاتبہ کیا جس کی اس کے ہاں پیدائش ہوئی یا اسے رہن کے طور پر یا اسے اجرت پر دیا پھر نسب کا دعویٰ ہوا اس وقت ان کا قول بخلاف الاعتناق مستحسن نہیں ہوگا۔ کیونکہ اعتناق کا مسئلہ جو گزر چکا ہے وہ یہ ہے: جب مشتری بچے کو آزاد کر دے۔ کیونکہ صحیح فرق یہ ہے کہ وہ فرق مشتری کے آزاد کرنے اور اس کے عقد مکاتبہ کے درمیان ہو مشتری کے آزاد کرنے اور بائع کے عقد مکاتبہ کے درمیان نہ ہو۔ جب تو نے یہ امر پہچان لیا ہے تو کاتب الولد میں ضمیر کا مرجع وہ مشتری ہوگا اور کاتب الام میں ضمیر کا مرجع وہ من ہوگا جو من باع کے قول میں ہے۔

میں کہتا ہوں: اظہر یہ ہے کہ دونوں میں ضمیر کا مرجع مشتری ہے اور ان کا قول: لان المعطوف علیہ بیع الولد لا بیع الام قابل اعتنا نہیں۔ کیونکہ متبادر یہ ہے کہ اس بچے کی بیع اس کی ماں کے ساتھ کی گئی۔ اس کا قرینہ سیاق کلام ہے اور دوسرا قرینہ وہ دلیل ہے جو حدیث طیبہ سے ثابت ہے کہ ان کو جدا جدا کرنا مکروہ ہے۔ ہاں ”الوقایہ“ کی عبارت کے ظاہر کا مقتضایہ ہے کہ ان کے قول بعد بیع مشتریہ کے قول کی طرف نظر کی جائے۔ اسی طرح بچے کے ساتھ عقد مکاتبہ کرنے اور اس کو رہن

أَوْ كَاتَبَ الْأُمُّ أَوْ رَهْنَهَا أَوْ آجَرَهَا ثُمَّ ادَّعَاهُ فَيُثَبِّتُ نَسَبَهُ وَتُرَدُّ هَذِهِ التَّصَرُّفَاتُ بِخِلَافِ
الْإِعْتِقَادِ كَمَا مَرَّ (بَاعَ أَحَدَ التَّوَامَيْنِ الْمَوْلُودَيْنِ) يَعْنِي عِلْقًا وَوُلْدًا (عِنْدَهُ وَأَعْتَقَهُ الْمُشْتَرِي ثُمَّ ادَّعَى
الْبَائِعُ الْوَلَدَ) (الْآخِرُ ثَبَتَ نَسَبُهُمَا وَبَطَلَ عِشْقُ الْمُشْتَرِي) بِأَمْرِ قَوْقِهِ وَهُوَ حُرِّيَّةُ الْأَصْلِ لِأَنَّهُمَا عِلْقَانِي
مِلْكِهِ، حَتَّى لَوْ اشْتَرَاهَا

یا اس کی ماں سے عقد مکاتبہ کیا، اسے کسی کے ہاں رہن رکھا، اسے اجرت پر دیا یا اس کی کسی مرد سے شادی کر دی پھر اس بچے
کے نسب کا دعویٰ کر دیا پس اس کا نسب ثابت ہو جائے گا اور ان تصرفات کو رد کر دیا جائے گا۔ آزاد کرنے کا معاملہ مختلف ہے۔
جس نے دو جڑواں مولود بچوں یعنی جو حمل ٹھہرنے اور پیدائش میں جڑواں تھے ان میں سے ایک کو بیچ دیا اور مشتری نے
اسے آزاد کر دیا پھر بائع نے دوسرے بچے کا دعویٰ کر دیا تو دونوں کا نسب ثابت ہو جائے گا اور مشتری کا آزاد کرنا ایسے امر کی
وجہ سے باطل ہو جائے گا جو اس سے فائق ہو وہ اصلاً آزاد ہونا ہے۔ کیونکہ یہ دونوں اس کی ملک میں حمل ٹھہرے تھے یہاں
تک کہ اگر اس نے لونڈی کو

رکھنے کے بعد نظر کی جائے۔ لیکن یہ سہو ہے ”وَإِنِّي عَلَى الدَّرَاءِ“۔

28014۔ (قوله: أَوْ كَاتَبَ الْأُمُّ) یعنی اگر ماں کو بچے کے ساتھ بیچ دیا جائے تو سب میں ضمیر مشتری کی طرف لوٹے

گی۔ اس تعبیر کے ساتھ وہ سب ساقط ہو جاتا ہے جو ”صدر الشریعہ“ میں بحث موجود ہے۔

28015۔ (قوله: يَعْنِي عِلْقًا) اس قول کے ساتھ جس قول سے احتراز کیا گیا ہے وہ یہ ہے: حتی لو اشتراها، ”حلبی“۔

28016۔ (قوله: ثُمَّ ادَّعَى الْبَائِعُ الْوَلَدَ) کیونکہ بائع کا دعویٰ نسب اس بچے میں صحیح ہو گیا جس کو مشتری نے نہیں

بیچا۔ کیونکہ حمل کا ٹھہرنا اور دعویٰ اس کی ملک کو مل گئے ہیں پس اس کا نسب ثابت ہو جائے گا اور ضروری ہے کہ دوسرے کا نسب
ثابت ہو۔ کیونکہ یہ دونوں ایک ہی پانی سے حمل واقع ہوئے ہیں پس مشتری کی آزادی کا باطل ہونا لازم آئے گا جب بچہ ایک
ہو تو معاملہ مختلف ہوگا۔ اس کی مکمل بحث ”زیلعی“ میں ہے۔

28017۔ (قوله: وَهُوَ حُرِّيَّةُ الْأَصْلِ) یعنی ایسی آزادی جو اصل خلقت کے ساتھ ثابت ہوئی ہے۔ جہاں تک

اعتقاد کی آزادی کا تعلق ہے وہ عارضی ہے۔

28018۔ (قوله: لِأَنَّهُمَا عِلْقَانِي مِلْكِهِ) اگر بچہ ایک ہو تو معاملہ مختلف ہوگا۔ اس صورت میں مشتری کا آزاد کرنا

باطل نہیں ہوگا۔ کیونکہ اگر اس صورت میں باطل ہو جائے تو یہ بائع کے نسب کے دعویٰ کے حق کی وجہ سے مقصوداً باطل ہوگا جب
کہ یہ جائز نہیں یہاں آزادی اس میں ثابت ہوئی جو آزاد نہیں پھر آزادی دوسرے کی طرف متعدی ہوئی اور کتنی ہی چیزیں
ہوتی ہیں جو ضمناً ثابت ہوتی ہیں بطور مقصود ثابت نہیں ہوتیں۔ ”عینی“۔

28019۔ (قوله: حَتَّى لَوْ اشْتَرَاهَا) یعنی بائع نے اس حاملہ کو خریدا اور اس حاملہ نے دو سال سے زائد عرصہ میں ان

حُبْلَى لَمْ يَبْطُلْ عِتْقُهُ لِأَنَّهَا دَعْوَةٌ تَحْرِيرٌ فَتَقْتَصِرُ عَيْنِي وَغَيْرُهَا وَجَزَمَ بِهِ الْمُصَنِّفُ ثُمَّ قَالَ وَحِيلَةُ إِسْقَاطِ دَعْوَى الْبَائِعِ أَنْ يُقَرَّ الْبَائِعُ أَنَّ ابْنَ عَبْدِهِ فَلَانِ فَلَا تَصَحُّ دَعْوَاهُ أَبَدًا مُجْتَبَى

حاملہ خریدا ہو تو اس کا آزاد کرنا باطل نہ ہوگا۔ کیونکہ یہ دعویٰ تحریر ہے۔ پس یہ اس تک محدود رہے گا ”عینی“ وغیرہ۔ مصنف نے اسے یقین کے ساتھ بیان کیا ہے۔ پھر بائع کے دعویٰ کو ساقط کرنے کا حیلہ یہ ہے کہ بائع یہ اقرار کرے کہ یہ اس کے فلاں غلام کا بیٹا ہے۔ پس اس کا دعویٰ کبھی بھی صحیح نہ ہوگا۔ ”مجتبى“۔

دو بچوں کو جنا۔

28020۔ (قوله: لَمْ يَبْطُلْ) ”الاکمل“ نے کہا: اس کا نقص (اس پر اعتراض) اس کے ساتھ کیا گیا ہے جب ایک آدمی نے دو جڑواں بچوں میں سے ایک کو خریدا اور اس کے باپ نے دوسرے کو خریدا ان دونوں میں سے ایک جس کے قبضہ میں وہ بچہ ہے نے دعویٰ کر دیا کہ وہ بچہ اس کا بیٹا ہے تو ان دونوں بچوں کا نسب اس سے ثابت ہو جائے گا اور وہ دونوں آزاد ہو جائیں گے اور دعویٰ اس ایک بچے تک محدود نہیں رہے گا۔

اس کا جواب یہ دیا گیا: یہ ایک اور موجب کی وجہ سے ہے وہ یہ ہے کہ مدعی اگرچہ باپ ہے تو بیٹا اپنے بھائی کا مالک ہو گیا اگر وہ بیٹا ہے تو باپ اپنے پوتے کا مالک ہو گیا پس وہ پوتا آزاد ہو جائے گا۔

اگر عورت نے دو جڑواں بچوں کو جنم دیا تو اس نے ان دونوں میں سے ایک کو بیچ دیا پھر بائع کے باپ نے دونوں بچوں کے نسب کا دعویٰ کر دیا اور دونوں نے یعنی اس کے بیٹے جو بائع ہے اور مشتری نے اس کو جھٹلادیا تو وہ قیمت کے ساتھ اس کی ام ولد ہو جائے گی اور دونوں کا نسب ثابت ہو جائے گا اور بائع کے قبضہ میں جو بچہ ہے وہ آزاد ہو جائے گا اور بیچ بچہ آزاد نہیں ہوگا۔ کیونکہ اس میں اس کی ظاہر ملکیت کا ابطال لازم ہوتا ہے۔ نسب کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ اس میں کوئی ضرر نہیں۔

اس میں اور بائع میں فرق یہ ہے: جب وہ بائع نسب کا مدعی ہو، کہ بائع کے دعویٰ میں، نسب اس حمل ٹھہرنے کے ساتھ ہوا ہے جو اس بائع کی ملکیت میں واقع ہوا یہاں باپ کی دلیل انت و مالک لا بیك (تو اور تیرا مال تیرے باپ کا ہے) کا شبہ صرف اس کے بائع بیٹے کے مال میں ظاہر ہوتا ہے۔ اس کی مکمل وضاحت ”ساحانی“ کے نسخہ میں ہے جو ”المقدسی“ سے مروی ہے۔

28021۔ (قوله: لِأَنَّهَا دَعْوَةٌ تَحْرِيرٌ) کیونکہ اس کی ملک میں حمل نہیں ٹھہرا۔

28022۔ (قوله: فَتَقْتَصِرُ) پہلے مسئلہ کا معاملہ مختلف ہے۔ وہ اس صورت میں ہے جب حمل کا ٹھہرنا اس کی ملک میں

ہو اس وقت وہ دونوں آزاد ہو جائیں گے۔ کیونکہ یہ ذکر کر دیا گیا ہے کہ یہ ام ولد بنانے کا دعویٰ ہے۔ پس یہ دعویٰ اس کی طرف منسوب ہوگا۔ اور اس کی ضرورت میں سے ہے کہ دونوں آزاد ہو جائیں اس طریقہ سے کہ دونوں اصلاً آزاد ہیں۔ پس اس سے یہ امر واضح ہو گیا کہ اس نے آزاد کو بیچا تھا۔ ”عینی“۔

28023۔ (قوله: أَبَدًا) یعنی اگرچہ غلام اس کا انکار کرے۔

وَقَدْ أَفَادَهُ بِقَوْلِهِ (قَالَ) عَمَرُو (لَصَبِيٍّ مَعَهُ) أَوْ مَعَ غَيْرِهِ عَيْنِي (هُوَ ابْنُ زَيْدٍ) الْغَائِبِ (ثُمَّ قَالَ هُوَ ابْنِي لَمْ يَكُنْ ابْنَهُ) أَبَدًا (وَإِنْ) وَصْلِيَّةٌ (جَحَدَ زَيْدٌ بُنُوَّتَهُ) خِلَافًا لَهَا بَعْدَ ثُبُوتِهِ حَتَّى لَوْ صَدَّقَهُ بَعْدَ تَكْذِيبِهِ صَحَّ، وَلِذَا لَوْ قَالَ لَصَبِيٍّ هَذَا الْوَلَدُ مِنِّي ثُمَّ قَالَ لَيْسَ مِنِّي لَا يَصِحُّ نَفْيُهُ لِأَنَّهُ بَعْدَ الْإِقْرَارِ بِهِ لَا يَنْتَفِي بِالنَّفْيِ فَلَا حَاجَةَ إِلَى الْإِقْرَارِ بِهِ ثَانِيًا وَلَا سَهْوَنِي عِبَارَةِ الْعِمَادِي

اپنے اس قول کے ساتھ بیان کیا ہے عمرو نے ایسے بچے کے بارے میں کہا جو اس کے ساتھ تھا یا اس کے غیر کے ساتھ تھا، ”عینی“۔ وہ زید کا بیٹا ہے جو غائب ہے پھر اس نے کہا: وہ میرا بیٹا ہے وہ کبھی بھی اس کا بیٹا نہیں ہوگا۔ اگرچہ زید اس کے بیٹے ہونے کا انکار کر دے یہاں ان وصلیہ ہے۔ ”صاحبین“ رحمہ اللہ یہاں نے اس سے اختلاف کیا ہے۔ کیونکہ نسب ثابت ہونے کے بعد نقض (ٹوٹ جانے) کا احتمال نہیں رکھتا یہاں تک کہ اگر جھٹلانے کے بعد اس کی تصدیق کر دے تو یہ صحیح ہو جائے گا۔ اسی وجہ سے اگر وہ کسی بچے سے کہے: یہ بچہ میرا ہے پھر وہ کہے: یہ میرا نہیں تو اس کی نفی کرنا صحیح نہ ہوگا۔ کیونکہ اس کا اقرار کرنے کے بعد نفی کرنے سے وہ منتفی نہیں ہوگا۔ پس دوبارہ اس کے اقرار کرنے کی ضرورت نہیں۔ ”العمادی“ کی عبارت میں کوئی سہو نہیں

28024۔ (قوله: خِلَافًا لَهَا) ان دونوں ائمہ نے فرمایا: جب زید اس کے بیٹا ہونے کا انکار کر دے تو یہ بچہ مقرر کا بیٹا

ہوگا۔ جب زید اس کی تصدیق کر دے یا نہ اس کی تصدیق کا پتہ چلے اور نہ ہی اس کی تکذیب کا پتہ چلے تو ائمہ کے نزدیک مقرر کا دعویٰ صحیح نہ ہوگا۔ ”درر“۔

28025۔ (قوله: بَعْدَ ثُبُوتِهِ) یہاں مقرر کی جانب سے مقررہ کے لیے نسب ثابت ہوا ہے۔

28026۔ (قوله: حَتَّى لَوْ صَدَّقَهُ) یعنی مقررہ نے مقرر کی تصدیق کی۔ تفریع میں خفا ہے۔ ”الدرر“ کی عبارت ہے:

امام ”ابو حنیفہ“ رحمہ اللہ کی دلیل یہ ہے: نسب ثابت ہونے کے بعد نقض کا احتمال نہیں رکھتا اور اس جیسا اقرار رد کرنے سے رد نہیں ہوتا۔ کیونکہ اس کے ساتھ مقررہ کا حق متعلق ہو چکا ہے یہاں تک کہ تکذیب کے بعد اس کی تصدیق کرے تو اس سے نسب ثابت ہو جاتا ہے۔ نیز اس کے ساتھ بچے کا حق متعلق ہو جاتا ہے۔ پس یہ امر ظاہر ہو گیا کہ یہ اس امر پر تفریع ہے کہ مقررہ کا حق اس سے متعلق ہو چکا ہے۔

28027۔ (قوله: لَا يَنْتَفِي بِالنَّفْيِ) یہ اس وقت ہے جب بیٹا اس کی تصدیق کرے۔ جہاں تک تصدیق کے بغیر کا

تعلق ہے تو نسب ثابت نہیں ہوگا۔ لیکن جب بیٹا اس کی تصدیق نہ کرے پھر اس کی تصدیق کرے تو بیٹا ہونا ثابت ہو جائے گا۔ کیونکہ بیٹے کا اقرار بیٹے کی تصدیق کے بغیر باطل نہیں ہوتا۔ ”فصولین“۔

اس کے جامع فقیر ”محمد“ بریطار نے کہا: میں یہ گمان کرتا ہوں یہ مقولہ اس پر مشطوب (اس پر لکیر کھینچی گئی ہے) ہوا ہے پس اس کو جاننا چاہیے۔

28028۔ (قوله: فِي عِبَارَةِ الْعِمَادِي) اس کی عبارت: ”یہ بچہ میرا نہیں پھر کہا: یہ میرا ہے تو یہ صحیح ہے۔ کیونکہ اس کے

كَمَا زَعَمَهُ مُنْذَرٌ خُسْرًا كَمَا أَفَادَهُ الشُّرْبِلَالِيُّ وَهَذَا إِذَا صَدَّقَهُ ابْنُ وَأَمَّا بِدُونِهِ فَلَا إِذَا عَادَ ابْنُ إِلَى التَّصْدِيقِ لِبَقَاءِ إِقْرَارِ الْأَبِ، وَلَوْ أَنَّكَ الْأَبُ الْإِقْرَارَ فَبَرَهَنَ عَلَيْهِ ابْنُ قَبْلُ وَأَمَّا الْإِقْرَارُ بِأَنَّهُ أَخُوهُ فَلَا يُقْبَلُ، لِأَنَّهُ إِقْرَارٌ عَلَى الْغَيْرِ فَرُوعٌ لَوْ قَالَ لَسْتُ وَارِثُهُ ثُمَّ ادَّعَى أَنَّهُ وَارِثُهُ وَبَيَّنَّ جِهَةَ الْإِرْثِ صَحَّ - إِذَا التَّنَاقُضُ فِي النَّسَبِ عَفْوٌ وَلَوْ ادَّعَى بُنُوَّةَ الْعَمِّ لَمْ يَصَحَّ مَا لَمْ يَذْكُرْ اسْمَ الْجَدِّ وَلَوْ بَرَهَنَ أَنَّهُ أَقْرَرَهُ

جس طرح ”منلا خسرو“ نے گمان کیا ہے جس طرح ”شربلالی“ نے بیان کیا ہے۔ یہ اس صورت میں ہے جب بیٹا اس کی تصدیق کرے مگر جب بیٹا تصدیق نہ کرے تو پھر ایسا نہ ہوگا۔ مگر جب بیٹا دوبارہ تصدیق کی طرف لوٹ آئے کیونکہ باپ کا اقرار تو موجود ہے اگر باپ اقرار کا انکار کرے اور بیٹا اس پر گواہیاں قائم کر دے تو گواہیاں قبول کی جائیں گی۔ جہاں تک اس اقرار کا تعلق ہے کہ یہ اس کا بھائی ہے تو اسے قبول نہیں جائے گا کیونکہ یہ غیر پر اقرار ہے۔ فروع: اگر اس نے کہا: میں اس کا وارث نہیں پھر اس نے دعویٰ کر دیا کہ وہ اس کا وارث ہے اور وراثت کی جہت کو بیان کر دیا تو یہ صحیح ہوگا۔ کیونکہ نسب میں تناقض معاف ہے۔ اگر کوئی آدمی کسی کے متعلق چچا کے بیٹے ہونے کا دعویٰ کرتا ہے تو یہ صحیح نہ ہوگا جب تک دادا کا نام ذکر نہ کرے۔ اگر ایک آدمی گواہی قائم کرے کہ اس نے یہ اقرار کیا ہے

اس اقرار کرنے کے ساتھ کہ یہ اس کا بیٹا ہے اس کا نسب ثابت ہو گیا پس اس کی نفی صحیح نہ ہوگی“ میں سہو ہے جیسے ”منلا خسرو“ نے کہا ہے۔ کیونکہ عبارت میں نفی سے پہلے اقرار نہیں ہے۔ ”حاشیہ“ میں اسی طرح ہے۔

28029۔ (قولہ: كَمَا زَعَمَهُ) یہ نفی کی تمثیل ہے اور ان کا قول کما افادہ یہ نفی کی تمثیل ہے۔

”حاشیہ“ میں کہا: یہ عدم سہو ہے اس کی نص ہے: جو امر میرے لیے ظاہر ہوا ہے تیرا لفظ جو یہ قول ہے ہو منی صح نسب کی صحت کے ثبوت میں اس کا کوئی فائدہ نہیں۔ کیونکہ پہلے اقرار کرنے کے ساتھ بعد میں نفی سے وہ منشی نہیں ہوتا۔ پس اس کے بعد اس کے اقرار کی کوئی حاجت نہیں ہوتی پس اس پر غور کیا جانا چاہیے۔

نسب میں تناقض معاف ہے

28030۔ (قولہ: إِذَا التَّنَاقُضُ الْخ) ”الدرر“ میں فصل فی الاشتراء میں بے شمار فوائد ذکر کیے پس اس کی طرف رجوع کیجئے۔

اگر کوئی آدمی کسی کے متعلق چچا کے بیٹے ہونے کا دعویٰ کرتا ہے تو یہ صحیح نہ ہوگا

28031۔ (قولہ: اسْمَ الْجَدِّ) یعنی دادا کا نام ذکر کرنا ضروری ہے۔ بھائی ہونے کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ یہ دادا کا

نام لیے بغیر صحیح ہے جس طرح ”الدرر“ میں ہے۔

یہ جان لو کہ بھائی ہونے کا دعویٰ وغیرہ ان چیزوں میں سے ہے اگر مدعی علیہ اس کا اقرار کرے تو وہ اقرار اس پر لازم نہیں ہوگا۔ اس دعویٰ کو نہیں سنا جائے گا جب تک اس کی جانب مال کا دعویٰ نہیں کرے گا۔ ”الولوالجیہ“ میں کہا: اگر وہ دعویٰ کرے کہ

أَنِّي ابْنُهُ تَقْبَلُ لِيُثْبِتَ النَّسَبَ بِإِقْرَارِهِ وَلَا تُسَمَّعُ إِلَّا عَلَى خَصِمٍ هُوَ وَارِثٌ أَوْ دَائِنٌ أَوْ مَذْيُونٌ أَوْ مُوصَى لَهُ وَلَوْ أَحْضَرَ رَجُلًا لِيَدَّعِيَ عَلَيْهِ حَقًّا لِأَبِيهِ وَهُوَ مُقَرَّرٌ بِهِ أَوْ لَا فَلَهُ إِثْبَاتُ نَسَبِهِ بِالْبَيِّنَةِ

کہ میں اس کا بیٹا ہوں تو اس کی گواہی قبول کی جائے گی۔ کیونکہ اس کے اقرار کے ساتھ نسب ثابت ہو چکا ہے اور گواہی نہیں سنی جائے گی مگر خصم کے خلاف، وہ وارث ہو، دائن ہو، مدیون ہو یا موصی لہ ہو۔ اگر کوئی آدمی کسی آدمی کو حاضر کرے تاکہ اس پر اپنے باپ کے حق کا دعویٰ کرے وہ دوسرا آدمی اس کا اقرار کرتا ہو یا انکار کرتا ہو تو حاضر کرنے والے پر لازم ہوگا

وہ اس کے والدین کی جانب سے بھائی ہے اس نے اس امر سے انکار کر دیا تو قاضی اس سے سوال کرے گا: کیا تیری اس کی جانب کوئی میراث ہے جس کا تو دعویٰ کرتا ہے، نفقہ ہے یا ایسے حقوق میں سے کوئی حق ہے جن کو وصول کرنے پر قدرت حاصل نہیں ہوتی مگر اسی صورت میں جب نسب ثابت کیا جائے؟

اگر معاملہ اس طرح ہو تو قاضی نسب کے ثابت کرنے پر اس کی گواہیاں قبول کرے گا ورنہ ان دونوں کے درمیان کوئی خصومت نہ ہوگی۔ کیونکہ جب وہ مال کا دعویٰ نہ کرے تو وہ حق کا دعویٰ نہیں کر رہا۔ کیونکہ اخوت دو بھائیوں کے درمیان صلب یا رحم میں مجاورت کا نام ہے اگر ایک آدمی دعویٰ کرے کہ وہ فلاں کا باپ ہے اور وہ اس کا انکار کر دے یہ اس امر کو ثابت کرے تو اس کو قبول کیا جائے گا۔ اس کے برعکس معاملہ اسی طرح ہے اگر چہ اس کی جانب حق کا دعویٰ نہ کرے۔ کیونکہ اگر اس نے اس کا اقرار کیا تو یہ صحیح ہو جائے گا پس وہ خصم بن جائے گا یہ امر اس لیے ہے۔ کیونکہ وہ حق کا دعویٰ کرتا ہے کیونکہ بیٹا یہ دعویٰ کرتا ہے کہ وہ اس کی طرف منسوب ہونے کا حق رکھتا ہے اور باپ یہ دعویٰ کرتا ہے کہ اس کی ذات کی طرف شرعی طور پر اس کا منسوب ہونا واجب ہے حضور سنی ﷺ کا فرمان ہے: من انتسب الی غیر ابیہ او انتہی الی غیر موالیہ فعلیہ لعنة الله والبلائة والناس اجمعین (1)۔ جس نے اپنے آپ کو اپنے باپ کے علاوہ کسی طرف منسوب کیا یا اپنے آقا کے علاوہ کسی اور کی طرف منسوب کیا تو اس پر اللہ تعالیٰ، فرشتوں اور تمام لوگوں کی لعنت ہے۔ اس کی مکمل بحث اس میں اور ”بزازیہ“ میں ہے۔

28032۔ (قوله: أَنِّي ابْنُهُ) جو قول قریب ہی گزرا ہے اس کے ساتھ تکرار ہے۔

خصم کے خلاف ہی دعویٰ سنا جائے گا وہ وارث ہو، دائن ہو، مدیون ہو یا موصی لہ ہو

28033۔ (قوله: وَلَا تُسَمَّعُ) یعنی وارثت کی گواہیاں نہیں سنی جائیں گی جس طرح ”الفصولین“ میں ہے۔

28034۔ (قوله: أَوْ دَائِنٌ) غور کیجئے اس کی صورت کیا بنتی ہے؟ شاید اس کی صورت یہ بنتی ہے وہ میت پر دین کا

دعویٰ کرتا ہے اور قاضی اس کے لیے ایک ایسے آدمی کو کھڑا کرتا ہے جو اس کے سامنے اس کا دین ثابت کرتا ہے اس وقت وہ وراثت کے مدعی کا خصم ہوگا اسی کی مثل موصی لہ میں قول کیا جاتا ہے۔ تامل

28035۔ (قوله: أَوْ مُوصَى لَهُ) یا وصی ہو ”بزازیہ“۔ ”حاشیہ“ میں اسی طرح ہے۔

عِنْدَ الْقَاضِي بِحَضْرَةِ ذَلِكَ الرَّجُلِ، وَلَوْ ادَّعَى إِرْثًا عَنْ أَبِيهِ فَلَوْ أَقَرَّ بِهِ أَمْرًا بِالْدَّفْعِ إِلَيْهِ، وَلَا يَكُونُ قَضَاءً عَلَى الْأَبِ حَتَّى لَوْ جَاءَ حَيًّا يَأْخُذُهُ مِنَ الدَّفْعِ، وَالْدَّافِعُ عَلَى الْإِبْنِ، وَلَوْ أَنْكَرَ قِيلَ لِلِابْنِ بَرِّهْنُ عَلَى مَوْتِ أَبِيكَ وَأَنْتَ وَارِثُهُ، وَلَا يَبِينُ وَالصَّحِيحُ تَحْلِيْفُهُ عَلَى الْعِلْمِ بِأَنَّهُ ابْنُ فُلَانٍ وَأَنَّهُ مَاتَ ثُمَّ يُكَلِّفُ الْإِبْنَ بِالْبَيِّنَةِ بِذَلِكَ وَتَسَامُهُ فِي جَامِعِ الْفُصُولَيْنِ مِنَ الْفَصْلِ السَّابِعِ وَالْعِشْرِينَ (وَلَوْ كَانَ) الصَّبِيُّ (مَعَ) مُسْلِمٍ وَكَافِرٍ فَقَالَ الْمُسْلِمُ هُوَ عَبْدِي، وَقَالَ الْكَافِرُ هُوَ ابْنِي فَهُوَ حُرٌّ ابْنُ الْكَافِرِ لِنَيْلِهِ الْحُرِّيَّةَ حَالًا

کہ گواہوں کے ساتھ اپنے نسب کو ثابت کرے جب کہ یہ گواہیاں قاضی کے پاس اس آدمی کی موجودگی میں ہوں۔ اگر ایک آدمی اپنے باپ کی جانب سے وراثت کا دعویٰ کرے اگر وہ مدعی علیہ اس کا اقرار کرتا ہو تو اسے یہ حکم دیا جائے گا کہ مال اس مدعی کے حوالے کر دے، اور یہ باپ پر فیصلہ نہیں ہوگا یہاں تک کہ اگر باپ زندہ واپس آجائے تو وہ دینے والے سے مال لے گا اور مال دینے والا باپ سے لے گا اگر وہ انکار کرے تو بیٹے سے کہا جائے گا اپنے باپ کی موت پر اپنے اس کے وارث ہونے پر گواہیاں قائم کرے اور اس پر کوئی قسم لازم نہ ہوگی۔ صحیح قول یہ ہے کہ اس پر علم کے بارے میں قسم لازم ہوگی کہ وہ فلاں کا بیٹا ہے اور وہ مرچکا ہے پھر بیٹے کو مکلف بنایا جائے گا کہ وہ اس کے بارے میں گواہیاں پیش کرے۔ اس کی مکمل بحث ”جامع الفصولین“ میں ستائیسویں فصل میں ہے۔ اگر کوئی بچہ کسی مسلمان اور کافر کے ساتھ ہو مسلمان کہے یہ میرا غلام ہے۔ کافر کہے: یہ میرا بیٹا ہے تو وہ آزاد ہوگا اور کافر کا بیٹا ہوگا۔ کیونکہ وہ آزادی کو فی الحال

28036۔ (قوله: فَلَوْ أَقَرَّ) یعنی مدعی علیہ اقرار کرے اور ان کا قول بہ ضمیر سے مراد بنوت اور موروث ہے۔

28037۔ (قوله: وَلَوْ أَنْكَرَ) یعنی مدعی علیہ انکار کرے۔

28038۔ (قوله: تَحْلِيْفُهُ) یعنی منکر سے قسم لی جائے گی۔

28039۔ (قوله: عَلَى الْعِلْمِ) یعنی علم نہ ہونے پر۔ اس کی صورت یہ ہے کہ وہ کہے: اللہ کی قسم! میں نہیں جانتا کہ یہ

فلان کا بیٹا ہے۔

28040۔ (قوله: بِأَنَّهُ ابْنُ فُلَانٍ) ظاہر یہ ہے اس سے یہ قسم لینا کہ وہ فلاں کا بیٹا نہیں اس بنا پر ہے کہ جب مدعی

موت کو ثابت کر چکا ہو ورنہ موت کا علم نہ ہونے پر قسم لینے کا کوئی فائدہ نہیں۔ تاہل

28041۔ (قوله: بِذَلِكَ) اسم اشارہ سے مراد وہ مال بھی ہے جس کا اس نے انکار کیا۔

28042۔ (قوله: السَّابِعِ وَالْعِشْرِينَ) صحیح الفصل الثمن والعشرين ہے۔ ”حاشیہ“ میں اسی طرح ہے۔

28043۔ (قوله: وَقَالَ الْكَافِرُ هُوَ ابْنِي) شرح ”الملتقی“ میں کہا: یہ اس صورت میں ہے جب وہ دونوں اکٹھے اس

کے بارے میں دعویٰ کریں اگر مسلمان کا دعویٰ پہلے ہو تو وہ مسلمان کا غلام ہوگا اگر دونوں بیٹا ہونے کا دعویٰ کریں تو وہ مسلمان کا بیٹا ہوگا کیونکہ مسلمان سے اس کے نسب کا فیصلہ اس کے اسلام کا فیصلہ ہوگا۔

وَالْإِسْلَامَ مَا لَا لَيْكُنْ جَزَمَ ابْنُ الْكَمَالِ بِأَنَّهُ يَكُونُ مُسْلِمًا لِأَنَّ حُكْمَهُ حُكْمُ دَارِ الْإِسْلَامِ، وَعَزَاةً لِشُحْفَةِ فَنِيحُفْظَ (قَالَ زَوْجُ امْرَأَةٍ لَصَبِيٍّ مَعَهَا هُوَ ابْنِي مِنْ غَيْرِهَا وَقَالَتْ هُوَ ابْنِي مِنْ غَيْرِهِ فَهُوَ ابْنُهَا) إِنْ ادَّعَى مَعًا وَلَا فِیْهِ تَفْصِيلُ ابْنُ كَمَالٍ وَهَذَا (لَوْ غَيْرَ مُعَبَّرٍ إِلَّا) بِأَنْ كَانَ مُعَبَّرًا (فَهُوَ لَمِنْ صَدَقَهُ)

اور اسلام کو از روئے انجام کے پانے والا ہے۔ لیکن ”ابن کمال“ نے اسے یقین کے ساتھ بیان کیا ہے کہ وہ مسلمان ہوگا کیونکہ اسلام کا حکم ہی دارالاسلام کا حکم ہے اور اسے ”التحقہ“ کی طرف منسوب کیا ہے پس اسے یاد رکھا جانا چاہیے۔ ایک عورت کے خاوند نے اس بچے سے کہا جو ان دونوں کے ساتھ ہے: یہ میرا بیٹا ہے جو اس عورت کے علاوہ بیوی کے بطن سے ہے عورت نے کہا: یہ میرا بیٹا ہے جو اس مرد کے علاوہ خاوند سے ہے پس وہ ان دونوں کا بیٹا ہوگا۔ اگر دونوں نے اکٹھے اس کا دعویٰ کیا تھا ورنہ اس میں تفصیل ہوگی، ”ابن کمال“۔ یہ اس صورت میں ہے جب وہ خود تعبیر نہ کرتا ہو ورنہ یعنی اگر وہ تعبیر کرتا ہو وہ اس کا بیٹا ہوگا جس کی وہ تصدیق کرے۔

28044۔ (قوله: وَالْإِسْلَامَ مَا لَا) کیونکہ ہر دانش مند کے لیے توحید کے دلائل ظاہر ہیں اور اس کے برعکس اسلام تبعا ثابت ہوگا۔ اور جب آزادی کے حاصل کرنے سے وہ عاجز ہوگا تو اسے آزادی حاصل نہیں ہوگی۔ ”درر“۔

28045۔ (قوله: لَيْكُنْ جَزَمَ الْخ) اس میں ہے: جب والدین میں سے کوئی ایک فرد موجود ہو تو دار کا کوئی اعتبار نہیں ہوگا، ”ح“۔ ”حاشیہ“ میں اسی طرح ہے۔

28046۔ (قوله: بِأَنَّهُ يَكُونُ مُسْلِمًا) یعنی وہ بچہ مسلمان ہو اور کافر کا بیٹا ہو۔

28047۔ (قوله: مَعَهَا) یعنی وہ بچہ ان دونوں کے قبضہ میں ہے۔ اس امر سے احتراز کیا کہ اگر بچہ ان دونوں میں سے ایک کے قبضہ میں ہو۔ ”تا تر خانیہ“ میں کہا: اگر بچہ خاوند کے قبضہ میں ہو۔ بیوی کے قبضہ میں ہو تو دونوں صورتوں میں قول خاوند کا ہوگا۔

یہ قید لگائی کہ ان دونوں میں سے ہر ایک بچہ کی نسبت اپنے ساتھی کے علاوہ کسی اور کی طرف کرتا ہے۔ کیونکہ اس بارے میں ”المشتقی“ سے مروی ہے: ایک بچہ ایک مرد اور ایک عورت کے قبضہ میں ہے عورت کہتی ہے: یہ میرا بیٹا ہے جو اس مرد سے ہے اور مرد نے کہا: یہ میرا بیٹا ہے جو اس عورت کے علاوہ ایک اور عورت کے بطن سے ہے۔ وہ بچہ اس مرد کا بیٹا ہوگا اور وہ اس عورت کا بیٹا نہیں ہوگا۔ اگر وہ ایک ایسی عورت لے آئی جس نے اس عورت کے اس بچے جننے پر گواہی دی تو وہ بچہ اس عورت کا ہوگا جو اس مرد سے ہوگا۔ اور اس گواہی کے ساتھ وہ اس مرد کی بیوی ہوگی۔ اگر وہ اس کے قبضہ میں ہو اور مرد اس بچے کا دعویٰ کر دے اور عورت دعویٰ کر دے کہ یہ اس عورت کا بیٹا ہے جو مجھ سے ہے اور ایک عورت ولادت پر گواہی دے دے تو یہ اس مرد سے اس عورت کا بیٹا نہیں ہوگا۔ بلکہ اس مرد کا بیٹا ہوگا۔ کیونکہ وہ بچہ اس کے قبضہ میں ہے۔

اس میں جو ایک قول ہے اس سے بھی احتراز کیا ہے: ایک بچہ ایک آدمی کے قبضہ میں ہے جو اس بچے کے نسب کے بارے

لَاَنَّ قِيَامَ أَيَدِيهِمَا وَفَرَّاشِهِمَا يُفِيدُ أَنَّهُ مِنْهُمَا (وَلَوْ) وَلَدَتْ أُمَّةٌ اشْتَرَاهَا فَاسْتُحِقَّتْ غَرَمَ الْأَبِ قِيَمَةَ
الْوَلَدِ يَوْمَ الْخُصُومَةِ لِأَنَّهُ يَوْمَ الْمَنْعِ (وَهُوَ حُرٌّ) لِأَنَّهُ مَغْرُورٌ وَالْمَغْرُورُ مَنْ يَطْأُ امْرَأَةً مُعْتَبِدًا عَلَى مِلْكِ
بَيِّنٍ أَوْ نِكَاحٍ فَتَلِدُ مِنْهُ ثُمَّ تَسْتَحِقُّ فَلِذَا قَالَ (وَكَذَا) الْحُكْمُ (لَوْ مَلَكَهَا بِسَبَبٍ آخَرَ) أَيْ سَبَبٍ كَانَ
عَيْنِي (كَمَا لَوْ تَزَوَّجَهَا عَلَى أَنَّهَا حُرَّةٌ فَوَلَدَتْ لَهُ ثُمَّ أُسْتُحِقَّتْ) غَرَمَ قِيَمَةَ وَلَدِهِ (فَإِنْ مَاتَ الْوَلَدُ قَبْلَ
الْخُصُومَةِ فَلَا شَيْءَ عَلَى أَبِيهِ) لِعَدَمِ الْمَنْعِ كَمَا مَرَّ

کیونکہ دونوں کا قبضہ کے موجود ہونا اور دونوں کا فراش ہونا اس امر کا فائدہ دیتا ہے کہ یہ ان دونوں کا بچہ ہے۔ اگر ایک لونڈی
بچہ جن دے جسے اس نے خریدا تھا اس عورت کا کوئی اور مستحق نکل آیا تو باپ خصومت کے دن بچے کی جو قیمت ہوگی اس کی
چٹی بھرے گا۔ کیونکہ یہی روکنے کا دن ہے جب کہ بچہ آزاد ہوگا۔ کیونکہ وہ مغرور ہے اور مغرور اس آدمی کو کہتے ہیں جو کسی
عورت سے وطی کرتا ہے جب کہ وہ ملک یمین یا نکاح پر اعتماد کرتا ہے پس لونڈی اس سے بچہ جنم دیتی ہے پھر اس لونڈی کا
کوئی اور مستحق نکل آتا ہے۔ اسی وجہ سے کہا: اسی طرح کا حکم ہوگا اگر وہ کسی بھی دوسرے سبب سے اس کا مالک بن گیا۔ جس
طرح اگر کوئی آدمی کسی عورت سے اس شرط پر شادی کرتا ہے کہ وہ آزاد ہے اس عورت نے اس کا بچہ جنا پھر اس عورت کا کوئی
اور مستحق نکل آیا تو وہ اپنے بچے کی قیمت کی چٹی ادا کرے گا اگر خصومت سے قبل ہی وہ بچہ فوت ہو جائے تو اس کے باپ کے
ذمہ کوئی شے لازم نہ ہوگی۔ کیونکہ اس کی طرف منع کرنا نہیں پایا گیا جس طرح گزر چکا ہے

میں دعویٰ نہیں کرتا عورت گواہیاں قائم کر دیتی ہے کہ یہ بچہ اس کا بیٹا ہے جس کو اس نے جنا ہے اور وہ اس کے باپ کا ذکر نہیں
کرتی۔ ایک آدمی گواہیاں قائم کر دیتا ہے کہ یہ بچہ اس کے فراش پر پیدا ہوا ہے اور وہ مرد اس بچے کی ماں کا ذکر نہیں کرتا تو اس
بچے کو اس عورت سے اس کا بیٹا قرار دے دیا جائے گا۔ قبضہ کے ساتھ ترجیح کا اعتبار نہیں کیا جائے گا جس طرح اگر دو آدمی اس
کا دعویٰ کریں جب کہ وہ ان دونوں میں سے ایک کے قبضہ میں ہو تو قابض کے حق میں فیصلہ کیا جائے گا۔

28048۔ (قوله: لَاَنَّ) یہ پہلے مسئلہ کی تعلیل ہے زیادہ بہتر یہ تھا کہ اسے ان کے قول والا پر مقدم کرتے۔

28049۔ (قوله: وَلَوْ وَلَدَتْ أُمَّةٌ) اگر مشتری کی لونڈی بچہ جن دے اور مشتری بچے کا دعویٰ کر دے۔ ”حموی“۔

28050۔ (قوله: يَوْمَ الْخُصُومَةِ) اس سے مراد یوم قضا ہے جس طرح ”شرنبلا لیه“ میں ہے۔ اسی طرح ان کا قول

لأنه يوم المنع اشاره کرتا ہے۔ اس کی مکمل بحث ”شرنبلا لیه“ میں ہے۔

28051۔ (قوله: أَيْ سَبَبٍ كَانَ) جس طرح گھر کی اجرت کا بدل اور جیسے ہبہ، صدقہ اور وصیت۔ مگر مغرور تین امور

ہیں جو ضمانت دے چکا ہو اس کی واپسی کا مطالبہ نہیں کرے گا جس طرح ”ابوسعود“ میں ہے۔

28052۔ (قوله: غَرَمَ قِيَمَةَ وَلَدِهِ) اور باپ اس کا مطالبہ منجر سے کرے گا جس طرح باب المراجعة کے آخر میں گزر

چکا ہے۔

(وَإِذَا ثَلَاثَةٌ لَهُ) لِأَنَّهُ حُرُّ الْأَصْلِ فِي حَقِّهِ فَيَرِثُهُ (فَإِنْ قَتَلَهُ أَبُوهُ أَوْ غَيْرُهُ) وَقَبَضَ الْأَبُ مِنْ دِيَّتِهِ قَدْرَ قِيَمَتِهِ (غَرِمَ الْأَبُ قِيَمَتَهُ) لِلْمُسْتَحِقِّ كَمَا لَوْ كَانَ حَيًّا، وَلَوْ لَمْ يَقْبِضْ شَيْئًا لَا شَيْءَ عَلَيْهِ وَإِنْ قَبَضَ أَقَلَّ لَزِمَهُ بِقَدْرِهِ عَيْنِي (وَرَجَعَ بِهَا) أُنَى بِالْقِيَمَةِ فِي الصُّورَتَيْنِ (ك) مَا يَرْجِعُ بِ (ثَمَنَهَا) وَلَوْ هَالِكَةً (عَلَى بَائِعِهَا) وَكَذَا لَوْ اسْتَوْلَدَهَا الْمُشْتَرَى الثَّانِي لَكِنْ إِنَّمَا يَرْجِعُ الْمُشْتَرَى الْأَوَّلُ عَلَى الْبَائِعِ الْأَوَّلِ بِالثَّمَنِ فَقَطَّ كَمَا فِي الْمَوَاهِبِ وَغَيْرِهَا (لَا بِعَقْرِهَا) الَّذِي أَخَذَهُ مِنْهُ الْمُسْتَحِقُّ لِلزُّومِ

اور اس بچے کی وراثت اس کے والد کے لیے ہوگی۔ کیونکہ باپ کے حق میں وہ اصلاً آزاد ہے۔ پس یہ اس کا وارث بنے گا۔ اگر اس بچے کو اس کا باپ قتل کر دے یا کوئی اور اسے قتل کر دے اور باپ اس کی دیت میں سے اس کی قیمت کی مقدار مال پر قبضہ کرے تو باپ مستحق کے لیے اس کی قیمت کی چٹی بھرے گا جس طرح اگر وہ زندہ ہو تو باپ اس کی قیمت کی چٹی ادا کرے گا۔ اگر باپ اس کی دیت میں سے کسی شے پر قبضہ نہ کرے تو اس پر کوئی شے لازم نہ ہوگی اگر اس سے کم پر قبضہ کرے تو اسی حساب سے اس پر چیز لازم ہوگی۔ ”عینی“۔ اور وہ بائع سے دونوں صورتوں میں قیمت کا مطالبہ کرے گا جس طرح اس لونڈی کی قیمت کا وہ مطالبہ کرے گا اگر وہ ہلاک ہوگئی ہو۔ اسی طرح اگر دونوں مشتریوں نے اسے ام ولد بنا لیا۔ لیکن پہلا مشتری پہلے بائع سے صرف ثمن کا مطالبہ کرے گا جس طرح ”المواہب“ وغیرہ میں ہے۔ اس سے اس کے عقر کا مطالبہ نہیں کرے گا جو اس مشتری سے مستحق نے وصول کیا ہے۔

28053۔ (قوله: فَيَرِثُهُ) وہ اس کا وارث ہوگا۔ اور کسی شے کی چٹی ادا نہیں کرے گا۔ کیونکہ وراثت بچے کے عوض میں نہیں ہے پس وہ عوض کے قائم مقام نہ ہوگی۔ پس وراثت کی سلامتی کو اس کی سلامتی کے ساتھ خاص نہیں کیا جائے گا۔
28054۔ (قوله: بِالْقِيَمَةِ) یہ اس صورت میں ہے جب باپ کے علاوہ کوئی اور اسے قتل کرے مگر جب باپ اسے قتل کر دے تو اس نے جو چٹی بھری ہے اس کا کیسے مطالبہ کرے گا جب کہ یہ چٹی اس کو تلف کرنے کی ضمانت ہے؟ ”زیلعی“ نے اس کی تصریح کی ہے یعنی واپسی کا مطالبہ کرے گا جب اسے کوئی دوسرا آدمی قتل کرے اور جب باپ قتل کرے تو کوئی واپسی کا مطالبہ نہیں ہوگا۔ ”شرنبلالیہ“۔

اس تعبیر کی بنا پر شارح کے قول فی الصورتین کا معنی ہوگا جب باپ اس کی دیت وصول کرے گا تو اس کی قیمت کی مقدار واپس کرے گا اور جب اس کی قیمت سے کم پر قبضہ کرے گا تو اس کی مقدار واپس کرے گا۔ یہ دو صورتیں ہوں گی یا الصورتین سے مراد خریدنے اور شادی کرنے کی دو صورتیں ہیں جس طرح ”مقدسی“ سے منقول ہوا ہے۔

”ساحجانی“ نے کہا: ان کا قول فی الصورتین سے مراد خریدنا اور شادی کرنا ہے وہ ہبہ کرنے والے، صدقہ کرنے والے اور وصیت کرنے والے سے اولاد کی قیمت میں سے کسی شے کا مطالبہ نہیں کرے گا۔ ”مقدسی“۔

28055۔ (قوله: وَكَذَا الْخ) کیونکہ وہ دوسرا مشتری پہلے مشتری سے ثمن اور بچے کی قیمت کا مطالبہ کرے گا۔

بِاسْتِيفَاءِ مَنَافِعِهَا كَمَا مَرَّ فِي بَابِ الْمُرَابَحَةِ وَالْإِسْتِحْقَاقِ مَعَ مَسَائِلِ التَّنَاقُضِ، وَغَالِبُهَا مَرَّ فِي مُتَفَرِّقَاتِ الْقَضَاءِ، وَيَجِيءُ فِي الْإِقْرَارِ فُرُوعُ التَّنَاقُضِ فِي مَوْضِعِ الْخَفَاءِ عَقْلًا لَا تَسْمَعُ الدَّعْوَى عَلَى غَرِيمٍ مَيِّتٍ إِلَّا إِذَا وَهَبَ جَبِيْعَ مَالِهِ لِأَجْنَبِيٍّ، وَسَلَّمَهُ لَهُ فَإِنَّهَا تَسْمَعُ عَلَيْهِ لِكُونِهِ زَائِدًا لَا يَجُوزُ لِلْمُدَّعَى عَلَيْهِ الْإِنْكَارُ مَعَ عَلَيْهِ بِالْحَقِّ إِلَّا فِي دَعْوَى الْعَيْبِ لِيُبْرَهَنَ فَيَتَسَكَّنَ مِنَ الرَّدِّ وَفِي الْوَصِيِّ إِذَا عَلِمَ بِالذَّيْنِ

کیونکہ جب اس نے اس عورت کے منافع حاصل کر لیے یعنی اس کے ساتھ وطی کر لی تو عقر اس پر لازم ہو گیا جس طرح باب المراءجہ اور باب الاستحقاق میں تناقض کے مسائل کے ساتھ گزر چکا ہے۔ ان میں سے اکثر کتاب القضاء کے متفرقات میں گزر چکا ہے اور کتاب الاقرار میں آگے آئے گا۔ فروع: موضع خفا میں تناقض معاف ہے، میت کے مقروض کے خلاف دعویٰ نہیں سنا جائے گا مگر جب میت اپنا سارا مال کسی اجنبی کو ہبہ کر دے اور مال اجنبی کے حوالے کر دے تو زائد ہونے کی وجہ سے دعویٰ سنا جائے گا مدعی علیہ کے لیے جائز نہیں کہ جب اسے حق کا علم ہو تو انکار کرے سوائے دعویٰ عیب کے تاکہ وہ گواہیاں پیش کرے پس وہ لوٹانے پر قادر ہو جائے اور وصی میں جب اسے دین کا علم ہو

28056۔ (قوله: مَنَافِعِهَا) یعنی وطی کے ساتھ اس کے منافع حاصل کر لیتے ہیں۔

28057۔ (قوله: عَقْلًا) ”الاشباہ“ میں ہے: جہالت کی وجہ سے وارث، وصی اور متولی کو مغرور خیال کیا جائے گا۔ ممکن ہے وہ اس امر سے جاہل ہو جو مورث، وصی اور متولی سے کہا ہے۔ ”انقروی“ کے کتاب الدعویٰ میں تناقض میں ہے: دین کی ادائیگی کے بعد مدیون اور بدل خلع کی ادائیگی کے بعد خلع لینے والی عورت اگر خلع سے پہلے خاوند کے طلاق دینے پر گواہیاں قائم کرے اور دین سے بری کرنے پر گواہیاں قائم کرے تو اسے قبول کیا جائے گا۔ لیکن پھر اس نے نقل کیا ہے: جب اس نے دین کی ادائیگی میں مہلت طلب کی پھر اس نے بری کرنے کا دعویٰ کر دیا تو اسے نہیں سنا جائے گا۔ ”سامحانی“۔

28058۔ (قوله: لَا تَسْمَعُ الدَّعْوَى) یعنی جس کا میت پر دین لازم ہو اس کا دعویٰ نہیں سنا جائے گا۔

28059۔ (قوله: عَلَى غَرِيمٍ مَيِّتٍ) ظاہر یہ ہے کہ اس سے مراد میت کا مقروض ہو۔ ”حموی“۔

28060۔ (قوله: إِلَّا إِذَا وَهَبَ) یہ مستثنیٰ منقطع ہے کیونکہ وہ غریم نہیں بن سکتا مگر موہوبہ چیز میں کوئی چیز منصوبہ ہو وغیرہ۔ تو وہ اس شے کے مدعی کا خصم ہوگا۔ ”حموی“۔ ”ملخص“۔

28061۔ (قوله: لِكُونِهِ زَائِدًا) ”الاشباہ“ کی عبارت زائد ہے۔

28062۔ (قوله: لَا يَجُوزُ لِلْمُدَّعَى عَلَيْهِ الْإِنْكَارُ الْخ) بعض فضلاء نے کہا: اس کے ساتھ اسے لاحق کر دیا جائے

گا جو بیع پر استحقاق کا مدعی ہو۔ کیونکہ وہ حق کا انکار کرتا ہے یہاں تک کہ حق ثابت ہو جائے تاکہ وہ بائع سے واپسی کا مطالبہ کر سکے۔ اگر وہ اقرار کر لے وہ قادر نہیں ہوتا نیز وکالت اور وصایہ کے دعویٰ کو بھی اس کے ساتھ لاحق کیا جاسکتا ہے اور اس کا ثبوت نہیں ہوتا مگر ایسے خصم کے سامنے جو انکار کرتا ہے جس طرح ”قاضی خان“ نے ذکر کیا ہے۔ اگر مدعی علیہ انکار کرے تاکہ

لَا تَحْلِفَ مَعَ الْبُرْهَانِ إِلَّا فِي ثَلَاثِ دَعْوَى دَيْنٍ عَلَى مَيِّتٍ، وَاسْتِحْقَاقِ مَبِيعٍ وَدَعْوَى آبِقِ الْإِفْرَارِ لَا يُجَامِعُ الْبَيِّنَةَ

تو گواہوں کے ساتھ کوئی قسم نہیں لی جائے گی مگر تین صورتوں میں ایسا ہو سکتا ہے (۱) میت پر دین کا دعویٰ ہو، بیع میں استحقاق ثابت ہو اور آبِق (بھاگنے والا غلام) کا دعویٰ ہو۔ اقرار گواہوں کے ساتھ جمع نہیں ہوتا

وکالت اور وصایہ کا ثبوت شرعی ہو صحیح ہو تو یہ جائز ہو گا اسے بھی ان دونوں کے ساتھ لاحق کر دیا جائے گا۔ اور وصی کے ساتھ وارث کو بھی لاحق کر دیا جائے گا جب اس وارث پر دین کا دعویٰ کیا جائے۔ کیونکہ جب وہ حق کا اقرار کرے تو اس کے حصہ میں سے کل لازم ہو جائے گا۔ جب وہ انکار کرے اور اس کے خلاف گواہیاں قائم کر دی جائیں تو اس کا حصہ اور ان سب کے حصے لازم ہو جائیں گے۔ ”حموی“۔

برہان کے ساتھ قسم صرف تین چیزوں میں ہیں

28063۔ (قوله: دَعْوَى دَيْنٍ عَلَى مَيِّتٍ) علماء نے اس پر اجماع کیا کہ جو آدمی میت پر دین کا دعویٰ کرے تو وصی اور وارث کے مطالبہ کے بغیر اس سے یہ قسم لی جائے گی: اللہ کی قسم تو نے میت سے اپنا دین پورے کا پورا نہیں لیا اور نہ کسی ایسے آدمی سے لیا جس نے میت کی جانب سے ادا کیا ہو اور کسی قبضہ کرنے والے نے اس پر قبضہ کیا۔ نہ تو نے اسے بری کیا اور نہ ہی اس میں سے کسی شے سے بری کیا، نہ تو نے اسے اور نہ ہی اس میں سے کسی شے کا حوالہ کیا ہے، نہ تیرے پاس اس کی جانب سے کوئی شے دین ہے۔ ”خلاصہ“۔

اگر قاضی قسم کا مطالبہ کرنے سے پہلے اسے دین ادا کرنے کا حکم دے دے تو اس کا حکم نافذ نہیں ہوگا۔ اس کی مکمل بحث ”الحامدیہ“ کے کتاب الدعویٰ کے اول میں ہے۔ اور کتاب الدعویٰ کے شروع میں ماتن کے قول: ویسأل القاضی المدعی علیہ بعد صحتها الخ کے تحت گزر چکا ہے اور کتاب القضاء میں (مقولہ 26448 میں) یہ گزر چکا ہے۔

28064۔ (قوله: دَعْوَى آبِقِ) شاید اس کی صورت یہ ہے جب ایک آدمی کسی پر دعویٰ کرے کہ یہ غلام میرا ہے۔ بے جو مجھ سے بھاگ گیا تھا اور اس نے اس پر گواہیاں قائم کر دیں کہ یہ اس کا غلام ہے تو اس سے بھی قسم لی جائے گی۔ کیونکہ یہ احتمال موجود ہے کہ اس نے اس غلام کو بیچا ہو۔ تاہل

پھر میں نے اس شرح کی شرح میں دیکھا اسے ”الفتح“ میں اس طرح نقل کیا ہے اس کی عبارت ہے: ”الفتح“ میں ہے: بھاگنے والے غلام کے مدعی سے گواہیاں کے ساتھ قسم لی جائے گی: اللہ کی قسم یہ غلام آج تک تیری ملکیت پر قائم ہے وہ تیری ملک سے بیچ، ہبہ وغیرہا کے ساتھ نہیں نکلا۔

اقرار اور بینہ جمع نہیں ہوتے

28065۔ (قوله: الْإِفْرَارُ لَا يُجَامِعُ الْبَيِّنَةَ) کیونکہ گواہیاں منکر پر ہی قائم کی جاتی ہیں اس قانون کو ”الاشباہ“ کی

إِلَّا فِي أَرْبَعٍ وَكَالَةِ وَوَصَايَةِ وَإِثْبَاتِ دَيْنٍ عَلَى مَيِّتٍ وَاسْتِحْقَاقِ عَيْنٍ مِّنْ مُّشْتَرٍ وَ دَعْوَى الْآبِقِ لَا تَحْلِفُ عَلَى حَقِّ مَجْهُولٍ إِلَّا فِي سِتِّ إِذَا اتَّهَمَ الْقَاضِي وَصِيَّ يَتِيمٍ وَ مُتَوَلًى وَ قُفٍ وَ فِي رَهْنٍ مَجْهُولٍ وَ دَعْوَى سَرِاقَةٍ وَ غَضَبٍ خِيَانَةٍ مُّودِعٍ لَا يُخْلَفُ الْمُدَّعَى إِذَا حَلَفَ الْمُدَّعَى عَلَيْهِ إِلَّا فِي مَسْأَلَةٍ فِي دَعْوَى الْبَحْرِ

مگر چار صورتوں میں جمع ہو سکتا ہے۔ وکالت، وصایت، میت پر دین کو ثابت کرنا مشتری سے عین کا استحقاق اور آبق کا دعویٰ۔ مجہول حق پر قسم نہیں لی جائے گی۔ مگر چھ چیزوں میں قسم لی جائے گی: جب قاضی یتیم کے وصی پر تہمت لگائے اور وقف کے متولی پر تہمت لگائے، مجہول دین میں، سرقة کے دعویٰ میں، غصب میں اور مودع کی خیانت میں۔ مدعی سے قسم نہیں لی جائے گی جب مدعی علیہ قسم اٹھا دے مگر اس مسئلہ میں قسم لی جاسکتی ہے جو ”البحر“ میں مسئلہ ذکر کیا گیا ہے۔

کتاب الاقرار میں ”الخانیہ“ سے ذکر کیا ہے۔ اس قاعدہ سے چار مسائل کو مستثنیٰ کیا ہے۔ وہ چار مسائل بھاگنے والے غلام کے دعویٰ کے خلاف ہیں۔ اسی طرح ان کا ذکر اس سے پہلے کتاب القضاء والشہادات میں کیا ہے اور پانچویں مسئلہ کا ذکر نہیں کیا۔ بلکہ دوسرے مسئلہ کا اضافہ کیا ہے ان کی عبارت ہے اقرار کرنے والے کے خلاف گواہیاں نہیں سنی جائیں گی مگر ایسے وارث کے خلاف گواہیاں سنی جائیں گی جو میت پر دین کا اقرار کرے پس تعدی کی وجہ سے گواہیاں قائم کی جائیں گی۔ اور ایسے مدعی علیہ کے بارے میں گواہیاں سنی جائیں گی جس نے وکالت کا اقرار کیا تو وکیل اس وکالت کو ثابت کرتا ہے تاکہ ضرر کو دور کرے اور استحقاق میں گواہیاں قبول کی جائیں گی جب مستحق علیہ اقرار کرے تاکہ وہ بائع سے مطالبہ پر قادر ہو اور اس صورت میں گواہی سنی جائے گی جب سچے کی جانب سے کسی حق میں باپ سے مخاصمت کی جائے وہ اقرار کر لے تو وہ خصومت سے خارج نہیں ہوگا۔ لیکن اس کے اقرار کے ساتھ اس پر گواہیاں قائم کی جائیں گی۔ وصی اور قاضی کے سیکرٹری کا معاملہ مختلف ہے جب وہ اقرار کرے تو وہ خصومت سے خارج نہیں ہوگا۔ اور اس صورت میں گواہیاں سنی جائیں گی اگر وارث موصی لہ کے لیے اقرار کرے تو اس کے اقرار کے ساتھ اس پر گواہیاں سنی جائیں گی۔ اور اس صورت میں اگر وہ معین جانور کسی آدمی کو اجرت پر دے پھر دوسرے آدمی کو اجرت پر دے پہلا گواہیاں قائم کرے اگر آجر حاضر ہو تو اس پر گواہوں کو قبول کیا جائے گا اگرچہ جس کا دعویٰ کیا گیا ہو وہ اس کا اقرار کرتا ہو۔ ”ملخص“۔ یہ سات مسائل ہیں۔

28066۔ (قولہ: إِلَّا فِي أَرْبَعٍ) یہ سات ہیں جس طرح ”حموی“ میں ہے یہاں مذکور پانچ ہیں۔

28067۔ (قولہ: مِّنْ مُّشْتَرٍ) مستحق علیہ کے اقرار کے ساتھ اس بارے میں گواہیاں قبول کی جائیں گی۔ تاکہ بائع

سے مطالبہ پر قادر ہو۔ ”الاشباہ“ میں اسی طرح ذکر کیا ہے۔ لیکن اقرار کے ساتھ وہ کیسے مطالبہ کر سکتا ہے؟ تامل

28068۔ (قولہ: وَ فِي رَهْنٍ مَجْهُولٍ) جیسے مثلاً کپڑا۔

28069۔ (قولہ: فِي دَعْوَى الْبَحْرِ) یعنی ان کے قول ولا تردیدین علی مدع سے تھوڑا پہلے۔

قَالَ (وَهِيَ غَرِيبَةٌ يَجِبُ حِفْظُهَا) أَشْبَاهُ قُلْتُ وَهِيَ مَالُو قَالَ الْمَغْضُوبُ مِنْهُ كَانَتْ قِيَمَةُ ثَوْنِ مِائَةٍ وَقَالَ الْغَاصِبُ لَمْ أَذِرْ وَلَكِنَّهَا لَا تَبْدُغُ مِائَةً صَدَقَ بَيِّنَتُهُ وَالزَّمَّ بَيِّنَاتِهِ فَلَوْ لَمْ يُبَيِّنْ يَخْلِفُ عَلَى الزِّيَادَةِ ثُمَّ يَخْلِفُ الْمَغْضُوبُ مِنْهُ أَيْضًا أَنَّ قِيَمَتَهُ مِائَةٌ وَلَوْ ظَهَرَ خَيْرُ الْغَاصِبِ بَيْنَ أَخَذِهِ أَوْ قِيَمَتِهِ فَلْيُحْفَظْ وَاللَّهُ تَعَالَى أَعْلَمُ

کہا: یہ مسئلہ غریب ہے اس کو یاد رکھنا واجب ہے ”اشباہ“۔ میں کہتا ہوں: وہ یہ ہے اگر مغضوب منہ کہے: میرے کپڑے کی قیمت سو تھی غاصب نے کہا: میں نہیں جانتا لیکن قیمت سو تک نہیں پہنچتی تو اس کی قسم کے ساتھ اس کی تصدیق کی جائے گی اور اس پر اس کی وضاحت لازم ہوگی۔ اگر وہ وضاحت نہ کرے تو زیادتی پر اس سے قسم کا مطالبہ کیا جائے گا پھر مغضوب منہ سے بھی قسم لی جائے گی کہ اس کی قیمت سو تھی اگر یہ امر ظاہر ہو جائے تو غاصب کو اختیار دیا جائے گا کہ وہ کپڑا لے لے یا اس کی قیمت لے لے اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

28070۔ (قولہ: وَهِيَ مَالُو قَالَ الْخ) یہ مسئلہ کتاب الغصب میں (مقولہ 31384 میں) آئے گا۔ محشی نے وہاں ان کے قول: فَلَوْ لَمْ يَبَيِّنْ پر لکھا اور کہا: ظاہر یہ ہے کہ نسخہ میں کوئی خلل ہے۔ کیونکہ جب وہ وضاحت نہ کرے تو وہ زیادتی کون سی ہے جس پر وہ قسم اٹھائے گا؟ یعنی جس کی نفی پر وہ قسم اٹھائے گا میرے گمان میں ہے کہ نسخہ کی اصل یہ ہے: اگر وہ بیان کر دے یعنی اگر وہ بیان کر دے تو اس زیادتی کی نفی پر اس سے قسم لی جائے گی جو اس سے زیادہ ہو جس کو اس نے بیان کیا ہے اور مالک جس کا دعویٰ کرتا ہے اس سے کم ہے۔ اسے ذہن نشین کر لو مناسب یہ ہے کہ وہ وضاحت حقیقت کے قریب قریب ہے یہاں تک کہ اگر وہ گھوڑے کی قیمت درہم سے لگائے تو اس کی یہ وضاحت قبول نہ کی جائے گی جس طرح اس کی مثل زرزچہ ہے وہاں ان کے قول پر لکھا: اگر مالک زیادتی پر قسم اٹھا دے تو وہ اسے لے لے گا۔ اس کی وجہ ظاہر نہیں پس کتب کی طرف رجوع کیا جانا چاہیے۔

28071۔ (قولہ: يَخْلِفُ عَلَى الزِّيَادَةِ) وہ زیادتی جس کا مالک دعویٰ کرتا ہے۔

28072۔ (قولہ: أَوْ قِيَمَتِهِ) اس کا عطف اخذہ کی ضمیر مجرور پر ہے یعنی او اخذ قیمتہ۔

کِتَابُ الْاِقْرَارِ

مُنَاسَبَتُهُ أَنَّ الْمُدَّعَى عَلَيْهِ إِمَّا مُنْكَرٌ أَوْ مُقَرَّرٌ وَهُوَ أَقْرَبُ لِغَلْبَةِ الصِّدْقِ (هُوَ لُغَةً الْإِثْبَاتُ يُقَالُ قَرَأَ الشَّيْءُ إِذَا ثَبَتَ وَشَرَعًا) (إِخْبَارٌ بِحَقِّ عَلَيْهِ) لِلْغَيْرِ (مِنْ وَجْهِ، إِنْشَاءً مِنْ وَجْهِ) قَيْدٌ بِهِ

اقرار کے احکام

کتاب الاقرار کی کتاب الدعوی کے ساتھ مناسبت یہ ہے کہ مدعی علیہ (جس پر دعویٰ کیا گیا ہو) یا تو دعویٰ کا انکار کرے گا یا اس کا اقرار کرے گا۔ صدق کے غلبہ کی وجہ سے اقرار زیادہ قریب ہے۔ لغت میں اقرار کا معنی ثابت کرنا ہے۔ قَرَأَ الشَّيْءُ یہ جملہ اس وقت بولا جاتا ہے جب وہ شے ثابت ہو۔ اور شرع میں اس کا معنی ہے غیر کا ایسا حق جو اس مقرر کے ذمہ ہے اس کی خبر دینا ہے۔ اقرار من وجہ خبر دینا ہے اور من وجہ انشاء ہے۔ لفظ علیہ یہ قید ہے۔

28073۔ (قوله: وَهُوَ أَقْرَبُ) ضمیر سے مراد مقرر ہے۔

اقرار کی شرعی تعریف

28074۔ (قوله: إِخْبَارٌ بِحَقِّ عَلَيْهِ) شاید اس تعریف میں اس اقرار کے ساتھ نقص واقع ہو جائے کہ وہ یہ کہے کہ اس کا فلاں پر کوئی حق نہیں۔ اس کی صورت یہ ہو سکتی ہے کہ اس نے حق سے بری کر دیا ہو، دین ساقط کر دیا ہو اور اسی طرح کی کوئی صورت بنی ہو جیسے شفعہ کے حق کو ساقط کرنا، ”سعدیہ“۔ بعض اوقات یہ کہا جاتا ہے: اس میں اس حق کی خبر دینا ہے جو اس پر لازم ہے جب کہ مطالبہ کا حق ثابت نہ ہو۔ تامل

اقرار کے ملک سبب ہونے یا نہ ہونے میں مشائخ کا اختلاف

28075۔ (قوله: إِنْشَاءً مِنْ وَجْهِ) یہی صحیح ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اقرار انشاء ہے۔ جو عنقریب قول آرہا ہے وہ اس پر مبنی ہے۔ لیکن ”غایۃ البیان“ میں ”الاسروشنیہ“ سے مذکور ہے۔
”حلوانی“ نے کہا: مشائخ نے اس میں اختلاف کیا ہے کہ اقرار ملک کا سبب ہے یا ملک کا سبب نہیں۔ ”ابن فضل“ نے کہا: ملک کا سبب نہیں۔ اور دو مسئلوں سے استدلال کیا ہے۔

- (۱) ایسا مریض جس کے ذمہ دین ہو وہ اپنے تمام مال کا کسی اجنبی کے حق میں اقرار کرے تو وارث کی اجازت کے بغیر اس کا اقرار صحیح ہوگا۔ اگر یہ تملیک ہو تو اجازت نہ ہونے کی صورت میں صرف ایک تہائی میں اقرار نافذ ہوگا۔
- (۲) ماذون غلام جب کسی شخص کے لیے ایسی معین شے کا اقرار کرے جو اس کے قبضہ میں ہو تو یہ اقرار صحیح ہوگا اگر یہ تملیک ہو تو یہ اس کی جانب سے تبرع ہوگا پس یہ صحیح نہ ہوگا۔

لَا تَنْتَهُ لَوْ كَانَ لِنَفْسِهِ يَكُونُ دَعْوَى لَا إِقْرَارًا ثُمَّ فَرَعَ عَلَى كُلِّ مِنَ الشَّيْئَيْنِ فَقَالَ (فَا) لِيُوجِبِ (الْأَوَّلِ) وَهُوَ الْإِخْبَارُ (صَحَّ إِقْرَارُهُ بِبَيَالٍ مَمْلُوكٍ لِلْغَيْرِ وَمَتَى أَقَرَّ بِبَيْتِكَ الْغَيْرِ يَلْزَمُهُ تَسْلِيْمُهُ) إِلَى الْمُقَرَّرِ لَهُ (إِذَا مَلَكَهُ)

کیونکہ اگر یہ عمل اپنے حق کے لیے ہو تو وہ دعویٰ ہوگا اقرار نہیں ہوگا۔ پھر دونوں شبہوں پر تفریع کا ذکر کیا ہے اور کہا: پہلی وجہ کی وجہ سے جو اخبار ہے اس کا غیر کے مملوک مال کا اقرار صحیح ہوگا جب اس نے غیر کی ملکیت کا اقرار کر لیا تو جس کے لیے اس نے اقرار کیا ہے اسے سپرد کرنا لازم ہوگا جب وہ کسی معمولی سے زمانہ کے لیے

”جرجانی“ نے کہا: یہ اقرار تملیک ہے اور انہوں نے یہ امر چند مسائل سے استدلال کیا ہے۔ ان میں سے یہ ہیں: اگر وہ حالت مرض میں اپنے وارث کے لیے دین کا اقرار کرے تو یہ صحیح نہ ہوگا۔ ملخص پس اس سے یہ ظاہر ہو گیا کہ مصنف اور صاحب ”البحر“ نے جو کچھ ذکر کیا ہے یہ دونوں طریقوں کو جمع کرنا ہے۔ گویا اس کی وجہ یہ ہے کہ دونوں فریقوں نے جس سے استدلال کیا ہے وہ ثابت ہے۔ تامل

28076۔ (قوله: لَا تَنْتَهُ لَوْ كَانَ لِنَفْسِهِ) یعنی اگر وہ غیر پر اپنے حق کی خبر دے تو یہ دعویٰ ہوگا اگر وہ غیر پر کسی غیر کے لیے خبر دے تو یہ شہادت ہوگی۔

28077۔ (قوله: لَا إِقْرَارًا) وکیل یا ولی وغیرہ کے اقرار سے اس میں نقض واقع نہیں ہوتا کیونکہ یہ لوگ شرعی طور پر اپنی اپنی جگہ اپنے اصول کے نائب ہوتے ہیں۔

28078۔ (قوله: صَحَّ إِقْرَارُهُ بِبَيَالٍ الْخ) اگر غاصب نے یہ اقرار کیا ہو تو اسے وضاحت کرنے پر مجبور کیا جائے گا۔ کیونکہ اس نے مجہول قیمت کا اقرار کیا ہے۔ جب غاصب وضاحت نہ کرے تو مالک جس زیادتی کا دعویٰ کرتا ہے اس پر اس سے قسم لی جائے گی اگر وہ قسم اٹھا دے اور مالک نے جس چیز کا دعویٰ کیا تھا وہ ثابت نہ ہو تو اس مالک سے قسم لی جائے گی کہ اس کی قیمت سو تھی اور وہ غاصب سے سود وصول کرے گا۔ جب مالک وہ سولے لے پھر کپڑا ظاہر ہو جائے (یعنی جو مغموبہ چیز تھی وہ ظاہر ہو جائے) تو غاصب کو اختیار ہوگا کہ وہ کپڑا لے لے یا اسے مالک کی طرف لوٹا دے اور قیمت وصول کر لے۔

”حاکم ابو محمد عینی“ سے یہ حکایت کی جاتی ہے کہ آپ کہا کرتے تھے: جو مغموب منہ کی قسم اور غاصب سے ایک صدقہ کی قیمت کے طور پر لینے کا ذکر کیا گیا ہے یہ اس صورت میں صحیح ہوگا جب غاصب انکار کرے۔

وہ یہ کہا کرتے تھے: صحیح جواب یہ ہے کہ غاصب کو وضاحت کرنے پر مجبور کیا جائے گا اگر وہ انکار کر دے تو قاضی اسے یہ کہے گا کیا اس کی قیمت سو تھی اگر غاصب کہے: نہیں۔ قاضی کہے گا: کیا وہ پچاس تھی؟ اگر وہ کہے: نہیں قاضی کہے گا: پچیس یہ سلسلہ اس تک جائے گا جس سے اس کی قیمت عرف اور عادت میں کم نہ ہو سکتی ہو پس یہ اسے لازم ہو جائے گا۔ یہ ”تاتر خانیہ“ کے کتاب الاقرار کے متفرقات سے ماخوذ ہے۔

بُرْهَةً مِنَ الزَّمَانِ لِنَفَادِهِ عَلَى نَفْسِهِ، وَلَوْ كَانَ إِنْشَاءً لِمَا صَحَّ لِعَدَمِ وُجُودِ الْبَيْتِ وَفِي الْأَشْبَاهِ أَقَرَّ بِحُرِّيَّةِ عَبْدٍ ثُمَّ شَرَاهُ عَتَقَ عَلَيْهِ وَلَا يَرْجِعُ بِالشَّيْنِ أَوْ بِوَقْفِيَّةٍ دَارِ ثُمَّ شَرَاهَا أَوْ وَرَثَتَهَا صَارَتْ وَقْفًا مُوَاخَذَةً لَهُ بِزَعْمِهِ (وَلَا يَصَحُّ إِقْرَارُهُ بِطَلَاقي وَعَتَاقي مُكْرَهًا) وَلَوْ كَانَ إِنْشَاءً لَصَحَّ لِعَدَمِ التَّخْلُفِ (وَصَحَّ إِقْرَارُ الْمَآذُونِ بِعَيْنٍ فِي يَدِهِ، وَالْمُسْلِمِ بِخَيْرٍ وَبِنِصْفِ دَارِهِ مُشَاعًا وَالْمَرْأَةَ بِالزَّوْجِيَّةِ مِنْ شُهُودٍ) وَلَوْ كَانَ إِنْشَاءً لِمَا صَحَّ (وَلَا تَسْمَعُ دَعْوَاهُ عَلَيْهِ) بِأَنَّهُ أَقَرَّ لَهُ

اس شے کا مالک بنے۔ کیونکہ اقرار اس کی ذات پر نافذ ہو چکا ہے اگر اقرار انشا ہو تو یہ صحیح نہ ہو کیونکہ ملکیت نہیں پائی گئی۔ ”الاشباہ“ میں ہے: ایک آدمی نے ایک غلام کی آزادی کا اقرار کیا پھر اس غلام کو خرید اتو وہ غلام اس پر آزاد ہو جائے گا۔ اور وہ مشتری جو مقرر ہے وہ بائع سے ثمن کی واپسی کا مطالبہ نہیں کرے گا۔ ایک آدمی نے ایک گھر کے وقف کا اقرار کیا پھر اس گھر کو خریدایا اس گھر کا وارث بنا تو وہ گھر وقف ہو جائے گا اس نے گمان کیا تھا اسی پر مواخذہ کرنے کی بنا پر یہ حکم جاری ہوگا۔ اس پر جبر کر کے اس سے طلاق یا عتاق کا اقرار کرایا جائے تو یہ صحیح نہ ہوگا اگر یہ اقرار انشا ہوتا تو یہ صحیح ہوتا۔ کیونکہ انشا اپنے حکم سے پیچھے نہیں رہ سکتا۔ عبد ماذون جب ایسی چیز کے بارے میں اقرار کرے جو اس کے قبضہ میں ہے، مسلمان شراب کے بارے میں اقرار کرے، وہ اپنے مشترک گھر کے نصف کا اقرار کرے اور عورت گواہوں کے بغیر کسی کی بیوی ہونے کا اقرار کرے تو یہ صحیح ہوگا اگر یہ انشا ہوتا تو یہ صحیح نہ ہوتا۔ اور مقررہ کا دعویٰ مقرر کے اس اقرار کی بنا پر نہیں سنا جائے گا

28079۔ (قوله: بُرْهَةً) یعنی تھوڑا سا۔

28080۔ (قوله: لَا يَرْجِعُ) وہ ثمن کی واپسی کا مطالبہ اس لیے نہیں کر سکتا کیونکہ اس کا اقرار اس کی ذات تک محدود رہتا ہے اس کے علاوہ کسی دوسرے فرد کی طرف متعدی نہیں ہوتا۔

28081۔ (قوله: مُكْرَهًا) اس کا اقرار صحیح نہ ہوگا کیونکہ جھوٹ کی دلیل موجود ہے وہ دلیل، جبر و اکراہ ہے اور اقرار ایسی خبر دینا ہے جو صدق و کذب کا احتمال رکھتا ہے۔ پس اس سے اس کے وضعی مدلول کا تخلف جائز ہوگا۔ ”منح“۔

28082۔ (قوله: لِعَدَمِ التَّخْلُفِ) کیونکہ انشا سے اس کے مدلول وضعی کا تخلف صحیح نہیں۔ حاشیہ میں اسی طرح ہے: اس سے مراد یہ ہے انشا سے اس کا مدلول متخلف نہیں ہوتا۔

28083۔ (قوله: وَالْمُسْلِمِ بِخَيْرٍ) یہاں تک اس کے اقرار کی صورت میں اسے حکم دیا جائے گا کہ وہ اس کو سپرد کر دے اگر یہ اقرار ابتداء تملیک ہوتا تو یہ صحیح نہ ہوتا۔ ”الدرر“ میں ہے: اس میں اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ خمر موجود ہے وہ ابھی ہلاک نہیں ہوا۔ کیونکہ مسلمان کے لیے اس کا بدل واجب نہیں۔ ”المحیط“ میں اس پر نص قائم کی ہے جس طرح ”شر بلا لیه“ میں ہے۔

28084۔ (قوله: وَبِنِصْفِ دَارِهِ) یعنی ایسے گھر کے نصف کا اقرار کرے جو تقسیم کو قبول کرے۔

(بَشَىءٌ) مُعَيَّنٍ (بِنَاءٍ عَلَى الْإِقْرَارِ) لَهُ بِذَلِكَ بِهِ يُفْتَى لِأَنَّهُ إِخْبَارٌ يَحْتَمِلُ الْكَذِبَ حَتَّىٰ لَوْ أَقَرَّ كَاذِبًا لَمْ يَحِلَّ لَهُ لِأَنَّ الْإِقْرَارَ لَيْسَ سَبَبًا لِلْبَلَدِ نَعَمْ لَوْ سَلَّمَهُ بِرِضَاهُ كَانَ ابْتِدَاءً هَبَةً، وَهُوَ الْأَوْجَهُ بِزَايَةٍ إِلَّا أَنْ يَقُولَ فِي دَعْوَاهُ (هُوَ مُلْكِي) وَأَقَرَّ لِي بِهِ أَوْ يَقُولَ لِي عَلَيْهِ كَذَا وَهَكَذَا أَقَرَّ بِهِ فَتَسَمَّعَ إِجْمَاعًا لِأَنَّهُ لَمْ يَجْعَلِ الْإِقْرَارَ سَبَبًا لِلْجُوبِ ثُمَّ لَوْ أَنْكَرَ الْإِقْرَارَ هَلْ يَخْلِفُ؟ الْفَتْوَى أَنَّهُ لَا يَخْلِفُ عَلَى الْإِقْرَارِ، بَلْ عَلَى النَّالِ

کہ اس مقرر نے مدعی کیلئے ایک معین شے کا اقرار کیا تھا۔ اسی پر فتویٰ دیا جاتا ہے۔ کیونکہ اقرار اخبار ہے جو جھوٹ کا احتمال رکھتا ہے یہاں تک کہ اگر مقرر جھوٹ بولتے ہوئے کسی چیز کا اقرار کرتا ہے تو مدعی کے لیے وہ چیز حلال نہ ہوگی۔ کیونکہ اقرار ملکیت کا سبب نہیں ہاں اگر مقرر اپنی رضا مندی سے اسے کوئی شے دے دے تو یہ ابتداء ہبہ ہوگا یہی زیادہ مناسب ہے۔ ”بزازیہ“۔ مگر جب مدعی اپنے دعویٰ میں یہ کہے: وہ چیز میری ملکیت ہے اور اس نے میرے حق میں اس کا اقرار کیا تھا یا مدعی یہ کہے: میرا اس پر یہ حق ہے اور اس نے اسی طرح اس کا اقرار بھی کیا ہو تو بالا جماع اس کا دعویٰ سنا جائے گا۔ کیونکہ اس نے اقرار کو وجوب کا سبب نہیں بنایا۔ پھر اگر مقرر اقرار کا انکار کر دے تو کیا اس سے قسم لی جائے گی؟ فتویٰ یہ ہے کہ اس سے اقرار پر قسم نہ لی جائے گی۔ بلکہ مال پر اس سے قسم لی جائے گی۔

28085۔ (قوله: بِنَاءٍ عَلَى الْإِقْرَارِ) یعنی جب وہ اس کے خلاف کسی شے کا دعویٰ کرے اور دعویٰ اس بنا پر کرے کہ اس مدعی علیہ نے اس کے لیے اس شے کا اقرار کیا تھا تو اس کا دعویٰ نہیں سنا جائے گا۔ کیونکہ اقرار، اخبار ہے یہ مقرر پر اس شے کے لازم ہونے کا سبب نہیں۔ اس نے مقرر کے خلاف اقرار کو دعویٰ میں ذکر کی گئی چیز کے واجب ہونے کی علت قرار دیا ہے۔ گویا اس نے کہا: میں اس سے اس کے اقرار کی وجہ سے ایسی چیز کا مطالبہ کر رہا ہوں جس کے وجوب اور لزوم کا کوئی سبب نہیں یہ باطل کلام ہے۔ ”منح“۔ اس سے یہ امر ظاہر ہو جاتا ہے کہ معین شے کا دعویٰ یہ اقرار پر مبنی ہے جس طرح صریح متن ہے نہ کہ یہ اقرار کا دعویٰ ہے جو اقرار پر مبنی ہے تو شارح کے قول بانہ اقرار کا کوئی محل نہیں۔ تاہل اگر مقرر جھوٹ بولتے ہوئے کسی چیز کا اقرار کرے تو اس کا حکم

28086۔ (قوله: لَمْ يَحِلَّ لَهُ) یعنی جس کے حق میں اقرار کیا گیا ہے اس کے لیے وہ چیز لینا حلال نہیں ہوگا۔ ”حاشیہ“ میں یہ اسی طرح ہے۔

28087۔ (قوله: ثُمَّ لَوْ أَنْكَرَ الْإِقْرَارَ) دین کے دعویٰ میں اگر وہ انکار کر دے یعنی اگر مدعی علیہ کہے: مدعی نے اپنا حق پورا پورا وصول کرنے کا اقرار کیا اور اس کے اقرار پر مدعی علیہ گواہیاں پیش کر دے تو ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ اس کا دعویٰ نہیں سنا جائے گا۔ کیونکہ یہ استحقاق کے طرق میں اقرار کا دعویٰ ہے کیونکہ دین کو اس کی مثل سے ادا کیا جاسکتا ہے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ یہ دین کا دعویٰ اپنے لیے ہے پس یہ استحقاق کے ذرائع میں اقرار کا دعویٰ ہے پس اسے نہیں سنا جائے گا۔ ”ط“، ”ذ“، ”جامع الفصولین“، ”فتاویٰ قدوری“۔

وَأَمَّا دَعْوَى الْإِقْرَارِ فِي الدَّفْعِ فَتُسَمَّعُ عِنْدَ الْعَامَّةِ (وَرِ الْوَجْهِ (الثَّانِي) وَهُوَ الْإِنْشَاءُ (لَوْ رَدَّ الْمُقَرُّ لَهُ
(إِقْرَارُهُ ثُمَّ قَبِلَ لَا يَصِحُّ) وَلَوْ كَانَ إِنْخَبَارَ الصَّحِّ وَأَمَّا بَعْدَ الْقَبُولِ

جہاں تک دعویٰ کے دفاع میں اقرار کے دعویٰ کا تعلق ہے تو عام فقہاء کے نزدیک سنا جائے گا۔ اور دوسری وجہ کی وجہ سے جو انشاء ہے، کا اعتبار کرنے کی صورت میں اگر مقررہ نے اس کے اقرار کو رد کر دیا پھر اسے قبول کیا تو یہ قبول کرنا صحیح نہ ہوگا اگر اقرار محض اخبار ہوتا تو یہ قبول کرنا صحیح ہوتا۔ جہاں تک قبول کرنے کے بعد رد کرنے کا تعلق ہے

حاشیہ میں اسی طرح ہے۔ طا "محیط" کے لیے اور "ذ" "ذخیرہ" کے لیے ہے۔ "جامع الفصولین" میں جو لکھا ہوا ہے اس کی مثل "بزازیہ" میں ہے۔ اس میں یہ اضافہ کیا: ایک قول یہ کیا گیا ہے: دعویٰ کو سنا جائے گا۔ کیونکہ حاصل کلام یہ ہے وہ اپنی ذات سے دین کی ادائیگی کو دور کر رہا ہے۔ پس یہ استحقاق کے ذرائع میں سے ایک ذریعہ ہے۔ "محیط" میں اس کا ذکر کیا ہے۔ "شیخ الاسلام" نے ذکر کیا: مطلوب نے مدعی کے اس اقرار پر گواہیاں قائم کر دیں کہ مدعی میں اس کا کوئی حق نہیں یا اس کی ملکیت نہیں یا وہ اس کی ملکیت نہ تھی دعویٰ ختم ہو جائے گا۔ اگر وہ کسی معروف انسان کے لیے اقرار نہ کرے اسی طرح وہ وراثت کا دعویٰ کرے اور مطلوب مورث کے اقرار پر اس طرح گواہیاں قائم کر دے جس طرح ہم نے ذکر کیا ہے۔ اس کی مکمل بحث اس میں ہے "حاشیہ" میں اسی طرح ہے۔

28088۔ (قوله: وَأَمَّا دَعْوَى الْإِقْرَارِ) اس کی صورت یہ ہے مدعی، مدعی علیہ کی ملکیت ہے۔ جہاں تک حق وصول کرنے کے اقرار کا تعلق ہے تو ایک قول یہ کیا گیا ہے: اسے نہیں سنا جائے گا۔ علما نے اس میں اختلاف کیا کیا دفع کے طرق میں اقرار کا دعویٰ صحیح ہوگا یہاں تک کہ مدعی علیہ یہ گواہیاں قائم کر دے کہ مدعی علیہ نے یہ اقرار کیا کہ یہ عینی چیز مدعی علیہ کی ملکیت ہے کیا اس کا دعویٰ قبول کیا جائے گا؟ بعض علما نے کہا: اس کا دعویٰ قبول نہ کیا جائے گا اور عام علما کی رائے ہے کہ یہاں اسے قبول کیا جائے گا۔ "درر"۔

28089۔ (قوله: ثُمَّ قَبِلَ لَا يَصِحُّ) اس کا محل ایسی صورت میں ہے جب اس میں حق ایک کا ہو جیسے ہبہ اور صدقہ ہے۔ مگر جب حق دونوں کا ہو جیسے شرا اور نکاح تو پھر نہیں۔ یہ محل تفسید میں اطلاق ہے۔ اور ضروری ہے کہ اس کی یہ قید بھی لگائی جائے کہ جب مقر اپنے اقرار پر مصر نہ ہو۔ کیونکہ عنقریب یہ آئے گا کہ اس کے لیے کوئی شے نہ ہوگی مگر جب وہ اس کی تصدیق کی طرف لوٹے۔ جب کہ مقر اپنے اقرار میں اصرار کرنے والا ہو۔ "حموی"۔ "ساحانی" کی تحریر سے "خلاصہ" سے مروی ہے۔ اگر وہ کسی دوسرے کو کہتا ہے: میں نے تیرے ہاتھ میں ہزار کے بدلہ میں غلام بیچا تو دوسرے نے کہا: میں نے اسے تجھ سے نہیں خریدا، بائع خاموش ہو گیا یہاں تک کہ مشتری نے مجلس یا اس کے بعد کہا: ہاں میں نے تجھ سے ایک ہزار میں خریدا تھا تو یہ جائز ہو جائے گا۔ اسی طرح نکاح اور ہر وہ معاملہ جس میں دونوں کا حق ہو اس کا حکم یہی ہوگا۔ اور ہر وہ معاملہ جس میں صرف ایک فریق کا حق ہو جیسے ہبہ اور صدقہ تو رد کے بعد اس کا اقرار کوئی نفع نہ دے گا۔

فَلَا يَزِيدُ بِالرَّدِّ وَلَوْ أَعَادَ الْمُقَرَّرُ إِقْرَارَهُ فَصَدَّقَهُ لَزِمَهُ لِأَنَّهُ إِقْرَارٌ آخَرُ ثُمَّ لَوْ أَنْكَرَ إِقْرَارَهُ الشَّيْءُ لَا يَخْلِفُ وَلَا تُقْبَلُ عَلَيْهِ بَيِّنَةٌ قَالَ الْبَدِيعُ وَالْأَشْبَهُ قَبُولُهَا وَاعْتِمَادُ ابْنِ الشَّحْنَةِ وَأَقْرَهُ الشُّرَنْبِلَالِي (وَالْمِلْكُ الثَّابِتُ بِهِ) بِالْإِقْرَارِ (لَا يَظْهَرُ فِي حَقِّ الزَّوَائِدِ الْمُسْتَهْلَكَةِ فَلَا يَبْدُلُهَا الْمُقَرَّرُ لَهُ) وَلَوْ إِنْخَبَارَ الْمَلِكِهَا

تو وہ رد کرنے کے ساتھ رد نہیں ہوتا اگر مقرر نے دوبارہ اقرار کیا اور مقرر نے اس کی تصدیق کر دی تو مقرر پر یہ اقرار لازم ہو جائے گا۔ کیونکہ یہ دوسرا اقرار ہے پھر اگر مقرر نے اپنے دوسرے اقرار کا انکار کر دیا تو اس سے قسم نہیں لی جائے گی اور اس کے خلاف بینہ کو قبول نہ کیا جائے گا (قاضی) ”بدیع“ (جو صاحب ”قنیہ“ کے استاد ہیں) نے کہا: زیادہ مناسب تو یہ ہے کہ اس کے خلاف گواہیاں قبول کی جائیں۔ ”ابن شحنے“ نے اس پر اعتماد کیا ہے اور ”شرنبلالی“ نے اسے ثابت رکھا ہے۔ وہ ملکیت جو اقرار کے ساتھ ثابت ہو وہ ان زوائد کے حق میں ظاہر نہیں ہوگی جو ہلاک ہونے والی ہیں مقرر ان کا مالک نہیں ہوگا اگر اقرار محض اخبار ہوتا تو وہ ان زوائد کا مالک ہو جاتا۔

28090۔ (قوله: فَلَا يَزِيدُ) کیونکہ وہ چیز اس کی ملکیت بن چکی ہے اور مالک نے اپنی ذات سے اس کی ملکیت کی نفی کر دی جب نزاع کرنے والا کوئی نہیں رہا تو یہ رد کرنا صحیح نہ ہوگا۔ ہاں اگر دونوں حق نہ ہونے پر ایک دوسرے کی تصدیق کریں تو یہ رد کرنا صحیح ہو جائے گا۔ کیونکہ بیع فاسد میں یہ گزر چکا ہے کہ ایک آدمی نے دوسرے آدمی پر اس مال کے نفع کا دعویٰ کیا جس مال کا اس نے دعویٰ کیا تھا مدعی علیہ نے اس امر پر اس کی تصدیق کر دی اور اسے وہ نفع دے دیا پھر دونوں کے باہم تصدیق کرنے سے اس کا عدم ظاہر ہو گیا غور کرو کس طرح بعد والے باہم تصدیق کے عمل نے سابقہ تصادق کو ختم کر دیا جب کہ اس کا نفع پاکیزہ اور حلال تھا۔ ”سائحانی“۔

28091۔ (قوله: قَالَ الْبَدِيعُ) یہ صاحب ”قنیہ“ کے شیخ ہیں۔

وہ ملکیت جو اقرار کے ساتھ ثابت ہو وہ ان زوائد کے حق میں ظاہر نہیں ہوگی

28092۔ (قوله: الزَّوَائِدُ الْمُسْتَهْلَكَةُ) یہ قول اپنے ظاہر کے اعتبار سے اس امر کا فائدہ دیتا ہے کہ یہ ملکیت ان زوائد کے حق میں ظاہر ہوتی ہے جو غیر مستهلك ہوں۔ یہ اس قول کے مخالف ہے جو ”الحانیہ“ میں ہے: ایک آدمی نے کہا: جس نے قبضہ میں ایک لونڈی اور اس کا بچہ ہے اس آدمی نے اقرار کیا کہ یہ لونڈی فلاں کی ہے تو اس اقرار میں اس کا بچہ داخل نہیں ہوگا۔ اگر کوئی آدمی کسی لونڈی کے متعلق یہ گواہیاں قائم کرے کہ وہ لونڈی اس کی ہے وہ اس لونڈی کی اولاد کا مستحق بن جائے گا۔ اسی طرح اگر اس نے کہا: یہ غلام تیری لونڈی کا بیٹا ہے اور یہ میمنہ تیری بکری کا ہے تو یہ غلام کا اقرار نہ ہوگا۔ اسی طرح میمنہ کا حکم ہے پس اس کی وضاحت کی جانی چاہیے۔ ”حموی“ میں ”اسروہنیہ“ میں مستهلكہ کی قید لگائی ہے اور اس سے اس ”غایۃ البیان“ میں نقل کیا ہے۔

28093۔ (قوله: فَلَا يَبْدُلُهَا) ایک آدمی نے ایک لونڈی خریدی اس لونڈی نے اس کے ہاں ام ولد کی حیثیت سے

(أَقْرَ حُرٌّ مُكَلَّفٌ) يَقْظَانِ طَائِعًا (أَوْ عَبْدًا) أَوْ صَبِيًّا أَوْ مَعْتُوًّا (مَأْذُونٌ) لَهُمْ إِنْ أَقْرُوا بِتِجَارَةٍ كِافَّةٍ مَحْجُورٍ بِحَدِّ وَقَوْدٍ

آزاد، مکلف اور بیدار نے خوشی سے اقرار کیا یا غلام، بچے یا معتوہ نے اقرار کیا جنہیں معاملہ کرنے کی اجازت دی گئی تھی اگر وہ تجارت کا اقرار کریں تو صحیح ہوگا جیسے مجبور حد یا قصاص کا اقرار کرے تو اس کا اقرار صحیح ہوگا

بچہ جن دیا پھر گواہیوں کے باعث اس لونڈی کا کوئی مستحق نکل آیا تو اس کا بچہ بھی اس لونڈی کے تابع ہوگا۔ اگر ایک آدمی نے اس لونڈی کا کسی کے حق میں اقرار کیا تو اس کا بچہ اس لونڈی کے تابع نہیں ہوگا۔ فرق یہ ہے کہ وہ آدمی گواہیوں کے ساتھ اس لونڈی کا اصل سے مستحق ہو جاتا ہے۔ اسی وجہ سے ہم نے کہا: بے شک بچے والے باہم رجوع کریں گے۔ اقرار کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ وہ اس بارے میں وہ باہم رجوع نہیں کریں گے، ”ف“۔ پھر لونڈی کے بارے میں حکم بچے کے بارے میں بھی حکم ہے۔ اسی طرح حیوان کا معاملہ ہے کیونکہ حکم کامل حجت ہے۔ اقرار کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ اقرار بچے کو شامل نہیں کیونکہ اقرار ناقص حجت ہے۔ یہ حکم اس صورت میں ہے اگر بچہ مدعی علیہ کے قبضہ میں ہو۔ اگر وہ کسی اور کی ملک میں ہو کیا وہ حکم میں داخل ہوگا؟ مشائخ نے حکم میں اختلاف کیا ہے۔ ”نور العین“۔ یہ سابق کے آخر میں ذکر کیا ہے اس میں مصنف کے کلام کا مفہوم مخالف ہے۔ جو آدمی ممنوع طریقہ سے نشہ کی حالت میں ہو اس کا اقرار صحیح ہوگا

28094۔ (قوله: أَقْرَ حُرٌّ مُكَلَّفٌ) یہ جان لو مکلف ہونے اور خوشی خوشی اقرار کی شرط مطلق ہو اور دیت کی شرط فی الحال نفاذ کی ہے یہ شرط مطلقاً نہیں۔ غلام کا ایسا اقرار فی الحال نفاذ کے لیے صحیح ہوگا جس میں اس پر کوئی تہمت نہ ہو جیسے حدود اور قصاص۔ اور جس میں اس پر تہمت ہو اسے اس کی آزادی تک مؤخر کر دیا جائے گا جس طرح وہ یہ اقرار کرتا ہے کہ اس نے کوئی جنایت کی ہے اور کسی موطوءہ کا مہر اس کے ذمہ لازم ہے جب کہ اس نے اجازت نہ لی تھی۔ ماذون بچہ ان معاملات میں غلام کی طرح ہوگا جو تجارت سے متعلق ہیں اور جو تجارت سے متعلق نہیں ان میں وہ غلام کی طرح نہیں ہوگا جس طرح کفالت ہے۔ جو آدمی نشہ کی حالت میں ہے جب کہ اس کا نشہ ممنوع طریقہ سے ہو تو اس کا اقرار صحیح ہوگا مگر حد زنا اور حد شرب وغیرہ جن میں رجوع قبول نہیں ہوتا ان میں صحیح نہیں ہوتا۔ اگر مباح طریقہ سے اسے نشہ آگیا ہو اور وہ اقرار کرے تو اس کا اقرار صحیح نہ ہوگا۔ ”منح“۔ ”عزمیہ“ کو دیکھیے۔

28095۔ (قوله: إِنْ أَقْرُوا بِتِجَارَةٍ) اس شرط کا جواب مصنف کا آنے والا قول صحیح ہے۔ یعنی ان کا یہ اقرار فی الوقت کے لیے صحیح ہوگا۔ ”شمسی“ نے یہ اضافہ کیا ہے مگر جو اقرار تجارت کی ضروریات سے متعلق ہو جیسے دین، ودیعت، عاریہ، مضاربہ اور غصب نہ کہ وہ اقرار جو ان سے متعلق نہ ہو جیسے مہر، جنایت، کفالہ۔ کیونکہ یہ چیزیں تجارت کے متعلق نہیں ان کی اجازت ہونا ضروری ہے اس کے بغیر اس کا اقرار صحیح نہ ہوگا۔ قتال

28096۔ (قوله: قَوْدٍ) قصاص اور وہ امور جن میں تہمت نہیں ہوتی تو وہ اقرار فی الحال صحیح ہوگا۔

وَالْأَفْرَاءُ فَبَعْدَ عَتَقِهِ، وَنَائِمٌ وَمُغْتَمِي عَلَيْهِ كَمَجْنُونٍ وَسَيَجِيءُ السَّكْرَانُ وَمَرَّ الْمُسْكِرَةُ (بِحَقِّ مَعْلُومٍ أَوْ مَجْهُولٍ) صَحَّ لِأَنَّ جَهْلَةَ الْمُقَرِّ بِهِ لَا تَضُرُّ إِلَّا إِذَا بَيَّنَّ سَبَبًا تَضُرُّهُ الْجَهْلَةُ كَبَيْعٍ وَإِجَارَةٍ وَأَمَّا جَهْلَةُ الْمُقَرِّ فَتَضُرُّ كَقَوْلِهِ لَكَ عَلَى أَحَدِنَا أَلْفٌ دِرْهَمٍ لِيَجْهَلَ الْمُقْضِي عَلَيْهِ إِلَّا إِذَا جَمَعَ بَيْنَ نَفْسِهِ وَعَبْدِهِ فَيَصِحُّ وَكَذَا تَضُرُّ جَهْلَةُ الْمُقَرِّ لَهُ إِنْ فَحُشْتُ كُلَّوَاحِدٍ مِنَ النَّاسِ عَلَى كَذَا وَإِلَّا لَا كَلَّا أَحَدٍ هَذَيْنِ عَلَى كَذَا فَيَصِحُّ

اگر مجبور غلام کسی اور چیز کا اقرار کرے تو آزادی کے بعد نافذ ہوگا سو یا ہو اور جس پر غشی چھائی ہوئی ہو وہ مجنوں کی طرح ہے جو آدمی نشے میں ہے اس کا ذکر عنقریب آئے گا اور جس پر جبر کیا گیا تھا اس کا ذکر گزر چکا ہے۔ وہ اقرار کرنے والا معلوم یا مجہول حق کا اقرار کرے تو صحیح ہوگا۔ کیونکہ جس شے کا اقرار کیا گیا ہے اس کی جہالت نقصان نہیں دیتی مگر جب وہ اس سبب کو بیان کرے جسے جہالت نقصان پہنچاتی ہو جیسے بیع اور اجارہ۔ مگر اقرار کرنے والے کی جہالت نقصان دیتی ہے جس طرح اس کا قول۔ تیرا ہم میں سے ایک پر ہزار درہم ہے۔ یہ جہالت اس لیے نقصان دیتی ہے کیونکہ جس کے خلاف فیصلہ کیا جانا ہے وہ مجہول ہے مگر جب وہ اپنی ذات اور اپنے غلام کو اس میں جمع کرے تو یہ اقرار صحیح ہوگا۔ اسی طرح جس کے لیے اقرار کیا ہو اس کا مجہول ہونا نقصان دیتا ہے اگر جہالت فاحش ہو جس طرح وہ یہ کہے: لوگوں میں سے ایک کے لیے مجھ پر اتنا ہے۔ اگر جہالت فاحش نہ ہو تو پھر نقصان نہیں دیتی۔ جس طرح اس کا یہ کہنا: ان دونوں میں سے ایک کا مجھ پر اتنا لازم ہے تو یہ اقرار صحیح ہوگا۔

فائدہ: یہاں تہمت کا مطلب ہے کہ مالک کی جانب سے اس پر تہمت لگائی جائے کہ غلام اس امر کا اقرار کر کے مجھے نقصان پہنچانا چاہتا ہے اور فی الحال کا مطلب ہے اسی وقت اس سے اس اقرار کے نتیجے میں مواخذہ ہوگا۔ ”مترجم“۔
28097۔ (قوله: وَالْأَفْرَاءُ) اس کی صورت یہ ہے کہ اس میں اس غلام پر مالک کی جانب سے تہمت لازم آتی ہو۔
28098۔ (قوله: تَضُرُّهُ الْجَهْلَةُ) کیونکہ جس نے یہ اقرار کیا کہ اس نے فلاں کے ہاتھ کوئی شے بیچی ہے یا فلاں سے کوئی شے کسی شے کے بدلے میں خریدی ہے یا اس نے فلاں کو کوئی شے اجرت پر دی ہے تو اس کا اقرار صحیح نہ ہوگا اور فقیر کو وہ شے اس کے سپرد کرنے پر مجبور نہیں کیا جائے گا۔ ”درر“، ”حاشیہ“ میں اسی طرح ہے۔

28099۔ (قوله: بَيْنَ نَفْسِهِ وَعَبْدِهِ) ”مقدس“ نے کہا: یہ معاملہ معلوم کے حکم میں ہے۔ کیونکہ اس کے غلام پر جو چیز لازم ہوتی ہے وہ معنوی طور پر مالک کی طرف ہی لوٹی ہے لیکن یہ امر اس میں ظاہر ہوتا ہے جو فی الحال اس پر لازم ہو مگر جو چیز اس غلام کی آزادی کے بعد لازم ہو تو وہ غلام اجنبی کی طرح ہے جب وہ اسے اپنی ذات کے ساتھ اقرار میں جمع کرے گا تو وہ اقرار اس کے اس قول کی طرح ہو جائے گا: تیرا مجھ پر یا زید پر اتنا لازم ہے تو یہ اقرار مجہول ہے یہ اقرار صحیح نہ ہوگا۔ ”حموی“ نے اسے ”الاشباہ“ پر ذکر کیا ہے۔ فقال

28100۔ (قوله: عَلَى كَذَا) علی کی یا مشدو ہے۔

وَلَا يُجْبَرُ عَلَى الْبَيَانِ لِجَهَالَةِ الْمُدَّعِي بَحْرٌ

مدعی کی جہالت کی وجہ سے مقرر کو بیان پر مجبور نہیں کیا جائے گا، ”بحر“۔

مدعی کی جہالت کی وجہ سے مقرر کو بیان پر مجبور نہیں کیا جائے گا

28101۔ (قولہ: وَلَا يُجْبَرُ عَلَى الْبَيَانِ) ”زیلعی“ نے یہ اضافہ کیا ہے: اسے یاد کرنے کا حکم دیا جائے گا۔ کیونکہ مقرر بعض اوقات حقدار کو بھول جاتا ہے۔ ”غایۃ البیان“ میں یہ زائد ذکر کیا ہے: جب وہ دعویٰ کرے دونوں میں سے ہر ایک سے قسم لی جائے گی۔ ”تاتر خانیہ“ میں ہے: یہ ذکر نہیں کیا کہ دونوں سے علیحدہ قسم کا مطالبہ کرے گا۔ بعض علما نے کہا: ہاں۔ قاضی جس سے چاہے گا قسم لینے کا آغاز کرے گا یا وہ قرعہ اندازی کرے گا جب وہ ایک کے لیے قسم اٹھائے تو قسم تین حالتوں سے خالی نہ ہوگی (۱) اگر وہ دونوں میں سے صرف ایک کے لیے قسم اٹھائے گا تو وہ صرف دوسرے کے لیے غلام کا فیصلہ کر دے گا (۲) اگر دونوں کے لیے قسم سے انکار کر دے تو وہ اس غلام اور بچے کی قیمت کی دونوں کے درمیان نصف نصف کا فیصلہ کر دے گا خواہ اس نے ہر ایک کے لیے ایک ہی دفعہ قسم اٹھانے سے انکار کر دیا۔ اس کی صورت یہ ہے کہ قاضی نے اس سے دونوں سے ایک ہی قسم لی یا یکے بعد دیگرے قسم لی۔ اس کی صورت یہ ہے کہ ہر ایک کے لیے اس سے علیحدہ قسم لی (۳) اگر اس نے قسم اٹھا دی تو ہر ایک کے دعویٰ سے وہ بری ہو جائے گا۔

اگر وہ ارادہ کرے کہ وہ اس سے صلح کر لیں اور اس سے غلام لے لیا جائے امام ”ابو یوسف“ رحمۃ اللہ علیہ کے پہلے قول کے مطابق ان دونوں کو یہ اختیار ہوگا۔ یہی امام ”محمد“ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے جس طرح قسم سے پہلے انہیں مصالحت کا اختیار تھا۔ پھر امام ”ابو یوسف“ رحمۃ اللہ علیہ نے اس قول سے رجوع کر لیا اور فرمایا: قسم کے بعد دونوں کی مصالحت جائز نہیں۔ علماء نے فرمایا: امام ”ابو حنیفہ“ رحمۃ اللہ علیہ سے اس بارے میں کوئی روایت نہیں۔

عام کا اقرار صحیح ہے

فرع: اقرار عام کا ذکر نہیں کیا۔ ”المنح“ میں اس کا ذکر کیا ہے عام کا اقرار صحیح ہوتا ہے جس طرح وہ کہے: میرے قبضہ میں جو قلیل، کثیر، غلام، سامان، جو میرے متعلق معروف ہے وہ سب کچھ دیا جو کچھ فلاں کی طرف منسوب ہے (سب فلاں کے لیے ہے) جب مقرر اور مقررہ میں کسی معین شے کے بارے میں اختلاف ہو جائے کہ وہ شے اقرار کے وقت موجود تھی یا موجود نہ تھی تو اس بارے میں مقرر کا قول معتبر ہوگا مگر جب مقررہ گواہیاں قائم کر دے کہ اقرار کے وقت یہ چیز مقرر کی ملکیت تھی۔

یہ جان لو کہ اقرار کے صحیح ہونے کے لیے قبول شرط نہیں مگر اقرار مقررہ کے رد کرنے سے رد ہو جاتا ہے۔ ”الخلاصہ“ اور دوسری معتبر کتب میں اس کی تصریح موجود ہے۔ مصنف نے ”عمادی“ اور ”قاضی خان“ کے اس قول پر بنا کرتے ہوئے اشکال بیان کیا ہے قول: غائب کے لیے اقرار کیا جائے تو وہ تصدیق پر موقوف ہوتا ہے پھر اس کا جواب دیا اور جواب میں بحث کی۔ ”رملی“۔

وَنَقَلَهُ فِي الدُّرَرِ لَكِنْ بِاخْتِصَارٍ مُخِلٍّ كَمَا بَيَّنَّهُ عَزْمِي زَادَكَ (وَلَزِمَهُ بَيَانُ مَا جُهِلَ) كَشَىءٌ وَحَقٌّ (بِذِي قِيَمَةٍ) كَفَلَسٍ وَجَوَازَةً لَا بِهَا لَا قِيَمَةٌ لَهُ كَحَبَّةٍ حِنْطَةٍ وَجِلْدٍ مَيْتَةٍ وَصَبِيٍّ حُرٍّ لِأَنَّهُ رُجُوعٌ فَلَا يَصَحُّ (وَالْقَوْلُ لِلْمُقَرَّرِ مَعَ حَلْفِهِ) لِأَنَّهُ الْمُنْكَرُ (إِنْ ادَّعَى الْمُقَرَّرُ لَهُ أَكْثَرُ مِنْهُ) وَلَا بَيِّنَةٌ (وَلَا يُصَدَّقُ فِي أَقَلِّ مِنْ دُرْهِمٍ فِي عَالٍ مَالٍ وَمِنْ النَّصَابِ) أُنِيَ نَصَابِ الزَّكَاةِ فِي الْأَصَحِّ اخْتِيَارٌ

”الدرر“ میں اسے نقل کیا ہے لیکن ایسے اختصار کے ساتھ نقل کیا ہے جو اس میں مخل ہے جس طرح عزمی زادہ نے بیان کیا ہے۔ مجہول چیز کا اقرار کیا تو اس کی وضاحت مقرر پر لازم ہوگی۔ جیسے مقرر نے کہا تھا: کوئی شے یا حق پر مجھ پر لازم ہے جیسے فلس اور اخروٹ، وہ وضاحت ایسی چیز کے ساتھ کرے جس کی کوئی قیمت نہ ہو جیسے گندم کا دانہ، مردار کی جلد اور آزاد کا بچہ۔ کیونکہ یہ وضاحت تو اقرار سے رجوع ہے پس یہ اقرار صحیح نہ ہوگا۔ اور قسم کے ساتھ قول مقرر کا معتبر ہوگا۔ کیونکہ مقرر ہی انکار کرنے والا ہے۔ یہ اس صورت میں ہے جب مقرر اس سے زیادہ کا دعویٰ کرے اور اس کے پاس گواہ نہ ہوں۔ جب اس نے یہ کہا تھا کہ مجھ پر مال لازم ہے تو درہم سے کم میں اس کی تصدیق نہ کی جائے گی اور سونے چاندی میں سے مال عظیم اقرار کرنے کی صورت میں نصاب سے کم میں اس کی تصدیق نہ کی جائے گی اصح قول کے مطابق وہ زکوٰۃ کا نصاب ہو، ”اختیار“۔

پھر اشکال کا جواب دیا جس کا حاصل یہ ہے: لزوم، صحت کا غیر ہے اور عقد کے صحیح ہونے کے باوجود عمل کے توقف سے کوئی مانع نہیں جس طرح فضولی کی بیع ہے جس میں توقف ہے وہ اس کا لزوم ہے اس کی صحت نہیں۔ غائب کے لیے اقرار یہ اسے لازم نہیں ہوتا یہاں تک کہ اس کے غیر کے لیے اقرار صحیح ہوتا ہے جس طرح مقرر کی جانب سے اقرار لازم نہیں ہوتا یہاں تک کہ اس کا رد کرنا صحیح ہوتا ہے۔ جہاں تک حاضر کے لیے اقرار کا تعلق ہے تو اس کا رد کرنا صحیح ہے۔ جہاں تک صحت کا تعلق ہے تو قبول کیے بغیر جانین میں اس میں کوئی شبہ نہیں۔

28102۔ (قوله: عَزْمِي زَادَكَ) اس کا اصل یہ ہے۔ صاحب ”الدرر“ نے جس جبر کا ذکر کیا ہے وہ اس صورت میں ہے جب مقررہ میں جہالت ہو نہ کہ جب مقررہ میں جہالت ہو۔ کیونکہ ”کافی“ کا قول ہے کیونکہ یہ مجہول کے لیے اقرار ہے جب کہ یہ فائدہ مند نہیں۔ بیان پر مجبور کرنے کا فائدہ یہ صاحب حق کے لیے ہوتا ہے جب کہ صاحب حق مجہول ہے۔

28103۔ (قوله: كَشَىءٌ وَحَقٌّ) اگر اس نے یہ وضاحت کی کہ میں نے حق سے مراد حق اسلام لیا ہے تو یہ صحیح نہ ہوگا اگر اس نے وضاحت پہلی کلام سے الگ کلام میں کی تھی۔ اگر اس نے یہ وضاحت پہلی کلام سے متصل کلام میں کی تھی تو پھر یہ صحیح ہوگی۔ ”تا ترخانیہ“، ”کفایہ“۔

28104۔ (قوله: فِي عَالٍ مَالٍ) عدی کی یا مشدود ہے۔

28105۔ (قوله: وَمِنْ النَّصَابِ) اس قول کا عطف قول من درہم پر ہے اور اس طرح کی صورت ہے جو اس کے

بعد معطوفات ہیں۔

وَقِيلَ إِنْ كَانَ الْمُقْرُّ فَقِيرًا فَنَصَابُ السَّرِقَةِ وَصَحَّ (فِي مَالٍ عَظِيمٍ) لَوْ بَيَّنَّهُ (مِنْ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَمِنْ خَنَسٍ وَعِشْرِينَ مِنَ الْإِبِلِ) لِأَنَّهَا أَذْنَى نَصَابٍ يُؤْخَذُ مِنْ جَنْسِهِ (وَمِنْ قَدْرِ النَّصَابِ قِيَمَةً فِي غَيْرِ مَالِ الزَّكَاةِ مِنْ ثَلَاثَةِ نَصَبٍ فِي أَمْوَالٍ عِظَامٍ وَلَوْ فَتَرَ كُ بِغَيْرِ مَالِ الزَّكَاةِ أُعْتَبِرَ قِيَمَتُهَا كَمَا مَرَّ

ایک قول یہ کیا گیا ہے: اگر مقرر فقیر ہو تو سرقہ کا نصاب ہو۔ اور اس قول کی تصحیح کی گئی ہے اور اونٹوں میں سے جو ذکر کیا تھا تو بچیس سے کم اونٹوں میں اس کی تصدیق نہ کی جائے گی کیونکہ یہ کم سے کم نصاب ہے جس کی جنس سے زکوٰۃ لی جاتی ہے اور جب مال عظیم کی وضاحت میں ایسی چیز کا ذکر کیا جس میں زکوٰۃ کا نصاب معین نہیں تو نصاب کے برابر قیمت سے کم میں اس کی تصدیق نہ کی جائے گی۔ اور جب اس نے اقرار میں عظیم اموال کا ذکر کیا تھا تو تین نصابوں سے کم میں اس کی تصدیق نہ کی جائے گی اگر اس نے عظیم اموال کی وضاحت ایسی چیز سے کی جس سے نصاب مقرر نہیں تو ان نصابوں کی قیمت کا اعتبار کیا جائے گا جس طرح یہ گزر چکا ہے۔

28106۔ (قوله: وَقِيلَ إِنْ كَانَ الْمُقْرُّ الْخ) ”زیلعی“ نے کہا: اصح قول یہ ہے کہ اس کا قول فقر و غنا میں مقرر کی حالت پر مبنی ہوگا۔ کیونکہ فقیر کے نزدیک قلیل بھی عظیم ہے اور غنی کے نزدیک اس کا کئی گنا بھی عظیم نہیں۔ شرح میں یہ متعارض ہے۔ کیونکہ زکوٰۃ میں دو سو درہم عظیم ہیں۔ سرقہ اور مہر میں دس درہم عظیم ہیں پس یہ مقرر کی حالت کی طرف راجع ہوگی۔ ”النبہایہ“ اور حواشی ”الہدایہ“ میں اسے ”مبسوط“ کی طرف منسوب کرتے ہوئے ذکر کیا ہے، ”شرنبلائیہ“۔ ”حاشیہ“ میں ”زیلعی“ سے یہ ذکر کیا ہے: امام ”ابو حنیفہ“ رحمہ اللہ سے جو روایت کی گئی ہے اس پر قیاس کرتے ہوئے چاہیے کہ فقر کی حالت کا اعتبار کیا جائے۔ ”شرنبلائیہ“۔

28107۔ (قوله: فِي مَالٍ عَظِيمٍ) مال اور عظیم دونوں مرفوع ہیں۔

28108۔ (قوله: لَوْ بَيَّنَّهُ) اس کی صورت یہ ہے کہ وہ کہے: مال عظیم من الذهب یا کہے: مال عظیم من الفضة، یعنی سونے میں سے عظیم مال، چاندی میں سے عظیم مال۔

28109۔ (قوله: وَمِنْ خَنَسٍ وَعِشْرِينَ) یعنی اگر اس نے یہ کہا تھا: مال عظیم من الابل اونٹوں میں سے عظیم مال تو بچیس سے کم اونٹوں میں اس کی تصدیق نہ کی جائے گی۔

28110۔ (قوله: وَمِنْ قَدْرِ النَّصَابِ قِيَمَةً) قیمة کا لفظ منصوب ہے۔

28111۔ (قوله: مِنْ ثَلَاثَةِ نَصَبٍ) وہ جس جنس سے بھی اس کا ذکر کرے۔ تین اس لیے ضروری ہیں تاکہ ادنیٰ جمع

کو ثابت کیا جائے یہاں تک کہ اگر اس نے من الدراہم دراہم میں سے جو ذکر کیا تھا تو وہ چھ سو دراہم ہوں گے ان سے کم میں اس کی تصدیق نہ کی جائے گی۔ یہی حکم ہوگا وہ جس جنس کا ارادہ کرے یہاں تک کہ اگر وہ ”اونٹوں میں سے“ کا قول کرے تو اس پر پچھتر اونٹ لازم ہوں گے۔ ”کفایہ“۔

28112۔ (قوله: أُعْتَبِرَ قِيَمَتُهَا) اس میں سے ادنیٰ کا اعتبار کیا جائے گا کیونکہ اس کا یقین ہے، ”زیلعی“۔ یعنی قیمت

(وَفِي دَرَاهِمٍ ثَلَاثَةٌ وَفِي دَرَاهِمٍ أَوْ دَنَانِيرٍ أَوْ ثِيَابٍ كَثِيرَةٍ عَشْرَةٌ) لِأَنَّهَا نِهَائِيَّةُ اسْمِ الْجَمْعِ (وَكَذَا دِرْهَمًا دِرْهَمٌ عَلَى الْمُعْتَمَدِ وَلَوْ خَفَضَهُ لَزِمَهُ مِائَةٌ وَفِي دُرِّيهِمْ أَوْ دِرْهَمٍ عَظِيمٌ دِرْهَمٌ وَالْمُعْتَمَدُ الْوَزْنُ الْمُعْتَادُ إِلَّا بِحُجَّةٍ زَيْدَعِيٍّ (وَكَذَا كَذَا) دِرْهَمًا (أَحَدَ عَشَرَ وَكَذَا وَكَذَا أَحَدٌ وَعِشْرُونَ) لِأَنَّ نَظِيرَهُ بِالْوَاوِ أَحَدٌ وَعِشْرُونَ

اور اگر اس نے اپنے اقرار میں دراهم (جمع کا صیغہ) ذکر کیا تو تین دراهم سے کم میں اس کی تصدیق نہ کی جائے گی یعنی اس پر تین دراهم لازم ہو جائیں گے۔ اور اگر دراهم، دنانیر اور ثياب کی صفت کثیرہ لگاتے ہوئے اقرار کرتا ہے تو ان میں سے دس لازم ہو جائیں گے۔ کیونکہ یہ اسم جمع کی انتہا ہے۔ اسی طرح اگر اس نے اقرار میں درہم کا لفظ ذکر کیا تو ایک درہم لازم ہوگا اگر درہم کے لفظ کے نیچے جر پڑھتا ہے تو اس پر سو درہم لازم ہو جائیں گے اگر اس نے اقرار میں درہم کا اسم مصغر یا ”درہم عظیم“ کا قول کرتا ہے تو ایک درہم لازم ہوگا۔ معتبر وہ وزن ہوگا جو معتاد و مروج ہے مگر جب درہم کے وزن پر حجت قائم کر دے تو پھر وہ معتبر ہوگا، ”زیلعی“۔ اگر اس نے اقرار میں اتنے اتنے درہم کا قول کیا تو گیارہ درہم لازم ہو جائیں گے اگر اس نے اتنے اور اتنے کا قول کیا تو اکیس لازم ہو جائیں گے۔ کیونکہ عدد میں واؤ کے ساتھ مثال اکیس درہم ہوتے ہیں۔

کے اعتبار سے سب سے ادنیٰ نصاب۔ ”ابو السعد“۔

28113۔ (قوله: اسْمِ الْجَمْعِ) یعنی یہ کہا جاتا ہے عَشْرَةُ دَرَاهِمٍ (دس درہم) پھر یہاں کہا جاتا ہے: احد عشر

گیارہ۔ پس لفظ کے اعتبار سے یہی (عشرہ) اکثر ہے جس طرح ”ہدایہ“ میں ہے۔ ”س“۔

28114۔ (قوله: وَكَذَا) اگر اس نے کہا: اس کے مجھ پر کذا درہم اتنے درہم ہیں تو ایک درہم لازم ہوگا۔

28115۔ (قوله: عَلَى الْمُعْتَمَدِ) یہ قابل اعتماد اس وجہ سے ہے کیونکہ متون میں جو کچھ ہوتا ہے وہ فتاویٰ پر مقدم ہوتا

ہے، ”شر بن بلالیہ“۔ ”تتمہ“ اور ”ذخیرہ“ میں ہے: دو درہم۔ کیونکہ کذا (اتنے) کا لفظ عدد سے کنایہ ہے کیونکہ اقل عدد دو ہے کیونکہ ایک کو تو نہیں گنا جاتا ہے یہاں تک کہ اس کے ساتھ کوئی اور چیز ہو۔ ”شرح المختار“ میں ہے: ایک قول یہ کیا گیا ہے اس پر بیس لازم ہو جائیں گے یہی قیاس ہے۔ کیونکہ غیر مرکب اقل عدد جس کے بعد دراهم کو منسوب ذکر کیا جاتا ہے وہ بیس ہیں۔ ”فتح“۔

28116۔ (قوله: وَكَذَا كَذَا دِرْهَمًا) درہم کو مذکر ذکر کرے تو دس درہم اور جر کے ساتھ ذکر کرے تو تین سو درہم۔

کذا کذا درہم (اتنے اتنے درہم) کذا کذا دینار اتنے اتنے دینار۔ اس پر ہر ایک سے گیارہ لازم ہوں گے اگر اس نے کہا: کذا کذا دینار او درہم تو دونوں سے کل گیارہ لازم ہوں گے تو تقسیم یوں کی جائے گی چھ درہم اور پانچ دینار یہ بطور احتیاط ہوگا۔ اس کے برعکس نہیں ہوگا۔ کیونکہ دراهم کی مالیت کم ہوتی ہے۔ قیاس کا تقاضا تو یہ ہے ہر ایک سے پانچ اور نصف، لیکن لفظ میں کوئی ایسی چیز نہیں جو کسر پر دلالت کرے۔ ”غایۃ البیان“، ملخص۔

28117۔ (قوله: وَلَوْ ثَلَاثٌ) اس کی صورت یہ ہے کہ اس نے کہا کذا کذا کذا درہم، اتنے اتنے درہم۔

(وَلَوْ ثَلَاثٌ بِلَا وَاوٍ فَأَحَدَ عَشَرَ) إِذْ لَا تَنْظِيرَ لَهُ فَحُصِلَ عَلَى التَّكْرَارِ (وَمَعَهَا فِئَاثَةٌ وَأَحَدٌ وَعِشْرُونَ وَإِنْ رُبَّعٌ مَعَ الْوَاوِ (زَيْدَ أَلْفٍ) وَلَوْ خَمْسَ زَيْدَ عَشْرَةَ أَلْفٍ وَلَوْ سَدَّسَ زَيْدَ مِائَةَ أَلْفٍ

اگر واؤ کے بغیر (یعنی عطف کے بغیر) اتنے اتنے کا اقرار کیا تو گیارہ درہم لازم ہوں گے کیونکہ عدد میں اس کی کوئی مثل نہیں پس اسے تکرار پر محمول کیا جائے گا۔ اور حرف عطف کے ساتھ اتنے اور اتنے اور اتنے کہا تو ایک سو اکیس درہم لازم ہوں گے۔ اگر حرف عطف کے ساتھ چار دفعہ یہ لفظ استعمال کیا تو ہزار کا اضافہ کر دیا جائے گا۔ اگر پانچ دفعہ اسی طرح کہا تو دس ہزار کا اضافہ کر دیا جائے گا۔ اگر چھ دفعہ یہ لفظ اسی طرح کہا تو ایک لاکھ درہم کا اضافہ کر دیا جائے گا۔

28118۔ (قوله: إِذْ لَا تَنْظِيرَ لَهُ) کیونکہ اس کی کوئی نظیر نہیں۔ اور جو یہ قول کیا گیا ہے کہ اس کی مثل یہ ہے: مائة الف

الف تو یہ ایسا سہو ہے جو ظاہر ہے۔ کیونکہ کلام اس صورت میں ہو رہی ہے جب درہم کا لفظ منصوب ہو اور الف لفظ کی تمیز مجرور ہوتی ہے۔ اس میں غور کیا جانا چاہیے کہ کیا جب وہ اس کو جردے تو یہ اس پر لازم ہو جائے گا؟ ان کی کلام کا ظاہر معنی یہ ہے کہ لازم نہیں ہوگا۔

28119۔ (قوله: وَلَوْ خَمْسَ زَيْدَ أَلْفٍ) اس صورت میں ہزار کو دس ہزار کے ساتھ ملا دیا جائے گا۔

28120۔ (قوله: عَشْرَةَ أَلْفٍ) ”یعنی“ نے اسے ہی ینبغی کے لفظ کے ساتھ بیان کیا ہے لیکن وہ واضح غلط ہے۔

کیونکہ عشرة آلاف (دس ہزار) واؤ کے بغیر الف (ہزار) کے ساتھ ترکیب پاتا ہے۔ یہ کہا جاتا ہے: احد عشر الفا (گیارہ ہزار) وہ واؤ جس کا اس کے ساتھ اعتبار کیا جا رہا تھا جہاں تک ممکن ہو اس کو گرایا جائے گا یہاں یہ ممکن ہے۔ پس یوں قول کیا جاتا ہے: احد وعشرون الفا ومائة احد وعشرون درهما، اکیس ہزار اور ایک لاکھ اکیس ہزار۔ ہاں ان کا قول ولو سدس یہ درست ہے۔ ”سائحانی“ نے کہا: اس کی صورت یہ ہے کہ وہ کہے: مائة الف واحد وعشرون الفا واحد وعشرون درهما ایک لاکھ اکیس ہزار اکیس درہم۔ اسی طرح اگر سات دفعہ وہ اسی طرح کہے تو اس سے قبل ہزار کا اضافہ کرے اور انہوں نے جو ذکر کیا ہے وہ ان کے بعض علماء کے قول سے احسن ہے۔

28121۔ (قوله: زَيْدَ عَشْرَةَ أَلْفٍ) اس میں یہ ہے: ہزار کو دس ہزار کے ساتھ ملا دیا جائے گا تو یوں کہا جائے گا:

احد عشر، گیارہ۔ قیاس کا تقاضا تو یہ ہے کہ ایک لاکھ دس ہزار لازم ہو۔ الخ کیونکہ اکیس ہزار، ایک لاکھ سے کم ہے۔ اقل کا اعتبار کرنا ممکن ہے پس اکثر واجب نہ ہوگا۔ وہ مسائل جو اس کے بعد ہیں سب میں بھی خلل لازم آئے گا۔ تو یہ کہا جاتا ہے اگر اسے پانچ دفعہ کہا جائے تو ایک لاکھ کا اضافہ کیا جائے گا۔ اگر چھ دفعہ وہ یہ لفظ اسی طرح کہے تو دس لاکھ کا اضافہ کیا جائے گا اور یہ امر اسی طرح ہوگا جو قول گزر چکا ہے یہ اس کے خلاف ہے پس اس میں تدبیر کیجئے۔

28122۔ (قوله: زَيْدَ مِائَةَ أَلْفٍ) تو یوں کہا جائے گا: مائة الف واحد وعشرون الفا ومائة واحد وعشرون۔

ایک لاکھ، اکیس ہزار ایک سو اکیس۔

وَلَوْ سَبَّعَ زَيْدٌ أَلْفَ أَلْفٍ وَهَكَذَا يُعْتَبَرُ نَظِيرُهُ أَبَدًا (وَلَوْ قَالَ لَهُ (عَلَى أَوْ لَهُ (قَبْلِي) فَهُوَ (إِقْرَارُ بَدِينٍ) لِأَنَّ عَلَى لِلْإِجَابِ وَقَبْلِي لِلضَّمَانِ غَالِبًا) (وَصَدَقَ إِنْ وَصَلَ بِهِ هُوَ وَدِيْعَةٌ) لِأَنَّهُ يُحْتَسِلُهُ مَجَازًا (وَرَأَى فَصَلَ لَمْ يُصَدَّقْ لِتَقَرُّرِهِ بِالسُّكُوتِ) (عِنْدِي أَوْ مَعِيَ أَوْ فِي بَيْتِي أَوْ فِي (كَيْسِي أَوْ فِي (صُنْدُوقِي) (إِقْرَارًا بِالْأَمَانَةِ عَمَلًا بِالْعُرْفِ) (جَمِيعُ مَالِي أَوْ مَا أَمْلِكُهُ لَهُ) أَوْ لَهُ مِنْ مَالِي أَوْ مِنْ دَرَاهِمِي كَذَا فَهُوَ (هَبَّةٌ لَا إِقْرَارٌ) وَلَوْ عَبَّرَ بِفِي مَالِي أَوْ بِفِي دَرَاهِمِي كَانَ إِقْرَارًا بِالشَّيْءِ كَقَوْلِهِ (فَلَا بُدَّ) لِصِحَّةِ الْهَبَةِ

اگر سات دفعہ یہ لفظ اسی طرح کہا تو دس لاکھ کا اضافہ کر دیا جائے گا۔ ہمیشہ اسی طرح قیاس کیا جائے گا۔ اگر اس نے کہا: اس کا مجھ پر یا اس کا میرے ذمہ (اتنا مال ہے) تو یہ دین کا اقرار ہوگا۔ کیونکہ علی (مجھ پر) یہ واجب کرنے کے لیے آتا ہے اور قبلی (میرے ذمہ) یہ عموماً ضمانت کے لیے آتا ہے۔ اگر اس نے متصل ہی ہو و دیعۃ (وہ امانت ہے) کے الفاظ کہہ دیے تو اس کی تصدیق کی جائے گی۔ کیونکہ یہ مجاز اس کا احتمال رکھتا ہے۔ اگر وہ اس کا ذکر الگ طور پر کرے تو اس کی تصدیق نہ کی جائے گی۔ کیونکہ جب اس نے خاموشی اختیار کی تھی تو وہ چیز اس پر ثابت ہو چکی تھی۔ اگر وہ عندی (میرے پاس) معی (میرے پاس) میرے گھر میں، میرے تھیلے میں اور میرے صندوق کے الفاظ استعمال کرتا ہے تو امانت کا اقرار ہوگا یہ عرف پر عمل کرنے کی وجہ سے ہے۔ اگر وہ کہے: میرا تمام مال جس کا میں مالک ہوں وہ سب اس کا ہے، میرے مال یا میرے دراہم میں سے اتنے اس کے ہیں تو یہ ہبہ ہوگا اقرار نہیں ہوگا۔ اگر اس نے یوں تعبیر کیا میرے مال میں یا میرے دراہم میں تو یہ شرکت کا اقرار ہوگا۔ ہبہ کے صحیح ہونے کے لیے سپرد کرنا ضروری ہے۔

28123۔ (قوله: أَوْ قَبْلِي) بعض نسخوں میں و قبلی کے الفاظ ہیں یعنی او کی جگہ وہ ہے۔

28124۔ (قوله: عِنْدِي أَوْ مَعِيَ) گویا ان کے عرف میں یہ اسی طرح ہے جہاں تک آج کل عندی اور معی کے بارے میں جو عرف ہے وہ دین کے لیے۔ لیکن انہوں نے ایک دوسری علت ذکر کی ہے جو اس امر کا فائدہ دیتی ہے کہ ہمارا عرف معتبر نہیں۔ ”سامحانی“ نے ”مقدسی“ سے نقل کرتے ہوئے کہا: کیونکہ یہ مواقع عین کا محل ہیں دین کا محل نہیں۔ کیونکہ اس کا محل ذمہ ہے اور عین یہ احتمال رکھتا ہے کہ مضمون ہو اور وہ امانت ہو اور امانت کا درجہ ادنیٰ ہے اس لیے اس پر اسے ثبوت نہیں ہے اور عرف بھی اس کی شہادت دیتا ہے۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے اگر کہے مجھ پر سودین کی ودیعت یا ودیعت کا دین ہے۔ اس صورت میں امانت ثابت نہیں ہوتی جب کہ امانت، ودیعت اور دین سے درجہ میں کم ہے۔

اس کا جواب یہ دیا جائے گا: جب ان دونوں لفظوں میں سے ایک امانت کے لیے اور دوسرا دین کے لیے ہے جب دونوں اقرار میں جمع ہو گئے تو دین رائج ہو جائے گا۔ اس لفظ واحد کا معاملہ مختلف ہوگا جو دو معنوں کا احتمال رکھتا ہو۔

28125۔ (قوله: بِالْشَّيْءِ) ”مقدسی“ نے کہا: اگر وہ متمیز ہو تو وہ ودیعت ہوگی ورنہ شرکت ہوگی، ”سامحانی“۔ ان

(مِنْ التَّسْلِيمِ) بِخِلَافِ الْإِقْرَارِ وَالْأَصْلُ أَنَّهُ مَتَى أَضَافَ الْمُقَرَّبَ بِهِ إِلَى مَلِكِهِ كَانَ هِبَةً وَلَا يَرُدُّ

اقرار کا معاملہ مختلف ہے۔ قاعدہ یہ ہے کہ جب مقرر نے مقربہ (جس چیز کا ذکر کیا) کی نسبت اپنی ملک کی طرف کی تو یہ ہبہ ہوگا اس پر یہ اعتراض نہیں ہوگا

پر لازم یہ تھا یہ کہتے: او بالودیعة۔

28126۔ (قوله: بِخِلَافِ الْإِقْرَارِ) اقرار کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ اگر یہ اقرار ہوتا تو اسے تسلیم کی ضرورت نہ ہوتی۔

جب مقرر نے مقربہ کی نسبت اپنی ملک کی طرف کی تو یہ ہبہ ہوگا

28127۔ (قوله: مَتَى أَضَافَ) چاہیے یہ کہ متی کو ما کے ساتھ مقید کیا جائے جب ما کا لفظ کلام میں نہ آئے اور فی

کے لفظ کا معاملہ سابقہ کلام سے معلوم ہے۔

28128۔ (قوله: الْمُقَرَّبَ بِهِ) مقرر کا لفظ میم کے ضمہ، قاف کے فتح اور را کی تشدید کے ساتھ ہے۔

28129۔ (قوله: كَانَ هِبَةً) کیونکہ اس اضافت کا نتیجہ اسے اس اقرار پر محمول کرنے کے منافی ہے جو اخبار ہے، انشا

نہیں۔ پس اسے انشا بنایا جائے گا تو یہ ہبہ ہوگا۔ پس اس میں وہ چیزیں شرط ہوں گی جو ہبہ میں شرط ہوتی ہیں۔ ”منح“۔

جب اس نے کہا: گواہ بن جاؤ میں نے فلاں کے لیے ہزار کی وصیت کی ہے اور میں نے یہ وصیت کی ہے کہ فلاں کے

لیے میرے مال میں سے ہزار ہے تو پہلے قول میں وصیت ہے اور دوسرے میں اقرار ہے۔ ”الاصل“ میں یہ ہے: جب اس

نے اپنی وصیت میں کہا: میرے گھر کا چھٹا فلاں کے لیے ہے تو یہ وصیت ہوگی۔ اگر اس نے کہا: فلاں کا میرے گھر میں چھٹا

حصہ ہے تو یہ اقرار ہوگا۔ کیونکہ پہلے قول میں اس نے دوسرے فرد کے لیے اپنے اس گھر کا چھٹا حصہ مقرر کیا ہے جو سب کا سب

اس کی ذات کی طرف منسوب تھا اور وہ تملیک کے ارادہ سے تھا دوسرے قول میں اس نے اپنے گھر اس چھٹے حصہ کا طرف بنایا

ہے جو گھر فلاں کا تھا، اس کا گھر اس چھٹے حصہ کا طرف ہوگا جب وہ چھٹا حصہ اس سے پہلے فلاں کا مملوک ہوگا پس یہ اقرار ہوگا۔

اگر وہ انشا ہو تو یہ طرف نہیں ہوگا۔ کیونکہ سارے کا سارا گھر اسی کا ہے۔ پس بعض بعض کی طرف نہیں ہوگا۔ اس تعبیر کی بنا پر

جب اس نے کہا: میرے مال میں سے ہزار اس کے لیے ہے تو یہ استحسانا وصیت ہوگی۔ جب وہ وصیت ذکر کر رہا ہو اگر وہ

کہے: میرے مال میں تو وہ اقرار ہوگا۔ یہ کلام ”النهاية“ کی کتاب الوصیہ کے آغاز سے لی گئی ہے۔

مصنف کا قول: فهو هبة یعنی اگر وہ وصیت کا ذکر نہ کر رہا ہو تو وہ ہبہ ہوگا۔ اس ضابطہ میں اختلاف ہے جس طرح ”المنح“

میں اس کا ذکر کیا ہے۔ متفرقات ہبہ میں ”بزازیہ“ وغیرہا سے اس کا ذکر آئے گا: وہ دین جو میرا فلاں پر ہے وہ فلاں کے لیے

ہے وہ اقرار ہوگا۔ شارح نے وہاں اشکال کا ذکر کیا ہے ہم نے وہاں اس کی شرح کر دی ہے پس اس کی طرف رجوع کیجئے۔

28130۔ (قوله: وَلَا يَرُدُّ) یعنی مذکورہ اصول وقاعدہ کے منطوق یعنی صریح کلام پر اعتراض وارد نہیں ہوگا۔ قوله: ولا

الارض، یعنی اس کے مفہوم پر اعتراض وارد نہیں ہوگا۔ وہ یہ ہے کہ جب وہ اضافت کا ذکر نہ کرے تو یہ اس کا اقرار ہوگا۔ قوله:

مَا فِي بَيْتِي لِأَنْتَهَا إِضَافَةٌ نِسْبَةٍ لَا مِلْكُ، وَلَا الْأَرْضُ الَّتِي حُدُودُهَا كَذَا لِيَطْفُلٍ فَلَا يَنْفِيهِ هِبَةٌ، وَإِنْ لَمْ يَنْقَبِضْهُ، لِأَنَّهُ فِي يَدِهِ إِلَّا أَنْ يَكُونَ مِمَّا يَحْتَبِلُ الْقِسْمَةَ، فَيُشْتَرَطُ قَبْضُهُ

کہ جب وہ کہے: جو میرے گھر میں ہے۔ کیونکہ نسبت کی اضافت ہے ملک کی اضافت نہیں اور نہ ہی اس زمین کی وجہ سے اعتراض ہوگا جس کی وہ حدود بیان کرتا ہے اور کہتا ہے کہ وہ میرے فلاں بچے کی ہے۔ کیونکہ یہ ہبہ ہے اگرچہ وہ بچہ اس پر قبضہ نہ کرے۔ کیونکہ وہ بچہ اسی باپ کے پاس سے مگر وہ چیز ایسی ہو جو تقسیم کا احتمال رکھتی ہو تو جداگانہ قبضہ شرط ہوگا۔

للاضافة تقدير، یہ ان کے قول ولا الارض کی علت ہے۔

28131۔ (قوله: مَا فِي بَيْتِي) جو کچھ میرے گھر میں ہے۔ اسی طرح اس قول ما فی منزلی ہے جو کچھ میری منزل میں ہے۔ اس قول میں چوپائے داخل ہوں گے۔ جن جانوروں کو وہ دن کے وقت باہر بھیج دیتا ہے اور رات کے وقت وہ جانور اس کی طرف لوٹ آتے ہیں۔ اسی طرح غلاموں کا معاملہ ہے جس طرح ”تاتر خانہ“ میں ہے یعنی یہ اقرار ہوگا۔

28132۔ (قوله: لِأَنْتَهَا إِضَافَةٌ) یعنی اس نے ظرف کی نسبت کی ہے مظروف جو مقربہ ہے کی نسبت نہیں کی۔

28133۔ (قوله: وَلَا الْأَرْضُ) سابقہ قول پر کوئی اعتراض وارد نہیں ہوتا۔ کیونکہ اس میں اضافت اس کی ملک کی طرف ہے۔ ہاں ”المنح“ میں ”الخانہ“ سے اسے نقل کیا ہے کہ یہ تملیک ہے۔ پھر ”المشتق“ سے اس کی مثل نقل کیا ہے کہ یہ اقرار ہے۔ پھر ”القنیه“ سے وہ قول نقل کیا ہے جو اس امر کا فائدہ دیتا ہے۔ کیونکہ کہا: باپ کا اپنے چھوٹے بچے کے حق میں اپنے مال میں سے کسی معین شے کا اقرار یہ تملیک ہے اگر وہ اقرار میں اسے اپنی ذات کی طرف منسوب کرے۔ اگر وہ اسے مطلق ذکر کرے تو یہ اقرار ہوگا جس طرح وہ کہے: میرے گھر کا چھٹا حصہ اور اس گھر کا چھٹا حصہ۔ پھر اسی سے وہ قول نقل کیا جو اس کے مخالف ہے۔

پھر کہا: میں کہتا ہوں: ان فروع میں سے بعض اضافت اور عدم اضافت میں برابری کا تقاضا کرتی ہیں۔ پس یہ قول اس امر کا فائدہ دیتا ہے کہ مسئلہ میں اختلاف ہے اور چھوٹے بچے کے مسئلہ میں ہبہ قبضہ کے بغیر صحیح ہوتا ہے۔ کیونکہ باپ کے قبضہ میں ہونا ہی قبضہ ہے پس اقرار اور تملیک میں کوئی فرق نہیں۔ اجنبی کا معاملہ مختلف ہے۔ اگر چھوٹے بچے کے مسئلہ میں ایسی شے ہو جو تقسیم کو قبول کرنے کا احتمال رکھتی ہے تو اس کے حق میں بھی اقرار اور تملیک کا فرق ظاہر ہوگا کیونکہ وہ چیز جداگانہ قبضہ کی محتاج ہوتی ہے۔ پھر انہوں نے کہا: یہاں ایک ایسا مسئلہ ہے جو اکثر واقع ہوتا ہے وہ یہ ہے ”جب وہ کسی کے لیے اقرار کرے“۔ شارح نے جسے مختصر انداز میں ذکر کیا ہے۔

اس کا حاصل یہ ہے: ان کے قول الارض التي حدودها كذا لطفی ”وہ زمین جس کی حدود یہ ہیں وہ میرے بچے کے لیے ہے“ مجھے نقل میں اختلاف ہے کیا یہ اقرار ہے یا ہبہ ہے؟ اس قول نے یہ فائدہ دیا کہ دونوں میں کوئی فرق نہیں مگر جب اس میں کوئی ایسی چیز ہو جو تقسیم کا احتمال رکھتی ہے پس قبضہ کے واجب ہونے اور واجب نہ ہونے میں اختلاف کا ثمرہ ظاہر ہوگا۔ شارح کی مراد اس امر کی طرف اشارہ کرنا تھا کہ مصنف نے آخر میں جو ذکر کیا ہے وہ اس پر توقف کا فائدہ دیتا ہے کہ جس

مُفْرَازًا لِلِإِضَافَةِ تَقْدِيرًا بِدَلِيلِ قَوْلِ الْمُصَنِّفِ أَقَرَّ لِأَخَرٍ بِمُعَيَّنٍ وَلَمْ يُضَفْهُ لَكِنْ مِنَ الْمَعْلُومِ لِكَثِيرٍ مِنَ النَّاسِ أَنَّهُ مِلْكُهُ فَهَلْ يَكُونُ إِقْرَارًا أَوْ تَتْلِيكًا يَنْبَغِي الشَّانِ فَيُرَاعَى فِيهِ شَرَايِطُ التَّمْلِيكِ فَرَأِجُهُ

کیونکہ تقدیراً اضافت پائی جا رہی ہے۔ اس کی دلیل مصنف کا قول ہے: اس نے کسی دوسرے شخص کے لیے معین شے کا اقرار کیا اور اس چیز کی نسبت نہ کی لیکن لوگوں میں سے کثیر لوگ اس کو جانتے ہیں کہ وہ یہ چیز اس کی ملکیت ہے تو کیا یہ اقرار ہوگا یا تملیک ہوگا؟ چاہیے کہ یہ دوسری صورت ہو۔ پس اس میں تملیک کی جملہ شرائط کو ملحوظ خاطر رکھا جائے گا پس اس کی طرف رجوع کیجئے۔

نے یہ کہا ہے کہ یہ تملیک ہے اس کے قول کو اس پر محمول کیا جائے کہ جب وہ زمین لوگوں میں معروف ہو کہ یہ اس مقرر کی ملکیت ہے تو اس میں اضافت تقدیراً ہوگی۔ اور جس نے یہ کہا کہ یہ اقرار ہے اس کے قول کو اس پر محمول کیا جائے کہ جب وہ لوگوں میں اس طرح معروف نہ ہو۔ اور ان کا قول ولا الارض یعنی زمین کا مسئلہ سابقہ قاعدہ پر بطور اعتراض وارد نہیں ہوتا پس وہ ہبہ ہے۔ یعنی اگر یہ معلوم ہو کہ یہ زمین اس مقرر کی ہے کیونکہ یہاں تقدیراً اضافت پائی جا رہی ہے لیکن زمین بچے کے حوالے کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہوگی جس طرح قاعدہ کا تقاضا ہے۔ کیونکہ وہ زمین اس کے قبضہ میں ہے۔ اس وقت اعتراض کا دور ہونا ظاہر ہو جاتا ہے۔ تامل

28134۔ (قوله: مُفْرَازًا لِلِإِضَافَةِ) بعض نسخوں میں یہاں ان کے قول مفرازا اور ان کے قول للاضافة میں بیاض (خالی جگہ) ہے۔ بعض میں لفظ ہے۔ ہم نے قریب ہی بیان کیا ہے کہ ان کا قول للاضافة، یہ ان کے قول لا الارض کی علت ہے۔

28135۔ (قوله: فَهَلْ يَكُونُ إِقْرَارًا) میں کہتا ہوں: ان کے کلام سے جو مفہوم ہے وہ یہ ہے کہ جب وہ مقرر یا مہوب کی اضافت نفس (ذات) کی طرف کرے تو وہ ہبہ ہوگا ورنہ وہ ہبہ اور اقرار کا احتمال رکھے گا پس قرآن پر عمل کیا جائے گا۔ لیکن پہلے قول پر جو چیز اشکال کا باعث بنتی ہے وہ وہ قول ہے جو ”نجم الائمه بخاری“ سے مروی ہے کہ یہ دونوں حالتوں میں اقرار ہے۔ بعض اوقات علما کی کلام میں یوں تطبیق دی جاتی ہے جب ملک ملک کے لیے ظاہر ہو تو وہ تملیک ہوگی اگر ایسا نہ ہو تو وہ اقرار ہوگا اگرچہ کوئی قرینہ پایا جائے۔ اور اگر ایسا قرینہ پایا جائے جو تملیک پر دلالت کرے تو وہ تملیک ہوگی۔ فاعل۔ کیونکہ ہم حوادث میں ایسی چیز پاتے ہیں جو اس کا تقاضا کرتی ہے، ”رملی“۔ ”ساحانی“ نے کہا: تو اچھی طرح باخبر ہے کہ مذہب کے اقوال بہت زیادہ ہیں۔ اور مشہور وہ ہے جو شارح کا قول والاصل الخ گزر چکا ہے۔ ”المنح“ میں ”سعدی“ سے مروی ہے: باپ کا اپنے چھوٹے بچے کے لیے اپنے معین مال کا اقرار تملیک ہے اگر اس کی اپنی ذات کی طرف نسبت کرے۔ ان کے قول بعین مالہ اور ان کے قول لولدہ الصغیر کی طرف دیکھیے تو یہ اشارہ کرتا ہے کہ جو مہبود ہے اس کا اعتبار نہیں کیا جائے گا بلکہ اعتبار لفظ کا ہوگا۔

میں کہتا ہوں: اس کی تائید وہ قول کرتا ہے جو گزر چکا ہے۔ قول سے مراد مافی بیعتی کا قول ہے اور جو ”الخانیہ“ میں قول

(قَالَ لِي عَلَيْكَ أَلْفٌ فَقَالَ أَتَزِنُهُ أَوْ أَتَنْقُذُهُ أَوْ أَجِدْنِي بِهِ أَوْ قَضَيْتُكَ إِيَّاهُ أَوْ أَبْرَأْتَنِي مِنْهُ أَوْ تَصَدَّقْتَ بِهِ عَلَيَّ أَوْ وَهَبْتَهُ لِي أَوْ أَحَلَّتْكَ بِهِ عَلَيَّ زَيْدٌ) وَنَحْوِ ذَلِكَ (فَهُوَ إِفْرَاءٌ لَهُ بِهَا) لِرُجُوعِ الضَّيِيرِ إِلَيْهَا فِي كُلِّ ذَلِكَ عَزَمِي زَادَهُ، فَكَانَ جَوَابًا،

ایک آدمی نے کہا: میرا تیرے ذمہ ایک ہزار ہے تو مخاطب نے کہا: میں اس کا وزن کر دیتا ہوں، اس کی چھان بین کرتا ہوں، مجھے اس کی مہلت دے دو، میں نے تجھے وہ ادا کر دیا ہے، تو نے مجھے اس سے بری کر دیا تھا، تو نے وہ مجھ پر صدقہ کر دیا تھا، تو نے مجھے وہ ہبہ کر دیا تھا، میں نے زید پر اس کا حوالہ کر دیا تھا وغیرہ۔ تو مخاطب کی جانب سے اس کا اس کے حق میں اقرار ہوگا۔ کیونکہ ہر صورت میں ضمیر ہزار کی طرف لوٹ رہی ہے، ”عزمی زادہ“۔ تو یہ جواب ہوگا۔

ہے، تمام وہ چیزیں جو میرے ساتھ معروف ہیں یا جو سب میری طرف منسوب ہیں سب فلاں کے لیے ہے۔ وہ ”اسکاف“ نے کہا یہ اقرار ہے وہ بھی اس کی تائید کرتا ہے۔ کیونکہ اس کے گھر میں جو کچھ ہے، جو اس کے ساتھ معروف ہے اور جو اس کی طرف منسوب ہے یہ کثیر لوگوں کو معلوم ہوگا کہ یہ اس کی ملک ہے۔ کیونکہ قبضہ اور تصرف ملک کی دلیل ہے۔ علماء نے اس کی تصریح کی یہ اقرار ہے۔ ”حامد“ میں اس کا فتویٰ دیا ہے۔ اس سے ”ساحانی“ کی بحث کی تائید حاصل ہوگئی۔ زمین کے مسئلہ میں اسے ہبہ سے تعبیر کیا ہے کیونکہ جب وہ ایک بچے کے لیے ہو تو اس میں ہبہ اور اقرار میں کوئی فرق نہیں۔ اسی وجہ سے ”المشتقی“ میں طفل کے علاوہ کی جانب میں اسے ذکر کیا جب کہ مقرر کی طرف منسوب ہو۔ کیونکہ کہا: جب اس نے کہا: میری یہ زمین، جب کہ اس کی حدود ذکر کیں۔ فلاں کے لیے ہیں یا کہا: وہ زمین جس کی حدود یہ ہیں میرے فلاں بیٹے کے لیے ہیں جب کہ وہ بچہ چھوٹا ہو تو یہ جائز ہوگا اور تملیک ہوگا۔ قاتل۔ واللہ اعلم

28136۔ (قوله: فَهُوَ إِفْرَاءٌ لَهُ بِهَا) اسی طرح اگر وہ یہ جملہ کہے: لا اقصیکھا (میں وہ تجھے نہیں دوں گا) واللہ لا اقصیکھا اللہ کی قسم میں وہ تجھے نہیں دوں گا۔ لا اعطیکھا (میں وہ تجھے عطا نہیں کروں گا) تو یہ اقرار ہوگا۔ ”الحنانی“ میں ہے: میں وہ تجھے عطا نہیں کروں گا یہ اقرار نہیں ہوگا۔ اگر اس نے کہا: تو اپنے قرض خواہوں کا مجھ پر حوالہ کر دو۔ ان میں سے بعض کا مجھ پر حوالہ کر دیا جس کا تو چاہے اس کا مجھ پر حوالہ کر دیا ان میں سے جس کا چاہو مجھ پر حوالہ کر دو تو یہ اس کا اقرار ہوگا۔ ”مقدسی“۔ اس میں یہ ہے: اس نے کہا: مجھے وہ ہزار دے دو جو ہوا تجھ پر ہے تو اس نے کہا: تو صبر کر یا تو تو اسے وصول کر۔ گا تو یہ اقرار نہیں ہوگا۔ اس کا قول اتزن وزن کر لے ان شاء اللہ (شاید صحیح ہے: اتزنہا ان شاء اللہ مترجم) تو یہ اقرار ہوگا۔

”فقہ“ نے کہا: جس نے اسے اقرار بنایا ہے اس کے قول کی طرف توجہ نہ کی جائے گی، ”ساحانی“۔ ”بینی“ میں جو قول ”الکافی“ سے مروی ہے اس میں کچھ زائد ہے۔ ”قال“ نے اسے نقل کیا ہے۔ ”المنح“ میں اس میں سے کچھ کا ذکر کیا ہے۔ پس اس کی طرف رجوع کیجئے۔

28137۔ (قوله: لِرُجُوعِ الضَّيِيرِ إِلَيْهَا) گویا یہ قول کیا: اتزن الالف التي لك على، وہ ہزار جو تیرا مجھ پر ہے میں

اس کا وزن کرتا ہوں۔

وَهَذَا إِذَا لَمْ يَكُنْ عَلَى سَبِيلِ الْإِسْتِهْزَاءِ، فَإِنْ كَانَ وَشَهِدَ الشُّهُودُ بِذَلِكَ لَمْ يَلْزَمَهُ شَيْءٌ أَمَّا لَوْ ادَّعَى
الْإِسْتِهْزَاءَ لَمْ يُصَدَّقْ (وَبِلَا ضَمِيرٍ) مِثْلُ اتَّزَنَ الْخُ وَكَذًا نَتَحَاسَبُ أَوْ مَا اسْتَقَرَّضْتُ مِنْ أَحَدٍ سِوَاكَ
أَوْ غَيْرِكَ أَوْ قَبْلَكَ أَوْ بَعْدَكَ (لَا) يَكُونُ إِقْرَارًا لِعَدَمِ انْصِرَافِهِ إِلَى الْمَذْكُورِ فَكَانَ كَلَامًا مُبْتَدَأً،
وَالْأَصْلُ أَنَّ كُلَّ مَا يَصْلُحُ جَوَابًا لَا ابْتِدَاءً يُجْعَلُ جَوَابًا، وَمَا يَصْلُحُ لِابْتِدَاءٍ لَا لِلْبِنَاءِ أَوْ يَصْلُحُ
لَهُمَا يُجْعَلُ ابْتِدَاءً لِيَلَّا يَلْزَمَهُ الْمَالُ بِالشَّكِّ اخْتِيَارًا وَهَذَا إِذَا كَانَ الْجَوَابُ مُسْتَقِلًّا فَلَوْ غَيْرُ
مُسْتَقِلٍّ كَقَوْلِهِ نَعَمْ كَانَ إِقْرَارًا

یہ جواب اس صورت میں ہوگا جب وہ استہزاء کے طریقہ پر نہ ہو۔ اگر یہ استہزاء کے طریقہ پر ہو اور گواہ اس کی گواہی دے دیں
تو اس پر کوئی شے لازم نہ ہوگی۔ مگر جب وہ استہزاء کا دعویٰ کرے تو اس کی تصدیق نہ کی جائے گی۔ اور جب وہ یہی الفاظ ضمیر
کے بغیر کہے تو اقرار نہ ہوگا جیسے وہ صرف کہے: وزن کراخ۔ اسی طرح اقرار نہ ہوگا جب وہ کہے: ہم حساب کرتے ہیں، میں
نے تیرے سوا کسی سے قرض نہیں لیا یا تیرے پہلے یا تیرے بعد قرض نہیں لیا۔ یہ اقرار اس لیے نہیں ہوگا کیونکہ اس نے اسے
مذکور کی طرف نہیں پھیرا۔ پس یہ نئی کلام ہوگی۔ قاعدہ یہ ہے کہ جو کلام جواب بننے کی صلاحیت رکھتی ہو ابتداء بننے کی صلاحیت نہ
رکھتی ہو اسے جواب بنایا جائے گا۔ اور جواب ابتداء بننے کی صلاحیت رکھے بنا کی صلاحیت نہ رکھے یا دونوں کی صلاحیت رکھے تو
اسے ابتداء بنایا جائے گا تا کہ شک کے ساتھ مال لازم نہ ہو، ”اختیار“۔ یہ اس صورت میں ہے جب جواب مستقل ہو۔ اگر وہ
غیر مستقل ہو جیسے وہ کہے: ہاں تو وہ مطلقاً اقرار ہوگا

28138۔ (قوله: عَلَى سَبِيلِ الْإِسْتِهْزَاءِ) قرآن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ بطور استہزاء یہ قول کرتا ہے۔

28139۔ (قوله: إِلَى الْمَذْكُورِ) یعنی مذکورہ کلام کی طرف اس کا پھرنا متعین نہیں ورنہ اس کا احتمال ہوگا۔

28140۔ (قوله: وَالْأَصْلُ أَنَّ كُلَّ مَا يَصْلُحُ الْخُ) قاعدہ یہ ہے کہ ہر وہ لفظ جو جواب بننے کی صلاحیت رکھتا ہے
جس طرح گزشتہ الفاظ ہیں۔ اس کے بعد ”کافی“ کی عبارت ہے جس طرح ”المنح“ میں ہے: اگر ضمیر کا ذکر کیا تو جواب بننے
کی صلاحیت رکھے گا ابتداء بننے کی صلاحیت نہیں رکھے گا۔ اگر وہ ضمیر کا ذکر نہ کرے تو وہ جواب بننے کی صلاحیت نہیں رکھے گا یا
وہ جواب اور ابتداء بننے کی صلاحیت رکھے گا تو شک کی وجہ سے اقرار نہیں ہوگا۔

28141۔ (قوله: جَوَابًا) اسی میں سے یہ قول ہے جو جواب بننے کی صلاحیت رکھتا ہے جب ایک آدمی نے اس سے
سود رہم کا تقاضا کیا تو دوسرے نے جواب دیا میں نے تجھے ادا کر دیئے تھے یا تو نے مجھے بری کر دیا تھا۔

28142۔ (قوله: لَا لِلْبِنَاءِ) یعنی سابقہ کلام پر بنا کی صلاحیت نہیں رکھتا اس طرح کہ وہ اس کا جواب بن سکے۔

28143۔ (قوله: هَذَا) اسم اشارہ سے مراد ضمیر کے ذکر اور عدم ذکر کی تفصیل ہے جس طرح یہ اس سے مستفاد ہے
جس کو ہم نے پہلے نقل کیا ہے۔

مُطْلَقًا حَتَّى لَوْ قَالَ أَعْطِنِي ثَوْبَ عَبْدِي هَذَا، أَوْ افْتَحْ لِي بَابَ دَارِي هَذِهِ أَوْ جِصِّصْ لِي دَارِي هَذِهِ أَوْ أَسْرِجْ دَابَّتِي هَذِهِ أَوْ أَعْطِنِي سَرَجَهَا أَوْ لِيَجَامَهَا فَقَالَ نَعَمْ كَانَ إِقْرَارًا مِنْهُ بِالْعَبْدِ وَالْدَّارِ وَالْذَّابَّةِ كَافِي (قَالَ أَلَيْسَ لِي عَلَيْكَ أَلْفٌ فَقَالَ بَلَى فَهُوَ إِقْرَارٌ لَهُ بِهَا وَإِنْ قَالَ نَعَمْ لَا) وَقِيلَ نَعَمْ لِأَنَّ الْإِقْرَارَ يُحْمَلُ عَلَى الْعُرْفِ لَا عَلَى دَقَائِقِ الْعَرَبِيَّةِ كَذَا فِي الْجَوْهَرَةِ وَالْفَرْقُ أَنَّ بَلَى جَوَابُ الِاسْتِفْهَامِ الْمُنْفِيِّ بِالِاثْبَاتِ وَنَعَمْ جَوَابُهُ بِالْمُنْفِيِّ (وَالْإِيْبَاءُ بِالرَّأْسِ) مِنْ النَّاطِقِ (لَيْسَ بِإِقْرَارٍ بِمَالٍ وَعِشْقٍ وَطَلَاقٍ وَبَيْعٍ وَنِكَاحٍ وَاجَارَةٍ وَهَبَةٍ بِخِلَافِ إِفْتَاءٍ وَنَسَبٍ وَإِسْلَامٍ وَكُفْرٍ) وَأَمَانٍ كَافِرٍ وَإِشَارَةٍ مُخْرِجٍ لِيَصِيدَ وَالشَّيْخُ بِرَأْسِهِ فِي رِوَايَةِ الْحَدِيثِ وَالطَّلَاقِ فِي أَنْتِ طَالِقٌ هَكَذَا، وَأَشَارَ بِثَلَاثِ إِشَارَةٍ الْأَشْبَاهُ وَيُزَادُ الْيَمِينُ كَخَلْفِهِ لَا يَسْتَخْدِمُ فُلَانًا أَوْ لَا يُظْهِرُ سَرَّةً أَوْ لَا يَدُلُّ عَلَيْهِ وَأَشَارَ حَنْثَ عِمَادِيَّةٍ فَتَحَرَّرَ بَطْلَانُ إِشَارَةَ النَّاطِقِ إِلَّا فِي تَسْمِيْعٍ

یہاں تک کہ اگر کوئی کہے: میرے اس غلام کا کپڑا دے دو، میرے لیے میرے اس گھر کا دروازہ کھول دو، میرے گھر کو سفیدی کر دو، میری اس سواری پر زین ڈال دو، اس کی زین مجھے دے دو یا اس کی لگام مجھے دے دو تو اس نے کہا: ہاں تو یہ اس کی جانب سے غلام، گھر اور سواری کا اقرار ہوگا، ”کافی“۔ ”ایک آدمی نے کہا: کیا میرا تجھ پر ہزار نہیں تو اس نے کہا: کیوں نہیں تو یہ اس کے حق میں ہزار کا اقرار ہوگا اگر اس نے کہا: ہاں۔ تو یہ اقرار نہیں ہوگا۔ ایک قول یہ کیا گیا: یہ بھی اقرار ہوگا۔ کیونکہ اقرار عرف پر محمول ہوتا ہے عربی دقائِق پر محمول نہیں ہوتا۔ ”جوہرہ“ میں اسی طرح ہے۔ فرق یہ ہے کہ بلی (کیوں نہیں) یہ منفی استفہام کا اثبات کے ساتھ جواب ہے اور نعم ہاں اس کا نفی کے ساتھ جواب ہوتا ہے۔ وہ آدمی جو گفتگو کر سکتا ہے اس کی طرف سے سر سے اشارہ یہ مال، آزادی، طلاق، بیع، نکاح، اجارہ اور ہبہ کا اقرار نہیں۔ ناطق فتویٰ دینے میں اشارہ کرے تو معاملہ مختلف ہے، نسب، اسلام اور کفر کا فر کی امان، شکار کی طرف محرم کا اشارہ، روایت حدیث میں شیخ کا سر سے اشارہ اور تجھے اتنی طلاقیں میں اشارہ اور تین اشارے کیے تو یہ معتبر ہیں، ”الاشباہ“۔ قسم کا اضافہ کیا گیا ہے جس طرح وہ قسم اٹھاتا ہے فلاں کو خادم نہیں بنائے گا، وہ اپنا راز ظاہر نہیں کرے گا، اس پر رہنمائی نہیں کرے گا اور اشارہ کیا تو حانث ہو جائے گا۔ ”عمادیہ“ گفتگو کرنے کی صلاحیت کے حامل کے اشارہ کا بطلان واضح ہو گیا مگر نو امور میں اس کا بطلان واضح نہیں۔

28144۔ (قولہ: مُطْلَقًا) یعنی وہ ضمیر ذکر کرے جیسے وہ قول کرے نعم ہو علی، ہاں وہ مجھ پر لازم ہے یا وہ ضمیر

ذکر نہ کرے۔ جس طرح مثال دی گئی ہے۔

28145۔ (قولہ: لَا يَسْتَخْدِمُ فُلَانًا) یعنی اس نے اس کی خدمت کی طرف اشارہ کیا۔ ”حاشیہ“ میں اسی طرح

ہے۔ شرح میں اس کا ذکر آئے گا۔

28146۔ (قولہ: إِلَّا فِي تَسْمِيْعٍ) چاہے کہ اسے زائد ذکر کیا جاتا کہ عالم (جاننے والا) اشارہ سے گواہ کی عدالت کو

فَلْيُحْفَظْ (وَإِنْ أَقَرَّ بِدَيْنٍ مُوَجَّلٍ وَادَّعَى الْمُقَرَّرُ لَهُ حُلُولَهُ) لَزِمَهُ الدَّيْنُ (حَالًا) وَعِنْدَ الشَّافِعِيِّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ مُوَجَّلًا بَيِّنِينَ (كَإِقْرَارِهِ بِعَبْدٍ فِي يَدِهِ أَنَّهُ لِرَجُلٍ وَأَنَّهُ اسْتَأْجَرَهُ مِنْهُ) فَلَا يُصَدَّقُ فِي تَأْجِيلٍ وَاجَارَةٍ لِأَنَّهُ دَعَا بِبَلَا حُجَّةٍ (و) حِينَئِذٍ يُسْتَحْلَفُ الْمُقَرَّرُ لَهُ فِيهِمَا بِخِلَافِ مَا لَوْ أَقَرَّ بِالذَّارِهِمِ السُّودِ فَكَذَّبَهُ فِي صِفَتِهَا) حَيْثُ (يَلْزِمُهُ مَا أَقَرَّ فَقَطْ) لِأَنَّ السُّودَ نَوْعٌ، وَالْأَجَلَ عَارِضٌ لِثُبُوتِهِ بِالشَّرْطِ وَالْقَوْلُ لِلْمُقَرَّرِ فِي النَّوْعِ وَلِلْمُنْكَرِ فِي الْعَوَارِضِ (كَإِقْرَارِ الْكَفِيلِ بِدَيْنٍ مُوَجَّلٍ) فَإِنَّ الْقَوْلَ لَهُ فِي الْأَجَلِ لِثُبُوتِهِ فِي كِفَالَةِ الْمُوَجَّلِ بِبَلَا شَرْطٍ

پس اسے یاد رکھا جانا چاہیے۔ اگر اس نے موجل دین کا اقرار کیا اور مقرر نے اس کے وقت کے آجانے کا دعویٰ کر دیا تو فی الحال اس پر دین لازم ہو جائے گا۔ امام ”شافعی“ رحمہ اللہ کے نزدیک اس کی قسم کے ساتھ موجل لازم ہو جائے گا۔ جس طرح ایک آدمی ایک غلام کے بارے میں اقرار کرتا ہے جو اس کے قبضہ میں ہے کہ یہ فلاں آدمی کا ہے اور اس نے فلاں سے اجرت پر اسے لیا ہے تو اجل اور اجارہ کے بارے میں اس کی تصدیق نہیں کی جائے گی۔ کیونکہ یہ ایسا دعویٰ ہے جس کی کوئی دلیل نہیں۔ اسی وقت مقرر سے دونوں امور میں قسم کا مطالبہ کیا جائے گا۔ اگر وہ سیاہ دراہم کا اقرار کرے اور مقرر اس کی صفت میں مقر کو جھٹلا دے تو معاملہ مختلف ہوگا۔ کیونکہ اس نے جس امر کا اقرار کیا ہے صرف وہی اس پر لازم ہوگا۔ کیونکہ سیاہ ہونا نوع ہے اور اجل اسے لاحق ہونے والا امر ہے۔ کیونکہ یہ شرط کے ساتھ ثابت ہوتا ہے نوع میں قول مقر کا معتبر ہوگا۔ اور عارض آنے والے امور میں قول مقر کا معتبر ہوگا جس طرح دین موجل میں کفیل کا اقرار ہوتا ہے۔ کیونکہ اجل میں اس کا قول تسلیم کیا جاتا ہے۔ کیونکہ موجل کی کفالت میں شرط کے بغیر ثابت ہوتا ہے۔“

بیان کر دے تو یہ کافی ہوگا جس طرح ہم نے شہادت میں اسے پہلے بیان کیا ہے۔ ”قال“۔

فرع: ”حاشیہ“ میں اس کا ذکر کیا ہے تقسیم کے بعد کسی وارث نے میت پر دین کا دعویٰ کیا تو اسے قبول کیا جائے گا۔ تقسیم یہ دین سے بری کرنا نہیں ہوگا۔ کیونکہ اس کا حق غیر سے متعلق نہیں۔ تقسیم پر رضا مندی یہ عدم تعلق کا اقرار نہیں ہوتا۔ اگر وہ تقسیم کے بعد ترکہ میں سے کسی معین شے کا دعویٰ کرے تو معاملہ مختلف ہوگا۔ کیونکہ اس کا دعویٰ نہیں سنا جائے گا۔ کیونکہ اس کا حق عین ترکہ کے ساتھ صورت اور معنی کے اعتبار سے متعلق ہوتا ہے تو تقسیم ترکہ میں اس کے حق کے انقطاع پر مشتمل ہوگی۔ کیونکہ تقسیم اس کا تقاضا کرتی ہے کہ وہ چیز اس کے ساتھ خاص نہیں۔ ”بزازیہ“۔

28147۔ (قولہ: بلا شرط) پس اس میں اجل ایک نوع ہے۔ پس ایسی کفالت جس کی مدت معین کی گئی ہو یہ کفالت

کی دو نوعوں میں سے ایک ہے۔ پس اس کی تصدیق کی جائے گی۔ کیونکہ ایک نوع کا اقرار دوسری نوع کا اقرار نہیں ہوتا۔ ”غایۃ البیان“۔

یہ مسئلہ باب الکفالہ میں ان کے قول لك مائة درهم الى شهر میں گزر چکا ہے۔

(وَشَرَاؤُهُ) أَمَّةٌ مُتَنَقِّبَةٌ إِقْرَارٌ بِالْمِلْكِ لِلْبَائِعِ كَثُوبٌ فِي جِرَابٍ كَذَا إِلَّا سَتِيَامُ وَإِلَّا سَتِيْدَاعُ وَقَبُولُ
الْوَدِيعَةِ بَحْرٌ (وَإِلْعَارَةُ) وَالْإِسْتِيْهَابُ وَالْإِسْتِجَارُ وَلَوْ مِنْ وَكِيلٍ فَكُلُّ ذَلِكَ إِقْرَارٌ بِمِلْكِ ذِي الْيَدِ
فَيُنْتَعَمُ دَعْوَاهُ لِنَفْسِهِ وَلِغَيْرِهِ بِوَكَالَةٍ أَوْ صَايَةٍ لِلتَّنَاقُضِ بِخِلَافِ إِبْرَائِيهِ عَنْ جَمِيعِ الدَّعَاوِي ثُمَّ الدَّعْوَى

نقاب پہنے ہوئے لونڈی کو خریدنا یہ بائع کی ملکیت کا اقرار ہے جس طرح گٹھڑی کے اندر کپڑے کا خریدنا، اسی طرح بھاؤ کا طلب کرنا، ودیعت رکھنے کا مطالبہ کرنا اور ودیعت کا قبول کرنا یہ دوسرے فرد کی ملکیت کا اقرار ہے ”بحر“۔ کوئی چیز ادھار دینا، کسی سے کسی شے کو بطور ہبہ کے طلب کرنا، کسی سے کوئی شے بطور اجارہ کے طلب کرنا اگرچہ قابض کے وکیل سے ہو یہ سب قابض کی ملکیت کا اقرار ہے۔ پس یہ اس کے مانع ہوگا کہ وہ اپنے لیے اور اپنے غیر کے لیے وکالت یا وصیت کے ساتھ اس کا دعویٰ کرے۔ کیونکہ تناقض پایا جا رہا ہے۔ یہ صورت مختلف ہوگی کہ تمام دعویٰ سے اسے بری کر دے پھر ان دونوں صورتوں کا دعویٰ کرے۔

نقاب کے اندر لونڈی، گٹھڑی کے اندر کپڑے کا خریدنا اور بھاؤ معلوم کرنا بائع کی ملکیت کا اقرار ہے
28148۔ (قوله: وَشَرَاؤُهُ أَمَّةٌ مُتَنَقِّبَةٌ الخ) ”بزازیہ“ میں اپنے اس قول کے ساتھ اس کی علت بیان کی ہے:
ضابطہ یہ ہے اگر شے ان چیزوں میں سے ہو جو بھاؤ لگانے کے وقت معروف ہو جس طرح وہ لونڈی جو اس کے سامنے گٹھڑی ہو اور نقاب میں ہو اس کا قول قبول نہ کیا جائے گا مگر جب مدعی علیہ اس بارے میں اس کی تصدیق کر دے کہ یہ اس لونڈی کو نہیں پہچانتا تھا تو اسے قبول کر لیا جائے گا اگر وہ ان چیزوں میں سے ہو جو نہیں پہچانی جاسکتیں۔ جیسے رومال میں ایک کپڑا ہو یا ایک لونڈی ہو جو بیٹھی ہوئی ہو جس کے سر پر پردہ ہو اس لونڈی کی کوئی شے نظر نہ آتی ہو تو اسے قبول کر لیا جائے گا۔ اسی وجہ سے علما کے اقوال مختلف ہیں۔ میرے لیے یہ امر ظاہر ہوتا ہے کہ گٹھڑی میں کپڑا اسی طرح ہے جس طرح رومال میں وہ کپڑا ہو۔ ”سامحانی“۔

28149۔ (قوله: كَثُوبٌ) جس طرح گٹھڑی میں موجود کپڑے کو خرید جائے۔
28150۔ (قوله: كَذَا إِلَّا سَتِيَامُ) ”جامع الفصولین“ اور ”نور العین“ کی دسویں فصل اور ”حاشیۃ الفتح“ کی طرف دیکھو۔

فرع: حاشیہ میں یہ ذکر کیا ہے: ایک آدمی نے دوسرے سے کہا: میرے تجھ پر ہزار درہم ہیں مدعی علیہ نے اسے کہا: اگر تو یہ قسم اٹھا دے کہ تیرا ہزار مجھ پر لازم ہے تو میں تجھے ہزار دے دوں گا مدعی نے قسم اٹھا دی اور مدعی علیہ نے اسے وہ درہم دے دیئے۔ علما نے فرمایا: اگر اس نے درہم اس شرط کی بنا پر دیئے جو اس نے شرط لگائی تو وہ باطل ہے اور دینے والے کو حق حاصل ہوگا کہ اس سے وہ واپس لے کیونکہ شرط باطل ہے۔ ”خانیہ“۔

قابض کی ملکیت کے اقرار کا بیان

28151۔ (قوله: وَإِلْعَارَةُ) زیادہ بہتر یہ کہنا ہے: الاستعمار جس طرح ”جامع الفصولین“ میں فصل ناشر میں

ہے۔ ”حاشیہ“ میں اسی طرح ہے۔

بِهِمَا لَعَدَمِ التَّنَاقُضِ ذَكَرَهُ فِي الدَّرَرِ قُبَيْلَ الْإِقْرَارِ وَصَحَّحَهُ فِي الْجَامِعِ

کیونکہ تناقض نہیں پایا گیا۔ اس کا ذکر کتاب الاقرار سے تھوڑا پہلے ”درر“ میں ذکر کیا ہے۔ ”جامع“ میں اس کی تصحیح کی ہے

فرع: ”حاشیہ“ میں ہے: اس نے اسے خریدا، ایک آدمی نے اس پر گواہی دی اور اس نے مہر لگا دی تو یہ سپردگی نہ ہوگی۔ اس سے یہ ارادہ کیا کہ شرا کی گواہی دے یعنی شہادت کی دستاویز میں شہادت لکھی اور شہادت کی دستاویز پر مہر لگائی پھر اس کا دعویٰ کیا تو اس کا دعویٰ صحیح ہوگا۔ شہادت کا لکھنا اس امر کا اقرار نہیں ہوگا کہ یہ چیز بائع کی ہے۔ یہ اس لیے ہے کہ انسان غیر کے مال کی بیع اسی طرح کرتا ہے جس طرح اپنے مال کی بیع کرتا ہے بیع کی شہادت اس کے صحیح ہونے پر دلالت نہیں کرتی۔ ”جامع الفصولین“ فی الرابع عشر۔

28152۔ (قوله: ذَكَرَهُ فِي الدَّرَرِ) ضمیر متن میں مذکور قول دکن الخ کی طرف اور شرح میں مذکور قول کی طرف راجع

ہے صرف اجارہ کی طرف راجع نہیں۔ یہ سب اس میں مذکور ہے اور ان کے قول و صححہ فی الجامع الخ کی ضمیر اس کی طرف راجع ہے جو صرف متن میں مذکور ہے جس پر مصنف کا ”المنح“ میں قول دلالت کرتا ہے۔ جس نے یہ تصریح کی ہے کہ یہ اقرار ہے وہ ”ممنلا خسرو“ ہے۔ ”عبدالبر“ کی نظم ”وہبانی“ میں اس کے برعکس ہے۔

پھر کہا: حاصل کلام یہ ہے کہ ”جامع“ کی جو روایت ہے اسیام (بھاؤ لگانا) استئجار (اجرت پر لینا) استعارہ (عاریہ لینا) اور اسی طرح کے دوسرے معاملات کرنا یہ اس امر کا اقرار ہے کہ جس کے ساتھ بھاؤ لگایا گیا ہے، جس سے اجرت پر لیا جا رہا ہے یہ چیز اس کی ملکیت ہے۔ ”زیادات“ کی روایت یہ ہے کہ یہ امور ملکیت کا اقرار نہیں ہوں گے۔ یہی قول صحیح ہے۔ ”عمادیہ“ میں اسی طرح ہے۔ اس میں روایات کے اتفاق کی حکایت کی ہے کہ مساوم وغیرہ کے لیے کوئی ملکیت نہیں۔ اس اختلاف کو پیش نظر رکھنے کی بنا پر یہ چاہیے کہ جس چیز میں وہ اپنے لیے (صحیح یہ ہے کہ لنفسہ) اپنے لیے (کو سا قط کیا جائے، مترجم) یا غیر کے لیے قیمت لگاتا ہے اس میں اس کی ملکیت کے دعویٰ کو صحیح مانا جائے۔ ہم نے یہاں اسے یقین کے ساتھ بیان کیا ہے کہ یہ اقرار ہے۔ یہ ہم نے ”جامع صغیر“ سے اخذ کرتے ہوئے کہا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

”ساحانی“ نے کہا: میرے لیے یہ امر ظاہر ہوتا ہے کہ اگر وہ عذر ظاہر کرے تو اس کے مطابق فتویٰ دے جو ”زیادات“ میں ہے کہ بھاؤ لگانا وغیرہ اقرار نہیں ہوگا۔ ”عمادیہ“ میں ہے: یہی صحیح ہے۔ ”سراجیہ“ میں ہے: یہی اصح ہے۔ ”انقروی“ نے کہا: اکثر علماء اس پر ہیں کہ ”زیادات“ میں جو قول ہے وہ صحیح ہے اور یہی ظاہر روایت ہے۔

28153۔ (قوله: وَصَحَّحَهُ فِي الْجَامِعِ) جامع سے مراد ”جامع الفصولین“ ہے۔ یہ روایت امام ”محمد“ رحمہ اللہ کی

”جامع“ کی ہے۔ صححہ میں جو ضمیر ہے یہ لکونہ اقرار بالملك لذی الید کے لیے ہے۔ یعنی قابض کے لیے ملک کا اقرار ہے۔ ”شرنبلالیہ“ میں کہا ہے: ان اشیاء کا مباشر کے لیے عدم ملک کا اقرار یہ متفق علیہ ہے۔ جہاں تک قابض کے لیے ان کا ملک کا اقرار اس بارے میں دو روایات ہیں۔ ”جامع“ کی جو روایت ہے یہ قابض کے لیے ملکیت کا فائدہ دیتی ہے اور

خِلَافًا لِتَصْحِيحِ الْوَهْبَانِيَّةِ وَوَقَّتْ شَارِحُهَا الشُّرْبِلَالِيُّ بِأَنَّهُ إِنْ قَالَ بَعْنِي هَذَا كَانَ إِقْرَارًا

”وہبانیہ“ کی تصحیح اس کے خلاف ہے۔ ”وہبانیہ“ کے شارح ”شربلالی“ نے یوں تطبیق دی ہے اگر اس نے کہا: یہ چیز میرے ہاتھ بیچ دو تو یہ بائع کی ملکیت کا اقرار ہوگا۔

”زیادات“ کی جو روایت ہے یہ ملکیت کا فائدہ نہیں دیتی۔ یہی صحیح ہے۔ ”الصغریٰ“ میں اسی طرح ہے۔ ”جامع الفصولین“ میں ملکیت کا فائدہ دینے والی روایت کی تصحیح کی ہے۔ پس دونوں روایتوں کی تصحیح میں اختلاف ہے۔ مدعی علیہ کی ملکیت کے فائدہ نہ دینے پر یہ امر مبنی ہے کہ مقرر بھاکہ دعویٰ کسی اور کے لیے جائز ہو۔ ”سامحانی“ نے ”انفرادی“ سے نقل کیا ہے کہ اکثر علماء کی رائے یہ ہے کہ ”زیادات“ میں جو قول ہے وہ صحیح ہے اور یہی ظاہر روایت ہے۔

میں کہتا ہوں کہ اس کے مطابق فتویٰ دیا جائے کیونکہ یہ ظاہر روایت ہے اگرچہ تصحیح میں اختلاف ہے۔

تمتہ: اشتراء (شاید صحیح استثناء ہے جس کا معنی خرید کو طلب کرنا ہے) ایسے آدمی سے جو مدعی علیہ نہیں اس سے خریدنا یہ اس امر کا اقرار ہو کہ یہ مدعی کی ملک نہیں یہ اس اشترا کی طرح ہے جو مدعی علیہ سے ہو یہاں تک کہ اگر وہ گواہیاں قائم کر دے تو یہ دعویٰ کا دفاع ہو جائے گا۔ ”صغریٰ“ سے نقل کرنے کے بعد ”جامع الفصولین“ میں کہا: چاہیے کہ استیذان، اسی طرح استیعاب وغیرہ اشترا کی طرح ہو۔

مہمہ: ”بزازیہ“ میں کہا: یہاں جسے یاد رکھنا واجب ہے کہ باہم بھاؤ لگانا یہ بائع کی ملکیت کا اقرار ہے یا اس کا اقرار ہے کہ یہ اس کی ملک نہیں یہ ضمناً ہوگا قصد انہیں ہوگا یہ بائع کی ملک کے لیے صریحاً اقرار کی طرح نہیں ہوگا۔ تفاوت اس صورت میں ظاہر ہوگا جب وہ چیز اس کے ہاتھ تک پہنچے گی تو تعداد صریح کی صورت میں اسے بائع کی طرف پھیرنے کا حکم دیا جائے گا۔ اور مساومہ (بھاؤ لگانے کی صورت میں) اسے حکم نہیں دیا جائے گا۔

اس کی وضاحت یہ ہے: ایک آدمی نے کسی انسان سے سامان خریدا اور اس پر قبضہ کر لیا پھر مشتری کا باپ گواہیوں کے ساتھ مشتری سے اس شے کا مستحق نکل آیا اور مشتری کے باپ نے وہ چیز لے لی اور باپ مر گیا اور مشتری بیٹا اس کا وارث بن گیا تو اسے بائع کو واپس لوٹانے کا حکم نہیں دیا جائے گا اور وہ بائع سے اس کی ثمن لے لے گا تو یہ سامان مشتری کے قبضہ میں آئے۔ وراثت کی وجہ سے رہے گا۔ اگر بیع کے موقع پر اس نے اقرار کیا کہ یہ چیز بائع کی ملکیت ہے پھر مشتری کے قبضہ میں اس کا باپ اس شے کا مستحق ثابت ہو گیا ہو پھر باپ مر گیا اور مشتری بیٹا اس کا وارث بن گیا تو وہ بائع سے واپسی کا مطالبہ نہیں کرے گا۔ کیونکہ اس کے قبضہ میں یہ چیز اس کے اس گمان کی وجہ سے ہے کہ اس نے اس سے یہ چیز خریدی ہے۔ کیونکہ یہ امر ثابت ہو چکا ہے کہ مستحق کی قضا ثمن کے واپس لینے سے قبل بیع کے فسخ کو ثابت نہیں کرتی۔ اس کا ذکر کتاب الدعویٰ کی فصل اول میں کیا ہے۔ اس میں بے شمار فروع ہیں سب بڑی اہم ہیں پس اس کی طرف رجوع کیجئے۔

28154۔ (قوله: لِتَصْحِيحِ الْوَهْبَانِيَّةِ) یعنی بھاؤ لگانے کے مسئلہ میں ”وہبانیہ“ کی تصحیح اس کے خلاف ہے۔

وَإِنْ قَالَ أَتَبِيعُ لِي هَذَا لَا يُؤَيِّدُهُ مَسْأَلَةُ كِتَابَتِهِ وَخْتَبِهِ عَلَى صَدِّ الْبَيْعِ فَإِنَّهُ لَيْسَ بِإِقْرَارٍ بَعْدَ مِلْكِهِ
(وَعَلَى مِائَةٍ وَدِرْهَمٍ كُلُّهَا دَرَاهِمٌ) وَكَذَا الْمِكِيلُ وَالْمَوْزُونُ اسْتِحْسَانًا (وَفِي مِائَةٍ وَتِسْعِينَ وَتِسْعِينَ
وَتِسْعِينَ يَفْسِرُ الْمِائَةَ لِأَنَّهَا مُبْهَمَةٌ) (وَفِي مِائَةٍ وَثَلَاثَةِ أَثْوَابٍ كُلُّهَا تِسْعِينَ) خِلَافًا لِشَافِعِيِّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ

اگر اس نے کہا: کیا تو اسے میرے لیے بیچتا ہے تو یہ اس کی ملکیت کا اقرار نہیں ہوگا۔ اس کی تائید اس کا کتابت کرنا اور بیع کی
دستاویز پر مہر لگانا نہیں کرتا۔ کیونکہ یہ اس کی عدم ملک کا اقرار نہیں۔ اس کا مجھ پر سوا اور ایک درہم ہے یہ سب کے سب
درہم ہوں گے۔ کیلی اور وزنی چیز کا معاملہ اسی طرح ہوگا۔ یہ استحسان ہوگا۔ ایک سوا اور کپڑا، سوا اور دو کپڑے کا اقرار کیا تو
سو کی تفسیر پوچھی جائے گی۔ کیونکہ سو مبہم ہے۔ سوا اور تین کپڑے تو سب کے سب کپڑے ہوں گے۔ امام ”شافعی“ رحمۃ اللہ علیہ نے
اس سے اختلاف کیا ہے۔

28155۔ (قولہ: لَا) یعنی اقرار نہیں ہوگا بلکہ یہ استفہام ہوگا اور اس کے اقرار پر شہادت کو طلب کرنا ہوگا کہ وہ اپنی

مملوکہ چیز کی بیع کا اعادہ کر رہا ہے پس اس کے بعد یہ لازم ہوگا۔ ”شرنبلائی“۔

28156۔ (قولہ: فَإِنَّهُ لَيْسَ بِإِقْرَارٍ) یعنی جو یہاں ہے وہ اولیٰ ہے یا مساوی ہے۔ ”حاشیہ“ میں کہا: اگر آقا اپنے

غلام کو دیکھے جو مولیٰ کے اعیان میں سے کسی عین کو بیچتا ہے اور خاموش رہتا ہے تو یہ اذن نہیں ہوگا۔ اسی طرح مرتہن جب راہن
کو دیکھتا ہے کہ وہ دین کو بیچ رہا ہے اور خاموش ہو جاتا ہے تو راہن باطل ہو جاتا ہے۔

امام ”طحاوی“ نے ہمارے اصحاب سے روایت کی ہے: مرتہن جب خاموش ہو جائے تو یہ بیع پر رضا مندی ہوگی اور راہن

باطل ہو جائے گا۔ ”خانیہ“، کتاب الماذون۔

28157۔ (قولہ: وَالْمَوْزُونُ) جس طرح اس کا قول ہے: مائۃ و قفیز سوا اور ایک قفیز اسی طرح ہے سوا اور رطل۔

اگر اس نے کہا: نصف درہم، دینار اور کپڑا تو اس پر ایک میں سے نصف ہوگا۔ اسی طرح اس غلام اور اس لونڈی کا نصف کیونکہ
تمام کی تمام کلام اس کے عین کے بغیر واقع ہوگی یا اس کے عین کے ساتھ واقع ہوگی پس نصف کل کی طرف پھر جائے گا۔ اگر
اس کا بعض غیر معین ہو جس طرح اس دینار کا نصف اور درہم تو پورا درہم واجب ہوگا۔ ”زیلعی“ نے کہا: درہم کو جردی جائے تو
یہ اشکال پیدا کرے گا۔

میں کہتا ہوں: جوار کی لغت کی بنا پر کوئی اشکال نہیں کیونکہ طلبہ کے بارے میں غالب یہ ہے کہ وہ اعراب کا التزام نہیں

کرتے ”ساحانی“۔ چہ جائیکہ عوام اس کا التزام کریں لیکن زیادہ احتیاط استفسار ہے۔ کیونکہ اصل ذمہ سے بری ہونا ہے شاید
انہوں نے جر کا قصد کیا ہے۔ تامل

28158۔ (قولہ: كُلُّهَا تِسْعِينَ) کیونکہ اس نے دو مبہم عددوں کا ذکر کیا ہے اور ان کے پیچھے تفسیر ذکر کی ہے پس عطف

نہ ہونے کی وجہ سے تفسیر کو دونوں کی طرف پھیر دیا جائے گا۔ ”منح“۔

قُلْنَا الْأَثْوَابُ لَمْ تُذْكَرْ بِحَرْفِ الْعَطْفِ فَانْصَرَفَ التَّفْسِيرُ إِلَيْهِمَا لِاسْتِثْنَائِهِمَا فِي الْحَاجَةِ إِلَيْهِ (وَالْإِقْرَارُ بِدَابَّةٍ فِي إِصْطِلَاحٍ تَنْزِمُهُ) الدَّابَّةُ (فَقَطُّ) وَالْأَصْلُ أَنَّ مَا يَصْدُحُ ظَرْفًا إِنْ أُمِّكْنَ نَقْلُهُ لَزِمَا، وَإِلَّا لَزِمَ الْمَظْرُوفُ فَقَطُّ خِلَافًا لِلْحَقِّدِ، وَإِنْ لَمْ يَصْدُحْ لَزِمَ الْأَوَّلُ كَقَوْلِهِ دِرْهَمٌ فِي دِرْهَمٍ قُلْتُ وَمُقَادُّهُ أَنَّهُ لَوْ قَالَ دَابَّةٌ فِي خَيْمَةٍ لَزِمَا وَلَوْ قَالَ تَوْبٌ فِي دِرْهَمٍ

ہم کہیں گے: کپڑے حرف عطف کے ساتھ ذکر نہیں کیے گئے ہیں۔ پس تفسیر دونوں کی طرف پھر جائے گی۔ کیونکہ دونوں کو اس کی حاجت ہے۔ اصطبل میں گھوڑے کا اقرار کیا تو اس پر صرف دابہ لازم ہوگا۔ قاعدہ یہ ہے جو چیز ظرف بننے کی صلاحیت رکھتی ہے اگر اس کا نقل کرنا ممکن ہو تو دونوں چیزیں اس پر لازم ہوں گی ورنہ صرف مظروف لازم ہوگا۔ امام ”محمد“ رحمہ اللہ نے اس سے اختلاف کیا ہے۔ اگر ظرف بننے کی صلاحیت نہ رکھے تو پہلی لازم ہو جائے گی جیسے اس کا قول ہے درہم فی درہم۔ ایک درہم، درہم میں۔ میں کہتا ہوں: اس کا مستفاد یہ ہے: اگر وہ کہے: جانور خیمہ میں۔ تو دونوں لازم ہوں گے اگر اس نے کہا: کپڑا درہم میں۔

28159۔ (قوله: بِحَرْفِ الْعَطْفِ) اس کی صورت یہ ہے کہ یہ کہے: سواور تین کپڑے جس طرح سواور ایک کپڑا۔

28160۔ (قوله: إِنْ أُمِّكْنَ نَقْلُهُ) جیسے ٹوکرے میں کھجوریں۔

28161۔ (قوله: خِلَافًا لِلْحَقِّدِ) امام ”محمد“ رحمہ اللہ کے نزدیک دونوں لازم ہوں گے۔ کیونکہ غیر منقولہ چیز کا غصب امام ”محمد“ رحمہ اللہ کے نزدیک صحیح ہے۔ ”زیلعی“۔

28162۔ (قوله: فِي خَيْمَةٍ) اس میں یہ ہے خیمہ کو حقیقت کے اعتبار سے ظرف نہیں کہتے اور معتبر یہ ہے کہ یہ حقیقت کے اعتبار سے ظرف ہے۔

جو چیز ظرف بننے کی صلاحیت رکھتی ہو اگر اس کا نقل کرنا ممکن ہو تو دونوں چیزیں لازم ہوں گی

28163۔ (قوله: لَزِمَا) کیونکہ غصب کا اقرار یہ اس کے ظرف اور مظروف کے نقل کرنے کی خبر دینا ہے جب کہ وہ مظروف ہو۔ کیونکہ ظرف کو نقل کرنے کے بغیر اس کا تصور نہیں کیا جاسکتا۔ پس بدیہی طور پر دونوں کے غصب کا اقرار ہوگا اور یہاں میں اس کی طرف رجوع کیا ہے۔ کیونکہ اس نے تعیین نہیں کی۔ ”غایۃ البیان“ وغیرہ میں یہاں اور اس کے بعد میں اسی طرح وضاحت کی ہے۔ اس کا ظاہر معنی یہ ہے کہ اسے غصب کے اقرار پر محدود رکھا جائے۔ اس کی تائید وہ قول کرتا ہے جو ”الخانیہ“ میں ہے: اس کا مجھ پر کپڑا یا غلام ہے یہ صحیح ہے۔ امام ”ابو یوسف“ رحمہ اللہ کے نزدیک اس کی درمیانی قیمت کے ساتھ وہ فیصلہ کر دے گا۔ امام ”محمد“ رحمہ اللہ نے فرمایا: قیمت میں اس کا قول معتبر ہوگا۔ ”البحر“ اور ”الاشباہ“ میں ہے: اس پر کوئی شے لازم نہ ہوگی۔ شاید یہ ”امام صاحب“ رحمہ اللہ کا قول ہو۔ یہ قول اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ جو یہاں ہے وہ غصب پر محدود ہے ورنہ اسے قیمت لازم ہو جائے گی یا اس پر کوئی شے لازم نہ ہوگی۔ پھر میں نے ”شرنبالیہ“ میں ”الجوہرہ“ سے منقول ایک قول دیکھا

لَزِمَهُ الثُّوبُ وَلَمْ أَرَ فَيُحَرَّرُ (وَبِخَاتِمٍ) تَلَزَمَهُ (حَلَقَتُهُ وَفَضُّهُ) جَمِيعًا (وَبِسَيْفٍ جَفْنُهُ وَحَمَائِلُهُ وَنَصْلُهُ وَبِحَجَلَةٍ) بِحَاءٍ فَجِيمٌ بَيَّتْ مُزَيْنٌ بِسُتُورٍ وَسُرِيرٍ (الْعِيدَانُ وَالْكِسْوَةُ وَبِتَشِيرِنِي قَوْصَرَّةٌ أَوْ بِطَعَامٍ فِي جَوَالِقٍ أَوْ) فِي (سَفِينَةٍ أَوْ ثَوْبٍ فِي مَنْدِيلٍ أَوْ) فِي (ثَوْبٍ يَلْزَمُهُ

تو صرف کپڑا لازم ہوگا۔ میں نے اس بارے میں کوئی قول نہیں دیکھا پس اس کی وضاحت کی جانی چاہیے۔ اور انگوٹھی کا اقرار کرنے کی صورت میں اس پر اس کا حلقہ اور نگینہ دونوں لازم ہوں گے اور تلوار کا اقرار کرنے کی صورت میں تلوار کا میان، اس کا پرتلا، اس کا پھل اور اس کی کوٹھی لازم ہوگی۔ اور جملہ کا اقرار کرنے کی صورت میں، جملہ یہ حا اور جیم کے ساتھ ہے۔ اس سے مراد ایسا کمرہ ہے جو پردوں اور چار پائیوں سے مزین ہو، لکڑیاں اور کپڑے لازم ہوں گے اور جب وہ ٹوکری میں کھجوروں کا طعام کا گون میں یا کشتی میں کھانے کا، رومال میں کپڑے کا یا کپڑے میں کپڑے کا اقرار کرے

کیونکہ کہا: جس کا اس نے اقرار کیا تھا اگر اسے کسی فعل کی طرف منسوب کیا۔ اس کی صورت یہ ہے کہ اس نے کہا: میں نے اس سے قوصرہ (بانس سے بنا برتن) میں کھجوریں غصب کی ہیں تو اس پر کھجوریں، قوصرہ اور اونٹ لازم ہو جائے گا اسے ابتداء ذکر کیا ہے اور کہا: مجھ پر قوصرہ میں کھجوریں لازم ہیں تو اس پر کھجوریں لازم ہوں گی قوصرہ لازم نہیں ہوگا۔ کیونکہ اقرار قول ہے۔ اور تمیز کے ساتھ قول بعض لازم ہوتا ہے بعض لازم نہیں ہوتا جس طرح اگر وہ کہے: میں نے ٹوکری میں اسے زعفران بیچا، واللہ الحمد۔ شاید ان کے قول: فعليه التمسر سے مراد اس کی قیمت ہوگی۔

28264۔ (قوله: لَزِمَهُ الثُّوبُ) یہ ظاہر ہے اس پر وہ قول دلالت کرتا ہے جو متن میں آئے گا۔ وہ یہ ہے ثوب فی منديل یا ثوب فی ثوب رومال میں کپڑا یا کپڑے میں کپڑا۔ کیونکہ جو یہاں ہے وہ اولیٰ ہے۔ ”غایۃ البیان“ میں ہے: اگر اس نے کہا: میں نے تجھ سے اتنا اتنے میں غصب کیا تو دوسرا پہلے کا برتن نہیں ہوگا تو دونوں اس پر لازم ہو جائیں گے۔ اس میں ہے: اگر اس نے کہا: مجھ پر ایک قفیز گندم میں ایک درہم لازم ہے تو اس پر صرف درہم لازم ہوگا۔ اگرچہ قفیز درہم کی ظرف بن سکتا ہے اس کی وضاحت وہ ہے جو ”خواہر زادہ“ نے کہا: اس نے ذمہ میں ایک درہم کا اقرار کیا اور جو ذمہ میں ہو تو یہ تصور نہیں کیا جاسکتا کہ وہ کسی اور شے میں مظروف ہوا۔ میرے لیے یہ امر ظاہر ہوتا ہے۔ یہ اقرار میں ابتداء ہے۔ جہاں تک غصب میں اس کے اقرار کا تعلق ہے تو اس پر ظرف بھی لازم ہوگا جس طرح وہ اقرار کرے میں نے تھیلی میں درہم کو غصب کیا یہ اس پر مبنی ہے جسے ہم پہلے بیان کر آئے ہیں۔ تعلیل اس کا فائدہ دیتی ہے۔ اسی تفصیل پر یہ قول ہے درہم فی ثوب کپڑے میں درہم۔ تامل

28165۔ (قوله: جَفْنُهُ) یہ لفظ جیم کے فتح کے ساتھ ہے مراد نیام ہے۔

28166۔ (قوله: وَحَمَائِلُهُ) یعنی جس کے ساتھ اسے لٹکایا جائے۔ ”اصمعی“ نے کہا: اس کا واحد لفظی نہیں ہے اس کا

واحد محمل ہے۔ ”عینی“۔

28167۔ (قوله: فِي قَوْصَرَةٍ) یہ لفظ تشدید کے ساتھ ہے اسے مخفف پڑھا گیا ہے۔ ”مختار“۔

الظرف كَالْمَظْرُوفِ لِمَا قَدْ مَنَاهُ (وَمِنْ قَوْصَرَةٍ) مَثَلًا (لَا تَلْزِمُهُ الْقَوْصَرَةُ وَنَحْوُهَا) كَثُوبٍ فِي عَشْرَةٍ وَطَعَامٍ فِي بَيْتٍ) فَيَلْزِمُهُ الْمَظْرُوفُ فَقَطْ لِمَا مَرَّ؛ إِذَا الْعَشْرَةُ لَا تَكُونُ ظَرْفًا لِوَاحِدٍ عَادَةً (وَبِخَمْسَةٍ فِي خَمْسَةٍ وَعَنَى) مَعْنَى عَلَى أَوْ (الضَّرْبُ خَمْسَةً) لِمَا مَرَّ وَالْزَمَهُ زُفْرًا بِخَمْسَةٍ وَعِشْرِينَ (وَعَشْرَةً إِنْ عَنَى مَعَ)

تو اس پر مظروف کی طرح ظرف لازم ہوگا۔ اس کی دلیل وہی ہے جسے ہم نے پہلے بیان کیا اگر وہ ٹوکری کھجوروں کی کا اقرار کرے تو اس پر ٹوکری وغیرہ لازم نہ ہوگا جس طرح یوں اقرار کرے ایک کپڑا دس کپڑوں میں، اور کھانا گھر میں، کا اقرار کرے تو ان صورتوں میں صرف مظروف لازم ہوگا اس کی دلیل وہی ہے جو گزر چکی ہے کیونکہ عادت کے مطابق دس ایک چیز کی ظرف نہیں بن سکتا۔ اور جب اس نے یوں اقرار کیا خَمْسَةً فِي خَمْسَةٍ اور فی سے علی کا معنی لیا یعنی مجھ پر پانچ پر پانچ لازم ہیں تو پانچ کا اقرار ہوگا اس کی دلیل وہی ہے جو گزر چکی ہے۔ امام ”زفر“ نے اس اقرار کی صورت میں پچیس درہم لازم کیے ہیں اگر وہ فی کومع کے معنی میں لے لے تو دس لازم ہوں گے

28168۔ (قوله: وَطَعَامٍ فِي بَيْتٍ) اس جیسے مسائل میں قاعدہ یہ ہے اگر ظرف ایسی ہو اگر حقیقت کے اعتبار سے اسے ظرف بنانا ناممکن ہو تو دیکھا جائے گا اگر اس کا منتقل کرنا ممکن ہو تو دونوں (ظرف و مظروف) لازم ہوں گے اگر منتقل کرنا ممکن نہ ہو تو شیخین کے نزدیک صرف مظروف لازم ہوگا۔ کیونکہ ایسا غصب جو ضمان کو واجب کرتا ہے وہ غیر منقول چیز میں متحقق نہیں ہوتا۔ اگر وہ یہ دعویٰ کرے کہ اس نے مظروف کو نقل نہیں کیا تو اس کی تصدیق نہیں کی جائے گی۔ کیونکہ اس نے غصب تام کا اقرار کیا ہے۔ کیونکہ یہ مطلق ہے پس اسے کمال پر محمول کیا جائے گا۔

امام ”محمد“ رحمہ اللہ کے نزدیک وہ دونوں اس پر لازم ہوں گے کیونکہ منقولہ چیز کا غصب امام ”محمد“ رحمہ اللہ کے نزدیک متصور ہے۔

اگر یہ ممکن نہ ہو کہ اسے حقیقت میں ظرف بنایا جائے تو اس پر صرف پہلی چیز لازم ہوگی جس طرح علما کا قول ہے درہم فی درہم (درہم میں درہم) تو اس پر کوئی شے لازم نہ ہوگی۔ کیونکہ وہ چیز اس کی ظرف بننے کی صلاحیت نہیں رکھتی، ”منخ“۔ ”حاشیہ“ میں اسی طرح ہے۔

28169۔ (قوله: لَا تَكُونُ ظَرْفًا) امام ”محمد“ رحمہ اللہ نے اس میں اختلاف کیا ہے۔ کیونکہ یہ جائز ہے کہ نفیس پہننے والے دس کپڑوں میں لپیٹا جائے۔ ”منخ“۔ حاشیہ میں اسی طرح ہے۔

28170۔ (قوله: خَمْسَةً) کیونکہ فعل ضرب کا اثر اجزا کی تکثیر میں ہوتا ہے مال کی تکثیر میں نہیں ہوتا۔ ”درر“۔ ”حاشیہ“ میں اسی طرح ہے۔ ”الولوالجیہ“ میں ہے: اگر اس نے عَشْرَةً فِي عَشْرَةٍ ضرب کا ارادہ کیا یا ضرب بمعنی اجزا کی تکثیر کا ارادہ کیا تو دس لازم ہوں گے۔ اگر ضرب سے اس نے عین کی تکثیر کا ارادہ کیا تو سوا لازم ہوں گے۔ ”سائحانی“۔

28171۔ (قوله: وَعَشْرَةً إِنْ عَنَى مَعَ) ”بیانیہ“ میں ہے: اگر علی درہم کو مع درہم مراد لے یا معہ درہم مراد

كَمَا مَرَرْنَا فِي الطَّلَاقِ (وَمِنْ دَرَاهِمٍ إِلَى عَشْرَةٍ أَوْ مَا بَيْنَ دَرَاهِمٍ إِلَى عَشْرَةٍ إِلَى تِسْعَةٍ) لِدُخُولِ الْغَايَةِ الْأُولَى ضَرُورَةً؛ إِذْ لَا وَجُودَ لِمَا فَوْقَ الْوَاحِدِ بِدُونِهِ بِخِلَافِ الثَّانِيَةِ، مَا بَيْنَ الْحَائِطَيْنِ فَلِذَا قَالَ (وَفِي لَهُ

جس طرح طلاق کے باب میں گزر چکا ہے۔ اگر وہ یوں اقرار کرے: ایک سے دس تک یا ایک اور دس کے درمیان تو نو لازم ہوں گے۔ کیونکہ پہلی غایت تو مجبوراً داخل ہوگی۔ کیونکہ ایک کے بغیر اوپر والے اعداد نہیں پائے جاسکتے۔ دوسری غایت کا معاملہ مختلف ہے۔ اسی طرح اگر وہ یہ اقرار کرے دونوں دیواروں کے درمیان جو ہے اس کا اقرار کرتا ہوں تو اس کا معاملہ بھی مختلف ہوگا۔ اسی وجہ سے کہا:

لے تو دونوں درہم لازم ہوں گے۔ اسی طرح اس کے ماقبل اور مابعد کا معاملہ ہے۔ اسی طرح درہم فدرہم یا درہم کا معاملہ ہے۔ درہم علی درہم کا معاملہ مختلف ہے یا کہا درہم درہم تو دوسرا تاکید ہوگا۔ اگر وہ کہے کہ علی درہم فی قفیزبر اس کا مجھ پر ایک قفیز گندم میں درہم لازم ہے۔ اسی طرح اگر وہ کہے کہ فرق زیت فی عشرة مخاتیم حنطة و درہم ثم درہمان۔ تو اس پر تین درہم لازم ہوں گے اور ایک درہم ایک درہم کے بدلے میں لازم ہوگا کیونکہ یہ بدلیہ کے لیے ہے۔ ”حاوی قدسی“ میں ہے: اس کے مجھ پر سو اور کچھ ہیں تو اس پر سو لازم ہو جائیں گے اور نصف کی وضاحت میں اس کا قول معتبر ہوگا۔ ”حاشیہ“ میں ہے: اگر وہ ارادہ کرے پانچ سو پانچ سو کے ساتھ تو اس پر دس لازم ہوں گے۔ کیونکہ لفظ اس کا احتمال رکھتا ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے فَادْخُلْ فِي عَبْدِي ۝ (الفجر) ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ مع عبادی کے معنی میں ہے جب لفظ اس کا احتمال رکھتا ہو اگر مجازاً ہی احتمال رکھتا ہو اور وہ اس معنی کی نیت کرے تو یہ صحیح ہوگا خصوصاً جب اس میں اپنی ذات پر تشدید ہو جس طرح اس کے محل میں اسے پہچانا گیا ہے۔ ”درر“۔

غایت کے بارے میں آئمہ احناف کا اختلاف

28172۔ (قوله: تِسْعَةٍ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ) امام ”ابو حنیفہ“ رحمہ اللہ کے نزدیک نو لازم ہوں گے۔ ”صاحبین“ رحمہ اللہ نے فرمایا: اس پر دس لازم ہوں گے۔ امام ”زفر“ نے فرمایا: آٹھ لازم ہوں گے یہی قیاس ہے۔ کیونکہ پہلے درہم اور آخری درہم کو حد بنایا جائے گا وہ محدود میں داخل نہ ہوں گے۔

”صاحبین“ رحمہ اللہ کی دلیل یہ ہے کہ غایت کے لیے ضروری ہے کہ وہ موجود ہو۔ کیونکہ معدوم کے لیے جائز نہیں کہ وہ موجود کی حد بنے اور اس کا موجود ہونا اسے ثابت کرے گا۔ پس دونوں غایتیں اس میں داخل ہوں گی۔

”امام اعظم“ کی دلیل یہ ہے کہ غایت داخل نہ ہوگی۔ کیونکہ حد محدود کے مغایر ہوتی ہے لیکن یہاں پہلی حد کو داخل کرنا ضروری ہے۔ کیونکہ دوسرا درہم اور تیسرا درہم پہلے درہم کے بغیر متحقق نہیں ہوتا۔ پس پہلی غایت مجبوری کی وجہ سے داخل ہوگی اور دوسری غایت میں کوئی ضرورت نہیں، ”درر“۔ ”حاشیہ“ میں اسی طرح ہے۔

28173۔ (قوله: بِخِلَافِ الثَّانِيَةِ) یعنی دوسری غایت کا معاملہ مختلف ہے۔

بِأَن تَلِدَ لِدُونِ نِصْفِ حَوْلٍ لَوْ مُزَوَّجَةً أَوْ لِدُونِ حَوْلَيْنِ لَوْ مُعْتَدَّةً لِثُبُوتِ نَسَبِهِ (وَلَوْ الْحَمْلُ غَيْرُ آدَمِيٍّ) وَيُقَدَّرُ بِأَدْنَى مُدَّةٍ يُتَصَوَّرُ ذَلِكَ عِنْدَ أَهْلِ الْخِبْرَةِ زَيْلَعِيٍّ لَكِنْ فِي الْجَوْهَرَةِ أَقَلُّ مُدَّةٍ حَمْلِ الشَّاءِ أَرْبَعَةُ أَشْهُرٍ وَأَقَلُّهَا لِبَقِيَّةِ الدَّوَابِّ سِتَّةُ أَشْهُرٍ (وَصَحَّ لَهُ إِنْ بَيَّنَّ) الْبُقَرُ (سَبَبًا صَالِحًا) يُتَصَوَّرُ لِلْحَمْلِ (كَالِارِثِ وَالْوَصِيَّةِ) كَقَوْلِهِ مَاتَ أَبُوهُ فَوَرَّثَهُ أَوْ أَوْصَى لَهُ بِهِ فَلَانٌ يَجُوزُ، وَإِلَّا فَلَا كَمَا يَأْتِي (فَإِنْ وَلَدَتْهُ حَيًّا لِأَقَلِّ مِنْ نِصْفِ حَوْلٍ) مُذْ أَقَرَّ (فَلَهُ مَا أَقَرَّ، وَإِنْ وَلَدَتْ حَيًّا فَلَهُمَا) نِصْفَيْنِ، وَلَوْ أَحَدُهُمَا ذَكَرًا وَالْآخَرُ أُنْثَى فَكَذَلِكَ فِي الْوَصِيَّةِ بِخِلَافِ الْبِيرَاثِ (وَإِنْ وَلَدَتْ مَيِّتًا) يُرَدُّ (لِوَرَثَةِ) ذَلِكَ (الْمَوْصِي وَالْمُورِثِ)

نکاح میں ہو تو نصف سال سے کم میں وہ بچہ جن دے اگر وہ عدت گزار رہی ہو تو دو سال سے کم عرصہ میں وہ بچہ جن دے یہ اس بچے کے نسب کے ثبوت کے لیے ہے۔ اگر وہ حمل انسان کا نہ ہو تو پھر اس ادنی مدت کے ساتھ اس کا اندازہ لگایا جائے گا جو باخبر لوگوں کے ہاں اس کا تصور کیا جاتا ہے۔ ”زیلعی“۔ لیکن ”الجوہرہ“ میں ہے: بھیڑ بکری کے حمل کی ادنی مدت چار ماہ ہے باقی ماندہ جانوروں کے حمل کی ادنی مدت چھ ماہ ہے اور اس محل کے لیے اقرار کرنا صحیح ہوگا اگر مقرر مناسب سبب کو بیان کرے جس کا اس محل میں تصور کیا جاسکتا ہے جس طرح وراثت اور وصیت جس طرح اس کا قول اس کا باپ مر گیا ہے پس یہ اس کا وارث ہے یا فلاں نے اس کے حق میں یہ وصیت کی تو یہ جائز ہوگا ورنہ حمل کے لیے اقرار صحیح نہ ہوگا جس طرح آگے آئے گا۔ اگر اس حاملہ عورت نے اس بچے کو چھ ماہ سے کم عرصہ میں زندہ جن دیا تو جس چیز کا اقرار کیا تھا وہ اس کے لیے ہو جائے گا۔ اگر اس نے دو زندہ بچے جنے تو اقرار ان دونوں کے لیے نصف نصف ہوگا اگرچہ ان دونوں میں سے ایک مذکر ہو اور دوسرا مؤنث ہو وصیت میں حکم اسی طرح ہوگا۔ میراث کا معاملہ مختلف ہوگا۔ اگر وہ مردہ بچے جنے تو وہ چیز اس موصی اور مورث کے ورثا کے طرف لوٹادی جائے گی۔

28179۔ (قوله: لِثُبُوتِ نَسَبِهِ) پس وہ اس کے وجود کے ساتھ حکم ہوگا۔

28180۔ (قوله: لَكِنْ فِي الْجَوْهَرَةِ) سابقہ کلام جو اپنے ضمن میں لیے ہوئے تھی کہ اس معاملہ کے باخبر لوگوں کی

طرف رجوع کیا جائے گا اس پر استدراک ہے کیونکہ جو کلام مذکور ہے اسے یہ استدراک لازم نہیں آتا۔

28181۔ (قوله: وَصَحَّ لَهُ) یعنی اقرار کے وقت جس حمل کے پائے جانے کا احتمال ہو اس کے لیے اقرار صحیح ہے۔

اس کی صورت یہ ہے کہ وہ نصف سال سے کم عرصہ میں بچہ جن دے یا دو سال سے کم عرصہ میں بچہ جن دے جب کہ اس کا باپ فوت ہو چکا ہو۔ اگر وہ دو سالوں میں بچہ جنے جب کہ اس کا باپ زندہ ہو اور اس کی ماں سے اس کا وطی کرنا حلال ہو تو حمل کا اقرار (تمام نسخوں میں عبارت اسی طرح ہے حالانکہ چاہیے حمل کے لیے اقرار)۔ کیونکہ قریب ترین اوقات کی طرف حمل ٹھہرنے کا قول محال ہے۔ پس اقرار کے وقت اس کا وجود نہ حقیقت میں ثابت ہے اور نہ ہی حکماً ثابت ہے۔

28182۔ (قوله: بِخِلَافِ الْبِيرَاثِ) کیونکہ میراث میں مذکر کا حصہ دو مؤنثوں کے برابر ہوتا ہے۔

لِعَدَمِ أَهْلِيَّةِ الْجَنِينِ (وَإِنْ فَتَرَهُ بِ) مَا لَا يُتَصَوَّرُ كَهَبَةِ أَوْ (بَيْعٍ أَوْ إِقْرَاضٍ أَوْ أَبْهَمَ الْإِقْرَارَ) وَلَمْ يُبَيِّنْ سَبَبًا (لَعَلَّ) وَحَلَّ مُحْتَدُّ السُّبْهَمِ عَلَى السَّبَبِ الصَّالِحِ، وَبِهِ قَالَتِ الثَّلَاثَةُ (وَأَمَّا الْإِقْرَارُ لِلْمُضِيِّعِ) فَإِنَّهُ (صَحِيحٌ وَإِنْ بَيَّنَّ) الْمُتَقَرُّ (سَبَبًا غَيْرَ صَالِحٍ مِنْهُ حَقِيقَةً كَالْإِقْرَاضِ) أَوْ ثَمَنَ مَبِيعٍ لِأَنَّ هَذَا الْمُتَقَرُّ مَحَلٌّ لِثُبُوتِ الدَّيْنِ لِلصَّغِيرِ فِي الْجُمْلَةِ أَشْبَاهُ (أَقَرَّ بِشَيْءٍ عَلَى أَنَّهُ بِالْخِيَارِ) ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ (لَزِمَهُ بِلَا خِيَارٍ) لِأَنَّ الْإِقْرَارَ إِخْبَارٌ، فَلَا يَقْبَلُ الْخِيَارَ (وَإِنْ) وَصَلِيَّةٌ (صَدَقَهُ الْمُتَقَرُّ لَهُ) فِي الْخِيَارِ لَمْ يُعْتَبَرْ تَصْدِيقُهُ (إِلَّا إِذَا أَقَرَّ بِعَقْدٍ) بَيْعٍ (وَقَعَ بِالْخِيَارِ لَهُ) فَيَصَحُّ بِاعْتِبَارِ الْعَقْدِ إِذَا صَدَقَهُ أَوْ بَرَهِنَ فَبِذَا قَالَ (إِلَّا أَنْ يُكَذِّبَهُ الْمُتَقَرُّ لَهُ) فَلَا يَصَحُّ لِأَنَّهُ مُنْكَرٌ وَ الْقَوْلُ لَهُ (كَإِقْرَارِهِ بِدَيْنٍ بِسَبَبٍ كِفَالَةٍ عَلَى أَنَّهُ بِالْخِيَارِ فِي مُدَّةٍ، وَلَوْ الْمُدَّةُ (طَوِيلَةً) أَوْ قَصِيرَةً

کیونکہ جنین اس کا اہل نہیں۔ اگر وہ اس کی تفسیر ایسی چیز سے کرے جس کا تصور نہیں کیا جاسکتا جیسے بہہ، بیج، قرض دینا یا وہ اقرار کو مبہم رکھے اور سبب کی وضاحت نہ کرے تو اقرار لغو چلا جائے گا۔ امام ”محمد“ رحمہ اللہ نے مبہم کو صلاحیت رکھنے والے سبب پر محمول کیا ہے۔ تینوں ائمہ نے یہی فرمایا ہے۔ جہاں تک دودھ پیتے بچے کے حق میں اقرار کا تعلق ہے تو یہ صحیح ہے اگر مقرر ایسے سبب کا اقرار کرے جو حقیقت میں اس کی جانب سے نہ ہو سکتا ہو جس طرح قرض دینے یا بیع کی ثمن کا اقرار کرنا۔ کیونکہ یہ مقرر فی الجملہ صغیر کے حق میں دین کے ثبوت کا محل ہے، ”اشباہ“۔ ایک آدمی نے اس شرط پر کسی شے کا اقرار کیا کہ اسے تین دن تک اختیار ہوگا تو خیار کے بغیر وہ چیز اس پر لازم ہو جائے گی۔ کیونکہ اقرار اخبار (خبر دینا) ہے وہ خیار شرط کو قبول نہیں کرتا اگرچہ مقرر خیار میں اس کی تصدیق کرے اس کی تصدیق کا اعتبار نہیں کیا جائے گا مگر جب وہ عقد بیع کا اقرار کرے جو بیع اس کے لیے خیار کے ساتھ واقع ہو۔ پس عقد کے اعتبار سے یہ صحیح ہوگا جب وہ اس کی تصدیق کرے یا اس پر گواہیاں پیش کر دے۔ اسی وجہ سے فرمایا: مگر جب مقرر اس کو جھٹلا دے تو یہ خیار صحیح نہ ہوگا۔ کیونکہ مقرر منکر ہے اور قول منکر کا معتبر ہوگا۔ جس طرح ایک آدمی کفالت کے سبب سے دین کا اقرار کرے کہ اسے مدت میں خیار ہوگا اگرچہ مدت طویل ہو یا مختصر ہو۔

28183۔ (قوله: فَإِنَّهُ صَحِيحٌ) کیونکہ اقرار مقرر کے قبول کرنے پر موقوف نہیں ہوگا۔ اور تصدیق کے بغیر مقرر کے لیے ملکیت ثابت ہو جائے گا لیکن اس کا بطلان اس کے باطل کرنے پر موقوف ہوگا۔ جس طرح ”انقروى“ میں ہے ”سائحانی“۔ اس میں اور حمل میں فرق شارح عنقریب ذکر کریں گے۔

28184۔ (قوله: فِي الْجُمْلَةِ) اس کی صورت یہ ہے کہ اس کے ولی کے ساتھ وہ عقد کرے۔ حمل کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ اس پر کسی کی ولایت حاصل نہیں ہوتی۔

28185۔ (قوله: لَمْ يُعْتَبَرْ) مناسب تو یہ تھا کہ یہ قول کرتے فائدہ نہ لے سکتے کیونکہ ان وصیلہ کا جواب نہیں ہوتا۔ ”ح“۔

28186۔ (قوله: أَوْ قَصِيرَةً) زیادہ بہتر تو یہ ہے کہ اس کو حذف کیا جائے۔ جس طرح یہ امر مخفی نہیں۔ ”ح“۔

فَإِنَّهُ يَصِحُّ إِذَا صَدَّقَهُ لِأَنَّ الْكِفَالَهَ عَقْدٌ أَيْضًا بِخِلَافِ مَا مَرَّ لِأَنَّهَا أَفْعَالٌ لَا تَقْبَلُ الْخِيَارَ زَيْلَعِي
(الْأَمْرُ بِكِتَابَةِ الْإِقْرَارِ حُكْمًا) فَإِنَّهُ كَمَا يَكُونُ بِاللِّسَانِ يَكُونُ بِالْبَنَانِ فَلَوْ قَالَ لِلصَّكَاتِ أَكْتُبْ خَطَّ
إِقْرَارِي بِأَلْفِ عَلَى أَوْ أَكْتُبْ بَيْعَ دَارِي أَوْ طَلَاقَ امْرَأَتِي صَحَّ كَتَبَ أَمْ لَمْ يَكْتُبْ وَحَلَّ لِلصَّكَاتِ أَنْ يَشْهَدَ
إِلَّا فِي حَدِّ وَقُودٍ خَائِنَةٍ وَقَدْ مُنَّافِي الشَّهَادَاتِ عَدَمَ اعْتِبَارِ مُشَابَهَةِ الْخَطِّينِ

جب مقررہ اس کی تصدیق کر دے تو یہ صحیح ہوگا کیونکہ کفالت بھی عقد ہے۔ جو گزر چکا ہے وہ اس کے خلاف ہے۔ کیونکہ وہ ایسے افعال ہیں جو اختیار کو قبول نہیں کرتے، ”زلیعی“۔ اقرار کے لکھنے کا امر یہ حکماً اقرار ہے کیونکہ اقرار جس طرح زبان سے ہوتا ہے وہ پوروں سے گننے کے ساتھ بھی ہوتا ہے۔ اگر اس نے عرضی نوٹس سے کہا: میرا اقرار لکھو کہ مجھ پر ہزار لازم ہے یا میرے گھر کا بیع نامہ لکھو یا میری بیوی کو طلاق لکھو تو یہ اقرار صحیح ہوگا خواہ وہ عرضی نوٹس لکھے یا نہ لکھے۔ اور عرضی نوٹس کے لیے یہ حلال ہے کہ وہ حدود و قصاص کے علاوہ امور میں گواہی دے۔ ”خانیہ“۔ ہم کتاب الشہادات میں یہ پہلے بیان کر آئے ہیں کہ دو تحریروں کی مشابہت کا اعتبار نہیں ہوگا۔

28187۔ (قوله: لِأَنَّهَا أَفْعَالٌ) کیونکہ جس شے کا اقرار کیا گیا ہے وہ قرض ہوگا، غصب ہوگا، ودیعت ہوگی یا

ادھار ہوگا۔

28188۔ (قوله: بِكِتَابَةِ الْإِقْرَارِ) مگر جب عقد اجارہ لکھنے کا امر کرے تو معاملہ مختلف ہوگا جب کہ اس امر پر اس

نے گواہ بنایا تو یہ اور اس کی جانب سے جائز قرار نہ دیا ہو تو اجارہ منعقد نہیں ہوگا۔ ”اشباہ“۔

اقرار جس طرح زبان سے ہوتا ہے اسی طرح پوروں سے گننے کے ساتھ بھی ہوتا ہے

28189۔ (قوله: يَكُونُ بِالْبَنَانِ) بنان کا لفظ با اور نون کے ساتھ ہے۔ کلام کا مقتضایہ ہے کہ متن کا مسئلہ اس قبیل

سے ہے جس میں پوروں کے ساتھ اقرار کیا جاتا ہے جب کہ ظاہر یہ ہے کہ یہ زبان کے اقرار کے قبیل سے ہے۔ اس کی دلیل

کتب ام لم یکتب ہے۔ اور اس کی دلیل وہ قول ہے جو ”لمنح“ میں ”الخانیہ“ سے مروی ہے۔ کیونکہ کہا: بعض اوقات اقرار

پوروں کے ساتھ ہوتا ہے جس طرح اقرار زبان سے ہوتا ہے۔ ایک آدمی نے اپنے خلاف تحریر لکھوائی اس میں حق کا ذکر کیا یہ

عمل ایک قوم کی موجودگی میں ہوا یا اس نے ایک انسان کو املا کرائی تاکہ وہ لکھے پھر اس نے کہا: میرے خلاف فلاں کے حق

میں تم گواہ بن جاؤ تو یہ اقرار ہوگا۔ کیونکہ اس ترکیب (کلام) کا ظاہر اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ پہلا مسئلہ پوروں سے اقرار

کرنے کی مثال ہے اور دوسرا مسئلہ زبان سے اقرار کرنے کی مثال ہے تامل۔ ”ح“۔

فرع: مدیون نے یہ دعویٰ کیا کہ دائن نے اپنے ہاتھ سے ایک کاغذ پر یہ تحریر کیا تھا کہ میرا وہ دین جو فلاں کے ذمہ ہے میں

نے اسے اس دین سے بری کر دیا ہے تو یہ صحیح ہوگا اور دین ساقط ہو جائے گا۔ کیونکہ ایسی تحریر جس کا عنوان ہو وہ زبان سے کی

گئی کلام کی طرح ہوتی ہے۔ اگر یہ اس طرح نہ ہو تو نہ بری کرنا صحیح ہوگا اور نہ بری کرنے کا دعویٰ صحیح ہوگا۔ اس میں کوئی فرق

نہیں کہ یہ تحریر دائن کے مطالبہ پر ہو یا اس کے مطالبہ کے بغیر ہو، ”بزازیہ“ کتاب الدعویٰ کے چودہویں فصل کے آخر میں ہے۔ ”الاشباہ“ کے احکام الکتاہ میں ہے: جب ایک آدمی نے کوئی تحریر لکھی اور منہ سے کچھ نہ کہا تو شہادت حلال نہ ہوگی۔ ”قاضی نسفی“ نے کہا: اگر اس نے سرنامہ پر لکھا فلاں بن فلاں کا مجھ پر اتنا لازم ہے یا اس نے شروع میں لکھا فلاں کے لیے مجھ پر یہ لازم ہے تو گواہ کے لیے یہ حلال ہے کہ گواہی دے اگرچہ وہ تحریر کرنے والا یہ نہ کہے ”مجھ پر گواہ بن جاؤ“۔ عام علماء کی رائے اس سے مختلف ہے کیونکہ بعض اوقات تحریر تجربہ کے لیے ہوتی ہے اگرچہ وہ لکھے، اسے گواہوں کے ہاں پڑھے اگرچہ انہیں گواہ نہ بنائے اگر وہ ان کے ہاں پڑھتا ہے اور کہتا ہے مجھ پر اس بارے میں گواہ بن جاؤ جو اس تحریر میں ہے اگر تو وہ گواہ اس کے بارے میں جانتے ہیں جو کچھ اس میں ہے تو یہ اقرار ہوگا ورنہ اقرار نہیں ہوگا۔

قاضی نے یہ ذکر کیا ہے ایک آدمی نے دوسرے پر مال کا دعویٰ کیا اور ایک تحریر نکالی اور یہ کہا: اس مال کے بارے میں یہ مدعی علیہ کی تحریر ہے مدعی علیہ نے اس کی تحریر ہونے کا انکار کر دیا اس مدعی علیہ سے لکھنے کا مطالبہ کیا گیا جب کہ دونوں تحریروں میں ظاہر مشابہت موجود ہے جو اس پر دلالت کرتی ہے کہ یہ دونوں تحریریں ایک کاتب کی ہیں صحیح قول کے مطابق اس مدعی علیہ پر مال لازم نہیں کیا جائے گا۔ کیونکہ اس سے بڑھ کر یہاں کچھ نہیں کہہ سکتے کہ یہ میری تحریر ہے اور میں نے اسے تحریر کیا ہے لیکن مجھ پر یہ مال لازم نہیں یہاں اس طرح کی کوئی شے ثابت نہیں ہوتی مگر سمسار، بیاع اور صراف کے دفتر میں ایسی تحریر ہو تو مال لازم ہو جائے گا۔ ہم باب کتاب القاضی میں اور کتاب الشہادات میں اس کے متعلق پہلے گفتگو کر چکے ہیں۔ اسی کی مثل بزازیہ میں ہے۔

”سانحانی“ نے کہا: ”مقدسی“ میں ”الظہیریہ“ سے مروی ہے: اگر اس نے کہا: میں نے اپنی کتاب میں یہ پایا ہے کہ اس کا مجھ پر ہزار لازم ہے یا میں نے یادداشت میں، اپنے حساب میں یا اپنی تحریر میں یہ پایا ہے یا کہا: میں نے اپنے ہاتھ سے یہ لکھا ہے کہ فلاں کا مجھ پر یہ لازم ہے تو یہ سب باطل ہے۔ بلخ کے ائمہ کی ایک جماعت نے بیاع کے رجسٹر کے بارے میں کہا: بیاع کی تحریر سے جو پائے گا وہ اس پر لازم ہوگا۔ کیونکہ وہ اپنے رجسٹر میں وہی چیز تحریر کرتا ہے جو اس کا لوگوں کے ذمہ ہو یا لوگوں کا اس کے ذمہ ہو۔ وہ یہ عمل اس لیے کرتا ہے تاکہ بھول نہ جائے۔ اور غالب معمول پر عمل کرنا واجب ہوتا ہے۔

ہم نے اس سے یہ استفادہ کیا ہے کہ ہمارے ائمہ کا جو یہ قول ہے ”تحریر پر عمل نہیں کیا جائے گا“ یہ اپنے عموم پر جاری ہو گا۔ سمسار اور بیاع کے رجسٹر کا جہاں تک تعلق ہے وہ ظاہر نہیں۔ بلکہ بہتر یہ ہے کہ اسے بلخ کے ائمہ کی جماعت کی طرف منسوب کیا جائے اور اسے اس کے ساتھ مقید کیا جائے کہ یہ اس کے متعلق ہے جو غیر کا حق اس پر لازم ہو۔ یہاں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ”طرسوسی“ نے جو تحریر پر عمل کرنے کا رد کیا ہے اس کی تائید مذہب سے ہو رہی ہے۔ پس ہم اس کے علاوہ کی طرف نہیں جائیں گے۔ ہم نے کتاب القاضی الی القاضی کے باب میں جو کچھ پہلے لکھا ہے اس کی طرف نظر کیجئے۔

رَأَحَدُ الْوَرَثَةِ

وارثوں میں سے ایک وارث

18190۔ (قوله: أَحَدُ الْوَرَثَةِ) اگر سب اس کی تصدیق کر دیں لیکن فرق کے ساتھ تصدیق کریں جیسے ایک آدمی ہے جو تین بیٹے اور تین ہزار چھوڑ کر فوت ہوتا ہے بیٹوں نے اس ترکہ کو تقسیم کر لیا اور ہر ایک نے ایک ایک ہزار لے لیا تو ایک آدمی نے ان کے باپ کے خلاف تین ہزار کا دعویٰ کر دیا تو بڑے بیٹے نے مکمل دین میں مدعی کی تصدیق کی درمیانے نے دو ہزار میں اس کی تصدیق کی اور سب سے چھوٹے نے ایک ہزار میں اس کی تصدیق کی تو مدعی بڑے بیٹے سے ہزار، درمیانے سے ہزار کا 5/6 اور چھوٹے سے ہزار کا 1/3 وصول کرے گا۔ یہ امام ”ابو یوسف“ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ہے۔ امام ”محمد“ رحمۃ اللہ علیہ نے چھوٹے اور بڑے کے بارے میں یہی قول کیا ہے۔ اور درمیانے سے ایک ہزار وصول کرے گا ہر ایک کی وجہ ”الکافی“ میں ہے۔

اگر مدعی علیہ قاضی کے پاس کہے: جو کچھ مدعی کی تحریر میں ہے
اسے میں نے اپنے اوپر لازم کر لیا ہے، تو یہ اقرار نہیں

تنبیہ

اگر مدعی علیہ قاضی کے پاس کہے: مدعی کے تذکرہ میں جو کچھ اس کی تحریر موجود ہے میں نے اسے اپنے اوپر لازم کر لیا ہے تو یہ قول اقرار نہیں ہوگا۔ کیونکہ شرط کی قید اقرار کے مناسب نہیں۔ کیونکہ ہمارے اصحاب رحمۃ اللہ علیہم سے یہ ثابت ہے کہ جس نے کہا: اس نے فلاں کے خلاف جس کا اقرار کیا ہے میں اس کا اقرار کرتا ہوں تو یہ اقرار نہیں ہوگا۔ کیونکہ یہ وعدہ کے مشابہ ہے۔ ”شربلالیہ“ کی ”محیط“ میں اسی طرح ہے۔

ایک ایسے آدمی کے بارے میں جو زید سے قرض لیا کرتا تھا اور اسے واپس کر دیتا تھا پھر دونوں نے دین کی ایسی مقدار پر باہم حساب کیا جو زید کے لیے آدمی کے ذمہ تھا اس آدمی نے اقرار کیا کہ یہ قبض و حساب کا آخر ہے پھر کچھ دنوں کے بعد وہ اس کے نقص اور حساب کے اعادہ کا ارادہ کرتا ہے کیا اس کے لیے یہ نہیں؟ جواب ہوگا ہاں۔ کیونکہ ”الدرر“ کا قول ہے ”جس نے اقرار کیا اس کے لیے کوئی عذر نہیں ہوگا“۔ ”ساحانی“۔

اس میں تجارت کے دو شریکوں کے بارے میں ہے دونوں کے لیے دفاتر کی جماعت نے حساب لگایا وہ دونوں راضی ہو گئے اور مجلس ختم ہو گئی دونوں شریکوں نے یہ گمان کیا تھا کہ حساب میں جماعت صحیح ہے پھر دوسری جماعت کے ہاں حساب میں خطا واضح ہو گئی کیا صحیح حساب کی طرف لوٹا یا جائے گا؟

جواب: ہاں۔ یہ ”اشباہ“ کے قول کی بنا پر ہے: ”اس ظن کا کوئی اعتبار نہیں جس کی خطا واضح ہو چکی ہو“۔

شرکت عنان کے دو شریکوں کے بارے میں دونوں شریکوں نے حساب لگایا پھر ایک دوسرے کو بری کیے بغیر وہ دونوں آپس میں جدا ہو گئے یا شرکت پر باقی رہے پھر دونوں شریکوں میں سے ایک کو یاد آیا کہ اس نے شرکت میں سے کچھ ایسی اشیاء

أَقْرَبَ بِالذِّينِ الْمُدَّعَى بِهِ عَلَى مُوَرِّثِهِ وَجَحْدَهُ الْبَاقُونَ (يَلْزَمُهُ) الذِّينُ (كُلُّهُ) يَغْنِي إِنْ وَفَّى مَا وَرِثَهُ بِهِ
بُرْهَانٌ وَشَرْحٌ مُجْمَعٌ (وَقِيلَ حِصَّتُهُ) وَاخْتَارَهُ أَبُو اللَّيْثِ دَفْعًا لِلضَّرَرِ، وَلَوْ شَهِدَ هَذَا الْبُقْرُ مَعَ آخَرَ أَنَّ
الذِّينَ كَانَ عَلَى النِّسَبِ قُبِلَتْ وَبِهَذَا عَلِمَ أَنَّهُ لَا يَحِلُّ الذِّينُ فِي نَصِيبِهِ

نے اس دین کا اقرار کیا جس کے بارے میں مورث پر دعویٰ کیا گیا تھا باقی ورثا نے اس دین کا انکار کر دیا اس مقرر پر سارا دین لازم ہو جائے گا اگر ترکہ میں سے جو اس وارث کا حصہ بنتا ہے وہ اس دین کو پورا ہو جائے ”برہان“، ”شرح مجمع“۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس قدر دین اس کے ذمہ لازم ہوگا جس قدر وراثت میں سے اس کا حصہ بنتا ہے۔ ”ابولیس“ نے اسے اختیار کیا ہے تاکہ اس مقرر سے ضرر کو دور کیا جائے۔ اگر اس مقرر نے ایک آدمی کے ساتھ گواہی دی کہ یہ دین میت پر لازم تھا تو گواہی قبول کی جائے گی۔ اس سے یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ محض اس کے اقرار سے دین اس کے حصہ میں لاحق نہیں ہوگا

پہنچانی ہیں جس کا دونوں نے حساب نہیں کیا دوسرے نے اس کا انکار کر دیا جب کہ گواہ بھی نہیں۔ مدعی نے اس پر اپنے شریک سے قسم کا مطالبہ کر دیا تو کیا اسے یہ حق حاصل ہے کیونکہ منکر پر قسم واجب ہوتی ہے۔ جواب ہے: ہاں۔

28191۔ (قوله: أَقْرَبَ بِالذِّينِ) باب العتق فی المرض سے تھوڑا پہلے کتاب الوصایا میں یہ آئے گا۔

28192۔ (قوله: وَقِيلَ حِصَّتُهُ) اسے قیل کے لفظ کے ساتھ تعبیر کیا گیا ہے۔ کیونکہ پہلا قول ظاہر روایت ہے جس طرح مصنف کے ”فتاویٰ“ میں ہے عنقریب یہ پھر بھی آئے گا۔ ”جامع الفصولین“ میں جس وصیت کا ذکر ہے اس کے یہ خلاف ہے۔ ”جامع الفصولین“ میں ہے: وارثوں میں سے ایک اگر وصیت کا اقرار کرے تو بالاتفاق اس میں وہ چیز وصول کی جائے گی جو اس کے ساتھ خاص ہے۔ جب وہ آدمی مر جائے اور وہ تین بیٹے اور تین ہزار درہم چھوڑے اور ہر بیٹے نے ایک ہزار وصول کر لیا ہو تو ایک آدمی دعویٰ کر دے کہ میت نے اس کے حق میں اپنے مال میں سے ایک تہائی کی اس کے حق میں وصیت کی تھی بیٹوں میں سے ایک نے اس کی تصدیق کر دی تو قیاس یہ ہے کہ اس کے قبضہ میں جو مال ہے اس میں سے 3/5 وصول کر لیا جائے۔ یہی امام ”زفر“ کا قول ہے۔ استحسان یہ ہے اس سے اس کا ایک تہائی وصول کیا جائے گا جو اس کے قبضہ میں ہے یہی ہمارے عام علما کا قول ہے۔

ہماری دلیل یہ ہے مقرر نے ایک ہزار مشترک کا اقرار کیا ہے جو مشترک پورے مال میں موجود ہے اس کا ایک تہائی اس مقرر کے قبضہ میں ہے اور اس کے دو تہائی اس کے دو شریکوں کے پاس ہے اس کے قبضہ میں جو مال ہے اس میں اس کا اقرار قبول کیا جائے گا۔ اور جو مال غیر کے قبضہ میں ہے اس میں اس کے اقرار کو قبول نہ کیا جائے گا۔ پس ضروری ہوگا کہ مقرر کے قبضہ میں جو مال ہے اس کا ایک تہائی موصی لہ کے سپرد کر دیا جائے۔

28193۔ (قوله: وَلَوْ شَهِدَ هَذَا الْبُقْرُ مَعَ آخَرَ) ”جامع الفصولین“ میں ہے، ”ح“۔ قاضی کو چاہیے کہ وہ مدعی علیہ سے سوال کرے کیا تیسرا مورث فوت ہو چکا ہے اگر وہ کہے: ہاں، تو اس سے مال کے دعویٰ کے بارے میں سوال کرے گا۔ اگر وہ اقرار کر لے اور باقی وارث اس کو جھٹلا دیں قاضی اس کے اقرار سے فیصلہ نہ کرے یہاں تک کہ یہ مقرر اور اس کے

بِسُجْرَةِ إِقْرَارِهِ بَلْ بِقَضَاءِ الْقَاضِي عَلَيْهِ بِإِقْرَارِهِ فَلْتَحْفَظْ هَذِهِ الزِّيَادَةُ دُرٌّ وَأَشْهَدَ عَلَى الْفِ فِي مَجْلِسٍ وَأَشْهَدَ رَجُلَيْنِ آخَرَيْنِ

بلکہ قاضی اس کے اقرار کی وجہ سے جب فیصلہ کرے گا تب اس کے حصہ میں لاحق ہوگا۔ اس زیادتی کو یاد رکھنا چاہیے، ”درر“۔ ہزار پر ایک مجلس میں گواہ بنائے اور دوسری مجلس میں دو اور آدمیوں کو گواہ بنایا

ساتھ ایک اجنبی گواہی نہ دے پھر وہ اسے قبول کرے گا اور تمام وارثوں کے خلاف فیصلہ کر دے گا اس کے اقرار کی وجہ سے فیصلہ کرنے کے بعد اس کی شہادت قبول نہ کی جائے گی۔ اگر وہ گواہیاں قائم نہ کرے تو وارث کا اقرار کرے یا قسم سے انکار کرے تو ظاہر روایت کے مطابق مقرر کے حصہ سے تمام دین وصول کیا جائے گا۔ کیونکہ وہ اس امر کا اقرار کرتا ہے کہ دین کا درجہ اس کی وراثت پر مقدم ہے۔

”ث“ نے کہا: یہی قیاس ہے لیکن میرے نزدیک مختار یہ ہے کہ اس مقرر پر وہی چیز لازم ہوگی جو اس کے حصہ میں آئی ہے۔ یہ امام شعبی، امام حسن بصری، امام مالک، سفیان ثوری، ابن ابی لیلیٰ رحمہ اللہ وغیرہم کا نقطہ نظر ہے جنہوں نے ان جلیل القدر علما کی پیروی کی۔ یہ قول زیادہ عدل پر مبنی ہے اور اسے ضرر پہنچانے سے دور ہے۔

اگر مدعی گواہیاں قائم کر دے تو اس سے وہی چیز وصول کی جائے گی جو اس کے ساتھ خاص ہے یہ قول متفق علیہ ہے۔ انتہی یہ صورت باقی رہ گئی ہے اگر دونوں گواہ ترکہ کی تقسیم کے بعد کسی ایک وارث کے خلاف اس کے دین پر گواہیاں پیش کر دیں تو کیا دائن کو حق حاصل ہے کہ وہ موجود وارث کے حصہ سے تمام دین وصول کر لے۔

مصنف نے اپنے فتاویٰ میں ارشاد فرمایا: علما نے اس میں اختلاف کیا ہے۔ بعض علما نے ارشاد فرمایا: ہاں۔ جب غائب واپس آئے گا تو یہ حاضر وارث اس سے واپس لے لے گا۔

بعض علما نے فرمایا: وہ اس سے نہیں لے گا مگر حاضر سے اتنا وصول کرے گا جو اس کے ساتھ خاص ہے۔ ملخص ”جامع الفصولین“ میں بھی ہے: اسی طرح اگر طالب اس مقرر کے خلاف گواہیاں پیش کر دے تو اس کے خلاف گواہیاں سنی جائیں گی جس طرح عین پر قبضہ کرنے والے وکیل کا معاملہ ہے اگر وہ آدمی اقرار کرے، جس کے پاس وہ عین موجود ہے، کہ یہ اس شے پر قبضہ کرنے کا وکیل ہے تو اس کا اقرار کافی نہیں ہوگا۔ وکیل کو اس امر کا مکلف بنایا جائے گا کہ وہ وکالت کو ثابت کرنے کے لیے گواہیاں پیش کرے یہاں تک کہ اسے قبضہ کرنے کا حق ثابت ہو یہاں بھی معاملہ اسی طرح ہے۔

28194۔ (قولہ: بِسُجْرَةِ إِقْرَارِهِ) اگر محض اقرار سے دین اس کے حصہ میں واقع ہو جاتا ہو تو اس کی شہادت قبول نہ کی جائے گی کیونکہ جو چٹی اس کے ذمہ لازم ہوتی ہے وہ اس کے ساتھ اپنی ذات سے دور کرنے کا اہتمام کرتا ہے، ”باقانی“، ”درر“۔ ”حاشیہ“ میں اسی طرح ہے۔

28195۔ (قولہ: أَشْهَدَ عَلَى الْفِ الْخ) مصنف نے ”المنح“ میں ”الحانیہ“ سے ”امام صاحب“ رحمۃ اللہ کی دو روایتیں نقل کی ہیں۔ متن میں جو قول ہیں ان میں سے کوئی ایک بھی نہیں۔

فِي مَجْلِسٍ آخَرَ بِلَا بَيَانِ السَّبَبِ (لَزِمَ الْمَالَانِ) (أَلْفَانِ)

جب کہ سبب بیان نہ کیا تو دونوں ہزار لازم ہو جائیں گے

ایک روایت یہ ہے: دونوں مال اس پر لازم ہوں گے اگر وہ دوسری مجلس میں پہلے ہی دونوں گواہوں کو گواہ بنائے۔ اگر ان دونوں کے علاوہ کو گواہ بنائے تو مال ایک ہی ہوگا۔

زیادہ مناسب یہ ہے کہ اگر وہ ہر اقرار پر گواہ لائے تو دونوں مال مکمل طور پر اس پر لازم ہوں گے خواہ وہ دوسرے اقرار پر پہلے ہی گواہوں کو گواہ بنائے یا اور گواہوں کو گواہ بنائے۔

دونوں مالوں کا لزوم اس صورت میں ہے اگر وہ دوسری مجلس میں دو گواہ بنائے جو کچھ ذکر کیا گیا ہے۔ یہ ان میں سے ایک بھی نہیں۔

”درر“ میں ”امام صاحب“ رحمۃ اللہ علیہ سے پہلے روایت نقل کی گئی ہے اور دوسری کو اس سے بدل دیا جسے مصنف نے ذکر کیا یہ انداز ان کی متابعت کی وجہ سے اپنایا ہے۔

ہم نے جو ذکر کیا ہے ”عزمیہ“ میں اس کے ساتھ اعتراض کیا گیا ہے۔ اور یہ کہا گیا کہ یہ تیسرا قول اپنی جانب سے پیش کرنا ہے جو کسی طرف بھی منسوب نہیں اور کتابوں میں بھی مذکور نہیں۔

28196۔ (قوله: فِي مَجْلِسٍ آخَرَ) یہ صورت مختلف ہوگی پہلے ایک آدمی کو گواہ بنایا اور دوبارہ ایک اور کو گواہ بنایا یہ عمل ایک جگہ ہو یا دو جگہوں میں ہو بالاتفاق مال ایک ہی ہوگا۔ اسی طرح اگر پہلے مال پر ایک آدمی کو گواہ بنائے اور دوسرے مال پر زیادہ افراد کو گواہ بنائے جب کہ وہ دوسری مجلس میں ہو۔ تو ”صاحبین“ رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک ایک مال لازم ہوگا اور ”امام صاحب“ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک معاملہ اسی طرح ہے یہ ظاہر روایت کے مطابق ہے۔ ”منح“۔

28197۔ (قوله: لَزِمَ الْمَالَانِ) یہ بات ذہن نشین رہے کہ تکرار کا اقرار اس امر سے خالی نہیں ہوگا کہ وہ کسی سبب کے ساتھ مقید ہوگا یا مطلق نہ ہوگا۔ اگر پہلی صورت ہو (یعنی سبب کے ساتھ مقید ہو) تو اس کی دو صورتیں ہیں یا تو سبب متحد ہوگا تو ایک مال لازم ہوگا اگرچہ مجلس مختلف ہو یا سبب مختلف ہوگا تو مطلقاً دو مال لازم ہوں گے۔

اگر وہ مطلق ہو یا تو دستاویز کے ساتھ ہوگا یا دستاویز کے بغیر ہوگا پہلے کی پھر دو صورتیں ہیں یا تو ایک دستاویز کے ساتھ ہوگا تو مال مطلقاً ایک ہوگا۔ یا دو دستاویزات کے ساتھ ہوگا تو مطلقاً دو مال لازم ہوں گے۔ جہاں تک دوسری صورت کا تعلق ہے اگر اقرار ایک جگہ میں ہو تو ”امام صاحب“ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک دونوں مال لازم ہوں گے۔ اور ”صاحبین“ رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک ایک مال لازم ہوگا مگر جب مطلوب یہ کہ وہ دونوں دو مال ہوں گے اگر پہلے دو گواہوں کے علاوہ کو گواہ بنایا تو دونوں مال لازم ہوں گے۔ ایک دوسری جگہ آپ سے اس کے برعکس مروی ہے۔ وہ یہ ہے کہ اگر مشہود ایک ہے تو ”امام صاحب“ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک دو مال لازم ہوں گے ورنہ ”صاحبین“ رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک ایک مال لازم ہوگا۔ جہاں تک ”امام صاحب“ رحمۃ اللہ علیہ کا تعلق ہے تو مشائخ کا اختلاف ہے۔ ان میں سے کچھ وہ ہیں جنہوں نے کہا ”امام صاحب“ رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے مطابق دو مال لازم

كَمَا اخْتَلَفَ السَّبَبُ بِخِلَافِ مَا لَوْ اتَّحَدَ السَّبَبُ أَوْ الشُّهُودُ أَوْ أَشْهَدَ عَلَى صَاحِدٍ أَوْ أَقَرَّ عِنْدَ الشُّهُودِ ثُمَّ عِنْدَ الْقَاضِي أَوْ بَعَكْسِهِ ابْنُ مَلِكٍ، وَالْأَصْلُ أَنَّ الْمُعَرَّفَ أَوْ الْمُتَكَرَّرَ إِذَا أُعِيدَ مُعَرَّفًا كَانَ الثَّانِي عَيْنَ الْأَوَّلِ أَوْ مُتَكَرَّرًا فَغَيْرُهُ

جس طرح سبب مختلف ہو۔ اگر سبب متحد ہو یا گواہ وہی ہوں یا ایک ہی دستاویز پر گواہ بنائے یا گواہوں کے سامنے اس نے اقرار کیا پھر قاضی کے سامنے اقرار کیا یا اس کے برعکس کیا، ”ابن ملک“۔ قاعدہ یہ ہے کہ معرف باللام یا اسم نکرہ کو دوبارہ معرف باللام لایا جائے تو دوسرا پہلے کا عین ہوتا ہے جب دوبارہ اسے نکرہ لایا جائے تو وہ پہلے کا غیر ہوتا ہے۔

ہوں گے اور استحسان میں ہے کہ ایک مال لازم ہوگا۔ امام ”سرخسی“ اسی طرف گئے ہیں۔ علما میں سے کچھ وہ ہیں جو یہ کہتے ہیں۔ امام ”کرخی“ کے قول کے مطابق دو مال لازم ہوں گے امام ”طحاوی“ کے قول کے مطابق ایک مال لازم ہوگا۔ ”شیخ الاسلام“ اسی طرف گئے ہیں یہ ”تاتر خانیہ“ سے ملخص ہے۔ یہ سب کچھ شرح سے مفہوم ہے۔ اس بحث سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ متن میں جو قول ہے یہ منقول روایت ہے اور ”الدرر“ کے اوپر ”عزمیہ“ کا اعتراض مردود ہے۔ کیونکہ انہوں نے اس قول کو ایسا قول قرار دیا ہے جو اپنی طرف سے کہا گیا یہ کتب میں مذکور نہیں جب کہ اس امر کا سہارا لیا تھا کہ ”خانیہ“ میں مسئلہ میں دو روایتیں ہیں۔ ایک روایت یہ ہے: اگر گواہ وہی ہوں تو دو مال لازم ہوں گے ورنہ ایک مال لازم ہوگا۔ دوسری روایت یہ ہے: دو مال لازم ہوں گے۔ اگر ہر اقرار پر دو گواہ بنائے وہ دونوں گواہ ایک ہی ہوں یا وہ نہ ہوں۔ ”الولوالجیہ“ میں مسئلہ تو واضح کیا ہے پس اس کی طرف رجوع کیجئے۔

28198۔ (قوله: كَمَا اخْتَلَفَ السَّبَبُ) اگرچہ ایک مجلس میں ہو، ”بزازیہ“ میں ہے۔ صفت کو سبب کی طرح بنا دیا ہے کیونکہ کہا: اگر اس نے ہزار سفید کا اقرار کیا پھر ہزار سیاہ کا اقرار کیا تو دو مال لازم ہوں گے۔ اگر مقرر نے سبب کے مختلف ہونے کا دعویٰ کیا اور مقرر نے سبب کے متحد ہونے کا دعویٰ کیا یا صک اور وصف کے معاملہ میں یہ اختلاف ہو تو قول مقرر کا معتبر ہوگا۔ اگر سبب متحد ہو اور دوسرا مال زیادہ ہو تو دو مال واجب ہوں گے اور ”صاحبین“ رحمہ اللہ علیہما کے نزدیک اکثر مال لازم ہوگا۔ ”سامحانی“۔

28199۔ (قوله: اتَّحَدَ السَّبَبُ) اس کی صورت یہ ہے: وہ کہتا ہے اس کا مجھ پر اس غلام کا ہزار روپے لازم ہے پھر اس کے بعد اس مجلس میں یا کسی اور مجلس میں اقرار کرے۔ ”منخ“۔

28200۔ (قوله: أَوْ الشُّهُودُ) یہ وہ صورت ہے جس طرف ”امام سرخسی“ گئے ہیں جس طرح سابقہ گفتگو سے تو جان

چکا ہے۔

28201۔ (قوله: ثُمَّ عِنْدَ الْقَاضِي) اسی طرح کا حکم ہوگا اگر وہ سب قاضی کے پاس مجلس میں ہو۔ ”ط“۔

28202۔ (قوله: وَالْأَصْلُ أَنَّ الْمُعَرَّفَ) جس طرح متحد سبب کی صورت میں اقرار ہو۔

28203۔ (قوله: أَوْ الْمُتَكَرَّرَ) جس طرح دو سبب ہوں اور سبب سے مطلق ہو۔

وَلَوْ نَسِيَ الشَّهُودُ أَوْ مَوْطِنٍ أَوْ مَوْطِنَيْنِ فَهَمَّا مَالَانِ مَا لَمْ يُعْلَمْ اتِّحَادُهُ وَقِيلَ وَاحِدٌ وَتَسَامُهُ فِي الْخَائِنَةِ (أَقْرَأَ ثُمَّ ادَّعَى) الْمُقَرَّرُ (أَنَّهُ كَاذِبٌ فِي الْإِقْرَارِ يَخْلِفُ الْمُقَرَّرُ لَهُ أَنَّ الْمُقَرَّرَ لَمْ يَكُنْ كَاذِبًا فِي إِقْرَارِهِ) عِنْدَ الثَّانِي وَبِهِ يُفْتَى دُرًّا (وَكَذَا) الْحُكْمُ يَجْرِي (لَوْ ادَّعَى وَارِثُ الْمُقَرَّرِ) فَيَخْلِفُ (وَإِنْ كَانَتْ الدَّعْوَى عَلَى وَرَثَةِ الْمُقَرَّرِ لَهُ فَالْيَسِينُ عَلَيْهِمْ) بِالْعِلْمِ أَنَّا لَا نَعْلَمُ أَنَّهُ كَانَ كَاذِبًا صَدْرُ الشَّرِيعَةِ

اگر گواہ یہ بھول جائیں کہ اس نے ایک جگہ اقرار کیا تھا یا دو جگہ اقرار کیا تھا تو یہ اس وقت تک دو مال ہوں گے جب تک ان کا ایک ہونا معلوم نہ ہو ایک قول یہ کیا گیا ہے وہ ایک مال ہوگا جس کی مکمل بحث ”الخانیۃ“ میں ہے۔ ایک آدمی نے اقرار کیا پھر مقرر نے دعویٰ کیا کہ وہ اقرار میں جھوٹا ہے مقررہ سے یہ قسم لی جائے گی کہ وہ اپنے اقرار میں جھوٹا نہیں۔ یہ امام ”ابو یوسف“ رحمہ اللہ کے نزدیک ہے۔ اسی پر فتویٰ دیا جاتا ہے ”درر“۔ اسی طرح حکم جاری ہوگا اگر مقرر کا وارث اسی چیز کا دعویٰ کر دے پس اس سے قسم لی جائے گی اگر دعویٰ مقررہ کے ورثہ کے خلاف ہو تو ان سے یہ قسم لی جائے گی کہ وہ اس کو نہیں جانتے کہ مقرر جھوٹا تھا۔ ”صدر الشریعہ“۔

28204۔ (قوله: وَلَوْ نَسِيَ الشَّهُودُ) اس کی صورت یہ ہے کہ متعدد بار گواہ بنائے گئے ہوں۔

28205۔ (قوله: وَتَسَامُهُ فِي الْخَائِنَةِ) ”السخ“ میں اسے نقل کیا ہے۔

28206۔ (قوله: أَقْرَأَ) ایک آدمی نے دین یا کسی اور چیز کا اقرار کیا جس طرح ”کنز“ کے آخر میں ہے۔

28207۔ (قوله: ثُمَّ ادَّعَى) ”الکنز“ میں اس مسئلہ کو کتاب الفرائض کے مسائل شتی میں اس کا ذکر کیا ہے۔

28208۔ (قوله: وَبِهِ يُفْتَى) یہی پسندیدہ نقطہ نظر ہے، ”بزازیہ“۔ اس کا ظاہر یہ ہے کہ مقرر جب اس امر کا دعویٰ

کرے کہ اقرار جھوٹا تھا تو مقررہ یا اس کے وارث سے قسم لی جائے گی۔ یہ امام ”ابو یوسف“ رحمہ اللہ کا قول ہے۔ یہی مطلقاً مفتی بہ ہے خواہ وہ معاملہ اس طرح نہیں ہے۔ کیونکہ کتاب الصلح میں مصنف کے قول اقرار بسال فی ملک و اشہد علیہ بہ ثم ادعی ان بعض هذا السال المقر به قرض و بعضه ربا الخ سے پہلے آئے گا۔ کیونکہ شارح نے ”شرنبالی“ کی ”شرح الوہبانیہ“ سے جو نقل کیا ہے وہ اس پر دلالت کرتا ہے کہ امام ”ابو یوسف“ رحمہ اللہ کے قول پر فتویٰ دیا جاتا ہے کہ مقررہ سے یہ قسم لی جائے گی کہ مقرر نے جھوٹ بولتے ہوئے ایسی صورت میں اقرار نہیں کیا جس میں یہ امر پایا جاتا ہو کہ مقرر اقرار میں جھوٹ بولنے پر مجبور تھا جس طرح اس صورت میں ہے جو گزر چکی ہے وغیرہا۔

شیخ ”محمد ابی سعود“ مصری کے ”حاشیہ مسکین“ میں اسی طرح ہے۔ اس میں ہے کہ اس پر محمول کرنا متعین نہیں ہوتا کیونکہ وہاں عبارت اس میں اور اس کی مثل میں ہے اور ان کا قول و نحوہ احتمال رکھتا ہے کہ اس سے مراد ہر اس صورت میں ہو کہ جو اقرار کے بعد مطلق رجوع میں ہو اس کے بعد ان کا جو قول ہے وہ اس پر دلالت کرتا ہے مصنف نے اس کو جزم کے ساتھ بیان کیا ہے پس اس کی طرف رجوع کیجئے۔

28209۔ (قوله: فَيَخْلِفُ) یعنی مقررہ سے قسم لی جائے گی۔ بعض علماء نے فرمایا: اس سے قسم نہیں لی جائے گی

”بزازیہ“۔ اصح قول یہ ہے کہ اس سے قسم لی جائے گی۔ ”حامدیہ“ نے ”صدر الشریعہ“ سے نقل کیا ہے۔ ”جامع الفصولین“ میں ہے: اس نے اقرار کیا ہے پھر وہ مرگیا تو اس کے ورثا نے کہا: اس نے جھوٹا اقرار کیا تھا تو اس کا اقرار جائز نہ ہوگا اور مقررہ اسے جانتا ہے تو ورثا کو حق حاصل نہیں کہ وہ مقررہ سے قسم لیں۔ کیونکہ اقرار کے وقت ورثا کا حق مقرر کے مال سے متعلق نہیں ہوا تھا۔ پس اقرار صحیح ہوگا جب ان کا حق متعلق ہو تو مقررہ کا حق بھی ثابت ہو گیا تھا۔ ”ص“۔

ایک آدمی نے مال کا اقرار کیا تو اس کے ورثا نے کہا: اس نے تجھ کے طور پر اقرار کیا مقررہ یہ قسم اٹھائے گا: اللہ کی قسم اس نے تیرے حق میں صحیح اقرار کیا ہے۔ ”ط“۔

ایک وارث نے دعویٰ کیا کہ اس کے مورث نے تجھ کی غرض سے اقرار کیا۔ بعض نے کہا: اسے حق حاصل ہوگا کہ مقررہ سے قسم لے اگر وہ دعویٰ کرے کہ اس نے جھوٹا اقرار کیا ہے تو اس کا قول قبول نہیں کیا جائے گا۔ ”نور العین“ میں کہا: حقیر کہتا ہے: چاہیے کہ ظاہر کے اعتبار سے حکم دونوں مسئلوں میں ایک ہی ہو کیونکہ جھوٹ بولنے کی حالت میں اقرار پناہ لینے کی صورت میں بھی موجود ہے۔ شاید فرق یہ ہو کہ تجھ (پناہ لینا) یہ ہو کہ دونوں شخصوں میں سے ایک یا دونوں اعلانیہ ایسی چیز ظاہر کر دیں جو اس کے برعکس ہو جس پر دونوں نے مخفی طریقہ سے اتفاق کیا ہے۔

تجھ کے دعویٰ میں وارث، مقررہ کے خلاف ایک فعل کا دعویٰ کرتا ہے وہ مخفی طریقہ سے مقرر کے ساتھ موافقت ہے اسی وجہ سے اس سے قسم کا مطالبہ کیا جاتا ہے جھوٹے اقرار کا معاملہ مختلف ہے جس طرح یہ امر اس پر مخفی نہیں جسے صاف فہم عطا کیا گیا ہو۔ یہ پندرہویں فصل کے آخر سے ماخوذ ہے۔

پھر یہ امر ذہن نشین رہے جھوٹے اقرار کے دعویٰ کو سنا جائے گا جب وہ عام ابرائہ ہو، اگر وہ عام ابراہ ہو تو اس دعویٰ کو نہیں سنا جائے گا لیکن ”ابن نجیم“ کا رسالہ ہے: ایک ایسی عورت کے بارے میں جس نے اپنی صحت کی حالت میں فلاں بیٹی کے لیے اقرار کیا پھر دونوں کے درمیان عام براءت واقع ہوئی پھر ماں مر گئی وصی نے دعویٰ کر دیا کہ وہ جھوٹ بول رہی ہے تو انہوں نے اس کے دعویٰ کے سماع اور پجی سے قسم لینے اور قسم لینے سے قبل فیصلہ نہ کرنے کا حکم دیا۔ کیونکہ یہ ایسا حکم ہوگا جو مفتی بہ قول کے خلاف ہوگا اور اس امر کا فتویٰ دیا کہ یہاں بری کرنا دعویٰ کے سماع کے منافی نہیں۔ کیونکہ وصی اس امر کا دعویٰ کرتا ہے کہ کوئی شے لازمی نہیں یہ صورت مختلف ہوگی جب مقرر اقرار کا مال مقررہ کے حوالے کر دے تو اسے حق حاصل نہیں ہوگا کہ وہ مقررہ سے قسم لے کیونکہ وہ مال کے واپس لینے کا دعویٰ کرتا ہے اور بری کرنا یہ اس سے مانع ہے۔ جہاں تک پہلی صورت کا تعلق ہے تو اس نے کیونکہ کسی شے کی واپس لینے کا دعویٰ نہیں کیا وہ اپنی ذات کا دفاع کرتا ہے پس دونوں صورتیں مختلف ہو گئیں۔

بَابُ الْإِسْتِثْنَاءِ

وَمَا فِي مَعْنَاهُ فِي كَوْنِهِ مُغَيَّرًا كَالشَّرْطِ وَنَحْوِهِ (هُوَ) عِنْدَنَا (تَكَلُّمٌ بِالْبَاقِي بَعْدَ الشُّيَا بِاعْتِبَارِ الْحَاصِلِ مِنْ مَجْمُوعِ التَّرَكِيبِ وَنَفْيِ وَإِثْبَاتِ بِاعْتِبَارِ الْأَجْزَاءِ) فَالْقَائِلُ لَهُ عَلَى عَشْرَةٍ إِلَّا ثَلَاثَةً لَهُ عِبَارَتَانِ مَطْوَلَةٌ وَهِيَ مَا ذَكَرْنَاهُ وَمُخْتَصَرَةٌ وَهِيَ أَنْ يَقُولَ ابْتِدَاءً لَهُ عَلَى سَبْعَةٍ، وَهَذَا مَعْنَى قَوْلِهِمْ تَكَلُّمٌ بِالْبَاقِي بَعْدَ الشُّيَا أَيْ بَعْدَ الْإِسْتِثْنَاءِ (وَشَرْطٌ فِيهِ الْإِتِّصَالُ) بِالْمُسْتَثْنَى مِنْهُ (إِلَّا لِضْرُورَةٍ كَنَفْسٍ أَوْ سُعَالٍ أَوْ اخْتِصَامٍ) بِهِ يُفْتَى (وَالْبَدَاءُ بَيْنَهُمَا لَا يَضُرُّ) لِأَنَّهُ لِلتَّنْبِيهِ وَالتَّشْكِيدِ (كَقَوْلِهِ لَكَ عَلَى أَلْفٍ دِرْهَمٍ يَا فُلَانُ إِلَّا عَشْرَةً بِخِلَافِ لَكَ عَلَى أَلْفٍ فَاشْهَدُوا إِلَّا كَذَا وَنَحْوَهُ) مِمَّا يُعَدُّ فَاصِلًا

استثنا کے احکام

یہ باب استثنا اور جو اس کے معنی میں ہے جو اس کلام کو تبدیل کر دے جیسے شرط وغیرہ ہمارے نزدیک (احناف کے نزدیک) استثنا کے بعد جو باقی ماندہ چیز ہوتی ہے اسی کا تکلم مراد ہے یہ اس تمام کلام، نفی اور اثبات کا اجزاء کے اعتبار سے حاصل ہونا ہے یہ قول کرنے والا اس کا مجھ پر دس مگر تین ہیں اس کی دو عبارتیں ہیں ایک طویل، وہ وہ ہے جو ہم نے ذکر کر دی ہے۔ اور ایک مختصر وہ یہ ہے کہ وہ ابتدا میں یہی کہے: اس کے مجھ پر سات لازم ہیں۔ علماء نے جو یہ کہا: تکلم بالباقی الشیء کا یہی مطلب ہے۔ اس میں مستثنیٰ کو مستثنیٰ منہ کے ساتھ متصل کرنا شرط ہے مگر کوئی ضرورت پیش آ جائے جیسے سانس لینے، کھانسی آنے یا اس کے منہ پر ہاتھ رکھنے کی صورت میں اتصال باقی نہ رہے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ اس پر فتویٰ دیا گیا۔ درمیان میں ندایہ کوئی نقصان نہیں دیتی۔ کیونکہ یہ تنبیہ اور تاکید کے لیے ہوتی ہے جس طرح ان کا یہ قول ہے: تیرا مجھ پر ہزار درہم ہے اے فلاں مگر دس۔ یہ صورت مختلف ہوگی: تیرا مجھ پر ہزار ہے گواہ رہنا مگر اتنے۔ اس جیسی صورت کو فاصل شمار کیا جائے

28210۔ (قوله: تَكَلُّمٌ بِالْبَاقِي) معنی کے اعتبار سے یہ باقی ماندہ کا تکلم ہے صورت کے اعتبار سے باقی ماندہ کا تکلم

نہیں۔ ”درر“۔

28211۔ (قوله: بَعْدَ الشُّيَا) شیا کا لفظ ضمہ پر سکون کے ساتھ ہے یعنی پہلا حرف مضموم اور دوسرا ساکن ہے اس

کے آخر میں الف مقصورہ ہے یہ استثنا سے اسم ہے۔ ”سانحانی“۔

استثنا کے صحیح ہونے کے لیے مستثنیٰ کا مستثنیٰ منہ کے ساتھ اتصال ضروری ہے

28212۔ (قوله: لِأَنَّهُ لِلتَّنْبِيهِ) یہ مخاطب کو تنبیہ اور تاکید کے لیے ہوتی ہے۔ کیونکہ منادی ہی مخاطب ہوتا ہے اس

سے یہ امر مستفاد ہوتا ہے اگر منادی، مقررہ کے علاوہ کوئی اور ہو تو پھر یہ مضر ہوگا۔ ”جوہرہ“ سے اسے نقل کیا ہے لیکن میں نے

لأنَّ الإِشْهَادَ يَكُونُ بَعْدَ تَمَامِ الإِقْرَارِ فَلَمْ يَصَحَّ الإِسْتِثْنَاءُ (فَمَنْ اسْتَثْنَى بَعْضَ مَا أَقَرَّ بِهِ صَحَّ اسْتِثْنَاؤُهُ وَلَوْ أَكْثَرَ عِنْدَ الْكَثَرِ (وَلَزِمَهُ الْبَاقِي) وَلَوْ مِمَّا لَا يُقْسَمُ كَ هَذَا الْعَبْدُ لِفُلَانٍ إِلَّا ثُلُثُهُ أَوْ ثُلُثِيهِ صَحَّ عَلَى الْمَذْهَبِ (و) الإِسْتِثْنَاءُ (الْمُسْتَعْرِقُ بَاطِلٌ، وَلَوْ فِيمَا يَقْبَلُ الرُّجُوعَ كَوْصِيَّةٍ) لِأَنَّ اسْتِثْنَاءَ الْكُلِّ لَيْسَ بِرُّجُوعٍ بَلْ هُوَ اسْتِثْنَاءٌ فَاسِدٌ هُوَ الصَّحِيحُ جَوْهَرَةٌ وَهَذَا (إِنْ كَانَ) الإِسْتِثْنَاءُ (بِ) عَيْنٍ (لَفِظِ الصَّدْرِ أَوْ مُسَاوِيَةٍ) كَمَا يَأْتِي (وَإِنْ بَغَيْرِهَا) كَعَبِيدِي أَحْرَارٌ إِلَّا هَؤُلَاءِ أَوْ إِلَّا سَالِمًا وَغَانِمًا وَرَاشِدًا وَمِثْلُهُ نِسَائِي طَوَالِقُ إِلَّا هَؤُلَاءِ أَوْ إِلَّا زَيْنَبَ وَعَمْرَةَ وَهِنْدَ (وَهُمُ الْكُلُّ صَحَّ) الإِسْتِثْنَاءُ وَكَذَا ثُلُثُ مَالِي لِزَيْدٍ إِلَّا أَلْفًا وَالثُّلُثُ أَلْفٌ صَحَّ فَلَا يَسْتَحِقُّ شَيْئًا إِذَا الشَّرْطُ إِبْهَامُ الْبَقَاءِ

کیونکہ گواہ بنانے کا عمل اقرار کے مکمل ہونے کے بعد ہوتا ہے پس استثناء صحیح نہ ہوئی۔ اگر اس نے جس چیز کا اقرار کیا تھا اس کے بعض کی استثناء کر دے تو اس کی استثناء صحیح ہوگی اگرچہ استثناء اس کا اکثر ہو اور باقی ماندہ اس پر لازم ہوگا اگرچہ وہ چیز ان چیزوں میں سے ہو جو تقسیم کو قبول نہیں کرتیں جس طرح وہ یوں اقرار کرے یہ غلام فلاں کے لیے ہے مگر اس کا ایک تہائی یا اس کے دو تہائی یہ صحیح مذہب کے مطابق صحیح ہے۔ ایسی استثناء جو پورے اقرار کو محیط ہو وہ باطل ہے اگرچہ اس امر میں ہو جو رجوع کو قبول کرتا ہو جیسے وصیت۔ کیونکہ اس کی استثناء یہ رجوع نہیں بلکہ یہ فاسد استثناء ہے۔ یہی قول صحیح ہے ”جوہرہ“۔ یہ حکم اس صورت میں ہے اگر استثناء صدر کلام کے لفظ کے عین کے ساتھ ہو یا اس کے ہم مرتبہ سے ہو جس طرح آرہا ہے اگر استثناء غیر کے ساتھ ہو جیسے وہ قول کرے: میرے تمام غلام آزاد مگر یہ یا مگر سالم، غانم اور راشد۔ اسی کی مثل ہے: میری بیوی کو طلاق مگر ان کو یا مگر زینب، عمرہ اور ہند کو جب کہ وہی وہ سب ہیں تو استثناء صحیح ہوگی۔ اسی طرح میرے مال کا ایک تہائی زید کے لیے ہے مگر ہزار اور ایک تہائی ہی ہزار ہے تو استثناء صحیح ہوگی وہ کسی شے کا مستحق نہیں ہوگا۔ کیونکہ شرط باقی ماندہ کا وہم دلانا ہے

اس میں یہ قول نہیں دیکھا لیکن ”غایۃ البیان“ میں کہا: اگر اس نے کہا: فلاں کے مجھ پر ایک ہزار درہم لازم ہیں اے فلاں مگر دس تو یہ جائز ہوگا۔ کیونکہ اس نے ندا کو مخصوص شخص کے لیے اخبار کے قائم مقام ذکر کیا ہے۔ یہ اس کا صیغہ ہے پس اسے فاصل شمار نہیں کیا جائے گا، تاہل۔ ”الولوالبحیہ“ میں ہے: کیونکہ ندا مخاطب کی تنبیہ کے لیے ہے جب کہ خطاب اور اقرار کی تاکید کے لیے ندا کی ضرورت ہوتی ہے پس یہ ندا اقرار میں سے ہو جائے گی۔

28213۔ (قوله: وَلَوْ أَكْثَرَ) یعنی مستثنی نصف سے زائد ہو۔ ”حاشیہ“ میں اسی طرح ہے۔

28214۔ (قوله: لَفِظِ الصَّدْرِ) جس طرح وہ کہے: عبیدی احرار الا عبیدی میرے غلام آزاد ہیں مگر میرے غلام۔

28215۔ (قوله: مُسَاوِيَةٍ) جس طرح اس کا یہ قول ہو میرے تمام غلام آزاد ہیں مگر میرے مملوک۔

28216۔ (قوله: وَإِنْ بَغَيْرِهَا) اس کی صورت یہ ہے کہ مفہوم میں اس سے خاص ہو لیکن وجوب میں اس کے

مساوی ہو۔

28217۔ (قوله: إِبْهَامُ الْبَقَاءِ) یعنی لفظ کی صورت کے حساب سے کیونکہ استثناء تصرف لفظی ہوتا ہے پس معنی کو مہمل

لَا حَقِيقَتُهُ حَتَّىٰ لَوْ طَلَّقَهَا سِتًّا إِلَّا أَرْبَعًا صَحَّ وَوَقَعَ ثِنْتَانِ (كَمَا صَحَّ اسْتِثْنَاءُ الْكَيْلِيِّ وَالْوُزْنِيِّ وَالْمَعْدُودِ
الَّذِي لَا تَتَفَاوُثُ أَحَادُهُ كَالْفُلُوسِ وَالْجُوزِ مِنْ الدَّرَاهِمِ وَالذَّنَائِيرِ وَيَكُونُ الْمُسْتَشْنَى الْقِيَمَةَ
اسْتِحْسَانًا لِشُبُوتِهَا فِي الذِّمَّةِ فَكَانَتْ كَالثَّمَنِينِ (وَإِنْ أُسْتَغْرِقَتْ) الْقِيَمَةُ جَمِيعٌ (مَا أَقْرَبَهُ) لَا سِتْغْرَاقِهِ
بِغَيْرِ الْمَسَاوِي (بِخِلَافِ) لَهُ عَلَى (دِينَارٍ إِلَّا مِائَةً دِرْهَمٍ لَا سِتْغْرَاقِهِ بِالْمَسَاوِي) فَيَبْطُلُ لِأَنَّهُ اسْتَشْنَى
الْكُلَّ بَحْرًا

اس کی حقیقت مراد نہیں یہاں تک کہ اگر وہ عورت کو چھ طلاقیں دے مگر چار تو یہ صحیح ہوگا اور دو طلاقیں واقع ہو جائیں گی۔ اسی طرح کیلی، وزنی اور اس عددی کی استثناء صحیح ہے جس کی آحاد متفاوت نہ ہوں جس طرح فلوس اور اخروٹ جب کہ ان کی دراہم اور دنانیر سے استثناء کرے اور مستثنیٰ ان چیزوں کی قیمت ہوگی۔ یہ بطور استحسان ہے۔ کیونکہ یہ اس کے ذمہ میں ثابت ہیں۔ پس یہ دونوں ثمنوں کی طرح ہو جائیں گے اگرچہ قیمت اس سب کو محیط ہو جائے جس کا اس نے اقرار کیا تھا۔ کیونکہ وہ غیر مساوی کے ساتھ مستغرق ہوئی ہے۔ یہ صورت مختلف ہوگی جب وہ کہے: اس کا مجھ پر ایک دینار ہے مگر سودرہم۔ کیونکہ یہ مساوی کے ساتھ مستغرق ہے تو یہ استثنا باطل ہو جائے گی۔ کیونکہ اس نے کل کی استثناء کی ہے، ”بحر“۔

کرنا کچھ نقصان نہیں دیتا۔

28218۔ (قوله: وَقَعَ ثِنْتَانِ) اگرچہ چھ حکم کے اعتبار سے صحیح نہیں کیونکہ طلاقیں تین سے زائد نہیں ہوتیں گویا اسے یوں نہیں بنایا جائے گا گویا اس نے کہا تجھے تین طلاقیں مگر چار۔ پس لفظ کا اعتبار اولیٰ ہوگا۔ ”عنایہ“۔

مقدر سے مقدر کی استثناء میں فقہاء کا اختلاف

28219۔ (قوله: كَمَا صَحَّ) اس کو ماقبل سے الگ کیا ہے۔ کیونکہ یہ اس استثناء کا بیان ہے جو جنس کے خلاف ہو۔ کیونکہ مقدر سے مقدر کی استثناء شیخین کے نزدیک بطور استحسان صحیح ہوتا ہے اور مستثنیٰ کی قیمت اس سے منہا کر لی جائے گی جس کا اس نے اقرار کیا تھا۔ قیاس یہ ہے کہ یہ صحیح نہ ہو۔ یہی امام ”محمد“ رحمہ اللہ اور امام ”زفر“ کا قول ہے۔ اگر مقدر سے غیر مقدر کی استثناء ہو تو ہمارے نزدیک بطور قیاس اور استحسان صحیح نہیں۔ امام ”شافعی“ رحمہ اللہ نے اس میں اختلاف کیا ہے جیسے وہ یہ قول کرے: مائۃ درہم الا ثوبا اس کے لیے سودرہم ہے مگر کپڑا۔ ”غایۃ البیان“۔ لیکن جب یہاں استثناء صحیح نہ ہوگی تو وضاحت پر اسے مجبور کیا جائے گا۔ اس کے ساتھ اقرار کی صحت ممتنع نہیں ہوگی۔ کیونکہ یہ امر ثابت ہے کہ مقربہ کی جہالت اقرار کے صحیح ہونے کے مانع نہیں لیکن مستثنیٰ کی جہالت استثناء کے صحت کے مانع ہے، ”شرنبلائیہ“ میں اسے ”قاضی زادہ“ سے ذکر کیا ہے۔

28220۔ (قوله: لِشُبُوتِهَا) کیونکہ یہ مذکورہ چیزیں ثابت ہیں۔

28221۔ (قوله: فَكَانَتْ كَالثَّمَنِينِ) کیونکہ یہ اپنے اوصاف کے اعتبار سے ثمن ہیں یہاں تک کہ اگر متعین ہوں تو

عقدان کے عین کے ساتھ متعلق ہوگا۔ اگر ان کی صفت بیان کی جائے اور متعین نہ کی جائیں تو ان کا حکم دینار کے حکم کی طرح

لَكِنْ فِي الْجَوْهَرَةِ وَغَيْرِهَا عَلَى مِائَةِ دِرْهِمٍ إِلَّا عَشْرَةً دَنَانِيرَ وَقِيمَتُهَا مِائَةٌ أَوْ أَكْثَرُ لَا يَلْزَمُهُ شَيْءٌ فَيُحَرَّرُ
(وَإِذَا اسْتَشْنَى عَدَدَيْنِ بَيْنَهُمَا حَرْفُ الشَّكِّ كَانَ الْأَقْلُ مُخْرَجًا نَحْوَهُ عَلَى أَلْفٍ دِرْهِمٍ إِلَّا مِائَةً دِرْهِمٍ
(أَوْ خَمْسِينَ) دِرْهَمًا فَيَلْزَمُهُ تِسْعِيَّةٌ وَخَمْسُونَ عَلَى الْأَصَحِّ بَحْرٌ

لیکن ”الجوہرہ“ وغیرہ میں ہے: مجھ پر سودرہم مگر دس دینار ہیں جب کہ اس دینار کی قیمت سودرہم یا اس سے زائد ہے تو اس پر کوئی شے لازم نہ ہوگی۔ پس اس کی وضاحت کی جانی چاہیے۔ جب وہ دو عدد کی استثنا کرے جن دونوں کے درمیان حرف شک ہو تو جو اقل عدد ہوگا وہ ماقبل کے حکم سے خارج ہوگا۔ جیسے وہ کہے: اس کے مجھ پر ہزار درہم ہیں مگر سودرہم یا پچاس درہم تو اس پر ساڑھے نو سو لازم ہوں گے یہ اصح قول ہے، ”بحر“۔

ہو جائے گا۔ ”کفایہ“۔

28222۔ (قوله: لَكِنْ فِي الْجَوْهَرَةِ) اس کی مثل ”ینایج“ میں ہے ”قاضی زادہ“ نے ”الذخیرہ“ پر نقل کیا ہے جس طرح ”شرنبلالیہ“ میں ہے اس میں ہے: شیخ نے کہا: علی عَشْرَةِ دِرْهَمٍ الْاَدِنَارِ، مجھ پر دس درہم ہیں مگر دینار۔ جب کہ دینار کی قیمت زائد ہے یا اس نے کہا: اس کے مجھ پر دس درہم ہیں مگر ایک کرگندم کا، تو حکم اسی طرح ہوگا۔ اگر ہم اس اصول پر چلیں کہ کل کی استثنا جب اس کے لفظ کے علاوہ سے ہو تو صحیح ہوتی ہے تو چاہیے کہ اقرار باطل ہو جائے لیکن ”بزازیہ“ میں ذکر کیا ہے وہ اس کے خلاف پر دلالت کرتا ہے اس نے کہا: مجھ پر ایک دینار لازم ہے مگر سودرہم، استثنا باطل ہو جائے گی۔ کیونکہ مستثنیٰ صدر کلام سے اکثر ہے۔ اس نے کہا: اس تھیلے میں جو درہم ہیں وہ فلاں کے ہیں مگر ہزار۔ تو دیکھا جائے گا اگر اس تھیلے میں ہزار سے زائد ہوں تو زائد مقررہ کے لیے ہوں گے اور ہزار مقررہ کا ہوگا اگر اس میں ہزار یا اس سے کم ہوں تو سب مقررہ کے لیے ہوں گے۔ کیونکہ استثنا صحیح نہیں۔

میں کہتا ہوں: اس کی وجہ غور و فکر کرنے کے ساتھ ظاہر ہو جاتی ہے۔

میں کہتا ہوں: مصنف کو یہ چاہیے تھا کہ اس رائے کو اپناتے جو ”جوہرہ“ میں ہے۔ کیونکہ انہوں نے اس سے ماقبل میں فرمایا: اگرچہ استثنا سب کو مستغرق ہو جائے۔ تامل

28223۔ (قوله: فَيُحَرَّرُ) ظاہر یہ ہے کہ مسئلہ میں دو روایتیں ہیں جو اس پر مبنی ہیں کہ درہم اور دینار ایک جنس ہیں یا دو جنسیں ہیں۔ ”ح“۔

جب استناد و عدد کی ہو جن کے درمیان حرف شک ہو تو اقل عدد ماقبل کے حکم سے خارج ہوگا
28224۔ (قوله: مُخْرَجًا) مخرج اسم مفعول کا صیغہ ہے۔

28225۔ (قوله: فَيَلْزَمُهُ تِسْعِيَّةٌ الْخ) کیونکہ استثنا میں شک کا حکم ذکر کیا پس اس کا اقل ثابت ہوگا۔ یہ ”ابی سلیمان“ کی روایت ہے ”ابو حفص“ کی روایت میں تو سو لازم ہوں گے۔ علماء نے کہا: پہلا قول اصح ہے۔ ”کاکی“۔

(وَإِذَا كَانَ الْمُسْتَشْنَى مَجْهُولًا ثَبَتَ الْأَكْثَرُ نَحْوَهُ عَلَى مِائَةِ دِرْهِمٍ إِلَّا شَيْئًا أَوْ إِلَّا قَلِيلًا أَوْ إِلَّا بَعْضًا لَزِمَهُ أَحَدٌ وَخَمْسُونَ) لِقُتُوبِ الشَّكِّ فِي الْمُخْرَجِ فَيَحْكُمُ بِخُرُوجِ الْأَقْلِ (وَلَوْ وَصَلَ إِقْرَارُهُ بِإِنْ شَاءَ اللَّهُ تَعَالَى) أَوْ فُلَانٌ أَوْ عَلَّقَهُ بِشَرْطٍ عَلَى خَطَرٍ لَا بِكَائِنٍ كَيْفَ مِثُّ

جب مستثنیٰ مجہول ہو تو اکثر ثابت ہو جائے گا جیسے وہ کہے: اس کا مجھ پر سو درہم لازم ہے مگر کوئی شے یا مگر تھوڑا یا مگر بعض تو اس پر اکاون لازم ہوں گے۔ کیونکہ شک اس میں واقع ہے جس کو خارج کیا گیا پس اقل کو خارج کرنے کا حکم لگایا جائے گا۔ اگر مقرر نے اپنے اقرار کے ساتھ ان شاء اللہ تعالیٰ کے قول کو ملا دیا یا کہا: فلاں نے چاہا تو مجھ پر یہ لازم ہے یا اقرار کو ایسی شرط کے ساتھ معلق کیا جس کے پائے جانے کا احتمال ہوگا

”قاضی خان“ نے ”شرح الزیادات“ میں دوسرے قول کو صحیح قرار دیا ہے یہی مذہب کے قواعد کے موافق ہے جس طرح ”الرمز“ میں ہے ”حموی“۔ ”ساحانی“ نے پہلے قول پر یہ لکھا یہ امام ”شافعی“ رحمہ اللہ کے قول؛ یہ دخول کے بعد خروج ہے، پر ظاہر ہے۔

جہاں تک ہمارے مذہب کا تعلق ہے جو یہ ہے کہ ترکیب سے مستفاد، مفرد ہوتا ہے۔ گویا اس نے یہ کلام کی ہے: اس کے مجھ پر نو سو ہیں یا نو سو اور پچاس ہیں پس نو سو ثابت ہوں گے۔ کیونکہ یہ اقل ہیں یہاں تک کہ علماء نے کہا: اختلاف کا ثمرہ اس ترکیب کی مثل میں ظاہر ہوتا ہے۔ ہمارے نزدیک اقل لازم ہوگا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس سے مراد جب استثناء کے بعد باقی ماندہ کلام ہوتی ہے تو ہم نے متکلم بہ میں شک کیا جب کہ اصل یہ ہے کہ ذمہ سے فارغ ہوا جائے۔

امام ”شافعی“ رحمہ اللہ کے نزدیک جب ہزار داخل ہو گیا تو شک مخرج میں ہوا پس اقل کو خارج کیا جائے گا، ”زیلعی“۔ ”قاضی خان“ نے اس کی تصحیح کی ہے۔ علماء کا قالوا الاول اصح کے ساتھ تعبیر کرنا اس امر کا فائدہ دیتا ہے کہ وہ بری ہو جائے گا، تامل۔

28226۔ (قوله: فِي الْمُخْرَجِ) مخرج مجہول کا صیغہ ہے۔

28227۔ (قوله: بِخُرُوجِ الْأَقْلِ) اقل یہ نصف سے کم ہوتا ہے۔ کیونکہ شے کی استثناء عرف میں اقل کی استثناء ہے۔

پس ہم نے نصف اور ایک درہم زائد کو واجب کر دیا۔ کیونکہ جس کے ساتھ قلت متحقق ہوتی ہے۔ اس کی ادنیٰ صورت یہ ہوتی ہے کہ نصف سے ایک درہم کم کر دیا جائے۔

28228۔ (قوله: أَوْ فُلَانٌ) یعنی اگر وہ کہے لو شاء فلان تو اس پر کوئی شے لازم نہ ہوگی۔ ”ولو الجیہ“۔

28229۔ (قوله: عَلَى خَطَرٍ) جیسے اگر تو نے قسم اٹھا دی تو تیرے لیے وہ کچھ ہے جس کا تو نے دعویٰ کیا ہے۔ اگر وہ

قسم اٹھا دے تو کوئی شے لازم نہ ہوگی۔ اگر اس نے وہ چیز دے دی اس پر بنا کرتے ہوئے کہ یہ چیز اس پر لازم ہو چکی تھی تو اسے واپس لینے کا حق ہوگا جس طرح ”البحر“ میں فصل صدق الودثۃ میں ہے۔ ”البحر“ میں التعلیق علی خطا کی قید لگائی ہے کہ وہ اپنے ضمن میں اجل کا دعویٰ لیے ہوئے نہ ہو۔ کہا: اگر وہ اجل کو متضمن ہو جس طرح وہ کہے اگر مہینہ کا اختتام ہو جائے تو مجھ پر تیرے لیے اتنا لازم ہے تو وہ مال فی الحال لازم ہو جائے گا اجل کے بارے میں مقررہ سے قسم کا مطالبہ کیا جائے گا۔ تامل

فَإِنَّهُ يُنَجِّزُ (بَطْلَ إِقْرَارِهِ) بَقِيَ لَوْ ادَّعَى الْمَشِيئَةَ هَلْ يُصَدِّقُ؟ لَمْ أَرَهُ وَقَدْ مُنَانِي الطَّلَاقِ أَنَّ الْمُعْتَمِدَ لَا فَلَئِكَ الْإِقْرَارُ كَذَلِكَ لِتَعَلُّقِ حَقِّ الْعَبْدِ قَالَهُ الْمُصَنِّفُ

تو اقرار باطل ہو جائے گا نہ کہ ایسی شرط کے ساتھ متعلق ہو جس کا پایا جانا یقینی ہو جیسے اگر میں مرجاؤں تو تعلیق نہ ہوگی بلکہ تنجیز ہوگی۔ تو اقرار باطل ہو جائے گا اگر مشیئت کا دعویٰ کرے تو کیا اس کی تصدیق کی جائے گی؟ میں نہیں سمجھتا کہ اس کی تصدیق کی جائے گی اور کتاب الطلاق میں ہم بیان کر چکے ہیں کہ مستندات یہی ہے کہ تصدیق نہیں کی جائے گی۔ پس اقرار بھی اسی طرح ہونا چاہیے کیونکہ اس کے ساتھ غلام کا حق متعلق ہے۔ یہی مصنف نے فرمایا ہے۔

”البحر“ میں یہ بھی ہے: باطل تعلیق میں سے یہ بھی ہے: اس کا مجھ پر ہزار ہے مگر میرے لیے کوئی امر ظاہر ہو یا میں اس کے علاوہ رائے رکھوں یا جو میرے علم میں ہے۔ اس طرح کی صورتحال ہوگی جب اس نے کہا: گواہ رہو اس کا مجھ پر اتنا ہے جو میں جانتا ہوں۔

28230۔ (قوله: فَإِنَّهُ يُنَجِّزُ) یعنی جب وہ امر واقع کے ساتھ معلق کرے تو یہ تنجیز ہوگی۔ کیونکہ یہ حقیقت میں تعلیق نہیں بلکہ اس سے مراد ہے کہ وہ انہیں گواہ بنائے تو اس کی موت کے بعد اس کے ذمہ سے بری ہے اگر ورنہ انکار کر دیں۔ پس یہ اس کے ذمہ ہوگا وہ مرجائے یا زندہ رہے چاہیے تو یہ تھا کہ اسے متفرقات بیع میں ذکر کیا جاتا کیونکہ یہ وصیت ہے۔ اقرار کو مشیئت کے ساتھ معلق کرنے کا حکم

28231۔ (قوله: بَطْلَ إِقْرَارِهِ) یہ امام ”ابو یوسف“ رحمہ اللہ کے قول کے مطابق ہے۔ آپ کا کہنا ہے: مشیئت کے ساتھ اقرار کو معلق کرنا یہ اسے باطل کر دیتا ہے۔ امام ”محمد“ رحمہ اللہ نے فرمایا: شرط پر معلق کیا گیا اقرار شرط پر موقوف نہ ہوگا۔ ثمرہ اس صورت میں ظاہر ہوگا جب مشیئت کو مقدم کرے وہ کہے: ان شاء اللہ انت طالق۔ امام ”ابو یوسف“ رحمہ اللہ کے نزدیک طلاق واقع نہ ہوگی کیونکہ یہ اسے باطل کر دیتی ہے۔

امام ”محمد“ رحمہ اللہ نے کہا: طلاق واقع ہو جائے گی۔ کیونکہ یہ تعلیق ہے۔ جب وہ شرط کو پہلے ذکر کرے اور جزا ذکر نہ کرے تو یہ تعلیق نہ ہوگی اور طلاق شرط کے بغیر باقی رہے گی ”کفایہ“۔ اگر اس کی زبان پر ان شاء اللہ کا لفظ ارادہ کے بغیر جاری ہو گیا اور اس کا ارادہ طلاق واقع کرنے کا تھا تو طلاق واقع نہ ہوگی۔ کیونکہ استثناء حقیقت میں موجود ہے اور استثناء کے ساتھ کلام کا ہونا یہ طلاق کو واقع نہیں کرتا۔ ”عینی“۔

28232۔ (قوله: لَوْ ادَّعَى الْمَشِيئَةَ) یعنی اس نے یہ دعویٰ کیا کہ اس نے ان شاء اللہ کے الفاظ کہے۔ ”ح“۔

28233۔ (قوله: قَالَهُ الْمُصَنِّفُ) ”رملی“ نے حواشی میں کہا: میں کہتا ہوں: فقہ اس امر کا تقاضا کرتی ہے کہ جب اس کا اقرار گواہوں کے ساتھ ثابت ہو گیا ہے تو اس کی تصدیق بینہ کے ساتھ ہی کی جائے گی۔ مگر جب وہ ابتدا میں کہے: میں نے اس کے لیے اتنے کا اقرار کیا تھا جب کہ میں نے اپنے اقرار میں استثناء کی تھی تو بغیر گواہوں کے اس کا قول قبول کیا جائے گا

(وَصَحَّ اسْتِثْنَاءُ الْبَيْتِ مِنَ الدَّارِ لَا اسْتِثْنَاءُ الْبِنَاءِ) مِنْهُمَا لِدُخُولِهِ تَبَعًا فَكَانَ وَصْفًا وَاسْتِثْنَاءُ الْوَصْفِ لَا يَجُوزُ (وَإِنْ قَالَ بِنَاءُ هَالِي وَعَرَصَتْهَا لَكَ

دار سے بیت کی استثنا کرنا صحیح ہے مگر بنا کی بیت اور دار سے استثنا کرنا صحیح نہیں۔ کیونکہ یہ ان میں تبع کے طور پر داخل ہے پس بنا وصف ہوگا اور وصف کی استثنا جائز نہیں۔ اگر اس نے کہا: اس کی عمارت میرے لیے ہے اور سفیدہ زمین تیرے لیے ہے

گویا اس نے کہا: اس کا میرے ہاں اتنا مال ہے ان شاء اللہ پہلے قول کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ اس میں وہ ثبوت کے بعد اس کے باطل کرنے کا قصد کرتا ہے۔ تاہل

دار سے بیت کی استثنا صحیح ہے لیکن بنا کی استثنا صحیح نہیں

28234۔ (قوله: لِدُخُولِهِ تَبَعًا) اسی وجہ سے اگر بیع میں عمارت کا کوئی اور مستحق نکل آیا جب کہ اس پر مشتری نے قبضہ نہ کیا ہو تو اس کے مقابلہ میں ثمن سے کوئی شے کم نہ کی جائے گی بلکہ مشتری کو اختیار ہوگا۔ بیت کا معاملہ مختلف ہے اس صورت میں ثمن میں سے اتنا حصہ کم کر دیا جائے گا۔

28235۔ (قوله: وَإِنْ قَالَ بِنَاءُ هَالِي الْخ) ”ذخیرہ“ میں کہا: یہ ذہن نشین کر لو یہ پانچ مسائل ہیں جن کی تخریج دو ضابطوں پر ہے (۱) اقرار سے قبل دعویٰ، یہ بعد میں اقرار کے صحیح ہونے کے مانع نہیں اور اقرار کے بعد دعویٰ بعض ان چیزوں میں جو اقرار کے تحت داخل ہوں وہ دعویٰ صحیح نہیں ہوگا۔

(۲) انسان کا اقرار اس کی اپنی ذات کے خلاف حجت ہوتا ہے دوسرے آدمی کے خلاف حجت نہیں ہوتا۔ جب تو نے یہ پہچان لیا تو تو کہے گا: جب اس نے کہا: اس کی عمارت میرے لیے ہے اور اس کی زمین فلاں کے لیے ہے تو اس کی عمارت فلاں کے لیے ہوگی۔ کیونکہ پہلے اس نے عمارت کا دعویٰ کیا اور دوسری دفعہ عمارت کا فلاں کے لیے اقرار کیا جو زمین کی تبع میں اس کا اقرار بنتا ہے۔ اور دعویٰ کے بعد اقرار صحیح ہوتا ہے جب وہ یہ کہے: زمین میرے لیے ہے اور اس کی عمارت فلاں کے لیے ہے تو اس نے جیسے قول کیا معاملہ اسی طرح ہوگا۔ کیونکہ اس نے پہلے عمارت کا تبع اپنے لیے اقرار کیا اور دوسری دفعہ اس عمارت کا اقرار فلاں کے لیے کیا اور دعویٰ کے بعد اقرار صحیح ہوتا ہے مقررہ کو حکم دیا جائے گا کہ وہ عمارت کو اس کی زمین سے منتقل کر لے یا جب وہ کہے: اس کی زمین فلاں کے لیے ہے اور اس کی عمارت میرے لیے ہے تو دونوں فلاں کے لیے ہوں گی۔ کیونکہ پہلے اس نے تبع میں عمارت کا اقرار کیا اور دوسری دفعہ اس کا اپنے لیے دعویٰ کیا اور اقرار کے بعد دعویٰ اس چیز میں جسے اقرار شامل ہو صحیح نہیں ہوتا۔ جب اس نے کہا: اس کی زمین فلاں کے لیے ہے اور اس کی عمارت فلاں دوسرے شخص کے لیے ہے تو دونوں چیزیں پہلے مقررہ کی ہوں گی۔ کیونکہ پہلے اس نے فلاں کے لیے عمارت کا اقرار زمین کی تبع میں کیا اور (جب یہ کہا: اس کی عمارت فلاں دوسرے کے لیے تو وہ آدمی پہلے مقررہ کے خلاف اقرار کرنے والا ہوگا اور کسی دوسرے شخص کے خلاف اقرار صحیح نہیں ہوتا۔ جب اس نے کہا: اس کی عمارت فلاں کے لیے ہے اور اس کی زمین دوسرے فلاں کے لیے ہے تو حکم اسی طرح ہوگا جس

فَكَمَّا قَالَ: لِأَنَّ الْعَرَصَةَ هِيَ الْبُقْعَةُ لَا الْبِنَاءُ حَتَّى لَوْ قَالَ وَأَرْضُهَا لَكَ كَانَ لَهُ الْبِنَاءُ أَيْضًا لِدُخُولِهِ تَبَعًا
إِلَّا إِذَا قَالَ بِنَاؤُهَا لِيَزِيدَ وَالْأَرْضُ لِعَبِيرٍ فَكَمَّا قَالَ (و) اسْتِثْنَاءُ (فَصِ الْخَاتِمِ وَنَخْلَةِ الْبُسْتَانِ وَطَوَقِ
الْجَارِيَةِ كَالْبِنَاءِ) فَيَا مَرَّ (وَإِنْ قَالَ) مُكَلَّفٌ

تو اس طرح ہوگا جس طرح اس نے کہا: کیونکہ عرصہ سے مراد قطعہ زمین ہوتا ہے عمارت نہیں ہوتی یہاں تک کہ اگر وہ کہے:
اس کی زمین تیرے لیے ہے تو عمارت بھی اس کے لیے ہوگی۔ کیونکہ عمارت تبع میں اس کے تحت داخل ہے مگر جب وہ کہے
اس کی عمارت زید کے لیے ہے اور زمین عمرو کے لیے ہے تو اس طرح ہوگا جس طرح اس نے قول کیا انگوٹھی کے نگینہ، باغ کی
کھجور اور بچی کے ہار کی استثنا عمارت کی طرح ہے جیسے گزر چکا ہے۔ اگر ایک مکلف آدمی کہے:

طرح اس نے قول کیا۔ کیونکہ پہلے اس نے عمارت کا پہلے مقررہ کے لیے اقرار کیا اور دوسری دفعہ پہلے کے خلاف عمارت کا
دوسرے کے لیے اقرار کیا تو دوسرے کے خلاف یہ اقرار صحیح نہیں ہوگا۔ ملخص

28236۔ (قوله: فَكَمَّا قَالَ) اسی طرح کا حکم ہوگا اگر وہ یہ قول کرے: اس زمین کا سفیدہ فلاں کے لیے ہے اور اس
کی عمارت میرے لیے ہے۔

28237۔ (قوله: هِيَ الْبُقْعَةُ) اس کے حکم کو اس کے ساتھ خاص کرنا وصف کے تبع میں داخل ہونے کے مانع ہوگا۔

28238۔ (قوله: فَصِ الْخَاتِمِ) ”الحامدیہ“ میں ”الذخیرہ“ سے جو مروی ہے اسے دیکھیے۔

28239۔ (قوله: وَنَخْلَةِ الْبُسْتَانِ) مگر جب وہ کھجوروں کے اصول کی استثنا کرے۔ کیونکہ اس کے اصول (تنے)

اقرار میں قصد داخل ہیں تبعا داخل نہیں۔ ”خانہ“ میں فص، نخلہ اور تلوار کے حلیہ ذکر کرنے کے بعد کہا: استثنا صحیح نہ ہوگی اگرچہ
استثنا متصل کی گئی ہو مگر جب مدعی اپنے دعویٰ پر گواہیاں قائم کر دے۔ لیکن ”الذخیرہ“ میں ہے: اگر اس نے زمین یا گھر کا کسی
آدمی کے حق میں دعویٰ کیا تو عمارت اور درخت داخل ہوں گے یہاں تک کہ اگر مقرر اس کے بعد اس پر گواہیاں قائم کر دے کہ
عمارت اور درخت اس کے ہیں تو اس کی گواہیاں قبول نہ کی جائیں گی۔ مگر اس صورت میں جب اسے اس پر محمول کیا جائے کہ
استثنا مفصول صورت میں ہو موصول صورت میں نہ ہو جس طرح ”خانہ“ میں اس کی طرف اشارہ کیا ہے۔ ”ساحانی“۔

28240۔ (قوله: وَطَوَقِ الْجَارِيَةِ) اس پر اس سے اشکال کا ذکر کیا ہے کہ علماء نے یہ ذکر کیا ہے وہ طوق لونڈی کی تبع

میں اقرار میں داخل نہیں ہوتا مگر بطور عادت ایسا ہوتا ہے کیونکہ لونڈی کے گلے میں عموماً یہ چیز موجود ہوتی ہے مگر جب اسے اس
پر محمول کیا جائے کہ طوق کی زیادہ قیمت نہیں ہوتی۔

میں کہتا ہوں: یہ بیع میں ہوتا ہے کیونکہ وہ لونڈی اور وہ چیز جو لونڈی پر ہوتی ہے وہ بائع کے لیے ہوتی ہے۔ جہاں تک

یہاں اس معاملہ کا تعلق ہے تو جب اس نے اس کا اقرار کیا تو یہ امر ظاہر ہوگا کہ یہ لونڈی مقررہ کی ہے اور اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے
کہ لونڈی پر جو کچھ ہے وہ اس کے مالک کے لیے ہوگا اگرچہ وہ کتنی ہی عظیم الشان کیوں نہ ہو۔

28241۔ (قوله: فَيَا مَرَّ) یعنی یہ صحیح نہیں۔

(لَهُ عَلَى الْفِ مَنْ شَنِ عَبْدٍ مَا قَبَضْتُهُ) الْجُمْلَةُ صِفَةُ عَبْدٍ وَقَوْلُهُ (مَوْصُولًا) بِإِقْرَارِهِ حَالٌ مِنْهَا ذَكَرَ فِي الْحَاوِي فَلْيُحْفَظْ (وَعَيْنُهُ) أَيْ عَيْنُ الْعَبْدِ وَهُوَ فِي يَدِ الْمُقَرِّ لَهُ (فَإِنْ سَلَّمَهُ إِلَى الْمُقَرِّ لَزِمَهُ الْاَلْفُ وَإِلَّا لَمْ يَلْزَمْهُ) (وَإِنْ لَمْ يُعَيَّنْ) الْعَبْدَ (لَزِمَهُ) الْاَلْفُ (مُطْلَقًا) وَصَلَ أَمْ فَصَلَ وَقَوْلُهُ مَا قَبَضْتُهُ لَعَوْلَانَهُ رُجُوعٌ (كَقَوْلِهِ مَنْ شَنِ خَيْرٍ أَوْ خَيْرٍ أَوْ مَالٍ قِصَارٍ أَوْ حَرٍّ أَوْ مَيْتَةٍ أَوْ دَمٍ) فَيَلْزِمُهُ مُطْلَقًا (وَإِنْ وَصَلَ) لِأَنَّهُ رُجُوعٌ (إِلَّا إِذَا صَدَّقَهُ أَوْ أَقَامَ بَيِّنَةً) فَلَا يَلْزِمُهُ (وَلَوْ قَالَ لَهُ عَلَى الْفِ دَرَاهِمَ حَرَامٍ أَوْ رَبًّا فَهِيَ لَزِمَةٌ مُطْلَقًا) وَصَلَ أَمْ فَصَلَ لَاحْتِمَالِ حِلِّهِ عِنْدَ غَيْرِهِ (وَلَوْ قَالَ زُورًا أَوْ بَاطِلًا لَزِمَهُ) إِنْ كَذَّبَهُ الْمُقَرُّ لَهُ،

اس کا مجھ پر اس غلام کی قیمت کا ہزار ہے جس پر میں نے ابھی تک قبضہ نہیں کیا۔ یہ جملہ عبد کی صفت ہے، اور ان کا قول موصولہ باقرارہ، یہ اس سے حال ہے ”حاوی“ نے اسے ذکر کیا ہے پس اسے یاد رکھا جانا چاہیے۔ اور غلام کی ذات وہ مقررہ کے قبضہ میں ہوا اگر مقررہ وہ غلام مقرر کے حوالے کر دے تو مقرر پر ہزار لازم ہو جائے گا ورنہ لازم نہیں ہوگا۔ یہ صفت پر عمل کرنے کی بنا پر ہے۔ اگر مقرر غلام کو معین نہ کرے تو اس پر مطلقاً ہزار لازم ہو جائے گا وہ استثناء کا ذکر وصل کی صورت میں کرے یا فصل کی صورت میں کرے۔ اور ان کا قول ما قبضتہ میں نے اس پر قبضہ نہیں کیا لغو ہے کیونکہ یہ تو رجوع ہوا۔ جس طرح وہ یہ قول کرے: شراب کی قیمت، خنزیر کی قیمت، جوئے کے مال کی قیمت، آزاد کی قیمت، مردار یا خون کی قیمت میں سے تو اس پر مطلقاً یہ مال لازم ہو جائے گا اگرچہ وہ یہ کلام متصل کرے۔ کیونکہ یہ رجوع ہے مگر جب وہ اس کی تصدیق کر دے یا گواہیاں قائم کر دے تو پھر یہ مال مقرر پر لازم نہیں ہوگا۔ اور اگر اس نے کہا مجھ پر ایک ہزار درہم حرام ہیں یا سود ہے تو یہ اس پر مطلقاً لازم ہوں گے خواہ وہ یہ کلام متصل کرے یا غیر متصل کرے کیونکہ غیر کی نظر میں یہ حلت کا احتمال رکھتا ہے اگر مقرر نے کہا: یہ جھوٹ ہے، باطل ہے تو مال اس پر لازم ہو جائے گا اگر مقرر بہ اس کو جھٹلا دے

28242۔ (قوله: لَهُ عَلَى الْفِ) یہ قید لگائی ہے۔ کیونکہ اگر وہ ابتدا میں ہی کہے: میں نے اس سے بیع کے طور پر خریدا مگر میں نے اس پر قبضہ نہ کیا تو اس کا قول قبول کیا جائے گا جس طرح بائع کا یہ قول قبول کیا جائے گا میں نے اس کے ہاتھ اسے بیچا اور میں نے ثمن پر قبضہ نہیں کیا جب کہ بیع بائع کے قبضہ میں ہو۔ کیونکہ وہ بیع اور ثمن پر قبضہ کرنے کا منکر ہے اور قول منکر کا قبول کیا جاتا ہے جو یہاں صورتحال ہے وہ اس کے برعکس ہے۔ کیونکہ لہ علی کذا اس کا مجھ پر اتنا لازم ہے کہ بعد اس کا یہ کہنا: میں نے اس پر قبضہ نہیں کیا یہ رجوع ہوتا ہے پس یہ صحیح نہ ہوگا۔ ”رٹی“ نے یہ بیان کیا ہے۔

28243۔ (قوله: حَالٌ مِنْهَا) یعنی اس جملہ سے حال ہے۔

28244۔ (قوله: فَإِنْ سَلَّمَهُ) شاید انہوں نے یہاں تسلیم سے یہ ارادہ کیا ہے کہ اسے حاضر کرے یا یہ ان کے قول مشتری پر لازم ہے کہ وہ پہلے ثمن سپرد کرے اس سے خاص ہے کیونکہ یہ صریح بیع نہیں، ”مقدمہ ابوالسعود مختص“۔

28245۔ (قوله: إِنْ كَذَّبَهُ) اس کے جھوٹ یا باطل ہونے میں اس کو جھٹلا دے۔

وَإِلَّا بِأَنْ صَدَّقَهُ (لَا يَلْزَمُهُ وَالْإِفْرَارُ بِالْبَيْعِ تَلَجُّةٌ) هِيَ أَنْ يُدْجِكَ أَنْ تَأْتِيَ أَمْرًا بَاطِنُهُ عَلَى خِلَافِ ظَاهِرِهِ فَإِنَّهُ (عَلَى هَذَا التَّفْصِيلِ) إِنْ كَذَّبَهُ لَزِمَ الْبَيْعُ، وَإِلَّا لَا (وَلَوْ قَالَ لَهُ عَلَى أَلْفٍ دِرْهَمٍ زُيُوفٌ) وَلَمْ يَذْكُرِ السَّبَبَ (فَهِيَ كَمَا قَالَ عَلَى الْأَصَحِّ) بَحْرٌ (وَلَوْ قَالَ لَهُ عَلَى أَلْفٍ) مِنْ ثَمَنِ مَتَاعٍ أَوْ قَرْضٍ، وَهِيَ زُيُوفٌ مَثَلًا لَمْ يُصَدَّقْ مُطْلَقًا لِأَنَّهُ رُجُوعٌ، وَلَوْ قَالَ (مِنْ غَضَبٍ أَوْ وَدِيعَةٍ إِلَّا أَنَّهَا زُيُوفٌ أَوْ نَبَهْرَجَةٌ صَدَقَ مُطْلَقًا) وَصَلَّ أَمْ فَصَلَ (وَإِنْ قَالَ سَتُوقَةٌ أَوْ رَصَاصٌ فَإِنْ وَصَلَ صَدَقَ وَإِنْ فَصَلَ لَا لِأَنَّهَا دَرَاهِمٌ مَجَازًا (وَصَدَقَ) بِبَيِّنَةٍ (فِي غَضَبْتُهُ) أَوْ أَوْ دَعْنِي (ثَوْبًا إِذَا جَاءَ بِبَعِيْبٍ) وَلَا بَيِّنَةً (وَصَدَقَ (فِي لَهُ عَلَى أَلْفٍ) وَلَوْ مِنْ ثَمَنِ مَتَاعٍ مَثَلًا (إِلَّا أَنَّهُ يَنْقُصُ كَذَا)

ورنہ یعنی وہ اس کی تصدیق کر دے تو اس پر مال لازم نہ ہوگا۔ بیع کا اقرار تلجہ ہے۔ تلجہ یہ ہے کہ وہ تجھے مجبور کرے کہ تو ایسا امر کرے جس کا باطن ظاہر کے خلاف ہو کیونکہ اس تفصیل کی بنا پر اگر وہ مقر لہ اسے جھٹلا دے تو بیع لازم ہو جائے گی ورنہ بیع لازم نہ ہوگی۔ اگر وہ کہے: اس کے مجھ پر ہزار زیوف دراہم ہیں اور سبب ذکر نہ کرے۔ اصح قول کے مطابق اس پر وہی لازم ہوں گے جس طرح اس نے کہا ”بحر“۔ اگر ایک آدمی کہے: اس کا مجھ پر سامان کی ثمن یا قرض کا ہزار ہے جب کہ وہ مثلاً زیوف ہیں تو مطلقاً اس کی تصدیق نہ کی جائے گی۔ کیونکہ یہ تو اقرار رجوع ہے۔ اگر اس نے کہا: وہ ہزار غصب یا ودیعت کا ہے مگر وہ زیوف یا نہر جہ ہیں تو مطلقاً اس کی تصدیق کی جائے گی وہ استثنا کو متصل ذکر کرے یا منفصل ذکر کرے۔ اگر وہ کہے: وہ ستوقہ ہیں یا رصاص کے ہیں۔ اگر متصل کلام کرے تو اس کی تصدیق کی جائے گی۔ اگر الگ کلام کرے تو تصدیق نہیں کی جائے گی۔ کیونکہ یہ مجازاً دراہم ہیں جب اس نے یہ اقرار کیا کہ میں نے کپڑا غصب کیا تھا یا اس نے میرے ہاں ودیعت کے طور پر رکھا تھا اور وہ عیب دار کپڑا لے آئے تو قسم کے ساتھ اس کی تصدیق کی جائے گی جب کہ گواہ نہ ہوں۔ اگر وہ کہتا ہے: اس کے مجھ پر ہزار ہیں مگر اتنے کم ہیں اگرچہ مثلاً سامان کی ثمن ہوں تو اس کی تصدیق کی جائے گی

28246۔ (قوله: إِنْ كَذَّبَهُ لَزِمَ الْبَيْعُ، وَإِلَّا لَا) ”بدائع“ میں ہے: جس طرح تلجہ کی بیع جائز نہیں تو تلجہ کا اقرار جائز نہیں ہوگا۔ اس کی صورت یہ ہے کہ وہ دوسرے شخص کو کہے: میں علانیہ تیرے لیے مال کا اقرار کرتا ہوں اور دونوں اقرار کے فاسد ہونے پر اتفاق کر لیں اس کا اقرار صحیح نہ ہوگا یہاں تک کہ مقر لہ اس کا مالک نہیں ہوگا۔ ”سامحانی“۔

28247۔ (قوله: صَدَقَ مُطْلَقًا) کیونکہ وہ چیز غصب کر لیتا ہے جسے پاتا ہے اور مودع امانت کے طور پر رکھتا ہے جو اس کے پاس چیز ہوتی ہے پس یہ سلامتی کا تقاضا نہیں کرتا۔ یہ ان امور میں سے ہے جو اکثر واقع ہوتا ہے جو ”تاتر خانہ“ میں ہے تو نے مجھے یہ جانور عاریۃ دیا دوسرے نے کہا: نہیں بلکہ تو نے مجھ سے غصب کر لیا اگر ادھار لینے والے نے اس پر سواری نہ کی ہو تو ضمانت نہ ہوگی ورنہ ضامن ہوگا اس طرح کا حکم ہوگا جب وہ کہے: تو نے مجھے یہ عاریۃ دیا تو نے مجھے عاریۃ عطا کیا۔ امام ”ابو حنیفہ“ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: اگر اس نے کہا: میں نے تجھ سے یہ چیز عاریۃ لی دوسرا اس کا انکار کر دے تو وہ مقر ضامن ہوگا جب

أَمَى الدَّرَاهِمَ وَزَنَ خُمْسَةَ لَا وَزَنَ سَبْعَةَ (مُتَّصِلًا، وَإِنْ فَصَلَ) بِلَا ضَرُورَةَ (لَا) يُصَدَّقُ لِصِحَّةِ اسْتِثْنَاءِ الْقَدْرِ لَا الْوَصْفِ كَالزِّيَافَةِ (وَلَوْ قَالَ) لِآخِرٍ (أَخَذْتُ مِنْكَ أَلْفًا وَدِيعَةً فَهَلَكْتُ فِي يَدِي بِلَا تَعَدٍّ، وَقَالَ الْآخِرُ بَلْ) أَخَذْتُهَا مِنِّي (غَضَبًا ضَمِنَ) الْمُقَرَّرَ لِإِقْرَارِهِ بِالْأَخْذِ وَهُوَ سَبَبُ الضَّمَانِ (وَفِي) قَوْلِهِ أَنْتَ (أَعْطَيْتَنِيهِ وَدِيعَةً وَقَالَ الْآخِرُ) بَلْ (غَضَبْتُهُ) مِنِّي (لَا) يَضْمَنُ بَلْ الْقَوْلُ لَهُ لِإِنْكَارِهِ الضَّمَانَ (وَفِي هَذَا كَانَ وَدِيعَةً) أَوْ قَرْضًا (عِنْدَكَ فَأَخَذْتُهُ) مِنْكَ (فَقَالَ) الْمُقَرَّرُ لَهُ (بَلْ هُوَ لِي أَخَذَهُ الْمُقَرَّرُ لَهُ) لَوْ قَاتِلًا وَإِلَّا فَتَقَبَّلْتُهُ لِإِقْرَارِهِ بِالْيَدِ لَهُ ثُمَّ بِالْأَخْذِ مِنْهُ وَهُوَ سَبَبُ الضَّمَانِ (وَصَدَّقَ مَنْ قَالَ آجَرْتُ) فَلَنَا (فَرَسِي) هَذِهِ (أَوْ ثَوْبِي هَذَا فَكَبَهُ أَوْ لَبِسَهُ) أَوْ أَعْرَضْتُهُ ثَوْبِي أَوْ أَسْكَنْتُهُ بَيْتِي (وَرَدَّهُ أَوْ خَاطَ)

جو دراهم پانچ کے وزن کے ہیں سات کے وزن کے نہیں جب کہ اس نے یہ کلام متصل کی ہو۔ اگر ضرورت کے بغیر وہ منفصل کلام کرے تو اس کی تصدیق نہ کی جائے گی۔ کیونکہ قدر کی استثنائیں صحیح ہوتی ہیں وصف کی استثنائیں صحیح نہیں ہوتی جس طرح زیوف ہونا۔ اگر ایک آدمی نے دوسرے سے کہا: میں نے تجھ سے ہزار ودیعت کے طور پر لیا جو میرے ہاتھ میں بغیر تعدی کے ہلاک ہو گیا دوسرے آدمی نے کہا بلکہ تو نے مجھ سے بطور غصب لیا ہے تو مقر اخذ کا اقرار کرنے کی وجہ سے ضامن ہو گا یہ ضمان کا سبب ہے۔ اس قول میں کہ تو نے مجھے ودیعت کے طور پر دیے دوسرے نے کہا: بلکہ تو نے مجھ سے غصب کیے تو مقر ضامن نہیں ہو گا بلکہ قول مقر کا ہو گا۔ کیونکہ وہ ضمان کا انکار کرتا ہے اور اس قول میں کہ یہ تیرے پاس میری ودیعت تھی یا قرض تھا تو میں نے تجھ سے وہ لے لیا مقر نے کہا: بلکہ وہ تو میرا تھا تو اگر وہ چیز موجود ہو تو مقر اس سے وصول کر لے گا ورنہ اس کی قیمت لے گا۔ کیونکہ مقر نے مقر کے قبضہ کا اقرار کیا پھر اس سے وہ لینے کا اقرار کیا جب کہ یہ امر ضمان کا سبب ہے۔ اور اس آدمی کی تصدیق کی جائے گی جس نے کہا: میں نے فلاں کو اپنا یہ گھوڑا یا یہ کپڑا اجرت پر دیا تو وہ اس پر سوار ہوا یا اس نے وہ کپڑا زیب تن کیا یا میں نے اسے یہ کپڑا عاریۃ دیا یا میں نے اسے اپنے گھر میں سکونت عطا کی اور اس فلاں نے اس کو رد کر دیا

اس نے کہا: میں نے تجھ سے یہ کپڑا عاریۃ لیا تو دوسرے نے کہا: تو نے وہ مجھ سے بیع کے ساتھ لیا تو جب اس نے وہ کپڑا زیب تن کیا ہو قول مقر کا معتبر ہو گا۔ کیونکہ وہ انکار کرتا ہے۔ اگر وہ کپڑا زیب تن کر لے تو وہ ضامن ہو گا۔ ایک آدمی نے کہا: تو نے مجھے یہ عاریۃ دیا تو دوسرے نے کہا: نہیں بلکہ تو نے مجھے اجرت پر دیا تو اگر وہ چیز ہلاک ہو جائے تو ضامن نہیں ہو گا۔ یہ صورت مختلف ہوگی اگر وہ کہے: تو نے مجھ سے یہ غصب کیا تھا اگر اس مقر نے اس کپڑے کو استعمال کیا تھا تو وہ ضامن ہو گا۔

28248۔ (قوله: أَمَى الدَّرَاهِمَ) اسی کی مثل ”شر بلا لیه“ میں ہے۔ لیکن ”العینی“ میں ہے: الا ان ینقض کذا مگر اس

میں سے سو کم۔ یہ امر ظاہر ہے۔ ”فقال“۔

28249۔ (قوله: وَإِلَّا فَتَقَبَّلْتُهُ) اس میں ہے: مسئلہ کی صورت مشار الیه میں ہے مگر یہ کہا جائے کہ اشارہ کے وقت وہ

موجود تھا پھر مقر نے جان بوجھ کر اسے ہلاک کر دیا۔ ”فقال“۔

فُلَانٌ (ثَبَنِي هَذَا بِكَذَا فَقَبَضْتُهُ) مِنْهُ وَقَالَ فُلَانٌ بَلْ ذَلِكَ لِي (فَالْقَوْلُ لِلْبُقَرَاءِ) اسْتِحْسَانًا لِأَنَّ الْيَدَ فِي
الْإِجَارَةِ ضَرُورِيَّةٌ بِخِلَافِ الْوَدِيعَةِ (هَذَا الْأَلْفُ وَدِيعَةٌ فُلَانٍ لَا بَلْ وَدِيعَةٌ فُلَانٍ فَالْأَلْفُ لِلْأَوَّلِ وَعَلَى
الْبُقَرَاءِ) أَلْفٌ (مِثْلُهُ لِلثَّانِي بِخِلَافِ هِيَ لِفُلَانٍ لَا بَلْ لِفُلَانٍ) بَلَا ذِكْرٍ إِيدَاعٍ (حَيْثُ لَا يَجِبُ عَلَيْهِ لِلثَّانِي
شَيْءٌ) لِأَنَّهُ لَمْ يُقَرَّ بِإِيدَاعِهِ وَهَذَا (إِنْ كَانَتْ مُعَيَّنَةً وَإِنْ كَانَتْ غَيْرَ مُعَيَّنَةٍ لَزِمَهُ أَيْضًا كَقَوْلِهِ غَضِبْتُ
فُلَانًا مِائَةً دِرْهَمٍ وَمِائَةً دِينَارٍ وَكُرَّ حِنْطَةً لَا بَلْ فُلَانًا لَزِمَهُ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا كُلُّهُ وَإِنْ كَانَتْ
بِعَيْنِهَا فَهِيَ لِلْأَوَّلِ وَعَلَيْهِ لِلثَّانِي مِثْلُهَا،

یا فلاں نے میرے کپڑے کو اتنے میں سیا اور میں نے اس سے قبضہ میں لے لیا۔ فلاں نے کہا: بلکہ وہ کپڑا میرا تھا تو قول بطور
استحسان مقرر کا ہوگا۔ کیونکہ اجارہ میں قبضہ ضروری ہوتا ہے۔ ودیعت کا معاملہ مختلف ہوتا ہے۔ یہ ہزار فلاں کی ودیعت ہے نہیں
بلکہ فلاں کی ودیعت ہے۔ پس ہزار پہلے کا ہوگا اور مقرر پر اس کی مثل ہزار دوسرے کے لیے ہوگا جب وہ یہ قول کرے: یہ فلاں
کا ہے جب کہ ودیعت کا ذکر نہ کرے تو معاملہ مختلف ہوگا۔ اس صورت میں دوسرے کے لیے کوئی شے واجب نہ ہوگی۔ کیونکہ
اس نے ودیعت رکھنے کا اقرار نہیں کیا۔ یہ حکم اس صورت میں ہے جب وہ معین ہوا اگر وہ غیر معین ہو تو اس پر یہ بھی لازم ہو
جائے گا جس طرح اس کا یہ قول ہے: میں نے فلاں سے سود رہم، سودینار اور گندم کا ایک کر غصب کیا بلکہ فلاں سے یہ غصب
کیا تو ہر ایک کے لیے ان دونوں میں سے کل لازم ہوگا اگر وہ چیزیں معین ہوں تو وہ سب پہلے مقررہ کے لیے ہوں گی اور
دوسرے کے لیے اس کی مثل اس پر لازم ہوگا۔

28250۔ (قوله: هَذَا الْأَلْفُ وَدِيعَةٌ فُلَانٍ) اس کا ذکر کتاب الصلح سے تھوڑا پہلے آئے گا۔ اگر وہ کہے: میرے

باپ نے اپنے مال کے ایک تہائی کی فلاں کے لیے وصیت کی بلکہ فلاں کے لیے وصیت کی۔

28251۔ (قوله: لِأَنَّهُ لَمْ يُقَرَّ بِإِيدَاعِهِ) پس وہ ضمان کے سبب کا اقرار کرنے والا نہیں ہوگا۔ پہلی صورت کا معاملہ

مختلف ہے۔ کیونکہ جب اس نے یہ اقرار کیا کہ یہ فلاں دوسرے کی ودیعت ہے تو وہ ضامن ہوگا۔ کیونکہ اس کا اس نے پہلے کے
لیے اقرار کیا۔ کیونکہ پہلے کے حق میں اس کا اقرار صحیح ہوگا۔ پس وہ ودیعت پہلے کی ملک ہو جائے گی اب دوسرے کو یہ سپرد کرنا
ممکن نہیں۔ جب وہ ودیعت بیچ دے اور مشتری کے حوالے نہ کرے تو محض بیع کرنے کے ساتھ وہ ضامن نہیں ہوگا کیونکہ اس
کے مالک کے حوالے کرنا یہ ممکن ہے یہ امر ظاہر ہے۔ فاقابل

فرع: ایک آدمی نے دو اموال کا اقرار کیا اور اس نے ہزار درہم اور سودینار پر سب کی استثنا کر دی مگر درہم۔ اگر دونوں

مالوں میں مقررہ دو آدمی ہوں تو اسے دوسرے مال کی طرف پھیر دیا جائے گا اگرچہ وہ اس کی جنس سے نہ ہو تو یہ بطور قیاس ہوگا۔
اگر وہ اس کی جنس سے ہو تو بطور استحسان پہلے مال کی طرف پھیر دیا جائے گا۔ اگر مقررہ دو آدمی ہوں تو مطلقاً دوسرے مال کی
طرف اسے پھیر دیا جائے گا جیسے فلاں کے مجھ پر ہزار درہم ہیں اور فلاں کے مجھ پر سودینار ہیں مگر ایک درہم یہ سب شیخین کا

وَلَوْ كَانَ الْمُقَرَّرُ لَهُ وَاحِدًا يَلْزَمُهُ أَكْثَرُهُمَا قَدَرًا وَأَفْضَلُهُمَا وَصْفًا نَحْوُهُ أَلْفٌ دِرْهِمٍ لَا بَلَّ أَلْفَانِ أَوْ أَلْفٌ دِرْهِمٍ جَيَادٌ لَا بَلَّ زُيُوفٌ أَوْ عَكْسُهُ (وَلَوْ قَالَ الدَّيْنُ الَّذِي لِي عَلَى فَلَانٍ) لِفَلَانٍ (أَوْ الْوَدِيعَةُ عِنْدَ فَلَانٍ هِيَ لِفَلَانٍ فَهُوَ اقْتِرَاءٌ لَهُ، وَحَقُّ الْقَبْضِ لِلْمُقَرَّرِ وَ لَكِنْ (لَوْ سَلَّمَ إِلَى الْمُقَرَّرِ لَهُ بَرِيٌّ) خُلَاصَةٌ لِكَتْنِهِ مُخَالَفٌ لِمَا مَرَّ أَنَّهُ إِنْ أَضَافَ لِنَفْسِهِ كَانَ هِبَةً فَيَلْزَمُ التَّسْلِيمُ؛ وَلِذَا قَالَ فِي الْحَاوِي الْقُدْسِيِّ وَلَوْ لَمْ يُسَلِّطْهُ عَلَى الْقَبْضِ فَإِنْ قَالَ وَاسِئِي فِي كِتَابِ الدَّيْنِ عَارِيَّةٌ صَحَّ وَإِنْ لَمْ يَقُلْهُ لَمْ يَصَحَّ قَالَ الْمُصَنِّفُ

اگر مقرر ایک ہو تو دونوں میں سے جو قدر کے اعتبار سے اکثر اور وصف کے اعتبار سے افضل ہو وہ لازم ہوگا۔ جیسے اس کے لیے ہزار درہم ہے نہیں بلکہ دو ہزار جو عمدہ ہیں نہیں بلکہ زیوف ہیں یا اس کے برعکس کہے۔ اگر اس نے کہا: میرا وہ دین جو فلاں کے ذمہ ہے وہ فلاں کے لیے ہے یا میری وہ ودیعت فلاں کے پاس ہے وہ فلاں کے لیے ہے یہ اس کے حق میں اقرار ہوگا اور اس شے پر قبضہ کا حق مقرر کو حاصل ہوگا اگر وہ مدیون یا مودع وہ چیز مقرر کے حوالے کر دے تو وہ مدیون وغیرہ بری ہو جائے گا، ”خلاصہ“۔ لیکن یہ اس کے مخالف ہے جو قول گزر چکا ہے کہ اگر وہ اسے اپنی ذات کی طرف منسوب کرے تو وہ ہبہ ہوگا پس مقرر کی جانب سے سپرد کرنا لازم ہوگا۔ اسی وجہ سے ”حاوی قدسی“ میں کہا ہے: اگر وہ اسے قبض پر مسلط نہ کرے۔ اگر وہ کہے: کتاب الدین میں میرا نام عاریتہ ہے تو یہ صحیح ہوگا۔ اگر وہ یہ نہ کہے تو یہ صحیح نہ ہوگا۔ مصنف نے کہا:

قول ہے۔ امام ”محمد“ رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے مطابق اگر اقرار ایک آدمی کے لیے ہو تو استثناء کو اس کی جنس کی طرف پھیر دیا جائے گا اگر اقرار دو افراد کے لیے ہو تو استثناء اصلاح نہ ہوگی، ”تا ترخانیہ“۔ اسے ”المحیط“ سے اسے نقل کیا ہے۔

28252۔ (قوله: أَكْثَرُهُمَا قَدَرًا) یہ اس صورت میں ہے اگر وہ دونوں ایک جنس سے ہوں اگر دو جنسوں سے ہوں جس طرح ہزار درہم نہیں بلکہ ہزار دینار تو اس پر دو ہزار لازم ہوں گے، ”ط“، ملخص۔

28253۔ (قوله: وَلَوْ قَالَ الدَّيْنُ الْخ) ”حاوی قدسی“ کی عبارت ہے کہا: میرا وہ دین جو فلاں کے ذمہ ہے وہ فلاں کے لیے ہے اور اسے اس پر قبضہ کا اختیار نہ دیا۔ لہذا لفظ مذکور نہیں ”حاشیہ“ میں اسی طرح ہے۔

28254۔ (قوله: لِمَا مَرَّ) یعنی کتاب الاقرار کے شروع میں یہ گزر چکا ہے۔

28255۔ (قوله: فَيَلْزَمُ التَّسْلِيمُ) جس پر دین ہے اس کے علاوہ کی جانب اس کا ہبہ صحیح نہیں ہوگا مگر جب وہ اسے قبضہ کرنے پر مسلط کرے۔

28256۔ (قوله: وَلَوْ لَمْ يُسَلِّطْهُ) یہاں لو شرطیہ ہے وصلیہ نہیں۔

28257۔ (قوله: وَاسِئِي الْخ) اس کا حاصل یہ ہے کہ اس پر قبضہ کرنے کا اختیار دیا یا اختیار نہ دیا۔ لیکن اس نے کہا: اس میں میرا نام عاریتہ ہے تو یہ صحیح ہوگا جس طرح المصنف کے فتاویٰ میں ہے۔ پہلی صورت میں وہ ہبہ ہوگا اور دوسری صورت میں اقرار ہوگا اور اس کی اپنی ذات کی طرف نسبت یہ نسبت اضافت ہے ملک کی نسبت نہیں جس طرح شارح نے گزشتہ بحث

وَهُوَ الْمَذْكُورُ فِي عَامَّةِ الْمُعْتَبَرَاتِ خِلَافًا لِلْخُلَاصَةِ فَتَأْمَلْ عِنْدَ الْفَتَوَى

یہی عام معتبر کتب میں مذکور ہے جو ”الخلاصہ“ کے خلاف ہے پس فتویٰ دیتے وقت خوب غور و فکر کر لو۔

میں ذکر کر دیا ہے۔ ”اسی عاریۃ میرا نام عاریۃ ہے“ کے قول کی شرط لگائی ہے تاکہ یہ اس امر کا قرینہ ہو جائے کہ نسبت کی اضافت کا ارادہ کیا ہے اس پر متن کی کلام کو محمول کیا جائے گا۔ پس یہ محل تقیید میں اطلاق ہوگا۔ اسے اقرار قرار دینے میں کوئی اشکال نہیں۔ گزشتہ ضابطہ ظاہر قرینہ کے خلاف نہیں ہوگا۔

”شرح الوہبانیہ“ میں ہے: ایک عورت نے کہا: میرا وہ مہر جو میرے خاوند کے ذمہ ہے وہ فلاں بن فلاں کی ملکیت ہے اس مہر میں میرا کوئی حق نہیں۔ مقررہ اس کی تصدیق کر دے پھر عورت اپنے خاوند کو مہر سے بری کر دیتی ہے ایک قول یہ کیا گیا ہے: خاوند بری ہو جائے گا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: بری نہیں ہوگا۔ بری ہونا زیادہ ظاہر ہے اس دلیل کی وجہ سے ”مرغینانی“ نے جس کی طرف اشارہ کیا ہے۔ کیونکہ اس عورت کا اقرار صحیح نہیں پس بری کرنا اپنے محل سے ملاقات کرنے والا ہوگا۔ کیونکہ ملک کی اضافت کا ظاہر ہے کیونکہ اس کا مہر کسی اور کا نہیں ہو سکتا پس اس کا اقرار بہ بن جائے گا جس بہہ پر قبضہ کا اختیار نہیں ہوگا۔ شارح نے اس مسئلہ کو متفرقات بہہ میں دوبارہ ذکر کیا ہے اور اس میں اشکال کا ذکر کیا ہے جب کہ تو نے اللہ تعالیٰ کے کرم سے اشکال کے زوال کو جان چکا ہے پس اسے غنیمت جانے۔

28258۔ (قوله: وَهُوَ الْمَذْكُورُ) یعنی ان کا قول وان یقلہ لم یصح مذکور ہے۔

بَابُ إِقْرَارِ الْمَرِيضِ

يَعْنِي مَرَضَ الْمَوْتِ وَحَدُّهُ مَرَفِي طَلَاقِ الْمَرِيضِ وَسَيَجِيءُ فِي الْوَصَايَا إِقْرَارُ كُفَّيْنِ لِأَجْنَبِي نَافِذٌ مِنْ كُلِّ مَالِهِ بِأَثَرِ عُنْوٍ وَلَوْ بَعَيْنِ فَكَذَلِكَ إِلَّا إِذَا عَلِمَ تَسْلُكَهُ لَهَا فِي مَرَضِهِ فَيَتَّقِيْدُ بِالشُّكِّ

مریض کے اقرار کے احکام

اس سے مراد صرف ایسا مریض ہے جو مرض الموت میں مبتلا ہو طلاق المریض میں یہ گزر چکا ہے کتاب الوصایا میں اس کا ذکر آئے گا۔ ایک آدمی کسی اجنبی کے لیے دین کا اقرار کرے تو یہ اقرار اس کے کل مال سے نافذ ہوگا۔ یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اثر سے حکم مستنبط ہے۔ اگر وہ کسی عینی چیز کا اقرار کرے تو حکم اسی طرح ہوگا مگر جب یہ معلوم ہو کہ مریض اسے حالت مرض میں مالک بنانا چاہتا ہے تو پھر یہ اقرار صرف ایک تہائی مال کے ساتھ مقید ہوگا۔

مریض کی تعریف

28259۔ (قوله: وَحَدُّهُ) یہ مبتدا ہے اس کی خبر ان کا قول مر ہے۔ ”ہندیہ“ میں ہے: مرض الموت کا مریض وہ ہوتا ہے جو اپنی ضروریات کے لیے گھر سے باہر نہ نکلے یہی قول اصح ہے۔ ”امام علیہ“ میں ہے: جس میں کچھ مرض ہو جس سے اسے تکلیف ہوتی ہو اور اکثر اوقات وہ بازار کی طرف جاتا ہے اور اپنی ضروریات پوری کرتا ہو تو ایسا آدمی مرض الموت کا مریض نہیں ہوگا۔ اس کے تبرعات کا اعتبار تمام مال سے ہوگا۔ جب وہ اسے کسی وارث کے ہاتھ بیچے یا اسے ہبہ کرے تو باقی ماندہ وارثوں کی اجازت پر موقوف نہیں ہوگا۔

مریض کے اقرار کا حکم

28260۔ (قوله: نَافِذٌ) لیکن غریم سے قسم لی جائے گی جس طرح باب التحکیم سے تھوڑا پہلے گزر چکا ہے۔ اسی کی مثل ”الاشباہ“ کے کتاب القضاء میں ہے۔ کہا: قاعدہ یہ ہے جب کوئی آدمی اپنی مرض میں غیر وارث کے لیے دین کا اقرار کرے تو یہ جائز ہوگا اگرچہ یہ اس کے تمام مال کو محیط ہو جائے۔ اگر وہ اپنے وارث کے لیے اقرار کرے تو یہ اقرار باطل ہو جائے گا۔ مگر جب وارث اس کی تصدیق کر دیں تو معاملہ مختلف ہوگا۔ عام معتبر کتابوں یعنی ”جامع کبیر“ کی مختصرات وغیرہ میں اسی طرح ہے۔ لیکن ”الفصول العمدیہ“ میں ہے: مریض کا وارث کے لیے اقرار نہ حکایت جائز ہے نہ ابتداء جائز ہے اور اس کا اجنبی کے لیے اقرار حکایت تمام مال سے جائز ہے اور تہائی مال سے ابتداء جائز ہے۔

میں کہتا ہوں: یہ اس کے مخالف ہے جسے مشائخ نے مطلق ذکر کیا ہے پس تطبیق کی ضرورت ہوگی۔ پس چاہیے کہ یوں تطبیق دی جائے کہ ابتداء سے مراد ہو جس کی صورت اقرار کی صورت ہو۔ یہ حقیقت میں ابتداء تملیک ہے کہ کسی صورت میں یہ جان

لیا جائے کہ جس چیز کا اس نے اقرار کیا ہے وہ اس کی ملک ہے اس نے اسے اقرار کی صورت میں ملک سے نکالنے کا قصد کیا ہے یہاں تک کہ اس میں مقرر پر کوئی ظاہر مانع نہیں۔ جس طرح یہ امر واقع ہوتا ہے کہ انسان ارادہ کرتا ہے کہ وہ کسی فقیر پر صدقہ کرے تو لوگوں کے درمیان اسے قرض دیتا ہے جب اس کے ساتھ تنہا ہوتا ہے تو وہی قرض اسے ہبہ کر دیتا ہے یا وہ یہ انداز اس لیے اپناتا ہے کہ وارثوں میں سے کوئی اس سے حسد نہ کرے اور کسی نہ کسی صورت میں اسے ان کی جانب سے اذیت حاصل نہ ہو۔ جہاں تک حکایت کا تعلق ہے تو وہ اقرار کی حقیقت پر ہے۔ اس فرق کے مطابق ہمارے زمانے کے محقق علماء میں سے بعض نے جواب دیا وہ علامہ ”علی المقدسی“ ہے جس طرح ”رملی“ کی ”حاشیۃ الفصولین“ میں ہے۔

میں کہتا ہوں: جو ہم نے فرق ذکر کیا ہے اس کی صحت کی شہادت وہ چیز بھی دیتی ہے جس کی تصریح صاحب ”القنیہ“ نے کی ہے: ایک صحیح آدمی نے ایک ایسے غلام کے بارے میں فلاں کے لیے اقرار کیا جو غلام اس کے باپ کے قبضہ میں ہے پھر باپ فوت ہو جاتا ہے اور بیٹا مریض ہے تو غلام کو کل مال کے ایک تہائی سے خارج ہونے کا اعتبار کیا جائے گا۔ کیونکہ اس کا اقرار اس میں متردد ہے کہ بیٹا فوت ہوگا یا فوت نہیں ہوگا۔ پس اقرار باطل ہو جائے گا اور اس کے درمیان متردد ہے کہ باپ فوت ہوگا یا نہیں تو اقرار صحیح ہوگا تو یہ اس اقرار کی طرح ہو گیا جو مرض میں ہوا۔

ہمارے استاذ صاحب نے فرمایا: یہ اس پر نص کی مانند ہے کہ مریض جب کسی غیبی چیز کا اقرار کرے جو معین چیز کسی کے قبضہ میں ہو جب کہ یہ اقرار اجنبی کے حق میں ہو تو اس کا اقرار اس کے تمام مال سے ہوگا۔ جب تک یہ معلوم نہ ہو کہ وہ حالت مرض میں اسے مالک بنا رہا ہے یہاں تک کہ اسے مالک بنانے کا اظہار ممکن ہو مگر حالت مرض میں اس کے مالک بنانے کا علم ہو تو اس کا اقرار صحیح نہ ہوگا مگر ایک تہائی میں اقرار صحیح ہوگا۔ انہوں نے فرمایا: یہ معنی کے اعتبار سے بہت اچھی تطبیق ہے۔

میں کہتا ہوں: انہوں نے یہ قید لگائی ہے کہ یہ معنی کے اعتبار سے حسن ہے۔ کیونکہ روایت کے اعتبار سے یہ اس کے مخالف ہے جو علماء نے ”جامع کبیر“ کی مختصرات میں اسے مطلقاً ذکر کیا ہے۔ پس مرض کا غیر وارث کے لیے اقرار مطلقاً صحیح ہوگا اگرچہ وہ اقرار اس کے تمام مال کو محیط ہو جائے۔ واللہ سبحانہ اعلم۔ ”معین الفتی“۔

ہمارے مشائخ کے شیخ ”منزل علی“ نے اسے نقل کیا پھر طویل کلام کے بعد کہا: متون و شروح سے جو ہمارے لیے ظاہر ہوا وہ یہ ہے کہ مریض کا اجنبی کے لیے اقرار صحیح ہے اگرچہ وہ تمام کو محیط ہو جائے اور دین و عین سب کو جامع ہو جائے۔ متون اکثر ظاہر روایت پر جاری ہوتی ہیں۔ ”البحر“ کے باب قضاء الفوائد میں ہے: جب ترجیح میں اختلاف واقع ہو جائے تو متون کے اطلاق کو رائج قرار دیا جائے گا۔ تو یہ جان چکا ہے کہ یہ تفصیل اس کے خلاف ہے جس کو انہوں نے مطلق ذکر کیا ہے اور اس کے مخالف ہے جو انہوں نے یہ کہا کہ اس کا حسن ہونا معنی کے اعتبار سے ہے نہ کہ روایت کے اعتبار سے حسن ہے۔ جب کہ تو یہ جان چکا ہے کہ شارح نے مصنف سے جو قول نقل کیا ہے مصنف اس پر راضی نہیں مگر جب یہ معلوم ہوا یعنی کہ وہ اپنی حالت مرض میں اس عین پر اپنی ملکیت کے باقی معلوم ہو۔

ذَكَرَهُ الْمُصَنِّفُ فِي مُعِينِهِ فَلْيُحْفَظْ (وَأَخَّرَ الْإِثْرَ عَنْهُ، وَدَيْنُ الصِّحَّةِ مُطْلَقًا) وَمَا لَزِمَهُ فِي مَرَضِهِ بِسَبَبٍ مَعْرُوفٍ (بِبَيِّنَةٍ أَوْ بِعَيْنَةٍ قَاضٍ) قَدْ مَرَّ عَلَى مَا أَقْرَبَ بِهِ فِي مَرَضٍ مَوْتِهِ، وَلَوْ الْمُقَرَّبُ بِهِ (وَدِيْعَةً) وَعِنْدَ الشَّافِعِيِّ الْكُلُّ سَوَاءٌ (وَالسَّبَبُ الْمَعْرُوفُ) مَا لَيْسَ بِتَبَرُّعٍ (كِنِكَاحٍ مُشَاهِدٍ) إِنْ بَنَى الْمَثْلَ أَمَّا الزِّيَادَةُ فَبَاطِلَةٌ، وَإِنْ جَازَ النِّكَاحُ عِنَايَةً (وَبَيِّنَةً مُشَاهِدَةً) وَإِتْلَافٌ كَذَلِكَ (أَنْى مُشَاهِدٌ) (وَالْمَرِيضُ لَيْسَ لَهُ أَنْ يَقْضِيَ دَيْنَ بَعْضِ الْغُرْمَاءِ دُونَ بَعْضٍ وَلَوْ كَانَ ذَلِكَ) (إِعْطَاءَ مَهْرٍ وَإِيفَاءَ أَجْرَةٍ) فَلَا يُسَلِّمُ لَهَا

مصنف نے اسے اپنی معین یعنی ”معین الفتی“ میں ذکر کیا ہے پس اسے یاد رکھنا چاہیے۔ اور وراثت کو اس سے مؤخر کیا جائے گا حالت صحت کا دین مطلقاً اور حالت مرض میں جو معروف سبب سے لازم ہو وہ گواہیوں کے ساتھ ہو یا قاضی کے معاینہ کے ساتھ ہو اسے مرض موت کے دوران کیے گئے اقرار پر مقدم کیا جائے گا اگرچہ مقربہ و دیعت ہو امام ”شافعی“ رضی اللہ عنہ کے نزدیک سب برابر ہیں۔ سب معروف وہ ہوتا ہے جو تبرع نہ ہو جیسے ایسا نکاح جو گواہوں کی موجودگی میں ہو اگر مہر مثل کے ساتھ ہو۔ جہاں تک زیادتی کا تعلق ہے تو وہ باطل ہے اگرچہ نکاح جائز ہوگا۔ ایسی بیع جو گواہوں کی موجودگی میں ہو اور کسی چیز کو گواہوں کی موجودگی میں تلف کیا جائے۔ اس کا حکم بھی اسی طرح ہے اور مریض کے لیے یہ جائز نہیں کہ بعض غرماء کے دیون ادا کرے بعض کے ادا نہ کرے اگرچہ وہ مہر کی ادائیگی اور اجرت کی ادائیگی ہو یہ صرف انہیں دینا درست نہ ہوگا

28261۔ (قوله: فِي مُعِينِهِ) اس سے مراد مصنف کی ”معین الفتی“ ہے۔

28262۔ (قوله: وَدَيْنُ الصِّحَّةِ) یہ مبتدا ہے اور اس کی خبر قدم والا جملہ ہے۔

28263۔ (قوله: فَبَاطِلَةٌ) اگر وراثت اسے جائز قرار نہ دیں۔ کیونکہ یہ اپنی وارث زوجہ کے لیے وصیت بنتی ہے۔

28264۔ (قوله: وَالْمَرِيضُ) صحیح کا معاملہ مختلف ہے جس طرح ”العنایہ“ کے باب الجس میں ہے۔

28265۔ (قوله: لَيْسَ لَهُ) یعنی مریض کے لیے یہ جائز نہیں۔ اس سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ صحیح کی تخصیص صحیح ہوتی ہے جس طرح ”النبایہ“ ”المستقی“ کی شرح ہے کے باب الحجر میں ہے۔

28266۔ (قوله: بَعْضُ الْغُرْمَاءِ) اگرچہ وہ حالت صحت کے غریم (قرض خواہ) ہوں۔

28267۔ (قوله: إِعْطَاءَ مَهْرٍ) یہ لفظ اعطاء کے ہمزہ، اس کے نصب اور مہر کی طرف اضافت کے ساتھ ہے۔

28268۔ (قوله: فَلَا يُسَلِّمُ لَهَا) یسلم یہ یا اور لام کے فتح اور سین مہملہ کے سکون کے ساتھ ہے۔ بلکہ حالت

صحت کے غرماء ان دونوں کے ساتھ شریک ہوں گے۔ کیونکہ نکاح اور گھر کی رہائش سے اسے جو کچھ حاصل ہوا ہے وہ ان کے حقوق کے متعلق ہونے کی صلاحیت نہیں رکھتا پس ان دونوں کی تخصیص دوسرے غرماء کے حقوق کو باطل کرنے کے حکم میں ہے۔ اس کے بعد جو مسئلے ہیں ان کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ اس کے ہاتھ میں حاصل ہونے والی چیز اس کی مثل ہے جو اس نے نقدی حاصل کی اور غرماء کا حق ترکہ کے معنی کے ساتھ متعلق ہو گیا ہے اس کی صورت کے متعلق نہیں ہوا۔ جب اسے اس کی مثل

(أَلَا فِي مَسْأَلَتَيْنِ إِذَا قَضَى مَا اسْتَقْرَضَ فِي مَرَضِهِ أَوْ نَفَذَ ثَمَنُ مَا اشْتَرَى فِيهِ) لَوْ بِبَيْتِلِ الْقَيْمَةِ كَمَا فِي الْبُرْهَانِ (وَقَدْ عَلِمَ ذَلِكَ) أَمَّا ثَبَتُ كُلِّ مِنْهُمَا (بِالْبُرْهَانِ) لَا بِإِقْرَارِهِ لِلثُّمَّةِ (بِخِلَافِ) إِعْطَاءِ الْمَهْرِ وَنَحْوِهِ وَ (مَا إِذَا لَمْ يُؤَدَّ حَتَّى مَاتَ فَإِنَّ الْبَائِعَ أَسْوَأُ لِلْغُرَمَاءِ) فِي الثَّمَنِ (إِذَا لَمْ تَكُنْ الْعَيْنُ) السَّبِيْعَةُ (فِي يَدِهِ) أَمَّا يَدِ الْبَائِعِ فَإِنْ كَانَتْ كَانَتْ أُولَى (وَ إِذَا أَقَرَّ) الْمَرِيضُ (بِدَيْنٍ ثُمَّ) أَقَرَّ (بِدَيْنٍ تَحَاصُّا وَصَلَّ أَوْ فَصَلَّ) لِلِاسْتِوَاءِ وَلَوْ أَقَرَّ بِدَيْنٍ ثُمَّ بِوَدِيعَةٍ تَحَاصُّا

مگر دو مسئلوں میں درست ہوگا۔ جو اس نے حالت مرض میں قرض لیا اسے ادا کیا یا اس نے حالت مرض میں جس کو خریدا تھا اس کی ثمن ادا کی اگر مثل قیمت کے ہو جس طرح ”برہان“ میں ہے۔ جب کہ یہ دونوں چیزیں برہان سے ثابت ہوئی تھیں نہ کہ اقرار کی وجہ سے ثابت ہوئی تھیں۔ کیونکہ اقرار میں اس پر تہمت واقع ہوتی ہے۔ مہر وغیرہ کے عطا کرنے کا معاملہ مختلف ہے۔ اور جب اس نے ادا نہ کیا یہاں تک وہ مر گیا تو بائع ثمن میں دوسرے قرض خواہوں کے برابر ہوگا جب بیچی گئی چیز بائع کے قبضہ میں نہ ہو (مناسب تو یہ ہے کہ وہ مقرر کے قبضہ میں نہ ہو)۔ اگر وہ اس کے قبضہ میں ہو تو اس کا زیادہ حق دار ہوگا۔ جب مریض نے ایک دین کا اقرار کیا پھر دوسرے دین کا اقرار کرے تو دونوں کے حصہ کے مطابق ملے گا اس نے یہ اقرار متصل کیا ہو یا منفصل کیا ہو۔ کیونکہ دونوں میں برابری ہے۔ اگر اس نے دین کا اقرار کیا پھر ودیعت کا اقرار کیا تو دونوں حصہ کے مطابق لیں گے۔

حاصل ہو گیا تو اسے تقویت شمار نہیں کیا جائے گا۔ ”کفایہ“۔

28269۔ (قوله: أَمَّا ثَبَتُ كُلِّ مِنْهُمَا) یعنی قرض اور شرا میں سے ہر ایک ثابت ہے۔

28270۔ (قوله: إِذَا أَقْرَأَ الْخ) اگر وارث پر دین ہو تو اس مریض نے قبضہ کا اقرار کیا تو یہ جائز نہ ہوگا۔ خواہ یہ دین حالت صحت میں واجب ہوا ہو یا ایسا نہ ہوا ہو مریض پر دین ہو یا اس پر دین نہ ہو۔ ”قطنط“۔

عورت نے اپنے مہر پر قبضہ کا اقرار کیا اگر وہ عورت مر جائے جب کہ یہ اس کی بیوی ہو یا اس کی معتدہ ہو تو اس عورت کا اقرار جائز نہ ہوگا اگر ایسا نہ ہو اس کی صورت یہ ہے کہ وہ حقوق زوجیت سے پہلے اسے طلاق دے دے تو یہ جائز ہوگا۔ ”جغ“، ”فصولین“، ”قع“، ”عت“۔

ایک مریض ہے جس نے اپنی مرض موت میں کہا: دنیا میں میری کوئی شے نہیں پھر وہ مر گیا تو بعض وارثوں کو حق حاصل ہو گا کہ وہ میت کی بیوی اور اس کی بیٹی سے یہ قسم لیں کہ وہ متوفی کے ترکہ میں سے کوئی شے نہیں جانتیں بطریقہ اسنع۔ اسی طرح اگر وہ کہے: میرے پاس دنیا میں اس کے سوا کوئی شے نہیں ”حاوی الزاہدی“، تو حکم یہی ہوگا۔ قع سے اشارہ قاضی عبد الجبار کی طرف ہے۔ عت سے اشارہ علالتا جری کی طرف ہے۔ اسنع سے اشارہ ”الاسرار“ نجم الدین کی طرف ہے۔ بیوی کا اپنے خاوند کو اپنی اس مرض موت میں بری کرنا جس میں وہ مر جائے یہ باقی وارثوں کی اجازت پر موقوف ہے ”فتاویٰ اشلی“۔ ”حامد“۔ ”حاشیہ“ میں اسی طرح ہے۔

وَبِعَكْسِهِ الْوَدِيعَةُ أُولَى (وَابْرَؤُكَ مَدْيُونُهُ وَهُوَ مَدْيُونُهُ غَيْرُ جَائِنٍ أَمَى لَا يَجُوزُ) (إِنْ كَانَ أَجْنَبِيًّا وَإِنْ كَانَ وَارِثًا فَلَا)

اگر اس کے برعکس صورتحال ہوگی تو ودیعت اولیٰ ہے۔ اور مریض کا اپنے مدیون کو بری کرنا جب کہ وہ خود مدیون ہو یہ جائز نہیں اگرچہ وہ مدیون اجنبی ہو اگر وہ مدیون وارث ہو تو

28271۔ (قولہ: الْوَدِيعَةُ أُولَى) کیونکہ جب اس نے اس کے ودیعت ہونے کا اقرار کیا تو اس سے یہ معلوم ہو گیا کہ یہ چیز اس کے ترکہ میں سے نہیں پھر اس کا دین کا اقرار کرنا اسے شامل نہیں ہوگا جو اس کے ترکہ میں سے نہ ہو۔ ”بزازیہ“۔ مریض کا اپنے مدیون کو بری کرنا جب کہ وہ خود مدیون ہو جائز نہیں

28272۔ (قولہ: وَابْرَؤُكَ مَدْيُونُهُ وَهُوَ مَدْيُونُهُ) یہ قید لگائی تاکہ غیر مدیون سے احتراز ہو جائے۔ کیونکہ اس کا اجنبی کو بری کرنا یہ ایک تہائی میں نافذ ہو جاتا ہے جس طرح ”جوہرہ“ میں ہے۔ ”سامحانی“۔

فائدہ: ایک آدمی نے اپنی مرض میں ایک شے کا اقرار کیا اس نے کہا: میں نے یہ حالت صحت میں کیا تھا تو یہ مرض میں اقرار کے قائم مقام ہوگا یہ صحت کے زمانہ کی طرف منسوب نہ ہوگا، ”اشباہ“۔ ”بزازیہ“ میں ”المشتقی“ سے مروی ہے: اس نے اقرار کیا کہ اس نے اپنا غلام فلاں کو بیچا اور اپنی حالت صحت میں اس پر قبضہ کیا مشتری نے اس بارے میں اس کی تصدیق کر دی تو بیع کے معاملہ میں اس کی تصدیق کی جائے گی۔ ثمن کے قبضہ کرنے میں اس کی تصدیق نہ کی جائے گی مگر ایک تہائی میں تصدیق کی جائے گی۔ ”نور العین“ میں ”الخلاصہ“ میں اسے نقل کیا ہے اس سے قبل ”الغانیہ“ سے نقل کیا۔

ایک آدمی نے اقرار کیا کہ اس نے فلاں کو حالت صحت میں اپنے دین سے بری کر دیا تو یہ جائز نہیں ہوگا۔ کیونکہ وہ فی الحال اسے بری کرنے کا مالک نہیں۔ حکایت کا حکم بھی اسی طرح ہے۔ قبضہ کرنے کے اقرار کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ اس کے نئے سرے سے واضح کرنے کا مالک ہے تو وہ اس کے اقرار کا بھی مالک ہوگا۔ پھر کہا: شاید مسئلہ میں دو روایتیں ہیں یا ان دونوں میں سے ایک سہو ہے۔ ظاہر یہ ہے کہ ”الغانیہ“ میں جو قول ہے وہ اصح ہے۔ اور یہ بھی کہا: ان کا قول ”وہ فی الحال انشا کا مالک نہیں“ یہ اس کے بھی مخالف ہے جو قول اس میں ہے کہ اجنبی کو بری کرنا جائز ہے مگر اس صورت میں کہ انشا پر عد مقدمہ رت کے اس کے ساتھ خاص کیا جائے کہ فلاں وارث ہے یا وارث فلاں اجنبی کا کفیل ہے۔ پس اس کو مطلق ذکر کرنے کی صورت میں اعتراض کی گنجائش موجود ہے۔

میں کہتا ہوں: یا مقرر مدیون ہو جس طرح مصنف نے اسے بیان کیا ہے۔

28273۔ (قولہ: أَجْنَبِيًّا) مگر جب وارث اس کی جانب سے کفیل ہو تو یہ جائز نہ ہوگا۔ کیونکہ کفیل، اصل کے بری ہونے کے ساتھ بری ہو جائے گا۔ ”جامع الفصولین“۔ اگر اجنبی اس بات کا اقرار کر لے کہ اس نے مقرر سے اپنا دین وصول کر لیا تھا تو اس کی تصدیق کی جائے گی جس طرح ”الولوالجیہ“ میں اس کو تفصیل سے بیان کیا ہے۔

يَجُوزُ (مُطْلَقًا) سَوَاءٌ كَانَ الْمَرِيضُ مَذْيُونًا أَوْ لَا لِتُثْمَةِ، وَحِيلَةُ صِحَّتِهِ أَنْ يَقُولَ لَأَحَقَّ لِي عَلَيْهِ كَمَا دَعَا بِقَوْلِهِ (وَقَوْلُهُ لَمْ يَكُنْ لِي عَلَى هَذَا الْمَطْلُوبِ شَيْءٌ) يَشْتَلُّ الْوَارِثُ وَغَيْرُهُ

مطلقاً جائز نہیں خواہ مریض مذیون ہو یا نہ ہو۔ کیونکہ وارث کی صورت میں اس پر تہمت پائی جا رہی ہے اس کی براءت کے صحیح ہونے کا حیلہ یہ ہے کہ وہ کہے: میرا اس پر کوئی حق نہیں جس طرح انہوں نے اپنے اس قول میں بیان کیا ہے۔ اس کا مال: اس مطلوب پر میری کوئی شے نہیں وارث اور غیر وارث کو شامل ہوگا۔

28274۔ (قوله: فَلَا يَجُوزُ) خواہ اس پر اس کا دین اصلاً ہو یا کفالت کے اعتبار سے ہو۔ اسی طرح وہ اس دین پر قبضہ کا اقرار کرے اور کسی غیر پر اس کا حوالہ کر دے۔ ”فصولین“۔

حاشیہ میں ہے: مرض الموت کے مریض نے اقرار کیا کہ اس کا اس کی بیوی ہند پر کوئی حق نہیں اور خاوند نے بیوی کے حقوق شرعی سے بری کر دیا تو یہ اقرار صحیح نہ ہوگا۔ ”حامدیہ“۔

کسی مریض کا اپنے کسی وارث پر دین ہو اور وہ اسے بری کر دے تو یہ جائز نہیں

28275۔ (قوله: يَشْتَلُّ الْوَارِثُ) ”جامع الفصولین“ میں اس کی تصریح کی ہے کیونکہ کہا: ایک مریض ہے جس کا اس کے وارث پر دین ہے اس نے اسے بری کر دیا تو بری کرنا جائز نہ ہوگا۔ اگر اس نے کہا: میرا تجھ پر کوئی حق نہیں پھر وہ مر گیا تو اس کا اقرار قضاءً جائز ہوگا و یا نہ ہوگا۔ اگر کوئی دوسرا وارث دعویٰ کر دے یا مقرا اپنے اقرار میں جھوٹا ہو تو چاہیے کہ مقررہ قسم اٹھائے کہ یہ جھوٹا نہیں۔ یہ امام ”ابو یوسف“ رحمۃ اللہ علیہ کے مفتی بہ پر مبنی ہے جس طرح باب الاستثنا سے تھوڑا پہلے گزر چکا ہے۔

”بزازیہ“ میں ہے: ایک آدمی نے دوسرے پر دیون، مال اور ودیعت کا دعویٰ کیا اور طالب نے تھوڑی سی چیز پر خفیہ مصالحت کر لی اور طالب نے اعلانیہ اقرار کر لیا کہ اس کا مدعی علیہ پر کوئی حق نہیں جب کہ یہ مدعی کی حالت مرض میں تھا پھر وہ مر گیا وارث نے گواہیاں قائم کر دیں کہ میرے مورث کے اس پر کثیر اموال تھے اور اس نے ہمیں محروم کرنے کا قصد کیا تو اس کا دعویٰ نہیں سنا جائے گا۔ اگر مدعی علیہ مدعی کا وارث ہو اور جو کچھ ہم نے ذکر کیا ہے وہ جاری ہو باقی ماندہ وارثوں نے گواہیاں قائم کر دیں کہ ہمارے باپ نے اس اقرار کے ساتھ ہمیں محروم کرنے کا قصد کیا ہے تو دعویٰ سنا جائے گا۔

چاہیے تو یہی کہ ہمارے مسئلہ میں معاملہ اس طرح ہو۔ لیکن ”الاشباہ“ میں یہ فرق بیان کیا ہے کہ اس اقرار میں وہ متہم ہے کیونکہ دعویٰ پہلے ہو چکا ہے اور اس کے ساتھ تھوڑے سے مال پر صلح ہو چکی ہے اور کلام اس بارے میں ہے جب تہمت کا قرینہ موجود نہ ہو۔

میں کہتا ہوں: ہمارے زمانہ میں مقرا کثر طور پر باقی وارثوں کو محروم کرنے کا قصد کرتا ہے جس پر احوال قریبہ کے صحیح قرائن دلالت کرتے ہیں اس بنا پر اس کا دعویٰ سنا جائے گا کہ وہ اپنے اقرار میں جھوٹا ہے اور مقررہ پر حق کے قیام میں ان کے بینہ قبول کیے جائیں گے۔ اسی وجہ سے ”سائحانی“ نے کہا: متن میں اقرار اور ابرا کا جو ذکر ہے دونوں وارث کے لیے صحیح نہیں جس طرح

(صَحِيحٌ قَضَاءٌ لَا دِيَانَةَ) فَتَرْتَفِعُ بِهِ مُطَالَبَةُ الدُّنْيَا لَا مُطَالَبَةُ الْآخِرَةِ حَاوِي إِلَّا الْمَهْرُ فَلَا يَصِحُّ عَلَى الصَّحِيحِ بَرَّازِيَّةٌ أُنِيَ لِيُظْهِرَ أَنَّهُ عَلَيْهِ غَالِبًا بِخِلَافِ إِقْرَارِ الْبِنْتِ فِي مَرَضِهَا بِأَنَّ الشَّيْءَ الْفُلَاقِ مِثْلُ أَبِي أَوْ أُمِّي لَا حَقَّ لِي فِيهِ أَوْ أَنَّهُ كَانَ عِنْدِي عَارِيَّةً فَإِنَّهُ يَصِحُّ وَلَا تُسَمَّعُ دَعْوَى زَوْجِهَا فِيهِ كَمَا بَسَطَهُ فِي الْأَشْبَاهِ قَائِلًا فَاغْتَنِمَ هَذَا التَّخْرِيرَ فَإِنَّهُ مِنْ مُفْرَدَاتِ كِتَابِي (وَإِنْ أَقَرَّ الْمَرِيضُ لِوَارِثِهِ) بِمُفْرَدِهِ

یہ براءت قضاء صحیح ہوگی دیانۃ صحیح نہ ہوگی۔ پس اس کے ساتھ دنیا کا مطالبہ ختم ہو جائے گا آخرت کا مطالبہ ختم نہیں ہوگا، ”حاوی“۔ مگر مہر کا معاملہ مختلف ہے۔ صحیح قول کے مطابق یہ صحیح نہیں، ”برازیہ“۔ یعنی غالب یہی ہوتا ہے کہ خاوند کے ذمہ مہر باقی ہوتا ہے۔ بچی جب اپنی مرض میں اقرار کرے کہ فلاں شے میرے باپ کی یا ماں کی ملکیت ہے میرا اس شے میں کوئی حق نہیں یا وہ چیز میرے پاس عاریۃ تھی تو یہ صحیح ہوگا۔ اس عورت کے خاوند کے دعویٰ کو نہیں سنا جائے گا جس طرح ”الاشباہ“ میں یہ کہتے ہوئے تفصیل بیان کی ہے۔ اس تحریر کو غنیمت جانو کیونکہ یہ میری کتاب کے مفردات میں سے ہے۔ اگر مریض نے صرف اپنے وارث کے لیے

متون اور شروع میں ہے پس اس پر اعتما نہیں کیا جائے گا تاکہ یہ وراثت کے جبری اسقاط کا حیلہ نہ بن جائے۔ واللہ اعلم

28276۔ (قوله: صَحِيحٌ قَضَاءٌ) باب الدعوى سے تھوڑا پہلے فروع میں یہ گزر چکا ہے۔

28277۔ (قوله: كَمَا بَسَطَهُ فِي الْأَشْبَاهِ) میں کہتا ہوں: اس زمانے کے علما نے ان کی مخالفت کی ہے اور انہوں

نے یہ فتویٰ دیا ہے کہ یہ صحیح نہیں ان میں سے ”ابن عبدالعال“، ”مقدسی“، مصنف کے بھائی، ”حانوتی“ اور ”رملی“ ہیں۔ انہوں نے جو کہا اس کے رد میں ”حموی“ نے بہت اچھی کتاب لکھی ہے جو متقدمین سے منقول ہے پس اس کی طرف رجوع کیجئے۔

میں کہتا ہوں: ”رملی“ نے جو کچھ ذکر کیا ہے اس کا حاصل یہ ہے: ان کا قول لم یکن علیہ شیء یہ اس کے مطابق ہے جو اصل ہے کہ وہ دین کے ذمہ سے خالی ہے یہ اقرار نہیں بلکہ اس عینی چیز کے اعتراف کی طرح ہے جو زید کے قبضہ میں ہے کہ یہ چیز رکی ہے پس تہمت منسفی ہو جائے گی۔ اس کی مثل یہ قول ہے کہ اس کا اپنے والد کے خلاف اس کی ماں کے ترکہ میں سے کوئی

شے لاؤ نہیں اور میرے اپنے خاوند کوئی مہر نہیں یہ مرجوح ہے جو یہاں ہے وہ اس کے برعکس ہے۔ کیونکہ عورت کا اس چیز کے بارے میں اقرار جو اس کے قبضہ میں ہے یہ بغیر اس کے وارث کی ملکیت کا اقرار ہے۔ کیونکہ ملک پر جس چیز سے سب سے زیادہ استدلال کیا جاتا ہے وہ اس شے پر قبضہ ہوتا ہے تو یہ صحیح ہوگا اور تہمت کس طرح ختم ہوگی۔ اور روایات منقولہ اس بارے صریح ہیں کہ کسی ایسی عینی چیز کے بارے میں اقرار اقرار کے قبضہ میں ہو یہ دین کے اقرار کی طرح ہے جب صحیح قول کے مطابق یہ مہر میں صحیح نہیں جب کہ اصل یہ ہے کہ انسان ذمہ سے کوئی شے اقرار کیے صحیح ہوگا جس میں ملکیت کا مشاہدہ قبضہ کے ساتھ کیا جا رہا ہو۔ ہاں اگر سامان باپ کے قبضہ میں ہو تو اس کے صحیح ہونے میں کوئی اعتراض و کلام نہیں ہو سکتا۔ ”حاشیۃ الباری“ میں ہے: صحیح یہ ہے کہ نفی کے صیغہ کے ساتھ وارث کے حق میں عینی چیز کا اقرار ہے۔ مصنف نے جس چیز کا سہارا لیا ہے

أَوْ مَعَ أَجْنَبِيٍّ بَعِيْنٍ أَوْ دَيْنٍ (بَطْلَ) خِلَافًا لِلشَّافِعِيِّ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ وَلَنَا حَدِيثٌ لَا وَصِيَّةَ لَوَارِثٍ وَلَا إِقْرَارَ لَهُ بِدَيْنٍ (إِلَّا أَنْ يُصَدِّقَهُ) بِقِيَّةِ الْوَرَثَةِ فَلَوْلَمْ يَكُنْ وَارِثٌ آخَرُ

یا کسی اجنبی کے ساتھ کسی معین شے یا دین کا اقرار کیا تو اقرار باطل ہو جائے گا۔ امام ”شافعی“ رحمہ اللہ نے اس سے اختلاف کیا ہے۔ ہمارے پیش نظر ایک حدیث ہے: نہ وارث کے لیے وصیت ہے (1) اور نہ ہی اس کے لیے دین کا اقرار ہے۔ مگر جب باقی ماندہ ورثاء اس کی تصدیق کریں اگر اس کا کوئی اور وارث نہ ہو

وہ دین کے بارے میں ہے۔ وہ عین کے بارے میں نہیں جب کہ وہ ذمہ میں وصف ہے وہ توقبضہ کے ساتھ مال بنے گا۔

اگر کوئی اپنے وارث اور اجنبی کے لیے دین مشترکہ کا اقرار کرے تو یہ باطل ہے

28278۔ (قوله: أَوْ مَعَ أَجْنَبِيٍّ) ”نور العین“ میں کہا: ایک آدمی نے اپنے وارث اور اجنبی کے لیے دین مشترک کا اقرار کیا تو شیخین کے نزدیک اس کا اقرار باطل ہو جائے گا وہ دونوں شرکت میں ایک دوسرے کی تصدیق کریں یا دونوں اس کی تکذیب کریں۔

امام ”محمد“ رحمہ اللہ نے فرمایا: اگر اجنبی شرکت کا انکار کرے تو اجنبی کو اس کے حصہ کے مطابق مل جائے گا اور اس کے برعکس صورت کا امام ”محمد“ رحمہ اللہ نے ذکر نہیں کیا۔ یہ جائز ہے کہ کہا جائے کہ یہ مختلف فیہ ہے صحیح قول یہ ہے کہ امام ”محمد“ رحمہ اللہ کے قول کے مطابق جائز نہیں جس طرح شیخین کا قول ہے۔

28279۔ (قوله: إِلَّا أَنْ يُصَدِّقَهُ) یعنی اسکی موت کے بعد دوسرے وارث اسکی تصدیق کریں اس سے قبل انکے جائز قرار دینے کا اعتبار نہیں۔ جس طرح ”خزانة المفتین“ میں ہے اگرچہ صاحب ”الہدایہ“ نے اس کی ضد کی طرف اشارہ کیا ہے۔ اس کا جواب ان کے بیٹے ”نظام الدین“ اور ان کے پوتے ”عماد الدین“ نے دیا جس کا ذکر ”قہستانی“ نے کیا ہے۔ ”شرح الملتقی“۔

”العمیہ“ میں ہے: جب ورثاء نے مریض کے اپنے وارث کے حق میں اقرار کی اس کی زندگی میں تصدیق کر دی تو اس کی وفات کے بعد ان کی تصدیق کی ضرورت نہ ہوگی۔ اسے ”حاشیہ مسکین“ کی طرف منسوب کیا ہے۔ کہا: اجازت کو تصدیق کی طرح نہیں بنایا جائے گا شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ انہوں نے اس کا اقرار کیا۔

شارح نے باب الفضولی میں پہلے بیان کر دیا ہے اس طرح اگر وہ کوئی چیز اپنے وارث کے ہاتھ بیچتا ہے تو یہ باقی ماندہ ورثاء کی اجازت پر موقوف ہوگی۔

”خلاصہ“ میں ہے: وارث کے ہاتھ میں نفس بیع یہ وارثوں کی اجازت کے ساتھ ہی جائز ہوگی یعنی جب وہ مرض الموت میں یہ بیع کرے یہی قول صحیح ہے۔

أَوْ أَوْصَى لِزَوْجَتِهِ أَوْ هِيَ لَهُ صَحَّتْ الْوَصِيَّةُ وَأَمَّا غَيْرُهُمَا فَيَرِثُ الْكُلَّ فَرَضًا وَرَدًّا فَلَا يَحْتَاجُ لِوَصِيَّةٍ شَرْبِلَالِيَّةٍ وَفِي شَرْحِهِ لِلْوَهْبَانِيَّةِ أَقَرَّ بِوَقْفٍ، وَلَا وَارِثَ لَهُ فَلَوْ عَلَى جِهَةِ عَامَّةٍ صَحَّ بِتَصْدِيقِ السُّلْطَانِ أَوْ نَائِبِهِ وَكَذَا لَوْ وَقَفَ خِلَافًا لِمَا زَعَمَهُ الطَّرْسُوسِيُّ فَلْيُحْفَظْ (وَلَوْ كَانَ ذَلِكَ إِقْرَارًا)

یا اس نے اپنی بیوی کے لیے وصیت کی یا بیوی نے خاوند کے حق میں وصیت کی وصیت صحیح ہوگی۔ جہاں تک ان دونوں (میاں بیوی) کے علاوہ کا تعلق ہے تو سب فرض اور رد کے اعتبار سے کل کا وارث ہوگا پس وصیت کی ضرورت نہ ہوگی، ”شربلالیہ“۔ اس کی ”شرح وہبانیہ“ میں ہے: ایک آدمی نے وقف کا اقرار کیا جب کہ اس کا کوئی وارث نہ ہو اگر وہ وقف جہت عامہ کے اعتبار سے ہو تو سلطان یا اس کے نائب کی تصدیق سے صحیح ہوگا اگر وہ وقف کردے تو بھی حکم اسی طرح ہوگا۔ ”طرسوسی“ نے اس کی مخالفت کی ہے پس اس کو یاد رکھنا چاہیے۔ اگر وہ اقرار اپنے

شیخین کے نزدیک بیع جائز ہوگی لیکن اگر اس میں غبن اور محابات ہو تو مشتری کو اختیار ہوگا کہ وہ بیع کو رد کر دے یا مکمل قیمت ادا کر دے۔ ”ساحمانی“۔

28280۔ (قوله: أَوْ أَوْصَى) بعض نسخوں میں داوصی ہے الف نہیں ہے۔

28281۔ (قوله: لِزَوْجَتِهِ) یعنی اس کا کوئی وارث نہ ہو اسی طرح اس کے برعکس ہے جس طرح ”شربلالیہ“ میں ہے۔ یہ قول میرے والد کے شیخ مدنی کا ہے۔

28282۔ (قوله: صَحَّتْ) اس کی مثل ”حاشیۃ الرطبی علی الاشباہ“ میں ہے۔ پس اس کی طرف رجوع کیجئے۔

28283۔ (قوله: أَمَّا غَيْرُهُمَا) ہما ضمیر سے مراد میاں بیوی ہیں۔ ”حاشیہ“ میں ہے: ایک آدمی نے اپنی مرض میں ایسی زمین کے وقف کا اقرار کیا جو اس کے قبضہ میں تھی اگر وہ اپنی جانب سے وقف کا اقرار کرے تو وہ وقف اس کے تہائی مال سے ہوگا جس طرح ایک آدمی غلام کے وقف کا اقرار کرے یا وہ یہ اقرار کرے کہ اس نے یہ چیز فلاں پر صدقہ کی ہے یہ پہلے والا مسئلہ ہے اگر اس نے کسی اور کی جانب سے وقف کا اقرار کیا اگر غیر نے اس کی تصدیق کی یا اس کے وارثوں نے تصدیق کی تو تمام مال میں وقف جائز ہوگا اگر اس نے وقف کا اقرار کیا اور یہ وضاحت نہ کی کہ یہ وقف اس کی جانب سے ہے یا کسی اور کی جانب سے ہے تو وہ وقف ایک تہائی مال سے جاری ہوگا، ”ابن شحنہ“۔ ”حاشیہ“ میں اسی طرح ہے۔

28284۔ (قوله: صَحَّ الْخ) یہ امر اشکال پیدا کر رہا ہے پس اس کے حل کے لیے کتب کی طرف رجوع کیا جانا چاہیے۔

28285۔ (قوله: لِمَا زَعَمَهُ الطَّرْسُوسِيُّ) یعنی سلطان تصدیق بھی کر دے تب بھی ایک تہائی میں جاری ہوگا۔

”حاشیہ“ میں اسی طرح ہے۔

28286۔ (قوله: وَلَوْ كَانَ ذَلِكَ) اسم اشارہ سے مراد الاقرار ہے اور لہو وصلیہ ہے۔

(بِقَبْضِ دَيْنِهِ أَوْ غَضَبِهِ أَوْ رَهْنِهِ) وَنَحْوِ ذَلِكَ (عَلَيْهِ) أُنْئِ عَلَى وَارِثِهِ أَوْ عَبْدٍ وَارِثِهِ أَوْ مُكَاتَبِهِ

وارث کے خلاف، اس کے غلام کے خلاف یا اس کے مکاتب کے خلاف اپنے دین، غصب شدہ چیز یا رہن پر قبضہ

ایسا مریض جو مرض موت میں مر گیا تو اس کا اپنے وارث سے دین پر قبضہ کا اقرار صحیح نہیں

28287۔ (قوله: بِقَبْضِ دَيْنِهِ) ”الغنائیہ“ میں کہا: ایسا مریض جو اس مرض موت میں مر گیا تو اس کا اپنے وارث سے دین پر قبضہ کا اقرار صحیح نہیں ہوگا اور نہ ہی وارث کے کفیل سے قبضہ کرنے کا اقرار صحیح ہوگا۔ قریب ہی ”نور العین“ سے مفصل گفتگو آئے گی۔

دین وارث کی قید لگائی ہے یہ اصل میں اجنبی کے دین کو وصول کرنے کے اقرار سے احتراز ہے۔

اس میں اصل یہ ہے: اگر اس کا دین اجنبی پر حالت صحت میں واجب ہوا ہو تو اس کو وصول کرنے کا اقرار جائز ہوگا اگرچہ اس مقرر پر دین معروف ہو خواہ وہ دین جس کے قبض کا وہ اقرار کرتا ہے۔ خواہ وہ مال کے بدل کے طور پر واجب ہو جیسے ثمن یا ایسا نہ ہو جس طرح دم عہد کا بدل صلح اور مہر وغیرہ۔ اگر وہ دین ہو جو مرض میں واجب ہوا اگر وہ مال جس پر قبضہ کرنے کا اقرار کیا ہو وہ مال کا بدل ہو تو اس کا یہ اقرار حالت صحت کے قرض خواہوں کے حق میں جائز نہ ہوگا جس طرح ”ساعحانی“ نے ”البدائع“ سے نقل کیا ہے۔ اگر وہ ایسی چیز کا بدل ہو جو مال نہ ہو تو اس پر قبض کا اقرار جائز ہوگا اگرچہ اس پر معروف دین ہو۔ ”جامع الفصولین“۔

اس میں ہے: اگر وہ اپنی مرض میں کوئی شے اس کی قیمت سے زیادہ کے ساتھ بیچتا ہے اس پر قبضہ کا اقرار کرتا ہے تو اس کی تصدیق نہ کی جائے گی۔ مشتری سے کہا جائے گا: ایک دفعہ پھر قیمت ادا کرو یا بیع کو توڑ دو۔ یہ امام ”ابو یوسف“ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ہے امام ”محمد“ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک وہ بازاری قیمت کے برابر ادا کرے یا بیع کو توڑ دے۔

28288۔ (قوله: أَوْ غَضَبِهِ) یعنی جو چیز مقرر سے وارث نے غصب کی تھی وہ اس پر قبضہ کا اقرار کرتا ہے۔

28289۔ (قوله: وَنَحْوِ ذَلِكَ) اس کی صورت یہ ہے کہ وہ یہ اقرار کرے کہ اس نے دوسرے شخص سے بیع پر قبضہ کیا

جب کہ وہ بیع فاسد تھی یا اسے مرض کی حالت میں جو ہبہ کیا تھا اس سے رجوع کر لیا۔ ”حموی“، ”ط“۔

فرع: اس نے اپنے وارث کے لیے دین کا اقرار کیا یا کسی اور کے لیے دین کا اقرار کیا پھر اس سے بری ہو گیا تو یہ دین اس حالت صحت کا دین ہوگا۔ اگر ایک آدمی نے اپنے وارث کو وصیت کی پھر وہ بری ہو گیا تو اس کی وصیت باطل ہو جائے گی۔ ”جامع الفصولین“۔

تمتہ: ”تاتر خانہ“ میں ”واقعات ناطفی“ سے منقول ہے: ایک عورت نے اپنے بیٹے یا اپنے بھائی کے حق میں گواہ بنائے اس سے اس کا مقصود اپنے خاوند کو نقصان پہنچانا تھا یا ایک مرد نے اپنے آپ پر مال کے متعلق کسی بچے کے حق میں گواہ بنائے جس سے اس نے یہ ارادہ کیا کہ وہ باقی ماندہ اولاد کو نقصان پہنچائے جب کہ گواہ یہ جانتے تھے تو گواہوں کے لیے گنجائش ہے وہ گواہی نہ دیں الخ۔ اسے علامہ ”بیری“ نے ذکر کیا ہے۔ اس قول پر قیاس کرنے کی بنا پر چاہیے کہ یہ کہا جائے: اگر قاضی کو اس

لَا يَصِحُّ لِقُوعِهِ لِمَوْلَاهُ وَلَوْ فَعَلَهُ ثُمَّ بَرِيَ ثُمَّ مَاتَ جَازَ كُلُّ ذَلِكَ لِعَدَمِ مَرَضِ الْمَوْتِ اخْتِيَارًا وَلَوْ مَاتَ الْمُقَرَّرُ لَهُ ثُمَّ الْمَرِيضُ وَوَرَثَةُ الْمُقَرَّرِ لَهُ مِنْ وَرَثَةِ الْمَرِيضِ جَازَ إِقْرَارُهُ كِإِقْرَارِهِ لِلْأَجْنَبِيِّ بَحْرًا وَسَيَجِيءُ عَنْ الصَّيْرِفِيَّةِ (بِخِلَافِ إِقْرَارِهِ) لَهُ أَيْ لِوَارِثِهِ (بِوَدِيْعَةٍ مُسْتَهْلَكَةٍ) فَإِنَّهُ جَازٌ وَصُورَتُهُ أَنْ يَقُولَ كَانَتْ عِنْدِي وَدِيْعَةٌ لِهَذَا الْوَارِثِ فَاسْتَهْلَكْتُهَا جَوْهَرَةً وَالْحَاصِلُ

کا ہو تو یہ صحیح نہیں ہوگا۔ کیونکہ اس کا وقوع اس کے آقا کے لیے ہوگا۔ اگر اس نے ایسا اقرار کیا پھر وہ صحت مند ہو گیا پھر مر گیا تو سب جائز ہو جائے گا۔ کیونکہ مرض الموت نہیں پایا گیا، ”اختیار“۔ اگر مقرّر مر گیا پھر مریض مر گیا اور مقرّر کے وارث مریض کے وارث ہوں تو اس کا اقرار جائز ہوگا جس طرح اس کا اجنبی کے لیے اقرار جائز ہوگا، ”بحر“۔ عنقریب ”صیرفیہ“ سے آئے گا۔ اگر وہ وارث کے لیے ایسی ودیعت کا اقرار کرے جس کو جان بوجھ کر ہلاک کیا گیا تو یہ جائز ہوگا۔ اس کی صورت یہ ہے کہ وہ کہے: اس وارث کی میرے پاس ودیعت تھی تو میں نے اسے جان بوجھ کر ہلاک کر دیا، ”جوہرہ“۔ حاصل کلام یہ ہے

کا علم ہو تو اسے فیصلہ کرنے کی گنجائش نہ ہوگی۔ ”الاشباہ والنظائر“ پر ”حاشیہ ابوسعود“ میں اسی طرح ہے۔

28290۔ (قوله: وَلَوْ فَعَلَهُ) اگر وہ ان اشیاء کا اقرار وارث کے لیے کرتا ہے۔

28291۔ (قوله: مِنْ وَرَثَةِ الْمَرِيضِ) جس طرح ایک آدمی اپنے پوتے کے لیے اقرار کرے پھر پوتا اپنے باپ کو

چھوڑ کر مر جاتا ہے۔

28292۔ (قوله: وَسَيَجِيءُ) یعنی قریب ہی اس کا ذکر آئے گا۔

28293۔ (قوله: بِوَدِيْعَةٍ) زیادہ صحیح یہ ہے باستهلاك الودیعة جو بینہ کے ساتھ معروف ہے۔

28294۔ (قوله: مُسْتَهْلَكَةٍ) یعنی اس کا ہلاک ہونا معروف ہو۔

28295۔ (قوله: وَصُورَتُهُ) ”الولوالجمیہ“ میں مسئلہ کی وضاحت کی اور اس صورت کی وضاحت نہیں کی کہ ودیعت

معروف ہے جس طرح ”الاشباہ“ میں اس کی تصریح کی ہے۔ ”جامع الفصولین“ میں اس کی صورت کی وضاحت کی ہے: ایک آدمی نے اپنے باپ کی مرض کی حالت میں یا حالت صحت میں گواہوں کی موجودگی میں ودیعت کے طور پر دیے جب اسے موت کا وقت آیا تو اس کے ہلاک کر دینے کا اقرار کیا تو اس کی تصدیق کی جائے گی۔ کیونکہ اگر وہ خاموش رہتا اور مر جاتا اور وہ نہیں جانتا تھا کہ اس نے کیا کیا ہے تو وہ اس کے مال میں سے ہوتا تو جب اس نے اس کے تلف کرنے کا اقرار کیا تو بدرجہ اولیٰ اس کی بات تسلیم کی جائے گی۔

حاصل کلام یہ ہے یہاں اقرار کا دار و مدار ودیعت کے ہلاک کر دینے پر ہے ودیعت پر اقرار نہیں ہے۔

خلاصہ کلام

28296۔ (قوله: وَالْحَاصِلُ) اس میں ”الاشباہ“ اور اس کی نص کی مخالفت ہے۔ جہاں تک وارث کے لیے مجرد

أَنَّ الْإِقْرَارَ لِلْوَارِثِ مَوْقُوفٌ إِلَّا فِي ثَلَاثٍ مَذْكُورَةٍ فِي الْأَشْبَاهِ مِنْهَا إِقْرَارُهُ بِالْأَمَانَاتِ كُلِّهَا

کہ وارث کے حق میں اقرار یہ موقوف ہوگا مگر تین صورتوں میں موقوف نہیں ہوگا جو ”الاشباہ“ میں مذکور ہیں۔ ان میں سے ایک یہ کہ تمام قسم کی امانات کا اقرار کرے۔

اقرار کا تعلق ہے تو وہ اجازت پر موقوف ہوگا۔ خواہ وہ عینی چیز ہو یا دین ہو، اس سے قبضہ کیا ہو یا بری کیا ہو۔ تین امور میں دوسرے ورثاء کی اجازت ضروری نہیں: اگر وہ معروف و دیعت کے تلف کرنے کا اقرار کرے، اس کے پاس جو چیز و دیعت پڑی ہوئی تھی اس پر قبضہ کا اقرار کرے یا وارث نے وکالت کی وجہ سے مدیون سے مال لیا تھا اس پر قبضہ کا اقرار کرے، ”تلخیص الجامع“ میں اسی طرح ہے۔ چاہیے کہ دوسری صورت کے ساتھ اسے بھی لاحق کر دیا جائے کہ جب وہ تمام قسم کی امانتوں کا اقرار کرے اگرچہ شرکت یا عاریہ کا مال ہو اور معنی یہ ہے کہ اس میں بعض کو ترجیح دینا نہیں ہے۔ اس تحریر کو غنیمت جانے یہ اس کتاب کے مفردات سے ہے۔ ”ط“۔

28297۔ (قوله: إقراره بالأمانات) یعنی وارث کے پاس جو امانتیں ہیں ان کے قبضہ کا اقرار کرنا یہ عینی چیز وارث کی ہے کیونکہ یہ صحیح نہیں جس طرح شارح نے قریب ہی اس کی وضاحت کی ہے اور ”الاشباہ“ میں اس کی وضاحت کی ہے۔ صاحب ”الاشباہ“ کا قول: ”چاہیے کہ تمام امانات کے بارے میں اس کے قول کو دوسری صورت کے ساتھ لاحق کیا جائے“ کی مراد ہے اس کو خوب سمجھ لیجئے۔

کیونکہ ہم نے ایسے لوگوں کو دیکھا ہے جو اس میں خطا کرتے ہیں وہ کہتے ہیں: اس کا اپنے وارث کے لیے ان کا اقرار کرنا مطلقاً جائز ہے جب کہ اقوال منقولہ اس امر کی تصریح کرتے ہیں کہ اس کا وارث کے لیے عین کا اقرار یہ دین کی طرح ہے جس طرح ہم نے اسے پہلے ”رہلی“ سے بیان کر دیا ہے۔ اس سے تیرے لیے یہ امر ظاہر ہو جاتا ہے جو شارح کی باقی ماندہ کلام میں ضعف ہے جب کہ وہ ”الاشباہ“ کی پیروی کرنے والے ہیں اور منقول کی مخالفت کرنے والے ہیں۔ علماء فحول نے اس امر میں ان کی مخالفت کی ہے جس طرح ہم پہلے اسے بیان کر چکے ہیں۔

”فتاویٰ اسماعیلیہ“ میں ہے: اس آدمی کے بارے میں سوال کیا گیا جس نے اپنی مرض میں یہ اقرار کیا تھا کہ اس کی معلوم بیٹی کے ساتھ اس کا اسباب اور معلوم سامان میں کوئی حق نہیں۔ وہ شرع کے اعتبار سے بچی اس کی مستحق نہیں تو کیا وہ اعیان معلوم جو اس کے قبضہ میں تھے اور ان میں اس کی ملکیت ظاہر تھی اور وہ آدمی اس مرض میں مر گیا تو اس کے اپنے وارث کے لیے اقرار باطل ہوگا؟

جواب: محققین نے جس پر اعتماد کیا یہ اسی طرح ہے۔ اگرچہ شروع کلام میں نفی لائے۔ یہ ”اشباہ“ کے خلاف ہے۔ اور علماء نے ”الاشباہ“ کا انکار کیا ہے۔ ”ساحانی“ نے اسے اپنی ”محمومہ“ میں نقل کیا ہے اور ”اشباہ“ کا رد کیا ہے اور شارح نے اپنے نسخہ کے ”حاشیہ“ میں اس کا رد کیا ہے۔

”حامد“ میں ہے: ایک مریض کے بارے میں سوال کیا گیا جو مرض الموت کا شکار ہو اس نے اقرار کیا کہ اس کی زوجہ

وَمِنْهَا التَّغْيُّ كَلَّا حَقَّ لِي قَبْلَ أَبِي أُمِّي، وَهَذِهِ الْحِيلَةُ فِي إِبْرَاءِ الْمَرِيضِ وَإِرْثِهِ، وَمِنْهُ هَذَا الشَّيْءُ الْفُلَانِي مِلْكُ أَبِي أُمِّي كَانَ عِنْدِي عَارِيَّةً، وَهَذَا حَيْثُ لَا قَرِينَةَ، وَتَبَامُهُ فِيهَا فَلْيُحْفَظْ فَإِنَّهُ مُهِمٌّ

ان میں سے ایک نفی کرنا ہے جیسے وہ کہے: میرا میرے باپ اور میری ماں کی جانب کوئی حق نہیں۔ یہی حیلہ ہے کہ مریض وارث کو بری کر دے۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ وہ کہے یہ فلانی شے میرے باپ یا میری ماں کی ملک ہے میرے پاس عاریتہ ہے یہ اس وقت ہے جب کوئی قرینہ نہ ہو۔ اس کی مکمل بحث اس میں ہے۔ پس اسے یاد رکھا جانا چاہیے کیونکہ یہ بہت ہی اہم ہے۔

ہند کے ہاں اس کا کوئی حق نہیں اور اس کے ذمہ کو ہر شرعی حق سے بری کر دیا اور اس بیوی کے علاوہ وارثوں کو چھوڑ کر مر گیا جب کہ اس میت کے قبضہ میں کئی عینی چیزیں تھیں۔ اور اس بیوی کے ذمہ میں بھی دین تھا اور دوسرے ورثاء نے اس اقرار کو جائز قرار نہ دیا کیا یہ غیر صحیح ہوگا۔

جواب: اقرار غیر صحیح ہوگا جب کہ یہ حالت ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم

28298۔ (قوله: وَمِنْهَا التَّغْيُّ) اس میں ہے کہ یہ وارث کیلئے اقرار نہیں جس طرح ”الاشباہ“ میں اس کی تصحیح کی ہے۔

28299۔ (قوله: كَلَّا حَقَّ لِي) یہ دین میں صحیح ہے عین میں صحیح نہیں جس طرح گزر چکا ہے۔

28300۔ (قوله: أَوْ أُمِّي) اسی میں سے یہ ہے کہ وہ اس کی معروف و دیعت کے تلف کرنے کا اقرار کرتا ہے جس طرح

متن میں ہے۔ ”حاشیہ“ میں اسی طرح ہے۔

28301۔ (قوله: وَمِنْهُ هَذَا الشَّيْءُ) یہ غیر صحیح ہے جس طرح تو اس سے جان چکا ہے جو گزر چکا ہے۔ ”البحر“ میں

متفرقات قضا میں کہا: میری فلاں پر کوئی شے لازم نہیں پھر اس پر مال کا دعویٰ کیا اور اس سے قسم لینے کا ارادہ کیا تو اس سے قسم نہ لی جائے گی۔

امام ”ابو یوسف“ رحمہ اللہ کے نزدیک اس سے قسم لی جائے گی یہ معمول اور عادت کی وجہ سے ہے کتاب کے آخر میں مسائل شتی میں عنقریب آئے گا فتویٰ امام ”ابو یوسف“ رحمہ اللہ کے قول پر ہے خواہ ان کے ائمہ نے اسے اختیار کیا ہے لیکن اس صورت میں علما نے اختلاف کیا ہے جب مقرر کا وارث اقرار کرے اس بارے میں دو قول ہیں۔ ”بزازیہ“ میں دونوں میں سے کسی کو ترجیح نہیں دی۔ ”صدر الشہید“ نے کہا: قسم اٹھوانے میں رائے قاضی کے سپرد ہوگی۔ ”فتح القدیر“ میں اس کی یہ تفسیر بیان کی ہے کہ وہ خصوصی وقائع میں اجتہاد کرے گا مگر اس کا ظن غالب یہ ہے کہ جب اس نے اقرار کیا ہے اس وقت اس نے اس شے پر قبضہ نہیں کیا تو خصم سے قسم لے گا اگر اس کا اس بارے میں ظن غالب نہ ہو تو اس سے قسم نہیں لے گا۔ یہ ان چیزوں میں سے ہے جو خصموں (باہم مد مقابل) میں فراست سے متعلق ہے۔ میں کہتا ہوں: یہ اس کی تائید کرتا ہے جو ہم نے بحث کی ہے۔ والحمد للہ

تمتہ

”تاتر خانہ“ میں ”خلاصہ“ سے نقل کیا ہے: ایک آدمی نے کہا: لوگوں کے ذمہ جو میرا دین تھا وہ میں نے سب کا سب

(أَقَرَّ فِيهِ) أَمَى فِي مَرَضٍ مَوْتِهِ (لِوَارِثِهِ يَوْمَ مَرُفِي الْحَالِ بِتَسْلِيهِهِ إِلَى الْوَارِثِ، فَإِذَا مَاتَ يَرُدُّهُ) بَرَّازِيَّةٌ وَفِي الْقُنْيَةِ تَصَرُّفَاتُ الْمَرِيضِ نَافِذَةٌ وَإِنَّمَا تُنْقَضُ بَعْدَ الْمَوْتِ (وَالْعَبْرَةُ لِكُونِهِ وَارِثًا وَقَدْ الْمَوْتِ لَا وَقْتُ الْإِقْرَارِ) فَلَوْ أَقَرَّ لِأَخِيهِ مَثَلًا ثُمَّ وَلِدَ لَهُ صَحَّ الْإِقْرَارُ لِعَدَمِ وَاثَرِهِ (إِلَّا إِذَا صَارَ وَارِثًا) وَقَدْ الْمَوْتِ (بِسَبَبٍ جَدِيدٍ كَالْتَزْوِجِ وَعَقْدِ الْمَوَالَاةِ) فَيَجُوزُ كَمَا ذَكَرَهُ بِقَوْلِهِ (فَلَوْ أَقَرَّ لَهَا) أَمَى لِأَجْنَبِيَّةٍ (ثُمَّ تَزَوَّجَهَا صَحَّ بِخِلَافِ إِقْرَارِهِ لِأَخِيهِ الْمَحْجُوبِ) بِكُفْرٍ أَوْ ابْنٍ (إِذَا زَالَ حُجُّهُ) بِإِسْلَامِهِ أَوْ بِمَوْتِ الْإِبْنِ فَلَا يَصَحُّ لِأَنَّ إِرْثَهُ بِسَبَبٍ قَدِيمٍ لَا جَدِيدٍ

اس نے اپنی مرض موت میں اقرار کیا تو اسے فی الحال حکم دیا جائے گا کہ وہ اسے وارث کے سپرد کر دے جب وہ فوت ہو جائے گا تو وہ اسے واپس کر دے گا، ”بزازیہ“۔ ”قنیۃ“ میں ہے: مریض کے تصرفات نافذ ہوتے ہیں۔ موت کے بعد وہ ختم ہو جاتے ہیں۔ وارث ہونے کا اعتبار موت کے وقت ہوتا ہے اقرار کے وقت نہیں ہوتا۔ مثلاً وہ اپنے بھائی کے لیے اقرار کرتا ہے پھر مقرر کا بچہ پیدا ہو جاتا ہے تو اس کا اقرار صحیح ہوگا۔ کیونکہ بھائی اس کا وارث نہیں مگر جب موت کے وقت وہ بھائی جدید سبب سے وارث بنے جس طرح تزویج اور عقد موالات ہے۔ تو یہ جائز ہوگا جس طرح اسے اپنے اس قول میں ذکر کیا ہے: اگر ایک آدمی نے اجنبیہ کے لیے اقرار کیا پھر اس سے شادی کی تو یہ صحیح ہوگا۔ جب وہ محبوب بھائی کے لیے اقرار کرے تو معاملہ مختلف ہوگا۔ اس کا محبوب ہونا کفر کی وجہ سے ہو یا بیٹے کے پیدا ہونے کی وجہ سے ہو۔ جب اس کا محبوب ہونا اس کے اسلام قبول کرنے یا بیٹے کے فوت ہونے کی صورت میں زائل ہو جائے تو یہ صحیح نہیں ہوگا۔ کیونکہ اس کی وارثت سبب قدیم کی وجہ سے ہے سبب جدید کی وجہ سے نہیں

وصول کر لیا ہے تو اس کا اقرار صحیح نہ ہوگا۔ اسی طرح اگر وہ کہے: میں نے اپنے تمام مقروضوں کو بری کر دیا ہے تو یہ صحیح نہیں ہوگا۔ مگر جب وہ یہ کہے: فلاں قبیلہ جب کہ وہ شمار ہو سکتے ہیں اس وقت اس کا اقرار اور بری کرنا صحیح ہوگا۔

28302۔ (قوله: بِسَبَبٍ قَدِيمٍ) یعنی ایسا سبب جو اقرار کے وقت قائم ہو۔ اگر ایک آدمی نے ایسے وارث کے لیے

اقرار کیا جو اقرار کے وقت وارث تھا اور اس کی موت کے وقت وارث تھا اور درمیان والے عرصہ میں وہ اس کا وارث نہ رہا۔ امام ”ابو یوسف“ رحمہ اللہ کے نزدیک اس کا اقرار باطل ہو جائے گا امام ”محمد“ رحمہ اللہ کے نزدیک اقرار باطل نہیں ہوگا۔ ”نور العین“ میں ”قاضی خان“ سے منقول ہے۔ ”جامع الفصولین“ میں ہے: ایک آدمی نے اپنے بیٹے کے حق میں کسی شے کا اقرار کیا جب کہ وہ بیٹا غلام تھا پھر وہ بچہ آزاد ہو گیا پھر باپ فوت ہو گیا تو یہ جائز ہوگا۔ کیونکہ یہ اقرار آقا کے لیے ہوگا غلام کے لیے نہیں ہوگا۔ باپ جب اپنے بچے کے لیے وصیت کرے تو معاملہ مختلف ہوگا۔ جب کہ وہ وصیت کے وقت غلام ہو پھر اسے آزاد کر دیا گیا تو اس وقت وصیت باطل ہوگی۔ کیونکہ اس وقت وصیت بیٹے کے لیے ہے۔ اس کی وضاحت ”المنح“ میں ہے۔ ہم نے کتاب الوصایا میں جو کچھ لکھا ہے اس کو دیکھیے۔

(وَبِخِلَافِ الْهَبَةِ) لَهَا فِي مَرَضِهِ (وَالْوَصِيَّةُ لَهَا) ثُمَّ تَزَوَّجَهَا فَلَا تَصَحُّ لِأَنَّ الْوَصِيَّةَ تَنْبِيْكَ بَعْدَ الْمَوْتِ، وَهِيَ حِينَئِذٍ وَارِثَةٌ (أَقْرَأَ فِيهِ أَنَّهُ كَانَ لَهُ عَلَى ابْنَتِهِ الْمَيِّتَةِ عَشْرَةُ دَرَاهِمٍ قَدْ اسْتَوْفَيْتَهَا وَلَهُ) أُنَى لِلْمَقْرَرِ (ابْنُ يُنَكِّرُ ذَلِكَ صَحَّ إِقْرَارُهُ) لِأَنَّ الْمَيِّتَ لَيْسَ بِوَارِثٍ (كَمَا لَوْ أَقْرَأَ لِمُرَاتِهِ فِي مَرَضٍ مَوْتِهِ بِدَيْنٍ ثُمَّ مَاتَتْ قَبْلَهُ وَتَرَكَ) مِنْهَا (وَارِثًا) صَحَّ الْإِقْرَارُ (وَقِيلَ لَا) قَائِلُهُ بَدِيعُ الدِّينِ صَيْرَفِيَّةٌ وَلَوْ أَقْرَأَ فِيهِ لِوَارِثِهِ وَلِأَجْنَبِيِّ بِدَيْنٍ لَمْ يَصَحَّ

یہ صورت مختلف ہوگی۔ اپنی مرض میں اس کو ہبہ کرے اور اس کے لیے وصیت کرے پھر اسے شادی کر لے تو یہ صحیح نہ ہوگا۔ کیونکہ وصیت موت کے بعد مالک بنانا ہے جب کہ موت کے وقت وہ عورت اس کی وارث ہے اس نے مرض میں اقرار کیا کہ میرے میت بچی پر دس دراہم تھے جو میں نے اس سے لے لیے جب کہ مقرر کا ایک بیٹا ہے جو اس کا انکار کرتا ہے۔ تو اس کا اقرار صحیح ہوگا۔ کیونکہ جو فرد مر چکا ہے وہ اس کا وارث نہیں۔ جس طرح ایک آدمی اپنی مرض موت میں اپنی بیوی کے لیے اقرار کرتا ہے پھر اس سے پہلے وہ عورت مر جاتی ہے اور وہ مرد ایک وارث چھوڑتا ہے جو اس کا اقرار کا انکاری ہے تو اقرار صحیح ہوگا۔ ایک قول یہ کیا گیا: اقرار صحیح نہیں ہوگا۔ اس قول کے قائل ”بدیع الدین صیرفی“ ہیں۔ اگر ایک آدمی اپنی مرض میں اپنے وارث کے لیے اور اجنبی کے لیے دین کا اقرار کرے تو یہ صحیح نہ ہوگا۔

28303۔ (قولہ: لَيْسَ بِوَارِثٍ) یہ قول اس امر کا فائدہ دیتا ہے اگر وہ بچی زندہ ہوتی اور وارث ہوتی تو یہ صحیح نہ ہوتا۔ ”الخانیہ“ میں ہے: ایسا مریض جو اس مرض میں فوت ہو جاتا ہے اس کا اپنے وارث کی جانب سے دین پر قبضہ کا اقرار صحیح نہ ہوگا۔ اور نہ وارث کے کفیل کی جانب سے اس پر قبضہ کا اقرار صحیح ہوگا اگرچہ وہ اس کی حالت صحت میں اسے کفیل بنایا ہو۔ اسی طرح کا حکم ہوگا اگر وہ اجنبی سے دین پر قبضہ کرنے کا اقرار کرے جس اجنبی نے اس کے وارث کی جانب سے تبرع کیا ہو۔ ایک آدمی نے ایک معین شے کے بیچنے کے لیے وکیل بنایا تو اس نے موکل کے وارث کے ہاں اسے بیچ دیا اور اس مریض نے وارث کی جانب سے ثمن پر قبضہ کا اقرار کر لیا یا اس نے یہ اقرار کیا کہ اس کے وکیل نے ثمن پر قبضہ کیا اور وہ ثمن اس کے حوالے کر دی ہے تو اس کی تصدیق نہ کی جائے گی۔ اگر مریض خود وکیل ہو اور اس کا موکل صحیح ہو وکیل نے یہ اقرار کیا کہ اس نے مشتری سے ثمن لے لیا ہے تو اس کی تصدیق نہ کی جائے گی۔ کیونکہ اس کا مرض اس کے اس اقرار کو باطل کرنے کے لیے کافی ہے جو اقرار اس نے وارث سے قبض کرنے کے بارے میں کیا تو دونوں کا مرض بدرجہ اولیٰ اس کے باطل کرنے کے لیے کافی ہوگا۔

ایک مریض ہے جس پر اتنا قرض ہے جو اس کے تمام مال کو محیط ہے وہ ودیعت، عاریۃ یا مضاربہ پر قبضہ کرنے کا اقرار کرتا ہے جو یہ مال اس کے وارث کے پاس تھا تو اس کا اقرار صحیح ہوگا کیونکہ وارث اگر اپنے مریض مورث کی جانب امانت لوٹنے کا دعویٰ کرتا ہے اور مورث اس کو جھٹلاتا ہے تو وارث کا قول قبول کیا جائے گا۔ یہ نور العین کی کتاب الوصیۃ سے تھوڑا پہلے سے لیا گیا ہے۔

خِلَافًا لِمُحَمَّدٍ عِمَادِيَّةً (وَإِنْ أَقَرَّ لِأَجْنَبِيٍّ مَجْهُولٍ نَسَبُهُ ثُمَّ أَقَرَّ بِبُنُوْتِهِ) وَصَدَّقَهُ، وَهُوَ مِنْ أَهْلِ التَّصْدِيقِ (ثَبَتَ نَسَبُهُ) مُسْتَنَدًا لَوَقْتِ الْعُلُوقِ (وَإِذَا ثَبَتَ) (بَطْلَ إِقْرَارِهِ) لَهَا مَرَّةً وَلَوْ لَمْ يَثْبُتْ بِأَنْ كَذَّبَهُ أَوْ عَرَفَ نَسَبَهُ صَحَّ الْإِقْرَارُ لِعَدَمِ ثُبُوتِ النَّسَبِ شُرْئِبِلَالِيَّةً مَعْنِيًّا لِلْيَنَابِيْعِ (وَلَوْ أَقَرَّ لِمَنْ طَلَّقَهَا ثَلَاثًا) يَغْنَى بَائِنًا (فِيهِ) أَمَّا فِي مَرَضٍ مَوْتِهِ (فَلَهَا الْأَقْلُ مِنْ الْإِرْثِ وَالذَّيْنِ) وَيُدْفَعُ لَهَا ذَلِكَ بِحُكْمِ الْإِقْرَارِ لَا بِحُكْمِ الْإِرْثِ حَتَّى لَا تَصِيرَ شَرِيكَةً فِي أَعْيَانِ التَّرِكَةِ شُرْئِبِلَالِيَّةً

امام ”محمد“ رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے اختلاف کیا ہے۔ ”عمادیہ“۔ ایک آدمی نے ایسے اجنبی کے حق میں اقرار کیا جس کا نسب مجہول تھا پھر اس کے بارے میں بیٹا ہونے کا اقرار کیا اور اس اجنبی نے اس کی تصدیق کر دی جب کہ وہ ان افراد میں سے ہے جو تصدیق کی اہلیت رکھتا ہے تو اس اجنبی کا نسب حمل کے ٹھہرنے کے وقت سے ثابت ہو جائے گا۔ اور جب اس کا نسب ثابت ہو جائے گا تو اس کا اقرار باطل ہو جائے گا۔ اس کی دلیل وہی ہے جو گزر چکی ہے اگر اس کا نسب ثابت نہ ہو اس کی صورت یہ ہے کہ وہ اجنبی اس کو جھٹلا دے یا اس اجنبی کا نسب معروف ہو تو نسب کے ثابت نہ ہونے کی وجہ سے اقرار صحیح ہو جائے گا، ”شرئبلا لہ“۔ جب کہ ”ینابیع“ کی طرف سے منسوب کیا ہے۔ اگر ایک مرد نے اپنی مرض موت میں اس عورت کے حق میں اقرار کیا جس کو اس نے تین طلاقیں دے دی تھیں یعنی بائنا دے دی تھی تو وراثت اور دین میں سے جو کم ہو گا وہ اسے مل جائے گا اسے یہ مال اقرار کے حکم کے تحت ملے گا وراثت کے طور پر نہیں ملے گا یہاں تک کہ وہ ترکہ کے اعیان میں شریک نہیں ہوگا، ”شرئبلا لہ“۔

28304۔ (قوله: خِلَافًا لِمُحَمَّدٍ)

فرع: اس نے اپنی حالت مرض میں اجنبی کے ہاتھ غلام بیچا اور اجنبی آدمی نے اس مریض کے وارث کے ہاتھ وہ غلام بیچ دیا یا اسے ہبہ کر دیا تو یہ عقد صحیح ہوگا۔ اگر اجنبی نے اس پر قبضہ کرنے کے بعد ایسا کیا ہو کیونکہ وارث غلام کا مالک اجنبی کی جانب سے بنا ہے اپنے مورث کی جانب سے نہیں بنا۔ ”بزازیہ“۔

28305۔ (قوله: عِمَادِيَّةً) ہم نے اس کی عبارت پہلے ”نور العین“ سے نقل کر دی ہے۔

وہ عورت جس کو تین طلاقیں دی گئی ہو اس کے حق میں اقرار کا حکم

28306۔ (قوله: لِمَنْ طَلَّقَهَا) یعنی جس نے مرض الموت میں اپنی بیوی کو طلاق دے دی۔

فرع: مرد عورت کے لیے اتنے مہر کا اقرار کرے جو اس کے مہر مثل کے برابر ہو تو یہ اقرار صحیح ہوگا کیونکہ تہمت نہیں پائی جا رہی اگرچہ یہ حقوق زوجیت کے بعد ہو یہ امام ”ظہیر الدین“ نے کہا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اب معمول یہ ہے کہ عورت جب تک مہر کی مقدار کے برابر مال پر قبضہ نہیں کر لیتی تو اسے حق حاصل ہے کہ اپنے آپ کو خاوند سے روک لے تو مہر کی مقدار کے برابر اقرار کا حکم نہیں لگایا جائے گا جب وہ قبضہ کا اعتراف نہ کرے۔ صحیح یہ ہے کہ مہر مثل کے مکمل ہونے تک اس کی تصدیق کی جائے گی اگر یہ ظاہر ہو کہ اس عورت نے اپنا حق پورا پورا لے لیا ہے۔ ”بزازیہ“۔

(وَهَذَا إِذَا كَانَ فِي الْعِدَّةِ وَطَلَّقَهَا بِسُؤَالِهَا) فَإِذَا مَضَتْ الْعِدَّةُ جَازَ لِعَدَمِ التُّهْمَةِ عَزْمِيَّةٌ (وَإِنْ طَلَّقَهَا بِلَا سُؤَالِهَا فَلَهَا الْبِرَاقُ بَالِغًا مَا بَدَعَ، وَلَا يَصِحُّ الْإِقْرَارُ لَهَا) لِأَنَّهَا وَارِثَةٌ؛ إِذْ هُوَ فَارٌّ وَأَهْلُهُ أَكْثَرُ الْمَشَايِخِ لظُهُورِهِ مِنْ كِتَابِ الطَّلَاقِ (وَإِنْ أَقَرَّ لِعُلَامٍ مَجْهُولٍ) النَّسَبُ فِي مَوْلِدِهِ أَوْ فِي بَدَلِهِ هُوَ فِيهَا وَهِيَ فِي السِّنِّ بِحَيْثُ يُؤَلَّدُ مِثْلُهُ لِمِثْلِهِ أَنَّهُ ابْنُهُ وَصَدَقَهُ الْعُلَامُ لَوْ مُبَيَّنًّا وَإِلَّا لَمْ يَحْتَجْ لِتَصْدِيقِهِ كَمَا مَرَّ

یہ حکم اس صورت میں ہے جب وہ عورت ابھی عدت میں ہو اور مرد نے اسے طلاق اس کے کہنے پر دی ہو۔ جب عدت گزر جائے تو تہمت نہ ہونے کی وجہ سے اقرار جائز ہوگا، ”عزمیہ“۔ اگر خاوند نے اسے اس کے مطالبہ کے بغیر طلاق دے دی تو اس عورت کے لیے میراث ہوگی وہ جہاں تک پہنچے اس مرد کا اس عورت کے لیے اقرار صحیح نہیں ہوگا۔ کیونکہ یہ عورت اس مرد کی ملکیت ہے کیونکہ خاوند فرار اختیار کرنے والا ہے اکثر مشائخ نے اس کا ذکر نہیں کیا کیونکہ یہ کتاب الطلاق میں ظاہر ہے۔ اگر ایک آدمی ایسے بچے کے لیے نسب کا دعویٰ کرے جس کا نسب مجہول ہو جب کہ یہ اقرار اس بچے کی جائے پیدائش یا اس شہر میں ہو جس میں وہ بچہ رہ رہا ہو جب کہ وہ دونوں ایسی عمر میں ہیں جس میں اس قسم کے مرد کا اس قسم کا بچہ ہو سکتا ہے وہ مرد یہ اقرار کرتا ہے کہ یہ اس کا بیٹا ہے اور بیٹا اس کی تصدیق کرتا ہے اگر وہ تمیز رکھتا ہو اگر وہ تمیز نہیں رکھتا تو اس کی تصدیق کی کوئی ضرورت نہیں جس طرح قول گزر چکا ہے۔

اس کتاب میں ہے: اس نے اپنی مرض میں اپنی اس بیوی کے لیے اقرار کیا جو بچہ چھوڑ کر مر گئی تھی جب کہ اقرار مہر کی مقدار کا تھا جب کہ اس مرد کے کئی اور وارث موجود ہیں تو اس میں اس کی تصدیق نہ کی جائے گی۔ قاضی امام نے کہا: اس کا اقرار نہ ہوگا یہ اس کے مناقض نہیں جو قول گزر چکا ہے۔ کیونکہ یہاں غالب امر یہ ہے کہ عورت کے فوت ہونے کے بعد عورت کے ورثاء یا اس کے وصی پورے کا پورا مہر وصول کرتے ہیں۔ پہلے قول کا معاملہ مختلف ہے۔

فرع: ”تاتر خانہ“ میں ”سراجیہ“ سے قول منقول ہے: اگر وہ کہے: یہ گھر مشترک ہے یا اس گھر میں شرکت ہے تو یہ قول نصف کا اقرار ہوگا۔ ”عتابیہ“ میں ہے: امام ”ابو یوسف“ رحمہ اللہ کے نزدیک مطلق شرکت نصف میں ہوتی ہے۔ امام ”محمد“ رحمہ اللہ کے نزدیک مقرر جس کی تغیر بیان کرے اس میں شرکت ہوتی ہے اگر وہ متصلاً دو تہائی کہہ دے تو اس کی تصدیق کی جائے گی۔ اسی طرح وہ یہ قول کرے: میرے اور اس کے درمیان (مشترک ہے) یا کہے: میرا اور اس کا ہے۔ اٹ

28307۔ (قوله: وَإِنْ أَقَرَّ لِعُلَامٍ) زیادہ بہتر یہ تھا کہ اس مسئلہ کو اس مسئلہ وان اقر لا جنبی ثم اقر ببنتوتہ سے پہلے ذکر کرتے۔ کیونکہ یہاں تینوں شرطیں معتبر ہیں جس طرح وہاں معتبر ہیں۔ ”حاشیہ مسکین“ میں ”حموی“ سے اسی طرح منقول ہے۔

28308۔ (قوله: أَوْ فِي بَدَلِهِ) یہ دوسرے قول کی حکایت ہے۔ ”حواشی یعقوبیہ“ میں کہا: مجہول نسب والا بچہ وہ ہوتا

ہے جس کے شہر میں اس کا باپ معروف نہ ہو جس طرح ”شرح تلخیص الجامع“ جو ”اکمل الدین“ کی تالیف ہے، میں ہے۔

ظاہر یہ ہے کہ اس سے مراد ایسا شہر ہے جس میں وہ رہ رہا ہے جس طرح ”القنیہ“ میں ہے نہ کہ جہاں اس کی پیدائش ہوئی

وَحِينَئِذٍ ثَبَتَ نَسَبُهُ وَلَوْ الْبُقْرُ (مَرِيضًا وَ) إِذَا ثَبَتَ (شَارَكَ) الْغُلَامُ (الْوَرَثَةَ) فَإِنْ انْتَفَتْ هَذِهِ الشُّرُوطُ يُؤَاخَذُ الْبُقْرُ مِنْ حَيْثُ اسْتَحَقَّ الْمَالِ كَمَا لَوْ أَقَرَّ بِأُخُوَّةٍ غَيْرِهِ كَمَا مَرَّ عَنِ الْيَنَابِيعِ كَذَا فِي الشَّرْهْ لِلَّيَّةِ فَيُحَرَّرُ عِنْدَ الْفَتْوَى

اس وقت اس کا نسب ثابت ہو جائے گا اگرچہ اقرار کرنے والا مریض ہو جب نسب ثابت ہو جائے گا تو بچہ دوسرے وارثوں کے ساتھ شریک ہوگا۔ اگر یہ شرط نہ پائی جائیں تو مقرر کا مواخذہ مال کے استحقاق کے اعتبار سے ہوگا جس طرح وہ کسی اور کے بھائی ہونے کا اقرار کرے جس طرح ینابیع سے گزر چکا ہے، ”شرنبلائیہ“ میں اسی طرح ہے پس فتویٰ کے وقت خوب چھان بین کی جانی چاہیے۔

جس طرح بعض علمائے ذکر کیا ہے کیونکہ مغربی جب مشرق کی طرف منتقل ہو تو اس پر کوئی حادثہ واقع ہو تو اس پر یہ لازم ہوگا کہ وہ مغرب میں اپنے نسب کے بارے میں تفتیش کرے۔ اس میں ایسا حرج واقع ہوتا ہے جو مخفی نہیں۔ پس اس کو یاد رکھنا چاہیے۔
28309۔ (قوله: وَحِينَئِذٍ) اس کو حذف کر دینا مناسب ہے کیونکہ اس کے ذکر کرنے کی صورت میں شرط جواب کے بغیر رہ گئی ہے۔ ”ح“۔

28310۔ (قوله: هَذِهِ الشُّرُوطُ) یعنی ان میں سے ایک۔ ”ح“۔

28311۔ (قوله: مِنْ حَيْثُ اسْتَحَقَّ الْمَالِ) اگر مال سے مراد وہ مال ہے جس کا اقرار کیا گیا ہے جس طرح اس کے قول کا ظاہر ہے جس طرح گزر چکا ہے۔ قول سے میری مراد ہے کہ وہ اجنبی کے لیے اقرار کرے پھر اس کے بیٹا ہونے کا اقرار کرے تو شرط کے نہ پائے جانے کی وجہ سے اس کا بیٹا ہونا ثابت نہ ہو تو یہ تکرار ہوگا جس کا یہاں کوئی محل نہیں۔ اگر مراد وراثت ہے جس طرح ان کے قول کے مواخذہ کا ظاہر معنی ہے تو اس کا معنی ہوگا اگر اس نے لڑکے کے بارے میں اقرار کیا کہ یہ اس کا بیٹا ہے اور ان شروط میں سے کسی شرط کے منتهی ہونے سے اس کا نسب ثابت نہ ہو تو وہ وارثوں کے ساتھ شریک ہوگا تو اس کی وجہ ظاہر نہیں۔ کیونکہ پہلے یہ گزر چکا ہے کہ اس کے حق میں مال کا اقرار کرنا صحیح ہے اور وارث کے لیے اقرار صحیح نہیں جس طرح یہ قول گزر چکا ہے ساتھ ہی اس وقت مواخذہ مقرر کا نہیں ہوگا بلکہ وارثوں کا ہوگا۔ کیونکہ وہ ان کے ساتھ وراثت میں شریک ہوا ہے۔ اس کے ساتھ اگر حکم اس طرح ہے تو پھر نقل صریح کا ہونا ضروری ہے یہاں تک کہ اسے قبول کیا جائے۔ میں نے کئی کتب کی طرف رجوع کیا تو میں نے اسے نہیں پایا۔ اسی وجہ سے شارح نے چھان بین کرنے کا حکم دیا۔ قائل

28312۔ (قوله: عَنِ الْيَنَابِيعِ) جسے ”شرنبلائی“ نے ”ینابیع“ سے اس قول اقرار لا جنبی ثم ببنتوتہ کے ہاں ذکر کیا

ہے۔ اس کی نص یہ ہے: اگر وہ لڑکا اس مقرر کو جھٹلا دے یا اس کا نسب غیر سے معروف ہو تو اس نے جو اقرار کیا وہ اس پر لازم ہو جائے گا اور نسب ثابت نہیں ہوگا۔ پھر یہاں وہ لکھا ہے جسے شارح نے ان سے نقل کیا ہے۔

28313۔ (قوله: فَيُحَرَّرُ) میرے لیے وہ مخالفت ظاہر نہیں ہوئی جو فصاحت کا موجب ہوتا ہے۔ ”ح“۔

(وَالرَّجُلُ صَحَّ إِقْرَارُهُ) أَيْ الْمَرِيضُ (بِالْوَلَدِ وَالْوَالِدَيْنِ) قَالَ فِي الْبُرْهَانِ وَإِنْ عَلِيًّا قَالَ الْمُتَقَدِّسُ وَفِيهِ نَظَرُ لِقَوْلِ الزَّيْدِيِّ وَلَوْ أَقَرَّ بِالْجَدِّ وَابْنِ الْإِبْنِ لَا يَصَحُّ لِأَنَّ فِيهِ حَمْلَ النَّسَبِ عَلَى الْغَيْرِ (بِالشُّرُوطِ) الثَّلَاثَةُ (الْمُتَقَدِّمَةِ) فِي الْإِبْنِ (و) صَحَّ (بِالزَّوْجَةِ بِشَرْطِ خُلُوقِهَا عَنْ زَوْجٍ وَعِدَّتِهِ وَخُلُوقِ) أَيْ الْبُقَرَةِ (عَنْ أُخْتِهَا) مَثَلًا (وَأَرْبَعٍ سِوَاهَا) (و) صَحَّ (بِالْوَلِيِّ) مِنْ جِهَةِ الْعَتَاقَةِ (إِنْ لَمْ يَكُنْ وَلَاؤُهُ ثَابِتًا مِنْ جِهَةِ غَيْرِهِ) أَيْ غَيْرِ الْبُقَرَةِ (و) الْمَرْأَةُ صَحَّ (إِقْرَارُهَا بِالْوَالِدَيْنِ وَالزَّوْجِ وَالْمَوْلَى) الْأَصْلُ أَنَّ إِقْرَارَ الْإِنْسَانِ عَلَى نَفْسِهِ حُجَّةٌ لَا عَلَى غَيْرِهِ قُلْتُ وَمَا ذَكَرَهُ مِنْ صِحَّةِ الْإِقْرَارِ بِالْأَمِّ كَالْأَبِ هُوَ الْمَشْهُورُ الَّذِي عَلَيْهِ الْجُمْهُورُ وَقَدْ ذَكَرَ الْإِمَامُ الْعُتَابِيُّ فِي فَرَائِضِهِ أَنَّ الْإِقْرَارَ بِالْأَمِّ لَا يَصَحُّ، وَكَذَلِكَ فِي ضَوْءِ السِّرَاجِ لِأَنَّ النَّسَبَ لِلْآبَاءِ لَا لِلْأُمَّهَاتِ

مرد جو مریض ہو وہ کسی کے بارے میں بچے یا والدین ہونے کا اقرار کرے۔ ”برہان“ میں کہا: اگر چہ والدین کتنے ہی اوپر چلے جائیں۔ ”مقدس“ نے کہا: اس میں اعتراض ہے۔ کیونکہ ”زیلعی“ کا قول ہے: اگر کوئی آدمی دادے یا پوتے کا اقرار کرے تو صحیح نہیں ہوگا۔ کیونکہ اس اقرار میں غیر پر نسب کا حمل ہے جب کہ بیٹے کے اقرار میں گزشتہ تینوں شروط موجود ہوں اور کسی مریض کا بیوی کے بارے میں اقرار کرنا صحیح ہوگا۔ شرط یہ ہے کہ کسی اور کی بیوی ہونے، اس کی معتدہ ہونے اور مقرر کی بہن اور اس کے علاوہ چار عورتوں سے عقد نکاح سے خالی ہو۔ آزاد کرنے کے حوالے سے ولی ہونے کا اقرار صحیح ہوگا اگر کسی اور جہت سے اس کی ولا ثابت نہ ہو۔ عورت کا والدین، خاوند اور ولی کے بارے میں اقرار صحیح ہوگا قاعدہ یہ ہے کہ انسان کا اپنی ذات پر اقرار رجحان پر رجحان نہیں۔ میں کہتا ہوں: ماں کے متعلق اقرار کا صحیح ہونا یہ باپ کی طرح ہے۔ یہی قول مشہور ہے۔ اس پر جمہور علماء ہیں۔ امام ”عتابی“ نے فرائض میں ذکر کیا ہے کہ ماں کے بارے میں اقرار کرنا صحیح نہیں۔ اسی طرح ”ضوء السراج“ میں ہے۔ کیونکہ نسب آباء کے لیے ہوتا ہے امہات کے لیے نہیں ہوتا

28314۔ (قوله: وَالرَّجُلُ صَحَّ إِقْرَارُهُ) بعض نسخوں میں الرجل کے لفظ کو ساقط کر دیا گیا ہے اور یوں کلام مکی گئی

ہے: وصح اقراره۔

28315۔ (قوله: أَيْ الْمَرِيضُ) زیادہ بہتر یہ تھا کہ اس لفظ کو ترک کر دیا جاتا۔ ”ح“۔

28316۔ (قوله: وَإِنْ عَلِيًّا) علیا کے تینوں حروف مفتوح ہیں عین، لام، اور یا۔ یعنی والدین کتنے ہی اوپر چلے

جائیں۔ اس میں اعتراض کی گنجائش ہے۔ اس کی وجہ ظاہر ہے یہ اس طرح ہے جس طرح نواسی کا اقرار کرے۔ ”جامع الفصولین“ میں کہا: ایک آدمی نے کسی کے متعلق بیٹی ہونے کا اقرار کیا تو اس کے لیے نصف ترک ہوگا اور باقی عصبہ کے لیے ہوگا۔ کیونکہ بیٹی ہونے کا اقرار کرنا صحیح ہے پوتی ہونے کا اقرار صحیح نہیں ہے۔ یہ حکم محض اس لیے ہے۔ کیونکہ اس میں نسب کو بیٹے پر لازم کیا جا رہا ہے فقہ بر۔ ”ط“۔

28317۔ (قوله: لَا يَصَحُّ) اس کی وضاحت عنقریب متن میں آئے گی۔

وَفِيهِ حُلُّ الرِّوَجِيَّةِ عَلَى الْغَيْرِ فَلَا يَصَحُّ وَلَكِنَّ الْحَقَّ صِحَّتُهُ بِجَامِعِ الْأَصَالَةِ فَكَانَتْ كَالْأَبِ فَلْيُحْفَظْ
(و) كَذَا صَحَّ (بِالْوَلَدِ إِنْ شَهِدَتْ) امْرَأَةً، وَلَوْ (قَابِلَةً) بِتَعْيِينِ الْوَلَدِ أَمَّا النَّسَبُ فَبِالْفِرَاشِ شُئْنِي، وَلَوْ
مُعْتَدَّةً جَحَدَتْ وَلَا دَتَهَا فَبِحُجَّةٍ تَامَّةٍ كَمَا مَرَفِي بِأَبِ ثُبُوتِ النَّسَبِ (أَوْ صَدَّقَهَا الرِّوَجُ إِنْ كَانَ) لَهَا زَوْجٌ
(أَوْ كَانَتْ مُعْتَدَّةً) مِنْهُ (و) صَحَّ (مُطْلَقًا إِنْ لَمْ تَكُنْ كَذَلِكَ) أَمْنِي مُزَوَّجَةً وَلَا مُعْتَدَّةً (أَوْ كَانَتْ) مُزَوَّجَةً

اس میں بیوی ہونے کے رشتہ کو غیر پر محمول کرنا ہے تو یہ اقرار صحیح نہ ہوگا۔ لیکن حق یہ ہے کہ یہ اقرار صحیح ہے اس کی دلیل اصل ہونا ہے پس ماں باپ کی طرح ہوگی پس اس کو یاد رکھنا جانا چاہیے۔ اسی طرح بچے کا نسب صحیح ہوگا اگر ایک عورت گواہی دے دے اگرچہ وہ دوائی ہو جب کہ وہ بچے کی تعیین کرے جہاں تک نسب کے ثابت ہونے کا تعلق ہے تو وہ فراش کے ساتھ ثابت ہو جائے گا، ”شمنی“۔ اگر وہ عورت عدت گزار رہی ہے وہ ولادت کا انکار کر دے تو نسب مکمل حجت سے ثابت ہوگا جس طرح ثبوت النسب میں گزر چکا ہے یا اس کا خاوند اس کی تصدیق کر دے۔ اگر اس عورت کا کوئی خاوند ہو یا وہ اس خاوند کی عدت گزار رہی ہو اگر اس طرح نہ ہو یعنی وہ شادی شدہ نہ ہو یا معتدہ نہ ہو تو مطلقاً صحیح ہوگا یا وہ کسی اور کے ساتھ شادی شدہ ہو

28318۔ (قوله: وَكَذَا صَحَّ) یعنی عورت کا اقرار اس طرح صحیح ہوگا۔

28319۔ (قوله: وَلَوْ قَابِلَةً) اس کے بعد اپنے اس قول او صدقہا الزوج کے ساتھ اس کے مقابلہ کو بیان کیا۔ یہ اس وقت ہے جب خاوند نسب کا انکار کرے اور عورت اس خاوند سے اس بچے کے نسب کا دعویٰ کرے۔ اور اس امر کو بیان کیا ہے کہ وہ عورت خاوند والی ہے۔ معتدہ کا معاملہ مختلف ہے جس طرح شارح نے اس کی تصریح کی ہے۔ مگر جب وہ نہ خاوند والی ہو اور نہ ہی معتدہ ہو یا اس کا خاوند ہو اور عورت یہ دعویٰ کرے تو بچہ کسی اور مرد سے ہوا ہے تو عورت کے اقرار سے بڑھ کر کسی زائد امر کی حاجت نہیں۔ اس سب امر کی ”ابن کمال“ نے تصریح کی ہے۔ عنقریب اس کی وضاحت آئے گی۔

28320۔ (قوله: بِتَعْيِينِ الْوَلَدِ) جس طرح تو اس سے جان چکا ہے جس کو ہم نے پہلے بیان کیا ہے کہ یہ گفتگو اس کے بارے میں ہے جب خاوند بچے کی ولادت کا انکار کرے اور دوائی کی شہادت بچے کی تعیین کے متعلق ہے جب وہ بچے کی پیدائش کے بارے میں ایک دوسرے کی تصدیق کریں اور خاوند تعیین کا انکار کرے۔ ”غایۃ البیان“ کی شرح ”الاقطع“ سے یہ عبارت ہے: دونوں کی شہادت سے ولادت ثابت ہو جائے گی اور نسب فراش سے ثابت ہوگا۔ الخ ظاہر یہ ہے کہ شارح نے جو بیان کیا ہے اس کا حکم اسی طرح ہے۔

28321۔ (قوله: وَصَحَّ مُطْلَقًا) یہ بیان کیا ہے کہ جو شرط ذکر کی گئی ہیں وہ سب کے اقرار کے صحیح ہونے کے بارے میں ہیں تا کہ خاوند پر اسے لازم نہ کیا جائے۔ اگر شرط مفقود ہو تو عورت کا اقرار اس کو اپنی ذات پر اقرار صحیح ہوگا اور بچہ اس کا وارث ہوگا۔ اور اگر بچے نے اس کی تصدیق کر دی تو وہ عورت بچے کی وارث ہوگی۔ ان دونوں کے علاوہ ان کا کوئی وارث نہ ہوگا تو وہ بھائی کا اقرار کرنے کی طرح ہو جائے گا۔ جو ہم نے پہلے بیان کیا ہے اس کا یہی مفہوم ہے۔ ”غایۃ البیان“

(وَادْعَتْ أَنَّهُ مِنْ غَيْرِهِ) فَصَارَ كَمَا لَوْ ادَّعَاهُ مِنْهَا لَمْ يُصَدَّقْ فِي حَقِّهَا إِلَّا بِتَصْدِيقِهَا قُلْتُ بَقِيَ لَوْ لَمْ يُعْرِفْ لَهَا زَوْجٌ غَيْرُهُ لَمْ أَرَهُ فَيُخَرَّدُ (وَلَا بُدَّ مِنْ تَصْدِيقِ هَؤُلَاءِ إِلَّا فِي الْوَلَدِ إِذَا كَانَ لَا يُعْبَرُ عَنْ نَفْسِهِ) لِأَمْرٍ أَنَّهُ حِينَئِذٍ كَالْمَتَاعِ (وَلَوْ كَانَ الْمُتَقَرُّ لَهُ عَبْدٌ الْغَيْرِ اشْتَرَطَ تَصْدِيقَ مَوْلَاهُ) لِأَنَّ الْحَقَّ لَهُ (وَصَحَّ التَّصْدِيقُ) مِنْ الْمُتَقَرِّ لَهُ (بَعْدَ مَوْتِ الْمُتَقَرِّ) لِبَقَاءِ النَّسَبِ وَالْعِدَّةَ بَعْدَ الْمَوْتِ (إِلَّا تَصْدِيقَ الزَّوْجِ بِمَوْتِهَا)

اور وہ یہ دعویٰ کر دے کہ یہ کسی اور مرد سے ہے تو یہ اسی طرح ہوگا کہ وہ مرد یہ دعویٰ کرے کہ یہ بچہ اس عورت سے میرا ہے تو عورت کے حق میں اس کی تصدیق نہ کی جائے گی مگر جب عورت اس کی تصدیق کر دے۔ میں کہتا ہوں: یہ صورت باقی رہ گئی ہے اگر اس کے علاوہ کوئی اور خاوند معروف نہ ہو میں نے اس کے بارے میں کوئی قول نہیں دیکھا پس اس کی وضاحت کی جانی چاہیے۔ ان کی تصدیق ضروری ہے مگر بچے کے معاملہ میں جب وہ خود اپنے بارے میں تعبیر نہ کر سکتا ہو۔ اس کی وجہ وہی ہے جو گزر چکی ہے کہ اس وقت وہ بچہ سامان کی طرح ہے۔ اگر مقررہ غیر کا غلام ہو تو اس کے آقا کی تصدیق شرط ہے۔ کیونکہ حق اس کا ہے اور مقررہ کی تصدیق مقرر کی موت کے بعد صحیح ہے۔ کیونکہ موت کے بعد نسب اور عدت باقی رہتی ہے مگر مقررہ عورت کی موت کی تصدیق خاوند کی جانب سے ضروری ہے۔

میں ہے: عورت کا بچہ کے بارے میں اقرار کرنا جائز نہیں اگرچہ بچہ اس کی تصدیق کر دے اگر ان دونوں کا معروف وارث نہ ہو تو دونوں ایک دوسرے کے وارث ہوں گے۔ کیونکہ عورت کا اقرار اپنے حق میں معتبر ہے اور نسب کا فیصلہ نہ کیا جائے گا۔ کیونکہ نسب حجت کے بغیر ثابت نہیں ہوتا اور حجت یہ ہے کہ جب دائی اس کی گواہی دے دے اور بچہ اس عورت کی تصدیق کر دے تو نسب ثابت ہو جائے گا۔ اور جب خاوند اس کی تصدیق کر دے تو بھی نسب ثابت ہو جائے گا تو دونوں کی تصدیق کرنے سے نسب ثابت ہو جائے گا۔ کیونکہ یہ ان دونوں کے علاوہ کی طرف متعدی نہیں ہوتا۔

28322۔ (قوله: مِنْ غَيْرِهِ) یعنی عورت کا اقرار صرف اس کے اپنے حق میں صحیح ہوگا۔

28323۔ (قوله: قُلْتُ) میں کہتا ہوں: دوسرے خاوند کے معروف نہ ہونے کی صورت میں انتہائی امر لازم ہوتا ہے

وہ یہ ہے کہ یہ بچہ زنا کی وجہ سے ہے جب کہ ایسا ہونا لازم نہیں اور یہ فرض کیا جائے کہ یہ زنا سے ہے تو بھی اس پر یہ۔ زنا ہو جائے گا۔ کیونکہ ولد زنا اور ولد لعان صرف ماں کی طرف سے وارث بنتا ہے۔ پس اس میں توقف کی کوئی صورت نہیں۔ ”بوجود مصری“ کے ”حاشیہ مسکین“ میں اسی طرح ہے۔

28324۔ (قوله: وَصَحَّ التَّصْدِيقُ الْخ) اگرچہ مقرر کے انکار کرنے کے بعد تصدیق ہو۔ کیونکہ ”بزازی“ کا قول

ہے: ایک آدمی نے اقرار کیا کہ اس نے فلاں عورت سے حالت صحت میں یا حالت مرض میں شادی کی اور عورت نے اس کی زندگی میں یا اس کی موت کے بعد تصدیق کی تو یہ تصدیق جائز ہوگی۔ ”ساحانی“۔

28325۔ (قوله: بِمَوْتِهَا) ایک نسخہ میں اسی طرح ہے اور یہی صحیح ہے جب کہ یہ اس کے موافق ہے جو ”الملتقی“ پر

مُقَرَّرَةً لَا نَقْطَاعَ النِّكَاحِ بِمَوْتِهَا وَلِهَذَا لَيْسَ لَهُ غُسْلُهَا بِخِلَافِ عَكْسِهِ (وَلَوْ أَقَرَّ رَجُلٌ) (بِنَسَبٍ) فِيهِ تَحْوِيلٌ (عَلَى غَيْرِهِ) لَمْ يَقُلْ مِنْ غَيْرِ وَلَا ذِكْرًا فِي الدَّرَجَةِ بِالنَّسَبِ وَالْبَدَلِ وَالْبَيْنِ الْإِبْنِ كَمَا قَالَ (كَالْأَخِ وَالْعَمِّ وَالْجَدِّ وَالْبَنِ الْإِبْنِ لَا يَصِحُّ) الْإِقْرَارُ (فِي حَقِّ غَيْرِهِ) إِلَّا بِبُرْهَانٍ وَمِنْهُ إِقْرَارُ اثْنَيْنِ كَمَا مَرَّرْنَا فِي بَابِ ثُبُوتِ النَّسَبِ فَلْيُحْفَظْ وَكَذَا لَوْ صَدَّقَهُ الْمُقَرَّرُ عَلَيْهِ أَوْ الْوَرَثَةُ وَهُمْ مِنْ أَهْلِ التَّصَدِيقِ (وَيَصِحُّ فِي حَقِّ نَفْسِهِ حَتَّى يَلْزَمَهُ) أَمَى الْمُقَرَّرُ (الْأَحْكَامُ مِنَ التَّفَقُّةِ وَالْحَضَانَةِ وَالْإِرْثِ إِذَا تَصَادَقَا عَلَيْهِ) أَمَى عَلَى ذَلِكَ الْإِقْرَارُ لِأَنَّهُ إِقْرَارُهُمَا حُجَّةٌ عَلَيْهِمَا (فَإِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُ) أَمَى لِهَذَا الْمُقَرَّرِ (وَارِثٌ غَيْرُهُ مُطْلَقًا) لَا قَرِيبًا كَذَوِي الْأَرْحَامِ

کیونکہ عورت کے مرنے کے ساتھ نکاح ختم ہو جاتا ہے اس وجہ سے مرد کو حق حاصل نہیں کہ وہ عورت کو غسل دے۔ اس کے برعکس کا معاملہ مختلف ہے اگر مرد ایسے نسب کا اقرار کرتا ہے جس کا حمل غیر پر واقع ہوتا ہے، غیر ولاد، کا قول نہیں کیا جس طرح ”الدرر“ میں ہے۔ کیونکہ دادے اور پوتے کے ساتھ اس میں نقض واقع ہو جاتا ہے جس طرح کہا جیسے بھائی، چچا، دادا اور پوتے کا اقرار کرے تو یہ اقرار غیر کے حق میں صحیح نہیں ہوگا مگر جب گواہیاں قائم کر دے۔ اسی میں سے ہے کہ دو آدمی اقرار کریں جس طرح باب ثبوت النسب میں گزر چکا ہے۔ پس اسے یاد رکھا جانا چاہیے۔ اسی طرح کا حکم ہوگا اگر مقرر علیہ یا وارث اس کی تصدیق کر دیں جب کہ وہ اہل تصدیق میں سے ہوں۔ اس کی ذات کے حق میں اقرار صحیح ہوگا یہاں تک کہ نفقہ، حضانت اور وراثت کے احکام مقرر پر لازم ہوں گے جب دونوں اس اقرار پر باہم تصدیق کریں کیونکہ دونوں کا اقرار دونوں کے خلاف حجت ہے۔ اگر اس مقرر کا اس کے علاوہ مطلقاً وارث نہ ہو نہ قریبی جیسے ذوی الارحام

اس کی شرح میں ہے۔

28326۔ (قوله: فِي بَابِ ثُبُوتِ النَّسَبِ) کیونکہ کہا: یا بعض وارث اس کی تصدیق کر دیں۔ پس یہ اقرار کرنے والوں کے حق میں ثابت ہو جائے گا غیر کے حق میں نسب ثابت ہو جائے گا یہاں تک کہ تمام لوگوں کے حق میں ثابت ہو جائے گا اور اقرار کرنے والوں کے حق میں نصاب شہادت پورا ہو جائے۔ اگر نصاب شہادت مکمل نہ ہو وہ جھٹلانے والوں کے ساتھ شریک نہیں ہوگا۔

28327۔ (قوله: أَوْ الْوَرَثَةُ) اس قول سے ان کا یہ قول ومنہ اقرار اثْنَيْنِ غنی کر دیتا ہے۔ ”ط“۔

لیکن یہاں ہماری کلام مقرر کی تصدیق کے بارے میں ہے اور وہاں نفس اقرار کے بارے میں ہے اگرچہ دونوں قول معنی میں ایک جیسے ہیں لیکن دونوں میں فرق ہے تصدیق پہلے کے اقرار کے علم کے بعد ہوتی اور جیسے وہ کہے یا اس نے سچ کہا اور اقرار کا علم ہونا لازم نہیں ہوتا۔ تامل

28328۔ (قوله: كَذَوِي الْأَرْحَامِ) ”عنایہ“ میں قریب کی تفسیر ذوی الفروض اور عصبات سے کی ہے اور بعید کی تفسیر ذوی الارحام سے کی ہے۔ پہلا قول زیادہ مناسب ہے۔ کیونکہ ولی موالات کی وراثت کا درجہ ذوی الارحام کے بعد ہوتا

وَلَا بَعِيدًا كَمَوْلَى الْمَوَالَةِ عَيْنِي وَغَيْرُهُ (وَرِثَهُ وَإِلَّا لَاحِلًا) لِأَنَّ نَسَبَهُ لَمْ يَثْبُتْ فَلَا يُزَاحِمُ الْوَارِثُ الْمَعْرُوفُ، وَالْمُرَادُ غَيْرُ الزَّوْجَيْنِ لِأَنَّ وُجُودَهُمَا غَيْرُ مَانِعٍ قَالَهُ ابْنُ الْكَمَالِ، ثُمَّ لِلْمُقَرَّرِ أَنْ يَرْجِعَ عَنْ إقْرَارِهِ؛ لِأَنَّهُ وَصِيَّةٌ مِنْ وَجْهِ زَيْدَعِي أَيْ وَإِنْ صَدَّقَهُ الْمُقَرَّرُ لَهُ كَمَا فِي الْبَدَائِعِ لَكِنْ نَقَلَ الْمُصَنِّفُ عَنْ شُرُوحِ السَّرَاجِيَّةِ

اور نہ ہی بعیدی جس طرح مولی موالات ”عینی“ وغیرہ تو وہ اس کا وارث بن جائے گا ورنہ وارث نہیں بنے گا۔ کیونکہ اس کا نسب ثابت نہیں ہوگا پس وہ معروف وارث کا مزاحم نہیں ہوگا۔ اور مراد میاں بیوی کے علاوہ وارث ہیں۔ کیونکہ ان کا پایا جانا مانع نہیں۔ یہ ”ابن کمال“ نے قول کیا ہے۔ پھر مقرر کو حق حاصل ہے کہ وہ اپنے اقرار سے رجوع کر لے۔ کیونکہ یہ من وجہ وصیت ہے، ”زیلعی“۔ یعنی اگرچہ مقرر اس کی تصدیق کرے جس طرح ”البدائع“ میں ہے لیکن مصنف نے ”شروح السراجیہ“ سے نقل کیا ہے

ہے۔ ”شربلالیہ“۔

28329۔ (قوله: وَرِثَهُ)

تتمہ: مقرر، جب اس کے علاوہ کوئی اور وارث نہ ہو، اس کی وراثت اسی کے ساتھ خاص ہوگی اور مقررہ کی فرع کی طرف منتقل نہ ہوگی اور نہ ہی اس کی اصل کی طرف منتقل ہوگی۔ کیونکہ یہ وصیت کے قائم مقام ہے۔ یہ قول ہمارے شیخ کا ہے انہوں نے ”جامع الفصولین“ سے اخذ کیا ہے۔ ”حاشیہ مسکین“ میں اسی طرح ہے۔

28330۔ (قوله: الْمَعْرُوفُ) وہ وارث قریبی ہو یا بعیدی ہو وہ مقررہ کی نسبت وراثت کا زیادہ حق دار ہوگا یہاں تک کہ اگر وہ کسی کے بھائی ہونے کا اقرار کرے جب کہ اس کی پھوپھی یا خالہ ہو تو وراثت پھوپھی کو ملے گی یا خالہ کو ملے گی۔ کیونکہ اس کا نسب ثابت نہیں تو وہ معروف وارث کے مزاحم نہیں ہوگا، ”درر“۔ ”حاشیہ“ میں اسی طرح ہے۔

28331۔ (قوله: وَالْمُرَادُ غَيْرُ الزَّوْجَيْنِ) یعنی وہ وارث جو مقررہ کو وراثت سے روک دیتا ہے وہ میاں بیوی کے

علاوہ ہے۔

اگر مقررہ مقرر کی تصدیق نہ کرے تو وہ اقرار سے رجوع کر سکتا ہے

28332۔ (قوله: وَإِنْ صَدَّقَهُ الْمُقَرَّرُ لَهُ) صحیح مقرر علیہ ہے جس طرح اس گزشتہ قول میں اسے تعبیر کیا ہے۔ ”المنح“ کی

کلام اس پر دلالت کرتی ہے۔ کیونکہ صاحب ”المنح“ نے کہا: ان کا قول یعنی ”زیلعی“ کا قول مقرر کو حق حاصل ہے کہ وہ اقرار سے رجوع کرے۔ اس کا محل یہ ہے کہ جب مقررہ اس کی تصدیق نہ کرے یا اس کے اقرار کی مثل اقرار نہ کرے الخ۔ اسے ”سراجیہ“ کی بعض شروح کی طرف منسوب کیا ہے۔ ان کا قول اولم یقر، اس میں کوئی شک نہیں کہ اس میں ضمیر مقرر علیہ کے لیے ہے مقررہ کے لیے نہیں۔ اس سے یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ مقررہ کی جگہ صحیح مقرر علیہ ہے جس طرح کتاب الفرائض میں صاحب ”المنح“ نے اس کی تعبیر کی ہے۔ اس پر آنے والا قول بھی دلالت کرتا ہے کہ تصدیق سے نسب ثابت ہو جاتا ہے اور یہ

أَنَّ بِالتَّصْدِيقِ يَثْبُتُ النَّسَبُ فَلَا يَنْفَعُ الرَّجُوعُ فَلْيُخَرَّرْ عِنْدَ الْفَتْوَى (وَمَنْ مَاتَ أَبُوهُ فَأَقْرَأَ بِأَخٍ شَارَكَهُ فِي الْإِرْثِ) فَيَسْتَحِقُّ نِصْفَ نَصِيبِ الْبَقَرَةِ (وَلَمْ يَثْبُتْ نَسَبُهُ) لِمَا تَقَرَّرَ أَنَّ إِقْرَارَهُ مَقْبُولٌ فِي حَقِّ نَفْسِهِ فَقَطَّ

کہ تصدیق کے ساتھ نسب ثابت ہو جاتا ہے۔ پس رجوع کوئی نفع نہ دے گا۔ پس فتویٰ کے وقت اس کی چھان بین کر لینی چاہیے۔ وہ آدمی جس کا باپ فوت ہو گیا تو اس نے کسی کے بارے میں بھائی ہونے کا اقرار کیا تو وہ اس کے ساتھ وراثت میں شریک ہو گا پس وہ مقرر کے حصہ کے نصف کا مستحق ہو جائے گا اور اس کا نسب ثابت نہیں ہو گا۔ کیونکہ یہ ثابت ہے کہ اس کا اقرار صرف اس کی ذات کے حق میں مقبول ہے۔

تصدیق مقرر علیہ کی جانب سے ہی ہوتی ہے۔

”سراجیہ“ پر ”روح الشروح“ میں کہا: یہ جان لو اگر مقرر کے ساتھ ایک اور آدمی نے گواہی دی یا مقرر علیہ نے اس کی تصدیق کی یا وارثوں نے اس کی تصدیق کی جب کہ وہ اقرار کے اہل ہوں تو موت تک اقرار پر اصرار شرط نہیں ہو گا اور نسب کے ثبوت کے لیے رجوع نفع نہ دے گا۔

”طرابلسی“ کی شرح ”فرائض الملتقی“ میں ہے: اس کا رجوع صحیح ہو گا کیونکہ معنی میں وصیت ہے اور اس کے ترکہ میں سے مقررہ کے لیے کوئی شے نہ ہو گی۔ ”شرح السراجیہ“ جس کا نام ”المنہاج“ ہے میں کہا: یہ حکم اس وقت ہے جب مقرر علیہ نے اس کے رجوع سے قبل اقرار کی تصدیق نہ کی ہو، اس کے اقرار کی مثل اقرار نہ کیا ہو مگر جب اس کے رجوع سے پہلے اس کے اقرار کی تصدیق کر دی ہو یا اس کے اقرار کی مثل اقرار کیا ہو تو اقرار سے مقرر کا رجوع مقرر کو کوئی نفع نہ دے گا۔ کیونکہ مقررہ کا نسب مقرر علیہ پر ثابت ہو چکا ہے۔ یہ ”سراجیہ“ کے شارحین کا کلام ہے۔ صحیح علیہ کے ساتھ تعبیر ہے جس طرح ”المنح“ میں کتاب الفرائض میں اس سے تعبیر کیا ہے اگرچہ یہاں اس کی عبارت شارح کی عبارت کی طرح ہے اس طرح فرائض میں شارح کی عبارت غیر واضح ہے پس اس پر متنبہ ہو جائیے۔

28333۔ (قوله: عِنْدَ الْفَتْوَى) میں کہتا ہوں: اس کی وضاحت یہ ہے کہ اگر مقررہ اس کی تصدیق کر دے تو اسے رجوع کا حق ہو گا۔ کیونکہ نسب ثابت نہیں ہوا۔ اور یہی وہ ہے جو ”البدائع“ میں ہے۔ اگر مقرر علیہ اس کی تصدیق کرے تو اس کا رجوع صحیح نہ ہو گا۔ کیونکہ یہ رجوع اس نسب کے ثابت ہونے کے بعد ہے۔ یہی وہ ہے جو ”شروح السراجیہ“ میں ہے۔ پس اشتباہ کی بنیاد صلہ کی تحریف ہے۔ پس موضوع مختلف ہے۔ اور یہ امر مخفی نہیں کہ یہ سب ولد وغیرہ کے اقرار کے علاوہ میں ہے۔

28334۔ (قوله: نِصْفَ نَصِيبِ الْبَقَرَةِ) اگر اس مقرر کے ساتھ میت کا کوئی وارث ہو۔ اس کی وضاحت ”زیلعی“

میں ہے۔

اگر کوئی باپ کے فوت ہونے کے بعد کسی کے بارے میں بھائی ہونے کا اقرار کرے تو اس کا حکم

28335۔ (قوله: فِي حَقِّ نَفْسِهِ) وہ مقرر اس مشتری کی طرح ہو جائے گا جب وہ یہ اقرار کرتا ہے کہ بائع نے بیع غلام

کو آزاد کر دیا تھا تو غلام کی آزادی میں اس کا اقرار قبول کیا جائے گا اور ثمن کے واپس کرنے میں اس کا اقرار قبول نہیں کیا جائے گا۔ ”بیانیہ“۔

”زیلعی“ میں ہے: جب اس کی ذات کے حق میں اس کا اقرار قبول کیا جائے گا تو مقر لہ ہمارے نزدیک مقر کے حصہ کے نصف کا مستحق بن جائے گا۔

امام ”مالک“ اور ”ابن ابی لیلیٰ“ کے نزدیک اس کے اقرار کو ترکہ میں عام کر دیا جائے گا اور مقر کو اس کے حصہ میں سے وہ کچھ دیا جائے گا جو اس میں سے اس کے ساتھ خاص ہو یہاں تک کہ وہ شخص جس کا باپ فوت ہو جائے اس کا ایک معروف بھائی ہو وہ دوسرے بھائی کا اقرار کرے اور اس کا معروف بھائی اس بارے میں اسے جھٹلا دے تو مقر کے قبضہ میں جو کچھ ہوگا اس کا نصف دے گا۔

اور ان دونوں یعنی امام ”مالک“ اور ”ابن ابی لیلیٰ“ کے نزدیک اس کے قبضہ میں جو کچھ ہوگا اس کا تیسرا حصہ اسے دے گا۔ کیونکہ مقر نے اس مقر لہ کے لیے اس ایک تہائی کا اقرار کیا ہے جو دو نصفوں میں مشترک ہے تو اس کا اقرار اس کے اپنے حصہ میں نافذ ہوگا اور اس کے بھائی کے حصہ میں اس کا اقرار باطل ہو جائے گا تو اس کے قبضہ میں جو کچھ ہوگا اس کا ایک تہائی مقر لہ کے لیے ہوگا اور یہ ایک تہائی کل مال کا چھٹا حصہ ہوگا اور دوسرا چھٹا جو اس کے بھائی کے حصہ میں ہے اس میں اس کا اقرار باطل ہو جائے گا۔ اس کی دلیل وہ ہے جو ہم نے ذکر کر دی ہے۔ ہم یہ کہتے ہیں: مقر کے گمان میں ہے کہ استحقاق میں وہ اس کے مساوی ہے اور منکر اپنے انکار کے ساتھ ظلم کرنے والا ہے تو منکر کے قبضہ میں جو کچھ ہے وہ ہلاک ہونے والے مال کی طرح ہے تو باقی ماندہ مال ان دونوں (مقر، مقر لہ) کے درمیان برابر ہوگا۔

اگر وہ کسی کے بارے میں اپنی بہن ہونے کا اقرار کرے تو بہن اس میں سے تیسرا حصہ لے گی جو اس مقر کے قبضہ میں ہوگا۔ اور ان دونوں مذکور علما کے نزدیک اس کا پانچواں حصہ لے گا۔

اگر کوئی آدمی بیٹا اور بیٹی بھائی ہونے کا اقرار کریں اور ایک بیٹا اور بیٹی ان دونوں کو جھٹلا دیں تو اقرار کرنے والوں کا حصہ پانچویں حصہ کے طور پر تقسیم کیا جائے گا اور دوسرے دو ائمہ کے نزدیک چار چار حصوں کی بنا پر تقسیم کیا جائے گا۔ اور تخریج ظاہر ہے۔

اگر کوئی آدمی کسی عورت کے بارے میں یہ اقرار کرتا ہے کہ فلاں عورت اس کے باپ کی بیوی ہے تو اس کے قبضہ میں جو کچھ ہوگا اس کا آٹھواں حصہ اس عورت کا ہوگا۔

اگر وہ کسی عورت کے بارے میں یہ اقرار کرتا ہے یہ اس کی دادی ہے یعنی میت کی ماں ہے تو اس مقر کے قبضہ میں جو کچھ ہوگا تو اس کا چھٹا حصہ وصول کرے گی۔ تو اس کے قبضہ میں جو کچھ ہوگا اس کے ساتھ ایسا ہی معاملہ کیا جائے گا جس طرح اس وقت معاملہ کیا جاتا ہے اگر وہ ثابت ہو جائے جس کا وہ اقرار کر رہا ہے اس کی مکمل بحث اس میں ہے۔

قُلْتُ بَقِيَ لَوْ أَقَرَّ الْأَخُ بِابْنٍ هَلْ يَصِحُّ؟ قَالَ الشَّافِعِيُّ لَا لِأَنَّ مَا أَدَّى وَجُودُهُ إِلَى نَفْيِهِ انْتَفَى مِنْ أَصْلِهِ، وَلَمْ أَرَهُ لِإِثْبَاتِنَا صَرِيحًا، وَظَاهِرُ كَلَامِهِمْ نَعَمْ فَلْيُرَاجَعْ (وَإِنْ تَرَكَ) شَخْصٌ (ابْنَيْنِ)، وَلَهُ عَلَى آخَرِ مِائَةٌ فَأَقَرَّ أَحَدُهُمَا بِقَبْضِ أَبِيهِ خَنَسِينَ مِنْهَا فَلَا شَيْءَ لِلْمُقَرِّ،

میں کہتا ہوں: یہ صورت باقی رہ گئی ہے اگر میت کے بھائی نے کسی کے متعلق میت کے بیٹا ہونے کا اقرار کیا، کیا وہ اقرار صحیح ہو گا؟ شافعیہ نے کہا: اقرار صحیح نہیں ہوگا۔ کیونکہ جس امر کا وجود اس کی نفی کی طرف لے جاتا ہو تو وہ اپنی اصل سے ہی منسفی ہوتا ہے میں نے اپنے ائمہ کے ہاں اسے صریح صورت میں نہیں دیکھا۔ ان علما کی کلام کا ظاہر یہ ہے: ہاں۔ پس کتب کی طرف رجوع کیا جانا چاہیے۔ اگر ایک آدمی دو بیٹے چھوڑتا ہے اور اس کا دوسرے پر سو ہوان دو بیٹوں میں سے ایک یہ اقرار کرتا ہے کہ ان سو میں سے پچاس پر اس کے باپ نے قبضہ کر لیا تھا تو مقرر کے لیے کوئی شے نہ ہوگی۔

اگر میت کا بھائی کسی کے متعلق میت کا بیٹا ہونے کا اقرار کرے تو کیا وہ اقرار صحیح ہوگا؟

28336۔ (قولہ: بابین) اگر کوئی آدمی اپنے فوت ہونے والے بھائی کے بیٹا ہونے کا اقرار کرے۔

28337۔ (قولہ: انتفی) یہ دور حکمی کا مسئلہ ہے جسے امام ”شافعی“ رحمہ اللہ نے وراثت کے موانع میں شمار کیا ہے۔

کیونکہ تو ریث سے اس کا عدم لازم ہوتا ہے۔ اس کی وضاحت یہ ہے جب ایسا بھائی میت کے بیٹے کے بارے میں اقرار کرتا ہے جو اس بیٹے کی وجہ سے وراثت سے محروم ہو جاتا ہے تو اس کا نسب ثابت نہیں ہوگا اور وہ وارث نہیں ہوگا۔ کیونکہ اگر وہ بھائی کے محبوب ہونے سے وارث بنتا ہے تو اس بیٹے کے بارے میں اقرار قبول نہ ہوگا اور اس کا نسب ثابت نہ ہوگا اور وارث نہیں ہوگا۔ کیونکہ وراثت کو ثابت کرنا اس کی نفی کی طرف لے جاتا ہے اور جس امر کا اثبات اس کی نفی کی طرف لے جاتا ہو تو وہ اپنی اصل سے ہی منسفی ہو جائے گا۔ یہی ان کے مذہب میں سے صحیح مذہب ہے لیکن باطنی طور پر مقرر پر واجب ہے کہ وہ بیٹے کو ترک دے دے جب وہ اپنے اقرار میں سچا ہو۔

28338۔ (قولہ: وَظَاهِرُ كَلَامِهِمْ نَعَمْ) یعنی علما کی کلام کا ظاہر معنی یہ ہے کہ میت کا بھائی جب میت کے بیٹے کے

بارے میں اقرار کرے تو اس کا اقرار صحیح ہوگا اور صرف اس کی ذات کے حق میں اس کا نسب ثابت ہوگا۔ پس مقررہ بیٹا وارث ہوگا میت کا بھائی وارث نہ ہوگا۔ کیونکہ علماء نے یہ ارشاد فرمایا کہ غیر پر نسب کے بارے میں اقرار اس کی ذات کے حق میں صحیح ہوتا ہے یہاں تک کہ نفقہ اور پرورش کے احکام اس پر لازم ہوں گے غیر کے حق میں یہ اقرار صحیح نہیں ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کے لیے حمد ہے میں نے اس مسئلہ کو ”قاسم بن قطلوبغا حنفی“ کے فتاویٰ میں دیکھا ہے اس کی نص ہے:

امام ”محمد“ رحمہ اللہ نے ”الاملاء“ میں کہا: اگر ایک آدمی کی پھوپھی ہو یا مولیٰ نعمت ہو پھوپھی یا مولیٰ نعمت نے میت کے باپ یا ماں کی جانب سے بھائی کا اقرار کیا یا میت کے چچا کا اقرار کیا یا چچا زاد کا اقرار کیا تو مقررہ پوری میراث لے لے گا۔ کیونکہ معروف وارث نے یہ اقرار کیا کہ میت کے استحقاق مال میں وہ اس مقرر سے پہلے ہے اور اس کا اقرار اس کی ذات کے خلاف حجت ہے۔

لَأَنَّ إِقْرَارَهُ يُنْصَرِفُ إِلَى نَصِيبِهِ (وَلِلْآخِرِ خَمْسُونَ) بَعْدَ حَلْفِهِ أَنَّهُ لَا يَعْلَمُ أَنَّ أَبَاهُ قَبَضَ شَطْرَ الْبَائَةِ قَالَهُ الْأَكْمَلُ قُلْتُ وَكَذَا الْحُكْمُ لَوَاقَرًا أَنَّ أَبَاهُ قَبَضَ كُلَّ الدَّيْنِ لِكِنَّهُ هُنَا يُحْلَفُ لِحَقِّ الْغَرِيمِ زَيْلَعِيُّ

کیونکہ اس کا اقرار اس کے حصہ کی طرف لوٹتا ہے اور دوسرے کے لیے پچاس ہوں گے جب کہ دوسرا قسم اٹھا دے کہ وہ نہیں جانتا کہ اس کے باپ نے سو کے نصف پر قبضہ کیا تھا تو اس کے لیے پچاس ہوں گے۔ یہ ”اکمل“ نے کہا ہے۔ میں کہتا ہوں: حکم اسی طرح ہے اگر وہ یہ اقرار کرے کہ اس کے باپ نے تمام دین پر قبضہ کیا تھا لیکن غریم کے حق کے لیے اس سے قسم لی جائے گی۔ ”زیلعی“۔

اسی طرح ان کا کلام ہے پھر کہا: جب اس میں دور نہیں تو موانع میں اس کا ذکر نہ کیا اور اس کے باب میں اس کا ذکر کیا۔

28339۔ (قوله: إِلَى نَصِيبِهِ) تو اس کو یوں بنا دیا جائے گا گویا اس نے پورا پورا حق لے لیا اور پورا پورا حق لینا ہی مضمونہ شے پر قبضہ کرنے کی صورت میں ہوتا ہے۔ کیونکہ دیون کو ان کی امثال کے ساتھ ہی ادا کیا جاتا ہے پھر ادا لے کے بدلے کے طور ان کو دلا یا جاتا ہے۔ اس نے میت پر دین کا اقرار کیا تو مقرر پر وہ لازم ہو جائے گا جس طرح باب الاستثناء سے تھوڑا پہلے گزر چکا ہے اس مسئلہ میں سابقہ اختلاف جاری نہیں ہوتا جس طرح یہ امر ذہین آدمی پر مخفی نہیں۔

28340۔ (قوله: بَعْدَ حَلْفِهِ) یعنی منکر کی قسم اٹھانے کے بعد یعنی بھائی کے لیے نہ کہ غریم کے لیے۔ کیونکہ غریم پر کوئی ضرر نہیں۔ پس یہ اس کے منافی نہیں جس کا ذکر آگے آ رہا ہے۔ اگر وہ قسم سے انکار کر دے تو مقرر اس کے ساتھ شریک ہو جائے گا۔
28341۔ (قوله: لِكِنَّهُ) استدراک تقاضا کرتا ہے کہ پہلی صورت میں قسم نہ لی جائے گی۔ ”زیلعی“ نے اس کی تصریح کی ہے۔ یہ اس کے مخالف ہے جسے پہلے ”الاکمل“ سے نقل کر دیا ہے اور اس کا جواب گزر چکا ہے۔

28342۔ (قوله: يَحْلِفُ) منکر یہ قسم اٹھائے گا: اللہ کی قسم وہ نہیں جانتا کہ باپ نے دین پر قبضہ کیا تھا اگر وہ انکار کر دے تو مدیون بری الذمہ ہو جائے گا۔ اگر وہ قسم اٹھا دے تو اس کا حصہ اسے دے دے گا۔ پہلے مسئلہ کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ غریم کے حق کی وجہ سے قسم نہیں لی جائے گی۔ کیونکہ اس کا تمام حق مقرر کی جہت سے اسے حاصل ہو چکا ہے۔ پس اس سے قسم لینے کی کوئی حاجت نہ ہوگی یہاں صرف نصف حاصل ہوا ہے پس اس سے قسم لی جائے گی۔ ”زیلعی“۔

فصل فی مسائل شتی

(أَقَرَّتِ الْحُرَّةُ الْمُكَلَّفَةُ بِدَيْنٍ) لِأَخَرَ (فَكَذَّبَهَا زَوْجُهَا صَاحَّ) إِقْرَارُهَا (فِي حَقِّهِ أَيْضًا) عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ (فَتُحْبَسُ) الْمُقَرَّرَةُ (وَتُتَلَاذِمُ) وَإِنْ تَضَرَّرَ الزَّوْجُ وَهَذِهِ إِحْدَى الْمَسَائِلِ السِّتِ الْخَارِجَةِ مِنْ قَاعِدَةِ الْإِقْرَارِ حُجَّةٌ قَاصِرَةٌ عَلَى الْمُقَرَّرِ وَلَا يَتَعَدَّى إِلَى غَيْرِهِ وَهِيَ فِي الْأَشْبَاهِ، وَيَنْبَغِي

متفرق مسائل کے احکام

ایک عاقل بالغ عورت نے کسی دوسرے کے لیے دین کا اقرار کیا اس عورت کے خاوند نے اس کو جھٹلادیا تو عورت کا خاوند کے حق میں اقرار صحیح ہوگا یہ امام ”ابو حنیفہ“ رحمہ اللہ کے نزدیک ہے۔ پس اقرار کرنے والی عورت کو روکا جائے گا اور اس کا ساتھ نہ چھوڑا جائے گا اگرچہ خاوند کو ضرر لاحق ہو۔ یہ ان چھ مسائل میں سے ہے جو اس قاعدہ سے خارج ہیں کہ اقرار ایسی حجت ہے جو مقرر تک محدود رہتی ہے اور مقرر کے علاوہ کی طرف متعدی نہیں ہوتی۔ یہ چھ مسائل ”الاشباہ“ کے اندر ہیں۔ یہ بھی چاہیے

اقرار مقرر پر حجت قاصرہ ہے یہ غیر کی طرف متعدی نہیں ہوگا

28343۔ (قوله: وَهِيَ فِي الْأَشْبَاهِ) ”الاشباہ“ کی عبارت یہ ہے کہ اقرار مقرر پر حجت قاصرہ ہے پس یہ غیر کی طرف متعدی نہ ہوگی۔ اگر مؤجر یہ اقرار کرے کہ گھر کسی اور کا ہے تو اجارہ فسخ نہیں ہوگا مگر چند مسائل میں اجارہ فسخ ہو جائے گا۔ (۱) اگر بیوی نے دین کا اقرار کیا تو قرض خواہ کو حق حاصل ہوگا کہ اسے مجبوس کر دے اگرچہ خاوند کو اس سے مضرت پہنچے اگر مؤجر ایسے دین کا اقرار کرتا ہے جس کی ادائیگی اس عین کی ثمن سے ہو سکتی ہے (جس کو اجارہ پر دیا گیا ہے) تو دین کی ادائیگی کے لیے اس عین کو بیچنے کا اسے حق حاصل ہوگا اگرچہ مستاجر کو ضرر پہنچے۔

اگر مجہول نسب والی عورت اقرار کرے کہ وہ اس کے خاوند کے باپ کی بیٹی ہے اور باپ اس کی تصدیق کر دے تو دونوں میاں بیوی کے درمیان نکاح فسخ ہو جائے گا اگر وہ ارتداد کا اقرار کرے تو معاملہ مختلف ہوگا۔

اگر خاوند نے بیوی کے بارے میں غلامی کے اقرار کے بعد دو طلاقیں دے دیں تو وہ رجوع کا مالک نہیں ہوگا۔

جب وہ بیچی گئی لونڈی کے بچے کا دعویٰ کرے اور اس مقرر کا بھائی ہو تو اس کا نسب ثابت ہو جائے گا اور یہ وراثت سے بھائی کی محرومی کی طرف لے جائے گا۔ کیونکہ میراث بیٹے کے لیے ہوتی ہے اسی طرح مکاتب جب آزاد عورت کے بچے کے نسب کا دعویٰ کرے جب کہ اس مکاتب کا بھائی ہو تو بچے کا نسب ثابت ہو جائے گا اور میراث سے بھائی کی محرومی تک لے جائے گا کیونکہ میراث بیٹے کے لیے ہوتی ہے۔

28344۔ (قوله: وَيَنْبَغِي) یہ بحث صاحب ”المنح“ کی ہے۔

أَنْ يَخْرُجَ أَيْضًا مَنْ كَانَ فِي إِجَارَةٍ غَيْرِهِ فَأَقْرَأَ لآخرَ بدينَ فَإِنَّ لَهُ حَبْسَهُ وَإِنْ تَصَرَّرَ الْمُسْتَأْجِرُ وَهِيَ وَاقِعَةٌ
الْفَتْوَى وَلَمْ نَرَهَا صَرِيحَةً (وَعِنْدَهُمَا لَا) تُصَدَّقُ فِي حَقِّ الزَّوْجِ فَلَا تُحْبَسُ وَلَا تُلَازِمُ دُرٌّ قُلْتُ وَيَنْبَغِي أَنْ
يُعَوَّلَ عَلَى قَوْلِهَا إِفْتَاءً وَقَضَاءً لِأَنَّ الْغَالِبَ أَنَّ الْأَبَّ يُعَلِّمُهَا الْإِقْرَارَ لَهُ أَوْ لِبَعْضِ أَقَارِبِهَا لِيَتَوَصَّلَ
بِذَلِكَ إِلَى مَنْعِهَا بِالْحَبْسِ عِنْدَكَ عَنْ زَوْجِهَا كَمَا وَقَفْتُ عَلَيْهِ مَرَارًا حِينَ أُبْتَلِيتُ بِالْقَضَاءِ كَذَا ذَكَرَهُ
الْمُصَنِّفُ (مَجْهُولَةُ النَّسَبِ أَقْرَأَتْ بِالرِّقِّ لِلنَّسَانِ) وَصَدَّقَهَا الْمُقَرَّرُ لَهُ (وَلَهَا زَوْجٌ وَأَوْلَادٌ مِنْهُ) أَمَى الزَّوْجُ
(وَكَذَبَهَا) زَوْجُهَا (صَحَّ فِي حَقِّهَا خَاصَّةً)

کہ اس قاعدہ سے وہ بھی خارج ہو جو غیر کے اجارہ پر ہو تو اس نے کسی شخص کے لیے دین کا اقرار کیا تو اسے مجبوس کرنے کا حق حاصل ہوگا اگرچہ اس آدمی کو ضرر لاحق ہو جس نے اس مزدور کو اجرت پر لیا ہوا ہو۔ یہ واقعۃً الفتویٰ ہے ہم نے اسے کتب میں صریح صورت میں نہیں دیکھا۔ ”صاحبین“ رحمہ اللہ کے نزدیک خاوند کے حق میں اس کی تصدیق نہ کی جائے گی نہ اس عورت کو مجبوس کیا جائے گا اور نہ ہی اس کے ساتھ رہا جائے گا۔ ”درر“۔ چاہیے کہ فتویٰ میں اور قضا میں ”صاحبین“ رحمہ اللہ کے قول پر اعتماد کیا جائے۔ کیونکہ باپ اس عورت کو یہ سکھاتا ہے کہ وہ اس کے حق میں یا کسی قریبی رشتہ دار کے حق میں اقرار کرے تاکہ اس کے واسطے سے اس عورت کو اس کے خاوند سے روک سکے جس طرح میں اس حقیقت پر مطلع ہوا جب مجھے منصب قضا سنبھالنا پڑا تھا مصنف نے اسے اسی طرح ذکر کیا ہے۔ ایسی عورت کا نسب مجہول ہے اس نے کسی انسان کے حق میں غلامی کا اقرار کیا اور مقررہ نے اس کی تصدیق کی جب کہ اس کا ایک خاوند موجود ہے اور اس خاوند سے اس کی اولاد بھی ہے اس کا خاوند اس عورت کو جھٹلاتا ہے اس عورت کا اقرار اس کی ذات کے حق میں صحیح ہوگا

28345۔ (قوله: إِفْتَاءً وَقَضَاءً) یہ دونوں منصوب ہیں۔

28346۔ (قوله: لِأَنَّ الْغَالِبَ) اس میں اعتراض کی گنجائش ہے۔ کیونکہ علت خاص ہے اور مدعی عام ہے۔ کیونکہ جب اقرار اجنبی کے لیے ہو تو اس میں یہ ظاہر نہیں ہوتا اور ان کا قول لیتوصل الخ وہ بھی ظاہر نہیں ہوتا۔ کیونکہ جس قاضی کے ہاں ہے باپ کے ہاں نہیں۔ کیونکہ جس پر انحصار ہے وہ امام کا قول ہے۔ نیز تصحیح میں ائمہ ترجیح میں سے کسی کی طرف منسوب نہیں۔ ”لَا“۔ لیکن ان کا قول اذا الجس عند القاضي یہ اس کے مخالف ہے جو اس باب میں گزر چکا ہے کہ خیار مدعی کے یہ ہوگا۔

اگر کوئی مجہول النسب عورت کسی کے حق میں غلامی کا اقرار کرے تو اس کا حکم

28347۔ (قوله: مَجْهُولَةُ النَّسَبِ أَقْرَأَتْ) یہ قول اپنے اطلاق پر نہیں۔ کیونکہ ”الاشباہ“ میں ہے: جب مجہول نسب والا کسی انسان کے لیے غلام ہونے کا دعویٰ کرے اور مقررہ اس کی تصدیق کر دے تو اس کا اقرار صحیح ہوگا۔ اور وہ غلام بن جائے گا جب قضا کے ساتھ اس کی آزادی کے ساتھ متاکد ہونے سے پہلے ہو۔ جہاں تک اس کے خلاف قاضی کی جانب سے کامل حد کے فیصلہ کا تعلق ہے یا اطراف میں قصاص کا تعلق ہے اس کے بعد اس کی غلامی کا اقرار صحیح نہ ہوگا۔ ”ساحانی“۔

فَوَلَدٌ عَلِقَ بَعْدَ الْإِقْرَارِ رَقِيقٌ خِلَافًا لِمُحَمَّدٍ (لَا) فِي (حَقِّهِ) يَرُدُّ عَلَيْهِ اتِّقَاضُ طَلَاقِهَا كَمَا حَقَّقَهُ فِي الشُّرْئِ بِلَالِيَّةٍ (وَحَقِّ الْأَوْلَادِ) وَفَرَّغَ عَلَى حَقِّهِ بِقَوْلِهِ (فَلَا يَبْطُلُ النِّكَاحُ) وَعَلَى حَقِّ الْأَوْلَادِ بِقَوْلِهِ (وَأَوْلَادُ) حَصَلَتْ قَبْلَ الْإِقْرَارِ وَمَا فِي بَطْنِهَا وَقْتَهُ أُخْرَاءٌ لِحُصُولِهِمْ قَبْلَ إِقْرَارِهَا بِالرِّقِّ

اور اقرار کے بعد جو حمل ٹھہرا وہ غلام ہوگا۔ امام ”محمد“ رحمہ اللہ نے اس سے اختلاف کیا ہے۔ مرد کے حق میں اس کا اقرار صحیح نہیں ہوگا اس قول پر اس سے اعتراض وارد ہوتا ہے کہ اس کی طلاق میں نقض واقع ہوتا ہے جس طرح ”شرنبلائیہ“ میں اسے ثابت کیا ہے اور بچوں کے حق میں اس کا اقرار صحیح نہیں ہوگا اور خاوند کے حق پر یہ تفریع بیان کی کہ نکاح باطل نہیں ہوگا اور اولاد کے حق پر یہ تفریع ذکر کی ہے اور ایسی اولاد جو اقرار سے پہلے حاصل ہو چکی ہو اور وہ اولاد جو اقرار کے وقت بطن میں موجود ہو۔ کیونکہ یہ اولاد عورت کی جانب سے غلامی کے اقرار سے قبل حاصل ہو چکی ہے۔

28348۔ (قوله: فَوَلَدٌ) تفریع غیر ظاہر ہے اور اس کا محل مابعد میں ہے۔ ظاہر یہ ہے کہ یہ کہا جاتا ہے فتکون رقیقۃ لہ جس طرح ”العزمیہ“ میں اسے بیان کیا ہے۔

28349۔ (قوله: كَمَا حَقَّقَهُ فِي الشُّرْئِ بِلَالِيَّةٍ) کیونکہ کہا: کیونکہ ”محیط“ میں ”المبسوط“ سے منقول ہے کہ اس کی طلاق دو ہوں گی اور اس کی عدت دو حیض ہوگی اس پر اجماع ہے۔ کیونکہ یہ لونڈی ہو چکی ہے۔ اور یہ ایسا حکم ہے جو اس عورت کے ساتھ خاص ہوگا۔ پھر ”زیادات“ سے یہ نقل کیا گیا ہے: اگر خاوند اسے دو طلاقیں دے جب کہ اسے عورت کے اقرار کا علم نہ ہو تو اس کا خاوند رجوع کا مالک ہوگا۔ ”جامع“ میں یہ ذکر کیا۔ وہ رجوع کا مالک نہیں ہوگا اسے علم ہو یا علم نہ ہو۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: جو ذکر کیا گیا ہے وہ قیاس ہے اور جو ”جامع“ میں ذکر کیا گیا ہے وہ استحسان ہے۔ ”کافی“ میں ہے: ایک آدمی نے ایلا کیا اور عورت نے دو ماہ گزرنے سے پہلے اس امر کا اقرار کیا تو دونوں ماہ اس کی عدت ہوں گے اگر دو ماہ گزرنے کے بعد اس نے اقرار کیا تو پھر چار ماہ ہوں گے۔

قاعدہ یہ ہے کہ غیر کے اقرار سے جس کے فوت ہونے کا امکان ہو جب اس کا تدارک ممکن ہو اور اس نے تدارک نہ کیا تو اس کا حق باطل ہو جائے گا۔ کیونکہ اس کے حق کا فوت ہونا اس کی اپنی کوتاہی کی طرف منسوب ہے۔ اگر تدارک ممکن نہ ہو تو اس کے حق میں اقرار صحیح نہ ہوگا جب اس نے مہینہ کے بعد اقرار کیا تو خاوند کے لیے تدارک ممکن ہے اور دو ماہ کے بعد اس کے لیے تدارک ممکن نہیں۔ طلاق اور عدت کا معاملہ اسی طرح ہے یہاں تک کہ اگر وہ اسے دو طلاقیں دے پھر وہ اقرار کرے تو خاوند تیسری طلاق کا مالک ہوگا۔ اگر طلاق سے قبل اس نے اقرار کیا تو دو طلاقوں کے ساتھ جدا ہو جائے گا اگر اس کی عدت کے دو حیض گزر چکے تھے پھر اس عورت نے اقرار کیا تو خاوند رجوع کا مالک ہوگا۔ اگر ایک حیض گزر چکا تھا پھر اس عورت نے اس امر کا اقرار کیا تو وہ دو حیضوں کے ساتھ جدا ہو جائے گی۔ الخ

میں کہتا ہوں: جو ”کافی“ میں ہے تو اس میں کوئی اشکال نہیں کیونکہ اس کے حق کا فوت ہونا اس کی اپنی کوتاہی کی طرف

(مَجْهُولُ النَّسَبِ حَرَّ عَبْدُهُ ثُمَّ أَقْرَبَ بِالرِّقِّ لِنَسَانٍ وَصَدَّقَهُ) الْمُقَرَّرُ لَهُ (صَحَّ) إِقْرَارُهُ (فِي حَقِّهِ) فَقَطْ (دُونَ) إِبْطَالِ الْعِتْقِ، فَإِنْ مَاتَ الْعَتِيقُ يَرِثُهُ وَارِثُهُ إِنْ كَانَ لَهُ وَارِثٌ يَسْتَعْرِقُ التَّرِكَهَ (وَالْأَلَا فَيَرِثُ) الْكُلَّ أَوْ الْبَاقِيَ كَافِي وَشُرْئِبْلَالِيَّةَ) الْمُقَرَّرُ لَهُ فَإِنْ مَاتَ الْمُقَرَّرُ ثُمَّ الْعَتِيقُ فَإِارِثُهُ لِعَصْبَةِ الْمُقَرَّرِ وَلَوْ جَنَى هَذَا الْعَتِيقُ سَعَى فِي جَنَائِيهِ لِأَنَّهُ لَا عَاقِلَةَ لَهُ وَلَوْ جَنَى عَلَيْهِ يَجِبُ أَرْضُ الْعَبْدِ وَهُوَ كَالْمَمْلُوكِ فِي الشَّهَادَةِ لِأَنَّهُ حُرِّيَّتُهُ بِالظَّاهِرِ وَهُوَ يَصُدُّ لِدَفْعِ لَا لِإِسْتِحْقَاقِ (قَالَ) رَجُلٌ لِأَخْرَاجِي عَلَيْكَ أَلْفٌ فَقَالَ فِي جَوَابِهِ (الصَّدَقُ أَوْ الْحَقُّ أَوْ الْيَقِينُ أَوْ نَكْرٌ) كَقَوْلِهِ حَقًّا

مجهول النسب آدمی نے اپنے غلام کو آزاد کیا پھر کسی انسان کے لیے اپنے بارے میں غلام کا اقرار کیا مقررہ نے اس کے دعویٰ کی تصدیق کر دی تو صرف اس مجہول النسب کے اپنے حق میں اس کا اقرار صحیح ہوگا۔ اگر آزاد کردہ غلام مر گیا تو اس کا وارث اس کا وارث ہوگا اگر اس کا کوئی وارث ہوگا تو پورے ترکہ کو لے ورنہ مقررہ سارے کا یا باقی ماندہ کا وارث ہوگا، ”کافی“، ”شرنبلا لیه“۔ اگر مقررہ جائے پھر آزاد کردہ غلام مر جائے تو اس کا وارث مقررہ کے عصبہ کے لیے ہوگا اگر یہ آزاد کر دے۔ غلام کسی کا نقصان کرے تو یہ اپنی جنایت میں سعی کرے گا۔ کیونکہ اس کی کوئی عاقلہ نہیں۔ اگر اس کا کسی نے نقصان کیا تو غلام کی چٹی لازم ہوگی جب کہ وہ شہادت میں مملوک کی طرح ہوگا۔ کیونکہ اس کی آزادی ظاہر کے اعتبار سے ہے یہ حق کو دور کرنے میں مؤثر ہے استحقاق میں مؤثر نہیں۔ ایک آدمی نے دوسرے سے کہا: میرا تجھ پر ایک ہزار لازم ہے تو اس نے جواب میں کہا: سچ، حق، یقینی یا ان کلمات کو نکرہ ذکر کیا جیسے حقا وغیرہ

منسوب ہے۔

28350۔ (قوله: حَرَّ عَبْدُهُ) حرر فعل ماضی معروف ہے اور عبدہ اس کا مفعول بہ ہے۔

28351۔ (قوله: فَيَرِثُ الْكُلَّ) اگر اس آزاد کیے گئے غلام کا اصلا وارث نہ ہو تو مقررہ اس کے تمام ترکہ کا وارث بن جائے گا۔

28352۔ (قوله: أَوْ الْبَاقِيَ) اگر اس میت کا ایسا وارث ہے جو اس کے تمام ترکہ کو نہ لے سکتا ہو۔

28353۔ (قوله: وَشُرْئِبْلَالِيَّةَ) ”المحيط“ سے مروی ”شرنبلا لیه“ میں یہ عبارت ہے: اگر میت کی بیٹی ہو تو نصف ترکہ

اس کا ہوگا اور نصف ترکہ مقررہ کا ہوگا الخ۔ اگر یہ آزاد کردہ غلام کوئی جنایت کرے تو وہ اپنی جنایت میں خود و شش کرے گا۔ کیونکہ اس کی کوئی عاقلہ نہیں ہے اگر اس پر کوئی جنایت کرے تو غلام کی حیثیت سے چٹی اس جنایت کرانے والے پر لازم ہوگی اور وہ آزاد کیا گیا غلام شہادت میں مملوک کے درجہ پر ہوگا۔ کیونکہ اس کی آزادی ظاہر میں ہے جب کہ وہ دفع کی صلاحیت رکھتا ہے استحقاق کی صلاحیت نہیں رکھتا۔

28354۔ (قوله: أَرْضُ الْعَبْدِ) اس تعبیر کی بنا پر اقرار مجنی علیہ کے حق میں حجت متعدی ہے پس چاہیے کہ اسے چھ

وَنَحْوَهُ (أَوْ كَرَّرَ لَفْظَ الْحَقِّ أَوْ الصِّدْقِ) كَقَوْلِهِ الْحَقُّ الْحَقُّ أَوْ حَقًّا حَقًّا (وَنَحْوَهُ أَوْ قَرَنَ بِهَا الْبِرَّ) كَقَوْلِهِ الْبِرُّ حَقٌّ أَوْ الْحَقُّ بِرًّا (فَإِذَا رُفِضَ وَلَوْ قَالَ الْحَقُّ حَقٌّ أَوْ الصِّدْقُ صِدْقٌ أَوْ الْيَقِينُ يَقِينٌ لَا يَكُونُ إِقْرَارًا لِأَنَّهُ كَلَامٌ تَأَمَّرَ بِخِلَافٍ مَا مَرَّ، لِأَنَّهُ لَا يَصْلُحُ لِلإِبْتِدَاءِ فَجُعِلَ جَوَابًا فَكَانَتْهُ قَالَ ادَّعَيْتَ الْحَقَّ إِلْخُ قَالَ لِأَمْتِهِ يَا سَارِقَةً يَا زَانِيَةً يَا مَجْنُونَةً يَا آبِقَةً أَوْ قَالَ هَذِهِ السَّارِقَةُ فَعَلْتَ كَذَا وَبَاعَهَا فَوُجِدَ بِهَا وَاحِدٌ مِنْهَا) أَمَى مِنْ هَذِهِ الْعُيُوبِ (لَا تُرَدُّ بِهِ) لِأَنَّهُ نِدَاءٌ أَوْ شَتِيبَةٌ لَا إِخْبَارٌ (بِخِلَافٍ هَذِهِ سَارِقَةً أَوْ هَذِهِ آبِقَةً أَوْ هَذِهِ زَانِيَةً أَوْ هَذِهِ مَجْنُونَةً) حَيْثُ تُرَدُّ بِإِحْدَاهَا؛ لِأَنَّهُ إِخْبَارٌ، وَهُوَ لِتَحْقِيقِ الْوَصْفِ (وَبِخِلَافٍ يَا طَالِقُ أَوْ هَذِهِ الْمُطَلَّقةُ فَعَلْتَ كَذَا) حَيْثُ تَطْلُقُ امْرَأَتُهُ لِتَمَكِّنِهِ مِنْ إِثْبَاتِهِ شَرْعًا فَجُعِلَ إِيْجَابًا لِيَكُونَ صَادِقًا

یا لفظ حق کو مکرر ذکر کیا یا لفظ صدق کو مکرر ذکر کیا جیسے الحق الحق یا حقا حقا یا اسی طرح کا قول کیا یا اس کے ساتھ البر کا لفظ ملا یا جیسے البر حق ہے نیکی حق ہے یا کہا: الحق بر، حق نیکی ہے الخ۔ تو یہ اقرار ہو جائے گا۔ اگر اس نے یہ قول کیا حق حق ہے، صدق صدق ہے یا یقین یقین ہے تو یہ اقرار نہیں ہوگا۔ کیونکہ مکمل کلام ہے اور یہ اس کے خلاف ہے جو قول گزر چکا ہے۔ کیونکہ یہ ابتدا کے لیے صحیح نہیں۔ پس اس کو جواب بنایا جائے گا گویا اس نے کہا: کیا تو نے حق کا دعویٰ کیا ہے الخ۔ ”ایک آدمی نے اپنی لونڈی سے کہا: اے چورنی، اے بدکارہ، اے مجنونہ، اے بھاگ جانے والی یعنی نکرہ کے اسماء ذکر کیے یا اس نے کہا: اے چوری کرنے والی تو نے یہ کیا ہے اور اسے بیچ دیا مشتری نے ان عیوب میں سے ایک پایا تو اسے رد نہیں کیا جائے گا کیونکہ یہ یا تو نندا ہے یا گالی ہے یہ خبر دینا نہیں ہے۔ جب وہ یہ کہے کہ یہ چورن ہے، یہ بدکاری کرنے والی ہے یا یہ مجنونہ ہے تو ان عیوب میں سے کسی ایک کے ساتھ اس کو رد کر دیا جائے گا۔ کیونکہ یہ خبر دینا ہے اور یہ وصف کی تحقیق کے لیے ہوتی ہے۔ یہ صورت مختلف ہوگی جب وہ کہے یا طالق۔ اس مطلقہ نے یہ عمل کیا ہے تو اس کی بیوی کو طلاق ہو جائے گی۔ کیونکہ اس نے اسے شرعی طور پر ثابت کیا ہے۔ پس اسے ایجاب بنایا جائے گا تا کہ وہ اپنے قول میں صادق ہو۔

مسائل پر زیادہ کر دیا جائے۔ جواب بھی گزرے ہیں۔

28355۔ (قوله: وَنَحْوَهُ) اسکی صورت یہ ہے کہ وہ یقین کا لفظ معرفہ کی صورت میں یا نکرہ کی صورت میں مکرر لائے۔

28356۔ (قوله: كَقَوْلِهِ الْبِرُّ حَقٌّ إلخ) یہ ان میں سے ہے جو خبر دینے کی صلاحیت رکھتا ہے اور بطور جواب متعین

نہیں ہوتا۔ ”الدرر“ میں جو قول ہے البر الحق بعض نسخوں میں اسی طرح ہے یہ ظاہر ہے اسے ابدال پر محمول کیا جائے گا۔ ”ط“۔

28357۔ (قوله: لِأَنَّهُ نِدَاءٌ) یعنی آخری صورت کے علاوہ میں یہ ندا ہیں اور ندا سے مراد منادی کو باخبر کرنا ہوتا ہے

اور اس کو مقدم اور حاضر باش کرنا ہوتا ہے یہ وصف کو ثابت کرنا نہیں ہوتا۔

28358۔ (قوله: حَيْثُ تُرَدُّ) یعنی اس لونڈی کو اس آدمی نے خریدا جو ان عیوب سے آگاہ نہ تھا پھر اسے علم ہوا۔ ”ط“۔

بِخِلَافِ الْأَوَّلِ دُرّاً (اِقْرَارُ السَّكَرَانِ بِطَرِيقِ مَحْظُورٍ) اِنِّی مَمْنُوعٌ مُحَرَّمٌ (صَحِيحٌ) فِي كُلِّ حَقٍّ فَلَوْ اَقْرَأَ بِقَوْدٍ اَقِيمَ عَلَيْهِ الْحَدُّ فِي سُكْرِهِ وَفِي الشَّرِيقَةِ يَضُنُّ الْمَسْرُوقُ كَمَا بَسَطَهُ سَعْدُ آفَنْدِي فِي بَابِ حَدِّ الشُّرْبِ (الْأَفْنِ) مَا يَقْبَلُ الرَّجُوعَ كَالرَّدَّةِ وَ (حَدُّ الزَّنا وَ شُرْبِ الْخَمْرِ وَ اِنْ) سَكَرَ بِطَرِيقِ مُبَاحٍ كَشُرْبِهِ مُكْرَهًا (لَا) يُعْتَبَرُ بَلْ هُوَ كَالْإِغْمَاءِ

پہلی صورت کا معاملہ مختلف ہے، ”درر“۔ نشے میں مست کا اقرار صحیح ہے جب کہ نشہ حرام طریقہ سے واقع ہے ممنوع و حرام ہو یہ تمام حقوق میں ہے اگر وہ قصاص کا اقرار کرے تو اس کے نشہ میں ہی اس پر حد جاری کر دی جائے گی اور سرقہ کی صورت میں مال مسروق کی ضمانت لی جائے گی جس طرح ”سعدی آفندی“ نے باب حد الشرب میں اسے تفصیل سے بیان کیا ہے مگر جو امر اقرار میں رجوع کو قبول کرتے ہیں جیسے ارتداد، حد زنا اور شرب خمر تو ان میں اقرار صحیح نہیں ہوگا۔ اگر مباح طریقہ سے نشہ آجائے جس طرح اسے جبری کوئی شے پلائی جائے تو اس اقرار کا کوئی اعتبار نہیں ہوگا بلکہ وہ اس نشہ کی صورت اغماء کی طرح ہوگی۔

28359۔ (قوله: بِخِلَافِ الْأَوَّلِ) کیونکہ آقا ان اوصاف کو ثابت کرنے پر قادر نہیں ہوتا۔ ”ط“۔

28360۔ (قوله: بِطَرِيقِ) یہ سکران کے متعلق ہے۔

28361۔ (قوله: عَلَيْهِ الْحَدُّ) شاید الحد کے الفاظ سبقت قلم ہے۔ صحیح قصاص ہے پس کتب کی طرف رجوع کیا

جانا چاہیے۔

نشہ میں مست آدمی جب اپنے بارے زنا اور سرقہ کا اقرار کرے تو اس پر حد جاری نہ ہوگی

28362۔ (قوله: كَمَا بَسَطَهُ سَعْدُ) وہاں ان کی عبارت ہے۔ ”صاحب النہایہ“ نے کہا: امام ”تہمتاشی“ نے کہا:

ایک نشہ میں مست آدمی جب اپنے بارے میں زنا اور سرقہ کا اقرار کرے تو اس پر حد جاری نہ ہوگی۔ کیونکہ جب وہ ہوش میں آئے اور رجوع کر لے تو اس کا اقرار باطل ہو جائے گا لیکن مسروق ضامن ہوگا۔ حد قذف اور قصاص کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ یہ دونوں نشہ کی حالت میں قائم کی جائیں گی۔ کیونکہ ان کو مؤخر کرنے میں کوئی فائدہ نہیں۔ کیونکہ وہ رجوع کرنے کا مالک نہیں۔ کیونکہ یہ دونوں حقوق العباد میں سے ہیں پس یہ مال طلاق اور عتاق کے اقرار کے مشابہ ہوگا۔

تجھ پر یہ امر مخفی نہیں کہ ان کا قول ”لأنه لا فائدة في تأخيره“ محل بحث ہے۔ ”معراج الدراية“ میں ہے: حد قذف کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ اسے مجبوس کیا جائے گا یہاں تک کہ وہ ہوش میں آئے۔ پھر اس پر حد قذف جاری کی جائے۔ پھر اسے مجبوس کر دیا جائے یہاں تک کہ ضرب کے اثر میں کمی واقع ہو جائے پھر اس پر نشہ کی حد جاری کی جائے۔ اسے ”مبسوط“ میں ذکر کیا ہے۔ ”معراج الدراية“ میں اقرار کی قید لگائی ہے۔ کیونکہ اگر وہ اس حال میں زنا کرے یا چوری کرے تو اس پر ہوش آنے کے بعد حد جاری کی جائے گی۔ اقرار کا معاملہ مختلف ہے۔ ”الذخيرة“ میں یہ اسی طرح ہے۔

رَأَى فِي مَقْطُوعِ الْقَضَاءِ وَتَسَامُيِهِ فِي أَحْكَامَاتِ الْأَشْبَاهِ (الْمَقْرُوءُ إِذَا كَذَبَ الْمُتَقَرِّرُ بِطَلِّ الْفَرَارِ لَهَا تَقَرَّرَ
ثُمَّ يَزِيدُ بِإِثْرِهِ إِلَّا فِي سِتِّ عَلَى مَا هُنَا تَبَعًا لِلْأَشْبَاهِ (الْفَرَارُ بِالْخُرَيْتَةِ وَالنَّسَبِ وَوَلَاءِ الْعَتَاةِ
وَالْوَقْفِ فِي الْإِسْعَافِ لَوْ وَقَفَ

مکر قضا کے مقابہ کا معاملہ مختلف ہے اس کی مکمل بحث احکامات ”الاشباہ“ میں ہے۔ جب مقرر مقرر کو جھٹلا دے تو مقرر کا اقرار باتس ہو جائے گا۔ کیونکہ یہ ثابت ہے کہ اقرار رد کرنے کے ساتھ رد ہو جاتا ہے مگر چھ مسائل میں جس طرح یہاں ان کا ذکر کیا گیا ہے یہ ”اشباہ“ کی تبع میں ہے آزادی، نسب، آزادی کی ولایت۔ ”وقف الاسعاف“ میں ہے: اگر ایک آدمی نے کسی پر

28363۔ (قوله: مَقْطُوعِ الْقَضَاءِ) یعنی نماز کی قضا جو ایک دن اور رات سے بڑھ جائے۔ اغناء کا معاملہ مختلف ہے۔

28364۔ (قوله: عَلَى مَا هُنَا) یعنی اس کی بنا پر جو متن میں ہے ورنہ غنقریب اس پر پچھو زائد آئے گا۔

28365۔ (قوله: بِالْخُرَيْتَةِ) جب وہ یہ اقرار کرے کہ وہ غلام جو اس کے قبضہ میں ہے وہ آزاد ہے تو اس کی آزادی

ثابت ہو جائے گی اگرچہ غلام اس کو جھٹلائے۔ ”طل“۔

اگر کوئی آدمی کسی پر وقف کر لے موقوف لہ اسے قبول کر لے پھر واقف اسے رد کر دے تو وہ رد نہیں ہوگا

28366۔ (قوله: فِي الْإِسْعَافِ) اس کی نفس یہ ہے وہ آدمی جس نے اس شے کو قبول کر لیا جس کو اس پر وقف کیا گیا تھا

تو اسے بعد میں رد کرنے کا حق نہیں ہوگا جس نے پہلی دفعہ رد کر دیا تو اسے بعد میں قبول کرنے کا حق نہیں ہوگا۔ تمام تفریعات اس میں ہیں۔

یہ امر غلط نہیں کہ گفتگو وقف کے اقرار کے متعلق ہے وقف کے بارے میں نہیں۔ ”الاسعاف“ میں بھی ہے: اگر ایک آدمی نے ایسی زمین کا اقرار کیا جو اس کے قبضہ میں تھی کہ یہ زمین اس نے ان دونوں پر وقف کر دی ہے، ان کی اولاد اور ان کی نسلوں پر ہمیشہ کے لیے وقف کر دی ہے۔ پھر ان کے بعد مساکین پر وقف کر دی ہے تو ان دونوں میں سے ایک نے اس کی تصدیق کی اور دوسرے نے اس کو جھٹلایا اور ان افراد میں سے کسی کی اولاد نہیں تو اس زمین کا نصف ان میں سے اس کے لیے ہوگا جس نے اس کی تصدیق کی اور دوسرا نصف مساکین کے لیے ہوگا۔ اگر انکار کرنے والا تصدیق کی طرف لوٹ آئے تو زمین کے منافع اس کی طرف لوٹ آئیں گے۔ یہ صورت اس کے برعکس ہے کہ اگر کوئی آدمی کسی کے لیے زمین کا اقرار کرے اور مقرر اس کو جھٹلا دے پھر اس کی تصدیق کرے تو وہ چیز اس کے لیے نہیں ہوگی جب تک وہ دوبارہ اس کے لیے اقرار نہ کرے۔

فرق یہ ہے کہ وہ زمین جس کے وقف کے بارے میں اقرار کیا تھا مقرر کی تکذیب کی وجہ سے وہ کسی کی ملکیت نہیں ہوگی جب وہ رجوع کرے گا تو زمین اس کی طرف لوٹ آئے گی اور وہ زمین جس کے ملک ہونے کا اقرار کیا گیا تو وہ زمین اقرار کی تکذیب کے ساتھ مقرر کی ملک کی طرف لوٹ آئے گی۔

28367۔ (قوله: لَوْ وَقَفَ) اس میں یہ تصریح ہے کہ گفتگو وقف کے اقرار کے بارے میں ہے وقف کے بارے میں

عَلَى رَجُلٍ فَقَبِلَهُ ثُمَّ رَدَّاهُ لَمْ يَرْتَدَّ وَإِنْ رَدَّاهُ قَبْلَ الْقَبُولِ ارْتَدَّ (وَالطَّلَاقُ وَالرِّقُّ) فَكُلُّهَا لَا تَرْتَدُّ وَيَزِيدُ الْبِيرَاثُ بَزَازِيَّةً وَالنِّكَاحُ كَمَا فِي مُتَفَرِّقَاتِ قَضَاءِ الْبَحْرِ وَتَبَامُهُ ثَبَتَةٌ وَاسْتَشْنَى ثَبَتَةٌ مَسْأَلَتَيْنِ مِنَ الْإِبْرَاءِ وَهُمَا إِبْرَاءُ الْكَفِيلِ لَا يَرْتَدُّ وَإِبْرَاءُ الْمَذْيُونِ بَعْدَ قَوْلِهِ أَوْ أُبْرِئَنِي فَأَبْرَأَهُ لَا يَرْتَدُّ فَالْمُسْتَشْنَى عَشْرَةٌ فَلْتُحْفَظْ وَفِي وَكَالَةِ الْوَهْبَانِيَّةِ

وقف کیا اس نے قبول کر لیا پھر اسے رد کیا تو وہ رد نہیں ہوگا اگر قبول کرنے سے پہلے رد کیا تو رد ہو جائے گا، طلاق اور عتاق یہ سب رد نہیں ہوتے۔ میراث کو زیادہ کیا جاتا ہے ”بزازیہ“ اور نکاح جس طرح ”البحر“ کی کتاب القضاء میں ہے۔ اس کی مکمل بحث وہاں ہے۔ وہاں دو مسائل کو بری کرنے سے مستثنیٰ کیا ہے وہ کفیل کا مال سے بری کرنا رد نہیں ہوگا اور مدیون کو بری کرنا جب اس نے یہ قول اس کے بعد کیا ہے مجھے بری کر دے تو اس نے اسے بری کر دیا یہ رد نہیں ہوگا پس جو مستثنیٰ ہیں وہ دس ہیں پس ان کو یاد رکھا جائے۔ ”وہبانیہ“ کے کتاب الوکالہ میں ہے

نہیں ہے اور نیز کلام اس کے بارے میں ہے جو رد کرنے سے رد نہیں ہوتا اگرچہ وہ قبول سے پہلے رد کرے۔ کیونکہ ”الاسعاف“ کی عبارت جو ”الاشباہ“ اور ”المنح“ پر ہے وہ یہ ہے کہ مقررہ جب اس کو رد کر دے پھر اس کی تصدیق کر دے تو یہ صحیح ہوگا۔ ”ح“۔ 28368۔ (قوله: قَضَاءُ الْبَحْرِ) اس کی عبارت میں مال کے اقرار کی قید رق، طلاق، نسب اور ولا کے اقرار سے احتراز ہے۔ کیونکہ یہ رد کے ساتھ مرتد نہیں ہوتا۔ جہاں تک پہلے تین کا تعلق ہے تو ”بزازیہ“ میں ہے: ایک آدمی نے دوسرے سے کہا: میں تیرا غلام ہوں تو مقررہ نے اس کو رد کر دیا پھر اس کی تصدیق کی طرف رجوع کیا تو وہ اس کا غلام ہوگا۔ اور رق کا اقرار رد کرنے کے ساتھ باطل نہیں ہوگا جس طرح مولیٰ کے انکار کرنے کے ساتھ اقرار باطل نہیں ہوتا۔ عین اور دین کے اقرار کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ یہ اقرار رد کرنے کے ساتھ باطل ہو جاتا ہے اور عتاق و طلاق رد کرنے کے ساتھ باطل نہیں ہوتے۔ کیونکہ یہ دونوں اسقاط (حق کو ساقط کرنا) ہیں جو صرف مسقط کے ساتھ مکمل ہو جاتا ہے۔ جہاں تک نسب کے اقرار کا تعلق ہے اور ولا، عتاقہ کا تعلق ہے تو ”شرح الجمع“ کے کتاب الولاء میں مذکور ہے۔ جہاں تک نکاح کے اقرار کا تعلق ہے تو اب تک میں نے اس بارے میں قول نہیں دیکھا اس کی مکمل بحث وہاں ہے۔

28369۔ (قوله: وَاسْتَشْنَى ثَبَتَةٌ) یہاں ان دونوں کے ذکر کی کوئی حاجت نہیں۔ کیونکہ یہ دونوں اس سے متعلق نہیں جس میں ہم گفتگو کر رہے ہیں، ”ح“۔ کیونکہ گفتگو اقرار کے متعلق ہو رہی ہے اور جو ذکر کیا گیا ہے وہ ابرا کے متعلق ہے۔

28370۔ (قوله: مَسْأَلَتَيْنِ) کیونکہ کہا: یہ جان لو کہ ابرار رد کرنے سے رد ہو جاتا ہے مگر اس صورت میں جب مدیون کہے: تو مجھے بری کر دے تو قرض خواہ نے اسے بری کر دیا تو یہ رد نہیں ہوگا جس طرح ”بزازیہ“ میں ہے۔ اسی طرح کفیل کا بری کرنا رد کرنے سے رد نہیں ہوتا۔ پس مستثنیٰ دو مسئلے ہیں جس طرح ان کا قول ہے بری کرنا قبول کرنے پر موقوف نہیں ہوتا اس سے وہ خارج ہو جاتا ہے جو بدل صرف اور بدل سلم سے بری کرنا ہوتا ہے۔ کیونکہ یہ قبول پر موقوف ہوتا ہے تاکہ وہ اسے باطل

وَمَتَى صَدَقَهُ فِيهَا ثُمَّ رَدَّهٗ لَا يَرْتَدُّ بِالرَّدِّ وَهَلْ يُشْتَرَطُ لِصَحَّةِ الرَّدِّ مَجْلِسُ الْإِبْرَاءِ خِلَافٌ؟ وَالضَّابِطُ أَنَّ مَا فِيهِ تَبْلِيكَ مَالٍ مِنْ وَجْهِ يَقْبَلُ الرَّدَّ، وَإِلَّا فَلَا كِبَاطَالٍ شُفْعَةٌ وَطَلَاقٌ وَعَتَاقٌ لَا يَقْبَلُ الرَّدَّ وَهَذَا ضَابِطٌ جَيِّدٌ فَلْيُحْفَظْ (صَالِحٌ أَحَدَ الْوَرَثَةِ وَأَبْرَأَهُ إِبْرَاءً عَامًّا) أَوْ قَالَ لَمْ يَبْقَ لِي حَقٌّ مِنْ تَرِكَةِ أَبِي عِنْدَ الْوَصِيِّ أَوْ قَبَضْتُ الْجَمِيعَ وَنَحْوَ ذَلِكَ (ثُمَّ ظَهَرَنِي) يَدِ وَصِيهِ مِنْ (التَّرِكَةِ شَيْءٌ لَمْ يَكُنْ وَقْتُ الصُّلْحِ) وَتَحَقَّقَهُ (تُسَمَّعُ دَعْوَى حَصَّتِهِ مِنْهُ عَلَى الْأَصَحِّ)

جب اس (مقر لہ) نے اس میں اس (مقر) کی تصدیق کی پھر اس کا رد کیا تو رد کرنے سے یہ رد نہیں ہوگا کیار د کے صحیح ہونے کے لیے ابرا کی مجلس کا ہونا شرط ہے اس میں اختلاف ہے۔ ضابطہ یہ ہے جس میں کسی بھی اعتبار سے مال کی تملیک ہو وہ رد کو قبول کرتا ہے ورنہ وہ رد کو قبول نہیں کرے گا جس طرح شفیعہ، طلاق اور عتاق ہے یہ رد کو قبول نہیں کرتے۔ یہ عمدہ ضابطہ ہے اسے یاد رکھا جانا چاہیے۔ وارثوں میں سے ایک نے مصالحت کر لی اور اسے عام بری کر دیا یا اس نے کہا وصی کے پاس میرے باپ کے ترکہ میں سے کوئی چیز نہیں بچی یا اس نے کہا: میں نے تمام چیزوں پر قبضہ کر لیا وغیرہ پھر وصی کے قبضہ میں ترکہ میں سے کوئی شے ظاہر ہوئی جو صلح کے وقت موجود نہیں تھی اور اسے ثابت کر دیا تو واضح قول کے مطابق اس شے میں سے اس کے حصہ کے دعویٰ کو سنا جائے گا۔

کردیں جس طرح ہم نے باب السلم میں پہلے بیان کر دیا ہے۔

28371۔ (قوله: فِيهَا) یعنی الوکالت میں۔

وارث کا یہ اقرار کرنا کہ اس نے وہ مال لے لیا جو والد کا لوگوں پر تھا تو اس میں بری کرنا لازم نہیں آتا 28372۔ (قوله: أَوْ قَالَ) اس کا عطف صالح پر ہے۔ کیونکہ یہ ایک مسئلہ ہے جو ”فتاویٰ حانوتی“ کے الثلث الثالث کے اوائل میں ہے۔ عام براءت کے بارے میں اس میں طویل گفتگو ہے پس اس کی طرف رجوع کیجئے۔

”الخانیہ“ میں ہے: میت کے وصی نے جب میت کے ترکہ میں سے میت کے بچے کو وہ سب کچھ دے دیا اور بچے کو گواہ بنایا کہ اس نے ترکہ پر قبضہ کر لیا ہے اور اس کے والد کے ترکہ میں سے قلیل اور کثیر کوئی چیز نہیں بچی مگر اس نے وہ بھی لے لیا ہے۔ پھر وصی کے قبضہ میں موجود چیز کے بارے میں دعویٰ کیا اور کہا: یہ اس کے باپ کے ترکہ میں سے ہے اور اس پر گواہ پیش کر دیئے۔ اسی طرح اگر وارث اقرار کرے کہ اس کے والد کے ترکہ میں سے جو مال لوگوں پر تھا سب کو وصول کر لیا ہے۔ پھر اس نے ایک آدمی پر اپنے والد کے دین کا دعویٰ کر دیا تو اس کا دعویٰ سنا جائے گا۔

میں کہتا ہوں: اس کے دعویٰ کے سماع کی وجہ یہ ہے کہ بچے کا اقرار معین شخص کے بری کرنے کو متضمن نہیں۔ اسی طرح جب وارث یہ اقرار کرے کہ اس نے وہ تمام مال لے لیا ہے جو والد کا لوگوں پر تھا اس میں بری کرنا لازم نہیں آتا۔ اگر ہم بطور نزول اسے براءت مان بھی لیں تو یہ اعیان میں غیر صحیح ہے۔ ”شرح الوہبانیہ للشرنبلالی“۔

صُدْحُ الْبَزَازِيَّةِ وَلَا تَتَنَاقُضَ لِحَصْلِ قَوْلِهِ لَمْ يَبْقَ لِي حَقٌّ أَيْ مِمَّا قَبَضْتُهُ

یہ ”بزازیہ“ کے کتاب الصلح میں ہے۔ یہاں کوئی تناقض نہیں۔ کیونکہ اس کے قول لم یبق لی حق کو اس پر محمول کیا جائے جو میں نے مال قبضہ میں لیا تھا اس میں میرا کوئی حق باقی نہیں رہا۔

اس میں اعتراض کی گنجائش ہے۔ کیونکہ اس کے صحیح نہ ہونے کا معنی ہے کہ یہ مدعی علیہ کی ملکیت نہیں ورنہ دعویٰ نہیں سنا جائے گا جس طرح ”الصلح“ میں آئے گا۔

اگر ایک وارث دوسرے ورثا سے صلح کر لے اور عام بری کر دے پھر ترکہ میں سے کوئی چیز

ظاہر ہو تو دعویٰ کے جواز اور عدم جواز میں فقہاء کی روایات

28373۔ (قوله: صُدْحُ الْبَزَازِيَّةِ) ”بزازیہ“ کی عبارت ہے: ”تاج الاسلام“ نے کہا: ایک نے دوسرے ورثا سے صلح کی اور عام بری کر دیا پھر ترکہ میں سے کوئی شے ظاہر ہوئی جو صلح کے وقت ظاہر نہ تھی تو دعویٰ کے جواز کے بارے میں کوئی روایت موجود نہیں۔

ایک قائل یہ کہتا ہے: اس شے میں سے اس کے حصہ کا دعویٰ جائز ہے یہی قول اصح ہے۔

ایک قائل یہ کہتا ہے: دعویٰ جائز نہیں۔ ”شربلالی“ کا رسالہ ہے جس کا نام ”تنقیح الاحکام فی الاقرار والابراء الخاص والعام“ ہے۔

اس میں یہ جواب دیا ہے کہ وارثوں کے درمیان براءت عامہ کسی شے کے دعویٰ میں مانع ہے جو براءت عامہ اس سے پہلے ہو چکی ہو وہ دعویٰ عینی چیز کے بارے میں ہو یا دین کے بارے میں ہو وہ حق، میراث سے بنتا ہو یا کسی اور چیز سے بنتا ہو۔ اس امر کو ثابت کیا ہے کہ براءت یا تو عامہ ہوگی جیسے وہ کہے: فلاں پر میرا کوئی حق نہیں، کوئی دعویٰ نہیں، کوئی خصومت نہیں یا وہ میرے حق سے بری ہے یا میرا اس پر کوئی دعویٰ نہیں یا میرا اس پر کوئی تعلق نہیں یا میں اس پر کسی شے کا استحقاق نہیں رکھتا یا میں نے اسے اپنے حق سے بری کر دیا ہے یا میرا اس پر جو حق تھا اس سے بری کر دیا ہے۔

یا براءت خاص دین کے اعتبار سے ہوگی جیسے وہ کہے: میں نے اسے فلاں دین سے بری کر دیا ہے یا عام دین کے اعتبار سے ہوگی میرا جو تجھ پر حق تھا میں نے اس سے تجھے بری کر دیا ہے تو اس طریقہ سے وہ ہر دین سے بری ہو جائے گا عین سے بری نہیں ہوگا۔

یا وہ براءت عین کے ساتھ خاص ہوگی تو یہ ضمان کی نفی کے ساتھ صحیح ہوگی دعویٰ کی نفی میں صحیح نہ ہوگی۔ پس عین کا مخاطب اور غیر پر دعویٰ کرے گا۔ اگر وہ عین کے دعویٰ سے ہو تو وہ صحیح ہوگی۔

پھر اگر مجہول شخص کو بری کیا جائے تو یہ صحیح نہیں ہوگا اگر معلوم شخص کو بری کیا تو یہ صحیح ہوگا۔ اگر معلوم شخص کے لیے براءت ہو اگرچہ حق، مجہول ہو تو یہ صحیح ہوگا۔ پس اس کا قول: میں نے اپنے مورث کا پورا ترکہ یا میری اس پر جو کوئی شے تھی یا جو دین تھا

میں نے اس پر قبضہ کر لیا ہے تو وہ بری ہوگا نہ یہ عام ابراء ہے نہ یہ خاص ابراء ہے بلکہ یہ محض اقرار ہے یہ دعویٰ کے مانع نہیں۔ کیونکہ ”الحيط“ میں ہے: اس نے کہا: میرا کسی پر کوئی دین نہیں پھر اس نے کسی پر دین کا دعویٰ کر دیا تو یہ دعویٰ صحیح ہوگا۔ کیونکہ یہ احتمال موجود ہے کہ یہ دین اقرار کے بعد واجب ہوا ہو۔

اس میں یہ بھی ہے: اس کا قول میرا اس پر جو کچھ ہے وہ اس سے بری ہے یہ براءت کے ثبوت میں اخبار ہے یہ انشاء نہیں ہے۔

”الخلاصہ“ میں ہے: میرا اس پر کوئی حق نہیں۔ اس قول میں ہر عین، ہر دین، ہر کفالت، ہر اجارہ، ہر جنایت اور حد شامل ہو جائے گی۔ الخ

”الاصل“ میں ہے: پس وہ وراثت، نفس کی کفالت، مال کی کفالت کا دعویٰ نہیں کرے گا نہ ہی وہ مال، دین کا دعویٰ کرے گا نہ مضاربہ، شرکت، ودیعت، میراث، دار، غلام کا دعویٰ کرے گا نہ مضاربہ، شرکت، ودیعت، میراث، دار، غلام کا دعویٰ نہیں کرے گا اور نہ ہی کسی شے کا دعویٰ کرے گا مگر ایسی شے کا دعویٰ کر سکتا ہے جو براءت کے بعد واقع ہو۔

”شرح المنظومہ“ میں ”الحيط“ سے مروی ہے: وارثوں میں سے ایک نے باقی کو بری کر دیا پھر ترکہ کا دعویٰ کیا اور دوسروں نے انکار کر دیا تو اس کا دعویٰ نہیں سنا جائے گا اگر انہوں نے ترکہ کا اقرار کیا تو انہیں حکم دیا جائے گا کہ وہ اسے واپس کریں۔ جب براءت عام نہ ہو جسے تو جان چکا ہے اور جسے ہم عنقریب ذکر کریں گے اگر اس نے اسے عام بری کر دیا پھر بری کردہ مال کا دعویٰ کیا تو وہ مال ساقط ہونے کے بعد دوبارہ نہیں لوٹے گا۔

”عمادیہ“ میں ہے: قابض نے کہا: یہ میرا نہیں، یہ میری ملک نہیں، اس میں میرا کوئی حق نہیں وغیرہ اس وقت اس کا کوئی منازعہ نہیں پھر اس کا کسی نے دعویٰ کر دیا قابض نے کہا: یہ چیز میری ہے تو قول اسی کا معتبر ہوگا۔ کیونکہ مجہول کے حق میں اقرار باطل ہے۔ اور تناقض اس وقت مانع ہو جاتا ہے جب وہ کسی کے خلاف حق کے ابطال کو اپنے ضمن میں لیے ہوئے ہو اس کی مثل ”فیض“ اور ”خزانة المفتی“ میں ہے۔ اس سے تو ان اقوال، میں نے تجھے بری کر دیا، میرا تیرے ذمہ کوئی حق نہیں، کے درمیان اور اس کے قول، میں نے اپنے مورث کے ترکہ پر قبضہ کر لیا یا جس پر قرض تھا میں نے اس پر قبضہ کر لیا ہے، میں فرق جان چکا ہے پس وہ بری ہوگا جب کہ اس نے معین کو خطاب نہ کیا ہوگا۔

اور تو ہمارے زمانہ کے اہل کے بعض لوگوں کے فتوؤں کے بطلان کو جان چکا ہے کہ جب ایک وارث دوسرے وارث کو عام بری کر دے تو یہ ترکہ میں سے کسی شے کے بارے میں دعویٰ سے مانع نہیں۔

جہاں تک ”بزازیہ“ کی اس عبارت کا تعلق ہے جسے ہم پہلے بیان کر چکے ہیں تو اس کی اصل ”الحيط“ کی طرف منسوب ہے اس میں ظاہر اعتراض ہے ساتھ ہی یہ ابرا کو اس سے مقید نہیں کیا کہ یہ ابرا معین شخص کے لیے ہے یا معین شخص کے لیے نہیں۔ اس کے حکم میں جو فرق ہے وہ تو جان چکا ہے۔ پھر اگر اس سے مراد اس صلح، جس کا ذکر متون اور شروح میں تنہا ج کے

مسئلہ میں ہے، کا اجتماع معین شخص کے لیے براءت عام کے ساتھ ہے۔ تو اس کے بارے میں یہ کہنا صحیح نہ ہوگا کہ اس کے بارے میں کوئی روایت نہیں کیونکہ یہ قول کیسے کیا جاسکتا ہے جب کہ ”قاضی خان“ نے کہا: روایات اس بارے میں متفق ہیں کہ اس کے بعد اس کا دعویٰ نہیں سنا جائے گا مگر جو نیا حق ثابت ہو۔

اگر اس سے مراد صلح اور بری کرنا ہے جیسے وہ کہے: میں نے اپنے مورث کے ترکہ پر قبضہ کر لیا ہے میرا کوئی حق باقی نہیں مگر میں نے اسے پورا پورا لے لیا ہے تو اس کا یہ قول بھی صحیح نہیں ہوگا کہ اس میں کوئی روایت نہیں۔ کیونکہ اس کے بعد اس کے دعویٰ کے صحیح ہونے پر ہم نصوص ذکر کر چکے ہیں۔

روایات اس بارے میں متفق ہیں کہ قابض کا دعویٰ صحیح ہوگا کہ جب وہ اقرار کرے کہ اس عین میں اس کی ملکیت نہیں جب کہ کوئی منازع نہ ہو۔ جو چیز دکھائی دیتی ہے کہ اس عبارت سے مراد غیر معین کو بری کرنا ہے ساتھ ہی اس میں ضعف موجود ہے۔ اگر ہم تسلیم کر لیں کہ اس سے مراد معین ہے ہم نے اس اعتراض کو ختم کر دیا ہے کیونکہ روایات متفق ہیں کہ اس کے بعد دعویٰ ممنوع ہے تو یہ اس کے خلاف ہو جائے گا جو ”المحیط“ میں ”المبسوط“ سے مروی ہے۔

”الاصل“، ”جامع کبیر“، مشہور فتاویٰ جن پر اعتماد کیا جاتا ہے جیسے ”القانیہ“ اور ”الخلاصہ“ ان میں جو کچھ ہے اسے مقدم کیا جانا چاہیے اور ان سے کسی اور کی طرف عدول نہیں کرنا چاہیے۔

جہاں تک اس چیز کا تعلق ہے جو ”الاشباہ“ میں اور ”البحر“ میں ”القنیہ“ سے مروی ہے کہ دو میاں بیوی جدا ہوئے ان میں سے ہر ایک نے اپنے ساتھی کو تمام دعاوی سے بری کر دیا اور خاوند کی کئی عینی چیزیں تھیں جو موجود تھیں عورت ان سے بری نہ ہوئی اور مرد کو دعویٰ کا حق ہوگا۔ کیونکہ ابراء دیون کی طرف پھرتا ہے اعیان سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ اسے اس پر محمول کیا جائے گا جب وہ خاص صیغہ کے ساتھ حاصل ہو جیسے وہ کہے: میں نے اس بیوی کو ان تمام دعاوی سے بری کر دیا ہے جو میرا اس پر واقع ہو سکتا ہے تو یہ ابراء صرف دیون کے ساتھ خاص ہوگا۔ کیونکہ یہ اس کے ساتھ مقید ہے کہ پھر اس پر جو حق ہے تعلیل اس کی تائید کرتی ہے۔

اگر یہ اپنے ظاہر پر باقی ہو تو ”مبسوط“، ”المحیط“، ”کافی الحاکم“ کی کلام، جس میں عموم براءت کی تصریح کی گئی ہے۔ یہ حکم ہر اس شخص کے لیے ہے جو براءت نام کرتا ہے اس کی طرف عدول نہیں کیا جائے گا جو ”القنیہ“ میں ہے۔

”شرنبلائی“ نے اپنے رسالہ میں جو کچھ کہا ہے یہ اس کا حاصل ہے۔ یہ کئی کتابچوں کے قریب ہے۔ جو زیادہ معنومات کا ارادہ رکھتا ہو وہ اس کتابچے کی طرف رجوع کرے۔

اس سے یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ ”بزازیہ“ میں جو قول ہے اسے متن میں ذکر نہیں کرنا چاہیے تھا۔ جہاں تک اس قول کا تعلق ہے جو صلح کے آخر میں آئے گا تو اس میں عام ابراء نہیں ہے پس اس میں تدبر کیا جانا چاہیے۔ ”شرح الملتقی“ کی کتاب الصلح میں دیکھیے۔

عَلَى أَنَّ الْإِبْرَاءَ عَنِ الْأَعْيَانِ بَاطِلٌ وَحِينَئِذٍ فَالْوَجْهُ عَدَمُ صِحَّةِ الْبِرَاءَةِ كَمَا أَفَادَهُ ابْنُ الشُّحْنَةِ وَاعْتَمَدَهُ الشُّرَنْبِلَالِيُّ وَسَنُحِقُّهُ فِي الصُّلَحِ (أَقَرَّ رَجُلٌ بِمَالٍ فِي صِلَةٍ وَأَشْهَدَ عَلَيْهِ بِهِ دُثْمٌ ادَّعَى أَنَّ بَعْضَ هَذَا الْمَالِ الْمَقَرَّبِ بِهِ قَرْضٌ وَبَعْضُهُ رَبَا عَلَيْهِ فَإِنْ أَقَامَ عَلَى ذَلِكَ بَيِّنَةٌ تُقْبَلُ وَإِنْ كَانَ مُتَنَاقِضًا؛ لِأَنَّا نَعْلَمُ أَنَّهُ مُضْطَرٌّ إِلَى هَذَا الْإِفْرَازِ شَرْحٌ وَهَبَانِيَّةٌ قُلْتُ وَحَرَّرَ شَارِحُهَا الشُّرَنْبِلَالِيُّ أَنَّهُ لَا يُفْتَى بِهَذَا الْفَرْعِ لِأَنَّهُ لَا عُدْرَ لِمَنْ أَقَرَّ غَايَتُهُ أَنْ يُقَالَ بِأَنَّهُ يَخْلِفُ الْمَقَرَّرَ لَهُ عَلَى قَوْلِ أَبِي يُوسُفَ الْمُخْتَارِ لِلْفَتْوَى فِي هَذِهِ وَنَحْوِهَا

کیونکہ اعیان سے بری کرنا باطل ہے۔ اس وقت مناسب یہ ہے کہ براءت صحیح نہ ہو جس طرح ”ابن الشحنة“ نے اسے بیان کیا ہے۔ ”شرنبلائی“ نے اس پر اعتماد کیا ہم عنقریب اسے کتاب الصلح میں ثابت کریں گے۔ ایک آدمی نے ایک دستاویز میں مال کا اقرار کیا اور اس مال پر گواہ بنائے پھر اس نے یہ دعویٰ کیا کہ جس مال کا اقرار کیا گیا اس میں سے کچھ قرض ہے اور ان میں سے بعض ربا ہے۔ اگر وہ اس پر وہ گواہیاں پیش کر دے تو قبول کر لیا جائے گا اگرچہ تناقض پایا جا رہا ہے۔ کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ وہ اس اقرار پر مجبور ہے۔ ”شرح وہبانیہ“ میں کہتا ہوں: اس کے شارح ”شرنبلائی“ نے وضاحت کی: اس فرع پر فتویٰ نہ دیا جائے گا کیونکہ جو آدمی اقرار کرے گا اس کا کوئی عذر نہیں ہوگا۔ اس کی غایت یہ ہے کہ یہ کہا جائے گا کہ امام ”ابو یوسف“ رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے مطابق جو اس جیسے مسائل میں فتویٰ کے لیے مختار قول ہے: مقررہ سے قسم لی جائے گی۔

28374۔ (قوله: عَنِ الْأَعْيَانِ) کتاب الصلح میں اس کے بارے میں گفتگو آئے گی۔

28375۔ (قوله: فِي الصُّلَحِ) یعنی اس کے آخر میں۔

28376۔ (قوله: أَقَرَّ رَجُلٌ) یہ مسئلہ متفرقات القضاء میں متن میں گزر چکا ہے۔

28377۔ (قوله: شَرْحٌ وَهَبَانِيَّةٌ) ”حامد“ اور ”خیریہ“ کے کتاب الدعویٰ میں اسی کے مطابق فتویٰ دیا ہے۔

28378۔ (قوله: لَا عُدْرَ لِمَنْ أَقَرَّ) اس میں ہے کہ اس اقرار کے لیے اس کا مجبور ہونا عذر ہے۔

28379۔ (قوله: غَايَتُهُ) اس کا حاصل کلام یہ ہے: اس کے اس دعویٰ کا کوئی فائدہ نہیں کہ جس مال کا اقرار کیا گیا ہے

اس کا بعض سود ہے مگر مقررہ سے قسم لینے کا معاملہ اس پر مبنی ہے کہ امام ”ابو یوسف“ رحمۃ اللہ علیہ نے یہ فرمایا: جب دوسرے نے یہ دعویٰ کیا کہ اس نے جھوٹا اقرار کیا تھا تو مقررہ سے قسم لی جائے گی یہ مسئلہ ان مسائل میں سے ہے جو ”افراد“ کہلاتے ہیں۔ اسی وجہ سے اس میں اور اس جیسے دوسرے مسائل میں کہا: امام ”ابو یوسف“ رحمۃ اللہ علیہ کے قول کو صرف ضرورت پر محمول کرنا بہت ہی بعید ہے جس طرح اس مسئلہ میں ہوا ہے جس طرح کتاب الاستثناء سے تھوڑا پہلے گزر چکا ہے۔

28380۔ (قوله: أَنْ يُقَالَ الْخ) یہ ”امام صاحب“ رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر درست واقع نہیں ہوتا کیونکہ آپ کے نزدیک

اس پر مال لازم آ جاتا ہے۔ اس کی تفسیر قبول کی جائے گی وہ متصل اسے لائے یا جدا لائے۔ ”صاحبین“ رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک اگر تفسیر متصل لائے تو تفسیر قبول کی جائے گی ورنہ قبول نہ کی جائے گی۔ ثم کالفظ فصل کا معنی دے رہا ہے تو بالاتفاق اسے قبول نہ کیا

قُلْتُ وَبِهِ جَزَمَ الْمُصَنِّفُ فِيمَنْ أَقَرَّ فَتَدَبَّرَ (أَقَرَّ بَعْدَ الدُّخُولِ) مِنْ هُنَا إِلَى كِتَابِ الصُّدُوحِ ثَابِتٌ فِي نُسْخِ
الْمَتْنِ سَاقِطٌ مِنْ نُسْخِ الشَّرْحِ (أَنَّهُ طَلَّقَهَا قَبْلَ الدُّخُولِ لَزِمَهُ مَهْرٌ بِالدُّخُولِ (وَنِصْفُ) بِالْإِقْرَارِ
(أَقَرَّ النَّشْرُوطُ لَهُ الرِّيعُ) أَوْ بَعْضُهُ (أَنَّهُ) أُنِيَ رِيعَ الْوَقْفِ (يَسْتَحِقُّهُ فَلَانٌ دُونَهُ صَحَّ) وَسَقَطَ حَقُّهُ، وَلَوْ
كِتَابُ الْوَقْفِ بِخِلَافِهِ

میں کہتا ہوں: جو آدمی اقرار کرتا ہے اس بارے میں مصنف نے اسے ہی یقین کے ساتھ بیان کیا ہے پس اس میں غور و فکر
کیجئے۔ یہاں سے لے کر کتاب الصلح تک متن کے نسخہ میں موجود ہے شرح کے نسخہ سے ساقط ہے اس نے حقوق زوجیت کے
بعد اقرار کیا کہ اس نے حقوق زوجیت سے قبل طلاق دے دی تو حقوق زوجیت کی ادائیگی کی صورت میں پورا مہر لازم ہوگا اور
اقرار کی صورت میں نصف مہر لازم ہوگا۔ جس کے لیے وقف کے محصولات کی شرط لگائی گئی تھی یا اس کے بعض کی شرط لگائی گئی
تھی اس نے یہ اقرار کیا وقف کے محصولات کا فلاں مستحق ہے وہ مستحق نہیں تو یہ اقرار صحیح ہو جائے گا اور اس کا حق ساقط ہو
جائے گا اگرچہ وقف کی تحریر اس کے خلاف ہو۔

جائے گا۔ ”شربلا لہ“۔

28381۔ (قوله: وَبِهِ جَزَمَ) یعنی امام ”ابو یوسف“ رحمہ اللہ کے قول کو جزم سے بیان کیا ہے۔

28382۔ (قوله: فِيمَنْ أَقَرَّ) ایک نسخہ میں فیما مرہ ہے اس تعبیر کی بنا پر یہ صورت ہوگی۔ کیونکہ ”الاستثناء“ سے قبل یہ

گزر چکا ہے۔

28383۔ (قوله: مِنْ نُسْخِ الشَّرْحِ) شرح سے مراد ”المنح“ ہے۔

28384۔ (قوله: أَنَّهُ يَسْتَحِقُّهُ) استحقاق پر باہم تصدیق سے عمل کیا جائے گا اگر وہ کتاب الوقف کے مخلف ہو تو یہ

صرف مقرر کے حق میں خاص ہوں گے الخ۔ جو کتاب الوقف میں گزر چکا ہے۔

وہ شخص جس کے لیے وقف کے تمام یا بعض محصولات کی شرط لگائی گئی تو اس کا حکم

28385۔ (قوله: وَسَقَطَ حَقُّهُ) ظاہر یہ ہے کہ سقوط سے مراد ظاہر سقوط ہے جب وہ واقع کے مطابق نہیں تو مقرر کے

لیے حال نہیں ہوگا کہ وہ یہ چیزیں لے پھر یہ سقوط اس وقت تک ہے جب تک وہ زندہ ہے جب وہ مر جائے گا تو واقف کی شرط
کی طرف وہ لوٹ جائے گا ”سانحانی“ نے اپنے مجموعہ میں یہ کہا ہے۔

”خصاف“ میں کہا ہے: منافع کے بارے میں مقرر نے کہا: آج سے دس سال تک اس کے منافع زید کے لیے ہیں

جب وہ دس سال گزر جائیں گے تو منافع مقرر کی طرف لوٹ آئیں گے۔ اگر مدت گزرنے سے پہلے مقرر اور مقررہ مرجائیں تو

منافع واقف کی شرط کی طرف عود کر آئیں گے گویا انہوں نے مدت کے گزرنے یا مقرر کی مدت کے ساتھ باہم تصدیق کرنے

کے بطلان کی تصریح کی ہے۔

(وَلَوْ جَعَلَهُ لِغَيْرِهِ أَوْ أَسْقَطَهُ) لَا لِأَحَدٍ (لَمْ يَصَحَّ) وَكَذَا الْبَشْرُوطُ (لَهُ النَّظَرُ عَلَى هَذَا) كَمَا مَرَّرْنَا الْوَقْفَ وَذَكَرَهُ فِي الْأَشْبَاهِ ثَبَتَهُ وَهَذَا فِي السَّاقِطِ لَا يَعُودُ فَرَّاجِعُهُ

اگر وہ اسے غیر کے لیے بنائے یا اسے ساقط کرے مگر کسی معین کے لیے معین نہ کرے تو یہ اقرار صحیح نہ ہوگا۔ اسی طرح جس کے لیے وقف کی نگرانی کی شرط لگائی گئی تھی وہ اس قسم کا اقرار کرے تو حکم اسی طرح ہوگا جس طرح ”الوقف“ میں گزر چکا ہے۔ اسے ”الاشباہ“ میں وہاں اور یہاں کتاب الوقف میں اس کا ذکر کیا ہے اور جو چیز ساقط ہو چکی ہو وہ نہیں لوٹی پس اس (شبہ) کی طرف رجوع کیجئے۔

”خصاف“ میں بھی ہے: ایک آدمی نے زید، اس کی اولاد پھر مساکین کے لیے کوئی چیز وقف کی پھر زید نے اس کا اقرار کیا اور بکر کے لیے اقرار کیا پھر زید مر گیا تو بکر کے لیے اس کا اقرار باطل ہو جائے گا۔

”حامد“ میں ہے: جب جماعت نے باہم وقف کی تصدیق کی پھر ان میں سے ایک بچے کو چھوڑ کر مر گیا تو کیا اس کے حق میں میت کا باہم تصدیق کرنا باطل ہو جائے گا؟

جواب ہے: ہاں۔ اس سے میرے لیے یہ امر ظاہر ہوتا ہے کہ جس نے طویل مدت کے گزر جانے کے بعد اس کے استحقاق کے ممنوع ہونے کا قول کیا ہے جب وہ مرجائے تو اس کا بچہ وہ چیز لے گا واقف نے جو شرط لگائی ہوگی۔ کیونکہ ترک صریح مصادقہ سے بڑھ کر نہیں ہوتا۔ اس کی علت یہ بھی ہے کہ بچہ اپنے باپ کی جانب سے اس شے کا مالک نہیں ہوتا وہ واقف کی جانب سے اس کا مالک ہوتا ہے۔

اگر مقرر منافع غیر کے لیے بنائے یا ساقط کرے مگر کسی کے لیے معین نہ کرے تو یہ اقرار صحیح نہ ہوگا

28386۔ (قوله: وَلَوْ جَعَلَهُ لِغَيْرِهِ) ”الاسماعیلیہ“ کے کتاب الاقرار میں اس شخص کے بارے میں ہے: ایک عورت نے اقرار کیا کہ فلاں وقف میں سے جو اس کے لیے منافع میں سے خاص ہے معلوم مدت کے لیے فلاں اس کا مستحق ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس نے اتنی مقدار قبضہ میں لے لی ہے۔ انہوں نے جواب دیا کہ یہ باطل ہے۔ کیونکہ یہ اقرار کے وقت معدوم استحقاق کی معین مبلغ کے بدلے بیع ہے۔ ان کا یہ مطلق قول: اگر مشروط لہ نے منافع کا اقرار کیا کہ اس کا مستحق فلاں ہے وہ نہیں تو یہ اقرار صحیح ہوگا اگر وہ اس کو غیر کے لیے بنادے تو یہ صحیح نہ ہوگا اس کے باطل ہونے کا فیصلہ کیا جائے گا۔ کیونکہ عوض کا اقرار معاوضہ ہے۔ ملخص

”خصاف“ سے ہی ہے: اگر واقف نے اپنی موقوفہ زمین زید کے لیے خاص کی پھر اس کے بعد مساکین کے لیے وقف کی زید نے اس اقرار کا اقرار کیا یعنی اس قول کے ساتھ اقرار کیا یعنی مجھ پر اور اس آدمی پر وقف کیا جب تک وہ زندہ ہے نفع میں وہ اس کے ساتھ شریک ہوگا۔ اگر زید مرجائے تو وہ منافع مساکین کے لیے ہوں گے۔ زید نے ان کی تصدیق نہ کی اگر مقرر مرجائے اور زید زندہ ہو تو وہ نصف جس کا زید نے اقرار کیا تو وہ مساکین کے لیے ہوگا اور نصف زید کے لیے ہوگا۔ جب

(الْقَصَصُ الْمَرْفُوعَةُ إِلَى الْقَاضِي لَا يُؤَاخَذُ رَافِعُهَا بِمَا كَانَ فِيهَا مِنْ إِقْرَارٍ وَتَنَاقُضٍ) لِمَا قَدَّمَ مِنَّا فِي الْقَضَاءِ أَنَّهُ لَا يُؤَاخَذُ بِمَا فِيهَا (إِلَّا إِذَا) أَقَرَّ بِلَفْظِهِ صَرِيحًا (قَالَ لَهُ عَلَى الْفَتْحِ فِي عِلِّيٍّ أَوْ فِيمَا أَعْلَمَ أَوْ أَحْسَبُ أَوْ أَظُنُّ لَا شَيْءَ عَلَيْهِ) خِلَافًا لِثَانِي فِي الْأَوَّلِ قُلْنَا هُوَ لِلشَّكِّ عُرْفَانَعَمْ لَوْ قَالَ قَدْ عَلِمْتُ لَزِمَهُ اتِّفَاقًا (قَالَ غَضَبْنَا أَلْفًا) مِنْ فُلَانٍ (ثُمَّ قَالَ كُنَّا عَشْرَةً أَنْفُسٍ) مَثَلًا (وَإِذَا عَى الْغَاصِبُ) كَذَا فِي نُسْخِ الْمَثْنِ وَقَدْ عَلِمْتُ سُقُوطَ ذَلِكَ مِنْ نُسْخِ الشَّرْحِ، وَصَوَابُهُ وَإِذَا عَى الطَّالِبُ كَمَا عَبَّرَ بِهِ فِي الْمَجْمَعِ وَقَالَ شَرَّاحُهُ أَيْ الْمَغْضُوبُ مِنْهُ

وہ حکایات وواقعات جو قاضی کے سامنے پیش کیے جاتے ہیں تو ان میں جو اقرار اور تناقض ہوتا ہے ان کے پیش کرنے والے پر کوئی مواخذہ نہیں ہوگا۔ مگر جب وہ صراحتہ اقرار کرے۔ ایک آدمی نے کہا: فلاں کا مجھ پر ہزار ہے یہ میرے علم کے مطابق ہے یا جو میں جانتا ہوں یا میں گمان کرتا ہوں یا ظن رکھتا ہوں تو اس پر کوئی شے لازم نہ ہوگی۔ امام ”ابو یوسف“ رحمہ اللہ نے پہلے لفظ میں اختلاف کیا ہے۔ ہم کہتے ہیں: عرف میں یہ الفاظ شک کے لیے استعمال ہوتے ہیں۔ ہاں اگر وہ یہ کہے: میں نے یہ جان لیا ہے تو بالاتفاق اس پر ہزار لازم ہو جائے گا۔ ایک آدمی نے کہا: ہم نے فلاں سے ہزار غصب کیا ہے پھر اس نے کہا: ہم مثلاً دس افراد تھے اور غاصب نے یہ دعویٰ کیا متن کے نسخہ میں الفاظ اسی طرح ہیں جب کہ تو جان چکا ہے کہ شرح کے نسخوں میں اسی طرح ہے جب کہ صحیح یہ ہے طالب نے دعویٰ کیا جس طرح ”المجمع“ میں تعبیر کیا ہے۔ اس کے شارحین نے کہا: جس سے غصب کیا گیا

زید فوت ہو گیا تو تمام نفع مساکین کے لیے ہوگا۔

اگر اس نے یہ اقرار کیا کہ یہ صرف اس آدمی پر صرف ہوگا تو منافع تمام کے تمام اس کے لیے ہوں گے جب تک زندہ رہے گا۔ جب وہ مر جائے گا منافع مساکین کے لیے ہوں گے اور وقف ان پر صدقہ نہیں کیا جائے گا۔ جب تک وہ زندہ رہے اس کے اپنے حق کو باطل کرنے کے لیے اس کی تصدیق کی جائے گی۔ ملخص

اس سے یہ امر ظاہر ہوتا ہے کہ استحقاق پر مصادقہ مقرر کی موت سے باطل ہو جاتا ہے۔ کیونکہ اس کے بعد کے لوگوں پر ضرر لازم ہوگا۔ مقررہ کی موت سے وہ باطل نہیں ہوگا یہ اس لیے ہے تاکہ مقرر نے اپنی ذات پر جو اقرار کیا ہے اس پر عمل ہو۔

یہ صورت باقی رہ گئی ہے مستحق جماعت جیسے تین بھائیوں مثلاً اقرار کیا جن پر برابر طور پر ایک چیز کو وقف کیا گیا تھا سب نے یہ تصدیق کی کہ زید ان میں سے ہے تو زید نصف کا مستحق ہوگا جب زید فوت ہو جائے گا تو باہم مصادقہ باقی رہے گا۔ اگر دو اقرار کرنے والے مرجائیں تو مصادقہ باطل ہو جائے گا۔ اگر ان دونوں میں سے ایک فوت ہو تو مصادقہ صرف اس کے حصہ میں باطل ہوگا۔ ہمارے زمانے میں جو اکثر واقع ہوا ہے۔ وہ نگرانی میں مصادقہ ہے نظر و فکر جس کا تقاضا کرتا ہے کہ دونوں میں سے ہر ایک موت سے اس کا باطل ہونا ہے تو جیہ قاضی کی طرف راجع ہوگی۔ یہ وہ امر ہے جو میرے لیے ظاہر ہوا ہے۔ قتل

28387۔ (قوله: كَذَا فِي نُسْخِ الْمَثْنِ) یعنی اس کے بعض نسخوں میں اسی طرح ہے۔ متن کے بعض نسخوں میں

(أَنَّهُ هُوَ وَحْدَهُ) غَضَبَهَا (لَزِمَهُ الْأَلْفُ كُلُّهَا) وَالزَّمَهُ زُفْرَ بَعْشَرِهَا قُلْنَا هَذَا الضَّيِّيرُ يُسْتَعْمَلُ فِي الْوَاحِدِ وَالظَّاهِرُ أَنَّهُ يُخْبِرُ بِفَعْلِهِ دُونَ غَيْرِهِ فَيَكُونُ قَوْلُهُ كُنَّا عَشْرَةً رُجُوعًا فَلَا يَصِحُّ نَعَمْ لَوْ قَالَ غَضَبْنَاكَ كُنَّا صَحَّ اتِّفَاقًا لِأَنَّهُ لَا يُسْتَعْمَلُ فِي الْوَاحِدِ (قَالَ) رَجُلٌ (أَوْصَى أَبِي بِثُلُثِ مَالِهِ لِزَيْدٍ بَلْ لَعَبْرُو بَلْ لِبَكْرِ فَالْثُلُثُ لِلأَوَّلِ وَلَيْسَ لِغَيْرِهِ شَيْءٌ) وَقَالَ زُفْرٌ لِكُلِّ ثُلُثِهِ وَلَيْسَ لِلثَّانِي شَيْءٌ قُلْنَا نَفَازُ الْوَصِيَّةِ فِي الثُّلُثِ وَقَدْ أَقَرَّ بِهِ لِلأَوَّلِ فَاسْتَحَقَّهُ فَلَمْ يَصَحَّ رُجُوعُهُ بَعْدَ ذَلِكَ لِلثَّانِي بِهَا بِخِلَافِ الدِّينِ لِنَفَازِهِ مِنَ الْكُلِّ، الْكُلُّ مِنَ الْجَمْعِ فَرُوعٌ أَقَرَّ بِشَيْءٍ ثُمَّ ادَّعَى الْخَطَأَ لَمْ يَقْبَلْ إِلَّا إِذَا أَقَرَّ بِالطَّلَاقِ بِنَاءً عَلَى إِفْتَاءِ الْمُفْتَى، ثُمَّ تَبَيَّنَ عَدَمُ الْوُقُوعِ لَمْ يَقَعْ يَعْنِي دِيَانَةُ قُنْيَةِ الْاِقْرَارِ الْمَكْرَهُ بَاطِلٌ إِلَّا إِذَا أَقَرَّ السَّارِقُ مَكْرَهَا فَأَفْتَى بَعْضُهُمْ بِصَحَّتِهِ ظَهِيرِيَّةً

اس نے یہ دعویٰ کیا اس نے اکیلے ہزار غصب کیا ہے تو اس آدمی پر پورا ہزار لازم ہو جائے گا۔ امام ”زفر“ نے اس پر ہزار کا دسواں حصہ لازم کیا ہے۔ ہم کہتے ہیں: یہ ضمیر واحد کے لیے استعمال ہوتی ہے۔ ظاہر یہ ہے کہ وہ اس کے فعل کی خبر دے رہا ہے کسی اور کے فعل کی خبر نہیں دے رہا۔ پس اس کا دس کہنا یہ اقرار سے رجوع ہے پس یہ صحیح نہ ہوگا۔ ہاں اگر وہ کہے: ہم سب نے اسے غصب کیا تو بالاتفاق یہ صحیح ہے۔ کیونکہ یہ واحد میں استعمال نہیں ہوا۔ ایک آدمی نے کہا: میرے باپ نے اپنے ایک تہائی مال کی زید کے لیے وصیت کی نہیں بلکہ عمرو کے لیے نہیں بلکہ بکر کے لیے وصیت کی۔ پس ایک تہائی پہلے کے لیے ہو گی کسی اور کے لیے کوئی شے نہ ہوگی۔ امام ”زفر“ نے کہا: ہر ایک کے لیے ایک تہائی ہوگا اور بیٹے کے لیے کوئی شے نہ ہوگی۔ ہم کہتے ہیں: وصیت کا نفاذ ایک تہائی میں ہوتا ہے جس کا اس نے پہلے فرد کے لیے اقرار کیا پس وہ اس کا مستحق بن گیا اس کے بعد دوسرے کے لیے اس کا رجوع صحیح نہیں ہوگا دین کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ وہ کل میں نافذ ہو جاتا ہے۔ اور یہ تمام مسائل ”الجمع“ سے ماخوذ ہیں۔ فروع: ایک آدمی نے کسی شے کا اقرار کیا پھر خطا کا دعویٰ کیا تو اس کا دعویٰ قبول نہ کیا جائے گا مگر جب وہ طلاق کا اقرار کرے اور یہ اقرار مفتی کے فتویٰ پر مبنی ہو پھر یہ واضح ہوا کہ طلاق واقع نہیں ہوگی تو دیانۃ طلاق واقع نہ ہوگی۔ ”قنیہ“ مکرہ کا اقرار باطل ہے مگر جب چور اقرار کرے جب کہ اس سے اقرار زبردستی کروایا گیا ہو۔ بعض علماء نے اس کے صحیح ہونے کا فتویٰ دیا ہے، ”ظہیریہ“۔

المغضوب منہ ہے۔

28388۔ (قوله: مِنَ الْكُلِّ) اقرار المريض سے تھوڑا پہلے یہ گزر چکا ہے۔

28389۔ (قوله: بِنَاءً عَلَى إِفْتَاءِ الْمُفْتَى) ”بزازیہ“ میں ہے: جو آدمی فتویٰ دینے کا اہل نہیں تھا اس کے فتویٰ سے

تین طلاقوں کے وقوع کا گمان ہوا تو اس نے کاتب کو طلاق کی دستاویز لکھنے کا حکم دیا تو اس نے وہ تحریر لکھ دی پھر عالم نے اسے یہ فتویٰ دیا کہ طلاق واقع نہیں ہوئی تو اس خاوند کو از روئے دیانت کے اس عورت کی طرف لوٹنے کا حق ہوگا۔ لیکن قاضی اس

الْإِقْرَارُ بِشَيْءٍ مُحَالٍ وَبِالدِّينِ بَعْدَ الْإِبْرَاءِ مِنْهُ بَاطِلٌ، وَلَوْ بَسْطَ بَعْدَ هَبْتِهَا لَهُ عَلَى الْأَشْبَةِ نَعْمَ لَوْ
ادَّعَى دَيْنًا بِسَبَبٍ حَدِثَ بَعْدَ الْإِبْرَاءِ الْعَامِ، وَأَنَّهُ أَقْرَبَ بِهِ يَلْزَمُهُ

محال شے اور دین سے براءت کے بعد اس کا اقرار باطل ہے اگرچہ یہ اقرار اس مہر کا ہو جو عورت نے اسے ہبہ کر دیا تھا۔ یہ زیادہ مناسب قول کے مطابق ہے۔ ہاں اگر وہ ابرا کے بعد کسی ایسے دین کا دعویٰ کرے جو دین نئے امر سے واقع ہو اور وہ اس سبب کا اقرار کرے تو دین لازم ہو جائے گا

دستاویز کی وجہ سے اس کی تصدیق نہیں کرے گا۔ ”سامحانی“۔

محال شے اور دین سے براءت کے بعد اقرار کرنا باطل ہے

28390۔ (قولہ: بِشَيْءٍ مُحَالٍ) جس طرح ایک آدمی اس ہاتھ کی چٹی پانچ سو درہم کا اقرار کرے جس کو اس نے کاٹا تھا جب کہ اس کے دونوں ہاتھ صحیح تھے تو اس پر کوئی شے لازم نہ ہوگی جس طرح ”تاتر خانیہ“ کے کتاب الحیل میں ہے۔ اسی وجہ سے میں نے انسان کے اس اقرار کے باطل ہونے کا فتویٰ دیا جو وارث کے سہم کے برابر ہو جب کہ وہ شرعی مقدار سے زائد ہو۔ کیونکہ یہ شرعاً محال ہے۔ پس اس وجہ سے اس کا محال ہونا ضروری ہے۔ ورنہ اگر وہ یہ اقرار کرے کہ اس بچے کے مجھ پر ہزار درہم قرض ہیں جو اس نے مجھے قرض دیئے ہیں یا بیع کی ٹمن میں سے ہیں جو اس نے مجھے بیچا تو اقرار صحیح ہوگا۔ جس طرح گزر چکا ہے۔ ”اشباہ“؛ ملخص۔

28391۔ (قولہ: بِالدِّينِ) یہ قید لگائی ہے کیونکہ ابرا عام کے بعد عین کا اقرار صحیح ہوتا ہے جب کہ وہ ابرا عام میں اعیان سے بری ہو جاتا ہے جس طرح ”الاشباہ“ میں اس کی تصریح کی ہے۔ فرق کی تحقیق ابرا عام کے متعلق ”رسالہ الشربلائی“ میں ہے۔

28392۔ (قولہ: بَعْدَ هَبْتِهَا لَهُ عَلَى الْأَشْبَةِ) ”بزازیہ“ میں کہا: ”محیط“ میں ہے: عورت نے مرد کو مہر ہبہ کر دیا پھر مرد نے کہا: گواہ بن جاؤ عورت کا مجھ پر اتنا مہر ہے۔ فقیہ کے نزدیک مختار مذہب یہ ہے کہ اس کا اقرار جائز ہے اور اس پر مذکور مہر لازم ہوگا جب وہ عورت قبول کرے۔ کیونکہ زیادتی عورت کی جانب سے قبول کرنے کے بعد صحیح نہیں ہوتی۔ زیادہ مناسب یہ ہے کہ یہ صحیح نہ ہو اور زیادتی کے ارادہ کے بغیر اسے زیادتی قرار نہیں دیا جائے گا۔ ”حموی“ سے مروی ہے: ایک آدمی نے گواہیاں قائم کر دیں کہ اس نے مجھے دعویٰ سے بری کر دیا پھر مدعی نے دوبارہ دعویٰ کر دیا کہ میرے بری کرنے کے بعد اس نے میرے لیے مال کا اقرار کیا۔ اگر مدعی علیہ یہ کہے: اس نے مجھے بری کر دیا تھا اور میں نے ابرا کو قبول کر لیا تھا اور کہا: میں نے اس کی اس میں تصدیق کی تو دعویٰ کا دفاع صحیح نہ ہوگا۔ یعنی اقرار کے دعویٰ کا دفاع صحیح نہ ہوگا اگر وہ یہ قول نہ کرے تو دعویٰ دفاع صحیح ہوگا۔ کیونکہ ان کا احتمال پایا جاتا ہے اور ابرا رد کرنے سے رد ہو جاتا ہے اور مال اس کے ذمہ باقی رہتا ہے۔ قبول کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ قبول کرنے کے بعد رد کرنے سے رد نہیں ہوتا۔ ”جامع الفصولین“۔

ذَكَرَهُ الْمُصَنِّفُ فِي فَتَاوِيهِ قُلْتُ وَمُفَادُهُ أَنَّهُ لَوْ أَقَرَّ

مصنف نے اس کا ذکر اپنے فتاویٰ میں کیا ہے۔ میں کہتا ہوں: اس سے یہ مستفاد ہوتا ہے اگر اس نے بھی

لیکن ہماری گفتگو دین سے بری کرنے میں ہے اور یہ دعویٰ سے بری کرنے میں ہے۔ ”تا ترخانیہ“ کی چوبیسویں فصل میں ہے: اگر وہ کہے: میرا جو حق تجھ پر تھا میں نے اس سے تجھے بری کر دیا ہے اس نے کہا: تیرا مجھ پر ہزار ہے تو نے سچ بولا ہے تو وہ بطور استحسان بری ہو جائے گا۔

اس گھر میں میرا کوئی حق نہیں اس نے کہا: تیرا چھٹا حصہ تھا میں نے اسے تجھ سے خرید لیا تھا اس نے کہا: میں نے تجھے نہیں بیچا تھا تو اس کے لیے چھٹا حصہ ہوگا۔

اگر وہ کہے: میرا اس گھر میں جو حق تھا تو میں اس سے خارج ہوں یا کہا میں تیرے لیے اس سے بری ہو چکا ہوں یا کہا: میں نے تیرے لیے اس کا اقرار کر لیا ہے۔ دوسرے نے کہا: میں نے تجھ سے اسے خرید لیا ہے تو دوسرا کہے: میں نے ثمن پر قبضہ نہیں کیا تو اسے ثمن لینے کا حق ہوگا۔

اسی میں ”العقابیہ“ سے مروی ہے: اگر وہ کہے: میرا کوئی حق نہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ ہر عیب اور دین سے بری ہو جائے گا۔ اسی وجہ سے اگر کہا: میرا اس فلاں کے ذمہ جو حق تھا اس سے وہ بری ہے تو اس قول میں مضمّن چیز اور امانت داخل ہو گی۔ اگر اس نے کہا: وہ اس سے بری ہے جو میرا اس پر حق تھا تو صرف قابل ضمانت چیز داخل ہوگی امانت داخل نہ ہوگی۔ اگر اس نے کہا: اس کے ہاں جو میری چیز تھی اس سے بری ہے تو وہ ہر شے سے بری ہو جائے گا جس کی اصل امانت ہے اور مضمونہ شے سے بری نہیں ہوگا۔ اگر اس کے بعد طالب نے حق کا دعویٰ کیا اور گواہیاں قائم کر دیں اگر اس نے براءت کے بعد کی تاریخ بیان فرمائی تو اس کا دعویٰ سنا جائے گا اور اس کی گواہیوں کو قبول کیا جائے گا۔ اگر وہ تاریخ بیان نہ کرے تو قیاس یہ ہے کہ اسے سنا جائے اور اسے اس حق پر محمول کیا جائے جو اس کے بعد ثابت ہوا ہے استحسان یہ ہے کہ اس کی گواہیاں قبول نہ کی جائیں۔

28393۔ (قولہ: ذَكَرَهُ الْمُصَنِّفُ فِي فَتَاوِيهِ) اس کی نص یہ ہے: دو ایسے آدمیوں کے بارے میں آپ سے سوال

کیا گیا جن دونوں کے درمیان ابراء عام واقع ہوا تھا پھر ابراء عام کے بعد ان دونوں میں سے ایک نے اقرار کیا کہ اس کے ذمہ پر ایک معین مقدار لازم ہے تو کیا اس پر یہ اقرار لازم ہوگا یا اقرار لازم نہیں ہوگا۔

اس کا یہ جواب دیا: جب بری کرنے کے بعد اس نے دین کا اقرار کیا تو وہ دین اس کے ذمہ لازم نہ ہوگا جس طرح ”فوائد زینیہ“ میں ”تا ترخانیہ“ سے منقول ہے۔

اگر وہ اس دین کا دعویٰ کرے جو ابراء عام کے بعد نئے سبب سے پیدا ہوا تھا اور اس نے اس کا اقرار بھی کیا تو وہ دین اس کے ذمہ لازم ہو جائے گا۔ ”غانم بغدادی“ کے ”تعارض البینات“ کے اقرار کے باب میں دیکھیے۔

28394۔ (قولہ: قُلْتُ وَمُفَادُهُ) اس سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ نئے سبب سے اس کا دعویٰ لازم ہو جائے گا اور ان کا

قول لواقر ببقاء الدین اس کی صورت یہ ہے کہ اس نے کہا: اس نے مجھے جس چیز سے بری کیا تھا اس میں سے میرے ذمہ

بِبَقَاءِ الدِّينِ أَيْضًا فَحُكْمُهُ كَالْأَوَّلِ وَهِيَ وَاقِعَةُ الْفَتْوَى فَتَأْمَلُ الْفِعْلُ فِي الْمَرَضِ أَحْظَ مِنْ فِعْلِ
الصِّحَّةِ إِلَّا فِي مَسْأَلَةِ إِسْنَادِ النَّاضِرِ لِغَيْرِهِ بِلاَ شَرْطٍ فَإِنَّهُ صَحِيحٌ فِي الْمَرَضِ لَا فِي الصِّحَّةِ تَتَبَّعْتُ وَتَبَّاهُ فِي
الْأَشْبَاهِ وَفِي الْوَهْبَانِيَّةِ

أَقْرَبَ بِهَرِ الْبِشْلِ فِي ضِعْفِ مَوْتِهِ فَبَيَّنَتْهُ الْإِيهَابُ مِنْ قَبْلِ تَهْدُرُ
وَإِسْنَادُ بَيِّعَ

دین کے باقی رہنے کا اقرار کیا تو اس کا حکم پہلے کی طرح ہوگا۔ یہ ”واقعۃ الفتویٰ“ ہے۔ پس اس میں غور و فکر کیجئے۔ حالت مرض کا فعل صحت کے فعل سے درجہ میں کم ہے مگر اس مسئلہ میں کہ وقف کا نگران کسی اور کو یہ ذمہ داری سپرد کر دے جب کہ یہ امر شرط کے بغیر ہو یہ تفویض کا امر حالت مرض میں صحیح ہوتا ہے حالت صحت میں صحیح نہیں ہوتا ”تتمہ“۔ اس کی مکمل بحث ”الاشباہ“ میں ہے۔ ”الوہبانیہ“ میں ہے: ایک آدمی نے اپنی موت کے ضعف میں مہر مثل کا اقرار کیا تو اس سے قبل کی بہہ کی گواہیاں رایگاں چلی جائیں گی۔

باقی ہے۔ اس قول اور ان کے سابقہ قول: وبالدين بعد الابرء منه میں فرق یہ ہے کہ اس نے وہاں بری کرنے کے بعد بہا: فلاں کے مجھ پر اتنے ہیں۔ تامل

28395۔ (قوله: بِبَقَاءِ الدِّينِ) یعنی عام براءت کر دینے کے بعد یہ کہا۔

28396۔ (قوله: كَالْأَوَّلِ) یعنی اس قول کی طرح جس میں بری کرنے کے بعد دین کا اقرار کرے۔

28397۔ (قوله: تَتَبَّعْتُ) یہ ایک کتاب کا نام ہے۔

28398۔ (قوله: أَقْرَبَ بِهَرِ الْبِشْلِ) یہ قید لگائی ہے کیونکہ اگر اقرار اس سے زیادہ ہو تو یہ صحیح نہیں۔

28399۔ (قوله: الْإِيهَابُ) یعنی اگر وارثوں نے گواہیاں قائم کر دیں۔ اسی کی مثل بری کرنا ہے جس طرح ”ابن

شحنہ“ نے اسے ثابت کیا ہے۔

28400۔ (قوله: مِنْ قَبْلِ تَهْدُرُ) یعنی حالت صحت میں عورت نے اپنا مہر اپنے خاوند کو اس کی زندگی میں بہہ کر دیا

تھا تو اسے قبول نہ کیا جائے گا۔ یہ قول اس کے منافی نہیں جس کا شارح نے پہلے ذکر کیا ہے کہ بہہ کے بعد اقرار باطل ہے۔ کیونکہ اس مسئلہ میں احتمال موجود ہے کہ اس نے اسے طلاق بائنہ دی پھر مذکورہ مہر پر اس سے نکاح کیا۔ اسی طرح قول کیا گیا۔ اس میں یہ ہے کہ احتمال وہاں موجود ہے۔

28401۔ (قوله: وَإِسْنَادُ) ”المشتقی“ میں ہے: اگر ایک آدمی نے اپنی اس مرض میں اقرار کیا جس میں وہ فوت ہوا

تھا کہ اس نے اپنی حالت صحت میں فلاں کے ساتھ یہ غلام بیچا اور ثمن پر قبضہ کیا اور مشتری نے اس کا دعویٰ کیا تھا تو بیع میں اس کی تصدیق کی جائے گی اور ثمن کے قبضہ کرنے میں صرف ایک تہائی میں اس کی تصدیق کی جائے گی۔ وہ ”نظم“ کا مسئلہ ہے مگر

.....فِيهِ لِلصَّحَّةِ اقْبَلَنْ وَفِي الْقَبْضِ مِنْ ثُلُثِ الثَّرَاثِ يُقَدَّرُ
وَلَيْسَ بِلا تَشْهَدُ مُقَرَّرًا نَعْدُكَ وَلَوْ قَالَ لَا تُخْبِرُ فَخُلْفٌ يُسْطَرُّ
وَمَنْ قَالَ مِلْكِي ذَا الَّذِي كَانَ مُنْشَأً وَمَنْ قَالَ هَذَا مِلْكُ ذَا فَهُوَ مُظْهَرُ
وَمَنْ قَالَ لَا دَعْوَى لِي الْيَوْمَ عِنْدَ ذَا فَمَا يُدْعَى مِنْ بَعْدِ مِنْهَا فَمُنْكَرُ

حالت مرض میں حالت صحت کی طرف بیع کی نسبت کو قبول کر اور ترکہ کے تہائی سے قبضہ کو مقدر کیا جائے گا۔ تو گواہ نہ بن ہم اسے اقرار شمار نہیں کرتے مگر اس نے کہا تو خبر نہ دے تو اس میں اختلاف مسطور ہے۔ جس نے یہ کہا: میری یہ ملکیت فلاں کے لیے ہے تو یہ نئے سرے سے مالک بنانا ہے اور جس نے کہا: یہ فلاں کی ملک ہے تو یہ اس کی ملک کا مظہر ہے۔ جس نے کہا: آج میرا فلاں کے ہاں کوئی دعویٰ نہیں اس کے بعد جو دعویٰ کیا جائے گا اس کا انکار کیا جائے گا۔

مشتری کی تصدیق کی قید کو چھوڑ دیا ہے۔ ”ابن شحنہ“، ”مدنی“۔

ہم نے پانچ اوراق قبل ”نور العین“ سے کلام ذکر کی ہے پس اس کی طرف رجوع کیجئے۔

28402۔ (قوله: فِيهِ) یعنی موت کے ضعف میں یعنی مرض الموت میں۔

28403۔ (قوله: مِنْ ثُلُثِ الثَّرَاثِ) تراث سے مراد میراث ہے۔

28404۔ (قوله: تَشْهَدُ) یہ لفظ دال مہملہ کے سکون کے ساتھ ہے۔

28405۔ (قوله: نَعْدُكَ) یہ لفظ نون کے فتح، عین اور دال مشددہ کے رفع کے ساتھ ہے۔

28406۔ (قوله: فَخُلْفٌ) یہ لفظ خا کے ضمہ اور لام کے سکون کے ساتھ ہے۔ ”مقدس“ نے کہا: امام ”محمد“ رحمۃ اللہ علیہ نے

یہ ذکر کیا کہ اس کا قول فلاں کو خبر نہ دینا کہ اس کا مجھ پر ہزار لازم ہے یہ اقرار ہوگا۔

”سرخی“ نے یہ گمان کیا ہے کہ اس میں دو روایتیں ہیں۔ ”سامحانی“۔

28407۔ (قوله: مُنْشَأً) یعنی یہ ہبہ ہوگا۔

28408۔ (قوله: مُظْهَرُ) یہ لفظ میم کے ضمہ کے ساتھ ہے یعنی وہ اقرار کرنے والا ہوگا۔

کِتَابُ الصُّلْحِ

مُنَاسَبَتُهُ أَنَّ انْكَارَ الْبُقَرِ سَبَبٌ لِلْخُصُومَةِ الْمُسْتَدْعِيَةِ لِلصُّلْحِ (هُوَ لُغَةً اسْمٌ مِنَ الْمُصَالِحَةِ وَشَرْعًا عَقْدٌ يَرْفَعُ النِّزَاعَ) وَيَقْطَعُ الْخُصُومَةَ (وَرُكْنُهُ الْإِجَابُ) مُطْلَقًا (وَالْقَبُولُ) فِيمَا يَتَعَيَّنُ أَمَّا فِيمَا لَا يَتَعَيَّنُ كَالَّذِي رَأَاهُمْ فَيَتِمُّ بِدَلَا قَبُولِ عِنَايَةٍ وَسَيَجِيءُ (وَشَرْطُهُ الْعَقْلُ) لَا الْبُلُوغُ وَالْحُرِّيَّةُ (فَصَحَّ مِنْ صَبِيٍّ مَا ذُوْنُ إِنْ عَرَى) صُلْحُهُ (عَنْ ضَرَرٍ بَيِّنٍ) وَصَحَّ (مِنْ عَبْدٍ مَا ذُوْنُ وَمُكَاتِبٍ) لَوْ فِيهِ نَفْعٌ (وَشَرْطُهُ أَيْضًا) كَوْنُ الْمُصَالِحِ عَلَيْهِ مَعْلُومًا إِنْ كَانَ يَحْتَاجُ إِلَى قَبْضِهِ (وَكَوْنُ الْمُصَالِحِ عَنْهُ حَقًّا يَجُوزُ الْإِعْتِيَاظُ عَنْهُ).

صلح کے احکام

اس کی ماقبل کتاب سے مناسبت یہ ہے کہ منکر کا انکار اس خصومت کا سبب ہے جو صلح کا تقاضا کرتا ہے یہ لغوی اعتبار سے مصلحت سے اسم ہے اور شرع میں اس سے مراد ایسا عقد ہے جو نزاع کو ختم کر دے اور خصومت کو مٹا دے صلح کا رکن مطلقاً ایجاب ہے اور قبول صلح کا رکن ہے ان میں جو متعین ہوتے ہیں۔ جہاں تک ان چیزوں کا تعلق ہے جو متعین نہیں ہوتیں۔ جیسے دراہم تو یہ قبول کے بغیر مکمل ہو جاتی ہے ”عنايہ“۔ اس کا ذکر عنقریب آئے گا۔ اس کی شرط عقل ہے بالغ ہونا اور آزادی شرط نہیں۔ ماذون بچے کی جانب سے صلح صحیح ہے اگر اس کی صلح واضح ضرر سے خالی ہو۔ اور عبد ماذون اور مکاتب کی جانب سے صلح صحیح ہے اگر اس میں نفع ہو۔ صلح کی شرط یہ بھی ہے کہ مصالح علیہ معلوم ہو اگر اس پر قبضہ کی حاجت ہو اور مصالح علیہ ایسا حق ہو جس کا عوض لینا جائز ہے

28409۔ (قوله: مُطْلَقًا) یعنی جو چیز متعین ہو جاتی ہے اور جو چیز متعین نہیں ہوتی۔

28410۔ (قوله: بِدَلَا قَبُولِ) کیونکہ یہ اسقاط (یعنی حق ساقط کرنا) ہے اس کا ذکر عنقریب آئے گا۔

صلح کی شرائط

28411۔ (قوله: وَشَرْطُهُ الْإِخ) اس کی یہ بھی شرط ہے کہ اس کے بدل پر قبضہ کیا جائے اگر یہ دین کے بدلے دین ہو ورنہ یہ شرط نہ ہوگی جس طرح کتاب کے آخر میں مسائل شتی میں آئے گا۔ پس اس کی طرف رجوع کیجئے۔ یہاں ”اندرز“ میں اس کی وضاحت کی ہے۔

28412۔ (قوله: فَصَحَّ مِنْ صَبِيٍّ الْإِخ) اسی طرح جب اس کی جانب سے صلح ہو اس کی صورت یہ ہے کہ اس بچے کا باپ اس کے گھر کی جانب سے صلح کرے جب کہ ایک مدعی نے اس کا دعویٰ کیا ہو اور گواہیاں قائم کر دی ہوں۔

28413۔ (قوله: لَوْ فِيهِ نَفْعٌ) اگر وہ یہ قول کرتے: لو لم یکن فیہ ضرر بین تو یہ زیادہ بہتر ہوتا تاکہ یہ اسے بھی

وَلَوْ كَانَ (غَيْرَ مَالٍ كَالْقَصَاصِ وَالتَّعْزِيرِ مَعْلُومًا كَانَ) الْبُصَالُحُ عَنْهُ (أَوْ مَجْهُولًا لَا) يَصِحُّ (لَوْ) الْبُصَالُحُ عَنْهُ (مِمَّا لَا يَجُوزُ إِلَّا عِتْيَاضُ عَنْهُ) وَبَيَّنَّهُ بِقَوْلِهِ

اگر چہ وہ مال نہ ہو جیسے قصاص اور تعزیر مصالح عنہ معلوم ہو یا مجہول ہو۔ اگر مصالح عنہ ایسی چیز ہو جس کا عوض لینا صحیح نہ ہو تو صلح صحیح نہ ہوگی

شامل ہو جاتا جب اس میں نہ نفع ہوتا اور نہ ہی نقصان ہوتا یا اس میں ضرر ہوتا جو واضح نہ ہوتا۔ ”ط“۔
صلح کی صورتیں

28414۔ (قوله: مَعْلُومًا) ”جامع الفصولین“ میں ”مبسوط“ کی طرف منسوب کرتے ہوئے کہا: صلح پانچ صورتوں پر ہے۔

- (۱) دراہم، دنانیر یا فلوس پر صلح۔ پس مقدار ذکر کرنے کی ضرورت ہوگی۔
- (۲) گندم پر، کیلی یا وزنی چیز پر صلح جس میں بار برداری اور مؤنت کا تصور نہیں۔ پس اس میں قدر اور صفت کے ذکر کرنے کی ضرورت ہوگی۔ کیونکہ یہ چیز جید، وسط یا ردی ہوتی ہے پس اس کی وضاحت کی ضرورت ہوتی ہے۔
- (۳) ایسی کیلی اور وزنی چیز پر صلح جس میں بار برداری اور مشقت کا تصور ہو اس میں مقدار، صفت اور اس جگہ کی وضاحت کرنا ضروری ہے جہاں وہ چیز سپرد کرے گا۔ یہ امام ”ابو حنیفہ“ رحمہ اللہ کے نزدیک ہے جس طرح بیع سلم میں ہے۔
- (۴) کپڑے پر صلح، اس میں گز (پیمائش) صفت اور مدت کا ذکر کرنا ضروری ہے۔ کیونکہ کپڑا صرف بیع سلم میں دین ہو سکتا ہے۔ بیع سلم مؤجل ہی معروف ہے۔

- (۵) حیوان پر صلح۔ معین حیوان پر ہی صلح ہو سکتی ہے۔ کیونکہ مال تجارت اور حیوان پر بطور دین کے صلح صحیح نہیں ہوتی۔
- 28415۔ (قوله: إِلَى قَبْضِهِ) جس پر قبضہ کی ضرورت نہیں ہوتی اس کا معاملہ مختلف ہے جیسے ایک آدمی دوسرے آدمی کے گھر میں حق کا دعویٰ کرے اور مدعی علیہ اس زمین میں حق کا دعویٰ کرے جو مدعی کے ہاتھ میں ہے۔ پس دونوں دعویٰ کے ترک پر صلح کر لیں تو یہ جائز ہوگا۔

28416۔ (قوله: وَالتَّعْزِيرِ) یعنی جب وہ بندے کا حق ہو جس طرح یہ امر مخفی نہیں۔ ”ح“۔

28417۔ (قوله: أَوْ مَجْهُولًا) یعنی اس شرط کے ساتھ کہ وہ ان چیزوں میں سے ہو جو سپرد کیے جانے کی محتاج نہیں جس طرح مثلاً دعویٰ کو ترک کرنا۔ اگر مدعی کو سپرد کرنے کا معاملہ ہو تو وہ مختلف ہوگا۔ ”جامع الفصولین“ میں ہے: ایک آدمی نے دوسرے پر مال کا دعویٰ کیا اور اس سے ہزار درہم پر صلح کر لی اور بدل صلح پر قبضہ کر لیا اور دستاویز کے آخر میں ذکر کیا اور مدعی نے اپنے تمام تر دعاوی اور خصومات سے ابراء صحیح عام کے ساتھ بری کر دیا۔

تو ایک قول یہ کیا گیا ہے: صلح صحیح نہ ہوگی۔ کیونکہ اس نے مدعی فیہ کی مقدار کا ذکر نہیں کیا جب کہ اس کی وضاحت ضروری ہے

(كَحَقِّ شُفْعَةٍ وَحَدِّ قَذْفٍ وَكَفَالَةِ بِنَفْسٍ) وَيَبْطُلُ بِهِ الْأَوَّلُ وَالثَّالِثُ وَكَذَا الثَّانِي لَوَقَبْلَ الرَّفْعِ لِلْحَاكِمِ لَا حَدَّ زِنَا وَشُرْبٍ مُطْلَقًا (وَطَلَبُ الصُّلْحِ كَافٍ عَنِ الْقَبُولِ مِنَ الْمُدَّعَى عَلَيْهِ إِنْ كَانَ الْمُدَّعَى بِهِ مِمَّا لَا يَتَعَيَّنُ بِالشَّعْيَيْنِ) كَالَّذِي رَأَاهُمَا الدَّنَانِيرُ وَطَلَبُ الصُّلْحِ عَلَى ذَلِكَ، لِأَنَّهُ إِسْقَاطٌ لِلْبَعْضِ،

جیسے حق شفعہ، حد قذف اور کفالہ نفس۔ صلح کے ساتھ پہلی اور تیسری صورت باطل ہو جائے گی۔ اسی طرح دوسری باطل ہو جائے گی اگر حاکم کے سامنے مسئلہ پیش کرنے کی صورت میں ہو۔ حد زنا اور حد شرب کی صلح مطلقاً صحیح نہیں۔ اور صلح کی طلب جب مدعی علیہ کی جانب سے ہو تو یہ طلب ہی قبول کو کافی ہوگی اگر مدعی بہ ان چیزوں میں سے ہو جو متعین کرنے سے متعین نہیں ہوتیں جیسے دراہم اور دنانیر اور اس پر صلح طلب کرے۔ کیونکہ بعض چیز کو ساقط کرنا ہے

تاکہ یہ معلوم ہو کہ یہ صلح بطور معاوضہ واقع ہوئی ہے یا بطور اسقاط واقع ہوئی ہے یا صرف صلح واقع ہوئی ہے مجلس میں باہم قبضہ کی شرط لگائی ہے یا شرط نہیں لگائی۔ جب کہ بدل صلح کے قبض کا ذکر کیا اور مجلس صلح سے تعرض نہیں کیا یعنی اس کا ذکر نہیں کیا اس احتمال کے باوجود صلح کے صحیح ہونے کا قول ممکن نہیں۔ جہاں تک بری کرنے کا تعلق ہے تو وہ علی سبیل العموم حاصل ہو چکا ہے تو عام براءت کی وجہ سے مدعی کا معین شے کے بارے میں دعویٰ نہیں سنا جائے گا نہ کہ دعویٰ کا نہ سننا صلح کی وجہ سے ہوگا۔ کتاب الاستحقاق میں اس بارے میں تصریح پہلے گزر چکی ہے ہم نے خیار العیب کے آخر میں جو قول ”الفتح“ سے نقل کیا ہے اسے دیکھیے۔

28418۔ (قوله: كَحَقِّ شُفْعَةٍ) کیونکہ حق شفعہ سے مراد ولایت طلب اور تسلیم شفعہ ہے جس کی کوئی قیمت نہیں۔ پس

اس کے مقابلہ میں مال لینا جائز نہیں۔

28419۔ (قوله: الثَّالِثُ) دو روایتوں میں سے یہ ایک روایت ہے اسی کے مطابق فتویٰ دیا جاتا ہے جس طرح

”شرہنہالیہ“ میں ”صغریٰ“ سے مروی ہے۔ جہاں تک پہلی صورت کے باطل ہونے کا تعلق ہے تو وہ صرف ایک روایت ہے۔ جس طرح اس میں بھی ”صغریٰ“ سے مروی ہے۔

28420۔ (قوله: لِلْحَاكِمِ) اس کا ظاہر یہ ہے کہ یہ اصلاح کے ساتھ باطل ہو جاتا ہے۔ یہی ”شرہنہالیہ“ میں ”قاضی

خان“ سے مروی ہے۔ کیونکہ انہوں نے کہا: صلح باطل ہوگئی اور حد ساقط ہوگئی اگر یہ امر قاضی کے سامنے پیش ہونے سے پہلے ہو۔ اگر یہ صلح قاضی کے سامنے مسئلہ پیش ہونے کے بعد ہو تو حد باطل نہ ہوگی جب کہ یہ امر پہلے گزر چکا ہے کہ یہ عاف کرنے سے ساقط ہوگی۔ کیونکہ حد کا مطالبہ موجود نہیں یہاں تک کہ وہ لوٹ آئے اور مطالبہ کرے تو اس پر حد جاری کی جائے گی۔ ”خانہ“ میں جو عبارت ہے اسے اس پر محمول کیا جائے کہ اس نے بعد میں مطالبہ نہ کیا۔

28421۔ (قوله: مُطْلَقًا) یعنی قاضی کے سامنے مسئلہ پیش ہونے سے پہلے ہو یا اس کے بعد ہو۔

28422۔ (قوله: وَطَلَبُ الصُّلْحِ) طلب فعل کا فاعل مستتر ہے اور الصلح اس کا مفعول ہے اس کی کوئی ضرورت نہیں

کیونکہ متن میں جو قول ہے اس کے ساتھ تکرار ہے۔

28423۔ (قوله: عَلَى ذَلِكَ) بعض نسخوں میں معاملہ اسی طرح ہے۔

وَهُوَ يَتَمُّ بِالنُّسْقِطِ (وَإِنْ كَانَ مِمَّا يَتَعَيَّنُ بِالتَّعْيِينِ فَلَا بُدَّ مِنْ قَبُولِ الْمُدَّعَى عَلَيْهِ) لِأَنَّهُ كَالْبَيْعِ بَحْرًا
(وَحُكْمُهُ وَقُوعُ الْبَرَاءَةِ عَنِ الدَّعْوَى وَوُقُوعُ الْمِلْكِ فِي مُصَالِحٍ عَلَيْهِ) وَعَنْهُ لَوْ مُقَرَّرًا أَوْ هُوَ صَحِيحٌ مَعَ إِقْرَارٍ
أَوْ سُكُوتٍ أَوْ انْكَارٍ فَلَا أَوَّلَ حُكْمُهُ (كَبَيْعٍ إِنْ وَقَعَ عَنْ مَالٍ بِمَالٍ) وَحِينَئِذٍ (فَتَجْرِي فِيهِ) أَحْكَامُ الْبَيْعِ كَ
(الشُّفْعَةِ وَالرَّدِّ بِعَيْبٍ وَخِيَارِ رُؤْيَا وَشَرْطٍ وَيُفْسِدُهُ جَهَالَةُ الْبَدَلِ الْمُصَالِحِ عَلَيْهِ لَا جَهَالَةُ)

اور یہ مسقط کے ساتھ مکمل ہو جاتا ہے اگر وہ ان چیزوں میں ہے جو متعین کرنے سے متعین نہیں ہوتا تو مدعی علیہ کا قبول کرنا ضروری ہوگا کیونکہ یہ بیع کی طرح ہے۔ صلح کا حکم یہ ہے کہ دعویٰ سے براءت واقع ہو جاتی ہے اور جس عوض پر مصالحت واقع ہوئی ہے اس پر ملکیت حاصل ہو جاتی ہے اور مصالح عنہ پر ملکیت حاصل ہو جاتی ہے اگر وہ مقرر ہو۔ صلح صحیح ہوتی ہے اقرار کے ساتھ، سکوت کے ساتھ یا انکار کے ساتھ۔ پہلی صورت کا حکم بیع کی طرح ہے اگر صلح مال کی مال کے عوض ہو اس وقت اس میں بیع کے احکام جاری ہوں گے جیسے شفیع، عیب، خیار رویت اور خیار شرط کی وجہ سے اسے واپس کرنا، جس بدل پر مصالحت کی جا رہی ہے اس کی جہالت صلح کو فاسد کر دیتی ہے مصالح عنہ کی جہالت اسے فاسد نہیں کرتی۔

28424۔ (قوله: بِالنُّسْقِطِ) یہ قول اس امر کا فائدہ دیتا ہے کہ اس میں طلب شرط نہیں جس طرح قبول شرط نہیں۔ ”ط“۔

صلح کا حکم

28425۔ (قوله: وَحُكْمُهُ وَقُوعُ الْخ) ”البحر“ میں کہا: مصالح علیہ کی جانب اس کا حکم یہ ہے کہ اس میں مدعی کی ملکیت حاصل ہو جاتی ہے خواہ مدعی علیہ مقرر ہو یا منکر ہو۔ اور مصالح عنہ کی جانب اس کا حکم یہ ہے کہ اس میں مدعی علیہ کی ملکیت ثابت ہو جاتی ہے اگر وہ تملیک کا احتمال رکھے جیسے مال اور مدعی علیہ اس کا مقرر ہو اگر وہ تملیک کا احتمال نہ رکھے جیسے قصاص تو اس میں حکم یہ ہے کہ وہ بری ہو جائے گا جس طرح وہ مطلقاً منکر ہو۔

28426۔ (قوله: وَوُقُوعُ الْمِلْكِ) یعنی مدعی یا مدعی علیہ کے لیے ملکیت ثابت ہو جاتی ہے۔

28427۔ (قوله: عَلَيْهِ) یعنی مطلقاً اگرچہ وہ منکر ہو۔

28428۔ (قوله: كَبَيْعٍ) یعنی اس میں بیع کے احکام جاری ہوں گے۔ پس دیکھا جائے گا اگر مدعی کی جنس کے خلاف صلح واقع ہو تو یہ بیع و شرا ہوگا جس طرح ہم نے یہاں ذکر کیا ہے اگر وہ اس کی جنس سے ہو اگر مدعی سے کم کے ساتھ صلح ہو تو یہ اپنے حق میں کمی کرنا ہے۔ اگر اس کی مثل کے ساتھ ہو تو یہ قبض و استیفا (پورا پورا حق لینا) ہوگا۔ اگر زیادہ کے ساتھ ہو تو وہ فضل رہا ہوگا یہ ”زیلعی“ سے ہے۔ ”رملی“۔

”البحر“ میں کہا: اگر جنس مختلف ہو تو اسے بیع اعتبار کیا ہے مگر دو مسئلوں میں اس طرح نہیں اس کی مکمل بحث اس میں ہے۔

28429۔ (قوله: فَتَجْرِي فِيهِ) یعنی اس صلح میں بیع کے احکام جاری ہوں گے، ”منح“۔ پس یہ مصالح عنہ اور مصالح

علیہ کو شامل ہوگا یہاں تک کہ اگر اس نے دار کے عوض دار سے صلح کی اس میں شفیع ثابت ہوگا۔ ”ط“۔

الْمُصْلَحِ عَنْهُ؛ لِأَنَّهُ يَسْقُطُ وَتُشْتَرَطُ الْقُدْرَةُ عَلَى تَسْلِيمِ الْبَدَلِ (وَمَا أُسْتَحَقَّ مِنَ الْمُدَّعَى) أَيْ
الْمُصْلَحِ عَنْهُ (يَرُدُّ الْمُدَّعَى حِصَّتَهُ عَلَى الْعَوَضِ) أَيْ الْبَدَلِ إِنْ كُلاَ فَكُلًّا أَوْ بَعْضًا فَبَعْضًا (وَمَا أُسْتَحَقَّ
مِنَ الْبَدَلِ يَرْجِعُ) الْمُدَّعَى (بِحِصَّتِهِ مِنَ الْمُدَّعَى) كَمَا ذَكَرْنَا لِأَنَّهُ مُعَاوَضَةٌ، وَهَذَا حُكْمُهَا (وَحُكْمُهُ
(كَإِجَارَةٍ) إِنْ وَقَعَ (الضُّدْحُ) عَنْ مَالٍ (بِمَنْفَعَةٍ) كَخِدْمَةِ عَبْدٍ وَسُكْنَى دَارٍ (فَشَرَطُ التَّوَقُّتِ فِيهِ) إِنْ
أُحْتِيجَ إِلَيْهِ وَإِلَّا لَا كَصَبْعٍ ثَوْبٍ

کیونکہ مصالح عنہ ساقط ہو جاتا ہے اور بدل کو سپرد کرنے پر قدرت شرط ہوتی ہے مصالح عنہ کا کوئی اور آدمی مستحق نکل آیا تو
مدعی بدل میں سے اتنے میں حصہ کو واپس کرے گا اگر تمام کا کوئی اور مستحق نکل آیا تو پورا بدل واپس کرے گا اگر بعض کا
مستحق نکل آیا تو بعض واپس کرے گا اور بدل میں سے جس مقدار کا کوئی اور مستحق نکل آیا تو مدعی اتنے ہی حصہ کا مطالبہ
کرے گا جس طرح ہم نے ذکر کیا ہے۔ کیونکہ یہ معاوضہ ہے۔ یہ اس کا حکم ہے اگر مال کی صلح منفعت کے بدلے میں ہو تو
اس کا حکم اجارہ کا ہوگا جیسے غلام کی خدمت اور گھر کی رہائش اگر وقت کی تعیین کی ضرورت ہو تو اس کی تعیین شرط ہوگی ورنہ
شرط نہ ہوگی جیسے کپڑا رنگنا۔

28430۔ (قوله: تُشْتَرَطُ) یہ تعلیل کے محل میں ہے کیونکہ ان کا قول ہے دیفسد جہالة البدل۔

28431۔ (قوله: مِنَ الْمُدَّعَى) المدعی مجہول کا صیغہ ہے۔

28432۔ (قوله: إِنْ كُلاَ الْخ) اس امر کی طرف اشارہ کیا کہ منہ بیانہ ہے یا بعضیہ ہے اور ہر ایک مراد ہے۔ تامل

28433۔ (قوله: كَمَا ذَكَرْنَا) یعنی سب کا مستحق نکل آیا تو سب، بعض کا مستحق نکل آیا تو بعض۔ ”ح“۔

28434۔ (قوله: لِأَنَّهُ مُعَاوَضَةٌ) معاوضہ کا مقتضایہ ہے کہ جب کوئی شمن کا مستحق نکل آیا اگر وہ شمن مثل ہو تو اس کی

مثل واپس لے گا یا وہ ذوات القیم میں سے ہو تو اس کی قیمت لے گا اور عقد فاسد نہیں ہوگا۔

فرع: ”بزازیہ“ میں کہا: ”نظم الفقہ“ میں ہے: ایک آدمی نے غیر کے گھر سے چور کو پکڑا اور یہ ارادہ کیا کہ اسے صاحب
مال تک پہنچا دے چور نے اسے مال دیا کہ وہ اس عمل سے رک جائے تو یہ صلح باطل ہوگی اور وہ آدمی بدل چور کے حوالے کر
دے گا۔ کیونکہ حق اس کا نہیں اگر صلح صاحب سرقہ کے ساتھ ہو تو مال لینے کے ساتھ وہ خصومت سے بری ہو جائے گا اور حد سرقہ
خصومت کے بغیر ثابت نہیں ہوتی اور صلح صحیح ہو جائے گی۔

اس میں ہے: ایک آدمی پر چوری کی تہمت لگائی گئی اسے محبوس کر لیا گیا تو اس نے صلح کی پھر اس نے گمان کیا کہ وہ صلح اس
کی ذات پر خوف کی وجہ سے تھی اگر وہ والی کی قید میں ہو تو دعویٰ صحیح ہوگا۔ کیونکہ عمومی بات یہی ہے کہ اسے ظلماً محبوس کیا جاتا
ہے اگر قاضی کی قید میں ہو تو اس کا دعویٰ صحیح نہ ہوگا۔ کیونکہ غالب یہ ہے کہ وہ حق کی وجہ سے محبوس کرتا ہے۔

28435۔ (قوله: إِنْ أُحْتِيجَ إِلَيْهِ) جیسے گھر کی رہائش۔

(وَيَبْطُلُ بِمَوْتِ أَحَدِهِمَا وَبِهَلَاكِ الْمَحَلِّ فِي الْمُدَّةِ) وَكَذَا لَوْ وَقَعَ عَنْ مَنْفَعَةٍ بِمَالٍ أَوْ بِمَنْفَعَةٍ عَنْ جَنْسٍ آخَرَ ابْنُ كَمَالٍ لِأَنَّهُ حُكْمُ الْإِجَارَةِ (وَالْأَخِيرَانِ) أَيْ الصَّلْحُ بِسُكُوتٍ أَوْ انْكَارٍ (مُعَاوَضَةً فِي حَقِّ الْمُدَّعَى وَفِدَاءً وَقَطْعُ نِزَاعٍ فِي حَقِّ الْآخَرِ) وَحِينَئِذٍ (فَلَا شُفْعَةَ فِي صَلْحٍ عَنْ دَارٍ مَعَ أَحَدِهِمَا) أَيْ مَعَ سُكُوتٍ أَوْ انْكَارٍ لَكِنْ لِلشَّفِيعِ أَنْ يَقُومَ مَقَامَ الْمُدَّعَى فَيُدْلِيَ بِحُجَّتِهِ، فَإِنْ كَانَ لِلْمُدَّعَى بَيِّنَةٌ أَقَامَهَا الشَّفِيعُ عَلَيْهِ وَأَخَذَ الدَّارَ بِالشُّفْعَةِ لِأَنَّ بِإِقَامَةِ الْحُجَّةِ تَبَيَّنَ أَنَّ الصَّلْحَ كَانَ فِي مَعْنَى الْبَيْعِ، وَكَذَا لَوْ لَمْ يَكُنْ لَهُ بَيِّنَةٌ فَحَلَفَ الْمُدَّعَى عَلَيْهِ فَتَكَلَّ شُرْئِبَالِيَّةٌ

ملک میں دونوں میں سے کوئی ایک مرجائے یا محل ہلاک ہو جائے تو صلح باطل ہو جائے گی۔ اسی طرح کا حکم ہوگا اگر صلح منفعت کے دعویٰ کی صورت میں مال کے بدلے میں ہو یا منفعت کے دعویٰ کی صورت دوسری منفعت سے ہو جو منفعت دوسری جنس سے ہے، ”ابن کمال“۔ یہ اجارہ کا حکم ہے اور آخری دو یعنی دعویٰ کے بارے میں سکوت یا انکار کی صورت میں صلح ہو تو یہ مدعی کے حق میں معاوضہ ہے اور دوسرے فریق کے حق میں یمین اور نزاع کے ختم کرنے کا فدیہ ہے اس وقت گھر کے بارے میں نزاع ہو تو دونوں صورتوں یعنی خاموشی یا انکار میں سے کسی صورت میں صلح ہو تو گھر پر شفیع نہیں ہوگا لیکن شفیع کو حق حاصل ہوگا کہ مدعی کے قائم مقام ہو جائے اور مدعی کی دلیل سے حجت لائے۔ اگر مدعی کے بینہ ہوں تو شفیع اس پر گواہیاں قائم کرے اور شفیع کے ساتھ گھر لے لے۔ کیونکہ گواہیاں قائم ہونے کی صورت پر امر واضح ہو گیا کہ صلح بیع کے معنی میں ہے اسی طرح اگر اس کے پاس گواہیاں نہ ہوں تو اس نے مدعی علیہ سے قسم کا مطالبہ کیا تو مدعی علیہ نے قسم اٹھانے سے انکار کر دیا، ”شرنبلائیہ“۔

28436۔ (قوله: بِمَوْتِ أَحَدِهِمَا) یعنی اگر اس نے اپنے لیے عقد کیا تھا۔ ”بحر“۔

28437۔ (قوله: بِهَلَاكِ الْمَحَلِّ) یعنی پورا پورا حق وصول کرنے سے قبل محل ہلاک ہو گیا۔ اس کی مکمل بحث ”البحر“

میں ہے۔

28438۔ (قوله: لَوْ وَقَعَ) زیادہ مناسب تو یہ تھا کہ اس قول کا ذکر اپنے قول فشرط التوقيت فیہ سے پہلے کرتے۔

28439۔ (قوله: عَنْ مَنْفَعَةٍ) یعنی صلح صحیح ہے۔ اگر ایک آدمی نے گھر میں راستہ کا دعویٰ کیا، سطح پر پانی کی گزرگاہ کا

دعویٰ کیا یا نہر میں باری کا دعویٰ کیا اس نے اقرار کیا یا انکار کیا پھر معلوم شے پر صلح کر لی تو یہ جائز ہے جس طرح ”قہستانی“ میں ہے ”علائی“ ”شرح الملتقی“۔ ”حاشیہ“ میں اسی طرح ہے۔

28440۔ (قوله: عَنْ جَنْسٍ آخَرَ) جس طرح گھر کی رہائش کے دعویٰ کی صورت میں غلام کی خدمت پر صلح کی۔

28441۔ (قوله: فِي حَقِّ الْمُدَّعَى) یعنی در راہم کے دعویٰ کے بعد در راہم پر صلح باطل ہوگی جب وہ قبضہ سے متفرق ہو

جائیں۔ ”بحر“۔

28442۔ (قوله: عَنْ دَارٍ) یعنی جب کوئی آدمی دوسرے پر اس کے گھر کے بارے میں دعویٰ کرتا ہے اور دوسرا آدمی

(وَتَجِبُ فِي صُلْحٍ) وَقَعَ (عَلَيْهَا بِأَحَدِهِمَا) أَوْ بِإِقْرَارٍ لِأَنَّ الْمُدَّعَى يَأْخُذُهَا عَنْ الْمَالِ فَيُؤَاخِذُ بِزَعْمِهِ (وَمَا أُسْتَحَقَّ مِنَ الْمُدَّعَى رَدَّ الْمُدَّعَى حِصَّتَهُ مِنَ الْعَوَضِ وَرَجَعَ بِالْخُصُومَةِ فِيهِ) فَيُخَاصِمُ الْمُسْتَحَقَّ لِخُلُوعِ الْعَوَضِ عَنِ الْغَرَضِ (وَمَا أُسْتَحَقَّ مِنَ الْبَدَلِ رَجَعَ إِلَى الدَّعْوَى

اور اس صلح میں گھر پر شفعہ ثابت ہوگا جس پر دونوں میں سے ایک یعنی سکوت و انکار یا اقرار کے ساتھ صلح واقع ہو۔ کیونکہ مدعی اس گھر کو مال کے عوض میں لیتا ہے۔ پس شفعہ اس کے گمان پر اس کا مواخذہ کرے گا اور مدعی میں سے جس کا کوئی مستحق نکل آیا مدعی عوض میں سے اتنا حصہ واپس کر دے گا اور اس میں دوبارہ خصومت کرے گا اور مستحق سے مخاصمت کرے گا۔ کیونکہ عوض غرض سے خالی ہے اور بدل میں سے جس کا کوئی مستحق نکل آیا تو تمام یا بعض میں دوبارہ دعویٰ کرے گا۔

خاموش ہو جاتا ہے اور انکار کر دیتا ہے اور اس کے گھر کے بارے میں کوئی شے دے کر صلح کرتا ہے تو شفعہ واجب نہیں ہوگا۔ کیونکہ وہ یہ گمان کرتا ہے کہ اس صلح کے ذریعے اس ولد مملوک کو اپنے پاس باقی رکھے گا اور مدعی کی خصومت اپنے آپ سے دور کر دے گا۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ اس مدعی سے مصالحت کر کے اس سے کوئی چیز خریدتا ہے اور مدعی کا گمان اسے لازم نہیں ہوتا۔ ”منح“۔ دو آدمیوں نے ایسی زمین کے بارے میں دعویٰ کیا کہ یہ ان کے باپ کی جانب سے ان کی وراثت ہے جو زمین کسی اور کے قبضہ میں ہے۔ قابض نے اسکا انکار کر دیا۔ دونوں میں سے ایک نے سو پر صلح کر لی تو دوسرا اس کے ساتھ شریک نہیں ہوگا۔ کیونکہ مدعی کے گمان کے مطابق صلح معاوضہ ہے اور مدعی علیہ کے گمان میں یہ یقین کا فدیہ ہے یہ ہر اعتبار سے معاوضہ نہیں ہوگا۔ پس شک کے ساتھ شریک کے لیے حق شرکت ثابت نہیں ہوگا۔ ”ابی“ سے مروی روایت میں ہے: وہ اس کے ساتھ شریک ہوگا۔ ”خانیہ“ ملخص۔

28443۔ (قوله: وَتَجِبُ) اس گھر میں شفعہ واقع ہوگا جس گھر پر صلح کی گئی اس کی صورت یہ ہوگی کہ وہ گھر بدل ہوگا۔

28444۔ (قوله: بِأَحَدِهِمَا) دونوں سے مراد انکار اور خاموشی ہے۔

28445۔ (قوله: لِخُلُوعٍ) یہ ان کے قول رد المدعی حصتہ۔

28446۔ (قوله: رَجَعَ) یعنی مدعی نے رجوع کر لیا ہے۔

28447۔ (قوله: إِلَى الدَّعْوَى) مگر جب وہ ان چیزوں میں سے ہو جو متعین کرنے سے متعین نہیں ہوتیں اور وہ رعی

ہی جنس میں سے ہو تو اس وقت وہ اس کی مثل کا مطالبہ کرے گا جس کا وہ دوسرا آدمی مستحق نکل آیا ہے اور صلح باطل نہ ہوگی جس طرح ایک آدمی ہزار کا دعویٰ کرے اور اس پر صلح کر لے اور اس سو پر قبضہ کر لے تو استحقاق کے وقت سو کا دوبارہ مطالبہ کرے گا خواہ یہ صلح اقرار کے بعد ہو یا اقرار سے قبل ہو جس طرح کہ وہ انہیں ستوقہ یا نہر جہ پائے۔ اگر وہ دوسری جنس سے ہو تو معاملہ مختلف ہے جس طرح یہاں دینار ہوں جب افتراق کے بعد ان کا کوئی مستحق نکل آیا۔ کیونکہ صلح باطل ہو جائے گی۔ اگر اس سے قبل ہو تو اس کی مثل کا مطالبہ کرے گا اور صلح باطل نہ ہوگی جیسے وہ فلوس ہوں۔ ”بحر“۔

28448۔ (قوله: رَجَعَ إِلَى الدَّعْوَى) اگر جب مصالح عنہ ایسی چیز ہو جو نقص کو قبول نہیں کرتی۔ کیونکہ وہ مصالح علیہ

فِي كُلِّهِ أَوْ بَعْضِهِ) هَذَا إِذَا لَمْ يَقَعِ الصَّلْحُ بِلَفْظِ الْبَيْعِ فَإِنْ وَقَعَ بِهِ رَجَعَ بِالْمُدَّعَى نَفْسِهِ لَا بِالْدَّعْوَى لِأَنَّ
إِقْدَامَهُ عَلَى الْمُبَايَعَةِ إِقْرَارٌ بِالْمِلْكِيَّةِ عَيْنِيٍّ وَغَيْرُهُ (وَهَلَاكُ الْبَدَلِ) كَلًّا أَوْ بَعْضًا (قَبْلَ التَّسْلِيمِ لَهُ) أَيْ
لِلْمُدَّعَى (كَاسْتِحْقَاقِهِ) كَذَلِكَ (فِي الْفَصْلَيْنِ) أَيْ مَعَ إِقْرَارِهِ أَوْ سُكُوتِ وَإِنْكَارِهِ وَهَذَا لَوُ الْبَدَلِ مِثْلًا يَتَعَيَّنُ،
وَالَّا لَمْ يَبْطُلْ بَلْ يَرْجَعُ بِمِثْلِهِ عَيْنِيٍّ (صَالِحٌ عَنْ) كَذَا نُسَخَ الْمَثْنِ وَالشَّرْحُ وَصَوَابُهُ عَلَى (بَعْضِ مَا
يَدَّعِيهِ) أَيْ عَيْنٍ يَدَّعِيهَا لِجَوَازِهِ فِي الدِّينِ كَمَا سَيَجِيءُ فَلَوْ أَدَّعَى عَلَيْهِ دَارًا فَصَالِحُهُ عَلَى بَيْتٍ مَعْلُومٍ

یہ اس صورت میں ہے جب صلح بیع کے لفظ کے ساتھ نہ ہو اگر صلح بیع کے ساتھ واقع ہو تو مدعی کو لے لے دعویٰ کرنے کی کوئی
ضرورت نہیں کیونکہ باہم بیع کا اقدام ملکیت کا اقرار ہے ”عینی“ وغیرہ۔ مکمل بدل ہلاک ہو جائے یا بعض ہلاک ہو جائے جب
کہ ابھی مدعی کے سپرد نہ کیا ہو تو یہ اس طرح ہے جس طرح کوئی اس کا مستحق نکل آیا ہو یہ دونوں فصلوں یعنی اقرار اور سکوت کی
صورت میں اس طرح ہے۔ یہ اس صورت میں ہے جب بدل ان چیزوں میں سے ہو جو متعین کرنے سے متعین ہو جاتا ہے۔
ورنہ صلح باطل نہ ہوگی بلکہ اس کی مثل کا مطالبہ کرے گا، ”عینی“۔ جس کا دعویٰ کیا اس کے بعض عین پر صلح کر لی، شرح اور متن
کے نسخوں میں اسی طرح ہے جب کہ صحیح عن کی بجائے علی ہے۔ کیونکہ دین میں یہ جائز ہے جس طرح عنقریب آئے گا۔ اگر
اس نے اس کے خلاف گھر کا دعویٰ کیا تھا اور گھر میں سے ایک معلوم کمرے پر صلح کی

کی قیمت لے گا جیسے قصاص، عتق، نکاح اور خلع جس طرح ”الاشباہ“ میں ”جامع کبیر“ سے مروی ہے۔ اس پر مفصل گفتگو
”حاشیہ الحموی“ میں ہے۔

28449۔ (قوله: فِي كُلِّهِ) اگر تمام عوض کا کوئی مستحق نکل آیا تو تمام میں اپنا دعویٰ کرے گا۔

28450۔ (قوله: أَوْ بَعْضِهِ) اگر بعض عوض کا کوئی مستحق نکل آیا۔

28451۔ (قوله: لِأَنَّ إِقْدَامَهُ) ضمیر سے مراد مدعی علیہ ہے۔

28452۔ (قوله: بِالْمِلْكِيَّةِ) مدعی کے لیے ملکیت کا اقرار ہے۔ صلح کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ اس سے کوئی ایسی چیز

نہیں پائی گئی جو اس پر دلالت کرے کہ اس نے اس کے لیے ملکیت کا اقرار کیا۔ کیونکہ صلح بعض اوقات خصومت کو ختم کرنے
کے لیے ہوتی ہے۔

28453۔ (قوله: كَاسْتِحْقَاقِهِ) وہ مدعی کی واپسی کا مطالبہ کرے گا یا دوبارہ دعویٰ کرے گا، ”در منتهی“۔ ”حاشیہ“

میں اسی طرح ہے۔

28454۔ (قوله: كَذَلِكَ) اس سے مراد تمام یا بعض۔

28455۔ (قوله: بَعْضِ مَا يَدَّعِيهِ) یعنی جب کہ وہ موجود ہو جب وہ ہلاک ہو تو اس کا حکم ماتن کے قول والصلح

عن البغصوب الهالك کے ہاں آئے گا۔ ”قہستانی“ نے کہا: کیونکہ اس صلح کے مدعی نے اپنے بعض حق کو وصول کیا اور باقی

الصَّحَّةُ مُطْلَقًا شُرْبًا لِيَّةً، وَمَشَى عَلَيْهِ فِي الْاِخْتِيَارِ وَعَزَاهُ فِي الْعَزْمِيَّةِ لِلْبَزَازِيَّةِ وَفِي الْجَلَالِيَّةِ لَشَيْخِ
الْإِسْلَامِ وَجَعَلَ مَا فِي الثَّنِ رِوَايَةً ابْنِ سَمَاعَةَ وَقَوْلُهُمُ الْإِبْرَاءُ عَنْ الْأَعْيَانِ بَاطِلٌ مَعْنَاهُ بَطْلُ الْإِبْرَاءِ
عَنْ دَعْوَى الْأَعْيَانِ وَلَمْ يَصِرْ مِلْكًا لِلدَّعَى عَلَيْهِ وَلِذَا لَوْ ظَفَرَ بِتِلْكَ الْأَعْيَانِ حَلَّ لَهُ أَخْذُهَا

کہ یہ مطلقاً صحیح ہے، ”شربلای“، ”الاختیار“ میں اسی پر گامزن ہوئے ہیں، ”عزمیہ“ میں اسے ”بزازیہ“ کی طرف منسوب کیا ہے اور ”جلالیہ“ میں ”شیخ الاسلام“ کی طرف منسوب کیا ہے اور متن میں جو قول ہے اسے ”ابن سماعہ“ کی روایت بنایا ہے اور ان کا قول الابرء عن الاعیان باطل اس کا معنی ہے اعیان کے دعویٰ سے بری کرنا باطل ہے۔ اور وہ چیز یعنی مدعی بہ مدعی علیہ کی ملک نہیں ہوگی۔ اس وجہ سے اگر وہ مدعی ان اعیان کو پانے میں کامیاب ہو جائے تو اس کے لیے لینا حلال ہوگا

گا۔ اگر وہ براءت کو اپنی ذات کی طرف منسوب کرے جس طرح وہ کہے: میں اس سے بری ہو چکا ہوں یا میں بری ہوں تو اس کا دعویٰ مطلقاً نہیں سنا جائے گا۔

یہ خصوص کے طریقہ پر ہے یعنی مخصوص عین کے طریقہ پر ہے۔ اگر وہ عموم کے طریقہ پر ہو تو اسے مخاطب اور اس کے غیر پر دعویٰ کا حق ہوگا جس طرح دونوں میاں بیوی ایک دوسرے کو تمام حقوق سے بری کر دیں اور خاوند کے کچھ اعیان موجود ہوں تو اسے ان کے بارے میں دعویٰ کا حق ہوگا۔ کیونکہ یہ بری کرنا دیون کی طرف پھر جائے گا، اعیان کی طرف نہیں پھرے گا۔ مگر جب وہ اخبار کے طریقہ پر ہوں جس طرح کہے: وہ اس سے بری ہے جو میرا اس کے ذمہ حق تھا تو وہ صحیح ہوگا یہ عین اور دین سب کو شامل ہوگا پس اس کا دعویٰ نہیں سنا جائے گا۔

اسی طرح اگر وہ کہے: میری اس عین میں کوئی ملکیت نہیں۔ اس کا ذکر ”مبسوط“ اور ”محیط“ میں کیا ہے۔ پس یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ ان کے قول کہ میں اس کی جانب مطلقاً حق نہیں رکھتا اور کوئی دعویٰ نہیں رکھتا یہ عین اور دین کے دعویٰ کے مانع ہے۔ کیونکہ ”مبسوط“ میں ہے، میرا اس کی جانب کوئی حق نہیں یہ ہر عین اور دین کو شامل ہوتا ہے۔ اگر وہ کسی حق کا دعویٰ کرے تو اسے نہیں سنا جائے گا جب تک وہ یہ گواہی نہ دیں کہ یہ حق براءت کے بعد ثابت ہوا ہے۔ ”البحر“ میں جو بحث ہے یہ اس کا خلاصہ ہے۔

ان کا قول بعد البراءۃ اس امر کا فائدہ دیتا ہے کہ ان کا قول لاحق لی یہ عام ابراہ ہے یہ اقرار نہیں۔

28458۔ (قوله: مُطْلَقًا) خواہ دونوں امروں میں سے ایک پایا جائے یا نہ پایا جائے پس باقی کا دعویٰ نہیں سنا جائے

گا۔ ”ح“۔

28459۔ (قوله: وَقَوْلُهُمْ) یہ اس سوال کا جواب ہے جو ماتن کی کلام پر وارد ہوتا ہے نہ کہ جو ظاہر روایت پر وارد ہوتا

ہے۔ کیونکہ ظاہر روایت میں ابراہ کا کوئی ذکر نہیں اور صلح جسے اپنے ضمن میں لیے ہوئے ہے یہ باقی ماندہ کو ساقط کرنا ہے یہ بری کرنا نہیں۔ فافہم

28460۔ (قوله: عَنْ دَعْوَى الْخ) ”قہستانی“ کی عبارت اسی طرح ہے۔ دعویٰ کے لفظ کو ساقط کرنا واجب ہے

کیونکہ آنے والا استدراک اس کا قرینہ ہے۔ ”حموی“ نے ”حواشی صدر الشریعہ للحنفیہ“ سے ہمارے قول البراءۃ عن الاعیان

لَكِنْ لَا تُسَمَّ دَعْوَاهُ فِي الْحُكْمِ وَأَمَّا الصُّدْحُ عَلَى بَعْضِ الدِّينِ فَيَصِحُّ وَيَبْرَأُ عَنْ دَعْوَى الْبَاقِي أَمَّا قَضَاءُ لَا دِيَانَةَ فَلِذَا لَوْ ظَفَرَ بِهِ أَخَذَهُ قَهْشَتَانِي

لیکن حکم میں اس کا دعویٰ نہیں سنا جائے گا۔ جہاں تک بعض دین پر صلح کا تعلق ہے تو یہ صلح صحیح ہے اور وہ باقی ماندہ دعویٰ سے بری ہو جائے گا یعنی قضاء بری ہو جائے گا دینہ بری نہیں ہوگا اس وجہ سے اگر وہ اسے پانے میں کامیاب ہو جائے تو لے لے "قہستانی"۔

لا تصح کا یہ معنی نقل کیا ہے کہ عین، مدعی علیہ کی ملکیت نہیں بنے گا نہ اس کا یہ مطلب ہے کہ مدعی اپنے دعویٰ پر باقی رہے گا الخ "ابوسعود"۔ یہ اس سے زیادہ واضح ہے جو یہاں ہے۔ "سائحانی" نے کہا: یہ قول کرنا زیادہ اچھا ہے: اعیان سے بری کرنا یہ دیانت کے اعتبار سے باطل ہے قضا کے اعتبار سے باطل نہیں۔ "حاشیہ" میں کہا: "شرح الملتقی" میں اس کی عبارت ہے: اس کا معنی ہے کہ عین، مدعی علیہ کی ملکیت نہیں ہوگا نہ کہ اس کا مطلب ہے کہ وہ اپنے دعویٰ پر باقی رہے گا بلکہ وہ حکم میں ساقط ہو جائے گا جس طرح بعض دین سے صلح کر لی جائے۔ کیونکہ وہ باقی ماندہ سے حکم میں بری ہو جائے گا دیانت کے اعتبار سے بری نہیں ہوگا۔ جب وہ اسے پالے تو اسے لے لے۔ اسے "قہستانی" اور "برجندی" وغیرہ نے ذکر کیا ہے۔ جہاں تک اعیان کے دعویٰ سے بری کرنے کا تعلق ہے تو وہ صحیح ہے الخ جو کچھ "حاشیہ" میں ہے۔ ہم نے "شرح الملتقی" سے جواب بھی نقل کیا ہے یہ اس کے مخالف ہے۔ "الخلاصہ" میں ہے: میں نے تجھے اس گھر سے بری کر دیا، اس میں جو میری خصومت تھی اس سے بری کر دیا یا اس میں جو میرا دعویٰ تھا اس سے بری کر دیا یہ سب باطل ہے یہاں تک کہ اگر وہ اس کے بعد دعویٰ کرے تو اس دعویٰ کو سنا جائے گا اگر وہ گواہیاں قائم کر دے تو انہیں قبول کیا جائے گا۔ تامل

28461۔ (قوله: وَأَمَّا الصُّدْحُ) یہ ان کے قول عین یدعیہ کا مقابل ہے۔

28462۔ (قوله: بَعْضِ الدِّينِ) "مقدسی" نے "الحيط" سے نقل کرتے ہوئے کہا: اس کا ہزار تھا مطلوب نے اس کا انکار کر دیا تو اس نے ہزار میں سے تین سو پر صلح کر لی تو یہ صحیح ہو جائے گا اور وہ مطلوب باقی ماندہ سے قضاء بری ہو جائے گا دینہ بری نہیں ہوگا۔ اگر اس نے ہزار ادا کر دیا تو طالب نے ہزار کی وصولی کا انکار کر دیا تو اس نے سو کے بدلے میں صلح کر لی تو یہ صلح صحیح ہوگی۔ اور دینہ اسے لینا حلال نہیں ہوگا اس مسئلہ سے اور اس مسئلہ سے، کہ ربا سے ایسا ابرا صحیح نہیں جو اس کے عین کو ہی فوت کر دے، سے اخذ ہوتا ہے کہ ہمارے زمانے کے علماء جو بری کرتے ہیں وہ صحیح نہیں جس مال کو وہ لیتے ہیں اور ہر وقت کا مطالبہ کرتے ہیں پس قاضی اسے بری کر دیتے ہیں بلکہ وہ جو ربا لیتے ہیں یہ عدم حلت کی تمام صورتوں سے زیادہ ظلم والی ہے۔

یہ جان لو کہ صلح میں بری نہ ہونا "خانیہ" میں اس سے یہ استثناء کی ہے: اگر وہ یہ قول زائد کرے و ابرأتک عن البقیۃ میں نے تجھے باقی ماندہ سے بری کر دیا ہے۔ "سائحانی"۔ اس قول سے ظاہر ہوتا ہے کہ صلح جس اسقاط کو اپنے ضمن میں لیے ہوئے ہے یہ ہر اعتبار سے بری کرنا نہیں ورنہ اس قول کی کوئی ضرورت نہیں تھی کہ میں نے تجھے باقی ماندہ سے بری کر دیا ہے۔

28463۔ (قوله: قَضَاءُ) اس وقت ظاہر روایت کے مطابق دین اور عین میں کوئی فرق نہیں۔ تامل

وَتَبَايَاهُ فِي أَحْكَامِ الدِّينِ مِنَ الْأَشْبَاهِ وَقَدْ حَقَّقْتَهُ فِي شَرْحِ الْمُلْتَقَى (وَصَحَّ) الصُّلْحُ (عَنْ دَعْوَى الْمَالِ مُطْلَقًا) وَلَوْ بِإِقْرَارِهِ

اس کی مکمل وضاحت ”الاشباہ“ کے احکام الدین میں ہے اور میں نے ”شرح الملتقی“ میں اس پر مکمل تحقیق کی ہے۔ مال کا دعویٰ کیا تھا تو صلح مطلقاً صحیح ہوگی اگرچہ مدعی علیہ اس کا اقرار کرے

فقہ کا قول: اعیان سے بری کرنا باطل ہے، کا معنی

28464۔ (قوله: مِنَ الْأَشْبَاهِ) اس میں ”الخانیہ“ سے نقل کرتے ہوئے یہ کہا ہے: عین منصوبہ سے بری کرنا اور اس کی ضمانت سے بری کرنا ہے اور وہ غاصب کے قبضہ میں امانت ہوگا۔ اگر اس عین کو ہلاک کر دیا گیا ہو تو بری کرنا صحیح ہوگا اور مطلوب اس کی قیمت سے بری ہو جائے گا۔

ان کا قول اعیان سے بری کرنا باطل ہے۔ اس کا معنی یہ ہے کہ بری کرنے سے یہ چیز مدعی علیہ کی مملوکہ نہیں بنے گی مگر ان کی ضمانت کے ساقط ہونے کے لیے اس سے بری کرنا صحیح ہوگا یا اسے امانت پر محمول کیا جائے گا، ”ملخص“۔ یعنی اعیان سے باطل ہونے کا محل یہ ہوگا جب اعیان امانت ہوں کیونکہ جب وہ امانت ہوں تو اس کی ذمہ داری اسے لاحق نہ ہوگی پس اس سے بری کرنے کی کوئی وجہ نہ ہوگی۔ تاہل

اس کا حاصل یہ ہے کہ وہ ابراہو اعیان سے متعلق ہو یا تو اعیان کے دعویٰ سے ہوگا تو مطلقاً بغیر کسی اختلاف کے صحیح ہوگا اگر وہ بری کرنا اعیان کی ذات سے متعلق ہو۔ اگر وہ اعیان ایسے ہوں جو منصوب ہوں اور ہلاک ہو چکے ہوں تو بھی بری کرنا صحیح ہوگا جس طرح دین سے بری کرنا صحیح ہوتا ہے۔ اگر وہ موجود ہوں تو ان سے براءت کا معنی یہ ہوگا کہ ان کی ضمانت سے بری ہونا ہوگا اگر وہ ہلاک ہو جائیں اور اس کے عین سے بری ہونے کے بعد وہ امانت کی طرح ہو جائیں گے جن کی ضمانت صرف ان پر تعدی کرنے کی صورت میں ہوتی ہے اگر عین امانت ہو تو دیانۃ براءت صحیح نہ ہوگی۔ اس کا مطلب یہ ہے اگر اس کا مالک اسے پالے تو اسے لے لے اور قضاء براءت صحیح ہوگی۔ پس قاضی براءت کے بعد اس کے متعلق دعویٰ نہیں سنے گا۔ اس مقام پر جو کچھ بیان کیا گیا یہ اس کا خلاصہ ہے۔

یہ بہت اچھی کلام ہے جو تیری اس امر کی طرف رہنمائی کرتی ہے کہ شارح کے قول کا معنی امانت پر محمول ہوگا۔

یہ صورت باقی رہ گئی ہے: ایک آدمی اس کے خلاف اس عین کے متعلق دعویٰ کرتا ہے جو اس کے قبضے میں موجود ہے وہ اس دعویٰ کا انکار کر دیتا ہے پھر مدعی اسے اس دعویٰ سے بری کر دیتا ہے تو وہ غصب کے دعویٰ کے قائم مقام ہے۔ کیونکہ انکار کرنے کے ساتھ وہ غاصب بن چکا ہے اگر وہ چیز موجود ہو تو کیا دعویٰ سنا جائے گا۔

ظاہر یہی ہے کہ دعویٰ سنا جائے گا۔

28465۔ (قوله: وَلَوْ بِإِقْرَارِهِ) یعنی مال کا دعویٰ تھا تو مدعی علیہ نے اقرار کیا پھر صلح کر لی اگر صلح مدعی علیہ کے اقرار کے

أَوْ بِمَنْفَعَةٍ (وَعَنْ دَعْوَى الْمَنْفَعَةِ) وَلَوْ بِمَنْفَعَةٍ عَنْ جَنَسٍ آخَرَ (وَعَنْ دَعْوَى الرِّقِّ وَكَانَ عِتْقًا عَلَى مَالٍ) وَيُثْبِتُ الْوَلَاءَ لَوْ بِإِقْرَارٍ، وَإِلَّا لِأَبْيَتَيْنِ دُرٍّ قُلْتُ وَلَا يَعُودُ بِالْبَيِّنَةِ رَقِيقًا وَكَذَا فِي كُلِّ مَوْضِعٍ

یہ مال کے دعویٰ کی صلح منفعت کے بدلے کرے تو بھی صلح صحیح ہوگی اگر دعویٰ منفعت کا کیا ہو تو صلح صحیح ہوگی اگرچہ کسی جنس کی منفعت سے ہو۔ اگر غلام ہونے کا دعویٰ کیا تو صلح کی تو یہ مال پر آزاد ہوگی۔ اگر مدعی علیہ نے اقرار کیا تو ولا مدعی کے لیے ثابت ہوگی ورنہ مدعی کے لیے ولا ثابت نہ ہوگی مگر جب گواہیاں پیش کر دے تو ولا ثابت ہو جائے گی، ”درر“۔ میں کہتا ہوں: صلح کے بعد گواہیاں پیش کرنے سے وہ دوبارہ غلام نہیں بنے گا اس پر ایسا موقع

ساتھ ہو خواہ اس کے بارے میں صلح مال کے عوض ہو یا منفعت کے عوض ہو۔ یہاں ان کے قول عنہ سے مراد عن الہال ہے۔
28466۔ (قوله: أَوْ بِمَنْفَعَةٍ) اگرچہ صلح منفعت کے عوض ہو۔

28467۔ (قوله: عَنْ دَعْوَى الْمَنْفَعَةِ) منافع کے دعویٰ کی صورت یہ ہے: ایک آدمی وارثوں کے خلاف دعویٰ کرتا ہے کہ ودیعت نے اس غلام کی خدمت کے بارے میں وصیت کی تھی اور ورثاء اس وصیت کا انکار کرتے ہیں۔ کیونکہ اس بارے میں محفوظ ہے کہ ایک آدمی کی عین کے اجرت پر لانے کا دعویٰ کرتا ہے اور مالک اس امر کا انکار کرتا ہے پھر وہ صلح کر لیتا ہے تو یہ صلح جائز نہ ہوگی۔

”الاشاہ“ میں ہے: منافع کا دعویٰ کیا جائے تو اس بارے میں صلح جائز نہ ہوگی مگر اجارہ کا دعویٰ کیا جائے تو صلح صحیح نہ ہوگی جس طرح ”المستصفیٰ“ میں ہے۔ ”رہلی“۔ یہ قول اس کے مخالف ہے جو ”البحر“ میں موجود ہے، تامل۔

28468۔ (قوله: عَنْ جَنَسٍ آخَرَ) جس طرح رہائش کے بارے میں دعویٰ کیا تھا تو غلام کی خدمت پر صلح کر لی۔ جب رہائش کے دعویٰ کی صورت میں رہائش پر صلح کی تو معاملہ مختلف ہوگا۔ تو یہ جائز نہ ہوگی جس طرح ”نہینی“ اور ”زیلعی“ میں ہے۔ ”سید حموی“ نے کہا: لیکن ”الولوالجہ“ میں جو قول ہے وہ اس کے مخالف ہے۔ کیونکہ کہا: جب ایک آدمی نے ایک گھر میں رہائش رکھنے کا دعویٰ کیا جب کہ یہ دوسرے گھر کی رہائش کی مصالحت کے طور پر تھا جب یہ معلوم مدت کے لیے ہو تو یہ جائز ہے اور ایک گھر کی رہائش کا اجارہ دوسرے گھر کی رہائش کے اجارہ کے عوض کی صلح صحیح نہیں۔ کہا: یہ اس طرح تھا کیونکہ دونوں تملیک کے بدلے تملیک کے طور پر منعقد ہوتے ہیں۔ ”ابوسعود“۔

”ابن ملک“ نے ”شرح نقایہ“ میں وہ قول ذکر کیا ہے جو اس کے خلاف ہے جس کا ذکر ”المجمع“ پر اپنی شرح میں کیا ہے۔ ”یعقوبیہ“ میں کہا: ”شرح الجمع“ میں جو قول ہے وہ کتب کے موافق ہے۔

28469۔ (قوله: عَلَى مَالٍ) یعنی مدعی کے حق میں یہ مال لے کر آزاد کرنا ہوگا اور دوسرے کے حق میں خصومت کو دور کرنے کے لیے ہوگا۔ ”بحر“۔

28470۔ (قوله: لَوْ بِإِقْرَارٍ) یعنی غلام کی جانب سے اقرار کی صورت میں۔

أَقَامَ بَيِّنَةً بَعْدَ الصُّلْحِ لَا يَسْتَحِقُّ الْمُدَّعَى، لِأَنَّهُ بِأَخْذِ الْبَدَلِ بِاخْتِيَارِهِ نَزَلَ بَائِعًا فَلْيُحْفَظْ (و) عَنْ دَعْوَى الزَّوْجِ (النِّكَاحِ) عَلَى غَيْرِ مُزَوَّجَةٍ (وَكَانَ خُلْعًا) وَلَا يَطِيبُ لَوْ مُبْطَلًا وَيَحِلُّ لَهَا التَّزْوُجُ لِعَدَمِ الدُّخُولِ وَلَوْ ادَّعَتْهُ الْمَرْأَةُ فَصَالَحَهَا لَمْ يَصَحَّ وَقَايَةُ وَنُقَايَةُ وَدُرَرٌ وَمُلْتَقَى، وَصَحَّحَهُ فِي الْمُجْتَبَى وَالْإِخْتِيَارِ وَصَحَّحَ الصِّحَّةَ فِي دُرَرِ الْبَحَارِ (وَإِنْ قَتَلَ الْعَبْدُ الْمَأْذُونُ لَهُ رَجُلًا عَمْدًا لَمْ يَجْزُ صُلْحُهُ عَنْ نَفْسِهِ) لِأَنَّهُ لَيْسَ مِنْ تِجَارَتِهِ

جس میں صلح کے بعد مدعی گواہیاں قائم کر دے تو مدعی کا مستحق نہیں بنے گا۔ کیونکہ اپنی مرضی سے بدل لینے کے ساتھ وہ بائع کے قائم مقام ہو جائے گا۔ اسے یاد رکھا جانا چاہیے۔ اور مرد نے ایسی عورت کے خلاف نکاح کا دعویٰ کیا جس کی شادی نہیں ہوئی تھی پھر عورت نے اس مرد سے صلح کی تو یہ صلح صحیح ہوگی اور یہ خلع ہوگا۔ اگر وہ مرد حق پر ہو تو بدل صلح اس کے لیے حلال نہ ہوگا اور ایسی عورت کے لیے نکاح کرنا حلال ہوگا۔ کیونکہ اس کے ساتھ حقوق زوجیت ادا نہیں کیے گئے۔ اگر عورت نے مرد پر نکاح کا دعویٰ کیا پھر مرد نے اس عورت سے صلح کر لی تو یہ صلح صحیح نہ ہوگی۔ ”وقایہ“، ”نقایہ“، ”درر“ اور ”ملتقی“۔ ”المجتبیٰ“ اور ”الاختیار“ میں اسے صحیح قرار دیا ہے ”درر البحار“ میں اس کی صحت کی تصحیح کی ہے۔ اگر ماذون غلام نے کسی آدمی کو جان بوجھ کر قتل کر دیا تو اپنی ذات کی جانب سے اس کی صلح صحیح نہ ہوگی۔ کیونکہ یہ صلح تجارت نہیں ہے

28471۔ (قوله: لَا يَسْتَحِقُّ الْمُدَّعَى) مدعی اسم مفعول کا صیغہ ہے مسئلہ کی استثناء باب کے آخر میں آئے گی۔

28472۔ (قوله: لِأَنَّهُ بِأَخْذِ الْبَدَلِ) اخذ کا لفظ البدل کی طرف مضاف ہے۔

28473۔ (قوله: عَلَى غَيْرِ مُزَوَّجَةٍ) کیونکہ وہ عورت خاوند والی ہو تو صلح صحیح نہ ہوگی۔ اس پر کوئی عدت لازم نہ ہوگی

اور اپنے خاوند کے ساتھ تجدید نکاح لازم نہ ہوگا جس طرح ”عمادیہ“ میں ہے۔ ”قہستانی“۔

28474۔ (قوله: وَكَانَ خُلْعًا) اس کا ظاہر معنی یہ ہے یہ طلاق کے عدد میں کمی کر دے گا۔ پس اگر اس مرد نے اس

عورت سے بعد میں نکاح کیا تو دو طلاقوں کا مالک ہوگا۔ مگر جب یہ صلح اقرار کے بعد ہو تو پھر یہ امر ظاہر ہے مگر جب مدعی علیہ کی جانب سے انکار یا موت کے بعد صلح ہو تو اس کا معاملہ اس کے گمان کے مطابق ہوگا، فقہ بر۔ ”ط“۔

28475۔ (قوله: لَوْ مُبْطَلًا) یہ صلح کی تمام انواع میں عام ہے۔ ”کفایہ“۔

28476۔ (قوله: لَمْ يَصَحَّ) صاحب ”غایۃ البیان“ نے اس کی ترجیح میں طویل گفتگو کی ہے۔ ”حموی“۔

28477۔ (قوله: فِي دُرَرِ الْبَحَارِ) انہوں نے اپنی شرح ”غرر الافکار“ میں اسے ثابت کیا ہے۔ ”البحر“ میں اسی پر

اکتفا کیا ہے۔ پس اس کی تصحیح میں اختلاف ہے۔ ”المجمع“ کی عبارت ہے: ”یا عورت نے مرد کے ساتھ نکاح کے نہ ہونے کا دعویٰ کیا تو مرد نے اس عورت کے ساتھ مصالحت کر لی تو یہ جائز ہوگا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ جائز نہیں ہوگا۔“

28478۔ (قوله: عَمْدًا) یہ قید لگائی ہے کیونکہ اگر قتل خطا ہو تو ظاہر یہ ہے کہ ایسا کرنا جائز ہوگا۔ کیونکہ اس میں وہی

فَلَمْ يَنْزَمْ الْمَوْنُ لَكِنْ يَسْقُطُ بِهِ الْقَوْدُ وَيُؤَاخِذُ بِالْبَدَلِ بَعْدَ عِتْقِهِ (وَإِنْ قَتَلَ عَبْدُكَ) أَمْنِي لِلْمَأْذُونِ (رَجُلًا عَمْدًا وَصَالِحَهُ) الْمَأْذُونُ (عَنْهُ جَائِزٌ) لِأَنَّهُ مِنْ تِجَارَتِهِ وَالْمُكَاتَبُ كَالْخَرِّ (وَالضُّدْحُ عَنْ الْمَغْضُوبِ الْهَالِكُ)

پس یہ صلح آقا کو لازم نہ ہوگی۔ لیکن اس صلح کی وجہ سے قصاص ساقط ہو جائے گا اور اس کا بدل اس غلام کی آزادی کے بدلے دیا جائے گا۔ اگر عبد ماذون کے غلام نے کسی آدمی کو جان بوجھ کر قتل کر دیا اور عبد ماذون نے اس قاتل غلام کی جانب سے صلح کر لی تو یہ جائز ہوگا۔ کیونکہ یہ اس کی تجارت میں سے ہے اور مکاتب آزاد کی طرح ہے اور وہ چیز جس کو غضب کیا گیا تھا اور وہ ہلاک ہو گئی تھی

طریقہ اختیار کیا جاتا ہے جو اموال کے دعویٰ پر کیا جاتا ہے۔ ”ط“۔

28479۔ (قوله: فَلَمْ يَنْزَمْ الْمَوْنُ) ”مندی“ نے کہا: اگر آقا اسے جائز قرار دے دے تو یہ صحیح ہوگا۔ ”سبحانی“۔

28480۔ (قوله: عَبْدٌ) یہ قتل فعل کا فاعل ہے۔

اگر مغضوبہ چیز مثلی ہو اور وہ ہلاک ہو جائے تو اس کا حکم

28481۔ (قوله: الْمَغْضُوبِ) یعنی مغضوبہ چیز ذوات القیم میں سے ہو۔ کیونکہ اگر وہ چیز مثلی ہو اور وہ ہلاک ہو جائے

اگر مصالح علیہ یعنی بدل مغضوب کی جنس سے ہو تو بالاتفاق زیادتی جائز نہیں اگر اس کی جنس سے نہ ہو تو بالاتفاق جائز ہے۔ ہلاک ہونے کی قید لگائی ہے کیونکہ اگر صلح اس سے قبل ہو تو بالاتفاق جائز ہے۔ ”ابن ملک“۔ جس قول سے احتراز مقصود ہے غنیمت اس کا ذکر کریں گے۔ وہ قبل القضاء ہے۔ اور عی اکثر من قیستہ کے قول کے ساتھ قید لگائی ہے کیونکہ یہی اختلاف کا محل ہے۔

”جامع المغنی“ میں ہے: ایک آدمی نے ایک کرگندم کا یا بزر اور دہم کو غضب کیا اور اس کے نصف پر مصرت کر لی اگر مغضوبہ چیز ہلاک ہو چکی ہو تو صلح جائز ہوگی۔ اگر وہ چیز موجود ہو لیکن اس کو اس نے غائب کر دیا ہو یا اسے چھپا دیا ہو جب کہ وہ مقرباً منکر ہو تو قضاء یہ جائز ہے دینا جائز نہیں۔ اگر وہ حاضر ہو جسے وہ دیکھ رہا ہے لیکن اس کا غاصب منکر ہے تو اسی صرح یہ جائز ہوگا۔ اگر مالک اپنے باقی ماندہ مال پر گواہ پاتا ہو تو اس مال کا اس کے حق میں فیصلہ کر دیا جائے گا۔ کیلی اور وزنی چیز میں اس کے بعض حق پر صلح جب کہ وہ موجود ہو تو یہ باطل ہے۔ اگر وہ اس شے کے غضب کا اقرار کرے جب کہ وہ شے خیم ہو اور مالک اس شے پر قبضہ کرنے پر قدرت رکھتا ہو تو اس کے نصف پر صلح کر لے اس شرط پر کہ جو باقی ہے اس سے اس سے برائی کر دے تو یہ قیاس کے اعتبار سے جائز ہے استحسان کے اعتبار سے جائز نہیں۔ اگر وہ اس میں کچھ سے پر صلح کر لے اور کچھ دے دے تو تمام صورتوں میں یہ جائز ہو جائے گا کیونکہ وہ مغضوبہ شے کے عوض کچھ خریدنے والا ہو جائے گا۔ اگر مغضوبہ چیز غلام یا سامان تجارت ہو اور اس کا غضب اس کے مالک کے ساتھ اس کے نصف پر صلح کر لے جب کہ وہ اس کے مالک سے اسے غائب کرنے والا ہو اور اس شے کو غضب کرنے والا اقرار کرنے والا ہو یا انکار کرنے والا ہو تو یہ جائز نہیں ہوگا۔ کیونکہ اس کے نصف پر صلح اس کے موجود ہونے کا اقرار ہے۔ کیلی اور وزنی کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ عام معمول کے مطابق بعض شے کے

عَلَى أَكْثَرِ مَنْ قِيَمَتِهِ قَبْلَ الْقَضَاءِ بِالْقِيَمَةِ جَائِئٍ كَصُلْحِهِ بَعْرَضٍ (فَلَا تُقْبَلُ بَيْنَةُ الْغَاصِبِ بَعْدَهُ) أَمَّا الصُّلْحُ عَلَى (أَنَّ قِيَمَتَهُ أَقْلُ مِمَّا صَالَحَ عَلَيْهِ) وَلَا رُجُوعَ لِلْغَاصِبِ عَلَى الْمَغْضُوبِ مِنْهُ بِشَيْءٍ (لَوْ تَصَادَقَا بَعْدَهُ أَنَّهَا أَقْلُ) بَحْرٌ (وَلَوْ أَعْتَقَ مُوسَى عَبْدًا مُشْتَرَكًا فَصَالَحَ) الْمُوسَى (الشَّرِيكَ عَلَى أَكْثَرِ مَنْ نِصْفِ قِيَمَتِهِ لَا يَجُوزُ) لِأَنَّهُ مُقَدَّرٌ شَرْعًا فَبَطَلَ الْفَضْلُ اِتِّفَاقًا (كَالصُّلْحِ فِي) الْمَسْأَلَةِ (الْأُولَى) عَلَى أَكْثَرِ مَنْ قِيَمَتِهِ الْمَغْضُوبِ (بَعْدَ الْقَضَاءِ بِالْقِيَمَةِ) فَإِنَّهُ لَا يَجُوزُ لِأَنَّ تَقْدِيرَ الْقَاضِي كَالشَّارِعِ (وَكَذَا لَوْ صَالَحَ بِعَرَضٍ صَحَّ وَإِنْ كَانَتْ الْقِيَمَةُ أَكْثَرِ مَنْ قِيَمَةِ مَغْضُوبٍ تَلَفَ) لِعَدَمِ الرِّبَا

اس کی قیمت کے بارے میں قضا سے قبل ہی اس کی قیمت سے زائد مقدار پر صلح جائز ہوگی جس طرح وہ کسی اور سامان کے بدلے میں صلح کر لے اور صلح کے بعد غاصب کی اس امر پر گواہیاں قبول نہ کی جائیں گی کہ جس مقدار پر صلح کی گئی ہے مغضوب چیز کی قیمت اس سے کم تھی۔ اور غاصب کو مغضوب منہ سے کسی شے کی واپسی کا مطالبہ کا کوئی حق نہ ہوگا اگر دونوں اس امر کی تصدیق کریں کہ قیمت کم تھی۔ ”بحر“۔ اگر ایک خوشحال آدمی نے مشترک غلام کو آزاد کر دیا اور خوشحال نے شریک کے ساتھ غلام کی نصف قیمت سے زائد پر مصالحت کر لی تو یہ جائز نہیں ہوگا۔ کیونکہ یہ شرعاً مقدر ہے پس زیادتی بالاتفاق باطل ہوگی۔ جس طرح پہلے مسئلہ میں مغضوب کی قیمت سے زائد پر مصالحت کی جائے جب کہ قیمت کا فیصلہ ہو چکا ہے تو وہ صلح جائز نہیں ہوتی۔ کیونکہ قاضی کی تقدیر شارح کی طرح ہوتی ہے۔ اسی طرح اگر وہ سامان پر مصالحت کرے تو یہ صحیح ہوگی اگرچہ سامان کی قیمت مغضوب تلف شدہ کی قیمت سے زیادہ ہو۔ کیونکہ یہاں ربا موجود نہیں ہے۔

ہلاک ہونے اور بعض کے ہلاک نہ ہونے کا تصور نہیں کیا جاسکتا۔ کپڑے اور غلام کا معاملہ مختلف ہے۔

28482۔ (قوله: مِنْ قِيَمَتِهِ) اگرچہ غبن فاحش کے ساتھ ہو۔ ”غایۃ البیان“ میں کہا: غبن یسیر (تھوڑے غبن) کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ جب وہ قیمت لگانے والوں کی قیمت کے تحت داخل ہو تو اسے زائد شمار نہیں کیا جاتا پس وہ ربا نہ ہوگا۔ یعنی یہ ”صاحبین“ رحمہ اللہ علیہما کے نزدیک ہے۔

28483۔ (قوله: بِالْقِيَمَةِ جَائِئٍ) کیونکہ جب جنس مختلف ہو تو زیادتی ظاہر نہیں ہوتی پس یہ ربا نہ ہوگا۔ یہ ”امام صاحب“ رحمہ اللہ علیہ کے نزدیک جائز ہے ”صاحبین“ رحمہ اللہ علیہما نے اس سے اختلاف کیا ہے۔ کیونکہ ہلاک ہونے والی چیز میں مالک کا حق منقطع نہیں ہوا اور یہ قیمت کی طرف متغیر نہیں ہوا تو یہ مغضوبہ چیز پر صلح ہوگی اس کی قیمت پر صلح نہ ہوگی۔

28484۔ (قوله: بِعَرَضٍ) یعنی خواہ اس کی قیمت ہلاک ہونے والی چیز کی طرح ہو، کم ہو یا اس سے زائد ہو، شارح نے اس کا ذکر یہاں کیا ہے ساتھ ہی متن میں اس کا عنقریب ذکر آئے گا یہ اس امر کی طرف اشارہ کرنا ہے کہ اس کا محل یہاں ہے۔ ”ح“۔

28485۔ (قوله: مُوسَى) یہ قید لگائی کیونکہ وہ مالک تنگ دست ہو تو غلام اپنی نصف قیمت میں محنت و مزدوری کرے گا

(وَصَحَّ فِي) الْجَنَائَةِ (الْعَنْدِ) مُطْلَقًا وَلَوْ فِي نَفْسٍ مَعَ إِقْرَارِ (بِأَكْثَرِ مِنَ الدِّيَةِ وَالْأُرْشِ) أَوْ بِأَقْلٍ لِعَدَمِ الرِّبَا، وَفِي الْخَطَا كَذَلِكَ لَا تَصَحُّ الزِّيَادَةُ لِأَنَّ الدِّيَةَ فِي الْخَطَا مُقَدَّرَةٌ حَتَّى لَوْ صَالَحَ بِغَيْرِ مَقَادِيرِهَا صَحَّ كَيْفَمَا كَانَ بِشَرْطِ الْمَجْلِسِ لِئَلَّا يَكُونَ دَيْنًا بَدَيْنٍ وَتَعْيِينُ الْقَاضِي أَحَدَهَا يُصَيِّرُ غَيْرَهُ كَجَنَسٍ آخَرَ

ایسی جنایت جو عمداً کی گئی ہو اس میں صلح مطلقاً جائز ہوتی ہے اگرچہ وہ جنایت نفس میں ہو ساتھ ہی اقرار بھی کیا گیا ہو جبکہ مصالحت دیت اور ارش سے زیادہ مال پر ہو یا کم مال پر ہو۔ صلح اس لیے صحیح ہے کیونکہ رہا متحقق نہیں ہوتا اور خطا جنایت کی جائے تو اس طرح کے معاملہ میں صلح میں زیادتی صحیح نہ ہوگی۔ کیونکہ خطا میں دیت مقرر ہوتی ہے یہاں تک کہ اگر مقداریر کے غیر پر صلح کرے تو صحیح ہوگی کوئی بھی حالت ہو صرف مجلس شرط ہے تاکہ دین کے بدلے دین نہ ہو دونوں میں سے ایک کو قاضی کا متعین کرنا اس کے غیر کو دوسری جنس بنادے گا۔

جس طرح ”مسکین“ میں ہے۔

28486۔ (قوله: وَصَحَّ فِي الْجَنَائَةِ الْعَنْدِ) یہ قول اسے شامل ہے جب قاتل متعدد ہوں یا وہ منفرد ہو یہاں تک کہ اگر وہ قاتل ایک جماعت ہو اور ان میں ایک دیت کی مقدار سے زیادہ پر صلح کر لے تو یہ جائز ہوگا اور مقتول کے وارث کو باقی ماندہ افراد کو قتل کرنا اور ان کے ساتھ صلح کرنے کا حق ہوگا۔ کیونکہ قصاص کا حق ان میں سے ہر ایک پر علیحدہ علیحدہ ثابت ہے۔ تامل، ”رٹی“۔

28487۔ (قوله: لِعَدَمِ الرِّبَا) کیونکہ اس جنایت میں اصل جو چیز واجب ہوئی ہے وہ قصاص ہے جب کہ قصاص مال نہیں ہے۔

28488۔ (قوله: كَذَلِكَ) یعنی اگر وہ نفس میں اقرار کے ساتھ ہو۔ ”ح“۔

28489۔ (قوله: الزِّيَادَةُ) نقص (کمی) کے صحیح ہونے کا فائدہ دیا ہے۔

28490۔ (قوله: حَتَّى لَوْ صَالَحَ) اس قول نے یہ بیان کیا ہے کہ کلام اس بارے میں ہے جب وہ دیت کی مقدار میں سے کسی ایک پر مصالحت کرے اور وہ سوا اونٹ، دو سو گائے، دو سو بکری یا دو سو حیلے، ہزار دینار یا دس ہزار درہم ہے جس طرح ”عزمیہ“ میں ”کافی“ سے منقول ہے۔

28491۔ (قوله: بِشَرْطِ الْمَجْلِسِ) یعنی مجلس میں قبضہ کی شرط لگائی ہو یہ اس کے ساتھ مقید ہے کہ صلح کیلی یا وزنی چیز پر ہو جس طرح ”العنایہ“ میں یہ قید ذکر کی ہے۔ ”ح“۔

28492۔ (قوله: أَحَدَهَا) جیسے مثلاً اونٹ ہوں۔

28493۔ (قوله: يُصَيِّرُ) یہ لفظ یا کے ضمہ، صاد کے فتح اور یا کی تشدید کے ساتھ ہے یہ فعل مضارع ہے۔

28494۔ (قوله: كَجَنَسٍ آخَرَ) اگر قاضی سوا اونٹوں کا فیصلہ کرے تو قاتل دو سو گائیوں سے زیادہ پر مصالحت کرے

وَلَوْ صَالَحَ عَلَى خَيْرٍ فَسَدَ فَنَلَزَمُ الدِّيَةَ فِي الْخَطَا وَيَسْقُطُ الْقَوْدُ لِعَدَمِ مَا يَرْجِعُ إِلَيْهِ اخْتِيَارًا (وَكُلُّ زَيْدٍ عَنَّا بِالصُّدْحِ عَنْ دَمٍ عَنِدٍ أَوْ عَلَى بَعْضٍ دَيْنٍ يَدَّعِيهِ) عَلَى آخَرٍ مِنْ مَكِيلٍ وَمَوْزُونٍ (لَزِمَ بَدْلَهُ الْمُوَكَّلُ لِأَنَّهُ اسْقَاطُ فَكَانَ الْوَكِيلُ سَفِيرًا إِلَّا أَنْ يَضْمَنَهُ الْوَكِيلُ) فَيُؤَاخِذُ بِضَمَانِهِ (كَمَا لَوْ وَقَعَ الصُّدْحُ) مِنْ الْوَكِيلِ (عَنْ مَالٍ بِمَالٍ عَنْ إِقْرَارٍ) فَيَلْزَمُ الْوَكِيلُ؛

اگر وہ شراب پر مصالحت کرے تو صلح فاسد ہو جائے گی۔ پس خطا میں دیت لازم ہوگی اور قصاص ساقط ہو جائے گا۔ کیونکہ وہ چیز موجود نہیں جس کی طرف یہ لوٹے، ”اختیار“۔ زید نے عمرو کو دم عہد کی صلح کا وکیل بنایا یا اس دین کے بعض پر صلح کا وکیل بنایا جس دین کا وہ کسی دوسرے شخص کے خلاف دعویٰ کرتا ہے وہ دین کیلی ہو یا وزنی ہو تو اس صلح کا بدل موکل کو لازم ہوگا۔ کیونکہ یہ صلح حق کا اسقاط ہے تو وکیل سفیر ہوگا مگر جب وکیل اس بدل کی ضمانت اٹھالے پس اس کا مواخذہ ضمانت کی وجہ سے ہوگا جس طرح وکیل کی جانب سے مال کے بارے میں مال کے ساتھ صلح ہو جب کہ مدعی علیہ نے اس کا اقرار کیا ہو تو یہ بدل وکیل کو لازم ہوگا۔

اور وہ اس کے پاس موجود ہیں اور وہ مستحق کے حوالے کر دے تو یہ جائز ہو جائے گا۔ اس کی مکمل بحث ”جوہرہ“ میں ہے۔

28495۔ (قوله: وَيَسْقُطُ الْقَوْدُ) یعنی عداً جنایت کی صورت میں مصالحت کی جائے تو قصاص ساقط ہو جائے گا یعنی ایسی فاسد صلح جو ایسے معاملہ میں ہو جو قصاص کو واجب کرے تو یہ قصاص سے عفو ہوگا۔ اسی طرح اگر خنزیر یا آزاد پر صلح کی جس طرح ”ہندیہ“ میں ہے، ”سانحانی“۔ یہ اس کے برعکس ہے جب صلح جہالت کی وجہ سے فاسد ہو۔

”المنح“ میں کہا: جب صلح کا تسمیہ (جو بدل ذکر کیا گیا) فاسد ہو گیا جس طرح وہ جانور پر یا کپڑے پر صلح کرے جو معین نہ ہو تو دیت واجب ہوگی۔ کیونکہ اس کا ولی بغیر عوض کے اپنے حق کے ساقط ہونے پر راضی نہیں ہے۔ یہ صورت اس سے مختلف ہوگی جب وہ کسی عوض کا ذکر ہی نہ کرے یا شراب وغیرہ ذکر کرے تو کوئی شے واجب نہ ہوگی اس دلیل کی وجہ سے جو ہم ذکر کر چکے ہیں کہ قصاص قیمت لگانے کے ساتھ قیمت والا ہوتا ہے جو کہ نہیں پایا گیا۔

28496۔ (قوله: مَا يَرْجِعُ إِلَيْهِ) کیونکہ اس صورت میں کوئی دیت نہیں ہوتی۔ خطا کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ جب صلح باطل ہوگی تو وہ دیت کی طرف لوٹ آئے گی جس کا ذکر قریب ہی گزرا ہے۔

28497۔ (قوله: أَوْ عَلَى) متن کے نسخوں میں ادعٰی ہے۔

28498۔ (قوله: يَدَّعِيهِ عَلَى آخَرٍ) عبارت میں قلب ہے جب کہ صحیح یہ ہے: يدعيه عليه الآخر اس پر ان کا یہ قول لازم بدلہ الموکل دلالت کرتا ہے۔

28499۔ (قوله: فَيُؤَاخِذُ) یعنی موکل سے اس کا مطالبہ کرے گا اسی طرح جو حکم ہوگا جب خلع کے بدلے میں صلح کرتا

ہے اسی طرح جو صورت اس کے بعد آرہی ہے اس میں بدل کا مطالبہ کرے گا جس طرح ”مقدسی“ میں ہے۔ ”سانحانی“۔

28500۔ (قوله: فَيَلْزَمُ الْوَكِيلُ) یعنی پھر وہ موکل سے اس کا مطالبہ کرے گا۔

لِأَنَّهُ حِينَئِذٍ كَبِيرٌ (أَمَّا إِذَا كَانَ عَنْ انْكَارٍ لَا يَلْزُمُ الْوَكِيلَ مُطْلَقًا بَحْرٌ وَدُرٌّ (صَالِحٌ عَنْهُ) فَضُولٌ (بِدَلَا
أَمْرٍ صَحَّحَ إِنْ ضَمِنَ الْمَالُ أَوْ أَضَافَ) الضُّلْعَ (إِلَى مَالِهِ أَوْ قَالَ عَلَى هَذَا أَوْ كَذَا وَسَلَّم) الْمَالُ صَحَّ
وَصَارَ مُتَبَرِّعًا

کیونکہ اس وقت یہ صلح بیع کی طرح ہوگی۔ مگر جب صلح مدعی علیہ کے انکار کی صورت میں ہو تو بدل صلح وکیل پر مطلق لازم نہ ہوگا،
”بحر“، ”درر“۔ ”فضولی“ نے اس کی جانب سے اس کے امر کے بغیر مصالحت کی تو صلح صحیح ہوگی اگر اس نے مال کی ضمانت
اٹھائی یا صلح کو اپنے مال کی طرف منسوب کیا یا کہا: اس مال پر صلح کرتا ہوں یا اتنے مال پر صلح کرتا ہوں اور مال سپرد کر دیا تو صلح
صحیح ہوگی اور وہ تمام صورتوں میں

28501۔ (قوله: لِأَنَّهُ حِينَئِذٍ كَبِيرٌ) بیع میں حقوق اس کی طرف لوٹتے ہیں جو عقد کرتا ہے اس طرح جو معاملات
بیع کے قائم مقام ہیں ان میں بھی حقوق اسی طرف لوٹیں گے جو عقد کرتا ہے۔

28502۔ (قوله: مُطْلَقًا) خواہ صلح مال کے بارے میں مال کے ساتھ ہو یا ایسے ہی ہو۔ ”ح“۔

28503۔ (قوله: صَالِحٌ عَنْهُ فَضُولٌ الْخ) یہ اس صورت میں ہے جب وہ عقد کو مصالح عنہ کی طرف منسوب
کرے۔ کیونکہ ”جامع الفصولین“ میں تصرفات کے آخر میں ہے: فضولی جب عقد کو اپنی ذات کی طرف منسوب کرے تو بدل
اس پر لازم ہوگا اگرچہ وہ اس کی ضمانت نہ اٹھائے، اسے اپنے مال کی طرف منسوب نہ کرے اور نہ اپنے نفس کے ذمہ کی طرف
منسوب کرے۔ اسی طرح کا حکم ہوگا جب وہ غیر کی طرف سے صلح کرے۔

28504۔ (قوله: وَسَلَّم) یعنی آخری صورت میں مال حوالے کر دے۔

28505۔ (قوله: صَحَّحَ) یہ متن میں موجود قول کے ساتھ تکرار ہے۔

”الدرر“ میں ہے: جہاں تک اول کا تعلق ہے تو وہ اس لیے کیونکہ مدعی علیہ کے لیے حاصل براءت ہے اور براءت کے
حق میں اجنبی اور مدعی علیہ برابر ہیں اور یہ جائز ہے کہ فضولی اصل ہو جب وہ ضامن بنے جس طرح خلع کرانے والا فضولی
جب بری کی ضمانت اٹھالے تو وہ اصل ہو جاتا ہے۔

جہاں تک ثانی (دوسری) کا تعلق ہے جب اس نے عقد اپنی ذات کی طرف منسوب کیا تو بری کا سپرد کرنا اس کو لازم ہوگا
پس صلح صحیح ہوگی۔

جہاں تک ثالث (تیسری) کا تعلق ہے تو جب اس نے سپرد کرنے کے لیے مال کو معین کر دیا تو اس نے دوسرے فریق
کے لیے عوض کی سلامتی کی شرط تسلیم کر لی ہے۔ پس اس کے قبول کرنے کے ساتھ عقد مکمل ہو جائے گا۔

جہاں تک رابع (چوتھی) کا تعلق ہے تو مدعی کی رضا پر تسلیم کی دلالت یہ ضمانت کی دلالت سے بڑھ کر ہے اور اپنی ذات کی
طرف اس کی اضافت پر اس کی رضامندی پر دال ہے یہ کلام اختصار کے ساتھ ہے۔

فِي الْكُلِّ إِلَّا إِذَا ضَمِنَ بِأَمْرِهِ عَزْمِي زَادَهُ (وَالْإِلَّا) يُسَلِّمُ فِي الصُّورَةِ الرَّابِعَةِ (فَهُوَ مَوْقُوفٌ فَإِنْ أَجَازَهُ الْبَدْعَى عَلَيْهِ جَازٌ وَلَزِمَهُ) الْبَدَلُ (وَالْإِلَّا بَطَلَ) وَالْخُلْعُ فِي جَبِيعٍ مَا ذَكَرْنَا مِنَ الْأَحْكَامِ الْخَمْسَةِ

تبرع کرنے والا ہوگا مگر جب وکیل اس کے حکم سے ضمانت اٹھانے والا ہو ”عزمی زادہ“۔ اگر چوتھی صورت میں وکیل مال سپرد نہ کرے تو صلح موقوف ہوگی۔ اگر مدعی علیہ اس کو جائز قرار دے تو صلح جائز ہو جائے گی اور بدل اس کو لازم ہو جائے گی ورنہ صلح باطل ہو جائے گی۔ پانچوں احکام جن کا ہم نے ذکر کیا ہے ان سب میں خلع

28506۔ (قوله: فِي الْكُلِّ) اگر مقدمہ وجوہ میں عوض کا کوئی مستحق نکل آیا یا مدعی نے اس عوض کے دراہم کو زیوف یا ستوقہ پایا تو وہ مصالح سے مطالبہ نہیں کرے گا۔ کیونکہ مصالح تبرع کرنے والا ہے اس پر معین شے کو سپرد کرنا لازم تھا اس نے غیر کی جانب سے پورا حق ادا کرنے کو اپنے اوپر لازم نہیں کیا تھا تو اس پر کوئی اور شے لازم نہ ہوگی۔ لیکن وہ دوبارہ دعویٰ کرے گا۔ کیونکہ وہ اپنے حق کو عوض کے بغیر چھوڑنے پر راضی نہیں۔ مگر ضمان کی صورت کا معاملہ مختلف ہے۔ اس صورت میں وہ مصالح سے مطالبہ کرے گا۔ کیونکہ وہ مصالح کے ذمہ دین بن چکا ہے اس وجہ سے اگر وہ سپرد کرنے سے رکتا ہے تو اسے اس پر مجبور کیا جائے گا۔ ”زیلعی“۔

28507۔ (قوله: بِأَمْرِهِ) اگر صلح اس کے امر سے ہو تو مصالح عنہ سے مطالبہ کرے گا، ”بزازیہ“۔ پس ضمان کی قید لگانا اتفاقی ہے۔ اس میں ہے کہ صلح اور خلع کا امر یہ ضمان کا امر ہے۔ کیونکہ دونوں کی صحت امر پر موقوف نہیں پس امر کو مطالبہ کے حق کو ثابت کرنے کی طرف پھیر دیا جائے گا۔ قضاء دین کے امر کا معاملہ مختلف ہے۔

28508۔ (قوله: عَزْمِي) میں نے اس میں یہ قول نہیں پایا پس کتب کی طرف رجوع کیا جانا چاہیے۔

28509۔ (قوله: وَالْإِلَّا يُسَلِّمُ) اسے یہ قول کرنا چاہیے تھا والا یوجد شیء بباذکر من الصور الاربعة جس طرح ”الدرر“ سے جو قول ہم نے نقل کیا ہے اس سے یہ معلوم ہو جاتا ہے۔

28510۔ (قوله: وَإِلَّا فَهُوَ مَوْقُوفٌ) یہ پانچویں صورت ہے جو جواز اور بطلان میں متردد ہے۔ اس کی وجہ جس طرح ”درر“ میں ہے یہ ہے کہ فضولی مال کا ضامن ہوگا یا ضامن نہیں ہوگا۔ اگر ضامن نہ ہو یا وہ اپنے مال کی طرف اس کو منسوب کرے گا یا منسوب نہیں کرے گا وہ یا تو نقدی کی طرف اشارہ کرے گا یا سامان تجارت کی طرف اشارہ کرے گا یا ایسا نہیں کرے گا وہ یا تو عوض سپرد کرے گا یا سپرد نہیں کرے گا تو صلح تمام صورتوں میں جائز ہے صرف آخری میں جائز نہیں۔ وہ یہ ہے کہ جب وہ بدل کی ضمانت نہ اٹھائے، اسے اپنے مال کی طرف منسوب نہ کرے، اس کی طرف اشارہ نہ کرے اور مدعی کے حوالے نہ کرے تو اس کے جواز کا حکم نہیں کیا جائے گا بلکہ یہ اجازت پر موقوف ہوگا۔ کیونکہ مدعی کو کوئی عوض سپرد نہیں کیا گیا الخ۔ اور ”زیلعی“ نے چار صورتیں بنائی ہیں حق یہ تھا کہ مشار کو مضاف کے ساتھ لاحق کیا۔

28511۔ (قوله: الْخَمْسَةِ) جو پانچویں صورت ہے وہ یہ قول ہے: والا بطل یا اس کی پانچویں صورت ان کا یہ قول

(كَالْضُّدِّ اِدْعَى وَقِفَةً دَارٍ وَلَا بَيِّنَةً لَهُ فَصَالِحُهُ الْمُنْكَرُ لِقَطْعِ الْخُصُومَةِ جَاذَ وَطَابَ لَهُ) الْبَدَلُ (لَوْ صَادِقَانِي دَعْوَاهُ وَقِيلَ) قَائِلُهُ صَاحِبُ الْأَجْنَاسِ (لَا) يَطِيبُ لِأَنَّهُ بَيْعٌ مَعْنَى، وَبَيْعُ الْوَقْفِ لَا يَصِحُّ (كُلُّ صُدْحٍ بَعْدَ صُدْحٍ فَالْثَّانِي بَاطِلٌ وَكَذَا النِّكَاحُ

صلح کی طرح ہے۔ ایک آدمی نے ایک گھر کے وقف ہونے کا دعویٰ کیا جب کہ اس کے پاس گواہ نہیں ہے منکر خصومت کو ختم کرنے کے لیے اس کے ساتھ مصالحت کرتا ہے تو صلح جائز ہوگی اور بدل صلح اس کے لیے حلال ہوگا اگر وہ اپنے دعویٰ میں سچا ہو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: بدل صلح اس کے لیے حلال و پاکیزہ نہیں ہوگا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس قول کا قائل صاحب الاجناس ہے کیونکہ یہ معنوی طور پر بیع ہے اور وقف کی بیع صحیح نہیں ہوتی۔ ہر ایسی صلح جو صلح کے بعد کی گئی ہو تو دوسری صلح باطل ہوتی ہے اسی طرح نکاح

ہے: الا فهو موقوف جب او علیٰ هذا کے قول کو شمار کیا جائے چاروں صورتوں میں شارح کا سابقہ قول اس کی تائید کرتا ہے۔ 28512۔ (قوله: فِي دَعْوَاهُ) اس میں ہے: جب وہ اپنے دعویٰ میں سچا ہو تو اس کے لیے یہ کیسے پاکیزہ ہو سکتا ہے جب کہ اس کے گمان میں ہے کہ یہ وقف ہے اور وقف کے بدل کا مالک بننا حرام ہے یہ کسی صورت میں جائز نہیں تو اس بدل کو لینا محض رشوت ہے تاکہ وہ اپنے دعویٰ سے رک جائے تو وہ اس طرح ہو جائے گا جس طرح وہ سچا نہیں تھا۔ بعض اوقات یہ قول کیا جاتا ہے: اس نے یہ بدل اس لیے لیا تاکہ وہ اپنے دعویٰ سے باز آجائے نہ کہ اس لیے لیا ہے کہ اس کے وقف ہونے کو باطل کر دے ممکن ہے کوئی اور مدعی پایا جائے۔ ”ط“۔

میں کہتا ہوں: ”حامیہ“ کے کتاب الوقف کے آغاز میں مطلقاً جواب ذکر کیا ہے کہ یہ صحیح نہیں ہے۔ کہ: کیونکہ مصالح اپنے گمان کے مطابق بدل صلح اپنے حق کا عوض لے رہا ہے پس یہ عمل معاوضہ کی طرح ہو جائے گا۔ یہ وقف میں نہیں ہوتا کیونکہ موقوف علیہ (جن پر کوئی چیز وقف کی گئی ہو) وقف کا مالک نہیں ہوتا۔ پس اس کی بیع کرنا اس کے لیے جائز نہیں ہوتا یہاں اگر وقف ثابت ہے تو اس کا بدل لینا جائز نہیں ورنہ وہ بدل صلح لیتا ہے نہ کہ ایسے حق کا بدل لیتا ہے جو ثابت ہے۔ پس یہ کسی حال میں صحیح نہیں ہوگا۔ ”جواب الفتاویٰ“ میں یہ اسی طرح ہے۔ پھر ”حامی“ نے وہ نقل کیا ہے جو یہاں ہے پھر کہہ۔ فتاویٰ

ہم نے باب البیع الفاسد میں ”النہر“ سے قول بخلاف بیع قن ضم الی مدبر کے ہاں جو کچھ تحریر کیا ہے اس پر غور و فکر کیجئے۔ 28513۔ (قوله: كُلُّ صُدْحٍ بَعْدَ صُدْحٍ) مراد ایسی صلح ہے جو ساقط کرنے والی ہو مگر جب دونوں کسی عوض پر صلح کر لیں پھر دوسرے عوض پر صلح کر لیں تو دوسری صلح جائز ہوگی اور پہلی صلح فسخ ہو جائے گی جس طرح بیع کا معاوضہ ہوتا ہے۔ ”نور العین“ میں ”الخلاصہ“ سے مروی ہے۔

28514۔ (قوله: فَالْثَّانِي بَاطِلٌ) یہ قول قاضی امام نے کیا ہے۔

28515۔ (قوله: وَكَذَا النِّكَاحُ الْخ) اس کی مکمل بحث ”جامع الفصولین“ کی دسویں فصل میں ہے ”حاشیہ“ میں

بَعْدَ النِّكَاحِ وَالْحَوَالَةِ بَعْدَ الْحَوَالَةِ وَالصُّلْحُ بَعْدَ الشِّمَاءِ) وَالْأَصْلُ أَنَّ كُلَّ عَقْدٍ أُعِيدَ فَالثَّانِي بَاطِلٌ إِلَّا فِي ثَلَاثٍ مَذْكُورَةٍ فِي بَيُوعِ الْأَشْبَاهِ الْكِفَالَةِ وَالشِّمَاءِ وَالْإِجَارَةِ فَلْتَرَجَعُ (أَقَامَ الْمُدَّعَى عَلَيْهِ بَيِّنَةً بَعْدَ الصُّلْحِ عَنْ انْكَارِ أَنَّ الْمُدَّعَى قَالَ قَبْلَهُ) قَبْلَ الصُّلْحِ (لَيْسَ لِي قَبْلَ فَلَانِ حَقٌّ فَالصُّلْحُ مَاضٍ) عَلَى الصِّحَّةِ (وَلَوْ قَالَ) الْمُدَّعَى (بَعْدَهُ مَا كَانَ لِي قَبْلَهُ) قَبْلَ الْمُدَّعَى عَلَيْهِ (حَقٌّ بَطْلًا) الصُّلْحُ بَحْرٌ قَالَ الْمُصَنِّفُ وَهُوَ مُقَيَّدٌ لِطَّلَاقِ الْعِبَادِيَّةِ

کے بعد نکاح، حوالہ کے بعد حوالہ اور خریداری کے بعد صلح باطل ہے قاعدہ یہ ہے کہ ہر ایسا عقد جو دوبارہ کیا جائے تو دوسرا عقد باطل ہوتا ہے۔ مگر تین عقد باطل نہیں ہوتے جن کا ذکر ”الاشباہ“ کے کتاب البیوع میں ہے: کفالہ، شرا اور اجارہ۔ پس ان کی طرف رجوع کیا جانا چاہیے۔ مدعی علیہ نے دعویٰ سے انکار کے بعد مدعی سے صلح کی پھر یہ گواہیاں قائم کر دیں کہ مدعی نے صلح سے قبل یہ کہا تھا کہ فلاں پر میرا کوئی حق نہیں تو صلح صحیح ہوگی اور جاری و نافذ رہے گی۔ اگر مدعی نے اس کے بعد کہا: مدعی علیہ کے ذمہ اس کا کوئی حق نہیں تو صلح باطل ہو جائے گی ”بحر“۔ مصنف نے کہا: یہ ”عمادیہ“ کے اطلاق کے لیے مقید ہے۔

اسی طرح ہے۔

28516۔ (قوله: بَعْدَ النِّكَاحِ) اس میں اختلاف ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: دوسرا تسمیہ واجب ہوگا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: دونوں میں سے ہر ایک واجب ہوگا۔

28517۔ (قوله: وَالْحَوَالَةُ الْخ) اس کی صورت یہ ہے کہ اس کا دوسرے پر ہزار ہو تو وہ اس ہزار پر کسی شخص پر حوالہ کرتا ہے پھر اس کا ایک اور شخص پر حوالہ کرتا ہے یہ ہمارے شیخ کا قول ہے۔

28518۔ (قوله: بَعْدَ الشِّمَاءِ) یعنی اس کے بعد کے مصالح عنہ نے اسے خرید اٹھا۔

28519۔ (قوله: إِلَّا فِي ثَلَاثٍ) میں کہتا ہوں: ”الفصولین“ میں شرا کے بعد صلح کا اضافہ کیا ہے۔

28520۔ (قوله: الْكِفَالَةُ) تاکہ اعتماد اور وثوق میں اضافہ ہو۔ ”اشباہ“۔

28521۔ (قوله: وَالشِّمَاءُ) ”جامع الفصولین“ میں اسے مطلق ذکر کیا ہے۔ اور ”القنیه“ میں یہ قید ذکر کی ہے کہ

دوسری شرا پہلی شرا سے ثمن میں بڑھ کر یا اس سے کم یا دوسری جنس سے ہو ورنہ دوسری شرا صحیح نہ ہوگی۔ ”اشباہ“۔

28522۔ (قوله: وَالْإِجَارَةُ الْخ) یعنی پہلے مستاجر سے تو یہ پہلے اجارہ کا نسخ کا ہوگا۔ ”الاشباہ“۔

28523۔ (قوله: لَيْسَ لِي قَبْلَ) قبل یہ قاف کے کسرہ اور با کے فتح کے ساتھ ہے۔

28524۔ (قوله: مَا كَانَ لِي قَبْلَهُ) قبل کا یہ لفظ بھی قاف کے کسرہ اور فا کے فتح کے ساتھ ہے۔

28525۔ (قوله: قَالَ الْمُصَنِّفُ) اس کی نص یہ ہے: ”عمادیہ“ میں ہے: ایک آدمی نے دعویٰ کیا اور مدعی علیہ نے

اس کے دعویٰ کا انکار کر دیا پھر مدعا علیہ نے اس مدعی کے ساتھ صلح کر لی پھر یہ امر ظاہر ہو گیا کہ مدعی کا مدعی علیہ پر کوئی حق نہیں تو

ثُمَّ نَقَلَ عَنْ دَعْوَى الْبَزَازِيَّةِ أَنَّهُ لَوْ ادَّعَى الْمَلِكُ بِجِهَةِ أُخْرَى لَمْ يَبْطُلْ فَيُخَرَّرُ (وَالصُّلْحُ عَنْ الدَّعْوَى الْفَاسِدَةِ يَصِحُّ، وَعَنْ الْبَاطِلَةِ لَا) وَالْفَاسِدَةُ مَا يُنْكَرُ تَصْحِيحُهَا بَحْرٌ

پھر ”بزازیہ“ کے کتاب الدعوی سے نقل کیا ہے کہ اگر اس نے دوسری جہت سے ملکیت کا دعویٰ کیا تو صلح باطل نہ ہوگی اس کی وضاحت کی جانی چاہیے۔ دعویٰ فاسد ہے صلح صحیح ہے اور دعویٰ باطلہ سے صلح صحیح نہیں اور دعویٰ فاسد وہ ہوتا ہے جس کی تصحیح ممکن ہوتی ہے، ”بحر“۔

صلح باطل ہو جائے گی۔

میں کہتا ہوں: یہ ضروری ہے کہ ان کے قول کو اس کے ساتھ مقید کیا جائے پھر صلح سے پہلے اقرار کے بغیر یہ امر ظاہر ہو گیا کہ مدعی علیہ کے ذمہ مدعی کا کوئی حق نہیں۔ کیونکہ مختصر کا مسئلہ پہلے گزر چکا ہے جو ہمارے آقا صاحب ”البحر“ نے اس کی تصریح کی ہے۔ ”ح“۔ یہ امر مخفی نہیں کہ متن کے مقدم مسئلہ میں صلح کے صحیح ہونے کے جاری رکھنے کی علت شہادت کا قبول نہ ہونا ہے۔ کیونکہ اس میں تناقض پایا جا رہا ہے اس وقت یہ امر ظاہر نہیں ہوگا کہ اس کے ذمہ کوئی چیز نہیں۔ پس ”عمادیہ“ کی عبارت اسے شامل نہیں۔ فافہم

28526۔ (قوله: عَنْ دَعْوَى الْبَزَازِيَّةِ) اس کی نص یہ ہے: ”المشتق“ میں ہے: ایک آدمی نے کپڑے کا دعویٰ کیا اور صلح کی پھر مدعی علیہ نے مدعی کے اقرار پر گواہیاں قائم کر دیں کہ اس کا اس میں کوئی حق نہیں۔ اگر یہ گواہیاں صلح سے قبل اس کے اقرار پر ہوں تو صلح صحیح ہوگی۔ اگر صلح کے بعد ہوں تو صلح باطل ہو جائے گی اگرچہ حاکم یہ جانتا ہو کہ اس نے حق نہ ہونے کا اقرار کیا ہے۔ اگر یہ صلح سے پہلے ہو تو صلح باطل ہو جائے گی سابقہ اقرار کا علم صلح کے بعد اس کے اقرار کی طرح ہے۔ یہ اس صورت میں ہے: جب ملکیت کا اقرار ایک ہو۔ اس کی صورت یہ ہے کہ اس نے کہا: میراث کی جہت سے اس کا کوئی حق نہیں۔ پھر اس نے کہا: یہ میرے باپ کی جانب سے میری میراث ہے۔ جہاں تک اس کے غیر کا تعلق ہے وہ یہ ہے جب وہ ملکیت کا دعویٰ کرے جو وراثت کی جہت سے نہ ہو جب کہ یہ دعویٰ وراثت کے طریقہ سے حق نہ ہونے کے اقرار کے بعد ہو۔ اس کی صورت یہ ہے کہ وہ کہے میراث حق خریدنے کی وجہ سے ہے یا ہبہ کی وجہ سے ہے تو صلح باطل نہ ہوگی۔

28527۔ (قوله: فَيُخَرَّرُ) ”بزازیہ“ سے جو قول نقل کیا ہے وہ تحریر کا محتاج نہیں۔ کیونکہ یہ مقید ہے۔ شاید انہوں نے یہ ارادہ کیا ہو کہ مصنف نے اس کی تفسیر کا جو قول کیا جو ”عمادیہ“ میں ہے اس کی وضاحت کی جائے۔ کیونکہ وہ ظاہر نہیں جس طرح تیرے علم میں ہے۔ واللہ اعلم

28528۔ (قوله: وَالْفَاسِدَةُ) یہ اس دعویٰ کی مثال ہے جس کی تصحیح ممکن نہیں، ایک آدمی نے کسی کے بارے میں لونڈی ہونے کا دعویٰ کیا اس عورت نے کہا: میں تو اصلاً آزاد ہوں تو مدعی نے اس عورت سے اس دعویٰ کے بارے میں صلح کر لی تو یہ صلح جائز ہوگی۔ اگر عورت نے اپنی آزادی کے بارے میں گواہیاں قائم کیں کہ وہ اصلاً آزاد ہے تو صلح باطل ہو جائے گی

وَحَرَّرَ فِي الْأَشْبَاهِ أَنَّ الصُّلَحَ عَنْ انْكَارٍ بَعْدَ دَعْوَى فَاسِدَةٍ فَاسِدٌ لَا فِي دَعْوَى بِسَجْهُولٍ فَجَائِزٌ فَلْيُحْفَظْ
(وَقِيلَ اشْتَرَا صِحَّةَ الدَّعْوَى لِصِحَّةِ الصُّلَحِ غَيْرُ صَحِيحٍ مُطْلَقًا) فَيَصِحُّ الصُّلَحُ مَعَ بُطْلَانِ الدَّعْوَى كَمَا
اعْتَمَدَهُ صَدْرُ الشَّرِيعَةِ آخِرَ الْبَابِ وَأَقْرَهُ ابْنُ الْكَمَالِ وَغَيْرُهُ فِي بَابِ الْإِسْتِحْقَاقِ كَمَا مَرَّ

”الاشباہ“ میں وضاحت کی ہے کہ فاسد دعویٰ کے بعد انکار دعویٰ کی صورت میں صلح فاسد ہے مگر مجہول دعویٰ کے بعد صلح یہ جائز ہے۔ پس اس کو یاد رکھا جانا چاہیے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: صلح کے صحیح ہونے کے لیے دعویٰ کے صحیح ہونے کی شرط مطلقاً غیر صحیح ہے۔ پس دعویٰ کے بطلان کی صورت میں صلح صحیح ہے جس طرح باب کے آخر میں ”صدر الشریعہ“ نے اس پر اعتماد کیا ہے۔ ”ابن کمال“ وغیرہ نے باب الاستحقاق میں اسے ثابت رکھا ہے جس طرح قول گزر چکا ہے۔

کیونکہ اصلاً آزادی کے بعد اس دعویٰ کی تصحیح ممکن نہیں۔

اس دعویٰ کی مثال جس کی تصحیح ممکن ہے اگر اس عورت پر گواہیاں قائم کیں کہ وہ فلاں کی لونڈی تھی جس نے فلاں سال اس کو آزاد کر دیا جب کہ مدعی اس لونڈی کا مالک بنا تھا اس کے بعد کسی شخص نے یہ دعویٰ کیا تھا کہ یہ اس کی لونڈی ہے تو صلح باطل نہ ہوگی۔ کیونکہ صلح کے وقت مدعی کے دعویٰ کی تصحیح ممکن ہے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ وہ کہے کہ فلاں جس نے تجھے آزاد کیا اس نے تجھے مجھ سے غصب کیا تھا یہاں تک کہ اگر اس نے اس دعویٰ پر گواہیاں قائم کر دیں تو ان گواہوں کو سنا جائے گا ”حموی“، ”مدنی“ یہاں ان کا قول ہو یہاں جملہ حالیہ ہے۔

28529۔ (قوله: وَحَرَّرَ الْخ) یہ وضاحت واضح نہیں۔ ”رملی“ اور دوسرے علماء نے اس کا رد اس قول سے کیا ہے جو ”بزازیہ“ میں ہے۔ ائمہ خوارزم کا فتویٰ جس پر ثابت ہے وہ یہ ہے دعویٰ فاسدہ سے صلح ایسا امر ہے جس کی تصحیح ممکن نہیں۔ یہ قول صحیح نہیں جس کی تصحیح ممکن ہے جس طرح وہ حدود میں سے ایک حد کا ذکر چھوڑ دے یہ صحیح ہے۔ یہ وہ چیز ہے جس کا ذکر مصنف نے کیا ہے تو یہ جان چکا ہے کہ یہی وہ چیز ہے جس پر ”صدر الشریعہ“ وغیرہ نے اعتماد کیا ہے پس اسی پر اعتماد کیا جائے گا۔

28530۔ (قوله: وَقِيلَ) زیادہ مختصر یہ قول تھا وقیل یصح مطلقاً۔

کیا صلح کے صحیح ہونے کے لیے دعویٰ کا صحیح ہونا شرط ہے؟

28531۔ (قوله: آخِرَ الْبَابِ) اس میں اعتراض کی گنجائش ہے۔ کیونکہ اس کی عبارت اس طرح ہے مسائل مبہمہ میں سے یہ ہے کیا صلح کے صحیح ہونے کے لیے دعویٰ کا صحیح ہونا شرط ہے یا ایسا نہیں۔ بعض علماء فرماتے ہیں یہ شرط ہے: لیکن یہ قول صحیح نہیں۔ کیونکہ جب وہ ایک گھر میں مجہول حق کا دعویٰ کرے تو کسی شے پر مصالحت کی گئی تو صلح صحیح ہوگی جس طرح باب الحقوق والاستحقاق میں گزر چکا ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں مجہول حق کا دعویٰ صحیح نہیں ہوتا۔ ”الذخیرہ“ میں ایسے مسائل ہیں جو ہمارے قول کی تائید کرتے ہیں یعنی متبادر یہ ہے کہ انہوں نے فاسد کا ارادہ کیا ہے۔ اس کی دلیل تمثیل ہے کیونکہ صلح کے وقت مجہول حق کی تعیین کے ساتھ اس

فَرَأِجُهُ (وَصَحَّ الصُّدْحُ عَنْ دَعْوَى حَقِّ الشَّرْبِ وَحَقِّ الشُّفْعَةِ وَحَقِّ وَضْعِ الْجُدُوعِ عَلَى الْأَصْحِ) الْأَصْلُ أَنَّهُ مَتَى تَوَجَّهْتُ الْيَمِينَ نَحْوَ الشَّخْصِ فِي أَيِّ حَقٍّ كَانَ فَافْتَدَى الْيَمِينَ بِدَرَاهِمَ جَازَ حَتَّى فِي دَعْوَى التَّغْزِيرِ مُجْتَبَى بِخِلَافِ دَعْوَى حَدٍّ وَنَسَبٍ دُرٌّ (الصُّدْحُ إِنْ كَانَ بِمَعْنَى الْمَعَاوَضَةِ) بَأَنْ كَانَ دِينَارٌ بَعَيْنٍ (يُنْتَقَضُ بِنَقْضِهَا) أَيْ بِفَسْخِ الْمُتَصَالِحِينَ (وَإِنْ كَانَ لَا بِمَعْنَاهَا) أَيْ الْمَعَاوَضَةِ بَلْ اسْتِيفَاءُ الْبَعْضِ وَإِسْقَاطُ الْبَعْضِ (فَلَا) تَصَحُّ إِقَالَتُهُ وَلَا نَقْضُهُ لِأَنَّ السَّاقِطَ لَا يَعُودُ قُنْيَةً وَصَيْرَفِيَّةً فَلْيُحْفَظْ (وَلَوْ صَالَحَ عَنْ دَعْوَى دَارٍ

پس اس کی طرف رجوع کیجئے۔ اصح قول کے مطابق حق شرب، حق شفعہ اور کڑیاں رکھنے کے حق کے بارے میں دعویٰ کی صورت میں صلح صحیح ہے۔ قاعدہ یہ ہے: کسی بھی حق میں جب قسم کسی شخص کی طرف متوجہ ہو تو اس نے دراہم کی صورت میں قسم کا فدیہ دے دیا تو یہ جائز ہوگا یہاں تک تعزیر کے دعویٰ میں بھی جائز ہوگا، ”مجتبیٰ“۔ حد، نسب کے دعویٰ کا معاملہ مختلف ہے۔ ”درر“ صلح اگر معاوضہ کے معنی میں ہو اس کی صورت یہ ہے کہ دینار عین کے بدلہ میں ہو تو دونوں باہم صلح کرنے والوں کے فسخ کرنے سے صلح ختم ہو جائے گی اگر وہ صلح معاوضہ کے معنی میں نہ ہو بلکہ بعض حق کو وصول کرنے اور بعض کے ساقط کرنے کی صورت میں ہو تو اس کا اقالہ اور اس کا نقض صحیح نہ ہوگا۔ کیونکہ جو چیز ساقط ہو چکی ہو وہ واپس نہیں آتی ”قنیہ“، ”صیرفیہ“۔ پس اسے یاد رکھا جائے۔ گھر کے دعویٰ کی صورت میں

دعویٰ کی تصحیح ممکن ہے۔ ”حاشیہ رملی“ جو ”المنح“ پر ہے میں اس کی عبارت نقل کرنے کے بعد کہا:

میں کہتا ہوں: یہ اس امر کو ثابت نہیں کرتا کہ دعویٰ باطلہ، دعویٰ فاسدہ کی طرح ہے۔ کیونکہ اس سے صلح کے صحیح ہونے کی کوئی وجہ نہیں جس طرح کوئی آدمی حد، ربا، حلو ان کاہن، فاتحہ اور غنیہ کی اجرت کا دعویٰ کرے اور اس پر صلح کی جائے۔ اسی طرح ”رملی“ نے ”الفصولین“ پر اپنے ”حاشیہ“ میں ”صدر شریعہ“ کی عبارت ذکر کرنے کے بعد مصنف سے نقل کرتے ہوئے ذکر کیا ہے۔ فرمایا: اس کی نص یہ ہے: اس قول نے یہ فائدہ دیا ہے صلح کے صحیح ہونے کے لیے دعویٰ کے صحیح ہونے کی شرط کا قول کرنا ضعیف ہے۔

28532۔ (قوله: وَحَقِّ الشُّفْعَةِ) یعنی یمین کو دور کرنے کے لیے شفعہ کے حق ہونے کے دعویٰ سے صلح کرنا اور شفعہ

کے ثابت حق سے صلح ہو تو معاملہ مختلف ہے جس طرح قول گزر چکا ہے۔

28533۔ (قوله: دِينَارٌ بَعَيْنٍ) بعض نسخوں میں بدین کے الفاظ ہیں۔

28534۔ (قوله: وَصَيْرَفِيَّةٌ) زیادہ بہتر یہ تھا کہ ”القنیہ“ کی طرف منسوب کرنے پر اکتفا کیا جاتا۔ کیونکہ ”صیرفیہ“

میں صحت اور عدم صحت میں مطلقاً اختلاف نقل کیا گیا ہے۔ جہاں تک ”القنیہ“ کا تعلق ہے۔ انہوں نے دو قول ذکر کیے ہیں۔ پھر دونوں میں تطبیق دی ہے اس کے ساتھ جو یہاں قول ہے اور کہا: الصواب ای الصلح ان کان الخ۔

عَلَى سُكْنَى بَيْتٍ مِنْهَا أَبَدًا أَوْ صَالِحَ عَلَى ذَرَاهِمَ إِلَى الْحَصَادِ أَوْ صَالِحَ مَعَ الْبُودِ بِغَيْرِ دَعْوَى الْهَلَاكِ لَمْ يَصَحَّ الصُّلْحُ فِي الصُّورِ الثَّلَاثِ سَرَاجِيَّةٌ قَيْدٌ بَعْدَ دَعْوَى الْهَلَاكِ لِأَنَّهُ لَوْ أَدْعَاهُ وَصَالِحَهُ قَبْلَ الْيَمِينِ صَحَّ بِهِ يُفْتَى خَانِيَّةٌ

اس میں سے ایک کمرہ کی ہمیشہ کے لیے رہائش پر صلح کر لی یا فصل کے کاٹنے تک دو دراہم پر صلح کر لی یا امانت کے ہلاک ہونے کے دعویٰ کے بغیر مودع کے ساتھ صلح کر لی تو تینوں صورتوں میں صلح صحیح نہ ہوگی، ”سراجیہ“۔ ہلاک ہونے کے دعویٰ کے نہ ہونے کی قید لگائی ہے۔ کیونکہ اگر اس نے اس کا دعویٰ کیا ہے اور یمین سے قبل اس کے ساتھ صلح کر لی تو صلح صحیح ہوگی۔ اسی پر فتویٰ دیا جاتا ہے۔ ”خانیہ“۔

28535۔ (قولہ: عَلَى سُكْنَى بَيْتٍ) سکنی کی قید لگائی ہے۔ کیونکہ اگر اس گھر کے ایک کمرہ پر صلح کرتے تو صلح کے صحیح نہ ہونے کی وجہ وہ اس کا مدعی کا ایک جز ہونا ہوتا یہ ظاہر روایت کے خلاف پر مبنی ہے جس ظاہر روایت پر متن میں پہلے گامزن ہوئے ہیں۔ ابد کی قید لگائی ہے اس جیسی کلام سے مراد موت تک ہوتا ہے جس طرح ”خانیہ“ میں ہے۔ کیونکہ اگر وہ مدت کی وضاحت کرتا تو یہ صحیح ہوتا۔ کیونکہ یہ ایک منفعت پر صلح ہے تو یہ اجارہ کے حکم میں ہے۔ پس وقت کی تعیین ضروری ہے جس طرح قول گزر چکا ہے بعض محشین پر امر مشتبہ ہو گیا ہے۔

28536۔ (قولہ: إِلَى الْحَصَادِ) کیونکہ یہ معنوی طور پر بیچ ہے پس مدت کی جہالت نقصان دے گی۔

28537۔ (قولہ: بِغَيْرِ دَعْوَى) یعنی مودع کی جانب سے دعویٰ کے بغیر۔

مودع کی مودع سے صلح کرنے کی صورتیں

28538۔ (قولہ: يَصَحُّ الصُّلْحُ) یعنی اگر اس نے مال کا دعویٰ کیا تو مدعی علیہ نے دعویٰ کا انکار کیا اور قسم اٹھادی پھر مدعی نے دوسرے قاضی کے پاس اس کا دعویٰ کر دیا تو اس نے دعویٰ کا انکار کیا تو اس کے ساتھ صلح کی گئی تو یہ صلح صحیح ہوگی۔ اس مسئلہ کا ودیعت کے مسئلہ کے ساتھ کوئی ارتباط نہیں۔

مودع نے کہا: ودیعت ضائع ہو گئی یا میں نے ودیعت واپس کر دی تھی مودع نے واپس کرنے یا ہلاک ہونے کا انکار کر دیا تو قسم کے ساتھ مودع کی تصدیق کی جائے گی اور اس پر کوئی شے لازم نہ ہوگی۔ اگر اس کے بعد مودع نے کسی چیز پر مودع سے صلح کر لی تو اس کی چار صورتیں ہیں۔

(۱) ودیعت کا مالک ودیعت رکھنے کا دعویٰ کرے اور مودع اس کا انکار کر دے پھر معلوم شے پر اس کے ساتھ مصالحت کرے تو بالاتفاق یہ جائز ہوگا۔

(۲) وہ ودیعت کا دعویٰ کرے اور واپسی کا مطالبہ کرے مودع ودیعت کا اقرار کرے اور خاموش ہو جائے اور کچھ نہ کہے رب المال اس پر جان بوجھ کر ہلاک کرنے کا دعویٰ کرے پھر معلوم شے پر اس کے ساتھ مصالحت کرے تو بھی یہ بالاتفاق جائز ہے۔

(۳) وہ اس پر جان بوجھ کر ہلاک کرنے کا دعویٰ کرے جب کہ مودع ودیعت واپس کرنے یا ہلاک ہوجانے کا دعویٰ کرے پھر معلوم شے پر اس کے ساتھ صلح کر لے امام ”محمد“ رحمہ اللہ کے نزدیک اور امام ”ابو یوسف“ رحمہ اللہ کے نزدیک دوسرے قول میں صلح جائز ہوگی۔ اور امام ”ابو حنیفہ“ رحمہ اللہ کے نزدیک اور امام ”ابو یوسف“ رحمہ اللہ کے نزدیک پہلے قول میں صلح جائز نہ ہوگی۔ اس پر فتویٰ دیا جاتا ہے۔

علماء کا اس پر اجماع ہے کہ اگر اس نے اس کے بعد صلح کی جب وہ ودیعت واپس کرنے کی قسم اٹھا چکا تھا یا ودیعت کے ہلاک ہونے کی قسم اٹھا چکا تھا تو صلح جائز نہ ہوگی۔ اختلاف اس صورت میں ہے جب وہ یمین سے پہلے صلح کرے۔

(۴) مودع ودیعت واپس کرنے یا اس کے ہلاک ہونے کا دعویٰ کرے اور رب المال خاموش رہے اور کچھ نہ کہے۔ امام ”ابو یوسف“ رحمہ اللہ کے نزدیک صلح جائز نہ ہوگی امام ”محمد“ رحمہ اللہ کے نزدیک صلح جائز ہوگی۔

مودع نے صلح کے بعد کہا: میں نے صلح سے پہلے کہا تھا ودیعت ہلاک ہو چکی ہے یا میں نے ودیعت کو واپس کر دیا ہے تو امام ”ابو حنیفہ“ رحمہ اللہ کے قول کے مطابق صلح صحیح نہ ہوگی۔ رب المال نے کہا: تو نے یہ قول نہیں کیا تھا تو قول منکر کا ہوگا اور صلح باطل نہ ہوگی۔ ”خانیہ“۔ یہ وہ گفتگو ہے جو میں نے ”الخانیہ“ میں کچھ اختصار کے ساتھ دیکھی ہے اور دوسری کتب میں اس کی طرف اسی طرح منسوب دیکھا ہے۔ ”المنح“ میں اسے نقل کیا ہے لیکن عبارت میں کچھ ساقط ہو گیا ہے جس کی وجہ سے معنی میں خلل واقع ہو گیا ہے۔

اگر وہ تیسری صورت میں کہے: امام ”محمد“ رحمہ اللہ اور امام ”ابو یوسف“ رحمہ اللہ کے پہلے قول میں صلح جائز ہے اور اسی پر فتویٰ ہے۔ ”الخانیہ“ میں جو میں نے دیکھا ہے وہ یہ ہے کہ فتویٰ عدم جواز پر ہے۔

پانچویں وجہ رہ گئی ہے جسے ”مقدسی“ نے ذکر کیا ہے وہ یہ ہے: رب الودیعت نے شے کے ہلاک ہونے کا دعویٰ کیا اور مودع خاموش رہا تو اس کی صلح جائز ہوگی۔ لیکن ”الخانیہ“ میں یہی دوسری صورت ہے۔

پھر جان لو کہ ماتن اور شارح کا کلام غیر واضح ہے۔ کیونکہ ان کا قول: بغیر دعویٰ ہلاک یہ انکار، خاموشی اور رد کے دعویٰ کو شامل ہے۔ یہی پہلی دوسری اور تیسری اور چوتھی کی ایک صورت ہے تو یہ جان چکا ہے کہ یہ پہلی اور دوسری وجہ میں بالاتفاق صحیح جائز ہے۔ اور تیسری اور چوتھی کی ایک صورت ہے راجح قول کے مطابق صلح جائز نہیں۔

صحیح یہ ہے کہ واپس کرنے اور ہلاک ہونے کے دعویٰ کے بعد وہ غیر کے اسقاط کے ساتھ قول کرے بعد اور رد کی زیادتی کی تعبیر کے بعد اس میں تیسری وجہ داخل ہو جائے گی۔ یہ مفتی بہ قول پر مبنی ہے۔ اور چوتھی وجہ امام ”ابو یوسف“ رحمہ اللہ کے قول پر مبنی ہے۔ یہی قبل اعتماد قول ہے کیونکہ صاحب ”خانیہ“ نے اسے مقدم کیا ہے جس طرح ان کا معمول ہے۔

ان کا قول لان لواء عاہ ہاضمیر سے مراد ہلاک ہے یہ اسے بھی شامل ہے جب مالک اس کے جان بوجھ کر ہلاک کرنے کا دعویٰ کرے۔ یہ تیسری وجہ کی ایک شق ہے۔ یا وہ خاموش رہے تو یہ چوتھی وجہ کی ایک شق ہے۔ اور تو یہ جان چکا ہے کہ دونوں

(وَيَصِحُّ) الصُّلْحُ (بَعْدَ حَلْفِ الْمُدْعَى عَلَيْهِ دَفْعًا لِلنِّزَاعِ) بِإِقَامَةِ الْبَيِّنَةِ، وَلَوْ بَرَّهَنَ الْمُدْعَى بَعْدَهُ عَلَى أَصْلِ الدَّعْوَى لَمْ تُقْبَلْ إِلَّا فِي الْوَصِيِّ عَنْ مَالِ الْيَتِيمِ عَلَى انْكَارٍ إِذَا صَالَحَ عَلَى بَعْضِهِ ثُمَّ وَجَدَ الْبَيِّنَةَ فَإِنَّهَا تُقْبَلُ وَلَوْ بَدَغَ الصَّبِيُّ، فَأَقَامَهَا تُقْبَلُ، وَلَوْ طَلَبَ يَبِينَهُ لَا يَحْلِفُ أَشْبَاهُ (وَقِيلَ لَا) جَزَمَ بِالْأَوَّلِ فِي الْأَشْبَاهِ، وَبِالثَّانِي فِي السِّمَاجِيَّةِ

مدعی علیہ کے قسم اٹھا دینے کے بعد گواہیاں قائم کرنے سے نزاع کو ختم کرنے کے لیے صلح جائز ہے۔ اگر مدعی اس کے بعد اصل دعویٰ پر گواہیاں قائم کر دے تو گواہیاں مقبول نہ ہوں گی مگر وہ وصی جو یتیم کے مال کے بارے میں صلح کرے جب کہ مدعی علیہ نے اس دعویٰ کے بارے میں گواہ پائے تو یہ گواہیاں قبول کی جائیں گی۔ اگر بچہ بالغ ہو جائے اور گواہیاں قائم کرے تو گواہیاں قبول کی جائیں گی۔ اگر وہ مدعی علیہ سے قسم کا مطالبہ کرے تو مدعی علیہ قسم نہیں اٹھائے گا۔ ”اشباہ“۔ ایک قول یہ کیا گیا: ایسی صلح صحیح نہیں۔ ”الاشباہ“ میں پہلے قول کو جزم و یقین کے ساتھ بیان کیا ہے اور ”سراجیہ“ میں دوسرے قول کو یقین کے ساتھ بیان کیا ہے۔

میں عدم جواز کو ترجیح دی گئی ہے۔

ان کا قول و صالحہ قبل الیسین یہ بھی متن کے اطلاق پر وارد ہے۔ میں نے ”الاشباہ“ کی عبارت اسی کے مطابق دیکھی ہے جس کو میں نے صحیح قرار دیا ہے۔ اس کی نص ہے: الصلح عقد يرفع النزاع صلح ایسا عقد ہے جو نزاع کو ختم کر دیتا ہے اور ہلاکت کے دعویٰ کے بعد مودع کے ساتھ صلح صحیح نہیں۔ کیونکہ کوئی نزاع موجود نہیں۔ پھر میں نے ”المجمع“ کے متن کی عبارت اسی طرح دیکھی ہے جس طرح میں نے قول کیا ہے اس کی نص یہ ہے: اجاز صلح الاجير الخاص والمودع بعد دعوى الهلاك او الرد والله الحمد۔ اجیر خاص امر مودع شے کے ہلاک ہونے یا واپس کرنے کے دعویٰ کے بعد صلح کریں تو اس صلح کو جائز قرار دیا ہے ہر قسم کی حمد اللہ کے لیے ہے۔

28539۔ (قوله: بِإِقَامَةِ) یہ نزاع کے متعلق ہے۔

28540۔ (قوله: بَعْدَهُ) ضمیر سے مراد صلح ہے۔

28541۔ (قوله: فَإِنَّهَا تُقْبَلُ) اس قول نے یہ فائدہ دیا کہ اگر گواہ صلح کے وقت موجود ہو اور صلح میں غبن ہو تو صلح صحیح

نہ ہوگی۔ ”بزازیہ“ میں اس کی تصریح کی ہے۔ ”سامحانی“۔

28542۔ (قوله: وَلَوْ طَلَبَ) یعنی بالغ ہونے کے بعد بچے نے قسم کا مطالبہ کیا۔

28543۔ (قوله: وَقِيلَ لَا) اس کی دلیل یہ ہے کہ یحییٰ مدعی کا بدل ہے جب مدعی علیہ نے قسم اٹھا دی تو مدعی نے

بدل پورا لے لیا۔ ”حموی“ نے ”قنیہ“ سے نقل کیا ہے۔

28544۔ (قوله: فِي السِّمَاجِيَّةِ) ”البحر“ میں اسے جزم و یقین کے ساتھ بیان کیا ہے ”حموی“ نے کہا: ”الاشباہ“

وَحَاكُمَا فِي الْقُنْيَةِ مُقَدِّمًا لِلأَوَّلِ (طَلَبُ الصُّلْحِ وَالْإِبْرَاءُ عَنِ الدَّعْوَى لَا يَكُونُ إِقْرَارًا) بِالدَّعْوَى عِنْدَ الْمُتَقَدِّمِينَ، وَخَالَفَهُمُ الْمُتَأَخِّرُونَ، وَالأَوَّلُ أَصَحُّ بِرَازِيَّةٍ (بِخِلَافِ طَلَبِ الصُّلْحِ) عَنِ الْمَالِ (وَالْإِبْرَاءُ عَنِ الْمَالِ) فَإِنَّهُ إِقْرَارٌ أَشْبَاهُ (صَالِحٍ عَنْ عَيْبٍ) أَوْ دَيْنٍ (وَوَظَهَرَ عَدَمُهُ) أَوْ زَالَ الْعَيْبُ (بَطْلُ الصُّلْحِ) وَيُرَدُّ مَا أَخَذَهُ أَشْبَاهُ وَدُرَرٌ

”القنیه“ میں دونوں اقوال ذکر کیے ہیں جب کہ پہلے قول کو پہلے ذکر کیا ہے۔ صلح اور دعویٰ سے بری کرنے کا مطالبہ یہ دعویٰ کا اقرار نہیں ہوگا۔ یہ متقدمین کے نزدیک ہے متاخرین نے اس کی مخالفت کی ہے۔ پہلا قول اصح ہے ”بزازیہ“۔ مال کے بارے میں صلح کا مطالبہ اور مال سے بری کرنے کا مطالبہ یہ اقرار ہے، ”اشباہ“۔ ایک آدمی نے عیب یا دین کے بارے میں دعویٰ سے صلح کی اور اس کا نہ ہونا ظاہر ہوا یا عیب زائل ہو گیا۔ صلح باطل ہو جائے گی اور جو بدل صلح لیا تھا اسے واپس کر دے گا، ”اشباہ“، ”درر“۔

میں جو قول اپنایا ہے وہ امام ”محمد“ رحمۃ اللہ علیہ کی امام ”ابو حنیفہ“ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے۔ اور ”البحر“ میں جو قول ہے وہ ”صاحبین“ رحمۃ اللہ علیہما کا قول ہے یہی صحیح ہے جو ”معین الفتی“ میں ہے۔

28545۔ (قوله: لِلأَوَّلِ) صحیح دوسرا ہے جس طرح ”حموی“ نے نقل کیا ہے۔

28546۔ (قوله: وَالْإِبْرَاءُ) یہاں اور اس کے بعد جو واو ہے وہ واو کے معنی ہے۔ ”حموی“۔

28547۔ (قوله: عَنْ عَيْبٍ) کوئی ساعیب سفید دھبوں کی کوئی خصوصیت نہیں، کہا: اس کی مکمل بحث ”المنح“ میں ہے۔

فَصْلٌ فِي دَعْوَى الدَّيْنِ

(الصُّلْحُ الْوَاقِعُ عَلَى بَعْضِ جَنْسٍ مَالِهِ عَلَيْهِ) مِنْ دَيْنٍ أَوْ غَضِبَ (أَخَذَ لِبَعْضِ حَقِّهِ وَحَظَّ لِبَاقِيهِ لَا مُعَاوَضَةً لِلرَّبَا) وَحِينَئِذٍ (فَصَحَّ الصُّلْحُ بِلَا اشْتِرَاطِ قَبْضٍ بَدَلِهِ عَنْ أَلْفِ حَالٍ عَلَى مِائَةٍ

دین کے دعویٰ کے احکام

ایک آدمی کا دوسرے پر جو حق ثابت ہے خواہ دین کی صورت میں ہو یا غصب کی صورت میں ہو تو اس صلح جو انتہائی جنس کے بعض پر واقع ہونے والی ہو یہ اس کے بعض حق کو وصول کرنا ہے اور اس کے باقی کو ساقط کرنا ہے۔ یہ ربا کے طور پر معاوضہ نہیں ہے تو یہ صلح صحیح ہوگی۔ اس میں بدل صلح پر قبضہ کرنا شرط نہیں جب کہ یہ صلح ہزار جو فوری ادا کرنے ہوں ان کے بارے میں سو پر صلح کریں

28548۔ (قوله: فِي دَعْوَى الدَّيْنِ) زیادہ بہتر یہ عبارت ہے: الصلح عن دعوى الدين۔ ”المنح“ میں کہا: جب عام دعوؤں کے بارے میں صلح کا حکم ذکر کیا تو اس باب خاص کا حکم ذکر کیا وہ دین کا دعویٰ ہے۔ کیونکہ خصوص ہمیشہ عموم کے بعد ہوتا ہے۔

مصالح عنہ کی جہالت صلح کی صحت کے مانع نہیں

28549۔ (قوله: عَلَى بَعْضِ الْخ) بعض کی قید لگائی ہے۔ اس قول نے یہ فائدہ دیا کہ اکثر پر صلح جائز نہیں ہوگی۔ اور اس قول نے یہ فائدہ دیا ہے کہ اس کی مقدار کی معرفت شرط ہے۔ لیکن ”غایۃ البیان“ میں ”شرح الکافی“ سے نقل کیا ہے: اگر ایک آدمی کے دوسرے آدمی پر ایسے دراہم لازم ہوں دونوں جن کا وزن نہ پہچانتے ہوں تو وہ دوسرے کے ساتھ ان کے بارے میں کپڑے یا کسی اور چیز پر صلح کر لے تو صلح جائز ہوگی۔ کیونکہ مصالح عنہ کی جہالت صلح کی صحت کے مانع نہیں۔ اگر وہ اس کے ساتھ دراہم پر صلح کرتا ہے تو یہ صلح قیاس میں فاسد ہوگی۔ کیونکہ یہ احتمال موجود ہے کہ بدل صلح اس سے زائد ہو لیکن میں اسے مستحسن خیال کرتا ہوں کہ اس کو جائز قرار دے دوں۔ کیونکہ ظاہر یہ ہے کہ یہ بدل صلح اس سے کم ہی ہوگا جو حق مدعی کا مدعی علیہ پر لازم تھا۔ کیونکہ صلح کی بنیاد حق میں کمی کرنے اور چشم پوشی کرنے پر ہے۔ پس دونوں کا کسی شے کو بدل صلح قرار دینا یہ ظاہر دلالت ہے کہ دونوں یہ پہچانتے ہیں کہ بدل صلح اس سے کم ہے جو اس مدعی علیہ پر لازم تھا اگرچہ اس کے ذمہ اس کا جو لازم تھا اس کی مقدار کے برابر تھا۔

28550۔ (قوله: مِنْ دَيْنٍ) دین کی صورت یہ ہو سکتی ہے کہ بیع کی ہو، اجارہ کیا ہو، قرض لیا ہو۔ ”قہستانی“۔

28551۔ (قوله: وَحَظَّ لِبَاقِيهِ) اگر مدعی نے مدعی علیہ جو منکر ہے سے کہا: میرا تیرے ذمہ جو ہزار ہے اس کے

حَالَةً أَوْ عَلَى أَلْفٍ مُوَجَّلٍ وَعَنْ أَلْفٍ جِيَادٍ عَلَى مِائَةِ زُيُوفٍ وَلَا يَصَحُّ عَنْ دَرَاهِمٍ عَلَى دَنَانِيرٍ مُوَجَّلَةٍ
لِعَدَمِ الْجِنْسِ فَكَانَ صَرَفًا فَلَمْ يَجْزُ نَسِيئَةً (أَوْ عَنْ أَلْفٍ مُوَجَّلٍ عَلَى نِصْفِهِ حَالًا إِلَّا فِي صُذَحِ السُّوَلَى
مُكَاتَبَهُ فَيَجُوزُ زَيْدَعِيٌّ (أَوْ عَنْ أَلْفٍ سُودٍ عَلَى نِصْفِهِ بَيْضًا) وَالْأَصْلُ أَنَّ الْإِحْسَانَ إِنِ وُجِدَ مِنَ الدَّائِنِ
فَاسْقَاطٌ وَإِنْ مِنْهُمَا فَمُعَاوَضَةٌ (قَالَ) لِغَرِيبِهِ (أَدِّ إِلَيَّ خَمْسَ مِائَةِ غَدَا مِنْ أَلْفٍ لِي عَلَيْكَ عَلَى أَنَّكَ بَرِيٌّ
مِنْ النِّصْفِ (الْبَاقِي فَقَبْلَ) وَأَدَّى فِيهِ (بَرِيٌّ وَإِنْ لَمْ يُؤَدِّ ذَلِكَ فِي الْغَدِ عَادَ دَيْنُهُ) كَمَا كَانَ لِفَوَاتِ الثَّقِييِدِ
بِالشَّرْطِ، وَوُجُوهُهَا خَمْسَةٌ أَحَدُهَا هَذَا (وَالثَّانِي (إِنْ لَمْ يُؤَقِّتْ) بِالْغَدِ

جو فوری ادا کرنے ہیں یا ہزار مؤخر پر صلح کر لیں اور ایسے ہزار جو عمدہ تھے تو وہ سوزیوف پر صلح کر لیں۔ دراہم کے بارے میں
دعویٰ ہو تو مؤجل دنانیر پر صلح صحیح نہ ہوگی۔ کیونکہ جنس ایک نہیں ہے۔ پس یہ بیع صرف بن جائے گی اور بیع صرف ادھار جائز
نہیں ہوتی۔ اور ہزار مؤجل کے بارے میں دعویٰ ہو تو ہزار کے نصف جو فی الحال ادا کرنے ہوں تو صلح صحیح نہ ہوگی مگر جب آقا
اپنے مکاتب سے صلح کر لے تو یہ صلح جائز ہوگی، ”زیلعی“۔ ہزار سیاہ کے بارے میں دعویٰ تھا تو اس کے نصف سفید پر صلح
کریں تو یہ جائز نہیں۔ قاعدہ یہ ہے کہ احسان اگر دائن سے پایا جائے تو یہ اسقاط ہوتا ہے اگر دونوں کی جانب سے پایا جائے تو
معاوضہ ہوتا ہے۔ ایک آدمی نے اپنے مقروض سے کہا: اس ہزار میں سے جو میرا تیرے ذمہ ہے کل پانچ سو ادا کر دے اس
شرط پر کہ تو باقی نصف سے بری ہو جائے تو مقروض نے اسے قبول کر لیا اور دوسرے دن اسے ادا کر دیا تو وہ بری ہو جائے گا۔
اگر وہ اگلے روز ادا نہ کرے تو اس کا دین لوٹ آئے گا جس طرح وہ پہلے تھا۔ کیونکہ جس شرط کی قید لگائی تھی وہ فوت ہو چکی
ہے۔ اس کی پانچ وجوہ ہیں: ان میں سے ایک یہ ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ وہ کل کے ساتھ اسے موقت نہیں کرتا

بارے میں میں تجھ سے سو پر صلح کرتا ہوں تو سو کا وصول کرنا یہ نو سو سے بری کرنا ہوگا۔ یہ قضاء ہے دینا نہیں مگر جب میں تجھے
بری کر دوں، ”قہستانی“۔ ہم نے اس کی مثل پہلے بیان کر دیا ہے جو ”الحانیہ“ کی طرف منسوب ہے۔

28552۔ (قوله: حَالَةً) یعنی فوراً کیونکہ یہ اجل کا عوض ہے تو وہ حرام ہے۔

28553۔ (قوله: فَيَجُوزُ) کیونکہ دونوں میں جو معاملہ ہے اس میں نرمی کا معنی معاوضہ کے معنی سے زیادہ خاص ہے تو
یہ اجل کا بعض مال سے مقابلہ نہیں ہوگا لیکن آقا کی جانب سے یہ بعض مال میں کمی کرنے کے ساتھ نرمی ہے اور مکاتب کو
سہولت دینا ہے اس مال میں جو باقی ہے جب کہ ابھی ادائیگی کا وقت نہیں آیا تا کہ وہ آزادی کے شرف تک پہنچ جائے۔

28554۔ (قوله: فَمُعَاوَضَةٌ) یعنی اس میں اس کا حکم جاری ہوگا اگر رہا یا اس کا شبہ متحقق ہو گیا تو معاوضہ فی سد ہو
جائے گا ورنہ صحیح ہو جائے گا۔ ”ط“۔

”طحطاوی“ نے کہا: اس کی صورت یہ ہے کہ وہ ایک ایسی چیز پر صلح کرتا ہے جو مقدار، وصف یا وقت ہیں اس کے حق سے
کم ہو یا بدل صلح دونوں یعنی دائن اور مدین کے حق سے کم ہو۔ اس کی صورت یہ ہے کہ صلح میں وہ چیز داخل ہو دائن جس وصف کا

(لَمْ يَعْدُ) لِأَنَّهُ إِبْرَاءٌ مُطْلَقٌ (وَالثَّالِثُ) كَذَا لَوْ صَالَحَهُ مِنْ دَيْنِهِ عَلَى نِصْفِهِ يَدْفَعُهُ إِلَيْهِ غَدًا وَهُوَ بَرِيٌّ
مِمَّا فَضَلَ عَلَى أَنَّهُ إِنْ لَمْ يَدْفَعْهُ غَدًا فَالْكُلُّ عَلَيْهِ كَانَ الْأَمْرُ كَالْوَجْهِ الْأَوَّلِ (كَمَا قَالَ) لِأَنَّهُ صَرَّحَ
بِالتَّقْيِيدِ، وَالرَّابِعُ (فَإِنْ أَبْرَأَهُ عَنْ نِصْفِهِ عَلَى أَنْ يُعْطِيَهُ مَا بَقِيَ غَدًا فَهُوَ بَرِيٌّ أَدَّى الْبَاقِيَ) فِي (الْغَدِ) أَوْ
لَا (لِبِدْءِ بَرَاءَتِهِ بِالْإِبْرَاءِ لَا بِالْأَدَاءِ) (وَالْخَامِسُ) (لَوْ عَلَّقَ بِصَرِيحِ الشَّرْطِ كَإِنْ أَذِيتَ إِلَيَّ) كَذَا (أَوْ إِذَا أَوْ مَتَى لَا
يَصِحُّ) الْإِبْرَاءُ لِبِاتِّقَرَّرَ أَنَّ تَعْلِيْقَهُ بِالشَّرْطِ صَرِيحًا بَاطِلٌ لِأَنَّهُ تَنْبِيْهُكَ مِنْ وَجْهِ

تو دین نہیں لوئے گا کیونکہ یہ مطلق بری کرنا ہے۔ تیسری صورت یہ ہے اسی طرح اگر وہ اپنے دین کے نصف پر مصالحت کر
لیتا ہے مقروض اگلے روز اسے وہ ادا کر دیتا ہے تو وہ اس سے بری ہو جائے گا جو باقی بچ گیا ہے اس شرط پر کہ اگر وہ کل اسے ادا
نہ کرے تو تمام کا تمام قرض اس کے ذمہ ہوگا جس طرح پہلی صورت میں اس کے ذمہ لازم تھا جس طرح اس نے کہا کیونکہ اس
نے قید لگانے کی تصریح کر دی ہے۔ چوتھی صورت یہ ہے اگر اس نے اپنے نصف دین سے اسے اس شرط پر بری کر دیا کہ وہ
باقی ماندہ کل ادا کر دے گا تو وہ بری ہو جائے گا اگلے روز وہ باقی ماندہ ادا کر دے یا ادا نہ کرے کیونکہ اس نے آغاز بری کرنے
سے کیا ہے ادائیگی سے آغاز نہیں کیا۔ پانچویں صورت یہ ہے اگر وہ صریح شرط کے ساتھ معلق کرے جیسے اگر تو نے اتنے ادا کر
دیئے یا جب تو نے اتنے ادا کر دیئے تو یہ بری کرنا صحیح نہ ہوگا کیونکہ یہ ثابت ہو چکا ہے کہ اس کا صراحتہ شرط کے ساتھ معلق کرنا
یہ باطل ہے کیونکہ یہ من وجہ تملیک ہے۔

مستحق نہ ہو جس طرح سیاہ دراہم کی جگہ سفید پر صلح کی جائے یا وہ ایسی چیز ہو جو وصف کے معنی میں ہے جس طرح ایک موجد کو
فوراً ادا کرنے پر صلح کرنا یا ایک جنس کے بارے میں نزاع تھا تو اس کی جنس کے خلاف پر صلح کرنا۔

28555۔ (قوله: لَمْ يَعْدُ) یعنی دین مطلق نہیں لوئے گا وہ دین ادا کرے یا دین ادا نہ کرے۔

28556۔ (قوله: مَا بَقِيَ غَدًا) اگر اس نے کہا: میں نے تجھے پانچ سے بری کر دیا اس شرط پر کہ تو پانچ فوراً ادا کر
دے گا اگر دس فوراً ادا کرنے ہوں۔ یہ بری کرنا صحیح ہوگا۔ کیونکہ پانچ فوراً ادا کرنا اس پر واجب تھا تو یہ پانچ جلدی ادا کرنے کی
شرط پر بری کرنے کو معلق نہیں کیا۔ اگر دراہم کی ادائیگی موجد ہو تو بری کرنا باطل ہو جائے گا جب وہ پانچ ادا نہ کرے۔ ”جامع
الفصولین“، ”حاشیہ“ میں اسی طرح ہے۔

28557۔ (قوله: بِصَرِيحِ الشَّرْطِ) ”قہستانی“ نے کہا: اس میں اس امر کا شعور دلایا گیا اگر وہ جزا کو مقدم کرے تو یہ
صلح صحیح ہوگی۔ ”الظہیریہ“ میں ہے: اگر اس نے کہا: میں نے تجھ سے نصف کو ساقط کر دیا اگر تو اس کا نصف مجھ پر نقد ادا کر
دے۔ یہ علما کے نزدیک قرض کو ساقط کرنا ہے اگرچہ وہ نقد نہ دے۔ ”ساحانی“۔

شرط متعارف کے ساتھ کفیل کی براءت صحیح ہے جب کہ غیر متعارف کے ساتھ صحیح نہیں

28558۔ (قوله: كَإِنْ أَذِيتَ) خطاب غریم کو ہے اسی کی مثل کفیل ہے جس طرح ”اسیجانی“ سے ”شرح الکافی“ میں

(وَإِنْ قَالَ) الْمَدْيُونُ (لَا خَيْرَ سِرًّا إِلَّا أَقْرَأَكَ بِمَا لَكَ حَتَّى تُؤَخِّرَهُ عَنِّي أَوْ تَحْطَّ عَنِّي) (فَفَعَلَ) الدَّائِنُ التَّأْخِيرَ أَوْ الْحِطَّ (صَحَّ) لِأَنَّهُ لَيْسَ بِمَكْرَهٍ عَلَيْهِ (وَلَوْ أَعْلَنَ مَا قَالَهُ سِرًّا أَخَذَ مِنْهُ الْكُلَّ لِلْحَالِ) وَلَوْ ادَّعَى الْفَاعِلُ وَجَحَدَ فَقَالَ أَقْرَأْ لِي بِهَا عَلَى أَنْ أُحْطَّ مِنْهَا مِائَةً جَازٍ، بِخِلَافٍ عَلَى أَنْ أُعْطِيَكَ مِائَةً لِأَنَّهَا رِشْوَةٌ، وَلَوْ قَالَ إِنَّ أَقْرَأْتُ لِي حَظَّتْ لَكَ مِنْهَا مِائَةً فَأَقْرَأْ صَحَّ الْإِقْرَارُ لَا الْحِطَّ مُجْتَبًى (الدَّيْنُ الْمُسْتَتَرُّ)

اگر ایک مدیون نے دوسرے سے رازداری سے کہا: میں تیرے لیے تیرے مال کا اقرار نہیں کروں گا یہاں تک کہ تو اسے مجھ سے مؤخر کرے یا اسے مجھ سے ساقط نہ کر دے تو دائن نے تاخیر یا کمی کردی تو یہ صحیح ہو جائے گا کیونکہ اس پر جبر نہیں کیا گیا۔ جو بات رازداری سے کی تھی اگر اس کا اعلان کر دیا تو تمام مال فی الحال لے گا اگر ایک آدمی نے ہزار کا دعویٰ کیا اور دوسرے نے انکار کر دیا اور کہا: میرے لیے اس کا اقرار کر لے اس شرط پر کہ میں ان سے سو کم کر دوں گا تو یہ جائز ہوگا یہ صورت مختلف ہوگی کہ میں تجھے سو دوں گا۔ کیونکہ یہ تورشوت ہوگی۔ اگر اس نے کہا: اگر تو نے میرے لیے اقرار کیا میں اس میں سے سو کم کر دوں گا تو اس نے اقرار کر لیا تو اقرار صحیح ہوگا کمی صحیح نہ ہوگی، ”مجتبى“۔ مشترک دین،

اس کی تصریح کی ہے ”قاضی خان“ نے ”شرح الجامع“ میں تصریح کی ہے۔ ”غایۃ البیان“ میں کہا: اس میں ایک قسم کا اشکال ہے کیونکہ کفیل کو بری کرنا محض اسقاط ہے۔ اس وجہ سے اس کے رد کرنے سے یہ رد نہیں ہوگا۔ پس چاہیے کہ شرط کے ساتھ اس کا معلق کرنا صحیح ہو مگر یہ اصل کے بری کرنے کی طرح ہے اس حیثیت سے کہ اس سے قسم نہیں لی جائے گی جس طرح طلاق کی قسم لی جاتی ہے۔ پس شرط متعارف کے ساتھ اس کی تعلیق صحیح ہوگی غیر متعارف کی شرط صحیح نہ ہوگی۔ اسی وجہ سے ہم نے کہا: جب ایک آدمی نے ایک آدمی کی جانب مال کی ضمانت اٹھائی اور اس کی ذات کی بھی ضمانت اٹھائی اس شرط پر اگر اس نے خود کل اپنے آپ کو پیش کر دیا تو وہ مال کی ضمانت سے بری ہو جائے گا تو اس نے اپنے آپ کو پیش کر دیا تو کفیل مال سے بری ہو جائے گا۔ کیونکہ ہر شرط متعارف کے ساتھ معلق کرنا ہے۔

28559۔ (قوله: بِمَكْرَهٍ عَلَيْهِ) کیونکہ اگر وہ چاہتا تو ایسا نہ کرتا مگر جب وہ گواہ پائے یا دوسرے سے قسم لے

لیتا۔ ”اتقانی“۔

28560۔ (قوله: أَخَذَ مِنْهُ) یہ قول اس امر کا فائدہ دیتا ہے کہ مدعی علیہ کا قول لا اقرأ لك لِمَا لَكَ یہ اقرار ہے۔ اسی

وجہ سے ”غایۃ البیان“ میں کہا: علماء نے ”شروح الجامع الصغیر“ میں کہا: یہ اس صورت میں ہے جو رازداری سے بات کرے مگر جب وہ علانیہ یہ بات کرے تو اس کے اقرار کے مطابق اس کا مواخذہ ہوگا۔

اگر صلح عین مشترک کے بارے میں ہو تو مصالح بدل صلح کے ساتھ ضامن ہوگا

28561۔ (قوله: الدَّيْنُ الْمُسْتَتَرُّ) دین کی قید لگائی ہے کیونکہ اگر صلح عین مشترک کے بارے میں ہو تو مصالح بدل

صلح کے ساتھ ضامن ہوگا۔ اس کے شریک کے لیے کوئی حق نہیں ہوگا کہ وہ بدل صلح میں شریک ہو۔ کیونکہ یہ ہر اعتبار سے معاوضہ

بَسَبَبِ مُتَّحِدٍ كَثَرَيْنِ مَبِيعِ بَيْعِ صَفْقَةٍ وَاحِدَةٍ، أَوْ دَيْنِ مَوْرُوْثٍ أَوْ قَيْمَةٍ مُسْتَهْلِكٍ مُشْتَرِكٍ إِذَا قَبَضَ أَحَدُهُمَا شَيْئًا مِنْهُ شَارَكَهُ الْآخَرُ فِيهِ) إِنْ شَاءَ أَوْ اتَّبَعَ الْغَرِيمَ كَمَا يَأْتِي وَحِينَئِذٍ (فَلَوْ صَالَحَ أَحَدُهُمَا عَنْ نَصِيْبِهِ عَلَى ثَوْبٍ)

جو متحد سبب سے ہو جیسے بیع کی ثمن ہو جو بیع ایک صفقہ سے بیجا گیا، موروثی دین ہو یا مشترک چیز جس کو ہلاک کیا گیا ہو اس کی قیمت ہو، جب دونوں میں سے کوئی ایک اس میں سے کسی چیز پر قبضہ کرے گا تو دوسرا اس میں شریک ہوگا اگر چاہے یا مقروض کا پیچھا کرے گا جس طرح عنقریب آئے گا اس وقت اگر دونوں میں سے ایک اپنے حصہ کے عوض ایک کپڑے پر صلح کر لیتا ہے

ہے۔ کیونکہ مصالح عنہ حقیقت میں مال ہے دین کا معاملہ مختلف ہے، ”زیلعی“۔ پس اس کو یاد رکھنا چاہیے کیونکہ یہ کثیر الواقع ہے۔ ”الخانیہ“ میں ہے: دو آدمیوں نے زمین کا یا گھر کا دعویٰ کیا جو ایک آدمی کے قبضہ میں تھا دونوں نے کہا: یہ ہمارا ہے جس کے ہم اپنے باپ کی جانب سے وارث ہوتے ہیں جس کے قبضہ میں وہ گھر تھا اس نے انکار کر دیا تو دونوں میں سے ایک نے اپنے حصہ کے بارے میں سودرا ہم پر صلح کر لی دوسرے بیٹے نے ارادہ کیا کہ وہ سودرا ہم میں اپنے بھائی کے ساتھ شریک ہو جائے تو اسے شریک ہونے کا حق نہیں ہوگا۔ کیونکہ مدعی کے گمان میں صلح معاوضہ ہے اور مدعی علیہ کے گمان میں یمین کا فدیہ ہے۔ پس یہ ہر اعتبار سے معاوضہ نہیں ہوگا۔ پس شک کی وجہ سے شریک کے لیے شرکت کا حق ثابت نہیں ہوگا۔

امام ”ابو یوسف“ رحمہ اللہ سے ایک روایت میں مروی ہے: شریک کے لیے سو میں شریک ہونے کا حق ہے۔

28562۔ (قوله: صَفْقَةٌ وَاحِدَةٌ) اس کی صورت یہ ہے کہ ہر ایک کے لیے عین علیحدہ ہو یا دونوں میں مشترک ہو اور

دونوں سب ایک صفقہ کے ساتھ بیچ دیں جب کہ دونوں میں سے ہر ایک اپنے حصہ کے ثمن کی تفصیل بیان نہ کرے۔ صفقہ واحدة کے ساتھ دو صفقوں سے احتراز کیا ہے یہاں تک کہ اگر غلام دو آدمیوں میں شریک ہو ان دونوں میں سے ایک اپنے حصہ کو پانچ سودرا ہم کے بدلے میں بیچ دے اور دوسرا اسی آدمی کو اپنا حصہ پانچ سو میں بیچ دے اور دونوں اس بارے میں ایک ہی دستاویز ہزار کی لکھ دیں اور ہزار میں سے کچھ پر ایک قبضہ کر لے تو دوسرے کو کوئی حق حاصل نہیں کہ اس کے ساتھ اس میں شریک ہو۔ کیونکہ دین میں ان دونوں کی کوئی شرکت نہیں کیونکہ یہ دین علیحدہ سبب سے واجب ہوا ہے ”عزمیہ“۔ اس کی مکمل بحث ”المنح“ میں ہے۔

28563۔ (قوله: مَوْرُوْثٍ) یہ وارث ہو یا دونوں کے حق میں اس کی وصیت کی گئی ہو یا ان کے فریضہ کا بدل ہو۔

”ابوسعود“ نے اپنے شیخ سے یہ نقل کیا ہے۔

28564۔ (قوله: أَوْ اتَّبَعَ الْغَرِيمَ) اگر اس نے غریم کا پیچھا کرنے کو اپنا یا پھر اس کا حصہ ہلاک ہو گیا اس کی صورت

یہ ہے کہ غریم مفلس کی حیثیت سے مرگیا تو وہ قابض سے مقبوضہ کے تصرف کا مطالبہ کرے گا اگرچہ وہ مقبوض کا غیر ہو، ”بحر“ اور ”زیلعی“ کی طرف رجوع کیجئے۔

أَمَى خِلَافِ جَنْسِ الدِّينِ (أَخَذَ الشَّرِيكَ الْآخَرَ نِصْفَهُ إِلَّا أَنْ يَضْمَنَ) لَهُ (رُبْعَ) أَصْلِ (الدِّينِ) فَلَا حَقَّ لَهُ فِي الشُّبِّ (وَلَوْ لَمْ يُصَالِحْ بَلْ اشْتَرَى بِنِصْفِهِ شَيْئًا ضَمَّنَهُ) شَرِيكُهُ (الرُّبْعَ) لِقَبْضِهِ النِّصْفَ بِالنِّقَاصَةِ (أَوْ اتَّبَعَ غَرِيمَهُ) فِي جَمِيعِ مَا مَرَّ لِبَقَاءِ حَقِّهِ فِي ذِمَّتِهِ (وَإِذَا أَبْرَأَ أَحَدُ الشَّرِيكَيْنِ الْغَرِيمَ عَنْ نَصِيبِهِ لَا يَرْجِعُ) لِأَنَّهُ إِتْلَافٌ لَا قَبْضُ (وَكَذَا) الْحُكْمُ (إِنْ) كَانَ لِلْمَدْيُونِ عَلَى أَحَدِهِمَا دَيْنٌ قَبْلَ وَجُوبِ دَيْنِهِمَا عَلَيْهِ حَتَّى وَقَعَتِ النِّقَاصَةُ بِدَيْنِهِ السَّابِقِ) لِأَنَّهُ قَاضٍ لَا قَابِضُ (وَلَوْ أَبْرَأَ) الشَّرِيكَ الْمَدْيُونِ

یعنی دین کی جنس کے خلاف پر صلح کر لیتا ہے تو دوسرا شریک اس سے اس کا نصف لے لے گا مگر جب مصالحت کرنے والا اصل دین کے چوتھائی کی ضمانت اٹھالے تو کپڑے میں اس کا کوئی حق نہیں ہوگا۔ اگر وہ صلح نہ کرے بلکہ اس کے نصف سے عوض کوئی چیز خرید لے تو اس کا شریک اس سے چوتھائی کی ضمانت لے گا۔ کیونکہ اس شریک نے دین کے نصف پر بطریقہ مقاصہ قبضہ کیا ہے یا جتنی صورتیں گزری ہیں ان سب میں اپنے غریم کا پیچھا کرے گا کیونکہ اس کے ذمہ میں اس کا حق باقی ہے۔ جب دو شریکوں میں سے ایک نے مقروض کو اپنے حصہ سے بری کر دیا تو دوسرا شریک اس شریک سے کسی چیز کا مطالبہ نہیں کرے گا۔ کیونکہ یہ بری کرنا تلف کرنا ہے قبض کرنا نہیں مطالبہ نہ کرنے کا یہی حکم ہوگا اگر مدیون کا دونوں شریکوں میں سے ایک پر اس پر دین واجب ہونے سے پہلے دین لازم ہو یہاں تک کہ یہ مقاصہ دین سابق سے ہوگا۔ کیونکہ وہ مدیون سابق کو دور کرنے والا ہے اس مشترک دین پر قبضہ کرنے والا نہیں۔ اگر شریک نے مدیون کو بعض دین سے بری کر دیا

28565۔ (قوله: أَمَى خِلَافِ الدِّينِ) کیونکہ اگر اس نے اس کی جنس پر صلح کی تو اس میں وہ شریک ہوگا یا مقروض کی طرف رجوع کرے گا اس میں قابض کا کوئی اختیار نہیں ہوگا۔ کیونکہ یہ بعض دین پر قبضہ کے قائم مقام ہے، ”زیلعی“۔

28566۔ (قوله: نِصْفَهُ) یعنی اپنے غریم سے نصف دین لے گا یا نصف کپڑا لے گا۔ ”منح“۔

28567۔ (قوله: إِلَّا أَنْ يَضْمَنَ) یہ مصالحت کرنے والا شریک ضامن ہوگا۔

28568۔ (قوله: رُبْعَ أَصْلِ الدِّينِ) اس قول نے اس امر کا فائدہ دیا کہ مصالح کو اختیار ہوگا جب اس کے شریک نے اس کا پیچھا کرنے کو اختیار کیا اگر چاہے تو مصالح علیہ میں سے اس کا حصہ دے دے اگر چاہے تو دین کے چوتھائی کی ضمانت اسے دے دے صلح اقرار سے ہو یا اس کے علاوہ صورت سے ہو کوئی فرق نہیں۔

28569۔ (قوله: مَا مَرَّ) یعنی قبض یا صلح اور شرا کے مسئلہ میں گزر چکا ہے۔

28570۔ (قوله: قَبْلَ وَجُوبِ الدِّينِ) اگر وہ دین نیا ہو یہاں تک کہ دونوں ادلے کا بدلہ بنیں تو یہ دین پر قبضہ کی مثل

ہوگا۔ ”بحر“۔

28571۔ (قوله: عَلَيْهِ) ضمیر سے مراد مدیون ہے۔

28572۔ (قوله: الْمَدْيُونِ) یہ منصوب ہے اور ابرء کا مفعول ہے۔

(عَنْ الْبَعْضِ قُسِمَ الْبَاقِي عَلَى سَهَامِهِ) وَمِثْلُهُ الْبُقَاصَةُ وَلَوْ أَجَلَ نَصِيبِهِ صَحَّ عِنْدَ الثَّانِي، وَالْغَضَبُ وَالْاِسْتِجَارُ بِنَصِيبِهِ قَبْضٌ لَا التَّزْوِجُ وَالصُّلْحُ عَنْ جَنَایَةِ عَمْدٍ، وَحِيلَةُ اخْتِصَاصِهِ بِمَا قَبْضٌ أَنْ يَهَبَهُ الْغَرِيمُ قَدَرٌ دَيْنُهُ ثُمَّ يُبْرِئَهُ

تو باقی ماندہ کو اس کے سہم کے اعتبار سے تقسیم کیا جائے گا۔ اسی کی مثل مقاصہ ہے۔ اگر ایک شریک اپنے حصہ کے لیے کوئی مدت معین کر دے تو امام ”ابو یوسف“ رحمہ اللہ کے نزدیک یہ صحیح ہوگا۔ اپنے حصہ کو غصب کر لیا یا اجرت پر لے لیا تو یہ قبضہ شمار ہوگا۔ شادی اور جنایت عمدہ سے صلح قبضہ شمار نہیں ہوگا۔ اور جس چیز پر قبضہ کیا ہے اس کے اختصاص کا حیلہ یہ ہے کہ غریم اسے دین کے برابر ہبہ کرے۔ پھر شریک اس غریم کو بری کر دے

28573۔ (قوله: قُسِمَ الْبَاقِي الْخ) یہاں تک اگر مدیون پر ان دونوں کے بیس دراہم ہوں تو ان دونوں میں سے

اپنے حصہ کے نصف سے اسے بری کر دے تو اسے پانچ دراہم کے مطالبہ کا حق ہوگا اور جو خاموش رہا تھا اسے دس کے مطالبہ کا حق ہوگا۔ ”حاشیہ“ میں اسی طرح ہے۔

28574۔ (قوله: عَلَى سَهَامِهِ) باقی ماندہ سہام پر اسے تقسیم کیا جائیگا نہ کہ اصل پر اسے تقسیم کیا جائیگا۔ ”سامحانی“۔

28575۔ (قوله: وَمِثْلُهُ الْبُقَاصَةُ) اس کی صورت یہ ہے کہ مثلاً مدیون کے شریک پر اس دین کے ثابت ہونے سے قبل پانچ دراہم ہوں تو باقی میں تقسیم اس مقاصہ کے بعد ہوگی۔

28576۔ (قوله: وَالْغَضَبُ) یعنی جب دونوں میں سے ایک نے مدیون سے کسی شے کو غصب کیا اس کے دوسرے

شریک نے اسے تلف کر دیا تو وہ ضمانت کی ادائیگی کی صورت میں غصب کے وقت سے اس کا مالک ہو جائے گا۔ اسی طرح اگر ایک آدمی اپنے حصہ کے عوض اس سے گھر کرایہ پر ایک سال کے لیے لیتا ہے اور اس میں رہائش رکھ لیتا ہے۔ اسی طرح غلام کی خدمت اور زمین کی زراعت کا معاملہ ہے۔ اسی طرح اگر وہ اجر مطلق کے ساتھ اسے اجرت پر لے لیتا ہے۔ ”ابن سماء“ نے امام ”محمد“ رحمہ اللہ سے روایت کیا ہے: اگر وہ اپنے حصہ کے عوض اجرت پر لیتا ہے تو دوسرا اس کے ساتھ شریک نہیں ہوگا اور اسے آپ نے نکاح کی طرح بنا دیا ہے۔ اس کی مکمل بحث شرح ”الہدایہ“ میں ہے۔

28577۔ (قوله: لَا التَّزْوِجُ) یعنی اس شریک مدیونہ سے اپنے حصہ کے عوض عقد نکاح کر لیا تو یہ ظاہر روایت کے

مطابق تلف کرنا ہے مگر جب وہ اس سے دراہم پر عقد نکاح کرتا ہے تو یہ ادلے کا بدلہ ہو جائے گا تو یہ پورا حق لینے کی طرح ہو جائے گا۔ ”اتقانی“

28578۔ (قوله: جَنَایَةِ عَمْدٍ) اگر ایک شریک نے مدیون پر جان بوجھ کر کوئی جنایت کی جو نفس سے کم ہو جس کی ارش

جانی کے دین کی مثل ہو تو اس نے اپنے حصہ پر اس سے صلح کر لی۔ اسی طرح کا حکم ہوگا اگر اس جنایت میں قصاص ہو۔ ”اتقانی“۔

28579۔ (قوله: يُبْرِئُهُ) یعنی شریک غریم کو بری کر دے۔

أَوْ يَبِيعَهُ بِهِ كَفًّا مِنْ تَبَرٍّ مَثَلًا ثُمَّ يُبْرِئُهُ مُلْتَقِطٌ وَغَيْرُهُ، وَمَرَّتْ فِي الشَّرِكَةِ - (صَالِحٌ أَحَدُ رَبِّي السَّلَامِ عَنْ نَصِيبِهِ عَلَى مَا دَفَعَ مِنْ رَأْسِ الْمَالِ فَإِنْ أَجَازَهُ الشَّرِيكُ) الْآخِرُ (نَفَذَ عَلَيْهِمَا وَإِنْ رَدَّهُ رُدَّ) لِأَنَّ فِيهِ قِسْمَةَ الدَّيْنِ قَبْلَ قَبْضِهِ وَأَنَّهُ بَاطِلٌ نَعَمْ لَوْ كَانَ شَرِيكِي مَفَاوِضَةٍ جَازَ مُطْلَقًا بَحْرٌ

یا مثلاً ہتھیلی بھر کھجوروں سے اسے بیچ دے پھر اسے بری کر دے ”ملتقط“ وغیرہ۔ کتاب الشریکۃ میں یہ گزر چکا ہے دورب السلم میں سے ایک نے اپنے حصہ کے عوض اس چیز پر صلح کی جو اس نے رأس المال میں سے دیا تھا اگر دوسرے شریک نے اس کی اجازت دے دی تو یہ صلح دونوں پر نافذ ہو جائے گی۔ اگر وہ اس کو رد کر دے تو رد ہو جائے گی۔ کیونکہ یہ قبضہ سے قبل دین کی تقسیم ہے اور وہ باطل ہے۔ ہاں اگر دونوں شرکت مفاوضہ کے ساتھ شریک ہوں تو مطلقاً یہ جائز ہوگا، ”بحر“۔

28580۔ (قوله: عَنْ نَصِيبِهِ) یعنی ضمیر سے مراد مسلم فیہ ہے یعنی ایک رب السلم اپنے حصہ کے بارے میں صلح کر لے۔

28581۔ (قوله: مِنْ رَأْسِ الْمَالِ) اس کی صورت یہ ہے کہ وہ اپنے رأس المال لینے اور عقد شرکت کو فسخ کرنے کا ارادہ کرے، ”اتقانی“۔ پس صلح فسخ سے مجاز ہوگی۔ ”عزمیہ“۔

28582۔ (قوله: عَلَيْهِمَا) یعنی صلح دونوں پر نافذ ہوگی اور مال مقبوضہ دونوں میں مشترک ہوگا۔ اسی طرح مسلم فیہ میں سے جو باقی ہے وہ بھی مشترک ہوگا۔ ”درر البحار“۔

28583۔ (قوله: رُدَّ) اور بیع سلم اسی طرح باقی رہے گی جس طرح وہ تھی۔

فَصْلٌ فِي التَّخَارُجِ

(أَخْرَجَتْ الْوَرَثَةُ أَحَدَهُمْ عَنْ التَّرِكَةِ وَهِيَ (عَرَضٌ أَوْ) هِيَ (عَقَارٌ بِبَالٍ) أُعْطِيَ لَهُ (أَوْ) أَخْرَجُوهُ (عَنْ) تَرِكَةٍ هِيَ (ذَهَبٌ بِفَضَّةٍ) دَفَعُوهُمَا لَهُ (أَوْ) عَلَى الْعَكْسِ أَوْ عَنْ نَقْدَيْنِ بِيْهَمَا (صَحَّ) فِي الْكُلِّ صَرَفًا لِلْجِنْسِ بِخِلَافِ جِنْسِهِ (قُلٌّ) مَا أُعْطُوهُ (أَوْ) كَثُرَ لَكِنْ بِشَرْطِ التَّقَابُضِ فِيمَا هُوَ صَرَفٌ (وَفِي) إِخْرَاجِهِ عَنْ (نَقْدَيْنِ) وَغَيْرِهَا بِأَحَدِ النَّقْدَيْنِ لَا يَصِحُّ إِلَّا أَنْ يَكُونَ مَا أُعْطِيَ لَهُ

ترکہ سے خارج کرنے کے احکام

وارثوں نے اپنے میں سے ایک کو مال دے کر ترکہ سے خارج کر دیا جب کہ وہ ترکہ مال ہو یا جائیداد ہو جو مال انہوں نے اسے دے دیا ہے یا اسے ترکہ، جو سونا ہے، سے چاندی دے کر خارج کر دیا جو چاندی انہوں نے اسے دے دی ہو یا اس کے برعکس صورتحال ہو یا ترکہ سونا چاندی ہو تو انہوں نے سونا چاندی دے کر اسے خارج کر دیا تو یہ تمام صورتوں میں صحیح ہوگا۔ جنس کو اس کی مخالف جنس سے پھیر کر جو انہوں نے مال دیا ہو وہ تھوڑا ہو یا زیادہ ہو مگر جس صورت میں وہ بیع صرف بنتی ہے اس میں تقابض شرط ہے۔ اور جب ترکہ دونوں نقدیاں اور اس کے علاوہ ہو تو ایک نقدی کے ساتھ اسے خارج کرنا صحیح نہ ہوگا مگر اس صورت میں کہ اسے جو نقدی عطا کی گئی ہے

موصی لہ اور وارث کا حق تقسیم سے پہلے غیر متاکد ہوتا ہے جو سقوط کا احتمال رکھتا ہے

28584۔ (قوله: أَخْرَجَتْ الْوَرَثَةُ أَحَدَهُمْ عَنْ التَّرِكَةِ) ایک آدمی نے کسی کے لیے اپنے ایک تہائی مال کی وصیت کی اور وصیت کرنے والا مرگیا وارث نے موصی لہ سے ایک تہائی سے چھٹے حصہ پر صلح کر لی تو یہ صلح جائز ہوگی۔ امام جو "خواہر زادہ" کے نام سے معروف ہیں نے ذکر کیا ہے کہ موصی لہ کا حق اور وارث کا حق تقسیم سے پہلے غیر متاکد ہوتا ہے جو ساقط کرنے کے ساتھ ساقط ہونے کا احتمال رکھتا ہے۔

یہ معلوم ہے کہ تقسیم سے پہلے غانم کا حق، رہن کے جس کا حق، صرف پانی کی گزرگاہ کا حق، موصی لہ کے لیے رہائش کا حق، جس موصی لہ کے لیے ایک تہائی کی وصیت کی گئی ہو تقسیم سے پہلے اس کا حق اور تقسیم سے قبل وارث کا حق ساقط کرنے کے ساتھ ساقط ہو جاتے ہیں۔ اس کی مکمل وضاحت "الاشباہ" میں اس فعل میں موجود ہے جو اسقاط کو قبول کرتے ہیں اور جو اسقاط میں قبول نہیں کرتے۔ "حاشیہ" میں اسی طرح ہے۔

28585۔ (قوله: صَرَفًا لِلْجِنْسِ) یہ آخری صورت کی علت ہے۔

28586۔ (قوله: لَكِنْ بِشَرْطِ) "البحر" میں کہا: ایک وارث کی صلح جس کا ذکر پہلے گزر چکا ہے اس میں یہ شرط نہیں

أَكْثَرُ مَنْ حَصَّتِهِ مِنْ ذَلِكَ الْجِنْسِ تَحَرُّزًا عَنِ الرِّبَا، وَلَا بُدَّ مِنْ حُضُورِ النَّقْدَيْنِ عِنْدَ الصَّدَقِ وَعَلَيْهِ بِقَدْرِ نَصِيبِهِ شُرْبُ بِلَالِيَّةٍ وَجَلَالِيَّةٍ وَلَوْ بَعَرَضٍ جَازٍ مُطْلَقًا لِعَدَمِ الرِّبَا، كَذَا لَوْ أَنْكَرُوا إِزْثَةً لِأَنَّهُ حِينَئِذٍ لَيْسَ بِبَدَلٍ بَلْ لِقَطْعِ الْمُنَازَعَةِ (وَبَطْلَ الصَّدَقِ إِنْ أَخْرَجَ أَحَدُ الْوَرَثَةِ، وَفِي التَّرِكَةِ دُيُونٌ بِشَرْطِ أَنْ تَكُونَ الدُّيُونُ لِبَقِيَّتِهِمْ)

وہ اس کی جنس سے بڑھ کر ہوتا کہ ربا سے بچا جائے۔ صلح کے وقت دونوں نقدیوں کا موجود ہونا اور اپنے حصہ کا علم ہونا ضروری ہے ”شرنبلائیہ“، ”جلائیہ“۔ اگر وہ سامان تجارت ہو تو مطلقاً جائز ہے۔ کیونکہ ربا موجود نہیں۔ اسی طرح کا حکم ہوگا اگر وہ اس کی وراثت کا انکار کر دے۔ کیونکہ اس وقت جو اسے مال دیا جا رہا ہے یہ بدل نہیں بلکہ منازعہ ختم کرنے کے لیے دیا جا رہا ہے۔ اور صلح باطل ہو جائے گی اگر ایک وارث خارج کر دیا جائے جب کہ ترکہ میں دیون ہوں۔ اس کی شرط یہ ہو کہ دیون باقی ماندہ وارثوں کے ہوں گے۔

کہ ترکہ کے اعیان معلوم ہوں۔ لیکن اگر صلح دونوں نقدیوں میں سے ایک کی دوسری نقدی کے عوض میں ہو تو مجلس میں تقابض کا اعتبار کیا جائے گا۔ مگر وہ جس کے قبضہ میں بقیہ ترکہ ہے اگر وہ انکاری ہو تو وہی قبضہ کافی ہوگا۔ کیونکہ یہ ضمان کا قبضہ ہے۔ پس یہ قبضہ صلح کے قائم مقام ہوگا۔ اگر وہ مقرر غیر مانع ہو تو قبضہ کی تجدید شرط ہوگی۔

28587۔ (قوله: أَكْثَرُ مَنْ حَصَّتِهِ) اگر اس جنس میں سے اس کے حصہ کا علم نہ ہو تو صحیح یہ ہے اگر شک ترکہ میں اس کے وجود کے بارے میں ہو تو صلح جائز ہوگی۔ اگر ترکہ میں اس کے وجود کا علم ہو لیکن یہ پتہ نہ ہو کہ اس کے حصہ میں سے بدل صلح اس سے کم ہے یا اس سے زائد ہے یا اس کی مثل ہے تو صلح فاسد ہوگی، ”بحر“ میں ”الغانیہ“ سے مروی ہے۔

28588۔ (قوله: وَكَذَا لَوْ أَنْكَرُوا إِزْثَةً) تو یہ مطلقاً جائز ہوگا۔ ”شرنبلائیہ“ میں کہا: ”حاکم شہید“ نے کہا: تصادق کی حال میں ربا کے مال میں اس کے حصہ سے کم پر صلح باطل ہوگی۔ جہاں تک حالت تناکر کا تعلق ہے اس کی صورت یہ ہے کہ وہ رشتہ دار اس کے وارث ہونے کا انکار کریں پھر صلح کر لیں تو یہ جائز ہوگا۔

اس کی وجہ یہ ہے باہم جھٹلانے کی صورت میں جو کچھ وہ لے گا وہ لینے والے کے حق میں اور نہ ہی دینے والے کے حق میں بدل ہوگا۔ ”مرغینانی“ نے اسی طرح ذکر کیا ہے۔ جس صورت میں سونا اور چاندی مقابل ہوں گے اس میں باہم برابری پر قبضہ کرنا شرط ہے۔ کیونکہ یہ بیع صرف ہے۔ اگر تمام صورتوں میں وہ سامان تجارت ہو تو مطلقاً یہ جائز ہوگا اگرچہ وہ مال تھوڑا ہو اور وہ مجلس میں اس پر قبضہ نہ کرے۔

28589۔ (قوله: دُيُونٌ) یعنی لوگوں کے ذمہ دیون ہیں اس کا قرینہ وہ کلام ہے جو آگے آرہی ہے۔ اسی طرح اگر دین میت پر ہو۔ ”بزازیہ“ میں کہا: ”شمس الاسلام“ نے یہ ذکر کیا ہے: تخارج صحیح نہیں ہوتا جب میت پر دین ہو یعنی رب الدین جس کا مطالبہ کرتا ہو۔ کیونکہ شرع کا حکم یہ ہے کہ دین تمام ورثاء کے ذمہ ہو۔

28590۔ (قوله: بِشَرْطِ) یہ اخراج کے متعلق ہے۔

لَأَنَّ تَمْلِيكَ الدَّيْنِ مَنْ غَيْرِ مَنْ عَلَيْهِ الدَّيْنُ بَاطِلٌ ثُمَّ ذَكَرَ لِصِحَّتِهِ حَيْلًا فَقَالَ (وَصَحَّ لَوْ شَرَطُوا إِبْرَاءَ الْغُرْمَاءِ مِنْهُ) أَيْ مِنْ حِصَّتِهِ لِأَنَّهُ تَمْلِيكَ الدَّيْنِ مِمَّنْ عَلَيْهِ فَيَسْقُطُ قَدْرُ نَصِيبِهِ عَنِ الْغُرْمَاءِ (أَوْ قَضُوا نَصِيبَ الْمَصَالِحِ مِنْهُ) أَيْ الدَّيْنِ (تَبَرُّعًا) مِنْهُمْ (وَأَحَالَهُمْ بِحِصَّتِهِ أَوْ أَقْرَضُوهُ قَدْرَ حِصَّتِهِ مِنْهُ وَصَالِحُوهُ عَنْ غَيْرِهِمْ) بِمَا يَصْلَحُ بَدَلًا (وَأَحَالَهُمْ بِالْقَرْضِ عَلَى الْغُرْمَاءِ) وَقَبِلُوا الْحَوَالَةَ، وَهَذِهِ أَحْسَنُ الْحِيلِ ابْنُ كَمَالٍ وَالْأَوْجَهُ أَنْ يَبِيعُوهُ كَفًّا مِنْ تَبَرُّ أَوْ نَحْوَهُ بِقَدْرِ الدَّيْنِ ثُمَّ يُحِيلَهُمْ عَلَى الْغُرْمَاءِ ابْنُ مَلِكٍ

کیونکہ جس کے ذمہ دین نہ ہو اسے دین کا مالک بنانا باطل ہوتا ہے پھر صلح کے صحیح ہونے کے لیے حیلے ذکر کیے ہیں اور کہا: اگر وہ یہ شرط لگائیں کہ وہ غرماء کو اپنے حصہ سے بری کر دے گا تو صلح صحیح ہوگی۔ کیونکہ یہ صورت ایسی ہے جس میں اسے دین کا مالک بنانا ہے جس کے ذمہ دین ہے۔ پس غرماء سے اس کے حصہ کی مقدار ساقط ہو جائے گی یا دین میں سے مصالح کا حصہ بطور تبرع اپنی جانب سے ادا کر دیں اور مصالح قرض میں سے اپنے حصہ کا حوالہ ورثاء کو کر دے یا قرض میں سے جو اس کا حصہ بنتا ہے اتنی مقدار دوسرے ورثاء سے قرض دیں اور جو چیز بدل بننے کی صلاحیت رکھتی ہے اس پر اس کے علاوہ سے صلح کر لیں اور مصالح ان ورثاء سے قرض کے معاملہ میں ان سے حوالہ کر لے اور ورثاء اس حوالہ کو قبول کر لیں۔ یہ بہترین حیلہ ہے، ”ابن کمال“۔ زیادہ مناسب یہ ہے کہ اسے ایک ہتھیلی کھجور وغیرہ دین کی مقدار کے بدلے میں بیچے پھر وہ غرماء کے خلاف ان وارثوں سے حوالہ کر لے ”ابن ملک“۔

28591۔ (قوله: لِأَنَّ تَمْلِيكَ الدَّيْنِ) وہ یہاں مصالح کا حصہ ہے۔

28592۔ (قوله: مَنْ عَلَيْهِ الدَّيْنُ) وہ یہاں ورثاء ہیں۔

28593۔ (قوله: بَاطِلٌ) پھر بطلان سب کی طرف متعدی ہو جاتا ہے۔ کیونکہ صفحہ ایک ہے خواہ دین کا حصہ بیان کرے یا بیان نہ کرے۔ یہ امام اعظم ”ابو حنیفہ“ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ہے۔ اور چاہیے کہ دین کے علاوہ میں ”صاحبین“ رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک یہ جائز ہو جب وہ دین کا حصہ بیان کرے، ”ابن ملک“۔

28594۔ (قوله: إِبْرَاءَ الْغُرْمَاءِ) یعنی مصالح غرماء کو بری کر دے۔

28595۔ (قوله: وَأَحَالَهُمْ) یہاں اس جملہ کا کوئی محل نہیں۔ یہ ”ابن ملک“ کی ”شرح الوقایہ“ میں موجود ہے۔ بعض نسخوں میں ہے: وَاِحَالَهُمْ۔

28596۔ (قوله: عَنْ غَيْرِهِمْ) یعنی جو دین کے علاوہ ہے۔

28597۔ (قوله: أَحْسَنُ الْحِيلِ) کیونکہ پہلے حیلہ میں وارثوں کو ضرر ہے۔ کیونکہ ان کے لیے ممکن نہیں کہ وہ مصالح کے حصہ کی مقدار کا ان سے مطالبہ کریں۔ اسی طرح دوسرے حیلہ میں بھی ضرر ہے کیونکہ نقد ادھار سے بہتر ہے، ”اتقانی“۔

28598۔ (قوله: وَالْأَوْجَهُ) کیونکہ آخری میں مال کے وصول کرنے میں تقدیم کے ضرر سے خالی نہیں، ”ابن ملک“۔

(وَفِي صِحَّةِ صَلَاحٍ عَنْ تَرْكِ مَجْهُولَةٍ أَعْيَانُهَا وَلَا دِينَ فِيهَا (عَلَى مَكِيلٍ أَوْ مَوْزُونٍ) مُتَعَلِّقٌ بِصَلَاحٍ (اِخْتِلَافٍ) وَالصَّحِيحُ الصِّحَّةُ زَيْلَعِي لِعَدَمِ اعْتِبَارِ شُبْهَةِ الشُّبْهَةِ، وَقَالَ ابْنُ الْكَمَالِ إِنَّ فِي التَّرِكَةِ جِنْسٌ بَدَلِ الصَّلَاحِ لَمْ يَجْزُ إِلَّا جَازٍ وَإِنْ لَمْ يُدَّرْ فَعَلَى الْاِخْتِلَافِ (وَلَوْ التَّرِكَةُ) (مَجْهُولَةٌ وَهِيَ غَيْرُ مَكِيلٍ أَوْ مَوْزُونٍ فِي يَدِ الْبَقِيَّةِ) مِنْ الْوَرَثَةِ (صَحَّ فِي الْأَصَحِّ) لِأَنَّهَا لَا تُفْضَى إِلَى الْمُنَازَعَةِ لِقِيَامِهَا فِي يَدِهِمْ حَتَّى لَوْ كَانَتْ فِي يَدِ الْمُصَالِحِ أَوْ بَعْضِهَا لَمْ يَجْزُ مَا لَمْ يَعْلَمْ جَمِيعَ مَا فِي يَدِهِ لِلْحَاجَةِ إِلَى التَّسْلِيمِ ابْنُ مَلِكٍ

جس ترکہ کے اعیان مجہول ہوں اور ان میں دین نہ ہو اس میں کیلی اور روزنی چیز پر صلح کرنے میں اختلاف ہے۔ علی مکیل او موزون یہ صلح کے متعلق ہے۔ صحیح یہ ہے کہ صلح صحیح ہے، زیلعی۔ کیونکہ شبہ کے شبہ کا اعتبار نہیں کیا گیا۔ ”ابن کمال“ نے کہا: اگر ترکہ میں بدل صلح کی جنس ہو تو صلح جائز نہ ہوگی ورنہ صلح جائز ہوگی۔ اگر پتانہ ہو تو مسئلہ مختلف فیہ ہوگا اگرچہ ترکہ مجہول ہو اور وہ کیلی اور روزنی نہ ہو باقی ماندہ وارثوں کے قبضہ میں ہو تو واضح قول کے مطابق صلح صحیح ہوگی۔ کیونکہ یہ امر منازعہ کی طرف نہیں لے جاتا۔ کیونکہ یہ ان کے قبضہ میں ہے یہاں تک کہ اگر وہ مکمل مصالح کے قبضہ میں ہے یا اس کا بعض اس کے قبضہ میں ہے تو صلح جائز نہ ہوگی جب تک یہ معلوم نہ ہو کہ اس کے قبضہ میں کل کس قدر ہے۔ کیونکہ سپرد کرنے کی حاجت پائی جا رہی ہے، ”ابن ملک“۔

28599۔ (قوله: شُبْهَةُ الشُّبْهَةِ) کیونکہ یہ احتمال موجود ہے کہ ترکہ میں اس کی جنس سے کوئی چیز نہ ہو اور یہ بھی احتمال ہے کہ اس کی جنس سے ہو جب ترکہ میں اس کی جنس سے ہو تو یہ احتمال موجود ہے کہ جس بدل پر صلح واقع ہوئی ہے وہ مقدار میں زائد ہو۔ اگر یہ احتمال ہو کہ وہ اس کی مثل ہے یا اس سے کم ہے یہ احتمال کا احتمال ہے تو یہ شبہ شبہ کے مقام پر آ گیا جب کہ یہ معتبر نہیں۔

28600۔ (قوله: يُدَّرُ) یہ مجہول کا صیغہ ہے۔

28601۔ (قوله: أَوْ مَوْزُونٍ) یعنی ان میں دین نہیں اور صلح کیلی اور روزنی چیز پر واقع ہوئی۔ ”اتقانی“۔

تہایو کے جواز اور عدم جواز کی بحث

28602۔ (قوله: فِي الْأَصَحِّ) ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ جائز نہیں۔ کیونکہ یہ مجہول کی بیع ہے کیونکہ مصالح نے ترکہ میں سے اپنے حصہ کو بیچا ہے جب کہ وہ حصہ مجہول ہے ایسی چیز کے بدلے میں جو کیلی اور روزنی ہے۔ ”اتقانی“۔

خاتمہ: التہایو یعنی دو شریفوں کا دو جانوروں کے منافع یا سواری میں باری بنانا اس کا جواز امام ”ابو حنیفہ“ رحمہ اللہ کے نزدیک صلح کے ساتھ خاص ہے جبر کے ساتھ صحیح نہیں۔ ایک جانور میں اس کے منافع اور سواری میں صلح کے ساتھ جائز ہے۔ امام ”ابو حنیفہ“ رحمہ اللہ کے نزدیک دو غلاموں کے منافع میں فاسد ہے اگر جبر کے ساتھ ہو، ”درر البحار“ اور اس کی شرح ”غرر الافکار“ میں ہے۔

پھر یہ جان لو کہ ایک غلام یا جانور میں جبر التہایو بالاتفاق جائز نہیں کیونکہ کفالت پایا جاتا ہے۔ ایک غلام یا دو غلاموں کی خدمت بالاتفاق جائز ہے۔ کیونکہ ظاہر میں تفاوت نہیں یا بہت ہی قلیل تفاوت ہے۔ ایک گھر، دو گھروں، ایک گھر کی رہائش یا

(وَبَطَلَ الصُّلْحُ وَالْقِسْمَةُ مَعَ إِحَاطَةِ الدَّيْنِ بِالثَّرِكَةِ) إِلَّا أَنْ يَضْمَنَ الْوَارِثُ الدَّيْنَ بِلَا رُجُوعٍ أَوْ يَضْمَنَ أَجْنَبِيٌّ بِشَرْطِ بَرَاءَةِ النِّبْتِ أَوْ يُؤْتَى مِنْ مَالٍ آخَرَ (وَلَا يَنْبَغِي أَنْ (يُصَالِحَ) وَلَا يَقْسِمَ (قَبْلَ الْقَضَاءِ) بِالَّذِينَ (فِي غَيْرِ دَيْنٍ مُحِيطٍ وَلَوْ فَعَلَ) الصُّلْحُ وَالْقِسْمَةُ (صَحَّ) لِأَنَّ الثَّرِكَةَ لَا تَخْلُو عَنْ قَلِيلِ دَيْنٍ فَلَوْ وَقَفَ الْكُلُّ تَضَرَّرَ الْوَرَثَةُ فَيُوقَفُ قَدْرُ الدَّيْنِ اسْتِحْسَانًا وَقَايَةً لِيَلَّا يَحْتَاجُوا إِلَى نَقْضِ الْقِسْمَةِ بَحْرٍ (وَلَوْ أَخْرَجُوا وَاحِدًا) مِنَ الْوَرَثَةِ (فَحِصَّتْهُ تُقْسَمُ بَيْنَ الْبَاقِي عَلَى السَّوَاءِ إِنْ كَانَ مَا أُعْطِيَ

جب دین ترکہ کو محیط ہو تو صلح اور تقسیم باطل ہو جائے گی مگر جب وارث دین کی ضمانت اٹھالے اور کسی قسم کے مطالبہ کا تصور نہ رکھے یا اجنبی آدمی دیون کی ضمانت اٹھالے شرط یہ ہو کہ میت بری ہوگا یا کسی اور مال سے وہ دین ادا کیا جائے گا۔ اور یہ مناسب نہیں کہ دین ادا کرنے سے پہلے وہ صلح کریں اور نہ ہی وراثت تقسیم کرنا مناسب ہے جب کہ دین ترکہ کو محیط نہ ہو۔ اگر صلح اور تقسیم کی گئی تو یہ صحیح ہوگا کیونکہ ترکہ تھوڑے دین سے خالی نہیں ہوتا۔ اگر سب موقوف ہو تو وارثوں کو ضرر لاحق ہوتا ہے تو بطور استحسان دین کی مقدار موقوف ہوگا تاکہ وہ تقسیم کے توڑنے کے محتاج نہ ہوں، ”بحر“۔ اگر ورثاء نے ایک وارث کو ورثہ سے خارج کر دیا تو اس کا حصہ باقی ماندہ پر برابر تقسیم کیا جائے گا اگر انہوں نے جو کچھ اسے عطا کیا ہے

دو گھروں کی رہائش بالاتفاق جائز ہے۔ کیونکہ معادلہ ممکن ہے۔ کیونکہ تغایر ظاہر میں جائیداد کی طرف مائل نہیں ہوتا اور صلح کے طور پر رہا ہو تمام صورتوں میں جائز ہے جس طرح امام ”ابو حنیفہ“ رحمہ اللہ نے صلح سے غلام کی تقسیم کو جائز قرار دیا ہے۔

28603۔ (قوله: أَوْ يُؤْتَى) یونی مجہول کا صیغہ ہے باب تفعیل سے ہے یعنی پہلے حرف پر ضمہ دوسرے پر فتح اور تیسرا

مشدد ہے۔

28604۔ (قوله: لِيَلَّا الْخ) علامہ ”مقدس“ نے کہا: اگر معزول ہلاک ہو جائے تو تقسیم کو ختم کرنا ضروری ہے۔ ”ط“۔

28605۔ (قوله: عَلَى السَّوَاءِ) اس قول نے اس امر کا فائدہ دیا کہ ایک وارث نے جب بعض سے صلح کی باقی ماندہ

صلح نہ کی تو صلح صحیح ہوگی اور اس کا حصہ صرف اس کے لیے ہوگا۔ اسی طرح اگر موصی لہ سے صلح کرے جس طرح ”انقردی“ میں ہے۔ ”سائحانی“۔

مسئلہ: یہ مسئلہ ایسے آدمی کے بارے میں ہے جو ایک بیوی، ایک بیٹی اور تین چچا زاد بھائی بطور عصبہ چھوڑ کر مرتا ہے اور ترکہ چھوڑتا ہے جس کو انہوں نے باہم تقسیم کر لیا ہے پھر ورثا بیوی کے خلاف دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ گھر جو اس کے قبضہ میں ہے یہ ان کے متوفی مورث کی ملکیت ہے۔ بیوی ان کے دعویٰ کا انکار کرتی ہے اور وہ ان کے ساتھ انکار کی صورت میں صلح کرتے ہوئے کچھ دراہم دے دیتی ہے کیا بدل صلح ان پر میراث کے حصہ کے مطابق تقسیم کیا جائے گا؟

جواب اس کا یہ ہے: ”البحر“ میں ہے: مصالح علیہ کی جانب میں اس کا حکم یہ ہے کہ اس میں کسی کی ملکیت واقع ہو تو وہ مدعی کے لیے ہے خواہ مدعی علیہ مقرر ہو یا منکر ہو اور مصالح عنہ کی جانب میں اس کا حکم یہ ہے کہ اس میں مدعی علیہ کے لیے ملکیت

مِنْ مَالِهِمْ غَيْرَ الْبِيرَاثِ، وَإِنْ كَانَ الْمُعْطَى (مِمَّا وَرِثُوهُ فَعَلَى قَدْرِ مِيرَاثِهِمْ) يُقَسَّمُ بَيْنَهُمْ وَقَيَّدَهُ
الْخَصَافُ بِكُونِهِ عَنْ إِنْكَارٍ فَلَوْ عَنْ إِقْرَارٍ فَعَلَى السَّوَاءِ، وَصُلْحٌ أَحَدِهِمْ عَنْ بَعْضِ الْأَعْيَانِ صَحِيحٌ، وَلَوْ
لَمْ يَذْكُرْ فِي صَكِّ الشَّخَارِجِ أَنَّ فِي التَّرَكَّةِ دَيْنًا أَمْ لَا فَالْصَّكُّ صَحِيحٌ وَكَذَا لَوْ لَمْ يَذْكُرْ فِي الْفَتْوَى فَيُفْتَى
بِالصِّحَّةِ، وَيُحْتَلُّ عَلَى وُجُودِ شَرَايِطِهَا مَجْمَعُ الْفَتَاوَى (وَالْمَوْصَى لَهُ) بِبَدَلِغٍ مِنَ التَّرَكَّةِ (كَوَارِثٍ فِيهَا
قَدْ مَنَّا) مِنْ مَسْأَلَةِ الشَّخَارِجِ

وہ مال میراث کے علاوہ ہوا اگر عطا کیا جانے والا مال اس میں سے ہو جس کے وہ وارث ہوں تو اسے ان کی میراث کی مقدار
کے مطابق تقسیم کیا جائے گا۔ ”خصاف“ نے اس کی یہ قید لگائی ہے کہ یہ صلح انکار کی صورت میں ہو اگر اقرار کی صورت میں ہو تو
پھر برابر ان میں تقسیم کیا جائے گا۔ بعض اعیان کے مطابق ان میں سے کسی ایک کا صلح کرنا صحیح ہے اگرچہ تخارج کی دستاویز
میں یہ ذکر نہ کیا گیا ہو کہ ترکہ میں دین ہے یا نہیں تو دستاویز صحیح ہوگی۔ اسی طرح اگر وہ فتویٰ میں اس کا ذکر نہ کرے تو وہ صحت کا
فتویٰ دے دے اور اس کی شرائط کے پائے جانے پر اسے محمول کیا جائے گا۔ ”مجمع الفتاویٰ“۔ اور موصی نہ جسے ترکہ میں سے
کچھ وصیت کی گئی ہو تو وہ ان تمام امور میں وارث کی طرح ہوگا جن کا ذکر مسئلہ تخارج میں پہلے ہو چکا ہے۔

واقع ہو۔ الخ

اس کی مثل ”المنح“ میں ہے۔ ”مجموع النوازل“ میں ہے: دعویٰ فاسدہ کے بعد انکار کی حالت میں صلح کے بارے میں
پوچھا گیا کیا وہ صحیح ہوتی ہے؟

کہا: کیونکہ مدعی کی جانب سے انکار کی صورت میں صلح کی تصحیح کا مطلب یہ ہے کہ اس نے جو کچھ لیا ہے وہ اس کا عین حق قرار
دیا جائے یا اس کا عوض قرار دیا جائے ضروری ہے کہ وہ اس کے حق میں ثابت ہو تا کہ صلح کی تصحیح ممکن ہو۔ یہ ”ذخیرہ“ سے لیا گیا ہے۔
ان کے قول: وقوع الملك فيه للبدعي اس میں ملک مدعی کے لیے واقع ہو اور ان کے قول: ان يجعل ما اخذ عين حقه او
عوض عنه اسے اس کا عین حق یا اس کا عوض قرار دیا جائے کا مقتضایہ ہے کہ وہ ان کے میراث کی مقدار پر ہو۔ مجموعہ ”مسئلا علی“۔

28606۔ (قوله: مِنْ مَالِهِمْ) یعنی جب کہ وہ اس مال میں برابر ہوں اور اگر تفاوت ہو تو پھر یہ حکم ظاہر نہیں ہوا۔

28607۔ (قوله: فَعَلَى قَدْرِ مِيرَاثِهِمْ) کتاب الفرائض کے آخر میں ان کے درمیان ترکہ کی تقسیم کی وضاحت

آئے گی۔

تتمہ: ایک آدمی نے مال یا کسی اور چیز کا دعویٰ کیا ایک آدمی نے وہ چیز مدعی سے خرید لی تو خریداری جائز ہو جائے گی اور
دعویٰ میں مشتری مدعی کے قائم مقام ہو جائے گا۔ اگر وہ اس میں سے کسی شے کا مستحق بن گیا تو وہ چیز اس کی ہوگی ورنہ وہ چیز اس
کی نہ ہوگی۔ اگر مطلوب انکار کر دے اور گواہ نہ ہوں تو اسے حق حاصل ہوگا کہ وہ مدعی سے مطالبہ کرے، ”بحر“۔ اس کی وجہ
میں غور و فکر کیجئے۔ ”بزازیہ“ میں کتاب الہبہ کے آغاز میں ہے: دین کے بیع جائز نہیں اگر اس نے اسے مدیون کے ہاتھ بیچ دیا

(صَالِحُوا) أَمَى الْوَرَثَةُ (أَحَدُهُمْ) وَخَرَجَ مِنْ بَيْنِهِمْ (ثُمَّ ظَهَرَ لِلنَّبِيِّ دَيْنٌ أَوْ عَيْنٌ لَمْ يَعْلَمُهَا هَلْ يَكُونُ ذَلِكَ دَاخِلًا فِي الصُّلْحِ) الْمَذْكُورِ

وارثوں نے ایک وارث سے صلح کی اور وہ ایک وارث دوسرے وارثوں سے نکل گیا پھر میت کا دین یا عین ظاہر ہوا جس کو وہ نہیں جانتے تھے کیا وہ مذکورہ صلح میں داخل ہوگا؟

یا اسے ہبہ کر دیا تو یہ جائز ہو جائے گا۔

اگر وارث کسی وارث سے صلح کریں اور وہ دست بردار ہو جائے پھر میت کا دین

یا عین ظاہر ہو تو کیا وہ مذکورہ صلح میں داخل ہوگا؟

28608۔ (قوله: صَالِحُوا الْخ) میں کہتا ہوں: ”بزازیہ“ میں صلح کی چھٹی فصل میں کہا: اگر تخریج کے بعد ترکہ میں کوئی عین ظاہر ہو گیا اس بارے میں کوئی روایت نہیں کہ کیا وہ عین صلح کے تحت داخل ہوگا یا وہ صلح کے تحت داخل نہیں ہوگا۔ کوئی کہنے والا یہ کہہ سکتا ہے کہ وہ داخل ہوگا اور کوئی کہنے والا یہ کہہ سکتا ہے کہ داخل نہیں ہوگا پھر دو اوراق کے بعد کہا: ”تاج الاسلام“ نے کہا اور ”صدر الاسلام“ کے خط سے پایا: ایک وارث نے صلح کی اور عام بری کر دیا پھر ترکہ میں سے ایک شے ظاہر ہوئی جو صلح کے وقت نہ تھی تو دعویٰ کے جواز میں کوئی روایت نہیں۔ کوئی کہنے والا کہہ سکتا ہے اس میں سے اس کے حصہ کا دعویٰ جائز نہیں ہے۔ یہی قول اصح ہے۔ کوئی کہنے والا کہہ سکتا ہے کہ یہ جائز نہیں۔

”الحیظ“ میں ہے: اگر وارثوں میں سے ایک نے باقی کو بری کر دیا پھر ترکہ کا دعویٰ کر دیا اور وارثوں نے انکار کر دیا تو اس کا دعویٰ نہیں سنا جائے گا اگر وہ ترکہ کا اقرار کریں تو ان وارثوں کو حکم دیا جائے گا کہ وہ اسے واپس کر دیں، کلام ”البرزازیہ“۔ پھر چند سطور بعد کہا: بیوی نے آٹھویں حصہ کے بارے میں صلح کی پھر دین یا عین ظاہر ہو گیا جو وارثوں کو معلوم نہ تھا ایک قول یہ کیا گیا ہے وہ صلح میں داخل نہیں ہوگا اور وراثت کے درمیان اسے تقسیم کیا جائے گا۔ کیونکہ جب انہیں علم نہیں تھا تو ان کی صلح معلوم کے بارے میں تھی جو ان کے نزدیک ظاہر ہے ان کی صلح مجہول کے بارے میں نہیں تھی پس یہ عین اور دین اس چیز کی طرح ہو جائے گی جس کو صلح سے مستثنیٰ کیا گیا ہو پس صلح باطل نہ ہوگی۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ صلح میں داخل ہوگی کیونکہ یہ صلح ترکہ کے بارے میں واقع ہوئی اور ترکہ سب کا نام ہے۔ جب دین ظاہر ہوگا تو صلح فاسد ہو جائے گی اور اسے یوں بنایا جائے گا جو صلح کے وقت ظاہر تھا۔

اس کے مجموعی کلام کا ماحصل یہ ہے کہ اگر صلح کے بعد ترکہ میں کوئی عین ظاہر ہو جائے کیا وہ عین صلح میں داخل ہوگا تو اس کے بارے میں دعویٰ نہیں سنا جائے گا یا وہ عین صلح میں داخل نہیں ہوگا تو دعویٰ سنا جائے گا اس کے بارے میں دو قول ہیں۔ اسی طرح اگر صلح کے بعد عام بری کرنا صادر ہوا پھر مصالح کے لیے عین ظاہر ہوا کیا اس کا دعویٰ سنا جائے گا اس بارے میں بھی دو قول ہیں۔ اصح قول یہ ہے کہ دعویٰ سنا جائے گا۔ یہ اس پر مبنی ہے کہ یہ عین صلح کے تحت داخل نہیں۔ پس یہ داخل نہ ہونے کے قول کی

(قَوْلَانِ أَشْهَرُهُمَا لَا بَلَّ بَيْنَ الْكُلِّ وَالْقَوْلَانِ حَاكُمَانِ الْخَانِيَّةِ مُقَدِّمًا لِعَدَمِ الدُّخُولِ وَقَدْ ذَكَرْنَا فِي أَوَّلِ فِتَاوَاهُ أَنَّهُ يُقَدَّمُ مَا هُوَ الْأَشْهَرُ فَكَانَ هُوَ الْمُعْتَمَدَ كَذَا فِي الْبَحْرِ قُلْتُ وَفِي الْبَزَازِيَّةِ أَنَّهُ الْأَصَحُّ وَلَا يَنْطَلُ الصُّلْحُ، وَفِي الْوَهْبَانِيَّةِ

وَفِي مَالِ طِفْلِ بِالشُّهُودِ فَلَمْ يَجْزُ وَمَا يَدَّعِ خَصْمٌ وَلَا يَتَنَوَّرُ

اس بارے میں دو قول ہیں دونوں میں سے زیادہ مشہور یہ قول ہے کہ وہ داخل نہیں ہوگا بلکہ وہ سب وارثوں میں تقسیم ہوگا۔ دونوں قولوں کو ”خانیہ“ میں بیان کیا ہے جب کہ عدم دخول کو مقدم کیا ہے۔ انہوں نے اپنے فتاویٰ کے شروع میں یہ ذکر کیا تھا کہ جو قول زیادہ مشہور ہوگا اسے مقدم کیا جائے گا پس یہی قابل اعتماد ہے۔ ”البحر“ میں اسی طرح ہے۔ میں کہتا ہوں: ”بزازیہ“ میں ہے: یہی اصح ہے اور صلح باطل نہیں ہوگی۔ ”الوہبانیہ“ میں ہے: طفل کا ایسا مال جو گواہوں سے ثابت ہے اور اس میں صلح جائز نہ ہوگی۔ اور مدعی جس مال کے بارے میں بچے پر دعویٰ کرے اور گواہیوں سے روشن نہ کرے

صحیح ہوگی۔ یہ اس صورت میں ہے جب باقی ماندہ وارث اعتراف کر لیں کہ یہ عین ترکہ میں سے نہیں ورنہ بری کرنے کے بعد اس کا دعویٰ نہیں سنا جائے گا جس طرح اس کا وہ قول فائدہ دیتا ہے جسے ”اللمحیط“ سے نقل کیا ہے۔

عین کی قید لگائی ہے کیونکہ اگر صلح کے بعد ترکہ میں دین ظاہر ہو جائے تو صلح میں داخل نہ ہونے کے قول کی بنا پر صلح صحیح ہوگی اور دین سب میں تقسیم کر دیا جائے گا۔ جہاں تک اس قول کا تعلق ہے کہ وہ صلح میں داخل ہوگا تو صلح فاسد ہو جائے گی جس طرح اگر صلح کے وقت دین ظاہر ہو تو صلح فاسد ہو جائے گی اگر اس صورت میں جب اسے صلح سے خارج کر دیا جائے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ صلح کے بارے میں یہ تصریح کی جائے کہ یہ ترکہ کے اعیان کے بارے میں ہے دین کے بارے میں نہیں۔ ”بزازیہ“ میں اس کا بھی ذکر کیا ہے کیونکہ فرمایا: پھر تخرج کے بعد جو چیز ظاہر ہوتی ہے یہ اس کے قول کے مطابق ہے جس نے کہا: یہ صلح کے تحت داخل نہیں ہوتی تو اس میں کوئی خفا نہیں اور جس نے کہا: وہ صلح کے تحت داخل ہوگی تو اس کا حکم اس طرح ہوگا اگر وہ عین ہو تو یہ صلح کے فساد کو ثابت نہیں کرے گی اگرچہ دین ہوا اگر اسے صلح سے خارج کیا گیا ہو تو صلح فاسد نہ ہوگی ورنہ صلح فاسد ہو جائے گی۔

28609۔ (قوله: بَيْنَ الْكُلِّ) یعنی جو دین یا عین ظاہر ہوا ہے وہ سب میں تقسیم ہوگا۔

28610۔ (قوله: قُلْتُ الْخ) میں کہتا ہوں: ”فصولین“ کی اٹھائیسویں فصل میں ہے کہ یہ زیادہ مناسب ہے یعنی

اگر عین ظاہر ہو جائے دین ظاہر نہ ہو۔

28611۔ (قوله: وَلَا يَنْطَلُ الصُّلْحُ) یعنی اگر ترکہ میں عین ظاہر ہو جائے تو صلح باطل نہ ہوگی مگر جب اس میں دین ظاہر

ہو جائے تو ”بزازیہ“ میں کہا: اگر اسے صلح سے خارج کیا گیا ہو تو صلح فاسد نہ ہوگی ورنہ صلح فاسد ہو جائے گی یعنی اگر صلح دین کے علاوہ پر واقع ہوئی ہو تو صلح فاسد نہ ہوگی۔ اگر تمام ترکہ پر صلح ہوئی ہو تو صلح فاسد ہو جائے گی جس طرح دین صلح کے وقت ظاہر ہو۔

28612۔ (قوله: وَفِي مَالِ طِفْلِ) یعنی جب بچے کا مال ہو جس کے گواہ ہوں تو اس میں صلح جائز نہیں اور جس مال کے

وَصَحَّ عَلَى الْإِبْرَاءِ مِنْ كُلِّ غَائِبٍ وَلَوْ زَالَ عَيْبٌ عَنْهُ صَالِحٌ يُهْدَرُ
وَمَنْ قَالَ إِنَّ تَخْلِفَ فَتَبْرَأَ فَلَمْ يَجْزُ وَلَوْ مُدَّعٍ كَالْأَجْنَبِيِّ يُصَوِّرُ

اور یہ عیب سے صلح صحیح ہوگی اگر اس بیع سے عیب زائل ہو گیا تو صلح رائیگاں چلی جائے گی۔ اور جس نے یہ کہا اگر تو قسم اٹھا دے تو تو بری ہے تو یہ صلح جائز نہ ہوگی اگر مدعی قسم اٹھائے تو وہ اجنبی کی طرح تصور کیا جائے گا۔

بارے میں کوئی مدعی بچے پر دعویٰ کرتا ہے اس میں صلح جائز نہیں اور جس مال کا دعویٰ کرتا ہے اسے گواہیوں سے منور نہیں کرتا۔ اس کا مفہوم یہ ہے کہ صلح جائز ہے جب بچے کے گواہ نہ ہوں اور جہاں خصم کے گواہ ہوں۔ ”ابن الشَّحْنَه“۔ ”حاشیہ“ میں اسی طرح ہے۔

28613۔ (قوله: وَصَحَّ عَلَى الْإِبْرَاءِ الْخ) اگر ایک آدمی (مشتري) نے عیب کی وجہ سے صلح کی پھر عیب زائل ہو گیا اس کی صورت یہ ہے کہ غلام کی آنکھ میں سفیدی ہو پھر وہ سفیدی ختم ہو جائے تو صلح باطل ہو جائے گی اور جو بدل صلح اس نے لیا تھا اسے واپس کر دے گا۔ کیونکہ جو معوض عنہ ہے وہ سلامتی کی صفت ہے جب کہ وہ لوٹ آئی ہے پس عوض لوٹ آئے گا پس صلح باطل ہوگی ”ابن شحْنَه شرح الوہبانیہ“۔ ”حاشیہ“ میں اسی طرح ہے۔

28614۔ (قوله: وَمَنْ قَالَ الْخ) یعنی اگر دونوں نے صلح کی کہ مدعی علیہ قسم اٹھائے اگر وہ قسم اٹھا دے تو وہ بری ہو جائے گا۔ مدعی علیہ نے قسم اٹھا دی کہ مدعی کا اس کے ذمہ نہ قلیل مال ہے اور نہ ہی کثیر ہے تو صلح باطل ہوگی۔ اور مدعی اپنے دعویٰ پر باقی رہے گا۔ اگر وہ گواہیاں قائم کر دے تو گواہیاں قبول کی جائیں گی اگر اس کے پاس گواہ نہ ہوں اور اس نے یہ ارادہ کیا کہ قاضی کے پاس جا کر اس سے قسم کا مطالبہ کرے تو اسے یہ حق ہوگا اگر وہ دونوں اس پر صلح کر لیں کہ مدعی اپنے دعویٰ پر قسم اٹھا دے اس شرط پر کہ اگر مدعی قسم اٹھا دے تو مدعی علیہ اس کا ضامن ہوگا جس کا وہ دعویٰ کرتا ہے تو یہ صلح باطل ہوگی ”ابن الشَّحْنَه“۔ ”حاشیہ“ میں اسی طرح ہے۔

28615۔ (قوله: وَلَوْ مُدَّعٍ) لو و صلیہ ہے۔ ”حاشیہ“ میں اسی طرح ہے۔

کِتَابُ الْمُضَارَبَةِ

(ہی) لُغَةً مُفَاعَلَةٌ مِنَ الضَّرْبِ فِي الْأَرْضِ وَهُوَ السَّيْرُ فِيهَا وَشَرْعًا (عَقْدُ شِرْكَةٍ فِي الرِّيحِ بِمَالٍ مِنْ جَانِبِ رَبِّ الْمَالِ (وَعَمَلٍ مِنْ جَانِبِ الْمُضَارِبِ) (وَرُكْنُهَا الْإِيجَابُ وَالْقَبُولُ وَحُكْمُهَا أَنْوَاعٌ؛ لِأَنَّهَا (إِبْدَاءٌ ابْتِدَاءً) وَمِنْ حِيلِ الضَّمَانِ أَنْ يُقْرِضَهُ الْمَالُ إِلَّا دِرْهَمًا ثُمَّ يَعْقِدَ شِرْكَةَ عَنَانٍ بِالذِّرْهِمِ،

مضاربت کے احکام

مضاربہ یہ لغت کے اعتبار سے ضرب فی الارض سے مفاعلہ کا وزن ہے، ضرب فی الارض سے مراد زمین میں گھومنا پھرنا ہے۔ اور شرع میں مضاربہ سے مراد نفع میں شریک ہونا ہے جب کہ مال ایک جانب یعنی رب المال کی طرف سے ہو اور عمل مضارب کی جانب سے ہو۔ مضاربہ کا رکن ایجاب اور قبول ہے اور اس کے حکم کی کئی انواع ہیں۔ کیونکہ یہ ابتداء و دیعت کے طور پر مال دینا ہے۔ اور ضمانت کے حیلوں میں سے ایک یہ ہے کہ مالک مضارب کو مال قرض کے طور پر دے مگر ایک درہم قرض کے طور پر نہ دے پھر جو درہم قرض کے طور پر نہیں دیا اور جو قرض کے طور پر دیا ہے اس کے ساتھ شرکت عنان کرے

اگر رب المال نے یہ شرط لگائی کہ وہ مضارب کے ساتھ کام کرے گا تو یہ مضارب بت فاسد ہو جائے گی 28616۔ (قوله: مِنْ جَانِبِ الْمُضَارِبِ) اس کی یہ قید لگائی ہے کیونکہ اگر رب المال نے یہ شرط لگائی کہ وہ مضارب کے ساتھ کام کرے گا تو مضارب بت فاسد ہو جائے گی۔ جس طرح مصنف عنقریب باب المضارب یضرب میں اس کی تصریح کریں گے۔ اسی طرح مضارب بت فاسد ہو جائے گی اگر اس نے مضارب سے مال اس کے امر کے بغیر لیا اسے بیچا اور اس کے بدلے میں خریدا مگر جب مال سامان تجارت ہو جائے تو مضارب بت فاسد نہ ہوگی اگرچہ وہ اس مضارب سے وہ مال لے جس طرح فصل المتفرقات میں عنقریب آئے گا۔

28617۔ (قوله: إِبْدَاءٌ ابْتِدَاءً) ”خیر ملی“ نے کہا: عنقریب یہ آئے گا کہ مضارب مضاربہ مطلقہ میں مال و دیعت کے طور پر دے سکتا ہے جب کہ یہ امر ثابت ہو چکا ہے کہ مودع آگے مال و دیعت پر نہیں دے سکتا۔ اس سے مراد یہ ہے کہ مال و دیعت کے طور پر دینے کی صورت میں وہ ضامن نہیں ہوگا یہ مخصوص احکام میں ہے ہر حکم میں نہیں ہے۔ قتال ضمان کے حیلے

28618۔ (قوله: وَمِنْ حِيلِ الضَّمَانِ) اگر رب المال یہ ارادہ کرے کہ مال ہلاک ہونے کی صورت میں مضارب ضامن ہو تو اسے مال قرض دے پھر اس سے مال مضارب بت پر لے پھر مضارب کو مال بضاعت پر دے دے جس طرح

وَبِمَا أَقْرَضَهُ عَلَى أَنْ يَعْصِلَا، وَالرِّبْحُ بَيْنَهُمَا ثُمَّ يَعْصِلُ الْمُسْتَقْرِضُ فَقَطَّ فَإِنْ هَلَكَ فَالْقَرْضُ عَلَيْهِ (وَتَوَكَّلْ مَعَ الْعَمَلِ) لِتَصْرِفِهِ بِأَمْرِهِ (وَشِرْكُهُ) إِنْ رِبَحَ وَغَضِبَ إِنْ خَالَفَ وَإِنْ أَجَازَ رَبُّ الْمَالِ (بَعْدَهُ) لَصَيْرُورَتِهِ غَاصِبًا بِالْمُخَالَفَةِ (وَإِجَارَةً فَاسِدَةً إِنْ فَسَدَتْ فَلَا رِبْحَ) لِلْمُضَارِبِ (حِينَئِذٍ بَلْ لَهُ أَجْرٌ مِثْلُ) (عَمَلِهِ مُطْلَقًا)

اس شرط پر کہ وہ دونوں اس میں عمل کریں گے اور نفع دونوں میں مشترک ہوگا پھر صرف قرض لینے والا عمل کرے اگر مال ہلاک ہو گیا تو قرض مستقرض کے ذمہ ہوگا۔ اور یہ عمل کے ساتھ وکیل بنانا ہے کیونکہ وہ مالک کے امر سے تصرف کرتا ہے اگر نفع حاصل ہو جائے تو یہ شرکت ہے اگر مضارب رب المال کی مخالفت کرے تو یہ غصب ہے اگرچہ بعد میں رب المال اسے جائز قرار دے دے۔ کیونکہ وہ مخالفت کی وجہ سے غاصب ہو چکا ہے۔ اگر مضارب بت فاسد ہو جائے تو یہ اجارہ فاسدہ ہے تو اس وقت مضارب کے لیے کوئی نفع نہیں ہوگا بلکہ مطلقاً اس کے لیے اجرت مثلی ہوگی

”واقعات“ میں ہے، ”قہستانی“۔ ”زیلعی“ نے بھی اس حیلہ کو ذکر کیا ہے اس سے قبل جو حیلہ تھا اسے شارح نے ذکر کیا ہے۔ اس میں اعتراض کی گنجائش ہے۔ کیونکہ یہ شرکت عنان ہے اس میں اس آدمی پر عمل کی شرط لگائی ہے جو مال میں بڑھ کر تھا جب کہ یہ جائز نہیں۔ اس کے برعکس کی صورت مختلف ہے وہ جائز ہے۔ جس طرح ”ظہیریہ“ میں کتاب الشرحہ میں امام ”محمد“ رحمہ اللہ کی ”الاصل“ سے ذکر کیا ہے۔ تامل

اسی طرح ”بزازیہ“ کے کتاب الشرحہ میں ہے کیونکہ کہا: اگر دونوں میں سے ایک کے ہزار اور دوسرے کے دو ہزار ہوں اور وہ دونوں شریک ہوں اور جس کے ہزار ہیں اس پر دونوں عمل کی شرط لگا دیں اور نفع برابر ہو تو یہ جائز ہوگا۔ اسی طرح اگر وہ دونوں نفع اور نقصان کی شرط مال کے مطابق کی مقدار لگا دیں اور عمل ایک جانب سے ہو تو یہ جائز ہوگا اگر وہ دونوں عمل کی شرط دو ہزار والے پر لگا دیں اور نفع نصف نصف ہو تو شرط جائز نہ ہوگی اور نفع دونوں میں تہائی کے اعتبار سے ہوگا۔ کیونکہ ہزار والے نے اپنے لیے دوسرے کے مال کے نفع کی شرط اپنے لیے لگائی ہے نہ اس کا عمل ہے اور نہ مال ہے جب کہ استحقاق مال، عمل یا ضمان کے ساتھ ہوتا ہے ملخص۔ لیکن شارح کے مسئلہ میں دونوں پر عمل کی شرط لگائی ہے صرف جس کا مال زائد تھا اس پر شرط نہیں لگائی۔ حاصل کلام یہ ہے: ان کی کلام سے جو مفہوم ہے وہ یہ ہے کہ نفع میں اصل یہ ہے کہ وہ مال کی مقدار کے حساب سے ہوگا جب ایک کا عمل ہو پھر یہ صحیح ہوگا کہ یہ نفع اس کے عمل کے مقابل ہو اسی طرح اگر عمل دونوں سے ہو تو کفالت بھی صحیح ہوگا۔ تامل

28619۔ (قولہ: وَتَوَكَّلْ مَعَ الْعَمَلِ) اس پر جو ذمہ داری لازم ہوتی ہے رب المال سے اس کا مطالبہ کرے گا۔ ”درر“۔

28620۔ (قولہ: بِالْمُخَالَفَةِ) نفع مضارب کیلئے ہوگا مگر طرفین کے نزدیک وہ اس کیلئے پاکیزہ نہ ہوگا۔ ”در منتقی“۔

28621۔ (قولہ: مُطْلَقًا) یہ ظاہر روایت ہے۔ ”قہستانی“۔

رَبِّحْ أَوْ لَا (بِلَا زِيَادَةٍ عَلَى الْمَشْرُوطِ) خِلَافًا لِلْمُحْتَدِّ وَالثَّلَاثَةِ إِلَّا فِي وَصِيٍّ

اسے نفع ہو یا نفع نہ ہو وہ مشروط پر زائد نہ ہو۔ امام ”محمد“ رحمہ اللہ اور تینوں ائمہ نے اس سے اختلاف کیا ہے۔ مگر ایسا وصی

اگر مضارب بت فاسد ہو جائے تو اس وقت مضارب کے لیے اجرت مثل ہوگی

28622۔ (قوله: رَبِّحْ أَوْ لَا) امام ”ابو یوسف“ رحمہ اللہ سے یہ قول مروی ہے: جب اسے نفع نہ ہو تو کوئی اجرت نہیں ہوگی۔

یہی قول صحیح ہے تاکہ فاسدہ صحیحہ پر بڑھ نہ جائے، ”سأحانی“۔ اسی کی مثل ”حاشیہ طحاوی“ میں ”یعنی“ سے منقول ہے۔

28623۔ (قوله: عَلَى الْمَشْرُوطِ) ”المستقنی“ میں کہا: اس کے لیے جو شرط لگائی گئی ہے اس سے زائد نہ ہو۔ ”حاشیہ“

میں اسی طرح ہے یعنی اس صورت میں جب اسے نفع ہو ورنہ زیادتی متحقق نہ ہوگی۔ پس عامل کے لیے معین دراہم ذکر کرنے کے سبب فساد نہ ہوگا۔ تامل

28624۔ (قوله: خِلَافًا لِلْمُحْتَدِّ) اس میں اس امر کا شعور دلایا گیا ہے کہ اختلاف اس صورت میں ہے جب وہ نفع

حاصل کرے مگر جب وہ نفع حاصل نہ کرے تو اجرت مثلی لازم ہوگی وہ جہاں تک پہنچ جائے۔ کیونکہ معدوم نفع کے نصف کا اندازہ لگانا ممکن نہیں جس طرح ”الفصولین“ میں ہے۔ لیکن ”واقعات“ میں ہے: امام ”ابو یوسف“ رحمہ اللہ کا جو قول ہے وہ اس کے ساتھ مخصوص ہے جب اس نے نفع کمایا ہو اور امام ”محمد“ رحمہ اللہ کا قول ہے: اس کے لیے اجرت مثلی ہوگی وہ جہاں تک پہنچے وہ اعم ہے۔ ”قہستانی“۔

28625۔ (قوله: وَالثَّلَاثَةِ) امام ”محمد“ رحمہ اللہ کے نزدیک اس کے لیے اس کے عمل کی اجرت ہوگی وہ جہاں تک

پہنچے جب اسے نفع ہو، ”در منتهی“۔ ”حاشیہ“ میں اسی طرح ہے۔

اس بارے میں سوال کیا گیا جب زید عمرو کو مضارب بت کے طریقہ پر مال دے اور عمرو سے کہا: اسے بیچو اور جب تک نفع ہو

تو وہ ہمارے درمیان تہائی کے اعتبار سے ہوگا عمرو نے اس سامان کو بیچا اور اس میں نقصان اٹھایا تو مضارب بت صحیح نہ ہوگی اور عمرو کے لیے اجرت مثلی ہوگی جو مشروط سے زائد نہ ہو۔ ”حامد“۔

ایک آدمی نے دوسرے کو سامان دیا اور کہا: اسے بیچ اور اسے خرید جو تجھے نفع ہو تو وہ ہمارے درمیان نصف نصف ہوگا اسے۔

نقصان ہو گیا تو عامل پر خسارہ لازم نہ ہوگا جب سامان کے مالک نے اس سے مطالبہ کیا تو دونوں نے باہم صلح کی اس شرط پر کہ

عامل اسے دے گا تو اس پر کوئی شے لازم نہ ہوگی۔ اگر کسی انسان نے بدل صلح کی ضمانت اٹھائی تو یہ صحیح نہ ہوگا۔ اگر اس عامل نے

اس مال میں عمل کیا تو وہ مال ان دونوں کے درمیان شرط کے مطابق ہوگا۔ کیونکہ اس کا آغاز مضارب بت نہیں بلکہ یہ سامان بیچنے کا

وکیل بنانا ہے پھر جب ثمن نقدی میں سے ہو جائے تو اس کے بعد یہ مضارب بت کے طریقہ پر دینا ہوگا پس وہ پہلے ضامن نہیں ہو

گا۔ کیونکہ وہ وکالت کے حق کے طریقہ پر دین تھا پھر وہ مضارب ہو گیا تو وہ مشروط کا مستحق بن جائے گا۔ ”جواہر الفتاویٰ“۔

28626۔ (قوله: وَصِيٍّ الْخ) اس قول کا ظاہر معنی تو یہ ہے کہ وصی کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ یتیم کے مال میں نفع میں

أَخَذَ مَالَ يَتِيمٍ مُضَارَبَةً فَاسِدَةً كَشَرَطِهِ لِنَفْسِهِ عَشْرَةَ دَرَاهِمَ (فَلَا شَيْءَ لَهُ) فِي مَالِ الْيَتِيمِ (إِذَا عَمِلَ) أَشْبَاهُ فَهُوَ اسْتِثْنَاءٌ مِنْ أَجْرِ عَمَلِهِ (وَالْفَاسِدَةُ) (لَا ضَمَانَ فِيهَا) أَيْضًا (كَصَحِيحَةٍ)؛ لِأَنَّهُ أَمِينٌ (وَدَفَعَ) النَّالَ إِلَى آخَرَ مَعَ شَرَطِ الرِّبْحِ كُلِّهِ (لِلْمَالِكِ بِضَاعَةً) فَيَكُونُ وَكِيلًا مُتَبَرِّعًا (وَمَعَ شَرَطِهِ لِلْعَامِلِ قَرْضٌ) لِقِلَّةِ ضَرَرِهِ (وَشَرَطُهَا) أُمُورٌ سَبْعَةٌ (كَوْنُ رَأْسِ النَّالِ مِنَ الْأَثْمَانِ) كَمَا مَرَرْنَا فِي الشَّرَاكِ وَهُوَ مَعْلُومٌ لِلْعَاقِدَيْنِ

جس نے یتیم کا مال مضارب فاسدہ کے طور پر لیا۔ جس طرح وہ وصی اپنے لیے دس دراہم کی شرط لگائے تو یتیم کے مال میں اس کے لیے کچھ نہیں ہوگا، ”اشباہ“۔ یہ قول اجر عملہ سے مستثنیٰ ہے اور مضاربہ فاسدہ میں بھی ضمان نہیں جس طرح مضاربہ صحیحہ میں کوئی ضمان نہیں۔ کیونکہ یہ امین ہے اور کسی دوسرے شخص کو مال دینا اس شرط پر کہ سارا نفع مالک کے لیے ہوگا یہ بضاعت ہوگا۔ پس وہ متبرع وکیل ہوگا۔ اور یہ شرط لگائی جائے کہ نفع عامل کے لیے ہوگا تو یہ قرض ہوگا کیونکہ اس میں ضرر کم ہے۔ اس کی شرط سات امور ہیں (۱) اس المال ثمن ہو جس طرح شرکت میں گزر چکا ہے یہ عاقدین کو معلوم ہے

سے ایک جز میں مضاربت کرے۔ اس میں ”زیلعی“ کا کلام زیادہ ظاہر ہے۔ ”زیلعی“ نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ وصی کو حق حاصل ہے کہ وہ یتیم کے نائب کے طور پر اسے مال دے دے جو اس میں مضاربت کے طور پر عمل کرے جس طرح اس بچے کا باپ اس کا مال دے سکتا ہے۔ ”ابوسعود“۔

28627۔ (قوله: إِذَا عَمِلَ) کیونکہ اس کا حاصل یہ ہے کہ وصی اپنے آپ کو یتیم کے لیے اجرت پر پیش کرتا ہے جب کہ یہ جائز نہیں۔

28628۔ (قوله: لِقِلَّةِ ضَرَرِهِ) قرض کی ہبہ کی بنسبت ضرر کم ہے پس اس کو قرض بنادیا جائے گا اور اسے ہبہ نہیں بنایا جائے گا۔ ”زیلعی“ نے اس کو ذکر کیا ہے۔

28629۔ (قوله: مِنَ الْأَثْمَانِ) یعنی دراہم و دنانیر۔ اگر وہ سامان تجارت سے ہو پس وہ انہیں بیچ دے تو وہ چیزیں نقد بن جائیں اور مشروط لازم ہو جائے گا جس طرح ”جواہر“ میں ہے۔

مشترک شے کو قرض دینا جائز ہے

28630۔ (قوله: وَهُوَ مَعْلُومٌ لِلْعَاقِدَيْنِ) اگرچہ وہ سامان ہو۔ کیونکہ ”تاتر خانیہ“ میں ہے: جب ایک آدمی نے دوسرے کو ہزار درہم دیئے اور کہا: اس کا نصف تیرے پاس نصف نفع کے عوض مضاربت کے طریقہ پر ہے تو یہ صحیح ہوگا۔ یہ مسئلہ اس امر پر نص ہے کہ مشترک شے کو قرض دینا جائز ہے اس کی روایت نہیں پائی جاتی مگر یہاں ہی روایت پائی جاتی ہے۔ جب یہ عقد جائز ہے تو ہر ایک کے لیے اس کے حکم کا نصف ہوگا۔ اگر اس نے کہا: شرط یہ ہے کہ اس کا نصف قرض ہے اور دوسرے نصف میں تو مضاربت کے طریقہ پر عمل کرے گا اس شرط پر کہ تمام کا تمام نفع میرے لیے ہوگا تو یہ جائز ہے اور مکروہ

(وَكَفْتُ فِيهِ الْإِشَارَةَ) وَالْقَوْلُ فِي قَدْرِهِ وَصَفَتِهِ لِلْمُضَارِبِ بَيِّنَةٍ، وَالْبَيِّنَةُ لِلْمَالِكِ وَأَمَّا الْمُضَارَبَةُ بِدَيْنٍ فَإِنْ عَلَى الْمُضَارِبِ لَمْ يَجُزْ، وَإِنْ عَلَى ثَالِثٍ جَازٌ

اس میں اشارہ کافی ہے اس کی مقدار اور اس کی صفت میں قسم کے ساتھ قول مضارب کا ہوگا اور گواہ مالک کے ہوں گے۔ جہاں تک دین سے عقد مضاربہ کا تعلق ہے اگر تو وہ دین مضارب پر ہو تو یہ جائز نہیں۔ اگر وہ کسی تیسرے شخص پر ہو تو پھر جائز ہے

ہوگا۔ کیونکہ یہ ایسا قرض ہے جو منفعت کو لانے والا ہے اگر اس نے کہا: شرط یہ ہے کہ اس کا نصف تجھ پر قرض ہے اور اس کا نصف نصف نفع کے عوض مضاربہ کے طریقہ پر ہے تو یہ جائز ہوگا۔ یہاں کراہیت کا ذکر نہیں۔

مشائخ میں سے کچھ نے کہا: امام ”محمد“ رحمہ اللہ کی یہاں خاموشی اس کے مکروہ تنزیہی ہونے پر دلیل ہے۔

”الحانیہ“ میں کہا: اس شرط پر کہ نصف آخر میں عمل کرے گا اس شرط پر کہ نفع میرے لیے ہوگا یہ جائز ہے اور مکروہ نہیں ہوگا۔ اگر اسے نفع ہو تو وہ نفع دونوں میں برابر طور پر تقسیم کر دیا جائے گا اور نقصان دونوں پر لازم ہوگا۔ کیونکہ اس مال کا نصف قرض کے طور پر اس کی ملک میں ہے اور دوسرا نصف بضاعت کے طور پر اسکے قبضہ میں ہے۔ ”تجریذ“ میں یہ قول ہے کہ یہ مکروہ ہے۔

”المحیط“ میں ہے: اگر اس نے کہا: اس کا نصف، نصف نفع کے عوض مضاربہ کے طریقہ پر ہے اور اس کا نصف تیرے لیے ہے اس دوسرے آدمی نے اس پر تقسیم کے بغیر قبضہ کر لیا تو ہبہ فاسد ہو جائے گا اور مضاربہ جائز ہو جائے گی۔ اگر عمل سے پہلے یا عمل کے بعد مال ہلاک ہو گیا تو صرف نصف جو ہبہ کا حصہ ہے کی ضمانت اٹھائے گا۔ یہ مسئلہ اس پر نص ہے کہ ہبہ فاسدہ کے طریقہ پر جس مال پر قبضہ کیا گیا ہے اس کی موہوبہ پر ضمانت ہوگی، ملخص۔ اس کی مکمل بحث اس میں ہے پس اس کو یاد رکھا جائے کیونکہ یہ بہت ہی اہم ہے۔ یہ جو آخری صورت ہے کتاب الایداء سے تھوڑا پہلے عنقریب آئے گی۔

28631۔ (قوله: وَكَفْتُ فِيهِ) یعنی اعلام یا خبر کرنے میں اشارہ کافی ہے۔ ”منح“۔

دین سے عقد مضاربہ کا حکم

28632۔ (قوله: لَمْ يَجُزْ) اس نے جو خریدا ہے وہ اسی کے لیے ہوگا اور دین اس کے ذمہ ہوگا۔ ”بحر“۔

28633۔ (قوله: إِنْ عَلَى ثَالِثٍ) اس کی صورت یہ ہے کہ فلاں کے ذمہ جو مال ہے اس پر قبضہ کیجئے پھر اس سے مضاربہ کیجئے۔ اگر تمام دین پر قبضہ کرنے سے قبل اس نے عمل کیا تو ضامن ہوگا۔ اگر کہا: اس سے مضاربہ کا عمل کر دو تو ضامن نہیں ہوگا۔ یہی صورت ہوگی اگر اس نے کلام میں واؤ کا ذکر کیا۔ کیونکہ ثم کا لفظ ترتیب کے لیے آتا ہے۔ پس اسے عمل مضاربہ کی اجازت نہ ہوگی مگر جب کل پر قبضہ کر لے۔ فاو واؤ کا معاملہ مختلف ہے۔ اگر اس نے کہا: میرے دین پر قبضہ کر تا کہ اس سے تو مضاربہ کرے تو جب تک مکمل پر قبضہ نہیں کرے گا اسے اجازت نہ ہوگی۔ ”بحر“۔ ”حاشیہ“ میں کہا: ”الدرر“ میں کہا ہے: اگر اس نے کہا: اس دین سے مضاربہ کا عمل کر جو دین تیرے ذمہ ہے جب کہ نفع نصف نصف ہوگا تو یہ جائز نہیں ہوگا۔ اگر دین تیسرے آدمی کے ذمہ ہو تو معاملہ مختلف ہوگا جیسے اگر اس نے کہا: میرا جو مال فلاں کے ذمہ ہے اسے وصول کرو

وَكِرَّةً وَلَوْ قَالَ اشْتَرَى عَبْدًا نَسِيئَةً ثُمَّ بَعَهُ وَضَارِبٌ شَمْنُهُ فَقَعَلَ جَازَ كَقَوْلِهِ لِعَاصِبٍ أَوْ مُسْتَوْدِعٍ أَوْ مُسْتَبْذِعٍ أَعْمَلُ بِمَا فِي يَدِكَ مُضَارَبَةً بِالنِّصْفِ جَازَ مُجْتَبَى (وَكُونُ رَأْسِ الْمَالِ عَيْنًا لَا دَيْنًا) كَمَا بَسَطَهُ فِي الدَّرَرِ (وَكُونُهُ مُسْلَبًا إِلَى الْمُضَارِبِ) لِيُتَكِنَهُ التَّصَرُّفُ (بِخِلَافِ الشَّرَاكَةِ)؛ لِأَنَّ الْعَمَلَ فِيهَا مِنَ الْجَانِبَيْنِ (وَكُونُ الرِّيحِ بَيْنَهُمَا شَائِعًا) فَلَوْ عَيَّنَ قَدْرًا فَسَدَتْ (وَكُونُ نَصِيبٍ كُلِّ مِنْهُمَا مَعْلُومًا) عِنْدَ الْعَقْدِ وَمِنْ شُرُوطِهَا كَوْنُ نَصِيبِ الْمُضَارِبِ مِنَ الرِّيحِ حَتَّى لَوْ شَرَطَ لَهُ مِنْ رَأْسِ الْمَالِ أَوْ مِنْهُ وَمِنْ الرِّيحِ فَسَدَتْ،

اور مکروہ ہے۔ اگر اس نے کہا: میرے لیے ادھار پر ایک غلام خریدو پھر اسے بیچو اور اس کی ثمن سے مضارب بت کرو تو دوسرے آدمی نے اسی طرح کیا تو یہ جائز ہو جائے گا جس طرح وہ غاصب مستودع یا مستبذع کو کہتا ہے تیرے ہاتھ میں جو مال ہے اس پر مضارب بت کرو اور نفع نصف نصف ہوگا تو یہ جائز ہوگا۔ ”مجتبىٰ“۔ مضارب بت کے صحیح ہونے کے لیے یہ شرط ہے کہ رأس المال عین ہو دین نہ ہو جس طرح ”الدرر“ میں اسے بیان کیا ہے۔ مضارب بت کے صحیح ہونے کی یہ شرط ہے کہ وہ مال مضارب کے سپرد کیا جا چکا ہوتا کہ اس کے لیے تصرف کرنا ممکن ہو۔ شرکت کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ اس میں عمل جانین سے ہوتا ہے اور اس کے صحیح ہونے کے لیے یہ شرط ہے کہ نفع دونوں میں مشترک ہو اگر نفع کی مقدار معین کر دی تو مضارب بت فاسد ہو جائے گی اور مضارب بت کے صحیح ہونے کی یہ شرط ہے کہ عقد کے وقت دونوں میں سے ہر ایک کا حصہ معلوم ہو۔ مضارب بت کی شروط میں سے ایک یہ ہے کہ مضارب کا حصہ نفع میں سے ہو یہاں تک کہ اگر اس کے لیے رأس المال یا رأس المال اور نفع میں شرط لگائی گئی تو مضارب بت فاسد ہو جائے گی۔

اور اس سے مضارب بت کا عمل کرو یہاں تک کہ رب المال کا اس میں قبضہ نہ رہے۔

28634۔ (قوله: وَكِرَّةً) کیونکہ اس نے عقد سے پہلے ہی اپنے لیے منفعت کی شرط لگائی ہے۔ ”مخ“۔

28635۔ (قوله: اشترى عبداً) یہ بات سمجھ آتی ہے کہ اگر وہ سامان دے اور اسے کہے اسے بیچو اور اس کی ثمن سے مضارب بت کا عمل کرو تو یہ بدرجہ اولیٰ جائز ہوگا شارح نے اس کی وضاحت کی ہے سامان تجارت میں مضارب بت کے جواز کا یہ حیلہ ہے۔ ایک اور حیلہ ہے جسے ”خصاف“ نے ذکر کیا ہے کہ وہ یہ سامان قابل اعتماد آدمی کے ہاتھ بیچ دے، مال پر قبضہ کرے اور مضارب بت کے طریقہ پر مضارب کے حوالے کر دے پھر یہ مضارب اس سامان کو اس آدمی سے وصول کر لے جس نے مالک سے خریدا تھا۔

28636۔ (قوله: عَيْنًا) یعنی معین۔ یہاں عین سے مراد سامان نہیں ہے۔ ”ط“۔

28637۔ (قوله: لَا دَيْنًا) یہ مقدم کے ساتھ تکرار ہے۔

28638۔ (قوله: مُسْلَبًا) اگر رب المال نے شرط لگائی کہ وہ مضارب کے ساتھ عمل کرے گا تو مضارب بت جائز نہ ہو

وَفِي الْجَلَالِيَّةِ كُلُّ شَرْطٍ يُوجِبُ جَهَالَةً فِي الرِّيحِ أَوْ يَقْطَعُ الشَّرِكَةَ فِيهِ يَفْسِدُهَا، وَإِلَّا بَطَلَ الشَّرْطُ وَصَحَّ الْعَقْدُ اِغْتِبَارًا بِالنَّوَكَالَةِ (وَلَوْ ادَّعَى الْمُضَارِبُ فَسَادَهَا فَالْقَوْلُ لِرَبِّ الْمَالِ وَبِعَكْسِهِ فَلِلْمُضَارِبِ الْأَصْلُ أَنَّ الْقَوْلَ لِمَدَّعِي الصَّحَّةِ فِي الْعُقُودِ إِلَّا إِذَا قَالَ رَبُّ الْمَالِ

”جلالیہ“ میں ہے: ہر وہ شرط ہے جو نفع میں جہالت کو ثابت کرتی ہو یا اس میں شرکت کو قطع کرتی ہو تو وہ مضارب بت کو فاسد کر دے گی ورنہ شرط باطل ہو جائے گی اور وکالت پر قیاس کرتے ہوئے عقد صحیح ہوگا۔ اگر مضارب نے مضارب بت کے فاسد ہونے کا دعویٰ کیا تو قول رب المال کا ہوگا اور اگر صورت حال اس کے برعکس ہو تو قول مضارب کا ہوگا۔ اصل یہ ہے کہ عقود میں قول اس کا معتبر ہوتا ہے جو اس کے صحیح ہونے کا مدعی ہو مگر جب رب المال کہے:

گی۔ خواہ مالک عقد کرنے والا ہو یا عقد کرنے والا نہ ہو جیسے باپ اور وصی جب وہ صغیر کا مال مضارب بت پر دے اور مضارب کے ساتھ اپنے شریک کے عمل کی شرط لگائے تو مضارب بت صحیح نہ ہوگی۔

”سغنائی“ میں ہے: صغیر کے عمل کی شرط جائز نہیں اس طرح شرکت مفاوضہ اور شرکت عنان کی صورت میں ایک حصہ دار کا معاملہ ہے جب وہ مال مضارب بت کے طریقہ پر دے اور اپنے ساتھی کے عمل کی شرط لگائے تو عقد فاسد ہو جائے گا، ”تا ترخانیہ“ آنے والے باب کے متن میں اس کا کچھ آئے گا۔

مضارب بت کے فاسد ہونے کا ضابطہ

28639۔ (قوله: كُلُّ شَرْطٍ إلخ) ”اکمل“ نے کہا: رب المال پر عمل کی شرط لگائی جائے تو یہ عقد مضارب بت کو فاسد کر دیتی ہے جو مذکور ہے ان میں سے یہ ایک نہیں۔

جواب: عقد مضارب بہ ہونے کے بعد یہ کلام شروط فاسدہ میں ہے اور انہوں نے جو اعتراض کیا ہے اس میں عقد عقد مضارب بہ نہیں ہے۔

اگر تو کہے: ان کے قول یفسدہا کا کیا معنی ہے کیونکہ نفی ثبوت کا تقاضا کرتی ہے؟ میں کہتا ہوں: معدوم شے کی نفی صحیح ہے جیسے وہ زید جو معدوم ہے وہ بصیر نہیں ہے، متن میں عنقریب آئے گا کہ یہ مفسد ہے۔ شارح نے کہا: کیونکہ یہ تخلیہ کے مانع ہے پس وہ صحت کے مانع ہے۔ پس زیادہ بہتر یہ ہے کہ منع کے ساتھ جواب دیا جائے پس یہ کہا جائے گا ہم اس بات کو تسلیم نہیں کرتے کہ یہ غیر مفسد ہے۔ ”سانحانی“۔

28640۔ (قوله: فِي الرِّيحِ) جس طرح وہ اس کے لیے نصف ربح یا ثلث (ایک تہائی) نفع کی شرط اور تردید یہ کے ساتھ لگائے۔ ”س“۔

28641۔ (قوله: فِيهِ) جس طرح ان دونوں میں سے ایک کے لیے مخصوص دراہم کی شرط لگا دے۔ ”س“۔

28642۔ (قوله: بَطَلَ الشَّرْطُ) جس طرح مضارب پر نقصان لازم ہونے کی شرط لگا دی جائے۔ ”س“۔

شَرَطْتُ لَكَ ثُلُثَ الرِّبْحِ إِلَّا عَشْرَةَ وَقَالَ الْمُضَارِبُ الثُّلُثُ فَأَلْقَوُلُ لِرَبِّ الْمَالِ وَلَوْ فِيهِ فَسَادُهَا؛ لِأَنَّهُ يُنْكِرُ زِيَادَةَ يَدْعِيهَا الْمُضَارِبُ خَانِيَّةً وَمَا فِي الْأَشْبَاهِ فِيهِ اشْتِبَاهٌ فَافْهَمْ (وَيَبْدُكُ الْمُضَارِبُ فِي الْمُطْلَقَةِ) الَّتِي لَمْ تُقَيَّدْ بِمَكَانٍ أَوْ زَمَانٍ أَوْ نَوْعٍ (الْبَيْعِ) وَلَوْ فَاسِدًا بِنَقْدٍ وَنَسِيئَةٍ مُتَعَارَفَةٍ، وَالشِّعَاءُ وَالتَّوَكُّيلُ بِهِمَا، وَالسَّفَرُ بَرًّا وَبَحْرًا) وَلَوْ دَفَعَ لَهُ الْمَالُ فِي بَلَدٍ عَلَى الظَّاهِرِ (وَالْإِبْضَاعُ) أَيْ دَفَعَ الْمَالُ بِضَاعَةً

میں نے تیرے لیے ایک تہائی نفع کی شرط لگائی ہے مگر دس کی، مضارب نے کہا: ایک تہائی کی شرط لگائی ہے تو قول رب المال کا ہوگا اگرچہ اس میں مضارب کا فساد ہو کیونکہ وہ ایسی زیادتی کا دعویٰ کرتا ہے مضارب جس کا انکار کرتا ہے۔ ”خانیہ“ ”الاشباہ“ میں جو قول ہے اس میں اشتباہ ہے۔ فافہم۔ مضاربہ مطلقہ جسے کسی مکان، زمان یا نوع کے ساتھ مقید نہ کیا گیا ہے اس میں مضارب بیع، اگرچہ فاسد ہو، کا مالک ہوتا ہے وہ بیع نقد کرے، ایسا ادھار کرے جو متعارف ہو اور وہ مضارب خریدنے اور دونوں کا وکیل بنانے کا مالک ہوتا ہے اور وہ سفر کا مالک ہوتا ہے وہ سفر خشکی کا ہو یا سمندر کا ہو اگرچہ اس نے اسے مال کسی شہر میں دیا ہو وہ مضارب البضاع کا مالک ہوتا ہے۔ البضاع سے مراد بضاعت کے طور پر مال دینا ہے

28643۔ (قوله: وَمَا فِي الْأَشْبَاهِ) یعنی ان کا جو یہ قول ہے القول قول مدعی الصحة، مگر جب رب المال کہے: میں نے تیرے لیے تہائی اور دس زیادہ کی شرط لگائی ہے مضارب نے کہا: ایک تہائی کی شرط تھی تو قول مضارب کا ہوگا جس طرح ”ذخیرہ“ میں ہے۔

28644۔ (قوله: فِيهِ اشْتِبَاهٌ) یعنی ان پر ایک مسئلہ دوسرے مسئلہ کے ساتھ مشتبہ ہو گیا وہ یہاں مذکور ہے۔ کیونکہ جو مسئلہ انہوں نے ذکر کیا ہے وہ مذکور اصل کے تحت داخل ہے کیونکہ اس میں جس کا قول یہ ہو کہ وہ مضارب بت کی صحت کا مدعی ہو تو اس کی استثنائ صحیح نہ ہوگی۔ جو یہاں ہے اس کا معاملہ مختلف ہے۔

28645۔ (قوله: أَوْ نَوْعٍ) یعنی یا کسی شخص معین کے ساتھ بیع کرنے کی قید نہ لگائی ہو جس طرح عنقریب اس کا ذکر کریں گے۔

28646۔ (قوله: وَلَوْ فَاسِدًا) یعنی بیع فاسد کی صورت میں وہ اس کی مخالفت کرنے والا نہیں ہوگا۔ پس مال اس حالت سے خارج نہیں ہوگا کہ یہ اس کے قبضہ میں امانت کے طور پر ہے اگرچہ اس کا عقد فاسد کرنا جائز نہیں۔ اور عقد باطل اس سے نکل گیا جس طرح ”الاشباہ“ میں ہے۔

28647۔ (قوله: بِنَقْدٍ وَنَسِيئَةٍ) اگر ان دونوں میں رب المال اور مضارب اختلاف کریں تو مضارب بت میں قول مضارب کا معتبر ہوگا اور وکالت میں قول موکل کا معتبر ہوگا جس طرح کتاب وکالت میں متن میں گزر چکا ہے۔

28648۔ (قوله: وَالشِّعَاءُ) اطلاق اس امر کا شعور دلاتا ہے کہ اس کی ہر کسی کے ساتھ تجارت کرنا جائز ہوگا۔ لیکن ”النظم“ میں ہے کہ وہ اپنی بیوی اور بڑے دانشمند بیٹے اور اپنے والدین کے ساتھ تجارت نہیں کر سکتا۔ یہ امام ”ابو حنیفہ“ رحمۃ اللہ علیہ

(وَلَوْلَوْ رَبُّ الْمَالِ وَلَا تَفْسُدُ بِهِ) الْمُضَارَبَةُ كَمَا يَجِيءُ

اگرچہ وہ رب المال کو دے دے۔ اس کے ساتھ مضارب بت فاسد نہیں ہوتی جس طرح آگے آئے گا۔

کے نزدیک ہے۔ ”صاحبین“ رحمہ اللہ نے اس سے اختلاف کیا ہے۔ وہ اپنے عبد ماذون سے کوئی چیز نہیں خریدے گا ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ بالاتفاق اپنے مکاتب غلام سے کوئی چیز نہیں خریدے گا۔ ”قہستانی“۔
فروع مہمہ

اہم ترین تفریعات: اسے حق حاصل ہے کہ مضارب بت کے لیے کسی کے ہاں کوئی شے رہن رکھے یا اپنے ہاں کوئی شے رہن رکھے اگر وہ کھجور کے درخت یا اور درخت معاملہ کے طور پر لیتا ہے کہ وہ ان کی تلخیص اور تأبیر میں مال مضارب بت میں سے کوئی شے خرچ کرے گا تو یہ جائز نہیں ہوگا اگرچہ رب المال نے اسے یہ کہا ہو کہ تو اپنی مرضی سے عمل کر۔ اگر مال مضاربہ میں سے کسی شے کو بطور رہن رکھا تو اس کا ضامن ہوگا۔ اگر ثمن کو موخر کیا تو یہ رب المال پر جائز ہوگا اور وہ مضارب ضامن نہیں ہوگا۔ وکیل خاص کا معاملہ مختلف ہے۔ اگر اس نے بعض ثمن کو ساقط کر دیا، اگر عیب ایسا تھا جس میں مشتری نے طعن کیا، اور اس نے قیمت میں کمی کر دی تو یہ کمی کرنا صحیح ہوگا۔ اگر وہ تھوڑا اضافہ کر دے تو یہ جائز ہوگا۔ اگر اس زیادتی میں لوگ غبن نہیں کرتے تو حط (کمی کرنا) صحیح ہوگا اور مضارب رب المال کے لیے اس کمی کا ضامن ہوگا۔ اور جو مشتری کے ذمہ باقی ہے وہ اس المال ہوگا۔ مضارب پر یہ حرام ہے کہ وہ مضارب بت کے مال کی لونڈی سے وطی کرے اگرچہ رب المال نے اس کی اجازت دی ہو۔ اگر رب المال کی جانب سے اس لونڈی کے ساتھ اس کا نکاح کر دینے سے شادی کی ہو تو یہ جائز ہوگا اگرچہ مال میں نفع نہ ہو اور لونڈی مضارب بت سے خارج ہو جائے گی۔ اگر مال میں نفع ہو تو یہ نکاح جائز نہ ہوگا۔ اس کے لیے وہ کام کرنا جائز نہ ہوگا جس میں ضرر ہو اور نہ ہی ایسا کام کرنا جائز ہے جو تجارت نہیں کرتے۔ دو مضاربوں میں سے کسی ایک کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ اپنے ساتھی کی اجازت کے بغیر کوئی چیز بیچے یا خریدے۔ اگر وہ ایسی چیز سے خریدے جس میں لوگ تغابن نہیں کرتے تو وہ امر کی مخالفت کرنے والا ہوگا اگرچہ رب المال نے اسے یہ کہا ہو کہ تو اپنی مرضی سے عمل کر۔

اگر وہ اس حالت میں کوئی چیز بیچے تو یہ جائز ہوگا ”صاحبین“ رحمہ اللہ نے اس سے اختلاف کیا ہے جس طرح بیع مطلق کا وکیل بنایا جائے۔

جب وہ مضارب بت کے مال سے زیادہ سے کوئی چیز خریدے تو زیادتی مضارب کے لیے ہوگی اور اس خلط حکم کی وجہ سے وہ کسی شے کا ضامن نہیں ہوگا۔

اگر مال مضارب بت دراہم کی صورت میں ہو اس نے اثمان کے علاوہ سے کوئی شے خریدی تو وہ اس مضارب کی ہوگی اور دنانیر سے وہ چیز خریدی تو وہ مضاربہ کے لیے ہوگی کیونکہ وہ دونوں یہاں جنس ہیں۔ یہ سب ”البحر“ سے منقول ہے۔

28649۔ (قوله: وَلَا تَفْسُدُ) کیونکہ تصرف کا حق مضارب کے لیے ہے۔

(و) يَنْبِكُ (الْإِيْدَاعَ وَالرَّهْنَ وَالْإِجَارَةَ وَالْإِسْتِجَارَةَ فَلَوْ اسْتَأْجَرَ أَرْضًا بَيْضَاءَ لِيَزَرَ عَهَا أَوْ يَغْرِسَهَا جَائِ ظَهِيرِيَّةً (وَالْإِحْتِيَالَ) أَيْ قَبُولُ الْحَوَالَةِ (بِالْشَّيْنِ مُطْلَقًا) عَلَى الْإِيْسِ وَالْأُعْسِ؛ لِأَنَّ كُلَّ ذَلِكَ مِنْ صَنِيعِ التُّجَّارِ (لَا يَنْبِكُ) (الْمُضَارَبَةُ) وَالشَّرِيكَةُ وَالْخُلْطُ بِمَالِ نَفْسِهِ (لَا بِإِذْنِ أَوْ أَعْمَلُ بِرَأْيِكَ)

وہ مال کسی کے پاس ودیعت رکھنے، رہن رکھنے اور رہن کے طور پر کسی شے کو لینے، اجارہ پر دینے اور اجارہ پر لینے کا مالک ہوتا ہے۔ اگر اس نے سفیدہ زمین لی تاکہ اس میں کوئی شے کاشت کرے یا اس میں درخت لگائے تو یہ جائز ہوگا۔ ”ظہیریہ“۔ وہ شمن کے بدلے میں مطلقاً حوالہ قبول کرنے کا مالک ہوتا ہے وہ آدمی تنگدست ہو یا خوشحال ہو۔ کیونکہ یہ سب کچھ تجار کے اعمال میں سے ہے۔ وہ مضارب آگے عقد مضاربہ، عقد شرکت اور مال مضاربہ کو اپنے مال کے ساتھ ملانے کا مالک نہیں ہوگا مگر جب رب المال اجازت دے یا کہ اپنی مرضی سے کام کرو۔

28650۔ (قوله: وَالْإِسْتِجَارَةَ) مزدوروں کو اعمال کے لیے اجرت پر لینا اور گھر میں مال کی حفاظت کے لیے لینا

اور کشتیاں اور جانور کرائے پر لینا۔

رب المال کی اجازت کے بغیر مضارب تصرف نہیں کر سکتا

28651۔ (قوله: وَالْخُلْطُ بِمَالِ نَفْسِهِ) یعنی اپنے مال یا غیر کے مال کے ساتھ ملانے کا مالک نہیں ہوتا جس طرح ”البحر“ میں ہے مگر جب ان شہروں میں تجار کا معمول یہ ہو کہ مضارب مال خلط ملط کر دیتے ہوں اور رب المال انہیں منع نہ کرتے ہوں۔ اگر اس جیسی صورت میں ان کا عام معمول یہ ہو تو ضروری ہے کہ وہ ضامن نہ ہو جس طرح ”تاتر خانہ“ میں ہے۔ ”تاتر خانہ“ میں اس سے پہلے یہ ہے: اصل یہ ہے: مضاربہ میں تصرفات تین قسم کے ہیں۔ ایک قسم مضاربہ اور اس کے توابع کے باب میں سے ہے پس وہ ان کا مضارب مالک ہو جاتا ہے جب کہ رب المال نے اسے یہ نہ کہا ہو کہ اپنی مرضی سے کام کرو جیسے بیع و شرا کے لیے وکیل بنانا، رہن رکھنا، رہن وصول کرنا، اجرت پر کسی چیز کو لینا، بضاعت پر مال دینا اور سفر کرنا۔ ایک قسم ایسی ہے جس کا وہ مطلق عقد سے مالک نہیں بنتا بلکہ جب اسے کہا جائے: اپنی رائے سے عمل کرو جس طرح کسی اور کو مضاربہ، شرکت کے طور پر مال دینا یا مضاربہ کے مال کو اپنے مال کے ساتھ ملا دینا یا غیر کے مال کے ساتھ ملا دینا۔ ایک قسم وہ ہے جس کا مطلق عقد اور رب المال کے قول اعمل برأیک سے بھی مالک نہیں ہوتا مگر اس پر نص قائم کر دے اور وہ چیز مضاربہ نہ ہو اور وہ اس کا احتمال نہ رکھتا ہو کہ اسے مضاربہ کے ساتھ لاحق کر دیا جائے جس طرح اس پر قرض لینا۔ ملخص

28652۔ (قوله: بِمَالِ نَفْسِهِ) یعنی اسے اپنے مال کے ساتھ ملانے کا اختیار نہیں اور نہ ہی کسی اور کے مال کے

ساتھ ملانے کا اختیار ہے جس طرح ”البحر“ میں ہے۔ یہ حکم اس صورت میں ہے جب تجارت کے درمیان اس کی مثل غالب تعارف نہ ہو جس طرح ”تاتر خانہ“ میں ہے۔ ”تاتر خانہ“ کے اٹھارہویں فصل میں ہے: ایک آدمی نے دوسرے کو ہزار نصف نفع پر دیا پھر دوسرا ہزار اسی طرح دیا مضارب نے دونوں مال ملا دیئے تو اس کی تین وجوہ ہیں۔

إِذَا الشَّيْءُ لَا يَتَضَمَّنُ مِثْلَهُ (وَلَا الْإِقْرَاضُ وَالِاسْتِدَانَةُ وَإِنْ قِيلَ لَهُ ذَلِكَ) أُنَى اِعْمَلْ بِرَأْيِكَ؛

کیونکہ کوئی بھی شے اپنی مثل کو متضمن نہیں ہوگی۔ وہ مضارب قرض دینے اور ادھار پر کوئی چیز لینے کا مالک نہیں ہوگا اگرچہ اسے یہ کہا گیا ہو کہ اپنی رائے کے مطابق عمل کرو۔

(۱) یا تو رب المال دونوں مضاربوں میں سے کہے گا: اپنی رائے سے عمل کر یا دونوں مضاربوں میں ایسا قول نہیں کرے گا یا دونوں میں سے کسی ایک مضارب بت میں یہ قول کرے گا۔

ہر ایک میں یا تو دونوں مالوں میں سے نفع سے پہلے ایسا ہوگا یا نفع کے بعد ایسا ہوگا یعنی دونوں میں نفع ہو چکا تھا یا ایک میں نفع ہو چکا تھا۔ پہلی صورت میں وہ مطلقاً ضامن نہیں ہوگا۔ دوسری صورت میں اگر دونوں میں نفع سے قبل خلط ملط کیا تو بھی کوئی ضمان نہیں ہوگی اگر نفع کے بعد دونوں میں ایسا کیا تو دونوں مالوں اور ملانے سے پہلے نفع میں سے رب المال کا جو حصہ تھا اس کا ضامن ہوگا۔ اگر دونوں میں سے ایک کے نفع کے بعد اس نے ایسا کیا تو اس کا ضامن ہوگا جس میں نفع نہیں۔

تیسری صورت میں یا تو اس کا قول: اعمل برأیک (اپنی رائے کے مطابق عمل کرو) پہلی مضارب بت میں ہوگا یا دوسری مضارب بت میں ہوگا۔ ہر ایک کی چار صورتیں ہیں یا تو دونوں مالوں کو دونوں مضاربوں میں نفع سے پہلے خلط ملط کرے گا یا صرف پہلی مضارب بت میں نفع کے بعد مال ملائے گا یا صرف دوسری مضارب بت میں نفع کے بعد مال ملائے گا یا دونوں مضاربوں میں اس کے بعد دونوں میں نفع سے پہلے یا دوسری مضارب بت میں اس کے بعد ملائے گا۔ اگر پہلی مضارب بت میں یہ کہا تو نہ اول کا اور نہ ہی ثانی کا ضامن ہوگا ان دونوں صورتوں میں اگر وہ نفع سے پہلے مال ملا دے۔

28653۔ (قوله: إِذَا الشَّيْءُ) یہ اس کی مضارب بت کے مالک نہ ہونے کی علت ہے اس میں آخرین کی نفی لازم آتی ہے۔ کیونکہ شرکت اور ملانا یہ مضارب بت سے اعلیٰ ہیں۔ کیونکہ یہ دونوں اصل مال میں شرکت ہیں۔

مستعیر، مکاتب اور مضارب کے تصرف میں فرق

28654۔ (قوله: لَا يَتَضَمَّنُ مِثْلَهُ) مستعیر اور مکاتب کے حوالے سے اس پر اعتراض وارد نہیں ہوتا۔ کیونکہ اسے عاریۃ دینا اور عقد مکاتبہ کا حق ہے۔ کیونکہ گفتگو اس تصرف میں ہو رہی ہے جو نیابت کے اعتبار سے ہو اور وہ دونوں مالکیست کے اعتبار سے تصرف کرتے ہیں نیابت کے طور پر تصرف نہیں کرتے۔ کیونکہ مستعیر منفعت کا مالک ہوتا ہے اور مکاتب تصرف و قبضہ کے اعتبار سے آزاد ہے اور مضارب نیابت کے طریقہ پر عمل کرتا ہے۔ پس اس پر نص یا اس کی طرف مطلق سپردگی ضروری ہے جس طرح ”کفایہ“ میں ہے۔

28655۔ (قوله: وَلَا الْإِقْرَاضُ) اور نہ ہی سفتجہ (ہنڈی) کے طور پر لے، ”بحر“۔ یعنی کیونکہ یہ بھی ادھار پر لینا ہے اسی طرح سفتجہ پر نہ دے کیونکہ یہ قرض ہے۔ ”طحطاوی“ نے ”شلبی“ سے نقل کیا ہے۔

28656۔ (قوله: وَالِاسْتِدَانَةُ) جس طرح ایک آدمی ایسی شے کے بدلے میں سامان خریدتا ہے جو دین ہے اور اس

لَا تَنْهَاهَا لَيْسَا مِنْ صَنِيعِ التَّجَارِ فَلَمْ يَدْخُلَا فِي التَّعْصِيمِ (مَا لَمْ يَنْصُ) الْمَالِكُ (عَلَيْهِمَا) فَيَبْدُكُهُمَا
وَإِنْ اسْتَدَانَ كَانَتْ شِرْكَةً وَجُوهٌ وَحِينَئِذٍ (فَلَوْ اشْتَرَى بِمَالِ الْمُضَارَبَةِ ثَوْبًا وَقَصَّرَ بِالْبَاءِ أَوْ حَلَّ)
مَتَاعَ الْمُضَارَبَةِ

کیونکہ یہ دونوں چیزیں تجارت کے عمل میں سے نہیں۔ پس دونوں اس تعیم میں داخل نہ ہوں گی جب تک مالک ان دونوں پر نص قائم نہ کرے۔ اگر نص قائم کر دے تو ان دونوں کا مالک ہو جائے گا۔ اگر وہ ادھار پر کوئی چیز لے گا تو یہ مضارب بت شرکت وجوہ ہو جائے گی۔ اس وقت اگر اس نے مضارب بت کے مال سے کوئی کپڑا خریدا، پانی سے دھویا اور اپنے مال سے مضارب بت کا سامان اٹھایا

کے پاس مضارب بت کے مال میں سے اس ثمن کی جنس میں سے کوئی شے نہیں۔ اگر اس ثمن کی جنس میں سے کوئی چیز ہو تو مضارب بت پر شرا ہوگی اور استدانیت میں سے نہ ہوگی جس طرح شرح الطحاوی میں ہے، ”قہستانی“۔ ظاہر یہ ہے کہ اس کے پاس جو چیز ہے اگر وہ اس کو پوری نہ ہو تو اس پر جوزا نہ ہے وہ ادھار لینا ہوگا۔ ہم نے پہلے ہی ”البحر“ سے نقل کیا ہے جب مال سے زیادہ سے کوئی چیز خریدے تو زیادتی مضارب بت کے لیے ہوگی اور اس خلط حکمی سے وہ ضامن نہ ہوگا۔

”البدائع“ میں ہے: جس طرح مال مضارب بت پر ادھار لینا جائز نہیں اس کی اصلاح پر خرچ کرنا جائز نہیں۔ اگر اس نے تمام مال مضارب بت سے کپڑے خرید لیے پھر اس کے اٹھانے، اس کے دھونے یا اس کے باٹنے پر کسی کو اجرت پر لیا تو وہ متطوع ہوگا اپنے لیے عقد کرنے والا ہوگا ”طحاوی“ نے ”شلبی“ سے نقل کیا ہے۔ یہی وہ چیز ہے جسے مصنف نے اپنے قول: فلو شری بمال المضاربة ثوبا سے ذکر کیا ہے تفریع کے ساتھ حکمی کی طرف اشارہ کیا ہے۔

شرکت وجوہ کی تعریف

28657۔ (قوله: وَإِنْ اسْتَدَانَ) یعنی اگر اذن کے ساتھ ادھار لیا اور اس نے جو خرید دونوں میں نصف نصف ہوگا اسی طرح دین ان دونوں پر ہوگا۔ اور مضارب بت کا حکم تبدیل نہ ہوگا۔ پس دونوں کے مال کا نفع اس کے مطابق تقسیم کیا جائے گا جیسی شرط لگائی ہے۔ ”قہستانی“۔

”سامحانی“ نے کہا: میں کہتا ہوں: شرکت وجوہ یہ ہے کہ وہ دونوں ادھار پر کوئی شے خریدنے پر متفق ہوں اور جس چیز کو خریدا گیا ہے وہ ان دونوں کے ذمہ تہائی یا نصف نصف کے اعتبار سے ہوگا: نفع اس شرط کے تابع ہوگا اگر دونوں نے اس کے برعکس معاہدہ کیا اور جس کا ذکر کیا گیا ہے وہ نہ پایا گیا تو میرے لیے یہ امر ظاہر ہوا ہے کہ جس کو ادھار خریدا گیا ہے وہ امر کے لیے ہوگا۔ اگر خریدی جانے والی چیز عیب دار یا نوع کی جہالت سے مجہول ہو اور وہ اس کی ثمن کا ذکر کر دے یا جنس کی جہالت ہو جب کہ اسے یہ کہا گیا تھا: وہ خرید لے جسے تو پسند کرے ورنہ وہ چیز مشتری کی ہوگی جس طرح کتاب الوکالت میں پہلے گزر چکا ہے۔ لیکن متون کا ظاہر معنی یہ ہے کہ وہ چیز رب المال کی ہوگی اور اس کا نفع شرط کے مطابق ہوگا ضمنی میں وہ چیز معاف ہوتی ہے جو صریح میں معاف نہیں ہوتی۔

(بِإِلَهِ) قَدْ قِيلَ لَهُ ذَلِكَ فَهُوَ مُتَطَوِّعٌ؛ لِأَنَّهُ لَا يَنْبَغُ إِلَّا سِدَانَةٌ بِهَذِهِ الْمَقَالَةِ وَإِنَّمَا قَالَ بِالْبَاءِ؛ لِأَنَّهُ لَوْ قَصَرَ بِالنِّسَاءِ فَحُكْمُهُ كَصَبِغٍ (وَإِنْ صَبَغَهُ أَحْمَرُ فَشَرِيكَ بِمَا زَادَ الصَّبْغُ وَدَخَلَ فِي أَعْمَلِ بِرَأْيِكَ كَالْخُلْطِ) (وَلَوْ كَانَ لَهُ حِصَّةٌ قِيمَةً (صَبَغِهِ إِنْ بَيَعَ وَحِصَّةُ الثَّوْبِ) أَبْيَضَ (فِي مَالِهَا) وَلَوْ لَمْ يَقُلْ أَعْمَلِ بِرَأْيِكَ لَمْ يَكُنْ شَرِيكًَا بَلْ غَاصِبًا، وَإِنَّمَا قَالَ أَحْمَرُ لِمَا مَرَّ أَنَّ السَّوَادَ نَقْصٌ عِنْدَ الْإِمَامِ فَلَا يَدْخُلُ فِي أَعْمَلِ بِرَأْيِكَ بَحْرٌ (وَلَا يَنْبَغُ أَيْضًا تَجَاوُزُ بَلَدٍ أَوْ سِلْعَةٍ أَوْ وَقْتٍ أَوْ شَخْصٍ عَيْنَهُ الْمَالِكُ)؛ لِأَنَّ الْمُضَارَبَةَ تَقْبَلُ التَّقْيِيدَ

جب کہ اسے یہ قول کیا گیا تھا تو وہ تبرع کرنے والا ہوگا۔ کیونکہ وہ اس قول کے ساتھ ادھار پر کسی چیز کو لینے کا مالک نہیں ہوتا۔ ماء (پانی) کا لفظ کہا ہے کیونکہ اگر وہ کپڑے کو نشاستے کے ساتھ دھلا دے گا تو اس کا حکم کپڑا رنگنے کے حکم کی طرح ہو گا اگر اسے سرخ رنگ کے ساتھ رنگا تو رنگ نے اس کی قدر میں جتنا اضافہ کیا ہے تو یہ اس مالک کے ساتھ شریک ہو جائے گا اور یہ اصل برائیک میں داخل ہو جائے گا جس طرح مال کو خلط ملط کرنا ہوتا ہے۔ اگر اس کپڑے کو بیچا جاتا ہے تو اس کے رنگ کی قیمت کا حصہ مضارب کا ہوگا اور سفید کپڑے کا حصہ مضارب کے مال سے ہوگا۔ اگر رب المال نے اصل برائیک کا قول نہ کیا ہو تو وہ شریک نہ ہوگا بلکہ غاصب ہوگا۔ احمر (سرخ) کا قول کیا ہے کیونکہ یہ گزر چکا ہے کہ سیاہ رنگ کرنا یہ ”امام صاحب“ طبعیہ کے نزدیک کپڑے کی قدر و قیمت میں کمی کر دیتا ہے پس یہ عمل اصل برائیک میں داخل نہیں ہوگا۔ ”بحر“۔ اور مضارب شہر، سامان، وقت اور شخص سے تجاوز کرنے کا مالک نہیں ہوگا مالک نے جسے معین کیا ہو۔ کیونکہ مضارب بت اس تقیید کو قبول کرتی ہے

28658۔ (قوله: بِإِلَهِ) یہ قول (جار مجرور) قصراً ورجل میں سے ہر ایک کے متعلق ہے۔

28659۔ (قوله: ذَلِكَ) اسم اشارہ سے مراد اصل برائیک کا قول ہے۔

28660۔ (قوله: بِهَذِهِ الْمَقَالَةِ) اس قول سے مراد بھی اصل برائیک ہے۔

میں کہتا ہوں: استدانہ سے مراد وہی ہے جو ہم پہلے ”قبتانی“ سے نقل کر چکے ہیں۔ جب رب المال اس کی وضاحت کر دے تو مضارب اس کا مالک ہوگا۔ مگر جب وہ نقدی ادھار لے تو ظاہر یہی ہے کہ یہ صحیح نہیں۔ کیونکہ یہ تو قرض لینے کا وسیلہ بنانا ہے جس طرح کتاب الوکالہ میں گزر چکا ہے۔ ”الخانیہ“ کی فصل شرکۃ العنان میں ہے: مضارب رب المال کے خلاف ادھار لینے کا اختیار نہیں رکھتا۔ جس نے قرض دیا ہے وہ مضارب سے مطالبہ کرے گا رب المال سے مطالبہ نہیں کرے گا۔ کیونکہ ادھار لینے کا وکیل بنانا یہ قرض لینے کا وکیل بنانا ہے جب کہ یہ باطل ہے۔ کیونکہ یہ تو تنکدی (مخت مشقت برداشت کرنا) کا وکیل بنانا ہے۔ مگر جب وکیل قرض دینے والے کو کہے: فلاں تجھ سے اتنے کے قرض کا مطالبہ کرتا ہے تو اس وقت یہ مؤکل کے ذمہ ہوگا وکیل کے ذمہ نہ ہوگا۔ یعنی کیونکہ یہ اس وقت وکالت نہیں پیغام رسانی ہے۔ ظاہر یہ ہے کہ مضارب بت بھی اسی طرح ہے جس طرح ہم نے کہا ہے۔

الْبُفِيدَ وَلَوْ بَعْدَ الْعَقْدِ مَا لَمْ يَصِرْ الْمَالُ عَرَضًا؛ لِأَنَّهُ حِينَئِذٍ لَا يَبْدُكَ عَزْلُهُ فَلَا يَبْدُكَ تَخْصِيصُهُ كَمَا سَيَحْيِي قَيِّدُنَا بِالْبُفِيدِ؛ لِأَنَّ غَيْرَ الْبُفِيدِ لَا يُعْتَبَرُ أَصْلًا كَنَهْيِهِ عَنِ بَيْعِ الْحَالِ وَأَمَّا الْبُفِيدُ فِي الْجُمْلَةِ كَسُوقِ مَنْ مَضَى فَإِنْ صَرَّحَ بِالنَّهْيِ صَحَّ، وَإِلَّا لَا (فَإِنْ فَعَلَ ضَمِنَ) بِالْمُخَالَفَةِ (وَكَانَ ذَلِكَ الشَّرَاءُ لَهُ) وَلَوْ لَمْ يَتَصَرَّفْ

جو فائدہ مند ہو اور عقد کے بعد بھی تعین کو قبول کرتی ہے جب تک مال سامان تجارت نہ بن گیا ہو۔ کیونکہ جب رأس المال سامان تجارت بن جائے اس وقت رب المال مضارب کو معزول کرنے کا مالک نہیں ہوگا پس وہ تخصیص کا مالک بھی نہیں ہوگا جس طرح عنقریب آئے گا۔ ہم نے المفید کی قید لگائی ہے کیونکہ غیر مفید کا اصلاً کوئی اعتبار نہیں جس طرح وہ نقد بیع کرنے سے منع کرے فی الجملہ جو مفید ہے اس کی مثال یہ ہے کہ وہ مصر کے بازار میں اسے بیچنے کی شرط لگائے اگر صراحت نہ کر دے تو یہ تقیید صحیح ہوگی ورنہ صحیح نہ ہوگی۔ اگر وہ مضارب اس کے باوجود ایسا کرے تو مخالفت کرنے کی وجہ سے ضامن ہوگا اور وہ خریداری مضارب کے لیے ہوگی۔ اگر وہ اس میں تصرف نہ کرے

28661۔ (قوله: وَلَوْ بَعْدَ الْعَقْدِ) اس کی صورت یہ ہے کہ رأس المال اسی طرح موجود ہو۔

فرع: حاشیہ میں کہا: اگر رب المال نے مضارب کو مال بیچنے سے پہلے ادھار بیچنے سے منع کیا بعد اس کے کہ رأس المال سامان تجارت بن چکا تھا اور رأس المال نقدی تھی تو ایسے مال کی نہیں صحیح نہ ہوگی۔ جہاں تک عمل سے پہلے یا عمل کے بعد کا تعلق ہے اور مال نقدی کی شکل اختیار کر چکا تھا تو اس کی نہیں صحیح ہوگی۔ کیونکہ اس صورت میں رب المال اسے معزول کرنے کا اختیار رکھتا ہے پہلی حالت میں معزول کرنے کا اختیار نہیں رکھتا۔ ”منح“۔

28662۔ (قوله: عَنْ بَيْعِ الْحَالِ) پھر اسے نقد اس بھاؤ سے بیچ دے جیسے مؤجل سے بیچا جاتا ہے جس طرح ”عینی“ میں ہے۔ ”سائحانی“۔

28663۔ (قوله: بِالنَّهْيِ) اس کی صورت یہ ہے کہ کہے: لا تبیع فی سوق کذا، فلاں بازار میں اسے نہ بیچنا۔

28664۔ (قوله: الشَّرَاءُ لَهُ) اس کا نفع مضارب کے لیے ہوگا اور اس کا نقصان اس کے ذمہ ہوگا۔ لیکن طرفین کے نزدیک اس کا نفع صدقہ کر دے گا۔ امام ”ابو یوسف“ رحمہ اللہ کے نزدیک یہ اس کے لیے پاکیزہ ہوگا۔ اس کی اصل وہ مودع ہے جب وہ اس میں تصرف کرے اور اس میں نفع کمائے۔ ”اتقانی“۔

28665۔ (قوله: وَلَوْ لَمْ يَتَصَرَّفْ) اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ اصل ضمان نفس مخالفت کی وجہ سے واجب ہے لیکن یہ خریدنے کے ساتھ ہی ثابت ہے۔ کیونکہ جب اتفاق کی صورت پیدا ہو جائے تو یہ زوال کے محل میں ہے۔ جامع کی روایت میں ہے کہ وہ ضامن نہیں ہوگا مگر جب وہ کسی چیز کو خریدے۔ پہلا قول صحیح ہے جس طرح ”ہدایہ“ میں ہے۔ ”قہستانی“۔ میں کہتا ہوں: ظاہر یہ ہے کہ اس کا ثمرہ اس صورت میں ظاہر ہوگا اگر وہ مال شہر سے نکالنے اور خریداری کرنے سے پہلے

فِيهِ حَتَّىٰ عَادَ لِلْوَفَاقِ عَادَتُ الْمُضَارَبَةِ، وَكَذَا لَوْ عَادَ فِي الْبَعْضِ اعْتِبَارًا لِلْجُزْءِ بِالْكُلِّ (وَلَا يَنْبَغُ تَزْوِيجُ قَيْنٍ مِنْ مَالِهَا وَلَا شِرَاءَ مَنْ يُعْتَقُ عَلَى رَبِّ الْمَالِ بِقَرَابَةٍ أَوْ يَبِينُ بِخِلَافِ الْوَكِيلِ بِالشَّرَاءِ فَإِنَّهُ يَنْبَغُ ذَلِكَ (عِنْدَ عَدَمِ الْقَرِينَةِ) الْمُتَقَيِّدَةِ لِلْوَكَالَةِ كَاشْتَرَى عَبْدًا أَوْ بَيْعَهُ أَوْ اسْتَخْدَمَهُ أَوْ جَارِيَةً أَوْ جَارِيَةً أَوْ جَارِيَةً (وَلَا مَنْ يُعْتَقُ عَلَيْهِ) أَيْ الْمُضَارِبِ (إِنْ كَانَ فِي الْمَالِ رِبْحٌ) هُوَ هُنَا أَنْ تَكُونَ قِيَمَةُ هَذَا الْعَبْدِ أَكْثَرَ مِنْ كُلِّ رَأْسِ الْمَالِ كَمَا بَسَطَهُ الْعَيْنِيُّ فَلْيُحْفَظْ (فَإِنْ فَعَلَ) شِرَاءَ مَنْ يُعْتَقُ عَلَى وَاحِدٍ مِنْهُمَا

یہاں تک کہ وہ اسی شہر کی طرف لوٹ آئے تو مضارب بت لوٹ آئے گی۔ اسی طرح کا حکم ہوگا اگر وہ بعض میں لوٹ آئے وہ جز کو کل پر قیاس کرتے ہیں۔ اور مضارب مال مضاربہ سے غلام کی شادی کرنے کا اختیار نہیں رکھتا اور نہ ہی اس غلام کو خریدنے کا اختیار رکھتا ہے جو رب المال پر آزاد ہو جاتا ہے آزادی یہ قرابت کی وجہ سے ہو یا ملک یمین کی وجہ سے ہو۔ جس کو خریداری کا وکیل بنایا گیا ہو اس کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ وہ اس کا مالک ہوتا ہے کیونکہ کوئی ایسا قرینہ نہیں پایا جا رہا جو وکالت کو مقید کر دے جیسے موکل کہے: میرے لیے ایسا غلام خریدو جسے میں بیچ دوں یا اس سے خدمت لوں یا ایسی لونڈی خریدو جس سے میں وطی کروں اور نہ ہی ایسا غلام خریدنے کا مالک ہوتا ہے جو مضارب پر آزاد ہو جاتا ہو۔ اگرچہ مال میں نفع ہو یا اس کی صورت یہ ہے کہ اس غلام کی قیمت رأس المال سے بڑھ کر ہو جس طرح ”عینی“ نے اسے بیان کیا ہے۔ پس اس کو یاد رکھنا چاہیے۔ اگر اس نے شراکاء عمل اس پر واقع کیا جو ان دونوں (رب المال، مضارب) میں سے کسی پر آزاد ہو جاتا ہو

بلاک ہو جائے تو پہلی صورت میں مضارب ضامن ہوگا دوسری صورت میں ضامن نہیں ہوگا۔

28666۔ (قوله: حَتَّىٰ عَادَ الْوَفَاقِ) یہ مکان کی مخالفت کرنے کی صورت میں امر ظاہر ہوگا۔ تامل

28667۔ (قوله: وَكَذَا لَوْ عَادَ الْوَفَاقِ) ”الاتقانی“ نے کہا: اگر کوفہ کے علاوہ میں اس کے بعض مال سے کوئی چیز خریدی پھر باقی ماندہ سے کوفہ میں چیز خریدی تو پہلی خریداری میں مخالفت کرنے والا ہوگا اور جو اس نے کوفہ میں خریداری کی ہے وہ مضارب بت ہوگا۔ کیونکہ مخالفت کی دلیل بعض مال میں پائی گئی ہے بعض مال میں نہیں پائی گئی۔

28668۔ (قوله: عَادَ فِي الْبَعْضِ) یعنی مضارب بت لوٹ آئے گی لیکن خاص کر اس بعض میں لوٹے گی۔ ”الاتقانی“ نے کہا: جو قول گزر چکا ہے۔

28669۔ (قوله: أَوْ يَبِينُ) اس کی صورت یہ ہے کہ وہ کہے: اگر میں اس کا مالک ہوں تو وہ آزاد ہے کیونکہ اس طریقہ سے وہ اس کا مالک ہو جاتا ہے۔ فرق یہ ہے کہ خریداری کی وکالت مطلق ہے اور مضارب بت میں وکالت اس کے ساتھ مقید ہوتی ہے جس میں بیع کے ساتھ نفع ظاہر ہو جائے۔ جب وہ ایسی چیز خریدے جس کی بیع کرنے پر قادر نہ ہو تو اس نے امر کی مخالفت کی۔

28670۔ (قوله: كَمَا بَسَطَهُ الْعَيْنِيُّ) ”عینی“ کی عبارت یہ ہے: جب اس المال ہزار ہو اور وہ دس ہزار درہم ہو جائے پھر مضارب ایسا غلام خریدے جو اس پر آزاد ہو جاتا ہو اور اس غلام کی قیمت ہزار یا اس سے کم ہو تو اس پر آزاد نہیں ہو

(وَقَعَ الشِّرَاءُ لِنَفْسِهِ) وَإِنْ لَمْ يَكُنْ رِبْحٌ كَمَا ذَكَرْنَا (صَحَّ) لِلْمُضَارَبَةِ (فَإِنْ ظَهَرَ الرِّبْحُ) بِزِيَادَةِ قِيَمَتِهِ
بَعْدَ الشِّرَاءِ عَتَقَ حَظُّهُ، وَلَمْ يَضُنْ نَصِيبَ الْمَالِكِ) لِعَتَقِهِ لَا بِصُنْعِهِ (وَسَعَى) الْعَبْدُ (الْمُعْتَقُ فِي قِيَمَةِ
نَصِيبِ رَبِّ الْمَالِ، وَلَوْ اشْتَرَى الشَّرِيكَ مَنْ يُعْتَقُ عَلَى شَرِيكِهِ أَوْ الْأَبُ أَوْ الْوَصِيُّ مَنْ يُعْتَقُ عَلَى
الصَّغِيرِ نَفَذَ عَلَى الْعَاقِدِ) إِذَا لَا نَظَرَ فِيهِ لِلصَّغِيرِ (وَالْبَازُونَ) إِذَا اشْتَرَى مَنْ يُعْتَقُ عَلَى الْمَوْلَى صَحَّ وَعَتَقَ
عَلَيْهِ إِنْ لَمْ يَكُنْ مُسْتَعْرِقًا بِالْذِّينِ، وَإِلَّا لَا خِلَافًا لِهَذَا زَيْدَعِي (مُضَارِبٌ مَعَهُ أَلْفٌ بِالنِّصْفِ اشْتَرَى بِهِ
أُمَّةً فَوَلَدَتْ) وَلَذَا (مُسَاوِيَا لَهُ) أَمْنَى لِلْأَلْفِ (فَادَّعَاهُ مُوسِرًا فَصَارَتْ قِيَمَتُهُ)

تو اس کی خریداری مضارب کے لیے ہوگی اگر مال میں نفع نہ ہو جس طرح ہم ذکر کر چکے ہیں تو یہ خرید مضارب بت کے لیے صحیح
ہوگی۔ اگر خریدنے کے بعد اس کی قیمت کی زیادتی کی وجہ سے نفع ظاہر ہو جائے تو مضارب کا حصہ آزاد ہو جائے گا اور وہ
مالک کے حصہ کا ضامن نہیں ہوگا۔ کیونکہ وہ آزاد تو ہوا ہے مگر مضارب کے عمل سے آزاد نہیں ہوا اور آزاد ہونے والا غلام
رب المال کے حصہ میں محنت مزدوری کرے گا۔ اگر شریک ایسا غلام خریدتا ہے جو اس کے شریک پر آزاد ہو جاتا ہے یا باپ
یا وصی اسے خریدتا ہے جو بچے پر آزاد ہو جاتا ہے تو اس کا عقد عاقد پر نافذ ہوگا۔ کیونکہ اس عقد میں بچے کی منفعت کا خیال
نہیں رکھا گیا۔ اور عبد ماذون جب اسے خریدے جو آقا پر آزاد ہو جاتا ہو تو یہ عقد صحیح ہوگا اور وہ غلام اس پر آزاد ہو جائے گا
اگر وہ دین سے مستغرق نہ ہو اگر مستغرق ہو تو آزاد نہ ہوگا۔ ”صاحبین“ رحمہم اللہ نے اس سے اختلاف کیا ہے، ”زیلعی“۔ ایک
مضارب ہے جس کے پاس مال مضارب بت کا ایک ہزار ہے اور نصف، نصف نفع پر ہے اس کے ساتھ وہ ایک لونڈی خریدتا ہے
وہ لونڈی ایک ایسا بچہ جنتی ہے جو ہزار کے مساوی ہے مضارب اس بچے کے نسب کا دعویٰ کر دیتا ہے جب کہ مضارب

گا۔ اسی طرح اگر اس کے تین بچے ہوں یا اس سے زیادہ بچے ہوں اور ہر بچے کی قیمت ہزار ہو یا اس سے کم ہو اس نے ان
سب کو خرید لیا تو ان میں سے کوئی بچہ آزاد نہ ہوگا۔ کیونکہ ان میں سے ہر ایک راس مال میں مشغول ہے اور مضارب ان میں
سے کسی شے کا مالک نہیں ہوگا یہاں تک ہر عین کی قیمت علیحدہ طور پر دوسرے کی طرف ملائے بغیر راس المال پر بڑھ جائے۔
”عینی“۔ ”حاشیہ“ میں اسی طرح ہے۔

28671۔ (قوله: رِبْحٌ) یعنی دوسری صورت میں نفع ظاہر ہوا۔

28672۔ (قوله: لِلصَّغِيرِ) یہ علت قاصرہ ہے اور شریک میں علت وہی ہے جو مضارب میں مذکور ہے کہ نفع حاصل
کرنے کا مقصد ہوتا ہے۔ ”ط“۔

28673۔ (قوله: بِالنِّصْفِ) یہ مضارب کے متعلق ہے ”حاشیہ“ میں اسی طرح ہے۔

28674۔ (قوله: أُمَّةً) تو اس نے لونڈی کے ساتھ وطی کی۔ ”ملتقی“، ”حاشیہ“ میں اسی طرح ہے۔

28675۔ (قوله: مُوسِرًا) کیونکہ یہ آزادی کی ضمانت ہے یہ لازمی قید نہیں ہے بلکہ اس لیے تاکہ یہ سمجھا جائے کہ اگر

أَيُّ الْوَلَدِ (وَحْدَهُ) كَمَا ذَكَرْنَا (أَلْفًا وَنِصْفَهُ) أَيُّ خَسْبَانَةٍ نَفَذَتْ دَعْوَتَهُ لَوْجُودِ الْمَلِكِ بِظُهُورِ الرِّيحِ الْمَذْكُورِ فَعَتَقَ (سَعَى لِرَبِّ الْمَالِ فِي الْأَلْفِ وَرَبِّعِهِ) إِنْ شَاءَ الْمَالِكُ (أَوْ أَعْتَقَهُ) إِنْ شَاءَ (وَلِرَبِّ الْمَالِ بَعْدَ قَبْضِهِ أَلْفَهُ) مِنَ الْوَلَدِ (تَضْمِينُ الْمُدَّعَى) وَلَوْ مُعْسِرًا؛ لِأَنَّهُ ضَمَانُ تَمْلُكِ (نِصْفِ قِيَمَتِهَا) أَيُّ الْأُمَّةِ لِيُظْهِرَ نَفْوذَ دَعْوَتِهِ فِيهَا، وَيُحْمِلُ عَلَى أَنَّهُ تَزَوَّجَهَا ثُمَّ اشْتَرَاهَا حُبْلَى مِنْهُ، وَلَوْ صَارَتْ قِيَمَتُهَا أَلْفًا وَنِصْفَهُ صَارَتْ أُمُّ وَلَدٍ،

خوشحال ہے جس طرح ہم نے ذکر کیا ہے صرف اس بچے کی قیمت پندرہ سو ہو جاتی ہے تو اس کا دعویٰ نافذ ہو جائے گا۔ کیونکہ مذکورہ نفع کے ظاہر ہونے کے ساتھ ملکیت پائی گئی ہے اور وہ بچہ آزاد ہو جائے گا اگر مالک چاہے تو وہ غلام رب المال کے لیے ہزار اور اس کے چوتھائی میں سعایت کرے۔ اگر چاہے تو اسے آزاد کر دے اور رب المال جب بچے سے ہزار پر قبضہ کرے تو وہ مدعی سے لونڈی کی نصف قیمت کا مطالبہ کرے گا۔ کیونکہ یہ مالک بننے کی ضمانت ہے۔ کیونکہ اس مضارب کا اس لونڈی میں دعویٰ نافذ ہو چکا ہے۔ اور اسے اس پر محمول کیا جائے گا کہ مضارب نے اس لونڈی سے عقد نکاح کیا پھر جب وہ اس سے حامد ہو چکی تھی تو رب المال نے اس سے اس لونڈی کو خرید لیا اگر اس لونڈی کی قیمت پندرہ سو ہو جائے تو وہ لونڈی ام ولد ہو جائے گی

وہ تنگ دست ہوگا تو بدرجہ اولیٰ ضامن نہیں ہوگا جس طرح اس امر پر ”مسکین“ نے متنبہ کیا ہے۔

28676۔ (قوله: كَمَا ذَكَرْنَا) جیسے ہم نے ان کے قول مسادیا لہ میں ذکر کیا ہے۔ اور کان مثل کے معنی میں ہو کر

صار کی خبر ہے اور الفاس سے بدل ہے یا الفایہ خبر ہے اور اس سے قبل جو بار مجرور ہے یہ اس سے حال ہے۔

28677۔ (قوله: سَعَى) زیادہ بہتر یہ صورت تھی: دَسَعَى یعنی اس کا عطف نفذت پر ہوتا۔

28678۔ (قوله: الْمُدَّعَى) وہی مضارب ہے۔

28679۔ (قوله: تَمْلُكِ) ولد کی ضمان کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ وہ آزادی کی ضمانت ہے۔ جب کہ اس کا انحصار

تعدی پر ہے جب کہ وہ نہیں پائی گئی۔

28680۔ (قوله: لِيُظْهِرَ) کیونکہ اس کا دعویٰ ظاہر صحیح واقع ہوا ہے۔

مال مضارب بت جب مختلف اجناس ہو جائیں تو ان کا حکم

28681۔ (قوله: حُبْلَى مِنْهُ) جس نے بھی اس سے شادی کی اور اس کو خرید اس نے اس میں تنازع کیا یعنی اس

کے امر کو صلاح پر محمول کرنے کی بنا پر۔ لیکن ملک نہ ہونے کی وجہ سے یہ دعویٰ نافذ نہ ہوگا۔ جب کہ وہ اس میں شرط ہے کیونکہ

لونڈی اور اس کے بچے میں سے ہر ایک رأس المال میں مشغول ہے اس میں نفع ظاہر نہیں ہوگا۔ کیونکہ یہ معروف ہو چکا ہے کہ

مال مضارب بت جب مختلف اجناس ہو جائیں ان میں سے کوئی رأس المال سے زائد نہ ہو تو ”امام صاحب“ رحمہ اللہ کے نزدیک نفع

ظاہر نہ ہوگا۔ کیونکہ ان میں سے بعض بعض سے اولیٰ نہیں۔ اس وقت مضارب کا نہ لونڈی میں حصہ ہوگا اور نہ ہی بچے میں حصہ

وَضَمِّنَ لِمَالِكَ أَلْفًا وَرُبْعَهُ لَوْ مُوسِرًا، فَلَوْ مُعْسِرًا فَلَا سِعَايَةَ عَلَيْهَا؛ لِأَنَّ أُمَّ الْوَلَدِ لَا تَسْعَى وَتَسَامُهُ فِي الْبَحْرِ وَاللَّهُ أَعْلَمُ

اور مضارب مالک کے لیے ہزار اور اس کے چوتھائی کا ضامن ہوگا اگر وہ خوشحال ہو اگر وہ تنگدست ہو تو لونڈی پر کوئی محنت و مزدوری نہیں ہے۔ کیونکہ ام ولد سعایت نہیں کرتی۔ اس کی مکمل بحث ”البحر“ میں ہے۔ واللہ اعلم۔

ہوگا اس کے لیے جو امر ثابت ہے وہ صرف حق تصرف ہے۔ پس اس کا دعویٰ نافذ نہیں ہوگا۔ جب اس کی قیمت زائد ہو جائے اور وہ پندرہ سو ہو جائے تو نفع ظاہر ہو جائے گا اور مضارب زیادتی کے نصف کا مالک بن جائے گا تو اس کا سابقہ دعویٰ نافذ ہو جائے گا۔ کیونکہ اس کی شرط پائی جا رہی ہے وہ ملک ہے۔ پس وہ اس کا بیٹا بن جائے گا اور اس میں سے اس مضارب کا جتنا حصہ بنتا ہے وہ ایک چوتھائی ہے وہ آزاد ہو جائے گا اور وہ مضارب بچے میں جو باپ کا حصہ بنتا ہے اس کا ضامن ہوگا۔ کیونکہ آزادی ملک اور نسب سے ثابت ہوئی ہے۔ پس علت دو وجہوں والی ہوگی اور ملک ان دونوں میں سے وجود کے اعتبار سے آخری ہوگی۔ پس آزادی کو اس کی طرف منسوب کیا جائے گا اس کا ملک میں کوئی عمل دخل نہیں۔ پس تعدی نہ پائے جانے کی وجہ سے ضمانت نہ ہوگی۔ جب وہ اس سے سعایت کرانے کو اختیار کرے تو وہ اس سے ہزار جو اس کا رأس المال ہے اور اس کے چوتھائی جو نفع میں اس کا حصہ ہے میں سعایت کروائے۔ جب اس نے ہزار پر قبضہ کر لیا تو وہ اپنے رأس المال کو لینے والا ہو جائے گا اور یہ امر ظاہر ہو گیا کہ ماں تمام کی تمام نفع ہے جو ان دونوں کے درمیان نصف نصف ہے اس میں مضارب کا دعویٰ نافذ ہو جائے گا اور وہ ساری کی ساری اس کی ام ولد بن جائے گی۔ کیونکہ استیلا جب ایسے محل کو پائے جو نقل کا احتمال رکھتا ہو تو بالا جماع وہ تجزی کو قبول نہیں کرے گا اور اس لونڈی کی قیمت کا نصف رب المال کے لیے ثابت ہوگا۔

اگر یہ سوال کیا جائے: بچے میں سے جو مقبوض ہے اس کو نفع میں سے کیوں نہیں بنایا گیا؟

ہم کہیں گے: کیونکہ یہ اس کے رأس المال کی جنس سے ہے جب کہ رأس المال نفع پر مقدم ہے پس اسے رأس المال میں سے بنانا اولیٰ ہوگا۔ ”زیلعی“، مخلص۔

28682۔ (قوله: وَضَمِّنَ لِمَالِكَ) کیونکہ جب اس کی قیمت زائد ہو تو اس میں نفع ظاہر ہوگا اور مضارب بعض نفع کا

مالک ہو جائے گا پس اس میں اس کا دعویٰ نافذ ہو جائے گا۔ پس رب المال کے لیے اس پر اس کا رأس المال اور نفع میں سے اس کا حصہ واجب ہوگا جب اس تک ہزار پہنچ گیا تو اس نے اپنا رأس المال پورا پورا لے لیا اور بچہ سارے کا سارا نفع ہو جائے گا مضارب اس میں سے اس کے نصف کا مالک ہو جائے گا۔ پس وہ اس پر آزاد ہو جائے گا جب تک ہزار اس تک نہیں پہنچے گا تو بچہ اپنی حالت پر غلام رہے گا جس طرح ہم اسے ماں کے معاملہ میں ذکر کر چکے ہیں۔

بَابُ الْمُضَارِبِ يُضَارِبُ

لَتَأْقَدَّ الْمُفْرَدَةُ شَرَعَ فِي الْمُرَكَّبَةِ فَقَالَ (ضَارِبُ الْمُضَارِبِ) آخَرُ (بِلَا إِذْنِ) الْمَالِكِ (لَمْ يُضَنَّ بِالْدَّفْعِ مَا لَمْ يَعْمَلِ الشَّانِي رِبْحَ) الشَّانِي (أَوْ لَا عَلَى الظَّاهِرِ؛ لِأَنَّ الدَّفْعَ إِذَا عَمِلَ وَهُوَ يَنْدِكُهُ فَإِذَا عَمِلَ تَبَيَّنَ أَنَّهُ مُضَارِبَةٌ فَيُضَنَّ إِلَّا إِذَا كَانَتْ الشَّانِيَّةُ فَاسِدَةً فَلَا ضَمَانَ وَإِنْ رِبْحَ بَلْ لِلشَّانِي أَجْرٌ مِثْلُهُ عَلَى الْمُضَارِبِ الْأَوَّلِ وَلِلْأَوَّلِ الرِّبْحُ الْمَشْرُوطُ (فَإِنْ ضَاعَ) الْمَالُ (مِنْ يَدِهِ) أَيْ يَدِ الشَّانِي (قَبْلَ الْعَمَلِ) الْمَوْجِبُ لِلضَّمَانِ (فَلَا ضَمَانَ) عَلَى أَحَدٍ (وَكَذَا) لَا ضَمَانَ (لَوْ غَصَبَ الْمَالُ مِنَ الشَّانِي وَ) إِنَّمَا (الضَّمَانُ عَلَى الْغَاصِبِ فَقَطْ وَلَوْ اسْتَهْلَكَهُ الشَّانِي أَوْ وَهَبَهُ فَالضَّمَانُ عَلَيْهِ

مضاربہ مرکبہ کے احکام

جب مضاربہ مفردہ کا ذکر پہلے کر دیا تو مضاربہ مرکبہ میں شروع ہوئے تو کہا: مضارب نے مالک کی اجازت کے بغیر کسی اور شخص کے ساتھ عقد مضاربہ کیا تو مال دوسرے مضارب کے حوالے کرنے سے ضامن نہ ہوگا جب تک دوسرا مضارب اس مال میں عمل نہ کرے دوسرے کو نفع ہو یا نفع نہ ہو۔ یہ ظاہر روایت کے مطابق ہے۔ کیونکہ مال دینا یہ ودیعت کے طور پر رکھنا ہے جب کہ مضارب اس کا مالک ہوتا ہے جب دوسرے مضارب نے اس میں عمل کیا تو یہ بات واضح ہوگئی کہ یہ مضاربہ ہے تو پہلا مضارب اس کا ضامن ہوگا مگر جب دوسری مضاربہ فاسد ہو تو اس پر کوئی ضمانت نہ ہوگی اگرچہ اسے نفع ہو بلکہ دوسرے مضارب کے لیے پہلے مضارب پر اجرت مثلی ہوگی۔ اور پہلے مضارب کے لیے مشروط نفع ہوگا اگر دوسرے مضارب کے ہاتھ میں اس عمل سے پہلے ہی مال ضائع ہو گیا جو ضمان کو واجب کرتا ہو تو کسی پر کوئی ضمانت نہ ہوگی۔ اسی طرح کوئی ضمانت نہ ہوگی اگر دوسرے مضارب سے مال غصب کر لیا گیا ضمان صرف غاصب پر ہوگی۔ اگر دوسرے مضارب نے جان بوجھ کر مال ہلاک کر دیا یا کسی کو ہبہ کر دیا تو خاص طور پر اسی پر ضمانت ہوگی۔

28683۔ (قوله: عَلَى الظَّاهِرِ) یعنی ”امام صاحب“ رحمۃ اللہ علیہ سے ظاہر روایت ہے اور یہی ”صاحبین“ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے، ”منح“۔

اگر دونوں مضاربوں میں سے ایک یا دونوں فاسد ہوں تو دونوں میں سے کسی پر ضمانت نہیں

28684۔ (قوله: فَاسِدَةٌ) ”البحر“ میں کہا: اگر دونوں میں سے ایک فاسد ہو یا دونوں فاسد ہوں تو دونوں میں سے کسی

پر بھی ضمانت نہیں اور عامل کے لیے پہلے مضارب پر اجرت کے مثل لازم ہوگی۔ اور پہلا مضارب رب المال سے اس کا مطالبہ کرے گا اور نقصان رب المال کے ذمہ ہوگا اور نفع پہلے مضارب اور رب المال کے درمیان شرط کے مطابق تقسیم ہوگا بعد اس

خَاصَّةً فَإِنْ عَمِلَ حَتَّى ضَمِنَهُ (خُيِّرَ رَبُّ الْمَالِ إِنْ شَاءَ ضَمَّنَ) الْمَضَارِبِ (الْأَوَّلَ رَأْسَ مَالِهِ وَإِنْ شَاءَ ضَمَّنَ الثَّانِي) وَإِنْ اخْتَارَ أَخَذَ الرِّيحَ، وَلَا يَضْمَنُ لَيْسَ لَهُ ذَلِكَ بَحْرًا (فَإِنْ أَذِنَ) الْمَالِكُ (بِالدَّفْعِ وَدَفَعَ

اگر وہ عمل کرے یہاں تک کہ وہ اس کا ضامن بن گیا تو رب المال کو اختیار دیا جائے گا اگر چاہے تو پہلے مضارب سے اپنے راس المال کی ضمانت لے لے اگر چاہے تو دوسرے مضارب سے ضمانت لے۔ اگر وہ نفع وصول کرنے کو پسند کرے اور ضمانت نہ لینے کا ارادہ کرے تو اسے یہ حق حاصل نہیں ہوگا، ”بحر“۔ اگر مالک نے آگے مضارب بت پر مال دینے کی اجازت دے دی اور پہلے مضارب نے

کے کہ دوسرے مضارب نے اپنی اجرت لے لی ہو جب پہلی مضارب بت صحیح ہو ورنہ پہلے مضارب کے لیے اجرت مثلی ہوگی۔
28685۔ (قوله: خَاصَّةً) زیادہ مشہور خیال ہے پس وہ دونوں میں سے جس سے چاہے گا ضمانت لے گا جس طرح ”الاختیار“ میں ہے۔ ”ساحانی“۔

اگر رب المال پہلے مضارب سے ضمانت لے تو اس کا حکم

28686۔ (قوله: خُيِّرَ رَبُّ الْمَالِ) اگر رب المال پہلے مضارب سے ضمانت لے تو اسی مضارب اور دوسرے مضارب کے درمیان مضارب بت صحیح ہو جائے گی اور نفع اسی کے مطابق تقسیم ہوگا جس طرح انہوں نے شرط لگائی تھی اگر دوسرے سے ضمانت لی تو اس نے جو ضمانت دی ہوگی وہ پہلے سے اس کا مطالبہ کرے گا اور دونوں مضاربوں کے درمیان مضارب بت صحیح ہوگی اور نفع دونوں میں مشترک ہوگا اور دوسرے مضارب کے لیے نفع پاکیزہ و حلال ہوگا جو اس نے نفع کمایا ہے نہ کہ پہلے کے لیے حلال ہوگا۔ ”بحر“۔

اس میں ہے: اگر دوسرے مضارب نے تیسرے مضارب کو مال نفع پر دیا اور تیسرے کو نفع ہوا یا نقصان ہوا اگر پہلے نے دوسرے سے کہا: اپنی رائے کے مطابق عمل کرو تو رب المال کو حق ہوگا کہ تینوں میں سے جس سے چاہے اس سے ضمانت لے تیسرا دوسرے سے اور دوسرا پہلے سے واپسی کا مطالبہ کرے گا اور پہلا کسی سے واپسی کا مطالبہ نہیں کرے گا اگر رب المال نے اس سے ضمانت لی ہو ورنہ پہلے پر کوئی ضمانت نہ ہوگی اور دوسرا اور تیسرا مضارب ضامن ہوں گے۔ ”محیط“ میں اسی طرح ہے۔

28687۔ (قوله: ضَمَّنَ الثَّانِي) اس میں اس امر کا شعور دلا گیا ہے کہ جب وہ ضمانت دے گا تو پہلے سے مطالبہ کرے

گا اور اس کے لیے نفع پاکیزہ و حلال ہوگا پہلے کے لیے نفع پاکیزہ نہیں ہوگا۔ کیونکہ یہ ملک مستند ہے۔ ”تہستانی“، ”ساحانی“۔

28688۔ (قوله: لَيْسَ لَهُ الْخُ) کیونکہ عمل کے ساتھ مال مغصوبہ ہو چکا ہے اور مالک کو حق حاصل نہیں مگر یہ عین

مغصوبہ کے چلے جانے کے بعد وہ بدل کی ضمانت لے لے۔ غاصب سے نفع لینے کا اسے کوئی حق نہیں ہوگا میرے لیے اس طرح ظاہر ہوا ہے۔ ”ط“۔

28689۔ (قوله: فَإِنْ أَذِنَ) ان کے قول بلا اذن کا یہ مفہوم ہے۔

بِالثُّلُثِ وَقَدْ قِيلَ لِلأَوَّلِ (مَا زَرَقَ اللَّهُ فَبَيْنَنَا نِصْفَانِ فَلِلْمَالِكِ النِّصْفُ) عَمَلًا بِشَرْطِهِ (وَلِلأَوَّلِ السُّدُسُ الْبَاقِي وَلِلثَّانِي الثُّلُثُ) الْمَشْرُوطُ (وَلَوْ قِيلَ مَا زَرَقَكَ اللَّهُ بِكَافِ الْخِطَابِ) وَالْمَسْأَلَةُ بِحَالِهَا (فَلِلثَّانِي ثُلُثُهُ وَالْبَاقِي بَيْنَ الْأَوَّلِ وَالْمَالِكِ نِصْفَانِ) بِاعْتِبَارِ الْخِطَابِ فَيَكُونُ لِكُلِّ ثُلُثٍ (وَمِثْلُهُ مَا رِبَحْتَ مِنْ شَيْءٍ أَوْ مَا كَانَ لَكَ فِيهِ مِنْ رِبْحٍ) وَنَحْوِ ذَلِكَ وَكَذَا لَوْ شَرَطَ لِثَّانِي أَكْثَرَ مِنَ الثُّلُثِ أَوْ أَقَلَّ فَالْبَاقِي بَيْنَ الْمَالِكِ وَالْأَوَّلِ (وَلَوْ قَالَ لَهُ مَا رِبَحْتَ بَيْنَنَا نِصْفَانِ، وَدَفَعَ بِالنِّصْفِ فَلِلثَّانِي النِّصْفُ، وَاسْتَوَيَا فِيمَا بَقِيَ)؛ لِأَنَّهُ لَمْ يَرِبْحْ سِوَاهُ (وَلَوْ قِيلَ مَا زَرَقَ اللَّهُ فَلِيَ نِصْفُهُ أَوْ مَا كَانَ مِنْ فَضْلِ اللَّهِ، فَبَيْنَنَا نِصْفَانِ، فَدَفَعَ بِالنِّصْفِ فَلِلْمَالِكِ النِّصْفُ وَلِلثَّانِي كَذَا وَلَا شَيْءَ لِلأَوَّلِ) لِيَجْعَلَهُ مَالَهُ لِثَّانِي

دوسرے مضارب کو ایک تہائی نفع پر مال دے دیا جب کہ پہلے مضارب کے لیے یہ کہا گیا تھا: جو اللہ تعالیٰ رزق عطا فرمائے وہ ہمارے درمیان نصف نصف ہوگا تو مالک کے لیے نفع کا نصف ہوگا یہ اس کی شرط پر عمل کرنے کی وجہ سے ہوگا پہلے مضارب کے لیے باقی ماندہ چھٹا حصہ ہوگا اور دوسرے مضارب کے لیے ایک تہائی ہوگا جس کی شرط لگائی گئی۔ اگر یہ کہا گیا: اللہ تعالیٰ نے جو تجھے رزق دیا یعنی کاف خطاب کے ساتھ کلام کی جب کہ مسئلہ اس حال پر ہو تو دوسرے کے لیے ایک تہائی ہوگا اور باقی ماندہ پہلے اور مالک کے درمیان نصف نصف ہوگا۔ یہ خطاب کے اعتبار سے ہے۔ پس ہر ایک کے لیے ایک تہائی ہوگا۔ اسی کی مثل صورتحال ہوگی: تجھے جو کچھ نفع ہوا یا تیرے لیے اس میں جو نفع ہوا وغیرہ۔ اسی طرح اگر اس نے دوسرے مضارب کے لیے ایک تہائی سے زائد یا اس سے کم کی شرط لگائی تو باقی ماندہ مالک اور پہلے مضارب کے درمیان تقسیم ہوگا۔ اگر مالک نے مضارب اول کو کہا: جو تجھے نفع ہو تو وہ ہمارے درمیان نصف نصف ہوگا اور اس نے دوسرے مضارب کو نصف نفع پر مال دے دیا تو دوسرے کے لیے نصف ہوگا اور باقی ماندہ میں مالک اور پہلا مضارب برابر ہوں گے۔ کیونکہ اسے اس کے سوا نفع نہیں ہوا۔ اگر اسے کہا گیا: اللہ تعالیٰ جو رزق عطا فرمائے تو اس کا نصف میرے لیے ہے یہ جو اللہ تعالیٰ کا فضل ہوگا تو وہ ہمارے درمیان نصف نصف ہوگا۔ تو پہلے مضارب نے دوسرے مضارب کو نصف پر دے دیا تو مالک کے لیے نصف ہوگا اور دوسرے کے لیے اسی قدر ہوگا اور پہلے مضارب کے لیے کوئی شے نہ ہوگی۔ کیونکہ اس کا جو حصہ تھا اس نے دوسرے کے لیے متعین کر دیا ہے۔

28690۔ (قوله: عَمَلًا بِشَرْطِهِ) کیونکہ اس نے تمام نفع کے نصف کی شرط اپنے لیے لگائی ہے۔

28691۔ (قوله: الْبَاقِي) زیادہ بہتر تو یہ تھا کہ الباقی کو حذف کر دیا جاتا۔ باقی سے مراد وہ ہے جو دوسرے کے لیے

شرط لگائی تھی اس سے جو بچ گیا ہو۔ کیونکہ پہلے مضارب نے جو واجب کیا ہے وہ صرف اس کے حصہ کی طرف پھرے گا۔ کیونکہ اس پر حق حاصل نہیں کہ وہ مالک کے حصہ میں سے کسی شے کو دوسرے کے لیے ثابت کرے جب اس نے اپنے حصہ میں سے ایک تہائی دوسرے مضارب کے لیے ثابت کیا ہے جب کہ اس کا حصہ نصف تھا تو اس کے لیے چھٹا حصہ باقی رہے

(وَلَوْ شَرَطَ) الْأَوَّلُ (لِلثَّانِي ثُلُثِيهِ)، وَالْمَسْأَلَةُ بِخَالِهَا (ضَمِنَ الْأَوَّلُ لِلثَّانِي سُدُسًا) بِالتَّسْبِيَةِ؛ لِأَنَّهُ التَّزَمَ سَلَامَةَ الثُّلُثَيْنِ (وَإِنْ شَرَطَ) الْمُضَارِبُ (لِلْمَالِكِ ثُلُثَهُ) وَشَرَطَ (لِعَبْدِ الْمَالِكِ ثُلُثَهُ) وَقَوْلُهُ (عَلَى أَنْ يَعْمَلَ مَعَهُ عَادِيٌّ، وَلَيْسَ بِقَيِّدٍ) (وَشَرَطَ) لِنَفْسِهِ ثُلُثَهُ صَحَّ، وَصَارَ كَأَنَّهُ اشْتَرَطَ لِلْمَوْلَى ثُلُثِي الرِّيحِ كَذَا فِي عَامَّةِ الْكُتُبِ

اگر پہلے مضارب نے دوسرے مضارب کے لیے دو تہائی کی شرط لگائی جب کہ اپنی حالت پر ہو تو پہلا مضارب دوسرے مضارب کے لیے چھٹے حصہ کا ضامن ہوگا۔ کیونکہ اس نے اس کا ذکر کیا تھا کیونکہ اس نے دو تہائی کی سلامتی اپنے اوپر لازم کی تھی۔ اگر مضارب نے مالک کے لیے نفع کے تہائی کی شرط لگائی اور مالک کے غلام کے لیے تہائی کی شرط لگائی اور ان کا یہ قول: علی ان يعمل معہ یہ امر عادی ہے قید نہیں ہے، اور مضارب نے اپنے لیے ایک تہائی کی شرط لگائی تو یہ صحیح ہوگا اور یہ امر اسی طرح ہو جائے گا گویا اس نے مولیٰ کے لیے دو تہائی کی شرط لگائی ہے۔ عام کتب میں اسی طرح ہے۔

گا۔ ”البحر“ میں کہا: سب کے لیے نفع پاکیزہ ہے۔ کیونکہ دوسرے مضارب کا عمل پہلے مضارب کی جانب سے عمل تجارت ہے جس طرح اجیر مشترک ہوتا ہے جب وہ کسی اور کو مزدور رکھے جب اجرت اس سے کم ہو جس پر اسے اجرت پر رکھا گیا تھا۔ 28692۔ (قوله: لِعَبْدِ الْمَالِكِ) رب المال کے غلام کی قید لگائی ہے کیونکہ اگر نفع میں سے مضارب کے غلام کے لیے کوئی شرط لگائی جائے اور اس کے عمل کی شرط نہ لگائی جائے تو یہ جائز نہ ہوگا۔ اور اس کے لیے جو شرط لگائی ہے وہ مال رب المال کے لیے ہوگا مگر جب غلام کا کوئی دین ہو ورنہ شرط صحیح ہوگی خواہ اس کے عمل کی شرط لگائی یا شرط نہ لگائی اور وہ مال مضارب کے لیے ہوگا، ”بحر“۔ اور یہ قید لگائی ہے کہ عاقد آقا ہو کیونکہ اگر عبد ماذون شرط لگائے تو اس کا ذکر عنقریب آئے گا۔ اور یہ ان کے اس قول: لعبد مالو شرط للمکاتب بعض الریح کو شامل ہوگا۔ اور اسی طرح کا حکم ہوگا اگر وہ مضارب کا مکاتب ہو لیکن اس شرط کے ساتھ کہ وہ دونوں میں اس کے عمل کی شرط لگائے اور مشروط مال مضارب کے مکاتب کے لیے ہوگا اس کے آقا کے لیے نہ ہوگا اگر اس کے عمل کی شرط نہ لگائے تو یہ جائز نہ ہوگا۔ دوسرے اجنبی بھی اس شرط پر ہوں گے۔ پس مضارب بت صحیح ہو گی اور وہ رب المال کے لیے ہوگی اور شرط باطل ہوگی، ”بحر“۔ اس بارے میں کلام عنقریب آئے گی۔ یہاں عورت (بیوی) اور بچہ اجنبی کی طرح ہیں۔ ”نہایہ“ میں اسی طرح ہے، ”بحر“۔ غلام کے عمل کی شرط ہونے کی قید لگائی ہے یہ مضارب کے ساتھ رب المال کے عمل کی شرط سے احتراز ہے کیونکہ ایسی شرط مضارب بت کو فاسد کر دیتی ہے جس طرح عنقریب آئے گا۔

28693۔ (قوله: لِلْمَوْلَى) لیکن آقا غلام کے ایک تہائی کو مطلقاً نہیں لے گا۔ کیونکہ ”تبيين“ میں ہے: پھر اگر غلام پر

رہن نہ ہو تو یہ حصہ آقا کا ہوگا خواہ اس میں غلام کے عمل کی شرط لگائی یا نہ لگائی۔ اگر اس غلام پر دین ہو تو وہ اس کے غلام کی طرح ہوگا اگر اس کے عمل کی شرط لگائے کیونکہ وہ اپنے آقا کے مال میں مضارب بن چکا ہے پس اس کی کمائی اس کے لیے ہوگی پس اس کے غلام اس کو وصول کریں گے۔ اگر اس کے عمل کی شرط نہ لگائی ہو تو وہ عقد سے اجنبی ہوگا۔ پس وہ مسکوت عنہ کی طرح ہو

وَفِي نُسْخِ الْمَثْنِ وَالشَّرْحِ هُنَا خَلَطَ فَأَجْتَنِبُهُ (وَلَوْ عَقَدَهَا الْمَازُونُ مَعَ أَجْنَبِيٍّ وَشَرَطَ الْمَازُونُ عَمَلَ مَوْلَاهُ لَمْ يَصَحَّ إِنْ لَمْ يَكُنْ الْمَازُونُ (عَلَيْهِ دَيْنٌ)؛ لِأَنَّهُ كَاشْتَرَاطِ الْعَمَلِ عَلَى الْمَالِكِ (وَالْأَصَحُّ)؛ لِأَنَّهُ حِينَئِذٍ لَا يَبْدُلُ كَسْبَهُ (وَاشْتَرَاطِ عَمَلِ رَبِّ الْمَالِ مَعَ الْمُضَارِبِ مُفْسِدٌ) لِلْعَقْدِ؛ لِأَنَّهُ يَنْتَعُ التَّخْلِيَةَ فَيَنْتَعُ الصِّحَّةَ (وَكَذَا اشْتَرَاطِ عَمَلِ الْمُضَارِبِ مَعَ مُضَارِبِهِ قَوْلُهُ أَوْ عَمَلِ رَبِّ الْمَالِ مَعَ الْمُضَارِبِ (الثَّانِي) بِخِلَافِ مُكَاتِبٍ شَرَطَ عَمَلَ مَوْلَاهُ كَمَا لَوْ ضَارَبَ مَوْلَاهُ (وَلَوْ شَرَطَ بَعْضُ الرِّبْحِ لِلْمَسَاكِينِ أَوْ لِلْحَجَّ

متن اور شرح کے نسخوں میں جہاں خلط ہے پس اس سے اجتناب کیجئے۔ اگر عبد مازون نے اجنبی کے ساتھ عقد مضاربہ کیا اور مازون نے اپنے آقا کے عمل کی شرط لگائی تو یہ شرط صحیح نہ ہوگی اگر مازون پر دین نہ ہو۔ کیونکہ یہ اسی طرح ہے کہ وہ مالک پر عمل کی شرط لگا رہا ہے۔ اگر اس طرح نہ ہو یعنی عبد مازون پر دین ہو تو شرط صحیح ہوگی۔ کیونکہ اس صورت میں مولیٰ اس کی کمائی کا مالک نہیں ہوتا۔ مضارب کے ساتھ رب المال کے عمل کی شرط لگانا یہ عقد کو فاسد کر دیتا ہے۔ کیونکہ یہ تخلیہ کے مانع ہے۔ پس یہ اس کے صحیح ہونے کے مانع ہوگا۔ اسی طرح مضارب کی مضارب کے ساتھ عمل کی شرط لگانا یا رب المال کی دوسرے مضارب کے ساتھ عمل کی شرط لگانے کا معاملہ ہے۔ مکاتب کا معاملہ مختلف ہے جب وہ اپنے آقا کے عمل کی شرط لگائے جس طرح مضارب وہ اپنے آقا کے ساتھ مضاربت کا عقد کرے۔ اگر وہ بعض نفع کو مساکین کے لیے، حج کے لیے،

گاپس وہ مال مولیٰ کا ہوگا۔ کیونکہ اس کے مملوکہ مال کا نما ہے۔ کیونکہ اس کے حصہ کا بیان شرط نہیں بلکہ مضارب کے حصہ کا بیان شرط ہے کیونکہ وہ اجیر کی طرح ہوتا ہے۔ ملخص

28694۔ (قوله: وَفِي نُسْخِ الْمَثْنِ الْخ) جہاں تک متن کا تعلق ہے تو میں نے اس کے ایک نسخہ میں دیکھا ہے: اگر اس نے دوسرے مضارب کے لیے نفع کے دو تہائی کی شرط لگائی اور مالک کے غلام کے لیے ایک تہائی کی شرط لگائی اس شرط پر کہ مالک کا غلام اس کے ساتھ کام کرے گا اور اپنے لیے ایک تہائی کی شرط لگائی تو یہ شرط صحیح ہوگی جب کہ یہ فاسد ہے جس طرح تم دیکھ رہے ہو۔ جہاں تک شرکاء کا تعلق ہے تو اس کی نص یہ ہے ان کا قول: وہ اس کے ساتھ کام کرے گا یہ قول عادی (نودت کے مطابق ہے) ہے یہ قید نہیں بلکہ شرط صحیح ہوگی اور وہ آقا کے لیے ہوگا اگر اس کے عمل کی شرط نہ لگائی تو یہ شرط جائز نہ ہوگی۔ ”حاشیہ“ میں اسی طرح ہے۔

28695۔ (قوله: وَاشْتَرَاطُ) یہ مسئلہ ماقبل کے لیے تعلیل کی طرح ہے۔ زیادہ بہتر یہ تھا کہ اسے مقدم کرتے اور اس پر تفریع کا ذکر کرتے۔

28696۔ (قوله: بِخِلَافِ مُكَاتِبٍ) یعنی جب مکاتب کسی اور کو مال مضاربہ عطا کرے۔

28697۔ (قوله: مَوْلَاهُ) کیونکہ یہ مطلقاً فاسد نہیں اگر وہ عمل سے قبل عاجز آجائے اور اس پر دین نہ ہو تو مضاربت

فاسد ہو جائے گی۔ ”بحر“۔

أَوْ فِي الرِّقَابِ) أَوْ لِمَرْأَةِ الْمُضَارِبِ أَوْ مُكَاتِبِهِ صَحَّ الْعَقْدُ وَ (لَمْ يَصَحَّ) الشَّرْطُ (وَيَكُونُ) الْمَشْرُوطُ (لِرَبِّ الْمَالِ وَلَوْ شَرَطَ الْبَعْضُ لِمَنْ شَاءَ الْمُضَارِبُ فَإِنْ شَاءَ لِنَفْسِهِ أَوْ لِرَبِّ الْمَالِ صَحَّ) الشَّرْطُ (وَالْإِلَّا) بِأَنْ شَاءَهُ لِأَجْنَبِيٍّ (لَا يَصَحُّ) وَمَتَى شَرَطَ الْبَعْضُ لِأَجْنَبِيٍّ إِنْ شَرَطَ عَلَيْهِ عَمَلَهُ صَحَّ، وَإِلَّا لَا قُلْتُ لِكُنْ فِي الْقَهْصَتَيْنِ أَنَّهُ يَصَحُّ مُطْلَقًا، وَالْمَشْرُوطُ لِلْأَجْنَبِيِّ إِنْ شَرَطَ عَلَيْهِ وَإِلَّا فَلِلْمَالِكِ أَيْضًا، وَعَزَاهُ لِلذَّخِيرَةِ خِلَافًا لِلْبَرْجَنْدِيِّ وَغَيْرِهِ فَتَتَبَّهُ، وَلَوْ شَرَطَ الْبَعْضُ لِقَضَاءِ دَيْنِ الْمُضَارِبِ أَوْ دَيْنِ الْمَالِكِ جَازَ

غلاموں کے آزاد کرنے، مضارب کی بیوی یا اپنے مکاتب کے لیے شرط لگائے تو عقد صحیح ہوگا اور شرط صحیح نہ ہوگی اور مشروط رب المال کے لیے ہوگا۔ اگر بعض نفع کی اس کے لیے شرط لگائے مضارب جس کے لیے چاہے اگر وہ اپنے لیے یا رب المال کے لیے چاہے تو شرط صحیح ہوگی ورنہ صحیح نہ ہوگی۔ اس کی صورت یہ ہے کہ وہ اجنبی کے لیے چاہے جب وہ اجنبی کے لیے بعض نفع کی شرط لگائے اگر اس پر عمل کی شرط لگائے تو یہ صحیح ہوگا ورنہ صحیح نہ ہوگا۔ میں کہتا ہوں: لیکن ”قہستانی“ میں ہے: یہ مطلقاً صحیح ہے اور مشروط اجنبی کے لیے ہوگا اگر اس کے عمل کی شرط لگائے ورنہ وہ مشروط بھی مالک کے لیے ہوگا۔ اسے ”ذخیرہ“ کی طرف منسوب کیا ہے۔ ”برجندی“ وغیرہ نے اس سے اختلاف کیا ہے پس اس پر متنبہ ہو جاؤ۔ اگر بعض نفع کے بارے میں یہ شرط لگائی کہ مضارب کے دین یا مالک کے دین کو ادا کیا جائے گا تو یہ شرط جائز ہوگی

28698۔ (قوله: أَوْ فِي الرِّقَابِ) یعنی غلام کو آزاد کرانے میں، تینوں میں شرط فاسد ہے۔ کیونکہ عمل کی شرط نہیں جس طرح عنقریب یہ امر ظاہر ہو جائے گا۔

28699۔ (قوله: وَلَمْ يَصَحَّ الشَّرْطُ) ”سراجیہ“ میں جس جواز کا ذکر ہے وہ عقد کے جواز پر محمول ہوگا شرط کے جواز پر محمول نہیں ہوگا۔ ”منح“۔

جو یہ قول کیا گیا ہے کہ مسئلہ اختلافی ہے اس کی ضرورت نہیں۔ لیکن ان دونوں میں شرط صحیح نہ ہوگی جب ان دونوں پر عمل کی شرط نہ لگائے جس طرح اس کی طرف اپنے اس قول و متی شرط لاجنبی الخ میں اشارہ کر دیں گے۔ ”النبایہ“ سے گزر چکا ہے کہ بیوی اور بچہ یہاں اجنبی کی طرح ہیں۔ ”التبیین“ میں ہے: اگر بعض نفع کی رب المال کے مکاتب یا مضارب کے مکاتب کے لیے شرط لگائی اگر اس کے عمل کی شرط لگائی تو یہ جائز ہوگی اور مشروط اس کا ہوگا۔ کیونکہ وہ مضارب بن چکا ہے ورنہ شرط صحیح نہ ہوگی۔ کیونکہ یہ مضارب بت نہیں۔ کیونکہ مشروط ہبہ موعودہ ہے پس یہ شرط لازم نہ ہوگی۔ اسی پر دوسری جانب کو قیاس کیا جاسکتا ہے۔ اگر اس کے لیے بعض نفع کی شرط لگائی ہو اور اس پر عمل کی شرط لگائی ہو تو یہ صحیح ہوگی ورنہ شرط صحیح نہ ہوگی۔

28700۔ (قوله: لَا يَصَحُّ) کیونکہ اس کے عمل کی شرط نہیں لگائی۔

28701۔ (قوله: صَحَّ) یعنی شرط لگانا صحیح ہوگا جس طرح عقد صحیح ہوگا۔

28702۔ (قوله: لِكُنْ فِي الْقَهْصَتَيْنِ) استدراک کا یہاں کوئی محل نہیں۔ کیونکہ ان کا قول: یصح مطلقاً یعنی عقد

وَيَكُونُ لِلْمُشْرُوطِ لَهُ قَضَاءُ دَيْنِهِ وَلَا يَلْزَمُ بِدَفْعِهِ لِعُغْرَمَائِهِ بَحْرٌ (وَتَبْطُلُ الْمُضَارَبَةُ بِمَوْتِ أَحَدِهِمَا) لِكُونِهَا وَكَالَةً وَكَذَا بِقَتْلِهِ، وَحَجَرٍ يَطْرَأُ عَلَى أَحَدِهِمَا وَبِجُنُونِ أَحَدِهِمَا مُطَبَّقًا قَهْشَتَانٍ وَفِي الْبَزَازِيَّةِ مَاتَ الْمُضَارِبُ وَالْمَالُ عُرُوضٌ بِاعِهَا وَصِيَّتُهُ، وَلَوْ مَاتَ رَبُّ الْمَالِ، وَالْمَالُ نَقْدٌ تَبْطُلُ فِي حَقِّ التَّصَرُّفِ وَلَوْ عَرَضًا تَبْطُلُ فِي حَقِّ الْمُسَافَرَةِ لَا التَّصَرُّفِ فَلَهُ بَيْعُهُ بِعَرَضٍ وَنَقْدٍ (و) بِالْحُكْمِ (بِلُحُوقِ الْمَالِكِ مُرْتَدًّا فَإِنْ عَادَ بَعْدَ لُحُوقِهِ مُسْلِمًا فَالْمُضَارَبَةُ عَلَى حَالِهَا) حُكْمٌ بِدَحَاقِهَا أَمْ لَا عِنَايَةً

اور مشروطہ پر لازم ہوگا کہ وہ اپنے دین کو ادا کرے اس کے غرماء کو ادا کرنا اس پر لازم نہ ہوگا، ”بحر“۔ مضارب اور مالک میں سے ایک کے فوت ہونے سے مضارب بت باطل ہو جائے گی۔ کیونکہ یہ وکالت ہے۔ اسی طرح اس کے قتل ہونے یا حجر کے جاری ہونے سے مضارب بت ختم ہو جائے گی۔ ان دونوں میں سے کسی کو جنون مطبقہ لاحق ہو تو بھی مضارب بت ختم ہو جائے گی، ”قہستانی“۔ ”بزازیہ“ میں ہے: مضارب مرگیا اور مال سامان تجارت ہے مضارب کا وصی اسے بیچے گا اگر رب المال مر جائے اور مال نقدی ہو تو تصرف کے حق میں مضارب بت باطل ہو جائے گی اگر سامان تجارت ہو تو مسافرت کے حق میں باطل ہو جائے گی تصرف کے حق میں باطل نہ ہوگی۔ اسے حق حاصل ہوگا کہ سامان تجارت یا نقدی کے بدلے میں بیچ دے۔ اور مضارب بت باطل ہو جاتی ہے جب مالک پر مرتد ہو کر دار الحرب میں لاحق ہونے کا حکم لگا دیا جائے۔ اگر دار الحرب چلے جانے کے بعد مسلمان کی حیثیت سے لوٹ آئے تو مضارب بت اپنے حال پر باقی رہے گی اس پر دار الحرب میں لاحق ہونے کا حکم لگایا گیا ہو یا لاحق ہونے کا حکم نہ لگایا گیا ہو، ”عنایہ“۔

مضارب بت صحیح ہے خواہ اس نے اجنبی کے عمل کی شرط لگائی ہو یا نہ لگائی ہو مگر جب اس نے عمل کی شرط لگائی ہو تو مشروط اس کا ہوگا ورنہ مشروط رب المال کا ہوگا۔ کیونکہ یہ اس کے قائم مقام ہے جس سے سکوت اختیار کیا گیا ہے۔ اگر مراد یہ ہو کہ شرط لگانا مطلقاً صحیح ہے تو یہ اس قول الا کے منافی ہوگا یعنی اگر اس نے اس اجنبی کے عمل کی شرط نہ لگائی ہو تو وہ مشروط مالک کے لیے ہوگا۔

28703۔ (قوله: وَيَكُونُ) یکون کی ضمیر سے مراد بعض ہے۔

28704۔ (قوله: قَضَاءُ) یہ مشروط کا نائب الفاعل ہے۔

28705۔ (قوله: بَحْرٌ) اس کی عبارت یہ ہے: ولا يجبر على دفعه لغرمائه یعنی غرماء کو دینے پر اسے مجبور نہ کیا جائے گا۔

جائے گا۔ ”حاشیہ“ میں اسی طرح ہے۔

28706۔ (قوله: الْمُسَافَرَةِ) رب المال کے شہر کے علاوہ کی طرف سفر۔ ”طحاوی“ نے ”بزازیہ“ سے نقل کیا ہے۔

28707۔ (قوله: فَإِنْ عَادَ الْخ) چاہیے کہ یہ حکم اس وقت ہو جب اس پر دار الحرب میں چلے جانے کا حکم نہ لگایا جائے۔ مگر جب اس پر دار الحرب میں لاحق ہونے کا حکم لگا دیا جائے تو مضارب بت نہیں لوٹے گی۔ کیونکہ مضارب بت باطل ہو چکی ہے جس طرح ”غایۃ البیان“ میں ”الاتقانی“ کی عبارت ہے۔ لیکن ”العنایہ“ میں ہے کہ مضارب بت لوٹ آئے گی اس پر

(بِخِلَافِ الْوَكِيلِ)؛ لِأَنَّهُ لَا حَقَّ لَهُ بِخِلَافِ الْمُضَارِبِ (وَلَوْ ارْتَدَّ الْمُضَارِبُ، فَهِيَ عَلَى حَالِهَا فَإِنْ مَاتَ أَوْ قُتِلَ أَوْ لَحِقَ بِدَارِ الْحَرْبِ وَحُكِمَ بِدَحَاقِهِ بَطَلَتْ) وَمَا تَصَرَّفَ نَافِذٌ وَعُهِدَتْهُ عَلَى الْمَالِكِ عِنْدَ الْإِمَامِ بَحْرًا (وَلَوْ ارْتَدَّ الْمَالِكُ فَقَطَّ) أَيْ وَلَمْ يَلْحَقْ (فَتَصَرَّفَهُ) أَيْ الْمُضَارِبِ (مَوْقُوفٌ) وَرِدَّةُ الْمَرْأَةِ غَيْرُ مُؤَثَّرَةٍ (وَيَنْعَزِلُ بِعَزْلِهِ)؛ لِأَنَّهُ وَكِيلٌ (إِنْ عَلِمَ بِهِ) بِخَبَرِ رَجُلَيْنِ مُطْلَقًا أَوْ فُضُولِي عَدْلٍ أَوْ رَسُولٍ مُبَيِّنٍ (وَالَا) يَعْلَمُ (لَا) يَنْعَزِلُ (فَإِنْ عَلِمَ) بِالْعَزْلِ وَلَوْ حُكِمَا

وکیل کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ اس کا کوئی حق نہیں ہوتا۔ مضارب کا معاملہ مختلف ہے اگر مضارب مرتد ہو جائے تو مضارب بت اپنے حال پر رہے گی اگر وہ مرجائے یا قتل ہو جائے یا مرتد ہو کر دار الحرب چلا جائے اور اس پر دار الحرب چلے جانے کا حکم لگا دیا جائے تو مضارب بت باطل ہو جائے گی اور اس نے جو تصرف کیا ہو گا وہ نافذ ہو جائے گا۔ اور ”امام صاحب“ رحمہ اللہ کے نزدیک اس کی ذمہ داری مالک پر ہوگی۔ اگر مالک صرف مرتد ہو جائے اور یعنی اور وہ دار الحرب نہ جائے تو اس مضارب کا تصرف موقوف ہوگا اور عورت کا ارتداد غیر مؤثر ہے اور مالک کے معزول کرنے سے مضارب معزول ہو جائے گا۔ کیونکہ مضارب وکیل ہے اگر معزولی کا علم مطلقاً دو آدمیوں کی خبر، فضولی عادل یا سوجھ بوجھ رکھنے والے قاصد کے ذریعے خبر ملے۔ اگر اسے معزولی کا علم نہ ہو تو وہ معزول نہیں ہوگا اگر معزول ہونے کا علم ہو جائے اگرچہ حکماً ہو

دار الحرب میں لاحق ہونے کا حکم لگایا گیا ہو یا حکم نہ لگایا گیا ہو۔ قاتل، ”رملی“۔

28708۔ (قوله: بِخِلَافِ الْوَكِيلِ) یعنی اگر اس کا موکل مرتد ہو جائے اور دار الحرب چلا جائے پھر وہ واپس آجائے تو وکالت اپنے حال پر نہ ہوگی۔ فرق یہ ہے کہ محل تصرف موکل کی ملک سے نکل چکا ہے اور وکیل کا حق اس کے ساتھ متعلق نہیں ہوا اسی وجہ سے کہا لانه الخ۔ ”س“۔

28709۔ (قوله: بِخِلَافِ الْمُضَارِبِ) کیونکہ اس کا حق ہے جب مالک واپس لوٹے گا تو مضارب بت اپنے حال پر ہوگی۔

28710۔ (قوله: وَلَوْ ارْتَدَّ) یہ ان کے قول و بدحقوق سے احتراز ہے۔

28711۔ (قوله: فَقَطَّ) اس تعبیر کی بنا پر مالک اور مضارب میں کوئی فرق نہیں ہے اگر یوں کلام کرتے: و بدحقوق

احدہما پھر کہتے: ولو ارتد احدہما فقط تو یہ زیادہ مختصر اور زیادہ ظاہر ہوتا۔ تمام فرق میں غور و فکر کیجئے۔ جب مضارب مرتد ہو جائے تو اس کا تصرف نافذ ہوگا۔

28712۔ (قوله: غَيْرُ مُؤَثَّرَةٍ) خواہ وہ عورت صاحبۃ المال ہو یا مضاربہ ہو مگر جب وہ مرجائے یا دار الحرب چلی

جائے تو اس پر دار الحرب چلے جانے کا حکم لگا دیا جائے۔ کیونکہ عورت کی ردت اس کی املاک میں مؤثر نہیں ہوتی۔ اسی طرح اس کے تصرفات میں مؤثر نہیں ہوتی۔ ”منح“۔

28713۔ (قوله: وَلَوْ حُكِمَا) یعنی اگرچہ معزول کرنا حکمی ہو تو حکمی میں معزول نہ ہوگا مگر علم کے ساتھ ہی معزول ہوگا۔

كَمْوَتِ الْمَالِكِ وَلَوْ حُكْمًا (وَالْمَالُ عُرُوضٌ) هُوَ هُنَا مَا كَانَ خِلَافَ جِنْسِ رَأْسِ الْمَالِ، قَالَ دَرَاهِمُ
وَالدَّنَانِيرُ هُنَا جِنْسَانِ (بَاعَهَا) وَلَوْ نَسِيئَةً، وَإِنْ نَهَاةً عَنْهَا (ثُمَّ لَا يَتَصَرَّفُ فِي ثَمَنِهَا) وَلَا فِي نَقْدٍ مِنْ
جِنْسِ رَأْسِ مَالِهِ وَيُبَدَّلُ خِلَافَهُ بِهِ اسْتِحْسَانًا

جیسے مالک مر جائے اور اس کا مرنا حکماً ہو اور مال سامان تجارت ہے یہاں وہ مال ہے جو راس المال کی جنس کے علاوہ ہے
یہاں دراهم اور دنانیر دو جنسیں ہیں مضارب اس مال کو بیچے اگرچہ ادھار بیچے اگر مالک اسے اس عمل سے منع کرے پھر اس کی
ثمن میں تصرف نہ کرے اور نہ ہی راس المال کی جنس کی نقدی میں تصرف کرے اور اس کی جنس کے جو خلاف ہے بطور
استحسان اسے بدل لے۔

وکیل کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ حکم میں معزول ہو جاتا ہے اگرچہ اسے علم نہ ہو۔ علماء نے اسی طرح فرمایا ہے۔ اگر تو سوال
کرے دونوں میں کیا فرق ہے؟ میں کہوں گا: علماء نے یہ ذکر کیا ہے: دونوں میں فرق یہ ہے کہ اس کا کوئی حق نہیں۔ مضارب کا
معاملہ مختلف ہے۔ ”منح“۔

28714۔ (قوله: وَلَوْ حُكْمًا) جیسے وہ مرتد ہو جائے ساتھ ہی اس کے دار الحرب میں چلے جانے کا حکم لگا دیا
جائے۔ ”س“۔

28715۔ (قوله: قَالَ دَرَاهِمُ) یہ تفریع ظاہر نہیں۔ زیادہ بہتر فا کی بجائے داؤ تھی جس طرح ”البحر“ اور ”المنح“ میں ہے۔

28716۔ (قوله: جِنْسَانِ) اگر راس المال دراهم ہوں اور اسے معزول کر دے جب کہ مضارب کے پاس دنانیر
ہوں اسے بطور استحقاق دراهم سے بیچنے کا حق ہوگا۔ ”منح“۔

بیع فاسد میں جو مصنف کے قول والد دراهم والد دنانیر جنس کے ہاں گزرا ہے اس میں غور و فکر کیجئے۔

28717۔ (قوله: بَاعَهَا) یعنی اسے بیچنے کا حق حاصل ہوگا معزول کیا جانا اسے اس سے مانع نہیں۔ ”اتقانی“۔

28718۔ (قوله: عَنْهَا) ضمیر سے مراد نسیئہ ہے جس طرح مشہور روایات میں اسے سفر کرنے سے روکن صحیح
نہیں۔ جس طرح جو معزول کرنے کا مالک نہیں وہ اذن کی تخصیص کا مالک نہیں۔ کیونکہ اذن کی تخصیص ایک اعتبار سے معزول
کرنا ہے، ”بحر“ میں ”نہایہ“ سے مروی ہے عنقریب اس کا ذکر آئے گا۔

28719۔ (قوله: وَيُبَدَّلُ) اس قول کی کوئی حاجت نہیں۔ کیونکہ ما قبل کلام سے اسے سمجھا جا رہا ہے۔ کیونکہ قریب ہی
عروض کی وضاحت کی ہے اور یہ وضاحت کی ہے کہ دراهم اور دنانیر دو جنسیں ہیں۔

28720۔ (قوله: خِلَافَهُ بِهِ) یعنی اسے حق حاصل ہے کہ راس المال کے خلاف نقدی کو راس المال سے تبدیل کر
دے۔ ”البحر“ میں کہا ہے: اگر راس المال دراهم ہوں تو وہ اسے معزول کر دے جب کہ اس کے پاس دنانیر ہوں تو بطور
استحسان دراهم سے انہیں بیچ دے۔ ”رطی“۔

لِوُجُوبِ رَدِّ جَنْسِهِ وَلِيُظْهَرَ الرِّبْحَ وَلَا يَتِلَّكَ الْمَالِكُ فَسْخَهَا فِي هَذِهِ الْحَالَةِ بَلْ وَلَا تَخْصِيصَ الْإِذْنَ؛ لِأَنَّهُ عَزَلَ مِنْ وَجْهِ نَهْيَةٍ (بِخِلَافِ أَحَدِ شَرِيكَيْنِ إِذَا فَسَخَ الشَّرِيكَهَ، وَمَالُهَا أُمْتَعَةٌ) صَحَّ (افْتَرَقَا، وَفِي الْمَالِ دِيُونٌ وَرِبْحٌ يُجْبَرُ الْمُضَارِبُ

کیونکہ اس کی جنس کو واپس کرنا واجب ہے اور اس لیے بھی کہ نفع ظاہر ہو چکا ہے مالک اس حالت میں اس مضارب بت کو منسوخ کرنے کا مالک نہیں اور اذن کی تخصیص کا اہل نہیں۔ کیونکہ اذن کی تخصیص ایک اعتبار سے معزول کرنا ہے۔ ”نہایہ“۔ جب دونوں شریکوں میں سے ایک جب شرکت کو فسخ کر دے اور اس شرکت کا کوئی سامان نہ ہو تو یہ صحیح ہوگا مضارب اور مالک جدا جدا ہو گئے اور مال میں دیون اور نفع تھا تو مضارب کو مجبور کیا جائے گا

28721۔ (قوله: لِوُجُوبِ الرِّبْحِ) اگر مالک فلان جنس کے لینے سے رک جائے جس طرح اس امر کا وہ قول فائدہ دیتا ہے جو ہم پہلے ”الاتقانی“ سے نقل کر چکے ہیں۔

مضارب اختلاف کے وقت رب المال کے لیے اس کے مال کی مثل کا ضامن ہوگا

فرع: ”القنیه“ میں مضاربہ کی بحث سے ہے ایک آدمی نے دوسرے کو دنیا میں مضارب بت کے طریقہ پر دیئے پھر تقسیم کا ارادہ کیا تو اسے حق حاصل ہوگا کہ وہ دنیا میں مطالبہ کرے اور اسے یہ بھی حق حاصل ہوگا کہ مال میں سے ان کی قیمت کے حساب سے لے لے اور ان کی قیمت کا اعتبار تقسیم کے دن سے کیا جائے گا ادائیگی کے وقت کی قیمت کا نہیں کیا جائے گا۔ ”شرح الطحاوی“ مضارب بت کی بحث سے ہے: مضارب اختلاف کے وقت رب المال کے لیے اس کے مال کی مثل کا ضامن ہوگا اور قول کی بحث میں ثمن مثل میں بری کرے گا۔ یہ ایسا فائدہ ہے جس کے بارے میں میں نے طویل وقت تک توقف کیا ہے۔ کیونکہ رب المال مثلاً مخصوص تعداد میں دنیا دیتا ہے پھر ان کی قیمت بڑھ جاتی ہے اور وہ یہ ارادہ کرتا ہے کہ وہ ان کی تعداد لے نہ کہ ان کی قیمت لے۔ تامل

اس سے جو امر ظاہر ہوتا ہے اگر دیے جانے والے کی تعداد اور اس کی نوع کا علم ہو تو اسے وہی لینے کا حق ہوگا اگر وہ یہ ارادہ کرے کہ اس کی قیمت کسی دوسری نوع سے لے تو اختلاف کے دن اس کی جو قیمت ہو وہ لے لے اختلاف والے دن سے مراد نزاع اور خصومت کا دن ہے۔ اسی طرح اگر دیے جانے والے مال کی نوع کا علم نہ ہو جس طرح ہمارے زمانہ میں اکثر واقع ہوتا ہے کیونکہ وہ کئی انواع کی صورت میں مال ادا کرتا ہے پھر وہ انواع مجہول ہو جاتی ہیں تو ان کی جہالت کی وجہ سے ان کی قیمت کا محتاج ہوتا ہے تو یوم خصومت کے دن ان کی قیمت کا اعتبار ہوگا۔ واللہ اعلم۔ تامل

28722۔ (قوله: فِي هَذِهِ الْحَالَةِ) یعنی اس حالت میں کہ مال عروض ہوتا ہے۔ کیونکہ مضارب کا ربح میں حق ہوتا

ہے۔ ”بحر“۔

28723۔ (قوله: صَحَّ) الفسخ صحیح ہوگا۔

عَلَى اقْتِضَاءِ الدُّيُونِ) إِذْ حِينَئِذٍ يَعْمَلُ بِالْأَجْرَةِ (وَاللَّهِ) رَبِّحَ (لَا) جَبْرَ؛ لِأَنَّهُ حِينَئِذٍ مُتَبَرِّعٌ (و) يَوْمَرُ بَأَنْ (يُؤَكِّلَ الْمَالِكَ عَلَيْهِ)؛ لِأَنَّهُ غَيْرُ الْعَاقِدِ (و) حِينَئِذٍ (و) الْوَكِيلُ بِالْبَيْعِ، وَالْمُسْتَبْضَعُ كَالْمُضَارِبِ (يَوْمَرَانِ) بِالتَّوَكُّلِ، (وَالسِّنْسَارُ) يُجْبَرُ عَلَى التَّقَاضِي، وَكَذَا الدَّلَالُ؛ لِأَنَّهُمَا يَعْمَلَانِ بِالْأَجْرَةِ فَرُغَ أُسْتَوْجَرَ عَلَى أَنْ يَبِيعَ، وَيَشْتَرِيَ لَمْ يَجْزِلْ لَعَدَمِ قُدْرَتِهِ عَلَيْهِ، وَالْحِيلَةُ أَنْ يَسْتَأْجِرَهُ مُدَّةً لِلْخِدْمَةِ، وَيَسْتَعْمِلَهُ فِي الْبَيْعِ زَيْدَعِي

کہ وہ دیون کا مطالبہ کرے۔ کیونکہ وہ اس وقت اجرت پر عمل کر رہا ہے۔ اگر نفع نہ ہو تو اسے مجبور نہ کیا جائے گا۔ کیونکہ اس وقت وہ متبرع ہے اور اسے یہ حکم دیا جائے گا کہ وہ مالک کو اس دین پر وکیل بنادے۔ کیونکہ مالک عاقد نہیں۔ اس وقت بیع کا وکیل اور مستبضع مضارب کی طرح ہوگا ان دونوں کو حکم دیا جائے گا کہ وہ وکیل بنادیں اور سمسار کو دین کے تقاضا پر مجبور کیا جائے گا۔ اسی طرح دلال کو مجبور کیا جائے گا کیونکہ وہ دونوں اجرت پر عمل کرتے ہیں۔ فرع: ایک آدمی کو اس امر پر اجرت پر رکھا گیا کہ وہ بیع و شرا کرے گا تو یہ جائز نہ ہوگا۔ کیونکہ وہ اس پر قادر نہیں اس کا حیلہ یہ ہے کہ وہ ایک مدت کے لیے اسے خدمت پر لے اور بیع میں اس سے کام لے، ”زیدعی“۔

28724۔ (قوله: عَلَى اقْتِضَاءِ الدُّيُونِ) یعنی جو ان دیون کے مقروض ہیں ان سے مطالبہ کرنے پر۔

28725۔ (قوله: إِذْ حِينَئِذٍ) ”البحر“ کی عبارت ہے: کیونکہ وہ مزدور کی طرح ہے۔ نفع اجرت کی طرح ہے اور دین کا مطالبہ عمل کے تکملہ کے طور پر ہے پس اسے اس پر مجبور کیا جائے گا۔

28726۔ (قوله: بِالْأَجْرَةِ) اس قول کا ظاہر معنی یہ ہے اگرچہ نفع تھوڑا ہو۔ ”شرح الملتقی“ میں کہا: اس سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ مطالبہ پر کوئی خرچہ اٹھتا ہو تو وہ مضارب کے ذمہ ہوگا۔ یہ اسی صورت میں ہے اگر دین شہر کے اندر ہو ورنہ وہ خرچ مال مضاربہ میں سے ہوگا۔ ”ہندیہ“ میں کہا: اگر مضارب کا سفر اور مقام دور ہو یہاں تک کہ نفقہ پورے دین میں واقع ہوتا ہو۔ اگر دین سے بڑھ جاتا ہو تو نفقہ کا حساب دین کی مقدار سے لگایا جائے گا اور اس سے جو زائد ہوگا تو وہ مضارب پر ہوگا۔ ”المحیط“ میں یہ اسی طرح ہے۔ ”ط“۔

28727۔ (قوله: وَالسِّنْسَارُ) سمسار وہ شخص ہوتا ہے جو بائع اور مشتری کے درمیان اجرت کے ساتھ کام کرتا ہے لیکن اسے اجرت پر رکھا نہیں جاتا۔

28728۔ (قوله: زَيْدَعِي) ان کی مکمل گفتگو یہ ہے: یہ حیلہ جائز ہے لیکن عقد منفعت حاصل کرتا ہے جو موت کی مقدار کے بیان کرنے کی وجہ سے معلوم ہے اور وہ اس ملک میں اپنے آپ کو سپرد کرنے پر قادر ہے اگر وہ شرط کے بغیر عمل کرے اور اسے مالک کوئی شے عطا کرے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ کیونکہ یہ ایسا عمل ہے جس کے ساتھ نیکی ہے۔ پس اس نے اسے اچھی جزا دی پس یہ معمول بن چکا ہے اور مسلمان جسے اچھا گمان کریں وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں اچھا ہے۔

لِأَنَّهُ أَمِينٌ (وَإِنْ قُسِمَ الرِّيحُ وَبَقِيَتْ الْمُضَارَبَةُ ثُمَّ هَلَكَ الْمَالُ أَوْ بَعْضُهُ تَرَادَّا الرِّيحَ لِيَأْخُذَ الْمَالُكَ رَأْسَ الْمَالِ وَمَا فَضَلَ بَيْنَهُمَا، وَإِنْ نَقَصَ لَمْ يَضُنْ) لِمَا مَرَّ ثُمَّ ذَكَرَ مَفْهُومَ قَوْلِهِ وَبَقِيَتْ الْمُضَارَبَةُ، فَقَالَ (وَإِنْ قُسِمَ الرِّيحُ، وَفُسِخَتْ الْمُضَارَبَةُ) وَالْمَالُ فِي يَدِ الْمُضَارِبِ (ثُمَّ عَقَدَاهَا فَهَلَكَ الْمَالُ لَمْ يَتَرَادَّا وَبَقِيَتْ الْمُضَارَبَةُ)؛ لِأَنَّهُ عَقْدٌ جَدِيدٌ (وَهِيَ الْحِيلَةُ النَّافِعَةُ لِلْمُضَارِبِ) (وَمَا هَلَكَ مِنْ مَالِ الْمُضَارَبَةِ يُصْرَفُ إِلَى الرِّيحِ)؛ لِأَنَّهُ تَبَعَ (فَإِنْ زَادَ الْهَالِكُ عَلَى الرِّيحِ لَمْ يَضُنْ) وَلَوْ فَاسِدَةً مِنْ عَمَلِهِ؛

مال مضارب میں سے جو چیز ہلاک ہو جائے تو اسے نفع کی طرف پھیر دیا جاتا ہے۔ کیونکہ نفع تابع ہے اگر ہلاک ہونے والا مال نفع سے بڑھ جائے تو وہ ضامن نہیں ہوگا اگرچہ مضارب بت فاسد ہو اور وہ ہلاکت اس کے عمل سے ہو کیونکہ مضارب امین ہے اگر نفع تقسیم کر دیا گیا اور مضارب بت باقی رہی تو تمام مال ہلاک ہو گیا یا اس کا بعض ہلاک ہو گیا تو دونوں نفع واپس لوٹائیں گے تاکہ مالک راس المال لے لے اور اس سے جو بچ جائے وہ دونوں میں تقسیم کر دیا جائے گا اگر مال کم پڑ جائے تو وہ ضامن نہ ہوگا۔ پھر ان کے قول: وبقیت المضاربة کا مفہوم ذکر کیا اور کہا: اگر ربح تقسیم کر دیا گیا اور مضارب بت فسخ ہو گئی اور مال مضارب کے قبضہ میں ہو پھر دونوں نے عقد مضاربہ کیا تو مال ہلاک ہو گیا تو دونوں نفع نہیں لوٹائیں گے اور مضارب بت باقی رہے گی۔ کیونکہ یہ جدید عقد ہے۔ یہی ایسا حیلہ ہے جو مضارب کے لیے نافع ہے۔

28729۔ (قوله: وَلَوْ فَاسِدَةً) یعنی خواہ مضارب بت صحیح ہو یا فاسدہ ہو خواہ مال اس کے عمل سے ہلاک ہوا ہو یا عمل

سے ہلاک نہ ہوا ہو۔ ”ح“۔

28730۔ (قوله: مِنْ عَمَلِهِ) یعنی ایسا عمل جو تجارت کے نزدیک اس پر مسلط کیا گیا ہو جہاں تک تعدی کا تعلق ہے تو

یہ امر ظاہر ہے کہ وہ ضامن ہوگا۔ ”ساحانی“۔

28731۔ (قوله: وَمَا فَضَلَ بَيْنَهُمَا) یعنی نفقہ ادا کرنے کے بعد۔

28732۔ (قوله: لِمَا مَرَّ) کیونکہ یہ گزر چکا ہے کہ وہ امین ہے پس وہ ضامن نہیں ہوگا۔

28733۔ (قوله: فِي يَدِ الْمُضَارِبِ) اس کی مثل ”عزمیہ“ میں ”صدر الشریعہ“ سے منقول ہے۔ یہ متوہم پر نص ہے

ورنہ بدرجہ اولیٰ یہ صورتحال ہوگی جب وہ عقد کے فسخ کے بعد مال رب المال کو دے دے پھر وہ اس سے واپس لے لے اور دوسرا عقد کرے۔

28734۔ (قوله: النَّافِعَةُ لِلْمُضَارِبِ) یعنی اگر مضارب کو خوف ہو کہ نفع کی تقسیم کے بعد رب المال اس سے نفع

واپس لے لے گا اس کا سبب یہ ہو کہ راس المال میں سے جو باقی ہے وہ ہلاک ہو جائے جو قول ابھی گزرا ہے اس سے یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ حیلہ کی صحت اس امر پر موقوف نہیں کہ مضارب راس المال رب المال کے حوالے کرے۔ ”زیلعی“ نے جو قید لگائی ہے وہ اتفاقی ہے جس طرح ”ابوسعود“ نے اس بارے میں متنبہ کیا ہے۔

فصل فی التفرقات

(المُضَارَبَةُ لَا تَفْسُدُ بِدَفْعِ كُلِّ الْمَالِ أَوْ بَعْضِهِ) تَقْيِيدُ الْهَدَايَةِ بِالْبَعْضِ اتِّفَاقِي عِنَايَةً (إِلَى الْمَالِكِ بِضَاعَةً لَا مُضَارَبَةً) لِمَا مَرَّ (وَإِنْ أَخَذَهُ) أَيْ الْمَالِكُ الْمَالِ (بِغَيْرِ أَمْرِ الْمُضَارِبِ وَبِاعٍ وَاشْتَرَى بَطَلَتْ إِنْ كَانَ رَأْسُ الْمَالِ نَقْدًا؛ لِأَنَّهُ عَامِلٌ لِنَفْسِهِ

متفرق مسائل کے احکام

مضاربت فاسد نہیں ہوتی جب مضارب مضاربت کا تمام مال یا اس کا بعض مال رب المال کو بضاعت پر دے دے نہ کہ مضاربت پر دے۔ ”ہدایہ“ نے جو بعض کی قید لگائی ہے وہ اتفاقی ہے ”عنایہ“ اس کی دلیل یہ ہے جو گزر چکی ہے۔ اگر مالک نے مضارب کے امر کے بغیر مال لے لیا، اسے بیچا اور اسے خریدا تو مضاربت باطل ہو جائے گی اگر رأس المال نقدی ہو۔ کیونکہ وہ اپنی ذات کے لیے عمل کرنے والا ہے۔

اگر مضارب رب المال کو مال مضاربت، مضاربت کے طور پر دے دے تو مضاربت فاسد ہو جائے گی 28735۔ (قوله: لَا مُضَارَبَةً) یعنی اگر مضارب نے رب المال کو وہ مال مضاربت کے طور پر دے دیا تو مضاربت فاسد ہو جائے گی مصنف نے ”زیلعی“ کی پیروی کی ہے۔ اس کا مفہوم یہ ہے: اگر اس نے وہ مال مضاربت کے طریقہ پر دیا تو پہلی مضاربت فاسد ہو جائے گی جب کہ جو مضاربت فاسد ہوتی ہے وہ دوسری ہے نہ کہ پہلی فاسد ہوتی ہے جس طرح ”ہدایہ“ میں ہے۔ ”البحر“ میں کہا: بضاعت کی قید لگانا یہ اتفاقی ہے۔ کیونکہ اگر اس نے رب المال کو مال مضاربت کے طریقہ پر دیا تو پہلی مضاربت باطل نہیں ہوگی بلکہ دوسری مضاربت باطل ہوگی۔ کیونکہ مضاربت اس طرح شرکت پر منعقد ہوتی ہے کہ رب المال کا مال ہوتا ہے اور مضارب کا عمل ہوتا ہے یہاں کوئی مال نہیں۔ اگر ہم اس دوسرے عقد کو جائز قرار دیں تو یہ امر قلب موضوع کی طرف لے جاتا ہے۔ اور جب یہ عقد صحیح نہیں تو رب المال کا عمل مضارب کے حکم سے باقی رہا۔ پس پہلی مضاربت باطل نہ ہوگی۔ ”ہدایہ“ میں اسی طرح ہے۔

اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ عقد عقد بضاعہ ہے اگرچہ اس کا نام مضاربت رکھا گیا۔ کیونکہ یہاں بضاعت سے مراد استعانت ہے۔ کیونکہ حقیقی البضاع یہاں واقع نہیں ہوتا وہ یہ ہوتا ہے کہ مال مبضع کا ہوتا ہے اور عمل دوسرے آدمی کا ہوتا ہے اور عامل کے لیے کوئی نفع نہیں ہوتا۔ کتاب کے مسئلہ سے اجنبی کے ساتھ البضاع بدرجہ اولیٰ سمجھ آتا ہے۔ قول لما مر

28736۔ (قوله: لِمَا مَرَّ) یعنی شے اپنی مثل کو متضمن نہیں ہوتی۔

28737۔ (قوله: وَإِنْ أَخَذَهُ) جس قول سے احتراز ہے وہ بدفع ہے۔

(وَإِنْ صَارَ عَرَضًا لَا؛ لِأَنَّ النَّقْدَ الصَّرِيحَ حِينَئِذٍ لَا يَعْمَلُ فَهَذَا أَوَّلُ عِنَايَةٍ ثُمَّ إِنْ بَاعَ بِعَرَضٍ بَقِيَتْ وَإِنْ
بِنَقْدٍ بَطَلَتْ لِمَا مَرَّ (وَإِذَا سَافَرَ) وَلَوْ يَوْمًا (فَطَعَامُهُ وَشَرَابُهُ وَكِسْوَتُهُ وَرَكُوبُهُ) بِفَتْحِ الرَّاءِ مَا يُرَكَّبُ وَلَوْ
بِكِرَاءٍ (وَكُلُّ مَا يَخْتَاجُهُ عَادَةً) أَيْ فِي عَادَةِ التُّجَّارِ بِالْمَعْرُوفِ (فِي مَالِهَا) لَوْ صَحِيحَةٌ لَا فَاسِدَةٌ؛ لِأَنَّهُ
أَجِيرٌ، فَلَا نَفَقَةَ لَهُ كَمُسْتَبْضِعٍ وَوَكِيلٍ وَشَرِيكَ كَافِيٍّ وَفِي الْأَخِيرِ خِلَافٌ

اگر وہ مال سامان تجارت بن چکا ہو تو مضارب بت باطل نہ ہوگی۔ کیونکہ اس وقت نقد صریح میں عمل نہیں ہو رہا یہ اولیٰ ہے
”عینایہ“۔ پھر اگر اس نے وہ سامان تجارت سامان تجارت سے بیچا تو مضارب بت باقی رہے گی۔ اگر نقدی سے بیچا تو مضارب بت
باطل ہو جائے گی۔ اس کی دلیل وہی ہے جو گزر چکی ہے۔ اگر مضارب سفر کرے اگرچہ ایک دن کا ہی سفر ہو تو اس کا کھانا، پینا،
لباس اور اس کی سواری اور عادت میں جس کا وہ محتاج ہوتا ہے وہ مضارب بت کے مال سے ہوں گے اگر مضارب بت صحیح ہو۔
رکوب کا لفظ را کے فتح کے ساتھ ہے یعنی جس پر سوار ہوا جاتا ہے اگرچہ کرایہ کی صورت میں ہو۔ عادت سے مراد یہ ہے کہ تجارت
کے معمول میں جو معروف ہوتا ہے مضارب بت کے مال میں سے اس وقت ہوں گے اگر مضارب بت صحیح ہو وہ فاسد نہ ہو۔ کیونکہ
مضارب بت فاسد ہو تو وہ مضارب اجیر کی طرح ہوتا ہے تو مزدور کے لیے نفقہ نہیں ہوتا جس طرح مستبضع، وکیل اور شریک ہے،
”کافی“۔ آخری میں اختلاف ہے۔

28738۔ (قوله: وَإِنْ صَارَ عَرَضًا) یعنی مضارب کے ہاتھ میں وہ عرض ہو جائے۔

28739۔ (قوله: ثُمَّ إِنْ بَاعَ) یعنی اس مال کو بیچ دے جو عرض بن چکا ہو۔

28740۔ (قوله: لِمَا مَرَّ) یعنی وہ اپنے لیے عمل کرنے والا ہوگا۔ ”حاشیہ“ میں کہا: یعنی رب المال نے سامان کو نقدی
سے بیچا پھر اس نے نقدی سے سامان تجارت خریدا تو پہلے سامان تجارت کے نفع سے مضارب کا حصہ ہوگا دوسرے سامان
تجارت سے حصہ نہیں ہوگا۔ کیونکہ جب اس نے سامان تجارت بیچا اور مال اس کے قبضہ میں نقدی ہو گیا تو وہ یہ مضارب بت کا نقص
ہوگا اس کے بعد اس کا خریداری کرنا اپنی ذات کے لیے ہوگا۔ اگر اس نے سامان تجارت اسی کی مثل سامان تجارت سے بیچا یا
کیلی یا وزن چیز سے بیچا اور اسے نفع حاصل ہوا تو وہ نفع دونوں کے درمیان اس طریقہ سے واقع ہوگا جیسی انہوں نے شرط لگائی
تھی، ”بحر“ اور ”منح“ میں ”مبسوط“ سے مروی ہے۔

28741۔ (قوله: وَلَوْ يَوْمًا) کیونکہ نفقہ کے واجب ہونے کی علت یہ ہے تو وہ مضارب بت کے لیے اپنے آپ کو محبوس
رکھے تو اس سے معلوم ہو گیا کہ مراد سفر شرعی نہیں ہے بلکہ مراد یہ ہے کہ اس کا اپنے گھر رات گزارنا ممکن نہیں۔ اگر یہ ممکن ہو کہ وہ
رات کے وقت اپنے گھر لوٹ آئے تو وہ اس طرح ہے جس طرح شہر میں ہو جس کے لیے نفقہ نہیں ہوگا۔ ”بحر“۔

28742۔ (قوله: وَلَوْ بِكِرَاءٍ) یہ لفظ را کے فتح، الف ممدودہ اور ہمزہ مکسور کے ساتھ ہے۔

28743۔ (قوله: لِأَنَّهُ أَجِيرٌ) یعنی مضارب بت فاسدہ میں اجیر کی طرح ہے۔

28744۔ (قوله: خِلَافٌ) کیونکہ ”النبایہ“ میں اس کی تصریح کی ہے کہ نفقہ شرکت کے مال میں واجب ہوگا، ”منح“۔

(وَإِنْ عَمِلَ فِي الْبَصْرِ) سَوَاءٌ وُلِدَ فِيهِ أَوْ اتَّخَذَهُ دَارًا (فَنَفَقَتُهُ فِي مَالِهِ) كَدَوَائِهِ عَلَى الظَّاهِرِ أَمَّا إِذَا نَوَى الْإِقَامَةَ بِبَصْرِ وَلَمْ يَتَّخِذْ دَارًا فَلَهُ النِّفْقَةُ ابْنُ مَلِكٍ مَالَهُ يَأْخُذُ مَالًا؛ لِأَنَّهُ لَمْ يَحْتَسِبْ بِمَالِهَا

اگر مضارب شہر میں کام کرے خواہ اس شہر میں اس کی ولادت ہوئی ہو یا اس نے اس شہر کو گھر بنا لیا ہو تو اس کا نفقہ اس کے اپنے مال میں سے ہوگا جس طرح اس کی دوائی اپنے مال سے ہوگی۔ یہ ظاہر روایت کے مطابق ہے۔ مگر جب وہ شہر میں اقامت کی نیت کرے اور اسے گھر نہ بنائے تو اس کے لیے نفقہ ہوگا، ”ابن ملک“۔ جب تک وہ مال نہ لے کیونکہ وہ مضارب بہت کے مال کی وجہ سے رکا ہوا نہیں ہے۔

”شرح الجمع“ میں اسے امام ”محمد“ رحمہ اللہ سے روایت قرار دیا ہے۔ ”حامد“ کے کتاب الشرح میں ”الربی علی المنح“ سے نقل کرتے ہوئے کہتے ہیں: میں کہتا ہوں: ”تاتر خانہ“ میں ”الحانیہ“ سے ذکر کیا ہے: امام ”محمد“ رحمہ اللہ نے کہا: یہ استحسان ہے۔ یعنی شرکت کے مال میں اس کا نفقہ واجب ہوگا۔ کیونکہ تو جانتا ہے جب یہ صورتحال ہو کہ یہ استحسان ہے تو عمل اسی پر ہوتا ہے کیونکہ تو جانتا ہے کہ عمل استحسان پر ہوتا ہے مگر چند مسائل میں عمل استحسان پر نہیں ہوتا جب کہ یہ مسئلہ ان میں سے نہیں ہے۔ ”خیر الدین علی المنح“۔

اگر مضارب شہر میں اقامت کی نیت کرے اور اسے اپنا گھر نہ بنائے تو اس کا حکم

28745۔ (قوله: مَالَهُ يَأْخُذُ مَالًا) یعنی اگر وہ شہر میں اقامت کی نیت کرے اور اس کو اپنا گھر نہ بنائے تو اس کے لیے مضارب بہت کے مال سے نفقہ ہوگا مگر جب وہ اس شہر میں مضارب بہت کا مال لے تو جب تک اس شہر میں ہے اس میں نفقہ لینے کا حق نہیں ہوگا۔ اس میں جو ایجاز ہے جو پہلی کے ساتھ لاحق ہے وہ مخفی نہیں۔

”البحر“ میں کہا: اگر اس نے کوفہ میں مال لیا جب کہ وہ اہل بصرہ میں سے ہے جب کہ وہ کوفہ میں مسافر کے طور پر آیا تھا تو جب تک وہ کوفہ میں ہوگا مضارب بہت کے مال میں سے اس کے لیے نفقہ نہیں ہوگا۔ جب وہ وہاں سے مسافر کے طور پر نکل پڑے تو اس کے لیے نفقہ ہوگا یہاں تک کہ بصرہ آجائے۔ کیونکہ اس کا وہاں سے نکلنا مال مضارب بہت کے لیے ہے۔ جب تک وہ بصرہ میں ہے وہ مال سے خرچ نہیں کرے گا۔ کیونکہ بصرہ اس کا اصلی وطن ہے تو اس کی وہاں اقامت وطن کی وجہ سے ہے مال کی وجہ سے نہیں ہے۔ جب وہ بصرہ سے نکلے تو اسے مال میں سے خرچ کرنے کا حق ہوگا یہاں تک کہ وہ کوفہ آجائے۔ کیونکہ اس کا بصرہ سے نکلنا مال مضارب بہت کی وجہ سے ہے۔ اور وہ جب تک کوفہ رہے گا اسے خرچ کرنے کا حق ہوگا یہاں تک کہ وہ بصرہ کی طرف لوٹ آئے۔ کیونکہ کوفہ میں اس کا وطن وطن اقامت ہے اور وطن اقامت سفر سے باطل ہو جاتا ہے جب وہ اس کی طرف لوٹے اور وہ اس کا وطن نہ ہو تو اس میں اس کی اقامت مال کی وجہ سے ہوگی۔ ”البدائع“، ”المحیط“ اور ”الفتاویٰ النظیریہ“ میں اسی طرح ہے۔ اس سے یہ امر ظاہر ہوتا ہے اگر اس کا کوفہ میں بھی وطن ہو تو اس کے لیے سفر راستہ میں خرچ کرنے کا اختیار ہوگا۔ ”تاتر خانہ“ کی پندرہویں فصل میں اس کے بارے میں تصریح دیکھی ہے۔

وَلَوْ سَافَرَ بِمَالِهِ أَوْ خَلَطَ بِإِذْنٍ أَوْ بِمَالَيْنِ لِرَجُلَيْنِ أَنْفَقَ بِالْحِصَّةِ، وَإِذَا قَدِمَ رَدَّ مَا بَقِيَ مَجْمَعٌ، وَيُضْمَنُ الزَّائِدَ عَلَى الْمَعْرُوفِ وَلَوْ أَنْفَقَ مِنْ مَالِهِ لِيَرْجِعَ فِي مَالِهَا لَهُ ذَلِكَ وَلَوْ هَلَكَ لَمْ يَرْجِعْ عَلَى الْمَالِكِ وَيَأْخُذُ الْمَالِكُ قَدْرَ مَا أَنْفَقَهُ الْمُضَارِبُ

اگر وہ مضارب اپنے مال اور مضاربت کے مال کے ساتھ سفر کرے یا اس نے اجازت کے ساتھ اس نے مال ملا دیا ہو یا دو آدمیوں کے مالوں کے ساتھ اس نے سفر کیا ہو تو وہ حصہ کے مطابق خرچ کرے گا اور جب وہ آئے گا تو باقی ماندہ واپس لوٹا دے گا، ”مجمع“۔ اور معروف سے زائد مال کا ضامن ہوگا اگر وہ اپنے مال میں سے خرچ کر دے تاکہ وہ مضاربت کے مال سے واپس لے لے تو اسے یہ حق حاصل ہوگا اگر وہ مال ہلاک ہو جائے تو مالک سے واپسی کا مطالبہ نہیں کرے گا۔ مضارب نے رأس المال میں سے جو خرچ کیا ہو اس کی مقدار کے

28746۔ (قوله: أَوْ خَلَطَ الْخ) یا عام عرف یہی ہے جس طرح ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ وہ اس کا ضامن نہیں ہو گا۔ تامل

28747۔ (قوله: بِإِذْنٍ) یعنی وہ شرکت ملک ہو جائے گی پس یہ مضاربت کے منافی نہیں اس کی مثل وہی ہے جسے ہم پہلے بیان کر چکے ہیں اگر وہ اسے ہزار دیتا ہے اس کا نصف قرض ہے اور نصف مضاربت کے طریقہ پر ہو تو یہ صحیح ہوگا ہر نصف کا اپنا حکم ہوگا۔ ساتھ ہی مال شرکت ملک کی صورت میں ہوگا پس وہ مضاربت کا ضامن نہیں ہوگا۔
(۱) شاید صحیح عبارت یہ ہے کہ مضاربت باطل نہ ہوگی۔ ”مترجم“۔

اس سے یہ امر ظاہر ہوتا ہے کہ یہ اس کے منافی نہیں جو شارح نے پہلے کافی سے عبارت نقل کی ہے کہ شریک کے لیے نفقہ نہیں ہوگا۔ فافہم

28748۔ (قوله: أَوْ بِمَالَيْنِ) اگر دونوں مالوں میں سے ایک بضاعت کی صورت میں ہو تو نفقہ مال مضاربت سے ہو گا مگر بضاعت کے مال میں ہی تمام صلاحیتیں صرف کر دے تو اپنے مال سے خرچ کرے گا بضاعت کے مال سے خرچ نہیں کرے گا مگر جب مستبضع اس سے نفقہ کی اجازت دے کیونکہ وہ تبرع ہے۔ ”تا ترخانیہ“ کی پندرہویں فصل میں ”الحیط“ سے منقول ہے: اس میں ”العتابیہ“ سے مروی ہے: اگر مضارب رب المال کی موت کے بعد اپنے سفر سے واپس لوٹا تو اسے حق حاصل ہوگا کہ وہ اپنی ذاتی ضروریات پر مال مضاربت سے خرچ کرے اور غلام پر اس میں سے خرچ کرے۔ نبی کے بعد کا معاملہ اسی طرح ہے اگر وہ اسے خط لکھے جس سے وہ اسے منع کرتا ہے جب کہ مال نقدی بن چکا ہو تو وہ اپنی واپسی میں مال مضاربت سے خرچ نہیں کرے گا۔

28749۔ (قوله: وَلَوْ هَلَكَ) یعنی مال مضاربت ہلاک ہو جائے۔

28750۔ (قوله: وَيَأْخُذُ) یعنی وہ نفع سے لے گا۔

مِنْ رَأْسِ الْمَالِ إِنْ كَانَ ثَمَهُ رَبْحٌ فَإِنْ اسْتَوْفَاهُ أَوْ فَضَلَ شَيْءٌ مِّنَ الرِّبْحِ (اِقْتَسَمَاهُ) عَلَى الشَّرْطِ لِأَنَّ مَا أَنْفَقَهُ يُجْعَلُ كَالْهَالِكِ وَالْهَالِكُ يُصْرَفُ إِلَى الرِّبْحِ كَمَا مَرَّ (وَأِنْ لَّمْ يَظْهَرْ رِبْحٌ فَلَا شَيْءَ عَلَيْهِ) أَيْ الْمُضَارِبِ (وَأِنْ بَاعَ الْمَتَاعَ مُرَابَحَةً حَسَبَ مَا أَنْفَقَ عَلَى الْمَتَاعِ مِنَ الْحُلَانِ وَأُجْرَةِ السَّنَسَارِ وَالْقَصَارِ وَالصَّبَاغِ وَنَحْوِهِ) مِمَّا أُعْتِيدَ ضَمُّهُ (وَيَقُولُ) الْبَائِعُ (قَامَ عَلَى بَيْعِهِ) كَذَا وَكَذَا يُضْمُّ إِلَى رَأْسِ الْمَالِ مَا يُوجِبُ زِيَادَةً فِيهِ حَقِيقَةً أَوْ حُكْمًا أَوْ إِعْتَادًا الشُّجَارُ كَأُجْرَةِ السَّنَسَارِ هَذَا هُوَ الْأَصْلُ نِهَائِيَّةٌ (لَا) يُضْمُّ مَا أَنْفَقَهُ (عَلَى نَفْسِهِ) لِعَدَمِ الزِّيَادَةِ وَالْعَادَةِ (مُضَارِبٌ بِالنِّصْفِ شَرَى بِأَلْفِهَا بَرًّا)

برابر مالک لے لے گا اگر وہاں نفع ہو۔ اگر مالک نے اپنا حق پورا لے لیا اور نفع میں سے کوئی شے بچ گئی تو دونوں اسے شرط کے مطابق تقسیم کر لیں گے۔ کیونکہ مضارب نے جو مال خرچ کر دیا ہے اسے ہلاک ہونے والے مال کی طرح بنا دیا جائے گا۔ اور جو ہلاک ہوتا ہے اسے نفع کی طرف پھیر دیا جاتا ہے جس طرح گزر چکا ہے۔ اگر نفع ظاہر نہ ہو تو اس مضارب کے ذمہ کوئی شے نہ ہوگی۔ اگر اس مضارب نے مال مرا بچہ پر بیچا اس حساب سے کہ اس نے جو مال پر خرچ کیا جیسے بار برداری، ایجنٹ کی اجرت، دھوبی، رنگ ریز وغیرہ کی اجرت جو معمول ہے تو ان اخراجات کو اصل قیمت کے ساتھ ملا دے گا۔ اور بائع کہے گا: یہ مجھے اتنے میں پڑی ہے اور اسی طرح رأس المال کے ساتھ وہ بھی ملا لے گا جو اس میں حقیقت میں یا حکمی طور پر زیادتی کو ثابت کرے یا تا جبر جس کے عادی ہوں جس طرح ایجنٹ کی اجرت۔ یہی ضابطہ ہے۔ ”نہایہ“۔ اس نے اپنی ذات پر جو خرچ کیا ہے عقد مرا بچہ میں اسے شامل نہیں کرے گا۔ کیونکہ اس سے اس شے میں نہ کوئی اضافہ ہوتا ہے اور نہ ہی تجارت کا معمول ہے۔ نصف، نصف نفع کا مضارب ہے وہ مال مضاربہ کے ہزار سے

28751۔ (قوله: مِنْ رَأْسِ) یہ انفق کے متعلق ہے۔ مسئلہ کا حاصل یہ ہے شاید وہ اسے ایک ہزار رقم دے اور مضارب اس المال میں سے سو خرچ کر دے اور سو نفع کمائے مالک سو روپے نفع کے لے لے گا یہ اس سو کا بدلہ ہوگا جو مضارب نے خرچ کیے ہوں گے تاکہ مالک پورا رأس المال لے لے اگر اس صورت میں نفع دو سو ہو تو مالک سو نفع کے بدلے میں لے لے گا اور دوسرا سو وہ آپس میں تقسیم کر لیں گے۔

28752۔ (قوله: مِنَ الْحُلَانِ) ”مجمع البحرین“ میں کہا: حملان حاک کے ضمہ کے ساتھ ہے یہ حملان کا مصدر ہے اور حملان یہ بوجھ اٹھانے کا اجر بھی ہے یہی مراد ہے۔ ”ط“۔

28753۔ (قوله: حَقِيقَةً) جیسے رنگ کرنا۔

28754۔ (قوله: أَوْ حُكْمًا) جیسے اس کو دھونا۔

28755۔ (قوله: وَالْعَادَةُ) کتاب المراءبہ میں یہ گزر چکا ہے کہ ملانے کا اعتبار تجارت کی عادت کی بنا پر ہے۔ جب اس کے ملانے کی عادت جاری ہو تو اسے ملایا جائے گا۔ ”ط“۔

أَمْنِي ثِيَابًا (وَبَاعَهُ بِالْفَيْنِ وَشَرَى بِهَمَا عَبْدًا فَضَاعًا فِي يَدِهِ) قَبْلَ نَقْدِهَا لِبَائِعِ الْعَبْدِ (غَرَمَ الْمُضَارِبُ) نِصْفَ الرِّيحِ (رُبْعُهَا وَ) غَرَمَ (الْمَالِكُ الْبَاقِي وَ) يَصِيرُ (رُبْعُ الْعَبْدِ) مِلْكًا (لِلْمُضَارِبِ) خَارِجًا عَنِ الْمُضَارَبَةِ لِكُونِهِ مَضْمُونًا عَلَيْهِ وَمَالُ الْمُضَارَبَةِ أَمَانَةٌ وَبَيْنَهُمَا تَنَافٍ (وَبَاقِيَهُ لَهَا وَرَأْسُ الْمَالِ) جَمِيعُ مَا دَفَعَ الْمَالِكُ وَهُوَ (الْفَنَانُ وَخُسْبَانَةٌ) لَكِنْ (رَابِعًا) الْمُضَارِبُ فِي بَيْعِ الْعَبْدِ (عَلَى الْفَيْنِ) فَقَطُّ؛ لِأَنَّهُ شَرَاهُ مُبَهَمًا (وَلَوْ بِيَعَهُ) الْعَبْدُ (بِضَعْفِهَا) بِأَرْبَعَةِ آلَافٍ (فَحِصَّتْهَا ثَلَاثَةُ آلَافٍ)؛

کپڑا خریدتا ہے اور دو ہزار میں بیچتا ہے اور ان دو ہزار کے عوض غلام خریدتا ہے اور دو ہزار اس کے قبضہ میں غلام کے بائع کو ادا کرنے سے پہلے ضائع ہو جاتے ہیں مضارب نصف نفع کا ضامن ہوگا جو کل مال کا چوتھائی ہے اور باقی ماندہ کا مالک ضامن ہوگا اور غلام کا چوتھائی مضارب کی ملک ہوگا جب کہ وہ مضارب بت سے باہر ہوگا۔ کیونکہ یہ وہ ہے جس کی ضمانت دی گئی ہے اور مضارب بت کا مال امانت ہوتا ہے اور ان دونوں کے درمیان تنافی ہے۔ اور باقی ماندہ مضارب بت کا مال ہوگا اور رأس المال وہ تمام مال ہوگا۔ جو مالک نے اسے دیا وہ دو ہزار اور پانچ سو ہے لیکن مضارب کے غلام کی بیع میں صرف دو ہزار پر عقد مراہجہ کرے۔ کیونکہ اس نے اسے مبہم خریدتا ہے۔ اگر غلام کو دو ہزار کے دو گنا یعنی چار ہزار سے بیچا گیا تو مال مضارب بت کا حصہ تین ہزار ہوگا۔

28756۔ (قوله: أَمْنِي ثِيَابًا) "البحر" میں کہا: امام "محمد" رحمہ اللہ نے "السير" میں کہا ہے: اہل کوفہ کے نزدیک بز سے مراد کتان یا روئی کے کپڑے ہیں اون یا خز کے کپڑے نہیں۔ "المغرب" میں اسی طرح ہے۔

28757۔ (قوله: نِصْفَ الرِّيحِ) کیونکہ اس میں ہزار کا نفع ظاہر ہو چکا ہے جب مال نقدی بن چکا ہے۔ جب وہ دو ہزار سے غلام خریدے تو وہ مشترک ہو جائے گا اس کا چوتھائی مضارب کا اور باقی رب المال کا ہوگا تو دونوں پر حصص کے مطابق ضمانت ہوگی۔

28758۔ (قوله: الْبَاقِي) لیکن دونوں ہزار بائع کے لیے مضارب پر واجب ہوں گے پھر مضارب پندرہ سو کا رب المال سے مطالبہ کرے گا کیونکہ مضارب ہی عقد کرنے والا ہے۔ اور عقد کے احکام مضارب کی طرف لوٹنے والے ہیں۔ "اتقانی"۔

28759۔ (قوله: لِكُونِهِ) یہ ان کے قول خارجہ کی علت ہے۔

28760۔ (قوله: وَبَيْنَهُمَا) ہا ضمیر سے مراد وہ ضمان، جو مضمون سے مفہوم ہے اور امانت ہے یعنی ضمان اور امانت میں منافات ہے۔

28761۔ (قوله: لَهَا) کیونکہ رب المال کی ضمانت مضارب بت کے منافی نہیں۔ "س"۔

28762۔ (قوله: وَلَوْ بِيَعَهُ) یعنی اور مسئلہ اپنے حال پر رہے گا۔

28763۔ (قوله: فَحِصَّتْهَا) ہا ضمیر سے مراد مضاربہ ہے۔

لَاَنَّ رُبْعَهُ الْمُضَارِبُ (وَالرَّيْحُ مِنْهَا نِصْفُ الْأَلْفِ بَيْنَهُمَا)؛ لِأَنَّ رَأْسَ الْمَالِ أَلْفَانِ وَخَمْسِيَّةً (وَلَوْ شَرَى مِنْ رَبِّ الْمَالِ بِأَلْفٍ عَبْدًا شَرَاهُ) رَبُّ الْمَالِ (بِنِصْفِهِ رَابِحٌ بِنِصْفِهِ) وَكَذَا عَكْسُهُ؛

کیونکہ اس کا چوتھائی مضارب کا ہے اور اس میں سے نفع جو ہزار کا نصف ہے وہ ان دونوں کے درمیان تقسیم ہوگا۔ کیونکہ رأس المال دو ہزار اور پانچ سو ہے۔ اگر اس نے رب المال سے ہزار کے بدلے میں ایسا غلام خریدا جسے رب المال نے اس کے نصف سے خریدا تھا تو وہ اس کے نصف پر عقد مراہجہ کرے گا اسی طرح اس کے برعکس صورت حال ہوگی۔

28764۔ (قوله: لَاَنَّ رُبْعَهُ) یعنی غلام کا چوتھائی مضارب کی ملکیت ہے جس طرح گزر چکا ہے۔ حاشیہ میں ہے

قوله: ربعه وہ ہزار ہے۔

28765۔ (قوله: بَيْنَهُمَا) ہزار کا نصف یعنی پانچ سو ان دونوں کے درمیان اس لیے تقسیم ہوگا۔ کیونکہ رأس المال

پچیس سو ہے اور ہزار مضارب کے لیے خاص ہوگا جس طرح گزر چکا ہے۔

مضارب مالک سے اور مالک مضارب سے خریداری کر سکتا ہے

28766۔ (قوله: عَبْدًا) یعنی ایسا غلام جس کی قیمت ہزار ہے پس ثمن اور قیمت برابر ہیں بے شک ہم نے یہ کہا ہے

کیونکہ اگر دونوں میں فضل (زیادتی) ہو اس کی صورت یہ ہے کہ رب المال ایسا غلام ہزار کے بدلے خریدے جس کی قیمت دو

ہزار ہو پھر وہ مضارب کے ہاتھ دو ہزار میں بیچ دے اس کے بعد کہ مضارب نے ہزار کا نفع کمایا تو وہ پندرہ سو پر عقد مراہجہ

کرے گا اس طرح اگر فضل (زیادتی) بیع کی قیمت میں ہو ثمن میں نہ ہو۔ اس کی صورت یہ ہے کہ غلام پندرہ سو کے مساوی ہو

رب المال نے اسے ہزار کے بدلے خریدا اور مضارب کو ہزار کے بدلے میں بیچا تو وہ اس غلام کو ساڑھے بارہ سو عقد مراہجہ

سے بیچے گا۔ اسی طرح اس کے برعکس کا معاملہ ہے اس کی صورت یہ ہے کہ وہ ایسا غلام ہزار سے خریدے جس کی قیمت ہزار ہو

اور اس سے ہزار کے بدلے میں بیچ دے تو مسئلہ رباعیہ ہوگا۔ دو قسمیں ایسی ہیں جن میں وہ عقد مراہجہ نہیں کرے گا مگر جس

پر رب المال نے اسے خریدا ہے اور دو قسمیں ایسی ہیں جن میں وہ اس پر اور مضارب کے حصہ پر عقد مراہجہ کرے گا۔ یہ ایسی

صورت میں ہے جب بائع رب المال ہو اگر بائع مضارب ہو تو اس کی بھی چار قسمیں ہیں جس طرح آگے آئے گا۔ اس کی مکمل

بحث ”البحر“ میں ”الحيط“ سے مروی ہے۔

شاید صحیح دو ہزار ہے۔ ”مترجم“۔

28767۔ (قوله: شَرَاهُ) یہ جملہ عبد کی صفت ہے۔

28768۔ (قوله: رَابِحٌ) یہ لہذا جواب ہے۔

28769۔ (قوله: وَكَذَا عَكْسُهُ) اس کی صورت یہ ہے کہ اگر بائع مضارب ہو۔ مسئلہ اپنی حالت پر رہے گا اس کی

صورت یہ ہے کہ رب المال ہزار کے بدلے میں ایسا غلام خریدے جسے مضارب نے اس کے نصف کے بدلے میں خریدا ہو

لَأَنَّهُ وَكَيْلُهُ وَمِنْهُ عَلِمَ جَوَازَ شِرَاءِ الْمَالِكِ مِنَ الْمُضَارِبِ وَعَكْسُهُ (وَلَوْ شَرَى بِأَلْفِهَا عَبْدًا قِيَمَتُهُ أَلْفَانِ، فَقَتَلَ الْعَبْدُ رَجُلًا خَطَا، فَثَلَاثَةُ أَرْبَاعِ الْفِدَاءِ عَلَى الْمَالِكِ، وَرُبْعُهُ عَلَى الْمُضَارِبِ) عَلَى قَدَرِ مِلْكَيْهِمَا (وَالْعَبْدُ يَخْدُمُ الْمَالِكَ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ وَالْمُضَارِبُ يَوْمًا) لِيَخْرُجَ عَنِ الْمُضَارَبَةِ بِالْفِدَاءِ لِلتَّنَافِي كَمَا مَرَّ، وَلَوْ اخْتَارَ الْمَالِكُ الدَّفْعَ،

کیونکہ یہ اس کا وکیل ہے۔ اس سے یہ معلوم ہو گیا کہ مالک مضارب سے خریداری کر سکتا ہے اور مضارب مالک سے خریداری کر سکتا ہے۔ اگر وہ مضارب بت کے مال سے ہزار کے بدلے میں ایسا غلام خریدتا ہے جس کی قیمت دو ہزار ہو تو غلام نے خطا ایک آدمی قتل کر دیا تو فدیہ کے تین چوتھائی مالک کے ذمہ ہوں گے۔ اور اس کا ایک چوتھائی مضارب کے ذمہ ہوگا جس قدر ان کی ملکیت ہے۔ غلام مالک کی تین دن خدمت کرے گا اور مضارب کی ایک دن خدمت کرے گا۔ کیونکہ فدیہ دینے کے ساتھ وہ مضارب بت سے خارج ہو گیا ہے۔ کیونکہ دونوں میں منافات پائی جا رہی ہے جس طرح قول گزر چکا ہے۔ اگر مالک نے غلام مستحق کے حوالے کرنے کو اختیار کیا

اور اس المال ہزار ہو تو وہ اس کے نصف پر عقد مرا بھ کرے گا۔ یہ اس صورت میں ہے جب اس کی قیمت ثمن کی مثل ہو دونوں میں کوئی زیادتی نہ ہو اس کی مثل صورتحال ہوگی اگر زیادتی صرف قیمت میں ہو۔ مگر جب دونوں میں زیادتی ہو یا صرف ثمن میں زیادتی ہو تو وہ اس مقدار پر مرا بھ کرے گا جس پر مضارب نے اسے خریدا ہے اور جو مضارب کا حصہ ہے۔ اس سے یہ معلوم ہو گیا کہ یہ مسئلہ بھی رباعی ہے۔ اس کی مکمل بحث ”البحر“ میں ہے۔

28770۔ (قوله: وَلَوْ شَرَى) یعنی وہ خریدے جس کے پاس ہزار نصف نفع کے عوض میں ہو جس طرح ”کنز“ میں اس کی قید لگائی ہے۔

28771۔ (قوله: بِالْفِدَاءِ) کیونکہ جب مال صرف ایک عین بن چکا ہے تو نفع ظاہر ہو جائے گا وہ ان دونوں کے درمیان ہزار ہے اور ہزار رب المال کا ہے جب دونوں نے اس کا فدیہ دے دیا تو وہ غلام مضارب بت سے نکل گیا۔ کیونکہ مضارب کا جو حصہ ہے وہ ایسا ہے جس پر ضمانت ہے۔ اور رب المال کا حصہ اس کا حصہ بن چکا ہے۔ کیونکہ قاضی نے ان دونوں کے خلاف فدیہ دینے کا فیصلہ کر دیا تھا جب وہ غلام مستحق کے حوالے کرنے یا فدیہ دینے کے ساتھ مضارب بت سے نکل گیا تو دونوں اپنی ملکیت کے مطابق چٹی دیں گے۔ ”بحر“۔

اس میں اور جو قول گزر چکا ہے اس میں فرق یہ ہے وہاں وہ چیز مضارب بت سے خارج نہیں کرتی جو رب المال کے ساتھ خاص ہے اور یہاں وہ خارج کرتی ہے وہاں واجب تجارت کی ضمانت تھی اور تجارت کی ضمانت مضارب بت کے منافی نہیں۔ یہاں جنایت کی ضمانت ہے۔ جنایت کی ضمانت کسی بھی حوالے سے تجارت نہیں۔ پس مضارب بت باقی نہ رہے گی۔ ”کفایہ“۔

28772۔ (قوله: كَمَا مَرَّ) یعنی جس طرح قریب ہی گزرا ہے کہ مضارب کی ضمانت مضارب بت کے منافی ہے۔ ”س“۔

28773۔ (قوله: وَلَوْ اخْتَارَ الْمَالِكُ الدَّفْعَ الْخ) ”البحر“ میں کہا: اپنے اس قول قیمتہ الفان کے ساتھ قید لگائی

وَالْمُضَارِبُ الْفِدَاءَ فَلَهُ ذَلِكَ لِتَوَهُمِ الرِّيحِ حِينَئِذٍ (اِشْتَرَى بِأَلْفِهَا عَبْدًا، وَهَكَذَا الشَّنُّ قَبْلَ النَّقْدِ) لِلْبَائِعِ لَمْ يَضْمَنْ؛ لِأَنَّهُ أَمِينٌ بَلْ (دَفَعَ الْمَالِكُ) لِلْمُضَارِبِ (أَلْفًا أُخْرَى ثُمَّ، وَثُمَّ أُنِيَ كُلُّمَا هَلَكَ دَفَعَ أُخْرَى إِلَى غَيْرِ نَهَايَةٍ (وَرَأْسُ الْمَالِ جَمِيعُ مَا دَفَعَ) بِخِلَافِ الْوَكِيلِ؛ لِأَنَّ يَدَهُ ثَانِيًا يُدْ اسْتِيفَاءً لَا أَمَانَةً (مَعَهُ أَلْفَانِ، فَقَالَ) لِلْمَالِكِ (دَفَعْتُ إِلَيْكَ أَلْفًا وَرَبِحْتُ أَلْفًا، وَقَالَ الْمَالِكُ دَفَعْتُ أَلْفَيْنِ

اور مضارب نے فدیہ کو اختیار کیا ہے تو اسے یہ حق حاصل ہوگا کیونکہ اس وقت ربح کا وہم ہے۔ اس نے مضارب بت کے مال سے ہزار کے بدلے میں ایک غلام خریدا اور بائع کو نقد ادا کرنے سے قبل ثمن ہلاک ہوگئی تو مضارب ضامن نہیں ہوگا۔ کیونکہ وہ امین ہے بلکہ مالک مضارب کو ایک اور ہزار دے گا یہ سلسلہ اسی طرح چلتا رہے گا یعنی جب بھی مال مضارب بت ہلاک ہوگا تو مالک ایک اور مال اسے دے گا اور رأس المال وہ سب ہوگا جو اس نے مال دیا وکیل کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ اس کا دوسری دفعہ قبضہ یہ حق وصول کرنے کا قبضہ ہے امانت کا قبضہ نہیں۔ مضارب کے پاس دو ہزار ہیں اس نے مالک سے کہا: تو نے مجھے ہزار دیا اور ہزار مجھے نفع ہوا مالک نے کہا: میں نے تجھے دو ہزار دیئے

ہے۔ کیونکہ اگر اس کی قیمت ہزار ہو تو جنایت کی تدبیر رب المال کے ذمہ ہوگی کیونکہ رقبہ اس کی ملک پر ہے اس میں مضارب کی کوئی ملک نہیں۔ اگر رب المال غلام مستحق کے حوالے کرنے کو اختیار کرے اور مضارب اس کے ساتھ فدیہ دینے کو پسند کرے تو اسے یہ حق حاصل ہوگا۔ کیونکہ وہ فدیہ دینے کے ساتھ مال مضارب بت کو باقی رکھنا چاہتا ہے۔ اسے یہ حق حاصل ہے کیونکہ نفع کا وہم ہے۔ ”الایضاح“ میں اسی طرح ہے اس کی مثل ”غایۃ البیان“ میں ہے۔

یہ امر مخفی نہیں کہ متن کے مسئلہ میں نفع محقق ہے اس کی صورت مختلف ہے۔ پس انہوں نے غیر مذکور کی علت بیان کی ہے۔ کیونکہ ظاہر یہ ہے کہ متن کے مسئلہ میں دونوں میں سے ایک خیار میں منفرد نہیں کیونکہ غلام مشترک ہے۔ ”غایۃ البیان“ میں جو عبارت ہے وہ اس کے حق میں دلالت کرتی ہے خیار دونوں کو اکٹھے ہوگا اگر دونوں چاہیں تو فدیہ دے دیں اگر چاہیں تو غلام مستحق کے حوالے کر دیں۔

28774۔ (قوله: مَا دَفَعَ) پس نفع ظاہر نہیں ہوگا مگر جب پورا مال مالک وصول کر لے لیکن مضارب بہ عقد مرا بچہ ہزار پر ہی کرے گا۔ جس طرح قول گزر چکا ہے۔

28775۔ (قوله: بِخِلَافِ الْوَكِيلِ) یعنی جب ثمن شرا سے قبل ہی اس کو دے دی گئی پھر وہ مال ہلاک ہو گیا تو وہ صرف ایک نفقہ لے سکتا ہے۔

28776۔ (قوله: لِأَنَّ يَدَهُ ثَانِيًا الْخ) اس میں ضمیر وکیل کے لیے ہے۔ اس کی وضاحت یہ ہے کہ مضارب کے ہاتھ میں مال امانت ہے اسے حق کے وصول کرنے پر محمول نہیں کیا جاسکتا۔ کیونکہ حق کے وصول کرنے کا معاملہ مضمون کے قبضہ کرنے کی صورت میں ہوتا ہے۔ پس جس پر قبضہ کیا گیا وہ امانت ہوگی اور وکیل جب دوبارہ قبضہ کرے گا تو یہ حق کو لینا ہوگا۔

فَالْقَوْلُ لِلْمُضَارِبِ: لِأَنَّ الْقَوْلَ فِي مِقْدَارِ الْمَقْبُوضِ لِلْقَابِضِ أَمِينًا أَوْ ضَمِينًا كَمَا لَوْ أَنْكَرَهُ أَصْلًا (وَلَوْ كَانَ الْاِخْتِلَافُ) مَعَ ذَلِكَ (فِي مِقْدَارِ الرِّيحِ فَالْقَوْلُ لِرَبِّ الْمَالِ فِي مِقْدَارِ الرِّيحِ فَقَطْ): لِأَنَّهُ يُسْتَفَادُ مِنْ جِهَتِهِ (وَأُيْهِمَا أَقَامَ بَيِّنَةٌ تَقْبَلُ، وَإِنْ أَقَامَاهَا فَالْبَيِّنَةُ بَيِّنَةٌ رَبِّ الْمَالِ فِي دَعْوَاهُ الزِّيَادَةِ فِي رَأْسِ الْمَالِ وَ) بَيِّنَةٌ (الْمُضَارِبِ فِي دَعْوَاهُ الزِّيَادَةِ فِي الرِّيحِ) قِيْدَ الْاِخْتِلَافِ بِكُونِهِ فِي الْمِقْدَارِ: لِأَنَّهُ لَوْ كَانَ فِي الصِّفَةِ، فَالْقَوْلُ لِرَبِّ الْمَالِ، فَلِذَا قَالَ (مَعَهُ أَلْفٌ)، فَقَالَ هُوَ مُضَارِبَةٌ بِالنِّصْفِ، وَقَدْ رِبَحَ أَلْفًا،

تو قول مضارب کا ہوگا۔ کیونکہ مقبوض کی مقدار میں قول قابض کا معتبر ہوتا ہے وہ امین ہو یا ضامن ہو جس طرح اگر وہ اسے اس کا اصلاً انکار کر دے اگر اس کے ساتھ اختلاف نفع کی مقدار میں ہو تو صرف نفع کی مقدار میں قول رب المال کا ہوگا کیونکہ یہ رب المال کی جانب سے حاصل ہوتا ہے۔ اور دونوں میں سے جس نے گواہیاں قائم کر دیں تو اس کی گواہیاں قبول کی جائیں گی۔ اگر دونوں نے گواہیاں قائم کر دیں تو گواہیاں رب المال کی رأس المال کی زیادتی کے دعویٰ میں قبول کی جائیں گی اور نفع میں جب وہ زیادتی کا دعویٰ کرے تو مضارب کی گواہیاں قبول کی جائیں گی۔ اختلاف کی یہ قید لگائی ہے کہ وہ اختلاف مقدار کے بارے میں ہو۔ کیونکہ اگر اختلاف صفت میں ہو تو قول رب المال کا ہوگا۔ اسی وجہ سے کہا: اس کے پاس ہزار ہو وہ کہے یہ نصف نصف نفع پر مضاربیت کے طریقہ پر ہے جب کہ اس نے ہزار نفع کمایا ہو

کیونکہ مؤکل پر اس کے حق میں اس طرح واجب ہے جس طرح اس پر بائع کے لیے واجب ہے جب وہ اس کو پورا پورا لینے والا ہو گیا تو یہ مال اس پر اس طرح ہو گیا کہ اس کی ضمانت لازم ہے۔ پس یہ مال اس پر لازم ہوتے ہوئے ہلاک ہوگا۔ یہ صورت مختلف ہوگی جب مال اسے نہ دیا گیا ہو مگر خریداری کے بعد تو وہ اصلاً مطالبہ نہیں کرے گا۔ کیونکہ اس کے حق میں مطالبہ کا حق نفس شرا کے ساتھ ثابت ہوا پس شرا کے بعد قبضہ کرنے کی صورت میں وہ حق وصول کرنے والا ہوگا کیونکہ شرا سے قبل اسے دیا گیا مال امانت ہے وہ شرا کے بعد بھی امانت پر قائم ہے پس وہ حق وصول کرنے والا نہیں ہوگا جب وہ ہلاک ہو جائے تو وہ صرف ایک دفعہ مطالبہ کرے گا اس کی دلیل وہی ہے جو ہم کہہ چکے ہیں۔

28777۔ (قوله: مَعَ ذَلِكَ) یعنی رأس المال میں اختلاف کے ساتھ۔

28778۔ (قوله: الرِّيحِ) اس کی صورت یہ ہے رب المال نے کہا: رأس المال دو ہزار ہے اور میں نے تیرے لیے نفع میں ایک تہائی کی شرط لگائی تھی مضارب نے کہا: رأس المال ہزار ہے اور تو نے میرے لیے نصف نفع کی شرط لگائی تھی۔

28779۔ (قوله: فَقَطْ) نہ کہ رأس المال میں، بلکہ اس میں قول مضارب کا ہوگا۔ جس طرح تو نے جان لیا ہے۔

28780۔ (قوله: فَالْبَيِّنَةُ) کیونکہ رب المال کے بینہ رأس المال کی زیادتی میں زیادہ چیز کو ثابت کرنے والے ہیں اور نفع کی زیادتی میں مضارب کے بینہ زیادہ چیز کو ثابت کرنے والے ہیں جس طرح ”زیلعی“ میں ہے۔ اس سے اور صفت میں جو اختلاف ہے اس سے یہ اخذ کیا جاتا ہے کہ رب المال نے اگر مضاربیت کا دعویٰ کیا اور جس کے قبضہ میں وہ مال ہے اس

وَقَالَ الْمَالِكُ هُوَ بِضَاعَةٌ فَالْقَوْلُ لِلْمَالِكِ؛ لِأَنَّهُ مُنْكَرٌ (وَكَذَا لَوْ قَالَ) الْمُضَارِبُ (هِيَ قَرْضٌ وَقَالَ رَبُّ الْمَالِ هِيَ بِضَاعَةٌ أَوْ وَدِيعَةٌ أَوْ مُضَارَبَةٌ فَالْقَوْلُ لِرَبِّ الْمَالِ وَالْبَيِّنَةُ بَيِّنَةُ الْمُضَارِبِ؛ لِأَنَّهُ يَدَّعِي عَلَيْهِ التَّشْيِيقَ وَالْمَالِكُ يُنْكَرُ (وَأَمَّا لَوْ ادَّعَى الْمَالِكُ الْقَرْضَ وَالْمُضَارِبُ الْمُضَارَبَةَ فَالْقَوْلُ لِلْمُضَارِبِ؛ لِأَنَّهُ يُنْكَرُ الضَّمَانَ وَأَيُّهُمَا أَقَامَ الْبَيِّنَةَ قُبِلَتْ (وَأِنْ أَقَامَا بَيِّنَةً فَبَيِّنَةُ رَبِّ الْمَالِ أُولَى؛ لِأَنَّهَا أَكْثَرُ اثْبَاتًا وَأَمَّا الْإِخْتِلَافُ فِي التَّوَعُّفِ فَإِنْ ادَّعَى الْمُضَارِبُ الْعُمُومَ أَوْ الْإِطْلَاقَ وَادَّعَى الْمَالِكُ الْخُصُوصَ

مالک نے کہا: وہ مال بضاعت پر تھا تو قول مالک کا معتبر ہوگا۔ کیونکہ وہ منکر ہے۔ اسی طرح اگر مضارب نے کہا: یہ قرض ہے رب المال نے کہا: یہ بضاعت پر ہے یا ودیعت ہے یا مضاربت پر ہے تو قول رب المال کا تسلیم ہوگا اور گواہیاں مضارب کی معتبر ہوں گی۔ کیونکہ وہ اس پر ملک کا دعویٰ کرتا ہے جب کہ مالک اس کا انکار کرتا ہے۔ مگر جب مالک قرض کا دعویٰ کرے اور مضارب مضاربت کا دعویٰ کرے تو قول مضارب کا معتبر ہوگا۔ کیونکہ وہ ضمان کا انکار کرتا ہے جس نے بھی گواہیاں قائم کر دیں انہیں قبول کیا جائے گا۔ اگر دونوں گواہیاں قائم کریں تو رب المال کی گواہیاں اولی ہوں گی۔ کیونکہ وہ زیادتی کو ثابت کرنے والا ہے۔ جہاں تک نوع میں اختلاف کا تعلق ہے اگر مضارب عموم کا یا اطلاق کا دعویٰ کرے اور مالک خصوص کا دعویٰ کرے

نے یہ دعویٰ کیا کہ یہ شرکت عنان کے طریقہ پر ہے اور اس کا رأس مال میں اتنا حصہ ہے اور انہوں نے گواہیاں قائم کر دیں تو قابض کی گواہیاں زیادہ قابل قبول ہوں گی۔ کیونکہ انہوں نے مال میں سے حصہ کو ثابت کیا اور صفت کو ثابت کیا، ”سائحانی“۔
28781۔ (قوله: فَالْقَوْلُ لِلْمَالِكِ) کیونکہ مضارب اس پر اپنے عمل کی قیمت لگانے کا یا اپنی جانب سے شرط کا یا وہ شرکت کا دعویٰ کرتا ہے جب کہ مالک اس کا انکار کرتا ہے۔ ”منح“۔

28782۔ (قوله: الْمُضَارِبُ) زیادہ بہتر یہاں ذوالید کا لفظ ہے۔

28783۔ (قوله: هِيَ قَرْضٌ) تاکہ تمام نفع اس کا ہو جائے۔

28784۔ (قوله: فَالْقَوْلُ لِلْمُضَارِبِ) اسی کی مثل ”الحانیہ“، ”غایۃ البیان“، ”زیلعی“ اور ”البحر“ میں ہے۔ ”ابن شحہ“ نے اسے ”النبایہ“ اور ”شرح التجرید“ سے نقل کیا ہے۔ ”ابن وہبان“ نے اپنے اشعار میں دو قول بیان کیے ہیں۔ ”مجموع منلا علی“ میں ”مجموع انقروی“ سے انہوں نے ”محیط سرخی“ سے نقل کیا ہے: اگر رب المال کہے: وہ مال قرض تھا اور قابض کہے: وہ مال مضاربت کے طریقہ پر تھا اگر یہ اختلاف تصرف کے بعد ہو تو قول رب المال کا ہوگا اور گواہیاں بھی اسی کی معتبر ہوں گی اور مضارب ضامن ہوگا اگر اس سے قبل ہو تو قول اس کا معتبر ہوگا اور قابض پر کوئی ضمانت نہ ہوگی۔ کیونکہ دونوں نے یہ تصدیق کی کہ قبضہ رب المال کے اذن سے ہوا ہے اور قابض کے انکار کی وجہ سے قرض ثابت نہیں ہوا۔

اس میں ”ذخیرہ“ کی چودھویں فصل سے اس کی مثل منقول ہے اس کی مثل ”کتاب القول لمن“ میں ”غانم بغدادی“ سے اور انہوں نے ”الوجیز“ سے نقل کیا ہے۔ اسی کی مثل ”علی آفندی“ مفتی ممالک عثمانیہ نے فتویٰ دیا ہے۔ ”فتاویٰ ابو نجیم“ میں اسی

فَالْقَوْلُ لِلْمُضَارِبِ لِيَتَمَسَّكِهِ بِالْأَصْلِ وَلَوْ ادَّعَى كُلُّ نَوْعًا فَالْقَوْلُ لِلْمَالِكِ، وَالْبَيِّنَةُ لِلْمُضَارِبِ فَيُقَيِّمُهَا عَلَى صِحَّةٍ تَصَرُّفِهِ، وَيَلْزِمُهُ نَفْيُ الضَّحَانِ وَلَوْ وَقَّتِ الْبَيِّنَتَانِ قَضَى بِالْمُتَأَخِّرَةِ وَإِلَّا فَبَيِّنَةُ الْمَالِكِ

توقول مضارب کا معتبر ہوگا۔ کیونکہ وہ اصل سے تمسک کرنے والا ہے۔ اگر سب نے ایک نوع کا دعویٰ کیا توقول مالک کا معتبر ہوگا اور گواہیاں مضارب کی ہوں گی۔ پس اپنے تصرف کی صحت پر گواہیاں قائم کرے گا اور اس پر ضمان کی نفی لازم ہوگی۔ اگر دونوں نے وقت کا ذکر کیا تو وہ متاخرہ کے مطابق فیصلہ کرے گا ورنہ مالک کی گواہیوں کا اعتبار کیا جائے گا۔

طرح کا قول کیا ہے کہ قول رب المال کا ہوگا۔ یہ کہنا ممکن ہے کہ ”الغانیہ“ اور ”التنویر“ میں جو قول ہے اس صورت کے بارے میں ہے کہ جب یہ اختلاف تصرف سے پہلے ہو تو مطلق کو مقید پر محمول کیا جائے کیونکہ حادثہ اور حکم میں اتحاد ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات ہی توفیق عطا کرنے والی ہے۔ یہ مجموعہ ”منلا علی“ سے ملخص ہے۔

28785۔ (قوله: بِالْأَصْلِ) کیونکہ مضارب بت میں اصل عموم ہے۔ کیونکہ مضارب بت سے مقصود نفع حاصل کرنا ہوتا ہے۔ عموم اور اطلاق اس کے مناسب ہیں۔ یہ اس وقت ہے جب وہ تصرف کے بعد تنازع اختیار کریں۔ اگر تصرف سے پہلے وہ تنازع کریں توقول امام ”مالک“ کا معتبر ہوگا جس طرح تصرف کے بعد مالک عموم کا دعویٰ کرے اور مضارب خصوص کا دعویٰ کرے توقول مالک کا معتبر ہوگا۔ ”در منتهی“۔

28786۔ (قوله: كُلُّ نَوْعًا) یعنی دونوں میں ایک نے بر (گندم) میں کاروبار کرنے کا ذکر کیا اور دوسرے نے بر (گندم) میں کاروبار کرنے کا ذکر کیا۔

28787۔ (قوله: فَالْقَوْلُ لِلْمَالِكِ) کیونکہ دونوں خصوص پر متفق ہو گئے ہیں توقول اس کا معتبر ہوگا جس کی جہت سے اجازت حاصل ہوتی ہے۔ ”س“۔

28788۔ (قوله: فَيُقَيِّمُهَا) ہا ضمیر سے مراد گواہیاں ہیں یعنی وہ گواہیاں قائم کرے۔

28789۔ (قوله: عَلَى صِحَّةِ الْخ) یعنی اس وقت گواہیاں اس کے تصرف کے صحیح ہونے پر ہوں گی ضمان کی نفی پر گواہیاں نہیں ہوں گی یہاں تک کہ گواہیاں نفی پر ہوں تو انہیں قبول نہ کیا جائے۔

28790۔ (قوله: لَوْ وَقَّتْ) بعض نسخوں میں ولو وقتت ہے۔

28791۔ (قوله: الْبَيِّنَتَانِ) یہ وقت فعل کا فاعل ہے مسئلہ اپنی حالت پر رہے گا۔ اس کی صورت یہ ہے کہ رب المال کہے: میں نے مال تجھے مضارب بت پر دیا تھا کہ تو کپڑے میں رمضان میں تجارت کرے مضارب کہے: تو نے مجھے مال دیا تا کہ میں شوال میں طعام میں کاروبار کروں اور دونوں گواہیاں قائم کر دیں۔

28792۔ (قوله: قَضَى بِالْمُتَأَخِّرَةِ) کیونکہ اور شرطوں میں سے دوسری ان دونوں میں سے پہلی کو منسوخ کر دیتی ہے۔

28793۔ (قوله: وَإِلَّا) یعنی اگر دونوں وقت کا ذکر نہ کریں یا دونوں میں سے ایک وقت کا ذکر کرے دوسرا وقت کا

فَرُوْعٌ دَفَعَ الْوَصِيُّ مَالَ الصَّغِيرِ إِلَى نَفْسِهِ مُضَارَبَةً جَازًا، وَقَيَّدَهُ الطَّرْسُوسِيُّ بِأَنْ لَا يَجْعَلَ الْوَصِيُّ لِنَفْسِهِ مِنَ الرِّيحِ أَكْثَرَ مِمَّا يَجْعَلُ لِمِثَالِهِ، وَتَمَامُهُ فِي شَرْحِ الْوَهْبَانِيَّةِ وَفِيهَا مَاتَ الْمُضَارِبُ وَلَمْ يُوجَدْ مَالُ الْمُضَارَبَةِ فِيمَا خَلْفَ عَادَ دَيْنَانِي تَرَكْتِهِ وَفِي الْإِخْتِيَارِ دَفَعَ الْمُضَارِبُ شَيْئًا لِلْعَاشِرِ لِيَكْفَ عَنْهُ ضَمَنٌ؛ لِأَنَّهُ لَيْسَ مِنْ أُمُورِ التِّجَارَةِ لَكِنْ صَرَّحَ فِي مَجْمَعِ الْفَتَاوَى بِعَدَمِ الضَّمَانِ فِي زَمَانِنَا قَالَا وَكَذَا الْوَصِيُّ؛ لِأَنَّهُمَا يَقْصِدَانِ الْإِضْلَاحَ، وَسَيَجِيءُ آخِرَ الْوَدِيعَةِ وَفِيهِ لَوْ شَرَى بِمَالِهَا مَتَاعًا فَقَالَ أَنَا أُمْسِكُهُ حَتَّى أَجِدَ رِبْحًا كَثِيرًا، وَأَرَادَ الْمَالِكُ بَيْعَهُ فَإِنْ فِي الْمَالِ رِبْحٌ

فروع: وصی نے صغیر کا مال اپنے آپ کو مضاربت کے طریقہ پر دیا تو یہ جائز ہو جائے گا۔ ”طرسوسی“ نے اس کی یہ قید لگائی ہے کہ وصی نفع میں سے اپنے لیے اس سے زیادہ معین نہ کرے جو اس کی مثل کے لیے معین کیا جاتا ہے۔ اس کی مکمل بحث ”شرح الوہبانیہ“ میں ہے۔ اس میں ہے: مضارب مرگیا اس نے جو چیز چھوڑی ہے اس میں مضاربت کا مال نہ پایا گیا تو وہ مال بطور دین اس کے ترکہ کی طرف لوٹ جائے گا،۔ ”الاختیار“ میں ہے: مضارب نے کوئی چیز عاشر کو دے دی تاکہ عاشر اس سے رک جائے تو مضارب ضامن ہوگا۔ کیونکہ عاشر کو اس طرح کوئی چیز دینا امور تجارت میں سے نہیں ہے۔ لیکن ”مجمع الفتاویٰ“ میں اس کی تصریح کی ہے کہ ہمارے زمانے میں ضمانت نہیں۔ کہا: اسی طرح وصی ہے کیونکہ دونوں اصلاح کا قصد کرتے ہیں۔ کتاب الودیعہ کے آخر میں آئے گا اس میں ہے: اگر اس نے مضاربت کے مال سے کوئی سامان خریدا اس نے کہا: میں اسے روکے رکھوں گا یہاں تک کہ میں کثیر نفع پاؤں اور مالک نے اس کے بیچنے کا ارادہ کیا اگر تو مال میں نفع ہو

ذکر نہ کرے۔

28794۔ (قوله: إِلَى نَفْسِهِ) ضمیر وصی کی طرف راجع ہے۔

28795۔ (قوله: وَقَيَّدَهُ الطَّرْسُوسِيُّ) یعنی بحث کرتے ہوئے ”ابن وہبان“ نے اس کا رد کیا ہے کہ یہ ان کے اطلاق کو اپنی رائے کے ساتھ مقید کرنا ہے جب کہ اطلاق پر دلیل قائم ہے ”ابن شحنہ“ نے اسے ظاہر روایت قرار دیا ہے جو ”طرسوسی“ نے قول کیا ہے یہ بچے کے مفادات کو پیش نظر رکھنے کی بنا پر ہے۔

میں کہتا ہوں: ”جامع الفصولین“ میں ”المسقط“ سے مروی ہے: اس زمانے میں وصی کو حق حاصل نہیں کہ یتیم کا مال مضاربت کے طریقہ پر لے لے یہ مطلقاً منع کا فائدہ دیتا ہے۔

28796۔ (قوله: فِي تَرَكْتِهِ) کیونکہ تجہیل کے ساتھ وہ اسے ہلاک کرنے والا ہوگا۔ اس کی مکمل بحث کتاب الودیعہ

میں ہے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ

”حامد“ میں یہ کہتے ہوئے فتویٰ دیا ہے: قاری ”الہدایہ“ نے یہی فتویٰ دیا ہے۔

28797۔ (قوله: وَفِيهِ لَوْ شَرَى الْخ) یہاں کلام دو مواقع میں ہے (۱) مضارب کو رب المال کی رضامندی کے بغیر

أَجْبَرَ عَلَى بَيْعِهِ لِعَمَلِهِ بِأَجْرِ كَمَا مَرَّ إِلَّا أَنْ يَقُولَ لِلْمَالِكِ أُعْطِيكَ رَأْسَ الْمَالِ وَحِصَّتَكَ مِنَ الرِّبْحِ
فَيُجْبَرُ الْمَالِكُ عَلَى قَبُولِ ذَلِكَ، وَفِي الْبَزَازِيَّةِ دَفَعَ إِلَيْهِ أَلْفًا نِصْفَهَا هِبَةً وَنِصْفَهَا مُضَارَبَةً، فَهَلَكَتْ
يُضْنُ حِصَّةَ الْهِبَةِ قُلْتُ وَالْمُفْتَى بِهِ أَنَّهُ لَا ضَمَانَ مُطْلَقًا لِأَنَّهُ مُضَارَبَةٌ؛ لِأَنَّهَا أَمَانَةٌ وَلَا فِي الْهِبَةِ؛
لِأَنَّهَا فَاسِدَةٌ وَهِيَ

تو اسے منع کرنے پر مجبور کیا جائے گا۔ کیونکہ اسے اجرت کا علم ہے جس طرح گزر چکا ہے۔ مگر وہ مالک سے کہے: میں تجھے
رأس المال اور نفع میں سے تیسرا حصہ دیتا ہوں تو مالک کو اس کے قبول کرنے پر مجبور کیا جائے گا۔ ”بزازیہ“ میں ہے: اسے
ہزار دیا نصف ہبہ تھا اور اس کا نصف مضارب بت پر تھا تو ہزار ہلاک ہو گیا تو ہبہ والے حصہ کا ضامن ہو گا۔ میں کہتا ہوں: مفتی بہ
قول یہ ہے کہ مطلقاً ضمانت نہ ہوگی نہ مضارب بت میں۔ کیونکہ یہ امانت ہے اور نہ ہی ہبہ میں کیونکہ یہ ہبہ فاسد ہے۔ معتمد اور

مال روکنے کا حق ہوتا ہے (۲) مضارب کو بیع پر مجبور کرنا کیونکہ اسے روکنے کا حق نہیں۔ جہاں تک پہلے موقع کا تعلق ہے تو اس کا
اس میں کوئی حق نہیں خواہ مال میں نفع ہو یا نہ ہو مگر وہ رب المال کو صرف رأس المال دے دے اگر اسے نفع نہ ہو اور نفع میں
سے اس کا حصہ دے دے اس وقت مضارب کو روکنے کا حق ہے۔

جہاں تک دوسرے کا تعلق ہے جو مضارب کو بیع پر مجبور کرتا ہے وہ اس صورت میں ہے اگر مال میں نفع ہو تو اسے بیع پر
مجبور کیا جائے گا مگر اس صورت میں کہ وہ مالک کو رأس المال اور نفع میں سے اس کا حصہ دے دے۔ اگر مال میں نفع نہ ہو تو
اسے مال بیچنے پر مجبور نہیں کیا جاسکتا لیکن اس مضارب کو حق حاصل ہے کہ وہ مالک کو رأس المال دے دے یا رأس المال
کے عوض میں سامان دے دے۔ ”المنح“ کی عبارت جو ”الذخیرہ“ سے منقول ہے اس سے جو میں نے سمجھا ہے اس کا حاصل
ہے۔ یہ پیچیدہ عبارت ہے میں نے ”الذخیرہ“ کی عبارت کی طرف رجوع کیا تو میں نے اسے اسی طرح پایا جس طرح
”المنح“ میں ہے۔

یہ صورت باقی رہ گئی ہے جب مالک یہ ارادہ کرے کہ مال روکا جائے اور مضارب اس کے بیچنے کا ارادہ کرے یہ حادثہ
الفتویٰ ہے۔

فصل سے تھوڑا پہلے جو قول گزرا ہے اس سے جواب معلوم کیا جاسکتا ہے اگر مالک نے اسے معزول کر دیا اسے اس کا علم
بھی ہو گیا جب کہ مال سامان تجارت ہے تو مضارب اسے بیچے اگر مالک اس سے منع کرے۔ مالک اس کے فسخ کا مالک نہیں
نہ ہی اذن کی تخصیص کا اختیار رکھتا ہے کیونکہ وہ بھی من وجہ معزول کرنا ہے۔

28798۔ (قوله: حِصَّةُ الْهِبَةِ) کیونکہ ایسی مشترک چیز جو تقسیم کو قبول نہ کرتی ہو اس کا ہبہ کرنا صحیح نہیں پس وہ اس کی
ضمان میں ہوگی۔

28799۔ (قوله: وَهِيَ الْخ) ”قال“ نے ”ہندیہ“ سے اسے نقل کیا ہے۔

تُثْنِكَ بِالْقَبْضِ عَلَى الْمُعْتَبِدِ الْمُفْتَى بِهِ كَمَا سَيَجِيءُ فَلَا ضَمَانَ فِيهَا وَبِهِ يَضْعُفُ قَوْلُ الْوَهْبَانِيَّةِ
وَأَوْدَعَهُ عَشْرًا عَلَى أَنَّ خَمْسَةً لَهُ هِبَةٌ فَاسْتَهْلَكَ الْخَمْسُ يَخْسِرُ

مفتی بہ قول کے مطابق قبضہ کرنے سے اس ہزار پر ملکیت حاصل ہو جاتی ہے جس طرح عنقریب آئے گا۔ پس اس میں کوئی ضمان نہ ہوگی اس کے ساتھ ”وہبانیہ“ کا قول ضعیف ہو جاتا ہے: وہ اس کے پاس دس ودیعت رکھے اس شرط پر کہ اس کے پاس پانچ ہبہ ہیں تو پانچ کو جان بوجھ کر ہلاک کر دیا گیا تو وہ ضمانت دے۔

28800۔ (قولہ: تُثْنِكَ بِالْقَبْضِ) میں کہتا ہوں: قبضہ کرنے کے ساتھ مالک ہونے اور ضمان میں کوئی منافات

نہیں۔ ”سامحانی“۔

میں کہتا ہوں: ”جامع الفصولین“ میں اس پر نص قائم فرمائی ہے جب ”فتاویٰ فضلی“ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا: فاسد ہبہ قبضہ کرنے کی صورت میں ملکیت کا فائدہ دیتا ہے اسی پر فتویٰ دیا جاتا ہے۔ پھر جب وہ ہلاک ہو جائے تو یہ فتویٰ دیا گیا کہ فاسد ہبہ کی صورت میں واہب اپنے ذی رحم محرم سے اس کا مطالبہ کر سکتا ہے۔ کیونکہ فاسد ہبہ پر ضمانت ہوتی ہے جب ہلاکت کے بعد قیمت کے ساتھ اس کی ضمانت ہے تو ہلاک ہونے سے قبل وہ لوٹانے کا زیادہ استحقاق رکھتی ہے الخ۔ پس اس پر متنبہ ہو جائیے۔

فروع: اس صورت کے بارے میں پوچھا گیا جب مضارب فوت ہو جائے جب کہ اس پر دین ہوں اور مضارب بت کا مال معروف ہو کیا رب المال اپنے رأس المال اور نفع میں اپنے حصہ کا زیادہ حقدار ہوگا؟ جواب ہے: ہاں۔ جس طرح اس کی ”خانیہ“ اور ”ذخیرہ برہانیہ“ میں اس کی تصریح ہے۔ ”حامد“۔

اس بارے میں قاری ”الہدایہ“ سے ان کے فتاویٰ کے باب القضاء میں ہے: جب دونوں شریکوں میں سے ایک معلوم مقدار میں خیانت کا دعویٰ کرے اور دوسرا انکار کر دے تو اس سے قسم لی جائے گی اگر وہ قسم اٹھا دے تو وہ بری ہو جائے گا اگر وہ انکار کر دے تو جس کا اس نے دعویٰ کیا تھا وہ ثابت ہو گیا اگر وہ مقدار کی تعیین نہ کرے تو حکم اسی طرح ہوگا۔ لیکن جب وہ قسم سے انکار کر دے تو اس پر لازم ہوگا کہ وہ اس مقدار کی تعیین کرے جس میں اس نے خیانت کی۔ اس کی مقدار میں قول قسم کے ساتھ معتبر ہوگا۔ کیونکہ اس کا انکار کرنا مجہول شے کے اقرار کی طرح ہے اس کی مقدار میں وضاحت مقرر کے ذمہ ہے ساتھ ہی اس کی قسم لازم ہوگی مگر جب اس کا مد مقابل زیادہ پر گواہیاں قائم کر دے (تو معاملہ مختلف ہو جائے گا)

کِتَابُ الْإِيْدَاعِ

لَا خَفَاءَ فِي اشْتِرَاكِهِ مَعَ مَا قَبْلَهُ فِي الْحُكْمِ، وَهُوَ الْأَمَانَةُ (هُوَ لُغَةً مِنَ الْوَدْعِ أَيْ التَّزَكُّ وَشَرْعًا تَسْلِيْطُ الْغَيْرِ عَلَى حِفْظِ مَالِهِ صَرِيحًا أَوْ دَلَالَةً) كَأَن انْفَتَقَ زَيْدٌ رَجُلٌ فَأَخَذَهُ رَجُلٌ بِغَيْبَةِ مَالِكِهِ ثُمَّ تَرَكَهُ، ضَمِنَ لِأَنَّهُ بِهَذَا الْأَخْذِ التَّزَمَّ حِفْظُهُ دَلَالَةً بَحْرًا (الْوَدِيْعَةُ مَا تَتْرَكُ عِنْدَ الْأَمِينِ) وَهِيَ أَخْصُ مِنَ الْأَمَانَةِ كَمَا حَقَّقَهُ الْمُصَنِّفُ وَغَيْرُهُ (وَرُكْنُهَا الْإِيجَابُ صَرِيحًا) كَأَوْدَعْتُكَ

ودیعت کے احکام

اس میں کوئی خفا نہیں کہ یہ اپنے ماقبل باب کے ساتھ حکم میں شریک ہے وہ امانت ہے۔ ایداع لغت میں ودع سے مشتق ہے جس کا معنی چھوڑنا ہے۔ اور شرع میں ایداع سے مراد صراحۃً یا دلالتاً غیر کو اپنے مال کی حفاظت پر مسلط کرنا ہے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ ایک آدمی کی مشک پھٹ گئی تو اس کے مالک کی عدم موجودگی میں دوسرے آدمی نے لے لی پھر اسے ترک کر دیا تو ایسا آدمی ضامن ہوگا۔ کیونکہ اسے لینے کے ساتھ دلالتاً اس کی حفاظت لازم ہوگی، ”بحر“۔ ودیعت وہ ہوتی ہے جسے امین کے پاس چھوڑ دیا جاتا ہے یہ امانت سے خاص ہے جس طرح مصنف وغیرہ نے اس کو ثابت کیا ہے۔ اس کا رکن ایجاب ہے جو صریحاً ہو جیسے میں نے تیرے پاس ودیعت رکھی

امانت اور ودیعت میں فرق

28801۔ (قولہ: بِغَيْبَةِ الْخ) اس کی قید لگائی ہے کیونکہ مالک اگر حاضر ہو تو وہ ضامن نہیں ہوگا جس طرح مصنف نے اسے ثابت کیا ہے۔ ”یعقوبیہ“ کو دیکھیے۔ ”المخ“ میں کہا: امانت اس شے کا نام ہے جو مضمون نہ ہو۔ پس یہ ان تمام کو شامل ہوگا جس میں ضمانت نہ ہو جس طرح عاریہ، مستاجرہ۔ جس کی خدمت کی وصیت کی گئی جب کہ وہ موصیٰ لہ کے قبضہ میں ہو۔ ودیعت اسے کہتے ہیں جسے ایجاب و قبول کے ساتھ امانت کے لیے رکھا جائے پس دونوں چیزیں متغایر ہو جائیں گی۔ صاحب ”النهاية“ نے اسے اختیار کیا ہے۔ اور ”البحر“ میں ہے: ان دونوں کا حکم بعض صورتوں میں مختلف ہے۔ کیونکہ ودیعت سے وہ ضمانت سے بری نہیں ہوتا جب وہ اتفاق کی طرف لوٹ آئے اور امانت میں اختلاف کے بعد ضمانت سے بری نہیں ہوتا۔

ایک نکتہ ہے جسے ”حاشیہ“ میں ذکر کیا ہے روایت بیان کی جاتی ہے: جب زلیخا فقر میں مبتلا ہوئی اور حضرت یوسف علیہ السلام پر حزن کی وجہ سے اس کی آنکھیں سفید ہو گئیں تو وہ فقرا کے لباس میں ایک راستہ کی بلند جگہ پر بیٹھ گئی حضرت یوسف علیہ السلام اس کے پاس سے گزرے وہ ندادینے لگی اے بادشاہ میری بات سنیے حضرت یوسف علیہ السلام ٹھہر گئے اس نے کہا: امانت نے مملوک کو مملوک کے مقام پر پہنچا دیا ہے اس خیانت نے مملوک کو مملوک کے مقام پر پہنچا دیا ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے اس عورت کے بارے

(أَوْ كِنَايَةً) كَقَوْلِهِ لِرَجُلٍ أَعْطَانِي أَلْفَ دِرْهَمٍ أَوْ أَعْطَانِي هَذَا الثَّوْبَ مَثَلًا فَقَالَ أَعْطَيْتُكَ كَانَ وَدِيْعَةً بَحْرًا لِأَنَّ الْإِعْطَاءَ يَحْتَمِلُ الْهَبَةَ لَكِنَّ الْوَدِيْعَةَ أَذْنَى، وَهُوَ مُتَيَقِّنٌ فَصَارَ كِنَايَةً (أَوْ فِعْلًا) كَمَا لَوْ وَضَعَ ثَوْبَهُ بَيْنَ يَدَيْ رَجُلٍ وَلَمْ يَقُلْ

یا کنایہ ہو جس طرح وہ ایک آدمی کو کہے: مجھے ہزار درہم دو یا مجھے یہ کپڑا دے دو مثلاً تو وہ کہے: میں نے تجھے دے دیا تو ودیعت ہوگی، ”بحر“۔ کیونکہ اعطا کا لفظ ہبہ کا احتمال رکھتا ہے لیکن ودیعت کا درجہ کم ہے جو یقینی ہے۔ پس یہ کنایہ ہو جائے گا یا ایجاب فعلاً ہو جس طرح ایک آدمی اپنا کپڑا ایک آدمی کے سامنے رکھے اور کچھ نہ کہے

میں پوچھا تو آپ کو بتایا گیا یہ زلیخا ہے تو حضرت یوسف علیہ السلام نے اس پر رحمت کرتے ہوئے اس سے شادی کر لی۔ ”زیمعی“۔
28802۔ (قوله: أَوْ كِنَايَةً) اس سے مراد وہ ہے جو صریح کے مقابل ہے جیسے طلاق کے کنایات نہ کہ جو بیانیہ کے مقابل ہے۔

28803۔ (قوله: لِأَنَّ الْإِعْطَاءَ) میں بھی یہ تعلیل ہے۔

کسی شخص کا ودیعت کو قبول نہ کرنا عدم ضمان کا باعث ہے
28804۔ (قوله: وَلَمْ يَقُلْ الْإِعْطَاءَ) اگر وہ یہ کہہ دے میں ودیعت کو قبول نہیں کرتا تو وہ ضامن نہیں ہوگا۔ کیونکہ جسے عرف کے اعتبار سے قبول کیا گیا ہو وہ صریحاً رد کے وقت ثابت نہیں ہوتا۔

صاحب ”الفصولین“ نے کہا: میں کہتا ہوں: یہ اس پر دلالت کرتا ہے کہ بقار (گائیں چرانے والا) اس کی گائے کے بارے میں مودع نہیں ہوگا جس نے وہ گائے اس کی طرف بھیجی تو بقار نے قاصد سے کہا: اسے اس کے مالک کے پاس لے جاؤ میں اسے قبول نہیں کرتا وہ قاصد اسے لے گیا پس چاہیے کہ بقار اس کا ضامن نہ ہو جب کہ اس کے برعکس گزر چکا ہے ان کا قول ینبغی اس حقیر کا قول ہے کہ یہ قول نہ ہونا چاہیے۔ کیونکہ قاصد جب اس گائے کو اس کے پاس لایا تو وہ پیغام رسانی کے حکم سے خارج ہو گیا اور وہ اجنبی ہو گیا جب بقار نے اسے کہا: اسے اس کے مالک کی طرف لوٹا دو بقاریوں ہو گیا گویا اس نے گائے اجنبی کی طرف لوٹا دی ہے یا اجنبی کے ساتھ لوٹا دی ہے اس وجہ سے بقار ضامن ہوگا۔ کپڑے کا مسئلہ مختلف ہے ”نور العین“۔ اس کی مکمل بحث اس میں ہے۔

اس میں ”الذخیرہ“ سے بھی مروی ہے: اگر وہ کہے: میں نے اسے قبول نہیں کیا تو وہ مودع نہیں ہوگا اور کپڑے کے مالک نے اسے چھوڑ دیا اور چلا گیا اس آدمی نے اس کپڑے کو اٹھالیا جس نے اسے قبول نہ کیا تھا اور اپنے گھر میں اسے داخل کر دیا چاہیے کہ وہ اس کا ضامن ہو۔ کیونکہ جب ایداع (ودیعت رکھنا) ثابت نہیں ہوا تو وہ اس کپڑے کو اٹھانے کے ساتھ غاصب ہو گیا۔ بندہ حقیر پر تقصیر کہتا ہے: اس میں اشکال ہے۔ وہ یہ ہے کہ غصب مالک کے قبضہ کو زائل کرنا ہوتا ہے جب کہ وہ نہیں پایا گیا اور اس کا کپڑے کو اٹھانا یہ نفع پہنچانے کے لیے ہے نقصان پہنچانے کے لیے نہیں بلکہ مالک کا اس کپڑے کو

شَيْئًا فَهُوَ إِيْدَاعٌ (وَالْقَبُولُ مِنَ الْمَوْدَعِ صَرِيحًا) كَقَبِلْتُ (أَوْ دَلَالَةً) كَمَا لَوْ سَكَتَ عِنْدَ وَضْعِهِ فَإِنَّهُ قَبُولٌ دَلَالَةً كَوْضْعِ ثِيَابِهِ فِي حَمَامٍ بِمَرَأَى مِنَ الثِّيَابِ، وَكَقَوْلِهِ لِرَبِّ الْخَانِ أَيْنَ أُرِبُطُهَا فَقَالَ هُنَاكَ كَانَ إِيْدَاعًا خَائِيَةً

تو یہ ودیعت رکھنا ہوگا۔ اور ایذا کا رکن مودع کی جانب سے قبول ہے وہ صریحاً ہو جیسے وہ کہے: میں نے قبول کیا یا دلالت ہو جس طرح جب مودع اس کے پاس کوئی چیز رکھے تو مودع خاموش رہے یہ دلالت قبول ہے۔ جس طرح ایک آدمی حمام میں اپنے کپڑے کپڑوں کے نگہبان کے سامنے رکھے اور جس طرح سرائے کے مالک سے کہے: میں سواری کو کہاں باندھوں تو مالک کہے وہاں تو یہ ودیعت رکھنا ہوگا، ”خانیہ“۔

چھوڑ دینا دوبارہ ودیعت رکھنا ہے اور جس نے قبول نہ کیا تھا اس کا کپڑے کو اٹھانا ضمناً قبول کرنا ہے۔ تو ظاہر یہ ہے کہ وہ ضامن نہیں ہوگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

28805۔ (قوله: شَيْئًا) اگر وہ کہے: میں قبول نہیں کرتا تو وہ مودع نہیں ہوگا۔ کیونکہ دلالت نہیں پائی گئی، ”بحر“۔ اس میں ”خلاصہ“ سے مروی ہے: اگر اس نے اپنی کتاب کسی کے ہاں رکھی تو وہ قوم چلی گئی اور انہوں نے اس کتاب کو وہاں ہی چھوڑ دیا جب وہ کتاب ضائع ہو جائے گی تو وہ ضامن ہوں گے۔ اگر وہ ایک ایک کر کے کھڑے ہوئے تو آخری ضامن ہوگا۔ کیونکہ وہ حفاظت کے لیے متعین ہو گیا۔ پس وہ ضمان کے لیے متعین ہو گیا۔ پس ایجاب و قبول میں سے ہر ایک غیر صریح ہے جس طرح قریب ہی خانی کا آنے والا مسئلہ ہے۔

فرع: ”جامع الفصولین“ میں ہے: اگر آدمی نے اپنا جانور غیر کے گھر میں داخل کیا اور گھر کے مالک نے اسے باہر نکال دیا تو وہ ضامن نہیں ہوگا۔ کیونکہ وہ جانور گھر کو نقصان پہنچاتا ہے اگر وہ اپنے باڑے میں کوئی جانور پائے تو مالک اس کو نکال دے تو اس کا ضامن ہوگا۔ ”سائحانی“۔

28806۔ (قوله: كَمَا لَوْ سَكَتَ) یعنی یہ قبول ہے۔ ”ہندیہ“ میں یہ ذکر کرنے کے بعد کہا: ایک آدمی نے کوئی شے مالک کے امر کے بغیر رکھی۔ پس مالک کو اس کا علم نہ ہوا یہاں تک کہ وہ شے ضائع ہو گئی تو وہ ضامن نہیں ہوگا۔ کیونکہ حفاظت کا التزام نہیں ہوا۔ تطبیق دینا ممکن ہے اس قرینہ کی وجہ سے جو رضامندی یا عدم رضامندی پر دال ہو۔ ”سائحانی“۔

28807۔ (قوله: مِنَ الثِّيَابِ) جو حمام والا ہے وہ مودع نہیں ہے جب تک کپڑوں کی نگہبانی کرنے والا حاضر ہے اگر کپڑوں کی نگہبانی کرنے والا غائب ہو تو حمام والا مودع ہوگا۔ ”بحر“۔

اس میں اجازات ”الخلاصہ“ سے مروی ہے: ایک آدمی نے کپڑا پہنا کپڑوں کی نگہبانی کرنے والے نے گمان کیا یہ اس کا کپڑا ہے جب کہ وہ کپڑا کسی اور کا تھا تو ضامن ہوگا۔ یہی قول اصح ہے۔ کیونکہ سوال نہ کرنے اور تفتیش نہ کرنے کی وجہ سے وہ کوتاہی کرنے والا ہے یہ اس کے منافی نہیں جو قول آگے آ رہا ہے کہ امین پر ضمانت کی شرط باطل ہے اسے ”ابوسعود“ نے بیان کیا ہے۔

هَذَا فِي حَقِّ وَجُوبِ الْحِفْظِ، وَأَمَّا فِي حَقِّ الْأَمَانَةِ فَتَتِمُّ بِالْإِيجَابِ وَحْدَهُ حَتَّى لَوْ قَالَ لِلْغَاصِبِ
أَوْ دَعْتُكَ الْمَغْضُوبَ بَرِيءٌ عَنِ الضَّمَانِ، وَإِنْ لَمْ يَقْبَلْ اخْتِيَارًا (وَشَرَطُهَا كَوْنُ الْمَالِ قَابِلًا لِثَبَاتِ الْيَدِ
عَلَيْهِ) فَلَوْ أَوْدَعَ الْأَبْقَى أَوْ الطَّيْرَ فِي الْهَوَاءِ لَمْ يَضْمَنْ (وَكَوْنُ الْمَوْدَعِ مُكَلَّفًا شَرْطًا لِوَجُوبِ الْحِفْظِ عَلَيْهِ) فَلَوْ
أَوْدَعَ صَبِيًّا فَاسْتَهْلَكَهَا لَمْ يَضْمَنْ، وَلَوْ عَبْدًا مَحْجُورًا ضَمِنَ بَعْدَ عِتْقِهِ (وَهِيَ أَمَانَةٌ) هَذَا حُكْمُهَا مَعَ
وَجُوبِ الْحِفْظِ وَالْأَدَاءِ

یہ حفاظت کے وجوب کے حق میں ہے۔ جہاں تک امانت کے حق کا تعلق ہے تو وہ صرف ایجاب سے مکمل ہو جاتا ہے یہاں تک کہ اگر غاصب سے کہے: میں نے تیرے پاس مغضوب چیز ودیعت رکھی ہے تو وہ ضمان سے بری ہو جائے گا اگرچہ وہ قبول نہ کرے ”اختیار“۔ اور اس کی شرط یہ ہے کہ مال ایسا ہو جو قبضہ کے اثبات کو قبول کرنے والا ہو۔ اگر وہ بھاگے ہوئے غلام کو یا ہوا میں موجود پرندے کو ودیعت کے طور پر رکھے تو مودع ضامن نہیں ہوگا۔ اور مودع کا مکلف ہونا یہ حفاظت کے واجب ہونے کے لیے شرط ہے۔ اگر ایک آدمی نے بچے کے ہاں ودیعت رکھی بچے نے اس شے کو جان بوجھ کر ہلاک کر دیا تو وہ بچہ ضامن نہیں ہوگا۔ اگر عبد مجبور کے ہاں ودیعت رکھی تو وہ غلام اپنی آزادی کے بعد ضامن ہوگا جب کہ یہ ودیعت امانت ہے۔ یہ اس کا حکم ہے ساتھ ہی اس کی حفاظت، مطالبہ کے وقت ادائیگی واجب ہے۔

28808۔ (قوله: هَذَا) یعنی قبول کا بھی شرط ہونا۔

28809۔ (قوله: وَإِنْ لَمْ يَقْبَلْ) یہ قول گزر چکا ہے کہ قبول کی دو قسمیں ہیں: صریح اور دلالت۔ شاید یہاں یہ رد کے معنی میں ہے۔ مگر جب وہ خاموش ہو جائے تو وہ دلالت قبول ہے۔

28810۔ (قوله: لِثَبَاتِ الْيَدِ) بعض فضلاء نے کہا: اس میں تسامح ہے۔ کیونکہ مراد بالفعل قبضہ کو ثابت کرنا ہے اور اثبات کا قبول کرنا کافی نہیں جس طرح ”درر“ میں اس قول کے ساتھ اس کی طرف اشارہ کیا ہے ”قبضہ ثابت کیے بغیر کسی شے کی حفاظت محال ہوتی ہے۔ تامل، ”قال“۔ ”ابوسعود“ نے اس کا جواب دیا ہے۔

28811۔ (قوله: فَلَوْ أَوْدَعَ صَبِيًّا) ”المرئی“ نے ”حاشیہ المنح“ میں کہا: بچے کے ہاں ودیعت رکھنے سے اس صورت کو متشبیہ کیا جائے گا جب مجبور بچہ اپنے جیسے بچے کے ہاں کوئی شے ودیعت رکھے جب کہ یہ ان دونوں کے علاوہ کسی مالک کو حق حاصل ہوگا کہ مال دینے والے یا لینے والے سے ضمانت لے۔ ”الفوائد الزینیہ“ میں اسی طرح ہے۔ ”مدنی“، ”حاشیہ القتال“ کو دیکھیے۔

28812۔ (قوله: ضَمِنَ بَعْدَ عِتْقِهِ) یعنی اگر غلام بالغ ہو ورنہ اس پر کوئی ضمان نہ ہوگی۔

فرع: حاشیہ میں کہا، اگر اسے عیال منتقل کرنے کی ضرورت ہو یا اس کے عیال ہی نہ ہوں پس وہ ودیعت کے ساتھ سفر کرے تو ضامن نہ ہوگا۔ یہ اس صورت میں ہے جب مودع نے مکان معین کیا ہو۔ اگر اس نے مکان معین نہ کیا اس کی

عِنْدَ الطَّلَبِ وَاسْتِحْبَابِ قَبُولِهَا (فَلَا تُضْمَنُ بِالْهَلَاكِ) إِلَّا إِذَا كَانَتْ الْوَدِيعَةُ بِأَجْرِ أَشْبَاهٍ مَعْنِيًا لِلزَّيْلَعِيِّ (مُطْلَقًا) سَوَاءً أَمْكَنَ التَّحَرُّزُ أَمْ لَا، هَذَا مَعَهَا شَيْءٌ أَمْ لَا لِحَدِيثِ الدَّارِ قُطْنِي لَيْسَ عَلَى الْمُسْتَوْدِعِ

اور اس کا قبول کرنا مستحب ہے۔ اگر وہ چیز ہلاک ہو جائے تو مطلقاً اس کی ضمانت نہ ہوگی مگر جب ودیعت اجر کے ساتھ ہو، ”اشباہ“۔ جب کہ ”زیلعی“ کی طرف منسوب ہے خواہ اس ہلاکت سے بچنا ممکن ہو یا ممکن نہ ہو اس کے ساتھ کوئی شے ہلاک ہو یا ہلاک نہ ہو۔ کیونکہ ”دارقطنی“ کی حدیث ہے: خائن مستودع کے علاوہ پر

صورت یہ ہے کہ اس نے کہا: اس کی حفاظت کرو اور یہ نہ کہا، فلاں جگہ اس کی حفاظت کرنا تو اس نے اس مال کے ساتھ سفر کیا اگر راستہ ایسا ہے جہاں خوف ہو تو بالاجماع مودع ضامن ہوگا ورنہ ضامن نہ ہوگا۔ یہ ہمارے نزدیک ہے جس طرح باپ اور وصی ہے اگر وہ بچے کے مال کے ساتھ سفر کرے۔ یہ اس صورت میں ہے جب اس کے بار برداری کے اخراجات اور مؤنت نہ ہو۔ ”جامع الفصولین“۔

اگر اس کی بار برداری کا معاملہ ہو اور مؤنت ہو جب کہ مالک نے مطلقاً اس کی حفاظت کا کہا ہو اگر سفر سے بچنے کا چارہ کار ہو اور وہ اس شہر میں اس کی حفاظت سے عاجز ہو جس میں اس نے اس کے ہاں ودیعت رکھا تھا تو بالاجماع سفر سے ضامن نہ ہوگا۔ اگر سفر سے بچنے کا چارہ کار ہو تو امام ”ابو حنیفہ“ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہی حکم ہے وہ سفر قریب کا ہو یا بعید کا ہو۔ امام ”ابو یوسف“ رحمۃ اللہ علیہ سے یہ مروی ہے اگر سفر دور کا ہے تو ضامن ہوگا اگر قریب کا ہے تو ضامن نہ ہوگا۔ امام ”محمد“ رحمۃ اللہ علیہ سے یہ مروی ہے: دونوں حالتوں میں ضامن ہوگا۔ ”جامع الفصولین“۔

جس کو اجرت پر مودع بنایا گیا ہو اس کے لیے اسے سفر پر لے جانا جائز نہیں۔ کیونکہ حفاظت کے لیے عقد کا مکان متعین ہو چکا ہے۔ ”جامع الفصولین“۔

28813۔ (قوله: عِنْدَ الطَّلَبِ) مگر چند ایسے مسائل ہیں جن کا ذکر عنقریب آئے گا جن میں ایسا کرنا واجب نہیں۔

28814۔ (قوله: بِأَجْرِ) عنقریب یہ آئے گا کہ اجیر مشترک ضامن نہیں ہوگا اگرچہ اس پر ضمان کی شرط لگائی جائے نیز

متن کا قول واشتراط الخ اس سے بھی اس پر اعتراض وارد ہوتا ہے۔ جب شرط کے ساتھ اس کی یہ صورتحال ہے تو شرط نہ ہونے کی صورت میں کیا حال ہوگا۔ ”بزازیہ“ میں ہے: ایک آدمی نے حمام کے مالک کو چیز دی اور اسے اجرت پر رکھا اور اس پر ضمان کی شرط لگائی۔ جب وہ چیز تلف ہو جائے تو ہم ذکر کر چکے ہیں کہ اس کا کوئی اثر نہ ہوگا۔ یہ اس کے مطابق ہے جس پر فتویٰ ہے ”ساحانی“۔ ”حاشیۃ القتال“ کو دیکھیے۔ بعض اوقات یہ فرق کیا جاتا ہے کہ وہ یہاں قصداً حفاظت پر اجرت پر لیا گیا ہے اجیر مشترک کا معاملہ مختلف ہے بے شک اسے عمل پر اجرت پر رکھا گیا ہے۔ تامل

28815۔ (قوله: لِلزَّيْلَعِيِّ) اس کی مثل ”النهاية“، ”الكنایة“ اور کثیر کتب میں ہے۔ ”رملی علی المنح“۔

غَيْرِ الْمَغْلِ ضَمَانٌ (وَاشْتَرَا طَ الضَّمَانِ عَلَى الْأَمِينِ) كَالْحَتَامِ وَالْخَاتِي (بَاطِلٌ بِهِ يُفْتَى) خُلَاصَةٌ وَصَدْرُ الشَّرِيعَةِ (وَلِلْمُودِعِ حِفْظُهَا بِنَفْسِهِ وَعِيَالِهِ) كَمَا لِيهِ (وَهُمْ مَنْ يَسْكُنُ مَعَهُ حَقِيقَةً أَوْ حُكْمًا لَا مَنْ يُسَوِّنُهُ) فَلَوْ دَفَعَهَا لِوَلَدِهِ الْمُسَيَّرِ أَوْ زَوْجَتِهِ، وَلَا يَسْكُنُ مَعَهُمَا، وَلَا يُنْفِقُ عَلَيْهِنَّ خُلَاصَةٌ وَكَذَا لَوْ دَفَعْتُهَا لِزَوْجِهَا، لِأَنَّ الْعِبْرَةَ لِلْمَسَاكِنَةِ لَا لِلنَّفَقَةِ، وَقِيلَ يُعْتَبَرَانِ مَعَ عَيْنِي (وَشَرَطُ كَوْنِهِ) أَمْنِي مَنْ فِي عِيَالِهِ (أَمِينًا) فَلَوْ عَلِمَ خِيَانَتَهُ ضَمِنَ خُلَاصَةٌ (وَ) جَازَ (لِمَنْ فِي عِيَالِهِ الدَّفْعُ لِمَنْ فِي عِيَالِهِ وَلَوْ نَهَاكَ عَنْ الدَّفْعِ إِلَى بَعْضِ مَنْ فِي عِيَالِهِ فَدَفَعْتَ إِيَّاهُ وَجَدَ بَدَا مِنْهُ) بِأَنْ كَانَ لَهُ عِيَالٌ غَيْرُهُ ابْنُ مَلِكٍ

کوئی ضمانت نہیں ہے (1)۔ رہن جیسے حمام والا اور سرائے والا، پر ضمان کی شرط لگانا باطل ہے۔ اسی پر فتویٰ ہے ”خلاصہ“، ”صدر الشریعہ“۔ مودع کو حق حاصل ہے کہ خود اور اپنے عیال کے ذریعے اس کی حفاظت کرے اس کے عیال سے مراد وہ افراد ہیں جو اس کے ساتھ حقیقتہً یا حکماً رہتے ہیں نہ کہ وہ افراد ہیں جن کی وہ کفالت کرتا ہے اگر وہ مال اپنے اس بچے کو دے دیتا ہے جو سو جھ بوجھ رکھتا ہے یا اپنی بیوی کو دے دیتا ہے جن کے ساتھ وہ نہیں رہتا اور نہ یہ ان پر خرچ کرتا ہے تو وہ ضامن نہ ہوگا ”خلاصہ“۔ اسی طرح اگر بیوی و دیعت اپنے خاوند کو دے دیتی ہے۔ کیونکہ اعتبار باہم سکونت کا ہے نفقہ کا اعتبار نہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: دونوں کا اکٹھے اعتبار کیا جائے گا۔ اور جو اس کے عیال میں سے ہے اس کا امین ہونا شرط ہے اگر اس کی خیانت کا علم ہو تو وہ ضامن ہوگا، ”خلاصہ“۔ جو آدمی اس کے عیال میں سے ہو وہ اسے دے دے۔ جو اس کے عیال میں سے ہے اسے دینا جائز ہے اگر وہ اسے دینے سے منع کر دے جو اس کے عیال میں سے ہو وہ اسے دے دے اگر اس کے سوا کوئی چارہ پاتا ہو اس کی صورت یہ ہے کہ وہ غیر کے عیال میں سے ہو ”ابن ملک“۔

28816۔ (قوله: غَيْرِ الْمَغْلِ) مغل سے مراد خائن ہے ”حاشیہ“ میں اسی طرح ہے۔

28817۔ (قوله: كَالْحَتَامِ) یعنی حمام کا معلم۔ مگر جس کا عرف یہ ہو کہ وہ حفاظت کے عوض میں اجرت لیتا ہو تو وہ

ضامن ہوگا کیونکہ یہ اجرت کے بدلے میں ودیعت رکھی گئی ہے لیکن فتویٰ ضمانت کے نہ ہونے پر ہے۔ ”سائحانی“۔

28818۔ (قوله: فَلَوْ دَفَعَهَا) یہ ان کے قول اور حکما پر تفریع ہے۔

28819۔ (قوله: لِوَلَدِهِ الْمُسَيَّرِ) شرط یہ ہے کہ وہ اس کی حفاظت پر قادر ہو، ”بحر“ میں ”خلاصہ“ سے مروی ہے۔

28820۔ (قوله: ضَمِنَ) یعنی اگر ودیعت اس کے حوالے کر دیتا ہے تو ضامن ہوگا۔ اسی طرح اگر وہ اسے اس گھر

میں چھوڑ دیتا ہے جس میں لوگوں کی ودیعتیں ہیں اور خود چلا جاتا ہے اور ودیعت ضائع ہو جاتی ہے تو ضامن ہوگا، ”بحر“ میں ”الخلاصہ“ سے مروی ہے۔

28821۔ (قوله: فِي عِيَالِهِ) دوسرے عیال میں جو ضمیر ہے اس کے بارے میں یہ صحیح ہے کہ وہ پہلے عیال کی طرف

(ضَمِنَ وَإِلَّا لَا، وَإِنْ حَفَظَهَا بِغَيْرِهِمْ ضَمِنَ) وَعَنْ مُحَمَّدٍ إِنْ حَفَظَهَا بِمَنْ يَحْفَظُ مَالَهُ كَوَكِيلِهِ وَمَا ذُوْنَهُ وَشَرِيكِهِ مُفَاوِضَةً وَعِنَانًا جَازَ وَعَلَيْهِ الْفَتْوَى ابْنُ مَلِكٍ وَاعْتَمَدَهُ ابْنُ الْكَمَالِ وَغَيْرُهُ وَأَقْرَبُهُ الْبُصْنِفُ (إِلَّا إِذَا خَافَ الْحَرَقَ أَوْ الْغَرَقَ) وَكَانَ غَالِبًا مُحِيطًا، فَلَوْ غَيْرَ مُحِيطٍ ضَمِنَ

تو ضامن ہوگا ورنہ ضامن نہیں ہوگا اگر وہ ودیعت کی حفاظت ان کے علاوہ سے کرے تو وہ ضامن ہوگا۔ امام ”محمد“ رحمہ اللہ سے مروی ہے: اگر وہ اس کی حفاظت کرے اس کے ساتھ جن کے ساتھ وہ اپنے مال کی حفاظت کرتا ہے جیسے اس کا وکیل، اس کا عبد ماذون اور اس کا شریک ہے وہ شریک شرکت مفاوضہ کی وجہ سے ہو یا شرکت عنان کی وجہ سے ہو تو یہ جائز ہوگا۔ اسی پر فتویٰ ہے، ”ابن ملک“۔ ”ابن کمال“ وغیرہ نے اس پر اعتماد کیا ہے اور مصنف نے اسے ثابت رکھا ہے مگر جب مودع کو اس کے جل جانے اور غرق ہونے کا خوف ہو، اور وہ حرق اور غرق غالب و محیط ہو اگر وہ محیط نہ ہو تو پھر ضامن ہوگا

لوئے۔ ”شرنبلالی“ نے اس کی تصریح کی ہے۔ اور یہ بھی صحیح ہے کہ وہ مودع کی طرف لوئے ”مقدس“ نے اس کی تصریح کی ہے۔ اس میں ہے کہ والدین میں یہ شرط نہیں کہ وہ دونوں اس کے عیال میں نہ ہوں۔ اسی پر فتویٰ دیا جاتا ہے۔ اگر اس نے اپنے عیال کے علاوہ کے ہاں ودیعت رکھی اور مالک نے اس کی اجازت دے دی تو وہ اس سے خارج ہو جائے گا جس کی وضاحت کی ہے۔ اگر اس نے غیر کی حرز میں اجرت کے بغیر اسے رکھا تو ضامن ہوگا۔ اگر ایک آدمی نے اپنے گھر میں سے ایک کمرہ اجرت پر دیا اور ودیعت مستاجر کے حوالے کر دی اگر دونوں میں سے ہر ایک کے پاس علیحدہ چابی ہو تو ضامن ہوگا۔ اگر علیحدہ چابی نہ ہو اور دونوں میں سے ہر ایک دوسرے کے پاس جاہ و حشمت کے بغیر داخل ہوتا ہو تو وہ ضامن نہیں ہوگا۔ مودع کے عیال کے حوالے کرنے سے خاموشی میں اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ مودع اس کا مالک نہیں۔ ہمارے شیخ نے اختلاف اور ضمان کی ترجیح کا ذکر کیا ہے۔ ”ساحانی“۔ ہمارے شیخ سے مراد ”ابوسعود“ ہے۔

فرع: اگر اس نے کہا: میں اسے جس کے پاس چاہوں گا رکھوں گا جو اسے مجھ تک پہنچائے گا تو اسے مودع نے ایک امین کے حوالے کر دیا اور وہ ودیعت ضائع ہو گئی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ ضامن نہیں ہوگا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ ضامن ہوگا۔ فرع: مودع کی موت کا وقت آپہنچا تو اس نے ودیعت پڑوسی کے حوالے کر دی وہ ودیعت پڑوسی کے پاس ہلاک ہو گئی ”بلخی“ نے کہا: اگر اس کی وفات کے وقت اس کے پاس کوئی ایسا آدمی نہ ہو جو اس کے عیال میں سے ہے تو وہ ضامن نہیں ہوگا جس طرح مودع کے گھر میں آگ بھڑک اٹھی تو اسے حق حاصل ہے کہ ودیعت اجنبی کو دے دے۔ ”خانیہ“۔

28822۔ (قوله: عَلَيْهِ الْفَتْوَى) ”البحر“ میں ”الخانیہ“ سے نقل کیا ہے اس سے قبل کہا: متون کا ظاہر یہ ہے کہ غیر کا

اس کے عیال میں سے ہونا شرط ہے۔ ”الخلاصہ“ میں اسے ہی اختیار کیا ہے۔

28823۔ (قوله: وَكَانَ غَالِبًا مُحِيطًا) ”تا ترخانیہ“ میں ”تمتہ“ سے مروی ہے: ”حمید وبری“ سے اس مودع کے

بارے میں پوچھا گیا جس کے گھر میں آگ لگ گئی اور اس نے ودیعت دوسرے مکان کی طرف منتقل نہ کی اگر منتقل کرنا ممکن تھا

(فَسَلِّهَا إِلَى جَارِهِ أَوْ إِلَى (فُلِكَ آخَرَ) إِلَّا إِذَا أَمَكْنَهُ دَفْعُهَا لِنَفْسٍ فِي عِيَالِهِ أَوْ أَلْقَاهَا فَوَقَعَتْ فِي الْبَحْرِ ابْتِدَاءً أَوْ بِالشَّدْحِ خُرُجَ ضَمَنِ زَيْدِيٍّ (فَإِنْ ادَّعَاهُ) أَمَى الدَّفْعَ لِحَارِهِ أَوْ فُلِكَ آخَرَ (صَدَّقَ) إِنْ عَلِمَ وَقُوعَهُ) أَمَى الْخَرَقِ (بِبَيْتِهِ) أَمَى بَدَارِ السُّودَعِ (وَالْأَلَا) يُعْلَمُ وَقُوعُ الْخَرَقِ فِي دَارِهِ (لَا) يُصَدَّقُ إِلَّا بِبَيِّنَةٍ فَحَصَلَ بَيْنَ كَلَامِي الْخُلَاصَةِ وَالْهُدَايَةِ التَّوْفِيقُ وَبِاللَّهِ التَّوْفِيقُ (وَلَوْ مَنَعَهُ الْوَدِيعَةَ ظُلْمًا بَعْدَ طَلَبِهِ) لِرَدِّ وَدِيعَتِهِ فَلَوْ لَحَقَهَا إِلَيْهِ لَمْ يَضْمَنْ ابْنُ مَلِكٍ بِنَفْسِهِ وَلَوْ حَكَمْنَا

تو وہ اس ودیعت کو اپنے پڑوسی یا دوسری کشتی میں رکھوائے مگر جب اس کے لیے یہ ممکن ہو کہ وہ ودیعت اس کے حوالے کر دے جو اس کے عیال میں سے ہے یا اس نے ودیعت پھینکی تو ابتداء سے ہی سمندر میں جاگری یا لڑھک کر سمندر میں جاگری تو ضامن ہوگا، ”زیدی“۔ اگر مودع نے یہ دعویٰ کیا کہ اس نے پڑوسی کو ودیعت دی یا کسی اور کشتی میں ودیعت رکھی تو اس کی تصدیق کی جائے گی اگر اس مودع کے گھر میں آگ لگنے کا علم ہو۔ اگر اس کے گھر میں آگ لگنے کا علم نہ ہو تو اس کی تصدیق نہ کی جائے گی مگر گواہوں کے ساتھ اس کی تصدیق کی جائے گی۔ پس ”خلاصہ“ اور ”ہدایہ“ کی کلاموں میں تطبیق حاصل ہوگی اللہ تعالیٰ کی ذات ہی توفیق دینے والی ہے۔ اگر مودع نے ودیعت واپس کرنے کے مطالبہ کے بعد ودیعت کو ظلماً روک لیا، اگر تو یہ اس کی طرف اٹھانے کی وجہ سے روکا ہو تو ضامن نہ ہوگا یہ مطالبہ اس مالک نے خود کیا ہو اگرچہ حکماً مطالبہ ہو

تو اس نے چھوڑے رکھا یہاں تک کہ ودیعت جل گئی تو ضامن ہوگا۔ اسی کی مثل یہ صورتحال ہوگی اگر اس نے اسے چھوڑے رکھا یہاں تک عت (کیڑا) اسے کھا گیا جس طرح ”النظم“ میں آئے گا۔

امام ”محمد“ رحمۃ اللہ علیہ نے اس حریق (آگ) کے بارے میں ذکر کیا جو مودع کے گھر میں بھڑک اٹھی تھی تو مودع نے ودیعت اجنبی کو دے دی تو وہ ضامن نہیں ہوگا اگر وہ اس سے نکل آیا اور اس نے ودیعت کی واپسی کا مطالبہ نہ کیا تو ضامن ہوگا۔ اس کی مکمل بحث ”نور العین“ میں ہے۔

”جواہر الفتاویٰ“ میں ہے: جب مودع نے کسی عذر کی وجہ سے ودیعت کسی اور کے حوالے کی، اس نے عذر کے زائل ہونے کے بعد اسے واپس نہ لیا تو وہ ودیعت دوسرے آدمی کے پاس ہلاک ہوگئی تو وہ مودع ضامن نہ ہوگا۔ کیونکہ مودع ودیعت حوالے کرنے پر ضامن ہوتا ہے تو جب عذر کی وجہ سے وہ ضامن نہ ہوا تو اسے ترک کرنے کی وجہ سے ضامن نہ ہوگا۔ اس پر یہ امر دلالت کرتا ہے اگر اس نے وہ چیز اپنے عیال کے سپرد کر دی اور انہیں کے پاس چھوڑے رکھی تو ضامن نہیں ہوگا۔ کیونکہ اسے اس امر کا اذن تھا اس طرح یہاں دینے کی اسے اجازت دی گئی ہے۔ ملخص

28824۔ (قوله: أَوْ أَلْقَاهَا) یعنی کشتی میں اسے پھینکا۔

28825۔ (قوله: كَلَامِي الْخُلَاصَةِ الْخ) کی نص یہ ہے: جب اس کے قول سے قبل یہ معلوم ہو گیا کہ اس

کے گھر میں آگ لگی تھی ورنہ اس کی بات نہیں مانی جائے گی۔ ”ہدایہ“ کی عبارت ہے: گواہوں کے بغیر اس کی تصدیق نہ کی

كَوْكِيلِهِ بِخِلَافِ رَسُولِهِ، وَلَوْ بَعْلَامَةً مِنْهُ عَلَى الظَّاهِرِ قَادِرًا عَلَى تَسْلِيْبِهَا ضَمِنَ،

جس طرح اس کے وکیل نے مطالبہ کیا ہو۔ قاصد کا معاملہ مختلف ہے اگرچہ وہ مالک کی جانب سے نشانی لایا ہو۔ یہ ظاہر روایت کے مطابق ہے، جب کہ مودع و دیعت سپرد کرنے پر قادر تھا تو ضامن ہوگا۔

جائے گی۔ ”المخ“ میں کہا: ”ہدایہ“ کی کلام کو اس پر محمول کرنا ممکن ہے تو اس کے گھر میں آگ لگنے کا علم نہ ہو اس کے ساتھ تطبیق حاصل ہو جاتی ہے۔ اسی وجہ سے اسی پر ہم نے ”المختصر“ میں اعتماد کیا ہے۔ ”ح“۔

اگر پیغام رسانی سے مرسل رجوع کرے تو قاصد کے علم سے پہلے یہ صحیح ہوگا

28826۔ (قولہ: كَوْكِيلِهِ) خلاصہ یہ ہے: مالک جب و دیعت کا مطالبہ کرے تو مودع کہے: میرے لیے یہ ممکن نہیں کہ اس لمحہ اسے حاضر کر سکوں طالب نے اسے ترک کیا اور چلا گیا اگر تو اس نے رضامندی سے و دیعت کو ترک کیا تھا تو و دیعت ہلاک ہوگئی تو وہ ضامن نہیں ہوگا کیونکہ جب وہ گیا تو اس نے نئے سرے سے و دیعت رکھ دی اگر رضامندی کے بغیر چھوڑی تو مودع ضامن ہوگا اگر طلب کرنے والا مالک کا وکیل ہے تو وہ ضامن ہوگا۔ کیونکہ یہ نئے سرے سے و دیعت رکھنا نہیں۔ مالک کا معاملہ مختلف ہے یہ قول اس میں صریح ہے کہ مالک کے وکیل کو نہ دینے کی صورت میں ضامن نہیں ہوگا جس طرح یہ امر مخفی نہیں۔ ”فصول عمادیہ“ میں ہے جب کہ ”ظہیریہ“ کی طرف منسوب ہے: مودع کے قاصد نے جب و دیعت کو طلب کیا۔ مودع نے کہا: میں و دیعت سے اسے دوں گا جو و دیعت لایا تھا اور قاصد کے حوالے نہ کیا یہاں تک کہ و دیعت ہلاک ہوگئی تو وہ ضامن ہوگا۔

”فتاویٰ قاضی ظہیر الدین“ میں یہ مسئلہ ذکر کیا ہے ”نجم الدین“ نے اس کا جواب دیا کہ وہ ضامن ہوگا۔ اس میں اعتراض کی گنجائش ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ جب مودع نے اس کی تصدیق کی جس نے یہ دعویٰ کیا تھا کہ وہ و دیعت پر قبضہ کرنے کا وکیل ہے تو انہوں نے کتاب الوکالہ میں کہا: و دیعت اس کے سپرد کرنے کا حکم نہیں دیا جائے گا۔

لیکن قائل کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ وکیل اور قاصد میں فرق کرے۔ کیونکہ قاصد بھیجنے والے کی زبان پر نطق کرتا ہے ورنہ وکیل کا معاملہ اسی طرح ہے۔ کیا تو نہیں دیکھتا کہ اگر وکیل کو وہ وکالت سے معزول کر دے جب کہ وکیل کو معزولی کا علم نہ ہو تو یہ معزولی صحیح نہ ہوگی۔ اگر پیغام رسانی سے مرسل رجوع کرے تو قاصد کے علم سے پہلے یہ صحیح ہوگا ان کے فتاویٰ میں اسی طرح ہے۔ ”مخ“۔

حاشیہ ”البحر“ میں اسی کے محشی ”رملی“ نے کہا: ”الفصول“ میں جو قول ہے اس کا ظاہر معنی یہ ہے کہ وہ وکیل کے مسئلہ میں ضامن نہیں ہوگا۔ پس یہ ”خلاصہ“ کے قول کے مخالف ہے میرے لیے تطبیق یوں ظاہر ہوئی کہ ”الخلاصہ“ میں جو قول ہے اسے اس پر محمول کیا جائے کہ جب وکیل نے مودع کے پاس نئے سرے سے و دیعت رکھنے کا اظہار کیا جب کہ مودع نے و دیعت سے انکار کر دیا تھا تا کہ مودع و دیعت کسی اور وقت میں دے دے۔ ”الفصول“ اور ”تجنیس“ میں جو قول ہے وہ اس پر محمول

وَالْأَنَّ بَأْنَ كَانَ عَاجِزًا أَوْ خَافَ عَلَى نَفْسِهِ أَوْ مَالِهِ بِأَنَّ كَانَ مَدْفُونًا مَعَهَا ابْنُ مَلِكٍ (لَا يَضْمَنُ كَطَلَبِ الظَّالِمِ) فَلَوْ كَانَ الْوَدِيعَةُ سَيِّفًا أَرَادَ صَاحِبُهُ أَنْ يَأْخُذَهُ لِيَضْرِبَ بِهِ رَجُلًا فَلَهُ الْمَنَعُ مِنَ الدَّفْعِ إِلَى أَنْ يَعْلَمَ أَنَّهُ تَرَكَ الرَّأْيَ الْأَوَّلَ وَأَنَّهُ يُنْتَفَعُ بِهِ عَلَى وَجْهِ مُبَاحٍ جَوَاهِرُ (كَمَا لَوْ أَوْدَعَتْ) الْمَرْأَةُ (كِتَابًا فِيهِ إِقْرَارٌ مِنْهَا لِلزَّوْجِ بِبَالٍ أَوْ بِقَبْضٍ مَهْرًا مِنْهُ) فَلَهُ مَنَعُهُ مِنْهَا لِئَلَّا يَذْهَبَ حَقُّ الزَّوْجِ خَائِنَةً (وَمِنْهُ) أَيْ مِنْ الْمَنَعِ ظَلَمًا (مَوْتُهُ) أَيْ مَوْتُ الْمَوْدَعِ (مُجْهَلًا)

اگر ایسا نہ ہو اس کی صورت یہ ہے کہ وہ سپرد کرنے سے عاجز ہو یا اسے اپنی ذات پر خوف ہو یا اپنے مال پر خوف ہو اس کی صورت یہ ہے کہ وہ مال ودیعت کے ساتھ دفن شدہ ہو، ”ابن ملک“۔ تو ضامن نہیں ہوگا جس طرح ظالم نے مطالبہ کیا ہو اگر ودیعت تلوار ہو مالک نے یہ ارادہ کیا کہ وہ تلوار لے تاکہ اس کے ساتھ کسی آدمی پر وار کرے تو اسے نہ دینے کا حق ہوگا یہاں تک مودع کو یہ علم ہو جائے کہ اس نے پہلی رائے بدل دی ہے اور وہ مالک اس سے مباح طریقہ سے نفع حاصل کرے گا، ”جواہر“۔ جس طرح ایک عورت نے کتاب کا دعویٰ کیا جس میں عورت کا خاوند کے حق میں مال کا اقرار ہے یا اس سے مہر کے قبض کا اقرار ہے تو اسے حق حاصل ہوگا کہ عورت کو دینے سے رک جائے تاکہ خاوند کا حق ضائع نہ ہو۔ ”خانیہ“۔ اور ظلماً روکنے کی صورتوں میں سے ایک صورت یہ ہے کہ مودع ودیعت کو مجہول حالت میں چھوڑ جائے۔

ہو کہ جب اس نے انکار کر دیا تاکہ وہ مودع کی ذات کے حوالے کرے۔ اسی وجہ سے اس کے جواب میں فرمایا: میں ودیعت اسے دوں گا جو میرے پاس ودیعت لایا تھا۔ اس کی مکمل بحث اس میں ہے۔

28827۔ (قوله: كَطَلَبِ الظَّالِمِ) ظاہر یہ ہے کہ یہاں ظالم سے مراد مالک ہے۔ کیونکہ گفتگو اس کے مطالبہ کے بارے میں ہے اور اس کے مابعد جو کلام ہے وہ اس پر تفریع کے طور پر ذکر کی گئی ہے۔ میری مراد ان کا یہ قول ہے: فلو كانت اس پر مصنف کا قول: لسانیه من الاعانة على الظلم دلالت کرتا ہے۔

فرع: اسے حاشیہ میں ذکر کیا ہے وہ جانور جو ودیعت کے طور پر رکھا گیا تھا وہ بیمار ہو گیا مودع نے کسی انسان کو حکم دیا کہ وہ اس کا علاج کرے تو مالک ان دونوں میں سے جس سے چاہے ضمان لے اگر اس نے مودع سے ضمانت لی تو وہ معالج سے واپسی کا مطالبہ نہیں کرے گا۔ اگر وہ معالج سے ضمانت لے تو وہ مودع سے مطالبہ کرے گا تو معالج کو یہ پتہ ہو کہ یہ جانور کسی اور کا ہے یا نہیں مگر مودع کہے: یہ میرا نہیں یا میں نے اس کے بارے میں حکم نہیں دیا اس وقت وہ مطالبہ نہیں کرے گا۔ ”جامع الفصولین“ میں اسی طرح ہے۔

28828۔ (قوله: الْمَوْدَعِ) یہ دال کے فتح کے ساتھ ہے۔

28829۔ (قوله: مُجْهَلًا) جہاں تک مالک کو مجہول رکھنے کا تعلق ہے تو کوئی ضمانت لازم نہ ہوگی قول قسم کے ساتھ مودع کا معتبر ہوگا اس میں کوئی شبہ نہیں۔ ”حانوتی“ نے کہا: کیا اس سے دین کی مقدار کے مطابق رہن میں زیادتی ہوگی۔

فَإِنَّهُ يَضُنُّ، فَتَصِيرُ دَيْنًا فِي تَرْكِتِهِ إِلَّا إِذَا عَلِمَ أَنَّ وَارِثَهُ يَعْلَمُهَا فَلَا ضَمَانَ، وَلَوْ قَالَ الْوَارِثُ أَنَا عَلِمْتُهَا وَأَنْكَرَ الطَّالِبُ إِنْفِسَهَا، وَقَالَ هِيَ كَذَا وَأَنَا عَلِمْتُهَا وَهَلَكْتُ صَدَقَ وَهَذَا وَمَا لَوْ كَانَتْ عِنْدَهُ سَوَاءٌ إِلَّا فِي مَسْأَلَةٍ وَهِيَ أَنَّ الْوَارِثَ إِذَا دَلَّ السَّارِقَ عَلَى الْوَدِيعَةِ لَا يَضُنُّ، وَالْمُودِعُ إِذَا دَلَّ ضَمِنَ خُلَاصَةً

کیونکہ وہ ضامن ہوگا۔ پس وہ ودیعت اس کے ترکہ میں دین ہوگی مگر جب یہ معلوم ہو کہ اس کا وارث ودیعت کو جانتا ہے۔ پس کوئی ضمانت نہ ہوگی اگر وارث کہے: میں اسے جانتا ہوں اور طالب اس امر کا انکار کر دے۔ اگر وارث اس ودیعت کی تفسیر بیان کر دے اور کہے: ودیعت فلاں چیز ہے اور میں اسے جانتا تھا اور وہ ودیعت ہلاک ہوگئی تو اس کی تصدیق کی جائے گی ودیعت کا وارث کے پاس ہونا یا مورث کے پاس ہونا برابر ہے مگر ایک مسئلہ میں برابر نہیں وہ یہ ہے کہ جب وارث چور کو ودیعت کے بارے میں رہنمائی کر دے تو وہ ضامن نہیں ہوگا اور مودع جب چور کی رہنمائی کرے تو ضامن ہوگا، ”خلاصہ“۔

میں کہتا ہوں: ظاہر یہی ہے کہ یہ اس سے ہی ہے۔ کیونکہ علماء کا قول ہے: جس کے ساتھ وہ ودیعت کا ضامن ہوتا ہے اس کے ساتھ رہن کا ضامن ہوتا ہے جب مجہول چھوڑ کر مر گیا تو اس کا ضامن ہوگا جو زائد ہو اس نے اس کے مطابق فتویٰ دیا ہے۔ ”رہی“ ملخص۔

28830۔ (قوله: فَإِنَّهُ يَضُنُّ) ”مجمع الفتاویٰ“ میں کہا ہے: مودع، مضارب، مستعیر یا مستبضع اور ہر وہ شخص جس کے قبضہ میں مال امانت ہو جب وہ وضاحت سے قبل مرجائے اور امانت بعینہا معروف نہ ہو تو یہ اس کے ترکہ میں اس کے ذمہ دین ہوگا۔ کیونکہ وہ مجہول رکھنے کی وجہ سے ودیعت کو ہلاک کرنے والا ہوگا جہالت کی حالت میں چھوڑ کر اس کی موت کا مطلب یہ ہے کہ وہ امانت کی حالت کو بیان نہ کرے جس طرح ”الاشباہ“ میں ہے۔

شیخ ”عمر بن نجیم“ سے سوال کیا گیا اس کے بارے میں اگر مریض کہے: میرے پاس دکان میں ایک ورقہ ہے جو فلاں کا ہے اس کے ضمن میں چند دراہم ہیں جن کی مقدار کو میں نہیں جانتا اور وہ مرجاتا ہے اور وہ ورقہ نہیں پایا جاسکتا۔ انہوں نے جواب دیا یہ بھی تجہیل میں سے ہے کیونکہ ”البدائع“ میں ان کا قول ہے وہ یہ ہے کہ وہ بیان سے پہلے مرجائے اور امانت کی ذات معروف نہ ہو۔

بعض فضلاء نے کہا: اس میں تاثر ہے پس اس میں غور و فکر کیجئے۔ ملخص

28831۔ (قوله: إِلَّا إِذَا عَلِمَ) یعنی جس نے امر کو مجہول رکھا ہے وہ اسے جانتا ہو جب وارث یہ کہے: مورث نے اپنی زندگی میں اسے واپس کر دیا تھا یا وہ ودیعت اس کی زندگی میں ہلاک ہوگئی تھی تو بغیر گواہوں کے اس کی تصدیق نہ کی جائے گی اگر وہ یہ گواہیاں قائم کر دے کہ مودع نے اپنی زندگی میں کہا تھا میں نے اسے واپس کر دیا تھا تو اس کی بات قبول کی جائے گی۔ ”سامحانی“۔

28832۔ (قوله: عِنْدَهُ) یعنی مودع کے نزدیک۔ اور مالک اس کے ہلاک ہونے کا دعویٰ کرے مقصود یہ ہے کہ

إِلَّا إِذَا مَنَعَهُ مِنَ الْأَخْذِ حَالُ الْأَخْذِ (كَمَا فِي سَائِرِ الْأَمَانَاتِ) فَإِنَّهَا تَنْقَلِبُ مَضْمُونَةً بِالنُّوْتِ عَنْ تَجْهِيلِ
كَشْرِيكَ وَمُفَاوِضِ (الْأَنِّي) عَشْرًا عَلَى مَا

مگر جب چور لینے کے لیے آئے تو اسے روک دے جس طرح تمام امانات میں ہوتا ہے۔ کیونکہ وہ سب موت کے ساتھ
مضمونہ ہو جاتی ہیں جب وہ مجہول چھوڑ کر مر جائے جس طرح شریک ہو اور شریک مفاوض کا مسئلہ ہے جب وہ مر جائے مگر
دس میں ایسا نہیں ہو سکتا

وارث مودع کی طرح ہے پس ہلاک ہونے کے بارے میں اس کا قول قبول کیا جائے گا جب وہ اس کی تفسیر بیان کر دے تو وہ
وارث مودع کی طرح ہوگا مگر ایک مسئلہ میں اس کے مخالف ہوگا۔

ودیعت کے مالک نے کہا: مودع اسے مجہول چھوڑ کر مر گیا ہے اس کے ورثاء کہتے ہیں اس کی وفات کے دن وہ چیز موجود
تھی اور معروف تھی پھر اس کی موت کے بعد وہ چیز ہلاک ہوگی تو وادیعت کے مالک کی تصدیق کی جائے گی یہی صحیح ہے۔ کیونکہ
ظاہر روایت کے مطابق وادیعت اس کے ترکہ میں دین بن چکی ہے پس ورثاء کی تصدیق نہ کی جائے گی۔

اگر اس کے ورثاء نے کہا: اس نے اپنی زندگی میں وادیعت واپس کر دی تھی یا اس کی زندگی میں وہ تلف ہو گئی تھی تو بغیر
گواہیوں کے اس کی تصدیق نہ کی جائے گی۔ کیونکہ وہ اسے مجہول چھوڑ کر مر گیا تھا۔ پس ترکہ میں ضمان ثابت ہو جائے گی۔ اگر
وہ یہ گواہیاں قائم کر دے کہ مودع نے اپنی زندگی میں کہا تھا میں نے اسے لوٹا دیا تھا تو ان کی گواہیاں قبول کی جائیں گی۔ کیونکہ
جو گواہیوں سے ثابت ہو وہ آنکھوں دیکھی سے ثابت کرنے کی طرح ہے۔ ”جامع الفصولین“ میں ”الذخیرہ“ سے مروی ہے۔

28833۔ (قوله: إِلَّا إِذَا الْخ) یہ ان کے قول والودع اذا دل ضمن سے استثناء ہے۔ ”طحاوی“ نے ”خلاصہ“ سے
نقل کیا ہے مودع ضامن ہوگا جب وہ وادیعت پر چور کی رہنمائی کرے گا جب چور کے لینے کی حالت میں اسے سینے سے نہ
روکے اگر وہ اسے روکے تو ضامن نہ ہوگا۔

28834۔ (قوله: مَنَعَهُ) مودع نے چور کو روکا تو چور نے زبردستی اسے لے لیا۔ ”فصولین“۔

28835۔ (قوله: سَائِرِ الْأَمَانَاتِ) ان میں سے دین ہے جب مرتبہ اسے مجہول حالت میں چھوڑ کر مر گیا تو اس
کے ترکہ میں سے دین کی ضمانت لی جائے گی جس طرح ”انقروی“ میں ہے: یعنی زائد کی ضمانت لے گا جس طرح ہم نے پہلے
”رملی“ سے نقل کر دیا ہے۔ اسی طرح وکیل کا معاملہ ہے جب وہ اسے مجہول چھوڑ کر مر گیا جس پر اس نے قبضہ کیا تھا جس طرح
اس سے اخذ کیا جاسکتا ہے جو یہاں ہے۔ ”خیری“ کے بعد ”حامدی“ نے اس کا فتویٰ دیا۔ ”بزازیہ“ کے کتاب الاجارہ میں
ہے مستاجر ضامن ہوگا جب وہ اسے مجہول چھوڑ کر مر گیا۔ ”سائحانی“۔

28836۔ (قوله: بِالنُّوْتِ) غرماء کے ہم پلہ ہوگا۔ ”بیری علی الاشباہ“۔

28837۔ (قوله: وَمُفَاوِضِ) اور جس طرح مرتبہ ہے ”انقروی“۔ ”حاشیہ“ میں اسی طرح ہے۔

فِي الْأَشْبَاهِ مِنْهَا (نَاطِرٌ أَوْ دَعَا غَلَّاتِ الْوَقْفِ ثُمَّ مَاتَ مُجْهَلًا)

جس طرح ”الاشباہ“ میں ہے۔ ان مسائل میں سے ہے نگران نے وقف کے محاصل کو ودیعت رکھا پھر اس کو مجہول چھوڑ کر مر گیا

28838۔ (قوله: عَلَى مَا فِي الْأَشْبَاهِ) اس کی عبارت یہ ہے: وصی جب مجہول چھوڑ کر مر گیا تو اس پر کوئی ضمانت نہ ہوگی جس طرح ”جامع الفصولین“ میں ہے۔ باپ جب اپنے بیٹے کے مال کو مجہول چھوڑ کر مر گیا اور وارث جب اسے مجہول چھوڑ کر مر گیا جو اس کے مورث کے ہاں ودیعت رکھی گئی تھی اور جب وہ اسے مجہول چھوڑ کر مر گیا جسے ہوانے اس کے گھر میں پھینک دیا تھا یا مالک نے اسے بتائے بغیر اس کے گھر میں چھوڑ دیا تھا۔ جب بچہ اسے مجہول چھوڑ کر مر گیا تھا جسے اس کے ہاں مجبور حالت میں ودیعت رکھا تھا، ملخص۔ یہ سات ہیں مصنف نے تین کا ذکر کیا پس یہ کل دس ہوئیں۔

28839۔ (قوله: أَوْ دَعَا) ”الدرر“ کی عبارت قبض ہے جب کہ وہ اولیٰ ہے۔ تامل

وقف کا محاصل کا موقوف علیہ مالک ہوتا ہے اگرچہ وہ اسے قبول نہ کرے

28840۔ (قوله: غَلَّاتِ الْوَقْفِ) میں کہتا ہوں: ”الولوالبحیہ“ اور ”بزازیہ“ میں مطلقاً واقع ہوا ہے۔ ”قاضی خان“

نے متولی مسجد کی قید لگائی ہے جب وہ مسجد کے محاصل لے اور وضاحت کے بغیر مر جائے۔

میں کہتا ہوں: مگر جب محاصل کسی قوم کے لیے شرط کی وجہ سے لازم ہوں تو مطلقاً ضامن ہوگا۔ اس کی دلیل یہ ہے ان سب کا اس پر اتفاق ہے جب گھر دو بھائیوں پر وقف ہوا ان میں سے ایک غائب ہو جائے اور دوسرا اس کے محاصل پر نو سال تک قبضہ کیے رکھے پھر حاضر مر جائے اور وصی چھوڑ جائے پھر غائب حاضر ہو اور وصی سے محاصل میں سے اپنے حصہ کا مطالبہ کرے فقیہ ”ابو جعفر“ نے کہا: اگر حاضر جس نے محاصل پر قبضہ کیا وہی قیم ہو مگر دونوں بھائیوں نے سب اجرت پر دیا تو حکم اسی طرح ہوگا۔ اگر حاضر نے وہ گھر اجرت پر دیا تو حکم میں اس کے تمام محاصل اس کے لیے ہوں اور یہ اس کے لیے پاکیزہ نہ ہوگا۔ الخ۔ کلامہ میں کہتا ہوں: مسجد کے محاصل کے ساتھ اسے بھی لاحق کیا جائے گا جب یہ شرط لگائی ہو کہ آبادی کے لیے کچھ شے نگران کے قبضہ میں رہے واللہ تعالیٰ اعلم۔ ”بیری علی الاشباہ“۔

حقیر پر تقصیر کہتا ہے: یہ ان کے قول سے مستفاد ہے: وقف کے محاصل اور جو وکیل کے قبضہ میں ہے یہ وقف کا محاصل نہیں بلکہ شرط کی وجہ سے مستحقین کا مال ہے۔ ”الاشباہ“ میں ملکیت کے حوالے سے یہ کہا: وقف کا محاصل کا موقوف علیہ مالک ہوتا ہے اگرچہ وہ اسے قبول نہ کرے۔ یہ ”منلا علی“ کے ”مجموعہ“ جو کتاب الوقف کے آخر میں ہے سے ملخص ہے۔ یہ اس وقت نقل کیا جب ان سے متولی کے وکیل کے بارے میں سوال کیا گیا جب وہ مجہول چھوڑ کر مر گیا وہ ضامن ہوگا۔

میں کہتا ہوں: ”البحر“ میں باب دعویٰ الرجلین میں یہ ذکر کیا گیا ہے کہ محاصل کا دعویٰ یہ ملک کے دعویٰ میں سے ہے۔ پس اس کی طرف رجوع کیجئے۔ ہم نے اس کی طرف اشارہ کیا ہے پس اس کی طرف رجوع کیجئے۔ اس سے یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ مصنف اور شارح کا اطلاق تقیید کے محل میں ہے۔ ”انفع المسائل“ کی آنے والی عبارت اس کا فائدہ دیتی ہے۔ پس اس پر

فَلَا يَضُنُّ، قُيِّدَ بِالْغَلَّةِ لِأَنَّ النَّاطِقَ لَوْ مَاتَ مُجْهَلًا لِمَالِ الْبَدَلِ ضَمِنَهُ أَشْبَاهُ أُنَى لِشَمَنِ الْأَرْضِ
الْمُسْتَبْدَلَةِ قُلْتُ فَلِعَيْنِ الْوَقْفِ بِالْأَوَّلَى كَالدَّرَاهِمِ الْمَوْقُوفَةِ عَلَى الْقَوْلِ بِجَوَازِهِ قَالَهُ الْمُصَنِّفُ وَأَقَرَّهُ
ابْنُهُ فِي الزَّوَاهِرِ وَقُيِّدَ مَوْتُهُ بِحُثٍّ بِالْفَجْأَةِ فَلَوْ بَمَرَضٍ وَنَحْوِهِ ضَمِنَ لِتَمَكُّنِهِ مِنْ بَيَانِهَا فَكَانَ مَانِعًا لَهَا
ظُلْمًا فَيَضُنُّ وَرَدَّ مَا بَحَثَهُ فِي أَنْفَعِ الْوَسَائِلِ فَتَتَبَّهَ (و) مِنْهَا قَاضٍ مَاتَ مُجْهَلًا لِأَمْوَالِ الْيَتَامَى زَادَ
فِي الْأَشْبَاهِ عِنْدَ مَنْ أَوْدَعَهَا، وَلَا بُدَّ مِنْهُ لِأَنَّهُ لَوْ وَضَعَهَا فِي بَيْتِهِ، وَمَاتَ مُجْهَلًا

تو وہ ضامن نہیں ہوگا یہاں غلہ (محاصل) کی قید لگائی ہے۔ کیونکہ اگر نگران اگر بدل کے مال کو مجہول چھوڑ کر مر گیا تو اس کا
ضامن ہوگا، ”اشباہ“۔ بدل سے مراد اس زمین کی شمن ہے جسے بدلا گیا۔ میں کہتا ہوں: تو وقف کے عین کو مجہول چھوڑ کر مر گیا تو
بدرجہ اولیٰ ضامن ہوگا جس طرح ایسے دراہم جن کو وقف کیا گیا تھا یہ اس کے قول کے مطابق ہے جو اس کے جواز کا قول کرتا ہے
یہ مصنف نے قول کیا ہے اور ان کے بیٹے نے ”الزوائد“ میں اسے ثابت کیا ہے اور بحث کرتے ہوئے موت کو اچانک وقوع
کے ساتھ قید لگائی ہے اگر موت مرض وغیرہ سے ہو تو ضامن ہوگا۔ کیونکہ اس کا بیان کرنا ممکن ہے۔ پس وہ ظلماً اس سے مانع ہوگا
پس وہ ضامن ہوگا۔ ”انفع المسائل“ میں جو بحث کی ہے اسے روکیا ہے پس اس پر متنبہ ہو جائیے۔ اور ان میں سے ایک مسئلہ یہ
ہے ایک قاضی یتیموں کے اموال کو مجہول چھوڑ کر مر گیا، ”الاشباہ“۔ میں یہ اضافہ کیا ہے جس کے پاس اس نے ودیعت رکھی اس
کا ذکر نہ کیا اور اس کے سوا کوئی چارہ کار نہ ہو۔ کیونکہ اگر اس نے اسے اپنے گھر میں رکھا اور مر گیا جب کہ مجہول چھوڑ گیا

متنبہ ہو جائیے۔

28841۔ (قوله: الْمُصَنِّفُ) یعنی ”المنح“ میں مصنف کا یہ قول ہے۔

28842۔ (قوله: ابْنُهُ) اس سے مراد مصنف کے بیٹے شیخ ”صالح“ ہیں۔

28843۔ (قوله: بِالْفَجْأَةِ) کیونکہ وہ وضاحت بیان پر قادر نہ تھا پس وہ ظلم کرتے ہوئے روکنے والا نہیں۔

میں کہتا ہوں: یہ مسلم ہے اگر وہ قبضہ کرنے کے بعد اچانک مر گیا۔ تاہل

28844۔ (قوله: فِي أَنْفَعِ الْوَسَائِلِ) یعنی اگر مستحقین کی طلب واقع ہوئی اور اس نے تاخیر کی یہاں تک کہ مجہول چھوڑ

کر مر گیا تو ضامن ہوگا اگر وہ طلب نہ کریں: تو امانت کے بارے میں محمود و معروف یہ ہے کہ وہ ضامن نہ ہوگا اگر ایسا نہ ہو اور وہ
مانع شرعی کے بغیر انہیں عطا نہ کرے تو ضامن ہوگا۔ رد کا حاصل یہ ہے کہ یہ قول اس کے مخالف ہے جس پر اہل مذہب ہیں کہ ضمان
مطلقاً لازم ہوگی وہ محمود ہو یا نہ ہو۔ ”الاسماعیلیہ“ میں فتویٰ دیا ہے کہ ناظر ضامن ہوگا جب وہ اس وقت مرجائے جب مستحق نے
استحقاق طلب کیا اور ظلم کرتے ہوئے روک لیا اس کی وجہ ظاہر ہے کیونکہ منع کرنے کی صورت میں امانت کی ضمانت ہوتی ہے۔

28845۔ (قوله: وَ مِنْهَا قَاضٍ) اگر قاضی نے اپنی زندگی میں کہا: میرے پاس یتیم کا مال ضائع ہو گیا: یا کہا میں

نے اسے یتیم پر خرچ کر دیا تو اس پر کوئی ضمان نہیں ہوگی۔ اگر کوئی قول کرنے سے پہلے مر گیا تو وہ ضامن ہوگا ”خانیہ“ کتاب

ضَمِنَ لِأَنَّهُ مُودَعٌ، بِخِلَافِ مَا لَوْ أُوْدِعَ غَيْرُهُ لِأَنَّ لِلْقَاضِي وَلَايَةَ إِيدَاعِ مَالِ الْيَتِيمِ عَلَى الْمُعْتَمَدِ كَمَا فِي تَنْوِيرِ الْبَصَائِرِ فَلْيُحْفَظْ (و) مِنْهَا (سُلْطَانُ أُوْدِعَ بَعْضَ الْغَنِيمَةِ عِنْدَ غَازٍ ثُمَّ مَاتَ مُجْهَلًا) وَلَيْسَ مِنْهَا مَسْأَلَةُ أَحَدٍ الْمُتَفَاوِضِينَ عَلَى الْمُعْتَمَدِ لِمَا نَقَلَهُ الْمُصَنِّفُ هُنَا، وَفِي الشَّرِكَةِ عَنْ وَقْفِ الْخَانِيَّةِ أَنَّ الصَّوَابَ أَنَّهُ يَضْمَنُ نَصِيبَ شَرِيكِهِ بِمَوْتِهِ مُجْهَلًا وَخِلَافُهُ غَلَطٌ قُلْتُ وَأَقْرَأُ مُحَشُّوْهَا فَبَقِيَ الْمُسْتَشْنَى تِسْعَةً فَلْيُحْفَظْ وَزَادَ الشُّرَنْبِلَالِيُّ فِي شَرْحِهِ لِلْوَهْبَانِيَّةِ عَلَى الْعَشْرَةِ تِسْعَةَ الْجَدِّ وَوَصِيَّهُ وَوَصِيُّ الْقَاضِي، وَسِتَّةٌ مِنَ الْمَحْجُورِينَ،

تو وہ ضامن ہوگا۔ کیونکہ وہ مودع ہے بخلاف اس کے کہ اس نے غیر کے ہاں ودیعت رکھی۔ کیونکہ قاضی کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ یتیم کا مال کسی کے ہاں ودیعت رکھے یہ قابل اعتماد قول ہے جس طرح ”تنویر البصائر“ میں ہے۔ پس اسے یاد رکھنا چاہیے۔ اور ان میں سے ایک مسئلہ یہ ہے سلطان نے کچھ غنیمت غازی کے پاس رکھی پھر مجہول چھوڑ کر وہ مر گیا قابل اعتماد قول کے مطابق متفاو ضین میں سے ایک کا مسئلہ ان میں سے نہیں ہے۔ کیونکہ مصنف نے اسے یہاں اور کتاب الشرح میں ”الخانیہ“ کے کتاب الوقف سے نقل کیا ہے کہ صحیح یہ ہے کہ وہ اپنے شریک کے حصہ کا ضامن ہوتا ہے جب وہ مجہول چھوڑ کر مر جائے اس کے برعکس غلط ہے۔ میں کہتا ہوں: اس کا حاشیہ لکھنے والوں نے اسے ثابت رکھا ہے پس مستثنیٰ نورہ گئے پس اسے یاد رکھا جائے ”شرنبلالی“ نے ”وہبانیہ“ کی اپنی شرح میں دس پر نو کا اضافہ کیا ہے۔ دادا، اس کا وصی، قاضی کا وصی اور چھ مجبوروں میں سے

الوقف میں ہے۔ ”حاشیہ“ میں اسی طرح ہے۔

28846۔ (قوله: ضَمِنَ) شاید ضمان کی وجہ یہ ہے کہ ودیعت وارثوں تک تجاوز نہ کرے۔ پس چٹی منفعت کے بدلے میں ہوتی ہے اس سے یہ امر ظاہر ہوتا ہے کہ وصی جب یتیم کا مال اپنے گھر میں رکھے اور مجہول چھوڑ کر مر جائے تو ضامن ہوگا۔ کیونکہ اس کی ولایت کبھی قاضی سے مدد طلب کرتی ہے یا باپ سے مدد طلب کرتی ہے تو اس کی ضمان بدرجہ اولیٰ مدد طلب کرے گی۔ ”خیر یہ“ میں ہے وصی میں ضمان کا قول ہے۔ ”سامحانی“۔

28847۔ (قوله: أَقْرَأُ) ضمیر سے مراد صواب ہے۔ یعنی اس کے صحیح ہونے کو ثابت رکھا ہے۔

28848۔ (قوله: مُحَشُّوْهَا) ضمیر سے مراد ”الاشباہ“ ہے۔

28849۔ (قوله: تِسْعَةً) متفاو ضین میں سے ایک کو خارج کرنے کے ساتھ۔

28850۔ (قوله: وَوَصِيَّهُ) ”الاشباہ“ کے قول میں وصی داخل ہے۔ مگر یہ کہا جائے کہ یہ باپ کے وصی پر محمول ہوگا

تاکہ ایضاح کے لیے قصد تفصیل کا بیان ہو۔ تامل

28851۔ (قوله: وَسِتَّةٌ مِنَ الْمَحْجُورِينَ) وہ صغیر کے علاوہ ہیں صغیر کو ساقط کر دیا ہے کیونکہ وہ ”الاشباہ“ میں مذکور

ہے مراد یہ ہے جو ”الاشباہ“ پر زائد ہے۔ فافہم

لَإِنَّ الْحَجَرَ يَشْمَلُ سَبْعَةَ فَإِنَّهُ لِيَصْغِرَ وَرَقِي وَجُنُونٍ وَغَفْلَةٍ وَذَيْنِ وَسَفَهٍ وَعَتِيٍّ وَالْمَعْتُوهُ كَصَبِيٍّ وَإِنْ بَدَغُ ثُمَّ
مَاتَ لَا يَضْمَنُ إِلَّا أَنْ يَشْهَدُوا أَنَّهَا كَانَتْ فِي يَدِهِ بَعْدَ بُلُوغِهِ لِرِزْوَالِ الْمَانِعِ، وَهُوَ الصَّبَا فَإِنْ كَانَ الصَّبِيُّ
وَالْمَعْتُوهُ مَأْذُونًا لَهَا ثُمَّ مَاتَا قَبْلَ الْبُلُوغِ وَالْإِفَاقَةِ ضَمِنَا كَذَا فِي شَرْحِ الْجَامِعِ الْوَجِيزِ قَالَ قَبَدَغُ
تِسْعَةَ عَشَرَ وَنَظَّمَ عَاطِفًا عَلَى بَيْتِي الْوَهْبَانِيَّةِ بَيَّتَيْنِ وَهِيَ

وَكُلُّ أَمِينٍ مَاتَ وَالْعَيْنُ يَحْضُرُ وَمَا وَجَدَتْ عَيْنًا قَدِئْنَا تُصَيِّرُ
سِوَى مُتَوَلَّى الْوَقْفِ ثُمَّ مُفَاوِضٍ وَمُودِعٍ مَالِ الْغَنَمِ وَهُوَ الْمُؤَمَّرُ

کیونکہ حجر سات کو شامل ہوتا ہے۔ کیونکہ حجر صغر، غلامی، جنون، غفلت، دین سفہ اور عتہ سے واقع ہوتا ہے اور معتوہ بچے کی
طرح ہے۔ اگر وہ بالغ ہو جائے پھر وہ مرجائے تو وہ ضامن نہیں ہوگا مگر وہ گواہی دیں کہ وہ امانت، بالغ ہونے کے بعد، اس
کے قبضہ میں تھی۔ کیونکہ مانع زائل ہو چکا ہے جو بچہ ہے۔ اگر بچے اور معتوہ کو اجازت دی گئی تھی پھر دونوں بلوغ اور ضمنا
افاقہ سے پہلے مر گئے، ”شرح جامع وجیز“ میں اسی طرح ہے کہا: اور وہ انیس کو پہنچ گئے اور ”وہبانیہ“ کے دو شعروں پر عطف
کرتے ہوئے دو شعروں کو نظم کیا ہے وہ یہ ہیں: ہر امین جو مر گیا اور عین کا نگہبان تھا اور جو عین پایا گیا تو وہ دین ہو جاتا ہے
سوائے وقف کے متولی پھر مفاوض، مال غنیمت کے مودع اور اس سے مراد امیر لشکر ہے

28852۔ (قوله: يَشْمَلُ سَبْعَةً) تاکہ اس میں غور کیا جائے جو سات سے خارج ہے یہاں تک کہ وہ چہرہ جائیں۔

28853۔ (قوله: فَإِنَّهُ لِيَصْغِرَ) صغیر کا مسئلہ ان دس مسائل میں سے ہے جن کا ذکر ”الاشباہ“ میں ہے مگر یہ کہا جائے:

یہاں اس کا شمار اس قول: وان بدغ ثم مات لا يضمن کا اعتبار کرتے ہوئے کیا ہے، تامل۔ پھر میرے لیے یہ امر ظاہر ہوا کہ
اس سے مراد محض مجوروں کو سات شمار کرنا ہے اور ان میں سے چھ صغیر کے علاوہ ہیں۔ کیونکہ وہ ”الاشباہ“ میں مذکور ہے۔ اسی
وجہ سے کہا: مجوروں میں سے چھ۔

28854۔ (قوله: وَذَيْنِ) دین یہ دال کے فتح اور یا کے سکون کے ساتھ ہے۔

28855۔ (قوله: كَصَبِيٍّ) شاید اس تشبیہ سے اس امر کی طرف اشارہ کرنے کا قصد کیا ہے جو ”الوجیز“ سے آئے گا۔ تامل

”تلخیص الجامع“ میں کہا: ایک ایسے مجور بچے کو ودیعت دی جو سمجھ بوجھ رکھتا ہے جو بارہ سال کا ہے اور بالغ ہونے سے
پہلے مر گیا جب کہ اسے مجہول چھوڑ گیا تو ضمان واجب نہ ہوگی۔ ”س“۔

28856۔ (قوله: وَإِنْ بَدَغُ) ضمیر سے مراد بچہ ہے۔

28857۔ (قوله: يَحْضُرُ) یعنی وہ حفاظت کرتا ہے اس کا مفعول العین ہے جو اس سے ماقبل ہے۔

28858۔ (قوله: تُصَيِّرُ) یہ مجہول کا صیغہ ہے۔

28859۔ (قوله: مُفَاوِضٍ) یہ معتمد کے خلاف ہے جس طرح پہلے بیان کیا ہے۔

28860۔ (قوله: وَمُودِعٍ) یہ دال کے کسرہ کے ساتھ ہے۔ المؤمریہ دوسری میم کی شد کے ساتھ ہے۔

وَصَاحِبِ دَارِ أَلْقَتِ الرِّيحُ مِثْلَ مَا لَوْ أَلْقَاهُ مُلَّاكٌ بِهَا لَيْسَ يَشْعُرُ
كَذَا وَالِدٌ جَدًّا وَقَاضٍ وَصِيَّهُمْ جَمِيعًا وَمَحْجُورٌ فَوَارِثٌ يُسْطَرُّ
(وَكَذَا لَوْ خَلَطَهَا الْمُوَدَّعُ) بِجَنْسِهَا أَوْ بِغَيْرِهِ (بِمَالِهِ) أَوْ مَالِ آخَرِ ابْنٍ كَمَالٍ (بِغَيْرِ إِذْنِ) النَّبَالِكِ

اور گھر کا مالک، ہوانے اس کی مثل کوئی چیز پھینک دی۔ اگر اس کے مالک اس کے گھر میں رکھ دیں جس کا وہ شعور نہ رکھتا ہو۔ اسی طرح والد، دادا، قاضی، ان سب کا وصی اور مجبور اور اس کے بعد وارث مرقوم ہے۔ اسی طرح کا حکم ہوگا اگر مودع اس ودیعت کو اس کی جنس یا غیر جنس کی صورت میں اپنے مال سے ملادے، ”ابن کمال“۔ جب کہ مالک کی اجازت نہ ہو اور اس طرح ملادے کہ

28861۔ (قوله: لَوْ أَلْقَاهُ) یہ واؤ کے فتح اور لام کے ساتھ وصل کے ساتھ ہے۔

28862۔ (قوله: بِهَا) ضمیر سے مراد الدار ہے۔

28863۔ (قوله: يَشْعُرُ) اس میں صاحب ”الاشباہ“ کی پیروی کی ہے۔ کیونکہ کہا: بغیر علیہ۔ ”حموی“ نے اس پر اعتراض کیا ہے کہ صحیح بغیر امرہ ہے جس طرح ”شرح الجامع“ میں ہے۔ کیونکہ جس کا علم نہ رکھتا ہو اس کو مجہول رکھنا محال ہے پس اس پر لازم تھا کہ وہ اشعار میں کہتالیس یا امر۔

28864۔ (قوله: كَذَا وَالِدٌ) یہ لفظ رفع اور تنوین کے ساتھ ہے جیسے جد۔

28865۔ (قوله: وَقَاضٍ) یہ لفظ یا اور تنوین کے حذف کے ساتھ ہے۔

28866۔ (قوله: وَصِيَّهُمْ) یہ رفع کے ساتھ ہے۔

28867۔ (قوله: وَمَحْجُورٌ) اگر مجبور سے مراد وہ چھ ہیں جس طرح پہلے ذکر کیا ہے تو پھر نظم میں موجود مجبور سترہ ہوں گے۔ تامل

28868۔ (قوله: فَوَارِثٌ) جب وہ اسے مجہول چھوڑ کر مر جائے جس ودیعت کے بارے میں مورث نے اسے بتایا تھا۔

متولی، قاضی، وصی اور ایجنٹ ودیعت کے مال کو اپنے مال کے ساتھ ملادے تو ضامن نہیں ہوگا

28869۔ (قوله: وَكَذَا لَوْ خَلَطَهَا) اگر متولی نے اپنے مال کو وقف کے مال کے ساتھ خلط ملط کر دیا تو ضامن نہیں

ہوگا۔ ”خلاصہ“ میں ہے: ضامن ہوگا۔ ضمان سے نکلنے کا طریقہ یہ ہے کہ اسے مسجد کی ضروریات پر صرف کر دیا جائے یا وہ مال حاکم کے حوالے کر دیا جائے۔ ”منتقى“۔

قاضی نے اگر بچے کا مال اپنے مال کے ساتھ ملایا تو وہ ضامن نہیں ہوگا۔ اسی طرح ایجنٹ ایک آدمی کے مال کو دوسرے آدمی کے مال کے ساتھ ملادیتا ہے۔ اگر وہ اپنے مال کے ساتھ ملائے تو وہ ضامن نہیں ہوگا چاہے کہ متولی اسی طرح ہو اور وصی جب اسے مجہول چھوڑ کر مر جائے تو ضامن نہیں ہوگا اگر وہ اپنے مال کے ساتھ ملادے تو ضامن ہوگا۔

(بِحَيْثُ لَا تَتَسَيَّنُ إِلَّا بِكُفَّةٍ كَحِنْطَةٍ بِشَعِيرٍ وَدَرَاهِمَ جِيَادٍ بِزُيُوفٍ مُجْتَبَى (صِنَّهَا) لَا سِتْهَلَاكِه بِالْخُلْطِ لَكِنْ لَا يُبَاحُ تَنَاوُلُهَا قَبْلَ أَدَاءِ الضَّمَانِ، وَصَحَّ الْإِبْرَاءُ وَلَوْ خَلَطَهُ بِرَدَىءٍ ضَمْنَهُ لِأَنَّهُ عَيْبُهُ وَبِعَكْسِهِ شَرِيكَ

وہ الگ نہ ہو سکے مگر مشقت کے ساتھ الگ ہو جیسے گندم کو جو سے ملا دے عمدہ دراہم کو زیوف کے ساتھ ملا دے، ”مجتبیٰ“۔ تو اس ودیعت کا وہ ضامن ہوگا۔ کیونکہ ملانے کے ساتھ اس نے جان بوجھ کر ہلاک کیا ہے لیکن ضمان ادا کرنے سے قبل اس کا لینا مباح نہیں اور بری کرنا صحیح ہوگا اگر اسے ردی کے ساتھ ملا دے تو ضامن ہوگا۔ کیونکہ اس نے اسے عیب ناک کر دیا ہے اس کے برعکس وہ اس کا شریک ہو جائے گا

یہ بندہ حقیر کہتا ہے: ”منتفی“ سے بھی منقول گزر چکا ہے۔ اگر وصی اگر اپنے مال کو یتیم کے مال کے ساتھ خلط ملط کر دیتا ہے تو ضامن نہ ہوگا۔

”الوجیز“ میں بھی ہے: امام ”ابو یوسف“ رحمہ اللہ نے کہا: جب وصی یتیم کے مال کو اپنے مال کے ساتھ ملا دیتا ہے اور وہ مال ضائع ہو جاتا ہے تو ضامن نہ ہوگا۔ ”نور العین“ یا چھبیسویں کے آخر میں یہ ”سامحانی“ کی تحریر ہے جو ”خیر“ سے منقول ہے۔ وصی میں ضمان کا قول ہے میں کہتا ہوں: پس اس نے یہ فائدہ دیا کہ جس کو ترجیح دی گئی ہے وہ یہ ہے کہ ضمان نہ ہوگی۔

حاصل کلام یہ ہے: جو اپنے مال کے ساتھ خلط ملط کرنے سے ضامن نہیں ہوتا وہ متولی، قاضی اور ایجنٹ ہے جو دوسرے آدمی کے مال کے ساتھ ملا دیتا ہے اور وصی ہے چاہے کہ باپ بھی اسی طرح ہو۔ ”جامع الفصولین“ میں جو قول ہے وہ اس کی تائید کرتا ہے باپ اپنے بیٹے کا مال لے لے تو وہ غاصب نہیں ہوتا اسے بغیر شے کے بدلے میں بیٹے کا مال لینے کا حق ہے اگر وہ محتاج ہو مگر جب وہ اس مال کو حفاظت کے ارادہ سے لیتا ہے تو وہ ضامن نہیں ہوتا مگر جب وہ ضرورت کے بغیر اسے تلف کر دے بلکہ یہ وصی سے زیادہ ولایت رکھتا ہے۔ تامل

ولدہ سے مراد ولد صغیر ہے جس طرح ”الفصول العمدیہ“ میں یہ قید لگائی ہے۔

28870۔ (قوله: لَا تَتَسَيَّنُ) اگر آسانی سے اس تک رسائی حاصل کرنا ممکن ہو جس طرح بادام کو اخروٹوں سے مل دیا جائے اور سیاہ درہم کو سفید درہم کے ساتھ ملا دیا جائے تو بالا جماع مالک کا حق منقطع نہیں ہوتا۔ اس سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ عدم تمیز سے مراد آسانی سے تمیز نہ کر سکتا ہے نہ کہ مطلقاً ممکن نہ ہونا ہے۔ ”بحر“۔

28871۔ (قوله: لَا سِتْهَلَاكِه) جب وہ اس کی ضمان دے دے گا تو اس ودیعت کا مالک ہو جائے گا اور ضمان کی ادائیگی سے قبل اس کے لیے مباح نہیں۔ امام ”ابو حنیفہ“ رحمہ اللہ کے نزدیک مالک کا اس پر کوئی اختیار نہیں۔ اگر وہ اس کو بری کر دے تو عین اور دین سے اس کا حق ساقط ہو جائے گا۔ ”بحر“۔

28872۔ (قوله: خَلَطَهُ) جید کو ملا دیا۔

28873۔ (قوله: شَرِيكَ) اس کی مثل مصنف نے ”المجتبیٰ“ سے نقل کیا ہے۔ شاید یہ غیر ودیعت میں ہو یا یہ سابقہ قول

لِعَدَمِهِ مُجْتَبَى (وَإِنْ بِإِذْنِهِ اشْتَرَاكَ) شِرْكَةً أَمْلَاكَ (كَمَا لَوْ اخْتَلَطَتْ بِغَيْرِ صُنْعِهِ) كَأَنَّ انْشَقَّ الْكَيْسُ
لِعَدَمِ التَّعْدِي وَلَوْ خَلَطَهَا غَيْرُ الْمُدْعِ ضَمِنَ الْخَالِطُ وَلَوْ صَغِيرًا، وَلَا يَضْمَنُ أَبُوهُ خُلَاصَةً (وَلَوْ أَنْفَقَ
بَعْضُهَا فَرَدُّ مِثْلُهُ فَخَلَطَهُ بِالْبَاقِي) خَلَطًا لَا يَتَمَيَّزُ مَعَهُ (ضَمِنَ) الْكُلَّ لِيَخْلُطَ مَالُهُ بِهَا فَلَوْ تَأَتَّى التَّيْيِيزُ أَوْ
أَنْفَقَ، وَلَمْ يَرُدَّ أَوْ أَوْدِعَ وَدِيعَتَيْنِ

کیونکہ عیب دور کرنا نہیں پایا گیا، ”مجتبائی“۔ اگر مالک کی اجازت سے اس نے ملایا ہو تو دونوں شرکت املاک کی صورت میں
شریک ہوں گے جس طرح اگر وہ ودیعت مودع کے عمل کے بغیر مل جائے اس کی صورت یہ ہوگی کہ تھیلا پھٹ جائے یہاں
ضمانت اس لیے نہیں ہوگی۔ کیونکہ تعدی نہیں پائی گئی اگر غیر مودع نے اسے خلط ملط کر دیا تو ملانے والا ضامن ہوگا اگرچہ وہ چھوٹا
ہو اور اس کا باپ ضامن نہ ہوگا، ”خلاصہ“۔ اگر اس نے ودیعت کا بعض خرچ کر دیا اور پھر اس کی مثل واپس لوٹا دیا اور باقی ماندہ
کے ساتھ اسے ایسا خلط ملط کر دیا کہ اس کے ساتھ تمیز نہ ہو سکتی ہو تو سب کا ضامن ہوگا۔ کیونکہ اس نے اپنا مال اس ودیعت
کے ساتھ ملا دیا ہے اگر تمیز ہو سکتی ہو یا اس نے مال خرچ کیا اور مال واپس نہ لوٹا یا یا اس کے پاس دو ودیعتیں رکھی گئیں

کے مقابل ہے کہ ودیعت میں خلط ملط کرنا یہ مطلقاً ضمان کو واجب کرتا ہے جب اس میں تمیز نہ ہو سکے۔ ”ط“۔

28874۔ (قوله: لِعَدَمِهِ) یعنی اس میں عیب نہیں تعیب یہ عیبہ کا مفہوم ہے۔

28875۔ (قوله: بِغَيْرِ صُنْعِهِ) اگر وہ ہلاک ہو تو دونوں کے مال سے ہلاک ہوگا اور باقی ماندہ کو ان کے درمیان تقسیم

کر دیا جائے گا۔ اسی حساب سے جس قدر ان دونوں کا مال تھا جس طرح مال مشترک ہے۔ ”بحر“۔

28876۔ (قوله: غَيْرُ الْمُدْعِ) خواہ وہ اجنبی ہو یا اس کے عیال میں سے ہو۔ ”بحر“ میں ”خلاصہ“ سے مروی ہے۔

28877۔ (قوله: فَرَدُّ مِثْلُهُ) ”ابن سماعہ“ نے امام ”محمد“ رحمہ اللہ سے ایسے آدمی کے بارے میں روایت نقل کی ہے

جس نے دوسرے آدمی کو ہزار درہم ودیعت کیے اس آدمی نے اس کے ساتھ کوئی چیز خریدی اور وہ درہم دے دیے پھر ہبہ یا
شرا کے ساتھ انہیں واپس لے لیا اور انہیں ان کی جگہ واپس کر دیا تو وہ ضائع ہو گئے تو وہ ضامن نہیں ہوگا۔ امام ”محمد“ رحمہ اللہ سے
مروی ہے: یا ودیعت کے مالک کے کہنے پر اس نے وہ پیسے غریم کو دے دیے تو اس غریم نے انہیں زیوف پایا اس نے وہ
درہم مودع کو واپس کر دیے تو وہ ہلاک ہو گئے تو مودع ضامن ہوگا۔ ”تا ترخانہ“۔

28878۔ (قوله: الْكُلُّ) بعض خرچ کرنے اور بعض خلط ملط کرنے کے ساتھ۔ ”س“۔ ”بحر“۔

28879۔ (قوله: التَّيْيِيزُ) جس طرح سیاہ درہم کو سفید درہم کے ساتھ ملا دیتا ہے یا درہم کو دانیر کے ساتھ ملا دیتا

ہے تو بالا جماع مالک کا حق منقطع نہیں ہوتا ”مسکین“، ”س“۔

28880۔ (قوله: وَلَمْ يَرُدَّ) یہ لفظ دال کی تشدید کے ساتھ ہے۔

28881۔ (قوله: أَوْ أَوْدِعَ) یہ ہمزہ کے ضمہ کے ساتھ ہے۔

فَأَنْفَقَ إِحْدَاهُمَا ضِمْنَ مَا أَنْفَقَ فَقَطَّ مُجْتَبَىٰ وَهَذَا إِذَا لَمْ يَضُرَّهُ التَّبْعِيُّضُ (وَإِذَا تَعَدَّى عَلَيْهَا فَلَيْسَ ثَوْبَهَا أَوْ رَكِبَ دَابَّتْهَا أَوْ أَخَذَ بَعْضَهَا ثُمَّ رَدَّ عَيْنَهُ إِلَى يَدِهِ حَتَّى (زَالَ التَّعْدِي زَالَ) مَا يُؤَدِّي إِلَى (الضَّمَانِ) إِذَا لَمْ يَكُنْ مِنْ نِيَّتِهِ الْعَوْدُ إِلَيْهِ أَشْبَاهُ مِنْ شُرُوطِ النِّيَّةِ (بِخِلَافِ الْمُسْتَعِيرِ وَالْمُسْتَأْجِرِ) فَلَوْ أَزَالَ لَمْ يَبْرَأْ لِعَمَلِهَا لِأَنَّفْسِهَا بِخِلَافِ مُودِعِ

تو ان دونوں میں سے ایک نے خرچ کر دیا تو صرف اس کا ضامن ہوگا جو اس نے خرچ کیا ہے، ”مجتبیٰ“۔ یہ اس صورت میں ہے جب تقسیم نقصان نہ دے۔ جب وہ اس ودیعت پر تعدی کرے اور ودیعت کا کپڑا زیب تن کر لے یا اس کی سواری پر سوار ہو جائے یا اس کے بعض کو لے لے پھر اس کے عین کو اپنے قبضہ کی طرف لوٹا دے یہاں تک کہ تعدی زائل ہو جائے تو وہ بھی زائل ہوگئی جو ضمان کی طرف لے جاتی ہے جب اس کی نیت میں اس امر کی طرف لوٹنا نہ ہو۔ ”اشباہ“ کے شروط النیۃ میں یہ ہے۔ مستعیر اور مستاجر کا معاملہ مختلف ہے۔ اگر وہ دونوں اسے زائل کر دیں تو بری نہ ہوں گے۔ کیونکہ دونوں نے اپنی ذات کے لیے عمل کیا۔ بخلاف مودع

28882۔ (قوله: وَهَذَا) یہ ان کے قول او انفق ولم يرد کے ساتھ مرتبط ہے جس طرح ”البحر“ میں ہے۔ ”طحاوی“ نے کہا: میں نے اس بارے میں کوئی قول نہیں دیکھا جب وہ یہ عمل اس میں کرے جس میں تقسیم اس و نقصان پہنچاتی ہو تو کہا: وہ سب مال کا ضامن ہوگا یا جو مال اس نے لیا ہے اس کا ضامن ہوگا اور باقی کے نقصان کا ضامن ہوگا۔ فیر

28883۔ (قوله: التَّبْعِيُّضُ) جیسے الدراہم، دنانیر، مکیل اور موزون۔

28884۔ (قوله: أَشْبَاهُ) اس کی عبارت ہے: مودع جب تعدی کرے پھر تعدی زائل ہو جائے اور اس کی نیت یہ ہو کہ وہ دوبارہ ایسا کرے تو تعدی زائل نہ ہوگی الخ۔ ”حاشیہ“ میں اسی طرح ہے۔

28885۔ (قوله: مِنْ شُرُوطِ النِّيَّةِ) یہاں ”البحر“ میں ”الظہیر“ سے نقل کیا ہے کہا: یہاں تک کہ اگر وہ ودیعت کا کپڑا رات کو اتار لے اور اس کا عزم یہ ہو کہ وہ دن کے وقت پہن لے گا پھر اس کا وہ کپڑا رات کے وقت چوری کر لیا گیا تو وہ ضمان سے بری نہیں ہوگا۔

28886۔ (قوله: وَالْمُسْتَأْجِرِ) چوپائے کے مستاجر یا اسے عاریت لینے والے نے یہ نیت کی کہ وہ اسے واپس نہیں کرے گا پھر وہ شرمندہ ہوا اگر نیت کے وقت چل رہا تھا تو ضامن ہوگا اگر نیت کے بعد وہ چیز ہلاک ہوئی مگر جب وہ رہا ہو جب اس نے مخالفت کی نیت کو ترک کر دیا تو رہن کی حیثیت سے لوٹے گا۔ ”جامع الخصولین“۔

28887۔ (قوله: فَلَوْ أَزَالَ) اگر وہ تعدی کو زائل کر دیں۔

28888۔ (قوله: بِخِلَافِ مُودِعِ الْخ) اگر وہ ایک ماہ تک حفاظت پر مامور تھا تو ایک ماہ زائد کیا پھر اسے اس میں لایا پھر اس کے استعمال کو ترک کر دیا اور وہ حفاظت کی طرف لوٹ آیا تو جب لوٹے کا تو ضامن ہوگا جب کہ حفاظت کا امر زائل ہو

وَوَكِيلٍ بَيْعٍ أَوْ حِفْظٍ أَوْ إِجَارَةٍ أَوْ اسْتِجَارَةٍ وَمُضَارِبٍ وَمُسْتَبْذِعٍ وَشَرِيكَ عِنَانٍ أَوْ مُفَاوَضَةٍ وَمُسْتَعِيرٍ لِرَهْنٍ أَشْبَاهَ وَالْحَاصِلُ أَنَّ الْأَمِينَ إِذَا تَعَدَّى ثُمَّ أزالَهُ لَا يَزُولُ الضَّمَانُ إِلَّا فِي هَذِهِ الْعَشْرَةِ لِأَنَّ يَدَهُ

اور بیع، حفظ، اجارہ یا استجارہ کے وکیل کے، مضارب، مستبذع، عنان یا مفاوضہ کے شریک کے اور جس نے گروی رکھنے کے لیے کوئی چیز رہن رکھی، ”اشباہ“۔ حاصل یہ ہے کہ بے شک امین جب تعدی کرے پھر اسے زائل کر دے تو ضمان زائل نہیں ہوگی مگر ان دس صورتوں میں ضمان زائل ہو جائے گی۔ کیونکہ اس کا قبضہ

چکا ہے۔ ”جامع الفصولین“۔

28889۔ (قوله: وَوَكِيلٍ) جس کی بیع کا اسے وکیل بنایا اس سے کام لیا پھر چھوڑ دیا وہ چیز ضائع ہوگئی تو ضامن نہ ہوگا۔

28890۔ (قوله: أَوْ إِجَارَةٍ) اس کی صورت یہ ہے کہ اس نے اسے وکیل بنایا کہ وہ اجرت پردے یا اس کے لیے جانور اجرت پر لے وہ اس پر سوار ہوا پھر اس کو ترک کیا۔

جب ملک کا شریک تعدی کرے پھر وہ تعدی کو زائل کر دے تو ضمان زائل نہیں ہوگی

28891۔ (قوله: أَوْ مُفَاوَضَةٍ) جہاں تک ملک کا شریک ہے جب وہ تعدی کرتا ہے پھر وہ تعدی کو زائل کر دیتا ہے تو ضمان زائل نہیں ہوتی جس طرح یہ ظاہر ہے۔ کیونکہ یہ ثابت ہے کہ وہ اپنے ساتھی کے حصہ میں اجنبی ہے۔ اگر اس نے شرکت کے دابہ کو عاریۃ دیا پس اس نے تعدی کی پھر اس تعدی کو زائل کر دیا تو ضمان زائل نہ ہوگی۔ اگر حفاظت کے طریقہ پر اس کی باری میں ہو تو اس نے تعدی کی پھر اس کو زائل کر دیا تو ضمان زائل ہو جائے گی یہ واقعۃ الفتویٰ ہے۔

مجھ سے اس کے بارے میں پوچھا گیا تو میں نے وہی جواب دیا جس کا میں نے ذکر کیا ہے اگرچہ علما کی کلام میں میں نے نہیں دیکھا کیونکہ جو کچھ ذکر کیا گیا ہے اس سے یہ معلوم ہے کیونکہ وہ اس حالت میں مودع ہے۔ جہاں تک شریک کی اجازت کے بغیر اس کے استعمال کا تعلق ہے تو یہ ایسا مسئلہ ہے جو علماء کے نزدیک مشہور ہے ثابت ہے اس پر ضمانت ہے اور وہ غاصب ہوگا۔ ”رملی علی المنح“۔

28892۔ (قوله: وَمُسْتَعِيرٍ لِرَهْنٍ) یعنی جب اس نے ایک غلام عاریۃ لیا تا کہ اسے رہن کے طور پر رکھے یا چوپایہ عاریۃ لیا تا کہ اسے دین کے طور پر رکھے یا چوپایہ عاریۃ لیا اس نے غلام سے خدمت لی یا چوپائے پر سوار ہوا قبل اس کے کہ اس نے اسے دین کے طور پر رکھا پھر اسے مال کے بدلے قیمت کی مثل سے رہن کے طور پر رکھا پھر اس نے مال دے دیا اور رہن پر قبضہ نہ کیا یہاں تک کہ مرہن کے پاس وہ چیز ہلاک ہوگئی تو راہن پر کوئی ضمانت نہ ہوگی۔ کیونکہ جب اس نے رہن کے طور پر رکھ دیا تو ضمان سے بری ہو گیا۔ ”منح“۔

یہ مسئلہ ان کے قول بخلاف المستعیر سے مستثنیٰ ہے جس طرح ”البحر“ میں ہے۔

28893۔ (قوله: ثُمَّ أزالَهُ) یعنی تعدی کو زائل کر دیا۔

كَيْدِ الْمَالِكِ وَلَوْ كَذَّبَهُ فِي عَوْدِهِ لِلْوَفَاقِ فَالْقَوْلُ لَهُ وَقِيلَ لِلْمُودِعِ، عِمَادِيَّةٌ (و) بِخِلَافِ (اِقْرَارِهِ بَعْدَ جُحُودِهِ) أَيْ جُحُودِ الْإِيْدَاعِ حَتَّى لَوْ ادَّعَى هِبَةً أَوْ بَيَّعًا لَمْ يَضْمَنْ خُلَاصَةً وَقَيَّدَ بِقَوْلِهِ (بَعْدَ طَلَبِ) رَبِّهَا (رَدَّهَا) فَلَوْ سَأَلَهُ عَنْ حَالِهَا فَجَحَدَهَا فَهَلَكَتْ لَمْ يَضْمَنْ بَحْرًا وَقَيَّدَ بِقَوْلِهِ (وَنَقَلَهَا مِنْ مَكَانِهَا وَقَتَّ الْإِنْكَارِ أَيْ حَالِ جُحُودِهِ؛ لِأَنَّهُ لَوْ لَمْ يَنْقُلَهَا وَقَتَّهُ فَهَلَكَتْ

مالک کے قبضہ کی طرح ہے اگر مالک مودع کو جھٹلا دے اس امر میں کہ اس نے تعدی کو زائل کیا تو قول مالک کا معتبر ہوگا۔ ایک قول یہ کیا گیا: قول مودع کا معتبر ہوگا، ”عمادیہ“۔ اگر وہ ودیعت رکھنے کے انکار کے بعد اس کا اقرار کر لے یہاں تک کہ اگر وہ ہبہ یا بیع کا دعویٰ کرے تو وہ ضامن نہیں ہوگا، ”خلاصہ“۔ اپنے اس قول کے ساتھ قید لگائی ہے کہ مالک کے رد کے مطالبہ کے بعد اگر مالک نے اس کا حال پوچھا تو مودع نے ودیعت کا انکار کر دیا پھر وہ ودیعت ہلاک ہو گئی تو ضامن نہیں ہوگا، ”بحر“۔ اور اپنے اس قول کے ساتھ قید لگائی ہے انکار کی حالت میں انکار کے وقت اسے اس کی جگہ سے منتقل کر دیا۔ کیونکہ اگر اس وقت وہ اسے منتقل کر دے تو وہ ودیعت ہلاک ہو جائے

28894۔ (قوله: فِي عَوْدِهِ لِلْوَفَاقِ الْخ) ”نور العین“ کی ”مجمع الفتاویٰ“ سے یہ روایت ہے: ہر وہ امین جو مخالفت کرے پھر اتفاق کی طرف لوٹ آئے تو جس طرح وہ پہلے امین تھا امین کی حیثیت میں لوٹ آئے گا مگر مستعیر اور مستاجر کیونکہ وہ دونوں ضامن کی حیثیت سے باقی رہیں گے یہ زیادہ بہتر ہے۔ تدبر

28895۔ (قوله: لَهُ) ضمیر سے مراد مالک ہے۔

28896۔ (قوله: لِلْمُودِعِ) مودع دال کے فتح کے ساتھ ہے کیونکہ وہ اپنی ذات سے ضمان کی نفی کرتا ہے۔

28897۔ (قوله: هِبَةً الْخ) یعنی اس نے اسے ودیعت ہبہ کر دی یا اسے بیچ دی۔

28898۔ (قوله: بَعْدَ طَلَبِ) یہ اس کے جحود کے متعلق ہے۔

28899۔ (قوله: رَبِّهَا) ”الغانیہ“ میں یہ بیان کیا ہے کہ وصی سے غائب کی بیوی اور یتیم کے وصی کا مطالبہ تا کہ وہ اس

کے مال میں سے اس پر خرچ کرے اسی طرح ہے۔ ”ساحانی“۔

اسی کی مثل ”تا ترخانہ“ میں ہے۔

عقد ایداع مالک کے مطالبہ کے ساتھ منسوخ ہو جاتا ہے

28900۔ (قوله: وَقَتَّ الْإِنْكَارِ) اس کلام کا ظاہر یہ ہے کہ یہ نقلہا کے متعلق ہے اس کا وقوع مستبعد ہے۔

”الخلاصہ“ کی عبارت یہ ہے: ”اجناس کے غصب میں وہ ضامن ہوگا جب وہ اسے اس جگہ سے نقل کرے گا جس میں وہ انکار کی حالت میں تھا اگر وہ منتقل نہ کرے اور وہ چیز ہلاک ہو جائے تو ضامن نہیں ہوگا۔ یہ ظاہر ہے۔ اس تعبیر کی بنا پر یہ ان کے قول مکانہا کے متعلق ہے۔ ”لمنتقی“ میں ہے: اگر عاریۃ لی ہوئی چیز ان چیزوں میں سے ہو جو منتقل ہو جاتی ہے تو انکار کی صورت

لَمْ يَضْمَنْ خُلَاصَةً وَقَيَّدَ بِقَوْلِهِ (وَكَانَتْ) الْوَدِيعَةُ (مَنْقُولًا) لِأَنَّ الْعَقَارَ لَا يَضْمَنْ بِالْجُحُودِ عِنْدَهَا خِلَافًا لِبُحْثِي فِي الْأَصَحِّ غَضَبُ الزَّيْلَعِيِّ وَقَيَّدَ بِقَوْلِهِ (وَلَمْ يَكُنْ هُنَاكَ مَنْ يَخَافُ مِنْهُ عَلَيْهَا) فَلَوْ كَانَ لَمْ يَضْمَنْ لِأَنَّهُ مِنْ بَابِ الْحِفْظِ وَقَيَّدَ بِقَوْلِهِ (وَلَمْ يَحْضُرْهَا بَعْدَ جُحُودِهَا) لِأَنَّهُ لَوْ جَحَدَهَا ثُمَّ أَحْضَرَهَا فَقَالَ لَهُ رَبُّهَا دَعَهَا وَدِيعَةٌ فَإِنْ أُمِكنَهُ أَخَذَهَا لَمْ يَضْمَنْ لِأَنَّهُ إِيدَاعٌ جَدِيدٌ، وَإِلَّا ضَمِنَهَا، لِأَنَّهُ لَمْ يَتِمَّ الرَّدُّ اخْتِيَارًا، وَقَيَّدَ بِقَوْلِهِ (لِبَالِكِهَا)

تو وہ ضامن نہ ہوگا، ”خلاصہ“۔ اور اس قول کے ساتھ قید لگائی ہے اور ودیعت منقولہ چیز ہو کیونکہ انکار کے ساتھ عقار کی ضمانت نہیں ہوتی۔ اصح قول کے مطابق امام ”محمد“ رحمہ اللہ نے اس سے اختلاف کیا ہے ”زیلعی“ کے کتاب ”الغصب“ میں ہے۔ اور اپنے اس قول کے ساتھ قید لگائی ہے: وہاں ایسا کوئی شخص نہ ہو جس سے اسے ودیعت کے بارے میں خوف ہو اگر وہاں کوئی ایسا شخص ہو تو وہ ضامن نہ ہوگا۔ کیونکہ یہ حفاظت کے باب میں سے ہے۔ اور اپنے اس قول کے ساتھ قید لگائی ہے: ودیعت کے انکار کے بعد اسے حاضر نہ کرے۔ کیونکہ اگر وہ اس کا انکار کرے پھر اسے حاضر کر دے تو اس کا مالک اسے کہے: اسے ودیعت کے طور پر چھوڑ دے اگر اسے لینا اس کے لیے ممکن ہو تو وہ ضامن نہ ہوگا۔ کیونکہ یہ نئے سرے سے ودیعت رکھنا ہے ورنہ وہ ضامن ہوگا کیونکہ لوٹانا مکمل نہیں ہوا، ”اختیار“۔ اور اپنے اس قول: اس کے مالک کی قید لگائی ہے۔

میں وہ ضامن ہوگا اگرچہ وہ اس کو منتقل نہ کرے۔ ہمارے شیخ نے ”شرنبالی“ سے ذکر کیا ہے۔ اگر وہ اس کا انکار کر دے تو ضامن ہوگا اگر اسے منتقل نہ کیا جائے اس کی تائید ”البدائع“ کا قول کرتا ہے: عقد ایذاء مالک کے مطالبہ کے ساتھ منسوخ ہو جاتا ہے پس اس نے حفاظت سے اسے معزول کر دیا ہے پس غیر کا مال اس کے قبضہ میں اس کے اذن کے بغیر باقی رہا پس وہ مضمون ہوگا جب وہ چیز ہلاک ہوگئی تو ضمان ثابت ہوگی۔ ”سأحانی“۔

”تاتر خانہ“ میں ”خانہ“ سے منقول ہے: ”ناطی“ نے یہ ذکر کیا ہے: جب مودع نے ودیعت کے مالک کی موجودگی میں ودیعت کا انکار کر دیا تو یہ ودیعت کا فسخ ہوگا یہاں تک کہ اگر مودع نے اسے اس جگہ سے منتقل کر دیا جس جگہ میں حالت انکار میں تھی تو ضامن ہوگا اگر انکار کرنے کے بعد اسے اس جگہ سے منتقل نہ کیا تو وہ چیز ہلاک ہوگئی تو ضامن نہیں ہوگا۔ قائل 28901۔ (قوله: خُلَاصَةً) ”الخلاصہ“ میں اس پر اکتفا نہیں کیا بلکہ اسے ”غصب الاجناس“ سے نقل کیا ہے پھر اس کے بعد کہا: ”المشتق“ میں ہے: جب ودیعت عاریہ ان چیزوں میں سے ہو جو منتقل ہو جاتی ہیں تو انکار کرنے کے ساتھ ضامن ہوگا اگرچہ وہ اسے منتقل نہ کرے ”رملی“ نے ذکر کیا ہے۔ ظاہر یہ ہے کہ جو ”الاجناس“ میں ہے وہ ایسا قول ہے جس کی صحت اصحاب متون کے لیے ظاہر نہیں ہوئی۔ پس انہوں نے اس کی طرف نظر و فکر نہیں کی پس مطولات کی طرف رجوع کرو تیرے لیے یہ امر ظاہر ہو جائے گا۔

28902۔ (قوله: لِبَالِكِهَا) ودیعت کا مالک یا مالک کا وکیل جس طرح ”تاتر خانہ“ میں ہے۔

لَاِنَّهُ لَوْ جَحَدَهَا لِغَيْرِهِ لَمْ يَضْمَنْ؛ لِاَنَّهُ مِنَ الْحِفْظِ فَاِذَا تَبَيَّنَتْ هَذِهِ الشُّرُوطُ لَمْ يَبْرَأْ بِاِقْرَارِهِ اِلَّا بِعَقْدٍ جَدِيدٍ وَلَمْ يُوجَدْ (وَلَوْ جَحَدَهَا ثُمَّ ادَّعى رَدَّهَا بَعْدَ ذَلِكَ وَبَرَّهَنَ عَلَيْهِ قُبُلًا) وَبَرَّئَ كَمَا لَوْ بَرَّهَنَ اَنَّهُ رَدَّهَا قَبْلَ الْجُحُودِ وَقَالَ غَلَطْتُ فِي (الْجُحُودِ اَوْ نَسِيتُ اَوْ ظَنَنْتُ اَنِّي دَفَعْتُهَا) قَبْلَ بَرِّهَانِهِ،

کیونکہ اگر وہ مالک کے علاوہ کے لیے اس کا انکار کر دے تو وہ ضامن نہیں ہوگا۔ کیونکہ یہ حفاظت کے باب میں سے ہے۔ جب یہ شروط مکمل ہو گئیں تو وہ اپنے اقرار کے ساتھ بری نہیں ہوگا مگر عقد جدید کے ساتھ بری ہوگا اور عقد جدید نہیں پایا گیا۔ اگر وہ ودیعت کا انکار کرے پھر اس کے بعد ودیعت کے لوٹانے کا دعویٰ کرے اور لوٹانے پر گواہیاں قائم کر دے تو اسے قبول کیا جائے گا اور وہ بری ہو جائے گا جس طرح اگر وہ ودیعت کے انکار سے پہلے ودیعت لوٹانے پر گواہیاں قائم کر دے اور کہے: میں نے انکار کرنے میں غلطی کی ہے یا میں بھول گیا ہوں یا میں نے گمان کیا کہ میں نے ودیعت دے دی تھی تو اس کی گواہی قبول کی جائے گی

ہر وہ فعل جس کی وجہ سے مودع پر چٹی لازم ہوتی ہے اس کی وجہ مرتہن پر بھی چٹی لازم ہوگی

28903۔ (قوله: وَلَوْ جَحَدَهَا اِلَّا) اگر اس نے کہا: اس کی مجھ پر کوئی شے لازم نہیں پھر اس شے کے لوٹانے کا دعویٰ کر دے یا اس شے کے ہلاک ہونے کا دعویٰ کر دے تو اس کی تصدیق کی جائے گی۔ اگر وہ کہے: اس نے میرے ہاں کوئی شے ودیعت نہیں رکھی پھر واپس لوٹانے یا ہلاک ہونے کا دعویٰ کر دے تو اس کی تصدیق نہ کی جائے گی۔ گویا پہلے کی دلیل یہ ہے کہ علیٰ کالفظ دین کے لیے استعمال ہوتا ہے پس وہ ودیعت کا منکر نہیں۔ تاہل

”جامع الفصولین“ میں ہے: ودیعت کے مالک نے ودیعت کا مطالبہ کیا مودع نے کہا: اسے کل طلب کرنا تو اگلے روز کہا: میرے قول ”اسے کل طلب کرنا“ سے پہلے ہی وہ چیز ہلاک ہو چکی تھی تو وہ ضامن ہوگا۔ کیونکہ اس کے قول میں تناقض پایا جا رہا ہے اس کے بعد ہلاک ہونے کی بات کرے تو ضامن نہیں ہوگا۔

مالک نے ودیعت کو طلب کیا تو مودع نے کہا: میں نے ودیعت تجھے دے دی تھی پھر کہا: میں نے ودیعت تجھے نہیں دی تھی لیکن ودیعت تلف ہو چکی ہے تو وہ ضامن ہوگا اور اس کی تصدیق نہ کی جائے گی کیونکہ تناقض پایا جا رہا ہے۔ پھر کہا: ہر وہ فعل جس کی وجہ سے مودع پر چٹی لازم ہوتی ہے اس کی وجہ سے مرتہن پر بھی چٹی لازم ہوگی۔

28904۔ (قوله: كَمَا لَوْ بَرَّهَنَ اِلَّا) ”الغائیہ“ اور ”الخلاصہ“ میں اسی طرح منقول ہے۔ ”البحر“ میں ”الخلاصہ“ سے مروی ہے کہ اس کی تصدیق نہ کی جائے گی لیکن اس کی عبارت میں کوئی لفظ رہ گیا ہے۔ اس پر یہ امر دلالت کرتا ہے تو گفتگو بینہ کے بارے میں ہے محض دعویٰ کے بارے میں نہیں ہے یہاں تک کہ یہ کہا جائے کہ اس کی تصدیق نہ کی جائے گی۔ میں نے ”الخلاصہ“ کی طرف رجوع کیا اور ”البحر“ کے حاشیہ پر وہ لفظ لکھا جو رہ گیا تھا پس اس پر متنبہ ہو جائیے۔

28905۔ (قوله: اَنِّي دَفَعْتُهَا) یہ ہمزہ کے فتح کے ساتھ اور نون کے کسرہ کے ساتھ ہے اور نون مشدود ہے یعنی ودیعت

رکھتے وقت۔

وَلَوْ ادَّعى هَلَاكَهَا قَبْلَ جُحُودِهِ حَلَفَ الْمَالِكُ مَا يَعْلَمُ ذَلِكَ فَإِنْ حَلَفَ ضَمِنَهُ، وَإِنْ نَكَلَ بَرِيءٌ، وَكَذَلِكَ الْعَارِيَةُ مِنْهَا جُزْءٌ وَيُضْمَنُ قِيَمَتَهَا يَوْمَ الْجُحُودِ إِنْ عُلِمَ، وَإِلَّا فَيَوْمَ الْإِيْدَاعِ عِمَادِيَّةٌ بِخِلَافِ مُضَارِبٍ جَحَدَ ثُمَّ اشْتَرَى لَمْ يَضْمَنْ خَانِيَّةٌ (وَالْمُودَعُ لَهُ السَّفَرُ بِهَا) وَلَوْ لَهَا حِجْلٌ دُرٌّ (عِنْدَ عَدَمِ نَهْيِ الْمَالِكِ) وَعَدَمِ (الْخَوْفِ عَلَيْهَا) بِالْإِخْرَاجِ فَلَوْ نَهَاكَ، وَأَخَافَ فَإِنْ لَهُ بُدٌّ مِنَ السَّفَرِ ضَمِنَ وَإِلَّا فَإِنْ سَافَرَ بِنَفْسِهِ ضَمِنَ وَبِأَهْلِهِ لَا اخْتِيَارَ (وَلَوْ أَوْدَعَ شَيْئًا)

اگر انکار سے قبل وہ ودیعت کے ہلاک ہونے کا دعویٰ کرے تو مالک قسم اٹھائے گا جب تک اسے علم نہ ہو اگر وہ قسم اٹھا دے تو اس کا ضامن ہوگا اگر وہ قسم اٹھانے سے انکار کر دے تو بری ہو جائے گا۔ عاریۃ کا حکم اسی طرح ہے ”منہاج“۔ اگر علم ہو تو انکار کے دن اس کی جو قیمت ہو اس کی ضمانت دے گا ورنہ ودیعت رکھنے کے دن کی قیمت کی ضمانت دے گا، ”عمادیہ“۔ اس مضارب کا معاملہ مختلف ہے جس نے انکار کیا پھر خرید اتو وہ ضامن نہ ہوگا، ”خانیہ“۔ اور مودع کو حق حاصل ہے کہ اس ودیعت کے ساتھ سفر کرے اگرچہ اس میں بار برداری کی ضرورت ہو، ”دور“۔ جب کہ مالک نے اس سے منع نہ کیا ہو اور اسے لے جانے میں ودیعت کے متعلق کوئی خوف نہ ہو اگر اس نے اس سے منع نہ کیا ہو اور اسے لے جانے میں ودیعت کے متعلق کوئی خوف نہ ہو اگر اس نے اس سے منع کیا اور اسے ڈرایا ہو اگر سفر کے بغیر چارہ کار ہو تو ضامن ہوگا اگر چارہ کار نہ ہو اگر خود سفر کرے تو ضامن ہوگا اور اہل کے ساتھ سفر کرے تو ضامن نہیں ہوگا، ”اختیار“۔ اگر دو آدمی ایک شے ودیعت رکھیں

28906۔ (قولہ: إِنْ عُلِمَ) زیادہ صحیح علت ہے یعنی قیمت معلوم ہو اس سے قبل ”لمنح“ میں ”الخلاصہ“ سے مروی ہے: قیمت کی ضمانت ہوگی جو قیمت ودیعت رکھنے کے دن ہو۔ کوئی تفصیل نہیں ہے۔ لیکن ”الخلاصہ“ میں نقل میں یہ صاحب ”البحر“ کے متابع ہے۔ جو نقل کیا ہے اس میں کوئی چیز ساقط ہے۔ کیونکہ میں نے جو ”الخلاصہ“ میں دیکھا ہے وہ اس کے موافق ہے جو ”العمادیہ“ میں ہے پس اس پر متنبہ ہو جائیے۔

28907۔ (قولہ: فَيَوْمَ) نصب کے ساتھ یہ ایداع کی طرف مضاف ہے۔

28908۔ (قولہ: جَحَدَ) رب المال سے کہا: تو نے مجھے کوئی شے نہیں دی۔

28909۔ (قولہ: اشْتَرَى) یعنی اس کے بعد کہ اس نے اقرار کیا اور انکار سے رجوع کیا۔ اس کی صورت یہ ہے کہ کہا:

کیوں نہیں تو نے مجھے دیا۔ یہ صورت اس کے خلاف ہوگی کہ اگر وہ شرا کے انکار کا اقرار کرے۔ پس وہ ضامن ہوگا اور خریدی گئی چیز اس کی ہوگی۔ ”منح“ میں ”الخانیہ“ سے مروی ہے۔

28910۔ (قولہ: فَإِنْ لَهُ) ان نون ساکن کے ساتھ ہے۔

28911۔ (قولہ: وَبِأَهْلِهِ لَا) علماء نے اس بات پر اتفاق کیا ہے کہ اگر وہ ودیعت کو لے کر سمندری سفر کرے گا تو

ضامن ہوگا یہ قول ”اسیجائی“ نے کہا ہے۔ ”یعنی“ میں اسی طرح ہے۔ ”مدنی“۔

مِثْلِيًّا أَوْ قِيَّيًّا (لَمْ يَجْزُ أَنْ يَدْفَعَ الْمُدَّعُ إِلَى أَحَدِهِمَا حَظَّهُ فِي غَيْبَةِ صَاحِبِهِ) وَلَوْ دَفَعَ هَلْ يَضُنُّ فِي الدَّرَرِ نَعَمْ،

جو مثلی ہو یا ذوات القیم والی ہو تو یہ جائز نہ ہوگا کہ مودع ان میں سے ایک کو اس کا حصہ اس کے ساتھی کی عدم موجودگی میں دے اگر دے تو کیا ضامن ہوگا؟ ”الدرر“ میں ہے: ہاں ضامن ہوگا۔

28912۔ (قوله: مِثْلِيًّا أَوْ قِيَّيًّا) ”صاحبین“ رحمہ اللہ کا مثلی میں اختلاف ہے انہوں نے مشترک دین پر قیاس

کیا ہے۔

28913۔ (قوله: لَمْ يَجْزُ) انہوں نے یجوز فعل کو مقدر مانا ہے یہ اس پر مبنی ہے جس کا ذکر عنقریب آئے گا کہ اگر وہ اسے دے تو ضامن نہ ہوگا دفع کی نفی سے مراد باقی نہیں رہ جاتی مگر یہ کہ یہ جائز نہیں اس میں جو ضعف ہے عنقریب آئے گا۔ ”البحر“ میں ہے: انہوں نے اپنے قول لم يدفع سے اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ اس کے لیے ایسا کرنا جائز نہیں یہاں تک قاضی اس کا حصہ اسے دینے کا فیصلہ نہ کر دے۔ یہ امام ”ابو حنیفہ“ رحمہ اللہ کے قول کے مطابق ہے۔ مگر جب وہ اسے دے تو یہ بالاتفاق تقسیم نہ ہوگی یہاں تک کہ جب باقی ماندہ ہلاک ہو جائے تو اس کا ساتھی لینے والے سے اپنا حصہ لے گا اور دونوں میں سے ایک اس میں سے اپنا حصہ لے گا جب بھی اس کو پانے میں کامیاب ہوگا۔

28914۔ (قوله: الْمُدَّعُ) مودع دال کے فتح کے ساتھ ہے۔

28915۔ (قوله: إِلَى أَحَدِهِمَا) یعنی دونوں ودیعت رکھنے والوں میں سے ایک کو۔ یہاں مودعین میں دال کے نیچے

کسرہ ہے۔

28916۔ (قوله: فِي غَيْبَةِ صَاحِبِهِ) یہ امام ”ابو حنیفہ“ رحمہ اللہ کے نزدیک ہے اور یہ حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ ”صاحبین“ رحمہ اللہ نے کہا اسے یہ حق حاصل ہے: کیونکہ اس نے اپنا حصہ طلب کیا جس طرح دونوں حاضر ہوئے۔ تینوں ائمہ نے یہ کہا ہے۔

اگر ودیعت غیر ذوات الامثال میں سے ہو تو بالا جماع اسے یہ حق نہیں۔ یہ ”عینی“ کا قول ہے۔ ”الدرر“ میں ہے: ایک قول یہ کیا گیا ہے: اختلاف مثلی اور قیمی میں اکٹھا ہے۔ صحیح یہ ہے کہ یہ اختلاف صرف مثلی میں ہے۔

پس یہ واضح ہو گیا کہ متن و شرح میں جو قول ہے وہ غیر صحیح ہے اس پر اجماع ہے یہ قول ہمارے شیخ قاضی ”عبد المنعم“ کا ہے۔ ”فقیر محمد بیطار“ نے کہا: میں گمان کرتا ہوں: یہ ایسا قول ہے جس سے مؤلف نے رجوع کر لیا تھا: لانه شطب عليها شطباً لا يظهر جدا۔ میں اپنے آپ کو دیکھتا ہوں کہ میں اسے لکھ رہا ہوں لیکن میرے دل میں ایک بات آئی پس میں نے اسے لکھنا اور اس پر تنبیہ کرنا پسند کیا۔ پس میں اسے مراجعت کی تعلیم دیتا ہوں۔

”حاشیہ“ اور ”در منشی“ میں ہے: اگر مودع نے حاضر کو ودیعت کا نصف دے دیا پھر باقی ہلاک ہو گیا اور غائب حاضر ہو

وَفِي الْبَحْرِ إِلَّا سَتَحْسَانُ لَا، فَكَانَ هُوَ الْمُخْتَارَ (فَإِنْ أُوْدَعَ رَجُلٌ عِنْدَ رَجُلَيْنِ مَا يُقْسَمُ اقْتَسَمَاهُ وَحَفِظَ كُلُّ نِصْفَهُ) كَمُرْتَهَنَيْنِ وَمُسْتَبْضَعَيْنِ وَعَدْلَى رَهْنٍ وَوَكِيلَى شَرَاءٍ (وَلَوْ دَفَعَهُ أَحَدُهُمَا إِلَى صَاحِبِهِ ضَمِنَ الدَّافِعُ بِخِلَافِ مَا لَا يُقْسَمُ) لِحُجُوزِ حِفْظِ أَحَدِهِمَا بِإِذْنِ الْآخَرِ (وَلَوْ قَالَ لَا تَدْفَعُ إِلَى عِيَالِكَ أَوْ احْفَظْ فِي هَذَا الْبَيْتِ فَدَفَعَهَا إِلَى مَا لَا بُدَّ مِنْهُ أَوْ حَفِظَهَا فِي بَيْتِ آخَرَ مِنَ الدَّارِ

”البحر“ میں ہے: استحسان یہ ہے کہ ضامن نہیں ہوگا یہی مختار ہے۔ اگر ایک آدمی نے دو آدمیوں کے پاس ایسی چیز ودیعت رکھی جس کو تقسیم کیا جاسکتا ہے تو دونوں نے اس کو تقسیم کر دیا اور ہر ایک نے اس کے نصف کی حفاظت کی جس طرح دو مرتہ ہوں، دو مستبضع ہوں، دو وصی ہوں، دو رہن کے عاد ہوں اور شرا کے دو وکیل ہوں اگر دونوں میں سے ایک دوسرے کو دے دے تو دینے والا ضامن ہوگا۔ وہ چیز جو تقسیم نہیں ہوتی اس کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ ان دونوں میں سے ایک کی دوسرے کی اجازت سے حفاظت کرنا جائز ہے۔ اگر وہ کہے: اپنے عیال کو یہ نہ دینا یا اس کمرہ میں اس کی حفاظت کرنا تو اس نے وہ ودیعت اس کے حوالے کر دی جس کے بغیر اس کے لیے چارہ کار نہ ہو یا گھر کے دوسرے کمرہ میں اس کی حفاظت کی

گیا۔ ”ابو یوسف“ رحمہ اللہ نے کہا: اگر ادائیگی قاضی کے فیصلہ کے ساتھ ہو تو کسی پر کوئی ضمانت نہ ہوگی۔ اگر قاضی کے فیصلے کے بغیر ہو تو جواب حاضر ہوا ہے تو وہ دینے والے کا اس نصف کے بارے میں پیچھا کرے گا جو اس نے دیا ہے اور جس نے دیا ہے وہ قابض کا پیچھا کرے گا اگر چاہے تو یہ حاضر قابض سے اس کا نصف لے لے جو اس نے قبضہ کیا ہے۔ ”ذخیرہ“ میں اسی طرح ہے ”فتاویٰ ہندیہ“، کتاب ودیعت، باب الثانی۔

انہوں نے یہ بیان کیا ہے کہ مودع اگر مکمل ودیعت دونوں میں سے ایک کو فیصلہ کے بغیر دے دے اور دوسرا اس میں سے اپنے حصہ کی ضمانت لے لے تو اسے قابض سے مطالبہ کا حق ہوگا اس کے متعلق جس کی اس نے ضمانت دی ہے۔

28917۔ (قوله: هُوَ الْمُخْتَارُ) ”مقدس“ نے کہا: بڑے بڑے ائمہ جس پر ہیں یہ اس کے مخالف ہے۔ بلکہ اکثر قول اس پر متفق ہیں۔ شیخ ”قاسم“ نے کہا: امام ”نسفی“ نے امام ”محبوبی“ اور ”صدر الشریعہ“ کے قول کو اختیار کیا ہے ”ابوسعود“ نے ”حموی“ سے نقل کیا ہے۔

28918۔ (قوله: ضَمِنَ الدَّافِعُ) یعنی دینے والا نصف کا ضامن ہوگا جس طرح ”الاصلاح“ میں ہے۔ ان کے قول دافع سے مراد ہے دینے والا نہ کہ قابض کیونکہ وہ مودع کا مودع ہے۔ ”بحر“۔

28919۔ (قوله: لَا بُدَّ مِنْهُ) اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ ضروری ہے کہ ودیعت ان چیزوں میں سے ہو جس کی حفاظت اس کے قبضہ میں کی جاتی ہے جس سے اس نے اسے منع کیا ہو یہاں تک کہ اگر وہ گھوڑا ہو تو اس نے اس امر سے منع کیا ہو کہ وہ اپنی بیوی کے حوالے کرے یا موتیوں کا ہار ہو وہ اسے اس کے غلام کے حوالے کرنے سے منع کرے۔ پس اس نے وہ چیز ان کے حوالے کر دی تو ضامن ہوگا، ”بحر“۔

فَإِنْ كَانَتْ بَيُوتُ الدَّارِ مُسْتَوِيَةً فِي الْحِفْظِ أَوْ أَحْرَزَ (لَمْ يَضْمَنْ، وَإِلَّا ضَمِنَ) لِأَنَّ التَّقْيِيدَ مُفِيدٌ (وَلَا يَضْمَنْ مُودَعُ الْوَدْعِ) فَيَضْمَنْ الْأَوَّلُ فَقَطْ إِنْ هَلَكَتْ بَعْدَ مُفَارَقَتِهِ وَإِنْ قَبْلَهَا لَا ضَمَانَ وَلَوْ قَالَ الْمَالِكُ هَلَكَتْ عِنْدَ الثَّانِي، وَقَالَ بَلْ رَدَّهَا وَهَلَكَتْ عِنْدِي لَمْ يُصَدَّقْ وَفِي الْغَضَبِ مِنْهُ يُصَدَّقُ لِأَنَّهُ أَمِينٌ سَرَّاجِيَّةٌ وَفِي الْمُبْتَدَى الْقَصَارُ إِذَا غَلِظَ فَدَفَعَ ثَوْبَ رَجُلٍ لِغَيْرِهِ فَقَطَعَهُ فَكَلَاهُمَا ضَامِنٌ وَعَنْ مُحْتَدٍ أَصَابَ الْوَدِيعَةَ شَيْءٌ فَأَمَرَ مُودَعٌ رَجُلًا لِيُعَالِجَهَا فَعَطِبَتْ مِنْ ذَلِكَ فَلَرَبَّهَا تَضْمِينُ مَنْ شَاءَ

اگر گھر کے کمرے حفاظت میں برابر ہوں یا یہ کمرہ پہلے سے زیادہ محفوظ ہو تو ودیعت کے ہلاک ہونے کی صورت میں ضامن نہیں ہوگا۔ ورنہ ضامن ہوگا کیونکہ تقیید فائدہ مند ہے۔ اور مودع کا مودع ضامن نہیں ہوگا۔ اگر مفارقت کے بعد ودیعت ہلاک ہوگئی تو صرف پہلا مودع ضامن ہوگا اگر مفارقت سے پہلے ہلاک ہوگئی تو ضمانت نہ ہوگی۔ اگر مالک نے کہا: ودیعت دوسرے آدمی کے پاس ہلاک ہوگئی مودع نے کہا: بلکہ اس نے اسے لوٹا دیا تھا اور میرے پاس وہ ہلاک ہوگئی تھی اس کی تصدیق نہ کی جائے گی اور اس سے غصب کرنے کے بارے میں اس کی تصدیق کی جائے گی۔ کیونکہ وہ امین ہے، ”سراجیہ“۔ ”المجتبیٰ“ میں ہے: دھوبی نے جب غلطی کی تو اس نے ایک آدمی کا کپڑا کسی اور کو دے دیا اس نے اس کپڑے کو کاٹ دیا تو دونوں ضامن ہوں گے۔ امام ”محمد“ رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے: ودیعت کو کوئی عارضہ لاحق ہو مودع نے کسی آدمی کو حکم دیا کہ وہ اس کا علاج کرے اس علاج سے وہ چیز ہلاک ہوگئی تو مالک کو حق حاصل ہے جس سے چاہے ضمانت لے

28920۔ (قوله: وَإِلَّا ضَمِنَ) جس طرح وہ کمرہ جس سے منع کیا گیا تھا اس کی پشت گلی کی جانب ہو۔ ”بحر“۔

28921۔ (قوله: فَقَطْ) یعنی ایسے ایداع میں جو قصدی ہو۔ ”جامع الفصولین“ میں کہا: وہ آدمی حمام میں داخل ہوا

اور ودیعت کے درابم کپڑوں کی حفاظت کرنے والے کے سامنے اپنے کپڑوں کے ساتھ رکھ دیئے۔ ”حلبی“ نے کہا: وہ مودع کے ودیعت رکھنے کی وجہ سے ضامن ہوگا۔

”صط“ نے کہا: وہ ضامن نہیں ہوگا کیونکہ یہ ودیعت رکھنا ضمنی ہے۔ وہ ایداع قصدی کی وجہ سے ضامن ہوتا ہے۔ اگر اس نے اذن کے بغیر ودیعت رکھ دی پھر مالک نے اجازت دے دی تو اول مودع بین (اختلاف) سے نکل آئے گا۔ ”بحر“ میں ”الخلاصہ“ سے مروی ہے۔

28922۔ (قوله: لَمْ يُصَدَّقْ) کیونکہ اس نے اپنے اوپر ضمان کے وجوب کا اقرار کر لیا ہے پھر اس نے براءت کا

دعویٰ کر دیا پس اس کی تصدیق نہ کی جائے گی مگر گواہیوں کے ساتھ اس کی تصدیق کی جائے گی۔ ”جامع الفصولین“۔

جب مودع سے ودیعت کو غصب کیا گیا تو اس کا حکم

28923۔ (قوله: وَفِي الْغَضَبِ الْخ) جب مودع سے ودیعت کو غصب کیا گیا تو مودع نے اس کے واپس کرنے کا

دعویٰ کیا تو اس کی تصدیق کی جائے گی کیونکہ مودع نے ایسا کوئی عمل نہیں کیا جو ضمان کو واجب کرنے والا ہو تو وہ اس چیز پر

لَكِنْ إِنْ ضَمَّنَ الْمُعَالِجَ رَجَعَ عَنِ الْأَوَّلِ إِنْ لَمْ يَعْلَمْ أَنَّهَا لِغَيْرِهِ وَإِلَّا لَمْ يَرْجَعْ أَهـ

لیکن اگر معالج اس کا ضامن ہو تو وہ پہلے سے مطالبہ کرے گا اگر اسے یہ علم نہ ہو کہ یہ چیز کسی دوسرے کی ہے ورنہ واپسی کا مطالبہ نہیں کرے گا۔

لوٹانے کے وقت، اس سے پہلے اور اس کے بعد امین تھا۔ وہ کسی اجنبی کو چیز دے تو معاملہ مختلف ہوگا۔ کیونکہ یہ امر ضمان کو واجب کرتا ہے۔ ”سامحانی“۔

فرع: ایک آدمی نے دوسرے کو ہزار درہم دیا اور کہا: یہ فلاں کوری (شہر کا نام) میں دے دینا۔ دینے والا مر گیا مودع نے وہ مال ایک اور آدمی کو دیا تا کہ وہ فلاں کوری میں دے دے راستہ میں وہ مال اس سے چھین لیا گیا تو مودع ضامن نہیں ہوگا۔ کیونکہ وہ میت کا وصی ہے اگر دینے والا زندہ ہو تو مودع ضامن ہوگا۔ کیونکہ وہ وکیل ہے مگر جب دوسرا اس کے عیال میں سے ہو پس اس وقت وہ ضامن نہیں ہوگا۔ ”خانیہ“۔

ایک آدمی نے دوسرے پر گواہیاں قائم کیں کہ اس نے اسے دس دیئے دوسرے نے کہا: تو نے مجھے دس دیئے تا کہ میں وہ فلاں کو دے دوں تو یہ دینا صحیح ہوگا۔ ”بزازیہ“ کے کتاب الدعویٰ میں ہے۔

سرقہ اور ودیعت کے حرز میں فرق

28924۔ (قوله: عَنِ الْأَوَّلِ) ”جامع الفصولین“ میں ہے: اگر معالج سے ضمانت لی تو وہ مودع سے مطالبہ کرے گا اسے یہ علم ہو کہ یہ غیر کی چیز ہے یا علم نہ ہو مگر جب مودع کہے: یہ میری نہیں اور مجھے اس کا حکم نہیں دیا گیا اس وقت وہ اس سے مطالبہ نہیں کرے گا۔ تامل

فرع: اگر وہ کہے: تو نے ودیعت میں سامنے رکھی، میں اٹھا اور میں اسے بھول گیا پس وہ ودیعت ضائع ہوگئی تو وہ ضامن ہوگا۔ اگر اس نے کہا: تو نے میرے گھر میں میرے سامنے اسے رکھا جب کہ مسئلہ اپنے حال پر رہے گا اگر وہ چیز ان چیزوں میں سے ہے جن کی گھر کے صحن میں حفاظت نہیں کی جاتی جس طرح نقدی کی تھیلی تو وہ ضامن ہوگا اگر وہ ان چیزوں میں سے ہے کہ گھر کا صحن اس کے لیے حفاظت کی جگہ ہوتی ہے تو ضامن نہیں ہوگا ”بزازیہ“، ”خلاصہ“، ”فصولین“، ”ذخیرہ“، ”خانیہ“۔ اس کا ظاہری معنی یہ ہے: ہر شے کی حفاظت اس کی مثل کے حرز میں ہوتی ہے، تامل۔ لیکن کتاب السرقہ میں یہ قول گزر چکا ہے کہ ظاہر مذہب یہ ہے کہ ہر وہ شے جو کسی نوع کے لیے حرز ہو وہ ہر نوع کے لیے حرز ہوتی ہے پس جو آدمی اصطبل سے موتی چوری کرتا ہے اس کا ہاتھ کاٹا جائے گا۔ تامل

بعض اوقات سرقہ کے حرز اور ودیعت کے حرز میں فرق کیا جاتا ہے۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ چور کے ہاتھ کاٹنے میں اسکے حرز کا اعتبار کیا جاتا ہے اور وہ حرزات کے اعتبار سے متفاوت نہیں ہوتا اور مودع کی ضمان میں معتبر حفاظت کرنے میں کوتاہی کرنا ہے۔ کیا تو نہیں دیکھتا کہ اگر وہ ودیعت کو محفوظ گھر میں رکھتا ہے اور اسکی بیوی امین نہیں تو وہ ضامن ہوگا اگر کوئی آدمی اسے چوری کر

(بِخِلَافِ مُودَعِ الْغَاصِبِ) فَيُضَيِّنُ أَيًّا شَاءَ، وَإِذَا ضَمَّنَ الْمُودَعُ رَجَعَ عَلَى الْغَاصِبِ وَإِنْ عَلِمَ عَلَى الظَّاهِرِ دُرًّا خِلَافًا لِمَا نَقَلَهُ الْقُهُسْتَانِيُّ وَالْبَرْجَنْدِيُّ وَغَيْرُهُمْ فَتَنَّبَهُ (مَعَهُ أَلْفٌ اِدَّعَى رَجُلَانِ كُلُّ مِنْهُمَا أَنَّهُ لَهُ، أَوْ دَعَاهُ إِتْيَاكَ، فَتَنَكَّلَ عَنِ الْحَلِفِ لَهَا فَهُوَ لَهَا وَعَلَيْهِ أَلْفٌ آخَرُ بَيْنَهُمَا) وَلَوْ حَلَفَ لِأَحَدِهِمَا

غاصب کے مودع کا معاملہ مختلف ہے۔ پس وہ جس سے چاہے گا ضمانت لے گا۔ جب مودع سے ضمانت لی تو وہ غاصب سے مطالبہ کرے گا اگرچہ اسے اس کا علم ہو یہ ظاہر روایت کے مطابق ہے۔ ”درر“، ”قہستانی“، ”باقانی“، ”برجندی“ وغیرہم نے جو نقل کیا ہے وہ اس کے خلاف ہے، فتنہ۔ ایک آدمی کے پاس ہزار ہے دو آدمیوں میں سے ہر ایک دعویٰ کرتا ہے کہ اس نے یہ ہزار اس کے پاس ودیعت رکھا تھا تو وہ ان دونوں کے بارے میں قسم اٹھانے سے انکار کرتا ہے تو وہ ہزار ان دونوں کا ہوگا اور اس پر ایک اور ہزار ہوگا جو ان دونوں کے درمیان تقسیم کر دیا جائے گا اگر وہ دونوں میں سے

لیتا ہے تو اس کا ہاتھ کاٹا جائے گا۔ کیونکہ گھر حرز ہے۔ بے شک وہ ضامن اس لیے ہے۔ کیونکہ وہ حفاظت میں کوتاہی کر رہا ہے۔ اگر ایک آدمی ودیعت کو گھر میں رکھتا ہے اور گھر سے نکل جاتا ہے جب کہ دروازہ کھلا ہوا ہو جب کہ گھر میں کوئی بھی نہ ہو یا وہ ودیعت کو حمام، مسجد یا رستہ وغیرہ میں رکھتا ہے اور غائب ہو جاتا ہے تو وہ ضامن ہوگا مگر چور کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا اس کے نظائر بے شمار ہیں۔ جب ہم نے اس حرز کا اعتبار کیا جو سرقہ میں معتبر ہے تو یہ لازم آئے گا کہ اس جیسے مسائل میں وہ ضامن نہ ہو تو اس باب میں جس پر انہوں نے اتفاق کیا ہے اس کی مخالفت لازم آئے گی تو ہم نے جو فرق بیان کیا ہے اس کی صحت یقیناً ظاہر ہوگی۔ واللہ اعلم

اس سے ایک حادثہ کا جواب بھی ظاہر ہو گیا وہ یہ ہے کہ ایک مودع نے گھوڑوں کے اصطبل میں قیمتی شالوں کی گٹھری رکھی تو اسے چوری کر لیا گیا جواب یہ ہے کہ وہ ضامن ہوگا اگرچہ اس کے چور کے ہاتھ کاٹے جائیں گے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

28925۔ (قوله: بِخِلَافِ مُودَعِ الْغَاصِبِ) امام ”ابو حنیفہ“ رحمہ اللہ کے قول کے مطابق دونوں میں فرق یہ ہے کہ مودع کا غاصب غاصب ہے کیونکہ ابتدا اور انتہا میں مالک کی اجازت نہیں ہے۔

28926۔ (قوله: دُرٌّ) ”البحر“ میں اسے یقین سے بیان کیا ہے۔

28927۔ (قوله: فَتَنَكَّلَ عَنِ الْحَلِفِ) اس مسئلہ کی صورتیں چھ ہیں: (۱) دونوں کے لیے اقرار کیا (۲) دونوں کے لیے قسم سے انکار کر دیا (۳) دونوں کے لیے قسم اٹھادی (۴) ایک کے لیے اقرار کیا دوسرے کے لیے قسم سے انکار کر دیا (۵) یا قسم اٹھادی (۶) دونوں میں سے ایک کے لیے قسم سے انکار کیا اور دوسرے کے لیے قسم اٹھادی۔ ”ساحانی“۔

28918۔ (قوله: وَلَوْ حَلَفَ الْخ) اس امر کی طرف اشارہ کیا کہ مودع قسم اٹھاتا ہے جب وہ ایداع کا انکار کرتا ہے جس طرح جب وہ واپس کرے یا ہلاک ہونے کا دعویٰ کرتا ہے یا تہمت کی نفی کی وجہ سے یا ضمان کے انکار کی وجہ سے۔ یہاں تک کہ اگر وہ قسم اٹھادے تو اس پر ان دونوں کے لیے کوئی شے نہ ہوگی اور یہاں تک کہ قاضی کو حق حاصل ہوگا کہ جس سے چاہے شروع کرے زیادہ بہتر قراءت ہے یہاں تک کہ اگر وہ پہلے کے لیے قسم سے انکار کر دے دوسرے کے لیے قسم اٹھوائے

وَنَكَلَ لِلاٰخِرِ فَاَلْتَفُ لِمَنْ نَكَلَ لَهُ (دَفَعَ إِلَى رَجُلٍ أَلْفًا وَقَالَ اِدْفَعْهَا الْيَوْمَ إِلَى فُلَانٍ فَلَمْ يَدْفَعْهَا حَتَّى ضَاعَتْ لَمْ يَضُنْ) اِذْ لَا يَلْزَمُهُ ذَلِكَ (كَمَا لَوْ قَالَ اِحْضِلْ إِلَى الْوَدِيعَةِ فَقَالَ اِفْعَلْ وَلَمْ يَفْعَلْ حَتَّى مَضَى الْيَوْمَ وَ هَلَكْتُ لَمْ يَضُنْ لِأَنَّ الْوَاجِبَ عَلَيْهِ التَّخْلِيَةُ عِمَادِيَّةٌ (قَالَ) رَبُّ الْوَدِيعَةِ (لِلْمُودِعِ اِدْفَعِ الْوَدِيعَةَ إِلَى فُلَانٍ فَقَالَ دَفَعْتُ وَكَذَّبَهُ) فِي الدَّفْعِ (فُلَانٌ) وَضَاعَتْ الْوَدِيعَةُ (صَدَّقَ الْمُودِعُ مَعَ يَمِينِهِ) لِأَنَّهُ أَمِينٌ سَرَّاجِيَّةٌ (قَالَ) الْمُودِعُ ابْتِدَاءً (لَا أَدْرِي كَيْفَ ذَهَبَتْ لَا يَضُنُّ عَلَى الْأَصَحِّ كَمَا لَوْ قَالَ ذَهَبَتْ وَلَا أَدْرِي كَيْفَ ذَهَبَتْ)

ایک کے حق میں قسم اٹھائے اور دوسرے کے حق میں انکار کر دے تو ہزار اس کے لیے ہو جس کے بارے میں اس نے انکار کیا ہے۔ ایک آدمی نے کسی کو ایک ہزار دیا اور کہا: یہ آج فلاں کو دے دینا تو اس آدمی نے اسے ہزار نہ دیا یہاں تک کہ وہ ضائع ہو گیا تو وہ ضامن نہ ہوگا۔ کیونکہ یہ اس پر لازم نہ تھا جس طرح وہ کہے: ودیعت کو میری طرف اٹھالا تو اس نے کہا: میں اس طرح کرتا ہوں اور اس نے اس طرح نہ کیا یہاں تک کہ آج کا دن گزر گیا اور وہ ودیعت ہلاک ہو گئی تو وہ ضامن نہ ہوگا۔ کیونکہ اس پر تخلیہ تھا، ”عمادیہ“۔ ودیعت کے مالک نے مودع سے کہا: ودیعت فلاں کو دے دو اس نے کہا: میں نے ودیعت دے دی ہے اور فلاں نے اسے دیتے وقت جھٹلا دیا ہے اور ودیعت ضائع ہو گئی تو قسم کے ساتھ مودع کی تصدیق کی جائے گی کیونکہ وہ امین ہے، ”سراجیہ“۔ مودع نے ابتدا میں کہا: میں نہیں جانتا کہ ودیعت کیسے چلی گئی اصح قول کے مطابق وہ ضامن نہیں ہوگا جس طرح وہ کہے: وہ چلی گئی اور میں یہ نہیں جانتا کہ وہ کیسے چلی گئی

اور قسم سے انکار کی بنا پر وہ کوئی فیصلہ نہ کرے جب وہ دونوں میں سے ایک کے لیے اقرار کرے تو معاملہ مختلف ہوگا کیونکہ اقرار بذات خود حجت ہے۔ اس کی مکمل بحث ”البحر“ میں ہے۔

28929۔ (قوله: وَنَكَلَ لِلاٰخِرِ) دوسرے سے قسم لیتے وقت وہ کہے: اللہ کی قسم نہ اس کا عین اور نہ اس کی قیمت اس کے لیے ہے۔ کیونکہ جب اس نے اس کا پہلے کے لیے اقرار کیا تو اس میں اس کا اقرار ثابت ہو گیا تو اس میں دوسرے کے لیے اس کا اقرار کچھ فائدہ نہ دے گا۔ اگر وہ پہلے پر اکتفا کرے تو وہ سچا ہوگا۔ ”بحر“۔

اس کا ایک آدمی پر دین ہے تو دائن نے اپنے مدیون کی طرف ایک آدمی بھیجا تا کہ اس دین پر قبضہ کر لے دونوں نے کہا: میں نے دین کے قاصد کے حوالے کر دیا ہے اور قاصد نے کہا: میں نے دین مالک کو دے دیا ہے اور مالک انکار کر دیتا ہے تو قول قسم کے ساتھ قاصد کا معتبر ہوگا۔ اور جو قول ”نور العین“ میں ہے: قول قسم کے ساتھ مرسل کا ہوگا۔ تامل

مالک نے کہا: دین فلاں کیساتھ بھیج دے تو وہ دین قاصد کے ہاتھ سے ضائع ہو گیا تو وہ مدیون سے ضائع ہوگا۔ ”بزازیہ“۔

28930۔ (قوله: وَضَاعَتْ) یعنی غائب ہو گئی اور ظاہر نہ ہوئی۔ اس کی کوئی ضرورت نہیں ہمارے شیخ کا قول ہے۔

28931۔ (قوله: عَلَى الْأَصَحِّ) اس کا مقتضایہ ہے کہ اجیر مشترک ضامن نہیں ہوگا۔ لیکن ”خیر ملی“ نے ضمان کا فتویٰ

فَإِنَّ الْقَوْلَ قَوْلُهُ بِخِلَافِ قَوْلِهِ لَا أَذْرِي أَضَاعْتُ أَمْ لَمْ تَضَعْ أَوْ لَا أَذْرِي وَضَعْتُهَا أَوْ دَفَنْتَهَا فِي دَارِي أَوْ مَوْضِعٍ آخَرَ فَإِنَّهُ يَضْمَنُ وَلَوْ لَمْ يُبَيِّنْ مَكَانَ الدَّفْنِ لِكِنَّهُ قَالَ سِرَّقْتُ مِنْ الْمَكَانِ الْمَذْفُونِ فِيهِ لَا يَضْمَنُ، وَتَسَامُهُ فِي الْعِبَادَةِ

بے شک قول اس کا معتبر ہوگا۔ اس کا قول: میں نہیں جانتا کہ کیا وہ ضائع ہوگئی یا ضائع نہیں ہوئی یا میں نہیں جانتا میں نے اسے اپنے گھر میں رکھا یا اپنے گھر میں دفن کیا یا کسی اور جگہ دفن کیا تو وہ ضامن ہوگا۔ اگر وہ دفن کی جگہ کی وضاحت نہیں کرتا لیکن وہ کہتا ہے: مدفون جگہ سے اسے چوری کر لیا گیا ہے تو وہ ضامن نہیں ہوگا۔ اس کی مکمل بحث ”عمادیہ“ میں ہے۔

دیا ہے اور ”حاشیہ الفصولین“ میں ”بزازیہ“ کی طرف منسوب کیا ہے ساتھ ہی یہ علت بیان کی ہے کہ ہمارے زمانے میں یہ ضائع کرنا ہے۔ تامل

28932۔ (قوله: بِخِلَافِ) یہ اس کے مخالف ہے جو ”جامع الفصولین“، ”نور العین“ وغیرہما میں ہے ساتھ ہی ضامن نہیں ہوگا۔ ”منح“ کے نسخوں میں میں نے اسی طرح دیکھا ہے۔ لیکن لاکا حرف سطروں کے درمیان لاحق کیا گیا ہے گویا یہ لکھنے سے رہ گیا تھا شارح نے اسی طرح نقل کیا ہے پس اس پر متنبہ ہو جائیے۔

فرع: ”حاشیہ“ اور ”نوازل“ میں ہے: وہ ظالم کے پاس سے یتیم کا مال لے کر گزرا اور اسے خوف لاحق ہوا کہ اگر اس نے ظالم کو ہدیہ نہ دیا تو وہ سارے کا سارا مال چھین لے گا تو مال دینے سے وہ ضامن نہیں ہوگا۔ مضارب کا معاملہ بھی اسی طرح ہے مشائخ نے اس قول کو اپنایا ہے۔ ”انقروی“۔

”فتاویٰ نسفی“ میں ہے وصی نے قاضی کے دروازہ پر خرچ کیا تو وہ ضامن ہوگا جو اس نے رشوت کے طور پر دیئے ہیں نہ کہ جو اجارہ کے طور پر دیئے ہیں جب وہ اجرت مثلی سے زائد نہ دے۔ ”انقروی“۔

28933۔ (قوله: فَإِنَّهُ يَضْمَنُ) ”قاضی خان“ نے کہا: میں نے ودیعت کو اپنے گھر میں رکھا پس میں مکان کو بھول گیا تو وہ ضامن نہ ہوگا اگر اس نے کہا: میں نے اسے محفوظ مکان میں رکھا تو میں جگہ بھول گیا تو وہ ضامن ہوگا۔ کیونکہ اس نے امانت کو بھول بنا دیا ہے جس طرح امانت کو بھول چھوڑ کر مر گیا ہو۔ تو یہ صحیح ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ ضامن نہیں ہوگا جس طرح اس کا قول ہے: وہ ودیعت جاتی رہی اور میں نہیں جانتا کہ وہ ودیعت کیسے جاتی رہی۔

اگر اس نے کہا: میں نے اسے اپنے گھر میں دفن کیا ہے یا کسی اور جگہ میں دفن کیا ہے تو وہ ضامن ہوگا۔ اگر اس نے دفن کی جگہ کو واضح نہ کیا لیکن کہا: اس کو اس جگہ سے چوری کر لیا گیا ہے جس میں میں نے اسے دفن کیا تھا تو وہ ضامن نہیں ہوگا۔ اگر وہ اسے زمین میں دفن کر دے تو وہ بری ہو جائے گا اگر اس نے وہاں کوئی علامت بنائی ورنہ بری نہ ہوگا۔ جنگل میں دفن کرنے سے مطلقاً ضامن ہوگا۔ اگر اسے انگوڑی کی بیلوں میں دفن کر دے تو وہ بری ہو جائے گا اگر وہ محفوظ ہو اس کی صورت یہ ہے کہ اس کا بند دروازہ ہو۔

اگر اس نے ودیعت کو دفن کیے بغیر رکھ دیا اگر وہ ایسی جگہ سے جس میں اجازت کے بغیر کوئی داخل نہ ہوتا ہو۔

فُرُودٌ هُدِّدَ الْمُدَّعِ أَوْ الْوَصِيِّ عَلَى دَفْعِ بَعْضِ الْمَالِ إِنْ خَافَ تَلَفَ نَفْسِهِ أَوْ عُضْوَهُ فَدَفَعَ لَمْ يَضْمَنْ، وَإِنْ خَافَ الْحَبْسَ أَوْ الْقَيْدَ ضَمَّنَ، وَإِنْ خَشِيَ اخْتِذَ مَالِهِ كُلِّهِ فَهُوَ عَذْرٌ كَمَا لَوْ كَانَ الْجَابِرُ هُوَ الْآخِذَ بِنَفْسِهِ فَلَا ضَمَانَ عِمَادِيَّةٌ خِيفَ عَلَى الْوَدِيعَةِ الْفَسَادُ رَفَعَ الْأَمْرَ لِلْحَاكِمِ لِيَبِيعَهُ وَلَوْ لَمْ يَرْفَعْ حَتَّى فَسَدَ فَلَا ضَمَانَ، وَلَوْ أَنْفَقَ عَلَيْهَا بِلَا أَمْرِ قَاضٍ فَهُوَ مُتَبَرِّعٌ قَرَأَ مِنْ مُصْحَفٍ الْوَدِيعَةِ أَوْ الرَّهْنِ فَهَلَكَ حَالَةَ الْقِرَاءَةِ لَا ضَمَانَ لِأَنَّ لَهُ وَلَايَةً هَذَا التَّصَرُّفِ صَيْرَفِيَّةٌ قَالَ وَكَذَا لَوْ وَضَعَ السَّيَّاحُ عَلَى الْمَنَارَةِ وَفِيهَا أَوْدَعَ صَگًا وَعَرَفَ أَدَاءَ بَعْضِ الْحَقِّ وَمَاتَ الطَّالِبُ وَأَنْكَرَ الْوَارِثُ الْأَدَاءَ حَبَسَ الْمُدَّعِ الصَّگَ أَبَدًا

مودع اور وصی کو بعض مال دینے پر دھمکایا گیا اگر اسے اپنی ذات یا اپنے عضو کے تلف ہونے کا خوف ہو تو وہ مال دے دے تو ضامن نہ ہوگا اگر اسے جس یا قید کا خوف ہو تو ضامن ہوگا اگر تمام مال چھین لینے کا خوف ہو تو یہ عذر ہوگا جس طرح جابر حاکم خود ہی مال چھیننے والا ہو تو اس پر کوئی ضمانت نہیں۔ ”عمادیہ“۔ ودیعت کے بارے میں فساد کا خوف ہو تو وہ حاکم کے سامنے مسئلہ پیش کرے تاکہ وہ اسے بیچ دے اگر وہ مسئلہ پیش نہ کرے یہاں تک کہ وہ خراب ہو جائے تو اس پر کوئی ضمانت نہ ہوگی۔ اگر قاضی کے امر کے بغیر اس پر خرچ کرے تو وہ متبرع ہوگا۔ ودیعت کے مصحف سے یا رہن کے مصحف سے پڑھا تو وہ مصحف حالت قراءت میں ہلاک ہو گیا تو اس پر کوئی ضمانت نہ ہوگی۔ کیونکہ اسے اس تصرف کی ولایت حاصل ہے۔ ”صیرفیہ“۔ کہا: اسی طرح کا حکم ہوگا اگر اس نے چراغ، چراغ رکھنے کی جگہ رکھا۔ اس میں ہے: اس نے دستاویز ودیعت رکھی اور بعض حق کی ادائیگی کا علم ہوا اور طالب مرگیا اور وارث نے ادائیگی کا انکار کر دیا تو مودع دستاویز ہمیشہ کے لیے روک لے۔

جنگل میں چور اس کی طرف متوجہ ہوئے تو اس نے احتیاط کی غرض سے اسے دفن کر دیا جب وہ واپس لوٹا تو اس جگہ کو نہ پاسکا جہاں اس نے اسے دفن کیا تھا اگر اس کے لیے علامت لگانا ممکن ہو اور اس نے علامت نہ لگائی تو وہ ضامن ہوگا۔ اسی طرح اگر خوف کے زوال کے بعد قریب ہی لوٹنا ممکن ہو اور وہ نہ لوٹا پھر آیا اور ودیعت نہ پائی تو ضامن نہ ہوگا۔ اگر اس نے اس کے مالک کی اجازت سے اسے دفن کیا ہو تو یہ امر ظاہر ہے شاید صحیح یہ ہے کہ وہ امانت ضائع ہوئی۔ مودع نے ودیعت آسودگی کے دور میں کھنڈر کمرے میں رکھی، تو وہ ضامن ہوگا اگر اس نے اسے زمین پر رکھ دیا ہو، اگر اسے دفن کر دیا ہو تو ضامن نہیں ہوگا۔ ”نور العین“۔

28934۔ (قوله: مَالِهِ كُلِّهِ) مگر جب اسے مال لینے کا خوف ہو اور قدر کفایت باقی رہے تو ضامن ہوگا۔ ”فصولین“۔

28935۔ (قوله: وَلَوْ أَنْفَقَ الْخ) اگر مودع اس پر خرچ نہ کرے یہاں تک کہ ودیعت ہلاک ہو جائے تو ضامن ہوگا

لیکن اس کا نفع مودع کے ذمہ ہوگا۔ ”مسئلا علی حاوی زاہدی“۔

28936۔ (قوله: عَلَى الْمَنَارَةِ) یہ اس صورت میں ہے جب چراغ رکھنے کی ودیعت ہو۔

28937۔ (قوله: أَبَدًا) یعنی جب تک وارث ادائیگی کا اقرار نہ کرے۔

وَفِي الْأَشْبَاهِ لَا يَبْرَأُ مَذْيُونُ الْبَيْتِ بِدَفْعِ الدَّيْنِ إِلَى الْوَارِثِ وَعَلَى الْبَيْتِ دَيْنٌ لَيْسَ لِلْسَيِّدِ أَخْذُ وَدِيْعَةُ الْعَبْدِ الْعَامِلُ لِغَيْرِهِ أَمَانَةٌ لَا أَجْرَ لَهُ إِلَّا الْوَصِيُّ وَالنَّاطِرُ إِذَا عَمِلَ قُلْتُ فَعَلِمَ مِنْهُ أَنَّ لَا أَجْرَ لِلنَّاطِرِ فِي الْمُسْتَقْفِ إِذَا أُحِيلَ عَلَيْهِ الْمُسْتَحِقُّونَ فَلْيَحْفَظُوا فِي الْوَهْبَانِيَّةِ

وَدَافِعُ أَلْفِ مُقْرِضًا وَمُقَارِضًا وَرَبْحُ الْقَرِاضِ الشَّرْطُ جَازٍ وَيُخَذَرُ
وَأَنْ يَدَّعَى ذُو الْمَالِ قَرْضًا وَخَصْمُهُ قَرِاضًا فَتَبُّ الْمَالِ قَدْ قِيلَ أَجْدَرُ
وَفِي الْعَكْسِ بَعْدَ الرِّبْحِ فَالْقَوْلُ قَوْلُهُ كَذَلِكَ فِي الْإِبْضَاعِ مَا يَتَغَيَّرُ

”الاشباہ“ میں ہے: میت کا دیون دین وارث کو دینے سے بری نہ ہوگا جب کہ میت پر دین ہو۔ آقا کو حق حاصل نہیں کہ غلام سے ودیعت لے۔ غیر کے لیے جو شخص بطور امانت عمل کرتا ہے اس کے لیے اجر نہیں ہوتا مگر وصی اور نگران جب دونوں عمل کریں۔ میں کہتا ہوں: اس سے معلوم ہوا کہ وقف کے ناظر کے واسطے پٹے ہوئے مکان میں (جس پر چھت ڈالی جا چکی ہو) کوئی اجرت نہیں جب وقف کے مستحقین کو اس کے پائے کا حوالہ کر دیا گیا ہو انہیں حفاظت کرنی چاہیے اور ہزار دینے والا قرض کے طور پر اور مضارب بت کے طور پر اور مضارب بت کے نفع کی شرط لگانا یہ جائز ہے اور ممنوع ہے اگر صاحب مال قرض کا دعویٰ کرے اور اس کا مد مقابل مضارب بت کا دعویٰ کرے تو ایک قول یہ کیا گیا ہے: رب المال کا قول زیادہ مناسب ہے۔ اور نفع کے بعد اس کے برعکس دعویٰ کرے تو قول صاحب مال کا معتبر ہوگا اس طرح بضاعت پر مال دینے میں حکم متغیر نہیں ہوتا۔

28938۔ (قوله: إِلَى الْوَارِثِ) اس کا ظاہر یہ ہے دین اسے محیط ہو جو اس نے دیا ہے یا محیط نہ ہو حکم برابر ہے۔ ظاہر تو یہ ہے کہ عدم براءت کو اس کے ساتھ مقید کرے جب دین اسے محیط ہو جو اس نے دیا ہے اور وارث اس کے علاوہ ہے جس پر اعتماد ہے جس طرح مودع میں دونوں قیدیں ذکر کی ہیں جب وہ مورث کو ودیعت دے۔ ”حموی“۔

28939۔ (قوله: وَدِيْعَةُ الْعَبْدِ) وہ تاجر ہو یا مجبور ہو اس پر دین ہو یا دین نہ ہو۔ یہ حکم اس وقت ہے کہ جب یہ معلوم نہ ہو کہ ودیعت غلام کی کمائی ہے اگر اسے علم ہو تو اسے لینے کا حق حاصل ہے اسی طرح اگر اسے علم ہو کہ یہ آقا کی ہے۔ ”تاترخانیہ“۔

28940۔ (قوله: قُلْتُ) میں کہتا ہوں قول صاحب ”الاشباہ“ کا ہے۔

28941۔ (قوله: مُقْرِضًا) یعنی اس کا نصف قرض ہے۔

28942۔ (قوله: مُقَارِضًا) یعنی اس کا نصف مضارب بت پر ہے، ”حاشیہ“ میں اسی طرح ہے۔

28943۔ (قوله: وَرَبْحُ) یہ لفظ را کے فتنہ کے ساتھ لکھا گیا ہے۔

28944۔ (قوله: قَرِاضًا) یعنی مضارب بت پر۔ ”حاشیہ“ میں اسی طرح ہے۔

28945۔ (قوله: فَالْقَوْلُ قَوْلُهُ) یعنی رب المال کا قول معتبر ہوگا۔ ”حاشیہ“ میں کہا: جب دونوں نے گواہیاں قائم کر دیں تو گواہیاں عامل کی گواہیاں ہوں گی۔ اگر دونوں میں اختلاف کے بعد مضارب کے قبضہ میں مال ہلاک ہو گیا تو عامل رب

وَإِنْ قَالَ قَدْ ضَاعَتْ مِنَ الْبَيْتِ وَحْدَهَا يَصِحُّ وَيُسْتَحْلَفُ فَقَدْ يُتَصَوَّرُ
وَتَارِكٌ فِي قَوْمٍ لِأَمْرِ صَحِيفَةٍ فَرَأَوْا وَرَاحَتْ يَضُنُّ الْمَتَأَخِّرُ
وَتَارِكٌ نَشِ الصُّوفِ صَيِّفًا فَعِثْ لَهُ يُضُنُّ وَقَرَضُ الْفَارِ بِالْعَكْسِ يُؤَثَّرُ
إِذَا لَمْ يُسَدِّ الثُّقْبُ مِنْ بَعْدِ عَلَيْهِ وَلَمْ يَعْلَمْ الْبُلَّاكُ مَا هِيَ تَقَرَّرُ
قُلْتُ بَقِيَ لَوْ سَدَّاهُ مَرَّةً فَفَتَحَهُ الْفَارُ وَأَفْسَدَهُ لَمْ يَذْكُرْ وَيَنْبَغِي تَفْصِيلُهُ كَمَا مَرَّ فَتَدَبَّرْ

اگر مودع نے یہ کہا: کوٹھڑی سے صرف ودیعت ضائع ہو گئی تو یہ قول صحیح ہوگا اس سے قسم لی جائے گی۔ کیونکہ یہ تصور کیا جاسکتا ہے۔ کسی امر کی وجہ سے قوم میں صحیفہ کو چھوڑنے والا پس وہ سب چلے گئے اور صحیفہ جاتا رہا تو آخری آدمی ضامن ہوگا۔ اور گرمی کے موسم میں صوف کے پھیلائے کو ترک کرنے والا مودع پھر صوف کو اس کا کپڑا چاٹ گیا ضامن نہ ہوگا اور چوہے کا کاٹ لینا اس کے برعکس مروی ہے۔ جب وہ آگاہی کے بعد اسے بند نہ کرے اور مالک کو اس بارے میں آگاہ نہ کرے تو یہ امر ثابت ہو جائے گا۔ میں کہتا ہوں: یہ صورت باقی رہ گئی ہے اگر وہ ایک دفعہ بند کر دے اور چوہا اسے کھول دے اسے ذکر نہیں کیا گیا اس کی تفصیل ہونی چاہیے جس طرح گزر چکا ہے پس اس میں تدبر کیجئے۔

المال کے لیے اس سب کا ضامن ہوگا جو اس کے قبضہ میں ہوگا وہ عمل کرے یا عمل نہ کرے۔ ”شرح الوہابیۃ لابن الشحنہ“۔

28946۔ (قوله: يَضُنُّ الْمَتَأَخِّرُ) اس کا مفہوم یہ ہے جب وہ سب اکٹھے اٹھ کھڑے ہوئے تو سب ضامن ہوں گے ”قاضی خان“ نے اس کی تصریح کی ہے۔ میرے لیے یہ امر ظاہر ہوتا ہے کہ ہر وہ چیز جو تقسیم نہیں کی جاتی اس کا حکم اسی طرح ہے۔ ”ساحانی“۔

”حاشیہ“ میں کہا: اگر ایک شخص نے ایک قوم کے لیے ودیعت چھوڑی اور سب لوگ اکٹھے کھڑے ہو گئے اور اسے وہیں چھوڑ دیا اور ان میں سے کسی ایک نے بھی نہ اٹھایا تو سب اس کے ضامن ہوں گے۔ ”ابن شحنہ“۔

28947۔ (قوله: فَعِثْ) یہ لفظ ثا کے ساتھ ہے۔

28948۔ (قوله: وَلَمْ يَعْلَمْ الْخ) واو کے معنی میں ہے اور یعلم کی یا مضموم ہے۔ ”حاشیہ“ میں اسی طرح ہے۔

وہ صورتیں جن میں مودع ضامن ہوگا یا نہیں

28949۔ (قوله: وَيَنْبَغِي) بحث ”طرسوی“ کی ہے جب انہوں نے کہا: یہ چاہیے کہ اس میں تفصیل ہو۔ کیونکہ امر

اس میں دائر ہے کہ مودع کو آگاہ کیا جائے یا اس کے بغیر ہی اس سوراخ کو بند کر دیا جائے جب کہ وہ اس کی رضامندی موجود ہے۔ ”ابن الشحنہ شریکالی“ سے اسے ثابت رکھا ہے۔

فروع: اس نے ودیعت کو اپنی آستین یا اپنی پگڑی کے کنارہ میں باندھ لیا اسے رومال میں باندھا اور اسے آستین میں رکھ لیا یا اپنے جیب میں ڈال دیا جب کہ وہ اس میں واقع نہ ہو جب کہ وہ یہ گمان کرتا ہے کہ اس میں واقع ہو چکا ہے تو وہ ضامن

نہیں ہوگا۔

وہ باہر نکل گیا اور دروازہ کو کھلا چھوڑ دیا تو وہ ضامن ہوگا اگر گھر میں کوئی بھی نہ ہو اور وہ ایسی جگہ نہ ہو جہاں داخل ہونے والے کا احساس ہوتا ہے۔

اس نے ودیعت کو انگوروں کی بیل میں رکھا اگر اس کی اتنی دیوار ہو کہ انگور کے باغ میں جو کچھ ہے وہ باہر سے دکھائی نہیں دیتا تو وہ ضامن نہیں ہوگا جب وہ دروازہ کو بند کر دے ورنہ وہ ضامن ہوگا۔

ایک تاجر ہے جو نماز کی طرف اٹھتا ہے جب کہ اس (دکان) میں ودیعتیں ہیں (عبارت اسی طرح ہے شاید صحیح یہ ہے کہ اس کے پاس ودیعتیں ہوں) وہ ضامن نہیں ہوگا۔ کیونکہ اس کے پڑوسی اس کی حفاظت کرتے ہیں یہ مودع کا ودیعت کرنا نہیں بلکہ یہ ایسا مودع ہے جس نے کسی شے کو ضائع نہ کیا۔ شارح نے وہ ذکر کیا ہے جو ضمانت پر دلالت کرتا ہے۔ پس فتویٰ کے وقت غور و فکر کیا جائے۔ ”جامع الفصولین“۔ ”بزازیہ“ میں ہے: حاصل یہ ہے کہ اعتبار عرف کا ہوتا ہے۔

ودیعت کا مالک غائب ہو گیا اور وہ نہیں جانتا کہ کیا وہ زندہ ہے یا مر چکا ہے مودع اس ودیعت کو روکے رکھے یہاں تک کہ اس کی موت کا علم ہو جائے اور اس کو صدقہ نہ کرے۔ لفظ کا معاملہ مختلف ہے۔ اگر وہ ودیعت پر قاضی کے امر کے بغیر خرچ کرے تو وہ متطوع ہوگا قاضی اس سے اس بارے میں گواہ پوچھے گا کہ یہ چیز اس کے پاس ودیعت ہے اور مالک غائب ہے۔ اگر وہ گواہیاں پیش کر دے۔ اگر ودیعت ان چیزوں میں سے ہے جسے اجرت پر دیا جاسکتا ہے اور اس کے منافع سے اس پر خرچ کیا جاسکتا ہے تو وہ اسے اس کا حکم دے گا یا وہ چیز ایسی نہ ہوگی تو قاضی اسے ایک، دو یا تین دن اس پر خرچ کرنے کا حکم دے گا اس امید پر کہ مالک حاضر ہو جائے اس سے زیادہ کا حکم نہیں دے گا بلکہ اسے بیع کرنے اور اس کی ثمن کے محفوظ رکھنے کا حکم دے گا۔ اگر ابتدا میں ہی اسے بیچنے کا حکم دے دے تو ودیعت کے مالک کو یہ حق ہوگا کہ اس سے واپسی کا مطالبہ کرے جب وہ حاضر ہو۔ لیکن چوپائے کی صورت میں قیمت کی مقدار کے بدلے میں مطالبہ کرے ثمن کے بدلے میں مطالبہ نہ کرے گا اور غلام میں قیمت کے بدلے میں مطالبہ کرے گا وہ جہاں تک پہنچ جائے۔ اگر ودیعت کے دودھ سے بہت سی شے جمع ہو جائے یا ودیعت ایسی تھی تو اس نے پھل دیا اور اس کے فساد کا خوف ہو تو اس نے قاضی کے امر سے بیچ دیا اگر وہ شہر میں ہو یا ایسی جگہ پر ہو جہاں سے قاضی تک وہ پہنچ سکتا ہو قبل اس کے کہ وہ خراب ہو تو وہ ضامن ہوگا۔ ”تاتر خانیہ“ کے متفرقات میں دسویں فصل میں ہے۔

تمتہ: مودع کی ضمان کے بارے میں ”قاضی خان“ میں ہے: مودع نے ودیعت کے کپڑے میں رہن کا کپڑا رکھا اور وہ ودیعت اس کے مالک کو دے دی اور اس میں کپڑا بھول گیا تو وہ کپڑا مودع کے پاس ضائع ہو گیا تو وہ اس کا ضامن ہوگا۔ کیونکہ اس نے غیر کا کپڑا اذن کے بغیر لیا ہے۔ اور اس میں عدم واقفیت عذر نہیں ہے۔ ”نور العین“ میں کہا: چاہیے کہ مسئلہ کو اس مقید کے ساتھ قید کیا جائے کہ وہ آگاہ نہ ہو پھر وہ اس سے آگاہ ہوا اور وہ چیز اس کے پاس ضائع ہو گئی۔ ورنہ ضمان کا اصلاً کوئی سبب نہیں۔ ظاہر یہ ہے کہ ان کا قول: والجهل فيه لا یكون عذرا یہ اپنے اطلاق پر نہیں ہے۔ واللہ اعلم۔ ”ملخص“

کِتَابُ الْعَارِيَةِ

أَخْرَهَا عَنْ الْوَدِيعَةِ؛ لِأَنَّ فِيهَا تَبْلِيكَاً، وَإِنْ اشْتَرَكَا فِي الْأَمَانَةِ، وَمَحَاسِنُهَا النَّيَابَةُ عَنْ اللَّهِ تَعَالَى فِي إِجَابَةِ الْمُضْطَرِّ؛ لِأَنَّهَا لَا تَكُونُ إِلَّا لِمُحْتَاجٍ كَالْقَرْضِ فَلِذَا كَانَتْ الصَّدَقَةُ بِعَشْرَةٍ، وَالْقَرْضُ بِشَتَائِيَةِ عَشْرٍ (هي) لُغَةً مُشَدَّدَةً وَتُخَفَّفُ إِعَارَةُ الشَّيْءِ قَامُوسٌ

عارِیہ کے احکام

کتاب العاریہ کو کتاب الودیعۃ سے مؤخر کیا ہے۔ کیونکہ عاریہ میں تملیک (مالک بنانا) موجود ہے اگرچہ امانت میں دونوں شریک ہیں اس کے محاسن میں سے یہ ہے کہ مضطر کی حاجت روائی کے لیے اللہ تعالیٰ کی نیابت کی جاتی ہے۔ کیونکہ عاریہ صرف محتاج کے لیے ہوتا ہے جس طرح قرض ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے صدقہ کا اجر دس گنا ہوتا ہے اور قرض کا اجر اٹھارہ گنا ہوتا ہے۔ عاریہ کا لفظ یا مشدد کے ساتھ ہو یا اس کی تخفیف کے ساتھ لغت میں اس سے مراد شے کو ادھار دینا ہے۔ ”قاموس“۔

اعارہ کی لغوی تعریف

28950۔ (قوله: مُشَدَّدَةً) گویا ”عار“ کی طرف منسوب ہے کیونکہ اس کا طلب کرنا عار اور عیب ہے، ”صحاح“۔ ”النبایہ“ میں اس کا رد کیا ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود چیز ادھار پر لی (1)۔ اگر اس کی طلب میں عار ہوتی تو سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم بذات خود ایسا نہ کرتے۔ اور ”المغرب“ میں جو قول ہے اس سے اس کا رد کیا ہے۔ وہ قول یہ ہے کہ یہ اعارہ کا اسم ہے اور اسے عار جس کا معنی عیب ہے، سے اخذ کرنا خطا ہے۔ ”المبسوط“ میں ہے: یہ تعاد سے ماخوذ ہے جس کا معنی باری باری کسی فعل کو کرنا ہے جس طرح ”البحر“ میں ہے۔ اسے مخفف بھی پڑھا گیا ہے۔

”جوہری“ نے کہا: یہ عار کی طرف منسوب ہے۔ ”راغب“ نے اس کا رد کیا ہے کہ عار لاحق ہوتی ہے اور عاریہ واوی ہے۔ ”المبسوط“ میں ہے: یہ عربیہ سے مشتق ہے جس کا معنی عوض کے بغیر پھلوں کا مالک بنانا ہے۔ ”مطرزی“ نے اس کا رد کیا ہے۔ کیونکہ یہ کہا جاتا ہے: استعارہ منہ فاعارہ۔ اس نے اس سے کوئی شے ادھار طلب کی تو اس نے اسے ادھار دے دی۔ استعارہ الشیء یہ من کے حذف کے ساتھ صحیح ہے کہ اس کی طرف منسوب العارۃ کا لفظ ہے جو الا عارہ سے اسم ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہ تعاد سے ماخوذ ہے جس کا معنی تناوب ہے۔ ”تہستانی“، ملخص۔

وَشَرْعًا (تَمْلِیکُ الْمَنَافِعِ مَجَانًا) أَقَادَ بِالتَّمْلِیکِ لِرُؤْمِ الْإِیْجَابِ وَالْقَبُولِ وَلَوْ فِعْلًا وَحُكْمُهَا كَوْنُهَا أَمَانَةً
وَشَرْطُهَا قَابِلِيَّةُ الْمُسْتَعَارِ لِلِاتِّفَاعِ وَخُلُوقُهَا عَنْ شَرْطِ الْعَوَضِ، لِأَنَّهَا تَصِيرُ إِجَارَةً وَصَرَّحَ فِي الْعِمَادِيَّةِ
بِجَوَازِ إِعَارَةِ الْمَشَاعِ وَإِدَاعَهُ وَبَيَّعَهُ يَعْنِي،

شرح میں اس سے مراد بغیر عوض کے منافع کا مالک بنانا ہے تملیک سے یہ بیان کیا کہ ایجاب و قبول لازم ہے اگرچہ قول کی بجائے فعل سے ہو۔ عاریہ کا حکم یہ ہے کہ یہ امانت ہے اس کی شرط یہ ہے کہ مستعار چیز نفع حاصل کرنے کے قابل ہو اور عوض کی شرط سے خالی ہو کیونکہ یہ اجارہ ہوتا ہے۔ اور ”عمادیہ“ میں اس کی تصریح کی ہے کہ مشترک چیز کو ادھار دینا، اسے کسی کے ہاں ودیعت رکھنا اور اسے بیچنا جائز ہے مراد یہ ہے

اعارہ کی شرعی تعریف

28951۔ (قوله: تَمْلِیکُ) اس میں ”کرخی“ پر رد ہے جو اس کے بارے میں کہتے ہیں کہ یہ اباحت ہے یہ تملیک نہیں ہے۔ لفظ تملیک کے ساتھ اس کا انعقاد اس کی شہادت دیتا ہے اور اس امر کا جائز ہونا کہ وہ ایسا مال عاریہ دے جو مستعمل کے مختلف ہونے کے ساتھ مختلف ہو جاتا ہے اور جس کے لیے کوئی شے مباح کی جائے وہ کسی اور کے لیے مباح نہیں کر سکتا۔ اور اباحت کے لفظ کے ساتھ اس کا انعقاد اس لیے ہے کہ یہ لفظ تملیک کے معنی میں بطور مجاز استعمال ہوتا ہے۔ ”بحر“۔

اعارہ کا رکن

28952۔ (قوله: وَلَوْ فِعْلًا) جیسے ایک ہاتھ سے دینا اور دوسرے ہاتھ سے لینا ہو۔ ”قہستانی“ میں ہے: یہ قبول پر مبالغہ ہے۔ جہاں تک ایجاب کا تعلق ہے تو وہ اس کے ساتھ صحیح نہیں ہوتا۔ اس پر وہ مسائل متفرع ہوتے ہیں جن کا ذکر قریب ہی آئے گا کہ آقا کہتا ہے: اسے لے لو اور اس سے خدمت لو۔ ظاہر یہ ہے کہ یہی اس قول سے مراد ہے جو ”ہندیہ“ سے نقل کیا گیا ہے۔ اس کا رکن ایجاب ہے جو عاریہ دینے والے کی جانب سے ہو۔ جہاں تک قبول کا تعلق ہے تو یہ مستعیر کی جانب سے ہوتا ہے۔ ہمارے تینوں ائمہ کے نزدیک یہ مستحب نہیں۔ یعنی قبول جو صریحا ہو یہ شرط نہیں۔ ایجاب کا معاملہ مختلف ہے۔ اسی وجہ سے ”تاتر خانیہ“ میں کہا: اعارہ سکوت کے ساتھ ثابت نہیں ہوتا ورنہ لازم آتا کہ اس کا اخذ کرنا قبول نہ ہوتا۔

مشترک چیز کو اعارہ پر دینا جائز ہے

28953۔ (قوله: بِجَوَازِ إِعَارَةِ الْمَشَاعِ) یعنی مشترک جز کو ادھار دینا صحیح ہے وہ کیسے بھی ہو وہ چیز اس چیز میں سے ہو جو تقسیم کو قبول کرتی ہے یا تقسیم کو قبول نہیں کرتی وہ شریک کی ہو یا اجنبی کی ہو اسے دو افراد کو ادھار دینا اسے مجمل ذکر کیا جائے یا تفصیل بیان کی جائے وہ نصف نصف ہو یا ایک تہائی کی صورت میں ہو۔ ”قنیہ“۔

28954۔ (قوله: وَبَيَّعَهُ) اسی طرح اس کا قرض پر دینا ہے جس طرح گزر چکا ہے۔ اسی طرح شریک کو ادھار دینا نہ کہ اجنبی کو۔ امام ”ابو یوسف“ رحمہ اللہ کے نزدیک اس کے وقف کا معاملہ بھی ہے۔ امام ”محمد“ رحمہ اللہ نے اس میں ایسی چیز کے

لَاَنَّ جَهَالَةَ الْعَيْنِ لَا تُفْضِي لِيْجْهَالَةٍ لِعَدَمِ لُزُومِهَا، وَقَالُوا عَلْفُ الدَّابَّةِ عَلَى الْبُسْتَعِيرِ، وَكَذَا نَفَقَةُ الْعَبْدِ أَمَّا كِسْوَتُهُ فَعَلَى الْمُبْعِرِ، وَهَذَا إِذَا طَلَبَ الْإِسْتِعَارَةَ فَلَوْ قَالَ السُّوْلَى خُذْهُ وَاسْتَخْدِمْهُ مِنْ غَيْرِ أَنْ يَسْتَعِيرَهُ فَنَفَقَتُهُ عَلَى السُّوْلَى أَيْضًا لِأَنَّهُ وَدِيعَةٌ (وَتَصِحُّ بِأَعْرَتِكَ) لِأَنَّهُ صَرِيحٌ (وَأَطْعَمْتُكَ أَرْضِي) أَيْ غَلَّتْهَا؛ لِأَنَّهُ صَرِيحٌ مَجَازًا مِنْ إِبْطَاقِ اسْمِ الْمَحَلِّ عَلَى الْحَالِ (وَمَنْحَتُكَ) بِمَعْنَى أُعْطَيْتُكَ (ثَوْبِي)

کہ عین کی جہالت یہاں نزاع کا موجب نہیں۔ کیونکہ عقد عاریہ لازم نہیں اور علماء نے کہا: جانور کا چارہ ادھار لینے والے پر ہو گا۔ اسی طرح غلام کے نفقہ کا معاملہ ہے۔ جہاں تک اس کے کسوت کا تعلق ہے تو وہ ادھار دینے والے پر ہے یہ اس وقت ہے جب وہ اعارہ کے طور پر طلب کرے۔ اگر آقا کہے: اسے لے لو اور اس سے خدمت لو جب کہ اس نے اسے عاریۃ نہ مانگا ہو تو نفقہ بھی آقا پر ہوگا۔ کیونکہ یہ ودیعت ہے۔ میں نے تجھے ادھار دے دیا کے ساتھ اعارہ صحیح ہے۔ کیونکہ یہ لفظ صریح ہے۔ میں نے اپنی زمین یعنی اس کے منافع تجھے کھلائے اس کے ساتھ اعارہ صحیح ہے۔ کیونکہ یہ صریح ہے۔ محل کے اسم کو حال پر اطلاق کرنے کے ساتھ مجاز ہے۔ اور اعارہ صحیح ہے جب وہ کہے: میں نے تجھے اپنا کپڑا،

متعلق اختلاف کیا ہے جو تقسیم کو قبول کرتی ہو ورنہ یہ جائز ہے۔ اس کی مکمل بحث ”البحر“ کی کتاب الہبہ میں ہے پس اس کی طرف رجوع کر لیجئے۔

28955۔ (قوله: لِأَنَّ جَهَالَةَ الْخ) اس قول نے اس امر کا فائدہ دیا کہ جہالت اس کو فاسد نہیں کرتی۔ ”البحر“ میں کہا: جہالت سے مراد ان منافع کی جہالت ہے جن کا مالک بنایا گیا ہے مستعار چیز کی جہالت مراد نہیں۔ اس کی دلیل وہ ہے جو ”الخلاصہ“ میں ہے۔

ایک آدمی اگر دوسرے شخص سے ادھار لیتا ہے وہ آدمی کہتا ہے: اصطبل میں میرے دو گدھے ہیں ان میں سے ایک لے لے جو بھی تم چاہتے ہو تو وہ ضامن نہیں ہوگا۔

28956۔ (قوله: لِيْجْهَالَةٍ) بعض نسخوں میں للنزاعۃ کے الفاظ ہیں۔

28957۔ (قوله: لِأَنَّهُ وَدِيعَةٌ) مالک نے اسے اس سے فائدہ اٹھانے کو مباح قرار دیا تھا۔

علمائے اصول کے نزدیک لفظ صریح کا معنی اور حکم

28958۔ (قوله: لِأَنَّهُ صَرِيحٌ) یہ حقیقت میں صریح ہے۔ ”قاضی زادہ“ نے کہا ہے: علماء اصول کے نزدیک صریح

سے مراد وہ لفظ ہوتا ہے جس کی مراد فی نفسہ منکشف، واضح ہو پس وہ حقیقت غیر مجبورہ اور مجاز متعارف کو شامل ہوگا۔ پہلے کی مثال اعرتک ہے اور دوسرے کی مثال اطعمتک ارضی ہے۔ ”ط“۔

28959۔ (قوله: لِأَنَّهُ صَرِيحٌ) یہ منحتک (میں نے تجھے عطا کیا) میں ظاہر ہے۔ جہاں تک حلتک میں نے تجھے

سوار کیا کا تعلق ہے ”زیلعی“ نے کہا: یہ لفظ دونوں میں مستعمل ہے۔ ایک آدمی کہتا ہے: حمل فلان فلان علی دابتہ، اس سے

أَوْ جَارِيَّتِي هَذِهِ وَحَصَلْتُكَ عَلَى دَابَّتِي هَذِهِ إِذَا لَمْ يُرَدْ بِهِ بِمَنْحَتِكَ وَحَصَلْتُكَ (الْهَبَةِ) لِأَنَّهُ صَرِيحٌ
فِيُفِيدُ الْعَارِيَّةَ بِلَا نِيَّةٍ وَالْهَبَةَ بِهَا أَيْ مَجَازًا (وَأَخَذْتُكَ عَبْدِي) وَآجَرْتُكَ دَارِي شَهْرًا مَجَّانًا
(وَدَارِي) مُبْتَدَأً (لَكَ) خَبَرٌ (سُكْنَى) تَنْبِيْزٌ أَيْ بِطَرِيقِ السُّكْنَى (وَ) دَارِي لَكَ (عُمْرَى) مَفْعُولٌ
مُطْلَقٌ أَيْ أَعْمَرْتُهَا لَكَ عُمْرَى (سُكْنَى) تَنْبِيْزُهُ يَعْنِي جَعَلْتُ سُكْنَاهَا لَكَ مُدَّةَ عُمْرِكَ (وَ) لِعَدَمِ
لُزُومِهَا (يَرْجِعُ الْبُعِيدُ مَتَى شَاءَ)

اپنی یہ لونڈی عطا کی، میں نے تجھے اپنی اس سواری پر سوار کیا جب وہ، میں نے تجھے عطا کیا یا میں نے تجھے سواری پر سوار کیا،
سے ہبہ مراد نہ لے۔ کیونکہ یہ صریح مجازی ہے۔ پس نیت کے بغیر یہ عاریہ کا فائدہ دے گا۔ اور نیت کیساتھ ہبہ کا فائدہ
دے گا۔ میں نے اپنا غلام تیری خدمت میں دے دیا، میں نے اپنا گھرا ایک ماہ کے لیے عوض کے بغیر اجرت پر دے دیا،
داری کا لفظ مبتدا ہے لک خبر ہے اور سکنی تمیز ہے۔ یعنی سکنی کے طریقہ پر۔ اور داری لک عمری میں عمری کا لفظ مفعول مطلق
ہے۔ اس کی ترکیب یہ ہے اعمرتها لک عمری، سکنی کا لفظ تمیز ہے یعنی تیری عمر کے عرصہ کے لیے اس کی رہائش تیرے لیے
بنادیا ہے۔ اور کیوں کہ یہ اعارہ لازم نہیں ہوتا اس لیے عاریہ پر دینے والا جب چاہے گا واپس لے لے گا

بعض اوقات مراد ہبہ ہوتا ہے اور بعض اوقات عاریہ ہوتا ہے۔ جب وہ دونوں میں سے ایک کی نیت کرے تو اس کی نیت صحیح
ہوتی ہے۔ اگر اس کی نیت نہ ہو تو اسے ادنیٰ پر محمول کیا جائے گا تا کہ اعلیٰ شک کے ہوتے ہوئے لازم نہ ہو۔ یہ اس امر پر دال
ہے کہ یہ دونوں میں مشترک میں سے ہے۔ لیکن جب نیت نہ ہو تو اس سے عاریہ مراد لیا جاتا ہے تا کہ شک کے ہوتے ہوئے
اعلیٰ لازم نہ آئے۔ ”ط“۔ ہم نے ”البحر“ کے اوپر لکھا ہے جو ”کفایہ“ سے نقل کیا ہے اس میں کفایت موجود ہے۔

28960۔ (قوله: بِهَا) اس میں کفایت موجود ہے۔

28961۔ (قوله: شَهْرًا) اگر وہ شہر کا لفظ نہ ہو لے تو اعارہ نہ ہوگا۔ ”بحر“ میں ”الخانۃ“ سے مروی ہے یعنی بلکہ اجارہ

فاسدہ۔ اس کے خلاف بھی قول کیا گیا ہے ”تا ترخانۃ“۔

یہی چاہیے کیونکہ جب مدت کی تصریح نہ کرے اور نہ ہی عوض کی تصریح کرے تو بہتر ہے کہ اسے اعارہ بنایا جائے منسبت
اس کے کہ جو مدت کی تصریح کے ساتھ اعارہ بناتا ہے نہ کہ عوض کے ساتھ اعارہ بناتا ہے۔ یہ ہمارے شیخ کا قول ہے۔ ”رئی“
نے ”حاشیۃ البحر“ میں ”بزازیہ“ کے کتاب الاجارہ میں نقل کیا ہے: اعارہ اجارہ کے لفظ سے منعقد نہیں ہوتا یہاں تک کہ اگر وہ
کہے: میں نے تجھے اس کے منافع سال تک عوض کے بغیر دیئے ہیں تو وہ اجارہ فاسدہ ہوگا وہ عاریہ نہ ہوگا۔ کہا: اس کے ساتھ
اس میں غور و فکر کیجئے۔

28962۔ (قوله: مَجَّانًا) یعنی عوض کے بغیر۔

28963۔ (قوله: مُدَّةَ عُمْرِكَ) یہ ایک اور صورت ہے جسے ”قہستانی“ نے ذکر کیا ہے وہ یہ ہے کہ عمری ظرف ہو۔

وَلَوْ مُوقَّتَةً أَوْ فِيهِ ضَرَرٌ فَتَبَطَّلُ، وَتَبَقَى الْعَيْنُ بِأَجْرِ الْبِشْلِ كَمَنْ اسْتَعَارَ أَمَةً لِتُرْضَعَ وَلَدَهُ وَصَارَ لَا يَأْخُذُ إِلَّا شَدِيدَهَا فَلَهُ أَجْرُ الْبِشْلِ إِلَى الْفِطَامِ وَتَبَامُهُ فِي الْأَشْبَاهِ وَفِيهَا مَعْرِيًا لِلْقُنْيَةِ تَلْزَمُ الْعَارِيَةُ فِيمَا إِذَا اسْتَعَارَ جَدَارَ غَيْرِهِ لَوْضِعٍ جُدُوْعِهِ فَوَضَعَهَا ثُمَّ بَاعَ الْمُعِيرُ الْجَدَارَ لَيْسَ لِلْمُشْتَرِي رَفْعُهَا، وَقِيلَ نَعَمْ إِلَّا إِذَا شَرَطَهُ وَقْتُ الْبَيْعِ

اگرچہ اس کے لیے کوئی وقت ذکر کیا گیا ہو یا اس میں ضرر ہو۔ پس اعارہ باطل ہو جائے گا اور عین اجرت مثلی کے ساتھ باقی رہے گی جس طرح ایک آدمی لونڈی عاریۃ لیتا ہے تاکہ اس کے بچے کو دودھ پلائے اور وہ بچہ یوں ہو گیا ہے کہ وہ اس لونڈی کے سوا کسی کا پستان نہیں پکڑتا تو دودھ چھڑانے تک اس کے لیے اجرت مثلی ہوگی۔ اس کی مکمل بحث ”الاشباہ“ میں ہوگی۔ اس میں ”قنیۃ“ کی طرف منسوب قول ہے: عاریہ لازم ہوگا جب کوئی آدمی اپنی کڑیاں رکھنے کے لیے کسی اور کی دیوار عاریۃ لیتا ہے پس وہ اس پر کڑیاں رکھ لیتا ہے پھر معیر دیوار بیچ دیتا ہے تو مشتری کو حق حاصل نہیں کہ وہ یہ اٹھائے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مگر جب وہ بیع کرتے وقت اس کی شرط لگالے۔

28964۔ (قوله: وَلَوْ مُوقَّتَةً) لیکن وقت مکمل ہونے سے پہلے یہ مکروہ ہے کیونکہ اس میں وعدہ خلافی ہے۔ ”ابن کمال“۔ میں کہتا ہوں: یہاں سے معلوم ہوتا ہے کہ وعدہ خلافی مکروہ ہے حرام نہیں ہے۔ ”الذخیرۃ“ میں ہے: یہ مکروہ تنزیہی ہے کیونکہ یہ وعدہ خلافی ہے اور وعدہ پورا کرنا مستحب ہے۔ ”سائحانی“۔

28965۔ (قوله: فَتَبَطَّلُ) یہ واپسی کے مطالبہ کے ساتھ اعارہ باطل ہو جائے۔

28966۔ (قوله: فَلَهُ أَجْرُ الْبِشْلِ) یعنی معیر کے لیے اجرت مثلی ہوگی زیادہ بہتر یہ قول تھا: فعلیہ یعنی مستعیر پر اجرت مثلی ہوگی۔

28967۔ (قوله: لِلْقُنْيَةِ) ”القنیۃ“ میں اس جگہ میں نے یہ قول نہیں پایا۔

28968۔ (قوله: وَقْتُ الْبَيْعِ) یعنی مگر جب بائع بیع کے وقت شرط لگا دے تو کڑیاں باقی رہیں گی اس میں وارث مشتری کے قائم مقام ہے مگر وارث کو یہ حق حاصل ہے کہ ہر حال میں اسے اٹھا لینے کا حکم دے جس طرح ”ہندیۃ“ میں ہے۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جس نے کسی وارث کو اپنے گھر میں کوئی شے تعمیر کرنے کا حکم دیا پھر وہ مر گیا تو باقی وارثوں کو حق حاصل ہوگا کہ اس کے اٹھا لینے کا مطالبہ کریں اگر تقسیم نہ ہوئی ہو یا یہ اس کے حصہ میں وہ نہ نکلتا ہو۔

”جامع الفصولین“ میں ہے: ایک آدمی نے ایک گھر عاریۃ لیا اور مالک کی اجازت کے بغیر اس میں گھر بنا لیا یا اس نے کہا: اپنے لیے بنالے پھر گھر کو اس کے حقوق کے ساتھ بیچ دیا تو بنانے والے کو حکم دیا جائے گا کہ عمارت کو گرا دیا جائے۔ جب مطالبہ کے بعد اس نے لوٹانے میں کوتاہی کی جب کہ اس پر قادر تھا تو ضامن نہیں ہوگا۔ ”سائحانی“۔

”حاشیہ“ میں کہا: عنقریب اس کے بارے میں مسئلہ آئے گا جس نے اپنی بیوی کے گھر میں کوئی چیز تعمیر کی۔ یہ کتاب

قُلْتُ وَبِالْقِيلِ جَزَمَ فِي الْخُلَاصَةِ وَالْبَزَازِيَّةِ وَغَيْرِهِمَا وَاعْتَمَدَهُ مُحَشِّيهَا فِي تَنْوِيرِ الْبَصَائِرِ وَلَمْ يَتَعَقَّبْهُ ابْنُ
الْبُصَيْفِ فَكَأَنَّهُ ارْتَضَاهُ فَلْيُحْفَظْ (وَلَا تُضْمَنُ بِالْهَلَاكِ مِنْ غَيْرِ تَعَدٍّ) وَشَرَطَ الضَّمانَ بَاطِلٌ كَشَرَطِ
عَدَمِهِ فِي الرَّهْنِ خِلَافًا لِلْجَوْهَرَةِ (وَلَا تُوجَرُ وَلَا تُرَهَّنُ)

میں کہتا ہوں: قول ضعیف کو جزم کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے، ”خلاصہ“ اور ”بزازیہ“ وغیرہما۔ ”تنویر البصائر“ میں اس کے محشی نے اس پر اعتماد کیا ہے مصنف کے بیٹے نے اس پر اعتراض نہیں کیا گویا وہ اس پر راضی ہیں پس اسے یاد رکھا جائے۔ بغیر تعدی کے عاریہ ہلاک ہو تو اس کی ضمانت نہ ہوگی اور ضمان کی شرط باطل ہے جس طرح رہن میں ضمان نہ ہونے کی شرط لگائی جائے ”جوہرہ“ نے اس سے اختلاف کیا ہے۔ نہ اسے اجرت پر دیا جائے گا اور نہ ہی رہن پر دیا جائے گا

الوصایا کے مسائل شتی میں ہے اس میں جذوع (کڑیاں) سرداب (تہہ خانہ) کے مسئلہ کا اضافہ ہے کہا: ایک آدمی نے اپنی کڑیاں اپنے پڑوسی کی دیوار پر پڑوسی کی اجازت سے رکھیں یا پڑوسی کی اجازت سے اپنے گھر میں سرداب کھودا پھر پڑوسی نے اپنا گھر بیچ دیا مشتری نے یہ ارادہ کیا کہ وہ اپنی کڑیاں اس کی دیوار سے اتار لے اور سرداب ختم کر دے تو مشتری کو یہ حق حاصل ہوگا۔ مگر جب بائع نے بیع میں یہ شرط لگائی ہو کہ کڑیاں اور سرداب جو گھر کے نیچے ہے باقی رہیں گے اس وقت مشتری کو یہ حق حاصل نہیں ہوگا کہ اس کے اتار لینے کا حکم دے۔ اس کی مکمل بحث ”الحانیہ“ کی فصل مایتنصرہ بہ الجار میں ہے۔

28969۔ (قوله: وَبِالْقِيلِ الْخ) ”خیر یہ“ میں اس کا فتویٰ دیا ہے ”حاشیہ“ میں اسی طرح ہے۔

28970۔ (قوله: فِي الْخُلَاصَةِ) ”الحانیہ“ میں اسی طرح ہے جس طرح ہم اس کی عبارت دعویٰ النسب سے تھوڑا پہلے

ذکر کر چکے ہیں۔

28971۔ (قوله: وَلَا تُضْمَنُ) یہ اس وقت ہے جب یہ واضح نہ ہو کہ غیر کا اس میں استحقاق نہیں۔ اگر کسی اور کا استحقاق ظاہر ہو گیا تو وہ اس کا ضامن ہوگا اور اسے معیر سے مطالبہ کا کوئی حق نہیں ہوگا۔ مودع کا معاملہ مختلف ہے جب اس نے مستحق کو ضمانت دی تو وہ مودع سے مطالبہ کرے گا۔ کیونکہ وہ مودع مودع کے لیے عمل کرتا ہے۔ ”بحر“۔

28972۔ (قوله: بِالْهَلَاكِ) یہ اس وقت ہے جب اعارہ مطلقہ ہو جب اعارہ مقیدہ ہو اس کی صورت یہ ہے کہ وہ ایک دن کے لیے عاریہ دے اور دن گزرنے کے بعد اسے واپس نہ کرے تو وہ ضامن ہوگا جب عاریہ پردی گئی چیز ہلاک ہو جائے جس طرح ”شرح الجمع“ میں ہے: یہی مختار ہے جس طرح ”العمادیہ“ میں ہے۔ ”شرنبلا لہ“ میں کہا: خواہ وقت کے بعد اس سے کام لیا یا کام نہ لیا۔ ”صاحب المحیط“ اور ”شیخ الاسلام“ نے اسے ذکر کیا ہے: بے شک وہ ضامن ہوگا جب وقت گزرنے کے بعد وہ نفع حاصل کرے کیونکہ اس وقت وہ غاصب ہو جاتا ہے۔ ”ابوسعود“۔

28973۔ (قوله: لِلْجَوْهَرَةِ) کیونکہ ”جوہرہ“ میں اسے یقین سے بیان کیا ہے کہ ضمان کی شرط پر اسے مضمونہ قرار دیا

ہے۔ اس میں ایک روایت ذکر نہیں کی جب کہ اس میں دو روایتیں ہیں جس طرح ”زیلعی“ کی عبارت سے اخذ کیا گیا ہے، ”س“۔

لَآ اِنَّ الشَّيْءَ لَا يَتَضَمَّنُ مَا فَوْقَهُ (كَالْوَدِيعَةِ) فَاِنَّهَا لَا تُوجَرُ، وَلَا تُرَهَّنُ بَلْ وَلَا تُودَعُ، وَلَا تُعَارُ بِخِلَافِ
الْعَارِيَةِ عَلَى الْخُتَارِ، وَأَمَّا الْمُسْتَأْجَرُ فَيُودَعُ وَيُعَارُ وَلَا يُرَهَّنُ، وَأَمَّا الرَّهْنُ فَكَالْوَدِيعَةِ وَفِي
الْوَهْبَانِيَّةِ نَظْمٌ تِسْعَ مَسَائِلَ لَا يَبْلُغُ فِيهَا تَبْلِيغُ الْغَيْرَةِ بِدُونِ إِذْنِ سَوَاءٍ قَبْضَ أَوْ لَا فَقَالَ
وَمَالِكُ أَمْرٍ لَا يَمْلِكُهُ بِدُونِ أَمْرٍ وَكِيلٍ مُسْتَعِيرٍ وَمُوجَرٍّ

کیونکہ یہ اپنے مافوق کو متضمن نہیں ہوتی جیسے ودیعت۔ کیونکہ نہ اسے اجرت پر دیا جاتا ہے اور نہ ہی اسے رہن رکھا جاتا ہے بلکہ نہ اسے ودیعت کے طور پر کسی کو دیا جاسکتا ہے اور نہ ہی عاریۃ دیا جاسکتا ہے۔ عاریۃ کا معاملہ مختلف ہے۔ یہ مختار مذہب کے مطابق ہے۔ جہاں تک مستاجر کا تعلق ہے پس اسے اجرت پر دے گا ودیعت کے طور پر دے گا اور عاریۃ دے گا اور رہن کے طور پر نہیں رکھے گا۔ جہاں تک رہن کا تعلق ہے وہ ودیعت کی طرح ہے۔ ”وہبانیہ“ میں ان نو مسائل کو نظم کیا ہے جس میں غیر کو مالک نہیں بنا سکتا جب تک اجازت نہ ہو خواہ وہ قبضہ کرے یا قبضہ نہ کرے۔ امر کا مالک جسے وکیل کے امر کے بغیر کسی اور کو مالک بنانے کا اختیار نہیں وہ مستعیر اور موجر ہے

28974۔ (قوله: عَلَى الْخُتَارِ) کیونکہ اسے عاریۃ دیا جاتا ہے۔ ”اشباہ“۔ اس کے محشی نے کہا: جب وہ ان چیزوں میں سے ہو جو استعمال سے مختلف نہیں ہوتیں جس طرح رہائش رکھنا، بوجھ اٹھانا اور زراعت۔ اگرچہ وہ یہ شرط لگائے کہ وہ خود اس سے فائدہ اٹھائے۔ کیونکہ جس میں فرق نہ پڑتا ہو اس کی قید لگانا مفید نہیں ہوتی جس طرح ”شروح الجمع“ میں ہے۔ ”س“۔ ”البحر“ میں ہے: مستعیر کے لیے جائز ہے کہ وہ اسے ودیعت رکھے۔ یہ مفتی بہ قول ہے یہی مختار ہے۔ بعض نے اس کے عدم کو صحیح قرار دیا ہے۔ اس پر یہ مسئلہ متفرع ہوتا ہے اگر وہ اجنبی کے ہاتھ اسے بھیجے تو وہ چیز ہلاک ہو جائے تو دوسرے سے ضمانت لے گا پہلے سے ضمانت نہیں لے گا۔ عنقریب اس کا ذکر آئے گا۔

28975۔ (قوله: وَأَمَّا الْمُسْتَأْجَرُ) ”البحر“ کی کتاب الودیعة میں ”الخلاصہ“ سے مروی ہے: ودیعت کو نہ آگے ودیعت پر دیا جاسکتا ہے، نہ عاریۃ دیا جاسکتا ہے، نہ اجرت پر دیا جاسکتا ہے اور نہ ہی دین پر رکھا جاسکتا ہے اور مستاجر (اجرت پر لی گئی چیز) کو اجرت پر دیا جاسکتا ہے، عاریۃ دیا جاسکتا ہے اور اسے ودیعت رکھا جاسکتا ہے رہن کا حکم ذکر نہیں کیا وینبغی الخ۔ ”الخلاصہ“ کے قول میں ہے: اور چاہیے الخ۔ یہ ایسی کلام ہے جسے ہم نے ”حاشیۃ البحر“ میں لکھا ہے۔

28976۔ (قوله: وَيُودَعُ) لیکن اجیر مشترک ”فصولین“ کے قول کے مطابق اپنے قبضہ میں موجود چیز جو ودیعت پر دینے کی صورت میں ضامن ہوگا۔ اگر دلال نے کوئی چیز ودیعت رکھی تو وہ ضامن ہوگا۔ ”ساحانی“۔

28977۔ (قوله: لَا يَمْلِكُهُ) یہ باب تفعیل سے لام کی تشدید کے ساتھ ہے۔ اور دوسرے مصرعہ کا آغاز دون کی نون سے ہے۔

28978۔ (قوله: وَمُوجَرٍّ) یہ جیم کے فتح کے ساتھ ہے۔

رُكُوبًا وَلُبْسًا فِيهِمَا وَمُضَارِبٌ
وَمُسْتَوْدَعٌ مُسْتَبْذَعٌ وَمُزَارِعٌ
وَمُرْتَهَنٌ أَيْضًا وَقَاضٍ يَوْمَرُ
إِذَا لَمْ يَكُنْ مِنْ عِنْدِهِ الْبَذَرُ يُبْذَرُ

قُلْتُ وَالْعَاشِرَةُ

وَمَا لِلْمُسَاقِي أَنْ يُسَاقِيَ غَيْرَهُ
وَإِنْ أَذِنَ الْمَوْلَى لَهُ لَيْسَ يُنْكَرُ
(فَإِنْ آجَرَ الْمُسْتَعِيرُ) أَوْ رَهَنَ فَهَلَكَتْ ضَمَنُهُ الْبُعِيدُ لِلتَّعْدِي (وَلَا رُجُوعَ لَهُ) لِلْمُسْتَعِيرِ (عَلَى أَحَدٍ) لِأَنَّهُ
بِالضَّمَانِ ظَهَرَ أَنَّهُ آجَرَ نَفْسَهُ وَيَتَصَدَّقُ بِالْأَجْرَةِ خِلَافًا لِلثَّانِي (أَوْ ضَمَّنَ) الْمُسْتَأْجَرُ سَكَتَ عَنِ الْمُرْتَهِنِ

یعنی سوار ہونے اور پہننے دونوں میں اسے کسی اور کو دینے کا اختیار نہیں۔ مضارب و مرتہن بھی اور قاضی جسے امر کیا گیا ہو، مستودع، مستبضع اور مزارع جب اس کی جانب سے بیج نہ ہو جسے بویا جائے۔ میں کہتا ہوں: دسواں یہ ہے: ساقی کو یہ حق حاصل نہیں کہ کسی اور کو مساقات پر دے اگر مالک اسے اجازت دے تو پھر انکار کی کوئی بات نہیں۔ اگر مستعیر نے وہ چیز اجرت پر دی یا رہن پر رکھی تو وہ چیز ہلاک ہوگئی تو معیر اس سے ضمانت لے گا۔ کیونکہ اس نے حد سے تجاوز کیا ہے اور مستعیر کو کسی کے خلاف مطالبہ کا حق نہیں ہوگا۔ کیونکہ ضمان سے یہ ظاہر ہو چکا ہے کہ اس نے اپنی ذات کو اجارہ پر دیا اور اس کی اجرت کو صدقہ کرے گا۔ امام ”ابو یوسف“ رحمہ اللہ نے اس سے اختلاف کیا ہے یا مستاجر سے ضمانت لے گا مرتہن سے سکوت کیا ہے۔

28979۔ (قوله: فِيهِمَا) ضمير سے مراد اعارہ اور اجارہ ہے۔ یہ اس صورت میں ہے جب وہ اس کے لبس اور رکوب کی قید لگائے ورنہ یہ قول گزر چکا ہے اور آگے آئے گا کہ وہ اس چیز کو عاریۃ دے سکتا ہے جو مستعمل کے مختلف ہونے سے مختلف ہو جاتی ہے۔ اگر وہ لابس اور راکب کی قید نہ لگائے۔ ”ساحانی“۔

وکیل آگے وکیل نہیں بنا سکتا اور پہننے اور سواری کرنے کے لیے عاریۃ لینے والا وہ اسے عاریۃ پر نہیں دے سکتا جس کا استعمال مختلف ہو۔ مستاجر کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ اجازت کے بغیر مرکوب یا ملبوس کو اجرت پر کسی اور کو دے۔

28980۔ (قوله: وَمُسْتَوْدَعٌ) یہ دال کے فتح کے ساتھ ہے۔

28981۔ (قوله: ضَمَنُهُ الْبُعِيدُ) ضمن باب تفعیل سے میم کی تشدید کے ساتھ ہے۔ یہ معروف کا صیغہ ہے۔ المستعير اس کا فاعل ہے۔ ضمنہ میں جو ضمیر ہے وہ مستعیر کی طرف راجع ہے۔

28982۔ (قوله: عَلَى أَحَدٍ) ”مسکین“ کی عبارت ہے: علی المستاجر۔ ”قہستانی“ نے اسی طرح اسے ثابت رکھا ہے اور کہا: نکرہ عامہ میں کوئی فائدہ نہیں۔ ”ابوسعود“ نے کہا: ہمارے شیخ نے اس پر اعتراض کیا ہے کہ فائدہ کا سبب اس کے مانع ہے کہ رہن کی قیمت بیس ہو اور وہ اس کے بدلے میں رہن ہو پس وہ زائد کا مرتہن سے مطالبہ نہیں کرے گا۔

28983۔ (قوله: الْمُسْتَأْجَرُ) ضمن کا مفعول ہے اسی طرح لکھا گیا ہے۔

28984۔ (قوله: عَنِ الْمُرْتَهِنِ) ”شرنبلالیہ“ میں کہا ہے: اس امر سے خاموشی اختیار کی ہے اگر وہ مرتہن سے ضمانت

وَفِي شَرْحِ الْوَهْبَانِيَّةِ الْخَامِسَةِ لَا يَبْلِكُ الْمُرْتَهَنُ أَنْ يَزْهَنَ فَيُضْسِنَ، وَلِلْمَالِكِ الْخِيَارُ، وَيَرْجِعُ الثَّانِي عَلَى الْأَوَّلِ (وَرَجَعَ) الْمُسْتَأْجِرُ (عَلَى الْمُسْتَعِيرِ إِذَا لَمْ يَعْلَمْ بِأَنَّهُ عَارِيَّةٌ فِي يَدِهِ) دَفْعًا لِضَرَرِ الْغَرَرِ (وَلَهُ أَنْ يُعِيرَ مَا اخْتَلَفَ اسْتِعْمَالُهُ أَوْ لَا إِنْ لَمْ يُعَيَّنْ) الْمُعِيرُ (مُنْتَفِعًا وَ) يُعِيرُ (مَا لَا يَخْتَلِفُ إِنْ عَيَّنَ)

”شرح الوہبانیہ“ میں ہے: پانچواں مسئلہ یہ ہے مرتہن اس کا مالک نہیں کہ وہ آگے رہن رکھے اگر وہ رہن رکھے گا تو ضامن ہو گا اور مالک کو اختیار ہو گا اور دوسرا مرتہن پہلے مرتہن سے ضمانت لے گا اور مستاجر مستعیر سے مطالبہ کرے گا جب اسے یہ معلوم نہ ہو کہ یہ اس کے قبضہ میں عاریہ ہے تا کہ دھوکہ کے ضرر کو دور کرے۔ اسے یہ حق حاصل ہے کہ وہ آگے عاریہ دے دے جس کا استعمال مختلف ہوتا ہو یا مختلف نہ ہوتا ہو اگر معیر نفع اٹھانے والے کو معین نہ کرے اگر وہ منتفع کو معین کر دے تو جس کے استعمال میں فرق نہ پڑتا ہو تو وہ عاریہ دے سکتا ہے۔

لے تو اس کے حکم میں غور و فکر کیا جائے گا۔ ہمارے شیخ نے فرمایا: اس صورت میں مرتہن کا حکم غاصب کا حکم ہے جس طرح ”نوح آفندی“ نے اس کا ذکر کیا ہے۔ کیونکہ اس نے غیر کا مال اس کی اجازت اور رضامندی کے بغیر قبضہ میں لیا ہے پس معیر کو حق حاصل ہو گا کہ اس سے ضمانت لے اور ضمانت کے ادا کرنے کی صورت میں دین مرتہن کی ملکیت پر ہلاک ہونے والا ہو گا۔ اور جو ضمانت رہی ہے اس کا رہن مستعیر سے مطالبہ نہ کرے گا کیونکہ تجھے علم ہے کہ وہ غاصب اور اس کا دین واپس کرے گا۔ اپنے اس قول: ولا رجوع اليه على الراهن المستعير کی قید لگانے کا مطلب یہ ہے کہ اس سے احتراز کیا جائے اگر رہن مرتہن ہو۔ بے شک وہ اول سے مطالبہ کرے گا۔ ”ابوسعود“۔

یہ وہ صورت ہے جسے شارح نے اپنے اس قول کے ساتھ ذکر کیا ہے: وفي شرح الوهبانية الخ۔ مصنف جس سے خاموش رہے ہیں یہ اس کا بیان نہیں ہے جس طرح ان کی کلام وہم دلاتی ہے بلکہ یہ دوسرے فائدہ کا بیان ہے۔ تامل 28985۔ (قوله: وَفِي شَرْحِ الْخ) اس کا ظاہر یہ ہے کہ اس کی وضاحت ہے جس سے مصنف خاموش رہے جب کہ اس کے قبل سے نہیں۔ کیونکہ کلام مستعیر کے بارے میں ہے جب وہ اس چیز کو آگے اجرت پر دے یا رہن کے طور پر دے۔ 28986۔ (قوله: أَنْ يَزْهَنَ) یعنی رہن کی اجازت کے بغیر رہن پر دے۔ ”شرح الوہبانیہ“ ”حاشیہ“ میں اسی طرح ہے۔

28987۔ (قوله: وَيَرْجِعُ الثَّانِي) یعنی اگر اس نے ضمانت دی ہو اگر پہلے نے ضمانت دی تو وہ کسی سے مطالبہ نہیں کر سکتا۔ ”ابن شحہ“۔ ”حاشیہ“ میں اسی طرح ہے۔

28988۔ (قوله: إِنْ لَمْ يُعَيَّنْ) یعنی اس نے مطلقاً ذکر کیا تھا جس طرح ہم اس کا قریب ہی ذکر کریں گے۔ جس طرح اگر وہ سواری کے لیے جانور ادھار لے یا پہننے کے لیے کپڑا ادھار لے تو اسے حق حاصل ہے کہ وہ آگے کسی کو ادھار دے دے۔ اور یہ راکب اور لابس کی تعیین ہو جائے گی۔ اگر اس کے بعد وہ سوار ہو تو امام علی ”بزدوی“ نے کہا: وہ ضامن ہو گا۔

وَإِنْ اِخْتَلَفَ لَا لِتَفَاوُتٍ وَعَزَاهُ فِي ذَوَاهِرِ الْجَوَاهِرِ لِاخْتِيَارِ (وَمِثْلُهُ) أَمَى كَالْمُعَارِ (الْمُوجَّزِ)، وَهَذَا عِنْدَ عَدَمِ النَّهْيِ فَلَوْ قَالَ لَا تَدْفَعُ لِغَيْرِكَ فَدَفَعَ فَهَلَكَ ضَمِنَ مُطْلَقًا خُلَاصَةً (فَمَنْ اسْتَعَارَ دَابَّةً أَوْ اسْتَأْجَرَهَا مُطْلَقًا) بِلَا تَقْيِيدٍ

اگر فرق پڑتا ہو تو آگے عاریہ پر نہ دے کیونکہ تفاوت پایا جا رہا ہے۔ ”زواہر الجواہر“ میں اسے ”الاختیار“ کی طرف منسوب کیا ہے۔ اور معاری کی مثل مؤجر ہے۔ یہ اس صورت میں ہے جب نہیں نہ ہو۔ اگر اس نے کہا: کسی اور کو نہ دینا اور اس نے وہ چیز دے دی تو وہ ہلاک ہو جائے تو مطلقاً ضامن ہوگا۔ ”خلاصہ“۔ پس جو جانور عاریۃ لے یا اسے مطلقاً اجارہ پر لے کوئی قید نہ لگائے

”سرخسی“ اور ”خواہر زادہ“ نے کہا: وہ ضامن نہیں ہوگا۔ ”فتاویٰ قاضی خان“ میں اسی طرح ہے۔ ”کافی“ میں پہلے کو صحیح قرار دیا ہے۔ ”بحر“۔ اور عنقریب اس کا ذکر ہوگا۔

28989۔ (قوله: وَإِنْ اِخْتَلَفَ) یعنی اگر وہ منتفع کو معین کر دے اور اس کا استعمال مختلف ہو جائے تو وہ تفاوت کی وجہ سے ادبار نہیں دے گا۔ علماء نے کہا: سوار ہونا اور پہننا ان امور میں سے ہیں جن کا استعمال مختلف ہوتا ہے۔ جانور پر کوئی شے لادنا، خدمت لینا اور رہائش رکھنا ان چیزوں میں سے ہے جس کا استعمال مختلف ہوتا ہے۔ ”ابو الطیب مدنی“۔

28990۔ (قوله: الْمُوجَّزُ) یہ جیم کے فتح کے ساتھ اسم مفعول کا صیغہ ہے یعنی جب وہ کوئی شے اجرت پر دے اگر وہ اس سے نفع حاصل کرنے والے کو متعین نہ کرے تو مستاجر کو حق حاصل ہے کہ اسے اجرت پر دے خواہ اس کا استعمال مختلف ہو یا مختلف نہ ہو۔ اگر وہ معین کر دے تو اسے عاریۃ دے سکتا ہے جس کا استعمال مختلف نہ ہو جس کا استعمال مختلف ہو وہ نہیں دے سکتا۔ ”منح“۔

28991۔ (قوله: أَوْ اسْتَأْجَرَهَا) اسے حق حاصل ہے کہ جس وقت چاہے بوجھ لادے اور جس نوع سے چاہے بوجھ لادے، ”باقانی“۔ ”حاشیہ“ میں اسی طرح ہے۔

28992۔ (قوله: مُطْلَقًا) میں کہتا ہوں: ظاہر یہ ہے کہ اطلاق سے مراد معین منتفع کی قید نہ لگانا ہے۔ کیونکہ وہ عنقریب وقت اور نوع میں اطلاق کا ذکر کریں گے ورنہ تکرار لازم آئے گا۔ تامل

جو شخص جانور عاریۃ لے یا اسے مطلقاً اجارہ پر لے کوئی قید نہ لگائے تو جو چاہے اس پر بوجھ لادے

28993۔ (قوله: بِلَا تَقْيِيدٍ) ”التبیین“ میں کہا: جس اطلاق کا انہوں نے یہاں ذکر کیا ہے چاہے اس اطلاق کو اس صورت پر محمول کیا جائے جو مستعمل کے اختلاف سے مختلف ہو جاتا ہے جیسے پہننا، سلا ہونا اور زراعت کرنا جب وہ یہ کہے: جسے میں چاہوں گا اسے اس پر سوار کروں گا جس طرح اس اطلاق جس کو اجارہ میں ذکر کیا ہے اسے اس پر محمول کیا ہے۔ ”شرنبلا لہ“ میں اسے ثابت رکھا ہے۔ مولف کے قول بلا تقييد نے جس کا وہم دلایا ہے وہ مکمل نہیں ہوتا جب اسے پیش نظر رکھا جائے جو مستعمل کے مختلف ہونے سے مختلف ہو جاتا ہے۔

(يَحْمِلُ) مَا شَاءَ (وَيُعِيرُ لَهُ) لِلْحَمْلِ (وَيَرْكَبُ) عَمَلًا بِالِاطْلَاقِ (وَأَيًّا فَعَلَ) أَوَّلًا (تَعَيَّنَ) مُرَادًا (وَضَمِنَ بِغَيْرِهِ) إِنْ عَطَبَتْ حَتَّى لَوْ أَلْبَسَ أَوْ أَرَكَبَ غَيْرَهُ لَمْ يَرْكَبْ بِنَفْسِهِ بَعْدَهُ هُوَ الصَّحِيحُ كَافِي (وَأِنْ أَطْلَقَ) الْمُعِيرُ أَوْ الْمُؤَجِّرُ (الِاتِّفَاعَ فِي الْوَقْتِ وَالنَّوْعِ) اتَّفَعَ مَا شَاءَ أَيْ وَقَّتْ شَاءَ لِمَا مَرَّ (وَأِنْ قَيَّدَهُ) بِوَقْتٍ أَوْ نَوْعٍ أَوْ بِهِمَا

تو جو چاہے اس پر بوجھ لادے اور بوجھ لادنے کے لیے اسے عاریہ دے اور اس پر سوار ہو یہ اطلاق پر عمل کرنے کی بنا پر ہے وہ پہلے جو بھی عمل کرے وہ بطور مراد متعین ہو جائے گا اور کسی دوسرے عمل کی وجہ سے ضامن ہوگا اگر وہ چیز ہلاک ہو جائے یہاں تک کہ اگر وہ کسی اور کو وہ لباس پہنائے یا کسی اور کو سوار کرے اس کے بعد خود اس پر سوار نہ ہو یہی صحیح قول ہے، ”کافی“۔ اگر معیر یا موجر نے انتفاع کو وقت اور نوع میں مطلق کیا تھا تو جو چاہے نفع اٹھائے جس وقت چاہے نفع اٹھائے اس دلیل کی وجہ سے جو گزر چکی ہے اگر وقت یا نوع کے ساتھ مقید کرے یا دونوں کے ساتھ مقید کرے

میں کہتا ہوں: اس تعبیر کی بنا پر مصنف کا سابقہ قول: ان لم يعين، مختلف کی طرف نسبت کے اعتبار سے، اس پر محمول کیا جائے گا جب وہ اطلاق پر نص قائم کرے نہ کہ یہ اسے شامل ہے جب وہ سکوت اختیار کرے۔ لیکن ”ہدایہ“ میں ہے: اگر وہ جانور ادھار لے اور اس کے لیے کسی شے کا ذکر نہ کرے تو اسے حق حاصل ہے کہ اس پر بوجھ لادے اور کسی اور کو بوجھ لادنے کے لیے عاریہ دے دے اور کسی امر کو سوار کرے، الخ۔ پس اس کی طرف رجوع کیجئے۔

28994۔ (قوله: يَحْمِلُ مَا شَاءَ) یعنی جس نوع سے چاہے اس پر بوجھ لادے اگر اس کی طاقت سے بڑھ کر بوجھ نہ لادے جس طرح اگر وہ ایسے راستہ پر چلے جس پر لوگ نہیں چلتے جب کہ اسے اس مکان تک حاجت ہو تو وہ ضامن ہوگا۔ کیونکہ مطلقاً اذن متعارف کی طرف پھر جاتا ہے یہ متعارف نہیں کہ جانور کی طاقت سے بڑھ کر اس پر بوجھ لادے۔ اس کی مثال اور اس کی عدت ”جامع الفصولین“ میں ہے۔ عنقریب اجارہ کے باب میں اس کی مثل متن میں آئے گا۔ ”حاشیہ“ میں اسی طرح ہے۔

28995۔ (قوله: وَيَرْكَبُ) یہ لفظ پہلے حرف کے فتح اور ضمہ کے ساتھ ہے۔ ”سأحانی“۔

28996۔ (قوله: أَوَّلًا) یہ لفظ ہمزہ کے فتح اور واؤ کی تشدید کے ساتھ ہے۔

28997۔ (قوله: بِغَيْرِهِ) یہ اس کے بارے میں ہے جو مستعمل کے مختلف ہونے سے مختلف ہو جاتا ہے جس طرح

سیاق و سباق اس کو بیان کرتا ہے، ”سأحانی“۔ ہم پہلے ”زیلعی“ سے بیان کر چکے ہیں چاہیے کہ وہ چیزیں جو مستعمل کے مختلف ہونے سے مختلف ہوتی ہیں اس میں عدم ضمان کو اس کے ساتھ مقید جائے جب وہ انتفاع کو مطلقاً ذکر کرے۔ فافہم

28998۔ (قوله: اتَّفَعَ) اگر وہ موضع کا ذکر نہ کرے تو اسے وہاں سے باہر لے جانے کا حق نہیں۔ یہ ”فصولین“

سے ماخوذ ہے۔

28999۔ (قوله: أَوْ بِهِمَا) وقت کے اعتبار سے تقیید وہ وقت کیسا بھی ہو۔ اسی طرح انتفاع کے اعتبار سے جو مستعمل

(ضَمِنَ بِالْخِلَافِ إِلَى شَيْءٍ فَقَطَّ) لَا إِلَى مِثْلٍ أَوْ خَيْرٍ (وَكَذَا تَقْيِيدُ الْإِجَارَةِ بِنَوْعٍ أَوْ قَدَرٍ) مِثْلُ الْعَارِيَةِ (عَارِيَةُ الثَّمَنِ وَالْمُؤَدُّونَ وَالْمُعْدُونَ) عِنْدَ الْإِطْلَاقِ (قَرْضٌ) ضَرْوَةٌ اسْتِهْلَاكِ عَيْنِهَا (فَيُضْمَنُ) الْمُسْتَعِيرُ (بِهَلَاكِهَا قَبْلَ الْإِسْتِفَاعِ) لِأَنَّهُ قَرْضٌ حَتَّى لَوْ اسْتَعَارَهَا لِيُعَيَّرَ الْبِيزَانُ أَوْ يُبَيِّنَ الدُّكَّانَ

تو صرف شرکی جانب برعکس فعل کرنے میں ضامن ہوگا۔ مثل یا اس سے بہتر فعل کرنے میں ضامن نہیں ہوگا۔ اسی طرح اجارہ کو نوع یا مقدار کے ساتھ مقید کرنے کا معاملہ ہے یہ عاریہ کی مثل ہوگا۔ دراہم و دنانیر (روپیہ)، کیلی، وزنی اور متقارب عددی کا عاریہ اطلاق کے وقت یہ قرض ہے۔ کیونکہ ان کے عین کے ہلاک کرنے کی حاجت ہے۔ انتفاع سے قبل ہلاک ہونے کی صورت میں مستعیر اس کا ضامن ہوگا۔ کیونکہ یہ قرض ہے یہاں تک کہ اگر وہ اس نے ادھار لیا تا کہ ترازو کی درستگی کو پہچانے یا دکان کو مزین کرے

کے اختلاف سے مختلف ہوتا ہے اور جو مستعمل کے مختلف ہونے سے مختلف نہیں ہوتا اس میں کوئی قید نہیں۔ کیونکہ کوئی فائدہ نہیں جس طرح گزر چکا ہے۔ اور مکان کی تقیید کا ذکر نہیں کیا لیکن شارح نے آخر میں اس کی طرف اشارہ کیا ہے۔ مصنف نے اس کا ذکر اپنے قول: ولا توجر سے پہلے کیا ہے اور کہا: اس نے ایک چوپایہ عاریۃ لیا تا کہ اس پر سوار ہو کر کام کے لیے اس جگہ کی طرف جائے جس کا اس نے ذکر کیا ہے وہ اسے نہر کی طرف لے گیا تا کہ وہ اسے پانی پلائے یہ اس ناحیہ کے علاوہ کسی اور طرف تھا جب وہ چوپایہ ہلاک ہو گیا تو ضامن ہوگا۔ اسی طرح اس نے ایک بیل ادھار لیا تا کہ اس کے ساتھ اپنی زمین میں بل چلائے تو اس نے کسی اور زمین میں بل چلایا تو وہ ضامن ہوگا۔ اسی طرح اس نے اس بیل کو اس سے اعلیٰ بیل کے ساتھ جوڑا جس کے بارے میں معمول نہ ہو۔ ”البدائع“ میں ہے: دونوں نے ایام، مکان اور جو اس پر بوجھ لادے گا میں اختلاف کیا ہے تو قسم کے ساتھ قول معیر کا معتبر ہوگا۔ ”ساحانی“۔

اس نے اسے ایک ماہ تک کے لیے عاریۃ پر دیا

اسی طرح خادم کے اعارہ، اس کے اجارہ کا معاملہ ہے اور موصیٰ لہ کی خدمت کا معاملہ ہے۔ ”فصولین“۔

29000۔ (قوله: قَرْضٌ) یعنی یہ قرض دینا ہے کیونکہ عاریۃ، اعارہ کے معنی میں ہے جس طرح گزر چکا ہے۔ یعنی

مالک بنانا۔ اس کی مکمل بحث ”عزمیہ“ میں ہے۔

29001۔ (قوله: حَتَّى الْخ) یہ ان کے قول عند الاطلاق کے مفہوم پر تفریع ہے۔

29002۔ (قوله: لِيُعَيَّرَ) یہ لفظ دوسری یا کی تشدید کے ساتھ ہے۔ اصل علیر ہے۔ ”جوہری“ نے اس سے منع کیا ہے

کہ عیہ کہا جائے۔ ”یعقوبیہ“۔

29003۔ (قوله: أَوْ يُبَيِّنَ) دوسری یا نے مشدودہ کے ساتھ ہے۔

كَانَ عَارِيَّةً وَلَوْ أَعَارَ قِصْعَةً ثَرِيدَ فَقْرٍ وَلَوْ بَيْنَهُمَا مُبَاسَّطَةٌ فَبَاحَةٌ وَتَصِحُّ عَارِيَّةُ السَّهْمِ وَلَا يَضُنُّ لِأَنَّ الرَّمْيَ يَجْرِي مَجْرَى الْهَلَاكِ صَيْرَفِيَّةً (وَلَوْ أَعَارَ أَرْضًا لِلْبِنَاءِ وَالْغَرْسِ صَحَّ) لِلْعِلْمِ بِالنَّفْعَةِ (وَلَهُ أَنْ يَرْجَعَ مَتَى شَاءَ) لِمَا تَقَرَّرَ أَنَّهَا غَيْرُ لَازِمَةٍ (وَيُكْفَفُ قَلْعُهَا إِلَّا إِذَا كَانَ فِيهِ مَضَرَّةٌ بِالْأَرْضِ فَيُتْرَكُ)

تو یہ عاریہ ہوگا اگر وہ تریڈ کا پیالہ عاریہ دے تو یہ قرض ہوگا۔ اگر دونوں میں بے تکلفی ہے تو یہ اباحت ہوگی۔ پس تیر کا عاریہ صحیح ہوگا اور وہ ضامن نہیں ہوگا کیونکہ تیر پھینکنا ہلاکت کے قائم مقام ہے، ”صیرفیہ“۔ اگر ایک آدمی عمارت بنانے اور درخت لگانے کے لیے زمین عاریہ دیتا ہے تو یہ عمل صحیح ہوگا۔ کیونکہ منفعت کا علم ہے اور مالک کو حق حاصل ہوگا جب چاہے وہ اسے واپس لے لے۔ کیونکہ یہ ثابت ہو چکا ہے کہ عاریہ لازم نہیں۔ مالک اسے مجبور کرے گا کہ وہ انہیں اکھڑ لے مگر جب اکھڑنے میں زمین کا نقصان ہو پس ان دونوں کے اکھڑے ہوئے ہونے کی حالت میں

29004۔ (قوله: كَانَ عَارِيَّةً) کیونکہ یہ عین ارتفاع ہے یہ اطلاق کے وقت قرض ہوگا جس طرح پہلے گزر چکا ہے۔

29005۔ (قوله: فَقْرٌ) یعنی اس پر اس کی مثل یا اس کی قیمت لازم ہوگی۔ ”منح“۔

تیر کو عاریہ لینا صحیح ہے

29006۔ (قوله: وَتَصِحُّ عَارِيَّةُ السَّهْمِ) تاکہ وہ دار الحرب میں جنگ کرے کیونکہ فی الحال اس سے انتفاع ممکن

ہے۔ یہ احتمال موجود ہے کہ وہ اس کی طرف لوٹ آئے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ اس کے بعد کافر اسے پھینکیں۔ ”منح“ نے ”صیرفیہ“ سے نقل کیا ہے۔ اس سے پہلے اس سے نقل کیا ہے کہ جب اس نے ایک تیر ادھار لیا تاکہ دار الحرب میں جنگ کرے تو یہ صحیح نہیں ہوگا۔ اگر اس نے ادھار لیا تاکہ ہدف پر تیر مارے تو یہ صحیح ہوگا۔ کیونکہ پہلی صورت میں عین سهم سے فائدہ اٹھانا صحیح نہیں مگر ہلاک کرنے کے ساتھ ممکن ہے۔ ہر عاریہ جو اس طرح ہو وہ قرض ہوتا ہے عاریہ نہیں ہوتا۔

29007۔ (قوله: وَلَا يَضُنُّ) ”عبارة الصيرفي“ جس طرح ”المنح“ میں ہے: کہا: اسلحہ کو عاریہ لینا صحیح ہے۔ تیر کے

بارے میں ذکر کیا ہے کہ وہ ضامن ہوگا جس طرح قرض ہوتا ہے۔ کیونکہ تیر پھینکنا ہلاک ہونے کے قائم مقام ہے۔ یہ نسخہ جس سے میں نے نقل کیا ہے یہ مصحح ہے۔ اس پر بعض علماء کے خطوط ہیں۔ اصل میں لکھا تھا لا يَضُنُّ۔ اس سے لاکا حرف منادیا گیا اس کی مثال اس پر دلالت کرتی ہے جیسے قرض۔ لیکن اس تعبیر کی بنا پر ظاہر یہ تھا کہ تعلیل میں یہ کہا جاتا: کیونکہ تیر پھینکنا یہ جان بوجھ کر ہلاک کرنے کے قائم مقام ہے۔ پس اسے ہلاک کے ساتھ تعبیر کرنا عدم ضمان کا تقاضا کرتا ہے، فتاویٰ مراجع۔ غور کرو اور رجوع کرو۔

29008۔ (قوله: لِلْعِلْمِ) اس تعلیل میں غور و فکر کیجئے۔ ایک آدمی نے کپڑے کا ٹکڑا لیا تاکہ اس کے ساتھ اپنے قمیص

میں پیوند لگائے یا لکڑی لی تاکہ اسے اپنی بنا میں داخل کرے یا اینٹیں لیں تو وہ ضامن ہوگا۔ کیونکہ یہ قرض ہے۔ مگر جب وہ کہے: میں نے اس لیے لیا ہے تاکہ تجھ پر اسے لوٹا دوں پس یہ عاریہ ہوگا۔ ”تا ترخانیہ“۔

بِالْقِيَمَةِ مَقْلُوعَيْنِ) لِئَلَّا تَتَلَفَ أَرْضُهُ (وَإِنْ وَقَّتْ) الْعَارِيَّةُ (فَرَجَعَ قَبْلَهُ) كَلَّفَهُ قَلْعَهُمَا (وَضَمِنَ) الْمَعِيرُ لِنُسْتَعِيرِ (مَا نَقَصَ) الْبِنَاءُ وَالْعَرْسُ (بِالْقَدَحِ) بِأَنْ يَقُومَ قَائِمًا

قیمت کے بدلے چھوڑ دیا جائے گا تاکہ اس کی زمین تلف نہ ہو۔ اگر ایک آدمی نے عاریہ کے لیے وقت معین کیا اور اس وقت سے پہلے اسے واپس لے لیا یعنی اسے اکھیڑنے پر مجبور کیا تو معیر مستعیر کے لیے اس چیز کا ضامن ہوگا اکھیڑنے کی وجہ سے وہ عمارت اور درختوں میں جتنا نقصان ہوا۔ اس کی صورت یہ ہے کہ معین مدت تک

عاریہ مطلقہ میں ضمان نہیں

29009۔ (قوله: مَقْلُوعَيْنِ) یا ادھار مانگنے والا اپنے درخت اور اپنا ملکہ معیر سے ضمانت لیے بغیر لے لے ”ہدایہ“۔ ”حاکم“ نے یہ ذکر کیا ہے: اسے یہ حق حاصل ہوگا کہ وہ معیر سے ان کی قیمت، ضمان لے اس حال میں کہ وہ قائم ہوں اور وہ دونوں چیزیں معیر کی ہوں یا انہیں اٹھا لے مگر جب انہیں اٹھانا زمین کو نقصان دیتا ہو۔ اس وقت خیار معیر کو ہوگا جس طرح ”ہدایہ“ میں ہے۔ اس میں اس طرف رمز ہے کہ عاریہ مطلقہ میں کوئی ضمان نہیں۔ ان میں یہ بھی قول مروی ہے کہ ان پر قیمت ہوگی اور اگر اس کے لیے وقت کا ذکر کیا گیا تھا تو وقت گزرنے کے بعد کوئی ضمانت نہ ہوگی۔ پس معیر عمارت اور درخت اکھیڑ لے گا مگر اکھیڑنا نقصان دیتا ہو اس وقت وہ ان کی قیمت کی ضمان لے گا جب کہ وہ اکھیڑے ہوئے ہوں نہ کہ کھڑے ہوں جس طرح ”ال محیط“ میں ہے، ”قہستانی“۔ ”حاشیہ“ میں اسی طرح ہے۔

29010۔ (قوله: مَا نَقَصَ الْبِنَاءُ) یہ وہ نقطہ نظر ہے ”کنز“ اور ”ہدایہ“ میں جس پر گامزن ہوئے ہیں۔ ”ال بحر“ میں ”ال محیط“ سے قیمت کی ضمانت کا ذکر کیا ہے جب کہ وہ قائم ہو مگر جب ادھار لینے والا اس کو اکھیڑ دے اور اس میں کوئی ضرر نہیں اگر وہ نقصان دے تو اکھیڑے گئے کی قیمت کی ضمانت ہوگی۔ ”المجمع“ کی عبارت ہے: ہم نے اس پر ضمان کو لازم کیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اکھیڑنا اس میں جتنی کمی کرے گا اس کی ضمانت لازم ہوگی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ان کی قیمت کی ضمانت ہوگی اور وہ ان دونوں چیزوں کا مالک بن جائے گا۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: اگر وہ نقصان دے تو مالک کو اختیار ہوگا۔ یعنی معیر کو اختیار ہوگا کہ جتنی کمی واقع ہوئی ہے اس کی ضمانت دے دے یا قیمت کی ضمانت دے دے۔ ”درر البزار“۔ ”المواہب“ اور ”المستقی“ میں اسی طرح ہے۔ میں نے اس صورت کو مقدم رکھا ہے۔ بعض نے اسے جزم اور یقین سے بیان کیا ہے اور دوسری صورتوں کو قیل کے ساتھ تعبیر کیا ہے۔ اس وجہ سے مصنف نے اسے اختیار کیا ہے۔ یہ ”قدوری“ کی روایت ہے اور دوسری ”حاکم شہید“ کی روایت ہے جس طرح ”غرر الافکار“ میں ہے۔

29011۔ (قوله: قَائِمًا) اگر اس کی فی الحال کھڑے ہونے کی حالت میں قیمت چاہے اور آخر کار دس بے تو وہ چھ کا

ضامن ہوگا۔ ”شرح الملتقی“۔

إِلَى الْمُدَّةِ الْمَضْرُوبَةِ، وَتُعْتَبَرُ الْقِيَمَةُ يَوْمَ الْإِسْتِرْدَادِ بِحَرْ (وَإِذَا اسْتَعَارَهَا لِيَزْرَعَهَا لَمْ تُؤْخَذْ مِنْهُ قَبْلَ أَنْ يَحْصَدَ الزَّرْعَ وَقَتَّتَهَا أَوْ لَا) فَتُتْرَكُ بِأَجْرِ الْبَثْلِ مُرَاعَاةً لِلْحَقِّينِ فَلَوْ قَالَ الْمُعِيرُ أُعْطِيكَ الْبَذَرَ وَكُلْفَتَكَ إِنْ كَانَ لَمْ يَنْبُتْ لَمْ يَجْزْ؛ لِأَنَّ بَيْعَ الزَّرْعِ قَبْلَ نَبَاتِهِ بَاطِلٌ، وَبَعْدَ نَبَاتِهِ فِيهِ كَلَامٌ أَشَارَ إِلَى الْجَوَازِ فِي الْمُنْغْنَى نِهَائِيَّةً (وَمُؤْنَةُ الرِّدِّ عَلَى الْمُسْتَعِيرِ فَلَوْ كَانَتْ مُؤَقَّتَةً فَأَمْسَكَهَا بَعْدَهُ فَهَلَكَتْ ضَمِنَهَا)

وہ چیز کھڑی رہتی اور جس دن واپس لوٹانا تھا اس دن کی قیمت کا اعتبار کیا جائے گا، ”بحر“۔ جب اس نے زمین مانگ کر لی تاکہ اس میں فصل کاشت کرے تو اس سے زمین واپس نہ لی جائے گی یہاں تک کہ وہ فصل کاٹ لے اس کے لیے وقت کی تعیین کی تھی یا وقت کی تعیین نہیں تھی۔ پس دونوں حقوق کی رعایت کرتے ہوئے اس زمین کو اجرت مثلی پر چھوڑ دیا جائے گا۔ اگر معیر نے کہا: میں تجھے بیج اور تیری مشقت کی مزدوری دوں گا اگر کھیتی نہ اگے تو یہ جائز نہ ہوگا۔ کیونکہ اگنے سے پہلے کھیتی کی بیج باطل ہے اور اس کی اگنے کے بعد اس کی بیج میں کلام یعنی اختلاف ہے، ”المنغنی“ میں اس کے جواز کی طرف اشارہ کیا ہے، ”نہایہ“۔ عاریۃ لی گئی چیز کے واپس کرنے کی مؤنت عاریۃ لینے والے پر ہے۔ اگر اس کا وقت بیان کیا گیا تو وہ اسے اس کے بعد روکے رکھے تو وہ عاریۃ والی چیز ہلاک ہو جائے تو مستعیر اس کا ضامن ہوگا۔

29012۔ (قوله: الْمَضْرُوبَةِ) اس سے جو کمی واقع ہوگی اس کا ضامن ہوگا۔

29013۔ (قوله: الْقِيَمَةُ) یعنی قیمت پر جو الف لام ہے وہ مضاف کے عوض میں ہے تقدیر کلام یہ ہوگی ابتداء

القيمة، قیمت کا آغاز۔

29014۔ (قوله: وَقَتَّتَهَا) یہ باب تفعیل سے ماضی کا صیغہ ہے اور قاف مشدود ہے۔

29015۔ (قوله: فَتُتْرَكُ الْخ) ”البرہان“ میں یہ وضاحت کی کہ اجرت کے بدلے میں ترک کرنا استحسان ہے۔ پھر

”المبسوط“ سے یہ نقل کیا ہے: ”کتاب“ میں یہ وضاحت نہیں کی کہ زمین کو مستعیر کے ہاتھ میں چھوڑا جائے گا یہاں تک کہ فصل پک جائے یہ اجرت کے ساتھ ہو یا اجرت کے بغیر ہو۔ علماء نے کہا: چاہیے کہ اسے اجرت مثلی کے بدلے میں ترک کیا جائے جس طرح اجارہ کی مدت ختم ہو جائے اور کھیتی ابھی سبز ہی ہو۔ ”شرنبلا لہ“۔

29016۔ (قوله: أُعْطِيكَ الْبَذَرَ) اعطیک ہمزہ کے ضمہ کے ساتھ ہے اور البذر اس کا مفعول ہے۔

29017۔ (قوله: وَكُلْفَتَكَ) یہ لفظ کاف کے ضمہ، لام کے سکون اور باقی کے فتح کے ساتھ ہے۔

29018۔ (قوله: الْجَوَازِ) یہی مختار ہے جس طرح ”غیاثیہ“ میں ہے۔ ”ط“۔

اگر مستعیر دعویٰ کرے کہ اس نے معیر کے اذن سے کام کیا اور معیر جھٹلا دے تو اس کا حکم

29019۔ (قوله: عَلَى الْمُسْتَعِيرِ)

فروع: جانور کا چارہ مستعیر کے ذمہ ہے وہ اعارہ مطلقہ ہو یا مقیدہ ہو اور غلام کا نفقہ بھی اسی طرح ہے اور لباس معیر کے

لَآئِنْ مُؤْنَةُ الرَّدِّ عَلَيْهِ نِهَایَةُ إِلَّا إِذَا اسْتَعَارَهَا لِيَرْهَنَهَا فَتَكُونُ كَالْإِجَارَةِ رَهْنُ الْخَانِيَّةِ وَكَذَا الْمُوصَى لَهُ بِالْخِدْمَةِ مُؤْنَةُ الرَّدِّ عَلَيْهِ وَكَذَا الْمُؤَجَّرُ وَالْغَاصِبُ وَالْمُرْتَهِنُ مُؤْنَةُ الرَّدِّ عَلَيْهِمْ لِحُصُولِ الْمَنْفَعَةِ لَهُمْ هَذَا

کیونکہ واپس کرنے کی مؤنت اس کے ذمہ ہے، ”نہایہ“۔ مگر جب وہ اسے عاریۃ اس لیے لے کہ اسے رہن کے طور پر رکھے پس یہ چیز اجارہ کی طرح ہو جائے گی۔ کتاب رہن ”الخانیۃ“۔ اسی طرح جس کے حق میں خدمت کی وصیت ہوئی تو لوٹانے کی مؤنت اس پر ہوگی اسی طرح موجر، غاصب اور مرتہن کا معاملہ ہے لوٹانے کی مؤنت ان کے ذمہ ہوگی۔ کیونکہ ان کے لیے منفعت حاصل ہو چکی ہے۔ یہ اس صورت میں ہے

ذمہ ہے (اگرچہ متن میں مستعیر کا لفظ ہے لیکن صحیح معیر ہے ترجمہ اس کے مطابق کیا گیا ہے) ”بزازیہ“۔ شارح نے ترجمہ کے آغاز اور نفقہ کے آخر میں اسے بیان کیا ہے۔ ایک آدمی مستعیر کے پاس آیا اور کہا: میں نے اس جانور کو اس کے فلاں مالک سے ادھار لیا جو جانور تیرے پاس موجود ہے۔ اس نے مجھے اس پر قبضہ کا حکم دیا ہے پہلے مستعیر نے اس کی تصدیق کی اور جانور اس کے حوالے کر دیا پھر معیر نے اس نئے امر کا انکار کر دیا تو مستعیر ضامن ہوگا اور جب پہلے مستعیر نے دوسرے کی تصدیق کی تھی تو اس سے اس ضمان کا مطالبہ نہیں کرے گا اگر وہ اس کو جھٹلا دے یا اس کی تصدیق نہ کرے یا اس پر ضمان کی شرط لگا دے تو وہ واپسی کا مطالبہ کرے گا۔

کہا: ہر وہ تصرف جو ضمان کا سبب ہوا اگر مستعیر نے یہ دعویٰ کیا کہ اس نے معیر کے اذن سے یہ کام کیا ہے اور معیر اس کو جھٹلا دے تو مستعیر اس وقت تک ضامن ہوگا جب تک گواہیاں قائم نہ کرے۔ ”فصولین“۔ ایک آدمی نے کپڑے دھونے کے لیے قدر (دیگچی وغیرہ) مانگی اور مالک نے اس کے حوالے نہ کی یہاں تک کہ وہ رات کو چوری ہو گئی تو وہ ضامن ہوگا، ”بزازیہ“۔ تامل

29020۔ (قوله: لَآئِنْ) فافتريع سے مستدرک ہے۔

29021۔ (قوله: وَإِلَّا إِذَا اسْتَعَارَهَا الْخ) پس رد کی مؤنت معیر پر ہوگی فرق وہ ہے جس کی طرف اشارہ یہ ہے کیونکہ یہ اغارہ ہے جس میں اس کے مالک کے لیے منفعت ہے۔ کیونکہ یہ مرتہن کے ہاتھ میں مضمون ہے اور معیر کو حق حاصل ہے کہ مستعیر سے اس کی قیمت کا مطالبہ کرے۔ پس یہ اجارہ کے قائم مقام ہوگا۔ ”خانیۃ“۔ پس دین اور کسی اور مقصد کے لیے جو چیز ادھار لی گئی اس میں دو وجوہ سے فرق ظاہر ہو گیا۔ پہلی وجہ یہ ہے اور دوسری وجہ وہ ہے جو باب میں اس سے پہلے ان کے قول بخلاف المستعیر کے ہاں گزر چکی ہے۔ مستاجر اگر مخالفت کرے پھر اگر شرط کی طرف لوٹ آئے تو وہ ضمان سے بری ہو جاتا ہے۔ ”البحر“ میں اسے بیان کیا ہے۔

29022۔ (قوله: هَذَا الْخ) زیادہ بہتر یہ تھا کہ اس کا ذکر غاصب سے پہلے کرتے۔ کیونکہ یہ اس امر کی طرف راجع

لَوْ الْإِخْرَاجُ بِإِذْنِ رَبِّ الْمَالِ، وَإِلَّا فَمَوْنَةٌ مُسْتَأْجِرٌ وَمُسْتَعَارٌ عَلَى الَّذِي أَخْرَجَهُ إِجَارَةً الْبِرَازِيَّةُ بِخِلَافِ شَرِكَةٍ وَمُضَارَبَةٍ وَهَبَةٍ قُضِيَ بِالرُّجُوعِ مُجْتَبَى (وَإِنْ رَدَّ الْمُسْتَعِيرُ الدَّابَّةَ مَعَ عَبْدِهِ أَوْ أَجِيرِهِ مُشَاهَرَةً لَا مِيَاوَمَةً) أَوْ مَعَ عَبْدٍ رَبِّهَا مُطْلَقًا يَقُومُ عَلَيْهَا أَوْ لَا فِي الْأَصَحِّ (أَوْ أَجِيرِهِ) أَيْ مُشَاهَرَةً كَمَا مَرَّ فَهَلَكْتَ قَبْلَ قَبْضِهَا (بَرِيٍّ) لِأَنَّهُ أَقَى بِالتَّسْلِيمِ الْمُتَعَارَفِ (بِخِلَافِ نَفِيسٍ) كَجَوْهَرَةٍ (وَبِخِلَافِ الرَّدِّ مَعَ الْأَجْنَبِيِّ)

اگر اخراج رب المال کی اجازت سے ہو ورنہ مستاجر اور مستعار کی مونت اس کے ذمہ ہوگی جس نے اسے نکالا ہے ”برازیہ“ کتاب الاجارہ۔ شرکت، مضاربت اور ہبہ کا معاملہ مختلف ہے۔ اس کے واپس کرنے کا حکم کیا جائے گا، ”مجتبى“۔ اگر مستعیر نے وہ جانور اپنے غلام یا اپنے ایسے ملازم کے ساتھ بھیج دیا جو مہینہ کی ملازمت پر ہے نہ کہ یومیہ ملازمت پر ہے یا اس جانور کے مالک کے غلام کے ساتھ بھیج دیا جو غلام مطلق ہے وہ غلام جانوروں کی نگہداشت کرتا ہو یا نگہداشت نہ کرتا ہو یہ اصح قول کے مطابق ہے یا اس کے ماہانہ ملازم کے ہاتھ بھیج دیا ہو جس طرح قول گزر چکا ہے تو قبضہ سے پہلے وہ جانور ہلاک ہو گیا تو وہ مستعیر بری ہو جائے گا۔ کیونکہ اس نے متعارف سپردگی کے طریقہ پر سپرد کر دیا ہے۔ نفیس چیز کا معاملہ مختلف ہے جیسے موتی۔ اجنبی کے ہاتھ لوٹانے کا معاملہ مختلف ہے

ہے کہ لوٹانے کی مونت موجد کے ذمہ ہے۔ یعنی یہ مونت اس کے ذمہ ہوگی جب مستاجر اس کے اذن سے وہاں سے باہر لے جائے گا۔ ورنہ مونت مستاجر کے ذمہ ہوگی پس وہ مستعیر کی طرح ہو جائے گا۔ ”البحر“ میں ”الخلاصہ“ سے مروی ہے: اجیر مشترک جیسے درزی وغیرہ لوٹانے کی اجرت ان کے ذمہ ہوگی کپڑے کے مالک کے ذمہ نہ ہوگی۔

29023۔ (قوله: لَوْ الْإِخْرَاجُ) یعنی دوسرے شہر کی طرف مثلاً۔ ظاہر یہ ہے کہ اذن سے مراد صریحا اذن ہے ورنہ دلالتہ تو اذن موجود ہے۔ تامل

29024۔ (قوله: بِخِلَافِ شَرِكَةِ الْخ) کیونکہ اس کے لوٹانے کی اجرت صاحب مال اور واہب کے ذمہ ہے جس طرح ”المنح“ میں ہے۔

29025۔ (قوله: مَعَ عَبْدِهِ) یعنی اس کے ساتھ جو مستعیر کے عیال میں سے ہے۔ ”قہستانی“۔ ”حاشیہ“ میں کہا: اس نے اس کے ساتھ لوٹا یا جو اس کے عیال میں ہے تو وہ بری ہو جائے گا۔ ”جامع الفصولین“۔

29026۔ (قوله: لَا مِيَاوَمَةً) کیونکہ یہ اس کے عیال میں سے ہے۔ ”قہستانی“۔

29027۔ (قوله: أَوْ مَعَ عَبْدٍ الْخ) یعنی اس کے ساتھ جو معیر کے عیال میں سے ہے۔ ”قہستانی“۔

29028۔ (قوله: يَقُومُ عَلَيْهَا) یعنی اس کی نگہداشت کرتا ہو جیسے سائس۔

29029۔ (قوله: مَعَ الْأَجْنَبِيِّ) حاشیہ میں کہا: مستاجر اگر اجنبی آدمی کے ساتھ جانور لوٹائے تو ضامن ہوگا۔

”جامع الفصولین“۔

أَمَّا بِأَنَّ كَانَتْ الْعَارِيَةُ مُؤَقَّتَةً فَمَضَتْ مُدَّتُهَا ثُمَّ بَعَثَهَا مَعَ الْأَجْنَبِيِّ لِتَعْدِيهِ بِالْإِمْسَاكِ بَعْدَ الْمُدَّةِ
(وَالْإِلَّا فَالْمُسْتَعِيرُ يَنْدِكُ الْإِيْدَاعِ)

یعنی وہ عاریہ موقت ہو۔ پس اس کی مدت گزر چکی ہو پھر اسے اجنبی کے ہاتھ بھیجے۔ کیونکہ مدت گزرنے کے بعد وہ روکنے سے تعدی کر رہا ہے ورنہ مستعیر اجنبی کو ودیعت دینے کا مالک ہوگا

جب عاریہ موقت ہو تو مستعیر کسی اور کو وہ چیز ودیعت نہیں کر سکتا

29030۔ (قولہ: وَالْإِلَّا فَالْمُسْتَعِيرُ) یہ وقت معین کرنے کی شرط کے فائدہ کی طرف اشارہ ہے۔ ”زیلعی“ نے کہا: ”بخلاف الاجنبی“ کا قول اس کے حق میں شاید ہے مشائخ میں سے جو یہ قول کرتا ہے کہ مستعیر کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ آگے کسی کو وہ چیز ودیعت کر دے۔ مختار مذہب کے مطابق یہ مسئلہ اس پر محمول ہے کہ جب عاریہ موقت ہو پس اس کی مدت گزرنے پھر اس نے وہ جانور اجنبی کے ساتھ بھیجا۔ کیونکہ مدت گزرنے کے بعد رکھنے کی صورت میں وہ تعدی کی وجہ سے ضامن ہوگا۔ اسی طرح جب اسے اجنبی کے ہاتھ چھوڑے گا۔ ”برہان“ میں ہے: اسی طرح یعنی وہ بری ہو جائے گا اگر وہ اجنبی کے ہاتھ اسے بھیجے یہ مختار مذہب کے مطابق ہے۔ یہ اس پر مبنی ہے جو عراق کے مشائخ نے کہا ہے کہ مستعیر، ودیعت کے طور پر وہ چیز دینے کا مالک ہوتا ہے اسی پر فتویٰ ہے۔ کیونکہ جب وہ عاریہ دینے کا مالک ہوتا ہے جب کہ اس میں ودیعت رکھنے اور منافع کا مالک بنانا ہوتا ہے تو وہ ودیعت کے طور پر دینے کا مالک ہوگا جب کہ اس میں منافع کا مالک بنانا نہ ہو تو بدرجہ اولیٰ اس کا مالک ہوگا۔ علما نے ان کے قول کی یہ تاویل کی ہے: اگر اس نے اجنبی کے ساتھ اس کو لوٹا یا جب وہ جانور ہلاک ہو گیا تو وہ ضامن ہوگا۔ کیونکہ یہ اس صورت میں موضوع ہے جب عاریہ کے لیے کوئی وقت معین کیا گیا ہو مدت کے پورے ہونے کے ساتھ عاریہ ختم ہو چکا ہو اس وقت مستعیر مودع ہو جائے گا اور مودع آگے ودیعت رکھنے کا اختیار نہیں رکھتا یہ مسئلہ متفق علیہ ہے۔ ”شربہالیہ“۔ میں کہتا ہوں: ”ہدایہ“ کی شروح میں اسی طرح ہے۔ لیکن متن میں یہ پہلے گزر چکا ہے کہ وہ عاریہ موقتہ میں ضامن ہو گا۔ ”جامع الفصولین“ میں ہے: اگر عاریہ موقتہ ہو، وقت گزرنے کے بعد واپس لوٹانے کی قدرت کے باوجود اسے روک لے تو وہ ضامن ہوگا اگرچہ وقت کے بعد اسے کام میں نہ لائے۔ یہی قول مختار ہے خواہ اس کا وقت واضح نص سے معین کیا گیا ہو یا دلالتہ معین کیا گیا ہو۔ جہاں تک کہ جس نے کلہاڑا عاریہ لیا تاکہ لکڑیاں پھاڑے اس نے لکڑیاں پھاڑ لیں اور اسے روک لیا تو ضامن ہوگا اگرچہ اس نے وقت معین نہ کیا ہو۔ اس تعبیر کی بنا پر اس کی ضمان اجنبی کے ہاتھ بھیجنے کی وجہ سے نہ ہوگی۔ مگر اسے اس پر محمول کیا جائے کہ اس کا لوٹانا ممکن نہ ہو۔ تامل۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ تاویل تفسیر کو بہت بعید کر دیتی ہے۔ اور اس پر ضمان غلام کے ساتھ اور مزدور کے ساتھ بھیجنے کی وجہ سے نہیں۔ کیونکہ اس تعبیر کی بنا پر ان دونوں میں اور اجنبی میں کوئی فرق نہیں۔ کیونکہ مدت سے پہلے جس کے ساتھ بھی بھیجے وہ لوٹانے پر ضامن نہیں ہوگا۔ اور مدت کے بعد جس کے ہاتھ بھیجے وہ ضامن ہوگا۔ یہ اس کے قول پر قوی ترین دلیل ہے جو یہ کہتا ہے اسے وہ چیز ودیعت کے طور پر دینے کا اختیار نہیں ہوگا۔

فِيَا يَنْبِلُكَ الْإِعَارَةَ (مِنْ الْأَجْنَبِيِّ) بِهِ يُفْتَى زَيْلَعِي فَتَعَيَّنَ حَنْلُ كَلَامِهِمْ عَلَى هَذَا وَبِخِلَافٍ رَدِّ وَدِيْعَةٍ
وَمَغْصُوبٍ إِلَى دَارِ الْمَالِكِ فَإِنَّهُ لَيْسَ بِتَسْلِيمٍ (وَإِذَا اسْتَعَارَ أَرْضًا) بِيَضَاءٍ (لِلزَّرَاعَةِ)

ان چیزوں میں جس میں وہ عاریہ دینے کا مالک ہوتا ہے۔ اسی پر فتویٰ دیا جاتا ہے، ”زلیعی“۔ پس ان کا کلام اس پر محمول ہونا متعین ہو گیا۔ ودیعت اور مغصوبہ چیز کو مالک کے گھر تک پہنچانے کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ یہ سپردگی نہیں جب اس نے سفیدہ زمین عاریہ لی کھیتی باڑی کرنے کے لیے

”النبایہ“ میں اس کی تصحیح کی ہے جس طرح ”تاتر خانیہ“ میں اس سے نقل کیا ہے۔

وہ چیز جو مستعمل کے بدلنے سے تبدیل نہیں ہوتی مستعیر اجنبی کو بطور ودیعت دے سکتا ہے

29031۔ (قوله: فِيَا يَنْبِلُكَ) وہ چیز جس کے مستعمل کے مختلف ہونے سے اس میں اختلاف نہیں ہوتا۔ اس کا ظاہر

معنی یہ بنتا ہے کہ وہ اس چیز کو ودیعت کے طور پر دینے کا مالک ہوتا ہے جس کے مستعمل کے مختلف ہونے سے وہ مختلف ہو جاتا ہے حالانکہ معاملہ اس طرح نہیں۔ ”زلیعی“ کی عبارت ہے: یہ حکم اس لیے ہے کیونکہ ودیعت عاریہ سے ادنیٰ حالت میں ہوتی ہے جب وہ اس چیز کو عاریہ دینے کا اختیار رکھتا ہے جس کے مستعمل کے مختلف ہونے سے اس میں اختلاف ہوتا ہے تو وہ اس کا بدرجہ اولیٰ اختیار رکھے گا کہ وہ ودیعت کے طور پر رکھے جیسا کہ ہم نے بیان کر دیا ہے یہ ایک شے کے بغیر دوسری شے کے ساتھ خاص نہیں ہوتا۔ کیونکہ سب ودیعت رکھنے کے حق میں مختلف نہیں۔ وہ نفع حاصل کرنے کے حق میں مختلف ہوتے ہیں۔ مگر یہ کہا جائے کہ ما سے مراد وقت ہے یعنی ایسے وقت میں جس میں عاریہ دینے کا مالک ہوتا ہے۔ وہ مدت کے گزرنے سے پہلے کا وقت ہے جب اس کا وقت ذکر کیا گیا ہو۔ یہ بہت ہی بعید ہے جس طرح یہ امر مخفی نہیں۔ تامل

فرع: ”حاشیہ“ میں ہے جب عاریہ سے انتفاع میں معیر اور مستعیر میں اختلاف ہو جائے معیر نے مخصوص نوع (قول) مخصوص زمانہ میں انتفاع کا دعویٰ کیا اور مستعیر نے اطلاق کا دعویٰ کیا تو تنقید میں قول معیر کا ہوگا۔ کیونکہ اصل اعارہ میں قول معیر کا معتبر ہوگا اس کی صفت میں بھی قول اس کا معتبر ہوگا۔ ”قاری الہدایۃ فی القول لمن“۔

29032۔ (قوله: عَلَى هَذَا) وہ یہ ہے کہ عاریہ موقت ہو، اس وقت اس کے اور اس کے غیر کے درمیان میں کوئی

فرق نہیں۔

29033۔ (قوله: وَبِخِلَافٍ) اس کا عطف متن کے قول بخلاف پر ہے اس کا یہاں ذکر کرنا اولیٰ تھا۔ تامل

29034۔ (قوله: فَإِنَّهُ لَيْسَ الْخ) ”الہدایہ“ میں اسی طرح ہے۔ مسألة الغیر اختلافی ہے۔ ”الخلاصہ“ میں

ہمارے مشائخ نے کہا: واجب ہے کہ وہ بری ہو جائے۔ ”جامع صغیر“ جو امام ”قاضی خان“ کی ہے میں کہا: چور اور غاصب مالک کی منزل، اس کے اصطبل، اس کے ملازم اور اس کے غلام تک لوٹانے سے بری نہ ہوں گے جب تک اس شے کو اس کے مالک تک نہ پہنچائیں۔

(يَكْتُبُ الْمُسْتَعِيرُ أَنَّكَ أَطَعْتَنِي أَرْضَكَ لِأُزْرِعَهَا) فَيُخَصِّصُ لِنَظَرٍ يَبْنَاءُ وَنَحْوَهُ (الْعَبْدُ الْمَآذُونُ يَبْدُكَ الْإِعَارَةَ وَالْمَحْجُورُ إِذَا اسْتَعَارَ وَاسْتَهْلَكَهُ يَضْمَنُ بَعْدَ الْعِثْقِ، وَلَوْ أَعَارَ عَبْدٌ مَحْجُورٌ عَبْدًا مَحْجُورًا (مِثْلَهُ فَاسْتَهْلَكَهَا ضَمِنَ) الثَّانِي (لِلْحَالِ) (وَلَوْ اسْتَعَارَ ذَهَبًا فَقَدَّهْ صَبِيًّا فَسَرِقَ) الذَّهَبُ (مِنْهُ) أُنَى مِنَ الصَّبِيِّ (فَإِنْ كَانَ الصَّبِيُّ يَضْبُطُ) حِفْظَ (مَا عَلَيْهِ) مِنَ اللَّبَاسِ (لَمْ يَضْمَنْ وَلَا ضَمِنَ) لِأَنَّهُ إِعَارَةٌ وَالْمُسْتَعِيرُ

تو مستعیر یہ لکھے گا: تو نے مجھے اپنی زمین دی تاکہ میں اسے کاشت کروں پس اسے خاص کرے گا تاکہ یہ عمارت بنانے وغیرہ کو عام نہ ہو جائے۔ عبد ماذون کوئی چیز عاریہ دینے کا مالک ہوگا اور مجبور جب عاریہ لے اور اسے ہلاک کر دے تو آزادی کے بعد اس کی ضمانت اٹھالے گا اگر کوئی عبد مجبور کسی اپنے جیسے مجبور کو عاریہ دے پس وہ اس کو ہلاک کر ڈالے تو دوسرا مستعیر فی الحال ضمانت دے۔ اگر ایک آدمی نے سونا ادھار لیا اور اسے بچے کے گلے میں ہار بنا دیا اس بچے سے وہ سونا چوری کر لیا گیا اگر بچہ اس کی حفاظت کر سکتا ہو جو اس پر لباس ہے تو وہ ضامن نہیں ہوگا ورنہ ضامن ہوگا۔ کیونکہ یہ اعارہ ہے اور مستعیر

29035۔ (قوله: لِأُزْرِعَهَا) لام تعلیل کے لیے ہے۔

29036۔ (قوله: فَيُخَصِّصُ) وہ یہ نہ کہے گا تو نے مجھے عاریہ دی ہے۔

29037۔ (قوله: يَبْدُكَ الْإِعَارَةَ) اسی طرح صبی ماذون ہے۔ ”بزازیہ“ میں ہے: بچے سے اس کی مثل عاریہ لیا

جیسے کلباڑا وغیرہ۔ اگر اسے اجازت ہو اور یہ اس کا مال ہو تو ضمانت نہ ہوگی اگر وہ چیز اس کے علاوہ کی ہو جس نے دی اور اس کی اجازت تھی تو پہلا ضامن ہوگا دوسرا ضامن نہیں ہوگا۔ کیونکہ جب وہ ماذون تھا تو اس کی طرف سے دینا صحیح ہوگا اور تلف ہونا اس کے مسلط کرنے سے حاصل ہوا ہے بے شک دینے والا مجبور ہوتا ہے وہ دینے کے ساتھ ضامن ہوگا اور دوسرا اپنے کے ساتھ ضامن ہوگا کیونکہ وہ غاصب کا غاصب ہے۔

29038۔ (قوله: وَاسْتَهْلَكَهُ الْخ) کیونکہ معیر نے اس کے تلف کرنے پر مسلط کر دیا ہے اور اس پر ضمان کی شری

لگائی ہے پس اس کا مسلط کرنا صحیح ہوگا اور آقا کے حق میں شرط باطل ہوگی۔ ”درر“، ”حاشیہ“ میں اسی طرح ہے۔

29039۔ (قوله: عَبْدٌ مَحْجُورٌ عَبْدًا مَحْجُورًا) عبد، اعار کا فاعل ہے اور محجور فاعل کی علت ہے۔

طرح عبد اس کا مفعول اور موصوف ہے اور محجور اس کی صفت ہے اسی طرح اعراب دیا گیا ہے۔

29040۔ (قوله: ضَمِنَ الثَّانِي) کیونکہ اس نے اذن کے بغیر اسے لیا ہے تو وہ غاصب ہوگا۔

29041۔ (قوله: لِلْحَالِ) کیونکہ مجبور اسے تلف کرنے کے ساتھ فی الحال ضمانت دے گا ”درر“، ”حاشیہ“ میں اسی

طرح ہے۔

29042۔ (قوله: لِأَنَّهُ) یہ ان کے قول لم یضمن کی علت ہے۔

يَبْلُغُهَا (وَضَعَهَا) أُنَى الْعَارِيَّةِ (بَيْنَ يَدَيْهِ) فَنَامَ فَضَاعَتْ لَمْ يَضُنْ لَوْ نَامَ جَالِسًا (لَأَنَّهُ لَا يُعَدُّ مُضَيَّعًا لَهَا) (وَضُنْ لَوْ نَامَ مُضْطَجِعًا) لِتَرْكِهِ الْحِفْظَ (لَيْسَ لِلْأَبِ إِعَارَةٌ مَالٍ طِفْلِهِ) لِعَدَمِ الْبَدْلِ وَ كَذَا الْقَاضِي وَالْوَصِي (طَلَبَ) شَخْصٌ (مِنْ رَجُلٍ ثَوْرًا عَارِيَّةً فَقَالَ أُعْطِيكَ غَدًا فَلَمَّا كَانَ الْغَدُ ذَهَبَ الطَّالِبُ وَأَخَذَهُ بِغَيْرِ إِذْنِهِ وَاسْتَعْمَلَهُ فَمَاتَ) الثَّوْرُ (لَا ضَمَانَ عَلَيْهِ) خَاتِمَةٌ عَنْ إِبْرَاهِيمَ بْنِ يُوسُفَ

اس کا مالک ہوتا ہے۔ اس نے عاریۃ لی گئی چیز اپنے سامنے رکھی تو وہ سو گیا پس وہ چیز ضائع ہو گئی تو وہ ضامن نہ ہوگا اگر وہ بیٹھ کر سو گیا ہو۔ کیونکہ اسے ضائع کرنے والا شمار نہیں کیا جاتا۔ اگر پہلو کے بل سو جائے تو ضامن ہوگا۔ کیونکہ اس نے حفاظت کو ترک کر دیا ہے۔ باپ کو یہ حق حاصل نہیں کہ اپنے بچے کے مال کو ادھار دے۔ کیونکہ بدل نہیں پایا جا رہا۔ اسی طرح قاضی اور وصی کا معاملہ ہے ایک آدمی نے دوسرے سے ایک بیل ادھار طلب کیا تو اس نے کہا: میں کل تجھے دے دوں گا جب اگلا روز آیا تو طالب گیا اور بغیر اجازت کے بیل لے آیا اور اس سے کام لیا اور بیل مر گیا تو اس پر کوئی ضمان نہ ہوگی۔ ”خانیہ“ نے ”ابراہیم بن یوسف“ سے نقل کیا ہے

29043۔ (قوله: يَبْلُغُهَا) یعنی وہ اعارہ کا مالک ہوتا ہے۔

29044۔ (قوله: وَضَعَهَا) یعنی مستعیر نے اسے رکھا۔

29045۔ (قوله: يَدَيْهِ) یعنی مستعیر نے اسے اپنے سامنے رکھا۔

مستعیر جب عاریۃ لی گئی چیز کو پہلو میں رکھ کر سو جائے تو سفر میں ضامن نہیں ہوگا

29046۔ (قوله: مُضْطَجِعًا) یہ حضر (حالت اقامت) میں ہے۔ ”جامع الفصولین“ میں ہے: مستعیر جب عاریۃ

لی گئی چیز اپنے سامنے رکھے اور پہلو کے بل ہو جائے تو حضر میں ضامن ہوگا سفر میں ضامن نہیں ہوگا۔ اگر وہ سو گیا تو ایک آدمی نے جانور کی رسی کاٹ دی جو اس کے ہاتھ میں تھی تو وہ حضر و سفر میں اس کا ضامن نہ ہوگا۔ اگر رسی اس کے ہاتھ سے لے لی تو ضامن ہوگا اگر وہ حالت حضر میں پہلو کے بل سو گیا ہو ورنہ ضامن نہیں ہوگا۔

”بزازیہ“ میں ہے: مستعیر جنگل میں سو گیا اور اس کی رسی اس کے ہاتھ میں تھی چور نے رسی کاٹ لی تو وہ ضامن نہ ہوگا۔ اگر چور نے اس کے ہاتھ سے رسی کھینچی اور اس کو شعور نہ ہوا تو ضامن ہوگا۔ ”صدر“ نے کہا: یہ اس صورت میں ہے جب وہ پہلو کے بل سو گیا ہو۔ اگر بیٹھا ہوا ہو تو دونوں صورتوں میں ضامن نہیں ہوگا۔ یہ قول اس قول کے مناقض نہیں جو قول گزر چکا ہے کہ سفر میں پہلو کے بل سونا یہ حفاظت کو ترک کرنا نہیں۔ کیونکہ وہ نفس نیند میں ہے یہ نیند سے زائد امر میں ہے۔

اسی میں ہے: اس نے دوسرے شخص سے رسی ادھار لی تاکہ پانی نکالے اور پہلو کے بل لیٹ گیا اور سو گیا اور رسی اپنے سر کے نیچے رکھ دی تو ضامن نہیں ہوگا۔ کیونکہ وہ اس کی حفاظت کرنے والا ہے کیا ایسا نہیں کہ سونے والے کے سر کے نیچے سے چوری کرنے والے کا ہاتھ کاٹا جاتا ہے اگرچہ وہ صحرا میں ہی ہو یہ سفر کے علاوہ میں ہے اگر وہ سفر میں ہو تو ضامن نہ ہوگا وہ بیٹھا

لَكِنْ فِي الْمُجْتَبَى وَغَيْرِهِ أَنَّهُ يَضْمَنُ (جَهَّزَ ابْنَتَهُ بِمَا يُجَهِّزُ بِهِ مِثْلَهَا ثُمَّ قَالَ كُنْتُ أَعْرَظْتُهَا الْأُمْتَعَةَ إِنَّ الْعُرْفَ مُسْتَشِيرًا) بَيْنَ النَّاسِ (أَنَّ الْأَبَ يَدْفَعُ ذَلِكَ) الْجِهَازَ (مِنْكَ لَا إِعَارَةً لَا يَقْبَلُ قَوْلُهُ) إِنَّهُ إِعَارَةٌ لِأَنَّ الظَّاهِرَ يُكَذِّبُهُ (وَأِنْ لَمْ يَكُنِ) الْعُرْفُ (كَذَلِكَ) أَوْ تَارَةً وَتَارَةً (فَالْقَوْلُ لَهُ) بِهِ يُفْتَى كَمَا لَوْ كَانَ أَكْثَرَ مِمَّا يُجَهِّزُ بِهِ مِثْلَهَا فَإِنَّ الْقَوْلَ لَهُ اتِّفَاقًا (وَالْأُمُّ) وَلِئِذَا الصَّغِيرَةُ (كَالْأَبِ) فِيمَا ذَكَرَهُ، وَفِيمَا يَدَّعِيهِ الْأَجْنَبِيُّ بَعْدَ الْمَوْتِ لَا يَقْبَلُ إِلَّا بَيِّنَةٌ شَرْحٌ وَهَبَانِيَّةٌ وَتَقَدَّمَ فِي بَابِ الْمَهْرِ فِي الْأَشْبَاهِ (كُلُّ أَمِينٍ ادَّعَى إِيصَالَ الْأَمَانَةِ إِلَى مُسْتَحِقِّهَا قَبْلَ قَوْلِهِ) بَيِّنَتُهُ (كَالْمُودِعِ إِذَا ادَّعَى الرَّدَّ وَالْوَكِيلَ وَالنَّاضِرَ

لیکن ”مجتبی“ وغیرہ میں ہے: وہ ضامن ہوگا۔ ایک آدمی نے اپنی بیٹی کو جہیز کا سامان دیا جس کی مثل سامان دیا جاتا ہے پھر اس نے کہا: میں نے یہ سامان عاریہ دیا تھا جب کہ لوگوں میں عرف یہ ہے کہ باپ اسے یہ سامان بطور ملک دیتا ہے بطور عاریہ نہیں دیتا تو اس کا یہ قول قبول نہیں کیا جائے گا کہ یہ اعارہ ہے۔ کیونکہ ظاہر اس کو جھٹلاتا ہے۔ اگر عرف اس طرح نہ ہو یا کبھی ہو کبھی نہ ہو تو اس کا قول معتبر ہوگا۔ اسی کے مطابق فتویٰ دیا جاتا ہے۔ جس طرح جو اس نے مال دیا وہ اس سے زائد تھا جس قسم کا مال دیا جاتا ہے تو بالاتفاق اس کا قول معتبر ہوگا۔ ماں اور صغیرہ کا ولی باپ کی طرح ہے ان امور میں جن کا اس نے ذکر کیا ہے اور موت کے بعد جس کا اجنبی دعویٰ کرتا ہے اس کا قول گواہوں کے بغیر قبول نہیں کیا جائے گا، ”شرح وہبانیہ“۔ باب المهر میں یہ گزر چکا ہے۔ اور ”الاشباہ“ میں ہے: ہر وہ امین جو امانت اس کے مستحق تک پہنچانے کا دعویٰ کرے تو قسم کے ساتھ اس کا قول قبول کیا جائے گا جس طرح مودع جب وہ رد کا دعویٰ کرے وکیل اور نگران

ہو اسو جائے یا پہلو کے بل سو جائے اور جو چیز عاریہ لی گئی تھی وہ اس کے سر کے نیچے ہو، اس کے سامنے ہو اس کے ارد گرد ہو وہ حفاظت کرنے والا شمار کیا جائے گا۔

29047۔ (قوله: أَنَّهُ يَضْمَنُ) ”بزازیہ“ میں اسے یقین سے بیان کیا ہے کہا: کیونکہ اس نے بغیر اجازت کے اسے لیا ہے کہا: اگر اس نے دوسرے سے کل کے لیے اس کا بیل مانگا اس نے کہا: ہاں۔ اگلے روز مستعیر آیا اور بیل لے لیا وہ بیل ہلاک ہو گیا تو ضامن نہیں ہوگا۔ کیونکہ اس نے اگلے روز کے لیے ادھار مانگا تھا اور اس نے ہاں کہہ دیا تھا تو اعارہ منعقد ہو جائے گا پہلے مسئلہ میں اعارہ کا وعدہ ہے کوئی اور کچھ نہیں۔

29048۔ (قوله: جَهَّزَ ابْنَتَهُ) ”الولوالجیہ“ میں ہے: جب باپ نے اپنی بیٹی کے لیے جہیز کا سامان تیار کیا پھر باقی ماندہ وارث اس میں سے تقسیم کا مطالبہ کرتے ہیں اگر تو باپ نے اس بچی کی صغیرنی میں یا اس کے بعد جب وہ بڑی ہو چکی تھی یہ سامان خریدا تھا اور اس کے حوالے کر دیا تھا اور یہ سب کچھ اس کی حالت صحت میں ہوا تھا تو وارثوں کو اس پر کوئی حق نہ ہوگا۔ اور وہ سامان خاص کر بیٹی کے لیے ہوگا۔ ”منح“۔ ”حاشیہ“ میں اسی طرح ہے۔

29049۔ (قوله: فَإِنَّ الْقَوْلَ لَهُ) اس کا ظاہر معنی یہ ہے اس وقت اس کا قول تمام سامان میں معتبر ہوگا سامان کی مثل

إِذَا ادَّعَى الصَّرْفَ إِلَى الْمَوْقُوفِ عَلَيْهِمْ، يَعْنِي مِنَ الْأَوْلَادِ وَالْفُقَرَاءِ وَأَمْثَالِهِمَا، وَأَمَّا إِذَا ادَّعَى الصَّرْفَ إِلَى وَظَائِفِ الْمُرْتَزِقَةِ فَلَا يَقْبَلُ قَوْلُهُ فِي حَقِّ أَرْبَابِ الْوُظَائِفِ لَكِنْ لَا يَضُرُّ مَا أَنْكَرُوهُ لَهُ بَلْ يَدْفَعُهُ ثَانِيًا مِنْ مَالِ الْوَقْفِ كَمَا بَسَطَهُ فِي حَاشِيَةِ أَخِي زَادَ قُلْتُ وَقَدْ مَرَّرَنِي الْوَقْفُ عَنْ الْمَوْلَى أَبِي السُّعُودِ وَاسْتَحْسَنَهُ الْمُصَنِّفُ وَأَقْرَبَهُ ابْنُهُ فَلْيُحْفَظْ (وَسَوَاءٌ كَانَ فِي حَيَاةٍ مُسْتَحِقَّهَا أَوْ بَعْدَ مَوْتِهِ إِلَّا فِي الْوَكِيلِ بِقَبْضِ الدَّيْنِ إِذَا ادَّعَى بَعْدَ مَوْتِ الْمُوَكَّلِ أَنَّهُ قَبْضُهُ وَدَفَعَهُ لَهُ

جب ان لوگوں پر صرف کا دعویٰ کریں جن پر اس مال کو وقف کیا گیا ہو یعنی اولاد، فقراء اور ان کی مثل لوگ۔ مگر جب وہ ان پر صرف کا دعویٰ کرے جن کے رزق کے طور پر وظائف معین کیے گئے تو وظائف والوں کے حق میں اس کا قول قبول نہ کیا جائے گا۔ لیکن جس کا انہوں نے انکار کیا ہے اس کے وہ ضامن نہ ہوں گے بلکہ وہ وقف کے مال سے دوبارہ دے گا جس طرح ”حاشیہ اخي زاده“ سے تفصیل سے بیان کیا ہے۔ میں کہتا ہوں: کتاب الوقف میں مولیٰ ”ابو سعود“ سے گزر چکا ہے مصنف نے اسے مستحسن قرار دیا ہے اور ان کے بیٹے نے اسے ثابت رکھا ہے پس اسے یاد رکھا جانا چاہیے۔ خواہ اس کے مستحق کی زندگی میں ایسا ہو یا اس کی موت کے بعد ہو مگر جو دین پر قبضہ کا وکیل ہے جب وہ موکل کی موت کے بعد دعویٰ کرے کہ اس نے اس پر قبضہ کیا اور اس کی زندگی میں اس کے حوالے کر دیا

سے زائد جو سامان ہے اس میں نہ ہوگا پس اسے بیان کیا جانا چاہیے۔

29050۔ (قوله: وَأَمْثَالِهِمَا) جس طرح علماء اور اشراف۔ بعض فضلاء نے کہا: چاہیے کہ یہ قید لگائی جائے کہ نگران خیانت میں معروف نہ ہو۔ جس طرح ہمارے زمانے کے اکثر نگران ہیں بلکہ واجب ہے کہ اس مسئلہ میں علماء میں فتویٰ نہ دیں۔ ”حموی“، ”ط“۔

29051۔ (قوله: الْمُرْتَزِقَةِ) جیسے امام، موزن اور بواب (دربان) کیونکہ اسے اجرت کے ساتھ مشابہت ہے اولاد وغیرہ کا معاملہ مختلف ہے کیونکہ وہ محض صلہ ہے۔

29052۔ (قوله: أَخِي زَادَ) یعنی ”صدر الشریعہ“ پر۔

29053۔ (قوله: مُسْتَحِقَّهَا) یعنی امانات کا مستحق۔

29054۔ (قوله: إِلَّا فِي الْوَكِيلِ) حصر اس امر کا فائدہ دیتا ہے کہ بیع کے وکیل کا قول قبول کیا جائے گا، ”الاشباہ“ کے

کتاب الوکالہ میں جو قول ہے وہ اس کی تائید کرتا ہے جب وہ موکل کی موت کے بعد کہے میں نے اسے فلاں کے ہاتھ ہزار میں بیچا ہے میں نے اس پر قبضہ کر لیا اور وہ ہزار ہلاک ہو گیا وارثوں نے بیع کے معاملہ میں اس کو جھٹلایا تو اس وکیل کی تصدیق نہ کی جائے گی جب بیع بعینہ موجود ہو۔ جب وہ ہلاک ہو چکا ہو تو معاملہ مختلف ہوگا۔ ”ساحانی“۔

29055۔ (قوله: بَعْدَ مَوْتِ الْمُوَكَّلِ) اس کی زندگی میں ایسا ہو تو معاملہ مختلف ہوگا۔

فروع: فحی، اگر وہ اس مکان کی طرف گیا جس کا ذکر نہ کیا گیا تھا تو وہ ضامن ہوگا اگرچہ وہ مکان قریب تر ہو۔ اسی طرح اگر وہ اس جانور کو اپنے گھر میں روکے رکھے اور ذکر کیے گئے مکان کی طرف نہ جائے تو وہ ضامن ہوگا۔ ”قاضی خان“۔ کیونکہ اس نے وہ جانور جانے کے لیے مانگا تھا گھر میں روکنے کے لیے نہیں مانگا تھا۔

بندہ حقیر کہتا ہے: دونوں مسئلوں میں اشکال واقع ہوتا ہے وہ یہ ہے دونوں میں مخالفت خیر کی طرف لے جانے والی ہے شر کی طرف لے جانے والی نہیں۔ ظاہر تو یہ ہے دونوں میں وہ ضامن نہ ہو شاید دوسرے مسئلہ میں دو روایتیں ہیں۔ کیونکہ ذکر کیا جا چکا ہے اگر وہ لکڑیاں توڑنے کے لیے کلہاڑا لے، اسے اپنے گھر میں رکھے اور وہ کوتاہی کے بغیر تلف ہو جائے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ ضامن ہوگا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ضامن نہ ہوگا، فحی۔ معناد ٹھہرنا معاف ہے، ”نور العین“۔ جب معیر مر جائے یا مستعیر مر جائے تو اعارہ باطل ہو جائے گا۔ ”خانہ“۔

ایک آدمی نے دوسرے سے کوئی شے عاریۃ لی اور اس کے چھوٹے بچے نے، جس پر حجر تھا، وہ چیز کسی اور کو عاریۃ دے دی وہ چیز ضائع ہوگئی وہ بچہ جو وہ شے دے رہا ہے ضامن ہوگا۔ اسی طرح جس کو وہ چیز دی گئی ہے وہ ضامن ہوگا۔ ”تا تر خانہ“ نے ”الحیط“ سے اسے نقل کیا ہے۔

ایک آدمی نے کوئی کتاب ادہاری وہ کتاب ضائع ہوگئی اس کا مالک آیا اور مطالبہ کیا تو اس نے مالک کو ضائع ہونے کے بارے میں خبر نہ دی اور اسے واپس کرنے کا وعدہ کیا پھر اس کے ضائع ہونے کی خبر دی بعض مواقع پر کہا: وہ واپسی سے مایوس نہ ہو تو اس پر کوئی ضمانت نہ ہوگی۔ اگر مایوس ہو تو ضامن ہوگا لیکن یہ ظاہر روایت کے خلاف ہے۔ ”الکتاب“ میں بہ: وہ ضامن ہوگا کیونکہ وہ متناقض ہے۔ ”الولوالجیہ“۔

اس میں ہے: اس نے سونا ادہار لیا وہ بچے کے گلے کا ہار بنا دیا، اسے چوری کر لیا گیا اگر وہ بچہ اس چیز کی حفاظت کرتا ہو جو اس پر ہے تو وہ ضامن نہیں ہوگا ورنہ ضامن ہوگا۔

اس میں ہے: وہ اس کے گھر میں اس کی اجازت سے داخل ہوا اس نے ایک برتن لیا تاکہ اسے دیکھے وہ برتن گر گیا تو وہ ضامن نہیں ہوگا اگرچہ اجازت کے بغیر دیا ہوا اگر وہ بازار میں داخل ہوا۔ جس میں برتن بیچے جاتے ہیں تو معاملہ مختلف ہوگا اور وہ ضامن ہوگا۔

ایک آدمی مستعیر کے پاس آیا اور کہا: میں نے وہ جانور عاریۃ اس کے فلاں مالک سے لیا جو تیرے پاس ہے اس نے مجھے اس پر قبضہ کا حکم دیا ہے اس نے اس کی تصدیق کی اور وہ جانور دے دیا پھر معیر نے اپنے امر کا انکار کر دیا تو مستعیر ضامن ہوگا اور وہ قابض سے مطالبہ نہ کرے گا۔ اگر مستعیر یہ دعویٰ کرے کہ اس نے معیر کی اجازت سے وہ کیا ہے اور معیر اس کو جھٹلا دے تو مستعیر ضامن ہوگا جب تک گواہیاں قائم نہ کرے۔ ”فصولین“۔

اس میں ہے: اس سے ادہار لیا اور اپنا غلام بھیجا تاکہ اسے لے آئے پس اس کا غلام اس پر سوار ہوا تو وہ اس کی وجہ سے

فِي حَيَاتِهِ لَمْ يُقْبَلْ قَوْلُهُ إِلَّا بِبَيِّنَةٍ بِخِلَافِ الْوَكِيلِ بِقَبْضِ الْعَيْنِ، كَوَدِيعَةٍ قَالَ قَبَضْتُهَا فِي حَيَاتِهِ وَهَلَكْتُ وَأَنْكَرْتُ الْوَرَثَةَ أَوْ قَالَ دَفَعْتُهَا إِلَيْهِ فَإِنَّهُ يُصَدِّقُ، لِأَنَّهُ يَنْفِي الضَّمانَ عَنْ نَفْسِهِ، بِخِلَافِ الْوَكِيلِ بِقَبْضِ الدَّيْنِ، لِأَنَّهُ يُوجِبُ الضَّمانَ عَلَى الْمَيِّتِ، وَهُوَ ضَمَانٌ مِثْلُ الْمَقْبُوضِ فَلَا يُصَدِّقُ وَكَالَةُ الْوَلَوِ الْجَيَّةُ قُلْتُ وَظَاهِرُهُ أَنَّهُ لَا يُصَدِّقُ لَافِي حَقِّ نَفْسِهِ وَلَا فِي حَقِّ الْمُوَكَّلِ، وَقَدْ أَفْتَى بَعْضُهُمْ أَنَّهُ يُصَدِّقُ فِي حَقِّ نَفْسِهِ لَافِي حَقِّ الْمُوَكَّلِ وَحِيلَ عَلَيْهِ كَلَامُ الْوَلَوِ الْجَيَّةِ فَيَتَأَمَّلُ عِنْدَ الْفَتْوَى فُرُوعٌ أَوْطَى بِالْعَارِيَةِ لَيْسَ لِلْوَرَثَةِ الرَّجُوعُ الْعَارِيَةُ كَالِاجَارَةِ لِيَنْفَسِخَ بِمَوْتِ أَحَدِهِمَا مَاتَ وَعَلَيْهِ دَيْنٌ وَعِنْدَهُ وَدِيعَةٌ بَغِيرِ

اور اس کا قول گواہوں کے بغیر قبول نہ کیا جائے گا۔ عین پر قبضہ کے وکیل کا معاملہ مختلف ہے جیسے ودیعت۔ کہا: میں نے اس کی زندگی میں اس پر قبضہ کیا اور وہ چیز ہلاک ہو گئی وارثوں نے انکار کر دیا یا اس نے کہا میں نے وہ اسے دے دی تھی تو اس کی تصدیق کی جائے گی۔ کیونکہ وہ اپنی ذات سے ضمان کی نفی کر رہا ہے۔ دین پر قبضہ کے وکیل کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ وہ میت پر ضمان کو واجب کرتا ہے وہ مثل مقبوض ضمان ہوگی تو اس کی تصدیق نہ کی جائے گی۔ وکالۃ ”الولوالجیہ“۔ میں کہتا ہوں: اس کا ظاہر یہ ہے کہ اس کی تصدیق نہ کی جائے گی نہ اس کی ذات کے حق میں اور نہ ہی موکل کے حق میں۔ بعض علماء نے فتویٰ دیا ہے کہ اس کی ذات کے حق میں اس کی تصدیق کی جائے گی موکل کے حق میں اس کی تصدیق نہ کی جائے گی۔ ”الولوالجیہ“ کا کلام اسی پر محمول کیا گیا ہے۔ پس فتویٰ کے وقت غور و فکر کیا جائے گا۔ فروع: اس نے عاریہ کی وصیت کی تو وارثوں کو رجوع کا حق نہیں ہوگا۔ عاریہ اجارہ کی طرح ہے دونوں میں سے ایک کی موت کے ساتھ فسخ ہو جاتا ہے۔ وہ آدمی مر گیا جب کہ اس پر دین ہے اور اس کے پاس غیر معین ودیعت ہے

ہلاک ہو گیا غلام ضامن ہوگا اور اسے فی الحال بیچا جائے گا۔ مجبور غلام کا معاملہ مختلف ہے جس نے اس ودیعت کو تلف کر دیا تھا جسے آقا کی اجازت کے بغیر اسے قبول کیا تھا۔

29056۔ (قوله: فِي حَيَاتِهِ) ضمير سے مراد موکل ہے۔

29057۔ (قوله: مِثْلُ الْمَقْبُوضِ) کیونکہ دیون کو ان کی مثل سے ادا کیا جانا ہے۔

29058۔ (قوله: لَافِي حَقِّ نَفْسِهِ) یعنی وہ ضامن ہوگا۔

29059۔ (قوله: وَلَا فِي حَقِّ الْمُوَكَّلِ) یعنی مقبوض کی مثل اس پر ضمان واجب ہوگی۔

29060۔ (قوله: بَعْضُهُمْ) وہ ”صاحب المنح“ کے معاصرین میں سے ہے جس طرح اس میں ذکر کیا ہے۔ ”رملی“

نے اس کے ”حاشیہ“ میں ذکر کیا ہے: یہ ایسی چیز ہے جس سے الگ ہونے کی صورت نہیں۔ ہمارے ائمہ کے کلام میں ایسی چیز نہیں جو اس کے علاوہ کی شاہد ہو۔ تامل

میں کہتا ہوں: اس مسئلہ میں ”شرنبلائی رسالہ“ ہے۔ پس اس کی طرف رجوع کیجئے جس طرح ہم نے کتاب الوکالہ میں

عَيْنَهَا فَالْتَرَكَةُ بَيْنَهُمْ بِالْحِصَصِ اسْتَأْجَرَ بَعِيرًا إِلَى مَكَّةَ فَعَلَى الذَّهَابِ، وَفِي الْعَارِيَّةِ عَلَى الذَّهَابِ
وَالْمَجِيءِ: لِأَنَّ رَدَّهَا عَلَيْهِ اسْتَعَارَ دَابَّةً لِلذَّهَابِ فَأَمْسَكَهَا فِي بَيْتِهِ فَهَلَكَتْ ضَمِنَ لِأَنَّهُ أَعَارَهَا
لِلذَّهَابِ لَا لِلْمَسَاكِ اسْتَقْرَضَ ثَوْبًا فَأَعَارَ عَلَيْهِ الْاِتِّرَاكُ لَمْ يَضْمَنْ لِأَنَّهُ عَارِيَّةٌ عُرْفًا اسْتَعَارَ
أَرْضًا لِيَبْنِيَ وَيَسْكُنَ وَإِذَا خَرَجَ فَالْبِنَاءُ لِلْمَالِكِ فَلِلْمَالِكِ أَجْرُ مِثْلِهَا مِقْدَارَ السُّكْنَى، وَالْبِنَاءُ
لِلْمُسْتَعِيرِ لِأَنَّ الْإِعَارَةَ تَبْلِيكَ بِلا عَوْضٍ فَكَانَتْ إِجَارَةً مَعْنَى، وَفَسَدَتْ بِجَهَالَةِ الْهَدَّةِ، وَكَذَلِكَ
شَرَطَ الْخَرَاجَ عَلَى الْمُسْتَعِيرِ

پس ترکہ ان ورثا میں حصص کے اعتبار سے تقسیم ہوگا۔ ایک آدمی نے مکہ تک جانے کے لیے اونٹ اجرت پر لیا تو یہ معاہدہ
جانے پر ہوگا۔ اور عاریہ میں جانے اور آنے پر ہوگا۔ کیونکہ اس کو لوٹنا اس کی ذمہ داری ہے۔ ایک آدمی نے جانے کے لیے
جانور ادھار لیا اور اسے اپنے گھر میں روک لیا تو وہ جانور ہلاک ہو گیا تو وہ ضامن ہوگا کیونکہ اس نے وہ جانے کے لیے اسے
ادھار دیا تھا روکنے کے لیے نہیں دیا تھا۔ ایک آدمی نے کپڑا ادھار لیا ترکوں نے اس پر غارت گری مچائی تو وہ ضامن نہیں ہو
گا۔ کیونکہ یہ عرف کے اعتبار سے عاریہ ہے۔ ایک آدمی نے زمین عاریتہ لی تاکہ وہاں مکان بنائے اور اس میں رہائش رکھے
جب وہ اسے چھوڑے تو عمارت مالک کی ہوگی جتنا عرصہ وہ رہائش رکھے گا اتنا عرصہ مالک کو زمین کی اجرت مثلی کا حق ہوگا
اور عمارت مستعیر کی ہوگی۔ کیونکہ اعارہ بغیر عوض کے تملیک ہے۔ پس وہ معنا اجارہ ہوگا اور مدت کے مجہول ہونے کی وجہ سے
اجارہ فاسد ہو جائے گا۔ اس طرح اگر وہ خراج کی شرط مستعیر پر لگائے۔

اشارہ کیا ہے۔ میں نے ”البحر“ کے حاشیہ میں وہاں ایک شے لکھی ہے۔

29061۔ (قوله: بَيْنَهُمْ) یعنی وصی۔ دین اور ودیعت کے مالک کے درمیان۔

29062۔ (قوله: لِأَنَّهُ عَارِيَّةٌ) یعنی وہ تعدی کے بغیر ضامن نہیں ہوگا اور وہ نہیں پائی گئی۔

29063۔ (قوله: بِلا عَوْضٍ) یا یہاں اس کا عوض مقرر کر دے۔ ”بزازیہ“ میں ہے: ایک آدمی نے اپنا گھر اس شرط

پر دیا کہ وہ اس میں رہائش رکھے گا اور اس کی مرمت کرے گا اور کوئی اجرت نہیں ہوگا پس یہ عاریہ ہوگا۔ کیونکہ مرمت نفع کے باب سے
ہوتی ہے یہ مستعیر کے ذمہ ہوتی ہے۔ کتاب العاریہ میں اس کے خلاف ہے۔ ”سامحانی“۔

29064۔ (قوله: بِجَهَالَةِ الْهَدَّةِ) ”البحر“ کی ”الحيطة“ سے مروی عبارت ہے: مدت اور اجرت کی جہالت کی وجہ

سے۔ کیونکہ بنا مجہول ہے پس اجرت مثلی واجب ہوگی۔ پس اس قول نے یہ فائدہ دیا کہ حکم اسی طرح ہو اگر وہ مدت کی
وضاحت کرے کیونکہ اجرت کی جہالت باقی ہے جب کہ وہ ظاہر ہے۔

29065۔ (قوله: لَوْ شَرَطَ) یعنی یہ اجارہ فاسد ہوگا۔ کیونکہ خراج اس کے ذمہ ہے اور اس نے جو شرط لگائی ہے وہ

مستعیر کے ذمہ ہے۔ پس اس نے اسے منافع کا بدل بنایا ہے وہ اجارہ کے معنی میں ہے اور عقد میں اعتبار معانی کا ہوتا ہے۔

لِجَهَالَةِ الْبَدَلِ، وَالْحِيلَةُ أَنْ يُوجَّزَهُ الْأَرْضُ سِنِينَ مَعْلُومَةٍ بِبَدَلٍ مَعْلُومٍ ثُمَّ يَأْمُرُهُ بِأَدَاءِ الْخَرَاجِ مِنْهُ
اسْتَعَارَ كِتَابًا فَوَجَدَ بِهِ خَطَا أَمْلَحَهُ إِنْ عَلِمَ رِضَا صَاحِبِهِ قُلْتُ وَلَا يَأْتُمُ بِتَرْكِهِ إِلَّا فِي الْقُرْآنِ لِأَنَّ إِصْلَاحَهُ
وَاجِبٌ بِخِطِّ مُنَاسِبٍ وَفِي الْوَهْبَانِيَّةِ وَفِي مُعَايَاتِهَا

وَسِفَرٌ رَأَى إِصْلَاحَهُ مُسْتَعِيرُهُ يَجُوزُ إِذَا مَوْلَاهُ لَا يَتَأَثَّرُ
وَأَمَّا مُعِيرُ لَيْسَ يَنْلِكَ أَخْذَ مَا أَعَارَ وَفِي غَيْرِ الرَّهَانِ التَّصَوُّرُ
وَهَلْ وَاهِبٌ لِابْنٍ يَجُوزُ رُجُوعُهُ وَهَلْ مُودَعٌ مَا ضَيَّعَ الْمَالُ يَخْسَرُ

کیونکہ بدل مجہول ہے اس کا حیلہ یہ ہے وہ معلوم سالوں تک کے لیے زمین کو بدل معلوم کے عوض اجرت پردے پھر اس سے
خراج دینے کا حکم دے۔ ایک آدمی نے کتاب عاریۃ لی اس میں خطا پر آگاہ ہوا تو اس کی اصلاح کرے اگر مالک کی رضا کا
علم ہو۔ میں کہتا ہوں: وہ اس غلطی کو چھوڑنے پر گناہ گار نہیں ہوگا مگر قرآن میں غلطی چھوڑنے پر گناہ گار ہوگا۔ کیونکہ مناسب خط
کے ساتھ اس کی اصلاح واجب ہے۔ ”وہبانیہ“ میں ہے اور اس کی پہیلیوں میں ہے: ایک کتاب جس میں اصلاح کا محل اس
کا مستعیر دیکھتا ہے تو اس کے لیے اصلاح کرنا جائز ہے جب اس کا مالک آزرده نہ ہو۔ اور کون ایسا معیر ہے جو اپنی عاریۃ
دی گئی چیز کے لینے کا مالک نہیں اور رہن کے علاوہ میں اس کا تصور کیا جاسکتا ہے۔ کیا اپنے بیٹے کو ہبہ کرنے والا رجوع کر سکتا
ہے۔ کیا کوئی ایسا مودع ہے جس نے مال ضائع نہ کیا ہو تو وہ چٹی بھرے۔

29066۔ (قوله: لِجَهَالَةِ الْبَدَلِ) جہاں تک خراج مقام کا تعلق ہے تو بعض فصل کبھی زائد ہوتی ہے اور کبھی کم ہوتی
ہے۔ مگر جب وہ خراج موظف ہو تو وہ اگرچہ مقدار معین ہوتی ہے مگر زمین جب اس کا احتمال نہ رکھے تو اس میں کمی کر دی جاتی
ہے۔ ”منح“۔ ملخص

29067۔ (قوله: مِنْهُ) ضمیر سے مراد وہ بدل ہے۔

29068۔ (قوله: وَأَمَّا مُعِيرُ الْخ) ایک زمین ہے جس کے مالک نے وہ زمین زراعت پر دی پھر مستاجر کو عاریۃ
دے دی اور مستعیر نے اسے کاشت کیا تو اسے واپس لینے کا مالک نہیں ہوگا۔ کیونکہ اس میں ضرر ہے۔ اعارہ کے وقت اجارہ
فسخ ہو جائے گا۔ ”ابن شحنہ“۔ ”حاشیہ“ میں اسی طرح ہے۔

29069۔ (قوله: يَجُوزُ رُجُوعُهُ) جواب یہ ہے کہ یہ بیٹا غیر کا مملوک ہے اور مملوک کسی شے کا مالک نہیں ہوتا۔ پس یہ
ہبہ غیر کے لیے واقع ہوتا ہے جب کہ وہ اس کا آقا ہے پس رجوع کرنا صحیح ہوگا۔ ”حاشیہ“ میں اسی طرح ہے۔

29070۔ (قوله: وَهَلْ مُودَعٌ) مودع اگر ودیعت قاضی کے امر کے بغیر وارث کے حوالے کر دے تو وہ ضامن ہوگا
اگر دین سے وہ ودیعت مستغرق ہو اور وہ وارث امین نہ ہو ورنہ وہ ضامن نہ ہوگا جب وہ وارثوں میں سے کسی کے حوالے کر
دے، ”فوائد زینیہ“، ”حاشیہ“ میں اسی طرح ہے۔

کتابُ الہبۃ

وَجْهَ الْمُنَاسَبَةِ ظَاهِرٌ (ہی) لُغَةً التَّفْضُلُ عَلَى الْغَيْرِ وَلَوْ غَيْرَ مَالٍ وَشَرْعًا (تَبْلِيكَ الْعَيْنِ مَجَانًا) أَمْنِي بَدَلًا
عَوَضٍ لَا أَنَّ عَدَمَ الْعَوَضِ شَرْطٌ فِيهِ وَأَمَّا تَبْلِيكَ الدَّيْنِ مِنْ غَيْرِ مَنْ عَلَيْهِ الدَّيْنُ فَإِنْ أَمَرَ بِقَبْضِهِ

ہبہ کے احکام

ما قبل باب سے منسبت ظاہر ہے۔ لغت میں اس کا معنی غیر پر فضل و احسان کرنا ہے اگر وہ مال کے علاوہ ہو اور شرع میں اس سے مراد بغیر عوض، عین کا مالک بنانا ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ عوض کا نہ ہونا شرط ہے۔ جہاں تک اسے دین کے مالک بنانے کا تعلق ہے جس پر دین لازم ہوا اگر تو دین پر قبضہ کرنے کا امر کرے

29071۔ (قولہ: وَجْهَ الْمُنَاسَبَةِ ظَاهِرٌ) کیونکہ اس سے قبل جو کتاب تھی اس میں عوض کے بغیر مالک بنانا تھا یہ اسی

طرح عین کا مالک بنانا ہے۔

ہبہ کی تعریف میں مذکور لفظ بلا عوض کی توجیہ

29072۔ (قولہ: مَجَانًا) ”ابن کمال“ نے لدحال کے لفظ کا اضافہ کیا ہے تاکہ وصیت کو اس سے خارج کر دے۔

29073۔ (قولہ: بَدَلًا عَوَضٍ) یعنی اس میں عوض کی شرط نہیں۔ اس میں مضاف حذف ہے لیکن یہ ظاہر ہوتا اگر بلا

عوض کا قول کرتے۔ جس طرح ”کنز“ میں ہے۔ کیونکہ مجان کا معنی عوض کا نہ ہونا ہے نہ کہ اس کی شرط نہ لگانا ہے۔ کیونکہ ”حموی“ نے اعتراض کیا ہے جس طرح ”ابوسعود“ میں ہے کہ ان کا قول بلا عوض، عوض نہ ہونے کی شرط ہونے میں نص ہے اور ہبہ عوض کی شرط کے ساتھ اس کی نفیض ہے پس یہ دونوں کیسے جمع ہوں گی۔ یعنی جو انہوں نے کہا ہے اس کے ساتھ مراد مکمل نہیں ہوتی۔ وہ تعریف کا اس ہبہ کو شامل ہونا ہے جو عوض کی شرط کے ساتھ ہو۔ کیونکہ وہ اس وقت تعریف سے اس کا خارج ہونا لازم آتا ہے جس طرح ”عزمیہ“ میں اس پر متنبہ کیا ہے۔

میں کہتا ہوں: تحقیق یہ ہے کہ اگر ”با“ ملاہ کے لیے بنالی جائے، محذوف کے متعلق ہو، تملیک سے حال ہو تو جو پتہ بنا کر دیا گیا ہے وہ لازم آئے گا مگر جب محذوف کو خبر کے بعد خبر بنایا جائے یعنی ہی کائنۃ بلا شرط عوض یہ اس معنی پر ہوگا کہ اس میں عوض شرط نہیں ہے۔ بیع اور اجارہ کا معاملہ مختلف ہے۔ جو کچھ ذکر کیا گیا ہے وہ اعتراض وارد نہیں ہوتا، فتدبر۔

29074۔ (قولہ: شَرْطٌ فِيهِ) ورنہ عوض کی شرط کے ساتھ یہ تعریف ہبہ کو شامل نہ ہوگی۔ ”ح“۔

عین کی قید پر وارد ہونے والا اعتراض اور اس کا جواب

29075۔ (قولہ: وَأَمَّا تَبْلِيكَ الدَّيْنِ الْخ) یہ ایک مقدر سوال کا جواب ہے۔ وہ سوال یہ ہے کہ عین کی قید لگانا

صَحَّتْ لِرُجُوعِهَا إِلَى هِبَةِ الْعَيْنِ (وَسَبَبُهَا إِزَادَةُ الْخَيْرِ لِلْوَاهِبِ) دُنْيَوِيٌّ كِعَوَضٍ وَمَحَبَّةٍ وَحُسْنِ ثَنَاءٍ،
وَأُخْرَوِيٌّ قَالَ الْإِمَامُ أَبُو مَنْصُورٍ يَجِبُ عَلَى الْمُؤْمِنِ أَنْ يُعْلِمَ وَلَدَهُ الْجُودَ وَالْإِحْسَانَ كَمَا يَجِبُ عَلَيْهِ

تو یہ ہبہ صحیح ہوگا کیونکہ یہ عین کے ہبہ کی طرف راجع ہے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ واہب کے لیے خیر کا ارادہ کیا جائے وہ خیر دنیوی ہو جیسے عوض، محبت اور اچھی تعریف اور اخروی خیر۔ امام ”ابو منصور“ نے کہا: مومن پر واجب ہے کہ وہ اپنے بچے کو جود و احسان کی تعلیم دے جس طرح اس پر یہ واجب ہے

اسے خارج کر دے گی جس میں دین کا اسے مالک بنایا جاتا ہے جس پر وہ دین لازم نہ ہو حالانکہ یہ بھی ہبہ ہے پس یہ صورت تعریف سے خارج ہو جائے گی۔

اس کا جواب یہ دیا: وہ از روئے مال کے عین ہے۔ تعریف میں عین سے مراد وہ ہے جو حال میں عین ہو یا مال کے اعتبار سے عین ہو۔

بعض فضلاء نے یہ کہا ہے: اسی وجہ سے یہ لازم نہیں ہوتا یہاں تک کہ اس پر قبضہ کر لے اور اسے قبضہ سے قبل رجوع کرنے کا حق ہوتا ہے وہ اس سے منع کر سکتا ہے۔ کیونکہ یہ قبضہ کرنے کی نیابت کے حکم میں ہے۔ اس پر وہ مسئلہ مبنی ہے جس میں موہوب لہ کے قبضہ کرنے سے پہلے واہب مر جائے۔ قائل

ایک چیز باقی رگئی ہے کیا اذن مجلس پر موقوف ہے؟ ظاہر یہ ہے کہ ہاں۔ پس اس کی طرف رجوع کیا جانا چاہیے۔ جس پر دین لازم ہو اسے ہبہ کرنے سے اعتراض وارد نہیں ہوتا کیونکہ یہ تو بری کرنے سے مجاز ہے اور فرد مجازی اس میں نقض واقع نہیں کرتا۔ واللہ سبحان اللہ تعالیٰ

29076۔ (قوله: صَحَّتْ) یعنی وہ اس کی جانب سے اس میں وکیل ہوگا۔ ”البحر“ میں ”المحیط“ سے نقل کیا ہے: اگر اس نے اپنا دین اسے ہبہ کر دیا جو ایک آدمی کے ذمہ تھا اور اسے قبضہ کا حکم دیا اس نے اس پر قبضہ کر لیا تو ہبہ بطور استحسان جائز ہوگا اور نیابت کے حکم سے واہب کے لیے قبضہ کرنے والا ہوگا پھر ہبہ کے حکم سے اپنے لیے قبضہ کرنے والا ہوگا اگر قبضہ کی اجازت نہ دے تو یہ جائز نہ ہوگا۔ ”ابوسعود“ میں ”حموی“ سے مروی ہے: اس سے یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ وہ معلوم چیز جو کسی کے لیے منفعت کے حوالے سے خاص کر دی گئی تھی اور اس سے اپنا تعلق ختم کر دیا تھا تو اسے مخاطب کے لیے بطور ہبہ بنادینا غیر صحیح ہے جب تک اسے قبضہ کی اجازت نہ دے۔ یہ ”واقعہ الفتویٰ“ ہے۔ ”الاشباہ“ میں کہا: یہ صحیح ہے اور وہ موکل کے لیے پھر اپنے لیے قبضہ کرنے کا وکیل ہوگا۔ اس کا مقتضایہ ہے کہ قبضہ سے پہلے مسلط ہونے سے معزول کر سکتا ہے۔

مومن پر اپنے بچے کو جود و احسان اور توحید و ایمان کی تعلیم دینا واجب ہے

29077۔ (قوله: قَالَ الْإِمَامُ) یہ اخروی خیر کا بیان ہے۔ ”ح“۔

29078۔ (قوله: يُعْلِمُ) یہ باب تفعیل سے ہے اس کے لام کے نیچے کسرہ ہے۔

أَنْ يُعَلِّمَهُ التَّوْحِيدَ وَالْإِيمَانَ؛ إِذْ حُبُّ الدُّنْيَا رَأْسُ كُلِّ خَطِيئَةٍ نِهَایَةُ مَنْدُوبَةٍ وَقَبُولُهَا سُنَّةٌ قَالَ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَهَادَوْا تَحَابُّوا (وَشَرَّائِطُ صِحَّتِهَا فِي الْوَاهِبِ الْعَقْلُ وَالْبُلُوغُ وَالْمِلْكُ) فَلَا تَصِحُّ هِبَةٌ صَغِيرٌ وَرَقِيقٌ، وَلَوْ مُكَاتَّبًا (وَشَرَّائِطُ صِحَّتِهَا فِي الْمَوْهُوبِ أَنْ يَكُونَ مَقْبُوضًا غَيْرَ مَشَاعٍ

کہ اسے توحید و ایمان کی تعلیم دے کیونکہ دنیا کی محبت ہر خطا کی سردار ہے، ”نہایہ“۔ ہبہ دینا مستحب ہے اور اس کا قبول کرنا سنت ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ باہم بدیہ دیا کرو تم باہم محبت کرنے لگو گے (1)۔ واہب میں اس کی صحت کی شرائط یہ ہیں: عقل، بلوغ اور ملک۔ چھوٹے بچے اور غلام کا ہبہ صحیح نہیں اگرچہ وہ غلام مکاتب ہو۔ موهوب لہ میں اس کے صحیح ہونے کی شرائط یہ ہیں کہ وہ مقبوض ہو مشترک نہ ہو،

29079۔ (قوله: تَهَادَوْا تَحَابُّوا) تہادواتا کے فتح کے ساتھ ہے اس کی ہا اور دال مفتوح اور واؤ ساکن ہے۔

تحابواتا اور حافتوح ہے اور اس کی با مضموم اور مشدد ہے۔

29080۔ (قوله: وَلَوْ مُكَاتَّبًا) اور اس کے علاوہ بھی جیسے مدبر، ولد اور جس کا بعض آزاد کیا ج چکا ہو بدرجہ اولیٰ ان کا

یہ حکم ہے۔

ہبہ کے صحیح ہونے کی شرط

29081۔ (قوله: صِحَّتِهَا) اس کی صحت پر باقی رہنا جس طرح عنقریب آئے گا۔

29082۔ (قوله: مَقْبُوضًا) ایک آدمی نے ایک موتی گم کر دیا اس نے وہ موتی کسی اور کو ہبہ کر دیا اور جب اسے

پائے تو اس کی طلب اور قبضہ پر اسے مسلط کر دے۔

امام ابو یوسفؒ نے فرمایا: یہ فاسد ہبہ ہے۔ کیونکہ یہ خطر پر واقع ہے اور خطر کے ہوتے ہوئے ہبہ صحیح نہیں ہوتا۔

امام زفر نے فرمایا: یہ ہبہ جائز ہوتا ہے۔ ”خانیہ“۔

29083۔ (قوله: مَشَاعٍ) مشترک جس کو تقسیم کیا جاسکتا ہے جس طرح آگے آئے گا یہ ہبہ میں ہے مگر جب وہ سب کا

سب دو افراد پر تقسیم کر دے تو اصح قول کے مطابق یہ جائز ہوگا۔ ”بحر“۔ جب اس کا بعض کسی ایک پر صدقہ کرے تو معاہدہ

مختلف ہوگا۔ کیونکہ یہ صحیح نہیں ہوتا جس طرح متفرقات کے آخر میں آئے گا۔ لیکن عنقریب یہ بھی آئے گا کہ پہلے میں کوئی

اشتراک نہیں۔ ”البحر“ میں یہاں مشاع کے احکام ذکر کیے ہیں اور ”جامع الفصولین“ میں اس کے لیے عنوان باندھا ہے پس

اس کی طرف رجوع کیجئے۔

فائدہ: جس نے یہ ارادہ کیا وہ نصف گھر مشترک ہبہ کر دے تو وہ نصف گھر اسے ثمن معلوم کے بدلے میں بیچ دے پھر

اسے ثمن سے بری کر دے۔ ”بزازیہ“۔

مُسَيَّرًا غَيْرَ مَشْغُولٍ، كَمَا سَيَتَضَحُّ (وَرُكْنُهَا) هُوَ (الْإِيجَابُ وَالْقَبُولُ) كَمَا سَيَجِيءُ (وَحُكْمُهَا ثُبُوتُ الْمِلْكِ لِلْمَوْهُوبِ لَهُ غَيْرُ لَازِمٍ فَلَهُ الرُّجُوعُ وَالْفَسْخُ) (وَعَدَمُ صِحَّةِ خِيَارِ الشَّرْطِ فِيهَا)

مميز ہو مشغول نہ ہو جس طرح عنقریب اس کی وضاحت آئے گی۔ ہبہ کا رکن ایجاب اور قبول ہے جس طرح عنقریب آئے گا۔ اس کا حکم یہ ہے کہ موہوب لہ کے لیے اس کی ملک کا ثبوت لازم نہیں۔ اسے رجوع کرنے اور فسخ کرنے کا حق ہوتا ہے۔ اس میں خیار شرط صحیح نہیں۔

ہبہ کا رکن

29084۔ (قوله: هُوَ الْإِيجَابُ) ”خزانة الفتاویٰ“ میں ہے: جب وہ اپنے بیٹے کو مال دے بیٹے نے اس میں تصرف کیا تو یہ باپ کے لیے ہوگا مگر تملیک کی دلالت اس پر دلالت کرے۔ ”بیری“۔
میں کہتا ہوں: اس قول نے یہ فائدہ دیا ہے کہ ایجاب و قبول کا تلفظ شرط نہیں بلکہ اسے قرائن کافی ہیں جو تملیک پر دلالت کرتے ہیں جس طرح ایک آدمی نے فقیر کے لیے کوئی شے دی اور اس نے اس چیز پر قبضہ کر لیا اور دونوں نے کسی شے کا تلفظ نہ کیا، ”ہدایہ“ وغیرہ میں اسی طرح واقع ہوا ہے پس اسے یاد رکھو۔ اس کی مثل حکم ہے جب وہ اپنی بیوی یا کسی اور کو دے۔ کہا: میں نے تجھے یہ عین ہبہ کیا موہوب لہ نے واہب کی موجودگی میں اس پر قبضہ کر لیا اس نے ”میں نے قبول کیا“ کا قول نہ کیا تو یہ صحیح ہوگا۔ کیونکہ ہبہ کے باب میں قبضہ رکن کے قائم مقام ہے پس وہ قبول کی طرح ہو جائے گا۔ ”ولو الجحیہ“۔
”ابن ملک“ کی ”شرح الجمع“ میں ”الحیط“ سے مروی ہے: جب اس نے ہبہ کیا اگر اس وقت قبضہ کا رد کر دیا تھا تو یہ مجلس کے ساتھ متفق نہ ہوگا اور اس کے بعد اس پر قبضہ کرنا جائز ہوگا۔

29085۔ (قوله: وَالْقَبُولُ) اس میں اختلاف ہے۔ ”قہستانی“ میں ہے: وہبٹ (میں نے ہبہ کیا) کے ساتھ ہبہ صحیح ہوتا ہے۔ اس میں یہ دلالت موجود ہے کہ قبول ہبہ کا رکن نہیں ہے۔ جس طرح ”خلاصہ“ وغیرہ میں اس کی طرف اشارہ کیا ہے۔ ”کرمانی“ نے یہ ذکر کیا ہے کہ ہبہ میں ایجاب کا ہو جانا یہ عقد تام ہے۔ ”مبسوط“ میں ہے: ہبہ میں قبضہ کرنا یہ بیع میں قبول کی طرح ہے۔ اسی وجہ سے اگر دین غریم کو ہبہ کر دیا تو وہ قبول کرنے کا محتاج نہیں ہوگا جس طرح ”کرمانی“ میں ہے۔ لیکن ”کافی“ اور ”تحفہ“ میں ہے کہ قبول ہبہ میں رکن ہے۔ ”کرمانی“ میں یہ ذکر کیا ہے: وہ ایجاب کا محتاج ہے کیونکہ انسان کی ملکیت اس کے مالک بنانے کے بغیر غیر کی طرف منتقل نہیں ہوتی۔ اور ہبہ قبول کا محتاج ہوتا ہے کیونکہ یہ غیر پر ملکیت کو لازم کرنا ہے۔ جب وہ یہ قسم اٹھائے کہ وہ ہبہ نہیں کرے گا اور وہ ہبہ کرے اور قبول نہ کرے تو حاث نہیں ہوگا۔ کیونکہ غرض سخاوت کا اظہار نہ کرنا ہے جب کہ اظہار تو پایا گیا ہے۔ شاید حق پہلا قول ہے کیونکہ تاویلات میں یہ تصریح ہے کہ وہ لازم نہیں۔

اسی وجہ سے ہمارے اصحاب نے کہا: اگر وہ اپنا مال راستہ میں رکھ دے تاکہ وہ اٹھانے والے کی ملک ہو جائے تو یہ جائز ہوگا۔ اس کی مکمل بحث قریب ہی آئے گی۔

فَلَوْ شَرَطَهُ صَحَّتْ إِنْ اخْتَارَهَا قَبْلَ تَفَرُّقِهِمَا، وَكَذَا لَوْ أَبْرَأَهُ صَحَّ الْإِبْرَاءُ، وَبَطَلَ الشَّرْطُ خُلَاصَةً (و) حُكْمُهَا (أَنَّهَا لَا تَبْطُلُ بِالشَّرْطِ الْفَاسِدِ) فَهَبَةُ عَبْدٍ عَلَى أَنْ يُعْتِقَهُ تَصِحُّ وَيَبْطُلُ الشَّرْطُ (وَتَصِحُّ بِإِيجَابِكَ وَهَبْتُ وَنَحَلْتُ وَأَطْعَمْتُكَ هَذَا الطَّعَامَ وَلَوْ ذَلِكَ (عَلَى وَجْهِ الْمِزَاحِ) بِخِلَافِ أَطْعَمْتُكَ أَرْضِي فَإِنَّهُ عَارِيَّةٌ لِرَقَبَتِهَا وَإِطْعَامٌ لِعَلَّتِهَا بَحْرٌ) (أَوْ الْإِضَافَةُ إِلَى مَا) أُنِيَ إِلَى جُزْءٍ (يُعْتَبَرُ بِهِ عَنِ الْكُلِّ) وَهَبْتُ لَكَ فَرَجَهَا وَجَعَلْتَهُ لَكَ لِأَنَّ اللَّامَ لِلتَّشْنِيبِ بِخِلَافِ جَعَلْتَهُ بِاسْمِكَ

اگر وہ شرط لگائے تو ہبہ صحیح ہوگا اگر دونوں کے باہم جدا ہونے سے پہلے وہ اسے اختیار کر لے۔ اسی طرح اگر وہ اسے بری کر دے تو بری کرنا صحیح ہوگا اور شرط باطل ہو جائے گی۔ ”خلاصہ“۔ اور ہبہ کا حکم یہ ہے کہ ہبہ شروط فاسدہ کے ساتھ باطل نہیں ہوتا ہے غلام کو اس شرط پر ہبہ کرنا کہ وہ اسکو آزاد کر دے گا یہ ہبہ صحیح ہوگا اور شرط باطل ہو جائے گی۔ ہبہ ایجاب کے ساتھ صحیح ہو جاتا ہے جیسے وہ کہے: میں نے ہبہ کیا، میں نے عطا کیا، میں نے تجھے یہ کھانا کھلایا اگرچہ یہ مزاح کے طریقہ پر ہو۔ اگر وہ کہے: میں نے تجھے اپنی زمین کھانے کو دی تو یہ معاملہ مختلف ہوگا یہ عاریہ ہوگا رقبہ زمین کا یعنی زمین کی ذات اور اس کے غنہ کا اطعام ہوگا، ”بحر“۔ یا ہبہ کو مضاف کیا جائے ایسے جز کی طرف جو جز بول کر کل مراد لیا جاتا ہے جیسے میں نے اس کی فرج تجھے ہبہ کی۔ میں نے اسے تیرے لیے بنادیا۔ کیونکہ لام تملیک کیلئے ہے اگر وہ کہے: میں نے اسے تیرے نام کر دیا ہے تو معاملہ مختلف ہوگا۔

29086۔ (قوله: فَلَوْ شَرَطَهُ) اسکی صورت یہ ہے کہ وہ اسے ہبہ کرے اس شرط پر تو موہوب لہ کو تین دن کا اختیار ہوگا۔

29087۔ (قوله: وَكَذَا لَوْ أَبْرَأَهُ) یعنی اگر وہ اسے اس شرط پر بری کر دے کہ اسے تین دن کا

اختیار ہوگا تو بری کرنا صحیح ہوگا اور اختیار باطل ہو جائے گا۔ ”منح“۔ یہ اس کے خلاف ہے جو باب اختیار الشرط میں زیر چکا ہے۔

29088۔ (قوله: الْمِزَاحِ) ”مقدسی“ نے صاحب ”بحر“ کا رد کیا ہے۔ ہم نے اس کے ”حاشیہ“ میں ان کی طرف سے

جواب دیا ہے۔

”لک“ کے ساتھ قید لگانے کا فائدہ

29089۔ (قوله: بِخِلَافِ جَعَلْتَهُ بِاسْمِكَ) ”البحر“ میں کہا: اپنے قول لک کے ساتھ قید لگائی ہے۔ کیونکہ اگر اس

نے کہا: میں نے اسے تیرے نام کر دیا ہے تو یہ ہبہ نہ ہوگا۔ اسی وجہ سے ”الخلاصہ“ میں کہا: اگر ایک آدمی نے اپنے بیٹے کے لیے انگوڑی بیلین لگائیں اگر اس نے یہ کہا: میں نے یہ اپنے بیٹے کے لیے کر دی ہیں تو یہ ہبہ ہوگا۔ اگر اس نے کہا: میں نے اپنے بیٹے کو دی ہیں تو یہ ہبہ نہ ہوگا۔ اگر اس نے کہا: میں نے اپنے بیٹے کے نام پر لگا رہا ہوں تو امر متروک ہوگا یہ صحت کے زیادہ قریب ہے۔

اس کے بعد ”منح“ میں ”الغانیہ“ سے مروی ہے: اس نے کہا: میں نے اسے اپنے بیٹے کے لیے کر دیا ہے تو یہ ہبہ نہ ہوگا۔ کیونکہ جعل کا معنی مالک بنانا ہے۔ اگر اس نے کہا: میں نے اپنے بیٹے کے نام لگاتا ہوں تو یہ ہبہ نہ ہوگا۔ اگر اس نے کہا: میں نے اسے اپنے بیٹے کے نام کر دیا ہے تو وہ ہبہ ہوگا۔ کیونکہ لوگ اس سے تملیک اور ہبہ مراد لیتے ہیں۔ اس میں اس کی مخالفت ہے جو

فَإِنَّهُ لَيْسَ بِهَبَّةٍ وَكَذَاهِيَ لَكَ حَلَالٌ إِلَّا أَنْ يَكُونَ قَبْلَهُ كَلَامٌ يُفِيدُ الْهَبَةَ خُلَاصَةً (وَأَعْمَرْتُكَ هَذَا الشَّيْءَ وَحَصَلْتُكَ عَلَى هَذِهِ الدَّابَّةِ) نَاقِيًا بِالْحَمْلِ الْهَبَةَ كَمَا مَرَّ (وَكَسَوْتُكَ هَذَا الثَّوبَ وَدَارِي لَكَ هَبَةً) أَوْ عُمَرَى (تَسْكُنُهَا)

کیونکہ یہ ہبہ نہیں۔ اسی طرح اس کا یہ کہنا: یہ تیرے لیے حلال ہے مگر اس سے پہلے ایسی کلام ہو جو ہبہ کا فائدہ دے، ”خلاصہ“۔ میں نے تجھے یہ شے بطور عمری دی اور میں نے تجھے اس جانور پر سوار کیا جب کہ حمل سے مراد وہ ہبہ ہے جس طرح گزر چکا ہے۔ میں نے تجھے یہ کپڑا پہنایا اور میرا گھرتیرے لیے ہبہ ہے یا عمری ہے جس میں تو رہائش رکھ۔

”الخلاصہ“ میں ہے جس طرح یہ امری مخفی ہے۔

”رملی“ نے کہا: میں کہتا ہوں: ”الخانۃ“ میں جو قول ہے وہ لوگوں کے عرف کے زیادہ قریب ہے۔ تامل یہاں اس کا تامل ہے لیکن میں گمان کرتا ہوں کہ یہ اس پر مثال دی گئی ہے۔ کیونکہ یہ جو گزر چکا ہے اس میں سمجھا جاسکتا ہے یہ ظاہر ہے کہ انہوں نے اسے مخالفت پر ثابت رکھا ہے۔ اس میں ہے کہ ”خانۃ“ میں جو قول ہے اس میں جعل کا لفظ ہے اس سے مراد تملیک ہے۔ ”الخلاصہ“ میں جو قول ہے وہ اس کے خلاف ہے، تامل۔ ہاں لوگوں کا عرف مطلقاً تملیک ہے۔ تامل 29090۔ (قولہ: لَيْسَ بِهَبَةٍ) یہ باقی رہ گیا ہے اگر اس نے کہا: مثلاً میں نے اس کپڑے کا تجھے مالک بنا دیا اگر ہبہ پر قرینہ قائم ہو جائے تو ہبہ صحیح ہوگا ورنہ ہبہ صحیح نہ ہوگا۔ کیونکہ تملیک ہبہ سے عام ہے۔ کیونکہ تملیک بیع، وصیت، اجارہ وغیرہ پر صادق آتی ہے۔ ہم نے ”حامد“ کے کتاب الہبہ کے آخر میں جو کچھ لکھا ہے اسے دیکھ لیجئے۔ ”کازرونی“ میں ہے: یہ ہبہ ہے۔ فروع: حاشیہ میں ہے: ایک آدمی نے دوسرے سے کہا: میں نے تجھے اس کپڑے سے لطف اندوز کیا یا ان دراہم سے لطف اندوز کیا تو یہ ہبہ ہوگا۔ اسی طرح اگر اس نے ایک عورت سے کہا جس سے اس نے مہر مسمی پر شادی کی تھی: میں نے تجھے یہ کپڑے بطور متعہ دیے یا دراہم بطور متعہ دیے تو یہ ہبہ ہوگا۔ ”محیط سرخسی“ میں یہ اسی طرح ہے۔ ”فتاویٰ ہندیہ“۔

نوٹ: یہاں متعہ سے مراد نکاح متعہ نہیں۔ ”مترجم“۔

ایک آدمی نے اپنی بیوی کو دنا نیر دیئے تاکہ ان سے وہ کپڑے بنوالے اور اس کے پاس ان کو پہنا کرے عورت نے وہ بطور معاملہ کے دے دیئے تو وہ اس عورت کے ہوں گے۔ ”قنیہ“۔

اس نے چھوٹے بچے کے لیے کپڑے بنائے وہ بچہ اس کا مالک ہو جائے گا اسی طرح بوڑھا بھی مالک ہو جائے گا جب وہ اس کے سپرد کر دے۔

اگر ایک آدمی نے دوسرے کو کپڑا دیا اور کہا خود پہن لے تو اس نے اسی طرح کیا تو وہ ہبہ ہوگا اگر اس نے دراہم دیئے اور کہا: اسے اپنی ذات پر خرچ کر لو تو وہ قرض ہوں گے۔ ”باقانی“۔

ایک آدمی نے اپنے بچے کے لیے کپڑے بنائے تو اسے یہ حق حاصل نہیں ہوگا کہ وہ کپڑے کسی اور کو دے مگر جب بناتے

لَأَنَّ قَوْلَهُ تَسْكُنُهَا مَشُورَةٌ لَا تَفْسِيرٌ لِأَنَّ الْفِعْلَ لَا يَصْلُحُ تَفْسِيرًا لِإِسْمٍ فَقَدْ أَشَارَ عَلَيْهِ فِي مِلْكِهِ بِأَنْ يَسْكُنَهُ فَإِنْ شَاءَ قَبْلَ مَشُورَتِهِ، وَإِنْ شَاءَ لَمْ يَقْبَلْ (لَا) لَوْ قَالَ (هَبَةُ سُكْنَى أَوْ سُكْنَى هَبَةٍ) بَلْ تَكُونُ عَارِيَّةً أَخْذًا بِالْمُتَيَقِّنِ وَحَاصِلُهُ أَنَّ اللَّفْظَ إِنْ أَنْبَأَ عَنْ تَمَلُّكِ الرَّقَبَةِ فَهَبَةٌ أَوْ الْمَنَافِعِ فَعَارِيَّةٌ أَوْ احْتِمَالُ اعْتِبَارِ النِّيَّةِ نَوَازِلُ وَفِي الْبَحْرِ أَخْبَرَهُ بِاسْمِ ابْنِي، الْأَقْرَبُ الصِّحَّةُ (و) تَصَحُّ (بِقَبُولِ)

کیونکہ اس کا قول: تو اس میں رہائش رکھ مشورہ ہے تفسیر نہیں۔ کیونکہ فعل اسم کی تفسیر بننے کی صلاحیت نہیں رکھتا تو اس نے اسے مشورہ دیا کہ اس کی ملک میں وہ اس میں رہے اگر وہ چاہے تو مشورہ قبول کرے اگر چاہے تو مشورہ قبول نہ کرے۔ اگر وہ کہے: ہبہ سکنی یا کہے: سکنی ہبہ تو ہبہ نہ ہوگا بلکہ یہ عاریۃ ہوگا۔ یہ یقینی امر کو اپنانے کی وجہ سے ہے۔ اس کا حاصل یہ ہے کہ لفظ اگر رقبہ کی ملکیت کے بارے میں آگاہ کرے تو یہ ہبہ ہوگا اگر منافع کے مالک بنانے کے بارے میں آگاہ کرے تو یہ عاریۃ ہوگا یا احتمال رکھے گا تو نیت کا اعتبار کیا جائے گا، ”نوازل“۔ ”البحر“ میں ہے: میں اسے اپنے بیٹے کے نام پر لگاتا ہوں اقرب یہ ہے کہ ہبہ صحیح ہے۔ اور موہوب لہ کے حق میں قبول کرنے سے یہ صحیح ہوگا

وقت وہ واضح کرے کہ یہ عاریۃ ہیں۔ اسی طرح کا حکم ہوگا اگر اس نے اپنے شاگرد کے لیے کپڑے بنائے تو شاگرد بھاگ گیا تو اس نے یہ ارادہ کیا کہ وہ کسی اور کو دے، ”بزازیہ“۔ ”حاشیہ“ میں اسی طرح ہے۔

29091۔ (قوله: مَشُورَةٌ) یہ لفظ شمین کے ضمہ کے ساتھ ہے۔ یعنی اس نے موہوب لہ کو مشورہ دیا کہ موہب کی ملک میں رہتے ہوئے اس میں رہائش اختیار کرے۔ اگر وہ چاہے تو اس کا مشورہ قبول کرے اگر چاہے تو مشورہ قبول نہ کرے۔ جس طرح اس کا یہ قول ہے: یہ کھانا تیرے لیے ہے تو اس کو کھا، یا کپڑا تیرے لیے ہے تو اسے پہن۔ ”بحر“۔

29092۔ (قوله: لَوْ قَالَ هَبَةُ سُكْنَى) ہبہ اور سکنی حال یا تمیز کے طور پر منصوب ہے۔ ”بحر“۔

29093۔ (قوله: أَوْ سُكْنَى هَبَةٍ) یہ منصوب ہے۔

29094۔ (قوله: بِاسْمِ ابْنِي) ہم نے اس بارے میں قریب ہی کلام کی ہے۔

میں کہتا ہوں: ان کا قول: جعلتہ باسک یہ غیر صحیح ہے جس طرح گزر چکا ہے تو جو اس سے مرتبہ میں کم ہے وہ صحت سے زیادہ قریب کیسے ہو سکتا ہے؟ ”سانحانی“۔

میں کہتا ہوں: بعض اوقات یوں فرق کیا جاتا ہے کہ جو گزر چکا ہے وہ اس کا بیٹے کو خطاب نہیں بلکہ اجنبی کو خطاب ہے۔ جو یہاں ہے وہ عرف پر مبنی ہے۔ تامل

ہبہ قبول کے ساتھ صحیح ہو جاتا ہے خواہ فعل کے طریقہ پر ہو

29095۔ (قوله: وَ تَصَحُّ بِقَبُولِ) یعنی اگرچہ فعل کے طریقہ پر قبول ہو۔ اسی سے یہ ہے: میں نے اپنی یہ لونڈی تم

میں سے کسی ایک کو ہبہ کی پس جو چاہے اسے لے لے تو دونوں میں سے ایک نے وہ لے لی تو وہ اس کی ہوگی اور اس کا اسے

أَمَى فِي حَقِّ الْمَوْهُوبِ لَهُ أَمَّا فِي حَقِّ الْوَائِبِ فَتَصَحُّ بِالْإِجَابِ وَحْدَهُ؛ لِأَنَّهُ مُتَبَرِّعٌ حَتَّى لَوْ حَلَفَ أَنْ يَهَبَ عَبْدَهُ لِفُلَانٍ فَوَهَبَ وَلَمْ يَقْبَلْ بَرَّ وَبَعُكْسِهِ حَنْثٌ بِخِلَافِ الْبَيْعِ (و) تَصَحُّ بِقَبْضٍ بِلَا إِذْنٍ فِي الْمَجْلِسِ فَإِنَّهُ هُنَا كَالْقَبُولِ فَاخْتَصَّ بِالْمَجْلِسِ (وَبَعْدَهُ بِهِ) أَى بَعْدَ الْمَجْلِسِ بِالْإِذْنِ، وَفِي الْمُحِيطِ لَوْ كَانَ أَمْرُهُ بِالْقَبْضِ حِينَ وَهَبَهُ لَا يَتَقَيَّدُ بِالْمَجْلِسِ وَيَجُوزُ الْقَبْضُ بَعْدَهُ (وَالْتَمَكُّنُ مِنَ الْقَبْضِ كَالْقَبْضِ فَلَوْ وَهَبَ لِرَجُلٍ ثِيَابًا فِي صُنْدُوقٍ مُقْفَلٍ وَدَفَعَ إِلَيْهِ الصُّنْدُوقَ لَمْ يَكُنْ قَبْضًا) لِعَدَمِ تَمَكُّنِهِ مِنَ الْقَبْضِ (وَإِنْ مَفْتُوحًا كَانَ قَبْضًا لِتَمَكُّنِهِ مِنْهُ) فَإِنَّهُ كَالْتَخْلِيَةِ فِي الْبَيْعِ اخْتِيَارٌ وَفِي الدَّرَرِ وَالْمُخْتَارِ صِحَّتُهُ بِالتَّخْلِيَةِ فِي صَحِيحِ الْهَبَةِ لَا فَاسِدِهَا

جہاں تک واہب کے حق کا تعلق ہے تو صرف ایجاب سے ہبہ صحیح ہو جاتا ہے۔ کیونکہ وہ متبرع ہوتا ہے یہاں تک کہ اگر وہ قسم اٹھائے کہ وہ اپنا غلام فلاں کو ہبہ کرے گا اس نے غلام ہبہ کر دیا اور دوسرے آدمی نے اسے قبول نہ کیا تو وہ بری ہو جائے گا اور اس کے برعکس وہ حانث ہوگا بیع کا معاملہ مختلف ہے۔ اور اذن کے بغیر مجلس میں قبضہ کر لیا تو ہبہ صحیح ہوگا۔ کیونکہ یہاں یہ قبول کی طرح ہے۔ پس یہ مجلس کے ساتھ خاص ہوگا اور مجلس کے بعد اذن کے ساتھ قبضہ سے ہبہ صحیح ہوگا۔ ”المحیط“ میں ہے: جس نے وہ چیز ہبہ کی اسی وقت قبضہ کرنے کا امر کر دیا تو وہ مجلس کے ساتھ مقید نہ ہوگا اور اس کے بعد قبضہ کرنا جائز ہوگا۔ اور قبضہ کی قدرت دینا قبضہ کی طرح ہے۔ اگر ایک آدمی کسی دوسرے آدمی کو ایک مقفل صندوق میں کپڑے ہبہ کرے اور اسے صندوق دے دے تو یہ قبضہ نہیں ہوگا۔ کیونکہ قبضہ پر قدرت حاصل نہیں۔ اگر وہ صندوق کھلا ہوا ہو تو اس پر قدرت ہونے کی وجہ سے قبضہ ہوگا۔ کیونکہ یہ بیع میں تخلیہ کی طرح ہے۔ ”اختیار“۔ ”الدرر“ میں ہے: مختار قول یہ ہے کہ صحیح ہبہ میں تخلیہ کی صورت میں ہبہ صحیح ہو جاتا ہے فاسد ہبہ میں اس طرح نہیں۔

لے لینا قبول کرنا ہوگا۔ ”المحیط“ میں جو قول ہے کہ یہ دلالت کرتا ہے کہ ہبہ میں قبول شرط نہیں وہ مشکل ہے۔ ”بحر“۔

میں کہتا ہوں: میرے لیے یہ امر ظاہر ہوا ہے کہ قبول سے مراد قول لیا ہے غیر کلام بھی اسی پر محمول کیا جائے گا۔ اس سے ان دو قولوں کہ قبول شرط ہے یا شرط نہیں میں تطبیق ہوگئی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات ہی توفیق دینے والی ہے۔ غار یہ میں اس کی مثال ہم پہلے بیان کر آئے ہیں۔ ”البحر“ پر جو کچھ ہم نے لکھا ہے اس میں غور و فکر کیجئے۔ ہاں قبول شرط ہے اگر موهوب لہ اس کے قبضہ میں ہو جس طرح آگے آئے گا۔

29096۔ (قوله: بِخِلَافِ الْبَيْعِ) اگر وہ قبول نہ کرے تو حانث نہ ہوگا۔

29097۔ (قوله: صِحَّتُهُ) یعنی تخلیہ کی صورت میں قبضہ۔ ”تاتر خانیہ“ میں کہا ہے: یہ اختلاف ہبہ صحیحہ میں ہے۔

جہاں تک ہبہ فاسدہ کا تعلق ہے تو تخلیہ بالاتفاق قبضہ نہیں ہے۔ اصح یہ ہے کہ ہبہ کا اقرار یہ قبض کا اقرار نہیں۔ ”خانیہ“۔

وَفِي الثُّتِفِ ثَلَاثَةُ عَشَرَ عَقْدًا لَا تَصِحُّ بِلاَ قَبْضٍ (وَلَوْ نَهَاكَ) عَنْ الْقَبْضِ (لَمْ يَصَحَّ) قَبْضُهُ (مُطْلَقًا) وَلَوْ فِي الْمَجْلِسِ: لِأَنَّ الصَّرِيحَ أَقْوَى مِنَ الدَّلَالَةِ (وَتَتِمُّ) الْهَبَةُ (بِالْقَبْضِ) الْكَامِلِ (وَلَوْ الْمَوْهُوبُ شَاغِلًا لِهَذَا الْوَاهِبِ لَا مَشْغُولًا بِهِ) وَالْأَصْلُ أَنَّ الْمَوْهُوبَ إِنْ مَشْغُولًا بِبَلَدٍ الْوَاهِبِ مُنْعَ تَسَامُهَا.

”الثنف“ میں ہے: تیرہ (13) عقد قبضہ کے بغیر صحیح نہیں ہوتے۔ اگر وہ قبضہ سے منع کرے تو قبضہ مطلقاً صحیح نہ ہوگا اگرچہ مجلس میں ہو۔ کیونکہ صریح، دلالت سے اقویٰ ہوتا ہے۔ اور بہبہ کامل قبضہ کے ساتھ مکمل ہو جاتا ہے اگرچہ موہوب واہب کی ملکیت کو شاغل ہونہ کہ مشغول بہ ہو۔ اصل یہ ہے کہ موہوب اگر واہب کی ملکیت کے ساتھ مشغول ہو تو اس کا مکمل ہونا ممنوع ہو جاتا ہے

وہ تیرہ عقود جو قبضہ کے بغیر صحیح نہیں ہوتے

29098۔ (قوله: وَفِي الثُّتِفِ ثَلَاثَةُ عَشَرَ) ان میں سے ایک بہبہ ہے۔ دوسرا صدقہ ہے۔ تیسرا رهن ہے۔ چوتھا امام ”محمد بن حسن“، امام ”اوزاعی“، ”ابن شبرمہ“، ”ابن ابی لیلیٰ“ اور ”حسن بن صالح“ کے قول میں وقف ہے۔ پانچواں عمری ہے۔ چھٹا نخلہ (عطیہ) ساتواں جنین ہے۔ آٹھواں صلح ہے۔ نواں بیع سلم میں رأس المال ہے۔ دسواں بیع سلم میں بدل ہے جب ان میں سے بعض کو زیوف پائے۔ جب جدا ہونے سے پہلے اس کے بدل پر قبضہ نہ کرے تو بیع سلم میں سے اس کا حصہ باطل ہو جاتا ہے۔ گیارہواں صرف ہے۔ بارہواں جب کیلی کو کیلی سے بیچے جب کہ جنس مختلف ہو جس طرح گندم جو کے بدلے میں۔ اس میں تفاضل تو جائز ہوتا ہے ادبار جائز نہیں ہوتا۔ تیرہواں جب وزنی چیز کو وزنی چیز سے بیچے جب کہ وہ دونوں مختلف ہوں جیسے لوہے کو پیتل سے، پیتل کو تانبے اور تانبے کو مسکے سے۔ ان میں تفاضل جائز ہے ادبار جائز نہیں۔ ”مشغول“۔ ”حاشیہ“ میں اسی طرح ہے۔

29099۔ (قوله: بِالْقَبْضِ) پس موت سے قبل قبضہ کرنا شرط ہے۔ اگر مرض الموت میں اجنبی کے لیے بہبہ ہو جس طرح کتاب الوقف میں گزر چکا ہے۔ ”حاشیہ“ میں اسی طرح ہے۔

29100۔ (قوله: بِالْقَبْضِ الْكَامِلِ) موہوب نے دو آدمیوں کو گھر پر قبضہ کرنے کا وکیل بنایا تو دونوں نے اس پر قبضہ کر لیا تو یہ جائز ہوگا۔ ”حاشیہ“۔

موہوب اگر واہب کی ملکیت کے ساتھ مشغول ہو تو اس کا مکمل ہونا ممنوع ہو جاتا ہے

29101۔ (قوله: مُنْعَ تَسَامُهَا) کیونکہ قبضہ کرنا شرط ہے ”فصولین“۔ ”زیلعی“ کی کلام یہ فائدہ دیتی ہے کہ مشغول بہبہ فاسد ہوتا ہے۔ ”عمادیہ“ میں جو قول ہے وہ یہ ہے کہ وہ غیر تامہ ہوتا ہے۔ ”تموی“ نے ”حاشیہ الاشباہ“ میں کہا ہے: یہ احتمال موجود ہے کہ مسئلہ میں دو روایتیں ہیں۔ جس طرح مشاع (مشتراک) کے بہبہ میں اختلاف واقع ہوا ہے جو تقسیم کا احتمال رکھتا ہو کیا یہ فاسد ہوتا ہے یا غیر تامہ ہوتا ہے۔ اصح جس طرح ”بنایہ“ میں ہے کہ یہ غیر تامہ ہے اسی طرح یہاں ہے۔ ہمارے شیخ کی تحریر اسی طرح ہے۔ اس سے یہ معلوم ہو جاتا ہے جس کی طرف ”الدر المختار“ میں اشارہ کیا گیا ہے دونوں قولوں میں سے

وَإِنْ شَاغِلًا لَا فَلَئَوْ هَبَّ جَرَابًا فِيهِ طَعَامُ الْوَاهِبِ أَوْ دَابَّةٌ عَلَيْهَا سَرَجُهُ وَسَلَّتْهَا
كَذَلِكَ لَا تَصِحُّ وَبِعَكْسِهِ تَصِحُّ فِي الطَّعَامِ

اگر شاغل ہو تو ممنوع نہیں۔ اگر ایک آدمی نے تھیلا ہبہ کیا جس میں واہب کا کھانا ہے یا گھر ہبہ کیا جس میں اس کا سامان تھا یا جانور ہبہ کیا جس پر اس کی زین ہو اور اس طرح جانور اس کے سپرد کر دیا تو یہ ہبہ صحیح نہ ہوگا۔ اس کے برعکس کھانے،

ایک قول کی طرف اشارہ کیا ہے جسے پہلے ذکر کیا ہے کہ مکمل نہ ہوگا اور دوسرے قول کی طرف اشارہ کیا ہے جسے آخر میں ذکر کیا کہ صحیح نہیں ہے پس تدبر کیجئے۔ ”ابوسعود“۔

جان لو کہ اس مقام پر جو ضابطہ ہے کہ موہوب جب واہب کی ملک کے ساتھ خلقت کے اتصال کے ساتھ متصل ہو اور اس کا جدا کرنا ممکن ہو تو اس کا ہبہ جائز نہیں ہوتا جب تک انفصال اور تسلیم نہ پایا جائے جس طرح جب وہ کھیتی یا پھل زمین اور درختوں کے بغیر ہبہ کرے یا اس کے برعکس کرے اگر وہ مجاورت کے اتصال سے متصل ہو۔ اگر موہوب واہب کے حق کے ساتھ مشغول ہو تو یہ جائز نہیں جس طرح وہ سواری پر زین ہبہ کرے۔ کیونکہ زین کا استعمال یہ دابہ کے لیے ہوتا ہے پس واہب کا اس پر قبضہ استعمال کا قبضہ ہے پس یہ قبضہ میں نقص کو ثابت کرتا ہے۔ اگر وہ مشغول نہ ہو تو یہ جائز ہوگا جس طرح ایک آدمی جانور ہبہ کرے جس پر زین پڑی ہو مگر زین ہبہ نہ کرے۔ کیونکہ جانور سے زین کے بغیر بھی کام لیا جاتا ہے۔ اگر وہ جانور پر موجود بوجھ کو ہبہ کرے سواری ہبہ نہ کرے تو یہ جائز ہوگا۔ کیونکہ بوجھ جانور کے بغیر مستعمل نہیں ہوتا۔ اگر ایک آدمی گھر ہبہ کرے اس میں جو سامان ہے وہ ہبہ نہ کرے تو یہ جائز نہ ہوگا۔ اگر اس میں جو موجود ہے وہ ہبہ کرے اور وہ سپرد کر دے گھر نہ دے تو یہ جائز ہوگا۔ ”ال محیط“ ”شرح الجمع“ میں اسی طرح ہے۔

29102۔ (قوله: وَإِنْ شَاغِلًا) شاغل کا ہبہ جائز ہوتا ہے مشغول کا جائز نہیں ہوتا۔ ”فصولین“۔

میں کہتا ہوں: یہ اپنے اطلاق پر نہیں۔ کیونکہ زمین میں کھیت اور درخت شاغل ہیں مشغول نہیں اس کے باوجود اس کا ہبہ جائز نہیں کیونکہ یہ اس کے ساتھ متصل ہے۔ تامل۔ ”خیر الدین علی الفصولین“۔

29103۔ (قوله: فَلَوْ هَبَّ الْخ) اگر ایک آدمی نے ایسا گھر ہبہ کیا جس میں سامان تھا اور اسی طرح گھر اس کے

حوالے کر دیا پھر سامان بھی اسے ہبہ کر دیا تو دونوں چیزوں میں ہبہ جائز ہو جائے گا۔

نوٹ: یہاں کلام میں انقطاع ہے۔ اصل عبارت یوں ہے: سامان میں خاص کر ہبہ صحیح ہوگا اگر وہ آغاز کرے اور اسے سامان ہبہ کر دے اور گھر میں سامان پر قبضہ کر لے پھر گھر ہبہ کرے تو دونوں میں ہبہ جائز ہوگا۔ ”مترجم“۔

کیونکہ گھر ہبہ کرتے وقت واہب کی اس گھر میں کوئی شے نہ تھی اور پہلی صورت میں سامان کا ہبہ کرتے وقت مکان کے قبضہ سے مانع زائل ہو جاتا ہے۔ لیکن اس کے بعد گھر میں کوئی فعل نہیں پایا گیا تا کہ اس میں اس کا قبضہ مکمل ہو پس پہلا قبضہ گھر کے حق میں صحیح نہ ہوگا۔ ”بحر“ میں ”ال محیط“ سے مروی ہے۔

29104۔ (قوله: وَسَلَّتْهَا كَذَلِكَ الْخ) ”صاحب الفصولین“ نے کہا: اس میں اعتراض کی گنجائش ہے۔ کیونکہ

وَالْمَتَاعِ وَالسَّرَّاجِ فَقَطَّ لِأَنَّ كُلًّا مِنْهَا شَاغِلٌ الْبَيْتُ لِيُؤَاهِبَ لَا مَشْغُولٌ بِهِ لِأَنَّ شُغْلَهُ بِغَيْرِ مِلْكٍ وَاهِبِهِ لَا يَمْنَعُ تَسَامُهَا كَرَهْنٍ وَصَدَقَةٌ لِأَنَّ الْقَبْضَ شَرْطُ تَسَامُهَا وَتَسَامُهَا فِي الْعِمَادِيَّةِ وَفِي الْأَشْبَاهِ هَبَةُ الْمَشْغُولِ لَا تَجُوزُ إِلَّا إِذَا وَهَبَ الْأَبُ لِطِفْلِهِ

سامان اور زین میں صرف صحیح ہوگا۔ کیونکہ ان میں سے ہر ایک واہب کی ملکیت کو مشغول کیے ہوئے ہے وہ مشغول بہ نہیں۔ کیونکہ اس کا واہب کی ملکیت کے علاوہ کو مشغول ہونا اس کے تمام کے مانع نہیں جیسے رہن اور صدقہ ہے۔ کیونکہ قبضہ اس کے تمام کی شرط ہے۔ اس کی مکمل وضاحت ”عمادیہ“ میں ہے۔ ”الاشباہ“ میں ہے: مشغول بہہ جائز نہیں ہوتا مگر جب باپ اپنے بچے کو ہبہ کرے۔

جو پایہ زین اور لگام کو شاغل ہے مشغول نہیں۔

بندہ حقیر کہتا ہے یعنی اس میں ضابطہ الٹ ہے۔ ظاہر یہ ہے کہ یہ صحیح ہے۔ ”قاضی خان“ میں جو قول ہے وہ اس کی تائید کرتا ہے: ایک آدمی نے لونڈی ہبہ کی جس پر زیورات اور کپڑے تھے اور اسے سپرد کر دیا تو یہ جائز ہوگا۔ اور زیور اور ستر والے کپڑوں سے زائد جو کچھ ہوگا وہ واہب کا ہوگا۔ کیونکہ یہی عرض ہے۔ اگر وہ زیورات اور کپڑے ہبہ کرے لونڈی ہبہ نہ کرے تو یہ جائز نہ ہوگا یہاں تک کہ وہ ان دونوں کو اتارے اور موہوب لہ کے حوالے کرے۔ کیونکہ وہ کپڑے جب تک اس کے اوپر ہیں وہ اس کے تابع ہوں گے اور اصل میں مشغول ہوں گے پس اس کا ہبہ جائز نہ ہوگا۔ ”نور العین“۔

29105۔ (قوله: لِأَنَّ شُغْلَهُ) یہ ان کے قول: لا مشغول بہہ کی علت ہے مشغول بہہ میں ضمیر سے ملک واہب

ہے کیونکہ ملک واہب کے ساتھ اسے مقید کیا ہے۔ فافہم

میں کہتا ہوں: ”البحر“، ”المنح“ وغیرہما میں مشغول بملک الغیر کی یہ صورت بیان کی ہے جب متاع کا کوئی اور مستحق ظاہر ہو یا واہب نے اسے غصب کر لیا یا موہوب لہ نے اسے غصب کر دیا۔ ہم نے ”جامع الفصولین“ سے ”البحر“ پر جو کچھ لکھا ہے اسے دیکھیے۔

29106۔ (قوله: بِغَيْرِ مِلْكٍ وَاهِبِهِ) بعض نسخوں میں بملک غیر واہبہ ہے۔

29107۔ (قوله: كَرَهْنٍ وَصَدَقَةٍ) یعنی جس طرح رہن اور صدقہ کا غیر راہن اور غیر متصدق کی ملک کے ساتھ

مشغول ہونا اس کے مکمل ہونے کے مانع نہیں جس طرح ”الحیظ“ وغیرہ میں ہے۔ ”مدنی“۔

”المنح“ میں کہا: ہر وہ جواب جسے تودار کے ہبہ اور جوالق (سامان لادنے والے تھیلے) کے ہبہ میں پہچان چکا ہے جب کہ

اس میں سامان ہو تو رہن اور صدقہ میں وہی جواب ہوگا کیونکہ قبضہ کرنا دونوں کے مکمل ہونے کی شرط ہے جس طرح ہبہ ہے۔

29108۔ (قوله: إِلَّا إِذَا وَهَبَ) اس کی صورت یہ ہے کہ وہ گھر بہہ کرے اور باپ اس گھر میں رہائش پذیر ہو یا اس کا

سامان اس میں پڑا ہوا ہو۔ کیونکہ وہ گھر قابض کے سامان کے ساتھ مشغول ہے یہ اس کے مخالف ہے جو کچھ ”الغانیہ“ میں ہے

قُلْتُ وَكَذَا الدَّارُ الْمَعَارَةُ وَالَّتِي وَهَبْتُهَا لِزَوْجِهَا عَلَى الْمَذْهَبِ لِأَنَّ الْمَرْأَةَ وَمَتَاعَهَا فِي يَدِ الزَّوْجِ فَصَحَّ
التَّسْلِيمُ وَقَدْ غَيَّرْتُ بَيْتَ الْوَهْبَانِيَّةِ فَقُلْتُ

وَمَنْ وَهَبَتْ لِلزَّوْجِ دَارًا لَهَا بِهَا مَتَاعٌ وَهُمْ فِيهَا تَصَحُّ الْمَحَرَّرُ
وَفِي الْجَوْهَرَةِ، وَحِيلَةُ هِبَةِ الْمَشْغُولِ أَنْ يُودِعَ الشَّاعِلُ أَوَّلًا عِنْدَ الْمَوْهُوبِ لَهُ ثُمَّ يُسَلِّمُهُ الدَّارَ مَثَلًا
فَتَصَحُّ لِسُغْلِهَا بِمَتَاعٍ فِي يَدِهِ (فِي) مُتَعَلِّقٌ بِتَسْمِ (مَحْزُورٍ) مُفْرَغٍ (مَقْسُومٍ وَمُشَاعٍ لَا) يَبْقَى مُنْتَفَعًا بِهِ
بَعْدَ أَنْ (يُقَسَّم)

میں کہتا ہوں: اسی طرح وہ گھر ہے جو عاریہ دیا ہو اور وہ گھر ہے جو عورت نے اپنے خاوند کو ہبہ کیا یہ ظاہر مذہب کے مطابق ہے۔ کیونکہ عورت اور اس کا سامان خاوند کے قبضہ میں ہے پس سپردگی صحیح ہوگی۔ میں نے ”الوہبانیہ“ کے شعر میں تبدیلی کی ہے۔ پس میں کہتا ہوں: جس عورت نے اپنا گھر خاوند کو ہبہ کیا جہاں عورت کا سامان ہو جب کہ سب اس میں ہو تو ہبہ صحیح ہے یہی قول محرر معتمد ہے۔ ”جوہرہ“ میں ہے: مشغول کے ہبہ کا حیلہ یہ ہے کہ شاعِل کو پہلے موہوب لہ کے ہاں ودیعت رکھے مثلاً پھر گھر اس کے حوالے کر دے پس یہ ہبہ صحیح ہوگا۔ کیونکہ یہ گھر اسی کے سامان سے مشغول ہے جس کے قبضہ میں وہ ہے۔ کامل قبضہ سے ہبہ مکمل ہوتا ہے ایسی چیز میں جو مفرغ ہو اور مقسوم ہو چکی ہو۔ اور ہبہ مکمل ہوتا ہے مشترک چیز کا جس کو تقسیم کرنے کے بعد اس سے نفع حاصل نہ کیا جاتا ہو

پہلے یقین سے بیان کیا ہے کہ یہ جائز نہیں۔ پھر کہا: امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے ”الجرّد“ میں منقول ہے کہ یہ ہبہ جائز ہے اور وہ اپنے بیٹے کے لیے قابض ہوگا۔ تامل

29109۔ (قوله: وَكَذَا الدَّارُ) یہ اس سے مستدرک ہے کہ یہاں شغل واہب کی ملکیت کے بغیر ہے۔ اور مراد اس کی ملکیت کا شغل ہے۔

29110۔ (قوله: الْمَعَارَةُ) اگر ایک آدمی نے اپنے بچے کو گھر ہبہ کیا جس میں ایک قوم اجرت کے بغیر رہتی ہے تو یہ جائز ہوگا اور وہ اپنے بیٹے کے لیے قابض ہوگا، اگر اجرت کے ساتھ وہ رہائش رکھیں تو یہ جائز نہ ہوگا۔ ”الخانیہ“ سے اسی طرح منقول ہے۔

29111۔ (قوله: تَصَحُّ الْمَحَرَّرُ) اس کی اصل یہ ہے: وہم فیہا فقولان یزیر۔ ہم میم کے ضمہ کے ساتھ ہے۔ یہ ہم سے ہے۔ یہ ضمہ وزن کی وجہ سے ہے۔

29112۔ (قوله: مُفْرَغٍ) یہ محوز کی تفسیر ہے اس کے ساتھ کھجور کے درخت پر جو پھل ہے اس کے ہبہ سے احتراز ہے۔ اس دلیل کی وجہ سے جو عنقریب آئے گی۔ ”درر“۔

29113۔ (قوله: بَعْدَ أَنْ يُقَسَّم) مشترک چیز وہ قدر معلوم ہوگی۔ جس کا احتمال رکھے اس کے ہبہ کے صحیح ہونے

كَبَيْتٍ وَحَتَّامٍ صَغِيرَيْنِ لِأَنَّهَا لَا تَتِمُّ بِالْقَبْضِ (فِيمَا يُقْسَمُ وَلَوْ وَهَبَهُ لِشَرِيكِهِ) أَوْ لِأَجْنَبِيٍّ لِعَدَمِ تَصَوُّرِ الْقَبْضِ الْكَامِلِ كَمَا فِي عَامَّةِ الْكُتُبِ فَكَانَ هُوَ الْمَذْهَبُ وَفِي الصَّيْرِفِيَّةِ عَنِ الْعَتَّابِيِّ وَقِيلَ يَجُوزُ لِشَرِيكِهِ، وَهُوَ الْمُخْتَارُ (فَإِنْ قَسَمَهُ وَسَلَّمَهُ صَحَّ) لِزَوَالِ الْمَانِعِ (وَلَوْ سَلَّمَهُ شَائِعًا لَا يَبْلُغُكَ فَلَا يَنْفُذُ تَصَرُّفُهُ فِيهِ) فَيُضْمَنُهُ وَيَنْفُذُ تَصَرُّفُ الْوَاهِبِ دُرَرٌ

جیسے کمرہ اور حمام جو دونوں چھوٹے ہوں۔ کیونکہ قبضہ کے ساتھ اس میں ہبہ مکمل نہیں ہوتا جو تقسیم ہو سکتا ہے اگر ایک آدمی نے اپنے شریک کو ہبہ کیا یا اجنبی کو ہبہ کیا۔ کیونکہ کامل قبضہ کا تصور نہیں ہو سکتا جس طرح عام کتب میں ہے پس یہی مذہب ہوگا، ”صیرفیہ“ میں ”عتابی“ سے مروی ہے: ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کے شریک کے لیے یہ جائز ہے۔ یہی مختار قول ہے۔ اگر وہ اس چیز کو تقسیم کر دے اور موبوب لے کے حوالے کر دے تو یہ صحیح ہوگا۔ کیونکہ مانع زائل ہو چکا ہے اگر وہ اسے تقسیم کے بغیر حوالے کر دے تو موبوب لے اس کا مالک نہیں ہوگا۔ پس اس بارے میں اس کا تصرف نافذ نہیں ہوگا۔ پس وہ اس کا ضامن ہو گا اور واہب کا تصرف نافذ ہو جائے گا۔ ”درر“۔

کے لیے یہ شرط ہے یہاں تک کہ اگر وہ اپنا حصہ غلام کو ہبہ کر دے اور اسے اس کا علم نہ ہو تو یہ جائز نہ ہوگا۔ کیونکہ یہ ایسی جہالت ہے جو منازع کو ثابت کرتی ہے۔ ”بحر“۔ ہم نے اس پر جو کچھ لکھا ہے اسے دیکھیے۔

29114۔ (قوله: وَحَتَّامٍ) اس میں ہے کہ حمام ان چیزوں میں ہے جو مطلقاً تقسیم نہیں ہوتا۔ ”ح“۔ ”حاشیہ“

میں ہے۔

29115۔ (قوله: فِي عَامَّةِ الْكُتُبِ) ”زلیعی“ اور ”صاحب البحر“ نے اس کی تصریح کی ہے۔ ”منح“۔

29116۔ (قوله: هُوَ الْمَذْهَبُ) یہ شریک کے مسئلہ کی طرف راجع ہے جس طرح ”المنح“ میں ہے۔

29117۔ (قوله: وَهُوَ الْمُخْتَارُ) ”رملی“ نے کہا: مولف یعنی صاحب ”المنح“ کی تحریر اس کے بالقابل پائی گئی جو

میں نے صورت بیان کی ہے: آپ پر یہ امر مخفی نہیں کہ یہ مشہور اختلاف ہے۔

29118۔ (قوله: فَإِنْ قَسَمَهُ) یعنی واہب خود یا اس کا نائب اسے تقسیم کر دے یا موبوب لے کو حکم دے کہ وہ اس کے

شریک کے ساتھ تقسیم کر لے ان سب کے ساتھ ہبہ مکمل ہو جائے گا جس طرح یہ امر اس کے ہاں ظاہر ہے جو ادنیٰ سی سمجھ رہا ہے۔ رکھتا ہے۔ تامل۔ ”رملی“۔

ہبہ صحیح میں تخلیہ قبضہ ہے ہبہ فاسدہ میں تخلیہ قبضہ نہیں۔ ”جامع الفصولین“۔

ایسی مشترک چیز کا ہبہ جو تقسیم ہو سکتی ہو امام ”ابو حنیفہ“ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ملکیت کا فائدہ نہیں دیتا

29119۔ (قوله: وَلَوْ سَلَّمَهُ شَائِعًا لَخَ) ”فتاویٰ خیریہ“ میں کہا ہے: ظاہر روایت میں یہ ملکیت کا فائدہ نہیں دیتا۔

”زلیعی“ نے کہا: اگر وہ اسے مشترک ہی سپرد کر دے تو وہ اس کا مالک نہیں ہوگا یہاں تک کہ اس کا اس پر تصرف نافذ نہیں ہو

گا۔ پس اس پر اس کی ضمانت ہوگی۔ اور اس میں واہب کا تصرف نافذ ہو جائے گا اسے ”طحاوی“ اور ”قاضی خان“ نے ذکر کیا ہے۔ ”ابن رستم“ سے اس کی مثل مروی ہے۔ ”عصام“ نے یہ ذکر کیا ہے کہ یہ ہبہ ملک کا فائدہ دے گا۔ بعض مشائخ نے یہی اخذ کیا ہے۔ بعض علما کے نزدیک ہبہ کے ملک کا فائدہ دینے کے باوجود سب علما نے اس پر اجماع کیا ہے کہ واہب کو حق حاصل ہے کہ وہ موہوب لہ سے واپس لے لے اگرچہ وہ واہب کا ذی رحم محرم ہو۔ ”جامع الفصولین“ میں ”فتاویٰ فضلی“ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا: پھر جب وہ ہلاک ہو جائے تو واہب کو فتویٰ دیا جائے گا کہ وہ اپنے ذی رحم محرم سے ہبہ فاسدہ کے طور پر واپس لے لے۔ کیونکہ ہبہ فاسدہ کی ضمانت ہوتی ہے اسی وجہ سے جو گزر چکا ہے جب ہلاکت کے بعد اس کی قیمت کی ضمانت ہے تو ہلاکت سے پہلے اس کے لوٹانے کا استحقاق ہوتا ہے۔ جس طرح ہبہ کرنے والے کو اس میں رجوع کا حق ہوتا ہے تو اس کی موت کے بعد اس کے وارث کو لوٹانے کا حق ہوگا۔ کیونکہ اس کے لوٹانے کا استحقاق ہوتا ہے۔ اور ہلاکت کے بعد اس کی ضمانت ہوتی ہے جس طرح بیع فاسد میں ہوتا ہے جب دونوں بیع و شرا کرنے والوں میں سے ایک مرجائے تو اس کے وارثوں کو اس کے توڑنے کا حق ہوتا ہے۔ کیونکہ اس کے لوٹانے کا استحقاق ہوتا ہے اور ہلاکت کی صورت میں اس کی ضمانت ہوتی ہے۔ پھر یہ امر ثابت شدہ ہے کہ قضا خاص ہوتی ہے جب سلطان نے قاضی کو والی بنایا تا کہ امام ”ابو حنیفہ“ رحمہ اللہ کے مذہب کے مطابق فیصلہ کرے تو دوسرے امام کے مذہب کے مطابق اس کی قضا نافذ نہ ہوگی۔ کیونکہ تخصیص کی وجہ سے وہ اس سے معزول ہے تو اس میں وہ رعیت کے ساتھ لاحق ہے۔ اس پر ہمارے علما نے وضاحت کی ہے۔ جو کچھ ”خیر“ میں ہے ”حامد“ میں بھی اور ”تاجیہ“ میں اسی کا فتویٰ دیا ہے ”جوہرہ“ اور ”بحر“ میں اس کو یقین سے بیان کیا ہے۔

”الہبتغی“، یہ لفظ غین معجم کے ساتھ ہے، سے نقل کیا ہے: اگر موہوب لہ نے اسے بیچ دیا تو صحیح نہ ہوگا۔ ”نور العین“ میں ”الوجیز“ سے منقول ہے: ہبہ فاسدہ پر قبضہ کیا گیا ہو تو اس کی ضمانت ہوگی اور اس میں ملکیت ثابت نہیں ہوتی مگر عوض دینے کے ساتھ ودیعت ثابت ہوتی ہے۔ امام ”محمد“ رحمہ اللہ نے ”المبسوط“ میں اس پر نص قائم کی ہے۔ یہ امام ”ابو یوسف“ رحمہ اللہ کا قول ہے۔ کیونکہ ہبہ عقد معاوضہ میں منقلب ہو جاتا ہے۔ اس سے قبل ذکر کیا ہے: ایسی مشترک چیز جو تقسیم ہو سکتی ہو اس کا ہبہ امام ”ابو حنیفہ“ رحمہ اللہ کے نزدیک ملکیت کا فائدہ نہیں دیتا۔ ”قہستانی“ میں ہے: یہ ملکیت کا فائدہ نہیں دیتا یہی قول مختار ہے جس طرح ”مضمرات“ میں ہے۔ یہ امام ”ابو حنیفہ“ رحمہ اللہ سے مروی ہے یہی قول صحیح ہے۔

جب تو جان چکا ہے کہ یہ ظاہر روایت ہے امام ”محمد“ رحمہ اللہ نے اسی کو بیان کیا ہے اور علما نے امام ”ابو حنیفہ“ رحمہ اللہ سے روایت کیا ہے اس سے یہ امر ظاہر ہوتا ہے کہ اس پر عمل ہے اگرچہ یہ تصریح کی ہے کہ مفتی بہ قول اس کے خلاف ہے۔ خصوصاً کہ یہ خبیث ملکیت ہے جس طرح آگے آئے گا اور اس کی ضمانت ہوگی جس طرح تو جان چکا ہے پس موہوب لہ کے لیے کوئی نفع نہیں پایا۔ پس اس کو غنیمت جان۔ اس جیسی صورت میں، میں نے کثرت سے گفتگو کی ہے کیونکہ اس کا وقوع زیادہ ہے اور اکثر لوگ اس امر پر متنبہ نہیں کہ مخالف کے قول پر ضمانت لازم آتی ہے اور غیب میں نفع مند دعوت کی امید ہے۔

لَكِنْ فِيهَا عَنْ الْفُضُولِيِّنَ الْهَبَةُ الْفَاسِدَةُ تُفِيدُ الْمِلْكَ بِالْقَبْضِ وَبِهِ يُفْتَى وَمِثْلُهُ فِي الْبَرَّازِيَّةِ عَلَى خِلَافِ مَا صَحَّحَهُ فِي الْعِمَادِيَّةِ لَكِنَّ لَفْظَ الْفُتُوَى أَكْثَرُ مِنْ لَفْظِ الصَّحِيحِ كَمَا بَسَطَهُ الْمُصَنِّفُ مَعَ بَقِيَّةِ أَحْكَامِ الْمَشَاعِ وَهَلْ لِلْقَرِيبِ الرَّجُوعُ فِي الْهَبَةِ الْفَاسِدَةِ؟ قَالَ فِي الدَّرَرِ نَعَمْ، وَتَعَقُّبُهُ فِي الشَّرْئِ بِلَالِيَّةٍ بِأَنَّهُ غَيْرُ ظَاهِرٍ عَلَى الْقَوْلِ الْمُفْتَى بِهِ مِنْ إِفَادَتِهَا الْمِلْكَ بِالْقَبْضِ فَلْيُحْفَظْ (وَالْمَانِعُ) مِنْ تَسَامٍ الْقَبْضِ

لیکن اس میں ”فضولین“ سے مروی ہے: ہبہ فاسدہ قبضہ کے ساتھ ملکیت کا فائدہ دیتا ہے۔ اسی پر فتویٰ دیا جاتا ہے۔ اسی کی مثل ”بزازیہ“ میں ہے جو اس کے برعکس ہے ”عمادیہ“ میں اس کی تصحیح کی ہے۔ لیکن فتویٰ کا لفظ یہ صحیح کے لفظ سے زیادہ مؤکد ہوتا ہے جس طرح مصنف نے مشاع کے باقی ماندہ احکام کو کھول کر بیان کیا ہے۔ کیا قریبی کو ہبہ فاسدہ میں رجوع کا حق حاصل ہے؟ ”الدرر“ میں کہا: ہاں۔ ”شرنبالیہ“ میں اس پر اعتراض کیا ہے کہ یہ مفتی بہ قول کے مطابق غیر ظاہر ہے کہ یہ قبضہ کی صورت میں ملکیت کا فائدہ دے پس اس کی حفاظت کی جانی چاہیے۔ اور قبضہ کے مکمل ہونے سے مانع ایسا اشتراک ہے

29120۔ (قوله: بِالْقَبْضِ) قبضہ کے ساتھ ہبہ ملکیت کا فائدہ دے گا مگر ملک خبیث کا فائدہ دے گا۔ اسی پر فتویٰ دیا جاتا ہے۔ ”تہستانی“۔ یعنی اس کی ضمانت ہوگی جس طرح تو ابھی اس پر آگاہ ہو چکا ہے پس متنبہ رہ۔
”حاشیہ المنح“ میں ہے: ملکیت کا فائدہ دینے کے باوجود اس کے توڑ دینے کا حکم دیا جائے گا کیونکہ اس میں فساد ہے جس طرح بیع فاسد کو توڑ دیا جاتا ہے۔ تامل

29121۔ (قوله: فِي الْبَرَّازِيَّةِ) اس کی عبارت یہ ہے: کیا قبضہ کے ساتھ ملکیت ثابت ہوتی ہے۔ ”ناظمی“ نے کہا: ”امام صاحب“ رحمہ اللہ کے نزدیک یہ ملکیت کا فائدہ نہیں دیتا۔ بعض فتاویٰ میں ہے کہ اس میں ملکیت فاسدہ ثابت ہوتی ہے اسی پر فتویٰ دیا جاتا ہے۔

”الاصل“ میں یہ نص قائم کی ہے: اگر ایک آدمی نے اپنے گھر کا نصف دوسرے کو ہبہ کیا اور اسے وہ گھر سپرد کر دیا موبوب لہ نے اسے بیچ دیا یہ جائز نہ ہوگا۔ یہ نص اس پر دلالت کرتی ہے کہ وہ مالک نہیں ہوگا۔ کیونکہ اس نے بیع کو قبضہ کے بعد باطل کر دیا ہے۔ فتاویٰ میں اس پر نص قائم کی ہے کہ یہی مختار ہے۔ میں نے ”المنح“ کے حاشیہ پر اس قول کے نقل کرنے کے بعد ایک فاضل کی تحریر دیکھی ہے تو اسے دیکھ رہا ہے کہ ملک کے فائدہ دینے کی روایت کو قبض کی طرف منسوب کیا ہے اور اس کے متعلق فتویٰ دینے کو بعض فتاویٰ کی طرف منسوب کیا ہے تو اصل کی روایت میں کوئی تعارض نہیں۔ اسی وجہ سے ”قاضی خان“ نے اسے اختیار کیا ہے۔ اور ان کا قول لفظ الفتویٰ الخ بعض اوقات اس کے عموم کے ممنوع ہونے کا قول کیا جاتا ہے۔ خصوصاً یہ صیغہ جب ”بزازی“ کے سیاق کی مثل میں ہو جب تو غور کرے گا تو اس کے رجحان کا فیصلہ کرے گا جس پر اصل دلالت کرتی ہے۔
29122۔ (قوله: وَتَعَقُّبُهُ) اس میں جو ضعف ہے اس سے تو آگاہ ہو چکا ہے جو ہم پہلے ”خیریہ“ سے نقل کر چکے ہیں۔ پس اس پر متنبہ ہو جائیے۔

(شُيُوعٌ مُّقَارِنٌ) لِلْعُقْدِ (لَا طَارِيٌّ) كَأَنْ يَرْجِعَ فِي بَعْضِهَا شَائِعًا فَإِنَّهُ لَا يَفْسُدُ اتِّفَاقًا (وَالِاسْتِحْقَاقُ) شُيُوعٌ (مُقَارِنٌ) لَا طَارِيٌّ فَيَفْسُدُ الْكُلُّ حَتَّى لَوْ وَهَبَ أَرْضًا وَزَمْزَعًا وَسَلَّمَهُمَا فَاسْتَحَقَّ الزَّرْعَ بَطَلَتْ فِي الْأَرْضِ، لَا سِتِحْقَاقِ الْبَعْضِ الشَّائِعِ فَيَايَحْتَبِلُ الْقِسْمَةُ، وَالِاسْتِحْقَاقُ إِذَا ظَهَرَ بِالْبَيِّنَةِ كَانَ مُسْتَنَدًا إِلَى مَا قَبْلَ الْهَبَةِ فَيَكُونُ مُقَارِنًا لَهَا لَا طَارِيًّا كَمَا زَعَمَهُ صَدْرُ الشَّرِيعَةِ وَإِنْ تَبِعَهُ ابْنُ الْكَمَالِ فَتَتَبَّهُ (وَلَا تَصِحُّ هَبَةٌ لَبَنٍ فِي ضَرْعٍ وَصُوفٍ عَلَى غَنَمٍ وَنَخْلٍ فِي أَرْضٍ وَتَتَرَفِي نَخْلٍ) لِأَنَّهُ كُمُشَاعٍ

جو عقد کے ساتھ ملا ہونہ کہ وہ اشتراک ہے جو طاری ہے جیسے وہ اس کے بعض اشتراک کی حیثیت سے راجع ہو۔ کیونکہ یہ بالاتفاق فاسد نہیں۔ استحقاق یہ ایسا اشتراک ہے جو متعارف ہے یہ طاری نہیں پس یہ سب کو فاسد کر دے گا یہاں تک کہ اگر وہ زمین اور کھیتی بہہ کرے اور دونوں سپرد کر دے پس وہ کھیتی کا کوئی مستحق نکل آیا تو زمین میں بہہ باطل ہو جائے گا۔ کیونکہ بعض ایسے مشترک میں استحقاق ثابت ہوا ہے جو تقسیم کا احتمال رکھتا ہے استحقاق جب گواہوں کے ساتھ ظاہر ہو جائے تو وہ بہہ سے پہلے کی طرف منسوب ہو پس وہ اس کے مقارن ہو گا نہ کہ طاری جس طرح ”صدر الشریعہ“ نے گمان کیا ہے اگرچہ ”ابن کمال“ نے اس کی پیروی کی ہے پس اس پر متنبہ ہو جائیے۔ اور کھیری میں موجود دودھ کو بہہ کرنا، غنم پر موجود اون کو بہہ کرنا، زمین میں لگے ہوئے کھجور کے درختوں کو بہہ کرنا اور کھجور کے درخت پر موجود کھجوروں کو بہہ کرنا صحیح نہیں۔ کیونکہ یہ مشترک کی طرح ہیں

29123۔ (قوله: لِلْعُقْدِ لَا طَارِيٌّ) میں کہتا ہوں: اسی میں سے ہے: اگر وہ اپنی مرضی سے گھر بہہ کرے اور اس کا اس کے سوا کوئی گھر نہ ہو پھر وہ مرجائے اور وارث بہہ کو جائز قرار نہ دیں تو بہہ اس کے ایک تہائی میں باقی رہے گا اور دو تہائی میں باطل ہو جائے گا جس طرح ”الغانیہ“ میں اس کی تصریح کی ہے۔

29124۔ (قوله: الْبَعْضُ الشَّائِعُ) یعنی حکماً مشترک ہو۔ کیونکہ کھیتی کا زمین کے ساتھ شے واحد کی طرح اتصال کا حکم ہے جب وہ دونوں میں سے ایک کا مستحق نکل آئے تو وہ یوں ہو جائے گا جس طرح وہ اس میں بعض مشترک کا مستحق نکل آیا ہے جو تقسیم کا احتمال رکھتی ہے۔ پس باقی ماندہ میں بہہ باطل ہو جائے گا۔ ”الکافی“ میں اسی طرح ہے، ”درر“۔ ”الغانیہ“ میں کہا: کھیتی سامان کے مشابہ نہیں۔

29125۔ (قوله: بِالْبَيِّنَةِ) چاہیے کہ اس میں غور و فکر کیا جائے اگر وہ موہوب لہ کے اقرار سے ظاہر ہو۔ جہاں تک واہب کے اقرار کا تعلق ہے تو ظاہر یہ ہے کہ یہ لغو ہے کیونکہ اس نے غیر کی ملک کا اقرار کیا ہے۔
مشترک کی نظائر

29126۔ (قوله: لِأَنَّهُ كُمُشَاعٍ) ”شرح الدرر“ میں کہا: یہ مشترک کی نظائر ہیں یہ اس کی مثلہ نہیں پس ان میں سے کسی میں کوئی اشتراک نہیں۔ لیکن یہ مشترک کے حکم میں ہیں یہاں تک کہ اگر ان کو الگ کر دیا جائے اور سپرد کر دیا جائے تو بہہ صحیح ہو جائے گا۔

(وَلَوْ فَصَلَهُ وَسَلَّمَهُ جَازَ لِرِزْوَالِ الْمَانِعِ وَهَلْ يَكْفِي فَضْلُ الْمُؤْهَبِ لَهُ بِإِذْنِ الْوَائِبِ؟ ظَاهِرُ الذَّرِّ نَعَمْ بِخِلَافِ دَقِيقِ فِي بُرُودُ هُنِ فِي سَنَسِيمٍ وَ سَمْنِ فِي لَبَنِ) حَيْثُ لَا يَصِحُّ أَصْلًا: لِأَنَّهُ مَعْدُومٌ

اگر انہیں جدا کیا اور موہوب لہ کے سپرد کر دیا تو یہ جائز ہوگا۔ کیونکہ مانع زائل ہو چکا ہے۔ کیا وائیب کی اجازت سے موہوب لہ کا اس سے جدا کر لینا کافی ہوگا؟ ”الدرر“ کی عبارت کا ظاہر معنی ہے: ہاں۔ گندم میں آئے تلووں میں تیل اور دودھ میں گھی کا مسئلہ مختلف ہے۔ کیونکہ یہ اصلاح صحیح نہیں کیونکہ یہ معدوم ہے

ان کا قول: کیونکہ یہ مشاع کے قائم مقام ہے میں کہتا ہوں: تجھ پر یہ بات نہیں جانی چاہیے کہ یہ لازم نہیں آتا کہ ہر شے میں اس کا حکم لے اور نہ یہ لازم آتا ہے کہ زمین کی ملک کی جانب سے کھجوروں کا بہہ جائز نہیں۔ اسی طرح اس کے برعکس معاملہ ہے ظاہر اس کے خلاف ہے۔ دونوں میں فرق یہ ہے کہ مشترک میں سے کوئی جز نہیں اگرچہ وہ جز دقیق ہو مگر شریک کا اس میں حصہ ہوتا ہے۔ پس اس کا بہہ صحیح نہیں ہوتا اگرچہ یہ بہہ شریک کی جانب سے ہو۔ کیونکہ اس میں کامل قبضہ متصور نہیں ہوتا۔ جہاں تک زمین میں کھجور کے درختوں کا معاملہ ہے، اور زمین میں کھیتی کا معاملہ ہے اگر یہ سب ایک شخص کے ہوں تو کھجوروں کے مالک نے کھجوروں کے تمام درخت زمین کے مالک کو بہہ کر دیے یا اس کے برعکس کیا تو بہہ صحیح ہوگا۔ کیونکہ دونوں میں سے ہر ایک کی ملک دوسرے سے ممتاز ہے پس تمام پر اس کا قبضہ صحیح ہوگا۔ میں نے کسی عالم کو نہیں دیکھا جس نے اس امر کی تصریح کی ہو لیکن ان کی کلام سے حکم اخذ کیا جاتا ہے لیکن جب قول منقول پایا جائے تو تسلیم کیے بغیر ہمارے لیے کوئی گنجائش نہیں۔

فرع: ایک آدمی کے دوسرے پر دس لازم ہوں تو دوسرے نے اسے وہ دے دیئے تو قبضہ کرنے والے نے ایک دانق زائد پایا تو اس نے دائن یا بائع کو وہ بہہ کر دیے کہ درہم صحیح ہے ان کو ٹکڑے ٹکڑے کرنا انہیں نقصان دے گا تو یہ صحیح ہوگا۔ کیونکہ یہ مشترک ہے جو تقسیم کو قبول نہیں کرتا۔ اسی طرح بعض دراہم اور دنانیر کا بہہ ہے اگر تبعض انہیں نقصان پہنچائے تو یہ صحیح ہوگا ورنہ صحیح نہیں ہوگا۔ ”بزازیہ“۔

29127۔ (قوله: ظَاهِرُ الذَّرِّ نَعَمْ) میں کہتا ہوں: ”الخانیہ“ میں اس کی تصریح کی ہے اور کہا: اگر اس نے زمین کے بغیر کھیتی یا کھجور کے درختوں کے بغیر کھجوریں بہہ کہیں اور اس نے ان سے کائے کا حکم دیا تو موہوب لہ نے اس کے یہ وہ عمل کیا تو یہ جائز ہوگا۔ کیونکہ اذن کے ساتھ قبضہ مجلس میں اور اس کے بعد صحیح ہوتا ہے۔

”حامد“ میں ”جامع الفتاویٰ“ سے مروی ہے: اگر اس نے زمین میں کھیتی کو، درخت میں پھل کو، تلوار کے زیور کو، حویلی کی عمارت، ایک آدمی پر لازم دینا کو یا ذیر میں سے ایک قفیز کو بہہ کیا اور اسے فصل کاٹنے، پھل اتارنے، زیور اکٹ کرنے، ملبہ پر قبضہ کرنے اور کیل کرنے کا حکم دیا تو اس نے اسی طرح کیا تو یہ بطور استحسان صحیح ہوگا۔ ان

29128۔ (قوله: أَصْلًا) یعنی اگرچہ اسے الگ کر کے حوالے کیا۔

29129۔ (قوله: لِأَنَّهُ مَعْدُومٌ) یعنی حکما وہ معدوم ہے۔ اسی طرح اگر اس نے حمل کو بہہ کیا اور ولادت کے بعد اسے

فَلَا يُبْلَكَ إِلَّا بِعَقْدٍ جَدِيدٍ (وَمِلْكٍ) بِالْقَبُولِ (بِلَا قَبْضٍ جَدِيدٍ لَوْ الْمَوْهُوبُ فِي يَدِ الْمَوْهُوبِ لَهُ) وَلَوْ بِغَضَبٍ
أَوْ أَمَانَةٍ؛ لِأَنَّهُ حِينَئِذٍ عَامِلٌ لِنَفْسِهِ، وَالْأَصْلُ أَنَّ الْقَبْضَيْنِ إِذَا تَجَانَسَا نَابَ أَحَدُهُمَا عَنِ الْآخَرِ، وَإِذَا
تَغَايَرَا نَابَ الْأَعْلَى عَنِ الْأَدْنَى لَا عَكْسُهُ

پس وہ عقد جدید کے ساتھ اس کا مالک ہوگا۔ اور موهوب لہ قبول کے ساتھ مالک ہو جائے گا اگرچہ اپنا قبضہ نہ ہوا اگر موهوب بہ چیز موهوب لہ کے قبضہ میں ہوا اگرچہ غصب یا امانت سے ہو۔ کیونکہ اس وقت وہ اپنے لیے عمل کر رہا ہے۔ قاعدہ یہ ہے جب دونوں قبضے ہم جنس ہوں تو دونوں میں سے ایک دوسرے کا نائب ہوگا۔ جب دونوں متغایر ہوں تو اعلیٰ ادنیٰ کا نائب ہوگا لیکن اس کے برعکس نہیں ہوگا۔

سپر دکر دیا تو یہ جائز نہیں ہوگا۔ کیونکہ اس کے وجود میں احتمال ہے پس وہ چیز معلوم کی طرح ہوگئی۔ ”منح“۔

29130۔ (قولہ: جَدِيدٍ) یہ حکم اس لیے ہے کیونکہ گندم متغیر ہو چکی ہے اور وہ آٹا بن چکی ہے۔ اسی طرح اس کے علاوہ کا معاملہ ہے۔ متغیر ہونے کے بعد وہ دوسرا عین ہے جس طرح غصب میں معروف ہے۔ مشترک کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ وہ ملکیت کا محل ہے نہ کہ اس کا تقسیم کرنا ممکن نہیں جب مانع زائل ہوگا تو ہبہ جائز ہو جائے گا۔ ”منح“۔

29131۔ (قولہ: بِالْقَبُولِ) واضح کلام کے ساتھ قبول کی شرط لگائی ہے کیونکہ جب وہ اس طرح نہ پائی جائے تو اس میں ملکیت بغیر رضا مندی کے پائی جائے گی۔ کیونکہ اس کے قبضہ کی کوئی حاجت نہیں۔ اور یہ جائز نہیں کیونکہ اس میں ضرر کا وہم ہے جب وہ اس کے قبضہ میں نہ ہو اور اس کے قبضہ کا وہ حکم دے تو معاملہ مختلف ہوگا۔ کیونکہ یہ اس وقت صحیح ہوگا جب وہ قبضہ کرے گا۔ اور قبول کرنا شرط نہ ہوگا۔ کیونکہ جب اس نے قبضہ کا اقرار کیا تو یہ اس کی جانب سے قبول اور رضا ہوگی۔ کیونکہ اس کے لیے ملکیت واقع ہوگی پس وہ اس کا مالک ہوگا۔ ”ط“، ملخص۔ یہ اس قبول کا معنی ہے جو بعد میں ہے: لَانَّهُ حِينَئِذٍ عَامِلٌ لِنَفْسِهِ، یعنی جب اس نے صریحا قبول کیا۔

29132۔ (قولہ: بِلَا قَبْضٍ) یعنی اس کی صورت یہ ہے وہ اسی جگہ کی طرف لوٹ آئے جس میں عین ہے اور وہ وقت گزر جاتا ہے جس میں اس پر قبضہ کرنا ممکن ہوتا ہے۔ ”قہستانی“۔

29133۔ (قولہ: وَلَوْ بِغَضَبٍ) ”زیلعی“ کو دیکھیے۔

29134۔ (قولہ: عَنِ الْآخَرِ) جس طرح اس کے پاس ودیعت ہو تو اس کے مالک نے اسے وہ عاریۃ دے دی ہو تو

ہر ایک نے امانت پر قبضہ کیا تو دونوں میں سے ایک دوسرے کا نائب ہو۔

29135۔ (قولہ: عَنِ الْأَدْنَى) پس مغضوب اور مبیع جو فاسد ہو یہ مبیع صحیح کے قبضہ کا نائب ہوگا امانت کا قبضہ اس کا نائب

نہ ہوگا۔ ”منح“۔

29136۔ (قولہ: لَا عَكْسُهُ) پس ودیعت کا قبضہ ہبہ کے قبضہ کے ہم جنس ہے کیونکہ یہ دونوں امانت کا قبضہ ہے اور

(وَهَبَةُ مَنْ لَهُ وَلَايَةُ عَلَى الْيَتَامَى فِي الْجُمْلَةِ) وَهُوَ كُلُّ مَنْ يَعْوَلُهُ فَدَخَلَ الْأَخْ وَالْعَمَّ عِنْدَ عَدَمِ الْإِبِّ لَوْ فِي عِيَالِهِمْ (تَتِمُّ بِالْعَقْدِ) لَوْ الْمَوْهُوبُ مَعْلُومًا وَكَانَ فِي يَدِهِ أَوْ يَدِ مُودِعِهِ، لِأَنَّ قَبْضَ الْوَلِيِّ يَنْبُؤُ عَنْهُ.

اور جسے بچے پر فی الجملہ ولایت ہو اس کا بہہ اس سے مراد وہ ہے جو اس کی کفالت کرتا ہو پس باپ نہ ہونے کی صورت میں بھائی اور چچا اس میں داخل ہیں اگر وہ بچہ ان کے عیال میں ہو، عقد کے ساتھ مکمل ہو جاتا ہے اگر موهوب معلوم ہو اور وہ اس کے قبضہ میں ہو یا اس کے مودع کے قبضہ میں ہو۔ کیونکہ ولی کا قبضہ اس کے قبضہ کے قائم مقام ہوتا ہے۔

شر کے قبضہ کے متغیر ہیں۔ کیونکہ شر کا قبضہ ضمان کا قبضہ ہے پس پہلا اس کا نائب نہ ہوگا جس طرح ”المحیط“ میں ہے۔ اسی کی مثل ”شرح الطحاوی“ میں ہے۔ لیکن وہ اپنے اطلاق پر نہیں۔ جب وہ غیر کے ساتھ مضمون ہو جیسے بیع، ثمن کے ساتھ مضمون ہوتی ہے اور مرہون دین کے بدلے مضمون ہوتا ہے تو اس کا قبضہ واجب قبضہ کے قائم مقام نہیں ہوتا جس طرح ”المستصفی“ میں ہے۔ اس کی مثل ”زابدی“ میں ہے۔ اگر اس نے مودع کے ساتھ بیچا تو قبضہ جدید کی ضرورت ہوگی۔ اس کی مکمل بحث ”عمادی“ میں ہے۔ ”قبتانی“۔

29137۔ (قوله: عَلَى الْيَتَامَى) اگر وہ بچہ بالغ ہو چکا ہو تو اس کا قبضہ شرط ہوگا اگرچہ وہ اسکے عیال میں ہو۔ ”تاترخانیہ“۔

29138۔ (قوله: فِي الْجُمْلَةِ) یعنی اگرچہ اس کے مال میں اس کا تصرف نہ ہو۔

29139۔ (قوله: بِالْعَقْدِ) یعنی صرف ایجاب کے ساتھ جس طرح شارح اس کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ ”حاشیہ“

میں اسی طرح ہے۔ یہ اس صورت میں ہے جب وہ آگاہ کرے اور اس پر گواہ بنالے۔ اور گواہ اس لیے بنائے جائیں تاکہ اس کی موت کے بعد انکار سے بچا جاسکے۔ اور غلام لازم ہے کیونکہ یہ قبضہ کے قائم ہے۔ ”بزازیہ“۔

”تاترخانیہ“ میں کہا ہے: اگر غلام کو کسی کام کے لیے بھیجا یا وہ دارالسلام میں بھاگا ہو غلام تھا اس نے وہ غلام اپنے بیٹے کو بہہ کر دیا تو بہہ صحیح ہوگا۔ اگر غلام نہ لوٹے یہاں تک کہ باپ مر جائے تو وہ باپ کی جانب سے میراث نہ ہوگی۔

29140۔ (قوله: لَوْ الْمَوْهُوبُ الْخ) شاید یہ اس جیسی صورت حال سے احتراز ہے ”میں نے اسے اپنے مال میں سے

کوئی شے بہہ کی“۔ تامل

29141۔ (قوله: مَعْلُومًا) امام ”محمد“ رحمہ اللہ نے کہا: ہر شے جو اس کے اپنے بیٹے کو بہہ کی اور اس پر گواہ بنالے۔

شے فی نفسہ معلوم ہے تو یہ جائز ہے۔ اور ارادہ یہ کیا کہ اسے جو بہہ کیا ہے اس کے بارے میں آگاہ کر دے۔ گواہ بنانا کوئی باری نہیں کیونکہ بہہ آگاہ کرنے سے مکمل ہو جاتا ہے۔ ”تاترخانیہ“۔

29142۔ (قوله: أَوْ يَدِ مُودِعِهِ) وہ مودع کے قبضہ میں ہو یا مستعیر کے قبضہ میں ہو نہ کہ وہ غاصب کے قبضہ میں ہو یا

مرتہن کے قبضہ میں ہو یا اس مشتے کے قبضہ میں ہو جس نے ثناء فاسد کے ساتھ خریدا ہو۔ ”بزازیہ“۔

”سانحانی“ نے کہا: جب اجارہ ٹوٹ گیا یا غصب لوٹ گیا تو بہہ مکمل ہو جائے گا جس طرح اس کی تھکر میں مکمل ہوتا ہے۔

وَالْأَصْلُ أَنَّ كُلَّ عَقْدٍ يَتَوَلَّاهُ الْوَاحِدُ يُكْتَفَى فِيهِ بِالْإِيجَابِ (وَإِنْ وَهَبَ لَهُ أَجْنَبِيٌّ يَتِمُّ بِقَبْضِ وَلِيِّهِ) وَهُوَ أَحَدُ أَرْبَعَةِ الْأَبِّ، ثُمَّ وَصِيُّهُ، ثُمَّ الْجَدُّ، ثُمَّ وَصِيُّهُ، وَإِنْ لَمْ يَكُنْ فِي حِجْرِهِمْ،

قاعدہ یہ ہے ہر وہ عقد جس کا ذمہ دار ایک ہو اس میں ایجاب کافی ہوتا ہے اگر کوئی اجنبی اسے ہبہ کرے تو اسکے ولی کے قبضہ سے ہبہ مکمل ہو جائے گا۔ اور وہ چار میں سے ایک ہے: باپ، اس کا وصی پھر دادا پھر اس کا وصی اگر چہ وہ ان کی گود میں پرورش نہ پا رہا ہو۔

29143۔ (قولہ: يَتَوَلَّاهُ) جس طرح وہ اپنا مال اپنے بیٹے کے ہاتھ بیچ دے۔ ”تا ترخانیہ“۔

اگر بچے کو کوئی اجنبی ہبہ کرے تو اس کے ولی کے قبضہ سے ہبہ مکمل ہو جائے گا

29144۔ (قولہ: ثُمَّ وَصِيُّهُ) پھر اس کا والی، پھر قاضی اور قاضی کا وصی جس طرح ماذون میں آئے گا جس طرح وکالت سے تھوڑا پہلے کتاب الخصومة میں گزر چکا ہے۔ وصی باپ کی طرح ہے اور ماں اسی طرح ہے اگر چہ ان کے عیال میں ہوا اگر ماں اسے ہبہ کرے یا باپ اسے ہبہ کرے ماں قبضہ کی مالک ہوگی۔ یہ اس صورت میں ہے جب بچے کا نہ باپ ہو نہ دادا ہو اور نہ ہی ان کا وصی ہو۔

”صدر“ نے یہ ذکر کیا ہے: ماں کے اس ہبہ پر قبضہ کرنے کے لیے باپ کا نہ ہونا شرط نہیں۔ ایک مرد کے بارے میں ذکر کیا ہے جب وہ اپنی چھوٹی بچی کا ایک آدمی سے نکاح کرے اور مرد نے اس سے شادی کر لی تو وہ اس عورت کے ہبہ پر قبضہ کرنے کا مالک ہو جائے گا زفاف سے پہلے اور بلوغ کے بعد خاوند کا قبضہ کرنا جائز نہیں۔

”التجريد“ میں ہے: خاوند کا قبضہ کرنا جائز ہوگا جب باپ زندہ نہ ہو اگر باپ، اس کا وصی، دادا اور اس کا وصی غائب ہو اور غیبت منقطع ہو تو اس کا قبضہ کرنا جائز ہوگا اس کا والی ہو ان چار کے علاوہ کا قبضہ کرنا جائز نہیں جب ان میں سے کوئی ایک موجود ہو خواہ صغیر اس کے عیال میں ہو یا نہ ہو وہ ذی رحم محرم ہو یا نہ ہو یا وہ اجنبی ہو۔ اگر ان چار میں سے کوئی بھی نہ ہو تو بچہ جس کے گود میں پرورش پا رہا ہو اس کا قبضہ کرنا جائز ہوگا۔ اور جو اس کے عیال میں نہ ہو اس کا قبضہ کرنا جائز نہیں، ”بزازیہ“۔ ”البحر“ میں کہا: وجود سے مراد حاضر ہونا ہے۔

”غایۃ البیان“ میں ہے: ماں اور جو کوئی بچے کی کفالت کرے باپ کی موجودگی میں اس کے ہبہ کے قبضہ کی مالک نہیں۔ ہمارے بعض مشائخ نے کہا: یہ جائز ہے جب وہ ان کے عیال میں ہو جیسے خاوند۔ ان سے یہ مروی ہے متن میں اپنے اس قول سے احتراز کیا ہے فی الصحیح۔

خاوند باپ کی موجودگی میں ہبہ پر قبضہ کرنے کا مالک ہوتا ہے۔ ماں کا معاملہ مختلف ہے۔ ماں اور جو اس کی کفالت کرتا ہے، جو خاوند کے علاوہ ہو، کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ یہ باپ کی موت یا اس کی غیبت منقطعہ کے بعد اس کے مالک ہوتے ہیں یہ صحیح قول کے مطابق ہے۔ کیونکہ ان کا تصرف ضرورت کی بنا پر ہوتا ہے باپ کی طرف سے تفویض کرنے کی بنا پر نہیں ہوتا باپ کی موجودگی میں کوئی ضرورت نہیں۔ ”جوہرہ“۔

وَعِنْدَ عَدَمِهِمْ تَتِمُّ بِقَبْضٍ مِّنْ يَّعُولُهُ كَعَمِّهِ (وَأَمِّهِ وَأَجْنَبِيِّ) وَلَوْ مُلْتَقَطًا (لَوْ فِي حَجَرِهِمَا) وَإِلَّا لَا، لِفَوَاتِ
الْوِلَايَةِ (وَبِقَبْضِهِ لَوْ مُبَيَّنًا) يَعْقِلُ الشَّخْصِيلَ (وَلَوْ مَعَ وُجُودِ أَبِيهِ) مُجْتَبًى لِأَنَّهُ فِي النَّافِعِ الْمَخْصُصِ
كَالْبَالِغِ، حَتَّى لَوْ وَهَبَ لَهُ أَعْمَى لَا نَفْعَ لَهُ وَتَلَحُّقُهُ مَوْتُهُ لَمْ يَصَحَّ قَبُولُهُ أَشْبَاهًا قُلْتُ لَكِنِّي فِي الْبُرْجَنْدِيِّ
أُخْتَلِفَ فِيمَا لَوْ قَبْضَ مِّنْ يَّعُولُهُ،

اور ان کے نہ ہونے کی صورت میں اس کے قبضہ کے ساتھ بہہ مکمل ہو جاتا ہے جو اس کی کفالت کرتا ہے جیسے اس کا چچا، اس کی
ماں اور اجنبی اگرچہ وہ ملتقط ہوا اگر وہ ان دونوں کی گود میں پرورش پا رہا ہو ورنہ نہیں کیونکہ ولایت فوت ہو چکی ہے اور اس کے
قبضہ کے ساتھ بہہ مکمل ہو جاتا ہے اگر وہ سمجھ بوجھ رکھتا ہو یعنی اس کے حاصل کرنے کی سمجھ رکھتا ہو اگرچہ اس کا باپ پایا جاتا ہو،
”مجتبى“۔ کیونکہ وہ خالص نفع میں بالغ کی طرح ہے یہاں تک کہ اگر اس کو نابینا بہہ کیا گیا جس کا کوئی نفع نہ ہو اور اس نابینا کی
مونت اسے لاحق ہوتی ہو تو اس کا قبول کرنا صحیح نہ ہوگا، ”الاشباہ“۔ میں کہتا ہوں: لیکن ”برجندی“ میں ہے: اس میں اختلاف
کیا گیا ہے اگر وہ اس پر قبضہ کرے جو اس کی کفالت کرتا ہے

جب تو اس سے ایک غیبت منقطعہ کے ساتھ غائب ہو تو اس کا قبضہ کرنا جائز ہوتا ہے جو ولایت میں اس کے بعد ہوتا
ہے۔ کیونکہ غائب کے آنے تک کی تاخیر صغیر کے منفعت کو فوت کرنا ہے۔ پس ولایت اس کی طرف منتقل ہو جاتی ہے جو اس
کے بعد ہو جس طرح نکاح کرنے میں ہوتا ہے۔ ان میں سے کوئی ایک موجود ہو تو کسی اور کا اس پر قبضہ کرنا جائز نہیں ہوگا اگرچہ
وہ قبض کے عیال میں سے ہو یا اس کا ذی رحم محرم ہو جیسے بھائی، چچا اور ماں، ”بدائع“۔ ملخص

اگر باپ کی موجودگی میں اس پر وہ قبضہ کرے جو اس کے عیال میں ہو تو ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ جائز نہیں۔ ایک قول یہ کیا
گیا ہے: یہ جائز ہے اسی پر فتویٰ دیا جاتا ہے۔ ”مشمول الاحکام“۔ صحیح یہ ہے کہ یہ جائز ہے جس طرح اگر خاوند قبضہ کرے جب کہ
باپ حاضر ہو، ”خانیہ“۔ فتویٰ اس پر ہے کہ یہ جائز ہے، ”امر و شئی“۔ تو یہ جان چکا ہے کہ ”ہدایہ“ اور ”جوہرہ“ اس کے قبضہ کے عدم
جواز کا قول کرتے ہیں جو کفالت کرتا ہے جب کہ باپ غائب نہ ہو۔ صاحب ”البدائع“ نے اس کو جزم سے بیان کیا ہے۔
”قاضی خان“ اور دوسرے علماء نے اس کے برعکس کی تصحیح کی ہے۔ جو کچھ انہوں نے ذکر کیا ہے وہ ”قاضی خان“ کی تصحیح کے ہم
پدہ نہیں ہو سکتا کیونکہ ”قاضی خان“ فقہ النفس ہے خصوصاً اس میں صغیر کا نفع ہے پس فتویٰ کے وقت اس میں غور کیجئے۔ میں نے
منقولہ روایات بہت ہی زیادہ نقل کی ہیں کیونکہ یہ واقعۃً الفتویٰ ہے۔ ان میں سے بعض روایات میں سے ”مسئلاتی ترکمانی“ کی
تحریر سے نقل کی ہیں اور ان کے منسوب کرنے پر میں نے اعتماد کیا ہے کیونکہ وہ ثقہ اور مثبت ہے۔ رحمۃ اللہ تعالیٰ

29145۔ (قوله: وَعِنْدَ عَدَمِهِمْ) اگرچہ غیبت منقطعہ کے ساتھ ہو۔

29146۔ (قوله: يَعْقِلُ الشَّخْصِيلَ) یہ تمیز کی تفسیر ہے۔

29147۔ (قوله: لَكِنِّي) یہ ان کے قول و عند عدمہم پر استدراک ہے۔ ”ح“۔

وَالْأَبُ حَاضِرٌ فَقِيلَ لَا يَجُوزُ وَالصَّحِيحُ هُوَ الْجَوَازُ وَظَاهِرُ الْقَهْطَانِي تَرْجِيحُهُ، وَعَزَاهُ لِفَخْرِ الْإِسْلَامِ وَغَيْرِهِ عَلَى خِلَافِ مَا اعْتَمَدَهُ الْمُصَنِّفُ فِي شَرْحِهِ، وَعَزَاهُ لِلْخُلَاصَةِ لَكِنَّ مَتْنَهُ يَحْتَسِلُهُ بِوَصْلٍ وَلَوْ بِأَمِّهِ وَالْأَجْنَبِيِّ أَيْضًا فَتَأَمَّلْ (وَصَحَّ رَدُّهُ لَهَا كَقَبُولِهِ) سِرَاجِيَّةٌ وَفِيهَا حَسَنَاتُ الصَّبِيِّ لَهُ وَلَا بُؤْيُوهُ أَجْرُ التَّعْلِيمِ وَنَحْوِهِ، وَيُبَاحُ لِوَالِدَيْهِ أَنْ يَأْكُلَا مِنْ مَأْكُولٍ وَهَبَ لَهُ، وَقِيلَ لَا، ائْتَهَى، فَأَفَادَ أَنَّ غَيْرَ الْمَأْكُولِ لَا يُبَاحُ لَهُمَا إِلَّا لِحَاجَةٍ وَضَعُوا هَذَا الْخِتَانِ بَيْنَ يَدَيِ الصَّبِيِّ

جب کہ باپ حاضر ہو ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ جائز نہیں صحیح یہ ہے کہ یہ جائز ہے۔ ”قہستانی“ کا ظاہر معنی ہے کہ اس کو ترجیح دی جائے گی اور اسے فخر الاسلام وغیرہ کی طرف منسوب کیا ہے جب کہ یہ اس کے خلاف ہے جس پر مصنف نے اپنی شرح میں اعتماد کیا ہے اور اسے ”خلاصہ“ کی طرف منسوب کیا ہے لیکن اس کا متن دلوبامہ والاجنبی ایضا کے ساتھ وصل کرنے کی صورت میں اس کا احتمال رکھتا ہے، قائل۔ اس کا ہبہ کورد کرنا صحیح ہے جس طرح اس کا قبول کرنا صحیح ہے ”سراجیہ“۔ اس میں ہے: بچے کی نیکیاں بچے کے لیے ہیں اور اس کے والدین کے لیے تعلیم وغیرہ کا اجر ہے۔ اس کے والدین کے لیے مباح ہے کہ کھانے کی چیز میں سے کھالیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جائز نہیں۔ کلام ختم ہوئی۔ اس قول نے یہ فائدہ دیا کہ غیر ماکول چیز حاجت کے سوا ان کے لیے مباح نہیں۔ لوگوں نے ختنہ کے ہدایا بچے کے سامنے رکھے

29148۔ (قوله: بِوَصْلٍ وَلَوْ بِأَمِّهِ) یعنی متن کے قول: دلومع وجود ابیہ کو ان کے قول: بامہ والاجنبی کے ساتھ

ملانا جائز ہے۔ ”حاشیہ“ میں اسی طرح ہے۔

29149۔ (قوله: وَلَوْ بِأَمِّهِ) یہ وصل کے متعلق ہے۔

29150۔ (قوله: وَصَحَّ رَدُّهُ) یعنی بچے کا ہبہ کالوٹا دینا صحیح ہے۔ ولی کے لوٹانے کا حکم دیکھیے۔ ظاہر یہ ہے یہ صحیح نہیں

یہاں تک کہ ولی کے لوٹانے کے بعد اگر بچہ قبول کر لے تو یہ صحیح ہوگا۔ ”ط“۔

29151۔ (قوله: لَهَا) ضمیر سے مراد ہبہ ہے۔

29152۔ (قوله: وَهَبَ لَهُ) ”تاتر خانہ“ میں کہا: امام ”محمد“ رضی اللہ عنہ سے نصاً مروی ہے کہ یہ مباح ہے۔ ”الذخیرہ“

میں اور بخاری کے اکثر مشائخ اس پر ہیں کہ یہ مباح نہیں۔ ”فتاویٰ سمرقند“ میں ہے: جب بچے کو پھل ہدیہ کیے گئے تو والدین کے لیے حلال ہے کہ ان سے کھالیں جب اس سے مراد والدین ہوں۔ لیکن صغیر کو ہدیہ دینا یہ ہدیہ کو صغیر جاننا ہے۔

میں کہتا ہوں: اس سے تطبیق ظاہر ہوتی ہے اور یہ امر قرآن سے ظاہر ہوتا ہے اس تعبیر کی بنا پر ماکول اور غیر ماکول میں کوئی فرق نہیں بلکہ اس کا غیر زیادہ ظاہر ہے۔ قائل

29153۔ (قوله: فَأَفَادَ) اس کی اصل یعنی یہ قول صاحب ”البحر“ کا ہے اور ”منح“ میں ”البحر“ کی پیروی کی ہے۔

29154۔ (قوله: إِلَّا لِحَاجَةٍ) ”تاتر خانہ“ میں کہا: جب باپ اپنے بیٹے کے مال کا محتاج ہوا اگر وہ دونوں شہر میں

فَمَا يَصْدُحُ لَهُ كَثِيَابُ الصَّبِيَّانِ فَالْهَدِيَّةُ لَهُ، وَإِلَّا فَإِنَّ الْمُهْدِيَ مِنْ أَقْرَبَاءِ الْأَبِ أَوْ مَعَارِفِهِ فَيَلْذُبُ أَوْ مِنْ مَعَارِفِ الْأُمِّ فَيَلْذُمُ، قَالَ هَذَا الصَّبِيُّ أَوْ لَا، وَلَوْ قَالَ أَهْدَيْتُ لِلْأَبِ أَوْ لِلْأُمِّ فَالْقَوْلُ لَهُ، وَكَذَا زِفَافُ الْبِنْتِ خُلَاصَةٌ وَفِيهَا اتَّخَذَ لَوْلَدِهِ

جو اس بچے کے مناسب ہوں جس طرح بچوں کے کپڑے تو ہدیہ اس بچے کا ہوگا ورنہ اگر بہہ دینے والا باپ کا قریبی ہو یا اس کی جان پہچان والا ہو تو ہدیہ باپ کا ہوگا یا ماں کے تعلق داروں سے ہو تو ہدیہ ماں کا ہوگا۔ اس نے یہ قول کیا ہو کہ یہ بچے کا ہے یا بچے کا نہیں ہے اگر وہ ہدیہ دینے والا کہے: میں نے باپ کو ہدیہ دیا ہے یا ماں کو ہدیہ دیا ہے تو قول اس کا معتبر ہوگا۔ اس طرح لڑکی کے شب زفاف کے تحفوں کا معاملہ ہے، ”خلاصہ“۔ اس میں ہے: اس نے اپنے لڑکے

ہوں اور وہ اپنے فقر کی وجہ سے اس شے کا محتاج ہو تو بغیر کسی شے کے اسے کھائے۔ اگر وہ جنگل و بیابان میں ہو اور وہ اس کا محتاج ہو جائے کیونکہ اس کے پاس کھانا نہیں تو قیمت کے ساتھ کھانا کھانے کی اجازت ہوگی۔
29155۔ (قوله: فَالْقَوْلُ لَهُ) کیونکہ وہی مالک بنانے والا ہے۔

شب زفاف کے تحائف کے احکام

29156۔ (قوله: وَكَذَا زِفَافُ الْبِنْتِ) اس تفصیل کی بنا پر کہ وہ خاوند یا عورت کے رشتہ داروں میں سے ہو یا ہدیہ دینے والا کہے: میں نے یہ ہدیہ خاوند کو دیا ہے یا بیوی کو دیا ہے جس طرح ”تاتر خانہ“ میں ہے۔ ”الفتاویٰ الخیر“ میں ہے: اس چیز کے بارے میں پوچھا گیا جو ایک آدمی کسی دوسرے کی طرف شادی وغیرہ میں بھیجتا ہے کیا اس کا حکم قرض کا حکم ہے اس کی ادائیگی اس پر لازم ہے یا ادائیگی لازم نہیں؟

اس کا جواب یہ دیا: اگر عرف یہ ہو کہ وہ لوگ بدل کے طریقہ پر دیتے ہیں تو مثل بمثل ادائیگی لازم ہوگی اگر وہ ذوات القیم میں سے ہو تو اس کی قیمت ادا کرے گا۔ اگر عرف اس کے برعکس ہو اگر وہ بہہ کے طریقہ پر دیتے ہیں اور بدل کے عطا کرنے کی طرف نہیں دیکھتے تو تمام احکام میں اس کا حکم بہہ کا حکم ہے ہلاک ہونے یا ہلاک کرنے کے بعد اس میں کوئی مطالبہ نہیں۔ اس میں اصل یہ ہے کہ عرف کے طور پر معروف شرط کے مشروط کی طرح ہوتا ہے۔

میں کہتا ہوں: ہمارے علاقوں میں عرف مشترک ہے۔ ہاں بعض دیہاتی لوگ اسے قرض شمار کرتے ہیں یہاں تک کہ ولیمہ پر خطیب کو بلاتے ہیں جو ان کے لیے ہدایا لکھتا ہے۔ جب ہدیہ دینے والا ولیمہ کا اہتمام کرتا ہے تو ہدیہ دینے والا دوبارہ دفتر کا جائزہ لیتا ہے پس پہلا شخص دوسرے کو اس کی مثل دیتا ہے جو دوسرے شخص نے اسے ہدیہ دیا تھا۔

29157۔ (قوله: لَوْلَدِهِ) مراد چھوٹا بچہ ہے جہاں تک بڑے بچے کا تعلق ہے تو اس کو سپرد کرنا ضروری ہے۔ جس طرح ”جامع الفصولین“ میں ہے۔ جہاں تک شہر کا معاملہ ہے اگر وہ بڑا ہو تو معاملہ اسی طرح ہوگا۔ وہ بہہ واپس لینے کا مالک ہوگا اگر وہ اجنبی ہو تو یہ کراہت کے ساتھ ہے ان کا قول لیس له الرجوع علیہ کو اس پر محمول کرنا ممکن ہے۔ ”سائحانی“۔

أَوْ لَتَلْسِيذِهِ ثِيَابًا ثُمَّ أَرَادَ دَفْعَهَا لِغَيْرِهِ لَيْسَ لَهُ ذَلِكَ مَا لَمْ يُبَيِّنْ وَقْتُ الْإِتِّخَاذِ أَنَّهَا عَارِيَّةٌ، وَفِي الْمُبْتَدِئِ
ثِيَابُ الْبَدَنِ يَبْدُلُهَا بِلُبْسِهَا بِخِلَافِ نَحْوِ مِلْحَفَةٍ وَوَسَادَةٍ وَفِي الْخَائِيَةِ لَا بَأْسَ بِتَفْضِيلِ بَعْضِ الْأَوْلَادِ
فِي الْمَحَبَّةِ لِأَنَّهَا عَمَلُ الْقَلْبِ، وَكَذَلِكَ فِي الْعَطَايَا إِنْ لَمْ يَقْصِدْ بِهِ الْإِضْرَارَ، وَإِنْ قَصَدَهُ فَسَوَى بَيْنَهُمْ يُعْطَى
الْبِنْتُ كَالْبُنِّ عِنْدَ الثَّانِي وَعَلَيْهِ الْفَتْوَى وَلَوْ وَهَبَ فِي صِحَّتِهِ كُلَّ الْمَالِ لِلْوَلَدِ جَازٍ وَأَثَمَ وَفِيهَا لَا يَجُوزُ أَنْ
يَهَبَ شَيْئًا مِنْ مَالِ طِفْلِهِ وَلَوْ بِعَوَضٍ لِأَنَّهَا تَبَرُّعٌ ابْتِدَاءً، وَفِيهَا وَيَبِيعُ الْقَاضِي مَا وَهَبَ لِلصَّغِيرِ حَتَّى لَا
يَرْجِعَ الْوَاهِبُ فِي هَبَّتِهِ (وَلَوْ قَبْضَ زَوْجِ الصَّغِيرَةِ) أَمَّا الْبَالِغَةُ بِالْقَبْضِ لَهَا

یا شاگرد کے لیے کپڑے بنائے پھر وہ کپڑے کسی اور کو دینے کا ارادہ کیا اسے یہ حق حاصل نہ ہوگا یہاں تک کہ بناتے وقت وہ
یہ بیان نہ کرے کہ یہ عاریہ ہوں گے۔ ”المبتدئی“ میں ہے: بدن کے کپڑے انہیں پہننے کے ساتھ ان کا مالک ہو جاتا ہے۔
لحاف اور تکیہ وغیرہ کا معاملہ مختلف ہے۔ ”الخانیہ“ میں ہے: محبت میں کسی بچے کو فضیلت دینے میں کوئی حرج نہیں۔ کیونکہ یہ دل
کا عمل ہے۔ اسی طرح عطیات کا معاملہ ہے جب وہ اس سے نقصان پہنچانے کا قصد نہ کرے اگر وہ اس کا قصد کرے اور
اولاد میں برابری کرے بیٹی کو اسی طرح دے جس طرح بیٹے کو دیتا ہے۔ یہ امام ”ابو یوسف“ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ہے۔ اسی پر
فتویٰ ہے۔ اگر ایک آدمی نے اپنی حالت صحت میں تمام مال بیٹے کو ہبہ کر دیا تو یہ جائز ہوگا اور وہ گناہگار ہوگا۔ اس میں ہے:
اس کے لیے جائز نہیں کہ اپنے بیٹے کے مال میں سے کوئی شے ہبہ کرے اگرچہ عوض کے ساتھ ہو۔ کیونکہ یہ ابتداء تبرع ہے۔
اس میں ہے: چھوٹے بچے کو جو کچھ ہبہ کیا گیا ہے قاضی اس کو بیچ دے گا یہاں تک کہ ہبہ کرنے والا اسے واپس نہیں لے سکتا۔
اگر چھوٹی بچی کے خاوند نے ان ہدایہ پر شب زفاف کے بعد قبضہ کیا جو اسے ہبہ کیے گئے تو اس کا قبضہ کرنا صحیح ہوگا اگرچہ باپ
کی موجودگی میں ہو۔ جہاں تک بالغ کا تعلق ہے تو اسے قبضہ کرنے کا حق ہوگا۔

29158۔ (قوله: أَوْ لَتَلْسِيذِهِ) تلمیذ کا مسئلہ اس صورت پر مفروض ہوگا جب کپڑے اسے دے چکا ہو۔ ”الخانیہ“

میں کہا: ایک استاد نے اپنے شاگرد کے لیے کوئی چیز بنائی جب استاد اسے کپڑے دے چکا تھا اس کے بعد شاگرد بھاگ گیا اگر
کپڑے بناتے وقت اس نے یہ وضاحت کی کہ یہ عارہ ہے تو اسے دینا ممکن ہے (شاید صحیح کسی اور کو دینا ممکن ہے) فافہم

29159۔ (قوله: وَإِنْ قَصَدَهُ) یہ صاد کے سکون اور دال کے رفع کے ساتھ ہے (شاید صحیح یہ ہے کہ قصد فعل ماضی

ہے) اگر وہ اس سے نقصان پہنچانے کا ارادہ کرے۔ میں نے ”الخانیہ“ میں اسی طرح دیکھا ہے۔

29160۔ (قوله: وَعَلَيْهِ الْفَتْوَى) یہ امام ”ابو یوسف“ رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے مطابق ہے کہ مذکر اور مونث میں نصف

نصف کے اعتبار سے ہدیہ دینا یہ تہائی کے اعتبار سے افضل ہے۔ یہ امام ”محمد“ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔ ”رملی“۔

کسی کے لیے جائز نہیں کہ اپنے بیٹے کے مال میں سے کوئی شے ہبہ کرے اگرچہ عوض کے ساتھ ہو

29161۔ (قوله: وَلَوْ بِعَوَضٍ) امام ”محمد“ رحمۃ اللہ علیہ نے عوض مساوی کے ساتھ اس کی اجازت دی ہے جس طرح آنے

(بَعْدَ الزَّفَافِ مَا وَهَبَ لَهَا صَاحِبٌ قَبْضُهُ وَلَوْ بِحَضْرَةِ الْآبِ فِي الصَّحِيحِ لِنِيَابَتِهِ عَنْهُ فَصَحَّ قَبْضُ الْآبِ كَقَبْضِهَا مُبَيَّنَّةٌ (وَقَبْلَهُ) الزَّفَافِ (لَا) يَصَحُّ لِعَدَمِ الْوِلَايَةِ (وَهَبَ اثْنَانِ دَارَ الْوَاحِدِ صَاحِبٌ) لِعَدَمِ الشُّيُوعِ (وَبِقَلْبِهِ)

خاوند اس لیے قبضہ کر سکتا ہے کیونکہ خاوند اس کا نائب ہے باپ کا قبضہ کرنا صحیح ہے جس طرح وہ بچی سمجھ بوجھ رکھتے ہوئے اس پر قبضہ کر لے۔ اور زفاف سے پہلے قبضہ کرنا صحیح نہ ہوگا۔ کیونکہ خاوند کو ولایت حاصل نہیں۔ دو آدمیوں نے ایک کو گھر بہہ کر دیا تو یہ صحیح ہوگا۔ کیونکہ اشتراک نہیں

والے باب کے آخر میں ذکر کیا جائے گا۔ ”المجمع“ کی عبارت ہے: امام ”محمد“ رضی اللہ عنہ نے عرض مساوی کی شرط کے ساتھ اس کی اجازت دی ہے۔ متفرقات سے تھوڑا پہلے آئے گا۔ ”ابو مطیع“ سے اس آدمی کے بارے میں پوچھا گیا جس نے دوسرے سے کہا: میرے انگور کے باغ میں داخل ہو اور اس سے انگور لے۔ وہ کتنے انگور لے؟ فرمایا: وہ صرف ایک گچھا لے۔ ”العتابیہ“ میں ہے: یہی مختار مذہب ہے۔ ”ابولیث“ نے کہا: اتنی مقدار لے لے جو انسان کو سیر کر دے۔ ”تاتر خانیہ“۔ اس میں ”تتمہ“ سے مروی ہے: ”عمر نسفی“ سے اس آدمی کے بارے میں پوچھا گیا جس نے اپنی اولاد کو یہ حکم دیا کہ وہ اس کی اس زمین کو تقسیم کر لیں جو فلاں جانب ہے اور اس قول سے وہ مالک بنانے کا ارادہ کرتا ہے انہوں نے اس زمین کو تقسیم کر لیا اور اس پر راضی ہو گئے۔ یہ ان کے لیے اس زمین کی ملکیت ثابت ہو جائے گی یا انہیں اس بات کی ضرورت ہوگی کہ وہ کہے: میں نے تمہیں ان زمینوں کا مالک بنادیا ہے یا وہ ان میں سے ہر ایک کو کہے: میں نے تجھے اس الگ کیے گئے حصہ کا مالک بنادیا ہے؟ تو جواب دیا: نہیں۔ اس بارے میں ”حسن“ سے پوچھا گیا تو انہوں نے جواب دیا ان کی ملکیت تقسیم سے ہی ثابت ہو جائے گی۔ ”ناصری“ کی ”تبئیس“ میں ہے: اگر ایک آدمی نے اپنے چھوٹے بیٹے کو ایک گھر بہہ کر لیا پھر اس گھر کے بدلے میں دوسرا گھر خریدا تو دوسرا گھر اس کے چھوٹے بیٹے کا ہوا۔ امام ”زفر“ نے اس سے اختلاف کیا ہے۔ اگر ایک آدمی نے اپنے بیٹے کو مال دیا بیٹے نے اس میں تصرف کیا تو وہ مال اس بیٹے کا ہوگا جب تملیک پر کوئی شے دلالت کرے۔ فقیہ سے ایسی عورت کے بارے میں سوال کیا گیا جس نے اپنا وہ مہر جو اس کے خاوند کے ذمہ تھا اس خاوند کے چھوٹے بیٹے کو بہہ کر دیا اور باپ نے اسے قبول کر لیا؟ فرمایا: میں اس مسئلہ میں شک کرنے والا ہوں۔ یہ جواز کا احتمال رکھتا ہے جس طرح ایک آدمی کا غلام کسی آدمی کے ہاں ودیعت ہو غلام بچا گیا اس سے آقا نے وہ غلام مودع کے بیٹے کو بہہ کر دیا تو یہ جائز ہوگا۔ ایک اور دفعہ ان سے اسی مسئلہ کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے کہا: یہ جائز نہیں ہوگا۔ فقیہ ”ابولیث“ نے کہا: ہم اسی کو اپناتے ہیں، ”العتابیہ“ میں ہے: یہی مختار ہے، ”تاتر خانیہ“۔

29162۔ (قوله: دَارًا) اس سے مراد وہ گھر ہے جو تقسیم ہو سکتا ہو۔

29163۔ (قوله: وَبِقَلْبِهِ) یہ ایک آدمی کی جانب سے دو کو بہہ ہے۔ حاشیہ میں کہا: ایک آدمی نے دو کو دوپٹے سے

دینے اور کہا: ان دونوں میں سے جو تو چاہے وہ تیرے لیے ہے اور دوسرا کپڑا تیرے فلاں بیٹے کے لیے ہے اگر دونوں کے جدا ہونے سے پہلے ہو تو یہ جائز ہوگا ورنہ جائز نہیں ہوگا۔

لِکَبِيرَيْنِ (لَا) عِنْدَهُ لِلشُّيُوعِ فِيمَا يَحْتَبِلُ الْقِسَّةَ أَمَّا مَا لَا يَحْتَبِلُهُ كَالْبَيْتِ فَيَصَحُّ اتِّفَاقًا قَيِّدًا بِكَبِيرَيْنِ؛ لِأَنَّهُ لَوْ وَهَبَ لِكَبِيرٍ وَصَغِيرٍ فِي عِيَالِ الْكَبِيرِ أَوْ لِابْنَيْهِ صَغِيرٍ وَكَبِيرٍ لَمْ يَجْزِ اتِّفَاقًا

اور اس کے برعکس اگر وہ دو بڑوں کو ہبہ کرے تو ”امام صاحب“ رحمہ اللہ کے نزدیک جائز نہیں۔ کیونکہ اس میں اشتراک ہے جو تقسیم کا احتمال رکھتا ہے۔ جہاں تک اس چیز کا تعلق ہے جو اس کا احتمال نہ رکھے جیسے گھر تو بالاتفاق صحیح ہے ہم نے دو بڑوں کی قید لگائی ہے۔ کیونکہ اگر وہ صغیر اور کبیر کے لیے ہبہ کرے جو کبیر کے عیال میں ہو یا اپنے دو بیٹوں صغیر اور کبیر کو ہبہ کرے تو بالاتفاق یہ جائز نہیں۔

اس کا دوسرے پر ہزار نقد ہے اور ہزار غلہ کرایہ یا زمین کے حاصل کے طور پر ہے اس نے کہا: میں نے تجھے دونوں مالوں میں سے ایک دے دیا تو یہ جائز ہوگا اسکی وضاحت کا اختیار اسے ہوگا اور اسکی موت کے بعد اسکے ورثاء کو اختیار ہوگا۔ ”بزازیہ“۔

29164۔ (قولہ: لِكَبِيرَيْنِ) یعنی بڑے جو فقیر نہیں۔ ورنہ وہ صدقہ ہوگا تو وہ صحیح ہوگا جس طرح آگے آئے گا۔

29165۔ (قولہ: يَحْتَبِلُ الْقِسَّةَ) ”قہستانی“ کو دیکھ لیجئے۔

29166۔ (قولہ: بِكَبِيرَيْنِ) یہ ”البحر“ کی عبارت سے مصنف نے اس کی پیروی کی ہے۔ اس کا ظاہر یہ ہے جو اس پر دلالت کرتا ہے۔ پس اس کی طرف رجوع کیجئے۔ میں کہتا ہوں: اولیٰ یہ ہے کہ یہ قید نہ لگائی جائے۔ کیونکہ دو بڑوں اور دو چھوٹوں میں اور ایک بڑے اور ایک چھوٹے میں ”امام صاحب“ رحمہ اللہ کے نزدیک کوئی فرق نہیں اور وہ فرماتے ہیں اس نے مطلق کلام کی ہے۔ پس اس قول نے یہ فائدہ دیا کہ کوئی فرق نہیں کہ دونوں بڑے ہوں یا دونوں چھوٹے ہو یا ایک بڑا اور دوسرا چھوٹا ہو۔ پہلے دو میں ”صاحبین“ رحمہ اللہ کا اختلاف ہے۔ ”رملی“۔

29167۔ (قولہ: فِي عِيَالِ الْكَبِيرِ) صحیح یہ ہے: فی عیال الواہب وہ ہبہ کرنے والے کے عیال میں ہو جس طرح ”البحر“ وغیرہ کی کلام اس پر دلالت کرتی ہے۔

29168۔ (قولہ: أَوْ لِابْنَيْهِ الْخ) ”الخانہ“ کی عبارت ہے: ایک آدمی نے اپنے دو بیٹوں کو گھر ہبہ کیا ان دونوں میں سے ایک صغیر ہے جو اس کے عیال میں ہے تو سب کے نزدیک ہبہ فاسد ہوگا۔ اگر دو بڑوں کو ہبہ کرے اور دونوں کو اکٹھا ہبہ کر دے تو معاملہ مختلف ہوگا۔ کیونکہ ہبہ جائز ہے۔ کیونکہ عقد کے وقت اشتراک نہیں اور نہ ہی قبضہ کے وقت اشتراک ہے مگر جب دونوں میں سے ایک صغیر ہو تو جیسے ہی ہبہ کرے گا تو وہ صغیر کے حصہ پر قابض ہو جائے گا اور قبضہ کے وقت اشتراک ممکن ہو جائے گا۔ فلیناظر۔ پھر یہ امر ظاہر ہو جائے گا کہ یہ تفصیل ”صاحبین“ رحمہ اللہ کا قول پر مبنی ہے۔ جہاں تک ”امام صاحب“ رحمہ اللہ کا تعلق ہے تو فساد میں بڑوں اور ان کے علاوہ میں کوئی فرق نہیں۔

29169۔ (قولہ: لَمْ يَجْزِ) حیلہ یہ ہے کہ گھر بڑے کے حوالے کرے اور ان دونوں کو وہ گھر ہبہ کر دے۔ ”بزازیہ“۔

اس قول نے یہ فائدہ دیا کہ وہ گھر دو چھوٹوں کو ہبہ کیا جائے تو ہبہ صحیح ہوگا۔ کیونکہ دونوں میں سے ایک کے قبضہ کے پہلے ہونے کا مرجح نہیں ہے اور جب دونوں کا ولی ایک ہے تو اس کے قبضہ کرنے میں کوئی اشتراک نہیں۔ اس کی تائید ”خانہ“ کا

وَقَيَّدْنَا بِالْهَبَةِ لِحَوَازِ الرَّهْنِ وَالْإِجَارَةِ مِنْ اثْنَيْنِ اتِّفَاقًا (وَإِذَا تَصَدَّقَ بِعَشْرَةٍ) دَرَاهِمَ (أَوْ وَهَبَهَا لِفَقِيرَيْنِ صَحَّ) لِأَنَّ الْهَبَةَ لِلْفَقِيرِ صَدَقَةٌ، وَالصَّدَقَةُ يُرَادُ بِهَا وَجْهُ اللَّهِ تَعَالَى، وَهُوَ وَاحِدٌ فَلَا شُيُوعَ (لَا لَغْنَيْنِ) لِأَنَّ الصَّدَقَةَ عَلَى الْغَنِيِّ هَبَةٌ فَلَا تَصِحُّ لِلشُّيُوعِ أُنَى لَا تُثَمِّلُ

ہم نے ہبہ کی قید لگائی ہے کیونکہ رہن اور اجارہ دو افراد کی جانب سے بالاتفاق جائز ہے۔ جب ایک آدمی نے دس دراہم صدقہ کیے یا دو فقیروں کو ہبہ کیے تو یہ صحیح ہوگا۔ کیونکہ فقیر کو ہبہ صدقہ ہے اور صدقہ سے اللہ تعالیٰ کی رضا کا ارادہ کیا جاتا ہے جب کہ وہ ایک ہے پس اشتراک نہیں۔ دو غنی افراد پر صدقہ کرے تو صحیح نہ ہوگا کیونکہ غنی پر صدقہ ہبہ ہوتا ہے پس اشتراک کی وجہ سے صحیح نہیں۔ یعنی ان پر ملکیت ثابت نہ ہوگی

قول کرتا ہے: میرا یہ گھر میرے چھوٹے بچوں کے لیے ہے تو یہ باطل ہوگا۔ کیونکہ یہ ہبہ ہے جب اس نے اولاد کی وضاحت نہ کی تو یہ باطل ہوگا۔ اس قول نے یہ فائدہ دیا اگر وہ وضاحت کر دے تو یہ صحیح ہو جائے گا۔

میں نے ”انقروی“ میں ”بزازیہ“ سے منقول یہ قول دیکھا ہے: بڑے کے ساتھ چھوٹے کے لیے ہبہ کے صحیح ہونے کا حیلہ ہے کہ وہ بڑے کو گھر ہبہ کرے اور ان دونوں کو وہ گھر دے۔ اور ”الخزانہ“ سے جو قول گزرا ہے وہ بطور اعتراض اس پر وارد نہیں آتا۔ اگر ایک آدمی اپنے دو چھوٹے بیٹوں پر گھر صدقہ کرے تو یہ جائز نہ ہوگا کیونکہ یہ اس کے مخالف ہے جو متون اور شروح میں ہے۔ ”ساحانی“۔ یعنی اس کے لیے ہبہ جس کی ولایت حاصل ہو وہ عقد کے ساتھ مکمل ہو جاتی ہے۔

29170۔ (قوله: اتِّفَاقًا) کیونکہ قبضہ میں فرق ہے۔

29171۔ (قوله: صَدَقَةٌ) باب کے بعد ہم متن کے قول والصدقة كالهبة کے ہاں جو لکھنے والے ہیں اسے دیکھو۔ ”مضمرات“ میں جو قول ہے: اگر وہ کہے: میں نے تمہیں یہ گھر ہبہ کیا اور جن دونوں کو گھر ہبہ کیا وہ دونوں فقیر ہیں تو بلا جماع صحیح ہوگا۔ ”تاترخانیہ“۔

لیکن اس کے بعد کہا: ”الاصل“ میں ہے: دو آدمیوں کو گھر ہبہ کرنا جائز نہیں اسی طرح صدقہ کرنا جائز نہیں پس یہ احتمال رکھتا ہے کہ ان کا قول و کذا الصدقة، یہ دو غنی افراد پر صدقہ کے بارے میں ہو۔ اظہر قول یہ ہے کہ مسئلہ میں دو روایتیں ہیں۔ ”البحر“ میں کہا ہے: ”بدایہ“ میں اس فرق کو صحیح قرار دیا ہے جس کا ذکر کیا ہے۔

29172۔ (قوله: لَا لَغْنَيْنِ) یہ ”امام صاحب“ رحمہ اللہ کا قول ہے اور ”صاحبین“ رحمہ اللہ نے کہا: یہ جائز ہے۔ اصل میں ہے کہ ہبہ جائز نہیں۔ اسی طرح ”امام صاحب“ رحمہ اللہ کے نزدیک صدقہ ہے صدقہ کے بارے میں ان سے دو روایتیں ہیں۔ ”خانیہ“۔

29173۔ (قوله: لَا تُثَمِّلُ) یہ بات گزر چکی ہے کہ مفتی بہ قول یہ ہے کہ ہبہ فاسدہ کی صورت میں قبضہ کے ساتھ ملکیت حاصل ہو جاتی ہے پس یہ اس پر مبنی ہے جس کی ترجیح کو ہم پہلے بیان کر آئے ہیں۔ تامل

حَتَّىٰ لَوْ قَسَمَهَا وَسَلَّتَهَا صَاحٌّ فُرُوعٌ وَهَبَ لِرَجُلَيْنِ دِرْهَمًا إِنْ صَحِيحًا صَاحٌّ، وَإِنْ مَغْشُوشًا لَا لِأَنَّهُ مِمَّا يُقْسَمُ لِكُونِهِ فِي حُكْمِ الْعُرُوضِ مَعَهُ دِرْهَمَانِ فَقَالَ لِرَجُلٍ وَهَبْتُ لَكَ أَحَدَهُمَا أَوْ نِصْفَهُمَا إِنْ اسْتَوَيَا لَمْ يَجُزْ، وَإِنْ اخْتَلَفَا جَازَ؛ لِأَنَّهُ مُشَاعٌ لَا يُقْسَمُ؛ وَلِذَا لَوْ وَهَبْتُ ثُلُثَهُمَا جَازَ مُطْلَقًا تَجُوزُ هِبَةُ حَائِطٍ بَيْنَ دَارِهِ وَدَارِ جَارِهِ لِجَارٍ، وَهِبَةُ الْبَيْتِ مِنَ الدَّارِ فَهَذَا يَدُلُّ عَلَى كَوْنِ سَقْفِ الْوَاهِبِ عَلَى الْحَائِطِ وَاخْتِلَاطِ الْبَيْتِ بِحِيطَانِ الدَّارِ لَا يَنْتَعِ صِحَّةُ الْهِبَةِ مُجْتَبَى

یہاں تک کہ اگر وہ ان کو تقسیم کرے اور سپرد کر دے تو یہ صحیح ہو جائے گا۔ فروع: ایک آدمی نے دو آدمیوں کو ایک درہم ہبہ کیا اگر وہ درہم صحیح ہوں تو یہ صحیح ہوگا اگر ان میں کھوٹ ہو تو یہ صحیح نہ ہوگا۔ کیونکہ یہ ان چیزوں میں سے ہے جسے تقسیم کیا جاتا ہے کیونکہ وہ عروض کے حکم میں ہے۔ اس کے پاس دو درہم ہیں اس نے ایک آدمی سے کہا: میں نے تجھے ان میں سے ایک یا ان کا نصف ہبہ کیا اگر دونوں برابر ہوں تو جائز نہیں اگر مختلف ہوں تو جائز ہے۔ کیونکہ وہ ایسا مشترک ہے جو تقسیم نہیں کیا جاسکتا۔ اسی وجہ سے اگر وہ دونوں کا ایک تہائی ہبہ کرے تو مطلقاً جائز ہوگا۔ وہ دیوار جو اس کے گھر اور اس کے پڑوسی کے گھر کے درمیان واقع ہو پڑوسی کو اس کا ہبہ جائز ہے اور حویلی میں موجود کمرے کا ہبہ جائز ہے یہ امر اس پر دلالت کرتا ہے کہ واہب کا چھت دیوار پر ہے کمرے کا حویلی کی دیواروں کے ساتھ خلط ملط ہونا یہ ہبہ کے صحیح ہونے کے مانع نہیں، ”مجتبیٰ“۔

29174۔ (قوله: لَوْ قَسَمَهَا الْخ) یہ ”البحر“ میں قول کیا ہے۔

29175۔ (قوله: إِنْ اسْتَوَيَا) یعنی وزن اور عمدہ ہونے میں برابر ہوں۔ ”خانیہ“۔

29176۔ (قوله: جَازَ) یہ اس کے مخالف ہے جو ”الخانیہ“ میں ہے۔ کیونکہ یہ اس بارے میں تفصیل کو ذکر کیا جب وہ کہے: نصفہا۔ پھر کہا: اگر اس نے کہا: ان دونوں میں سے ایک تیرے لیے ہبہ ہے تو یہ جائز نہ ہوگا وہ دونوں برابر ہوں یا مختلف ہوں۔

29177۔ (قوله: ثُلُثَهُمَا جَازَ) یہ قول اس امر کا فائدہ دیتا ہے کہ ان کے سابقہ قول اور نصفہا سے مراد ان دونوں میں سے ایک ہے نہ کہ ہر ایک کا نصف۔ ورنہ اس میں اور تہائی میں اشتراک کے اعتبار سے کوئی فرق نہیں۔ یہ صورت مختلف ہو گی کہ مراد دونوں میں سے ایک ہے وہ مجہول ہے پس وہ صحیح نہیں۔

29178۔ (قوله: مُطْلَقًا) وہ دونوں برابر ہوں یا مختلف ہوں۔ ”منح“۔

29179۔ (قوله: تَجُوزُ هِبَةُ حَائِطِ الْخ) ”الذخیرہ“ میں ہے: زمین کے بغیر عمارت کو ہبہ کرنا جائز ہے۔ ”الفتاویٰ“

میں امام ”محمد“ رحمہ اللہ سے اس آدمی کے بارے میں مروی ہے جس نے دوسرے آدمی کو محاصل ہبہ کیے جب کہ وہ قائم ہیں وہ ان پر قبضہ کرنے والا نہیں ہوگا یہاں تک کہ انہیں کاٹے اور اس کے سپرد کر دے۔ خریداری کی صورت میں جب محبوب لے اور اس کے درمیان رکاوٹ ختم کر دے تو وہ ان پر قبضہ کرنے والا ہوگا۔ متفرقات، ”تاثر خانیہ“۔ ہم نے اسی کی مثل پہلے ”رہلی“ کے ”حاشیہ الفصولین“ سے نقل کر دیا ہے۔

بَابُ الرَّجُوعِ فِي الْهَبَةِ

(صَحَّ الرَّجُوعُ فِيهَا بَعْدَ الْقَبْضِ) أَمَّا قَبْلَهُ فَلَمْ تَتِمَّ الْهَبَةُ (مَعَ اسْتِنْفَاعِ مَانِعِهِ) الْآتِي (وَرَأَيْتُ كَرِهَ) الرَّجُوعُ (تَخْرِيبًا) وَقِيلَ تَنْزِيهَا نَهَايَةً (وَلَوْ مَعَ اسْقَاطِ حَقِّهِ مِنَ الرَّجُوعِ) فَلَا يَسْقُطُ بِاسْقَاطِهِ خَانِيَّةٌ وَفِي الْجَوَاهِرِ لَا يَصِحُّ الْإِبْرَاءُ عَنِ الرَّجُوعِ وَلَوْ صَالِحَهُ مِنْ حَقِّ الرَّجُوعِ عَلَى شَيْءٍ صَحَّ وَكَانَ عَوَضًا عَنِ الْهَبَةِ لَكِنْ سَيَجِيءُ اشْتِرَاطُهُ فِي الْعَقْدِ (وَيَنْتَعَمُ الرَّجُوعُ فِيهَا) حُرُوفُ (دَمَعُ خَزَقِهِ)

ہبہ میں رجوع کے احکام

ہبہ میں قبضہ کے بعد رجوع صحیح ہے۔ جہاں تک قبضہ سے قبل کا تعلق ہے تو ہبہ مکمل نہیں ہوتا جب کہ آنے والے موانع موجود نہ ہوں اگرچہ رجوع یہ مکروہ تحریمی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا: یہ مکروہ تنزیہی ہے ”نہایہ“ اگرچہ وہ رجوع سے اپنے حق کو ساقط کر چکا ہو۔ پس اس کے ساقط کرنے سے ساقط نہیں ہوتا، ”خانیہ“۔ ”الجواہر“ میں ہے: رجوع سے بری کرنا صحیح نہیں۔ اگر وہ رجوع کے حق سے کسی شے پر صلح کر چکا ہو تو وہ صحیح ہوگا اور وہ ہبہ کا عوض ہوگا۔ لیکن غنقریب عقد میں اس کا شرط ہونا آئے گا۔ اور ہبہ میں رجوع کے مانع دمع خزقہ ہے

”حاشیہ“ میں ہے: اگر واہب نے کہا: میں نے رجوع میں اپنا حق ساقط کر دیا ہے تو اس میں اس کا حق ساقط نہیں ہوتا۔ ”بزازیہ“۔

29180۔ (قوله: لَكِنْ سَيَجِيءُ) یعنی ”المجتبیٰ“ سے آئے گا اور اشتراطہ میں ضمیر عوض کے لیے ہے۔ ”رہی“ نے کہا: بعض اوقات کہا جاتا ہے: جو ”جواہر“ میں ہے وہ ”مجتبیٰ“ کی کلام میں داخل نہیں۔ کیونکہ جو کچھ ”جواہر“ میں ہے وہ نصاً رجوع کے حق کی صلاحیت رکھتی ہے جب کہ صلح صحیح ہو چکی ہے پس اس کا سقوط ضمناً ہوگا۔ اگر وہ قصد اسقاط کرے تو معامد مختلف ہو گا۔ تو کتنی ہی چیزیں ہیں جو ضمناً ثابت ہوتی ہیں اور قصد اثبات نہیں ہوتیں۔ یہ محض حق نہیں یہاں تک کہ یہ بہ دیا جائے کہ اس کا عوض لینا ممنوع ہے جس طرح ظاہر ہے۔ ”المجتبیٰ“ میں جو ہے وہ دوسرا مسئلہ ہے پس اس میں غور و فکر کیجئے۔

29181۔ (قوله: اشْتَرَا طُهُ) یعنی عوض کا شرط ہونا۔ لیکن اس کی شرط ہونے میں بحث غنقریب آئے گی۔

ہبہ سے رجوع کے موانع

29182۔ (قوله: وَيَنْتَعَمُ الرَّجُوعُ الْخ) یہ ان میں سے بعض کے قول کی مثل ہے۔

و يَنْتَعَمُ الرَّجُوعُ فِي فَضْلِ الْهَبَةِ يَا صَاحِبِي حُرُوفُ دَمَعُ خَزَقِهِ

اے میرے دوست ہبہ کی فضیلت میں رجوع سے دمع خزقہ کے حروف مانع ہیں۔

يَعْنِي الْمَوَانِعَ السَّبْعَةَ الْآتِيَةَ (فَالِدَّالُ الزِّيَادَةُ) فِي نَفْسِ الْعَيْنِ الْمَوْجِبَةِ لَزِيَادَةِ الْقِيَمَةِ (الْمُتَّصِلَةُ) وَإِنْ زَالَتْ قَبْلَ الرُّجُوعِ كَانَ شَبَّ ثُمَّ شَاخَ لِكُنْ فِي الْخَانِيَةِ مَا يُخَالِفُهُ، وَاعْتَدَهُ الْقَهْطَانِيُّ فَلْيُتَنَبَّهُ لَهُ؛

یعنی آنے والے سات موانع ہیں۔ دال سے مراد نفس عین میں ایسی متصل زیادتی ہے جو قیمت میں زیادتی کو واجب کرے اگرچہ رجوع سے پہلے وہ زیادتی زائل ہو جائے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ وہ نوجوان ہو پھر بوڑھا ہو جائے لیکن ”الخانیہ“ میں ایسا قول ہے جو اس کے مخالف ہے ”قہستانی“ نے اس پر اعتماد کیا ہے پس اس پر متنبہ ہونا چاہیے۔

”رملی“ نے کہا: میرے والد علامہ شیخ الاسلام ”محی الدین“ نے انہیں نظم کیا ہے اور کہا:

مَنْعَ الرُّجُوعِ مِنَ الْمَوَاهِبِ سَبْعَةٌ فزِيَادَةُ مَوْصُولَةٍ مَوْتُ عَوْضٍ

و خُرُوجُهَا عَنْ مَلِكٍ مَوْهُوبٍ لَهُ زَوْجِيَّةٌ قَرَبٌ هَلَاكٌ قَدْ عَوْضٍ

ہبہ کی گئی چیزوں کے رجوع سے سات موانع ہیں: ایسی زیادتی جو ہبہ کے ساتھ متصل ہو، ہبہ پر موت طاری ہو چکی ہو اور اس کا عوض دیا گیا ہو۔

وہ موهوب لہ کی ملکیت سے نکل چکا ہو بیوی کو ہبہ کیا گیا ہو، قریبی کو ہبہ کیا گیا ہو ہلاکت لاحق ہو چکی ہو۔

29183۔ (قوله: يَعْْنِي الْمَوَانِعُ) یہ اعتراض نہ کیا جائے گا کہ موانع سے فقر باقی ہے کیونکہ عنقریب یہ آئے گا کہ فقیر

کو جو چیز ہبہ کی جائے اس کے لیے کوئی رجوع نہیں کیونکہ وہ صدقہ ہے۔ ”شربلالیہ“۔

29184۔ (قوله: فَالِدَّالُ الزِّيَادَةُ) اس کے ساتھ قید لگائی ہے کیونکہ نقصان جیسے حمل کا ٹھہر جانا اور کپڑے کو کاٹ

دینا وہ موهوب لہ کے فعل کے ساتھ ہو یا اس کے ساتھ نہ ہو غیر نافع ہے، ”بحر“۔ حیلوں کے بارے میں کلام آگے آئے گی۔

29185۔ (قوله: فِي نَفْسِ الْعَيْنِ) بھاؤ کے اعتبار سے زیادتی اس سے خارج ہے پس اسے رجوع کا حق حاصل ہو

گا۔ ”بحر“۔

29186۔ (قوله: الْقِيَمَةُ) صرف عین میں زیادتی اس سے خارج ہو گئی جیسے غلام کا لبا ہو جانا اگر موهوب خطاء

جنایت کرے تو موهوب لہ کا اسے حوالے کر دینا، ”بحر“۔ اس کی تمام بحث اس میں ہے۔

وہ زیادتی جو عین میں ہو رجوع سے مانع ہے

29187۔ (قوله: كَانَ شَبَّ ثُمَّ شَاخَ) اس میں ہے کہ یہ مانع کے زوال کے قبیل سے ہے جس طرح ”اسبیجالی“ نے

کہا ہے۔ اسی وجہ سے علماء نے انہیں موانع کا نام دیا ہے۔ ”قہستانی“ کی عبارت ہے: زیادتی کا مانع اس وقت ہے جب وہ

اس پر بلند ہو جس طرح ایک آدمی کوئی عمارت تعمیر کرتا ہے پھر وہ عمارت گر جاتی ہے تو رجوع کا حق پھر لوٹ آتا ہے جس طرح

”المحیط“ وغیرہ میں ہے۔

یہ گمان ہے کہ ”النبہایہ“ میں جو قول ہے وہ اس کے منافی ہے کہ جب وہ زائد ہو جائے تو اس کے بعد رجوع کا حق نہیں لوٹتا۔

لَأَنَّ السَّاقِطَ لَا يَعُودُ (كِبْنَاءٌ وَغَرَسٌ) إِنَّ عُدَّازِيَادَةً فِي كُلِّ الْأَرْضِ وَإِلَّا رَجَعَ وَلَوْ عُدَّازِيَادَةً فِي قِطْعَةٍ مِنْهَا امْتَنَعَ فِيهَا فَقَطُّ زَيْلَعِي (وَسُنِّ) وَجَبَالٍ وَخِيَاطَةٍ وَصَبِغٍ وَقَصْرِ ثَوْبٍ وَكِبَرٍ صَغِيرٍ وَسَمَاعٍ أَصَمٍّ وَإِبْصَارٍ أَعْمَى وَإِسْلَامٍ عَبْدٍ وَمُدَاوَاتِهِ وَعَفْوٍ جَنَائِيَةٍ وَتَعْلِيمٍ قُرْآنٍ أَوْ كِتَابَةِ أَوْ قِرَاءَةِ وَنَقِطٍ مُصْحَفٍ بِأَعْرَابِهِ، وَحَنْلٍ تَنْبَرٍ مِنْ بَغْدَادَ إِلَى بَدِخٍ مَثَلًا وَنَحْوَهَا

کیونکہ جو چیز ساقط ہو جائے وہ واپس نہیں لوٹی۔ جیسے عمارت اور درخت اگر وہ تمام زمین میں زیادتی شمار ہوں ورنہ وہ رجوع کر لے اگر وہ زمین کے ٹکڑے میں زیادتی شمار ہوں صرف اس حصہ میں رجوع ممتنع ہوگا، ”زیلعی“۔ اس کے موٹا ہو جانے، اس کے جمال، کپڑے کے سینے، رنگ لگانے، کپڑے کے دھونے، چھوٹے کے بڑے ہو جانے، بہرے کے سننے، نابینا کے دیکھنے، غلام کے اسلام قبول کرنے، اس کی دوائی کرنے، جنایت کے معاف ہونے، قرآن کی تعلیم، کتابت یا قراءت، مصحف پر نقطے لگانے کے ساتھ ہی اعراب لگانے اور بغداد سے بلخ تک مثلاً کھجور لے جانے وغیرہما۔

کیونکہ اس نے یہ اس کے بارے میں کہا ہے جب وہ اکٹھے زائد اور کم ہو جس طرح اس کی انہوں نے بذات خود تصریح کی ہے۔ میں کہتا ہوں: ”تا ترخانیہ“ میں ہے: اگر زیادتی عمارت ہو تو رجوع کا حق لوٹ آئے گا اور رجوع سے مانع وہ زیادتی ہے جو عین میں زیادتی ہے۔ شمس الائمہ ”سرخی“ نے اسی طرح ذکر کیا ہے۔

29188۔ (قوله: لَأَنَّ السَّاقِطَ) یہ ان کے قول: فلیتنبہ لہ کے مفہوم کی تعلیل ہے۔ کیونکہ یہ ان کے قول: وفيہ

نظر کے قائم مقام ہے۔ ”ح“۔

29189۔ (قوله: وَإِلَّا رَجَعَ) اگر وہ دونوں زیادتی شمار نہ ہوں تو وہ بہہ میں رجوع کر لے۔ ”الخانیہ“ میں ہے: ایک

آدمی نے گھر بہہ کیا تو موہوب لہ نے بیت الضیافۃ جسے فارسی زبان میں کاسناہ کہتے ہیں روٹیوں کا تنور لگایا تو واہب کو حق حاصل ہے کہ وہ بہہ میں رجوع کر لے کیونکہ اس جیسی چیز کو نقصان شمار کیا جاتا ہے زیادتی شمار نہیں کی جاتی۔

29190۔ (قوله: وَلَوْ عُدَّازِيَادَةً) یہ ان کے قول: فی کل الارض اور فی قِطْعَةٍ مِنْهَا کا مفہوم ہے اسی طرح وہ قطعہ عظیم ہو۔

29191۔ (قوله: وَمُدَاوَاتِهِ) یعنی اگر وہ اس سے پہلے مریض ہو اگر وہ اس کے پاس مریض ہو اور وہ اس کی دوائی

کرے تو یہ رجوع کے مانع نہیں۔ ”بحر“۔

29192۔ (قوله: حَنْلٍ تَنْبَرٍ) ”زیلعی“ نے کہا: اگر اس نے ایک جگہ سے دوسری جگہ کھجوروں کو منتقل کیا یہاں تک کہ

اس کی قیمت بڑھ گئی اور اس میں سے اسے منتقل کرنے کے اخراجات برداشت کرنا پڑے۔ ”منتقی“ میں یہ ذکر کیا ہے: طرفین کے نزدیک اس کا رجوع ختم ہو چکا ہے اور امام ”ابو یوسف“ رحمہ اللہ کے نزدیک رجوع کا حق ختم نہیں ہوا۔ کیونکہ زیادتی عین میں حاصل نہیں ہوتی۔ پس یہ اس طرح ہو گیا جس طرح بھاؤ کی زیادتی ہے۔ طرفین کی دلیل ہے: رجوع کرایہ اور منتقل کرنے کی مؤنت میں موہوب لہ کے حق کو باطل کرنے کو ضمن میں لیے ہوئے ہے۔ غلام کے نفقہ کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ یہ بدل کے

وَفِي الْبَزَازِيَّةِ وَالْحَبَلُ إِنَّ زَادَ خَيْرًا مِّنْعَ الرُّجُوعِ وَإِنْ نَقَصَ لَا، وَلَوْ اخْتَلَفَا فِي الزِّيَادَةِ فَفِي الْمُسَوَّلَةِ كَبِيرُ الْقَوْلِ لِلْوَاهِبِ، وَفِي نَحْوِ بِنَاءٍ وَخِيَاطَةٍ وَصَبْغٍ لِلْمَوْهُوبِ لَهُ خَانِيَّةٌ وَحَاوِي وَمِثْلُهُ فِي الْحَبِيطِ لَكِنَّهُ اسْتَشْنَى مَا لَوْ كَانَ لَا يَبْنِي فِي مِثْلِ تِلْكَ الْمُدَّةِ (لَا تُبْنَعُ الزِّيَادَةُ) الْمُنْفَصَلَةُ كَوَلَدٍ وَأُرْشٍ وَعُقْرِ وَشَرَةٍ فَيَرْجِعُ فِي الْأَصْلِ لَا الزِّيَادَةَ لَكِنْ لَا يَرْجِعُ بِالْأَمْرِ

”بزازیہ“ میں ہے: حمل اگر خیر میں اضافہ کرے تو رجوع کے مانع ہوگا اگر اس میں نقص واقع کرے تو رجوع کے مانع نہیں ہوگا۔ اگر دونوں زیادتی میں اختلاف کریں تو وہ زیادتی جو متولدہ ہوتی ہے جیسے بڑھاپا تو قول واہب کا معتبر ہوگا عمارت بنانے، سینے اور رنگ کرنے میں قول موہوب لہ کا معتبر ہوگا، ”خانیہ“، ”حاوی“۔ اسی کی مثل ”الحیط“ میں ہے۔ لیکن اگر اتنی مدت میں ایسی چیز نہیں بنائی جاسکتی تو وہ اس حکم سے مستثنیٰ ہوگی۔ منفصل زیادتی مانع نہیں ہوتی جیسے بچہ، چٹی، عقر (مہر) اور پھل تو وہ اصل میں رجوع کرے گا زیادتی میں رجوع نہیں کرے گا لیکن ماں میں رجوع نہیں کرے گا

ساتھ ہوتا ہے جب کہ وہ بدل کے بغیر منفعت اور موت ہے۔

میں کہتا ہوں: میں نے ”سرخسی“ کی ”شرح سیر کبیر“ میں دیکھا ہے: اگر ہبہ دار الحرب میں ہو اور موہوب لہ اسے ایسی جگہ کی طرف لے جائے جہاں سے اس سے اٹھانے پر وہ قادر ہے تو واہب کو رجوع کا حق نہیں ہوگا۔ کیونکہ اس میں موہوب لہ کے عمل سے زیادتی واقع ہو چکی ہے۔ کیونکہ وہ چیز ضائع ہونے کی جگہ میں ہلاک ہونے والی تھی تو موہوب لہ نے اسے وہاں سے نکال کر زندہ کیا لیکن اسے ایسی صورت میں ذکر کیا ہے جب وہ کوئی شے پھینکے اور پھینکتے وقت وہ کہے: جس نے اسے لے لیا وہ اسی کی ہوگی۔ اس کا ذکر نانوے میں کہا ہے۔

29193۔ (قوله: وَفِي الْبَزَازِيَّةِ) میں کہتا ہوں: ”بزازیہ“ میں جو قول ہے ”خلاصہ“ میں اسے جزم و یقین سے بیان کیا ہے۔

حمل اگر خیر میں اضافہ کرے تو رجوع کے مانع ہوگا

29194۔ (قوله: وَإِنْ نَقَصَ لَا) ”ہدایہ“ میں کہا: اس میں لونڈیوں کی حالت مختلف ہوتی ہے ان میں سے کچھ وہ ہوتی ہیں کہ جب وہ حاملہ ہوں تو اس کا رنگ زرد پڑ جاتا ہے اور اس کی پنڈلی باریک ہو جاتی ہے پس یہ اس میں نقص ہوگا یہ واہب کو رجوع سے مانع نہیں ہوتی۔ چاہیے کہ اس صورت کو اس صورت پر محمول کیا جائے جب وہ حمل موہوب لہ کا نہ ہو اگر حمل اس کا ہو تو اسے رجوع کا حق نہیں ہوگا۔ کیونکہ حمل سے اس کے لیے ایسا وصف ثابت ہوا ہے جس کا زوال ممکن نہیں۔ کیونکہ وہ اصلاً اہل ہو چکی ہے کہ وہ ام ولد ہو جس طرح وہ لونڈی بالفعل اس سے بچہ جن دے جس طرح بعض متاخرین نے اسے تفقہ کے طور پر ذکر کیا۔ علماء نے یہ ذکر کیا ہے کہ موہوب لہ جب موہوب غلام کو مدبر بنادے تو اس کا رجوع ختم ہو جائے گا۔ ”ط“۔

29195۔ (قوله: كَوَلَدٍ) وہ بچہ نکاح سے ہو یا بے حیائی سے ہو۔ ”بزازیہ“۔

حَتَّى يَسْتَعْنِيَ الْوَلَدُ عَنْهَا كَذَا نَقَلَهُ الْقَهْطَانِيُّ لَكِنْ نَقَلَ الْبُرْجَنْدِيُّ وَغَيْرُهُ أَنَّه قَوْلُ أَبِي يُوسُفَ فَلْيُتَنَبَّهُ لَهُ وَلَوْ حَبَلَتْ وَلَمْ تَلِدْ هَلْ لِلْوَاهِبِ الرَّجُوعُ؟ قَالَ فِي السَّارِجِ لَا وَقَالَ الزَّيْلَعِيُّ نَعَمْ وَفِي الْجَوْهَرَةِ مَرِيضٌ مَذْيُونٌ بِسُتْغْرِيقٍ وَهَبَ أُمَّةً فَمَاتَ

یہاں تک بچہ اس سے مستغنی نہ ہو جائے۔ ”قہستانی“ نے اسی طرح نقل کیا ہے۔ لیکن ”برجندی“ وغیرہ نے نقل کیا ہے کہ یہ امام ”ابو یوسف“ رحمہ اللہ کا قول ہے پس اس پر متنبہ ہو جائیے۔ اگر وہ لونڈی حاملہ ہو جائے اور بچہ نہ جنے کیا واہب کو رجوع کا حق ہوگا؟ ”سراج“ میں کہا: رجوع کا حق نہیں ہوگا۔ ”زیلعی“ نے کہا: ہاں۔ ”جوہرہ“ میں ہے: ایک آدمی مریض ہے، مدیون ہے دین اس کے تمام مال کو محیط ہے اس نے ایک لونڈی کسی کو ہبہ کی اور خود مر گیا

29196۔ (قوله: قَوْلُ أَبِي يُوسُفَ) میں کہتا ہوں: ”خانیہ“ کا ظاہر معنی یہ ہے کہ اس کے برعکس پر اعتماد کیا ہے۔ کیونکہ انہوں نے کہا: اگر ہبہ کی گئی لونڈی بچہ جن دے تو واہب کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ فی الحال ماں میں رجوع کرے امام ”ابو یوسف“ رحمہ اللہ نے فرمایا: وہ رجوع نہ کرے یہاں تک کہ بچہ ماں سے مستغنی ہو جائے پھر ماں میں رجوع کر لے بچے میں رجوع نہ کرے۔ ہم نے کتاب العتق کے آغاز میں ان کے قول: وَالْوَلَدُ تَبِعَ الْإِمَامِ الْخ کے ہاں حمل کا مسئلہ لکھا ہے اس کی طرف رجوع کر لیجئے۔

29197۔ (قوله: وَلَوْ حَبَلَتْ) قریب ہی گزرا ہے اگر حمل خیر میں اضافہ کر دے تو رجوع کے مانع ہوگا۔ اگر اس میں کمی کر دے تو مانع نہیں ہوگا۔ پس اس طرح تطبیق ہو جائے گی۔ ”سانحانی“۔

29198۔ (قوله: وَلَمْ تَلِدْ) اس کا مفہوم یہ ہے اگر اس نے بچہ جن دیا تو رجوع ثابت ہو جائے گا جس طرح عذرت زائل ہو جائے۔ تامل

29199۔ (قوله: وَقَالَ الزَّيْلَعِيُّ الْخ) تطبیق وہی ہے جو ”بزازیہ“ اور ”ہندیہ“ میں سے گزر چکی ہے۔

29200۔ (قوله: نَعَمْ) کیونکہ یہ نقصان ہے خیار العیب میں ”النہر“ سے گزر چکا ہے کہ عورتوں میں حمل عیب ہے چوپاؤں میں حمل عیب نہیں۔

ایک آدمی نے اپنی مرضی سے ہبہ کیا اور سپرد نہ کیا یہاں تک کہ مر گیا تو ہبہ باطل ہو جائے گا
29201۔ (قوله: مَرِيضٌ مَذْيُونٌ الْخ)

فروع: ایک آدمی نے اپنی مرض میں ہبہ کیا اور سپرد نہ کیا یہاں تک کہ مر گیا تو ہبہ باطل ہو جائے گا اگرچہ یہ وصیت ہے یہاں تک اس میں ایک تہائی کا اعتبار ہوگا۔ پس یہ حقیقت میں ہبہ ہے پس قبضہ کی ضرورت ہوگی۔

مریض نے ایک غلام ہبہ کیا اس کے پاس اس کے سوا کوئی مال نہ تھا پھر وہ مر گیا جب کہ موہوب نے اسے آگے بیچ دیا تو یہ اس بیع کو نہ توڑے گا اور اس کی دو تہائی قیمت کا ضامن ہوگا۔ اگر موہوب لہ نے اس غلام کو آزاد کر دیا جب کہ ہبہ کرنے والا

وَقَدْ وَطَّئْتُ يَرْدُهَا مَعَ عَقْرِهَا هُوَ الْمُخْتَارُ وَالْبَيْمُ مَوْتُ أَحَدِ الْعَاقِدَيْنِ (بَعْدَ التَّسْلِيمِ)

جب کہ اس لونڈی سے وطی کی جا چکی ہے اسے اس کے مہر کے ساتھ واپس لوٹایا جائے گا۔ یہی قول مختار ہے۔ بیم سے مراد دونوں عقد کرنے والوں میں سے کسی ایک کا سپرد کرنے کے بعد مرجانا۔

مدیون ہو اور اس کا اس کے سوا کوئی مال نہ ہو اگر یہ آزاد کرنا واہب کی موت سے پہلے ہو تو یہ جائز ہوگا اور واہب کی موت کے بعد آزاد کرے تو آزاد نہیں ہوگا۔ کیونکہ مرض کی حالت میں آزاد کرنا یہ وصیت کرنا ہوتا ہے۔ اور دین موجود ہو تو وصیت مؤثر نہیں ہوتی۔ اگر واہب نے اسے اپنی موت سے پہلے آزاد کر دیا اور خود مر گیا تو غلام پر کوئی کمائی لازم نہ ہوگی۔ کیونکہ آزاد کرنا جائز ہے اور موت کے دن مالک کی اس پر ملکیت نہ تھی، ”بزازیہ“ میں نے ”منلا علی“ کے ”مجموعہ صغیرہ“ میں ان کی تحریر ”جواہر الفتاویٰ“ سے منقول دیکھی ہے حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ حج پر گئے ہوئے تھے تو کوفہ میں مسئلہ دور واقعہ ہوا۔ ہر فریق نے ایک الگ نوع کی کلام کی جب علماء نے ان کا استقبال کیا تو آپ کے سامنے اس کا ذکر کیا تو آپ نے سوچ و بچار کے بغیر اور کسی روایت کو نقل کیے بغیر کہا: اس سہم کو ساقط کر دو جو دائر ہے مسئلہ صحیح ہو جائے گا۔

اس کی مثال یہ ہے: ایک مریض نے اپنا غلام ایک مریض کو ہبہ کیا اور وہ غلام اس کے سپرد کر دیا پھر اس نے پہلے واہب کو ہبہ کر دیا اور اس کے سپرد کر دیا پھر دونوں مر گئے اور اس غلام کے سوا ان دونوں کا کوئی مال نہ تھا اس میں دور واقع ہوتا ہے یہاں تک کہ اس سے ایک ایسی شے لوٹی ہے جو اس کے مال میں اضافہ کرتی ہے جب اس کے مال میں اضافہ کرتی ہے تو اس کے ایک تہائی میں اضافہ کرتی ہے جب اس کے ایک تہائی میں اضافہ کرتی ہے تو اس میں اضافہ کرتی ہے جو اس کی طرف لوٹتا ہے جب اس میں اضافہ کرتی ہے جو اس کی طرف لوٹی ہے تو اس کے ایک تہائی میں اضافہ کرتی ہے پھر یہ سلسلہ یوں ہی رہتا ہے پس حساب کی تصحیح کی ضرورت ہوتی ہے۔

اس کا طریقہ یہ ہے کہ تو ایسا حساب طلب کرے جس کا ایک تہائی ہو اور اس کا اقل نو ہو پھر تو کہے: اس میں سے تین کے اندر ہبہ صحیح ہو گیا ہے اور تین میں سے ایک سہم (حصہ) پہلے واہب کی طرف لوٹے گا یہی وہ سہم ہے جو سہم دور ہے۔ اس کو اصل سے گرا دے تو آٹھ باقی رہ جائیں گے ان سے مسئلہ صحیح ہو جائے گا۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے ارشاد: اسقطوا السہم الدائر کا یہی معنی ہے۔ اور ہبہ آٹھ میں سے تین میں صحیح ہو جائے گا اور دوسرا ہبہ ایک سہم میں صحیح ہوگا۔ پس پہلے واہب کو چھ سہم حاصل ہوں گے یہ اس کا دو گنا ہے جو ہم نے اس کے ہبہ میں تصحیح کی ہے اور دوسرے ہبہ کو ہم نے ایک تہائی صحیح قرار دیا ہے جو ہم نے عطا کیا پس یہ ثابت ہو گیا کہ اس کی تصحیح سہم دور کے ساقط کرنے سے ہوگی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: دور کو ہوا میں گھومتا ہوا چھوڑ دو ملخص۔ اس میں امام محمد رحمۃ اللہ علیہ سے ایک حکایت ہے پس اس کی طرف رجوع کیا جانا چاہیے۔

29202۔ (قولہ: وَقَدْ وَطَّئْتُ) یعنی موہوب کی جانب سے یا کسی اور کی طرف سے اس لونڈی سے وطی کی گئی۔ ”ط“۔

29203۔ (قولہ: وَالْبَيْمُ الْخ) مگر اس پر مرتد کی حیثیت سے دار الحرب میں چلے جانے کا حکم لگا دیا جائے تو چاہیے

کہ اس کے حکم پر غور و فکر کیا جائے۔ مگر جب موہوب لہ مر جائے تو ملکیت وارثوں کی طرف منتقل ہو جاتی ہے۔ مگر جب واہب

فَلَوْ قَبْلَهُ بَطْلٌ، وَلَوْ اخْتَلَفَا، وَالْعَيْنُ فِي يَدِ الْوَارِثِ فَالْقَوْلُ لِلْوَارِثِ، وَقَدْ نَظَّمَ الْمُصَنِّفُ مَا يَسْقُطُ بِالنُّوْتِ فَقَالَ

كَفَّارَةٌ دِيَّةٌ خَرَجٌ وَرَابِعٌ ضَمَانٌ لِعَتَقٍ هَكَذَا نَفَقَاتُ
كَذَا هِبَةُ حُكْمِ الْجَبِيْعِ سُقُوطُهَا بِمَوْتٍ لِمَا أَنَّ الْجَبِيْعَ صَلَاتُ

اگر اس سے قبل ہو تو عقد بہہ باطل ہو جائے گا۔ اگر دونوں میں اختلاف ہو گیا جب کہ عین وارث کے قبضہ میں ہو تو قول وارث کا معتبر ہوگا۔ مصنف نے اشعار میں ان حقوق کو نظم کیا ہے جو موت سے ساقط ہو جاتے ہیں۔ تو کہا: کفارہ، دیت، خراج اور چوتھا عتق کی ضمان اسی طرح نفقات ہیں۔ اسی طرح بہہ ہے۔ سب کا حکم موت کے ساتھ سقوط ہے کیونکہ یہ سب صلوات (صلہ کی جمع) ہیں۔

مر جائے تو نص نے رجوع کا حق صرف واہب کے لیے ثابت کیا ہے اور وارث واہب نہیں۔ ”درر“۔

میں کہتا ہوں: تعلیل سے یہ حکم ثابت ہوتا ہے کہ اگر مرتد کی حیثیت سے اس پر دار الحرب میں لاحق ہونے کا حکم لگا دیا جائے تو حکم اسی طرح ہوگا۔ پس صریح نقل کی طرف رجوع کیا جانا چاہیے۔ واللہ اعلم

29204۔ (قوله: بَطْلٌ) یعنی عقد بہہ باطل ہو جائے گا۔ اور پہلا بہہ باطل ہو جائے گا۔ کیونکہ بہہ کے مکمل ہونے سے

پہلے ملکیت وارث کی طرف منتقل ہو گئی ہے۔ ”سامحانی“۔

29205۔ (قوله: وَلَوْ اخْتَلَفَا) یعنی دو شخص اختلاف کریں۔ واہب اور موبوب لہ کی قید نہیں ہے اگرچہ ترکیب اس

امر کا وہم دلاتی ہے کہ واہب کے وارث نے کہا: اس کا قبضہ اس کی زندگی میں نہیں ہوا تھا اس کا قبضہ اس کی وفات کے بعد ہوا تھا۔ موبوب لہ نے کہا: میں نے اس پر قبضہ اس کی زندگی میں کر لیا تھا جب کہ غلام وارث کے قبضہ میں ہے۔

29206۔ (قوله: فَالْقَوْلُ لِلْوَارِثِ) کیونکہ قبضہ کا علم اس وقت ہوا ہے اور میراث قبضہ سے پہلے متحقق ہو چکی تھی۔ ”بحر“۔

29207۔ (قوله: كَفَّارَةٌ) جب وہ اس کے بارے میں وصیت نہ کرے تو یہ ساقط ہو جائے گا۔ اسی طرح خراج کا

معاملہ ہے۔

29208۔ (قوله: دِيَّةٌ) یہ لفظ ہا کے سکون کے ساتھ ہے اور خراج جیم کے سکون کے ساتھ ہے۔ اگر وہ اس سے

کہتے: خراج دیات ثم کفارۃ کذا، تو موزوں ہوتا۔

29209۔ (قوله: ضَمَانٌ) یعنی جب وہ خوشحال ہو اور غلام میں اپنا حصہ آزاد کر دے تو اس کا شریک اس سے ضمانت

لے گا۔

29210۔ (قوله: نَفَقَاتُ) اس سے مراد ایسے نفقات ہیں جو قاضی کے امر سے قرض نہیں لیے گئے۔

29211۔ (قوله: صَلَاتٌ) یہ لفظ صاد کے کسرہ کے ساتھ ہے۔

(وَالْعَيْنُ الْعَوْضُ) بِشَرْطِ أَنْ يَذْكُرَ لَفْظًا يَعْلَمُ الْوَاهِبُ أَنَّ عَوْضَ كُلِّ هِبَتِهِ (فَإِنْ قَالَ خُذْ عَوْضَ هِبَتِكَ أَوْ بَدَلَهَا) أَوْ فِي مُقَابَلَتِهَا وَنَحْوِ ذَلِكَ (فَقَبْضُهُ الْوَاهِبُ سَقَطَ الرُّجُوعُ) وَلَوْ لَمْ يَذْكُرْ أَنَّ عَوْضَ رَجَعَ كُلُّ بِهْبَتِهِ (وَلِذَا يُشْتَرَطُ فِيهِ شَرَايُطُ الْهِبَةِ) كَقَبْضٍ وَإِفْرَازٍ وَعَدَمِ شُيُوعٍ،

عین سے مراد عوض ہے۔ شرط یہ ہے کہ وہ ایسا لفظ ذکر کرے جس سے ہبہ کرنے والا جان لے کہ یہ راستہ کل ہبہ کا عوض ہے۔ اگر موہوب لے نہ کہا: اسے اپنے ہبہ کا عوض، اس کا بدل یا اس کے مقابلہ میں لے لے وغیرہ۔ واہب نے اس پر قبضہ کر لیا تو رجوع ساقط ہو جائے گا۔ اگر وہ یہ ذکر نہ کرے کہ یہ عوض ہے تو ہر ایک اپنا ہبہ واپس لے سکتا ہے۔ اسی وجہ سے اس میں ہبہ کی شرط کا ہونا شرط ہے جیسے قبضہ کرنا، اسے الگ کرنا، اشتراک کا نہ ہونا،

29212۔ (قوله: وَالْعَيْنُ الْعَوْضُ) ایک آدمی نے دوسرے آدمی کو ایک غلام ہبہ کیا شرط یہ رکھی کہ وہ اسے عوض میں کپڑا رکھے گا اگر دونوں نے بدل لے لیا تو جائز ہے ورنہ جائز نہیں۔ ”خانیہ“۔

29213۔ (قوله: سَقَطَ الرُّجُوعُ) یعنی واہب اور معوض کا رجوع ساقط ہو جائے گا جس طرح ”انقروی“ میں ہے۔ شارح کا مفہوم اسی طرف اشارہ کرتا ہے، ”ساحانی“۔ ”حاشیہ“ میں کہا: عورت یہ ارادہ کرے کہ اس مرد سے نکاح کر لے جس نے اس عورت کو طلاق دی تھی طلاق دینے والے نے کہا: میں تجھ سے شادی نہ کروں گا یہاں تک کہ تو مجھے وہ ہبہ نہ کرے جو تیرا میرے ذمہ لازم ہے تو عورت نے اسے وہ مہر ہبہ کر دیا جو اس کے ذمہ تھا اس شرط پر کہ مرد اس سے عقد نکاح کر لے پھر مرد نے شادی کرنے سے انکار کر دیا۔ علماء نے کہا: عورت کا وہ مہر جو مرد کے ذمہ تھا وہ اپنی حالت پر رہے گا مرد عورت سے شادی کرے یا شادی نہ کرے۔ کیونکہ عورت نے اپنے ذمہ مال، نکاح کے عوض میں لازم کیا تھا اور نکاح میں عوض ہوتا ہے وہ عورت کے ذمہ نہیں ہوتا، ”خانیہ“۔ ”خیریہ“ میں اسی کے متعلق فتویٰ دیا ہے۔

29214۔ (قوله: رَجَعَ كُلُّ) کل کا لفظ مرفوع ہے اور منون ہے۔ یہ تین مضاف الیہ کے عوض میں ہے۔ کیونکہ تملیک مطلق ابتدا کا احتمال رکھتی ہے اور مجازات کا بھی احتمال رکھتی ہے۔ پس شک کی وجہ سے رجوع کا حق باطل نہیں ہوا۔ ”مستصنی“۔

29215۔ (قوله: بِهْبَتِهِ) یہاں کلام ہے۔ وہ یہ ہے کہ اصل معروف ملفوظ کی طرح ہوتا ہے جس طرح ”کافی“ میں اس کی تصریح کی ہے۔ عرف میں عوض دینے کا قصد کیا جاتا ہے اور حیا کرتے ہوئے یہ الفاظ استعمال نہیں کرتے: خذ بدل ہبتک وغیرہ۔ پس چاہیے کہ ہبہ میں رجوع نہ ہو اگرچہ بدلیت کا ذکر نہ ہو۔ ”خانیہ“ میں ہے: ایک آدمی نے اپنی بیوی کی طرف ہدایا بھیجے عورت نے اس کی طرف ہدایا اور تحفے بھیجے پھر مرد نے اس سے علیحدگی اختیار کر لی مرد نے یہ دعویٰ کر دیا کہ اس نے جو تحفے بھیجے تھے وہ ادھار تھے اور یہ ارادہ کیا کہ انہیں واپس لے عورت نے ارادہ کیا کہ وہ عوض واپس لے تو مرد کے سامان میں قول مرد کا معتبر ہوگا۔ کیونکہ اس نے مالک بنانے کا انکار کیا ہے۔ اور عورت نے جو تحائف بھیجے تھے اسے بھی حق ہے کہ واپس لے کیونکہ وہ گمان کرتی ہے کہ وہ ہبہ کا عوض تھے جب وہ ہبہ نہیں تو یہ عوض نہیں تو ہر ایک کو اپنا سامان واپس لینے کا حق ہوگا۔

وَلَوْ الْعَوَضُ مُجَانِسًا أَوْ يَسِيرًا، وَفِي بَعْضِ نَسَخِ الْمَتْنِ بَدَلُ الْهَبَةِ الْعَقْدُ وَهُوَ تَحْرِيفٌ (وَلَا يَجُوزُ لِلْأَبِ أَنْ يُعَوِّضَ عَنَّا وَهَبَ لِلصَّغِيرِ مِنْ مَالِهِ) وَلَوْ وَهَبَ الْعَبْدُ التَّاجِرُ ثُمَّ عَوَّضَ فِدْكَلٍ مِنْهُمَا الرُّجُوعُ بَخْرًا (وَلَا يَصِحُّ تَعْوِضُ مُسْلِمٍ مِنْ نَصْرَانِيٍّ عَنْ هَبَّتِهِ خَمْرًا أَوْ خَنْزِيرًا) إِذَا لَا يَصِحُّ تَمْلِيكًا مِنَ الْمُسْلِمِ بَخْرًا (وَيُشْتَرَطُ أَنْ لَا يَكُونَ الْعَوَضُ بَعْضَ الْمَوْهُوبِ، فَلَوْ عَوَّضَهُ الْبَعْضُ عَنِ الْبَاقِي لَا يَصِحُّ

اگر چہ عوض ہم جنس ہو یا تھوڑا سا ہو۔ متن کے بعض نسخوں میں ہبۃ کی جگہ العقد ہے جب کہ یہ تحریف ہے۔ باپ کے لیے جائز نہیں ہے کہ چھوٹے بچے کو جو ہبہ کیا گیا ہے اس بچے کے مال میں سے ہبہ کا عوض دے۔ اگر غلام تاجر کو کوئی چیز ہبہ کی گئی پھر اس نے عوض دیا تو دونوں میں سے ہر ایک کو رجوع کا حق ہوگا، ”بخر“۔ کسی مسلمان کا کسی نصرانی کو اس کے ہبہ کے عوض شراب یا خنزیر دینا جائز نہیں کیونکہ مسلمان کی جانب سے اس کا مالک بنانا صحیح نہیں، ”بخر“۔ اور یہ شرط ہے کہ عوض موهوب لہ کا بعض نہ ہو اگر اس نے موهوب کا بعض باقی کے بدلے میں دے دیا تو یہ صحیح نہ ہوگا

ابوبکر اسکاف نے کہا: اگر عورت نے یہ تصریح کی کہ وہ عوض تھا تو حکم اسی طرح ہوگا۔ اگر وہ عورت اس کی تصریح نہ کرے لیکن وہ یہ نیت کرے کہ یہ عوض ہو تو یہ عورت کی جانب سے ہبہ ہو۔ اور اس کی نیت باطل ہو جائے گی۔ اور اس میں کوئی خفا نہیں کہ اس تعبیر کی بنیاد چاہیے کہ ہمارے اس مسئلہ میں اختلاف ہو۔ ”یعقوبیہ“۔

29216۔ (قوله: أَوْ يَسِيرًا) یعنی موهوبہ چیز سے وہ اقل ہو کیونکہ عوض حقیقت میں بدل نہیں۔ ورنہ اقل کے ساتھ جائز نہ ہوتا کیونکہ رہا متحقق ہوتا ہے۔

29217۔ (قوله: أَنْ يُعَوِّضَ) اگر وہ عوض دے تو وہاں رجوع کا حق ہوگا۔ کیونکہ اسے بطور عوض دینا باطل ہے۔ ”بزازیہ“۔

29218۔ (قوله: مِنْ مَالِهِ) یعنی صغیر کے مال میں سے۔ اگر باپ کے مال سے عوض دیا جائے تو یہ صحیح ہوگا کیونکہ عنقریب آئے گا کہ اجنبی کی جانب سے عوض دینا صحیح ہے۔ ”سامحانی“۔

29219۔ (قوله: وَهَبَ الْعَبْدُ) وہب مجہول کا صیغہ ہے یعنی اسے کسی شخص نے کوئی چیز ہبہ کی۔

29220۔ (قوله: ثُمَّ عَوَّضَ) یعنی غلام نے اس ہبہ کا عوض دیا۔

29221۔ (قوله: الرُّجُوعُ) کیونکہ ماذون تاجر ہبہ کا مالک نہیں بن سکتا پس عوض دینا صحیح نہ ہوگا۔

29222۔ (قوله: بَخْرًا) کیونکہ ماذون غلام اس کا مالک نہیں ہوتا کہ وہ پہلے ہبہ کرے اور نہ ہی بعد میں بطور عوض ہبہ

کرے۔ ”سامحانی“۔ یہ بھی احتمال ہے کہ وہب معروف کا صیغہ ہو اور عوض یہ مجہول کا صیغہ ہو۔

29223۔ (قوله: مِنْ نَصْرَانِيٍّ) من یہ لام کے معنی میں ہے۔

29224۔ (قوله: خَمْرًا) یہ تعویض مصدر کا مفعول ہے۔

(فَلَهُ الرُّجُوعُ فِي الْبَاقِي) وَلَوْ الْمَوْهُوبُ شَيْئَيْنِ فَعَوَّضَهُ أَحَدَهُمَا عَنْ الْآخَرِ إِنْ كَانَ فِي عَقْدَيْنِ صَحَّ، وَإِلَّا لَا لِأَنَّ اخْتِلَافَ الْعَقْدِ كَاخْتِلَافِ الْعَيْنِ وَالذَّرَاهِمُ تَتَعَيَّنُ فِي هَبَةٍ وَرُجُوعٍ مُجْتَبَى (وَدَقِيقُ الْحِنْطَةِ يَصْدُحُ عَوَّضُهَا عَنْهَا) لِخُدُوثِهِ بِالطَّحْنِ وَكَذَا الْوَصَبُ بَعْضُ الشِّيَابِ أَوْلَتْ بَعْضَ السَّوِيقِ ثُمَّ عَوَّضَهُ صَحَّ خَانِيَّةٌ (وَلَوْ عَوَّضَهُ وَلَدَ إِحْدَى جَارِيَتَيْنِ مَوْهُوبَتَيْنِ وَجَدَ) ذَلِكَ الْوَلَدَ (بَعْدَ الْهَبَةِ امْتَنَعَ الرُّجُوعُ وَصَحَّ) الْعَوَّضُ (مِنْ أَجْنَبِيٍّ وَيَسْقُطُ حَقُّ الْوَاهِبِ فِي الرُّجُوعِ إِذَا قَبَضَهُ) كَبَدَلِ الْخُلْعِ (وَلَوْ التَّعْوِيزُ بِغَيْرِ إِذْنِ الْمَوْهُوبِ لَهُ) وَلَا رُجُوعَ وَلَوْ بِأَمْرِهِ إِلَّا إِذَا قَالَ عَوَّضَ عَنِّي عَلَى أُنِّي ضَامِنٌ،

تو اسے باقی ماندہ میں رجوع کا حق ہوگا۔ اگر موهوب دو چیزیں ہوں تو وہ اسے ایک کو دوسرے کا عوض بنا کر دے دے اگر وہ دونوں دو عقدوں میں ہوں تو یہ صحیح ہوگا ورنہ صحیح نہ ہوگا۔ کیونکہ عقد کا اختلاف عین کے اختلاف کی طرح ہے۔ اور دراہم ہبہ اور رجوع میں متعین ہو جاتے ہیں۔ ”مجتبىٰ“۔ گندم کا آٹا گندم کا عوض بننے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ کیونکہ آٹا اسے پینے سے بنا ہے۔ اسی طرح اگر اس نے بعض کپڑوں کو رنگا یا بعض ستو کولت پت کیا پھر اس کا عوض دیا تو یہ صحیح ہوگا، ”خانیہ“۔ اگر اس نے دوسرے شخص کو دو ایسی لونڈیوں میں سے ایک کا بچہ عوض کے طور پر دیا جو دونوں لونڈیاں ہبہ کی گئی تھیں وہ بچہ ہبہ کے بعد پایا گیا تو رجوع ممتنع ہوگا اور اجنبی کی جانب سے عوض صحیح ہوتا ہے اور واہب کا حق رجوع میں ساقط ہو جاتا ہے جب وہ اس پر قبضہ کرے جس طرح بدل خلع ہے اگرچہ عوض کا دینا موهوب لہ کی اجازت کے بغیر ہو اور اسے رجوع کا حق نہیں ہوگا اگرچہ اس کے امر سے ہو مگر جب موهوب لہ اسے کہے: میری جانب سے عوض دے دو اس شرط پر کہ میں ضامن ہوں۔

29225۔ (قوله: فِي هَبَةٍ) یعنی جب وہ دراہم ہبہ کر دے گا تو متعین ہو جائیں گے۔ اگر وہ ان کو ان کے علاوہ سے بدل دے تو اس کی جانب سے ہبہ سے اعراض ہوا اگر وہ ان دراہم کے عوض دراہم لایا اور اسے دے دیا تو یہ نیا ہبہ ہوگا۔ جب موهوب لہ نے ان پر قبضہ کر لیا اور ان کی جنس یا غیر سے بدل دیا تو اس پر رجوع کا حق نہیں ہوگا۔ دراہم کی مثل دنا نیر ہیں۔ ”ط“۔

29226۔ (قوله: وَرُجُوعٍ) یعنی اسے رجوع کا حق نہیں ہوگا مگر اس صورت میں جب ہبہ کے دراہم بذات خود قائم ہوں۔ اگر وہ ان دراہم کو خرچ کر دے تو یہ انہیں ہلاک کرنا ہوگا جو رجوع کے مانع ہے۔ ”ط“۔

29227۔ (قوله: بِالطَّحْنِ) یہ اعتراض نہ کیا جائے کہ یہ موهوب لہ کا عین یا اس کا بعض ہے۔

29228۔ (قوله: ثُمَّ عَوَّضَهُ) ہاضمیر سے مراد بعض ہے۔ یعنی زیادتی کے حصول کے لیے اس نے اسے ہبہ کا عوض بنایا ہے۔ گویا یہ ایک اور شے ہے۔

29229۔ (قوله: امْتَنَعَ الرُّجُوعُ) کیونکہ اسے بچے میں رجوع کا حق نہیں پس عوض صحیح ہوگا۔

29230۔ (قوله: وَلَا رُجُوعَ) یعنی عوض دینے والے کو موهوب لہ سے مطالبہ کا حق نہ ہوگا اگرچہ وہ اس کا شریک ہو خواہ

اس کے اذن سے دے یا اذن کے بغیر دے۔ کیونکہ عوض دینا اس پر واجب نہیں پس وہ اس طرح ہو گیا کہ وہ دوسرے آدمی کو کہتا

لِعَدَمِ وُجُوبِ التَّعْوِضِ بِخِلَافِ قَضَاءِ الدَّيْنِ (وَ الْأَصْلُ أَنَّ كُلَّ مَا يُطَالَبُ بِهِ الْإِنْسَانُ بِالْحَبْسِ وَالْمَلَاذِمَةِ يَكُونُ الْأَمْرُ بِأَدَائِهِ مُثَبَّتًا لِلرُّجُوعِ مِنْ غَيْرِ اشْتِرَاطِ الضَّمَانِ وَمَا لَا فَلَا إِلَّا إِذَا شَرِطَ الضَّمَانُ ظَهِيرِيَّةً وَحِينَئِذٍ (فَلَوْ أَمَرَ الْمَدْيُونُ رَجُلًا بِقَضَاءِ دَيْنِهِ رَجَعَ عَلَيْهِ) وَإِنْ لَمْ يَضْمَنْ لِرُجُوبِهِ عَلَيْهِ لَكِنْ يَخْرُجُ عَنِ الْأَصْلِ مَا لَوْ قَالَ أَنْفَقْتُ عَلَى بِنَاءٍ دَارِي أَوْ قَالَ الْأَسِيرُ اشْتَرَيْتَنِي فَإِنَّهُ يَرْجِعُ فِيهِمَا بِلَا شَرِطِ رُجُوعِ كِفَالَةٍ خَائِيَّةٍ مَعَ أَنَّهُ لَا يُطَالَبُ بِهِمَا لَا بِحَبْسٍ وَلَا بِمَلَاذِمَةٍ فَتَأَمَّلْ (وَإِنْ اسْتَحَقَّ نِصْفَ الْهَبَةِ رَجَعَ بِنِصْفِ الْعَوَضِ وَعَكْسُهُ لَا،

کیونکہ عوض دینا واجب نہیں۔ دین ادا کرنے کا معاملہ مختلف ہے۔ ضابطہ یہ ہے: ہر وہ چیز جس کے بدلے میں انسان کے بارے میں مجبوس کرنے اور اس کا پیچھا کرنے کا مطالبہ کیا جاتا ہے تو اس کی ادائیگی عدم رجوع کے حق کو ثابت کرے گا جب کہ ضمان کی شرط نہ لگائی ہو اور جس میں ایسا حق حاصل نہ ہو تو اس میں رجوع کا حق نہیں ہوگا مگر جب وہ ضمان کی شرط لگائے، ”ظہیریہ“۔ اس وقت اگر مدیون کسی آدمی کو اپنے دین کے ادا کرنے کا امر کرے تو دین ادا کرنے والا اس مدیون سے مطالبہ کر سکتا ہے اگرچہ اس نے ضمانت نہ اٹھائی ہو۔ کیونکہ دین اس پر واجب تھا۔ لیکن اس قاعدہ سے یہ صورت نکل جاتی ہے اگر وہ کہے: میرے گھر کی تعمیر پر خرچ کر دیا۔ اسیر نے کہا: مجھے خرید لو تو ان دونوں صورتوں میں وہ واپسی کا مطالبہ کرے گا جب کہ رجوع کی شرط نہیں لگائی۔ کتاب الکفالہ، ”خانیہ“۔ ساتھ ہی ان دونوں چیزوں کی وجہ سے مطالبہ نہیں کیا جاسکتا یعنی نہ مجبوس کرنے کا نہ پیچھا کرنے کا۔ پس اس میں غور و فکر کیجئے۔ اگر ہبہ کے نصف کا کوئی مستحق نکل آیا تو نصف عوض واپس لے سکتا ہے اور اس کے برعکس صورت ہو تو واپس نہیں لے سکتا

ہے کہ انسان کے ساتھ نیکی کر مگر جب وہ کہے: میں ضامن ہوں۔ مدیون کا معاملہ مختلف ہے جب وہ کسی کو کہتا ہے کہ اس کا دین دور کر دے تو اس دین کا اس سے مطالبہ کرے گا اگرچہ اس نے ضمانت نہ اٹھائی تھی کیونکہ دین مدیون پر واجب تھا۔ ”منح“۔

29231۔ (قوله: لِعَدَمِ) یہ ان کے قول ولا رجوع کی علت ہے۔

29232۔ (قوله: وَ الْأَصْلُ الْخ) دو آدمیوں کی کفالت سے پہلے دو اور ضابطے گزر چکا ہے۔

29233۔ (قوله: لَكِنْ) یہ ان کے قول: وما لا فلا پر استدراک ہے۔

29234۔ (قوله: رَجَعَ بِنِصْفِ الْعَوَضِ) ”الجوہرہ“ میں کہا ہے: یہ رجوع اس میں ہے جب وہ تقسیم کا احتمال نہ رکھے اگر رجوع اس میں ہو جو تقسیم کا احتمال رکھے جب بعض ہبہ کا کوئی اور مستحق نکل آیا تو باقی میں یہ باطل ہو جائے گا اور وہ عوض واپس لے سکے گا۔ یعنی کیونکہ موہوب لہ پر یہ بات واضح ہو گئی ہے کہ وہ اس بعض کا مالک نہیں جس کا کوئی اور مستحق نکل آیا ہے تو عقد اصل سے ہی باطل ہو جائے گا۔ کیونکہ یہ اس مشترک کا ہبہ ہے جو تقسیم کا احتمال رکھتا ہے۔

29235۔ (قوله: وَعَكْسُهُ لَا) یعنی اگر وہ نصف عوض کا مستحق نکل آئے تو وہ نصف ہبہ کو واپس نہیں لے سکے گا۔

مَا لَمْ يَرُدَّ مَا بَقِيَ) لِأَنَّهُ يَصْلَحُ عَوَضًا ابْتِدَاءً فَكَذَا بَقَاءَ لِكِنَّهُ يُخَيَّرُ لِيَسْلَمَ الْعَوَضُ، وَمُرَادُهُ الْعَوَضُ الْغَيْرُ الْمَشْرُوطِ أَمَّا الْمَشْرُوطُ فَبِمَادَلَةٍ كَمَا سَيَجِيءُ فَيُؤَدُّ الْبَدَلُ عَلَى الْمُبْدَلِ نِهَآيَةً (كَمَا لَوْ اسْتَحَقَّ كُلُّ الْعَوَضِ حَيْثُ يَرْجَعُ فِي كُلِّهَا إِنْ كَانَتْ قَائِمَةً لَا إِنْ كَانَتْ هَالِكَةً) كَمَا لَوْ اسْتَحَقَّ الْعَوَضُ وَقَدْ اِزْدَادَتْ الْهَبَةُ لَمْ يَرْجَعْ خُلَاصَةً (وَإِنْ اسْتَحَقَّ جَمِيعَ الْهَبَةِ كَانَ لَهُ أَنْ يَرْجَعَ فِي جَمِيعِ الْعَوَضِ إِنْ كَانَ قَائِمًا وَبِشِلِّهِ إِنْ الْعَوَضُ (هَالِكًا وَهُوَ مِثْلِيٌّ وَبِقِيَمَتِهِ إِنْ قِيَمِيًّا) غَايَةً (وَلَوْ عَوَّضَ النِّصْفَ رَجَعَ بِمَا لَمْ يُعَوَّضْ) وَلَا يَضُرُّ الشُّيُوعُ لِأَنَّهُ طَارِئٌ تَنْبِيهُ نُقِلَ فِي الْمَجْتَبَى أَنَّهُ يُشْتَرِطُ فِي الْعَوَضِ

جب تک مابقی کو واپس نہ کر دے۔ کیونکہ یہ ابتداء عوض بننے کی صلاحیت رکھتی ہے تو بقاء عوض بننے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ لیکن اسے اختیار دیا جائے گا تا کہ عوض محفوظ رہے۔ اس سے مراد ایسا عوض ہے جو غیر مشروط ہے۔ جہاں تک مشروط عوض کا تعلق ہے وہ مبادلہ ہے جس طرح عنقریب آئے گا پس بدل کو مبادل منہ پر تقسیم کیا جائے گا، ”نہایہ“۔ اگر تمام عوض کا کوئی مستحق نکل آیا تو وہ سب ہبہ میں واپسی کا مطالبہ کر سکتا ہے اگر وہ ہبہ کی چیز موجود ہو اگر وہ ہلاک ہو چکی ہو تو مطالبہ نہیں کر سکتا۔ جس طرح عوض کا کوئی مستحق نکل آیا جب کہ ہبہ میں زیادتی ہو چکی ہو تو وہ واپسی کا مطالبہ نہیں کرے گا۔ ”خلاصہ“۔ اگر تمام ہبہ کا کوئی مستحق نکل آیا تو اسے حق حاصل ہوگا کہ تمام عوض میں واپسی کا مطالبہ کرے اگر وہ قائم ہو۔ اگر عوض ہلاک ہو چکا ہو تو اس کی مثل میں مطالبہ کیا جاسکتا ہے جب کہ وہ چیز مثلی ہو۔ اگر وہ ذوات القیم میں سے ہو تو اس کی قیمت کا مطالبہ کر سکتا ہے ”غایہ“۔ اگر نفس ہبہ کا عوض دیا تو اس کی واپسی کا مطالبہ کر سکتا ہے جس کا عوض نہیں دیا اور اشتراک کوئی نقصان نہیں دیتا کیونکہ یہ طاری ہے۔ تنبیہ: ”مجتبى“ میں یہ منقول ہے کہ عوض میں یہ شرط ہے

کیونکہ باقی نصف یہ تمام ہبہ کے عوض میں ہے۔ کیونکہ باقی ماندہ ابتداء عوض بننے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ پس یہ اسے باقی رکھنا ہے مگر اسے اختیار ہوگا کیونکہ اس نے رجوع میں اپنے حق کو ساقط نہیں کیا مگر اس لیے تا کہ اس کا کل عوض محفوظ رہے جب کہ وہ اس کے لیے محفوظ نہیں پس اسے لوٹانے کا حق ہوگا۔

29236۔ (قوله: لِيَسْلَمَ) زیادہ بہتر یہ عبارت تھی: لَانَّهُ لَمْ يَسْلَمْ لَهُ الْعَوَضُ کیونکہ اس کیلئے عوض سلامت نہیں رہا۔

29237۔ (قوله: الْغَيْرُ الْمَشْرُوطِ) یعنی عقد میں اس کی شرط نہ لگائی گئی ہو۔

29238۔ (قوله: وَلَوْ عَوَّضَ النِّصْفَ) اس کے بعض ہبہ میں نصف کو اسے عوض کے طور پر دیا۔ اس کی صورت یہ ہے

کہ وہ ہبہ ہزار تھار میں سے ایک درہم اسے عوض کے طور پر دیا۔ یہ عقد ہبہ ایک درہم کے حق میں فسخ ہو جائے گا اور باقی ماندہ میں وہ واپسی کا مطالبہ کرے گا اسی طرح گھر کے حق میں کمرہ ہے۔ ”بزازیہ“۔

29239۔ (قوله: وَلَا يَضُرُّ الشُّيُوعُ) وہ اشتراک جو رجوع کی وجہ سے نصف میں واقع ہوا ہے وہ نقصان نہیں

دے گا۔

أَنْ يَكُونَ مَشْرُوطًا فِي عَقْدِ الْهَبَةِ أَمَّا إِذَا عَوَّضَهُ بَعْدَهُ فَلَا، وَلَمْ أَرِ مَنْ صَرَّحَ بِهِ غَيْرُهُ، وَفُرُوعُ الْمَذْهَبِ مُطْلَقَةٌ

کہ وہ عقد ہبہ میں مشروط ہو مگر جب وہ اس کے بعد اس کا عوض دے تو وہ رجوع کے مانع نہیں۔ ان کے علاوہ میں نے کسی کو نہیں دیکھا جس نے اس کی تصریح کی ہو۔ اور مذہب کی فروع مطلق ہیں

عوض میں انہیں شرائط کا اعتبار کیا جائے گا جو ہبہ میں معتبر ہیں

29240۔ (قوله: وَلَمْ أَرِ مَنْ صَرَّحَ الْخ) اس قول کے قائل صاحب ”المنح“ ہیں۔

میں کہتا ہوں: ”غایۃ البیان“ میں اس کی تصریح کی ہے اس کی نص یہ ہے: ہمارے اصحاب نے کہا: بے شک وہ عوض جس سے رجوع ساقط ہو جاتا ہے وہ وہ ہے جس کی عقد کرتے وقت شرط لگائی ہو۔ جہاں تک اس عوض کا تعلق ہے جو عقد کے بعد دیا گیا اس سے رجوع ساقط نہیں ہوتا۔ کیونکہ وہ عوض موبوب لہ پر لازم نہیں۔ بے شک اس نے یہ بطور تبرع و نیکی ایسا کیا ہے تاکہ اس سے رجوع ساقط ہو جائے۔ پس یہ ابتداء ہبہ ہوگا۔ جب وہ عقد میں شرط لگائے تو امر اس طرح نہیں۔ کیونکہ یہ اس امر کو واجب کرتا ہے کہ عقد کا حکم بیع کا حکم ہو جائے اس کے ساتھ شفعہ متعلق ہوگا اور عیب کے ساتھ اسے رد کر دیا جائے گا۔ پس یہ اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ یہ اس کا عوض ہو گیا ہے۔

علمائے یہ بھی کہا ہے: کہ عوض میں انہیں شرائط کا اعتبار کیا جائے جو شرائط ہبہ میں معتبر ہیں جیسے قبضہ اور اس کا مشترک نہ ہونا کیونکہ یہ ہبہ ہے۔ ”شرح الاقطع“ میں اسی طرح ہے۔

”الحنفیہ“ میں کہا: جہاں تک اس عوض کا تعلق ہے جو عقد سے متاخر ہو تو رجوع کو ساقط کرنے کے لیے ہے پس وہ معاوضہ کے معنی میں نہیں ہوگا۔ نہ ابتداء اور نہ ہی انتہاء۔ بے شک دوسرا پہلے کا عوض ہوگا جب نص کے ساتھ اس کی طرف مضاف کیا جائے جس طرح وہ کہے: یہ تیرے ہبہ کا عوض ہے۔ بے شک یہ عوض ہے جب قبضہ پایا جائے اور یہ ہبہ ہوگا۔ عوض صحیح اور باطل ہوگا ان میں جن میں ہبہ صحیح اور باطل ہوتا ہے۔ مگر جب وہ اسے اول کی طرف منسوب نہ کرے تو وہ ابتداء ہبہ ہوگا۔ اور دونوں ہیوں میں رجوع کا حق ثابت ہو جائے گا یہ کچھ اختصار کے ساتھ ہے۔

اس سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ دو قول ہیں یا دو روایتیں ہیں۔ پہلا یہ ہے کہ عقد اس کا شرط ہونا لازم ہے۔ دوسرا قول یہ ہے: یہ شرط نہیں بلکہ پہلے کی طرف منسوب ہونا لازم ہے۔ یہ اختلاف رجوع کے ساقط ہونے میں ہے۔ جہاں تک انتہاء اس کے بیج ہونے کا تعلق ہے تو عقد میں اس شرط کے لازم ہونے میں کوئی نزاع نہیں۔ تامل

29241۔ (قوله: وَفُرُوعُ الْمَذْهَبِ) میں کہتا ہوں: نظر کا شرط ہونا اس وجہ سے ہے جو پہلے نذر چکا ہے کہ بدل کو

مبادل منہ پر تقسیم کیا جائے گا نہ کہ یہ مطلقاً شرط ہے۔ اس وقت جو قول ”مجتبیٰ“ میں ہے وہ مذہب کے فروع کے اطلاق کے منافی نہیں اس پر غور و فکر کیجئے۔ ”ابو سعود مصری“۔

وَفُرُوعُ الْمَذْهَبِ مُطْلَقَةٌ كَمَا مَرَّفَتْ دَبَّرُ (وَالْخَاءُ خُرُوجُ الْهَبَةِ عَنْ مِلْكِ الْمُوْهُوبِ لَهُ) وَلَوْ بِهَبَةٍ إِلَّا إِذَا رَجَعَ
 الثَّانِي فَلِلْأَوَّلِ الرُّجُوعُ سَوَاءٌ كَانَ بِقَضَاءٍ أَوْ رِضًا لِمَا سَيَجِيءُ أَنَّ الرُّجُوعَ فُسْخٌ حَتَّى لَوْ عَادَتْ بِسَبَبٍ
 جَدِيدٍ بَأَنْ تَصَدَّقَ بِهَا الثَّالِثُ عَلَى الثَّانِي أَوْ بَاعَهَا مِنْهُ لَمْ يَرْجِعْ الْأَوَّلُ، وَلَوْ بَاعَ نِصْفَهُ رَجَعَ فِي الْبَاقِي
 لِعَدَمِ الْمَانِعِ، وَقَيَّدَ الْخُرُوجَ بِقَوْلِهِ (بِالْكُلِّيَّةِ) بِأَنْ يَكُونَ خُرُوجًا عَنْ مِلْكِهِ مِنْ كُلِّ وَجْهِ ثُمَّ فَرَعَ عَلَيْهِ
 بِقَوْلِهِ (فَلَوْ ضَحَّى الْمُوْهُوبُ لَهُ بِالشَّاةِ الْمُوْهُوبَةِ أَوْ نَذَرَ التَّصَدَّقَ بِهَا، وَصَارَتْ لِحَبَا لَا يَنْتَعِمُ الرُّجُوعُ)،
 وَمِثْلُهُ الْمُنْعَةُ وَالْقِرَانُ وَالتَّذَرُّ مُجْتَبَى وَفِي الْمِنْهَاجِ وَإِنْ وَهَبَ لَهُ ثَوْبًا فَجَعَلَهُ صَدَقَةً لِلَّهِ تَعَالَى فَلَهُ
 الرُّجُوعُ خِلَافًا لِلثَّانِي (كَمَا لَوْ ذَبَحَهَا مِنْ غَيْرِ تَضَحِيَةٍ) فَلَهُ الرُّجُوعُ اتِّفَاقًا

جس طرح گزر چکا ہے پس ان میں غور کر لے۔ خا سے مراد ہبہ کا موہوب لہ کی ملکیت سے خارج ہونا ہے اگر وہ نکلنا ہبہ کی وجہ
 سے ہو مگر جب دوسرا رجوع کر لے تو پہلے کو بھی رجوع کا حق ہوگا۔ خواہ وہ رجوع قاضی کے فیصلے سے ہو یا باہمی رضامندی سے
 ہو۔ کیونکہ عنقریب آئے گا کہ رجوع فسخ ہے یہاں تک کہ اگر وہ سبب جدید کے ساتھ لوٹے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ تیسرا
 دوسرے پر اسے صدقہ کرے یا تیسرا دوسرے کے ہاتھ اسے بیچ دے تو پہلا واپس نہیں لے سکتا تو پہلا واپس نہیں لے سکتا اگر
 وہ نصف بیچے تو باقی ماندہ میں وہ رجوع کر سکتا ہے کیونکہ مانع موجود نہیں۔ اور خروج کی اپنے اس قول بالکلیہ کے ساتھ قید لگائی
 ہے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ وہ من کل الوجوہ اس سے نکل جائے۔ پھر اپنے اس قول کے ساتھ اس پر تفریع ذکر کی ہے۔ اگر
 موہوب لہ نے ہبہ شدہ بکری کو قربانی دے دیا یا اس کے صدقہ کرنے کی نذر مانی اور وہ بکری گوشت بن گئی تو یہ رجوع کے مانع
 نہیں۔ اسی کی مثل حج متعہ، حج قرآن اور نذر کی ہدی کا معاملہ ہے، ”مجتبیٰ“۔ ”المنہاج“ میں ہے: اگر وہ اسے کوئی کپڑا ہبہ کر
 دے پس موہوب لہ اسے اللہ تعالیٰ کے لیے صدقہ کر دے تو اسے رجوع کا حق ہوگا۔ امام ”ابو یوسف“ رحمہ اللہ نے اس سے
 اختلاف کیا ہے۔ جس طرح وہ اسے قربانی کے ارادہ کے بغیر ذبح کر دے تو اسے بالاتفاق رجوع کا حق ہوگا۔

29242۔ (قولہ: كَمَا مَرَّفَتْ) گندم سے حاصل ہونے والا آٹا اور دولونڈیوں میں سے ایک کا پیدا ہونے والا بچہ (عوض

کے طور پر دے)

29243۔ (قولہ: سَوَاءٌ كَانَ) یعنی دوسرے کا رجوع۔

29244۔ (قولہ: فُسْخٌ) جب دوسرے واہب کی طرف اس کی ملکیت لوٹ آئے گی تو اس کے جو متعلقات ہوں

گے ان کے ساتھ وہ لوٹے گی۔

29245۔ (قولہ: لَمْ يَرْجِعْ الْأَوَّلُ) کیونکہ رجوع کا حق اس ملکیت میں ثابت نہیں۔ ”درر“ میں ”الحیظ“ سے مروی ہے۔

29246۔ (قولہ: لَا يَنْتَعِمُ الرُّجُوعُ) اور قربانیاں جائز ہوں گی جس طرح ”المنح“ میں ”المجتبیٰ“ سے مروی ہے۔

29247۔ (قولہ: فَجَعَلَهُ) یعنی موہوب لہ نے اسے بنا دیا۔

فَرَعَ عَبْدٌ عَلَيْهِ دَيْنٌ أَوْ جِنَايَةٌ خَطَأً فَوَهَبَهُ مَوْلَاهُ لِغَرِيبِهِ أَوْ لَوَلِيٍّ الْجِنَايَةَ سَقَطَ الدَّيْنُ وَالْجِنَايَةُ، ثُمَّ لَوْ رَجَعَ صَاحِبُ اسْتِحْسَانًا، وَلَا يَعُودُ الدَّيْنُ وَالْجِنَايَةُ عِنْدَ مُحَمَّدٍ، وَرَوَايَةٌ عَنِ الْإِمَامِ كَمَا لَا يَعُودُ النِّكَاحُ لَوْ وَهَبَهَا لِزَوْجِهَا ثُمَّ رَجَعَ خَانِيَةً (وَالزَّامِي الزَّوْجِيَّةُ وَقَتِ الْهَبَةِ فَلَوْ وَهَبَ لِمَرْأَةٍ ثُمَّ نَكَحَهَا رَجَعَ وَلَوْ وَهَبَ لِمَرْأَتِهِ لَا كَعَكْسِهِ فَرَعَ لَا تَصِحُّ هَبَةُ الْمَوْلَى لِأَمِّهِ وَلَدِهِ، وَلَوْ فِي مَرَضِهِ وَلَا تَنْقِلِبُ وَصِيَّةٌ؛ إِذَا لَا يَدَ لِلْمُخْجَرِ، أَمَّا لَوْ أَوْصَى لَهَا بَعْدَ مَوْتِهِ تَصِحُّ لِعَتَقِهَا بِمَوْتِهِ فَيَسْلَمُ لَهَا كَانِي

فرع: ایک غلام ہے جس پر دین ہے یا اس کے ذمہ خطا جنایت ہے پس اس کے آقا نے اس کو قرض خواہ یا جنایت کے ولی کے حوالے کر دیا تو دین اور جنایت ساقط ہو جائیں گے۔ پھر اگر وہ رجوع کرے تو بطور استحسان صحیح ہوگا۔ اور دین اور جنایت امام ”محمد“ رضی اللہ عنہ کے نزدیک نہیں لوٹیں گے۔ اور ”امام صاحب“ رضی اللہ عنہ سے بھی ایک روایت یہی ہے جس طرح نکاح نہیں لوٹے گا اگر وہ اپنی لونڈی اس کے خاوند کو ہبہ کر دے پھر اس سے رجوع کر لے، ”خانیہ“۔ زامی سے مراد ہبہ کے وقت زوجیت ہے۔ اگر ایک آدمی نے کسی عورت کو کوئی چیز ہبہ کی پھر اس سے نکاح کر لیا تو وہ رجوع کر سکتا ہے۔ اگر اس نے اپنی بیوی کو کوئی چیز ہبہ کی تو وہ رجوع نہیں کر سکتا ہے جس طرح اس کے برعکس معاملہ ہے۔ فرع: آقا کا اپنی ام ولد کے لیے ہبہ صحیح نہیں اگرچہ وہ اپنی مرض میں ہبہ کرے اور یہ وصیت میں منقلب نہیں ہوگا۔ کیونکہ مجبور کے لیے کوئی قبضہ نہیں ہوتا اگر وہ اپنی موت کے بعد اس کے لیے وصیت کرے تو ہبہ صحیح ہوگا۔ کیونکہ آقا کی موت کے ساتھ وہ ام ولد آزاد ہو چکی ہے پس وہ اس کے سپرد کر دیا جائے گا۔ ”کانی“۔

29248۔ (قولہ: عَبْدٌ عَلَيْهِ دَيْنٌ) ایک بچہ ہے اس کے لیے مملوک کے ذمہ دین کی وصیت ہے۔ پس وصی نے اپنا غلام بچے کو عطا کر دیا پھر وصی نے رجوع کا ارادہ کیا ظاہر روایت میں یہ اس کا ہوگا۔ امام ”محمد“ رضی اللہ عنہ سے منع مروی ہے۔ ”بزازیہ“۔
29249۔ (قولہ: اسْتِحْسَانًا) ”خانیہ“ میں کہا: قیاس تو یہ ہے کہ ہبہ میں اس کا رجوع صحیح نہ ہو۔ یہ ”حسن“ کی امام ”ابو حنیفہ“ رضی اللہ عنہ سے، ”معلی“ کی امام ”ابو یوسف“ رضی اللہ عنہ سے اور ”ہشام“ کی امام ”محمد“ رضی اللہ عنہ سے روایت مروی ہے۔ امام ”ابو یوسف“ رضی اللہ عنہ کے قول کے مطابق جب اس نے ہبہ میں رجوع کیا دین اور جنایت لوٹ آئیں گے۔ امام ”ابو یوسف“ رضی اللہ عنہ نے امام ”محمد“ رضی اللہ عنہ کے قول کو بہت ہی فحش قرار دیا ہے کہا: مجھے بتاؤ تو سہی اگر غلام کے ذمہ صغیر کا دین ہو غلام کے آقا نے غلام اس کے حوالے کر دیا پس وصی نے اسے قبول کر لیا اور اس پر قبضہ کر لیا پس دین ساقط ہو جائے گا۔ اگر اس کے بعد وہ رجوع کرے اگر ہم کہیں: دین نہیں لوٹے گا تو وصی کا ہبہ قبول کرنا صغیر کے خلاف ایسا تصرف ہے جو نقصان دینے والا ہے۔ اور وہ اس کا مالک نہیں ہوگا۔ جہاں تک نکاح کے مسئلہ کا تعلق ہے تو اس بارے میں امام ”ابو یوسف“ رضی اللہ عنہ سے دو روایتیں ہیں۔ ایک روایت میں ہے: جب داہب نے رجوع کیا تو نکاح لوٹ آئے گا۔

29250۔ (قولہ: كَعَكْسِهِ) یعنی اگر عورت نے مرد کو کوئی چیز ہبہ کی پھر اس عورت سے نکاح کر دیا تو وہ عورت رجوع

(وَالْقَافُ الْقَرَابَةُ، فَلَوْ وَهَبَ لِذِي رَحِمٍ مَحْرَمٍ مِنْهُ) نَسَبًا (وَلَوْ ذِمِّيًّا أَوْ مُسْتَأْمَنًا لَا يَرْجِعُ) شُغْنِي (وَلَوْ وَهَبَ لِمَحْرَمٍ بِلَا رَحِمٍ كَأَخِيهِ رَضَاعًا) وَلَوْ ابْنٌ عَتِي (وَلِمَحْرَمٍ بِالصَّاهِرَةِ كَأُمَّهَاتِ النِّسَاءِ وَالرَّبَائِبِ وَأَخِيهِ وَهُوَ عَبْدٌ لِأَجْنَبِيٍّ أَوْ لِعَبْدٍ أَخِيهِ رَجَعَ وَلَوْ كَانَا أُمِّي الْعَبْدُ وَمَوْلَاهُ

قاف سے مراد قرابت ہے۔ اگر ایک آدمی نے اپنے ذی رحم محرم کو کوئی چیز ہبہ کی اگرچہ وہ ذمی ہو یا مستامن ہو تو وہ رجوع نہیں کرے گا، ”شغنی“۔ اگر وہ محرم کو ہبہ کرے جو ذی رحم نہ ہو جس طرح اس کا رضاعی بھائی ہو اگرچہ وہ اس کا چچا زاد ہو اور مصاہرت کی وجہ سے محرم کو ہبہ کرے جس طرح بیویوں کو مائیں، بیٹوں کی بیویاں اور بیٹیوں کے خاوند اور اپنے بھائی کو اگرچہ وہ غلام ہو اجنبی شخص یا اپنے بھائی کے غلام کے لیے تو وہ رجوع کر سکتا ہے۔ اگر وہ غلام اور اس کا آقا کرے گی اگرچہ اپنے خاوند سے رجوع کرے۔

29251۔ (قوله: لِذِي رَحِمٍ مَحْرَمٍ مِنْهُ) وہ اس سے خارج ہو گیا جو ذی رحم تو ہو مگر محرم نہ ہو اور جو محرم تو ہے ذی رحم نہیں، ”درر“۔ پہلا چچا زاد ہے جب وہ اس کا رضاعی بھائی بھی ہے تو وہ بھی اس سے خارج ہوگا۔ نسا کے قول سے اس سے احتراز کیا ہے۔ کیونکہ وہ نسبی ذی رحم محرم نہیں۔ جس طرح ”شرنبلا لیه“ میں ہے۔ اور رضاعی بھائی کی طرح ہے۔

29252۔ (قوله: مِنْهُ نَسَبًا) منہ میں ضمیر رحم کے لیے ہے تو ایسا ذی رحم خارج ہو گیا جو غیر محل ہے جس طرح چچا زاد، اور محرم غیر ذی رحم خارج ہو گیا جس طرح رضاعی بھائی، اور ذی رحم محرم جس کی محرمیت رحم کی وجہ سے نہیں جیسے چچا زاد جو رضاعی بھائی ہے۔ اس تعبیر کی بنا پر نسا کے قول کی کوئی حاجت نہیں۔ ہاں اس کی ضرورت ہوگی اگر ضمیر واہب کے لیے بنائی جائے تاکہ اس سے اخیر نکل جائے۔ تدبر

29253۔ (قوله: وَلَوْ ابْنٌ عَتِي) یعنی اگر اس کا رضاعی بھائی اس کا چچا زاد ہو۔ یہ ان کے قول منہ یا ان کے قول نسبا سے خارج ہے۔ کیونکہ اس کی محرمیت نسب سے نہیں بلکہ رضاعت سے ہے۔ اور یہ مخفی نہیں کہ اس کا ماقبل کے ساتھ وصل ظاہر نہیں۔ کیونکہ ان کا قول: المحرم بلا رحم۔ اسے جامع نہیں کیونکہ وہ رحم ہے یہ قول کرنا ممکن ہے کہ ان کے قول بلا رحم میں باسبب ہے یعنی ایسے محرم کے لیے ایسے سبب سے جو رحم کے علاوہ ہے جس طرح اس کے مابعد جو قول ہے اس میں بالصاہرۃ میں باہے۔

29254۔ (قوله: لِمَحْرَمٍ) اس کا عطف لمحرم پر ہے پس یہ رجوع کے مانع نہیں۔ ”باقانی“۔

29255۔ (قوله: وَالرَّبَائِبِ) اس سے مراد بیٹوں کی بیویاں اور بیٹیوں کے خاوند۔ ”خانیہ“۔

29256۔ (قوله: رَجَعَ) کیونکہ ملک، قریب کے لیے من کل الوجوہ واقع نہیں ہوئی، اس کی دلیل یہ ہے کہ غلام اس کا

زیادہ مستحق ہے جو اس کو ہبہ کیا گیا جب وہ اس کا محتاج ہو۔ یہ ”امام صاحب“ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ہے۔ ”صاحبین“ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: وہ پہلی صورت میں رجوع کرے گا نہ کہ دوسری صورت میں۔ جس طرح ”البحر“ میں آیا ہے۔

(ذَا رَحِمَ مَحْرَمٍ مِنَ الْوَاهِبِ فَلَا رُجُوعَ فِيهَا اتِّفَاقًا عَلَى الْأَصَحِّ) لِأَنَّ الْهَبَةَ لِأَيِّهَا وَقَعَتْ تَبَدُّعُ الرُّجُوعِ بَحْرٌ فَرَعٌ وَهَبٌ لِأَخِيهِ وَأَجْنَبِيٌّ مَا لَا يُقْسَمُ فَقَبْضَاهُ لَهُ الرُّجُوعُ فِي حَظِّ الْأَجْنَبِيِّ لِعَدَمِ الْمَانِعِ دَرَرٌ (وَالْهَاءُ هَلَاكُ الْعَيْنِ الْمَوْهُوبَةِ وَلَوْ ادَّعَاهُ) أُنَى الْهَلَاكِ (صَدَقَ بِمَا حَلَفَ) لِأَنَّهُ يُنْكِرُ الرَّدَّ (فَإِنْ قَالَ الْوَاهِبُ هِيَ هَذِهِ) الْعَيْنُ (حَلَفَ) الْمُنْكِرُ (أَنَّهَا لَيْسَتْ هَذِهِ) خُلَاصَةٌ (كَمَا يَحْلِفُ) الْوَاهِبُ (أَنَّ الْمَوْهُوبَ لَهُ لَيْسَ بِأَخِيهِ إِذَا ادَّعَى) الْأَخُ (ذَلِكَ) لِأَنَّهُ يَدَّعِي مُسَبِّبَ النَّسَبِ لَا النَّسَبَ خَانِيَّةٌ (وَلَا يَصِحُّ الرُّجُوعُ إِلَّا بِتَرَاضِيهِمَا أَوْ بِحُكْمِ الْحَاكِمِ)

واہب کے ذی رحم محرم ہوں تو اصح قول کے مطابق بالاتفاق کوئی رجوع نہیں ہوگا۔ کیونکہ ہبہ ان میں سے جس کے لیے واقع ہو وہ رجوع کے مانع ہے، ”بحر“۔ فرع: ایک آدمی نے اپنے بھائی اور اجنبی کو ایسی چیز ہبہ کی جو تقسیم نہیں ہو سکتی دونوں نے اس پر قبضہ کر لیا تو اسے اجنبی کے حصہ میں رجوع کا حق ہوگا۔ کیونکہ مانع موجود نہیں۔ ”درر“۔ ہا سے مراد ہبہ کی گئی چیز کے عین کا ہلاک ہو جانا ہے۔ اگر دونوں نے ہلاکت کا دعویٰ کیا تو قسم کے بغیر اس کی تصدیق کی جائے گی۔ کیونکہ وہ رد کا انکار کرتا ہے اگر ہبہ کرنے والا یہ کہے: یہ وہی عین ہے تو منکر سے یہ قسم لی جائے گی کہ یہ وہ نہیں، ”خلاصہ“۔ جس طرح واہب قسم اٹھائے گا کہ موبوب لہ اس کا بھائی نہیں جب بھائی اس کا دعویٰ کرے۔ کیونکہ وہ نسب کے مسبب کا دعویٰ کرتا ہے نسب کا دعویٰ نہیں کرتا، ”خانیہ“۔ رجوع صحیح نہیں ہوتا مگر باہمی رضامندی سے یا حاکم کے حکم سے۔

29257۔ (قوله: ذَا رَحِمَ مَحْرَمٍ) جس طرح ایک آدمی کے دو بھائی ہیں دونوں میں سے ہر ایک کا بچہ ہے اور دونوں بچوں میں سے ایک دوسرے کا مملوک ہے یا اس کا باپ یا ماں کی جانب سے بھائی ہے اور دونوں میں سے ایک دوسرے کا مملوک ہے۔

29258۔ (قوله: هَلَاكُ الْعَيْنِ) یہی حکم ہوگا جب وہ جان بوجہ کر اسے ہلاک کر دے جس طرح امر ظاہر ہے۔ اصحاب الفتاویٰ نے اس کی تصریح کی ہے، ”رہلی“۔ میں کہتا ہوں: ”بزازیہ“ میں ہے: اگر اس نے بعض کو جان بوجہ ہلاک کر دیا تو وہ باقی میں رجوع کر سکتا ہے۔

29259۔ (قوله: مُسَبِّبُ النَّسَبِ لَا) مسبب یہ میم کے ضمہ، سین کے فتح اور با کی تشدید کے ساتھ ہے۔ یہ وہ ہے، یعنی اس نے نسب کے سبب لازم ہونے والے مال کا دعویٰ کیا مقصود اس کا ثابت کرنا تھا نہ کہ نسب کو ثابت کرنا تھا۔ ”مخ“۔

29260۔ (قوله: وَلَا يَصِحُّ الْخُ) ”قاضی خان“ نے کہا: ایک آدمی نے دوسرے کو پٹڑا ہبہ کیا پٹڑا پھرتی سے اسے اچک لیا اور اسے ہلاک کر دیا تو واہب موبوب لہ کے کپڑے کی قیمت کا ضامن ہوگا۔ کیونکہ ہبہ میں رجوع قضا یا رضاست ہوتا ہے۔ ”سالحانی“۔

29261۔ (قوله: أَوْ بِحُكْمِ الْحَاكِمِ الْخُ) واہب جب موبوب لہ کی مرض میں قاضی کے فیصلہ کے بغیر ہبہ میں رجوع

لِلْاِخْتِلَافِ فِيهِ فَيُضَنُّ بِبَنْعِهِ بَعْدَ الْقَضَاءِ لَا قَبْلَهُ (وَإِذَا رَجَعَ بِأَحَدِهِمَا) بِقَضَاءٍ أَوْ رِضًا (كَانَ فُسْخًا) لِعَقْدِ الْهَبَةِ (مِنْ الْأَصْلِ وَإِعَادَةً لِمَلِكِهِ) الْقَدِيمِ لَا هَبَةً لِلْوَاهِبِ (فَ) لِهَذَا (لَا يُشْتَرَطُ فِيهِ قَبْضُ الْوَاهِبِ وَصَحَّ) الرُّجُوعُ (فِي الشَّائِعِ) وَلَوْ كَانَ هَبَةً لَهَا صَحَّ فِيهِ (وَلِلْوَاهِبِ رَدُّهُ عَلَى بَائِعِهِ مُطْلَقًا) بِقَضَاءٍ أَوْ رِضًا (بِخِلَافِ الرَّدِّ بِالْعَيْبِ بَعْدَ الْقَبْضِ بِغَيْرِ قَضَاءٍ) لِأَنَّ حَقَّ الْمُشْتَرِي فِي وَصْفِ السَّلَامَةِ لَا فِي الْفُسْخِ فَافْتَرَقَا ثُمَّ مُرَادُهُمْ بِالْفُسْخِ مِنَ الْأَصْلِ أَنْ لَا يَتَرْتَّبَ عَلَى الْعَقْدِ أَثَرٌ فِي الْمُسْتَقْبَلِ لَا بُطْلَانُ أَثَرِهِ أَصْلًا

کیونکہ اس میں اختلاف ہے پس قضا کے بعد روکنے سے وہ ضامن ہوگا اس سے قبل ضامن نہیں ہوگا۔ جب اس نے دونوں صورتوں میں سے ایک یعنی قضا یا رضا سے رجوع کیا تو یہ اصل سے ہی عقد ہبہ کا فسخ ہوگا اور اس کی قدیمی ملک کا اعادہ ہوگا یہ واہب کو ہبہ نہیں ہوگا۔ اسی وجہ سے واہب کا قبضہ کرنا شرط نہیں۔ اور مشترک چیز میں رجوع صحیح ہے اگر یہ ہبہ ہوتا تو اس میں یہ صحیح نہ ہوتا۔ واہب کو حق حاصل ہے کہ وہ بائع کو مطلقاً لوٹا دے وہ قضا کے ساتھ ہو یا باہمی رضا کے ساتھ ہو۔ قبضہ کے بعد قضا کے بغیر عیب کی وجہ سے لوٹانے کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ مشتری کا حق سلامتی کے وصف میں ہے فسخ میں اس کا حق نہیں پس دونوں جدا ہو گئے۔ پھر اصل سے ہی فسخ ہونے سے ان کی مراد یہ ہے کہ مستقبل میں عقد پر کوئی اثر مرتب نہ ہونے کہ اصلاً اس کے اثر کا باطل ہونا ہے

کرتا ہے تو اس کا اعتبار موہوب لہ کے تمام مال سے ہوگا یا ایک تہائی سے ہوگا۔ اس بارے میں دو روایتیں ہیں۔ ”ابن سماعہ“ نے قیاس میں یہ ذکر کیا ہے: اس کے تمام مال سے قیاس کیا جائے گا۔ ”خانہ“۔

29262۔ (قولہ: بِبَنْعِهِ) واہب نے اس سے طلب کیا اور اس نے روک لیا تو وہ ضامن ہوگا۔ کیونکہ اس نے تعدی کی۔ اگر اس نے قضا سے پہلے اسے آزاد کر دیا تو وہ آزادی نافذ ہو جائے گی۔ اگر اس نے واپس کرنے سے روک دیا اور وہ چیز ہلاک ہو گئی تو وہ ضامن نہیں ہوگا۔ کیونکہ اس کی اس میں ملکیت قائم ہو چکی ہے۔ اسی طرح جب وہ قضا کے بعد ہلاک ہو کیونکہ یہ قبضہ کا آغاز ہے جس پر ضمانت نہیں یہ اس پر دوام ہے۔ ”بحر“۔

29263۔ (قولہ: وَإِعَادَةً) یہ منصوب ہے اور فسخ پر اس کا عطف ہے۔

29264۔ (قولہ: لَا هَبَةً) جس طرح امام ”زفر“ رحمہ اللہ نے کہا ہے۔

29265۔ (قولہ: فِي الشَّائِعِ) اس کی صورت یہ ہے اس نے جو ہبہ کیا تھا اس کے بعض میں رجوع کر لے۔

29266۔ (قولہ: عَلَى بَائِعِهِ) یعنی خیاری عیب کے حکم سے۔ یعنی ہبہ سے پہلے عیب کا علم نہیں۔ ”ابو سعود“۔

29267۔ (قولہ: مُطْلَقًا) یہ رجوع الواہب سے حال ہے۔

29268۔ (قولہ: وَصِفِ السَّلَامَةِ) اسی وجہ سے اگر عیب زائل ہو جائے تو رد کرنا ممتنع ہو جائے گا۔

وَالْإِلَّا لِعَادَ الْمُتَفَصِّلُ إِلَى مِثْلِ الْوَهِبِ بِرُجُوعِهِ فَصُولَيْنِ (اتَّفَقَا) الْوَهِبُ وَالْمَوْهُوبُ لَهُ (عَلَى) الرُّجُوعِ فِي (مَوْضِعٍ لَا يَصِحُّ) رُجُوعُهُ مِنْ الْمَوَاضِعِ السَّابِقَةِ (كَالْهَبَةِ لِقَرَابَتِهِ جَازَ هَذَا الْإِنْفَاقُ مِنْهُمَا جَوْهَرَةً وَفِي الْمُجْتَبَى لَا تَجُوزُ الْإِقَالَةُ فِي الْهَبَةِ وَالصَّدَقَةُ فِي الْحَارِمِ إِلَّا بِالتَّقْبِضِ؛ لِأَنَّهَا هَبَةٌ ثُمَّ قَالَ وَكُلُّ شَيْءٍ يَفْسَخُهُ الْحَاكِمُ إِذَا اخْتَصَمَا إِلَيْهِ فَهَذَا حُكْمُهُ، وَلَوْ وَهَبَ الدَّيْنُ لِطِفْلِ الْمَدْيُونِ لَمْ يَجْزُ؛ لِأَنَّهُ غَيْرُ مَقْبُوضٍ، وَفِي الدَّرَرِ قَضَى بِبُطْلَانِ الرُّجُوعِ لِمَانِعٍ ثُمَّ زَالَ الْمَانِعُ عَادَ الرُّجُوعُ (تَلَفْتُ) الْعَيْنُ

ورنہ رجوع کرنے سے منفصل واہب کی ملکیت کی طرف لوٹ آئے گی، ”فصولین“۔ واہب اور موهوب لہ نے ان سات سابقہ مواضع جن میں رجوع صحیح نہیں ہوتا ان میں سے کسی ایک موضع میں رجوع پر اتفاق کیا جس طرح قریبی کے لیے ہبہ کیا گیا تھا تو دونوں کی جانب سے یہ اتفاق صحیح ہوتا ہے، ”جوہرہ“۔ ”المجتبیٰ“ میں ہے۔ ہبہ اور صدقہ جو محارم میں کیا جاتا ہے ان میں اقالہ جائز نہیں ہوتا مگر جب قبضہ کر لیا جائے۔ کیونکہ اقالہ ہبہ ہوتا ہے پھر کہا: ہر وہ شے جسے حاکم فسخ کر دے جب دونوں اس کے پاس خصومت لے کر آئیں تو یہ اس کا حکم ہوگا۔ اگر اس نے دین مدیون کے بچے کو ہبہ کر دیا تو یہ جائز نہ ہوگا۔ کیونکہ اس پر قبضہ نہیں کیا گیا، ”الدرر“ میں ہے: کسی مانع کی وجہ سے رجوع کے باطل ہونے کا فیصلہ کیا گیا پھر مانع زائل ہو گیا تو رجوع لوٹ آئے گا۔ عین موهوبہ تلف ہو گیا

29269۔ (قوله: الْمُتَفَصِّلُ) ایسے زوائد جو منفصل ہوں اور موهوب سے متولد ہوں جس طرح ”حاشیہ“ میں ہے۔

29270۔ (قوله: لَا يَصِحُّ رُجُوعُهُ) یہ موضع کی صفت ہے۔ ”حاشیہ“ میں اسی طرح ہے۔

29271۔ (قوله: لِأَنَّهَا هَبَةٌ) یعنی اقالہ مستقل ہبہ ہے۔ ”بزازیہ“ کی عبارت ہے: جس پر صدقہ کیا گیا تھا اس سے

صدقہ میں اقالہ کا مطالبہ کیا تو اس نے اقالہ کر دیا تو یہ جائز نہیں ہوگا یہاں تک کہ وہ قبضہ نہ کر لے۔ کیونکہ یہ مستقل ہبہ ہے۔ اسی طرح کا حکم ہوگا جب ہبہ ذی رحم محرم کا ہو ہر وہ شے جسے حاکم فسخ نہیں کرتا جب وہ دونوں اس کے سامنے مسئلہ لے کر جاتے ہیں تو یہ اس کا حکم ہوگا۔ اس کی مکمل بحث اس میں ہے پس اس کی طرف رجوع کیجئے جب کہ وہ نسخہ صحیح ہو۔

29272۔ (قوله: وَكُلُّ شَيْءٍ يَفْسَخُهُ) ظاہر یہ ہے کہ لاکالفظ ساقط ہے اصل لا یفسخہ ہے جس طرح ”الخانیہ“ میں

واقع ہے۔ اس سے معنی ظاہر ہو جاتا ہے اس سے مراد محارم اور غیر کو شامل کرنا ہے جن کے ہبہ میں رجوع نہیں ہوتا۔

29273۔ (قوله: وَلَوْ وَهَبَ الْخ) دوسرے ورقہ میں عنقریب آئے گا کہ قابل اعتماد اس کا صحیح ہونا ہے۔ ”سرخانی“۔

29274۔ (قوله: عَادَ الرُّجُوعُ) جو قول ”الخانیہ“ سے پہلے نقل کیا ہے یہ اس پر مبنی ہے۔ ”قبتانی“ نے اس پر اعتماد کیا

ہے۔ لیکن وہاں کلام میں اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ اعتماد اس کے برعکس پر ہے۔

میں کہتا ہوں: ”الدرر“ میں اطلاق ہے وہ مخفی نہیں۔ کیونکہ مانع بعض اوقات ہبہ کا اس کی ملک سے نکل جانا ہے پھر سبب

جدید کے ساتھ لوٹنا ہے۔ بعض اوقات مانع زوجیت کی وجہ سے ہوتا ہے پھر وہ زائل ہو جاتا ہے اس صورت میں رجوع نہیں

(الْمَوْهُوبَةُ وَاسْتَحَقَّهَا مُسْتَحِقٌّ وَضَمَّنَ) الْمُسْتَحِقُّ (الْمَوْهُوبُ لَهُ لَمْ يَرْجِعْ عَلَى الْوَاهِبِ بِمَا ضَمَّنَ) لِأَنَّهَا عَقْدٌ تَبَرُّعٌ فَلَا يَسْتَحِقُّ فِيهِ السَّلَامَةُ (وَالْإِعَارَةُ كَالْهَبَةِ) هُنَا لِأَنَّ قَبْضَ الْمُسْتَعِيرِ كَانَ لِنَفْسِهِ، وَلَا غُرُورَ لِعَدَمِ الْعَقْدِ، وَتَسَامُوهُ فِي الْعِبَادِيَّةِ (وَإِذَا وَقَعَتِ الْهَبَةُ بِشَرْطِ الْعَوَضِ الْمُعَيَّنِ فَهِيَ هَبَةٌ ابْتِدَاءً فَيُسْتَرْطُ التَّقَابُضُ فِي الْعَوَضَيْنِ وَيَبْطُلُ) الْعَوَضُ (بِالشُّيُوعِ) فَيَمَّا يُقْسَمُ بَيِّعٌ انْتِهَاءً فَتَرُدُّ بِالْعَيْبِ وَخِيَارِ الرُّؤْيَةِ، وَتُؤْخَذُ بِالشُّفْعَةِ هَذَا إِذَا قَالَ وَهَبْتُكَ عَلَى أَنْ تَعَوِّضَنِي كَذَا، أَمَّا لَوْ قَالَ وَهَبْتُكَ بِكَذَا،

اور اس کا کوئی مستحق نکل آیا اور مستحق نے موهوبہ سے چٹی لے لی تو اس نے جو ضمانت دی ہے اس کا واہب سے مطالبہ نہیں کرے گا۔ کیونکہ یہ احسان کا عقد ہے پس اس میں سلامتی کا مستحق نہیں۔ اور اعارہ یہاں ہبہ کی طرح ہے۔ کیونکہ مستعیر کا قبضہ اپنی ذات کے لیے تھا اور عقد نہ ہونے کی وجہ سے کوئی دھوکہ نہیں۔ اس کی مکمل بحث ”عمادیہ“ میں ہے۔ جب ہبہ معین عوض کی شرط کے ساتھ واقع ہو تو وہ ابتداءً ہبہ ہوگا دونوں عوضوں میں باہم قبضہ کرنا شرط ہے۔ اور اشتراک کی وجہ سے عوض باطل ہو جائے گا ان چیزوں میں جو تقسیم ہو سکتی ہیں اور یہ انتہاء بیع ہوگی۔ پس عیب اور خیار رویت کی وجہ سے اسے رد کیا جاسکے گا اور شفیعہ کی وجہ سے اسے لیا جائے گا۔ یہ حکم اس وقت ہوگا جب وہ کہے: میں نے تجھے ہبہ کیا ہے اس شرط پر کہ تو مجھے اتنا عوض دے گا۔ اگر وہ کہے: میں نے تجھے اس کے عوض سے یہ ہبہ کیا ہے

لوٹے گا جس طرح علما نے اس کی تصریح کی ہے۔ ہاں علما نے اس صورت میں اس کی تصریح کی ہے جب وہ گھر میں کوئی چیز بنائے پھر عمارت کو گرا دے اور اس صورت میں اس کی تصریح کی ہے جب وہ کسی اور کو ہبہ کرے پھر رجوع کر لے۔ شاید مراد عارضی مانع کا زائل ہونا ہے۔ زوجیت اگرچہ زائل ہو چکی ہے لیکن یہ اصل سے مانع ہے۔ اور سبب جدید کے ساتھ لوٹنا یہ اس ملک کے تجدد کے قائم مقام ہے جو واہب کے علاوہ کی جانب سے پیدا ہوئی ہے۔ پس یہ موهوم کے علاوہ دوسرے عین کے قائم مقام ہوگی۔ جب وہ ہبہ اس کی طرف لوٹ آئے جو عقد کا فسخ ہو تو معاملہ مختلف ہوگا۔ یہ امر میرے لیے ظاہر ہوا ہے پس اس پر غور کر لیجئے۔

29275۔ (قوله: وَضَمَّنَ) یہ لفظ میم کی تشدید کے ساتھ ہے مستحق اس کا فاعل ہے اور موهوب اس کا مفعول ہے۔

29276۔ (قوله: التَّقَابُضُ) یعنی مجلس میں اور اس کے بعد اجازت سے باہم قبضہ کیا۔

29277۔ (قوله: فِي الْعَوَضَيْنِ) جب تقابض نہ پایا گیا تو ان دونوں میں سے ہر ایک کو رجوع کرنے کا حق ہوگا۔ اسی

طرح اگر دونوں میں سے ایک قبضہ کرے تو ہر ایک کو رجوع کا حق ہوگا۔ قابض اور غیر قابض برابر ہوں گے۔ ”غایۃ البیان“۔

29278۔ (قوله: بَيِّعٌ انْتِهَاءً) یعنی جب قبضہ دونوں عوضوں کے ساتھ متصل ہو جائے۔ ”غایۃ البیان“۔

مگر جب وہ عوض کی مقدار میں اختلاف کریں تو باہم قسم اٹھانا نہیں ہوگا۔ کیونکہ ”مقدسی“ میں ”ذخیرہ“ سے مروی ہے کہ اس پر اتفاق ہے کہ یہ ہبہ عوض کے ساتھ ہے اور دونوں کا اس کی مقدار میں اختلاف ہو گیا ہے اور اس پر قبضہ نہیں کیا گیا جب کہ

فَهُوَ بَيْعٌ ابْتِدَاءً وَانْتِهَاءً وَقَيَّدَ الْعَوَضَ بِكَوْنِهِ مُعَيَّنًا؛ لِأَنَّهُ لَوْ كَانَ مَجْهُولًا بَطَلَ اشْتِرَاؤُهُ فَيَكُونُ هِبَةً
 ابْتِدَاءً وَانْتِهَاءً فَرُغَ وَهَبَ الْوَاقِفُ أَرْضًا شَرْطًا اسْتَبَدَّ إِلَهُ بِهَا شَرْطَ عَوَضٍ لَمْ يَجْزُ وَإِنْ شَرْطًا كَانَ كَبِيرًا،
 ذَكَرَهُ النَّاصِحِيُّ وَفِي الْمَجْمَعِ وَأَجَازَ مُحَمَّدٌ هِبَةَ مَالٍ طُفْلِهِ بِشَرْطِ عَوَضٍ مُسَاوٍ وَمَنْعَاهُ قُلْتُ فَيُخْتَارُ
 عَلَى قَوْلِهِمَا إِلَى الْفَرْقِ بَيْنَ الْوَقْفِ وَمَالِ الصَّغِيرِ انْتَهَى، وَاللَّهُ أَعْلَمُ

تو یہ ابتداء اور انتہاء بیع ہوگی۔ فرع: واہب نے عوض کی شرط کے بغیر زمین ہبہ کی بدلہ لینے کی شرط کے ساتھ تو یہ جائز نہ ہوگا۔
 اگر وہ شرط لگائے تو وہ بیع کی طرح ہوگی۔ ”ناصحی“ نے اس کا ذکر کیا ہے۔ ”المجمع“ میں ہے: امام ”محمد“ رحمہ اللہ نے اپنے بچے
 کے مال کے ہبہ کو جائز قرار دیا ایسے عوض کی شرط کے ساتھ جو مساوی ہو اور شیخین نے اس سے منع کیا ہے۔ میں کہتا ہوں:
 شیخین کے قول کے مطابق وقف اور صغیر کے مال میں فرق کرنے کی ضرورت ہوگی۔ کلام ختم ہوئی۔ واللہ اعلم۔

ہبہ قائم ہے۔ واہب کو اختیار دیا جائے گا کہ وہ موہوب لہ کی تصدیق کر دے اور ہبہ میں رجوع کر لے یا اس کی قیمت لے لے
 اگر وہ چیز ہلاک ہو چکی ہو۔

اگر وہ دونوں عوض کی اصل میں اختلاف کریں تو اس کے انکار میں موہوب لہ کے قول کا اعتبار ہوگا اور واہب کو رجوع کا
 حق ہوگا اگر وہ موجود ہو اگر اسے ہلاک کر دیا جائے تو اس کے لیے کوئی شے نہ ہوگی۔ اگر وہ رجوع کا ارادہ کرے اور وہ کہے:
 میں تیرا بھائی ہوں، میں نے تجھے عوض دے دیا ہے یا تو نے یہ صدقہ کیا ہے تو بطور استحسان قول واہب کا معتبر ہوگا۔ ملخص
 29279۔ (قوله: بِبَلَا شَرْطٍ) یہ وہب کے متعلق ہے۔

29280۔ (قوله: إِلَى الْفَرْقِ) میرے والد کے شیخ نے کہا: دونوں میں بعض اوقات یہ فرق کیا جاتا ہے کہ واقف جب
 بدل لینے کی شرط لگائے جب کہ یہ ہر عقد کے ساتھ حاصل ہوتا ہے تو یہ معاوضہ کا فائدہ دیتا ہے یہ عقد اس کی شرط میں داخل ہوتا
 ہے۔ باپ جب اپنے چھوٹے بچے کے مال کو ہبہ کرے تو معاملہ مختلف ہوتا ہے۔ ”رطی“ نے ”المنح“ پر اپنے حاشیہ میں اسی
 طرح کا قول کیا ہے۔ ”مدنی“۔

فُضِّلَ فِي مَسَائِلِ مُتَفَرِّقَةٍ

(وَهَبَ أُمَّةً إِلَّا حَنْلَهَا، وَعَلَى أَنْ يَرُدَّهَا عَلَيْهِ أَوْ يُعْتَقَهَا أَوْ يَسْتَوْلِدَهَا أَوْ) وَهَبَ (دَارًا عَلَى أَنْ يَرُدَّ عَلَيْهِ شَيْئًا مِنْهَا) وَلَوْ مُعَيَّنًا كَثُلَتْ الدَّارُ أَوْ رُبِعَهَا (أَوْ عَلَى أَنْ يُعَوِّضَ فِي الْهَبَةِ وَالصَّدَقَةِ شَيْئًا عَنْهَا صَحَّتْ) الْهَبَةُ (وَبَطَلَ إِلَّا سِتْنَاءُ) فِي الصُّورَةِ الْأُولَى (وَبَطَلَ) (الشَّرْطُ) فِي الصُّورِ الْبَاقِيَةِ؛ لِأَنَّهُ بَعْضُ أَوْ مَجْهُولٌ وَالْهَبَةُ لَا تَبْطُلُ بِالشُّرُوطِ

متفرق مسائل کے احکام

ایک آدمی نے کسی کو لونڈی ہبہ کی مگر اس کا حمل ہبہ نہ کیا یا اس شرط پر ہبہ کی کہ موہوب لہ لونڈی اس کی طرف پھیر دے گا یا اسے آزاد کر دے گا یا اسے ام ولد بنالے گا یا گھر اس شرط پر ہبہ کیا کہ موہوب لہ گھر میں سے کوئی شے اس کی طرف لوٹا دے گا اگر وہ معین ہو جس طرح گھر کا تیسرا حصہ یا چوتھا حصہ یا ہبہ اور صدقہ میں کوئی شے عوض دینے کی شرط پر ہبہ کیا ہے ہبہ صحیح ہوگا اور پہلی صورت میں استثنا باطل ہو جائے گی۔ اور باقی صورتوں میں شرط باطل ہو جائے گی۔ کیونکہ وہ بعض ہے یا مجہول ہے اور ہبہ شروط کے ساتھ باطل نہیں ہوتا۔

حمل کی استثنا کی اقسام

29281۔ (قوله: إِلَّا حَنْلَهَا) یہ جان لو کہ حمل کی استثنا تین اقسام میں منقسم ہے۔ ایک قسم میں تصرف جائز ہوتا ہے اور استثنا باطل ہو جاتا ہے جیسے ہبہ، نکاح، خلع اور دم عہد کی صلح۔

ایک قسم میں اصل تصرف جائز نہیں ہوتا جیسے بیع، اجارہ اور رہن۔ کیونکہ یہ ایسے عقود ہیں جو شروط کے ساتھ باطل ہو جاتے ہیں اسی طرح حمل کی استثنا ہے۔

ایک میں تصرف اور استناد دونوں جائز ہیں جیسے وصیت کیونکہ وصیت کے ساتھ حمل کو علیحدہ کرنا جائز ہوتا ہے اسی طرح اس کی استثنا ہے۔ ”یعقوبیہ“۔

29282۔ (قوله: شَيْئًا عَنْهَا) یعنی مجہول شے (لوٹانے کی شرط لگاتا ہے)۔ ”ح“۔

29283۔ (قوله: لِأَنَّهُ بَعْضٌ) متن میں یہ گزر چکا ہے کہ یہ شرط ہے کہ عوض موہوب لہ کا بعض نہ ہو۔

29284۔ (قوله: أَوْ مَجْهُولٌ) پہلا گھر ہبہ کرنے کی صورت کی طرف راجع ہے دوسرا ان کے قول: او علی ان

یعوض کی طرف راجع ہے اور پہلی کے بعد جو تین صورتیں ہیں ان کو جامع نہیں۔ زیادہ مقدار ”ہدایہ“ کی تعلیل ہے کہ یہ شروط مقتضائے عقد کے خلاف ہیں پس یہ شروط فاسد ہیں اور ہبہ ان شروط کے ساتھ باطل نہیں ہوتا مگر یہ کہا جائے کہ ان کا قول

وَلَا تَنْسَ مَا مَرَّ مِنْ اشْتَرَاطِ مَعْلُومِيَّةِ الْعَوْضِ اَعْتَقَ حَنْلَ اُمَةٍ ثُمَّ وَهَبَهَا صَحَّ وَلَوْ دَبَّرَهُ ثُمَّ وَهَبَهَا لَمْ يَصَحَّ لِبَقَاءِ الْحَنْلِ عَلَى مِلْكِهِ فَكَانَ مَشْغُولًا بِهِ بِخِلَافِ الْاَوَّلِ (كَمَا لَا يَصَحُّ) تَغْلِيْقُ الْاِبْرَاءِ عَنِ الدِّينِ بِشَرْطِ مَحْضٍ كَقَوْلِهِ لِبَدْيُونِهِ اِذَا جَاءَ غَدًا اَوْ اِنْ مِتَّ بِفَتْحِ التَّاءِ فَانْتَ بَرِيٌّ مِّنَ الدِّينِ اَوْ اِنْ مِتَّ مِّنْ مَّرَضِكَ هَذَا اَوْ اِنْ مِتَّ مِّنْ مَّرَضِي هَذَا فَانْتَ فِي حِلٍّ مِّنْ مَّهْرِي فَهُوَ بَاطِلٌ؛

اور معلوم عوض کی شرط ہونے کے بارے میں جو گزرا ہے اسے نہ بھولو۔ لونڈی کا حمل آزاد کر دیا پھر لونڈی بہہ کر دی تو یہ صحیح ہے۔ اگر اس نے حمل کو مدبر بنایا پھر لونڈی بہہ کر دی تو یہ صحیح نہ ہوگا۔ کیونکہ حمل اس کی ملک پر باقی رہے گا پس بہہ مشغول بہ رہا۔ پہلی صورت کا معاملہ مختلف ہے جس طرح یہ صحیح نہیں کہ دین سے بری کرنے کو شرط محض سے معلق کیا جائے جس طرح وہ اپنے مدیون کو کہے: جب کل آجائے یا اگر تو مر جائے تو تو دین سے بری ہوگا یا اگر تو اس مرض سے مر جائے یا میں اس مرض سے مر جاؤں تو میرے مہر سے پاک ہے تو یہ باطل ہے۔

والہبۃ لا تبطل بالشرط یہ تعلیل کے تتمہ سے ہے۔

29285۔ (قوله: وَلَا تَنْسَ الْخ) ”زیلعی“ نے ”نہایہ“ کی اتباع میں جو قول کیا اس کے رد کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اس پر متنبہ کیا کہ ان کے قول: اذ علی ان یعوض الخ میں اشکال ہے۔ کیونکہ اگر انہوں نے عوض کی شرط کے ساتھ بہہ کا ارادہ کیا ہے تو بہہ اور شرط دونوں جائز ہوں گے۔ پس ان کا قول بطل الشہط درست نہ ہوگا۔ اگر اس سے یہ ارادہ کیا کہ عین موہوب سے کسی شے کو بغیر عوض لوٹائے تو یہ تکرار محض ہوگا۔ کیونکہ انہوں نے اس کا ذکر اپنے اس قول: علی ان یرد علیہ شیئ منہا سے کر دیا ہے۔ اس اعتراض کے رد کا حاصل یہ ہے کہ مراد اول ہی ہے اور عوض کو جہالت کی وجہ سے شرط باطل ہے۔ ”البحر“ میں اسی طرح بیان کیا ہے پھر میں نے ”صدر الشریعہ“ کو دیکھا ہے جنہوں نے اس کی تصریح کی ہے تو انہوں نے کہا: ان کی مراد ہے جب عوض مجہول ہو۔ عوض صحیح ہوگا جب وہ معلوم ہو۔

29286۔ (قوله: بِشَرْطِ مَحْضِ الْخ) فروع: ایک عورت نے اپنا مہر اس شرط پر اپنے خاوند کے لیے کر دیا کہ وہ جس عورت سے اس پر شادی کرے گا اس کا معاملہ اس کے ہاتھ میں دے گا خاوند نے اس کی یہ بات قبول نہ کی۔ ایک قول: یہ کیا گیا ہے: خاوند مہر سے بری نہیں ہوگا۔ مختار یہ ہے کہ بہہ مدیون کے قبول کرنے کے بغیر صحیح ہو جائے گا۔ اگر خاوند نے است قبول کر لیا۔ اگر عورت کا معاملہ عورت کے ہاتھ میں دے دیا تو بری کرنا نافذ ہو جائے گا۔ اگر وہ اس طرح نہ کرے تو بعض کے نزدیک معاملہ اسی طرح ہے۔ مختار مذہب یہ ہے کہ مہر لوٹ آئے گا۔

اسی طرح اگر عورت نے مرد کو اس شرط پر مہر سے بری کر دیا کہ وہ اس عورت کو نہیں مارے گا، اس پر حجر نہیں کرے گا یا اسے فلاں چیز بہہ کرے گا اگر یہ بہہ میں شرط نہ ہو تو یہ نہیں لوٹے گا۔

خاوند نے عورت کو اس چیز سے روک لیا کہ وہ اپنے والدین کے پاس جائے یہاں تک کہ عورت اسے مہر بہہ کر دے تو بہہ باطل

لَا تَنْتَهِ مُخَاطَرَةٌ وَتَعْلِيقٌ (إِلَّا بِشَرْطٍ كَائِنٍ) لِيَكُونَ تَنْجِيزًا كَقَوْلِهِ لِبَدْيُونِهِ إِنْ كَانَ لِي عَلَيْكَ دَيْنٌ أَبْرَأْتُكَ عَنْهُ، صَحَّ وَكَذَا إِنْ مِتُّ بِضَمِّ التَّاءِ فَأَنْتَ بَرِيءٌ مِنْهُ أَوْ فِي حِلٍّ جَازٍ وَكَانَ وَصِيَّةً خَائِنَةً (جَازَ الْعُمَرَى) لِلْمَعْرَلَةِ وَلَوْ رَثْتَهُ بَعْدَهُ لِبُطْلَانِ الشَّرْطِ

کیونکہ یہ مخاطرہ اور تعلیق ہے مگر ایسی شرط سے معلق کرے جو ہو چکی ہو تا کہ وہ تنجیز ہو جائے جس طرح وہ اپنے مدیون سے کہے: اگر میرا تجھ پر دین ہے تو میں نے تجھے اس سے بری کر دیا تو یہ صحیح ہوگا۔ اسی طرح اگر میں مرجاؤں تو تو اس سے بری ہے یا تو دین سے پاک ہے تو یہ جائز ہوگا اور یہ وصیت ہوگی، ”خانیہ“۔ عمری اس کے لیے جائز ہے جس کے لیے عمر بھر کے لیے اسے مختص کیا گیا اور اس کے بعد اس کے ورثاء کے لیے ہے۔ کیونکہ شرط باطل ہے،

ہوگا۔ کیونکہ وہ عورت اس عورت کی طرح ہے جس پر جبر و اکراہ کیا جا رہا ہے۔ ”شمس الاسلام“ نے ذکر کیا ہے کہ خاوند نے بیوی کو مار سے ڈرایا یہاں تک کہ عورت اپنا مہر بہہ کر دے اگر خاوند مارنے پر قادر ہے تو یہ اکراہ ہے اور بکرنے مہر کے سقوط کا ذکر کیا ہے۔ شرط کے ساتھ معلق کرنے کو قبول نہیں کیا جائے گا۔ کیا تو نہیں دیکھتا اگر عورت نے اپنے خاوند سے کہا: اگر تو نے یہ کہا تو مہر سے بری ہے تو یہ صحیح نہیں۔

ایک آدمی نے اپنے مدیون سے کہا: میرا جو تجھ پر حق ہے اگر میں تجھ سے اس کا تقاضا نہ کروں یہاں تک کہ تو مرجائے تو تو اس سے پاک ہے تو یہ باطل ہے۔ کیونکہ یہ تعلیق ہے اور براءت اس کا احتمال نہیں رکھتی۔ ”بزازیہ“۔

29287۔ (قوله: لَا تَنْتَهِ مُخَاطَرَةٌ) کیونکہ یہ احتمال موجود ہے کہ کل آنے سے قبل یا مدیون کی موت سے قبل وغیرہ وہ مرجائے کیونکہ معنی یہ ہے: جب تو مجھ سے پہلے مر گیا اور اگر کل آ گیا اور دین تجھ پر ہو تو یہ احتمال موجود ہے کہ دائن کل آنے سے قبل یا مدیون کی موت سے قبل مرجائے تو یہ مخاطرہ ہوگا۔ ہمارے شیخ نے اسی طرح اسے ثابت کیا ہے۔

میں کہتا ہوں: ظاہر یہ ہے کہ مراد ہے کہ یہ اس جیسی صورت میں مخاطرہ ہے ”اگر تو اپنی اس مرض میں مر گیا اور اس جیسی صورت میں تعلیق ہے اگر کل آیا“ اور بری کرنا ان دونوں کا احتمال نہیں رکھتا۔ اور شرط کائن سے مراد وہ شرط ہے جو بری کرنے کی حالت میں موجود ہے۔ جہاں تک ان کا قول: اگر میں مرجاؤں کا تعلق ہے تو یہ صحیح ہے اگرچہ تعلیق ہے۔ کیونکہ وہ وصیت ہے پس یہ تعلیق کا احتمال رکھتی ہے فافہم۔

مسئلہ کتاب البیوع کے متفرقات میں گزر چکا ہے کہ جو شرط کے ساتھ باطل ہو جاتے ہیں اور شرط کے ساتھ جن کی تعلیق صحیح نہیں ہوتی۔

عمری اور رقبی میں فرق اور ان کا حکم

29288۔ (قوله: جَازَ الْعُمَرَى) عمری کا لفظ اعمار سے عین کے ضمہ کے ساتھ ہے۔ جس طرح ”صحاح“ میں ہے۔

حاشیہ میں کہا: عمری یہ ہے کہ وہ اپنا گھر اس کے عمر بھر کے لیے خاص کر دے جب وہ مرے تو اسے اصل کی طرف لوٹا دیا جائے۔

(لَا تَجُوزُ الرُّقْبَى) لَأَنَّهَا تَعْلِقُ بِالْخَطَرِ وَإِذَا لَمْ تَصَحَّ تَكُونُ عَارِيَّةً شُئْنِي لِحَدِيثِ أَحْمَدَ وَغَيْرِهِ مَنْ أَعْمَرَ عُمُرِي فَهِيَ لِعُمُرِهِ فِي حَيَاتِهِ وَمَوْتِهِ لَا تَرُقُبُوا فَمَنْ أَرُقِبَ شَيْئًا فَهُوَ سَبِيلُ الْمِيرَاثِ (بَعَثَ إِلَى امْرَأَتِهِ مَتَاعًا) هَدَايَا إِلَيْهَا (وَبَعَثَتْ لَهُ أَيْضًا) هَدَايَا عَوْضًا لِلْهَبَةِ صَرَحَتْ بِالْعَوْضِ أَوْ لَا (ثُمَّ افْتَرَقَا بَعْدَ الزَّفَافِ وَادَّعَى الزَّوْجُ أَنَّهُ عَارِيَّةٌ) لَا هِبَةَ وَحَلَفَ (فَأَرَادَ الْاِسْتِرْدَادَ وَأَرَادَتْ) هِيَ (الْاِسْتِرْدَادَ) أَيْضًا يَسْتَرِدُّ كُلُّ مِنْهُمَا (مَا أُعْطِيَ)

رقبی جائز نہیں۔ کیونکہ یہ خطر کیساتھ معلق کرنا ہے جب رقبی جائز نہیں تو یہ عاریہ ہوگا ”شمسی“۔ کیونکہ امام احمد بن حنبل وغیرہ کی حدیث ہے: جس نے عمر بھر کیلئے کوئی چیز کسی کیلئے مختص کی تو یہ زندگی اور موت دونوں صورتوں میں معمرہ کیلئے ہوگی۔ رقبی نہ کیا کرو جس نے رقبی کے طور پر کوئی شے کسی کیلئے مختص کی تو وہ میراث کے طریقہ پر ہے (1)۔ ایک مرد نے اپنی عورت کی جانب سے سامان بطور ہبہ کے بھیجا اور عورت نے بھی اسے ہبہ کے عوض کے طور پر ہدایا بھیجے عوض کی تصریح کی یا نہ کی پھر زفاف کے بعد دونوں جدا ہو گئے اور خاوند نے یہ دعویٰ کیا کہ وہ عاریہ ہے اور ہبہ نہیں اور یہ قسم اٹھا دی مرد نے واپس لینے کا ارادہ کیا اور عورت نے بھی واپس لینے کا ارادہ کیا ہر ایک نے جو عطا کیا وہ واپس لوٹانے کا ارادہ کیا اور عورت نے بھی واپس لے لے

29289۔ (قوله: لَا تَجُوزُ الرُّقْبَى) اس کی صورت یہ ہے کہ وہ کہے: اگر وہ تجھ سے قبل مر گیا تو یہ تیرے۔ یہ ہوگا

کیونکہ امام ”محمد“ رحمۃ اللہ علیہ، ”ابوداؤد“ اور ”نسائی“ کی مرفوع حدیث ہے: من اعمر عسری الخ (2)، کافی الحاکم الشہید باب الرقبی میں حاشیہ میں اسی طرح ہے۔

ایک آدمی کی موت کا وقت قریب آپہنچا اس نے کہا: میرا یہ گھر حبیس (وقف) ہے وہ حبیس نہ ہوگا جب کہ وہ میراث ہوگا۔ اسی طرح اگر اس نے کہا: میرا یہ گھر میرے بعد میرے عقب پر حبیس ہوگا۔ رقبی سے مراد حبیس ہے جب کہ یہ کچھ بھی نہیں۔ ایک آدمی نے دو آدمیوں سے کہا: میرا یہ غلام تم دونوں سے جو زندگی کے اعتبار سے طویل ہے اس کے لیے ہے یا میرا غلام تم میں سے جو زندگی کے اعتبار سے لمبا ہے اس کے لیے وقف ہے۔ یہ باطل ہے یہی رقبی ہے۔ اسی طرح اگر اس نے ایک آدمی سے کہا: میرا یہ گھر تیرے لیے وقف ہے۔ یہ امام ”ابو حنیفہ“ رحمۃ اللہ علیہ اور امام ”محمد“ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔

امام ”ابو یوسف“ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: جہاں تک میرا تعلق ہے تو میری رائے یہ ہے جب اس نے کہا: تیرے لیے حبیس (وقف) ہے تو جب وہ اس کو قبضہ میں لے لے گا تو وہ گھر اس کا ہوگا اور اس کا قول حبیس باطل ہے۔ اسی طرح اگر اس نے کہا: ہی لك رقبی تو حکم یہی ہوگا۔ اس میں یہ بھی ہے: جب اس نے کہا: میرا یہ گھر تیرے لیے عمری ہے جس میں تو رہے گا اور وہ گھر اس کے حوالے کر دیا تو وہ گھر ہبہ ہوگا۔ یہ ان کے قول: طعامی هذه لنب تا کله کے قائم مقام ہے میرا یہ کھانا تیرے لیے ہے تو اسے کھائے یہ کپڑا تیرے لیے ہے تو اسے پہنے۔ اگر اس نے کہا: میں نے تیرے لیے یہ گھر تیری زندگی اور اس کی زندگی

إِذْ لَا هَبَةَ فَلَا عَوْضَ وَلَوْ اسْتَهْلَكَ أَحَدُهُمَا مَا بَعَثَهُ الْآخَرُ ضَمَنَهُ، لِأَنَّ مَنْ اسْتَهْلَكَ الْعَارِيَّةَ ضَمَنَهَا خَانِيَةً (هَبَةُ الدَّيْنِ مِمَّنْ عَلَيْهِ الدَّيْنُ وَإِبْرَاؤُهُ عَنْهُ يَتِمُّ مِنْ غَيْرِ قَبُولٍ) إِذْ لَمْ يُوجِبْ انْفِسَاخُ عَقْدٍ صَرَفٍ أَوْ سَلَمٍ لَكِنْ يَرْتَدُّ بِالرَّدِّ فِي الْمَجْلِسِ وَغَيْرِهِ لِمَا فِيهِ مِنْ مَعْنَى الْإِسْقَاطِ،

کیونکہ جب ہبہ نہیں تو عوض نہیں۔ اگر دونوں میں سے ایک نے وہ چیز ہلاک کر دی جو دوسرے نے بھیجی تھی تو وہ اس کی ضمانت دے گا۔ کیونکہ جس نے عاریہ کو جان بوجھ کر ہلاک کیا تو وہ اس کی ضمانت دے گا، ”خانیہ“۔ جس کے ذمہ دین ہو اسے دین ہبہ کرنا اور اسے دین سے بری کرنا یہ قبول کے بغیر مکمل ہو جاتا ہے جب یہ عقد صرف یا عقد سلم کے فسخ ہونے کا موجب نہ ہو لیکن یہ مجلس اور مجلس کے علاوہ میں رد کرنے سے رد ہو جائے گا۔ کیونکہ اس میں اسقاط کا معنی موجود ہے

میں ہبہ کر دیا اور اس کا قول حیات تک باطل ہوگا۔ اسی طرح اگر اس نے کہا: میں نے اپنا یہ گھری زندگی تک تجھے عمری پر دیا یا اس نے کہا: میں نے یہ تجھے تیری زندگی تک دے دیا جب میں مر جاؤں گا تو یہ میرے لیے ہوگا جب میں مر جاؤں گا تو یہ میرے وارث کے لیے ہوگا۔ اسی طرح اگر اس نے کہا: وہ تیرے لیے اور تیرے بعد تیری نسل کے لیے ہوگا اگر اس نے کہا: میں نے تجھے اپنے اس گھر میں تیری زندگی تک اور تیرے بعد تیری نسل کو سکونت عطا کی تو یہ ادھار ہوگا۔ اگر اس نے کہا، یہ تیرے لیے اور تیرے بعد تیری نسل کے لیے ہوگا تو یہ اس کے لیے ہبہ ہے اور عقب کا ذکر لغو ہے۔

29290۔ (قوله: فَلَا عَوْضَ) کیونکہ عورت نے ہبہ کے عوض کا قصد کیا ہے۔ جب اس نے عاریہ کا دعویٰ کیا اور رجوع

کر لیا تو عوض کا دینا نہ پایا گیا تو اسے رجوع کا حق ہوگا۔

29291۔ (قوله: مِنْ غَيْرِ قَبُولٍ) کیونکہ اس میں اسقاط کا معنی پایا جاتا ہے۔ ”ح“۔

29292۔ (قوله: عَقْدٌ صَرَفٍ أَوْ سَلَمٍ) کیونکہ عقد صرف میں قبول پر موقوف نہیں ہوتا۔ کیونکہ یہ دونوں

میں فسخ کا موجب ہے۔ اس لیے نہیں کہ یہ ہبہ ہے۔ ”مخ“۔

29293۔ (قوله: لَكِنْ يَرْتَدُّ الْخ) یہ ان کے قول: یتِمُّ مِنْ غَيْرِ قَبُولٍ پر استدراک ہے اس معنی میں کہ اگرچہ قبولیت

کے بغیر یہ مکمل ہو جاتا ہے کیونکہ اس میں اسقاط کا معنی پایا جاتا ہے لیکن رد کرنے کے ساتھ رد ہو جاتا ہے کیونکہ اس میں تملیک کا معنی پایا جاتا ہے۔

”الاشباہ“ میں کہا ہے: بری کرنا یہ رد کرنے کے ساتھ رد ہو جاتا ہے مگر چند مسائل میں رد نہیں ہوتا (۱) جب محتال، محال علیہ کو بری کر دے پس اس نے رد کر دیا تو وہ رد نہیں ہوگا (۲) اسی طرح اگر مدیون نے کہا: مجھے بری کر دے تو اس نے اسے بری کر دیا (۳) اسی طرح جب طالب کفیل کو بری کر دے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ رد ہو جاتا ہے (۴) جب وہ اسے قبول کرے پھر اسے رد کرے تو رد نہیں ہوتا۔

29294۔ (قوله: الْإِسْقَاطِ) یہ تعیم کی تعلیل ہے یعنی غیر مجلس میں رد کرنا صحیح ہوتا ہے۔ کیونکہ اس میں اسقاط کا معنی پایا

وَقِيلَ يَتَّقِدُ بِالْمَجْلِسِ، كَذَا فِي الْعِنَايَةِ لَكِنْ فِي الصَّيْرِفِيَّةِ لَوْلَمْ يَقْبَلْ، وَلَمْ يَرُدَّ حَتَّى افْتَرَقَا ثُمَّ بَعْدَ أَيَّامٍ رَدَّ لَا يَرْتَدُّ فِي الصَّحِيحِ لَكِنْ فِي الْمُجْتَبَى الْأَصَحُّ أَنَّ الْهَبَةَ تَنْبِيكٌ، وَالْإِبْرَاءُ اسْقَاطُ (تَنْبِيكُ الدَّيْنِ مَتْنٌ لَيْسَ عَلَيْهِ الدَّيْنُ بَاطِلٌ إِلَّا فِي ثَلَاثِ حَوَالَةٍ، وَصِيَّةٌ، وَإِذَا سَلَطَهُ) أَيْ سَلَطَ الْمُمْلِكُ غَيْرَ الْمَدْيُونِ (عَلَى قَبْضِهِ) أَيْ الدَّيْنِ (فَيَصَحُّ) حِينَئِذٍ وَمِنْهُ مَا لَوْ وَهَبْتُ مِنْ ابْنِهَا

ایک قول یہ کیا گیا ہے یہ مجلس کے ساتھ متقید ہوتا ہے۔ ”العناية“ میں اسی طرح ہے۔ لیکن ”صیرفیہ“ میں ہے: اگر اس نے قبول نہ کیا اور رد بھی نہ کیا یہاں تک کہ دونوں جدا ہو گئے پھر چند دنوں بعد اس کو رد کیا تو صحیح قول کے مطابق یہ رد نہیں ہوگا۔ لیکن ”المجتبی“ میں ہے: اصح یہ ہے کہ ہبہ تملیک ہے اور بری کرنا ساقط کرنا ہے۔ دین کا مالک بنادینا جس پر دین لازم نہ ہو تو یہ باطل ہے مگر تین چیزوں میں باطل نہیں۔ حوالہ، وصیت اور جب مملک غیر مدیون کو دین کے قبضہ کرنے پر مسلط کر دے تو اس وقت یہ صحیح ہوگا۔ اسی میں سے یہ صورتحال بھی ہے کہ اگر عورت نے بیٹے کو وہ کچھ ہبہ کیا

جاتا ہے۔ کیونکہ تملیک محض کار مجلس کے ساتھ متقید ہوتا ہے۔ یہ ان کے قول: یرتد بالرد کی علت نہیں کیونکہ تو جان چکا ہے کہ اس کی علت وہ ہے جس میں تملیک کا معنی پایا جاتا۔ فتنہ ”ح“۔

29295۔ (قوله: لَكِنْ فِي الصَّيْرِفِيَّةِ) صاحب ”العناية“ نے جو دوسرے قول کو ضعیف قرار دیا ہے اس پر استدراک ہے۔

29296۔ (قوله: لَكِنْ فِي الْمُجْتَبَى) علماء نے جو ہبہ اور ابرا میں سے ہر ایک کو من وجہ اسقاط اور من وجہ تملیک بنایا ہے پر استدراک ہے اور تو باخبر ہے کہ یہ استدراک مشہور کے مخالف ہے۔ ”ح“۔

29297۔ (قوله: تَنْبِيكٌ) یعنی وہ تملیک کا محتاج ہوگا۔ ”حاشیہ“ میں کہا: جس نے تملیک کا قول کیا ہے وہ جواب کا محتاج ہے۔ ”منح“۔

29298۔ (قوله: اسْقَاطُ) جس نے اسقاط کا قول کیا ہے وہ اس کا محتاج نہیں۔ ”منح“۔ ”حاشیہ“ میں اسی طرح ہے۔

29299۔ (قوله: عَلَى قَبْضِهِ) یعنی قبضہ ہے۔ ”جامع الفصولین“ میں ہے: جس کے ذمہ دین نہ ہو اسے دین ہبہ کر دینا یہ جائز ہی نہیں مگر جب وہ اسے ہبہ کرے اور اسے اس پر قبضہ کرنے کی اجازت دے دے۔ مگر جب وہ اس کے قبضہ پر اسے مسلط کر دے تو وہ یوں ہو جائے گا گویا جب اس نے اس پر قبضہ کیا اس وقت اس نے ہبہ کیا اور یہ صحیح نہ ہوگا مگر جب وہ اس پر قبضہ کرے پس اس لیے متنبہ ہو جائے۔ ”رہلی“۔

”سانحانی“ نے کہا: اس وقت وہ آمر کی جانب سے قبضہ کرنے کا وکیل ہو جائے گا پھر اپنے لیے قبضہ کرنے کا اکیل ہو جائے گا اس کا مقتضایہ ہے کہ قبضہ سے قبل اسے مسلط کرنے سے معزول کر سکتا ہے جب اس نے درابہم کے بدلے دنانیر پر قبضہ کیا تو یہ صحیح ہوگا۔ کیونکہ حق موہوب لہ کے لیے ہو چکا ہے۔ پس وہ استبدال کا مالک ہو جائے گا۔ جب وہ اس تصدیق میں

مَا عَلَى أَبِيهِ فَالْمُعْتَمِدُ الصِّحَّةُ لِلتَّسْلِيْطِ، وَيَتَفَرَّغُ عَلَى هَذَا الْأَصْلِ لَوْ قَضَى دَيْنَ غَيْرِهِ عَلَى أَنْ يَكُونَ لَهُ لَمْ يَجْزُ وَلَوْ كَانَ وَكِيلًا بِالْبَيْعِ فَصُولَيْنِ (وَلَيْسَ مِنْهُ مَا إِذَا أَقَرَّ الدَّائِنُ أَنَّ الدَّيْنَ لِفُلَانٍ وَأَنَّ اسْمَهُ فِي كِتَابِ الدَّيْنِ (عَارِيَّةٌ) حَيْثُ (صَحَّ) اقْتِرَاؤُهُ لِكُونِهِ إِبْخَارًا لَا تَبْلِيْكَ فَلَئِنْ قَبَضَهُ بَزَايِيَّةً وَتَسَامَهُ فِي الْأَشْبَاهِ مِنْ أَحْكَامِ الدَّيْنِ وَكَذَا لَوْ قَالَ الدَّيْنُ الَّذِي لِي عَلَى فُلَانٍ لِفُلَانٍ بَزَايِيَّةً وَغَيْرَهَا قُلْتُ وَهُوَ مُشْكِلٌ؛ لِأَنَّهُ مَعَ الْإِضَافَةِ إِلَى نَفْسِهِ يَكُونُ تَبْلِيْكَ، وَتَبْلِيْكَ الدَّيْنِ مِمَّنْ لَيْسَ عَلَيْهِ بَاطِلٌ،

جو اس کے باپ کے ذمہ تھا تو قابل اعتماد قول یہ ہے کہ یہ صحیح ہو کیونکہ اسے مسلط کیا گیا ہے۔ اسی اصل پر متفرع ہوتا ہے اگر وہ غیر کا دین ادا کرے اس شرط پر کہ وہ دین اس کا ہوگا تو یہ جائز نہ ہوگا اگرچہ وہ بیع کا وکیل ہو، ”فصولین“۔ اس میں سے یہ بھی ہے کہ جب دائن یہ اقرار کرے کہ دین فلاں کا ہے اور کتاب الدین میں اس کا نام عاریہ ہے تو اس کا اقرار صحیح ہوگا۔ کیونکہ یہ اخبار ہے تملیک نہیں پس مقررہ کو اس پر قبضہ کرنے کا حق ہوگا، ”بزازیہ“۔ اس کی مکمل بحث ”الاشباہ“ کے احکام الدین میں ہے۔ اسی طرح کا حکم ہوگا اگر وہ یہ کہے: میرا وہ دین جو فلاں کے ذمہ ہے وہ فلاں کے لیے ہے، ”بزازیہ“ وغیرہا۔ میں کہتا ہوں: یہ تو اشکال کا باعث ہے کیونکہ اپنی ذات کی طرف منسوب کرنے کے حوالے سے یہ تملیک ہے اور دین کا اسے مالک بنانا جس پر دین نہ ہو یہ باطل ہے

زکوٰۃ کی نیت کرے تو یہ اسے کافی ہوگا جس طرح ”الاشباہ“ میں ہے۔

29300۔ (قوله: عَلَى أَبِيهِ) یعنی اس عورت نے بیٹے کو اس دین پر قبضہ کرنے کا امر کر دیا، ”بزازیہ“، ”مدنی“۔

29301۔ (قوله: لِلتَّسْلِيْطِ) یعنی جب اس نے قبضہ کرنے پر مسلط کیا جس طرح ان کا قول و منہ اشارہ کرتا ہے۔

اور ”خانہ“ میں ہے: عورت نے اپنا مہر اس چھوٹے بیٹے کو ہبہ کر دیا جو اس خاوند سے ہے صحیح یہ ہے کہ ہبہ صحیح نہیں مگر جب وہ اپنے بچے کو اس کے قبضہ پر مسلط کر دے تو وہ جائز ہو جائے گا اور جب وہ قبضہ کرے گا تو وہ بچے کی ملکیت ہو جائے گا۔ شارح کا قول للتسلیط اس سے مراد صراحتہ مسلط کرنا ہے حکماً مسلط کرنا نہیں۔ جس طرح ”ساحانی“ وغیرہ نے اسے سمجھا ہے۔ لیکن چاہیے کہ اس میں غور و فکر کیا جائے جب بیٹا سمجھ بوجھ نہ رکھتا ہو تو اس وقت قبضہ اس کے باپ کے لیے ہوگا۔ تو کیا یہ شرط ہے کہ باپ مہر کی مقدار کو الگ کر دے اور اپنے بیٹے کے لیے اس پر قبضہ کر لے یا اس کا قبول کرنا کافی ہو جائے گا جس طرح اس دین کے ہبہ میں ہے جس پر دین ہو۔

29302۔ (قوله: بِالْبَيْعِ) اگر موکل کو مشتری کا دین دے دیا گیا اس شرط پر کہ جو مشتری کے ذمہ ہے وہ وکیل کے

لیے ہوگا تو یہ جائز نہیں ہوگا۔

29303۔ (قوله: وَلَيْسَ مِنْهُ) یعنی جس پر دین نہیں یہ صورت اس میں سے نہیں ہے۔

فَتَأْمَلُهُ وَفِي الْأَشْبَاهِ فِي قَاعِدَةِ تَصَرُّفِ الْإِمَامِ مَعْنِيًا لِمَصْلَحِ الْبِرَازِيَّةِ اصْطَلَحَا أَنْ يُكْتَبَ اسْمُ أَحَدِهِمَا فِي الدِّيَوَانِ فَالْعَطَاءُ لِمَنْ كُتِبَ اسْمُهُ الْخ (وَالصَّدَقَةُ كَالْهَبَةِ) بِجَامِعِ التَّبَرُّعِ، وَحِينَئِذٍ لَا تَصَحُّ غَيْرُ مَقْبُوضَةٍ وَلَا فِي مُشَاعٍ يُقَسَّمُ، وَلَا رُجُوعٍ فِيهَا وَلَوْ عَلَى غَنِيٍّ؛

پس اس میں غور و فکر کیجئے۔ ”الاشباہ“ میں ہے: قاعدة تصرف امام میں جب کہ اسے ”برازیہ“ کے کتاب الصلح کی طرف منسوب کیا گیا ہے دو افراد نے آپس میں صلح کی کہ دونوں میں سے ایک کا نام دیوان میں لکھا جائے تو عطیہ اس کے لیے ہوگا جس کا وہ نام لکھے گا الخ۔ صدقہ ہبہ کی طرح ہے کیونکہ دونوں میں تبرع پایا جا رہا ہے اس وقت جس پر قبضہ نہ کیا گیا ہے اس میں صدقہ صحیح نہ ہوگا اور نہ ایسے مشترک میں جو تقسیم ہو سکتا ہو اور صدقہ میں رجوع نہیں اگرچہ صدقہ غنی پر کیا جائے۔

باپ کا چھوٹے بیٹے کے حق میں اپنے مال میں سے معین چیز کے اقرار کا حکم

29304۔ (قوله: فَتَأْمَلُهُ) یوں جواب دینا ممکن ہے کہ مراد وہ دین ہے جو میرا فلاں کے ذمہ ظاہر کے اعتبار سے

ہے وہ نفس الامر میں فلاں کے لیے ہے۔ پس کوئی اشکال نہیں پس اس میں تدبر کیجئے۔

میں کہتا ہوں: ممکن ہے کہ یہ اختلاف پر مبنی ہو۔ کیونکہ ”القنیہ“ میں کہا جب کہ ”علی سعدی“ کے لیے رقم کیا ہے (نشان لگایا ہے): باپ کا اپنے چھوٹے بیٹے کے حق میں اپنے مال میں سے معین چیز کا اقرار یہ تملیک ہے اگر وہ اقرار میں اسے اپنی ذات کی طرف منسوب کرے۔ اگر وہ مطلقاً ذکر کرے تو یہ اقرار ہوگا۔ جس طرح وہ کہے: میرے گھر کا چھٹا حصہ اور اس گھر کا چھٹا حصہ۔ پھر ”نجم اللامہ بخاری“ کے لیے رقم کیا یہ دونوں حالتوں میں اقرار ہے تملیک نہیں۔

”المنح“ کے کتاب الاقرار میں کہا ہے: یہ قول اس امر کا فائدہ دیتا ہے کہ اس مسئلہ میں اختلاف ہے لیکن اصل مذکور ہی مشہور ہے۔ ”خانیہ“ وغیرہا میں اس پر کئی تفریعات ذکر کی گئی ہیں۔ بعض اوقات اس کا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ ان کے قول الدین الذی لی میں اضافت یہ نسبت کی اضافت ہے ملک کی اضافت نہیں۔ جس طرح شارح نے کتاب الاقرار میں ان کے قول کا جواب دیا ہے میرے گھر میں جو کچھ ہے وہ اقرار ہے۔ اسی طرح علماء نے کہا: اقرار کے الفاظ میں سے یہ بھی ہے جو کچھ میرا معروف ہے یا جو کچھ میری طرف منسوب ہے واللہ اعلم۔ مریض کے اقرار سے تھوڑا پہلے مسئلہ کچھ گزر چکا ہے اور ہم نے یہاں کی بنسبت وہاں بہت اچھا جواب دیا ہے پس اس کی طرف رجوع کیجئے۔

29305۔ (قوله: غَيْرُ مَقْبُوضَةٍ) اگر تو یہ کہے: یہ بات پہلے گزر چکی ہے کہ دو فقیروں کو ایسی چیز کا صدقہ کرنا جائز ہے

جو تقسیم ہو سکتی ہو اس کا ذکر اس قول سے کیا ہے: دس افراد کا دو فقیروں کے لیے صدقہ صحیح ہے۔

میں کہتا ہوں: یہاں مشاع سے مراد یہ ہے کہ اس مال کا بعض صرف ایک فقیر کو ہبہ کرے پس اس وقت وہ مشترک ہے جو تقسیم کو قبول کرتا ہے دو فقیروں کا معاملہ مختلف ہے کیونکہ اس میں کوئی اشتراک نہیں جس طرح پہلے گزر چکا ہے۔ ”بحر“۔

29306۔ (قوله: وَلَوْ عَلَى غَنِيٍّ) ”الہدایہ“ میں اس پر اکتفا کرتے ہوئے اختیار کیا ہے۔ کیونکہ غنی پر عیال کے زیادہ

لأن المقصود فيها الثواب لا العوض، ولو اختلفا فقال الواهب هبة، والآخر صدقة فالقول للواهب خائفة فروع كتب قصة إلى السلطان يسأله تبليك أرض محدودة فأمر السلطان بالتوقيع فكتب كاتبه جعلتها ملكاً له هل يحتاج إلى القبول في المجلس؟ القياس نعم لكن لما تعدد الوصول إليه أقيم السؤال بالفصة مقام حضوره أعطت زوجها مالا بسؤاله ليتوسع فظفر به بعض غرمائه إن كانت وهبته أو أقرضته ليس لها أن تسترد من الغريم، وإن أعطته ليتصرف فيه على ملكها فلها ذلك لا له دفع لابنه مالا ليتصرف فيه ففعل وكثر ذلك فمات الأب إن أعطاه هبة فالكُلُّ له، وإلا فميراث وتسامه في جواهر الفتاوى بعث إليه بهدية في إناء هل يباح أكلها فيه إن كان ثريداً ونحوه

کیونکہ صدقہ میں مقصود ثواب ہے عوض نہیں۔ اگر دونوں آپس میں اختلاف کریں واہب کہے: یہ ہبہ تھا اور دوسرا کہے: صدقہ تھا تو قول واہب کا معتبر ہوگا ”خانیہ“۔ فروع: سلطان کی طرف اپنا حال لکھا جس میں وہ سوال کرتا ہے کہ سلطان محدود زمین کی ملکیت عطا کر دے سلطان نے فرمان لکھنے کا حکم دیا اس کے کاتب نے لکھا: میں نے یہ زمین اسکی ملک میں کر دی کیا مجلس میں قبول کی ضرورت ہوگی؟ قیاس یہ ہے کہ ہاں۔ لیکن جب سلطان تک رسائی مشکل ہو تو حال بیان کرنے کے ساتھ سوال کو اس کے حضور کے قائم مقام رکھا جائے گا۔ ایک عورت نے اپنے خاوند کے سوال کرنے پر مال دیا تاکہ اس میں وسعت پیدا ہو اس کے بعض قرض خواہ اس کا مال پانے پر کامیاب ہو گئے اگر عورت نے اپنے خاوند کو مال ہبہ کیا یا اسے قرض دیا تو اسے یہ حق حاصل نہیں کہ وہ قرض خواہ سے مال واپس لے۔ اگر وہ اپنے خاوند کو مال دے تاکہ عورت کی ملکیت میں رہتے ہوئے اس میں تصرف کرے تو عورت کو یہ حق ہوگا مرد کو یہ حق نہیں ہوگا۔ ایک آدمی نے اپنے بیٹے کو مال دے دیا تاکہ اس میں تصرف کرے تو اس نے اس طرح کر دیا اور مال بہت زیادہ ہو گیا اگر باپ نے اسے وہ مال ہبہ کے طور پر دیا تھا تو تمام مال اس کا ہوگا ورنہ سارا مال میراث ہوگا۔ اس کی مکمل بحث ”جواہر الفتاویٰ“ میں ہے۔ ایک آدمی نے دوسرے کی طرف ایک برتن میں ہدیہ دیا کیا اس کے لیے اس برتن میں کھانا مباح ہے اگر تو وہ کھانا شریک وغیرہ ہو

ہونے کی بنا پر صدقہ کرنے میں ثواب کا قصد کیا جاتا ہے، ”بحر“۔ باب الرجوع سے تھوڑا پہلے جو گزر چکا ہے یہ اس کے مخالف ہے کہ غنی پر صدقہ یہ ہبہ ہے شاید یہ دو قول ہوں۔ تامل

29307۔ (قوله: فأمر السلطان) یہ ایسی زمین میں مکمل ہوگا جب وہ زمین موات ہو یا سلطان کی ملکیت میں ہو۔ اگر امام نے اس کے علاوہ زمین سے اس کے حق میں قطعہ مختص کیا تو امام کو یہ حق حاصل ہے کہ جب چاہے اس سے خارج کر دے جس طرح عشر وخراج کے باب میں گزر چکا ہے۔ ”ط“۔

29308۔ (قوله: أو أقرضته) عنقریب اس کا ذکر آئے گا کہ اگر مرد نے ایسی چیز میں تصرف کیا جو عورت کی تھی اور یہ دعویٰ کیا کہ یہ عورت کے اذن سے ہوا ہے۔

29309۔ (قوله: وإلا فميراث) اس کی صورت یہ ہے کہ باپ اسے دیتا ہے تاکہ وہ باپ کے لیے عمل کرے۔

مِمَّا لَوْ حَوَّلَهُ إِلَىٰ إِنَاءٍ آخَرَ ذَهَبَتْ لَذَّتُهُ يُبَاحُ وَإِلَّا فَإِنْ كَانَ بَيْنَهُمَا انْبِسَاطٌ يُبَاحُ أَيْضًا وَإِلَّا فَلَا دَعَا قَوْمًا إِلَىٰ طَعَامٍ وَفَرَّقَهُمْ عَلَىٰ أَخَوْنَةٍ لَيْسَ لِأَهْلِ خِوَانٍ مُنَاوَلَةُ أَهْلِ خِوَانٍ آخَرَ،

یعنی ان کھانوں میں سے ہو اگر انہیں دوسرے کسی برتن میں تبدیل کیا جائے تو اس کی لذت جاتی رہتی ہے؟ تو یہ مباح ہوگا ورنہ اگر دونوں میں بے تکلفی ہے تو بھی مباح ہوگا ورنہ مباح نہیں ہوگا۔ ایک آدمی نے کچھ لوگوں کو کھانے پر دعوت دی اور انہیں مختلف دسترخوانوں پر تقسیم کر دیا تو ایک دسترخوان کے لوگوں کو یہ حق حاصل نہیں کہ دوسرے دسترخوان کے لوگوں کو کوئی چیز دیں

فروع: ایک آدمی نے دوسرے آدمی کو دراہم دیئے اور کہا: انہیں خرچ کر لو دوسرے آدمی نے اس طرح کیا تو وہ قرض ہو گا۔ اگر اسے پکڑا دیا اور کہا: اسے خود پہن لو تو وہ ہبہ ہوگا۔ دونوں صورتوں میں تملیک ہے اس کے باوجود فرق یہ ہے کہ تملیک بعض اوقات عوض کے ساتھ ہوتی ہے جب کہ یہ منفعت کی تملیک سے ادنیٰ ہوتی ہے جب کہ پہلی صورت میں یہ ممکن ہے کہ دراہم کا قرض جائز ہوتا ہے۔ دوسری صورت کا معاملہ مختلف ہے۔ ”ولو لولوا لبحیہ“۔

اس میں ہے: دو شریکوں میں سے ایک نے دوسرے سے کہا: نفع میں سے اپنا حصہ میں نے تجھے ہبہ کر دیا جب کہ مال قائم ہو یہ صحیح نہیں۔ کیونکہ یہ اس مشترک چیز کا ہبہ ہے جو تقسیم کا احتمال رکھتا ہے اگر شریک اسے جان بوجھ کر ہلاک کر دے تو یہ صحیح ہوگا۔ ایک آدمی نے زیور خریدا اور اپنی بیوی کو دے دیا عورت نے اسے استعمال کیا پھر وہ عورت مر گئی پھر خاوند اور عورت کے وارثوں میں اختلاف ہو گیا کہ وہ زیور ہبہ تھا یا ادھار تھا تو قول قسم کے ساتھ خاوند کا معتبر ہوگا کہ اس نے عورت کو یہ زیور ادھار دیا تھا کیونکہ وہ ہبہ کا انکار کرنے والا ہے۔ ”منح“۔ ہم نے کتاب الہبۃ کے آغاز میں ”خزانۃ الفتاویٰ“ سے جو کچھ نقل کیا ہے اسے دیکھو۔

”رملی“ نے کہا: یہ اکثر عوام کی گفتگو کو رد کرنے میں صریح ہے کہ عورت کا اس سے فائدہ اٹھانا یہ تملیک کو واجب کرنا ہے اس قول کے فاسد ہونے میں کوئی شک نہیں۔ صاحب ”البحر“ اس امر کی طرف سبقت لے گئے جس طرح ہم نے باب التحالف میں ان سے یہ ذکر کیا ہے۔ ہم نے وہاں ”البدائع“ سے نقل کیا ہے: عورت اگر یہ اقرار کرے کہ یہ سامان خاوند نے میرے لیے خریدا ہے تو عورت کا قول ساقط ہوگا۔ کیونکہ عورت نے خاوند کے لیے ملکیت کا اقرار کیا پھر اس کی ملکیت اپنی جانب منتقل ہونے کا دعویٰ کیا تو یہ انتقال گواہوں کے ساتھ ثابت ہوگا۔ اس قول کا ظاہر بدن کے کپڑوں کو جامع ہوگا۔ شریعہ یہ واجب کپڑوں کے علاوہ میں ہے جب کہ یہ کپڑے اس پر زائد ہیں۔ تامل وراجع

کتاب الہبۃ کے آغاز میں جو گزرا ہے وہ اس پر دلالت کرتا ہے: اتخذ لولدہ ثیابا لئلا وہاں اس کے لیے رجوع کا حق نہیں جب تک وہ غاریہ کی تصریح نہ کرے تو یہاں بدرجہ اولیٰ ہوگا۔

29310۔ (قولہ: خِوَانٍ) یہ لفظ خا کے کسرہ کے ساتھ ہے اور اس سے قبل اخونۃ تا کے کسرہ کے ساتھ تنوین کے

ساتھ ہے۔

وَلَا إعْطَاءُ سَائِلٍ وَخَادِمٍ وَهَرَّةٍ لِعَیْرِ رَبِّ الْمَنْزِلِ وَلَا كَلْبٍ، وَلَوْ لِرَبِّ الْمَنْزِلِ إِلَّا أَنْ يُنَاوِلَهُ الْخُبْزَ الْمُحْتَرِقَ لِلِذَنْ عَادَةً، وَتَسَامُهُ فِي الْجَوْهَرَةِ۔ وَفِي الْأَشْبَاهِ لَا جَبْرَ عَلَى الصَّلَاتِ إِلَّا فِي أَرْبَعٍ شُفْعَةٌ وَنَفَقَةٌ زَوْجَةٍ وَعَيْنٌ مُوصَى بِهَا، وَمَالٌ وَقُفٌّ وَقَدْ حَرَّرَتْ أَيْبَاتِ الْوَهْبَانِيَّةِ عَلَى وَقْفٍ مَا فِي شَرْحِهَا لِلشُّرْبِلَالِيِّ فَقُلْتُ
وَوَاهِبٌ دَيْنٍ لَيْسَ يَرْجِعُ مُطْلَقًا وَإِبْرَاءُ ذِي نِصْفٍ يَصِحُّ الْمُحَرَّرُ
عَلَى حَجَّهَا أَوْ تَرْكِه ظَلَمَهُ لَهَا إِذَا وَهَبَتْ مَهْرًا وَلَمْ يُوفِ يَخْسِرْ

نہ کسی سائل کو، نہ کسی خادم کو کھانا دیں اور نہ کسی ایسی بلی کو جو اس مالک کی نہ ہو اور نہ ہی کتے کو کھانا ڈالیں اگرچہ وہ مالک مکان کا ہو مگر یہ کہ جلی ہوئی روٹی اسے ڈال سکتے ہیں۔ کیونکہ عادت میں اس امر کی اجازت ہوتی ہے۔ اس کی مکمل بحث ”الجوہرہ“ میں ہے۔ ”الاشباہ“ میں ہے: صلوات (جو بغیر عوض کے ہوں) میں جبر نہیں مگر چار میں جبر ہے شفعہ، بیوی کا نفقہ، جس چیز کی وصیت کی گئی ہے اس کا عین اور وقف کا مال۔ میں نے ”وہبانیہ“ کے اشعار کی ”شربلالی“ کی جو اس کی شرح ہے اس کے موافق تنقیح کی ہے تو میں نے کہا: دین کو ہبہ کرنے والا وہ مطلقاً رجوع نہیں کر سکتا نصف دین والے کا بری کرنا صحیح ہے۔ یہی محرر محقق ہے۔ عورت کو حج کرانے یا اس پر ظلم کو ترک کرنے پر جب وہ عورت مہر ہبہ کر دے اور وعدہ پورا نہ کرے تو اس خاوند کا نقصان ہوگا۔

29311۔ (قوله: عَلَى الصَّلَاتِ) یہ صاد کے کسرہ کے ساتھ ہے۔

29312۔ (قوله: مُطْلَقًا) یعنی خواہ مدیون سے پہلے ہو یا نہ ہو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: قبول ضروری ہے۔ ”البحر“ کی کلام میں جو ضعف ہے تیرے لیے اس قول سے ظاہر ہو جاتا ہے۔ کیونکہ باب الرجوع کے شروع میں کہا: ہبہ کو مطلقاً ذکر کیا تو وہ اعیان کی طرف راجع ہوگا مدیون جب دین کا ہبہ قبول کر لے تو اس کے بعد رجوع کا اسے کوئی حق نہیں ہوگا۔ اس سے قبل جو قول ہے وہ اس کے خلاف ہے کیونکہ یہ اسقاط ہے۔ گویا رد، رجوع کے ساتھ مشتبہ ہو گیا ہے۔ تامل

29313۔ (قوله: وَإِبْرَاءُ ذِي نِصْفٍ الْخ) ”قاضی خان“ نے کہا: جب دو شریکوں کا دین ہو دونوں میں سے ایک نے اپنا حصہ مدیون کو ہبہ کر دیا تو یہ جائز ہوگا اگر مطلقاً نصف دین ہبہ کرے تو وہ چوتھائی حصہ میں نافذ ہوگا جس طرح اگر وہ مشترک غلام کا نصف ہبہ کرے۔ حاشیہ میں اسی طرح ہے۔

29314۔ (قوله: عَلَى حَجَّهَا الْخ) بیت دو مسئلوں پر مشتمل ہے۔

(۱) عورت نے اپنا مہر خاوند کے لیے چھوڑ دیا اس شرط پر کہ خاوند اسے حج پر نہ لے گیا ”محمد بن مقاتل“ نے کہا: وہ اپنے مہر کا مطالبہ کر سکتی ہے۔ کیونکہ ہبہ کے ساتھ رضایہ ہبہ عوض کی شرط کے ساتھ ہوتی ہے جب عوض منعدم ہوگا تو رضامنعدم ہو جائے گی اور ہبہ رضا کے بغیر صحیح نہیں ہوتا۔

(۲) جب عورت نے اپنے خاوند سے کہا: میں نے اپنا مہر تجھے ہبہ کر دیا شرط یہ ہے کہ تو مجھ پر ظلم نہیں کرے گا۔ مرد نے

مُعَلِّقُ تَطْلِيقِ بَيِّرَاءِ مَهْرَهَا	وَإِنْ كَاحِ أُخْرَى لَوْ بَرَدَ فَيُظْفَرُ
طلاق کو عورت کے مہر سے بری کرنے پر اور دوسری عورت سے نکاح پر معلق کرنے والا اگر وہ بری کرنے کو رد کر دے تو ایسا مرد کامیاب ہوگا۔	

وہ شرط قبول کر لی تو بہت صحیح ہوگا اگر اس کے بعد مرد نے عورت پر ظلم کیا تو ہبہ نافذ ہو جائے گا۔ بعض علماء نے کہا: اگر وہ ظلم کرے تو اس کا مہر باقی رہے گا۔ ”حاشیہ“ میں اسی طرح ہے۔

اگر مرد نے عورت کی طلاق کو مہر سے بری کرنے پر معلق کیا پھر عورت کو مہر دے دیا تو تعلیق باطل نہ ہوگی 29315۔ (قولہ: مُعَلِّقُ تَطْلِيقِ الْخ) شعر ”ثرنبالی“ کا ہے۔ انہوں نے اس میں ایسے مسئلہ کا ذکر کیا ہے جس کے بارے میں آپ سے پوچھا گیا۔ وہ مسئلہ یہ ہے: مرد نے عورت سے کہا: جب میں تجھ پر کسی اور سے شادی کروں اور تو مجھے اپنے مہر سے بری کر دے تو تجھے طلاق ہوگی۔ تو کیا جب وہ یہ دعویٰ کرے کہ اس نے مہر ادا کر دیا ہے تو کوئی چیز باقی نہیں رہتی۔ عورت خاوند کو جس سے بری کرے اور عورت اس سے انکار کر دے تو حانث نہ ہونے میں مرد کا قول قبول کیا جائے گا؟ اگرچہ عورت کے حق کے ساقط نہ ہونے کو پیش نظر رکھنے کی بنا پر مرد کا قول قبول نہ کیا جائے گا جس طرح اس کا قول قبول کر لیا جاتا ہے۔ اگر دونوں میاں بیوی شرط کے پائے جانے میں آپس میں اختلاف کریں؟

اس کا یہ جواب دیا کہ یہ عورت کی جانب بری کرنے کے رد کرنے سے وہ حانث نہیں ہوگا۔ کیونکہ اگر معاملہ اس طرح ہو جس طرح عورت نے دعویٰ کیا پس مرد نے اس کا رد کر دیا تو مرد نے اسے باطل کر دیا اگر معاملہ اس طرح ہو جس طرح مرد نے دعویٰ کیا تھا تو رد معتبر ہوگا۔ کیونکہ وہ بری کرنا باطل ہو رہا ہے جو حنث کا تقاضا کر رہا تھا۔ بے شک دفع کے دعویٰ کے ساتھ رد کا اعتبار کیا گیا ہے کیونکہ جو آگے آ رہا ہے کہ جب اس نے اپنے دین پر قبضہ کر لیا پھر اس نے اپنے غریم کو بری کر دیا اور اس بری کرنے کو قبول کیا گیا تو ابرا کرنا صحیح ہوا اور جو قبضہ کیا گیا اس کا وہ اس سے مطالبہ کرے گا۔ ملخص

اس کا مفہوم یہ ہے اگر وہ قبول نہ کرے تو بری کرنا صحیح نہ ہوگا۔ کہا: میں نے اس اعتراض کو ختم کرنے کے لیے یہ وضاحت کی کہ جو یہ وہم کیا گیا تھا کہ محض بری کرنے سے وہ حانث ہو جاتا ہے۔ باب التعلیق کے آخر میں شارح نے جو ذکر کیا ہے اس کو دیکھیے۔ حاشیہ میں کہا: جب ایک خاوند نے اپنی بیوی کی طلاق کو دوسری عورت سے نکاح پر معلق کیا ساتھ ہی مہر سے بری کرنے کی شرط لگائی۔ پس مرد نے شادی کی تو عورت نے مہر سے بری کرنے کا دعویٰ کر دیا تو مرد نے مہر ادا کرنے کا دعویٰ کر دیا تو حانث نہ ہونے میں مرد کا قول معتبر ہوگا۔ لیکن ”الاشباہ“ میں کہا: قضا کے بعد بری کرنا صحیح ہے۔ اگر مرد نے عورت کی طلاق کو عورت کی جانب سے مہر سے بری کرنے پر معلق کیا پھر عورت کو مہر دے دیا تو تعلیق باطل نہ ہوگی۔ جب عورت نے اسے براءت اسقاط سے بری کر دیا تو طلاق واقع ہو جائے گی۔ ”حاشیہ“ میں اسی طرح ہے۔

وَإِنْ قَبَضَ الْإِنْسَانُ مَالَ مَبِيعَةٍ فَأَبْرَأَ يَوْخَذُ مِنْهُ كَالَّذِينَ أَظْهَرُوا
وَمِنْ دُونَ أَرْضٍ فِي الْبِنَاءِ صَحِيحَةٌ وَعِنْدِي فِيهِ وَقْفَةٌ فَيُحَرَّرُ
قُلْتُ وَجْهٌ تَوَقُّفِي تَصْرِيحُهُمْ فِي كِتَابِ الرَّهْنِ بِأَنَّ رَهْنَ الْبِنَاءِ دُونَ الْأَرْضِ وَعَكْسَهُ لَا يَصِحُّ؛ لِأَنَّهُ
كَالشَّائِعِ فَتَأَمَّلْهُ وَأَشْرَتْ بِ أَظْهَرُ لَنَا فِي الْعِبَادِيَّةِ عَنْ خَوَاهِرِ زَادَةِ أَنَّهُ لَا يَرْجِعُ وَاخْتَارَهُ بَعْضُ
الْمَشَايخِ، فَيُظْفَرُ أَيْ بِنِكَاحٍ ضَرَّتْهَا؛ لِأَنَّهُ بَرْدَةٌ لِلْإِبْرَاءِ أَبْطَلَهُ فَلَا حِنْثَ فَلْيُحْفَظْ

اگر انسان نے اپنے بیع کے مال پر قبضہ کیا اور بری کر دیا تو اس سے ثمن لے لیا جائے گا جس طرح دین لے لیا جاتا ہے۔ یہ
اظہر قول ہے۔ عمارت کے بغیر زمین کو وقف کرنا صحیح ہے میرے نزدیک اس میں توقف ہے پس اس کی وضاحت کی جانی
چاہیے۔ میں کہتا ہوں: میرے توقف کی وجہ یہ ہے کہ علماء نے کتاب الرهن میں یہ تصریح کی ہے کہ عمارت کو زمین کے بغیر
رهن رکھنا اور اس کے برعکس کرنا یہ صحیح نہیں ہوتا کیونکہ یہ مشترک کی طرح ہے۔ پس اس میں غور و فکر کر لو میں نے ”عمادیہ“ میں
”خواہر زادہ“ سے جو مروی ہے اس کی طرف لفظ اظہر سے اشارہ کیا ہے کہ وہ رجوع نہیں کرے گا بعض مشائخ نے اسے پسند
کیا ہے۔ پس وہ کامیاب ہو گیا یعنی اس کی سوکن کے ساتھ نکاح کرنے میں کامیاب ہو گیا کیونکہ جب اس نے بری کرنے کو
رد کر دیا تو اس نے طلاق کی تعلیق کو باطل کر دیا تو کوئی قسم کا توڑنا نہیں پس اس کو یاد رکھا جائے۔

29316۔ (قوله: وَإِنْ قَبَضَ الْإِنْسَانُ) ایک آدمی نے سامان بیچا اور مشتری سے ثمن لے لی پھر بائع نے مشتری کو
ثمن پر قبضہ کرنے کے بعد ثمن سے بری کر دیا تو اس کا بری کرنا صحیح ہوگا اور مشتری نے جو ثمن بائع کو دی تھی وہ اس سے واپس
لے لے گا۔ ”حاشیہ“ میں اسی طرح ہے۔

29317۔ (قوله: صَحِيحَةٌ) یعنی یہ صحیح ہے ”حاشیہ“ میں اسی طرح ہے۔
29318۔ (قوله: بِنِكَاحٍ) ”شربلالی“ کی عبارت ہے: یعنی عورت کے مقہور ہونے کے ساتھ۔ کیونکہ وہ عورت مرد
کے ساتھ سوکن کے ساتھ نکاح میں رہے گی۔ یہی زیادہ مناسب ہے۔ کیونکہ جس کو معلق کیا گیا تھا وہ اس عورت کی طلاق تھی
سوکن کی طلاق نہ تھی۔

فائدہ: ”زاہدی“ نے اپنی کتاب جس کا نام ”حاوی مسائل المنیة“ جو قاضی ”عبدالبزار“ کی تالیف ہے میں کہا: اس
نے دہن کی کرسی کا تکیہ اچک لیا اور اسے بیچ ڈالا تو وہ حلال ہوگا اگر اس تکیہ کو اچک لینے کے لیے رکھا گیا تھا۔
میں کہتا ہوں: شادی اور ولادت کے موقع پر رکھی گئی شمعوں کو اس پر قیاس کیا جائے گا۔ ”رملی علی المنح“ واللہ سبحانہ اعلم

کِتَابُ الْإِجَارَةِ

قَدَّمَ الْهَبَةَ لِكُونِهَا تَمْلِيكَ عَيْنٍ، وَهَذِهِ تَمْلِيكَ مَنَفَعَةٍ (ہی) لُغَةً اسْمٌ لِلْأَجْرَةِ وَهُوَ مَا يُسْتَحَقُّ عَلَى عَمَلٍ الْخَيْرِ وَلِذَا يُدْعَى بِهِ،

اجارہ کے احکام

کتاب الہبہ کو مقدم کیا کیونکہ ہبہ عین کا مالک بنانا ہے اور اجارہ نفع کا مالک بنانا ہے۔ لغت میں اجارہ اجرت کا نام ہے۔ وہ وہ ہے جس کا وہ عمل خیر پر مستحق بنتا ہے۔ اس وجہ سے اس کے ساتھ وعادی جاتی ہے

میں کہتا ہوں: اجارہ ہمزہ کے کسرہ کے ساتھ ہے یہی مشہور ہے۔ ”رافعی“ نے اس کے ضمہ کی حکایت بیان کی ہے۔ صاحب ”المحکم“ نے کہا ہے: ضمہ کے ساتھ یہ ماخوذ کا نام ہے۔ یہ اجر سے مشتق ہے یہ عمل کا عوض ہے۔ ”ثعلب“ سے فتح نقل کیا گیا ہے۔ اس کے ہمزہ پر تینوں حرکتیں آتی ہیں۔ علامہ ”عبد القادر طوری“ کی ”تکملة البحر“ میں ہے: اگر وہ ایجار کا لفظ ذکر کرتے تو یہ اولی ہوتا۔ کیونکہ جو معروف ہے وہ ایجار ہے یہ منافع کی بیع کرنا ہے۔ اس سے مراد اجارہ نہیں جو اجرت ہے۔

”قاضی زادہ“ نے کہا: لغت میں یہ مسموع نہیں کہ اجارہ مصدر ہے۔ یہ جملہ بولا جاتا ہے: اجرة، جب وہ اسے اجرت عطا کرے اور اجرت وہ ہوتی ہے جس کا عمل خیر پر وہ مستحق ہوتا ہے۔

”الاساس“ میں ہے: آجری دارۃ واستاجر تھا وهو مؤجر۔ مؤجر نہ کہہ کیونکہ یہ خطا اور قبیح ہے۔ اس کا آجریہ فاعل کا وزن نہیں بلکہ یہ فعل کا وزن ہے۔

میں کہتا ہوں: لیکن ”رملی“ نے حاشیہ ”البحر“ میں کہا ہے: ”واحدی“ نے ”مبرذ“ سے نقل کرتے ہوئے کہا ہے: یہ جملہ بولا جاتا ہے اجرت داری و مملوکی۔ یعنی اجرت کا ہمزہ مد کے بغیر اور مد کے ساتھ ہے پہلا اجارہ اور اجارۃ اکثر استعمال ہوتا ہے۔ اس تعبیر کی بنا پر کوئی اعتراض نہیں۔ تدبر

29319۔ (قوله: لِكُونِهَا تَمْلِيكَ عَيْنٍ) یعنی اعیان منافع پر مقدم ہوتے ہیں اس لیے کہ ہبہ عوض کے بغیر ہوتا ہے اور یہ عوض کے ساتھ ہوتا ہے اور عدم مقدم ہے۔ پھر اجارہ کی صدقہ کے فعل کے ساتھ خاص مناسبت ہے۔ کیونکہ یہ دونوں لازم کے طور پر واقع ہوتے ہیں۔ اسی وجہ سے اسے اس کے پیچھے ذکر کیا ہے۔ ”طوری“ نے یہ بیان کیا ہے۔

اجارہ کی لغوی تعریف

29320۔ (قوله: اسْمٌ لِلْأَجْرَةِ) ”زیلعی“ نے کہا، لغت میں اجارہ فعالہ کا وزن ہے یہ اجرت کا اسم ہے۔ اس سے مراد وہ ہے جو مزدور کو کرایہ دیا جاتا ہے۔ قد اجرة جب اسے اجرت عطا کی۔ ”عینی“ میں ہے: فعالہ او اعالة۔ یعنی دوسری

يُقَالُ أَعْظَمَ اللَّهُ أَجْرَكَ وَشَرَّعًا (تَبْلِيكَ نَفْعٍ) مَقْصُودٍ مِنَ الْعَيْنِ

یہ جملہ بولا جاتا ہے: اللہ تعالیٰ تیرے اجر کو عظیم کرے۔ اور شرع میں اجارہ سے مراد نفع کا مالک بنانا ہے یعنی وہ نفع جو عین سے مقصود ہوتا ہے

تعبیر میں فعل کا فاعل مخدوف ہے۔ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ یہ مصدر ہے۔

29321۔ (قوله: وَهُوَ مَا يُسْتَحَقُّ) ضمیر کو مذکر ذکر کیا ہے۔ کیونکہ وہ اس اجر کی طرف لوٹ رہی ہے جو اس کے مقابل کے ذکر سے مفہوم ہے جب کہ وہ اجرت ہے۔ زیادہ واضح اظہار کرنا ہے۔ پس اس کی کلام میں کوئی خلل نہیں۔ پس سمجھ لیجئے۔

اجارہ کی شرعی تعریف

29322۔ (قوله: تَبْلِيكَ) یہ ایسی جنس ہے جو عین اور منفعت کی بیع کو شامل ہے اگرچہ یہ جنس ہے جس طرح داخل کرنے والا ہے اسی طرح خارج کرنے والا ہے۔ تملیک کے لفظ کے ساتھ عاریہ اس میں داخل ہو جائے گا۔ کیونکہ عاریہ منافع کا مالک بناتا ہے اور نکاح داخل ہو جائے گا۔ کیونکہ یہ بضع کا مالک بنانا ہے جب کہ وہ منفعت نہیں نفع کے قول سے عین کا مالک بنانا اور عوض کے قول سے تعریف کی تکمیل ہے۔ ”طوری“۔

”المنح“ میں کہا: یہ قول ان کے قول: تَبْلِيكَ نَفْعٍ معلوم بعوض كذلك کی نسبت قبول کیے جانے کے زیادہ لائق ہے۔ کیونکہ اگرچہ یہ اجارہ صحیح کی تعریف ہے مگر یہ اس کے مانع نہیں کہ شرط فاسد اور جس میں اصلی اشتراک ہو کے ساتھ اجارہ فاسدہ کو شامل ہو۔ اگر یہ اعم کی تعریف ہو تب بھی نفع اور عوض معلوم کی قید لگانا صحیح نہیں۔ ”الدرر“ کی تبع میں اس مختصر میں جسے اختیار کیا گیا ہے وہ اعم کی تعریف ہے۔

اس میں اعتراض کی گنجائش ہے۔ کیونکہ ائمہ مذہب نے جس اجارہ کی تعریف کی ہے وہ اجارہ شرعیہ ہے وہ اجارہ صحیح ہے۔ اور اجارہ فاسدہ اس کی ضد ہے پس تعریف اس کو شامل نہ ہوگی۔

”المبسوط“ میں کہا: جس پر عقد اجارہ واقع ہوتا ہے اس کے متعلق اس طریقہ پر آگاہ کرنا ضروری ہے جس سے منازعہ ختم ہو جائے جیسے مدت، مسافت اور بدن کا بیان اور بدل سے باخبر کرنا بھی ضروری ہے ورنہ عقد عبث ہو جائے گا جس طرح ”البدائع“ میں ہے۔ کیونکہ عوض غیر معلوم کے بدلے میں کوئی تملیک نہیں ہوتی۔

پس یہ ان کے کلام کی طرف راجع ہے۔ اس کی مکمل وضاحت ”شرعیہ لایہ“ میں ہے۔

29323۔ (قوله: مَقْصُودٍ مِنَ الْعَيْنِ) یعنی شرع میں اور عقلا کی نظر میں۔ جس کا وہ عنقریب ذکر کریں گے وہ اس کے خلاف ہے۔ کیونکہ وہ اگرچہ مستاجر کا مقصود ہے لیکن اس میں کوئی نفع نہیں اور وہ مقاصد شرعیہ میں سے نہیں اور جو مقصود ہے اس کو شامل ہوگا اگرچہ مقصود اس امر غیر کی وجہ سے ہو۔ کیونکہ عنقریب ”البحر“ سے آئے گا کہ یہ جائز ہے کہ زمین کو اجرت پر دینا

(بِعَوْضٍ) حَتَّىٰ لَوْ اسْتَأْجَرَ ثِيَابًا أَوْ أَوَانِي لِيَتَجَبَّلَ بِهَا أَوْ دَابَّةً لِيَجْنُبَهَا بَيْنَ يَدَيْهِ أَوْ دَارًا لَا لِيَسْكُنَهَا أَوْ عَبْدًا أَوْ دَرَاهِمَ أَوْ غَيْرَ ذَلِكَ لَا لِيَسْتَعْمِلَهُ بَلْ لِيُظَنَّ النَّاسُ أَنَّهُ لَهُ فَإِلَّا جَارَةٌ فَاسِدَةٌ فِي الْكُلِّ، وَلَا أَجْرَ لَهُ لِأَنَّهَا مَنْفَعَةٌ غَيْرُ مَقْصُودَةٍ مِنَ الْعَيْنِ بَرَّازِيَّةٌ وَسَيِّجِيَّةٌ (وَكُلُّ مَا صَدَحَ ثَمَنًا) أَيْ بَدَلًا فِي الْبَيْعِ (صَدَحَ أَجْرَةً) لِأَنَّهَا ثَمَنُ الْمَنْفَعَةِ

کسی عوض کے بدلہ میں یہاں تک کہ اگر کپڑے اجرت پر لے یا برتن اجرت پر لے تاکہ ان سے خوبصورتی حاصل کرے، یا جانور لیا اپنے سامنے چلائے، یا گھرا جرت پر لیا اس لیے نہیں کہ اس میں سکونت اختیار کرے یا غلام اجرت پر لیا یا دراہم اجرت پر لیے یا کوئی چیز اجرت پر لی، اس لیے نہیں کہ اسے استعمال کرے بلکہ اس لیے کہ لوگ گمان کریں کہ یہ اس کا ہے تو اجارہ تمام صورتوں میں فاسد ہوتا ہے اور اس کے لیے کوئی اجرت نہ ہوگی۔ کیونکہ یہ ایسی منفعت ہے جو عین سے مقصود نہیں ہوتی۔ ”بزازیہ“۔ عنقریب اس کا ذکر آئے گا۔ ہر وہ چیز جو بیع میں بدل بننے کی صلاحیت رکھتی ہے تو وہ اجرت بننے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ کیونکہ یہ منفعت کی ثمن ہوگی

جائز ہے تاکہ وہاں قیلولہ کیا جائے اور وہاں راحت حاصل کی جائے۔ کیونکہ زمین کے اجارہ کا مقصود زراعت کے لیے اجرت پر لینا ہے مثلاً اسے اس کے لزوم کے حیلہ کے طور پر ذکر کریں گے جب اس کی کاشت ممکن نہ ہو۔

29324۔ (قولہ: أَوْ أَوَانِي) یہ منصوب ہے یا پرفتحہ ظاہر ہے۔ بعض نسخوں میں اس کے حذف کے ساتھ ہے گویا یہ نساخ (لکھنے والے) کی تحریف ہے۔

29325۔ (قولہ: أَنَّهُ لَهُ) انہ کی ضمیر سے مراد دار، عبد اور اس کا مابعد ہے۔ ضمیر کو مفرد ذکر کیا کیونکہ اوکے ساتھ عطف ہے۔ یہ مسائل آنے والے باب میں متن میں آئیں گے۔

29326۔ (قولہ: وَلَا أَجْرَ لَهُ) اگر اس نے ان کو ان مقاصد میں استعمال کیا جس کا ذکر کیا تھا۔ اور علماء کا یہ قول کہ اجارہ فاسدہ میں نفع حاصل کرنے کی صورت میں اجرت واجب ہوتی ہے یہ ان صورتوں میں ہوتا ہے جب نفع مقصود ہو، ”ط“۔ ”الخلاصہ“ میں ان مسائل کی جس میں اجرت نہ ہونے کی قید لگائی ہے۔ ان کا قول یہ ہے: مگر جب وہ کسی چیز کو اجرت پر لیتا ہے بعض اوقات وہ اجرت پر لیتا ہے تاکہ اس سے نفع حاصل کرے۔ تمام کلام اس میں آئے گی۔

29327۔ (قولہ: سَيِّجِيَّةٌ) یعنی باب مایجوز فی الاجارۃ میں آئے گا۔

29328۔ (قولہ: أَيْ بَدَلًا فِي الْبَيْعِ) اس میں اعیان داخل ہوں گے کیونکہ یہ مقایضہ میں بدل بننے کی صلاحیت رکھتا ہے پس یہ اجرت بننے کی صلاحیت رکھے گا۔

29329۔ (قولہ: لِأَنَّهَا ثَمَنُ الْمَنْفَعَةِ) جب کہ یہ عین کے تابع ہے اور جو اصل کا بدل بننے کی صلاحیت رکھے وہ تبع کا بدل بننے کی صلاحیت رکھتا ہے۔

وَلَا يَنْعَكُسُ كُلِّيًّا، فَلَا يُقَالُ مَا لَا يَجُوزُ ثَمَنًا لَا يَجُوزُ أَجْرًا لِجَوَازِ إِجَارَةِ الْمَنْفَعَةِ بِالْمَنْفَعَةِ إِذَا اخْتَلَفَا كَمَا سَيَجِيءُ (وَتَتَعَقَّدُ بِأَعْرَتِكَ هَذِهِ الدَّارَ شَهْرًا بِكَذَا)؛ لِأَنَّ الْعَارِيَّةَ بِعَوَضٍ إِجَارَةٌ بِخِلَافِ الْعَكْسِ (أَوْ وَهَبْتُكَ) أَوْ أَجَرْتُكَ (مَنْفَعَهَا) شَهْرًا بِكَذَا؛

اور یہ کلی طور پر منعکس نہیں ہوگا۔ یہ نہ کہا جائے گا کہ جو چیز ثمن نہیں بن سکتی اس کا اجرت بننا جائز نہیں۔ کیونکہ منفعت کا منفعت کے بدلے اجارہ جائز ہے جب وہ دونوں مختلف ہوں جس طرح عنقریب آئے گا۔ اجارہ منعقد ہو جاتا ہے جب وہ یہ کہے: میں نے یہ گھر تجھے ایک ماہ کے لیے اتنے کے عوض میں اجارہ پر دیا ہے۔ کیونکہ عاریہ جب عوض کے ساتھ ہو تو اجارہ ہو جاتا ہے۔ اس کے برعکس کا معاملہ مختلف ہے۔ یا وہ کہے: میں نے تجھے اس کے منافع ایک ماہ کیلئے اتنے کے عوض میں ہبہ کیے یا اجرت پر دیے۔

29330۔ (قوله: وَلَا يَنْعَكُسُ كُلِّيًّا) اس کی قید لگائی ہے تاکہ یہ سمجھا جائے کہ اس سے مراد عکس لغوی ہے عکس منطقی نہیں وہ موجب کلیہ کا موجبہ جزیہ سے عکس ہوتا ہے۔ کیونکہ بعض وہ چیزیں جو اجرت بننے کی صلاحیت رکھتی ہیں وہ ثمن بننے کی صلاحیت رکھتی ہیں۔

29331۔ (قوله: كَمَا سَيَجِيءُ) یعنی اجارہ فاسدہ کے باب کے آخر میں آئے گا۔

وہ الفاظ جن کے ساتھ اجارہ منعقد ہوتا ہے

29332۔ (قوله: وَتَتَعَقَّدُ بِأَعْرَتِكَ الْخ) اور صلح کے لفظ کے ساتھ منعقد ہو جاتا ہے جس طرح ”حلوانی“ نے ذکر کیا ہے۔ اظہر یہ ہے کہ لفظ بیع کے ساتھ منعقد ہو جاتا ہے جب اس کا وقت پایا جائے۔ اسی طرف امام ”کرخی“ نے رجوع کیا ہے جس طرح ”البحر“ میں ہے۔ لیکن ”شرنبلائی“ میں ہے: ”برہان“ میں اس طرح کے اجارہ کے منعقد نہ ہونے کو جزم و یقین سے ذکر کیا ہے۔ کہا: بعت منفعتهما (میں نے اس کی منفعت کو بیچا) سے عقد اجارہ منعقد نہیں ہوگا کیونکہ معدوم شے کی بیع باطل ہے۔ پس بیع اور شرا کے لفظ سے تملیک صحیح نہ ہوگی۔ ”الحنانیہ“ سے اس کی مثل نقل کیا ہے۔

29333۔ (قوله: بِخِلَافِ الْعَكْسِ) یعنی بغیر عوض کے اجارہ سے اعارہ منعقد نہیں ہوگی۔ ”بزازیہ“ میں کہا: اگر اس نے کہا: میں نے تجھے اس کے منافع سال بھر کے لیے عوض کے بغیر اجرت پر دے دیئے تو یہ اجارہ فاسد ہوگا اعارہ نہیں ہوگا۔ ”المنح“ میں ”الحنانیہ“ سے مروی ہے: اگر میں نے تجھے یہ گھر عوض کے بغیر اجرت پر دیا تو وہ اجارہ فاسد ہوگا اور عاریہ نہیں ہوگا۔ جس طرح اگر وہ کہے: میں نے تجھے یہ عین بغیر عوض کے بیچ دیا تو یہ باطل یا فاسد ہوگا ہبہ نہ ہوگا۔ اس کے مخالف وہ قول ہے جو ”البحر“ کے کتاب العاریہ میں ”الحنانیہ“ سے منقول ہے: میں نے تجھے یہ گھر ایک ماہ کے لیے عوض کے بغیر اجرت پر دیا تو یہ اعارہ ہوگا۔ اگر وہ ایک ماہ کا لفظ کا ذکر نہ کرے تو اجارہ نہ ہوگا۔ ”تاتر خانہ“ میں کہا: بلکہ یہ اجارہ فاسد ہوگا۔ بعض اوقات اس کے خلاف قول کیا جاتا ہے۔ ہم نے کتاب العاریہ میں پہلے جو گفتگو کر دی ہے اس میں نظر کیجئے۔

29334۔ (قوله: مَنْفَعَهَا شَهْرًا بِكَذَا) ان تین معمولات میں ان دو فعلوں نے عمل میں تنازع کیا ہے جو ان سے

أَفَادَ أَنَّ رُكْنَهَا الْإِيجَابُ وَالْقَبُولُ وَشَرْطُهَا كَوْنُ الْأَجْرَةِ وَالْمَنْفَعَةِ مَعْلُومَتَيْنِ؛ لِأَنَّ جَهَالَتَهُمَا تَفْضِي إِلَى الْمُنَازَعَةِ وَحُكْمُهَا وَقُوعُ الْمِلْكِ فِي الْبَدَلَيْنِ

اس قول نے اس امر کا فائدہ دیا کہ اس کا رکن ایجاب اور قبول ہے۔ اس کی شرط یہ ہے کہ اجرت اور منفعت دونوں معلوم ہوں۔ کیونکہ دونوں کی جہالت منازعہ کی طرف لے جاتی ہے۔ اس کا حکم یہ ہے: دونوں بدلوں میں ملکیت کا وقوع

پہلے ہیں متن میں جو قول ہے۔ ”البحر“ میں اس کا ذکر کیا ہے۔ لیکن اس کے بعد ذکر کیا ہے: اگر عقد کو منافع کی طرف منسوب کیا تو یہ جائز نہ ہوگا۔ اس کی صورت یہ ہے کہ وہ کہے: میں نے اس گھر کے منافع ایک ماہ کے لیے اتنے کے بدلے میں تجھے اجارہ پردیے اور اسے عین کی طرف منسوب کرنا صحیح ہوگا۔ ان دونوں کے درمیان منافات ہے۔

لیکن ”رملی“ نے کہا: ”بزازیہ“ اور کثیر کتب میں مسئلہ میں دو قول ذکر کیے ہیں۔ ”شرنبلالیہ“ میں ”برہان“ سے مروی ہے: ”میں نے اس کی منفعت اجرت پردی“ کے قول سے اجارہ منعقد نہیں ہوگا۔ کیونکہ منفعت معدوم ہے۔ عقد کو عین پر وارد کیا جائے تو یہ جائز ہوگا جب کہ وہ نہیں پایا گیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کے ساتھ اجارہ منعقد ہو جاتا ہے کیونکہ وہ کلام مقصود لایا ہے کہ اس نے اجارہ کو عین کی طرف مضاف کیا ہے۔ اس کا ظاہر معنی یہ ہے: مصنف اور شارح نے جس قول کو اپنایا ہے اس کے خلاف کو ترجیح دی ہے۔ اسی وجہ سے ”زیلعی“ میں اس پر اکتفا کیا ہے۔

اجارہ کا رکن

29335۔ (قوله: أَفَادَ أَنَّ رُكْنَهَا الْإِيجَابُ وَالْقَبُولُ) یعنی ان کے تملیک یا ان کے قول تنعقد نے اس امر کا فائدہ دیا کہ اجارہ کا رکن ایجاب اور قبول ہے، تامل۔ پھر ان دونوں یعنی ایجاب و قبول کے بارے میں کلام اور ان کی صفات میں کلام اسی طرح ہے جس طرح بیع میں کلام ہوتی ہے۔ ”بدائع“۔

”تکملہ طوری“ میں ”تاتر خانہ“ سے روایت مروی ہے: یہ لفظ کے بغیر بھی منعقد ہو جاتا ہے جس طرح اگر ایک آدمی ایک گھر سال بھر کے لیے اجرت پر لیتا ہے جب مدت پوری ہو جاتی ہے تو اس کا مالک مستاجر سے کہتا ہے: میرے لیے آج ہی فارغ کر دو ورنہ ہر ماہ ہزار کے بدلے میں ہوگا۔ جتنے دنوں میں وہ سامان منتقل کرے گا اسے اجرت مثلی کے ساتھ اندازہ لگایا جائے گا اگر وہ پورا مہینہ اس گھر میں رہتا ہے تو اس پر اتنا لازم ہو جائے گا جو اس نے کہا تھا۔

اجارہ کی شرائط

29336۔ (قوله: وَشَرْطُهَا الْإِيجَابُ وَالْقَبُولُ) اس کی کئی انواع ہیں۔ ان میں سے بعض انعقاد کی شرط ہیں ان میں سے بعض نفاذ کی شرط ہیں۔ ان میں سے بعض اس کے صحیح ہونے کی شرط ہیں اور بعض اس کے لزوم کی شرط ہیں۔ ان کی تفصیل ”بدائع“ میں مفصل موجود ہیں۔ ”طحطاوی“ نے ”ہندیہ“ سے اس کی تلخیص نقل کی ہے۔

29337۔ (قوله: كَوْنُ الْأَجْرَةِ وَالْمَنْفَعَةِ مَعْلُومَتَيْنِ) جہاں تک پہلے کا تعلق ہے تو وہ اس کے اس قول کی طرح

سَاعَةً فَسَاعَةً وَهَلْ تَنْعَقِدُ بِالتَّعَاطِي؟

لمحہ بلحہ ہوگا۔ کیا اجارہ باہم لینے اور دینے سے واقع ہو جاتا ہے۔

ہے: اتنے دراہم یا اتنے دنانیر کے بدلے۔ اور وہ شہر کی غالب نقدی کی طرف پھر جائے گی۔ اگر غلبہ مختلف ہو تو اجارہ فاسدہ ہو جائے گا جب تک ان میں سے کسی نقدی کو واضح نہ کرے۔ اگر وہ کیلی، وزنی یا عددی متقارب ہو تو قدر اور صفت کا بیان کرنا شرط ہوگا۔ اسی طرح جس جگہ ادا کرنا ہے اس کا معلوم ہونا بھی شرط ہے اگر اسے اٹھانے کی ضرورت ہو اور اس میں مشقت ہو۔ یہ ”امام اعظم“ کے نزدیک ہے ورنہ بیان کرنے کی ضرورت نہیں جس طرح اجل کے بیان کرنے کا معاملہ ہے۔

اگر وہ کپڑے یا دوسرا سامان ہو تو شرط اجل، قدر اور صفت کو بیان کرنا ہوگا اگرچہ وہ اسے تبدیل کر دے جس کی طرف اشارہ کیا ہو اگر وہ حیوان ہو تو جب تک معین نہ ہو جائز نہ ہوگا۔ ”بحر“ ملخص جہاں تک دوسرے کا تعلق ہے تو متن میں قریب ہی آئے گا۔ اجارہ کا حکم

29338۔ (قولہ: سَاعَةً فَسَاعَةً) کیونکہ منفعت ایک عرض ہے جو دو زمانوں تک باقی نہیں رہتا۔ جب اس کا حدوث اس طرح ہے تو اس کے بدل کا اس طرح مالک ہوگا تا کہ دونوں میں برابری کا قصد کیا جائے۔ لیکن اسے بدل کے مطالبہ کا حق نہیں ہوگا مگر مقصود منفعت گزر چکی ہو جیسے گھراور زمین میں ایک دن اور سواری کے بارے میں مرحلہ و منزل جس طرح عنقریب آئے گا۔

کیا اجارہ باہم لینے اور دینے سے منعقد ہو جاتا ہے

29339۔ (قولہ: وَهَلْ تَنْعَقِدُ بِالتَّعَاطِي) ”الوہانیہ“ میں کہا ہے: وقد جوزوها في القدور تعاطيا۔ ”شربلا لہ“ میں کہا: مسئلہ ”ظہیریہ“ کا ہے: ایک آدمی نے دوسرے سے کئی ہانڈیاں غیر معین اجرت پر لیں تو یہ جائز نہیں ہوگا کیونکہ صغرو کبر کے اعتبار سے ان میں تفاوت ہوتا ہے۔ اگر مستاجر نے پہلے کرایہ پر انہیں قبول کر لیا تو جائز ہوگا اور یہ اجارہ باہم لینے اور دینے سے نیا ہوگا شعر میں قدور کی تخصیص نقل کی پیروی ہے ورنہ وہ اس کے علاوہ میں عام ہے۔

”بزازیہ“ میں ہے: اجارہ طویلہ کے علاوہ باہم لین دین سے منعقد ہو جاتا ہے۔ اجارہ طویلہ اس سے منعقد نہیں ہوتا کیونکہ اجرت غیر معلوم ہے۔ کیونکہ یہ سال میں دائق یا اس سے کم یا اس سے اکثر ہوتی ہے۔ ”تاتر خانہ“ میں ”تمتہ“ سے مروی ہے: میں نے امام ”ابو یوسف“ رحمہ اللہ سے اس آدمی کے بارے میں پوچھا جو کشتی میں داخل ہوتا ہے، پچھنے لگواتا ہے، فصد کرواتا ہے، حمام میں داخل ہوتا ہے یا سقاء سے پانی پیتا ہے پھر وہ اجرت اور پانی کی قیمت دیتا ہے۔ فرمایا: بطور استحسان جائز ہے اور اس سے قبل کی کوئی ضرورت نہیں۔

میں کہتا ہوں: اسی میں سے وہ ہے جسے ہم نے پہلے ”بزازیہ“ سے نقل کیا ہے کہ لفظ کے بغیر اجارہ منعقد ہو جاتا ہے عنقریب ”الاشباہ“ سے متفرقات میں آئے گا کہ اجارہ میں سکوت رضا اور قبول ہوتا ہے۔ ”حاوی زاہدی“ میں اشارہ کرتے

ظَاهِرُ الْخُلَاصَةِ نَعَمْ إِنَّ عُلِمَتْ الْمُدَّةُ وَفِي الْبَرَّازِيَّةِ إِنَّ قَصَرَتْ نَعَمْ وَإِلَّا لَا دَوِيْعَلَمُ النَّفْعُ بَيَانِ الْمُدَّةِ
كَالسُّكْنَى وَالزَّرَاعَةِ مُدَّةٌ كَذًا أَيْ مُدَّةٌ كَانَتْ وَإِنْ طَالَتْ وَلَوْ مُضَافَةً كَأَجَرْتُكَهَا غَدًا وَلِلْمُؤَجَّرِ بَيْنَهُمَا
الْيَوْمَ، وَتَبْطُلُ الْإِجَارَةُ بِهِ يُفْتَى خَانِيَّةٌ

”الخلاصہ“ کا ظاہر معنی یہ ہے: ہاں اگر مدت معلوم ہو۔ ”برازیہ“ میں ہے: اگر کمتر ہو تو اجارہ منعقد ہو جاتا ہے اور اگر ایسا نہ ہو تو اجارہ منعقد نہیں ہوتا۔ نفع کا علم مدت کے بیان سے ہو جاتا ہے جیسے اتنے عرصہ کی رہائش اور زراعت کا اختیار ہے وہ کوئی بھی مدت ہو اگرچہ وہ مدت طویل ہو اگرچہ وہ مدت مضاف ہو جیسے: میں نے تجھے وہ چیز کل اجرت پردی ہے مگر کو آج وہ چیز بیچنے کا حق ہے اور (اس طرح کرنے سے) اجارہ باطل ہو جائے گا۔ اسی پر فتویٰ دیا جاتا ہے، ”خانیہ“۔

ہوئے کہا: نگران سے ایک گھرا جارہ پر لیا اور اس میں سکونت اختیار کی پھر دوسرے سال عقد کے بغیر رہائش رکھے رہا اور نگران نے اجرت میں سے کوئی چیز لے لی اس کے ساتھ پورہ سال کے لیے عقد منعقد ہو جائے گا نہ کہ صرف اس حصہ میں اجارہ منعقد ہوگا جو اس نے حصہ لیا ہے۔ اس کی مثل ”القنیۃ“ میں باب انقضاء الاجارۃ بعد انقضاء مدتھا و وجوب الامر بغیر عقد میں ہے۔ ”حامدیہ“۔

29340۔ (قوله: ظَاهِرُ الْخُلَاصَةِ نَعَمْ) اس کی عبارت ”برازیہ“ کی اس عبارت کی طرح ہے جو ابھی گزری ہے۔

29341۔ (قوله: إِنَّ عُلِمَتْ الْمُدَّةُ) اس کا صحیح قول الاجارۃ ہے۔ ”الخلاصہ“ میں جو کچھ ہے اس کا قول نقل کرنے سے

بعد کہا: ”المنح“ میں کہا: اس سے یہ امر مستفاد ہوتا ہے کہ جب اجرت اجارہ طویلہ میں معلوم ہو تو باہم لینے دینے سے اجارہ منعقد ہو جاتا ہے۔ کیونکہ اجارہ کے عدم انعقاد میں اس امر کو علت بنایا ہے کہ اس میں اجرت غیر معلوم ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم

29342۔ (قوله: وَفِي الْبَرَّازِيَّةِ) یہ قول اس امر کا وہم دلاتا ہے کہ ”خلاصہ“ میں اسے تبدیل کر دیا ہے جب کہ ان

دونوں کی عبارت ایک ہے۔ پھر اجارہ طویلہ جس کی وضاحت آگے آئے گی۔ اس میں اجرت معلوم ہے لیکن سوائے آخری سال کے اجارہ تھوڑی سی چیز کے بدلے میں ہے پس اس میں غور و فکر کیجئے۔

29343۔ (قوله: بَيَانِ الْمُدَّةِ) کیونکہ جب مدت معلوم ہوگی تو منفعت کی مقدار بھی معلوم ہوگی۔

29344۔ (قوله: وَإِنْ طَالَتْ) اگرچہ وہ اتنی مدت ہو جس مدت تک مثلاً وہ زندہ نہیں رہ سکتے ”خصاف“ میں ہے۔

اختیار کیا ہے۔ بعض علماء نے اس سے منع کیا ہے، ”بحر“۔ متون کے اطلاق کا ظاہر معنی یہ ہے کہ پہلے قول کو رائج قرار دیا جائے۔

29345۔ (قوله: وَلِلْمُؤَجَّرِ بَيْنَهُمَا الْيَوْمَ) یعنی اس کا وقت آنے سے پہلے یہ قول اس امر پر مبنی ہے کہ جس اجارہ کو

کسی وقت کی طرف منسوب کیا جائے وہ اجارہ منعقد ہو جاتا ہے لیکن یہ اجارہ لازم نہیں ہوتا۔ یہ دو تصحیحوں میں سے ایک ہے۔

اس کا لازم نہ ہونا اس امر کی تائید کرتا ہے کہ فتویٰ اس پر ہے جس طرح متفرقات میں آئے گا۔ ”برازیہ“ میں ہے: اگر کل آئے

اور وہ اجارہ والی چیز نئے سبب سے اس کی ملکیت کی طرف لوٹے تو اجارہ نہیں لوٹے گا۔ اگر عیب کی وجہ سے قاضی کے فیصلہ

(وَلَمْ تَزِدْ فِي الْأَوْقَافِ عَلَى ثَلَاثِ سِنِينَ) فِي الضِّيَاعِ وَعَلَى سَنَةِ فِي غَيْرِهَا كَمَا مَرَّ فِي بَابِهِ وَالْحِيلَةُ

اوقاف میں اجارہ تین سال سے زیادہ پر نہیں ہوگا جب کہ وہ وقف کی زمین ہو اور زمین کے علاوہ وہ چیز ہو تو ایک سال سے زیادہ میں اجارہ نہیں ہوگا جس طرح اس کے باب میں گزر چکا ہے اس کا حیلہ یہ ہے

کے ساتھ اس چیز کو لوٹایا گیا یا ہبہ میں رجوع کیا تو کل آنے سے پہلے اجارہ لوٹ آئے گا۔

اوقاف میں اجارہ کی مدت

29346۔ (قوله: فِي الْأَوْقَافِ) اسی طرح یتیم کی زمین ہے جس طرح ”جوہرہ“ میں ہے۔ صاحب ”البحر“ اور مصنف نے یہی فتویٰ دیا ہے۔ علماء کی اکثر کلام یہی ہے کہ یہی مختار اور مفتی بہ ہے۔ کیونکہ دونوں میں علت موجود ہے وہ یہ ہے کہ مدت کی طوالت کی وجہ سے ملکیت کے دعویٰ سے اسے بچایا جائے بلکہ یہ تو بدرجہ اولیٰ ہے، ”رملی“۔ ”الحنانیہ“ سے بھی عنقریب یہ آئے گا۔ ”فتاویٰ کا زرونی“ میں ان کے شیخ ”حنیف الدین مرشدی“ سے منقول ہے: جہاں تک بیت المال کی اراضی کا تعلق ہے تو علماء کا اسے مطلق ذکر کرنا یہ مطلقاً اس کے جواز کا تقاضا کرتا ہے نیز علماء کا ایسی زمینوں میں امام کا تصرف کرنا، خواہ بیع کی صورت میں ہو یا کسی کو عطا کرنے کی صورت میں ہو، اسے درست قرار دیا ہے یہ اسی امر کا فائدہ دیتا ہے۔ ملخص۔ لیکن ”حاشیۃ الرملی“ میں ہے کہ یہ یتیم کی جائیداد کی طرح ہے۔ ”حامد“ میں کہا: اس کی دلیل وہی ہے جو انہوں نے کہا ہے: ”خیر“ کے کتاب الدعویٰ میں ہے: بیت المال کی زمینوں پر دائمی وقف کے احکام جاری ہوئے ہیں۔

29347۔ (قوله: عَلَى ثَلَاثِ سِنِينَ) اس کا محل یہ ہے کہ جب غیر واقف سے اجرت پر دیا پھر وہ پانچ سال کے بعد مر گیا اور وہ چیز دوسرے مصرف کی طرف منتقل ہو گئی تو اجارہ ختم ہو جائے گا اور جو باقی ماندہ ہے وہ میت کے ترکہ میں لوٹ جائے گا۔ ”طحاوی“ نے ”سری الدین“ سے نقل کیا ہے۔

میں کہتا ہوں: اس میں اعتراض کی گنجائش ہے شارح باب الفسخ کے آخر میں اس کا ذکر کریں گے۔

29348۔ (قوله: فِي غَيْرِهَا) جیسے گھر اور دکان۔

29349۔ (قوله: كَمَا مَرَّ فِي بَابِهِ) یعنی کتاب الوقف میں متن میں گزر چکا ہے۔ شارح نے وہاں کہا: مگر جب مصلحت اس کے خلاف ہو۔ یہ ان چیزوں میں سے ہے جو زمانہ اور موضع کے حوالہ سے مختلف ہے یہاں مصنف نے جو اطلاق کو اپنایا ہے وہ متون کی تبع میں ہے۔

”الہدایہ“ میں کہا: یہی مختار قول ہے۔ شارح نے جس پر اسے محمول کیا ہے یہ اس کے موافق ہے جسے پہلے وقف میں بیان کیا ہے۔ یہ وہی ہے جس پر ”صدر شہید“ نے فتویٰ دیا ہے۔

”الھیط“ میں کہا ہے: یہی فتویٰ کے لیے مختار ہے جس طرح ”البحر“ میں ہے۔

29350۔ (قوله: وَالْحِيلَةُ) یعنی جب قیم (نگران) اس امر کا محتاج ہو کہ وہ وقف کو طویل اجارہ پر دے۔

أَنْ يَعْقِدَ عَقُودًا مُتَفَرِّقَةً كُلُّ عَقْدٍ سَنَةً بَكَذَا، فَيَلْزِمُ الْعَقْدُ الْأَوَّلُ؛ لِأَنَّهُ نَاجِزٌ، لَا الْبَاقِي؛ لِأَنَّهُ مُضَافٌ، وَلِلْمُتَوَلَّى فَسُخْهُ خَاتِيئَةٌ وَفِيهَا لَوْ شَرَطَ الْوَاقِفُ مُدَّةً يَتَّبَعُ إِلَّا إِذَا كَانَتْ إِجَارَتُهَا أَكْبَرَ نَفْعًا فَيُوجِرُهَا الْقَاضِي لَا الْمُتَوَلَّى؛ لِأَنَّ وَلَايَتَهُ عَامَّةٌ

کہ وہ متفرق عقد کرے یہ عقد فلاں ایک سال کا اتنے کے عوض میں ہے پس پہلا عقد لازم ہوگا۔ کیونکہ وہ حتیٰ ہے باقی لازم نہ ہوں گے کیونکہ وہ منسوب ہیں اور متولی کو حق حاصل ہوگا کہ ان کو نسخ کر دے ”خانیہ“۔ اس میں ہے: اگر واقف نے ایک کی مدت شرط لگائی تو وہ اس شرط کی پیروی کرے مگر جب اس کا اجارہ بڑے نفع والا ہو۔ پس قاضی اسے اجرت پر دے گا متولی اجرت پر نہیں دے گا۔ کیونکہ قاضی کی ولایت عام ہے۔

29351۔ (قوله: مُتَفَرِّقَةً) ”خانیہ“ کی عبارت ہے: مترادفہ۔ کہا: وہ دستاویز میں لکھے گا فلاں بن فلاں نے فلاں زمین یا فلاں گھریں سال کے لیے تیس عقود میں اجرت پر لیا ہر عقد سال بھر کا اتنے کے عوض ہے اس کے بغیر کہ اس کا بعض بعض میں شرط ہو اس میں غور کیا جانا چاہیے۔ کیا یہ شرط ہے کہ ہر سال کے بارے میں مستقل عقد کرے یا اس کے لیے یہ قول کافی ہے: میں نے تیس سالوں کا تیس عقود کے ساتھ عقد کیا پس یہ عقود کے تکرار کے قائم مقام ہوگا۔ ظاہر پہلا قول ہے اس کی دلیل ان کا یہ قول ہے: الحيلة ان يعقد عقود مترادفة۔ تامل

29352۔ (قوله: كُلُّ عَقْدٍ سَنَةً) میں کہتا ہوں: سنہ کی قید لگائی ہے تاکہ یہ زمین وغیرہ میں صحیح ہو جائے نہ کہ اس سے کہ یہ مطلقاً لازم ہے۔ کیونکہ اگر وہ زمین میں یوں کرے تو ہر عقد تین سال کا ہو تو صحیح ہوگا۔ چار سالوں اور اس سے اکثر کا معاملہ مختلف ہے۔ اور دوسری چیزوں میں سال سے بڑھ کر کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ اس وقت حیلہ میں کوئی نفع نہ دے گا۔

29353۔ (قوله: لَا الْبَاقِي) یہ مفتی بہ قول پر مبنی ہے کہ جو عقد اجارہ زمانہ کی طرف منسوب ہو وہ لازم نہیں ہوتا جس طرح پہلے بیان کیا ہے اور آگے آئے گا۔

29354۔ (قوله: يَتَّبَعُ) یعنی اپنی شرط کی پیروی کرنا لازم ہے۔

29355۔ (قوله: إِلَّا إِذَا كَانَتْ الْخ) اس کی صورت یہ ہے کہ لوگ ایک سال تک زمین کو اجرت پر لینے میں رغبت نہیں کرتے اور اسے سال سے زیادہ پر اجرت پر دینا یہ وقف کیلئے زیادہ خیر کا باعث اور فقراء کے لیے نفع کا باعث ہے۔ ”الاسعاف“۔

29356۔ (قوله: فَيُوجِرُهَا الْقَاضِي) ”الاسعاف“ میں کہا: اگر وہ اپنے وقف کی تحریر میں استثنا کرے اور کہے سال سے زیادہ پر اجرت پر نہ دیا جائے مگر جب وہ فقراء کے لیے زیادہ نفع ہو تو اس وقت اسے اجرت پر دینا جائز ہوگا جب وہ اس میں خیر دیکھے جب کہ قاضی کے سامنے پیش کیے بغیر ایسا کرے۔ کیونکہ اسے اس کی جانب سے اس میں اجازت ہوتی ہے۔

29357۔ (قوله: لِأَنَّ وَلَايَتَهُ عَامَّةٌ) کیونکہ اسے فقراء غائبین اور اموات کے منافع میں توجہ کرنے کی ولایت ہوتی

ہے۔ ”الاسعاف“۔

قُلْتُ وَقَدْ مَنَّا فِي الْوَقْفِ أَنَّ الْفُتُوَى عَلَى إِبْطَالِ الْإِجَارَةِ الطَّوِيلَةِ وَلَوْ بِعُقُودٍ، وَسَيَجِيءُ مَتْنًا فَلْيُراجِعْ وَلِيُحْفَظْ (فَلَوْ أَجَرَهَا الْمُتَوَلَّى أَكْثَرَ لَمْ تَصَحَّ) الْإِجَارَةُ وَتُفْسَخُ فِي كُلِّ الْمُدَّةِ؛ لِأَنَّ الْعَقْدَ إِذَا فَسَدَ فِي بَعْضِهِ فَسَدَ فِي كُلِّهِ فَتَأْوِي قَارِي الْهِدَايَةِ، وَرَجَّحَهُ الْمُصَنِّفُ عَلَى مَا فِي أَنْفَعِ الْوَسَائِلِ

میں کہتا ہوں: ہم کتاب الوقف میں پہلے بیان کر چکے ہیں کہ فتویٰ اس پر ہے کہ اجارہ طویلہ باطل ہے اگرچہ کئی عقود کے ساتھ ہو عنقریب یہ متن میں آئے گا۔ پس اس کی طرف رجوع کیا جائے اور اسے یاد رکھا جائے۔ اگر متولی نے اس سے زیادہ عرصہ اسے اجرت پر دیا تو اجارہ صحیح نہ ہوگا اور تمام مدت میں فسخ ہو جائے گا۔ کیونکہ عقد جب بعض میں فاسد ہو جائے تو تمام میں فاسد ہو جائے گا، ”فتاویٰ قاری الہدایہ“ مصنف نے اسے اس پر ترجیح دی ہے جو ”انفع المسائل“ میں ہے۔

ظاہر یہ ہے اگر متولی کو اس کی اجازت ہو تو یہ صحیح ہوگا۔ فافہم

29358۔ (قوله: قُلْتُ الْخ) اس وقت حیلہ یہ ہے کہ حنبلی اس کا فیصلہ کرے جس طرح ہمارے زمانہ میں ہوتا ہے۔

29359۔ (قوله: وَسَيَجِيءُ مَتْنًا) میں نے اسے متن میں نہیں دیکھا ہاں شرح میں ایک صفحہ کے آئے گا۔

29360۔ (قوله: وَتُفْسَخُ فِي كُلِّ الْمُدَّةِ) یعنی تمام مدت میں یہ منسوخ ہو جائے گا نہ صرف زائد مدت میں فسخ ہوگا۔

29361۔ (قوله: لِأَنَّ الْعَقْدَ الْخ) یہ وہ ہے جسے ”الخانہ“ میں ظاہر روایت قرار دیا ہے۔

”المنح“ میں کہا: ”فتاویٰ قاضی خان“ میں ہے: ولی جب یتیم کی زمین کو اجرت پر دے یا یتیم کے مال سے یتیم کے لیے زمین طویل اجارہ پر لے جس کو تین سال کا عنوان دے تو یہ جائز نہ ہوگا۔ اس طرح صغیر کے باپ اور وقف کے متولی کا معاملہ ہے۔ کیونکہ اس میں رسم یہ ہے کہ اجارہ کے مال میں سے تھوڑی سی شے کو پہلے سالوں کے مقابلہ میں اور زیادہ مال کو آخری سال کے مقابلہ میں رکھے اگر اجارہ یتیم کی زمین یا وقف کے لیے ہو تو پہلے سالوں کے لیے صحیح نہیں۔ کیونکہ یہ اجرت مثلی سے کم کے ساتھ ہوتا ہے۔ اگر اس نے یتیم کی زمین اجرت پر لی یا وقف کی زمین اجرت پر لی تو آخری سال میں اجرت مثلی سے زیادہ کے ساتھ اجارہ ہوگا تو یہ صحیح نہ ہوگا۔ جب دونوں صورتوں میں بعض میں اجارہ فاسد ہو گیا تو کیا اس صورت میں صحیح ہوگا جس میں یتیم کے لیے خیر کا باعث ہو؟ اور وہ علما جو اجارہ طویلہ کو ایک عقد قرار دیتے ہیں ان کے نزدیک وقف کی زمین کا اجارہ صحیح نہیں ہوتا۔ اور جو اسے کئی عقود بناتے ہیں ان کے نزدیک وہ صحیح ہوگا جب وہ یتیم کے لیے خیر ہو اور جو اس کے لیے شر ہو اس میں صحیح نہیں ہوتا۔ ظاہر روایت یہ ہے کہ سب میں اجارہ فاسد ہے۔ ان کا قول ثلاث سنین ظاہر یہ ہے کہ مراد عقود ہیں ہر عقد تین سال کا ہو جس پر کلام کا اول اور آخر دلالت کرتا ہے۔ فاقابل

29362۔ (قوله: وَرَجَّحَهُ الْمُصَنِّفُ عَلَى مَا فِي أَنْفَعِ الْوَسَائِلِ) کہ جاگیر وغیرہ میں تین سالوں سے زائد میں

اجارہ فاسد ہو جاتا ہے اور دوسری چیزوں میں ایک سال سے زائد میں اجارہ فاسد ہو جاتا ہے خواہ وہ ایک عقد ہو جو مذکورہ سے زائد ہو یا وہ متفرق عقود ہوں یہاں تک کہ اگر وہ جاگیر میں چار سال کے لیے مثلاً ایک عقد کے ساتھ عقد کرے یا زیادہ عرصہ

وَأَفَادَ فَسَادَ مَا يَقَعُ كَثِيرًا مِنْ أَخَذِ كَرَمِ الْوَقْفِ أَوْ الْيَتِيمِ مُسَاقَاةً، فَيَسْتَأْجِرُ أَرْضَهُ الْخَالِيَةَ مِنْ الْأَشْجَارِ بِبَدَلٍ كَثِيرٍ، وَيُسَاقِي عَلَى أَشْجَارِهَا

یہ قول اس امر کے فاسد ہونے کا فائدہ دیتا ہے جو یہاں اکثر واقع ہوتا ہے کہ وقف یا یتیم کی بیلین مساقاۃ پر لی جاتی ہیں پس وہ درختوں سے خالی زمین مبلغ کثیر پر اجرت پر لیتا ہے اور ہزار حصوں میں سے ایک حصہ کے عوض

کے لیے عقد کرے تو تین سالوں کے لیے اجارہ صحیح ہو جائے گا اور باقی ماندہ میں فسخ ہو جائے گا۔ کیا اس فسخ کے لیے نگران کے مطالبہ کی ضرورت ہوگی یا زائد مدت کے داخل ہونے کے ساتھ اجارہ فسخ ہو جائے گا؟ ظاہر پہلا قول ہے۔ اس کی مکمل بحث ”انفع الوسائل“ میں ہے۔

میں کہتا ہوں: لیکن ”شرح البیری“ میں ”خزانۃ الاکمل“ سے مروی ہے: ایک آدمی نے وقف شدہ کمرہ ایک قفیز گندم کے بدلے میں اجرت پر لیا تو یہ اجارہ باطل ہوگا مگر پہلے سال میں باطل نہیں ہوگا۔ اس کی مثل ”تلخیص الکبریٰ“ میں ہے جب کہ یہ ”ابو جعفر“ کی طرف منسوب ہے۔ اس کا مقتضایہ ہے کہ مطالبہ کے بغیر عقد باطل ہو جائے گا۔

29363۔ (قوله: أَفَادَ) مصنف نے یہ بیان کیا جب کہ ”الخانیہ“ کی عبارت کے بعد کہا: میں کہتا ہوں: اس سے اس

کا فساد مستفاد ہوتا ہے جو واقع ہوگا۔ الخ

29364۔ (قوله: فَيَسْتَأْجِرُ أَرْضَهُ الْخَالِيَةَ) یعنی سفیدہ زمین درختوں کے بغیر اجرت پر لیتا ہے۔ درختوں کو

اجرت پر لینا صحیح نہیں کیونکہ یہ گزر چکا ہے کہ یہ منفعت کی تملیک ہے۔ اگر قصداً عین کے ہلاک کرنے پر اجارہ واقع ہو تو یہ اجارہ باطل ہو جائے گا۔ ”رملی“ نے کہا: اجارۃ الظئر میں عنقریب آئے گا کہ اجارہ کا عقد اعیان کے ارادۃ ہلاک کرنے پر ہوتا ہے۔ جس طرح ایک آدمی گائے کو اجرت پر لے تاکہ اس کا دودھ پیے تو یہ صحیح نہیں ہوگا۔ اسی طرح اگر وہ باغ اجرت پر لے تاکہ اس کا پھل کھائے۔ کہا: اس سے ان زمینوں اور دیہاتوں، جو مزارعین کے قبضہ میں ہوتی ہیں کے اجارات کا حکم معلوم ہو جاتا ہے وہ اجارات اس لیے کرتے ہیں تاکہ ان کا خراج مقاسم کھائیں ان کے باطل ہونے میں کوئی شک نہیں جب کہ صورتحال یہ ہو۔ میں نے اس بارے میں بار بار فتویٰ دیا۔

29365۔ (قوله: بِبَدَلٍ كَثِيرٍ) یعنی اتنی مقدار کے عوض جو زمین کی اجرت اور پھلوں کی ٹمن کے برابر ہو جائے۔

29366۔ (قوله: وَيُسَاقِي عَلَى أَشْجَارِهَا) یعنی عقد اجارہ سے پہلے ورنہ اب زمین کا اجارہ ہوگا جو درختوں سے

مشغول ہے۔ پس وہ صحیح نہ ہوگا جس طرح عنقریب آئے گا۔ ”بزازیہ“ کے مسائل شیوع میں ہے: ایک آدمی نے زمین اجرت پر لی جس میں درخت ہوں یا اس نے زمین زراعت کے لیے لی جس میں درخت ہیں اگر وہ اس زمین کے وسط میں ہیں تو یہ جائز نہیں ہوگا مگر جب درمیان میں دو چھوٹے درخت ہوں جن پر ایک سال یا دو سال گزر چکے ہوں بڑے نہ ہوں۔ کیونکہ دونوں کے پتے اور سایہ زمین کو اپنی گرفت میں لے لیتا ہے اور چھوٹے درختوں کی جڑیں نہیں ہوتیں اگر وہ درخت زمین کی ایک جانب ہوں جیسے مساقاۃ اور جداول وغیرہ تو عقد جائز ہوگا۔ کیونکہ ایسے درخت خلل کا باعث نہیں ہوتے۔

بِسْمِهِمْ مِنْ أَلْفِ سَهْمٍ، فَالْحَظُّ ظَاهِرٌ فِي الْإِجَارَةِ لِأَنِّي الْمُسَاقَاةَ فُفْقَادُهُ فَسَادُ الْمُسَاقَاةِ بِالْأَوَّلَى؛ لِأَنَّ كُلًّا مِنْهُمَا عَقْدٌ عَلَى حَدِّ قُلْتُ وَقَيَّدُوا سِرَايَةَ الْفَسَادِ فِي بَابِ الْبَيْعِ الْفَاسِدِ بِالْفَاسِدِ الْقَوِيِّ الْمُجْمَعِ عَلَيْهِ فَيَسْرِي كَجَمْعِ بَيْنَ حُرٍّ وَعَبْدٍ، بِخِلَافِ الضَّعِيفِ فَيَقْتَصِرُ عَلَى مَحَلِّهِ وَلَا يَتَعَدَّاهُ كَجَمْعِ بَيْنَ عَبْدٍ وَمُدَبَّرٍ فَتَدَبَّرُ،

اس کے درخت مساقات پر دیتا ہے تو حصہ اجارہ میں ظاہر ہے مساقات میں ظاہر نہیں تو اس سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ مساقات بدرجہ اولیٰ فاسد ہے۔ کیونکہ ان دونوں میں سے ہر ایک علیحدہ عقد ہے۔ میں کہتا ہوں: علماء نے باب بیع فاسد میں فساد کے سرايت کرنے میں قوی فاسد کی قید لگائی ہے جس پر سب کا اجماع ہو پس وہ فساد سرايت کرے گا جس طرح آزاد اور غلام کو جمع کرنا۔ ضعیف کا معاملہ مختلف ہے۔ پس یہ فساد اپنے محل تک محدود رہے گا اور اس سے تجاوز نہیں کرے گا جس طرح غلام اور مدبر کو جمع کرنا پس اس پر تدبر کیجئے۔

29367۔ (قوله: بِسْمِهِمْ) یعنی یتیم یا وقف کو ایک حصہ دیا جائے اور باقی سب عامل کا۔

29368۔ (قوله: فُفْقَادُهُ) یعنی ان کا قول ففسخ فی کل السدة جو گزر چکا ہے سے یہ مستفاد ہوتا ہے ہم یہ پہلے بیان کر

چکے ہیں کہ مصنف نے ”الخانیہ“ کے کلام سے استفادہ کیا ہے۔ شارح نے اس سے جو استفادہ کیا ہے اس کا وہی معنی ہے۔ فافہم 29369۔ (قوله: بِالْأَوَّلَى) اولویت کی وجہ یہ ہے کہ جب تمام مدت فاسد ہو جائے جب کہ وہ عقد ایسی چیز پر مشتمل ہو جو یتیم کے لیے بہترین ہے اور جو اس کیلئے شر ہو۔ پس ایسے مستقل عقد کا فساد جو یتیم کے لیے محض شر ہے وہ فساد میں اولیٰ ہے۔

پھر یہ جان لو جب مساقات فاسد ہے تو زمین مشغول رہی تو اجارہ کا فساد بھی لازم ہوگا اگرچہ اس میں حصہ اور مصلحت ظاہر ہوں پس اس دقیقہ پر متنبہ ہو جائیے۔

”فتاویٰ حانوتی“ میں ہے: اجارہ میں سفیدہ زمین پر نص یہ اجارہ کی صحت کا فائدہ نہیں دیتی۔ کیونکہ عقد اجارہ عقد مساقات پر مقدم ہے۔ مگر جب عقد مساقات اپنی شروط کے ساتھ متقدم ہو تو اجارہ صحیح ہوگا جس طرح ”بزازیہ“ میں اس کی تصریح کی ہے۔ جب اجارہ فاسد ہو جائے تو اجرت وقف کی جہت سے غیر لازم ہوگی جو لازم ہے وہ پھل ہے۔ جب مساقات فاسد ہوگئی۔ کیونکہ مساقات جہت وقف کی وجہ سے تھوڑے سے جز کے ساتھ ہے تو عامل کے لیے اجرت مثلی ہوگا۔ یہ وقف کی طرف نسبت کے اعتبار سے ہے۔ جہاں تک مالک کی مساقات کا تعلق ہے تو اس میں مصلحت کی طرف نہیں دیکھا جائے گا جس طرح اگر وہ اجرت مثلی کے بغیر دی جائے۔ ملخص۔ اس میں اس کی تصریح ہے جو مصنف نے مستفاد کیا ہے اور جس پر ہم نے متنبہ کیا ہے۔ فلیحفظ

29370۔ (قوله: قُلْتُ الْخ) یہ اس کی تائید ہے جو ”انفع المسائل“ میں ہے۔ ”ح“۔

29371۔ (قوله: فَتَدَبَّرُ) اس امر کی طرف اشارہ کیا کہ اس کا مقتضایہ ہے کہ صرف قدر زائد میں فاسد ہو۔ کیونکہ اس

وَجَعَلُوهُ أَيْضًا مِنَ الْفَسَادِ الطَّارِئِ فَتَنَّبَهُ وَمِنْ حَوَادِثِ الرُّومِ وَصِيٌّ زَيْدٌ بَاعَ ضَيْعَةً مِنْ تَرَكَتِهِ لِذَيْنِ
عَلَى أَنَّهَا مِنْكُ ثُمَّ ظَهَرَ أَنَّ بَعْضَهَا وَقَفُ مَسْجِدٍ هَلْ يَصِحُّ الْبَيْعُ فِي الْبَاقِي؟ أَجَابَ فَرِيقٌ بِنَعْمٍ وَفَرِيقٌ
بِلَا، وَالْفَ بَعْضُهُمْ رِسَالَةً مُلَخَّصَهَا تَرْجِيحُ الْأَوَّلِ فَتَأَمَّلْ وَفِي جَوَاهِرِ الْفَتَاوَى

علماء نے اسے بھی فساد طاری میں سے بنایا ہے۔ پس اس پر متنبہ ہو جائیے۔ روم کے حوادث میں سے یہ ہے: زید کے وصی نے
دین کے لیے اس کے ترکہ میں سے زمین بیچی اس شرط پر کہ زمین اس کی ملکیت ہے۔ پھر یہ امر ظاہر ہوا کہ اس زمین کا بعض
مسجد کا وقف ہے کیا باقی ماندہ میں بیع صحیح ہو جائے گی۔ ایک فریق نے جواب دیا۔ ہاں۔ دوسرا فریق نے جواب دیا: نہیں۔ علما
میں سے بعض نے ایک رسالہ تالیف کیا جس کا خلاصہ یہ ہے کہ پہلے قول کو رائج قرار دیا ہے۔ قائل۔ ”جواہر الفتاویٰ“ میں ہے:

نے ایک عقد میں جائز اور فاسد کو جمع کر دیا ہے اور فساد قوی نہیں۔ کیونکہ اس پر اتفاق نہیں پس وہ سرایت نہیں کرے گا۔ کیونکہ
مستقدمات میں نے اسے کسی مدت کے ساتھ مقدر نہیں کیا۔

29372۔ (قوله: وَجَعَلُوهُ أَيْضًا مِنَ الْفَسَادِ الطَّارِئِ) یہ دوسری تقویت ہے یعنی وہ فساد سرایت نہیں کرے گا اور

اس میں کہ یہ فساد طاری ہو۔ تامل۔ ”ط“۔

میں کہتا ہوں: شاید اس کے طاری ہونے کی وجہ یہ ہے کہ یہ ساعت بساعت واقع ہوتا ہے۔

29373۔ (قوله: فَتَنَّبَهُ) شاید اس لفظ کے ساتھ اس کی طرف اشارہ کیا ہے جو ہم نے کہا ہے۔

29374۔ (قوله: وَمِنْ حَوَادِثِ الرُّومِ) یہ ایک اور تقویت ہے: کیونکہ بیع اجارہ سے اقویٰ ہے۔ ملک اور وقف میں

ایک عقد کے ساتھ صادر ہوا ہے اور ملک میں صحیح ہے۔ ”ط“۔

29375۔ (قوله: لِذَيْنِ) یعنی اس دین کے لیے جو زید پر واقع ہے جو زید مرچکا ہے۔

29376۔ (قوله: عَلَى أَنَّهَا مِنْكُ) یعنی یہ اس امر پر مبنی ہے کہ یہ سب زید کی ملکیت ہے جو زید فوت ہو چکا ہے۔

29377۔ (قوله: مُلَخَّصَهَا تَرْجِيحُ الْأَوَّلِ) ہم پہلے باب بیع الفاسد میں ”النبز“ سے قول: بخلاف بیع قن ضم ان

مدبر کے ہاں ذکر کر چکے ہیں جو اس کی تائید کرتا ہے۔

29378۔ (قوله: فَتَأَمَّلْ) اس کے ساتھ اس امر کی طرف اشارہ کیا کہ اجارہ اسی طرح زائد کے علاوہ بیع صحیح ہے

بے بلکہ بدرجہ اولیٰ صحیح ہوتا ہے۔ اس کی دلیل وہی ہے جو گزر چکی ہے۔

29379۔ (قوله: فِي جَوَاهِرِ الْفَتَاوَى الْخ) یہ احتمال موجود ہے کہ اس قول: ولو قضی قاض بصحتها يجوز کے

ساتھ چوتھی تائید ہو۔ یعنی اگر قاضی اس کے صحیح ہونے کا فیصلہ کر دے تو یہ جائز ہوگا۔ کیونکہ یہ قول فائدہ دیتا ہے کہ انہوں نے

غلام اور مدبر میں جمع کی مثال دی ہے آزاد اور غلام کو جمع کرنے کی مثال نہیں دی۔ پس یہ پہلی تائید کی تائید ہوگی۔ ظاہر یہ ہے

کہ وہ اس تائید میں شروع ہو رہے ہیں پس جسے مصنف نے اختیار کیا ہے۔ کیونکہ انہوں نے عدم صحت کو مطلق ذکر کیا ہے۔ پس

أَجْرَضِيْعَةً وَقَفَا ثَلَاثَ سِنِينَ وَكَتَبَ فِي الصَّكِّ أَنَّهُ أَجَرَ ثَلَاثِينَ عَقْدًا كُلُّ عَقْدٍ عَقِيبَ الْآخِرِ لَا تَصِحُّ الْإِجَارَةُ وَهُوَ الصَّحِيحُ وَعَلَيْهِ الْفَتْوَى صِيَانَةٌ لِلْأَوْقَافِ ثُمَّ قَالَ وَلَوْ قَضَى قَاضٍ بِصَحَّتِهَا تَجُوزُ وَيُرْتَفَعُ الْخِلَافُ قُلْتُ وَسَيَجِيءُ أَنَّ الْمُتَوَلَّى وَالْوَصِي لَوْ أَجَرَا بَدُونَ أُجْرَةٌ يَلْزَمُ الْمُسْتَأْجِرُ تَسَامُ أَجْرِ الْبِثْلِ وَأَنَّهُ يَعْملُ بِالْأَنْفَعِ لِلْوَقْفِ وَفِي صُلْحِ الْخَانِيَّةِ

اس نے وقف زمین تین سال کے لیے اجرت پردی اور دستاویز میں یہ لکھا کہ اس نے تیس عقد کے ساتھ اجرت پردی ہے ہر عقد دوسرے کے بعد ہوگا تو یہ اجارہ صحیح نہ ہوگا۔ یہی قول صحیح ہے اسی پر فتویٰ ہے تاکہ اوقاف کی حفاظت ہو سکے۔ پھر کہا: اگر قاضی نے اس کی صحت کا فیصلہ کیا تو یہ جائز ہو جائے گا اور اختلاف ختم ہو جائے گا۔ میں کہتا ہوں: اور عنقریب یہ آئے گا کہ متولی اور وصی اگر اجرت کے بغیر اجارہ کرے تو مستاجر پر مکمل اجرت مثلی لازم ہوگی اور اس پر عمل کیا جائے گا جو وقف کے لیے زیادہ نافع ہو، ”الخانیة“ کے کتاب الصلح میں ہے:

یہ تمام عقود کو جامع ہے جب کہ پہلا عقد ناجز ہے اور عقد کا صحیح نہ ہونا کلام کا ظاہر بھی ہے۔ اس کی وجہ جس طرح ”ولو بالجیہ“ میں ہے کہ یہ عقد صورت میں ایک عقد ہے اگرچہ معنی کے اعتبار سے کئی عقود ہیں۔ ان میں سے بعض فی الحال منعقد ہو جاتے ہیں اور ان میں سے بعض زمانہ مستقبل کی طرف منسوب ہوتے ہیں۔

29380۔ (قوله: ثَلَاثَ سِنِينَ) صحیح ثلاثین سنة ہے جس طرح ”المنح“ وغیرہا میں ہے۔ بعض نسخوں میں اس طرح تصحیح شدہ دیکھا ہے۔

29381۔ (قوله: صِيَانَةٌ لِلْأَوْقَافِ) کہیں ایسا نہ ہو کہ مدت کے لمبا ہونے کی وجہ سے وہ ملکیت کا دعویٰ ہی نہ کر دے اور غرض کہ پہلے عقد کے صحیح ہونے کا تقاضا کرتی ہے کیونکہ وہ حتمی ہے اور اس کا مابعد زمانہ کی طرف منسوب ہے۔ اس کے لزوم میں دو یکساں ہیں جس طرح ہم پہلے اسے بیان کر چکے ہیں۔ لیکن اسے اسی وجہ سے ایک عقد اعتبار کیا گیا ہے جس طرح گزر چکا ہے۔ اسی وجہ سے متاخرین نے اس کا عرصہ سال یا تین سال مقرر کیا ہے جو متقدمین کے مذہب کے خلاف ہے۔

29382۔ (قوله: وَلَوْ قَضَى قَاضٍ الْخِلَافُ) یعنی اس مال میں فیصلہ کرے کہ وہ قضا کی تمام شرائط پوری کرنے والا ہو لیکن یہ حنفی قاضی کے علاوہ میں ہے۔ جہاں تک ہمارے زمانہ کے قضا کا تعلق ہے تو وہ مذہب کے معتمد قول کے مطابق فیصلہ کرنے پر مامور ہیں پس وہ صحیح نہ ہوگا۔

29383۔ (قوله: قُلْتُ وَسَيَجِيءُ) یعنی اس باب کے اواخر میں یہ بھی اس قول کی تائید ہے جسے مصنف نے ترجیح دی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے جب فساد کے سرايت کرنے اور سرايت نہ کرنے میں آراء مختلف ہوں تو جو وقف کے لیے زیادہ نفع کا باعث ہوگا اسے رائج قرار دیا جائے گا۔ وہ فساد کا سرايت کرنا ہے تاکہ ایک دفعہ پھر اس عقد پر مقدم نہ کیا جائے۔

29384۔ (قوله: وَفِي صُلْحِ الْخَانِيَّةِ) مصنف نے ”المنح“ میں اس کی تائید میں اسے ذکر کیا ہے جسے ترجیح دی ہے

مَتَى فَسَدَ الْعَقْدُ فِي الْبَعْضِ بِفُسَادٍ مُقَارِنٍ يَفْسُدُ فِي الْكُلِّ (و) يُعْلَمُ النِّفْعُ أَيْضًا بِبَيَانِ الْعَمَلِ
كَالصِّيَاغَةِ وَالصَّبْغِ وَالْخِيَاطَةِ بِمَا يَرْفَعُ الْجَبَالََةَ، فَيُسْتَرْطُ فِي اسْتِجَارِ الذَّابَّةِ لِلزُّكُوبِ بَيَانُ الْوَقْتِ أَوْ
الْمَوْضِعِ، فَلَوْ خَلَا عَنْهُمَا فَهِيَ فَاسِدَةٌ بِزَايَةٍ (و) يُعْلَمُ أَيْضًا

جب بعض صورتوں میں عقد ایسے منسود کے ساتھ فاسد ہو جائے جو مقارن ہو تو کل میں عقد فاسد ہو جائے گا۔ عمل کے بیان کرنے سے بھی نفع معلوم ہو جاتا ہے جس طرح زیور بنانا، رنگنا اور کپڑا سینا جو جہالت کو ختم کر دے جب کوئی جانور سواری کے لیے لیا جائے تو وقت کو بیان کرنا اور جگہ کو بیان کرنا شرط ہے۔ اگر وہ ان دونوں حالتوں سے خالی ہو تو یہ اجا رہ فی سہ ہو گا، ”بزازیہ“۔ اور اشارہ سے بھی یہ معلوم

لیکن ”الخانیہ“ میں جو قول ہے وہ اس بارے میں ہے کہ زوج اپنے حصہ کے بارے میں صلح کرے کہ دین میں سے اس کا حصہ وارثوں کے لیے ہو اور اس بارے میں ذکر کیا ہے کہ یہ ہمارے مسئلہ کو جامع ہے، تامل۔ کیونکہ یہ بات گزر چکی ہے کہ انہوں نے فساد طاری میں سے بنایا ہے اور جو ”الخانیہ“ میں سے ہے اسے فساد مقارن میں سے بنایا ہے۔ وہاں ہم نے ”الخانیہ“ سے جو پہلے ان کا قول نقل کیا ہے: والظاهر هو الفساد في الكل وہ اس کی ترجیح کا فائدہ دیتا ہے اور تو یہ جان چکا ہے جو ”جواہر الفتاویٰ“ سے گزرا ہے کہ اجا رہ طویلہ صحیح نہیں جب وہ کئی غنود پر مشتمل ہو جب کہ پہلا عقد نافذ ہوتا ہے تو تیسرا اس عقد کے بارے میں کیا گمان ہوگا جب وہ لفظ اور معنی کے اعتبار سے ایک عقد ہو۔ ظاہر یہ ہے کہ اس پر اعتماد کیا جائے جسے مصنف نے ترجیح دی ہے یعنی جو ”قری اہدایہ“ کی کلام ہے۔ کیونکہ اس کی سند قوی ہے اور وہ وہی ہے جو ”الخانیہ“ اور ”جواہر الفتاویٰ“ میں ہے۔ یہ وہ امر ہے جو اس فہم قاصر کے لیے ظاہر ہوا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

29385۔ (قولہ: بِمَا يَرْفَعُ الْجَبَالََةَ) ضروری ہے کہ وہ اس کپڑے کو معین کرے جیسے رنگ کیا جاتا ہے اور رنگ کا نام جیسے سرخ وغیرہ اور رنگنے کی مقدار جب وہ مختلف ہو جاتا ہے۔

”الحیض“ میں ہے: اگر ایک آدمی نے دس کپڑے دھونے کے لیے اجرت پر رکھا اور اجیر نے ان کپڑوں کو نہ دیکھا تو اجا رہ فی سہ ہو جائے گا۔ کیونکہ کپڑے کے مونا ہونے اور اس کے باریک ہونے سے یہ عمل مختلف ہو جاتا ہے ”البحر“ میں اسے ذکر کیا ہے۔

29386۔ (قولہ: بَيَانُ الْوَقْتِ أَوْ الْمَوْضِعِ) ”بزازیہ“ میں کہا: ایک آدمی نے ایک جانور اجرت پر لیا کہ اس پر سوار ہو کر اوداع کے یا حاجیوں کا استقبال کرے جب تک وقت یا جگہ کا ذکر نہ کرے تو وہ صحیح نہ ہوگا۔ اس میں ہے: ایک آدمی نے اسے کوفہ سے لے کر حیرہ تک اجرت پر لیا اس جانور پر اپنی منزل تک پہنچے اور اپنی منزل سے اس پر سوار ہوگا۔ اسی صریح مہمان اٹھانے کا معاملہ ہے۔ اس میں ہے: ایک آدمی نے ایک مزدور اجرت پر لیا کہ وہ ایک دن اس کے لیے کام کرے تو معمول کے مطابق سورج کے طلوع سے شروع کرے گا۔

29387۔ (قولہ: فَهِيَ فَاسِدَةٌ) یعنی اجرت مثالی واجب نہ ہوگی مگر حقیقی طور پر نفع حاصل کرنے سے۔ ”ط“۔

(بِإِلْشَارَةِ كَنْفَلِ هَذَا الطَّعَامِ إِلَى كَذَا وَ) اَعْلَمَ أَنَّ (الْأَجْرَ لَا يَلْزَمُ بِالْعَقْدِ فَلَا يَجِبُ تَسْلِيْمُهُ) بِهِ (بَلْ يَتَعَجَّلُ أَوْ شَرْطُهُ فِي الْإِجَارَةِ الْمُنَجَّزَةِ،

ہو جاتا ہے جس طرح اس کھانے کو فلاں جگہ تک منتقل کرنا۔ یہ جان لو کہ اجر عقد سے لازم نہیں ہوتا پس اس کا سپرد کرنا واجب نہیں بلکہ اس کی تعجیل کے ساتھ بھی لازم آ جاتا ہے یا وہ اجارہ منجزہ میں اس کی شرط لگائے۔

29388۔ (قوله: بِإِلْشَارَةِ الْخ) کیونکہ جب منقولہ چیز اور وہ مکان جس کی طرف سامان لے جانا ہے اس کا علم ہو جائے تو منفعت معلوم ہو جائے گی۔ یہ نوع پہلی نوع سے قریب ہے۔ ”زیلعی“۔
اس کا حاصل یہ ہے کہ اشارہ نے صرف مقدار کے بیان کرنے سے غنی کر دیا ہے۔

29389۔ (قوله: لَا يَلْزَمُ بِالْعَقْدِ) یعنی اس عقد کے ساتھ وہ مالک نہیں ہو جاتا جس طرح ”الکنز“ میں تعبیر کیا گیا ہے۔ کیونکہ عقد منفعت پر واقع ہوا ہے اور منفعت تھوڑی تھوڑی پیدا ہوتی ہے۔ بدل کی شان یہ ہے کہ مبدل کے مقابل ہو۔ جب اس کافی الحال وصول کرنا ممکن نہ ہو تو اس کا بدل فی الحال لازم نہ ہوگا۔ مگر جب وہ اس کی شرط لگائے اگرچہ حکما ہو۔ اس کی صورت یہ ہے کہ اس میں تعجیل کرے۔ کیونکہ اس وقت وہ اسے اپنے لیے لازم کرنے والا ہوگا اور اس نے اس مساوات کو باطل کر دیا جس کا عقد نے تقاضا کیا پس یہ صحیح ہے۔

29390۔ (قوله: بَلْ يَتَعَجَّلُ) ”العقابیہ“ میں ہے: جب اس نے اجرت پہلے دے دی تو وہ اس کو واپس لوٹانے کا مالک نہیں اگر وہ اجرت عینی چیز ہو اور اس نے اعارہ پردے دی یا رب الدار نے اسے ودیعت رکھ دیا تو یہ تعجیل کی طرح ہے۔ ”المحیط“ میں ہے: اگر اس نے ایسی چیز ایسی اجرت کے بدلے میں بیچ دی جو عینی چیز ہے اور اس پر قبضہ کر لیا تو یہ جائز ہو گا۔ کیونکہ یہ تعجیل اجرت کو اپنے ضمن میں لیے ہوئے ہے۔ ”طوری“۔

29391۔ (قوله: أَوْ شَرْطُهُ) یا شرط لگائی ہو تو اسے اس اجرت کے مطالبہ کا حق ہوگا اور مستاجر علیہا اور عین موجرہ کو محبوس کرنے کا اسے حق ہوگا اور اسے فسخ کا حق ہوگا اگر مستاجر نے اسے پہلے ادا نہ کی ہو۔ ”المحیط“ میں یہ اسی طرح ہے۔ لیکن اس پر قبضہ کرنے سے پہلے اسے بیچنے کا حق نہیں ہوگا۔ ”بحر“۔ اس میں غور کیجئے کہ یہ شرط کیسے جائز ہے ساتھ ہی عقد کے مقتضا کے خلاف ہے اور اس میں دونوں میں سے ایک کا نفع ہے۔ ”ط“۔

میں کہتا ہوں: حقیقت میں یہ اس مساوات کا اسقاط ہے جس مساوات کا وہ مستحق تھا جس کا عقد نے تقاضا کیا تھا۔ پس وہ اس مشتری کی طرح ہے جو بیع میں سلامتی کے وصف میں اپنے حق کو ساقط کرنے والا ہے بائع کا ثمن کو پہلے وصول کرنے کا حق کو ساقط کرنا اس طرح کہ مشتری سے لینے میں اسے موخر کیا ہو جب کہ عقد نے سلامتی کا تقاضا کیا اور بیع پر قبضہ سے پہلے ثمن پر قبضہ کرنے کا تقاضا کیا تھا۔ تامل

أَمَّا الْمُضَافَةُ فَلَا تُنَدُّ فِيهَا الْأَجْرَةُ بِشَرْطِ التَّعْجِيلِ إِجْمَاعًا وَقِيلَ تُجْعَلُ عُقُودًا فِي كُلِّ الْأَحْكَامِ فَيُفْتَى بِرَوَايَةٍ تَمْلِكُهَا بِشَرْطِ التَّعْجِيلِ لِلْحَاجَةِ شَرْحٌ وَهَبَانِيَّةٌ لِلشُّرْئِ نَبْلَالِي

جہاں تک ایسا اجارہ جو علانیہ منسوب ہو تو بالا جماع تعجیل کی شرط کے ساتھ اس میں اجرت کا مالک نہیں ہوا جاتا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: تمام احکام میں اجارہ مضافہ کو عقود بنایا جائے گا تو حاجت کی بنا پر شرط تعجیل سے اجرت کے مالک ہونے کا فتویٰ دیا جائے گا ”شرح و ہبانیہ“، للشر نبلائی۔

اجارہ مضافہ کا حکم

29392۔ (قوله: أَمَّا الْمُضَافَةُ إلخ) پس یہ شرط باطل ہوگی اور فی الحال کوئی شے لازم نہ ہوگی۔ کیونکہ اس میں اجرت کے وجوب کا ممتنع ہونا مستقبل کی طرف اضافت کی تصریح کے ساتھ ہے۔ اور جو کسی وقت کی طرف مضاف ہو وہ اس وقت سے پہلے موجود نہیں ہوتا۔ پس وہ شرط کے ساتھ اس معنی سے متغیر نہیں ہوگا۔ منجزہ کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ عقد نے مساوات کا تقاضا کیا اور وہ صریحا نہیں پس تصریح کے ساتھ جس مخالف سمت کا تقاضا کیا تھا وہ باطل ہو جائے گا۔ ”زیلعی“، ملخص۔

29393۔ (قوله: وَقِيلَ تُجْعَلُ عُقُودًا إلخ) یہ کلام اس کے بارے میں ہے جو طویل عرصہ کی طرف منسوب ہو یہ وہی ہے جسے شارح نے پہلے ”جواہر الفتاویٰ“ سے نقل کیا ہے۔ اس کی ایک اور صورت بھی ہے۔ وہ یہ ہے: ایک آدمی اسے تیس سال کے لیے پے در پے عقود کے ساتھ اجرت پر دے مگر ہر سال کے آخر کے تین دن اس اجارہ میں شامل نہ ہوں اور آخری سال کی اجرت زیادہ رکھی جائے اور باقی ماقبل کے مطابق رکھی جائے۔ جہاں تک دونوں کی استثنا کا تعلق ہے تو دونوں میں سے ہر ایک اس کے فسخ کرنے پر قادر ہوتا ہے آخری کے علاوہ میں قلیل اجرت کا رکھنا اس لیے ہے تاکہ موجران دنوں میں اجارہ کو فسخ نہ کر دے۔ اگر دونوں فسخ سے امن میں ہوں تو وہ قیود لازم نہ ہوں گی۔ یہ اس پر مبنی ہے کہ زمانہ کی طرف منسوب اجارہ لازم ہوتا ہے۔ جب نگران پہلے اجرت لینے کی ضرورت محسوس کرے تو اسی طرح عقد کر لے۔ لیکن اس پر یہ اعتراض یہ کیا گیا کہ اسے ایک عقد اعتبار کیا گیا تو ایک عقد میں خیار تین دنوں سے زیادہ ثابت ہونا لازم آتا ہے۔ اگر وہ کئی عقود ہیں تو اجرت پہلے ادا کرنے سے اجرت پر کوئی ملکیت حاصل نہیں ہوتی اور نہ ہی اس کی شرط لگانے سے اجرت لازم ہوتی ہے کیونکہ یہ وقت کی طرف منسوب ہے پس غرض فوت ہو جاتی ہے۔

اس کا جواب یہ دیا گیا: ”صدر شہید“ نے اسے اختیار کیا ہے کہ اجرت کی ملکیت کے حق میں اسے ایک عقد بنا دیا جائے وہ اجرت پہلے دے دی جائے یا اس کی شرط لگا دی جائے اور باقی احکام میں اسے کئی عقود بنا دیا جائے اور ہم ان ایام کو خیار کی مدت نہ بنائیں بلکہ عقد سے خارج کر دیں۔ اس سے یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ شارح کی کلام غیر واضح ہے۔

(أَوْ لِلسَّنَفَةِ) (أَوْ تَكْنِيهِ مِنْهُ) إِلَّا فِي ثَلَاثٍ مَذْكُورَةٍ فِي الْأَشْبَاهِ ثُمَّ فَرَعَ عَلَى هَذَا بِقَوْلِهِ
(فَيَجِبُ الْأَجْرُ)

یا منفعت پوری حاصل کرنے کے ساتھ اجرت لازم ہوتی ہے یا اس سے منفعت حاصل کرنے کی قدرت پر اجرت لازم ہوتی ہے مگر ان تین چیزوں میں جو ”الاشباہ“ میں مذکور ہیں۔ پھر اس پر اپنے اس قول سے تفریع کا ذکر کیا ہے اس گھر کی اجرت واجب ہو جائے گی۔

اجارہ میں اجرت پوری منفعت حاصل کرنے یا منفعت حاصل کرنے کی قدرت پر لازم ہوتی ہے
29394۔ (قوله: أَوْ تَكْنِيهِ مِنْهُ) ”ہدایہ“ میں ہے: جب مستاجر گھر اپنے قبضہ میں لے لے تو اس پر اجرت لازم ہو گی اگرچہ وہ اس میں رہائش نہ رکھے۔

”النهاية“ میں کہا ہے: یہ چیز قیود کے ساتھ مقید ہے (۱) قدرت ہونا۔ اگر مالک اسے منع کر دے یا اجنبی منع کر دے یا گھر سپرد کر دے جب کہ وہ اس کے سامان کے ساتھ مشغول ہو تو اجرت واجب نہ ہوگی۔
(۲) وہ اجارہ صحیح ہو۔ اگر فاسد ہو تو حقیقی انتفاع ضروری ہے۔

(۳) قدرت ثابت ہوتی ہے کہ وہ محل عقد میں ہو یہاں تک کہ اگر وہ اسے کوفہ کے لیے اجرت پر لے اور مدت گزرنے کے بعد وہ اسے بغداد میں حوالے کرے تو کوئی اجرت نہ ہوگی۔

یا وہ اس عرصہ میں قادر ہو۔ اگر وہ آج کے دن اسے کوفہ تک کے لیے اجرت پر لے اور آج کا دن گزرنے کے بعد وہ جانور لے جائے اور سوار نہ ہو تو اجرت واجب نہ ہوگی۔ کیونکہ وہ مدت گزرنے کے بعد اس پر قادر ہوا ہے ”طوری“۔ اس سے یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ بہتر یہ تھا کہ قیود ذکر کی جائیں۔ پس قول: الا فی ثلاث سے استغناء ہوگی جس طرح عنقریب تیرے لیے امر ظاہر ہوگا۔

29395۔ (قوله: إِلَّا فِي ثَلَاثٍ) (۱) جب اجارہ فاسد ہو (۲) جب شہر سے باہر سواری کے لیے اس نے جانور اجرت پر لیا اسے اپنے پاس روکے رکھا اور اس پر سوار نہ ہوا (۳) اس نے کپڑا اجرت پر لیا ہر روز ایک دانق کے بدلے، اس کپڑے کو پہنے بغیر کئی سالوں تک روکے رکھا تو اس مدت کے بعد جس میں اس نے اگر وہ اس کپڑے کو پہنا تو وہ کپڑا پھٹ جاتا اس کے بعد کی اجرت واجب نہ ہوگی۔ اس استثناء میں اعتراض کی گنجائش ہے۔ کیونکہ گفتگو اجارہ صحیحہ میں ہے جس طرح صریح متن ہے۔ کیونکہ اجارہ فاسدہ کو عنقریب ذکر کریں گے۔ اور کیونکہ دوسری اور تیسری صورت سے استغناء ہو جاتا ہے ان قیود کو ذکر کرنے کے ساتھ جو پہلے مسئلہ کی گزر چکی ہیں۔ کیونکہ دوسری صورت تیسری قید کے ساتھ خارج ہے۔ کیونکہ اس مکان میں قدرت نہیں جس کی طرف عقد مضاف ہے۔ اگر شہر میں سواری کے لیے وہ اسے اجرت پر لے تو معاملہ مختلف ہوگا۔ کیونکہ اس پر اسے قدرت حاصل ہے، ”اتقانی“۔ تیسری صورت اس میں اس مدت میں قدرت نہیں پائی گئی جس کا اجر ساقط ہو گیا پس یہ چوتھی کے ساتھ خارج ہوگئی۔

29396۔ (قوله: ثُمَّ فَرَعَ عَلَى هَذَا) یعنی آخری پر تفریع کا ذکر کیا ہے انتفاع پر قادر ہونا ہے۔ ”ط“۔

لِدَارٍ قُبِضَتْ وَلَمْ تُسَكَّنْ لِيُجُودَ تَمَكُّنُهُ مِنَ الْإِنْتِفَاعِ، وَهَذَا إِذَا كَانَتْ الْإِجَارَةُ صَحِيحَةً، أَمَّا فِي الْفَاسِدَةِ فَلَا يَجِبُ الْأَجْرُ إِلَّا بِحَقِيقَةِ الْإِنْتِفَاعِ كَمَا بَسَطَ فِي الْعِمَادِيَّةِ، وَظَاهِرُ مَا فِي الْإِسْعَافِ إِخْرَاجُ الْوَقْفِ فَتَجِبُ أَجْرَتُهُ فِي الْفَاسِدِ بِالشَّمَكُنِ كَذَا فِي الْأَشْبَاهِ قُلْتُ وَهَلْ مَالُ الْيَتِيمِ وَالْمُعْدِلِ لَا سِتْغْلَالٍ

جس گھر پر قبضہ کر لیا اور اس میں رہائش نہ رکھی۔ کیونکہ اس سے نفع حاصل کرنا ممکن تھا۔ یہ اس وقت ہے جب اجارہ صحیح ہو۔ جہاں تک اجارہ فاسدہ کا تعلق ہے تو اجرت حقیقی انتفاع سے واجب ہوتی ہے جس طرح ”عمادیہ“ میں بیان کیا ہے۔ ”الاسعاف“ میں جو قول ہے اس کا ظاہر معنی یہ ہے کہ وقف کو اس سے خارج کیا جائے پس قدرت کے ساتھ اجارہ فاسدہ میں اس کی اجرت واجب ہوگی۔ ”الاشباہ“ میں اسی طرح ہے۔ میں کہتا ہوں: یتیم کا مال، جو چیز کرایہ وغیرہ کے لیے تیار کی جائے گی

29397۔ (قوله: لِدَارٍ قُبِضَتْ) یعنی موانع سے خالی ہو۔

اجارہ فاسدہ میں اجرت حقیقی انتفاع سے واجب ہوتی ہے

29398۔ (قوله: إِلَّا بِحَقِيقَةِ الْإِنْتِفَاعِ) یعنی جب آجر کی جہت سے مستاجر کو سپرد کرنا پایا گیا مگر جب اس کی جہت

سے سپرد کرنا نہ پایا گیا تو کوئی اجرت نہیں ہوگا اگرچہ وہ منفعت پوری پوری وصول کر لے۔ ”انتقانی“۔

یہ جان لو کہ اجارہ فاسدہ میں واجب اجرت مختلف ہے۔ بعض اوقات مسمی ہوتا ہے، بعض اوقات سے اجرت مثل ہوتا ہے وہ جہاں تک پہنچے، بعض اوقات وہ مسمی سے متجاوز نہیں ہوتا۔ اس کی وضاحت اس کے باب میں آئے گی۔

29399۔ (قوله: وَظَاهِرُ مَا فِي الْإِسْعَافِ) کیونکہ اس نے کہا: اگر اس نے زمین یا گھر جو وقف تھا اجارہ فاسدہ پر لیا

اس نے اس میں سکونت اختیار کی یا اس میں فصل کاشت کی تو اس پر اجرت مثلی لازم ہوگی ورنہ کوئی چیز لازم نہ ہوگی۔ یہ متقدمین کے قول کے مطابق ہے۔ ”المنح“ میں کہا: ہمارے آقا صاحب ”البحر“ نے اس کے مفہوم کو اپنایا ہے جس کا ذکر کیا۔ کیونکہ یہ متاخرین کے قول کے مطابق اجرت کے لزوم کا فائدہ دیتا ہے۔ یہ امر ظاہر ہے۔

جب تو نے یہ جان لیا تو تیرے لیے یہ امر ظاہر ہو گیا کہ ”منلا خسرو“ نے تقیید کے محل میں مطلق کلام کی ہے۔ اور یہ امر تجھ پر مخفی نہیں کہ یہ اس کے متن پر بھی واقع ہوگا۔ علامہ ”بیری“ نے اس پر اعتراض کیا ہے۔ تو کہا: ہم نے مسئلہ میں متاخرین کی کوئی کلام نہیں دیکھی۔ ہم نے ”ناسخی“ کے کتاب الوقف میں یہ دیکھا ہے: اگر اجارہ فاسد ہو پس مستاجر نے اس پر قبضہ کر لیا اور زمین میں فصل کاشت نہ کی یا گھر میں رہائش نہ رکھی تو اس پر کوئی شے لازم نہ ہوگی۔ پھر اس نے کہا: اس سے یہ اخذ کیا جاتا ہے کہ وقف چیز کو فاسد اجارہ کے ساتھ لینے والا غاصب شمار نہیں ہوتا اگر وہ اس سے نفع حاصل نہ کرے تو اس پر اجرت واجب نہ ہوگا۔ پھر ”الاجناس“ سے تصریح نقل کی گئی ہے کہ اجرت صرف اور صرف اس وقت واجب ہوگی جب وہ حقیقی طور پر منافع لے لے۔ کہا: موجد اس پر راضی ہوا ہے اس سے اجرت نہ ہوگی۔

میں کہتا ہوں: متاخرین کے کلام میں اس کی تصریح پر آگاہی کا نہ ہونا ”ابوسعود“ ”حواشی اشباہ“ میں اس کے منافی قول

وَالْمُسْتَأْجَرُ فِي الْبَيْعِ وَفَاءٌ عَلَى مَا أَفْتَى بِهِ عُلَمَاءُ الرُّومِ كَذَلِكَ؟ مَحَلُّ تَرَدُّدٍ فَلْيُرَاجَعْ، وَبِقَوْلِهِ (وَيَسْقُطُ الْأَجْرُ بِالْغَضَبِ) أَيْ بِالْحَيْلُولَةِ بَيْنَ الْمُسْتَأْجِرِ وَالْعَيْنِ؛

اور بیع الوفاء میں اجارہ والی چیز اسی طرح ہے جیسا علماء روم نے فتویٰ دیا ہے۔ یہ محل تردد ہے۔ پس کتب کی طرف رجوع کیا جانا چاہیے۔ اور اگر غضب کے ساتھ ساقط ہو جاتا ہے یعنی جب مستاجر اور عین کے درمیان حائل ہو جائے۔

کرنے والے نہیں۔ یعنی یہ احتمال کہ ”ناسخی“ اور ”اجناس“ کے کتاب الوقف میں جو کچھ ہے یہ متقدمین کے مذہب کے مطابق ہے پس وہ ”الاسعاف“ کے مفہوم کے منافی نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

29400۔ (قوله: وَالْمُسْتَأْجَرُ فِي الْبَيْعِ وَفَاءٌ) مستاجر کی جیم پر فتح ہے یعنی جب وہ مشتری سے وہ چیز اجرت پر لے جو اس کے ہاتھ میں بیچی تھی تاکہ وہ اپنا پورا حق لے یہ بیع پر قبضہ کے بعد ہو تو یہ صحیح ہوگا جس طرح کتاب الکفالة میں تھوڑا پہلے گزرا ہے۔

شارح نے یہاں کہا ہے: میں کہتا ہوں: اس تعبیر کی بنا پر اگر مدت گزر جائے اور وہ چیز اس کے قبضہ میں رہے تو علماء روم نے یہ فتویٰ دیا ہے کہ اجرت مثلی لازم ہوگی۔ ہمارے مشائخ کے شیخ ”سامحانی“ نے اس پر اعتراض کیا ہے کہ اجارہ فاسدہ میں املاک حقیقیہ قدرت کے باوجود اجرت کو واجب نہیں کرتیں تو یہ کیسے اجرت کو واجب کرے گی۔ ”طحطاوی“ نے کہا: اس میں ہے کہ مدت کے ختم ہونے کے بعد اجارہ اصلاً موجود نہیں۔ پس اس میں تدبر کیجئے۔

میں کہتا ہوں: خصوصاً معتمد قول کے مطابق یہ رہن کے حکم میں ہے اجرت اس پر لازم نہ ہوگی۔ اگر اس نے مدت میں منفعت پوری کی پوری لے لی اگرچہ قبضہ کے بعد ہو جس طرح ”النہایہ“ میں ہے۔

”خیریہ“ اور ”حامدیہ“ کے کتاب رہن میں اسی کے مطابق فتویٰ دیا ہے۔ شارح نے کتاب الکفالة سے تھوڑا پہلے جو ”حلبی“ سے نقل کیا ہے وہ اس کے خلاف ہے۔ ”بزازیہ“ میں کہا: جس نے اسے فاسد بنایا ہے اس نے کہا: اجارہ صحیح نہ ہوگا اور کوئی شے واجب نہ ہوگی۔ اسی طرح اس کا نقطہ نظر ہے جس نے اسے رہن بنایا ہے جس نے اسے جائز قرار دیا ہے اس نے بائع وغیرہ کو اجرت پر دینے کو جائز قرار دیا اور اجرت کو واجب کیا ہے۔

29401۔ (قوله: مَحَلُّ تَرَدُّدٍ) میں کہتا ہوں: یتیم کے مال میں کوئی تردد نہیں۔ کیونکہ ان کے منافع کو غضب کیا جائے تو ضمانت واجب ہوتی ہے یہ اسی کے قبیل سے ہے، ”سامحانی“۔ ہم نے ابھی پہلے ”بیری“ سے جو نقل کیا ہے وہ اس کے منافی ہے کہ وقف شدہ کو اجارہ فاسدہ کے ساتھ اجارہ پر لینے والا غاصب شمار نہیں ہوتا، الخ۔

29402۔ (قوله: بِالْغَضَبِ) محل کو سپرد کرنا یہ منفعت کو سپرد کرنے کے قائم مقام ہے کیونکہ نفع اٹھانا ممکن ہے۔ جب قدرت فوت ہو جائے تو سپرد کرنا فوت ہو جاتا ہے۔ ”منح“۔ ”رملی“ نے کہا: اگر غضب کے ساتھ منفعت فوت نہ ہو جس طرح زمین کو غضب کرنا جو درخت لگانے اور تعمیر کرنے کے لیے مقرر ہو ساتھ ہی وہاں درخت ہوں اور عمارت ہو تو منفعت ساقط

لَا نَحْقِيقَةُ الْغَضَبِ لَا تَجْرِي فِي الْعَقَارِ، وَهَلْ تَنْفَسِخُ بِالْغَضَبِ؟ قَالَ فِي الْهِدَايَةِ نَعَمْ خِلَافًا لِقَاضِي خَانَ، وَلَوْ غَضِبَ فِي بَعْضِ الْمُدَّةِ فَبِحَسَابِهِ (إِلَّا إِذَا أُمِّكَنَ إِخْرَاجُ الْغَاصِبِ) مِنَ الدَّارِ مَثَلًا (بِشَفَاعَةِ أَوْ حِمَايَةِ) أَشْبَاهَ (وَلَوْ أَنْكَرَ ذَلِكَ) أَمَى الْغَضَبِ (الْمُوجِبِ) وَادَّعَا الْهُسْتَا جِرْ (وَلَا بَيِّنَةٌ لَهُ بِحُكْمِ الْحَالِ)

کیونکہ حقیقی غصب زمین میں جاری نہیں ہوتا کیا اجارہ غصب کے ساتھ ختم ہو جاتا ہے؟ ”ہدایہ“ میں کہا: ہاں ”قاضی خان“ نے اس سے اختلاف کیا ہے۔ اگر وہ بعض مدت میں غصب کی جائے تو اسی حساب سے اجرت لازم ہوگی مگر جب غاصب کو گھر سے مثلاً سفارش یا حمایت سے خارج کرنا ممکن ہو، ”الاشباہ“۔ اگر مؤجر نے اس غصب کا انکار کیا اور مستاجر نے اس کا دعویٰ کیا اور اس کے پاس گواہ نہ ہوں تو ظاہر حال کے مطابق فیصلہ کیا جائے گا

نہیں ہوتی۔ کیونکہ وہ غصب کے ساتھ موجود ہے۔ یہ کثیر الوقوع ہے۔ فمائل

29403۔ (قوله: لَا تَجْرِي فِي الْعَقَارِ) امام ”محمد“ رحمہ اللہ نے اس مسئلہ میں اختلاف کیا ہے یعنی امام ”محمد“ رحمہ اللہ کے

نزدیک زمین میں غصب جاری ہوتا ہے۔

29404۔ (قوله: وَهَلْ تَنْفَسِخُ بِالْغَضَبِ الْخ) اختلاف کا ثمرہ اس میں ظاہر ہوگا جب مدت گزرنے سے پہلے

غصب زائل ہو جائے۔ اور جو عدم فسخ کا قول کرتا ہے اس کے مطابق وہ باقی ماندہ مدت میں حقوق پورے لے گا اور اس پر اسی حساب سے اجر ہوگا، ”ابوسعود“۔ مصنف کی کلام اس پر تفریع کے طور پر مذکور ہے۔

29405۔ (قوله: وَلَوْ غَضِبَ فِي بَعْضِ الْمُدَّةِ فَبِحَسَابِهِ) جس طرح وہ اسے گھر سپرد کر دے مگر ایک کمرہ حوالے نہ

کرے یا اس کے ساتھ اس میں رہے جس طرح ”البحر“ میں ہے۔ ”شرنبالیہ“ میں ”برہان“ سے مروی ہے: کھیتی کاشت کرنے سے پہلے زمین غرق ہو جائے تو اجر ساقط ہو جائے گا۔ اگر اسے آفت ماویہ آ پہنچے تو امام ”محمد“ رحمہ اللہ سے ایک روایت کے مطابق اس پر مکمل اجر ہوگا۔ کیونکہ اس نے زمین کو کاشت کیا تھا۔ فتویٰ اس پر ہے کہ جو عرصہ گزر چکا ہے صرف اس کا اجر لازم ہوگا اگرچہ وہ ایسی کھیتی پر قادر نہ ہو جو زمین کو ضرر پہنچانے میں اس فصل کی مثل ہو۔ شارح فسخ الاجارہ سے تھوڑا پہلے اس کا ذکر کریں گے اور وہ ذکر کریں گے کہ ”الولوالجیہ“ میں اس پر اعتماد کیا ہے اور ”الغانیہ“ میں پہلے قول میں اس کو جزم سے بیان کیا ہے۔

29406۔ (قوله: بِشَفَاعَةِ) اس کی صورت یہ ہے کہ غاصب کے دل کو نرم کیا جائے یا حمایت کے ذریعے اس سے وہ

چیز لے لی جائے یعنی صاحب شوکت اس سے دفاع کرے۔ اگر ایسا ممکن ہو تو اجرت ساقط نہ ہوگی اگرچہ وہ اسے باہر نہ نکالے۔ کیونکہ وہ خود کوتاہی کرنے والا ہے۔ مگر جب باہر نکالنا ممکن نہ ہو مگر مال خرچ کرنے کے ساتھ اسے باہر نکالے تو اس پر اجرت لازم نہ ہوگی جس طرح ”القنیہ“ وغیرہ میں ہے۔ ”ابوسعود“ نے ”حاشیۃ الاشباہ“ میں اس کا ذکر کیا ہے۔

29407۔ (قوله: بِحُكْمِ الْحَالِ) اگر اس میں غیر مستاجر ہو تو قول مستاجر کا ہوگا اور اس پر کوئی اجر نہیں ہوگا۔ ”بحر“۔

كَمَسْأَلَةِ الطَّاحُونَةِ، وَلَا يُقْبَلُ قَوْلُ السَّائِكِينَ؛ لِأَنَّهُ فَرَدٌ ذَخِيرَةٌ بِقَوْلِهِ

جس طرح طاحونہ کا مسئلہ ہے۔ اور جس نے رہائش رکھی ہوئی ہے اس کا قول قبول نہیں کیا جائے گا کیونکہ وہ فرد ہے ”ذخیرہ“۔

مدت گزرنے کے بعد پن چکی سے پانی کے منقطع ہونے کے بارے اختلاف ہو جائے تو اس کا حکم 29408۔ (قوله: كَمَسْأَلَةِ الطَّاحُونَةِ) اگر مدت گزرنے کے بعد پن چکی سے پانی کے منقطع ہونے کے بارے میں دونوں میں اختلاف ہو جائے۔

”تاتر خانیہ“ کی فصل پچیس میں اختلاف کے بارے میں کہا: یہاں اختلاف دو وجوہ کے اعتبار سے ہے یا تو مدت کی مقدار میں ہے اس کی صورت یہ ہے کہ موجد کہے: پانی پانچ دن منقطع رہا اور مستاجر کہے: دس دن منقطع رہا۔ جہاں تک اصول انقطاع کے اختلاف کا تعلق ہے اس کی صورت یہ ہے: مستاجر یہ کہتا ہے: دس دن پانی منقطع رہا اور موجد اس کا انکار کرتا ہے پہلے قول میں بات قسم کے ساتھ مستاجر کی مانی جائے گی۔ اور دوسرے قول میں ظاہر حال کے مطابق فیصلہ کیا جائے گا۔ اگر خصومت کے وقت پانی جاری ہو تو قسم کے ساتھ قول موجد کا معتبر ہوگا۔ اگر خصومت کے وقت پانی منقطع ہو جائے تو قول مستاجر کا معتبر ہوگا۔ ملخص

یہ امر مخفی نہیں یہ وہاں ہے جہاں گواہیاں نہ ہوں جس طرح مصنف نے ذکر کیا۔ اسی وجہ سے ”ذخیرہ“ میں کہا: اگر مستاجر گواہیاں قائم کر دے کہ پانی گزشتہ دنوں میں منقطع رہا تو گواہیوں کے مطابق فیصلہ کیا جائے گا اگرچہ پانی فی الحال جاری ہو۔ مصنف اس مسئلہ کو باب ضمان الاجیر کے آخر میں ذکر کریں گے۔

غصب کے مسئلہ میں رہائش رکھنے والے کا قول معتبر نہیں ہوگا

29409۔ (قوله: وَلَا يُقْبَلُ قَوْلُ السَّائِكِينَ الْخ) یعنی غصب کے مسئلہ میں رہائش رکھنے والے کا قول قبول نہیں کیا

جائے گا۔ یعنی اگر ایک آدمی نے اسے گھرا جرت پر دیا اور اس میں ایک آدمی رہائش رکھے ہوئے ہو اور اس نے مستاجر اور گھر کے درمیان تمام موانع ختم کر دیئے مدت گزرنے کے بعد وہ کہے: اس رہائش رکھنے والے نے مجھے روک دیا تھا جب کہ اس کے پاس گواہ نہ ہوں رہائش رکھنے والا اقرار کرنے والا ہو یا انکار کرنے والا ہو تو رہائش رکھنے والے کے قول کی طرف کوئی توجہ نہ کی جائے گی۔ کیونکہ وہ غیر پر شاہد ہے یا مقرر ہے۔ فرد کی شہادت اور اقرار دوسرے آدمی کے بارے قبول نہیں کیا جاتا۔ پس دونوں کے بارے میں اختلاف باقی رہا۔ پس دیکھا جائے گا اگر منازعہ کی حالت میں مستاجر ہی ساکن رہا تو قول موجد کا معتبر ہو گا اگر رہائش رکھنے والا کوئی اور ہو تو قول مستاجر کا معتبر ہوگا۔ ”ذخیرہ“۔

29410۔ (قوله: بِقَوْلِهِ) اس کا عطف ان کے سابقہ قول بقولہ پر ہے پس یہ قول فائدہ دیتا ہے کہ یہ بھی قدرت پر

متفرع ہے۔ ساتھ ہی یہ ان کے قول والا یلزم بالعقد کے فروع میں سے ہے۔ پس اس تعبیر کی بنا پر متن اپنی حالت پر باقی رہے گا اور اسے ایک مستقل مسئلہ بنا دیا ہے۔

(وَلَا يَعْتَقُ قَرِيبُ الْمُؤْجِرِ لَوْ كَانَ أُجْرَةً؛ لِأَنَّهُ لَمْ يَبْدِكُهُ بِالْعَقْدِ، وَالْمُرَادُ مِنْ تَمَكُّنِهِ مِنْ الْإِسْتِيفَاءِ تَسْلِيمِ الْمَحَلِّ إِلَى الْمُسْتَأْجِرِ بِحَيْثُ لَا مَانِعَ مِنَ الْإِسْتِيفَاءِ (فَلَوْ سَلَّمَهُ) الْعَيْنَ الْمُؤْجِرَةَ (بَعْدَ مُضِيِّ بَعْضِ الْمُدَّةِ) الْمُؤْجِرَةَ (فَلَيْسَ لِأَحَدِهِمَا الْإِمْتِنَاعُ) مِنَ التَّسْلِيمِ وَالتَّسَلُّمِ فِي بَاقِي الْمُدَّةِ (إِذَا لَمْ يَكُنْ فِي مُدَّةِ الْإِجَارَةِ وَقْتُ يُرْغَبُ فِيهَا لِأَجَلِهِ، فَإِنْ كَانَ فِيهَا) أَمَى فِي الْعَيْنِ الْمُؤْجِرَةَ (وَقْتُ كَذَلِكَ) كَبُيُوتِ مَكَّةَ وَمِنَى وَحَوَائِثِهِمَا زَمَنَ الْمَوْسِمِ فَإِنَّهُ لَا يُرْغَبُ فِيهَا بَعْدَ الْمَوْسِمِ، فَلَوْ لَمْ يُسَلِّمْ فِي الْوَقْتِ الَّذِي يُرْغَبُ لِأَجَلِهِ (خُيَّرَ فِي قَبْضِ الْبَاقِ)

اور مؤجر کا قریبی آزاد نہیں ہوگا اگر وہ قریبی اجرت ہو۔ کیونکہ صرف عقد اجارہ سے وہ اس بدل کا مالک نہیں بن جاتا۔ منفعت حاصل کرنے پر قدرت سے مراد یہ ہے کہ محل کو مستاجر کے سپرد کر دے اس حیثیت میں کہ انتفاع سے کوئی مانع نہ ہو۔ اگر اجارہ کی بعض مدت گزرنے کے بعد وہ عین مؤجرہ کو حوالے کرے اور باقی مدت میں تسلیم و تسلیم سے امتناع کسی ایک کے لیے مناسب نہیں جب اجارہ کی مدت میں کوئی ایسا وقت نہ ہو جس وقت کی وجہ سے اجارہ میں رغبت کی جاتی ہو۔ اگر عین مؤجرہ میں اس طرح کا وقت ہو جس طرح مکہ مکرمہ اور منی کے مکانات ہیں اور ان دونوں کی دکانیں ہیں جب حج کا موسم ہو۔ کیونکہ موسم حج کے بعد ان میں رغبت نہیں کی جاتی۔ اگر وہ اس وقت میں سپرد نہ کرے جس وقت کی وجہ سے اس میں رغبت کی جاتی ہے تو باقی مدت میں اسے اختیار دیا جائے گا

29411۔ (قوله: لِأَنَّهُ لَمْ يَبْدِكُهُ بِالْعَقْدِ) اگر یہ اعتراض کیا جائے: اجرت سے بری کرنا، اس کی ضمانت اٹھانا اور اس کے بدلے میں رہن رکھنا ان تمام امور کا صحیح ہونا اس پر اشکال پیدا کرتا ہے۔
میں کہتا ہوں: اشکال پیدا نہیں کرتا کیونکہ وہ سبب کے وجود پر مبنی ہے پس وہ زخم لگانے کے بعد قصاص سے معافی کی طرح ہے۔ ”اتقانی“۔

29412۔ (قوله: وَالْمُرَادُ مِنْ تَمَكُّنِهِ الْخ) اس امر کی طرف اشارہ کیا کہ متن میں جو کچھ ہے یہ مقدر کلام پر تفریع ہے۔
29413۔ (قوله: إِلَى الْمُسْتَأْجِرِ) یہ قول اس وکیل کو جامع ہے جو اجرت پر کسی شے کے لینے کے لیے وکیل بنایا گیا ہو۔ لیکن اگر وکیل خود اس میں رہائش رکھے تو امام ”ابو یوسف“ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: کوئی اجرت نہ ہوگی۔ امام ”مظہر“ رضی اللہ عنہ فرمایا: موکل پر اجرت ہوگی کیونکہ وکیل کا قبضہ موکل کے قبضہ کی طرح ہے پس پہلا قبضہ موکل کے لیے ہوگا پس وکیل رہائش رکھنے کے ساتھ غاصب ہوگا پس اس پر اجرت واجب نہ ہوگی۔ اس میں اعتراض کی گنجائش ہے۔ کیونکہ مستاجر سے کوئی چیز غصب کر لی جائے تو یہ عمل اجرت کو ساقط کر دیتا ہے۔ ”بزازیہ“۔

29414۔ (قوله: فَلَوْ سَلَّمَهُ) یعنی سپرد کرنے کا ارادہ کیا ہے۔ فافہم

29415۔ (قوله: الْمُؤْجِرَةَ) یہ حذف و ایصال کے باب میں سے ہے۔ ”ح“۔ یعنی کلام یوں ہے المؤجر فیہا مؤجر

كَمَا فِي الْبَيْعِ كَذَا فِي الْبَحْرِ وَلَوْ سَلَّمَهُ الْبَيْتَاءُ فَلَمْ يَقْدِرْ عَلَى الْفَتْحِ لِضَيَاعِهِ، وَإِنْ أُمَكَّنَهُ الْفَتْحُ بِلاَ كُفَّةٍ وَجَبَ الْأَجْرُ وَإِلَّا لَا أَشْبَاهَ قُلْتُ وَكَذَا لَوْ عَجَزَ الْمُسْتَأْجِرُ عَنِ الْفَتْحِ بِهَذَا الْبَيْتَاءِ لَمْ يَكُنْ تَسْلِيماً؛ لِأَنَّ التَّخْلِيَةَ لَمْ تَصَحَّ صَيْرُفِيَّةً وَلَوْ اخْتَلَفَا بِحُكْمِ الْحَالِ،

جس طرح بیع میں ہے، ”البحر“ میں اسی طرح ہے۔ اگر آدمی نے اسے چابی سپرد کردی اور چابی کے گم ہونے کی وجہ سے وہ اس کے کھولنے پر قادر نہ ہوا اگر کلفت کے بغیر اس کو کھولنا ممکن ہو تو اجر واجب ہوگا۔ اگر ممکن نہ ہو تو اجر واجب نہ ہوگا، ”اشباہ“۔ میں کہتا ہوں: اسی طرح اگر مستاجر اس چابی کے ساتھ تالا کھولنے سے عاجز آ گیا تو یہ سپرد کرنا نہیں ہوگا۔ کیونکہ یہ تخلیہ صحیح نہیں ”صیرفیہ“۔ اگر دونوں میں اختلاف ہو جائے تو ظاہر حال کے مطابق فیصلہ کیا جائے گا۔

اول کا معاملہ مختلف ہے جس طرح وہ ظاہر ہے۔

29416۔ (قولہ: كَمَا فِي الْبَيْعِ) یعنی جب موسم حج کے زمانہ سے قبل مکہ کے گھر وغیرہ خریدے پس ان گھروں کو اس وقت سپرد کیا گیا جب حج کا موسم گزر چکا تھا کیونکہ مشتری کو اختیار دیا جاتا ہے کیونکہ اس کی رغبت فوت ہو چکی ہوتی ہے، ”ط“۔ امام ”طحطاوی“ نے اسے کسی کی طرف منسوب نہیں کیا پس کتب کی طرف رجوع کیا جانا چاہیے۔ ”حلبی“ نے کہا: جب وہ بعض بیع کا مستحق نکل آیا تو مشتری کو اختیار دیا جائے گا۔ کیونکہ صفحہ متفرق ہے۔ ہمارے مشائخ کے شیخ ”رحمتی“ نے کہا: یہ قول اس کا تقاضا کرتا ہے کہ مستاجر کو مطلقاً اختیار ہو خواہ ایسا وقت ہو جس میں رغبت کی جاتی ہے خواہ ایسا وقت نہ ہو۔ کیونکہ صفحہ متفرق ہے۔ اور اس لیے کیونکہ اس نے اول مدت میں سپرد کرنے سے روکا ہے۔ بعض اوقات وہ عین موجرہ کی طرف محتاج ہوتا ہے۔ پس اس کے غیر کو اجرت پر لے لے گا جب اس نے بعض مدت کے گزرنے کے بعد اسے لازم کیا بعض اوقات وہ اس سے نقصان اٹھاتا ہے۔ فلیتأمل

اظہر قول وہ ہے: جو ابو الطیب نے کہا ہے: جب بیع میں وہ صفت نہ پائی گئی جس میں رغبت رکھتے ہوئے اس نے اسے خرید ا تھا جیسے کپڑا سینا اور لکھنا تو مشتری کو اختیار دیا جائے گا۔

29417۔ (قولہ: لِضَيَاعِهِ) یہ عدم قدرت کی علت ہے۔ ”الذخیرہ“ کی عبارت ہے: ”جامع اصغر“ میں ہے: ایک آدمی نے دوسرے کو ایک دکان اجرت پر دی، اسے چابی دے دی اور وہ آدمی اس تالے کو کھولنے پر قادر نہ ہوا اور چند دن چابی گم رہی پھر اس نے چابی کو پایا اگر اس کے ساتھ اس کا کھولنا ممکن تھا تو اس پر گزشتہ عرصہ کا اجر لازم ہوگا ورنہ اجر لازم نہیں ہوگا۔ ”بزازیہ“ میں ہے: اگر بغیر مشقت کے اس کے کھولنے پر قادر ہو تو اجرت لازم ہوگی ورنہ اجرت لازم نہ ہوگی۔ اس کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ استدلال کرے اور کہے: تو نے تالے کو توڑ کیوں نہیں دیا اور اس میں داخل کیوں نہیں ہو گیا۔

اگر عاجز آنے اور عاجز نہ آنے میں اختلاف ہو جائے تو فیصلہ ظاہر حال کے مطابق ہوگا

29418۔ (قولہ: وَلَوْ اخْتَلَفَا) اگر عاجز آنے اور عاجز نہ آنے میں دونوں میں اختلاف ہو گیا تو ظاہر حال کے

وَلَوْ بَرَّهْنَا فَبَيِّنَةُ الْمَوْجِرِ ذَخِيرَةٌ وَكَذَا الْبَيْعُ وَقِيلَ إِنَّ قَالَهُ أَقْبَضُ الْمِفْتَاحَ وَافْتَحَ الْبَابَ فَهُوَ تَسْلِيمٌ وَإِلَّا لَا كَمَا بَسَطَهُ الْمُصَنِّفُ (وَلِلْمَوْجِرِ طَلَبُ الْأَجْرِ لِلدَّارِ وَالْأَرْضِ) كُلَّ يَوْمٍ (وَلِلدَّائِبَةِ كُلِّ مَرَحَلَةٍ) إِذَا أَطْلَقَهُ، وَلَوْ بَيَّنَّ تَعَيَّنَ وَلِلْخِيَاطَةِ

اگر دونوں نے گواہیاں قائم کر دیں تو موجر کی گواہیاں معتبر ہوں گی، ”ذخیرہ“۔ اسی طرح بیع ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اگر اس نے اسے کہا: چابی لے لو اور دروازے کھول دو تو یہ سپرد کرنا ہوگا ورنہ سپرد کرنا نہیں ہوگا جس طرح مصنف نے اسے تفصیل سے بیان کیا ہے۔ موجر کو حق حاصل ہے کہ ہر روز گھر اور زمین کی اجرت طلب کرے اور سواری کی ہر مرحلہ پر اجرت طلب کرے جب اس نے اجارہ پر دیتے ہوئے مطلق کلام کیا ہے اگر وہ واضح کر دے تو وہ متعین ہو جائے گا۔ کپڑا سینا

مطابق فیصلہ کیا جائے گا۔

”الذخیرہ“ میں کہا: اگر دونوں میں اختلاف ہو جائے اور دونوں کے پاس گواہ نہ ہوں تو اس چابی کو دیکھا جائے گا جو اسے اس وقت دی گئی اگر وہ اس تالے کے مناسب ہو اور اس چابی کے ساتھ اس کا کھولنا ممکن ہو تو قول موجر کا معتبر ہوگا ورنہ قول مستاجر کا معتبر ہوگا۔

29419۔ (قوله: وَلَوْ بَرَّهْنَا فَبَيِّنَةُ الْمَوْجِرِ) یعنی اگرچہ چابی مناسب نہ ہو کیونکہ ظاہر حال کے مطابق فیصلہ کرنے کا کوئی اعتبار نہیں ہوگا جب گواہیاں اس کے برعکس پر واقع ہوں جس طرح طاہونہ کا مسئلہ ہے۔ بے شک گواہیاں قبول کی جائیں گی جب موجر یہ دعویٰ کرے کہ یہ چابی تالے کے موافق ہے لیکن یہ اس چابی کے علاوہ ہے مستاجر کہتا ہے نہیں بدہ یہ چابی اصلاً اس تالے کے مناسب نہیں، ”ذخیرہ“۔

29420۔ (قوله: وَكَذَا الْبَيْعُ) جب وہ گھر خریدے اور گھر کی چابی پر قبضہ کر لے اور اس گھر کی طرف نہ جائے۔ اگر چابی ایسی حالت پر ہو جو اس قابل ہو کہ وہ اس تالے کو بغیر کلفت کے کھول دے تو وہ گھر پر قبضہ کرنے والا ہوگا۔ ورنہ گھر پر قبضہ کرنے والا نہیں ہوگا۔ ”منح“۔

جو ثابت ہو چکا ہے اس سے یہ امر ظاہر ہو گیا کہ چابی دے دینا جب کہ مستاجر اور گھر کے درمیان کوئی مانع نہ ہو اور بغیر کلفت کے اس چابی سے تالا کو کھولنا ممکن ہو یہ گھر سپرد کرنا ہے۔ پس مدت گزرنے کے ساتھ اجرو واجب ہوگا اگرچہ وہ اس میں نہ رہے۔ ”القنیہ“ میں یہ قید لگائی ہے کہ وہ شہر میں ہو کیونکہ کہا: دیہاتی علاقہ میں چابی سپرد کرنا یہ گھر کو سپرد کرنا نہیں اگرچہ اسے شہر میں محصور کر دیا جائے اور چابی اس کے ہاتھ میں ہو۔ ”البحر“ اور ”المنہر“ میں اسے ثابت رکھا ہے۔ لیکن ”قاری اہدایہ“ نے جو فتویٰ دیا ہے وہ اس کے خلاف ہے اور ”الاشباہ“ کے محشیوں نے اسے ثابت کیا ہے جس طرح مسائل شتی سے تھوڑا پہلے آئے گا۔

29421۔ (قوله: لِلدَّارِ وَالْأَرْضِ الْخ) مراد ہر وہ چیز ہے جس میں اجارہ منفعت پر قطع مسافت پر یا نمل پر واقع ہو۔

29422۔ (قوله: وَلَوْ بَيَّنَّ تَعَيَّنَ) اگر عقد میں استحقاق کے وقت کو بیان کیا تو وہ متعین ہو جائے گا۔ اسی وجہ سے

(وَنَحْوَهَا) مِنَ الصَّنَائِعِ (إِذَا فَرَغَ وَسَلَّمَهُ) فَهَلَكَهُ قَبْلُ تَسْلِيهِهِ يَسْقُطُ الْأَجْرُ،

وغیرہ جو صنائع ہیں ان کی اجرت اس وقت طلب کرے گا جب وہ اس سے فارغ ہوگا اور موجر کے حوالے کر دے گا۔ سپرد کرنے سے پہلے وہ چیز ہلاک ہو جائے تو اجرت ساقط ہو جائے گی۔

”عزمیہ“ میں کہا ہے: یہ حکم اس وقت ہے جب اجرت معجل، موجل یا تھوڑی تھوڑی نہ ہو یہ سب علماء کا قول ہے جس طرح ”الخلاصہ“ میں بیان کیا ہے۔ مصنف نے جو کچھ ذکر کیا ہے یہ اس کے بارے میں ہے۔ مراد یہ ہے جب وہ وضاحت کرنے سے خاموش رہے۔

اگر اجارہ مدت پر واقع ہو تو جتنے منافع وصول کیے اس کے مطابق اجرت واجب ہوگی

29423۔ (قوله: إِذَا فَرَغَ وَسَلَّمَهُ) یہ جان لو کہ امام ”ابو حنیفہ“ رحمہ اللہ پہلے یہ کہا کرتے تھے: اجرت میں سے کوئی

شے واجب نہ ہوگی جب تک وہ پوری منفعت نہ لے لے اور عمل پورا نہ ہو جائے۔ کیونکہ عقد اسی پر ہوا تھا پس اجراء جزاء پر تقسیم نہیں ہوگا جس طرح ثمن بیع کے اجزاء میں تقسیم نہیں ہوگی۔ انہوں نے رجوع کر لیا اور فرمایا: اگر اجارہ مدت پر واقع ہو جس طرح گھر اور زمین کے اجارہ کا معاملہ ہے یا قطع مسافت کا معاملہ ہے جس طرح چوپائے کے بارے میں ہے تو جتنے منافع وصول کیے اس کے حصہ کے مطابق اجرت واجب ہوگی اگر مشقت کے بغیر اس کی معلوم اجرت ہو گھر میں ہر روز اجردے گا اور مسافت میں ہر مرحلہ پر اجرت دے گا۔

قیاس یہ ہے: ہر ساعت میں اجرت حساب سے واقع ہوتا کہ مسافت کو ثابت کیا جائے۔ لیکن اس میں حرج ہے۔ اگر عمل پر اجارہ واقع ہو جیسے کپڑے لینا اور کپڑے دھونا تو اس وقت تک اجرت واجب نہ ہوگی جب تک وہ اس کام سے فارغ نہیں ہوگا پس وہ کل اجرت کا مستحق ہوگا۔ کیونکہ بعض میں عمل نافع نہیں۔ اسی طرح جب وہ مستاجر کے گھر میں عمل کرے۔ اور وہ فارغ نہ ہو تو اجرت میں سے کسی شے کا مستحق نہیں ہوگا جس طرح صاحب ”الہدایہ“ اور صاحب ”التجریۃ“ نے اس کا ذکر کیا ہے۔

”مبسوط“، ”فوائد ظہیریہ“، ”ذخیرہ“، ”مبسوط شیخ الاسلام“، فخر الاسلام کی ”شرح الجامع“، ”قاضی خان“ اور ”تمر تاشی“ میں ہے: جب اجیر نے مستاجر کے گھر میں بعض کپڑے کو سیا تو اس پر اس کے حساب سے اجر واجب ہوگا یہاں تک کہ اگر وہ کپڑا چوری کر لیا گیا جس کا بعض سیا گیا تھا تو وہ اس کا مستحق بن جاتا ہے۔ یہ قول اس امر پر دلالت کرتا ہے وہ تمام امور جو گزر چکے ہیں بعض عمل کے بدلے میں اجر کا مستحق ہو جاتا ہے۔ لیکن شرط یہ ہے کہ وہ مستاجر کے سپرد کردے گھر کی رہائش اور قطع مسافت میں محض گھر حوالے کرنے اور مسافت طے کرنے سے وہ سپرد کرنے والا ہو جائے گا۔ اور کپڑے لینے کے معاملہ میں وہ حقیقت یا حکم میں سپرد کرنے سے سپرد کرنے والا ہوگا۔ حکم کی صورت یہ ہے کہ اس نے مستاجر کے گھر میں اس کو سیا ہو۔ کیونکہ اس کی منزل اس کے قبضہ میں ہے، ”زیلعی“ ملخص

اس کا حاصل یہ ہے کہ علماء نے امام ”ابو حنیفہ“ رحمہ اللہ کے قول پر اتفاق کیا ہے کہ بعض عمل پر اجر سپرد کیے بغیر اصلاً واجب

وَكَذَلِكَ مَنْ لِعَمَلِهِ أَثَرٌ، وَمَا لَا أَثَرَهُ كَجَبَّالٍ لَهُ الْأَجْرُ كَمَا فَرَعَ وَإِنْ لَمْ يُسَلِّمْ بَحْرًا (وَإِنْ) وَصَلِيَّةً (عَمَلٍ فِي بَيْتِ الْمُسْتَأْجِرِ نَعْمَ لَوْ سَرِقَ) بَعْدَ مَا خَاطَ بَعْضَهُ

اسی طرح ہر اس عمل کی اجرت کا معاملہ ہے جس کے عمل کا کوئی اثر ہو جس عمل کا کوئی اثر نہ ہو جس طرح ساربان تو اس کے لیے اس وقت اجر ہوگا جب وہ فارغ ہوگا اگرچہ وہ سپرد نہ کرے ”بحر“۔ اگرچہ مستاجر کے گھر میں عمل کرے۔ اگر اس نے جو بعض سیاتھا وہ چوری کر لیا گیا

نہیں ہوگا۔ جہاں تک سپرد کرنے کے ساتھ کا معاملہ ہے تو گھر کی رہائش اور قطع مسافت میں بعض پر اجر واجب ہوگا۔ جب عمل پر کسی کو اجرت پر لیا جائے تو علماء نے ان کے قول پر اختلاف کیا ہے جیسے کپڑا سینے کا معاملہ ہے۔ اکثر علماء کی رائے یہ ہے کہ سپرد کرنے کے ساتھ اجرت واجب ہو جائے گی اگرچہ سپرد کرنا حکما ہو۔ صاحب ”ہدایہ“ اور صاحب ”تجرید“ نے ان کی مخالفت کی ہے دونوں نے ارشاد فرمایا: اجر واجب نہیں ہوگا۔ ”زیلعی“ نے کہا: یہ اس مروی روایت کے زیادہ قریب ہے جو امام ”ابو حنیفہ“ رحمۃ اللہ علیہ سے دونوں میں فرق کرنے کے بارے میں ہے اس قول میں جس کی طرف رجوع کیا گیا ہے۔ علماء نے جو ذکر کیا ہے اس کا اعتبار کیا جائے تو سب میں کوئی فرق نہیں۔

اس سے یہ ظاہر ہو جاتا ہے کہ مصنف کا فراغ اور تسلیم کی قید لگانا یہ اس پر مبنی ہے جو ”ہدایہ“ میں ہے۔ سپرد کرنا یہ حقیقی اور حکمی سب کو شامل ہے۔ یہ وہ قول ہے جسے اپنے اس قول کے ساتھ تعبیر کیا ہے: وان عمل فی بیت المستاجر۔ اگر وہ کہتے: ولو حکما تو یہ زیادہ مختصر اور زیادہ ظاہر ہوتا جس نے کہا: لا معنی لہ اس کے قول کا کوئی معنی نہیں۔ فافہم

29424۔ (قوله: وَكَذَلِكَ مَنْ لِعَمَلِهِ أَثَرٌ) یعنی اگر وہ اس کے ہاتھ میں ہلاک ہو جائے تو اس کا کوئی اجر نہ ہوگا۔

شراح ایک ورقہ بعد اثر کی مراد کو ذکر کریں گے۔

29425۔ (قوله: نَعْمَ لَوْ سَرِقَ الْخ) یہ حکم ان اکثر علماء کے قول پر مبنی ہے جو سپرد کرنے کی صورت میں ہوا اگرچہ وہ حکما سپرد ہو۔ بعض عمل پر اجر کے وجوب کا قول کرتے ہیں اس کے ساتھ مصنف پر استدراک کا ارادہ کیا ہے اس قول کے ساتھ جس کا ”البحر“ میں ذکر کیا ہے۔ کیونکہ کہا: علامہ ”طوری“ اور ان کے شاگرد مصنف نے اپنی شرح میں ان کی پیروی کی ہے۔ تعمیر کرنے کے مسئلہ پر اصل میں نص موجود ہے۔ اجرت بعض عمل کے مقابلہ میں واجب ہو جاتی ہے۔ کیونکہ وہ مستاجر کے جوہر کر دیا گیا ہے۔ امام ”کرخی“ نے ہمارے اصحاب سے اسے نقل کیا ہے اور ”غایۃ البیان“ میں ”ہدایہ“ کا رد کرتے ہوئے فقہین کے ساتھ بیان کیا ہے۔ پس یہی مذہب ہوگا۔ اسی وجہ سے مصنف نے اسے اختیار کیا ہے یعنی صاحب ”الکنز“ نے ”المستغنی“ میں ذکر کیا ہے اگرچہ ان کی یہاں عبارت مطلق ہے۔ شارح کی کلام کی وجہ تو جیہ ہے جس طرح تو جان چکا ہے اگرچہ اس میں خفا ہے، فافہم۔ ”الہدایہ“ میں جو قول ہے اس کا خلاف مذہب ہونا اس میں تامل ہے یہ اس سے ظاہر ہوتا ہے جو زیلعی سے گزر چکا ہے۔ اگر اسے اصح قول کے خلاف قرار دیتے تو یہ زیادہ مناسب ہوتا۔ تامل

29426۔ (قوله: بَعْدَ مَا خَاطَ بَعْضَهُ) یعنی مستاجر کے گھر میں۔ اگر وہ اجیر کے گھر میں عمل کرتا تو بالاتفاق اس پر

أَوْ انْهَدَمَ مَا بَنَاهُ فَلَهُ الْأَجْرُ بِحَسَابِهِ عَلَى الْمَذْهَبِ بَحْرًا وَابْنُ كَمَالٍ (ثَوْبٌ خَاطَهُ الْخِيَاطُ بِأَجْرٍ فَفَتَقَهُ رَجُلٌ قَبْلَ أَنْ يَقْبِضَهُ رَبُّ الثَّوْبِ فَلَا أَجْرَ لَهُ) بَلْ لَهُ تَضَمُّنُ الْفَاتِقِ (وَلَا يُجْبَرُ عَلَى الْإِعَادَةِ، وَإِنْ كَانَ الْخِيَاطُ هُوَ الْفَاتِقُ فَعَلَيْهِ الْإِعَادَةُ) كَأَنَّهُ لَمْ يَعْمَلْ، بِخِلَافِ فَتَقِ الْأُجْنَبِيِّ وَهَلْ لِلْخِيَاطِ أَجْرُ التَّفْصِيلِ بِلَا خِيَاطَةٍ؟ الْأَصَحُّ لَا أَشْبَاهَ

یا اس نے جو بنایا وہ چیز گر گئی تو مذہب کے مطابق اس کے حساب سے اس پر اجر لازم ہوگا، ”بحر“، ”ابن کمال“۔ ایک کپڑا ہے جسے خیاط نے اجرت کے بدلے میں لیا ابھی کپڑے کے مالک نے اس پر قبضہ نہیں کیا تھا کہ ایک آدمی نے اسے ادھیڑ دیا تو اس کے لیے کوئی اجر نہیں ہوگا بلکہ اسے یہ حق حاصل ہے کہ وہ ادھیڑنے والے سے ضمانت لے لے اور درزی کو دوبارہ سینے پر مجبور نہیں کیا جائے گا۔ اگر سینے والا ہی ادھیڑنے والا ہو تو اس پر دوبارہ سینا لازم ہوگا گویا اس نے عمل کیا ہی نہیں۔ اجنبی آدمی اسے ادھیڑ دے تو معاملہ مختلف ہوگا۔ کیا خیاط کے لیے کپڑے قطع کرنے (بیوتنے) کی اجرت ہوگی جب کہ اس نے کپڑے کو سیانہ ہو؟ اصح قول یہ ہے: نہیں، ”اشباہ“۔

کوئی اجر نہ ہوگا کیونکہ اصلاً سپرد کرنا نہیں پایا گیا۔

29427۔ (قوله: أَوْ انْهَدَمَ مَا بَنَاهُ) یعنی اس سے فراغت سے پہلے۔

29428۔ (قوله: قَبْلَ أَنْ يَقْبِضَهُ رَبُّ الثَّوْبِ) تو یہ جان چکا ہے کہ مستاجر کے گھر میں عمل کرنا سپرد کرنا ہوتا ہے۔

29429۔ (قوله: فَلَا أَجْرَ لَهُ) کیونکہ سینے کا اس کپڑے پر اثر ہوتا ہے پس سپرد کرنے سے پہلے کوئی اجر نہیں ہوگا جس طرح بیع میں ہے۔

29430۔ (قوله: بَلْ لَهُ) یعنی خیاط کو یہ حق حاصل ہے کیونکہ یہ اس کا بدل ہے جس کو اس نے تلف کیا ہے یہاں تک کہ اس کی اجرت ساقط ہوگئی۔ ”بحر“۔

29431۔ (قوله: تَضَمُّنُ الْفَاتِقِ) یعنی سلائی کی قیمت نہ کہ جو مزدوری مقرر کی تھی کیونکہ مسمیٰ تو عقد کے ساتھ لازم ہوتا ہے خیاط اور ادھیڑنے والے کے درمیان کوئی عقد نہیں ہوا۔ ”رحمتی“۔

29432۔ (قوله: وَلَا يُجْبَرُ إِلَّا) کیونکہ اس نے عمل کو لازم کیا ہے اور اس کو پورا کر دیا۔ ”رحمتی“۔

29433۔ (قوله: كَأَنَّهُ لَمْ يَعْمَلْ) اس نے جو عمل اپنے ذمہ لیا تھا اس کو پورا نہ کیا تو اس کو اس عمل پر مجبور کیا جائے گا کیونکہ اجارہ کا عقد لازم ہے۔ ”رحمتی“۔

29434۔ (قوله: بِخِلَافِ فَتَقِ الْأُجْنَبِيِّ) اس قول کی کوئی ضرورت نہیں۔ ”ط“۔

29435۔ (قوله: الْأَصَحُّ لَا) ”الخلاصہ“ اور ”بزازیہ“ میں اس کی تصحیح کی ہے۔ مسئلہ کی یہ صورت بیان کی ہے جب

اسے کپڑا دیا اس نے اس کپڑے کو کاٹا اور اسے بغیر مرگیا اور علمائے اس کی علت یہ بیان کی ہے کہ عادت میں اجرت کپڑا لینے کی ہوتی ہے کپڑا قطع کرنے کی نہیں ہوتی۔

لَكِنَّ حَاشِيَتَهَا مَعْنِيًا لِلْمُضَرَّاتِ، الْمُفْتَى بِهِ نَعَمْ وَقَالَ الْمُصَنِّفُ يُنْبَغِي أَنْ يَحْكُمَ الْعُرْفُ ثُمَّ رَأَيْتُ فِي التَّنَازُخَانِيَّةِ مَعْنِيًا لِكُبْرَى أَنَّ الْفَتْوَى عَلَى الْأَوَّلِ فَتَأَمَّلْ (و) لِدُخْبَارِ طَلَبِ الْأَجْرِ (لِلدُّخْبَارِ فِي بَيْتِ الْمُسْتَأْجِرِ بَعْدَ إِخْرَاجِهِ مِنَ الثَّوْرِ) لِأَنَّ تَسَامَهُ بِذَلِكَ وَإِخْرَاجَ بَعْضِهِ بِحِسَابِهِ جَوْهَرَةٌ (فَإِنْ اخْتَرَقَ بَعْدَهُ) أَيْ بَعْدَ إِخْرَاجِهِ بِغَيْرِ فَعْلِهِ (فَلَهُ الْأَجْرُ لِتَسْلِيهِهِ بِالْوَضْعِ فِي بَيْتِهِ (وَلَا غُرْمَ) لِعَدَمِ التَّعْدِي وَقَالَ يَغْرُمُ مِثْلَ دَقِيقِهِ وَلَا أَجْرُ

لیکن اس کا حاشیہ جو ”مضررات“ کی طرف منسوب ہے اس میں مفتی بہ قول یہ ہے کہ ہاں۔ مصنف نے کہا: یہ چاہیے کہ عرف کے مطابق فیصلہ کیا جائے۔ پھر میں نے ”تاتر خانیہ“ میں دیکھا جب کہ وہ ”کبریٰ“ کی طرف منسوب ہے کہ فتویٰ پہلے قول پر ہے، قائل۔ اور نانبائی کو حق حاصل ہے کہ روٹی پکانے کی اجرت طلب کرے جب کہ وہ مستاجر کے گھر میں روٹی پکا رہا ہو جب کہ روٹی کو تنور سے نکالا جا چکا ہو تو اس کے عمل کی تکمیل اسی سے ہوتی ہے اور اس کے بعض کو نکالنے سے اس کے حساب سے اجرت لازم ہوگی، ”جوہرہ“۔ اگر وہ روٹی تنور سے نکالنے کے بعد اس کے فعل کے بغیر جل جائے تو اس کے لیے اجر ہوگا۔ کیونکہ اس کے گھر میں رکھنے کے ساتھ وہ سپرد کر چکا ہے اور اس پر کوئی چٹی نہ ہوگی۔ کیونکہ تعدی نہیں پائی گئی۔ ”صاحبین“ حطنتہ میں نے کہا: اس کے آنے کی مثل اس سے چٹی لی جائے گی اور اس کے لیے کوئی اجر نہیں ہوگا

میں کہتا ہوں: اگر وہ زندہ رہا تو ثمرہ ظاہر نہیں ہوگا۔ کیونکہ اسے کپڑا سینے پر مجبور کیا جائے گا لیکن اگر وہ قطع کے بعد دونوں عقد کو فسخ کر دیں تو ظاہر یہ ہے کہ اس کا حکم موت کی طرح ہے، قائل۔ تعلیل میں یہ ظاہر ہوتا ہے اگر اس نے پیرا صرف کانٹے کے لیے دیا ہو تو اس کا اجر اس پر لازم ہوگا۔ جب کہ یہ امر ظاہر ہے کیونکہ عقد صرف اس پر وارد ہوا ہے۔

29436۔ (قوله: لَكِنَّ حَاشِيَتَهَا) جو شیخ ”شرف الدین غزی“ کا ہے کیونکہ اس نے کہا: میں کہتا ہوں: ”فتاویٰ قاضی خان“ اور ”ظہیریہ“ میں ہے: خیاط نے کپڑا کاٹا اور خیاطت سے پہلے وہ مر گیا تو اس کے لیے قطع کرنے کا اجر ہوگا۔ یہی قول صحیح ہے۔ ”جامع المضررات“ اور ”مشکلات“ میں ”کبریٰ“ سے مروی ہے: اسی پر فتویٰ ہے چاہیے کہ اس پر اعتدال کیا جائے۔ کیونکہ اسے یہ قوت حاصل ہو چکی ہے کہ فتویٰ اس پر ہے۔ الخ

29437۔ (قوله: أَنَّ الْفَتْوَى عَلَى الْأَوَّلِ) جب کہ صحیح قول یہ ہے کہ فتویٰ دوسرے قول پر ہے۔ کیونکہ ”ابہرہ“ میں عبارت ابھی آپ سن چکے ہیں۔ یہی وہ قول ہے جسے میں نے ”تاتر خانیہ“ میں دیکھا ہے۔

29438۔ (قوله: جَوْهَرَةٌ) اس کی مثل ”غایۃ البیان“ میں ہے جب کہ علت یہ بیان کی گئی ہے کہ اس مقدار میں عمل آنے والے کے سپرد ہو چکا ہے۔ اس کا ظاہر یہ ہے اس میں وہ اختلاف جاری نہیں ہوگا جو خیاط کے بارے میں زیر چکا ہے۔ شاید علت یہاں انتفاع کا پایا جاتا ہے۔ قائل

29439۔ (قوله: وَقَالَ يَغْرُمُ الْخ) ”الہدایہ“ میں اختلاف اسی طرح ذکر کیا گیا ہے۔ اس تعبیر کی بنا پر اس میں کوئی

وَإِنْ شَاءَ ضَمِنَ الْخُبْزُ وَأَعْطَاهُ الْأَجْرَ (وَلَوْ) احْتَرَقَ (قَبْلَهُ لَا أَجْرَ لَهُ وَيَغْرُمُ) اتِّفَاقًا لِتَقْصِيرِهِ دُرًّا وَبَحْرًا (وَإِنْ لَمْ يَكُنِ الْخُبْزُ فِيهِ) أَمَى فِي بَيْتِ الْمُسْتَأْجِرِ سَوَاءً كَانَ فِي بَيْتِ الْخَبَّازِ أَوْ لَا (فَاحْتَرَقَ) أَوْ سُرِقَ (فَلَا أَجْرَ لَهُ لِعَدَمِ التَّسْلِيمِ حَقِيقَةً) (وَلَا ضَمَانَ) لَوْ سُرِقَ؛

اگر چاہے تو اس سے روٹی کی ضمانت لے لے اور اسے اجرت دے دے۔ اگر اس سے قبل جل جائے تو اس کے لیے کوئی اجرت نہیں ہوگی اور بالاتفاق وہ چٹی دے گا۔ کیونکہ اس نے کوتاہی کی ہے۔ ”درر“۔ ”بحر“ اگر مستاجر کے گھر میں روٹی پکانے کا عمل نہیں خواہ یہ عمل نانباتی کے گھر میں ہو یا نہ ہو پس وہ روٹی جل گئی یا اسے چوری کر لیا گیا تو اس کے لیے کوئی اجرت نہیں۔ کیونکہ حقیقت میں اس کو سپرد نہیں کیا گیا اگر اسے چوری کر لیا گیا تو کوئی ضمانت نہ ہوگی۔

فرق نہیں کہ جب وہ مستاجر کے گھر میں ہو یا نہ ہو جس طرح عنقریب آئے گا۔ پس یہ بھی اس اجیر مشترک کے مسئلہ میں سے ہے جو ضمان الاجیر میں آرہا ہے۔

اس کا حاصل یہ ہے: ”امام صاحب“ رحمہ اللہ کے نزدیک متاع اس کے ہاتھ میں امانت ہے اور ”صاحبین“ رحمہ اللہ کے نزدیک وہ قابل ضمانت ہے۔ لیکن ”غایۃ البیان“ میں یہ ذکر کیا گیا ہے جو اختلاف ذکر کیا گیا ہے وہ ”قدوری“ نے، ”ابن سماء“ کی جو امام ”محمد“ رحمہ اللہ سے روایت ہے، اس سے ذکر کیا ہے امام ”محمد“ رحمہ اللہ نے ”جامع صغیر“ میں اور اس کے شارحین نے اختلاف ذکر نہیں کیا۔ بلکہ علما نے کہا: مطلقاً کوئی ضمانت نہیں۔ اسی وجہ سے علما نے کہا: جو قول ”جامع“ میں ہے وہ اپنے عموم پر جاری ہے۔

جہاں تک امام ”ابو حنیفہ“ رحمہ اللہ کا تعلق ہے تو کیونکہ اس کے عمل سے وہ چیز ہلاک نہیں ہوئی۔ جہاں تک ”صاحبین“ رحمہ اللہ کا تعلق ہے تو کیونکہ وہ سپرد کرنے کے بعد ہلاک ہوئی ہے۔ ”اتقانی“ نے جو ”غایۃ البیان“ میں ذکر کیا ہے۔ ”البحر“ اور ”المنح“ میں اس پر گامزن ہوئے ہیں۔ جب بعض علما نے دونوں کی مراجعت پر اکتفا کیا ہے تو کہا: شارح نے جو ذکر کیا ہے وہ سبقت قلم ہے ساتھ ہی جس نے ”الہدایہ“ کی پیروی کی وہ گمراہ نہیں ہوا۔ فافہم

29440۔ (قوله: لِتَقْصِيرِهِ) تو اس نے تنور سے روٹی کو الگ نہیں کیا اگر پکی ہوئی روٹی کی ضمانت لے تو اسے روٹی پکانے کی اجرت دے گا اگر آٹے کی ضمانت لے تو پھر مزدوری نہ ہوگی۔

29441۔ (قوله: لِعَدَمِ التَّسْلِيمِ حَقِيقَةً) جب وہ مستاجر کے گھر میں نہ ہو تو حکمی طور پر سپرد کرنا نہ پایا گیا پس حقیقی سپرد کرنا ضروری ہو گیا وہ بھی نہ پایا گیا اسی وجہ سے اجرت واجب نہ ہوگی۔

29442۔ (قوله: لَوْ سُرِقَ) مناسب یہ تھا کہ اد احترق کالفظ زائد ذکر کرتے۔ ”ط“۔

گویا انہوں نے اسے ترک کر دیا۔ کیونکہ مراد نکالنے کے بعد ہے اور اس کے بعد جلنا نادر ہے۔ جس نے یہ کہا: کہ شارح نے اسے ترک کیا ہے کیونکہ اس میں وہ بالاتفاق ضامن ہوگا تو اس نے وہم کیا ہے۔

لَا تَهْنُ فِي يَدِهِ أَمَانَةٌ خِلَافًا لَهَا، وَهِيَ مَسْأَلَةُ الْأَجِيرِ الْمُشْتَرِكِ جَوْهَرَةٌ (وَإِنْ) احْتَرَقَ الْخُبْزُ أَوْ سَقَطَ مِنْ يَدِهِ (قَبْلَ الْإِخْرَاجِ فَعَلَيْهِ الضَّمَانُ) ثُمَّ الْمَالِكُ بِالْخِيَارِ، فَإِنْ ضَمَّنَهُ قِيَمَتَهُ مَخْبُورًا فَلَهُ الْأَجْرُ (وَإِنْ ضَمَّنَهُ قِيَمَتَهُ دَقِيقًا فَلَا أَجْرَ لَهُ لِلْهَلَاكِ قَبْلَ التَّسْلِيمِ وَلَا يَضْمَنُ الْحَطَبَ وَالْمِدْحَ) (وَلِلطَّبَخِ بَعْدَ الْغُرْفِ) إِلَّا إِذَا كَانَ لِأَهْلِ بَيْتِهِ جَوْهَرَةٌ،

کیونکہ اس کے ہاتھ میں امانت ہے۔ ”صاحبین“ رحمہم اللہ نے اس سے اختلاف کیا ہے یہ اجیر مشترک کا مسئلہ ہے۔ ”جوہرہ“۔ اگر تنور سے باہر نکالنے سے پہلے روٹی جل گئی یا اس کے ہاتھ سے گر گئی تو اس پر ضمان ہوگی پھر مالک کو اختیار ہے۔ اگر اس سے پکی ہوئی روٹی کی ضمانت لے تو اس نانباتی کے لیے مزدوری ہوگی۔ اگر اس سے آٹے کی قیمت کی ضمانت لے تو اس کے لیے کوئی اجر نہیں ہوگا۔ کیونکہ سپرد کرنے سے قبل وہ چیز ہلاک ہو گئی ہے۔ اور وہ لکڑیوں اور نمک کی ضمانت نہیں لے گا۔ اور سالن پکانے کی مزدوری سالن برتنوں میں ڈالنے کے بعد ہوگی مگر جب اہل خانہ کے لیے وہ سالن پکا یا جائے۔ ”جوہرہ“۔

29443۔ (قوله: وَإِنْ احْتَرَقَ الْخُبْزُ أَوْ سَقَطَ مِنْ يَدِهِ الْخ) یہ پہلے گزر چکا ہے کہ حکم اسی طرح ہوگا اگرچہ وہ متاجر کے گھر میں ہو۔ اگر مصنف اپنے سابقہ قول یعنی: و قبلہ لا اجر و یغرم کو حذف کر دیتے اور جو یہاں ہے اسے دونوں مسنوں کی طرف لوٹا دیتے تو یہ زیادہ بہتر ہوتا۔ جس طرح ”طحطاوی“ نے بیان کیا ہے۔

29444۔ (قوله: فَلَهُ الْأَجْرُ) کیونکہ متاجر تک عمل معائنہ چکا ہے کیونکہ اس کی قیمت اسے موصول ہو چکی ہے۔ ”ط“۔

29445۔ (قوله: وَلَا يَضْمَنُ الْحَطَبَ وَالْمِدْحَ) کیونکہ یہ چیزیں اس پر ضمان واجب ہونے سے پہلے ہلاک ہو چکی تھیں۔ جب اس پر ضمان واجب ہوگی وہ راکھ بن چکی تھیں۔ ”ز یلعی“۔

ولائم اور اس کی انواع

29446۔ (قوله: إِلَّا إِذَا كَانَ لِأَهْلِ بَيْتِهِ) اس قول نے یہ فائدہ دیا ہے کہ مصنف نے جو ولائم (ولیمہ کی جمع) اور اس کی انواع میں جو گیارہ چیزیں ذکر کیں بعض علماء نے ان کو اشعار میں نظم کیا ہے۔

إِنْ الْوَلَائِمَ عَشْرَةٌ مَعَ وَاحِدٍ مِنْ عَدَّهَا قَدْ عَزَّ فِي أَقْبَانِهِ

بے شک ولائم دس اور ایک یعنی گیارہ ہیں جس نے ان کو شمار کیا وہ اپنے ساتھیوں میں ممتاز ہو گیا۔

فَالْخَرْسُ عِنْدَ نَفَاسِهَا وَعَقِيقَةُ لِلطِّفْلِ وَالْأَعْذَارُ عِنْدَ خَتَانِهِ

خرس، عورت کے نفاس یعنی بچہ جننے کا کھانا اور طفل کے لیے عقیقہ اور اس کے ختنہ کے وقت کا کھانا اعذار ہے۔

وَلِحِفْظِ قُرْآنٍ وَآدَابٍ لَقَدْ قَالُوا الْحُذَاقُ لِحَذَقِهِ وَبَيَانِهِ

قرآن اور آداب کے حفظ کے لیے کھانا اور علماء نے کہا حذاق، اس کی مہارت اور اس کے بیان کا کھانا ہے۔

ثُمَّ الْبِلَاقُ لِعَقْدِهِ وَوَلِيمَةُ فِي عَرَسِهِ فَاحِرِضُ عَلَى اِعْلَانِهِ

وَالْأَصْلُ فِي ذَلِكَ الْعُرْفُ (فَإِنْ أَفْسَدَهُ) أَيْ الطَّعَامُ (الطَّبَاخُ أَوْ أَحْرَقَهُ أَوْ لَمْ يُنْضِجْهُ فَهُوَ ضَامِنٌ) لِلطَّعَامِ، وَلَوْ دَخَلَ بِنَارٍ لِيُخْبِزَ أَوْ لِيُطْبَخَ بِهَا فَوَقَعَتْ مِنْهُ شَرَارَةٌ فَاحْتَرَقَ الْبَيْتُ لَمْ يَضْمَنْ لِلْإِذْنِ، وَلَا يَضْمَنْ صَاحِبُ الدَّارِ لَوْ احْتَرَقَ شَيْءٌ مِنَ السُّكَّانِ لِعَدَمِ التَّعَدِي جَوْهَرَةٌ (وَلِ) ضَرْبِ (الدَّبْنِ)

اس میں اصل عرف ہے۔ اگر سالن پکانے والے نے کھانے کو خراب کر دیا یا اسے جلادیا یا اسے نہ پکایا تو وہ طعام کا ضامن ہو گا۔ اگر وہ گھر آگ لایا تا کہ روٹی پکائے یا سالن تیار کرے اس سے ایک انگارہ گر پڑا تو گھر جل گیا تو وہ ضامن نہیں ہو گا۔ کیونکہ اسے اس امر کی اجازت تھی۔ گھر کا مالک ضامن نہ ہو گا اگر وہاں رہنے والوں کی کوئی چیز جل گئی کیونکہ تعدی نہیں پائی گئی، ”جوہرہ“۔ اور کچی اینٹیں بنانے کی مزدوری

پھر ملاک اس کے عقد اور ولیمہ کا کھانا جو اس کی شادی میں ہوتا ہے اس کے اعلان کا حریص ہو جا۔

و كَذَاكَ مَادِبَةُ بِلَا سَبَبٍ يُرَى و و كِيرَةُ لِبْنَائِهِ لِبَكَانِهِ

اور اسی طرح مادبہ کے سبب کے بغیر کھانا ہے جس کی وہ رائے رکھے اور وکیرہ (اٹھانا) جو اس کے مکان بنانے پر ہوتا ہے۔

و نَقِيعَةُ لِقَدُومِهِ و وَضِيبَةُ لِمَصِيبَةٍ و تَكُونُ مِنْ جِيرَانِهِ

نقیعہ (کھانا) جو اس کے آنے پر ہو اور وضیمہ (کھانا) جو اس کی مصیبت پر ہو اور وہ اس کے پڑوس میں ہو۔

وَلَاوِلُ الشَّهْرِ الْأَصَمِ عَتِيرَةٌ بَذْبِيعَةٍ جَاءَتْ لِرَفْعَةِ شَانِهِ

اور شہر اصم کے شروع میں عتیرہ (کھانا) ہے جو ایک ذبیحہ کی صورت میں ہوتا ہے یہ اس کی رفعت شان کی بنا پر ہوتا ہے، ”ط“۔ ملخص

29447۔ (قوله: لِأَهْلِ بَيْتِهِ) یعنی مستاجر کے گھر والوں کے لیے۔ ”ح“۔

29448۔ (قوله: وَالْأَصْلُ فِي ذَلِكَ الْعُرْفُ) مطلق عقد معقود کو شامل ہوتا ہے جب اس کے برعکس کی شرط نہ پائی جائے۔ ”اتقانی“۔

29449۔ (قوله: فَهُوَ ضَامِنٌ) روٹی کے بارے میں جو گزر چکا ہے اس کا مقتضایہ ہے کہ اسے اختیار دیا جائے گا کہ

کھانا پکانے سے پہلے کی اس سے ضمانت لے لیں تو اس کے لیے اجرت نہ ہوگی یا اس کے بعد کی ضمانت لے لیں تو اس وقت اس کے لیے اجر ہوگا۔ ”ط“۔

29450۔ (قوله: لِلْإِذْنِ) کیونکہ وہ عمل تک رسائی اسی طریقہ سے کر سکتا ہے جب کہ اسے اس کی اجازت ہوتی ہے۔

29451۔ (قوله: وَلِ ضَرْبِ الدَّبْنِ) لبن یہ لام کے فتح اور با کے کسرہ کے ساتھ ہے اور کسرہ سکون کے ساتھ ایک

لغت ہے کچی اینٹوں کی تعیین کے بغیر یہ اجارہ فاسد ہو جائے گا جب تک ایک ان میں عرف کے اعتبار سے غالب نہ ہو یا اس کے علاوہ کوئی اور نہ ہو۔ ”قہستانی“، ملخص۔

بَعْدَ الْإِقَامَةِ وَقَالَ بَعْدَ تَشْرِيجِهِ أَمَى جَعَلَ بَعْضُهُ عَلَى بَعْضٍ، وَبِقَوْلِهِمَا يُفْتَى ابْنُ كَمَالٍ مَعْنِيًا لِلْعُيُونِ، وَهَذَا إِذَا ضَرَبَهُ فِي بَيْتِ الْمُسْتَأْجِرِ، فَلَوْ فِي غَيْرِ بَيْتِهِ فَلَا حَتَّى يَعُدَّهُ مَنْصُوبًا عِنْدَهُ وَمُشَرَّجًا عِنْدَهُمَا زَيْدَعِي فُرُوعُ الْمُدِينِ عَلَى اللَّبَانِ، وَالتُّرَابُ عَلَى الْمُسْتَأْجِرِ، وَإِذْ خَالَ الْحِجْلَ الْمَنْزِلَ عَلَى الْحِثَالِ لَا صَبْهُ فِي الْجَوَالِقِ أَوْ صُعُودُهُ لِلْغُرْفَةِ إِلَّا بِشَرْطٍ؛ وَإِيكَافُ دَابَّةٍ لِلْحِجْلِ عَلَى الْهَكَارِي،

اینٹیں کھڑی کرنے کے بعد ہوگی۔ ”صاحبین“ رحمہ اللہ نے فرمایا: جب انہیں ایک دوسرے پر کھڑی کرے گا اس وقت اس کی مزدوری لازم ہوگی۔ ”صاحبین“ رحمہ اللہ کے قول پر یہ فتویٰ دیا جاتا ہے ”ابن کمال“ جب کہ یہ عیون کی طرف منسوب ہے یہ حکم اس وقت ہے جب مستاجر کے گھر میں اینٹیں بنائے اگر اس کے گھر کے علاوہ میں اینٹیں بنائے تو اجرت لازم نہ ہوگی یہاں تک انہیں کھڑا کر دے۔ یہ ”امام صاحب“ رحمہ اللہ کے نزدیک ہے۔ اور انہیں ایک دوسرے پر جمع کرے یہ ”صاحبین“ رحمہ اللہ کے نزدیک ہے، ”زلیعی“۔ فروع: اینٹوں کا سانچہ اینٹیں بنانے والے کے ذمہ ہے اور مٹی مستاجر کے ذمہ ہے اور بوجھ کو گھر میں داخل کرنا بوجھ اٹھانے والے کے ذمہ ہے نہ کہ اسے بوریوں میں بھرنا یا اوپر والے کمرے میں لے جانا مگر شرط کے ساتھ ایسا کر سکتے ہیں، اور بوجھ لادنے کے لیے جانور پر پالان ڈالنا یہ کرایہ پر کام کرنے والے کے ذمہ ہے۔

29452۔ (قوله: بَعْدَ الْإِقَامَةِ) کیونکہ یہ اطراف کو برابر کرنے کے لیے ہے پس اقامہ عمل میں سے ہے، ”کشف“، اقامہ سے مراد خشک ہونے کے بعد کھڑا ہونا ہے۔ اگر اس نے اینٹیں تھاپیں تو انہیں بارش نے آلیا بارش نے کھڑا کرنے سے پہلے انہیں خراب کر دیا تو اس کے لیے اجر نہیں ہوگا اگرچہ اس کے گھر میں عمل کرے۔ ”قہستانی“۔
کچی اینٹیں بنانے کی مزدوری اینٹیں کھڑی کرنے کے بعد ہوگی

29453۔ (قوله: وَقَالَ بَعْدَ تَشْرِيجِهِ) یہ لفظ شین اور جیم معجم کے ساتھ ہے۔ اور ”صاحبین“ رحمہ اللہ کا قول استحسان ہے، ”زلیعی“۔ شاید یہی اس کے مفتی بہ ہونے کا سبب ہے۔ لیکن ”اتقانی“ نے ذکر کیا ہے کہ ”صاحبین“ رحمہ اللہ کی دلیل ضعیف ہے۔ تامل

”البحر“ میں کہا: اختلاف کا فائدہ اس میں ظاہر ہوتا ہے جب اینٹیں اکھٹی کرنے سے پہلے تلف ہو جائیں۔ ”ارم“ صاحب ”رحمہ اللہ“ کے نزدیک یہ مستاجر کے مال سے تلف ہوگا اور ”صاحبین“ رحمہ اللہ کے نزدیک مزدور کے مال سے تلف ہوگا۔ مگر جب کھڑا کرنے سے تلف ہو جائیں تو بالاجماع اجر نہیں ہوگا۔

29454۔ (قوله: أَمَى جَعَلَ بَعْضُهُ عَلَى بَعْضٍ) یعنی خشک ہونے کے بعد۔

29455۔ (قوله: حَتَّى يَعُدَّهُ مَنْصُوبًا) ”مستصفی“ کی عبارت یہ ہے: حتی یسلبه منصوبا عندہ و مشرجا عندہما یہاں تک کہ ”امام صاحب“ رحمہ اللہ کے نزدیک انہیں کھڑا کر کے سپرد کر دے گا اور ”صاحبین“ رحمہ اللہ کے نزدیک ایک دوسرے پر جمع کر کے سپرد کرے گا۔ ”ایضاح“ اور ”مبسوط“ میں اسی طرح ہے۔ شمار کرنا شرط نہیں یہی اولیٰ ہے۔ کیونکہ اگر اس

وَكَذَا الْحَبَالُ وَالْجَوَالِقُ وَالْحَبْرُ عَلَى الْكَاتِبِ وَاشْتِرَاطُ الْوَرَقِ عَلَيْهِ يُفْسِدُهَا ظَهِيرِيَّةٌ (وَمَنْ كَانَ لِعَمَلِهِ أَثَرٌ فِي الْعَيْنِ كَالصَّبَاغِ وَالْقَصَّارِ حَبْسَهَا لِأَجْلِ الْأَجْرِ وَهَلُ الْمُرَادُ بِالْأَثَرِ عَيْنٌ مَمْلُوكَةٌ لِلْعَامِلِ كَالنِّشَاءِ وَالْغِرَاءِ أَمْ مُجَرَّدُ مَا يُعَايَنُ وَيُرَى؟

اسی طرح رسیاں اور بوریاں اس کے ذمہ ہیں۔ روشنائی کاتب کے ذمہ ہے اور کاغذوں کی کاتب پر شرط لگانا اس کو فاسد کر دے گا، ”ظہیریہ“۔ جس کے عمل کا عین میں اثر ہو جیسے رنگ ریز اور دھوبی تو وہ اجر وصول کرنے کے لیے اسے اپنے پاس روک سکتا ہے۔ کیا اثر سے مراد وہ چیز ہے جو عین مملوکہ ہوتا ہے جیسے نشاستہ اور صابن یا مجرد وہ چیز ہے جس کا معاینہ کیا جائے اور اسے دیکھا جائے؟

نے شمار کیے بغیر سپرد کردیا تو اس کے لیے اجر ہوگا جس طرح یہ امر مخفی نہیں، ”بحر“۔ ”اتقانی“ نے ”شرح الطحاوی“ سے اسی کی مثل ذکر کیا ہے جو ”المستصفی“ میں ہے۔ اور سپرد کرنے کی تفسیر یہ بیان کی ہے کہ مستاجر اینٹوں کے درمیان کوئی رکاوٹ نہ چھوڑے۔
29456۔ (قوله: وَاشْتِرَاطُ الْوَرَقِ عَلَيْهِ يُفْسِدُهَا) جہاں تک روشنائی کی شرط لگانے کا تعلق ہے تو یہ اسے فاسد نہ کرے گی۔ ”حموی“۔

وہ عمل جس کا عین میں اثر ہو اس کے سبب اجیر کا عین کو محبوس کرنا جائز ہے
29457۔ (قوله: حَبْسَهَا) یہ فعل ماضی ہے یا مصدر ہے دوسرا مبتدا ہے اس کی خبر محذوف ہے۔ جولہ ہے اور جملہ من کی خبر ہے۔

یہاں ایک اشکال باقی ہے۔ وہ یہ ہے کہ وہ سپرد کرنے کے بعد مطالبہ کا مستحق ہو جاتا ہے جس طرح قول گزر چکا ہے جب وہ اسے روک لے نہ سپرد کرنا پایا گیا اور نہ مطالبہ ہوگا۔ اس اعتراض کو دور کرنا ممکن ہے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ وہ کہے کہ اس کا قول اس بارے میں ہے جو قول گزر چکا ہے جب وہ عمل سے فارغ ہو جائے اور سپرد کر دے تو اسے مطالبہ کا حق ہوگا۔ اس کا مفہوم یہاں منطوق کے ساتھ معطل ہے۔ ”ساحجانی“۔

لیکن اس پر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے اس وقت سپرد کرنے کے ذکر کا کوئی فائدہ نہیں جب کہ علما نے فرمایا: اجرت، سپرد کرنے سے ہی واجب ہوگی۔ اگر وہ چیز اس سے پہلے ہی اس کے ہاتھ میں ہلاک ہوگئی تو اجرت ساقط ہو جائے گی۔ کیونکہ معقود علیہ سپرد نہیں کیا گیا جب کہ وہ عمل کا اثر ہے۔ جس کا کوئی اثر نہ ہو اس کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ اس میں فارغ ہونے کے ساتھ اجر واجب ہو جاتا ہے۔ اور سپرد کرنے کے بعد اسے محبوس کرنے پر محمول کرنا ممکن نہیں اس معنی میں کہ آنے والے قول کی وجہ سے واپس لوٹانے کا حق ہوتا ہے۔ اگر وہ محبوس رکھے اور وہ چیز ضائع ہوگئی تو کوئی اجر نہیں ہوگا ساتھ ہی سپرد کرنے سے اجر واجب ہو جاتا ہے اس بنا پر کہ حکمی طور پر سپرد کرنے کے بعد وہ مستاجر کے گھر میں عمل کرنے کی طرح ہے۔ اسے محبوس کرنے کا حق نہیں ہوگا جس طرح عنقریب اس کا ذکر کریں گے تو حقیقی طور پر سپرد کرنے کے بعد کیا حالت ہوگی۔ ظاہر یہ ہے کہ اس کا فائدہ یہ ہے کہ

قَوْلَانِ أَصْحُهُمَا الثَّانِي فَعَايِلُ الثُّوبِ وَكَاسِيُ الْفُسْتِقِ وَالْحَطْبِ وَالطَّحَّانُ وَالْخَيَّاطُ وَالْخَفَّافُ وَحَالِقُ
رَأْسِ الْعَبْدِ لَهُمْ حُبْسُ الْعَيْنِ بِالْأَجْرِ عَلَى الْأَصَحِّ مُجْتَبَى، وَهَذَا إِذَا كَانَ حَالًا أَمَّا إِذَا كَانَ الْأَجْرُ (مُوجَدًا
فَلَا يَنْدِكَ حَبْسُهَا كَعَمَلِهِ فِي بَيْتِ الْمُسْتَأْجِرِ بِتَسْلِيهِهِ حُكْمًا وَتُضَمَّنُ بِالشَّعْدَى وَلَوْ فِي بَيْتِ الْمُسْتَأْجِرِ
غَايَةً (فَإِنْ حُبْسَ فَضَاعَ فَلَا أَجْرَ وَلَا ضَمَانَ) لِعَدَمِ الشَّعْدَى (وَمَنْ لَا أَثَرَ لِعَمَلِهِ

اس بارے میں دو قول ہیں۔ ان دونوں میں اصح دوسرا قول ہے۔ پس کپڑے دھونے والا، پستہ توڑنے والا، لکڑیاں پھاڑنے والا، آٹا پیسنے والا، درزی، موزے بنانے والا اور غلام کے سر کا حلق کرنے والا ان سب کو اجر کے بدلے میں عین کو محبوس کرنے کا حق ہے۔ یہ اصح قول کے مطابق ہے، ”مجتبیٰ“۔ یہ حکم اس صورت میں ہے جب اجرت فی الحال دینی ہو مگر جب اجرت موجد ہو تو پھر اسے محبوس کرنے کا اختیار نہیں رکھتا جس طرح جو آدمی مستاجر کے گھر میں کام کرتا ہے۔ کیونکہ وہ حکماً اس کو سپرد کر چکا ہوتا ہے۔ تعدی کرنے کی صورت میں وہ ضامن ہوگا اگرچہ وہ مستاجر کے گھر میں ہو، ”غایہ“۔ اگر وہ محبوس کرے اور وہ چیز ضائع ہو جائے تو نہ اجرت ہوگی اور نہ ضمانت ہوگی کیونکہ تعدی نہیں پائی گئی۔ اور جس کے عمل کا اثر نہ ہو

صرف ضمان نہ ہوگی۔ کیونکہ اگر اسے محبوس کرنے کا حق نہ ہوگا تو اس کے بعد ضائع ہونے سے ضامن ہوگا، فلیتأمل۔

29458۔ (قوله: أَصْحُهُمَا الثَّانِي) اسی طرح ”غیر الافکار“ اور ”غایۃ البیان“ میں ”قاضی خان“ کی پیروی میں اسے صحیح قرار دیا ہے۔ ”البحر“ میں کہا ہے: ”نسفی“ نے اپنی ”مستصفی“ میں ”الذخیرہ“ کی طرف منسوب کرتے ہوئے پہلے قول کو صحیح قرار دیا ہے پس تصحیح مختلف ہو گئی۔ پس اس کی ترجیح کی جانی چاہیے۔ ”ہدایہ“ میں اپنے اس قول: و غسل الثوب نظیر الحمل کے ساتھ اسے یقین کے ساتھ بیان کیا ہے۔

29459۔ (قوله: وَالْخَيَّاطُ وَالْخَفَّافُ) یہ اس قول کے مطابق ظاہر روایت ہے کہ دھاگا کپڑے کے مالک کے ذمہ ہوگا۔ یہ صاحب ”ظہیریہ“ کے عرف کے مطابق ہے۔ جہاں تک ان سے ماقبل کے عرف کا معاملہ ہے وہی ہمارا عرف ہے کہ دھاگا خیاط کے ذمہ ہے پس ظاہر نہ ہوگا کیونکہ دھاگا رنگ کی طرح ہے۔ ”سامحانی“۔

29460۔ (قوله: بِالْأَجْرِ) باسببیہ ہے یا علت کے لیے ہے۔

29461۔ (قوله: بِتَسْلِيهِهِ حُكْمًا) کیونکہ کمرہ اس کے قبضہ میں ہے یہ حقیقی طور پر سپرد کرنے کی طرح ہے۔ پس اس کے بعد محبوس کرنے کا مالک نہیں ہوگا۔

29462۔ (قوله: فَإِنْ حُبْسَ) اگر وہ اس میں محبوس کرے جب اجرت فی الحال لازم ہو۔

29463۔ (قوله: لِعَدَمِ الشَّعْدَى) جس طرح وہ پہلے امانت تھا اسی طرح وہ امانت ہی رہے گا۔ یہ ضمانت نہ ہونے کی علت ہے اور اجرت نہ ہونے کی علت مقصود علیہ کا سپرد کرنے سے پہلے ہلاک ہو جانا ہے۔

29464۔ (قوله: وَمَنْ لَا أَثَرَ لِعَمَلِهِ) یعنی جس کے عمل کا اثر نہ ہو اس کا یہ حکم ہے مگر جو بھاگے ہوئے غلام کو واپس

كَالْحَتَالِ عَلَى ظَهْرِ أَوْ دَابَّةٍ (وَالْمَلَّاحِ) وَغَاسِلِ الثَّوْبِ أَوْ لِيَتَطَهَّرَ لَا لِتَحْسِينِهِ مُجْتَبَى فَلْيُحْفَظْ (لَا يَحْبِسُ) الْعَيْنَ لِلْأَجْرِ (فَإِنْ حَبَسَ ضَمَانَ الْغَضَبِ) وَسَيَجِيءُ فِي بَابِهِ (وَصَاحِبُهَا بِالْخِيَارِ إِنْ شَاءَ ضَمَّنَهُ قِيمَتَهَا) أَوْ بَدَلَهَا شَرْعًا (مَحْصُولَةً وَلَهُ الْأَجْرُ، وَإِنْ شَاءَ غَيْرَ مَحْصُولَةٍ وَلَا أَجْرَ جَوْهَرَةً) (وَإِذَا شَرَطَ عَمَلَهُ بِنَفْسِهِ) بِأَنْ يَقُولَ لَهُ أَعْمَلُ بِنَفْسِكَ أَوْ بِيَدِكَ (لَا يَسْتَعْمَلُ غَيْرَهُ

جیسے اپنی پشت پر بوجھ اٹھانے والا یا جانور پر بوجھ لادنے والا اور جیسے ملّاح اور کپڑے کو دھونے والا یعنی اس کو پاک کرنے کے لیے نہ اس کی خوبصورتی کے لیے ”مجتبیٰ“۔ پس اس کو یاد رکھنا چاہیے۔ اجرت لینے کے لیے عین کو مجبوس نہیں کیا جائے گا۔ اگر وہ مجبوس کرے تو وہ غصب کی ضمان کی ضمانت اٹھائے گا۔ عنقریب اس کے باب میں آئے گا۔ اور اس کے صاحب کو اختیار ہوگا اگر چاہے تو اس کی قیمت کی ضمانت لے لے یعنی شرعی طور پر اس کے بدل کی ضمانت لے لے جب کہ اسے اٹھایا گیا ہو اور اس کے لیے اجرت پر ہوا اگر چاہے تو غیر محمولہ کی ضمانت لے لے اور اس کے لیے کوئی اجرت نہ ہوگی، ”جوہرہ“۔ اس کے اپنے عمل کی شرط لگائی۔ اس کی صورت یہ ہے: خود عمل کرنا یا اپنے ہاتھ سے عمل کرنا وہ غیر سے عمل نہیں کرائے گا

لے کر آیا۔ ”ابن کمال“۔

29465۔ (قوله: كَالْحَتَالِ) جیم کی بجائے ح سے لکھنا اولیٰ ہے تاکہ پشت پر بوجھ اٹھانے کو شامل ہو جائے جس طرح اتقانی نے ذکر کیا ہے۔ شارح نے اسی طرف اشارہ کیا ہے۔

29466۔ (قوله: وَالْمَلَّاحِ) یہ لفظ فتح اور تشدید کے ساتھ ہے۔ ملّاح سے مراد کشتی والا۔

29467۔ (قوله: لَا لِتَحْسِينِهِ) مگر جس کے عمل کا اثر ہو کیونکہ سفیدی پوشیدہ تھی جب کہ اس نے اسے ظاہر کر دیا۔ گویا اس نے اس میں سفیدی کو پیدا کیا تو اسے سابقہ اختلاف پر مجبوس کرنے کا حق ہے۔

29468۔ (قوله: وَسَيَجِيءُ فِي بَابِهِ) اس کی وجہ یہ ہے اگر وہ چیز مثلی ہے تو مثلی واجب ہوگی اگر اس کی مثل ختم ہو جائے تو اس کی قیمت لازم ہوگی وہ قضا کے دن کی ہو، غصب کے دن کی ہو یا بازار سے مثل کے منقطع ہونے کے دن کی ہو اسی اختلاف کی بنا پر جو آگے ذکر ہوگا۔ اگر وہ چیز ذوات القیم میں سے ہو تو بالا جماع اس کی قیمت غصب کے دن کی ہوگی۔

29469۔ (قوله: أَوْ بَدَلَهَا) یہ عموم کو ظاہر کرنے کے لیے ہے تاکہ یہ مثلی چیزوں کو شامل ہو جائے، ”ح“۔

29470۔ (قوله: بِأَنْ يَقُولَ لَهُ أَعْمَلُ بِنَفْسِكَ أَوْ بِيَدِكَ) یہ متون کے اطلاق کا ظاہری معنی ہے شروع بھی اسی پر ہیں۔ ”البحر“ اور ”المنح“ میں ”خلاصہ“ سے جو زیادہ قول منقول ہے: ولا تعمل بيد غيرك تو ظاہر یہ ہے کہ یہ تاکید کی زیادتی کے لیے ہے۔ یہ قید احترازی نہیں تاکہ اس کے بغیر یہ اطلاق میں سے ہو جائے۔ تامل

اگر مستاجر یہ شرط لگائے کہ اجیر خود کام کرے گا تو کوئی دوسرا اس کے قائم مقام نہیں ہو سکتا

29471۔ (قوله: لَا يَسْتَعْمَلُ غَيْرَهُ) خواہ اس کا غلام یا مزدور ہو، ”قہستانی“۔ کیونکہ معقود علیہ محل معین میں عمل کرنا

إِلَّا الظُّرْفُ فَلَهَا اسْتِغْمَالٌ غَيْرُهَا، بِشَرْطٍ وَغَيْرِهِ خُلَاصَةٌ (وَإِنْ أَطْلَقَ كَانَ لَهُ) أُنَى لِلْأَجِيرِ أَنْ يَسْتَأْجِرَ غَيْرَهُ، أَفَادَ بِالِاسْتِجَارِ أَنَّهُ لَوْ دَفَعَ لِأَجْنَبِيٍّ ضَمَنَ الْأَوَّلِ

مگر دانی، اسے حق حاصل ہے کہ اپنے علاوہ کسی اور سے کام لے شرط لگائی ہو یا شرط نہ لگائی ہو، ”خلاصہ“۔ اگر وہ مطلقاً عقد کرے تو مزدور کو حق حاصل ہوگا کہ وہ کسی اور کو اجرت پر رکھ لے استجار (اجرت پر لینا) کے ساتھ یہ بیان کیا کہ اگر اس نے کسی اجنبی کو وہ چیز دے دی تو پہلا ضامن ہوگا

ہے پس غیر اس کے قائم مقام نہیں ہوگا جس طرح معقود علیہ منفعت ہو۔ اس کی صورت یہ ہے: وہ ایک آدمی کو ایک ماہ کے لیے خدمت پر لے تو کوئی اور اس کے قائم مقام نہیں ہوگا کیونکہ یہ عقد کے بغیر منفعت کا حصول ہے، ”زیلعی“۔ ”العنایہ“ میں کہا: اس میں تامل ہے کیونکہ اگر وہ خیر کے معاملہ کی مخالفت کرے۔ اس کی صورت یہ ہے: وہ ایسے آدمی سے کام لے جو اس سے زیادہ کاریگر ہو یا ایسا جانور سپرد کرے جو اس سے زیادہ قوی ہو تو چاہیے کہ وہ جائز ہو۔

”سامحانی“ نے یہ جواب دیا: وہ چیز جو مستعمل کے مختلف ہونے سے مختلف ہو جائے تو اس میں قیدگانا مفید ہوگا اور جو کچھ ذکر کیا گیا ہے وہ اسی قبیل سے تعلق رکھتا ہے۔ ”الحنایہ“ میں ہے: اگر وہ اپنے غلام یا اپنے شاگرد کو دے دے تو اجرو واجب نہیں ہوگا۔ نر شتہ تعلیل کے ساتھ اس کا ظاہر معنی یہ ہے کہ کسی سے کام نہ لینے سے مراد یہ نہیں کہ وہ چیز اسے دینا حرام ہے ساتھ ہی اجارہ صحیح ہو، مسمی کا وہ مستحق نکل آئے یا اجارہ فاسد ہو اور وہ اجرت مثلی کا مستحق نکل آئے اور دوسرے کے لیے سامان کے مالک پر کوئی شے لازم نہ ہو۔ کیونکہ دونوں کے درمیان اصلاً عقد موجود نہیں کیا دینے والے پر اس کے لیے اجرت مثلی ہے۔ یہ محل تردد ہے پس کتب کی طرف رجوع کیا جانا چاہیے۔

29472۔ (قوله: بِشَرْطٍ وَغَيْرِهِ) لیکن شارح اجارہ فاسدہ میں ”شرط لالیہ“ سے عنقریب یہ ذکر کریں گے: اگر اس عورت نے وہ چیز اپنی خادمہ کو دے دی یا وہ ایسی عورت کو اجرت پر لے جو اسے دودھ پلائے تو اس کے لیے اجارہ ہوگا۔ مگر جب وہ اس کے دودھ پلانے کی شرط لگائے۔ یہ اصح قول کے مطابق ہے۔ گویا جو قول یہاں ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ انسان کئی عوارض پر پیش کیا جاتا ہے۔ بعض اوقات بچے کو دودھ پلانا اس پر متعذر ہوتا ہے پس ضرر لاحق ہوتا ہے پس یہ شرط لغو ہوگی۔ تامل

29473۔ (قوله: وَإِنْ أَطْلَقَ) یعنی اس کے اپنے ہاتھوں سے کام کرنے کی قید نہ لگائے اور کہا: یہ سہ سہ سے کپڑے پر خط لگا دیا اسے رنگ دو جب کہ مزدوری ایک درہم ہوگی مثلاً کیونکہ مطلق کرنے کے ساتھ وہ غیر کے مثل کے پائے جانے سے راضی ہو گیا ہے، ”قہستانی“۔ اسی میں سے وہ ہے جسے مصنف عنقریب ذکر کریں گے۔

29474۔ (قوله: أَفَادَ بِالِاسْتِجَارِ) مراد ان کا یہ قول ہے یستأجر غیرہ۔

29475۔ (قوله: لِأَجْنَبِيٍّ) یعنی جو مزدور نہ ہو۔ ”ح“۔

29476۔ (قوله: ضَمَنَ الْأَوَّلِ) یعنی جب اسے چوری کر لیا گیا اس میں کوئی اختلاف نہیں۔ ”قہستانی“۔

لَا الثَّانِي، وَبِهِ صَرَخَ فِي الْخُلَاصَةِ، وَقَيَّدَ بِشَرْطِ الْعَمَلِ؛ لِأَنَّهُ لَوْ شَرَطَهُ الْيَوْمَ أَوْ غَدًا فَلَمْ يَفْعَلْ وَطَالَبَهُ مِرَارًا فَفَرَّطَ حَتَّى سُرِقَ لَا يَضُنُّ وَأَجَابَ شَنْسُ الْأَيْتَةِ بِالضَّمَانِ، كَذَا فِي الْخُلَاصَةِ (وَقَوْلُهُ عَلَى أَنْ تَعْمَلَ إِطْلَاقًا) لَا تَقْيِيدٌ مُسْتَصْفًى، فَلَهُ أَنْ يَسْتَأْجِرَ غَيْرَهُ

دوسرا ضامن نہیں ہوگا، ”الخلاصہ“ میں اسی کی تصریح کی ہے۔ عمل کی شرط لگائی ہے کیونکہ اگر وہ آج یا کل کی شرط لگائے اور اس نے وہ عمل نہ کیا اور اس نے مزدور سے بار بار مطالبہ کیا تو اس مزدور نے کوتاہی کی یہاں تک کہ اسے چوری کر لیا گیا تو وہ ضامن نہ ہوگا۔ ”شمس الائمہ“ نے ضمان کے لازم کرنے کے ساتھ جواب دیا ہے۔ ”الخلاصہ“ میں یہ اسی طرح ہے۔ اور اس کا قول ان تعمل تو عمل کرے یہ اطلاق ہے تقييد نہیں ”مستصفي“۔ پس اسے حق حاصل ہوگا کہ وہ کسی اور کو مزدوری پر رکھ لے۔

29477۔ (قوله: لَا الثَّانِي) یہ امام ”ابو حنیفہ“ رحمہ اللہ کے نزدیک ہے۔ اور ”صاحبین“ رحمہ اللہ کے نزدیک اسے دونوں

میں سے جس سے چاہے ضمانت لینے کا اختیار حاصل ہے۔ ”خلاصہ“۔

اگر مستاجر آج یا کل کام کرنے کی شرط لگائے اور مزدور کوتاہی کرے تو اس کا حکم

29478۔ (قوله: وَقَيَّدَ بِشَرْطِ الْعَمَلِ) یعنی سستی کی اور اس مدت میں عمل نہ کیا اور اس کی حفاظت میں کوئی

کوتاہی نہ کی۔

29479۔ (قوله: فَفَرَّطَ) یعنی اس نے تساہل سے کام لیا اور اس مدت میں کام نہ کیا اور اسکی حفاظت میں کوتاہی نہ کی۔

29480۔ (قوله: لَا يَضُنُّ) گویا اس کی وجہ یہ ہے کہ الیوم کا لفظ مثلاً جلدی کرنے کے لیے ہے۔ ”ط“۔

29481۔ (قوله: وَأَجَابَ شَنْسُ الْأَيْتَةِ) اس قول کا ظاہر یہ ہے کہ مراد صرف یہی عمل ہے کیونکہ قابل اعتماد قول پہلا

ہے کیونکہ شمس الائمہ اس جواب میں منفرد ہیں۔ ”ط“۔

میں کہتا ہوں: ”جامع الفصولین“ میں ہے: بخاری کے ائمہ سے ایک دھوبی کے بارے میں فتویٰ طلب کیا جس پر یہ شرط

لگائی گئی تھی کہ وہ آج عمل سے فارغ ہو جائے پس وہ فارغ نہ ہوا اور وہ چیز اگلے دن تلف ہو گئی۔

ان ائمہ نے جواب دیا: وہ ضامن ہوگا۔ اس کی مثل ”الذخیرہ“ سے نقل کیا گیا پھر ”فتاویٰ دیناری“ سے نقل کیا گیا: اگر وہ

دونوں آپس میں اختلاف کریں تو چاہیے کہ دھوبی کی تصدیق کی جائے۔ کیونکہ وہ شرط اور ضمان کا انکار کرتا ہے اور دوسرا اس کا

دعویٰ کرتا ہے پھر اگر وہ شرط لگائے اور چند دنوں کے بعد وہ کپڑے دھو دے تو چاہیے کہ اجرت واجب نہ ہو۔ کیونکہ عقد اجارہ

باقی نہیں رہا اس کی دلیل یہ ہے کہ اگر وہ ہلاک ہو جائے تو ضمان واجب ہوگی اور وہ اس طرح ہو گیا کہ اگر وہ کپڑے کا انکار

کرے پھر انکار کے بعد دھلا ہوا سے لے آئے۔

29482۔ (قوله: إِطْلَاقًا) یعنی اس کا حکم اطلاق کا حکم ہے۔ ”ح“۔

(اَسْتَأْجَرُهُ لِيَأْتِيَ بِعِيَالِهِ فَمَاتَ بَعْضُهُمْ فَجَاءَ بِنْتُ بَقِي فَلَهُ أَجْرُهُ بِحَسَابِهِ) : لِأَنَّهُ أَوْفَى بَعْضَ الْمَعْقُودِ عَلَيْهِ، وَقَيَّدَ بِقَوْلِهِ (لَوْ كَانُوا) أَيْ عِيَالُهُ (مَعْلُومِينَ) أَيْ لِلْعَاقِدَيْنِ لِيَكُونَ الْأَجْرُ مُقَابِلًا بِجُنْدَتِهِمْ (وَأَلَّا) يَكُونُوا مَعْلُومِينَ (فَكُلُّهُ) أَيْ لَهُ كُلُّ الْأَجْرِ

ایک آدمی نے کسی کو اجرت پر لیا تا کہ وہ اس کے عیال لے آئے تو ان میں سے بعض فوت ہو گئے تو جو باقی تھے ان کو لے آیا تو اس مزدور کے لیے اس کے حساب سے اجرت ہوگی۔ کیونکہ اس نے بعض معقود علیہ کو پورا کیا اور اپنے اس قول: لو کانوا معلومین کے ساتھ قید لگائی ہے یعنی اس کے عیال دونوں متعاقدین کو معلوم تھے تا کہ اجرت ان سب کے مقابل ہو اگر عیال معلوم نہ ہوں تو مزدور کے لیے مکمل اجرت ہوگی۔

29483۔ (قوله: فَمَاتَ بَعْضُهُمْ الخ) اگر سب مر جائیں تو اصلاً اجرت نہ ہوگی۔ کیونکہ جس امر پر عقد کیا گیا تھا وہ

ان کو لانا تھا جو نہیں پایا گیا۔ ”رہی“۔

کسی کو اجرت پر لیا گیا تا کہ وہ اس کے عیال لے آئے پھر ان میں سے کوئی فوت ہو جائے تو اجرت کا حکم 29484۔ (قوله: فَلَهُ أَجْرُهُ بِحَسَابِهِ) یعنی آنے کی اجرت جہاں تک جانے کی اجرت کا تعلق ہے تو وہ کامل ہوگی۔ ”مقدس“ نے ”کفایہ“ سے نقل کیا ہے۔ ”سامحانی“۔

میں کہتے ہوں: ”معراج“ میں ”ہدایہ“ کی عبارت نقل کرنے کے بعد کہا: وہ یہ ہے اس نے اجرت پر لیا تا کہ اسے بصرہ لے جائے اور اس کے عیال کو لے آئے الخ۔ یہ ”ہندوانی“ کا پسندیدہ نقطہ نظر ہے۔ ”فضلی“ سے یہ مروی ہے: شہر میں اسے اجرت پر لیا گیا تا کہ دیہات سے گندم اٹھالائے وہ آدمی مر گیا اور گندم نہ پائی اور واپس آ گیا اگر اس نے کہا تھا: میں نے تجھے اجرت پر لیا ہے یہاں تک کہ تو دیہات سے لے آئے تو کوئی شے واجب نہ ہوگی۔ کیونکہ پہلی صورت میں عقد دو چیزوں پر ہے دیہات کی طرف جانا اور وہاں سے گندم اٹھالانا۔ اور دوسری میں اٹھانے کی شرط ہے جب کہ وہ شرط نہیں پائی گئی تو کوئی شے واجب نہ ہوگی۔ ”ذخیرۃ“ اور ”تمرتاشی“ میں اسی طرح ہے۔ اس کی مثل ”تمیین“ میں ”ہدایہ“ سے مروی ہے۔ متون کا خلاصہ یہ ہے کہ ”ہندوانی“ کے قول کو اختیار کیا گیا ہے۔ پس غور کرنا چاہیے کہ ”ہدایہ“ کی عبارت کی بنا پر کیا فرق ہے۔ کیونکہ اس میں دو چیزوں پر اجارہ کا عقد ہوا ہے۔ ہاں مصنف کی عبارت ”کنز“ کی طرح ظاہر ہے۔ شاید جانے کی تصریح قید نہیں پس فرق نہ ہو ہو گیا، ”تاتر خانیہ“ میں جو قول ہے وہ اس کی تائید کرتا ہے: ایک آدمی نے مزدور کو اجرت پر لیا تا کہ مٹمورہ (تہہ خانہ) سے اس کے لیے اتنی اٹھالائے وہ گیا اور اس نے مٹمورہ نہ پایا تو وہ آدمی نصف اجرت کا مستحق ہو جائے گا اس تعبیر کی بنا پر اگر تمام عیال فوت ہو جائیں تو جانے کا اجر واجب ہو جائے گا۔ یہ اس کے مخالف ہے جو ہم نے پہلے ”رہی“ سے بیان کیا ہے۔ قائل

29485۔ (قوله: لِلْعَاقِدَيْنِ) یا مزدور کے لیے ان کی تعداد ذکر کی۔ ”شرنبالیہ“۔

29486۔ (قوله: أَيْ لَهُ كُلُّ الْأَجْرِ) ”قبستانی“ میں ہے: اگر وہ سب مجہول ہوں تو اجارہ فاسد ہو جائے گا اور اجرت

وَنَقَلَ ابْنُ الْكَمَالِ إِنْ كَانَتْ الْمَوْنَةُ تَقِلُّ بِنُقْصَانِ عَدَدِهِمْ فَبِحِسَابِهِ وَإِلَّا فَكُلُّهُ اسْتَأْجَرَ رَجُلًا لِإِيصَالِ
 (خط) أَمَى كِتَابٍ (أَوْ زَادَ إِلَى زَيْدٍ، إِنْ رَدَّه) أَمَى الْمَكْتُوبِ أَوْ الزَّادَ (لِمَوْتِهِ) أَمَى زَيْدٍ (أَوْ غَيْبَتِهِ لَا شَيْءَ لَهُ)؛
 لِأَنَّهُ نَقَضَهُ بِعَوْدِهِ كَالْخِيَاطِ إِذَا خَاطَ ثُمَّ فَتَقَ وَفِي الْخَاتِمَةِ اسْتَأْجَرَهُ لِيَذْهَبَ لِمَوْضِعٍ كَذَا

”ابن کمال“ نے نقل کیا ہے۔ اگر ان کی تعداد کے کم ہونے سے مؤنت کم ہو جاتی ہے تو مزدوری اسی حساب سے ہوگی ورنہ پوری مزدوری ہوگی۔ ایک آدمی کو اجرت پر لیا تا کہ وہ مکتوب یا زاد زید تک پہنچائے اگر اس نے مکتوب یا زاد زید کی موت کی وجہ سے واپس کر دیا یا اس کے غائب ہونے کی وجہ سے واپس کر دیا تو اس کے لیے کوئی شے نہ ہوگی۔ کیونکہ اسے واپس کر کے اپنے عقد کو توڑ دیا جس طرح ایک درزی جب کپڑا سے پھر اس کو ادھیڑ دے۔ ”الخانیہ“ میں ہے: ایک آدمی نے کسی کو اجرت پر لیا کہ معین اجرت پر فلاں جگہ جائے

مثلی لازم ہو جائے گی۔ اگر یہاں کل کو اجرت مثلی کے کلی پر محمول کیا جائے تو تنافی زائل ہو جائے گی۔ ”ط“۔

29487۔ (قوله: إِنْ كَانَتْ الْمَوْنَةُ تَقِلُّ) یہ مصنف کے قول: فله اجرة بحسابه کے لیے قید ہے یہ امام ”ہندوانی“

سے منقول ہے۔

29488۔ (قوله: وَإِلَّا فَكُلُّهُ) جس طرح فوت ہونے والی چیز چھوٹی ہو یا وہ کشتی کرایہ پر لینے کے بارے میں تھی

کیونکہ اس میں عدد کے نقصان سے فرق ظاہر نہیں ہوتا اگرچہ کبار کی جانب سے ہو۔ یہ اس وقت ہوتا ہے جب اجرت پر لینا اس لیے ہو کہ وہ ان سب کو اٹھا لائے اگر اجرت پر لینا اس لیے ہو کہ ان کی سنگت اختیار کرے اور بوجھ اٹھانا مرسل پر ہو یا محل قریب ہو جب کہ وہ سب پیدل ہو یا محل بعید ہو اور انہیں چلنے پر قدرت ہو تو اس پر سب اجرت لازم ہو جائے گی۔ کیونکہ جماعت کی مصاجت ایک فرد کے کم ہونے یا دو فردوں کے کم ہونے سے کم نہیں ہوتی مگر جب وہ سب غلام ہوں تو ان میں سے بعض کی حفاظت تمام کی حفاظت سے کم ہوتی ہے۔ ”حموی“، بحث۔ ”ط“۔

اگر کوئی کسی آدمی کو زاد یا مکتوب زید تک پہنچانے کے لیے اجرت پر لے تو اس کا حکم

29489۔ (قوله: لِإِيصَالِ قِطِّ) قط قاف کے کسرہ اور طا کی تشدید کے ساتھ ہے مراد ایسی شے پہنچانا جس میں

مؤنت نہ ہو (بعض نسخوں میں خط کا لفظ ہے) اور ان کا قول او زاد یعنی جس کو پہنچانے میں مؤنت ہو۔

29490۔ (قوله: لَا شَيْءَ لَهُ) یعنی آنے اور جانے کی اجرت نہیں ہوگی۔ جہاں تک زاد کا تعلق ہے تو اس میں کسی کا

کوئی اختلاف نہیں اور مکتوب کا معاملہ ہو تو شیخین کے نزدیک کوئی اجرت نہ ہوگی۔ جہاں تک امام ”محمد“ رحمہ اللہ کا تعلق ہے تو

جانے کی اجرت واجب ہے خواہ جواب لانے کی شرط لگائی ہو یا نہ لگائی ہو جس طرح ”نہایہ“ وغیرہ میں ہے۔ اور یہ ظن میں سے

ہے کہ جواب لانے کی قید ضروری ہے یہاں تک امام ”محمد“ رحمہ اللہ کا اختلاف ثابت ہو۔ اگر وہ یہ قید نہ لگائے تو چاہیے کہ امام

”محمد“ رحمہ اللہ کے نزدیک مکمل اجرت ہو۔ ”قہستانی“۔

وَيَدْعُو فُلَانًا بِأَجْرِ مُسْتَى فَذَهَبَ لِلْمَوْضِعِ فَلَمْ يَجِدْ فُلَانًا وَجَبَ الْأَجْرُ (فَإِذَا دَفَعَ الْخَطَّ إِلَى وَرَثَتِهِ) فِي صُورَةِ الْمَوْتِ (أَوْ مَنْ يُسَلَّمُ إِلَيْهِ إِذَا حَضَرَ) فِي صُورَةِ غَيْبَتِهِ (وَجَبَ الْأَجْرُ بِالدَّهَابِ) وَهُوَ نِصْفُ الْأَجْرِ الْمُسْتَى كَذَا فِي الدَّرَرِ وَالْغَرَرِ، وَتَبِعَهُ الْمُصَنِّفُ،

اور فلاں کو بلا لائے وہ آدمی اس جگہ گیا اور فلاں کو نہ پایا تو اجرت واجب ہو جائے گی۔ جب موت کی صورت میں اس نے خط اس کے ورثاء کے حوالے کر دیا یا اس کے حوالے کر دیا جو اس کے آنے پر اس کے حوالے کر دے یہ اس صورت میں ہے جب وہ غائب ہو تو جانے کا اجر واجب ہو گا وہ معین کیے گئے اجر کا نصف ہے۔ ”الدرر“ اور ”الغرر“ میں اسی طرح ہے۔ مصنف نے اس کی پیروی کی ہے

میں کہتا ہوں: ہاں لیکن اس کی قید لگانا آنے والے مسئلہ جو ”الدرر“ سے لیا گیا ہے کو دیکھتے ہوئے واجب ہے جس طرح ”جامع صغیر“، ”ہدایہ“ اور ”کنز“ میں واقع ہے جس طرح عنقریب یہ ظاہر ہو گا۔ اختلاف کی بنیاد امام ”محمد“ رضی اللہ عنہ اور شیخین کے درمیان ہے۔ امام ”محمد“ رضی اللہ عنہ کے نزدیک اجرت مسافت طے کرنے کی بنا پر ہے۔ کیونکہ اس میں مشقت ہے مکتوب اٹھانے کی وجہ سے نہیں۔

شیخین کے نزدیک دونوں منتقل کرنے کی بنا پر ہے۔ کیونکہ یہ مقصود کا وسیلہ ہے وہ وہاں کھانا رکھنا ہے اور کتاب میں جو کچھ ہے اس میں آگاہی حاصل کرنا ہے۔ جب اس نے اسے رد کر دیا تو اس نے معقود علیہ کو توڑ دیا۔

29491۔ (قوله: وَيَدْعُو فُلَانًا) ”قاضی خان“ نے رسالہ پہنچانے کی یہ صورت بیان کی ہے اور اس میں اور مکتوب پہنچانے کے مسئلہ میں یہ فرق بیان کیا کہ رسالہ کبھی مخفی ہوتا ہے مرسل اس پر راضی نہیں ہوتا کہ کوئی دوسرا اس پر مطلع ہو۔ جہاں تک مکتوب کا تعلق ہوتا ہے تو وہ مختوم ہوتا ہے اگر وہ اسے سر بمبر چھوڑے تو کوئی دوسرا اس پر مطلع نہیں ہو گا۔ ”حلوانی“ نے اسے یقین سے بیان کیا ہے کہ رسالہ اور مکتوب حکم میں برابر ہیں۔ شارح نے اس کے بلانے کو رسالہ کی طرح قرار دیا ہے۔

میں کہتا ہوں: یعنی یہ اس کے افراد میں سے ہے تامل۔ شارحین نے یہ ذکر کیا ہے: اگر وہ اس کو پائے اور اس کو رسالہ نہ پہنچائے اور لوٹ آئے تو اس کے لیے بالا جماع اجر ہو گا۔ اس کی وجہ یہ ہے جس طرح ”زیلعی“ نے ”الحیط“ سے نقل کیا ہے کہ اجر قطع مسافت کی وجہ سے ہے۔ کیونکہ یہ اس کی وسعت میں ہے۔ جہاں تک رسالہ (پیغام) سنانے کا تعلق ہے، یہ اس کی وسعت میں نہیں پس اجرت اس کے مقابل نہ ہوگی۔ فلیتأمل

29492۔ (قوله: وَجَبَ الْأَجْرُ بِالدَّهَابِ) یعنی جانے کا اجر بالا جماع واجب ہو گا جس طرح ”اتقنی“ وغیرہ نے اسے ذکر کیا ہے۔

29493۔ (قوله: وَهُوَ نِصْفُ الْأَجْرِ الْمُسْتَى) ”عزمیہ“ میں اس پر اعتراض کیا ہے کہ یہ بیش غلطی ہے۔ کیونکہ جانے کی اجرت اور آنے کی اجرت مناصفہ کے طریقہ پر برابر ہواں چیزوں میں سے جس پر اتفاق نہیں ہو سکتا۔ ہم نے ان کے علاوہ میں اس عبارت کو نہیں پایا۔

وَلَكِنْ تَعَقُّبُهُ الْمُحْسُنُونَ وَعَوَّلُوا عَلَى لُزُومِ كُلِّ الْأَجْرِ، لَكِنْ فِي الْقَهْصَتَيْنِ عَنِ النَّهْيَةِ أَنَّهُ إِنْ شَرَطَ الْمَجِيءَ بِالْجَوَابِ فَنِصْفُهُ وَإِلَّا فَكُلُّهُ فَلْيَكُنِ التَّوْفِيقُ (وَإِنْ وَجَدَهُ وَلَمْ يُوَصِّلْهُ إِلَيْهِ لَمْ يَجِبْ لَهُ شَيْءٌ) لَا تَتَفَاءُ الْمَعْقُودُ عَلَيْهِ وَهُوَ الْإِيصَالُ وَاخْتَلَفَ فِيمَا لَوْ مَزَقَهُ (مُتَوَلَّى أَرْضِ الْوَقْفِ آجَرَهَا

لیکن محشیوں نے اس پر اعتراض کیا ہے اور اس پر اعتماد کیا کہ پورا اجر لازم ہوگا۔ لیکن ”قہستانی“ میں ”النہایہ“ سے مروی ہے: اگر اس نے جواب لانے کی شرط لگائی تھی تو نصف اجرت ہوگی ورنہ پوری اجرت ہوگی۔ پس اس طرح تطبیق ہو جائے گی۔ اگر اس نے اس متعلقہ شخص کو پایا اور اسے مکتوب نہ پہنچایا تو کوئی شے واجب نہ ہوگی۔ کیونکہ معقود علیہ نہیں پایا گیا جو پہچانا ہے اگر وہ اس کو پھاڑ دے تو اس میں اختلاف کیا ہے۔ وقف کی زمین کے متولی نے اجرت

29494۔ (قوله: وَلَكِنْ تَعَقُّبُهُ الْمُحْسُنُونَ الْخ) جس طرح ”وانی“ اور ”شرنبالی“ ہے۔ ”شرنبالیہ“ میں ہے:

اس میں اعتراض کی گنجائش ہے بلکہ اس کے لیے اجر کامل ہوگا۔ کیونکہ مقصود پہنچانا ہے کوئی اور مقصود نہیں جب کہ وہ مقصد پایا گیا پس نصف نصف کرنے کی کیا وجہ ہو سکتی ہے؟ جب کہ متن تمام اجر کے وجوب پر صادق آتا ہے اس مسئلہ کی صورت صاحب ”المواہب“ نے کتاب الاستیجار میں بیان کیا ہے کہ مقصود پیغام پہنچانا اور جواب لانا ہوتا ہے۔

29495۔ (قوله: عَنِ النَّهْيَةِ) اس کی تصریح اس کے علاوہ میں کی ہے۔

29496۔ (قوله: فَلْيَكُنِ التَّوْفِيقُ) لیکن یہ صاحب ”الدرر“ پر اعتراض کو ختم نہیں کرتا۔ کیونکہ پہلے جواب کے

لانے کی قید نہیں لگائی اور دوسری دفعہ نصف اجر کی قید لگائی ہے۔

اگر اجیر مکتوب کو پھاڑ دے تو اس کی اجرت کا حکم

29497۔ (قوله: وَاخْتَلَفَ فِيمَا لَوْ مَزَقَهُ) ”الحانیہ“ میں کہا: علما کے قول میں اس کے لیے اجر ہے۔ کیونکہ اس نے

اپنے عمل میں نقص پیدا نہیں کیا۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: جب اس نے اسے پھاڑ دیا تو چاہیے کہ اجر واجب نہ ہو۔ کیونکہ جب اس نے وہاں اسے چھوڑ دیا تو مکتوب الیہ کا وارث اس سے نفع حاصل کر سکتا ہے پس غرض حاصل ہو جاتی ہے۔ تمزیق کا معاملہ مختلف ہے۔ نظر و فکر کا مقتضا یہ ہے کہ جب اس نے مکتوب پہنچانے کے بعد اسے پھاڑ دیا تو اس کے لیے جانے کا اجر ہوگا۔ اگر اس سے پہلے اسے پھاڑ دیا تو اس کے لیے کوئی اجر نہ ہوگا۔ پس اس کی وضاحت کی جانی چاہیے۔ ”ط“۔

میں کہتا ہوں: ”حانیہ“ کا قول ہے: اس کے لیے اجر ہوگا یعنی جانے کا اجر ہوگا جس طرح ”قہستانی“ کی عبارت اس کو بیان کرتی ہے جب کہ یہ ظاہر ہے یہ حکم اس وقت ہے جب اس نے جواب لانے کی شرط ذکر کی ہو۔ چاہیے کہ اس میں غور و فکر کیا جائے۔ اگر مکتوب الیہ اسے پھاڑ دے یا مکتوب الیہ اسے جواب نہ دے جب کہ جواب لانے کی شرط لگائی گئی تھی کیا اس کے لیے نصف اجر ہوگا یا تمام اجر ہوگا؟ کیونکہ مکتوب الیہ نے جو کچھ کیا ہے وہ معنا جواب ہے۔ پس اس کی وضاحت کی جانی چاہیے۔

بِغَيْرِ أَجْرِ الْبِشْلِ يُلْزَمُ مُسْتَأْجِرُهَا) أَيْ مُسْتَأْجِرُ أَرْضِ الْوَقْفِ لَا الْمُتَوَلَّى كَمَا غَلِطَ فِيهِ بَعْضُهُمْ (تَسَامُ أَجْرُ الْبِشْلِ) عَلَى الْمُفْتَى بِهِ كَمَا فِي الْبَحْرِ عَنِ التَّلْخِصِ وَغَيْرِهِ، وَكَذَا حُكْمُ وَصِيِّ وَأَبٍ كَمَا فِي مَجْمَعِ الْفَتَاوَى (يُفْتَى بِالضَّحَانِ فِي غَضَبِ عَقَارِ الْوَقْفِ وَغَضَبِ مَنَافِعِهِ، وَكَذَا يُفْتَى بِكُلِّ مَا هُوَ أَنْفَعُ لِلْوَقْفِ) فِيمَا اخْتَلَفَ فِيهِ الْعُلَمَاءُ

مثلی کے بغیر زمین اجرت پردی تو مکمل اجرت مثلی وقف کی زمین کے مستاجر پر لازم ہوگی متولی پر لازم نہ ہوگی جس طرح اس میں بعض علماء نے غلطی کی ہے۔ یہ مفتی بہ قول کے مطابق ہے جس طرح ”البحر“ میں ”تلخیص“ وغیرہ سے مروی ہے۔ وصی اور باپ کا حکم اسی طرح ہے جس طرح ”مجمع الفتاویٰ“ میں ہے۔ وقف کی جائیداد کے غصب کرنے میں اور اس کے منافع کے غصب میں ضمان کا فتویٰ دیا جاتا ہے۔ اسی طرح ہر وہ چیز جو وقف کے لیے زیادہ نافع ہو اس کا فتویٰ دیا جاتا ہے جس میں علماء اختلاف کریں

29498۔ (قوله: بِغَيْرِ أَجْرِ الْبِشْلِ) زیادہ بہتر قول بدون اجر البشلی ہے۔ کیونکہ غیر اکثر پر واقع ہوتا ہے اگرچہ

مقام، مراد کو معین کر دیتا ہے۔

29499۔ (قوله: كَمَا غَلِطَ فِيهِ بَعْضُهُمْ) ”البحر“ میں کہا: ”الخلاصہ“ میں ایک ایسی عبارت ہے جو اس امر کا وہم

دلاتی ہے تو ناظر مکمل اجرت مثلی کا ضامن ہوگا۔ کہا: وقف کے متولی نے اجرت مثلی کے علاوہ پر وقف شدہ چیز اجرت پردی اس پر مکمل اجرت مثلی لازم ہوگی۔ شیخ ”قاسم“ نے اپنے ”فتاویٰ“ میں اس کا رد کیا ہے کہ ضمیر مستاجر کی طرف لوثی ہے اس پر وہ قول دلالت کرتا ہے جسے ملخص ”الفتاویٰ الکبریٰ“ میں ذکر کیا ہے: ہمارے بعض علماء کے نزدیک اس کے مستاجر پر مکمل اجرت مثلی لازم ہوگی۔ اسی پر فتویٰ ہے۔ ”الذخیرہ“ میں ہے: اگر مستاجر اسے سپرد کر دے تو اس پر اجرت مثلی لازم ہوگی وہ کہاں تک پہنچے جس طرح مشائخ میں سے متاخرین نے اختیار کیا ہے۔ ملخص

29500۔ (قوله: وَكَذَا حُكْمُ وَصِيِّ وَأَبٍ) یعنی جب دونوں نے بچے کی جائیداد اجرت مثلی کے بغیر اجرت پردی اور

مستاجر نے اسے اپنے قبضہ میں لے لیا تو اس پر مکمل اجرت لازم ہوگی۔ ”ط“۔

29501۔ (قوله: فِي غَضَبِ عَقَارِ الْوَقْفِ) ”الولوالحمیہ“ میں کہا: عتقار کے غصب اور وقف شدہ چیز کے غصب میں

ضمان لازم ہونے کا فتویٰ دیا گیا ہے یہ وقف کو پیش نظر رکھنے کی بنا پر ہے جب اس پر قیمت کو لازم کیا گیا تو اس سے قیمت وصول کی جائے گی اور اس قیمت کے ساتھ ایک اور جاگیر خریدی جائے گی جو پہلے وقف کے طریقہ پر ہوگی۔ اسے ”شرح تنویر الافہان“ میں ذکر کیا ہے۔ ”ط“۔

29502۔ (قوله: وَغَضَبِ مَنَافِعِهِ) ”جامع الفصولین“ میں کہا: ایک آدمی نے گھر خریدا پھر یہ ظاہر ہوا کہ یہ وقف

ہے یا صغیر کی ملکیت ہے تو اس پر اجرت مثلی لازم ہوگا تا کہ دونوں کے مال کی حفاظت ہو اور مفتی بہ قول کے مقابل وہ ہے جسے

حَتَّى نَقْضُوا الْإِجَارَةَ عِنْدَ الزِّيَادَةِ الْفَاحِشَةِ نَظَرًا لِلتَّوَقُّفِ وَصِيَانَةً لِحَقِّ اللَّهِ تَعَالَى حَاوِي الْقُدْسِيِّ (مَاتَ
الْأَجْرُ وَعَلَيْهِ دُيُونٌ) حَتَّى فُسِّخَ الْعَقْدُ بَعْدَ تَعْجِيلِ الْبَدَلِ (فَالْمُسْتَأْجِرُ لَوْ الْعَيْنُ فِي يَدِهِ وَلَوْ بَعْدَ
فَاسِدِ أَشْبَاهٍ) (أَحَقُّ بِالْمُسْتَأْجِرِ مِنْ غُرْمَائِهِ) حَتَّى يَسْتَوْفِيَ الْأَجْرَةَ الْمُعَجَّلَةَ (إِلَّا أَنَّهُ لَا يَسْقُطُ الدَّيْنُ
بِهَلَاكِهِ) أَمَّا بِهَلَاكِ هَذَا الْمُسْتَأْجِرِ؛ لِأَنَّهُ لَيْسَ بِرَهْنٍ مِنْ كُلِّ وَجْهِ (بِخِلَافِ الرَّهْنِ) فَإِنَّهُ مَضْمُونٌ بِأَقْلٍ
مِنْ قِيَمَتِهِ وَمِنْ الدَّيْنِ

یہاں تک کہ زیادہ فاحشہ کی صورت میں اجارہ کو ختم کر دیا۔ یہ وقف کے منافع پیش نظر رکھنے اور اللہ تعالیٰ کے حق کی حفاظت کے
پیش نظر کیا ہے، ”حاوی القدسی“۔ آجرفوت ہو گیا جب کہ اس پر دیون ہوں یہاں تک عقد بدل کی تعجیل کے ساتھ فسخ ہو گیا تو
مستاجر، اگر عین اس کے قبضہ میں ہوا اگرچہ عقد فاسد کے ساتھ ہو ”اشباہ“، مستاجر کا اس کے غرما کی بنسبت زیادہ حقدار ہوگا یہاں
تک کہ وہ اجرت معجلہ پوری پوری لے لے لے مگر اس مستاجر کے ہلاک ہونے کے ساتھ دین ساقط نہیں ہوگا۔ کیونکہ یہ ہر اعتبار سے
رہن نہیں۔ رہن کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ وہ اس کی اپنی قسمت اور دین سے جو کم ہو اس کے بدلے میں اس کی ضمانت ہوگی

عمدہ میں صحیح قرار دیا ہے کہ اس کے منافع کی ضمانت نہ ہوگی۔ ”القنیہ“ میں اس کی پیروی کی ہے۔ ملخص

29503۔ (قوله: عِنْدَ الزِّيَادَةِ الْفَاحِشَةِ) یعنی بغیر سرکشی کے اجرت مثلی سے زیادتی کے وقت جس طرح قریب ہی

آئے گا۔ ”ط“۔

29504۔ (قوله: وَصِيَانَةً لِحَقِّ اللَّهِ تَعَالَى) کیونکہ وقف سے مراد عین کو محبوس کرنا اور اس کی منفعت کو اللہ تعالیٰ کی

رضا کی خاطر صدقہ کرنا ہے۔

29505۔ (قوله: حَتَّى فُسِّخَ الْعَقْدُ) یعنی موت کے سبب عقد فسخ ہو جائے بعض نسخوں میں حتیٰ کی جگہ متی ہے۔

اگر فسخ کی جگہ انفسخ کا لفظ ذکر کرتے تو یہ زیادہ بہتر ہوتا۔

29506۔ (قوله: لَوْ الْعَيْنُ فِي يَدِهِ) یعنی اگر عین موجدہ مستاجر کے ہاتھ میں مقبوض ہو، ”جامع الفصولین“ میں کہا:

ایک آدمی نے ایک کمرہ اجارہ فاسدہ کے ساتھ اجرت پر لیا اور اجرت پہلے دے دی اور کمرے پر قبضہ نہ کیا یہاں تک کہ موجدہ
مرگیا یا مدت ختم ہو گئی تو اس نے ارادہ کیا پہلے ادا کی گئی اجرت کے بدلے میں کمرے کو محبوس کرے جب کہ جائز اجارہ میں
اسے یہ حق نہیں تو اجارہ فاسد میں بطور اولیٰ جائز نہیں ہوگا۔ اگر مقبوض صحیح ہو یا مقبوض فاسد ہو تو اپنی پہلے ادا کی گئی اجرت کے
بدلے میں اسے محبوس رکھنے کا حق ہوگا۔ اگر موجدہ مر جائے تو مستاجر اس کی ثمن کا زیادہ مستحق ہوگا یعنی جب موجدہ مر جائے اور اس
کے ذمہ مستاجر کے علاوہ افراد کے دیون ہوں تو گھر بیچا گیا تو مستاجر دوسرے غرما کی بنسبت ثمن کا زیادہ حق دار ہوگا اگر ثمن
اجرت معجلہ کی مقدار کا ہو۔ اگر ثمن زائد ہو تو زائد دوسرے قرض خواہوں کی ہوگی۔ ”ابوسعود علی الاشباہ“۔

29507۔ (قوله: بِأَقْلٍ مِنْ قِيَمَتِهِ وَمِنْ الدَّيْنِ) یہ فاسد ترکیب ہے۔ صحیح یہ ہے: بِالْأَقْلِ مِنْ قِيَمَتِهِ وَمِنْ

کَمَا سَيَجِيءُ فِي بَابِهِ مَجْمَعُ الْفَتَاوَى فُرُوعُ الزِّيَادَةِ فِي الْأَجْرَةِ مِنَ الْمُسْتَأْجِرِ تَصَحُّحُ فِي الْمُدَّةِ وَبَعْدَهَا وَأَمَّا الزِّيَادَةُ عَلَى الْمُسْتَأْجِرِ، فَإِنَّ فِي الْمِلْكِ وَلَوْلِيَّتِهِمْ لَمْ تُقْبَلْ كَمَا لَوْ رَخِصَتْ،

جس طرح اس کے باب میں آئے گا۔ ”مجمع الفتاویٰ“۔ فروع: مستاجر کی جانب سے اجرت میں زیادتی مدت میں اور مدت کے بعد صحیح ہوتی ہے۔ جہاں تک مستاجر کی زیادتی کا تعلق ہے اگر یہ زیادتی ملک میں ہو اگرچہ یتیم کے لیے ہو تو زیادتی مقبول نہ ہوگی جس طرح اگر اجرت ارزاں ہو جائے۔

الدین، تو من بیانہ ہوگا تفصیلیہ نہیں ہوگا، ”ح“۔ کیونکہ اس نے تقاضا کیا کہ مضمون ایسی شے ہے جو ان دونوں سے اقل ہے جب کہ وہ ان دونوں کے علاوہ ہے جب کہ وہ ان دونوں میں سے ایک ہے یہی اقل ہے۔ تامل مستاجر کی طرف سے اجرت میں زیادتی مدت میں اور مدت کے بعد صحیح ہوتی ہے

29508۔ (قوله: تَصَحُّحُ) اگر زیادتی اس جنس کے خلاف ہو جس پر اس نے اسے اجرت پر لیا ہے اگر اس کی جنس سے ہو تو

پھر جائز نہیں۔ مؤجر کی جانب سے زیادتی کا معاملہ مختلف ہے پس مطلقاً جائز ہے۔ ”طحاوی“ نے ”ہندیہ“ سے نقل کیا ہے۔ تخص 29509۔ (قوله: بَعْدَهَا) صحیح لا بعدھا ہے جس طرح ”الاشباہ“ اور ”المنح“ میں ہے۔ کیونکہ عقد کا محل فوت ہو چکا

ہے۔ مراد تمام مدت کے گزر جانے کے بعد ہے۔ جب بعض مدت گزر جائے تو ”خزانة الاكمل“ میں کہا: اگر ایک آدمی نے ایک گھردو ماہ کے لیے اجرت پر لیا یا سواری اجرت پر لی تاکہ دو فرسخ اس پر سوار ہو جب وہ اس میں ایک ماہ رہا یا ایک فرسخ سفر کیا تو اجرت میں زیادتی کرے قیاس یہ ہے کہ باقی کے لیے زیادتی کا اعتبار کیا جائے۔ امام ”محمد“ رحمہ اللہ نے اسے استحسان قرار دیا ہے اور اسے باقی پر تقسیم کیا ہے۔ ”ابوسعود“ نے ”بیری“ سے اسے نقل کیا ہے۔

29510۔ (قوله: وَلَوْلِيَّتِهِمْ) ”الاشباہ“ کی عبارت ہے: یہ اپنے عموم کی وجہ سے یتیم کے مال کو جامع ہے۔ ”حموی“

نے کہا: ”الاسعاف“ میں وقف اور یتیم کے مال میں برابری کی ہے۔ کیونکہ کہا: اگر مشرف نے وقف کی زمین کو یا یتیم کے وصی نے اجرت مثلی کے بغیر مکان اجرت پر دیا۔ ابن ”فضل“ نے کہا: چاہیے کہ مستاجر غاصب ہو۔ ”خصاف“ نے ذکر کیا ہے: وہ غاصب نہیں ہوگا اس پر اجرت مثلی لازم ہوگی۔ ”جوہرہ“ میں یہ تصریح کی ہے کہ یتیم کی زمین وقف کی طرح ہے۔

میں کہتا ہوں: شارح نے چند سطور پہلے اس کا ذکر کیا ہے لیکن ہم جس بارے میں گفتگو کر رہے ہیں وہ اس کا غیر ہے۔ جس طرح ذہین و فطین پر یہ امر مخفی نہیں۔ کیونکہ جس سے استشہاد کیا گیا ہے اس بارے میں ہے اجرت مثلی کے بغیر اجرت پر دیا گیا ہو اور ہماری گفتگو اس زیادتی کے بارے میں ہے جو عقد کے بعد ہو فرق صبح روشن کی طرح ہے۔

29511۔ (قوله: لَمْ تُقْبَلْ) ”الاشباہ“ میں کہا: مطلقاً یعنی مدت سے پہلے اور اس کے بعد۔

29512۔ (قوله: كَمَا لَوْ رَخِصَتْ) یعنی عقد کے بعد اجرت میں کمی واقعی ہوگئی تو عقد فسخ نہیں ہوگا کیونکہ مستاجر اس پر

راضی ہو گیا ہے۔

وَإِنْ فِي الْوَقْفِ فَإِنَّ الْإِجَارَةَ فَاسِدَةٌ أَجَرَهَا النَّاطِرُ بِلا عَرَضٍ عَلَى الْأَوَّلِ لَكِنَّ الْأَصْلَ صَحَّتْهَا بِأَجْرِ الْبِثْلِ وَلَوْ ادَّعَى رَجُلٌ أَنَّهَا بَغْبُنٌ فَاحِشٌ، فَإِنْ أَخْبَرَ الْقَاضِيَ ذُو خُبْرَةٍ أَنَّهَا كَذَلِكَ فَسَخَّهَا وَتَقَبَّلُ الزِّيَادَةُ

اگر زیادتی وقف میں ہو اگر اجارہ فاسد ہو تو نگران پہلے پر پیش کیے بغیر اس چیز کو اجارہ پردے دے۔ لیکن اصل یہ ہے کہ اجرت مثلی کے ساتھ اجارہ صحیح ہوگا۔ اگر ایک آدمی دعویٰ کرے کہ اجارہ غبن فاحش کے ساتھ ہے اگر باخبر قاضی اس کی خبر دے کہ یہ معاملہ اس طرح ہے تو وہ اس کو فسخ کر دے اور زیادتی کو قبول کیا جائے گا

29513۔ (قوله: فَإِنَّ الْإِجَارَةَ فَاسِدَةٌ الْخ) عنقریب سوادہ کے آخر میں آئے گا۔ اگر اس نے اجرت پر دیا ایسی

اجرت کے بدلے میں جس میں لوگ غبن نہیں کرتے تو وہ اجارہ فاسد ہو جائے گا۔ پس وہ پہلے کو اسے اجرت صحیحہ پردے دے گا یا کسی اور کو اجرت مثلی پردے دے گا الخ۔ یہ اس میں صریح ہے کہ اگر فساد غبن فاحش کے سبب سے تھا تو اسے پہلے پر پیش کرنا لازم نہیں۔ ”العمادیہ“ میں اس کے خلاف ہے۔ لیکن ”حاشیۃ الاشباہ“ میں ذکر کیا ہے کہ عام کتابوں میں جو ہے وہ پہلا ہے۔

29514۔ (قوله: لَكِنَّ الْأَصْلَ صَحَّتْهَا بِأَجْرِ الْبِثْلِ) ”الاشباہ“ میں یہ اسی طرح ہے۔ بعض نسخوں میں الاصح

ہے۔ الاستدراک کا معنی یہ ہے کہ کلام وقف میں مستاجر پر زیادتی ہے۔ اور ان کا قول: فان الاجارة فاسدة الخ مجمل کلام ہے۔ کیونکہ یہ احتمال موجود ہے کہ مراد اجارہ کا فساد اس سبب سے ہے کہ اجرت عقد کے وقت اجرت مثلی کے بغیر ہو۔ پس اگر وہ اس وجہ سے اس کے فساد کا دعویٰ کرے تو نگران پہلے پر پیش کیے بغیر اسے اجرت پردے دے۔ کیونکہ اس کا کوئی حق نہیں پس اس پر استدراک کیا۔ کیونکہ مقام تفصیل کا محتاج ہے۔ وہ یہ ہے کہ اصل یہ ہے کہ اجارہ اجرت مثلی کے ساتھ صحیح ہو۔ پس محض زیادتی کا دعویٰ قبول نہیں ہوگا بلکہ اگر صرف اکیلا قاضی اس کی خبر دے تو اسے قبول کیا جائے گا آخر تک جسے شارح نے ثابت کیا ہے۔ اس عبارت کی وضاحت میں ”الاشباہ“ کے محشیوں اور دوسرے علماء کی آراء میں اضطراب ہے۔ یہ امر میرے لیے ظاہر ہوا ہے، فلیناظر۔ پھر میں نے ”انفع المسائل“ میں دیکھا ان کی کلام کی اسی طرح وضاحت کی ہے اس تعبیر کی بنا پر یہ مناسب تھا کہ قول ولو ادعی میں واو کی بجائے فا کا لفظ تفریع کے لیے ذکر کرتے۔

29515۔ (قوله: بَغْبُنٌ فَاحِشٌ) اس سے مراد وہ ہے جو قیمت لگانے والوں کی قیمت کے تحت داخل نہ ہو یہ مختار

تفسیر میں ہے۔ اس کی تفصیل علامہ ”قنلی زادہ“ کے رسالہ میں ہے۔

29516۔ (قوله: فَإِنْ أَخْبَرَ الْخ) یعنی قاضی اس مدعی کے قول کو قبول نہیں کرے گا۔ کیونکہ اس پر یہ تہمت ہے کہ وہ

اسے اجرت پر لینا چاہتا ہے اگر وہ اجنبی ہو یا اس سے خلاصی دلانا چاہتا ہے اور پہلے مستاجر کے علاوہ کسی اور کو اجارہ پر دینا چاہتا ہے۔ اگر وہ عاقد ہو جب کہ عقود میں اصل یہ ہے کہ وہ صحیح ہوتے ہیں۔

29517۔ (قوله: ذُو خُبْرَةٍ) اس قول نے یہ فائدہ دیا کہ ایک کافی ہے۔ یہ شیخین کے نزدیک ہے۔ امام ”محمد“ رحمۃ اللہ علیہ

نے اس سے اختلاف کیا ہے۔ ”اشباہ“۔

وَإِنْ شَهِدُوا وَقَّتِ الْعُقْدُ أَنَّهَا بِأَجْرِ الْمِثْلِ، وَإِلَّا فَإِنْ كَانَتْ إِضْرَارًا وَتَعَثُّتًا لَمْ تُقْبَلْ، وَإِنْ كَانَتْ الزِّيَادَةُ أَجْرَ الْمِثْلِ فَالْمُخْتَارُ قَبُولُهَا

اگرچہ وہ عقد کے وقت یہ شہادت دیں کہ یہ اجارہ اجرت مثلی کے ساتھ ہے ورنہ اگر تکلیف پہنچانا اور تعنت ہو تو اجارہ کو قبول نہ کیا جائے گا اگر زیادتی اجرت مثلی ہو تو مختار یہ ہے کہ اسے قبول کیا جائے گا

29518۔ (قوله: وَإِنْ شَهِدُوا إلخ) اسے ماقبل کلام کے ساتھ جوڑا ہے۔ سوادہ کے آخر میں ”حانوتی“ سے ایسا قول آئے گا جو اس کے مخالف ہے مگر شہادت سے یہ ارادہ کیا جائے جو قضا کے ساتھ متصل نہ ہو۔ یہ اس کی جانب سے ہے جو اس کی رائے رکھتا ہے۔ اس کی مکمل وضاحت وہاں آئے گی۔

29519۔ (قوله: وَإِلَّا) یعنی اگر باخبر اس کو خبر نہ دے کہ یہ اجارہ غبن فاحش کے ساتھ واقع ہوا ہے تو اس میں تفصیل ہے۔ یہ معنی میں ان کے قول: فان الاجارة فاسدة کے مقابل ہے۔ کیونکہ وہ اس وقت صحیح ہے پس کلام دو قسموں پر مکمل ہوئی۔

29520۔ (قوله: إِضْرَارًا وَتَعَثُّتًا) ”ابن نجیم“ نے اپنے فتاویٰ میں اس کی تفسیر اس زیادتی کے ساتھ کی ہے جسے ایک یادو آدمی ہی قبول کرتے ہیں۔ ”ینایج“ میں ہے: بعض لوگوں نے اس کی اجرت میں اضافہ کیا تو ان کی طرف توجہ نہ کی جائے گی شاید وہ متعنت ہو۔ ”ط“۔

29521۔ (قوله: وَإِنْ كَانَتْ الزِّيَادَةُ أَجْرَ الْمِثْلِ) ”الاشباہ“ کی عبارت لام کی زیادتی کے ساتھ ہے۔ بعض نسخوں میں یہ اس طرح ہے۔ مراد یہ ہے کہ اجرت فی نفسہ زائد ہو۔ کیونکہ سب کے نزدیک اس کا بھاؤ زیادہ ہے مگر جب اجرت مثل زیادہ ہو جائے۔ کیونکہ لوگ اسے اجارہ پر لینے میں زیادہ رغبت رکھتے ہیں تو پھر نہیں جس طرح ”عینی“ کی ”شرح الجمع“ میں ہے۔ ”حموی“ اس کی مثل ”شرح ابن الملک“ میں ہے۔

میں کہتا ہوں: یہ غیر معقول ہے کیونکہ اگر اجرت مثلاً گندم ہو اور مدت کے دوران اس کی قیمت بڑھ جائے جس طرح ”ابن ملک“ نے اس کی مثال دی ہے۔ پس اجارہ ختم کرنے کی کیا وجہ ہو سکتی ہے؟ بلکہ مراد یہ ہے کہ اجرت مثلی رغبتوں کی زیادتی کی وجہ سے زائد ہو جائے جس طرح مذہب کے مشائخ کی عبارات میں واقع ہوا ہے۔ ”ابوسعود“ کے ”حاشیہ الاشباہ“ میں علامہ ”بیری“ سے منقول ہے جس کا حاصل یہ ہے: نفس اجرت میں بھاؤ کی زیادتی کا اعتبار نہ ہوگا۔ کیونکہ اجارہ ختم کرنے میں نہ وقف کا کوئی فائدہ اور مصلحت ہے اور نہ ہی مستحقین کا کوئی فائدہ اور مصلحت ہے جس طرح علامہ ”طرابلسی“ نے اپنے ”فتاویٰ“ میں بیان کیا ہے جو ”شرح الجمع“ میں ہے اس کے ساتھ رد کر دیا گیا ہے۔ اور اسے ان مواضع میں سے بنایا ہے جن میں ان پر تنقید کی گئی ہے۔

اجرت مثلی کی زیادتی سے مراد

ایک شے باقی رہ گئی ہے جس پر تنبیہ کرنا واجب ہے وہ یہ ہے کہ اجرت مثلی کی زیادتی سے کیا مراد ہے؟ ہم کہتے ہیں: ان

فَيَفْسَخُهَا الْمُتَوَلَّى، فَإِنْ اُمْتَنَعَ فَالْقَاضِي

پس متولی اس کو فسخ کر دے گا۔ اگر وہ فسخ کرنے سے رک جائے تو قاضی اس کو فسخ کر دے گا۔

کی غالب کلام میں زیادتی مطلق واقع ہوئی ہے۔ علماء نے کہا: جب وہ رغبتوں کی زیادتی کے ساتھ زائد ہو جائے۔ ”حاوی القدسی“ کی عبارت میں واقع ہے۔ زیادت فاحشہ کے وقت اجارہ ٹوٹ جاتا ہے۔ ”البحر“ کے کتاب الوقف میں ہے: فاحشہ کی قید لگانا اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ تھوڑی سی زیادتی کے ساتھ اجارہ نہیں ٹوٹتا۔ شاید فاحشہ سے مراد وہ ہے جس میں لوگ غبن نہیں کرتے جس طرح نقصان کی طرف میں ہوتا ہے۔ کیونکہ یہ اجرت مثلی کی بجائے جائز ہے اگر وہ غبن تھوڑا سا ہو۔ دس میں ایک ایسا ہے جس میں لوگ غبن کرتے ہیں جس طرح علماء نے کتاب الوکالہ میں اس کا ذکر کیا ہے۔ یہ اچھی قید ہے جس کی حفاظت کرنا واجب ہے جب گھر کی اجرت مثلاً دس ہو اس نے اجرت مثلی پر ایک کا اضافہ کر دیا تو اجارہ نہیں ٹوٹے گا جس طرح متولی نو پر وہ اجارہ پردے دے تو اجارہ نہیں ٹوٹے گا۔ دونوں طرفوں میں دو درہموں کا معاملہ مختلف ہے۔

میں کہتا ہوں: لیکن ”حاوی حصیری“ میں تصریح کی ہے جس طرح ان سے ”بیری“ وغیرہ نے نقل کیا ہے: زیادت فاحشہ کی مقدار یہ ہے کہ اس کا نصف جس کے ساتھ پہلے اجرت پر دیا گیا ہو علامہ ”قنلی زادہ“ نے اسے نقل کیا ہے۔ پھر اس نے کہا: ہم نے اسے کسی اور کے ہاں نہیں دیکھا۔

حق یہ ہے کہ جس میں غبن نہیں کیا جاتا تو وہ زیادت فاحشہ ہے وہ نصف ہو یا چوتھائی۔ ایک اور موقع پر کہا: کیا وہ دو روایتیں ہیں یا عام کی مراد بھی وہی ہے جو ”حصیری“ نے ذکر کیا ہے؟ ہم سے پہلے کسی نے اس کی وضاحت نہیں کی۔ میں کہتا ہوں: ان کی دوسری کلام زیادہ قابل قبول ہے۔ کیونکہ اس پر بطلان کے حکم کے لیے برہان ضروری ہے کہ اصل یہ ہے کہ روایت متعدد نہ ہو۔ پس عام کی کلام کو اس پر محمول کیا جائے گا جب تک صراحت اس کے خلاف پر نقل موجود نہ ہو۔ پس وہ مجبور ہوئے کہ انہیں دو روایتیں بنادے۔ علامہ ”بیری“ وغیرہ نے اسے ثابت رکھا ہے جس کا ذکر امام ”حصیری“ نے کیا ہے اور ”حامد“ میں ان کی پیروی کی ہے اس شاندار فائدہ کو یاد رکھو۔

29522۔ (قوله: فَيَفْسَخُهَا الْمُتَوَلَّى الخ) علامہ ”قنلی زادہ“ نے کہا: کیا مراد یہ ہے کہ قاضی فسخ کر دے یا متولی فسخ

کرے اور قاضی اس کا حکم دے؟ متقدمین نے اس کی وضاحت نہیں کی۔ صاحب ”انفع المسائل“ نے اس کا ذکر کیا اور دوسرے قول کو یقین سے بیان کیا جب نگران اس سے رک جائے تو قاضی اس کو فسخ کر دے گا۔

میں کہتا ہوں: فسخ کا قول دو روایتوں میں سے ایک روایت ہے۔ عنقریب یہ قول آئے گا کہ یہی مفتی بہ قول ہے۔ پھر یہ جان لو کہ شارح نے یہاں فسخ کو مطلق ذکر کیا ہے ساتھ ہی بعد میں اس کی تفصیل بیان کی ہے۔

تفصیل کا حاصل یہ ہے: جس پر اجارہ واقع ہو وہ اس سے خالی نہیں ہوگا یا تو وہ ایسی زمین ہوگی جو زیادتی کے وقت مستاجر کی ملک سے فارغ ہو جس طرح گھر، دکان اور سلیخہ زمین یا مستاجر کی ملک میں مشغول ہوگی جس طرح وہ اس میں کوئی

ثُمَّ يُوجَرُّهَا مِمَّنْ زَادَ فَإِنْ كَانَتْ دَارًا أَوْ حَانُوتًا أَوْ أَرْضًا فَارِغَةً عَرَضَهَا عَلَى الْمُسْتَأْجِرِ، فَإِنْ قَبِلَهَا فَهُوَ أَحَقُّ وَلَزِمَهُ الزِّيَادَةُ مِنْ وَقْتِ قَبُولِهَا فَقَطْ، وَإِنْ أَنْكَرَ زِيَادَةَ أَجْرِ الْمِثْلِ وَادَّعَى أَنَّهَا إِضْرَارٌ

پھر اس کو اجرت پردے دے گا جو اس میں زیادتی کرے۔ اگر وہ گھر، دکان یا فارغ زمین ہو جسے وہ مستاجر پر پیش کرے اگر وہ اسے قبول کرے تو وہ زیادہ مستحق ہوگا اور اس پر زیادتی صرف قبول کرنے کے وقت سے لازم ہوگی۔ اگر وہ اجرت مثلی کی زیادتی کا انکار کر دے اور یہ دعویٰ کر دے کہ یہ تو ضرر پہنچانا ہے

فصل کاشت کرے اس میں عمارت بنائے یا اس میں درخت لگائے۔ پہلی وجہ صورت میں متولی اس کو فسخ کر دے اور اسے کسی اور کو اجرت پردے دے اگر وہ اس زیادتی کو قبول نہ کرے جو اس کے ثبوت کے بعد لاحق ہوئی۔

دوسری صورت میں، اگر وہ مدت میں اسے کاشت کرے تو وہ زمین کسی اور کو نہ دی جائے گی، اگرچہ پوری ہو چکی ہو، جب تک کھیتی کو کاٹ نہ لیا جائے بلکہ اس وقت سے فصل کاٹنے تک زیادتی کو اس کے ساتھ ملا دیا جائے گا۔ کیونکہ اس کی ملک میں زمین کا مشغول ہونا کسی اور کو اجارہ پردینے سے مانع ہے جس طرح آگے آئے گا۔ اگر اس نے اس میں کوئی عمارت بنائی یا اس میں کوئی درخت لگایا اگر مدت فارغ ہو چکی تھی جس طرح اس نے مہینہ کے لیے اسے اجرت پر لیا تھا مہینہ مزر گیا تھا تو اجارہ فسخ کر دے اور کسی اور کو اجرت پردے دے اگر وہ زیادتی کو قبول نہ کرے۔ اگر مدت باقی ہو تو وہ زمین کسی اور کو اجرت پر نہ دی جائے گی اس وجہ سے جو ہم نے قول کیا ہے کہ اس زمین کا اس کی ملک میں مشغول ہونا، مانع ہے بلکہ اس پر زیادتی کو دیا جائے گا جس طرح مزرعہ زمین میں گزر چکا ہے۔ لیکن یہاں صرف عقد کی انتہا تک اجارہ باقی رہے گا۔ کیونکہ عمارت اور درخت لگانے کی انتہا معلوم نہیں۔ کھیتی کا معاملہ مختلف ہے۔ یہ اس کا خلاصہ ہے جو شارح نے ”الاشباہ“ کی اتباع میں ذکر کیا ہے۔ یہ ”انفع المسائل“ سے ماخوذ ہے۔ وہ اسے ”بدائع“ وغیرہ سے دلالت اور صراحة نقل کرتے ہیں۔ پھر یہ امر مخفی نہیں کہ اس پر زیادتی کا ملنا یہ اس وقت ہے جب وہ راضی ہو۔ ورنہ اگر اس کا اخیڑنا وقف کو نقصان نہ دیتا ہو تو یہ کچھ نقصان نہیں دے گا اور وقف کی حفاظت کی خاطر کسی اور کو اجارہ پردے دیا جائے گا۔ یہ سب اس وقت ہے جب زمین کی اجرت فی نفسہا بڑھ جائے نہ کہ عمارت بنانے سے بڑھے مثلاً ورنہ اس پر زیادتی کو اصلاً شامل نہیں کیا جائے گا۔ کیونکہ زیادتی اس کی ملک میں حاصل ہوئی ہے جس طرح یہ ظاہر ہے۔

29523۔ (قوله: ثُمَّ يُوجَرُّهَا مِمَّنْ زَادَ) زیادہ بہتر یہ ہے کہ اس کو حذف کر دیا جائے تاکہ مذکورہ تفصیل اس سے باہر

آئے جس طرح صاحب ”البحر“ نے کتاب الوقف میں کیا ہے اگرچہ ”الاشباہ“ میں تعبیر کیا ہے جس طرح یہاں ہے۔

29524۔ (قوله: عَرَضَهَا عَلَى الْمُسْتَأْجِرِ) اجارہ فاسدہ میں پیش نہ کرے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس میں بھی

اسے پیش کرے گا۔ ”ط“۔

29525۔ (قوله: فَقَطْ) یعنی پہلی مدت سے اضافہ لازم نہیں ہوگا، ”اشباہ“۔ بلکہ اول وقت سے اجارہ کے فسخ ہونے

تک اجر مسکمی لازم ہوگا۔

فَلَا بُدَّ مِنَ الْبُزْهَانِ عَلَيْهِ، وَإِنْ لَمْ يَقْبَلْهَا آجَرَهَا الْبُتُولَى، وَإِنْ كَانَتْ مَزْرُوعَةً لَمْ تَصَحَّ إِجَارَتُهَا لِغَيْرِ
صَاحِبِ الزَّرْعِ لِكُنْ تَضُمُّ عَلَيْهِ الزِّيَادَةُ مِنْ وَقْتِهَا، وَإِنْ كَانَ بَنَى أَوْ عَرَسَ، فَإِنْ كَانَ اسْتَأْجَرَهَا مُشَاهَرَةً
فَإِنَّهَا تُوَجَّرُ لِغَيْرِهِ إِذَا فَرَغَ الشَّهْرُ إِنْ لَمْ يَقْبَلْهَا لِانْعِقَادِهَا عِنْدَ رَأْسِ كُلِّ شَهْرٍ، وَالْبِنَاءُ يَتِمُّ لَكُمُ النَّظَرُ
بِقِيَمَتِهِ مُسْتَحَقَّ الْقَدَحِ

تو اس پر دلیل لانا ضروری ہوگا۔ اگر وہ اس زیادتی کو قبول نہ کرے تو متولی اسے اجرت پر دے دے گا اگر اس زمین میں کھیتی
کاشت کی گئی ہو تو کھیتی والے کے علاوہ کو وہ زمین اجارہ کے طور پر دینا صحیح نہیں لیکن زیادتی اس کے وقت سے ملا دی جائے
گی۔ اگر اس نے اس زمین میں کوئی عمارت بنائی یا اس میں درخت لگایا اگر اس نے اسے مہینہ کے لحاظ سے اجرت پر لیا تھا
تو وہ زمین کسی اور کو اجرت پر دے دی جائے گی جب مہینہ نکل جائے گا۔ اگر وہ اس زیادتی کو قبول نہ کرے کیونکہ اجارہ ہر
مہینہ کے اختتام پر شروع ہوتا ہے اور نگران اس عمارت کا وقف کے لیے مالک ہو جائے گا اس قیمت کے ساتھ جو اس کا اکھیر
دینے سے لازم ہوتی ہے

29526۔ (قوله: عَلَيْهِ) یعنی منکر پر کیونکہ زیادتی ثابت ہے۔ کیونکہ قول اس کا معتبر ہوتا ہے اور گواہیاں مدعی کے
ذمہ ہیں اصل یہ ہے کہ وہ چیز باقی ہو جو پہلے تھی۔ ”حموی“۔ ظاہر یہ ہے کہ یہ امام ”محمد“ رحمہ اللہ کے قول کے مطابق ہے۔ کیونکہ یہ
قول گزر چکا ہے کہ شیخین کے نزدیک ایک کافی ہے۔ تامل

29527۔ (قوله: لَمْ تَصَحَّ إِجَارَتُهَا لِغَيْرِ صَاحِبِ الزَّرْعِ) یعنی اگر حق کے بدلے میں مزروع ہو۔ اگر حق کے
بدلے میں نہ ہو جیسے غاصب اور اجارہ فاسدہ کی بنا پر اجارہ کرنے والا یہ اجارہ کے مانع نہیں جس طرح ”ظہیریہ“ اور ”سراجیہ“
میں ہے کیونکہ یہ تسلیم کے مانع نہیں، ”بحر“۔ شارح اس کا ذکر کریں گے اور ایک ورق بعد متن میں آجائے گا۔

29528۔ (قوله: مِنْ وَقْتِهَا) یعنی زیادتی کے وقت سے اور اس سے قبل جو گزر چکا ہے مسمیٰ میں سے اسی حساب
سے واجب ہوگا جس طرح ”البحر“ میں ہے۔

29529۔ (قوله: فَإِنْ كَانَ اسْتَأْجَرَهَا مُشَاهَرَةً) اس تعبیر میں مسامحت ہے۔ کیونکہ یہ آنے والے قول: وان كانت
المدة باقية الخ کے مقابل ہے مناسب تھا یہ قول کرتے: فان كانت المدة قد فرغت فانها توجر لغيره ان لم يقبلها۔ لم
يقبلها میں ہاضمیر سے مراد زیادہ ہے۔ لیکن جب مہینہ قلیل مدت ہے۔ تو یوں ہو گیا گویا مدت نکل گئی اگر اس نے مہینہ کے
اعتبار سے اجرت پر وہ چیز ہر ماہ اتنے کے بدلے میں لی تو عقد ایک مہینہ میں صحیح ہوگا اور باقی ماندہ میں عقد فاسد ہو جائے گا جس
کی وضاحت آنے والے باب میں آئے گی۔

29530۔ (قوله: وَالْبِنَاءُ يَتِمُّ لَكُمُ النَّظَرُ بِقِيَمَتِهِ) یعنی مستاجر پر جبر کرتے ہوئے اس کا مالک بن جائے گا
اگرچہ اس کا اکھیر نازمین کو نقصان دے جس طرح اس کی وضاحت قریب ہی آئے گی۔

29531۔ (قوله: مُسْتَحَقَّ الْقَدَحِ) اس کی وضاحت آنے والے باب میں آئے گی۔

لِلْوَقْفِ أَوْ يَصْبِرُ حَتَّى يَتَخَلَّصَ بِنَاوُهُ وَإِنْ كَانَتْ الْمُدَّةُ بَاقِيَةً لَمْ تُوجَرَ لِغَيْرِهِ وَإِنَّمَا تُضْمُ عَلَيْهِ الزِّيَادَةُ كَالزِّيَادَةِ وَبِهَا زَرْعٌ وَأَمَّا إِذَا زَادَ أَجْرُ الْمِثْلِ فِي نَفْسِهِ مِنْ غَيْرِ أَنْ يَزِيدَ أَحَدٌ فَلِلْمُتَوَلَّى فَسْخُهَا وَعَلَيْهِ الْفَتْوَى، وَمَا لَمْ تَفْسَخْ كَانَ عَلَى الْمُسْتَأْجِرِ الْمُسَمَّى أَشْبَاهًا مَعْنِيًا لِلصُّغْرَى قُلْتُ وَظَاهِرُ قَوْلِهِ الْبِنَاءُ يَتِمُّ لَكَ النَّاضِرُ الْخُ أَنَّهُ يَتِمُّ لَكَ لِحِجَةِ الْوَقْفِ قَهْرًا عَلَى صَاحِبِهِ، وَهَذَا لَوْ الْأَرْضُ تَنْقُصُ بِالْقَدْحِ

یا مستاجر صبر کرے یہاں تک کہ اس کی عمارت خلاصی پالے (یعنی عمارت کا جو ملکہ ہو اس کو استعمال میں لائے)۔ اگر مدت باقی ہو تو کسی اور کو اجرت پر نہ دے گا اس پر زیادتی کو ملا دیا جائے گا جس طرح اس زیادتی کو ملا دیا جاتا ہے جب اس میں کمی ہو مگر جب زیادتی فی نفسہ بڑھ جائے جب کہ کسی نے اس میں اضافہ نہ کیا تو متولی کو اس کے فسخ کرنے کا اختیار ہوگا اس پر فتویٰ ہے۔ جب اسے فسخ نہ کیا جائے تو مستاجر پر مسمی ہوگا، ”الاشباہ“۔ جب کہ قول صغریٰ کی طرف منسوب ہے۔ میں کہتا ہوں: ان کے قول: البناء یتسلک الناضر کا ظاہر معنی یہ ہے وہ وقف کی جہت سے مستاجر پر قہراً مالک بن جائے گا۔ یہ اس صورت میں ہے جب اکھیڑنے سے زمین میں نقص واقع ہوتا ہو

29532۔ (قوله: لِلْوَقْفِ) یہ ان کے قول یتسلک کے متعلق ہے۔

29533۔ (قوله: أَوْ يَصْبِرُ الْخ) یعنی جب نگران اس پر راضی ہو اگر اکھیڑنا نقصان دیتا ہو۔ کیونکہ اس وقت نگران کو اس میں خیار ہوگا کہ وہ مستاجر پر جبر کرتے ہوئے مالک بن جائے اور اس میں خیار ہوگا کہ وہ عمارت کو چھوڑے رہے یہاں تک مستاجر کی عمارت زمین سے خلاصی پا جائے جب بھی کوئی شے اس سے گرے گی تو وہ نگران مستاجر کے حوالے کر دے گا۔ یہ اس پر مبنی ہے جو شروح سے آئے گا۔ ہاں اگر وہ نقصان نہ دے تو خیار مستاجر کو ہوگا جس طرح اس کی وضاحت آئے گی۔

اگر وقف کی عمارت میں زیادتی فی نفسہ بڑھ جائے تو متولی کو فسخ کرنے کا اختیار ہوگا

29534۔ (قوله: وَأَمَّا إِذَا زَادَ الْخ) اس سے ان کا سابقہ قول وان كانت الزيادة اجر المثل غنی کر دیتا ہے، ”ط“۔ اس قول کی تصحیح لفظ فتویٰ کے ساتھ کی گئی ہے جس طرح یہاں لفظ مختار سے کی گئی ہے اور لفظ اصح سے کی گئی ہے جس طرح کتاب الوقف میں ہے۔ پس یہی قبل اعتماد ہوگا اگرچہ ”اسعاف“، ”تاثر خانیہ“ اور ”خانیہ“ میں اس کے خلاف پر گامزن ہوئے ہیں۔ انہوں نے کہا: اجرت مثلی کا اعتبار عقد کے وقت معتبر ہوگا۔ پس اس کے بعد زیادتی کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔ یہ سن ہم نے پہلے جو ”حصیری“ سے نقل کیا ہے اس سے تو جان چکا ہوگا کہ زیادتی سے کیا مراد ہے۔

29535۔ (قوله: قُلْتُ الْخ) مصنف کی اصل بحث ”المنح“ میں ہے جسے پہلے باب میں قول: فلو آجرها المتولی اکثر لم تصح کے تحت ذکر کیا ہے۔

29536۔ (قوله: أَنَّهُ يَتِمُّ لَكَ) یعنی اگر نگران کا ارادہ کرے ورنہ اسے ترک کیا جائے گا یہاں تک عمارت اس سے خلاصی پائے پس مالک اسے (ملکہ کو) لے لے گا۔

وَالْأَشْرَاطُ رِضَاهُ كَمَا فِي عَامَّةِ الشُّرُوحِ مِنْهَا الْبَحْرُ وَالْمِنْحُ، وَإِنْ صَحَّ فَيَعُولُ عَلَيْهَا؛ لِأَنَّهَا الْمَوْضُوعَةُ
لِنَقْلِ الْمَذْهَبِ بِخِلَافِ نَقُولِ الْفَتَاوَى

ورنہ اس کی رضا شرط ہوگی جس طرح عام شروح میں ہے۔ ان میں سے ”البحر“ اور ”المنح“ ہیں۔ اگر یہ صحیح ہے تو اسی پر اعتماد کیا جائے گا۔ کیونکہ یہی مذہب کو نقل کرنے کے لیے موضوع ہے۔ فتاویٰ کی نقول کا معاملہ مختلف ہے۔

29537۔ (قولہ: كَمَا فِي عَامَّةِ الشُّرُوحِ) یعنی ”ہدایہ“، ”کنز“ وغیرہما کی شروح میں سے ہے۔ انہوں نے اس کا ذکر کرنے والے باب میں قول: الا ان يغمر له الموجر قيسته مقلوعا کے تحت ذکر کیا ہے۔ یہی متون کی عبارت کا مفہوم بھی ہے یہ اپنے اطلاق کی وجہ سے ملک اور وقف کو شامل ہوگا جس طرح مصنف نے اس پر متنبہ کیا ہے۔

29538۔ (قولہ: بِخِلَافِ نَقُولِ الْفَتَاوَى) ان میں ”الحیظ“، ”التجنیس“، ”الخانیہ“ اور ”العمادیہ“ ہے۔ کیونکہ علما نے کہا: اگر وہ نقصان دیتا ہو تو مستاجر اسے اٹھا نہیں لے جائے گا بلکہ یا تو وہ اس پر راضی ہوگا کہ وقف کا نگران اس کا مالک بن جائے ورنہ مستاجر صبر کرے یہاں تک کہ اس کی مملوکہ چیز اس سے جدا ہو جائے۔ کیونکہ اس کی رضا مندی کے بغیر مالک بننا جائز نہیں۔ ان میں سے وہ بھی ہے جسے شارح نے ”فتاویٰ مؤید زادہ“ سے ذکر کیا ہے۔

اس کا حاصل یہ ہے کہ علماء نے خیار کا حق مستاجر کو دیا ہے اگرچہ اکھیر نا نقصان دیتا ہو اصحاب شروح نے خیار نگران کو دیا ہے اگر اکھیر نا نقصان دیتا ہو ورنہ خیار مستاجر کو ہوگا۔ پھر یہ حکم اس وقت ہے جب عمارت متولی کی اجازت کے بغیر بنائی ہو۔ اگر اجازت سے بنائی ہو تو وہ عمارت وقف کی ہوگی اور عمارت بنانے والا متولی سے اس پر ہونے والا خرچہ واپس لے گا جس طرح ”فتاویٰ ابولیسٹ“ میں ہے۔ ظاہر یہ ہے کہ عمارت بنانے کی اجازت سے یہ ارادہ کیا ہے کہ یہ عمارت وقف کی ہوگی۔ اگر اس نے اپنے لیے بنائی اور اس پر گواہ بنائے تو اس وقت وقف کے لیے نہ ہوگی جس طرح علامہ ”قنلی زادہ“ نے بیان کیا ہے۔

میں کہتا ہوں: آنے والے باب میں آئے گا کہ مستاجر کو حق حاصل ہے کہ مدت گزرنے کے بعد مستاجر کو حق حاصل ہے کہ وہ عمارت اور درختوں کو جبراً رکھے اگر یہ عمل وقف کو نقصان نہ دے۔ یہ اس کے مخالف ہے جو پہلے شروح سے گزر چکا ہے اور جو پہلے فتاویٰ سے گزر چکا ہے اور متون سے جو آئے گا جس طرح ہم عنقریب اس پر آگاہ کریں گے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

اہم تنبیہ

جب قاضی نے اجازت دی یا نگران نے اجازت دی ایسے امور میں جن میں قاضی کی اجازت کی ضرورت نہ ہو تو مستاجر کو عمارت بنانے کا حق حاصل ہوگا تا کہ وہ وقف پر دین ہو جائے۔ کیونکہ اس کی پیداوار میں سے کوئی زائد نہیں۔ ہمارے علاقوں میں اسے مرصد کہتے ہیں پس عمارت وقف کی ہوگی۔ جب نگران مستاجر کو نکالنا چاہے گا تو اسے وہ دے دے گا جس کو اس نے تعمیر کرنے پر خرچ کیا ہوگا۔ پھر یہ امر مخفی نہیں کہ تعمیر کرنے کی وجہ سے اجرت مثلی زائد ہو جاتی ہے تو ظاہر یہ ہے کہ اجرت مثلی کو مکمل کرے۔ اس میں اور جو پہلے ”اشباہ“ سے قول گزرا ہے اس میں فرق یہ ہے کہ یہاں تعمیر وقف کے لیے ہے پس اس

کی ملک کے سبب اضافہ نہ کرے گی۔ پھر میں نے ”فتاویٰ خیریہ“ میں ایک طویل سوال کے ضمن میں یہ تصریح دیکھی ہے کہ اجرت مثلی لازم ہوگی وہ جہاں تک پہنچے۔ یہ تعمیر کرنے سے پہلے ہو یا تعمیر کرنے کے بعد ہو اس نے جو کچھ صرف کیا ہے وہ اسے واپس لے گا۔ پس اس کی طرف رجوع کیجئے۔ ہمارے زمانہ میں جو واقع ہوا ہے وہ یہ ہے اکثر اجرت مثلی کے بغیر اجارہ پر چیز لی جاتی ہے اور وہ بعض اجرت ادا کرتا ہے اور بعض ان کی آبادی پر خرچ کرتا ہے۔

بعض اوقات یہ قول کیا جاتا ہے: اس کے جواز کی وجہ ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر کسی اور آدمی نے ارادہ کیا کہ اسے اجرت پر لے اور پہلے نے جو تعمیر پر خرچ کیا ہے اسے دے دے تو وہ اسے اجرت پر نہ لے مگر اسی قلیل اجرت پر لے۔ ہاں اگر وقف مستغنی ہو اور نگران اسی اجرت پر دے دے جو اجرت پہلے کے لیے تھی تو ہر ایک اسے اجرت مثلی پر لیتا ہے۔ تو جب تک نگران وہ نہیں دیتا تو اجرت مثلی وہ قلیل اجرت ہی باقی رہے گی تو اس وقت مستاجر کی عمارت مملوکہ اور اس میں کوئی فرق نہ ہوگا۔

مطلب فی المرصد والقیمة و مشد البسکة

میں نے ”الحامدیہ“ کے کتاب الوقف میں ”فتاویٰ حانوتی“ سے منقول دیکھا: اجرت مثلی کے بغیر وقف کے اجارہ کے جواز کی شرط یہ ہے جب اسے کوئی مصیبت لاحق ہو یا کوئی دین ہوا الخ۔ یہ اس کی تائید کرتا ہے جو ہم نے کہا ہے: کیونکہ اس میں کوئی شک نہیں کہ مرصد وقف پر دین ہوتا ہے جس کے سبب سے اجرت کم ہو جاتی ہے۔ قائل ”شرح الملتقی“ میں ”الاشباہ“ سے مروی ہے: وقف کی چیز کو اجارہ پر نہیں دیا جائے گا مگر اجرت مثلی کے ساتھ اجارہ پر دیا جائے گا مگر تھوڑے سے نقصان کے ساتھ اجارہ پر دیا جاسکتا ہے یا جب اس وقف میں رغبت ہی نہ رکھی جائے مگر تھوڑی اجرت کے ساتھ رغبت رکھی جائے۔ تامل

کدک کے بارے میں یہی کہا جاتا ہے۔ کدک سے مراد وہ چیز ہے جو مستاجر وقف کی دکان میں بناتا ہے اور اسے وقف پر شمار نہیں کرتا مستاجر ان سب چیزوں کا ذمہ دار ہوتا ہے وہ تعمیر کرنا ہو، مرمت کرنا ہو، کنڈے لگانے ہوں وغیرہ اور وہ اسے ثمن کثیر کے ساتھ بیچتے ہیں۔ اب اس چیز کا اعتبار کیا جائے جو مستاجر اسے ثمن کثیر دیتا ہے اور جو وہ وقف کی زمین پر مستغنیوں میں صرف کرے گا تو اجرت مثلی وہ قلیل اجرت ہوگی جو وہ ادا کرتا ہے۔ بعض اوقات وقف کی تعمیر کی اصل صاحب مکہ کی جانب سے ہوتی ہے واقف اس سے وہ لے لیتا ہے اور اس کے ساتھ اس کو آباد کرتا ہے اور مستاجر کے لیے مختص کر دیتا ہے اور اسے اجرت قلیلہ پر دے دیتا ہے اسی کو خلوکا نام دیا جاتا ہے۔ اسی کی مثل قیمت کے بارے میں اور باغوں وغیرہ میں مسکہ کے باندھنے کے بارے میں قول کیا جاتا ہے۔ اس سے مراد کھاڈالنا، نالیاں کھودنا اور جو وہ کاشت کرتا ہے جس کی جڑیں باقی رہتی ہیں، درخت لگانے اور کھیتی کاشت کرنے کا حق ہے۔ کیونکہ انہیں کثیر ثمن کے بدلے میں بیچا جاتا ہے اس کے سبب سے زمین کی اجرت بہت بڑھ جاتی ہے۔ یہ نئے امور ہیں جو لوگوں میں متعارف ہوئے ہیں۔

وَفِي فَتَاوَى مُؤَيَّدِ زَادَهُ مَعْرِيًا لِلْفُصُولَيْنِ حَانُوثٌ وَقِفٌ بَنَى فِيهِ سَاكِنُهُ بِلَا إِذْنٍ مَتَوَلِيهِ، إِنْ لَمْ يَضُرَّ رَفْعُهُ رَفَعَهُ وَإِنْ ضَرَّ فَهُوَ الْبُضْيَعُ مَالُهُ فَلْيَتَرَبَّصْ إِلَى أَنْ يَتَخَلَّصَ مَالُهُ مِنْ تَحْتِ الْبِنَاءِ ثُمَّ يَأْخُذْهُ، وَلَا يَكُونُ بِنَاؤُهُ مَانِعًا مِنْ صِحَّةِ الْإِجَارَةِ لِغَيْرِهِ إِذْ لَا يَدُلُّهُ

”فتاویٰ مؤید زادہ“ میں ”فصولین“ کی طرف منسوب ہے: وقف کی دکان ہے اس میں ساکن نے متولی کی اجازت کے بغیر کوئی شے تعمیر کی اگر اس کے ختم کرنے میں کوئی ضرر نہ ہو تو اس کو ختم کر دے اگر ضرر کا باعث ہو تو وہ اپنے مال کو ضائع کرنے والا ہے۔ پس وہ اس وقت تک انتظار کرے یہاں تک جو عمارت کے نیچے جو اس کا مال ہے وہ اس سے خلاصی پائے پھر اس سے لے لے اور اس کی بنا کسی اور کو اجارہ دینے کی صحت میں مانع نہ ہوگی۔ کیونکہ اس بنا پر اس کا کوئی قبضہ نہیں۔

علامہ محقق ”عبدالرحمن آفندی عمادی“ مفتی دمشق کے فتاویٰ میں اس خلو کے بارے سوال کا جواب ہے جو متعارف ہے جس کا حاصل یہ ہے: بعض علما کے نزدیک بعض اوقات عام حکم خاص عرف سے ثابت ہوتا ہے جس طرح ”نسفی“ وغیرہ ہے۔ انہیں میں سے احکار ہے جو ان علاقوں میں معمول جاری ہو چکا ہے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ زمین کی پیمائش کی جاتی ہے، اس کے حصے پہچانے جاتے ہیں اور ذرائع کی مقدار پر مخصوص دراہم معین کر دیئے جاتے ہیں اور زمین میں جو وہ تعمیر کرتا ہے وہ باقی رہتا ہے وہ اتنی مقدار ہر سال اجارہ کے بغیر ادا کرتا ہے جس طرح ”انفع المسائل“ میں اس کا ذکر کیا ہے جب وہ اس طرح ہو کہ اگر اس کی عمارت اٹھا دی جائے تو اسے زیادہ اجرت پر نہیں لیا جاتا تو وہ زمین اس کے ہاتھ میں اجرت مثلی کے ساتھ چھوڑ دی جائے گی۔ لیکن یہ نہیں چاہیے کہ عرف کے اعتبار سے مطلقاً فتویٰ دے دیا جائے۔ کیونکہ یہ خوف ہے کہ اس پر قیاس کا دروازہ کثیر منکرات اور بدعتوں میں کھل جائے گا۔ ہاں اس کے بارے میں فتویٰ دیا جائے گا جہاں اس کی حاجت ہو اور طویل مدت میں یہ عمارت بن چکی ہو اور بغیر کسی انکار کے اعیان متعارف ہوں جس طرح دکانوں میں خلو ہے جو متعارف ہے۔ وہ یہ ہے کہ واقف، متولی اور مالک، دکان پر ایک معین مقدار معین کر دیتا ہے جو معین مقدار ساکن سے لی جاتی ہے اور وہ اس کے بدلے میں ساکن کو شرعی تمسک دے دیتا ہے اس کے بعد دکان کا مالک اب ساکن کو نکالنے کا مالک نہیں ہوتا جس کے لیے خلو ثابت ہوتا ہے اور نہ ہی وہ یہ دکان کسی اور کو اجارہ پر دینے کا مالک ہوتا ہے جب تک وہ رقم اسے نہیں دے دی جاتی۔ پس اس کے جواز کا فتویٰ دیا جائے گا۔ اسے بیع الوفاء پر قیاس کیا جائے گا جو متاخرین کے نزدیک متعارف ہے۔ علماء نے ربا سے بچنے کے لیے حیلہ کیا ہے یہاں تک ”مجموع النوازل“ میں کہا: اس زمانے کے مشائخ نے اس کے بیع کے طور پر صحیح ہونے کا اتفاق کیا ہے کیونکہ لوگ اس کے بڑے مجبور ہیں۔ قواعد کلیہ میں سے ہے جب امر تنگ پڑ جاتا ہے تو اس کے حکم میں وسعت پیدا ہو جاتی ہے۔ اس کے تحت اس کی امثال مندرج ہیں جو ان میں سے ہیں۔ ضرورت جن کی داعی بنی۔ واللہ اعلم

29539۔ (قولہ: رَفَعَهُ) یعنی جبراً اسے عمارت ختم کرنے کا حکم دیا جائے گا۔

29540۔ (قولہ: مِنْ تَحْتِ الْبِنَاءِ) زیادہ بہتر یہ تھا کہ تحت کالفظ حذف کر دیا جاتا۔ ”ط“۔

عَلَى ذَلِكَ حَيْثُ لَا يَبْدَأُ رَفْعُهُ وَلَوْ اضْطَلَحُوا أَنْ يَجْعَلُوا ذَلِكَ لِلْوَقْفِ بِشَيْنٍ لَا يُجَاوِزُ أَقْلَ الْقِيَمَتَيْنِ
مَنْزُوعًا وَمَبْنِيًّا فِيهِ صَحَّ، وَلَوْ لَحِقَ الْآجِرُ دَيْنٌ رَفَعَ إِلَى الْقَاضِي لِيَفْسَخَ الْعَقْدَ، وَلَيْسَ لِلْآجِرِ أَنْ يَفْسَخَ
بِنَفْسِهِ وَعَلَيْهِ الْفَتْوَى وَتَجُوزُ بِشُلِّ الْأَجْرَةِ أَوْ بِأَكْثَرٍ أَوْ بِأَقْلٍ مِمَّا يَتَغَابَنُ فِيهِ النَّاسُ لَا بِمَا لَا يَتَغَابَنُ
وَتَكُونُ فَاسِدَةً، فَيُوجِبُهَا إِجَارَةٌ صَحِيحَةٌ إِمَّا مِنْ الْأَوَّلِ أَوْ مِنْ غَيْرِهِ بِأَجْرِ الْبِشْلِ أَوْ بِزِيَادَةٍ بِقَدَرِ مَا يَرْضَى
بِهِ الْمُسْتَأْجِرُ وَفِي فَتَاوَى الْحَانُوتِ

کیونکہ وہ اس کے ختم کرنے کا مالک نہیں۔ اگر وہ مصالحت کر لیں کہ وہ شمن کے بدلے میں اسے وقف کے لیے مختص کر دیں تو
دونوں قیمتوں یعنی اسے اکھیڑ لیا ہو یا بنی ہو میں سے اقل قیمت سے تجاوز نہ کرے تو یہ صحیح ہوگا۔ اگر آجر کو دین لاحق ہو جائے تو
وہ معاملہ قاضی کے پاس پیش کرے تاکہ وہ عقد کو فسخ کر دے اور آجر کو یہ حق حاصل نہیں کہ خود بخود اجارہ فسخ کر دے۔ اسی پر
فتویٰ ہے۔ اجرت مثلی کے ساتھ، اس سے زیادہ اور اس سے کم کے ساتھ اجارہ جائز ہوگا جس مقدار میں لوگ غبن کرتے ہیں
ایسی اجرت کے ساتھ جائز نہیں جس میں لوگ غبن نہیں کرتے اور اجارہ فاسد ہو جائے گا۔ پس وہ اسے اجارہ صحیحہ کے طریقہ پر
دے گا یا تو پہلے مستاجر کو یا کسی اور کو جو اجرت مثلی کے ساتھ ہو یا اس زیادتی کے ساتھ جتنی مقدار پر مستاجر راضی ہو
جائے۔ ”فتاویٰ حانوتی“ میں ہے:

29541۔ (قوله: حَيْثُ لَا يَبْدَأُ رَفْعُهُ) حیث یہ علت بیان کرنے کے لیے ہے۔ ”ط“۔

29542۔ (قوله: وَلَوْ اضْطَلَحُوا الْخ) یہ یا تو افضل کا بیان ہے پس یہ اس جبر کے منافی نہیں جب وہ مصالحت نہ ہو یا
یہ ضعیف روایت ہے۔ ”رملی علی البحر“ ملخص۔ پہلی تعبیر کی بنا پر یہ اس کے موافق ہے جو شروع سے گزر چکا ہے اور دوسری تعبیر کی
بنا پر یہ اس کے موافق ہے جس پر اباب فتاویٰ نے اتفاق کیا ہے۔

29543۔ (قوله: لَوْ لَحِقَ الْآجِرُ دَيْنٌ الْخ) اس کا محل باب فسخ الاجارہ (مقولہ 30083) ہے اسکی وضاحت وہاں آئیگی۔

29544۔ (قوله: وَتَجُوزُ بِشُلِّ الْأَجْرَةِ الْخ) یعنی اجارہ اجرت مثلی یا اس سے زیادہ کے ساتھ مطلقاً جائز ہوگا جب

تک وہ اجارہ وقف یا یتیم کے مال کے ساتھ نہ ہو جس طرح اس سے معلوم ہو گیا ہے جو ”الحنانیہ“ سے اجارہ طویلہ میں گزر چکا ہے۔

29545۔ (قوله: بِمَا يَتَغَابَنُ فِيهِ النَّاسُ) یہ اقل کی قید ہے فافہم پھر یہ سب مکرر ہے کیونکہ یہ اس سے منسوب ہے جو

گزر چکا ہے۔

29546۔ (قوله: وَفِي فَتَاوَى الْحَانُوتِ الْخ) اس کی نص یہ ہے: یہ پوچھا گیا: تمہارا اس بارے میں کیا قول ہے اگر

حاکم وقف کے اجارہ کے صحیح ہونے کا فیصلہ کر دے اور وہ یہ فیصلہ کر دے کہ یہ اجرت اجرت مثلی ہے جب کہ اس کے بارے

میں گواہیاں قائم ہو چکی ہیں پھر یہ گواہیاں قائم کی گئیں کہ یہ اجرت اجرت مثلی سے کم ہے تو کیا اجارہ کے باطل ہونے کی

گواہیوں پر عمل کیا جائے گا یا عمل نہیں کیا جائے گا؟

بَيِّنَةُ الْإِثْبَاتِ مُقَدِّمَةٌ وَهِيَ الَّتِي شَهِدَتْ بِأَنَّ الْأَجْرَةَ أَوْ لَا أَجْرَةَ الْبِثْلِ وَقَدْ اتَّصَلَ بِهَا الْقَضَاءُ فَلَا تُنْقَضُ
قَالَ وَبِهِ أَجَابَ بِقِيَّةِ الْمَذَاهِبِ فَلْيُحْفَظْ

امر کو ثابت کرنے کی گواہیاں مقدم ہوں گی وہ وہ ہوتی ہیں جو اس امر کی شہادت دیں تو پہلی اجرت اجرت مثلی ہے اس کے ساتھ قضا متصل ہو چکی ہے۔ پس یہ اجارہ ختم نہ ہوگا۔ باقی مذاہب نے یہی جواب دیا ہے پس اس کو یاد کیا جائے۔

انہوں نے جواب دیا: شیخ ”نور الدین طرابلسی“ قاضی القضاۃ حنفی نے جواب دیا جس کی صورت یہ ہے الحمد للہ
العی الاصلی: اثبات کی گواہیاں مقدم ہیں یعنی گواہیاں ہیں جن میں یہ ہے کہ اجرت مثلی ہے۔ پس اس کے ساتھ قضا متصل
ہو چکی ہے پس اجارہ ختم نہ ہوگا۔

شیخ ”ناصر الدین لقانی“ مالکی اور قاضی القضاۃ ”احمد بن نجار حنبلی“ نے میرے والا جواب اسی طرح دیا۔ میں نے
جواب دیا: مذکورہ جواب صحیح ہیں۔

میں کہتا ہوں: یہ اس وقت ہے جب پہلی شہادت کو ظاہر نہ جھٹلائے ورنہ انہیں قبول نہ کیا جائے گا اور اجارہ ٹوٹ جائے گا
جس طرح ”الحامدیہ“ میں ہے۔

29547۔ (قوله: وَقَدْ اتَّصَلَ بِهَا الْقَضَاءُ) یعنی اور اس کی شروط مکمل ہو گئیں۔ ”فتاویٰ ابن نجیم“ میں ہے: اور یہ
اس کے قبول میں مانع نہیں یعنی حنبلی کا صحیح ہونے کا حکم زیادتی کے قبول کے مانع نہیں کیونکہ وہ غیر صحیح ہے۔ ”حامدیہ“ میں کہا:
اس میں اعتراض کی گنجائش ہے۔ کیونکہ حاکم کا حکم اختلاف کو ختم کر دیتا ہے۔ تامل

میں کہتا ہوں: اس کی مراد یہ ہے ابتداء اجارہ کے صحیح ہونے اور اس کے اجارہ کے اجرت مثلی کے ساتھ ہونا اس کے فسخ کے
مانع نہیں اس عارضی زیادتی کی وجہ سے جس میں رغبتیں بہت زیادہ ہیں۔ یہ مفتی بہ قول پر مبنی ہے۔ کیونکہ یہ غیر محکوم بہ ہے۔ پس
اسی وجہ سے حنبلی کے لیے حکم کا ممنوع ہونا غیر صحیح ہے۔ ہاں اگر وہ اس زیادتی کے خصوصی طور پر لغو قرار دینے کا حکم لگائے جو ایک
حادثہ کی وجہ سے لاحق ہوئی ہے جب کہ وہ اس کی تمام شرائط کو جامع ہو تو اس کے قبول کرنے سے روک دیا جائے گا۔

”حانوتی“ نے اپنے فتاویٰ میں بھی اس کی تصریح کا حکم دیا ہے۔ کیونکہ انہوں نے ذکر کیا ہے: حنبلی کا اجارہ کے صحیح ہونے
کا حکم حنفی حاکم کے زیادتی کے قبول کرنے کے مانع نہیں۔ اگر وہ شرعی دعویٰ کے بعد واقع ہو۔ کیونکہ زیادتی کے قبول کرنے کو فسخ
کرنا ایک اور حادثہ ہے جس کے متعلق حکم واقع نہیں ہوا۔ ایک اور جگہ اس کی مثل ذکر کیا ہے۔ ”علامہ قنلی زادہ“ نے بھی اس کی
تصریح کی ہے۔ اور یہ ذکر کیا ہے کہ ان کا قول: ثبت عندی ان هذا من اجر البثل کافی نہیں اور نہ ہی ان کا قول الغیت
الزیادة العارضة کافی ہے کیونکہ یہ فتاویٰ ہیں نہ احکام نافذہ ہیں جب تک جاحد خصم کے سامنے نہ ہوں۔ اس کی مثل ہوگا اگر
مثلاً شافعی اجارہ کی قیمت کا حکم لگا دے تو وہ حنفی کو موت کے ساتھ اجارہ کے فسخ کرنے کے مانع نہ ہوگا جب تک شافعی خصوصی
طور پر موت کے بعد اس بارے میں حکم نہ کرے جس طرح ”ابن غرس“ نے اس کی تصریح کی ہے۔ فتنہ واللہ تعالیٰ اعلم

بَابُ مَا يَجُوزُ مِنَ الْإِجَارَةِ وَمَا يَكُونُ خِلَافًا فِيهَا أَيْ فِي الْإِجَارَةِ

(تَصَحُّحُ إِجَارَةِ حَانُوتٍ) أَيْ دُكَّانٍ وَدَارٍ بِإِيجَارٍ مَا يُعْمَلُ فِيهَا لِصَرْفِهِ لِلْمُتَعَارَفِ (و) بِإِيجَارٍ (مَنْ يَسْكُنُهَا) فَلَهُ أَنْ يُسْكِنَهَا غَيْرَهُ بِإِجَارَةٍ وَغَيْرِهَا كَمَا سَيَجِيءُ (وَلَهُ أَنْ يَعْمَلَ فِيهَا) أَيْ الْحَانُوتِ وَالدَّارِ (كُلُّ مَا أَرَادَ)

اجارہ کے جواز کے متعلق احکام

دکان اور گھر کو اجارہ پر دینا صحیح ہے جب کہ یہ بیان نہ کیا جائے کہ وہ اس میں کیا کام کرے گا۔ کیونکہ وہ متعارف کی طرف پھر جاتا ہے۔ اور یہ بیان کیے بغیر کہ اس میں کوئی سکونت اختیار کرے گا۔ تو اسے حق حاصل ہوگا کہ ان دونوں میں ہر وہ عمل کرے جس کا وہ ارادہ کرے

29548۔ (قوله: وَمَا يَكُونُ خِلَافًا) یعنی ایسا فعل جو اس فعل کے خلاف ہو جو اس میں جائز ہوتا ہے۔

لفظ حانوت کی لغوی تحقیق

29549۔ (قوله: حَانُوتٍ) یہ فاعول کے وزن پر ہے اس کی تا، ہا کا بدل ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: فَعْلُوت، مَلُوت کی طرح ہے۔ یہ اسی طرح ہے جس طرح ”قاموس“ میں ہے: ودکان الخصار اور خمار بذات خود مذکر اور مؤنث ہے اس کی طرف نسبت حانی اور حانوتی ہے۔ دکان کی اس کے ساتھ تفسیر بیان کی گئی ہے۔ ”کرمان“ نے کہا: حانوت، اس کی جمع دکائین ہے یہ معرب ہے۔ اس تعبیر کی بنا پر حانوت اور دکان دونوں مترادف ہیں۔ یہاں اس سے مراد وہ ہے جسے اس لیے تیار کیا جاتا ہے تاکہ اس میں مطلقاً بیع کی جائے۔

دکان اور گھر کو اجارہ پر دینا یہ بیان کیے بغیر کہ وہ اس میں کیا کام کرے گا صحیح ہے

29550۔ (قوله: بِإِيجَارٍ مَا يُعْمَلُ فِيهَا) یعنی ان جگہوں میں وہ حانوت اور گھر ہے ایک سے جواز پر ہے۔

جمع کا اطلاق کیا جاتا ہے۔ تامل

29551۔ (قوله: لِصَرْفِهِ لِلْمُتَعَارَفِ) وہ رہائش ہے جو متفاوت نہیں ہوتی۔ ”منح“۔

29552۔ (قوله: فَلَهُ أَنْ يُسْكِنَهَا غَيْرَهُ) اگرچہ اس نے یہ شرط لگائی ہو کہ وہ اس میں اکیلا رہے گا، ”سہی

الدین“۔ یہ گھروں اور دکانوں میں ہوتا ہے، ”ط“۔ اس کی مثل خدمت کا غلام ہوتا ہے اسے حق حاصل ہوتا ہے کہ کسی اور کو اجارہ پر بھیج دے۔ جانور اور کپڑے کا معاملہ مختلف ہے۔ اسی طرح ہر اس چیز کا معاملہ ہے جو مستعمل کے مختلف ہونے سے مختلف ہو جاتا ہے جس طرح ”المنح“ میں ہے۔

فَيَتَدُّ وَيَرْبِطُ دَوَابَّهُ وَيَكْسِرُ حَطْبَهُ وَيَسْتَنْجِي بِجِدَارِهِ وَيَتَّخِذُ بِالْوَعَةِ إِنْ لَمْ تَضُرَّ وَيَطْحَنُ بِرَحَى الْيَدِ وَإِنْ بِهِ ضَرٌّ بِهِ يُفْتَى قُنْيَةً (غَيْرَ أَنَّهُ لَا يُسْكِنُ) بِالْبِنَاءِ لِلْفَاعِلِ أَوْ الْمَفْعُولِ

وہ کیل ٹھونکے گا، اپنی سواری باندھے گا، اپنی لکڑیاں کاٹے گا، اس کی دیوار کے ساتھ استنجا کرے گا اور بدرو بنائے گا اگر یہ نقصان نہ دے اور ہاتھ والی چکی سے آٹا پیسے گا اگرچہ اس میں ضرر ہو۔ اس پر فتویٰ دیا جاتا ہے، ”قنیہ“۔ مگر وہ لوہار، دھوبی یا آٹا پیسنے والے کو رہائش نہیں دے گا

عمارت میں مستاجر ہر ایسا عمل کر سکتا ہے جو ضرر کا باعث نہ ہو ورنہ مالک سے اجازت ضروری ہے
29553۔ (قولہ: فَيَتَدُّ) یہ مثال کے باب سے مضارع کا صیغہ ہے۔ یعنی وہ کیل ٹھونکے۔ ”ح“۔

29554۔ (قولہ: وَيَرْبِطُ دَوَابَّهُ) یعنی ایسی جگہ جانور باندھے جسے باندھنے کے لیے تیار کیا گیا ہو۔ کیونکہ رہائش کی جگہ میں جانور کو باندھنا اس کو فاسد کرنا ہے جس طرح ”غایۃ البیان“ میں ہے۔ ”سائحانی“ نے کہا: اس کے کنویں سے نفع حاصل کرے گا اگر کنواں خراب ہو جائے تو اس کو درست کرنے پر اسے مجبور نہیں کیا جائے گا۔ اور اس میں تنور لگائے گا اگر اس سے شے جل جائے تو وہ ضامن نہ ہوگا۔ میں کہتا ہوں: مگر وہ ایسی جگہ تنور لگائے جس میں تنور لگانا مناسب نہ ہو جیسے لکڑیوں کے قریب وہ تنور لگائے۔ ”مقدسی“۔

29555۔ (قولہ: وَيَكْسِرُ حَطْبَهُ) چاہیے کہ ماقبل اور مابعد سے اخذ کرتے ہوئے اس کی قید لگاتے کہ وہ ایسے محل میں لکڑیاں پھاڑے جس سے زمین کو ضرر لاحق نہ ہو اور اس کے نیچے پانی کی گزرگاہ نہ ہو۔ پھر میں نے ”زیلعی“ کو دیکھا کہا: اس تعبیر کی بنا پر اسے حق حاصل ہوگا کہ وہ کھانا پکانے کے لیے معتاد لکڑیاں کاٹے کیونکہ یہ عمل عمارت کو کمزور نہیں کرتا۔ اگر معمول سے زیادہ لکڑیاں کاٹے اس طرح کہ وہ عمارت کو کمزور کر دے تو پھر جائز نہیں مگر مالک کی رضا مندی سے ایسا کر سکتا ہے۔ اس تعبیر کی بنا پر چاہیے کہ دق (کوٹنا) اسی تفصیل پر ہے۔

29556۔ (قولہ: وَيَطْحَنُ بِرَحَى الْيَدِ وَإِنْ بِهِ ضَرٌّ بِهِ يُفْتَى قُنْيَةً) میں نے یہ مسئلہ ”قنیہ“ میں نہیں دیکھا بلکہ میں نے اس سے قبل والا مسئلہ دیکھا ہے۔ جہاں تک اس مسئلہ کا تعلق ہے ”البحر“ میں ”خلاصہ“ کی طرف منسوب دیکھا ہے۔ مصنف نے ”المنح“ میں ان کی پیروی کی ہے شارح نے ان دونوں کی پیروی کی ہے۔ اس میں کوئی چیز حذف ہے۔ کیونکہ ”الخلاصہ“ میں جو میں نے پایا ہے وہ اس طرح ہے: اگر نقصان نہ دے تو ہاتھ والی چکی سے اسے منع نہیں کیا جائے گا اگر وہ نقصان دے تو اسے منع کیا جائے گا اسی پر فتویٰ ہے۔ اس کی مثل ”شرنبلائیہ“ میں ”ذخیرہ“ سے مروی ہے۔

29557۔ (قولہ: بِالْبِنَاءِ لِلْفَاعِلِ أَوْ الْمَفْعُولِ) یہ اس کی جانب سے سہو ہے یہ ثلاثی مجرد سے یا کے فتح کے ساتھ

ہے یا رباعی سے یا کے ضمہ کے ساتھ ہے۔ حداد ا یہ پہلی تعبیر سے حال ہے اور دوسری تعبیر کے مطابق مفعول بہ ہے، ”ح“۔ سہو کی وجہ یہ ہے کہ دونوں صورتوں میں معروف کا صیغہ ہے۔

(حَدَّادًا أَوْ قَصَّارًا أَوْ طَحَّانًا مِنْ غَيْرِ رِضَا الْمَالِكِ أَوْ اشْتِرَاطِهِ) ذَلِكَ (فِي) عَقْدِ (الْإِجَارَةِ): لِأَنَّهُ يُوهِنُ الْبِنَاءَ فَيَتَوَقَّفُ عَلَى الرِّضَا (وَأِنْ اِخْتَلَفَا فِي الْإِشْتِرَاطِ فَالْقَوْلُ لِلْمُوجِرِ) كَمَا لَوْ أَنْكَرَ أَصْلَ الْعَقْدِ (وَأِنْ أَقَامَا الْبَيِّنَةَ فَالْبَيِّنَةُ الْمُسْتَأْجِرِ لِثَبَاتِهَا الزِّيَادَةُ خُلَاصَةٌ وَفِيهَا اسْتِجَارٌ لِلْقَصَّارَةِ فَدَّهُ الْحَدَّادَةُ إِنْ اتَّحَدَ ضَرَرُهُمَا، وَلَوْ فَعَلَ مَا لَيْسَ لَهُ لَزِمُهُ الْأَجْرُ، وَإِنْ انْهَدَمَ بِهِ الْبِنَاءُ ضَمِنَهُ وَلَا أَجْرَ: لِأَنَّهُمَا لَا يَجْتَبِعَانِ (وَلَهُ السُّكْنَى بِنَفْسِهِ وَإِسْكَانُ غَيْرِهِ بِإِجَارَةٍ وَغَيْرِهَا)

مگر مالک کی رضا کے ساتھ ایسا کرے گا۔ لایسکن فعل معروف کا صیغہ ہے یا مجہول کا صیغہ ہے۔ یا عقد اجارہ میں اس کی شرط لگالے کیونکہ یہ عمل عمارت کو کمزور کر دیتا ہے پس یہ رضا پر موقوف ہوگا۔ اگر شرط ہونے میں دونوں میں اختلاف ہو جائے تو قول موجر کا معتبر ہوگا جس طرح اگر وہ اصل عقد کا انکار کرے۔ اگر دونوں گواہیاں قائم کر دیں تو گواہیاں مستاجر کی معتبر ہوں گی۔ کیونکہ انہوں نے زیادتی کو ثابت کیا ہے، ”خلاصہ“۔ اس میں ہے: اگر وہ کپڑے دھونے کے لیے اجرت پر لے تو اسے لوہار کا کام کرنے کا حق ہوگا اگر دونوں کی ضرر ایک جیسی ہو۔ اگر وہ ایسا کام کرے جو اسے کرنے کا حق نہ تھا تو اس پر اجرا لازم ہوگا۔ اگر عمارت گر جائے تو ضامن ہوگا اور اس کے لیے اجر نہیں ہوگا کیونکہ دونوں جمع نہیں ہو سکتے۔ اسے خود رہنے کا حق ہوگا اور کسی اور کو بھی رہائش دینے کا حق ہوگا وہ اجارہ کے ساتھ ایسا کرے یا کسی اور وجہ سے ایسا کرے۔

29558۔ (قوله: لِأَنَّهُ يُوهِنُ الْبِنَاءَ) ”زیلعی“ نے کہا: اس کا حاصل یہ ہے کہ ہر وہ عمل جو بنا کو کمزور کر دے یا اس میں ضرر ہو تو اسے یہ حق حاصل نہیں ہوگا کہ وہ اس کے مالک کی اجازت کے بغیر اس میں عمل کرے۔ اور ہر وہ کام جس میں ضرر نہ ہو تو مطلق عقد سے اسے وہ عمل کرنا جائز ہے اور وہ اس کا مستحق ہو جائے گا۔

29559۔ (قوله: فَيَتَوَقَّفُ عَلَى الرِّضَا) یعنی مالک کی رضا یا شرط لگانے پر موقوف ہے۔ ”ابوسعود“ میں ”حموی“ سے مروی ہے: اس کا مفہوم یہ ہے اگر وہ وقف ہو اور متولی اس کی رہائش پر راضی ہو تو حکم اس طرح نہ ہوگا۔ اگر شرط میں موجر اور مستاجر کے درمیان اختلاف ہو جائے تو قول موجر کا معتبر ہوگا

29560۔ (قوله: كَمَا لَوْ أَنْكَرَ أَصْلَ الْعَقْدِ) کیونکہ قول اس کا ہوگا یعنی حکم اسی طرح ہوگا جب وہ اس کی نوبت کا مالک کرے۔ ”ط“۔

29561۔ (قوله: وَلَوْ فَعَلَ مَا لَيْسَ لَهُ) یعنی مدت ختم ہو گئی۔ جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ مدت کا جملہ زمر جائے تو کیا اس کی اجرت ساقط ہو جائے گی یا واجب ہوگی؟ اس کی وضاحت کی جانی چاہیے۔ ”طحطاوی“ نے ”مقدم“ سے نقل کیا ہے۔

29562۔ (قوله: وَلَا أَجْرَ) یعنی جس میں اس نے ضمانت دی ہے اس میں اس کا اجر نہیں ہوگا۔ ”نہایہ“۔ جہاں تک ساحہ (صحن) کا تعلق ہے تو چاہیے کہ اس میں اجر ہو ”ذخیرہ“ میں اسی طرح ہے۔ ”ساحانی“۔

وَكَذَا كُلُّ مَا لَا يَخْتَلِفُ بِالْمُسْتَعْمِلِ يُبْطَلُ التَّقْيِيدُ؛ لِأَنَّهُ غَيْرُ مُفِيدٍ، بِخِلَافِ مَا يَخْتَلِفُ بِهِ كَمَا سَيَجِيءُ، وَلَوْ آجَرَ بِأَكْثَرِ تَصَدَّقَ بِالْفَضْلِ إِلَّا فِي مَسْأَلَتَيْنِ إِذَا آجَرَهَا بِخِلَافِ الْجِنْسِ أَوْ أَصْلَحَ فِيهَا شَيْئًا، وَلَوْ آجَرَهَا مِنَ الْمَوْجِرِ لَا تَصَحُّ وَتَنْفِيسُ الْإِجَارَةِ فِي الْأَصَحِّ بَحْرٌ مَعْنِيًا لِلْجَوْهَرَةِ،

اسی طرح جو مستعمل کے مختلف ہونے کے ساتھ مختلف نہیں ہوتا اس میں تقیید باطل ہو جاتی ہے۔ کیونکہ یہ غیر مفید ہے۔ وہ چیز جو مستعمل کے مختلف ہونے سے مختلف ہو جاتی ہے ان کا معاملہ مختلف ہے جس طرح عنقریب آئے گا۔ اگر وہ اکثر کے بدلے میں اجرت پردے تو زائد کو صدقہ کر دے مگر دوسلوں میں ایسا نہ کرے جب وہ اسے خلاف جنس کے بدلے میں اجرت پر دے یا اس میں کسی چیز کو درست کرے۔ اگر وہ موجد کو ہی اجرت پردے تو اجارہ صحیح نہیں ہوگا اور اصح قول کے مطابق اجارہ منسوخ ہو جائے گا، ”بحر“۔ یہ ”جوہرہ“ کی طرف منسوب ہے۔

29563۔ (قوله: يُبْطَلُ) یہ لفظ یا کے ضمہ کے ساتھ ہے یہ ابطال سے ہے۔ فتح بھی جائز ہے لیکن حق یہ ہے کہ اسے مستانفہ بنائے اور وہ کہے۔ ویبطل فیہ۔

29564۔ (قوله: بِخِلَافِ مَا يَخْتَلِفُ بِهِ) جیسے سواری کرنا اور پہننا۔

29565۔ (قوله: كَمَا سَيَجِيءُ) تقریباً ایک ورق بعد آئے گا۔

29566۔ (قوله: بِخِلَافِ الْجِنْسِ) جس جنس سے اجارہ پر لیا ہے اس کے برعکس۔ اسی طرح جس جنس کے ساتھ اجرت پر لیا تھا اس کے اپنے مال میں سے کوئی شے اجرت پردی جائز ہے کہ اس پر اجارہ کا عقد کیا جائے تو اس کے لیے زیادتی پاکیزہ ہوگی جس طرح ”الخلاصہ“ میں ہے۔

29567۔ (قوله: أَوْ أَصْلَحَ فِيهَا شَيْئًا) جیسے اس نے چونا کیا یا اس میں مسانہ بنائی۔ اسی طرح کا حکم ہوگا ہر ایسے عمل کا جو قائم ہو کیونکہ زیادتی اس کے مقابلہ میں ہے جو اس نے اپنے پاس سے زائد کیا یہ اس کے امر پر صلاح پر محمول کرنے کی بنا پر ہے جس طرح ”المبسوط“ میں ہے۔ صفائی کرنا اصلاح نہیں۔ اگر اس نے نہر کھودی ”خصاف“ نے کہا: زیادتی پاکیزہ ہوگی۔ ”ابوعلیٰ نسفی“ نے کہا: ہمارے اصحاب متردد ہیں مٹی اٹھانے سے زیادتی پاکیزہ نہ ہوگی اگرچہ زیادتی میں آسانی ہو۔ اگر اس نے ایک صفحہ سے دو گھر اجرت پر لیے اور ایک میں اضافہ کیا تو دونوں کو اکثر کے بدلے میں اجارہ پردے اگر دو صفحوں سے ہو تو پھر نہیں، ”خلاصہ“ ملخص۔

29568۔ (قوله: لَا تَصَحُّ) یعنی قبضہ سے پہلے اور قبضہ کے بعد صحیح نہیں ہوگا جس طرح ”جوہرہ“ میں ہے۔ اگر تیسرا

آدمی درمیان میں واقع ہو تو رائج قول کے مطابق صحیح نہیں۔ یہ امام ”محمد“ رحمہ اللہ سے ایک روایت ہے اسی پر فتویٰ ہے۔ ”بزازیہ“۔

29569۔ (قوله: وَتَنْفِيسُ الْإِجَارَةِ فِي الْأَصَحِّ) یعنی پہلا اجارہ فسخ ہو جائے گا جہاں تک دوسرے اجارہ کا تعلق

ہے تو وہ بالاتفاق منسوخ ہو جائے گا۔

وَسَيَجِيءُ تَصْحِيحُ خِلَافِهِ فَتَنْبَهُ (و) تَصَحُّحُ إِجَارَةٍ (أَرْضٍ لِلزَّرَاعَةِ مَعَ بَيَانِ مَا يَزْرَعُ فِيهَا، أَوْ قَالَ عَلَى أَنَّ أَزْرَعَ فِيهَا مَا أَشَاءُ) كَيْ لَا تَقَعَ الْمُنَازَعَةُ وَالْإِلَافَةُ فَاسِدَةً لِلْجَهَالَةِ، وَتَنْقَلِبُ صَحِيحَةً بِزَرْعِهَا وَيَجِبُ الْمُسْتَأْجِرِ الشُّبُّ وَالطَّرِيقُ، وَيَزْرَعُ زَرْعَيْنِ رَبِيعًا وَخَرِيفًا وَلَوْ لَمْ يُبَكِّنْهُ الزَّرَاعَةُ لِلْحَالِ لِاحْتِيَاجِهَا لِسَقْيٍ أَوْ كَرِيٍّ إِنْ أُمَكَّنَهُ الزَّرَاعَةُ فِي مُدَّةِ الْعَقْدِ جَازًا وَإِلَّا لَا،

اس کے بدلے کی تصحیح عنقریب آئے گی۔ پس اس پر متنبہ ہو جائیے۔ زراعت کے لیے زمین کا اجارہ صحیح ہوگا ساتھ ہی اس کی وضاحت کی جائے کہ جو وہ اس میں کاشت کرے گا یا وہ کہے کہ میں جو اس میں چاہوں گا اس میں کاشت کروں گا تا کہ منازعہ واقع نہ ہو ورنہ یہ اجارہ جہالت کی وجہ سے فاسد ہوگا۔ اور اس کو کاشت کرنے کے ساتھ صحیح ہو جائے گا اور موسمی واجب ہو جائے گا۔ مستاجر کے لیے پانی کی باری اور راستہ ہوگا۔ دو فصلیں کاشت کرے گا موسم بہار اور موسم خزاں کی فصل کاشت کرے گا اگر فی الحال زراعت ممکن نہ ہو۔ کیونکہ زمین کو سیراب کرنے اور نالی کھودنے کی ضرورت ہے۔ اگر عقد کی مدت میں زراعت ممکن ہو تو عقد جائز ہوگا ورنہ نہیں۔

29570۔ (قوله: وَسَيَجِيءُ) یعنی متفرقات میں آئے گا شارح وہاں تطبیق ذکر کریں گے اور اس پر کلام واقع ہوگی۔

ان شاء اللہ تعالیٰ

زمین کو اجارہ پر لینے کے احکام

29571۔ (قوله: لِلْجَهَالَةِ) یعنی ایسی جہالت جو عقد معاوضہ میں جہالت تک لے جائے۔ کیونکہ کھیتی میں سے کچھ ایسی ہوتی ہیں جو زمین کو نفع دیتی ہیں اور کچھ ایسی ہوتی ہیں جو اس کو نقصان دیتی ہیں۔

29572۔ (قوله: وَتَنْقَلِبُ صَحِيحَةً بِزَرْعِهَا) یعنی یہ بطور استحسان ہے کیونکہ معقود علیہ استعمال کے ساتھ معلوم ہو گیا ہے اور معاملہ یوں ہو گیا گویا جہالت تھی ہی نہیں ”زیلعی“ مختصر۔ علامہ ”مقدس“ نے کہا: چاہیے کہ یہ قید ذکر کی جاتی: اذا علم الموجد بزارع فرضي به الخ۔ جب موجد کو علم ہو جائے جسے وہ کاشت کرے گا اور اس پر وہ راضی ہو جائے اور پٹرا پسنے کے بارے میں اسے علم ہو جائے ورنہ نزاع ممکن ہے۔ ”ط“ مختصر۔

29573۔ (قوله: وَلِلْمُسْتَأْجِرِ الشُّبُّ وَالطَّرِيقُ) یعنی اگرچہ اس نے ان دونوں کی شرط نہ لگائی ہو۔ بیع کا معاوضہ مختلف ہے۔ کیونکہ اجارہ انتفاع کے لیے کیا جاتا ہے اور انتفاع ان دونوں کے بغیر نہیں ہو سکتا۔ پس یہ دونوں چیزیں تبعاً عقد میں داخل ہوں گی۔ جہاں تک بیع کا تعلق ہے تو اس سے مقصود ملک رقبہ ہوتا ہے فی الحال انتفاع نہیں ہوتا یہاں تک کہ جحش گدھے کا بچہ اور شوریدہ زمین کی بیع جائز ہے مگر ان کا اجارہ جائز نہیں۔ ”منح“۔

29574۔ (قوله: وَيَزْرَعُ زَرْعَيْنِ) ”القنیه“ میں کہا: اگر اس نے سال بھر کے لیے کاشت کی غرض سے زمین اجرت پر لی اور یہ شرط لگائی کہ جو چاہے کاشت کرے اسے دو فصلیں کاشت کرنے کا حق ہوگا ربیع کی فصل اور خریف کی فصل تو دیکھتا

وَتَسَامُهُ فِي الْقُنْيَةِ (أَجْرَهَا وَهِيَ مَشْغُولَةٌ بِزَرْعٍ غَيْرِهِ إِنْ كَانَ الزَّرْعُ بِحَقِّ لَا تَجُوزُ الْإِجَارَةُ، لَكِنْ لَوْ حَصَدَهُ
وَسَلَّهَا انْقَلَبَتْ جَائِزَةً) مَا لَمْ يُسْتَحْصَدِ الزَّرْعُ

اس کی مکمل وضاحت ”القنیه“ میں ہے۔ ایک آدمی نے زمین اجرت پردی جب کہ وہ غیر کی کھیتی میں مشغول تھی اگر کھیتی کسی حق کے سبب سے ہو تو اجارہ جائز نہ ہوگا۔ لیکن اگر وہ کھیتی کاٹ لے اور زمین حوالے کر دے تو اجارہ جائز ہو جائے گا جب تک کھیتی کو کاٹ نہ لیا جائے۔

ہے۔ یہ مسئلہ اس میں مفروض ہے کہ اتنی مدت کے لیے زمین اجرت پر لی جاتی ہے جس میں دو فصلیں کاشت کرنا ممکن ہوتا ہے۔ عقد اجارہ میں کلام مطلق ذکر کی ہے۔ ”ط“۔

29575۔ (قوله: وَتَسَامُهُ فِي الْقُنْيَةِ) کیونکہ کہا: اگر آدمی نے موسم سرما میں نو ماہ کے لیے زمین اجرت پر لی اور موسم میں کاشت کرنا ممکن نہیں تو اتنی مدت کے لیے اجارہ ہوگا جس میں کاشت کرنا ممکن ہے۔ اگر اس زمین سے اصلاً انتفاع ممکن نہ ہو اس کی صورت یہ ہے کہ وہ زمین شوریدہ ہو تو اجارہ فاسد ہوگا۔ موسم سرما میں اجارہ پر لینے کا جو مسئلہ ہے تو اجرت مکمل مدت کے مقابل ہوگی نہ کہ جس میں نفع حاصل کرنا ہے۔ پس یہ کافی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اتنی مدت کے مقابلہ میں جس میں وہ انتفاع کرتا ہے۔

میں کہتا ہوں: شارح باب الفسخ میں ”جوہرہ“ سے نقل کرتے ہوئے ذکر کریں گے: اگر اتنا پانی آیا جس کے ساتھ بعض زمین کاشت کر سکتا ہے اگر چاہے تو مکمل اجارہ فسخ کر دے یا اسے چھوڑے رکھے اور جس قدر زمین سیراب کی ہے اسی حساب سے اجرت دے دے۔

29576۔ (قوله: بِزَرْعٍ غَيْرِهِ) غیرہ کی ضمیر سے مراد مستاجر ہے۔ اگر کھیتی اس کی ہو تو اجارہ کے صحیح ہونے سے کوئی مانع نہیں۔ اور غیر کا لفظ مؤجر اور اجنبی دونوں کو شامل ہے۔ اگر وہ کھیتی موجر یعنی زمین کے مالک کی ہو تو حیلہ یہ ہے کہ وہ کھیتی کو اس کے ہاتھ معلوم ثمن کے عوض بیچ دے اور دونوں عوض پر قبضہ کر لیں پھر وہ زمین کو اس کے ہاتھ اجرت پردے دے جس طرح ”الخلاصہ“ میں اصل سے منقول ہے۔ اسی طرح کا حکم ہوگا اگر دونوں اجارہ سے پہلے عقد مساقات کریں نہ کہ بعد میں عقد مساقات کریں جس طرح ہم نے پہلے اسے بیان کیا ہے۔

29577۔ (قوله: إِنْ كَانَ الزَّرْعُ بِحَقِّ) اس کی صورت یہ ہے کہ وہ اجارہ کے سبب سے کھیتی کاشت کی گئی ہو اگرچہ اجارہ فاسد ہو تو اجرت مثلی کے بغیر جو مستاجر ہوتا ہے وہ غاصب نہیں ہوتا اور اس پر اجرت مثلی لازم ہوتی ہے۔ ”فتاویٰ قاری الہدایہ“ میں ہے: اجارہ فاسدہ کی بنا پر مستاجر جب کھیتی کاشت کرے گا تو وہ کھیتی باقی رہے گی اسی طرح مساقات ہے، ”ط“۔ عنقریب یہ آئے گا کہ مستعیر کو مستاجر کے ساتھ لاحق کر دیا جائے گا پس اس فصل کو پکنے تک چھوڑے رکھا جائے گا مگر اجرت مثلی لازم ہوگی۔

29578۔ (قوله: مَا لَمْ يُسْتَحْصَدِ) یعنی وہ پک جائے اور کاٹنے کے قابل ہو جائے۔

فَيَجُوزُ وَيُؤْمَرُ بِالْحَصَادِ وَالتَّسْلِيمِ، بِهِ يُفْتَى بِزَايَةٍ (إِلَّا أَنْ يُوجَرَهَا مُضَافَةً) إِلَى الْمُسْتَقْبَلِ فَتَصَحُّ مُطْلَقًا (وَإِنْ) كَانَ الزَّرْعُ (بِغَيْرِ حَقِّ صَحْتٍ) لِإِمْكَانِ التَّسْلِيمِ بِجَبْرِهِ عَلَى قَلْعِهِ أَوْ لَا، فَتَأْوِي قَارِيُ الْهِدَايَةِ فِي الْوَهْبَانِيَّةِ تَصَحُّ إِجَارَةُ الدَّارِ الْمَشْغُولَةِ يَعْنِي وَيُؤْمَرُ بِالتَّفْرِيعِ، وَابْتِدَاءُ الْمُدَّةِ مِنْ حِينَ تَسْلِيمِهَا فِي الْأَشْبَاهِ اسْتِئْجَارَ مَشْغُولًا وَفَارِغًا صَحَّ فِي الْفَارِغِ فَقَطْ، وَسَيَجِيءُ فِي الْمُتَفَرِّقَاتِ (و) تَصَحُّ إِجَارَةُ أَرْضٍ (لِلْبِنَاءِ وَالْغُرْسِ) وَسَائِرُ الِاتِّفَاعَاتِ كَطَبْخِ آجِرٍ وَخَزْفٍ وَمَقِيلًا وَمُرَاحًا

پس عقد جائز ہو جائے گا اور فصل کاٹ لینے اور زمین سپرد کرنے کا حکم دیا جائے گا اسی پر فتویٰ دیا جاتا ہے، ”بزایہ“۔ مگر جب زمین کو زمانہ مستقبل کی طرف منسوب کرتے ہوئے اجرت پر دیا جائے۔ پس اجارہ مطلقاً صحیح ہوگا اگر کھیتی کسی حق کے بغیر ہو تو اجارہ صحیح ہوگا کیونکہ سپرد کرنا ممکن ہے۔ کیونکہ اسے فصل اکھیر لینے کا حکم دیا جاسکتا ہے وہ فصل پکی ہو یا نہ پکی ہو ”فتاویٰ قاری الہدایہ“۔ ”وہبانیہ“ میں ہے: دار مشغول کا اجارہ صحیح ہے یعنی اسے فارغ کرنے کا حکم دیا جائے گا اور عرصہ کا آغاز زمین حوالے کرنے سے ہوگا۔ ”الاشباہ“ میں ہے: ایک آدمی نے مشغول اور فارغ چیز اجارہ پر لی تو اجارہ صرف فارغ میں صحیح ہوگا متفرقات میں عنقریب آئے گا۔ عمارت بنانے، درخت لگانے اور باقی منافع حاصل کرنے جیسے اینٹیں پکانے، برتن پکانے، قیلولہ کرنے اور اونٹوں کا بازار بنانے کے لیے زمین کو اجارہ پر دینا صحیح ہے۔

29579۔ (قوله: بِهِ يُفْتَى بِزَايَةٍ) اسی کی مثل ”الخانیہ“ میں ہے۔

29580۔ (قوله: إِلَى الْمُسْتَقْبَلِ) یعنی اس وقت تک جس میں کھیتی کو کاٹا جاتا ہے اور زمین اس کھیتی سے فارغ ہو

جاتی ہے۔

29581۔ (قوله: مُطْلَقًا) خواہ کھیتی حق کے سبب سے ہو یا حق کے سبب سے نہ ہو خواہ اسے کانٹے کا مطالبہ کیا گیا ہو یا

کانٹے کا مطالبہ نہ کیا گیا ہو۔

29582۔ (قوله: بِجَبْرِهِ) یعنی زارع کو مجبور کرنے کے سبب سے۔

29583۔ (قوله: وَسَيَجِيءُ فِي الْمُتَفَرِّقَاتِ) یعنی کتاب الاجارہ کے متفرقات میں عنقریب یہ بھی آئے گا کہ

”الاشباہ“ میں جو قول ہے اسے اس پر محمول کیا جائے کہ اگر کسی عین کو اجرت پر لے جس کا بعض فارغ ہو اور اس کا بعض مشغول ہو یعنی جو مشغول ہے اس کو فارغ کرنے میں ضرر ہو تو یہ اس قول کے منافی نہیں ہوگا جو ”وہبانیہ“ میں ہے۔

29584۔ (قوله: وَمَقِيلًا وَمُرَاحًا) اس کا عطف ان کے قول للبناء پر ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کے ارشاد

لِتَرَكِبُوها وَزِينَةً (النحل: 8) میں زینت کا عطف لتركبوها پر ہے۔ مقیل سے مراد قیلولہ کی جگہ ہے۔ مراح یہ لفظ میم کے ضمہ

کے ساتھ ہے۔ اس سے مراد چوپاؤں کی جائے پناہ ہے۔ پہلی دونوں سے مراد مصدر میمی ہے تاکہ دونوں کو مفعول نہ بنانا صحیح ہو

پھر صاحب ”البحر“ نے اسے بحث کے انداز سے ذکر کیا ہے اور ”طوری“ نے اس کی پیروی کی ہے ”شہاب شہبی“ اور

حَتَّى تَلْزَمَ الْأَجْرَةَ بِالتَّسْلِيمِ أَمْكَنْ زِمَاعَتُهَا أَمْ لَا بَحْرٌ (فَإِنْ مَضَتْ الْبُدَّةُ قَلَعَتْهَا وَسَلَّمَهَا فَارِغَةً لِعَدَمِ نَهَايَتِهَا) (إِلَّا أَنْ يَغْرَمَ لَهُ الْمُؤَجَّرُ قِيَمَتَهُ) أَيْ الْبِنَاءِ وَالْغَرْسِ (مَقْلُوعًا) بِأَنْ تُقَوِّمَ الْأَرْضَ بِهَيَا

یہاں تک کہ زمین سپرد کرنے کے ساتھ اجرت لازم ہو جاتی ہے اس کی زراعت ممکن ہو یا ممکن نہ ہو، ”بحر“۔ اگر مدت گزر جائے تو ان دونوں کو اکھیڑ دے اور زمین فارغ حالت میں مالک کے حوالے کر دے۔ کیونکہ دونوں کی مدت کی انتہا نہیں مگر موجرا سے عمارت اور درختوں کی قیمت دے دے جب کہ وہ اکھیڑے ہوئے ہوں۔ اس کی صورت یہ ہے کہ زمین کی ان دونوں کے ساتھ

”حانوتی“ نے اس کا فتویٰ دیا ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ ایسی زمین پر قدرت حاصل ہو جانا جس کو پانی لگتا ہو اجرت کو لازم کر دیتا ہے وہ اس زمین کی زراعت پر قادر ہو یا نہ ہو۔ کہا: اس کے عقد کے صحیح ہونے میں کوئی شک نہیں۔ کیونکہ اس نے زمین خصوصی کھیتی کاشت کرنے کے لیے اجرت پر نہیں لی یہاں تک کہ اس زمین کی سیرابی کا نہ ہونا اجارہ کے فسخ کا باعث ہو۔ ”الاشباہ“ کے کتاب الوقف میں اس پر استدلال کرنے میں طویل گفتگو کی ہے۔ ”حموی“ نے یہ نقل کیا ہے کہ بعض علماء نے اس اجارہ کے صحیح ہونے میں توقف کیا ہے اور طویل گفتگو کی ہے پس ان دونوں کی طرف رجوع کیجئے۔

29585۔ (قوله: أَمْكَنْ زِمَاعَتُهَا أَمْ لَا) یہ حکم اس صورت میں ہے جب وہ اسے کھیتی کاشت کرنے کے لیے اجرت پر نہ لے اگر وہ کھیتی کاشت کرنے کے لیے اجرت پر لے تو اس میں کھیتی کاشت کرنے کا ممکن ہونا ضروری ہے جس طرح یہ قول گزر چکا ہے اور عنقریب یہ قول آئے گا۔ ”فتنبہ“۔

29586۔ (قوله: قَلَعَتْهَا) یعنی جب درختوں میں پھل ہوں پس پھل پکنے تک اجرت مثلی کے ساتھ وہ عقد باقی رہے گا۔

29587۔ (قوله: وَسَلَّمَهَا فَارِغَةً) اس پر لازم ہو گا کہ زمین کو ہموار کرے کیونکہ وہ اس کو خراب کرنے والا ہے۔ ”طحاوی“ نے ”حموی“ سے نقل کیا ہے۔

29588۔ (قوله: لِعَدَمِ نَهَايَتِهَا) یعنی عمارت اور درخت کی کوئی انتہا نہیں کیونکہ ان دونوں کی کوئی مدت معلوم نہیں۔ کھیتی کا معاملہ مختلف ہے جس طرح آگے آئے گا۔

29589۔ (قوله: مَقْلُوعًا) یعنی جو قلع کا مستحق ہو کیونکہ ایسے درخت کی قیمت اکھیڑے گئے درخت سے کم ہوتی ہے جس طرح غصب میں ہے، ”قہستانی“۔ ”شرنبلائیہ“ میں ہے: ان دونوں کے مالک کو ان دونوں چیزوں کے اکھیڑنے کا حکم دیا جائے گا ہم نے اس کی یہ تفسیر بیان کی ہے۔ کیونکہ مقلوع کی قیمت اس سے زیادہ ہوتی ہے جس کے اکھیڑنے کا حکم دیا گیا ہو کیونکہ اکھیڑنے میں مشقت برداشت کرنا پڑتی ہے۔ ”کفایہ“ میں اسی طرح ہے۔

29590۔ (قوله: بِأَنْ تُقَوِّمَ الْأَرْضَ بِهَيَا) یعنی وہ چیزیں جن کا اکھیڑنا لازم ہے ان کے ساتھ زمین کی قیمت لگائی

وَبَدُونِهَا فَيُضَمَّنَ مَا بَيْنَهُمَا اخْتِيَارًا (وَيَتَمَلَّكُهُ) بِالنَّصْبِ عَطْفًا عَلَى يَغْرَمُ؛ لِأَنَّ فِيهِ نَظْرًا لَهَا قَالَ فِي الْبَحْرِ وَهَذَا إِلَّا سِتْنَاءً مِنْ لُزُومِ الْقَدْحِ عَلَى الْمُسْتَأْجِرِ، فَأَقَادَ أَنَّهُ لَا يَلْزِمُهُ الْقَدْحُ لَوْ رَضِيَ الْمَوْجِرُ بِدَفْعِ الْقِيَمَةِ لَكِنْ إِنْ كَانَتْ تَنْقُصُ بِتَمَلُّكِهَا جَبْرًا عَلَى الْمُسْتَأْجِرِ إِلَّا فَبِرِضَاكَ (أَوْ يَرْضَى) الْمَوْجِرُ عَطْفًا عَلَى يَغْرَمُ (بِتَرْكِهِ) أَمَى الْبِنَاءِ وَالْغَرَسِ (فَيَكُونُ الْبِنَاءُ وَالْغَرَسُ لِهَذَا وَالْأَرْضُ لِهَذَا)

اور ان دونوں کے بغیر قیمت لگائی جائے تو درمیان میں جو فرق ہے اس کی ضمانت دے دے، ”اختیار“۔ اور موجر مالک بن جائے گا یہ نصب کے ساتھ یغرم پر معطوف ہے۔ کیونکہ اس میں دونوں کے فائدے کو پیش نظر رکھا گیا ہے۔ ”البحر“ میں کہا ہے: یہ استثناء اس امر سے ہے کہ اکھیڑنا مستاجر پر لازم ہے۔ اس قول نے یہ فائدہ دیا کہ اکھیڑنا اس پر لازم نہیں اگر موجر اس کی قیمت دینے پر راضی ہو جائے۔ لیکن اگر کھودنے سے زمین میں نقص واقع ہوتا ہو تو وہ مستاجر پر جبر کرتے ہوئے اس کا مالک ہو جائے ورنہ اس کی رضا مندی سے مالک ہوگا۔ یا موجر اس عمارت اور درخت کے چھوڑنے پر راضی ہو۔ یہ رضی کا عطف یغرم پر ہے۔ پس عمارت اور درخت اس کے ہوں گے اور زمین اس کی ہوگی۔

جائے جس طرح تو جان چکا ہے۔ اس سے غصب میں جو ”عینی“ کا اعتراض ہے وہ ختم ہو چکا ہے یعنی یہ اس کے اکھیڑے گئے کی قیمت کی ضمانت نہیں بلکہ یہ اس کے اکھیڑے ہونے کی حالت میں قیمت کی ضمانت ہے۔ ”الکفایہ“ میں یہ اسی طرح ہے۔ بے شک یہ اس کے ملکہ کی قیمت کی ضمانت اس وقت ہوگی اگر عمارت اور درختوں کی قیمت اس وقت لگائی جائے جب وہ اکھیڑے ہوئے ہوں اور زمین پر پڑے ہوئے ہوں۔ گویا اس سے یہ سمجھا گیا کہ زمین کی قیمت اس صورت میں لگائی جائے گی جب یہ بقا کے مستحق ہوں۔ یہ مراد نہیں اور نہ دوسری مراد ہے جس کا انہوں نے ذکر کیا ہے بلکہ وہ مراد ہے جو گزر چکا ہے۔ فقہ بر 29591۔ (قوله: لِأَنَّ فِيهِ نَظْرًا لَهَا) کیونکہ ہم نے مدت گزرنے کے بعد موجر کے لیے زمین قبضہ میں لینے کو واجب کیا اور مستاجر کے لیے دونوں جو اکھیڑنے کے مستحق ہیں کی قیمت کو واجب کیا ہے۔ کیونکہ دونوں کو حق کے سبب سے زمین میں رکھا گیا ہے۔

29592۔ (قوله: فِي الْبَحْرِ الْخ) یہ امر مخفی نہیں کہ اس وقت کلام سے استفادہ یہ ہے کہ موجر کو حق حاصل ہے کہ مستاجر پر جبر کرتے ہوئے اسے اپنی ملک میں لے لے خواہ اکھیڑنے سے زمین میں نقص واقع ہوتا ہو اسی وجہ سے زمین پر جبر کرنا ہدایہ نے کہا: یہ حکم اس وقت ہے جب اکھیڑنے سے زمین میں نقص واقع ہوتا کہ موجر سے ضرر کو دور کیا جائے اور مستاجر پر کوئی ضرر نہیں۔ لیکن کلام اکھیڑنے کے استحقاق کے بارے میں ہے اور قیمت اس کے قائم مقام ہو جاتی ہے۔ اگر اکھیڑنے سے زمین میں نقص واقع نہ ہوتا ہو تو مستاجر کی رضا مندی کے بغیر وہ اس کا مالک نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ دونوں ملکیت کے ثبوت میں اور ایک کے دوسرے پر راجح نہ ہونے میں برابر ہیں۔ ملخص

استثناء کے مرجع کے بیان کے بعد اس حمل کی کوئی ضرورت نہیں جس طرح زیلیعی وغیرہ نے کہا ہے۔ اس سے یہ معلوم ہو جاتا

وَهَذَا التَّرْكُ إِنِّ بِأَجْرِ فِإِجَارَةٍ وَإِلَّا فِإِعَارَةٍ، فَلَهُمَا أَنْ يُؤَاجِرَاهُمَا لِثَالِثٍ وَيَقْتَسِمَا الْأَجَرَ عَلَى قِيَمَةِ الْأَرْضِ بِلَا بِنَاءٍ وَعَلَى قِيَمَةِ الْبِنَاءِ بِلَا أَرْضٍ، فَيَأْخُذُ كُلُّ حِصَّتِهِ مُجْتَبَىٰ وَفِي وَقْفِ الْقُنْيَةِ بَنَىٰ فِي الدَّارِ الْمُسَبَّلَةِ بِلَا إِذْنِ الْقِيَمِ وَنَزَعُ الْبِنَاءِ يَضُرُّ بِالْوَقْفِ يُجْبِرُ الْقِيَمَ عَلَى دَفْعِ قِيَمَتِهِ لِلْبَانِي الْخ (وَلَوْ اسْتَأْجَرَ أَرْضَ وَقْفٍ وَغَرَسَ فِيهَا)

یہ ترک کرنا اگر اجرت کے بدلے میں ہو تو یہ اجارہ ہوگا ورنہ اعارہ ہوگا۔ پس ان دونوں کو یہ حق حاصل ہوگا کہ کسی تیسرے آدمی کو اجرت پر دے دیں اور وہ دونوں اجر کو زمین کی قیمت پر جو عمارت کے بغیر ہو اور عمارت کی قیمت پر جو زمین کے بغیر ہو پر تقسیم کر لیں پس ہر ایک اپنا حصہ لے لے گا، ”مجتبىٰ“۔ ”قنیه“ کے کتاب الوقف میں ہے: ایسا گھر جو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے چھوڑا گیا تھا اس میں رہنے والے نے نگران کی اجازت کے بغیر کوئی شے تعمیر کی اور اس تعمیر کو گرانا یہ وقف میں ضرر کا باعث ہے تو نگران کو حکم دیا جائے گا کہ وہ بنانے والے کو اس عمارت کی قیمت دے دے، الخ۔ اگر وقف کی زمین اجرت پر لی اس میں درخت لگائے

ہے کہ ”البحر“ کا قول غیر ظاہر ہے جب کہ وہ دوبارہ اس کے محتاج ہوئے تو انہوں نے اس تفصیل کو ذکر کیا جس طرح ہمارے شارح نے اپنے اس قول لکن الخ کے ساتھ کیا ہے، فتنہ۔ یہ وہ ہے جس کی طرف اشارہ اس باب سے پہلے گزر چکا ہے کہ جو کچھ فتاویٰ میں ہے وہ ان شروح کے خلاف ہے بلکہ جو متون میں ہے ان کے خلاف ہے۔ ہم وہاں پہلے مصنف سے نقل کر آئے ہیں کہ یہ قول ملک اور وقف کو شامل ہے۔

29593۔ (قوله: إِنِّ بِأَجْرِ) کہ وہ ان دونوں کی بقا کے لیے عقد اجارہ ان کی شروط کے ساتھ کرے۔

29594۔ (قوله: فَلَهُمَا) یہ ان کے قول والافاعارۃ کے ساتھ مرتبط ہے۔ ”ط“۔ یعنی اگر ترک اجر کے بدلے میں ہو تو زمین کے مالک کے لیے کوئی عمل دخل نہیں ہوگا۔

29595۔ (قوله: الْمُسَبَّلَةِ) ”رملی“ نے کہا: کتاب الوقف میں یہ قول گزر چکا ہے کہ سبیل اسے کہتے ہیں جو عام لوگوں پر وقف ہوتا ہے۔

29596۔ (قوله: إِلَىٰ آخِرِهِ) ”القنیه“ کی مکمل عبارت یہ ہے: مستاجر کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ وقف شدہ زمین میں درخت اور انگور کی بلیں لگائے جب یہ زمین کو نقصان نہ دیں جب کہ متولی کی جانب سے صریح اذن نہ ہو۔ حوض کھودنے کا معاملہ مختلف ہے۔ متولی کے لیے یہ حلال ہے کہ وہ اس چیز کا اذن دے دے جو وقف کے خیر میں اضافہ کا باعث ہو۔ یہ حکم اس صورت میں ہے جب عمارت کی پختگی اس میں نہ ہو۔ جب عمارت کی پختگی اس میں ہو تو کھودنا، درخت لگانا اور اس کی مٹی سے دیوار بنانا جائز ہوگا۔ کیونکہ اس جیسی چیزوں میں دلالت کے اعتبار سے اجازت ہوتی ہے۔ ”بحر“۔

29597۔ (قوله: وَلَوْ اسْتَأْجَرَ أَرْضَ وَقْفٍ) وقف کی قید لگائی ہے کیونکہ ”خیر یہ“ میں ”حاوی زاہدی“ سے ”الاسرار“

وَبَنَى (ثُمَّ مَضَتْ مُدَّةُ الْإِجَارَةِ فَلِلْمُسْتَأْجِرِ اسْتِيفَاؤُهَا بِأَجْرِ الْبِثْلِ إِذَا لَمْ يَكُنْ فِي ذَلِكَ ضَرَرٌ بِالْوَقْفِ) وَلَوْ أَبَى الْمُؤَقِّفُ عَلَيْهِمْ إِلَّا الْقَدَمَ لَيْسَ لَهُمْ ذَلِكَ) كَذَا فِي الْقُنْيَةِ قَالَ فِي الْبَحْرِ،

اور کوئی عمارت بنائی پھر اجارہ کی مدت ختم ہو گئی۔ جب وقف میں ضرر نہ ہو تو مستاجر کو حق حاصل ہوگا کہ اجرت مثلی کے ساتھ ان کو باقی رکھے۔ اگر موقوف علیہم درخت اکھیڑنے کے سوا ہر شے کا انکار کر دیں تو انہیں یہ حق حاصل نہیں ہوگا ”قنیہ“ میں اسی طرح ہے۔ ”بحر“ میں کہا:

سے منقول ہے: یہ صورت مختلف ہوگی جب اس نے مملوک زمین اجرت پر لی کہ مستاجر کو یہ حق حاصل نہیں ہوگا وہ انہیں اسی طرح باقی رکھے اگر مالک اسے اکھیڑنے کے بغیر راضی نہ ہو بلکہ اس کے اکھیڑنے پر اسے مجبور کرے گا مگر درختوں کی قیمت زمین کی قیمت سے زیادہ ہو تو مستاجر مالک کے لیے زمین کی قیمت کی ضمانت دے گا۔ پس درخت اور زمین غارس کے لیے ہوں گے۔ اس کے برعکس مالک درختوں کی ضمانت دے گا پس زمین اور درخت اس کے ہوں گے۔ عاریہ میں حکم اسی طرح ہے۔

29598۔ (قوله: وَبَنَى) یہاں واو، او کے معنی میں ہے۔ ”ط“۔

ہر عادل، عالم، قاضی اور امین نگران جو ظالم نہیں پر اوقاف کے مفادات کا خیال رکھنا واجب ہے

29599۔ (قوله: كَذَا فِي الْقُنْيَةِ) مصنف نے جو کچھ ذکر کیا ہے اس کی طرف اشارہ ہے۔ ”خیریہ“ میں اسی کے مطابق

فتویٰ دیا ہے یہ کہتے ہوئے: تجھے علم ہے کہ شرع خصوصاً ضرر کا انکار کرتی ہے جب کہ لوگ بھی اس پر قائم ہیں جب کہ اکھیڑنے میں ان پر ضرر لاحق ہوتا ہے حدیث شریف میں نبی مختار سے مروی ہے: لا ضرر ولا ضرار، نہ ابتداءً ضرر پہنچانا اور نہ بدلے میں ضرر پہنچانا (1)۔ ”حامد“ میں اسی کے مطابق فتویٰ دیا ہے۔ لیکن ”خیریہ“ میں ایک اور موقع پر اس کے برعکس پر فتویٰ دیا ہے اور کہا: درختوں کو اکھیڑا جائے گا اور زمین وقف کی نگران کے حوالے کر دی جائے گی جس طرح تمام متون میں اس کی تصریح کی ہے۔

میں کہتا ہوں: جب یہ متون کے مخالف ہے تو اس کے مطابق فتویٰ دینا کیسے جائز ہوگا جب کہ یہ ”قنیہ“ کے کلام میں سے ہے۔ اس میں جو کچھ ہے اس پر عمل نہیں کیا جائے گا جب یہ غیر کے خلاف ہو جس طرح اس امر کی ”ابن وہبان“ وغیرہ نے تصریح کی ہے۔ متون میں جو بے شارحین اور اصحاب فتویٰ نے اسے ثابت رکھا ہے۔ علماء نے اس میں اختلاف کیا ہے کہ یہ موجب مستاجر پر جبر کرتے ہوئے عمارت اور درختوں کا مالک بن جائے گا جس طرح قول گزر چکا ہے۔ کیونکہ شریعت میں جو قول ہوتا ہے اسے اس قول پر مقدم کیا جاتا ہے جس پر اصحاب فتاویٰ نے اتفاق کیا ہو۔ جس پر سب کا اتفاق ہو وہ تقدیم میں آوے ہے۔ کاش مصنف اسے اپنے متن میں ذکر نہ کرتے۔

”ابوسعود“ نے ”حاشیہ مسکین“ میں جو جواب دیا ہے کہ ”القنیہ“ میں جو قول ہے وہ اس بارے میں مفروض ہے جب وہ باقی رکھنے کی شرط لگائے گا اور متن میں جو موجب کے رضا کی شرط لگائی ہے وہ اس کے بارے میں ہے جب بقا کی شرط نہ لگائی ہو

1۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الاحکام، باب بنی فی حقہ ما یضرب جارہ، جلد 2، صفحہ 83، حدیث نمبر 2330

یہ مخالفت کے منافی نہیں۔ کیونکہ متون میں جو قول ہے وہ مطلق ہے اور ان کے مفاہیم حجت ہیں۔ بعض اوقات یہ کہا جاتا ہے: یہ شرط مفسد ہے۔ کیونکہ اس میں مستاجر کا نفع ہے اگر یہ امر وقف پر اس کے غلبہ تک نہ لے جائے اس میں اس کا تصرف ملک کا تصرف ہے۔ جس طرح ہمارے زمانہ میں اس کا مشاہدہ کیا جاتا ہے اور وہ قلیل اور بے وقعت چیز کے بدلے اجرت پر لے لینا ہے اور یہ دعویٰ کرنا کہ اس پر اجرت کی زیادتی ظلم اور بہتان ہے۔ اس کا منشا نگران ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کا نور بصارت سب کرے ان کا مقصود اس سے رشوت ہوتا ہے جسے وہ خدمت کا نام دیتے ہیں۔ کیونکہ جو ”القنیہ“ میں ہے: اگر وہ اس قول سے قوی ہو جائے جس کا ذکر ”خصاف“ نے کیا جس طرح آگے آئے گا اور یہ فرض کیا گیا کہ یہ اس قابل ہو گیا ہے کہ وہ شروح، متون اور فتاویٰ کے معارض ہو تب بھی اس کے مطابق فتویٰ نہیں دیا جائے گا۔ کیونکہ یہ گزر چکا کہ ہر اس قول کے مطابق فتویٰ دیا جاتا ہے جو وقف کے لیے زیادہ نفع کا باعث ہو جس میں علماء نے اختلاف کیا ہو اور اس پر اس قول کی تصحیح کی بنیاد رکھی ہے جو اجرت مثلی میں زیادتی کے لیے اجارہ کے فسخ کرنے کا قول کرتے ہیں جس طرح قول گزر چکا ہے۔ ہمارے زمانہ میں معاملہ اس کے برعکس ہو چکا ہے یہاں تک قاضی وقف پر مذہب میں حیلہ نہیں پاتے تو غیر کے مذہب کو اس کے لیے وسیلہ بنا لیتے ہیں۔ پس امر کا انجام اس پر ہوتا ہے کہ اوقاف پر غلبہ ہو جاتا ہے، مساجد اور مدارس تباہ ہو جاتے ہیں، علماء ناپید ہو جاتے ہیں، مستحقین اور وقف کرنے والوں کی اولاد محتاج ہو جاتی ہے۔ جب لوگوں کے درمیان کوئی ایک اس کے متعلق گفتگو کرتا ہے تو لوگ اس کی کلام کو عجیب و غریب خیال کرتے ہیں۔ یہ پرانی مصیبت ہے۔ علامہ ”قنلی زادہ“ نے اسے ذکر کیا ہے جس کی تلخیص یہ ہے: وقف شدہ زمین پر عمارت تعمیر کرنے اور درخت لگانے کا مسئلہ شہروں میں خصوصاً دمشق میں بہت زیادہ واقع ہوا ہے۔ کیونکہ اس کے باغات زیادہ ہیں اکثر اوقاف ہیں اجرت پر لینے والے لوگوں نے وہ باغ لگائے اور انہیں اپنی ملک بنا لیا۔ ان میں سے اکثر کے اجارہ اجرت مثلی سے کم ہیں یا تو ابتدا سے ہی ایسا ہے یا رغبتوں کی زیادتی کی وجہ سے ہے۔ اسی طرح شہروں کی دکانیں ہیں جب متولی یا قاضی اجرت مثلی تک ان کے اجارات کو بلند کرنا چاہتا ہے تو اجرت پر لینے والے مظلوم بن جاتے ہیں اور وہ یہ گمان کرتے ہیں کہ یہ ظلم ہے اور متولی قاضی ظالم ہیں جس طرح شاعر نے کہا:

تشکو المحب ویشکو وہی ظالمة کالقوس تصی الرمایا وہی مرنان

وہ محب کی شکایت کرتی ہے اور محب شکایت کرتا ہے جب کہ وہ ظالم ہوتی ہے جس طرح قوس تیروں کو بے آواز چھوڑتی ہے جب کہ وہ خود آواز دے رہی ہوتی ہے۔

بعض مقتدر اور اکابر ان کی معاونت کرتے ہیں اور یہ گمان رکھتے ہیں کہ یہ لوگوں میں فتنہ کی تحریک پیدا کرتا ہے اور وہ یہ گمان کرتے ہیں کہ صحیح یہ ہے کہ امور کو اسی طرح باقی رکھا جائے جس طرح وہ ہیں اور وہ یہ گمان کرتے ہیں امور میں سے سب سے برے نئے امور ہیں اور وہ یہ نہیں جانتے کہ شر یہ ہے کہ شرع سے آنکھ کو بند کیا جائے۔ اور فساد امت کے وقت سنت کو زندہ کرنا بہترین جہاد ہے اور سب سے بڑی قربت ہے۔ پس ہر عادل، عالم، قاضی اور ہر امین نگران جو ظالم نہیں پر واجب ہے کہ

وَبِهَذَا تَعْلَمُ مَسْأَلَةَ الْأَرْضِ الْمُحْتَكَرَةِ، وَهِيَ مَنْقُولَةٌ أَيْضًا فِي أَوْقَافِ الْخَصَافِ وَالرَّطْبَةِ لِعَدَمِ نِهَائِيَّتِهَا كَالشَّجَرِ فَتُقَدَّمُ بَعْدَ مُضِيِّ الْمُدَّةِ، ثُمَّ الْمُرَادُ بِالرَّطْبَةِ مَا يَبْقَى أَصْلُهُ فِي الْأَرْضِ أَبَدًا،

اس سے ارض محککہ کا مسئلہ بھی معلوم ہو جاتا ہے جب کہ وہ بھی ”خصاف“ کے کتاب الاوقاف میں منقول ہے۔ اور ہمزیاں ان کی انتہا کے نہ ہونے کی وجہ سے درخت کی مانند ہیں پس اجارہ کی مدت کے ختم ہونے کے بعد انہیں اکھیڑ دیا جائے گا۔ پھر رطبہ سے مراد وہ چیز ہوتی ہے جس کی جڑ زمین میں ہمیشہ باقی رہتی ہے

وہ اوقاف کے مفادات کا خیال رکھے۔ اگر صورتحال یہ ہو کہ جب عمارت اور درخت کو ختم کر دیا جائے تو زمین کو زیادہ اجرت پر لیا جاسکتا ہے تو اس اجارہ کو فسخ کر دے اور اس کی عمارت اور درختوں کو اکھیڑ دیا جائے یا وہ اس اجرت کے ساتھ اسے قبول کرے عمارت کو ختم کرنا کم ہی ایسا ہوا کہ وہ زمین کو نقصان پہنچائے۔ کیونکہ اس میں غالب یہ ہوتا ہے کہ اس میں نفع ہوتا ہے اور وقف کے لیے رشک کا باعث ہوتا ہے الخ۔ یہ ایک ورق میں معلوم ہو گیا۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العلیہ

اس زمین کا بیان جو درختوں کے لیے روکی گئی ہو اور استحکار کا معنی

29600۔ (قولہ: الْمُحْتَكَرَةُ) ”خیریہ“ میں کہا: استحکار عقد اجارہ ہے جس کے ساتھ یہ قصد کیا جاتا ہے کہ وہ زمین کو باقی رکھے جب کہ وہ بنا اور درخت لگانے کے لیے مقرر کی گئی ہو یا ان دونوں میں سے ایک کے لیے مقرر کی گئی ہو۔

29601۔ (قولہ: وَهِيَ مَنْقُولَةٌ الْخ) ضمیر ”القنیہ“ کے مسئلہ کے لیے ہے مقصود اس کی تقویت ہے۔ پس یہ متون کے کلام کے لیے مخصوص ہوگی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ بغیر ضرر کے جانہن کی روایت کرنا ممکن ہے اور اکھیڑنے میں فائدہ نہیں۔ کیونکہ جب اسے اکھیڑا جاتا ہے تو اس سے زیادہ اجرت پر اسے نہیں دیا جاتا۔ اس تعبیر کی بنا پر اگر مستاجر مر جائے تو اس کے ورثاء کو حق حاصل ہوگا کہ اسے باقی رکھیں اگر کسی قسم کا ضرر حاصل ہو۔ اس کی صورت یہ ہے کہ وہ خود یا اس کا وارث مفلس ہو یا بد معاملہ ہو یا غلبہ پانے کی خواہش رکھنے والا ہو جس سے وقف پر کوئی خوف ہو یا اس کے علاوہ ضرر کی صورت ہو تو جن پر اسے وقف کیا گیا ہے ان پر جبر نہیں کیا جائے گا، تامل۔ ”رہی“۔ ملخص

انہوں نے اپنے فتاویٰ میں باب ضمان الاجیر سے تھوڑا پہلے ارض محککہ کے بارے میں خصوصاً اس کے خلاف فتویٰ دیا ہے۔ تو کہا: قیم کو حق حاصل ہے کہ وہ عمارت کو ختم کرنے اور زمین کو فارغ سپرد کرنے کا مطالبہ کرے جس طرح ان کے اطلاعات سے مستند ہے۔ ان میں کوئی خفا نہیں کہ اس وقت ضرر متحقق ہے۔ ”الاسعاف“ میں اس کی تصریح کی ہے: اگر یہ امر واضح ہو جائے کہ مستاجر سے وقف کے عمام کے بارے میں خوف ہے تو قاضی اجارہ کو فسخ کر دے اور اس کے قبضہ سے اسے نکال دے تو اجارہ کی مدت گزر جانے کے بعد کہ اسے اجارہ پر دیا جاسکتا ہے؟

29602۔ (قولہ: وَالرَّطْبَةُ كَالشَّجَرِ) یہ متون کے مسائل ہیں مصنف نے ان کے درمیان اور مابقی مسائل کے درمیان ”القنیہ“ کی عبارت سے فاصلہ کیا ہے۔ ان کا قول کالشجر یعنی اس کا حکم وہی ہے جو گزشتہ حکم تھا کہ اکھیڑنا لازم ہے۔

وَأَنَّا يُقَطَّفُ وَرَقُهُ وَيُبَاعُ أَوْ زَهْرُهُ وَأَمَّا إِذَا كَانَ لَهُ نِهَآيَةٌ مَعْلُومَةٌ كَمَا فِي الْفُجْلِ وَالْجَزْرِ وَالْبَاذِنِجَانِ فَيَنْبَغِي أَنْ يَكُونَ كَالزَّرْعِ يُتْرَكُ بِأَجْرِ الْبَثْلِ إِلَى نِهَآيَتِهِ كَذَا حَرَّرَهُ الْمُصَنِّفُ فِي حَوَاشِي الْكَنْزِ، وَقَوَّاهُ بِمَا فِي مُعَامَلَةِ الْخَانِيَّةِ فَلْيُحْفَظْ قُلْتُ بَقِيَ لَهُ نِهَآيَةٌ مَعْلُومَةٌ لَكِنَّهَا بَعِيدَةٌ طَوِيلَةٌ كَالْقَصَبِ فَيَكُونُ كَالشَّجَرِ كَمَا فِي فَتَاوَى ابْنِ الْجَلْبِيِّ فَلْيُحْفَظْ (وَالزَّرْعُ يُتْرَكُ بِأَجْرِ الْبَثْلِ إِلَى إِذْرَاكِهِ) رِعَايَةً لِلْجَانِبَيْنِ؛ لِأَنَّهُ لَهُ نِهَآيَةٌ كَمَا مَرَّ

اور اس کے اوراق کاٹے جاتے ہیں اور بیجے جاتے ہیں یا اس کی کلیاں کاٹی اور بیچی جاتی ہیں مگر جب ان کی معلوم انتہا ہو جس طرح مولیٰ، گاجر اور بیگن میں ہے تو چاہیے کہ وہ کھیتی کی طرح ہو۔ اسے اس کی انتہا تک اجرت مثل کے ساتھ چھوڑا جاتا ہے۔ مصنف نے ”حواشی کنز“ میں اسی طرح بیان کیا ہے۔ اور ”الخانیہ“ کے کتاب المعاملہ میں جو قول ہے اس کے ساتھ اسے قوت بہم پہنچائی ہے پس اسے یاد رکھا جانا چاہیے۔ میں کہتا ہوں: ایک باقی رہ گیا ہے جس کی نہایت معلوم ہو لیکن وہ بعید اور طویل ہو جیسے سرکنڈہ تو وہ درخت کی مانند ہوگا جس طرح ”فتاویٰ ابن حلبی“ میں ہے۔ پس اس کو یاد رکھا جائے۔ کھیتی کو اجرت مثلی کے ساتھ اس کے پکنے تک چھوڑ دیا جائے گا تا کہ جانبین کی رعایت کی جائے۔ کیونکہ اس کی نہایت ہے جس طرح گزر چکا ہے

مگر جب موجد ان کی قیمت چٹی کے طور پر دے دے الخ۔ اس سے یہ ظاہر ہو جاتا ہے کہ شارح کا قول فتقدم الخ صحیح تفریع ہے یہ اس کی تصریح نہیں جو ”قنیہ“ میں ہے۔ فافہم

29603۔ (قوله: أَوْ زَهْرُهُ) زیادہ بہتر یہ تھا کہ اسے ثمر سے تعبیر کرتے تاکہ یہ زہر وغیرہ سب کو شامل ہو جاتا۔ ”ط“۔

29604۔ (قوله: كَمَا فِي الْفُجْلِ) یہ لفظ فا کے ضمہ کے ساتھ ہے۔ اس میں ہے۔ مولیٰ اور گاجر سبزیوں میں سے نہیں

بلکہ انہیں صرف ایک دفعہ اکھیڑا جاتا ہے پھر یہ دوبارہ نہیں ہوتیں۔ ”ط“۔

29605۔ (قوله: وَقَوَّاهُ بِمَا فِي مُعَامَلَةِ الْخَانِيَّةِ) معاملہ یعنی مساوات میں ہے۔ ”ہندیہ“ میں ذکر کیا ہے: اگر اس

نے زمین کو کاشت کیا تا کہ اس میں سبزیاں کاشت کرے یا اس نے زمین حوالے کی جس میں سبزیوں کی جڑیں باقی تھیں اور مدت کا ذکر نہ کیا اگر وہ ایسی چیز ہے جس کی نبات کی نہ ہی ابتدا اور نہ ہی جس کے کاٹنے کی انتہا کا معلوم وقت ہو تو معاملہ فاسد ہوگا اگر اس کے کاٹنے کا وقت معلوم ہو تو یہ جائز ہوگا اور عقد پہلی دفعہ کاٹنے پر واقع ہوگا جس طرح پھلدار درخت میں ہوتا ہے۔ ”ط“۔

29606۔ (قوله: قُلْتُ بَقِيَ الْخ) بعض علاقوں میں بیگن اسی قبیل سے ہے اسی طرح بیقیہ ہے۔ ”ساحانی“۔

29607۔ (قوله: وَالزَّرْعُ يُتْرَكُ) یعنی قاضی کے فیصلہ سے یا باہمی رضامندی سے کھیتی کو ترک کیا جائے گا۔

29608۔ (قوله: رِعَايَةً لِلْجَانِبَيْنِ) جر کی جانب کی رعایت اس طرح کی گئی کہ اس کے حق میں اجرت مثلی کو

واجب کیا گیا اور مستاجر کی جانب کی یوں رعایت کی گئی کہ اس کی کھیتی اس کی انتہا تک باقی رکھی گئی۔

(بِخِلَافِ مَوْتٍ أَحَدِهِمَا قَبْلَ إِدْرَاكِهِ فَإِنَّهُ يَثْرُكُ بِالنُّسْخِ) عَلَى حَالِهِ (إِلَى الْخَصَاصِ) وَإِنْ انْفَسَخَتْ
الْإِجَارَةُ: لِأَنَّ إِبْتِقَاعَهُ عَلَى مَا كَانَ أَوَّلَى مَا دَامَتْ الْمُدَّةُ بَاقِيَةً أَمَّا بَعْدَهَا فَبِاجْرِ الْبِشْرِ (وَيُنْصَحُ
بِالنُّسْخِ الْمُسْتَعِينُ)

کھیتی کے پکنے سے پہلے دونوں میں سے ایک مر جائے تو فصل کاٹنے تک مسمیٰ کے ساتھ اس کے مال پر چھوڑ دیا جائے گا اگر
اجارہ فسخ ہو جائے۔ کیونکہ اس کو باقی رکھنا اسی حال پر جس پر وہ ہے اولیٰ ہے جب تک اجارہ کی مدت باقی ہے۔ جہاں تک
مدت کے بعد کا تعلق ہے تو اجرت مثلی کے ساتھ عقد باقی رہے گا۔ معیر کو مستاجر کے ساتھ لاحق کیا جائے گا۔

29609۔ (قولہ: بِخِلَافِ مَوْتٍ) فرق اس طرح ہے جس طرح شارح اس کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ اجارہ کی
مدت کے ختم ہونے کے بعد وہ حکم باقی نہ رہا مدت میں جس پر وہ باہمی راضی ہوئے تھے۔ کیا تو نہیں دیکھتا کہ مدت کے ختم
ہونے کے بعد وہ اجارہ ختم ہو گیا تو نئے تسمیہ کی ضرورت ہوئی اور یہ اجارہ کے ختم ہونے سے پہلے ایسا نہیں ہوتا۔ کیونکہ اس کی
جنس مدت باقی ہے جس کو دونوں نے ذکر کیا تھا پھر اس اجارہ کا حکم ختم نہ ہوا پس نئے تسمیہ سے مستغنی ہو گئے۔ "الفتاویٰ"۔
اگر دو آدمی زمین اجرت پر لیں پھر دونوں میں سے ایک مر جائے تو اجارہ منسوخ نہیں ہوگا

29610۔ (قولہ: وَإِنْ انْفَسَخَتْ الْإِجَارَةُ) "جواب الفتاویٰ" کے پانچویں باب میں جو قول ہے وہ اس کے خلاف
ہے: اگر دو آدمیوں نے ایک آدمی سے زمین اجرت پر لی پھر دونوں مستاجروں میں سے ایک مر گیا تو اس کی موت سے اجارہ
منسوخ نہیں ہوگا جب کھیتی زمین میں ہو۔ اور مسمیٰ غرض اس کے وارثوں میں اسے چھوڑ دیا جائے گا نہ کہ اجرت مثلی کے ساتھ
اسے چھوڑا جائے گا یہاں تک کہ کھیتی پک جائے یہی قول صحیح ہے۔ جب مدت ختم ہو جائے تو معاملہ اس کے برعکس ہوگا۔ مثلاً
اس کی مثل وہ ہے جسے شارح باب الفسخ الاجارہ میں "المنیہ" سے ذکر فرمائی گئی کہ مسمیٰ کے غرض باقی رہے گا یہاں تک
کہ وہ پک جائے۔ فتاویٰ

پھر میں نے "ابہدائع" میں دیکھا کہ مسمیٰ کا وجوب یہ استحسان ہے۔ قیاس یہ ہے کہ اجرت مثلی واجب ہو۔ کیونکہ عقد
حقیقت میں فسخ ہو چکا ہے ہم نے اسے حکماً باقی رکھا۔ پس یہ شبہ عقد کے مشابہ ہے۔ پس اجرت مثلی واجب ہوگی جس طرح کہ
مدت کے ختم ہونے کے بعد اس سے پورے منافع لے۔ ان کا قول لا تنفسح اور ان کا قول یہی عقد مثلی صمد عقد باقی
رہے گا حقیقت میں باقی نہیں رہے گا۔

تنبیہ

اگر دونوں نے عقد اجارہ فسخ کر دیا جب کہ کھیتی بنایاں ہیں ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ زمین نہیں چھوڑے گا۔ ایک قول
یہ کیا گیا ہے: وہ اسے زمین میں چھوڑ دے گا "ذخیرۃ" "بزاز" میں پہلے قول پر اتنا کیا ہے کیونکہ مستاجر اس پر راضی ہے۔

فَيُتْرَكُ إِلَى إِذْرَاكِهِ بِأَجْرِ الْبِثْلِ (وَأَمَّا الْغَاصِبُ فَيُؤْمَرُ بِالنَّقْلِ مطلقاً) لِيُظْلِمَهُ، ثُمَّ الْمُرَادُ بِقَوْلِهِمْ يُتْرَكُ الزَّرْعُ بِأَجْرِ أَيْ بِقَضَاءٍ أَوْ بِعَقْدٍ هَبَا حَتَّى لَا يَجِبَ الْأَجْرُ إِلَّا بِأَحَدِهِمَا كَمَا فِي الْقُنْيَةِ فَلْيُحْفَظْ بَحْرًا (و) تَصَحُّ إِجَارَةُ الدَّابَّةِ لِلرُّكُوبِ وَالْحَمَلِ

پس اجرت مثلی کے ساتھ اس کے پکنے تک اسے باقی رکھا جائے گا۔ جہاں تک غصب کا تعلق ہے تو مطلقاً اسے اکھیڑنے کا حکم دیا جائے گا کیونکہ اس نے ظلم کیا۔ پھر اس کے قول یتْرک الزرع باجر سے مراد ہے یعنی قاضی کی قضا سے یا دونوں کے عقد سے یہاں تک کہ ان دونوں میں سے کسی ایک کے سوا واجب نہیں ہوتا جس طرح ”القنیه“ میں ہے پس اس کو یاد رکھا جائے، ”بحر“۔ جانور سواری کے لیے، بوجھ لادنے کے لیے

29611۔ (قوله: فَيُتْرَكُ إِلَى إِذْرَاكِهِ بِأَجْرِ الْبِثْلِ) خواہ اس نے اجارہ کا وقت ذکر کیا تھا یا وقت ذکر نہ کیا تھا۔ کلام میں اس امر کا شعور دلایا گیا ہے کہ اس نے کھیتی کے لیے اسے عاریہ لیا تھا کتاب العاریہ میں پہلے ذکر کیا ہے اگر اس نے زمین عمارت بنانے اور درخت لگانے کے لیے عاریہ لی تو یہ عقد صحیح ہوگا اور وہ جب چاہے اسے واپس لے لے اور وہ مستعیر کو مجبور کرے گا کہ ان دونوں کو اکھیڑ دے مگر جب اس طریقہ سے زمین میں ضرر لاحق ہوتا ہو پس وہ قیمت کے بدلے میں چھوڑ دیے جائیں گے اس حال میں کہ انہیں اکھیڑ دیا گیا ہو۔ اگر عاریہ کا وقت ذکر کیا تھا اور مالک نے وقت سے پہلے اسے واپس لے لیا ہو تو مستعیر کے لیے اس چیز کا ضامن ہوگا جو اکھیڑنے سے اس میں نقص واقع ہوا۔ ہم اس پر پہلے گفتگو کر چکے ہیں۔

29612۔ (قوله: مُطْلَقًا) یعنی اگرچہ وہ فصل نہ پکی ہو۔ ”ط“۔

29613۔ (قوله: حَتَّى لَا يَجِبَ الْإِجَارَةُ) یہ حکم اس کے علاوہ کے بارے میں ہے جسے متاخرین نے وقف، محاصل حاصل کرنے کے لیے جسے تیار کیا گیا ہو اور یتیم کے مال میں سے جسے مستثنیٰ کیا ہے۔ کیونکہ جب مدت گزر جاتی ہے اور اس کے بعد کھیتی باقی ہے یہاں تک کہ وہ پک جائے تو مدت سے جتنا عرصہ زیادہ ہوا ہے اس میں مطلقاً اجرت مثلی کا فیصلہ کیا جائے گا۔ ”شربنالیہ“۔ جانور سواری کے لیے، بار برداری کے لیے اور کپڑا پہننے کے لیے اجرت پر لینا صحیح ہے

29614۔ (قوله: لِلرُّكُوبِ وَالْحَمَلِ) لیکن اگر اس نے جانور اجرت پر لیا تا کہ اس پر بوجھ لادے تو اسے سوار ہونے کا حق حاصل ہوگا۔ اس کے برعکس معاملہ مختلف ہوگا۔ اگر اس پر بوجھ لادتا تو اس پر کوئی اجرت لازم نہ ہوگی۔ کیونکہ سوار ہونے و حمل کہتے ہیں۔ یہ جملہ بولا جاتا ہے: حمل معہ غیرہ، لیکن اس کے برعکس نہیں ہوتا۔ ”بحر“ میں ”الخلاصہ“ سے مختصر مروی ہے اس میں ”نمدیہ“ سے منقول ہے: ایک آدمی نے جانور اجارہ پر لیا تا کہ اس پر گندم کو ایک جگہ سے اپنے گھر تک لادے ایک دن کے لیے رات تک تو اس نے اس پر بوجھ لاداجب بھی لوٹتا تو اس پر سوار ہوتا تھا۔ ”رازی“ نے کہا: وہ ضامن ہوگا اگر وہ سواری ہلاک ہوگئی۔ ”ابولیث“ نے استحسان میں کہا: ضامن نہیں ہوگی۔ کیونکہ اس کے بارے میں معمول ہے اور دلالت اس کا اذن ہے۔ حاصل کلام یہ ہے: علماء نے اس پر اتفاق کیا ہے اگر اسے بوجھ لادنے کے لیے کرایہ پر لیا تو اسے سواری کا حق ہوگا۔

وَالشُّوبِ لِتُبْسٍ وَلَا تَصِحُّ اِجَارَةُ الدَّابَّةِ (لِيَجْنُبَهَا) أَمَّا لِيَجْعَلَهَا جَنْبَةً بَيْنَ يَدَيْهِ (وَلَا يَزْكِبَهَا وَلَا) تَصِحُّ اِجَارَتُهَا أَيْضًا (لِ) أَجْلِ أَنْ (يَرِيظَهَا عَلَى بَابِ دَارِهِ لِيَرَاهَا النَّاسُ) فَيَقُولُوا لَهُ فَرَسٌ (أَوْ) لِأَجْلِ أَنْ (يُزَيِّنَ بَيْتَهُ) أَوْ حَانُوتَهُ (بِالشُّوبِ) لِمَا قَدْ مَنَّ أَنْ هَذِهِ مَنَفَعَةٌ غَيْرُ مَقْصُودَةٍ مِنَ الْعَيْنِ، وَإِذَا فَسَدَتْ فَلَا أَجْرَ:

اور کپڑا پہننے کے لیے اجرت پر لینا صحیح ہے۔ اور جانور کو اجارہ کے طور پر لینا صحیح نہیں تاکہ اسے اپنے سامنے قتل کر کے چلا اور اس پر سوار نہ ہو اور اس کا اجرت پر لینا صحیح نہیں تاکہ اسے اپنے دروازہ پر باندھے تاکہ لوگ اسے دیکھیں اور کہیں کہ یہ اس کا گھوڑا ہے یا اس لیے اجرت پر لے کہ اپنے گھر کو یا اپنی دکان کو کپڑے سے مزین کرے اس دلیل کی وجہ سے جوہم نے پہلے بیان کیا ہے کہ یہ ایسی منفعت ہے جو غیر مقصود ہے۔ جب اجارہ فاسد ہو گیا تو کوئی اجر نہیں ہوگا۔

لیکن ”رازی“ نے یہ قید لگائی ہے کہ ان دونوں کو جمع نہیں کرے گا۔ ”فقہ“ نے اسے عام کر دیا ہے۔

29615۔ (قوله: وَالشُّوبِ لِتُبْسٍ) اس کے اجارہ میں اس پر قدرت کافی ہے اگرچہ وہ اس کو نہ پہنچے وہ رہائش کی طرح ہے سواری میں قدرت کافی نہیں۔ کیونکہ ”عمادیہ“ میں ہے: ایک آدمی نے جانور کرایہ پر لیا تاکہ معلوم مکان تک اس پر سوار ہو تو وہ اس سواری کو اپنے گھر میں شہر میں روک لے تو اجر واجب نہیں ہوگا اور اگر وہ ہلاک ہو جائے تو ضامن ہوگا۔ ”بحر“ ملخص۔ اور اس کی تکمیل میں سے یہ قول ہے۔

29616۔ (قوله: لِيَجْنُبَهَا) یہ جملہ بولا جاتا ہے: جنب الدابة جنباً اپنے پہلو میں اس کی قیادت کی۔ اسی سے ان کا قول ہے: خیل مجنبہ کثرت کی وجہ سے اسے شدی۔ جنبہ اس جانور کو کہتے ہیں جس کے آگے چلا جاتا ہے ہر مطیع فرمانبردار کو جنب کہتے ہیں۔ اجنب اسے کہتے ہیں جو اطاعت نہیں کرتا۔ ”صحاح“ ملخص۔

29617۔ (قوله: جَنْبَةً بَيْنَ يَدَيْهِ) یعنی جس کو آگے چلایا جائے جس طرح یہ گزشتہ کلام سے معلوم ہو چکا ہے گویا ظرف کی قید عادت کے طور پر لگائی گئی ہے ورنہ ”صحاح“ کا ظاہر معنی اطلاق ہے۔

جب اجارہ فاسد ہو گیا تو کوئی اجر نہیں ہوگا

29618۔ (قوله: وَلَا يَزْكِبَهَا) اس کے مفہوم کی تصریح نہیں کی۔ یہ قول اس امر کا فائدہ دیتا ہے اگر اس نے وہ جانور دونوں مقاصد کے لیے اجرت پر لیا تھا تو رکوب کو پیش نظر رکھتے ہوئے یہ صحیح ہوگا اور اس کا غیر اس کی تیج میں ہے اس کی وضاحت کی جائے۔ ”ط“۔

میں کہتا ہوں: اس مسئلہ کی نظائر لانے کے بعد ”الخلاصہ“ اور ”تاتر خانیہ“ میں ذکر کیا ہے: اجارہ فاسد ہے اور اس کے لیے کوئی اجر نہیں ہوگا مگر جس چیز کو اجرت پر لیا بعض اوقات اسے اجرت پر لیتا ہے تاکہ اس سے نفع حاصل کرے۔ اس کا ظاہر معنی یہ ہے کہ جب وہ اس طرح ہے تو اس پر اجر ہوگا اگرچہ وہ رکوب وغیرہ کا ذکر نہ کرے۔ جب اس نے دونوں مقاصد کے لیے اسے اجرت پر لیا تو بدرجہ اولیٰ اس پر لازم ہوگا۔ یہ حکم اجرت کے لازم ہونے کو پیش نظر رکھنے کی بنا پر ہے۔ جہاں تک

وَكَذَا لَوْ اسْتَأْجَرَ بَيْتًا لِيُصَلِّيَ فِيهِ أَوْ طِيبًا لِيَشُفَّهُ أَوْ كِتَابًا وَلَوْ شَعَرَ لِيَقْرَأَهُ أَوْ مُصْحَفًا شَرَحَ وَهَبَانِيَّةً (وَإِنْ لَمْ يَقَيِّدْهَا بِرَاكِبٍ وَلَا بِسَ أَرْكَبٍ وَالْبَسَ مَنْ شَاءَ) وَتَعَيَّنَ أَوَّلُ رَاكِبٍ وَلَا بِسَ،

اسی طرح اگر وہ کمرہ اجرت پر لے تاکہ اس میں نماز پڑھے یا خوشبو اجارہ پر لے تاکہ اسے سونگھے یا کتاب لے اگرچہ وہ کتاب شعروں کی ہو تاکہ وہ اسے پڑھے یا مصحف کو پڑھے، ”شرح وہبانیہ“۔ اگر اجارہ میں سوار اور پہننے والے کی قید نہ لگائے تو جس کو چاہے اسے سوار کرے اور جسے چاہے اسے لباس پہنائے۔ پہلا راکب اور پہلا پہننے والا متعین ہو جائے گا

اجارہ کے صحیح ہونے کا تعلق ہے تو یہ منفعت کے بیان کی طرف راجع ہے۔

عبادت کے لیے کمرہ اجرت پر لینے کا شرعی حکم

29619۔ (قوله: لِيُصَلِّيَ فِيهِ) ”الحنانیہ“ کی عبارت میں یہ واقع ہوا ہے: ایک مسلمان نے کمرہ اجرت پر لیا تاکہ اس میں نماز پڑھے ”ابن وہبان“ نے یہ قول کر کے کافر سے احتراز کیا ہے ”ابن شحنہ“ نے کہا: چاہیے کہ اس کا مفہوم مجبور ہو کیونکہ علت مدت کا مجہول ہونا ہے۔ اگر مدت معلوم ہو جائے تو اجارہ صحیح ہوگا۔ اسی طرح کا حکم ہوگا اگر منفعت غیر مقصود ہو۔ فتامہ

میں کہتا ہوں: ”تا ترخانہ“ میں ہے: ایک ذمی نے دوسرے ذمی سے کمرہ اجرت پر لیا تاکہ اس میں عبادت کرے تو یہ جائز ہوگا۔ اگر مسلمان نے بیعہ اجرت پر لیا تاکہ اس میں نماز پڑھے تو یہ جائز نہ ہوگا۔ سواد کے علاقہ میں یہ جائز ہے۔ اگر ایک مسلمان دوسرے مسلمان سے کمرہ اجرت پر لے تاکہ مسجد بنالے تو ہمارے علماء کے قول کے مطابق یہ جائز نہیں۔ کیونکہ جو امر طاعت ہوا سے اجرت پر لینا جائز نہیں۔ اسی طرح ذمی ہے وہ ایک آدمی کو اجرت پر لیتا ہے تاکہ لوگوں کو نماز پڑھائے تو یہ جائز نہیں ہوگا۔ اس قول میں یہ تصریح ہے کہ مسلمان کا لفظ قید نہیں اور مدت وہ نہیں جو ذکر کی ہے۔ اس سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ یہ اجارہ جائز نہیں اگرچہ مدت بیان کر دی جائے۔

29620۔ (قوله: أَوْ كِتَابًا) کیونکہ قراءت اگر طاعت ہے جیسے قرآن یا معصیت ہے جیسے غنا تو اس پر اجارہ جائز نہیں ہوگا اگر قراءت مباح ہے جیسے ادب اور شعر یہ اجارہ سے پہلے اس کے لیے مباح ہے پس اجارہ جائز نہیں ہوگا۔ اگر اجارہ منعقد ہو تو اس کے اٹھانے اور اوراق الٹنے پر اجارہ منعقد ہوگا اور اس عمل پر اجارہ منعقد نہیں ہوگا اگرچہ اس پر نص قائم کرے۔ کیونکہ اس میں مستاجر کا فائدہ ہے۔ ”ولو الجحیہ“۔

اگر مستاجر سواری یا کپڑے کے اجارہ میں پہننے اور سوار ہونے والے کی قید نہ لگائے تو اس کا حکم

29621۔ (قوله: وَإِنْ لَمْ يَقَيِّدْهَا) یہ اطلاق کے ساتھ صادق آتا ہے جس طرح اس کا قول ہے: سواری کے لیے یا

پہننے کے لیے مثلاً اور اس پر کسی شے کا اضافہ نہ کرے۔ یہ تعلیم کے ساتھ صادق آتا ہے جس طرح اس کا قول ہے کہ جسے چاہوں اسے سوار کروں اور جسے چاہوں پہناؤں۔ یہاں یہی مراد ہے۔ جس طرح شارح کے اس کے بعد والے قول سے پہلی مراد ہے اگرچہ وہ اس کی وضاحت نہ کرے لیکن دونوں تعبیروں میں خفا ہے۔ فافہم

وَإِنْ لَمْ يُبَيِّنْ مَنْ يَرْكَبُهَا فَسَدَتْ لِذَهَالَةٍ وَتَنَقَّلِبُ صَحِيحَةٌ بِرُكُوبِهَا وَإِنْ قَيَّدَ بِرَاكِبٍ أَوْ لَا بَيْسَ فَخَالَفَ ضَمِنَ إِذَا عَطِبَتْ وَلَا أَجَرَ عَلَيْهِ وَإِنْ سَلِمَ بِخِلَافٍ حَانُوتٍ أَقْعَدَ فِيهِ حَدًّا أَمَثَلًا حَيْثُ يَجِبُ الْأَجْرُ إِذَا سَلَّمَ لِأَنَّهُ لَهَا سَلَّمَ عَلِمَ أَنَّهُ لَمْ يُخَالَفْ، وَأَنَّهُ مِمَّا لَا يُوهِنُ الدَّارَ كَمَا فِي الْغَايَةِ؛

اگر یہ وضاحت نہ کرے کہ کون اس پر سواری کرے گا تو اجارہ جہالت کی وجہ سے فاسد ہو جائے گا اور اس کے سوار ہونے سے اجارہ صحیح ہو جائے گا۔ اگر اس نے راکب یا لابس کی قید لگائی اور اس کی مخالفت کی تو ضامن ہوگا جب وہ ہلاک ہو جائے اور اس پر کوئی اجر نہیں ہوگا اگرچہ وہ سلامت رہے۔ دکان کا معاملہ مختلف ہے جس میں مثلاً حداد کو بٹھائے جب وہ سلامت رہے تو اجر واجب ہوگا۔ کیونکہ جب وہ سلامت رہا تو معلوم ہو گیا کہ اس نے مخالفت نہیں کی اور یہ معلوم ہو گیا کہ یہ ان چیزوں میں سے نہیں جو گھر کو کمزور کر دے جس طرح ”الغایہ“ میں ہے۔

فرق یہ ہے کہ اطلاق کی صورت میں مثلاً دو سواریاں جو دو شخصوں سے ہوں دو جنسوں کی طرح ہیں پس معقود غالیہ مجہول ہے۔ تعیم کی صورت میں مالک اس مقدار پر راضی ہوا جو رکوب کے ضمن میں حاصل ہوتی ہے پس معقود غالیہ معلوم ہو گیا۔ ”البحر“ میں اسے بیان کیا ہے۔

29622۔ (قوله: فَسَدَتْ) اسی کی مثل بوجھ لا دنا ہے کیونکہ ”بزازیہ“ میں ہے: اس نے اجرت پر لیا اور یہ ذکر نہیں کیا کہ کیا بوجھ لا دے گا تو اجارہ فاسد ہو جائے گا۔

”الغائیہ“ میں ہے: تاکہ اس کے ساتھ بردن ایک درہم اجرت پر پیسے اسی اثنا میں کہ وہ جو وغیرہ پیسے رہا تھا۔ کتاب میں یہ ذکر کیا کہ یہ جائز ہوگا اگرچہ وہ اس کی مقدار بیان نہ کرے۔ ”خواہر زادہ“ نے کہا: اس مقدار کا بیان کرنا ضروری ہے جتنی مقدار وہ ہر روز پیسے گا۔ اسی پر فتویٰ ہے۔

29623۔ (قوله: وَتَنَقَّلِبُ صَحِيحَةٌ بِرُكُوبِهَا) خواہ اس پر خود سوار ہو یا اس پر کسی اور کو سوار کیا اور بطور استحسان مسمی واجب ہوگا۔ کیونکہ جہالت زائل ہو چکی ہے۔ کیونکہ انتہاء تعین ہونا اسی طرح ہے جس طرح ابتداء تعین ہو۔ مخالفت نہ ہونے کی وجہ سے بلاکت کے ساتھ ضمانت نہ ہوگی، ”زیلعی“ ملخص

29624۔ (قوله: ضَمِنَ) کیونکہ وہ تعدی کرنے والا ہو چکا ہے۔ کیونکہ سوار ہونا اور لباس پہننا ان چیزوں میں سے ہے جس میں لوگ متفاوت ہوتے ہیں۔ بعض اوقات کم وزن والا جاہل آدمی وزنی عالم سے زیادہ ضرر رکھا باعث ہوتا ہے۔

29625۔ (قوله: وَإِنْ سَلَّمَ) کیونکہ وہ غاصب ہو اور غصب کے منافع غیر مضمون ہوتے ہیں مگر جن میں استثنائی

جائے۔ ”ط“۔

29626۔ (قوله: وَأَنَّهُ مِمَّا لَا يُوهِنُ) یعنی بالفضل اسے کمزور نہیں کرتا اگرچہ اس کی شان یہ ہے کہ وہ اسے کمزور کر

دے۔ فافہم

لَأَنَّهُ مَعَ الضَّامِنِ مُتَنَعٌ (وَمِثْلُهُ) فِي الْحُكْمِ (كُلُّ مَا يَخْتَلِفُ بِالْمُسْتَعْمِلِ) كَالْفُسْطَاطِ (وَفِيهَا لَا يَخْتَلِفُ فِيهِ بَطْلَ تَقْيِيدُهُ بِهِ كَمَا لَوْ شَرَطَ سُكْنَى وَاحِدَ لَهُ أَنْ يُسْكِنَ غَيْرَهُ)

کیونکہ ضمانت کے ساتھ اجر ممتنع ہے۔ اسی کی مثل حکم میں ہر وہ چیز ہے جو مستعمل کے مختلف ہونے سے مختلف ہوتا جاتا ہے جس طرح خیمہ ہو اور جس میں مستعمل کے مختلف ہونے سے مختلف نہیں ہوتا تو اس کی اس کے ساتھ قید لگانا باطل ہے جس طرح اگر ایک آدمی کو رہائش دینے کی شرط لگائے تو اسے یہ حق حاصل ہوگا کہ وہ کسی اور کو رہائش دے۔

29627۔ (قوله: لَأَنَّهُ مَعَ الضَّامِنِ مُتَنَعٌ) یہ ان کے قول: والاجر علیہ کی علت ہے لیکن یہ ہلاک ہونے کی حالت کے ساتھ خاص ہے۔ اگر وہ محفوظ رہے تو اس کی تعلیل گزر چکی ہے۔

29628۔ (قوله: وَمِثْلُهُ فِي الْحُكْمِ) یعنی وہ ضامن ہوگا جب وہ مخالفت کرے جب کہ اس نے مخالفت کی اور قید لگائی۔ ”بحر“۔

ہر وہ چیز جو مستعمل کے مختلف ہونے سے مختلف نہیں ہوتی تو اس میں مستعمل کی قید لگانا باطل ہے

29629۔ (قوله: كَالْفُسْطَاطِ) ”الدرر“ میں کہا: یہاں تک کہ اگر اس نے اجرت پر لیا اور کسی اور کو اجرت پر دے دیا یا عاریتہ دے دیا اس نے اسے نصب کیا اور وہ اس میں سکونت پذیر رہا تو امام ”ابو یوسف“ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک وہ ضامن ہوگا۔ کیونکہ اسے نصب کرنے میں جگہ کے انتخاب میں اور کیلیں ٹھوکنے میں لوگ مختلف ہیں۔ امام ”محمد“ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک وہ ضامن نہیں ہوگا کیونکہ وہ رہائش کے لیے ہوتا ہے پس وہ گھر کی طرح ہو گیا۔ ان کا قول: ضمن عند ابی یوسف، ”ابو سعود“ نے کہا: اگر قید یہ تھی کہ وہ اس کو اپنی ذات کے لیے استعمال کرے، ”حموی“۔ ہمارے شیخ نے ”الفتح“ سے جو قول نقل کیا ہے اس کے مطابق امام ”ابو حنیفہ“ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہی ہے۔

”تاترخانیہ“ میں ہے: ایک آدمی نے خیمہ اجرت پر لیا اس لیے تاکہ اپنے گھر میں ایک ماہ کے لیے پانچ دراہم کے عوض نصب کرے تو یہ جائز ہوگا اگرچہ وہ نصب کرنے کے مقام کا ذکر نہ کرے۔ اگر وہ سورج کی دھوپ میں یا بارش میں نصب کرے اس میں قبہ پر ضرر ہو تو وہ ضامن ہوگا اور اجرت نہ ہوگی۔ اگر وہ محفوظ رہے تو اس پر بطور استحسان اجر ہوگا۔ اگر اسی شہر میں کسی دوسرے گھر لگائے تو ضامن نہیں ہوگا۔ اگر اسے دیہاتی علاقے کی طرف لے جائے تو اجرت نہ ہوگی وہ محفوظ رہے یا ہلاک ہو۔ اگر وہ خیمہ اجرت پر لے جائے جسے وہ مکہ مکرمہ کی طرف لے جائے تو وہ خود اور دوسرا بھی اس سے سایہ حاصل کر سکتا ہے کیونکہ کوئی تفاوت نہیں۔ اگر اس کی رسیاں منقطع ہو جائیں اور اس کے لکڑیاں ٹوٹ جائیں اور اسے نصب کرنے کی طاقت نہ رکھے تو اس کے لیے کوئی اجر نہیں ہوگا۔ اگر انتفاع کی مقدار میں دونوں اختلاف کریں تو قول مستاجر کا معتبر ہوگا اگرچہ اصل میں حکم ظاہر حال کا ہوگا جس طرح طاحون کا مسئلہ ہے۔ اس کی مکمل بحث اس میں ہے۔

29630۔ (قوله: لَهُ أَنْ يُسْكِنَ غَيْرَهُ) یعنی اس کے علاوہ ”شرح الزیلعی“ میں اس کے پہلے باب میں ہے: اسے

لَهَا مَرَّ أَنْ التَّقْيِيدَ غَيْرُ مُفِيدٍ (وَإِنْ سَتَى نَوْعًا أَوْ قَدَرًا كَثُرَ بَرُّ لَهُ حَنْلٌ مِثْلِهِ وَأَخْفَتْ لَا أَخْزَرَ كَالْبَدَحِ) وَالْأَصْلُ أَنَّ مَنْ اسْتَحَقَّ مَنَفْعَةً مُقَدَّرَةً بِالْعَقْدِ فَاسْتَوْفَاهَا أَوْ مِثْلَهَا

کیونکہ یہ قول گزر چکا ہے کہ یہ تقید غیر مفید ہے۔ اگر وہ نوع یا مقدار کا ذکر کر دے جیسے ایک کرگندم اسے اس کی مثل اور اس سے خفیف چیز کو لادنے کی اجازت ہوگی۔ اسے زیادہ ضرر والی چیز کو لادنے کی اجازت نہ ہوگی جیسے نمک۔ قاعدہ یہ ہے کہ جو آدمی عقد کے ساتھ ایک مقدار منفعت کا مستحق بنے تو وہ وہ منفعت لے، اس کی مثل لے

مستاجر کو حق حاصل ہے کہ اس کے علاوہ کوئی اور اس کے ساتھ رہے یا وہ اکیلے رہے۔ کیونکہ رہائشیوں کی کثرت اسے کوئی نقصان نہیں دیتی بلکہ اس کی آبادی میں اضافہ کا باعث ہوتا ہے۔ کیونکہ مسکن کی تباہی رہائش کے ترک کرنے سے ہوتی ہے۔ ہم یہ پہلے بیان کر چکے ہیں کہ اسے یہ حق حاصل ہے اگرچہ اس نے یہ شرط لگائی کہ وہ صرف تنہا اس میں رہے۔

جو یہ قول کیا جاتا ہے کہ ایک آدمی کی رہائش جماعت کی رہائش کی طرح نہیں یہ ایسی بحث ہے جو منقول کے معارض ہے اگرچہ وہ ظاہر ہے۔ لیکن بعض اوقات یہ کہا جاتا ہے: ان کی کلام کا معنی یہ ہے کہ اسے یہ حق حاصل ہے کہ وہ گھر کے دوسرے کمروں میں اسے رہائش دے۔ کیونکہ جب وہ اس گھر کے ایک کمرے میں رہے اور باقی گھر کو خالی چھوڑ دے تو ضرر لازم ہوگا کیونکہ اس نے بارش وغیرہ کے ٹپکنے کا جائزہ نہیں لیا جس کے ساتھ گھر خراب ہو جاتا ہے۔ تامل

29631۔ (قوله: لَهَا مَرَّ) یعنی باب کے شروع میں گزر چکا ہے۔

29632۔ (قوله: كَثُرَ بَرُّ لَهُ) کہ ایک مقدار ہے، بر (گندم) ایک نوع ہے جو ساٹھ قفیز اور آٹھ مکا کیک کا ہوتا ہے مَوْبُ ذِيْهِ صَاعِ کا ہوتا ہے پس وہ بارہ وسق ہوگا ”مصبح“۔ یہ مقدار اہل بغداد اور اہل کوفہ کے ہاں ہے۔ ”طحاوی“ نے ”حموی“ سے روایت کی ہے۔

29633۔ (قوله: لَهُ حَنْلٌ مِثْلِهِ) وزن میں برابر کی شرط کے ساتھ ضرر میں اس کی مثل ہو۔ ”الدرر“ میں جو قول ہے وان تساویافی الوزن ”شرعیہ“ نے کہا: اس میں واو زائد ہے۔

مقدور منفعت سے زیادہ حاصل کرنا جائز نہیں

29634۔ (قوله: مُقَدَّرَةً) یعنی جس کی مقدار معین ہو پس اس میں زمین کی کاشت داخل ہوگی جب وہ زرعت کے لیے ایک نوع معین کر دے اسے یہ حق حاصل ہے کہ اس کی مثل شے کاشت کرے جو اس سے خفیف ہو اس سے زیادہ ضرر کا باعث نہ ہو جس طرح ”البحر“ میں ہے۔

29635۔ (قوله: أَوْ مِثْلَهَا) جس طرح ایک کرگندم کے بدلے کسی اور کی ایک کرگندم اس پر لادے۔ ”البحر“ میں کہا: جس نے مثل کی مثال جو سے دی ہے اس نے غلطی کی ہے کیونکہ اس پر یہ لازم آتا ہے کہ اگر اس نے ایک کرگندم لادنے کے لیے دابہ کو اجارہ پر لیا تو اسے یہ حق حاصل ہے کہ ایک کرگندم لادے جب کہ ایسا نہیں کیونکہ گندم، جو سے فائق ہے۔

أَوْ دُونَهَا جَازًا، وَلَوْ أَكْثَرَ لَمْ يَجُزْ، وَمِنْهُ تَحْمِيلُ وَزْنِ الْبَرِّ قُطْنًا لَا شَعِيرًا فِي الْأَصَحِّ

یا اس سے کم درجہ کی منفعت لے اگر اس سے زیادہ منفعت حاصل کرے تو یہ جائز نہ ہوگا۔ اسی سے یہ ہے گندم کے وزن کی روٹی اس پر لاد سکتا ہے جو نہیں لاد سکتا یہ اصح قول میں ہے۔

29636۔ (قوله: أَوْ دُونَهَا) جیسے گندم کے کر کے بدلے جو کا کر کیونکہ جو وزن میں گندم سے خفیف ہوتا ہے۔

29637۔ (قوله: وَمِنْهُ) ضمیر سے مراد مالم یخرب ہے یعنی اس میں سے جو اس سے خارج نہیں۔

وہ اختلاف جو جنس، قدر یا صفت میں ہو ضمان کا موجب ہوتا ہے

29638۔ (قوله: لَا شَعِيرًا فِي الْأَصَحِّ) یعنی اگر اس نے گندم میں سے ایک مقدار معین کی اور اس کے وزن کی مثل

جو لادے تو یہ جائز ہوگا۔ اگر وہ جانور ہلاک ہو جائے تو وہ بطور استحسان ضامن نہیں ہوگا۔ یہی قول اصح ہے۔ کیونکہ جانور کے حق میں جو کا ضرر جب کہ دونوں وزن میں برابر ہوں گندم کے ضرر سے اخف ہوتا ہے۔ کیونکہ جو جانور کی پشت میں سے زیادہ حصہ لیتا ہے جتنا حصہ گندم لیتی ہے پس پھیل جانے کی وجہ سے یہ اس جانور پر خفیف ہوگا۔ یہ صورت مختلف ہوگی جب وہ گندم کے وزن کی مثل روٹی لادے۔ کیونکہ روٹی اس جانور کی پشت میں سے زیادہ حصہ لیتی ہے اور اس میں حرارت ہے پس روٹی جانور کے لیے گندم کی نسبت زیادہ تکلیف دہ ہوتی ہے۔ پس وہ اسی طرح ہو گیا جس طرح وہ اس پر گھاس یا لکڑیاں لادے۔ اسی طرح کا حکم ہوگا اگر وہ اس کے وزن کی مثل لوہا یا نمک لادے۔ کیونکہ یہ چیز اس کی پشت کے ایک ہی جگہ میں جمع ہو جاتے ہیں تو اسے زیادہ تکلیف دیتے ہیں اس کا حاصل یہ ہے جب ان دونوں میں سے ایک کا ضرر دوسرے کے ضرر سے کسی بھی اعتبار سے بڑھ کر ہو تو یہ جائز نہیں ہوگا اگرچہ کسی بھی اعتبار سے ضرر میں اخف ہو۔ ”زیلعی“ نے اسی طرح بیان کیا ہے۔

میں کہتا ہوں: ان وجوہ میں جس کا وہ ضامن ہوتا ہے اس کا ذکر نہیں کیا۔

”البدائع“ میں جو قول ہے اس کا حاصل یہ ہے: وہ اختلاف جو ضمان کا موجب ہوتا ہے وہ یا تو جنس میں ہوگا یا قدر میں ہو

گا یا صفت میں ہوگا (۱) جیسے جب وہ جانور اجرت پر لیتا ہے تاکہ ایک کر جو اس پر لادے اس نے ایک کر گندم اس پر لادے تو وہ عام قیمت کا ضامن ہوگا۔ کیونکہ یہ گندم دوسری جنس ہے اور زیادہ وزنی ہے پس وہ غاصب ہوگا اور اس کے لیے کوئی اجرت نہ ہو گی کیونکہ اجرت اور ضمان جمع نہیں ہوتی۔

(۲) جیسے جب وہ جانور کرایہ پر لیتا ہے تاکہ دس قفیز گندم کے اس پر لادے تو اس نے گیارہ قفیز اس پر لادے اگر

جانور سلامت رہا تو مسمی لازم ہوگا ورنہ وہ اس کی قیمت کے گیارہ اجزاء میں سے ایک جز کا ضامن ہوگا۔

(۲) جیسے جب وہ جانور اجرت پر لے تاکہ سورطل روٹی اس پر لادے تو اس نے اس کی مثل وزن یا اس سے کم وزن کا

لوہا لادے تو وہ اس کی قیمت کا ضامن ہوگا۔ کیونکہ ضرر وزن کی وجہ سے نہیں پس اس کو اجازت نہ ہوگی۔ اور اس کے لیے اجرت نہ ہوگی اس کی دلیل وہی ہے جو ہم نے کہی ہے اس کی مکمل بحث عنقریب آئے گی۔

(وَلَوْ أُرْدَفَ مَنْ يَسْتَمْسِكُ بِنَفْسِهِ وَعَطِبَتْ الدَّابَّةُ يَضُنُّ النِّصْفَ) وَلَا اعْتِبَارَ لِلثَّقَلِ؛ لِأَنَّ الْآدَمِيَّ غَيْرُ مَوْزُونٍ، وَهَذَا (إِنْ كَانَتْ) الدَّابَّةُ (تُطِيقُ حَمْلَ) الْإِثْنَيْنِ (وَالَّا فَالْكُلُّ) بِكُلِّ حَالٍ (كَمَا لَوْ حَمَلَهُ) الرَّكَابُ (عَلَى عَاتِقِهِ) فَإِنَّهُ يَضُنُّ الْكُلَّ (وَإِنْ كَانَتْ تُطِيقُ حَمْلَهُمَا) لِكُونِهِ فِي مَكَانٍ وَاحِدٍ (وَإِنْ كَانَ) الرَّدِيفُ صَغِيرًا لَا يَسْتَمْسِكُ

اگر ایک آدمی نے اسے اپنے پیچھے سوار کیا جو خود بخود سوار پر ٹھہرا رہتا ہے اور جانور ہلاک ہو جاتا ہے تو نصف کا ضامن ہوگا اور وزن کا کوئی اعتبار نہیں۔ کیونکہ آدمی کا وزن نہیں کیا جاتا۔ یہ حکم اس صورت میں ہے جب وہ جانور دونوں کو اٹھانے کی طاقت رکھتا ہو۔ ورنہ ہر حال میں کل کا ضامن ہوگا جس طرح سوار نے اسے اپنے کندھے پر سوار کیا تو وہ کل کا ضامن ہوگا اگرچہ وہ دونوں کو اٹھانے کی طاقت رکھتا ہو۔ کیونکہ وہ دونوں سوار کی ایک جگہ پر واقع ہیں۔ اگر ردیف چھوٹا بچہ ہے جو خود بخود سوار پر نہیں ٹھہر سکتا

اپنے پیچھے کسی اور کو بٹھانے سے سوار کی ہلاک ہو جائے تو اس کا حکم

29639۔ (قوله: وَلَوْ أُرْدَفَ) ردیف اسے کہتے ہیں جسے تو اپنے پیچھے سوار کی پشت پر لادتا ہے اس قول کے ساتھ

اس سے احتراز کیا ہے اگر وہ اسے زین میں بٹھائے۔ اس بارے میں گفتگو عنقریب آئے گی۔

29640۔ (قوله: يَضُنُّ النِّصْفَ) خواہ وہ خفیف ہو یا ثقیل ہو، ”اتقانی“۔ کیونکہ دونوں میں سے ایک کے سوار

ہونے کی اجازت تھی دوسرے کے سوار ہونے کی اجازت نہیں تھی۔ اور اس پر اجر لازم ہوگا۔ کیونکہ اس نے مفتوٰد علیہ پرے کا پورا اور زائد لے لیا ہے مگر زیادتی عقد کے بغیر لی ہے پس اس کے لیے اجر نہیں ہوگا۔ ”بدائع“۔

29641۔ (قوله: وَلَا اعْتِبَارَ لِلثَّقَلِ) وزن میں جتنا اضافہ ہو اس قدر ضامن نہیں ہوگا۔ یہ اسی طرح ہو گیا کہ

ایک دیوار ہو جو دو شریکوں کے درمیان تہائی کے اعتبار سے ہو دونوں میں سے ایک کے خلاف گواہی دی گئی اس دیوار سے ایک پکی اینٹ ایک آدمی پر گری تو جس کے خلاف گواہی دی گئی اس پر نصف دیت ہوگی اگرچہ دیوار میں سے اس کا حصہ نصف سے کم ہو۔ کیونکہ جو ہلاکت ہوئی ہے وہ وزن سے نہیں ہوئی بلکہ زخم سے ہوئی ہے۔ اور تھوڑا سا زخم نہ ان میں کٹنے کی طرح ہے۔ جس طرح ایک آدمی نے انسان کو زخم لگایا اور اسے دوسرے آدمی نے دوزخ لگائے تو وہ آدمی مر گیا تو دونوں نصف نصف کے ضامن ہوں گے۔ ”بدائع“۔

29642۔ (قوله: بِكُلِّ حَالٍ) یعنی اگرچہ وہ خود اس پر نہ ٹھہر سکتا ہو۔ ”ط“۔

29643۔ (قوله: فِي مَكَانٍ وَاحِدٍ) پس وہ سوار پر زیادہ شاق ہوگا۔ ”زیلعی“۔

29644۔ (قوله: صَغِيرًا لَا يَسْتَمْسِكُ) یہ ان کے قول من يستمسك سے احتراز ہے۔ اس میں نظر و فکر کیجئے۔ کیا

وہ جو بڑا ہے وہ خود بخود سوار پر نہیں ٹھہر سکتا وہ چھوٹے کی طرح ہوگا۔

يَضُنُّ بِقَدَرِ ثِقَلِهِ كَحَبْلِهِ شَيْئًا آخَرَ وَلَوْ مِنْ مِلْكٍ صَاحِبِهَا كَوَلَدِ النَّاقَةِ لِعَدَمِ الْإِذْنِ، وَلَيْسَ الْمُرَادُ أَنَّ الرَّجُلَ يُوزَنُ بَلْ أَنْ يُسْأَلَ أَهْلَ الْخَبَرَةِ كَمْ يَزِيدُ، وَلَوْ رَكِبَ عَلَى مَوْضِعِ الْحَبْلِ ضَمِنَ الْكُلَّ لِمَا مَرَّ؛ وَكَذَا لَوْ لَبَسَ ثِيَابًا كَثِيرَةً، وَلَوْ مَا يَلْبَسُهُ النَّاسُ ضَمِنَ بِقَدَرِ مَا زَادَ مُجْتَبَى (وَإِذَا هَلَكَتْ بَعْدَ بُلُوغِ الْمَقْصِدِ وَجَبَ جَمِيعُ الْأَجْرِ لِرُكُوبِهِ بِنَفْسِهِ (مَعَ التَّضْمِينِ) أَيْ لِنِصْفِ الْقِيَمَةِ لِرُكُوبِ غَيْرِهِ؛

تو وہ اس کے وزن کے حساب سے ضامن ہوگا جس طرح اس سواری پر کوئی اور شے لاد دے اگرچہ وہ اس سواری کے مالک کی ملکیت ہو جس طرح اونٹنی کا بچہ ہو کیونکہ اس کی اجازت نہیں ہوتی۔ یہ مراد نہیں کہ آدمی کا وزن کیا جائے بلکہ دانا لوگوں سے پوچھا جائے کتنا وزن میں اضافہ ہوا اگر سامان کی جگہ وہ سوار ہو تو تمام کی ضمانت دے گا اس کی دلیل وہی ہے جو گزر چکی ہے اس طرح اگر وہ بہت سے کپڑے زیب تن کرے اگر وہ اتنے کپڑے پہنے جو لوگ پہنتے ہیں تو اس مقدار کا ضامن ہوگا جتنے اس نے زائد پہنے۔ ”مجتبیٰ“۔ جب مقصد تک پہنچنے کے بعد وہ سواری ہلاک ہو جائے تو تمام اجر واجب ہوگا۔ کیونکہ وہ خود اس پر سوار ہوا ہے ساتھ ہی نصف قیمت کی ضمانت ہوگی۔ کیونکہ اس کے علاوہ دوسرا شخص سوار ہوا

29645۔ (قوله: بِقَدَرِ ثِقَلِهِ) ”زیلعی“ اور ”اتقانی“ نے یہ ذکر کیا ہے۔ یہ گزشتہ تعلیل کے مخالف ہے۔ تاہل۔ علت یہ ہے کہ خود اس پر نہ ٹھہر سکنے کی وجہ سے اسے بوجھ پر قیاس کیا جائے گا، ”اتقانی“۔ اس تعبیر کی بنا پر بڑا عا جز اس کی مثل ہے پس کتب کی طرف رجوع کیا جانا چاہیے۔

29646۔ (قوله: كَحَبْلِهِ شَيْئًا آخَرَ) یعنی وہ زیادتی کی مقدار کا ضامن ہوگا۔ جب وہ بوجھ کی جگہ پر سوار نہیں ہوگا۔

29647۔ (قوله: وَلَيْسَ الْمُرَادُ الْخ) یہ ایک سوال کا جواب ہے اعتراض یہ کیا جاتا ہے: وہ زیادتی جس کو سواری پر رکھا گیا ہے اس کی مقدار کا اندازہ اس زیادتی کے وزن اور آدمی کے وزن کے بعد ہوتا ہے پس یہ اس کے مخالف ہے جو گزر چکا ہے کہ آدمی کا وزن نہیں کیا جاتا۔

29648۔ (قوله: لِمَا مَرَّ) یعنی جو گزر چکا ہے کہ یہ دونوں ایک مکان میں ہوں۔

29649۔ (قوله: وَكَذَا لَوْ لَبَسَ ثِيَابًا كَثِيرَةً) یعنی وہ سب کا ضامن ہوگا اگر وہ اس سے زائد کپڑے پہنے جو اس نے اجارہ کے وقت پہنے ہوئے تھے اور لوگ عام معمول میں اتنے کپڑے نہیں پہنتے۔ ”المجتبیٰ“ میں یہی قول مفہوم ہے۔

29650۔ (قوله: لِرُكُوبِهِ بِنَفْسِهِ) اس کے ساتھ اور اس کے جو ما بعد ہے اس کے ساتھ اس کی طرف اشارہ کیا ہے جسے ”البحر“ میں کہا ہے۔

یہ اعتراض نہ کیا جائے گا کہ اجر اور ضمان کیسے جمع ہو سکتے ہیں کیونکہ ہم کہتے ہیں ضمان اس لیے ہے کہ دوسرا آدمی اس پر سوار ہوا اور اجر اس لیے ہے کہ وہ خود اس پر سوار ہوا۔ عنقریب اس کی وضاحت آئے گی۔

29651۔ (قوله: لِرُكُوبِ غَيْرِهِ) اگر وہ ان لوگوں میں سے ہو جو خود بخود سواری پر ٹھہر سکتا ہے ورنہ تصریح پہلے گزر چکی

ثُمَّ إِنَّ ضَمِينَ الزَّاكِبُ لَا يَرْجِعُ، وَإِنْ ضَمِينَ الرَّدِيفُ رَجَعَ لَوْ مُسْتَأْجِرًا مِنَ الْمُسْتَأْجِرِ إِلَّا لَا، قَيَّدَ بِكُونِهَا عَطَبَتْ: لِأَنَّهَا لَوْ سَلِمَتْ لَزِمَ الْمُسْتَأْجِرُ فَقَطَّ وَبِكَوْنِهِ أُرْدِفَهُ، لِأَنَّهُ لَوْ أُقْعِدَ كُفِيَ السَّرَجِ صَارَ غَاصِبًا فَلَا أَجْرَ عَلَيْهِ بِحَرِّ عَنْ الْغَايَةِ، لَكِنْ فِي السَّرَاجِ عَنِ الْمُسْكِلِ مَا يُخَالِفُهُ،

پھر اگر راکب سے ضمانت لی تو وہ کسی اور سے مطالبہ نہیں کرے گا۔ اگر وہ ردیف سے ضمانت لے تو وہ مطالبہ کرے گا اگر اس نے مستاجر سے اسے اجرت پر لیا ہو ورنہ ضمانت نہیں لے گا۔ اس کے ہلاک ہونے کی قید ذکر کی ہے۔ کیونکہ اگر وہ جانور سلامت رہا تو صرف مسمیٰ لازم ہوگا۔ اور یہ قید لگائی ہے کہ اس نے اسے اپنے پیچھے بٹھایا ہو۔ کیونکہ اگر وہ اسے زین میں بٹھائے تو وہ غاصب ہوگا تو اس پر کوئی اجرت نہیں ہوگا، ”بحر“ میں ”الغایہ“ سے مروی ہے۔ لیکن ”سراج“ میں ”مشکل“ سے مروی ہے جو اس کے مخالف ہے۔

ہے کہ وہ وزن کے برابر کا ضامن ہوگا نصف کا ضامن نہیں ہوگا۔ فافہم

29652۔ (قوله: ثُمَّ إِنَّ ضَمِينَ الزَّاكِبُ) یہاں راکب سے مراد مستاجر ہے۔

29653۔ (قوله: لَا يَرْجِعُ) یعنی ردیف سے اس کا مطالبہ نہیں کرے گا۔ کیونکہ وہ ضمان کے ساتھ اس کا مالک ہوا ہے

پس ردیف اس کی سواری پر اس کی اجازت سے سوار ہوا ہے۔ پس اس سے کوئی مطالبہ نہ ہوگا خواہ ردیف اس کا مستاجر ہو یا مستعیر ہو۔ ”رحمتی“۔

29654۔ (قوله: رَجَعَ) یعنی سوار سے اس کا مطالبہ کرے گا کیونکہ عقد معاوضہ کے ضمن میں اس نے ردیف کو دھوکہ

دیا ہے اگرچہ مستعیر ہو تو وہ راکب سے مطالبہ نہیں کر سکتا۔ کیونکہ راکب نے اسے سلامتی کی ضمانت نہ دی تھی کیونکہ دونوں میں کوئی عقد نہیں۔ ”رحمتی“۔

29655۔ (قوله: وَإِلَّا لَا) یعنی اگر ردیف مردف کا مستاجر نہ ہو بلکہ وہ مستعیر ہو۔

29656۔ (قوله: لِأَنَّهَا لَوْ سَلِمَتْ) یعنی اگر وہ تمام صورتوں میں محفوظ رہے۔ ”ط“۔

29657۔ (قوله: عَنْ الْغَايَةِ) مراد ”غایۃ البیان“ ہے۔ اس کی نص یہ ہے: یہ حکم اس وقت ہے جب وہ اسے اپنے

پیچھے بٹھاتے یہاں تک کہ وہ اجنبی کی طرح ہو جائے گا جس طرح اس کا تابع ہے۔ جہاں تک اس کا تعلق ہے جب اسے زین میں بٹھائے تو غاصب ہوگا اور اجرت میں سے کوئی شے واجب نہ ہوگی۔ کیونکہ اس نے اپنا قبضہ سواری سے ختم کر دیا ہے اور تعدی کرنے والے کے قبضہ میں دے دیا ہے پس وہ ضامن ہوگا اور اجرت ضمان کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتا۔ اسے ”اسیجی بی“ کی ”شرح الکافی“ کی طرف منسوب کیا ہے۔

29658۔ (قوله: لَكِنْ فِي السَّرَاجِ الْخ) کیونکہ اس نے کہا: ان کا قول اردف رجلا معہ یہ عادت کے طور پر ہے۔

کیونکہ عادت یہ ہے کہ مستاجر اصل ہوتا ہے اور وہ ردیف نہیں ہوتا۔ کیونکہ اگر مستاجر اپنے آپ کو ردیف بنا لے اور غیر اصل بنا

فَلْيَتَأَمَّلْ عِنْدَ الْفَتْوَى وَكَيْفَ فِي الْأَشْبَاهِ وَغَيْرِهَا أَنَّ الْأَجْرَ وَالضَّمَانَ لَا يَجْتَبِعَانِ (وَإِذَا اسْتَأْجَرَهَا لِيَحْمِلَ عَلَيْهَا مِقْدَارًا فَحَمَلَ عَلَيْهَا أَكْثَرُ مِنْهُ)

پس فتویٰ کے وقت اس میں غور کرنا چاہیے۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے جب کہ ”الاشباہ“ وغیرہا میں ہے کہ اجر اور ضمان اکٹھے نہیں ہو سکتے۔ جب ایک آدمی نے جانور اجرت پر لیا تاکہ اس پر مخصوص مقدار لادے تو اس نے اس پر اس سے زیادہ لادا

لے تو اس کا حکم اس طرح ہوگا یعنی اس کا بھی نصف واجب ہوگا اگر وہ سواری اس کو اٹھانے کی طاقت رکھتی ہو ساتھ ہی اجر لازم ہوگا جس طرح ”البدائع“ سے گزرا ہے۔ اگر وہ طاقت نہ رکھتا ہو تو کل کا ضامن ہوگا۔ جب ”غایۃ البیان“ میں اسے پہلے کے مقابل بنادیا اور اس امر کی تصریح کی کہ اس پر اجر میں سے کوئی شے واجب نہ ہوگی تو یہ مخالفت میں صریح ہے اس سے اس نے مخالفت کی جس نے اس کا وہم کیا۔

29659۔ (قوله: فَلْيَتَأَمَّلْ عِنْدَ الْفَتْوَى) یہ اس کے اشکال کی طرف اشارہ ہے۔ جب تک اس کی وجہ ظاہر نہ ہو اس سے پہلے اس پر فتویٰ نہیں دینا چاہیے۔

29660۔ (قوله: كَيْفَ فِي الْأَشْبَاهِ الْخ) ”السراج“ میں جو قول ہے اس کو بعید خیال کیا ہے اور فتویٰ کے وقت توقف کی وجہ کو بیان کیا ہے کیونکہ یہ مذکورہ قاعدہ کے خلاف ہے۔

اجر اور ضمان کا اجتماع جائز نہیں

29661۔ (قوله: لَا يَجْتَبِعَانِ) یہاں جب وہ غاصب بن گیا اور ضمانت دے دی تو وہ اس کا مالک بن جائے گا لیکن یہ ملک ملک مستند ہوگی۔ جب ردیف بننے سے ہم نے اس پر اجرت کو لازم کیا تو دونوں کا اجتماع لازم ہوگا۔ کیونکہ جس کا مالک ہوا ہے اس میں اجرت واجب ہوگئی ہے۔ اس میں اور اس میں اگر وہ غیر کو اپنا ردیف بنائے فرق یہ ہے یہاں جب اس نے اسے اپنے قبضہ سے نکالا تو وہ غاصب ہو گیا جس طرح اگر وہ اسے اجرت پر لے تاکہ اس پر سوار ہو تو اس نے کسی اور کو اس پر سوار کر دیا تو تمام قیمت واجب ہوگی جس طرح گزر چکا ہے جب وہ اس کے پیچھے ردیف بنا تو وہ تابع ہو گیا۔ اور اس کے ردیف بننے کے ساتھ اجرت کا وجوب ممکن نہیں۔ اس کی دلیل وہ ہے جو ہم نے کہا ہے۔ مگر جب وہ زین میں سوار ہوا تو اس نے وہ عمل کیا جس کی اسے اجازت تھی جب اس نے کسی اور کو ردیف بنایا تو اس نے اس امر میں مخالفت کی کہ اس نے غیر کو اس میں مشغول کر دیا جس کو اپنی ذات کی سواری میں مشغول کیا اس میں ضمان کے بدلے میں کسی شے کا ضامن نہیں ہوگا اور تمام مسمیٰ اس کے مقابلہ میں ہوگا بے شک اس کا ضامن ہوگا جسے غیر کے سوار کرنے سے مشغول کیا اس کے مقابلہ میں کوئی اجر نہیں تاکہ اس سے حق ساقط ہو۔ جب تو ”نہایہ“ کی طرف رجوع کرے گا تو تیرے لیے وہ واضح ہو جائے گا جو ہم نے ثابت کیا ہے، فافہم

29662۔ (قوله: أَكْثَرُ مِنْهُ) اس امر کی طرف اشارہ کیا کہ بوجھ اس کی جنس سے تھا جس طرح اس کا ذکر اس کے

محترز کے ساتھ آئے گا۔

فَعَطِبَتْ ضَمِنَ مَا زَادَ الثَّقْلُ) وَهَذَا إِذَا حَمَلَهَا الْمُسْتَأْجِرُ (فَإِنْ حَمَلَهَا صَاحِبُهَا) بِيَدِهِ (وَحَدَّكَ فَلَا ضَمَانَ عَنِ الْمُسْتَأْجِرِ: لِأَنَّهُ هُوَ الْمُبَاشِّرُ عِمَادِيَّةً) (وَإِنْ حَمَلَهَا) الْحِجْلُ (مَعًا) وَوَضَعَا عَلَىٰهَا (وَجَبَ النِّصْفُ عَلَى الْمُسْتَأْجِرِ بِفِعْلِهِ وَهُدِرَ فِعْلُ رَبِّهَا مُجْتَبَى) (وَلَوْ كَانَ الْبُذُّ مَثَلًا فِي جُوالِقَيْنِ فَ (حَمَلَ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا (جُوالِقًا) أُنَى وَعَاءً كَعْدَلٍ مَثَلًا) (وَحَدَّكَ) وَوَضَعَا عَلَىٰهَا مَعًا

تو وہ جانور ہلاک ہو گیا تو جتنا زائد کیا اس کا ضامن ہوگا۔ یہ حکم اس صورت میں ہے جب مستاجر نے اس پر وزن لادا۔ اگر اس کا مالک اپنے ہاتھ سے اس پر وزن لادے تو مستاجر پر ضمان نہیں ہوگی۔ کیونکہ وہ خود عمل کرنے والا ہے، ”عمادیہ“۔ اگر دونوں اکٹھے اس پر وزن لادیں تو مستاجر پر اس کے فعل کی وجہ سے نصف واجب ہوگا اور اس کے مالک کا فعل رائیگاں چلا جائے گا، ”مجتبائی“۔ اگر گندم مثلاً دو بور یوں میں ہو تو دونوں میں سے ہر ایک نے اکیلے بوری اٹھائی۔ جو لقمہ ایک برتن ہے جس طرح عدل ایک برتن ہے۔ اور اس پر دونوں نے اسے اکٹھے رکھا

29663۔ (قوله: ضَمِنَ مَا زَادَ الثَّقْلُ) اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ ضمان زائد کے مقابل میں ہے اور اجرت اس حمل کے مقابلہ میں ہے جس کا ذکر کیا۔ پس یہ دونوں جمع نہ ہوں گے جس طرح اس کی مثل گزر چکی ہے۔ ”البحر“ میں اسے بیان کیا ہے بعد میں بھی اس کی طرف اشارہ کریں گے۔

29664۔ (قوله: عِمَادِيَّةً) اس کی عبارت اس طرح ہے جس طرح ”البحر“ میں ہے: ایک آدمی نے اونٹ کرائے پر لیے اس شرط پر کہ ہر اونٹ پر سو رطل بوجھ لادے گا تو اس نے اس محل تک ایک سو پچاس رطل بوجھ لادا پھر جمال اونٹ لایا کرایہ پر لینے والے نے یہ خبر دی کہ ہر بوجھ سو رطل کا ہے۔ جمال (ساربان) نے اس جگہ تک بوجھ لادا اور بعض اونٹ ہلاک ہو گئے تو کرایہ پر لینے والے پر کوئی ضمان نہ ہوگی۔ کیونکہ اونٹوں والے نے خود اس پر بوجھ لادا تو اسے کہا جائے گا: تیرے لیے من سب تھا کہ تو پہلے وزن کر لیتا۔

29665۔ (قوله: وَجَبَ النِّصْفُ) یعنی جانور کی قیمت میں سے وہ واجب ہوگا جو زیادتی میں سے نصف کے مقابل ہو۔ پھر جو متن میں ہے اسے ”المنح“ میں ”المحیط“ سے نقل کیا ہے اور اس کی بعد جو ہے اسے ”خلاصہ“ سے نقل کیا ہے کہ وہ قیمت کی چوتھائی کا ضامن ہوگا۔ اسی کی مثل ”تاتر خانہ“ میں ”الذخیرہ“ سے اور ”شرنبلائی“ میں ”تمتہ الفتاویٰ“ سے منقول ہے۔ صحیح یہ ہے کہ مراد چوتھائی ہے جب زیادتی مشروط کے مساوی ہو۔ کیونکہ ”بزازیہ“ میں ہے: ایک آدمی نے دوسرے کو اجرت پر لیا تا کہ وہ دس مہر بند اٹھائے پس اس نے بیس کر دیئے اور دونوں نے اکٹھے انہیں اٹھایا تو وہ چوتھائی قیمت کا ضامن ہوگا کیونکہ نصف کی اجازت تھی اور نصف کی اجازت نہ تھی پس اس نصف کو نصف نصف کیا جائے گا۔

جُوالِقَيْنِ کی لغوی تحقیق

29666۔ (قوله: فِي جُوالِقَيْنِ) جوالق جیم اور لام کے کسرہ کے ساتھ ہے اور جیم کے ضمہ، لام کے فتح اور کسرہ کے

أَوْ مُتَعَاقِبًا لَا ضَمَانَ عَلَى الْمُسْتَأْجِرِ وَيُجْعَلُ حَصْلُ الْمُسْتَأْجِرِ مَا كَانَ مُسْتَحَقًّا بِالْعَقْدِ غَايَةً، وَمَفَادُهُ أَنَّهُ لَا ضَمَانَ عَلَى الْمُسْتَأْجِرِ سَوَاءً تَقَدَّمَ أَوْ تَأَخَّرَ وَهُوَ الْوَجْهُ، وَمِنْ ثَمَّ عَوَّلْنَا عَلَيْهِ عَلَى خِلَافِ مَا فِي الْخُلَاصَةِ، كَذَا فِي شَرْحِ الْمُصَنِّفِ قُلْتُ وَمَا فِي الْخُلَاصَةِ هُوَ مَا يُوجَدُ فِي بَعْضِ نُسَخِ الْمَثْنِ مِنْ قَوْلِهِ (وَكَذَا لَا ضَمَانَ لَوْ حَصَلَ الْمُسْتَأْجِرُ أَوَّلًا ثُمَّ رَبُّ الدَّابَّةِ، وَإِنْ حَصَلَهَا رَبُّهَا أَوْ لَا ثُمَّ الْمُسْتَأْجِرُ ضَمِنَ نِصْفَ الْقِيَمَةِ) انْتَهَى فَتَنَّبَهُ

یا یکے بعد دیگرے رکھا تو مستاجر پر کوئی ضمانت نہیں ہوگی اور مستاجر کا لادنا اسے بنا دیا جائے گا کہ یہ عقد کی وجہ سے لادنا تھا ”غایہ“۔ اس سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ مستاجر پر کوئی ضمانت نہیں ہوگی خواہ وہ پہلے لادے یا بعد میں یہی مناسب ہے۔ اسی وجہ سے ہم نے اس پر اعتماد کیا ہے جو اس کے برعکس ہے جو ”الخلاصہ“ میں ہے۔ اسی طرح مصنف کی شرح میں ہے۔ میں نے کہا: ”الخلاصہ“ میں جو کچھ ہے وہ وہی ہے جو متن کے بعض نسخوں میں پایا جاتا ہے۔ ان کا قول ہے: اسی طرح کوئی ضمانت نہ ہوگی اگر مستاجر پہلے لادے پھر جانور کا مالک لادے اگر جانور کا مالک پہلے لادے پھر مستاجر لادے تو وہ نصف قیمت کا ضامن ہوگا۔ کلام ختم ہوئی۔ پس اس پر متنبہ ہو جائیے۔

ساتھ ہے۔ یہ ایک معروف برتن ہے۔ اس کی جمع جوا لاق آتی ہے جس طرح صحائف ہیں اور جواقات جمع آتی ہے۔ حق یہ ہے کہ واؤ کے بعد الف ہو اس کے تشبیہ میں اور اس کے مفرد میں بھی۔ نسخوں میں جو دیکھا ہے وہ اس کے خلاف ہے۔
29667۔ (قوله: أَوْ مُتَعَاقِبًا) ”المنح“ میں اس کا ذکر نہیں کیا۔ اور ”غایۃ البیان“ کی عبارت میں میں نے اسے نہیں دیکھا۔

29668۔ (قوله: وَمَفَادُهُ الْخ) اس کا یہ حکم اس وقت مستفاد ہوتا اگر ”غایۃ البیان“ میں اسے اپنے قول: او متعاقبا کے ساتھ تعبیر کرتے اسے اپنے اس قول کے ساتھ تعبیر کیا: ووضعاه علی الدابة جسیعا۔ اور اسے ”تمتہ الفتاویٰ“ کی طرف منسوب کیا۔ ”تاتر خانہ“ میں ”الذخیرہ“ سے اسی طرح تعبیر کیا ہے۔ ”الخلاصہ“ سے اسی طرح تعبیر کیا گیا ہے اس کے بعد یہ اضافہ کیا: وکذا لو حصل المستاجر اولاً الخ۔ ”الغایہ“ میں جو قول ہے وہ اس کے مخالف نہیں جو ”الخلاصہ“ میں ہے۔ بلکہ ”الخلاصہ“ میں ایک دوسرے مسئلہ کو زائد ذکر کیا ہے جو ”الغایہ“ کی عبارت سے مفہوم نہیں۔ وہ مسئلہ وہ ہے جس کی ماتن نے تفصیل ذکر کی ہے۔ اگر یہ فرض کیا جائے کہ ان کا قول او متعاقب ”الغایہ“ کی عبارت میں موجود ہے تو وہ مفہوم ہے۔ ”الخلاصہ“ میں جو قول ہے وہ صریح منطوق ہے۔ پس اس سے کیسے عدول کیا جاسکتا ہے۔ علماء نے فرمایا: صاحب خلاصہ ان لوگوں میں سے سب سے زیادہ جلیل ہیں جن پر اعتماد کیا جاتا ہے تو ضروری ہے کہ جو انہوں نے کہا ہے اس کی طرف رجوع کیا جائے تاکہ نقل کی پیروی کی جائے۔ واللہ اعلم

29669۔ (قوله: فَتَنَّبَهُ) میں کہتا ہوں: اس پر متنبہ ہو جائیے جو ہم نے پہلے بیان کر دیا ہے پس یہ زیادہ ظاہر ہے۔

(وَهَذَا) أَيْ مَا مَرَّ مِنَ الْحُكْمِ (إِذَا كَانَتْ الدَّابَّةُ) الْمُسْتَأْجَرَةُ (تُطِيقُ مِثْلَهُ، أَمَّا إِذَا كَانَتْ لَا تُطِيقُ فَجَبِيحٌ الْقِيمَةُ لِأَنَّهُ عَلَى الْمُسْتَأْجِرِ زَيْدَعِي وَيَجِبُ عَلَيْهِ كُلُّ الْأَجْرِ لِلْحَمْلِ، وَالضَّمَانُ لِلزِّيَادَةِ غَايَةً، وَأَفَادَ بِالزِّيَادَةِ أَنَّهَا مِنْ جِنْسِ الْمُسْتَأْجِرِ، فَلَوْ مِنْ غَيْرِهِ ضَمِنَ الْكُلَّ، كَمَا لَوْ حَمَلَ الْمُسْتَأْجِرُ وَحْدَهُ ثُمَّ حَمَلَ عَلَيْهَا الزِّيَادَةُ وَحْدَهَا بَحْرًا قَالَ وَلَمْ يَتَعَرَّضُوا لِلْأَجْرِ إِذَا سَلِمَتْ لِيُظْهِرَ وَجُوبَ الْمُسْتَأْجِرِ فَقَطُّ وَإِنْ حَصَلَهُ الْمُسْتَأْجِرُ لِأَنَّ مَنَافِعَ الْغَضَبِ لَا تَضْمِنُ عِنْدَنَا، وَمِنْهُ عُلِمَ حُكْمُ الْمَكَارِي فِي طَرِيقِ مَكَّةَ

یہ یعنی جو حکم سے گزرا ہے اس وقت ہے جب اجرت پر لیا جانے والا جانور اس کی مثل کی طاقت رکھتا ہو مگر جب وہ اس کی طاقت نہ رکھتا ہو تو تمام قیمت مستاجر پر لازم ہوگی، ”زیدعی“۔ اور بوجھ اٹھانے کی وجہ سے اس پر پوری اجرت لازم ہوگی اور ضمان زیادتی کی وجہ سے ہوگی، ”غایۃ“۔ زیادتی سے یہ بیان کیا ہے کہ یہ مسمی کی جنس سے ہے۔ اگر کسی اور جنس سے ہو تو سب کا ضامن ہوگا۔ اسی طرح کا حکم ہوگا اگر وہ صرف مسمی کو اکیلے لادے پھر اس پر زیادتی کو اکیلے لادے، ”بحر“۔ بہا: علماء نے اجر سے تعرض نہیں کیا جب وہ سلامت رہے۔ کیونکہ صرف مسمی کا واجب ہونا ظاہر ہے اگرچہ مستاجر لادے کیونکہ غصب کے منفع کی ہماری ہاں ضمانت نہیں اس سے مکہ مکرمہ کے راستہ میں مکاری (کرایہ داری) کے حکم کا علم ہو گیا۔

29670۔ (قوله: أَيْ مَا مَرَّ مِنَ الْحُكْمِ) اس سے مراد یہ ہے جو پہلے مسئلہ میں وزن زیادہ کرنے سے ضمان لازم

آتی ہے۔

29671۔ (قوله: الْأَجْرِ لِلْحَمْلِ الْخ) یہ ان دونوں کے اجتماع کا جواب ہے جس طرح ہم نے ابھی اسے بیان کیا ہے۔

29672۔ (قوله: وَأَفَادَ الْخ) کیونکہ زیادتی مزید علیہ کی جنس سے ہے۔ ”ط“۔

29673۔ (قوله: ثُمَّ حَمَلَ عَلَيْهَا الزِّيَادَةَ وَحْدَهَا) ”تا ترخانہ“ میں اس کی یہ قید لگائی ہے اگر وہ معین مکان میں اس

پر لادے اگر کسی اور جگہ اس پر لادے تو وہ زیادتی کی مقدار کا ضامن ہوگا۔ اسی کی مثل ”جامع الفصولین“ میں ہے۔ اس میں یہ بھی ہے: ”یہ صورت مختلف ہوگی اگر وہ ایک نیل اجرت پر لیتا ہے تاکہ اس کے ساتھ دس مختوم پیسے تو اس نے گیارہ مختوم پیسے یا اس کے ساتھ ایک جریب بل چائے تو اس نے ایک جریب اور نصف بل چلایا تو وہ نیل بلاک ہو گیا تو وہ مکمل قیمت کا ضامن ہو جائے گا۔ کیونکہ پسینا تھوڑا تھوڑا ہوتا ہے جب دس پیسے لیے تو عقد ختم ہو جائے گا تو وہ زیادتی میں ہر اعتبار سے مخالفت کرنے والا ہوگا پس سب کا ضامن ہوگا اور بوجھ لادنا ایک ہی دفعہ ہے اور بعض کی اجازت ہے پس اس کی مقدار کا ضامن نہیں ہوگا۔

29674۔ (قوله: وَلَمْ يَتَعَرَّضُوا الْخ) میں کہتا ہوں: ”البدائع“ میں اس کی تصریح کی ہے جس طرح ہم پہلے بیان کر

چکے ہیں۔

مالک گھر کا کچھ حصہ اپنے لیے مشغول رکھے تو اس کا حکم

29675۔ (قوله: وَمِنْهُ عُلِمَ الْخ) یعنی اس سے معلوم ہو گیا اگر وہ شے میں اضافہ کرے اور جانور سلامت رہے تو

(وَضَمِنَ بِضَرْبِهَا وَكَبْحِهَا) بِدَلَامِهَا لِتَقْيِيدِ الْإِذْنِ بِالسَّلَامَةِ، حَتَّى لَوْ هَلَكَ الصَّغِيرُ بِضَرْبِ الْأَبِ أَوْ
الْوَصِيِّ لِتَأْدِيبِ ضَمْنِ لِقُوعِهِ بِزَجَرٍ وَتَعْرِيكٍ وَقَالَ لَا يَضْمَنَانِ بِالْمُتَعَارَفِ

اس جانور کو مارنے اور اس کی لگام کھینچنے سے ضامن ہوگا۔ کیونکہ اذن سلامتی کے ساتھ مقید ہے یہاں تک اگر بچہ باپ کے یا
وصی کے مارنے سے ہلاک ہو جائے جب کہ انہوں نے ادب سکھانے کے لیے مارا تھا تو ضامن ہوگا۔ کیونکہ تادیب جھڑکنے
اور کان مروڑنے سے ہو سکتی ہے۔ ”صاحبین“ رحمہ اللہ علیہما نے کہا: وہ متعارف مار سے ضامن نہیں ہوں گے۔

صرف مسمی واجب ہوگا اگرچہ مکاری کی اجازت کے بغیر زیادتی اس کے لیے حلال نہیں۔ اسی وجہ سے علما نے کہا: چاہیے کہ
مکاری وہ تمام سامان دیکھ لے جس کو وہ اونٹ پر لادنا چاہتا ہے، ”بحر“۔ اسی وجہ سے بعض علما سے یہ مروی ہے: اسے ایک
دوست نے اسے کتاب دی تاکہ وہ اسے پہنچا دے تو اس نے کہا: یہاں تک کہ میں جمال سے اجازت لے لوں۔ یہ اس
صورت میں ہے اگر وہ مقدار معین کر دے۔ مصنف متفرقات میں عنقریب ذکر کریں گے: ایک اونٹ اجرت پر لینا صحیح ہے
تاکہ اس پر محمل اور دو آدمی مکہ مکرمہ تک سوار کرے۔ اس کے لیے معتاد بوجھ ہوگا اور جمال کا دیکھ لینا زیادہ محبوب ہے۔

فرع: ”المنح“ میں ”الحنانیہ“ سے مروی ہے: جانور کے مالک کو یہ حق حاصل نہیں کہ مستاجر کے سامان کے ساتھ اپنا سامان
رکھے۔ اگر وہ سامان رکھے اور سواری مقصد تک پہنچ جائے تو اجرت میں سے کوئی شے کم نہ کی جائے گی۔ یہ صورت مختلف ہوگی
کہ مالک گھر کا کچھ حصہ اپنے لیے مشغول رکھے تو اس کی اجرت میں اس کے حساب سے کمی کی جائے گی۔

29676۔ (قوله: وَكَبْحِهَا) یہ لفظ با اور حامہ کے ساتھ ہے۔ ”المنح“ میں ہے: كَبْحُ الدَّابَّةِ بِالْإِجَامِ، جب وہ

اسے روکے۔ اس کا معنی یہ ہوتا ہے وہ سواری کو اپنی طرف کھینچے تاکہ وہ ٹھہر جائے اور نہ چلے۔ ”المنح“ میں اسی طرح ہے۔ ”ح“۔

29677۔ (قوله: لِتَقْيِيدِ الْإِذْنِ بِالسَّلَامَةِ) کیونکہ چلانا مارنے کے بغیر تحقیق ہو جاتا ہے اسے اس لیے مارا جاتا

ہے تاکہ وہ تیز چلے۔

29678۔ (قوله: ضَمِنَ) یعنی وہ دیت کا ضامن ہوگا اسی پر کفارہ ہے قاضی حد اور تعزیر لگائے تو معاملہ مختلف ہوگا۔

کیونکہ ضمان واجب کے بجالانے سے واجب نہیں ہوتا۔ ”طحاوی“ نے ”حموی“ سے نقل کیا ہے۔

29679۔ (قوله: لِقُوعِهِ) بے شک وہ ضامن ہوگا کیونکہ تادیب جھڑکنے اور کان مروڑنے سے مارے بغیر واقع ہو

جاتی ہے، ”ح“۔ تعریک سے مراد کان مروڑنا ہے۔

باپ، وصی اور معلم متعارف مار سے ضامن نہیں ہوں گے

29680۔ (قوله: قَالَ لَا يَضْمَنَانِ بِالْمُتَعَارَفِ) یعنی باپ اور وصی متعارف مار سے ضامن نہیں ہوں گے۔ کیونکہ

یہ مار چھوٹے بچے کی اصلاح کے لیے ہے۔ پس یہ معلم کے مارنے کی طرح ہے بلکہ اس سے اولیٰ ہے۔ کیونکہ معلم ان دونوں کی

مار سے استفادہ کرتا ہے جانور کو مارنے اور اس کی لگام کھینچنے میں بھی اختلاف جاری ہے۔ کیونکہ یہ مطلق عقد سے مستفاد ہے۔ یہ

وَفِي الْغَايَةِ عَنِ الثَّنَةِ الْأَصَحُّ رُجُوعُ الْإِمَامِ لِقَوْلِهَا (لَا يَضُنُّ بِسَوِّقِهَا) اتِّفَاقًا وَظَاهِرُ الْهَدَايَةِ أَنَّ لِمُسْتَأْجِرِ الضَّرْبِ لِلْإِذْنِ الْعُرْفِي،

”الغایہ“ میں ”تمہ“ سے منقول ہے: اصح یہ ہے کہ ”امام صاحب“ رحمہ اللہ نے ”صاحبین“ رحمہ اللہ کے قول کی طرف رجوع کر لیا تھا وہ جانور کو ہانکنے سے ضامن نہیں ہوگا اس پر سب کا اتفاق ہے۔ ”ہدایہ“ کی عبارت کا ظاہر معنی یہ ہے کہ مستاجر کو حق حاصل ہے کہ اذن عرفی کی وجہ سے مارے۔

اس غلام کو مارنے کے خلاف ہے جسے خدمت کے لیے اجرت پر لیا گیا ہو اسے مارنے سے بالاجماع وہ ضامن ہوگا۔ فرق یہ ہے کہ ”صاحبین“ رحمہ اللہ کی دلیل یہ ہے اسے روکنا جاتا ہے اور نہیں کی جاتی ہے تاکہ وہ سمجھ جائے پس اس کو مارنے کی ضرورت نہیں جانور کو مارنے اور اس کی لگام کھینچنے میں کلام مطلقاً ذکر کی ہے جب کہ یہ اس پر محمول ہے جب مالک کی اجازت کے بغیر ہو اگر اس کی اجازت سے ہو اور وہ ضرب معقود جگہ پر لگے تو بالاجماع ضامن نہیں ہوگا جس طرح ”تاتر خانہ“ میں ہے۔

29681۔ (قوله: وَفِي الْغَايَةِ عَنِ الثَّنَةِ الْخ) یہ امر ظاہر ہے کہ صغیر کے مسئلہ میں رجوع ہے جانور کے مسئلہ میں رجوع نہیں۔ چاہیے کہ معاملہ اسی طرح ہو۔ کیونکہ جانور کا مسئلہ وہ ہے جس پر اصحاب متون کا مزن ہوئے۔ اگر ”امام صاحب“ رحمہ اللہ کا رجوع اس میں بھی ثابت ہوتا تو اصحاب متون اس کے خلاف نہ چلتے۔ کیونکہ مجتہد جس سے رجوع کر لے وہ مذہب نہیں ہوتا۔ جب کہ مصنف کتاب الجنایات میں صغیر کے مسئلہ میں ”امام صاحب“ رحمہ اللہ کے قول پر چلے ہیں اور آپ کے رجوع و قیل کے ساتھ تعبیر کیا ہے۔ اس کی وضاحت وہاں آئے گی ان شاء اللہ۔

29682۔ (قوله: لَا بِسَوِّقِهَا) یعنی معقود ہانکنا کیونکہ ”تاتر خانہ“ میں ہے: اگر چال میں سختی کی تو بالاجماع ضامن ہوگا۔

29683۔ (قوله: وَظَاهِرُ الْهَدَايَةِ الْخ) اسی طرح ”البحر“ میں کہا ہے۔ شاید انہوں نے اس سے اخذ کیا ہے کہ ”امام صاحب“ رحمہ اللہ کے نزدیک ضمان کی غلت یہ ہے کہ مارنے کی اجازت سلامتی کے ساتھ مقید ہے۔ پس یہ قول فائدہ دیتا ہے کہ بے شک مارنے کی اجازت ہے مگر سلامتی کی شرط ہے۔ ”معراج الداریہ“ میں ہے: یہ صحیح اور ثابت ہے۔ ان لنبی صدق علیہ وسلم نخس بعیر جابر و خریہ (1)۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے اونٹ کو کچوکا دیا اور اسے مارا۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے اونٹ و اپنے مچھن (ایسی چھتری جس کا سر امڑا ہوا ہو) سے مارا کرتے۔ پھر کہا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل اس کی اباحت پر درست کرتا ہے۔ یہ ضمان کے منافی نہیں۔ کیونکہ یہ سلامتی کی شرط کے ساتھ مقید ہے۔ حاصل کلام یہ ہے کہ ادب سکھانے کے لیے مالک اور دوسرا آدمی جانور کو مار سکتا ہے اگرچہ غیر مستاجر ہو۔ تاہل

وَأَمَّا ضَرْبُهُ دَابَّةً نَفْسِهِ فَقَالَ فِي الْقُنْيَةِ عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ تَعَالَى لَا يَضْرِبُهَا أَصْلًا، وَيُخَاصِمُ فِيمَا زَادَ عَلَى التَّأْدِيبِ (وَضَمِنَ) (بِنَزْعِ الشَّمْرِ وَ) وَضَمِنَ (الْإِيكَافِ)

جہاں تک اس کا اپنے جانور کو مارنا ہے تو ”القنیہ“ میں امام ”ابو حنیفہ“ رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے: وہ اسے اصلاً نہیں مارے گا۔ اور جو آدمی ادب سکھانے سے زائد مارے گا اس سے خصومت کی جائے گی۔ زین اتارنے اور ایکاف (پالان) ڈالنے سے وہ ضامن ہوگا

جانور کو مارنے کا شرعی حکم

29684۔ (قوله: وَأَمَّا ضَرْبُهُ دَابَّةً نَفْسِهِ الْخ) ”القنیہ“ میں کہا: امام ”ابو حنیفہ“ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک وہ اصلاً جانور کو نہیں مارے گا اگرچہ وہ جانور اس کی ملک میں ہو۔ یہی حکم ہے ہر اس حیوان کا جس سے کام لیا جاتا ہے۔ پھر کہا: ادب سکھانے کے لیے جس مارنے کا وہ محتاج ہوتے ہیں اس میں حیوان کو مارنے والے سے خصومت نہیں کی جائے گی اور جو اس سے زیادہ مارتا ہے اس میں اس سے خصومت کی جائے گی۔ ”البحر“ میں یہ اسی طرح ہے۔

میں کہتا ہوں: ظاہر یہ ہے کہ ”امام صاحب“ رحمۃ اللہ علیہ کے قول: لَا يَضْرِبُهَا أَصْلًا سے مراد یہ ہے یعنی اسے یہ نہ چاہیے اگرچہ وہ تادیب کے لیے مارے اگرچہ ادب سکھانے کے لیے معتاد مارنا مباح ہے۔ پس یہ اس قول کے منافی نہیں جس کو پہلے ذکر کیا ہے۔ اس پر یہ قول: لَا يَخَاصِمُ فِيمَا يَحْتَاجُ إِلَيْهِ لِلتَّأْدِيبِ دلالت کرتا ہے۔ ”طحطاوی“ نے ”حموی“ کی ”شرح الکنز“ سے نقل کیا ہے: علماء نے کہا: حیوان کو بلا وجہ مارنے والے سے خصومت کی جائے گی۔ کیونکہ یہ منکر عمل کی حالت میں ناپسندیدگی کا اظہار کرنا ہے اس کا ہر کوئی مالک ہے۔ کسی وجہ سے اگر کوئی مار رہا ہو تو اس سے خصومت نہیں کی جائے گی مگر جب وہ چہرے پر مارے بے شک اسے روکا جائے گا اگرچہ وہ کسی وجہ سے مار رہا ہو۔ یہی امام ”محمد“ رحمۃ اللہ علیہ کے اس قول کا معنی ہے جو ”المبسوط“ میں ہے: حیوان کو مارنے والے کا مواخذہ کیا جائے گا جو کسی وجہ کے بغیر مار رہا ہو مگر جب وہ چہرے پر مارے تو ہر صورت میں اس سے خصومت کی جائے گی۔

29685۔ (قوله: وَبِنَزْعِ الشَّمْرِ وَ الْإِيكَافِ) ”حموی“ اور ”شلبی“ نے یہ بیان کیا ہے کہ محض زین کو اتارنا ضمان کا موجب ہے۔ ”جوہرہ“ میں ہے: ایک آدمی نے جانور اجرت پر لیا تا کہ زین کے ساتھ اس پر سوار ہو تو وہ اسے اس پر زین کے بغیر ننگی پیٹھ پر سوار نہ ہو اور اس پر سامان نہ لادے اس پر چت نہ لیٹے اس کی پشت پر ٹیک نہ لگائے بلکہ عرف اور عادت کے مطابق اس پر سوار ہو، ملخص۔ ایک چیز باقی رہ گئی ہے ایک آدمی نے زین کے بغیر اسے اجرت پر لیا اور اسے زین پہنادی۔ ”کافی الحاکم“ میں ہے: وہ ضامن ہوگا۔ ”اسبجانی“ نے اپنی شرح میں کہا: یہ حکم اس صورت میں ہے اگر وہ گدھا ہو۔ عام معمول کے مطابق اس پر زین نہ ڈالی جاتی ہو اگر اس پر زین ڈالی جاتی ہو تو وہ ضامن نہیں ہوگا۔ ”قدوری“ نے کہا: ہمارے اصحاب نے تفصیل بیان کی ہے۔ علما نے کہا: اگر شہر سے باہر اس پر سواری کرتا ہے تو ضامن نہیں ہوگا۔ اسی طرح اگر وہ شہر میں

سَوَاءٌ وَكَفَّ بِبَيْتِهِ أَوْ لَا (وَبِالْإِسْرَاجِ بِمَا لَا يُسَرُّ) هَذَا الْحِصَارُ (وَبِبَيْتِهِ جَمِيعَ قِيَمَتِهِ) وَلَوْ بِبَيْتِهِ

خواہ اس قسم کی ایکاف ڈالی جاتی ہو یا نہ ڈالی جاتی ہو۔ اور گدھے کو ایسی زین ڈالنا جس قسم کی زین اس پر نہ ڈالی جاتی ہو تو اس کی پوری قیمت کی ضمانت دینا ہوگی

ہے جب کہ وہ ذی وجہ بہت آدمی ہے ورنہ ضامن ہوگا۔ کیا وہ تمام قیمت کا ضامن ہوگا یا اس کی مقدار کا ضامن ہوگا جتنا اس نے زائد کیا؟ ”قاضی خان“ نے ”جامع“ میں پہلے قول کو صحیح قرار دیا ہے۔

میں کہتا ہوں: چاہیے کہ اصح دوسرا قول ہو کیونکہ وہ سوار ہونے پر زائد بوجھ کی طرح ہے۔ ”غایۃ البیان“، ملخص۔
میں کہتا ہوں: اس میں اعتراض کی گنجائش ہے۔ کیونکہ یہ گزر چکا ہے اگر وہ سامان کی جگہ سوار ہو گیا تو تمام قیمت کا ضامن ہوگا۔ ”التقنی“ نے خود اس کو نقل کیا ہے۔ پس اس میں تدبر کیجئے۔ ”البحر“ میں ہے: جو ”کافی“ میں قول ہے وہ مذہب ہے۔ کیونکہ یہ ظاہر روایت ہے جس طرح یہ امر مخفی نہیں۔

29686۔ (قوله: وَضَعِ الْإِيكَافِ) اس مضاف کے مقدر ماننے کا کوئی معنی نہیں۔ کیونکہ الایکاف کا معنی پاران رکھنا ہے۔ ”ح“۔ یعنی ان پر ایکاف جو مصدر ہے اکاف جو اسم ہے کے ساتھ مشتبه ہو گیا۔ اکاف اسے کہتے ہیں جسے جانور کی پشت پر رکھا جاتا ہے اور یہ جواب ممکن ہے کہ اضافت بیان یہ ہو اور مضاف کے مقدر ماننے کا داعی یہ ہے کہ یہ فائدہ دے کہ اس کا عطف ”نزع“ پر ہے ”السرّج“ پر نہیں، تامل۔ تاکہ اس پر سامان لا دیا جائے اور زین ڈالی جاتی ہے تاکہ سوار ہو جائے۔ اسی طرح دونوں میں سے ایک جانور کی پشت پر پھیل جاتا ہے جتنا دوسرا اس پر نہیں پھیلتا۔ پس یہ گندم اور لوہے کے اختلاف کی مثل ہے۔ ”زیلعی“
29687۔ (قوله: سَوَاءٌ وَكَفَّ بِبَيْتِهِ أَوْ لَا) کیونکہ جنس مختلف ہے کیونکہ اکاف اس لیے ہے۔

29688۔ (قوله: وَبِالْإِسْرَاجِ) اس کا عطف الایکاف پر ہے۔ اولیٰ یہ ہے کہ ”با“ جارہ کو حذف کر دیا جائے اور او کے ساتھ اس کا عطف کیا جائے جس طرح ”الکنز“ میں ہے تاکہ حرف جر پر اس کے عطف کا وہم نہ دلائے۔ ”ابن کمال“ نے کہا: یعنی اگر اس نے زین اتار دی اور اسے دوسری زین اس پر ڈال دی اگر یہ زین ان میں سے ہے جس کی مثل اس گدھے پر زین نہیں ڈالی جاتی تو وہ ضامن ہوگا۔

29689۔ (قوله: جَمِيعَ قِيَمَتِهِ) یہ ”امام صاحب“ رحمہ اللہ کے نزدیک ”جامع صغیر“ کی روایت ہے اور ”الکنز“ کی روایت میں اتنی مقدار کی ضمانت دے گا جتنا اس نے زائد وزن ڈالا۔ یہی ”صاحبین“ رحمہ اللہ کا قول ہے۔ یہ حکم اس صورت میں ہے جب گدھے پر اس قسم کا پالان ڈالا جاتا ہو اگر اس پر اصلاً پالان نہ ڈالا جاتا ہو یا اس کی مثل پالان نہ ڈالا جاتا ہو تو ان کے نزدیک مکمل قیمت کا ضامن ہوگا۔ ”حقائق“ میں اسی طرح ہے۔ ”ابن کمال“۔ ”شرعیہ“ نے کہا: فتویٰ ”صاحبین“ رحمہ اللہ کے قول پر ہے۔

”زیلعی“ نے کہا: علماء نے ”صاحبین“ رحمہ اللہ کے قول: بیضن بحسابہ کے معنی میں کلام کی ہے۔ امام ”ابو حنیفہ“ رحمہ اللہ

أَوْ أَمَرَ جَهَا مَكَانَ الْإِيكَافِ لَا يَضْمَنُ إِلَّا إِذَا زَادَ وَزْنَا فَيَضْمَنُ بِحَسَابِهِ ابْنُ كَمَالٍ (كَمَا) يَضْمَنُ (لَوْ) اسْتَأْجَرَهَا بِغَيْرِ لَجَامٍ فَالْجَمْعُ بِدَجَامٍ لَا يُدْجَمُ مِثْلُهُ) وَكَذَا لَوْ أَبْدَلَهُ؛ لِأَنَّ الْحِصَارَ لَا يَخْتَلِفُ بِاللَّجَامِ وَغَيْرِهِ غَايَةً (أَوْ سَلَكَ طَرِيقًا غَيْرَ مَا عَيَّنَهُ الْمَالِكُ تَفَاوُتًا) بَعْدًا أَوْ غَيْرًا أَوْ خَوْفًا بِحَيْثُ لَا يَسْلُكُهُ النَّاسُ ابْنُ كَمَالٍ (أَوْ حَصَلَهُ فِي الْبَحْرِ إِذَا قَيَّدَ بِالْبَرِّ مُطْلَقًا) سَلَكَهُ النَّاسُ أَوْ لَا لِحَظِ الْبَحْرِ،

یا اس نے پالان کی جگہ اس پر زین ڈالی ہو تو وہ ضامن نہ ہوگا مگر جب وزن میں اس سے بڑھ کر ہو تو اس کے حساب سے وہ ضامن ہوگا، ”ابن کمال“۔ اسی طرح وہ ضامن ہوگا اگر وہ اسے لگام کے بغیر اجارہ پر لے تو اسے ایسی لگام دی جس کی مثل اس کو لگام نہیں دی جاتی۔ اسی طرح اگر وہ لگام کو بدلے۔ کیونکہ گدھا لگام وغیرہ کے مختلف ہونے سے مختلف نہیں ہوتا، ”غایہ“۔ یا ایسے راستہ پر چلا جو اس راستہ کے علاوہ ہے جو مالک نے متعین کیا تھا جو دونوں راستوں دوری، پر پیچ ہونے یا خوف میں مختلف تھے اس حیثیت میں لوگ اس راہ پر نہیں چلتے۔ ”ابن کمال“۔ یا وہ اسے سمندر کے راستے لے جاتا ہے جب اس نے مطلقاً خشکی کی قید لگائی تھی لوگ اس پر چلتے ہوں یا نہ چلتے ہوں۔ کیونکہ سمندر کا خطرہ موجود ہے

سے مروی دو روایتوں میں سے ایک روایت یہی ہے۔ کچھ علماء نے فرمایا: اس کا اندازہ مساحت (پیمائش) سے لگایا جائے گا یہاں تک کہ اگر زین جانور کی پشت سے بالشت جگہ لیتی ہے اور پالان چار بالشت لیتا ہے تو اسی حساب سے ضامن ہوگا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وزن کا اعتبار ہوگا۔

29690۔ (قوله: مَكَانُ الْإِيكَافِ) یعنی ایكاف کے بدل میں۔

29691۔ (قوله: وَكَذَا لَوْ أَبْدَلَهُ) یہ متن کے مفہوم کے حکم کو تعلیل کے قرینہ سے تشبیہ دینا ہے اور شارح نے ”البحر“ اور ”المنح“ کی پیروی کی۔ ”غایۃ البیان“ میں جو قول ہے وہ اسی طرح ہے۔ ”کرخی“ نے کہا: اگر اس پر لگام نہ ہو تو اس نے اسے لگام دی تو اس پر ضمان نہ ہوگی جب وہ اس کی مثل ہو جو اسے لگام دی جاتی ہو۔ اسی طرح کا حکم ہوگا اگر وہ لگام کو بدل دے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ گدھا لگام وغیرہ کے بدلنے سے مختلف نہیں ہوتا اور اسی لگام کے ساتھ وہ ہلاک نہیں ہوتا پس اس کو لگام دینے سے وہ ضامن نہیں ہوگا۔

29692۔ (قوله: غَيْرَ مَا عَيَّنَهُ الْمَالِكُ) یعنی طعام کے مالک نے اسے معین کیا جس طرح ”ہدایہ“ میں ہے۔ اسی

طرح دابہ کا مالک ہے جس طرح ”غایہ“ میں ہے۔ اگر وہ معین نہ کرے تو ضامن نہ ہوگا۔ ”بحر“۔

29693۔ (قوله: بِحَيْثُ لَا يَسْلُكُهُ النَّاسُ) مگر جب لوگ اس پر چلتے ہوں تو کتاب کا ظاہر معنی یہ ہے کہ اگر دونوں

کے درمیان تفاوت ہو تو وہ ضامن ہوگا ورنہ ضامن نہ ہوگا، ”بحر“، ”زیلعی“ نے اسے ”کافی“ اور ”ہدایہ“ سے نقل کیا ہے جب کہ علت یہ بیان کی ہے جب تفاوت نہ ہو تو تعین صحیح نہ ہوگی۔ کیونکہ کوئی فائدہ نہیں۔

29694۔ (قوله: أَوْ حَصَلَهُ فِي الْبَحْرِ) یعنی متاع (سامان) لے گیا۔

فَنَوْلَمْ يُقَيِّدْ بِالْبَرِّ لَا ضَمَانَ (وَإِنْ بَدَعَ الْمَنْزِلَ) فَلَهُ الْأَجْرُ لِحُصُولِ الْمُقْصُودِ (وَضَمِنَ بِزَرْعِ رَطْبِيَّةٍ وَأَمَرَ بِالْبُرِّ مَا نَقَصَ مِنَ الْأَرْضِ؛ لِأَنَّ الرُّطْبِيَّةَ أَضَرُّ مِنَ الْبُرِّ) وَلَا أَجْرُ؛ لِأَنَّهُ غَاصِبٌ إِلَّا فِيمَا اسْتَشْنَى

اگر وہ خشکی کی قید نہ لگائے تو کوئی ضمانت نہ ہوگی اگر وہ منزل پر پہنچ جائے تو اس کے لیے اجر ہوگا۔ کیونکہ مقصود حاصل ہو چکا ہے۔ گندم کاشت کرنے کا حکم دیا گیا تھا تو اس نے رطبہ کاشت کیں تو زمین کا جتنا نقصان ہوا اس کا ضامن ہوگا۔ کیونکہ رطبہ گندم سے زیادہ ضرر کا باعث ہوتی ہیں اور اس کے لیے کوئی اجر نہیں ہوگا۔ کیونکہ وہ غاصب ہے مگر ایسی چیز میں جس کی استثنا کی

29695۔ (قوله: وَإِنْ بَدَعَ الْمَنْزِلَ) بدع میں جو سماع ثابت ہے وہ تشدید کے ساتھ باب تفعیل سے ہے۔ یعنی اگر

جمال (ساربان) نے سامان اس جگہ تک پہنچا دیا جس جگہ کی شرط لگائی تھی۔ تخفیف بھی جائز ہے اس شرط پر کہ فعل متاع کی طرف منسوب ہے یعنی اگر سامان اس جگہ تک پہنچ گیا۔ ”اتقانی“۔

29696۔ (قوله: فَلَهُ الْأَجْرُ) یعنی اس کے لیے معین مہر لازم ہوگا۔

29697۔ (قوله: لِحُصُولِ الْمُقْصُودِ) کیونکہ طریق کی جنس ایک ہے پس اختلاف کا حکم ظاہر نہیں ہوگا مگر تفاوت کا اثر

ظاہر ہونے کے ساتھ جو ہلاکت ہے جب وہ مال سلامت رہا تو تفاوت صورت میں تو رہا معنی میں تفاوت نہ رہا پس مسمی واجب ہو گیا۔ ”اتقانی“۔

29698۔ (قوله: بِزَرْعِ رَطْبِيَّةٍ) جیسے ککڑی، بطیخ، بیگن اور جو اس کے قائم مقام ہے۔ ”طحطاوی“ نے ”سمرقندی“ سے

روایت کیا ہے۔

29699۔ (قوله: وَأَمَرَ بِالْبُرِّ) واو و حالیہ ہے۔

29700۔ (قوله: لِأَنَّ الرُّطْبِيَّةَ أَضَرُّ مِنَ الْبُرِّ) کیونکہ ان کی جڑیں پھیل جاتی ہیں اور ان کو سیراب کرنے کی زیادہ

ضرورت ہوتی ہے۔ پس اختلاف زیادہ شر کے بارے میں ہے جب کہ جنس میں اختلاف ہو۔ پس اس پر تمام نقصان واجب

ہوگا۔ اگر کسی اور کو اپنا ردیف بنائے تو معاملہ مختلف ہوگا یا معین محمول سے زیادہ لادے تو اس کے حساب سے ضامن ہوگا۔

کیونکہ وہ ہلاک ہوا ہے اس کے سبب جس کی اجازت دی گئی تھی اور جس کی اجازت نہیں دی گئی تھی۔ پس جس قدر تعمیری واقع

ہوئی اس کا وہ ضامن ہوگا کیونکہ جنس متحد ہے۔ ”زیلعی“، ملخص

29701۔ (قوله: وَلَا أَجْرُ) میں کہتا ہوں: چاہیے کہ یہ ان تمام مسائل کی طرف راجع ہو جن میں یہ قید ہے اور قید لگانا

اس وقت فائدہ مند ہوتا ہے جب وہ مخالفت کرے۔ ”طوری“۔

29702۔ (قوله: لِأَنَّهُ غَاصِبٌ) یعنی جب اس نے مخالفت کی تو وہ غاصب ہو گیا اور اس نے غصب کے ساتھ

منفعت حاصل کی اور غصب کے ساتھ اجرت واجب نہیں ہوتی۔ ”زیلعی“۔

29703۔ (قوله: إِلَّا فِيمَا اسْتَشْنَى) ”المنع“ میں کہا: میں کہتا ہوں: یہاں جو ذکر کیا گیا ہے کہ اجرت واجب نہ ہوگی

كَمَا سَيَجِيءُ، قَيَّدَ بِزَرْعِ الْأَضَرِّ؛ لِأَنَّهُ بِالْأَقَلِّ ضَرَّرَ لَا يَضُنُّ وَيَجِبُ الْأَجْرُ (وَضَمِنَ بِخِيَاطَةِ قَبَاءٍ) وَ (أَمَرَ بِقَيْصِ قَيْسَةِ ثَوْبِهِ، وَلَهُ) أُنَى لِصَاحِبِ الثَّوْبِ (أَخَذَ الْقَبَاءَ وَدَفَعُ أَجْرَ مِثْلِهِ) لَا يُجَاوِزُ الْمُسْتَى كَمَا هُوَ حُكْمُ الْإِجَارَةِ الْفَاسِدَةِ (وَكَذَا إِذَا خَاطَهُ سَرَاوِيلَ) وَقَدْ أَمَرَ بِالْقَبَاءِ، فَإِنَّ الْحُكْمَ كَذَلِكَ فِي الْأَصَحِّ فَتَقْيِيدُ الدَّرَرِ بِالْقَبَاءِ اتِّفَاقِي (وَضَمِنَ بِبَصْبِغِهِ أَصْفَرَ

جس طرح عنقریب آئے گا زیادہ نقصان کی قید لگائی۔ کیونکہ جو کم نقصان دینے والی ہو اس کے ساتھ وہ ضامن نہیں ہوگا اور اجر واجب ہوگا۔ اسے قیص سینے کا حکم دیا گیا تھا تو اس نے قبای دی تو وہ اس کے کپڑے کی قیمت کا ضامن ہوگا۔ اور کپڑے کے مالک کو حق حاصل ہے کہ قبائ لے اور اس کو اجرت مثلی دے جو معین اجرت سے زائد نہ ہو۔ جس طرح یہ اجارہ فاسدہ کا حکم ہے۔ اسی طرح جب وہ پاجامہ سی دے جب کہ اسے قبا کا حکم دیا گیا تھا۔ کیونکہ اصح قول کے مطابق حکم اسی طرح تھا۔ ”الدرر“ میں قبا کی قید لگانا اتفاقی ہے۔ اور وہ اسے زرد رنگ کرنے کی وجہ سے سفید کپڑے کی قیمت کا ضامن ہوگا

اور زمین میں جو نقص واقع ہوا ہے وہ واجب ہوگا یہ متقدمین مشائخ کا مذہب ہے۔ جہاں تک متاخرین کے مذہب کا تعلق ہے تو غاصب پر وقف کی زمین کے لیے، یتیم کے لیے اور جسے محاصل کے لیے تیار کیا گیا تھا جیسے سرائے وغیرہ تو ان کے لیے اجرت مثلی واجب ہوگی۔

29704۔ (قوله: بِخِيَاطَةِ قَبَاءٍ) قیص جب سامنے سے پھاڑی گئی ہو تو وہ قبا طاق ہے جب اس کی دونوں اطراف کو سیا جائے تو وہ قیص ہوگی۔ قرطی سے یہی مراد ہے، ”زیلعی“، ملخص۔ ”اتقانی“ نے یہ ذکر کیا ہے کہ قرطی میں ”ہدایہ“ میں یہ سماع ہے کہ طاہر فتح ہے اور ”مقدمۃ الادب“ میں ثقات سے سماع ضمہ کے ساتھ ہے دونوں کی دلیل ہے۔

29705۔ (قوله: وَلَهُ أَخَذَ الْقَبَاءَ) یعنی ظاہر روایت میں یہ ہے کیونکہ من وجہ قبا قیص ہے۔ کیونکہ ترک اسے قیص کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔ ”حسن“ سے یہ مروی ہے: اسے قبائ لینے کا اختیار نہیں بلکہ وہ کپڑا چھوڑ دے گا اور اس کی قیمت کی ضمانت لے گا۔

29706۔ (قوله: وَدَفَعُ أَجْرَ مِثْلِهِ) کیونکہ اس نے عمل کو اس پر تبدیل کر دیا ہے پس اس پر اجرت کو تبدیل کر دیا جائے گا۔ جس طرح اس نے جو لا ہے پر رقیق کی شرط لگائی تھی تو وہ اسے گھنا بن کر لایا یا اس نے اس کے برعکس کیا۔ ”اتقانی“۔ آنے والے باب کے آخر میں آئے گا جب وہ دونوں مامور بہ میں اختلاف کریں۔

29707۔ (قوله: فَإِنَّ الْحُكْمَ كَذَلِكَ) پس تخیر ہے کیونکہ اصل منفعت متحد ہے یعنی پردہ پوشی، سردی اور گرمی کو دور کرنا اور کیونکہ نفس خیاطت میں موافقت موجود ہے۔ ”زیلعی“۔

29708۔ (قوله: فِي الْأَصَحِّ) ایک قول یہ کیا ہے: اختیار کے بغیر وہ ضامن ہوگا کیونکہ منفعت اور بیعت میں تفاوت ہے۔

29709۔ (قوله: فَتَقْيِيدُ الدَّرَرِ) یعنی اپنے اس قول کے ساتھ وبخیاطۃ قباء اس کی مثل عام متون میں ہے۔ یہ

وَقَدْ أَمَرَ بِأَحْمَرِ قَيْمَةٍ ثَوْبٍ أَبْيَضَ، وَإِنْ شَاءَ الْمَالِكُ (أَخَذَهُ وَأَعْطَاهُ مَا زَادَ الصَّبْغُ فِيهِ وَلَا أَجْرَ لَهُ، وَلَوْ صَبَغَ رَدِيئًا إِنْ لَمْ يَكُنِ الصَّبْغُ فَاحِشًا لَا يَضُنُّ الصَّبَاغُ (وَإِنْ) كَانَ (فَاحِشًا) عِنْدَ أَهْلِ قَبِيلَةٍ (يَضُنُّ) قَيْمَةً ثَوْبٍ أَبْيَضَ خُلَاصَةً فُرُوعٌ قَالَ لِلْخِيَّاطِ اقْطَعْ طَوْلَهُ وَعَرِّضْهُ وَكُتْبَهُ كَذَا فَجَاءَ نَاقِصًا، إِنْ قَدَّرَ أَصْبِغْ وَنَحْوِهِ عَفْوٌ، وَإِنْ كَثُرَ ضَبْنُهُ قَالَ إِنْ كَفَانِي قَيْمًا فَاقْطَعْهُ بِدِرْهِمٍ وَخِطَّهُ فَقَطَعَهُ ثُمَّ قَالَ لَا يَكْفِيكَ ضَبْنُهُ،

جب کہ اسے سرخ رنگ کرنے کا حکم دیا گیا تھا۔ اگر کپڑے کا مالک چاہے تو وہ رنگا ہوا کپڑا لے لے اور اس نے اس کپڑے کی قدر و قیمت میں جو اضافہ کیا ہے وہ رنگریز کو دے دے جب کہ اس کے لیے کوئی اجر نہیں ہوگا۔ اگر اس نے زرد رنگ سے رنگا اگر رنگ فاحش نہ ہو تو رنگریز ضامن نہ ہوگا۔ اگر وہ اس فن کے لوگوں کے ہاں فاحش ہو تو سفید کپڑے کی قیمت کا ضامن ہوگا۔ ”خلاصہ“۔ فروع: اس نے خیاط سے کہا: اس کپڑے کو کاٹو اس کا طول، اس کا عرض اور اس کی آستین اتنی ہو تو وہ اسے ناقص صورت میں لایا اگر تو وہ انگلی وغیرہ کے برابر ہو تو یہ معاف ہے۔ اگر اس سے زائد ہو تو اس کا ضامن ہوگا۔ کہا: اگر یہ کپڑا میری قمیص کے لیے کافی ہو تو ایک درہم کے بدلے میں اسے کاٹو اور اسے سی دو اس درزی نے اسے کاٹا پھر کہا: تیرے لیے یہ کافی نہیں تو اس کا ضامن ہوگا۔

امام ”محمد“ رحمۃ اللہ علیہ کے الفاظ کی اتباع ہے جو امام ”محمد“ رحمۃ اللہ علیہ نے ”جامع صغیر“ میں ذکر کیے ہیں۔ لیکن اس کے بعد ”ابہدایہ“ اور ”المستقی“ میں اس قول کا اضافہ کیا: و کذا اذا خاطبه سوا ديل اس قول نے اس امر کا فائدہ دیا کہ قید اتفاق ہے۔

29710۔ (قوله: قَيْمَةً ثَوْبٍ أَبْيَضَ) یعنی اگر اس کے مالک نے اسے یہ دیا ہو تو حکم اسی طرح ہوگا۔

29711۔ (قوله: لَا يَضُنُّ) جو امر ظاہر ہے اس میں اس کے لیے معین اجر ہوگا۔ ”ط“۔

میں کہتا ہوں: اس پر آنے والے قول کا ظاہر اس پر دلالت کرتا ہے: اگر انگلی وغیرہ کی مقدار کا ہو تو یہ معاف ہے۔ لیکن ”بزازیہ“ میں ”المحیط“ سے مروی ہے: ایک آدمی نے اسے زعفرانی رنگ کرنے اور خوب رنگ لگانے کا حکم دیا اور اس نے اس پر خوب رنگ نہ چڑھایا تو رنگریز اس کے کپڑے کی قیمت کا ضامن ہوگا۔ یا مالک اس سے کپڑے لے لے گا اور اسے اجرت مثلی دے دے گا۔ اور وہ معین اجرت سے زائد نہیں ہوگا۔ تامل

29712۔ (قوله: عِنْدَ أَهْلِ قَبِيلَةٍ) یعنی اس کی صنعت کے لوگوں کے ہاں۔

29713۔ (قوله: كَذَا) یہ ماقبل تینوں مسائل کی طرف راجع ہے۔

29714۔ (قوله: عَفْوٌ) یعنی اس کے لیے اجر ہوگا جس طرح ”بزازیہ“ میں ہے۔ کیونکہ تفاوت قلیل ہے اور اس سے

بچنا مشکل ہے۔ زیادہ بہتر یہی ہے کہ یہ معاف ہے۔

29715۔ (قوله: ضَبْنُهُ) کیونکہ یہ مقصود میں مغل ہے پس اسے اتلاف شمار کیا جائے گا۔ ”ط“۔

29716۔ (قوله: لَا يَضُنُّ) کیونکہ اس نے مالک کی اجازت سے کپڑا کاٹا ہے۔ پہلی صورت میں مالک نے کٹنے

وَلَوْ قَالَ أَيْكُفِينِي قَبِيصًا؟ فَقَالَ نَعَمْ فَقَالَ اقْطَعْهُ فَقَطَّعَهُ ثُمَّ قَالَ لَا يَكْفِيكَ لَا يَضُنُّ نَزَلَ الْجَبَّالُ فِي مَفَازَةٍ وَلَمْ يَزَلْ حَتَّى فَسَدَ النَّالُ بِسَرِيقَةٍ أَوْ مَطَرٍ ضَمِنَ لَوْ السَّرِيقَةُ وَالْمَطَرُ غَالِبًا خُلَاصَةً وَفِي الْأَشْبَاهِ اسْتَعَانَ بِرَجُلٍ فِي السُّوقِ لِيَبِيعَ مَتَاعَهُ فَطَلَبَ مِنْهُ أَجْرًا فَالْعَبْرَةُ لِعَادَتِهِمْ، وَكَذَا لَوْ أَدْخَلَ رَجُلًا فِي حَانُوتِهِ لِيَعْمَلَ لَهُ وَفِي الدَّرَرِ دَفَعَ غُلَامَهُ أَوْ ابْنَهُ لِحَائِكٍ مُدَّةً كَذَا لِيُعَلِّمَهُ النَّسَجَ وَشَرَطَ عَلَيْهِ كُلَّ شَهْرٍ كَذَا جَارًا، وَلَوْ لَمْ يَشْتَرِطْ فَبَعْدَ التَّعْلِيمِ طَلَبَ كُلُّ مَنْ الْبُعْلَمِ وَالْمَوْلَى أَجْرًا مِنَ الْآخِرِ أُعْتَبِرَ عُرْفُ الْبَلَدَةِ فِي ذَلِكَ الْعَمَلِ وَفِيهَا اسْتَأْجَرَ دَابَّةً إِلَى مَوْضِعٍ فَجَاوَزَ بِهَا إِلَى آخِرِ ثُمَّ عَادَ إِلَى الْأَوَّلِ فَعَطِبَتْ

اگر اس نے کہا: کیا یہ کپڑا میری قمیص کے لیے کافی ہے؟ اس نے کہا: ہاں۔ تو مالک نے کہا: اسے کاٹ دو تو درزی نے اسے کاٹ دیا پھر اس نے کہا: تیرے لیے کافی نہیں تو وہ ضامن نہیں ہوگا۔ ساربان جنگل میں اتر اوروہاں سے کوچ نہ کیا یہاں تک مال چوری کی وجہ سے یا بارش کی وجہ سے ضائع ہو گیا تو ضامن ہوگا اگر وہاں چوری اور بارش اکثر ہوتی ہو، ”خلاصہ“۔ ”الاشباہ“ میں ہے: بازار میں ایک آدمی سے مدد لی تاکہ اس کا سامان بیچ دے تو اس آدمی نے مالک سے اجرت طلب کی تو اعتبار وہاں کے لوگوں کی عادت کا ہوگا۔ اسی طرح اگر اس نے ایک آدمی کو اپنی دکان میں داخل کیا تاکہ اس کے لیے عمل کرے۔ ”الدرر“ میں ہے: ایک آدمی نے اپنا غلام یا اپنا بیٹا کسی جولاہے کو مخصوص مدت کے لیے سپرد کیا تاکہ اسے کپڑا بننے کی تعلیم دے اور اس پر یہ شرط لگائی کہ ہر مہینہ کے اتنے ہوں گے تو یہ جائز ہے۔ اگر وہ شرط نہ لگائے تو تعلیم کے بعد معلم اور مولیٰ میں سے ہر ایک دوسرے سے اجرت کا مطالبہ کرے تو اس عمل میں شہر کے عرف کا اعتبار کیا جائے گا۔ اس میں ہے: ایک آدمی نے فلاں جگہ تک ایک جانور اجرت پر لیا اور اسے دوسری جگہ تک لے گیا پھر پہلی جگہ کی طرف لوٹ آیا تو وہ جانور ہلاک ہو گیا

کی اجازت دی تھی جب کہ کافی ہونے کی شرط لگائی تھی۔ اسی طرح اگر خیاط نے کہا: ہاں تو مالک نے کہا: اسے کاٹ دو یا اس نے کپڑا کاٹ دیا تو وہ ضامن ہوگا۔ کیونکہ اس نے اجازت کو شرط کے ساتھ معلق کیا تھا۔ ”فصولین“۔

اس میں ہے: اسے کپڑا دیا تاکہ وہ کپڑے کو سیے تو اس نے قمیص سی کر دی جو خراب تھی اس کے مالک کو اس کا علم ہوا اور اس نے اسے پہن لیا تو مالک کو ضمانت لینے کا حق نہیں۔ کیونکہ اس نے رضامندی سے لباس پہنا تھا اس سے کثیر مسائل کا علم ہوتا ہے۔ 29717۔ (قوله: فَالْعَبْرَةُ لِعَادَتِهِمْ) یعنی جس طرح بازار والوں کا معمول ہے۔ اگر وہ اجرت پر عمل کرتے ہوں تو اجرت مثلی واجب ہوگی ورنہ اجرت مثلی واجب نہ ہوگی۔

29718۔ (قوله: أُعْتَبِرَ عُرْفُ الْبَلَدَةِ الْخ) اگر عرف استاد کے حق میں گواہی دے تو اس تعلیم پر اجرت مثلی کا حکم لگایا جائے گا اگر وہ آقا کے حق میں تائید کرے تو استاد پر غلام کی اجرت مثلی لازم ہوگی۔ ”درر“۔

ضَمِنَ مُطْلَقًا فِي الْأَصَحِّ كَمَا فِي الْعَارِيَةِ وَهُوَ قَوْلُهُمَا وَإِلَيْهِ رَجَعَ الْإِمَامُ كَمَا فِي مَجْمَعِ الْفَتَاوَى وَفِيهِ خَوَرُ
الْمُكَارِي فَرَجَعَ وَأَعَادَ الْحِصْلَ لِحَلِّهِ الْأَوَّلِ لَا أَجْرَ لَهُ، وَيَنْبَغِي أَنْ يُجْبَرَ عَلَى الْإِعَادَةِ وَفِيهِ دَفْعُ إِبْرَيْسَمَا
إِلَى صَبَاغٍ لِيَصْبُغَهُ بِكَذَائِمٍ قَالَ لَا تَصْبُغُهُ وَرُدَّ عَلَى فَلَمْ يَرُدَّهُ ثُمَّ هَلَكَ

تواصح قول کے مطابق وہ مطلقاً ضامن ہوگا جس طرح ”عاریہ“ میں ہے۔ یہ ”صاحبین“ رحمہ اللہ کا قول ہے۔ امام صاحب نے
اسی طرف رجوع کیا ہے جس طرح ”مجمع الفتاویٰ“ میں ہے۔ اس میں ہے: انہوں نے کرایہ پر کام کرنے والے کو ڈرایا پس وہ
لوٹ آیا اور اس نے سامان پہلی جگہ تک پہنچا دیا تو اس کے لیے کوئی اجر نہیں ہوگا۔ پس چاہیے کہ اسے دوبارہ لوٹانے پر مجبور کیا
جائے۔ اس میں ہے: ایک آدمی نے ریشم رنگریز کو دے دیا تاکہ اسے اتنے کے بدلے میں رنگ کر دے پھر اس نے کہا:
اسے رنگ نہ کرنا اور اسے مجھ پر لوٹا دینا اس نے ریشم واپس نہ کیا پھر وہ ریشم ہلاک ہو گیا

- 29719۔ (قوله: مُطْلَقًا فِي الْأَصَحِّ) یعنی اس جانور کو اجرت پر لیا صرف جانے پر یا جانے اور آنے پر۔ ایک قول یہ
کیا گیا ہے: یہ حکم اس وقت ہے جب وہ اسے صرف جانے پر اجرت پر لے تاکہ پہنچنے کے ساتھ عقد ختم ہو جائے۔
- 29720۔ (قوله: كَمَا فِي الْعَارِيَةِ) مودع کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ اسے قصداً حفاظت کا حکم دیا گیا ہے۔ پس
لوٹ آنے کے بعد امر اپنی جگہ پر رہے گا اس پر سب کا اتفاق ہے۔ اجارہ اور انعارہ میں استعمال کی تیج میں اس کا حکم ہے۔
جب استعمال ختم ہو جائے گا تو وہ نائب باقی نہیں رہے گا۔ ”ہدایہ“۔
- 29721۔ (قوله: لَا أَجْرَ لَهُ) کیونکہ اس نے عمل میں نقص پیدا کیا ہے۔ اس قول کا ظاہر یہ ہے کہ اس نے جس قدر
اجرت کا سوال کیا ہے اس کے لیے اجرت نہ ہوگی۔ اس پر وہ کلام بھی دلالت کرتی ہے جو ان کے قول: استاجره لا یصال قط
اوزاد کے ہاں گزر چکی ہے۔ پس اس کی طرف رجوع کیجئے۔

لوگوں نے اسے چوروں سے ڈرایا اور وہ واپس نہ لوٹا

یہ امر باقی رہ گیا ہے اگر لوگوں نے اسے خوفزدہ کیا اور وہ نہ لوٹا کیا وہ ضامن ہوگا؟ ”بزازیہ“ میں کہا: ایک آدمی نے اسے
ایک جگہ تک سامان پہنچانے کے لیے اجرت پر لیا تو اسے راستہ میں بتایا گیا کہ چور ہیں پس وہ اس کے باوجود اس راستہ پر چلا
اور اس خبر کی طرف متوجہ نہ ہوا۔ چوروں نے اس کا مال لے لیا اگر یہ خبر سننے کے باوجود لوگ اس راستہ پر چلے گئے تو وہ اسے
ضامن نہیں ہوگا ورنہ ضامن ہوگا۔

- 29722۔ (قوله: وَيَنْبَغِي أَنْ يُجْبَرَ عَلَى الْإِعَادَةِ) اسے مجبور اس لیے کیا جانے کا کیونکہ عقد باقی ہے۔ اس پر وہ کلام
دلالت کرتی ہے جو گزر چکی ہے کہ درزی اگر کپڑے کو ادھیڑ دے تو اسے دوبارہ لینے پر مجبور کیا جائے گا۔ اگر کسی اور نے اسے
پہن رات تو اسے مجبور نہیں کیا جائے گا۔ اسی کی مثل وہ ہے جو ”طوری“ میں ہے۔ اور ”محیط“ سے مروی ہے: ایک آدمی نے شتی لوٹا لی
تو ملاج کے لیے کوئی اجرت نہیں۔ اس پر یہ لازم نہیں کہ وہ انسان اسے لوٹائے اگر ملاج اسے لوٹائے تو اس پر لوٹنا لازم ہے۔

لَا ضَمَانَ وَفِيهِ سُبُلٌ ظَهَرَ الدِّينَ عَنْهُ اسْتَأْجَرَ رَجُلًا لِيَعْبَرَ لَهُ فِي الصَّيْعَةِ فَلَمَّا خَرَجَ نَزَلَ الْمَطَرُ فَاُمْتَنَعَ بِسَبَبِهِ هَلْ لَهُ الْأَجْرُ؟ قَالَ لَا اسْتَأْجَرَ دَابَّةً لِيُحَبِّلَهَا كَذَا فَمَرَضَتْ دُونَهُ هَلْ لِلْمُسْتَكْرِى الرُّجُوعُ بِحَصَّتِهِ؟ قَالَ لَا؛ لِأَنَّهُ رَضِيَ بِذَلِكَ اسْتَأْجَرَ رَحَى فَمَنَعَهُ الْجِيرَانُ عَنِ الطَّحْنِ لِتَوْهِينِ الْبِنَاءِ وَحَكَمَ الْقَاضِي بِسَبَبِهِ هَلْ تَسْقُطُ حَصَّتُهُ مُدَّةَ الْمَنَعِ؟ قَالَ لَا مَا لَمْ يُنْعَمْ حِسًّا مِنَ الطَّحْنِ اسْتَأْجَرَ حَتَّمًا سَنَةً فَغَرِقَ مُدَّةً هَلْ يَجِبُ كُلُّ الْأَجْرِ؟ قَالَ إِنَّمَا يَجِبُ بِقَدْرِ مَا كَانَ مُنْتَفِعًا بِهِ وَفِي الْوَهْبَانِيَّةِ

تو اس پر ضمانت نہ ہوگی۔ اس میں ہے: ”ظہیر الدین“ سے ایسے آدمی کے بارے میں پوچھا گیا جس نے ایک آدمی اجرت پر لیا تاکہ وہ اس کی جاگیر میں کام کرے جب وہ مزدور نکلا تو بارش برس پڑی تو بارش کے باعث وہ کام سے رک گیا کیا اس مزدور کے لیے اجرت ہے؟ فرمایا: نہیں۔ ایک آدمی نے ایک جانور اجرت پر لیا تاکہ اس پر اتنا بوجھ لادے وہ سواری بیمار ہو گئی اس نے جانور پر کم سامان لاد کیا کرایہ پر لینے والے کو یہ حق حاصل ہے کہ اپنا حصہ واپس لے فرمایا: نہیں کیونکہ وہ اس پر راضی ہے۔ ایک آدمی نے چکی اجرت پر لی تو پڑوسیوں نے اسے آٹا پیسنے سے دوک دیا کیونکہ یہ عمل عمارت کو کمزور کر دیتا ہے اور قاضی نے اسے آٹا پیسنے سے منع کر دیا کیا روکنے کی مدت میں اس کا حصہ ساقط ہو جائے گا؟ کہا: نہیں جب تک وہ آٹا پیسنے سے حسانہ روکیں۔ ایک آدمی نے ایک سال کے لیے حمام اجرت پر لیا وہ حمام ایک مدت تک پانی میں غرق رہا کیا تمام اجرت لازم ہوگا؟ کہا: اتنا اجرو واجب ہوگا جس قدر اس نے نفع اٹھایا تھا۔ ”وہبانیہ“ میں ہے:

29723۔ (قولہ: لَا ضَمَانَ) کیونکہ وہ اکیلے ساتھی کی رضا مندی کے بغیر اجارہ فسخ کرنے پر قادر نہیں مگر عذر کے ساتھ ایسا کر سکتا ہے۔ پس نہی کے بعد عقد کا حکم رہے گا۔ اس کے حکم میں سے یہ ہے عین مزدور کے پاس امانت ہوتا ہے پس جب تک وہ کوتاہی نہ کرے ضامن نہیں ہوگا۔ اس کی مکمل بحث ”جامع الفصولین“ میں ہے۔

29724۔ (قولہ: لَا) عنقریب یہ آئے گا: ایک آدمی کا مزدور اجرت کا مستحق ہوگا اگرچہ وہ عمل نہ کرے۔ لیکن ”بزازیہ“ میں ہے: وہ عمل کے بغیر اجرت کا مستحق ہوگا لیکن اگر وہ عذر کی وجہ سے عمل نہ کرے جیسے بارش وغیرہ تو اجرت لازم نہ ہوگی۔ ”سائحانی“۔

29725۔ (قولہ: لِيُحَبِّلَهَا كَذَا فَمَرَضَتْ دُونَهُ) اگر وہ جانور چلنے سے عاجز آ گیا مستاجر سے اسے چھوڑ دیا اور وہ جانور ضائع ہو گیا قاضی نے عدم ضمان کا فتویٰ دیا ہے۔ ”بزازیہ“۔

29726۔ (قولہ: مَا لَمْ يُنْعَمْ حِسًّا مِنَ الطَّحْنِ) اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔ مراد ہے کہ وہ اس آدمی اور اسے گھمانے میں حائل ہو جائے پس وہ آٹا پیسنے پر قادر نہ ہوا۔ ”ط“۔

29727۔ (قولہ: فَغَرِقَ مُدَّةً) یعنی وہ یوں ہو گیا کہ اس سے اس طرح نفع حاصل نہیں کیا جاسکتا جیسا انتفاع اس کی مثل سے کیا جاسکتا ہے۔ ”بزازیہ“۔

وَيَسْقُطُ فِي وَقْتِ الْعِمَارَةِ مِثْلُ مَا
لَوْ أَنَّهُ دَمَ بَعْضُ الدَّارِ فَالْهَذَا يُخْزَرُ
وَخَالَفَ

اور تعمیر کے وقت اس کی مثل ساقط ہو جائے گا اگر بعض گھر گر جائے پس گرنے والے حصہ کا تخمینہ کیا جائے گا۔ عمارت

29728۔ (قوله: وَيَسْقُطُ) اگر تمام گھر گر گیا تو مستاجر سے تعمیر کرنے کے عرصہ کی تمام اجرت ساقط ہو جائے گی، ”ح“۔

29729۔ (قوله: مِثْلُ مَا) مثل کا لفظ نصب کے ساتھ ہے۔ یہ مصدر محذوف کی صفت ہے تقدیر کلام یہ ہوگی:

سقوطاً ماثلاً لسقطه، یعنی اگر بعض گھر گر جائے تو بعض اجرت ساقط ہوگی۔

گھر کی گرائی ہوئی دیوار جو رہائش رکھنے میں مضرنہ ہو سے اجارہ فسخ نہیں ہوگا

29730۔ (قوله: فَالْهَذَا يُخْزَرُ) یہاں زاء، را پر مقدم ہے یعنی اندازہ اور تخمینہ لگا کر منہدم ہونے والے حصہ کی

اجرت کو معلوم کیا جائے گا۔ اور وہ ساقط ہو جائے گا۔ اسی کی مثل ”بزازیہ“ میں ہے۔ لیکن ”ابن شحنہ“ نے کہا: ظاہر روایت یہ ہے کہ اجرت میں سے کوئی شے ساقط نہ ہوگی جب اس کا ایک کمرہ گر جائے یا دیوار گر جائے۔ یہ صورت مختلف ہوگی جب موجر کوئی ایک کمرہ مشغول رکھے۔ کیونکہ یہ اس کے فعل میں سے ہے پس اس کے حساب سے اجرت ساقط ہو جائے گی۔ مخلص۔ اس کی مثل ”ساحانی“ نے ”مقدسی“ سے نقل کیا ہے۔ ”بزازیہ“ میں یہ ذکر کیا ہے: جب گھر کی ایک دیوار گر جائے اگر وہ رہائش رکھنے میں مضرنہ ہو تو اسے اجارہ فسخ کرنے کا حق نہیں ہوگا اگر ضرر کا باعث ہو تو اسے فسخ کرنے کا حق ہوگا۔ جب وہ اسے فسخ نہ کرے تو اس پر رسمی لازم ہو جائے گا۔

اگر گھر کا مالک مستاجر کو گھر کی کوئی چیز تعمیر کرنے کا کہے تو اس کا حکم

29731۔ (قوله: وَخَالَفَ) یہ فعل ماضی کا صیغہ ہے آمر اس کا فاعل ہے اور مفعول محذوف ہے۔ یعنی خالف

الاستاجر۔ اس کی صورت یہ ہے گھر کے مالک نے اسے کوئی چیز تعمیر کرنے کا حکم دیا تا کہ اجرت میں سے اس کا حساب کرے۔ پس دونوں تعمیر پر متفق ہو گئے اور نفقہ کی مقدار میں دونوں نے اختلاف کیا تو قول قسم کے ساتھ گھر کے مالک کا ہوگا۔ کیونکہ وہ زیادتی کا انکار کرنے والا ہے۔ علماء نے کہا: یہ حکم اس وقت ہے جب صورتحال اشکال پیدا کرے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ اس صنعت کے لوگ اختلاف کریں۔ مگر جب وہ دونوں میں سے ایک کے قول پر اتفاق کر لیں کہ اس جیسی تعمیر میں اتنا مال صرف ہو جاتا ہے جو ان دونوں میں سے ایک کہتا ہے تو قول اس کا معتبر ہوگا اور دونوں کے قول کی طرف التفت نہیں کی جائے گی ”ذخیرہ“ مخلص۔ اسی کی مثل ”تاتر خانیہ“ اور ”بزازیہ“ میں ہے۔ ”رملی“ نے اس کا فتویٰ دیا ہے اس کی تصدیق کا حیلہ ہے کہ وہ اجرت میں سے کچھ مقدار پہلے دے دے اور موجر اس پر قبضہ کر لے پھر اس کو اس مال کے خرچ کرنے کا حکم دے دے پس قول مستاجر کا معتبر ہوگا۔ کیونکہ وہ رہن ہے جس طرح ”الحسبۃ“ میں اسے نظم کیا ہے۔

.....فِي قَدْرِ الْعِبَارَةِ أَمْرٌ يُقَدَّمُ فِيهَا قَوْلُهُ لَا الْمَعْبَرُ

قُلْتُ وَمَفَادُهُ رُجُوعُ الْمُسْتَأْجِرِ بِمَا ثَبَتَ عَلَى الْمُؤْجِرِ بِجَرْدِ الْأَمْرِ، يَعْنِي إِلَّا فِي تَنْوِيرٍ وَبِالْوَعَةِ فَلَا بُدَّ مِنْ شَرْطِ الرُّجُوعِ عَلَيْهِ، وَلَوْ خَرِبَتْ الدَّارُ سَقَطَ كُلُّ الْأَجْرِ، وَلَا تَنْفَسِخُ بِهِ مَا لَمْ يَفْسَخْهَا الْمُسْتَأْجِرُ بِحَضْرَةِ الْمُؤْجِرِ هُوَ الْأَصَحُّ،

کی مقدار میں آمر نے مخالفت کی تو اس میں آمر کا قول مقدم ہوگا تعمیر کرنے والے کا قول مقدم نہیں کیا جائے گا۔ میں کہتا ہوں: اس سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ مستاجر محض امر کی وجہ سے اس چیز کا مطالبہ کر سکتا ہے جو موجر پر ثابت ہو مگر تنور اور گندے پانی کی نالی اس میں رجوع کی شرط ضروری ہوگی اگر گھر کھنڈر بن جائے تو مکمل اجر ساقط ہو جائے گا۔ اور اس کے ساتھ اجارہ منسوخ نہیں ہوگا جب تک مستاجر موجر کی موجودگی میں اس کو نسخ نہ کرے۔ یہی قول اصح ہے

29732۔ (قوله: فِي قَدْرِ الْعِبَارَةِ) یعنی خرچ کی مقدار میں۔

29733۔ (قوله: قُلْتُ) بحث ”شرنبالی“ کی ہے۔ ”ح“۔

29734۔ (قوله: وَمَفَادُهُ) یعنی اس سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ آمر کی نظم رجوع کی قید سے مطلق ہے۔ فافہم

29735۔ (قوله: بِجَرْدِ الْأَمْرِ) یعنی اگر وہ یہ نہ کہے کہ تو مجھ پر اس چیز کو لوٹائے گا۔ یہی قول صحیح ہے۔ ”خانیہ“۔

”ابن شحہ“ نے اسے ”القیینہ“ سے نقل کیا ہے۔

29736۔ (قوله: إِلَّا فِي تَنْوِيرٍ وَبِالْوَعَةِ الْخ) کیونکہ دونوں سے مقصود مستاجر کا نفع ہے۔

29737۔ (قوله: وَلَوْ خَرِبَتْ الدَّارُ الْخ) یہ پہلے شعر کے پہلے حصہ کے ساتھ تکرار ہے ساتھ ہی ہم نے اسے بیان

کر دیا ہے۔ ”ح“۔

29738۔ (قوله: بِحَضْرَةِ الْمُؤْجِرِ) اس میں ”شرنبالی“ کی پیروی کی ہے جب کہ انہوں نے ”المستقی“ پر اپنی شرح

میں وضاحت سے کہا جب کہ ”صغریٰ“ کی عبارت نقل کر رہے تھے۔ دیوار گر جائے یا گھر کا ایک کمرہ گر جائے تو موجر کی موجودگی میں اسے نسخ کر دے گا۔ جب سارا گھر گر جائے تو موجر کی عدم موجودگی میں اجارہ نسخ کر دے گا۔ اور اجارہ اس وقت تک منسوخ نہیں ہوگا جب تک وہ اسے نسخ نہ کرے۔ یہی قول صحیح ہے۔ کیونکہ گھر اس امر کی صلاحیت رکھتا ہے کہ وہ فسطاط نصب کر دے۔ لیکن اجرت ساقط ہو جائے گی وہ اجارہ کو نسخ کرے یا نسخ نہ کرے۔ کیونکہ جس کا اس نے قصد کیا تھا وہ اس پر قادر نہیں۔

میں کہتا ہوں: یہ اس امر میں صریح ہے کہ تمام عمارت گر جائے اور بعض گر جائے تو فرق کیا جائے گا۔ پس یہ نخل اور غیر نخل کی طرف راجع ہوگا۔ غیر نخل میں اصلاً اختیار نہیں ہوگا جیسے کئی دفعہ گزر چکا ہے پس اس میں تدبیر کیجئے، ملخص۔ شارح نے اس کے ساتھ ”قہستانی“ کا رد کیا ہے۔ کیونکہ ”قہستانی“ نے حاضر ہونے کی شرط نہ ہونے کو مطلق ذکر کیا ہے یہاں اس کے شرط ہونے کو مطلق ذکر کیا ہے انہوں نے جو نقل کیا ہے اس میں یہاں اس کے اطلاق پر بھی رد ہے، ”خانیہ“ وغیرہ میں بھی تفصیل کی تصریح

وَإِذَا بُنِيَتْ لَا خِيَارَ لَهُ، وَفِي سُكْنَى عَرَصَتِهَا لَا يَجِبُ الْأَجْرُ قَالَهُ ابْنُ الشَّحْنَةِ قُلْتُ وَفِي نَفْيِهِ نَظَرٌ، وَلَعَنَهُ
أَرِيدَ الْمُسْتَسَى، أَمَّا أَجْرَةُ الْبِثْلِ أَوْ حِصَّةُ الْعَرَصَةِ فَلَا مَانِعَ مِنْ لُزُومِهَا فَتَأَمَّنْهُ، وَسَيَجِيءُنِي فُسْخُهَا مَا
يُفِيدُهُ فَتَنَّبَهُ، وَاللَّهُ تَعَالَى أَعْلَمُ اسْتَأْجَرَ حَتَمًا وَشَرَطَ حَظَّ أَجْرَةِ شَهْرَيْنِ لِلْعُطْلَةِ،

جب وہ تعمیر کر دیا جائے تو کوئی خیال نہیں ہوگا اور سفیدہ زمین رہائش رکھنے سے کوئی اجرت واجب نہ ہوگی۔ یہ قول ”ابن شحنة“ کا ہے۔ میں کہتا ہوں: اس میں اعتراض کی گنجائش ہے۔ شاید اس سے مسکمی کا ارادہ کیا ہو۔ جہاں تک اجرت مثلی یا سفیدہ زمین کے حصہ کا تعلق ہے تو اس کے لازم ہونے میں کوئی مانع نہیں۔ پس اس میں غور و فکر کیجئے۔ فسخ اجارہ میں وہ قول آئے گا جو اس کا فائدہ دیتا ہے۔ پس اس پر متنبہ ہو جائیے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ ایک آدمی نے حمام اجرت پر لیا اور یہ شرط لگائی کہ معطل ہونے کی وجہ سے دو ماہ کی اجرت نہ ہوگی

کی ہے۔ ”القنیہ“ میں ہے: اس کا بعض منہدم ہو گیا اور مؤجر غائب ہے یا بناوٹی مریض ہے وہ قاضی کی مجلس میں حاضر نہیں ہوتا قاضی اس کی جانب سے وکیل بنائے گا اور عقد کو فسخ کر دے گا۔ باب الفسخ میں اس پر مفصل گفتگو آئے گی اور قضا اور رضا کے شرط ہونے میں مکمل گفتگو آئے گی۔

29739۔ (قوله: وَإِذَا بُنِيَتْ لَا خِيَارَ لَهُ) کیونکہ فسخ سے پہلے اس کا سبب زائل ہو چکا ہے۔ ظاہر یہ ہے: اگر وہ اسی طرح بنائے جس طرح وہ پہلے تھی ورنہ اسے فسخ کرنے کا حق ہوگا۔ پس اس کی وضاحت کی جانی چاہیے۔

29740۔ (قوله: قَالَهُ ابْنُ الشَّحْنَةِ) ”ہندیہ“ میں ”محیط سرخسی“ سے اس کی مثل واقع ہے۔ ”ط“۔

29741۔ (قوله: قُلْتُ) بحث ”شریلائی“ کی ہے۔ ”ح“۔

29742۔ (قوله: أَمَّا أَجْرَةُ الْبِثْلِ) یعنی سفیدہ زمین کی مثل۔

29743۔ (قوله: أَوْ حِصَّةُ الْعَرَصَةِ) یعنی معین اجرت میں سے۔ ”ط“۔

29744۔ (قوله: مَا يُفِيدُهُ) وہ یہ قول ہے: ”التبیین“ میں ہے: اگر چکی کا پانی منقطع ہو جائے اور کمرہ ایسا ہے جس

سے آنا پینے کے علاوہ سے نفع حاصل کیا جاسکتا ہے۔ تو اس پر اس کے حصہ کے مطابق اجرت ہوگی۔ کیونکہ معقودہ عیبہ باقی ہے جب وہ فائدہ اٹھائے تو اس کا حصہ اس پر لازم ہوگا۔ ”ح“۔

میں کہتا ہوں: ہم باب الفسخ میں عنقریب اس کا ذکر کریں گے جو اس کے اس امر کے ساتھ مقید ہونے کا فائدہ دے گا جب سکنی کی منفعت معقودہ عیبہا ہو ساتھ ہی آنا پینے کی منفعت ہو۔ اس کے ساتھ ”التبیین“ کا قول معقودہ علیہ کے باقی رہنے کا شعور دلاتا ہے اس وقت شبہ استنبہ مکمل نہ ہوگا، تاہل۔ ہم نے پہلے جو ”شرح المستملی“ سے قول نقل کیا ہے کہ جس کا قصد کیا تھا اس کی قدرت نہیں وہ بھی اس کا فائدہ دیتا ہے۔ اور اجر کے اصلاً لازم نہ ہونے کا فائدہ دیتا ہے شاید اس مسئلہ میں اختلاف ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

29745۔ (قوله: لِلْعُطْلَةِ) یہ لفظ عین کے ضمہ کے ساتھ ہے۔ یہ تعطل سے اسم ہے یعنی عمل کے بغیر باقی رہا۔

فَإِنْ شَرَطَ حَظَّهُ قَدَّرَ الْعُطْلَةَ صَحَّ بَرَّازِيَّةٌ أُجْرَةُ السَّجْنِ وَالسَّجَانِ فِي زَمَانِنَا يَجِبُ أَنْ تَكُونَ عَلَى رَبِّ الدِّينِ خِزَانَةُ الْفَتَاوَى انْقَضَتْ مُدَّةُ الْإِجَارَةِ وَرَبُّ الدَّارِ غَائِبٌ فَسَكَنَ الْمُسْتَأْجِرُ بَعْدَ ذَلِكَ سَنَةً لَا يَلْزَمُهُ الْكَرَاءُ لِهَذِهِ السَّنَةِ؛ لِأَنَّهُ لَمْ يَسْكُنْهَا عَلَى وَجْهِ الْإِجَارَةِ، وَكَذَلِكَ لَوْ انْقَضَتْ الْمُدَّةُ وَالْمُسْتَأْجِرُ غَائِبٌ وَالْدَّارُ فِي يَدِ امْرَأَتِهِ؛ لِأَنَّ الْمَرْأَةَ لَمْ تَسْكُنْهَا بِأَجْرَةِ

اگر تعطل کی مقدار اجرت کے ختم کرنے کی شرط لگائی تو یہ امر صحیح ہوگا، ”بزازیہ“۔ ہمارے زمانہ میں سجن اور سجان کی اجرت دین کے مالک پر ہوگی، ”خزانۃ الفتاویٰ“۔ اجارہ کی مدت ختم ہوگئی اور گھر کا مالک غائب ہے مستاجر اس کے بعد ایک سال تک رہا تو اس سال کا کرایہ اس پر لازم نہ ہوگا۔ کیونکہ وہ اجارہ کے طریقہ پر اس میں ساکن نہیں رہا۔ اسی طرح اگر مدت ختم ہو گئی اور مستاجر غائب تھا اور گھر اس کی بیوی کے قبضہ میں تھا کیونکہ عورت اس میں اجرت کے ساتھ نہیں رہی۔

”قاموس“۔ مراد یہ ہے کہ اجارہ فاسد نہ ہوگا۔ زیادہ بہتر یہ تھا کہ اس کی تصریح کی جاتی جس طرح ”بزازیہ“ میں ہے۔ لیکن اس کا علم اس کے مقابل سے ہو جاتا ہے۔ فساد کی وجہ یہ ہے کہ عقد کا مقتضایہ ہے کہ معطل ہونے کے عرصہ میں اجرت لازم نہ ہو مدت تھوڑی ہو یا زیادہ ہو جس طرح ”ذخیرہ“ میں ہے۔ پس دو ماہ کے حصہ کی قید لگانا یہ ان چیزوں میں سے ہے عقد جن کا تقاضا نہیں کرتا۔ اس کی مقدار کے مطابق کمی کرنے کی شرط لگانے کا معاملہ مختلف ہے۔ یہ اس کی مثل ہے اگر وہ مشکیزہ میں تیل خریدے اور چند رطل کمی کی شرط لگائے وجہ مشکیزہ ہو تو یہ عقد فاسد ہو جائے گا۔ مشکیزہ کی مقدار کے برابر کمی کرنے کا معاملہ مختلف ہے۔

29746۔ (قوله: أُجْرَةُ السَّجْنِ) ظاہر یہ ہے کہ یہ اس میں مفروض ہے اگر وہ کسی کا مملوک ہو اگر وہ بیت المال سے

بنایا گیا ہو یا فی سبیل اللہ مختص کیا گیا ہو تو اس پر کوئی اجرت نہیں۔ تامل

29747۔ (قوله: فِي زَمَانِنَا) شاید اس کی وجہ بیت المال کی جانب سے انتظام نہ ہونا ہے اگر انتظام ہو تو قید خانہ اور

داروغہ کی اجرت اس کی جانب سے ہوگی۔ تامل

29748۔ (قوله: عَلَى رَبِّ الدِّينِ) کیونکہ دین کے مالک کے لیے اسے محبوس کیا گیا ہے۔ علماء نے اس میں کوئی

فرق نہیں کیا کہ مقروض ٹال مٹول کرنے والا ہو یا ٹال مٹول کرنے والا نہ ہو۔ ”ط“۔

میں کہتا ہوں: شارح نے کتاب السرقة میں یہ ذکر کیا ہے کہ خصومت کے لیے حاضر کرنے والی کی اجرت بیت المال میں

سے ہوگی ایک قول یہ کیا گیا اجرت سرکشوں پر ہوگی۔ ”الغانیہ“ کے کتاب القضاء میں ہے: یہی صحیح ہے۔ لیکن ”بزازیہ“ کے

کتاب القضاء میں ہے: ایک قول یہ کیا گیا: یہ مدعی کے ذمہ ہوگی یہی قول اصح ہے۔

29749۔ (قوله: لَا يَلْزَمُهُ الْكَرَاءُ لِهَذِهِ السَّنَةِ الْخ) باب الفسخ کے آخر میں ”الغانیہ“ سے عنقریب آئے گا۔

ایک آدمی نے گھریا حمام ایک ماہ کے لیے اجرت پر لیا تو اس میں دو ماہ کے لیے ٹھہرا تو اس پر دوسرے ماہ کی اجرت لازم ہوگی

اگر وہ محاصل و منافع کے لیے تیار کیا گیا ہو ورنہ نہیں۔ اسی پر فتویٰ دیا جاتا ہے۔ اس کی مکمل بحث آگے آئے گی۔

أَجْرَ دَارَهُ كُلِّ شَهْرٍ بِكَذَا فَلِكُلِّ الْفَسْخِ عِنْدَ تَمَامِ الشَّهْرِ، فَلَوْ غَابَ الْمُسْتَأْجِرُ قَبْلَ تَمَامِ الشَّهْرِ وَتَرَكَ زَوْجَتَهُ وَمَتَاعَهُ فِيهَا لَمْ يَكُنْ لِلْأَجْرِ الْفَسْخُ مَعَ الْمَرْأَةِ؛ لِأَنَّهَا لَيْسَتْ بِخَصْمٍ، وَالْحِيلَةُ إِجَارَتُهَا لِآخَرٍ قَبْلَ تَمَامِ الشَّهْرِ، فَإِذَا تَمَّ تَنْفِيسُ الْأُولَى فَتَنْفُذُ الثَّانِيَةِ فَتَخْرُجُ مِنْهَا الْمَرْأَةُ وَتُسَلِّمُ لِلثَّانِي خَانِيَةً

ایک آدمی نے اپنا گھرا جرت پر دیا ہر ماہ اتنے کے عوض ہوگا جب مہینہ مکمل ہوگا تو اجارہ فسخ ہو جائے گا۔ اگر مستاجر مہینہ مکمل ہونے سے قبل غائب ہو جائے اور وہ اپنی بیوی اور سامان اس میں چھوڑ جائے تو آجر کو یہ حق حاصل نہیں کہ عورت کے ساتھ اجارہ کو منسوخ کر دے کیونکہ وہ خصم نہیں۔ اس کا حیلہ یہ ہے کہ مہینہ مکمل ہونے سے پہلے وہ گھر کسی اور کو اجارہ پر دے جب مہینہ مکمل ہو جائے گا تو پہلا اجارہ منسوخ ہو جائے گا اور دوسرا نافذ ہو جائے گا پس عورت اس سے نکل جائے گی اور دوسرا اسے قبضہ میں لے لے گا، ”خانیہ“۔

29750۔ (قوله: آجَرَ الْخ) مصنف اس مسئلہ کو آنے والے باب میں متن میں ذکر کریں گے۔

29751۔ (قوله: فَلِكُلِّ الْفَسْخِ الْخ) کیونکہ پہلا مہینہ صحیح ہے اور اس کا مابعد فاسد ہے یا پہلا نافذ ہے اور اس کا مابعد زمانہ کی طرف مضاف ہے اس کے لزوم میں اختلاف ہے جس طرح گزر چکا ہے اور آگے آئے گا پھر فسخ اس کے صاحب کی موجودگی میں ہوگا ورنہ فسخ صحیح نہیں ہوگا۔ امام ”ابو یوسف“ رحمہ اللہ نے اس سے اختلاف کیا ہے۔ ایک قول یہ یہ گیا: یہ متفق علیہ ہے جس طرح ”طحطاوی“ میں ”ہندیہ“ سے مروی ہے۔

29752۔ (قوله: لِأَنَّهَا لَيْسَتْ بِخَصْمٍ) کیونکہ خصم کا حاضر ہونا شرط ہے جس طرح گزر چکا ہے۔

29753۔ (قوله: فَتَنْفُذُ الثَّانِيَةِ) یعنی اس کے عقد کا اثر ظاہر ہوگا ورنہ پہلا عقد صحیح ہوگا، ”ط“۔ واللہ اعلم

بَابُ الْإِجَارَةِ الْفَاسِدَةِ

(الْفَاسِدُ) مِنَ الْعُقُودِ (مَا كَانَ مَشْرُوعًا بِأَصْلِهِ دُونَ وَصْفِهِ، وَالْبَاطِلُ مَا لَيْسَ مَشْرُوعًا أَصْلًا لَا بِأَصْلِهِ وَلَا بِوَصْفِهِ) (وَحُكْمُ الْأَوَّلِ) وَهُوَ الْفَاسِدُ (وُجُوبُ أَجْرِ الْبَثْلِ

اجارہ فاسدہ کے احکام

عقد میں سے فاسد عقد وہ ہوتا ہے جو اپنی اصل کے اعتبار سے مشروع ہو وصف کے اعتبار سے مشروع نہ ہو۔ باطل اسے کہتے ہیں جو اصلاً مشروع نہ ہو نہ اپنی اصل کے اعتبار سے اور نہ ہی وصف کے اعتبار سے۔ پہلی قسم جو فاسد ہے اس کا حکم یہ ہے: استعمال کی صورت میں اجرت مثلی واجب ہوتی ہے

اجارہ فاسدہ کو اجارہ صحیحہ کے پیچھے لانا یہ کسی معذرت کا محتاج نہیں کیونکہ یہ اپنے محل میں واقع ہے۔ ”منح“۔

عبادت فاسدہ اور باطلہ میں کوئی فرق نہیں

29754۔ (قوله: مِنَ الْعُقُودِ) یہ عبادات سے احتراز ہے کیونکہ عبادت فاسدہ اور عبادت باطلہ میں کوئی فرق نہیں۔

29755۔ (قوله: دُونَ وَصْفِهِ) اس سے مراد یہ ہے کہ اس کو جہالت لاحق ہو یا ایسی شرط ہو عقد جس کا تقاضا نہیں کرتا

یہاں تک کہ اگر عقد اس سے خالی ہو، تو عقد صحیح ہوتا۔ ”ط“۔

29756۔ (قوله: وَالْبَاطِلُ) اس کی صورت یہ ہے کہ وہ مردار یا خون کے عوض اجرت پر لے یا خوشبو اجرت پر لے

تا کہ اسے سونگھے یا بکری اجرت پر لے تا کہ اس کا ریوڑ اس کے پیچھے چلے یا نر اجرت پر لے تا کہ جفتی کرائے یا کوئی آدمی اجرت پر لے جو اس کے لیے پتھر تراشے۔ ”ط“۔

29757۔ (قوله: وَلَا بِوَصْفِهِ) کیونکہ جب اصل باطل ہو گیا تو وصف اس کے تابع ہوگا۔

اجارہ فاسدہ کا حکم

29758۔ (قوله: وَجُوبُ أَجْرِ الْبَثْلِ) یعنی اس شخص کی اجرت جو اس عمل میں اس کی مماثل ہو اس میں اعتبار اجارہ

پر لینے کا زمانہ اور مکان ہوگا۔ یہ اجرت مثلی دراہم اور دنانیر کی جنس سے ہو نہ کہ مسمی کی جنس سے ہو اگر وہ مسمی دراہم اور دنانیر کے علاوہ سے ہو۔ اگر اجرت مثلی لوگوں کے درمیان مختلف ہو تو پھر درمیانی اجرت ہوگی۔ اجرت پاکیزہ ہوگی اگرچہ سبب حرام ہو جس طرح ”المنیہ“ میں ہے، ”قہستانی“۔ ”المنح“ میں منقول ہے کہ شمس الائمہ ”حلوانی“ نے کہا: اجرت فاسدہ میں اجرت پاکیزہ ہوگی جب وہ اجرت مثلی ہو۔ اس مسئلہ میں دو قول ذکر کیے گئے ہیں ان دونوں میں سے ایک اصح ہے۔ پس صحیح نسخہ کی طرف رجوع کیجئے۔

بِإِلَّا سِتْعَمَالٍ لَّوْ الْمُسَمَّى مَعْلُومًا ابْنُ كَمَالٍ (بِخِلَافِ الشَّانِ) وَهُوَ الْبَاطِلُ فَإِنَّهُ لَا أَجْرَ فِيهِ بِإِلَّا سِتْعَمَالٍ حَقَائِقُ

اگرچہ مسمی معلوم ہو۔ ”ابن کمال“۔ دوسری قسم جو باطل ہے اس کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ اس کے استعمال میں کوئی اجرت مثلی نہیں۔ ”حقائق“۔

”غرر الافکار“ میں ”المحیط“ سے مروی ہے: بدکارہ جو اجرت لیتی ہے اگر وہ عقد اجارہ کے طریقہ پر ہو تو وہ امام ”ابو حنیفہ“ رضی اللہ عنہ کے نزدیک حلال ہے۔ کیونکہ اجارہ فاسدہ میں اجرت مثلی پاکیزہ ہوتی ہے اگرچہ کمائی حرام ہے۔ اور ”صاحبین“ رضی اللہ عنہما کے نزدیک یہ حرام ہے۔ اگر عقد کے بغیر ہو تو بالاتفاق حرام ہے۔ کیونکہ اس عورت نے بغیر حق کے اسے لیا ہے۔

29759۔ (قوله: بِإِلَّا سِتْعَمَالٍ) یعنی حقیقت میں منفعت کو حاصل کیا پس اس پر قدرت ہونے کی صورت میں اجرت واجب نہ ہوگی جس طرح یہ گزر چکا ہے اور آگے آئے گا مگر وقف کے مسئلہ میں جیسا کہ ”الاسعاف“ کی ظاہر عبارت ہے جس طرح کتاب الاجارہ کے آغاز میں گزر چکا ہے۔

29760۔ (قوله: لَّوْ الْمُسَمَّى مَعْلُومًا) یہ صحیح ہوگا اگر مصنف یہ اضافہ کرے: لا یتجاوز بہ المسمی جس طرح ”ابن کمال“ نے ”ہدایہ“ اور ”کنز“ کی تصحیح میں کہا ہے۔ شارح پر یہ لازم تھا کہ کہتے: اذالم یکن مسمی اولم یکن معلوما۔ کیونکہ اجرت مثلی کا وجوب وہ جہاں تک پہنچے جیسے مصنف نے کلام کی ہے بے شک یہ ان صورتوں میں واجب ہوتا ہے۔ مگر جب تسمیہ معلوم ہو تو وہ مسمی سے زائد نہیں ہوگا جس طرح آگے آئے گا۔

اجارہ باطلہ کا حکم

29761۔ (قوله: فَإِنَّهُ لَا أَجْرَ فِيهِ بِإِلَّا سِتْعَمَالٍ) اس کا ظاہر معنی یہ ہے اگرچہ اسے منافع و محاصل کرنے کے لیے تیار کیا گیا ہو۔ کیونکہ اس میں اجر واجب ہوگا جب وہ اسے عقد کی تاویل یا ملک کی تاویل میں استعمال نہ کرے جب کہ یہاں اس نے اسے عقد باطل کی تاویل میں استعمال کیا ہے اس کی وضاحت کی جانی چاہیے۔ ”ط“۔

اس میں یہ ہے کہ باطل کا اصلاً حکم نہیں ہوتا پس اس کا وجوب اس کے عدم کی طرح ہے جس طرح ”البدائع“ میں ہے۔ تاہل۔ وقف اور یتیم کے مال میں اس کا وجوب ہونا چاہیے۔ کیونکہ تاویل کی وجہ کے ساتھ استعمال کے نہ ہونے کی ہوثورہ ہوتی ہے وہ اس چیز کے بارے میں ہے جو منافع و محاصل کے حصول کے لیے تیار کیا گیا ہو۔ جس طرح غصب کے باب میں آئے گا۔ ”بزازیہ“ میں ہے: کیونکہ کہا: رہائش جو ملک کی تاویل کے ساتھ ہو یا وقف میں عقد کے ساتھ ہو یہ اجرت مثلی کے لازم ہونے کے مانع نہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یتیم کا گھر وقف کی طرح ہے۔ پھر یہ ذکر کیا: اگر وہ ایسی دکانوں میں سکونت پذیر رہا جو منافع و محاصل کے حصول کے لیے بنائی گئی تھیں اور اس نے ملکیت کا دعویٰ کیا تو اجرت لازم نہ ہوگی اگر ملک نے اس پر کوابیاں قائم کر دیں پھر مستاجر نے یہ قول کیا: جب وہ فسخ اجارہ کے بعد تاویل کے ساتھ رہا۔ اسے مجبوس کرنے کا حق ہوگا

وَلَا تُنَلِّكُ الْمَنَافِعُ بِالْإِجَارَةِ الْفَاسِدَةِ بِالتَّقْبِضِ، بِخِلَافِ الْبَيْعِ الْفَاسِدِ، فَإِنَّ الْبَيْعَ يُنَلِّكُ فِيهِ بِالتَّقْبِضِ، بِخِلَافِ فَاسِدِ الْإِجَارَةِ، حَتَّى لَوْ قَبَضَهَا الْمُسْتَأْجِرُ لَيْسَ لَهُ أَنْ يُؤَجِّرَهَا، وَلَوْ أَجَرَهَا وَجَبَ أَجْرُ الْبِثْلِ وَلَا يَكُونُ غَاصِبًا، وَلِلأَوَّلِ نَقْضُ الثَّانِيَةِ بَحْرٌ مَعْرِيًّا لِلْخُلَاصَةِ وَفِي الْأَشْبَاهِ الْمُسْتَأْجِرُ فَاسِدًا لَوْ أَجَرَ صَحِيحًا

اجارہ فاسدہ کی صورت میں قبضہ کے ساتھ منافع کا مالک نہیں ہوا جاتا۔ بیع کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ بیع فاسد میں قبضہ کے ساتھ بیع کا مالک بن جاتا ہے۔ اجارہ فاسدہ کا معاملہ مختلف ہے۔ یہاں تک اگر مستاجر اس عین پر قبضہ کر لے تو اسے یہ حق حاصل نہیں ہوتا کہ اسے آگے اجارہ پردے اگر اسے اجارہ پردے تو اجرت مثلی واجب ہو جائے گی اور وہ غاصب نہیں ہوگا۔ اور پہلے موجر کو حق حاصل ہے کہ وہ دوسرے اجارہ کو توڑ دے، ”بحر“۔ ”خلاصہ“ کی طرف منسوب ہے، ”الاشباہ“ میں ہے: اجارہ فاسد کا مستاجر اگر وہ صحیح اجارہ کرے

یہاں تک کہ وہ پوری منفعت لے لے جس پر اس نے اسے اجرت دی تھی جب وہ منافع کے حصول کے لیے تیار کیے گئے تھے یہ مختار مذہب میں ہے۔ اسی طرح مختار مذہب کے مطابق وقف میں ہے۔ فاقل

علمائے اس کی تصریح کی ہے اگر اس نے گھر خریدا اور اس میں رہائش پذیر رہا پھر یہ ظاہر ہوا کہ یہ وقف ہے یا یہ یتیم کی ملکیت ہے تو اجرت مثلی لازم ہوگی تاکہ اس چیز کی حفاظت کی جائے جو ان دونوں کی ہے جس طرح کتاب الوقف میں گزر چکا ہے یہی قابل اعتماد ہے۔ کتاب الغصب میں یہ آئے گا۔

29762۔ (قوله: بِخِلَافِ فَاسِدِ الْإِجَارَةِ) کیونکہ منفعت پر قبضہ کرنے کا تصور نہیں کیا جاسکتا مگر ہم نے عین پر قبضہ کرنے کو منفعت پر قبضہ کے قائم مقام کر دیا ہے یہ عقد صحیح میں واقع ہوتا ہے کیونکہ اس کے مکمل کرنے کی صورت ہوتی ہے۔ 29763۔ (قوله: حَتَّى لَوْ قَبَضَهَا الْخ) یہ اس امر پر تفریع ہے کہ اجارہ فاسدہ میں ملکیت حاصل نہیں ہوتی۔

29764۔ (قوله: وَجَبَ أَجْرُ الْبِثْلِ) یعنی پہلے مستاجر پر اجرت مثلی لازم ہوگی۔ کیونکہ اسے مستعمل شمار کیا جاتا ہے تو وہ ایسا فعل جو اس کا فعل نہیں اس کے ساتھ غاصب نہیں بنے گا یہاں تک کہ اس پر اجرت واجب نہ ہوگی۔ جہاں تک دوسرے مستاجر کا تعلق ہے جب ان دونوں کے درمیان کسی اجرت کا تعین کیا جائے کیا وہ معین اجرت واجب ہوگی یہ اس کے تسمیہ کو پیش نظر رکھنے کی بنا پر ہے جب کہ یہی ظاہر ہے یا اجرت مثلی واجب ہوگی۔ کیونکہ یہ اجارہ فاسد پر مترتب ہے؟ اس کی وضاحت کی جانی چاہیے۔ ”ط“۔

29765۔ (قوله: لِلأَوَّلِ) یعنی پہلے موجر کو حق حاصل ہے کہ دوسرے اجارہ کو توڑ دے یعنی وہ گھر اپنے قبضہ میں لے لے۔ کیونکہ اگر اس نے بیع فاسد کی پھر مشتری نے اسے اجارہ پردے دیا تو اسے حق حاصل ہوگا کہ وہ اجارہ کو ختم کر دے۔ اسی طرح یہ ہے۔ بیع کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ اجارہ عذروں کی وجہ سے فاسد ہو جاتا ہے بیع عذروں کی وجہ سے فاسد نہیں

جَازٌ وَسَيِّجٌ (تَفْسُدُ الْإِجَارَةُ بِالشُّرُوطِ الْمُخَالَفَةِ لِمُقْتَضَى الْعَقْدِ فَكُلُّ مَا أَفْسَدَ الْبَيْعَ مِنْهَا مَرًّا (يُفْسِدُهَا) كَجَهَالَةٍ مَا جُورٍ أَوْ أُجْرَةٍ أَوْ مُدَّةٍ أَوْ عَمَلٍ، وَكَشْرَطِ طَعَامٍ عَبْدٍ وَعَلْفِ دَابَّةٍ

تو یہ جائز ہے۔ اس کا بیان آگے آئے گا۔ اجارہ فاسد ہو جاتا ہے ان شروط کے ساتھ جو عقد کے تقاضا کے خلاف ہوں۔ پس جو چیزیں گزر چکی ہیں ان میں سے جو بیع کو فاسد کر دیتی ہیں وہ اجارہ کو بھی فاسد کر دیتی ہیں جس طرح ماجور، اجرت، مدت اور عمل کی جہالت اور جس طرح غلام کے کھانے، چوپائے کے چارہ

ہوتی ”مضمرات“ میں اسی طرح ہے۔ ”منح“۔

29766۔ (قوله: جَازٌ) ”انصاب“ میں ہے یہ صحیح ہے۔ ”مراجیہ“ میں ہے: ”ظہیر الدین مرغینانی“ نے اسی کے مطابق فتویٰ دیا ہے۔ ”تاتر خانیہ“۔ مصنف کے بیٹے نے ”بزازیہ“، ”نمادیہ“ اور ”خلاصہ“ سے اسی کی مثل نقل کیا ہے۔ ”رٹلی“ نے کہا: جو آدمی ان کی کتب کا مطالعہ کرتا ہے تو وہ اس سے آگاہ ہو جاتا ہے کہ مسئلہ میں تصحیح اور فتویٰ دینے کے اعتبار سے اختلاف ہے۔ میں کہتا ہوں: لیکن اکثریت کی رائے یہ ہے کہ یہ جائز ہے جس طرح تو دیکھ رہا ہے اسی وجہ سے مصنف نے اس کے مقابل کو قیل کے ساتھ تعبیر کیا ہے اس میں جس کا ذکر عنقریب آئے گا۔

”بزازیہ“ میں کہا: صحیح میں جائز ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ جائز نہیں۔ وہ اس سے استدلال کرتے ہیں کہ اگر وہ ایک گھرا سے دیتا ہے تاکہ اس میں رہائش رکھے اور اس کی مرمت کرے اور اس کے لیے کوئی اجر نہ ہوگا۔ مستاجر نے آگے سی اور کو اجرت پردے دیا اور دوسرے آدمی کے رہائش رکھنے سے وہ گھر گر گیا تو وہ بالاتفاق ضامن ہوگا۔ کیونکہ وہ غاصب بن چکا ہے اور علماء نے یہ جواب دیا کہ اس عقد میں اعارہ ہے اجارہ نہیں ہے۔ کیونکہ اس میں مرمت کا ذکر مشورہ کے طریقہ پر ہے شرط کے طریقہ پر نہیں۔

29767۔ (قوله: وَسَيِّجٌ) یعنی عنقریب متفرقات کے آخر میں متن میں آئے گا۔

وہ چیزیں جو اجارہ کو فاسد کر دیتی ہیں

29768۔ (قوله: فَكُلُّ) یہ مقدار کلام پر تفریع ہے یعنی اجارہ بیع کی نوع ہے کیونکہ یہ منافع کی بیع ہے۔

29769۔ (قوله: أَوْ مُدَّةٍ) مگر جن امور میں استثنا کی ہے۔ ”بزازیہ“ میں کہا: سمسار (دلال) من دی (ہمائی) (تجارت)

مالک، نگہبان) اور صکاک (وثیقہ نویس) اور وہ امور جن میں وقت اور عمل کا اندازہ نہیں لگایا جاسکتا۔ ان میں عقد اجارہ کرنا یہ جائز ہے۔ کیونکہ اس میں لوگوں کی حاجت تھی اگر اجرت مثلی مقدار کی جائے تو لیا گیا اجر حلال ہوگا اور ایک ایسا قاعدہ ذکر کیا جس سے کثیر مسائل مستنبط کیے جاسکتے ہیں۔ پس متفرقات کی نوع اور الاجرة علی المعاصی میں اس کی طرف رجوع کیجئے۔

29770۔ (قوله: وَكَشْرَطِ طَعَامٍ عَبْدٍ وَعَلْفِ دَابَّةٍ) ”ظہیریہ“ میں ہے: ایک آدمی نے غلام یا جانور اجرت پر لیا

اس شرط پر کہ اس کا چارہ مستاجر پر ہوگا۔ کتاب میں یہ ذکر کیا ہے کہ یہ جائز نہیں۔ فقیہ ”ابولیث“ نے کہا: جانور کے معاملہ میں

وَمَرَمَةِ الدَّارِ أَوْ مَغَارِمِهَا وَعُشْبٍ أَوْ خَرَاجٍ أَوْ مُؤْنَةٍ رَدِّ أَشْبَاهٍ (و) تَفْسُدُ أَيْضًا

اور گھر کی مرمت کی شرط لگانا، یا اس کے اخراجات، عشر، خراج یا واپس لوٹانے کی مؤنت کی شرط لگائی، ”اشباہ“۔ یہ سب اجارہ کو فاسد کر دیتی ہیں۔ امتیاز نہ ہونے سے بھی اجارہ فاسد

ہم متقدمین کے قول کو اپناتے ہیں جہاں تک ہمارے زمانے کا تعلق ہے تو غلام عموماً مستاجر کے مال سے کھاتا ہے ”حموی“ نے کہا: یعنی اس کا شرط لگانا صحیح ہے ”طحاوی“ نے اپنے اس قول کے ساتھ اس پر اعتراض کیا ہے: مستاجر کے مال سے کھانے میں شرط اور بغیر شرط کے کھانے میں فرق کیا ہے۔

میں کہتا ہوں: معروف، مشروط کی طرح ہے۔ فقیہ کا کلام بھی اسی کا شعور دلاتا ہے جس طرح ایک ذہین آدمی پر مخفی نہیں۔ پھر فقیہ کے کلام کا ظاہر یہ ہے کہ یہ جانور میں متعارف ہو تو یہ جائز ہے، تامل۔ اس کا حیلہ ہے کہ وہ اجرت میں چارہ کے برابر زیادہ کرے پھر اس کا مالک کھلائے اس طرح کہ اس مال کو اس جانور پر صرف کرے اگر اسے خوف نہ ہو کہ وہ اس میں اس کی تصدیق نہ کرے گا تو حیلہ یہ ہے کہ وہ مالک کو پہلے ادا کرے پھر مالک مستاجر کو دے اور اسے جانور پر خرچ کرنے کا حکم دے پس اس طرح وہ امین بن جائے گا۔ ”بزاز یہ“، ملخص۔

29771۔ (قوله: وَمَرَمَةِ الدَّارِ أَوْ مَغَارِمِهَا) ”البحر“ میں کہا: ”خلاصہ“ میں ہے جب کہ ”الاصل“ کی طرف منسوب ہے: اگر اس نے ایک گھرا جرت پر لیا اس شرط پر کہ وہ اس کی تعمیر کرے گا اور اس کے ٹیکس وغیرہ دے گا تو یہ اجارہ فاسد ہو جائے گا۔ کیونکہ یہ ایسی شرط ہے جو مقتضائے عقد کے مخالف ہے۔ اس سے یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ جو ہمارے زمانہ میں وقف کی زمین کے اجارہ کے بارے میں اجرت معلوم کے ساتھ واقع ہوتا ہے کہ تمام چٹیاں اور صورت حال کا جائزہ لینے والے کی کلفت مستاجر پر ہے یا نشان لگانا مستاجر کے ذمہ ہیں جس طرح یہ امر مخفی نہیں۔

میں کہتا ہوں: ہمارے زمانہ میں یہی واقع ہے۔ لیکن بعض اوقات حجت میں صراحت شرط لکھی جاتی ہے پس کاتب کہتا ہے: ماجور چیز پر جو ٹیکس یا ذمہ داری وغیرہ ہے جیسے زمین کو ہموار کرنا، اور نہروں کی کھدائی یہ مستاجر کے ذمہ ہیں۔ اور بعض اوقات وہ کہتا ہے: دونوں نے یہ موافقت کی ہے کہ جو ٹیکس اور ذمہ داری ہے الخ۔ ظاہر یہ ہے کہ یہ سب مفسد ہے کیونکہ یہ ان کے درمیان معروف ہے اگرچہ اس کا ذکر نہیں کیا جاتا اور معروف مشروط کی طرح ہے۔ تامل

29772۔ (قوله: أَوْ خَرَاجٍ) ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ خراج مقاسم ہے۔ کیونکہ یہ مجہول ہے۔ جہاں تک خراج وظیفہ کا تعلق ہے تو یہ جائز ہے۔ لیکن فتویٰ اس بات پر ہے کہ یہ مطلقاً جائز نہیں۔ ”حلی“ نے ”المنح“ سے نقل کیا ہے۔ اور ”حواشی الاشباہ“ میں فساد کو ”امام صاحب“ رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے مطابق قرار دیا ہے۔ کیونکہ ”امام صاحب“ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک خراج موجر کے ذمہ ہے۔ ”ط“۔

مفتی بہ قول کی دلیل یہ ہے کہ خراج وظیفہ کبھی کم ہوتا ہے جب زمین اس کی طاقت نہ رکھے تو بھی جہالت لازم آئے گی۔

(بِالشُّيُوعِ) بِأَنْ يُوجَرَ نَصِيبًا مِنْ دَارِهِ أَوْ نَصِيبَهُ مِنْ دَارِ مُشْتَرَكَةٍ مِنْ غَيْرِ شَرِيكِهِ أَوْ مِنْ أَحَدِ شَرِيكَيْهِ
أَنْفَعُ الْوَسَائِلِ وَعِمَادِيَّةٌ مِنَ الْفَضْلِ الثَّلَاثِينَ وَاحْتَرَزَ بِالْأَصْلِيِّ عَنِ الظَّارِي فَلَا يُفْسِدُ عَلَى الظَّاهِرِ، كَانَتْ
أَجْرَ الْكُلِّ ثُمَّ فَسَخَ فِي الْبَعْضِ أَوْ أَجَرَ الْوَاحِدِ فَمَاتَ أَحَدُهُمَا أَوْ بِالْعَكْسِ وَهُوَ الْحِيلَةُ فِي إِجَارَةِ الْمُسَاعِ.

ہو جاتا ہے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ وہ اپنے گھر میں سے ایک حصہ یا اپنے مشترک گھر میں سے اپنا حصہ شریک کے علاوہ کسی
اور کو یا دو شریکوں میں سے ایک شریک کو اجارہ پردے ”نفع الوسائل“ اور ”عمادیہ“ کی تیسویں فصل میں ہے۔ اصلی کا لفظ ذکر
کر کے طاری عدم امتیاز سے احتراز کیا ہے پس طاری ظاہر روایت کے مطابق اس کو فاسد نہیں کرے گا جیسے وہ پہلے تمام
اجرت پردے۔ پھر بعض میں اجارہ فسخ کر دے یا دونوں ایک کو اجرت پردے۔ پس دونوں میں سے ایک مر جائے یا اس
کے برعکس صورت حال ہو۔ غیر ممتاز چیز کو اجارہ پردے میں یہی حیلہ ہے

29773۔ (قوله: بِالشُّيُوعِ) یعنی اس صورت میں جب وہ تقسیم کا احتمال رکھے یا تقسیم کا احتمال نہ رکھے۔ یہ ”امام

صاحب“ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ہے اسی پر فتویٰ ہے۔ ”خانیہ“۔

29774۔ (قوله: بِأَنْ يُوجَرَ نَصِيبًا مِنْ دَارِهِ) اور اس پر اجرت مثلی واجب ہوگی یہی قول صحیح ہے۔ ایک قول یہ کہ

کیا ہے اجارہ منعقد نہ ہوگا یہاں تک اجرت اصلاً واجب نہ ہوگی۔ ”جامع الفصولین“۔

29775۔ (قوله: أَوْ نَصِيبَهُ مِنْ دَارِ مُشْتَرَكَةٍ) اس میں دو روایتیں ہیں۔ اظہر یہ ہے کہ یہ جائز نہیں۔

”نور العین“ میں ”الخانیہ“ سے مروی ہے۔

29776۔ (قوله: عَنِ الظَّاهِرِ) یعنی امام ”ابو حنیفہ“ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ہے۔ یہ ظاہر روایت ہے۔ ”جامع الفصولین“

کی روایت اسے فاسد کر دیتی ہے۔

29777۔ (قوله: أَوْ أَجَرَ الْوَاحِدِ الْخ) یعنی میت کے حصہ میں اجارہ فاسد ہو جائے گا اور زندہ کے حصہ میں باقی

رہے گا یہ دونوں صورتوں میں ہے۔ جس طرح ”جامع الفصولین“ میں ہے۔ اس میں ہے: اگر وہ اس کے یہ وسیل

بنائے تو اس نے دو آدمیوں کو اجارہ پردے دیا اگر اس نے کلام مجمل کی اور کہا: میں نے تم دونوں کو مکان اجارہ پردے دیا تو

بالاتفاق یہ جائز ہوگا۔ اور اپنے قول کے ساتھ تفصیل بیان کی یعنی اس کا نصف تجھے اور اس کا نصف تجھے یا اس صورت کی۔

جیسے تہائی یا چوتھائی تو یہ سب واجب ہوگا کہ یہ امام ”ابو حنیفہ“ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ہو۔ جو اس مسئلہ میں گزر چکا ہے وہ اس کے

خلاف ہے جب وہ ان دونوں کے درمیان ہو اور ان دونوں میں سے ایک کسی اجنبی کو اجارہ پردے دے۔ یہ گزر چکا ہے کہ

عدم جواز زیادہ ظاہر ہے۔ اسی وجہ سے ”حامدیہ“ میں فتویٰ دیا ہے ایسے دو آدمی جنہوں نے زید سے برابر طور پر چکی اجرت پر

لی۔ اس وجہ سے کہ سوہہ کا لفظ تفصیل کے قائم مقام ہے پس اجارہ فاسد ہو جائے گا۔

29778۔ (قوله: وَهُوَ الْحِيلَةُ الْخ) ضمیر طاری کی طرف راجع ہے یعنی اس کی بعض صورتوں میں اور وہ پہلی صورت

كَمَا لَوْ قَضَى بِجَوَازِهِ (إِلَّا إِذَا آجَرَ كُلُّ نَصِيبَهُ أَوْ بَعْضَهُ (مِنْ شَرِيكِهِ) فَيَجُوزُ، وَجَوَازُهُ بِكُلِّ حَالٍ، وَعَلَيْهِ
الْفَتْوَى زَيْدَعِيٌّ وَبَحْرٌ مَعْنِيًّا لِلْمُعْنَى، لَكِنْ رَدُّهُ الْعَلَامَةُ قَاسِمٌ فِي تَصْحِيحِهِ بِأَنَّ مَا فِي الْمُعْنَى شَاذٌ
مَجْهُولُ الْقَائِلِ فَلَا يُعَوَّلُ عَلَيْهِ قُلْتُ وَفِي الْبَدَائِعِ لَوْ آجَرَ مَشَاعًا يَحْتَبِلُ الْقِسْمَةَ فَقَسَمَهُ وَسَلَّمَ جَازٌ
لِزَوَالِ الْمَانِعِ، وَلَوْ أَبْطَلَهَا الْحَاكِمُ ثُمَّ قَسَمَ وَسَلَّمَ لَمْ يَجُزْ

جس طرح جب اس کے جواز کا فیصلہ کر دیا جائے مگر جب وہ اپنا تمام حصہ یا اس کا بعض حصہ اپنے شریک کو اجارہ پر دے تو یہ
جائز ہوگا۔ ”صاحبین“ رحمہ اللہ نے ہر حال میں اس کو جائز قرار دیا ہے۔ اسی پر فتویٰ ہے ”زیلعی“، ”بحر“۔ جب کہ معنی کی طرف
منسوب ہے لیکن علامہ ”قاسم“ نے اپنی تصحیح میں اسے رد کیا ہے کہ جو کچھ ”معنی“ میں ہے یہ شاذ ہے اس کا قائل مجہول ہے پس
اس پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا۔ میں کہتا ہوں: ”البدائع“ میں ہے: اگر غیر ممتاز چیز اجارہ پر دی جو تقسیم کا احتمال رکھتی ہے اس نے
اسے تقسیم کر دیا اور اسے سپرد کر دیا تو یہ جائز ہوگا۔ کیونکہ مانع زائل ہو چکا ہے اگر حاکم نے اسے باطل قرار دیا پھر اس نے اسے
تقسیم کیا اور اسے سپرد کیا تو یہ جائز نہ ہوگا

ہے یا ضمیر اس فسخ کے لیے ہے جو فسخ سے مفہوم ہے۔ اسی کی مثل: مالو حکم بھا حاکم ہے۔ ”طحاوی“ نے ”ہندیہ“ سے نقل
کیا ہے ثالث قاضی کی طرح ہے اگر قاضی کے سامنے مسئلہ پیش کرنا متعذر رہو۔

29779۔ (قوله: فَيَجُوزُ) یعنی دو روایتوں میں سے جو اظہر روایت ہے۔ ”خانیہ“۔

29780۔ (قوله: وَجَوَازُهُ بِكُلِّ حَالٍ) خواہ وہ اس کا شریک ہو یا شریک نہ ہو اس چیز میں جو تقسیم کو قبول کرے یا
تقسیم کو قبول نہ کرے، ”ح“۔ لیکن شرط یہ ہے کہ وہ اپنا حصہ بیان کر دے اگر اپنا حصہ بیان نہ کرے تو صحیح قول کے مطابق یہ
جائز نہیں۔ ”زیلعی“۔

29781۔ (قوله: فَلَا يُعَوَّلُ عَلَيْهِ) بلکہ جس پر اعتماد ہے وہ وہ قول ہے جو ”الخانیہ“ میں ہے کہ فتویٰ ”امام صاحب“
رحمہ اللہ کے قول پر ہے۔ اصحاب متون اور شروح نے اسے یقین کے ساتھ بیان کیا ہے پس یہی مذہب ہے مصنف نے اسے
بیان کیا ہے اور اسی پر آج عمل ہے۔

29782۔ (قوله: وَفِي الْبَدَائِعِ) یہ ”امام صاحب“ رحمہ اللہ کے قول پر تخریج ہے۔ ”ط“۔

29783۔ (قوله: وَسَلَّمَ جَازٌ) اس کا ظاہر معنی یہ ہے اگرچہ مجلس کے بعد سپرد کرے اس کا مابعد اس پر دلالت کرتا ہے
کیونکہ حکم کا اعتبار کیا گیا ہے۔ ”ط“۔

29784۔ (قوله: لَمْ يَجُزْ) چاہیے کہ باہم لینے دینے سے اجارہ جائز ہو کیونکہ پہلے اجارہ کے فسخ ہونے کے بعد اس
سے کوئی مانع نہیں۔ ”رحمتی“۔

وَيُفْتَى بِجَوَازِهِ لَوْ الْبِنَاءُ لِرَجُلٍ وَالْعَرَضَةُ لِآخَرَ فَصُولَيْنِ مِنَ الْفَصْلِ الْحَادِي وَالْعِشْرِينَ يَغْنِي الْوَسْطَ مِنْهُ (و) تَفْسُدُ (بِجَهَالَةِ الْمُسْتَشْيِ) كُلُّهُ أَوْ بَعْضُهُ كَتَسْبِيَةِ ثَوْبٍ أَوْ دَابَّةٍ أَوْ مَائَةٍ دَرَاهِمٍ عَلَى أَنْ يَرُمَّهَا الْمُسْتَأْجِرُ لِصَيُورَةِ الْمَرَمَةِ مِنَ الْأَجْرَةِ فَيَصِيرُ الْأَجْرُ مَجْهُولًا (و) تَفْسُدُ (بِعَدَمِ التَّسْبِيَةِ)

اور عقد کے جواز کا فتویٰ دیا جائے گا۔ اگر عمارت ایک آدمی کی ہو اور سفیدہ زمین دوسرے کی ہو ”فصولین“، فصل نمبر اکیس یعنی مذکورہ فصل کے درمیان میں یہ ہے: اور اگر رسمی مکمل یا بعض مجہول ہو تو اجارہ فاسد ہو جائے گا جس طرح وہ کپڑا یا جانور یا سودرہم اجرت معین کرے شرط یہ ہو کہ مستاجر اس کی مرمت کرے گا۔ کیونکہ مدت اجرت میں سے ہو جاتی ہے۔ پس اجرت مجہول ہو جائے گی

عمارت کے اجارہ کا بیان

29785۔ (قوله: وَيُفْتَى بِجَوَازِهِ) ”الدر الممتنع“ میں کہا: ”تہستانی“ نے یہ ذکر کیا ہے کہ فتویٰ اس پر ہے کہ صرف عمارت کو اجرت پر دینا جائز ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ جائز نہیں۔ کیونکہ یہ مشترک غیر ممتاز کی طرح ہے۔ میں کہتا ہوں: لیکن امام ”محمد“ رحمہ اللہ نے یہ بیان کیا ہے کہ جس نے زمین اجرت پر لی تو اس میں کوئی عمارت بنائی پھر اس کے مالک کو اجرت پر دے دی تو وہ اجرت میں سے عمارت کے حصہ کا مستحق ہو جائے گا۔ اگر عمارت کو اجارہ پر دینا جائز نہ ہوتا تو وہ اجرت کا مستحق نہ ہوتا اور اسے فسطاط پر قیاس کیا ہے۔ ہمارے مشائخ نے یہی فتویٰ دیا ہے۔ اگر عمارت ملکیت ہو اور سفیدہ زمین وقف ہو اور متولی مالک کی اجازت سے عمارت اجرت پر دے دے تو اجرت عمارت اور سفیدہ زمین پر تقسیم کی جائے گی۔ اور اس کی عمارت زمین کے مالک کو اجرت پر دینا جائز ہے اس پر سب کا اتفاق ہے۔ اسی طرح کسی اور کو اجرت پر دینا جائز ہے یہ مفتی بہ قول ہے۔ اس کی مکمل وضاحت ”عمادیہ“ میں ہے۔ ”باقانی“ نے اسے ثابت رکھا ہے۔ اس کی مکمل وضاحت متفرقات کے آخر میں آئے گی۔

29786۔ (قوله: يَغْنِي الْوَسْطَ مِنْهُ) یعنی مذکورہ فصل کے درمیان میں۔ زیادہ واضح تھا کہ یہ کہتے: اعنی، یہ اس فصل کے نصف ثانی کے قریب واقع ہے۔ ”ط“۔

29787۔ (قوله: كَتَسْبِيَةِ ثَوْبٍ أَوْ دَابَّةٍ) یہ کل کے مجہول ہونے کی مثال ہے اور اس کا ما بعد بعض کے مجہول ہونے کی مثال ہے۔ اس سے کل کی جہالت لازم آتی ہے پس اس کے بعد ان کا قول فیصیر الاجر مجهولاً صحیح ہوگا۔

29788۔ (قوله: لِصَيُورَةِ الْمَرَمَةِ) یعنی مرمت کا نفقہ خرچہ۔

29789۔ (قوله: وَبِعَدَمِ التَّسْبِيَةِ) جسے میں نے تجھے اپنا گھر ایک ماہ کے لیے یا ایک سال کے لیے اجرت پر دیا

اور اس نے یہ نہ کہا: اتنی اجرت کے عوض۔ ”منح“۔

أَصْلًا أَوْ بِتَسْبِيَةِ خَيْرٍ أَوْ خَيْرٍ (فَإِنْ فَسَدَتْ بِالْأَخْيَرَيْنِ) بِجَهَالَةِ الْمُسْتَسَى وَعَدَمِ التَّسْبِيَةِ (وَجَبَّ أَجْرُ الْبَثْلِ) يَعْنِي الْوَسْطَ مِنْهُ وَلَا يَنْقُصُ عَنِ الْمُسْتَسَى لَا بِالتَّكِينِ بَلْ (بِاسْتِيفَاءِ الْمَنْفَعَةِ) حَقِيقَةً كَمَا مَرَّ (بِالْغَا مَا بَدَعُ) لِعَدَمِ مَا يَرْجَعُ إِلَيْهِ وَلَا يَنْقُصُ عَنِ الْمُسْتَسَى (وَاللَّ) تَفْسُدُ بِهِمَا بَلْ بِالشُّرُوطِ أَوْ الشُّيُوعِ

اور اصلاً اجرت کا ذکر نہ کیا جائے یا شراب، خنزیر کو اجرت بنایا جائے تو اجارہ فاسد ہو جائے گا اگر آخری دو یعنی مسمی کی جہالت یا اجرت کا ذکر نہ ہونے کی وجہ سے اجارہ فاسد ہو تو اجرت مثلی واجب ہوگی یعنی درمیانی اجرت واجب ہوگی اور جو اجرت معین کی تھی اس سے کمی نہ کی جائے گی۔ یہ قدرت دینے کے ساتھ نہیں بلکہ حقیقت میں منفعت حاصل کرنے کے ساتھ ہے جس طرح گزر چکا ہے وہ اجرت جہاں تک بھی پہنچے۔ کیونکہ ایسی چیز موجود نہیں جس کی طرف رجوع کیا جائے اور وہ معین اجرت سے کم نہ ہو ورنہ وہ ان دونوں کے ساتھ فاسد ہو جائے گا بلکہ شروط یا امتیاز نہ ہونے کی وجہ سے فاسد ہو جائے گا

29790۔ (قوله: أَوْ بِتَسْبِيَةِ خَيْرٍ أَوْ خَيْرٍ) یہ قول اس امر کا فائدہ دیتا ہے کہ یہ اجارہ فاسدہ ہے باطلہ نہیں ہے۔

”ط“۔ یعنی پس یہ اس کے مخالف ہے جو گزر چکا ہے۔

29791۔ (قوله: يَعْنِي الْوَسْطَ مِنْهُ) یعنی لوگوں کا اس میں اختلاف ہے۔ ”ط“۔

29792۔ (قوله: لَا بِالتَّكِينِ) یعنی مالک سے نفع اٹھانے کی قدرت دے دے بعض نسخوں میں تمکن کے الفاظ

ہیں۔ یعنی مستاجر اس پر قادر ہے۔

29793۔ (قوله: كَمَا مَرَّ) یعنی ثمن میں اس باب کے شروع میں ان کے قول بالاستعمال میں اور کتاب الاجارہ

کے شروع میں گزر چکا ہے۔ جہاں تک اجارہ فاسدہ کا تعلق ہے تو حقیقی انتفاع سے یہی اجرت واجب ہوگی۔ ہم نے اس کی قید اس کے ساتھ لگائی ہے جب اجارہ کی جہت سے سپرد کرنا پایا جائے۔ وہاں وقف کی استثنا اور شارح نے جو بحث کی ہے پہلے گزر چکی ہے۔ پس اس کی طرف رجوع کیجئے۔

29794۔ (قوله: بِالْغَا مَا بَدَعُ) جب موجد نے ابھی تک اسے بیان نہ کیا ہو۔ اگر اس نے بیان کر دیا ہو تو اس کے

لیے اس سے زائد لینے کا حق نہیں۔ ”الولوالجیہ“ میں کہا: اگر بغداد تک ایک جانور کو کرایہ پر لیا گیا اگر وہ اسے وہاں تک پہنچا دے تو اس کے لیے وہ ہوگا جس پر وہ راضی ہوگا اس نے اسے پہنچا دیا تو اس نے کہا: میری رضائیں درابہم میں ہے تو اس کے لیے اجرت مثلی ہوگی مگر اس صورت میں کہ اس کی اجرت مثلی بیس درہم سے زائد ہو اس سے زائد نہ ہوگی۔ کیونکہ اجرت مجہول ہے اسے بیس سے زائد نہیں کیا جائے گا۔ کیونکہ دابہ کے مالک نے اسے زیادتی سے بری کر دیا ہے۔ ”سائحانی“۔

29795۔ (قوله: وَلَا يَنْقُصُ عَنِ الْمُسْتَسَى) دونوں جگہ اسی طرح پایا گیا ہے پہلی جگہ ان کے قول یعنی: الوسط منه

کے بعد اور دوسری جگہ ان کے قول لعدم ما يرجع اليه کے بعد۔ ”محشی“ نے یہ بیان کیا ہے کہ اس زیادتی کی کوئی ضرورت نہیں بلکہ دونوں مواقع پر اس کا کوئی معنی نہیں۔ کیونکہ مفروض مسمی کی جہالت ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مگر وہ مسمی سے اس چیز کا ارادہ

مَعَ الْعِلْمِ بِالْمُسْتَى لَمْ يَزِدْ أَجْرُ الْمِثْلِ (عَلَى الْمُسْتَى) لِرِضَاهُمَا بِهِ (وَيَنْقُصُ عَنْهُ) لِفَسَادِ التَّشْبِيهِ
وَاسْتِثْنَى الزَّيْلَعِيُّ مَا لَوْ اسْتَأْجَرَ دَارًا عَلَى أَنْ لَا يَسْكُنَهَا فَسَدَتْ، وَيَجِبُ أَنْ سَكَنَهَا أَجْرُ الْمِثْلِ بِالْغَا مَا
بَدَعَ، وَحَصَلَهُ فِي الْبَحْرِ

جب کہ مسمی کا علم ہو تو اجرت مثلی کو مسمی پر زائد نہ کیا جائے گا۔ کیونکہ وہ دونوں اسی اجرت پر راضی تھے۔ اور اس میں سے کمی کی جا سکتی ہے کیونکہ تسمیہ میں فساد ہے۔ ”زیلعی“ نے اس کی استثناء کی ہے اگر وہ ایک گھر کو اجرت پر لے اس شرط پر کہ وہ اس میں رہائش نہیں رکھے گا تو اجارہ فاسد ہو جائے گا۔ اور اگر وہ اس میں رہائش رکھتا ہے تو اجرت مثلی واجب ہوگی جہاں تک پہنچے۔ ”البحر“ میں اسے اس شرط پر محمول کیا ہے

کرے جس کے بعض سے وہ جاہل ہے جس طرح دس کے بدلے میں اسے اجارہ پر دے اس شرط پر کہ وہ اس کی مرمت کرے گا۔ میں کہتا ہوں: یہ صحیح نہیں کیونکہ ”خانیہ“ میں ذکر کیا ہے کہ مکمل یا بعض جہالت کی صورت میں اجرت مثلی واجب ہوگی وہ جہاں بھی پہنچے۔ پھر کہا: مگر جب شرط فاسد وغیرہ کے حکم سے فاسد ہو جائے تو مسمی سے اسے زائد نہیں کیا جائے گا یہ کیسے صحیح ہو سکتا ہے ساتھ ہی ان کا قول ہے: لعدم ما يرجع اليه۔

29796۔ (قوله: لَمْ يَزِدْ عَلَى الْمُسْتَى) اگر اجرت مثلی بارہ ہو اور جو اجرت معین کی گئی وہ دس ہو تو اس کے لیے اجرت دس ہی ہوگی۔

29797۔ (قوله: وَيَنْقُصُ عَنْهُ) اس کی صورت یہ ہے کہ معین اجرت پندرہ ہو اور اجرت مثلی بارہ ہو تو اس کے لیے اجرت بارہ ہوگی۔

29798۔ (قوله: لِفَسَادِ التَّشْبِيهِ) یعنی عقد کے فاسد ہونے کے ساتھ تسمیہ فاسد ہو جائے گا۔ کیونکہ جب کوئی چیز فاسد ہو جاتی ہے تو اس کے ضمن میں جو کچھ ہوگا وہ بھی فاسد ہو جائے گا۔

29799۔ (قوله: وَاسْتِثْنَى الزَّيْلَعِيُّ) یعنی جب شرط فاسد ہو تو اسے مسمی سے زائد نہیں کیا جائے گا شارح نے اس میں صاحب ”البحر“ کی پیروی کی ہے۔ ”زیلعی“ کی کلام میں استثناء نہیں بلکہ ان کی کلام کا ظاہر یہ ہے کہ یہ مسمی کی جہالت کی فروع میں سے ہے پس اس کی طرف رجوع کیجئے۔

29800۔ (قوله: فَسَدَتْ) کیونکہ اس میں گھر کے مالک کا ایسا نفع ہے جس کا عقد قائم نہیں کرتا۔ کیونکہ جب وہ اسے گھر میں رہائش نہیں رکھے گا تو بالوعدہ اور وضو کی جگہ نہیں بھرے گی۔ اگر گھر میں بالوعدہ اور وضو کا کنواں نہیں ہوگا تو شرط لگانے سے اجارہ فاسد نہیں ہوگا کیونکہ جو ہم نے کہا وہ نہیں پایا گیا۔ ”بزازیہ“ وغیرہ میں ہے۔

29801۔ (قوله: وَحَصَلَهُ فِي الْبَحْرِ الْخ) کیونکہ کہا: اس میں یعنی ”زیلعی“ کی استثناء میں اعتراض ہے کیونکہ اجرت اگر معین نہ ہو تو یہ مقدمہ مسئلہ ہے اگر اجرت معین ہے تو چاہیے کہ معین اجرت سے تجاوز نہ کیا جائے جس طرح دوسری شرط ہیں۔

عَلَى مَا إِذَا جَهِلَ الْمُسَمَّى لَكِنْ أَرْجَعَهُ قَاضِي خَانٍ فِي شَرْحِ الْجَامِعِ إِلَى جَهَالَةِ الْمُسَمَّى فَافْهَمْ،

جب مسمی مجہول ہو۔ لیکن ”قاضی خان“ نے ”شرح الجامع“ میں مسمی کی جہالت کی طرف لوٹایا ہے، فافہم۔

ان کا ”الخلاصہ“ میں ذکر کیا ہے اور اجرت سے تعرض نہیں کیا۔ ان کی کلام کا ظاہر یہ ہے کہ پہلی شق کو اختیار کیا جائے اس کی دلیل وہ ہے جس کا ذکر ”الخلاصہ“ سے کیا ہے: اس کا مسمی کی جہالت سے ہونا اس وجہ سے ہے جب کہ تسمیہ نہیں ہوا۔ کیونکہ مذکورہ شرط میں مالک کا نفع ہے جب کہ اس نے اسے بدل بنایا ہے جب کہ وہ مجہول ہے پس اجرت مثلی واجب ہوگی وہ جہاں بھی پہنچے۔ تامل 29802۔ (قوله: لَكِنْ أَرْجَعَهُ الْخ) اس پر یہ اعتراض کیا ہے کہ یہ تو بعینہ وہ چیز ہے جو ”البحر“ میں ہے تو استدراک کی کوئی وجہ نہیں۔

میں کہتا ہوں: بعض اوقات اس کا یہ جواب دیا جاتا ہے کہ انہوں نے اسے دوسری شق پر محمول کیا ہے۔ یہ اس وقت ہے جب اجرت معین ہو اسے مسمی کی جہالت کی طرف لوٹانے کی وجہ یہ ہے کہ اس نے اجرت مسمی اور عدم سکنی کو قرار دیا ہے۔ پس یہ اس کی مثل ہوگی جو صورت گزر چکی ہے کہ اس نے سودرہم پر اسے اجرت پر لیا شرط یہ رکھی کہ مستاجر اس کی مرمت کرے گا۔ شارح نے مسئلہ کی علت اس قول کے ساتھ بیان کی ہے ”کیونکہ مرمت اجرت میں سے ہے پس اجرت مجہول ہوگئی۔“ اس کا حاصل یہ ہے: بعض کی جہالت سے کل کی جہالت حاصل ہوتی ہے۔ اسی وجہ سے کہا ہے: اسے مسمی کی جہالت کی طرف اٹھایا ہے۔ ”البحر“ میں جو قول ہے وہ اس کے خلاف ہے۔ کیونکہ یہ ابتداءً کل کی جہالت پر محمول ہے۔ یہ امر میرے لیے ظاہر ہوا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

پھر میں نے ”غایۃ البیان“ میں وہ قول دیکھا ہے جو اس پر دلالت کرتا ہے جو میں نے قول کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ الحمد۔ کیونکہ انہوں نے کہا: جب اس شرط کے فوت ہو جانے سے اجارہ فاسد ہو جائے اجیر (مزدور) کی جانب سے جس میں رغبت کی گئی تھی جس طرح ایک آدمی نے اپنا گھردس کے عوض اجرت پر دیا اس شرط پر کہ وہ اس کی تعمیر کرے گا اور اس کے ٹیکس وغیرہ دے گا تو اجارہ فاسد ہو جائے گا۔ اگر وہ ایسا نہ کرے تو اجرت مثل واجب ہوگی وہ جہاں بھی پہنچے اور اسے مسمی اجرت سے کم نہیں کیا جائے گا۔ اسی طرح اگر اس نے کہا: میں نے تجھے یہ گھردس کے عوض اجرت پر دیا اس شرط کے ساتھ کہ تو اس میں سکونت اختیار نہیں کرے گا تو اجارہ فاسد ہو جائے گا۔ اگر وہ اس میں رہائش رکھے تو اجرت مثلی واجب ہوگی وہ جہاں تک بھی پہنچے اور وہ مسمی سے کم نہ ہوگی۔ یہ بھی حقیقت میں مسمی کی جہالت کی طرف راجع ہوگی وہ جہاں بھی پہنچے۔ فخر الدین ”قاضی خان“ نے اسی طرح کہا ہے۔ پس مسئلہ اس میں مفروض ہوا کہ اگر اجرت معین ہو اور اسے مرمت والے کے مسئلہ کے ساتھ تشبیہ دی اور کہا: یہ بھی مسمی کی جہالت کی طرف راجع ہے یعنی جس طرح پہلا مسمی کی جہالت کی طرف راجع تھا۔ یہ بعینہ وہ چیز ہے جس پر میں نے ان کی کلام کو محمول کیا جب کہ ابھی میں نے اسے نہیں دیکھا تھا۔ واللہ

29803۔ (قوله: فَافْهَمْ) شاید اس فرق کی طرف اشارہ ہے جس کا ہم نے ذکر کیا ہے۔ اس فاضل شارح کے نکات

اس سے زیادہ دقیق ہیں جس طرح وہ آدمی جانتا ہے جو ان کے کلام کا تجربہ رکھتا ہے اور ان کے مقصود کو جانتا ہے۔

وَعَنْ كُلِّ فَلَا اسْتِثْنَاءَ فَتَتَبَّهَ قُلْتُ وَيَنْبَغِي اسْتِثْنَاءُ الْوَقْفِ ؛ لِأَنَّ الْوَاجِبَ فِيهِ أَجْرُ الْبِثْلِ بِالِغَا مَا بَدَعَ فَنَامَلَ (فَإِنْ آجَرَ دَارَهُ) تَفْرِيعٌ عَلَى جَهَالَةِ الْمُسَمَّى (بِعَبْدٍ مَجْهُولٍ فَسَكَنَ مُدَّةً وَلَمْ يَذْفَعْهُ فَعَلَيْهِ لِمُدَّةِ أَجْرِ الْبِثْلِ بِالِغَا مَا بَدَعَ، وَتُفْسَخُ فِي الْبَاقِي) مِنَ الْمُدَّةِ (آجَرَ حَانُوتًا كُلَّ شَهْرٍ بِكَذَا صَحَّ فِي وَاحِدٍ فَقَطْ)

ہر تقدیر پر استثنا نہیں پس اس پر متنبہ ہو جائیے۔ میں کہتا ہوں: مناسب ہے کہ وقف کی استثنا کی جائے۔ کیونکہ اس میں واجب اجرت مثلی ہے وہ جہاں تک بھی پہنچے، قائل۔ اگر ایک آدمی نے کسی کو اپنا گھر مجہول غلام کے بدلے میں اجرت پر دیا یہ مسمیٰ کی جہالت پر تفریع ہے وہ ایک مدت اس میں رہا اور مستاجر نے وہ غلام اس کے حوالے نہ کیا تو اس پر اس مدت کی اجرت مثلی واجب ہوگی اور جہاں بھی پہنچے۔ اور باقی مدت میں اجارہ فسخ ہو جائے گا۔ ایک آدمی نے ایک دکان اجرت پر دی ہر ماہ اتنی اجرت کے بدلے میں تو صرف ایک ماہ کے لیے عقد صحیح ہوگا۔

29804۔ (قوله: قُلْتُ الْخ) یہ ”جامع الفصولین“ میں منقول ہے۔ ”ساحانی“۔

میں کہتا ہوں: بلکہ متن میں گزر چکا ہے کیونکہ کہا: وقف زمین کے متولی نے اجرت مثل کے بغیر اسے اجارہ پر دیا تو اس کے مستاجر پر مکمل اجرت مثلی لازم ہوگی۔ شارح نے وہاں ”مجمع الفتاویٰ“ سے نقل کیا ہے: وصی اور باپ کا حکم اسی طرح ہے۔ جس کو مستثنیٰ کیا گیا ہے اس میں سے یہ ہے کہ اگر ایک آدمی نے ایک گھر معین غلام کے عوض اجرت پر لیا وہ آدمی اس میں ایک ماہ تک رہا اور مستاجر نے غلام حوالے نہ کیا یہاں تک کہ اسے آزاد کر دیا تو یہ صحیح ہوگا۔ اس پر گزشتہ مہینہ کی اجرت مثلی لازم ہوگی۔ وہ جہاں تک پہنچے اور باقی ماندہ عرصہ کے لیے اجارہ ختم ہو جائے گا۔ کیونکہ اس غلام کے آزاد کرنے کی وجہ سے وہ فاسد ہو گیا ہے۔ اس میں تفصیل ہے جسے ”خزانة الاكمل“ میں دیکھا جاسکتا ہے۔ ”بزازیہ“ میں ہے: ایک آدمی نے گھر ایک معین چیز پر اجارہ پر لیا اور گھر میں سکونت اختیار کی اور سپرد کرنے سے پہلے وہ عین ہلاک ہو گیا یا مستاجر نے جان بوجھ کر اسے ہلاک کر دیا تو اجرت مثلی واجب ہوگی وہ جہاں تک پہنچے۔ باقی اجارات کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ معین اجرت سے زیادہ اجرت نہیں دی جاتی۔ یہ مسمیٰ اس میں معلوم و معین ہے اور اجرت واجب ہوگی وہ جہاں تک پہنچے۔

29805۔ (قوله: وَلَمْ يَذْفَعْهُ) جب اس نے اجرت پہلے دی اور مستاجر نے اس سے اجرت قبول کر لی تو اس سے زیادہ

نہ کیا جائے گا۔ کیونکہ وہ اس پر راضی ہے۔ کیا وہ اجارہ صحیح ہو جائے گا کتب کی طرف رجوع کیا جانا چاہیے۔ ”رہمتی“۔ ”شرعیہ“ میں ہے: اجرت مثلی کا وجوب اس پر موقوف نہیں کہ اس نے اسے اجرت نہ دی ہو۔ کیونکہ اجارہ کے فساد کی وجہ سے یہی اجرت واجب ہوگی۔ پس اس کا کوئی مفہوم نہیں بلکہ یہ امر واقعہ کا بیان ہے۔ جب وہ اس کو معین کر دے تو معاملہ مختلف ہوگا۔

29806۔ (قوله: حَانُوتًا) یہ مثال ہے کیونکہ اگر اس نے ایک بیل اجرت پر لیا تا کہ یہ دن میں ایک درہم کے عوض

وَفَسَدَ فِي الْبَاقِي لِجَهَالَتِهَا، وَالْأَصْلُ أَنَّهُ مَتَى دَخَلَ كُلُّ فِيمَا لَا يُعْرَفُ مُنْتَهَاهُ تَعَيَّنَ أَذْنَاهُ، وَإِذَا مَضَى الشَّهْرُ فَلِكُلِّ فَسْخُهَا بِشَرْطِ حُضُورِ الْآخِرِ

اور اجرت کی جہالت کی وجہ سے باقی عرصہ میں عقد فاسد ہو جائے گا۔ قاعدہ یہ ہے کہ جب کل کا کلمہ ایسی چیز پر داخل ہو جس کی انتہا معروف نہ ہو تو اس کا ادنیٰ متعین ہو جاتا ہے۔ جب ایک ماہ گزرے گا تو موجر اور مستاجر میں سے ہر ایک کو دوسرے کی موجودگی میں اجارہ فسخ کرنے کا حق حاصل ہوگا

آٹا پیسے تو حکم اسی طرح ہوگا۔ ”طوری“۔

29807۔ (قوله: وَفَسَدَ فِي الْبَاقِي) یہ تین امور کے ساتھ مقید ہے جو مابعد سے معلوم ہوں گے وہ یہ ہیں وہ پہلے مہینہ کے بعد اس میں رہائش نہیں رکھتا، وہ اس کی اجرت پہلے ادا نہیں کرتا، وہ مجموعی مہینوں کو نہیں جانتا۔ اگر ان میں سے ایک بھی پائی جائے تو اس میں اجارہ کا عقد صحیح ہوگا۔ ”بزازیہ“ میں ہے: اگر اسے ہمیشہ کی اجرت سے بری کر دیا تو یہ صرف ایک ماہ سے بری کرنا صحیح ہوگا۔

29808۔ (قوله: لِجَهَالَتِهَا) کیونکہ مہینے مجہول ہیں۔

کل کا کلمہ ایسی چیز پر داخل ہو جس کی انتہا معلوم نہ ہو تو اس کا ادنیٰ متعین ہو جاتا ہے

29809۔ (قوله: مَتَى دَخَلَ) یعنی لفظ کل داخل ہو۔

29810۔ (قوله: فِيمَا لَا يُعْرَفُ مُنْتَهَاهُ) جیسے مہینے اور دن۔ یہ قول اس امر کا فائدہ دیتا ہے کہ ان کا قول کل شہر

ایک مثال ہے اسی کی مثل کل سنہ، کل یوم اور کل اسبوع ہے جس طرح ”رملی“ نے یہ بیان کیا ہے۔

29811۔ (قوله: تَعَيَّنَ أَذْنَاهُ) یعنی اجارہ کے صحیح ہونے کے لیے اس کا ادنیٰ متعین ہو جائے گا۔ جہاں تک پہلے

کے بعد کا تعلق ہے وہ عقد کے تحت داخل ہیں۔ اسی وجہ سے فسخ کے وقت دونوں کا حاضر ہونا شرط ہے۔ پس ان میں عقد فاسد

ہو جائے گا۔ لیکن رہائش رکھنے کے ساتھ وہ عقد صحیح ہو جائے گا۔ ان کی کلام سے یہ مستفاد ہوتا ہے۔ پھر میں نے ”طوری“ کو

دیکھا کہا: ان کے قول: صح فی شہر واحد کا ظاہر معنی یہ ہے کہ باقی ماندہ میں عقد فاسد ہے۔ ”الھیط“ میں کہا: یہ ان کے بعض کا

قول ہے۔ صحیح یہ ہے کہ تمام مہینوں کا اجارہ جائز ہے۔ اور امام ”محمد“ رحمہ اللہ کا اسے مطلق ذکر کرنا اس پر دلالت کرتا ہے۔ پس

پہلے، دوسرے اور تیسرے مہینے میں عقد جائز ہے۔ بے شک فسخ کا اختیار دوسرے مہینے کے شروع میں ثابت ہوگا۔ کیونکہ یہ

اجارہ مستقبل کی طرف منسوب ہے اور دونوں میں سے ہر ایک کو مستقبل کی طرف منسوب اجارہ کو فسخ کرنے کا حق حاصل ہوتا

ہے۔ یہ مصنف کے قول کے مخالف ہے جس طرح ”ہدایہ“ اور ”تبیین“ ہے۔ اور باقی ماندہ میں عقد فاسد ہو جائے گا مگر جب یہ

کہا جائے: فساد سے مراد لازم نہ ہونا ہے فساد کا اطلاق عدم لزوم کیا ہے کیونکہ یہ فساد کے مقابل ہے۔ تامل

29812۔ (قوله: بِشَرْطِ حُضُورِ الْآخِرِ) حیلہ یہ ہے: جب وہ غائب ہو تو کسی اور سے عقد اجارہ کر دے جب مہینہ

لَا تَتَهَاءُ الْعَقْدُ الصَّحِيحُ (وَفِي كُلِّ شَهْرٍ سَكَنَ فِي أَوَّلِهِ) هُوَ اللَّيْلَةُ الْأُولَى وَيَوْمُهَا عُرْفَاوَيْهِ يُفْتَى (صَحَّ الْعَقْدُ فِيهِ) أَيْضًا، وَلَيْسَ لِلْمُوجِرِ إِخْرَاجُهُ حَتَّى يَنْقَضِيَ إِلَّا بِعُذْرٍ، كَمَا لَوْ عَجَّلَ أَجْرَةَ شَهْرَيْنِ فَأَكْثَرَ لِيَكُونَ كَالْمُسْتَى زَيْدٍ (إِلَّا أَنْ يُسَيِّئَ الْكُلَّ) أَيْ جُنَلَةَ شُهُورٍ مَعْلُومَةٍ فَيَصِحَّ لِزَوَالِ الْمَانِعِ

کیونکہ عقد صحیح ختم ہو چکا ہے۔ یہ مہینہ جس کے اول میں رہائش پذیر رہا اس میں عقد صحیح ہو جائے گا۔ مہینہ کا اول رات ہے۔ اور عرف میں اس کا دن ہے۔ اسی پر فتویٰ دیا جاتا ہے۔ موجر کو یہ حق حاصل نہیں کہ مستاجر کو گھر سے نکالے یہاں تک کہ وہ مہینہ گزر جائے مگر عذر کے ساتھ نکال سکتا ہے جس طرح اگر اس نے دو ماہ کی اجرت پہلے ادا کر دی یا اس سے زیادہ کی اجرت ادا کر دی تو نہیں نکال سکتا۔ کیونکہ یہ مسمیٰ کی طرح ہے، ”زیلعی“۔ مگر وہ تمام مہینوں کو ذکر کر دے تو عقد اجارہ صحیح ہو جائے گا۔

گزرے گا تو دوسرے مہینہ میں دوسرے کے لیے عقد اجارہ صحیح ہو جائے گا اور پہلا عقد اجارہ منسوخ ہو جائے گا جس طرح ”جامع الفصولین“ میں ہے۔ کیونکہ ضمنی میں وہ چیز معاف ہوتی ہے جو صریح میں معاف نہیں ہوتی ”سائحانی“۔ شارح نے اس باب سے تھوڑا پہلے اس کو بیان کیا ہے۔

29813۔ (قوله: وَبِهِ يُفْتَى) یہ ظاہر روایت ہے بعض مشائخ نے ذکر کیا ہے کہ وہ اس کے اول دن کی ساعت ہے ”قدوری“ اور ”صاحب الكنز“ اس پر گامزن ہوئے یہی قیاس ہے جب کہ اس میں حرج ہے۔ ”ہدایہ“ اور ”زیلعی“ میں اسی طرح ہے۔

”رہلی“ نے کہا: ”بزازیہ“ میں ہے: صحیح یہ ہے کہ فسخ کا دن، پہلا دن، اس کی رات، دوسرا اور تیسرا دن ہے۔ کیونکہ فسخ کا اختیار مہینے کا اول ہے اور مہینے کا اول یہی ہے۔ اسی پر فتویٰ ہے یہ مذکورہ دو قولوں کے خلاف ہے۔ یہ تصریح کی گئی ہے کہ فتویٰ اس پر ہے پس اس میں تامل کیجئے شارح کے قول میں ہے: اسی پر فتویٰ ہے۔

یہ امر ثابت ہو چکا ہے کہ جب شروع اور فتاویٰ میں تعارض آجائے تو اعتبار شروع کا ہوگا۔ ساتھ ہی شروع میں جو کچھ ہوتا ہے وہ ظاہر روایت ہوتا ہے جس طرح تو جان چکا ہے۔

29814۔ (قوله: حَتَّى يَنْقَضِيَ) یہاں تک کہ وہ مہینہ ختم ہو جائے جس کے اول میں تینوں اقوال پر وہ سکونت پذیر رہا۔

29815۔ (قوله: إِلَّا بِعُذْرٍ) یعنی فسخ کے آنے والے اعذار میں سے کوئی عذر۔

29816۔ (قوله: كَمَا لَوْ عَجَّلَ) یہ اس کے صحیح ہونے کی مثال دی جا رہی ہے۔ کیونکہ متن میں ہے: ”زیلعی“ نے کہا:

جس قدر اجرت پہلے دے دی گئی اس میں کسی ایک کو بھی عقد فسخ کرنے کا اختیار نہیں ہوگا۔ کیونکہ اجرت پہلے ادا کرنے کی صورت میں اس مقدار میں جہالت زائل ہوگئی۔ پس وہ عقد میں مسمیٰ (معین) کی طرح ہوگئی۔

29817۔ (قوله: إِلَّا أَنْ يُسَيِّئَ الْكُلَّ) یہ ان کے قول: وفسد فی الباقی سے مستثنیٰ ہے یعنی تمام وہ چوپائے جن میں

عقد کرنے کا قصد کیا گیا۔ یہ حکم اسی طرح ہے جس طرح جب وہ کہے: میں نے یہ چھ ماہ کے لیے اجرت پردی ہر ماہ اتنے کے

(وَإِذَا آجَرَهَا سَنَةً بِكَذَا صَحَّ وَإِنْ لَمْ يُسَمَّ أَجَرَ كُلِّ شَهْرٍ وَتُقَسَّمُ سَوِيَّةً (وَأَوَّلُ الْمُدَّةِ مَا سَمِيَ) إِنْ سَمِيَ (وَالْأَوَّلُ الْيَوْمُ الْأَوَّلُ مِنَ الشَّهْرِ شَمْنِي) (اعْتَبَرَ الْأَهْلَةُ إِلَّا فَالْأَيَّامَ) كُلُّ شَهْرٍ ثَلَاثُونَ، وَقَالَ يُتَمُّ الْأَوَّلُ بِالْأَيَّامِ

کیونکہ مانع زائل ہو چکا ہے۔ جب اس نے سال بھر کے لیے مخصوص مقدار کے عوض اجرت پر دیا تو یہ صحیح ہوگا اگرچہ ہر ماہ کی اجرت کا ذکر نہ کرے۔ اور اس اجرت کو برابر طور پر تقسیم کیا جائے گا۔ مدت کا آغاز اس سے ہوگا جس کا اس نے ذکر کیا اگر اس نے مدت کا ذکر کیا ورنہ عقد کا وقت ہی اس کا اول ہوگا اگر عقد اس وقت ہو جب چاند نظر آئے۔ یہل یہ یا کے ضمہ اور ہا کے فتح کے ساتھ ہے مراد چاند دیکھا جائے۔ مراد مہینہ کا پہلا دن ہے، ”شمنی“۔ تو چاند کا اعتبار ہوگا ورنہ ایام کا اعتبار ہوگا اور ہر مہینہ تیس دنوں کا ہوگا۔ ”صاحبین“ رحمہ اللہ نے فرمایا: پہلے مہینے کو دنوں کے ساتھ مکمل کیا جائے گا

عوض ہوگا۔

29818۔ (قوله: لِيَزَوَالِ الْبَائِعِ) یعنی وہ مانع جو تمام مہینوں کا نام نہ لینے کی صورت میں تھا وہ زائل ہو گیا ہے۔

29819۔ (قوله: وَتُقَسَّمُ سَوِيَّةً) یعنی مشہور قول کے مطابق انہیں برابر تقسیم کیا جائے گا۔ سب کا فائدہ اس صورت

میں ظاہر ہوگا جب وہ مدت کے دوران سے فسخ کیا جائے۔ ”تاتر خانیہ“ میں ہے: اگر اس نے کہا: میں نے تجھے ایک سال کے لیے ہزار کے بدلے میں اجرت پر دیا ہر ماہ ایک سو کے عوض میں ہے۔ اس نے اسے قبول کر لیا تو یہ اجارہ بارہ سو کے عوض ہوگا ہر ماہ ایک سو کے عوض ہوگا اور آخر کلام اول کے لیے فسخ کرنے والا ہوگا۔ ”فقہ“ نے کہا: یہ اس صورت میں ہے جو یہ قصد ہو اگر غلطی کے طور پر یہ کلام کی ہو تو اجرت پہلے ہوگی۔

29820۔ (قوله: إِنْ سَمِيَ) اس کی صورت یہ ہے کہ وہ کہے: اس سال کے رجب سے لے کر۔ ”درر“۔ یعنی جب وہ

خیار شرط نہ ہو۔ اگر خیار شرط ہو تو اس کے ساقط ہونے سے وقت سے مدت شمار کی جائے گی۔ ”سری الدین“ نے ”کافی“ سے اسے نقل کیا ہے۔ ”ط“۔

29821۔ (قوله: وَالْمُرَادُ الْيَوْمُ الْأَوَّلُ) یعنی مراد پہلا دن ہے نہ کہ جس وقت وہ حقیقت میں چاند دیکھے۔

29822۔ (قوله: اعْتَبَرَ الْأَهْلَةُ) یہاں تک اگر مہینہ ایک دن کا ہو تو اس پر پوری اجرت ہوگی۔ ”بدائع“۔

29823۔ (قوله: وَإِلَّا فَالْأَيَّامَ) یعنی اگر عقد اجارہ درمیان مہینہ میں ہو تو ایام کا اعتبار کیا جائے گا۔ کیونکہ پہلا مہینہ

دوسرے مہینہ کے ایام کے ساتھ پورا ہو جاتا ہے۔ پس دوسرے مہینہ کے اول دنوں کے اعتبار سے ہو تو اسے تیسرے مہینہ کے ساتھ مکمل کیا جائے گا۔ اسی طرح یہ سلسلہ چلے گا۔ ”بدائع“۔

29824۔ (قوله: وَقَالَ يُتَمُّ الْأَوَّلُ بِالْأَيَّامِ) ”ذخیرہ“ میں ہے: اگر اس نے عقد اجارہ کیا اس شرط پر کہ ہر مہینہ ایک

درہم کے بدلے میں ہے اگر عقد اجارہ مہینہ کے وسط میں ہو تو بغیر کسی اختلاف کے ہر مہینہ کا اعتبار دنوں کے اعتبار سے ہوگا۔

وَالْبَاقِي بِالْأَهْتَةِ اسْتَأْجَرَ عَبْدًا بِأَجْرِ مَعْلُومٍ وَبِطَعَامِهِ لَمْ يَجْزُ لِحَيْثَالِهِ بَعْضُ الْأَجْرِ كَمَا مَرَّ (وَجَازَ إِجَارَةُ الْحَتَامِ: لِأَنَّهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ دَخَلَ حَتَامَ الْجُحْفَةِ وَلِلْعُرْفِ وَقَالَ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ مَا رَأَى الْمُسْلِمُونَ حَسَنًا فَهُوَ عِنْدَ اللَّهِ حَسَنٌ قُلْتُ وَالْمَعْرُوفُ وَقَفُّهُ عَلَى ابْنِ مَسْعُودٍ

اور باقی چاند سے حساب کیا جائے گا۔ ایک آدمی نے غلام معلوم اجرت پر اور اس کے کھانے کے بدلے میں اجارہ پر لیا تو یہ جائز نہیں ہوگا۔ کیونکہ بعض اجر مجہول ہوگا جس طرح گزر چکا ہے۔ حمام کا اجارہ جائز ہے۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ کے حمام میں داخل ہوئے تھے۔ اور اس کے جواز کی دلیل عرف بھی ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: جسے مسلمان حسن خیال کریں وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک حسن ہے۔ میں کہتا ہوں: معروف یہ ہے یہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما پر موقوف ہے

کیونکہ دونوں اس کا اعتبار کرتے ہیں کہ چاند کی واسطہ سے مدت کے آخر کا علم ہو جائے تو اس سے اس کی تکمیل ممکن ہوگی۔ امام ”ابو یوسف“ رحمۃ اللہ علیہ سے ایک اور روایت امام ”ابو حنیفہ“ رحمۃ اللہ علیہ کی روایت کی طرح ہے: پہلے مہینہ کا اعتبار دنوں کے حوالے سے ہوگا اور آخری مہینہ سے اسے مکمل کیا جائے گا اور باقی مہینے چاند کے اعتبار سے ہوں گے۔ اگر ایک آدمی نے ذی الحجہ کی دس تاریخ کو ایک سال کے لیے اجارہ کیا تو ذی الحجہ اگر تیس دنوں پر مکمل ہوا تو امام ”محمد“ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک سال دس ذی الحجہ پر ختم ہوگا۔ اگر ذی الحجہ کا مہینہ اسی دنوں پر مکمل ہو تو سال ذی الحجہ کی گیارہ تاریخ پر مکمل ہوگا۔

اگر تو یہ کہے: کیا یہ لازم نہیں آتا کہ عید الاضحیٰ ایک سال میں متکرر ہوئی ہے؟ میں کہتا ہوں: ہاں۔ لیکن اس سال میں جس میں اجارہ کی مدت مقدار کی گئی نہ کہ معروف سال میں عید الاضحیٰ متکرر ہوگی پس ممنوع غیر لازم ہے اور لازم غیر ممنوع ہے۔

29825۔ (قولہ: كَمَا مَرَّ) اس کے بارے میں گفتگو ایک ورق پہلے گزر چکی ہے۔

29826۔ (قولہ: إِجَارَةُ الْحَتَامِ) ہم پہلے یہ بیان کر چکے ہیں کہ اجارہ اجرت کا اسم ہے یعنی حمام والا حمام کی اجرت لے سکتا ہے۔ ”ابو سعود“ میں ”حموی“ سے مروی ہے۔ حمام اغلب قول کے مطابق مؤنث ہے اس کی جمع قیاس کے مطابق حمامات آتی ہے۔ میرے ذہن میں یہ ہے سب سے پہلے جس نے حمام بنایا ہے وہ حضرت سلیمان علیہ السلام ہیں۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حمام میں داخل ہونے اور حدیث ما رآہ المؤمنون حسنا کا مطابقت

29827۔ (قولہ: لِأَنَّهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ دَخَلَ حَتَامَ الْجُحْفَةِ) ”مسند علی قاری“ نے کہا: ”دیمی“ اور ”نوی“ نے کہا: یہ روایت بہت ہی ضعیف ہے۔ ہمارے شیخ ”ابن حجر مکی“ نے ”شرح الشماک“ میں کہا ہے: حفاظ کے اتفاق کے مطابق یہ موضوع ہے اگرچہ ”دیمی“ وغیرہ کی کلام میں واقع ہے جو اپنے محل میں نہیں۔ ”ملخص“

29828۔ (قولہ: وَلِلْعُرْفِ) کیونکہ تمام شہروں میں لوگ حمام کی اجرت ادا کرتے ہیں اگرچہ یہ معلوم نہیں کہ وہ کتنی پانی استعمال کرے گا اور نہ اس کے بیٹھنے کی مقدار کا علم ہوتا ہے۔ علما کا اجماع اس کے جواز پر دال ہے اگرچہ قیاس اس کے جواز کا انکار کرتا ہے۔ کیونکہ یہ جہالت کے ساتھ عین کے اطلاق پر وارد ہے۔ ”اتقانی“۔

كَمَا ذَكَرَهُ ابْنُ حَجَرٍ (و) جَازَ (بِنَاؤُهُ لِلرَّجَالِ وَالنِّسَاءِ) هُوَ الصَّحِيحُ لِلْحَاجَةِ، بَلْ حَاجَتُهُنَّ أَكْثَرُ لِكَثْرَةِ
أَسْبَابِ اغْتِسَالِهِنَّ، وَكَرَاهَةُ عُثْمَانَ مَحْضُولٌ عَلَى مَا فِيهِ كَشَفُ عَوْرَةِ زَيْلَعِيٍّ وَفِي إِحْكَامَاتِ الْأَشْبَاهِ
وَيُكْرَهُ لَهَا دُخُولُ الْحَمَامِ فِي قَوْلٍ، وَقِيلَ إِلَّا لِمَرِيضَةٍ أَوْ نَفْسَاءٍ، وَالْمُعْتَبَدُ أَنْ لَا كَرَاهَةَ مُطْلَقًا

جس طرح ”ابن حجر“ نے ذکر کیا ہے حمام مردوں اور عورتوں کے لیے بنانا جائز ہے۔ یہی قول صحیح ہے۔ کیونکہ ضرورت ہے بلکہ عورتوں کی حاجت زیادہ ہے۔ کیونکہ عورتوں کے غسل کے اسباب زیادہ ہیں حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا اسے مکروہ قرار دینا شرمگاہ کے ننگا ہونے کی وجہ سے ہے، ”زلیعی“۔ ”الاشباہ“ کے احکام میں ہے: ایک قول کے مطابق عورت کے لیے حمام میں داخل ہونا مکروہ ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مگر مریض، نفساء کے لیے مکروہ نہیں۔ قابل اعتماد یہ ہے کہ مطلقاً مکروہ نہیں۔

29829۔ (قوله: كَمَا ذَكَرَهُ ابْنُ حَجَرٍ) امام ”احمد“ نے اسے ”كتاب السنن“ میں حضرت ”ابی وائل“ کی حدیث سے حضرت ”ابن مسعود“ سے روایت کیا ہے: اللہ تعالیٰ نے بندوں کے دلوں میں نظر کی تو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو پسند کیا اور آپ کو اپنی رسالت کے ساتھ مبعوث کیا پھر بندوں کے دلوں کی طرف نظر کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اصحاب کو دیکھا پس انہیں اپنے دین کے انصار اور اپنے نبی کے وزراء بنایا۔ پس مسلمان جسے حسن خیال کریں تو وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک حسن ہے اور جسے مسلمان قبیح خیال کریں وہ قبیح ہے (1)۔ یہ روایت موقوف حسن ہے۔ ”بزار“، ”طیالسی“ اور ”طبرانی“ نے حضرت ”ابن مسعود“ رضی اللہ عنہ کے تعارف میں ”حلیہ“ سے انہوں نے اسے ”مقاصد حسن“ سے نقل کیا ہے۔ ”ط“۔

29830۔ (قوله: هُوَ الصَّحِيحُ) علما میں سے کچھ وہ ہیں جنہوں نے اسے مکروہ قرار دیا ہے۔ کیونکہ حضرت ”عمارہ بن عقبہ“ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا: میں حضرت ”عثمان بن عفان“ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا آپ نے مجھ سے میرے مال کے بارے میں پوچھا تو میں نے آپ کو خبر دی کہ میرے غلام ہیں اور حمام ہیں جن کے منافع ہیں تو آپ نے پچھنے لگانے والوں اور حمام کی اجرت کو ناپسند کیا انہوں نے فرمایا: حمام شیطان کا گھر ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے سب سے برا گھر قرار دیا ہے۔ کیونکہ اس میں شرمگاہیں کھلی ہوتی ہیں اور جسم کے دھوون اور نجاستیں بہائی جاتی ہیں (2) علما میں سے کچھ وہ ہیں جو مردوں اور عورتوں کے حماموں میں فرق کرتے ہیں۔ ”زلیعی“۔

29831۔ (قوله: لِكَثْرَةِ أَسْبَابِ اغْتِسَالِهِنَّ) یعنی انہیں حیض نفاس اور جنابت کا عارضہ لاحق ہوتا ہے اور ٹھنڈے پانی کا استعمال بعض اوقات نقصان دیتا ہے۔ بعض اوقات وہ اس کے ساتھ اپنے پورے جسم کا احاطہ نہیں کر پاتیں اور میل کچیل زائل نہیں کر پاتیں۔ ”زلیعی“۔

29832۔ (قوله: وَقِيلَ إِلَّا لِمَرِيضَةٍ أَوْ نَفْسَاءٍ) سنن میں حضرت ”عبداللہ بن مسعود“ رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب مند

1۔ مسند امام احمد، مرویات ابن مسعود رضی اللہ عنہ، صفحہ 286، حدیث نمبر 3600

2۔ المبسوط السرخسی، کتاب الاجارات، باب اجارة الحمامات، جلد 15، صفحہ 176

قُلْتُ وَفِي زَمَانِنَا لَا شَكَّ فِي الْكَرَاهَةِ لِتَحَقُّقِ كَشْفِ الْعَوْرَةِ وَقَدْ مَرَّرَ فِي الثَّقَفَةِ (وَالْحَجَّامِ): لِأَنَّهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ احْتَجَمَ وَأَعْطَى الْحَجَّامَ أَجْرَتَهُ وَحَدِيثُ الثَّغْنِيِّ عَنْ كَسْبِهِ مَنْسُوخٌ

میں کہتا ہوں: ہمارے زمانہ میں اس کے مکروہ ہونے میں کوئی شک نہیں۔ کیونکہ بے پردگی ثابت ہے۔ کتاب النفقة میں یہ گزر چکا ہے: کچھنے لگانے والے کو اجرت پر لینا جائز ہے۔ کیونکہ حضور ﷺ نے کچھنے لگوائے اور کچھنے لگانے والے کو اجرت دی اور اس کی کمائی کے بارے میں نہیں والی حدیث منسوخ ہے۔

روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: عنقریب عجم کی سرزمین تمہارے لیے مفتوح کر دی جائے گی تو تم وہاں ایسے مکانات پاؤ گے جنہیں حمامات کہا جاتا ہے پس مرد اس میں داخل نہ ہو مگر تہبند کے ساتھ داخل ہو، عورتوں کو حمامات میں جانے سے الگ کر دو مگر مریض عورت یا نفاس والی عورت وہاں جاسکتی ہے (1)۔ ”اتقانی“۔

29833۔ (قوله: قُلْتُ) اس قول کے قائل ”ابن ہمام“ ہے۔

میں کہتا ہوں: یہ عورتوں کے ساتھ خاص نہیں۔ کیونکہ ہمارے علاقوں میں عورت خفیہ اور عورت غلیظہ عام مردوں میں سے فاسق لوگوں سے متحقق ہے چاہیے کہ اس کی تفصیل ذکر کی جائے۔ اگر حمام میں داخل ہونے والا اپنی نظر نیچی رکھتا ہے اس طرح کہ وہ کسی کی شرمگاہ نہیں دیکھتا اور اپنی شرمگاہ کسی کے لیے نہیں کھولتا ہے تو مطلقاً کوئی کراہت نہیں ورنہ دونوں فریقوں کے حمام میں داخل ہونے میں کراہت ہے کیونکہ جو علت ذکر کی گئی ہے وہ موجود ہے۔ قندبر

کچھنے لگانے والے کی اجرت کا حکم

29834۔ (قوله: لِأَنَّهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ احْتَجَمَ الْخ) امام ”بخاری“ نے حضرت ”ابن عباس“ رضی اللہ عنہما سے ایک مسند روایت نقل کی ہے: حضور ﷺ نے کچھنے لگوائے اور صحابہ کو اجرت عطا فرمائی (2)۔ اگر اس کے مکروہ ہونے کو جانتے تو آپ اسے اجرت عطا نہ کرتے۔ ”سنن“ میں روایت ہے: اگر اسے خبیث جانتے تو اسے اجرت عطا نہ فرماتے۔ ”اتقانی“۔

29835۔ (قوله: حَدِيثُ الثَّغْنِيِّ) وہ وہ روایت ہے جسے صاحب سنن نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ”رافع بن

خدیج“ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

حجام (کچھنے لگانے والے) کی کمائی خبیث ہے، کتے کی کمائی ناپاک ہے اور بدکارہ کا مہر ناپاک ہے (3)۔ ”اتقانی“۔

29836۔ (قوله: مَنْسُوخٌ) یہ اس روایت کے ساتھ منسوخ ہے کہ ایک آدمی نے حضور ﷺ سے عرض کیا: میرے

عیال اور ایک غلام حجام ہے کیا میں اس غلام حجام کی کمائی سے اپنے عیال کو کھلا سکتا ہوں؟ فرمایا: ہاں (4)۔ ”زیلعی“۔

1۔ سنن ابی داؤد، کتاب الحمام، جلد 3، صفحہ 158، حدیث نمبر 3496

2۔ صحیح بنی ریح، کتاب ”الإجارة“، باب خراج الحمام، جلد 1، صفحہ 956، حدیث نمبر 2118

3۔ سنن ابی داؤد، ابواب ”الإجارة“، باب فی کسب الحمام، جلد 2، صفحہ 77-76، حدیث نمبر 2967

4۔ المسبوط لاسر فسی، کتاب ”الإجارة“، جلد 15، صفحہ 94

(وَالظُّئُرُ بِكُسْرِ فَهْمُ الرُّضْعَةِ) بِأَجْرِ مُعَيَّنٍ لِتَعَامُلِ النَّاسِ، بِخِلَافِ بَقِيَّةِ الْحَيَوَانَاتِ لِعَدَمِ التَّعَارُفِ

ظئر کا لفظ ظا کے کسرہ اور اس کے بعد ہمزہ کے ساتھ ہے یعنی دائی اسے معین اجرت پر لینا جائز ہے کیونکہ لوگوں کا اس بارے میں تعامل ہے۔ باقی حیوانات کا معاملہ مختلف ہے کیونکہ تعارف نہیں۔

”اتقانی“ نے خبث والی حدیث کو مروت کے طریقہ سے طبعاً کراہت پر محمول کیا ہے۔ کیونکہ اس میں خست اور کمینگی موجود ہے۔ کہا: ہم یہ نہیں کہیں گے کہ اس کے راوی حضرت ”رافع“ ضبط، اتقان اور فقہ میں حضرت ”ابن عباس“ رضی اللہ عنہما جیسے نہیں۔ پس حضرت ”ابن عباس“ رضی اللہ عنہما کی حدیث پر عمل کیا جائے گا ان کی حدیث پر عمل نہیں کیا جائے گا۔ ”جوہرہ“ میں ہے: اگر حجام حجامت پر کسی شے کی شرط لگائے تو یہ مکروہ ہوگا۔

دائی کو اجرت پر لینے کا حکم

29837۔ (قوله: وَالظُّئُرُ) یہ جر کے ساتھ ہے اس کا عطف حمام پر ہے۔

29838۔ (قوله: بِكُسْرِ فَهْمُ الرُّضْعَةِ) یعنی ظئر کا ظا مکسور اور اسکے بعد ہمزہ ساکن ہے اس میں تخفیف بھی جائز ہے۔ ”حموی“۔

29839۔ (قوله: الرُّضْعَةُ) یہ مبتدا محذوف کی خبر ہے۔ ”قاموس“ میں ہے: ظئرا سے کہتے ہیں جو کسی اور کے بچے

پر شفیع ہو وہ لوگوں میں اور ان کے علاوہ اس کو دودھ پلانے والی ہو۔ یہ لفظ مذکر اور مونث کے لیے بولا جاتا ہے۔ اس کی جمع اظور، آظار، ظور، ظورہ، ظوار اور ظورہ آتی ہے۔

29840۔ (قوله: لِتَعَامُلِ النَّاسِ) یہ جواز کی علت ہے یہ استحسان ہے۔ کیونکہ یہ عقد عین کے ہلاک کرنے پر واقع

ہوتا ہے جو دودھ ہے اس میں وقت کی تعیین شرط ہے اس پر اجماع ہے۔ ”حموی“ نے ”منصوریہ“ سے نقل کیا ہے۔ اس قول کا اطلاق اس امر کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ مسلمان عورت کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ اپنے آپ کو کافر کے بچے کو دودھ پلانے کے لیے اجرت پردے سکتی ہے۔ ”الغانیہ“ میں اس کی تصریح کی ہے: اگر وہ اپنے آپ کو کافر کی حکومت کے لیے پیش کرے تو یہ ناجائز ہے۔ ”الاشباہ“ میں کہا: ایک نصرانی نے ایک مسلمان کو خدمت کے لیے اجرت پر لیا تو یہ جائز نہیں ہوگا۔ خدمت کے علاوہ کے لیے اجرت پر لیا تو یہ جائز ہوگا۔ ”ابوسعود“۔

حیوانات کو دودھ پلانے کے لیے اجرت پر لینا فاسد ہے

29841۔ (قوله: بِخِلَافِ بَقِيَّةِ الْحَيَوَانَاتِ) یعنی اس کے علاوہ حیوانات کو دودھ پلانے کے لیے اجرت پر لینا یہ

اس کے خلاف ہے۔ ”تاتر خانہ“ میں ہے: ایک گائے اجرت پر لی تاکہ دودھ پیے یا انگور کی بیلین یا درخت اجرت پر لیا تاکہ اس کا پھل کھائے یا زمین اجرت پر لی تاکہ اپنے ریوڑ کو اس کے سبزہ میں چرائے یا بکری اجرت پر لی تاکہ اس کی اون کا تے تو یہ سب فاسد ہے۔ اس آدمی پر پھل، اون اور سبزہ کی قیمت لازم ہوگی۔ کیونکہ یہ سب آجر کی ملکیت ہے جب کہ اس نے ان کو عقد فاسد کے ساتھ حاصل کیا ہے۔ اگر وہ زمین کو اجرت پر لیتا ہے تاکہ اس کا گھاس کھلائے تو معاملہ مختلف ہوگا۔

(و) كَذَا (بِطَعَامِهَا وَكُسُوتِهَا) وَلَهَا الْوَسْطُ، وَهَذَا عِنْدَ الْإِمَامِ لِحَرَّانِ الْعَادَةِ بِالشُّوسَةِ عَلَى الظُّرِّ شَفَقَةً عَلَى الْوَلَدِ (وَلِلزَّوْجِ أَنْ يَطَّأَهَا) خِلَافًا لِمَالِكٍ (لَا فِي بَيْتِ الْمُسْتَأْجِرِ) : لِأَنَّهُ مِلْكُهُ فَلَا يَدْخُلُهُ (إِلَّا بِإِذْنِهِ. وَ) الزَّوْجُ (لَهُ فِي نِكَاحٍ ظَاهِرٍ أَمَّا مَعْلُومٍ بِغَيْرِ الْإِقْرَارِ (فَسُخْطُهَا مُطْلَقًا) شَأْنُهُ إِجَارَتُهَا أَوْ لَا فِي الْأَصَحِّ (وَلَوْ غَيْرَ ظَاهِرٍ بِأَنْ عِلْمَ بِإِقْرَارِ هُمَا (لَا) يَفْسُخُهَا : لِأَنَّ قَوْلَهُمَا لَا يَقْبَلُ فِي حَقِّ الْمُسْتَأْجِرِ

اس طرح دایہ کے طعام اور لباس کے بدلے میں اجارہ جائز ہے اور دایہ کے لیے درمیانہ کھانا اور لباس ہوگا۔ یہ ”امام صاحب“ رحمہ اللہ کے نزدیک ہے۔ کیونکہ یہ عادت جاری ہے۔ بچے پر شفقت کی غرض سے دایہ پر وسعت کو پیش نظر رکھا جاتا ہے۔ اور دایہ کے خاوند کو اس کے ساتھ وطی کرنے کا حق ہے۔ امام ”مالک“ نے اس کی مخالفت کی ہے مگر مستاجر کے گھر میں وہ وطی نہ کرے۔ کیونکہ یہ گھر مستاجر کی ملکیت ہے۔ وہ مستاجر کے گھر میں اس کی اجازت کے بغیر داخل نہ ہو۔ اور خاوند کو ظاہر نکاح، یعنی اقرار کے بغیر معلوم ہو، میں اس اجارہ کو مطلقاً فسخ کرنے کا حق حاصل ہے اس کی بیوی کا اجارہ اس کے لیے عیب کا باعث ہو یا عیب کا باعث نہ ہو۔ یہ اصح قول کے مطابق ہے۔ اگر نکاح ظاہر نہ ہو اس کی صورت یہ ہے کہ نکاح دونوں کے اقرار سے معلوم ہو تو وہ اس اجارہ کو فسخ نہیں کرے گا۔ کیونکہ ان کا قول مستاجر کے حق میں قبول نہیں۔ اور مستاجر کو حق حاصل ہے

29842۔ (قوله: وَ كَذَا بِطَعَامِهَا وَ كُسُوتِهَا) اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ یہ ایک مستقل مسئلہ ہے اور یہ دونوں چیزیں دایہ کے ذمہ ہوں گی اگر عقد میں دونوں نے مستاجر کے ذمہ بطور شرط ذکر نہ کیں۔

29843۔ (قوله: لِحَرَّانِ الْعَادَةِ الْخ) یہ ”صاحبین“ رحمہ اللہ کے قول کا جواب ہے۔ کیونکہ اجرت مجہول ہے اس کی دلیل یہ ہے: بچے پر شفقت کی وجہ سے دایہ پر یہ وسعت کی جاتی ہے یہ عام معمول ہے تو یہ جہالت نزاع تک لے جانے والی نہیں جہالت بالذات مانع نہیں بلکہ اس لیے مانع ہے کیونکہ وہ نزاع تک لے جانے والی ہے۔

29844۔ (قوله: وَلِلزَّوْجِ أَنْ يَطَّأَهَا) اگر خاوند اجارہ پر راضی ہو تو مستاجر کو یہ حق حاصل نہیں کہ اسے وطی سے روکے اس خوف کی بنا پر کہ اسے حمل نہ ہو جائے۔ کیونکہ حمل کا ٹھہر جانا یہ موبہوم ضرر ہے اور وطی سے منع کرنا یہ متحقق ضرر ہے۔ دایہ کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ خاوند کو اپنے آپ سے روکے۔ ”اتقانی“۔

29845۔ (قوله: شَأْنُهُ إِجَارَتُهَا أَوْ لَا) خواہ یہ اجارہ خاوند کے لیے عیب کا باعث ہو یا عیب کا باعث نہ ہو اس کی صورت یہ ہے کہ وہ لوگوں کے درمیان ذی شان ہے یا ایسا نہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ عورت کو باہر نکلنے سے روک سکتا ہے اور بچے کو اس کے پاس آنے سے روک سکتا ہے۔ اس کی وجہ یہ بھی ہے کہ دودھ پلانا اور رات کو جاگنا یہ عورت کو مزور کر دیتا ہے اور اس کے ہمال کو ختم کر دیتا ہے۔ پس مرد کو اس سے روکنے کا حق ہوگا جس طرح وہ نکلی روزے سے اسے روک سکتا ہے۔ ”زیلعی“۔

(وَلِلنِّسْتَا جِرِ فَسْخُهَا بِحَبْلِهَا وَمَرْضَاهَا وَفُجُورَهَا) فُجُورًا بَيْنَنَا وَنَحْوِ ذَلِكَ مِنَ الْأَعْذَارِ لَا بِكُفْرِهَا؛ لِأَنَّهُ لَا يَضُرُّ بِالصَّبِيِّ، وَلَوْ مَاتَ الصَّبِيُّ أَوْ الظُّرُّ انْتَقَضَتْ الْإِجَارَةُ وَلَوْ مَاتَ أَبُوهُ لَا،

کہ وہ دایہ کے حاملہ ہونے، اس کے مریض ہونے اور اس کے فجور سے جو کہ فجور بین ہو اور اس کے علاوہ جو دوسرے عذر ہیں کی وجہ سے اجارہ کو فسخ کر دے۔ اس کے کفر کے سبب اجارہ کو فسخ نہیں کر سکتا۔ کیونکہ یہ امر بچے کو نقصان نہیں دے سکتا اگر بچہ مر جائے یا دایہ مر جائے اجارہ ختم ہو جائے گا۔ اگر اس کا باپ مر جائے تو اجارہ ختم نہیں ہوگا۔

مستاجر کے لیے دایہ کے اجارہ کو فسخ کرنے کی صورتیں

29846۔ (قوله: وَلِلنِّسْتَا جِرِ فَسْخُهَا الْخ) کیونکہ حاملہ اور مریضہ کا دودھ چھوٹے بچے کو نقصان دیتا ہے اور دودھ پلانا عورت کو بھی نقصان دیتا ہے پس اس عورت کو اور انہیں اجارہ فسخ کرنے کا اختیار ہوگا۔ اور دایہ کو بھی فسخ کرنے کا اختیار ہوگا اس کی وجہ سے بچے کے اہل اذیت میں مبتلا ہوتے ہیں۔ اس طرح اگر اس کی غیر کے بچے کو دودھ پلانے کی عادت نہ ہو۔ اسی طرح اگر وہ سب اسے (عورت کو) اس عمل کی وجہ سے عار دلائیں۔ کیونکہ اس وجہ سے اس عورت کو ضرر لاحق ہوتا ہے جیسا کہ کہا گیا ہے: شریف عورت بھوکی رہتی ہے اور اپنے پستان سے نہیں کھاتی۔ ”زیلعی“۔ یہ حکم اس وقت ہے جب غذا کے وقت اس کا علاج ممکن ہو یا عورت کے دودھ سے علاج ممکن ہو۔ ورنہ عورت کو اجارہ فسخ کرنے کا اختیار نہیں ہوگا۔ اسی پر فتویٰ ہے جس طرح ”تاتر خانیہ“ میں اسے تفصیل سے بیان کیا ہے۔

29847۔ (قوله: وَفُجُورَهَا) مراد اسکی بدکاری ہے کیونکہ اس عمل کی وجہ سے وہ بچے کی حفاظت سے غافل ہو جاتی ہے۔

29848۔ (قوله: وَنَحْوِ ذَلِكَ) جس طرح بچے کے والدین سفر کا ارادہ کریں اور وہ دایہ ان کے ساتھ جانے کا انکار کر

دے، وہ بد زبان ہو، چور ہو یا اس کا دودھ قے کا باعث ہو یا وہ اس کا پستان نہ پکڑتا ہو۔ اس طرح ہر وہ چیز جو بچے کے لیے لا محالہ ضرر کا باعث ہو جس طرح اس کے گھر سے کثیر زمانہ کے لیے گھر سے نکل جائے اور جو امر اس کے مشابہ ہیں۔ پس ان سب کو یہ حق حاصل ہوگا کہ وہ اسے اس امر سے روکیں نہ کہ وہ جو نقصان دہ نہ ہو مگر وہ امور جن میں ضرر کا وہم ہو تو اس امر سے بچے کے والدین کو حق نہیں ہوگا کہ وہ دایہ کو روکیں۔ اس دایہ پر یہ لازم نہیں کہ وہ اسے باپ کے گھر میں دودھ پلائیں جب تک لوگوں کے درمیان عرف نہ ہو یا وہ اس عورت پر اس امر کی شرط لگائیں۔ ”تاتر خانیہ“ وغیرہ۔

29849۔ (قوله: لَا بِكُفْرِهَا) کیونکہ اس کا کفر اس کے اعتقاد سے متعلق ہے۔ ”زیلعی“۔

”طحاوی“ نے کہا: ”خانیہ“ میں اس کی مخالفت کی ہے جب دایہ کافرہ، مجنونہ، زانیہ یا احمق ظاہر ہو پس بچے کے والدین کو اجارہ فسخ کرنے کا اختیار ہوگا۔

29850۔ (قوله: وَلَوْ مَاتَ أَبُوهُ لَا) یعنی اجارہ نہیں ٹوٹے گا کیونکہ اجارہ بچے کے لیے واقع ہوا ہے باپ کے لیے

واقع نہیں ہوا۔ خواہ اس کا مال ہو یا مال نہ ہو۔ اسی وجہ سے اگر بچے کا مال ہو تو اجرت بچے کے مال سے لازم ہوگی۔ کیونکہ یہ

وَعَلَيْهَا غَسْلُ الصَّبِيِّ وَثِيَابِهِ وَإِضْلَاحُ طَعَامِهِ وَدَهْنُهُ بِفَتْحِ الدَّالِ أَيْ طَلْيُهُ بِالدُّهْنِ لِتُعْرَفَ وَهُوَ مُعْتَبَرٌ
فِيمَا لَا نَصَّ فِيهِ، وَلَا يَنْزِمُهَا شَيْءٌ مِنْ ذَلِكَ، وَمَا ذَكَرَهُ مُحَمَّدٌ مِنْ أَنَّ الدُّهْنَ وَالزَّيْتَانَ عَلَيْهَا
فَعَادَةُ أَهْلِ الْكُوفَةِ (وَهُوَ أَيْ ثَمَنُهُ وَأُجْرَةُ عَلَيْهَا) عَلَى أَبِيهِ (عَلَى أَبِيهِ) إِنْ لَمْ يَكُنْ لِلصَّغِيرِ مَالٌ وَلَا فَنَى مَالِهِ؛ لِأَنَّهُ
كَالْنَّفَقَةِ

اور دایہ پر لازم ہے کہ وہ بچے کے غسل، اس کے کپڑوں، اس کے کھانے کی اصلاح اور اسے تیل لگانے کا اہتمام کرے۔ یہ
عرف کی وجہ سے ہے۔ اور عرف ان چیزوں میں معتبر ہے جس میں نص نہ ہو۔ ان میں سے کسی شے کی قیمت اس پر لازم نہ ہو
گی۔ امام محمدؒ نے جو ذکر کیا ہے کہ تیل اور زیتان دایہ کے ذمہ ہے تو یہ اہل کوفہ کی عادت ہے۔ اس کی ثمن اور دایہ کے
عمل کی اجرت بچے کے باپ کے ذمہ ہوگی اگر چھوٹے بچے کا اپنا مال نہ ہو، اگر اس کا مال ہو تو یہ اس کے مال میں سے ہوگی۔
کیونکہ یہ نفقہ کی طرح ہے۔

نفقہ کی طرح ہے۔ ”زیعی“۔

وہ امور جو دایہ کے ذمے لازم ہیں

29851۔ (قوله: وَثِيَابِهِ) یہ مجرور ہے اس کا عطف الصبی پر ہے اور کپڑے دھونے میں مطلقاً لازم ہے۔
”الکفایہ“ میں ہے: صحیح یہ ہے کہ بچے کے کپڑوں کو بول وغیرہ سے دھونا یہ دایہ کے ذمہ ہے اور میل، کچیل سے کپڑوں کو
دھونا یہ دایہ کے ذمہ لازم نہیں ہے، ”حموی“۔ اس کی مثل ”شرح الجمع“ میں ہے۔

29852۔ (قوله: وَإِضْلَاحُ طَعَامِهِ) اس سے یہ ارادہ کیا ہے کہ وہ بچے کے لیے کھانا تیار کرے اور وہ ایسی شے نہ
کھائے جو اس کے دودھ کو فاسد کر دے اور بچے کو نقصان دے۔ ”تاتر خانیہ“ نے ”مضمرات“ سے نقل کیا ہے۔
عرف ان چیزوں میں معتبر ہے جس میں نص نہ ہو

29853۔ (قوله: فَعَادَةُ أَهْلِ الْكُوفَةِ) علما نے عقود کے تابع ایسی چیزیں ذکر کی ہیں جن کا ان کے عقود میں کوئی ذکر
نہیں۔ یہ سب شہر کے عرف و عادت پر محمول ہوگا جس طرح خیاط پر سلک لازم ہے اور وہ آنا جس کے ساتھ جو لہا کپڑے و دروست،
کرتا ہے وہ کپڑے کے مالک کے ذمہ ہوگا۔ گندم کو گھر میں داخل کرنا یہ مکاری کے ذمہ ہوگا بالا خانے اور چیت پر سے، جرنے کا
معامہ مختلف ہے اور پالا ان جانور کے مالک کے ذمہ ہوگا۔ رسیاں اور بوریاں اسی پر لازم ہوگی جو لوگوں کا عرف ہوگا۔ ”بدائع النہج“

29854۔ (قوله: عَلَى أَبِيهِ) ”تاتر خانیہ“ میں ہے: ”ظہیریہ“ میں ہے: اگر اس بچے کا مال نہ ہو جب باپ اسے
اجرت پر لے پھر بچے کو مال مل جائے کہا: میرے والد نے اس دایہ کے بارے میں پوچھا تو کہا: ایک قول یہ یہ کیا ہے: جو
عرصہ نزر چکا ہے اس کی اجرت باپ کے ذمہ ہوگی اور جو عرصہ باقی ہے اس کی اجرت چھوٹے بچے کے مال میں سے ہوگی۔
اس میں یہ ہے کہ یتیم کو دودھ پلانے کی اجرت اس پر ہوگی جس پر اس کا نفقہ واجب ہوگا اگر اس کا کوئی وارث نہ ہو تو پھر بیت

(فَإِنْ أَرْضَعْتَهُ بِلَبَنٍ شَاةٍ أَوْ غَذَّتْهُ بِطَعَامٍ وَمَضَتْ الْمُدَّةُ لَا أَجْرَ لَهَا؛ لِأَنَّ الصَّحِيحَ أَنَّ الْمَعْقُودَ عَلَيْهِ هُوَ الْإِرْضَاعُ وَالتَّغْذِيَةُ لَا اللَّبَنُ وَالتَّغْذِيَةُ عِنَايَةٌ بِخِلَافِ مَا لَوْ دَفَعْتَهُ إِلَى خَادِمَتِهَا حَتَّى أَرْضَعْتَهُ) أَوْ اسْتَأْجَرْتَ مَنْ أَرْضَعْتَهُ حَيْثُ تَسْتَحِقُّ الْأَجْرَةَ

اگر دایہ بچے کو بکری کا دودھ پلائے یا کھانے کی غذا دے اور مدت گزر جائے تو اس کے لیے کوئی اجر نہیں ہوگا۔ کیونکہ صحیح یہ ہے کہ جس امر پر عقد کیا گیا ہے وہ عورت کا دودھ پلانا اور تربیت کرنا ہے صرف دودھ اور خوراک دینا نہیں، ”عنايہ“۔ اگر وہ دایہ بچہ اپنی خادمہ کے حوالے کر دے یہاں تک وہ خادمہ اسے دودھ پلائے یا وہ دایہ کسی ایسی عورت کو اجرت پر رکھے جو اس بچے کو دودھ پلائے تو وہ اجرت کی مستحق ہو جائے گی

امال میں سے اس کا خرچہ ہوگا۔

اگر دایہ بچے کو بکری کا دودھ پلائے یا کھانے کی غذا دے اور مدت گزر جائے تو اس کے لیے کوئی اجر نہیں 29855۔ (قوله: فَإِنْ أَرْضَعْتَهُ بِلَبَنٍ شَاةٍ) اس کی صورت یہ ہے کہ وہ عورت خود اقرار کرے یا گواہ اس بارے میں گواہی دیں۔ اگر وہ اس امر کا انکار کر دے تو قول قسم کے ساتھ اس کا معتبر ہوگا۔ یہ بطور استحسان ہے۔ اگر بچے کے ورثا اس امر پر گواہی دیں کہ اس نے بچے کو اپنا دودھ نہیں پلایا تو اس کا قول قبول نہیں کیا جائے گا۔ کیونکہ یہ مقصود کے اعتبار سے شہادت نفی پر واقع ہے۔ پہلی صورت کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ وہ اثبات کے ضمن میں داخل ہے اگر وہ دونوں گواہیاں قائم کر دیں تو دایہ کے گواہ تسلیم کیے جائیں گے جس طرح ”ذخیرہ“ میں ہے۔ ”شرنبلا لیه“۔

29856۔ (قوله: لِأَنَّ الصَّحِيحَ الْخ) وہ عمل جو اس پر واجب تھا اس نے وہ عمل نہیں کیا۔ وہ اپنا دودھ پلانا ہے جب کہ اجارہ ہے یہ ارضاع نہیں ہے۔

”الحیظ“ میں ہے: ایک آدمی نے بکری اجرت پر لی تا کہ مینہ یا بچے کو دودھ پلائے تو یہ جائز نہیں۔ کیونکہ جانوروں کے دودھ کی قیمت ہوتی ہے۔ پس اجارہ اس پر واقع ہوا جو مجہول ہے پس یہ جائز نہیں۔ عورت کے دودھ کی قیمت نہیں پس اس پر اجارہ واقع نہیں ہوگا اس میں اجارہ فعل ارضاع، تربیت اور حضائے پر واقع ہوگا۔ ”زیلعی“۔

ارضاع اور اطعام میں فرق

29857۔ (قوله: هُوَ الْإِرْضَاعُ) ارضاع انسان کے دودھ سے واقع ہوتا ہے اور جو اس کے علاوہ ہے وہ اطعام ہوتا ہے۔ ”اتقانی“۔

29858۔ (قوله: لَا اللَّبَنُ) یعنی مطلقاً۔

29859۔ (قوله: حَيْثُ تَسْتَحِقُّ الْأَجْرَةَ) یعنی وہ بطور استحسان اجرت کی مستحق ہوگی۔ کیونکہ انسان بعض اوقات خود کام کرتا ہے اور بعض اوقات کسی اور کے ذریعے کام کرتا ہے اور کیونکہ جب پہلی کے امر سے عمل کیا گیا تو وہ یوں ہو گیا گویا وہ

إِلَّا إِذَا شَرَطَ إِرْضَاعَهَا عَلَى الْأَصَحِّ شُرْطًا لَيْتَةً عَنِ الذَّخِيرَةِ وَلَوْ آجَرَتْ نَفْسَهَا لِذَلِكَ لِقَوْمٍ آخَرِينَ وَلَمْ يَعْلَمْ الْأَوَّلُونَ فَأَرْضَعَتْهُمَا وَفَرَعَتْ أَثَبْتُ، وَلَهَا الْأَجْرُ كَامِلًا عَلَى الْفَرِيقَيْنِ لِشَبَهَةِهَا بِالْأَجِيرِ الْخَاصِّ وَالْمُشْتَرَكِ، وَتَسَامُهُ فِي الْعِنَايَةِ

مگر جب وہ اس دایہ کے دودھ پلانے کی شرط لگائے۔ یہ اصح قول کے مطابق ہے۔ ”شرط لایہ“ نے ”ذخیرہ“ سے نقل کیا ہے: اگر وہ دایہ خود کو کسی اور قوم کو اجرت پر دے دے اور پہلوں کو اس کا علم نہ ہو اور وہ عورت دونوں بچوں کو دودھ پلائے اور فرغ ہو جائے تو گناہگار ہوگی۔ اور اس کے لیے دونوں فریقوں پر کامل اجر ہوگا۔ کیونکہ وہ اجیر خاص اور مشترک کے مشابہ ہے۔ اس کی مکمل وضاحت ”العنایہ“ میں ہے۔

خود عمل کر رہی ہے۔ ”بدائع“۔

29860۔ (قوله: عَنِ الذَّخِيرَةِ) اس کی نص یہ ہے: مشائخ نے اس میں اختلاف کیا ہے صحیح یہ ہے کہ وہ عورت مستحق

نہیں۔ اس کی مثل ”تاتر خانیہ“ میں ہے۔

29861۔ (قوله: لِذَلِكَ) اسم اشارہ کا مشار الیہ ارضاع ہے۔

29862۔ (قوله: وَلَمْ يَعْلَمْ الْأَوَّلُونَ) یہاں تک کہ وہ اس اجارہ کو فسخ کر دیں۔ ”تاتر خانیہ“۔

اس سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ انہیں دوسرے اجارہ کو فسخ کرنے کا حق حاصل ہے۔

29863۔ (قوله: أَثَبْتُ) وہ گناہگار ہوگی کیونکہ یہ لازم تھا کہ وہ رضاع کا عمل مکمل کرتی جب اس نے دو بچوں کو دودھ

پلایا تو دونوں میں سے ایک کو نقصان پہنچایا کیونکہ دودھ کم ہو گیا تھا۔

29864۔ (قوله: وَلَهَا الْأَجْرُ كَامِلًا عَلَى الْفَرِيقَيْنِ) اور عورت کے لیے وہ اجرت حلال، پاکیزہ ہوگی۔ اور اگر اس

عورت نے مشروط مدت میں ان کے بچے کو دودھ پلایا تو پہلی اجرت میں کوئی کمی نہ کی جائے گی۔ اور جس قدر اس نے مخالفت کی اسی حساب سے اجرت میں کمی کر دی جائے گی۔ ”تاتر خانیہ“۔

29865۔ (قوله: لِشَبَهَةِهَا بِالْأَجِيرِ الْخَاصِّ وَالْمُشْتَرَكِ) یہ ایک اشکال کا جواب ہے۔ وہ یہ ہے کہ ایک آدمی کا جو

مزدور ہوا ہے یہ حق حاصل نہیں کہ وہ کسی اور کے ساتھ اپنے بارے میں عقد اجارہ کرے۔ اگر وہ عقد اجارہ کرے تو پہلے مدت اجرت پر پوری اجرت لازم نہ ہوگی اور وہ مزدور گنہگار ہوگا۔

”الذخیرہ“ میں کہا: یہ امر اشکال کا باعث نہیں جب چھوٹے بچے کے باپ نے کہا: میں نے تجھے اجرت پر لیا ہے تاکہ تو اس سال اتنے کے عوض میرے بچے کو دودھ پلائے۔ کیونکہ اس صورت میں وہ اجیر مشترک ہے۔ کیونکہ پہلے اس نے عمل پر عقد کیا۔ بے شک یہ اشکال پیدا کرے گا جب وہ کہے: میں نے تجھے سال بھر کے لیے اجرت پر لیا تاکہ تو دودھ پلائے کیونکہ اس نے پہلا عقد مدت پر کیا ہے اس کی وضاحت آگے آئے گی۔ یہ وجہ کہ رضاعت میں ایک اجیر مشترک کے مشابہ ہے اس

(لَا تَصِحُّ الإِجَارَةُ لِعَسْبِ التَّيْسِ) وَهُوَ نَزْوُهُ عَلَى الْإِنَاثِ (و) لَا لِأَجْلِ الْمَعَاصِي مِثْلُ الْغِنَاءِ وَالنَّوْحِ وَالْمَلَاهِي) وَلَوْ أُخِذَ بِلَا شَرْطِ يُبَاحُ (و) لَا لِأَجْلِ الطَّاعَاتِ

نر کو مادہ پر چھوڑنے کے لیے نر کو اجارہ پر لینا صحیح نہیں اور نہ معاصی کے لیے کسی کو اجارہ پر لینا صحیح ہے جیسے گانا گانا، نوحہ کرنا اور لہو لعب کرنا۔ اگر کسی شرط کے بغیر لیا تو یہ مباح ہوگا۔ اور نہ ہی طاعات کے لیے اجارہ پر لینا صحیح ہے

حیثیت سے ہے کہ اس کے لیے ممکن ہے کہ ہر ایک کے لیے عمل کو مکمل کرنا ممکن ہے جیسے خیاط ہے وہ ایک کا اجیر ہو تو وہ گناہگار ہوگا کیونکہ وہ ایک آدمی کے اجیر کے مشابہ ہے اور اس کے لیے کامل اجرت ہوگی کیونکہ یہ اجیر مشترک کے مشابہ ہے۔ ”ملخص“
29866۔ (قوله: لَا تَصِحُّ الإِجَارَةُ لِعَسْبِ التَّيْسِ) کیونکہ یہ ایک ایسا عمل ہے جس پر قدرت حاصل نہیں ہوتی جو حمل کا ٹھہرانا ہے۔

معاصی میں اجرت پر لینے کا مطلب

29867۔ (قوله: مِثْلُ الْغِنَاءِ) غناء کا لفظ مد اور کسرہ کے ساتھ ہے اس سے مراد آواز ہے مگر جب یہ مدودہ نہ ہو بلکہ الف مقصورہ کے ساتھ ہو تو مراد خوشحالی ہے۔ ”صحاح“۔

29868۔ (قوله: وَالنَّوْحِ) اس سے مراد میت پر رونا ہے اور اس کے محاسن کو شمار کرنا ہے۔

29869۔ (قوله: وَالْمَلَاهِي) جیسے مزامیر اور طبل ہے۔ جب طبل بجانا لہو و لعب کے علاوہ کے لیے ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں جس طرح غازیوں کا طبل بجانا اور شادی کے موقع پر طبل بجانا۔ کیونکہ ”الاجناس“ میں ہے: اس میں کوئی حرج نہیں کہ شادی کی رات دف ہو جسے بجایا جائے تاکہ اس کے ساتھ نکاح کیا جائے۔ ”الولوالجیہ“ میں ہے: اگر طبل جنگ یا قافلہ کے لیے ہو تو یہ بالاتفاق جائز ہے۔ ”اتقانی“، ”ملخص“

29870۔ (قوله: يُبَاحُ) ”المحیط“ میں اسی طرح ہے۔

”المشتقی“ میں ہے: نوحہ کرنے والی عورت، طبل بجانے والی عورت یا مزامروالی نے مال کمایا تو وہ اس مال کو اس کے مالکوں کی طرف لوٹا دے گی اگر مالکوں کا علم ہو ورنہ وہ اس مال کو صدقہ کر دے گی اگر شرط کے علاوہ ہو تو وہ مال اس کا ہوگا۔ امام ”استاذ“ نے کہا: یہ مال اس کے لیے حلال و پاکیزہ نہیں اور معروف مشروط کی طرح ہوتا ہے۔

میں کہتا ہوں: ہمارے زمانہ میں اس کے بدلے میں اجر لینا متعین ہو چکا ہے کیونکہ سب لوگ جانتے ہیں کہ یہ لوگ اجرت کے بغیر بالکل نہیں جاتے۔ ”ط“۔

طاعات میں اجارہ پر لینے کا مطلب

29871۔ (قوله: وَلَا لِأَجْلِ الطَّاعَاتِ) قاعدہ یہ ہے: ہر ایسی طاعت جو مسلمان کے ساتھ خاص ہے اس پر اس

مِثْلُ (الْأَذَانِ وَالْحَجِّ وَالْإِمَامَةِ وَتَعْلِيمِ الْقُرْآنِ وَالْفِقْهِ) وَيُفْتَى الْيَوْمَ بِصَحَّتِهَا لِتَعْلِيمِ الْقُرْآنِ وَالْفِقْهِ وَالْإِمَامَةِ وَالْأَذَانِ وَيُجْبَرُ الْمُسْتَأْجِرُ عَلَى دَفْعِ مَا قَبِلَ، فَيَجِبُ الْمُسْتَأْجِرُ بِعَقْدٍ وَأَجْرٍ الْبِشْلِ إِذَا لَمْ تُذَكَّرْ مُدَّةً شَرْحٌ وَهَبَانِيَّةٌ مِنَ الشَّرِكَةِ (وَيُجْبَسُ بِهِ) بِهِ يُفْتَى (وَيُجْبَرُ عَلَى) دَفْعِ (الْحَلَوَةِ الْمَرْسُومَةِ) هِيَ مَا يُهْدَى لِلْمُعَلِّمِ عَلَى رُءُوسِ بَعْضِ سُورِ الْقُرْآنِ، سُبَيْتٌ بِهَا: لِأَنَّ الْعَادَّةَ إِهْدَاءُ الْحَلَاوِي (وَلَوْ دَفْعَ غَزَلٍ لِأَخَرٍ لَيَنْسَجَهُ لَهُ بِنِصْفِهِ) أَيْ بِنِصْفِ الْغَزْلِ (أَوْ اسْتَأْجَرَ بَغْلًا لِيَحْمِلَ طَعَامَهُ بِبَعْضِهِ أَوْ ثَوْرًا لِيَطْحَنَ بُرَّةً بِبَعْضِ دَقِيقِهِ)

جیسے اذان، حج، امامت، قرآن اور فقہ کی تعلیم۔ آج کل قرآن، فقہ امامت اور اذان کی تعلیم کے اجرت پر لینا صحیح ہے۔ اور مستاجر نے جو قبول کیا تھا اس کے دینے پر اسے مجبور کیا جائے گا اور عقد کے ساتھ مسکمی واجب ہوگا اور اجرت مشی واجب ہوگی جب مدت مذکور نہ ہوگی ”شرح و ہبانیہ“۔ کتاب الشریکۃ۔ اور مستاجر کو اس کے بدلے میں مجبوس کیا جائے گا اسی پر فتویٰ دیا جاتا ہے اور جو رسم ہے وہ مٹھائی اسے دینے پر مجبور کیا جائے گا حلوہ مرسومہ وہ ہے جو معلم کو قرآن کی بعض سورتوں کے آغاز پر دیا جاتا ہے۔ اسے یہ نام دیا گیا ہے کیونکہ معمول یہ ہے کہ حلوہ دیا جائے۔ اور ایک آدمی نے دوسرے کو سوت دیا تاکہ اس کے نصف سوت کے بدلے میں اسے بن دے یا نچر اجرت پر لیا تاکہ اس کا کھانا اس کے بعض کے بدلے میں اٹھا کر دے جائے یا بیل اجرت پر لیا تاکہ اس کی گندم کو اس کے بعض آٹے کے بدلے میں پیس دے

اجارہ پر لینا جائز نہیں۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: اقروا القرآن ولا تأکلوا بہ (1) قرآن پڑھو اور اس کے بدلے میں نہ کھاؤ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو جو وصیت کی اس کے آخر میں ہے: اگر تجھے موذن رکھا جائے تو اذان پر اجرت نہ لینا (2)۔ اس کی وجہ یہ بھی ہے کہ جب قربت حاصل ہو تو وہ عامل پر واقع ہوتی ہے اسی وجہ سے اس کی اہلیت متعین ہو جاتی ہے۔ پس اس کے لیے غیر سے اجرت لینا جائز نہیں جس طرح روزے اور نماز میں ہے۔ ”ہدایہ“۔

تلاوت اور تہلیل وغیرہ میں اجارہ کے عدم جواز میں اہم تحریر

29872۔ (قوله: يُفْتَى الْيَوْمَ بِصَحَّتِهَا لِتَعْلِيمِ الْقُرْآنِ الْخ) ”ہدایہ“ میں کہا: آج کل قرآن کی تعلیم پر

اجرت پر لینا، علمائے اہل سنت مستحسن قرار دیا ہے۔ کیونکہ امور دینیہ میں سستی ظاہر ہو چکی ہے اور اجرت نہ دینے میں قرآن کے فضل میں ضیاع ہوتا ہے۔ اسی پر فتویٰ ہے۔ ”کنز“ کے متن، ”مواہب الرحمن“ کے متن اور کثیر کتب میں قرآن کی تعلیم کے استثن پر اکتفا کیا گیا ہے۔ ”مختصر الوقیہ“ اور ”اصلاح“ کے متن میں فقہ کی تعلیم کو زائد کیا ہے۔ ”المجمع“ کے متن میں امامت کو زائد کیا ہے۔ اسی کی مثل ”الملتقی“ اور ”درر البحار“ کا متن ہے۔ بعض علمائے اذان، اقامت اور وعظ کو زائد کیا ہے۔ مصنف نے ان میں سے اکثر کا

1۔ اکمل فی ضعیف الرجال ابن عدی راوی ضحاک بن نبراس، جلد 5، صفحہ 152، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت

2۔ سنن ترمذی، ابواب الاذان، باب ماجاء فی کراهیۃ ان یاخذ المودن علی الاذان اجرا، جلد 1، صفحہ 163، حدیث نمبر 193

ذکر کیا ہے۔ لیکن اکثر کتب میں اسی پر اکتفا ہے جو ”ہدایہ“ میں ہے۔ یہ اس کا مجموعہ ہے ہمارے مشائخ میں سے متاخرین نے فتویٰ دیا ہے وہ بلخ کے علماء ہیں جب کہ اس کے بعض میں اختلاف ہے جب کہ وہ اس امر کی مخالفت کرنے والے ہیں جس طرف امام اور ان کے ”صاحبین“ رحمہم اللہ لکھے ہیں جب کہ شروح اور فتاویٰ میں سب کی کلام اس پر متفق ہو چکی ہے کہ اس کی علت ضرورت ہے وہ قرآن حکیم کے ضیاع کا خوف ہے جس طرح ”ہدایہ“ میں ہے۔ میں نے تیرے لیے وہ کچھ نقل کر دیا ہے جو مذہب کے مشہور متون میں ہے جو فتویٰ کے لیے وضع کیے گئے ہیں پس جو کچھ شروح اور فتاویٰ میں ہے اس کے نقل کرنے کی ضرورت نہیں۔ جب سب اس تصریح پر متفق ہیں کہ اصل مذہب یہ ہے کہ یہ جائز نہیں۔ پھر اس کے بعد اس کی استثنا کی جس کو تو جان چکا ہے۔ یہ اس امر پر دلیل قطعی اور روشن برہان ہے کہ مفتی بہ قول یہ ہے کہ ہر طاعت پر اجرت پر لینا جائز نہیں بلکہ صرف اس عادت پر اجرت لینا جائز ہے جن کا صرف علماء نے ذکر کیا ہے۔ کیونکہ اس میں ضرورت ظاہر ہے جو اصل مذہب سے نکلنے کو مباح کر دیتا ہے جو اصل مذہب منع کے متعلق ہے۔ کیونکہ کتابوں کے مفاہیم حجت ہیں اگرچہ وہ مفہوم لقب ہو جیسا کہ ”اصولیین“ نے اس کی تصریح کی ہے بلکہ یہ مفہوم منطوق ہے کیونکہ استثناء عموم کے ادوات میں سے ہے جس طرح علماء نے اس کی بھی تصریح کی ہے۔

علماء نے اس پر بھی اتفاق کیا ہے کہ غیر کی جانب سے یہ نیابت کے طریقہ پر ہے استتجار کے طریقہ پر نہیں۔ اسی وجہ سے اگر نفقہ میں سے کوئی شے نائب کے پاس بچ جائے تو اس پر لازم ہے کہ اسے اصل یا اس کے وارثوں کی طرف لوٹا دے۔ اگر یہ اس کا اجر ہوتا تو اس کو واپس کرنا اس پر واجب نہ ہوتا۔ اس سے تیرے لیے یہ ظاہر ہو گیا ہوگا کہ ”جوہرہ“ میں جو قول ہے وہ صحیح نہیں قول یہ ہے: قرآن کی قراءت کے لیے مخصوص مدت کے لیے کسی کو اجرت پر لینے میں علماء نے اختلاف کیا ہے۔ بعض علماء نے کہا: یہ جائز نہیں۔ بعض علماء نے کہا: یہ جائز ہے یہی مختار ہے۔ صحیح یہ ہے کہ یوں قول کیا جاتا: علی تعلیم القرآن۔ کیونکہ جس طرح تو جان چکا ہے اختلاف اس میں ہے صرف قراءت میں نہیں ہے کیونکہ اس میں کوئی ضرورت نہیں۔ ”جوہرہ“ میں جو کلام کی ہے اگر وہ سبقت قلم ہے تو اس میں کوئی کلام نہیں۔ اگر وہ جان بوجھ کر ہے تو یہ ان سب علماء کی کلام کے مخالف ہے۔ پس اس کو قبول نہیں کیا سکتا۔

”صاحب تبیین المحارم“ نے ان کا رد کرنے میں طویل گفتگو کی ہے جب کہ نقول صریحہ کا انہوں نے سہارا لیا ہے۔ ان کی کلام میں سے یہ ہے ”تاج الشریعہ“ نے ”شرح ہدایہ“ میں فرمایا: اجرت کے ساتھ پڑھا جانے والا قرآن ثواب کا مستحق نہیں ہوتا نہ میت کے لیے اور نہ قاری کے لیے۔ ”عینی“ نے ”شرح الہدایہ“ میں فرمایا: قاری کو دنیا کے لیے (قراءت کرنے سے) منع کیا جائے گا لینے والا اور دینے والا دونوں گناہگار ہیں۔

حاصل کلام یہ ہے: ہمارے زمانے میں جو یہ عام ہے کہ اجزاء کی قراءت اجرت کے بدلے میں کی جاتی ہے یہ جائز نہیں۔ کیونکہ اس میں قراءت کا امر ہوتا ہے اور امر کو ثواب دیا جاتا ہے اور قراءت مال کے لیے ہوتی ہے۔ جب صحیح نیت نہ ہونے کی وجہ سے قاری کے لیے ثواب نہیں تو مستاجر کو کہاں سے ثواب ملے گا اگر اجرت نہ دی جائے تو اس زمانہ میں کوئی کسی

کے لیے قراءت نہ کرے بلکہ انہوں نے قرآن حکیم کو کمائی اور دنیا جمع کرنے کا وسیلہ بنا دیا ہے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُونَ ”جو ہرہ“ میں جو قول ہے اس سے صاحب ”البحر“ نے کتاب الوقف میں دھوکہ کھایا ہے اور شارح نے کتاب الوصایا میں ان کی پیروی کی ہے۔ کیونکہ ان کا قول اس امر کا شعور دلاتا ہے کہ تمام طاعات پر اجرت لینا جائز ہے ان طاعات میں سے قراءت بھی ہے۔

”شیخ خیر الدین رملی“ نے ”حاشیۃ البحر“ میں کتاب الوقف میں اس کا رد کیا ہے کیونکہ کہا: میں کہتا ہوں: مفتی بہ قول یہ ہے قرآن کی تعلیم پر اجرت لینا یہ بطور استحسان جائز ہے محض قراءت پر اجرت لینا جائز نہیں۔ جس طرح ”تاتر خانہ“ میں اس کی تصریح کی ہے۔ کیونکہ کہا: اس وصیت کا کوئی معنی نہیں اور قاری کو اس کی قراءت کے بدلے میں صلہ و انعام دینے کا کوئی معنی نہیں۔ کیونکہ یہ صلہ اجرت کے قائم مقام ہے اور اس میں اجارہ باطل ہے۔ یہ عمل بدعت ہے اور خلفاء میں سے کسی نے یہ عمل نہیں کیا ہم نے قرآن کی تعلیم کا مسئلہ استحسان کی بنیاد پر ذکر کیا ہے۔ یعنی یہ ضرورت کی بنا پر ہے اور قبر پر قرآن حکیم کی قراءت پر اجرت پر رکھنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ ”زیلعی“ اور کثیر کتب میں ہے: اگر ان کے لیے اجرت کے بدلے میں تعلیم کا دروازہ نہ کھولا جاتا تو قرآن (ہاتھوں سے) نکل جاتا پس علماء نے اس کے جواز کا فتویٰ دیا اور اسے حسن قرار دیا ہے۔ پس اس پر متنبہ ہو جائیے۔ ”کلام الرملی“۔

”تاتر خانہ“ میں جو قول ہے یہ اس کا رد ہے جس نے یہ کہا: اگر ایک آدمی نے قاری کو وصیت کی کہ وہ اس کی قبر پر اتنی اجرت کے عوض قرآن پڑھے تو چاہیے کہ یہ صلہ کے طور پر جائز ہو اجرت کے طور پر جائز نہ ہو۔ جن علماء نے اس وصیت کے بطلان کا قول کیا ہے وہ صاحب ”الولوالہجیہ“، ”محیط“ اور ”بزازیہ“ ہیں۔ اس میں صاحب ”البحر“ پر رد ہے۔ کیونکہ انہوں نے بطلان کی یہ علت بیان کی ہے کہ یہ اس قول پر مبنی ہے کہ قبر پر قرآن پڑھنا مکروہ ہے جب کہ معاملہ اس طرح نہیں۔ بلکہ یہ اس وجہ سے ہے کہ قراءت پر اجرت لینے کا شبہ ہے جس طرح تو جان چکا ہے ”الاختیار“ وغیرہ میں اس کی تصریح کی ہے۔ اسی وجہ سے ”الولوالہجیہ“ میں کہا: جس کی نص یہ ہے: اگر ایک آدمی نے اپنے حرم یا قریبی کی قبر کی زیارت کی اور اس کے پاس قرآن حکیم میں سے کچھ پڑھا تو یہ حسن ہے۔ جہاں تک اس بارے میں وصیت کا تعلق ہے تو اس کا کوئی معنی نہیں اور نہ ہی قاری کا صلہ و انعام دینے کا کوئی معنی ہے کیونکہ یہ اسے قرآن حکیم پڑھنے پر اجرت پر رکھنے کے معنی میں ہے اور عمل باطل ہے اور خلفاء میں سے کسی نے یہ عمل نہیں کیا۔ کیونکہ اگر علت وہ ہو جو انہوں نے قول کیا تو ان کا یہاں قول صحیح نہ ہو گا وہ قول یہ ہے فہو حسن۔ جس نے اس وصیت کے باطل ہونے کا قول کیا ہے وہ ”خیر رملی“ ہیں جس طرح ان کے فتاویٰ کے کتاب الوصایا میں اس پر تفصیل سے گفتگو کی گئی ہے۔ پس اس کی طرف رجوع کیجئے۔

ملازمہ ”حلوانی“ نے ”حاشیۃ المنہج النہجی“ میں شیخ الاسلام ”تقی الدین“ سے نقل کیا ہے: جس کی نص یہ ہے: قراءت قرآن پر اجرت لینا اور اس کا ثواب میت کو بدیہ کرنا صحیح نہیں۔ کیونکہ انہم میں سے کسی سے اس بارے میں اجازت منقول

نہیں۔ علمائے کبار نے کہا: بے شک قاری جب مال کے لیے قراءت کرے تو اس کے لیے کوئی ثواب نہیں تو وہ میت کو کون سی شے ہدیہ کرے گا؟ میت تک عمل صالح پہنچتا ہے۔ محض تلاوت پر کسی کو اجرت پر رکھنا اس کے بارے میں ائمہ میں سے کسی نے نہیں کہا: علمائے قرآن کی تعلیم کے بارے میں کسی کو اجرت پر رکھنے کے بارے میں باہم منازعہ کیا ہے جنہوں نے اس بارے میں تصریح کی ہے ان میں سے امام برکوی قدس سرہ العزیز ہیں انہوں نے ”الطریقۃ الحمدیہ“ کے آخر میں کہا: تیسری فصل ان امور کے بارے میں ہے جو بدعت باطلہ ہیں لوگ ان پر منہ کے بل گر پڑے ہیں یہ گمان کرتے ہوئے کہ یہ قربت مقصودہ ہیں یہاں تک کہ انہوں نے کہا: ان میں سے ایک میت کی جانب سے وصیت ہے کہ کھانا پکایا جائے اور اس کی موت کے دن اور اس کے بعد ضیافت کا اہتمام کیا جائے اور جو آدمی اس کی روح کو ایصال ثواب کرنے کے لیے قرآن پڑھے، تسبیح و تہلیل کرے اسے درابہم دیئے جائیں سب کے سب امور بدعت، منکر اور باطل ہیں۔ اور لینے والا جو لیتا ہے وہ اس کے لیے حرام ہے وہ دنیا کے لیے تلاوت اور ذکر کرنے کی بنا پر نافرمان ہے، ”ملخص“۔ اور یہ ذکر کیا ان کے اس میں چار مسائل ہیں۔

جب تو یہ جان چکا ہے تو تیرے لیے ہماری گفتگو کی حقیقت ظاہر ہو چکی ہے اور اس کے برعکس مذہب سے خارج ہے اور اس سے خارج ہے جس کا بلخیوں نے فتویٰ دیا ہے اور اس سے خارج ہے جس پر ہمارے ائمہ نے متون، شروح اور فتاویٰ میں اتفاق کیا ہے اس کا کوئی انکار نہیں کرتا مگر تکیہ کرنے والا اور جاہل ہی انکار کرتا ہے وہ اکابر کی کلام کو نہیں سمجھتا۔ بعض مشائخ نے لدیغ والی حدیث (1) جو بخاری شریف میں ہے سے استدلال کیا ہے اور جواز کا استدلال کیا ہے وہ خطا ہے۔ کیونکہ متقدمین جو مطلقاً اجرت پر رکھنے سے منع کرتے ہیں انہوں نے اجرت کے بدلے دم کرنے کو جائز قرار دیا ہے اگرچہ دم قرآن حکیم پڑھ کر کیا جائے جس طرح یہ امام ”طحاوی“ نے ذکر کیا ہے۔ کیونکہ یہ محض عبادت نہیں بلکہ یہ دوائی میں سے ہے۔ بعض حاشیوں سے جو یہ منقول ہے اور اسے ”حاوی زاہدی“ کی طرف منسوب کیا گیا ہے کہ پینتالیس درہموں میں سے کم پر ختم کے لیے اجرت پر لینا جائز نہیں یہ قول اس سے خارج ہے جس پر تمام اہل مذہب نے اتفاق کیا ہے۔ اس وقت تیرے لیے اس امر کا بطلان ظاہر ہو چکا ہے جس پر اہل زمانہ منہ کے بل گر چکے ہیں کہ وہ قرآن حکیم کے ختم کرنے اور لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کی تسبیح کی وصیت کرتے ہیں اس سے قطع نظر کرتے ہوئے جو اس میں منکرات حاصل ہوتی ہیں جن کا انکار نہیں کرتا مگر جس کی بصیرت ناپید ہو جاتی ہے۔

میں نے اس بارے میں ایک رسالہ جمع کیا ہے جس کا نام میں نے ”شفاء العلیل وبلّ الغلیل فی حکم الوصیۃ بالختمات والتہالیل“ رکھا۔ میں نے جو یہاں ذکر کیا ہے وہ اس رسالہ کے مقابلہ میں ایسے ہی ہے جس طرح قطرہ کی سمندر سے نسبت ہوتی ہے اور سونے کے ٹکڑے کو گلے کے ہار سے جو نسبت ہوتی ہے۔ اس پر، اس کتاب کے محشی اپنے زمانہ کے فقیہ، اپنے زمانے کے یگانہ روزگار سید ”احمد طحاوی“ جو مصر کے سابق مفتی تھے، مطلع ہوئے اس پر لکھا اور اچھی تعریف کی اللہ تعالیٰ اسے عظیم خیر بطور جزا عطا فرمائے اور زمانہ کے فقہاء میں سے کئی دوسرے علماء نے بھی اس پر لکھا۔

1۔ صحیح بخاری، کتاب الاجارۃ، باب ما یعطی فی الرقیۃ علی احواء العرب بفاتحة الكتاب، جلد 1، صفحہ 955، حدیث نمبر 2115

فَسَدَتْ فِي الْكُلِّ : لِأَنَّهُ اسْتَأْجَرَهُ بِجُزْءٍ مِنْ عَمَلِهِ ، وَالْأَصْلُ فِي ذَلِكَ نَهْيُهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ قَفِيزِ الطَّحَّانِ وَقَدْ مَنَّاكَ فِي بَيْعِ الْوَفَاءِ وَالْحِيلَةِ أَنْ يَفْرِزَ الْأَجْرَ أَوْ لَا أَوْ يُسَيِّ قَفِيزًا بِلَا تَعْيِينَ ثُمَّ يُعْطِيَهُ قَفِيزًا مِنْهُ فَيَجُوزُ وَلَوْ اسْتَأْجَرَهُ لِيَحْمِلَ لَهُ نِصْفَ هَذَا الطَّعَامِ بِنِصْفِهِ الْآخِرِ لَا أَجْرَ لَهُ أَصْلًا

تو اجارہ سب میں فاسد ہو جائے گا۔ کیونکہ اس نے اسے اس کے بعض عمل کے بدلے میں اجرت پر لیا ہے اس میں اصل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قفیز سے نہیں ہے (1)۔ ہم اسے باب بیع الوفاء میں ذکر کر چکے ہیں۔ اس کو صحیح کرنے کا حیلہ یہ ہے کہ وہ پہلے اجرت کو الگ کر دے یا تعین کے بغیر قفیز ذکر کر دے پھر اس آٹے میں سے قفیز دے دے تو یہ جائز ہوگا۔ اگر اس نے اسے اجرت پر لیا تا کہ اس کے لیے نصف کھانا نصف کھانے کے عوض اٹھا کر لے جائے تو اس کے لیے اجرت نہ ہوگی

بعض عمل کے بدلے اجرت پر لینا اجارہ کو فاسد کر دیتا ہے

29873۔ (قوله: فَسَدَتْ فِي الْكُلِّ) اجرت مثلی واجب ہوگی جو مسمی سے متجاوز نہ ہوگی، ”زیلعی“۔

29874۔ (قوله: بِجُزْءٍ مِنْ عَمَلِهِ) یعنی اس بعض کے بدلے میں جو اس کے عمل سے نکلتا ہے سپرد کرنے پر قدرت

یہ شرط ہے جب کہ وہ خود اس پر قادر نہ ہو۔ ”زیلعی“۔

29875۔ (قوله: عَنْ قَفِيزِ الطَّحَّانِ) یہ تیسرا مسئلہ ہے جن کا مصنف نے ذکر کیا۔ جس طرح ”زیلعی“ نے اس کا

ذکر کیا ہے۔

اس اجارہ فاسدہ کو صحیح کرنے کا حیلہ

29876۔ (قوله: وَالْحِيلَةُ أَنْ يَفْرِزَ الْأَجْرَ أَوْ لَا) یعنی مزدور کے سپرد کر دے اگر اس نے بعد میں اسے خلیط مہر

دیا اور سب کو پیش دیا پھر اجرت کو الگ کیا اور باقی ماندہ کو رد کر دیا تو یہ جائز ہوگا۔ طحان کے قفیز کے معنی میں یہ نہیں ہوگا جب وہ اسے اجرت پر نہ لے کہ وہ اسے اس کے خبز کے بدلے میں پیش کر دے یا اس کے قفیز کے بدلے میں پیش کر دے جس طرح ”المنح“ میں ”جواہر الفتاویٰ“ سے مروی ہے۔ ”رملی“ نے کہا: اس سے اس کا جواز بدرجہ اولیٰ معلوم ہو جاتا ہے جو ہمارے علاقوں میں کیا جاتا ہے کہ گندم اور درہم دونوں سے اجرت لی جاتی ہے اس کے جواز میں کوئی شک نہیں۔

29877۔ (قوله: بِلَا تَعْيِينَ) یہ شرط لگائے بغیر کہ یہ محمول میں سے ہے یا مطحون میں سے ہے پس مستبرر ذمہ

یہ واجب ہوگا۔ ”زیلعی“۔

29878۔ (قوله: لَهُ نِصْفَ هَذَا الطَّعَامِ) نصف کی قید لگائی کیونکہ اس نے اگر اسے اجرت پر لیا تا کہ تمام اس کے

نصف کے عوض اٹھائے تو وہ شریک نہیں ہوگا۔ پس اجرت مثلی واجب ہوگی یہ متن کا مسئلہ ہے۔

29879۔ (قوله: لَا أَجْرَ لَهُ أَصْلًا) یعنی معین کی گئی اجرت واجب ہوگی یا اجرت مثلی واجب ہوگی۔ ”عنایہ“۔

لِصَيْرُورَتِهِ شَرِيكًا، وَمَا اسْتَشْكَلَهُ الزَّيْلَعِيُّ أَجَابَ عَنْهُ الْمُصَنِّفُ

کیونکہ یہ اس کا شریک بن چکا ہے۔ ”زلیعی“ نے جس اشکال کا ذکر کیا تھا مصنف نے اس کا جواب دیا ہے۔

علامہ زلیعی کا اشکال اور مصنف کی طرف سے جواب

29880۔ (قولہ: لِصَيْرُورَتِهِ شَرِيكًا) ”زلیعی“ نے کہا: کیونکہ اجیر تعجیل کی وجہ سے فی الحال نصف کا مالک ہے پس کھانا ان میں مشترک ہو جائے گا۔ پس وہ اجر کا مستحق نہیں ہوگا۔ کیونکہ وہ اپنے شریک کے لیے عمل نہیں کرتا مگر اس کا بعض اس کی ذات کے لیے واقع ہوتا ہے۔

اس میں دو اشکال ہیں (۱) اجارہ فاسد ہے اور ہمارے اجارہ صحیح میں عقد کے ساتھ اجرت کا مالک نہیں بنا جاتا خواہ وہ عین ہو یا دین ہو جس طرح ہم نے پہلے بیان کر دیا ہے کہ یہاں وہ شے سپرد کیے بغیر اور تعجیل کی شرط کے ساتھ کیسے اس کا مالک بن جائے گا۔

(۲) کہا: وہ فی الحال مالک بن جائے گا اور ان کا قول: لایستحق الاجریۃ ملک کے منافی ہے۔ کیونکہ جب وہ اس کا مالک بنے گا تو وہ صرف اجرت کے طریقہ پر مالک بنے گا جب وہ کسے شے کا مستحق نہیں بنے گا تو وہ اس کا مالک کیسے بن سکتا ہے تو وہ کس سبب سے مالک بنے گا۔

29881۔ (قولہ: أَجَابَ عَنْهُ الْمُصَنِّفُ) میں کہتا ہوں: ”حواشی سعدیہ“ میں اس قول کے ساتھ جواب دیا: شاید ان کے قول لایستحق الاجر سے مراد یہ ہے کہ ملک کی نفی کی جائے۔ کیونکہ ان کا وجود اس کے عدم کی طرف لے جاتا ہے۔ اور جو امر اس طرح ہو وہ باطل ہو جاتا ہے۔ ان کا قول ملک الاجر فی الحال یہ ایسا کلام ہے جو فریق اور تقدیر کی بنا پر ہے۔ ظاہر یہ ہے کہ مسئلہ اس صورت میں وضع کیا گیا ہے کہ جب وہ تمام کھانا اجیر کے سپرد کر دے تو تقدیر کلام یہ ہوگی۔ اگر صورت مفروضہ میں اجرت ثابت ہو جائے۔ کیونکہ پہلے ادا کرنے کی وجہ سے اجیر فی الحال اجرت کا مالک بن چکا ہے دوسری صورت باطل ہے کیونکہ اس وقت وہ مشترک ہے پس یہ اجرت کے عدم وجوب کی طرف لے جائے گا۔ پس ہر وہ چیز جس کا وجود اس کے لزوم کے انتفا کی طرف لے جائے تو وہ باطل ہوتی ہے۔

مصنف نے جو پہلے اعتراض کا جواب دیا ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ یہاں اجرت معجل ہے جس طرح ”زلیعی“ نے اپنی تقریر کے آغاز میں تصریح کی ہے تو اجرت پر تعجیل کے ساتھ مالک ہوا جاتا ہے جس طرح شرط لگانے کے ساتھ اس کا مالک ہوا جاتا ہے۔

دوسرے اعتراض کے جواب کا حاصل یہ ہے جب وہ اجیر اجرت جلدی ادا کرنے کی وجہ سے اس کا مالک بن گیا ہے اور اس نے عمل کر لیا تو عمل کے بعد یہ واضح ہو گیا کہ وہ اجرت میں سے کسی شے کا وہ مستحق نہیں جس طرح اس نے عقد کے وقت اجرت پہلے دے دی تو اس اجرت کا ایسا مستحق ہوا جس سے یہ واضح ہوا کہ وہ اس پر اجرت کا مالک نہیں۔

قَالَ وَصَرَّحُوا بِأَنَّ دَلَالََةَ النَّصِّ لَا عُمُومَ لَهَا فَلَا يُخَصَّصُ عَنْهَا شَيْءٌ بِالْعُرْفِ كَمَا زَعَمَهُ مَشَايِخُ بَدِخٍ (أَوْ) اسْتَأْجَرَ (خَبَّازًا لِيُخْبِزَ لَهُ كَذَا) كَقَفِيزٍ دَقِيقٍ (الْيَوْمَ بِدِرْهِمٍ) فَسَدَتْ عِنْدَ الْإِمَامِ لِجَبْنِهِ بَيْنَ الْعَمَلِ وَالْوَقْتِ وَلَا تَرْجِيحَ لِأَحَدِهِمَا

کہا: علمائے اس کی تصریح کی ہے کہ دلالت النص میں عموم نہیں ہوتا پس عرف کے ساتھ اس میں سے کسی شے کو خاص نہیں کیا جائے گا جس طرح مشائخ بدیخ نے اس کا گمان کیا ہے یا اس نے ایک خباز اجرت پر لیا تا کہ اس کے لیے اتنی روٹیاں پکائے جس طرح ایک قفیز آنے کی روٹیاں آج ایک درہم کے عوض پکائے تو ”امام صاحب“ رحمہ اللہ کے نزدیک اجارہ فاسد ہو جائے گا۔ کیونکہ اس نے عمل اور وقت کو جمع کیا ہے پس دونوں میں سے ایک کو دوسرے پر ترجیح نہیں

اس میں اعتراض کی گنجائش ہے۔ کیونکہ یہ عقد اس امر سے خالی نہیں ہوتا کہ یا تو وہ باطل ہو، فاسد ہو یا صحیح ہو۔ جہاں تک باطل کا تعلق ہے تو اس میں اس کے لیے اصلاً اجرت نہیں ہے جس طرح باب کے شروع میں گزر چکا ہے تو وہ پہلے اجرت ادا کرنے کے ساتھ کیسے اس کا مالک بنے گا؟ جہاں تک اجارہ فاسد کا تعلق ہے تو اس میں اجرت واجب نہیں مگر جب مستاجر حقیقی طور پر اس سے نفع حاصل کر لے جس طرح کئی دفعہ یہ بات گزر چکی ہے۔ پس پہلے اجرت ادا کرنے کی صورت میں بھی عمل سے پہلے وہ اجرت کا مالک نہیں ہوگا اور عمل کے بعد اجرت مثلی واجب ہوگی۔ یہاں مسئلہ کی صورت یہ ہے کہ اجرت اصلاً واجب نہ ہوگی۔ جہاں تک صحیح کا تعلق ہے تو وہ اجرت کا مستحق ہو جائے گا جب وہ پہلے اجرت دے اور الگ کر کے دے یہاں اجرت تعلیم کے ضمن میں حاصل ہوئی ہے۔ کیونکہ اگر وہ اس کو الگ کرے اور مزدور کے حوالے کر دے پھر وہ ملا دے اور سب کو اکٹھا اٹھالے تو یہ جائز ہوگا جس طرح ہم ابھی ”جواہر الفتاویٰ“ سے نقل کر آئے ہیں مگر یہ کہا جائے: وہ عقد صحیح منعقد ہوا پھر عمل کے وقت الگ کرنے سے پہلے اس پر فساد طاری ہوا۔ اس وقت ”زلیعی“ کا قول یہ اجارہ فاسد ہے یعنی مال کے اعتبار سے اجارہ فاسد ہے جہاں تک فی الحال کا تعلق ہے تو وہ اجارہ صحیح ہے۔

قیاس اور اثر عرف عام کے ساتھ خاص ہوتا ہے نہ کہ خاص کے ساتھ

29882۔ (قولہ: كَمَا زَعَمَهُ مَشَايِخُ بَدِخٍ) ”التبیین“ میں کہا: بلخ کے مشائخ اور نسفی ات جازق اردبیل تبرک کھانے کے اٹھانے کا اجارہ بعض محمول کے عوض اور کپڑا بننے کا اجارہ بعض منسوج کے عوض صحیح ہے۔ کیونکہ حلقوں سے بیڑوں کے ہاں یہاں معمول ہے۔ جس نے اسے جائز قرار نہیں دیا اس نے اسے طحان کے قفیز پر قیاس کیا ہے۔ اور قیاس عرف کی وجہ سے ترک کر دیا جاتا ہے اگر ہم کہیں: یہ قیاس کے طریقہ پر نہیں بلکہ نص، دلائل کے اعتبار سے اسے شامل ہے۔ پس نص عرف کے ساتھ خاص ہو جاتی ہے۔ کیا تو نہیں دیکھتا کہ استصناع میں قیاس کو ترک کر دیا جاتا ہے اور تعامل کے ساتھ قواعد شرعیہ خاص ہو جاتے ہیں۔ ہمارے مشائخ نے اس تخصیص کو جائز قرار نہیں دیا۔ کیونکہ یہ صرف ایک شہر کے لوگوں کا تعامل ہے اس کے ساتھ اثر خاص نہیں ہوتا۔ استصناع کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ اس کے بارے میں تعامل ہر شہر

فَيُفْضَى لِلْمُنَازَعَةِ، حَتَّى لَوْ قَالَ فِي الْيَوْمِ أَوْ عَلَى أَنْ تَفْرَغَ مِنْهُ الْيَوْمَ

پس یہ منازعہ کی طرف لے جائے گا یہاں تک کہ اگر وہ یہ کہتا آج میں یا تو آج اس سے فارغ ہو جائے گا

میں جاری ہے اس جیسی صورتحال سے قیاس ترک کر دیا جاتا ہے اور اثر خاص ہو جاتا ہے۔

”العنایہ“ میں ہے: اگر یہ کہا جائے: ہم اسے ترک نہیں کریں گے بلکہ دلالت سے بعض ان چیزوں کو خاص کیا جائے گا جو طحان کے قفیز کے معنی میں ہے اور یہ تخصیص عرف کے ساتھ ہوگی۔ جس طرح بلخ کے بعض مشائخ نے کپڑوں کے بارے میں جو قول کیا ہے کیونکہ اس بارے میں ان کا عرف جاری ہے۔

میں کہتا ہوں: دلالت میں کوئی عموم نہیں ہوتا کہ اسے خاص کیا جائے۔ ”ط“۔

اگر موجر اور مستاجر کے درمیان معقود علیہ میں اختلاف ہو جائے تو اس کا حکم

29883۔ (قوله: فَيُفْضَى لِلْمُنَازَعَةِ) موجر کہتا ہے مقصود علیہ عمل ہے اور وقت جلدی کے لیے ذکر کیا گیا ہے مستاجر

کہتا ہے بلکہ معقود علیہ وقت ہے اور عمل بیان کے لیے ہے۔ ”صاحبین“ رحمہ اللہ علیہما نے فرمایا: یہ صحیح ہے اور عقد عمل پر واقع ہوگا۔ اور وقت کو ذکر کیا یہ تعجیل کے لیے ہے مقصود عقد کو صحیح قرار دینا ہے جب دونوں کو جمع کرنا معتذر ہو۔ پس جہالت ختم ہو جائے گی۔ ”زیلعی“ کے کلام کا ظاہر یہ ہے کہ ”صاحبین“ رحمہ اللہ علیہما کے قول کو ترجیح دی جائے۔ یہ حکم اس وقت ہے جب اجرت کو موخر کرے مگر جب وہ اجرت کو درمیان میں رکھے تو معقود علیہ وہ ہوگا جو مقدم ہے۔ کیونکہ اجرت کے ذکر کرنے کے ساتھ عقد مکمل ہو جاتا ہے پھر متاخر اگر وقت ہے تو یہ تعجیل کے لیے ہے۔ اگر عمل ہے تو اس وقت میں عمل بیان کرنے کے لیے ہے۔ پس عقد فاسد نہیں ہوگا جس طرح ”ابن کمال“ نے ”خانیہ“ سے نقل کیا ہے۔ اسی کی مثل ”قہستانی“ میں ”کرمانی“ سے منقول ہے۔ ”المنیہ“ سے یہ زائد نقل کیا ہے: جب وہ اجرت مقدم کرے تو بھی اجارہ فاسد ہو جائے گا۔

پھر یہ جان لو کہ یہ اختلاف بھی اس میں ہے جب عمل ایسا ہو جس کی مقدار واضح ہو اور وہ معلوم ہو یہاں تک کہ وہ اس کی صلاحیت رکھتا ہو کہ وہ معقود علیہ ہو پس وہ وقت کے مزاحم ہوگا پس عقد فاسد ہو جائے گا۔ اسی وجہ سے کہا: تاکہ وہ اس کے لیے اتنے قفیز آئے سے روٹیاں پکائے اگر وہ واضح نہ کرے تو یہ عقد صحیح ہوگا۔ کیونکہ اس کی جہالت کی وجہ سے اس نے صرف وقت کا ذکر کیا ہے جس طرح ایک آدمی کو ایک دن اجرت پر لے تاکہ وہ اس کے لیے پکی اینٹوں اور چوڑے سے عمارت تعمیر کرے تو یہ عقد کسی اختلاف کے بغیر جائز ہوگا اگر وہ عمل کو اس طریقہ پر بیان کر دے کہ اس پر عقد کو وارد کرنا جائز ہو اس کی صورت یہ ہے کہ وہ عمارت کی مقدار بیان کرے تو ”امام صاحب“ رحمہ اللہ علیہ کے نزدیک یہ جائز نہیں ہوگا جس طرح اصل میں اس کا ذکر کیا ہے۔ اس وقت جو عنقریب اجیر خاص کی بحث میں آئے گا وہ اشکال پیدا نہیں کرے گا۔ اگر وہ اسے ایک ماہ کے لیے اتنے کے عوض ریوڑ چرانے کے لیے اجرت پر رکھتا ہے تو یہ عقد صحیح ہوگا ساتھ ہی اس میں مدت اور عمل کو جمع کیا گیا ہے۔ کیونکہ اس نے اس ریوڑ کی مقدار کو بیان نہیں کیا جس کو چرایا جاتا ہے جس طرح علامہ ”طوری“ نے اس پر

جَازَتْ إِجْمَاعًا (أَوْ أَرْضًا بِشَرْطِ أَنْ يُشْنِيَهَا) أَمْ يَحْرُثَهَا (أَوْ يُكْرِئِي أَنْهَارَهَا)

تو بالا جماع یہ جائز ہو جائے گا۔ یا زمین اجرت پر لے اس شرط پر کہ وہ اس میں دوبارہ بل چلائے گا یا بڑی نہروں کو سودے کا

متنبہ کیا ہے۔ اسے یاد کر لو۔

29884۔ (قوله: جَازَتْ إِجْمَاعًا) جہاں تک پہلی صورت کا تعلق ہے تو یہ ”امام صاحب“ رحمہ اللہ سے ایک روایت

ہے جس طرح ”زمینی“ نے اسے ذکر کیا ہے۔ کیونکہ فی کلمہ ظرف کے لیے ہے یہ مدت کی تقدیر کے لیے نہیں پس یہ استغراق کا تقاضا نہیں کرے گا گویا یہ مقصود علیہ عمل ہے جب کہ وہ معلوم ہے جب یہ حذف ہو تو معاملہ مختلف ہوگا۔ کیونکہ وہ استغراق کا تقاضا کرتا ہے اس کی مثل کتاب الطلاق میں گزر چکی ہے: انت طالق غدا او فی الغد۔

جہاں تک دوسری صورت کا تعلق ہے کیونکہ یوم کا لفظ قصد کرتے ہوئے ذکر نہیں کیا گیا جس طرح عمل ذکر کیا گیا ہے یہاں تک کہ عقد کو دونوں کی طرف مضاف کیا جائے بلکہ اس لیے ذکر کیا گیا ہے تاکہ عمل میں صفت کو ثابت کیا جائے اور صفت موصوف کے تابع ہوتی ہے عقد میں ایک مقصود نہیں ہوتی جس طرح ”تمہین“ میں ہے۔

وہ افعال جن کے اثرات مالک زمین کے لیے باقی رہتے ہیں اجارہ کو فاسد کر دیتے ہیں

29885۔ (قوله: بِشَرْطِ أَنْ يُشْنِيَهَا) ”قاموس“ میں ہے: ثناء تشنئة۔ اسے دوبارہ بنا دینا۔ اس کا مضاف حذف ہے

مراد ہے دوبارہ بل چلائے گا۔

”المنح“ میں ہے: اگر اس سے مراد یہ ہے اس میں بل چلا کر واپس کرے گا تو اس عقد کے فاسد ہونے میں کوئی شک نہیں ورنہ اگر زمین ایسی ہو جو فصل صرف اسی صورت میں دیتی ہے مگر جب اس میں دو دفعہ بل چلایا جائے تو عقد اجارہ فاسد نہ ہوگا اگر زمین ایسی ہو جو اس کے بغیر فصل دیتی ہو۔ اگر اس عمل کا اثر عقد کے ختم ہونے کے بعد باقی رہے تو عقد فاسد ہو جائے گا۔ کیونکہ اس میں زمین کے مالک کی منفعت ہے ورنہ عقد فاسد نہ ہوگا۔ ”ملخص“

”تاترخانیہ“ میں ”شیخ الاسلام“ سے ذکر کیا ہے جن کا حاصل یہ ہے کہ فساد اس صورت میں ہے جب اسے واپس لوٹانے کی شرط لگائے کہ اسے بل چلا کر واپس کیا جائے اور یہ عمل اجارہ کی مدت میں ہو مگر جب وہ یہ کہے کہ تو مدت کے گزرنے کے بعد اس میں بل چلائے یا اس نے اسے مطلق ذکر کیا تو عقد صحیح ہوگا اور یہ اجارہ کی مدت کے بعد کی طرف پڑ جائے گا۔ ”صغریٰ“ میں ہے ہم نے یہ تفصیل اس جہت سے بیان کی ہے اسی پر فتویٰ دیا جاتا ہے۔

میں کہتا ہوں: اس کی وجہ یہ ہے کہ بل چلانا اس وقت اجرت میں سے ہوگا۔ تاہل

29886۔ (قوله: يَحْرُثَهَا) حرث کا معنی بل چلانا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ کھیتی کاشت کرنے کے لیے زمین کو

الٹ دینا جس طرح کراہ ہے۔ ”قاموس“۔

29887۔ (قوله: أَوْ يُكْرِئِي) یہ رمی یرمی کے باب سے ہے یعنی اسے کھولنا۔

الْعِظَامُ أَوْ يُسَرِّقْنَهَا) لِبَقَاءِ أَثَرِ هَذِهِ الْأَفْعَالِ لِرَبِّ الْأَرْضِ، فَلَوْلَمْ تَبْقَ لَمْ تَفْسُدْ (أَوْ بِشَرْطِ أَنْ يَزْرَعَهَا بِزِرَاعَةِ أَرْضٍ أُخْرَى) لِمَا يَجِيءُ أَنَّ الْجِنْسَ بِانْفِرَادِهِ يُحَرِّمُ النَّسَاءَ، وَقَوْلُهُ (فَسَدَتْ) جَوَابُ الشَّرْطِ وَهُوَ قَوْلُهُ وَلَوْ دَفَعَ الْخُ (وَصَحَّتْ لَوْ اسْتَأْجَرَهَا عَلَى أَنْ يَكْرِيهَا وَيَزْرَعَهَا أَوْ يَسْقِيَهَا وَيَزْرَعَهَا)؛ لِأَنَّهُ شَرْطُ يَقْتَضِيهِ الْعَقْدُ (وَلَوْ اسْتَأْجَرَهُ لِحُلِّ طَعَامٍ مُشْتَرَكٍ

یا اس میں کھا دالے گا۔ کیونکہ ان افعال کے آثار مالک زمین کے لیے باقی رہتے ہیں۔ اگر آثار باقی نہ رہیں تو اجارہ فاسد نہیں ہوگا یا اس شرط پر زمین اجرت پر دیتا ہے کہ وہ اس کے عوض ایک زمین میں کاشت کرے گا۔ کیونکہ عنقریب آئے گا کہ جنس کا اتحاد یہ موخر کرنے کو حرام کر دیتا ہے۔ اور ان کا قول فسدت یہ جواب شرط ہے اور شرط ان کا یہ قول ہے: ولو دفع الخ۔ اور یہ اجارہ صحیح ہوگا اگر اسے اس شرط پر اجارہ پر لیتا ہے کہ وہ اس میں ہل چلائے گا، اس میں فصل کاشت کرے گا، اس کو سیراب کرے گا اور اس میں کاشت کرے گا کیونکہ یہ ایسی شرط ہے عقد جس کا تقاضا کرتا ہے۔ اگر اس نے اسے اجرت پر لیا تاکہ اس کھانے کو اٹھائے جو ان دونوں کے درمیان مشترک ہے

29888۔ (قوله: الْعِظَامُ) کیونکہ اس کا اثر آنے والے عرصہ تک باقی رہتا ہے یہی معمول ہے جداول کا معاملہ مختلف

ہے۔ یعنی چھوٹی نالیاں جب ان کے کھودنے کی شرط لگائی جائے تو اجارہ فاسد نہ ہوگا۔ یہی قول صحیح ہے۔ ”ابن کمال“۔

29889۔ (قوله: أَوْ يُسَرِّقْنَهَا) یعنی اس میں سرقین ڈالے گا اس سے مراد کھا دے تاکہ کھیتی کو جوش دلائے۔ ”ط“۔

29890۔ (قوله: فَلَوْلَمْ تَبْقَ) اس کی صورت یہ ہے کہ اگر مدت طویل ہے تو اجارہ فاسد نہ ہوگا کیونکہ یہ صرف

مستاجر کے نفع کے لیے ہے۔

29891۔ (قوله: أَوْ بِشَرْطِ أَنْ يَزْرَعَهَا الْخ) یعنی ایک آدمی نے زمین اجرت پر لی تاکہ اسے کاشت کرے اور

اجرت یہ ہوگی کہ موجر ایک اور زمین کاشت کرے گا جو مستاجر کی ہے تو ہمارے نزدیک یہ جائز نہیں۔ ”منح“۔ یہ ایک منفعت کو منفعت متحدہ کے عوض اجرت پر دینا ہے۔ اس کے متعلق کلام عنقریب آئے گا۔

29892۔ (قوله: لِمَا يَجِيءُ) یعنی قریب ہی آئے گا۔ ”ح“۔

29893۔ (قوله: أَنَّ الْجِنْسَ بِانْفِرَادِهِ يُحَرِّمُ النَّسَاءَ) زراعت مطلقہ، زراعت مطلقہ کی جنس میں سے ہے۔

اگر تو کہے: عین، منفعت کے قائم مقام ہے جیسا کہ ثابت ہے پس تاخیر نہ پائی گئی ہم نے کہا: عین منفعت کے قائم مقام

ہوگی یہ ضرورت کی بنا پر خلاف قیاس ہے یہ اس صورت میں ہے جب منفعت معقود علیہا ہو یہ ہمارے مسئلہ میں اس وقت ہوگی

جب با اس کے ساتھ نہ ہو۔ جب با اس کے ساتھ ہو تو اس میں عین منفعت کے قائم مقام نہیں ہوگی۔ پس یہ اپنے اصل پر تاخیر

پر رہے گا۔ ”ح“۔

29894۔ (قوله: لِأَنَّهُ شَرْطُ يَقْتَضِيهِ الْعَقْدُ) کیونکہ اس کا نفع صرف مستاجر کے لیے ہے۔

(بَيْنَهُمَا فَلَا أَجْرَ لَهُ)؛ لِأَنَّهُ لَا يَعْمَلُ شَيْئًا لِشَرِيكِهِ إِلَّا وَيَقَعُ بَعْضُهُ لِنَفْسِهِ فَلَا يَسْتَحِقُّ الْأَجْرَ (كَرَاهِينَ اسْتِجَارَ الرَّهْنِ مِنَ الْمُؤْتَهِنِ) فَإِنَّهُ لَا أَجْرَ لَهُ لِنَفْعِهِ بِبِدْكَ

تو اس کے لیے کوئی اجر نہیں ہوگا۔ کیونکہ وہ اپنے شریک کے لیے کوئی عمل نہیں کرتا مگر اس عمل کا بعض اس کی اپنی ذات کے لیے ہوتا ہے۔ پس وہ اجر کا مستحق نہیں ہوگا جس طرح ایک رہن ہے جو رہن کو مرتہن سے اجرت پر لیتا ہے تو اس کے لیے کوئی اجر نہ ہوگا۔ کیونکہ وہ اپنی ملک سے نفع اٹھا رہا ہے،

29895۔ (قوله: فَلَا أَجْرَ لَهُ) یعنی نہ معین کردہ اجر اور نہ اجرت مثلی لازم ہوگی، ”زیلعی“۔ کیونکہ اجرت اجارہ فاسدہ

میں واجب ہوتی ہے جب جائز اجارہ میں اس کی مثال ہو یہ ایسی صورت ہے جس کی نظیر نہیں۔ ”اتقانی“۔ ”قاضی خان“ کی ”الجامع“ میں جو کلام ہے اس کا ظاہر یہ ہے کہ عقد باطل ہے کیونکہ انہوں نے کہا عقد منعقد نہیں ہوا۔ تاہل مشترک عین میں عمل کو واقع کر کے اجرت کا مستحق بننا جائز نہیں

29896۔ (قوله: لِأَنَّهُ لَا يَعْمَلُ الْخ) اگر یہ قول کیا جائے اپنے فعل پر اس کا اجرت پر مستحق نہ ہونا یہ اس امر کو مستلزم

نہیں کہ جو عمل غیر کے لیے واقع ہوا ہے اس کے لیے اجرت نہ ہو۔

جواب اس کا یہ ہے کہ وہ صرف اپنے لیے عمل کر رہا ہے کیونکہ یہی اصل ہے اور اس کا غیر کے لیے عمل ایسے امر پر مبنی ہے جو قیاس کے خلاف ہے پس اول کا اعتبار ہوگا۔ کیونکہ وہ جز جس کو وہ اٹھاتا ہے وہ اس میں شریک ہوتا ہے۔ پس معقود علیہ کا سپرد کرنا مستحق نہیں ہوگا۔ کیونکہ یہ عمل کو غیر کے سپرد کرنے کے مانع ہے پس کوئی اجر نہیں ہوگا ”عنایہ“، ”تبیین“، ”ملخص“۔

”غایۃ البیان“ میں ہے: کھانا ہے جو دو افراد میں مشترک ہے ان دو میں سے ایک کی کشتی ہے دوسرے نے اس کشتی کا نصف دس دراہم کے عوض اجرت پر لیا تو یہ جائز ہے۔ اسی طرح اگر وہ یہ ارادہ کرے کہ وہ دونوں کھانے کو بیس تو اس نے وہ نصف چھ اجرت پر لی جو اس کے شریک کی ہے یا اس نے اس کی نصف بوریاں اجرت پر لیں تاکہ مکہ تک اسے اٹھا کر لے جائے تو یہ جائز ہے۔ اگر ایک آدمی نے اپنے ساتھی کا غلام اجرت پر لیا یا اپنے ساتھی کے غلام کا جانور اجرت پر لیا یا اس کا جانور اجرت پر دیا تاکہ اس پر سامان لادے یا غلام اجرت پر لیا تاکہ وہ کھانے کی حفاظت کرے تو یہ جائز نہیں خود وہ نہ ہو۔ اجرت پر لے یا جانور اجرت پر لے سارے کا سارا لے یا اس کا نصف اجرت پر لے اس کے لیے اجرت نہ ہوگی۔

قاعدہ یہ ہے: ہر وہ عمل جس کے اجر کا وہ مستحق نہیں بنتا مگر مشترک عین میں عمل کو واقع کر کے وہ اجرت کا مستحق بنتا ہے وہ جائز نہیں اور ہر وہ عمل جس میں اجرت کا مستحق اس کے بغیر بن جاتا ہے وہ جائز ہے۔ کیونکہ اجرت واجب ہوتی ہے جب وہ عین کو گھر میں، کشتی اور چکی میں رکھے یہ عمل کو واقع کرنے سے اجرت واقع نہیں ہوتی، ملخص۔ یعنی غلام اور جانور کا عین مشترک میں عمل ہے وہ اٹھانا یا حفاظت کرنا ہے جہاں تک مثلاً کشتی کا تعلق ہے تو اس کا اصلاً کوئی عمل نہیں ہوتا۔

29897۔ (قوله: لِنَفْعِهِ بِبِدْكَ) جو مناسب ہے کہ قول کرتے وہ یہ ہے ”لا تنفعه ببدکھ“، ”ح“۔

وَفِي جَوَاهِرِ الْفَتَاوَى وَلَوْ اسْتَأْجَرَ حَتَّمًا فَدَخَلَ الْمُؤْجَرُ مَعَ بَعْضِ أَصْدِقَائِهِ الْحَتَّامَ لَا أَجْرَ؛ لِأَنَّهُ يَسْتَرِدُّ بَعْضَ الْمَعْقُودِ عَلَيْهِ وَهُوَ مَنَفَعَةُ الْحَتَّامِ فِي الْمُدَّةِ، وَلَا يَسْقُطُ شَيْءٌ مِنَ الْأَجْرِ؛ لِأَنَّهُ لَيْسَ بِمَعْلُومٍ (اسْتَأْجَرَ أَرْضًا وَلَمْ يَذْكُرْ أَنَّهُ يَزْرَعُهَا أَوْ أَيْ شَيْءٍ يَزْرَعُهَا) فَسَدَتْ إِلَّا أَنْ يَعْمَ، بِخِلَافِ الدَّارِ لِيُوقِعَهُ عَلَى السُّكْنَى كَمَا مَرَّ، وَإِذَا فَسَدَتْ، (فَزَرَعَهَا فَمَضَى الْأَجَلَ) عَادَ صَحِيحًا (فَلَهُ الْمُسَيِّ) اسْتِحْسَانًا،

”جواہر الفتاویٰ“ میں ہے: اگر ایک آدمی نے حمام اجرت پر لیا اور موجرا اپنے دوستوں کے ساتھ حمام میں داخل ہوا تو اس پر کوئی اجرت نہ ہوگی۔ کیونکہ وہ بعض معقود کی واپسی کا مطالبہ کر رہا ہے وہ مدت میں حمام کی منفعت ہے اور اجرت میں سے کوئی شے ساقط نہیں ہوگی کیونکہ یہ معلوم نہیں۔ ایک آدمی نے زمین اجرت پر لی اور یہ ذکر نہ کیا کہ وہ اس میں فصل کاشت کرے گا یا کون سی شے کاشت کرے گا تو اجارہ فاسد ہو جائے گا مگر وہ عام لفظ ذکر کرے۔ گھر کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ یہ عقد صرف رہائش رکھنے پر واقع ہوتا ہے جس طرح قول گزر چکا ہے جب اجارہ فاسد ہو جائے اور وہ اس زمین میں فصل کاشت کرے اور مدت گزر جائے تو وہ اجارہ صحیح ہو جائے گا اور اس کے لیے معین اجرت ہوگی یہی قول صحیح ہے۔

یہ حکم اسی طرح ہے کیونکہ مرتہن منافع کا مالک نہیں پس ان کو مالک بنانے کا مالک نہیں ہوگا۔ بے شک یہ منافع رہن کے ہیں لیکن اس کو ان سے فائدہ اٹھانے سے منع کر دیا گیا ہے کیونکہ مرتہن کا حق متعلق ہو چکا ہے۔ جب وہ اسے اجرت پر دے گا تو اپنا حق باطل کر دے گا۔

29898۔ (قوله: لِأَنَّهُ يَسْتَرِدُّ الْخ) اس کی وضاحت یہ ہے اس نے حمام کی منفعت معلوم مدت کے لیے اس کے ہاتھ بیچ دی موجر نے ان میں سے بعض کو پالیا پس اسی مقدار کے مطابق وہ عقد منسوخ ہو جائے گا۔ پھر مستاجر کے ذمہ اجرت عقد کے ساتھ ثابت ہوتی ہے اور وہ مقدار جس میں عقد فسخ ہوا وہ غیر معلوم ہے اور جہالت کی وجہ سے اس کے حساب کے مطابق کسی شے کو ساقط کرنا ممکن نہیں۔ پس تمام اجرت مستاجر کے ذمہ ہوگی۔ ”رحمتی“۔

29899۔ (قوله: أَوْ أَيْ شَيْءٍ يَزْرَعُهَا) وہ کون سی شے کاشت کرے گا یا وہ یہ ذکر کرے وہ اس میں فصل کاشت کرے گا اور یہ ذکر نہ کرے کہ کون سی شے کاشت کرے گا۔

29900۔ (قوله: كَمَا مَرَّ) باب ما يجوز من الاجارة کے شروع میں جو گزر چکا ہے۔ یہ مسئلہ حقیقت میں وہاں جو ان کا قول ہے وارض للزراعة الخ کے مفہوم کی تصریح ہے۔

29901۔ (قوله: عَادَ صَحِيحًا) ”ملتقی“، ”الغرر“، ”الاصلاح“ اور ”المنح“ میں اسی طرح ہے۔ ”شربلایہ“ میں اس

پر اعتراض کیا ہے کہ عقد زراعت کے بعد مدت کے گزرنے پر موقوف نہیں بلکہ جب اس نے فصل کاشت کی تو جہالت ختم ہو گئی۔

میں کہتا ہوں: انہوں نے یہ ذکر کیا ہے تاکہ اس پر اپنے اس قول فله المسی کو بطور تفریع ذکر کریں۔ کیونکہ اگر وہ عقد عقد فاسد کے طور پر باقی رہا تو اجرت مثل واجب ہوگا۔

وَكَذَا لَوْلَمْ يَنْضِ الْأَجَلُ لَارْتِفَاعِ الْجَهَالَةِ بِالزَّرَاعَةِ قَبْلَ تَسَامِ الْعَقْدِ قُلْتُ فَلَوْ حُذِفَ قَوْلُهُ فَمَضَى الْأَجَلُ كَقَاضِي خَانَ فِي شَرْحِ الْجَامِعِ لَكَانَ أَوْلَى (وَإِنْ اسْتَأْجَرَ حِمَارًا إِلَى بَعْدَادَ وَلَمْ يُسَمِّ حِمْلَهُ فَحَمَلَهُ الْمُعْتَادَ فَهَلَكَ) الْحِمَارُ (لَمْ يَضُنَّ) لِفَسَادِ الْإِجَارَةِ،

اسی طرح کا حکم ہوگا اگر مدت نہ گزرے۔ کیونکہ عقد مکمل ہونے سے پہلے کاشت کرنے سے جہالت ختم ہوگئی ہے۔ میں کہتا ہوں: اگر وہ اپنے قول فمضی الاجل کو حذف کر دیتے جس طرح ”قاضی خان“ نے ”شرح الجامع“ میں کیا ہے تو بہترین ہوتا۔ اگر ایک آدمی نے ایک گدھا بغداد تک کے لیے اجرت پر لیا اور اس پر جولا دے گا اس کا ذکر نہ کیا اور اس نے معتاد سامان اس پر لا دیا اور گدھا ہلاک ہو گیا تو وہ ضامن نہیں ہوگا۔ کیونکہ اجارہ فاسد ہو گیا ہے۔

29902۔ (قوله: وَكَذَا لَوْلَمْ يَنْضِ الْأَجَلُ) یعنی وہ عقد صحیح ہو جائے گا۔ یہ اس کی طرف اشارہ ہے جو ہم نے پہلے شریعہ کی طرف سے ذکر کیا ہے اعتراض کا نشان ان کے قول عاد صحیحہ کی زیادتی ہے اس کو ذکر کیا پھر اس پر اعتراض کیا۔ کیونکہ مصنف نے اپنے متن کی شرح کی تقریر میں ذکر کیا پس یہ ان کی مراد ہوگی۔
اعتراض کو یہ چیز ختم کر دیتی ہے کہ کاشت کے بعد اس کا صحیح ہو جانا اور مدت کا گزر جانا صحیح ہے یعنی ان دونوں چیزوں کے مجموعہ کے بعد، پس اس میں ایسی کوئی چیز نہیں جو اس امر کا تقاضا کرے کہ اس کا صحیح ہو کر لومنا یہ اجل کے گزرنے پر موقوف ہے۔ فاقبل

29903۔ (قوله: قَبْلَ تَسَامِ الْعَقْدِ) یعنی عقد کی مدت کے مکمل ہونے سے پہلے۔ ”العنايہ“ کا قول ہے: قبل تمام العقد الخ یعنی عقد کے مکمل ہونے سے قبل حاکم اس عقد کو ختم کر دے یہ ان چیزوں میں سے ہے جسے فطرت سلیمہ قبول نہیں کرتی کیونکہ حاکم کے عقد کو ختم کر دینے سے عقد اصل سے ہی منسوخ ہو جاتا ہے۔ پس وہ کہے اس کے ساتھ مکمل ہوگا اور کسی شے کا مکمل ہونا اس کے بقا کے آثار میں سے ہے۔ ”طوری“۔

29904۔ (قوله: كَقَاضِي خَانَ) اس کی عبارت ہے: اگر وہ اس کو کاشت کرے تو اس کے لیے وہ اجر ہے جس اجرت کا وہ ذکر کرے کیونکہ وہ جائز نہ ہونے کی حیثیت سے لوٹ آیا ہے۔ یہ استحسان ہے کیونکہ اجارہ ساعت بساعت منفعہ کے پیدا ہونے کے حساب سے منعقد ہوگا اور فساد جہالت کی وجہ سے تھا۔ جب جہالت ختم ہوگئی تو اس ساعت جو اس کا ختم ہونا ہے وہ عقد کے وقت اس کا ختم ہونا ہے پس وہ جائز ہونے کی حیثیت سے لوٹ آئے گا۔

29905۔ (قوله: فَحَمَلَهُ الْمُعْتَادَ) غیر معتاد اس سے خارج ہو گیا اگر وہ ہلاک ہو جائے تو وہ ضامن ہوگا جس طرح ”اتقانی“ میں ہے۔

29906۔ (قوله: لِفَسَادِ الْإِجَارَةِ) ”الدرر“ اور ”المنح“ میں اسی طرح ہے۔ زیادہ بہتر ”ہدایہ“ کا قول ہے: لان العين زمانه وان كانت الاجارة فاسدة کیونکہ عین امانت ہے اگرچہ اجارہ فاسد ہے۔

فَالْعَيْنُ أَمَانَةٌ كَمَا فِي الصَّحِيحَةِ (فَإِنْ بَدَغَ فَلَهُ الْمُسْتَسَى) لِمَا مَرَّ فِي الزَّرَاعَةِ (فَإِنْ تَنَازَعَ قَبْلَ الزَّرْعِ) فِي مَسْأَلَةِ الزَّرَاعَةِ (أَوْ الْحَمْلِ) فِي مَسْأَلَتِنَا (فُسِخَتْ الْإِجَارَةُ دَفْعًا لِلْفَسَادِ) لِقِيَامِهِ بَعْدُ (اسْتَأْجَرَ دَابَّةً ثُمَّ جَحَدَ الْإِجَارَةَ فِي بَعْضِ الطَّرِيقِ وَجَبَ عَلَيْهِ أَجْرُ مَا رَكِبَ قَبْلَ الْإِنْكَارِ، وَلَا يَجِبُ لِمَا بَعْدَهُ) عِنْدَ أَبِي يُوسُفَ؛ لِأَنَّهُ بِالْجُحُودِ صَارَ غَاصِبًا وَالْأَجْرُ وَالضَّمَانُ لَا يَجْتَبِعَانِ، وَعِنْدَ مُحَمَّدٍ يَجِبُ الْمُسْتَسَى دُرُّهُ وَكَأَنَّهُ لَا قَوْلَ لِلْإِمَامِ

پس عین امانت ہے جس طرح اجارہ صحیحہ میں ہے۔ اگر وہ وہاں پہنچ جائے تو اس کے لیے معین اجرت ہوگی اس دلیل کی وجہ سے جو زراعت میں گزر چکی ہے۔ اگر وہ کھیتی کاشت کرنے سے پہلے زراعت کے ساتھ مسئلہ میں باہم تنازع کریں یا بوجھ لادنے سے پہلے ہمارے مسئلہ میں تنازع کریں تو اجارہ فسخ کر دیا جائے گا تا کہ فساد کو دور کر دیا جائے کیونکہ عقد میں ابھی تک قائم ہے۔ ایک آدمی نے جانور اجرت پر لیا پھر راستہ میں سے بعض میں اجارہ کا انکار کر دیا انکار سے پہلے جتنا سوار رہا اس پر اس کی اجرت واجب ہوگی اور ما بعد کی اجرت واجب نہ ہوگی۔ یہ امام ”ابو یوسف“ رحمہ اللہ کے نزدیک ہے۔ کیونکہ انکار کرنے کے ساتھ وہ غاصب بن چکا ہے اجرت اور ضمانت دونوں جمع نہیں ہو سکتے۔ امام ”محمد“ رحمہ اللہ کے نزدیک مسمی واجب ہوگا، ”درر“۔ گویا ”امام صاحب“ رحمہ اللہ کا اس بارے میں کوئی قول نہیں ہے۔

29907۔ (قوله: لِمَا مَرَّ فِي الزَّرَاعَةِ) یعنی عقد مکمل ہونے سے پہلے جہالت اٹھ گئی۔ اب کلام کا ظاہر یہ ہے کہ بغداد پہنچنے سے پہلے محض معقود سامان لانے سے اجارہ صحیح ہو جائے گا۔ ”اتقانی“ نے اس کی تصریح کی ہے۔ شارح کی کلام میں باب ما يجوز من الاجارة میں گزر چکا ہے کیونکہ کہا: اگر وہ یہ واضح نہ کرے کہ کوئی اس پر سوار ہوگا تو جہالت کی وجہ سے اجارہ فاسد ہو جائے گا اور اس پر سوار ہونے سے وہ اجارہ صحیح ہو جائے گا یہ قول اس کے مخالف ہے جو ابھی ”ہدایہ“ سے گزر چکا ہے۔ تامل

29908۔ (قوله: فُسِخَتْ) یعنی قاضی نے اسے باطل کر دیا کیونکہ عقد فاسد کو توڑنا اور باطل کرنا واجب ہے۔ ”ذخیرہ“

29909۔ (قوله: دَفْعًا لِلْفَسَادِ) زیادہ بہتر دفع کی جگہ دفع ہے کیونکہ فساد قائم ہے جو ختم کر دینے کا محتاج ہے نہ کہ وہ غیر قائم ہے جو دفع کا محتاج ہو فافہم۔ ”اتقانی“۔

29910۔ (قوله: لِقِيَامِهِ بَعْدُ) یعنی فی الحال وہ قائم ہے۔

29911۔ (قوله: وَالْأَجْرُ وَالضَّمَانُ لَا يَجْتَبِعَانِ) یعنی انکار کے بعد اجر، ساتھ جانور کی ضمانت، اگر انکار کے بعد جانور ہلاک ہو جائے۔ ”ح“۔

میں کہتا ہوں: جہاں تک انکار سے قبل کا اجر ہے تو یہ واجب ہوگا اگرچہ اس کے بعد وہ ہلاک ہو جائے جہتوں کے مختلف ہونے کی وجہ سے دونوں کا اجتماع لازم نہیں ہوتا جس طرح اس کی نظیر گزر چکی ہے۔ تامل

29912۔ (قوله: وَعِنْدَ مُحَمَّدٍ يَجِبُ الْمُسْتَسَى) یعنی اگر جانور سلامت رہے تو معین کردہ اجرت واجب ہوگی

وَفِي الْأَشْبَاهِ قَصْرُ الثُّبُوتِ الْمَجْهُودِ، فَإِنْ قَبْلَهُ فَلَهُ الْأَجْرُ وَإِلَّا لَا وَكَذَا الصَّبَاغُ وَالنَّسَاجُ إِجَارَةُ الْمَنْفَعَةِ بِالْمَنْفَعَةِ تَجُوزُ إِذَا اخْتَلَفَا جِنْسًا كَأَسْتِجَارِ سُكْنَى دَارٍ بِزِرَاعَةِ أَرْضٍ (وَإِذَا اتَّحَدَا لَا تَجُوزُ)

”الاشباہ“ میں ہے: اس نے اس کپڑے کو دھویا جس کا انکار کیا تھا اگر انکار سے قبل اس کو دھویا تھا تو اس کے لیے اجر ہوگا ورنہ اجر نہ ہوگا اسی طرح رنگریز اور جولاہے کا حکم ہے۔ منفعت کا منفعت کے بدلے اجارہ جائز ہوتا ہے جب وہ دونوں منفعتیں مختلف جنس کی ہوں۔ جس طرح زمین کی زراعت کے بدلے گھر کی رہائش اجرت پر لے جب دونوں متحد ہو جائیں تو پھر اجارہ جائز نہ ہوگا۔

مقدس نے شرح ”الکنز“ میں کہا ہے: امام ”محمد“ رحمہ اللہ نے اجرت کو واجب کیا ہے۔ کیونکہ وہ استعمال کرنے کے باوجود سلامت رہی ہے پس ضمان ساقط ہوگئی۔ ”التبیین“ اور ”شرح المجمع“ میں اسی طرح ہے۔ تو اچھی طرح باخبر ہے کہ سابقہ مسئلہ اور اس کی نظائر اس کی تائید کرتی ہیں جو انہوں نے قول کیا ہے۔ ”ح“۔

میں کہتا ہوں: اس میں اعتراض کی گنجائش ہے کیونکہ سابقہ مسئلہ میں وہ غاصب نہیں کیونکہ اس نے اقرار کا اجارہ کیا ہے اور جہالت کے ختم ہو جانے کے بعد وہ اجارہ صحیح ہو چکا ہے جس طرح یہ قول گزر چکا ہے۔

ایسی چیز کے استعمال میں جو غلہ حاصل کرنے کے لیے تیار کی گئی ہو

اجرت واجب ہوگی اگرچہ وہ زمین نہ ہو

ہاں اجر واجب ہونا چاہیے اگر وہ ایسی مدت ہو جو منافع و محاصل کرنے کے لیے ہو۔ کیونکہ یہ عقار کے ساتھ خاص نہیں جس طرح وہم کیا گیا۔ ”حامد“ میں یہ فتویٰ دیا ہے کہ مکاری کے دابہ کو استعمال کرنے والے پر اجر واجب ہوگا یہ نقل کی طرف منسوب ہے جس طرح ہم عنقریب کتاب الغصب میں اس کا ذکر کریں گے۔ اس کی مثل ”مرادیہ“ میں ہے۔ فتنہ

29913۔ (قوله: وَفِي الْأَشْبَاهِ الْخ) یہ مجمل کلام ہے اس کی وضاحت وہ ہے جو ”الولوالجیہ“ میں ہے: ایک آدمی نے دھوبی کو پڑا دیا تاکہ وہ اس کو دھوئے اس نے انکار کر دیا پھر دھوبی دھلا ہوا وہ کپڑا لایا اور اس کا اقرار کیا اگر انکار سے پہلے اس کو دھویا تو اس کے لیے اجر ہوگا۔ کیونکہ عمل کپڑے والے کے لیے واقع ہوا ہے۔ اگر اس نے اس کے بعد اس کو دھویا تو اجرت کا مستحق نہیں ہوگا۔ کیونکہ عمل عامل کے لیے واقع ہوا ہے۔ کیونکہ انکار کرنے کے ساتھ وہ غاصب ہو گیا تھا۔ اگر وہ رنگریز: تو مسئلہ اپنی حالت پر رہے گا اگر اس نے انکار سے پہلے اسے رنگا تھا تو اس کے لیے اجر ہوگا۔ اگر اس کے بعد اس نے رنگا تو اس کے لیے کوئی اجر نہ ہوگا اور کپڑا بننے والے کے لیے ہوگا اور اس پر مدت کی قیمت ہوگی جس طرح جب وہ گندم ہو پس اس نے اس کو پیسا۔ منفعت کا اجارہ

29914۔ (قوله: إِجَارَةُ الْمَنْفَعَةِ الْخ) یہ ان کے سابقہ قول: او ان یزرعها بزراعة ارض اخری سے عام ہے۔

كَيْ جَارَةِ السُّكْنَى بِالسُّكْنَى وَاللُّبْسِ بِاللُّبْسِ وَالزُّكُوبِ بِالرُّكُوبِ وَنَحْوِ ذَلِكَ، لِمَا تَقَرَّرَ أَنَّ الْجِنْسَ بِانْفِرَادِهِ يُحَرِّمُ النِّسَاءَ فَيَجِبُ أَجْرُ الْمَثَلِ بِاسْتِيفَاءِ النَّفْعِ كَمَا مَزَلَفَسَادِ الْعَقْدِ (اسْتَأْجَرَهُ لِيَصِيدَ لَهُ أَوْ يَحْتَطِبَ لَهُ، فَإِنْ) وَقَّتَ لِذَلِكَ (وَقْتًُا جَازَ) ذَلِكَ (وَالْأَلَا) فَلَوْلَمْ يُوقَّتْ وَعَيَّنَ الْحَطَبَ فَسَدَ (إِلَّا إِذَا عَيَّنَ الْحَطَبَ وَهُوَ) أَمَى الْحَطَبُ (مِلْكُهُ فَيَجُوزُ) مُجْتَبَى، وَبِهِ يُفْتَى صَيْرَفِيَّةٌ

جس طرح رہائش کے بدلے رہائش کا اجارہ، لباس کے بدلے لباس کا اجارہ اور سوار ہونے کے بدلے سوار ہونے کا اجارہ اور اسی طرح کا معاملہ ہے۔ کیونکہ یہ امر ثابت ہو چکا ہے کہ جب جنس منفرد ہو تو یہ تاخیر کو حرام کر دیتا ہے پس جب منافع مکمل حاصل کر لیے تو اجرت مثلی واجب ہوگی جس طرح گزر چکا ہے۔ کیونکہ عقد فاسد ہو چکا ہے۔ ایک آدمی نے کسی کو اجرت پر لیا تاکہ وہ اس کے لیے شکار کرے یا اس کے لیے لکڑیاں بنائے اگر وہ اس کام کے لیے وقت کا ذکر کرے تو یہ جائز ہوگا ورنہ جائز نہ ہوگا۔ اگر وہ وقت کا ذکر نہ کرے اور لکڑیاں معین کر دے تو عقد فاسد ہو جائے گا مگر جب وہ لکڑیوں کو معین کرے اور وہ لکڑیاں اس کی ملکیت ہیں تو یہ جائز ہوگا، ”مجتبى“۔ اسی پر فتویٰ دیا جاتا ہے، ”صیرفیه“۔

29915۔ (قولہ: كَيْ جَارَةِ السُّكْنَى بِالسُّكْنَى) یعنی ایک گھر کی رہائش دوسرے گھر کے عوض۔ اگر دکان کے بدلے میں ہو تو عقد اجارہ صحیح ہوگا۔ کیونکہ منفعت مختلف ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: صحیح نہیں۔ گائے کا گائے کے بدلے میں اجارہ اکد اس میں جائز نہیں کیونکہ جنس متحد ہے اور بیل کی گدھے کے بدلے میں ہو تو یہ جائز ہے۔ ”جامع الفصولین“ کدس ضمه کے ساتھ ہو تو مراد وہ دانا ہے جو کاٹا گیا ہوا جمع کیا گیا ہو ”قاموس“۔ شرح ”قاضی خان“ میں ہے: غلام اور لونڈی کی خدمت ایک جنس ہے۔ اگر دونوں میں سے ایک نے دوسرے کے بغیر خدمت کی، ایک روایت میں ہے: اجرت مثلی واجب ہوگی ایک روایت میں ہے کوئی شے واجب نہ ہوگی، ”تاثر خانیہ“ میں ہے: جب منفعت کا اس کی جنس سے مقابلہ کیا جائے اور دوسرے نے منفعت پوری کی پوری لے لی تو ظاہر روایت کے مطابق اس میں اجرت مثلی ہوگی۔ اسی پر فتویٰ ہے۔

29916۔ (قولہ: لِمَا تَقَرَّرَ الْخ) اس بارے میں کلام گزر چکی ہے۔ ایک علت بیان کی ہے وہ یہ ہے کہ یہ ان کے نزدیک ملک کے اعتبار سے اس کی جنس سے ہے اور اجارہ ضرورت کے لیے جنس کے خلاف جائز قرار دیا گیا ہے۔

29917۔ (قولہ: لِفَسَادِ الْعَقْدِ) زیادہ بہتر یہ قول کرنا ہے: بحکم عقد فاسد، جار مجرور استیفاء کے متعلق ہے، ”ط“۔

29918۔ (قولہ: جَازَ) کیونکہ وہ اکیلا مزدور ہے اس کی شرط، بیان ہے، وقت نہیں۔

29919۔ (قولہ: وَالْأَلَا) یعنی لکڑیاں عامل کی ہوں گی۔ ”ط“۔

29920۔ (قولہ: فَسَدَ) ”ہندیہ“ میں کہا: اگر اس نے کہا: یہ لکڑیاں، تو اجارہ فاسد ہوگا اور لکڑیوں مستاجر کی ہوں گی اور اس پر اجرت مثلی ہوگی۔ ”ط“۔

29921۔ (قولہ: وَبِهِ يُفْتَى صَيْرَفِيَّةٌ) اس میں کہا: اگر یوم کا ذکر کیا تو چارہ آمر کا ہوگا ورنہ چارہ مامور کا ہوگا۔ یہ

فَرُوعٌ اسْتَأْجَرَ امْرَأَتَهُ لَتُخْبِزَ لَهُ خُبْزًا لِأَكْلِ لَمْ يَجُزْ، وَلِلْبَيْعِ جَازَ صَيْرَفِيَّةٌ أَجَرَتْ دَارَهَا لِزَوْجِهَا فَسَكَنَهَا
فَلَا أَجَرَ أَشْبَاهًا وَخَانِيَّةٌ قُلْتُ لَكِنْ فِي حَاشِيَتِهَا تَنْوِيرُ الْبَصَائِرِ عَنِ الْمَضْمَرَاتِ مَعْنِيًا لِدُكْبُرِي قَالَ قَاضِي
خَانَ هُنَا الْفَتْوَى عَلَى الصِّحَّةِ

فروع: ایک آدمی نے اپنی بیوی کو اجرت پر لیا تاکہ وہ اس کے لیے کھانے کے لیے روٹیاں پکائے تو یہ جائز نہ ہوگا اور بیچ کے لیے اجارہ کرنا جائز ہوگا۔ ”صیرفیہ“۔ ایک عورت نے اپنا گھر اپنے خاوند کو اجرت پر دیا پس دونوں اس میں رہے تو بیوی کے لیے کوئی اجرت نہ ہوگی، ”اشباہ“، ”خانیہ“۔ میں کہتا ہوں: لیکن اس کے حاشیہ ”تنویر البصائر“ میں ”مضممرات“ سے مروی ہے: جب کہ وہ کبریٰ کی طرف منسوب ہے۔ ”قاضی خان“ نے کہا: یہاں فتویٰ عقد کے صحیح ہونے پر ہے۔

”حاوی“ کی روایت ہے۔ اسی پر فتویٰ دیا جاتا ہے۔ ”المنح“ میں کہا: یہ قول اس کے موافق ہے جو ہم نے پہلے ”مجتبیٰ“ سے نقل کیا ہے۔ اسی وجہ سے ہم نے ”المختصر“ میں اس پر اعتماد کیا ہے۔

عورت پر امور خانہ داری دیانۃ واجب ہے

29922۔ (قوله: لَمْ يَجُزْ) کیونکہ یہ ایسا عمل ہے جو عورت پر بطور دیانت کے واجب ہے۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ نے حضرت فاطمہ بنتیہ اور حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہما کے درمیان اعمال تقسیم کیے اور گھر کے اندر کے اعمال حضرت فاطمہ بنتیہ کے ذمہ کیے اور باہر کے اعمال حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہما کے ذمہ کیے (1)۔ مصنف نے باب کے آخر میں بیان کیا کہ عورت کو سالن پکانے، روٹی پکانے اور باقی ماندہ گھر کے اعمال پر اجرت پر رکھا جائے تو اجارہ منعقد نہیں ہوتا۔ اسے ”مضممرات“ سے نقل کیا ہے۔ ”ط“۔

میں کہتا ہوں: گویا یہ اس پر بطور دیانت واجب ہے۔ پھر میں نے باب النفقة کی طرف رجوع کیا تو میں نے اسے دیکھا کہ اس کے ساتھ ہی اس کی علت بیان کی گئی اور یہ زائد کلام کی ولو شریفة۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اعمال کو تقسیم کیا۔ یہ کلام اس پر دلالت کرتی ہے جو ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ متاخرین کے نزدیک اجارہ میں مشتی بہ قول ان طاعات پر ہے۔ طاعات کو علماء نے بیان کیا ہے ہر طاعت مراد نہیں۔

29923۔ (قوله: فَلَا أَجَرَ) کیونکہ سکونت کی منفعت عورت کی طرف لوٹی ہے اور اس لیے بھی کہ خاوند غرض اوقاف گھر سے نکلتا ہے ممکن ہے کہ اس کے دن کا اکثر حصہ بازار میں گزرے اور گھر عورت کے قبضہ میں ہو۔ ”خانیہ“۔

29924۔ (قوله: قَالَ قَاضِي خَانَ) ”قاضی خان“ نے اسے ”جامع صغیر“ پر اپنی شرح میں اسے ذکر کیا ہے۔ ”زیادات“ میں ہے: ان کا وہ قول ہے جس کا ذکر ان کے فتاویٰ میں ہے۔ مصنف نے اسے ”المنح“ میں بیان کیا ہے جب

1۔ عمدة القاری شرح صحیح بخاری، کتاب النفقات، باب خادم المرأة، جلد 17، صفحہ 124

2۔ عمدة القاری شرح صحیح بخاری، کتاب النفقات، باب خادم المرأة، جلد 12، صفحہ 633

لِتَبْعِيَّتِهَا لَهُ فِي السُّكْنَى فَلْيُحْفَظْ وَجَازَ إِجَارَةُ النَّاشِطَةِ لِتُزَيِّنَ الْعُرُوسَ إِنْ ذُكِرَ الْعَمَلُ وَالْمُدَّةُ بِزَازِيَّةٍ
وَجَازَ إِجَارَةُ الْقَنَاطَةِ وَالنَّهْرِ مَعَ الْمَاءِ بِهِ يُفْتَى لِعُمُومِ الْبَلْوَى مُضْمَرَاتٍ

کیونکہ عورت رہائش میں خاوند کے تابع ہے۔ پس اس کو یاد رکھا جائے۔ کنگھی کرنے والی کو اجرت پر لینا جائز ہے تاکہ وہ دلہن کو آراستہ کرے اگر عمل اور مدت کا ذکر کر دیا جائے، ”بزازیہ“۔ پانی کی چھوٹی نالی اور نہر کو پانی کے ساتھ اجارہ پر لینا جائز ہے۔ اسی پر فتویٰ دیا جاتا ہے۔ کیونکہ عموم بلوی ہے، ”مضمرات“۔

اسے شرح میں ذکر کیا ہے تو یہی قابل اعتماد ہے۔ اسی وجہ سے شیخ ”شرف الدین“ نے کہا: ان کا قول یہ ہے کوئی اجرت نہ ہو گی۔ میں کہتا ہوں: یہ ایک قول ہے اور مفتی بہ قول اجرت کا وجوب ہے الخ۔

29925۔ (قوله: لَتَبْعِيَّتِهَا لَهُ فِي السُّكْنَى) پس وہ تخلیہ اور سپرد کرنے سے مانع نہیں۔

29926۔ (قوله: وَالْمُدَّةُ) ”ذخیرہ“ وغیرہا میں ”او“ کے ساتھ تعبیر کیا گیا پس یہاں واو، او کے معنی میں ہے۔

پانی گزر گاہ سمیت اجارہ پر لینا اور جنگل اور مچھلیوں کے لیے

تالاب اجارہ پر لینے کا مطلب

29927۔ (قوله: وَالنَّهْرِ) اس سے مراد پانی کی گزر گاہ ہے۔

29928۔ (قوله: مَعَ الْمَاءِ) یعنی پانی نہر کی تبع میں۔ ”بزازیہ“ کی کتاب الشرب میں کہا: صرف پانی کی باری پر اجارہ کرنا صحیح نہیں۔ کیونکہ یہ اجارہ عین کے ہلاک کرنے پر واقع ہوتا ہے جب کہ اس کا قصد کیا جاتا ہے مگر جب وہ اجارہ کرے یا زمین کے ساتھ بیچے تو اس وقت تبعاً یہ جائز ہوگا۔ اگر ایک آدمی زمین بیچے جب کہ دوسری زمین کے پانی کی باری بیچے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے: یہ جائز ہے اگر ایک آدمی نے زمین اجرت پر دی جب کہ دوسری زمین کی باری اجرت پر دی تو یہ جائز نہیں ہوگا۔ اس کی مکمل وضاحت اس میں ہے۔

جب اجارہ عین پر واقع ہو تو صحیح نہیں ہوگا

یہاں ذکر کیا ہے: جب اجارہ عین پر واقع ہو تو وہ صحیح نہیں ہوتا جنگلوں اور حوضوں کو مچھلی کا شکار کرنے، سرکند ختم کرنے، لکڑیاں کاٹنے، اس کی زمین کو سیراب کرنے یا ان سے ان کے ریوڑ کو پانی پلانے کے لیے اجرت پر لینا جائز نہیں۔ چراگاہ کو اجارہ پر دینے کا یہی حکم ہے۔ سب میں حکم یہ ہے کہ وہ معلوم جگہ مویشی بٹھانے کے لیے اجرت پر لے اور پانی اور گھاس کو مباح کر دے کنویں اور چشمے کے پانی کو مباح کرنے کی ضرورت ہوتی ہے جب شرب کا اطلاق تمام پانیوں پر ہو ورنہ اذن کی کوئی حاجت نہیں جب وہ کنویں اور نہر کے حریم کو نقصان نہ دے۔ ایک آدمی نے خشک نہر یا زمین یا سطح معلوم مدت تک اجرت پر لی اور کچھ نہ کہا تو یہ عقد صحیح ہوگا۔ اسے حق حاصل ہوگا کہ اس میں پانی جاری کرے۔

دلال کی اجرت کا بیان

تمہ: ”تاثر خانیہ“ نے کہا: دلال اور ایجنٹ میں اجرت مثلی واجب ہوگی۔ اور جس پر انہوں نے اتفاق کیا کہ یہ دس دینار میں اتنا ہے تو یہ ان پر حرام ہے۔ ”حاوی“ میں ہے: ”محمد بن مسلمہ“ سے سمسار کی اجرت کے بارے میں پوچھا گیا فرمایا: میں امید کرتا ہوں کہ اس میں کوئی حرج نہیں اگرچہ اصل میں یہ فاسد ہے۔ کیونکہ اس میں تعادل کثرت سے متحقق ہوتا ہے ان میں سے کثیر صورتیں جائز نہیں۔ علما نے لوگوں کی حاجت کے پیش نظر اسے جائز قرار دیا ہے جس طرح حمام میں جانا۔ ان سے یہ مروی ہے فرمایا: میں نے ”ابن شجاع“ کو دیکھا وہ کپڑا بننے والے کو معین اجرت پر کام لیتے جو ہر سال ان کے لیے پیرا بنتا۔

مقرض کو اپنے گھر میں رکھا تو اجرت مثل واجب ہوگی

”خانیہ“ میں ہے: ایک آدمی نے چند دراہم قرض لیے اور مقرض کو اپنے گھر میں رکھا علماء نے کہا: مقرض پر اجرت مثلی واجب ہوگی۔ کیونکہ مستقرض نے اسے اپنے گھر میں رہائش دی یہ قرض کی منفعت کے عوض ہے نہ کہ عوض کے بغیر اس نے رہائش دی ہے اس طرح اگر مقرض نے مستقرض سے ایک گدھا لیا تا کہ اس سے کام لے یہاں تک کہ وہ اس پر دراہم کو لوٹا دے یہ امر بہت زیادہ واقع ہوتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

بَابُ ضَمَانِ الْأَجِيرِ

(الْأَجْرَاءُ عَلَى ضَرْبَيْنِ مُشْتَرَكٍ وَخَاصٍّ، فَالْأَوَّلُ مَنْ يَعْمَلُ لِأَلِوَاحِدِ) كَالْخِيَّاطِ وَنَحْوِهِ

اجیر کی ضمانت کے احکام

اجیر کی دو قسمیں ہیں: مشترک، خاص۔ پہلا وہ ہے جو کسی ایک آدمی کے لیے کام نہیں کرتے جیسے درزی وغیرہ

جب اجارہ کی انواع صحیح اور فاسد سے فارغ ہوئے تو ضمان کے بیان میں شروع ہوئے۔ کیونکہ یہ ان عوارض میں سے ہے جو عقد اجارہ پر مقرب ہوتے ہیں۔ پس ان کے بیان کی ضرورت ہے، ”غایۃ البیان“ میں اسی طرح ہے۔ یہ مخفی نہیں کہ ضمان اجیر کا معنی اثبات اور نفی کی صورت میں ہے۔ اگر اس کا یہ معنی نہ ہو بلکہ صرف ضمان کا ثابت کرنا ہو تو یہ لازم آئے گا کہ ”امام صاحب“ رحمہ اللہ کے قول کے مطابق باب کا عنوان اصلاً صحیح نہ ہو۔ کیونکہ ”امام صاحب“ رحمہ اللہ کے نزدیک اجیر مشترک اور اجیر خاص میں سے کسی پر ضمانت نہیں۔ ”طوری“۔

اجیر مشترک کی بحث

29929۔ (قوله: فَالْأَوَّلُ الْخ) ”العناية“ میں کہا ہے: اجیر مشترک کو اجیر خاص پر مقدم کرنے کی وجہ کے بارے میں سوال ہے ”طوری“۔ یعنی اگر اجیر خاص کو مقدم کیا جاتا تو سوال اس سبب کے بارے میں متوجہ ہوتا کہ اجیر خاص کو کیوں اجیر مشترک پر مقدم کیا گیا ہے۔ کیونکہ یہ ایک کو دوسرے پر مقدم کرنے کی وجہ ہے۔ جہاں تک اجیر مشترک کا تعلق ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ خاص کی طرف نسبت کے اعتبار سے عام کے قائم مقام ہے۔ ساتھ ہی اس کی مباحث بہت زیادہ ہیں۔ جہاں تک خاص کا تعلق ہے تو یہ مفرد کو مرکب کے ہاں جو مقام حاصل ہے اس کے قائم مقام ہے۔ لیکن یہاں اجیر مشترک کو مقدم کرنا اولیٰ ہے۔ کیونکہ باب ضمان الاجیر ہے اور یہ مشترک میں ہوتا ہے، قائل۔ کیونکہ جو کچھ ذکر کیا گیا ہے اس سے مشترک کو مقدم کرنے کے اختیار کی وجہ ظاہر نہیں ہوتی جس طرح یہ امر مخفی نہیں جب کہ یہ ضروری ہے۔ ”سعدیہ“۔

اجیر مشترک کی تعریف

29930۔ (قوله: مَنْ يَعْمَلُ لِأَلِوَاحِدِ) ”زیلعی“ نے کہا: اس کا معنی یہ ہے جس پر یہ واجب نہ ہو کہ وہ کسی ایک کے ساتھ خاص ہو جائے وہ کسی اور کے لیے عمل کرے یا عمل نہ کرے۔ یہ شرط نہیں کہ وہ کئی افراد کے لیے عمل کرے۔ بلکہ جب وہ ایک آدمی کے لیے عمل کرے تو بھی وہ مشترک ہوگا۔ جب وہ ممتنع نہ ہو اور اس پر یہ متعذر نہ ہو کہ وہ کسی اور کے لیے عمل کرے۔

29931۔ (قوله: وَنَحْوِهِ) اس کا ذکر کیا حالانکہ کاف نے اس سے غنی کر دیا تھا تا کہ یہ وہم پیدا نہ ہو کہ کاف استقصائی

ہے۔ فافہم

(أَوْ يَعْمَلُ لَهُ عَمَلًا غَيْرَ مُؤَقَّتٍ) كَانَ اسْتَأْجَرَهُ لِدَخِيَا طَةً فِي بَيْتِهِ غَيْرَ مُقَيَّدَةٍ بِمُدَّةٍ كَانَ أَجِيرًا مُشْتَرَكًا وَإِنْ لَمْ يَعْمَلْ لِغَيْرِهِ (أَوْ مُؤَقَّتًا بِلا تَخْصِيصٍ) كَانَ اسْتَأْجَرَهُ لِيَرْعَى غَنَمَهُ شَهْرًا بِدَرَاهِمٍ كَانَ مُشْتَرَكًا، إِلَّا أَنْ يَقُولَ وَلَا تَرَعَى غَنَمَ غَيْرِي وَسَيَتَّضِحُ وَفِي جَوَاهِرِ الْفَتَاوَى اسْتَأْجَرَ حَائِكًا لِيَنْسِجَ ثَوْبًا ثُمَّ أَجَرَ الْحَاكُ نَفْسَهُ مِنْ آخِرِ لِيَنْسِجَ صَحَّ كِلَا الْعَقْدَيْنِ لِأَنَّ الْمَعْقُودَ عَلَيْهِ الْعَمَلُ لَا الْمَنْفَعَةُ (وَلَا يَسْتَحِقُّ الْمُشْتَرِكُ الْأَجَرَ حَتَّى يَعْمَلَ كَالْقَصَّارِ وَنَحْوِهِ)

یا اس کے لیے عمل کرتا ہے مگر وہ موقت نہیں ہوتا۔ اس کی صورت یہ ہے کہ وہ اسے کپڑے سینے کے لیے اپنے گھر میں اجرت پر رکھتا ہے جو مدت کے ساتھ مقید ہوتا ہے تو وہ اجیر مشترک ہوگا اگرچہ وہ کسی اور کے لیے کام نہ کرے یا اس کا وقت تو معین کیا جائے مگر تخصیص نہ ہو۔ اس کی صورت یہ ہے کہ وہ اسے اجازت پر لیتا ہے تاکہ وہ اس کے ریوڑ کو ایک ماہ درابم کے بدلے چرائے تو وہ اجیر مشترک ہوگا مگر وہ یہ کہے: اور تو میرے سوا کسی اور کا ریوڑ نہیں چرائے گا عنقریب اس کی وضاحت آئے گی۔ ”جواہر الفتاویٰ“ میں ہے: ایک آدمی نے ایک جولاہے کو اجرت پر لیا تاکہ کپڑا بنے پھر جولاہے نے اپنے آپ کو کسی اور آدمی کے ہاتھ میں اجرت پر دے دیا تاکہ وہ کپڑا بنے تو دونوں عقد صحیح ہوں گے۔ کیونکہ معقود علیہ عمل ہے منفعت نہیں مشترک اجیر اجر کا مستحق نہیں ہوگا یہاں تک کہ وہ عمل کرے جس طرح دھوبی وغیرہ

”طوری“ نے کہا: ”عتابیہ“ میں ہے: اجیر مشترک یہ ہے: سامان اٹھانے والا، ملاح، جولاہا، درزی، روئی دھننے والا، رنگریز، دھوبی، چرواہا، حجام، کچھنے لگانے والا، مستری اور گڑھا کھودنے والا۔

29932۔ (قولہ: وَسَيَتَّضِحُ) اجیر خاص کی بحث میں ہے لیکن وہاں اپنی تحقیق کو ”درز“ کی طرف پھیر دیا ہے عنقریب اس کا ذکر کریں گے ان شاء اللہ۔

اجیر مشترک اور اجیر خاص کا حکم

29933۔ (قولہ: وَفِي جَوَاهِرِ الْفَتَاوَى) اجیر مشترک اور معقود علیہ پر حکم لگانے کی تنبیہ کا ارادہ کیا ہے۔ ”زیتنی“ نے کہا ہے: دونوں یعنی اجیر مشترک اور اجیر خاص کا حکم یہ ہے کہ مشترک کو یہ حق حاصل ہوتا ہے کہ وہ کئی اشخاص سے عمل کو قبول کرے۔ کیونکہ اس کے حق میں معقود علیہ عمل اور اس کا اثر ہوتا ہے۔ پس اسے حق حاصل ہوگا کہ وہ عام لوگوں سے عمل کو قبول کرے۔ کیونکہ اس کے منافع ایک فرد کے لیے ثابت نہیں ہوتے اسی وجہ سے اسے مشترک کہتے ہیں۔ اور اجیر خاص کے لیے ممکن نہیں ہوتا کہ وہ کسی اور کے لیے کام کرے۔ کیونکہ مدت میں اس کے منافع مستاجر کے لیے ثابت ہو جاتے ہیں اور اجرت منافع کے مقابل ہوتی ہے۔ اسی وجہ سے اجرت لازم کے طور پر باقی رہتی ہے اگرچہ عمل میں نقص پیدا ہو جائے۔ ”ابوسعود“ نے کہا: اگرچہ کوئی آدمی اجیر کے عمل میں نقص پیدا کر دے۔ اگر نقص امیر کی جانب سے ہو تو وہ ضامن ہوگا جس طرح عنقریب آئے گا۔

29934۔ (قولہ: حَتَّى يَعْمَلَ) کیونکہ اجارہ عقد معاوضہ ہے پس یہ دونوں میں مساوات کا تقاضا کرتا ہے۔ جب

كَفْتَالٍ وَ حَتَالٍ وَ دَلَالٍ وَ مَلَّاحٍ وَ لَهُ خِيَارُ الرُّؤْيَةِ فِي كُلِّ عَمَلٍ يَخْتَلِفُ بِاخْتِلَافِ الْمَحَلِّ مُجْتَبًى (وَلَا يَضْمَنُ مَا هَلَكَ فِي يَدِهِ وَإِنْ شَرَطَ عَلَيْهِ الضَّامِنُ) لِأَنَّ شَرْطَ الضَّامِنِ فِي الْأَمَانَةِ بَاطِلٌ كَالْمُودَعِ (وَبِهِ يُفْتَى)

جیسے رسی باٹنے والا، سامان اٹھانے والا، دلال اور ملاح۔ اس کے لیے ہر عمل میں خیار رؤیت ہوگا جو محل کے اختلاف کے ساتھ مختلف ہوگا۔ ”مجتبئی“۔ اس کے ہاتھ میں جو چیز ہلاک ہوگئی اس کا ضامن نہیں ہوگا اگرچہ اس پر ضمانت کی شرط لگائی گئی ہو۔ کیونکہ امانت میں ضمانت کی شرط لگانا باطل ہے جیسے مودع اسی پر فتویٰ دیا جاتا ہے

تک مستاجر کو معقود علیہ کے سپرد نہیں کیا جائے گا عوض اس کو سپرد نہیں کیا جائے گا اور معقود علیہ عمل اور اس کا اثر ہے جیسا ہم بیان کر چکے ہیں پس عمل ضروری ہے۔ ”زیلعی“۔ مراد ہے امور خارجیہ سے قطع نظر وہ اجرت کا مستحق نہیں جس طرح جب اسے اجرت پہلے دی جائے یا اجرت پہلے دینے کی شرط لگائی جائے۔ جس طرح ”سعدیہ“ میں ہے۔ ہم نے اسے کتاب الاجارہ کے اوائل میں بیان کر دیا ہے وہاں یہ بات گزر چکی ہے اگر وہ اجرت کو طلب کرے جب وہ عمل سے فارغ ہو اور وہ چیز اس کے حوالے کر دے تو سپرد کرنے سے پہلے وہ چیز ہلاک ہو جائے تو اجرت ساقط ہو جائے گی۔ یہ حکم ہر اس عمل کا ہے جس کا کوئی اثر ہو اور جس کا کوئی اثر نہ ہو جیسے سامان اٹھانے والا اس کے لیے اجرت ہوگی جو نہی وہ فارغ ہوگا اگرچہ وہ سپرد نہ کرے۔

عمل اور محل کے مختلف ہونے یا نہ ہونے میں خیار رؤیت کا حکم

29935۔ (قولہ: مُجْتَبًى) اس کی عبارت یہ ہے: اس نے دھوبی سے یہ شرط لگائی کہ وہ اسے ہر وہ کپڑا ایک درہم کے بدلے دھو کر دے اور وہ اس پر راضی ہو گیا جب دھوبی نے اس کپڑے کو دیکھا تو کہا: میں اس پر راضی نہیں تو اسے یہ حق حاصل ہوگا۔ اسی طرح درزی ہے اس میں اصل یہ ہے کہ ہر وہ عمل جو محل کے مختلف ہونے سے مختلف ہو جائے تو اس میں محل کو دیکھنے کے وقت خیار رؤیت ثابت ہوگا۔ اور ہر وہ عمل جو محل کے مختلف ہونے سے مختلف نہ ہو اس میں خیار رؤیت ثابت نہ ہوگا۔ جس طرح ایک آدمی کسی کو اجرت پر رکھتا ہے تاکہ وہ اس کے لیے یہ گندم کیل کرے یا اس کے غلام کے بال کاٹے جب اس نے محل کے محل کو دیکھا تو وہ عمل کرنے سے رک گیا تو اسے یہ حق حاصل نہیں ہوگا۔ پھر کہا: قاعدہ یہ ہے ایسے محل میں عمل پر کسی کو اجرت پر لینا جو محل اس کے پاس ہے تو یہ عقد جائز ہے اور جو محل اس کے پاس نہ ہو وہ عقد جائز نہیں۔ جس طرح جو چیز اس کے پاس نہ ہو اس کی بیع کرنا جائز نہیں، ”منح“۔ اسی کی مثل ”بزازیہ“ میں پانچویں فصل سے تھوڑا پہلے ہے۔

29936۔ (قولہ: وَلَا يَضْمَنُ الْخ) یہ جان لو اگر ہلاکت یا تواجیر کے فعل سے ہوگی یا اجیر کے فعل سے نہیں ہوگی۔ پہلی صورت میں یا تو تعدی کے ساتھ ہوگی یا تعدی کے ساتھ نہیں ہوگی۔ دوسری صورت میں یا تو اس سے بچنا ممکن ہوگا یا بچنا ممکن نہ ہوگا۔ پہلی صورت میں دونوں قسموں میں ضامن ہوگا اور دوسری قسم میں دوسری صورت میں وہ بالاتفاق ضامن نہیں ہوگا۔ اور اس کی پہلی صورت میں وہ ”امام صاحب“ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ضامن نہیں ہوگا اور ”صاحبین“ رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک مطلقاً ضامن ہوگا۔ متاخرین نے مطلقاً نصف قیمت پر صلح کا فتویٰ دیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اگر وہ مصلح ہو تو وہ ضامن نہیں ہوگا اگر غیر مصلح

ہو تو ضامن ہوگا اگر مستور الحال حال ہو تو صلح (جائز ہوگی) ”ح“۔ دونوں مواقع پر اطلاق سے مراد صلح اور غیر صلح ہے۔

”امام صاحب“ رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر قیاس کے مطابق فتویٰ دیا جائے گا

”بدائع“ میں ہے: ”امام صاحب“ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک وہ اس کا ضامن نہیں ہوگا جو اس کے عمل کے بغیر ہلاک ہو جائے یہ عمل سے پہلے ہو یا عمل کے بعد ہو۔ کیونکہ یہ چیز اس کے قبضہ میں امانت ہے یہی قیاس ہے۔

”صاحبین“ رحمۃ اللہ علیہما نے کہا: وہ ضامن ہوگا مگر ایسی آگ سے جل جائے جو آگ غالب ہو یا ایسے چوروں کی وجہ سے ضائع ہو جائے جو مکابر ہیں یہی استحسان ہے۔ ”خیر“ میں کہا: یہ چار اقوال ہیں سب کے سب صحیح ہیں اور یہ مفتی بہ قول ہے آخری تفصیل سب سے اچھی ہے (۱) یہ امام ”ابو حنیفہ“ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔ ان میں سے بعض نے کہا: امام ”ابو حنیفہ“ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ”عطا“ اور ”طاؤس“ کا قول ہے۔ یہ دونوں کبار تابعین کا قول ہے۔

”صاحبین“ رحمۃ اللہ علیہما کا قول حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول ہے۔ اسی پر فتویٰ دیا جاتا ہے۔ فتویٰ کی علت حضرت عمر اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کی شان ہے اور ساتھ ہی لوگوں کی حفاظت کا اہتمام ہے۔ واللہ اعلم

”التمہین“ میں ہے: ”صاحبین“ رحمۃ اللہ علیہما کے قول پر فتویٰ دیا جاتا ہے۔ کیونکہ لوگوں کے احوال تبدیل ہو چکے ہیں اور اسی سے لوگوں کے اموال کی حفاظت ہوتی ہے۔ کیونکہ جب یہ معلوم ہوگا کہ وہ ضامن نہیں ہوگا تو وہ بعض اوقات یہ دعویٰ کرے گا کہ وہ مال چوری ہو گیا ہے اور مال اس کے ہاتھ سے ضائع ہو گیا ہے۔ ”الخانیہ“، ”المحیط“ اور ”تمہ“ میں ہے: فتویٰ ”امام صاحب“ رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر ہے پس فتویٰ مختلف ہو گیا۔ میں نے اسے سنا جو ”خیر“ میں ہے۔

”ابن ملک“ نے ”شرح الجمع“ میں کہا: ”المحیط“ میں ہے: اختلاف اس صورت میں ہے جب اجارہ صحیح ہو۔ اگر وہ فاسد ہو تو بالاتفاق ضامن نہیں ہوگا۔ کیونکہ عین اس وقت امانت ہوتی ہے۔ کیونکہ معقود علیہ جو منفعت ہے وہ اجرت مثنی کے ساتھ مضمون ہے۔

میں کہتا ہوں: محل اختلاف بھی اس میں ہے جب ہلاک ہونے والی چیز وہ ہو جس میں عمل واقع کیا جاتا ہے جس طرح ”حدادی“ کی ”جوہرہ“ میں ہے یا اس سے مستغنی نہ ہو جس میں عمل واقع ہوتا ہے۔ کیونکہ ”البدائع“ میں ہے: ”بشر“ نے امام ”محمد“ رحمۃ اللہ علیہ سے اس آدمی کے بارے میں روایت کیا ہے جس نے ایک آدمی کو مصحف دیا جس میں وہ عمل کرے اور ساتھ ہی غلاف دیا یا چھری دی تاکہ اسے صیقل کرے اور ساتھ ہی نیام دیا۔

امام ”محمد“ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: وہ مصحف، غلاف، تلوار اور نیام کا ضامن ہوگا کیونکہ مصحف اور تلوار غلاف اور نیام سے مستغنی نہیں ہوتے۔ اگر اسے مصحف دیا تاکہ اس کے لیے غلاف بنائے یا چھری دی تاکہ وہ اس کا دستہ بنا دے تو مصحف یا چھری ضائع ہو جائے گا تو وہ اس کا ضامن نہیں ہوگا۔ کیونکہ اس نے اس لیے اجرت پر نہیں لیا کہ ان دونوں میں یہ عمل کرے بلکہ ان

كَمَا فِي عَامَّةِ الْمُعْتَبَرَاتِ وَبِهِ جَزَمَ أَصْحَابُ الْمُتُونِ فَكَانَ هُوَ الْمَذْهَبُ خِلَافًا لِلْأَشْبَاهِ وَأَفْتَى
الْمُتَاخِرُونَ بِالصُّدْحِ عَلَى نِصْفِ الْقِيَمَةِ وَقِيلَ إِنَّ الْأَجِيرَ مُصْلِحًا لَا يَضُنُّ وَإِنْ بِخِلَافِهِ يَضُنُّ وَإِنْ
مَسْتَوِرَ الْحَالِ يُؤْمَرُ بِالصُّدْحِ عِمَادِيَّةً قُلْتُ وَهَلْ يُجَبَّرُ عَلَيْهِ؟ حَرَّرَ فِي تَنْوِيرِ الْبَصَائِرِ نَعَمْ كَمَنْ تَمَثَّلَتْ
مُدَّتُهُ فِي وَسْطِ الْبَحْرِ أَوْ الْبَرِّيَّةِ

جس طرح عام معتبر کتابوں میں ہے۔ اصحاب متون نے اسے یقین کے ساتھ بیان کیا ہے۔ پس یہی مذہب ہوگا۔
(صاحب) ”الاشباہ“ نے اس سے اختلاف کیا ہے۔ متاخرین نے نصف قیمت پر صلح کا فتویٰ دیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا
ہے: اجیر مصلح ہو تو ضامن نہیں ہوگا اگر اس کے برعکس ہو تو ضامن ہوگا اگر مستور الحال ہو تو اسے صلح کا حکم دیا جائے گا۔
”عمادیہ“ میں کہتا ہوں: کیا اس پر اسے مجبور کیا جائے گا۔ ”تنویر البصائر“ میں وضاحت کی ہے: ہاں جس طرح جس کے
اجارہ کی مدت سمندر کے وسط میں یا جنگل کے درمیان مکمل ہو جائے گی

کے غیر میں عمل کرنے کے لیے اجرت پر لیا ہے۔

29937۔ (قوله: وَبِهِ جَزَمَ أَصْحَابُ الْمُتُونِ) جیسے ”الوقایہ“، ”الملتقی“، ”الغرر“ اور ”الاصلاح“ سب نے ضمان
نہ ہونے کی تصریح کی ہے اگرچہ وہ ضمان کی شرط لگائے۔ جہاں تک ”قدوری“، ”ہدایہ“، ”کنز“ اور ”مجمع“ کا تعلق ہے تو سب
نے ضمان نہ ہونے کو مطلقاً ذکر کیا ہے تو یہ ان کی کلام سے مفہوم ہوتا ہے۔

29938۔ (قوله: خِلَافًا لِلْأَشْبَاهِ) یعنی ”الاشباہ“ میں ہے: اگر اس نے اس کی ضمان کی شرط لگائی تو بالاجماع
ضامن ہوگا، ”ح“۔ یہی ”الخلاصہ“ سے منقول ہے۔ ”ابن ملک“ نے اسے جامع کی طرف منسوب کیا ہے۔

29939۔ (قوله: وَأَفْتَى الْمُتَاخِرُونَ بِالصُّدْحِ) یعنی دونوں قولوں پر عمل کرتے ہوئے یہ فتویٰ دیا ہے اس کا معنی
یہ ہے: ہر نصف میں ایک قول پر عمل کیا جائے گا۔ کیونکہ اس نے نصف پر عمل کیا اور نصف کو واجب کیا، بزاز یہ۔ ”شرح الملتقی“
میں کہا: ”زاہدی“ نے کہا: اس نقطہ نظر پر میں نے خوارزم میں اپنے مشائخ کو پایا ہے۔ ”قہستانی“ نے اسے ثابت رکھا ہے۔
”جامع الفصولین“ میں ہے: ان میں سے ”شمس الائمہ اوز جندی“ اور فرغانہ کے ائمہ ہیں۔

29940۔ (قوله: وَقِيلَ إِنَّ الْأَجِيرَ مُصْلِحًا إلخ) اسے ”جامع الفصولین“ میں ”فوائد صاحب المحیط“ کی طرف
منسوب کیا ہے۔

اجارہ ایک ایسا عقد ہے جس میں جبراز روئے بقا جاری ہوتا ہے

29941۔ (قوله: وَهَلْ يُجَبَّرُ عَلَيْهِ) علیہ کی ضمیر سے مراد صلح ہے۔ کیا اسے صلح پر مجبور کیا جائے گا۔

29942۔ (قوله: حَرَّرَ فِي تَنْوِيرِ الْبَصَائِرِ نَعَمْ) کیونکہ کہا: اگر تو کہے: جبراً صلح کیسے صحیح ہو سکتی ہے؟ میں کہتا ہوں:

اجارہ ایک ایسا عقد ہے جس میں جبراز روئے بقا جاری ہوتا ہے کیا تو نہیں دیکھتا جس نے ایک جانور اجرت پر لیا یا کشتی معلوم

تَبْقَى الْإِجَارَةُ بِالْجَبْرِ (وَيُضْمَنُ مَا هَلَكَ بِعَمَلِهِ كَتَخْرِيقِ الثَّوْبِ مِنْ دَقِّهِ

تو اجارہ جبر کے ساتھ باقی رہے گا اور جو اس کے عمل سے ہلاک ہو جائے اس کا ضامن ہوگا جس طرح اس کے کوٹنے سے کپڑا پھٹ جائے اور سامان اٹھانے والے کے

مدت کے لیے اجرت پر لی اور مدت جنگل کے وسط میں یا کھلے گہرے سمندر میں ختم ہوگئی تو اجارہ بالجبر واقع ہوگا۔ یہ حالت بقا کی حالت ہے پس اس میں جبر واقع ہوگا۔

میں کہتا ہوں: یہ سوال اور جواب ”بزازیہ“ میں مذکور ہیں ساتھ ہی جواب ہے۔ صاحب ”بزازیہ“ نے دونوں کو ان کے اس قول: وبعضہم افتوا بالصدق کے بعد ذکر کیا ہے۔ پھر ان دونوں کے بعد کہا: اس پر وہ اعتراض وارد نہیں ہوتا جو انہوں نے ”العون“ میں کہا: بعض اوقات وہ دونوں یعنی اجیر اور مستاجر صلح قبول نہیں کرتے تو میں نے ”امام صاحب“ رضی اللہ عنہ کے قول کو پسند کیا ہے۔ کیونکہ ہم نے کہا: بے شک صلح کی کرنے سے مجاز ہے۔ پھر ”بزازیہ“ میں کہا: سمرقند کے ائمہ نے جبر کے بغیر صلح کے جواز کا فتویٰ دیا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ جبر اور عدم جبر میں یہ دو قول ہیں۔ ان کی دلیل ان کا یہ قول ہے: حظ النصف اوجب النصف کیونکہ ایجاب جبری ہے اور اس میں صلح کی کرنے سے مجاز ہے جس طرح تو جان چکا ہے۔ یہ ”اوز جندی“، ائمہ خوارزم اور ائمہ فرغانہ کا قول ہے جس طرح گزر چکا ہے۔

دوسرا قول ائمہ سمرقند کا ہے جو ”المنح“ میں ہے جو اس امر کا فائدہ دیتا ہے کہ امام ”ظہیر الدین“ نے جبر والے قول سے رجوع کر لیا یہ اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ اس بارے میں مجبور ہے مگر رجوع ہر اس قول سے منقول ہو جو انہوں نے کہا تھا۔

29943۔ (قوله: تَبْقَى الْإِجَارَةُ بِالْجَبْرِ) یہ اس وجہ شبہ کا بیان ہے جسے کاف اپنے ضمن میں لیے ہوئے ہے، ”ط“۔ اس میں بعض علمائے بحث کی ہے کہ یہ قیاس مع الفارق ہے۔ کیونکہ مقیس علیہ ضرورت کے طور پر متحقق ہے۔

29944۔ (قوله: وَيُضْمَنُ مَا هَلَكَ بِعَمَلِهِ) یعنی ارادہ کے بغیر جو اس کے عمل سے ہلاک ہو جائے اس کا ضامن ہوگا۔ یہ ہمارے تینوں ائمہ کے قول میں ہے اور وہ اجرت کا مستحق نہیں ہوگا۔ کیونکہ اس نے منفعت نہیں پہنچائی بد۔ منفعت پہنچائی ہے، ”بدائع“۔ اس کے مزدور کا عمل اس کی طرف منسوب ہوگا۔ پس وہ اس کا ضامن ہوگا اگرچہ مزدور ضامن نہ ہو۔ کیونکہ یہ صرف اس کا اجیر ہے جب تک وہ تعدی نہ کرے جس طرح عنقریب اس کا ذکر کریں گے۔

29945۔ (قوله: مِنْ دَقِّهِ) اس کے خود کوٹنے سے یا اس کے مزدور کے کوٹنے سے۔ اگر مزدور پہلے سے اس کے مال سے مدد طلب کرے پس وہ کپڑا پھٹ گیا اور یہ معلوم نہ ہو کہ کس کے کوٹنے سے وہ پھٹا ہے تو ”امام صاحب“ رضی اللہ عنہ کے قول کے مطابق چاہیے شک کی وجہ سے ضمانت نہ ہو۔ امام ”ابو یوسف“ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: وہ نصف نقصان کا ضامن ہوگا جس طرح اجر لینے کے لیے وہ اس کے ساتھ چمٹ جائے تو اس کا مالک اسے کیسے تو وہ کپڑا پھٹ جائے۔ ”حموی“ نے ”ظہیر“ سے روایت کیا ہے۔ ”ملخص“

وَزَلِقَ الْحَتَالُ وَغَرِقَ السَّفِينَةُ) مِنْ مَدَّةٍ جَاوَزَ الْمُعْتَادَ أَمْ لَا بِخِلَافِ الْحَجَّامِ وَنَحْوِهِ كَمَا يَأْتِي عِبَادِيَّةُ
وَالْفَرْقُ فِي الدُّرِّ وَغَيْرِهِ

پاؤں کے پھسل جانے سے اور کشتی ملاح کے کھینچنے سے غرق ہونے کی صورت میں وہ مال ہلاک ہو جائے اس نے معتاد جگہ سے تجاوز کیا ہو یا تجاوز نہ کیا ہو۔ حجام وغیرہ کا معاملہ مختلف ہے جس طرح عنقریب آئے گا ”عمادیہ“۔ ”الدرر“ وغیرہ میں فرق اس کے

”التبیین“ میں کہا: پھر کپڑے کا مالک اگر چاہے تو اس سے ضامن لے جب کہ اس پر عمل نہ کیا گیا ہو اور اسے اجرت نہ دے اگر چاہے تو اس سے ضمانت لے جب کہ اس پر عمل کیا گیا ہو اور اسے اجرت دے دے۔ ”ط“، ”ملخص“۔

29946۔ (قوله: وَزَلِقَ الْحَتَالُ) ظاہر یہ ہے کہ یہ لفظ حامملہ کے ساتھ ہے۔ مراد وہ آدمی ہے جو اپنی پشت پر

سامان اٹھاتا ہے۔ جہاں تک اس بات کا تعلق ہے جب یہ لفظ جیم کے ساتھ ہو تو مضاف مقدر ہوگا یعنی جبل الجبال۔

”المستقی“ پر اپنی شرح میں کہا: جب لوگوں کی جانب سے بھیڑ نہ ہو اگر لوگوں کی جانب سے بھیڑ ہو تو وہ ضامن نہ ہوگا۔

”صاحبین“ رحمہ اللہ نے اس سے اختلاف کیا ہے جس طرح ”شرح الجمع“ میں ہے۔ کہا: اسی طرح وہ ضامن ہوگا اگر شکاری اپنے جانور کو ہانکے تو وہ لڑکھڑا جائے تو سامان گر جائے۔ اسی طرح اس رسی کے ٹوٹ جانے سے وہ ضامن ہوگا جسے مکاری باندھتا ہے جس طرح ”الکنز“ اور ”المستقی“ میں ہے۔ اگر رسی سامان کے مالک کی ہو اور وہ رسی ٹوٹ جائے تو وہ ضامن نہیں ہوگا۔ ”تاتر خانہ“ میں اسی طرح ہے۔ ”بدائع“ میں ہے: اسی طرح مشترک چرواہا ضامن ہوگا جب وہ جانوروں کو تیزی سے ہانکے تو وہ پل پر جمع ہو جائیں یا کنارے پر بھیڑ کریں تو ان میں سے بعض بعض کو دھکیلیں تو وہ جانور پانی میں گر جائیں یا چوپایہ ہلاک ہو جائے اس کے ہانکنے کی وجہ سے اور اس کے مارنے سے اگرچہ وہ مار معتاد ہو۔

29947۔ (قوله: وَغَرِقَ السَّفِينَةُ مِنْ مَدَّةٍ) مد کی قید لگائی ہے کیونکہ اگر وہ ہوا، موج یا کسی ایسی شے سے ہلاک

ہوئی جو اس پر واقع ہوئی یا پہاڑ کے ٹکرانے سے غرق ہوئی تو جو کچھ اس میں تھا وہ سب ہلاک ہو گیا تو ”امام صاحب“ رحمہ اللہ کے قول کے مطابق وہ ضامن نہیں ہوگا۔

میں کہتا ہوں: مستاجر پر اجرت حساب سے واجب ہوگی غرق ہونے سے قبل جتنی کشتی چلی ہے۔ مذہب کی فروع اس کی

گواہ ہیں۔ ”سری الدین“ نے ”مجتبی“ سے نقل کیا ہے۔ یہ امر ظاہر ہوتا ہے جب مستاجر اس کے ساتھ ہو ورنہ سپرد کرنا نہ پایا گیا۔ یہ امر پہلے گزر چکا ہے کہ اجیر مشترک کے لیے اس کے سوا کوئی اجرت نہیں۔ قائل، ”ط“۔

29948۔ (قوله: وَنَحْوِهِ) جیسے کھینچنے لگانے والا اور فصد کرنے والا۔

29949۔ (قوله: وَالْفَرْقُ فِي الدُّرِّ وَغَيْرِهِ) اس کا حاصل یہ ہے: کپڑے کی قوت اور اس کے رقیق ہونے سے

اجتہاد سے یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ وہ کتنا کوٹنا برداشت کرتا ہے پس اس سے سلامتی کی قید لگانا ممکن ہے۔ فصد وغیرہ کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ یہ طبیعت کی قوت اور ضعف پر مبنی ہے۔ یہ بذات خود نہیں پہچانا جاسکتا اور نہ یہ معروف ہے کہ وہ کس قدر

عَنْ خِلَافِ مَا بَحَثَهُ صَدْرُ الشَّرِيعَةِ فَتَأَمَّلْ، لَكِنْ قَوَى الْقَهْشَتَانِ قَوْلَ صَدْرِ الشَّرِيعَةِ

برعکس ہے جس کی بحث ”صدر الشریعہ“ میں کی ہے، قائل۔ لیکن ”قہستانی“ کا قول ”صدر الشریعہ“ کا قول ہے

برداشت کر سکتا ہے پس سلامتی کی قید لگانا ممکن نہیں پس اس کا اعتبار ساقط ہو جائے گا۔ ”ح“۔

29950۔ (قوله: عَلَى خِلَافِ مَا بَحَثَهُ صَدْرُ الشَّرِيعَةِ) کیونکہ کہا: چاہیے کہ ان کے قول ماتنف بعملہ سے

مراد ایسا عمل ہو جس میں وہ مقدار مقدار سے تجاوز کر جاتا ہے جس کا ذکر حجام میں آئے گا۔ ”ح“۔

ہر وہ عمل جو تلف کرنے والا ہو وہ غیر مقدار ہوتا ہے

29951۔ (قوله: لَكِنْ قَوَى الْقَهْشَتَانِ) کیونکہ کہا: بلکہ حیوان وغیرہ میں سے جو اس کے ایسے عمل سے ہلاک ہوا

جس کی اجازت نہ تھی جیسے ایسا کوٹنا جو کپڑے کو پھاڑ دے جس طرح ”محیط“ وغیرہ میں ہے تو اس کے اس عمل سے ضمانت ہو

گی۔ پس یہ بدیہی طور پر غیر مقدار ہے۔ اسی وجہ سے مصنف نے یعنی ”صدر الشریعہ“ نے اس پر عمل کرنے کے ساتھ تفسیر بیان

کی ہے یہ باطل میں سے ہے جو یہ گمان کیا گیا ہے کہ مصنف کی تفسیر اس قول سے باطل ہو گئی جو ”کافی“ میں ہے کہ کپڑے کی

قوت اور اس کی رقت مثلاً اجتہاد سے پہچانی جاسکتی ہے پس مصلح کی قید لگانا ممکن ہے۔ ”ح“۔

میں کہتا ہوں: اس کی کلام کا مقتضایہ ہے کہ ہر عمل جو تلف کرنے والا ہو وہ غیر مقدار ہوتا ہے۔ پس ”صدر الشریعہ“ کا م

تلف بعملہ کو عمل غیر مقدار سے مقید کرنا صحیح نہیں۔ پس یہ اس کے مخالف ہوگا جو ”کافی“ میں ہے جو اس امر کا فائدہ دیتا ہے

کہ تلف کرنے والا عمل بعض اوقات مقدار ہوتا ہے۔

اسے ذہن نشین کر لو۔ جو امر میرے لیے ظاہر ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ ان کی کلام میں کوئی منافات نہیں اور میرے لیے یہ امر

ظاہر ہوا ہے کہ سب یہ کہتے ہیں کہ کپڑے کو تلف کرنے والا غیر مقدار ہے جب حجام وغیرہ کی ضمانت غیر مقدار کے ساتھ مقید ہے

مقدار کے ساتھ مقید نہیں تو انہوں نے اس پر تنبیہ کی کہ (دھوبی) وغیرہ اس قید کے ساتھ مقید نہیں تاکہ دونوں میں فرق کافی نہ

دے لیکن مقدار سے نکلنا جیسے کپڑا وغیرہ تو ہمارے لیے سوائے اتلاف کے ظاہر نہیں ہوتا جب وہ تلف کرنے والا ہو تو اس سے

یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ وہ مقدار نہیں پس وہ اپنی کوتاہی کا ضامن ہوگا۔ کیونکہ اپنی صنعت میں ماہر تلف ہونے والی چیز کا تدارک

کر لیتا ہے۔ حجام وغیرہ کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ اس کے عمل کا مخصوص محل ہوتا ہے جب وہ اس محل سے تجاوز نہ کرے۔ تو

ضامن نہیں ہوگا۔ کیونکہ اس کا ادراک مہارت سے نہیں ہو سکتا۔ پس ضمان کا دار و مدار محل مخصوص سے تجاوز کرنے کی بنا پر ہوگا۔

اس سے یہ امر ظاہر ہو جاتا ہے کہ عمل میں ہر تلف کرنے والا جیسے دھوبی مقدار سے خارج ہو جائے گا۔ ”البدائع“ میں جو قول ہے

وہ اس پر دلالت کرتا ہے اور کوشش سے اس سے بچنا ممکن ہے۔ اس کی صحت یہ ہے کہ کوٹنے کے آلہ، اس کے محل اور محل پر

صدقہ کے چھوڑنے میں نظر و فکر کیجئے اسی قدر جس کا وہ احتمال رکھے ساتھ ہی محل میں ذہانت ملحوظ خاطر ہوئی۔ ان شرائط کو ملحوظ

خطر رکھنے کی بنا پر فساد حاصل نہیں ہوگا۔ جب فساد حاصل ہو تو یہ اس امر پر دال ہوگا کہ وہ کوتاہی کرنے والا ہے اور حقوق

فَتَنَّبَهُ وَفِي الْمُنْيَةِ هَذَا إِذَا لَمْ يَكُنْ رَبُّ الْمَتَاعِ أَوْ وَكَيْلُهُ فِي السَّفِينَةِ فَإِنْ كَانَ لَا يَضُنُّ إِذَا لَمْ يَتَجَاوَزْ
الْمُعْتَادَ ؛ لِأَنَّ مَحَلَّ الْعَمَلِ غَيْرُ مُسْلِمٍ إِلَيْهِ وَفِيهَا حَصَلَ رَبُّ الْمَتَاعِ مَتَاعُهُ عَلَى الدَّائِمَةِ وَرَكِبَهَا
فَسَاقَهَا الْمُكَارِي فَعَثَرَتْ وَفَسَدَ الْمَتَاعُ لَا يَضُنُّ إِجْمَاعًا

پس اس پر متنبہ ہو جائیے۔ ”المنیہ“ میں ہے: یہ حکم اسی وقت ہے جب سامان کا مالک یا اس کا وکیل کشتی میں نہ ہو اگر وہ کشتی میں
ہو تو ضامن نہ ہوگا جب وہ معتاد سے متجاوز نہ ہو۔ کیونکہ عمل کا محل اس کے سپرد نہیں۔ اس میں ہے: سامان کے مالک نے اپنا
سامان جانور پر لادنا اور اس پر سوار ہوا سرکاری نے اسے ہانکا وہ جانور پھسلا اور سامان خراب ہو گیا تو بالا جماع ضامن نہیں ہوگا

العباد میں یہ عذر نہیں۔ اس سے یہ معلوم ہو گیا کہ دونوں کلاموں میں کوئی فرق نہیں اگرچہ تعبیر میں مسامحت ہے۔ فافہم

29952۔ (قوله: فَتَنَّبَهُ) شاید اسی کی طرف اشارہ کر رہے ہوں جو کچھ ہم نے کہا ہے۔

29953۔ (قوله: هَذَا إِذَا لَمْ يَكُنْ الْخ) یہ اسی ضمان کی طرف اشارہ ہے جو متن میں ضمان مذکور ہے۔

اجیر مشترک کی ضمان کی تین شرائط ہیں

”طوری“ میں ”الحیظ“ سے مروی جو کچھ ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ مشترک کی ضمانت جس کو وہ تلف کرے تین شرائط
کے ساتھ مقید ہے اس کی قدرت میں ہو کہ وہ اس کو ختم کرے اگر وہ کشتی موج، ہوا یا پہاڑ کے ساتھ ٹکرانے سے غرق ہو
جائے تو وہ ضامن ہوگا۔ (۲) عمل کا محل تخلیہ کے ساتھ اس کے سپرد کیا جا چکا ہو اگر سامان کا مالک یا اس کا وکیل کشتی میں ہوں تو
وہ ضامن نہیں ہوگا (۳) مضمون ان چیزوں میں سے ہو جن کی ضمانت عقد کے ساتھ جائز ہو پس وہ آدمی رضا مند نہ ہوگا جس
طرح آگے آئے گا۔

29954۔ (قوله: إِذَا لَمْ يَتَجَاوَزْ الْمُعْتَادَ) اور اس نے فساد کا ارادہ نہ کیا ہو۔ ”شرنبلا لیه“ میں ”خانیه“ سے مروی
ہے۔ وہ ایسے امر سے ہو جس سے بچنا ممکن ہو، ”مکی“ نے یہ بیان کیا ہے۔ ”ط“۔

29955۔ (قوله: وَرَكِبَهَا الْخ) اسی طرح کا حکم ہوگا اور مکاری جانور پر سوار ہوں یا دونوں ہانک رہے ہوں یا
دونوں قیادت کر رہے ہوں کیونکہ دونوں کے قبضہ میں سامان ہے پس مزدور قبضہ میں منفرد نہیں۔

”بشر“ نے امام ”ابو یوسف“ رحمہ اللہ سے روایت نقل کی ہے: جب سامان اٹھانے والے کے سر سے کوئی شے چوری کی گئی
جب کہ سامان کا مالک اس کے ساتھ چل رہا ہو تو ضمانت نہ ہوگی کیونکہ مالک اور اس کے سامان کے درمیان کوئی حائل نہیں۔

علماء نے کہا: جب سامان دو کشتیوں میں ہو اور اس کا مالک ایک کشتی میں ہو جب کہ وہ دونوں کشتیاں باندھی ہوئی ہوں یا
باندھی ہوئی نہ ہوں مگر ان دونوں کا چلنا اور ان دونوں کا رکنا اکٹھے ہو تو ملاح ضامن نہیں ہوگا۔ اسی طرح اونٹوں کی قطار کا
معاملہ ہے جب اس پر سامان ہو اور اس کا مالک اونٹ پر ہو تو سامان اس کے مالک کے قبضہ میں ہے کیونکہ وہ اس کا حافظ ہے۔
”بدائع“۔ اس میں کلام ہے جو قریب ہی آئے گا۔

وَقَدْ مُنَّا قُلْتُ عَنْ الْأَشْبَاهِ مَعْرِيًا لِلزَّيْلَعِيِّ إِنَّ الْوَدِيعَةَ بِأَجْرِ مَضْمُونَةٍ فَلْيُحْفَظْ (وَلَا يَضْمَنُ بِهِ بَنَى آدَمَ مُطْلَقًا مِمَّنْ غَرِقَ فِي السَّفِينَةِ أَوْ سَقَطَ عَنِ الدَّابَّةِ وَإِنْ كَانَ بِسُوقِهِ أَوْ وَقُودِهِ): لِأَنَّ الْآدَمِيَّ لَا يَضْمَنُ بِالْعَقْدِ بَلْ بِالْجَنَائَةِ وَلَا جَنَائَةٍ لِإِذْنِهِ فِيهِ (وَإِنْ انْكَسَرَ دَنُّ

ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔ میں کہتا ہوں: ”اشباہ“ سے قول مروی ہے جو ”زیلعی“ کی طرف منسوب ہے: بے شک ایسی ودیعت جو اجرت کے بدلے میں ہو وہ مضمون ہوتی ہے۔ پس اس کو یاد رکھنا چاہیے۔ عقد اجارہ کی وجہ سے انسان کی مطلقاً ضمانت نہیں لی جائے گی وہ آدمی کشتی میں غرق ہو یا جانور سے گر جائے اگرچہ اس کے ہانکنے سے ہو یا اس کی قیادت کرنے سے ہو۔ کیونکہ آدمی کی ضمانت عقد کی وجہ سے نہیں ہوتی بلکہ جنایت کی وجہ سے ہوتی ہے اور یہاں کوئی جنایت نہیں۔ کیونکہ اس میں اس کا اذن موجود ہے۔ اگر راستہ میں منکال ٹوٹ

29956۔ (قولہ: قَدْ مُنَّا) یعنی ہم کتاب الودیعة میں ذکر کر چکے ہیں اس سے اس امر پر تنبیہ کا ارادہ کیا ہے کہ جسے اجرت کے ساتھ مودع بنایا گیا ہو وہ اجیر مشترک کے خلاف ہوتا ہے اگرچہ اس پر ضمان کی شرط لگائے۔ زیادہ بہتر یہ تھا کہ اس کا ذکر مصنف کے قول والا یضمن الخ کے ہاں ہوتا جس طرح ”زیلعی“ نے کہا ہے۔ اور فرق ذکر کیا کہ اجیر مشترک میں معقود علیہ عمل ہے اور حفاظت تبعاً واجب ہے۔ جو اجرت کے ساتھ مودع ہوتا ہے اس کا معاملہ مختلف ہوتا ہے۔ کیونکہ یہ اس پر بدل کے ساتھ بطور مقصود واجب ہوتا ہے۔

میں کہتے ہوں: مصنف نے کتاب الودیعة میں ذکر کیا ہے کہ امین پر ضمانت کی شرط لگانا باطل ہے۔ اسی پر فتویٰ دیا جاتا ہے ”بزازیہ“ میں ہے: حمام کے مالک کو کوئی چیز دی اور اس کے ساتھ عقد اجارہ کیا اور جب وہ چیز تلف ہو تو اس پر ضمان کی شرط لگائی جس قول پر فتویٰ ہے اس میں اس شرط کا کوئی اثر نہیں۔ کیونکہ حمام کا مالک جب اجرت کی شرط لگائے تو یہ حفظ کی اجرت ہوتی ہے اور جو کپڑوں کی نگہبانی کرتا ہے وہ مشترک مزدور کی طرح ہوتا ہے۔

29957۔ (قولہ: مُطْلَقًا) یعنی وہ انسان چھوٹا بچہ ہو یا بڑا ہو۔ یہ صحیح قول کے مطابق ہے جس طرح ”تہیین“ میں ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ضمانت اس وقت نہیں ہے جب وہ بڑا ہو خود بخود سوار پر ٹھہر سکتا ہے اور اکیسہ سوار ہو سکتا ہے۔ ورنہ وہ سامان کی طرح ہوگا ”طحاوی“ نے ”مکی“ سے روایت نقل کی ہے۔

29958۔ (قولہ: بِالْجَنَائَةِ) اسی وجہ سے اس کو ضمانت اس کی عاقلہ (قبیلہ) پر لازم ہوتی ہے اور مضمون کی ضمانت کی ذمہ دار عاقلہ نہیں ہوتی۔ ”ابن کمال“۔

29959۔ (قولہ: لِإِذْنِهِ فِيهِ) کیونکہ مستاجر کو اس کی اجازت ہوتی ہے وہ اصل ہو یا ولی ہو وہ ولی کسی چھوٹے کا ہو یا غلام کا ہو۔

29960۔ (قولہ: وَإِنْ انْكَسَرَ دَنُّ الْخ) ”بزازیہ“ میں ”منتہی“ سے مروی ہے: ایک آدمی نے سامان اٹھایا اور اس کا

فِي الطَّرِيقِ) إِنْ شَاءَ الْمَالِكُ (ضَمَّنَ الْحَتَالَ قِيَمَتَهُ فِي مَكَانٍ حَصْلِهِ وَلَا أَجْرًا فِي مَوْضِعِ الْكَسْرِ وَأَجْرُهُ بِحِسَابِهِ) وَهَذَا لَوْلَا أَنْكَسَرَ بِصُنْعِهِ وَإِلَّا بِأَنْ زَا حَمَهُ النَّاسُ فَأَنْكَسَرَ فَلَا ضَمَانَ خِلَافًا لِهُمَا (وَلَا ضَمَانَ عَلَى حَجَّامٍ وَبَزَّاعٍ)

جائے اگر مالک چاہے تو سامان اٹھانے والا اس کی قیمت کا ضامن ہوگا اس جگہ میں جہاں سے اس نے اٹھایا تھا اور اس کے لیے کوئی اجر نہیں ہوگا یا جہاں اس نے مٹکا توڑا ہے وہاں ضمانت دے گا اور اس کا اجر اس کے حساب سے ہوگا۔ یہ حکم اس صورت میں ہے اگر وہ مٹکا اس کے عمل سے ٹوٹے۔ اگر ایسی صورت نہ ہو جیسے لوگ اس کے ساتھ بھیڑ کریں تو کوئی ضمانت نہیں ہوگی۔ ”صاحبین“ رحمہم اللہ نے اس سے اختلاف کیا ہے۔ اور ضمان نہیں کچھنے لگانے والے پر، سلا تری پر

مالک اس کے ساتھ ہو مزدور کا پاؤں پھسلا اور سامان ضائع ہو گیا تو وہ ضامن ہوگا۔ کیونکہ پھسلنا اس کی جنایت ہے۔ ایک آدمی نے جانور اجرت پر لیا جب کہ سامان کا مالک ساتھ ہے مکاری نے اس جانور کو ہانکا تو جانور کا پاؤں پھسل گیا ہمارے نزدیک مکاری ضامن ہوگا۔ کیونکہ مکاری مشترک اجیر ہے جس نے اپنے ہاتھ سے اسے فاسد کیا ہے۔ پس چاہیے اس میں اور جو ہم نے پہلے ”بدائع“ سے قول نقل کیا ہے اس میں فرق کو دیکھا جائے شاید یہ روایت کا اختلاف ہے یا اس حالت پر محمول ہے جب وہ اسے سختی کے ساتھ ہانکے۔ تامل

پھر میں نے صاحب ”الذخیرہ“ کو دیکھا انہوں نے اس میں فرق کیا ہے جب سامان والا اس پر سوار ہو تو مزدور کے ہانکنے سے اس کا پاؤں پھسلے تو وہ ضامن نہ ہوگا اور اس میں فرق کیا ہے کہ جب وہ مزدوروں کے ساتھ اس جانور کے پیچھے چل رہا تھا تو وہ اجیر ضامن ہوگا۔ اس کی مکمل بحث اس میں ہے۔

29961۔ (قولہ: فِي الطَّرِيقِ) یہ قید لگائی ہے کیونکہ ”بدائع“ میں موجود ہے: اگر اسے اٹھا کر لے گیا اس کے مالک کے گھرتک پھر سامان اٹھانے والے اور بوری کے مالک نے اسے اس کے سر سے اتارا تو وہ ان دونوں کے ہاتھوں سے گر گئی تو وہ ضامن ہوگا۔ یہ امام ”محمد“ رحمہم اللہ کا پہلا قول ہے پھر آپ نے اس سے رجوع کر لیا تھا اور کہا: وہ ضامن نہیں ہوگا۔

29962۔ (قولہ: بِصُنْعِهِ) یہ قول اس کو شامل ہے اگر اس کا پاؤں راستہ میں پھسلا یا کسی اور کا پاؤں پھسلا تو وہ گر گیا اور اس کا سامان خراب ہو گیا۔ ”بدائع“۔

29963۔ (قولہ: فَلَا ضَمَانَ) کیونکہ اس کے پاس سامان امانت ہے۔

29964۔ (قولہ: خِلَافًا لِهُمَا) پس وہ اس کی قیمت کی ضمانت دے گا جہاں وہ ٹوٹا ہے اسے کوئی اختیار نہیں ہوگا جس طرح ”التبیین“ میں ہے۔ ”البدائع“ میں ہے: اگر لوگوں نے اس کے ساتھ مزاحمت کی یہاں تک کہ وہ سامان خراب ہو گیا تو بالا جماع وہ ضامن نہیں ہوگا۔ کیونکہ اس سے اس کے لیے اپنی حفاظت کرنا ممکن نہیں پس یہ اس آگ کے معنی میں ہوگی جو غالب ہے اگر سامان اٹھانے والے نے خود لوگوں کے ساتھ بھیڑ کی تو ہمارے تینوں علماء کے نزدیک وہ ضامن ہوگا۔ فتا مل

أَمَّا بَيْطَارٌ (وَقَصَادٍ لَمْ يُجَاوِزِ الْمَوْضِعَ الْمُعْتَادَ، فَإِنْ جَاوَزَ الْمُعْتَادَ (ضَمِنَ الزِّيَادَةَ كُلَّهَا إِذَا لَمْ يَهْلِكِ) السَّجْنِيُّ عَلَيْهِ (وَإِنْ هَلَكَ ضَمِنَ نِصْفَ دِيَةِ النَّفْسِ) لِيَتَلَفَهَا بِمَا ذُوْن فِيهِ وَغَيْرِ مَا ذُوْن فِيهِ فَيَتَنَصَّفُ، ثُمَّ فَرَعَ عَلَيْهِ بِقَوْلِهِ فَلَوْ قَطَعَ الْخَثَانُ الْحَشْفَةَ وَبَرِيَ الْمُقْطُوعُ تَجِبُ عَلَيْهِ دِيَّةٌ كَامِلَةٌ: لِأَنَّهُ لَنَا بَرِيٌّ كَانَ عَلَيْهِ ضَمَانُ الْحَشْفَةِ وَهِيَ عَضْوٌ كَامِلٌ كَاللِّسَانِ (وَإِنْ مَاتَ فَالْوَجِبُ عَلَيْهِ نِصْفُهَا) لِحُصُولِ تَنَفُّسِ الْبِغْلَيْنِ أَحَدُهُمَا مَا ذُوْن فِيهِ وَهُوَ قَطْعُ الْجِدَّةِ وَالْآخَرُ غَيْرُ مَا ذُوْن فِيهِ وَهُوَ قَطْعُ الْحَشْفَةِ فَيُضَمُّ النِّصْفُ وَلَوْ شَرَطَ عَلَى الْحَجَّامِ وَنَحْوِهِ الْعَمَلُ عَلَى وَجْهِ لَا يَسْرِى لَا يَصِحُّ:

اور فصاد پر جو معتاد جگہ سے تجاوز نہ کرے اگر معتاد جگہ سے تجاوز کر جائے تو تمام تر زیادتی کا ضامن ہوگا جب وہ ہلاک نہ ہو جس پر جنابت کی گئی ہو اگر وہ ہلاک ہو جائے تو نفس کی دیت کے نصف کا ضامن ہوگا۔ کیونکہ وہ نفس ہلاک ہوا ہے دو فعلوں سے جن میں سے ایک کی اجازت دی گئی تھی اور ایک کی اجازت نہیں دی گئی تھی۔ پس نصف نصف ہوگی۔ پھر اس پر اپنے اس قول سے تفریع کا ذکر کیا: اگر ختنہ کرنے والے نے حشفہ کو قطع کر دیا اور مقطوع صحت مند ہو گیا تو اس پر مکمل دیت لازم ہوگی۔ کیونکہ جب وہ صحت مند ہو گیا تو اس پر حشفہ کی ضمانت لازم ہوگی یہ کامل عضو ہے جیسے زبان۔ اگر وہ مر جائے تو اس پر اس کا نصف لازم ہوگی۔ کیونکہ نفس کا تلف ہونا دو فعلوں سے واقع ہوا ان میں سے ایک کی اجازت تھی اور وہ جلد کو کاٹنا تھا اور دوسرے کی اجازت نہ تھی وہ حشفہ کو کاٹنا ہے۔ پس وہ نصف کا ضامن ہوگا۔ اگر اس نے کچھنے لگانے والے پر اور اس جیسے آدمی پر ایسے عمل کی شرط لگائی جو سرایت نہ کرے تو یہ شرط صحیح نہ ہوگی۔

29965۔ (قوله: بَيْطَارٌ) یہ چوپاؤں کے ساتھ خاص ہے۔

29966۔ (قوله: لَمْ يُجَاوِزِ الْمَوْضِعَ الْمُعْتَادَ) یعنی وہ عمل اجازت سے تھا۔

”کافی“ میں ہے: ”مختصر“ کی عبارت عدم تجاوز کے بارے میں ناطق ہے اور اذان سے خاموش ہے اور ”جامع“ وغیرہ کی عبارت اذان کے بارے میں ناطق ہے اور تجاوز سے خاموش ہے۔ جس نے جس کی وضاحت کی وہ اس کا بیان ہوئی جس سے دوسری عبارت خاموش ہے۔ دونوں روایتوں کے مجموعہ سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ عدم تجاوز شرط ہے اور اجازت عدم ضرر کی شرط ہے یہاں تک کہ اگر دونوں میں سے ایک معدوم ہو جائے یا دونوں معدوم ہو جائیں تو ضمان واجب ہوگی کالمختصر ہوئی۔ ”طوری“۔ اس تعبیر پر مبنی ہے جو ”عمادیہ“ سے عنقریب آئے گا۔

29967۔ (قوله: فَلَوْ قَطَعَ الْخَثَانُ الْحَشْفَةَ) یعنی اگر ختنہ کرنے والا مکمل حشفہ کاٹ دے۔ ”شہنشاہیہ“ میں کہا:

اگر اس کا بعض کاٹ دے تو عادل کا فیصلہ واجب ہوگا۔ جس طرح ”اقتانی“ نے اس کو ذکر کیا ہے۔

29968۔ (قوله: دِيَّةٌ كَامِلَةٌ) ”زیلعی“ نے کہا: یہ عجیب ترین مسائل میں سے ہے کہ صحت مند ہونے سے اکثر

واجب ہوتا ہے اور ہلاک ہونے سے اقل واجب ہوتا ہے۔

لأنه ليس في وسعه إلا إذا فعل غير المعتاد فيضمن عبادة وفيها سئل صاحب المحيط عن فساد قال له غلام أو عبد أفصدني ففصد فصدًا معتادًا فمات بسببه قال تجب دية الحر وقيمة العبد على عاقلة الفصاد: لأنه خطأ وسئل عن من فصد نائماً وتركه حتى مات من السيلان قال يجب القصاص (والثاني) وهو الأجير (الخاص) ويسمى أجير واحد (وهو من يعمل لواحد)

کیونکہ یہ اس کی وسعت میں نہیں مگر جب وہ غیر معتاد فعل کرے تو وہ ضامن ہوگا۔ ”عمادیہ“۔ اس میں ہے: صاحب ”المحیط“ سے فساد کے بارے میں پوچھا گیا جیسے بچے یا غلام نے کہا: میرا فصد کرو تو اس نے معتاد فصد کیا اور وہ اس سبب سے مرگیا اس پر آزاد کی دیت واجب ہوگی اور غلام کی قیمت فساد کی عاقلہ پر ہوگی۔ کیونکہ یہ قتل خطا ہے۔ اس آدمی کے بارے میں پوچھا گیا جس نے ایک ایسے آدمی کا فصد کیا جو سویا ہوا تھا اور اسے اسی حال میں چھوڑ دیا یہاں تک کہ خون بہنے سے وہ مر گیا کہا: قصاص واجب ہوگا۔ دوسرا وہ اجیر خاص ہے اس کو ایک کا اجیر کہتے ہیں وہ وہ ہوتا ہے جو ایک آدمی کے لیے عمل کرتا ہے

29969۔ (قوله: تجب دية الحر) یعنی اگر بچہ آزاد ہو اور غلام کی قیمت واجب ہوگی اگر وہ غلام ہو۔ ”حلبی“ نے کہا: کیونکہ اس کا فعل ایسا تھا جس کی اجازت نہ تھی کیونکہ دونوں کو تمام اقوال میں حجر کی وجہ سے اس امر کی اجازت کا اعتبار نہیں۔
29970۔ (قوله: لأنه خطأ) یعنی یہ قتل خطا میں سے ہے کیونکہ اس نے اس کے قتل کا قصد نہیں کیا تھا اس کی دلیل یہ ہے کہ فعل معتاد تجاوز نہیں کیا گیا۔ ”ط“۔

29971۔ (قوله: قال يجب القصاص) کیونکہ اس نے تیز دھار آلہ سے قتل کیا ہے۔ ”ط“۔
وہ اس کے قتل کا قصد کرنے والا تھا پس وہ قتل عمد ہوگا۔

29972۔ (قوله: ويسمى أجير واحد) اجیر واحد یہ اضافت کی ترکیب ہے۔ مشترک کا معاملہ مختلف ہے۔ یہ الودھ سے مشتق ہے جو وحید کے معنی میں ہے۔ اس کا معنی ہے مستاجر واحد کا مزدور۔ اسی معنی میں اجیر خاص ہے۔ اگر حاکم حرکت دی جائے تو یہ صحیح ہوگا۔ کیونکہ یہ جملہ کہا جاتا ہے رجل واحد۔ یعنی وحدہ وفتحوں کے ساتھ ہو یعنی منفرد آدمی۔ ”مغرب“۔ اس کا ظاہر یہ ہے کہ دونوں میں کوئی فرق نہیں۔ ہم عنقریب اس کا ذکر کریں گے جو اس امر کا فائدہ دے گا کہ ان دونوں کے درمیان عموم مطلق کی نسبت پائی جا رہی ہے۔

29973۔ (قوله: وهو من يعمل) صحیح یہ ہے کہ حرف عطف کو ساقط کر دیا جائے۔ کیونکہ یہ مبتدا کی خبر ہے۔

اجیر خاص کی بحث

29974۔ (قوله: لواحد) یہاں واحد معنی معین ہے وہ ایک ہو یا زیادہ ہوں۔ ”قہستانی“ نے کہا: اگر دو یا تین آدمیوں نے کسی شخص کو ریوڑ چرانے کے لیے اجرت پر لیا وہ ریوڑ ان دونوں کا ہو یا ان سب کا ہو دریاں حالیکہ وہ ریوڑ ان کا ہی ہو تو وہ اجیر خاص ہوگا جس طرح ”المحیط“ وغیرہ میں ہے تو اس سے وہ نکل گیا کہ جو غیر کے لیے کام کرے اس نے اسے اجرت

عَمَلًا مُؤَقَّتًا بِالتَّخْصِصِ وَيَسْتَحِقُّ الْأَجْرَ بِتَسْلِيمِ نَفْسِهِ فِي الْمُدَّةِ وَإِنْ لَمْ يَعْمَلْ كَمَنْ أُسْتُوجِرَ شَهْرًا لِلْخِدْمَةِ أَوْ شَهْرًا (لِرَعْيِ الْغَنَمِ) الْمُسْتَسَى بِأَجْرِ مُسْتَسَى بِخِلَافِ مَا لَوْ آجَرَ الْمُدَّةَ بِأَنْ أُسْتُاجِرَهُ لِلرَّعْيِ شَهْرًا حَيْثُ يَكُونُ مُشْتَرَكًا إِلَّا إِذَا شَرَطَ أَنْ لَا يَخْدُمَ غَيْرَهُ وَلَا يَرْعَى لْغَيْرِهِ فَيَكُونُ خَاصًّا

جو تخصیص کے ساتھ معین ہوتا ہے اور اس عرصہ میں اپنے آپ کو سپرد کرنے کی وجہ سے اجر کا مستحق ہو جاتا ہے اگرچہ وہ عمل نہ کرے جس طرح وہ آدمی جس کو خدمت کے لیے ایک ماہ کی اجرت پر لیا گیا یا بکریاں چرانے کے لیے اجرت پر لیا گیا جس اجرت کو معین اجرت کا نام دیا گیا۔ یہ صورت مختلف ہوگی کہ اگر ایک عرصہ کے لیے اجرت پر دے اس کی صورت یہ ہے کہ وہ اسے ایک ماہ کے لیے بکریاں چرانے کے لیے اجرت پر لے تو وہ اجیر مشترک ہوگا مگر جب وہ شرط لگائے کہ وہ کسی اور کی خدمت نہیں کرے گا اور نہ ہی کسی اور کی بکریاں چرائے گا تو وہ اجیر خاص ہوگا۔

پر لیا ہوا اجرت پر نہ لیا ہو۔

29975۔ (قوله: عَمَلًا مُؤَقَّتًا) اس سے وہ مزدور خارج ہو گیا جو کسی کے لیے کام کرتا ہو مگر کسی وقت کی قید نہ ہو جس طرح درزی۔ جب وہ کسی کے لیے کام کرے اور مدت کا ذکر نہ کرے۔ ”ح“۔

29976۔ (قوله: بِالتَّخْصِصِ) اس قید کے ساتھ وہ داغی وغیرہ نکل گیا جب وہ کسی ایک شخص کے لیے کام کرے جس کا وقت معین ہو مگر اس پر یہ شرط نہ لگائی ہو کہ وہ کسی اور کے لیے کام نہ کرے گا۔ ”طحاوی“ نے کہا ہے: اس میں ہے کہ جب اسے ایک ماہ کے لیے ریوڑ چرانے کے لیے اجرت پر رکھا گیا تو وہ اجیر خاص ہوگا اگرچہ تخصیص کا ذکر نہ کرے شاید تخصیص سے مراد یہ ہے کہ وہ عموم کا ذکر نہ کرے۔ خواہ وہ تخصیص کا ذکر کرے یا اسے مہمل چھوڑ دے۔ کیونکہ خاص تعمیر کے ذکر کے ساتھ مشترک ہو جاتا ہے جس طرح ”الدرر“ کی عبارت میں آئے گا۔

29977۔ (قوله: وَإِنْ لَمْ يَعْمَلْ) جب وہ عمل پر قادر ہو۔ اگر اس نے اپنا آپ سپرد کر دیا اور کسی وجہ سے کام پر قادر نہ ہوا جیسے بارش وغیرہ ہو تو اس کے لیے کوئی اجرت نہ ہوگی جس طرح ”المعراج“ میں ”ذخیرہ“ سے مروی ہے۔

29978۔ (قوله: لِلْخِدْمَةِ) یعنی مستاجر، اس کی بیوی اور اس کی اولاد کی خدمت کے لیے اور اس کا فریضہ قریب خدمت ہوگی جو سحری سے لے کر عشا کے بعد لوگوں کے سونے تک ہوگی اور اس کا کھانا مोजر کے ذمہ ہوگا۔ ”ابن قدامہ“ نے مستاجر پر شرط لگائے جس طرح جانور کے چارے کی شرط لگائے تو عقد فاسد ہو جائے گا۔ اسی طرح کثیر کتب میں ہے۔ ”فتیہ“ نے کہا ہے: ہمارے زمانہ میں غلام، مستاجر کے مال سے کھاتا ہے۔ ”تموی“ میں ”ظہیر“ سے وہاں ”خانیہ“ سے مروی ہے: اس میں جو ضعف ہے وہ گزر چکا ہے، ”ط“۔ یعنی سابقہ باب کے شروع میں گزر چکا ہے۔

عمل اور اجرت کو جمع کرنا اجارہ کو فاسد کر دیتا ہے

29979۔ (قوله: أَوْ لِرَعْيِ الْغَنَمِ الْمُسْتَسَى) ”الدرر“ اور ”التبیین“ میں اسی طرح قید لگائی ہے۔ مصنف نے سابقہ

وَتَحْقِيقُهُ فِي الدُّرَرِ

اس کی مکمل تحقیق ”الدرر“ میں ہے۔

باب میں ذکر کیا ہے: اگر ایک آدمی نے نانہائی کو اجرت پر لیا تاکہ اس کے لیے اتنی روٹیاں آج ایک درہم کے بدلے میں پکائے تو ”امام صاحب“ رحمہ اللہ کے نزدیک اجارہ فاسد ہو جائے گا۔ کیونکہ اس نے عمل اور وقت کو جمع کر دیا ہے پس وہ اس قول کے مخالف ہے جو یہاں ہے۔ اسی وجہ سے ”شرنبلالی“ نے کہا: جب عقد اس ترتیب پر واقع ہو تو وہ عقد فاسد ہوگا جس طرح ہم اسے پہلے بیان کر آئے ہیں اور اس کی صحت اس صورت میں ہے کہ مدت کے ساتھ ذکر کے بعد اجر کا ذکر کرے۔

میں کہتا ہوں: ہم وہاں پہلے وہ بیان کر آئے ہیں جو ان کے قول المسمی کے حذف کے وجوب کا تقاضا کرتا ہے۔ پس اس کی طرف رجوع کیجئے۔

اجیر خاص میں مدت پر اجارہ صحیح نہیں ہوتا جب تک عمل کی نوع بیان نہ کرے

29980۔ (قوله: وَتَحْقِيقُهُ فِي الدُّرَرِ) اس کی نص یہ ہے: یہ جان لو کہ خدمت کے لیے یا ریوڑ چرانے کے لیے مزدور سے وہ اجیر خاص ہوگا جب وہ اس پر یہ شرط لگائے کہ وہ کسی اور کی خدمت نہیں کرے گا، کسی اور کے جانور نہیں چرائے گا یا پہلے ہی مدت ذکر کر دے۔ اس کی ایک صورت یہ ہے کہ وہ ایک چرواہے کو ایک ماہ کے لیے اجرت پر لے تاکہ وہ اس کا معین ریوڑ چرائے اس کے بدلے میں معلوم اجر ہو وہ اول کلام کے ساتھ اجیر خاص ہوگا۔

میں کہتا ہوں: اس کا راز یہ ہے کہ وہ شروع میں ہی کلام کو مدت پر واقع کر دے۔ پس اس مدت میں اس کے منافع مستاجر کے لیے خاص ہو گئے پس یہ ممتنع ہو گیا کہ اس مدت میں کسی اور کے لیے ہوں۔ اس کے بعد جو قول ہے لتدعى الغنم یہ احتمال رکھتا ہے کہ یہ عقد کو عمل پر واقع کرنے کے لیے ہو پس وہ اجیر مشترک ہوگا۔ کیونکہ وہ ہے جس کا عقد عمل پر واقع ہوا ہے اور یہ احتمال رکھتا ہے کہ اس عمل کی نوع کو واجب کرنے کے لیے ہو جو موت میں اجیر خاص پر واجب ہوتا ہے۔ کیونکہ مدت پر اجارہ اجیر خاص میں صحیح نہیں ہوتا جب تک عمل کی نوع بیان نہ کرے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ وہ کہے: میں نے تجھے ایک ماہ خدمت کے لیے یا فصل کاٹنے کے لیے اجرت پر لیا ہو پس احتمال کے ساتھ اس کا حکم متغیر نہیں ہوگا۔ یہ ایک آدمی کا اجر ہوگا جب تک اس کے خلاف یہ نص قائم نہ کرے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ وہ کہے: تو میرے ریوڑ کے ساتھ کسی اور کی بکریاں چرائے گا۔ یہ امر ظاہر ہے یا مدت کو مؤخر کرے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ وہ اسے اجرت پر لے تاکہ معین ریوڑ چرائے یہ عمل معلوم اجرت کے بدلے میں ایک ماہ کے لیے ہو۔ پس اس وقت وہ کلام کے اول کے ساتھ اجیر مشترک ہوگا۔ کیونکہ اس کے شروع میں عقد کو عمل پر واقع کیا ہے اور کلام کے آخر میں اشہر کا لفظ یہ احتمال رکھتا ہے کہ یہ عقد کو مدت پر واقع کرنے کے لیے ہو پس یہ ایک آدمی کا اجر ہو جائے اور یہ احتمال رکھتا ہے کہ یہ اس عمل کی تقدیر کے لیے ہو جس پر عقد واقع ہے۔ پس احتمال سے اس کے کلام کا اول حصہ متغیر نہ ہوگا جب تک اس کے خلاف واقع نہ ہو۔

وَلَيْسَ لِلْخَاصِّ أَنْ يَعْمَلَ لِغَيْرِهِ، وَلَوْ عَمِلَ نَقَصَ مِنْ أَجْرَتِهِ بِقَدْرِ مَا عَمِلَ فَتَأْوَى التَّوَازُلِ (وَإِنْ هَلَكَ فِي الْمُدَّةِ نِصْفُ الْغَنَمِ أَوْ أَكْثَرُ مِنْ نِصْفِهِ (فَلَهُ الْأَجْرَةُ كَامِلَةً) مَا دَامَ يَزْعَى مِنْهَا شَيْئًا، لِمَا مَرَّ أَنَّ الْمَعْقُودَ عَلَيْهِ تَسْلِيمَ نَفْسِهِ جَوْهَرَةً، وَظَاهِرُ التَّغْلِيلِ بَقَاءُ الْأَجْرَةِ لَوْ هَلَكَ كُلُّهَا وَبِهِ صَرَخَ فِي الْعِمَادِيَّةِ

اور اجیر خاص کو یہ حق حاصل نہیں ہوگا کہ وہ کسی اور کا کام کرے اگر وہ عمل کرے گا تو جس قدر اس نے عمل کیا ہوگا اسی قدر اس کی اجرت میں کمی کر دی جائے گی۔ ”فتاویٰ النوازل“۔ اگر مدت میں نصف ریوڑ یا نصف سے زائد ہلاک ہو جائے تو اس کے لیے کامل کی اجرت ہوگی جب تک وہ اس ریوڑ میں سے کوئی شے چراتا رہے۔ کیونکہ یہ امر گزر چکا ہے کہ معقود علیہ اپنے نفس کو سپرد کرنا ہے، ”جوہرہ“۔ تغلیل کا ظاہر یہ ہے کہ اجرت باقی رہے گی اگر تمام ریوڑ ہلاک ہو جائے۔ ”العمادیہ“ میں اس کی تصریح کی ہے۔

اجیر خاص کو حق حاصل نہیں کہ وہ نفل نماز ادا کرے

29981۔ (قوله: وَلَيْسَ لِلْخَاصِّ أَنْ يَعْمَلَ لِغَيْرِهِ) اجیر خاص کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ کسی اور کے لیے عمل کرے بلکہ اس کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ نفل نماز ادا کرے۔ ”تاثر خانیہ“ میں کہا: ”فتاویٰ فضلی“ میں ہے: جب ایک آدمی نے ایک دن کے لیے اجرت پر لیا کہ وہ یہ کام کرے گا تو اس پر لازم ہوگا کہ وہ یہ کام مدت کے مکمل ہونے تک کرے اور فرض نماز کے علاوہ کسی اور شے میں مشغول نہ ہو۔ ”فتاویٰ سمرقند“ میں ہے: ہمارے بعض مشائخ نے کہا: اسے یہ حق حاصل ہوگا کہ سنت ادا کرے اور اس پر تمام علماء کا اتفاق ہے کہ وہ نفل ادا نہ کرے اسی پر فتویٰ ہے۔ ”غریب الروایہ“ میں ہے: ”ابوعلی دقاق“ نے کہا: شہر میں اسے جمعہ ادا کرنے سے منع نہ کیا جائے گا اگر وہ دور ہو تو اس کی اجرت سے اتنی کمی کی جائے گی جس قدر مشغول رہا۔ اگر وہ قریب ہو تو کسی شے میں کمی نہ کی جائے گی۔ اگر وہ دور ہو اور دن کے چوتھائی تک مشغول رہا تو اس سے چوتھائی اجرت کم کر دی جائے گی۔

29982۔ (قوله: وَلَوْ عَمِلَ نَقَصَ مِنْ أَجْرَتِهِ الْخ) ”تاثر خانیہ“ میں کہا: ایک بڑھئی ہے اسے مدت تک اجرت پر لیا گیا تو اس نے دوسرے آدمی کے لیے ایک درہم کے بدلہ میں دوات بنائی جب کہ وہ نجار جانتا ہو تو وہ گنہگار ہوگا۔ اگر نہ جانتا ہو تو اس پر کوئی شے لازم نہ ہوگی اور اس کی اجرت میں اس قدر کمی کر دی جائے گی جس قدر اس نے دوات میں عمل کیا۔

29983۔ (قوله: وَظَاهِرُ التَّغْلِيلِ الْخ) یعنی ”جوہرہ“ کا قول ہے: ما دام یزعی منها شیئاً، کا کوئی مفہوم نہیں۔ میں نے بعض فضلاء کی تحریر دیکھی کہ ”جوہرہ“ کی مراد یہ ہے کہ اس کے بدلے میں اپنے نفس کو سپرد کرے۔ یہ جرت کے مستحق ہونے کی شرط نہیں جس طرح مصنف اور متون نے سمجھا اور تغلیل اس کا فائدہ دیتی ہے جب کہ یہ قول حسن ہے۔

29984۔ (قوله: وَبِهِ صَرَخَ فِي الْعِمَادِيَّةِ) یہ متون کی تصریح کے موافق ہے کہ اس مدت میں اپنے آپ کو سپرد کر دینے سے اجرت کا مستحق ہو جائے گا اگرچہ وہ عمل نہ کرے۔

فرغ: ریوڑ کے مالک نے یہ ارادہ کیا کہ وہ بھیڑ بکریوں میں اضافہ کرے جس کی چرواہا طاقت رکھتا ہو تو اسے یہ حق حاصل ہوگا اگر وہ اجیر خاص ہو۔ کیونکہ وہ ریوڑ چرانے کے حق میں غلام کے قائم مقام ہے اور مالک کو یہ حق حاصل ہوتا ہے کہ غلام جتنے

(وَلَا يَضُنُّ مَا هَلَكَ فِي يَدِهِ أَوْ بَعَلِهِ) كَتَخْرِيقِ الشُّوبِ مِنْ دَقِّهِ إِلَّا إِذَا تَعَدَّ الْفَسَادَ فَيَضُنُّ كَالْمُودِعِ
ثُمَّ فَرَّغَ عَلَى هَذَا الْأَصْلِ بِقَوْلِهِ

جو چیز اس کے ہاتھ میں یا اس کے عمل سے ہلاک ہوگئی جس طرح اس کے کوٹنے سے کپڑا پھٹ جائے تو وہ ضامن نہیں ہوگا مگر جب وہ فساد کا قصد کرے تو ضامن ہوگا جس طرح مودع فساد کا قصد کرے تو ضامن ہوگا۔ پھر اس ضابطہ پر اپنے اس قول سے تفریع کا ذکر کیا:

جانور چرانے کی طاقت رکھتا ہے اتنے جانور چرانے کا اسے مکلف بنادے۔

اجیر خاص سے فساد کے قصد کے بغیر جو چیز ہلاک ہوگئی وہ اس کا ضامن نہیں ہوگا

29985۔ (قوله: وَلَا يَضُنُّ مَا هَلَكَ فِي يَدِهِ) یعنی اس کے عمل کے بغیر جو چیز ہلاک ہوگئی اس پر اجماع ہے۔ اور ان کا قول: او بعلمه، یعنی ایسا عمل جس کی اجازت دی گئی ہو۔ اگر مستاجر نے اسے ایک کام کا حکم دیا اور اس نے کوئی اور عمل کیا تو اس عمل سے جو کچھ وقوع پذیر ہوگا اس کا ضامن ہوگا۔ ”تا ترخانیہ“۔ اس میں ہے: جب چرواہے نے ریوڑ کو ہانکا تو اس نے کسی کو سینگ دے مارا یا اس کے ہانکنے سے اس میں سے کسی نے کسی کو روند ڈالا اگر وہ راعی (چرواہا) مشترک ہو تو ہر حال میں ضامن ہوگا۔ اسی طرح اگر وہ ریوڑ مختلف لوگوں کا ہو اور وہ ان میں سے کسی ایک کا مزدور ہو۔ اگر وہ اجیر ضامن ہو اگر وہ ریوڑ ایک آدمی کا ہو تو اس پر کوئی ضمانت نہ ہوگی۔ اگر وہ دو یا تین افراد کا ہو تو وہ ضامن ہوگا۔ دو یا تین آدمیوں کے حق میں اجیر خاص کی صورت یہ ہے کہ دو یا تین آدمی ایک چرواہا ایک ماہ کے لیے اجرت پر لے تاکہ وہ ان دونوں یا سب کا ریوڑ چرائے۔ ”ذخیرہ“ میں کہا: اجیر خاص ایک آدمی کا ہو یا ایک کے علاوہ کا ہو تو تفریق کی گئی ہے اسے اچھی طرح یاد رکھا جانا چاہیے۔

میں کہتا ہوں: اس سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ اجیر خاص اور ایک آدمی کے مزدور میں عموم مطلق کی نسبت پائی جاتی ہے۔ جس طرح ہم نے پہلے بیان کر دیا ہے۔ ”جامع الفصولین“ میں ہے: اگر کوئی چیز پانی پلانے یا چرانے میں ہلاک ہوگئی تو وہ ضامن نہ ہوگا۔ اگر چرواہے نے اسے ذبح کیا یا اجنبی نے ذبح کیا اگر اس کی زندگی کی امید ہو تو وہ ذبح کرنے والا ضامن ہوگا یا اس امر کے اشکال کا باعث ہو تو وہ ضامن ہوگا۔ اگر اس جانور کی موت کا یقین ہو تو ضامن نہ ہوگا۔ کیونکہ اسے دلالت اذن حاصل ہے۔ یہی قول صحیح ہے۔ وہ گدھے کو ذبح نہیں کرے گا اور نہ ہی خچر کو ذبح کرے گا۔ کیونکہ ان کا گوشت کھانے کے مناسب نہیں اور نہ ہی ”امام صاحب“ رحمہ اللہ کے نزدیک گھوڑا ذبح کیا جائے گا۔ کیونکہ ”امام صاحب“ رحمہ اللہ کے نزدیک یہ مکروہ تحریمی ہے۔ اگر اجیر کہے: میں نے اس کے مرض کی وجہ سے ذبح کیا تو اس کی تصدیق نہ کی جائے گی اگر مستاجر اس کو جھٹلائے۔ کیونکہ اس نے ضمان کے سبب کا اقرار کیا ہے اور اس کے ہلاک ہو جانے میں اس کی تصدیق کی جائے گی اگرچہ وہ یہ شرط لگائے کہ اس کے ہلاک ہونے کی علامت لانے کا کہے، ملخص۔ یعنی قسم کے ساتھ اس کی تصدیق کی جائے گی۔ جس طرح ”الجوبہرہ“ میں ہے۔

29986۔ (قوله: كَالْمُودِعِ) یعنی مودع جب فساد کا قصد کرے گا تو وہ ضامن ہوگا۔ ”ط“۔

(قَوْلُهُ: لَا ضَمَانَ عَلَى ضَرَفِي ضَاعَ فِي يَدِهَا أَوْ سَرَقَ مَا عَلَيْهِ) مِنَ الْحُلِيِّ لِكُونِهَا أَجِيرًا وَاحِدًا وَكَذَا لَا ضَمَانَ عَلَى حَارِسِ السُّوقِ وَحَافِظِ الْخَانِ

اس بچے کے بارے میں دائی پر کوئی ضمانت نہ ہوگی جو اس کے ہاں ضائع ہو گیا یا جو زیور اس پر تھا اس کو چوری کر لیا گیا۔ کیونکہ یہ ایک فرد کی اجیر ہے اسی طرح جو بازار کا چوکیدار ہے یا سرائے کا نگہبان ہے اس پر کوئی ضمانت نہ ہوگی۔

29987۔ (قَوْلُهُ: لِكُونِهَا أَجِيرًا وَاحِدًا) ”ابوسعود“ نے کہا: حاصل کلام یہ ہے: دائی میں مسائل متعارض ہیں۔ ان میں سے کچھ وہ ہیں جو اس بات پر دلالت کرتے ہیں: یہ ایک آدمی کے اجیر کی طرح ہے جس طرح ان کا قول ہے کہ اس صورت میں ضمانت نہ ہوگی۔ ان میں سے کچھ ایسے ہیں جو اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ وہ اجیر مشترک کے معنی میں ہے جس طرح ان کا قول ہے: وہ دونوں فریقوں کے خلاف اجرت کا مستحق ہوگا جب اس نے اپنے آپ کو ان دونوں کے حوالے کر دیا۔ ”التقانی“ نے کہا: صحیح یہ ہے کہ اگر اس نے اپنا بچہ اس عورت کے حوالے کر دیا تا کہ وہ عورت اس بچے کو دودھ پلائے تو یہ اجیر مشترک ہوگا اگر گھر تک بچے کو لوٹائی جائے تو یہ ایک آدمی کا اجیر ہوگا۔ ملخص۔ ط۔

سرائے کے محافظ کا بیان

29988۔ (قَوْلُهُ: وَلَا ضَمَانَ عَلَى حَارِسِ السُّوقِ وَحَافِظِ الْخَانِ) ”جامع الفصولین“ میں اسی طرح ہے۔ ایک آدمی کو سرائے کی حفاظت کی خاطر یا اس نے دوکانوں کی حفاظت کے لیے کسی کو اجرت پر لیا تو اس میں سے کوئی شے ہلاک ہوگئی۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ ”صاحبین“ رحمہما اللہ کے نزدیک وہ ضامن ہوگا اگر وہ کمرے سے باہر وہ چیز ضائع ہوگئی کیونکہ وہ اجیر مشترک ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ ضامن نہ ہوگا۔ یہ صحیح قول کے مطابق ہے۔ اسی پر فتویٰ دیا جاتا ہے۔ کیونکہ وہ اجیر خاص ہے۔ کیا تو نہیں دیکھتا اگر وہ یہ ارادہ کرے کہ وہ اپنے آپ کو کسی اور کام میں مشغول کرے تو اسے یہ حق حاصل نہیں ہوگا۔ اگر اس کی اندر کی جانب سے کوئی شے ضائع نہ ہو جائے اس کی صورت یہ ہے کہ چور نے چوری کر لی تو اس صحیح قول کے مطابق حارس ضامن نہیں ہوگا۔ کیونکہ گھروں میں محفوظ مالک کے قبضہ میں ہوتے ہیں اور بازار کے چوکیدار کا معاملہ اسی طرح ہے۔ ”ذخیرہ“ کے چوبیس میں اسی طرح ہے۔ ”حامد“ میں کہا: اس سے یہ امر ظاہر ہوتا ہے جب دکان کا قفل توڑا گیا اور سامان لے لیا گیا تو نگہبان ضامن ہوگا۔

میں کہتا ہوں: یہ اس قول پر امر ظاہر ہے کہ یہ اجیر مشترک ہے۔ جہاں تک اس قول کا تعلق ہے تو یہ اجیر خاص ہے تو ضامن نہیں کیونکہ تو مفتی بہ قول سن چکا ہے۔

ہاں: جو قول ابھی ”تاتر خانیہ“ اور ”ذخیرہ“ سے چروا ہے کے بارے میں گزرا ہے اگر وہ ایک سے زائد کا اجیر خاص ہو تو وہ ضامن ہوگا وہ اس میں اشکال پیدا کرتا ہے۔ فلیتأمل۔

مگر جب یہ کہا جائے: جب تالا توڑا گیا اور تالا توڑنے کا عمل اس کی نیند یا اس کے غائب ہونے کی وجہ سے ہے تو وہ

(وَصَحَّ تَرْدِيدُ الْأَجْرِ بِالتَّرْدِيدِ فِي الْعَمَلِ) كَانُ خَطَّتْهُ قَارِسِيًّا بِدِرْهِمٍ أَوْ رُومِيًّا بِدِرْهَمَيْنِ (وَزَمَانِهِ فِي الْأَوَّلِ) كَذَا بِخَطِّ الْمُصَنِّفِ مُلْحَقًا وَلَمْ يَشْرَحْهُ وَسَيَتَضَحُّ قَالَ شَيْخُنَا الرَّمْلِيُّ وَمَعْنَاهُ يَجُوزُ فِي الْيَوْمِ الْأَوَّلِ دُونَ الثَّانِي كَانُ خَطَّتْهُ الْيَوْمَ فَبِدِرْهِمٍ أَوْ غَدًا فَبِنِصْفِهِ (وَمَكَانِهِ) كَانُ سَكَنْتَ هَذِهِ الدَّارَ فَبِدِرْهِمٍ أَوْ هَذِهِ فَبِدِرْهَمَيْنِ (وَالْعَامِلِ)

عمل میں تردید کی صورت میں اجرت میں تردید صحیح ہے جیسے وہ کہے: اگر تو نے فارسی طرز کا سیا تو ایک درہم یا رومی طرز کا سیا تو دو درہم اور پہلی صورت میں زمانہ میں تردید صحیح ہے۔ مصنف کی تحریر سے اسی طرح لاحق کیا گیا ہے اور اسی کی وضاحت نہیں کی غنقریب اس کی وضاحت آئے گی۔ ہمارے شیخ ”رملی“ نے کہا: اس کا معنی ہے: پہلے دن میں یہ جائز ہے دوسرے دن میں جائز نہیں جس طرح اگر وہ کہے: تو آج سی کر دے تو ایک درہم یا کل سی کر دے تو اس کا نصف۔ اور مکان میں تردید کو صحیح قرار دیا ہے: اگر تو اس گھر میں سکونت اختیار کرے تو ایک درہم اجرت ہوگی اس گھر میں سکونت اختیار کی تو دو درہم اجرت ہوگی اور عامل میں تردید ہے اجرت میں تردید صحیح ہے

کو تا ہی کرنے والا ہے پس وہ ضامن ہوگا۔

”الخلاصہ“ میں ہے: اگر بازار والوں میں سے کسی نے اسے اجرت پر لیا تو گویا سب نے اسے اجرت پر لیا لیکن یہ اس صورت میں ہے جب وہی ایک ان کا رئیس ہو اور اس کے لیے اجرت لینا حلال ہوگا۔ ”الھیط“ میں ہے: اگر وہ سب ناپسند کریں اور وہ راضی نہ ہوں تو ان کی کراہت باطل ہے۔

اجرت میں تردید کے صحیح ہونے کا بیان

29989۔ (قوله: وَصَحَّ تَرْدِيدُ الْأَجْرِ) یہ اتفاقی قید ہے کیونکہ اس کی نفی اور تردید میں کوئی فرق نہیں۔ کیونکہ ”الھیط“ میں ہے: اگر تو نے آج سیا تو تیرے لیے ایک درہم ہے اگر کل سی کر دیا تو تیرے لیے کوئی اجر نہیں۔ امام ”محمد“ رحمہ اللہ نے فرمایا: اگر اس نے پہلے دن اسے سی کر دے دیا تو اس کے لیے ایک درہم ہوگا اگر دوسرے دن سی کر دیا تو اس کے لیے اجرت مثلی ہوگی جو ایک درہم سے زائد نہ ہوگی یہ ان سب کے قول میں ہے۔ ”طوری“۔

29990۔ (قوله: فِي الْأَوَّلِ) یہ ان کے قول صحیح کے متعلق ہے۔

29991۔ (قوله: مُلْحَقًا) رملی نے کہا: یہ ان کے متن میں نہیں۔ شرح میں اسے سرخ روشنائی کے ساتھ حادثہ میں

لاحق کرتے ہوئے لکھا ہے۔

29992۔ (قوله: وَلَمْ يَشْرَحْهُ) ہاں اس کے متصل بھی اس کی شرح نہیں کی بلکہ اس کی شرح قول والحمل کے بعد کی

ہے اور اس میں طویل گفتگو کی ہے اور محشی نے اس کی عبارت نقل کی ہے۔ گویا شارح نے ان کی مکمل کلام نہیں دیکھی۔

29993۔ (قوله: سَيَتَضَحُّ) یعنی چند سطور بعد اس کے حکم کی وضاحت کریں گے اس کے ساتھ قول قال شیخنا الخ

كَانَ سَكَنَتْ عَطَارًا فَبَدِرَ هِمَّ أَوْ حَدَّادًا فَبَدِرَ هَمَيْنِ (وَالْمَسَافَةِ) كَانَ ذَهَبَتْ لِكُوفَةٍ فَبَدِرَ هِمَّ أَوْ لِبْصَرَةٍ فَبَدِرَ هَمَيْنِ (وَالْحَمَلِ) كَانَ حَمَلَتْ شَعِيرًا فَبَدِرَ هِمَّ أَوْ بَرًّا فَبَدِرَ هَمَيْنِ وَكَذَلِكَ خَيْرُهُ بَيْنَ ثَلَاثَةِ أَشْيَاءَ وَلَوْ بَيْنَ أَرْبَعَةٍ لَمْ يَجْزُ كَمَا فِي الْبَيْعِ وَيَجِبُ أَجْرُ مَا وَجَدَ إِلَّا فِي تَخْيِيرِ الزَّمَانِ فَيَجِبُ بِخِيَاظَتِهِ فِي الْأَوَّلِ مَا سَتَى وَفِي الْغَدِ أَجْرُ الْبَثْلِ لَا يُزَادُ عَلَى دِرْهَمٍ

اگر تو عطار کی حیثیت سے رہے تو ایک درہم ہوگی یا حداد کی حیثیت سے رہائش رکھے تو اجرت دو درہم ہوگی اور مسافت کی تردید سے اجرت میں تردید صحیح ہے اگر تو کوفہ لے جائے تو ایک درہم اجرت ہوگی اگر بصرہ لے جائے تو دو درہم اجرت ہوگی اور بوجھ میں تردید سے اجرت میں تردید صحیح ہوگی۔ جیسے اگر تو جو اٹھا کر لے جائے تو ایک درہم یا گندم اٹھا کر لے جائے تو دو درہم اجرت ہوگی۔ اسی طرح کا حکم ہوگا اگر وہ تین اشیا میں اختیار دے۔ اگر چار چیزوں میں اختیار دے تو صحیح نہ ہوگا۔ تو جو عمل پایا جائے گا اجرت وہی ہوگی مگر زمانہ میں اختیار کا معاملہ مختلف ہوگا۔ پہلے زمانہ میں وہ سی کر دے تو وہی پچھو واجب ہوگا جس اجرت کا نام لیا تھا اور کل میں اجرت مثلی لازم ہوگی۔ جو ایک درہم سے زیادہ نہیں ہوگی۔

سے مستغنی ہو گئے جس طرح ”حلی“ نے کہا ہے۔

29994۔ (قوله: وَكَذَلِكَ خَيْرُهُ بَيْنَ ثَلَاثَةٍ) یہ ان تمام مسائل میں۔ ”ط“۔

29995۔ (قوله: كَمَا فِي الْبَيْعِ) یہ تین اور چار کے لیے قید ہے علت حاجت کو دور کرنا ہے ”اعز میہ“ میں جو قول ہے

اسے دیکھیے۔

29996۔ (قوله: إِلَّا فِي تَخْيِيرِ الزَّمَانِ الْخ) اس کی مثال پہلے گزر چکی ہے۔ کیونکہ وہ عقد جو آنے والے کی طرف

منسوب ہے وہ آج ثابت نہیں پس آج میں دونوں معین کی گئی اجرت میں جمع نہ ہوئی پس آج اجرت مجہول نہ ہوئی اور جو آج کی طرف منسوب تھا وہ آنے والے دن تک باقی رہا۔ پس آنے والے دن میں دو معین اجرتیں جمع ہو گئیں یعنی درہم اور نصف درہم۔ پس اجرت مجہول ہو گئی اور اجرت کا مجہول ہونا یہ عقد کے جائز ہونے کے مانع ہے۔ ”درر“۔

یہ ”امام صاحب“ رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب ہے۔ اور ”صاحبین“ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک دونوں شرطیں جائز ہیں اور امام ”زفر“ کے نزدیک دونوں فاسد ہیں۔ اس کی مکمل وضاحت ”المنح“ میں ہے۔

29997۔ (قوله: لَا يُزَادُ عَلَى دِرْهَمٍ) نہ درہم سے زائد اجرت ہوگی اور نہ یہ نصف سے کم کی جائے گی۔ یہ قول اس

امر پر دالالت کرتا ہے کہ بعض اوقات وہ نصف درہم سے زائد ہو سکتی ہے۔ امام ”ابو حنیفہ“ رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے: یہ نصف درہم سے زائد نہ ہوگی کیونکہ یہ صراحۃً معین کی گئی ہے۔ پس ”امام صاحب“ رحمۃ اللہ علیہ سے دو روایتیں ہیں۔ ظاہر روایت کی دلیل یہ ہے کہ آنے والے دن میں دو معین اجرتیں جمع ہو گئیں پس پہلی کا اعتبار کیا جائے گا۔ کیونکہ اس پر زیادتی ممنوع ہے اور دوسری کا اعتبار کیا جائے گا۔ کیونکہ کمی کرنا ممنوع ہے تاکہ دونوں پر عمل ہو جائے۔ یہ مصرح کو ترجیح دینے سے اولیٰ ہے۔ ”کنایہ“ ملخص۔

وَلَوْ خَاطَهُ بَعْدَ غَدٍ لَا يُزَادُ عَلَى نِصْفِ دِرْهِمٍ وَفِيهِ خِلَافُهُمَا (بَنَى الْمُسْتَأْجِرُ تَنْوَرًا أَوْ دُكَّانًا) عِبَارَةُ الدُّرَرِ أَوْ كَانُونًا فِي الدَّارِ الْمُسْتَأْجَرَةِ فَاحْتَرَقَ بَعْضُ بُيُوتِ الْجِيرَانِ أَوْ الدَّارُ لَا ضَمَانَ عَلَيْهِ مُطْلَقًا سَوَاءً بَنَى بِإِذْنِ رَبِّ الدَّارِ أَوْ لَا (إِلَّا أَنْ يُجَاوِزَ مَا يَصْنَعُهُ النَّاسُ) فِي وَضْعِهِ وَإِيقَادِ نَارٍ لَا يُوقَدُ مِثْلَهَا فِي التَّنَوُّرِ وَالْكَانُونِ (اسْتَأْجَرَ حِمَارًا فَضَلَّ عَنِ الطَّرِيقِ، إِنْ عَلِمَ أَنَّهُ لَا يَجِدُهُ بَعْدَ الطَّلَبِ لَا يَضْمَنُ).

اگر کل کے بعد اسے سی کر دیا تو نصف درہم سے زائد کچھ نہیں ہوگا اس میں ”صاحبین“ رحمہ اللہ میں اختلاف ہے۔ مستاجر نے تنور یا دکان بنائی درر کی عبارت ہے یا بھٹی بنائی اس گھر میں جس کو اجرت پر لیا تو پڑوسیوں کے گھروں میں سے بعض یا گھر کا بعض جل گیا تو اس پر مطلقاً ضمان نہ ہوگی۔ خواہ اس نے وہ تنور وغیرہ گھر کے مالک کی اجازت سے بنایا تھا یا اجازت کے بغیر بنایا تھا مگر جب وہ اس عمل سے تجاوز کرے جو لوگ کرتے ہیں اس کا یہ عمل رکھنے میں ہو یا ایسی آگ کے روشن کرنے میں ہو جس قسم کی آگ تنور اور بھٹی میں نہیں جلائی جاتی۔ ایک آدمی نے اجرت پر گدھا لیا تو وہ راستہ میں گم ہو گیا اگر اسے علم ہو کہ وہ تلاش کے بعد اسے نہیں پاسکے گا تو ضامن نہیں ہوگا۔

”زیلعی“ نے دوسری روایت کو صحیح قرار دیا ہے اس کی مثل ”الایضاح“ میں ہے اور یہ ذکر کیا کہ یہ ”الاصل“ کی روایت ہے۔ 29998۔ (قوله: وَفِيهِ خِلَافُهُمَا) ”زیلعی“ نے کہا: اگر اس نے اگلے دن کے بعد اسے سیا تو صحیح قول یہ ہے کہ امام ”ابو حنیفہ“ رحمہ اللہ کے نزدیک نصف درہم سے زائد نہ ہوگی۔ کیونکہ وہ کل تک تاخیر کرنے کی صورت میں وہ نصف درہم سے زائد پر راضی نہیں تھا۔ تو یہ امر بدرجہ اولیٰ ہوگا کہ کل کے بعد وہ نصف سے زائد پر راضی نہ ہوگا۔ ”صاحبین“ رحمہ اللہ کے قول کے مطابق صحیح یہ ہے کہ نصف درہم سے کم نہ کی جائے گی اور نہ ہی اس پر زائد کی جائے گی۔

29999۔ (قوله: أَوْ كَانُونًا) جل جانے کے ذکر کے بعد کانون کا لفظ مناسب ہے۔ ”حلی“ نے یہ بیان کیا ہے۔ 30000۔ (قوله: لَا ضَمَانَ عَلَيْهِ) یہ گھر کے ظاہر سے ایسا انتفاع ہے جو باقی ماندہ گھر کی ہیئت کو نقصان کی صورت میں متغیر نہیں کرتی۔ رُھا کھودنے کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ یہ اس کی ذات میں تصرف ہے۔ عمارت بنانے کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ یہ باقی ماندہ کو نقصان کی طرف متغیر ہو جانے کو واجب کرتا ہے۔ ”جامع الفصولین“۔

30001۔ (قوله: إِنْ عَلِمَ أَنَّهُ لَا يَجِدُهُ) ظاہر یہ ہے کہ مراد غلبہ ظن ہے۔ اس عمل کا ظاہر یہ ہے کہ وہ اپنے دعویٰ میں سچا ہے کہ وہ اس کو نہیں پائے گا۔ ”ط“۔

میں کہتا ہوں: ”بزازیہ“ میں ہے: ایک آدمی نے اجیر مشترک کو چرنے کے لیے بیل دیا چرواہے نے کہا: میں نہیں جانتا بیل کہاں چلا گیا تو یہ ہمارے زمانہ میں اس کو ضائع کرنے کا اقرار ہے۔

30002۔ (قوله: بَعْدَ الطَّلَبِ) یعنی جس جگہ وہ گم ہوا ہے اس جگہ کے ارد گرد کے مقامات میں اس نے تلاش کیا۔ اگر وہ تلاش میں گیا اور اسے دیکھ لیا اور اسے نہ روکا تو ضامن ہوگا۔ اس سے یہ ارادہ کرتا ہے اگر وہ اس کی آنکھوں سے غائب

كَذَا رَاعٍ نَذَرَ مِنْ قَطِيعِهِ شَاةً فَخَافَ عَلَى الْبَاقِي، الْهَلَاكَ (إِنْ تَبِعَهَا)؛ لِأَنَّهُ إِنَّمَا تَرَكَ الْحِفْظَ بِعُذْرٍ فَلَا يَضْمَنُ كَدْفِيعِ الْوَدِيعَةِ حَالِ الْغَرَقِ وَقَالَ إِنْ كَانَ الرَّاعِي مُشْتَرِكًا ضَمِنَ، وَلَوْ خَلَطَ الْغَنَمَ إِنْ أَمَكَّنَهُ التَّنْيِيزُ لَا يَضْمَنُ وَالْقَوْلُ لَهُ فِي تَعْيِينِ الدَّوَابِّ أَنَّهَا لِفُلَانٍ، إِنْ لَمْ يُنَكِّنْهُ ضَمِنَ قِيَمَتَهَا يَوْمَ الْخَطِّ وَالْقَوْلُ لَهُ فِي قَدْرِ الْقِيَمَةِ عَمَادِيَّةٌ؛ وَلَيْسَ لِلرَّاعِي أَنْ يُنْزِيَ عَلَى شَيْءٍ مِنْهَا بِلَا إِذْنِ رَبِّهَا، فَإِنْ فَعَلَ فَعَطِبَتْ ضَمِنَ وَإِنْ نَزَّى بِلَا فِعْلِهِ فَلَا ضَمَانَ جَوْهَرَةٌ

اسی طرح چرواہے کا حکم ہے اس کے ریوڑ سے ایک بکری بھاگ گئی تو اسے باقی ریوڑ کے بارے میں بلاست کا خوف ہوا اگر وہ اس کا پیچھا کرے۔ اس نے اس کا پیچھا کرنا عذر کی وجہ سے ترک کیا ہے پس وہ ضامن نہیں ہوگا۔ جس طرح غرق ہونے کے وقت ودیعت کسی کو دے دینا ہے۔ ”صاحبین“ رحمہ اللہ نے کہا: اگر راعی مشترک ہو تو ضامن ہوگا اگر اس نے بھیڑ بکریوں کو مل دیا اگر تمیز دینا ممکن ہو تو ضامن نہیں ہوگا۔ جانوروں کی تعین میں قول اسی کا معتبر ہوگا کہ یہ جانور فلاں کا ہے۔ اگر ممکن نہ ہو تو جس روز اس نے جانوروں کو ملایا ہے اس دن کی قیمت لازم ہوگی اور قیمت کی مقدار میں قول اس کا معتبر ہوگا۔ ”عمادیہ“۔ چرواہے کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ مالک کی اجازت کے بغیر کسی پر نر چھوڑے۔ اگر اس نے نر چھوڑا اور وہ جانور ہلاک ہو گیا تو وہ ضامن ہوگا۔ اگر چرواہے کے عمل کے بغیر نہ مادہ پر جا پڑا تو ضمان نہیں ہوگی۔ ”جوہرہ“۔

ہو جائے تو اس نے نہ روک کر اس کی حفاظت میں کوتاہی کی ہے۔ اسی تعبیر کی بنا پر اگر وہ اس گدھے کو نہ بٹائی کے پاس لایا اور روٹیاں خریدنے میں مشغول ہو گیا اور وہ گدھا ضائع ہو گیا اگر وہ اس کی آنکھوں سے غائب ہو گیا تو ضامن ہوگا ورنہ ضامن نہ ہوگا، ”خلاصہ“۔ ”خانہ“ میں ہے: جب اسے اپنی نظروں سے غائب کر دیا تو وہ اس کا محافظ نہیں ہوگا اگرچہ کسی شے کے ساتھ اسے باندھا ہے۔

30003۔ (قوله: فَلَا يَضْمَنُ) یعنی بالاجماع وہ اس کا ضامن نہیں ہوگا اگرچہ اجیر خاص ہو۔ اگر اجیر مشترک ہو تو ”امام صاحب“ رحمہ اللہ کے نزدیک حکم اسی طرح ہے۔ ”منح“۔

30004۔ (قوله: ضَمِنَ) کیونکہ اس نے ایسے عذر کے ساتھ حفاظت کو ترک کیا ہے جس سے بچنا ممکن ہے۔ ”الذخیرہ“ میں کہا: میں نے بعض نسخوں میں دیکھا ہے: اس پر اس بکری کے بارے میں ضمانت نہیں ہوگی جب وہ بھاگ کر گئی۔ جب اس چرواہے کے پاس کوئی ایسا آدمی نہ ہو جو اسے واپس لانے کے لیے بھیجے یا اسے اس بکری کے مالک کے پاس بھیجے تاکہ اس کے مالک کو اس بارے میں باخبر کرے۔ اسی طرح اگر وہ ریوڑ مختلف کھڑوں میں بٹ گیا اور وہ سب کا پیچھا کرنے پر قادر نہ ہوا۔ کیونکہ اس نے عذر کی وجہ سے حفاظت کو ترک کیا ہے ”صاحبین“ رحمہ اللہ کے نزدیک وہ ضامن ہوگا۔ ”بزازیہ“ میں کہا: کیونکہ یہ وافر اجر میں طمع کرنے کی وجہ سے متعذر ہوا ہے اور وافر اجر کثیر ریوڑ کو اپنانے کے ساتھ حاصل ہوا ہے۔

30005۔ (قوله: يَوْمَ الْخُلُطِ) کیونکہ یہی ہلاک کرنے کا دن ہے۔

(وَلَا يُسَافِرُ بِعَبْدٍ اسْتَأْجَرَهُ لِدِخْمَةٍ لِبَشْقَتِهِ (إِلَّا بِشَرْطٍ)؛ لِأَنَّ الشَّرْطَ أَمْلَكَ عَلَيْكَ أَمْرَكَ، وَكَذَلِكَ عَرَفَ بِالسَّفَرِ: لِأَنَّ الْمَعْرُوفَ كَالْمَشْرُوطِ بِخِلَافِ الْعَبْدِ الْمُوصَى بِدِخْمَتِهِ فَإِنَّ لَهُ أَنْ يُسَافِرَ بِهِ مُطْلَقًا؛ لِأَنَّ مُؤَنَّتَهُ عَلَيْهِ (وَلَوْ سَافَرَ) الْمُسْتَأْجِرُ بِهِ فَهَلْكَ ضَمِنَ قِيَمَتَهُ؛ لِأَنَّهُ غَاصِبٌ

اور وہ اس غلام کو سفر پر نہ لے جائے جس کو خدمت کے لیے اجرت پر لیا ہو۔ کیونکہ سفر میں مشقت ہوتی ہے مگر شرط لگائی ہو تو اسے سفر پر لے جاسکتا ہے۔ کیونکہ شرط یا تو تیرے خلاف ملکیت کا سبب ہے یا تیرے حق میں ملکیت کا سبب ہے۔ اسی طرح اگر سفر کے بارے میں معروف ہو۔ کیونکہ معروف مشروط کی طرح ہے۔ اس غلام کا معاملہ مختلف ہے جس کے متعلق خدمت کرنے کی وصیت کی گئی ہو۔ تو موصی لہ کو حق حاصل ہوگا کہ اسے مطلقاً سفر پر لے جائے۔ کیونکہ اس غلام کی مؤنت موصی لہ پر ہوتی ہے۔ اگر مستاجر اسے سفر پر لے گیا تو وہ ہلاک ہو گیا تو اس کی قیمت کا ضامن ہوگا۔ کیونکہ وہ غاصب ہے

30006۔ (قوله: وَلَا يُسَافِرُ بِعَبْدٍ) بلکہ اس سے شہر میں ہی خدمت لے گا اور اپنے ایسے دیہات میں جو سفر سے کم ہو۔ ”طحطاوی“ نے ”بزازیہ“ سے نقل کیا ہے۔

30007۔ (قوله: لِبَشْقَتِهِ) یعنی سفر کی مشقت کی وجہ سے اور اس کی وجہ یہ بھی ہے کہ واپس لوٹانے کی مؤنت آقا کے ذمہ ہوگی اس وجہ سے اسے ضرر لاحق ہوتا ہے۔ پس وہ مستاجر مالک کی اجازت کے بغیر اسے سفر پر لے جانے کا مالک نہیں۔ ”زیلعی“۔

30008۔ (قوله: إِلَّا بِشَرْطٍ) شرط لگائے تو لے جاسکتا ہے یا اس پر اس کے بعد راضی ہو۔ ”ط“۔
30009۔ (قوله: لِأَنَّ الشَّرْطَ أَمْلَكَ) یعنی ملک میں شدید ہے اور اتباع میں اس کا زیادہ عمل دخل ہے۔ پس یہ معروف یا مجہول ہے اسم تفصیل کا صیغہ ہے۔ تقدیر کلام یہ ہوگی: اشد مالکیۃ اشد مملوکیۃ۔ اس کو پیش نظر رکھتے ہوئے جس کے حق میں شرط لگائی جائے یا جس کے خلاف شرط لگائی جائے۔ ”ط“۔

30010۔ (قوله: عَلَيْكَ) یہ مخذوف کے متعلق ہے یہ املک کی ضمیر سے حال ہے۔ ”ط“۔

30011۔ (قوله: أَمْلَكَ) اس پر جناس تام لفظی قاعدہ جاری ہو رہا ہے۔ جس طرح یہ شعر ہے۔

إذا ملک لم یکن ذاہبۃ فدعہ فدولتہ ذاہبہ

جب بادشاہ جانے والا نہیں تو اس کو چھوڑ دو اس کی حکومت جانے والی ہے۔

ذاہبہ میں قاعدہ جاری ہو رہا ہے۔

30012۔ (قوله: وَكَذَلِكَ عَرَفَ بِالسَّفَرِ) یعنی وہ اس کی تیاری کرنے والا تھا جس طرح ”التبیین“ میں ہے۔

30013۔ (قوله: بِخِلَافِ الْعَبْدِ الْمُوصَى بِدِخْمَتِهِ) اس کی مثل ہے: البصالح علی خدمتہ جس غلام کی

خدمت پر صلح کی گئی ہو۔ ”طحطاوی“ نے ”سری الدین“ سے نقل کیا ہے۔

30014۔ (قوله: مُطْلَقًا) خواہ اس کے سفر کی شرط لگائی ہو یا شرط نہ لگائی ہو۔ ”مخ“۔

(وَلَا أَجْرَ عَلَيْهِ وَإِنْ سَلِمَ): لِأَنَّ الْأَجْرَ وَالضَّمَانَ لَا يَجْتَمِعَانِ وَعِنْدَ الشَّافِعِيِّ لَهُ أَجْرُ الْبِثْلِ (وَلَا يَسْتَرِدُّ مُسْتَأْجِرٌ مِنْ عَبْدٍ) أَوْ صَبِيٍّ (مَحْجُورٍ) أَجْرًا دَفَعَهُ إِلَيْهِ (لِ) أَجَلٍ (عَمَلِهِ) لِعَوْدِهَا بَعْدَ الْفَرَاغِ صَحِيحَةٌ

اور اس پر کوئی اجرت نہ ہوگی اگرچہ وہ سلامت رہے۔ کیونکہ اجرت اور ضمان جمع نہیں ہو سکتے۔ امام ”شافعی“ رضی اللہ عنہ کے نزدیک اس کے لیے اجرت مثلی ہوگی۔ اور مستاجر غلام یا ایسے بچے سے جو مجبور ہوں ان سے اس اجرت کو واپس لینے کا حقدار نہیں جو اجرت اس نے ان کو دی ہو۔ کیونکہ اس غلام، بچے نے غل کیا ہے اور فراغت کے بعد وہ اجرت صحیح ہو چکی ہے

30015۔ (قوله: لِأَنَّ الْأَجْرَ وَالضَّمَانَ لَا يَجْتَمِعَانِ) یعنی ایک حالت میں اگر ہم سفر میں سلامتی کے وقت اجرو واجب کر دیں اور بلاکت کے وقت ضمان کو واجب کریں تو یہ دونوں چیزیں ایک ہی حالت میں جمع ہو گئیں وہ سفر کی حالت ہے۔ ”ط“

30016۔ (قوله: مِنْ عَبْدٍ أَوْ صَبِيٍّ) یعنی جس غلام یا بچے نے اپنے آقا یا ولی کی اجازت کے بغیر کسی کو اجرت پر دیا۔
30017۔ (قوله: أَجْرًا) یہ یسترد کا منقول ہے اس سے مراد دونوں صورتوں میں اجرت مثلی ہے جس طرح ”اتمتین“ میں ”النبایہ“ سے مروی ہے۔

30018۔ (قوله: لِعَوْدِهَا بَعْدَ الْفَرَاغِ صَحِيحَةٌ) کیونکہ اسے نقصان پہنچانے والے تصرف سے مجبور کیا گیا ہے۔ نفع پہنچانے والے تصرف سے منع نہیں کیا گیا۔ اسی وجہ سے اجازت کے بغیر بدیہ قبول کرنا جائز ہے جب وہ عمل سے سلامت رہا تو اس کے بعد اجارہ کا جواز محض نفع ہے۔ کیونکہ ضرر کے بغیر نفع حاصل ہو رہا ہے پس اجرت پر اس کا قبضہ کرنا صحیح ہے۔ کیونکہ وہی عقد کرنے والا ہے پس مستاجر واپس لینے کا مالک نہیں ہوگا۔ ”زیلعی“ ملخص۔ ”طحطاوی“ نے کہا: یہ تعلیل اجر مسمی کے لزوم کا تقاضا کرتی ہے۔

جب مجبور عمل سے ہلاک ہو گیا اگر وہ بچہ ہو تو مستاجر کی عاقلہ پر اس کی دیت ہوگی اور مستاجر پر اجرت ہوگی اس عمل میں جو اس بچے نے ہلاک ہونے سے پہلے عمل کیا۔ اگر وہ مجبور غلام ہو تو اس پر اس کی قیمت لازم ہوگی اور مستاجر کے لیے اس نے جو عمل کیا ہے اس کی اجرت نہ ہوگی۔ کیونکہ جب اس نے اس کی قیمت کی ضمانت دے دی تو جب اس سے کام نہ رہا ہے۔ اس وقت سے وہ اس کا مالک ہو جائے گا پس وہ اپنے غلام کی منفعت کو حاصل کرنے والا ہو جائے گا۔ ”کتاب النکاح“۔

”زیلعی“ نے کہا: اگر آقا نے اسے نصف مدت میں آزاد کر دیا تو اجارہ نافذ ہو جائے گا اور غلام کے لیے یہی اختیار نہ ہوگا۔ پس جو وقت گزر چکا ہے اس کی اجرت آقا کے لیے ہوگی اور جو آنے والا وقت ہے اس کی اجرت غلام کے لیے ہوگی۔ اگر آقا اسے اجرت پر دے پھر نصف مدت میں اس کو آزاد کر دے تو غلام کو اختیار ہوگا اگر وہ اجارہ فسخ کر دے تو جو وقت گزر چکا ہے اس کی اجرت آقا کے لیے ہوگی اگر وہ اس اجارہ کو جائز قرار دے تو آنے والے وقت کی اجرت غلام کے لیے ہوگی اور قبضہ کرنے کا حق آقا کو ہوگا۔ کیونکہ وہ ہی عقد کرنے والا ہوگا۔

اسْتِحْسَانًا (وَلَا يَضُنُّ غَاصِبٌ عَبْدًا مَّا أَكَلَ) الْغَاصِبُ (مِنْ أَجْرِهِ) الَّذِي آجَرَ الْعَبْدَ نَفْسَهُ بِهِ لِعَدَمِ تَقْوَمِهِ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ (كَمَا) لَا يَضُنُّ اتِّفَاقًا (لَوْ آجَرَهُ الْغَاصِبُ)؛ لِأَنَّ الْأَجْرَ لَهُ لَا لِمَالِكِهِ (وَجَازٌ لِلْعَبْدِ قَبْضُهَا) لَوْ آجَرَ نَفْسَهُ لَا لَوْ آجَرَهُ الْمَوْلَى إِلَّا بِوَكَالَةٍ؛ لِأَنَّهُ الْعَاقِدُ عِنَايَةً

یہ استحسان ہے۔ اور غلام کا غاصب اس کا ضامن نہیں ہوگا جو غاصب نے اس غلام کی اجرت میں سے کھایا غلام نے جس اجرت کے بدلے میں اپنے آپ کو اجرت پر دیا تھا۔ کیونکہ امام ”ابو حنیفہ“ رحمہ اللہ کے نزدیک اس منفعت کی کوئی قیمت نہیں جس طرح وہ بالاتفاق ضامن نہیں ہوگا اگر غاصب نے اسے اجرت پر دیا کیونکہ اجرت اس غاصب کی ہوگی اس کے مالک کی نہیں ہوگی۔ غلام کے لیے اس اجرت پر قبضہ کرنا جائز ہوگا اگر وہ خود اپنے آپ کو اجرت پر دے اگر آقا اسے اجرت پر دے تو اسے قبضہ کرنے کا حق نہیں ہوگا مگر وکالت کے ساتھ اجرت پر قبضہ کر سکتا ہے۔ کیونکہ عاقد وہی ہے ”عناویہ“۔

30019۔ (قوله: اسْتِحْسَانًا) قیاس یہ ہے کہ اسے حق حاصل ہو کہ وہ اس پر قبضہ کرے۔ کیونکہ جس پر حجر ہو اس کا عقد جائز نہیں ہوتا پس وہ مستاجر کی ملکیت پر رہا کیونکہ اس سے کام لے کر اس پر غصب کرنے والا ہوگا۔ ”زیلعی“۔

30020۔ (قوله: وَلَا يَضُنُّ غَاصِبٌ عَبْدًا) یعنی کوئی آدمی غلام کو غصب کر لے تو غلام نے اپنے آپ کو اجرت پر دیا تو غاصب نے غلام کے ہاتھ سے اجرت لے لی اس کو کھالیا تو اس پر کوئی ضمانت نہ ہوگی۔ ”زیلعی“۔

30021۔ (قوله: لِعَدَمِ تَقْوَمِهِ) کیونکہ وہ محفوظ نہیں کیونکہ حفاظت حفاظت والے کے ہاتھ سے ہوتی ہے جیسے مالک کا قبضہ ہو یا اس کے نائب کا قبضہ ہو اور مالک کا قبضہ اس پر ثابت نہیں اور غلام کا قبضہ آقا کا قبضہ نہیں۔ کیونکہ غاصب کے قبضہ میں غلام پر ضمانت ہوتی ہے اور وہ اپنے آپ کو غاصب سے محفوظ نہیں رکھ سکتا۔ تو اس کے قبضہ میں جو کچھ ہے وہ کیسے محفوظ ہوگا۔ ”کفایہ“۔

30022۔ (قوله: عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ) ”صاحبین“ رحمہ اللہ نے کہا: اس پر ضمانت ہوگی کیونکہ اس نے غیر کا مال اس کی اجازت کے بغیر تاویل کے تلف کر دیا ہے۔

30023۔ (قوله: وَجَازٌ لِلْعَبْدِ قَبْضُهَا) یعنی وہ اجرت جو اسے اس لیے حاصل ہوئی کہ اس نے اپنے آپ کو اجرت پر دیا اس پر اتفاق ہے۔ کیونکہ یہ محض نفع ہے جس کی اجازت ہے جس طرح ہدیہ قبول کرنا اس کا فائدہ اس صورت میں ظاہر ہوگا کہ مستاجر اسے ادا کرنے کے ساتھ اجرت کی ذمہ داری سے خارج ہو جائے گا۔ ”درر“۔

”طوری“ نے کہا: یہ ان کے قول ولا یسترد مستاجر الخ کے ساتھ مکرر ہے کیونکہ اس نے قبضہ کے صحیح ہونے اور لینے کے منع کا فائدہ دیا ہے۔ فتاویٰ

30024۔ (قوله: لِأَنَّهُ الْعَاقِدُ) یعنی آقا عقد کرنے والا ہے۔ ”العناویہ“ کی عبارت اسی طرح کا فائدہ دیتی ہے۔ یہ ان کے قول: و جاز للعبد قبضها لو آجر نفسه کی علت نہیں اگرچہ وہ اس کی علت بننے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ اس میں

(فَلَوْ وَجَدَهَا مَوْلَاهُ) قَائِمَةً (فِي يَدِهِ أَخَذَهَا) لِبَقَاءِ مَلِكِهِ كَمَسْرُوقٍ بَعْدَ الْقَطْعِ (اِسْتَأْجَرَ عَبْدًا شَهْرَيْنِ شَهْرًا بِأَرْبَعَةٍ وَشَهْرًا بِخَمْسَةٍ صَحَّ) عَلَى التَّرْتِيبِ الْمَذْكُورِ، حَتَّى لَوْ عَمِلَ فِي الْأَوَّلِ فَقَطْ فَلَهُ أَرْبَعَةٌ وَبِعَكْسِهِ خَمْسَةٌ (اِخْتَلَفَا) الْآجِرُ وَالْمُسْتَأْجِرُ (فِي إِبَاقِ الْعَبْدِ أَوْ مَرَضِهِ أَوْ جَزَى مَاءِ الرَّحَى حُكْمَ الْحَالِ فَيَكُونُ الْقَوْلُ قَوْلَ مَنْ يَشْهَدُ لَهُ الْحَالُ)

اگر آقا سے غلام کے قبضہ میں موجود پائے تو اسے لے لے کیونکہ اس کی ملکیت باقی ہے جس طرح ہاتھ کاٹ دینے کے بعد مال مسروق کا حکم ہوتا ہے۔ ایک آدمی نے ایک غلام دو ماہ کے لیے اجرت پر لیا ایک ماہ چار کے عوض اور ایک ماہ پانچ کے عوض تو مذکورہ ترتیب کے اعتبار سے عقد صحیح ہوگا یہاں تک کہ اگر اس نے صرف پہلے ماہ میں عمل کیا تو اس کے لیے چار ہوں گے اور اس کے برعکس پانچ ہوں گے۔ آجر اور مستاجر میں غلام بھاگ جانے، اس کے مریض ہونے اور چکی کے پانی سے جاری ہونے میں اختلاف ہوا تو فیصلہ حال کے مطابق ہوگا۔ پس قول اس کا معتبر ہوگا ظاہر حال جس کی شہادت دے،

غور و فکر کیجئے اگر غاصب اسے اجرت پر دے کیا غلام قبضہ کرنے کا مالک ہے؟ تعلیل سے تو یہ مستفاد ہوتا ہے کہ اس کا قبضہ کرنا جائز نہیں۔ ”ط“۔

30025۔ (قوله: أَخَذَهَا) کیونکہ اس نے اپنے مال کے عین کو پالیا۔ ”ابن کمال“۔

30026۔ (قوله: كَمَسْرُوقٍ بَعْدَ الْقَطْعِ) کیونکہ وہ مستقوم نہیں رہا یہاں تک کہ وہ تلف کرنے کے ساتھ ضامن نہیں

ہوگا اور اس میں ملکیت باقی رہے گی یہاں تک کہ مالک اسے لے لے گا۔ ”زیلعی“۔

30027۔ (قوله: صَحَّ عَلَى التَّرْتِيبِ) کیونکہ عقد اگر پہلے مذکور کی طرف نہ پھرے جو عقد کے ساتھ ملا ہوا ہے تو اس

کی عمر کے مہینوں میں سے کوئی ایک مہینہ عقد میں داخل ہوگا۔ یہ قول پس ضروری ہے کہ اسے اس کی طرف پھیر دیا جائے جو عقد کے ساتھ ملا ہوا ہے تاکہ اس کے جواز کو تلاش کیا جائے۔ اسی طرح اجارہ پر اقدام اس امر کی دلیل ہے کہ حاجت غلام کی منفعت کے مالک بننے کی حتمی ہے۔ پس وہ مہینہ جس کو پہلے ذکر کیا گیا ہے اس کو اس کی طرف پھیرنا واجب ہے جو اس کے ساتھ ملا ہوا ہے تاکہ اس حتمی ضرورت کو پورا کیا جائے۔ ”کفایہ“۔

موجر اور مستاجر کے درمیان اختلاف کی بحث

30028۔ (قوله: فِي إِبَاقِ الْعَبْدِ أَوْ مَرَضِهِ) اس کی صورت یہ ہے کہ مستاجر مہینہ کے آخر میں کہتا ہے کہ مدت

میں بھاگ گیا یا مریض ہو گیا اور آقا اس امر کا انکار کر دے یا اسے اول مدت کی طرف نسبت کا انکار کرے اور کہے: اسے یہ عارضہ اس کے میرے پاس آنے سے ایک لمحہ پہلے لاحق ہوا ہے۔ ”زیلعی“۔

30029۔ (قوله: فَيَكُونُ الْقَوْلُ قَوْلَ مَنْ يَشْهَدُ لَهُ الْحَالُ) کیونکہ اس کا فی الحال وجود زمانہ زشتہ میں پائے

جانے پر دلالت کرتا ہے پس ظاہر حال ترجیح کی صلاحیت رکھتا ہے اگرچہ حجت بننے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ لیکن اگر موجر کا شاہد

مَعًا يَمِينُهُ كَمَا يَحْكُمُ الْحَالُ الْوَبَاءَ شَجَرًا فِيهِ شَرٌّ وَخْتَلَفًا فِي بَيْعِهِ أَمْثِلُ الشَّجَرِ أَمْثِلُ الشَّجَرِ
فَالْقَوْلُ قَوْلٌ مَنْ فِي يَدِهِ الشُّبُّ الْأَصْلُ أَنَّ الْقَوْلَ لِمَنْ يَشْهَدُ لَهُ الظَّاهِرُ وَفِي الْخُلَاصَةِ انْقِطَاعُ مَاءِ
الْوَحْيِ مَقْطُوعٌ مِنَ الْأَجْرِ بِحَسَابِهِ وَلَوْ عَادَ عَادَتْ. وَلَوْ اخْتَلَفَا فِي قَدْرِ الْإِنْقِطَاعِ فِي الْقَوْلِ لِنُسْتَأْجِرُ وَلَوْ
إِنِّي نَفْسَهُ حَالُ الْوَقْلُ قَوْلُ رَبِّ الشُّبِّ بِبَيْعِهِ فِي الْقَبِيضِ وَالْقَبَاءِ وَالْحُسْرَةِ وَالضُّفْرَةِ

ساتھ ہی اس سے قسم لی جائے گی جس طرح ظاہر حال کے مطابق کیا جاتا ہے۔ اگر ایک آدمی درخت نیچے جس میں پھل ہو اور
وہ اس میں درخت سے ساتھ پھل کی بیج میں اختلاف ہو جائے تو قول اس کا معتبر ہوگا جس کے قبضہ میں پھل ہو قعدہ یہ ہے کہ
قول اس کا معتبر ہوتا ہے ظاہر جس کی تائید کرے، ”الخلاصہ“ میں ہے: چھٹی کا پانی منقطع ہو گیا تو اس کے حساب سے اجرت
مقطوع ہو جائے گی اگر پانی ٹوٹ آئے تو اجرت ٹوٹ آئے گی اگر اختلاف انقطاع کی مقدار میں ہو تو قول مستاجر کا معتبر ہوگا اگر
نفس انقطاع میں اختلاف ہو تو ظاہر حال کے مطابق فیصلہ کیا جائے گا قبضہ، بقاء، سرخ اور زرد رنگ کے بارے میں اختلاف ہو
تو قول قسم کے ساتھ پڑے کے مالک کا ہوگا۔

تو اس میں اس حیثیت سے اشکال ہے کہ وہ ظاہر کے اعتبار سے اجرت کا مستحق ہے جب کہ یہ استحقاق کی صلاحیت نہیں رکھتا۔
اس کا جواب یہ ہے کہ وہ سبب سابق کے ساتھ اس کا مستحق بنتا ہے جو عقد ہے۔ بے شک ظاہر اس وقت تک اس کے باقی رہنے
پر شہادت دیتا ہے۔ ”زیلعی“ ملخص۔

30030۔ (قوله: فَاَلْقَوْلُ قَوْلٌ مَنْ فِي يَدِهِ الشُّبُّ) یہ حکم اس صورت میں ہے جب پھل باقی ہو مگر جب پھل ہلاک
ہو چکا ہو یا اسے جان بوجہ کر ہلاک کر دیا گیا ہو تو اس کے متعلق کلام نہیں کی۔ ظاہر یہ ہے کہ جس کے پاس وہ پھل ہلاک ہو یا
اسے ہلاک کیا گیا اس کے قبضہ کو دیکھا جائے گا۔ اس کی وضاحت کی جانی چاہیے۔ ”ط“۔

30031۔ (قوله: فَاَلْقَوْلُ لِلْمُسْتَأْجِرِ) کیونکہ وہ زائد کی ضمانت کا انکار کرتا ہے۔

30032۔ (قوله: وَلَوْ فِي نَفْسِهِ) یعنی نفس انقطاع میں اختلاف ہو پس ”خلاصہ“ میں جو قول ہے یہ اس کا ترمہ ہے۔
متن میں جو قول ہے وہ اس سے غنی کر دیتا ہے۔

30033۔ (قوله: وَالْقَوْلُ قَوْلُ رَبِّ الشُّبِّ الْخ) جیسے کپڑے کا مالک یہ کہے: میں نے تجھے حکم دیا تھا کہ تو اسے قبا
بنائے گا۔ درزی نے کہا: تو نے مجھے قمیص بنانے کا امر کیا تھا یا مالک کہتا ہے میں نے تجھے کہا تھا کہ تو اسے سرخ رنگ کرے گا اور
صباغ کہتا ہے: تو نے مجھے زرد رنگ کرنے کا کہا تھا یا مالک کہتا ہے: میں نے تجھے کہا تھا تو اجرت کے بغیر میرے لیے کام
کرے گا اور صباغ کہتا ہے: بلکہ اجرت کے ساتھ کام کرنے کی بات ہوئی تھی تو قول کپڑے کے مالک کا ہوگا۔ کیونکہ اذن اس
کی جہت سے مستفاد ہوتا ہے پس وہ اس کی کیفیت سے زیادہ آگاہ ہے اور اس کی علت یہ بھی ہے کہ وہ اس کے عمل کی قیمت
لگانے اور اس پر اجر کے واجب ہونے کا انکار کرتا ہے۔ ”زیلعی“ ملخص۔

30034۔ (قوله: بِبَيْعِهِ) جب پہلی صورت میں قسم اٹھائے: اگر چاہے تو اس سے کپڑے کی قیمت کی ضمانت لے

وَكَذَٰلِكَ فِي الْأَجْرِ وَعَدَمِهِ) وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ إِنْ كَانَ الصَّانِعُ مُعَامِلًا لَهُ فَلَهُ الْأَجْرُ وَإِلَّا فَلَا (وَقِيلَ) أُنَى وَقَالَ مُحَمَّدٌ إِنْ كَانَ الصَّانِعُ مَعْرُوفًا بِهَذِهِ الصَّنْعَةِ بِالْأَجْرِ وَتَيَّامَ حَالِهِ بِهَا) أُنَى بِهَذِهِ الصَّنْعَةِ (كَانَ بَيِّنِينَ الْقَوْلُ قَوْلُهُ) بِشَهَادَةِ الظَّاهِرِ (وَإِلَّا فَلَا، وَبِهِ يُفْتَى) زَيْدَعِي وَهَذَا بَعْدَ الْعَمَلِ، أَمَّا قَبْلَهُ فَيَتَخَالَفَانِ اخْتِيَارُ فُرُوعٍ فِعْلُ الْأَجِيرِ فِي كُلِّ الصَّنَائِعِ يُضَافُ لِاسْتِثْنَاءِ

اسی طرح کا حکم ہوگا جب اختلاف اجر اور اجر نہ ہونے کے بارے میں ہو۔ امام ”ابو یوسف“ رحمہ اللہ نے فرمایا: اگر صانع اس کے ساتھ معاملہ کرنے والا ہو تو اس کے لیے اجرت ہوگی ورنہ نہیں ہوگی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے۔ یعنی قول کرنے والے امام ”محمد“ رحمہ اللہ ہیں: اگر صانع اس صنعت میں اجرت کے ساتھ کام کرنے میں معروف ہو اور اس کی ضروریات اسی پیشے سے پوری ہوتی ہوں تو قسم کے ساتھ اس کا قول معتبر ہوگا۔ کیونکہ ظاہر حال اس کی شہادت دیتا ہے ورنہ اس کا قول معتبر نہیں ہوگا اسی پر فتویٰ دیا جاتا ہے ”زیدعی“۔ یہ حکم اس وقت ہے جب اختلاف عمل کے بعد ہو جہاں تک اس سے قبل کا تعلق ہے تو دونوں قسم اٹھائیں گے، ”اختیار“۔ فروع: تمام صنعتوں میں اجیر کا فعل اس کے استاد کی طرف منسوب ہوگا

لے جب کہ اس پر عمل نہ کیا گیا ہو اور اس کے لیے کوئی اجر نہ ہوگا اگر چاہے تو اس کپڑے کو لے لے اور اس کو اجرت مشی دے دے جو معین کردہ اجرت سے زیادہ نہ ہو۔ کیونکہ اس مزدور نے اس کے حکم کی اطاعت کی ہے جس کا اسے حکم دیا گیا تھا وہ حکم قطع کرنا اور سینا ہے لیکن صفت میں اس کی مخالفت کی ہے۔ پس دونوں میں سے جسے چاہے گا اسے اختیار کرے گا اور دوسری صورت میں اگر چاہے تو سفید کپڑے کی قیمت کی ضمانت لے لے اور اگر چاہے تو اس کا کپڑا لے لے اور اس کو اجرت مشی دے دے جو معین اجرت سے متجاوز بھی نہ ہو۔ ”درر“۔

30035۔ (قوله: مُعَامِلًا لَهُ) ”العنایہ“ میں کہا: اس کی صورت یہ ہے کہ وہ معاملہ ان دونوں کے درمیان اجرت کے ساتھ متکرر ہو۔ ”التمیین“ میں ہے: اس کی صورت یہ ہے کہ وہ عمل کے لیے اسے کوئی شے دیتا ہے اور اس پر اجرت کو معین کرتا ہے۔

30036۔ (قوله: بِشَهَادَةِ الظَّاهِرِ) کیونکہ جب اس نے اس مقصد کے لیے دکان کھولی تو یہ اس پر بطور نص ہے۔ جاری ہوگی یہ عقد کے ظاہر کا اعتبار کرنے کی بنا پر ہے۔ ”زیدعی“۔

اگر مستاجر اور آجر میں اختلاف ہو جائے تو اس کا حکم

30037۔ (قوله: فَيَتَخَالَفَانِ) مستاجر کی قسم سے آغاز کیا جائے گا کیونکہ یہ ایک عقد کا دعویٰ کرتا ہے اور آجر اس کا انکار کرتا ہے پس دونوں میں سے ایک عمل کے سبب کا دعویٰ کرتا ہے اور دوسرا اس کی بیعت کا دعویٰ کرتا ہے۔ ”اختیار“۔

تمیز: ”العنایہ“ میں کہا: ایک آدمی نے کوئی شے اجرت پر لی اور اس میں قصہ نہ کیا یہاں تک کہ دونوں میں اختلاف ہوا مستاجر نے کہا اجرت پانچ درہم ہے۔ موجر نے کہا: دس درہم ہیں تو دونوں قسم اٹھائیں گے۔ اور جو قسم سے انکار کرے گا اس

فَمَا أَتْلَفَهُ يَضْمَنُهُ أُسْتَاذُهُ اخْتِيَارًا، يَغْنِي مَا لَمْ يَتَّعَدْ فَيَضْمَنُهُ هُوَ عِمَادِيَّةٌ وَفِي الْأَشْبَاهِ ادَّعَى نَازِلُ الْخَانِ

پس جس کو مزدور تلف کرے گا اس کا استاد اس کا ضامن ہوگا، ”اختیار“۔ یعنی یہ حکم اس وقت ہے جب وہ تعدی نہ کرے اگر وہ تعدی کرے تو ضامن ہوگا، ”عمادیہ“۔ ”الاشباہ“ میں کہا: اس سرائے میں اترنے والے،

پر لازم ہو جائے گا اور مستاجر کی قسم سے آغاز کیا جائے گا۔ جب دونوں قسم اٹھالیں گے تو قاضی عقد کو ختم کر دے گا اور جو بھی گواہیاں قائم کر دے اسے قبول کر لیا جائے گا۔ اگر دونوں گواہیوں قائم کر دیں تو مؤجر کی گواہیاں کے مطابق فیصلہ کرے گا۔ کیونکہ وہ اپنا حق ثابت کرتا ہے۔ اسی طرح اگر دونوں مدت یا مسافت میں اختلاف کریں مگر ان دونوں صورتوں میں مؤجر کی قسم سے آغاز کیا جائے گا اور جو بھی گواہیاں قائم کرے گا اس کی گواہیاں قبول کی جائیں گی اگر دونوں گواہیاں قائم کر دیں تو مستاجر کی گواہیوں کے مطابق فیصلہ کرے گا۔ اگر مستاجر کہے: تو نے دس کے عوض میں دو ماہ کے لیے اجرت پر دیا ہے دوسرا کہے: بلکہ ایک ماہ دس کے عوض اجرت پر دیا ہے تو جس نے بھی گواہیاں قائم کر دیں اس کی گواہی کو قبول کر لیا جائے گا اگر دونوں گواہیاں قائم کر دیں تو مستاجر کی گواہیاں قبول کی جائیں گی۔

اگر وہ اجرت اور خدمت دونوں میں اختلاف کریں یا اجرت اور مسافت دونوں میں اختلاف کریں تو دونوں قسم اٹھائیں گے اور اجارہ فسخ ہو جائے گا اور جو بھی گواہیاں پیش کرے اس کی گواہی قبول کی جائے گی۔ اگر دونوں گواہیاں قائم کر دیں تو دونوں کے مطابق فیصلہ کرے گا۔ پس وہ مؤجر کی گواہیوں سے اجرت کی زیادتی کا فیصلہ کرے گا اور مستاجر کی گواہیوں سے مدت اور مسافت کی زیادتی کا فیصلہ کرے گا۔ پس جو بھی دعویٰ کا آغاز کرے گا اس سے پہلے قسم لی جائے گی اگر اجارہ کی مدت کے گزر جانے کے بعد دونوں ان وجوہ میں اختلاف کریں جب کہ وہ چیز مستاجر کے پاس ہو یا اس کے بعد اختلاف ہو جب وہ مقصد کو پا چکا تھا تو قول قسم کے ساتھ مستاجر کا ہوگا اور وہ دونوں بالا جماع قسم نہیں اٹھائیں گے۔ اگر بعض مدت کے گزرنے کے بعد اجرت میں اختلاف کریں یا وہ کچھ راستہ چل چکا تھا تو دونوں قسم اٹھائیں گے اور باقی ماندہ میں اجارہ فسخ ہو جائے گا اور ماضی کے حصہ میں قول مستاجر کا معتبر ہوگا۔

تمام صنعتوں میں اجیر کا فعل اس کے استاد کی طرف منسوب ہوگا

30038۔ (قوله: يَضْمَنُهُ أُسْتَاذُهُ) کیونکہ اس مزدور نے استاد کی اجازت سے عمل کیا اور وہ ضامن نہیں ہوگا۔

کیونکہ مزدور ایک آدمی یعنی اپنے استاد کا مزدور ہے جب اس نے اس عرصہ میں اپنے آپ کو اس کے سپرد کر دیا ہے تو اجرت کا مستحق ہوگا جس طرح ہم نے اسے پہلے بیان کیا ہے۔

غصب کے منافع کی ضمانت میں متقدمین اور متاخرین کا نظریہ

30039۔ (قوله: ادَّعَى نَازِلُ الْخَانِ الْخ) ”تا ترخانہ“ میں کہا: یہ اس امر پر مبنی ہے کہ سرائے عموماً کرایہ کے لیے

تیار کی جاتی ہے پس اس کارہائش رکھنا یہ اجرت پر راضی ہونا ہے۔ بعض مشائخ نے کہا ہے: فتویٰ اجرت کے لزوم پر ہے۔ مگر

وَدَاخِلُ الْحَمَامِ وَسَاكِنُ الْمُعْدِلِ لِلاِسْتِغْلَالِ الْغَضَبَ لَمْ يُصَدَّقْ وَالْأَجْرُ وَاجِبٌ قُلْتُ وَكَذَا مَا الْيَتِيهِ
عَنِ الْمُفْتَى بِهِ فَتَنَّبَهُ وَفِيهَا الْأَجْرَةُ لِلْأَرْضِ كَالْخَرَجِ عَلَى الْمُعْتَبِدِ، فَإِذَا اسْتَأْجَرَهَا لِذِرَاعَةٍ فَاصْطَلَهُ
الزَّرْعَ آفَةً وَجَبَ مِنْهُ لَهَا قَبْلَ الْإِصْطِلَامِ وَسَقَطَ مَا بَعْدَهُ

حمام میں داخل ہونے والے اور جسے محاصل و منافع کے لیے تیار کیا گیا تھا اس میں سکونت اختیار کرنے والے نے غصب کا
دعویٰ کیا تو اس کی تصدیق نہ کی جائے گی اور اجرت واجب ہوگی۔ میں کہتا ہوں: اسی طرح یتیم کا حال ہے یہ مفتی پہ قول ہے۔
پس اس پر متنبہ ہو جائیے۔ اس میں ہے: زمین کی اجرت خراج کی طرح ہے یہ قابل اعتماد ہے جب وہ زمین کو زراعت کے
لیے اجرت پر لے تو کھیتی کو آفت آپہنچی تو آفت آنے سے پہلے کی اجرت واجب ہوگی اور ما بعد کی اجرت ساقط ہو جائے گی۔

جب اس کے خلاف پر معروف ہو۔ اس کی صورت یہ ہے کہ وہ یہ تصریح کرے کہ وہ اس میں بطریق غصب اتر رہا ہے یا لوگوں
کے گھر میں رہے وہ ظلم میں معروف ہو، اترنے میں مشہور ہو اجارہ کے طریقہ پر اترنے میں معروف نہ ہو۔

میں کہتا ہوں: ظاہر یہ ہے کہ یہ متقدمین کے قول پر مبنی ہے کہ غصب کے منافع کی مطلقاً ضمانت نہیں مگر جو متاخرین نے
فتویٰ دیا ہے کہ جو چیزیں منافع کے حصول کے لیے تیار کی گئی ہوں، وقف کے مال اور یتیم کے مال کی ضمانت لازم ہوگی۔ پس
اجرت لازم ہوگی وہ غصب کا دعویٰ کرے یا غصب کا دعویٰ نہ کرے وہ اس میں معروف ہو یا معروف نہ ہو، مائل۔

30040۔ (قوله: سَاكِنُ الْمُعْدِلِ لِلاِسْتِغْلَالِ) یہ عام کا خاص پر عطف ہے۔

30041۔ (قوله: وَالْأَجْرُ وَاجِبٌ) یعنی اجرت مثلی واجب ہے۔ ”ط“۔

30042۔ (قوله: كَالْخَرَجِ) یعنی خراج موطنف یہ شرط اس لیے لگائی تاکہ خراج مقاسم و خارج کیا جائے جب کہ یہ

ظاہر ہے۔ ”ط“۔

30043۔ (قوله: عَنِ الْمُعْتَبِدِ) یہ اس کے مخالف ہے جو ”حواشی الاشباہ“ میں ”الاولوادیہ“ سے مروی ہے کہ آفت

آنے سے قبل جو اجرت واجب ہوئی ہے وہ ساقط نہیں ہوگی اور جو اس کے بعد واجب ہوگی وہ ساقط ہو جائے گی۔ اور خراج
وصول نہیں کیا جائے گا۔ کیونکہ خراج کے وجوب کا سبب ایسی زمین کی ملکیت ہے جو فصل اگانے والی ہو اس کی ملکیت ایسا
تک حقیقت میں رہے یا اعتباراً رہے۔ اعتماد اس روایت پر ہے۔

30044۔ (قوله: وَسَقَطَ مَا بَعْدَهُ) لیکن یہ حکم اس صورت میں ہے جب کھیتی کے بلاک ہونے کے بعد اتنی مدت رہ

جائے جس میں کھیتی کے اعادہ پر قادر نہ ہوا اگر وہ پہلے والی کھیتی کے اعادہ پر قادر ہو جائے یا ایسی فصل کاشت کرنے پر قادر ہو جائے
جو ضرر میں اس سے کم ہو تو اجرت واجب ہوگی، ”بزازیہ“ میں ”المحیط“ سے مروی ہے: اسی پر فتویٰ ہے۔ اسی کی مثل ”الذخیرہ“،
”خانیہ“، ”خلاصہ“ اور ”تاتر خانیہ“ میں ہے۔ ظاہر یہ ہے کہ پہلی کھیتی کی مثل یا اس سے کم درجہ کی فصل کے اعادہ کی قید اس میں
مفروض ہے جب وہ زمین اجرت پر اس شرط پر لے کہ وہ اس میں ایک خاص نوع کی فصل کاشت کرے گا مگر جب اس نے یہ

قُلْتُ وَهُوَ مَا اعْتَمَدَ فِي الْوَلَوِ الْجِيَّةُ، لَكِنْ جَزَمَ فِي الْخَانِيَّةِ بِرَوَايَةِ عَدَمِ سُقُوطِ شَيْءٍ حَيْثُ قَالَ أَصَابَ الزَّرْعَ آفَةٌ فَهَلَكَ أَوْ غَرِقَ وَلَمْ يُنْبِتْ لَزِمَ الْأَجْرُ: لِأَنَّهُ قَدْ زَمَعَ، وَلَوْ غَرِقَتْ قَبْلَ أَنْ يَزْرَعَ فَلَا أَجْرَ عَلَيْهِ

میں کہتا ہوں: ”الولواجیہ“ میں اس پر اعتماد کیا ہے۔ لیکن ”خانیہ“ میں کسی شے کے ساقط نہ ہونے کی روایت کو یقین کے ساتھ بیان کیا ہے۔ کیونکہ کہا: کھیتی کو آفت پہنچی پس وہ کھیتی ہلاک ہوگئی یا غرق ہوگئی اور وہ نہ اگی تو اجرت لازم ہوگی کیونکہ اس نے کھیتی کو کاشت کیا اگر وہ زراعت سے پہلے غرق ہو جائے تو اس پر کوئی اجرت نہ ہوگی۔

کہا ہوا اس میں، میں جو چاہوں گا کاشت کروں گا تو پھر اس کی کوئی قید نہیں کیونکہ تعمیم صحیح ہے جس طرح گزر چکا ہے، تامل 30045۔ (قوله: وَهُوَ مَا اعْتَمَدَ فِي الْوَلَوِ الْجِيَّةُ) ہم اس عبارت کا حاصل ”حواشی الاشباہ“ سے نقل کر چکے ہیں۔ 30046۔ (قوله: لَكِنْ جَزَمَ فِي الْخَانِيَّةِ الْخ) ”الخانیہ“ میں جو ذکر کیا ہے اسے ”الولواجیہ“ میں بھی ذکر کیا ہے اور اس کے خلاف پر اعتماد کیا ہے جس طرح تو سن چکا ہے۔ کیونکہ ”خانیہ“ میں گزشتہ تفصیل کا ذکر ہے اور کہا: یہی فتویٰ کے لیے مختار ہے۔ پس اس کے برعکس پر کیسے جزم کا اظہار کر سکتے ہیں؟ جب کہ تو یہ تصریح جان چکا ہے کہ فتویٰ اس پر ہے یہ متعدد کتب سے ماخوذ ہے۔

30047۔ (قوله: لَزِمَ الْأَجْرُ) یعنی مکمل اجرت لازم ہوگی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

بَابُ فُسْخِ الْإِجَارَةِ

تُفْسَخُ بِالْقَضَاءِ أَوْ الرِّضَا (بِخِيَارِ شَرْطٍ أَوْ رُؤْيَا)

اجارہ فسخ کرنے کے احکام

اجارہ خیار شرط اور خیار رویت کی صورت میں قضا یا باہم رضا مندی کے ساتھ فسخ کر دیا جاتا ہے

اس باب کو مؤخر لانے کی مناسبت ظاہر ہے کیونکہ کسی عقد کا فسخ اس کے وجود کے بعد ہوتا ہے۔ ”معراج“۔

30048۔ (قوله: تُفْسَخُ) تفسخ کہا ہے: کیونکہ انہوں نے عام مشائخ کے قول کو اختیار کیا ہے وہ یہ ہے کہ عذر کی موجودگی میں عقد منسوخ نہیں ہوتا یہی صحیح ہے۔ ”الذخیرہ“ میں اسے بیان کیا ہے۔ یہ عقد منسوخ نہیں ہوا اس لیے نہیں کہ کسی دوسری صورت سے نفع حاصل کرنا ممکن ہے کیونکہ یہ لازم نہیں بلکہ اس لیے کہ منافع اس طریقہ سے فوت ہوئے ہیں جن کے لوٹ آنے کا تصور کیا جاسکتا ہے۔ اسے ”ہدایہ“ میں ذکر کیا۔ ”ابن کمال“

”فتاویٰ صغریٰ“ اور ”تتمہ“ میں ہے: جب کوئی دیوار گر جائے یا گھر کا کمرہ گر پڑے تو مستاجر کو حق حاصل ہوگا کہ وہ اس عقد کو فسخ کر دے اور اجماع اس پر ہے کہ مالک کی عدم موجودگی میں وہ عقد فسخ کرنے کا مالک نہیں ہوگا۔ اگر مکمل گھر گر پڑے تو مالک کی موجودگی کے بغیر وہ فسخ کر سکتا ہے لیکن جب تک وہ فسخ نہ کرے عقد منسوخ نہ ہوگا کیونکہ سفید زمین سے نفع حاصل کرنا ممکن ہے۔

”شمس الائمہ“ کے کتاب الاجارات میں ہے جب تمام گھر گر جائے تو صحیح یہ ہے کہ عقد منسوخ نہ ہوگا۔ لیکن اجرت ساقط ہو جائے گی وہ عقد فسخ کرے یا عقد فسخ نہ کرے، ”اتقانی“۔ ہم نے الاجارات الفاسدہ سے تھوڑا پہلے اسے بیان کیا ہے۔

30049۔ (قوله: بِالْقَضَاءِ أَوْ الرِّضَا) اس کا ظاہر معنی تو یہ ہے تو یہ خیار شرط، خیار رویت، خیار عیب اور عذر میں شرط ہے۔ کیونکہ اسے تمام کے ساتھ مربوط کیا ہے۔ اس میں کلام ہے جو عنقریب آئے گی۔

30050۔ (قوله: بِخِيَارِ شَرْطٍ أَوْ رُؤْيَا) یعنی تین دن گزرنے سے پہلے۔ اگر ایک آدمی نے دکان مہینہ کے لیے اجرت پر لی اس شرط پر کہ اسے تین دن میں اختیار ہوگا جس میں عقد کو فسخ کر دے اگر وہ ان دنوں میں سے تیسرے دن عقد فسخ کر دے تو وہ دنوں کی اجرت واجب نہ ہوگی۔ کیونکہ مدت کا آغاز خیار کے ساقط ہونے کی مدت سے ہوگا۔ اس میں اس امر کا شعور دایا ہے کہ اس کے مالک کا حاضر ہونا شرط نہیں اور نہ ہی اس کا علم ہونا شرط ہے۔ طرفین نے اس سے اختلاف کیا ہے جب کہ پہلا قول اسح ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مفتی کو اس میں اختیار ہوگا جس طرح ”المضمرات“ میں ہے، ”تہتانی“۔ یہ اس کے خلاف قول ہے شارح کا کلام جس کا شعور دلاتا ہے۔

30051۔ (قوله: وَرُؤْيَا) اگر ایک آدمی نے زمین کے چندہ قطعات ایک صفحہ کے ساتھ اجرت پر لیے پھر ان میں

كَالْبَيْعِ خِلَافًا لِلشَّافِعِيِّ (و) بِخِيَارٍ (عَيْبٍ) حَاصِلٍ قَبْلَ الْعَقْدِ أَوْ بَعْدَهُ بَعْدَ الْقَبْضِ أَوْ قَبْلَهُ (يَفُوتُ النَّفْعُ بِهِ) صِفَةُ عَيْبٍ

جس طرح بیع ان صورتوں میں فسخ کر دی جاتی ہے۔ امام ”شافعی“ رحمہ اللہ نے اس سے اختلاف کیا ہے اور اجارہ ایسے خیاری عیب سے فسخ کر دیا جاتا ہے جو عیب عقد سے پہلے یا اس کے بعد قبضہ کے بعد یا قبضہ سے پہلے حاصل ہو جس عیب کے ساتھ منفعت فوت ہو جاتی ہو۔ یہ جملہ: یفوت النفع بہ عیب کی صفت ہے۔

سے بعض کو دیکھا تو اسے تمام میں اجارہ فسخ کرنے کا حق ہوگا۔ اس میں اس امر کا شعور دلا یا گیا ہے کہ اس فسخ میں نہ قضا کی شرط ہے نہ ہی رضا کی شرط ہے۔ چاہیے کہ اس میں خیاری شرط والا اختلاف ہو، ”قہستانی“، باب ضمان الاجیر کے شروع میں یہ پہلے گزر چکا ہے کہ اجیر مشترک کو ہر اس عمل میں خیاری رویت حاصل ہوگا جو محل کے مختلف ہونے سے مختلف ہو جاتا ہے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ خیاری شرط اور خیاری رویت میں قضا یا رضا کی شرط نہیں۔ جہاں تک خیاری عیب کا تعلق ہے تو مکمل گھر گر جانے کی صورت میں اس کے ساتھی کی عدم موجودگی میں وہ عقد فسخ کر سکتا ہے۔ دیوار وغیرہ گر جائے تو معاملہ مختلف ہوگا جس طرح قول گزر چکا ہے۔ جہاں تک دوسرے اعذار کا تعلق ہے تو عنقریب یہ آئے گا کہ اصح یہ ہے کہ عذر اگر ظاہر ہو تو وہ اکیلے فسخ کر سکتا ہے اگر مشتبہ ہو تو اکیلے فسخ نہیں کر سکتا۔ پھر خیاری شرط دونوں عقد کرنے والوں کے لیے ثابت ہوتا ہے۔ جہاں تک خیاری رویت کا تعلق ہے تو یہ مؤجر کو حق حاصل نہیں جس طرح بیع میں ہے۔ ”حموی“ نے کہا: میں نے یہ نہیں دیکھا دوسرے علماء نے اسی طرح بحث کی ہے یہاں ان کا اس حدیث: من اشتری شیئاً ولم یرہ فله الخيار (1) سے استدلال ظاہر ہے اور ان کے قول: انہا بیع المنفعة سے استدلال ظاہر ہے۔ ”منلا علی ترکمانی“ نے اسی کے مطابق فتویٰ دیا ہے۔

اجارہ ایسے (خیاری) عیب کے سبب فسخ کر دیا جاتا ہے جس کے ساتھ منفعت فوت ہو جاتی ہے

30052۔ (قوله: حَاصِلٍ قَبْلَ الْعَقْدِ) اور اس نے اس سے پہلے وہ عیب نہ دیکھا ہو۔ اگر اس نے پہلے اسے دیکھا ہو تو اس کے لیے کوئی خیاری نہیں ہوگا۔ کیونکہ وہ اس عیب پر راضی ہے جس طرح ”الاختیار“ میں ہے۔ جس میں اسے اختیار تھا اگر اس نے اس سے پوری منفعت لے لی تو اس پر کامل اجر لازم ہوگا جس طرح شارح اس کو ذکر کریں گے۔

”الخلاصہ“ میں ہے: اجارہ میں خیاری عیب بیع میں اجارہ سے مختلف ہے کہ بیع میں قبضہ سے پہلے مشتری اس کو روکنے میں اکیلا با اختیار ہے اس کے بعد اسے یہ حق حاصل نہیں اجارہ میں قبضہ سے پہلے اور قبضہ کے بعد مستاجر واپس کرنے میں تنہا با اختیار ہے اور جو قول گزر چکا ہے اس کو نہ بھولنا۔

30053۔ (قوله: يَفُوتُ النَّفْعُ بِهِ) اس میں قاعدہ یہ ہے کہ عیب جب اس شے میں واقع ہو جس کو اجرت پر لیا تھا اگر وہ عیب منافع میں موثر ہو تو خیاری مستاجر کے لیے ثابت ہوگا جس طرح غلام جب مریض ہو جائے۔ اور گھر جب اس کا بعض

(كَخَرَابِ الدَّارِ وَانْقِطَاعِ مَاءِ الرَّحَى) وَكَذَا لَوْ كَانَتْ تُسْقَى بِمَاءِ السَّمَاءِ فَانْقِطَاعُ الْمَطَرِ فَلَا أَجْرَ خَاتِمَةٍ أُنَى وَإِنْ لَمْ تَنْفَسِخْ عَلَى الْأَصْحِ كَمَا مَرَّ فِي الْجَوْهَرَةِ لَوْ جَاءَ مِنَ الْمَاءِ مَا يَزْرَعُ بَعْضُهَا

جیسے گھر کھنڈر بن جائے، چکی کا پانی منقطع ہو جائے اور زمین کا پانی منقطع ہو جائے۔ اسی طرح اگر اسے بارش کے پانی سے سیراب کیا جاتا تھا تو بارش منقطع ہو گئی تو اس کے لیے کوئی اجرت نہ ہوگی، ”خانیہ“۔ یعنی اگرچہ اصح قول کے مطابق اجارہ منسوخ نہ ہو جس طرح گزر چکا ہے۔ ”جوہرہ“ میں ہے: اگر اتنا پانی آئے جو اس زمین کا بعض سیراب کرے

گرجائے کیونکہ منفعت میں سے ہر چیز معقود علیہ کی طرح ہے پس قبضہ سے پہلے عیب کا واقع ہو جانا یہ خیار کو ثابت کرتا ہے۔ اگر وہ منافع میں مؤثر نہ ہو تو پھر خیار تو ثابت نہیں کرتا جس طرح وہ غلام جسے خدمت کے لیے اجرت پر لیا گیا ہو جب اس کی دو آنکھوں میں سے ایک آنکھ جاتی رہے یا اس کے بال گر جائیں اور اس گھر کی طرح جب اس میں سے دیوار گرجائے جس کی وجہ سے اس میں رہائش سے نفع حاصل نہ کیا جاسکے۔ کیونکہ عقد منفعت پر واقع ہوا ہے ذات پر واقع نہیں ہوا۔ یہ نقص ذات کی وجہ سے حاصل ہوا ہے منفعت کی وجہ سے حاصل نہیں ہوا اور ایسا نقص جو معقود علیہ کے علاوہ سے ہو تو وہ خیار کو ثابت نہیں کرتا۔ ”اتقانی“۔ ”ذخیرہ“ میں ہے: جب موجر جاگیر کے درختوں میں سے کوئی درخت کاٹ دے جو اجرت پر لی گئی تھی تو مستجر کو اجارہ فسخ کا حق ہوگا اگر درخت مقصود تھے۔

30054۔ (قوله: وَانْقِطَاعِ مَاءِ الرَّحَى) اگر عقد اجارہ کو فسخ نہ کرے یہاں تک کہ پانی لوٹ آئے تو اجارہ لازم ہو جائے گا اور اس کے حساب سے اجرت کو منہا کر دیا جائے گا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: انقطاع کے دنوں کے حساب سے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جس قدر پانی منقطع رہا اس کے حساب سے۔ پہلا قول اصح ہے۔ کیونکہ ظاہر روایت اس کی شاہد ہے۔ کیونکہ انہوں نے ”الاصل“ میں کہا: پانی جب پورا مہینہ منقطع رہا اور مستاجر نے اجارہ کو منسوخ نہ کیا یہاں تک کہ مہینہ گزر گیا تو اس بارے میں اس پر کوئی اجرت نہیں ہوگا۔ اگر رہائش کی منفعت آنا پسینے کی منفعت کے ساتھ خاص ہوگی تو اسی قدر اجرت واجب ہوگی، ”تا ترخانیہ“ میں اسی طرح ہے۔ اس سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ چکی کا کمرہ جو آٹا پیسنے کے علاوہ کی بھی صلاحیت رکھتا ہو جیسے رہائش، اس کی اجرت واجب نہ ہوگی جب تک وہ معقود علیہ نہ ہو۔ اس کے بعد ”قدوری“ سے نقل کیا ہے: اگر کمرہ ایسا ہو جس سے پیسنے کے علاوہ نفع حاصل کیا جاسکتا ہے تو اس پر اس کے حصہ کے مطابق اجرت ہوگی۔ اسی کی مثل وہ ہے جو ”التبیین“ سے منقول آئے گا، تامل۔ انقطاع قید نہیں۔ کیونکہ ”تا ترخانیہ“ میں بھی ہے: جب پانی کم ہو جائے۔ اگر وہ بہت زیادہ ہو تو مستجر کو اجارہ فسخ کرنے کا حق ہوگا۔ ورنہ اجارہ فسخ کرنے کا حق نہیں ہوگا۔

”قدوری“ نے کہا: جب وہ نصف سے کم پیسے تو یہ کمی فاحش ہے۔ ”واقعات الناطقی“ میں ہے: اگر وہ نصف پیسے تو اسے فسخ کرنے کا حق ہوگا۔ یہ روایت ”قدوری“ کی روایت کے مخالف ہے۔ اگر وہ اسے رد نہ کرے یہاں تک کہ آٹا پیسے لے تو یہ اس کی جانب سے رضا مندی ہوگی اور اسے بعد میں رد کرنے کا حق نہیں ہوگا۔

30055۔ (قوله: كَمَا مَرَّ) یعنی اجارہ فاسدہ سے تھوڑا پہلے صراحۃً گزرا ہے کیونکہ کہا: اگر گھر کھنڈر بن گیا تو تمام

وَفِي الْجَوْهَرَةِ لَوْ جَاءَ مِنَ الْمَاءِ مَا يَزْرَعُ بَعْضُهَا فَالْمُسْتَأْجِرُ بِالْخِيَارِ إِنْ شَاءَ فَسَخَ الْإِجَارَةَ كُلَّهَا أَوْ تَرَكَ
وَدَفَعَ بِحِسَابِ مَا رَوَى مِنْهَا وَفِي الْوَلَوِ الْجِيَّةِ لَوْ اسْتَأْجَرَهَا بِغَيْرِ شُرْبِهَا فَانْقَطَعَ مَاءُ الزَّرْعِ عَلَى وَجْهِ
لَا يُرْجَى فَلَهُ الْخِيَارُ، وَإِنْ انْقَطَعَ قَلِيلًا قَلِيلًا وَيُرْجَى مِنْهُ السَّقْيُ فَالْأَجْرُ وَاجِبٌ وَفِي لِسَانِ الْحَكَّامِ
اسْتَأْجَرَ حَتَّى مَا فِي قَرْيَةٍ

تو مستاجر کو اختیار حاصل ہوگا اگر چاہے تو تمام اجارہ فسخ کر دے یا اسے اسی حال پر چھوڑے رکھے اور زمین میں سے جو سیراب
کرے اس کے حساب سے وہ اجرت دے۔ ”ولو بالجیہ“ میں ہے: اگر اس نے زمین اس کے پانی کی باری کے بغیر اجرت پر
لی تو کھیتی کا پانی اس طریقہ پر منقطع ہو گیا جس کی امید نہیں کی جاتی اسے اختیار حاصل ہوگا۔ اگر وہ تھوڑا تھوڑا منقطع ہوا اور اس
سے سیراب کرنے کی امید ہو تو اجرت واجب ہوگی۔ ”لسان الحکام“ میں ہے: اس نے ایک حمام دیہات میں اجرت پر لیا

اجرت ساقط ہو جائے گی اور جب تک مستاجر اسے منسوخ نہ کرے وہ اجارہ منسوخ نہ ہوگا۔ یہی قول اصح ہے۔ اور مصنف کے
قول تفسیخ کی دلالت یہ اس کے منسوخ نہ ہونے کا فائدہ دیتی ہے ہم اس کے بارے میں تصریح، ”تا ترخانیہ“ اور ”اتقانی“
سے نقل کر چکے ہیں۔

30056۔ (قوله: وَدَفَعَ بِحِسَابِ مَا رَوَى مِنْهَا) اس کی مثل وہ ہے جسے شارح نے ”وہبانیہ“ سے اجارہ فاسد
سے تھوڑا پہلے نقل کیا ہے۔ اگر گھر کا ایک کمرہ گرجائے تو اس کی اجرت میں سے اس کے حساب سے ساقط ہو جائے گی۔ لیکن ہم
نے وہاں پہلے ”ابن شحنے“ وغیرہ سے نقل کر چکے ہیں کہ یہ ظاہر روایت کے خلاف ہے۔ فاقابل

30057۔ (قوله: وَفِي الْوَلَوِ الْجِيَّةِ الْخ) اسے کتاب المزارع کی تیسری فصل میں ذکر کیا ہے اس میں ہے: اگر اس
نے زمین اس کے پانی کی باری کے ساتھ اجرت پر لی تھی تو اس سے اجرت ساقط ہو جائے گی۔ کیونکہ اس سے نفع حاصل
کرنے کی قدرت ختم ہو چکی ہے۔ پھر کہا: اگر پانی منقطع نہ ہو لیکن وہ اس زمین پر بہہ جائے یہاں تک کہ وہ زراعت کے قابل
نہ رہے تو اس پر کوئی اجرت نہ ہوگی۔ کیونکہ وہ نفع حاصل کرنے سے عاجز آچکا ہے۔ اور وہ یوں ہو گیا ہے کہ ایک غاصب نے
اسے غصب کر لیا ہو۔

30058۔ (قوله: بِغَيْرِ شُرْبِهَا) میں کہتا ہوں: باب ما يجوز من الاجارة وما لا يجوز میں یہ گزر چکا ہے کہ مستاجر
کو پانی کی باری اور راستہ کا حق ہوتا ہے تامل۔ وہاں ایسی فروع گزر چکی ہیں جو زراعت پر قدرت نہ ہونے کے متعلق ہیں پس
اس کی طرف رجوع کیجئے۔

30059۔ (قوله: اسْتَأْجَرَ حَتَّى مَا فِي قَرْيَةٍ) ”تا ترخانیہ“ میں ہے: شمس الائمہ ”حلوانی“ سے اس آدمی کے بارے میں
سوال کیا گیا جو ایک دیہات میں حمام کرایہ پر لیتا ہے تو لوگ وہاں سے کوچ کر جاتے ہیں اور جلا وطنی واقع ہو جاتی ہے اور اجارہ
کی مدت گزر جاتی ہے کیا اجرت واجب ہوگی؟ فرمایا: اگر وہ حمام سے نفع حاصل کرنے کی طاقت نہ رکھتا ہو تو اجرت نہ ہوگی۔ رکن

فَفَزِعُوا وَرَحَلُوا سَقَطَ الْأَجْرُ عَنْهُ، وَإِنْ نَفَرَ بَعْضُ النَّاسِ لَا يَسْقُطُ الْأَجْرُ (أَوْ يُخْلَى) عَطْفٌ عَلَى يَفُوتُ (بِهِ) أَمَى بِالنَّفْعِ بِحَيْثُ يُنْتَفَعُ بِهِ فِي الْجُنْدَةِ (كَمَرَضِ الْعَبْدِ وَدَبْرِ الذَّابَّةِ) أَمَى قُرْحَتِهَا وَبِسُقُوطِ حَائِطِ دَارٍ وَفِي الثَّبِيِّينَ لَوْ انْقَطَعَ مَاءُ الرَّحَى

لوگ خوفزدہ ہوئے اور وہاں سے کوچ کر گئے اس سے اجرت ساقط ہو جائے گی۔ اگر بعض لوگ کوچ کر گئے تو اجرت ساقط نہ ہوگی یا وہ نفع میں خلل کا باعث ہو اس طرح کہ اس سے فی الجملہ نفع نہ اٹھایا جاسکتا ہو تو اجارہ فسخ کیا جاسکتا ہے جیسے غلام مریض ہو جائے، جانور زخمی ہو جائے اور گھر کی دیوار گر جائے۔ ”التبیین“ میں ہے: اگر چکی کا پانی منقطع ہو گیا اور چکی کا کمرہ ایسا تھا

الاسلام ”سعدی“ نے لا کے ساتھ مطلقاً جواب دیا ہے۔ اگر بعض لوگ باقی رہیں اور کچھ لوگ چلے جائیں تو اجرت واجب ہوگی۔ ظاہر یہ ہے کہ رفق سے مراد ارتفاق ہے۔ یعنی نفع حاصل کرنا جیسے رہائش رکھنا وغیرہ۔ مسئلہ کی صورت اس میں فرض ہوگی جب مدت گزر جائے۔ اگر مدت نہ گزرے تو ظاہر یہ ہے کہ اسے فسخ کرنے کا اختیار ہوگا کیونکہ وہ منفعت میں محل ہے جس طرح ”جوہرہ“ کا مسئلہ ہے، تامل۔ اجارہ فاسدہ سے تھوڑا پہلے نذر ہے کہ حمام اگر غرق ہو جائے تو جس قدر نفع اٹھایا تھا اس قدر اجرت واجب ہوگی۔

30060۔ (قوله: فَفَزِعُوا وَرَحَلُوا) ”لسان الحکام“ کی عبارت ہے: فوقع الجلاء ونفرا الناس۔

30061۔ (قوله: فِي الْجُنْدَةِ) یعنی معقود نفع اٹھائے بغیر۔

30062۔ (قوله: كَمَرَضِ الْعَبْدِ) ”بزازیہ“ میں ہے: ایک آدمی نے خدمت کے لیے ایک غلام اجرت پر لیا تو غلام

مریض ہو گیا اگر وہ پہلے عمل سے کم درجہ عمل کرتا ہو تو اسے اٹھانے کا حق حاصل ہوگا اگر وہ واپس نہ لوٹے اور مدت مکمل ہو جائے تو اس پر اجرت لازم ہوگی۔ اگر وہ اصلاً عمل پر قادر نہ ہو تو اجرت واجب نہ ہوگی چکی کے مسئلہ پر قیاس کیا جائے تو یہ بہن واجب ہوگا اگر وہ اپنے عمل کے نصف سے کم عمل کرے تو اسے لوٹانے کا حق ہوگا۔

”الولوالجیہ“ میں ہے: اسی طرح اگر وہ بھاگ گیا تو یہ عذر ہوگا یا وہ چور تھا کیونکہ یہ خدمت میں نقصان کو ثابت کرتا ہے۔ غلام کے مریض ہونے کی قید لگائی ہے۔ کیونکہ اگر آزاد مستاجر مریض ہو گیا اگر وہ اپنے مزدوروں کے ذریعے عمل کرتا ہو تو یہ مضر نہیں ہوگا اگر وہ خود عمل کرتا ہے تو عذر ہوگا جس طرح ”بزازیہ“ میں ہے۔

30063۔ (قوله: وَدَبْرِ الذَّابَّةِ) دبیر کا لفظ دال کے فتح کے ساتھ ہے مراد جانور کی پشت یا اس کے گتہ پر زخم ہے۔

ابن اثیر نے یہ قول کیا ہے۔ ”ط“۔

30064۔ (قوله: وَبِسُقُوطِ حَائِطِ دَارٍ) یعنی اگر وہ رہائش میں نقصان دیتا ہو ورنہ اسے حق حاصل نہیں ہوگا کہ وہ

اسے فسخ کرے جس طرح ہم نے اسے پہلے ”بزازیہ“ سے نقل کر دیا ہے۔

30065۔ (قوله: وَفِي الثَّبِيِّينَ) اس کی مثل ”الہدایہ“ میں ہے۔

وَالْبَيْتُ مِمَّا يُنْتَفَعُ بِهِ لِغَيْرِ الطَّحْنِ فَعَلَيْهِ مِنَ الْأَجْرِ بِحَصَّتِهِ لِبَقَاءِ بَعْضِ الْمَعْقُودِ عَلَيْهِ، فَإِذَا اسْتَوْفَاهُ لَزِمَتْهُ حِصَّتُهُ فَإِنْ لَمْ يُخَلِّ الْعَيْبُ بِهِ أَوْ أَزَالَ الْمُوجِرُ

جس سے آٹا پسینے کے علاوہ اور بھی نفع حاصل کیا جاسکتا تھا تو اس پر اس کے حصہ کے مطابق اجرت لازم ہوگی۔ کیونکہ معقود علیہ کا بعض باقی ہے جب اس نے اسے حاصل کر لیا تو اس پر اس کا حصہ لازم ہو جائے گا اگر عیب اس میں نخل نہ ہو یا موجر نے عیب کو زائل کر دیا

30066۔ (قوله: وَالْبَيْتُ) یعنی چکی والا کمرہ۔

30067۔ (قوله: لِغَيْرِ الطَّحْنِ) جیسے مثلاً رہائش رکھنا۔

30068۔ (قوله: بِحَصَّتِهِ) یعنی آٹا پسینے کے علاوہ جو نفع حاصل کیا جاتا ہے اس کے حصہ کے مطابق۔

30069۔ (قوله: لِبَقَاءِ بَعْضِ الْمَعْقُودِ عَلَيْهِ) یہ قول اس امر کا شعور دلاتا ہے کہ آٹا پسینے کے علاوہ کی منفعت پر عقد کیا گیا ہے۔ اگر وہ معقود علیہ نہ ہو تو کوئی اجرت نہ ہوگی۔ ہم پہلے ”تاتر خانہ“ سے نقل کر چکے ہیں کہ یہ صحیح ہے۔ اور ظاہر روایت اس کی شاہد ہے لیکن ان کا قول: فاذا استوفاه الخ اس امر کا فائدہ دیتا ہے۔ اور ظاہر روایت اس کی شاہد ہے اگر وہ بالفعل اس سے فائدہ نہ اٹھائے تو اجر واجب نہ ہوگا۔ اگر وہ معقود علیہ ہوتا تو اجر واجب ہوتا اگرچہ اسے حاصل نہ کرے، قتال۔ پہلے پر وہ قول دلالت کرتا ہے جو ”زیلعی“ وغیرہ نے اس قول کو ”گھر کے منہدم ہونے سے اجارہ فسخ نہیں ہوتا جب تک وہ اسے منسوخ نہ کرے“ پر استدلال کیا ہے۔ کیونکہ جگہ کی اصل عمارت کے گر جانے کے بعد مسکن ہے۔ اس میں خیمے نصب کرنے کے ساتھ رہائش رکھی جاسکتی ہے پس عقد باقی رہے گا لیکن مستاجر پر اجرت نہیں ہوگی۔ کیونکہ اس طریقہ سے نفع حاصل کرنا ممکن نہیں اجرت پر لینے کے ساتھ جس کا قصد کیا تھا۔ اجارہ فاسد سے تھوڑا پہلے اس بارے میں کلام گزر چکی ہے اگر صحن میں سکونت اختیار کرے۔

30070۔ (قوله: فَإِنْ لَمْ يُخَلِّ الْعَيْبُ بِهِ) بہ کی ضمیر سے مراد نفع ہے۔ جس طرح ہم غلام کے کور چشم ہونے، اس

کے بالوں کے گرنے اور گھر کی وہ دیوار گرنے جو رہائش میں نخل نہ ہو، کے متعلق پہلے ذکر کر چکے ہیں۔

30071۔ (قوله: أَوْ أَزَالَ الْمُوجِرُ) یعنی موجر عیب کو زائل کر دے اس کی صورت یہ ہے کہ وہ منہدم کو تعمیر کر دے۔

اسی کی مثل صورت ہوگی اگر وہ عیب خود بخود زائل ہو جائے جس طرح اگر مریض غلام صحت مند ہو جائے۔

”تاتر خانہ“ وغیرہا میں ہے: امام ”محمد“ رحمہ اللہ نے اس کشتی کے متعلق فرمایا جس کو اجرت پر لیا گیا تھا جب ٹوٹ جائے اور وہ کشتی تختے تختے ہو جائے پھر انہیں جوڑ دیا جائے اور وہ کشتی بن جائے تو اسے مجبور نہیں کیا جائے گا تا کہ وہ کشتی مستاجر کے حوالے کر دے۔ کیونکہ ٹوٹ جانے کے بعد وہ کشتی نہیں رہی پس محل فوت ہو گیا جس طرح غلام مر جائے گھر کے منہدم ہونے کا معاملہ مختلف ہے۔ تامل

أَوْ انْتَفَعَ بِالْمَخْلٍ (سَقَطَ خِيَارُهُ) لِزَوَالِ السَّبَبِ (وَعِمَارَةُ الدَّارِ الْمُسْتَأْجَرَةِ) وَتَطْيِينُهَا وَإِضْلَاحُ
الْبِيزَابِ وَمَا كَانَ مِنَ الْبِنَاءِ عَلَى رَبِّ الدَّارِ وَكَذَا كُلُّ مَا يُخْلُ بِالسُّكْنَى (فَإِنْ أَبَى صَاحِبُهَا) أَنْ يَفْعَلَ
(كَانَ لِلْمُسْتَأْجِرِ أَنْ يَخْرُجَ مِنْهَا إِلَّا أَنْ يَكُونَ) الْمُسْتَأْجِرُ (اِسْتَأْجَرَهَا وَهِيَ كَذَلِكَ وَقَدْ رَأَاهَا) لِرِضَا
بِالْعَيْبِ (وَإِضْلَاحُ بِئْرِ الْمَاءِ وَالْبَالُوْعَةِ وَالْمَخْرَجِ عَلَى صَاحِبِ الدَّارِ) لِكِنْ (بِلَا جَبْرِ عَلَيْهِ):

یا مستاجر نے محل سے نفع حاصل کر لیا تو اس کا خیار ساقط ہو جائے گا کیونکہ خیار کا سبب زائل ہو گیا ہے۔ جو گھر اجرت پر لیا ہو اس گھر کی مرمت، اس کو مٹی ایپنا، پر نالہ کو درست کرنا اور اس میں جو کوئی چیز تعمیر کرنے سے متعلق ہو وہ سب گھر کے مالک کے ذمہ ہے اسی طرح ہر وہ چیز جو رہائش میں خلل کا باعث ہو اس کو درست کرنا یہ مالک مکان کے ذمہ ہے۔ اگر اس کا مالک ایسا کرنے سے انکار کر دے تو مستاجر کو حق حاصل ہے کہ اس گھر سے نکل جائے مگر مستاجر اسے اجرت پر لے جب کہ وہ گھراشی طرح تھا اور اس نے گھر دیکھ لیا تھا تو کیونکہ وہ عیب پر راضی ہے۔ پانی کے کنویں، بالونہ اور آئندے پانی کی بدبو کی اصلاح گھر کے مالک کے ذمہ ہے لیکن اس پر جبر نہیں کیا جاسکتا

30072۔ (قوله: أَوْ انْتَفَعَ بِالْمَخْلٍ) المخل خاتمہ کے ساتھ ہے اور اسم فاعل کا صیغہ ہے یعنی اس شے سے جس کو اجرت پر لیا گیا تھا جو ایسے عیب پر مشتمل تھی جو خلل کا باعث ہے یا یہ اسم مفعول کا صیغہ ہے۔ ”زیلعی“ نے کہا: کیونکہ وہ عیب پر راضی ہے پس تمام بدل اس کو لازم ہوگا جس طرح بیع میں ہے۔

30073۔ (قوله: لِزَوَالِ السَّبَبِ) یہ ان کے قول: اذ ازاله الموجر کی علت ہے۔ کیونکہ عقد لمحہ متحدہ ہوتا ہے پس عیب اس میں نہ پایا گیا جو بعد میں آئے گا پس خیار ساقط ہو گیا۔ ”زیلعی“۔

30074۔ (قوله: وَتَطْيِينُهَا) یعنی اس کی چھت پر مٹی ایپنا۔ جس طرح ”الولوالجیہ“ میں اس سے تعبیر کیا ہے۔ کیونکہ اسے مٹی نہ لپی جائے تو یہ رہائش میں خلل ہوتی ہے دیواروں کو مٹی لگانے کا معاملہ مختلف ہے۔ تال پانی کے کنویں، نالی اور مخرج کی اصلاح کی ذمہ داری مالک پر ہے جب کہ مٹی نکالنا اور ریت

نکالنے کی ذمہ داری مستاجر پر ہے

30075۔ (قوله: وَإِضْلَاحُ بِئْرِ الْمَاءِ الخ) یہ مسئلہ ہر اعتبار سے ما قبل مسئلہ کی مثل ہے پس متحدہ دارم سے سہولت علیحدہ کرنے کا کوئی معنی نہیں جب کنواں بھر جائے تو اس سے ملے نکالنا یہ بھی مالک کے ذمہ ہے مگر اس پر جبر نہ کیا جائے گا۔ ”الولوالجیہ“ میں کہا: کیونکہ معقود علیہ (جس پر عقد کیا گیا) وہ رہائش کی منفعت ہے اور زمین کے باطن کا مشغول ہونا یہ رہائش کی حیثیت سے اس کے ظاہر سے انتفاع کے مانع نہیں۔ اسی وجہ سے اگر وہ اس میں رہائش پذیر رہا جو اس کے وہ مشغول تھا تو اس پر تمام اجراء لازم ہوگا بے شک مستاجر کو فسخ کی ولایت حاصل ہوگی۔ کیونکہ معقود علیہ عیب دار ہو چکا ہے۔

30076۔ (قوله: وَالْبَالُوْعَةِ وَالْمَخْرَجِ) اس کا عطف الماء پر ہے۔ کیونکہ ”بزازیہ“ کا قول ہے: واصلح بئر

لَاِنَّهُ لَا يُجْبَرُ عَلَىٰ إِصْلَاحِ مِلْكِهِ (فَإِنْ فَعَلَهُ الْمُسْتَأْجِرُ فَهُوَ مُتَبَرِّعٌ) وَلَهُ أَنْ يَخْرُجَ إِنْ أَبَىٰ رَبُّهَا خَانِيَةً أُمِّي إِلَّا إِذَا رَأَاهَا كَمَا مَرَّوْنِي الْجَوْهَرَةُ وَلَهُ أَنْ يَنْفَرِدَ بِالْفُسْخِ بِلَا قَضَاءٍ وَلَوْ اسْتَأْجَرَدَا رَيْنَ فَسَقَطَتْ

کیونکہ اسے اپنی مملوکہ چیز کی اصلاح پر مجبور نہیں کیا جاسکتا۔ اگر مستاجر نے یہ عمل کیا تو وہ تبرع و احسان کرنے والا ہوگا۔ اگر اس کا مالک اس سے انکار کر دے تو مستاجر کو حق حاصل ہے کہ گھر سے نکل جائے، ”خانیہ“۔ یعنی مگر جب وہ اسے دیکھے جس طرح گزر چکا ہے۔ ”جوہرہ“ میں ہے: اسے حق حاصل ہے کہ وہ قاضی کے فیصلے کے بغیر اکیلے ہی فسخ کر دے اگر وہ دو گھروں کو اجرت پر لے دونوں میں سے ایک گر گیا

البالوعة والباء الخ اسی طرح دونوں کو خالی کرنا ہے اگرچہ وہ دونوں مستاجر کی وجہ سے بھر جائیں تب بھی مالک کے ذمہ ہوگا جس طرح ”المنخ“ میں ہے۔ ”حامیہ“ میں اسی کے مطابق فتویٰ دیا ہے۔ ”خیریہ“ میں اسی طرح ہے۔ اسے کئی کتابوں سے نقل کیا ہے۔ ”الولوالجیہ“ میں کہا: جہاں تک بالوعہ اور اس جیسی چیزوں کا تعلق ہے تو مستاجر پر انہیں خالی کرنا لازم نہیں۔ یہ بطور استحسان ہے۔ قیاس تو یہ ہے کہ انہیں خالی کرنا مستاجر پر واجب ہو۔ کیونکہ اس کا بھرنا اس کی جہت سے واقع ہوا ہے۔

استحسان کی دلیل یہ ہے کہ ان اشیاء سے مشغول زمین کا باطن ہے جب عقد ختم ہوگا تو یہ سپرد کرنے کے مانع نہیں۔ اگر مالک مستاجر پر اسے واجب کر دے۔ جب اسے اجارہ پردے استحسان میں یہ جائز نہ ہوگا اور عقد فاسد ہو جائے گا۔ کیونکہ یہ عقد اس شرط کا تقاضا نہیں کرتا اور دونوں میں سے ایک کی اس میں منفعت ہے۔

”بزازیہ“ میں ہے: اگر حمام کا سیل (پانی بہنے کی جگہ) بھر جائے تو مستاجر پر لازم ہے کہ اسے صاف کرے وہ ظاہر ہو یا باطن میں ہے۔

اس میں ہے: حمام کے پانی کو جاری کرنا اور اس کو صاف کرنا یہ مستاجر کے ذمہ ہے۔ اگر حمام کا مالک مستاجر پر یہ شرط لگائے کہ راکھ اور گوبر منتقل کرے گا تو یہ شرط عقد کو فاسد نہ کرے گی۔ اگر حمام کے مالک پر اس کی شرط لگائی تو عقد فاسد ہو جائے گا، قائل۔ شاید یہ قیاس پر تفریع ہے یا عرف پر مبنی ہے۔ ”بزازیہ“ میں ہے: پن چکی کو اجرت پر لیا اس میں نہر کو کھودنا عرف پر مبنی ہوگا۔ اس میں ہے: مستاجر گھر سے نکل گیا جب کہ اس میں مٹی یا راکھ تھی تو مستاجر کے ذمہ ہے کہ اسے نکالے۔ بالوعہ کا معاملہ مختلف ہے۔ اگر پاکیزہ مٹی میں دونوں اختلاف کریں تو قول مستاجر کا معتبر ہوگا کہ اس نے اسے اجرت پر لیا تھا جب کہ وہ مٹی اس میں تھی۔

30077۔ (قوله: لَاِنَّهُ لَا يُجْبَرُ عَلَىٰ إِصْلَاحِ مِلْكِهِ) ”حموی“ نے کہا: اس تعلیل سے یہ سمجھ آتا ہے اگر گھر وقف ہو تو

نگران کو اس پر مجبور کیا جائے گا۔ ”ط“۔

30078۔ (قوله: فَهُوَ مُتَبَرِّعٌ) یعنی اس کے لیے اجرت کا حساب نہیں کیا جائے گا۔ یہ امر باقی رہ گیا ہے کیا اسے

اکھیرنے کا حق ہوگا؟ اس میں تفصیل ہے۔ ”جامع الفصولین“ میں ہے: اس نے امر کے بغیر کوئی چیز بنائی پھر اجارہ منسوخ ہو

أَوْ تَعَيَّبَتْ إِحْدَاهُمَا فَلَهُ تَرْكُهَا لَوْ عَقَدَ عَلَيْهِمَا صَفَقَةً وَاحِدَةً قُلْتُ وَفِي حَاشِيَةِ الْأَشْبَاهِ مَعْنًى لِلنَّهْيَةِ.

یا دونوں میں سے ایک عیب دار ہو جائے تو اسے دونوں کو ترک کرنے کا حق ہے اگر اس نے دونوں پر ایک ہی عقد کیا تھا۔ میں کہتا ہوں: ”حاشیۃ الاشباہ“ میں ”النہایہ“ کی طرف منسوب ہے:

کیا یا اس کی مدت ختم ہو گئی اگر عمارت کچی اینٹوں کی بنائی گئی تھی جو گھر کی مٹی سے بنائی گئی تھیں تو مستاجر کو حق حاصل ہے کہ وہ عمارت اٹھانے اور مٹی کی قیمت اس گھر کے مالک کو چٹی کے طور پر دے دے اگر وہ صرف مٹی سے بنائی گئی ہو تو اسے نہ توڑے کیونکہ اگر وہ توڑے گا تو وہ مٹی ہی ہو جائے گا۔

اس کا حاصل یہ ہے: اگر وہ کوئی چیز اس سے تعمیر کرے اگر اسے توڑا جائے تو وہ مال باقی رہے تو اسے توڑنے کا اختیار ہوگا ورنہ اختیار نہیں ہوگا۔ اس پر بہت سے امور متفرع ہوتے ہیں۔ ”ساحانی“۔

30079۔ (قوله: فَلَهُ تَرْكُهَا) ”بزازیہ“ کی عبارت ہے: اسے دوسرا گھر اسی طرح چھوڑنے کا حق حاصل ہے

کیونکہ صفقہ الگ ہے۔

قاضی خان فقیہ النفس ہیں ان کی تصحیح دوسروں کی تصحیح پر مقدم ہوگی

30080۔ (قوله: وَفِي حَاشِيَةِ الْأَشْبَاهِ الْخ) ”ابوسعود“ نے اس کے حاشیہ میں کہا: پھر ”زیادات“ کی روایت کے

مطابق فسخ عقد قاضی کے فیصلے سے ہوگا یہاں تک کہ اگر موجر قضا سے پہلے اپنی دکان کو بیچے تو یہ جائز نہیں ہوگا۔ اور ”اصل“ کی روایت یہ ہے: فسخ قاضی کے فیصلہ کے بغیر ہوگا پس اس کی بیع جائز ہوگی اور پہلا قول اصح ہے۔ کیونکہ فسخ ایسا عمل ہے جس میں اختلاف کیا گیا ہے پس یہ قاضی کے فیصلہ پر موقوف ہوگا جس طرح ہبہ میں رجوع کرے تو قاضی کے فیصلہ پر متفق ہوگا۔

”ولو الٰحی“ نے کہا: یہ صرف دین میں ہے۔ جہاں تک دوسرے عذروں کا تعلق ہے تو جس کا عذر ہوا اسے اکیلے ہی قضا کے بغیر فسخ کا حق ہوگا یہی صحیح روایت میں ہے۔ مشائخ میں سے کچھ وہ لوگ ہیں جنہوں نے دونوں کے درمیان تطبیق دی ہے۔ ان کی صورت یہ ہے: اگر عذر ظاہر ہو تو قضا کی ضرورت نہ ہوگی ورنہ اس دین کی طرح ہوگا جو اقرار سے ثابت ہو وہ قاضی کے فیصلہ کا محتاج ہوگا تاکہ قضا کے ساتھ عذر ظاہر ہو جائے۔

”قاضی خان“ اور ”محبوبی“ نے کہا: تطبیق والا قول ہی اصح ہے۔ شیخ ”شرف الدین“ نے اس کے ساتھ قوت بہر

پہنچائی ہے: اس میں دونوں روایتوں پر عمل ہے ساتھ ہی تقسیم میں مناسبت ہے۔ پس اس پر اعتماد کیا جانا چاہیے۔

”صحیح غلام قاسم“ میں ہے: جسے ”قاضی خان“ صحیح قرار دیں وہ اس پر مقدم ہوگا جسے کوئی اور صحیح قرار دے کیونکہ ”قاضی

خان“ فقیہ النفس ہیں۔ اس سے یہ امر ظاہر ہو جاتا ہے کہ شارح کا باب کے شروع میں قول تفسخ بالقضاء او الرضا اس پر

مبنی نہیں جو چاہیے۔ ساتھ ہی یہ وہم دلاتا ہے کہ یہ خیار شرط اور خیار رویت میں بھی شرط ہے۔ اس میں جو ضعف ہے اس کو تو اس

قول سے پہچان چکا ہے جو ہم نے وہاں ”قہستانی“ سے نقل کیا ہے پس اس پر متنبہ ہو جائیے۔

إِنْ الْعُذْرُ ظَاهِرًا يَنْفَرِدُ، وَإِنْ مُشْتَبِهًا لَا يَنْفَرِدُ وَهُوَ الْأَصَحُّ (وَبِعُذْرٍ عَطْفٌ عَلَى بَخِيَارٍ شَرْطُ (لُزُومِ ضَرَرٍ لَمْ يُسْتَحَقَّ بِالْعَقْدِ إِنْ بَقِيَ) الْعَقْدُ

عذر اگر ظاہر ہو تو وہ اکیلے ہی فسخ کرنے کا اختیار رکھے گا۔ اگر مشتبہ ہو تو وہ اکیلے فسخ کرنے کا اختیار نہیں رکھے گا۔ یہی قول اصح ہے۔ اور ایسے ضرر کے لازم ہونے کے عذر سے عقد فسخ کیا جاسکتا ہے عقد کی وجہ سے جس ضرر کا مستحق نہیں تھا اگرچہ عقد باقی ہو بعذر کا عطف بخیار شرط پر ہے

30081۔ (قوله: إِنْ الْعُذْرُ ظَاهِرًا) جیسے داڑھ کا پرسکون ہو جانا اور عورت کا خلع لے لینا۔

30082۔ (قوله: وَبِعُذْرٍ الْخ) پس اس کے بغیر اجارہ فسخ نہ ہوگا مگر جب اجارہ عین کے ہلاک کر دینے پر واقع ہو جیسے کسی سے کوئی شے لکھنے کا عقد ہو، کاغذ کے مالک کو حق حاصل ہے کہ وہ عذر کے بغیر اسے فسخ کر دے۔ اس کی اصل مزارعت میں ہے۔ بیج کے مالک کو فسخ کرنے کا اختیار ہے عامل کو فسخ کرنے کا اختیار نہیں۔ ”اشباہ“۔

اس کے حاشیہ جو ”ابوسعود“ کا ہے میں ”بیری“ سے منقول ہے: حاصل کلام یہ ہے: ہر عذر جس کے ساتھ معقود علیہ کو حاصل کرنا ممکن نہ ہو مگر ایسی ضرر کے ساتھ جو اس کی ذات میں یا اس کے مال میں لاحق ہو اس کے لیے فسخ کا حق ثابت ہو جائے گا۔

جنوں کی طرف سے گھر میں پتھروں کا پڑنا فسخ کا عذر ہے؟

بیری نے کہا: اس سے یہ اخذ کیا جاتا ہے کہ وہ پتھروں کا پڑنا جو گھروں میں اکثر واقع ہوتا ہے اور یہ کہا جاتا ہے کہ یہ بنون میں سے ہے یہ اجارہ کے فسخ کرنے میں عذر ہے کیونکہ اس سے ضرر حاصل ہوتا ہے۔ الخ ماذکرہ۔
میں کہتا ہوں: یہ امر ظاہر ہوتا ہے اگر پتھروں کا گرنا گھر کی وجہ سے ہو اگر پتھروں کا گرنا مخصوص شخص کی وجہ سے ہو تو یہ عذر نہیں ہوگا۔ مجھے بعض دوستوں نے بتایا کہ اس کی بیوی کے گھر والوں نے اس کی ماں پر جادو کیا جب بھی وہ اس کے گھر میں داخل ہوتی تو پتھر پڑنا شروع ہو جاتے اور جب وہ گھر سے نکل جاتی تو وہ منقطع ہو جاتے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مستاجر کا فسق فسخ کا عذر نہیں

فروع کشید الوقوع۔ ”لسان الحکام“ میں کہا: اگر مستاجر گھر میں برائی اور شر کو ظاہر کرے جیسے شراب نوشی، سودھانا، بدکاری اور لواطت اسے نیکی کا حکم دیا جائے گا نہ موجد کو اور نہ ہی اس کے پڑوسیوں کو حق حاصل ہوگا کہ اسے گھر سے نکال دیں۔ یہ اجارہ فسخ کرنے میں عذر نہیں ہوگا۔ اس میں ائمہ اربعہ کا کوئی اختلاف نہیں۔

”الجواہر“ میں ہے: اگر سلطان کی یہ رائے ہو کہ اسے اس گھر سے نکال دے تو وہ ایسا کر دے۔ ہم نے پہلے ”الاسعاف“ سے نقل کیا ہے: اگر یہ واضح ہو جائے کہ مستاجر سے نفس وقف کے بارے میں خوف ہے تو قاضی اس کو فسخ کر دے اور اس کے قبضہ سے اسے خارج کر دے۔ فلیحفظ

کَمَا فِي سُكُونِ ضَرْسٍ أُسْتُوجِرَ لِقَلْعِهِ وَمَوْتِ عُرْسٍ أَوْ اخْتِلَاعِهَا أُسْتُوجِرَ طَبَاخُ (لَطْبُخٍ وَلَيْسَتْهَا) (وَبِعُذْرِ
(لُزُومِ دَيْنٍ) سَوَاءٌ كَانَ ثَابِتًا

جس طرح داڑھ پر سکون ہو جائے جب کہ اس کو اکھیرنے کے لیے کسی کو اجرت پر لیا گیا تھا، دلہن مر جائے یا وہ خلع لے لے جس کے ولیمہ کو پکانے کے لیے باورچی اجرت پر لیا گیا تھا۔ اور ایسے دین کے لازم ہونے کے عذر سے عقد فسخ کیا جاسکتا ہے جو دین

ہر وہ فعل جو مال کو کم کرنے یا اس کے تلف کا سبب ہو تو یہ اس کے فسخ کا عذر ہے

30083۔ (قولہ: کَمَا فِي سُكُونِ ضَرْسٍ) داڑھ کے درد سے سکون، دلہن کی موت یا اس کے خلع لینے کی قید سے

یہ سمجھ آتا ہے کہ اس کے بغیر اسے فسخ کرنے کا حق نہیں ہوگا۔ ”حموی“ نے کہا: ”المبسوط“ میں ہے: جب وہ اسے اجرت پر لے تاکہ اس کا ہاتھ کاٹ دے کیونکہ اس کے ہاتھ کو بیماری لگی ہے یا اس نے مکان گرانے کے لیے اجرت پر لیا پھر اس کے لیے امر ظاہر ہو تو یہ عذر ہوگا۔ کیونکہ عقد کو باقی رکھنے میں اس کے بدن یا اس کے مال میں سے کسی شے کا اتلاف ہے۔ یہ اس میں صریح ہے کہ اگر درد کو سکون نہ ہو تو اس کے لیے عقد کو فسخ کرنے کا حق ہوگا۔

میں کہتا ہوں، ”جامع الفصولین“ میں ہے: ہر وہ فعل جو مال کو کم کرنے یا اس کے تلف کا سبب ہو تو یہ اس کے فسخ کا عذر ہے جس طرح وہ کسی کو اجرت پر لے تاکہ وہ اس کے لیے کپڑا سے یا اس کو دھوئے یا عمارت بنائے یا اس کی زمین کا شت کرے پھر شرمندہ ہو تو اسے عقد فسخ کرنے کا حق ہوگا۔ ”غایۃ البیان“ میں ”کرخی“ سے یہ زائد نقل کیا ہے: یا وہ قصد کروائے، چھپنے لگوائے یا داڑھ اکھیرے پھر اس کے لیے یہ ظاہر ہوا کہ وہ یہ عمل نہ کروائے تو اسے ان تمام میں فسخ کا حق حاصل ہے۔ کیونکہ اس میں مال کو جان بوجھ کر ہلاک کرنا ہے یا چینی لازم آتی ہے یا ضرر لاحق ہوتا ہے۔ پھر میں نے ”شربہائی“ کو دیکھا انہوں نے اس طرح بحث کی ہے جس طرح ہم نے کہا ہے۔ اور کہا: پھر میں نے ”البدائع“ میں دیکھا مگر خلع کا مسئلہ نہیں دیکھا لیکن یہ اس کا فائدہ دیتا ہے۔

میں کہتا ہوں، ”جامع“ کے شارحین نے ذکر کیا ہے کہ امام ”شافعی“ رحمہ اللہ کو کہا جائے گا: آپ اس آدمی کے بارے میں کیا کہتے ہیں جسے دانت اکھیرنے کے لیے یا ولیمہ بنانے کے لیے اجرت پر لیا جائے پھر درد زائل ہو گیا اور دلہن مر گئی تو اس وقت وہ اپنے قول سے رجوع پر مجبور ہو جائیں گے۔ پس یہ امر ظاہر ہو گیا کہ قید الزام کی زیادتی کے لیے ذکر کافی ہے۔ پس اس کا کوئی مفہوم نہیں ہوگا پس اس پر متنبہ ہو جائیے۔

30084۔ (قولہ: وَبِعُذْرِ لُزُومِ دَيْنٍ) اسے مطلق ذکر کیا ہے پس یہ قلیل اور کثیر کو شامل ہوگا جس طرح ”شرح

البیہقی“ میں ”جوامع الفقہ“ میں ہے۔ جب عقد فسخ کر دیا جائے تو دشمن سے مستاجر کے دین سے آغاز کیا جائے گا اور جو باقی بچے گا وہ غرماء کے لیے ہوگا یہاں تک کہ اگر دشمن سے زیادتی نہ ہو تو اسے فسخ نہ کیا جائے گا جس طرح ”زیادات“ میں ہے۔

(بِعَيَانٍ) مِنَ النَّاسِ (أَوْ بَيَانٍ) أَمَى بَيِّنَةٍ (أَوْ إِقْرَارٍ) الْحَالُ أَنَّهُ لَا مَالَ لَهُ غَيْرُهُ أَمَى غَيْرُ الْمُسْتَأْجَرِ: لِأَنَّهُ يُحْبَسُ بِهِ فَيَتَضَرَّرُ إِلَّا إِذَا كَانَتْ الْأَجْرَةُ الْمُعَجَّلَةَ تَسْتَعْرِقُ قِيَمَتَهَا أَشْبَاهًا

لوگوں کی دانست سے لازم ہو گا ہوں سے لازم ہو یا اقرار سے لازم ہو جب کہ صورتحال یہ ہے کہ اس کا اس مستاجر کے سوا کوئی مال نہ ہو۔ کیونکہ اس عقد کی وجہ سے موجر کو محبوس کیا جائے گا۔ پس اسے ضرر لاحق ہو گا مگر اجرت پہلے ادا کر دی گئی ہو جو اس کی قیمت کو مستغرق ہو، ”الاشباہ“۔

”بزازیہ“ میں ہے: درہم قدح والا دین ہے جس کے ساتھ اجارہ کو فسخ کیا جائے گا۔ اقل کا معاملہ مختلف ہے۔ ”ولو البجیہ“ میں ہے: اس نے اپنے اور اہل کے نفقہ کے لیے اجارہ کو ختم کرنے اور گھر کو بیچنے کا ارادہ کیا کیونکہ وہ تنگ دست ہے تو اسے یہ حق حاصل ہو گا۔ ”سرخی“ کی ”شرح الشہادات“ میں ہے: ایک قول یہ کیا گیا قاضی اس کو فسخ کر دے گا پھر اسے بیچ دے گا۔ مختار مذہب یہ ہے کہ اجارہ بیع کے نفاذ کی قضا کے ضمن میں منسوخ ہو جائے گا ”ابو سعود علی الاشباہ“۔

”الخلاصہ“ میں نفقہ کے لیے اجارہ کے فسخ میں دو قول ذکر کیے ہیں (۱) ”ابولیث“ سے مروی ہے (۲) فسخ نہیں ہو گا۔ یہ ”ظہیر الدین“ سے مروی ہے۔

30085۔ (قوله: بِعَيَانٍ أَوْ بَيَانٍ أَوْ إِقْرَارٍ) ظاہر یہ ہے کہ ان میں سے ایک دوسرے سے غنی کر دیتا ہے اور اقرار سے مراد اجازت پر سابقہ اقرار ہے ورنہ یہ لازم آتا ہے کہ وہ حجت متعدیہ ہو۔ ”من لا یسکین“۔

شارح کی کلام میں پہلے قول کے رد کی طرف اشارہ ہے کیونکہ عیان سے مراد لوگوں کا مشاہدہ ہے۔ اور بیان سے مراد حجت کو قائم کرنا ہے۔ اور دوسرے قول کے مخالف علماء کا وہ قول ہے جو امام کے حق میں استدلال ہے جب کہ وہ ”صاحبین“ رحمہ اللہ کے قول کا جواب ہے۔ یہ اقرار مستاجر کو نقصان دیتا ہے۔ پس اس کے حق میں یہ جائز نہیں ہو گا۔ ”امام صاحب“ رحمہ اللہ کی دلیل یہ ہے: اقرار مقرر کے ذمہ سے ملاقات کرتا ہے اور اس میں کسی کا کوئی حق نہیں پس یہ صحیح ہو گا پھر متعدی ہو گا۔ تامل پھر میں نے ”غایۃ البیان“ ”شرح الطحاوی“ سے دیکھا انہوں نے عقد اجارہ کے بعد دین کے اقرار کی تصریح کی ہے پس جو قول ہم نے کیا اسے تائید حاصل ہوگی۔

فرع: ایک آدمی نے اپنے گھر کا کسی کے لیے اقرار کیا اس کے بعد کہ اس نے وہ گھر کسی کو اجرت پر دیا تھا یہ اقرار اس کی ذات کے حق میں صحیح ہے مستاجر کے حق میں صحیح نہیں جب مدت ختم ہو جائے گی تو مقرر کے حق میں اس کا فیصلہ کر دیا جائے گا، ”ولو البجیہ“۔

30086۔ (قوله: أَمَى غَيْرُ الْمُسْتَأْجَرِ) یہ اسم مفعول کا صیغہ ہے یہ غیدہ میں جو ضمیر ہے اس کی تفسیر ہے یا یہ اسم فاعل کا صیغہ ہے اور لہ کی ضمیر کی تفسیر ہے ہر ایک تعبیر کا مخرج موجود ہے۔ فتبصر

30087۔ (قوله: لِأَنَّهُ يُحْبَسُ بِهِ) اسے محبوس اس لیے کیا جاتا ہے کہ اس مال کے علاوہ دوسرے مال کے نہ ہونے کی تصدیق نہیں کی جاتی۔ ”ابن کمال“۔

30088۔ (قوله: تَسْتَعْرِقُ قِيَمَتَهَا) یعنی اس عین کی قیمت جس کو اجرت پر لیا گیا ہو یعنی مستاجر سے جو متجمل اجرت

(و) بَعْدُ (اَفْلَاسٍ مُّسْتَأْجِرٍ دُكَّانٍ لِيَتَّجِرَ) بَعْدُ (اَفْلَاسٍ خَيَّاطٍ يَعْمَلُ بِمَالِهِ) لَا بِبِرَّتِهِ (اَسْتَأْجَرَ عَبْدًا لِيَخِيْطَ فَتَرَكَ عَمَلَهُ) (و) بَعْدُ (بَدَاءٌ مُّكْتَرَى دَابَّةٌ مِنْ سَفَرٍ) وَلَوْ فِي نِصْفِ الطَّرِيقِ فَلَهُ نِصْفُ الْأَجْرِ اِنْ اسْتَوَيَا صُعُوبَةً .

اور وہ آدمی جس نے دکان اجرت پر لی تاکہ تجارت کرے اس کے افلاس کے عذر سے اجارہ فسخ کیا جاسکتا ہے اور وہ درزی جو اپنے مال سے کام کرتا ہے نہ کہ جو اپنی سوئی سے کام کرتا ہے اس کے افلاس کے عذر سے عقد اجارہ فسخ کیا جاسکتا ہے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ اس درزی نے ایک غلام اجرت پر لیا تاکہ کپڑا سیے اس غلام نے اس کے افلاس کے باعث اس کا کام چھوڑ دیا۔ جانور کو کرایہ پر لینے والے کا دل سفر سے بٹ گیا اگرچہ نصف راستہ میں ہو تو اس کے لیے نصف اجر ہوگا اگر راستہ کے دونوں حصے صعوبت

لی ہے اس کے دین پر اس عین کی قیمت میں سے کوئی زائد چیز نہیں۔ ”زیادات“ میں اس کی تصریح کی ہے۔ ”حانوتی“ کا قول: هذا قيد حسن في فسخها وهو غريب لم اقف عليه غير مسلم ہے۔ ”ابوسعود“ نے اسے بیان کیا ہے۔

30089۔ (قوله: وَ بَعْدُ اَفْلَاسٍ مُّسْتَأْجِرٍ دُكَّانٍ) اسی طرح کا حکم ہے جب اس کا بازار کساد بازاری کا شکار ہو جائے یہاں تک کہ تجارت کرنا ممکن نہ رہا۔ ”ہندیہ“۔

”المنیہ“ میں ہے: کساد بازاری عذر نہیں۔ یہ ممکن ہے کہ اسے کساد بازاری کی ایک نوع پر محمول کیا جائے۔ ”ساعحانی“۔ مگر جب وہ کسی اور دکان کی طرف جانے کا ارادہ کرے جو زیادہ وسیع ہو یا زیادہ سستی ہو اور وہ وہی عمل کرنا چاہتا ہو تو یہ عذر نہ ہوگا۔ اگر وہ نوئی اور عمل کرنا چاہتا ہو تو صغریٰ میں ہے کہ یہ عذر ہے۔ ”فتاویٰ الاصل“ میں ہے: اگر دوسرا عمل اسی دکان میں کیا جاسکتا ہو تو یہ عذر نہیں ہوگا ورنہ عذر ہوگا۔ ”تاتر خانیہ“۔ افلاس قید نہیں۔ عنقریب اس کا ذکر آئے گا۔

30090۔ (قوله: لَا بِبِرَّتِهِ) کیونکہ جب وہ اپنی سوئی سے کام کرتا ہو تو اس کا راس المال اس وقت سوئی اور قینچی ہوگا پس وہ اجرت کے ساتھ کام کرتا ہے اس کے حق میں عذر متحقق نہیں ہوگا مگر اس صورت میں جب اس کی خیانت لوگوں کے ہاں ظاہر ہو پس وہ اس آدمی کے کپڑے سپرد کرنے سے منع کرتے ہیں۔ ”تاتر خانیہ“۔

30091۔ (قوله: اَسْتَأْجَرَ عَبْدًا اِلَخ) یہ خیاط کی دوسری صفت ہے۔

30092۔ (قوله: وَ بَعْدُ اَفْلَاسٍ مُّكْتَرَى دَابَّةٌ مِنْ سَفَرٍ) بداء، كاللفظ الف ممدودہ اور دو فتحوں کے ساتھ ہے یہ بداء النکاح منسوخ ہے یعنی اس کے لیے پہلی رائے کے علاوہ رائے ظاہر ہوئی جس نے اسے اس سفر سے روک دیا، ”منح“۔ ظاہر یہ ہے کہ من سفر میں من، عن کے معنی میں ہے یا یہ بدلہ ہے۔ تامل

”خلاصہ“ میں ہے: اگر مستاجر نے اونٹ خریدا لیا تو یہ عذر ہوگا اگر وہ گھر خریدے اور اس کی طرف منتقل ہونے کا ارادہ کرے تو معاملہ مختلف ہوگا۔ فرق گھر کو کرایہ پر دینے کا مکان ہے جانور نہیں کیونکہ سواری کرنا یہ مستعمل کے مختلف ہونے سے

وَسُهُولَةً وَإِلَّا فَبِقَدْرِ شَرِّهِ وَهَبَانِيَّةٍ وَخَانِيَّةٍ (بِخِلَافِ بَدَاءِ الْمُكَارِي) فَإِنَّهُ لَيْسَ بِعُذْرٍ إِذَا يُبَكِّنُهُ
إِرْسَالُ أَجِيرِهِ وَفِي الْمُلْتَقَى وَلَوْ مَرِضٌ فَهُوَ عُذْرٌ فِي رِوَايَةِ الْكَرْنِيِّ دُونَ رِوَايَةِ الْأَصْلِ، قُلْتُ وَبِالْأُولَى
يُفْتَى ثُمَّ قَالَ لَوْ اسْتَأْجَرَ دُكَّانًا لِعَمَلِ الْخِيَاطَةِ فَتَرَكَهُ لِعَمَلٍ آخَرَ فَعُذْرٌ وَكَذَلِكَ اسْتَأْجَرَ عَقَّارًا

اور سہولت میں برابر ہوں ورنہ اس کی مقدار کے برابر اجرت ہوگی، ”شرح وہبانیہ“، ”خانیہ“۔ سواری کے مالک یعنی مکاری کا
دل سفر سے ہٹ گیا تو اس کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ یہ عذر نہیں۔ کیونکہ مکاری کے لیے ممکن ہے کہ وہ اپنے مزدور کو بھیج دے
”الملتقی“ میں ہے: اگر وہ مریض ہو تو یہ عذر ہے یہ ”کرنی“ کی روایت میں ہے ”الاصل“ کی روایت میں نہیں۔ میں کہتا
ہوں: پہلی روایت پر فتویٰ ہے۔ پھر کہا: اگر اس نے ایک دکان کپڑے سینے کے لیے اجرت پر لی تو اس نے کپڑے سینے کے
عمل کو دوسرے کام کی وجہ سے ترک کر دیا تو یہ عذر ہوگا۔ اسی طرح اگر ایک آدمی نے کوئی جائیداد اجرت پر لی

مختلف ہو جاتا ہے رہائش کا معاملہ مختلف ہے۔ ”بزازیہ“۔

30093۔ (قوله: وَسُهُولَةً) واوِیہ او کے معنی میں ہے۔ ”ط“۔

30094۔ (قوله: بِخِلَافِ بَدَاءِ الْمُكَارِي) یعنی ظاہر سبب کے بغیر جو عذر بننے کی صلاحیت رکھتا ہو (مکاری کا ارادہ
بدلنا یہ عذر نہیں)۔ جس طرح وہ ایسے آدمی کو پائے جو زیادہ اجرت کے عوض اسے اجرت پر لینے کے لیے تیار ہو۔ شارح
عنقریب یہ ذکر کریں گے: اگر مکاری راستہ میں مرجائے۔

30095۔ (قوله: قُلْتُ وَبِالْأُولَى يُفْتَى) اسے اپنی شرح میں ”تہستانی“ سے نقل کیا ہے کہا: مصنف کے نزدیک یہ
مختار ہے یعنی آپ نے اسے مقدم ذکر کیا ہے جس طرح ان کی عادت ہے۔

30096۔ (قوله: ثُمَّ قَالَ) یعنی ”الملتقی“ میں کہا ہے۔

30097۔ (قوله: فَعُذْرٌ) ”بزازیہ“ میں اسی طرح مطلق ذکر کیا ہے پھر ”الھیط“ میں وہ نقل کیا ہے جو ہم نے ابھی
تفصیل ذکر کی ہے۔ عنقریب اسے ”ولو الجیہ“ سے ذکر کریں گے۔

اصلاً عمل کو ترک کر دینا عذر ہوگا

ایک شے باقی رہ گئی ہے۔ وہ یہ ہے کہ ان کا قول ہے اس نے اس کام کو دوسرے کام کی وجہ سے ترک کر دیا۔ اس تفصیل
کے باوجود یہ فائدہ دیتا ہے اگر اس نے عمل اصلاً ترک کر دیا تو یہ عذر ہوگا۔ اس پر وہ واقعہ دلالت کرتا ہے جو ”الخانیہ“ میں ہے:
ایک آدمی نے زمین اجرت پر لی تاکہ اسے کاشت کرے پھر اس کے لیے یہ امر ظاہر ہوا کہ زراعت کو اصلاً ترک کر دے تو یہ
عذر ہوگا۔ تو یہ جان چکا ہے کہ دکان کے مسئلہ میں افلاس قید نہیں۔ ”رہلی“ نے اپنے حاشیہ میں اس طرح تحریر کیا ہے اور اس کی
تائید اس سے حاصل کی۔ ”جواہر الفتاویٰ“ میں ہے: ایک آدمی نے ایک حمام سال بھر کے لیے اجرت پر لیا اور ایسے حال پر ہو
گیا کہ وہ منافع سے اجرت کی مقدار حاصل نہیں کر سکتا اور اس نے یہ ارادہ کیا کہ وہ حمام واپس کر دے اگر حمام والا کام نہ

لَا يُلْزَمُ الْمُكَارِي الذَّهَابُ مَعَهَا وَلَا إِزْسَالُ غَلَامٍ وَإِنَّمَا يَجِبُ الْأَجْرُ بِتَخْلِيَّتِهَا (و) بِخِلَافٍ (تَرَكَ خِيَاطَةَ مُسْتَأْجِرٍ عَبْدٌ لِيَخِيْطَ) مُتَعَلِّقٌ بِتَرَكَ (فِي الصَّرْفِ) لِإِمْكَانِ الْجَبْعِ (و) بِخِلَافٍ (بَيْعَ مَا آجَرَهُ) فَإِنَّهُ أَيْضًا لَيْسَ بِعُذْرٍ بِدُونِ لُحُوقِ دَيْنٍ كَمَا مَرَّ وَيُوقَفُ بَيْعُهُ إِلَى انْقِضَاءِ مُدَّتِهَا هُوَ الْمُخْتَارُ، لَكِنْ لَوْ قَضَى بِجَوَازِهِ نَفَذَ وَتَسَامَهُ فِي شَرْحِ الْوَهْبَانِيَّةِ وَفِيهِ مَعْنًى لِلْخَانِيَّةِ لَوْ بَاعَ الْآجِرُ الْمُسْتَأْجَرَ فَأَرَادَ الْمُسْتَأْجِرُ

مکاری پر یہ لازم نہیں کہ وہ سواری کے ساتھ جائے اور نہ ہی اس پر یہ لازم ہے کہ اپنے غلام کو بھیجے۔ یہ صورت مختلف ہوگی کہ درزی ایک غلام کو اجرت پر لیتا ہے تاکہ وہ کپڑے سے تو وہ خیاطی کو ترک کرتا ہے تاکہ وہ سنار کا کام کرے۔ لیکن یہ ترک کے متعلق ہے۔ یہ عذر اس لیے نہیں کیونکہ جمع کرنا ممکن نہیں۔ اور یہ صورت مختلف ہوگی کہ جس کو اجرت پر دیا تھا اس کی بیع کرے۔ کیونکہ یہ دین کے لاحق ہوئے بغیر عذر نہیں جس طرح قول گزر چکا ہے۔ اس کی بیع اجارہ کی مدت کے ختم ہونے تک موقوف ہوگی یہی قول مختار ہے۔ لیکن اگر اس کے جواز کا فیصلہ کر دیا جائے تو وہ بیع نافذ ہوگی۔ اس کی مکمل بحث ”شرح الوہانیہ“ میں ہے۔ اس سے ”الخانیہ“ کی طرف منسوب ہے۔ اگر آجر مستاجر کو بیچ دے اور مستاجر یہ ارادہ کرے

”الکتاب“ میں ذکر کیا ہے: اسے حکم دیا جائے گا کہ وہ ایک غلام بھیجے جو جانور کے پیچھے پیچھے چلے۔ کیونکہ جو چیز آجر پر لازم تھی وہ یہ تھی کہ وہ جانور اور مستاجر کے درمیان حائل نہ ہو جو چیز پائی گئی ہے پس اجر واجب ہوگا۔ یہ پہلے قول کی تعلیل ہے جس طرح یہ مخفی نہیں۔ اس کا ظاہر یہ ہے کہ یہ اس کی ترجیح میں ہے۔ اسی وجہ سے ”الاشباہ“ میں اس پر اکتفا کیا ہے۔ تامل

30102۔ (قوله: وَبِخِلَافٍ تَرَكَ خِيَاطَةَ الْخ) یہ ترکیب رکیک معنی والی ہے ساتھ ہی درپے اضافت موجود ہے۔ اگر وہ یوں قول کرتے وبخلاف خیاط استاجر عبد اللہ خیاطۃ فترکھا لیعمل فی الصرف تو یہ زیادہ واضح ہوتا۔ ”ط“۔
30103۔ (قوله: لِيَخِيْطَ) یہ مستاجر کے متعلق ہے۔

30104۔ (قوله: لِإِمْكَانِ الْجَبْعِ) کیونکہ یہ ممکن ہے کہ وہ دکان کے ایک کونہ میں کپڑے سینے کا عمل کرے اور دوسرے کونے میں سنار کا کام کرے۔ ”منح“۔

30105۔ (قوله: وَبِخِلَافٍ بَيْعَ مَا آجَرَهُ) یعنی مستاجر کی اجازت کے بغیر۔

”بزازیہ“ میں کہا: اگر اس نے اجازت دی یہاں تک کہ اجارہ منسوخ ہو گیا پھر مشتری نے بیع کو ایسے طریقہ سے رد کر دیا جو فسخ نہیں تو بغیر کسی اشکال کے اجارہ نہیں لوٹے گا اگر ایسے طریقہ سے رد ہو جو فسخ ہو تو اجارہ لوٹ آئے گا اسی پر فتویٰ دیا جاتا ہے۔ بیع کی قید لگائی ہے۔ کیونکہ ”تاتر خانیہ“ میں ”المحیط“ سے مروی ہے: ایک آدمی نے کوئی شے خریدی اور کسی کو وہ اجرت پر دے دی پھر وہ عیب پر مطلع ہوا تو عیب کی وجہ سے اسے لوٹانے کا حق ہوگا اور اجارہ فسخ ہو جائے گا۔

30106۔ (قوله: نَفَذَ) کیونکہ امام ”ابو یوسف“ رحمہ اللہ کے نزدیک بیع جائز ہے۔ ”بزازیہ“۔

میں کہتا ہوں: یہ ہمارے زمانہ کے قضاہ کے علاوہ میں ہے۔ فتدبر

أَنْ يَفْسَخَ بَيْعَهُ لَا يَنْدِيكَهُ هُوَ الصَّحِيحُ، وَلَوْ بَاعَ الرَّاهِنُ الزَّهْنَ لِلْمُرْتَهِنِ فُسْخُهُ (وَتَنْفَسُخُ) بِدَلَالَةِ حَاجَةِ إِلَى الْفُسْخِ (بِمَوْتِ أَحَدِ عَاقِدَيْنِ) عِنْدَنَا لَا يَجُونُهُ مُطَبَّقًا (عَقْدَهَا لِنَفْسِهِ) إِلَّا لِضَرُورَةٍ كَمَوْتِهِ

کہ اس کی بیع کو فسخ کر دے تو وہ اس کا مالک نہیں ہوگا یہی قول صحیح ہے اگر راہن رہن کو بیچ دے تو مرتہن کو حق حاصل ہے کہ اس عقد کو فسخ کر دے۔ فسخ کی حاجت کے بغیر عقد اجارہ منسوخ ہو جائے گا جب دونوں عقد کرنے والوں میں سے ایک مر جائے۔ یہ ہمارے نزدیک ہے۔ اگر اسے ایسا جنون لاحق ہو جو ہر وقت لاحق رہتا ہے تو اس سے اجارہ فسخ نہیں ہوگا جس عقد اجارہ کو اس نے اپنے لیے عقد کیا تھا مگر ضرورت کی بنا پر اجارہ باقی رہے گا جس طرح وہ مکہ مکرمہ کے

30107۔ (قوله: لِلْمُرْتَهِنِ فُسْخُهُ) ”شر بلالی“ نے ”شرح الوہانیہ“ میں کہا: مختار یہ ہے کہ یہ موقوف ہے۔ پس یہ فتویٰ دیا جائے گا کہ مستاجر کی بیع صحیح ہے لیکن غیر نافذ ہے۔ صحیح قول کے مطابق دونوں اس کو فسخ کرنے کا اختیار نہیں رکھتے اسی پر فتویٰ ہے۔ جب مشتری کو علم ہو کہ یہ چیز مرہون ہے یا مستاجر ہے۔ ”صاحبین“ رحمہم اللہ کے نزدیک وہ اس کے توڑ دینے کا مالک ہوگا امام ”ابو یوسف“ رحمہم اللہ کے نزدیک علم ہونے کی صورت وہ مالک نہیں ہوگا۔ مشائخ نے یہی اخذ کیا ہے۔ ”رحمتی“۔
30108۔ (قوله: بِدَلَالَةِ حَاجَةِ إِلَى الْفُسْخِ) جو گزر چکا ہے وہ اس کے خلاف ہے اسی وجہ سے وہاں اسے اپنے قول فسخ کے ساتھ اور یہاں تنفسخ کے ساتھ تعبیر کیا ہے۔

30109۔ (قوله: لَا يَجُونُهُ مُطَبَّقًا) ”الدرالمشتقی“ میں کہا: اور نہ ہی اس کے مرتد ہونے سے اجارہ فسخ ہوگا مگر وہ ان کے دار میں جا لاحق ہو اور اس بارے میں فیصلہ کر دیا جائے۔ اگر مدت میں وہ مسلمان کی حیثیت سے لوٹ آئے تو اجارہ لوٹ آئے گا جس طرح ”باقانی“ میں ”الظہیر“ سے مروی ہے۔

اگر مستاجر، عین مستاجر کا مالک بن جائے تو اجارہ باطل ہو جائے گا

30110۔ (قوله: إِلَّا لِضَرُورَةٍ) ”الدرالمشتقی“ میں کہا: ضروریات کی استثنا ثابت ہو چکی ہے۔ یہ گمان میں سے ہے کہ مزارع کی مدت کے ساتھ یا مکاری کی مکہ کے راستہ میں موت کے ساتھ عقد اجارہ ٹوٹ جائے گا بے شک عقد ختم نہیں ہوگا یہاں تک کہ وہ امن والی جگہ پہنچ جائے۔ کیونکہ اجارہ جس طرح عذروں سے ٹوٹ جاتا ہے اسی طرح عذروں کے ساتھ باقی رہتا ہے۔ فلیمفظ۔ ہاں معقود علیہ کی موت کے ساتھ اشکال پیدا کرتا ہے جس طرح اجارہ میں جانور معین ہو کیونکہ یہ عقد منسوخ ہو جاتا ہے۔ میں کہتا ہوں: مکاتیب نے کوئی شے اجرت پر لی تھی اس کے بعد مکاتیب عاجز آ گیا تو اس کے ساتھ اجارہ باطل ہو جائے گا جس طرح ”البدائع“ میں ہے۔ اسی طرح مستاجر میراث، ہبہ یا اس جیسی کسی اور صورت کے ساتھ عین مستاجر کا مالک بن جائے تو اجارہ باطل ہو جائے گا جس طرح ”تاترخانیہ“ میں ہے۔

30111۔ (قوله: كَمَوْتِهِ) یعنی موجد مر جائے۔ اگر مستاجر مر جائے تو جتنا عرصہ اس نے سفر کیا تھا اسی حساب سے اس پر اجرت لازم ہوگی۔ ”ولو البھیہ“۔

فِي طَرِيقِ مَكَّةَ وَلَا حَاكِمَ فِي الطَّرِيقِ فَتَبْقَى إِلَى مَكَّةَ، فَيَرْفَعُ الْأَمْرَ إِلَى الْقَاضِي لِيَفْعَلَ الْأَصْلَحَ فَيُوجِرْهَا لَهُ لَوْ
أَمِينًا أَوْ يَبِيعَهَا بِالْقَيْمَةِ وَيُدْفَعُ لَهُ أَجْرَةُ الْإِيَابِ إِنْ بَرَّهَنَ عَلَى دَفْعِهَا وَتُقْبَلُ الْبَيْئَةُ هُنَا بِلَا خَصْمٍ؛ لِأَنَّهُ
يُرِيدُ الْأَخْذَ مِنْ شَيْءٍ مَا فِي يَدِهِ أَشْبَاهُ وَفِي الْخَانِيَةِ اسْتَأْجَرَ دَارًا أَوْ حَتَمًا أَوْ أَرْضًا شَهْرًا فَسَكَنَ شَهْرَيْنِ
هَلْ يُلْزَمُهُ أَجْرُ الشَّانِي؟ إِنْ مُعَدًّا إِلَّا سِتْغَلَالٍ نَعَمْ وَإِلَّا لَا وَبِهِ يُفْتَى

راستہ میں مرجائے اور راستہ میں کوئی حاکم نہ ہو۔ پس وہ عقد اجارہ مکہ مکرمہ تک باقی رہے گا۔ پس امر قاضی کے سامنے پیش کیا
جائے گا تاکہ وہ اصلح عمل کرے۔ اگر مستاجر امین ہو تو قاضی اسے اجرت پر دے گا یا اسے قیمت کے بدلے میں بیچ دے گا
اور لوٹنے کی اجرت دے گا۔ اگر مستاجر ہو تو قاضی اسے اجرت پر دے گا یا اسے قیمت کے بدلے میں بیچ دے گا اور اسے
لوٹنے کی اجرت دے گا۔ اگر مستاجر اس امر پر گواہیاں پیش کر دے کہ اس نے اجرت دے دی ہے یہاں خصم کے بغیر
گواہیاں قبول کی جائیں گی۔ کیونکہ وہ اس کی شہن لینا چاہتا ہے جو اس کے قبضہ میں ہے، ”الاشباہ“۔ ”خانیہ“ میں ہے: ایک
آدمی نے گھر، حمام یا زمین ایک ماہ کے لیے اجرت پر لی تو وہ دو ماہ تک اس میں رہا کیا دوسرے مہینہ کی اجرت اس پر لازم ہو
گی اگر اسے منافع کے حصول کے لیے تیار کیا گیا تھا تو اجرت لازم ہوگی ورنہ اجرت لازم نہ ہوگی۔ اسی پر فتویٰ دیا جاتا ہے۔

30112۔ (قوله: فِي طَرِيقِ مَكَّةَ وَلَا حَاكِمَ) ”الولوالجیہ“ میں کہا: علماء نے کہا ہے: یہ اس صورت میں ہے جب وہ
ایسی جگہ ہو جہاں خوف ہو کہ اس کا زادراہ ختم ہو جائے گا اور وہاں کوئی قاضی نہیں اور نہ ہی سلطان ہے جس کی بارگاہ میں معاملہ
پیش کیا جائے عقد اجارہ کو باقی رکھنے میں دونوں معنوں موثر ہیں۔ ”تا ترخانیہ“ میں یہ ذکر کیا ہے کہ مستاجر جب راستہ میں اس چیز
پر خرچ کرے یا اس کو اجرت پر لیا جو اس کے معاملات کی نگرانی کرے تو وہ مکاری کے ورثاء سے واپسی کا مطالبہ نہیں کرے گا۔

30113۔ (قوله: فَيُوجِرْهَا) جس کے قبضہ میں وہ ہے لوٹانے کے لیے اسے اجرت پر لے گا۔

30114۔ (قوله: بِلَا خَصْمٍ) یا قاضی اس کی جانب سے وصی معین کرے گا جس طرح ”ولوالجیہ“ میں ہے۔

30115۔ (قوله: لِأَنَّهُ يُرِيدُ الْخِ) بینہ کے قبول کرنے کے لیے خصم کی شرط ہوتی ہے جب مدعی یہ ارادہ کرے کہ وہ

اس سے وہ چیز لے جو اس کے قبضہ میں ہے۔ ”ولوالجیہ“۔

30116۔ (قوله: إِنْ مُعَدًّا إِلَّا سِتْغَلَالٍ نَعَمْ) شارح نے کتاب الغصب میں کہا ہے: اس مقصد کے لیے اسے بنایا

ہو یا اس مقصد کے لیے اسے خریدا ہو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یا اسے پے در پے تین سال کے لیے اجرت پر دیا گھر کے مالک کی
موت کے ساتھ اور اسے بیچ دینے کے ساتھ منافع کے لیے تیار کرنے کا عمل ختم ہو جاتا ہے۔ اگر ایک آدمی نے اپنے لیے اسے
بنایا پھر ارادہ کیا کہ اسے منافع کے لیے تیار کرے اگر اپنی زبان سے کہا اور لوگوں کو خبر دے تو وہ اس کیلئے ہو جائے گا۔ مصنف نے
اسے ذکر کیا ہے۔ اور ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ یہ عقار کے ساتھ خاص نہیں کتاب الغصب میں یہ آگے آئے گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ
30117۔ (قوله: وَإِلَّا لَا) لیکن اگر اس نے اس عرصہ کی اجرت دے دی جتنا عرصہ وہ اس میں سکونت پذیر رہا تو وہ

قُلْتُ فَكَذَا الْوَقْفُ وَ مَالُ الْيَتِيمِ وَ كَذَا لَوْ تَقَاضَاهُ الْمَالِكُ وَ طَالِبُهُ بِالْأَجْرِ فَسَكَتَ يَلْزُمُهُ الْأَجْرُ بِسُكْنَاهُ بَعْدَهُ وَلَوْ سَكَنَ الْمُسْتَأْجِرُ بَعْدَ مَوْتِ الْمُؤَجِّرِ هَلْ يَلْزُمُهُ أَجْرُ ذَلِكَ؟ قِيلَ نَعَمْ لِضَمِّهِ عَلَى الْإِجَارَةِ وَقِيلَ هُوَ كَمَسْأَلَةِ الْأُولَى وَ يَنْبَغِي أَنْ لَا يَظْهَرَ الْإِنْفِسَاخُ هُنَا

میں کہتا ہوں: وقف اور یتیم کے مال کا حکم اسی طرح ہے۔ اسی طرح اگر مالک نے اس کا تقاضا کیا اور اجرت کا مطالبہ کیا اور مستاجر خاموش رہا اس کے بعد اس کی رہائش رکھنے سے اس پر اجرت لازم ہوگی۔ اگر مستاجر موجد کی موت کے بعد سکونت پذیر رہا کیا اس پر اس کا اجر لازم ہوگا؟ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ہاں۔ کیونکہ وہ اجارہ پر جاری ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ پہلے مسئلہ کی طرح ہے۔ چاہیے کہ یہاں عقد اجارہ کا منسوخ ہونا ظاہر نہ ہو

اجرت واپس نہیں لے گا۔ ”تاتر خانیہ“ میں اسی طرح ذکر کیا ہے اور اس کی قید معدلہ استغلال سے بیان نہیں کی۔

30118۔ (قوله: قُلْتُ فَكَذَا الْوَقْفُ الْخ) ان ملحقات کی ”شرح الوہبانیہ“ میں تصریح کی گئی ہے۔ ”ح“۔

30119۔ (قوله: وَ طَالِبُهُ بِالْأَجْرِ) تقاضا پر عطف عطف تفسیری ہے یعنی اسی مستاجر سے دوسرے ماہ کی اجرت

طلب کی۔ ”ح“۔

30120۔ (قوله: قِيلَ نَعَمْ) ”تاتر خانیہ“ میں ”جامع الفتاویٰ“ سے مروی ہے: اسی پر فتویٰ ہے۔ کیونکہ یہ اجارہ پر

اور جو غصب کیا گیا ہے خصوصاً ایسے مواضع میں جو عقد کے لیے تیار کیے گئے پر جاری ہے۔

30121۔ (قوله: وَقِيلَ هُوَ كَمَسْأَلَةِ الْأُولَى) یعنی وہ مسئلہ جب وہ اس میں دو ماہ رہے، ”ح“۔ یہ وہ قول ہے جسے

”بزازیہ“ میں ترجیح دی ہے کیونکہ کہا: موجد کی موت کے بعد مستاجر اس میں رہا۔ ایک قول یہ کیا گیا: ہر حال میں اجرت واجب

ہوگی۔ کیونکہ وہ اجارہ پر قائم ہے۔ فتویٰ کے لیے مختار ”کتاب“ کا جواب ہے۔ وہ اس کے مطالبہ سے پہلے اجر کار زمرہ نہ ہونا

ہے۔ مگر جب وہ اجرت کے مطالبے کے بعد وہاں سکونت پذیر رہا تو اجرت لازم ہوگی جسے منافع کے حصول کے لیے تیار کیا گیا

یا اس کے علاوہ کی صورت ہو اس میں کوئی فرق نہیں۔ فرق طلب کی ابتدا میں ہے۔ ”المحیط“ میں ہے: صحیح یہ ہے کہ ہر حال میں

اجرت لازم ہوگی اگر اسے محاصل کے لیے تیار کیا گیا ہو۔

حاصل کلام یہ ہے کہ موت کے بعد اس میں رہائش کو ترجیح دی جائے گی جس طرح اس سے قبل اسے ترجیح حاصل تھی۔ مرنے

منافع کے حصول کے لیے تیار کیا گیا ہو یا اس نے خود یا اس کے وارث نے اجرت کا تقاضا کیا ہو تو اجرت لازم ہوگی ورنہ

اجرت لازم نہ ہوگی۔ اسی کی مثل یہ صورت ہوگی جب یتیم کا ولی اس کا تقاضا کرے یہاں وقف واقع نہیں ہوگا۔ کیونکہ وقف

میراث نہیں ہوتا اور موجد کی موت سے اجارہ فاسد نہیں ہوگا۔ اس کا ظاہر معنی یہ ہے کہ منافع کے لیے تیار کرنا موت کے ساتھ

باطل نہیں ہوتا۔ پس یہ اس کے مخالف ہے جو ہم نے پہلے شارح سے بیان کیا ہے۔ فاقل

30122۔ (قوله: وَ يَنْبَغِي الْخ) ”خانیہ“ میں مذکور ہے ”المنح“ میں اسے نقل کیا جب کہ شروع میں یہ کہا: قال مولانا

مَا لَمْ يُطَالِبِ الْوَارِثُ بِالتَّفْرِيعِ أَوْ بِالتَّزَامِ أَجْرٍ آخَرَ وَلَوْ مُعَدًّا إِلَّا سَتِغْلَالٍ لِأَنَّهُ فَضْلٌ مُجْتَهِدٌ فِيهِ وَهَلْ يَنْزِمُ الْمُسْتَأْجِرُ أَوْ أَجْرُ الْبَثْلِ؟ ظَاهِرُ الْقُنْيَةِ الثَّانِي، وَتَبَاهُ فِي شَرْحِ الْوَهْبَانِيَةِ وَفِي الْمُنْيَةِ

جب تک وارث اس کے فارغ کرنے یا دوسرے اجر کے لازم ہونے کا مطالبہ نہ کرے اگرچہ اسے محاصل و منافع کے لیے تیار کیا گیا ہو۔ کیونکہ یہ ایسی فصل ہے جس میں اجتہاد کی گنجائش ہے۔ اور کہا: اجر مسمی لازم ہوگا یا اجرت مثلی لازم ہوگی، ”قنیه“ کی عبارت کا ظاہر معنی دوسرا ہے۔ اس کی مثل بحث ”شرح الوہانیہ“ میں ہے۔ ”المنیہ“ میں ہے:

الخ، اس سے مراد ”قاضی خان“ ہیں صاحب ”البحر“ نہیں جو مصنف کے شیخ ہیں۔ فافہم۔ پھر ان کا قول: لا یظهر الانفساخ، یعنی اس کا حکم ظاہر نہیں ہوگا اس کا مقتضایہ ہے کہ سابقہ عقد میں اجر مسمی واجب نہیں ہوگا جس طرح مسالۃ الزرع میں ”المنیہ“ میں عنقریب ذکر کریں گے۔

30123۔ (قوله: مَا لَمْ يُطَالِبِ الْوَارِثُ الخ) یعنی منسوخ ہونے کا حکم ظاہر ہو جائے گا۔ کیونکہ فارغ کرنے کا مطالبہ اس امر پر دلیل ہے کہ وہ سابقہ عقد کو جاری رکھنے پر راضی نہیں اور لاحق عقد کو نئے سرے سے واقع کرنے پر دلیل ہے۔ دوسرے اجر کے لازم کرنے کا مطالبہ اس امر پر دلیل ہے کہ وہ لاحق عقد کو نئے سرے سے واقع کرنے اور عقد کے سابق کے حکم کو توڑنے پر دلیل ہے اس وقت انفساخ کا حکم ظاہر ہوگا وہ عقد سابق میں مسمی کا واجب نہ ہونا ہے۔

30124۔ (قوله: وَلَوْ مُعَدًّا إِلَّا سَتِغْلَالٍ) یہ امر مخفی نہیں کہ لو وصیلہ کا قاعدہ یہ ہے کہ اس کے مابعد کی نفیض حکم کی زیادہ مستحق ہے۔ جیسے اکرم ملک ولو اھنتنی۔ میں تیری عزت کروں گا اگرچہ تو میری اہانت کرے یہاں حکم اسی طرح ہے۔ کیونکہ محاصل کے لیے تیار کی گئی چیز میں جب مذکورہ مطالبہ کے ساتھ عقد کا انفساخ ظاہر ہو جاتا ہے جب کہ اسے منافع کے لیے تیار کرنا۔ یہ اجارہ کے باقی رہنے کی دلیل ہے تو جسے منافع کے لیے تیار نہ کیا گیا ہو وہ مطالبہ کے ساتھ فسخ کا زیادہ مستحق ہوگا۔ فافہم 30125۔ (قوله: لِأَنَّهُ فَضْلٌ) یہ ان کے قول لا یظهر کی علت ہے۔

30126۔ (قوله: وَهَلْ يَنْزِمُ الخ) یہ ان کے قول وینبغی سے ماقبل کی طرف راجع ہے جس کی ”الخانیہ“ میں بحث کی ہے۔ جہاں تک اس بحث کا تعلق ہے تو تو یہ جان چکا ہے اگر وہ مطالبہ سے پہلے اس میں رہے تو سابقہ عقد میں اجرت واجب ہو گی۔ جہاں تک اس کے بعد کا تعلق ہے اگر اس نے فارغ کرنے کا مطالبہ کیا اور وہ مستاجر اس کے بعد اس میں رہا تو چاہیے کہ اجرت مثلی واجب ہو اگر اسے منافع کے حصول کے لیے تیار کیا گیا ہو نہ کہ وہ اجرت واجب ہو جو سابقہ عقد میں معین کی گئی تھی۔ کیونکہ اس عقد کا منسوخ ہونا ظاہر ہو چکا ہے۔ اگر دوسرے اجر کا اس سے مطالبہ کیا اور وہ اس کے بعد سکونت پذیر رہا تو چاہیے کہ وہ اجرت لازم ہو جس کا اس نے مطالبہ کیا تھا جس طرح متفرقات میں ”الاشباہ“ سے ظاہر ہوگا۔

30127۔ (قوله: وَفِي الْمُنْيَةِ الخ) اس کا حاصل وہ فرق ہے جو اس صورت میں ہے جب مدت کے دوران دونوں میں سے ایک کی موت اور مدت کی انتہا کے درمیان کھیتی تیار نہ ہو۔ پہلی صورت میں کھیتی کو فصل کاٹنے تک معین اجرت کے ساتھ ترک کر دیا جائے گا اور دوسری صورت میں اجرت مثلی کے ساتھ ترک کیا جائے گا۔ باب ما یجوز من الاجارة میں متن

مَاتَ أَحَدُهُمَا وَالزَّرْعُ بَقْلٌ بَقِيَ الْعَقْدُ بِالنُّسْخِ حَتَّى يُذْرِكَ وَبَعْدَ الْمُدَّةِ بِأَجْرِ الْبَثْلِ وَفِي جَامِعِ
الْفُصُولَيْنِ لَوْ رَضِيَ الْوَارِثُ هُوَ كَبِيرٌ بِبَقَاءِ الْإِجَارَةِ وَرَضِيَ بِهِ الْمُسْتَأْجِرُ جَازٍ أَمَّا فَيُجْعَلُ الرِّضَا بِالْبَقَاءِ
إِنْ شَاءَ عَقْدٌ أَمَّا لِيَجْوزَ هَا بِالشَّعَاطِي فَتَامَلْهُ وَفِي حَاشِيَةِ الْأَشْبَاهِ الْمُسْتَأْجِرُ وَالْمُرْتَهِنُ وَالْمُسْتَرِي أَحَقُّ
بِالْعَيْنِ مِنْ سَائِرِ الْغُرَمَاءِ لَوِ الْعَقْدُ صَحِيحًا وَلَوْ فَاسِدًا فَاسْتَوَى الْغُرَمَاءُ فَلْيُحْفَظْ (فَإِنْ عَقَدَهَا لِغَيْرِهِ لَا
تَنْفَسَخُ كَوَكِيلٍ) أَمَّا بِالْإِجَارَةِ

دونوں میں سے ایک مرگیا اور کھیتی ساگ ہے تو عقد اجرت معینہ کے ساتھ باقی رہے گا یہاں تک کہ وہ تیار ہو جائے اور موت
کے بعد اجرت مثلی کے ساتھ عقد باقی رہے گا، ”جامع الفصولین“ میں ہے: اگر وارث اجارہ کی بقا پر راضی ہو جائے جب کہ
وہ وارث بڑا ہے اور مستاجر بھی راضی ہو گیا تو یہ جائز ہوگا یعنی بقا پر رضا مندی کو نیا عقد بنا دیا جائے گا یعنی کیونکہ باہم لینے اور
دینے سے اجارہ جائز ہو جاتا ہے پس اس میں غور و فکر کیجئے۔ ”حاشیۃ الاشباہ“ میں ہے: مستاجر، مرتہن اور مشتری باقی ماندہ
غرماء کی نسبت زیادہ حق دار ہیں اگر عقد صحیح ہو اگر عقد فاسد ہو تو وہ دوسرے غرماء کے ہم پلہ ہوگا پس اس کو یاد رکھا جائے
چاہیے۔ اگر اس نے عقد اجارہ کسی اور کے لیے کیا ہو تو وہ منسوخ نہیں ہوگا جس طرح اجارہ کا وکیل ہو۔

میں مسئلہ میں پہلے زر چکا ہے۔ ہم نے وہاں وضاحت کر دی تھی کہ عقد حقیقی موت کے ساتھ منسوخ ہو جاتا ہے اور ضرورت کی
بنا پر حکم باقی رہتا ہے۔ اسی وجہ سے معین اجرت واجب ہوتی ہے یہاں ان کا قول: بقی العقد کا مطلب ہے حکم عقد باقی رہتا
ہے حقیقتہً باقی نہیں رہتا، فتنہ۔

30128۔ (قولہ: أَمَّا لِيَجْوزَ هَا بِالشَّعَاطِي) کیونکہ اس کا ظاہر معنی یہ ہے کہ دونوں میں سے کسی سے لفظ صادر نہیں
ہوا۔ اسی وجہ سے ”البدائع“ میں کہا: یہ نئے عقد کے قائم مقام ہے مگر جب وہ کہے: اسے میرے پاس سابقہ اجرت پر رہنے
دیکھئے تو اس نے کہا: میں راضی ہوں یا کہا: ہاں۔ تو یہ صریح ایجاب و قبول ہوں گے اس پر متنبہ کی ضرورت نہ ہوگی۔

”تاریخ نبیہ“ میں ”المملکت“ سے مروی ہے: ایک آدمی نے حفاظت کی خاطر کسی کو اجرت پر لیا، ماہ اتنے کے عوض یہ عقد
ہے پھر وہ مرگیا اس کے وصی نے مزدور سے کہا: تو جو عمل کیا کرتا تھا وہ کرو ہم تجھ سے اجرت کو نہیں روکیں گے پھر وصی نے جہیز و بیع
دیا تو مشتمل نے اجیر کو اسی طرح کہا۔ پہلے کی زندگی میں جتنا اس نے کام کیا تو اس کے ترکہ میں سے اتنی اجرت دے دے۔ جب وصی
اور جتنا عرصہ اس نے وصی اور مشتری کے لیے عمل کیا اس میں اجرت مثلی ہوگی۔ ”فتیہ“ نے کہا (یہ حکم اس وقت ہے) جب
دونوں میت کی جانب سے شروط کی مقدار کو نہ جانتے ہوں۔ اگر وہ دونوں جانتے ہوں تو اجرت معین لازم ہوگی۔ متفرقات
میں ”تقریب ہی“ ”الاشباہ“ سے مروی ہوگا: اجارہ میں سکوت رضا اور قبول ہے۔ الخ

30129۔ (قولہ: وَفِي حَاشِيَةِ الْأَشْبَاهِ الْخ) باب ما يجوز من الاجارة سے تھوڑا پہلے فرمایا ہے کہ مستاجر زیادہ

حق دار ہے اگر مین اس کے قبضہ میں ہو اگرچہ عقد فاسد ہو۔ یہ اس کے مخالف ہے۔ متفرقات میں بھی ”تقریب اس“ ذکر کریں

وَأَمَّا الْوَكِيلُ بِالِاسْتِجَارِ إِذَا مَاتَ تَبَطَّلَ الْإِجَارَةُ لِأَنَّ التَّوَكِيلَ بِالِاسْتِجَارِ تَوَكِيلٌ بِشَرَاءِ الْمَنَافِعِ فَصَارَ كَالْتَّوَكِيلِ بِشَرَاءِ الْأَعْيَانِ فَيَصِيرُ مُسْتَأْجِرًا لِنَفْسِهِ ثُمَّ يَصِيرُ مُوَجَّرًا لِلْمُوكِّلِ فَهُوَ مَعْنَى قَوْلِنَا أَنَّ الْمُوكِّلَ بِالِاسْتِجَارِ بِمَنْزِلَةِ الْمَالِكِ كَذَا نَقَلَهُ الْمُصَنِّفُ عَنِ الذَّخِيرَةِ قُلْتُ وَ مَثَلُهُ فِي شَرْحِ الْمَجْمَعِ وَالْبَزَازِيَّةِ وَالْعِمَادِيَّةِ، ثُمَّ قَالَ الْمُصَنِّفُ قُلْتُ هَذَا يَسْتَقِيمُ عَلَى مَا ذَكَرَهُ الْكَرْنِيُّ مِنْ أَنَّ الْمِلْكَ يَثْبُتُ لِلْوَكِيلِ ثُمَّ يَنْتَقِلُ إِلَى الْمُوكِّلِ وَأَمَّا عَلَى مَا قَالَهُ أَبُو طَاهِرٍ مِنْ أَنَّهُ يَثْبُتُ لِلْمُوكِّلِ ابْتِدَاءً، وَبِهِ جَزَمَ فِي الْكَنْزِ، وَهُوَ الْأَصَحُّ كَمَا فِي الْبَحْرِ لَا يَسْتَقِيمُ، وَاللَّهُ تَعَالَى أَعْلَمُ قُلْتُ وَتَعَقُّبُهُ شَيْخُنَا بِأَنَّهُ غَيْرُ مُسْتَقِيمٍ عَلَى مَا ذَكَرَهُ الْكَرْنِيُّ أَيْضًا لِتَفَاقُهِمْ عَلَى عَدَمِ عِثْقِ قَرِيبِ الْوَكِيلِ؛

جہاں تک اجرت پر لینے کے وکیل کا معاملہ ہے جب وہ وکیل مر جائے تو اجارہ باطل ہو جائے گا۔ کیونکہ اجارہ پر لینے کا وکیل منافع کے خریدنے کا وکیل ہے تو وہ اسی طرح ہو گیا جس طرح اعیان خریدنے کا وکیل بنانا ہے۔ پس وہ اپنی ذات کے لیے مستاجر ہوگا پھر موکل کے لیے موجر ہوگا۔ پس ہمارے قول: ان الموکل بالاستیجار بمنزلة المالك کا یہی معنی ہے۔ مصنف نے ”ذخیرہ“ سے اسی طرح نقل کیا ہے۔ میں کہتا ہوں: اس کی مثل ”شرح الجمع“، ”بزازیہ“ اور ”عمادیہ“ میں ہے۔ پھر مصنف نے کہا: میں کہتا ہوں: امام ”کرخی“ نے جو ذکر کیا ہے کہ ملکیت پہلے وکیل کے لیے ثابت ہوتی ہے پھر موکل کی طرف منتقل ہو جاتی ہے اس کے مطابق صحیح ہے۔ مگر جو ”ابوطاہر“ نے کہا ہے کہ ملکیت ابتداءً موکل کے لیے ثابت ہوتی ہے ”الکنز“ میں اسے ہی یقین کے ساتھ بیان کیا ہے اور وہی اصح ہے جس طرح ”البحر“ میں ہے: یہ درست نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ میں کہتا ہوں: ہمارے شیخ نے اس پر اعتراض کیا ہے کہ امام ”کرخی“ نے جو ذکر کیا ہے اس پر بھی صحیح نہیں۔ کیونکہ وہ وکیل کے قریبی کے آزاد نہ ہونے پر متفق ہیں۔

گے ہم نے پہلے اس کی وضاحت ”جامع الفصولین“ سے بیان کر دی ہے۔

”حموی“ میں ”عمادیہ“ اور ”بزازیہ“ سے مروی ہے: ان عقود کے فاسد اور صحیح میں ایک مسئلہ میں فرق ہے۔ وہ یہ ہے جب اجارہ یا بیع دین کے بدلے میں واقع ہو جو دین مستاجر یا مشتری کا آجر یا بائع پر تھا پھر انہوں نے عقد کو فسخ کر دیا اور وہ عقد فاسد تھا تو مشتری اور مستاجر کو اپنا دین وصول کرنے کے لیے مجبوس کرنے کا حق نہیں ہوگا اور اس وجہ سے وہ باقی غرماء سے زیادہ حقدار نہیں ہوگا۔ جب عقد صحیح ہو تو معاملہ مختلف ہوگا۔ اور فاسد رہن زندگی اور موت میں صحیح کی طرح ہے پس مرتہن رہن کا زیادہ حقدار ہوتا ہے لیکن جب رہن فاسد کو دین لاحق ہو مگر جب دین پہلے ہو پھر اس پر قبضہ کے بعد دونوں فسخ کر دیں تو وہ زیادہ حقدار نہیں ہوگا اور اسے مجبوس کرنے کا حق نہیں ہوگا۔ ملخص

پس ظاہر یہ ہے جو ”حاشیۃ الاشباہ“ سے صحیح اور فاسد میں فرق نقل کیا ہے۔ اس سے مراد یہی مسئلہ ہے پس جو گزر چکا ہے یہ اس کے مخالف نہیں۔ قندبر

30130۔ (قوله: لَا تَفَاقَهُمْ عَلَى عَدَمِ عِثْقِ قَرِيبِ الْوَكِيلِ) یعنی اگر اس کو خریدا۔ ان کے شیخ ”ربلی“ کی نقل

لَاَنَّ مِلْكَهُ غَيْرُ مُسْتَقَرٍّ وَ الْمَوْجِبُ لِلْعِتْقِ وَ الْفَسَادِ الْمِلْكُ الْمُسْتَقَرُّ ثُمَّ قَالَ وَ الْحَاصِلُ أَنَّ الْأَصَحَّ أَنَّ الْإِجَارَةَ لَا تَنْفَسَخُ بِمَوْتِ الْمُسْتَأْجِرِ وَ الثَّقَلُ بِهِ مُسْتَفِیْضٌ ا هـ، وَ اللَّهُ أَعْلَمُ (وَوْصِی) وَ أَبٍ وَ جَدٍّ وَ قَاضٍ (و مَتَوَلَّى الْوَقْفِ) لِبَقَاءِ الْمُسْتَحَقِّ لَهُ وَ الْمُسْتَحَقُّ عَلَيْهِ، حَتَّى لَوْ مَاتَ الْمَعْقُودُ لَهُ بَطَلَتْ دُرَرٌ، إِلَّا إِذَا كَانَ مُتَوَلَّى وَ قَفٍ خَاصٍ بِهِ وَ جَمِيعُ غَلَاتِهِ لَهُ كَمَا فِي وَ قَفِ الْأَشْبَاهِ مَعْنِيًا لِلْوَهْبَانِيَّةِ قَالَ وَ اِطْلَاقُ الْمُتَوَلَّى بِخِلَافِهِ

کیونکہ ان کی ملکیت ثابت نہیں اور آزاد اور فساد کا موجب ثابت ملکیت ہے۔ پھر کہا: حاصل یہ ہے کہ اس حیح یہ ہے کہ اجارہ مستاجر کی موت کے ساتھ منسوخ نہیں ہوتا اور اس بارے میں فقہاء سے روایت مشہور ہے۔ واللہ اعلم۔ جیسے وصی، باپ، دادا اور قاضی اور وقف کا متولی فوت ہو جائے تو اجارہ فسخ نہیں ہوتا۔ کیونکہ مستحق علیہ باقی ہے یہاں تک کہ معقود علیہ مرجائے تو اجارہ باطل ہو جائے گا، ”درر“۔ مگر جب وہ متولی ایسا ہو وقف اس کے ساتھ خاص ہو اور تمام تر منافع اسی کے ہوں جس طرح ”الاشباہ“ کے کتاب الوقف میں ”وہبانیہ“ کی طرف منسوب ہے کہا: متون کا اطلاق اس کے خلاف ہے۔

عبارت یہ ہے: وعدم فساد نکاحا لوالا اشتراحا۔

30131۔ (قوله: وَ الْفَسَادِ) نکاح کا فساد اس صورت میں ہے جب وہ وکالت کے ساتھ اپنی بیوی اس کے آق

سے خریدے۔

30132۔ (قوله: بِمَوْتِ الْمُسْتَأْجِرِ) یعنی مستاجر وکیل مرجائے۔ ”ح“۔

30133۔ (قوله: وَ الثَّقَلُ بِهِ مُسْتَفِیْضٌ) ”سائحانی“ نے کہا: ”بدائع“ میں ہے: اجارہ وکیل کی موت سے باطل

نہیں ہوتا خواہ وہ موجر کی جانب سے وکیل ہو یا مستاجر کی جانب سے وکیل ہو۔

میں کہتا ہوں: اس کی مثل ”قبستانی“ میں ”قاضی خان“ سے مروی ہے۔ ”تاتر خانیہ“ میں ہے: جس کے حق میں عقد اجارہ واقع ہو جب وہ مرجائے تو اس کی موت کے ساتھ عقد اجارہ منسوخ ہو جائے گا۔ اور جس کے لیے عقد اجارہ واقع نہ ہو اس کی موت سے عقد اجارہ منسوخ نہیں ہوتا اگرچہ وہ عقد کرنے والا ہو مراد وکیل اور وصی ہے۔ اسی طرح وقف میں متون ہیں۔

30134۔ (قوله: لِبَقَاءِ الْمُسْتَحَقِّ لَهُ) ”الدرر“ اور ”المنح“ کی عبارت ہے: کیونکہ مستحق علیہ باقی ہے۔

اول سے مراد مستاجر ہے۔ کیونکہ اسی پر اجرت لازم ہے۔ اور ثانی سے مراد وقف والے اور دوم سے لوگ ہیں۔ تاں

30135۔ (قوله: قَالَ وَ اِطْلَاقُ الْمُتَوَلَّى بِخِلَافِهِ) صاحب ”الاشباہ“ نے اس عبارت کو ذکر کیا ہے۔ بعض نسخوں

میں قلت کی جگہ قال ہے۔ اس کی ضمیر صاحب ”الاشباہ“ کے لیے ہے۔ علامہ ”عبدالبر“ نے کہا: مذہب کی غالب کتب میں جو

ہے وہ اس امر کا تقاضا کرتا ہے کہ وقف کی صورت میں موجر کی موت سے اجارہ باطل نہیں ہوتا خواہ وقف وغیرہ قیوم ہو، وصی اور

قاضی ہو۔ یہ ان کی تعلیلات کا مقتضا ہے کہ مستحق جب نگران ہو تو اس کی موت سے اجارہ باطل نہیں ہوتا اگرچہ وہ تمام منافع کا

قُنْتُ وَبِإِطْلَاقِ الْمُتَوْنِ أَفْتَى قَارِئُ الْهِدَايَةِ، فَكَانَ هُوَ الْمَذْهَبُ الْمُعْتَمَدُ كَمَا قَالَهُ الْمُصَنِّفُ فِي حَاشِيَتِهِ عَلَى الْأَشْبَاهِ، وَلِذَا قَالَ فِي الْأَشْبَاهِ بَعْدَ أَرْبَعِ أَوْ رَاقٍ لَا تَنْفَسُخُ الْإِجَارَةُ بِمَوْتِ مُوَجِّرِ الْوَقْفِ إِلَّا فِي مَسْأَلَتَيْنِ فِيمَا إِذَا آجَرَهَا الْوَقْفُ ثُمَّ ارْتَدَّ ثُمَّ مَاتَ لِإِطْلَاقِ الْوَقْفِ بِرِدَّتِهِ، وَفِيمَا إِذَا آجَرَ النَّاطِرُ ثُمَّ مَاتَ فَأَجَابَ لَا تَنْفَسُخُ الْإِجَارَةُ فِي الْوَقْفِ بِمَوْتِ الْمُوَجِّرِ وَالْمُسْتَأْجِرِ كَذَا رَأَيْتُهُ فِي عِدَّةٍ نُسِخَ لِكُنْهُ مُخَالَفَ لِمَا فِي إِجَارَةِ فَتَاوَى قَارِئِ الْهِدَايَةِ فَتَنَّبَهُ

میں کہتا ہوں: ”قاری الہدایہ“ نے متون کے اطلاق کے مطابق فتویٰ دیا ہے۔ پس یہی قابل اعتماد مذہب ہے جس طرح مصنف نے ”الاشباہ“ پر اپنے حاشیہ میں کہا ہے۔ اسی وجہ سے چار اور اراق بعد ”الاشباہ“ میں کہا: وقف کو اجارہ پر دینے والے کی موت سے اجارہ منسوخ نہیں ہوتا مگر دو مسئلوں میں اجارہ منسوخ ہو جاتا ہے۔ مگر جب واقف نے اسے اجرت پر دیا ہو پھر وہ مرتد ہو جائے پھر وہ مرجائے۔ کیونکہ اس کے ارتداد کے ساتھ وقف باطل ہو گیا ہے۔ اور جب وہ اپنی زمین اجرت پر دے پھر اسے معین فرد پر وقف کر دے پھر مرجائے تو اجارہ منسوخ ہو جائے گا۔ ”فتاویٰ ابن نجیم“ کے کتاب الوقف میں ہے۔ ان سے سوال کیا گیا: جب نگران اجارہ پر دے پھر مرجائے تو انہوں نے جواب دیا: وقف میں اجارہ کی صورت میں موجد اور مستاجر کی موت سے اجارہ منسوخ نہیں ہوگا میں نے کئی نسخوں میں اسی طرح دیکھا ہے۔ لیکن یہ اس کے مخالف ہے جو ”فتاویٰ قاری الہدایہ“ کے کتاب الاجارہ میں ہے۔ پس اس پر متنبہ ہو جائیے۔

مستحق ہو۔ کیونکہ ذات میں اس کی ملکیت نہیں ہوتی اس کا حق منافع میں ہوتا ہے۔ ”شرنبلالی“ نے اس کا ذکر کیا ہے۔ ”ط“۔
30136۔ (قوله: أَفْتَى قَارِئُ الْهِدَايَةِ) کیونکہ کہا: موجد نگران کی موت سے اجارہ منسوخ نہیں ہوگا اگرچہ وہ اکیلے ہی مستحق ہو۔

30137۔ (قوله: إِلَّا فِي مَسْأَلَتَيْنِ) استثنا منقطع ہے۔ جہاں تک پہلی صورت کا تعلق ہے تو اتداد کے ساتھ اجارہ باطل ہو جائے گا جس طرح تعلیل میں اس کی تصریح کی ہے اور موت کے ساتھ وہ میراث بن چکی ہے، قائل۔ جہاں تک دوسری صورت کا تعلق ہے تو جب ”ابن شحنے“ نے کہا: اصل مسئلہ اس وقف میں ہے جس کو اجارہ پر دیا گیا ہو جب کہ یہ مملوکہ چیز کو اجارہ پر دینے والا ہے۔ وقف کو اجارہ پر دینے والا نہیں۔

30138۔ (قوله: عَلَى مُعَيَّنٍ) ”معاينة الوهبانية“ اور اس کی شرح میں جو قول ہے: وہ عی غیر معین ہے۔

30139۔ (قوله: تَنْفَسُخُ) کیونکہ عقد کا آغاز اس کی اپنی ذات کے لیے تھا۔ ”ح“۔

30140۔ (قوله: لِكُنْهُ مُخَالَفَ الْخ) میں کہتا ہوں: بلکہ یہ باقی ماندہ متون کے خلاف ہے اور یہ ممکن ہے کہ ”ابن

نجیم“ کی جانب سے یہ جواب دیا جائے کہ ان کی کلام میں موجد اور مستاجر سے مراد نگران ہے اور انہوں نے دوستوں کا جواب

وَفِيهَا أَيْضًا لَا تَنْفَسُ بِمَوْتِ الْمُتَوَلَّى وَلَوْ الْغَلَّةُ لَهُ بِمُفَرَّدِهِ فَتَنْبَهُ وَفِي الْفَيْضِ الْوَاقِفُ لَوْ آجَرَ الْوَقْفُ
بِنَفْسِهِ ثُمَّ مَاتَ، فَفِي الْإِسْتِحْسَانِ لَا تَبْطُلُ: لِأَنَّهُ آجَرَ لغيره وَمِثْلُهُ فِي الْبَزَازِيَّةِ - وَفِي السَّرَاجِيَّةِ
وَحُكْمُ عَزْلِ الْقَاضِي وَالْمُتَوَلَّى كَالْمَوْتِ فَلَا تَنْفَسُ (و) تَنْفَسُ أَيْضًا (بِمَوْتِ أَحَدِ مُسْتَأْجَرَيْنِ أَوْ
مُوجَرَّيْنِ فِي حِصَّتِهِ) أُنَى حِصَّةِ الْبَيْتِ لَوْ عَقَدَهَا لِنَفْسِهِ (فَقَطُّ) وَبَقِيَتْ فِي حِصَّةِ الْحَيِّ فَرَزَعُ فِي وَقْفِ
الْأَشْبَاهِ تَخْلِيَةُ الْبَعِيدِ بَاطِلَةٌ، فَلَوْ اسْتَأْجَرَ قَرْيَةً وَهُوَ بِالْمَضَرِّ لَمْ يَصَحَّ تَخْلِيَتُهَا عَلَى الْأَصَحِّ.
فَيَنْبَغِي لِلْمُتَوَلَّى أَنْ يَذْهَبَ إِلَى الْقَرْيَةِ مَعَ الْمُسْتَأْجِرِ أَوْ غَيْرِهِ، فَيُخَلِّي بَيْنَهُ وَبَيْنَهَا أَوْ يُرْسِلُ وَكِيلَهُ
أَوْ رَسُولَهُ أَحْيَاءَ لِمَالِ الْوَقْفِ فَلْيُحْفَظْ

اس میں یہ بھی ہے: متولی کی موت سے اجارہ منسوخ نہیں ہوگا اگرچہ غلہ صرف اسی کا ہو پس اس پر متنبہ ہو جائیے۔ ”اشیخ“
میں ہے: واقف اگر وقف کو خود اجرت پردے پھر مرجائے استحسان یہ ہے اجارہ باطل نہیں ہوگا۔ کیونکہ اس نے اسے غیر کے
لیے اجرت پردیا۔ اسی کی مثل ”بزازیہ“ میں ہے۔ ”سراجیہ“ میں ہے: قاضی اور متولی کے معزول کرنے کا حکم موت کی طرح
ہے۔ پس اس سے اجارہ منسوخ نہیں ہوگا اور اجارہ دو مستاجروں میں سے ایک یا دو موجروں میں سے ایک کی موت کے
ساتھ اس کے حصہ میں اجارہ منسوخ ہو جائے گا یعنی صرف میت کا حصہ منسوخ ہو جائے گا اگر اس نے اپنے لیے مقدمہ ہو اور
زندہ کے حصہ میں اجارہ باقی رہے گا۔ فرغ: ”الاشباہ“ کے کتاب الوقف میں ہے: مکان بعید کی زمین کا تخلیہ باطل ہے۔ اگر
ایک آدمی نے دیہات اجارہ پر لیا جب کہ وہ شہر میں ہے تو اس قول کے مطابق اس کا تخلیہ صحیح نہیں۔ پس متولی کو چاہیے کہ وہ
مستاجر کے ساتھ یا کسی اور کے ساتھ دیہات کی طرف جائے اور مستاجر اور زمین کے درمیان تخلیہ کرے یا اپنا وکیل یا قاصد
بھیجے تاکہ وقف کے مال کا احیا کرے پس اس کو یاد رکھا جانا چاہیے۔

دینے کا ارادہ کیا ہے (۱) جب نگران وقف کی زمین و اجرت پردے (۲) جب نگران وقف کے مال میں سے ایسے شخص سے
زمین اجرت پر لے جس سے وقف کے لیے منافع حاصل کرے۔ ”ج“۔

30141۔ (قولہ: وَفِيهَا أَيْضًا) یہ بھی ان میں سے ہے جو صاحب ”الاشباہ“ نے نقل کیا ہے اس پر اجماع اہل مال و مالکیت
ہے اس صورت میں جب موجر ایسے وقف کا متولی ہو جو اس کے ساتھ خاص ہو اور تمام منافع اسی کے لیے ہوں۔ زیادہ بہتر یہ ہے کہ
اس کا ذکر ان کے قول ”وَفِي فُتَاوَى ابْنِ نَجِيمٍ“ سے پہلے کرتے۔ اور اپنے قول فتنیہ کے ساتھ مذکور رد کی طرف اشارہ یہ ہے۔ ”طال“
30142۔ (قولہ: وَبَقِيَتْ فِي حِصَّةِ الْحَيِّ) اشتراک اس کو کوئی نقصان نہیں دیتا کیونکہ یہ اشتراک طاری ہے جس
طرح اس کے محل میں گزر چکا ہے۔

30143۔ (قولہ: أَوْ غَيْرِهِ) جیسے اس کا وکیل ہے جب کہ یہ ”الاشباہ“ کی عبارت میں موجود نہیں۔

30144۔ (قولہ: أَحْيَاءَ لِمَالِ الْوَقْفِ) کیونکہ یہ دکر نے کے بغیر اجرت لازم نہیں ہوتی۔ لیکن یہ امر مخفی نہیں کہ یہ

قُلْتُ لَكِنْ نَقَلَ مُحَشِّهَا ابْنُ الْمُصَنِّفِ فِي زَوَاهِرِ الْجَوَاهِرِ عَنْ بَيُوعِ فَتَاوَى قَارِيِ الْهِدَايَةِ أَنَّهُ مَتَى مَضَى مُدَّةُ يُتَمَكَّنُ مِنَ الذَّهَابِ إِلَيْهَا وَالذُّخُولِ فِيهَا كَانَ قَابِضًا وَإِلَّا فَلَا فَتَنَّبَهُ

میں کہتا ہوں: اس کے محشی مصنف کے بیٹے نے ”زواہر الجواہر“ میں ”فتاویٰ قاری الہدایہ“ کے کتاب البیوع سے نقل کیا ہے: جب اتنی مدت گزر جائے جس میں اس کی طرف جانا اور اس میں داخل ہونا ممکن ہو تو وہ قبضہ کرنے والا ہوگا ورنہ نہیں پس متنبہ ہو جائیے۔

کرنا عقد کے صحیح ہونے کے لیے شرط نہیں۔ یہ پہلے گزر چکا ہے: جب اجارہ صحیح ہو اور نفع حاصل کرنا ممکن ہو تو اجرت واجب ہو گی۔ جہاں تک اجارہ فاسدہ کا تعلق ہے تو اجرت حقیقی انتفاع سے واجب ہوگی۔ یہ بھی پہلے گزر چکا ہے ”اسعاف“ کا ظاہر معنی یہ ہے کہ وقف کو خارج کیا جائے پس قدرت حاصل ہونے کے ساتھ اجارہ فاسدہ میں اس کی اجرت واجب ہوگئی۔ پس یہاں اس کی کلام کو اس پر محمول کرنا چاہیے جب وہ اس پر قادر نہ ہو۔ قائل

30145۔ (قوله: عَنْ بَيُوعِ فَتَاوَى قَارِيِ الْهِدَايَةِ) ان کی نص یہ ہے: ایک شخص سے سوال کیا گیا جس نے شہر میں دوسرے سے گھر خریدا جب کہ وہ دونوں شہر میں تھے اور دونوں شہروں کے درمیان دو دن کی مسافت ہے اور اس نے اس پر قبضہ نہ کیا۔ بلکہ بائع نے مشتری اور بیع کے درمیان شرعی تخلیہ کیا تا کہ وہ اس پر قبضہ کر لے۔ کیا یہ صحیح ہوگا اور تخلیہ سپرد کرنے کی طرح ہوگا؟

اس کا جواب دیا: جب گھرانے کے سامنے نہ ہو اور بائع نے کہا: میں نے وہ تجھے سپرد کر دیا ہے مشتری نے کہا: میں نے لے لیا تو یہ قبضہ نہ ہوگا جب تک گھرانے دونوں کے قریب نہ ہو اس طرح کہ مشتری اس میں داخل ہونے پر قادر ہو اس وقت اس کو تالا لگانا یہ قابض ہونا ہوگا۔ ہمارے مسئلہ میں ہے جب تک وہ مدت نہیں گزری جس میں اس کی طرف جانا اور اس میں داخل ہونا ممکن ہو تو وہ قابض نہیں ہوگا۔

بعید کے تخلیہ کا معنی

”حاشیہ الحموی“ میں ہے: بعض فضلاء نے کہا: مصنف نے جو ذکر کیا ہے بعید کا تخلیہ باطل ہے یہ اس کے مخالف ہے جو ”المحیط“ میں ہے جس طرح وہ ”شرح الكنز“ میں ہے۔ اور ”ابن ہمام“ میں باب خیار الشرط سے تھوڑا پہلے ہے ہم نے اس میں طویل گفتگو کی ہے۔

30146۔ (قوله: وَالذُّخُولُ فِيهَا) میں کہتا ہوں: اس کے ذکر کا فائدہ یہ ہے کہ نفع حاصل کرنا ممکن ہے۔ اگر اس میں داخل ہونا ممکن نہ ہو۔ کیونکہ غاصب وغیرہ موجود ہے تو اجرت واجب نہ ہوگی جس طرح قول گزر چکا ہے۔ یہ مراد نہیں کہ نفس دخول شرط ہے۔ فافہم، واللہ تعالیٰ اعلم

مَسَائِلُ شَتَّى

(أَخْرَقَ حَصَائِدَ أَمَى بَقَايَا أُصُولِ قَصَبٍ مَحْصُودٍ فِي أَرْضٍ مُسْتَأْجَرَةٍ أَوْ مُسْتَعَارَةٍ وَمِثْلُهُ أَرْضُ بَيْتِ الْمَالِ الْمُعَدَّةِ لِحِطِّ الْقَوَافِلِ وَالْأَحْبَالِ وَمَرْعَى الدَّوَابِّ)

متفرق مسائل کے احکام

ایک آدمی نے اجرت پر لی گئی زمین میں یا عاریتہ لی گئی زمین میں سرکندے وغیرہ کی کٹی ہوئی باقی ماندہ جڑیں جلائیں اسی کی مثل بیت المال کی وہ زمین ہے جس کو قافلوں کے اترنے اور سامان کے رکھنے، چوپاؤں کے چرنے

30147۔ (قولہ: أَمَى بَقَايَا أُصُولِ) یہ مراد کی تفسیر ہے۔ ”المنح“ میں کہا ہے: حصائد یہ حصید یا حصیدہ کی جمع ہے دونوں سے مراد کٹی ہوئی فصل ہے یہاں اس سے مراد وہ ہے جو سرکندے وغیرہ کی جڑوں میں سے زمین میں کٹی ہوئی رہ جاتی ہیں۔ کیونکہ ان کو جلانے کا معمول ہوتا ہے۔

پانی اور آگ میں فرق

30148۔ (قولہ: مُسْتَأْجَرَةٍ أَوْ مُسْتَعَارَةٍ) ”منلا مسکین“ نے اپنی شرح میں کہا: مسئلہ کی وضع ان دونوں زمینوں میں ہے اس کی مملو کہ زمین میں نہیں۔ جب وہ یہاں ضامن نہیں تو اپنی زمین میں جلانے کی صورت میں بدرجہ اولیٰ ضامن نہیں ہو گا۔ اس عبارت کا متن کی عبارت کے ساتھ مقتضایہ ہے کہ اگر وہ غیر کی زمین میں اس کی اجازت کے بغیر جلائے تو وہ اس کا ضامن ہو گا جس کو وہ آگے ایسے مکان میں جلادے جس کی طرف وہ متعدی ہوئی ہے۔ یہ اس کے خلاف ہے جو ”جامع الفصولین“ اور شیعہ کتب میں ہے۔ ”جامع الفصولین“ میں کہا: ایک آدمی نے مالک کی اجازت کے بغیر کسی زمین میں آگ جلائی تو جس جگہ آگ روشن کی ہے اس میں وہ جس چیز کو جلانے کا ضامن ہو گا نہ کہ اس کا ضامن ہو گا جسے دوسری جگہ اس نے اسے جلایا جس کی طرف آگ چلی گئی تھی۔ پانی اور آگ میں فرق کیا ہے۔ کیونکہ اگر وہ پانی کو اپنی مملو کہ چیز کی طرف بہائے اور وہ پانی دوسرے کی زمین کی طرف چلا جائے اور وہاں کسی شے کو تلف کر دے تو وہ ضامن ہو گا۔ آگ کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ اس کی فطرت اس کے بہاؤ پر ہے۔ اور اس کا تجاوز کرنا یہ ہو اور غیرہ سے ہے اسے آگ جلانے والے کے فعل کی طرف منسوب نہیں کیا جائے گا پس وہ ضامن نہیں ہو گا۔ اور پانی کی طبیعت میں بہاؤ ہے پس تلف کرنا یہ اس کے فعل کی طرف منسوب ہو گا۔ فقہ بر، ”رہلی“۔

میں کہتا ہوں: لیکن یہ اس وقت ہے جب وہ اس جگہ سے کسی زائل کرنے والے سے زائل ہوئی اگر وہ زائل ہوئی مگر مزیل کے بغیر زائل ہوئی تو وہ ضامن ہو گا جس طرح ”خانیہ“ میں اسے ثابت کیا ہے۔ شارح قریب ہی اس کا ذکر کریں گے۔ 30149۔ (قولہ: وَمِثْلُهُ أَرْضُ) یہ شیخ ”رہلی“ نے بھی قول کیا ہے۔

وَضَرَحَ الْحَصَائِدِ قُلْتُ وَحَاصِلُهُ أَنَّهُ إِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُ حَقُّ الْإِثْتِفَاعِ فِي الْأَرْضِ يَضْمَنُ مَا أَحْرَقَتْهُ فِي مَكَانِهِ
بِنَفْسِ الْوَضْعِ لَا مَا نَقَلَتْهُ الرِّيحُ عَلَى مَا عَلَيْهِ الْفَتْوَى قَالَهُ شَيْخُنَا (فَاحْتَرَقَ شَيْءٌ مِنْ أَرْضٍ غَيْرِهِ لَمْ
يَضْمَنْ) : لِأَنَّهُ تَسَبُّبٌ لَا مُبَاشَرَةٌ (إِنْ لَمْ تَضْطَرِبِ الرِّيحُ) فَلَوْ كَانَتْ مُضْطَرِبَةً

اور کئی ہوئی فصل کے پھینکنے کے لیے تیار کی گئی ہو۔ میں کہتا ہوں: اس کا حاصل یہ ہے اگر اس زمین سے نفع حاصل کرنے کا
اسے حق نہ ہو تو اس جگہ جسے وہ جلائے گا وہ نفس وضع سے اس کا ضامن ہوگا نہ کہ اس کا جسے ہوا وہاں منتقل کرے اسی پر فتویٰ
ہے۔ ہمارے شیخ نے یہی کہا ہے۔ تو غیر کی زمین میں سے کوئی شے جل گئی تو وہ ضامن نہیں ہوگا۔ کیونکہ یہ سبب بن رہا ہے
مباشراً نہیں ہے اگر ہوا مضطرب نہ ہو۔ اگر ہوا مضطرب ہو

30150۔ (قولہ: وَحَاصِلُهُ) جس میں ہم گفتگو کر رہے ہیں یہ اس کا حاصل نہیں پس ان پر لازم تھا کہ اسے موخر
کرتے۔ ”ساحانی“۔

30151۔ (قولہ: بِنَفْسِ) یہ جار مجرور احرقته کے متعلق ہے۔

30152۔ (قولہ: لَا مَا نَقَلَتْهُ الرِّيحُ) یعنی اس کے رکھنے کے بعد ہوا چلی جس طرح آنے والے قول سے معلوم ہو
گا۔ ”ح“۔

30153۔ (قولہ: عَلَى مَا عَلَيْهِ الْفَتْوَى) یعنی مذکورہ تفصیل پر فتویٰ ہے۔ ”الغانیہ“ میں کہا: یہ قول اظہر ہے اور اسی
پر فتویٰ ہے۔ اس کے مقابل وہ قول ہے جو ”حلوانی“ نے کہا ہے: جب وہ راستہ میں انگارہ رکھے یا اپنی مملوکہ زمین میں آگ
لے کر گزرے تو وہ ضامن نہیں ہوگا اور اس میں جواب کو مطلق ذکر کیا ہے۔

30154۔ (قولہ: لِأَنَّهُ تَسَبُّبٌ) اس میں ضمانت لازم ہونے کی شرط تعدی ہے اور وہ نہیں پائی گئی پس وہ اس طرح ہو
گیا جس طرح ایک آدمی نے اپنی ذاتی مملوکہ چیز میں گڑھا کھودا تو اس سے انسان تلف ہو گیا۔ یہ صورت مختلف ہوگی جب وہ اپنی
مملوکہ زمین میں تیر چلائے تو وہ تیر کسی انسان کو لگے تو وہ ضامن ہوگا کیونکہ وہ مباشر ہے پس اس میں تعدی شرط نہیں۔ ”زیلعی“۔

30155۔ (قولہ: إِنْ لَمْ تَضْطَرِبِ الرِّيحُ) یعنی اس کی صورت یہ ہے کہ رکھنے کے وقت ہوا پرسکون تھی، ”ح“۔
”جامع الفصولین“ میں ”ذخیرہ“ سے یہ نقل کیا ہے: اگر وہ ایسی آگ جلائے جس کی مثل آگ جلائی جاتی ہے۔ دوسری کتب
سے نقل کیا ہے کہ وہ مطلقاً ضامن نہیں ہوگا۔

پھر فتاویٰ ”ابولیث“ سے نقل کیا ہے: ایک آدمی نے اپنی زمین میں کانٹے یا تنکے جلائے ہو اس کے انگارے اس کے
پڑوسی کی زمین کی طرف لے گئی اور اس کی کھیتی کو جلا دیا اگر پڑوسی کی زمین اس طرح دور ہو جہاں تک عموماً انگارہ نہیں پہنچتا تو وہ
ضامن نہیں ہوگا۔ کیونکہ یہ آگ کے فعل سے واقع ہوا ہے اور یہ ہدر ہے۔ اگر اس کی زمین سے اس قدر قریب ہو جہاں تک
عموماً شرارہ پہنچ جاتا ہے تو وہ ضامن ہوگا۔ کیونکہ سلامتی کی شرط کے ساتھ اپنی ذاتی ملک میں آگ جلانے کا اسے حق حاصل
ہے۔ اسی کی مثل ”غایۃ البیان“ میں ہے۔ کہا: یہ حکم اسی طرح ہے جب وہ اپنی زمین کو سیراب کرے تو پانی اس کے پڑوسی کی

ضَمِنَ: لِأَنَّهُ يَعْلَمُ أَنَّهَا لَا تَسْتَقَرُّ فِي أَرْضِهِ فَيَكُونُ مُبَاشِرًا (وَكَذَا كُلُّ مَوْضِعٍ كَانَ لِلْمَوْضِعِ حَقُّ الْمَوْضِعِ فِيهِ) أَمَّا فِي ذَلِكَ الْمَوْضِعِ (لَا يَضْمَنُ عَلَى كُلِّ حَالٍ إِذَا تَلَفَ بِذَلِكَ الْمَوْضِعِ شَيْءٌ) سَوَاءٌ تَلَفَ بِهِ وَهُوَ فِي مَكَانِهِ أَوْ بَعْدَ مَا زَالَ عَنْهُ (بِخِلَافِ مَا إِذَا لَمْ يَكُنْ لِلْمَوْضِعِ فِيهِ حَقُّ الْمَوْضِعِ) حَيْثُ يَضْمَنُ الْمَوْضِعُ إِذَا تَلَفَ بِهِ شَيْءٌ وَهُوَ فِي مَكَانِهِ، وَكَذَا بَعْدَ مَا زَالَ، لَا بِمُزِيلِ كَوْضِعِ جَرَّةٍ فِي الطَّرِيقِ ثُمَّ آخَرَ أُخْرَى فَتَدَخَّرَتْ فَانْكَسَرَتْ تَضْمِنُ كُلُّ جَرَّةٍ صَاحِبِهِ، وَإِنْ زَالَ بِمُزِيلِ كَرِيحٍ وَسَيْلٍ لَا يَضْمَنُ الْمَوْضِعُ، هَذَا هُوَ الْأَصْلُ فِي هَذِهِ الْمَسَائِلِ كَمَا حَقَّقَهُ فِي الْخَانِيَّةِ ثُمَّ فَرَعَ عَلَيْهِ بِقَوْلِهِ (فَلَوْ وَضَعَ جَرَّةً فِي الطَّرِيقِ فَاحْتَرَقَ بِذَلِكَ شَيْءٌ ضَمِنَ لِتَعَدِّيهِ بِالْمَوْضِعِ

تو وہ ضامن ہوگا۔ کیونکہ وہ جانتا ہے کہ یہ آگ اس کی زمین میں نہیں رہے گی پس وہ مباشر ہوگا۔ اسی طرح کا حکم ہوگا ہر اس موضع کا جس میں وضع کو اس جگہ میں چیز رکھنے کا حق ہوگا۔ اس رکھی گئی چیز کی وجہ سے کوئی شے تلف ہو جائے تو وہ کسی حال میں ضامن نہیں ہوگا خواہ اس سے وہ شے تلف ہو جائے جب کہ وہ اسی جگہ ہو یا اس کے زائل ہونے کے بعد وہ شے تلف ہو۔ جب وضع کو اس میں کوئی شے رکھنے کا حق نہ ہو تو معاملہ مختلف ہوگا۔ کیونکہ وضع ضامن نہ ہوگا جب اس سے کوئی شے تلف ہو جائے جب کہ وہ اسی جگہ ہو۔ اسی طرح اس کے زائل ہونے کے بعد تلف ہو جائے نہ کہ زائل کرنے والے سے تلف ہو جیسے ایک آدمی نے راستہ میں ایک گھڑا رکھا پھر دوسرے نے دوسرا گھڑا رکھا دونوں لڑھک پڑے پس دونوں ٹوٹ گئے تو ہر مسئلہ کا اس کا مالک ضامن ہوگا اگر زائل کرنے والا زائل ہو جائے جیسے ہوا اور سیلاب تو وضع ضامن نہیں ہوگا۔ ان مسائل میں یہی اصل ہے جس طرح ”خانیہ“ میں اس کو ثابت کیا ہے۔ پھر اپنے اس قول کے ساتھ اس پر تفریع کا ذکر کیا ہے: اگر آدمی نے راستہ میں انگارہ رکھا تو اس سے کوئی شے جل گئی تو وہ ضامن ہوگا۔ کیونکہ رکھنے کے ساتھ وہ تعدی کرنے والا ہے۔

زمین کی طرف چلا جائے۔

30156۔ (قوله: ضَمِنَ) وہ بطور استحسان ضامن ہوگا۔ طوری نے ”خانیہ“ سے نقل کیا ہے۔

30157۔ (قوله: لِأَنَّهُ يَعْلَمُ الْخ) اس سے یہ امر ظاہر ہوتا ہے اگر ہوا بالکلی سی حرکت میں ہو کہ اس کا نہ رجحان نہ رت ہو پھر وہ بڑھ جائے تو وہ ضامن نہیں ہوگا پس اس کی وضاحت کی جانی چاہیے۔

30158۔ (قوله: عَلَى كُلِّ حَالٍ) شارح نے اس کی تفسیر بعد میں اس قول کے ساتھ کی ہے: سَوَاءٌ تَلَفَ أَمْ لَا۔

30159۔ (قوله: ثُمَّ آخَرَ) یعنی ثم وضع آخر پس معطوف محذوف ہے۔ وہ وضع ہے۔ ”حتمی“ نے کہا: یہ وضع کے

محذوف فاعل پر عطف ہے جیسے وضع شخص جرقة فی الطريق ثم وضع آخر آخری۔ فلیتأمل۔ ”ط“۔

30160۔ (قوله: فَتَدَخَّرَتْ) اگر دونوں گھڑوں میں سے ایک دوسرے پر لڑھک پڑا اور لڑھکنے والا ٹوٹ گیا تو

جس کا ٹوٹنا شہر اربا وہ ضامن ہوگا۔ اسی طرح دو جانور ہیں جن دونوں کو ٹھہرایا گیا اگر ٹھہرنے والا ہلاک ہو گیا تو کوئی ضمانت

(وَكَذَا) يَضُنُّ فِي كُلِّ مَوْضِعٍ لَيْسَ لَهُ فِيهِ حَقُّ الْمُرُورِ إِلَّا إِذَا هَبَّتْ بِهِ) أَيْ بِالْمَوْضِعِ (الرِّيحُ فَلَا ضَمَانَ لِنَسْخِهَا فِعْلَهُ وَكَذَا لَوْ دَخَرَ السَّيْلُ الْحَجَرَ وَبِهِ يُفْتَى) خَانِيَّةٌ - وَلَوْ أَخْرَجَ الْحَدَّادُ الْحَدِيدَ مِنَ الْكِبْرِ فِي دُكَّانِهِ ثُمَّ ضَرَبَهُ بِطَرَقَةٍ فَخَرَجَ الشَّرَارُ إِلَى الطَّرِيقِ وَأَحْرَقَ شَيْئًا ضَمِنَ وَلَوْ لَمْ يَضْرِبْ بِهِ وَأَخْرَجَهُ الرِّيحُ لَا - زَيْدِي (سَقَى أَرْضَهُ سَقِيًّا لَا تَحْتَبِلُهُ فَتَعْدَى) الْمَاءُ (إِلَى أَرْضٍ جَارِيَةٍ) فَأَفْسَدَهَا (ضَمِنَ)؛ لِأَنَّهُ مُبَاشِرٌ

اسی طرح ہر وہ ایسی جگہ میں ضامن ہوگا جس میں اسے گزرنے کا حق نہیں ہوگا مگر جب اسے اس جگہ ہوا لے جائے پس کوئی ضمانت نہیں ہوگی۔ کیونکہ ہوانے اس کے فعل کو منسوخ کر دیا ہے۔ اسی طرح کا حکم ہوگا اگر سیلاب نے ایک پتھر لڑھکایا اسی پر فتویٰ دیا جاتا ہے۔ ”خانیہ“۔ ایک لوہار نے لوہے کو اپنی دکان میں بھٹی سے نکالا پھر اس پر ہتھوڑا مارا تو ایک چنگاری راستہ کی طرف نکلی اور کسی شے کو جلادیا تو وہ ضامن ہوگا۔ اگر وہ اس پر کوئی ضرب نہ لگائے اور ہوا اسے نکال دے تو ضامن نہیں ہوگا، ”زمینی“۔ ایک آدمی نے اپنی زمین اتنی سیراب کی جس کو وہ زمین برداشت نہ کر سکتی تھی تو پانی اس کے پڑوسی کی زمین کی طرف تجاوز کر گیا تو اسے خراب کر دیا تو وہ ضامن ہوگا۔ کیونکہ یہ آدمی مباشر ہے۔

نہیں کیونکہ پہلے کا فعل منسوخ ہو چکا ہے ”ساحانی“ نے ”قاضی خان“ سے نقل کیا ہے۔

30161۔ (قوله: وَكَذَا يَضُنُّ فِي كُلِّ مَوْضِعٍ الْخ) صاحب ”خانیہ“ نے اسے ذکر نہیں کیا بلکہ اس شے کے رکھنے اور نہ رکھنے کے حق کا اعتبار کیا ہے پس گزرنے کا حق ثابت ہو گیا اور رکھنے کا حق ثابت نہ ہوا جس طرح راستہ میں ہے۔ جس نے گزرنے کے حق ہونے اور حق نہ ہونے کا اعتبار کیا ہے وہ صاحب ”الخلاصہ“ ہے اور یہ ذکر کیا ہے کہ اسی پر فتویٰ ہے۔ ”المنح“ میں کہا: ”خلاصہ“ میں اس میں فرق کیا ہے کہ اگر اس سے کوئی انگارہ کسی جگہ گر پڑے جس میں اسے گزرنے کا حق نہ ہو اگر اس سے گرے تو وہ ضامن ہوگا اور اگر ہوا اسے لے جائے تو ضامن نہیں ہوگا۔ کہا: یہ زیادہ ظاہر ہے اسی پر فتویٰ ہے۔ غالب کتب اس پر ہیں جو ”قاضی خان“ نے ذکر کیا ہے۔ ”ط“۔

30162۔ (قوله: مِنَ الْكِبْرِ) یہ کسرہ کے ساتھ ہے بھٹی جس میں لوہے کو گرم کیا جاتا ہے۔ جہاں تک اس چیز کا تعلق ہے جو مٹی سے بنائی جاتی ہے تو اسے کور کہتے ہیں اس کی جمع اکیار آتی ہے کیرۃ جیسے عنبتہ ہے اور کیران ہے ”قاموس“۔ مناسب کور ہے کیونکہ اسی سے لوہا نکالا جاتا ہے۔ ”ط“۔ لیکن حدیث طیبہ میں آیا ہے: الْمَدِينَةُ كَالْكَبْرِ تَنْفِي خَبْثِهَا (1)۔ مدینہ طیبہ بھٹی کی طرح ہے جو اس کے خبث کو دور کر دیتا ہے۔ شاید یہ مشترک ہو۔ تامل۔ ”اتقانی“ نے اسے کور سے تعبیر کیا ہے۔

30163۔ (قوله: وَأَحْرَقَ شَيْئًا ضَمِنَ) اگر وہ کسی آدمی کی آنکھ کو پھوڑ دے تو اس کی دیت اس کی عاقلہ پر ہوگی۔

30164۔ (قوله: لَا تَحْتَبِلُهُ) یعنی اس پانی کو باقی رکھنے کا احتمال نہیں رکھتی تھی۔ اس کی صورت یہ ہے وہ زمین اوپچی ہو اور اس کے پڑوسی کی زمین پست ہو وہ جانتا ہے کہ اگر اس نے اپنی زمین کو سیراب کیا تو وہ اس کے پڑوسی کی جانب پانی نکل

لَا مُتَسَبِّبٌ (أَقْعَدَ خِيَّاطٌ أَوْ صَبَّاعٌ فِي حَانُوتِهِ مَنْ يَطْرَحُ عَلَيْهِ الْعَمَلَ بِالنِّصْفِ) سَوَاءٌ أَتَحَدَّ الْعَمَلُ أَوْ
اِخْتَلَفَ كَخِيَّاطٍ مَعَ قَصَّارٍ (صَحَّ) اسْتِحْسَانًا لِأَنَّهُ شَرِكَةُ الصَّنَائِعِ، فَهَذَا بِوَجَاهَتِهِ يُقْبَلُ وَهَذَا
بِحَذَاقَتِهِ يُعْمَلُ

متسبب نہیں۔ درزی یا رنگریز نے ایک ایسے آدمی کو اپنی دکان پر بٹھایا جو اس کو کام لے کر دے مزدوری نصف نصف ہوگی
خواہ عمل متحد ہو یا مختلف ہو جیسے درزی دھوبی کے ساتھ یہ عمل کرے۔ تو یہ بطور استحسان صحیح ہوگا۔ کیونکہ یہ شرکت صنایع ہے۔ یہ
اپنی وجاہت کی وجہ سے کام لے گا اور یہ اپنی مہارت کے ساتھ کام کرے گا

جائے گا تو وہ ضامن ہوگا۔ اگر وہ پانی اس کی اپنی زمین میں ٹھہرتا ہو پھر اس کے پڑوسی کی زمین کی طرف تجاوز کرتا ہو اگر اسے
مضبوط کرنے کے بارے میں بات گزر چکی ہو اور اس نے اس طرح نہ کیا ہو تو وہ ضامن ہوگا۔ اور یہ اسی طرح ہوگا جس طرح وہ
دیوار پر گواہ بنائے اگر پہلے اس بارے میں بات نہ ہوئی تو ضامن نہ ہوگا جس طرح ”جامع الفصولین“ میں ہے۔ ”تشریہ ایہ“۔
میں کہتا ہوں: ”نور العین“ میں ”الغانیہ“ سے ان کے قول ضمن نقل کرنے کے بعد یہ زائد ذکر کیا ہے۔ اس کی نص یہ ہے:
اسے پانی روکنے والا بند بنانے کا حکم دیا جائے گا یہاں تک کہ وہ مانع ہو جائے اور مساقہ بنانے سے پہلے اسے سیراب کرنے
سے منع کیا جائے گا۔

پہلی فصل میں اسے سیراب کرنے سے نہیں روکا جائے گا۔ پہلی فصل سے مراد پہلے باخبر نہ کرنے کی صورت ہے۔ اس
زیادتی کے ساتھ ”طحاوی“ کے اعتراض کا جواب حاصل ہو گیا ہے کہ یہ لازم کرتا ہے اوپر والی زمین کے نفع اٹھانے کا تصور
نہیں کیا جاسکتا۔ فہم۔ عام کتب میں پانی کے بارے میں گئی گفتگو کا خلاصہ یہ ہے: جب وہ غیر معتد انداز میں سیراب
کرے تو ضامن ہوگا۔ اگر معتد طریقہ سے سیراب کرے تو ضامن نہیں ہوگا۔

30165۔ (قولہ: صَحَّ) کیونکہ شرکت صنایع میں دونوں میں سے ہر ایک عمل کو قبول کرتا ہے اس شرط پر کہ جس عمل کو وہ
قبول کرتا ہے وہ اس میں اپنی ذات کے اعتبار سے اصل ہوتا ہے اور اپنے شریک کی جانب سے وکیل ہوتا ہے۔ پس نفع دونوں
کے درمیان ہوتا ہے۔ یہاں معاملہ اسی طرح ہے بے شک دکان کا مالک اس پر جو کام لازم کرتا ہے صنایع اسے اپنی جانب
سے اصل اور دکان کے مالک کی جانب سے وکالت عمل کرتا ہے پس اگر دونوں میں اسی طرح ہوگا۔ ”رحمتی“۔

30166۔ (قولہ: اسْتِحْسَانًا) قیاس یہ ہے کہ وہ صحیح نہ ہو۔ امام ”طحاوی“ نے اسے ہی اپنایا ہے۔ کیونکہ یہ اس کے
نصف کے بدلے میں اجرت پر لینا ہے جو اس کے عمل سے پیدا ہوتا ہے جب کہ وہ مجہول ہے جس طرح طحان کا قفیز ہے۔

30167۔ (قولہ: لِأَنَّهُ شَرِكَةُ الصَّنَائِعِ) اس میں صاحب ”ہدایہ“ پر چوٹ ہے۔ کیونکہ انہوں نے اسے شرکت
وجوہ قرار دیا ہے۔

”زیلعی“ نے اس کا رد کیا ہے۔ کیونکہ شرکت وجوہ یہ ہوتی ہے کہ وہ دونوں اس میں شریک ہوں کہ وہ اپنی وجاہت کی بنا پر
خریدیں اور بیچیں جب کہ اس میں بیع و شرا نہیں۔ ”عزمیہ“ میں اس کا جواب یہ دیا ہے کہ انہوں نے اس کے ساتھ مصطدع

(كَاسْتِجَارَ جَبَلٍ لِيَحْمِلَ عَلَيْهِ مَحْمَلًا وَرَاكِبِينَ إِلَى مَكَّةَ وَلَهُ الْمَحْمَلُ الْمُعْتَادُ وَرُؤْيَتْهُ أَحَبُّ) وَكَذَا إِذَا لَمْ يَرَ الطَّرَاقَةَ وَاللِّحَافَ وَفِي الْوُلُوجِيَّةِ وَلَوْ تَكَارَى إِلَى مَكَّةَ إِبِلًا مُسَبَّاةً بِغَيْرِ أَعْيَانِهَا جَازٌ وَيَحْمِلُ الْمَعْقُودُ عَلَيْهِ حَمْلًا فِي ذِمَّةِ الْمُكَارَى وَالْإِبِلُ آتَةٌ وَجَهَالَتُهَا لَا تُفْسِدُ قُلْتُ فَمَا يَفْعَلُهُ الْحُجَّاجُ مِنَ الْإِجَارَةِ لِيَحْمِلَ أَوْ التُّكُوبِ إِلَى مَكَّةَ بِلا تَعْيِينَ الْإِبِلِ صَحِيحٌ، وَاللَّهُ تَعَالَى أَعْلَمُ

جس طرح ایک آدمی اونٹ اجرت پر لیتا ہے تاکہ مکہ مکرمہ تک اس پر محمل اور دو سوار لے جائے اسے معتاد محمل ڈالنے کا حق ہو گا اور اس کا دیکھ لینا زیادہ محبوب ہے اس طرح کا حکم ہو گا جب وہ بچھونا اور لحاف نہ دیکھے۔ ”ولو الوجیہ“ میں ہے: اگر اس نے مکہ مکرمہ تک کچھ اونٹ کرایہ پر لیے جو معین نہیں تو یہ جائز ہو گا اور معقود علیہ بوجھ مکاری کے ذمہ میں ہو گا اونٹ آلہ ہیں۔ اور ان کی جہالت اجارہ کو فاسد نہیں کرتی۔ میں کہتا ہوں: حجاج جو مکہ مکرمہ تک جانے کے لیے بوجھ اور سواری کے لیے اجارہ کرتے ہیں جب کہ اونٹ کی تعیین نہیں کرتے یہ صحیح ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

علیہا کارادہ نہیں کیا بلکہ اس کا ارادہ کیا ہے جس میں وجاہت کے ساتھ عمل کا قبول کرنا واقع ہوتا ہے۔ اس طرح ان کا یہ قول تیری رہنمائی کرتا ہے: هذا بوجاهته يقبل وهذا بذاقته يعمل اور اس میں بہت ہی بعد ہے۔

30168۔ (قوله: كَاسْتِجَارَ جَبَلٍ) اس امر میں شبہ کا ذکر کیا جا رہا ہے کہ ہر ایک قیاس کے خلاف صحیح ہے۔

30169۔ (قوله: مَحْمَلًا) یہ لفظ پہلی میم کے فتح اور دوسری میم کے کسرہ کے ساتھ ہے یا اس کے برعکس ہے۔ مراد بڑا

بودج ہے جو حاجی کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ ”اتقانی“ نے ”المغرب“ سے نقل کیا ہے۔

30170۔ (قوله: وَلَهُ الْمَحْمَلُ الْمُعْتَادُ) یعنی جو ہر شہر میں استعمال ہوتا ہے، ”جوہرہ“ میں کہا: دونوں سواروں کی

تعیین ضروری ہے یا وہ یہ کہے: میں جسے چاہوں گا سوار کروں گا۔ مگر جب اس نے کہا: میں نے اسے سواری کے لیے اجرت پر

لیا ہے تو اجارہ فاسد ہو گا مگر (جانور کے مالک یا اس کے نمائندہ) پر لازم ہے کہ حزام (جانور کا تنگ) قتب (کجاوہ) زین اور برہ

جو اونٹ کی ناک میں ہوتا ہے، گھوڑے کے لیے زین اور گدھے کے لیے برودع (عرق گیر) دے۔ اگر مکتری کے قبضہ میں کوئی

شے تلف ہو جائے تو وہ اس کا ضامن نہیں ہو گا جیسے جانور۔ اور مکاری پر محمل رکھنا اسے اتارنا، جانور کو ہانکنا اس کی تکیل پکڑنا اور

سواروں کو وضو اور فرض نماز کے لیے اتارنا لازم ہے۔ کھانا کھانے اور نفل نماز پڑھنے کے لیے نیچے اتارنا واجب نہیں۔ کیونکہ یہ

دونوں عمل پشت پر کیے جاسکتے ہیں۔ اور اس پر لازم ہے کہ وہ عورت، مریض اور کمزور بوڑھے کے لیے اونٹ بٹھائے۔

30171۔ (قوله: وَرُؤْيَتْهُ أَحَبُّ) تاکہ جہالت کی نفی ہو جائے اور امام ”احمد“ کے اختلاف سے نکلا جائے۔

30172۔ (قوله: وَفِي الْوُلُوجِيَّةِ) اس کی عبارت یہ ہے: جب ایک آدمی نے کوفہ سے مکہ مکرمہ تک غیر معین چند

اونٹ کرایہ پر لیے تو اجارہ جائز ہو گا چاہے کہ اجارہ جائز نہ ہو۔ کیونکہ اس وقت معقود علیہ مجہول ہے جس طرح ایک آدمی غیر

معین اجرت پر لے تو یہ جائز نہیں ہو گا۔

(اَسْتَأْجَرَ جَمَلًا لِحَمْلِ مِقْدَارٍ مِنَ الزَّادِ فَأَكَلَ مِنْهُ رَدَّ عَوَضَهُ) مِنْ زَادٍ وَنَحْوِهِ (قَالَ لِعَاصِبٍ دَارِهِ فَرَعَهَا وَإِلَّا فَأَجَرْتُهَا كُلُّ شَهْرٍ بِكَذَا فَلَمْ يُغْرِغْ وَجَبَ) عَلَى الْعَاصِبِ (الْمُسْتَسَى): لِأَنَّهُ سَكُوتُهُ رِضًا إِلَّا إِذَا أَنْكَرَ الْعَاصِبُ مِنْكَ وَإِنْ أَثْبَتَهُ بَيِّنَةً؛ لِأَنَّهُ إِذَا أَنْكَرَهُ لَمْ يَكُنْ رَاضِيًا بِالْإِجَارَةِ (أَوْ أَقْرَبَ) عَصَفَتْ عَلَى أَنْكَرَ (بِهِ) أَمَى بَيْنِكِهِ (وَلَكِنْ لَمْ يَرْضَ بِالْأُجْرَةِ)؛ لِأَنَّهُ صَرَّحَ بِعَدَمِ الرِّضَا فِي الْأَشْبَاهِ السُّكُوتُ فِي الْإِجَارَةِ رِضًا وَقَبُولًا.

ایک آدمی نے اونٹ کرایہ پر لیا تاکہ زادراہ میں سے معین مقدار اس پر لادے اس سے کچھ زاد کھالیا تو زادراہ وغیرہ میں سے اس کا عوض لوٹا سکتا ہے۔ ایک آدمی نے اس کے گھر کے غاصب سے کہا: اس گھر کو فارغ کر دو ورنہ ہر ماہ اس کی اتنی اجرت ہو گی اس غاصب نے گھر کو خالی نہ کیا تو غاصب پر وہ معین مقدار واجب ہو جائے گی۔ کیونکہ غاصب کا خاموش رہنا یہ رضا ہے۔ مگر جب غاصب اس کی ملک کا انکار کر دے اگرچہ مالک گواہوں سے اپنی ملکیت ثابت کر دے۔ کیونکہ جب اس نے انکار کیا تو وہ اجارہ پر راضی نہیں تھا یا اس نے مالک کی ملکیت کا اقرار کیا۔ اقرار فعل انکار پر معطوف ہے۔ لیکن وہ اجرت پر راضی نہ ہوا کیونکہ اس نے راضی نہ ہونے کی تصریح کر دی۔ ”الاشباہ“ میں ہے: اجارہ میں خاموشی رضا اور قبول ہے۔

”خواہر زادہ“ نے ”شرح الکافی“ میں کہا: مسئلہ کی صورت یہ نہیں کہ وہ غیر معین اونٹ اجرت پر دے لیکن اس کی صورت یہ ہے کہ مکاری مولہ کو قبول کرے جیسے ملتری کہتا ہے: مجھے مکہ مکرمہ تک اونٹ پر اتنے کے بدلے میں لے جاؤ مکاری کہے: میں نے یہ قبول کر لیا تو معقود علیہ حمل ہوگا جو مکاری کے ذمہ ہے جب کہ وہ معلوم ہے اور اونٹ مکاری کا آلہ ہے تاکہ اس کے ذمہ جو واجب ہے وہ اس کو ادا کرے اور آلہ کی جہالت اجارہ کے فاسد ہونے کو واجب نہیں کرتی۔

”صدر الشہید“ نے کہا: جس طرح ”کتاب“ میں ذکر کیا گیا ہے میرے نزدیک یہ جائز ہے۔ ”کتاب“ سے مراد امام ”محمد“ رضی اللہ عنہ کی ”الاصول“ ہے وہ پہلے مذکور ہے۔ ”تاتر خانیہ“ میں اس سے نقل کیا ہے۔ ”بزازیہ“ میں ہے: عرف کی وجہ سے جواز کا فتویٰ دیا جاتا ہے۔ اگر وہ معتاد نہ ہو تو یہ جائز نہیں۔ پس شارح کا قول ویجعل المعقود علیہ الخ یہ ”خواہر زادہ“ کی تفسیر ہے۔ تو یہ جان چکا ہے کہ مفتی بہ اس کے برعکس ہوگا اگر متعارف ہو۔

30173۔ (قولہ: وَنَحْوِهِ) ”اتقانی“ نے کہا: اس طرح زادراہ کے علاوہ کیلی اور روزنی چیز کا معاملہ ہے جب کہ اس میں کمی واقع ہو تو اسے حق حاصل ہے کہ اس کے عوض میں زائد کر لے۔

30174۔ (قولہ: إِلَّا إِذَا أَنْكَرَ الْخ) یعنی مسمی واجب نہیں ہوگا تو کیا اجرت مثلی واجب ہوگی؟ کتاب الغصب میں عنقریب یہ آئے گا کہ وقف، یتیم کے مال اور منافع کے حصول کے لیے جسے تیار کیا گیا ہو اس میں اجرت مثلی واجب ہوگی۔ تجھے یہ کہنے کا حق حاصل ہے: جب وہ اس چیز میں ملک کا انکار کر دے جسے منافع کے لیے تیار کیا گیا ہو تو وہ ظاہر غاصب نہیں ہوگا۔ ”سماحانی“۔ یعنی اس پر اجرت لازم نہ ہوگی۔ کیونکہ عنقریب یہ آئے گا اگر وہ ایسی جگہ سکونت پذیر رہا جو منافع کے حصول

فَلَوْ قَالَ لِسَاكِنٍ أُسْكُنْ بِكَذَا وَإِلَّا فَاتَّقِلْ أَوْ قَالَ الرَّاعِي لَا أَرْضَى بِالنُّسْتَى، بَلْ بِكَذَا فَسَكَتَ لَزِمَ مَا سَتَى بَقِيَ لَوْ سَكَتَ ثُمَّ لَنَا طَالِبُهُ قَالَ لَمْ أَسْمَعْ كَلَامَكَ هَلْ يُصَدَّقُ إِنَّ بِهِ صَمَمٌ؟ نَعَمْ وَإِلَّا لَا عَمَلًا بِالظَّاهِرِ (لِلْمُسْتَأْجِرِ أَنْ يُوجَرَ الْمُوجَّرُ بَعْدَ قَبْضِهِ قِيلَ وَقَبْلَهُ (مِنْ غَيْرِ مُوجَّرِهِ، وَأَمَّا مِنْ مُوجَّرِهِ فَلَا) يَجُوزُ

اگر اس نے ساکن سے کہا: اتنے کے بدلے میں رہو یا منتقل ہو جاؤ یا راعی نے کہا: میں مسمیٰ پر راضی نہیں بلکہ میں اتنے پر راضی ہوں تو وہ خاموش ہو گیا تو جو معین کیا تھا وہ لازم ہو جائے گا۔ یہ صورت باقی رہ گئی ہے اگر وہ خاموش رہا پھر جب اس نے اس کا مطالبہ کیا تو اس نے کہا: میں نے تیری کلام نہیں سنی کیا اس کی تصدیق کی جائے گی اگر اس میں بہرہ پن ہو؟ ہاں ورنہ تصدیق نہیں کی جائے گی یہ ظاہر پر عمل کرنے کی بنا پر ہے۔ مستاجر کو حق حاصل ہے کہ موجر پر قبضہ کرنے کے بعد اس کے موجر کے علاوہ کو اجارہ پردے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: قبضہ سے پہلے وہ ایسا کر سکتا ہے۔ جہاں تک اس کے موجر کو اجارہ پردے کا تعلق ہے تو یہ جائز نہیں ہوگا

کے لیے تیار کی گئی تھی جب کہ وہ ملک کی تاویل کرتا ہے تو اس پر اجرت لازم نہ ہوگی۔

30175۔ (قوله: فَلَوْ قَالَ الْخ) ”تا ترخانیہ“ میں ہے: ایک آدمی نے سال بھر کے لیے ایک گھر ہزار کے بدلے میں کرائے پر لیا جب سال گزر گیا تو کہا: اگر تو نے آج خالی کر دیا تو ٹھیک ورنہ تیرے ذمہ ہر ماہ کے عوض ہزار ہے اور مستاجر اس کے لیے گھر کا اقرار کرتا ہے تو جتنے عرصہ میں سامان منتقل ہو سکتا ہے اتنے میں اجرت مثلی اور اس کے بعد جو مالک نے کہا ہے وہ لازم ہو جائے گا۔

30176۔ (قوله: بَقِيَ لَوْ سَكَتَ الْخ) یہ بیت المقدس 996ھ کا واقعہ ہے۔ مصنف نے اس کا جواب وہ دیا جو ذکر کیا ہے جس طرح باب ضمان الاجیر سے تھوڑا پہلے یہ قول کیا ہے۔ پھر کہا، علماء نے اسی طرح بہت سے مسائل میں حکم کی تصریح کی ہے۔

موجر وغیرہ کے لیے مستاجر کے اجارہ کا بیان

30177۔ (قوله: لِلْمُسْتَأْجِرِ أَنْ يُوجَرَ الْمُوجَّرُ الْخ) جسے اجرت پر لیا تھا اسے پہلی اجرت کی مثل یا اس سے کم اجرت پردے۔ اگر زیادہ اجرت پردے تو زائد کو صدقہ کر دے مگر دوسلوں میں ایسا نہیں کر سکتا۔ جس طرح باب ما یجوز من الاجارة کے شروع میں گزر چکا ہے۔

30178۔ (قوله: قِيلَ وَقَبْلَهُ) یعنی اجارہ میں اختلاف اسی طرح ہے جس طرح بیع میں اختلاف ہے۔ شیخین کے نزدیک جائز ہے اور امام ”محمد“ رحمہ اللہ کے نزدیک جائز نہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اجارہ میں اختلاف نہیں۔ یہ غیر منقول میں ہے۔ اگر منقول ہو تو قبضہ سے پہلے جائز نہیں۔ ”تا ترخانیہ“ میں اسی طرح ہے۔

30179۔ (قوله: مِنْ غَيْرِ مُوجَّرِهِ) خواہ اس کا موجر مالک ہو یا مالک سے مستاجر ہو جس طرح آنے والی تعلیل اس امر کا فائدہ دیتی ہے۔ کیونکہ مالک سے مستاجر منفعت کا مالک ہوتا ہے۔ اور ”المنح“ میں ”الخلاصہ“ سے مروی ہے کہ دوسرا مستاجر

وَإِنْ تَخَلَّلَ ثَالِثٌ بِهِ يُفْتَى لِلزُّومِ تَبْلِيكِ الْمَالِكِ، وَهَلْ تَبْطُلُ الْأُولَى بِالْإِجَارَةِ لِلْمَالِكِ؟ الصَّحِيحُ لَا وَهَبَانِيَّةٌ قُلْتُ وَصَحَّحَهُ قَاضِي خَانَ وَغَيْرُهُ وَفِي الْمُضْمَرَاتِ وَعَلَيْهِ الْفَتْوَى، وَقَدْ مُنَّا عَنْ الْبَحْرِ مَعْنِيًا لِلْجَوْهَرَةِ الْأَصَحِّ نَعَمْ، وَأَقْرَبُهُ الْمَصْنُفُ ثَمَّةً، وَنَقَلَ هُنَا عَنْ الْخُلَاصَةِ

اگر چہ درمیان میں کوئی تیسرا شخص حائل ہو۔ اسی پر فتویٰ دیا جاتا ہے۔ کیونکہ مالک کو مالک بنانا لازم آتا ہے۔ کیا مالک واجارہ پر دینے سے پہلے اجارہ باطل ہو جاتا ہے؟ صحیح قول یہ ہے کہ نہیں، ”وہبانیہ“ میں کہتا ہوں: ”قاضی خان“ وغیرہ نے اس کی تصحیح کی ہے ”مضمورات“ میں ہے: اسی پر فتویٰ ہے۔ ہم نے پہلے ”البحر“ سے نقل کیا ہے جو ”جوہرہ“ کی طرف منسوب ہے۔ اس صحیح یہ ہے: ہاں (باطل ہے)۔ مصنف نے اسے وہاں ثابت رکھا ہے۔ یہاں ”الخلاصہ“ سے منقول ہے

پہلے مستاجر کو اجارہ پر دے تو یہ صحیح ہوگا۔ میں نے ”الخلاصہ“ کی طرف رجوع کیا تو اس زیادتی کو نہ پایا۔ میں نے ”المنح“ کے حاشیہ میں بعض فضلاء کی تحریریں دیکھیں انہوں نے لکھا میں نے ”الخلاصہ“ کے کئی نسخوں کی طرف رجوع کیا تو اسے نہ پایا۔ فتنبہ 30180۔ (قوله: وَإِنْ تَخَلَّلَ ثَالِثٌ) اس کی صورت یہ ہے کہ مستاجر سے ایک شخص نے اسے اجرت پر لیا تو اس مستاجر نے اسے موجراول کو اجارہ پر دے دیا۔

30181۔ (قوله: بِهِ يُفْتَى) یہی صحیح ہے یہی عام مشائخ نے کہا ہے۔ ”ابن الشخنة“۔

30182۔ (قوله: لِلزُّومِ تَبْلِيكِ الْمَالِكِ) کیونکہ منفعت کے حق میں مستاجر موجر کے قائم مقام ہے۔ پس مالک و مالک بنانا لازم آتا ہے۔ ”منح“۔ ”تاتر خانہ“ میں ہے: جسے اجرت پر دینے کے لیے وکیل بنایا گیا تھا اس نے مستاجر سے کوئی چیز اجرت پر لی تو یہ جائز نہیں ہوگا۔ کیونکہ وہ آجر اور مستاجر ہو جائے گا قاضی ”بدیع الدین“ نے کہا: میں یہ فتویٰ دیا کرتا تھا پھر میں نے رجوع کر لیا اور جواز کا فتویٰ دیا۔

میں کہتا ہوں: اس سے وقف کے متولی کا حکم ظاہر ہو جاتا ہے اگر وقف اس سے اجرت پر لیا جس کو وہ اجارہ پر دیا تھا ایک فاضل نے اس کی طرف توجہ کی اور کہا، میں نے اسے نہیں دیکھا۔ تامل

30183۔ (قوله: الصَّحِيحُ لَا) بلکہ ”تاتر خانہ“ میں ”شمس الائمہ“ سے مروی ہے کہ نسخ ہونے کا قول نط ہے۔ کیونکہ دوسرا اجارہ فاسد ہے اور پہلا اجارہ صحیح ہے یعنی فاسد صحیح کو ختم نہیں کر سکتا۔

30184۔ (قوله: قَدْ مُنَّا) یعنی باب ما يجوز من الاجارة، میں ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔

30185۔ (قوله: عَنْ الْخُلَاصَةِ) اس کی نص یہ ہے: جو ”النوازل“ میں مذکور ہے اس کی تاویل یہ ہے کہ آجر نے مستاجر سے مستاجر کو قبضہ میں لے لیا اس کے بعد کہ اس نے اسے اجرت پر لیا تھا۔ کیونکہ اگر وہ اجارہ کے بغیر اسے قبضہ میں لے تو مستاجر سے اجرت ساقط ہو جائے گی یہ اولیٰ ہے۔ ”الحیط“ میں کہا: اگر وہ اس سے قبضہ میں نہ لے تو پہلے مستاجر پر اجرت ہوگی۔

میں کہتا ہوں: اس میں اعتراض کی گنجائش ہے۔ کیونکہ کلام پہلے اجارہ کے منسوخ ہونے اور منسوخ نہ ہونے کے بارے میں ہے اور اجرت کا ساقط نہ ہونا یہ اجارہ کے منسوخ ہونے کو مستلزم نہیں جس طرح یہ امر مخفی نہیں۔ ”تاتر خانہ“ میں جو ”العتابیہ“

مَا يُفِيدُ أَنَّهُ إِنْ قَبْضَهُ مِنْهُ بَعْدَ مَا اسْتَأْجَرَهُ بِطَلَبٍ وَإِلَّا لَا فَلَیْكَ التَّوْفِیْقُ فَتَأْمَلْ؛ وَهَلْ تَسْقُطُ
الْأَجْرَةُ مَا دَامَ فِي يَدِ الْمُؤَجَّرِ؟ خِلَافٌ مَبْسُوطٌ فِي شَرْحِ الْوَهْبَانِيَّةِ (وَكَلَّهُ بِاسْتِئْجَارِ عَقَارٍ فَقَعَلَ) الْوَكِيلُ
(وَقَبْضَ وَلَمْ يُسَلِّمْهَا) أَمَى لَمْ يُسَلِّمْ الْوَكِيلُ الْعَيْنَ الْمُؤَجَّرَةَ (إِلَيْهِ) أَمَى إِلَى الْوَكِيلِ (حَتَّى مَضَتْ الْمُدَّةُ)
فَالْأَجْرُ عَلَى الْوَكِيلِ؛ لِأَنَّهُ أَصِيلٌ فِي الْحُقُوقِ وَرَجَعَ الْوَكِيلُ بِالْأَجْرَةِ عَلَى الْآمِرِ

جو اس امر کا فائدہ دیتا ہے اگر اسے اس سے اجرت پر لینے کے بعد قبضہ میں لے لیا تو اجارہ باطل ہو جائے گا ورنہ باطل نہ ہو گا۔ پس تطبیق اس طرح ہوگی، قائل۔ جب تک وہ موجر کے قبضہ میں ہو تو اجرت ساقط ہو جائے گی؟ اس میں اختلاف ہے جو ”شرح الوہبانیہ“ میں تفصیل سے موجود ہے۔ ایک آدمی نے جاندار کو اجرت پر لینے کے لیے وکیل بنایا تو وکیل نے اسی طرح کر دیا اور اس پر قبضہ کیا اور اسے موکل کے سپرد نہ کیا اگر اس وکیل نے عین موجر کو سپرد نہ کیا یہاں تک مدت گزر گئی تو اجرت وکیل کے ذمہ ہوگی۔ کیونکہ وہ حقوق میں اصیل ہے اور وکیل اجرت کا آمر سے مطالبہ کرے گا۔

سے منقول ہے وہ اس پر دلالت کرتا ہے اگر گھر کے مالک نے اسے قبضہ میں لے لیا تو مستاجر سے اجرت ساقط ہو جائے گی جب تک وہ گھر اس کے قبضہ میں رہے گا اور مستاجر کو حق حاصل ہے کہ وہ سپرد کرنے کا مطالبہ کرے۔ انہوں نے اجرت کے ساقط ہونے کی تصریح کی ہے۔ اور یہ تصریح کی ہے کہ اسے عین مستاجر کے سپرد کرنے کا مطالبہ کیا جائے گا۔ اگر وہ اجارہ منسوخ ہو جائے تو اسے یہ حق حاصل نہیں ہوگا۔

30186۔ (قوله: فَتَأْمَلْ) تو یہ جان چکا ہے یہ تطبیق غیر ظاہر ہے پس انہوں نے جو قول کیا ہے وہ متعین ہے، ”ح“۔ جو ظاہر ہے وہ وہ ہے جو ”وہبانیہ“ میں ہے یہ علت کو پیش نظر رکھنے کی بنا پر ہے اور ”قاضی خان“ اور ”مضمرات“ کی تصحیح کی بنا پر ہے۔
30187۔ (قوله: وَهَلْ تَسْقُطُ الْأَجْرَةُ الْخ) میں کہتا ہوں: جو ”شرح الوہبانیہ“ میں ”ابو بکر بلخی“ سے مروی ہے وہ یہ ہے کہ مستاجر سے اجرت ساقط نہیں ہوگی۔ ”بزازیہ“ میں ”ابولیث“ سے ”بلخی“ کے موافق نقل کیا ہے۔ ”المشتقی“ میں نون کے ساتھ ذکر کیا ہے: صحیح یہ ہے اجارہ اور اعارہ۔ یہ نسخ نہیں ہوں گے۔ لیکن مستاجر پر اجرت واجب نہیں ہوگی جب تک وہ آجر کے قبضہ میں ہے۔ ملخص

تو اس سے باخبر ہے کہ اس سے پہلے جو تطبیق ذکر کی ہے اس کا محل یہاں ہے جس طرح ہم پہلے اسے ثابت کر چکے ہیں یہ کہا جائے: ان قبضه من المستاجر سقط الاجر والا لایس اس میں تدبر کیجئے۔

”مشتقی“ کی عبارت نے یہ بیان کیا کہ صحیح قول کے مطابق اعادہ کا حکم اجارہ کی طرح ہے۔

فرع: ”فتاویٰ ابن نجیم“ میں ہے: جب پہلے موجر اور اس کے مستاجر نے اقالہ کیا تو اقالہ صحیح ہوگا اور پہلا اور دوسرا اجارہ منسوخ ہو جائے گا۔

30188۔ (قوله: وَرَجَعَ الْوَكِيلُ بِالْأَجْرَةِ عَلَى الْآمِرِ) خواہ وکیل نے آمر کو اس سے روکا ہو یا نہ روکا ہو، ”درر“۔

لِنِيَابَتِهِ عَنْهُ فِي الْقَبْضِ فَصَارَ قَابِضًا حُكْمًا (وَكَذَا) الْحُكْمُ (إِنْ شَرَطَ) الْوَكِيلُ (تَعْجِيلَ) الْأَجْرِ وَقَبْضُ الدَّارِ (وَمَضَتْ الْمُدَّةُ وَلَمْ يَطْلُبْ الْأَمْرُ الدَّارَ مِنْهُ فَإِنَّهُ يَرْجِعُ أَيْضًا لِصَيُورَةِ الْأَمْرِ قَابِضًا بِقَبْضِهِ مَا لَمْ يَظْهَرْ الْمُنْعُ (وَإِنْ طَلَبَ) الْأَمْرُ الدَّارَ (وَأَبَى) الْوَكِيلُ (لِيُعْجَلَ) الْأَجْرَ (لَا) يَرْجِعُ: لِأَنَّهُ لَنَا حَبَسَ الدَّارَ بِحَقِّ لَمْ تَبْقَ يَدُهُ يَدَ نِيَابَةٍ فَلَمْ يَضُرَّ الْوَكِيلَ قَابِضًا حُكْمًا فَلَا يُلْزَمُهُ الْأَجْرُ (يَسْتَحِقُّ الْقَاضِي الْأَجْرَ عَلَى كُتُبِ الْوُثَائِقِ) وَالْمَحَاضِرِ وَالسَّجَلَاتِ (قَدَّرَ مَا يَجُوزُ لِغَيْرِهِ كَالْمُفْتَى)

کیونکہ وہ قبضہ میں اس کا نائب ہے۔ پس وہ حکماً قابض ہے۔ یہی حکم ہوگا اگر وکیل نے اجرت جلدی دینے کی شرط لگائی اور گھر پر قبضہ رکھا اور مدت گزر گئی اور آمر نے اس سے گھر کا مطالبہ نہ کیا تو وہ موکل سے اجرت کا مطالبہ کرے گا۔ کیونکہ آمر وکیل کے قبضہ کرنے کے ساتھ قابض ہو جاتا ہے جب تک اس کی جانب منع کرنا ظاہر نہ ہو۔ اگر آمر نے گھر کا مطالبہ کیا اور وکیل نے حوالے کرنے سے انکار کر دیا تا کہ موکل اسے پہلے اجرت دے تو وہ واپسی کا مطالبہ نہیں کرے گا۔ کیونکہ جب اس نے حق کے بدلہ میں گھر کو روک لیا تو اس کا قبضہ محاضرات اور سجلات لکھنے پر اجرت کا مستحق ہوگا اسی قدر جو دوسرے کے لیے اجرت جائز ہے جس طرح مفتی ہوتا ہے۔

”بزازیہ“ میں امام ابو یوسفؒ کا رجوع نفل کیا ہے۔ پھر کہا: صحیح یہ ہے کہ وہ آمر سے مطالبہ نہیں کرے گا یہ استحسان ہے کیونکہ جس کے ساتھ وہ غاصب بن چکا ہے۔ اور غیر مالک سے غصب متصور ہے۔ اس کی مثل خلاصہ وغیرہ میں صاحب المیضہ کے حوالہ سے منقول ہے۔

فرع: آجر نے وکیل کو اجرت بہہ کر دی یا اسے بری کر دیا یہ صحیح ہوگا اور وکیل کو حق حاصل ہوگا کہ وہ آمر کی طرف رجوع کرے۔ ”خلاصہ“۔

مفتی اور قاضی کی دستاویز کی اجرت کا بیان

30189۔ (قوله: يَسْتَحِقُّ الْقَاضِي الْأَجْرَ الْخ) ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ یہ اجرت مدعی کے ذمہ لازم ہے کیونکہ اس کے حق کا احیا ہو رہا ہے اور اس کا نفع اسے حاصل ہو رہا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ مدعی علیہ کے ذمہ ہے۔ کیونکہ وہ اس کے جبریتاً ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جو کا تب کو اجرت پر لیتا ہے اگرچہ اسے کسی نے حکم نہ دیا ہو۔ اور قاضی نے اسے حصر دیا ہو تو جو تبس لے گا اجرت اس کے ذمہ ہوگی۔ اسی پر قیاس کرتے ہوئے صکا ک (وثیقہ نویس) کی اجرت اس کے ذمہ ہوگی جو صک وصول کرتا ہے۔ یہ ہمارے عرف میں ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: عرف کا اعتبار ہوگا، ”جامع الفصولین“۔ ”منہج“ میں ”زاهدی“ سے مروی ہے: یہ اس صورت میں ہے جب بیت المال میں کوئی شے نہ ہو۔ تامل

30190۔ (قوله: قَدَّرَ مَا يَجُوزُ لِغَيْرِهِ) ”جامع الفصولین“ میں ہے: قاضی کے لیے وہ لینا جائز ہے جو کسی اور کے لیے جائز ہے۔ اور یہ جو قول کیا گیا ہے ہر ہزار میں پانچ درہم ہم اس کا قول نہیں کرتے اور نہ ہی یہ فقہ کے مناسب ہے ثمن کی

فَإِنَّهُ يَسْتَحِقُّ أَجْرَ الْبَثْلِ عَلَى كِتَابَةِ الْفُتْوَى؛ لِأَنَّ الْوَاجِبَ عَلَيْهِ الْجَوَابُ بِاللِّسَانِ دُونَ الْكِتَابَةِ بِالْبَنَانِ، وَمَعَ هَذَا الْكَفِّ أُولَى احْتِرَازًا عَنِ الْقِيلِ وَالْقَالِ وَصِيَانَةً لِبَاءِ الْوَجْهِ عَنِ الْإِبْتِدَالِ بَزَازِيَّةٍ، وَتَسَامُهُ فِي قَضَاءِ الْوَهْبَانِيَّةِ وَفِي الصَّيْرِفِيَّةِ حَكَمٌ وَطَلَبُ أَجْرَةٍ لِيَكْتُبَ شَهَادَتَهُ جَازًا، وَكَذَا الْمُفْتَى لَوْ فِي الْبَلَدَةِ غَيْرُهُ، وَقِيلَ مُطْلَقًا؛ لِأَنَّ كِتَابَتَهُ لَيْسَتْ بِوَاجِبَةٍ عَلَيْهِ وَفِيهَا اسْتِثْنَاءُ أَجْرَةٍ لِيَكْتُبَ لَهُ تَعْوِذًا لِأَجْلِ السِّحْرِ جَازًا إِنْ بَيَّنَّ قَدَرُ الْكَاغِدِ وَالْخَطِّ

کیونکہ وہ فتویٰ لکھنے پر اجرت مثلی کا مستحق ہوتا ہے۔ کیونکہ اس پر واجب زبان سے فتویٰ دینا ہے پوروں سے لکھ کر دینا نہیں اس کے باوجود اجرت لینے سے رک جانا یہ اولیٰ ہے تاکہ قیل وقال سے بچا جائے اور اپنی وجاہت کی حفاظت کی جائے۔ ”بزازیہ“۔ اس کی مکمل وضاحت قضاء ”الوہبانیہ“ میں ہے۔ ”صیرفیہ“ میں ہے: اس نے فیصلہ کیا اور اجرت طلب کی تاکہ اس کی شہادت لکھے تو یہ جائز ہے۔ اسی طرح اگر مفتی کسی اور شہر میں ہو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مطلقاً ایسا کر سکتا ہے کیونکہ اس کی کتاب اس پر واجب نہیں۔ اس میں ہے: ایک آدمی نے دوسرے کو اجرت پر لیا تاکہ جادو کے توڑ کے لیے اس کے لیے تعویذ لکھے اگر کاغذ اور خط کی

زیادتی میں کاتب کو کیا مشقت لاحق ہوتی ہے؟ بے شک اس کی اجرت مثلی اس کی مشقت کی مقدار اور اس کی صنعت میں اس کے عمل کی مقدار کے مطابق ہوتی ہے جیسے حاک (رگڑائی کرنے والا) اور ثقاب (سوراخ کرنے والا) ہے وہ تھوڑی سی مشقت میں کثیر اجرت کے ساتھ اجرت پر لیے جاتے ہیں۔ ایک فاضل نے کہا: اس سے یہ فہم دلایا ہے کہ زائد اجرت لینا جائز ہے اگرچہ عمل کی مشقت قلیل ہو اور ان کی توجہ جس کے لیے وہ چیز لکھی جا رہی ہے اس کی منفعت کی طرف ہے۔

میں کہتا ہوں: یہ امر اسے اجرت مثل سے خارج نہیں کرتا کیونکہ جو آدمی اس عمل کے لیے فارغ رہتا ہے جس طرح جو موتیوں میں سوراخ کرتا ہے مثلاً وہ اپنی مشقت کی مقدار کے مطابق اجرت نہیں لیتا۔ کیونکہ یہ اس کی مؤنت کے قائم مقام نہیں اگر ہم اس پر اسے لازم کر دیں تو اس صنعت کا ضائع ہونا لازم آجائے پس یہ اس کی اجرت مثلی ہوگی۔

30191۔ (قوله: لِيَكْتُبَ شَهَادَتَهُ) شاید اس سے مراد وہ تحریر ہو جو وثیقہ پر لکھی جاتی ہے ورنہ کلام قاضی کے متعلق

ہو رہی ہے شاہد کے متعلق نہیں ہو رہی۔ ”ط“۔

30192۔ (قوله: وَقِيلَ مُطْلَقًا) یعنی اگر اس شہر میں اس کے علاوہ کوئی نہ ہو۔ متن میں جو گزرا ہے۔ یہی اس کا ظاہر

ہے۔ اس کی وجہ مذکورہ تعلیل کی وجہ سے ظاہر ہے۔

30193۔ (قوله: لِأَجْلِ السِّحْرِ) یعنی سحر کو باطل کرنے کے لیے ورنہ جادو بذات خود معصیت ہے بلکہ کفر ہے اس پر

کسی کو اجرت پر لینا صحیح نہیں۔

30194۔ (قوله: إِنْ بَيَّنَّ قَدَرُ الْكَاغِدِ) تاکہ اس کی مقدار ظاہر ہو جائے چوڑائی کی صورت میں سطور کی جتنی

گنجائش ہے۔ بعض کلمات میں جو تفاوت کی زیادتی ہے وہ معاف ہے۔ ان کا قول: والحظ ظاہریہ ہے کہ اس سے مراد سطروں

وَكَذَا الْمَكْتُوبُ (الْمُسْتَأْجِرُ لَا يَكُونُ خَصْمًا لِمُدَّعِي الْإِجَارَةِ وَالرَّهْنِ وَالشِّرَاءِ) : لِأَنَّ الدَّعْوَى لَا تَكُونُ إِلَّا عَلَى مَالِكِ الْعَيْنِ (بِخِلَافِ الْمُشْتَرَى) وَالْمَوْهُوبِ لَهُ لِمِلْكِهِمَا الْعَيْنِ، وَهَلْ يُشْتَرَطُ حُضُورُ الْآجِرِ مَعَ الْمُشْتَرَى قَوْلَانِ (وَتَصَحُّ الْإِجَارَةُ وَفَسْخُهَا وَالْمُزَارَعَةُ وَالْمُعَامَلَةُ وَالْمُضَارَبَةُ وَالْوَكَالَةُ وَالْكَفَالَةُ وَالْإِيصَاءُ وَالْوَصِيَّةُ وَالْقَضَاءُ وَالْإِمَارَةُ وَالطَّلَاقُ وَالْعَتَاقُ وَالْوَقْفُ) حَالِ كَوْنِ كُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُ ذِكْرَ (مُضَافًا) إِلَى الزَّمَانِ الْمُسْتَقْبَلِ كَأَجَرْتِكَ أَوْ فَاسَخْتُكَ رَأْسَ الشَّهْرِ صَحَّ بِالْإِجْمَاعِ (لَا) يَصَحُّ مُضَافًا لِلْمُسْتَقْبَلِ كُلُّ مَا كَانَ تَبْدِيكًا لِلْحَالِ مِثْلُ (الْبَيْعِ وَإِجَارَتِهِ وَفَسْخِهِ وَالْقِسْمَةِ وَالشَّرِكَةِ وَالْهِبَةِ وَالنِّكَاحِ وَالرَّجْعَةِ وَالضُّدْحِ

مقدار بیان کردے تو یہ جائز ہوگا یہی حکم خط کا ہے۔ اجرت پر دینے، رہن اور خریداری کے مدعی کا خصم مت جرنہیں ہوگا۔ کیونکہ دعویٰ عین کے مالک پر ہوتا ہے۔ مشتری اور موهوب لہ کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ دونوں عین کے مالک ہیں۔ یہ مشتری کے ساتھ آجر کا حاضر ہونا شرط ہے؟ اس بارے میں دو قول ہیں۔ اجارہ کرنا، اس کا فسخ کرنا، مزارعت، معامہ، مضاربہ، وکالت، کفالت، وصیت کرنا، وصیت، قضا، امارت، طلاق، عتاق اور وقف صحیح ہے اس حال میں کہ ان مذکورہ میں سے ہر ایک زمانہ مستقبل کی طرف منسوب ہو جیسے میں نے تجھے مہینہ کے شروع پر اجرت پر دیا یا تیرے ساتھ اجارہ کو فسخ کیا یہ بالا جماع صحیح ہے۔ ہر وہ چیز جو فی الحال ملکیت عطا کرنے والی ہو اسے زمانہ مستقبل کی طرف منسوب کرنا صحیح نہیں جس طرح بیع، اس کی اجازت دینا، اس کو فسخ کرنا، تقسیم کرنا، شرکت، ہبہ، نکاح، رجوع، مال کے بارے میں نزاع ہو تو صلح

کی تعداد ہے۔ ”ط“۔

30195۔ (قوله: وَكَذَا الْمَكْتُوبُ) یعنی جب وہ ایک آدمی کو اجرت پر رکھے تاکہ اس کے دوست کی طرف مکتوب لکھ دے یہ جائز ہے جب وہ خط اور کاغذ کی مقدار بیان کر دے۔

30196۔ (قوله: بِخِلَافِ الْمُشْتَرَى) کیونکہ مشتری ہر کسی کا خصم (مدمقابل) ہوتا ہے۔ ”منح“۔

30197۔ (قوله: هَلْ يُشْتَرَطُ الْخ) ”المنح“ میں کہا: ”صغریٰ“ میں جو قول ہے کہ مشترک مستاجر کا خصم نہیں ہوتا اس سے مراد ہوتا ہے وہ اکیلے خصم نہیں ہوتا، بلکہ دوسرے فرد کا حاضر ہونا ضروری ہوتا ہے۔ ”بزازیہ“ میں ”فتاویٰ قاضی خان“ سے جو قول منقول ہے وہ اس کے خلاف ہے۔ ایک آدمی نے اجرت پر دیا پھر اس نے بیچ دیا اور اسے سپرد دیا تو مشتری کی جانب سے مستاجر کا دعویٰ سنا جائے گا اگرچہ آجر غائب ہو لیکن اس کے بعد وہ نقل کیا ہے جو اس کے موافق ہے جو ”صغریٰ“ میں ہے۔ پس فتویٰ کے وقت غور کیا جانا چاہیے۔ ملخص

30198۔ (قوله: وَالْمُعَامَلَةُ) یعنی مساقات۔

30199۔ (قوله: كُلُّ مَا كَانَ تَبْدِيكًا لِلْحَالِ) یعنی فی الحال اس کا نفاذ ممکن ہے تو اس کو زمانہ مستقبل کی طرف منسوب

عَنْ مَالٍ وَإِبْرَاءِ الدِّينِ) وَقَدْ مَرَّرْنَا مُتَفَرِّقَاتِ الْبُيُوعِ (ذَاذَ أَجْرُ الْمِثْلِ فِي نَفْسِهِ مِنْ غَيْرِ أَنْ يُزِيدَ أَحَدٌ فَلْيُسْتَوَى فُسْخُهَا وَمَا لَمْ يُفْسَخْ كَانَ عَلَى الْمُسْتَأْجِرِ الْمُسْتَسَى) بِهِ يُفْتَى (فُسْخَ الْعَقْدِ بَعْدَ تَعْجِيلِ الْبَدَلِ فَلْيُسْعَجِلْ حَبْسُ الْمُبَدَّلِ حَتَّى يَسْتَوِيَ مَالُهُ مِنَ الْمُبَدَّلِ) وَصَحِيحًا كَانَ الْعَقْدُ أَوْ فَاسِدًا لَوْ الْعَيْنُ فِي يَدِ الْمُسْتَأْجِرِ فَلْيُحْفَظْ (اِسْتَأْجَرَ مَشْغُولًا وَفَارِغًا صَحَّ فِي الْفَارِغِ فَقَطْ) لَا الْمَشْغُولِ كَمَا مَرَّ، لَكِنْ حَرَّرَ مُحَشَّى الْأَشْبَاهِ أَنَّ الرَّاجِحَ صِحَّةُ إِجَارَةِ الْمَشْغُولِ،

اور دین سے بری کرنا۔ متفرقات البیوع میں یہ قول گزر چکا ہے۔ کسی کے زائد کیے بغیر اجرت مثلی بڑھ گئی تو متولی کو اجارہ فسخ کرنے کا حق ہے جب تک متولی فسخ نہ کرے مستاجر پر وہی اجرت لازم ہوگی جو معین کی گئی۔ اسی پر فتویٰ دیا جاتا ہے۔ بدل اجارہ پہلے وصول کرنے کے بعد موجر نے عقد اجارہ کو فسخ کر دیا پس جس نے اجرت پہلے دی ہے اسے مبدل کو روک لینے کا حق ہے یہاں تک کہ مبدل میں سے اپنا مال پورا لے لے۔ عقد اجارہ صحیح ہو یا فاسد ہو اگر عین مستاجر کے قبضہ میں ہو پس اس کو یاد رکھنا چاہیے۔ ایک آدمی نے مشغول اور فارغ چیز کو اجرت پر لیا تو صرف فارغ چیز میں اجارہ صحیح ہوگا مشغول میں اجارہ صحیح نہیں ہوگا جس طرح گزر چکا ہے۔ لیکن محشی ”الاشباہ“ نے واضح کیا ہے کہ رائج قول مشغول کے اجارہ کا صحیح ہونا ہے

کرنا ممکن نہیں۔ فصل اول کا معاملہ مختلف ہے کیونکہ اجارہ اور جو اس کی مثل ہے فی الحال اس کا مالک بنانا ممکن نہیں اسی طرح وصیت ہے جہاں تک امامت اور قضا کا تعلق ہے وہ ولایت کے باب میں سے ہے اور کفالت التزام کے باب میں سے ہے۔ ”زیلعی“۔ 30200۔ (قوله: وَإِبْرَاءِ الدِّينِ) یہ کفالت سے بری کرنے سے احتراز ہے۔ پس بعض علماء کے نزدیک اس کو زمانہ کی طرف مضاف کرنا صحیح ہے۔ ”طحاوی“ نے ”حموی“ سے نقل کیا ہے۔

30201۔ (قوله: بِهِ يُفْتَى) اس کی صورت یہ ہے کہ مقول کو فسخ کرنے کا حق حاصل ہے۔ پس ان پر لازم تھا کہ اس کے بعد ذکر کرتے جس طرح باب مایجوز من الاجارة سے تھوڑا پہلے السوادہ میں کیا ہے۔

30202۔ (قوله: أَوْ فَاسِدًا) یہ اس کے موافق ہے جسے باب مایجوز من الاجارة سے تھوڑا پہلے ذکر کیا ہے کہ وہ غرماء پر مقدم ہوگا اور اس کے ظاہر کے مخالف ہے جسے فان عقدها لغیره سے تھوڑا پہلے ذکر کیا ہے۔ ہم نے اس کی تاویل پہلے ذکر کر دی ہے۔

30203۔ (قوله: اِسْتَأْجَرَ مَشْغُولًا وَفَارِغًا الْخ) باب مایجوز کے شروع میں یہ پہلے گزر چکا ہے۔

30204۔ (قوله: لَكِنْ حَرَّرَ مُحَشَّى الْأَشْبَاهِ الْخ) کیونکہ کہا: مصنف نے جو ذکر کیا ہے چاہیے کہ اسے اس پر

محمول کیا جائے جسے ”قاضی خان“ نے ذکر کیا ہے۔ وہ یہ ہے کہ اگر وہ غیر منقولہ چیز اجرت پر لے لے اس کا بعض فارغ ہو اور اس کا بعض مشغول ہو۔ ”ابن الفضل“ نے کہا: اجارہ فارغ مشغول میں جائز ہے۔ کیونکہ جب اس نے ایک گھر اجرت پر لیا جو مشغول تھا تو وہ جائز نہیں اور اسے فارغ کرنے اور سپرد کرنے کا حکم دیا جائے گا۔ اسی پر فتویٰ ہے جس طرح ”الخانیہ“ میں

وَيَوْمَرُ بِالتَّفْرِيعِ وَالتَّسْلِيمِ مَا لَمْ يَكُنْ فِيهِ ضَرَرٌ فَلَهُ الْفَسْخُ فَتَتَبَهُ (اِسْتَأْجَرَ شَاةً لِإِزْصَاعٍ وَلَدِهِ أَوْ جَدِيَّةً لَمْ يَجُنْ لِعَدَمِ الْعُرْفِ) (الْمُسْتَأْجِرُ فَاسِدًا إِذَا آجَرَ صَحِيحًا جَازَتْ) لَوْ بَعْدَ قَبْضِهِ فِي الْأَصَحِّ مُنِيَّةٌ (وَقِيلَ لَا) وَتَقَدَّمَ الْكُلُّ، وَالْكُلُّ فِي الْأَشْبَاهِ فُرُوعٌ أَعْلَمَ أَنَّ الْمُقَاطَعَةَ إِذَا وَقَعَتْ بِشُرُوطِ الْإِجَارَةِ فَهِيَ صَحِيحَةٌ:

اور موجر کو حکم دیا جائے گا کہ وہ اسے فارغ کر دے اور مستاجر کے حوالے کر دے جب تک اس میں ضرر نہ ہو۔ اگر ایسا ہو تو اسے اجارہ فسخ کرنے کا حق ہوگا۔ پس اس پر متنبہ ہو جائیے۔ ایک آدمی نے ایک بکری اجرت پر لی تاکہ اپنے بچے کو دودھ پلائے یا اپنے محسن کو دودھ پلائے یہ عقد جائز نہیں۔ کیونکہ یہ عرف نہیں۔ فاسد اجارہ کے ساتھ اجرت پر لینے والا اگر صحیح اجارہ کرے اگر قبضہ کے بعد وہ عقد اجارہ کرے تو یہ صحیح ہوگا۔ ”منیہ“۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ اجارہ صحیح نہ ہوگا یہ سب پہلے گزر چکا ہے اور سب ”الاشباہ“ میں ہے۔ فروع: یہ جان لو کہ مقاطعہ اگر اجارہ کی شرطوں کے ساتھ ہو تو اجارہ صحیح ہوگا۔

ہے۔ پس ان کی کلام کو صرف جائیداد پر محمول کرنا متعین ہو گیا۔

”حاشیہ البیری“ میں ”جوامع الفقہ“ سے مروی ہے: گھر آجر کے سامان میں مصروف تھا اور زمین میں کھیتی موجود ہے ایک قول یہ یہ گیا: اجارہ صحیح نہیں جب کہ صحیح قول یہ ہے کہ اجارہ صحیح ہے۔ لیکن اجرت اس وقت تک واجب نہ ہوں جب تک وہ فارغ کر کے اسے سپرد نہ کیا جائے یا اس کے ہاتھ وہ اسے بیچ دے اگر گھر کو فارغ کر دیا اور اسے سپرد کر دیا تو اجرت لازم ہوگی۔

30205۔ (قوله: مَا لَمْ يَكُنْ فِيهِ ضَرَرٌ) جس طرح جب کھیتی ابھی کاٹی نہ گئی ہو۔

30206۔ (قوله: فَلَهُ الْفَسْخُ) یہ منفی پر تفریع ہے اور وہ یکن ہے۔

30207۔ (قوله: لِعَدَمِ الْعُرْفِ) کیونکہ یہ اجارہ عین کے تلف کرنے پر واقع ہوا ہے جب کہ یہ باب الاجارۃ

الفاسدة میں دایہ کو اجرت پر رکھنے میں گزر چکا ہے۔

30208۔ (قوله: الْمُسْتَأْجِرُ فَاسِدًا إِذَا آجَرَ صَحِيحًا) باب الاجارۃ الفاسدة کے شروع میں یہ گزر چکا ہے۔

30209۔ (قوله: وَتَقَدَّمَ الْكُلُّ) یعنی یہ تمام مسائل۔ میں نے ان کے مواضع میں انہیں بیان کر دیا ہے۔

30210۔ (قوله: بِشُرُوطِ الْإِجَارَةِ) مگر لوگ جو اس زمانہ میں کرتے کہ جسے اس کی ولایت حاصل ہوتی ہے وہ اس

کی ضمانت کسی آدمی کے لیے معلوم مال کے عوض اٹھا لیتا ہے تاکہ اس کے لیے خراج مقام وغیرہ ہو تو وہ باطل ہے۔ کیونکہ اجارہ صحیح نہیں کیونکہ یہ قصد اعیان کے اتلاف پر واقع ہو رہا ہے نہ ہی بیع کے طور پر صحیح ہے کیونکہ وہ معدوم ہے جس طرح ”ذخیرہ“ میں اسے بیان کیا ہے۔

وقف کی اراضی کا اجارہ اور جس کو وقف کی گئی ہے کی موت کے ساتھ

اس کے منسوخ ہونے کا بیان

30211۔ (قوله: فَهِيَ صَحِيحَةٌ) امامہ ”قاسم“ سے سوال کیا گیا: کیا سپاہی کو حق حاصل ہے کہ امام نے بیت المال

لَاِنَّ الْعِبْرَةَ لِلْمَعَانِي وَقَدْ مَنَّا فِي الْجِهَادِ صَحَّ اسْتِجَارُ قَلَمٍ بَبَيَانِ الْأَجْرِ وَالْمُدَّةِ اسْتِجَارَ شَيْئًا لِيَنْتَفِعَ بِهِ خَارِجَ الْبَصْرِ فَاتْتَفَعَ بِهِ فِي الْبَصْرِ، فَإِنْ كَانَ ثَوْبًا لَزِمَ الْأَجْرُ، وَإِنْ كَانَ دَابَّةً لَا سَاقَهَا وَلَمْ يَرْكَبْهَا لَزِمَ الْأَجْرُ إِلَّا لِعُذْرِ بِهَا أخطاءُ الْكَاتِبِ فِي الْبَعْضِ،

کیونکہ اعتبار معانی کا ہوتا ہے۔ ہم کتاب الجہاد میں اسے بیان کر چکے ہیں اجرت اور مدت کے بیان کرنے کے ساتھ قلم کو اجارہ پر لینا صحیح ہے۔ کوئی چیز اجرت پر لی تاکہ اس سے شہر سے باہر نفع حاصل کرے تو اس نے اس سے شہر میں نفع حاصل کیا اگر وہ پتھر ہو تو اجرت لازم ہوگی اگر وہ سواری ہو تو اجرت نہیں ہوگی۔ ایک آدمی نے اس جانور کو ہانکا اور اس پر سوار نہ ہوا تو اجرت دوسرے پر ہوگی مگر جب اس میں عذر ہو تو اجرت لازم نہ ہوگی۔ کاتب نے بعض میں خطا کی

کی اراضی میں سے جو اس کے لیے خاص کی ہیں کیا وہ اسے اجرت پر دے سکتا ہے؟

اس نے جواب دیا ہے: ہاں اسے حق حاصل ہے اور کوئی مدت نہیں ہوگی کیونکہ یہ جائز ہے کہ امام اسے مدت کے دوران خارج کر دے جس طرح کوئی مدت نہیں۔ کیونکہ یہ جائز ہے موجد اجارہ کی مدت کے دوران فوت ہو جائے۔ جب وہ مر جائے یا امام اسے خارج کر دے تو اجارہ منسوخ ہو جائے گا۔ ملخص

میں کہتا ہوں: ہم نے اس کے اجارہ کی مدت میں بحث پہلے کتاب الاجارہ کے شروع میں ان کے قول: ولم تزد في الاوقاف عى ثلاث سنين کے ہاں کر دی ہے۔ کیا اجارہ منسوخ ہو جائے گا اگر موجد کسی اور کے لیے فارغ کر دے اور سلطان مفروغ کو اس کے لیے ثابت کر دے پہلے کو خارج کی وجہ سے وہ متضمن ہے یا متضمن نہیں جس طرح بیع ہے؟ میں نے اسے نہیں دیکھا۔ پس کتب کی طرف رجوع کیا جائے۔ یہ حادثۃ الفتویٰ ہے۔ پھر میں نے اپنے مشائخ کے شیخ ”سامحانی“ کو دیکھا وہ اپنی کتاب ”الفتاویٰ النعمیہ“ میں فارغ ہونے اور مدت کی صورت میں اجارہ کے منسوخ ہونے کا ذکر کیا ہے جب کہ یہاں کے قول من عقد الاجارة لغيره لا تنفسخ بهوته کو کیل سے ماخوذ ہے۔ کیونکہ انہوں نے غیر کے لیے اجارہ کیا اور غیر کے لیے اجرت پر لیا۔ کہا: یہاں اس نے اپنے لیے اجارہ کیا۔ بعض اوقات جس کے لیے عقد ہوتا ہے اس کے لیے ضرر کا باعث ہوتا ہے اگر وہ اجارہ منسوخ نہ ہو۔ تامل

30212۔ (قوله: اسْتِجَارُ قَلَمٍ) ”تاتر خانہ“ میں ہے: ایک آدمی نے قلم اجرت پر لیا تاکہ اس کے ساتھ رکھے اگر اس کے لیے وقت بیان کر دیا تو اجارہ صحیح ہوگا۔ ورنہ اجارہ صحیح نہ ہوگا۔ ”نوازل“ میں ہے: جب وقت اور کتابت کو بیان کیا تو اجارہ صحیح ہوگا۔

30213۔ (قوله: لَزِمَ الْأَجْرُ) فقیہ نے کہا: کپڑے میں اس نے عقد اجارہ میں خیر کے حصول کی طرف مخالفت کی ہے اور دابہ میں شر کے حصول کی طرف مخالفت کی ہے۔ کیونکہ وہ جانور میں مکان کے ذکر کا اور کپڑے میں وقت کے ذکر کا محتاج ہے۔ ”بزازیہ“، فتاویٰ

30214۔ (قوله: إِلَّا لِعُذْرِ بِهَا) کیونکہ وہ سوار ہونے پر قادر نہیں جس طرح ”غایۃ البیان“ میں ہے۔

إِنْ الْخَطَأُ فِي كُلِّ وَرَقَةٍ خَيْرٌ إِنْ شَاءَ أَخَذَهُ وَأَعْطَى أَجْرَ مِثْلِهِ أَوْ تَرَكَهُ عَلَيْهِ وَأَخَذَ مِنْهُ الْقِيَمَةَ، وَإِنْ فِي الْبَعْضِ أَعْطَاهُ بِحِسَابِهِ مِنَ الْمُسْتَسَى الصَّيْرِقِيِّ بِأَجْرٍ، إِذَا ظَهَرَتْ الزِّيَادَةُ فِي الْكُلِّ اسْتَرْدَ الْأَجْرَةَ، وَفِي الْبَعْضِ بِحِسَابِهِ إِنْ دَلَّنِي عَلَى كَذَابِهِ كَذًا فَدَلَّهُ فَلَهُ أَجْرُ مِثْلِهِ إِنْ مَشَى لِأَجْلِهِ

اگر خطا ہر ورقہ میں ہو تو اسے اختیار دیا جائے گا اگر چاہے تو اسے لے لے اور اسے اجرت مثلی دے دے یا اسے اسی پر چھوڑ دے اور اس سے قیمت لے لے اگر بعض اوراق میں غلطیاں ہوں تو معین اجرت میں سے اس کے حساب سے عطا کرے۔ صیرفی پر کھنے کی اجرت لیتا ہے جب تمام میں کھوٹ ظاہر ہو گیا تو اجرت واپس لے لے گا اور بعض میں اس کے حساب سے اجرت لے گا۔ اگر اس نے مجھے فلاں پر راہنمائی کی تو اس کے لیے اتنا ہے اگر اس کی وجہ سے چلا تو اس کے لیے اجرت مثلی ہوگی۔

30215۔ (قوله: وَأَعْطَى أَجْرَ مِثْلِهِ) اور مسکمی سے وہ اجرت متجاوز نہ ہو۔ ”ولو ابھیہ“۔

30216۔ (قوله: وَأَخَذَ مِنْهُ الْقِيَمَةَ) یعنی کاغذ اور روشنائی کی قیمت لے لے۔

30217۔ (قوله: أَعْطَاهُ بِحِسَابِهِ مِنَ الْمُسْتَسَى) یہ حکم اس میں ہے جس میں اس نے صائب لکھا اور جس میں اس نے خطا کی اس میں اسے اجرت مثلی دے گا۔ کیونکہ اس نے بعض میں موافقت کی اور بعض میں مخالفت کی۔ ”ولو ابھیہ“ میں اسے ذکر کیا ہے۔

30218۔ (قوله: اسْتَرْدَ الْأَجْرَةَ الْخ) کیونکہ مستاجر نے اسے اجرت اس لیے دی تھی تاکہ عمدہ میں سے کھوئے

الگ کرے۔

دینے والا انکار کر دے اور کہے: یہ میرے دراہم میں سے نہیں تو قول قابض کا ہوگا

”ذخیرہ“ میں ہے اگر دینے والا انکار کر دے اور کہے: یہ میرے دراہم میں سے نہیں تو قول قابض کا قوی ہوگا۔ کیونکہ اگر قابض اصلاً انکار کر دے تو قبول قابض کا معتبر ہوگا۔

کسی آدمی کی چیز گم ہو گئی تو اس نے کہا جس نے میری اس پر راہنمائی کی تو اس کیلئے اتنے دراہم

30219۔ (قوله: إِنْ دَلَّنِي الْخ) ”الاشباہ“ کی عبارت ہے: اگر تو نے میری راہنمائی کی۔ ”بزازیہ“ اور ”ولو ابھیہ“

میں ہے: ایک آدمی ہے جس کی شے گم ہو گئی تو اس نے کہا: جس نے میری اتنے پر راہنمائی کی تو اس کے لیے اتنے ہیں تو اس کی دو صورتیں ہیں۔ اگر وہ عموم کے طریقہ پر کہے: اس کی صورت یہ ہے کہ کہے: جس نے میری راہنمائی کی تو اجارہ باطل ہوگا۔ کیونکہ دلالت اور اشارہ ایسے عمل نہیں جس کے ساتھ وہ اجرت کا مستحق ہو اگر وہ علی سبیل الخصوص کہے اس کی صورت یہ ہے کہ وہ کسی معین آدمی کو کہے: اگر تو نے میری فلاں پر راہنمائی کی تو تیرے لیے اتنے ہیں۔ اگر وہ اس کے لیے چلا اور اس کی راہنمائی کی تو اس کے لیے اس کے لیے چلنے کی وجہ سے اجرت مثلی ہوگی۔ کیونکہ یہ ایسا عمل ہے جو عقد اجارہ کے ساتھ لازم ہو جاتا ہے مگر وہ کسی مقدار کے ساتھ مقدار نہیں پس اجرت مثلی واجب ہوگی۔ اگر وہ چلے بغیر راہنمائی کر دے تو یہ اور اول برابر ہیں۔

مَنْ دَلَّنِي عَلَى كَذَابِهِ كَذَابٌ فَهُوَ بَاطِلٌ وَلَا أَجْرَ لِمَنْ دَلَّهُ إِلَّا إِذَا عَيَّنَ الْمَوْضِعَ اسْتَأْجَرَكَ لِحَفْرِ حَوْضٍ

جس نے میری فلاں پر رہنمائی کی تو اس کے لیے اتنے ہیں تو یہ باطل ہے اور جس نے راہنمائی کی اس کے لیے کوئی اجرت نہیں ہے مگر جب جگہ کو معین کر دے۔ ایک آدمی نے وہ درودہ حوض کھودنے کے لیے

”سیر کبیر“ میں کہا: سریہ کے امیر نے کہا: جس نے فلاں جگہ پر ہماری رہنمائی کی تو اس کے لیے اتنا ہے تو یہ عقد صحیح ہوگا اور رہنمائی کرنے کے ساتھ اجرت متعین ہو جائے گی اور اجرت واجب ہوگی۔

اگر کوئی کہے جس نے میری فلاں پر رہنمائی کی تو اس کے لیے اتنے ہیں تو یہ باطل ہے

30220۔ (قوله: إِلَّا إِذَا عَيَّنَ الْمَوْضِعَ) ”الاشباہ“ میں ”سیر کبیر“ کی کلام کے بعد کہا: اس کا ظاہر یہ ہے کہ معین اجرت واجب ہوگی اور ظاہر یہ ہے کہ اجرت مثلی واجب ہوگی۔ کیونکہ یہاں کوئی عقد اجارہ نہیں۔ دلالت کا مسئلہ جو عموم پر واقع تھا یہ اس کے لیے مخصوص ہے۔ کیونکہ اس نے موضوع کو بیان کر دیا ہے یعنی عموم پر جو دلالت تھی وہ باطل ہو جائے گی مگر جب اس نے موضوع کو معین کر دیا پس یہ مخصوص ہے یہ ”سیر“ کی کلام سے ماخوذ ہے۔ کیونکہ امیر کا قول فلاں جگہ پر اس میں اس کی تعیین ہے۔ جس کی شے گم ہو جائے اس کا معاملہ مختلف ہے۔ وہ کہے: جس نے میری فلاں پر رہنمائی کی یعنی اس گم شدہ چیز پر راہنمائی کی تو یہ صحیح نہیں۔ کیونکہ جگہ کی تعیین نہیں مگر جب اس کے نامہ کے ساتھ اس کی تعریف بیان کر دے اور اس کی بعینہ پہچان نہ کرائے پس اس نے کہا: جس نے فلاں جگہ میری میرے جانور پر راہنمائی کی تو وہ امیر کے مسئلہ کی طرح ہے۔ شارح کے قول: الا اذا عين الموضع اور ”الاشباہ“ کے قول: والظاهر وجوب اجر المثل الخ کا یہی معنی ہے۔ اس کا حاصل وہ بحث ہے جو ”السیر“ کے کلام میں ہے۔ کیونکہ جب وہ عام ہے تو کوئی قابل نہ پایا گیا جو عقد کو قبول کرے پس عقد منتهی ہو گیا۔ میں کہتا ہوں: جب عقد اصلاً منتهی ہو گیا تو ظاہر یہ تھا یہ کہا جاتا: کوئی چیز واجب نہیں ہوگی جس طرح گم شدہ کے مسئلہ میں ہے۔

جو انہوں نے کہا اس کا جواب وہ ہے جسے شیخ ”شرف الدین“ نے ذکر کیا ہے یہ شخص متعین ہو جاتا ہے اور عقد اس کے حاضر ہونے اور امیر کا خطاب قبول کرنے سے ثابت ہو جاتا ہے اس چیز کے ساتھ جو ذکر کیا گیا ہے پس معین اجرت واجب ہو جائے گی۔ کیونکہ عقد دو معین اشخاص کے درمیان معلوم فعل کے لیے متحقق ہو گیا۔ مگر جب فعل معلوم نہ ہو جس طرح گم شدہ چیز کا مسئلہ ہے تو کوئی شے واجب نہ ہوگی یہ صورت مختلف ہوگی جب شخص اس وقت چلنے پر عقد کے وقوع کے لیے معین ہو جائے لیکن وہ غیر مقدر ہے پس اجرت مثلی واجب ہوگی۔ پس تینوں مسائل کے درمیان فرق ظاہر ہو گیا۔ ”الاشباہ“ کے بعض محشیوں پر یہ امر مخفی رہا تو وہ اشتباہ میں جا پڑا۔ ہاں یہ کہنا ممکن ہے ان کے حاضر ہونے والا اور گم شدہ چیز کے مالک کے خطاب و قبول کرنے سے شخص کیوں متعین نہ ہوا جس طرح امیر کا مسئلہ ہے۔ پس چلنے پر عقد متعین ہو جاتا ہے اگرچہ وہ جگہ کی تعیین نہ کرے جس طرح وہ معین کو خطاب کرے۔ فلیتأمل

عَشْرَةً فِي عَشْرَةٍ وَبَيَّنَّ الْعُنُقَ فَحَفَرَ خُمُسَةً فِي خُمُسَةٍ كَانَ لَهُ رُبْعُ الْأَجْرِ الْكُلِّ مِنَ الْأَشْبَاهِ - وَفِيهَا جَاَزٌ اسْتِئْجَارُ طَرِيقٍ لِلْمُرُورِ إِنْ بَيَّنَّ الْمُدَّةَ قُلْتُ وَفِي حَاشِيَتِهَا هَذَا قَوْلُهُمَا وَهُوَ الْمُخْتَارُ شَرْحُ مَجْمَعٍ وَفِي الْاِخْتِيَارِ مَنْ دَلَّنَا عَلَى كَذَا جَاَزٌ؛ لِأَنَّ الْأَجْرَ يَتَعَيَّنُ بِدَلَالَتِهِ وَفِي الْغَايَةِ دَارِي لَكَ إِجَارَةٌ هَبَّةٌ صَحْتُ

کسی کو اجرت پر لیا اور گہرائی کو بیان کر دیا اور اس نے پانچ در پانچ کھودا تو اس کے لیے چوتھائی اجرت ہوگی اور تمام ”الاشباه“ سے لیا گیا ہے۔ اس میں ہے: اگر مدت بیان کر دے تو گزرنے کے لیے راستہ اجرت پر لینا جائز ہے۔ میں کہتا ہوں: اس کے حاشیہ میں ہے: یہ ”صاحبین“ رحمہ اللہ کا قول ہے اور وہی مختار ہے۔ ”شرح مجمع“۔ ”الاختیار“ میں ہے: جس نے ہماری فلاں پر رہنمائی کی تو یہ جائز ہوگا۔ کیونکہ اجر اس کی راہنمائی کے ساتھ متعین ہو جاتا ہے ”الغایہ“ میں ہے: میرا گھرتیرے لیے اجارہ ہبہ ہے تو اجارہ صحیح ہوگا

30221۔ (قوله: عَشْرَةً فِي عَشْرَةٍ) یہ نصب کے ساتھ تمیز ہے تقدیر کلام یہ ہوگی ای مقداراً عشرة طولاً فی عشرة عرضاً۔

30222۔ (قوله: وَبَيَّنَّ الْعُنُقَ) وہ گہرائی اور جگہ کی وضاحت کر دے۔ ”تا ترخانہ“ میں کہا: ضروری ہے کہ وہ جگہ،

کنوئیں کی لمبائی، اس کی گہرائی اور اس کی گولائی واضح کر دے۔ اس کی تمام تفریعات اس میں، فصل نمبر پچیس میں موجود ہیں۔

30223۔ (قوله: كَانَ لَهُ رُبْعُ الْأَجْرِ) کیونکہ وہ درودہ سو ہے اور پانچ در پانچ پچیس ہے۔ پس یہ ایک چوتھائی عمل

ہوا۔ ”اشباه“

30224۔ (قوله: هَذَا قَوْلُهُمَا وَهُوَ الْمُخْتَارُ) کیونکہ ”صاحبین“ رحمہ اللہ کے نزدیک مشترک چیز کا اجارہ صحیح نہیں

لیکن یہ معتد قول کے خلاف ہے جس طرح اجارہ فاسد میں گزرا ہے۔ ”البدائع“ میں ہے: ایک آدمی نے گھر میں سے راستہ

معین وقت کے لیے اجرت پر لیا قیاس میں یہ جائز نہیں۔ ان کا قول ہے کیونکہ بقعہ ممتاز نہیں پس یہ مشترک کا اجارہ ہوگا۔ اور

”صاحبین“ رحمہ اللہ کے نزدیک یہ جائز ہے۔

30225۔ (قوله: مَنْ دَلَّنَا) یہ ”میر کبیر“ کا مسئلہ ہے جب کہ تو یہ جان چکا ہے کہ اس میں معین کردہ اجرت واجب

ہوگی۔ کیونکہ موضع اور عقد کو قبول کرنے والا حاضر ہونے کے ساتھ متعین ہو چکا ہے اگرچہ من کا لفظ عام ہے۔ اور ان کا قول لان

الاجر يتعين یعنی اجرت لازم اور واجب ہو جاتی ہے۔

30226۔ (قوله: إِجَارَةٌ هَبَّةٌ الْخ) ”الولوالجیہ“ میں کہا: اگر اس نے کہا: میرا گھر تیرے لیے ہبہ اجارہ ہے یا

ایک درہم کے بدلے میں ہے یا اجارہ ہبہ ہے پس یہ اجارہ ہوگا۔ جہاں تک پہلی صورت کا تعلق ہے کیونکہ انہوں نے اپنی کلام

کے آخر میں وہ ذکر کیا ہے جس نے اس کے اول کو تبدیل کر دیا ہے اور اس کا اول حصہ عوض کے ذکر کرنے کے ساتھ تعین کا احتمال

رکھتا ہے۔ جہاں تک دوسری صورت کا تعلق ہے کیونکہ پہلے جس کا ذکر کیا گیا تھا وہ معاوضہ تھا پس وہ تبرع کی طرف تبدیل

ہونے کا احتمال نہیں رکھتا۔ اسی وجہ سے اگر اس نے کہا: میں نے بغیر کسی شے کے تجھ سے اجارہ کیا یہ اعادہ نہیں ہوگا اور عاریہ

غَيْرَ لَازِمَةٍ فَلَئِنْ فُسِّخَتْ وَلَوْ بَعْدَ الْقَبْضِ فَلْيُحْفَظْ وَفِي لُزُومِ الْإِجَارَةِ الْبُضَافَةِ تَصْحِيحَانِ أَرِيدُ عَدَمَ لُزُومِهَا بِأَنَّ عَلَيْهِ الْفَتْوَى وَفِي الْمُجْتَبَى لَا تَجُوزُ إِجَارَةُ الْبِنَاءِ وَعَنْ مُحَمَّدٍ تَجُوزُ لَوْ مُنْتَفِعًا بِهِ كَجِدَارٍ وَسَقْفٍ وَبِهِ يُفْتَى وَمِنْهُ إِجَارَةُ بِنَاءِ مَكَّةَ وَكِرَّةُ إِجَارَةِ أَرْضِهَا

جو لازم نہیں پس ہر ایک کو فسخ کرنے کا حق ہوگا اگر قبضہ کے بعد ہو۔ پس اس کو یاد رکھا جانا چاہیے۔ وہ اجارہ جو زمانہ مستقبل کی طرف منسوب ہو اس کے لزوم میں دو یکس ہیں۔ اس اجارہ کے لازم نہ ہونے کی تائید اس لیے کی گئی ہے کہ اس پر فتویٰ ہے۔ ”المجتبیٰ“ میں ہے: عمارت کو اجارہ پر دینا جائز نہیں۔ امام ”محمد“ رحمہ اللہ سے مروی ہے: یہ اجارہ جائز ہے اگر اس سے نفع حاصل کرنا ممکن ہو جیسے دیوار اور چھت۔ اسی پر فتویٰ دیا جاتا ہے۔ اسی سے یہ مکہ مکرمہ کی عمارت کا اجارہ پر دینا ثابت ہوتا ہے اور مکہ مکرمہ کی زمین کو اجارہ پر دینا مکروہ ہے۔

کے لفظ سے اجارہ منعقد ہو جائے گا۔ ملخص

30227۔ (قوله: غَيْرَ لَازِمَةٍ الْخ) ”الاتقانی“ نے کہا: ”المبسوط“ میں یہ ذکر نہیں کیا کہ اجارہ لازم ہوگا یا اجارہ لازم نہیں ہوگا۔ ”ابوبکر بن حامد“ سے یہ حکایت بیان کی گئی ہے۔ کہا: میں ”خصاف“ کے ہاں داخل ہوا اور ہم نے ان سے کچھ فوائد حاصل کیے ان میں سے ایک یہ تھا کہ اجارہ لازم نہیں ہوگا اور ہر ایک کو قبضہ سے پہلے اور قبضہ کے بعد رجوع کا حق ہوگا لیکن جب وہ اس میں سکونت اختیار کرے تو اجرت واجب ہوگی کیونکہ دو لفظوں پر عمل کرنا ممکن ہے تو جس قدر ممکن ہوگا دونوں پر عمل کیا جائے گا جس طرح ایسا ہے جو عوض کی شرط کے ساتھ ہو۔ ملخص

اس کا ظاہر یہ ہے کہ معین اجرت واجب ہوگی ”بیری“ میں ”ذخیرہ“ سے یہ تصریح موجود ہے کہ اجرت مثلی واجب ہوگی۔

30228۔ (قوله: وَفِي لُزُومِ الْإِجَارَةِ الْبُضَافَةِ تَصْحِيحَانِ) لفظ لزوم سے تعبیر کیا ہے کیونکہ اس کے صحیح ہونے میں

کلام نہیں۔ پس یہ اس کے منافی نہیں جسے شارح نے قریب ہی پہلے ذکر کیا ہے کہ بالاجماع اجارہ صحیح ہے۔ فافہم

30229۔ (قوله: بِأَنَّ عَلَيْهِ الْفَتْوَى) کیونکہ ”الغانیہ“ میں ہے: اگر یہ غد کی طرف منسوب ہو پھر وہ کسی اور کو بیچ دے۔

”المشتقی“ میں کہا: اس میں دو روایتیں ہیں فتویٰ اس پر ہے کہ بیع جائز ہوگی اور وہ اجارہ باطل ہوگا جو زمانہ مستقبل کی طرف منسوب ہے۔ یہی ”حلوانی“ کا پسندیدہ قول ہے۔ ہم نے باقی کلام کتاب کے شروع میں ذکر کر دی ہے پھر ظاہر یہ ہے لازم نہ ہونا یہ

جانبین سے ہے صرف موجد کی جانب سے نہیں ہے۔ پس ہر ایک کو فسخ کا حق ہوگا۔ جس طرح ان کے اطلاق کا مقتضا ہے۔ تامل

30230۔ (قوله: وَبِهِ يُفْتَى) اس کی مثل اجارہ فاسدہ کے شروع میں پہلے گزر چکا ہے ہم نے اس پر وہاں کلام کی

ہے ”القنیہ“ میں کہا: ظاہر روایت میں جائز نہیں۔ کیونکہ صرف عمارت سے فائدہ نہیں اٹھایا جاسکتا۔

30231۔ (قوله: وَكِرَّةُ إِجَارَةِ أَرْضِهَا) ”ہدایہ“ میں اسی طرح ہے۔ ”خزانة الاكمل“ میں ہے: اگر مکہ مکرمہ کی

زمین اجرت پردی تو یہ جائز نہیں ہوگا کیونکہ نفس زمین پر کسی کی ملکیت نہیں۔ کہا: اس قول کا مفہوم اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ

وَفِي الْوَهْبَانِيَّةِ

وَفِي الْكُتُبِ وَالْبَازِي قَوْلَانِ وَالْبِنَا
كَأَمِ الْقُرَىٰ أَوْ أَرْضَهَا لَيْسَ تُوجَرُ
وَلَوْ دَفَعَ الدَّلَالُ ثَوْبًا لِتَاجِرٍ
يُقْلِبُهُ لَوَرَا حَ لَيْسَ يُخْسَرُ

”وہبانیہ“ میں ہے: کتے اور باز کے اجارہ میں دو قول ہیں۔ اور مکہ مکرمہ کی عمارت کے اجارہ میں اختلاف ہے۔ کیونکہ اس کی زمین اجرت پر نہیں دی جاتی۔ اگر دلال نے کپڑا تاجر کو دیا جس کپڑے کو وہ لیے پھرتا ہے اگر وہ تاجر اسے لے کر سفر پر جائے تو دلال پر تاوان نہیں۔

عمارت کو اجرت پر دینا جائز ہے ”شرح ابن السخنی“۔

30232۔ (قوله: وَفِي الْوَهْبَانِيَّةِ) اس میں ہے کہ پانچویں شعر اور چوتھے شعر کا دوسرا مصرعہ ”ابن السخنی“ کے اشعار

میں سے ہے اور ”شرنبلائی“ کے اشعار میں سے نہیں ہے جس طرح قول کیا گیا ہے۔

30233۔ (قوله: وَفِي الْكُتُبِ) یعنی شکار یا نگہبانی کا کتا۔

30234۔ (قوله: وَالْبَازِي) یہ لفظ یا کی شد کے ساتھ ہے۔

30235۔ (قوله: قَوْلَانِ) یعنی دو روایتیں ہیں جن دونوں کو قاضی خان نے حکایت کیا ہے (۱) اجرت واجب نہ ہوگی

(۲) اگر معلوم وقت بیان کر دیا تو اجرت واجب ہوگی ورنہ اجرت واجب نہ ہوگی۔ چوبے پکڑنے کے لیے بلی کی اجرت کسی صورت کے لیے جائز نہ ہوگی۔ کیونکہ مستاجر کتا اور باز چھوڑتا ہے پس اس کے چھوڑنے کے ساتھ وہ جاتا ہے پس شکار کرتا ہے اور بلی کا شکار اس کے فعل کے ساتھ ہوتا ہے۔ گھر صاف کرنے کے لیے کسی کو اجرت پر لینے میں اختلاف ہے۔ اس کی مکمل وضاحت ”شرح“ میں ہے۔

30236۔ (قوله: كَأَمِ الْقُرَى) یہ مکہ مشرفہ ہے۔ اس کی عمارت کے اجارہ میں دو قول ہیں اس کی مکمل وضاحت

”شرح“ میں ہے۔ ناظم نے کہا: میں نے اس پر نص قائم کی ہے اس خوف سے کہ یہ وہم نہ کیا جائے کہ یہ جائز نہیں جس طرح مکہ مکرمہ کی زمین کی بیع جائز نہیں۔

30237۔ (قوله: أَوْ أَرْضَهَا) یہ مبتدا ہے اور اس کے بعد والا جملہ اس کی خبر ہے اور او، واؤ مستأنفہ سے ملتی ہیں

ہے۔ تامل

30238۔ (قوله: لَوَرَا حَ الْخِ) اگر تاجر کپڑا لے گیا اور دلال اس کو پانے میں کامیاب نہ ہوا تو وہ ضامن نہیں ہوگا

کیونکہ عام معمول کے مطابق اس طرح کپڑا دینے کی اسے اجازت ہوتی ہے۔ ”قاضی خان“ نے کہا: میرے نزدیک یہ ہے جب وہ اس کام سے الگ ہوگا تو ضامن ہوگا جس طرح دلال اس کپڑے کو اجنبی کے ہاں ودیعت رکھ دے یا اس کے ہاں چھوڑ دے جو خریدنے کا ارادہ رکھتا ہو۔ یہ اشعار اس کا شعور نہیں دلاتے جو ”قاضی خان“ کا پسندیدہ نقطہ نظر ہے۔ ”شرح“۔

وَمَنْ قَالَ قَصْدِي أَنْ أُسَافِرَ فَأُفْسَخَ فَحَلْفُهُ أَوْ فَاسْأَلْ رِفَاقًا لِيذْكُرُوا
وَيُفْسَخُ مِنْ تَرْكِ التِّجَارَةِ مَا اكْتَرَى وَلَوْ كَانَ فِي بَعْضِ الطَّرِيقِ وَمُوجِرٌ
لَهُ فَسْخُهَا لَوَمَاتٍ مِنْهَا مُعَيَّنٌ وَأَطْلَقَ يَعْقُوبُ وَبِالضَّعْفِ يُذْكَرُ
وَإِيجَارُ ذِي ضَعْفٍ مِنَ الْكُلِّ جَائِزٌ

جس نے کہا: میرا ارادہ یہ ہے کہ میں سفر کروں پس تو اجارہ کو فسخ کر دے تو تو اس سے قسم لے یا اس کے ساتھیوں سے سوال کرتا کہ وہ اس کے بارے میں ذکر کریں۔ جس چیز کو کرایہ پر لیا تھا تجارت کے ترک کرنے سے اجارہ فسخ ہوگا اگرچہ وہ بعض راستہ میں ہو اور موجر کے لیے۔ اجارہ فسخ کرنا جائز ہے اگر اونٹوں میں سے معین اونٹ مر جائے امام "ابو یوسف" رحمہ اللہ یعقوب نے اسے مطلق ذکر کیا ہے اور اس قول کو ضعف کے ساتھ ذکر کیا جاتا ہے۔ بیمار آدمی کا تمام مال سے اجارہ کرنا جائز ہے

30239۔ (قوله: وَمَنْ قَالَ الْخ) باب الفسخ میں اس پر گفتگو ہو چکی ہے۔

30240۔ (قوله: فَأُفْسَخَ) یہ لفظ فسخ سے امر کا صیغہ ہے یہ نون کے ساتھ موکد ہے۔ بعض نسخوں میں فامتنح کے الفاظ ہیں یہ الامتحان سے مشتق ہے۔ یہ تحکیم الذی والھیئة کے قول کی طرف اشارہ ہے۔ پہلا قول زیادہ بہتر ہے کیونکہ ان کا قول ہے: فحلفه، فافهم

30241۔ (قوله: مِنْ تَرْكِ التِّجَارَةِ) تجارت ترک کرنے کی وجہ سے اس پر گفتگو پہلے گزر چکی ہے۔

30242۔ (قوله: مَا اكْتَرَى) یہ یفسخ کا مفعول ہے۔

30243۔ (قوله: وَلَوْ كَانَ) ضمیر سے مراد مستاجر ہے یعنی اگر بعض رات میں چلا۔ پس اس کے لیے یہ ظاہر ہوا کہ وہ آگے نہ جائے اسے یہ حق ہوگا جس طرح اس کی وضاحت گزر چکی ہے۔

30244۔ (قوله: وَمُوجِرٌ) یعنی ضعف الموجر یعنی موجر کو حق حاصل ہے کہ جب مریض ہو تو اجارہ کو فسخ کر دے۔ "ابن شحنہ" نے کہا: یہ اس روایت کے خلاف ہے اپنے قول یذکر کے ساتھ اس طرف اشارہ کیا ہے۔ لیکن شارح نے پہلے بیان کر دیا ہے کہ اسی پر فتویٰ دیا جاتا ہے۔ تامل

30245۔ (قوله: بِالضَّعْفِ يُذْكَرُ) یعنی موجر کا ضعف یعنی موجر کو حق حاصل ہے کہ اسے فسخ کر دے جب وہ مریض ہو جائے۔ ابن شحنہ نے کہا: یہ ظاہر روایت کے خلاف ہے اور یذکر کے قول کے اسی کی طرف اشارہ کیا ہے لیکن شارح نے پہلے کہا ہے بہ یفتی۔ تامل۔

30246۔ (قوله: ذِي ضَعْفٍ) یعنی مرض الموت کا مریض۔

30247۔ (قوله: مِنَ الْكُلِّ جَائِزٌ) یہ اس کے تمام مال سے نافذ ہوگا۔ "عمادیہ" میں کہا ہے: مریض منافع میں تبرع

وَلَوْ أَنَّ أَجْرَ الْبِثْلِ مِنْ ذَلِكَ أَكْثَرُ
تَوْفَاهُ لِلْمُسْتَأْجِرِ الْحَبْسُ أَجْدَرُ	وَمَنْ مَاتَ مَذْيُونًا وَأَجْرُ عَقَارِهِ

اگر چہ اجرت مثلی معین اجرت سے زیادہ ہو اور وہ آدمی جو مدیون مر گیا اور اس نے اپنی غیر منقولہ چیز اجرت پر دی ہوئی تھی اور اس کی اجرت لکھی تھی تو مستاجر کے لیے موزوں ہے کہ اس چیز کو روک لے۔

واحسان کرے تو یہ تمام مال سے معتبر ہوں گے۔ کیونکہ یہ موت کے بعد باقی نہیں رہتے یہاں تک کہ وارثوں اور غرباء کے حق متعلق ہو۔ ملخص۔

30248۔ (قوله: مِنْ ذَلِكَ) اس نے آنے والی مدت کے لیے جلدی اجرت لی ہو۔

30249۔ (قوله: وَأَجْرُ عَقَارِهِ) یہ مبتدا ہے واو حالیہ ہے خبر اس کا قول توفاء ہے یعنی مدت مستقبلہ کے لیے پہلے

لے لے۔

30250۔ (قوله: أَجْدَرُ) یعنی مستاجر اس کا غرماء کی بنسبت زیادہ حق دار ہے۔ اگر وہ چیز اسی کے پاس بلاک ہو

جائے تو اس کا دین ساقط نہیں ہوگا۔ رہن کا معاملہ مختلف ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مترجم محمد بوستان غنی عنہ

مدرس دارالعلوم محمدیہ غوثیہ بھیرہ شریف سرگودھا